جواہر عزیزی
اردو ترجمہ
تفسیر عزیزی
تصنیف لطیف:
حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
مترجم:
صاحبزادہ پیر سید محمد محفوظ الحق شاہ چشتی صابری قادری
نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | —— | تفسیر عزیزی (پہلا پارہ) |
| مصنف | —— | شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ |
| مترجم | —— | صاحبزادہ سید محمد محفوظ الحق شاہ صاحب چشتی صابری قادری |
| زیر اہتمام | —— | صاحبزادہ پیر سید محمد محمود الحق شاہ قادری |
| کمپوزنگ | —— | **ورڈز میکر** |
| اشاعت | —— | جمادی الاوّل ۱۴۲۹ھ/جون ۲۰۰۸ء |
| ناشر | —— | سید محمد شجاعت رسول شاہ قادری |
| مطبع | —— | اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور |
| کمپیوٹر کوڈ | —— | 1N-131 |
| قیمت (کامل 4 جلد) | —— | 1200 روپے |

## ملنے کے پتے

| | | |
|---|---|---|
| ضیاء القرآن پبلی کیشنز<br>انفال سنٹر اردو بازار کراچی<br>021-2630411 | مکتبہ غوثیہ ہول سیل<br>پرانی سبزی منڈی کراچی<br>021-4910584 | مكتبة المدينه<br>فیضان مدینہ کراچی<br>021-4126999 |
| احمد بک کارپوریشن<br>اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی<br>051-5558320 | اسلامک بک کارپوریشن<br>اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی<br>051-5536111 | مكتبة المدينه<br>اندرون بوہڑ گیٹ ملتان |
| مکتبہ رضویہ<br>آرام باغ روڈ کراچی<br>021-2216464 | شبیر برادرز<br>زبیدہ سنٹر 40 اردو بازار لاہور<br>042-7246006 | مکتبہ بستان العلوم<br>کذھالہ آزاد کشمیر (براستہ گجرات)<br>0344-5084292 |

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ لاہور فون 7313885-7070063

مکتبہ نوریہ رضویہ بغدادی جامع مسجد گلبرگ اے فیصل آباد فون: 2626046

marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ

صَلِّ علیٰ سیّدنا ومولانا مُحَمَّدٍ وَّعلیٰ آلہٖ

وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

marfat.com
Marfat.com

# انتساب

ان شخصیات کے نام جن کی نسبت اور جن سے علاقہ تلمذ کی بناء پر اس فقیر حقیر کو اس عظیم تفسیر کا زبان فارسی سے اردو میں ترجمہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

ورنہ من آنم کہ من دانم

زبدۃ الاصفیاء جمال الاولیاء حضرت پیر شاہ محمد غوث صاحب چشتی صابری قادری،
استاذی وملاذی عزۃ الفقہاء حضرت مولانا مفتی محمد عبدالعزیز صاحب نقشبندی مجددی
استاذی وشیخی حضور شیخ القرآن استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا غلام علی صاحب اوکاڑوی قاری رضوی برکاتی اشرفی ضیائی، قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم

احب الصالحین ولست منهم
لعل اللّٰه یرزقنی صلاحا

انا الفقیر الحقیر
سید محمد محفوظ الحق غفر لہ ولوالدیہ
واصلح اللّٰه له فی ذریته

marfat.com
Marfat.com

# فہرست مضامین


| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| انتساب | ۵ |
| متعلقات علم تفسیر | ۱۷ |
| علم تفسیر کے دس مبادیات | ۱۸ |
| طبقات مفسرین | ۱۹ |
| تفسیر عزیزی کی خوبیاں | ۲۰ |
| تفسیر عزیزی اور جمال قرآن | ۲۱ |
| نقصان فصاحت کی متقاضی وجوہ کے باوجود کمال فصاحت | ۲۱ |
| چند موانع فصاحت کا ذکر | ۲۲ |
| سورۃ الفاتحہ کے ضمن میں مذکور بعض حکمتیں | ۲۴ |
| الرحمٰن الرحیم | ۲۴ |
| دوسری حکمت | ۲۵ |
| تیسری حکمت | ۲۵ |
| ذات حق کے ساتھ اختصاص عبادت کی وجہ | ۲۶ |
| موجودات سے انتفاع کی حقیقت | ۲۷ |
| مالك یوم الدین کے ساتھ ایاك نعبد کی مناسبت اور ربط | ۲۷ |
| نماز کی نیت میں محض خلوص کی تعلیم کی حکمت | ۲۸ |
| نعبد کا صیغۂ جمع لانے کی حکمت | ۲۹ |
| میت کو جلانے کی بجائے زمین میں دفن کرنے کی حکمت | ۳۰ |
| میت کو جلانے اور دفن کرنے کا تقابلی جائزہ | ۳۰ |
| زمین میں دفن کی دلچسپ دلیل اور ہندو کے قائل ہونے کا واقعہ | ۳۲ |
| خیرات، فاتحہ خوانی، تلاوت کا میت کے لئے نافع ہونا | ۳۳ |
| مدفون اولیائے وصلحاء سے نفع اور فائدہ حاصل کرنا | ۳۳ |
| اہل اللہ کے زمین میں دفن کی وجہ سے زمین متبرک اور بوسہ گاہ بنتی ہے | ۳۳ |
| روز قیامت قبروں سے اٹھنے میں عظیم اعزاز | ۳۴ |
| انبیاء، اولیاء کی اور مزارات کی زیارت آنکھوں کی عبادت ہے | ۳۴ |
| ربط کلام معجز نظام | ۳۵ |
| قرآن پاک کی سورتوں میں باہمی ربط وتعلق | ۳۸ |
| سورۃ المرسلات اور عم یتساءلون نیز عم یتساءلون اور نازعات میں مناسبت | ۴۰ |
| عم یتساءلون اور والنازعات کے مضامین کی مناسبت کی تفصیل | ۴۰ |
| سورۂ فاتحہ کی شانِ نزول | ۴۶ |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| اجمال کی تفصیل | ۴۷ |
| اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | ۴۹ |
| مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ | ۵۰ |
| اِيَّاكَ نَعْبُدُ | ۵۱ |
| وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ | ۵۳ |
| غیر اللہ سے استمداد کی حقیقت اور تائید | ۵۳ |
| اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ | ۵۴ |
| استقامت کی تین اقسام | ۵۴ |
| صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ | ۵۵ |
| اہل اللہ سے توسل کی وجہ | ۵۶ |
| نبی کی معرفت اس کی ضرورت | ۵۶ |
| صدیق شہید اور صالح کا معنی | ۵۸ |
| ان چار گروہوں کی علامات ان کے توسل سے حاجت روائی | ۵۸ |
| ایک شبہ کا ازالہ | ۵۹ |
| غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ | ۶۰ |
| غضب کی حقیقت | ۶۰ |
| ضلال کی حقیقت | ۶۰ |
| لطائف سورۂ فاتحہ | ۶۲ |
| بسم اللہ کے لطائف ونکات | ۶۳ |
| کفن میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رکھنے کی وصیت | ۶۴ |
| بِسْمِ اللّٰهِ کی خصوصیت | ۶۵ |

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| لطائف اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ | ۶۵ |
| ایک شبہ کا جواب | ۶۷ |
| مواقع حمد | ۶۸ |
| متعلقات رَبِّ الْعَالَمِيْنَ | ۶۹ |
| عالمین کی بحث | ۶۹ |
| ارواح کا بیان اور ملائکہ کی اقسام | ۷۰ |
| ایک خیال اور اس کا جواب | ۷۱ |
| ابدی سعادت کی تین چیزیں اور دیگر فروعات | ۷۲ |
| پیشہ کاشتکاری | ۷۵ |
| لفظ رب کے معانی | ۷۷ |
| تربیت کی دو قسمیں | ۷۷ |
| متعلقات رحمٰن ورحیم | ۷۸ |
| دنیا وآخرت کی رحمت کی دو دو قسمیں | ۷۹ |
| لفظ رحمٰن اور رحیم میں فرق | ۸۰ |
| ایک شبہ کا جواب | ۸۱ |
| ایک بہت مشکل شبہ اور اس کا جواب | ۸۲ |
| دنیا میں مخلوق پر پہنچنے والی چار قسم کی چیزیں | ۸۳ |
| ایک لطیف نکتہ | ۸۵ |
| متعلقات مالک یوم الدین | ۸۵ |
| مالک کی قرأت کی ارجحیت کے دلائل | ۸۵ |
| ملک کی قرأت کی ارجحیت کی وجوہ | ۸۷ |
| قرأت مالک کی وجوہ پر بحث | ۸۷ |
| قرأت ملک کی وجوہ پر بحث | ۸۹ |


marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| لفظ یوم کی تحقیق | ۸۹ |
| حمد کا اس مالکیت سے تعلق اور استحقاق حمد کی وجہ | ۹۰ |
| یہاں مذکور دو مضامین کا مذکورہ پانچ اسماء سے کمال ربط | ۹۱ |
| ان پانچ اسماء کی تخصیص کی ایک اور وجہ | ۹۱ |
| متعلقات اِیَّاکَ نَعۡبُدُ | ۹۳ |
| ملحدوں کے اعتراض کا جواب | ۹۴ |
| شرع کی ضرورت | ۹۵ |
| کمال انسانی کا معیار اور عبادت کی اہمیت | ۹۶ |
| ایاك نعبد کی مالك یوم الدین سے مناسبت اور درجات عبادت | ۹۷ |
| خدا اور بندے کے درمیان رابطے کا تقاضا | ۹۸ |
| معبود کا ذکر یعنی ایاک پہلے لانے کی حکمت | ۹۸ |
| صیغہ جمع نعبد میں لانے میں نکتہ | ۹۹ |
| متعلقات اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ | ۱۰۰ |
| عبادت میں رکاوٹیں اور دو شبہات | ۱۰۱ |
| مقام استعانت کی وضاحت | ۱۰۲ |
| صیغہ غیب کی صیغہ خطاب لانے کی وجہ | ۱۰۴ |
| تخصیص عبادت و استعانت میں مشرکین کا مسلمان سے اختلاف | ۱۰۴ |
| ایاک نعبد و ایاک کو اختیار کرنے میں نکتہ | ۱۰۷ |
| متعلقات اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ اور مراتب ہدایت کی تربیت | |
| رسل اور کتب سماویہ کے ذریعے ہدایت کی دو قسمیں | ۱۰۸ |
| الی-لام کے بغیر اھد نا کی حکمت | ۱۰۹ |
| طریق و سبیل کی بجائے طراط کی حکمت | ۱۱۰ |
| آدمی کی تین قوتیں | ۱۱۱ |
| علم نبوت | ۱۱۱ |
| علم معاد یا سمعیات | ۱۱۲ |
| علم الجواہر والاعراض | ۱۱۳ |
| قوت شہویہ | ۱۱۳ |
| قوت غضبیہ | ۱۱۴ |
| ایک نکتہ | ۱۱۴ |
| شبہ اور اس کا جواب | ۱۱۶ |
| دوسرا شبہ اور اس کا جواب | ۱۱۷ |
| متعلقات صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ | ۱۱۸ |
| تفسیری نکات | ۱۱۸ |
| ایک شبہ اور اس کا جواب | ۱۱۹ |
| اختلاف شرائع کی حقیقت | ۱۲۰ |
| متعلقات غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ | ۱۲۱ |
| مغضوب علیہ اور ضال کون ہیں؟ | ۱۲۱ |
| غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ لانے کی حکمت | ۱۲۲ |


marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|

تمام سورت کی تفسیر کے متعلقات - سات آیات
اور سات ارکان کی معنوی مناسبت ...... ۱۲۳
ایک اور مناسبت ...... ۱۲۵
حکمت تکرار سجدہ ...... ۱۲۵
فائدہ دیگر ...... ۱۲۶
مزید حکمت ...... ۱۲۷
اسمائے سورہ فاتحہ ...... ۱۲۸
فاتحۃ الکتاب ...... ۱۲۹
استنتاج واستخدام ونقل وحکایت ...... ۱۳۰
استخدام ...... ۱۳۰
نقل وحکایت ...... ۱۳۰
سورۃ اَلحَمْدُ ...... ۱۳۱
سورۃ الشکر ...... ۱۳۱
سورۃ الکنز ...... ۱۳۲
سورۃ المناجات ...... ۱۳۳
سورۃ التفویض ...... ۱۳۳
سورۃ وافیہ ...... ۱۳۳
سورۃ الشفاوالشافیہ ...... ۱۳۳
سورۃ رقیہ ...... ۱۳۵
اساس ...... ۱۳۵
سورۃ الصلوٰۃ ...... ۱۳۶
سبع الثانی ...... ۱۳۷
قرآن عظیم ...... ۱۳۸
سورۃ تعلیم المسئلۃ ...... ۱۳۸
کافیہ ...... ۱۳۸
ام الکتاب وام القرآن ...... ۱۳۹
اور علم طریقت ...... ۱۴۰
اور علم حقیقت ...... ۱۴۲
آدمی میں شیطان کی مداخلت کا بیان ...... ۱۴۳
لطیفہ ...... ۱۴۵
فضائل سورۃ الفاتحہ ...... ۱۴۵
سورت فاتحہ پڑھ کر کرم کرنا ...... ۱۴۷
جادو اور مختلف دردوں اور مرضوں کے لئے .. ۱۴۹
سورت البقرۃ ...... ۱۵۰
وجہ تسمیہ - مسائل ضروریہ پر دلالت ...... ۱۵۰
اثبات صانع عالم ...... ۱۵۰
اثبات نبوت ...... ۱۵۱
اثبات نبوت کے ضمن میں نہایت مفید اشارہ - اور دیگر مسائل ...... ۱۵۱
سورۃ البقرہ کی اہمیت ...... ۱۵۲
الحی القیوم بمنزلہ جان ہے اور تمام آیات اسی کے شیون ومظاہر ...... ۱۵۲
خاندان بنی اسرائیل کی حیات وقیام ...... ۱۵۳
خاندان بنی اسماعیل کی حیات وقیام ...... ۱۵۴
حیات کی چند اقسام ...... ۱۵۵
ہر گھر کی حیات وقیام ...... ۱۵۵

marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| حی وقیوم کا معنی ذہنوں میں راسخ کرنے کے لئے | |
| غیبی حیات کے واقعات | ۱۵۶ |
| احوال کی حیات وقیام کا ذکر | ۱۵۷ |
| شرعی حد بندیوں کے درمیان سورۃ البقرہ کی | |
| خصوصیت | ۱۵۷ |
| کئی وجوہ سے تمام سورۂ قرآن کے مقابلہ | |
| سورۃ البقرہ کی خصوصیت | ۱۵۸ |
| خاصۂ سورۃ البقرہ برائے دفع چیچک | ۱۶۲ |
| سورتوں کی ترتیب توفیقی ہے یا اجتہادی | ۱۶۲ |
| ترتیب آیات توفیقی اور ترتیب سور اجتہادی | |
| ہے | ۱۶۳ |
| دونوں فریقوں کے درمیان محاکمہ | |
| ترتیب قرآن میں ترتیب نزول کی رعایت | |
| کیوں نہیں فرمائی | ۱۶۶ |
| سورۃ فاتحہ کے سورۃ البقرہ کی وجہ ربط | ۱۶۷ |
| الفوز الکبیر کے حوالے سے ہر حرف ہجا کا معنی | |
| بسیط | ۱۷۲ |
| حروف مقطعہ کے کنایات | ۱۷۴ |
| مقطعات کی تحقیق میں سولہ اقوال | ۱۷۶ |
| دقائق حروف | ۱۸۱ |
| احکام دین کے اصول چار چیزیں ہیں | ۱۷۴ |
| تقویٰ کے تین مراتب | ۱۷۸ |
| احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ وتابعین کے حوالے | |
| سے متقین کی کچھ علامات اور شرائط | ۱۷۹ |
| مفسرین کا اشکال اور اس کا جواب | ۱۹۲ |
| آدمیوں کے سات گروہوں کا بیان | ۱۹۳ |
| منافقین | ۱۹۴ |
| سعید | ۱۹۵ |
| سابقین مقربین | ۱۹۵ |
| یکے از لطائف | ۱۹۷ |
| ایک اہم سوال اور اس کا جواب | ۱۹۷ |
| ہدایت کے معنوں میں علماء کا اختلاف | ۱۹۸ |
| تحقیق مقام | ۲۰۰ |
| بیان اقسام ایمان | ۲۰۲ |
| وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ | ۲۰۵ |
| نماز کے ارکان کے اسرار | ۲۰۶ |
| تکبیر تحریمہ | ۲۰۶ |
| نماز تمام بدنی عبادات کی اصل ہے | ۲۰۷ |
| مال خرچ کرنے کی سات قسم کی عبادت | ۲۰۸ |
| سورت بقرہ کی آیات کی تلاوت کے فوائد | ۲۱۲ |
| اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا | ۲۱۴ |
| چند سوالات اور جوابات | ۲۱۶ |
| وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ | |
| وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ | ۲۲۰ |
| نفاق کی چند اقسام | ۲۲۰ |
| بقیہ سوالات اور جوابات | ۲۲۳ |


marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|


تقیہ باز کھلے بندوں انکار کرنے والے سے بدتر ہے ..... ۲۲۴
دوسرا سوال اور اس کا جواب ..... ۲۲۵
تیسرا سوال اور جواب ..... ۲۲۷
چوتھا سوال اور جواب ..... ۲۲۸
پانچواں سوال اور جواب ..... ۲۲۸
چھٹا سوال اور جواب ..... ۲۲۹
ساتواں سوال اور جواب ..... ۲۳۰
منافقوں کے فساد کی اقسام ..... ۲۳۱
ایک سوال اور جواب ..... ۲۳۵
الناس سے مراد چہار یار ہیں ..... ۲۳۶
منافقوں کو گھیرنے والی تاریکیاں ..... ۲۴۱
چند سوالات اور جوابات ..... ۲۳۶
ضوء اور نور کے معنوں میں فرق: ..... ۲۳۶
بادلوں اور رعد وغیرہ کی پیدائش کا بیان: ..... ۲۴۹
چند بحثیں - یا ایہا الناس والی آیت مکی اور یا ایہا الذین امنوا والی آیت مدنی ہے ۲۵۳
زمین میں صنعت الٰہی کے عجائبات ..... ۲۵۵
آسمان گردش کرتا ہے ..... ۲۶۰
اوضاع آسمان سے پانی نازل کرنے کا طریقہ ..... ۲۶۱
سرد علاقوں میں بارش اترنے کا طریقہ ..... ۲۶۵
ایک مشہور سوال اور اس کا جواب ..... ۲۶۶
ان دو آیات میں پانچ نعمتوں کا بیان ..... ۲۶۷
زمین کے گول ہونے پر واضح دلیل ..... ۲۶۸
انواع شرک کی تفصیل: ..... ۲۷۰
جن کی اطاعت بحکم خدا فرض ہے چھ گروہ ہیں ..... ۲۷۳
کلام قرآن کے خصائص ومحاسن ..... ۲۷۷
چند سوالات کے جوابات ..... ۲۸۰
مفسرین کا شبہ ..... ۲۸۵
تحقیق مقام ..... ۲۸۵
معتزلہ کا رد ..... ۵۸۶
ایک سوال اور اس کا جواب ..... ۵۸۷
تین چیزوں کی دریافت لازم ہے ..... ۲۹۱
انجیل مقدس میں اشیائے حقیرہ کا بیان ہے۔ ۲۹۴
مچھر میں ہاتھی کے اعضاء سے ایک شے زاید ہے اور اس کی سونڈ کے عجائبات ..... ۲۹۶
فاسق کے معنی کا بیان: ..... ۲۹۹
قطع تعلقات کی صورتیں چند ایک ہیں ..... ۳۰۱
زمین میں فساد کرنے کے چند طریقے ..... ۳۰۲
سوالات اور ان کے جوابات ..... ۳۰۴
علم عقائد کا دلائل کے ساتھ بیان ..... ۳۰۷
سوالات اور جوابات ..... ۳۱۲
زمین وآسمان کی پیدائش میں چند فوائد ..... ۳۱۴
آسمان کے مادہ کے بیان میں دوسرا فائدہ .. ۳۱۷


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|---|
| طبقات آسمان کے بیان میں تیسرا فائدہ ... | ۳۱۷ | علم کی مال پر فضیلت کی سات وجوہ ...... | ۳۵۲ |
| خلافت کو آدم کے ساتھ خاص کرنے کا بیان | ۳۱۹ | نکتۂ نفیس ...... | ۳۵۴ |
| خلیفہ کو خلافت دینے کا طریقہ ...... | ۳۲۲ | نکتۂ زریں در فضیلت علم ...... | ۳۵۴ |
| چند ضروری فائدے ...... | ۳۲۸ | اس فرقہ کی مذمت جو کہ اصحاب پیغمبر علیہ السلام کو ظالم اور غاصب کہتے ہیں | ۳۵۵ |
| حقیقت فرشتہ ...... | ۳۳۰ | علماء کرام کی فضیلت کا بیان ...... | ۳۵۵ |
| فرشتوں کی خدمات اور معصومیت کا بیان .. | ۳۳۰ | ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ ...... | ۳۵۹ |
| ملائکہ کی معصومیت کی مخالفت اور اس کا جواب ...... | ۳۳۱ | تفسیری متعلقات ...... | ۳۶۱ |
| ملائکہ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ خلیفہ فسادی ہوگا ...... | ۳۳۴ | ابلیس فرشتوں میں سے نہیں ...... | ۳۶۳ |
| حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا باقی حذف شدہ واقعہ ...... | ۳۳۶ | ابلیس کا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنا .... | ۳۶۵ |
| رنگوں اور عادتوں میں اختلاف کی وجہ..... | ۳۴۰ | حضرت حواء رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا بیان . | ۳۶۶ |
| تعلیم آدم اور اس میں علماء کے ایک شبہ کا جواب...... | ۳۴۱ | کسی کے حق کے ساتھ دعا کرنے کا بیان . | ۳۷۴ |
| حضرت آدم علیہ السلام کے فرشتوں سے امتیاز کی دو وجوہات...... | ۳۴۳ | حضرت آدم علیہ السلام کی دعاؤں کا بیان . | ۳۷۵ |
| اس مقام کے متعلق چند بحثیں...... | ۳۴۵ | ایام بیض کے روزوں کا بیان...... | ۳۷۷ |
| چند بحثیں ...... | ۳۴۹ | چند بحثیں ...... | ۳۷۹ |
| فضیلت علم کی دلیل ...... | ۳۵۰ | حقیقت توبہ کی ترکیب | ۳۷۵ |
| تین قسم کی نگہبانی شرط خلافت ہے ...... | ۳۵۱ | خوف اور حزن کے معنی میں فرق...... | ۳۷۶ |
| علم کی فضیلت کا بیان۔ عالم کی مجلس کی برکات...... | ۳۵۱ | متعلقات واقعہ ...... | ۳۷۸ |
| | | حجر اسود اور حد حرم ...... | ۳۹۰ |
| | | نام مصطفیٰ وجہ تسکین آدم علیہما الصلوٰۃ والسلام . | ۳۹۱ |
| | | تمام رسل علیہم السلام کے پیشوں کا بیان.... | ۳۹۲ |
| | | حضرت آدم علیہ السلام کی اپنی اولاد کیلئے دعا | ۳۹۳ |
| | | چار باتوں کی حفاظت کرو ...... | ۳۹۴ |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور مدفن کا بیان | ۳۹۶ |
| جنت میں حضرت ہارون کی ریش ہوگی | ۳۹۷ |
| حضرت آدم کا مزار منیٰ میں اور حواء کا جدہ میں ہے | ۳۹۸ |
| ابلیس ملعون کی کتاب، قرآن، رسول اور مسجد | ۳۹۸ |
| حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت آدم علیہ السلام پر اعتراض کرنا | ۳۹۹ |
| اور ان کا جواب | ۳۹۹ |
| مذکور الصدر واقعہ میں اشکال اور اس کا حل | ۴۰۰ |
| بنی اسرائیل کے عہد کا بیان | ۴۰۱ |
| اسرائیل کا معنی اور دیگر متعلقات | ۴۰۵ |
| حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے مختلف شعبوں میں ہونے کا بیان | ۴۰۶ |
| حضرت اسحاق علیہ السلام کی وفات اور یعقوب علیہ السلام کے حالات اور اولاد | ۴۰۷ |
| نعمتیں یاد کرانے کے فوائد | ۴۱۰ |
| بنی اسرائیل کے عہد کی تفصیل | ۴۱۱ |
| تین آدمیوں کے ثواب کا بیان | ۴۱۴ |
| جواب طلب سوال | ۴۱۸ |
| بد اطوار علماء، راشی قاضی، بے خوف مفتیوں، ظالم بادشاہوں، بے انصاف حاکم | ۴۱۹ |
| دنیا کے طالب اساتذہ اور بے حد طمع کرنے والے واعظوں کی مذمت کا بیان | ۴۱۹ |
| بچوں کو پڑھانے پر اجرت لینے کے جواز کا بیان | ۴۲۰ |
| امامت اور اذان پر اجرت لینے کا بیان | ۴۲۰ |
| تعویذ اور دم پر اجرت کے جواز کا بیان | ۴۲۱ |
| چند بحثیں | ۴۲۱ |
| ان فرقوں کا بیان جو کہ نص اور حدیث کے معنوں میں تحریف کرتے ہیں | ۴۲۴ |
| ایک شبہ اور اس کا جواب | ۴۳۰ |
| واعظ بے عمل اور نہی عن المنکر | ۴۳۲ |
| واعظ بے عمل کے عذاب کے بیان میں | ۴۳۳ |
| صبر کی قسموں کا بیان | ۴۳۴ |
| نماز کے ساتھ مدد مانگنے کا بیان | ۴۳۶ |
| طریقہ قلندریہ | ۴۳۷ |
| چند جواب طلب سوالات | ۴۴۳ |
| شفاعت کا بیان | ۴۴۵ |
| شفاعت کے بارے میں اہل سنت کا روشن مذہب | ۴۴۶ |
| فرعون کے عذاب کا بیان جو کہ بنی اسرائیل پر مقرر تھا | ۴۴۸ |
| جواب طلب سوال | ۴۵۰ |
| فرعون اور فرعونیوں کی بنی اسرائیل کے ساتھ دشمنی کی وجہ کا بیان | ۴۵۲ |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا بیان | ۴۵۳ |
| تنور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو | ۴۵۵ |
| عبادت پر مزدوری لینے کا جواز | ۴۵۸ |
| دورانِ تربیت فرعون کی مرمت | ۴۵۹ |
| سال بہ سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احوال وواقعات اور آسیہ کی تاویلات | ۴۶۰ |
| زمین پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تصرف | ۴۶۱ |
| سلسلۂ رشد وہدایت کا آغاز | ۴۶۲ |
| مدین کو روانگی اور دورانِ سفر حفاظت کا عظیم اہتمام | ۴۶۳ |
| مصر سے روانگی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت شریف کا واقعہ | ۴۶۵ |
| فرعون کے لشکر کی مقدار اور بحیرۂ قلزم کی جغرافیائی حدود | ۴۶۶ |
| عبور قلزم کی کیفیت | ۴۶۸ |
| مزدور بنی اسرائیلی عورت کی مزدوری فرعون کی داڑھی کے مروارید | ۴۷۲ |
| حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بارگاہِ خداوندی سے کتاب لینے کیلئے جانا اور سامری کا قصہ | ۴۷۲ |
| ایک فقہی اشکال اور اس کا جواب | ۴۷۴ |
| لفظ موسیٰ کی تحقیق کا بیان | ۴۷۷ |
| عبادت کیلئے چالیس کے عدد کی تحقیق کا بیان | ۴۷۷ |
| ایک تناقض کا جواب | ۴۷۸ |

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| سوال اور جواب | ۴۷۸ |
| حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نسب کا بیان | ۴۷۹ |
| مشکل سوال اور اس کا جواب | ۴۸۳ |
| بنی اسرائیل کی توبہ کے لئے قتل کی کیفیت | ۴۸۷ |
| غمام کی حقیقت | ۴۹۵ |
| من کی حقیقت اور خصوصیت | ۴۹۷ |
| حقیقت سلویٰ اور اس کے خواص کا بیان | ۴۹۸ |
| دو جواب طلب سوالات | ۵۰۱ |
| توبہ کرنے کا بیان | ۵۰۴ |
| اہل بیت نبوی میں بیعت کا فائدہ | ۵۰۵ |
| چند جواب طلب سوالات | ۵۰۷ |
| طاعون اور وباء سے بھاگنے کی ممانعت کا بیان | ۵۱۲ |
| ایک اشکال کا جواب | |
| استسقاء تمام پیغمبروں علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی سنت مؤکدہ ہے | ۵۱۴ |
| حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا بیان | ۵۱۴ |
| جواب طلب سوال | ۵۱۷ |
| دو سوالات اور ان کے جوابات | ۵۱۸ |
| چند سوالات اور ان کے جوابات | ۵۲۷ |
| یہود کی وجہ تسمیہ اور الوہیت ونبوت کے متعلق ان کے عقائد | ۵۲۹ |
| نصاریٰ کی وجہ تسمیہ اور ان کے عقائد کا بیان | ۵۳۰ |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| صابیوں کے مذہب اور خلاصہ ........... | ۵۳۱ |
| جواب طلب سوال ............... | ۵۳۳ |
| ایک قوی الجھن ............... | ۵۳۷ |
| ان لوگوں کا بیان جو کہ بندروں کی شکل میں مسخ ہو گئے تھے ............... | ۵۴۰ |
| عکرمہ کا حسن استدلال ............... | ۵۴۲ |
| جواب طلب سوال ............... | ۵۴۳ |
| قابل بیان نکتہ ............... | ۵۴۷ |
| گائے ذبح کرنے کے واقعہ کے بیان کا آغاز | ۵۴۸ |
| گائے کی تخصیص کی وجہ ............... | ۵۵۰ |
| کیا یہ گفتگو موجب کفر ہے؟ ............... | ۵۵۱ |
| چند جواب طلب سوالات ............... | ۵۵۳ |
| زرد جوتا پہننے کی فضیلت اور رنگوں کے خصائص | ۵۵۶ |
| ایک سوال اور اس کا جواب ............... | ۵۵۹ |
| اس گائے کا واقعہ جسے بنی اسرائیل نے مردے کو زندہ کرنے کیلئے ذبح کیا تھا ........... | ۵۶۰ |
| ماں کی فرماں برداری کی برکت ............... | ۵۶۳ |
| ذبح اور نحر کا مفہوم ............... | ۵۶۴ |
| عمل صالح اور سرد مومن کا بیان ........... | ۵۶۶ |
| فاجر کا بیان ............... | ۵۶۷ |
| مشہور نحوی سوال ............... | ۵۶۸ |
| جواب طلب سوال ............... | ۵۷۰ |
| مسئلہ دیت اور قصاص کا بیان ........... | ۵۷۱ |
| چند کارآمد چیزوں کا بیان ............... | ۵۷۳ |
| ایک جواب طلب سوال ............... | ۵۷۴ |
| میراث سے محرومی کا بیان ............... | ۵۷۵ |
| چند تحقیق طلب باتیں ............... | ۵۷۸ |
| پتھروں کا ہمارے رسول کریم ﷺ کے ساتھ کلام کرنے کا بیان ............... | ۵۷۹ |
| قلوب کے چار مرتبوں کا بیان ............... | ۵۸۱ |
| کتاب اللہ کی تحریف کرنے والوں، بے دین چودھریوں، بے ایمان سرداروں اور شرابیوں کے عذاب کا بیان ............... | ۵۹۲ |


marfat.com

Marfat.com

# فہرست مضامین


| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| چند تحقیق طلب باتیں، کلمہ ویل | ۱۳ |
| اور اس کی اُخوات کا بیان | ۱۳ |
| محرّفین کتاب اللہ۔ بے دین چودھریوں، بے ایمان سرداروں اور شرابیوں کے عذاب کا بیان | ۱۳ |
| مصاحف کی خرید و فروخت کے جواز اور عدم جواز کا بیان | ۱۶ |
| یہودیوں کے اقوال کا بیان | ۲۰ |
| ایک جواب طلب سوال | ۲۲ |
| بنی اسرائیل کے عقیدہ میں غلطی کا منشا | ۲۶ |
| گناہ کو جائز سمجھنا کفر ہے | ۲۷ |
| اہلِ قبلہ کے اختلاف کا بیان | ۲۸ |
| اہلِ سنت و جماعت کا مذہب | ۲۹ |
| حقوق والدین کا بیان | ۳۳ |
| حق اللہ کے بعد حقوق والدین رکھنے کی وجہ | ۳۳ |
| والدین کے ساتھ احسان کرنے کا طریقہ | ۳۵ |
| ذی القربیٰ کے حقوق | ۳۵ |
| قرابت کی دو قسمیں | ۳۶ |
| مشہور سوال | ۳۷ |
| دیگر سوال اور جواب | ۳۷ |
| یتیم کے معنی اور حقوق کا بیان | ۳۸ |
| مسکین کے معنی کا بیان | ۳۹ |
| احسان قولی کے مرتبوں کا بیان | ۴۰ |
| مدارات، حسن خلق اور مداہنت کے معنوں میں فرق کا بیان | ۴۱ |
| مدارات حسن خلق اور مداہنت میں فرق | ۴۲ |
| جواب طلب سوال | ۴۴ |
| ایک اور سوال اور اس کا جواب | ۴۵ |
| معتزلہ کے ایک قوی شبہ کا جواب | ۴۹ |
| موافق طبع احکام قبول کرنے اور مخالف طبع ترک والے کا بیان | ۵۲ |
| لفظ عیسیٰ اور مریم کے معنی کا بیان | ۵۵ |
| ایک سوال اور اس کا جواب | ۵۷ |
| تصلب حق اور تعصب باطل کے معنی کا بیان | ۵۸ |
| دل کی چار قسمیں ہیں | ۵۹ |
| نام پاک سے توسل اور فتح و نصرت | ۶۱ |
| اہل کتاب کے کفر کے اسباب | ۶۷ |
| چند بحثیں | ۶۸ |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| بیع اور شرا کے معنی کی تحقیق ........ | ۶۹ |
| تفسیری نکتہ ........ | ۷۲ |
| چند بحثیں ........ | ۷۵ |
| ایک شبہ کا جواب ........ | ۸۳ |
| چند جواب طلب سوالات اور جوابات .... | ۸۴ |
| ذوقِ شہادت فی سبیل اللہ اور غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ........ | ۸۶ |
| موت کی آرزو کرنا حرام ہے ........ | ۹۱ |
| یہودیوں کے سوالات اور ان کے جوابات . | ۹۸ |
| یہودیوں کی حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ عداوت کی وجہ ........ | ۱۰۰ |
| یہودیوں کے بیت المدارس میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کلمۂ حق ........ | ۱۰۱ |
| چند جواب طلب سوالات اور جوابات .... | ۱۰۳ |
| لفظ جبریل کی تحقیق ........ | ۱۰۷ |
| جواب طلب سوال ........ | ۱۱۰ |
| حضرت جبریل-اسرافیل اور عزرائیل کے قرب کا بیان ........ | ۱۱۱ |
| حضرت جبریل' حضرت میکائیل اور حضرت ملک الموت علیہم السلام ........ | ۱۱۲ |
| کی خدمات کا بیان ........ | ۱۱۲ |
| حضرت جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت کا بیان ........ | ۱۱۴ |
| جبریل علیہ السلام کی مختلف صورتوں میں حاضری ........ | ۱۱۴ |
| مسواک کی اہمیت ........ | ۱۱۸ |
| حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیروں کے تعین کا بیان ........ | ۱۲۰ |
| دو رسل-دو ملائکہ اور دو خلفاء کی عادات میں مناسبت ........ | ۱۲۰ |
| حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا اور حضرت میکائیل وجبریل علیہما السلام کا مکالمہ ........ | ۱۲۰ |
| چند معجزات کا مختصر تذکرہ ........ | ۱۲۳ |
| شیاطین کے منتروں کا قصہ ........ | ۱۲۵ |
| جادو کی قسموں اور ان کے احکام کا بیان .... | ۱۲۹ |
| ایک شبہ اور اس کا جواب ........ | ۱۳۰ |
| جادو کی حقیقت اور اس کی قسموں کا بیان .... | ۱۳۲ |
| ساکنانِ بابل کے چھ(۶) حیران کن طلسموں کا بیان ........ | ۱۳۳ |
| اہل بابل کی دعوت ارواح کواکب کا نمونہ . | ۱۳۵ |
| جادوگروں کے افعال اور معمولات اولیاء اللہ میں فرق ........ | ۱۳۸ |
| ہاروت' ماروت اور کلدانیین کے جادو میں فرق ........ | ۱۴۰ |
| ہاروت ماروت کی تاثیر قوی کی دلیل ........ | ۱۴۰ |
| والدین کی خدمت کی برکت سے ایمان | |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| کی واپسی | ۱۴۲ |
| ہاروت اور ماروت کا واقعہ | ۱۴۵ |
| ہاروت ماروت کے واقعہ میں اصول وقواعد دین کرے خلاف ہونے کی چند وجوہ | ۱۴۹ |
| جادو کی تعلیم کا بیان | ۱۵۰ |
| اس واقعہ کی مخالفات قواعد دین کی توجیہ کا بیان | ۱۵۱ |
| مسخ شدہ شکلیں تیرہ (۱۳) ہیں۔ اور مسخ ہونے کی وجوہات | ۱۵۴ |
| جواب طلب سوال | ۱۵۶ |
| علم کیسا بھی ہو مذموم نہیں ہے | ۱۵۹ |
| چند جواب طلب سوالات | ۱۶۲ |
| شافعیہ کے استدلال اور اس کا جواب | ۱۶۸ |
| نسخ کی ایمان افروز حقیقت | ۱۷۵ |
| چند جواب طلب سوالات | ۱۷۸ |
| احکام شرعیہ میں نسخ کی چار وجوہات | ۱۷۹ |
| سہو اور نسیان میں فرق | ۱۸۵ |
| اس آیت سے مفہوم احکام کا بیان | ۱۸۵ |
| حذیفہ بن الیمان اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا یہود کو جواب لاجواب | ۱۹۳ |
| حسد کی مذمت کا بیان | ۱۹۴ |
| چھ (۶) گروہ حساب کے بغیر دوزخ میں جائیں گے | ۱۹۴ |
| والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی فضیلت | ۱۹۵ |
| حسد کے چار (۴) مرتبے ہیں | ۱۹۶ |
| حسد کے اسباب سات (۷) چیزیں ہیں | ۱۹۷ |
| روحانی مرض حسد کا علاج دو چیزیں ہیں | ۱۹۸ |
| جواب طلب سوال | ۲۰۰ |
| لفظ یہود اور نصاریٰ کے معنی کا بیان | ۲۰۱ |
| صیغۂ ھاتوا کی تحقیق | ۲۰۴ |
| اجر واجب کرنے اور خوف وحزن زائل ہونے کا بیان | ۲۰۵ |
| اسلام کا خاص معنی | ۲۰۵ |
| چند جواب طلب سوالات | ۲۰۹ |
| ظلم اور اس کی اقسام کا بیان | ۲۱۲ |
| چند بحثیں جن کا بیان ضروری ہے | ۲۱۶ |
| خدا تعالیٰ کی طرف مسجدوں کی اضافت کا بیان | ۲۱۸ |
| مسجدوں کی تعظیم میں چند چیزوں کا بیان | ۲۱۹ |
| آداب ومکروہاتِ مسجد کا بیان | ۲۲۱ |
| قول مذکور کے بطلان پر حدیث قدسی سے پانچ دلائل | ۲۲۷ |
| چند بحثیں | ۲۳۲ |
| بحث چہارم | ۲۳۵ |
| اسم اعظم پر مشتمل دعا | ۲۳۸ |
| حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض معجزات | |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| کا بیان | ۲۴۰ |
| چند بحثیں | ۲۴۱ |
| چند ضروری بحثیں | ۲۴۷ |
| کتاب اللہ کی تلاوت کے حق کا بیان | ۲۵۰ |
| چند جواب طلب سوال | ۲۵۳ |
| مسئلہ شفاعت کی تحقیق | ۲۵۴ |
| حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی ابتدا کا بیان | ۲۵۶ |
| وہ کلمات جن کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا گیا | ۲۵۹ |
| سہام الاسلام کا بیان | ۲۶۲ |
| ختنہ کا بیان | ۲۶۳ |
| اولیات ابراہیم علیہ السلام | ۲۶۴ |
| شیر مال کے ایجاد کرنے والے کا اور حکم معانقہ کا بیان | ۲۶۶ |
| ملتِ ابراہیم علیہ السلام اور دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرق | ۲۶۹ |
| گفتۂ او گفتۂ اللہ بود | ۲۷۱ |
| چند جستجوئیں | ۲۷۴ |
| شیعہ فرقۂ امامیہ کا عصمت امامت میں حد سے تجاوز کرنا | ۲۸۳ |
| عجیب ترین تجاوز | ۲۸۵ |
| حج اور عمرہ کی فضیلت | ۲۸۸ |
| مقام ابراہیم کو مصلی بنانے کی حکمت | ۲۹۰ |
| چند ابحاث | ۲۹۲ |
| کعبہ معظمہ کی تعمیر کا بیان | ۲۹۲ |
| خانہ کعبہ کا رقبہ | ۲۹۳ |
| مقام ابراہیم اور حجر اسود کی حقیقت | ۲۹۴ |
| تعمیر کعبہ کے مختلف دور | ۲۹۶ |
| حیوانات کا کعبۃ اللہ کی تعظیم وطواف کرنا | ۲۹۹ |
| مکہ معظمہ میں پندرہ (۱۵) مقامات قبولیت دعا | ۳۰۰ |
| انبیاء علیہم السلام-بنی اسرائیل اور تعظیم کعبہ | ۳۰۱ |
| تیسری بحث | ۳۰۳ |
| اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب خانہ کعبہ کی تخصیص کی وجہ | ۳۰۶ |
| چوتھی بحث | ۳۱۰ |
| پانچویں بحث (فضیلت طواف) | ۳۱۳ |
| چند فوائد | ۳۱۹ |
| دین کی خاطر دنیا طلب کرنا کمال کے منافی نہیں | ۳۲۰ |
| قبول اور تقبل میں فرق اور انظاری کی دعا | ۳۲۱ |
| چند فوائد | ۳۲۲ |
| حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر کعبہ | ۳۲۲ |
| تعمیر کعبہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام | |


marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| کی ولادت | ۳۲۳ |
| صفامروہ کی سعی اور چشمۂ زمزم کا جاری ہونا | ۳۲۸ |
| نصب حجر اسود کا واقعہ | ۳۳۵ |
| بیت اللہ شریف کا رقبہ | ۳۳۵ |
| صورت حج اور اس کے ارکان کا بیان | ۳۴۱ |
| چند بحثیں | ۳۴۴ |
| خلفائے راشدین کی خلافت نص کے ساتھ ثابت ہے | ۳۴۶ |
| چند فوائد | ۳۵۰ |
| الحکمۃ کی تفسیر | ۳۵۲ |
| حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کی تفصیل | ۳۵۸ |
| یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کی تفصیل | ۳۵۹ |
| جواب طلب سوال | ۳۵۹ |
| چند فوائد | ۳۶۲ |
| چند بحثیں | ۳۶۵ |
| ملت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام اور حضور علیہ السلام کی جدید شریعت | ۳۶۸ |
| صاحب شریعت جدیدہ ہونے کی ایک اور وجہ | ۳۷۰ |
| ملت ابراہیمی کی اتباع کا معنی | ۳۷۱ |
| تیسری بحث | ۳۷۴ |
| چوتھی بحث | ۳۷۵ |
| چند فوائد | ۳۷۷ |
| اولاد یعقوب علیہ السلام کو اسباط اور حسنین کو سبطین کہنے کی وجہ | ۳۷۹ |
| شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق اخبار بالغیب | ۳۸۲ |
| جواب طلب سوال | ۳۸۳ |
| اُنْزِلَ اور اُوْتِیَ کے فرق کی حکمت | ۳۸۵ |
| خدا تعالیٰ کا رنگ کیا ہے؟ | ۳۸۷ |
| **دوسرا پارہ** | |
| اتینا طائعین کہنے کا فیض حضور علیہ السلام سے حاصل ہوا | ۳۹۶ |
| صخرۂ بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کی حکمت | ۳۹۶ |
| چند سوالات | ۳۹۹ |
| لوگوں پر مسلمانوں کے گواہ ہونے کی تفصیلات | ۴۰۱ |
| اموات کے متعلق اس امت کے صلحاء کی گواہی کے مطابق جزا و سزا | ۴۰۳ |
| اچھوں کی گواہی پر خدائی فیصلہ | ۴۰۴ |
| حضور علیہ السلام کی امت کیلئے خصوصی انعام | ۴۰۴ |
| چند بحثیں جنہیں بیان کرنا واجب ہے | ۴۰۶ |
| اجماع اُمت حجت ہے | ۴۱۳ |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| چند بحثیں | ۴۱۹ |
| کراہت طبعی کے باوجود اطاعت تقاضائے ایمان ہے | ۴۲۲ |
| کعبہ شریف کو پسند کرنے کی وجہ | ۴۲۴ |
| مسجد حرام کی وجہ تسمیہ کا بیان | ۴۲۵ |
| چند جواب طلب سوالات | ۴۲۷ |
| تشخیص قبلہ کی علامات کا بیان | ۴۳۲ |
| نماز میں استقبال قبلہ کی تفصیل | ۴۳۵ |
| دو جواب طلب سوالات | ۴۳۷ |
| چند جواب طلب سوالات | ۴۴۱ |
| یعرفون ابناء ھم میں بیٹوں کی تخصیص کی وجہ | ۴۴۲ |
| اوامر ونواہی حلقۂ نبوت کی حقیقت | ۴۴۳ |
| چند ابحاث | ۴۴۶ |
| اوقات نماز میں تعجیل اور تاخیر کا بیان | ۴۴۶ |
| ہر ہر عبادت کرنے والوں کے قبلہ کا بیان | ۴۴۷ |
| ایک نہایت مشکل سوال | ۴۵۱ |
| ایک جواب طلب سوال | ۴۵۴ |
| یاد الٰہی کے مختلف شعبے | ۴۵۶ |
| ہر عضو کی معصیت اور اس سے ممانعت | ۴۵۷ |
| چند بحثیں | ۴۵۸ |
| ذکر الٰہی شکر کے قائم مقام ہے | ۴۶۱ |
| ذکر-شکر-دعا اور استغفار کے ثمرات | ۴۶۲ |
| ذکر الٰہی کی فضیلت | ۴۶۳ |
| ذکر خدا-مسجد سے وابستگی اور والدین کی تعظیم کی فضیلت | ۴۶۳ |
| محافل ذکر اور ملائکہ کی حاضری | ۴۶۵ |
| نماز فرض کے بعد دعا مسنون ہے | ۴۶۸ |
| شکر کی حقیقت اور اس کی فضیلت کا بیان | ۴۶۸ |
| مختلف اعضاء کا شکر | ۴۷۰ |
| چند نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے طریقے کا بیان | ۴۷۲ |
| انسان کے ساتھ صبر کی تخصیص کا بیان | ۴۷۳ |
| اقسام صبر | ۴۷۴ |
| فضائل صبر اور صابرین کا بیان | ۴۷۵ |
| نماز کی بدولت حل مشکلات | ۴۷۷ |
| دو وجہ سے روح کی موت | ۴۷۹ |
| شہیدوں کی حیات کی کیفیت | ۴۸۰ |
| ایک جواب طلب سوال-شہداء کی حیات اور مسئلہ تناسخ میں فرق | ۴۸۱ |
| مذکورہ مصیبتوں کی ترتیب ذکری کی وجہ | ۴۸۵ |
| اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے تقاضے | ۴۸۶ |
| انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کے مواقع اور برکات | ۴۸۸ |
| نکتہ | ۴۹۳ |
| رضا بالقضا کے دو طریقے | ۴۹۴ |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| صفا و مروہ کا محل وقوع-تعارف اور فضیلت | ۴۹۵ |
| شعائر کے معنی کا بیان | ۴۹۷ |
| حج اور عمرہ کے درمیان فرق کا بیان | ۴۹۸ |
| صفا و مروہ کی سعی کا حکم | ۵۰۰ |
| فلا جناح علیہ ان یطوف بہما کا مفہوم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی | ۵۰۲ |
| صفا و مروہ کی سعی احادیث کے حوالے سے | ۵۰۳ |
| سات جگہ رفع یدین کیا جائے | ۵۰۴ |
| ظاہر بین فقہاء کا بہت بڑا اشکال | ۵۰۴ |
| امر واقعی کو چھپانے کی سزا اور نحوست اور اس کی مختلف صورتیں | ۵۰۷ |
| علوم دینیہ کی تعلیم پر اجرت لینے کے مسئلہ کی باریکی | ۵۰۹ |
| آسمانوں کی گردش کی مقدار کا بیان | ۵۱۳ |
| لفظ بحر اور اس کے معنی کی تحقیق-دریائے شور کی خلیجوں کا جغرافیہ | ۵۱۷ |
| ذکر عجائبات حیوانات | ۵۲۲ |
| ہواؤں کی گردش کے فوائد | ۵۲۳ |
| ہواؤں کی اقسام نیز ریاح اور ریح میں فرق | ۵۲۴ |
| آٹھوں دلائل مذکورہ کی تینوں مطالب کے ساتھ مطابقت | ۵۲۸ |

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| اسم اعظم | ۵۳۱ |
| جن وغیرہ کے آسیب کو دفع کرنے کی دعا | ۵۳۱ |
| ایک جواب طلب سوال | ۵۳۳ |
| محبت الٰہی کا کیا معنی ہے؟ | ۵۳۹ |
| محبت الٰہیہ کی علامت | ۵۴۰ |
| محبت کی حقیقت | ۵۴۱ |
| چند فوائد | ۵۵۱ |
| شکر کے لئے لذائذ و نفائس کا استعمال | ۵۵۵ |
| ذبح شدہ جانور کی سات چیزیں حرام ہیں | ۵۵۷ |
| گروی مکان کے کرایہ کا بیان | ۵۵۸ |
| بہترین کمائی کا بیان | ۵۵۹ |
| مردار کو حرام قرار دینے کی حکمت | ۵۶۱ |
| مچھلی اور مکڑی کے ذبح سے مستثنٰی ہونے کی وجہ | ۵۶۲ |
| مردار کے اجزاء سے نفع لینے کا بیان | ۵۶۳ |
| کون سا خون حرام اور ناپاک ہے | ۵۶۵ |
| سؤر کا گوشت حرام دینے کی حکمت | ۵۶۶ |
| ما اہل بہ لغیر اللہ اور ما اہل لغیر اللہ بہ کے فرق کی وجہ | ۵۷۰ |
| اضطرار کی چند صورتیں | ۵۷۲ |
| ایک جواب طلب سوال | ۵۷۴ |
| شراب اور تمام حرام چیزوں کے ساتھ دوا کرنے کا بیان | ۵۷۶ |


marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| چند جواب طلب سوالات .............. | ۵۸۱ |
| علمائے عربیت کا اشکال اور اس کا جواب . | ۵۸۹ |
| ایک سوال اور اس کا جواب ............ | ۵۹۵ |
| مرد اور عورت کی دیت کا فرق .......... | ۵۹۸ |
| چند جواب طلب سوالات .............. | ۶۰۰ |
| حقیقت توبہ ....................... | ۶۰۲ |
| چند بحثیں ......................... | ۶۰۷ |
| بلاغت قرآنی کا نمونہ ................ | ۶۰۸ |
| چند بحثیں ......................... | ۶۱۳ |
| دوسری بحث: ...................... | ۶۱۳ |
| تین جگہ خلاف واقعہ بات کرنا درست ہے اور اس کی شرط .................. | ۶۱۷ |
| وقت روزہ کے تعین کی حکمت .......... | ۶۱۸ |
| روزے کا بیان ..................... | ۶۲۰ |
| ایک ماہ کے روزے مقرر کرنے کا راز .... | ۶۲۲ |


marfat.com
Marfat.com

# فہرست مضامین


| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| سورۃ الملک | ۱۱ |
| وجہ تسمیہ اور ذاتِ حق کے لائق چند | |
| چیزوں کا ذکر | ۱۳ |
| سور رحمانیات اور ربانیات | ۱۴ |
| برکت کا مفہوم | ۱۵ |
| ملک و ملکوت کی حد اور ان کے اعتبار سے | |
| صفات کا ذکر | ۱۵ |
| دو جواب طلب سوالات | ۱۸ |
| شیاطین کے رجم کا طریقہ | ۲۴ |
| ایک جواب طلب سوال | ۲۶ |
| چند سوالات | ۴۲ |
| عذاب قبر دور کرنے کا اشارہ - ارواحِ انبیاء | |
| و اولیاء اہل قبور کی مدد کرتی ہے | ۴۵ |
| سورۃ نون | ۴۶ |
| شانِ نزول | ۴۶ |
| سورۃ الملک سے رابطہ کی وجہ | ۴۶ |
| سورۂ نون کی وجہ تسمیہ | ۴۸ |
| مچھلی اور بیل کا واقعہ جو زمین کے | |
| نیچے ہیں | ۴۹ |
| ن کے متعلق دیگر اقوال | ۵۱ |
| ن اور عارفین کاملین | ۵۲ |
| قلم کے اسرار اور بارگاہِ نبوت کے | |
| ساتھ مشابہت | ۵۶ |
| جواب طلب سوال | ۶۰ |
| ہمارے رسولِ کریم ﷺ کی عقل کی | |
| وسعتوں کا بیان | ۶۱ |
| حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حسنِ اخلاق | |
| کا بیان | ۶۶ |
| حلم کا بحرِ بیکراں | ۶۸ |
| دستِ مبارک سے شفا طلب کرنا | ۷۱ |
| مدارات اور مداہنت میں فرق | ۷۵ |
| زیادہ قسمیں کھانے والے کے کمینے پن | |
| کا بیان | ۷۶ |
| ایک اشکال اور اس کا جواب | ۷۶ |
| اصحاب جنہ یعنی باغ ضرواں کا واقعہ | ۸۱ |
| قیامت کے دن بلا حجابات پروردگار کی | |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| زیارت کا بیان | ۹۴ |
| آیتِ کریمہ کی برکات اور اُسے پڑھنے کے دو طریقے | ۱۰۸ |
| بدنظری سے بچاؤ کا طریقہ | ۱۱۱ |
| سورۃ الحاقۃ | ۱۱۵ |
| سورۂ نون کے ساتھ رابطے کی وجہ سے متعلق مقدمہ | ۱۱۵ |
| ایک جواب طلب سوال | ۱۲۱ |
| عاد کے لوگوں کی ہلاکت کا واقعہ | ۱۲۵ |
| اہل بیت کے ساتھ توسل | ۱۳۶ |
| صحابہ کرام کا مقتدائے کائنات ہونے کا بیان | ۱۳۸ |
| اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولایت کا ثبوت | ۱۳۸ |
| حاملین عرش کی تسبیح کا ذکر | ۱۴۵ |
| حاملین عرش کی شکل کا بیان | ۱۴۵ |
| فضیلت روزہ کا بیان | ۱۵۲ |
| سوال | ۱۶۱ |
| سورۃ المعارج | ۱۶۷ |
| سورۃ المعارج کی وجہ تسمیہ | ۱۶۹ |
| افعال وتاثیرات الٰہیہ کے وسائط | |
| ظہور | ۱۶۹ |
| دوزخ آٹھ گروہوں کے سوا سب لوگوں کو بلاتی ہے | ۱۸۲ |
| جزوی امور میں صبر کرنے والے | ۱۸۶ |
| متعہ وغیرہ کی حرمت کا بیان | ۱۸۹ |
| مسئلہ شرعیہ | ۱۹۰ |
| لواطت، متعہ اور جلق وغیرہ کی حرمت کا بیان | ۱۹۲ |
| امانتوں کی حفاظت کا بیان | ۱۹۳ |
| بیعت طریقت وغیرہ کی رعایت اور مشروعیت کا بیان | ۱۹۴ |
| گواہی چھپانے کی بُرائی کا بیان | ۱۹۴ |
| نماز کو مکروہات سے بچانے کا بیان | ۱۹۵ |
| اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود انسان کی بے صبری اور حرص کا بیان | ۲۰۰ |
| سورۃ نوح علیہ السلام | ۲۰۲ |
| سورۃ نوح علیہ السلام کے سورۃ المعارج کے ساتھ رابطے کی وجہ | ۲۰۳ |
| حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ | ۲۰۴ |
| لکھنے اور سینے کی ابتدا کا بیان | ۲۰۵ |
| بت پرستی کے آغاز کا بیان | ۲۰۵ |


marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| اس سورۃ کے معانی سمجھنے کے لیے دو مقدمات | ۲۰۸ |
| حضور علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان وجوہ مناسبت | ۲۱۰ |
| اجل کی تین قسمیں ہیں | ۲۲۰ |
| حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا محذوف | ۲۲۱ |
| اولیاء کاملین کے مزارات کی زیارت کا قصد کرنا اور انہیں بوسہ دینا | ۲۳۰ |
| ضمیر کی بجائے اسم جلالت کے اظہار کی حکمت | ۲۳۲ |
| ایک الجھن اور اس کا حل | ۲۴۰ |
| عذاب قبر کا ثبوت | ۲۴۲ |
| پانچ قسم کے بت ہر کسی کے پاس موجود ہیں | ۲۴۶ |
| **سورۃ الجن** | ۲۵۲ |
| سورۃ الجن کی وجہ تسمیہ | ۲۵۴ |
| جان داروں کی پیدائش میں حکمت | ۲۵۷ |
| جان داروں کی چار قسمیں | ۲۵۸ |
| اس سورۃ کے نزول کا سبب | ۲۶۳ |
| جنات کی بارگاہ سید عالم ﷺ میں حاضری | ۲۶۴ |
| دو جواب طلب سوالات | ۲۶۶ |
| قرآن کی وجہ تسمیہ | ۲۶۸ |
| استعانت بالجن سے منع کرنے اور جنات کے نقصان کو روکنے کا بیان | ۲۷۳ |
| آدمیوں کے مختلف مذاہب جنات میں بھی ہیں | ۲۸۰ |
| جنات کے ایمان لانے کے واقعات | ۲۸۴ |
| صحابی جنات رضی اللہ عنہم کا ذکر | ۲۹۸ |
| حضور علیہ السلام کی خدمت میں رہنے کے لیے ہامہ پسر ابلیس کے آنے کا بیان | ۳۰۱ |
| چند دیگر جن صحابہ کرام کا ذکر | ۳۰۲ |
| گمراہ جنات کے چار گروہ | ۳۰۳ |
| ایک شبہ کا جواب | ۳۰۴ |
| مسجد اور اس کے آداب کا بیان | ۳۰۸ |
| ایک قوی اعتراض | ۳۱۸ |
| صاحب کشاف کا رد | ۳۲۰ |
| **سورۃ المزمل** | ۳۲۳ |
| سورۃ المزمل کی ماقبل سے مناسبت | ۳۲۴ |
| خرقہ پوشی کی سات شرائط | ۳۲۵ |
| ترتیل قرآن کا شرعی تصور | ۳۲۸ |


marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| حضور علیہ السلام کا اندازِ تلاوت | ۳۲۹ |
| سلوک الی اللہ کا مفہوم | ۳۲۹ |
| تلاوت قرآن پاک کے موجب قرب ہونے کی وجہ | ۳۳۲ |
| حضور علیہ السلام پر قرآن پاک کی گرانی اور دشواری کے مواقع | ۳۳۴ |
| قیام اللیل کی برکات کا بیان | ۳۳۷ |
| سید الکونین رسول الثقلین ﷺ کی روزانہ مصروفیات | ۳۴۰ |
| ذکر خداوندی کی مختلف اقسام | ۳۴۲ |
| اس قسم کے تبتل اور انقطاع کا فائدہ | ۳۴۳ |
| اس انقطاع اور تنہا نشینی کا طریقہ | ۳۴۴ |
| ایک قوی شبہ | ۳۴۷ |
| ہجر جمیل کی حقیقت | ۳۵۲ |
| اہل اللہ کی برکت سے جہان کا قیام ہے | ۳۵۶ |
| ایک سوال اور اس کا جواب | ۳۵۶ |
| مردِ مومن کے تین بچوں کی وفات اسے جہنم میں داخل ہونے سے بچالے گی | ۳۵۹ |
| ایک جواب طلب سوال | ۳۶۰ |
| ختم قرآن مجید کی ترتیب کا بیان | ۳۶۴ |
| نمازِ تہجد کی فضیلت اور اس کے پڑھنے کے طریقوں کا بیان | ۳۶۴ |
| نمازِ تہجد میں سورۃ اخلاص پڑھنے کے چند طریقے | ۳۶۵ |
| دو جواب طلب سوالات | ۳۶۷ |
| **سورۃ مدثر** | ۳۷۶ |
| سبب نزول | ۳۷۶ |
| سورۂ مزمل کے ساتھ رابطہ کی وجہ | ۳۷۷ |
| سورۂ مدثر کی وجہ تسمیہ | ۳۷۷ |
| اہل اسلام کے عرف میں تکبیر خوشی اور شادی کی علامت ہے | ۳۸۰ |
| عیدین ایامِ حج و تشریق میں تکبیر واجب ہونے کا راز | ۳۸۰ |
| تاریخ اسلام میں تکبیر کے مواقع اور برکات | ۳۸۰ |
| خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے اور مخلوق کی دلجوئی کے لیے صبر کرنے میں فرق | ۳۸۵ |
| ولید بن ولید کا اظہار اسلام میں خلوص | ۳۸۹ |
| کفر کی چار قسموں کا بیان | ۳۹۱ |
| ولید بن مغیرہ کے عناد کا بیان | ۳۹۲ |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| زبانیہ کی خوف ناک شکل کا بیان | ۴۰۰ |
| زبانیہ یعنی داروغۂ جہنم کے انیس (۱۹) ہونے کی وجہ کا بیان | ۴۰۰ |
| نماز کے ارکان اور شرائط کا بیان انیس ہیں | ۴۱۵ |
| اس کھانے کی شرائط کا بیان جو کہ موجب اجر ہوتا ہے | ۴۱۵ |
| ان امور کا بیان جن سے پرہیز ضروری ہے | ۴۱۶ |
| روزِ جزا کے واقعات کا بیان | ۴۱۷ |
| شفاعت کرنے والوں کا ذکر | ۴۱۸ |
| **سورۃ القیامۃ** | ۴۲۳ |
| سورۃ القیامۃ کے سورۃ المدثر سے رابطے کی وجہ | ۴۲۳ |
| وجہ تسمیہ | ۴۲۳ |
| نفس کی قسموں کا بیان | ۴۲۷ |
| دنیا کی محبت ہر خطا کا سر ہے | ۴۳۰ |
| آخرت میں حق تعالیٰ کی زیارت نیکوں کو نصیب ہوگی | ۴۳۱ |
| تفسیر، تاویل اور تحریف کی تعریف پر مبنی مقدمہ | ۴۳۲ |
| مذکورہ زیارت کے منکروں کا رد | ۴۴۲ |
| اولیں پرسش نماز بود | ۴۵۰ |
| عورتوں اور مردوں کے امتیازی امور کا بیان | ۴۵۳ |
| **سورۃ الدھر** | ۴۵۴ |
| سورۃ قیامت کے ساتھ رابطے کی وجہ | ۴۵۴ |
| سورۃ انسان کی وجہ تسمیہ | ۴۵۵ |
| سورۃ دہر کی وجہ تسمیہ | ۴۵۵ |
| دہریوں کا اعتراض اور اس کا جواب | ۴۵۶ |
| ایک جواب طلب سوال | ۴۶۴ |
| شکرگزاروں کے تین گروہ | ۴۶۴ |
| نذر کے احکام کا بیان | ۴۷۱ |
| زکوٰۃ، نذر اور کفارات کافر کو دینا درست نہیں ہے | ۴۷۲ |
| ایک اشکال اور اس کا جواب | ۴۷۵ |
| جنتی مشروبات کی تفصیل | ۴۸۴ |
| مطالب سورۃ کا خلاصہ | ۴۸۵ |
| **سورۂ مرسلات** | ۴۹۳ |
| سورۂ دہر کے ساتھ رابطے کی وجہ | ۴۹۳ |
| سورۂ مرسلات کی وجہ تسمیہ | ۴۹۴ |
| اجمال کی تفصیل | ۴۹۵ |


marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|---|
| ان پانچ مذکورہ افعال کے مصداق میں اختلاف | ۵۰۰ | | |
| رحم مادر میں بچے کی تخلیق کا تفصیلی بیان | ۵۱۰ | | |
| تخلیقِ انسانی کے تدریجی مراحل کے متعلق نجومیوں کی تحقیق | ۵۱۲ | | |
| نماز میں رکوع کی حکمت | ۵۲۵ | | |


marfat.com
Marfat.com

# فہرست مضامین

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| **سورۃ التساء ل یا سورۃ النبأ** | |
| سورۃ والمرسلات کے ساتھ رابطے کی وجہ | ۱۵ |
| وجہ تسمیہ | ۱۶ |
| نزول سورۃ کا سبب | ۱۷ |
| جواب طلب سوال | ۲۰ |
| وقت قیامت کیلئے چند چیزیں لازم ہیں | ۲۵ |
| قیامت کے دن چند گروہ کس کس شکل میں حاضر ہوں گے | ۲۷ |
| حقبہ کا بیان | ۳۰ |
| ایک شبہ اور اس کا جواب | ۳۳ |
| جنتیوں کی عمر کا بیان | ۳۵ |
| کیفیت روح کا بیان | ۳۸ |
| **سورۃ والنازعات** | |
| ربط کی وجہ | ۴۳ |
| وجہ تسمیہ | ۴۴ |
| نفس انسانی کی تکمیل کی ضروریات | ۴۴ |
| مفسرین کے اختلاف کا بیان | ۵۰ |
| چار مشہور فرشتوں سے متعلق ڈیوٹیوں کا بیان | ۵۳ |
| کافروں کا قیامت کے دن اُٹھنے میں شبہ | ۵۴ |
| بعثت کے منکروں کے شبہ کا جواب | ۵۵ |
| حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ | ۵۹ |
| حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے دوسرے معجزات | ۶۴ |
| عبرت آموز ہونے کی چند وجوہ | ۶۶ |
| آسمان حرکت کرتا ہے | ۶۸ |
| آسمان کی بلندی کا بیان | ۶۸ |
| زمین اور آسمان میں سے کس کی پیدائش پہلے ہے؟ | ۷۱ |
| دو بھائیوں مصعب اور عامر کا واقعہ | ۷۶ |
| ایک شبہ اور اس کا جواب | ۷۹ |
| **سورۃ عبس** | |
| سورۃ النازعات کے ساتھ رابطے کی وجہ | ۸۱ |
| ایک مقدمہ کی تمہید اور محبوبانِ خدا اور عام لوگوں کے درمیان فرق | ۸۲ |
| مفسرین کا اشکال | ۸۵ |
| حقیقت واقعہ متعلقہ | ۸۶ |
| وجہ تسمیہ | ۸۷ |
| موت ایک عظیم نعمت ہے | ۹۵ |
| قبر بھی ایک عظیم نعمت ہے | ۹۵ |
| سب سے پہلے قبر میں دفن کرنے کی صورت کا | |

marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| بیان | ۹۶ |
| ہندوؤں کا مردوں کو جلانا معیوب ہے نیز جلانے کے مقابلہ میں دفن کی خوبیاں | ۹۷ |
| ہندوؤں کے ایک عقل مند کا واقعہ | ۹۸ |
| مزارات سے زائرین کو اور قبروں والوں کو ایصال ثواب | ۹۹ |
| قیامت کے دن کے قریبیوں سے بھاگنے کی وجہ | ۱۰۳ |
| جواب طلب سوال | ۱۰۵ |
| اس واقعہ کے فوائد | ۱۰۶ |
| سورۂ اذا الشمس کورت | ۱۱۰ |
| سورۂ عبس کے ساتھ ربط کی وجہ | ۱۱۱ |
| وجہ تسمیہ | ۱۱۱ |
| ایک اُلجھن اور اس کا حل | ۱۱۷ |
| چند قسم کے جانور جنت میں اور چند قسم کے جہنم میں ہوں گے | ۱۱۸ |
| ایک شبہ اور اس کا جواب | ۱۲۲ |
| کفار کے اطفال کے عذاب کی وجہ | ۱۲۴ |
| ایک قابل بیان نکتہ | ۱۲۴ |
| مسئلہ فقہی | ۱۲۵ |
| آسمانی ستاروں کی دو اقسام | ۱۲۹ |
| حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قوت و امانت کا بیان | ۱۳۳ |
| کاہن کی حقیقت | ۱۳۹ |
| کہانت کے شبہ کا ازالہ | ۱۳۹ |
| ض اور ظ کے مخرج کا بیان | ۱۴۲ |
| قسموں کی ان مضامین کیساتھ مناسبت کا بیان | ۱۴۳ |
| **سورۃ الانفطار** | |
| سورۂ تکویر سے رابطے کی وجہ | ۱۴۶ |
| اجمال کی تفصیل | ۱۴۷ |
| آدمی کو مرتبہ خلافت کی تکمیل کیلئے یہاں لایا گیا | ۱۴۷ |
| چار انقلابات کا بیان | ۱۴۸ |
| ایک جواب طلب سوال | ۱۵۱ |
| لفظ بحر اور نہر کے معنوں کی تحقیق اور قطعات بحر کا بیان | ۱۵۲ |
| کریم کے معنوں کا بیان | ۱۵۵ |
| ایک جواب طلب سوال | ۱۵۵ |
| غرور، تمنا اور رجا کے درمیان فرق کا بیان | ۱۵۸ |
| سلیمان بن عبدالملک اور حضرت ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ | ۱۵۹ |
| ایک جواب طلب سوال | ۱۶۲ |
| بچے کا والدین کا ہم شکل ہونا ضروری نہیں | ۱۶۲ |
| كِرَامًا كَاتِبِيْنَ کی کارگزاری | ۱۶۴ |
| **سورۃ المطففین** | |
| سورۃ الانفطار کے ساتھ رابطہ کی وجہ | ۱۷۰ |
| وجہ تسمیہ | ۱۷۱ |


marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| تطفیف کی مختلف صورتیں | ۱۷۱ |
| پانچ چیزوں کے عوض پانچ چیزیں ملتی ہیں | ۱۷۲ |
| چوری کے نصاب کی حد | ۱۷۲ |
| ماپ تول میں کمی کے ظلم ہونے کی تفصیل | ۱۷۳ |
| حق دینے اور لینے کی چار صورتیں | ۱۷۶ |
| قرض کے معاملے میں لوگوں کی چار قسموں کا بیان | ۱۷۶ |
| غصے کے معاملے میں لوگوں کی چار قسمیں ہیں | ۱۷۷ |
| علم معانی کے مطابق دو جواب طلب سوالات | ۱۸۰ |
| ایک اور شبہ اور اس کا جواب | ۱۸۱ |
| کفر میں حد سے گزرنے کی صورت | ۱۸۲ |
| فسق میں حد سے گزرنے کی صورت | ۱۸۲ |
| قیامت کے دن دیدار الٰہی کا ثبوت | ۱۸۶ |
| کیفیت رؤیت کی تحقیق | ۱۸۷ |
| سجین کے مفرد اور علیین کے بصیغۂ جمع لانے میں نکتہ | ۱۸۹ |
| مقامِ علیین کا بیان | ۱۹۰ |
| ارواح کا قبروں سے رابطہ اور زائرین کے متعلق آگاہ ہونا | ۱۹۰ |
| ابرار و مقربین اور اصحاب یمین اور سابقین کا بیان | ۱۹۱ |
| بعض عارفین کے مطابق مقام سجین اور علیین کی حقیقت | ۱۹۲ |
| **سورۂ انشقت** | |
| سورۂ مطففین کے ساتھ ربط کی وجہ | ۱۹۹ |
| وجہ تسمیہ | ۲۰۰ |
| دنیا میں خوشی اور غم کی تفصیل | ۲۰۷ |
| موت کے بعد آدمی کی تین حالتیں | ۲۱۰ |
| میت کیلئے خیرات، فاتحہ اور ایصالِ ثواب | ۲۱۱ |
| اولیائے اللہ سے بعد از وصال حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے استمداد اور نسبت اویسی کا بیان | ۲۱۲ |
| وہ گناہ جو کہ پہلی اُمتوں میں نہ تھے اس اُمت میں ہیں | ۲۱۵ |
| سجدۂ تلاوت کے وجوب کا بیان | ۲۱۷ |
| **سورۃ البروج** | |
| سورۃ الانشقاق سے رابطے کی وجہ | ۲۱۸ |
| سبب نزول | ۲۱۸ |
| برجوں کی حقیقت | ۲۲۰ |
| جزا کیلئے تین چیزیں ضروری ہیں | ۲۲۳ |
| شاہد اور مشہود کی تفسیر میں اختلاف | ۲۲۵ |
| روزِ جمعہ اور روزِ عرفہ کی فضیلت | ۲۲۶ |
| جواب قسم میں اختلاف | ۲۲۸ |
| اصحاب خندق کے واقعات کا بیان | ۲۳۰ |
| پہلا واقعہ | ۲۳۰ |
| اس واقعہ میں حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی | |


marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|


نکتہ آفرینی ... ۲۳۵
دوسرا عجیب واقعہ ۲۳۶
تیسرا واقعہ ۲۳۷
چوتھا واقعہ ۲۳۸
ایک جواب طلب سوال ۲۴۲
ایک جواب طلب سوال ۲۴۴
لوحِ محفوظ اور اس کی پہلی عبارت کا بیان ۲۴۶


## سورۃ الطارق


وجہ ربط ۲۴۶
وجہ تسمیہ ۲۴۶
آدمی کی جان ابدی ہے فنا پذیر نہیں ۲۴۸
اجمال کی تفصیل ۲۴۸
سبب نزول ۲۴۹
محافظ فرشتوں کا بیان ۲۵۱
خلقتِ انسانی کی تفصیل ۲۵۳
تحقیق مقام ۲۵۶


## سورۃ الاعلیٰ


رابطے کی وجہ ۲۶۰
وجہ تسمیہ ۲۶۱
سبب نزول ۲۶۱
ذاتِ حق کو پاک جاننے کا مفہوم ۲۶۳
تصوف کا ایک مسئلہ ۲۶۳
مذکورہ تین صفات کے بیان کی حکمت ۲۶۶
ایک جواب طلب سوال ۲۶۹
دو سوالات اور ان کے جوابات ۲۷۰
پاکیزگی کی چند اقسام ۲۷۵
اکابرین کے تفسیری اقوال ۲۷۶
ان آیات سے فقہاء کا استدلال ۲۷۶
آسمانی کتابوں کی تعداد ۲۷۹


## سورۃ الغاشیہ


وجہ ربط ۲۸۰
وجہ تسمیہ ۲۸۱
گناہ گاروں کے عذاب کی اقسام ۲۸۲
دو جواب طلب سوالات ۲۸۵
ذات اور بود و باش کے اعتبار سے اونٹ کی دوزخیوں سے مشابہت کا بیان ۲۸۸
فوائد اور منافع کے اعتبار سے اونٹ کی جنتیوں سے مشابہت کا بیان ۲۸۹
اونٹ کے عجائب اور خواص ۲۹۰
زمین کی شکل کا بیان ۲۹۵


## سورۃ الفجر


رابطے کی وجہ ۲۹۷
ملحدین کا شبہ اور اس کا جواب ۲۹۷
جزائے اعمال کو قیامت پر موقوف کرنے کی حکمت ۲۹۸
وجہ تسمیہ ۲۹۹


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| دس متبرک راتوں کا بیان | ۳۰۱ |
| بالغ ہونے کی مدت کے تعین کا ذکر | ۳۰۳ |
| شفع اور وتر کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال | ۳۰۳ |
| لفظ ربک لانے کی وجہ | ۳۰۷ |
| عاد دو فرقوں کا نام ہے | ۳۰۷ |
| عاد اولیٰ کا بقدر کفایت واقعہ | ۳۰۷ |
| شداد لعین کی خود ساختہ بہشت کا واقعہ | ۳۰۸ |
| حضرت ملک الموت کی رقت کے دو واقعات | ۳۱۰ |
| شداد اور اس کی ماں کا واقعہ | ۳۱۱ |
| شداد کے شہر تک عبداللہ بن قلابہ رضی اللہ عنہ کی رسائی اور اس کے متعلق اخبار بالغیب | ۳۱۲ |
| مذکورہ تین واقعات کی تخصیص میں نکتہ | ۳۱۷ |
| چند سوالات اور ان کے جوابات | ۳۱۹ |
| محبت کیلئے مال کی حد | ۳۲۳ |
| نفوسِ انسانی کی تین صفات | ۳۲۷ |
| **سورۃ البلد** | |
| وجہ تسمیہ | ۳۲۸ |
| مکہ معظمہ کی عظمت کی وجوہ | ۳۲۹ |
| ماقبل کے ساتھ رابطے کی وجہ | ۳۲۹ |
| سورۃ کا سبب نزول | ۳۲۹ |
| شہر مکہ کے مشقت اور رنج کا مقام ہونے کی وجہ | ۳۳۱ |
| انسانی مشقتوں کا اجمالی تذکرہ | ۳۳۴ |
| دوسروں کے حق سے وابستہ تکالیف کا تذکرہ | ۳۳۵ |
| دولبوں کے چند فوائد | ۳۳۷ |
| آنکھیں دو اور زبان ایک ہونے کی حکمت | ۳۳۷ |
| مذکورہ تین نعمتوں کی تخصیص کی ایک اور وجہ | ۳۳۸ |
| گردن آزاد کرنے کی چند صورتیں | ۳۴۰ |
| احتیاج کے دن کی قید لگانے کی وجہ | ۳۴۱ |
| ایک فنی سوال اور اس کا جواب | ۳۴۳ |
| صبر کی فضیلت کا بیان | ۳۴۳ |
| صبر کی حقیقت کا بیان | ۳۴۴ |
| صبر کے مختلف رنگوں اور شعبوں کا بیان | ۳۴۵ |
| صبر اور رحمت کی تخصیص کی وجہ | ۳۴۷ |
| **سورۃ والشمس** | |
| گزشتہ سورۃ کے رابطے کی وجہ | ۳۵۰ |
| وجہ تسمیہ | ۳۵۰ |
| آفتاب نبوت کی سورج کے ساتھ مناسبت کا بیان | ۳۵۱ |
| نور نبوت اور نور ولایت کی کیفیت میں فرق | ۳۵۲ |
| ایک شبہ اور اس کا حل | ۳۵۵ |
| اجمال کی تفصیل | ۳۵۹ |
| ایک شبہ اور اس کا جواب | ۳۶۱ |
| فجور کا معنی | ۳۶۱ |
| لفظ طغوی میں اشکال اور اس کا جواب | ۳۶۴ |


marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| ثمود کا تعارف | ۳۶۴ |
| حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا واقعہ | ۳۶۶ |
| اس معجزہ کی تخصیص میں نکتہ | ۳۶۷ |
| اونٹنی کا باقی واقعہ اور اس کی خصوصیات | ۳۶۸ |
| حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ | ۳۷۰ |
| قول رسول قول خدا ہے | ۳۷۳ |
| اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کہنے کی وجہ | ۳۷۴ |
| ثمود کے قدار اور اس اُمت کے ابن ملجم کے بد بخت ترین ہونے کی وجہ | ۳۷۶ |
| فضائل شاہ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ | ۳۷۸ |
| حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت | ۳۷۹ |
| ایک شبہ اور اس کا جواب | ۳۸۱ |
| **سورۃ واللیل** | |
| سورۃ والشمس کے ساتھ رابطے کی وجہ | ۳۸۲ |
| وجہ تسمیہ | ۳۸۲ |
| شانِ نزول | ۳۸۳ |
| حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فضائل اور ان کی تکالیف کا بیان | ۳۸۴ |
| حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدنا | ۳۸۵ |
| فضائل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے آزاد کردہ غلاموں کی تفصیل | ۳۸۶ |
| حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مال اور دیگر خدام کے مال میں فرق | ۳۸۸ |
| بارگاہِ خداوندی سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام | ۳۸۸ |
| مسئلہ شرعی | ۳۹۲ |
| مذکورہ تین قسموں کی تخصیص میں نکتہ | ۳۹۲ |
| مسئلہ تقدیر کی ایک نفیس توجیہ | ۳۹۴ |
| بدبختی کی اقسام | ۳۹۷ |
| ایک سوال اور اس کا جواب | ۳۹۷ |
| تقی اور اتقی کی تعریف | ۳۹۸ |
| افضل البشر بعد الانبیاء علیہم السلام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں | ۳۹۹ |
| افضلیت کے خلاف تفضیلیہ کی دلیل اور اس کا جواب | ۳۹۹ |
| فضائل ابوبکر صدیق بر زبانِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات | ۴۰۱ |
| **سورۃ والضحیٰ** | |
| وجہ تسمیہ | ۴۰۵ |
| نمازِ چاشت کا بیان | ۴۰۷ |
| دو سورتوں کے واللیل اور والضحیٰ سے آغاز کی حکمت | ۴۰۸ |
| سورۃ واللیل میں رات کی قسم پہلے لانے کی حکمت | ۴۰۹ |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| لطیفہ | ۴۱۰ |
| ضحی اور لیل کے متعلق اقوال | ۴۱۱ |
| حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خصوصیات کی دو قسمیں ہیں | ۴۱۴ |
| حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی جسمانی خصوصیات | ۴۱۴ |
| حضرت سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کا اعزاز | ۴۱۶ |
| آپ کی شرعی خصوصیات | ۴۱۶ |
| آپ کے باطنی کمالات | ۴۱۷ |
| حضور علیہ السلام کے بچپنے میں ابو جہل کا معجزہ دیکھنا | ۴۱۹ |
| حلیمہ سعدیہ سے حضور علیہ السلام کا گم ہونا | ۴۱۹ |
| عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ | ۴۲۰ |
| حضور علیہ السلام کو غنی کرنے کا بیان | ۴۲۱ |
| حضور علیہ السلام کے یتیم تشریف لانے کی حکمت | ۴۲۲ |
| آپ کے فقر کا راز | ۴۲۳ |
| ایک نکتہ | ۴۲۴ |
| ایک لطیفہ | ۴۲۵ |
| مذکورہ نعمتوں کے ساتھ مذکورہ شکروں کی باطنی مناسبت اور مسئلہ شفاعت | ۴۲۵ |
| حق یتیم، حق سائل اور تحدیث نعمت کے متعلق حضور علیہ السلام کے معمولات | ۴۲۶ |
| حق سائل کے متعلق نقش سیرتِ طیبہ | ۴۲۷ |
| گمشدہ کیلئے سورۃ والضحیٰ کی خصوصیت | ۴۲۹ |

**سورۃ الم نشرح**

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| وجہ ربط | ۴۳۰ |
| سبب نزول | ۴۳۱ |
| نکتہ | ۴۳۱ |
| وجہ تسمیہ | ۴۳۲ |
| خاصیت | ۴۳۲ |
| اصطلاح طریقت میں صدر کا مفہوم | ۴۳۳ |
| حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح صدر کا بیان | ۴۳۴ |
| معنوی شرح صدر | ۴۳۴ |
| حسی شرح صدر کے متعلق مقدمہ | ۴۳۸ |
| حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے گھر شرح صدر کا ذکر | ۴۳۹ |
| شرح صدر کا دوسرا واقعہ | ۴۴۱ |
| شق صدر کا تیسرا واقعہ | ۴۴۲ |
| شق صدر کا چوتھا واقعہ | ۴۴۳ |
| وزر کی تفسیر میں مختلف اقوال | ۴۴۴ |
| آیت کے تکرار کی وجہ | ۴۴۷ |
| ایک سوال اور اس کا جواب | ۴۴۹ |

**سورۃ التین**

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| وجہ تسمیہ | ۴۴۹ |
| انجیر کی ظاہری خصوصیت اور فوائد | ۴۵۰ |
| انجیر کی باطنی خصوصیت | ۴۵۱ |


marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| ایک سوال اور اس کا جواب | ۴۵۱ |
| زیتون کے ظاہری فوائد | ۴۵۲ |
| زیتون کے باطنی فوائد | ۴۵۳ |
| کوہ طور کا بیان | ۴۵۵ |
| کوہ زیتا کا بیان | ۴۵۶ |
| شہر مکہ کا بیان | ۴۵۸ |
| مکہ معظمہ اور حرم شریف کی حدود کا بیان | ۴۵۸ |
| خصوصیات حرم | ۴۵۹ |
| انسانی تخلیق کے حسن و خوبی کا بیان | ۴۶۱ |
| **سورۃ اقراء** | |
| سورۃ اقراء کے نزول کی کیفیت | ۴۶۷ |
| چند نکات کا بیان | ۴۷۰ |
| توجہ دینے کی اقسام کا بیان | ۴۷۰ |
| حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ | ۴۷۱ |
| تیسرا نکتہ: | ۴۷۲ |
| ایک خدشے کا جواب | ۴۷۵ |
| قلم کی اہمیت کا بیان | ۴۷۶ |
| تین اسباب علم کا بیان | ۴۸۰ |
| قرآن مجید میں لفظ کلا والی ہر آیت مکی اور یہ لفظ نصف اول میں نہیں ہے | ۴۸۲ |
| ایک سوال اور اس کا جواب | ۴۸۶ |
| جہنم کے موکلوں کے اوصاف کا بیان | ۴۹۰ |
| حالت سجدہ میں قرب کی زیادتی کی وجہ | ۴۹۱ |
| سورۃ اقراء کے فوائد و نکات کا بیان | ۴۹۲ |
| **سورۃ قدر** | |
| سبب نزول | ۴۹۴ |
| وجہ تسمیہ | ۴۹۵ |
| لیلۃ القدر کی وجہ تسمیہ | ۴۹۵ |
| شب قدر کی بزرگی کی چند وجوہ | ۴۹۶ |
| لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت | ۴۹۷ |
| شب قدر اور شب برأت کا فرق | ۴۹۸ |
| شب قدر کے تعین میں اختلاف اور ستائیسویں شب کی ترجیح | ۴۹۸ |
| ایک شبہ اور اس کا جواب | ۵۰۰ |
| ہزار کے عدد کی تخصیص کی وجہ | ۵۰۲ |
| نماز با جماعت کی فضیلت کی حکمت | ۵۰۳ |
| شب قدر کے خواص | ۵۰۴ |
| **سورۃ البینہ** | |
| وجہ تسمیہ | ۵۰۵ |
| اجمال کی تفصیل | ۵۰۶ |
| اجمال کی تفصیل | ۵۰۷ |
| سورۃ زلزلت | ۵۱۵ |
| وجہ تسمیہ اور قیامت کے زلزلہ کے اسباب | ۵۱۵ |
| جمادات کی گواہی کے متعلق شبہ اور اس کا جواب | ۵۱۷ |
| ایک شبہ اور اس کا جواب | ۵۲۰ |

marfat.com

Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| **سورۂ عادیات** | |
| وجہ تسمیہ | ۵۲۱ |
| سبب نزول | ۵۲۲ |
| **سورۃ القارعہ** | |
| وجہ تسمیہ | ۵۲۶ |
| **سورۂ تکاثر** | |
| سبب نزول | ۵۲۹ |
| وجہ تسمیہ | ۵۳۰ |
| **سورۂ والعصر** | |
| سبب نزول | ۵۳۳ |
| وجہ تسمیہ | ۵۳۴ |
| حق اور صبر کی وصیت کی حکمت | ۵۳۶ |
| صحابہ کبار، ائمہ مجتہدین اور مشائخ طریقت کی عظمت | ۵۳۷ |
| **سورۂ ہمزہ** | |
| سبب نزول | ۵۳۷ |
| وجہ تسمیہ | ۵۳۸ |
| **سورۂ فیل** | |
| وجہ تسمیہ | ۵۴۱ |
| واقعہ اصحاب فیل کا سبب | ۵۴۲ |
| **سورۂ قریش** | |
| وجہ تسمیہ | ۵۴۸ |
| حضور علیہ السلام کا نسب اور قریش کا معنی | ۵۴۹ |
| **سورۂ ماعون** | |
| وجہ تسمیہ | ۵۵۲ |
| سبب نزول | ۵۵۲ |
| **سورۂ کوثر** | |
| سبب نزول | ۵۵۵ |
| وجہ تسمیہ | ۵۵۶ |
| کوثر کا معنی | ۵۵۶ |
| ان علوم کا بیان جن کی اس اُمت سے پہلے کسی کو خبر نہ تھی | ۵۵۶ |
| نماز کوثر کا نمونہ ہے | ۵۵۸ |
| حضور علیہ السلام کا ذکر تا قیامت جاری ہے | ۵۵۹ |
| **سورۂ کافرون** | |
| سبب نزول | ۵۶۰ |
| **سورۂ نصر** | |
| اس دنیا میں حضور ﷺ کے وجود کی اہمیت | ۵۶۳ |
| نصرت، فتح اور گروہ گروہ اسلام میں داخل ہونے کی تفصیل | ۵۶۴ |
| **سورۂ تبت** | |
| سبب نزول | ۵۶۶ |
| **سورۂ اخلاص** | |
| سبب نزول | ۵۷۰ |
| وجہ تسمیہ | ۵۷۰ |
| معرفت اشیاء کی چار وجوہ | ۵۷۱ |

marfat.com
Marfat.com

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |


احد اور واحد میں فرق ۵۷۲
صمد کا معنی ۵۷۲
مذاہب باطلہ والوں کا رد ۵۷۳
وجہ فضیلت سورۂ اخلاص ۵۷۵

**سورۂ فلق**

ایک لطیف نکتہ ۵۷۶
مخلوقات کی تین اقسام ۵۷۷
تاریکی شب کے شر ۵۷۸
معنوی تاریکی کی چند اقسام ۵۷۹
دو سوالات اور ان کے جوابات ۵۸۰

**سورۂ الناس**

سبب نزول اور لبید بن عاصم کا جادو کرنا ۵۸۱
انسان کائنات کا خلاصہ ہے ۵۸۲
لفظ رب، ملک اور الٰہ کی ترتیب میں تفسیری حکمت ۵۸۳
شیطان کے وساوس کی تفصیل ۵۸۶
شیطانی طلسمات کا علاج ۵۸۷


marfat.com
Marfat.com

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

# متعلقات علم تفسیر

قرآن کریم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام پاک ہے۔ اسی تناسب سے اس سے متعلق علوم اہم اور افضل، خصوصاً علم تفسیر اجل العلوم ہے۔ چنانچہ امام اصفہانی فرماتے ہیں کہ بزرگ ترین مصروفیت جسے انسان اپناتا ہے تفسیر قرآن کریم ہے اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ پیشے کی بزرگی یا تو اس کے موضوع اعتبار سے ہوتی ہے جیسے زرگری، یہ رنگائی سے زیادہ قابل احترام ہے۔ کیونکہ زرگری کا موضوع کے سونا اور چاندی ہے اور یہ دونوں چیزیں رنگائی کے موضوع سے کہیں محترم ہیں جو کہ مردا کا چمڑا ہے۔ یا اسکی عزت غرض کی بزرگی کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے طب۔ پس یہ جاروب کشی سے کہیں محترم ہے۔ کیونکہ طبیب کی غرض افادۂ صحت ہے جبکہ جاروب کشی کی غرض بیت الخلاء کی صفائی ہے۔ یا عزت اسکی طرف شدت حاجت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے فقہ۔ پس اسکی طرف حاجت طب کی ضرورت سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ کیونکہ خلق کا اس کائنات میں کوئی واقعہ نہیں جو کہ فقہ کا محتاج نہ ہو۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے دنیا و دین کے احوال کی درستگی کا انتظام ہے۔ بخلاف طب کے کیونکہ اسکی بعض لوگوں کو بعض اوقات میں ضرورت ہوتی ہے۔ پس فن تفسیر تینوں جہتوں سے ہی محترم ہے۔

موضوع کی جہت سے بھی کیونکہ اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو کہ ہر حکمت کا سرچشمہ اور ہر فضیلت کا معدن ہے۔ اس میں ماقبل کی خبر، مابعد کا بیان، معاشرتی مسائل کا حکم ہے۔ کثرت تکرار سے بوسیدہ نہیں ہوتا۔ اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے۔

غرض کی جہت سے بھی محترم کیونکہ اس سے غرض عروہ وثقیٰ سے وابستگی، سعادت حقیقی تک رسائی ہے جس کے بغیر چارہ نہیں اور اسکی طرف شدت ضرورت کی وجہ سے بھی محترم

marfat.com
Marfat.com

ہے کیونکہ دینی یا دنیوی اس جہان کا یا جہان آخرت کا ہر کمال علم شریعہ اور معارف دینیہ کا محتاج ہے اور یہ سب کتاب اللہ تعالیٰ کے علم پر موقوف ہیں۔

## علم تفسیر کے دس مبادیات

ہر فن کی ابتداء کرنے والے کیلئے دس بنیادی چیزوں کی معرفت ضروری ہے تا کہ اس کے متعلق اسے بصیرت حاصل ہو۔ اسکی حد، موضوع، واضع، استمداد، اسم، حکم، مسائل، نسبت، فائدہ اور اس کا مقصد۔

پس علم تفسیر کی تعریف یہ ہے کہ یہ ان اصول کا علم ہے جن کے ساتھ طاقت بشری کے مطابق کلام الٰہی کے معانی کی پہچان ہو اور لغوی طور پر اس کا معنی فسر سے ماخوذ ہے اور یہ کشف ہے۔

اس کا موضوع آیات قرآن کریم ہیں اس حیثیت سے کہ ان کے معنوں کی پہچان ہو۔ اس کے واضع تحقیق کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر اب تک کے راسخین فی العلم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی گواہی دی ہے۔

اس کی استمداد کتاب وسنت، آثار اور عرب عرباء کے فصحاء ہیں۔

اس کا نام علم التفسیر ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ واجب علی الکفایہ ہے۔

اس کے مسائل امر و نہی اور موعظت وغیرہ کی حیثیت سے اس کے فیصلے ہیں۔

اس کی نسبت یہ ہے کہ علوم شرعیہ سے افضل اور ان کی اصل ہے۔

اس کا فائدہ علی وجہ الکمال کلام الٰہی کے معنوں کی معرفت ہے۔

اور اس کا مقصد دارین کی سعادت کے حصول میں کامیابی ہے۔ دنیا میں تو اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کی وجہ سے ہے اور آخرت میں جنت اور نعیم جنت کے ساتھ ہے۔

یہاں تک فقیر حقیر نے فضیلۃ الشیخ شیخ القران حضرت علامہ مولانا غلام علی قادری رضوی اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ کے رسالہ "اشرف التحریر فیما یتعلق بالتفسیر

marfat.com

Marfat.com

" سے استفادہ کیا ہے۔

## طبقات مفسرین

قرآن کریم کے مفسرین کے حسب استعداد و صلاحیت مختلف طبقات ہیں۔ طبقہ محدثین ان حضرات نے آیات کے مناسب آثار کی روایت کا قصد کیا ہے۔ حدیث مرفوع یا موقوف قول تابعی ہو یا اسرائیلی خبر۔

طبقہ متکلمین نے آیات صفات و اسماء کی تاویل کا قصد کیا۔ پس جو مذہب تنزیہہ کے موافق نہ ہوا سے ظاہر سے پھیر دیا اور انہوں نے بعض آیات کے ساتھ مخالفین کے تعلق کا رد فرمایا۔

طبقہ فقہاء نے احکام فقہیہ اور بعض اجتہادی مسائل پر بعض کی ترجیح کا استنباط فرمایا اور مخالف کے استدلال کے جواب کا قصد فرمایا۔ لغوی نحویوں کے طبقہ نے قرآن کریم کی نحو اور اسکی لغت کی وضاحت فرمائی اور ہر باب میں کلام عرب کے پورے پورے شواہد پیش کئے۔

ادیبوں کے طبقہ نے معانی اور بیان کے نکات کو خوب خوب بیان کیا ہے اور یوں وہ حق کلام پورا کرتے ہیں۔

طبقہ قراء قرآن کریم کی اساتذہ قرات سے ماثورہ قرأت روایت کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔

طبقہ صوفیاء یہ حضرات علم سلوک کے متعلقہ نکات پر، یا علم الحقائق کے بارے میں ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے گفتگو فرماتے ہیں۔

قصہ مختصر یہ وسیع میدان ہے۔ ہر کوئی قرآن کریم کا معنی سمجھانے کا قصد کرتا ہے اور ہر ایک کسی فن میں غور و فکر کرتا ہے پس اپنی فصاحت کی قوت اور اپنے فہم کے مطابق کلام کرتا ہے۔

اسی لئے تفسیر میں اس قدر وسعت ہے کہ اسے محدود نہیں کیا جا سکتا۔ پس اس فن میں بے حد و حساب کتابیں پائی جاتی ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

(مستفاد از الفوز الکبیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

marfat.com
Marfat.com

## تفسیر عزیزی کی خوبیاں

مذکورہ بالا اقتباس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کے مشمولات میں کس قدر وسعت اور گنجائش ہے کہ کائنات کے تمام علم کا جامع ہے۔ لیکن سر دست خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تفسیر فتح العزیز کے متعلق جسے عام طور پر تفسیر عزیز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے چند ایک گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ بزبان فارسی قرآن کریم کے متعلق حضرت مفسر قدس سرہ العزیز کا ایک عظیم تحفہ ہے کہ اپنی مثال آپ ہے اور قرآن پاک کی لفظی اور معنوی خوبیوں کے بیان کا انداز اس قدر اثر انگیز اور دلچسپ ہے کہ بنظر انصاف دیکھنے والا اور پڑھنے والا اس کے کلام الٰہی اور معجز بیان ہونے کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے متعلق قدرے وضاحت تفسیر مذکور کے حوالوں سے آرہی ہے۔

یہ بات بجائے خود ایک حقیقت ہے کہ دیگر آسمانی کتب متعلقہ رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کی صورت میں نہ تھیں۔ جبکہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے۔ بطور تحدی اس کے نزول کی وجہ سے تمام کفار اس کے مقابلے سے عاجز رہے۔ صرف ایک آیت پاک کا ہی اثر انگیز اعجاز دیکھیں جس نے پوری دنیائے کفر کو پیوند خاک کر دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین (البقرہ آیت ۲۳) ''اور اگر تمہیں اس میں شک ہو جو ہم نے اپنے عبد خاص پر نازل کیا تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو''۔ اور پھر ساتھ ہی انہیں ہمیشہ کے لئے چیلنج کر دیا کہ ایسا نہیں کر سکو گے۔ حضرت مفسر قدس سرہ نے خصوصیت کے ساتھ اپنی اس تفسیر میں قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور جامعیت کو احسن انداز میں بیان فرمایا۔ اگرچہ بقدر کفایت مسائل بھی اور فضائل بھی بیان ہوئے لیکن اس کتاب عزیز کے اعجاز فصاحت و جامعیت پر نہایت بامقصد بحث کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم حقائق کا ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ مثلاً شیان حق مشتاقان معرفت اور شفتگان حقیقت کو نوازا جاتا ہے اور قرآنی آیات کیا ہیں جواہر عرفان کا جہان مسلسل ہے۔ یہ محض الفاظ کی

marfat.com
Marfat.com

بندش نہیں انوار و تجلیات کا سحاب کرم ہے جس کی بارش ازل سے ابد تک کائنات کو مستفید کر رہی ہے۔

## تفسیر عزیزی اور جمال قرآن

چنانچہ شاہ صاحب موصوف نور اللہ مرقدہ **فاتوا بسورۃ من مثلہ** کے تحت فرماتے ہیں یعنی اے کافرو! اس کلام کی مثل ایک چھوٹی سورت جس کی کم از کم تین آیات ہوں لاؤ۔ جو کہ فصاحت و بلاغت میں اس کلام جیسی ہو جس کی ہر ترکیب برموقع واقع ہو۔ اس میں ہر تشبیہ، ہر مجاز اور ہر کنایہ حسن و لطافت کے ساتھ مستعمل ہو اور اس کے باوجود اکتاہٹ، وحشت اور ترکیبات کی پیچیدگی سے پاک ہو تا کہ پتہ چلے کہ یہ کلام بھی تالیف بشری اور سلیقہ شعری سے ہے اور یہ ان کے لئے آسانی پیدا کرنے کے لئے ہے ورنہ فصاحت و بلاغت کے علاوہ دیگر محاسن بھی ہیں کہ اگر ان کے تتبع کا تم سے مطالبہ کیا جائے تو تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے۔

اول یہ کہ اس کلام کا اسلوب بشری اسلوب کلام سے کہیں جداگانہ ہے خصوصاً سورتوں کے آغاز اور اختتام میں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کلام تناقض اور اختلاف سے مبرا اور پاک ہے۔

تیسری بات یہ کہ اس کتاب میں گزشتہ زمانوں کے گزرے ہوئے واقعات بغیر کسی کتاب کے مطالعہ اور تواریخ کی طرف رجوع کے پوری تفصیل سے مذکور ہیں اور آئندہ کے واقعات بھی کہیں صراحتاً اور کہیں اشارۃً اس سے معلوم ہوتے ہیں اور وہ واقعات بالکل اسی طرح رونما ہوتے ہیں جس طرح اس میں مذکور ہیں۔

## نقصان فصاحت کی متقاضی وجوہ کے باوجود کمال فصاحت

پھر جب ہم اس کلام میں غور و فکر کریں تو اس میں کئی ایسی وجوہ ہیں جو کہ نقصان فصاحت کا تقاضا کرتی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ فصاحت کے درجات کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے۔ یہاں سے یہ بات معلوم کی جا سکتی ہے کہ یہ ذی قوت قادر کے علاوہ کسی کا کام نہیں کہ اس قسم کے موانع کے باوجود بلاغت کی انتہاء کو پہنچا ہوا کلام تالیف ہو سکے۔

marfat.com

Marfat.com

## چند موانع فصاحت کا ذکر

ان موانع میں سے ایک یہ امر ہے کہ عربوں اور ان کے علاوہ ان سے پہلی دیگر اقوام عالم کی فصاحت میں صرف ان چیزوں کی تعریف میں پیش رفت ہوتی ہے جو انہوں نے دیکھی اور سنی ہوں جیسے اونٹ، گھوڑا، غلام، لونڈی، عورت، بیٹا، بادشاہی، جنگ، غارت گری وغیرہ ذالک۔ جبکہ اس کلام میں ان چیزوں کا ذکر بہت قلیل مقدار میں ہے۔ اس کلام میں زیادہ ان چیزوں کا ذکر ہے کہ انہیں کسی نے دیکھا نہ سنا۔ ان چیزوں کے بیان میں دقیق تشبیہات اور بلیغ استعارات کو ملحوظ رکھنا کسی گروہ کی طاقت میں نہیں۔

اور ان میں سے ایک یہ امر ہے کہ اس کلام میں طریق صدق کی رعایت اور جھوٹ سے اجتناب انتہاء کو پہنچا ہوا ہے۔ اس طریقہ کی رعایت اور جھوٹ اور مبالغہ سے پرہیز کا پایا جانا نظم ونثر میں پستی پیدا کرتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ احسن الشعر کذبہ۔ یعنی اچھا شعر وہ ہے جس میں جھوٹ ہو۔ یعنی شعر میں جس قدر مبالغہ زیادہ ہو اسی قدر پر لطف ہوتا ہے۔

اور ایک امر یہ ہے کہ ناظم شعر اور اسی طرح نثر نویس جب واقعہ بیانی اور مضمون بندی میں کلام کا تکرار کرتا ہے تو دوسری مرتبہ اس کا کلام بلندی کے درجہ سے گر جاتا ہے اور ناقص ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس کلام یعنی قرآن کریم میں جہاں بھی تکرار فرمایا گیا ہے لطف میں کہیں اضافہ ہوا ہے۔

نیز جب کلام طویل ہو جائے تو اس میں فصاحت و بلاغت کی رعایت بہت مشکل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے بعض مقامات میں درجہ بلند سے اس کا گرنا لازم ہو جاتا ہے۔ جبکہ یہ کلام پاک اس طوالت کے باوجود درجۂ بلند سے کہیں بھی ساقط نہیں ہوتا۔

ان موانع میں سے ایک امر یہ ہے کہ اس کلام کے مضامین یہ ہے۔ مشقت طلب عبادات واجب کرنا۔ لذیذ چیزوں کو اور نفس کی خواہشات کو حرام قرار دینا۔ لوگوں کو دنیا میں زہد اختیار کرنے، مال خرچ کرنے، مصیبتوں پر صبر کرنے، موت یاد رکھنے اور آخرت کی طرف متوجہ رہنے پر ابھارا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان امور کے بیان سے بلاغت کا دائرہ

marfat.com
Marfat.com

نہائت تنگ ہو جاتا ہے۔

نیز یہ کہ کوئی شاعر اور نثر نویس نہیں مگر اس کے کلام میں ایک مضمون کا ادا کرنا غالب ہوتا ہے۔ یعنی بعض لوگ معشوقوں کے حسن کے بیان میں پوری دسترس رکھتے ہیں۔ بعض بزم میں، بعض جنگ میں اور بعض ہجو میں۔ اسی لئے اساذان عرب نے کہا ہے کہ امرء القیس عورتوں کے حسن اور گھوڑوں کی تعریف میں بے مثل ہے۔ نابغہ جنگ کے بیان میں خوب ہے۔ اعشٰی مجلس شراب اور رقص اور اس کے تماشا کو خوب بیان کرتا ہے اور زہیر مطلب پیش کرنے اور طمع کے اظہار میں بہت دسترس رکھتا ہے اور جب ہم اس کلام پاک کو پوری توجہ سے دیکھیں تو ہر قابل تحسین فن میں بے مثال ہے۔ چنانچہ ترغیب میں اسکی یہ ایک آیت ہی کافی ہے۔ **فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین** (السجدہ آیت ۱۸) ''پس کوئی شخص نہیں جانتا جو نعمتیں ان کے لیے چھپا کر رکھی گئی ہیں جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی''۔

اور ترھیب میں یہ آیت **وخاب کل جبار عنید من ورائہ جھنم ویسقٰی من ماء صدید یتجرعہ ولا یکاد یسیغہ ویانیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیت** (ابراہیم آیت ۱۵ تا ۱۷) ''اور نامراد ہو گیا ہر سرکش منکر حق، اس کے بعد جہنم ہے اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ بمشکل گھونٹ بھرے گا اور حلق سے نیچے نہ اتار سکے گا اور اس کے پاس ہر سمت سے موت آئے گی اور وہ مرے گا نہیں۔

اور ڈانٹ ڈپٹ میں یہ آیت **فکلا اخذنا بذنبہ ، فمنھم من ارسلنا علیہ حاصبا ومنھم من اخذتہ الصیحۃ ومنھم من خسفنا بہ الارض ومنھم من اغرقنا**۔ (العنکبوت آیت ۴۰) ''پس ہر سرکش کو ہم نے اس کے گناہ کے باعث پکڑا، پس ان میں سے بعض پر ہم نے پتھر برسائے اور ان میں سے بعض کو شدید کڑک نے آلیا اور بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض کو ہم نے پانی میں غرق کر دیا''۔

اور وعظ اور عبرت میں یہ آیت **افرأیت ان متعناھم سنین ثم جاءھم ما کانوا یوعدون ما اغنٰی عنھم ما کانوا یمتعون**۔ (الشعراء آیت ۲۰۵ تا ۲۰۷) ''کیا تم نے

marfat.com
Marfat.com

غور کیا اگر ہم انہیں چند سال لطف اندوز ہونے دیں پھر ان پر وہ عذاب جس سے انہیں ڈرایا جاتا تھا تو کیا انہیں وہ ساز وسامان نفع دے گا جس سے لطف اندوز ہوتے تھے"۔

اور الٰہیات میں یہ آیت اللہ یعلم ما تحمل کل انثی وما تغیض الارحام وما تزداد وکل شیء عندہ بمقدار، عالم الغیب والشھادۃ الکبیر المتعال۔ (الرعد آیت ۸) اللہ جانتا ہے جو اٹھائے ہوتی ہے کوئی مادہ اور جو کم کرتے ہیں رحم اور جو زیادہ کرتے ہیں اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازہ سے ہے، وہ جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کو، سب سے بڑا عالی مرتبہ ہے"۔

اور ان میں سے ایک یہ امر ہے کہ یہ کلام دقیق علوم کی اصل ہے جیسے عقائد، باطل ادیان والوں سے مناظرہ، علم اصول فقہ، علم فقہ، علم احوال، علم اخلاق اور دیگر باریک علوم اور اس قسم کے گہرے مسائل کے بیان میں بلاغت کی راہ چلنا بشری طاقت سے باہر ہے اور اگر کسی بلیغ نثر نویس سے فرمائش کریں کہ منطق کے ایک دو مسائل رنگین عبارت کے ساتھ لکھے یا وراثت کے ایک دو مسئلے کلام بلیغ کے ساتھ ادا کرے، اس کے لئے یہ ہرگز ممکن نہ ہو گا۔ پس ان چیزوں سے انہیں یقیناً دریافت ہوگا کہ یہ بشری کلام نہیں بلکہ کلام الٰہی ہے۔

## سورۃ الفاتحہ کے ضمن میں مذکور بعض حکمتیں

یوں تو تفسیر عزیزی کے صفحات اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کے اسرار اور حکمتوں کے بیان سے معمور ومنور ہیں جن سے قاری کے ذوق عرفان کو جلا ملتی ہے اور آپ محسوس کریں گے کہ گلستان معرفت کی سیاحت روحانی سے مستفید ہو رہے ہیں جو کہ حضرت مفسر قدس سرہ العزیز کا ایک منفرد اور انوکھا انداز ہے جس کے لئے حضرت حق جل شانہ نے انہیں شرح صدر سے نوازا۔ صرف تشویق وترغیب مطالعہ کے لئے جستہ جستہ اقتباسات نقل کر رہا ہوں۔ پڑھیے اور ایمان کو جلا دیجئے۔

### الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے حق میں رحمت کی حقیقت، خیر پہنچانا اور شر دور کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دو قسمیں ہیں۔ ذاتی اور صفاتی۔ پھر ذاتی کی دو قسمیں ہیں عام اور خاص، عام

marfat.com
Marfat.com

رحمت' وجود کا فیض عطا کرنا ہے۔ جس سے ہر موجود کو ایک حصہ ملا ہے۔ جبکہ خاص رحمت' قرب الٰہی بخشنا ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے بندوں کو مخصوص فرمایا ہے اور صفاتی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عام اور خاص۔ عام رحمت' ہر موجود کو صفات و اعراض میں سے وہ کچھ بخشنا ہے جو اس کے لائق ہے۔ جبکہ خاص رحمت' ہر موجود کو وہ چیز عطا کرنا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں پر فضیلت حاصل کر سکتا ہے۔ پس یہاں سے معلوم ہوا کہ تسمیہ یعنی بسم اللہ میں رحمٰن ورحیم دونوں اسموں کے مذکور ہونے کے باوجود اس سورت میں یعنی سورۃ الفاتحہ میں انہیں پھر لانے میں تکرار نہیں۔ کیونکہ جو رحمت تسمیہ میں مذکور ہے وہ ذاتی ہے جبکہ جو رحمت کہ یہاں مذکور ہے صفاتی ہے۔ اور جب ذاتی کی دو قسمیں ہیں عام اور خاص تو ان دو قسموں پر دلالت کے لئے دو اسم رحمٰن اور رحیم تسمیہ میں ذکر فرمائے گئے اور چونکہ صفاتی کی بھی دو قسمیں ہیں عام اور خاص۔ تو ان دونوں قسموں پر دلالت کے لئے بھی دو اسم رحمٰن اور رحیم اس سورت میں لائے گئے۔

## دوسری حکمت

اور بعض نے فرمایا ہے کہ تسمیہ میں رحمٰن اور رحیم کا ذکر اس ہیبت کی تسکین کے لئے ہے جو کہ اسم جلالت ''اللہ'' سے اٹھتی ہے اور دل کو مدہوش کر دیتی ہے۔ جبکہ یہاں بندوں کو امیدوار کرنے کے لئے ہے تاکہ مالک یوم الدین سے بیتاب نہ ہوں اور چونکہ اگلی عبارت میں عبادت کا ذکر ہے اور عبادت (نفس پہ) ایک نہایت ناگوار فعل ہے اس لئے ضروری ہے کہ امید کا قائد اور خوف کا سائق ہمراہ دے دیا جائے اور ہر مقام پر دونوں اسم اس لئے لائے گئے ہیں کہ ایک اسم عوام کی ہیبت کی تسکین پر دلالت کرے اور عوام کو امید دلائے اور دوسرا اسم خواص کے لئے۔

## تیسری حکمت

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ظہور عالم کی ابتداء ایک رحمت کے ساتھ جو عام اور خاص ہے، جبکہ اس کی انتہاء بھی ایک رحمت کے ساتھ ہے جو کہ عام اور خاص ہے۔ پس تسمیہ میں ابتدائی رحمتوں کا اشارہ ہے جبکہ یہاں انتہائی رحمتوں کا اشارہ ہے۔ نیز حمد کا مبداء رحمتہائے

marfat.com
Marfat.com

عام وخاص ہے۔ عام رحمتیں عام کی نظر میں جبکہ خاص رحمتیں خاص کی نظر میں۔ پس چاہیے کہ منتہائے حمد بھی اسی تفصیل کے مطابق دو رحمتیں ہی ہوں۔ علاوہ ازیں دیگر حکمتیں بھی مذکور ہیں جو مطالعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

## ذات حق کے ساتھ اختصاص عبادت کی وجہ

ایاک نعبد پر کلام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ذات پاک کے ساتھ عبادت مخصوص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت عبادت اپنے غیر کی انتہائی تعظیم کے لئے انتہائی عاجزی کا نام ہے جبکہ اختیار کے ساتھ صادر ہو۔ پس تسخیری عاجزی (جیسے کہ جانور مسخر ہیں) یا تسخر یا انتہائی تعظیم سے کم تر درجہ کی تعظیم عبادت نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب عاجزی کسی مجبوری کی وجہ سے ہو تو بھی عبادت میں شمار نہیں ہوتی۔ پس حقیقت عبادت بداھتاً اس لائق نہیں کہ کسی کے لئے کی جائے مگر صرف اسی کے لئے جس کی طرف سے اسے انتہائی انعام پہنچا ہو اور یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بندے کے تین حال ہیں۔ ماضی، حال اور مستقبل۔ رہا ماضی تو اسی میں بندہ محض معدوم ہے اور اسے عدم کے پردے سے شرف وجود کے ساتھ مشرف فرمایا گیا۔ وقد خلقتك من قبل ولم تك شيئا۔ (مریم آیت ۹) ''اور میں نے اس سے پہلے تجھے پیدا کیا حالانکہ تو کچھ نہ تھا''۔ پھر نطفہ کی حالت میں مردہ تھا اسے زندہ فرمایا گیا۔ وکنتم امواتا فاحیاکم ۔ (البقرہ آیت ۲۸) ''اور تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ فرمایا''۔ پھر وہ جاہل تھا اسے تعلیم دی گئی اور اسے اسباب علم جو کہ حواس وعقل ہیں بخشے گئے۔ واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ۔ (النحل آیت ۷۸) ''اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے نکالا درانحالیکہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے''۔

رہا زمانہ حال تو اسکی ضرورتیں حد وشمار سے باہر ہیں۔ عمر کی ابتداء سے اسکی انتہا تک اسکی احتیاج کی وجوہ کو قیاس کرنا چاہیے کہ کہاں تک پہنچتی ہیں اور قسم قسم کی تقصیرات اور نافرمانیوں کے باوجود جو کہ اس سے صادر ہوتی ہیں اس کی حاجت روائی اور فضل واحسان

marfat.com
Marfat.com

منقطع نہیں ہوتا۔

رہا مستقبل تو موت کی ابتداء سے لے کر جنت کی رسائی تک وجوہ انعام اور قسم قسم کے عذاب وعقاب سے حفاظت کی صرف اسی جناب سے توقع ہے۔ پس بندے کے لئے کسی حالت میں اس کی ذات پاک کے سوا پناہ گاہ نہیں۔ پس بندے کی عبادت کے لئے بھی اس ذات کے سوا کوئی مستحق نہیں۔

## موجودات سے انتفاع کی حقیقت

اور جہان میں جو کچھ دیکھا سنا جاتا ہے یا تو وہ ایسی چیز ہے کہ اس سے صرف فی الوقت نفع حاصل ہوتا ہے۔ وجود سے پہلے تھا نہ موت کے بعد ہوگا جیسے سورج، چاند، دریا، زمین اور پہاڑ یا جو نفع اس سے ماضی میں حاصل ہوا منقطع ہو گیا۔ جیسے آباء واجداد اور دودھ پلانے والی اور ان جیسی دوسری چیزیں، یا اس سے آئندہ زمانے میں توقع ہے جیسے ارواحِ طیبہ کی امداد اور وہ ذات جس کا نفع بندے کی تینوں حالتوں کو محیط ہو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کے ماسوا جو کچھ ہے وہ مسکین اور اسکی جناب کا محتاج ہے اور محتاج اپنے نفس کی حاجت کا پابند ہے۔ پس اسے کسی دوسرے کو فائدہ پہنچانا غنی مطلق کی امداد کے بغیر نہیں ہوسکتا اور غنی مطلق جو کہ ہر مخلوق کی حاجت پوری کرتا ہے وہی ذات مقدس ہے۔ پس استحقاق عبادت اسی کی ذات میں منحصر ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے وقضی ربك الا تعبدوا الا ایاہ۔ (بنی اسرائیل آیت ۲۳) ''اور آپکے رب نے حکم فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو''۔

## مالک یوم الدین کے ساتھ ایاک نعبد کی مناسبت اور ربط

ایاك نعبد کی مالك یوم الدین کے ساتھ کیا مناسبت اور کیا رابطہ ہے کہ اسے مالك یوم الدین کے بعد لایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت کے تین درجے ہیں۔ اول یہ کہ حور وقصور اور جنات وانہار کے ثواب کی رغبت کے لئے واقع ہو اور یہ درحقیقت کاروبار اور باہمی تبادلہ ہے۔ کیونکہ عاقل جب یقین کے ساتھ جان لے کہ دنیا، لذیذ

marfat.com
Marfat.com

چیزیں اور ساز و سامان سب فانی ہے اور رنج والم سے آلود اور نقصانات سے ملوث اور دوسرا جہان جو کہ اس سے کہیں بہتر اور باقی رہنے والا ہے پیش آنے والا ہے تو اپنے اوقات عزیز کو اس فانی سے پھیر کر اس باقی کے حصول میں صرف کرتا ہے اور اس عبادت کا ثمرہ روز جزا ہی کو ملے گا کیونکہ ثواب کی تمام اقسام کا حصول اسی روز ہو گا۔

عبادت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ سزا کے خوف سے ہو۔ کیونکہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تشریف فرما ہو کر اس سے ڈرایا ہے کہ اگر بندے عبادت نہ کریں تو سزا کے مستحق ہوں گے اور ایک شخص جب صادق اور امین ہو تو اس کی خبر یقین کا فائدہ دیتی ہے چہ جائیکہ ایک لاکھ ۲۴ ہزار (یا کم و بیش) حضرات جو کہ پیغمبران صادق اور راست گو ہیں کی خبر ہو۔ پس یہ عبادت اس غلام اور لونڈی کی اطاعت جیسی ہے جو کہ پٹائی اور کوڑے کے ڈر سے چارو ناچار اپنے مالک کی خدمت میں کمی نہیں کر سکتے اور اس عبادت کے ثمرہ کا ظہور بھی جو کہ عتاب اور سزا سے خلاصی اور نجات ہے روز جزا کے ساتھ متعلق ہے۔

عبادت کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ مشاہدۂ حق کے لئے واقع ہو اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اسی لئے نماز کی نیت میں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خلاصی کے لئے تعلیم نہیں دی گئی۔

## نماز کی نیت میں محض خلوص کی تعلیم کی حکمت

درحقیقت اللہ تعالیٰ اور بندے میں جو رابطہ ہے وہ ثواب، عذاب سے قطع نظر عبادت کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ الٰہیت موجب عزت و ہیبت ہے جبکہ عبودیت خضوع اور عاجزی کی متقاضی ہے اور ظاہر ہے کہ مشاہدہ حق صرف اسی روز کامل ہو گا۔ دنیا کے مشاہدہ کو اس مشاہدہ سے کوئی نسبت نہیں۔ اگرچہ شیفتگان جمال نے حالت سکر میں اس کے برخلاف دم مارا ہو۔ جس طرح کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے۔ امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر ست، درحیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست یعنی آج جب تیرا جمال بے پردہ ظاہر ہے تو میں حیران ہوں کہ کل کا وعدہ کس لئے ہے۔

marfat.com

Marfat.com

پس عبادت کے لئے تینوں درجات میں سے ہر ایک میں روز جزا کے ساتھ تعلق ہے۔اسی لئے ایاك نعبد کو مالك یوم الدین پر مرتب فرمایا گیا ہے۔

## نعبد کا صیغہ جمع لانے کی حکمت

نیز جاننا چاہیے کہ عبادت کرنے والا ایک شخص ہے جبکہ نعبد جمع کے لئے ہے۔یعنی ہم سب عبادت کرتے ہیں یہ صیغہ اختیار کرنے میں نکتہ کیا ہے؟۔نکتہ یہ ہے کہ بندہ اپنی ناقص عبادت کو تمام عبادت گزاروں کی عبادات میں ملا کر بارگاہ اقدس میں پیش کرتا ہے تاکہ مقتضائے کرم عبادات میں تمیز نہ فرمائی جائے اور بعض کے ناقص ہونے کی وجہ سے سب کو رد نہ کیا جائے۔ بلکہ انبیاء، اولیاء بلکہ ملائکہ مقربین کی عبادت کے ہمراہ اس ناقص عبادت کو بھی قبول کرلیا جائے۔ چنانچہ فقہ میں درج ہے کہ اگر ایک شخص دس چیزوں کو ایک ہی قیمت کے ساتھ فروخت کرتا ہے جبکہ ان چیزوں میں سے بعض ناقص ہیں اور بعض نفیس۔تو خریدار کو حق نہیں کہ نفیس لے لے اور ناقص لوٹا دے۔ بلکہ یا تو سب کو قبول کرے یا سب کو لوٹا دے اور چونکہ معاملہ اکرم الاکرمین کے ساتھ ہے اس لئے رد کرنے کا تصور نہیں ہوسکتا۔ لازماً قبولیت ہوگی۔چنانچہ کیا اچھا شعر کہا گیا ہے۔

پذیرند بداں را بطفیل نیکاں رشتہ وا پس ندہد ہر کہ گہر میگرد

یعنی بروں کو نیکوں کے طفیل قبول کرلیتے ہیں کیونکہ جو موتی لیتا ہے وہ دھاگا واپس نہیں کرتا۔نیز جمع کا صیغہ لانے میں باجماعت نماز کی فضیلت کا اشارہ ہے۔گویا مقام عبادت مقام اجتماع ہے اور اجتماع کے بغیر عبادت ناقص ہوتی ہے۔

نیز صیغہ جمع کی تلقین میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بندے کو عزت بخشی گئی ہے۔ گویا یوں فرمایا گیا ہے جب تو نے اپنی بندگی میرے ساتھ درست کرلی اور میری بندگی سے تو نے عار نہیں کی تو ہم نے تجھے ایک امت کے حکم میں لے لیا اور ہم نے لفظ جمع کی تلقین فرمائی۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان ابراهیم کان امة قانتا للّٰه۔(النحل آیت ۱۲۰)''بے شک ابراہیم ایک امت یعنی امام تھے اللہ تعالیٰ کے مطیع''۔

نیز اگر ایاک اعبد کہا جاتا تو اس کا مضمون یہ ہوتا کہ میں تیرا بندہ ہوں۔جبکہ ایاک نعبد

marfat.com
Marfat.com

میں مضمون یوں ہو گیا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں اور یہ مضمون مقام ادب وتواضع کے بالکل مناسب ہے۔

## میت کو جلانے کی بجائے زمین میں دفن کرنے کی حکمت

کفار کی جبلت ہے کہ وہ دین اسلام اور دینی مسائل پر اپنی بے عقلی اور بے شعوری کی بنا پر معترض رہتے ہیں اور تنقید کرتے ہیں۔ جس سے ان کی شکست خوردہ ذہنیت کی بے مائیگی کا پتہ چلتا ہے اور خود انہیں حسد کی جلن سے ان کے خیال میں سکون حاصل ہوتا۔ غیر منقسم ہندوستان میں اسلام کے خلاف بے دینوں کی اس مہم کی تحریکیں عروج پر تھیں۔ جس کا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، آپ کے مستفیدین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر میدان میں ان بے دینوں کا تعاقب کیا، مقابلہ کیا۔ انہیں پیوند خاک کیا۔ اس سلسلے میں حضرت مفسر علامہ قدس سرہ کی عظیم خدمات ہیں۔ اسکی جھلک آپ کی اس تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

چنانچہ سورت عبس میں زیر آیت ثم اماته فاقبره موت کے نعمت ہونے کے دلائل کے بعد آپ نے میت کو ہندوؤں کی طرح جلانے کی بجائے زمین میں دفن کرنے کی خوبیوں پر ایمان افروز بحث کی ہے اور اس مسئلہ شرعی پر ان اشرار کے اعتراض کے تار و پود بکھرے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد کو فرشتوں کے ذریعے آپ کو قبر میں دفن کرنے کی تعلیم دی۔ جو کہ اولاد آدم علیہ السلام کے لئے ایک عظیم نعمت اور بہت بڑا اعزاز ہے۔ کیونکہ اگر جانوروں کے متعلق دستور کی طرح فوت ہونے والے آدمی کو سطح زمین پر چھوڑ دیا جاتا تو متعفن ہونے کی وجہ سے بدبو پھیلتی، معاشرہ پورا گندا ہوتا۔ جانور اسے نوچ ڈالتے اور مردار کھانے والے جانور اسے اپنا لقمہ بنا لیتے اور اسے بہت بڑی حقارت لاحق ہوتی۔ لہٰذا ابن آدم کی تکریم کے لئے اس طریقہ دفن کی غیب سے تعلیم دی گئی۔

## میت کو جلانے اور دفن کرنے کا تقابلی جائزہ

ہندو اپنے مردے کو جلا دیتے ہیں اور قبر نہیں کھودتے اور کہتے ہیں کہ آگ ہر ناپاک کو

marfat.com

Marfat.com

پاک کرنے والی اور ہر بدبو کو دور کرنے والی ہے اور جسے بدبودار کرنا اور متعفن کرنا منظور ہو اسے دفن کرتے ہیں۔ پس آگ کے ساتھ جلانا بہتر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آگ خیانت کرنے والی ہے۔ اسے جو کچھ سپرد کیا جائے اسے کھا جاتی ہے جبکہ زمین امانت دار ہے۔ اس میں جو دفن کریں، باقی رہتا ہے اور مردہ کو زمین کے پاس چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ اسے خائن کے حوالے کیا جائے۔ لہٰذا آدمی کی بلکہ دوسرے جانوروں کی جبلّت ہے کہ جب کسی چیز کو محفوظ کرنا چاہیں تو اسے زمین میں دفن کرتے ہیں جیسے اموال اور خزائن اور جب اسے نیست و نابود کرنا چاہیں تو اسے آگ میں جلاتے ہیں۔ جبکہ آدمی کو روز حشر اور ارواح کے ترک کیے جسموں کے ساتھ اس کے تعلق کی انتظار ہے جو کہ اسے درپیش ہے جب کہ مردہ کو آگ میں جلانا اس انتظار کے خلاف ہے۔

نیز میت کی انتہائی بے قدری ہے کہ اسے آگ میں جلا کر ہوا میں اڑا دیں۔ کیونکہ یہ معاملہ تو گھٹیا اور ناپاک چیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے جبکہ قیمتی چیزوں کو جنہیں باقی رکھنا مطلوب ہے انہیں زمین میں دفن کرنے کے بغیر کوئی معمول نہیں ہے اور یہ جو ہندو کہتے ہیں کہ آگ بدبو کو دور کرتی ہے جبکہ اس کے برعکس زمین بدبودار اور متعفن کرتی ہے۔ یہ تو اس وقت ہے جب کہ اس چیز کو زمین سے باہر لانا منظور ہو اور جب اس چیز کو زیر زمین رکھنا مقصود ہو تو تعفن سے کیا ڈر کہ زمین والوں کو اصلاً کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں دفن کی صورت میں جسم کی کئی رطوبتیں متعفن ہو کر خشک ہو جاتی ہیں اور بدن کے اعضاء و اجزاء سب کے سب اپنی شکل اور مقدار پر رہتے ہیں۔ گویا ایک شخص جس طرح زندگی کی حالت میں نیند کرتا تھا اسی طرح اس حالت میں باقی رہتا ہے۔ بخلاف آگ کے ساتھ جلانے کے کہ اعضاء کو جلا کر شکل، مقدار، رنگ اور صورت میں سے کچھ نہیں چھوڑتی۔

نیز آدمی کی خلقت خاک سے ہے اور **کل شیء یرجع الی اصلہ** کے حکم کے مطابق اسے اس کی اپنی اصل میں لوٹنا چاہیے۔ بخلاف آگ کے جو کہ شیطانوں اور جنوں کی خلقت کا مادہ ہے۔ پس جب آدمی کے بدن کو موت کے بعد اس کے ساتھ جلائیں تو اسکی ارواح لطیفہ آگ کے دھوئیں کے ساتھ آمیزش حاصل کر کے شیاطین اور جنات کے ساتھ

marfat.com

Marfat.com

پوری مشابہت پیدا کرتی ہیں اور اسی وجہ سے ان کی ارواح جو کہ جلائی جاتی ہیں موت کے بعد شیاطین کا حکم لے لیتی ہیں اور آدمیوں کو چمٹ جاتی ہیں اور تکلیف دیتی ہیں۔ پس دفن کرنے میں شے کو اس کی حقیقت کی طرف لوٹانا ہے جبکہ جلانے میں حقیقت کو بدلنا ہے۔

## زمین میں دفن کی دلچسپ دلیل اور ہندو کے قائل ہونے کا واقعہ

یہاں حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں ایک اسلامی لشکر سرزمین سیستان میں وارد ہوا۔ ایک دانا ہندو اسلامی لشکر کی بود و باش دیکھنے کے لئے وہاں پہنچا کیونکہ اسلام ابھی ایک نیا دین تھا۔ ان کے احوال، طور طریقے اور اہل اسلام کے آئین کی تفتیش کے بعد اس نے اعتراض کیا کہ تمہاری سب چیزیں اچھی ہیں مگر تم مردے کو دفن کرتے ہو آگ میں نہیں جلاتے۔ حالانکہ قبر میں دفن کرنا ناپاکی اور بدبو کا باعث ہوتا ہے۔ جبکہ جلانا پاکی اور بدبو زائل ہونے کا موجب۔ فقہائے اسلام میں سے ایک فقیہ وہاں حاضر تھے۔ انہوں نے ہندو سے کہا کہ میں تم سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں۔ اس کا جواب دو۔ ازاں بعد میں تمہارے اعتراض کا جواب دوں گا۔

کہنے لگا پوچھیں، فقیہ نے کہا کہ بتاؤ اگر شخص کسی ملک میں وارد ہوتا ہے اور ایک عورت بغرض نکاح حاصل کرتا ہے جبکہ دوسری عورت صرف باورچی گری کے لئے حاصل کرتا ہے۔ اس منکوحہ سے اس کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ کسی ضرورت کے لئے سفر پر جانے لگتا ہے چاہتا ہے کہ بچہ کسی کے سپرد کر کے جاؤں تاکہ واپسی پر اس سے لے لوں۔ کس عورت کے سپرد کرے۔ اس کے جو اس بچے کی ماں ہے یا اسے سونپے جو باورچی ہے؟ ہندو کہنے لگا: ظاہر ہے کہ ماں کے ہوتے ہوئے اسے باورچی کے سپرد نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ بیٹا ماں سے ہے باورچی عورت سے نہیں۔ فقیہ نے فرمایا: تو نے خوب کہا۔ اب اپنے اعتراض کا جواب سن۔ روح آسمانی جب دنیا میں آئی تو زمین سے مخلوق کر کے ایک بدن اسے عطا فرمایا گیا اور غذا، دوا، لباس، سکونت اور دیگر منافع ہمیشہ کے لئے زمین سے اس تک پہنچا دیئے گئے۔ جبکہ آگ آدمی کے حق میں باورچی گری کے سوا کوئی کام نہیں رکھتی۔ آگ کا انتہائی فائدہ یہی ہے کہ کچھ چیزیں جو کہ زمین سے اگتی ہیں انہیں پکائے۔ پس آدمی کی ماں زمین

marfat.com

Marfat.com

ہے۔اس کا باورچی آگ۔ جب روح نے جو کہ بدن کے باپ کی مانند ہے چاہا کہ عالم برزخ کو جائے تو ناچار اپنے بیٹے کو جو کہ بدن ہے اسکی ماں کے سپرد کرے گا نہ کہ کسی دوسری عورت کے جو کہ باورچی ہے۔ ہندو نے یہ کلام سن کر داد انصاف دی اور قائل ہو گیا۔

## خیرات، فاتحہ خوانی، تلاوت کا میت کے لئے نافع ہونا

نیز آگ کے ساتھ جلانے میں میت کے بدن کے اجزاء کو جدا جدا کرنا ہے جس کی وجہ سے روح کا بدن سے تعلق پورے طور پر منقطع ہو جاتا ہے اور اس جہان کے آثار اس روح کو کمتر پہنچتے ہیں اور اس روح کی کیفیات اس جہاں تک کمتر سرایت کرتی ہیں۔ جبکہ دفن کرنے میں چونکہ اجزائے بدن سب کے سب ایک ہی جگہ ہوتے ہیں اس لئے ازراہ نظر و عنایت روح کا تعلق بدن کے ساتھ بحال رہتا ہے اور روح کی توجہ انس کے طالب زائرین اور فائدہ حاصل کرنے والوں کے ساتھ سہولت کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ بدن کا مکان متعین ہونے کی وجہ سے گویا روح کا مکان بھی متعین ہے اور اس جہان کے آثار جو کہ صدقات، فاتحہ خوانی اور تلاوت قرآن مجید ہیں جب اس جگہ واقع ہوں جو کہ بدن کا مدفن ہے سہولت کے ساتھ نفع بخش ہوتے ہیں۔ پس جلانا گویا روح کو بے مکان کرنا ہے اور دفن کرنا گویا روح کے لئے ایک مسکن تیار کرنا ہے۔

## مدفون اولیائے وصلحاء سے نفع اور فائدہ حاصل کرنا

اسی بناء پر مدفون اولیاء اور دیگر صلحاء مومنین سے نفع اور استفادہ جاری ہے اور ان حضرات کا نفع پہنچانا اور مدد کرنا بھی صورت پکڑتا ہے۔ بخلاف جلائے گئے مردوں کے کہ یہ چیزیں ان کے اہل مذہب کی نسبت سے بھی واقع نہیں ہیں۔ قصہ مختصر قبر اور دفن آدمی کے حق میں ایک عظیم نعمت ہیں۔

## اہل اللہ کے زمین میں دفن کی وجہ سے زمین متبرک اور بوسہ گاہ بنتی ہے

نیز کامل اہل ایمان کے دفن میں حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے ایک عظیم نکتہ ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ سورت نوح کی آیت واللّٰہ انبتکم من الارض نباتا ثم

marfat.com

Marfat.com

یعید کم فیھا ویخرجکم اخراجًا پر گفتگو فرماتے ہوئے آپ نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تکریم انسانی کا یوں تذکرہ فرمایا ہے کہ باوجودیکہ رب العزت نے انسان کو زمین سے اصل قریب اور اصل بعید کے واسطہ سے پیدا فرمایا لیکن تمہارے وجود میں زبردست اور عظیم رفعت پیدا فرمائی۔ دنیا میں بادشاہت، سلطنت، عزت و مرتبہ ظاہری پہنچتا ہے جبکہ دین میں رفعت نبوت و رسالت، امامت، خلافت، قطبیت ارشاد اور ولایت حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس رفعت کے باوجود جو تمہیں حاصل ہوئی تمہیں پھر زمین کی طرف لوٹاتا ہے تاکہ تمہاری رفعت کے سبب سے وہ زمین بھی ترقی اور رفعت مرتبہ حاصل کرے اور تمہارے کاملین کی قبروں کی زیارت کا قصد کیا جائے اور متبرک ہو کر وہ بوسہ گاہ عام وخاص ہو۔

## روز قیامت قبروں سے اٹھنے میں عظیم اعزاز

فرماتے ہیں کہ جب قبروں سے تمہیں اٹھایا جائے گا تو تمہارے وجود میں زمینی اجزاء کے لئے ایسی عظیم ترقی رونما ہوگی کہ کسی کے خیال، وہم اور فہم میں سما نہیں سکتی اور ایک ایسی رفعت حاصل ہوگی کہ دیدار پروردگار کا استحقاق حاصل ہوگا اور ابد الآباد تک اسکی مساکنت اور مجاورت کا شرف ملے گا۔ انتہی۔

یہ ہے حضرت مفسر مکرم قدس سرہ العزیز کے بیان تفسیر کی انفرادیت اور خصوصیت کہ باطل پرستوں کا مدلل رد بھی فرمایا اور اہل ذوق وعرفان کے لئے موت، قبر اور حشر کی ایسی نفیس بحث فرمائی کہ ان سے متعلق ذہنی اضطراب اور کرب کا دفعیہ ہی نہیں فرمایا بلکہ عظمت نبوت، ولایت کا بھی عظیم عقیدہ عطا فرمایا بلکہ ان کے مزارات کو مقصود بالزیارت اور بوسہ گاہ عوام وخواص قرار دے کر نجدی خوارج کے مکروہ عقائد کی دھجیاں بکھیر دیں۔ جو کہ اہل اللہ کے مزارات کو چومنے والوں کو مشرک قرار دیتے ہوئے شرم کی حدود پھلانگ جاتے ہیں۔

## انبیاء، اولیاء کی اور مزارات کی زیارت آنکھوں کی عبادت ہے

بلکہ آپ ایاک نعبد کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ عبادت کی شرع شریف میں کئی قسمیں ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہے اور آنکھ کی عبادت، مشاہدۂ خیر از قبیل کعبہ شریفہ اور قرآن کریم کو دیکھنا۔ بزرگوں کی زیارت جیسے انبیاء واولیاء اور شہداء وصالحین کے مزارات

marfat.com

Marfat.com

کی زیارت کرنا آنکھ کی عبادت ہے۔ یہ ہے اہل سنت و جماعت کا عقیدہ جس کی ترویج و اشاعت ولی اللہی خاندان نے کی جس کے چشم و چراغ حضرت مفسر علامہ نور اللہ مرقدہ ہیں۔

## ربط کلام معجز نظام

دیگر خوبیوں کے علاوہ کلام کی یہ خوبی مرکزی حیثیت رکھتی ہے کہ معنوی طور پر باہم مربوط ہو۔ کیونکہ اگر متکلم غیر مربوط کلام پیش کرتا ہے تو نہ تو وہ مافی الضمیر کو صحیح معنوں میں سامعین کے قلوب میں جاگزیں کرسکتا ہے اور نہ ہی سامعین اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ خصوصاً عربی زبان تو اس معاملہ میں بہت نازک اور نفیس ہے اور یہ معاملہ اس وقت مزید حساس اور نازک ہو جاتا ہے جب متکلم ایک ہی واقعہ کو تکرار سے بیان کرتا ہے تو جیسا کہ نقصان فصاحت کے اسباب میں سابقاً مذکور ہوا کہ کسی واقعہ کو تکرار سے بیان کیا جائے تو فصاحت میں خلل واقع ہوتا ہے۔ لیکن اب یہاں حضرت مفسر علیہ الرحمۃ والغفران کے نورانی اقتباسات سے استفادہ کیجئے کہ ایک ہی واقعہ کے بیان میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں الفاظ کا قدرے اختلاف ہے مگر اس میں خلل فصاحت کی بجائے حسن فصاحت کے انوار چمک رہے ہیں۔

سورۃ البقرہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنی نوازشات اور ان کی بے اعتدالیوں کا ذکر فرمایا کہ انہیں بستی میں داخل ہونے کا حکم ملا تو یہاں سورۃ البقرہ میں اور سورۃ الاعراف میں اسے بیان فرمایا۔ لیکن الفاظ قدرے مختلف ہیں۔ لیکن عیب کی بجائے معنویت سے معمور۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہاں سورۃ البقرہ میں واذ قلنا فرمایا، یعنی جبکہ ہم نے فرمایا اور سورت اعراف میں واذ قیل لھم، فرمایا یعنی جب ان سے فرمایا گیا۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں شروع سے یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم میں افعال ضمیر متکلم کے ساتھ لائے گئے جیسا کہ ظاہر ہے۔ یہاں بھی مناسب ہوا کہ اس قول کو اپنی طرف منسوب کیا جائے اگرچہ یہ الفاظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے تھے تاکہ بنی اسرائیل کی انتہائی بے ادبی ظاہر ہو کہ وہ ہمارے کہے ہوئے کے

marfat.com

Marfat.com

ساتھ تمسخر سے پیش آئے۔ جبکہ سورت اعراف میں بیان کلام اس لئے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی قوم کے دو گروہ تھے۔ ومن قوم موسٰی امة یھدون بالحق وبه یعدلون۔ (الاعراف آیت ۱۵۹) ''اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے جو حق کے ساتھ راہ بتاتا ہے اور اسی کے ساتھ عدل کرتا ہے''۔ وامة ضالة جائرہ۔ ''یعنی ایک گروہ گمراہ جور و جفا پیشہ''۔ اور اس مناسبت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کرامت میں ان کا جدا جدا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس انتشار میں سے ان کا گھاٹ اور پتھر سے جاری ہونے والے چشموں میں علیحدگی اختیار کرنا ہے جو کہ ان کے ذہنی طور پر منتشر ہونے پر دلالت ہے۔ اسی طرح بستی میں داخل ہوتے وقت ان کی حالت کا اختلاف ہے کہ بعض نے حسب الحکم عمل کیا اور بعض نے انتہائی بے ادبی اختیار کی اور اس کہنے میں اللہ تعالیٰ کے بلا واسطہ قول کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی غرض برابر ہے۔ علاوہ ازیں قرائن کے ساتھ معلوم ہے کہ قائل کون ہے اور اس نے کس کے فرمان پر کہا ہے۔ پس ابہام رفع ہو گیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہاں اس سورت میں ادخلوا فرمایا، جبکہ سورہ اعراف میں اسکنوا۔ اسکی کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں اس آیت کا سیاق ان من و سلوی کھانے اور اس نعمت کو اجناس خوردنی اور غلوں سے بدلنے کی طلب کا ذکر ہے۔ پس یہاں مقصود بالذات اس امر کا بیان ہے کہ ہم نے انہیں اس بستی کے غلے کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ جبکہ داخل ہونا اس مقصود بالذات کا موقوف علیہ اور اس کا وسیلہ ہے اور شے کی اجازت دینا اس امر کی اجازت ہے جس پر یہ موقوف ہے۔ اس لئے داخل ہونے کا ذکر بھی ضروری ہوا۔ جبکہ سورۂ اعراف میں اس آیت کا سیاق سفر و حضر میں ان کا اختلاف وانتشار ہے۔ پس سفر میں پانی پینے میں انتشار کا شکار ہو گئے اور حضر میں سکونت اور اس کے طریقے میں انہوں نے اختلاف کیا۔ نیز اس سورت میں بستی کی سکونت کو بھی بطور مقصود بالذات بیان فرمایا گیا۔ کیونکہ جس طرح وہ من وسلویٰ کھانے میں ملال کا اظہار کرتے تھے اسی طرح خیموں میں رہنے سے بھی تنگ آ چکے تھے اور چونکہ سورۂ بقرہ میں سکونت پر داخل ہونا مقدم ہے جو کہ سورۂ اعراف پر مقدم ہے لہٰذا داخل ہونے کا ذکر فرمایا گیا اور سورہ اعراف میں

marfat.com
Marfat.com

سکونت کو بیان فرمایا گیا۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ یہاں ''فکلوا'' فا کے ساتھ لایا گیا جبکہ سورۂ اعراف میں ''وکلوا'' یعنی واؤ کے ساتھ۔ یہ فرق کس بنیاد پر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ دخول ذکر فرمایا گیا ہے اور بستی میں داخلہ مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ مقصود بالذات دوسری چیز ہوتی ہے۔ چاہیے کہ وہ داخلہ پر مرتب ہو اور وہ مرتب ہونے والی چیز غلہ کھانا تھا۔ پس ایسا لفظ لانا جو کہ ترتیب کا پتہ دے ضروری ہو گیا۔ جبکہ سورہ اعراف میں چونکہ اسکنوا کا لفظ لایا گیا اور بستی کی سکونت مقصود بالذات ہوتی ہے اس کے بغیر کہ کسی دوسری چیز کا وسیلہ ہو۔ مناسب ہوا کہ وہاں غذائی اجناس اور غلوں کا کھانا ترتیب سے خالی عطف کے طریقے سے بیان فرمایا جائے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ یہاں رغدا کا لفظ بڑھایا گیا ہے جبکہ اعراف میں یہ لفظ گرا دیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں مقصود بالذات غذائی اجناس اور غلوں کے کھانے کا جواز ہے اور اس میں وسعت دی گئی ہے۔ پس اس کی تاکید رغدا کے لفظ کے ساتھ مناسب ہوئی اور اعراف میں سکونت مقصود بالذات ہے اور کھانا اس بنیاد پر کہ سکونت اسے لازم کرتی ہے بھی جائز ہوا اور ضروری چیز کو بقدرت ضرورت ہی مقرر کیا جاتا ہے۔

نیز میووں سے پُر باغ میں داخلہ میوے سے سیر ہونے کو لازم نہیں کرتا کہ کھانے پینے کا مقام تو اس باغ کے علاوہ ہوتا ہے اور کسی مکان میں سکونت اس مکان کے طعام سے سیر ہونے کو لازم کرتا ہے۔ کیونکہ جائے سکونت کے علاوہ کوئی دوسرا مکان کھانے پینے کے لئے نہیں ہوتا۔ پس دونوں سورتوں میں لفظ ''دخول'' ''سکونت کا جو فرق واقع ہوا وہ ''رغدا'' کے لفظ کے ذکر اور حذف کرنے کا متقاضی ہوا۔

ایک سوال یہ ہے کہ یہاں بما کانوا یفسقون فرمایا گیا اور سورہ اعراف میں یفسقون کی بجائے ''یظلمون'' ارشاد فرمایا گیا۔ اس فرق کا نکتہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ فعل ان کے اپنے حق میں ظلم تھا کہ اس کی وجہ سے وہ معرض غضب الٰہی میں داخل ہوئے اور فسق تھا اللہ تعالیٰ کے دین کی نسبت سے۔ دونوں سورتوں میں اس فعل کو ان

marfat.com
Marfat.com

دونوں بری صفات یاد کیا گیا۔ البتہ اس سورت میں فسق کے ذکر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اپنے حق میں ان کا ظلم اسی سورت میں عنقریب گزرا ہے۔ **وما ظلمونا ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔** اگر یہاں کی وہی لفظ مذکور ہوتا تو تکرار کا وہم لاحق ہوتا۔ بخلاف اعراف کے کہ وہاں ان کا وصف ظلم کے ساتھ ذکر نہیں گزرا۔ اس لئے یہی لفظ لانا مناسب ہوا۔

ماقبل میں آپ نے ایک ہی واقعہ کے متعلق دو مختلف مقامات پر اس کے بیان میں بعض لفظی تنوعات کی حکمت کا مطالعہ کیا۔ لفظوں کے فرق میں معنوی ربط ہے۔ انتشار نہیں۔ اب آخر میں ذرا قرآن کریم کی مرتب بعض سورتوں میں معنوی اتصال کا جہان حقائق ملاحظہ فرمائیں۔

## قرآن پاک کی سورتوں میں باہمی ربط وتعلق

سورۃ النباء اور سورۃ والمرسلات میں اس جہت سے ربط واقع ہے کہ ہر دونوں سورتوں میں جزاء دینے کا عمل یوم الفصل کے آنے پر وابستہ بیان کیا گیا اور یوم الفصل کے کچھ احوال بیان فرماتے گئے ہیں اور کفار کا قیامت کے آنے میں جو تعجب تھا اسی مقدمہ کے ذریعے دفع کیا گیا کہ جب قیامت کا آنا یوم الفصل کے بغیر نہیں ہوتا اور یوم الفصل اس جہان کی تخریب اور نوع انسانی کے منقطع ہوئے بغیر صورت نہیں پکڑتا تو اس سے پہلے ہی جزا کا مطالبہ اسی طرح ہے۔ جس طرح کہ موسم گرما میں موسم سرما کا میوہ چاہیں اور موسم سرما میں موسم گرما کا میوہ طلب کریں کہ یہ صریح ایذاء رسانی اور قبیح الجھاؤ ہے۔

اس کے علاوہ ان دونوں سورتوں کے متفرق مضامین میں کمال مشابہت واقع ہے۔ وہاں **واذاالسماء فرجت واذاالجبال نسفت** واقع ہے جبکہ یہاں **وفتحت السماء فکانت ابوابا وسیرت الجبال فکانت سرابا** ہے۔ وہاں **الم نجعل الارض کفاتا۔ وجعلنا فیھا رواسی شامخات واسقیناکم ماء فراتا** واقع ہے اور یہاں **الم نجعل الارض مھادا والجبال اوتادا۔ وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا** ہے۔ وہاں جہنم کی جلن اور اسکے شراروں کے شعلہ زن ہونے کا ذکر ہے۔ جبکہ

marfat.com
Marfat.com

یہاں جہنم میں ٹھنڈے پانی کا قحط اور شدید گرم پانی پینے کا ذکر ہے۔ وہاں هذا یوم لاینطقون ہے جبکہ یہاں یوم یقوم الروح والملائکہ صفالا یتکلمون ہے۔ وہاں ان المتقین فی ظلال وعیون وفواکه مذکور ہے جبکہ یہاں متقین کے لیے حدائق واعنابا کا وعدہ دیا گیا ہے۔ وہاں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر کافروں کو دنیا میں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایک بار پشت خم کرو نہیں کرتے۔ جبکہ یہاں ارشاد ہوا کہ قیامت کے روز آرزو کریں گے کہ کاش کہ ہم خاک کے برابر ہو جائیں اور عذاب سے خلاصی پا لیں۔ اس تکبر و نخوت کو اس زاری اور ذلت سے کیا نسبت۔

اس سے اگلی سورت والنازعات کے متعلق فرماتے ہیں کہ ظاہری نظر میں اس سورت کا سورہ والمرسلات کے ساتھ ربط قوی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس سورت کا آغاز اس سورت کے آغاز سے کمال مشابہت رکھتا ہے۔ بلکہ پورے قرآن کریم میں اس انداز کے ساتھ پانچ سورتوں کا آغاز واقع ہے۔ پہلی سورت صافات پارہ ۲۳۔ دوسری سورت ذاریات پارہ ۲۶۔ تیسری سورت مرسلات پارہ ۲۹۔ چوتھی سورت نازعات پارہ ۳۰ اور پانچویں عادات پارہ ۳۰۔

جبکہ صافات میں تین صفات مذکور ہیں یعنی والصافات صفا، فالزاجرات زجرا، فالتالیات ذکرا. ذاریات میں چار صفات مذکور ہیں۔ یعنی والذاریات ذروا، فالحاملات وقرا. فالجاریات یسرا، فالمقسمات امرا اور باقی تین سورتوں میں پانچ پانچ صفات مذکور ہیں۔ یعنی والمرسلات عرفا، فالعاصفات عصفا. والناشرات نشرا. فالفارقات فرقا. فالملقیات ذکرا اور والنازعات غرقا. والناشطات نشطا۔ والسابحات سبحا۔ فالسابقات سبقا۔ فالمدبرات امرا اور والعادات ضبحا. فالموریات قدحا۔ فالمغیرات صبحا. فاثرن به نقعا. فوسطن به جمعا۔ البتہ سورت عادیات دو جہت سے ان دو سورتوں کے ساتھ مشابہت میں کم ہے۔ ایک جہت تو اس کا چھوٹا ہونا اور ان دونوں سورتوں کا طویل ہونا ہے۔ دوسری جہت یہ ہے کہ سورت عادت میں دو صفات صیغہ فعل کے ساتھ مذکور ہیں یعنی فاثرن به

marfat.com
Marfat.com

نقعا فوسطن به جمعًا۔ جبکہ ان دونوں سورتوں میں پانچوں صفات اسم فاعل کے صیغے کے ساتھ مذکور ہیں۔ پس یہ دونوں سورتیں مطلع کے انداز میں کمال مناسبت رکھتی ہیں۔

## سورۃ المرسلات اور عم یتساء لون نیز عم یتساء لون اور نازعات میں مناسبت

لیکن دور بین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے گہری سوچ کے ساتھ دریافت کیا کہ سورت والمرسلات کا مدار یوم الفصل اور اس کے احکام کے بیان پر ہے۔ جبکہ سورت عم یتسائلون بھی یوم الفصل کے واقعات کی کیفیات کی شرح ہے۔ پس گویا سورت عم یتساء لون، سورت مرسلات کی شرح اور بقیہ ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ متصل لکھ دیا گیا۔ اس کے بعد مطلع کی مناسبت کی رعایت کی بناء پر اس سورت کو لایا گیا۔ نیز گہری نظر دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے مضامین کو عم یتساء لون کے مضامین کے ساتھ اس حد تک مناسب ہے کہ ایک ہونے تک نوبت جا پہنچی۔ اس مناسبت کے ہوتے ہوئے مناسبت مطلع کی رعایت اس قدر اہم نہیں۔

## عم یتساء لون اور والنازعات کے مضامین کی مناسبت کی تفصیل

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وہاں احوال قیامت کے متعلق کفار کا سوال کرنا ایک دوسرے سے مذکور ہے۔ جبکہ یہاں ان کے متعلق سوال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے کہ یسئلونك عن الساعة ایان مرساها۔

پھر وہاں الم نجعل الارض مهادا واقع ہے جبکہ یہاں والارض بعد ذالك دحاها ہے۔ وہاں والجبال اوتادا ہے جبکہ یہاں والجبال ارساها ہے۔ وہاں وجعلنا الیل لباسا وجعلنا النهار معاشا ہے۔ جبکہ یہاں واغطش لیلها واخرج ضحاها ہے۔ وہاں سبعا شدادا تو یہاں ء انتم اشد خلقا ام السماء بناها ہے۔

وہاں بارش کے پانی کا ذکر ہے جو کہ آسمان کی طرف سے آتا ہے اور نباتات اگاتا

marfat.com
Marfat.com

ہے۔جبکہ یہاں چشموں کے پانی کا ذکر ہے جوکہ زمین سے پھوٹتا ہے اور اگانے میں مدد کرتا ہے۔اخرج منہا ماء ھا ومرعاھا۔

وہاں یوم ینفخ فی الصور ہے۔جبکہ یہاں تبتعہا الرادفۃ ہے۔وہاں جہنم کے بارے میں فرمایا للطاغین مآبا جبکہ یہاں فاما من طغٰی وآثر الحیوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوٰی ہے۔وہاں جہنم میں دوزخیوں کا طویل عرصہ تک ٹھہرنا اس عبارت کے ساتھ ارشاد فرمایا لٰبثین فیہا احقابا،جبکہ یہاں اس سورت میں جہنمیوں کا برزخ اور دنیا میں قلیل مدت تک ٹھہرنا اس عبارت سے بیان ہوا۔ لم یلبثوا الاعشیۃ اوضحاھا۔وہاں جنت اور اسکی نعمتوں کے بارے میں فرمایا۔ ان للمتقین مفازا۔ جبکہ یہاں فرمایا واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی۔علاوہ ازیں دیگر مناسبتیں بھی ہیں جوکہ غور وفکر سے ظاہر ہوتی ہے۔مناسبات کے بیان میں مذکورہ آیات کا ترجمہ نہیں لکھا کہ آپ ان سورتوں کے ترجمہ میں اس سے مستفید ہوں گے۔

بقدر امکان عجلت اور کچھ اختصار پیش نظر۔ بنابریں چند ایک مقامات سے متعلق وضاحتیں پیش خدمت کی ہیں۔امید ہے کہ یہ اقتباسات اس عظیم تفسیر سے استفادہ کا شوق بڑھائیں گے اور رغبت دلائیں گے۔اگرچہ مضامین میں بعض مقامات پر کافی گہرائی ہے جو کہ خصوصی توجہ اور انہماک کی متقاضی ہے لیکن مشتاقان حقیقت کا شوق وذوق انشاءاللہ العزیز زاد سفر ہوگا۔

مشمولات فتح العزیز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علوم وحقائق کا ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ عقل کے پرستاروں کی راست راہنمائی۔آیات اور سورتوں کے باہمی ربط ومعنوی اتصاف سے مطلع ہوکر محسوس ہوتا ہے کہ موتی پروئے ہیں جن سے عرفان وایمان کا حسن دوبالا ہوتا ہے۔فرق باطلہ ازقبیل معتزلہ۔ملاحدہ اور فلاسفہ کا ایسا معقول اور پرمغز رد ہے اور ان کے اعتراضات،اشکالات کو یوں اٹھایا ہے کہ ذالک الکتاب لاریب فیہ ایک تابندہ ودرخشندہ حقیقت کی صورت میں جگمگاتا چمکتا نظر آتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

مقام مسرت یہ ہے کہ مکمل تیس پاروں کی تفسیر دستیاب نہیں۔ البتہ حضرت مفسر علام قدس سرہ نے تکمیل کے اشارات تو دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ تکمیل نہیں ہوسکی۔ یا تکمیل ہوگئی مگر مواد کہیں ضائع ہوگیا۔ اگر مکمل تفسیر موجود ہوتی تو حقائق کا خزانہ تھا۔ اللہ اپنے دین کا محافظ ہے۔

فقیر حقیر، سید محمد محفوظ الحق غفرلہ

جامع مسجد غلہ منڈی بوریوالہ

شب ہشتم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

۱۳۔ مئی ۲۰۰۸ء شب چہارشنبہ

marfat.com
Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(اے رب کریم) حمد کو تیری ذات سے ایسی موزوں نسبت ہے کہ کسی کی تعریف کی جائے اصل میں تیرے آستان کرم ہی کی تعریف ہے۔ تمام زبانوں سے پاکیزہ شکریہ اسی کی درگاہ کی طرف لوٹتا ہے۔ اور تمام زمانوں میں کی گئی تعریف جو کہ ہر آلائش سے پاک ہے اسی کی بارگاہ کے لائق ہے۔ اعضائے مخلوق کی کیا مجال کہ خالق کی شان کبریائی میں اس کی کماحقہ تعریف کرسکیں۔ کس کے ہاتھ اور زبان سے ممکن ہے کہ اس کے شکر کی ذمہ داری پوری کرسکے؟ ہزار گناہوں سے شرمندہ' بندہ کا کیا منہ؟ کہ بے اثر حرف اور بے قدر آواز سے رب پاک کی مدح سرائی کا کام سرانجام دے سکے۔ (بیت) اس ناطے سے میری امید منقطع ہوگئی ہے کہ ذرۂ خاک' سورج کا شکریہ کیا ادا کرسکتا ہے۔

اور ازل سے ابد تک عالی صفات' مکارمِ اخلاق کو پورا کرنے والی' انفس وآفاق میں سب سے ممتاز' اقرار عالم میں سب سے بزرگ اور تمام بنی آدم سے افضل ذات پاک پر بے شمار درود ہوں۔ بیت۔ خاک دان عالم میں ہونے کے باوجود عرش کی بلندیوں پر آپ کی منزل ہے۔ کسی سے پڑھے نہیں مگر سب کتابوں کا علم دل میں ہے۔ افلاک کی وسعتوں میں تیزی سے چلنے والے' لولاک کے سمندر کے گوہر تابدار' ابھی حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے کہ آپ کی مملکت جان ودل پر فرمانروائی تھی۔ اس لئے کہ آپ نے بت پرستی کی تاریکی میں گم اور بدمستی کے دریا میں غرق لوگوں کو شمع ہدایت کے نور کے ساتھ گمراہی اور بے راہ روی سے نکال کر سیدھی راہ دکھائی۔ اور ذات حق کے قرب وحضوری کے مقام تک پہنچانے کیلئے ان پرنور وسرور کے دروازے کھولے۔ ازل سے ابد تک آپ پر' آپ کی آل اور اصحاب پر ہزار ہزار آفریں ہو۔

اما بعد! یہ عیبی' ناقص سوچ والا' باطنی خوبیوں سے خالی' حرف ترخیم کی طرح ساقط

marfat.com
Marfat.com

الاعتبار وصل کے الف کی طرح گمنام' شعور و تمیز سے بے بہرہ جس کا نام عبدالعزیز ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخشے اور پردہ پوشی فرمائے' اگر اپنے نسب کی تعریف میں ظاہری تعلق کے اعتبار سے بات کرے تو یوں کہتا ہے کہ میں عرفان کی زبان' ترجمان القرآن' خاتمۃ المحدثین' سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیہم وبارک وسلم کے علوم کے وارث' امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیم' نبوی معجزات میں سے ایک معجزہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا بیٹا اور عظیم حالات' رفیع درجات والے اہل سلوک وعرفان کے مقتدا' مقام جذب واحسان کے جامع حضرت شیخ عبدالرحیم دہلوی کا پوتا ہوں' اللہ تعالیٰ اعلیٰ علیین میں دونوں کے درجات بلند فرمائے۔ اور شہداء وصدیقین کے زمرہ میں دونوں کو جمع فرمائے۔

لیکن روحانی تعلق کے نہ ہونے پر نظر کرتے ہوئے ڈرہے کہ آگ کی عار دھوئیں اور پانی کیلئے ننگ کیڑے کی طرح نہ ہو جاؤں۔ حضرت نبی کریم کی ذات پر لاکھوں درود اور لاکھوں سلام ہوں کی ہجرت مقدسہ کے ۱۲۰۸ سال میں برادر دینی' جوہر نتیجہ حق گزینی' خدا طلبی کی راہ کے سالک' سچائی کے طریقہ کو لازم کرنے والے' مقبول بارگاہ خداوندی' مرجع خلائق مولانا و بالفضل اولانا فخر الملۃ والدین محمد قدس اللہ سرہ الامجد شیخ مصدق الدین عبداللہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رضا کی توفیق دے اور دنیا و آخرت میں اسے لطف واحسان سے نوازے کے شوق اور طلب پر پہلے سورۃ فاتحہ اور قرآن پاک کے (اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ہمیں اس کی آیات سے نفع دے) آخری دو پاروں کے معانی کی وضاحت کے لئے کہ اکثر مسلمان پانچوں نمازوں' جمعہ' انبیاء علیہم السلام' اولیاء اللہ کی ارواح مقدسہ کی جلوہ گاہوں' صلحاء وعرفاء کے مزارات کی زیارت کے موقعوں پر انہیں سورتوں کی تلاوت کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کے مضامین کو دریافت کرنے کی تشنگی پاتے ہیں۔ پھر سورۃ بقرہ سے شروع کر کے کہ اس شعر کے مصداق کے مطابق میں نے محبت کی شراب پیالوں کے پیالے پی مگر نہ تو شراب ختم ہوئی۔ اور نہ میں سیر ہوا' کلام الٰہی کے حقائق ودقائق کے حل میں زیادہ رغبت ہوئی' میں ایسی سادہ فارسی زبان میں جو کہ ان علاقوں میں متعارف ہے۔ اور اس دور کی رائج تمثیلات استعمال کیں اور اہل عربیت کی غیر ضروری طوالت کو حذف کر کے'

marfat.com
Marfat.com

بعید از فہم توجیہات کو گرا کر اور ضعیف روایات پر تنبیہ کر کے تفسیر لکھائی۔ اور اس برادر دینی نے اس کا لفظ بلفظ لکھا جبکہ کسی کتاب کی طرف رجوع ہی نہیں کیا۔ اور نہ ہی کوئی مجموعہ مضامین مسودہ یا مضامین کا انتخاب پیش نظر تھا۔ اگرچہ استعداد بلند' فطرت ارجمند' معانی پیدا کرنے کی قدرت' خیال کے انتخاب کی قوت' فیاض ازلی سے روحانی تعلق' قوانین تصفیہ کے ساتھ ریاضت یافتہ دل' ظاہری حالات کی درستی اور سکون قلب جو کہ اس کام کی معتبر شرائط ہیں بالکل ناپید تھیں۔ اور توجہ میں خلل ڈالنے کے قسم قسم کے اسباب یکسوئی کو منتشر کرنے کے کئی عوارض' دائمی امراض و تکالیف' دل و دماغ کی کمزوری اور تنگ ظرفی اس عمل تفسیر کی راہ میں قوی رکاوٹیں ہیں جو کہ یہاں وافر طور پر موجود جب تفسیر پوری ہوگئی تو دیکھا کہ منگتوں کے کاسۂ گدائی کی طرح طرح قسم کے نوالوں سے پر ہے۔ اور درویشوں کے پیوند لگے کپڑوں کی طرح مجموعی طور پر عجیب و غریب ہے تو بلند فکر و نظر والوں اور سعید فطرت کے استعداد والوں سے امید کرتا ہوں کہ جب وہ فقیرانہ لنگر کو پائیں تو جو لقمہ ان کے ذوق کے مطابق ہو اسے استعمال فرمائیں اور جو نوالہ انہیں لذت بخشے تناول فرمائیں اور اپنے ذوق کو کام میں لاتے ہوئے ادراک کے دانتوں کی زکات دیں اور ان اوراق کو جمع کرنے والے کو ایک دسترخواں کے ریزے چننے والے سے زیادہ اہمیت نہ دیں۔ کیونکہ بموجب حدیث پاک اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ یُعْطِیْ 'میں تو تقسیم کرنے والا ہوں عطا تو سب اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور کلام اللہ کی تفسیر جو کچھ متکلم کی ذات پاک کی طرح غیر منتہی شانوں کی جامع ہے کو ایک طریقہ پر ہی نہ سمجھیں اور اللہ تعالیٰ کے فیض کو ایک خاص نہج پر منحصر نہ جانیں اور اگر ان کے معرفت آمیز باطن کو اس سے روحانی مسرت حاصل ہو تو بارگاہ رب العزت سے دعا مانگیں۔ اور میں بھی اس کے فضل و کرم سے سوال کرتا ہوں کہ جس طرح مجھے شروع ہونے کی توفیق دی اسے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور وہ وہی ذات کہ اس کی عزت و جلال سے اچھے اعمال پورے ہوتے ہیں۔ اور تمام حالات میں اسی پر اعتماد ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد النبی الامی والہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ واتباعہ و خدامہ۔

marfat.com
Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بخشنے والا مہربان ہے۔ بسم اللہ شریف میں ان تین اسماء کو اختیار فرمایا تا کہ ان تینوں سے امداد حاصل ہو۔ اور انہیں اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا و آخرت کا ہر کام تین چیزوں پر موقوف ہے۔ ایک تو اس کام کے اسباب کا مہیا ہونا اور یہ اسم جلالت ''اللہ'' کے تصرفات سے ہے۔ کیونکہ یہ اسم پاک تمام صفات پر دلالت فرماتا ہے دوسرے اس کام کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک ان اسباب کا باقی رہنا۔ اور یہ صفت ''رحمٰن'' کا تقاضا ہے۔ اور جہان کی بقا اسی سے وابستہ ہے۔ تیسرے اس کام کے نتائج حاصل ہونے پر اس کے ثمرات کا مرتب ہونا اور یہ صفت رحیمی کا تقاضا ہے کہ بندوں کی کوشش کو ضائع نہیں فرماتا۔

## سورۂ فاتحہ کی شانِ نزول

سورۃ فاتحہ کی شان نزول یہ ہے کہ مولانا یعقوب چرخی نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ یہ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ اور اس واقعہ کی کیفیت یوں ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب جنگل میں جاتا تو ایک آواز سنتا ''یا محمد'' ایک نورانی شخص کو زمین و آسمان کے درمیان لٹکتے ہوئے زریں تخت پر دیکھتا۔ اس آواز سے خوف محسوس کرتے ہوئے بھاگ جاتا جب یہ واقعہ کئی دفعہ رونما ہوا تو میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ اور وہ تورات وانجیل کے عالم تھے۔ اور انہوں نے نصرانی علماء سے کافی علم حاصل کیا تھا۔ تو انہوں نے مجھے کہا کہ اب جب آپ آواز سنیں تو بھاگیں نہیں۔ اور توجہ کیجئے کہ کہنے والا کیا کہتا ہے۔ میں نے اسی طرح کیا جب پھر آواز آئی ''یا محمد'' میں نے لبیک کہا۔ اس نے کہا میں جبرئیل ہوں۔ اور آپ اس امت کے نبی ہیں پھر اس نے کہا کہ یہ پڑھیے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پھر اس نے کہا کہ کہیے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں نے سورۃ فاتحہ آخر تک تلاوت کی۔

marfat.com

Marfat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ 'تمام تعریف وثنا اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو کہ سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ یہ سورت بندوں کی زبان پر نازل ہوئی۔ بندہ کو چاہئے کہ مناجات و دعا کی حالت میں اس طرح کہے۔ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کی صفت اس لئے لائی گئی تا کہ تعریف وثنا ایک ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص رہے۔ کیونکہ یہ صفت اس کے غیر میں موجود نہیں ہے۔

## اجمال کی تفصیل

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ربوبیت کا معنی ہے پالنا' یعنی کسی چیز کو درجہ بدرجہ اس کے کمال کی حد تک پہنچانا' جیسے باغبان کہ زمین میں بیج ڈالتا ہے۔ اور جب پودا بن جائے تو پانی دے کر اور شاخ کاٹ کر اس کی تربیت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کمال کی حد تک پہنچ جائے۔ اور اسے پتے اور پھل لگیں۔ اور اسی طرح والدین اپنی اولاد کے معاملہ میں۔ اور یہ پرورش کبھی ایک آدمی یا چند آدمیوں کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ جیسے ماں باپ کہ وہ اپنی اولاد کے حق میں یہ کام کرتے ہیں۔ یا باغبان جو کہ ایک باغ یا دو باغوں کے حق میں یہ کام کرتا ہے یا بادشاہ اور امیر جو کہ اپنے متعلقہ اشخاص اور لشکریوں کے بارے میں یہ عمل کرتے ہیں۔ اس قسم کی خاص پرورش کو کوئی بھی توحید پرست یا مشرک قابل عبادت نہیں سمجھتا۔ اور کبھی پرورش عام ہوتی ہے کہ ایک قسم یا دو قسم یا چند ایک قسموں کو شامل ہوتی ہے۔ جیسے چاند سورج کی پرورش' یا عناصر کی پرورش یعنی ان روحانیت کی پرورش جو کہ ان عناصر سے متعلق ہیں۔ جیسے جوالا جو کہ آگ کے ساتھ متعلق ہے۔ اور بھیروں جو کہ پانی سے متعلق ہے۔ اور اس قسم کی عام پرورشوں کو مشرکین عبادت کے لائق سمجھتے ہیں۔ اور پوجا کرتے ہیں۔ جس طرح اشراقیین کے مذہب میں ارباب انواع کہتے ہیں۔ اور فلاسفہ کے مذہب میں ارواح ونفوس کہتے ہیں۔ اور اہل دعوت کی اصطلاح میں موکلات کا نام دیتے ہیں۔ لیکن یہ عام پرورش صرف ایک جہان میں ہے۔ مثلاً سورج کی پرورش گرمی اور خشکی اور چاند کی پرورش ٹھنڈک اور تری کے جہان میں ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور جب یہ ربوبیتیں بھی خاص ہوئیں تو عبادت کے قابل اور ثناء و تعریف کے لائق نہ رہیں۔ کیونکہ انہیں خاص

marfat.com

Marfat.com

کرنے والا کوئی اور ہے۔ جو کہ حقیقت میں قابل عبادت اور ثنا و تعریف کے لائق ہے۔ اور وہ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہے کہ سب جہانوں میں اس کی پرورش جاری و ساری ہے۔ اسی لئے جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ رب العالمین کون ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا آسمانوں' زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کا رب۔ فرعون کو اس سے تعجب ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرمایا: رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَاءِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ تمہارا اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا رب۔ پہلی بار آپ نے مکانات میں عموم ربوبیت کو بیان فرمایا۔ اور دوسری بار اوقات میں ربوبیت کے عموم کا تذکرہ فرمایا۔ جب فرعون نے اس حقیقت کو ناممکن سمجھا کہ ایک ذات متعدد مقامات اور طویل زمانوں میں کس طرح ربوبیت کر سکتی ہے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جنون کا اعتقاد پیدا کر لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیسری مرتبہ فرمایا: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا مشرق و مغرب اور ان کے درمیان ہر شے کا رب۔ یعنی جس طرح کہ اس کی ربوبیت زمانوں اور مکانوں میں عام ہے۔ اسی طرح غیر متناہی شکلوں میں بھی عام ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قابل عبادت اور تعریف و ثنا کے لائق اسی کی ذات ہے کہ ہر چیز اسی کی محتاج ہے۔ اور اس کی ربوبیت کسی خاص جنس یا نوع یا شخص کے ساتھ مقید نہیں۔ اور اسے اپنی شان ربوبیت میں کوئی غرض یا بدلہ پیش نظر نہیں۔ یہاں جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی رُبوبیتیں اگرچہ ظاہر میں ربوبیتیں ہی ہیں مگر حقیقت میں خاص و عام کی ربوبیت اس کی ذات پاک سے مخصوص ہے۔ کیونکہ ربوبیت کی حقیقت کا تصور کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانے' فائدہ اور پرورش کے اسباب پیدا کرنے' فائدہ حاصل کرنے پر قدرت دینے اور فائدہ حاصل کرنے میں رکاوٹیں دور کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔ اور یہ صفات اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا غیر خدا میں ثابت نہیں۔ کیونکہ دوسرے پرورش کرنے والے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اپنی پرورش میں استعمال کرتے ہیں۔ اور رکاوٹوں کو دور کرنے اور شرائط حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ خلاصہ یہ کہ وہ پرورش کرنے والے بجائے خود پرورش کی شرائط اور وسائل ہیں۔ اور اسی لئے

marfat.com
Marfat.com

حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰت اور سلامہ علیٰ نبینا وعلیہ نے ان اسباب و وسائل کو کلی طور پر نظر انداز کر دیا۔ اور دین حنیف کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ان سے یہ قول منقول ہے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس اعتقاد کو پسند فرمایا۔ اور آپ کو ملتوں کا امام قرار دیا۔

## اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جاننا چاہئے کہ دو قسم کی رحمت پرورش کے لوازمات میں سے ہے۔ رحمت کی پہلی قسم وہ ہے جو کہ عین پرورش کے وقت ہوتی ہے۔ اور اگر وہ رحمت نہ ہو تو پرورش کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اس رحمت کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے زیر پرورش کیلئے جو کچھ ضروری ہے عطا کرے۔ اس کی ہر وقت کی ضروریات کا اہتمام کرے۔ اور ہر لحہ اس کیلئے مفید و مضر چیزوں کا خیال رکھنے پر پوری توجہ کرے۔ اور اسم رحمٰن سے اسی رحمت کی تعبیر کی گئی ہے۔

اور رحمت کی دوسری قسم یہ ہے کہ پرورش کے بعد جب کمال حاصل ہو جائے تو اسی کمال کے نتائج کو اس پر مرتب فرمایا جائے۔ اور اس کمال کو ضائع نہ کیا جائے۔ ورنہ ایک کھیل تماشے سے زیادہ حیثیت نہ ہوگی۔ جیسا کہ ایک شخص نے ایک پودے پر پوری محنت سے کام کیا۔ اور اسے پھل لگا اور اس نے اس پھل سے شیرہ سرکہ مربہ اچار اور اس قسم کی چیزیں نہیں بنائیں کہ اس پھل کی خاصیتیں دیر تک باقی رہتیں تو اس پھل کے حق میں یہ رحمت نہ ہوئی۔ اور اسم رحیم سے یہی رحمت مراد ہے تو اس مقام پر ان دونوں اسماء کو لانا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تمام جہانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی پرورش اس جہان کی بنا موجود ہونے کے وقت بھی جاری ہے۔ اور اس بنا کے ختم ہونے کے بعد بھی اور معاش و معاد کا یہی مفہوم ہے اگر ایک عقلمند غور کرے تو ذرات عالم میں سے ہر ذرے میں معاش اور معاد کا تصور کارفرما ہے۔ مثلاً کھانا جو کہ انسان کھاتا ہے۔ غلہ کاشت کرنے سے لے کر اس کے ہضم ہونے تک معاش ہے۔ اور اس کے بعد معاد کہ اس کا ایک حصہ خون بن کر جز و بدن بن جاتا ہے۔ اور ایک حصہ دوسری اخلاط از قبیل بلغم سودا صفراء وغیرہ بنتا ہے جو کہ ضروریات

marfat.com
Marfat.com

جسم میں صرف ہوتی ہیں۔ اور ایک حصہ فضلہ بن کر بول و براز کے راستے سے باہر آ جاتا ہے۔ اور کچھ ناک کا پانی' منہ کا پانی' آنکھ کی تری' جسم کے بال وغیرہ بننے میں استعمال ہوا۔ اسی طرح ہر شے میں معاش و معاد ثابت ہے۔ اور ہر چیز کے معاش کا انتظام صفت رحمانیت سے متعلق ہے۔ اور ہر چیز کے معاد کا حسن ہر زمانے میں صفت رحیمی کا تقاضا ہے۔

## مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

یوم جزا کا مالک۔ اور بعض قرأت میں ملک یوم الدین یعنی الف کے بغیر بھی آیا ہے۔ اور اس کا معنی روز جزا کا بادشاہ۔ یہاں یہ جان لینا چاہئے کہ حقیقتاً ہر وقت ہر شے کا مالک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ کیونکہ تمام اشیاء کا خالق وہی ہے۔ تو مالک بھی وہی ہوگا۔ اسی طرح ہر وقت ملکیت و بادشاہی بھی حقیقت میں اسی کا خاصہ ہے۔ لیکن روز جزا اس کی ملکیت و بادشاہی ہر خاص و عام کی نظر میں حقیقت و مجاز کے ساتھ ظاہر ہوگی۔ روز جزا کے علاوہ دوسرے اوقات میں اس کی حکمت نے تقاضا فرمایا کہ ملک و ملک میں دوسروں کا بھی کچھ حصہ ہوتا ہے۔ تا کہ کارخانہ عمل درست رہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جبلی طور پر آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپی گئی ذمہ داری اور اس کے احکام کو قبول کرنے کیلئے مستعد ہے۔ اسی لئے اسے اسی کام کیلئے پیدا فرمایا گیا۔ تو اگر بعض چیزیں اس کی ملک میں نہ ہوں۔ اور بنی نوع انسان میں سے بعض پر اس کا حکم جاری نہ ہو تو اس سے اچھے یا برے عمل کا تصور کس طرح ہوگا خصوصاً ایسے اعمال میں جو کہ مال' حیوانات کو ذبح کرنے' خیرات دینے اور خرچ دینے سے متعلق ہیں۔ اسی طرح وہ اعمال جن کا تعلق رعایا کی اصلاح اور غلاموں کے معاملات سے ہے اس کی حکمرانی کے بغیر ان کا تصور نہیں ہو سکتا۔ پس ذمہ داری سونپنے کی حکمت کے تقاضا کی بنا پر اس دنیا میں اسے بھی بادشاہی اور ملکیت عطا فرمائی گئی تا کہ وہ قیامت میں اپنی بے مائیگی اور ناداری کا بہانہ نہ بنا سکے۔ اور من کل الوجوہ اس کی حجت ختم ہو جائے۔ رہا جزا کا دن تو وہ ان اعمال کے بدلے کا وقت ہے۔ اس لئے اس وقت کسی کو مالک ہونے یا حکم چلانے کا حق نہ دیا گیا۔ ورنہ جزا کا مفہوم ثابت نہیں ہو سکتا۔ اسی حکمت کی وجہ سے یہاں یوم الدین فرمایا جس کا معنی ہے یوم جزا' یوم قیامت' یوم البعث والنشور اور ان

marfat.com

Marfat.com

کے علاوہ جو یوم قیامت کے نام ہیں ذکر نہ ہوئے تاکہ اس دن ذات پاک کے ساتھ ملک اور ملک کے مختص ہونے اور اس دن کے علاوہ باقی ایام میں ذات پاک کے ساتھ ان کے مختص نہ ہونے کی وجہ کی طرف اشارہ ہو جائے۔

نیز جاننا چاہئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے پہلے تو حمد کو اسم ذات کے ساتھ متعلق فرمایا۔ اس کے بعد تین صفات لائی گئیں۔ پہلی صفت ربوبیت' دوسری رحمت اور تیسری صفت جزا دینا اور ان تینوں صفات کو یہاں لانے میں ایک دقیق نکتہ ہے۔ اور وہ یہ کہ دنیا میں جو شخص کسی کی تعریف کرتا ہے تین چیزوں سے باہر نہیں ہوتا۔ یا تو ماضی میں اس کا نمک خوار رہا ہے۔ اگرچہ اب اس سے کوئی نفع نہیں لیتا۔ اور نہ ہی آئندہ کسی فائدہ کی توقع ہے۔ یا اب بالفعل اس سے فائدہ لیتا ہے۔ اگرچہ ماضی میں اسی سے کوئی نفع تھا اور نہ ہی آئندہ کسی فائدہ کی امید ہے۔ یا یہ کہ اس سے کسی نفع کی امید ہے۔ اگرچہ مستقبل میں ہو۔ اور فی الحال اس سے کوئی نفع نہ لیتا ہو۔ اور دینی اور دنیوی کاموں میں ان تینوں چیزوں کا تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ پس ان تینوں صفات کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر بندے مروت کی راہ چلیں اور گزشتہ نعمتوں کو دیکھ کر اپنے خدا تعالیٰ کی حمد کریں تو درست ہے۔ کیونکہ میں ربوبیت کی صفت رکھتا ہوں۔ ماضی میں ان پر میں نے بے شمار نعمتیں انعام فرمائی ہیں۔ اور اگر موجودہ نعمتوں پر نظر کریں تو یہ بھی تقاضائے وقت کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ میں رحمٰن ورحیم ہوں۔ اور اگر آخرت کو دیکھیں اور دور اندیشی اختیار کریں تب بھی حمد میری شان کے لائق ہے۔ کیونکہ جزا کا کارخانہ مجھ ہی سے وابستہ ہے۔ اور ہر حقیر سے حقیر شے کا حساب میری ہی بارگاہ میں ہوگا۔ پس ہر صورت میں حمد وثنا میرے ہی لائق ہے۔

## اِيَّاكَ نَعۡبُدُ

ابھی تک کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی صفت وثنا میں مشغول تھا اس سے غائب تھا۔ کیونکہ اس کی نظر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی طرف' اپنی طرف اور دوسری کائنات کی طرف متوجہ تھی جو کہ اس کی نعمتوں سے بہرہ ور ہے۔ اور اب جب اس نے اس کی صفات کو خوب خوب ملاحظہ کر

marfat.com
Marfat.com

لیا تو غیب سے مقام حضوری میں آ گیا۔ اور نعمت عطا فرمانے والے کی طرف متوجہ ہوا اور مخاطب ہونے کا مرتبہ پایا تو ناچار لفظ اِیَّاکَ نَعْبُدُ استعمال کیا۔ یعنی ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں۔ اور عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ تعظیم کے انتہائی مرتبوں کو بجالایا جائے۔ اور شرع شریف میں اس کی بے شمار قسمیں ہیں۔ بعض ظاہر سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور بعض باطن سے' جو ظاہر سے متعلق ہیں وہ یہ کہ زبان سے یاد کرنا' تلاوت قرآن پاک' تسبیح وتہلیل اور دوسری دعائیں پڑھنا اور دعا کرنا۔ اور جن کا تعلق آنکھ سے ہے۔ پس مقامات خیر کو دیکھنا جیسے کعبہ شریف' قرآن پاک اور بزرگوں کی زیارت کرنا۔ جیسے انبیاء علیہ السلام' اولیاء۔ اور شہداء واولیاء کے مزارات کی زیارت کرنا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان کی بازی لگادی اور اپنے قیمتی اوقات کو اس کی یاد میں بسر کیا۔ اور اس کی مخلوقات فلک' ستارہ' دریا' کشتی وغیرہ کو دیکھنا تاکہ اس کی قدرت وحکمت پر دلیل ہوں۔ اور کان سے قرآن پاک سننا' ذکر سننا اور ان چیزوں کو سننا جن سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھے۔ اور اس کی اطاعت کا شوق زیادہ ہو۔ اور ہاتھ سے قرآن پاک اور اسماء حسنیٰ لکھنا اور پاؤں سے مسجد' حج' بزرگوں کی زیارت' دشمنان دین سے جہاد اور ناتوانوں کے کام سرانجام دینے کو چلنا۔ اور جو باطن سے متعلق ہیں۔ پس اس کی نشانیوں' قرآن پاک کے معانی اور شریعت کی حکمتوں میں غور و فکر کرنا۔ اور یہ سب عقل کی عبادت ہے۔ رہی نفس کی عبادت تو اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اپنی پسندیدہ چیزوں کو ترک کرنے پر صبر کرنا۔ جیسا روزہ واعتکاف اور مصیبتوں پر صبر کرنا اور جزع فزع چھوڑنے پر صبر کرنا اور حرام چیزوں اور نافرمانیوں سے صبر کرنا۔ رہی دل کی عبادت تو اللہ تعالیٰ کے محبوبوں سے محبت' اس کے دشمنوں سے بغض رکھنا۔ اس کے ثواب کی امید رکھنا اور اس کے عذاب سے ڈرنا۔ روح کی عبادت اس کے مشاہدہ میں کوشش کرنا اور اس کے مراقبہ سے انس ولذت پانا ہے۔ اور سر کی عبادت اس کی معرفت میں غرق ہونا ہے۔ اور جو مال سے متعلق ہے تو زکوٰۃ' صدقہ اور خیرات علیٰ ہذا القیاس' یہاں سے معلوم ہوا کہ عبادت درحقیقت اپنے تمام اعضائے ظاہر اور قوائے باطن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کی رضا میں مصروف کردینے کا نام ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

یعنی اور ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ اور یہ لفظ اس لئے لائے گئے تاکہ عبادت کرنے کی نسبت اپنی طرف کر کے دل میں تکبر پیدا نہ ہو جائے۔ پس گویا وہ کہہ رہا ہے کہ تیری عبادت تجھ سے مدد مانگے بغیر ممکن نہیں۔ نیز دنیا میں تین گروہ ہیں۔ جبری کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی اختیار نہیں۔ اور پتھر اور لکڑی کی طرح ہم سے بے اختیار حرکات صادر ہوتی ہیں۔ قدری کہتے ہیں کہ ہم پورا اختیار رکھتے ہیں۔ اور ہماری حرکات واعمال ہم سے ہماری ایجاد سے صادر ہوتے ہیں۔ اور یہ دونوں گمراہ مردود اور غیر پسندیدہ طریقے پر ہیں۔ کیونکہ پہلا گروہ احکام شرعیہ اور دینی ذمہ داریوں کو باطل کرتا ہے۔ جبکہ دوسرا گروہ کارخانہ خالقیت میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے۔ پس یہ دونوں الفاظ ان دونوں گروہوں کے عقیدہ کے رد کیلئے لائے گئے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ عقیدہ جبر کا رد ہے۔ جبکہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ عقیدہ قدر کو رد کرتا ہے۔ اور سیدھی راہ تیسرے گروہ کو نصیب ہوتی جو کہ سنی ہیں جو کہ کہتے کہ اے رب کریم' ہم تیری بندگی کرتے ہیں۔ اور اس کی توفیق تجھ سے مانگتے ہیں۔

اور بعض اہل معرفت نے یوں فرمایا کہ اس جگہ استعانت کا معنی مدد طلب کرنا نہیں۔ بلکہ طلب عین اور معائنہ مراد ہے۔ یعنی عبادت کرنا ہماری طرف سے ہے۔ اور معائنہ کا مرتبہ دینا اور عین الیقین تک پہنچانا تیرا کام ہے۔ شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک دن شام کی نماز میں امامت کر رہے تھے جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ ہوش میں آنے پر آپ سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ جب میں نے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا مجھے ڈر لگا کہ کہیں مجھے یہ فرما دیا جائے کہ اے جھوٹ بولنے والے تو طبیب سے دوائی' امیر سے روزی اور بادشاہ سے امداد کیوں مانگتا ہے۔ اسی لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آدمی کو اس سے شرم کرنی چاہئے کہ دن رات میں پانچ دفعہ اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہو کر جھوٹ بولے۔

## غیر اللہ سے استمداد کی حقیقت اور تائید

لیکن یہاں یہ سمجھنا چاہئے کہ غیر سے اس طرح مدد مانگنا کہ اسی پر اعتماد کرے۔ اور

marfat.com

Marfat.com

اسے اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر نہ سمجھے حرام ہے۔ اور اگر توجہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ اور اسے مدد کے مظاہر میں ایک مظہر سمجھتے ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اسباب اور حکمت پر نظر کرتے ہوئے اس غیر سے ظاہری طور پر امداد مانگے تو یہ عرفان سے دور نہیں۔ اور شرع شریف میں بھی جائز ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء نے اس قسم کی امداد دوسروں سے مانگی ہے۔ اور حقیقت میں یہ غیر سے نہیں۔ بلکہ حضرت حق تعالیٰ ہی سے استمداد ہے۔

## اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ جاننا چاہئے کہ اگرچہ ایک آدمی بعض امور میں راہ راست پر ہوتا ہے۔ لیکن اسے راہ راست کی طلب سے چارہ نہیں۔ کیونکہ ہر مرتبہ کمال کے بعد اس کے اوپر اور مرتبہ ہے۔ نچلے مرتبہ والا اوپر مرتبہ کے راہ راست کا طالب ہوتا ہے۔ اسی طرح آگے تک جس کی کوئی حد نہیں' راستے کا سیدھا ہونا چند وجہ سے ہو سکتا ہے۔ پہلے تو راہ کا قریب ہونا۔ کیونکہ نزدیکی راہ' دور کی راہ سے زیادہ سیدھی ہوتی ہے۔ دوسرے سفر کا صاف ہونا اور پتھر' مٹی اور کانٹوں وغیرہ کا نہ ہونا اور انہیں معنوں میں کہا ہے' جس نے کہا کہ سیدھی راہ چلو اگرچہ دور ہو' تیسرے ڈاکوؤں' درندوں' آب و دانہ نہ ملنے اور دوسری ایذا دینے والی چیزوں سے امن میں ہونا۔ اور تینوں معنوں سے راہ کا درست ہونا مطلب تک پہنچنے کے لئے شرط ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایک معنی سے راہ راست پر ہو اسے لازم ہے کہ وہ باقی دو معنوں سے بھی راستی طلب کرے' اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خاص قصد کے ساتھ توجہ کرنے' ذکر کی وجہ سے نفسانی رکاوٹوں کو دور کرنے اور مشاہدہ میں استغراق کرنے کی راہ' عبادت اور انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی آیات میں غور و فکر کی راہ کی نسبت زیادہ قریب ہے۔ اور شریعت کی پیروی کی راہ' قصد خاص کے ساتھ نری توجہ کرنے سے زیادہ پر امن ہے۔ اور رخصت پر عمل اور شریعت کے آسان احکام کی تعمیل کی راہ رہبانیت و تشدد کی راہ سے زیادہ صاف ہے۔

## استقامت کی تین اقسام

نیز استقامت کی بھی تین قسمیں ہیں۔ استقامت اقوال' استقامت افعال اور

marfat.com

Marfat.com

استقامت احوال اور ایک قسم کی استقامت والے کو باقی استقامتوں کی طلب بھی لازم ہے۔ پس ابتداء والوں' انتہا والوں اور درمیان والوں میں سے کوئی شخص بھی راہ راست کی طلب سے بے نیاز نہیں ہے۔ اور اسی لئے مناجات کے وقت اس دعا کو اختیار کر کے بندوں کو تعلیم دی گئی ہے۔ اور استقامت بمعنے اعتدال اور کمی زیادتی سے بچنا ہر باب میں پسندیدہ ہے۔ مثلاً عقائد کے معاملہ میں جو شخص تشبیہ میں مبالغہ کرتا ہے۔ اور اپنے معبود کو مخلوقات کے رنگ میں خیال کرتا ہے کہ کسی مکان یا سمت میں مقید اور اسباب کا محتاج ہے تو اس کا مذہب باطل ہے۔ اور اس کو تفریط لازم ہوئی۔ اور جس نے تنزیہہ میں مبالغہ کیا۔ اور اپنے معبود کو معطل سمجھتا ہے اس نے افراط کی راہ اختیار کی۔ اور اسی طرح دوسرے عقائد کے بارے میں قیاس کرے۔ اخلاق میں توسط یہ ہے کہ بولنے کی قوت کو اس کے افراط یعنی یاوہ گوئی سے محفوظ رکھے۔ اور تفریط سے جو کہ جہالت ہے پرہیز کرے اسی طرح قوت شہویہ کو بدکاری سے جو کہ اس کی افراط ہے۔ اور بے حمیتی سے جو کہ اس کی تفریط ہے محفوظ رکھے۔ اسی طرح قوت غضبیہ کو بے جا جرأت اور بزدلی سے بچائے تا کہ اس کا مرتبہ اعتدال جو کہ شجاعت ہے حاصل ہو۔ اور اعمال میں بھی استقامت اور اعتدال مطلوب ہے۔ کیونکہ اعمال کی کثرت روح اور اس کے لطائف کے روشن کرنے کے سبب سے ہوتی ہے۔ اور یہ تاثیر ہمیشگی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اور ہمیشگی اعتدال کے بغیر ممکن نہیں۔

اور جب بندہ کو تعلیم دی گئی کہ راہ راست کی ہدایت طلب کرے تو لازم ہوا کہ ان لوگوں کا ذکر ہو جن کے واسطہ سے راہ راست بندوں تک پہنچی اور ان کے اعمال دیکھ کر اور اقوال سن کر سیدھی اور ٹیڑھی راہ میں تمیز واضح ہوئی۔ ورنہ تو مختلف مذاہب کا ہر شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں راہ راست پر ہوں۔ پس اپنے ذہن میں ایسی جماعت کا تعین کر لینا چاہئے جو کہ راہ راست کو بیان کرنے والی ہے لہٰذا اس طریقہ سے راہ راست کے بیان کی تعلیم دی۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ اور اس لفظ کی قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر چار گروہوں سے تفسیر فرمائی جو کہ انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

پس معلوم ہوا کہ سیدھی راہ انہیں چار گروہوں کی راہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات کے وقت بندے کو چاہئے کہ ان چاروں گروہوں کو اجمالی طور پر نظر میں رکھے۔ اور ان کی راہ طلب کرے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۃ نساء میں فرمایا وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا یعنی جس نے اللہ اور رسول علیہ السلام کی اطاعت کی۔ اور دونوں کے حکم پر عمل کیا۔ پس وہ ان لوگوں کے ساتھ چلتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ اور وہ چار گروہ ہیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ گروہ بہترین رفیق ہیں۔ پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں راہ حق ڈھونڈنا ہے۔ اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں رفیق طلب کرنا ہے کہ پہلے ساتھی پھر راستہ۔

## اہل اللہ سے توسل کی وجہ

یہاں جاننا چاہئے کہ عوام مومنین کو نیکوں کا ساتھ طلب کرنا چاہئے۔ اور نیکوں کو شہیدوں کی، شہیدوں کو صدیقوں کی۔ اور صدیقوں کو انبیاء علیہم السلام کی رفاقت طلب کرنا چاہئے۔ اگر عوام مومنین میں سے کوئی انبیاء علیہم السلام کی رفاقت چاہے اسے ان تینوں گروہوں کی درجہ بدرجہ رفاقت کے بغیر چارہ نہیں۔ جس طرح کہ اگر کوئی بادشاہ کی رفاقت چاہئے تو بغیر کسی جماعت دار کی رفاقت کے جو کہ کسی رسالہ دار کی رفاقت میں ہو۔ اور وہ کسی امیر کی رفاقت میں ہو ممکن نہیں۔ اسی لئے اہل اللہ کے راستہ میں داخل ہوتا اور ان سے وسیلہ ڈھونڈنا اہل اسلام کے ہاں پسندیدہ ہے۔ اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ جب اصل راہ راست حضرات انبیاء علیہم السلام کو عالم غیب سے تعلیم فرمائی گئی اور ان سے صدیقوں کو اور صدیقوں سے شہیدوں کو اور شہداء سے صالحین کو یہ تعلیم پہنچی تو لازم ہوا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی معرفت ضروری ہے۔ اور اس کے بعد ان تینوں گروہوں کی پہچان ہوتا کہ ان کی رفاقت کی طلب حاصل ہو۔

## نبی کی معرفت اس کی ضرورت

پس نبی علیہ السلام کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک انسان ہوتا ہے۔ اور ہر انسان کی دو

marfat.com

Marfat.com

قوتیں ہوتی ہیں۔ قوت نظریہ کہ اس سے چیزوں کی پہچان کر سکتا ہے۔ قوت عملیہ کہ اس کی وجہ سے اس سے اچھے اور برے کام صادر ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس انسان کو کسی بشری تربیت کے واسطہ کے بغیر اس طرح کامل فرماتا ہے کہ نور القدس کا اثر اس کی قوت نظریہ میں اس طرح واقع ہوتا ہے کہ اس کی معلومات میں کسی قسم کی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور اس کی قوت عملیہ میں وہ ملکہ پیدا فرماتا ہے کہ اس کی وجہ سے اس سے اعمال صالحہ پوری رغبت سے صادر ہوتے ہیں۔ اور برے کاموں سے پوری نفرت کے ساتھ محفوظ رہتا ہے۔ اور جب اس کی بدنی قوتیں حد کمال کو پہنچتی ہیں۔ اور تجربہ کی عقل انتہا کو پہنچتی ہے تو اسے مخلوق کی تکمیل کیلئے مبعوث فرماتا ہے۔ اور پھر معجزات کے ساتھ اس کی تصدیق فرمائی جاتی ہے۔ اور معجزہ کبھی تو اقوال کی جنس سے ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید اور کبھی افعال کی جنس سے جیسے انگلیوں سے پانی جاری کرنا اور معجزات کے ساتھ ساتھ اسے عقلی نشانیاں بھی دی جاتی ہیں جو کہ خاص قسم کے لوگوں کے ایمان لانے کا موجب بنتی ہیں۔ جس طرح کہ معجزات عوام کے ایمان لانے کا سبب بنتے ہیں۔ اور آیات عقلیہ چند قسم کی ہوتی ہیں۔ ان میں سے اخلاق کریمہ ہیں۔ اور ان میں سے سچے علوم ہیں۔ نیز اطمینان بخش بیان' واضح دلیل اور انوار صحبت بھی ان ہی میں سے ہیں۔ اور جبکہ ہمت لوگ معجزات سے استدلال کرتے ہیں تو کامل لوگ کمالات سے استدلال کرتے ہیں خصوصاً جب ان سے روحانی بیماریوں کے علاج' ناقص نفوس کی تکمیل اور صحبت میں بیٹھنے والوں پر انوار کی شعاعوں کے فیضان کا مشاہدہ ہوتا ہے تو ان کی نبوت پر پختہ یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام بعض اوقات ایسی چیز کو بیان کرتے ہیں کہ عقل بھی اسے تسلیم کرتی ہے۔ جیسا کہ حضرت حق جل مجدہ کا وجود اور اس کی صفات وکمال اور بعض اوقات ایسی چیز بیان فرماتے ہیں کہ مستقل طور پر عقل اسے نہیں سمجھ سکتی۔ جیسا کہ بندوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے ہر روز کے احکام۔ اعمال صالحہ پر ثواب اور برے اعمال پر عذاب کی تفصیلات کا بیان اور ایسے افعال کے حال کا بیان جو کبھی اچھے ہوتے ہیں۔ اور کبھی برے تو اگر انبیاء علیہم السلام کے ہمراہ معجزات اور آیات عقلیہ کی تصدیق نہ ہو تو صرف عقل خصوصہ ۰۱۰ مَن عقل

marfat.com
Marfat.com

ان کی باتوں پر یقین نہ کرے۔ اور بعثت کا فائدہ ثابت نہ ہو۔ اور جب بقدر ضرورت نبی علیہ السلام کا مفہوم سمجھ لیا گیا تو اب صدیق کا معنی سمجھنا چاہئے۔

## صدیق' شہید اور صالح کا معنی

صدیق وہ ہے کہ جس کی قوت نظریہ انبیاء علیہم السلام کی قوت نظریہ کی طرح کامل ہو۔ اور شروع عمر سے ہی جھوٹ بولنا اور دو رُخی بات کرنا اس کی شان کے لائق نہ ہو۔ اور دینی معاملات میں اس سے پورا اخلاص ظاہر کہ اس میں نفس کا قطعاً کوئی حصہ نہ ہو۔ اور صدیق کی علامات میں یہ ہے کہ وہ اپنے ارادہ میں پختگی رکھے۔ اور دوران نماز چاہے کتنا ہی سخت حادثہ پیش آ جائے دائیں بائیں توجہ نہ کرے۔ اور اس کا ظاہر و باطن برابر ہو۔ اور کسی پر لعنت نہ کرے۔ اور خواب کی تعبیر کا علم خوب رکھتا ہو۔

شہید وہ ہے جس کا دل مشاہدہ سے موصوف ہو۔ اور انبیاء علیہم السلام نے اسے جو کچھ پہنچایا ہے اس کا دل اسے اس طرح قبول کرے کہ گویا دیکھ رہا ہے۔ اسی لئے دین کی خاطر جان دینا اس کیلئے آسان کام ہوتا ہے۔ اگرچہ ظاہراً وہ قتل نہیں کیا گیا۔ اور اس کی قوت عملیہ مرتبہ کمال میں انبیاء علیہم السلام کی قوت کے قریب ہوتی ہے۔ اور صالح وہ ہے جس کی دونوں قوتیں انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کمال سے نیچے ہوں۔ لیکن کمال پیروی کی وجہ سے اس نے اپنے ظاہر کو گناہوں سے پاک کر لیا ہو۔ اور اپنے باطن کو اعتقادات فاسدہ اور برے اخلاق سے دور رکھ کر یادِ حق کے ساتھ اس طرح معمور کیا ہو کہ اس میں کسی دوسری چیز کی گنجائش باقی نہ رہی ہو۔ اور ولی کا نام اگرچہ ان تینوں گروہوں کو شامل ہے۔ لیکن یہ لفظ زیادہ تر صالحین پر بولا جاتا ہے۔

## ان چار گروہوں کی علامات ان کے توسل سے حاجت روائی

اور نشانیوں میں سے جو چیز ان چاروں گروہوں یعنی انبیاء علیہم السلام' صدیقوں' شہیدوں اور صالحین کو شامل ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے۔ اور ان کے رزق کی اس طرح کفالت فرماتا ہے کہ تمام لوگوں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ اور اپنے دشمنوں

marfat.com

Marfat.com

سے انہیں محفوظ رکھتا ہے۔ اور سفر میں خود ان کا انیس ہوتا ہے۔ اور ان کے دلوں میں عزت کا ایسا احساس عطا فرماتا ہے کہ اس کی وجہ سے یہ نفوس قدسیہ بادشاہوں۔ اور سرداروں کی خدمت پر راضی نہیں ہوتے۔ اور ان کی ہمت بلند فرما دیتا ہے۔ پس یہ اس بات پر راضی نہیں ہوتے کہ دنیا کی نجاستوں سے آلودہ ہوں۔ اور ان کے دلوں کو منور فرما دیتا ہے۔ پس انہیں ایسی چیزوں کا علم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ ارباب نظر وفکر۔ اپنی طویل عمروں میں شدید کوشش کے بغیر انہیں نہیں جان سکتے۔ اور ان کے سینوں کو اس قدر فراخ فرما دیتا ہے کہ دنیوی مشقتوں' مصیبتوں سے' قریبیوں کے مرنے اور دیگر تکالیف اور سختیوں کی وجہ سے دل تنگ نہیں ہوتے۔ نیز انہیں ایسا رعب عطا فرماتا ہے کہ سرکشوں اور ظالموں کے دلوں پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اور ان کی گفتگو' ان کے انفاس وانفعال میں ان کے مکانات' ان کے ہم نشینوں' ان کی اولاد اور نسل میں اور ان کی زیارت کرنے والوں میں پے در پے برکت ظاہر فرماتا ہے۔ اور اپنی بارگاہ میں انہیں ایسا مرتبہ بخشا ہے کہ ان کی دعا مقبول ہوتی ہے۔ بلکہ جو کوئی کسی حاجت میں ان کا وسیلہ اختیار کرے اس کی حاجت پوری فرما دیتا ہے۔ اور وہ خصوصیتیں اور علامات' جو کہ انہیں عالم برزخ' میدان قیامت اور عالم ملکوت میں دی جاتی ہے۔ اور وہ اس قبیل سے نہیں کہ عوام ان سے استدلال کر سکیں مگر اس وقت جبکہ وہ ان جہانوں کا مشاہدہ کریں گے۔

## ایک شبہ کا ازالہ

اور یہاں ایک شبہ طاری ہوتا ہے جس کی وجہ سے صراط مستقیم اور غیر مستقیم مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں تمیز نہیں رہتی۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ بعض گروہ اپنے آپ کو صراط مستقیم والے ان گروہوں میں سے ایک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اس بزرگ سے فیض پانے والا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس راہ کو چھوڑ کر وہ شیطانی راستہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ پس اس نسبت سے ان کا ٹیڑھا راستہ لوگوں کو صراط مستقیم نظر آتا ہے۔ جبکہ حقیقت میں اس کا صراط مستقیم سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ جیسے یہود ونصاریٰ جو کہ اپنے آپ کو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے پیروکاروں میں سے خیال کرتے ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

حالانکہ وہ ان دونوں بزرگوں کی راہ سے مشرق ومغرب کی دوری پر ہیں۔ اور ہماری امت میں شیعہ فرقہ اپنے آپ کو ائمہ اہل بیت کے ساتھ منسوب کرتا ہے۔ حالانکہ ان میں ان بزرگوں کے عقائد' اعمال اور اخلاق کی بو تک نہیں۔ اور اسی طرح مداریہ' جلالیہ اور دوسرے آزاد منش اور بے دین لوگ جو کہ اپنے آپ کو سہروردی' قادری اور چشتی کہتے ہیں۔ جبکہ اپنے اعمال واشغال میں ان سلاسل والوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ پس اس الجھن کو دور کرنے کیلئے ایک اور عبادت لائی گئی۔ فرمایا

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

یعنی نہ وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا ہے۔ اور نہ گمراہ۔ گویا تعلیم فرمائی گئی کہ سیدھی راہ کی طلب میں احتیاط کرنا چاہئے۔ اور گمراہوں۔ اور خدا کا غضب پانے والوں کی راہ کو صراط مستقیم نہیں سمجھنا چاہئے۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو صراط مستقیم والوں' نبیوں' ولیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ اس طلب میں اس خراب راستہ سے بچاؤ زیر نظر رہنا چاہئے۔

## غضب کی حقیقت

اور غضب' آدمی میں ایسی کیفیت ہے کہ اس کی وجہ سے خون دل جوش کرتا ہے۔ اور روح حیوانی اس کے برے اثر اور قہریت کو دور کرنے کیلئے بدن کے خارج کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور یہ معنی حق تعالیٰ کی ذات پاک میں محال ہے۔ اور غضب الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ مغضوب کے حق میں اسباب حکمت کو کمزور کر دیتا ہے۔ تاکہ اپنی انتہا کو نہ پہنچنے پائے اور غضب کی ابتداء کفران نعمت ہے۔ اور اس کا اثر لعنت ومذمت ہے۔ اور اس کے مقابل رضا ہے کہ اس کی حقیقت' اسباب حکمت کو اس کی انتہا تک پہنچانا ہے۔ اور اس کی ابتداء شکر ہے۔ اور اس کا اثر ثناء وعطا ہے۔

## ضلال کی حقیقت

ضلال ایسی راہ کو اختیار کرنا ہے جو کہ مطلب تک نہ پہنچائے اور یہ اختیار کرنا کبھی غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جیسے جسمانی لذت کو روحانی لذت پر ترجیح دینا۔ اسی لئے بچے

marfat.com

Marfat.com

کے نزدیک کھیل کود ٗبادشاہی سے بہتر ہے۔ اور کبھی شبہ اور غلط فہمی کی وجہ سے جو کہ اسے پیش آتی ہے نفس کے اپنی خواہش پر مطمئن ہونے کی وجہ سے اختیار کرتا ہے۔ جس طرح کہ لوگ کہتے ہیں کہ ادھار سے نقد بہتر ہے۔ اور دنیا نقد ہے۔ اور آخرت ادھار۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ دس روپے ادھار ٗایک روپیہ نقد سے بہتر ہے۔ جبکہ یہ ادھار یقینی ہو۔ اور انبیاء و اولیاء اور علماء کے نزدیک آخرت یقینی ہے۔ اور اگر کم ہمت لوگ کہیں کہ ہمارے نزدیک آخرت یقینی نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ تم پر انبیاء و اولیاء کی تقلید لازم ہے۔ اگرچہ تمہیں اس میں شک ہو۔ کیونکہ مریض دوا کی تلخی پر یقین رکھتا ہے۔ اور شفا میں اسے شک ہوتی ہے۔ لیکن اس پر طبیب کی تقلید واجب ہے۔ اور کبھی یہ اختیار کرنا خواہش نفس کے دل پر غالب آنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور وہ غلبہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اچھا عمل کرنے سے تنگدل ہوتا ہے۔ اور برا کام کرنے سے اس کا دل خوش ہوتا ہے۔ اور یہ بیماری بہت خطرناک ہے۔ کیونکہ یہ بیماری باقی رہے تو رین (زنگ) کی حد تک پہنچا دیتی ہے کہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کی کمائی نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا۔ اس کے بعد نوبت غشاوۃ (پردہ) تک پھر طبع پھر ختم اور پھر قفل تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر دل کی موت کا مرتبہ ہے کہ اس کے بعد نہ آیات نفع دیتی ہیں نہ ہی ڈرسنانے والے۔

اور اس کے برعکس اگر نفس خوشی کے ساتھ نیکیوں پر صبر کرے تو انشراح صدر حاصل ہو گا۔ پھر تقویٰ کیلئے دل کے امتحان کی حد حاصل ہوتی ہے۔ پھر نزول سکینہ کا مرتبہ ہے۔ اور جب یہ مرتبہ انتہا کو پہنچتا ہے تو عصمت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ دو لفظ یعنی غضب و ضلال اس لئے لائے گئے کہ صراط مستقیم سے پھر جانا دو قسموں سے ہوتا ہے پہلی قسم کا سبب غضب قرار دیا گیا اگرچہ نوبت کفر تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ اور دوسری قسم کو گمراہی کا حکم دیا گیا خواہ حد کفر تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ پس مغضوب علیہ وہ ہے جو کہ کفر کو لازم کرلے اور دیدہ دانستہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے یا جان بوجھ کر گناہوں کا مرتکب ہو۔ جس طرح کہ یہودیوں کے متعلق مذکور ہے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ

marfat.com
Marfat.com

فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اسے پہنچانتے ہیں۔ جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اوران میں کا ایک گروہ البتہ حق کو چھپاتا ہے جان بوجھ کر) اور یہ بھی فرمایا وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ اور تحقیق انہیں معلوم ہے کہ جس نے یہ سودا خریدا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ نیز فرمایا ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون اور حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ۔ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔

اور ضال وہ ہے جو کہ فکر وفہم میں کمی کی وجہ سے یا اپنے آباؤ واجداد اور بڑوں کی تقلید میں کفر میں پڑ جائے چنانچہ نصاریٰ کے متعلق فرمایا اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اور خود سیدھی راہ سے گمراہ ہو گئے۔ یا ضال وہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور عفو پر اعتماد کی وجہ سے یا بے موقع ومحل کسی نیکی کا قصد کرنے کی وجہ سے معصیتوں میں گر جائے جیسے اس شخص کو شراب پلانا جو کہ نشہ کی وجہ سے بے تاب اور بے قرار ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

## لطائف سورۂ فاتحہ

جب ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے فارغ ہوئے تو لازم ہوا کہ اس سورت سے متعلق چند لطائف اور نکات بیان ہو جائیں۔ جاننا چاہئے کہ قرآن پاک کے لطائف اور نکات کا علم ایسا علم ہے کہ اس کی حد نہیں۔ ہر روز ترقی میں ہے۔ کیونکہ ہر صاحب فن اس فن کے متعلق اپنے حوصلہ اور استعداد کے مطابق قرآن مجید سے اس کا استفادہ کرتا ہے۔ پس اس علم کا من کل الوجوہ حاصل کرنا دنیا میں ممکن نہیں۔ اسی لئے تفسیر میں اس علم کے ذکر سے خاموشی اختیار کی گئی لیکن نمونہ کے طور پر اس سورت میں چند چیزیں بیان کی جاتی ہیں۔ اب سننا چاہئے کہ اس سورت کے نکات ولطائف کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو کہ اس کی آیتوں سے علیحدہ علیحدہ تعلق رکھتی ہے۔ اور دوسری قسم وہ جو مجموعی طور پر پوری سورۃ سے تعلق رکھتی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## بسم اللہ کے لطائف ونکات

پس پہلی قسم وہ لطائف ونکات ہیں جو کہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کے ساتھ متعلق ہیں وہ یہ ہیں کہ تمام علوم اللہ تعالیٰ کی چار کتابوں میں درج ہیں۔ اور قرآن پاک ان تمام علوم پر حاوی ہے۔ اور علوم قرآن سورۃ فاتحہ میں اور سورۃ فاتحہ کے علوم بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ میں۔ اور بِسۡمِ اللّٰهِ کے علوم حرف با میں۔ اس ابہام کی وضاحت یہ ہے کہ تمام علوم سے مقصود بندے کی حضرت حق جل مجدہ تک رسائی ہے۔ اور اس وجہ سے کہ بندہ طبعی نجاستوں سے ملوث ہونے کی وجہ بہت گہرائی میں واقع ہے۔ جبکہ حق سبحانہ و تعالیٰ کمال نزاہت وتقدس میں ہے تو اس تک بغیر اس کے اسماء حسنیٰ کے ذکر کے رسائی ممکن نہیں۔ اور اس کے نام پاک کے ساتھ وابستگی اور اس کی یاد میں اس حد تک محویت ہو کہ ذکر' ذاکر اور مذکور ایک ہو جائیں۔ اور درمیان سے دوئی اٹھ جائے۔ اور جو چیز اس وابستگی پر دلالت کرتی ہے یہی حرف با ہے جو کہ ملانے اور چپکانے کیلئے وضع کیا گیا۔

نیز بچوں کی تعلیم کی ابتداء حرف الف سے کی جاتی ہے۔ اور کتاب اللہ کی ابتداء حرف با سے۔ اس لئے کہ الف لمبا اور اونچا ہونے کی وجہ سے رحمت الٰہی کا محل نظر نہ ہو سکا۔ جبکہ حرف ب اپنی انکساری اور عاجزی کی وجہ سے جناب کبریا میں مقبول ہوا۔ کہ من تواضع للہ رفعه اللہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے تواضع کرے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتا ہے۔ نیز عادت ہے کہ جب بادشاہ اپنے لئے کوئی سامان خریدتے ہیں تو اس پر مہر لگا دیتے ہیں۔ تا کہ اس میں چوروں کو طمع نہ رہے۔ اور جب جانوروں کو خاص شاہی اصطبل میں داخل کرتے ہیں تو انہیں داغ لگاتے ہیں۔ تا کہ چوروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ انہیں لوٹنے سے کوتاہ رہیں۔ پس جب بندے نے عمل اور طاعت کو شروع کیا تو چاہئے کہ اسے خدائی مہر کے نیچے کردے۔ اور اس پر داغ لگا دے کہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کا یہی مضمون ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت نوح علی نبیاء علیہ السلام جب کشتی پر سوار ہوئے تو اس کے ڈوبنے کے خوف سے پریشان تھے۔ بچاؤ کیلئے انہوں نے بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖهَا وَمُرۡسٰهَا کہا تو ان کی کشتی ڈوبنے سے بچ گئی تو جب اس کلمہ کے نصف کی برکت سے نجات کا حصول ہوا تو

marfat.com
Marfat.com

جو شخص ساری زندگی ہر کام کی ابتداء میں پورا کلمہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہمیشہ پڑھے وہ نجات سے کیسے محروم رہ سکتا ہے؟

## کفن میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رکھنے کی وصیت

بعض نے فرمایا کہ ایک عارف نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھوا کر وصیت فرمائی کہ اسے میرے کفن میں رکھ دینا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں نے سنا ہے کہ ایک گدا نے ایک بہت بڑے اور اونچے دروازہ پر کھڑے ہو کر سوال کیا۔ اسے تھوڑی سی خیرات دی گئی۔ وہ چلا گیا۔ اور ایک تیشہ لا کر اس دروازہ کو گرانا شروع کر دیا۔ صاحب خانہ نے باہر آ کر پوچھا کہ کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا یا تو دروازہ اپنی خیرات کے مطابق کر یا پھر خیرات اپنے دروازے کے مطابق کرے۔ جب یہ آیت کتاب اللہ کا دروازہ ہے۔ قیامت کے دن یہ میری مضبوط دست آویز ہے کہ اس کی وجہ سے معاملہ رحمت کی درخواست کروں گا۔

(اہل اللہ نے) فرمایا کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے ۱۹ حروف ہیں۔ اور دوزخ پر ڈیوٹی والے فرشتے بھی ۱۹ ہیں۔ اس کے ہر حرف کی برکت سے ان میں سے ہر ایک کی طرف سے آنے والی تکلیف دفع ہو سکتی ہے۔

نیز فرمایا دن رات کے ۲۴ گھنٹے ہیں۔ پانچ گھنٹوں تو پانچ نمازیں مقرر فرمائی گئیں اور باقی ۱۹ گھنٹوں کیلئے یہ ۱۹ حروف دیئے گئے تا کہ ہر اٹھنے بیٹھنے اور حرکت و سکون میں ان ۱۹ گھنٹوں کو اللہ تعالیٰ کے اسی ذکر سے معمور کرے جو کہ ان ۱۹ حروف میں ہے۔

نیز فرمایا کہ سورۃ برأت کو جو کہ کفار کو قتل کرنے کے حکم پر مشتمل ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے خالی رکھا گیا۔ اور ذبح کے وقت بھی فرمایا کہ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہ کہیں۔ کیونکہ ذبح کا وقت ایک صورت قہر ہے۔ اور رحمت اس کا تقاضا نہیں کرتی۔ پس جو شخص اس رحمت بھرے کلمہ کو ہر وقت اور ہر آن یاد کرے یا کم از کم ہر روز نماز فرض میں ۱۷ بار اپنی زبان پر جاری کرے تو یقین ہے کہ وہ غضب اور عذاب سے محفوظ اور رحمت و ثواب کے ساتھ محظوظ ہو گا۔

marfat.com
Marfat.com

## بِسْمِ اللّٰهِ کی خصوصیت

اور اس آیت کی خصوصیتوں میں سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی بیت الخلاء میں جائے تو (داخل ہونے سے پہلے) بِسْمِ اللّٰهِ کہے۔ تا کہ اس کے ستر اور جنوں کی نظر کے درمیان ایک پردہ واقع ہو جائے۔ اور جب یہ کلمہ ایک شخص اور اس کے دینوی دشمنوں کے درمیان حجاب ہوا تو اس شخص کے اور عذاب اخروی کے درمیان ہی پردہ ہوگا۔

## لطائف اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

اور وہ لطائف جو کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے متعلق ہیں یہ ہیں کہ یہاں تین چیزیں ہیں حمد' مدح' شکر۔ پس مدح زندہ یا غیر زندہ کی ہوتی ہے۔ جیسا کہ باغ' بوستان' شہر' جواہر اور دوسرے جمادات کی مدح رائج اور مشہور ہے۔ اور حمد صرف زندہ کی ہوتی ہے۔ نیز مدح کبھی احسان سے پہلے ہوتی ہے۔ اور کبھی اس کے بعد اور حمد نہیں ہوتی مگر احسان کے بعد۔ نیز مدح کبھی ممنوع ہوتی ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مداحوں کے منہ میں خاک ڈالو۔ اور حمد ہمیشہ جائز بلکہ مستحب ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں کی تعریف نہیں کرتا اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف نہیں کی۔ اور شکر صرف اسی نعمت پر ہوتا ہے جو کسی کی طرف سے ملی ہو۔ اور حمد ایسی نعمت پر بھی ہوتی ہے جو دونوں صورتوں میں ہوتی ہے اس نعمت پر جو کہ مل چکی اور اس پر جو ابھی نہیں ملی۔ بلکہ کسی شخص کے ذاتی کمال پر بھی ہوتی ہے۔ پس ان صورتوں کے پیش نظر مدح اور شکر کے مقابلہ میں حمد کو اختیار فرمایا گیا۔

نیز اس مقام کا تقاضا تھا کہ بندے کی زبان سے احمد اللہ کہلوایا جائے یعنی میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں۔ لیکن آدمی بہر حال اس سے عاجز ہے کہ حمد الٰہی کی حد تک پہنچے۔ پس مناسب نہ ہوا کہ اسے اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی جائے۔ بلکہ یہ عبارت کہلوائی گئی کہ الحمد للہ۔ یعنی کمال حمد اسی کا حق اور اسی کی ملک ہے۔ خواہ بندہ اس کی ادائیگی پر قادر ہو یا

marfat.com
Marfat.com

نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے باری تعالیٰ کے حضور عرض کی یا رب کیف اشکرک میں تیرے شکر کی ذمہ داری سے کیسے عہدہ براں ہو سکتا ہوں؟ کیونکہ شکر کرنا بھی تو تیری توفیق و تعلیم سے ہی ہے۔ اور یہ ایک دوسرا انعام ہوا۔ اس پر اور شکر چاہئے۔ پس تسلسل لازم آیا۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! جب تو نے اپنے آپ کو میرے شکر سے عاجز جانا تو تو نے میرا شکر ادا کر دیا۔ نیز اگر احمد اللہ کہا جاتا تو اس پر دلالت کرتا کہ یہ کہنے والا حق تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی حمد کرنے والے کی حمد سے پہلے محمود ہے۔ اس لئے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یعنی حمد و ثنا اسی کے لائق ہے ازل سے ابد تک۔ حمد کرنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔

اور وہ جو لوگ سوچتے ہیں کہ ہر صاحب نعمت۔ اس شخص کی طرف سے حمد کا مستحق ہوتا ہے جس پر اس نے نعمت کی ہے۔ مثلاً پیر' مرید سے استاذ' شاگرد سے۔ عادل بادشاہ' رعیت سے اور والدین' اولاد سے تو تمام حمد کس طرح اللہ تعالیٰ کا حق اور ملک ہوئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان صورتوں کے پردہ میں منعم حقیقی وہی ہے۔ اس لئے کہ ہر صاحب نعمت کے دل میں انعام کا ارادہ پیدا کرنا اور یہ نعمت اسے دینا اور اسے اس نعمت پر قابض کرنا کہ دوسرے کو بخشے اور جسے وہ نعمت پہنچی ہے اس کے فائدہ سے بہرہ ور کرنا اور اس کے فوت ہونے اور منقطع ہونے کے خوف سے بچانا اسی کا کام ہے۔ اور اسی لئے فرمایا گیا وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس دوسرے تو درحقیقت خدمتگاروں اور بوجھ اٹھانے والوں کی طرح ہیں جو کہ مالک کے حکم سے کھانے کے برتن اٹھا کر کسی تک پہنچاتے ہیں۔ نعمت ان کی طرف منسوب نہیں ہے۔

نیز ہر مخلوق جو اپنے ہم جنس کو کوئی نعمت پہنچائے وہ لازماً اس نعمت کے عوض کی طلب رکھتی ہے۔ یا ثواب' یا اچھا نام' یا خلق سخاوت کا حصول' یا دفع بخل یا اپنے آپ سے جنسیت کی رقت کو دور کرنا۔ اور جو عوض کا طالب ہوا منعم نہ رہا۔ اور حقیقت میں وہ مستحق حمد نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کامل لذاتہٖ ہے کسی وجہ سے بھی طلب کمال اور دفع نقصان اس کے پیش نظر نہیں۔ کیونکہ تحصیل حاصل محال ہے۔ پس اس کا انعام صرف اور صرف جود ہے۔ اور اس کی

marfat.com
Marfat.com

ذات کے سوا کوئی مستحق حمد نہیں۔

## ایک شبہ کا جواب

یہاں ایک اور شبہ ہے کہ ہر جگہ تسبیح کو تحمید سے پہلے لایا گیا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔ اور اس سورۃ میں حمد کو پہلے کیوں لائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تسبیح کو تحمید پر اس وقت مقدم کیا جاتا ہے جہاں کلام میں دونوں مذکور ہوں۔ اور اس سورت میں صرف تحمید مذکور ہے۔ تسبیح کا ذکر ہی نہیں۔ البتہ صرف تحمید لانے کی کوئی وجہ ہونی چاہئے جو یہ ہے کہ تسبیح کا مضمون' تحمید کے مضمون میں داخل ہے۔ کیونکہ تسبیح کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات تمام نقائص سے مبرا اور پاک ہیں۔ اور مضمون تحمید یہ ہے کہ بشر کے ذہن اور خیال میں جو کمال اور نعمت ہے وہ اسی ذات پاک سے ہے۔ اور جب اعتقاد کر لیا کہ تمام کمالات اور نعمتیں اسی کی ہیں تو اس سے لازم آیا کہ اس میں کوئی نقصان نہ ہو۔

(بزرگوں نے) فرمایا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے آٹھ حرف ہیں۔ جنتی دروازوں کی گنتی کے برابر۔ اور حمد کو دو چیزوں سے تعلق ہے پہلے زمانہ گزشتہ کے ساتھ کہ حمد کہنے سے گزشتہ نعمتوں کا شکر ادا ہوتا ہے۔ دوسرے مستقبل کے ساتھ کہ یہ کلمہ شکر ہے۔ اور شکر نعمتوں میں وسعت کا تقاضا کرتا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اگر تم شکر کرو گے تو میں نعمتیں اور زیادہ کروں گا۔ پس پہلے تعلق کی وجہ سے حمد کرنے والے پر جہنم کے دروازے بند ہو گئے۔ کیونکہ شکر ادا کرنے کی وجہ سے مواخذہ اور عتاب نہ رہا۔ اور دوسرے تعلق کی وجہ سے بہشتی دروازوں کے کھلنے کا مستحق ہو گیا۔

- عقلاء نے کہا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بہت بڑا کلمہ ہے۔ لیکن چاہئے کہ کسی موزوں مقام پر بولا جائے۔ تاکہ اچھی طرح اس کا ثمرہ حاصل ہو۔ حضرت سری سقطی قدس اللہ سرہ العزیز سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا ہے اور اس کے بعد تیس سال ہو گئے ہیں کہ استغفار کر رہا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بغداد میں آگ لگ گئی اور جس بازار میں میری دکان تھی سارا جل گیا۔ کسی نے میرے پاس آ کر کہا

marfat.com

Marfat.com

کہ تمام دکانیں جل گئی ہیں لیکن تیری دکان بچ گئی۔ میں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا۔ پھر جب میں نے سوچا تو پتہ چلا کہ یہ کلمہ مجھ سے دین اور مروت کے حق کے خلاف صادر ہوا۔ کہ مسلمانوں اور دوستوں کی مصیبت پر مجھے غم نہ ہوا اور اپنی تھوڑی سی منفعت پر میں نے خوشی کی۔ اسی لئے استغفار میں مشغول ہوں۔

## مواقع حمد

اسی بنا پر بزرگوں نے فرمایا کہ دنیا کی نعمتوں پر حمد کے بجائے دینی نعمتوں پر حمد کرنا بہتر ہے۔ اور بدن کے اچھے اعمال پر حمد کی بجائے دل کے اچھے حالات پر حمد بہتر ہے۔ اور نعمتوں پر اس نسبت سے حمد کرنا کہ لذیذ ہیں۔ اور نفس کیلئے خوش کن ہیں اس سے بہتر وہ حمد ہے جو کہ اس حیثیت کی جائے کہ یہ نعمتیں محبوب حقیقی کے عطیات ہیں۔ پس یہ کلمہ کہنے میں ان مقامات کی رعایت کرنا چاہئے تاکہ موزوں مقام پر یہ کلمہ ادا ہو۔ اور منقول ہے کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی روح ناف تک پہنچی تھی کہ انہیں چھینک آئی۔ آپ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کہا اور قرآن مجید میں ہے کہ جنتیوں کے کلام کا آخر بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ہے۔ پس عالم انسانی کی ابتداء حمد پر مبنی ہے۔ اور اس کا خاتمہ بھی حمد پر مبنی ہوا۔ بندۂ خدا کو چاہئے کہ اپنے اعمال کے اول و آخر کو کلمۂ حمد کے ساتھ ملائے۔

یہاں جاننا چاہئے کہ اس سورت کا نزول بندوں کی تعلیم کیلئے ہے۔ تاکہ مناجات الٰہی کے مقام پر یہ کلمات کہیں۔ پس چاہئے تھا کہ یوں فرمایا جاتا قولو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لیکن قولوا کو چھپا کر رکھا اور صریحاً نہ فرمایا۔ ایسا ایک نکتہ کی وجہ سے ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر صریحاً فرمایا جاتا اور لوگ اس امر صریح کی تعمیل میں کمی کرتے تو سخت عتاب کے مستحق ہوتے۔ جس طرح ~~بعینہٖ~~ باپ اگر اپنے بیٹے سے کہے کہ فلاں کام کر اور بیٹا اس کی تعمیل نہ کرے تو اس پر نافرمانی کا داغ لگ جاتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ باپ کہے فلاں چیز اچھی ہے یا فلاں کرنے کا کام ہے ایسی صورت میں تعمیل نہ کرنے کی صورت میں صریح نافرمانی نہیں ہوتی۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ نے تقاضا فرمایا کہ بندوں کے سامنے تلقین کی صورت میں اپنی ثنا بیان فرمائی تاکہ حکم بندگی سے اس پر عمل کریں۔

marfat.com

Marfat.com

## متعلقات رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اور وہ جو لفظ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے متعلق ہے یہ ہے کہ جو کچھ اس جہان میں دیکھا' سنا اور پایا جاتا ہے دو حال سے باہر نہیں۔ یا تو وہ واجب لذاتہ ہے۔ یعنی ایسا موجود جو کہ خود بخود موجود ہے۔ اور اس کا نہ ہونا محال اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ یا ممکن لذاتہ ہے کہ اس کی دونوں طرفیں یعنی وجود و عدم برابر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے ایجاد کرنے سے موجود ہوتا ہے۔ پس اس قسم میں سے جو موجود ہے یا ہوگا اس کو عالم کہتے ہیں۔ اور عالم' علامت سے مشتق ہے۔ اور اس قسم کا نام عالم اس لئے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی علامت ہے۔ کیونکہ اس کے افراد میں سے ہر فرد کسی اسم یا صفت کا مظہر ہے۔ اور اس کی اجناس و انواع اسمائے کلیہ اور صفات اطلاقیہ کے مظاہر ہیں۔ اور جب افراد عالم کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم خاص کا مظہر ہے۔ پس اس جہت سے جہاں غیر متناہی ہیں۔ رہے عالم کے اصول و کلیات تو جو کچھ شریعت میں مقرر ہے اس کے موافق بیان کئے جاتے ہیں۔

## عالمین کی بحث

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو کچھ عالم موجودات میں ہے' ذات ہے یا صفات اور ذات وہ ہے کہ اپنے وجود میں کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں۔ جیسے آسمان و زمین۔ اور صفت وہ شے ہے جو کہ اپنے وجود میں کسی دوسری چیز کی محتاج ہو جیسے رنگ' بو' مزہ وغیرہ اور معقولیوں کے عرف میں ذات کو جوہر کہتے ہیں۔ اور صفت کو عرض کا نام دیتے ہیں۔ اور ذات کی بھی دو قسمیں ہیں جسم اور روح۔ جسم وہ ہے جو کہ ایک معین مقدار اور شکل رکھتا ہے۔ اور وہ اس مقدار اور شکل کو نہیں چھوڑتا اور روح وہ ہے جس کی کوئی معین مقدار اور شکل نہیں۔ اور مختلف شکلوں اور مختلف مقداروں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور جسم کی بھی دو قسمیں ہیں۔ علوی۔ سفلی۔ علوی کی کئی قسمیں ہیں' عرش ہے' کرسی ہے' سدرۃ المنتہیٰ' لوح و قلم' معدن' بہشت' معدن دوزخ' ستارے کچھ ثابت و قائم ہیں۔ اور کچھ چلتے ہیں۔ اور ساتوں آسمان۔

سفلی کی دو قسمیں ہیں بسیط جیسے عناصر اربعہ کہ زمین' پانی' ہوا اور آگ ہیں۔ مرکب

marfat.com
Marfat.com

اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ کیونکہ تمام عناصر سے مرکب ہے یا بعض سے' پہلے کو کامل اور دوسرے کو ناقص کہتے ہیں۔ اور مرکب کامل تین عالم میں منحصر ہے عالم معدنیات' عالم نباتات' عالم حیوانات اور ان تینوں میں سے ہر ایک کئی عالموں پر مشتمل ہے۔ کہ اس کی تفصیل بہت طوالت چاہتی ہے۔ اور مرکب ناقص کی بھی تین قسمیں ہیں' بخارات یعنی آب وہوا غبار یعنی مٹی اور ہوا اور دھواں یعنی آگ اور ہوا اور ان تینوں میں سے ہر ایک سے بے شمار عالم پیدا ہوتے ہیں۔ پس صرف غبار سے اندھیاں اٹھتی ہیں۔ اور مختلف رنگوں کے بگولے پیدا ہوتے ہیں۔ اور بخارات سے بارش برستی ہے۔ اور جب بخارات زیادہ اونچے چلے جاتے ہیں۔ اور سردی کے مقام پر پہنچتے ہیں تو منجمد ہو کر ژالہ اور برف پیدا ہوتی ہے۔ اور دھوئیں سے چمکنے والی بجلی اور گرنے والی بجلی اور شعلے اور نیزے کی شکل میں دم دار ستارے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب بخارات اور دھواں منعکس ہو کر زمین میں بند ہو جاتے ہیں تو زمین کے نیچے سے ہوا کا طوفان اٹھتا ہے۔ اور اس کو زلزلہ کہتے ہیں۔ اور جب بخارات زمین کے نیچے جا کر بند ہو جاتے ہیں۔ اور ہوا کی قوت کے ساتھ باہر آتے ہیں تو چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ اور اگر لطیف بخارات آسمان اور زمین کے درمیان رات کی سردی کی وجہ سے جم جائیں۔ اور پھر زمین پر گرے تو اسے شبنم کہتے ہیں۔ اور اگر جم کر آسمان وزمین کے درمیان پھیلے رہیں تو اسے صقیع کا نام دیتے ہیں۔ اور لغت ہندی میں اسے کہل کہتے ہیں۔ اور بعض شہروں میں یہی تھوڑے سے بخارات لطیفہ منجمد ہو کر شکر سفید اور سرخ کے رنگ میں زمین پر برستے ہیں۔ اور اسے ترنجبین اور خشک انگبین اور من اور شیر خشت کہتے ہیں۔ یہ عادت کے مطابق مرکب ناقص کی قسمیں ہیں۔ اور کبھی عادت کے خلاف عجیب اور مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور آسمان اور زمین کے درمیان لٹکتی رہتی ہیں۔ اور کبھی زمین پر گر پڑتی ہیں۔ اور اس کی تفصیل اپنے مقام میں مذکور ہے۔ اور کائنات الجو کے عجائب کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔

## ارواح کا بیان اور ملائکہ کی اقسام

اور روح یا بالکل نیک ہوتی ہے۔ اور اسے فرشتہ کہتے ہیں یا بالکل بد اور اسے شیطان

marfat.com
Marfat.com

کہا جاتا ہے یا نیکی و برائی دونوں ہوں۔ اور ان کی دو قسمیں ہیں۔ جن' ارواح بنی آدم اور فرشتوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ اول وہ فرشتے جو کہ جسموں کے ساتھ معلق ہیں۔ خواہ ان کا تعلق اجسام علوی سے ہو جیسے حاملان عرش' خازنان کرسی' جنت اور دوزخ کے داروغے' ساکنان سدرۃ المنتہیٰ' مجاوران بیت المعمور' ستاروں کو کھینچنے والے' آسمانوں کی حرکت دینے والے اور ان کے دربان۔ اور خواہ اجسام سفلی سے تعلق رکھتے ہو۔ جیسا کہ وہ فرشتے جو کہ بادل اور ہوا کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور ہر قطرہ کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔ اور دریا' پہاڑ اور درختوں کے مؤکل اور بنی آدم کی حفاظت' ان کے اعمال لکھنے' اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تلاوت کرنے والوں اور ورد کرنے والوں کی امداد و اعانت کیلئے رابطہ رکھتے ہیں۔

دوسرے وہ فرشتے ہیں جو کہ عبادت میں محو رہتے ہیں۔ اور ان کی ڈیوٹی اپنے مالک کو یاد کرنا ہے۔ اور وہ کثرت میں اس قدر ہیں کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں واقع ہے کہ آسمانوں میں ایک بالشت جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ مشغول عبادت نہ ہو یا قیام میں یا رکوع میں یا سجدہ میں۔ تیسرے وہ مقرب فرشتے ہیں کہ جہان میں عظیم کام' ان کی تدبیر اور ان کے واسطے سے رونما ہوتے ہیں۔ جیسا کہ وحی و شریعت کی تعمیل کرنا' رزق اور دولت پہنچانا مدد کرنا حکومتوں اور ملکوں کو زیروزبر کرنا بنی آدم کی روحیں قبض کرنا۔ اور چار فرشتے یعنی جبرئیل' میکائیل' اسرافیل اور عزرائیل۔ ان کے لشکر اور امدادی' فرشتوں کی اسی قسم میں داخل ہیں۔ اور سب فرشتوں کے حال اور کثرت کے بیان میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور صفت کے بھی کئی جہان ہیں۔ جیسے مکان' زمان' کیفیت' وضع' نسبت اور سمت اور ان جہانوں کا مکمل بیان حکمت کی مفصل کتابوں میں ہے۔ بہر حال جسے موجودات کے احوال اور ان کی تفاصیل کا احاطہ جتنا زیادہ ہوگا اسے رَبِّ الْعَالَمِينَ کی تفسیر کا اتنا زیادہ علم ہوگا۔

## ایک خیال اور اس کا جواب

اس جگہ دل میں ایک خیال آتا ہے کہ جب اس سورت کا نزول اس لئے ہے کہ

marfat.com

Marfat.com

بندے اپنے پروردگار کی مناجات کے مقام میں اس کی نعمتوں کا شکر اس طرح بجالائیں۔تو یہاں تمام جہان کی تربیت کے ذکر کی کیا مناسبت ہے؟ یہاں تو صرف عالم انسانی کی تربیت کا ذکر فرمانا چاہئے تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ربوبیت الٰہی نے ہر عالم کو دوسرے عالم کے ساتھ ایسا رابطہ عطا فرمایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ پس عالم انسانی کی ربوبیت کا تصور تمام عوالم کی ربوبیت دریافت کئے بغیر ممکن نہیں۔اور جب بندے جان لیں کہ تمام عوالم کو ہماری تربیت میں مصروف کر دیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدر ان کے ذہنوں میں عظمت پیدا کرے گی۔اور اسی کے مطابق اس کے شکر سے عاجزی ظاہر ہوگی۔ اور منعم حقیقی کے انعام کے پہلو میں نفس کی انکساری حاصل ہوگی جو کہ شکر کا مغز اور حمد کا خلاصہ ہے۔اور اس اجمال کی تفصیل بہت طوالت چاہتی ہے۔ پھر بھی نمونہ کے طور پر اس سے کسی قدر بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً تربیت الٰہی جو کہ آدمی کے بارے میں ظاہر ہوئی ہے اس کی ابتداء اس کے وجود سے ہے۔اور اس کی انتہا سعادت ابدی کے حصول تک ہے۔

## ابدی سعادت کی تین چیزیں اور دیگر فروعات

اور جب ہم نے سعادت ابدی کو کھنگالا تو تین چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اعتقاد حق' عمل صالح' نیک عادات اور ہر چیز بدنی کی چار چیزوں کے بغیر پوری نہیں ہوتی صحت' طاقت' خوبصورتی' لمبی عمر اور یہ چار چیزیں دوسری چار چیزوں پر موقوف ہیں۔ مال' اہل وعیال' مرتبہ' قبیلہ جو کہ مددگار اور معاون ہوں۔اور نفسی فضائل جو کہ سعادت ابدیہ کے اجزاء ہیں کے ساتھ بدنی فضائل کے رابطے کا تصور نہیں ہوسکتا مگر پانچ دوسری چیزوں کے ساتھ کہ ان میں سے پہلی چیز ہدایت ہے۔یعنی عقل وشرع کے ساتھ خیر وشر کے راستے کو پہچاننا' دوسری چیز مجاہدات کا نتیجہ یعنی ایسے نور کی چمک جو کہ کمال مجاہدہ کے بعد عالم نبوت اور عالم ولایت سے ظاہر ہوتی ہے۔تیسری چیز مرشد یعنی وہ چیز جو کہ سعادت کی طرف متوجہ ہونے کا باعث ہو۔ چوتھی توفیق وتائید یعنی حق وصواب کے مطابق حرکت کا آسان ہونا۔اور اسباب کی موافقت کی وجہ سے مختصر وقت میں مطلب تک پہنچ جانا۔ پانچویں استقامت یعنی پختہ ارادے کا آخر تک باقی رہنا۔اور اس کام میں بصیرت کی کشادگی۔پس یہ سولہ چیزیں ہیں

marfat.com

Marfat.com

جن پر آدمی کی تربیت موقوف ہے۔ اور ان سب میں سے ادنیٰ صحت ہے۔ اور صحت کے کئی اسباب ہیں کہ ان کی تفصیل کتب طب میں موجود ہے۔ اور ان اسباب میں سے سب سے ادنیٰ کھانا ہے۔ اور جب کھانا اختیاری فعل ہے۔ تو یہ ایک جسم کا محتاج ہے کہ اس میں قدرت' ارادہ اور علم درکار ہے۔ اگرچہ نباتات کہ ان میں قدرت ارادہ اور علم نہیں انہیں بھی پٹھوں کے ذریعے غذا کھینچنے کی قوت دی گئی ہے۔ اور اسی حیثیت سے نباتات کو جمادات کے مقابلہ میں کامل تر گردانا گیا ہے۔ لیکن نباتات غذائے بعید کی طلب سے عاجز ہیں۔ کیونکہ نہ تو انہیں غذائے بعید کے مکان کی معرفت ہے۔ اور نہ ہی وہ منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پس حیوان کو پانچوں حواس دیئے گئے ہیں کہ ان میں ایک لامسہ یعنی کرنے کی قوت ہے۔ تا کہ اس کی وجہ سے آگ کی گرمی' برف کی ٹھنڈک اور تلوار کی کاٹ کا احساس کرے۔ پس بھاگ جائے۔ اور محفوظ رہے۔ لیکن وہ حیوان جس میں صرف یہی ایک قوت ہے۔ اور بس مثل کیڑے کے کہ دشمن بعید سے بھاگنے سے عاجز ہوتا ہے یا دور پڑی ہوئی مرغوب چیز کو طلب کرے۔ پس دور کی چیزوں کو دریافت کرنے کیلئے ایک اور قوت عطا فرمائی گئی جسے شامہ یعنی سونگھنے والی کہتے ہیں۔ تا کہ وہ بو کا ادراک کرے۔ اور جب بو کے ادراک سے مطلوب یا مکروہ کی کماحقہ دریافت نہ ہو سکے تو ایک اور قوت عطا فرمائی جسے باصرہ کہتے ہیں یعنی دیکھنے والی' اور اس کی وجہ سے اشیاء مطلوبہ و مکروھہ کی سمت کا ادراک ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ قوت بھی۔ پس پردہ شے کا ادراک نہیں کر سکتی۔ پس اس کی طلب یا نفرت متصور نہ ہوگی مگر اس کے قریب جانے کے بعد۔ پس پردہ کے پیچھے چھپی اشیاء کے ادراک کیلئے ایک اور قوت دی گئی کہ اسے سمع یعنی سننا کہتے ہیں۔

اور اگر کسی شخص کو کسی غذا کی رغبت ہو جو کہ اس کے حواس خمسہ سے غائب ہو تو اسے بنی نوع انسان سے طلب کرنے کیلئے کلام کرنے کی صلاحیت دی گئی جو کہ حروف سے مل کر بنتی ہے۔ تا کہ وہ فرمائش کرے کہ فلاں فلاں چیز بازار سے لاؤ۔ اور اسے اچھی طرح بناؤ۔ جب غذا میسر آ گئی تو اس کی لذت دریافت کرنے کیلئے اسے قوت ذائقہ یعنی چکھنے والی قوت بخشی گئی تا کہ لذت کی وجہ سے اس غذا پر طبیعت زیادہ متوجہ ہو۔ اور طبیعت کو اس کا جذب

marfat.com
Marfat.com

کرنا آسان ہو جائے۔ پھر مشترک حس اور قوت خیال بھی بخشی گئی تاکہ تمام محسوسات کو خیال میں رکھے۔ اور رغبت کے وقت اس کی خواہش کرے۔ جیسے سنگترہ کہ اس کی مٹھاس' زردی اور خوشبو تین حواس سے دریافت کر کے اس کی مرکب صورت کو خیال میں رکھا تاکہ حاجت کے وقت اس کی طلب کرے۔ پھر قوت شہوانیہ تاکہ مطلوب کو پانے کیلئے حرکت دے۔ قوت کارہہ کہ مطلوب کی ضد سے بھاگنے کا سبب ہو۔ اور قوت غضب اس دشمن کو روکنے کیلئے جو کہ حاصل کی گئی غذا کو لوٹنا چاہے بھی بخشی گئی اور پاؤں اس لئے دیئے گئے تاکہ طلب یا ہرب کا آلہ بنیں۔ اور ہاتھ پکڑنے اور منہ تک پہنچانے کو۔ اور منہ معدہ تک طعام پہنچانے کو اور دونوں جبڑے اور دانت طعام کو پیسنے کو۔ تاکہ اس کا نگلنا آسان ہو۔ اور زبان منہ میں طعام کو حرکت دینے' مزہ چکھنے اور طلب کے وقت اس کا نام لینے کو اور لعاب اسے گوندھنے کو اور مری اور حجرہ معدے کی طرف کھانا منتقل کرنے کو اور معدہ کو۔ تاکہ کھل جائے۔ اور کھانے کو اپنے اندر لے لے پھر بند ہو جائے۔ تاکہ کھانا اس میں کچھ وقت تک رہے۔ اور پک جائے۔ اور متشابہ اجزاء جوش دیئے ہوئے جو کے پانی کی طرح ہو جائیں۔ اور کھانے کو معدہ میں پکانے کے لیے جگر کی گرمی' تلی اور وہ چربی ضروری ہوتی جو کہ معدہ اور آنتوں میں ہوتی ہے۔ یہ اعضاء بھی اسے مہیا کیے گئے۔ نیز اس لئے کہ کھانا پکنے کے بعد ایک مخصوص شکل حاصل کر کے نسوں کی گزرگاہوں سے جگر میں پہنچتا ہے۔ اور وہاں ایک اور جوش حاصل کر کے خون بن جاتا ہے۔ اور اس جوش کی گرمی سے اس میں کچھ سودا بن جاتا ہے مثل میل کے۔ اور اسے تلی جذب کر لیتی ہے۔ اور کچھ صفرا بن جاتا ہے مثل جھاگ کے اور اسے پتہ اپنے اندر جذب کر لیتا۔ اور ابھی خون میں زیادہ رقت اور رطوبت باقی ہے ضرورت ہے کہ اسے پھر صاف کیا جائے۔ پس اس کام کیلئے دو گردے دیئے گئے تاکہ رطوبت کو جذب کریں۔ اور جب خون غذا پہنچانے کے قابل ہو گیا تو لازم ہے کہ اسے تمام بدن میں تقسیم کیا جائے۔ اور اس کام کیلئے رگیں عنایت فرمائی گئیں۔ بڑی رگوں سے لے کر بالوں کی نسوں تک' پھر پہلی بار کے پکنے والا فضلہ اگر معدہ میں رہ جاتا تو سخت بیماریوں کا سبب بن جاتا' انتڑیوں میں ڈال دیا گیا۔ اب پتے کو اتنی طاقت ضروری دی گئی اور ایک راہ کھولی گئی تاکہ

marfat.com
Marfat.com

کچھ صفراء کو انتڑیوں میں بھیجے اور وہ صفرا انتڑیوں کو بخارات دے تا کہ فضلہ دور کرنے کی حاجت پیدا ہو۔ اور چونکہ بدن ہمیشہ تحلیل کے عمل میں مصروف رہتا ہے۔ تو ضروری ہوا کہ وہ سودا جسے تلی نے جذب کیا تھا اور اس میں کچھ ترشی اور قبض آ گئی تھی اسے وہاں سے دوبارہ معدہ کے منہ تک پہنچایا گیا۔ تا کہ خواہش کی قوت حرکت میں آئے۔ اور طبیعت غذا طلب کرے۔ اور گردے نے جو رطوبت جذب کی تھی اپنی غذا کی مقدار رکھ کر باقی مثانہ کو دے دیتا ہے۔ تا کہ باریک راہ جو کہ پیشاب گاہ تک پہنچتی ہے میں گرے۔

## پیشۂ کاشتکاری

پھر آدمی کو کھانے کی چیزوں کی جنس سے بہت سی چیزیں درکار ہیں کہ ان کا بیج محفوظ رکھے۔ اور ان بیجوں کے ضائع ہونے کی صورت میں آدمی بھوکا رہتا ہے۔ پس اسے لازماً ایک اور پیشے کی تعلیم دی گئی کہ اس کی وجہ سے بیج کو نشو ونما حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ پیشہ کاشتکاری ہے۔ اور اس میں تین رکن ہیں۔ اول مٹی کہ اس میں بیج کی حفاظت ہو' دوسرا اور تیسرا رکن آب و ہوا تا کہ وہ بیج پھولے اور شاخ اور پتے باہر لائے۔ اور ہوا کیلئے ضروری ہے کہ قوت سے حرکت دے تا کہ زمین میں اور بیج کے اجزاء میں داخل ہو۔ اور تینوں آپس میں گھل مل جائیں۔ اس کے علاوہ بہار اور موسم گرما کی گرمی بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ گرمی کے بغیر ہوا بیج کے اجزاء کو بکھیر نہیں سکتی۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ ٹھنڈی ہوا جمود کا باعث ہوتی ہے نہ کہ جوش کا۔ پھر پانی کو زراعت کی زمین تک پہنچانے کیلئے نہر کھودنے' چشمے جاری کرنے اور کنویں سے پانی نکالنے کیلئے آلات کی ضرورت پیش آئی اور وہ اونچی زمینیں جن تک نہروں' چشموں اور کنوؤں کا پانی نہیں پہنچ سکتا ان کیلئے بادل پیدا فرمائے۔ اور ان بادلوں پر ہواؤں کو مسلط فرمایا تا کہ انہیں ہر طرف چلا کر لے جائیں۔ اور جب بارش کا پانی ہر وقت میسر نہیں ہو سکتا تو پہاڑوں کو بارش کے پانی کا خزانہ بنایا۔ تا کہ ان سے نہریں اور چشمے درجہ بدرجہ جاری رہیں۔ اور آبادیاں اور شہر غرق نہ ہوں۔ اور گرمی کیلئے ضرورت کے وقت سورج کو مسخر فرمایا تا کہ نزدیک آ جائے۔ اور ہوا میں اس کی گرمی کا اثر پیدا ہو جائے۔ اور جب پودا زمین سے بلند ہوتا ہے۔ اور مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔ تو آب و ہوا کی

marfat.com
Marfat.com

رطوبت اسے بہت کم پہنچتی ہے۔ حالانکہ ابھی اسے کافی رطوبت درکار ہے۔ اس رطوبت کیلئے چاند کو مسخر فرمایا۔ اسی طرح آسمان میں جو ستارہ بھی ہے زراعت میں اس کا فائدہ ہے کہ تفتیش کے وقت معلوم ہوتا ہے۔ اور سورج' چاند اور آسمان کے دوسرے ستاروں کی تسخیر کا حرکات افلاک کے بغیر تصور نہیں ہوسکتا۔ اور افلاک کی حرکات کی ڈیوٹی فرشتے سرانجام دیتے ہیں۔ اور بعض فرشتے آدمی کے بدن میں غذا کے پروگرام کو چلانے کیلئے بھی مقرر ہیں۔ اس لئے کہ غذا کا فائدہ یہ ہے کہ کھانے کا کچھ حصہ جزو بدن ہے جو کہ حرکات کی وجہ سے تحلیل ہو چکا ہے۔ پس ایسا فرشتہ لازماً چاہئے جو کہ غذا کو گوشت اور ہڈی کی طرف کھینچ کر لے جائے۔ کیونکہ طبعاً غذا ایک ثقیل جسم سے نیچے کی طرف حرکت کرتا ہے نہ کہ اطراف کی طرف اور ایک اور فرشتہ چاہئے جو کہ اس غذا کی عضو میں حفاظت کرے۔ اور تیسرا فرشتہ بھی چاہئے تا کہ اس غذا سے شکل خون کو جدا کرے۔ اور چوتھا بھی تا کہ گوشت اور ہڈی کی صورت بنائے۔ اور پانچواں بھی تا کہ فضلہ کو دور کرے۔ اور چھٹا بھی تا کہ جنس کو جنس سے ملا کر یکساں کردے۔ اور ساتواں بھی تا کہ مقدار کا خیال کرے۔ اور عضو کی شکل میں اونچ نیچ پیدا نہ ہو۔ پس یہ سات فرشتے ہر عضو کی غذا کیلئے درکار ہیں۔

اور بعض اجزائے بدن کو سو سے زیادہ فرشتوں کی ضرورت ہے۔ جیسے آنکھ اور دل اور ان تمام زمینی فرشتوں کو آسمانی فرشتوں کی مدد پہنچتی ہے۔ اور انہیں عرش اٹھانے والے فرشتوں کی طرف سے مدد پہنچتی ہے۔ پس یہ تربیت الٰہی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے جو کہ کھانے کی صورت میں ظاہر ہوا اور کھانا صحت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اور صحت ایک ادنیٰ چیز ہے کہ تربیت کی غایت اسی پر موقوف ہے۔ اور جو شخص صحت کے تمام اسباب پر تربیت کے تمام لوازمات سمیت تفصیلی نظر سے مشاہدہ کرے تو وہ یقیناً اس بات پر یقین کرے گا کہ ایک عالم کے دوسرے عالم کے ساتھ رابطہ کے بغیر تربیت کی حقیقت کا تصور نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے نعمت الٰہی کے احسان جتلانے کے وقت لفظ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لایا گیا۔ تا کہ اس طرف اشارہ ہو کہ تمام عالم کی تربیت ہر فرد کی تربیت میں داخل ہے۔ اور درحقیقت تمام عالم کی تربیت اسی کی تربیت ہے۔ اور کیا اچھا کہا گیا۔ بادل' ہوا' چاند' سورج

marfat.com
Marfat.com

اور آسمان کام میں ہیں۔ تا کہ تو ایک روٹی حاصل کرے۔ اور غفلت سے نہ کھائے۔ اور تمام تیری خاطر مصروف اور فرمانبردار ہیں۔ اور یہ انصاف کی شرط نہیں کہ تو فرمانبرداری نہ کرے۔

## لفظ ربّ کے معانی

جاننا چاہئے کہ لفظ ربّ عربی لغت میں کئی معنوں میں آیا ہے۔ اور وہ تمام معنے یہاں مناسب ہیں بمعنی مالک اور اللہ تعالیٰ کا تمام جہانوں کا مالک ہونا ظاہر ہے۔ اس لئے کہ جب ہر چیز اس کی مخلوق ہے۔ تو مملوک بھی اسی کی ہوگی۔ اور آدمی کی ملک اول تو مطلق نہیں دوسرے مالک حقیقی سے عاریتاً ہے۔ دوسرا معنی موجد یعنی خالق اور اس معنی میں بھی مقام حمد کے مطابق ہے۔ بلکہ خالق ہونا تمام خوبیوں میں سے سب سے زیادہ کامل خوبی کو لازم ہے۔ کیونکہ اس کی نعمتیں مستحق ہونے سے پہلے مخلوقات کو ملی ہیں۔ اور ملتی ہیں۔ تیسرا معنی سید یعنی جماعت کا سردار۔ اور اسی معنی میں ربّ النوع کہا جاتا ہے۔ اور اس معنی کی حقیقت بلندی مرتبہ ہے۔ اور وہ بھی اعلیٰ خوبیوں کو چاہتی ہے۔ اور چوتھا معنی مربی یعنی کاموں کا اصلاح کرنے والا۔ اور ہر چیز کو اس کے اونچے مرتبہ پر پہنچانے والا' مثلاً نطفہ کو خون کے ساتھ ملا کر لوتھڑا بنایا۔ اور اسے منجمد کر کے گوشت کا ٹکڑا بنایا۔ اور گوشت کو مختلف اعضاء عطا فرمائے۔ پھر فیض روح پہنچایا اور ہر عضو کو اس کے لائق طاقت بخشی۔ پھر روح کو شریعت' طریقت اور حقیقت کے ساتھ مکمل فرمایا۔ پس اسے کامل خوبیوں کا مستحق بنایا۔

## تربیت کی دو قسمیں

نیز جاننا چاہئے کہ تربیت دو قسم کی ہے ایک یہ کہ ایک آدمی کسی چیز کی پرورش اپنے لئے کرے تا کہ وہ چیز اس کے کام آئے۔ اور اس قسم کی تربیت شان مخلوقات ہے کہ اپنے اغراض اور ضروریات کی پابند ہیں۔ اور دوسری قسم تربیت کی یہ ہے کہ اس چیز کی تربیت اسی چیز کے فائدہ کیلئے کی جائے۔ اور خالق سبحانہ وتعالیٰ کی یہی شان ہے۔ کیونکہ اس کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے ذریعے کمال حاصل کرے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی شان

marfat.com
Marfat.com

میں حدیث پاک میں وارد ہے ان اللہ یحب الملحین فی الدعآء اللہ تعالیٰ دعا میں مبالغہ کرنے والے کو پسند فرماتا ہے۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ من لم یسئل اللہ یغضب علیہ جس نے اللہ تعالیٰ سے نہ مانگا وہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ اور اسی مقام سے معلوم ہوا کہ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اس کی صفات سے اکمل صفت ہے جل شانہ کیونکہ نور وجود کے ظہور کی ابتداء سے لے کر ہر کوئی اپنے معاد کو پہنچنے تک اسی اسم اعظم کے احاطہ میں ہے۔ اور ہر نسبت اور تعلق جو اس جہان میں دیکھا سنا جاتا ہے اسی اسم مبارک کے انوار کا سایہ ہے۔ اسی لئے اسم مبارک اللہ کے بعد اس نام کو مقام حمد میں لائے ہیں۔ کیونکہ اسم اللہ تمام و کمال پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ نام تمام و کمال سے مافوق دلالت کرتا ہے۔

## متعلقات رحمٰن ورحیم

اور جو کچھ رحمٰن ورحیم کے ساتھ متعلق ہے یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے حق میں حقیقت رحمت خیر پہنچانا اور شر کو دفع کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دو قسمیں ہیں ذاتی وصفاتی اور ذاتی کی بھی دو قسمیں ہیں عام اور خاص' عام رحمت وجود کا فیض عطا کرنا ہے کہ ہر موجود اس سے ایک حصہ رکھتا ہے۔ اور رحمت خاص اللہ تعالیٰ کی طرف قرب کی استعداد بخشنا ہے۔ کہ اپنے بعض بندوں کو اس سے مخصوص فرمایا ہے۔ اور صفائی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عام اور خاص' عام رحمت' ہر موجود کو صفات واعراض میں سے جو اس کے لائق ہو عطا فرمانا ہے۔ اور خاص' ہر موجود کو ایسی چیز عطا کرنا کہ اس کی وجہ سے وہ دوسروں پر برتری اور فضیلت حاصل کر سکے۔ پس یہاں سے معلوم ہوا کہ باوجودیکہ رحمٰن ورحیم تسمیہ میں بھی موجود ہیں۔ لیکن انہیں اس سورت میں دوبارہ لانے میں تکرار نہیں۔ کیونکہ وہ رحمت جو تسمیہ میں مذکور ہے ذاتی ہے۔ اور جو رحمت کہ یہاں مذکور ہے صفائی ہے۔ اور جب ذاتی کی دو قسمیں ہیں عام اور خاص تو ان دو قسموں پر دلالت کے دو اسم رحمٰن ورحیم تسمیہ میں لا کر فرمائے۔ اور جب صفائی کی بھی دو قسمیں ہیں عام و خاص۔ تو ان دونوں پر دلالت کیلئے بھی دو نام لائے گئے رحمٰن و رحیم۔

اور بعض نے کہا ہے کہ تسمیہ میں رحمٰن ورحیم کا ذکر اس ہیبت کی تسکین کیلئے ہے جو کہ اسم

marfat.com

Marfat.com

اللہ کے ذکر سے پیدا ہوتی ہے۔ اور دل کو مدہوش کر دیتی ہے۔ اور یہاں بندوں کو امیدوار بنانے کو ہے۔ تاکہ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے خوف سے بے تاب نہ ہو جائیں۔ اور چونکہ آئندہ کلام میں عبادت کا ذکر ہے۔ اور عبادت ایک نہایت مشکل کام ہے۔ تو لازم ہوا کہ امید کا قائد اور خوف کا سائق ہمراہ دیئے جائیں۔ اور ہر مقام پر دو اسم لانا اس لئے ہے کہ ایک تو عوام کی ہیبت کی تسکین کرے۔ اور عوام کو پر امید کرے۔ اور دوسرا خواص کیلئے۔ نیز یہ بھی کہا ہے کہ ظہور عالم کی ابتداء ایک رحمت پر ہے عام اور خاص اور اس کی انتہا بھی ایک رحمت پر ہے عام اور خاص۔ پس تسمیہ میں ابتدائی رحمتوں کی طرف اور یہاں انتہا کی رحمتوں کی طرف اشارہ ہے۔ نیز حمد کی ابتداء عام اور خاص رحمتیں ہیں۔ عام کی نظر میں عام اور خاص کی نظر میں خاص۔ پس چاہئے کہ اسی تفصیل کے ساتھ منہائے حمد۔ نیز دو قسم کی رحمت ہو۔ نیز اشارہ ہے اس پر کہ اگر چہ حمد کامل اور پوری ہو لیکن اسے اللہ تعالیٰ کی سابقہ نعمتوں چاہے عام ہوں یا خاص کا بدلہ قرار نہیں دے سکتے۔ چہ جائیکہ رحمت جزائے مزید کا موجب بن سکتی ہے مگر اس کے ساتھ کہ اس حمد کے ساتھ دو قسم کی۔ اور رحمت کو ملا دیں اور وہ جزائے مزید کا موجب بن جائے۔ عام مزید عام کیلئے اور خاص مزید خاص کیلئے۔

## دنیا و آخرت کی رحمت کی دو دو قسمیں

نیز اس بات پر بھی اشارہ ہے کہ جس طرح رحمت دنیا دو قسم ہے عام جو کہ ایجادی ہے۔ اور خاص جو کہ تفضلی ہے۔ اسی طرح رحمت آخرت دو قسم ہے عام جو کہ سبب نجات ہے۔ اور خاص جو کہ سبب قرب ہے۔ یا اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی حمد کا سبب ہے۔ خاص رحمت حمد خاص کا وسیلہ ہے۔ اور عام حمد عام کا ذریعہ۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے مضمون کو ملاحظہ کرنے کے واسطے سے وہی رحمت موجب عبادت ہے رحمت عام عبادت عام کیلئے اور خاص عبادت خاص کیلئے۔ پس حمد کو دو جہتوں سے ضرور جاننا چاہئے اول یہ کہ رحمت کا مقتضی ہے۔ دوسرے یہ کہ عبادت کا مقصد ہے۔ اور خلق انسان سے مقصود عبادت ہے۔ اور خلق عالم کا مقصود خلق انسان ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## لفظ رحمٰن اور رحیم میں فرق

ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ رحمٰن ورحیم دولفظ ہیں۔لیکن معنی ایک ہی ہے۔جیسے فرمان اور ندیم۔پس ان دولفظوں کو جمع کرنا صرف تاکید کیلئے ہے۔مثلاً کہتے ہیں فلاں تندو تیز ہے۔اور بعض نے کہا کہ رحمٰن رحیم کی بہ نسبت رحمٰن زیادہ بلیغ ہے۔کیونکہ لفظ کی زیادتی معنوں کی زیارت پر دلالت کرتی ہے۔رحمٰن پانچ حرفی ہے۔اور رحیم چار حرفی اسی لئے رحمٰن ذات پاک حضرت حق کے ساتھ مخصوص اسم ہے۔اور اس نے غلبہ کے طریقے سے اسم علم کا حکم حاصل کرلیا۔پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے غیر کو رحمٰن کہے کافر ہوجائے گا۔اور رحمٰن میں جو مبالغہ ہے تین طریقوں سے سمجھا جاسکتا ہے اول رحمت ایجادی کے افراد کی کثرت' دوم رحمت پانے والے افراد کی کثرت اور یہ دونوں قسمیں کمیت میں زیادتی کے قبیلے سے ہیں۔سوم کیفیت میں زیادتی کہ اسم رحمت خاص ہے ان رحمتوں سے جو بڑی اور ہمیشہ ہیں۔اور وہ جو بعض نے کہا رحمٰن الدنیا والاخرۃ ورحیم الدنیا تو مبالغۃ کی ان تین وجوہ میں سے ایک طرف اشارہ ہے۔اور بعض نے کہا رحمن الدنیا ورحیم الآخرۃ۔ اسی لئے کہتے ہیں دنیا کی رحمت عام ہے مومن وکافر۔نیک وبد اس میں شریک ہے بخلاف رحمت آخرت کے۔

نیز کہا گیا ہے کہ رحمٰن لفظ میں خاص ہے۔اور معنی میں عام کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کو اس سے موصوف نہیں کرتے۔پس اس کا لفظ خاص ہوگا۔اور چونکہ خالقیت' رازقیت اور نفع پہنچانا تمام موجودات کو شامل ہے اس کا معنی عام ہوگا۔اور رحیم لفظ میں عام ہے۔اور معنی میں خاص۔کیونکہ مخلوق کو بھی اس کے ساتھ موصوف کرتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ فلاں رحیم ہے۔اور لطف وتوفیق جو کہ اس اسم کا مدلول ہے وہ ایمان والوں کے ساتھ خاص ہے۔ضحاک کہتے ہیں کہ رحمٰن آسمان والوں پر اس کی رحمت کے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔اور رحیم' زمین والوں پر اس کی رحمت کے نزول کی طرف اشارہ ہے۔ابن مبارک فرماتے ہیں کہ رحمٰن وہ ذات ہے کہ جب اس سے سوال کریں تو عطا فرمائے۔اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے کچھ نہ مانگیں تو ناراض ہوجائے۔اور بعض نے کہا کہ دنیا وآخرت کی

marfat.com

Marfat.com

رنگا رنگ نعمتیں رحمت رحمانی کے نشانات ہیں۔ اور دونوں جہانوں بلیات و آفات کو دور کرنا رحمت رحیمی کا مقتضیٰ ہے۔ ہر صورت میں اگر رحمٰن رحیم سے زیادہ بلیغ ہے۔ تو اللہ پھر رحمٰن پھر رحیم کے ذکر کی ترتیب میں تنزیلی مناسبت ہے کہ پہلے اسم ذات کا ذکر فرمایا پھر اسمائے صفات میں سے اس اسم کا ذکر جو کہ خصوصیت میں اسم ذات کی مانند ہے۔ پھر اسمائے صفات میں سے ایک اور اسم جو کہ عام ہے۔

## ایک شبہ کا جواب

لیکن یہاں ایک شبہ وارد ہے کہ جب لفظ رحمٰن کا ذکر ہو چکا جو کہ کمال رحمت پر دلالت کرتا ہے۔ پھر لفظ رحیم کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ رحیم کا ذکر تکمیل کے طور پر ہے۔ اس لئے کہ لفظ رحمٰن میں بڑی نعمتوں' کلیات اور منفعتوں کے اصول کو سمیٹا گیا۔ جیسا کہ اور لفظ رحیم چھوٹی نعمتوں۔ جزئیات اور فروغ کو شامل ہے۔ اور یہ تکمیل اس لئے ہے کہ بندے کو حقیر حاجتیں جیسے نمک' جوتا' جانوروں کا چارہ اس دربار عالی سے مانگنے میں شرم دامن گیر نہ ہو۔ اور بلا جھجک اس جناب عالی سے مانگے۔ گویا فرمایا کہ اگر ہم اپنے آپ کو صرف رحمٰن کہتے تو تو ہم سے مرعوب سا رہتا اور ہم سے آسان سی چیزوں کے مانگنے کو بے ادبی سمجھتا۔ اب جبکہ ہم نے خود کو رحمٰن و رحیم فرمایا تو ہم نے اجازت دے دی کہ ہر امر عظیم و حقیر ہم سے مانگ اور یہ بادشاہوں' امیروں اور زمین کے سرداروں کی عادت کے خلاف فضل و کرم ہے۔ ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک آسان سے مقدمہ میں بادشاہ کی خدمت میں عرض پیش کی۔ بادشاہ نے اسے سزا دینے کا حکم دیا کہ آسان کام عام آدمیوں سے طلب کرنے چاہئیں۔ اس جگہ رحمت الٰہی کا کمال ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ کو یہاں تک دلیر فرمایا۔

بعض نے کہا ہے کہ رحمٰن ان نعمتوں پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا بندوں کی طرف سے ملنا متصور نہیں۔ جیسے زندگی دنیا' سننے کی طاقت اور بینائی عطا کرنا اور اولاد عطا کرنا۔ اور رحیم ان نعمتوں پر دلالت کرتا ہے کہ بندوں کے خیال میں انہیں بندوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جیسے مرض کی تشخیص۔ دوا کے ساتھ علاج کرنا' روزانہ کا خرچ' خون بہا' امور معاش و

marfat.com

Marfat.com

معاد میں مدد کرتا۔ پس گویا کہ فرمایا کہ میں رحمٰن ہوں کہ ناپاک قطرے کو تو میرے حوالے کرتا ہے۔ اور میں اسے اچھے قد اور اچھی شکل والا بنا کر تجھے دیتا ہوں۔ اور خشک پرانے بیج کو تو میرے سپرد کرتا ہے۔ اور میں اسے شاخ' پتے اور پھلدار کر کے تجھے عطا فرماتا ہوں۔ اور تو ناقص اطاعت میری طرف بھیجتا ہے۔ اور میں اسے بلند محل بنا کر جو کہ حور و قصور' اشجار و انہار پر مشتمل ہے تیرے حوالہ کرتا ہوں۔ اور میں رحیم بھی ہوں کہ جو کچھ تجھے تیرے والدین' خاوند و مالک' استاد اور پیر' طبیب و عطار' آقا و مربی دے سکتے ہیں مجھ سے امید رکھ۔ اسی لئے کہا ہے ہر شے جسے تو چھوڑ دے اس کا عوض ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دے تو اس کا کوئی بدل نہیں۔

## ایک بہت مشکل شبہ اور اس کا جواب

اس جگہ ایک بہت مشکل شبہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب وہ رحمٰن و رحیم ہے۔ تو اس نے برائیاں اور قباحتیں کیوں پیدا فرمائیں اور مذموم افعال' ردی اخلاق' غموں' پریشانیوں' افکار اور حاجتوں کو ہم تک کیوں راہ دی؟ یہ رحمت کا کونسا تقاضا ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم ان چیزوں کو خلاف رحمت جانیں تو یہ ہماری کوتاہ نظری ہے۔ اگر شفیق باپ بیٹے کو سزا نہ دے تو حقیقتاً اس نے رحمت کا تقاضا پورا نہیں کیا۔ حالانکہ یہ سزا عذاب کی صورت ہے۔ بچے سے پوچھنا چاہئے کہ جب بھی وہ صبح اٹھتا ہے۔ اور اس کو گھر سے کھینچ کر اور مانوس ماحول سے باہر لا کر مکتب میں لے جاتے ہیں جہاں ترش رو معلم ہاتھ میں ڈنڈا لئے اور پیشانی پر بل ڈالے بیٹھا ہے۔ اور اسے اتنی مہلت نہیں دیتا کہ ایک لمحہ کیلئے کھیل کود کرے یا آرام کرے۔ اور جب جمعہ کے دن اس مصیبت سے خلاصی پاتا ہے۔ تو اسے حجام کے سپرد کر دیتے ہیں۔ تا کہ اس کے ناخن اتارے اور سر کے بال کاٹے پھر جب گھر میں آتا ہے۔ تو اسے گرم پانی سے نہلاتے ہیں۔ اور اس کے جسم سے میل کو کپڑے کی تھیلی سے مل مل کر دور کرتے ہیں۔ اور اگر کبھی اسے ہیضہ اور بدہضمی ہو جائے تو اس پر کھانا پینا بند کر دیتے ہیں وہ تمام اہلخانہ کو دیکھتا ہے کہ وہ اچھے کھانے کھاتے ہیں۔ اور لذیذ شربت پیتے ہیں۔ اور یہ ایک لقمہ اور ایک گھونٹ کو ترستا ہے وہ جتنا بھی چیختا ہے اس کی کوئی نہیں سنتا۔ یہ صورت کمال

marfat.com

Marfat.com

عذاب کی صورت ہے۔ اور حقیقت میں عین رحمت ہے۔ جسے والدین ادب نہ سکھائیں اسے زمانہ سزا دیتا ہے۔ اگرچہ ناقص العقل ہرگز نہیں سمجھتا کہ یہ سب کچھ اس کے حق میں رحمت ہے۔ پس دنیا میں جو بھی مشقت و تکلیف ہے حقیقت میں وہ رحمت و نعمت ہے۔

عسٰی ان تکرھوا شیئا وھو خیرلکم وعسٰی ان تحبوا شیئا وھو شرلکم واللّٰہ یعلم وانتم لاتعلمون. ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو۔ حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور کسی چیز کو پسند کرو۔ حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے۔

اس مقام پر عبرت کیلئے حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کا واقعہ کافی وشافی ہے جہاں اتنے عظیم اولوالعزم پیغمبر علیہ السلام پر بعض افعال الٰہی کے اسرار ظاہر نہ ہوئے۔ اور ان کاموں میں حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ انکار سے پیش آئے۔ وہاں ان لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو سمجھنے کیلئے کیا امکان کہ جن پر ابھی تک عالم کے ظاہر کا انکشاف نہیں ہوا ہے۔ عام اور خاص راستہ یہی ہے کہ اسے رحیم مطلق اور رحمٰن برحق مانے اور اپنے آپ کو ناقص العقل اور انجام سے ناواقف بچے کی طرح سمجھے کہ وہ بچہ جتنی بھی کوشش کرے اپنے والدین کی طرف سے ملنے والی سزا اور عذاب کی حقیقت نہیں سمجھ سکتا۔

## دنیا میں مخلوق پر پہنچنے والی چار قسم کی چیزیں

یہاں جاننا چاہئے کہ وہ چیزیں جو کہ دنیا میں مخلوق پر آتی ہیں چار قسم کی ہیں پہلی قسم جو کہ نفع بھی دیتی ہے۔ اور ضروری بھی ہے۔ جیسے دنیا میں سانس لینا کہ اگر لحہ بھر کیلئے دم رک جائے تو آدمی مر جائے۔ اور آخرت میں معرفت الٰہی کہ اگر ایک لحظہ کیلئے دل سے زائل ہو جائے تو ہمیشہ کے عذاب کا ذریعہ بنے۔ دوسری قسم وہ جو نافع ہے مگر ضروری نہیں۔ جیسے دنیا میں مال اور آخرت میں کثرت علوم و معارف' کثرت نوافل وطاعات' تیسری قسم وہ ہے جو ضروری ہے مگر نافع نہیں۔ جیسے دنیا میں آفات و امراض اور اس قسم کی آخرت میں کوئی نظیر نہیں۔ چوتھی قسم جو نہ نافع اور نہ ہی ضروری ہے۔ جیسے دنیا میں فقر اور آخرت میں عذاب۔ پس جو کہ نافع ہے خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں وہ رحمت خاص کا مقتضی ہے۔ اور جو ضروری

marfat.com

Marfat.com

ہے خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں وہ رحمت عام کا تقاضا ہے کہ اس کا تعلق سارے جہان سے ہے۔ اور جو نہ نافع ہے نہ ضروری' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وہ رحمت اضافی کا تقاضا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دنیا میں چاندی نہ ہو تو غنی ہونے اور اس کے لوازمات بادشاہی اور اسیری کی صورت نہیں بنتی۔ کیونکہ کسی کو کسی تک کوئی احتیاج نہ ہوگی تو وہ اس کے کام سرانجام دینے میں اپنے آپ کو کیوں ذلیل کرے گا۔ اور اپنے اوقات کو اس کے اوامرو نواہی میں کیونکر صرف کرے گا۔ پس یہ تمام مرتبے زیروزبر ہو جائیں۔ اور دنیا کا انتظام جڑ سے اکھڑ جائے گا بلکہ تمدن اور بنی آدم کا اجتماع اور باہمی تعاون اور ایک دوسرے کی امداد فوراً ختم ہو جائے گی۔ اور انسانی تخلیق جانوروں کی تخلیق کی طرح منتشر اور بے مقصد ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت اضافی جس کا ہر منصب' ہر مرتبہ' ہر پیشہ اور ہر صنعت کی نسبت سے تعلق ہے فقر' محتاجی' بیماریاں لگنے اور مختلف اوقات کی مصیبتوں کی متقاضی ہوئی۔

فرض کرنا چاہئے کہ اگر جہان میں چور نہ ہو تو پہریدار کیا کرے گا۔ اور اگر بیماری نہ ہو تو طبیب' عطار' جراح اور ڈاکٹر بے فائدہ ہو جائیں گے۔ اور اگر فقیری اور محتاجی نہ ہو تو بادشاہ لشکر کے بغیر' امیر خدمتگار کے بغیر' تاجر نوکر کے بغیر اور دفتر میں کام کرنے والا افسر پیشکار کے بغیر کیا کرے گا؟ یہاں سے رحمت الٰہی کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے جو کہ ہر تکلیف اور آفت میں چھپی ہوئی ہے۔ اور اس کے باوجود آفتوں اور تکلیفوں کو عام طریقے سے تمام اہل دنیا میں پھیلا دیا ہے کئی اقتدار والے بادشاہ ہیں جو بیماریوں میں گرفتار ہیں۔ اور طبیبوں' عطاروں اور دوائیں بنانے والوں کے محتاج ہیں۔ اور کئی غریب ایسے ہیں جو کسی سے خوف نہیں رکھتے اور پورے امن سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ لشکر اور پہریداروں کی حاجت نہیں رکھتے اور بادشاہ' امیر اور غنی لوگ ان کے حال پر رشک کرتے ہیں۔ پس بادشاہ کی بیماری طبیبوں کے حق میں عظیم رحمت ہے۔ اور طبیبوں کی غربت اور محتاجی بادشاہوں کے حق میں ایک قسم کی رحمت ہے اسی پر دوسری تکلیفوں اور آفتوں کو قیاس کرنا چاہئے جو کہ ظاہر میں رحمت کے خلاف نظر آتی ہیں ہاں مخلوقات میں سے کسی کو تمام اقسام کی رحمت نہیں دی گئی ورنہ نظام کی خرابی ظاہر ہو جائے۔ اور صفت قہر و غضب کا کوئی مظہر نہ رہے۔

marfat.com

Marfat.com

## ایک لطیف نکتہ

اور یہاں ایک لطیف نکتہ ہے کہ حضرت مریم علیہ السلام کو ایک رحمت دی گئی جس کی وجہ سے انہیں کفار فجار کے طعنوں سے نجات ملی چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا: وَلِنَجْعَلَهٗ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا (ترجمہ) اور تا کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کیلئے نشانی بنائیں اور ہماری طرف سے رحمت' اور تمام امت مصطفوی کو ایک عمدہ نعمت عطا فرمائی گئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔پس کیا بعید ہے کہ اس رحمت کی برکت سے دوزخ کے عذاب سے خلاصی پائیں۔

## متعلقات مالك يوم الدين

اور جو کچھ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے متعلق ہے' یہ ہے کہ عدل کا تقاضا اچھے' برے' تابع فرمان اور نافرمان اور موافق اور مخالف کے درمیان فرق کرنا ہے۔ اور یہ فرق یوم جزاء کے بغیر ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر دنیا میں نیکوں کو نعمت' دولت اور عافیت عطا فرمائیں اور بروں کو محتاجی' مصیبت اور بیماری دے دیں تو طبعی طور پر لوگ دولت' عافیت اور صحت کے حصول کی طمع میں نیکی کی راہ پکڑیں۔ اور برائی سے پرہیز کریں۔ اور جہت ایمان درمیان میں نہ رہے۔ پس امر تکلیف برہم ہو جائے۔ اور یہ نیک کام مجبوری کے ساتھ اور بے اختیار لوگوں سے ظاہر ہوں نہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اسی لئے روز جزاء کو روز عمل سے جدا اور علیحدہ کر دیا گیا۔ تا کہ ہم پر مکلف کرنے کی حقیقت اور امتحان کا معاملہ ثابت ہو سکے۔

## مالک کی قرأت کی ارجحیت کے دلائل

جاننا چاہئے کہ یہاں مالک اور ملک دو متواترہ صحیحہ قرأتیں ہیں۔ اور اس لفظ کو دونوں طریقوں سے پڑھنا درست ہے۔ لیکن علماء نے ان میں سے ایک قرأت کو دوسری پر ترجیح کے بارے میں کئی باتیں کہی ہیں۔ وہ جو مالک کی قرأت پڑھتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ قرأت چند وجوں سے زیادہ ترجیح رکھتی ہے۔ کہ مالکیت انسانوں کے ساتھ عام ہے۔ اور غیر انسان بھی متعلق ہوتے ہیں بخلاف ملک اور بادشاہت کے کہ وہ انسانوں کے ساتھ خاص

marfat.com
Marfat.com

ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ مالک کو مملوک پر پورا اختیار ہوتا ہے اگر چاہے۔ تو اپنے مملوک کو بیچ دے۔ یا کسی کو بخش دے۔ بخلاف بادشاہ کے کہ وہ اپنے رعیت پر یہ اختیار نہیں رکھتا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مالکیت کی نسبت بادشاہت کی نسبت سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ مملوک کو مالک کی ملک سے باہر آنا ممکن نہیں ہے۔ اور رعیت کیلئے ممکن ہے کہ وہ بادشاہ کی رعایا ہونے سے اپنے اختیار کے ساتھ باہر آ جائے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ مالک کے مرتبے کی اپنے مملوک کے مرتبہ پر بلندی بادشاہ کے اپنی رعیت پر مرتبے سے زیادہ ہے۔ کیونکہ غلام رعیت کے مقابلہ میں زیادہ نچلی حالت اور زیادہ پستی میں ہے۔ پس مالکیت میں غلبہ اور قہر بادشاہت سے زیادہ ہوتا ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ غلام کو اپنے سردار کی خدمت واجب ہے۔ جبکہ رعیت پر بادشاہ کی خدمت واجب نہیں۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا جبکہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر رعیت کا عمل اس سے جدا ہے۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ غلام کو اپنے مالک سے طمع لازم ہے۔ اور اس کے برعکس بادشاہ کو رعیت میں طمع ہوتی ہے۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ بادشاہ سے جو کچھ متوقع ہے اس کی انتہا عدل و انصاف اور ہیبت اور حکومت ہے۔ جبکہ غلام کو اپنے مالک سے خوراک' پوشاک کی طلب اور آفت و رحمت میں تربیت کی زیادہ توقع ہے۔ پس مالک کی قرأت امید سے زیادہ قریب ہے۔ اور آدمی کو ہیبت' حکومت اور عدل و انصاف کے مقابلے میں معافی' پرورش' نرمی اور رحمت کی زیادہ ضرورت ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں واقع ہے **یعبادی کلکم جائع الامن اطعمته فاستطعمونی اطعمکم یعبادی کلکم عار الامن کسوته فاستکسونی اکسکم** یعنی اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو مگر جسے میں کھلاؤں۔ پس مجھ سے کھانا مانگو تاکہ میں تمہیں کھانا دوں' اے میرے بندو! تم سب برہنہ ہو مگر جسے میں لباس پہناؤں۔ پس مجھ سے لباس مانگو تاکہ میں تمہیں لباس پہناؤں' نوین وجہ یہ ہے کہ بادشاہ جب اپنے لشکر کے حاضرین کو دیکھتا ہے۔ تو بوڑھے' کمزور' پریشان حال' بیمار اور عاجز کو ہٹانے کے قابل قرار دیتا ہے۔ اور مالک جب اپنے غلاموں کے حالات کا جائزہ لیتا ہے۔ تو کمزوروں' بیماروں اور بوڑھوں پر زیادہ رحمت فرماتا ہے۔ اور علاج و امداد

marfat.com
Marfat.com

میں مصروف ہو جاتا ہے۔ پس مالک کا مرتبہ بادشاہ سے بہتر ہے دسویں وجہ یہ ہے کہ مالک میں ملک کے مقابلہ میں ایک حرف زیادہ ہے۔ پس اس کا ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ گیارہویں وجہ یہ ہے کہ غلام کا اپنے مالک کے ساتھ تعلق رعیت کے اپنے بادشاہ سے تعلق زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ فقہ میں بیان کیا گیا ہے کہ غلام کا مالک سفر یا اقامت کی نیت کرے تو غلام اختیار کے بغیر مسافر اور مقیم ہو جاتا ہے بخلاف رعیت کے۔

## ملک کی قرأت کی ارجحیت کی وجوہ

اور وہ لوگ جو ملک پڑھتے ہیں کہتے ہیں کہ ہر بادشاہ مالک ہے۔ جبکہ ہر مالک بادشاہ نہیں ہے۔ پس بادشاہی کی وصف مالکیت کی وصف سے بہتر ہے۔ نیز بادشاہ کا حکم مالک پر نافذ ہے۔ اور مالک کا حکم بادشاہ پر نافذ نہیں ہے۔ نیز بادشاہ کی حکومت زیادہ قوی زیادہ مکمل زیادہ شامل اور زیادہ عام ہے ہزار مالک ایک بادشاہ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اور ایک شہر میں کئی مالک ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ ایک کے سوا نہیں ہوتا اور رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا لفظ مالکیت پر دلالت کرتا ہے۔ پس اگر یہاں بھی لفظ مالک پڑھا جائے تو تکرار لازم آئے گا۔ نیز لفظ ملک ننانوے اسمائے حسنیٰ میں واقع ہے۔ جبکہ مالک وہاں نہیں ہے ہاں مَالِكَ الْمُلْكِ واقع ہے جو کہ بمعنی ملک ہے۔ نیز لفظ ملک قرآن شریف کے آخر میں مذکور ہے (مَلِكِ النَّاسِ) اور کلام اشرف چیز پر ختم ہوتا ہے۔ تو افتتاح کلام اسی چیز کے ساتھ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

## قرأت مالک کی وجوہ پر بحث

اور بادشاہ کی اطاعت سب پر واجب ہے۔ اور مالک کی اطاعت سوائے اس کے غلاموں کے کسی پر واجب نہیں۔ یہ دہ وجوہ ہیں جو کہ دونوں قرأتوں کی ترجیح کیلئے ذکر کی جاتی ہیں۔ اور اس میں کئی بحثیں ہیں۔ کیونکہ بادشاہت انسانوں کے بغیر متعلق نہیں ہوتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کے سوا بادشاہ کے امر و نہی کے بھید کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کو عام بادشاہی حاصل تھی۔ نیز بادشاہی میں ایک اور

marfat.com
Marfat.com

وجہ سے بھی عموم ہے۔ کیونکہ بادشاہ کو آزاد اور غلام دونوں پر قبضہ ہوتا ہے۔ اور آزادوں پر غلبہ زیادہ کامل ہے۔ اور رعایا کو جو بادشاہ کی ولایت سے نکلنا ممکن ہے۔ اس صورت میں ہے کہ اس کی ولایت عام نہ ہو اور یہاں جب یوم الدین کی اضافت واقع ہوئی تو عموم ولایت سمجھا گیا۔ اور حربی کافر کے غلام کو جائز ہے کہ وہ بھاگ کر دارالاسلام میں آ جائے۔ اور اپنے مالک کی ملک سے باہر آ جائے بلکہ اس کو شرعاً جائز ہے کہ اپنے مالک کو مجبور کر کے غلام بنا لے۔ اور جس طرح غلام پر اپنے آقا کی خدمت واجب ہے۔ اسی طرح رعیت کو بادشاہ کے حکم کی فرمانبرداری واجب ہے۔ اور یہ بھی خدمت کی ایک قسم ہے۔ اور غلام کو بھی اپنے مالک کی اجازت سے کمائی کرنے کا مستقل حق مل جاتا ہے۔ جس طرح کہ عبد ماذون کی بحث میں کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اور رعایا کو بادشاہ کی اجازت کے بغیر حقوق حاصل کرنے اور حدود کی جزاء اور قصاص کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اور مالک کو اگرچہ غلام کے مال میں طمع نہیں ہے۔ لیکن غلام کی خدمت اور دوسرے منافع میں وہ ہمیشہ طمع رکھتا ہے۔ اور نیز اسے اپنے غلاموں پر رعب اور حکومت ہوتی ہے۔ اور معافی، نرمی، رحمت اور رعیت کے ضعیفوں کی تربیت بادشاہ سے بھی متوقع ہے۔ کیونکہ بادشاہ کے ذمہ واجب ہے کہ کمزوروں کو کھانا اور لباس اور دوسری ضروریات صدقات کے مال سے مہیا کرے۔ اور اس کے ساتھ تمدن اور اجتماع کے مسئلہ میں رعب اور حکومت کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لئے بادشاہ دشمنوں سے رعیت کو محفوظ رکھتا ہے۔ اور یہ تربیت اور حفاظت کی بہترین قسم ہے۔ اور حروف کی کثرت سے ثواب کی کثرت اس وقت ہے۔ جبکہ دونوں ثواب میں برابر ہوں۔ لیکن اگر تھوڑے حروف والا کلمہ زیادہ حروف والے کلمے سے افضل ہو تو ثواب کی توقع اس کے برعکس ہے۔ جیسا کہ دوسری سورتوں کے مقابلہ میں سورت اخلاص میں ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ لفظ ملک لفظ مالک سے چھوٹا ہے۔ پس یہ بہتر ہے۔ کیونکہ لفظ مالک پڑھنے سے آرزو کا لمبا کرنا لازم آتا ہے۔ کیونکہ جائز ہے کہ تلفظ پورا ہونے سے پہلے موت آ جائے۔ اور اسے پورا کرنا ممکن نہ ہو۔ یہ وہ بحثیں ہیں جو کہ مالک کی قرأت کی وجوہ میں کی جا سکتی تھیں۔

marfat.com
Marfat.com

## قرأتِ ملک کی وجوہ پر بحث

رہ گئی وہ بحث جو کہ قرأت ملک کی ترجیح کی وجوہ میں ہے وہ یہ ہے کہ بادشاہ کی بادشاہی مالک کی مالکیت کے مقابلہ میں اس صورت میں عام ہوتی ہے۔ جبکہ مالک کو تمام موجودات کی طرف منسوب نہ کریں۔ جبکہ یہاں جب مالک کو یوم الدین کی طرف اضافت دی جو کہ ظرف محیط کائنات ہے۔ تو عموم میں مالک برابر ہو گیا۔ اور مالک کا حکم بادشاہ میں نافذ نہیں یہ اس صورت میں ہے کہ بادشاہ ملک میں داخل نہ ہو۔ اور یہاں اس مالک کا ذکر ہے کہ اس کی مالکیت تمام بادشاہوں۔ اور رعایا کو شامل ہے۔ اور مالک کی حکومت چونکہ جرمانہ نہیں رکھتی تو زیادہ قوی ہے۔ اور مالک جو کہ بادشاہ کی برابری نہیں کر سکتا۔ اس سے مراد وہ مالک ہے جس کی مالکیت عام نہیں۔ اور وہ جو کہا گیا کہ شہر میں کئی مالک ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ ایک کے سوا نہیں ہوتا۔ یہ بھی اسی مالک کے متعلق ہے کہ جس کی ملک کامل نہ ہو۔ اور یہاں جو مذکور ہے وہ مالک علی الاطلاق ہے۔ کہ ایک ذات کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اور رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کے بعد مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ عام کے بعد خاص کے ذکر کے قبیل سے ہے۔ تکرار نہیں ہے۔ اور لازم نہیں کہ جو ننانوے اسماء حسنیٰ میں مذکور ہو وہ دوسرے اسماء سے افضل و اعلیٰ ہو۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور جب مالک الملک ننانوے ناموں میں ہے۔ تو مالک نام ساتھ شامل ہوا۔ کیونکہ مقید کے ضمن مطلق کا مذکور ہونا لازم ہے۔ اور ملک کا قرآن پاک کے آخر میں ذکر ہونا اس وقت شرف وفضیلت کا فائدہ دیتا ہے۔ جبکہ اس مقام پر اس نام کی تخصیص میں کوئی دوسرا فائدہ پیش نظر نہ ہو۔ اور یہاں دوسرا فائدہ پیش نظر ہے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر آئے گا انشاء اللہ العزیز۔

بہر حال وجوہ ترجیح ہر طرف موجود ہیں۔ اور تواتر ہر طرف واقع۔ پس یہاں کلام کو طویل کرنا فضول ہے مجبوراً ہم دوسری تحقیق میں مصروف ہوتے ہیں۔

## لفظ یوم کی تحقیق

جاننا چاہئے کہ عرف میں یوم طلوع آفتاب کی ابتداء سے لے کر اس کے غروب

marfat.com
Marfat.com

ہونے تک کو کہتے ہیں۔ اور شرع شریف میں صبح صادق کے طلوع سے لے کر سورج کے غروب تک یوم ہے۔ اور کبھی مطلق وقت کے معنوں میں بھی آتا ہے خواہ دن ہو خواہ رات' خواہ سال ہو خواہ ماہ' جس طرح کہ کہتے ہیں کہ جس دن فلاں آئے تو یوں ہوگا۔ یعنی جس وقت کہ فلاں آئے۔ نیز کہتے ہیں کہ یوم صفین اس طرح کے واقعات ہوئے۔ اور یوم خندق اس قسم کا اتفاق ہوا۔ حالانکہ یہ کئی مہینوں اور دنوں کی مدتیں تھیں۔ پس اس جگہ جب یوم کو دین کی طرف مضاف کیا تو معلوم ہوا کہ مطلق وقت مراد ہے۔ اور اس وقت کی حد دوسری بار صور پھونکنے کی ابتداء سے ہے۔ اور اس کی انتہا اس وقت ہوگی جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے۔ اور اگرچہ اس دوران کئی واقعات اور بے شمار حالات رونما ہوں گے لیکن چونکہ ان تمام واقعات سے مقصود جزا ہے۔ اس لئے اس دن کی دین کی طرف اضافت فرمائی۔ جس کا معنی جزا ہے۔ اگرچہ دنیا میں بھی بعض اوقات جزا کی صورت واقع ہوتی ہے۔ لیکن حقیقی بدلہ جو کہ صرف انعام یا صرف انتقام ہے دنیا میں متصور نہیں۔ اس لئے کہ ہر وہ انعام جو کہ دنیا میں ہے کسی نہ کسی قسم کے انتقام سے ملا ہوا ہے۔ اور انتقام جو کہ دنیا میں ہے وجود انعام میں لپٹا ہوا ہے۔

## حمد کا اس مالکیت سے تعلق اور استحقاق حمد کی وجہ

باقی رہ گئی یہ بات کہ حمد کو اس مالکیت کے ساتھ کیوں متعلق فرمایا۔ اور اس مالکیت پر استحقاق حمد کی وجہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس روز حضرت خالق جل جلالہ کے فضل احسان کی بندگی کامل طور پر ظہور فرما ہوگی۔ کہ ایک کلمہ پر اور ایک گھڑی کے عمل پر غیر متناہی ابدی ثواب عطا ہوگا۔ نیز اس کا کمال عدل ظاہر ہوگا کہ اسباب غضب اور انتقام پر پوری قدرت کے باوجود جزا میں افعال واعتقادات کے مناسب حد سے تجاوز نہیں ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ کی حکمت ظہور فرمائے گی کہ اچھے اور برے کے درمیان جدائی کمال حکمت کا تقاضا ہے۔ نیز اپنی ذات میں جزا ایک عمدہ نعمت ہے کہ ظاہر و باطن کی اصلاح کرتی ہے۔ اور شہوت و غضب کی پیروی سے تاریکی کے پردے جو کہ تہہ بہ تہہ ہو جاتے ہیں دور کرتی ہے۔ اور اس سے تمدن واجتماعیت کا کام صورت پکڑتا ہے۔ نیز مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ایک ایسی صفت ہے

marfat.com

Marfat.com

جو کہ رحمٰن و رحیم پر مرتب ہوئی ہے۔ کیونکہ رحمت خاص حقیقت میں ابدی سعادت ہے کہ اس کا ظہور یوم الدین کو ہوگا۔ نیز ربوبیت پر بھی متفرع ہے۔ کیونکہ ربوبیت کا منتہی انسان کے ظاہر و باطن کی اصلاح ہے۔ تا کہ اسے سعادت ابدیہ تک پہنچائے اور ربوبیت مقتضائے الوہیت ہے۔ پس ہر صف اپنے سے پہلی صفت پر مرتب اور متفرع ہے۔

## یہاں مذکور دو مضامین کا مذکورہ پانچ اسماء سے کمال ربط

اب جاننا چاہئے کہ اس سورت میں دو مضمون ہیں پہلے حمد و ثنا جو کہ بندے کی زبان سے بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتی ہے۔ دوسرے مطلب کی خواہش جو کہ حمد و ثنا پوری کرنے کے بعد زیر نظر رکھتا ہے۔ اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے پانچ نام ذکر فرمائے گئے اللہ، رب، رحمٰن، رحیم، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جو کہ ریان کے معنوں میں ہے۔ ان پانچ ناموں کو ہر دو مضامین کے ساتھ کامل ربط ہے۔ اس لئے کہ پہلے تو حمد اللہ تعالیٰ کے ذاتی کمال کے اعتبار سے ہے جو کہ لفظ اللہ سے مفہوم ہے۔ اس کے بعد وجود اور اس توابع کا فیض دینے کے اعتبار سے ہے جو کہ اسم ربّ کا مفاد ہے اس کے بعد اسباب معاش اور دنیا میں باقی رہنے کے اسباب کو مہیا کرنے کی نعمت کے اعتبار سے ہے جو کہ لفظ رحمٰن سے مفہوم ہے۔ اور اس کے بعد اصلاح معاد کی توفیق کے اعتبار سے ہے جو کہ لفظ رحیم کا مضمون ہے۔ اس کے بعد حمد، نعمت جزا پر ہے جو کہ حمد و شکر کو پورا کرنے یا ان میں خلل ڈالنے پر مرتب ہوتی ہے۔

اور جن چیزوں کی طلب منظور ہے وہ چند چیزیں ہیں۔ پہلی عبادت اور وہ الوہیت کا مقتضیٰ ہے۔ دوسری امداد طلب کرنا اور وہ ربوبیت کا تقاضا ہے۔ تیسری طلب ہدایت اور وہ رحمانیت کا تقاضا ہے۔ چوتھی استقامت راہ اور وہ رحیمیت کا تقاضا ہے۔ پانچویں انعام اور وہ مالکیت کا مقتضا ہے مگر استقامت کے ساتھ۔ جس طرح استقامت نہ ہونے کی صورت میں غضب بھی مقتضائے مالکیت ہے۔

## ان پانچ اسماء کی تخصیص کی ایک اور وجہ

اور تعلیق حمد کے ساتھ ان پانچ ناموں کو مخصوص کرنے کی وجہ میں اس طرح بھی کہا

marfat.com
Marfat.com

گیا ہے کہ آدمیوں کے درمیان تعریف وستائش چار میں سے ایک وجہ کیلئے ہوتی ہے۔ ایک تو محمود کے کمال ذاتی کی وجہ سے اگرچہ صاحب احسان نہ ہو۔ دوسری وجہ اس شخص کے احسان کا حمد کرنے والے تک پہنچنا۔ تیسری وجہ اس سے احسان کی طمع اور توقع کرنا۔ چوتھی اس کی ناراضگی کے خوف اور خطرہ کی وجہ سے۔ پس کمال ذاتی کو اسم ذات یعنی لفظ مبارک 'اللہ' سے بیان فرمایا جو کہ تمام کمالات کا جامع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور وجود اور اس کے توابع عطا کرنے کا احسان پہنچنے کو لفظ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ اور معاش و معاد کی اصلاح کو جس کی بندے کو جناب الٰہی سے امید ہے رحمٰن و رحیم کے دو لفظوں سے واضح فرمایا۔ اور روز جزا کے خوف وخطرہ پر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے دلالت فرمائی۔ گویا اس طرح ارشاد فرمایا گیا اگر بندے میرے کمال ذاتی کی وجہ سے میری تعظیم کریں تو میرے لائق ہے۔ کیونکہ میرا نام اللہ ہے۔ اور اگر احسان پہنچنے پر نظر کرتے ہوئے میری تعظیم کریں۔ نیز میرے شایاں ہے۔ کیونکہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میری صفت ہے۔ اور اگر دنیا و آخرت میں میرے احسان اور انعام کی توقع کی وجہ سے میری تعریف کریں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ کیونکہ میں رحمٰن و رحیم ہوں۔ اور اگر عذاب کے خوف کا لحاظ کر کے ثناء و حمد کریں تو بھی جائز ہے کہ یوم جزا کا مالک میں ہی ہوں۔ رباعی

میں تیری بندگی بجا نہیں لاسکتا کیا کروں۔ تیرے احسان کے بوجھ تلے ہوں کیا کروں تجھی کو حمد ہے۔ اور خوف وامید بھی تجھ سے ہے میں ہیچ ہوں کہ تجھی سے میرا وجود ہے کیا کروں۔

نیز کہا گیا ہے کہ ان پانچ ناموں کی تخصیص اس لئے ہے کہ آدمی پر عمدہ نعمتیں ان ہی پانچ ناموں کے نشانات ہیں۔ اس لئے کہ پہلے اس کو عدم کے مخفی مقام سے مقتضائے الوہیت کے ساتھ جلوہ ظہور میں لائے۔ پھر اسے کئی اقسام کی نعمتوں کے ساتھ مقتضائے ربوبیت کی وجہ سے پالا۔ پھر اس کی نافرمانی اور عیب کو چھپایا گیا۔ اور رسوائی نہ فرمائی اور یہ رحمانیت کی صفت کا تقاضا ہے۔ پھر توبہ کی گنجائش رکھی گئی اگر وہ توبہ کرے تو قبول فرمائی جاتی ہے۔ اور صاف کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ صفت رحیمی کا تقاضا ہے۔ پھر اسے اس کے اعمال کے

marfat.com
Marfat.com

مطابق جزادی گئی اور یہ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا مضمون ہے۔

## متعلقات اِيَّاكَ نَعْبُدُ

اور جو کچھ اِيَّاكَ نَعْبُدُ سے متعلق ہے یہ ہے کہ اہل عربیت کے نزدیک مفعول کو پہلے لانا تخصیص کا معنی دیتا ہے کہ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ اور نعبدك کے لفظ سے یہ خصوصیت سمجھ نہیں آتی۔ اور اس ذات پاک کے عبادت کے مخصوص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت اپنے غیر کی انتہائی تعظیم کیلئے انتہائی عاجزی کرنا ہے۔ جبکہ یہ اپنے اختیار سے صادر ہو۔ پس مسخر ہو کر عاجزی کرنا' تمسخر اور انتہائی تعظیم سے کم تعظیم کرنا عبادت نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح جب مجبوراً عاجزی ہو تو وہ بھی عبادت میں شمار نہیں ہوتی۔ اور حقیقت عبادت ظاہری طور پر اس لائق نہیں کہ کسی کیلئے کی جائے مگر اس ذات کیلئے جس سے اسے انتہائی انعام پہنچا ہو اور وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ بندے کے تین حال ہیں ماضی' حاضر' مستقبل' ماضی میں بندہ محض معدوم تھا اسے عدم کے پردے سے وجود کی عزت سے مشرف فرمایا گیا۔ وقد خلقتك من قبل ولم اتك شيئا حالانکہ میں نے تجھے اس سے پہلے پیدا فرمایا جبکہ تو کچھ بھی نہ تھا پھر نطفہ کی حالت میں مردہ تھا اسے زندہ کیا گیا وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ تم مردہ تھے۔ پس اس نے تمہیں زندہ فرمایا۔ پھر وہ جاہل تھا اسے تعلیم دی گئی اور اسباب علم جو کہ حواس اور عقل ہیں اسے بخشے گئے۔ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور اس نے تمہیں کان آنکھیں اور دل عطا فرمائے۔

اور رہا حال تو اس کی حاجتیں گنتی کی حد سے باہر ہیں۔ اور اس کی عمر کی ابتداء سے لے کر آخر تک اس کی ضرورت کی وجہوں کا اندازہ کرنا چاہئے کہ کہاں تک پہنچتی ہے۔ اور باوجود کئی قسم کی تقصیروں اور نافرمانیوں کے جو کہ ہر وقت اس سے صادر ہوتی ہیں اس کی حاجتوں کو رفع کرنے میں اس کا فضل اور احسان منقطع نہیں ہوتا۔ رہا مستقبل۔ پس موت کی ابتداء سے لے کر جنت میں پہنچنے تک وجوہ انعام اور کئی قسم کے عذاب سے حفاظت کی۔

marfat.com

Marfat.com

صرف اسی دربار سے امید ہے۔ پس بندے کو کسی حالت میں بھی اس کے سوا جائے پناہ نہیں (اقول و باللہ التوفیق نبوت وولایت کی پناہ گاہیں دراصل اس کی پناہیں ہیں کیونکہ نبوت و ولایت اسی کی عطا ہے محمد محفوظ الحق غفرلہ)۔ پس بندے کی عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہے نہ کہ کوئی اور۔

جو کچھ دنیا میں دیکھا اور سنا جاتا ہے یا کوئی بھی چیز ہے کہ اس سے فی الوقت نفع حاصل ہوتا ہے نہ وجود سے پہلے تھا نہ موت کے بعد ہوگا جیسے سورج' چاند' دریا' زمین اور پہاڑ یا کوئی نفع اس سے ماضی میں پہنچا ختم ہوگیا۔ مثل آباؤ اجداد' دودھ پلانے والی وغیرہ یا اس سے آئندہ نفع کی توقع ہے مثل پاکیزہ ارواح کی امداد کے۔ اور وہ ذات جس کا نفع تینوں حالتوں میں بندے کو محیط ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں۔ نیز اس کے ماسوی جو کچھ ہے مسکین اور فقیر یعنی اسی کے دربار کا محتاج ہے۔ اور ہر محتاج اپنے نفس کی حاجت میں گرفتار ہے۔ پس اس سے غیر کو فائدہ پہنچانا غنی مطلق کی امداد کے بغیر ممکن نہیں۔ اور غنی مطلق جو کہ ہر مخلوق کی حاجتوں کو پورا فرماتا ہے وہی ذات مقدس ہے۔ اور استحقاق عبادت اسی کی ذات میں منحصر ہے۔ اور اسی لئے فرمایا وَقَضٰى رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ تیرے رب نے فیصلہ فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔

## ملحدوں کے اعتراض کا جواب

ہم یہاں پہنچے کہ بعض بے دین اعتراض کے طریقہ سے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے ہماری عبادت کی پرواہ نہیں رکھتا۔ پس ہمیں کیا ضرورت ہے کہ بے فائدہ مشقت اٹھائیں اور اس ذات پاک کے لئے جس پر تمام ادیان متفق ہیں عبادت واجب کرنے میں راز کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال ذاتی' صفاتی اور فعلی کے اعتبار سے تقاضا فرماتا ہے کہ جو نقصان سے خالی نہ ہو وہ اس کے حضور عاجزی کرے۔ اور اس کی انتہائی تعظیم کرے۔ اس حکمت کی رعایت کرتے ہوئے کہ ہر شے کو اس کے اصل مقام پر رکھنا چاہئے۔ پس عبادت کا واجب کرنا مقتضائے حکمت ہے نہ کہ نفع حاصل کرنے اور ضرورت ہونے کی وجہ سے۔

marfat.com

Marfat.com

اور ظاہر ہے کہ ہر کمال تقاضا کرتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں نقصان والا عاجزی اور فروتنی کا اظہار کرے۔ ورنہ نقصان اور کمال دونوں کا برابر ہونا لازم آتا ہے۔ اور وہ خلاف حکمت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہر صاحب کمال کی اس سے کم مرتبے والے تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ نیز جب دنیا میں اللہ تعالیٰ کا انعام خاص کر نوع انسانی پر انتہا کو پہنچا ہوا ہے کہ اس سے اوپر کا تصور نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے دفتر الوہیت کا خلاصہ بنایا گیا ہے۔ اور اپنی صفات کاملہ وجود' حیات' علم' ارادہ' قدرت' سمع' بصر اور کلام کا جلوہ اس پر ڈالا گیا۔ اور عالم کو اپنے تمام اوصاف سمیت اس میں ودیعت رکھا گیا۔ جیسا کہ اس میں سے کچھ حصہ پہلے بیان ہوا۔ پس لازم ہوا کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اسی کے ساتھ مصروف رکھے۔ اور وہ نعمتیں جن چیزوں کیلئے پیدا کی گئیں انہیں میں صرف کرے۔ پس عقل' معرفت کیلئے دی گئی اور جسمانی آلات اس لئے کہ اعضاء کو عبادت کی شکل میں ڈھالیں اور عبادت کو معرفت کا نگہبان بنایا گیا کہ اگر عبادت نہ ہوگی تو معرفت کا تخم محفوظ نہیں رہے گا بلکہ اگر سوچا جائے تو آدمی کا اصل سرمایہ ہی معرفت ہے۔ اور عبادت تو اسے بارآور کرنے اور بڑھانے کا طریقہ ہے۔ اس لئے کہ جب بدن کے اعمال دل کے اعمال کی موافقت کریں تو حضور اور توجہ کی طاقت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ ان میں قوی رابطہ قائم ہے ہر عمل قلبی کو عمل بدنی میں ایک خاص تاثیر ہے۔ اور ہر عمل بدنی کو عمل قلبی میں خاص تاثیر ہے۔ پس انسان جو کہ معرفت و عبادت کیلئے پیدا کیا گیا اگر ان دونوں چیزوں کو خلل میں ڈال دے تو انسان نہیں رہتا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ جس طرح عبادت حکمت کل کا مقتضیٰ ہے اس طرح انسان کی صورت نوعیہ کا بھی مقتضیٰ ہے۔

## شرع کی ضرورت

اور اگر ملحدوں میں سے کوئی کہے پھر شرع کی کیا ضرورت ہے معرفت و عبادت میں عقل کافی ہے ہم کہیں گے کہ عقل کو اپنے آپ کھلا نہیں چھوڑا گیا بلکہ وہم و خیال اس کے پیچھے ہیں۔ اور وہ مقام نزاع و معارضہ میں رہتی ہے اگر شرع شریف کی تائید نہ ہو تو صرف

marfat.com

Marfat.com

عقل معرفت وعبادت سے متعلق اکثر امور کو سمجھنے میں عاجز رہے۔ پس عقل بمنزلہ نظر ہے۔ اور شرع سورج کی شعاع کی طرح کہ اس کے بغیر۔ جیسا کہ چاہئے چیزوں کو دیکھا نہیں جا سکتا۔ نیز آدمی اپنی زندگی میں معاملات کا محتاج ہے۔ اور اس کی زندگی جانوروں کی زندگی کی طرح نہیں کہ اپنی نوع کی امداد کے بغیر تنہا ذمہ داریوں کو پورا کر سکے۔ اسی لئے اسے مدنی الطبع کہتے ہیں۔ اور تمدن اجتماع اور معاملات جو کہ آدمیوں میں جاری ہیں اس وقت پائیدار اور قائم رہ سکتے جبکہ عدل کے قاعدے جاری کئے جائیں۔ اور عدل کے قاعدوں پر تمام لوگوں کا اتفاق میسر نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ قواعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوں۔ اور لوگ جان لیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس سے پھرنا نہیں چاہئے۔ اور یہ معنی پورا نہیں ہوتا مگر امید ثواب اور خوف عذاب کے ساتھ اور کسی کی امید اور خوف دل میں پائیدار نہیں ہوتا مگر جبکہ اس شخص کی صفات کو تکرار اور ہمیشگی کے ساتھ دل پر رکھیں اور ذکر قلبی کامل نہیں ہوتا اور استمرار اور ہمیشگی کی صورت نہیں بنتی مگر جبکہ اعضاء کے افعال بھی اس کے ساتھ موافقت کریں۔ اور یہی عبادت ہے۔

## کمال انسانی کا معیار اور عبادت کی اہمیت

نیز کمال انسانی یہ ہے کہ اس کے دل کا آئینہ صاف اور روشن ہو۔ اور جلوہ گاہ حق کے سامنے ہو۔ اور ملائکہ کے دلوں کی صفائی کی حد کو پہنچ جائے ورنہ تاریک خواہشات کی دم بدم پیروی کی وجہ سے اس آئینے پر زنگ تہہ بہ تہہ ہو کر اسے چارپایوں کی حد تک پہنچا دے گا اور دل کی جلا اور صفائی مجاہدہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اور حقیقت مجاہدہ روحانی تاریکیوں کو دور کرنا ہے جو کہ دل کی بیماریاں ہیں۔ اور بدن سے جدا ہونے کے وقت روح کو شدید تکلیف پہنچاتی ہیں اور ان بیماریوں کا قلع قمع عبادت کے بغیر متصور نہیں ہوتا۔ عبادت کی ہمیشگی ہی وہ شے ہے جو کہ مشاہدہ کی وجہ سے دل کو نورانی کر دیتی ہے۔ اور زبان کو ذکر سے مشرف کرتی ہے۔ اور اعضاء و جوارح کو خدمت سے مزین کرتی ہے۔ پس عبادت اگرچہ ظاہر میں عاجزی ہے۔ لیکن باطن میں کمال عزت وحسن ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جو شخص عبادت میں مشغول ہوتا ہے اسے ایک خاص لذت اور تازگی حاصل ہوتی ہے کہ بیان میں نہیں آتی۔

marfat.com

Marfat.com

آنکھ کی ٹھنڈک، دل کی نورانیت اور روح کی تازگی سب اس میں موجود ہے۔ اور جو شخص عبادت کی لذت کا انکار کرتا ہے وہ جوہر مردمی سے عاری آدمی کے مشابہ ہے کہ مقاربت کی لذت کو نہ پہچانتے ہوئے انکار کرتا ہے یا مادرزاد اندھے کی طرح جو کہ آنکھوں کی لذت کا انکار کرتا ہے۔

اور عبادت کی حقیقت عالم غرور سے عالم سرور کی طرف منتقل ہونا ہے یا ظلمت کدۂ خلق سے دربار نور حق کی طرف سفر کرنا ہے۔ اور جمال ازلی کا مشاہدہ ہے۔ اور نسبت امکان کا اثبات ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ شرح صدر کا ذریعہ بنتی ہے۔ جس طرح کہ قرآن مجید میں اس کا اشارہ فرمایا گیا۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ اور ہم جانتے ہیں کہ ان کے کہنے سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ تو اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں۔ اور سجدہ گزاروں میں سے ہو جائیں۔ اور اپنے ربّ کی عبادت کیجئے یہاں تک یقین آ جائے۔

## ایاك نعبد کی مالک یوم الدین سے مناسبت اور درجات عبادت

باقی رہی یہ بات کہ لفظ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے ساتھ کیا مناسبت و تعلق ہے کہ اس کے بعد لایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت کے تین درجے ہیں پہلا یہ کہ ثواب میں رغبت کیلئے ہو یعنی حور و قصور اور باغات و انہار میں اور یہ حقیقت میں معاملہ اور تبادلہ ہے۔ اس لئے کہ جب عقلمند یقین سے جانے کہ دنیا' لذتیں اور سامان سب فانی ہیں۔ اور تکالیف کے ساتھ مکدر اور نقصانات کے ساتھ ملوث اور ایک دوسرا جہان اس سے افضل اور باقی رہنے والا آگے آنے والا ہے۔ تو وہ اپنے قیمتی اوقات کو اس فانی دنیا سے پھیر کر اس باقی کو حاصل کرنے میں خرچ کرتا ہے۔ اور اس عبادت کا پھل روز جزا کے بغیر حاصل نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ثواب کی تمام قسمیں اسی روز ملیں گی دوسرا درجہ یہ کہ عبادت عذاب کے خوف سے ہو اس لئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے تشریف لا کر ڈرایا ہے کہ اگر بندے عبادت نہیں کرتے تو عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اور ایک آدمی کی خبر جبکہ وہ سچا اور امین ہو یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ تو صادق اور سچے ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبروں کی خبر کا مقام کیا ہو

marfat.com

Marfat.com

گا؟۔ پس یہ عبادت غلام اور کنیز کی فرمانبرداری کی مثل ہے جو کہ مار پیٹ اور تازیانے کے ڈر سے مجبور ہو کر اپنے مالک کی خدمت میں کمی نہیں کر سکتے۔ اور اس عبادت کے پھل کا ظہور جو کہ عتاب سے خلاصی اور عذاب سے نجات ہے یہی روز جزا کے ساتھ متعلق ہے۔ تیسرا درجہ یہ کہ عبادت مشاہدہ حق کیلئے ہو۔ اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اسی لئے نماز کی نیت میں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ اصلی للہ کے حصول میں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے نماز پڑھتا ہوں۔ جبکہ لثواب اللّٰہ وللخلاص من عذاب اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ثواب کیلئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کیلئے کی تعلیم نہیں دی گئی۔

## خدااور بندے کے درمیان رابطے کا تقاضا

اور درحقیقت وہ رابطہ جو کہ بندے اور خدا کے درمیان واقع ہے ثواب وعذاب سے قطع نظر کر کے عبادت کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ معبودیت غلبہ اور ہیبت کا سبب ہے۔ اور عبودیت خضوع اور ذلت کا تقاضا کرتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس روز کے سوا مشاہدہ حق پورا نہ ہو گا دنیا کے مشاہدہ کو اس مشاہدہ کے ساتھ کیا نسبت؟ اگرچہ مشاق نے حالت سکر میں اس کے خلاف دم مارا ہے۔ چنانچہ کہنے والے نے کہا آج جبکہ تیرا جمال بے حجاب ظاہر ہے۔ تو میں حیرت میں ہوں کہ کل کا وعدہ کس لئے ہے۔ پس عبادت کو ان تینوں درجوں میں روز جزا سے تعلق ہے۔ اور اسی لئے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کو مَالِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ پر مرتب فرمایا گیا۔

## معبود کا ذکر یعنی ایاک پہلے لانے کی حکمت

اور معبود کا ذکر پہلے فرمایا تاکہ خوف واجلال کا ذریعہ ہو۔ اور دوران عبادت دائیں بائیں کی طرف توجہ نہ رہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ نامی گرامی پہلوانوں میں سے ایک پہلوان نے اپنے سے کم تر آدمی سے کشتی کی۔ اور عین کشتی کے دوران لوگوں نے اس کم تر آدمی سے کہا کہ تجھے کچھ علم ہے کہ یہ کون ہے؟ فلاں پہلوان اور استاد ہے صرف اسی قدر کہنے سے وہ گر گیا۔ اور مغلوب ہو گیا جب پہلوانوں کے استاد کا نام اس قدر خوف واجلال کا سبب ہوا

marfat.com
Marfat.com

ہوگا تو قوی و متین کا نام کس قدر خوف و اجلال کا موجب ہوگا۔

نیز اللہ تعالیٰ کے ذکر کو پہلے لانے میں یہ بھی حکمت ہے کہ آدمی کو ایک قوت حاصل ہو جائے کہ اس قوت کی وجہ سے بندگی کا بوجھ آسان ہو جائے جس طرح کہ کوئی طاقت والا کام کرنا چاہے۔ تو وہ اس سے پہلے یاقوت یا طاقت دینے والی غذا استعمال کرتا ہے۔ تاکہ اس بھاری کام کے کرنے پر امداد کرے۔ نیز جب اللہ تعالیٰ کا نام عبادت سے پہلے لیا تو محبوب حقیقی کا معنوی قرب حاصل ہوگا۔ اور اپنے محبوب کی بارگاہ میں عاشق کو کسی قسم کی تکلیف اور ادراک واحساس نہیں ہوتا۔ پس بندے کو اپنے محبوب کی بارگاہ میں دوران عبادت کسی قسم کی تکلیف اور ملال نہ ہو۔ اور وہ اسے شوق و ذوق سے ادا کرے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ذکر کی خاصیت ہے کہ وہ دل سے شیطان کو بھگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ بے شک جو متقی ہیں جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی خیال مس کرے فوراً ذکر کرتے ہیں تو اسی وقت وہ بصیرت والے ہو جاتے ہیں۔ پس بندے کو چاہئے کہ عبادت سے پہلے ذکر معبود کرے تاکہ عبادت کا چور شیطان کاہلی اور غفلت کی وجہ سے نقصان نہ کرے۔ اور عبادت محفوظ رہے۔

## صیغہ جمع نعبد میں لانے میں نکتہ

نیز جاننا چاہئے کہ عبادت گزار ایک ہے۔ اور نعبد کا صیغہ جمع کیلئے ہے یعنی ہم سب عبادت کرتے ہیں۔ اس صیغہ کے اختیار کرنے میں کیا نکتہ ہے؟ نکتہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ناقص عبادت کو تمام عابدوں کی عبادت کاملہ میں ملا کر بارگاہ اقدس میں پیش کرتا ہے۔ تاکہ کرم کی وجہ سے عبادات میں فرق نہ کریں۔ اور بعض کے ناقص ہونے کی وجہ سے تمام کو رد نہ فرمائیں اور انبیاء علیہم السلام اولیاء بلکہ ملائکہ مقربین کی عبادات کے ہمراہ اس ناقص عبادت کو بھی مقبول قرار دیں۔ جس طرح کہ فقہ میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص دس چیزوں کو ایک قیمت کے عوض فروخت کرتا ہے۔ اور ان چیزوں میں سے بعض ناقص ہوں۔ اور بعض کھری تو خریدار کو یہ حق نہیں کہ کھری چیزیں لے لے اور ناقص کو واپس کر دے۔ بلکہ یا سب کو قبول کرے یا سب کو رد کرے۔ اور یہاں جب معاملہ سب سے بڑے کریم کی بارگاہ

marfat.com
Marfat.com

میں ہے رد کا تو تصور نہیں ہو سکتا۔ البتہ سب مقبول ہوں گی۔ اور کیا ہی اچھا کہا گیا۔ نیکوں کے طفیل بروں کو قبول فرماتے ہیں۔ کیونکہ جو موتی لیتا ہے وہ دھاگہ واپس نہیں دیتا۔

نیز جمع کا صیغہ لانے میں اشارہ ہے نماز باجماعت کی طرف' گویا مقام عبادت مقام اجتماع ہے۔ اور اجتماع کے بغیر عبادت ناقص ہو جاتی ہے۔ نیز صیغہ جمع کی تلقین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کی عزت افزائی ہے گویا اس طرح فرمایا گیا کہ جب تو نے اپنی بندگی کو میری ذات سے درست کر لیا اور میری بندگی سے تو نے عار نہیں کی۔ تو میں نے تجھے ایک جماعت کے حکم میں رکھا اور جمع کے لفظ کی تلقین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً بے شک ابراہیم ایک امت تھے۔ نیز اگر اِیَّاکَ اَعْبُدُ کہتا تو اس کا معنی یہ بنتا کہ میں تیرا بندہ ہوں۔ اور جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہا تو اس کا معنی اس طرح ہوا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔ اور یہ مضمون ادب اور عاجزی کے مقام کے ساتھ زیادہ موزوں ہے۔

## متعلقات اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

اور جو کچھ کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے متعلق ہے یہ ہے کہ استعانت کی حقیقت' امداد طلب کرنا ہے۔ کسی کام پر مدد کرنے کی چار قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ کام پر قدرت بخشے۔ دوسرے یہ اس کام کو آسان فرمائے۔ تیسرے یہ کہ اس کام کے نزدیک کر دے۔ چوتھے وہ کام کرنے پر ابھارے اور رغبت دلائے۔ مثلاً عبادت کیلئے عقل و شعور اور ہاتھ پاؤں بخشنا پہلی قسم میں سے ہے۔ اور رکاوٹوں اور مصروفیتوں کو دور کرنا۔ اور دلجمعی عطا کرنا دوسری قسم ہے۔ اور اس کی ضرورت کا احساس دل میں ڈالنا اور اس کے حسن کو عقل کی نظر میں جلوہ گر کرنا اور لذت عبادت اور قلبی فرحت کو زیادہ کرنا تیسری قسم میں سے ہے۔ اور انبیاء و اولیاء سے کسی مرشد کو پیدا کرنا تا کہ ہر وقت نصیحت اور عبادت کی ترغیب و تاکید کرے چوتھی قسم میں سے ہے۔

اور یہاں اِیَّاکَ کو نَسْتَعِیْنُ پر پہلے لانا بھی حصر و تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی ہم تیرے غیر سے مدد طلب نہیں کرتے۔ اور یہ استعانت یا خاص ہے عبادت کیلئے یا عام ہے

marfat.com
Marfat.com

دنیا و دین کے تمام امور کیلئے۔ اگر اس سے خاص استعانت مراد ہے۔ تو اس استعانت کا راز یہ ہے کہ عبادت اگر چہ بندے کا کسب اور عمل ہے۔ لیکن بندے کا عمل دل میں پیدا ہونے والے ارادہ سے ہے کہ اس کے واقع ہونے سے پہلے بندے کو اس کا شعور نہیں ہوتا۔ پس وہ نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے۔ نیز عبادت کے نفع و نقصان کا علم۔ پھر اس علم کو دل میں جگہ دینا اور پکا کرنا یہ بھی خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہے۔ بندے کو اس میں دخل نہیں ہے۔ اور نیز عقل کا کام یہ ہے کہ عاقبت بمعنی انجام پر نظر رکھے جس کا انجام زیادہ بہتر ہو اسے اختیار کرے اگر چہ ابھی اس میں کسی قسم کی مشقت اور تکلیف لازم آئے۔ اور نفس کی خواہش ہمیشہ اسی چیز کو پسند کرتی ہے جو اسے فی الحال نفع دے اور کاموں کے انجام اس پر پوشیدہ رہتے ہیں۔ پس عقل اور خواہش نفس ہمیشہ کھینچا تانی میں رہتے ہیں۔ اور جھگڑتے ہیں غالب طور پر حرص کا لشکر غلبہ کرتا ہے۔ اور دل کی ہلاکت تک کھینچ لے جاتا ہے۔ اور اس لشکر کو اللہ تعالیٰ کی امداد کے بغیر دور کرنا ممکن نہیں ہے۔

## عبادت میں رکاوٹیں اور دو شبہات

نیز رکاوٹوں کو دور کئے بغیر عبادت آسان نہیں ہوتی۔ اور وہ چار چیزیں ہیں دنیا' گمان' شیطان اور نفس اور نیز عبادت ممکن نہیں ہوتی جب تک کہ حائل ہونے والی چیزوں کو دور نہ کیا جائے۔ اور وہ چند چیزیں ہیں مصیبتیں اور مصیبتوں کے خطرات اور مختلف قسم کے وہم اور غم۔ نیز عبادت درست نہیں ہوتی مگر ان چیزوں کو ختم کر کے جو کہ عبادت میں عیب پیدا کرتی ہیں۔ جیسے ریا' دکھاوا' اور خود بینی وغیر ذلک اور نیز عبادت پوری نہیں ہوتی مگر اس کے اسباب کے وجود کے ساتھ جو کہ خوف' امید اور مشاہدہ حق کا اشتیاق ہے۔ اور یہ تمام چیزیں مشکل گھاٹیاں ہیں کہ ان کو طے کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن یہاں دو شبہ وارد ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اگر عبادت تقدیر میں ہے۔ تو مدد بھی ہوگی مدد مانگنے کا فائدہ کیا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی امداد اکثر اوقات میں انہیں کو حاصل ہوتی ہے جو کہ اس کے دربار سے مدد مانگتے ہیں۔ پس یہ مدد حاصل کرنے کیلئے سبب عادی ہے۔ اور اسباب عادیہ میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا فائدہ رکھتے ہیں ان کا فائدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی

marfat.com
Marfat.com

عادت جاری کر کے ان چیزوں کو مقصد پانے کا وسیلہ بنایا ہے۔ جیسے کھانا استعمال کرنا پیٹ بھرنے کو اور پانی پینا پیاس دور کرنے کو۔ پس جبری اور قدری کا اعتراض غلط ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہے کسی عمل پر مدد مانگنا شروع کرنے سے پہلے مناسب ہے نہ کہ اس کے بعد۔ پس چاہئے تھا کہ مدد مانگنا ذکر میں بھی عبادت سے پہلے رکھا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت وسیلہ ہے۔ اور مدد مانگنا حاجت ہے۔ اور وسیلے کو حاجت پر پیشگی ہے۔ اور چونکہ مدد مانگنا عبادت کے پورا ہونے کیلئے ہے۔ اور ہر چیز کو پورا کرنا اس شئ کو شروع کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ تو استعانت کو بھی عبادت کے بعد لائے۔ گویا بندہ اس طرح عرض کرتا ہے کہ میں نے تیرے حکم سے تیری عبادت کو شروع کر دیا ہے۔ رہ گیا اس کا پورا کرنا وہ میرے اختیار میں نہیں ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی روکنے والا روک دے اور کوئی عارضہ پیش آئے۔ پس اس کو پورا کرنے میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں۔ پس بے شک مومن کا دل رحمان کی قدرت کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

اور اگر عام ہے دنیا اور دین کے کاموں میں تو اس اختصاص کی وجہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے غیر کی مدد کرتا ہے اس کے کام کی انتہا یہ ہے کہ اس کے دل میں اس غیر کی مدد کرنے کا جذبہ ڈال دیتے ہیں۔ اور یہ فعل اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ پس گویا بندہ کہتا ہے کہ تیرے غیر سے میری امداد ممکن ہی نہیں مگر اس وقت جبکہ تو اس کی امداد فرمائے تاکہ وہ مدد کرنے کے اسباب مہیا کرے۔ پھر اس کے دل میں میری مدد کرنے کا جذبہ تو ڈالے۔ پس میں وسیلوں سے قطع نظر کرتا ہوں۔ اور تیری امداد کے سوا کچھ نہیں دیکھتا۔

## مقام استعانت کی وضاحت

اس مقام کی وضاحت یہ ہے کہ بندے کو بظاہر ایک قسم کی قدرت دی گئی ہے اس کی وجہ سے وہ گمان کرتا ہے کہ کرنا اور نہ کرنا میرے اختیار میں ہے۔ لیکن کوئی کام کرنے کو نہ کرنے پر ترجیح دینا ہرگز اس کو اپنی طرف سے میسر نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر ترجیح دینے والی طاقت بندے کی طرف سے ہو تو اس پر بھی اعتراض ہوگا یہاں تک کہ تسلسل لازم آئے گا۔ پس وہ ترجیح دینے والی طاقت نہ ہوگی مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ پس استعانت بھی

marfat.com

Marfat.com

اللہ تعالیٰ ہی سے شایاں ہے۔ اور نیز ہم نے دیکھا ہے کہ تمام مخلوقات اپنی مطلوبہ چیزوں کو طلب کرتی ہیں۔ حالانکہ قدرت، عقل، شعور، کوشش اور محنت میں کوئی بھی کمی نہیں کرتا لیکن بعض کے سوا کوئی مطلب تک نہیں پہنچتا۔ پس غیبی امداد کے بغیر مطلب کا حصول نہیں ہوتا۔ نیز بارہا دیکھا گیا ہے کہ ایک انسان نے دوسرے سے حاجت طلب کی اور اس شخص نے طویل مدت تک اسے روکے رکھا اور لیت ولعل میں وقت گذار دیا۔ پھر اچانک اس کی حاجت کو پورا کر دیا۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ اس شخص کے دل میں حاجت پوری کرنے کا جذبہ پیدا کرنا، یہ غیب کی طرف سے ہے۔ پس مردِ مومن کو جو کہ شرک سے بھاگتا ہے شروع ہی سے چاہئے کہ غیر کی مدد کو جو کہ ظاہر میں مدد ہے۔ اور معنی میں اصلاً قدرت نہیں رکھتا۔ نظر سے گرادے اور قادرِ حقیقی کی امداد پر اکتفا کرے۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت خلیل علیہ السلام کو نمرود لعین نے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر آگ میں ڈال دیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ اگر آپ کو مجھ تک کوئی حاجت ہو تو فرمایئے تو حضرت خلیل علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ تیری طرف مجھے کوئی حاجت نہیں ہے حضرت جبرائیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کیجئے تو حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ چھپے اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔ میرے عرض کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اور جب بندۂ مومن نماز میں کھڑا ہوا اور اس کے دونوں پاؤں چلنے اور حرکت کرنے سے رک گئے اور دونوں ہاتھ پکڑنے سے بند ہو گئے۔ اور اس کی زبان سوائے قرأت وذکر کے کچھ نہیں کہہ سکتی گویا طلب اور بھاگنے کے اسباب جس طرح کہ حقیقت میں بیکار تھے ظاہر میں بھی بیکار ہو گئے اس وقت ان اسباب کو بیکار دیکھ کر حقیقت حال کی طرف چلا اور کہا اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

نیز مفسرین نے کہا ہے کہ جب بندۂ مومن نے اِيَّاكَ نَعْبُدُ کہا تو ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عبادت کی نسبت اپنی طرف کر کے خود بینی میں گر گیا ہو اس ڈر کو دور کرنے کیلئے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تلقین فرمائی گئی۔ اور یہیں سے نعبد کو نستعین سے پہلے لانے کا راز واضح ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس صورت میں دو مقام ہیں۔ مقامِ معرفتِ ربوبیت اور مقامِ معرفت

marfat.com
Marfat.com

عبودیت اور جب یہ دونوں مقام جمع ہو جائیں تو بندے کا اللہ تعالیٰ سے معاملہ پورا ہو جاتا ہے اور معنی اُوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ جلوہ نما ہوتا ہے۔ سورۃ کی ابتداء سے لے کر مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ تک مقام ربوبیت مبدء سے معاد تک کا بیان ہے اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ ابتدائے مقام عبودیت کا بیان ہے۔ اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اس کے کمال کا بیان ہے۔ اور جب دونوں وعدوں کی وفا دونوں طرف سے تحقق ہو گئی تو اس پر اس کا نتیجہ مرتب ہوا جو کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہے۔

## صیغۂ غیب کی صیغۂ خطاب لانے کی وجہ

اکثر علماء نے صیغہ غیب سے صیغہ خطاب کی طرف جو کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں ہے متوجہ ہونے کی وجہ میں یوں فرمایا کہ نمازی نے نماز شروع ہونے کے وقت اجنبیوں کی طرح کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی ثنا لفظ غیب سے شروع کی۔ اور جب ثنا کو کمال تک پہنچایا تو درمیان میں جو پردہ تھا اٹھ گیا۔ اور دوری قرب میں بدل گئی اور اجنبیت انجام کار یگانگت میں ڈھل گئی۔ پس وہ اس قابل ہو گیا کہ صیغہ خطاب سے بات کرے۔ نیز علماء نے فرمایا ہے کہ دعا و سوال کیلئے حاضری بہتر ہے۔ غائبانہ سوال اتنا کارگر نہیں ہوتا اور ثنا و تعریف غائبانہ اور پس پشت کرنا بہتر ہے۔ تا کہ خوشامد پر محمول نہ ہو۔

## تخصیص عبادت واستعانت میں مشرکین کا مسلمان سے اختلاف

یہاں جاننا چاہئے کہ عبادت و استعانت کی تخصیص میں مشرکین کو مسلمانوں سے اختلاف ہے ان میں سے بعض معدنی اجسام کی پوجا کرتے ہیں۔ جیسے بلند پہاڑ سونا اور چاندی اور بعض درختوں کو پوجتے ہیں۔ جیسے پیپل و تلسی وغیرہ اور بعض روحانیات کو پوجتے ہیں کہ انہیں اپنا مربی قرار دے رکھا ہے۔ بلکہ ان سے ایک جماعت والے ہر قسم کیلئے ارواح فلکیہ میں سے کسی روح کو مدبر اور مربی مانتے ہیں۔ اور انواع عالم میں سے ہر نوع کیلئے ایک روح کو مدبر اور مربی اعتقاد کرتے ہیں۔ اور ہر مرض کو دور کرنے اور بدن میں حرارت ٹھنڈک رطوبت اور خشکی میں سے ہر کیفیت حاصل کرنے کیلئے ایک روح کو مقرر کر رکھا ہے کہ اس سے

marfat.com
Marfat.com

استعانت کرتے ہیں۔ اور جبکہ وہ روحیں نظر سے غائب ہیں تو ان کی شکلیں صورتیں بنا کر انتہائی تعظیم اور عاجزی سے پیش آتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض انسانوں کے کامل افراد کی پوجا کرتے ہیں۔ اور بعض اجسام بسیطہ کو پوجتے ہیں اگرچہ وہ سفلی ہوں۔ جیسے آگ جو کہ مجوسیوں کا معبود ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ جسم بہت لطیف اور نورانی ہے۔ اور اس کے باوجود آدمی کی ہر صنعت میں اس کا دخل ہے۔ پس ربوبیت الٰہی کا اس میں زیادہ ظہور ہے۔ اور انواع حیوانات میں سے کسی کو اپنے معاش میں اس عنصر کی ضرورت نہیں ہے۔ سوائے آدمی کے۔ پس یہ ایسا عنصر ہے جو نوع انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور انسان کی خاص پرورش نے اسی عنصر میں ظہور فرمایا تو یہ اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ انتہائی عاجزی سے پیش آیا جائے۔ اور ایک جماعت اجسام علویہ کو' جیسے سورج اور چاند اور دیگر ستاروں کو پوجتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ عالم کی تدبیر نور اور ظلمت کے بدلنے پر ہے کہ دن اور رات اسی سے انتظام پاتے ہیں۔ نیز تدبیر عالم' فصلوں کے بدلنے' ہوا کے اختلاف اور بعض اوقات میں رطوبت کی زیادتی اور بعض دوسرے اوقات میں خشکی کی قوت پر بھی موقوف ہے۔ اور یہ چیزیں انہیں جسموں کے اثر سے ہیں۔ پس ان جسموں کیلئے انتہائی تعظیم کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور اس کے باوجود ان جسموں کی ایسی روحیں ہیں کہ انہوں نے اسمائے الٰہی کے ساتھ پوری مناسبت حاصل کر رکھی ہے۔ پس یہ عبادت کے زیادہ لائق ہیں ان تمام مذاہب کو مرد مسلمان ان دو کلموں سے رد کر دیتا ہے۔ اور ملت حنفی کی حقیقت جو کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام لائے ان ہی دو کلمات کی تفصیل ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

باقی رہ گئی تفصیل عبادت کی۔ اور غیر سے استعانت کی۔ اور وہ یہ ہے کہ عبادت یعنی انتہائی عاجزی انتہائی تعظیم کیلئے ہر دین میں مطلقاً حضرت حق سے مخصوص ہے حقوق والوں میں سے کسی کیلئے جیسے باپ' ماں' استاذ' پیر' آقا اور مالک اور حق کے انعام کے مظاہر میں سے کسی کیلئے جیسے عناصر' فلکیات اور ارواح غیبیہ جائز نہیں۔ کیونکہ انتہائی تعظیم کے اسباب ان میں ثابت نہیں ہیں۔ اور جب انتہائی تعظیم کے اسباب ثابت نہیں۔ اور انتہائی عاجزی بے موقع اور ناجائز ہے۔ اور مالک الملک علی الاطلاق کے حق کو ضائع کرنا ہے۔ اور ایک عظیم ظلم

marfat.com
Marfat.com

ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

اور استعانت یا تو ایسی چیز کے ساتھ ہے کہ مشرکین' مؤحدین میں سے کسی کے وہم اور فہم میں اس چیز کے مستقل ہونے کا وہم نہیں گزرتا جیسے دانتوں اور غلہ کے ساتھ بھوک دور کرنے میں استعانت اور پانی اور شربتوں سے پیاس دور کرنے میں استعانت اور راحت کیلئے درخت کے سائے سے استعانت اور اسی کی مانند اور مرض کو دور کرنے میں دواؤں اور جڑی بوٹیوں سے استعانت اور معاش کا سبب مقرر کرنے میں امیر اور بادشاہ سے استعانت جو کہ حقیقت میں خدمت کا معاوضہ مال کی شکل میں لیتا ہے۔ اور عاجزی کا موجب نہیں ہے۔ اور طبیبوں اور علاج کرنے والوں سے استعانت کے تجربہ اور زیادہ اطلاع ہونے کی وجہ سے ان سے مشورہ طلب کرتا ہے۔ اور اس میں کسی استقلال کا وہم نہیں ہوتا۔ پس اس قسم کی استعانت بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ حقیقت میں استعانت نہیں ہے۔ اور اگر استعانت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے استعانت ہے۔

یا ایسی چیز سے استعانت ہے کہ اس چیز کے مستقل ہونے کا وہم مشرکین کی عقلوں میں جگہ پکڑے ہوئے ہے۔ جیسے ارواح روحانیت فلکیہ یا عنصریہ یا سیر کرنے والی ارواح مثل بھوانی' شیخ سدو زین خان اور ان کی مثل اور استعانت کی یہ قسم عین شرک ہے۔ اور ملت حنفی کے خلاف ہے۔ اور اگر کوئی عبادت و استعانت کے حصر پر دلیل طلب کرے ہم کہیں گے کہ پہلی تین آیتیں اس حصر کی دلیل ہیں۔ کیونکہ عبادت و استعانت یا تو اس لئے ہے کہ اس کی سابقہ نعمتیں ابد تک شکر اور طلب مزید کا سبب ہیں۔ اور اس کی امداد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جاری ہے یا اس سب سے کہ اس کی ربوبیت تمام مخلوقات کو شامل اور محیط ہے۔ اور امداد بھی ربوبیت کے حق کا بقایا ہے یا کسی کمال یا نعمت کے ضائع ہونے کی ڈر کی وجہ سے یا کسی آفت اور نقصان پہنچنے کے خطرہ کی وجہ سے ہے۔ اور یہ چیزیں معمولی اور کلی اعتبار سے اور خلق و ایجاد اور قدرت دینے اور ان پر قابض ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخصوص ہیں تو جب عبادت اور استعانت انہیں چیزوں سے ثابت ہوتی ہیں تو مخصوص بھی اسی ذات کے ساتھ ہوں گی۔

marfat.com
Marfat.com

## ایاك نعبد و ایاك کو اختیار کرنے میں نکتہ

یہاں جاننا چاہئے کہ اس مطلب کیلئے چند عبارتیں دل میں آتی ہیں۔ان میں سے ایک عبارت کو اختیار فرمایا گیا اس میں کیا نکتہ ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَنَسۡتَعِیۡنُ نہیں کہا بلکہ ایـــاك کو دوبارہ لایا گیا۔تا کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ عبادت سے استعانت کی گئی بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہو۔اور لَكَ نَعۡبُدُ بھی نہیں کہا گیا۔تا کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ بندے کے عبادت کرنے میں حق تعالیٰ کو کوئی نفع ہے۔اس لئے کہ لغت عرب میں لام نفع کیلئے آتا ہے۔جس طرح کہ مالہ وماعلیہ میں مشہور ہے۔اور اسی طرح بک نستعین نہیں کہا گیا۔تا کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ حق تعالیٰ کو اپنے اور اپنے مطلوب کے درمیان واسطہ اور آلہ بنایا ہے۔وَلَا نَعۡبُدُ اِلَّا اِیَّاكَ بھی نہیں کیا گیا۔حالانکہ اس میں نفی کی صراحت تھی اس لئے کہ جتلایا گیا ہے کہ منفی چیزوں کی طرف توجہ کم کی جائے یعنی مقام مناجات میں نمازی کی توجہ نفی کی طرف نہیں ہے جو کچھ ہے اپنے مقصد کا اثبات ہے۔اور عبادتی لک بھی نہیں کہا تا کہ پتہ چلے کہ جو عبادت کہ ہمیشہ بار بار کی جائے اس میں کوتاہی ہوتی ہے اور ایاك عبدت و عبدنا بھی نہیں کہا گیا کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ عبادت سے فارغ ہو چکا اور اسے چھوڑ دیا۔وایاك اعبدانا بھی نہیں کہا تا کہ اس عبادت کی کمزوری کا پتہ چلے گویا کمال ضعف کی وجہ سے قابل تاکید نہیں ہے وَاِیَّاكَ نَعۡبُدُ نَحۡنُ بھی نہیں کہا تا کہ پتہ چلے کہ تمام مخلوق عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔اس ناقص عبادت کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لوگ عبادت گذار ہیں۔بہر حال یہ ترکیب جو اختیار کی گئی تمام تصور و خیال میں آنے والی ترکیبوں سے بہتر ہے۔نیز اَعِنَّا بھی نہیں کہا گیا۔جیسا کہ اِهۡدِنَا کہا گیا۔تا کہ پتہ چلے کہ حقیقت میں بندے کی ضرورت عبادت کی طلب ہے۔اور استعانت کا ذکر تو صرف حاجت طلب کرنے کی اجازت کی درخواست کیلئے ہے۔

## متعلقات اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ اور مراتب ہدایت کی ترتیب

اور جو کچھ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کے ساتھ متعلق ہے یہ ہے کہ ہدایت کا معنی

marfat.com
Marfat.com

مطلب کا نشان دینا ہے۔ یا الہام کے ساتھ جیسے پستان کو چوسنا کہ کسی غور وفکر اور سکھلائی کے بغیر ہی بچے کو اس کا القا ہوتا ہے۔ اور رو کر شکایت کا اظہار کرنا کہ شکم مادر سے باہر آنے کی ابتداء ہی میں بچے کو اس کی تعلیم حاصل ہو جاتی ہے یا حواس ظاہرہ اور باطنہ کے ساتھ یا صرف عقل کے ساتھ یا نظری دلائل کے ساتھ یا رسل علیہم السلام کو بھیج کر۔ پس مراتب ہدایت اس ترتیب سے ہیں پہلے ہدایت الہامی جو کہ حالت طفلی میں حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہدایت احساسی ہے کہ جب آدمی کے احساسات ظاہر و باطن میں قوت پکڑتے ہیں۔ اور وہ اچھی اور بری چیز کو پہچانتا ہے۔ اور جس چیز تک حواس نہیں پہنچ سکتے اس کی دریافت کیلئے اسے عقل عطا کی گئی تاکہ حواس ظاہری اور باطنی کی عقلوں سے ان کے کلیات نکال کر کام میں لائے۔ اور جو عقل سے دریافت نہ ہو سکے اس کیلئے نظری دلائل عطا کئے گئے تاکہ ان دلائل سے نتیجہ نکالے اور جو کچھ عقل کی نظر سے باہر ہے۔ اور اس کا حسن اور عیب قوت عقلیہ سے نہیں پایا جا سکتا یا اس کے ادراک میں وہم وخیال الجھتے ہیں تو ایسی چیزوں کی دریافت کیلئے رسل علیہم السلام کو بھیجا گیا۔

## رسل اور کتب سماویہ کے ذریعے ہدایت کی دو قسمیں

اور جو ہدایت رسل علیہم السلام کو بھیجنے اور کتابیں اتارنے سے ملتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک عام اور دوسری خاص۔ عام یہ کہ خیر اور شر کی راہ کو واضح کرے۔ اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں تبیانی' توفیقی' تبیانی یہ کہ رسول علیہ السلام جو کچھ لائے اس کی شرح کرنا اس حد تک کے کہ اس کے سمجھنے میں شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور اسے فقہاء کے عرف میں ابتلاء کہتے ہیں۔ اور توفیقی یہ کہ ہدایت انبیاء علیہم السلام کو تھامنے کے اسباب کسی شخص کے حق میں فراہم کر دیئے جاتے ہیں۔ اور اس پر ہدایت حاصل کرنے کو آسان کر دیتے ہیں۔ تاکہ وہ ابدی سعادت تک پہنچ جائے۔ اور مقام اصطفاء سے مشرف ہو۔ اور اس توفیق کا انجام یا تو آخرت میں بہشت ہے یا دنیا میں حق کو پالینا اور ہدایت خاص یہ ہے کہ عالم نبوت یا عالم ولایت سے ایک نور اس شخص کی عقل پر جلوہ گر ہو۔ اور اسے حقائق کا ایسا انکشاف ہو جائے جیسے کہ وہ ہیں۔ اور اس کے بھی تین درجے ہیں یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ

marfat.com

Marfat.com

فرمایا گیا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ۔

یا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے لو لا اللّٰہ ما اهتدینا اور اسی ہدایت خاص میں وہ بھی داخل ہے جو کہ ایک حال سے دوسرے حال اور ایک مقام سے دوسرے مقام میں سیر و سلوک کے دوران بندہ کی امداد واقع ہوتی ہے۔

## الی-لام کے بغیر اهدنا کی حکمت

یہاں جاننا چاہئے کہ اگر ہدایت سے مراد راستے کا نشان دینا ہو تو اسے الی سے متعدی کرتے ہیں۔ اور اگر راستے تک پہنچنا منظور ہو تو لام کے ساتھ متعدی کرتے ہیں۔ اور اگر راستہ گزار کر مقصد تک پہنچانا مقصود ہو تو پھر بنفسہا متعدی کرتے ہیں۔ پس لفظ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں بندہ کے کامل عجز و ناتوانی کا اظہار ہے کہ وہ راستے کا نشان دینے اور مطلب کے راستے تک پہنچا دینے پر اکتفا نہیں کر سکتا جب تک کہ ہر دم اللہ تعالیٰ کی ہدایت رہنمائے راہ' رفیق سفر اور دستگیر نہ ہو۔ اور اِهْدِنَا میں جمع کا صیغہ لانے میں وہی نکتہ ہے جو کہ نعبد میں مذکور ہوا خصوصاً یہاں تو مقام دعا ہے۔ اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا کرنا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ نیز حمد کو بھی تمام حمد کرنے والوں کی حمد کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ بھی سب کی عبادت کو شامل ہے۔ اور استعانت بھی سب کی طرف سے بیان ہوئی۔ اس لئے لازماً طلب ہدایت بھی سبھی کیلئے چاہئے۔ نیز اگر تمام گھر یا محلہ یا ایک شہر یا ایک ملک میں سے ایک شخص کو ایک قسم کی ہدایت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے گمراہی میں گرفتار رہتے ہیں تو اس شخص کو کہ جس نے مطلب تک راہ پالی ہے سخت دشواری پیش آتی ہے اگر ان کی موافقت کرتا ہے۔ تو جان بوجھ کر ہلاکت میں گرتا ہے۔ اور اگر مخالفت کرے تو ان تمام لوگوں کیلئے ہنسی مذاق بن جاتا ہے۔ اور اس کی مجلسی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کے اوقات قیل و قال اور لڑائی جھگڑے کی وجہ سے تلخی سے گزرتے ہیں۔ اور رشتہ داری' دوستی کے تعلقات اور باہمی تعاون و امداد سب کچھ دگرگوں ہو جاتا ہے۔ تو ناچار اپنے آپ کو بنی نوع انسان سمیت ہدایت کی دعا میں شامل کرنا چاہئے تا کہ ان

marfat.com
Marfat.com

قباحتوں کی کھینچا تانی سے بچا جا سکے۔

## طریق وسبیل کی بجائے طراط کی حکمت

اور لفظ صراط طریق وسبیل کا ہم معنی ہے۔ جس کے معنی راستہ کے ہیں۔ اور یہاں اس لفظ کو اس لئے اختیار کیا گیا کہ مسلمانوں کو اس لفظ کے ذکر سے پل صراط یاد آئے۔ اور وہ جان لیں کہ ہمیں اس راہ سے گزرنا ہے۔ اور اس سے گزرنا سیدھی راہ چلے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور مشہور یہ ہے کہ صراط مستقیم' افراط تفریط یعنی کی بیشی جو کہ دونوں مذموم ہیں کی درمیانی راہ چلنا ہے۔ مثلاً عبادت میں افراط یہ ہے کہ جہاں بھی صفات الوہیت میں سے کسی صفت کا ظہور دیکھا جائے بے اختیار اس کی پوجا شروع کر دی جائے۔ جیسا کہ ہندوؤں کا مذہب ہے۔ اور تفریط یہ ہے کہ دنیوی مصروفیتوں اور طلب معاش سے اپنے آپ کو کبھی فارغ نہ کیا جائے۔ اور ایک لحہ کیلئے بھی عالم غیب کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ جیسا کہ انگریزوں اور دوسرے بے دینوں کا معمول ہے۔ اور استعانت میں افراط یہ ہے کہ ہیبت کے وہم سے ہر چیز درخواست کریں۔ اور مطلوبہ کاموں میں اس کی طرف رجوع کریں۔ اور ستاروں کی تاثیرات' دنوں کی سعادت ونحوست اور معدنیات' نباتات اور حیوانات کے مخفی خواص کی رعایت کریں۔ اور نحوست و برکت کو بیوی' بچوں' غلاموں' کنیزوں' حویلی' تلوار اور دوسری چیزوں میں خیال کریں۔ اور زندگی کے اوقات کو اپنے اوپر تنگ کر لیں اور سودائیوں کی طرح ہر چیز سے ڈریں۔ اور ہر چیز سے عظیم نفع پہنچنے کی امید کریں۔ اور تفریط یہ ہے کہ معتبر اسباب کو جیسے دوا' غذا اور پرہیز اور جیسے اچھوں کی صحبت اور بروں کی مجلس اور دعا اور جناب الٰہی میں التجا کو ساقط الاعتبار گردانیں' علی ہذا القیاس تمام امور میں میانہ روی قابل تعریف ہے۔ اور کمی بیشی مذموم۔ جیسا کہ علم اخلاق کی مبسوط کتابوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ (اقول وباللہ التوفیق چنانچہ الطریقۃ المحمدیہ کی تلخیص مفتاح الفلاح کا اُردو ترجمہ جو کہ کلید مراد کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔ یہ ترجمہ توفیق الٰہی سے اس فیقر نے کیا ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

marfat.com
Marfat.com

## آدمی کی تین قوتیں

اور اگر نمونہ کے طور پر یہاں ذکر کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ آدمی کی تین قوتیں ہیں۔قوت نطقیہ کہ اسے عقلیہ بھی کہتے ہیں اس کا کام چیزوں کو جاننا اور حقائق کی دریافت ہے۔اور حقائق یا تو باری تعالیٰ کی ذات وصفات ہیں یا دنیا وآخرت میں اس کے افعال و آثار اور اس قسم کو جاننا علم الٰہی کہلاتا ہے۔اور اس قسم میں افراط وتفریط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر کرے۔اور اس کے راز کو پانے کی کوشش کرے یا تنزیہ کیلئے صفات الٰہی کی بالکل نفی کر دے یا ان صفات کا اثبات تشبیہ کے طریقے پر کرے کہ خالق کو مخلوق سے ہم رنگ کر دے یا جن صفات کو شریعت نے ثابت کیا ہے غلط تاویل کر کے ان کا انکار کرے۔ جیسے کلام' سمع' بصر' رویت' رضا اور غضب یا اپنے افعال کی طرح اللہ تعالیٰ کے افعال کو کسی غرض کے ساتھ مخلوط مانے یا اپنی عقل کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ پر زیادہ بہتر اور بہت پاکیزہ کام کو واجب جانے۔ بندے کے افعال کو بندے کی طرف ہی منسوب کرے۔اور ان افعال میں اللہ تعالیٰ کے فعل اور تاثیر کا انکار کرے یا بندے کو پتھر کی طرح بے دخل سمجھے اور جبری ہو جائے۔اسی طرح کے دوسرے باطل عقائد جو کہ افراط وتفریط کی طرف مائل ہیں۔

## علم نبوت

یا ارواح' ملائکہ' انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اولیاء اور ائمہ دین اور اس قسم کو علم نبوت کہتے ہیں۔اور اس قسم میں افراط وتفریط یہ ہے کہ ان مراتب اور مناصب کا سرے سے انکار کر دے یا خطاو گناہ سے ان کی عصمت اور محفوظیت کا اعتقاد نہ رکھے۔اور انہیں اپنی طرح اغراض دینوی اور گھٹیا مقاصد کی طلب کے ساتھ ملوث اور نفس کی ضروریات سے مغلوب مانے۔یا ائمہ واولیاء کو انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے مرتبہ کے برابر مانے (اقول وباللہ التوفیق اس میں روافض خزہم اللہ تعالیٰ کا رد ہے جو کہ اسی قسم کا اعتقاد رکھتے ہیں۔محمد محفوظ الحق غفرلہ) اور انبیاء مرسلین کیلئے لوازم الوہیت ثابت کرے۔جیسے علم غیب' ہر کسی کی

marfat.com
Marfat.com

ہر جگہ فریاد سننا' تمام مقدورات پر قادر ہونا اور فرشتوں' انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی ارواح کو تصور' مجسمہ' قبور اور تعزیوں کے پردے میں معبود بنالے اور رزق' فرزند' خدمت اور مرتبہ کی مستقل طور پر انہیں سے درخواست کرے۔ اور ان کی سفارش اور عرضی کی قبولیت کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں واجب جانے اگرچہ اس دربار عالی میں یہ پسند نہ بھی ہو (اقول وباللہ التوفیق' صفات باری تعالیٰ اس کی اپنی ہیں۔ کسی سے حاصل کی گئی نہیں یعنی عطائی نہیں۔ وہ ان صفات میں مستقل ہے۔ اگر اس جہت سے کسی کے متعلق بھی ان چیزوں کا عقیدہ رکھے تو قطعاً حرام بلکہ شرک۔ جبکہ کوئی بھی مسلمان مقربین میں یہ صفات مستقل نہیں مانتا بلکہ عطائی چنانچہ اس سلسلہ میں شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کے اپنے ہی گزشتہ الفاظ اس کتاب کے صفحہ ۱۱ پر دیکھ لیں' فرماتے ہیں: "یہاں سمجھ لینا چاہئے کہ غیر سے اس طرح مدد مانگنا کہ اسی پر اعتماد کرے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر نہ سمجھے حرام ہے۔ اور اگر توجہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ اور اسے مدد کے مظاہر میں سے ایک مظہر سمجھتے ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اسباب اور حکمت پر نظر کرتے ہوئے اس سے غیر سے ظاہری طور پر مدد مانگے تو یہ عرفان سے دور نہیں۔ اور شرع شریف میں بھی جائز ہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء نے اس قسم کی امداد دوسروں سے مانگی ہے۔ اور حقیقت میں یہ غیر سے نہیں۔ بلکہ حضرت حق تعالیٰ سے استمداد ہے"۔ نیز یہ بات لوازم الوہیت کے لفظ سے ہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ تمام صفات باری تعالیٰ مستقل' قدیم' لامتناہی ہیں۔ جبکہ باقی کسی کی صفات ایسی نہیں لہٰذا انبیاء علیہم السلام واولیاء کی صفات مقدسہ کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

## علم معاد یا سمعیات

یا معاملات قبر' دوزخ' بہشت' حساب' میزان اور دوسرے امور آخرت اور اس علم کو علم معاد یا علم سمعیات بھی کہتے ہیں۔ اور اس قسم میں افراط وتفریط یہ ہے کہ مثلاً ایمان کو نجات کیلئے اس قدر موثر مانے کہ اس کے دل میں کسی قسم کے گناہ کا کھٹکا باقی نہ رہے۔ اور سمجھے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہیں دے گا۔ یا ایمان کو اس قدر ساقط الاعتبار قرار دے کہ ہر گناہ سے ایمان کا اثر زائل ہو جائے گا۔ اور ایمان والے گناہگار بے ایمان

marfat.com
Marfat.com

کافروں کی طرح دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یا آخرت میں اچھے برے اعمال کی ذاتی تاثیر ثابت کرے۔ اور جانے کہ اللہ تعالیٰ جزا دینے کے مقام میں بے اختیار بندہ کے اعمال کے تابع ہے۔ گناہ سے معافی اور اطاعت کو قبول نہ کرنا اس سے ممکن نہیں یا بہشت اور دوزخ اور اس جگہ لذت پانے اور درد اٹھانے کو دنیا کے انقلابات کی طرح زائل اور فانی سمجھے علیٰ ہذا القیاس۔

## علم الجواہر والاعراض

یا اجسام اور دوسرے اعراض ہیں کہ اسے علم الجواہر والاعراض کہتے ہیں۔ اور علم طبعی اور ریاضی بھی کہتے ہیں۔ اور افراط و تفریط اس قسم میں یہ ہے کہ مثلاً ان چیزوں کی شرح وسط میں پوری گہرائی میں جائے۔ اور ان چیزوں کے احوال' اطوار' خواص اور تاثیرات کے بے مقصد حصول میں اپنی عقل کو مصروف کرے۔ جیسے علم ہیئت' ہندسہ' حساب' فنون ریاضی' موسیقی' کشش ثقل' مناظرہ' شعبدہ' طلسمات' نیرنجات' علم زراعت' علم حیوان' خواص نباتات و احجار اور طب وغیرہ میں غور کرنا یا ان چیزوں کا بالکل انکار کرے۔ اور ان سے خالی رہے۔ اور ان میں سے دین و دنیا میں جس قدر مفید ہے اس پر بھی توجہ نہ کرے۔

## قوت شہویہ

جو کہ منفعتیں لینے کا مبدء اور مرغوبات کی خواہش کا وسیلہ ہے۔ اور اس کا افراط فجور ہے۔ نیز اسے خلاعت بھی کہتے ہیں۔ یعنی لذتوں اور مرغوبات میں حد موزوں سے زیادہ مصروف ہونا۔ اور اس کی تفریط کو جمود کہتے ہیں یعنی جس چیز کی عقل اور شرع نے ترغیب دی ہے اس سے بے توجہی کرنا۔ جیسے نکاح حلال اور غیر مشتبہ لذیذ کھانا اور ان کا درمیانی درجہ عفت ہے۔ یعنی شہوت کو عقل اور شرع کے حکم کے تابع کر دینا تا کہ حرص کی پوجا سے سلامتی حاصل ہو اور اس درمیانی مرتبہ سے بے شمار اچھی عادات پیدا ہوتی ہے۔ جیسے حیا' صبر' قناعت' تورع' جوانمردی اور سخاوت اور سخاوت کے توابع میں ایثار' کرم' معاف کرنا' مروت اور معاملات میں نرم خوئی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## قوت غضبیہ

جو کہ پر خطر چیزوں کو اپنانے کا مبدء ہے۔ اور اس کا مقتضیٰ قبضہ جمانا' اونچا ہونا اور اپنے اور اپنے متعلقین سے غیر کی طرف سے آنے والی تکلیف کو دور کرنا ہے۔ اور اس قوت کا افراط تہور ہے۔ یعنی ایسی جگہ اور ایسی چیز پر جرأت کرنا چاہئے جہاں یہ جرأت نہیں چاہئے۔ اور اس کی تفریط جبن ہے۔ یعنی اس سے ڈرنا جس سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ اور کا وسطی درجہ شجاعت ہے۔ اور شجاعت سے بے شمار اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے بلندی ہمت' استقلال' حلم' حوصلہ اور غیرت وغیرہ اور قوت نطقیہ کے استعمال میں میانہ روی کو حکمت کہتے ہیں۔ اور اس سے ذہانت' زودفہمی' ذہن کی صفائی' آسانی سے علم حاصل کرنا اور اچھی طرح حفظ کرنے' یاد کرنے اور سمجھنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے افراط کی طرف کو جربزہ کہتے ہیں۔ (اور یہ ادراک کا ایسا ملکہ ہے جو کہ اسے ایسی چیزوں کی اطلاع حاصل کرنے کی دعوت دے جن کی معرفت ممکن نہیں) اور اس کی تفریط کو بلادت (کند ذہنی) اور غباوت (کم فہمی) کہتے ہیں۔ اور جب تینوں قوتوں میں میانہ روی حاصل ہو جائے تو اسے عدالت کہتے ہیں۔ اور عدالت کے نتائج میں سے دوستی' الفت' وفاداری' شفقت' احسان کا بدلہ دینا' تعلقات کا لحاظ کرنا' اچھی صحبت' اچھی شراکت' توکل' معبود مطلق کے حق کو پورا کرنا' فرشتوں' پیغمبروں علیہم السلام اور حکام کے حق کو پورا کرنا اور شرع شریف کے اوامر و نواہی کی اطاعت کرنا ہے۔ اور یہی کمال تقویٰ ہے۔

## ایک نکتہ

لیکن یہاں ایک نکتہ جان لینا چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ قوت نطقیہ انسان کی ذاتی ہے جو کہ بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے ہی روح کو حاصل تھی۔ البتہ قوت شہویہ اور غضبیہ بدن کے ساتھ متعلق ہونے کے وسیلہ سے حاصل ہوئی۔ پس قوت نطقیہ میں کمال میانہ روی یہ ہے کہ اسے استعمال میں اس حد تک پہنچا دے کہ اس سے زیادہ کا امکان نہ رہے۔ اور قوت شہویہ اور غضبیہ میں کمال اعتدال یہ ہے کہ اسے بقدر ضرورت استعمال کریں۔ اس حد

marfat.com
Marfat.com

تک کہ اس سے کم تر ممکن نہ ہو۔ ناچار طریق اعتدال کو انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی اور صدیقوں' شہیدوں اور صالحین کی رفاقت کے بغیر پانا دشوار ہے۔

اور اسی لئے کہتے ہیں کہ صراط مستقیم' انبیاء علیہم السلام کی اقتداء ہے۔ اور قدر مشترک یہ ہے کہ انسان دلی طور پر ماسوی سے منہ پھیرنے والا ہو۔ اور اس کا قلب' فکر اور ذکر کلی طور پر حضرت خالق جل جلالہ کی طرف متوجہ ہو جائے یہاں تک کہ اگر اس دربار سے فرمان پہنچے کہ اپنے بیٹے کو ہماری راہ میں ذبح کر دے۔ جیسے حضرت خلیل علیہ السلام کی طرح اطاعت کرے۔ اور اگر ارشاد ہو کہ اپنی جان کو ہماری راہ میں قربان کر تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح بکمال مسرت وخوشی قبول کرے۔ اور اگر فرمائیں کہ اپنے آپ کو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا میں ڈال دے تو حضرت یونس علیہ السلام کی طرح فرمانبرداری کرے۔ اور اگر منصب اعلیٰ اور مرتبہ بلند عطا کرنے کے بعد اشارہ ہو کہ اپنے آپ کو ایک غیر معروف آدمی کے سامنے شاگردوں کی طرح پیش کر اور اس سے ایک دو کام کی باتیں سیکھ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح عار محسوس نہ کرے۔ اور شرم نہ کرے کہ آپ حضرت خضر علیہ السلام کی طرف گئے اور ان کی شاگردی اختیار کی۔

اور حدیث پاک میں ہے کہ جب مکہ معظمہ میں صحابہ کرام کو کافروں کے ہاتھوں بہت تکلیف پہنچی تو انہوں نے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اس کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ شریف کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایمان والوں کو کافروں کے ہاتھوں اس حد تک سخت مصیبتیں پہنچی تھیں کہ ان میں سے کسی کو زمین کھود کر گڑا کر دیتے اور تیز آرا اس کے سر پر چلاتے یہاں تک کہ وہ ٹکڑے ہو کر گر پڑتا لیکن وہ اپنے دین سے ہرگز نہیں پھرتا تھا۔ اور کسی کی لوہے کی کنگھیوں سے ہڈیوں سے کھال ادھیڑ دیتے لیکن وہ اپنے مذہب کے خلاف حرف تک اپنی زبان پر نہ لاتا۔

کہتے ہیں کہ خط مستقیم' تمام خطوط سے چھوٹا ہوتا ہے جو کہ نقطے کے درمیان فرض کیا جا سکتا ہے گویا جو بندہ صراط مستقیم چاہتا ہے وہ اپنی عاجزی اور کمزوری بیان کرتا ہے۔ یعنی میری ناتوانی کے لائق صرف اور صرف طریق مستقیم ہی ہے اور اسی لئے اگر کسی بوڑھے اور

marfat.com
Marfat.com

کمزور کو کسی ضرورت کیلئے کہیں جانا پڑے تو نزدیک والے راستہ کو تلاش کرتا ہے۔ اور دور کی راہ سے بچتا ہے۔ نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک بندہ دنیا میں ہے وہ مشیروں اور رہنماؤں کی کھینچا تانی میں رہتا ہے۔ اہل وعیال کسی راہ سے بلاتے ہیں' ماں باپ کسی راہ سے بلاتے ہیں' دوست اور مشفق کسی اور راہ سے۔ دشمن اور حاسد دوسرے راستے سے' اس کا اپنا نفس کسی راہ سے۔ شیطان کسی راہ سے' ہر خواہش' ہر غضب اور ہر اعتقاد کسی راہ سے۔ جبکہ اس کی عقل کمزور' اس کی عمر تھوڑی اور اس کی کوشش کا میدان تنگ تو حیران ہو کر اپنے مالک کے دروازہ پر اپنے آپ کو پیش کر کے فریاد کرتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

## شبہ اور اس کا جواب

یہاں بعض جاہل شبہ کرتے ہیں کہ جب مسلمان کو اس دعا کی تعلیم دی گئی کہ نماز میں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں زبان پر لائے۔ تو ہدایت کا یہ سوال بے موقع ہے کہ نماز پڑھنے والے مسلمان کو یہاں تک ہدایت حاصل ہو گئی ہے کہ دربار عالی میں پہنچ گیا تو حاصل شدہ شے کو حاصل کرنے کا کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہدایت کے مرتبے بے شمار ہیں۔ پس ایک آدمی کسی وقت بھی سوال ہدایت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

کہتے ہیں کہ کسی چیز کے متعلق آدمی کا علم دو طریقوں سے ہمیشہ ترقی میں ہے۔ ایک اس علم کی ہمیشگی یعنی توجہ کے اوقات کا مسلسل رہنا۔ اور غفلتوں کا دور ہونا دوسرے دلائل کی زیادتی کے ساتھ۔ کیونکہ وہ علم جو ایک دلیل سے حاصل ہوا ہے اس علم کے برابر نہیں ہو سکتا جو کئی دلائل سے حاصل ہوا۔ اور ممکنات کی قسموں میں سے جہان میں جو کچھ موجود ہے اس میں وجود ذات الٰہی' اور اس کے علم' قدرت' جود رحمت اور حکمت پر ایک دلالت سونپی اور پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ہر شے میں اس کی علامت ہے جو کہ اس کے ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ہر گھاس جو کہ زمین سے اگتی ہے وحدہ لا شریک لہ کہتی ہے۔ پس آدمی کا علم ہر وقت بڑھ رہا ہے۔ اور ترقی پذیر ہے۔ اسی پابندی میں نہ رہ کہ مضمون باقی نہیں رہا۔ زلف یار سے متعلق سو سال تک گفتگو کی جا سکتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر و نواہی کی تعمیل اور فضائل اور اونچے مرتبوں کو حاصل کرنا ایک

marfat.com
Marfat.com

بہت وسیع میدان ہے۔ اوران سب سے زیادہ ضروری اس مرتبہ پر ثابت قدم رہنا ہے جو کہ اسے ہدایت کے مرتبوں میں سے حاصل ہے۔ اور اسی لئے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ آپ نے اہدنا کی تفسیر ان لفظوں میں فرمائی کہ ہمیں ہدایت پر ثابت قدم رکھ اور قرآن مجید میں گویا اسی کلمہ کی شرح کیلئے دوسری جگہ ارشاد فرمایا اے ہمارے رب! اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرما۔

## دوسرا شبہ اور اس کا جواب

یہاں ایک اور شبہ بھی وارد ہوتا ہے کہ زبان کے ساتھ دوسرے سے مطلب مانگنا دو وجہ سے خالی نہیں ہوسکتا۔ یا تو اسے یاد دلانا ہے کہ وہ اس مطلب کو بھول چکا ہے یا بخیل کو سخاوت پر ابھارنا ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں حکیم مطلق اور جواد برحق کے متعلق تصور میں نہیں آسکتیں تو اس درخواست کا فائدہ کیا ہوا خصوصاً جبکہ دعا' قضا سے راضی ہونے کے خلاف ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ بھی حکیم کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے کہ طالب کو اس کا مطلب بغیر عاجزی اور زاری کئے نہ دیا جائے۔ تا کہ اس کا نفس شکستہ ہو جائے۔ اور اس کا تکبر نیچا ہو جائے۔ پس ہوسکتا ہے کہ ہماری عاجزی کارگر ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکمت میں جو شرط ملحوظ رکھی گئی ہے وہ حاصل ہو جائے۔ جب تک بچہ نہ روئے دودھ کو کب جوش آتا ہے۔ اور جب تک بادل نہ روئے باغ میں کب پھول کھلتے ہیں۔

اور دعا قضا سے راضی ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہو کہ بندہ عاجزی اور زاری کرے۔ اور اس کی طلب کے بعد عطا واقع ہو۔ اب یہ سمجھنا چاہئے کہ ہدایت کے سوال کو استعانت پر بطور نرع لایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدایت' استعانت ہی کی ایک قسم ہے۔ اور خاص کو عام پر بطور فرع لایا جانا بالکل ظاہر ہے۔ اور استعانت کے واسطہ سے یہ عبادت کی بھی فرع ہے۔ کیونکہ جب عبادت' مجاہدہ کی وجہ سے کمال کو پہنچتی ہے۔ تو اعلیٰ درجہ کی ہدایت کا فائدہ دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اور جنہوں نے ہم میں مجاہدہ کیا ہم انہیں اپنی راہوں کی ہدایت عطا فرماتے ہیں۔ اور مجاہدہ استعانت کا محتاج ہے۔ اور جب عبادت اور استعانت کا

marfat.com
Marfat.com

لحاظ کریں تو ہدایت کا مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی فرع ہونا بھی ظاہر ہو گیا کیونکہ ہدایت کے نفع کا کمال تو اسی روز عبادت کاملہ کے واسطہ سے ظاہر ہو گا۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر میسر نہیں ہو سکتی اور ان تینوں چیزوں کا رحمت عام و رحمت خاص بلکہ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پر متفرع ہونا بھی بالکل ظاہر ہے کہ اس کی بہترین تربیت ہدایت ہے۔

## متعلقات صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

اور جو کچھ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ نعمت کی حقیقت وہ نفع ہے جو کہ بطور احسان دوسرے کو پہنچائیں اور اس میں اپنا کسی قسم کا نفع پیش نظر نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے سوا منعم حقیقی کوئی نہیں۔ کیونکہ انعام دینے میں مخلوق کو اپنے منافع بھی ملحوظ اور پیش نظر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ پیچھے گزرا اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ کافر و فاسق کے حق میں اللہ تعالیٰ کی نعمت حقیقت میں نعمت نہیں۔ کیونکہ اس پر احسان کرنا رب تعالیٰ کو منظور نہیں کافروں اور فاسقوں کو نفع کی قسم سے جو کچھ عطا ہوا ہے یہ صورت میں نعمت مگر معنوی اعتبار سے بلا اور آفت ہے۔ پس یہ اس طرح ہے کہ کسی کو حلوہ میں زہر ہلاہل لپیٹ کر دی جائے یا لذیذ حلوا جس میں کہ زہر وغیرہ نہیں ایسے شخص کو دیں جسے خرابی صحت لاحق ہو کہ اس کے معدے میں زہریلے اخلاط سے مل کر یہی حلوہ زہر ہلاہل کا حکم پیدا کرے یا کسی ایسے شخص کو لذیذ حلوہ دیں جو کہ اسے بے وقت یا سیر ہونے کے اندازے سے زیادہ کھالے اور یوں ہیضہ کا سبب ہو۔ اور اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا۔ اور "ہرگز گمان نہ کریں کافر کہ ہم نے جو انہیں مہلت دی ہے ان کیلئے بہتر ہے۔ ہم نے تو انہیں۔ اس لئے مہلت دی کہ وہ زیادہ گناہ کرے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کو چار گروہوں انبیاء' صدیقین' شہداء اور صلحاء کے ساتھ خاص فرمایا گیا ہے۔ پس انعمت کا لفظ اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے کچھ عموم رکھتا ہے۔ لیکن درحقیقت انہیں چار گروہوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

## تفسیری نکات

اور یہاں مفسرین نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

marfat.com
Marfat.com

فرمایا: صِرَاطَ مَنْ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ نہیں فرمایا اس لئے کہ لفظ من کبھی نعت عرب میں نکرہ موصوف ہوتا ہے۔ پس معروف اشخاص کا علم جو کہ انعام الٰہی کے ساتھ مشہور ہیں حاصل نہیں ہوتا اور جب ان اشخاص کا علم ان کی ذوات کے ساتھ حاصل نہ ہوا تو مجہول کی پیروی طلب کرنا لازم آتا ہے۔ اور وہ محال ہے۔ اور انعمت فرمایا۔ اور انعام کی نسبت ذات الٰہی کے ساتھ فرمائی تاکہ انعام کے کامل ہونے کا پتہ چلے کیونکہ ذات الٰہی ہر جہت سے کامل ہے۔ اور جو کچھ کامل کی طرف سے آئے کامل ہوتا ہے۔ اور لفظ خطاب لائے تاکہ بندہ کو حاضری کے بعد غیب کی طرف رجوع نہ ہو کہ کور کے بعد حور ہے۔ یعنی کمال کے بعد نقصان ہے۔ اور علیھم اور کو انعمت سے پہلے نہیں لائے کہ اس سے تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا اور تخصیص مثل کو طلب کرنے سے روکتی ہے جبکہ بندہ اس انعام کی مثل طلب کرنے کے درپے ہے۔ پس تخصیص اس کی غرض کے منافی ہے۔ اور انعمت کو بصیغہ ماضی لایا گیا۔ تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ وہ انعام مشکوک ہے۔ کیونکہ مستقبل شک کا مقام ہے۔

## ایک شبہ اور اس کا جواب

اور مفعول انعام حذف کر دیا گیا۔ تاکہ دنیوی اور اخروی انعام کو شامل ہو۔ اور یہاں شبہ وارد ہوتا ہے کہ صراط مستقیم تو ایک راہ ہے۔ اور یہ چاروں گروہ مختلف راہوں والے تو ایک راہ ان چار گروہوں کی راہ کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور یہ بھی ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کا طریقہ اور شریعت جدا اور طریقت میں ہر ولی کی معروفیات اور اذکار جدا جدا ہیں۔ پس راہوں کی کثرت کے باوجود کہ مشہور قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف راستے مخلوق کے سانسوں کی تعداد کے برابر ہیں، راستے کا ایک ہونا کیسے درست ہوگا؟

جواب: اس شبہ کا جواب ایک مثال کے ساتھ دل میں اتر سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مثلاً طب یونانی علاج کی راہ مستقیم ہے۔ اور بقراط اور جالینوس کے وقت سے لے کر علوی خان کے زمانہ تک محفوظ اور جاری۔ اس کے باوجود کہ بقراط اور جالینوس کے علاج اپنے زمانے میں دوسرے طریقے سے تھے۔ اور علوی خان اور حکیم علی گیلانی کے علاج اپنے وقت میں بطور دیگر تھے۔ وہ لوگ مفردات کو استعمال کرتے تھے۔ اور فصد اور اسہال کے ساتھ

marfat.com

Marfat.com

تنقیہ سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ جبکہ ان حضرات نے معجونوں اور شربتوں کے مرکبات سے کام لیا۔ اور ہر مرض میں فصد و اسہال کے تنقیہ سے کام لیا۔ پس معلوم ہوا کہ اس قسم کے اختلافات اور کثرتیں وحدت طریق کے منافی نہیں۔ نیز یونانی طبیبوں میں سے بعض قواعد بنانے والے ہو گزرے اور بعض ان قواعد کی تقلید کرنے والے۔ پس یہ اختلاف بھی راہ کے مختلف ہونے کا سبب نہیں بنتا جس طرح کہ ایک قافلہ ایک شہر سے دوسرے شہر کو ایک ہی راستہ پر روانہ ہوتا ہے۔ اور اس قافلہ میں سے بعض تاجر' بعض بوجھ اٹھانے والے مزدور اور کرایہ کش اور بعض محافظ اور نگہبان۔ حالانکہ سب کے سب ایک ہی راہ پر چل رہے ہیں۔ لیکن اپنے اپنے منصب اور مرتبے کے مطابق مختلف کام کرتے ہیں اسی طرح انبیاء علیہ السلام اسی راہ میں رہبر اور محافظ ہیں۔ اور صدیق' شہید اور صالحین اپنے اپنے مرتبے کے مطابق ہم سفر' ہاتھ پکڑ کر چلنے والے' بوجھ اٹھانے والے اور نگہبان ہیں۔ یہ تمام مرتبے راستے کے ایک ہونے کے منافی اور مخالف نہیں ہیں۔

## اختلاف شرائع کی حقیقت

اور وہ اختلاف جو کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں واقعہ ہے بنیادی طور پر دین میں اختلاف نہیں۔ بلکہ امتوں کی استعداد اور ہر وقت کی مصلحتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے احکام کے جدا جدا ہونے کی بنا پر عوام کی نظر میں اختلاف کا گمان پیدا ہو گیا ہے۔ اور حقیقت میں تمام انبیاء علیہم السلام کے پیش نظر ایک ہی قدر مشترک ہے جس میں اختلاف نہیں مثلاً اگر ایک طبیب موسم گرما میں ایک گرم مزاج بیمار کو پانی کے برتن میں بیٹھنے کا حکم دے اور اس کیلئے ٹھنڈی دوائیں اور تر غذائیں تجویز کرے۔ اور دوسرا طبیب ٹھنڈے مزاج کے مریض کیلئے موسم سرما میں حمام میں بیٹھنا' گرم دوا کھانا اور ہلکی خوراک کا استعمال کرنے کا حکم دے تو یہ ایک دوسرے کے مخالف ہرگز نہیں ہیں کہ اگر پہلا طبیب دوسرے طبیب کی جگہ یا دوسرا پہلے کی جگہ ہوتا اور ایک کا مریض دوسرے کے پاس جاتا تو وہ بعینہٖ وہی حکم کرتا اسی لئے حدیث پاک میں وارد ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام حیات ظاہری میں ہوتے تو انہیں میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

marfat.com
Marfat.com

## متعلقات غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ

اور جو کچھ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ کے ساتھ متعلق ہے یہ ہے کہ جب دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا انعام بندے کے نصیب ہوا تو غضب اور گمراہی کا گمان اس بندے سے کئی مرحلے دور ہو گیا تو پھر غضب اور گمراہی کے بچنے کی کیا حاجت باقی رہی؟ اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ ایک جماعت اپنے آپ کی نعمت والوں یعنی انبیاء و اولیاء کے ساتھ منسوب کرتی ہے۔ حالانکہ وہ غضب و گمراہی کے بھنور میں گرفتار ہے۔ اور اپنی راہ کو انبیاء و اولیاء کی راہ شمار کرتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ٹیڑھی راہ عوام کے ذہنوں میں صراط مستقیم کے ساتھ مشتبہ ہو جائے۔ اور اس جماعت کی اتباع کو انبیاء و اولیاء کی اتباع گمان کریں۔ اور غضب و گمراہی میں گر پڑیں اس اشتباہ کو دور کرنے کیلئے یہ لفظ لائے ہیں۔

## مغضوب علیہ اور ضال کون ہیں؟

اور اکثر مفسرین نے مغضوب علیہ اور ضال کے تعین میں مختلف کلمات بیان کئے ہیں۔ ان میں سے کچھ بیان کئے جاتے ہیں۔ بیضاوی کہتے ہیں کہ مغضوب علیہ سے مراد نافرمانی کرنے والے اور ضال سے جاہل مراد ہیں۔ اس لئے کہ بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کی پوری نعمت یہ ہے کہ اسے حق کی پہچان اور نیک عمل دونوں عنایت فرمائے جائیں۔ اور جسے ان ہر دو نعمتوں سے حصہ نہیں ملا اس پر نعمت تمام نہیں ہوئی۔ پس اگر حق کی معرفت رکھتا ہے مگر عمل خیر نصیب نہیں تو فاسق ہے۔ اور محل غضب اور جو کوئی حق کی معرفت نہیں رکھتا اگرچہ نیک عمل کرتا ہے جاہل اور گمراہ ہے۔ اور پہلے گزر چکا کے مغضوب علیہ دو گروہ ہیں۔ عناد رکھنے والا کافر کہ دیدہ دانستہ انکار کرتا ہے۔ اور جان بوجھ کر نافرمانی کرنے والے کہ دیدہ دانستہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور ضال کے بھی دو گروہ ہیں وہ کافر جو کہ کسی کے پیچھے لگ کر کفر میں گرا ہے یا غور و فکر کم کرنے کی وجہ سے دین کی سچائی اس پر واضح نہیں ہوئی۔ اور نافرمانی کرنے والا جو کہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور عفو پر اعتماد کر کے ارتکاب گناہ کرتا ہے یا غور و فکر۔ علم کی طلب اور اہل ذکر سے پوچھنے میں کوتاہی کی وجہ سے نادانستہ ناجائز کام کرتا ہے

marfat.com
Marfat.com

بعض نے کہا ہے کہ مغضوب علیہ کافر اور ضال بدعتی ہے۔ بعض نے کہا کہ مغضوب علیہ وہ ہے کہ اس سے قیامت کے دن یقینی طور پر بدلہ لیا جائے گا۔ اور ضال عام ہے معافی کا گمان بھی رکھتا ہے۔ اور حدیث صحیح میں حاتم طائی کے بیٹے عدی سے جو کہ حضور علیہ السلام کے صحابی ہیں مروی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے ان دو لفظوں کے معنی پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ مغضوب علیہم یہودی اور ضالین نصاریٰ ہیں۔ اور اس کی تصدیق قرآن مجید میں واقع ہے۔ یہود کے حق میں فرمایا: وباؤا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں لوٹے اور نصاریٰ کے حق میں فرمایا: وَضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ کہ وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے اور بعض نے کہا ہے کہ جس نے صحیح اعتقاد نیک عادت اور عمل صالح میں کمی کی۔ اور جو چاہئے اس میں کوتاہی کی وہ مغضوب علیہ ہے۔ اور جو زیادتی کی راہ چلا وہ گمراہ ہے۔

## غیر المغضوب علیهم ولا الضالین لانے کی حکمت

اور یہاں جاننا چاہئے کہ بظاہر اس لفظ کی حاجت نہ تھی۔ اگر اس طرح فرمایا جاتا کہ اِهْدِنَا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ تو کافی شافی تھا اور ضلال اور غضب کا ذکر اتنا ضروری نہ تھا لیکن ایمان کے دو پر ہیں کہ ان دو پروں کی قوت سے مومن کو اس راہ کی سیر داس پر چلنا میسر آتا ہے۔ اور وہ دو پر خوف اور امید ہیں۔ اور دونوں کو اعتدال پر ہونا چاہئے۔ اسی لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ بخشش کے وعدے کے ساتھ عذاب کی وعید رکھی گئی ہے۔ اور صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم وان عذابی هو العذاب الالیم یعنی میرے بندوں کو خبر دیجئے کہ بے شک میں ہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہوں۔ اور بے شک میرا عذاب وہی دردناک عذاب ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر مومن کے خوف اور امید کو تولا جائے تو دونوں برابر ہیں۔ پس جب انعام کے ذکر نے امید پر دلالت کی تو لازم ہوا کہ غضب و ضلال کا ذکر بھی فرمایا جائے۔ تاکہ خوف پر دلالت کرے۔ اور ایمان کے دونوں رکن برابر ہو جائیں۔ نیز جاننا چاہئے کہ غضب کی نسبت ذات حق کی طرف نہ فرمائی گئی اور اسی طرح گمراہی کی۔ بخلاف انعام کے۔ اس لئے کہ انعام صرف

marfat.com

Marfat.com

فضل ہے کہ اس سے پہلے کوئی استحقاق نہیں۔ جبکہ غضب بندوں کے اعمال کی نحوست اور گمراہی ان کے ادراک کی کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ پس گویا اللہ تعالیٰ صرف انعام کا فاعل حقیقی ہے۔ اور غضب وضلال بندوں کی شرکت اور ان کے استحقاق کی وجہ سے اس سے صادر ہوتے ہیں۔

یہاں غَيْرِ الَّذِيْنَ غَضَبَ عَلَيْهِمْ نہیں فرمایا تا کہ صرف غضب وضلال کے ساتھ مشہور چند معلوم اشخاص سے ہی پرہیز خاص نہ رہے۔ نیز منعم علیہ کے مقابلہ میں ایک گروہ لائے جو کہ مغضوب علیہ ہے۔ اور ضالین جو کہ مہتدین کے مقابل ہے منعم علیہم کے مقابل مقام کے مناسب نہیں۔ لیکن جب منعم علیہم یقینی طور پر ہدایت یافتہ بلکہ ہدایت دینے والے ہیں۔ کیونکہ ان کی راہ کو طلب کرتا ہے۔ اور اس راہ کی ہدایت چاہتا ہے۔ تو لازماً ضالین بھی منعم علیہم کے مقابلہ میں آئے۔ نیز جاننا چاہئے کہ مغضوب علیہم کو ضالین سے پہلے لانا اس حقیقت کی علامت ہے کہ ضالین کے مقابلہ میں مغضوب علیہم کی حالت زیادہ خراب اور آخرت میں ان کی نسبت زیادہ رسوا ہوں گے۔ پس تفسیروں میں مغضوب علیہم کی بدبختی کی ترجیح کی رعایت رکھنی چاہئے تا کہ قرآن پاک کی عبارت کی مخالفت لازم نہ آئے۔

## تمام سورت کی تفسیر کے متعلقات — سات آیات اور سات ارکان کی معنوی مناسبت

اور دوسری قسم سے یعنی جو کہ ہیئت مجموعی کے اعتبار سے تمام سورۃ کے ساتھ متعلق ہے یہ ہے کہ نماز میں اس سورت کی قرأت واجب قرار دی گئی ہے۔ اور محسوس ہونے والے اعمال نماز میں سات رکن ہیں۔ اور اس سورت کی آیتیں بھی سات ہیں۔ نماز کے سات ارکان قیام' رکوع' قومہ' پہلا سجدہ' دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا' دوسرا سجدہ اور قعدہ۔ اور یہ سات اعمال انسان کے بے روح جسم کے سات اعضاء کی مثل ہیں۔ اور یہ سورت بمنزلہ روح ہے۔ اور جب روح جسم کے ساتھ ملتی ہے۔ تو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ پس بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو قیام کے مقابل تصور کرنا چاہئے اس لئے کہ ہر چیز کے وجود کا قیام اس چیز میں اسم الٰہی کے ظہور کی بدولت ہے۔ نیز بِسْمِ اللّٰهِ ہر کام کی ابتداء کیلئے مقرر ہے۔ اور قیام اعمال نماز کی ابتداء ہے۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رکوع کے مقابل ہے

marfat.com

Marfat.com

اس لئے کہ اس صیغہ کے ساتھ حمد کرنے میں حق کی طرف بھی نظر ہے۔ اور مخلوق کی طرف بھی۔ نیز ملاحظہ منعم بھی ہے۔ اور ملاحظہ نعمت بھی۔ پس یہ ایک حالت ہے جو کہ غفلت و استغراق کے درمیان ہے۔ جس طرح رکوع ایک حالت ہے قیام وسجدہ کے درمیان۔ یا یہ کہ جب اس نے حمد میں رب تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو ملاحظہ کیا تو اس کی پشت ان نعمتوں کے وزن سے دوہری ہوگئی۔ اور ٹیڑھی ہوگئی اور رکوع کی شکل بن گئی۔ اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قومہ کے مناسب ہے۔ اس لئے کہ ہر وہ بندہ جو کہ اپنی بلندی کی حالت کو اللہ تعالیٰ کیلئے پستی کی حالت میں بدل دے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اسے اس کی اصل بلندی کی حالت کی طرف لوٹا دیتی ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کیلئے عاجزی اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتا ہے۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پہلے سجدہ کے مناسب ہے۔ اس لئے کہ سجدہ تجلی قہری جلالی پر دلالت کرتا ہے۔ جو کہ خوف شدید اور انتہائی عاجزی اور انکساری کو واجب کرتی ہے۔ اور خاک ہونا اور چہرے کو خاک پر ملنا اسی کے اثر سے ہے۔ نیز يَوْمِ الدِّيْنِ کی ابتداء موت کے بعد سے ہے۔ اور موت جسد انسانی کا اپنی اصل یعنی خاک کی طرف رجوع ہے۔ اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے مناسب ہے۔ اس لئے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ پہلے سجدہ سے فارغ ہونے کا بیان ہے جس میں انتہائی عاجزی واقع ہوئی۔ اور اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ دوسرے سجدہ کیلئے مدد مانگنے کیلئے ہے۔ اور لفظ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ایک بہت ضروری مطلب کا سوال ہے۔ پس یہ دوسرے سجدہ کے مناسب ہے جو کہ قبولیت کا مقام ہے۔ اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ گویا حصول مطلب اور انعام الٰہی وصول کرنے کی نیک فال ہے۔ پس یہ قعدہ کے مناسب ہے۔ کیونکہ بادشاہوں کی یہ ہمیشہ کی عادت ہے کہ جب ان کے غلام انتہائی عاجزی کے ساتھ مجرد اسلام سے فارغ ہوتے ہیں تو وہ انہیں بیٹھنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور ان پر انعام واکرام ہوتا ہے۔ اور اپنے مالک کے سامنے بیٹھنا انعام کا کامل مرتبہ ہے۔ اسی لئے اس مرتبہ کے حاصل ہونے کے بعد التحیات جو کہ شکر و ثناء منعم حقیقی اور اس راہ کے وکیلوں اور رفیقوں پر درود وسلام کو شامل ہے مقرر کیا گیا۔

marfat.com

Marfat.com

## ایک اور مناسبت

اور بعض نے یوں کہا ہے کہ لفظ بِسْمِ اللّٰہِ طہارت کے مناسب ہے۔ اس لئے اسم الٰہی کا نور ناپاکی کی ظلمت کو دور کرتا ہے۔ اور لفظ رحمٰن جو کہ بِسْمِ اللّٰہِ کے اندر ہے استقبال قبلہ کے مناسب ہے۔ اس لئے کہ ایجادی رحمت کا حاصل حق کا اشیاء کی طرف متوجہ ہونا اور چیزوں کو حق کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ اور استقبال قبلہ میں بھی بدن کا مبدء ترابی کی طرف متوجہ ہونا ہے جو کہ کعبہ سے ہے۔ اور مٹی کا جوہر بدن میں سب عناصر سے زیادہ غالب ہے۔ اور سب کی مٹی نقطہ کعبہ سے پھیلائی گئی ہے۔ جیسا کہ اخبار میں مذکور ہے۔ اور یہ حالت روح کے اپنے مبدء کی طرف متوجہ ہونے کا موجب ہوتی ہے جو کہ بنائے کعبہ کے بعد اس مبارک مکان میں جلوہ گر ہے۔ پس دو الفاظ یعنی رحمٰن اور رحیم کو لانے میں استقبال بدنی اور توجہ روحانی کی طرف اشارہ ہے۔ اور حمد قیام کے مناسب ہے۔ کیونکہ خلق کے حق کے ساتھ قائم ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ حتیٰ کہ خلق کی تمام خوبیاں حضرت حق کی طرف لوٹ گئیں اور رَبِّ الْعَالَمِیْنَ رکوع کے مناسب ہے۔ کیونکہ ربّ اور مربوب دونوں کو شامل ہے۔ جس طرح کہ رکوع قیام اور قعود دونوں کے معنوں کو شامل ہے۔ اور رحمٰن ورحیم کا ذکر اعتدال کے مناسب ہے۔ کیونکہ فنا کے بعد بقا لازم ہے۔ اور بقا اعتدال کو لازم کرتی ہے۔ اور مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ مناسب سجدہ ہے۔ ساری مخلوقات اس دن انتہائی عاجزی میں ہو گی۔ اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے مناسب ہے۔ کیونکہ سجدہ کی وجہ سے کمال قرب حاصل ہوا اور بارگاہ کے مقرب کا حق ہے کہ بیٹھے اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ دوسرے سجدہ کے مناسب ہے۔ کیونکہ استعانت مزید عاجزی کا ذریعہ ہے جو کہ سجدہ کی تکرار سے لازم آتی ہے۔ اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ تشہد والے قعدہ کے مقابل ہے۔ کیونکہ صاحب استقامت کے اعزاز کا پتہ دیتا ہے۔ اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ تشہد پڑھنے اور درود شریف اور دعا کے مناسب ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

## حکمت تکرار سجدہ

اور یہاں عوام کے دل میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ارکان نماز میں سے سجدہ میں تکرار

marfat.com

Marfat.com

کیوں فرمائی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے پہلا سجدہ ازل سے مناسب ہے۔ اور دوسرا ابد سے اور انکے درمیان کا بیٹھنا دنیا کی صورت ہے۔ پس اس کی ازلیت سے اس حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ اس سے اول کوئی نہیں۔ پس اس سلبی صفت (کہ اس سے پہلے کوئی نہیں) پر نظر کرتے ہوئے ایک سجدہ کرنا چاہئے۔ اور اس کی ابدیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد کوئی نہیں۔ پس اس صفت پر نظر کرتے ہوئے دوسرا سجدہ کرنا چاہئے۔ نیز پہلا سجدہ آخرت میں دنیا کی فنا کا اشارہ ہے۔ اور دوسرا سجدہ آخرت کے جلال الہٰی میں فنا کا اشارہ ہے۔ نیز پہلا سجدہ کل مخلوقات کے اپنی ذات میں فنا ہونے کا اشارہ ہے۔ اور دوسرا سجدہ ذات حق کی بقا کے ساتھ ساری کائنات کی بقا اشارہ ہے۔ نیز پہلا سجدہ حکم قدرت کے تحت عالم شہادت کا جھکنا ہے۔ اور دوسرا سجدہ ملاحظہ جلال عزت کے حضور عالم ارواح کا جھکنا ہے۔ نیز پہلا سجدہ معرفت ذات وصفات کی نعمت پر سجدہ شکر ہے۔ اور دوسرا سجدہ حقوق کبریائی کی ادائیگی میں کوتاہی کی وجہ سے سجدۂ خوف ہے۔ نیز مشہور ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز آدھا اجر رکھتی ہے۔ پس جب بیٹھ کر پڑھنے کے وقت سجدہ کیا جائے گا تو دو سجدوں کی تواضع ایک رکوع کی تواضع کے برابر ہوئی۔ نیز ہر باب میں دو معتبر گواہ درکار ہیں۔ اور قیامت کے دن یہ دو سجدے بندے کی بندگی کیلئے دو عادل گواہ ہیں۔ نیز وجود کی ابتداء وحدت سے کثرت کی طرف ہے۔ اور فردیت سے زوجیت تک۔ پس وجود کی مسرت کے مناسب یہی ہے کہ دو سجدے مقرر ہوں۔

نیز جسم کا سیدھا ہونا انسانی صفت اور کمر کا جھکا رہنا چارپایوں کی صفت اور زمین پر سر رکھے رہنا حشرات الارض یعنی سانپ' نیولا وغیرہ' کیڑوں مکوڑوں کی صفت ہے۔ پس رکوع میں نفس کی سرکوبی ایک مرتبہ ہے۔ اور سجدہ میں دو مرتبہ۔ اسی لئے سجدہ میں تکرار رکھی گئی تاکہ نفس کی سرکوبی زیادہ حاصل ہو۔

### فائدہ دیگر

سورت فاتحہ میں دس چیزیں ہیں پانچ چیزیں صفات ربوبیت سے اللہ رب رحمٰن' رحیم' مالک اور پانچ چیزیں صفات عبودیت سے عبادت' استعانت' طلب ہدایت' طلب

marfat.com

Marfat.com

استقامت' طلب نعمت و پناہ از غضب۔ عبادت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے استعانت ربّ سے' طلب ہدایت رحمٰن سے' طلب استقامت رحیم سے اور طلب نعمت اور غضب سے پناہ مالک سے تعلق رکھتی ہے۔ نیز آدمی پانچ چیزوں سے مرکب ہے بدن' نفس شیطانی' نفس سبعی' نفس بہیمی جوہر ملکی جو کہ عقل ہے۔ پس جوہر ملکی کا اطمینان تجلی اسم کے ساتھ ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ خبردار اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ اور نفس شیطانی نرم اور مطیع ہوتا ہے اسم ربّ کی تجلی سے رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ اے میرے ربّ میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوں سے اور نفس سبعی یعنی درندہ صفت نفس کی اصلاح اسم رحمٰن کی تجلی سے ہوتی ہے اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ اس دن سچی بادشاہی حضرت رحمٰن کیلئے ہے۔ اور نفس بہیمی یعنی چارپایہ صفت نفس کی اصلاح اسم رحیم کی تجلی سے ہے وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ اور اس کی رحمت سے ہے کہ تمہارے لئے رات اور دن مقرر فرمائے کہ تم اس (رات) میں آرام کرو اور (دن) میں اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو اور بدن کی غلاظت اور میل کچیل کا ازالہ صفت مالکیت کی تجلی سے ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۔ آج کے دن کس کی بادشاہی ہے اللہ واحد قہار کیلئے اور جب ان تجلیات کی برکت سے آدمی اپنے تمام اجزاء سمیت درست اور مہذب ہو گیا تو اپنے مطلب کی طرف پچھلے پاؤں لوٹا' بدن کی اطاعت کیلئے اِيَّاكَ نَعْبُدُ اور نفس بہیمی کو مطیع کرنے کیلئے تاکہ اپنی لذتوں اور بری چیزوں کے ارتکاب کو چھوڑنا آسان ہو جائے وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ لایا۔ اور نفس سبعی کے غلبہ سے خلاصی پانے کیلئے اِهْدِنَا کہا اور اور نفس شیطانی کے فریبوں کو دور کرنے کیلئے استقامت مانگی۔ اور جوہر ملکی کی اصلاح کیلئے ارواح مقدسہ کے ساتھ کی درخواست کی۔ اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے ساتھ ناپاک ارواح سے دوری کی درخواست کی۔

### مزید حکمت

نیز جب بندہ مناجات کے مقام میں کھڑا اور اس نے ذات باری تعالیٰ کی صفات

marfat.com
Marfat.com

کاملہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے لے کر مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ تک ملاحظہ کیں تو بے اختیار اسے سیر الی اللہ کا شوق دامنگیر ہوا اس شوق سے مجبور ہو کر اس نے اس سفر کا پکا ارادہ کرلیا اور ہر سفر میں اخراجات ضروری ہیں اس سفر کا خرچ عبادت ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہا اور جب جانا کہ سفر بہت طویل جبکہ سفر خرچ بہت قلیل ہے۔ نیز اس فاصلے کو طے کرنے میں قوت وفا نہیں کرتی تو کوئی سواری چاہئے تو اس نے وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا تاکہ زاد راہ میں برکت اور اس طویل فاصلے کو طے کرنے کیلئے بارگاہ خداوندی سے سواری کی امداد ہو جائے۔

حضرت ابراہیم ادہم سے منقول ہے کہ آپ راہ حج میں سواری کے بغیر جارہے تھے ایک اعرابی نے آپ سے کہا کہ اے شیخ آپ کا کیا حال ہے کہ اس اتنے طویل سفر کا بغیر کسی سواری کے قصد فرمایا؟ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کئی سواریاں ہیں۔ اگر تکلیف آئے تو میں صبر کی سواری رکھتا ہوں۔ اگر کوئی نعمت آئے تو مرکب شکر اور مقرر شدہ قضا آئے تو رضا کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں۔ اور اگر نفس خلل ڈالے تو قناعت اور زہد کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں۔ اور اگر شیطان وسوسہ ڈالے تو نہبان ذکر کی وجہ سے پناہ میں رہتا ہوں۔ اعرابی نے کہا آپ کا یہ سفر مبارک ہے۔ اور درحقیقت آپ سوار ہیں۔ اور میں پیادہ اور جب بندے نے توشہ اور سواری حاصل کر کے اطمینان کرلیا تو اس کے سامنے مختلف راہیں نمودار ہوئیں تو ناچار اس نے صراط مستقیم طلب کی۔ اور جب راہ مستقیم ظاہر ہوئی تو اس راہ میں اس کیلئے کوئی رہنما اور ساتھی چاہئے تو نبی علیہ السلام کو رہنما اور اولیاء کو اپنے ساتھی مقرر کیا۔ اور اس راہ میں جو پروئے کانٹے اور چٹانیں آتی ہیں غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے الفاظ سے ان سے بچاؤ حاصل کیا۔

## اسمائے سورہ فاتحہ

جاننا چاہئے کہ اس سورت کے بہت سے نام ہیں۔ ان میں بعض ناموں کی وجہ تسمیہ کی تشریح کے ساتھ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس تمام سورت میں جو فوائد رکھے گئے ہیں ظاہر ہو جائیں۔

marfat.com
Marfat.com

## فاتحۃ الکتاب

ان ناموں میں سے ایک نام فاتحۃ الکتاب ہے۔ اور یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ کتاب الٰہی اس سورت سے شروع کرتے ہیں لکھنے میں اور نماز پڑھنے میں بلکہ اس سورت کا نام اور حمد ہر کتاب کی ابتداء ہے۔ اور ہر چیز کا وجود اس چیز میں اسم الٰہی کے ظہور کی وجہ سے ہے۔ اور اس چیز کی بقا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ ہے۔ اور اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام فاتحہ بھی ہے۔ کیونکہ علوم کے فضائل کو کھولتی ہے۔ پس بِسْمِ اللّٰهِ ذات الٰہی اور اس کی صفات کا اشارہ ہے جو کہ ہزاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ اور تمام دین اور شریعت اس کی معرفت اور اس کی عبادت کیلئے ہیں۔ اور لفظ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ذات حق کے اپنے وجود اور صفات کاملہ کے ساتھ عالم میں ظہور فرمانے کی طرف اشارہ ہے۔ اور تمام علوم کی انتہا اسی راز کو جاننا ہے۔ اور حرف یا جو کہ لگانے چپکانے کیلئے ہے اشارہ ہے اسماء وصفات الٰہی کے ساتھ فیض یاب ہونے کی طرف جو کہ نوع انسانی کے کمال کی انتہا ہے۔ اور حمد ان نعمتوں کے شکر کی طرف اشارہ ہے جو کہ تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ان میں سے خاص بدن انسانی میں تبحر طبیبوں کے بیان کے مطابق پانچ ہزار منفعتیں ہیں۔ اور اس مقدار کو اگر اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے ساتھ قیاس کریں تو اس قطرے کی نسبت سے بھی کم تر ہے جو اسے متلاطم دریا کے ساتھ ہے۔ اور اس کے ضمن میں معرفت نفس حاصل ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے تمام خلائق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ موجودات کی اقسام کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے ارواح' عالم شہادت کے اجسام' عالم مثال کے اجسام اور اعراض اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اشارہ ہے تمام اچھائیوں کی طرف اور تمام آفتوں سے خلاصی پانے کے اسباب کی طرف اور یہ بحث علوم کے عظیم مقاصد سے ہے۔

اور مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اشارہ ہے معاد' جسموں سے جدائی کے بعد نفوس کے باقی رہنے' بعض کی سعادت اور بعض کی شقاوت' آسمان وزمین کی تخریب' صور پھونکنے' مرنے کے بعد زندہ کرنے کی کیفیت' میدان قیامت میں کھڑے ہونے' حسنات' میزان عمل' درجات جنت' طبقات نار اور انبیاء علیہ السلام' علماء اور شہداء کی شفاعت کے مرتبوں کی طرف

marfat.com
Marfat.com

اور یہ مقصد علم اعتقاد کے بہت بڑے مقاصد میں سے ہے۔ اور ایاک نعبد' عبادت قلبی اور جسمانی کی قسموں کی طرف اشارہ ہے جو کہ کتب فقہ وسلوک میں ہر طریقہ کے اوراد واشغال میں سے کچھ بیان ہوئے۔ اور اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پیشوں اور صنعتوں کی قسموں کی طرف اشارہ ہے جو کہ دنیا میں رائج اور جاری ہیں۔ کیونکہ بنی آدمی کے تمام پیشے اور ان کی صفتیں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے مدد مانگنا ہے۔ مثلاً کاشتکاری اور زراعت کا پیشہ کہ یہ بیج کی صورت نوعی اور کیفیت زمین کے مقتضیٰ' آب وہوا' سورج' چاند' لوہا' بیل' چمڑا وغیرہ سے استعانت ہے جو کہ سب مخلوق ہیں۔ اور اسی پر تمام پیشوں اور کاموں کو قیاس کرنا چاہئے اسی لئے کہا گیا ہے بنی آدم کی صفتیں تین چیزوں کی طرف لوٹتی ہیں۔

## استنتاج واستخدام ونقل وحکایت

استنتاج یہ ہے کہ کسی چیز کو ایک دوسری چیز کے ساتھ جمع کریں کہ ایک تیسری چیز حاصل ہو مثلاً زراعت اور درخت کہ بیج اور زمین کو اکٹھے کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور مثل نسل' دودھ' دہی اور گھی کے کہ نر کو اس کی مادہ کے ساتھ جمع کرنے سے حاصل ہوتی ہے یا دو مختلف النوع جانوروں کو ملانے سے حیوانات میں۔ اور پیوندکاری اور نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور میں لگانے سے درختوں اور نباتات میں اور صغریٰ اور کبریٰ اور قضیہ شرطیہ اور استثنائیہ کو ملانے سے قیاسات میں اور

## استخدام

یہ ہے کہ کسی چیز کی قوت اور نفع کو اپنے کام میں صرف کیا جائے جیسے جانوروں کی سواری' اور غلاموں' کنیزوں' سائیسوں' درزیوں' ملاحوں اور دوسرے خاص اور مشترک مزدوروں سے خدمت لینا اور

## نقل وحکایت

یہ ہے کہ بعض مخلوقات میں بعض دوسری مخلوقات کے ذریعے ایک خاص صورت' شکل اور کیفیت پیدا کریں جو کہ پسندیدہ چیز کی حکایت کرے۔ مثلاً جب چاہیں کہ سونے اور

marfat.com

Marfat.com

چاندی کو پہننے کے طور پر استعمال کریں تو پہلے انہیں مصالحے اور آگ مسلط کرنے کے ذریعے پانی بنا کر روئی یا ریشم کے دھاگے پر چلائیں تاکہ روئی میں سونے اور چاندی کی چمک دمک اور صفائی پیدا ہو۔ اور روئی سونے اور چاندی کی حکایت کرے۔ جیسے کناری' طاش اور بادلہ وغیرہ اور اسی قیاس پر پرندوں کی آوازوں اور سازوں کے نغمات میں اور پھولوں اور ریحان کی مہک اور گلاب اور کلیوں کے طبعی رنگوں میں غور کرنا چاہئے کہ علم موسیقی عطاری' صباغی انہیں سے پیدا ہوا۔

اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ علوم و معارف حاصل کرنے کے دو طریقوں کی طرف اشارہ ہے جو کہ استدلال اور تصفیہ ہے۔ پہلے کو مشائین کا طریقہ اور دوسرے کو اشراقیوں کا طریقہ کہتے ہیں۔ اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں نبوت و ولایت کے مباحث' اعتقادات صحیحہ' فضیلت والے اخلاق' نیک اعمال' انبیاء کی تواریخ اور اولیاء اور ان کے مقامات و ملفوظات کی طرف اشارہ ہے۔ اور غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں کفار اور بدعتیوں کے گروہوں۔ اور دنیا والوں کے مقالات کا اشارہ ہے اور برے اعمال' ردی عادات اور باطل عقائد سے کنایہ ہے جو کہ مختلف علاقوں اور طویل مدتوں کے دوران پھیلے۔

## سورۃ الحمد

اور ان میں سے ایک نام سورۃ الحمد ہے۔ کیونکہ اس سورت کی ابتداء لفظ حمد کے ساتھ ہے۔ اور اس سورت کی حمد قرآن پاک اور غیر قرآن کے تمام محامد کو شامل ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر بیان کیا جائے گا۔

## سورۃ الشکر

اور ان میں سے ایک نام سورۃ الشکر ہے۔ کیونکہ حمد شکر کی بنیاد ہے۔ اور اس سورت میں شکر کی وجوہ کو جمع فرمایا گیا ہے۔ اور وہ تین وجہیں ہیں دل سے محبت' زبان سے تعریف اور اعضاء کے ساتھ خدمت۔ جیسے کہ ان سب کی تفصیل گزر چکی۔

marfat.com
Marfat.com

## سورۃ الکنز

اور ان میں سے ایک نام سورۃ الکنز ہے۔ کیونکہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا ہے کہ سورۃ فاتحہ عرش کے نیچے ایک خزانے سے اتری۔ اس سے مراد معرفت کے اسرار ہیں جو کہ ذات' اسماء' افعال' معاد' صراط مستقیم' جزا' علم مخاصمہ اور علم احکام کی معرفت کو شامل ہیں۔ پس اللہ ایک نام ہے جو کہ ذات و اسماء کو جامع ہے۔ اور حرف با جو کہ الصاق کیلئے ہوتی ہے کا اشارہ اس طرف فرمایا گیا کہ اشیاء کے وجود اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسماء کے ساتھ قائم ہیں۔ جس طرح کہ جسم کا قیام روح کے ساتھ ہے۔ اور وجود اشیاء کا یہی راز ہے۔ لیکن یہ اس طریقہ سے نہیں کہ اس پر واجب ہے۔ بلکہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ کمالات ذاتیہ کا فیض عطا فرماتا ہے۔ پس لفظ رحمٰن اور رحیم میں معرفت افعال بیان ہوئی۔ اور افعال کا راز بھی ظاہر ہو گیا کہ اس کے افعال کمال ذاتی کی بنا پر ہیں جو کہ حمد کا مقتضیٰ ہے۔ کیونکہ کامل کی شان یہ ہے کہ غیر کی تکمیل کرے نہ کہ اپنی تکمیل چاہے۔ اس لئے کہ وہ سب کا رب ہے۔ پس کل مخلوقات کو کمالات کا فیض عطا فرمانا اسی سے ہے۔ اور اگر کسی کمال کے حاصل کرنے کا فیض پہنچاتا تو طالب عوض ہوتا اور لام استغراق اور لام اختصاص کے ساتھ بیان فرمایا کیونکہ اس کی حمد محیط ہے۔ اس لئے کہ جو چیز بھی دنیا میں کسی وجہ سے بھی تعریف کی مستحق ہے سب اسی کے فیض سے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ بہتر طور پر اس حمد سے محمود ہوگا۔ اور اسی لئے کہا گیا ہے حمد کو تیری ذات سے ایسی صحیح نسبت ہے کہ جس کے دروازہ بھی کوئی جائے وہ تیرا ہی دروازہ ہے۔

پھر حمد کے راز کا اشارہ فرمایا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کی تربیت رحمت فرماتا ہے کہ پہلے تو ہر چیز کو۔ جیسا کہ چاہیے تھا پیدا فرمایا پھر وہ اپنی بقا کیلئے جس چیز کی محتاج ہے اسے بخشی اور تمام نہ ختم ہونے والے کمالات کی گنجائش دی اور معاد کا اشارہ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے ساتھ فرمایا۔ اور مالکیت کے محیط ہونے کا اشارہ بھی فرمایا۔ اور مالکیت کی اضافت اس زمانے کی طرف کر کے جو کہ بندوں کو محیط ہے۔ یعنی يَوْمِ الدِّيْنِ مالکیت کے محیط ہونے کا اشارہ بھی فرمایا۔ اور معاد کے راز کا بھی یہی اشارہ فرمایا جو کہ

marfat.com
Marfat.com

رحمت کا تقاضا ہے۔ اس لئے کہ ظالم سے مظلوم کیلئے بدلہ لئے بغیر مظلوم پر رحمت پوری نہیں ہوتی۔ اور عابدوں کی عبادت ہر نعمت تمام نہیں ہوتی مگر ایک کلمہ اور ایک عمل پر ملک ابد بخشنے کے ساتھ پھر صراط مستقیم کا اشارہ فرمایا ہے۔ اور اس کے دو رکن ہیں عبادت کے ساتھ جلا بخشا' اور استعانت کے ساتھ تزکیہ اور صراط مستقیم کا راز بھی بیان فرمایا کہ اس کا نتیجہ شکر ہے جو کہ حمد کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے۔ اور صبر ہے جو کہ عبادت کے لفظ سے ظاہر ہوا پھر عبادت کے خلاصہ کا پتہ دیا جو کہ دعا ہے۔ اس لئے کہ وہ عاجزی اور زاری کو ضمن میں لئے ہوئے ہے جو کہ ممکن و محتاج ہونے کی نسبت کا اظہار ہے۔ اور یہ روح عبودیت ہے۔ اور انعام و غضب کا ذکر کر کے جزا کا اشارہ فرمایا۔ اور جزا کا راز بھی بیان فرمایا جو کہ عبادت اور استعانت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ربوبیت کا حق عبادت اور عبودیت کا حق اعانت ہے۔ اور جب دونوں حق جمع ہو گئے تو ہدایت یا گمراہی کی راہ کے ہر سالک کیلئے جزا کا حصول لازم ہوا استدلال کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ افراد عالم میں سے ہر فرد کی نسبت بلا واسطہ الوہیت' ربوبیت' رحمت اور مالکیت رکھتا ہے۔ پس واسطوں کو درمیان میں لانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور ان امور میں شرک کا عقیدہ رکھنا کس لئے؟ (اقول و باللہ التوفیق' اس واسطہ سے مراد وہ ہے۔ جسے کفار اختیار کئے ہوئے تھے جس کا اظہار انہوں نے یوں کیا مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى قرب خداوندی کیلئے وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شرک ہے اس سے اس وسیلہ کی نفی نہیں ہوتی جو کہ خود ارشاد خداوندی ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ الخ اور اس کی وضاحت حضرت مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے صفحات گزشتہ میں اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تفسیر میں فرمائی ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ) کیونکہ جب سب کے سب اسی کی ربوبیت اور رحمت کے محتاج اور اسی کے مملوک ہیں تو پھر شریک ٹھہرانے سے تو عابد اور معبود کی برابری لازم آئی۔ نیز ایک طرف انتہائی عاجزی اور دوسری انتہائے عظمت نہ رہی اور عبادت و استعانت کے ساتھ علم احکام شرعیہ کی طرف اشارہ فرمایا جو کہ تمام عبادت اور معاملات کو جمع کئے ہوئے ہے۔

marfat.com

Marfat.com

## سورۃ المناجات

اور ان میں سے ایک نام سورۃ مناجات ہے۔ کیونکہ نمازی اس سورۃ کے ساتھ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں مناجات کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت کی سختیوں سے نجات عطا فرماتا ہے۔

## سورۃ التفویض

اور اس کا ایک نام سورۃ التفویض ہے۔ اس لئے اس میں حقیقی استعانت کو حضرت حق جل جلالہ کے ساتھ خاص فرمایا گیا۔

## سورۃ وافیہ

ایک نام سورۃ وافیہ ہے۔ اس لئے کہ اس کا مضمون معراج نماز کے ساتھ پورا اترتا ہے۔ کیونکہ بِسْمِ اللّٰہِ کی با تمام موجودات کے اسی سے ظاہر ہونے کا اشارہ ہے۔ پس وہ تمام اشیاء سے زیادہ ظاہر ہے۔ لیکن انتہائی طور پر ظاہر ہونے کی وجہ سے مخفی ہے۔ یہاں تک کہ وجود اور تمام کمالات کا فیض عطا کر کے اس کی رحمت عام ہوئی۔ یہاں تک کہ تمام خوبیوں کا مستحق ہوا اور ہر چیز کی پرورش فرمائی پہلے تو وجود عطا کر کے۔ دوسرے ماہیات کے تابع خصوصیتیں عطا فرما کر اور یہ کمالات اشیاء کی ذوات کا تقاضا نہ تھا اس لئے کہ قیامت کے دن اس کی شان قہاری کے سبب سے تمام کمالات ذوات سے جدا ہو جائیں گے ہاں ان کمالات کے عوض اہل عبادت و استعانت کو دوسرے کمالات عطا فرمائے جائیں گے۔ پس ان کمالات کو طلب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہدایت استقامت اور انعام اسی سے طلب کئے جائیں۔ اور کمال کے بعد نقصان اور نقصان کی طرف لوٹنے کو مضر سمجھ کر اس سے پرہیز کی جائے۔

## سورۃ الشفا والشافیہ

اس کا نام سورۃ الشفا والشافیہ بھی ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ فاتحۃ الکتاب ہر بیماری سے شفا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کا نور اس

marfat.com

Marfat.com

ظلمت کو دور کر دیتا ہے جس سے بیماریوں کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس آفت کے منافی ہے جس کی بیماری سے توقع ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد نعمت کو کھینچتی ہے اس آیت کے مطابق لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ نعمتیں عطا کروں گا اور حالت مرض میں جو نعمت درکار ہے وہ شفا اور صحت ہے۔ اور اقرار ربوبیت' آثار تربیت کے فیضان کا تقاضا کرتا ہے۔ کہ اس کی وجہ سے شفائے کامل ہوتی ہے۔ اور رحمت کے ذکر سے اپنے افعال کے کمال کو چاہتا ہے جو کہ کمال صحت پر مرتب ہوتا ہے۔ اور قیامت کے دن کی مالکیت حمد کی جزا کے طریقہ سے مرض کے اسباب کو توڑنا اور اسباب شفا کی تقویت دینا طلب کرنا ہے۔ اور ہدایت طلب کرنے میں دوا کی تجویز اور مرض کی تشخیص میں غلطی سے بچنے کا اشارہ ہے۔ اور استعانت کے ساتھ بدن کے احوال کی استقامت چاہتا ہے۔ جو کہ روح کی سواری ہے۔ اور انعام کے ساتھ اشارہ کرتا ہے کہ شفا کے بعد کی پرہیز شکنی سے جو لذیذ اور پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے مجھے نفع حاصل ہو۔ اور غضب وضلال کو دور کر کے بری تدبیر اور اسباب مرضی کے لوٹنے سے پرہیز کرتا ہے۔

## سورۃ رقیہ

اور ان میں سے ایک نام رقیہ ہے۔ اس لئے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا گزر ایک مرگی والے مریض پر ہوا اس نے یہ سورت پڑھ کر اس پر دم کیا اس دورے والے مریض کو شفا ہوگئی۔ اور اس کی وجہ مناسبت گزر چکی۔

## اساس

اور ایک نام اساس یعنی بنیاد ہے۔ اس لئے کہ امام شعبی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ سب آسمانی کتابوں کی بنیاد قرآن پاک اور قرآن پاک کی بنیاد فاتحۃ الکتاب ہے۔ پس جب بھی تجھے بیماری آئے تو تجھے چاہئے کہ تو اساس قرآن سے التجا کرے۔ اور شفا حاصل کرے۔ نیز یہ سورۃ نماز کا رکن ہے۔ اور نماز تمام طاعتوں کی بنیاد ہے۔ کیونکہ وہ بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ نیز نماز مناجات اور مشاہدہ کے مقام تک

marfat.com
Marfat.com

پہنچاتی ہے جو کہ تمام کمالات کی بنیاد ہے۔ نیز اس سورت میں معاد کو مبدء یعنی آخرت کو دنیا کے ساتھ مراتب کی ترتیب کے مطابق مربوط فرمایا گیا ہے۔ اور ہر مرتبہ دوسرے مرتبہ کی بنیاد ہے۔ مثلاً انعام ہدایت اور استقامت پر مرتب ہوتا ہے۔ جبکہ غضب ان کی ضد پر اور ہدایت عبادت میں استقامت پر موقوف ہے۔ اور عبادت دنیا وآخرت میں افعال الٰہی کو جاننے پر موقوف ہے کہ رحمٰن رحیم اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ان افعال کا پتہ دیتے ہیں۔ اور افعال الٰہی اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے آثار ہیں کہ ان پر حمد مرتب ہوتی ہے۔

## سورۃ الصلوٰۃ

اس کا ایک نام سورۃ الصلوٰۃ ہے کہ نماز میں اس سورت کا پڑھنا ضروری ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دربار خداوندی سے حکایت فرمائی ہے کہ (رب تعالیٰ نے فرمایا ہے) میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو برابر حصوں میں تقسیم فرمایا ہے جب بندہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہتا ہے۔ تو حق تعالیٰ ملائکہ کی حاضری میں فرماتا ہے کہ دیکھو میرے بندے نے مجھے یاد کیا۔ یعنی وہ ذکر جو کہ ذات اسماء صفات اور میرے افعال کو جامع ہے اس سے ظاہر ہوا اور جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی یعنی ایسی تعریف جو کہ تمام تعریفوں کو جامع ہے۔ اور جب بندہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہتا ہے۔ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے مجھے بزرگی اور تعظیم کے ساتھ یاد کیا کیونکہ اس نے ہر چیز کو میری طرف منسوب کیا۔ اور اس نے جان لیا کہ میری طرف سے ہر چیز کی ایجاد حکمت اور منفعت کے عین مطابق ہے۔ اور جب بندہ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہتا ہے۔ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے میرے بندے نے بزرگی کے ساتھ خاص کیا۔ کیونکہ اس نے اس دن کو یاد کیا کہ اس دن کسی دوسرے کو اصلاً نہ ملک ہوگا نہ ملک اور جب بندہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہتا ہے۔ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس آیت کا مضمون میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے۔ کیونکہ عبادت میرا حق ہے کہ ربوبیت کا تقاضا ہے۔ اور امداد بندے کا حق ہے۔ کیونکہ عبودیت

marfat.com
Marfat.com

کے لوازمات سے ہے میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ سے اس نے میرا حق ادا کیا۔ اور ایاك نستعین لک ے ساتھ اس نے اپنے حق کی درخواست کی۔ اور جب بندہ اھدنا الصراط المستقیم سے سورت کے آخر تک پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتا ہوے کہ یہ تمام میرے بندے کے لیے ہے اور میں نے بندے کو اس کی طلب عطا فرمائی یعنی ہدایت' استقامت اور انعام کی طلب اور غضب وضلال سے پناہ۔ یہ سب بندے کے منافع ہیں۔ اور بندہ عاجزی کے طریقے سے جو کہ روح عبودیت ہے ان کا تقاضا کرتا ہے۔ پس ربوبیت کا حق تقاضا کرتا ہے کہ اسے ان مقاصد تک پہنچا دیا جائے۔

## سبع المثانی

ان میں سے ایک نام سبع مثانی ہے۔ یعنی وہ سات آیتیں جن کی ہر نماز میں تکرار کی جاتی ہے۔ اور وہ سات آیتیں یہ ہیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جو کہ باب ذکر کی کنجی ہے۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ جو کہ باب شکر کی کنجی ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جو کہ رجاء وامید کے دروازے کی کنجی ہے۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ جو کہ خوف اور ڈر کے دروازے کی چابی ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ جو کہ باب اخلاص کی کنجی ہے۔ اور اخلاص معرفت عبودیت اور معرفت ربوبیت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ دعا اور عاجزی کی کنجی ہے۔ اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ آخر سورہ تک اویسیت کے دروازہ کی چابی ہے۔ اور پاکیزہ ارواح کی اقتداء اور برکات اور ان کے انوار کے نزول کی طلب ہے کہ اس کی وجہ سے سالک کو کجی میں لوٹنے سے بے خوفی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور قرآن پاک کے حکم کے مطابق کہ جب قرآن پڑھو تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو جب آٹھواں کلمہ کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ہے کہ ان سات آیتوں کے ساتھ ملایا جائے تو جنت کے آٹھ دروازوں کیلئے آٹھ روحانی کنجیاں ہاتھ آ جاتی ہیں۔

(اقول و باللہ التوفیق حضرت مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں قرأ مکہ' کوفہ اور اکثر فقہاء حجاز کے مطابق بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو سورۃ فاتحہ کا جزو بنانا ہے۔ لیکن قرأ مدینہ عالیہ بصرہ اور امام اعظم ابوحنیفہ اور علاوہ ازیں دوسرے فقہاء کوفہ اس طرف گئے ہیں کہ

marfat.com

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قرآن کی آیت ہے مگر جزو فاتحۃ الکتاب نہیں۔ چنانچہ مسلم اور بخاری دونوں میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وخلف ابی بکر و خلف عمر فلم یجھر احد منھم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پیچھے نمازیں ادا کیں ان میں سے کسی نے بھی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جہر کے ساتھ نہیں پڑھی۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے نماز اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کردی۔ بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الخ دیکھیے یہاں حضور علیہ السلام نے بِسْمِ اللّٰهِ سے بات شروع نہیں فرمائی یہ بھی اس امر پر دلالت ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جزو فاتحہ نہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

## قرآن عظیم

اور ان میں سے ایک نام قرآن عظیم ہے۔ اس لئے کہ یہ سورۃ ثواب میں تمام سورتوں سے اعظم اور افضل ہے۔

## سورۃ تعلیم المسئلۃ

ایک نام تعلیم المسئلۃ یعنی دعا کی تعلیم ہے۔ اس لئے کہ اس سورت میں بندوں کو اپنے پروردگار سے سوال کرنے کے آداب تعلیم کئے گئے کہ پہلے ثنا اس کے بعد اخلاص اور اس کے بعد دعا مانگیں۔

## کافیہ

ان میں سے ایک نام کافیہ یعنی کفایت کرنے والی ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ سورت دوسری سورتوں سے کفایت کرتی ہے۔ اور کوئی دوسری سورت اس سے کفایت نہیں کرتی۔

marfat.com
Marfat.com

## ام الکتاب وام القرآن

ان میں سے ام الکتاب اور ام القرآن نام ہے۔ کیونکہ یہ سورت ان تینوں علموں کو شامل ہے جو کہ بندہ کے علمی اور عملی کمال کا سبب ہوتے ہیں۔ اور وہ تین علوم یہ ہیں علم شریعت یعنی شرعی ذمہ داریاں (۲) علم طریقت یعنی معاملات قلبی کو پہچاننا (۳) علم حقیقت مکاشفات ارواح کو پالینا' علم شریعت کی دو قسمیں ہیں۔ اول بنیادی عقائد' دوسرے علم اصول سے فرعی احکام۔ اس سورت میں پہلے معرفت ذات ہے کہ وہ ایسی چیز ہے کہ تمام موجودات اسی کے ساتھ قائم ہیں۔ جس طرح کہ اجسام' ارواح کے ساتھ قائم ہیں۔ پھر اس ذات مقدس کے وجود کی معرفت ہے اس دلیل سے کہ اپنی رحمت سے ممکن کی (وجود و عدم) دونوں طرفوں میں سے ایک طرف کو ترجیح دی۔ پس لازماً وہ خود بھی موجود ہے۔ پھر اس کی صفات کی معرفت ہے۔ اس طرح کہ اس کی تمام صفات' کمالات ہیں جو کہ کامل حمد کا سبب ہیں۔ اور اس کی دلیل تربیت ہے۔ کیونکہ حیات' علم' ارادہ اور قدرت کے بغیر پرورش کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اور رحمت بھی اس کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ حقیقت رحمت یہ ہے کہ جو چیز درکار ہو بخشی جائے۔ اور بخشا مرحومین کے حالات کو تفصیلی طور پر جانے بغیر جو چیز ہر کسی کے پورے طرح لائق ہے جانے بغیر۔ ہر چیز ہر کسی کو پہنچانے مختلف جہانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کرنے اور ایک ہی تدبیر کو تمام کثرتوں میں جاری کرنے کی قدرت کے بغیر ممکن نہیں۔ نیز اس کی دلیل جزا دینا ہے۔ اس لئے کہ جزا مکلفین کے اقوال کو سنے' ان کے افعال کو دیکھے بغیر اور بغیر اس کلام کے کہ اس سے تکلیف دیں ممکن نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کے اسماء کی معرفت ہے۔ اس طرح کہ حقائق اسماء قریبی وسائل ہیں' اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان اور ان حقائق کی وجہ سے وہ دیکھتا' سنتا اور مہربان ہوتا ہے۔ اور بعض کو بعض پر فضیلت دیتا ہے۔ پھر معرفت توحید اس دلیل سے ہے کہ وہ ماسوا کا رب ہے۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے اسی کی ربوبیت سے فیضیاب ہے۔ پس مرتبہ اور مقام میں اس کا شریک نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے ہوتے دوسرے کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔ پس اگر کوئی دوسرا معبود فرض کریں تو لغو ہوگا اور لغو الوہیت کے قابل نہیں پھر عبادت کیلئے اس کے

marfat.com

Marfat.com

استحقاق کی معرفت ہے اس دلیل سے کہ ہر چیز ہر حالت اور ہر حاجت میں اسی کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اور اسی کے دربار کی محتاج ہے ابتدائی حالت میں اس کے دربار کی احتیاج ربوبیت کی وجہ سے درمیانی حالت میں رحمانیت اور رحیمیت کی وجہ سے اور انتہائی حالت میں روز جزا میں اس کی مالکیت کی وجہ سے اور جب وہی ہے جو کہ ان حالات اور ان حاجات کے وقت انعام اور فضل فرماتا ہے۔ تو عبادت کا مستحق بھی وہی ہوگا۔

پھر نبوت' ولایت اور مراتب ایمان کی معرفت صِرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اور صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں مذکور ہے۔ اور کفر بدعت اور فسق کی معرفت غضب وضلال میں پیش نظر ہے۔ اور نیک بختی اور بد بختی کی معرفت انہیں دو معرفتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اور فضل و عدل کی معرفت ان دو صفات سے ہے کہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کی معرفت یہیں سے دریافت کی جاتی ہے کہ عبادت سے استقامت رونما ہوتی ہے۔ اور استقامت سے انعام اور شقاوت وضلالت پر غضب مرتب ہوتا ہے۔ اور قضا و قدر کی معرفت' عبادت اور استعانت کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر شرعی ذمہ داریوں کے خلاف مقدر نہ فرماتا تو استعانت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ ابتداء کی معرفت بِسْمِ اللّٰهِ سے مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ تک ہے۔ اور آخرت کی معرفت مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ سے انعام و غضب کے ذکر تک ہے۔

اور علم فروع سے نعبد کے ساتھ معرفت عبادات اور نستعین کے ساتھ معاملات' مناکحات اور فیصلوں کی معرفت ہے۔ کیونکہ معاملات میں حرص' عقل کا مقابلہ کرنے والی ہوتی ہے۔ پس واجب' مستحب' مباح اور صحیح کو ہدایت سے جانا جاسکتا ہے۔ جبکہ حرام' مکروہ اور فاسد کو غضب وضلال سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ معاملات اور عبادات کا ماخذ جو کہ امر اور نہی ہے عبادت و غضب کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے۔ اور امر و نہی کا نتیجہ جو کہ وعدہ اور وعید ہے انعام اور غضب سے منکشف ہوتا ہے۔

اور علم طریقت

جو کہ قوت نظریہ اور عملیہ کے کمال کی معرفت ہے صراط مستقیم سے ادا کیا گیا۔ اور ان

marfat.com
Marfat.com

بر دو قوتوں کے نقصان کو غضب وضلال کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ اور ابتدائے سلوک میں علم طریقت میں جس کی رعایت واجب ہے اس کا نام عبادت ہے۔ سلوک کے وسط میں اس کا لقب استعانت ہے۔ اور انتہائے سلوک میں استقامت نام ہے۔ اور اوصاف نفس کی معرفت' غضب وضلال کے ذکر سے معلوم کی جا سکتی ہے کہ اس کی حقیقت راہ استقامت سے پھر جانا ہے۔ اور اوصاف قلب کی معرفت' استقامت وہدایت سے پہچانی جا سکتی ہے۔

اور تخلیہ کی معرفت عبادت سے اور تجلیہ کی معرفت ہدایت واستقامت کے ساتھ ہے۔ اور تخلیہ میں دونوں شہوتوں سے پاک ہونا لازم ہے۔ اور اسی کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے جو کہ شہوت کی ضد ہے۔ نیز غضب سے پاک ہونا ضروری ہے۔ اور رحمت الٰہی کے ذکر سے اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اس لئے کہ جو رحمت الٰہی کا امیدوار ہو گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت پانے والے پر غضب کرنا کیونکر جائز ہو گا۔ اور حدیث پاک میں وارد ہے۔

**الراحمون یرحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحکم من فی السماء**

رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والے رحم فرمائیں گے۔ اور حرص سے پرہیز' استقامت کے ساتھ بیان فرمائی گئی۔ کیونکہ حرص اکثر راہ استقامت سے پھسلا دیتی ہے۔ اور شہوت' غضب اور حرص کی فروع سے چند چیزیں ہیں۔

اول حسد اور اس سے خلاصی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کے ساتھ ہے۔ اس لئے کہ اس امر پر دلالت ہے کہ بندہ تمام مخلوقات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی عطاؤں پر راضی اور خوش ہے۔ اور حسد اس خوشنودی کی ضد ہے۔ دوسری چیز بخل اور اس سے خلاصی رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کے معنی کو ملاحظہ کرنے سے ہے۔ اس لئے کہ جب ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ تو جو چیز اس کی ملک ہی نہیں اس میں بخل کا کیا معنی؟ تیسری چیز عجب یعنی تکبر ہے۔ اور اس سے خلاصی کا راستہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے مضمون سے ہے۔ اور چوتھی چیز کبر ہے۔ اور اس سے خلاصی کا راستہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے مضمون سے ہے۔ اور پانچویں کفر و بدعت ہے۔ اور ان دونوں سے بچنے کی راہ' غضب وضلال سے پرہیز کرنے میں ہے۔

نیز تجلیہ میں اخلاق کا اعتدال ضروری ہے۔ جیسے پارسائی' شجاعت اور سخاوت اور

marfat.com
Marfat.com

اعتقادات میں اعتدال ضروری کہ کمی بیشی کی طرف مائل نہ ہو۔اور اعمال میں بھی تاکہ حد رہبانیت سے محفوظ اور مہمل اور قاصر ہونے سے گزر جائے۔اور اس اعتدال کی طرف اشارہ صراط مستقیم کے ساتھ واقع ہوا ہے۔نیز تجلیہ میں زہد محبت اور شوق بھی ضروری ہے۔اور ان سب کو حمد کے ساتھ ادا فرمایا اس لئے کہ جب تمام نعمتیں اسی کی طرف سے دیکھیں تو اسباب اس کی نظر سے گر گئے اور اسباب سے بے رغبتی حاصل ہوگئی۔اور منعم سے محبت اور شوق ہر انسان بلکہ ہر حیوان کی جبلت ہے۔نیز تجلیہ میں محتاج ہونے کا اظہار بھی ضروری ہے۔اور وہ استعانت کے ساتھ بیان ہوا اور عاجزی کا اظہار بھی اور وہ عبادت سے سمجھا گیا۔اور معرفت عزت ربوبیت اور ذلت بشریت بھی ضروری اور یہ مضمون رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ کو جمع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

نیز تجلیہ میں معرفت کے بغیر چارۂ کار نہیں۔اور معرفت کا بائے الصاق سے پتہ دیا گیا ہے۔یعنی روحانی تعلق جو کہ بندے کو اپنے خالق کے ساتھ حاصل ہے۔لوگوں کے ربّ کو بے کیف اور قیاس سے بالاتر تعلق لوگوں کی جان کے ساتھ ہے۔اور پانچ اسماء کو یہاں اس سورۃ میں یاد کر کے مقام ذکر کا نشان دیا گیا۔اور مقام شکر کا حمد سے۔مقام رضا کا رحمت سے مقام خوف کا یوم جزا کی مالکیت اور ذکر غضب سے۔مقام اخلاص کا اِيَّاكَ نَعْبُدُ سے۔مقام دعا کا اهــدنـــا سے۔ارواح طیبہ کی اویسیت کے مقام کا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور بری صحبت اور ناپاک روحوں کے توسل سے بچنے کا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے نشان دیا گیا۔میرے پیر صحبت کی پہلی نصیحت یہ ہے کہ ناپاک مصاحب سے پرہیز کرو۔

## اور علم حقیقت

جو کہ علم مکاشفہ ہے اس سورت سے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ سر ربوبیت کی معرفت کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے حاصل ہوتی ہے۔اس لئے کہ ہر حمد کا رجوع اس کی طرف نہیں ہے مگر ہر شے کے وجود کے اس کی ذات سے قائم ہونے کی وجہ سے اور تسمیہ کی با اسی پر دلالت کرتی ہے۔اور تجلی جلال کی معرفت مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اور ذکر غضب سے۔

marfat.com
Marfat.com

معرفت تجلی جمالی ذکر رحمٰن ورحیم اور انعام سے۔ کمالات الٰہی کی معرفت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک مفہوم سے۔ اسماء الٰہی کی معرفت پانچ اسماء کے ذکر سے' معرفت نفس ذکر ضلال سے' معرفت قلب استعانت سے' معرفت روح ہدایت سے' معرفت سر وخفی اور اس سے اوپر کے مقامات کی معرفت' ذکر استقامت وانعام سے' سر نبوت کی معرفت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے تا الرحیم اور ذکر انعام سے اور معرفت وحی لفظ با سے ہے۔ کیونکہ وحی کی حقیقت' بعض روحوں کا بعض کے ساتھ متصل ہوتا ہے یہاں تک کہ اتصال کا یہ سلسلہ ذات حق تک پہنچے اور ختم ہو جائے۔ اور نبوت وولایت کے درمیان فرق کی بحث صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں تابع اور متبوع کے ذکر سے جانی جا سکتی ہے۔ اور احوال ومقامات کی بحث اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اور ذکر ہدایت واستقامت وانعام سے سمجھی جا سکتی ہے۔ اور علم الیقین کا مرتبہ غائب کے صیغوں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک کے الفاظ میں سے حاصل ہوتا ہے۔ اور عین الیقین ایاک کے خطاب سے اور حق الیقین کی معرفت' رحمت' ہدایت' انعام اور استقامت کے ذکر سے۔ اور قضا وقدر کا ستر لفظ رحیم سے سمجھا جا سکتا ہے جو کہ ہر کسی کو اس کی استعداد کے مطابق تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔

اور اسرار عبادت کی معرفت' اسے پانچ اسماء کی فرع کی شکل میں لانے سے جانی جا سکتی ہے۔ اور اسرار معاملات کو ہدایت کے استعانت کی فرع کے طور پر لانے سے پہنچانا جا سکتا ہے۔ اور اخروی اسرار' مستقیم پر انعام اور غیر مستقیم پر غضب کے ذکر سے دریافت ہوئے۔ اور عالم غیب کیلئے عالم شہادت کی تسخیر لفظ استعانت سے سمجھی گئی اور ذات حق میں ماسویٰ کی فنا مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے ظاہر فرمائی اور بقا کی معرفت' استقامت وانعام کے ساتھ ارشاد فرمائی گئی۔

## آدمی میں شیطان کی مداخلت کا بیان

یہاں جاننا چاہئے کہ شیطان کے داخل ہونے کی جگہ کہ اکثر آدمی کے دل میں اسی طرف سے آتا ہے تین راستے ہیں۔ شہوت' غضب' حرص' شہوت کو بہیمیت (چارپایوں کی طرح ہونا) غضب کو سبعیت (درندگی) اور حرص کو شیطانیت کہتے ہیں۔ غضب کا مرتبہ

marfat.com

Marfat.com

شہوت سے اونچا ہے۔ اور حرص کا مرتبہ غضب سے بالاتر ہے کہ انسان شہوت کی وجہ سے اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ اور غضب کی وجہ سے اپنے غیر پر جبکہ حرص کی وجہ سے اپنے پروردگار کے حقوق ضائع کرتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں وارد ہے کہ ظلم تین ہیں ایک ظلم بخشا نہیں جاتا' ایک ظلم (کا بدلہ) چھوڑا نہیں جاتا۔ اور ایک ظلم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چھوڑ دے جو ظلم بخشا نہیں جاتا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ اور جو چھوڑا نہیں جاتا وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔ اور جسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چھوڑ دے وہ انسان کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے۔

اور آدمی میں شہوت کا نتیجہ دو چیزیں ہیں لالچ اور بخل اور غضب کا نتیجہ بھی دو چیزیں ہیں خود بینی اور تکبر۔ حرص کا نتیجہ بھی دو چیزیں ہیں: کفر و بدعت۔ اور ان چھ چیزوں کے جمع ہونے سے آدمی میں ایک ساتویں خصلت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ مذموم اخلاق کا نقطہ انتہا ہے۔ اور اسے حسد کہتے ہیں۔ ایمانی حکمت کے حکماء یوں فرماتے ہیں کہ مذموم اخلاق میں حسد کا مرتبہ لعینیوں کے درمیان شیطان کے مرتبے کی مثل ہے۔ جب یہ ابتدائی گفتگو معلوم ہوئی تو جاننا چاہئے کہ وہ تین اسماء جو کہ بِسْمِ اللّٰہِ میں واقع ہیں تین بنیادی مذموم اخلاق کو دفع کرنے کیلئے ہیں۔ اور سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں' سات فرعی مذموم اخلاق دور کرنے والی ہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا ہو۔ اور حرص کا شیطان اس سے بھاگ گیا۔ اور جس نے اس کی رحمانیت کو پالیا غضب سے بالکل پاک ہو گیا۔ اور جس نے اس کی رحیمیت کو اپنے میں دیکھا وہ کبھی روا نہ رکھے گا کہ اپنے آپ پر ظلم کرے۔ اور اسے افعال بہیمیہ سے ملوث کرے۔ اور جب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا مرتبہ شکر حاصل کیا۔ اور موجود پر قناعت کرنا اس کا نصیب ہوا اور شہوت کے بت کو توڑ دیا اور جو رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا معتقد ہوا اس کی حرص کلی طور پر دور ہوئی۔ اور اس کے بخل نے بھی عدم کی راہ لی اس لئے کہ حرص اس چیز میں ہوتی ہے کہ اپنے پاس موجود نہ ہو۔ اور بخل اس چیز میں ہوتا ہے جو کہ اپنے پاس ہے۔ اور وہ موجود اور غیر موجود جو کچھ بھی دیکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور جس نے یوم جزا کی مالکیت کو پہچان لیا اور اس کے بعد کہ اس نے رحمٰن و رحیم کو

marfat.com
Marfat.com

جان لیا تھا اس کا غضب زائل ہو گیا۔ اور جو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ زبان پر لایا اس نے پہلے کلمہ سے تکبر کو اور دوسرے کلمہ سے خود بینی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور جب اس نے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہا اور صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کو آخر تک اس کے ساتھ ملاحظہ کیا۔ کفر اور بدعت دور ہو گئے۔ اور جب یہ چھ بری عادتیں اس میں نہ رہیں تو حسد خود بخود دور ہو گیا۔

## لطیفہ

اور اس سورت کے لطائف میں یہ ہے کہ اس میں سات حروف مذکور نہیں ہیں۔ ث ج خ ز ش ظ اور ف اور یہ سات حرف جہنم کے سات قسم کے عذاب پر دلالت کرتے ہیں۔ اور دوزخ کے سات دروازوں کی گنتی کے برابر ہیں تو لازماً مسلمانوں کے گمان میں بات آتی ہے کہ جب بھی سورت فاتحہ پڑھی جہنم اس کے طبقات اس کے مختلف قسم کے عذاب اور اس کے دروازوں سے داخلے سے خلاصی مل گئی۔ رہا حرف ث تو یہ ثبور کی طرف اشارہ ہے جو کہ قیامت کے دن خاص کر دوزخیوں کیلئے ہوگا وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا کَثِیْرًا آج کے دن ایک ثبور کو نہ پکارو بلکہ کئی ثبور کو پکارو۔ ج جہنم اور جحیم کا نام یاد دلاتی ہے۔ اور خ اس ذلت و رسوائی کی طرف اشارہ ہے جو کہ ابد تک دوزخیوں کو لازم رہے گی۔ رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ اے ہمارے ربّ جسے تو نے آگ میں داخل فرمایا تو اسے رسوا کیا۔ اور ز زفیر کی طرف اشارہ ہے جو کہ دوزخیوں کا نغمہ ہے۔ اور زقوم کی طرف اشارہ ہے جو کہ اس گروہ کا کھانا ہے۔ اور ش شہیق کی طرف اشارہ ہے لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّشَھِیْقٌ ان کے لئے وہاں چیخنا چلانا ہوگا۔ اور حرف ظا لفظ لظی کا معتبر لفظ ہے جو کہ جہنم کا ایک طبقہ ہے۔ اور فا فراق کا سر یعنی پہلا لفظ ہے جو کہ اہل محبت کے نزدیک عذاب کی بدترین قسموں میں سے ہے۔ نیز فرقت و اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو دخول دوزخ کا سبب ہے۔

## فضائل سورۃ الفاتحہ

اور جب اس سورۃ کے لطائف و نکات سے ہم فارغ ہوئے تو لازم ہوا کہ اس سورت

marfat.com

Marfat.com

کے بعض فضائل بھی جو کہ حدیث پاک میں مذکور ہیں لکھ دیں۔ بخاری اور دیگر صحاح ستہ اور دوسری معتبر کتابوں میں روایت کی گئی ہے کہ **ابو سعید بن المعلی رضی اللہ عنہ** جو کہ صحابی ہیں نقل فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد پاک نماز ادا کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی۔ میں نماز میں مصروفیت کی وجہ سے جواب نہ دے سکا یہاں تک کہ میں نماز سے فارغ ہوا اور آپ کے دربار میں حاضر ہوا اور اپنا عذر بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا یہ عذر قابل قبول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ السلام کے بلانے کا حالت نماز بھی جواب دینا چاہئے چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو جبکہ تمہیں ایسے کام کیلئے بلاتے ہیں جو تمہارے لئے حیات بخش ہے۔

پھر فرمایا میرے ہمراہ آؤ میں تمہیں مسجد سے باہر آنے سے پہلے ایسی سورت کی تعلیم دوں گا جو کہ قرآن پاک میں بزرگ ترین ہے میں آپ کا دست مقدس پکڑ کر رواں ہوا جب میں مسجد کے دروازہ کے قریب پہنچا تو میں نے یاد دہانی کرائی۔ فرمایا کہ وہ سورۃ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہے۔ اور وہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جس کے نزول کو حق تعالیٰ نے مجھ پر احسان قرار دیا ہے فرمایا وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ تحقیق ہم نے آپ کو سات آیتیں عطا فرمائیں جو تکرار سے پڑھی جاتی ہیں۔ اور قرآن عظیم۔

اور مسند دارمی' مسند امام احمد' ترمذی' نسائی' سنن بیہقی اور صحیح ابن خزیمہ میں اسی واقعہ کی مثل سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اور وہاں یہ کلمہ واقع ہے کہ **اتحب ان اعلمك سورة لم تنزل فی التوراة ولا فی الانجیل ولا فی الزبور ولا فی القرآن مثلها قال ابی نعم** یعنی کیا تو پسند کرتا ہے کہ میں تجھے ایسی سورت کی تعلیم دوں جس کی مثل تورات' انجیل' زبور اور قرآن پاک میں نہیں اتری۔ اُبی نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سورت ام القرآن ہے۔ جسے تو ہر نماز میں پڑھتا ہے۔ اور صحیح مسلم' نسائی' ابن حبان' طبرانی اور حاکم

marfat.com
Marfat.com

میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یوں آیا کہ ایک دن حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آسمان سے ایک بڑے دروازے کے کھلنے کی آواز سنی غور سے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ ایک فرشتہ ہے کہ ابھی اترا ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے لے کر اب تک یہ کبھی زمین پر نہیں آیا جب وہ فرشتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچا تو اس نے کہا کہ آپ خوش ہوں کہ آپ کو جو نور عطا فرمایا گیا آپ سے پہلے کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ دیا گیا۔ سورۃ فاتحہ اور امن الرسول سے لے کر سورۃ البقرہ کے آخر تک۔ آپ اس سے ایک حرف نہیں پڑھیں گے مگر آپ اس پر عظیم ثواب پائیں گے۔

## سورت فاتحہ پڑھ کر کرم کرنا

نیز بخاری، مسلم اور صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سانپ اور بچھو کے ڈسے ہوؤں، مرگی کے دورے والوں اور پاگلوں کو یہ سورت پڑھ کر دم فرمایا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور دار قطنی اور ابن عساکر نے سائب بن یزید سے روایت کی کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورت کے ساتھ دم فرمایا ہے۔ اور یہ سورۃ پڑھنے کے بعد اپنے منہ مبارک کا لعاب شریف درد کی جگہ پر لگایا ہے۔

اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فاتحة الكتاب شفاءٌ من كل داءٍ کہ سورت فاتحہ ہر بیماری سے شفا ہے۔ اور بزار اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے اپنا پہلو بستر پر رکھا اور سورت فاتحہ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھ کر اپنے آپ پر دم کیا وہ ہر بلا سے پناہ میں آ گیا۔ مگر وہ جس کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہو۔ اور عبد بن حمید اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ فاتحہ الکتاب ثواب میں قرآن پاک کے دو تہائی حصہ کے برابر ہے۔ اور بے شمار روایات میں جو کہ حاکم کے نزدیک صحیح ہیں۔ اور بیہقی نے بھی شعب

marfat.com
Marfat.com

الایمان میں ان کی صحت بیان کی افضل القرآن اور آخر سورۃ فی القرآن یعنی قرآن پاک میں سب سے زیادہ ثواب والی سورۃ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

اور ابوالشیخ' طبرانی' ابن مردویہ' دیلمی اور ضیا مقدسی نے اپنی احادیث مختارہ میں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عرش کے خزانے سے مجھے چار چیزیں عطا فرمائی گئیں اور اس خزانے سے ان چار چیزوں کے سوا کسی کو کچھ نہیں ملا۔ ام الکتاب یعنی سورۃ فاتحہ' آیت الکرسی' سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں اور سورۃ کوثر اور ابونعیم اور دیلمی نے ابوالدرداء سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فاتحہ الکتاب اس سے کفایت کرتی ہے کہ قرآن پاک کی کوئی چیز اس سے کفایت نہیں کرتی اور اگر فاتحہ الکتاب کو ترازو کے ایک پلے میں اور سارے قرآن پاک کو دوسرے پلے میں رکھیں تو فاتحہ الکتاب قرآن پاک سے سات گنا زیادہ آئے۔

اور ابوعبید نے فضائل القرآن میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے فاتحہ الکتاب کی تلاوت کی گویا اس نے تورات' انجیل' زبور اور فرقان کو پڑھ لیا۔ نیز تفسیر وکیع' کتاب المصاحب ابن انباری' کتاب العظمہ ابوالشیخ اور ابونعیم کی کتاب حلیۃ الاولیاء میں وارد ہے کہ ابلیس لعین کو اپنی زندگی میں چار مرتبہ رونے پیٹنے اور اپنے سر پر خاک ڈالنے کا اتفاق ہوا اس وقت جب اس پر لعنت پڑی۔ جب اسے آسمانوں سے نکال کر زمین پر دے مارا گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ ہوئی۔ اور جب فاتحہ الکتاب اتری (اقول وباللہ التوفیق۔ الامام الکبیر الشہیر الشہاب احمد بن حجر الہیتمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عظیم تالیف مولد النبوی الشریف میں جو کہ اصح الموالید ہے' میں فرماتے ہیں: حجب ابلیس اللعین عن خبر السماء فرق انه عظیمة کہ ابلیس لعین کو جب آسمان کی خبروں سے روک دیا گیا تو بہت بری طرح چیخا چلایا اور یہاں مذکور مواقع میں سے یہی بیان فرمایا۔ وحین ولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ناقلا عن الجزء الثانی من جواہر البحار للشیخ النبہانی) اور ابوالشیخ کتاب الثواب

marfat.com

Marfat.com

میں لائے ہیں کہ جسے کوئی حاجت ہو اسے چاہئے کہ فاتحہ الکتاب پڑھے اور ختم کرنے کے بعد اپنی حاجت مانگے انشاء اللہ العزیز وہ حاجت پوری ہو۔ اور ثعلبی نے شعبی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے درد گردہ کی شکایت کی۔ امام شعبی نے اسے فرمایا کہ تجھے لازم ہے کہ تو اساس القرآن پڑھے اور درد والی جگہ پر دم کرے اس نے کہا اساس القرآن کیا ہے شعبی نے فرمایا سورۃ فاتحہ۔

## جادو اور مختلف دردوں اور مرضوں کے لئے

اور مشائخ کے مجرب اعمال میں مذکور ہے کہ سورۃ فاتحہ اسم اعظم ہے ہر (اچھے) مطلب کیلئے پڑھا جا سکتا ہے اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ نماز فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان چالیس دن روزانہ ۴۱ بار اس طرح پڑھیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی م کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کی ل سے ملایا جائے جو مطلب ہوگا حاصل ہوگا۔ اور اگر بیمار کی شفا یا جسے جادو کیا گیا ہے اس کی نجات منظور ہو تو پانی پر دم کر کے اس مریض اور جادو والے کو پلائیں۔ دوسرا طریقہ یہ کہ مہینے کی پہلی اتوار فجر کی سنت اور فرض کے درمیان م کو ل کے ساتھ ملائے بغیر ۷۰ مرتبہ پڑھیں اس کے بعد ہر روز اسی وقت دس دس بار کم کر کے پڑھتے جائیں یہاں تک کہ بروز ہفتہ ختم ہو جائے۔ اور پہلے مہینہ میں مطلب حاصل ہو جائے تو درست ورنہ دوسرے تیسرے مہینہ میں اسی عمل کو دہرائیں اور اس سورت کو چینی کے پیالہ پر گلاب مشک اور زعفران کے ساتھ لکھنا اور اسے دھو کر پرانی بیماریوں سے شفا کیلئے ۴۰ دن تک پلانا مجرب ہے۔ اور دانتوں سر پیٹ اور دوسری دردوں کیلئے سات بار پڑھ کر دم کرنا بھی مجرب ہے۔

marfat.com
Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

# سورت البقرۃ

یعنی وہ سورت کہ جس میں بقرہ یعنی گائے کا ذکر ہے۔ یہ مدنی ہے۔ ۲۸۶ آیتیں ہیں' ۶۰۲۱ کلمے ہیں' ۲۵۵۰۰ حروف ہیں۔ اور یہ سورت قرآن پاک کی تمام سورتوں سے زیادہ لمبی ہے۔ اور جتنے احکام شرعیہ اس سورت سے حاصل ہوتے ہیں اتنے کسی اور سورت سے حاصل نہیں ہوئے۔ اور اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ پانچ سو حکم شرعی اس سورت میں درج ہیں۔ اور اس کی ایک آیت جو باہمی قرض لینے دینے سے متعلق ہے قرآن پاک کی تمام آیتوں سے زیادہ طویل ہے۔ اور وہ بیس شرعی احکام پر مشتمل ہے۔ اور اگرچہ اس سورت میں قدرت کے عجیب وغریب امور وشیون کے انواع اقسام مذکور ہیں۔ لیکن اس کا نام رکھنے میں بقرۃ کی طرف اضافت کی تخصیص کی گئی ہے۔

## وجہ تسمیہ۔ مسائل ضروریہ پر دلالت

اور اس کا نام سورۃ البقرہ دو وجہ سے رکھا گیا ہے ایک تو اس لئے کہ بقر جس کا ذکر اس سورت میں آیا اس کے علاوہ کسی اور سورت میں اس کا ذکر نہیں۔ پس گائے کا واقعہ اسی سورت کا خاصہ ہے۔ اور امتیاز پیدا کرنے کے مقام پر شے کے خاصہ کا ذکر ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ بقرہ کا قصہ دین کے تمام ضروری مسائل پر دلالت کرتا ہے۔ پس وہ واقعہ گویا تمام قرآن پاک کا خلاصہ ہے خصوصاً اس سورت کے مضامین کا خلاصہ ہے۔

## اثبات صانع عالم

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دین کا سب سے عظیم مسئلہ صانع کے وجود کو ثابت کرنا

marfat.com
Marfat.com

ہے۔اوراس واقعہ سے یہ اہم مسئلہ اس طرح سمجھا جاتا ہے کہ اس مقتول کا زندہ ہونا از خود نہ تھا اور نہ ہر مارا ہوا زندہ ہو جائے۔اور نہ ہی انس پر گائے کے اعضاء مارنے سے ورنہ ہر وقت گائے کے اعضاء کو کسی بھی میت پر مارنے سے اسے زندہ ہو جانا چاہیے۔پس زندہ ہونا نہ تھا مگر صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ نہ کہ اس سبب کے ساتھ بلکہ اس سبب کے نزدیک اور اسی جگہ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی ثابت ہوئی۔بلکہ اس کی حکمت ہی اس لئے کہ اس مردہ کو زندہ کرنے سے جتلا دیا کہ مردہ دل کو نفس امارہ کے ذبح کرنے سے زندہ کیا جا سکتا ہے۔

## اثبات نبوت

پھر دوسرا اہم مسئلہ اثبات نبوت ہے۔اور یہ اہم مسئلہ اس واقعہ سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے۔کیونکہ وہ واقعہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا معجزہ تھا اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوگئی تو پہلے اور پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت ثابت ہوگئی اس لئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام دو حال سے خالی نہیں ہیں یا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی تصدیق فرمائی اور سچے کی تصدیق کرنے والے اور اس کے تصدیق یافتہ دونوں سچے ہیں۔

## اثبات نبوت کے ضمن میں نہایت مفید اشارہ۔اور دیگر مسائل

اور اس قصہ سے اثبات نبوت کے ضمن میں ایک بہت مفید اشارہ ہے اس طرف کہ لوگوں پر انبیاء علیہم السلام کی اطاعت، وجہ حکم کی تفتیش کے بغیر واجب ہے۔تاکہ مشقت کم ہو۔اور رسوائی بھی نہ ہو جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کو اتتخذنا ھزوا کہنے والوں کو رسوائی ہو پھر تیسرا اہم مسئلہ استقامت ہے۔اور یہ مقصد اس سورت سے اس طرح حاصل ہوا کہ اس مقتول کے قاتل نے دنیا طلب کی۔اور ذلیل ہوا۔پس معلوم ہوا کہ طلب دنیا ذلت ہے۔اور ماسوی اللہ کی طلب خطا ہے۔پھر چوتھا اہم مسئلہ مجاہدہ ہے۔اور یہ واقعہ مجاہدہ اور شرائط مجاہدہ پر بسیر حاصل دلالت کرتا ہے۔مثلاً چاہیئے کہ نفس امارہ کا قتل بڑھاپے کے

marfat.com
Marfat.com

رمانے میں نہ ہو۔ کیونکہ ہوائے نفسانی نے جب قوی اعضاء اور رگ وریشہ میں استحکام پیدا کررکھا ہوتو اس کا اکھاڑنا بہت دشوار ہوتا ہے خصوصاً جبکہ کمزوری اور قوتوں کے گرجانے کا وقت ہوتو کمزور سے یہ نہیں ہوسکتا کہ طاقتور درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ نیز جوانی کی مستی اور زور شباب کے وقت بھی نہ ہو۔ کیونکہ اس وقت عقل کم اور ناتجربہ کار ہوتی ہے ہوائے نفسانی سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی اس لئے غالب گمان بھی ہے کہ مغلوب ہو جائے گی۔ نیز مجاہدہ کی شرائط میں سے دوستی کی زردی ہے کہ تسر الناظرین جو کہ دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے۔ اور زراعت وتجارت جیسے دینوی اعمال میں منہمک ہونے سے بچنا ہے استعداد کا درست ہونا اور جوہر روح کا بے داغ ہونا ہے۔ پھر پانچواں اہم مسئلہ آخرت ہے۔ اور یہ بھی اس واقعہ سے صراحتاً ثابت ہے۔ اس لئے کہ اس مقتول کے جسم سے جدا ہونے والی زندگی پھر اسی جسم کی طرف لوٹی اور یہی پانچ اہم مسائل ہیں جو کہ اس سورت کے مطالب کا خلاصہ ہے۔ اور باقی تمام امور ان پانچ امور کے کامل کرنے والے اور ابتدائیے ہیں۔

## سورۃ البقرہ کی اہمیت

جاننا چاہئے کہ مسند امام احمد اور حدیث کی دوسری معتبر کتابوں میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ البقرہ قرآن پاک کی کوہان کی طرح ہے اس کی ہر ہر آیت کے ساتھ ۸۰، ۸۰ فرشتے نازل ہوئے۔ اور آیت الکرسی جو کہ قرآن پاک کی بہترین آیت ہے عرش کے نیچے سے لاکر اس سورت میں رکھی گئی ہے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت الکرسی اس سورت کے بمنزلہ دل ہے۔ اور فی الواقع غور کرنے اور گہری نظر سے دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس سورت کے تمام مطالب اسی آیت کے اردگرد گھومتے ہیں۔

## الحی القیوم بمنزلہ جان ہے اور تمام آیات اسی کے شیون ومظاہر

اور جو بمنزلہ جان ہے اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کا لفظ ہے جو کہ آیت الکرسی میں واقع ہے۔ اور

marfat.com
Marfat.com

سورت کی تمام آیتیں اسی کلمہ کے شیون ومظاہر ہیں۔جس طرح کہ تمام انسانی اعضاء جان پاک کے مظاہر شیون ہیں اس مقام کی تفصیل اتنی طویل ہے کہ یہ تفسیر اس کی گنجائش کی متحمل نہیں۔لیکن جسے تمام تر پایا نہیں جا سکتا اسے بالکل چھوڑا بھی نہیں جا سکتا کے مطابق نمونہ کے طور پر چند چیزیں لکھنا ضروری ہیں غور سے سننا چاہئے۔اس سورت میں جس چیز کا فیض پہنچانا منظور ہے حق تعالٰی کی حیات اور قیومیت ہے جو کہ رنگارنگ ظہور کے ساتھ کائنات میں جلوہ گر ہے۔پہلے تو افرادِ انسانی میں سے ہر ہر فرد کی حیات ہے کہ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ (تم مردہ تھے۔پس اس نے تمہیں زندہ فرمایا) اس کا اشارہ فرماتی ہے۔پھر ابوالآباء حضرت آدم علیہ السلام کی ایجاد اور آپ کو منصب خلافت عطا کرنے اور آپ کو زمین میں ٹھہرانے کے ساتھ کہ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً الخ اس کی شرح ہے تمام نوع کی حیات اور قیام ہے۔

## خاندان بنی اسرائیل کی حیات وقیام

پھر اس نوع کے خاندانوں میں ایک خاندان کی حیات وقیام ہے کہ اس خاندان کی مانند اللہ تعالٰی کے حضور عظمت و مرتبہ میں اور اس سورۃ کے وقت نزول تک دیر تک ٹھہرنے والا کوئی خاندان موجود نہ تھا۔اور اس حیات ومقام کی شرح کی ابتداء یابنی اسرائیل کے رکوع کے آغاز سے پارہ کے آخر واقع تیسرے یابنی اسرائیل آخر تک لمبی ہو گئی۔اور اس عالی خاندان میں حیات کی وہ اقسام جو ظاہر ہوئیں ان میں سے پہلے وہ قسم بیان فرمائی ہے جو کہ فرعون کے وقت میں ظاہر ہوئی جس نے لڑکوں کو ذبح کرنے اور لڑکیوں کو باقی رکھنے کے ساتھ اس خاندان کی حیات کو ختم کرنے کا قصد کیا اس کے بعد تورات عطا کر کے اس خاندان کے دلوں کی حیات بیان فرمائی گئی۔باوجودیکہ اس خاندان کے جاہل بچھڑا پوج کر اس حیات کو زائل کرنے کی فکر میں لگ گئے تھے۔اور بچھڑا پوجنے کے نقصان کو دور کرنے کا طریقہ جو کہ قتل کی صورت میں تھا معنی میں اس خاندان کو زندہ کرنا تھا۔جیسا کہ کرم خوردہ عضو کو کاٹ دیا جائے بھی بطور ضمیمہ ارشاد ہوا۔پھر دوسری جماعت نے جس نے ب[illegible] نے طریقہ سے رؤیت باری تعالٰی کا سوال کر کے اپنی زندگی کو برباد کر دیا۔حضرت [illegible]

marfat.com

Marfat.com

السلام کی دعا سے از سر نو زندگی کی خلعت پہنی۔ پھر تمام بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی وجہ سے میدان تیہ میں گرفتار ہو کر قریب تھا کہ دولت حیات کو ختم کر بیٹھتے کہ غیب کی طرف سے ان کی حیات اور بقائی کے اسباب سے بادل کے سایہ کو ظاہر کیا گیا۔ اور من اور سلویٰ نازل فرمایا گیا۔ اس کے بعد ایک بستی کا نشان دیا گیا پھر پتھر سے رواں پانی کے چشمے جاری کیے گئے تاکہ ان کی حیات کی صورت دگرگوں نہ ہو جائے۔ اور جب اس خاندان میں ایک گروہ ہتک حرمت کی وجہ سے انسانی حیات کے ازالہ کا مستحق ہو کہ اس پاکیزہ انسانی زندگی کے بجائے حیوانی خسیس زندگی کی خلعت پہن کر مسخ ہو گیا تو عنایت الٰہی نے ان کے شر و مسرفوں سے دور رکھا اور اس واقعہ کو دوسروں کیلئے عبرت بنایا۔ تاکہ آئندہ اس خاندان کی حیات و قیام اس قسم کے گناہوں سے خلل میں نہ پڑے۔

پھر گائے کے واقعہ میں عجیب غیبی زندگی پیدا فرما کر ان کیلئے ایک دستور العمل ارشاد فرمایا۔ اور ان کی سنگدلی کی وجہ سے باہمی قتل و اختلاف میں مشغول ہونے۔ اپنے درمیان منافقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے پختہ وعدوں کو توڑنے۔ اور اس خاندان کے قیام کو زائل کرنے کی فکر میں رہنے کے باوجود پے در پے عنایات الٰہی کے ظہور کو بیان فرمایا۔ یہاں تک کہ کلام زندگی پر ان کی حرص اور موت سے فرار کے بیان تک پہنچا۔ اس کے باوجود کہ اسباب زندگی کو وہ جڑ سے اکھاڑ رہے تھے۔ اور اپنے لئے ہر طرف سے موت کے اسباب کو جمع کر رہے تھے۔ پس ان کا فعل ان کی خواہش کے منافی تھا۔ اور اس سے زیادہ عجیب یہ کہ اپنے خاندان کی حیات و قیام کے شدید حریص ہونے کے باوجود اس فرشتہ کے ساتھ جس کو یہ کام سپرد ہے۔ اور ہر دینی خاندان کی حیات و قیام اسی کی امداد و اعانت سے ہے دشمنی کرتے تھے جس طرح کہ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ الخ کی آیت میں مذکور ہے۔ اور اس کلام کے تتمہ کے طور پر اس گروہ کے جادو اور دوسرے کلمات کفریہ جو کہ حیات غیبیہ الہیہ کو زائل کرتے ہیں مشغول ہونے کو بھی بیان فرمایا یہاں تک کہ اس خاندان کا قصہ تمام ہوا۔

## خاندان بنی اسماعیل کی حیات و قیام

اس کے بعد بنی اسماعیل سے ایک دوسرے خاندان کی حیات و قیام کو بنی اسماعیل سے

marfat.com
Marfat.com

شروع فرمایا ہے۔اور اس کی ابتداء کی بنیاد وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ سے رکھی۔ پہلے کعبہ معظمہ کی تعمیر اور اس مرکز تجلیات گھر کے اس جگہ باقی رہنے کے ساتھ خاندان اسماعیل کے قیام کا ارشاد ہوا۔اس کے بعد عبادات میں اس گھر کی طرف منہ کرنے اور اس کی تعظیم واحترام کرنے کا حکم ظاہر فرمایا جو کہ اس خاندان کے قیام کا سبب تھا۔اور جب ان دو عمدہ خاندانوں کی حیات وقیام کے بیان سے فراغت ہوئی۔

## حیات کی چند اقسام

تو حیات کی چند قسمیں جو کہ بظاہر حیات کے منافی معلوم ہوتی ہیں۔اور حقیقت میں اقسام حیات کا خلاصہ ہیں تنبیہ کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔ان میں سے ایک شہادت فی سبیل اللہ ہے جو کہ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کے مقتضی کے مطابق حیات کی بہترین قسم ہے۔اور اسی لئے اس قسم کی زندگی کے اسباب کے حصول پر حوصلہ اور دلیری دی گئی اور مصیبتوں پر صبر کرنے کی وجہ سے اجر جزیل کا وعدہ اور بشارت عمدہ عنایت فرمائی اور ان میں قصاص کا مقدمہ ہے جو کہ بظاہر قاتل سے زندگی چھین لینا ہے۔اور حقیقت میں ایک جہان کی زندگی کا سبب ہے۔اور ان میں سے ہر میت کی وصیت کو بغیر کسی تغیر وتبدل کے نافذ کرنے کے ساتھ حیات معنوی ہے۔اور ان میں سے روح کی حیات ہے جو کہ جسم کو روزے میں بھوکا پیاسا رکھنے سے ہے۔اور ان میں سے دین کی حیات ہے جو کہ دشمنان دین کے ساتھ جہاد وقتال میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہے جو کہ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے آخر قصہ تک مذکور ہے۔اور ان میں سے ملت کی حیات وقائمی ہے نشانات حج کو ایام حج میں اس مکان میں قائم کر کے جو کہ اس عالی خاندان کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔

## ہر گھر کی حیات وقیام

پھر ہر ہر گھر کی حیات اور قائمی کی طرف توجہ فرمائی ہے۔آداب نکاح بیان کر کے۔ایام حیض میں مقاربت سے روک کر جو کہ حیات خبیثہ فاسدہ کو باقی رکھنے کا موجب ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور قسم کے بہانے جسے عرف شرع میں ایلاء کہتے ہیں حقوق زوجیت کو ضائع کرنے سے روک کر اور یتیموں کی پرورش اور قریبیوں پر مال خرچ کرنے کی کیفیت بھی خانہ داری کے ضمن میں مذکور ہوئی اس کے بعد اگر عقد نکاح کے ٹوٹنے اور خانہ داری کے دگرگوں ہونے تک نوبت پہنچے جسے عرف شرع میں طلاق کہتے ہیں۔ تو عدت کی حفاظت برتنے کی چیزیں دینے اور اولاد کو دودھ پلانے کے ساتھ اس نکاح کے نشان باقی رکھنے اور حقوق خانہ داری کو قائم رکھنے میں کسی قسم کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ اس عقد کی حیات وقیام بالکل دگرگوں نہ ہو۔ اور یہ مضامین اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ کی آیت تک چلے گئے ہیں۔

## حی وقیوم کا معنی ذہنوں میں راسخ کرنے کے لئے غیبی حیات کے واقعات

اور جب ان سب سے فارغ ہوئے تو چند واقعات اسباب ظاہر کے بغیر غیبی زندگی کے وارد ہونے کے بیان فرمائے۔ تاکہ حی وقیوم کے معنی اس کلمہ کے نزول سے پہلے اور اس کے نزول کے بعد سننے والوں کے ذہنوں میں جم جائیں۔ اور وہ جو اس کلمہ کے نزول سے پہلے ہیں دو واقعات ہیں۔ پہلا واقعہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کی حیات کا ہے جو کہ وبا سے ڈر کر بھاگ گئے اور مر گئے۔ پھر حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہوئے۔ دوسرا واقعہ حضرت شمویل اور طالوت کا کہ بنی اسرائیل کے خاندان کے قیام کے زائل ہونے کے بعد انہوں نے اس قیام کو لوٹایا اور آخر حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر اور تابوت سکینہ کے آنے سے قیومیت اتم واوفر نے ظہور فرمایا۔ اور اس کلمہ کے نزول کے بعد چند واقعات ہیں۔ پہلا واقعہ نمرود کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جس نے اللہ تعالیٰ کے زندہ کرنے اور موت دینے کا مسئلہ نہ سمجھا اور اپنے کو محیی اور ممیت قرار دیا۔ دوسرا واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کا کہ آپ نے ویران شہر کی حیات وقیام کے بعید از امکان جانا یہاں تک کہ اپنے آپ پر اور اپنی سواری پر حیات وقیام کو لوٹانے کے حق الیقین کے ساتھ معلوم کیا۔ تیسرا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کہ آپ نے مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت میں توقف فرمایا یہاں تک کہ اس کی کیفیت کے عین الیقین کو سر کٹے اور اکھڑے ہوئے پروں والے پرندوں پر دیکھا اور یہ مضامین مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ پر ختم ہوئے۔

marfat.com

Marfat.com

## احوال کی حیات وقیام کا ذکر

اس کے بعد احوال کی حیات وقیام کے ذکر کی باری آئی اور جو چیز لوگوں کے ذہن میں اموال کی حیات وقیام کا موجب ہے۔ یعنی سود کھانا اور جو کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان اموال کو ضائع کرتا ہے اسے تفصیل سے بیان فرمایا۔ اور اس کا عکس اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ اور صدقہ کرنا ہے۔ جو کہ لوگوں کے ذہنوں میں اموال کو ضائع کرنے کا موجب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اموال کی حیات اور مضاعفت کا سبب ہے۔ اور اس کی تفصیل بھی ارشاد فرمائی اور دوسرے جائز معاملات میں جیسے خرید وفروخت' قرض لینا' دینا' اموال کی حیات وقیام کیلئے لکھنے اور گواہ بنانے کے باب میں دستور العمل عنایت فرمایا گیا۔ اور سورت کو ختم فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ اس سورت کے مطالب سب حی وقیوم کی شرح وتفصیل ہیں۔ اور یہ کلمہ اس سورت کیلئے بمنزلہ جان ہے۔ اور آیت الکرسی اس سورہ کے دل کے مترادف ہے۔ اور باقی تمام سورت اعضاء وجوارح کی طرح ہے۔ واللہ اعلم

## شرعی حد بندیوں کے درمیان سورۃ البقرہ کی خصوصیت

نیز یہ سورت شرعی زمان ومکان کی حد بندیوں کے درمیان ایک خصوصیت رکھتی ہے کہ کسی دوسری سورت کو یہ خصوصیت حاصل نہیں۔ اول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چالیس دنوں کا ذکر جو کہ ارباب خلوت وریاضت کے نزدیک اصل معتبر ہے۔ پھر ماہ مبارک رمضان کا ذکر اور اس کے ساتھ فرض روزوں کی مدت کا تعین۔ پھر حج کے مہینوں کا ذکر جن سے مراد شوال' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں پھر حرمت والے مہینوں کا ذکر جو کہ چار ہیں۔ اور ان میں قتل میں پہل کرنا حرام تھا اور ان میں نیکیاں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں۔ اور برائیاں زیادہ وزن دار۔ پھر مدت حیض کا بیان کہ اس دوران منکوحہ اور لونڈی سے جماع حرام ہے۔ پھر مدت ایلاء کا ذکر جو کہ چار مہینے ہیں پھر ذکر عدت طلاق جو کہ تین حیض یا تین طہر کی مدت ہے۔ (امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین حیض کی مدت ہے) پھر عدت وفات کا ذکر جو کہ چار ماہ دس دن ہے۔ اور اس کی انتہا ایک سال تک بھی ہو جاتی

marfat.com
Marfat.com

ہے۔ یہ وہ شرعی حد بندیاں ہیں جو کہ زمانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور جو حد بندیاں مکان سے تعلق رکھتی ہیں۔ پس ان میں ایک متوجہ ہونا ہے جو کہ کعبہ معظمہ اور مسجد حرام سے متعلق ہے۔ اور تمام شہر مکہ اور اس کے ارد گرد کی حرمت جو کہ حرم سے عبارت ہے۔ اور مقام ابراہیم کو جائے نماز بنانا اسی کے توابع میں سے ہے۔ اور ان میں سے صفا اور مروہ ہے کہ ان کے درمیان چکر لگانا اور دوڑنا واجب ہے۔ اور ان میں سے عرفات' شعر حرام اور منیٰ ہے کہ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ کی آیت میں اس مقام پر رات گزارنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور احرام میں ممنوع چیز کے ارتکاب کی جزا جب مال کی طاقت نہ رکھتا ہو تین دن کے روزوں کی صورت میں بیان ہوئی۔ اور اسی قیاس سے سکانِ غیر حرم کے ساتھ متمتع کے جائز ہونے کو خاص کرنا اور قربانی مہیا نہ ہونے کی صورت میں متمتع پر دس روزوں کا واجب کرنا بھی اسی ضمن میں آیا۔

## کئی وجوہ سے تمام سورۂ قرآن کے مقابلہ سورۃ البقرہ کی خصوصیت

اور جن زمانوں اور مکانوں کے ساتھ احکام شرعیہ متعلق ہیں ان کی خصوصیات کا علم وحی کے بغیر اصلاً نہیں پایا جاتا اور محض امر تعبدی ہے۔ کہ عقل کو اس سے واقف ہونے کے امکان کا کوئی حیلہ نہیں۔ تو جو سورت اس علم پر مشتمل ہوگی وہ وحی ہونے میں کامل معروف ہو گی۔ اور اسی لئے اس سورت کو اس سبب سے ایک قسم کی خصوصیت حاصل ہوگئی کہ چند چیزوں میں ساری قرآنی سورتوں سے ممتاز ہے ان میں سے ایک وہ ہے جو کہ ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جس نے سورۃ البقرہ کی قسم اٹھائی تو اس پر اس کی ہر آیت کے عوض قسم ہے۔ پس گویا سورۃ البقرہ کی قسم کھانا دوسو چھیاسی قسمیں کھانا ہے۔ اور اسی مضمون کو ابن ابی شیبہ' مجاہد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سورۃ البقرہ کی قسم کھائی تو اس پر اس کی ہر آیت کے عوض قسم ہے۔ تو جو چاہے قسم پوری کرے۔ اور جو چاہے۔ توڑ دے اور ان میں سے وہ ہے جو کہ صحیح مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت لائی گئی کہ جب ہم میں سے کوئی سورۃ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تو اسے ہمارے درمیان عظمت اور مرتبہ حاصل ہو جاتا اسی لئے

marfat.com

Marfat.com

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لشکر بھیج رہے تھے۔ اور ان کا امیر مقرر کرنے میں تردد فرما رہے تھے اہل لشکر میں سے ہر کسی کو اپنی بارگاہ میں بلا کر تفتیش فرمائی کہ تم کون کون سی سورت پڑھتے ہو ہر شخص جو کچھ اسے یاد تھا پڑھتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک نوجوان کی باری آ گئی جو کہ عمر میں سب سے چھوٹا تھا اس سے بھی آپ نے پوچھا کہ قرآن پاک سے تجھے کون کون سی سورت یاد ہے۔ اس نے عرض کی فلاں سورۃ' فلاں سورۃ اور سورۃ بقرہ بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آیا تجھے سورۃ بقرہ بھی یاد ہے۔ عرض کی جی ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم اس لشکر کے امیر ہو۔ اس وقت قوم کے ایک عمر رسیدہ شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں بھی سورۃ بقرہ کو یاد کر سکتا تھا مگر میں ڈرا کہ اگر سورۃ بقرہ کو یاد کرتا ہوں تو اس کی طوالت کی وجہ سے ہر روز اسے تہجد میں پڑھ نہیں سکوں گا۔ اس لئے میں نے اس سورۃ کو یاد نہیں کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ خیال مت کرو اور قرآن پاک سیکھو کیونکہ جس نے قرآن کو سیکھا یعنی یاد کیا۔ اور وہ اسے تہجد میں پڑھتا ہے اس کی مثال کستوری سے بھرے مشکیزے کی ہے جس کا منہ کھلا رکھا گیا ہے۔ اور اس کی مہک ہر جگہ پہنچتی ہے۔ اور جس نے قرآن پاک کو یاد کیا۔ اور اسے نہیں پڑھتا تو اس کے سینے میں قرآن اس کستوری سے پُر مشکیزے کی طرح ہے جس کا منہ مضبوطی سے باندھ دیا گیا ہو۔ اور اس حدیث کو ترمذی' نسائی' ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور بیہقی نے کتاب الدلائل میں عثمان ابن ابو العاص سے روایت فرمائی کہ میں کم عمر تھا لیکن اس کے باوجود مجھے حضور علیہ السلام نے شہر طائف کی صوبہ داری عطا فرمائی اس نسبت سے کہ میں نے سورۃ بقرہ پڑھی ہوئی تھی۔

اور ان میں سے وہ ہے جو کہ بطریق تواتر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ فرماتے تھے کہ سورۃ بقرہ کو اپنے گھروں میں پڑھتے رہو۔ کیونکہ شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے جہاں سورۃ بقرہ پڑھی جائے۔ اور ابویعلیٰ' طبرانی اور بیہقی نے شعب الایمان میں سہل بن سعد سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کی کوہان ہے۔ اور قرآن کی کوہان سورۃ البقرہ ہے جو شخص اسے اپنے گھر میں روزانہ پڑھے گا تین دن تک

marfat.com
Marfat.com

شیطان اس گھر میں نہیں آتا اور جو ہر رات اپنے گھر میں سورۃ بقرہ پڑھے شیطان تین راتیں اس گھر میں نہیں آتا اور ان میں سے وہ ہے جو کہ حدیث متواتر میں اس سورت کے حق میں فرمایا گیا کہ جادوگر اس سورت کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ نیز فرمایا ہے کہ سورۃ بقرہ سیکھو کیونکہ اس کا سیکھنا برکت اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے۔ اور ان میں سے وہ ہے جو کہ حدیث مشہور میں وارد ہے کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران قیامت کے دن دو سیاہ بادلوں یا دو سیاہ سائبانوں کی شکل میں آئیں گے۔ اور ان دو سورتوں کے درمیان ایک چمکتا خط یعنی لکیر ہوگی یا اڑنے والے جانوروں کے دو گروہ کبوتروں اور کلنگوں کی طرح صفیں باندھے آئیں گے اور اپنے پڑھنے والے کی طرف سے سفارش میں جھگڑا اور اصرار کریں گے یہاں تک کہ اسے بہشت میں لے جائیں گی۔ اور اسی لئے ان دو سورتوں کی زہراوین یعنی دو پھول کا لقب دیا گیا۔

اور اصفہانی اپنی کتاب الترغیب میں عبدالواحد بن ایمن سے روایت لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جو سورۃ بقرہ اور آل عمران شب جمعہ میں پڑھے گا اسے اتنا اجر دیتے ہیں کہ لبیدا سے عروبا تک کے درمیانی فاصلہ کو پر کر دیتا ہے۔ لبیدا ساتویں زمین اور عروبا ساتویں آسمان کا نام ہے۔ اور ان میں سے وہ ہے جو کہ ابوعبیدہ نے ام الدرداء سے روایت کی کہ قرآن پاک پڑھنے والوں میں سے ایک شخص نے رات کے وقت اپنے ہمسایہ پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ اور صبح اس شخص کو پکڑ کر قصاص میں قتل کر دیا گیا جب اسے دفن کر دیا گیا تو تمام قرآن پاک ایک ایک سورت کر کے اس کے سینہ سے بھاگتا چلا گیا یہاں کہ سورۃ بقرہ اور آل عمران ایک جمعہ تک اس کے ساتھ رہیں۔ اور عذاب سے اس کی حفاظت کی ایک جمعہ کے بعد سورۃ آل عمران بھی بھاگ گئی اور سورۃ بقرہ نے دوسرے جمعہ تک اس کی حفاظت کی۔ اور عذاب والے فرشتوں کو آنے نہ دیا یہاں تک کہ رب العزت کے دربار سے ندا پہنچی کہ میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی اور میں بندوں پر قطعاً ظلم نہیں فرماتا اس ندا کو سن کر سورۃ بقرہ بھی باہر آ کر چلی گئی۔ ام الدرداء فرماتی تھیں کہ جب یہ سورت باہر آئی ایسا لگا کہ بہت بڑا بادل آ گیا۔ اور ان میں سے بخاری نے تعلیقاً اور مسلم اور

marfat.com
Marfat.com

دوسرے صحاح والوں نے بسند صحیح روایت کی ہے کہ سید بن حضیر ایک دفعہ رات کے وقت اپنے گھر میں سورۃ بقرہ پڑھ رہے تھے۔ اور ان کا گھوڑا اس جگہ قریب ہی باندھا ہوا تھا اچانک گھوڑے نے کودنا شروع کر دیا۔ اور اسید پڑھنے سے چپ ہو گئے۔ آپ کے خاموش ہوتے ہی گھوڑا بھی آرام سے کھڑا ہو گیا پھر پڑھنا شروع کیا تو گھوڑے نے پھر کودنا شروع کر دیا آپ پھر چپ ہو گئے تو گھوڑا بھی چپ ہو رہا جب چند بار ایسا ہی ہوا آپ اٹھے اور یحییٰ نامی اپنے بیٹے کو جو کہ اسی جگہ کے متصل سو رہا تھا اٹھا لے گئے کہ کہیں گھوڑا شوخی سے اسے تکلیف نہ پہنچائے۔ اس دوران اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا دیکھا کہ ایک سائبان جو کہ چراغوں سے بھرا ہوا تھا زمین کی سمت سے آسمان کی طرف اوپر جا رہا تھا۔ آپ نے جان لیا کہ گھوڑے کے کودنے کی وجہ یہی روشنی تھی۔ آپ اسی سائبان کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ غائب ہو گیا۔ صبح کے وقت آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ فرشتے تھے جو کہ اس سورۃ کے پڑھنے کی وجہ سے اترے تھے اگر تو صبح تک پڑھتا رہتا تو صبح تک وہ لوگوں کو نظر آتے اور ہرگز نہ چھپتے۔

ابوعبید نے مدینہ عالیہ کے سفید ریشوں سے روایت کی ہے کہ انصار کے محلہ والوں نے ایک صبح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ گزشتہ رات ہمارے محلّہ میں ایک عجیب شے ظاہر ہوئی کہ ثابت بن قیس ابن شماس کا سارا گھر روشن چراغوں سے پر تھا۔ اس کا سبب معلوم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی ہو۔ اس سے پوچھو۔ لوگ ثابت بن قیس بن شماس کے پاس گئے اور اس سے پوچھا کہ رات آپ نے تہجد میں کیا پڑھا تھا؟ اس نے کہا کہ سورۃ بقرہ

بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سورۃ بقرہ اس کے حقائق و دقائق کے ساتھ بارہ سال کی مدت میں پڑھی اور فارغ ہوئے۔ اور ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے کافی کھانا پکا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوستوں کو کھلایا۔ (اقول وباللہ التوفیق۔ اس سے معلوم ہوا کہ حفظ القرآن الکریم اور علوم دینیہ کے حصول سے فراغت پر خوشی کرنا اور حسب

marfat.com

Marfat.com

استطاعت خیرات کرنا۔ محافل ذکر منعقد کرنا اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ ذکر بھی خیرات ہے۔ اور ان تمام نیکیوں کی جامع محفل میلاد شریف ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آٹھ سال تک سورۃ بقرہ پڑھنے میں لگے رہے۔ اور آٹھ سال کے بعد ختم کی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ سورۃ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایسی عظمت رکھتی تھی کہ کوئی دوسری سورۃ ایسی نہ تھی۔

## خاصہ سورۃ البقرہ برائے دفع چیچک

اور اس سورۃ کے مجرب خواص میں سے ہے کہ جن دنوں میں بچوں کو چیچک نکلتی ہے صبح کے وقت بغیر ناشتہ کئے اس بچے کے پاس جسے چاہیں تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھیں اور دم کریں۔ اور بچے نے بھی ناشتہ نہ کیا ہو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سال اس بچے کو چیچک کا عارضہ نہ ہوگا۔ اور اگر ہوگا تو سہل اور آسان ہوگا۔ اور اسے کوئی خطرہ لاحق نہ ہوگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ قرأت شروع کرتے وقت آدھ پاؤ چاول بقدر ضرورت شکر اور دہی کے ساتھ کسی مستحق کو اسی مجلس میں کھانے کو دیں اور وہ مستحق قاری اور بچے کی موجودگی میں کھائے۔

## سورتوں کی ترتیب توفیقی ہے یا اجتہادی

یہاں جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ قرآن پاک کی سورتوں کی ترتیب شارع علیہ السلام کی فرمائی ہوئی توقیفی ہے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہادی مسائل میں سے ہے کہ اپنی عقل سے سورتوں میں مناسبت معلوم کر کے ایک کو دوسرے کے بعد لکھا ہو۔ اور دونوں صورتوں میں دو سورتوں کے درمیان رابطہ کی وجہ بیان کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ ترتیب اگر شارع علیہ السلام کی طرف سے توقیفی ہے۔ پس شارع حکیم ہے۔ اور حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے ہو تو وجہ مناسبت کی تحقیق کی بنا اس پر ہوگی کہ صحابہ کرام نے رضی اللہ عنہما کسی چیز کے باعث اس سورۃ کو ایک خاص سورۃ کے بعد رکھا اور نہ دین کے معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل

marfat.com
Marfat.com

کو صرف اٹکل پر محمول کرنا پڑے گا اور وہ باطل ہے۔ کیونکہ ان کی سیرت اس کے خلاف گواہی دیتی ہے۔ نیز یہی فرض کیا گیا ہے کہ یہ ترتیب اجتہادی ہے جزافی یعنی اٹکل سے نہیں۔ اور اجتہاد کو کوئی ماخذ چاہئے۔ اور وجہ ربط کا بیان گویا اس ماخذ کی طرف اشارہ ہے۔

## ترتیب آیات توفیقی اور ترتیب سور اجتہادی ہے

نیز جاننا چاہئے کہ ایک ایک سورۃ کی آیات کی ترتیب بالاجماع توقیف سے واقع ہوئی اس ترتیب میں قطعاً اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف صرف آپس میں سورتوں کی اس ترتیب میں ہے جو کہ مصحف عثمانی میں لکھی ہے۔ اور سب کے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اجماع کیا۔ اور اس مصحف کے نسخے مختلف علاقوں میں پہنچے اور تمام مجتہدین نے انہیں قبول کیا۔ اور جنہوں نے اس ترتیب کے خلاف لکھا ہے۔ جیسے عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما وہ طوعاً او کرھاً اس مخالفت سے دست بردار ہو گئے۔ اور اکثر مالکی حنفی اور شافعی علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ ترتیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے واقع ہوئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے کچھ نہیں فرمایا بلکہ اپنی امت کو سپرد کر کے اس جہان سے تشریف لے گئے اور اس گروہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ ترتیب توقیفی ہوتی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہوتی تو اس کی مخالفت حرام اور بدعت سیئہ ہوتی۔ حالانکہ ابن مسعود اور ابی بن کعب جو کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں نے اس ترتیب کے خلاف ترتیب اختیار فرمائی اور آخری وقت تک اسی ترتیب کی رعایت کرتے تھے۔ اور دوسرے صحابہ کرام نے بھی بوقت ضرورت ان دونوں بزرگوں کے خلاف سوائے اجماع جمہور کے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اور یہ ذکر نہیں کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے ترتیب کے خلاف فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ترتیب توقیفی نہ تھی ورنہ ان دونوں کی مخالفت اور دلیل پیش کرنے کے مقام پر توقیف کے ذکر سے ان صحابہ کرام کی خاموشی کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

اور علماء کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ ترتیب بھی توقیفی ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے اشارہ اور فرمان کے مطابق عمل میں آئی اور اس گروہ کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی

marfat.com

Marfat.com

اللہ عنہم تو حقیر کاموں میں بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمان سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ اور اپنی طرف سے کوئی چیز بھی اختیار نہیں کرتے تھے تو اس اعلیٰ مقدمہ میں اپنی عقل کو کس طرح دخل دے دیا جب تک کہ حضور علیہ السلام کا فرمان ان کے نزدیک نہ ہوتا اور ان کے فرمان کے بغیر اجماع کس طرح ثابت ہوتا۔

## دونوں فریقوں کے درمیان محاکمہ

اور دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ یہ ہے کہ دونوں فریق صحیح کہتے ہیں۔ جنہوں نے اس ترتیب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے بتایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ترتیب کے مطابق ہر سورۃ کو اس کی جگہ پر رکھنے والے صحابہ کرام ہیں رضی اللہ عنہم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس خود یہ کام نہیں فرمایا بلکہ مجتہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی روش پر چھوڑ کر تشریف لے گئے اور جو اسے توقیفی کہتے ہیں وہ اس معنی سے کہ صحابہ کرام نے صرف اپنی عقل سے یہ کام نہیں کیا۔ بلکہ اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور افعال کی اس حد تک اتباع کی کہ ان کے جمہور نے یقین فرمالیا کہ اگر حضور علیہ السلام بہ نفس نفیس یہ کام فرماتے تو اسی ترتیب سے فرماتے اس کے بغیر نہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی مسائل کی یہی حقیقت ہے کہ نصوص کثیرہ جو اگرچہ علیحدہ علیحدہ قطعیت اور یقین کا فائدہ نہ دیں مگر مجموعی طور پر قطعی اور یقینی ہوتی ہیں کے قوی ماخذ کے بغیر کبھی اجماع کا قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ اور اسی فیصلہ سے بعض امور شرعیہ کے توقیفی اور اجتہادی ہونے کے بارے میں کافی اختلافات حل ہو جاتے ہیں۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مسند خلافت پر فائز ہونا اجماع کے ساتھ تھا یا نص کے ساتھ اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ نزول کے اسباب کا مشاہدہ کرنے والے تھے۔ اور وحی کے معنوں کو پورے طور پر پہچانتے تھے۔ اور طویل صحبت کی وجہ سے حضور علیہ السلام کے ایک سورۃ کو دوسری سورت کے بعد ترتیب کے ساتھ پڑھنے کو اکثر سنتے تھے اس معنی پر انہیں پوری واقفیت تھی جو کہ دوسروں کو حاصل نہیں ہوتی چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اہل مدینہ کے کئی لوگوں سے روایت آئی ہے حکم کہتے ہیں کہ مجھے گمان ہے کہ ان میں ابو جعفر بھی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ

marfat.com

Marfat.com

شریف میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون کی تلاوت فرماتے سورۃ جمعہ کے ساتھ ایمان والوں کو خوشخبری سناتے اور انہیں اعمال خیر پر ابھارتے اور منافقوں کی سورۃ کی سے منافقین کو ناامید کرتے اور انہیں ڈانٹتے۔

اور خطابی نے حکایت کی ہے کہ جب صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین مصحف مجید کو جمع کرنے لگے تو انہوں نے سورہ قدر کو سورہ علق کے بعد لکھا ہے۔ اور سورۃ علق کے سورہ قدر پر مقدم ہونے کا استدلال یہاں سے کیا کہ سورۃ قدر میں انزلناہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے جو کہ لفظ اقرء سے التزاما سمجھا جاتا ہے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ انفال اور سورۃ براءۃ کے متعلق فرمایا ہے کہ ہم نے اس (انفال) کا قصہ براءۃ کے مشابہ دیکھا یہاں سے معلوم ہوا کہ بعض موقعوں پر انہوں نے اپنی عقل سے بھی کام لے کر واضح رابطہ کا اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ یہ واضح رابطہ سورۃ طلاق و تحریم' سورۃ تکویر و انفطار' سورۃ والضحیٰ والم نشرح' سورۃ فیل ولا یلاف اور معوذتین کے درمیان اظہر من الشمس ہے۔ اسی لئے قاضی ابو محمد عبدالحق بن عطیہ سورتوں کی ترتیب میں تفصیل کے قائل ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ قرآن پاک کی اکثر سورتوں کی ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ پاک میں معلوم تھی جیسے سبع طوال' حوامیم اور مفصل اور ان میں سے بعض کی ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ علیہم نے ظاہر عقل سے دریافت کی۔ اور اسی کے مطابق عمل کیا حق یہ ہے کہ اس بزرگ کی بات بہت مضبوط ہے۔ اس لئے کہ صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری معتبر کتابوں میں وارد ہے کہ قرآن پاک اور اہل قرآن جو کہ اس پر عمل کرتے تھے کو قیامت کے دن لایا جائے گا۔ اور سورۃ بقرہ اور آل عمران آگے آگے ہوگی۔ آخر تک۔

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں سعید بن خالد سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک رکعت میں سبع طوال کی تلاوت فرمائی اور اسی مصنف میں واقع ہے کہ آپ ایک رکعت میں تمام مفصلات جمع فرماتے تھے۔ اور صحیح بخاری میں عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سورۃ بنی اسرائیل' کہف' مریم' طہ

marfat.com
Marfat.com

اور انبیاء کے متعلق فرماتے ہوئے سنا کہ وہ جید سورتوں میں سے ہیں۔ اور وہ میری پہلے یاد کی ہوئی ہیں۔ اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شب جب اپنے بستر مبارک پر تشریف فرما ہوتے تو دونوں ہتھیلیاں ملا کر سورۃ اخلاص قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ کر پھونک مارتے آخر تک اور مصنف ابن ابی شیبہ میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک رکعت میں اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ اور لِاِيْلَافِ قُرَيْشٍ پڑھیں اور اگر کتب حدیث' کتب فضائل القرآن اور کتب تفسیر ماثورہ میں تلاش کی جائے تو اس قسم کی کثیر چیزیں نکل سکتی ہے۔

## ترتیب قرآن میں ترتیب نزول کی رعایت کیوں نہیں فرمائی

اور وہ جو اس فن سے بعض ناواقف لوگ گمان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ترتیب قرآن کے وقت ترتیب نزول کی رعایت کیوں نہیں فرمائی۔ اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ ہے کہ ہر ہر سورت کی آیات کی ترتیب مسلمانوں کے اجماع کے مطابق توقیفی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کے کہے کے مطابق عمل فرمایا ہے۔ اور اس ترتیب میں کئی مدنی آیتیں مکی آیتوں سے پہلے واقع ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ترتیب نزول کا شارع علیہ السلام کے ہاں اعتبار نہیں۔ اور جو چیز شارع کی نظر میں ایک مقام پر گر گئی ہو اسی قسم کے مقام پر دوسری مرتبہ اس کا اعتبار کرنا شرع و دین سے وابستگی کے منافی ہے۔ ایسا قدم وہی اٹھائے گا جو ناواقف ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ترتیب نزول کو اختیار فرمایا جاتا تو سورتوں کے درمیان ایک نرالی بے نظمی لازم آتی۔ اور چھوٹی سورۃ طویل سورت سے پہلے آ جاتی اور لمبی سورتیں چھوٹی سورتوں کے درمیان۔ اور اس کا عکس رونما ہوتا اور قرآن مجید کی ترتیب بہت بے زیب ہو جاتی۔ بلا تشبیہ اس شاعر کی مانند جو کہ اپنا دیوان جمع کرنے کے درپے ہو۔ اور جس چیز کو اس نے پہلے نظم کیا تھا اسے ترتیب میں اس چیز سے پہلے رکھے جسے اس نے بعد میں نظم کیا تھا۔ پس پہلے ایک فرد لکھے اس کے بعد ایک غزل' بعد ازاں ایک دوسری فرد اور ایک رباعی بعد ازاں قصیدہ پھر لیلیٰ اور مجنوں' قیس اور لبنیٰ کی مثنوی اور اسی کی

marfat.com

Marfat.com

مثل اس کے بعد ایک فرد اور قطعہ علی ہذا القیاس۔ کہ یہ اہل عقل اور طبع موزوں والوں کے ہاں بہت مکروہ لگتا ہے۔ لہٰذا اشعراء دواوین کی تالیف کے وقت نظم و فکر کے آگے پیچھے ہونے کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ پہلے قصیدے لکھتے ہیں اس کے بعد مثنویات ازاں بعد غزلیات اس کے بعد قطعات۔ رباعیات اور افراد اور اگر کوئی ان میں سے نظم و فکر کے تقدم و تاخر کا اعتبار کرے تو اسے ملامت و طعن کی جائے گی۔ علاوہ ازیں نزول کے تقدم و تاخر کی رعایت اس ساری بے انتظامی کے باوجود ممکن نہ ہوتی کیونکہ ایک سورت کی آیتوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہ تھا۔ پس متاخر کی تقدیم اور مستقدم کی تاخیر لازم تھی کہ اس سے گریز نہیں ہو سکتی تو مفت میں اس بے انتظامی کے ارتکاب سے کیا حاصل ہوتا۔

## سورۃ فاتحہ کے سورۃ البقرہ کی وجہ ربط

جب یہ تمہید ذہن نشین ہو گئی تو اس سورۃ (بقرہ) کی سورۃ فاتحہ سے ربط کی وجہ سننی چاہئے۔ سورۃ فاتحہ اجمالی طور پر قرآن پاک کے تمام معنوں کو ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ اور سورت بقرہ اس کی تفصیل کی ابتداء ہے۔ نیز سورۃ فاتحہ میں آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے ساتھ بندے کو ہدایت طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور سورت بقرہ میں آیت هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ سے اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ تک بیان فرمایا گیا ہے کہ ہدایت کی دولت کیسے میسر ہوئی۔ اور یہ نعمت کس نے پائی۔ اور یہ سعادت کسے نصیب ہوئی۔ نیز سورۃ فاتحہ کے آخر میں ایمان والوں کے گروہ اور کافروں کے دو فرقوں کا ذکر تھا اور سورۃ بقرہ کے آغاز میں بھی زمرۂ مومنین اور کافروں کے دو فرقوں' کھلے کافروں اور منافقوں کو بیان کیا گیا۔ نیز سورۃ فاتحہ میں صفات الٰہیہ میں سے پہلے ربوبیت مذکور ہے۔ اور اس سورت میں بھی پہلے نوع انسان کی نسبت سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی شرح ہے كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ اور يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ میں اس معنی کو تمہید تفصیل کے طور پر پہلے بیان فرمایا۔

پھر سورت فاتحہ میں دینی اور دنیوی رحمت کی اقسام دو اسماء اَلرَّحْمٰنِ ' اَلرَّحِيْمِ کے ساتھ بیان ہوئیں اور اس سورت میں دینی اور دنیوی رحمت کی اقسام کی تفصیل ہے جو کہ

marfat.com

Marfat.com

بارگاہ خداوندی سے بنی اسرائیل کے دو گروہوں کو عنایت ہوئیں پھر سورہ فاتحہ میں مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کو لا کر مسئلہ جزا بیان فرمایا۔ اور اس سورت میں بنی اسرائیل کے ذکر میں ہر ناشکری اور نافرمانی کے بدلے انہیں دنیوی سزاؤں کی صورت میں بدلہ دینے کا ذکر ہوا۔ پھر سورۃ فاتحہ میں عبادت اور استعانت کا بیان ہے۔ اور اس سورت میں آیت فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ سے لے کر مسائل جہاد و حج کے آخر تک عبادات کی شرح ہے۔ اور وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى سے لے کر صدقات اور سود کے مسائل کے آخر تک استعانت کی قسموں کی تفصیل ہے۔ اور آیت آمَنَ الرَّسُوْلُ میں صراط مستقیم کا بیان ہے کہ حقیقت میں انہیں مطالب کی طلب پر سورت فاتحہ ختم ہوئی۔ پس یہ سورت' سورت فاتحہ کی شرح کا حکم رکھتی ہے۔ اور شرح کا مرتبہ متن کے مرتبہ کے بعد ہوتا ہے۔

یہاں جاننا چاہئے کہ سورت بقرہ ان ۲۹ سورتوں میں ہے جن کی ابتداء حرف مقطعہ سے واقع ہوئی۔ اور وہ حروف تکرار والے حروف کو گرا کر ۱۴ ہیں الف' لام' میم' صاد' را' کاف' ہا' یا' عین' طا' سین' حا' قاف' نون اور صراط علی حق نمسکہ کا جملہ ان حروف کا جامع ہے۔ اور ان ۱۴ حروف کو ان سورتوں میں وارد کرنے میں ۲۹ نکات اور باریکیاں ملحوظ ہیں جو کہ بیضاوی اور اس کے حواشی میں مذکور ہیں۔ اور یہاں جس چیز کا بیان ضروری ہے وہ یہ ہے کہ حروف کے معنی کیا ہیں ایک مقدمہ کو بیان کئے بغیر اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے اس مقدمہ کو پہلے بیان کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ علمائے محققین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ الفاظ کی اپنے وضعی معنوں پر دلالت صرف وضع کے ساتھ ہے کہ واضع نے جس لفظ کو جس معنی کیلئے چاہا خاص کر دیا بغیر اس کے کہ لفظ کی ذات میں ان معنوں کے ساتھ کوئی مناسبت ثابت ہو اکثر علماء نے اسی مذہب کو اختیار فرمایا ہے۔ اور علماء میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ لفظ اور معنے کے درمیان طبعی مناسبت ہے جو کہ اس لفظ کے اس معنی کے ساتھ مختص ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ اور اگر وہ مناسبت نہ ہو تو واضع کو معنوں کے مقابلہ میں لفظ وضع کرنے میں ترجیح بلا مرجح لازم آئے۔

marfat.com
Marfat.com

پہلے مذہب کی دلیل یہ ہے کہ لفظ کی دلالت ذات لفظ کے تقاضا کی وجہ سے ہوتی تو گروہوں۔ اور شہروں کے اختلاف کی وجہ سے زبانوں کا اختلاف ثابت نہ ہوتا اور ہر شخص ہر لفظ کے معنی کو سمجھ لیتا۔ اور ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف لفظ کو منتقل کرنا محال ہوتا اس لئے کہ انفکاک بالذات محال ہے۔ اور ایک لفظ کو ایک دوسرے کے منافی دو معنوں میں استعمال کرنا محال ہوتا۔ جیسا کہ جون سیاہ اور سفید کو کہتے ہیں۔ اور قرء کو حیض اور طہر کا نام ہے۔ اور دوسرے مذہب کی دلیل یہ ہے کہ تلاش کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ذات میں حروف کے مختلف خواص ہیں۔ جیسے جہر ہمس' شدت در خاوت' استعلاء و تسفل۔ اور ترکیب کی شکلوں کے مختلف خواص ہیں۔ جیسے فعلان کہ حرکت پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے نزدان' حققان۔ اور عین کے ضمہ کے ساتھ فعل طبعی لازمی افعال پر دلالت کرتا ہے۔ اور تشدید کے ساتھ یعنی فعل کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ پس اگر ان خواص کو جاننے کے باوجود اگر ان خواص کو وضع کرنے والا ان کی رعایت نہ کرے۔ اور مناسبت کو بے مقصد چھوڑ دے تو کلمہ کا حق ادا نہیں کیا۔ اور یہ حکمت کے منافی ہے۔ جبکہ ان کا واضع ذات پاک حضرت حق ہے۔ کہ تمام جہاں کے حکیموں کی حکمت اس کی بے پایاں حکمت کے دریا کا ایک قطرہ ہے۔ اور ان دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ یہ ہے کہ الفاظ اور معنوں کے درمیان ذاتی مناسبت کی رعایت ضرور کی گئی ہے مگر جو لوگ اس مناسبت کا انکار کرتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ صرف یہی مناسبت معنی کو سمجھنے میں کافی نہیں ورنہ پہلے ذکر کئے گئے محذورات لازم آئیں گے۔ بلکہ اس مناسبت ذاتی کے ہمراہ معنی کو سمجھنے میں وضع واضع کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ مفرد الفاظ جو کہ حروف ہجا سے عبارت ہے کی مختلف ترکیبیں مختلف مناسبتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور وہ جدا جدا مناسبتیں مختلف طریقوں کو چاہتی ہیں۔ جس طرح کہ عناصر اربعہ اپنی کیفیتوں کے ساتھ تمام جہان کے مرکبات کے اجزاء ہیں۔ مگر ان کی کیفیتوں نے دوسری کیفیتوں سے مل کر اور اس انضمام کی وجوہ کے اختلاف نے کہ بعض غالب اور بعض معتدل ہیں مراتب ترکیب کو گنتی اور احاطہ کی حد سے باہر کر دیا۔ اور اس کیفیت کے نشانات کو ظاہر میں عقل کی نظر سے چھپا دیا کہ علام الغیوب کی ذات کے بغیر انہیں دریافت نہیں کیا جا سکتا۔ کہ

marfat.com
Marfat.com

اس خاص ترکیب میں اس کیفیت کا اثر کیا ہوگا۔ جب تک کہ تجربہ نہ ہو مثلاً ٹھنڈک اور خشکی کی کیفیت جو کہ افیون میں ہے وہ اپنی اور مٹی کی کیفیت سے زیادہ غالب نہ ہوگی۔ حالانکہ تھوڑی سی افیون مار ڈالتی ہے۔ جبکہ اس سے کئی گنا زیادہ پانی اور مٹی سے مزاج بھی نہیں بدلتا مار ڈالنے تک تو کیسے پہنچے۔ اس لئے عقل ظاہر میں اس قسم کو صورت نوعیہ کے ساتھ وابستہ کر کے اپنی تسلی کرتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ یہ کام اس مرکب سے خاصیت کی وجہ سے صادر ہوا اس مرکب کے اجزاء کی کیفیات کا تقاضا نہ تھا علی ہذا القیاس۔

یہاں سمجھنا چاہئے کہ واضع نے اپنے علم محیط کے کمال سے ہر ترکیب میں مفرد الفاظ کو مان کر ہر ترکیب کو معنی کے مقابلہ میں وضع فرمایا ہے۔ لیکن جب ظاہر بینوں کی عقلیں اس مناسبت کو پانے تک نہیں پہنچیں تو وہ واضع کے ارادہ کے حوالہ کے بغیر کوئی چارہ نہیں جانتے اور صورت نوعیہ کے بجائے واضع کے ارادے کو اپنے اعتماد کا عصا قرار دیتے ہیں ورنہ حقیقت الامر وہی ہے جو مذکور ہوئی اسی لئے صیغوں کے اشتقاق کا علم رکھنے والوں نے مناسب ترکیبوں میں غور وفکر کر کے حقیقت کا کھوج لگایا ہے۔ اور انہوں نے قریبی ترکیبوں کے درمیان فرق کیا۔ جیسا کہ فا کے ساتھ فصم اور ق کے ساتھ قصم کہ فصم کسی شے کے جدا ہوئے بغیر ٹوٹنے کو کہتے ہیں۔ جبکہ قصم کسی شے کا ٹوٹنا یہاں تک کہ جدا جدا ہو جائے۔ اور اسی قیاس پر جبد وجدب اور مدح ومدہ ہے۔

نیز مفرد الفاظ کی مناسبتیں ہر فرقہ اور ہر ملک کی نسبت سے اس طرح مختلف ہوتی ہیں کہ ایک فرقہ اور ایک ملک کے رہنے والے معنوں میں سے ایک معنی میں کسی چیز کو پاتے ہیں کہ دوسرے اسے نہیں پاتے اس لئے پہلے فرقہ نے اس چیز کی رعایت کرتے ہوئے ایک لفظ کو ان معنوں کے مقابلہ میں وضع کیا۔ اور دوسرے اس چیز سے غافل ہو کر ان معنوں کے مقابلہ میں لفظ وضع کرنے میں اس کی رعایت نہیں کرتے۔ اس طرح ہر فرقہ کے الفاظ اور لغات میں اختلاف رونما ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آسمانی اور زمینی عوارض کی وجہ ہر قوم کے حاصل شدہ مزاج کو بھی آوازوں کی کیفیتوں میں پورا دخل ہے جو کہ معنوں کی حکایت کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہاڑی لوگوں کی زبان جنگلی لوگوں کی زبان کی نسبت زیادہ سخت

marfat.com

Marfat.com

اور ثقیل ہوتی ہے۔ اور جنگلی لوگوں کی زبان شہریوں کے مقابلہ میں اسی طرح' علی ہذا القیاس ہر فرقہ اور ہر ملک کی عادتوں کو بھی پورا دخل ہے۔ اسی لئے ہر شخص' ہر شخص کی زبان نہیں سمجھ سکتا اور صاحب مسلم نے اپنے بعض شیوخ سے نقل فرمایا کہ انہیں کوہ سوالک جو کہ شمالی ہندوستان میں واقع ہے کے برہمنوں میں سے ایک کے ساتھ ملاقات کا اتفاق ہوا کہ اس برہمن کے پاس قاعدے کلیے محفوظ تھے کہ ان قواعد کی وجہ سے وہ ہر زبان کو پوری طرح سمجھ لیتا تھا اور اس کی ذمہ داری نقل کرنے والے پر ہے ہاں یہ خوف اس وقت لازم ہوگا کہ معنوں پر دلالت کرنے کیلئے الفاظ کی ذاتی مناسبت ہی کافی ہو۔ جیسا کہ عباد بن سلیمان وغیرہ کا مذہب ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ الفاظ سے معنوں کو سمجھنے میں مناسب ذاتی کافی نہیں۔ بلکہ واضع حکیم کی نظر میں سبب ترجیح دینے والا ہے۔ اور اس بحث کی اگر واقعی تحقیق کرنا چاہیں تو افعال کے حسن وقبح کی بحث میں نظر کریں کہ اس حسن وقبح کو اشعریوں نے محض شرعی قرار دیا ہے۔ بغیر اس کے کہ ذات فعل میں کسی حکمت کا تقاضا ہو۔ پس ان کے نزدیک اگر بالفرض شارع بدکاری کو واجب اور نماز کو حرام قرار دے تو ہوسکتا ہے۔ اور اس فرقہ کے ظاہر بین احکام شرعیہ کو صرف اٹکل اور ایک زبردستی قانون سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ جمہور ظاہر بیں علماء معنوں کے مقابلہ الفاظ کی وضع سے متعلق اسی قسم کی جزاف وتحکم کا عقیدہ رکھتے ہیں اور فرقۂ معتزلہ نے عقل کو حاکم مستقل جانا ہے۔ اور ان افعال کے حسن وقبح کو ان کا ذاتی سمجھتے ہیں۔ اور نسخ اور حسن کے قبح میں بدل جانے کی صورت میں ان پر گفتگو کا دائرہ بہت تنگ ہو جاتا ہے۔ اور اس قیاس سے ان پر واللہ لاکذبن عذا میں اجتماع نقیضین لازم آتا ہے۔ جیسا کہ اس بحث میں عباد بن سلیمان ضمیری کا مذہب ہے۔

اور ماتریدیہ کے محققین فرماتے ہیں کہ حسن وقبح عقلی ہے۔ لیکن ایسے معنی سے نہیں کہ عبد کے حق میں کسی حکم کو واجب کرنے والا ہو بلکہ اس معنی سے کہ اس فعل میں کوئی ایسی چیز ہے جو کہ اس فعل کو حکیم مطلق کی طرف سے حکم کا مستحق قرار دیتی ہے۔ کیونکہ کسی مرجوح کو ترجیح دینا اس کی شان نہیں ہے۔ اور جب تک کہ حکیم مطلق حکم نہ فرمائے اس وقت تک مکلفین کے حق میں حکم ثابت نہیں ہوتا اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مکلف ہونے کیلئے

marfat.com
Marfat.com

دعوت کا پہنچنا شرط ہے۔ جیسا کہ اس بحث میں مذہب مختار ہے۔ پس جو مشکلات قول بالتناسب پر ذکر کی گئیں تھوڑا سا غور کرنے پر سب ختم ہو جاتی ہیں۔

جب یہ مقدمہ ذکر ہوا تو جاننا چاہئے کہ حروف ہجا میں سے ہر حرف کی ہیئت اور اس حرف کے نکلنے کی جگہ جسے قراء کے عرف میں مخرج کہتے ہیں کے اعتبار سے۔ نیز آواز نکلنے اور سامع پر دباؤ اور تیزی کی وجہ سے اثر کرنے۔ جیسا کہ اسے عرف قراء میں صفت حرف کہتے ہیں کہ اعتبار سے ایک بسیط اجمالی حالت ہے کہ واضع نے مختلف ترکیبات کو جدا جدا معنوں کے مقابلہ میں وضع کرتے وقت اس کا اعتبار فرمایا۔ اور علمائے اشتقاق جیسے امام راغب اصفہانی وغیرہ نے قوت ذہانت سے ان حالات کو دریافت کرلیا ہے۔ اور وہ حالت بسیط' واضع کے استعمال میں ترکیبی خصوصیتوں سے خالی نہیں آئی ہاں عقل کیلئے ممکن ہے کہ ان حالات کو ترکیبی خصوصیتوں سے علیحدہ کرکے گہری نظر سے اسے معین کرے۔ اور اپنی معلوم کیفیتوں میں سے کسی کیفیت کے ساتھ تعبیر کرے۔ جیسے اہل موسیقی کا نغموں کی آوازوں کو صورتوں اور وقتوں سے تعبیر کرنا اور اہل نجوم کا ستاروں کی تطبیق کو کائنات کی اقسام سے حکایت کرنا اور اس معنی کو حضرت سلطان العارفین اسوۃ الحکماء المتالہین حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز نے کتاب خیر کثیر جس کا لقب خزائن الحکمت ہے کہ آخر میں شواہد و دلائل کے ساتھ تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔ اور کتاب الفوز الکبیر فی علم التفسیر کے آخر میں اس قدر بیان پر اکتفا فرمایا جو کہ مقطعات قرآنی کی تفسیر میں کام آئے چنانچہ ان کی بشارت والی عبارت فوز کبیر سے نقل کی جاتی ہے۔

## الفوز الکبیر کے حوالے سے ہر حرف ہجا کا معنی بسیط

فرماتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ حروف ہجا جو کہ کلمات عرب کی اصل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا معنی بسیط ہے۔ کہ انتہائی نازک ہونے کی وجہ سے اس کی تعبیر اجمالی رمز کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے قریبی مادے قریبی سے معنوں میں متفق ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اہل ادب کے عقل مندوں نے ذکر کیا ہے کہ جہاں نون اور فا جمع ہوئے ہیں وہاں کسی نہ کسی طرح سے نکلنے کے معنوں پر دلالت ہے۔ جیسے نفر' نفث' نفح' نفخ' نفد و نفذ اور

marfat.com

Marfat.com

جہاں بھی فا اور لام جمع ہوئے ہیں وہ پھاڑنے کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے فلق، فلج، فلح، فلذ اور فلو۔ اور یہیں سے اہل ادب کے عقل مند جانتے ہیں کہ اکثر عرب والے اکثر ایک کلمہ کو حروف متقاربہ میں تبدیل کر کے کئی وجہوں پر بولتے ہیں۔ جیسے دق، دک، لج، ز بہر حال اس کے بے شمار گواہ ہیں۔

اور ہمیں صرف تنبیہ کرنا مقصود ہے۔ اور کچھ نہیں۔ اور یہ سب لغت عرب ہے۔ اگر چہ خالص عرب اس کی گہرائی تک نہیں پہنچتے۔ اور نحوی بھی ادراک نہیں کرتے۔ چنانچہ اگر تو خالص عربی سے تعریف جنس کا مفہوم یا تراکیب کے خواص پوچھے تو وہ اس کی حقیقت بیان کرنے پر قادر نہیں ہوتا اگر چہ انہیں استعمال کرتا ہے۔ پھر کلام عرب کے موشگاف ایک سطح پر نہیں ہیں۔ بعض ذہن کے اعتبار سے بعض سے زیادہ لطیف ہیں۔ کئی مفہوم ایسے ہیں کہ ایک جماعت اس کی گہرائی تک پہنچی اور دوسرے وہاں تک نہیں پہنچے اور یہ علم بھی اگر چہ لغت عرب سے ہے مگر اکثر باریک میں اس مفہوم کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ پس حروف مقطع سورتوں کے نام ہیں اس طرح کہ سورۃ میں جو کچھ تفصیل سے مذکور ہوتا ہے اس پر اجمالی طور پر دلالت کرتے ہیں اس کی تشبیہ اس طرح ہے کہ کسی کتاب کا نام ایسا مقرر کر دیا جائے کہ سننے والے کے ذہن پر اس کتاب کی حقیقت کو واضح کر دے۔ جیسا کہ بخاری نے اپنی کتاب کا نام جامع الصحیح المسند فی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا ہے۔ پس الم کا معنی یہ ہے کہ غیر متعین غیب، عالم شہادت کی نسبت سے جو کہ آلودہ ہے متعین ہو گیا۔ کیونکہ ہمزہ اور ہا دونوں غیب کے معنوں میں ہیں البتہ ہا اس عالم کا غیب ہے۔ اور ہمزہ عالم مجرد کا غیب اسی لئے استفہام کے وقت ام کہتے ہیں۔ اور عطف کے وقت او اس لئے کہ جس کے متعلق استفسام ہوتا ہے اس کا امر ایک منتشر امر ہے۔ اور وہ متعین کی بہ نسبت غیب ہے۔ اور اسی طرح جس میں تردد ہے وہ غیب ہے پہلے ہمزہ زیادہ کرتے ہیں۔ تا کہ اس پر دلالت کرے کہ اس کے ذہن میں ایک صورت قائم ہے کہ اس کی تفصیل فلاں مادہ ہو گا۔ اور ضمیروں میں ہا کو اختیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس عالم کا غیب ہے۔ اور متعین کو کچھ اجمال حاصل ہوا اور لام تعین کے معنوں میں ہے۔ اسی لئے تعریف کے وقت لام زیادہ کرتے

marfat.com

Marfat.com

ہیں۔ اور چونکہ میم کی وجہ سے دونوں ہونٹ جمع ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ آلودہ کے جسم پر دلالت کرتی ہے۔ جس میں کہ شے کی حقیقتیں جمع ہوئیں اور مقید ہوئیں اور تجرد کی فضا سے تقید کی گرفت میں آپڑیں۔

## حروف مقطعہ کے کنایات

پس الم فیض مجرد سے کنایہ ہے جو کہ عالم تغیر میں آیا اور ان کے عادات وعلوم کے مطابق متعین ہوا۔ اور ان کے دل کی سخت کا نصیحت کرنے کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اور فاسد اقوال اور کھوٹے اعمال کو مضبوط دلائل سے گرادیا۔ اور ساری سورت اس کی شرح اور بیان ہے۔ اور الف' الم کی مثل ہے۔ سوائے اس کے کہ را تردد پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی وہ غیب جو کہ آلودگی سے متعین ہوا پھر دوسری بار آلودگی میں آیا اور متعین ہوا۔ تیسری دفعہ اسی طرح اور یہ بنی آدم کی برائیوں کو گرانے والے علوم سے کنایہ ہے۔ جو کہ بار بار انہیں توڑتے ہیں۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور یکے بعد دیگرے ان کے مذاکرات اور بار بار کے سوال و جواب پر صادق آتے ہیں۔ اور طا اور صاد دونوں آلودگی کے عالم سے عالم بالا کی طرف اٹھنے کی حرکت سے عبادت ہیں سوائے اس کے کہ طا اس متحرک کی عظمت و بزرگی یا اس کی آلودگی پر دلالت کرتی ہے۔ اور صادق صفائی اور لطافت پر جبکہ سین تمام آفاق میں جاری ہونے' محو ہو جانے اور پھیل جانے پر دلالت کرتا ہے۔ پس طٰہٰ انبیاء علیہم السلام کے مقامات ہیں کہ ان کے عالم اعلیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے آثار ہیں جس نے اس عالم میں اجمالی بیان اور ان کی کتابوں میں مذکور ہونے کے ساتھ ایک غیب کی صورت پیدا کی۔ اور حمٓ انبیاء علیہم السلام کے مقامات ہیں کہ ان کی حرکات فوقانی کے آثار ہیں جو کہ عالم آلودگی میں جاری اور آفاق میں منتشر ہوئے۔ اور حا رہی ہا ہے جس کا معنی بیان کیا جاچکا سوائے اس کے کہ جب روشنی' ظہور اور تمیز رکھے تو اسے حا سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس حم کا معنی ایک نورانی اور روشن اجمالی ہے جو کہ عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ سے آلودہ جہان کے نصائص میں پیوست ہوا اور یہ کنایہ ہے ان کے اقوال کو رد کرنے اور ان کے شبہات' مناظرات اور عادات میں حق کے ظاہر ہونے سے اور ع ظہور اور روشنی اور متعین ہونے پر دلالت کرتا

marfat.com

Marfat.com

ہے۔اور ق م کی طرح اس عالم پر دلالت کرتا ہے۔لیکن قوت اور شدت کی جہت سے اور میم اس میں صورتوں کے اجتماع اور ہجوم کی جہت سے۔پس عشق حق روشن ہے کہ آلودگی کے عالم میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔اور ن اس نور سے عبارت ہے جو کہ اندھیرے میں سرایت کرتا اور پھیلتا ہے اس حالت کی طرح جو کہ صبح صادق کے وقت یا غروب شمس کے نزدیک ہونے کے وقت ہوتی ہے۔اور یا اسی طرح ہے مگر یہ کہ ن کی بہ نسبت یا میں نورانیت کچھ کم سمجھی جاتی ہے۔اور ہا کی نسبت سے تعین کم ہوتا ہے۔پس یہ اُن معنوں سے کنایہ ہے جو کہ عالم میں پھیلتے ہیں۔اور ص ایک ہیئت ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کے اپنے پروردگار کی طرف جبلتہ یا کسباً متوجہ ہونے سے پیدا ہوئی۔اور ق ایک قوت اور شدت اور ایک شکستگی ہے جو کہ اس عالم میں متعین ہوئی۔جیسا کہ کوئی کہے کہ میرے قصد کا نشانہ یہ ہیئت ہے کہ اس عالم میں شکستگی اور تصادم کی وجہ سے پیدا ہوئی۔اور ک مثل ق کے ہے سوائے اس کے کہ قوت کا معنی ق کی بہ نسبت کم سمجھا جاتا ہے۔پس کٓھٰیٰعٓصٓ کا معنی ظلمتوں سے آلودہ جہاں جس میں بعض علوم جو کہ روشن نہیں ہیں پروردگار اعلیٰ کی طرف رجوع کے وقت متعین ہوئے۔خلاصہ کلام یہ کہ ان کلمات کے معنوں کو بطریق ذوق سمجھایا گیا اور ان اجمالی معنوں کو ان کلمات کے سوا تحریر میں لانا اور تقریر کرنا ممکن نہیں اگرچہ یہ کلمات ان کی حقیقت کے بیان کو پورا نہیں کرتے بلکہ ایک وجہ سے بیان کرتے ہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ انتھی۔

شیخ کبیر صدرالدین قونوی کے ان حروف کے اجمالی معنوں کو بیان کرنے کے متعلق دو رسالے ہیں۔اور ان ہر دو رسالوں میں انہیں مضامین کے قریب قریب بیان فرمایا۔مثلاً ایک رسالہ میں فرماتے ہیں الف ہر قیم محیط اُسے ثابت رکھنے والا جو اس کے ساتھ قائم کیا گیا ہو جیسے حضرت آدم و عیسیٰ علیہما السلام اور کعبۃ۔لام ہر وسیلہ جو کہ اس چیز کو پہنچانے میں مستقل ہو جس کا اس سے قصد کیا جائے جیسے رسل مستقلہ میم ہر کامل جس نے اپنا مقصد پورا کیا جیسے فلک اور زمین وعلیٰ ہذا القیاس۔دوسرے رسالہ میں فرماتے ہیں الف غیب ہے۔اور احاطۃ لام وسع وصلہ فی لطف جس کا وصل لطف میں وسیع ہے۔المیم تمام اظہر مثال حس۔میم۔کامل کہ اس نے حس کی مثال ظاہر کی۔

marfat.com
Marfat.com

اور علمائے جفر کے نزدیک اس عالم کے ارکان کے ساتھ حروف کی مناسبت کے بیان میں ایک علیحدہ راستہ ہے۔ اور وہ راستہ ان حروف کی خطی اشکال پر مبنی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حروف ہجا کے اجمالی معنوں کا ہونا اور ان معنوں پر نظر رکھتے ہوئے حقائق کلیہ کے ساتھ ایک ان کی مناسبت ہونا ایک ایسا امر ہے کہ اہل کشف و تحقیق اور اہل اشتقاق و تصرف دونوں کے نزدیک مسلم ہے اگر ظاہر میں متکلمین اور فقہاء اس کا انکار کریں تو وہ کسی گنتی میں نہیں۔

## مقطعات کی تحقیق میں سولہ اقوال

مگر جو کچھ مقطعات کی تحقیق میں قدیم مفسرین سے منقول ہے۔ پس سب کے سب ۱۶ قول ہیں۔ اول یہ ہے کہ یہ حروف اسرار محبت ہیں کہ غیروں سے چھپا کر اپنے رسول حبیب پاک علیہ السلام کو ان کا پتہ دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ حروف مفردہ سے خطاب کرنا احباب کی سنت ہے۔ کیونکہ حبیب کا راز جو حبیب کے پاس ہے واجب ہے کہ اس پر رقیب کو اطلاع نہ ہو۔ اور اس قول کی تائید اس روایت سے کی گئی ہے جو کہ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر کتاب کا سِرّ یعنی راز ہے۔ اور قرآن پاک کا سر سورتوں کے اوائل ہیں۔ اور وہ جو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ ہر کتاب کا چنا ہوا مضمون ہوتا ہے۔ اور قرآن کا صفوۃ حروف تہجی ہیں۔ نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ علم بے پایاں دریا کی طرح ہے کہ اس سے نہر جاری کی گئی اور اس نہر سے راجباہ اور اس راجباہ سے کھالے۔ پس اگر نہر کو تکلیف دیں کہ دریا کے سارے پانی کو برداشت کرے تو نہیں کر سکتی اسی لئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آسمان کی طرف سے پانی اتارا۔ پس وادیاں اپنے اندازے کے مطابق بہہ نکلیں۔ پس بے پایاں علم کا دریا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور اس دریا سے مختلف نہریں رسل علیہم السلام کو عطا فرمائی گئیں۔ اور ان نہروں سے چھوٹے راجباہ ہر فن کے علماء کو پہنچے اور ان راجباہوں سے عوام الناس کو ان کی استعداد کے مطابق نالیاں پہنچتی ہے۔ اور ہر نچلے درجے کا اپنے سے اوپر کے درجہ کا متحمل نہیں ہو سکتا اسی لئے بعض خبروں میں واقع ہے کہ علماء کیلئے سر ہے۔ اور خلفاء کیلئے سر ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام

marfat.com

Marfat.com

کیلئے سر ہے۔ اور فرشتوں کیلئے سر ہے۔ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات سر ہی سر ہے۔ پس علماء کیلئے ممکن نہیں کہ خلفاء کے سر پر اطلاع پائیں اور اسی قیاس پر۔

اور اس کا سبب یہ ہے کہ کمزور عقلیں اسرار قویہ کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتیں جس طرح چمگادڑ کی آنکھ آفتا ... ...رکو برداشت نہیں کرسکتی اور یہ قول شعبی سے منقول ہے۔ کیونکہ ان سے ان حروف کے معانی کا سوال کیا گیا تھا آپ نے فرمایا اللہ کا راز ہے اسے مت طلب کرو اور جو اس قول کے رد میں کہا گیا کہ اگر مقدمہ یہی ہے۔ تو قرآن کا معنیٰ معلوم نہ ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن کا فائدہ اس کے معنوں کے فہم پر منحصر نہیں کئی جگہ صرف ایمان مطلوب ہوتا ہے۔ جیسا کہ تمام متشابہات میں یہی معنیٰ مطلوب ہے وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ سے لے کر اِلَّا اللّٰهُ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا تک کی نص کے موافق۔ اور جیسا کہ شریعت کے جن افعال کی ذمہ داری بندوں پر رکھی گئی ان کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں کہ ان میں وجہ حکمت ظاہر ہے۔ جیسا کہ نماز کہ معبود کی بارگاہ میں عاجزی اور منعم کا شکر ہے۔ اور روزہ کہ نفس کو توڑنا اور شہوت کو مغلوب کرنا ہے۔ اور زکوٰۃ کہ مساکین کی حاجت پوری کرنا اور بخل جیسی ذلیل عادت کو دور کرنا ہے۔ اور بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان میں وجہ حکمت اصلاً ظاہر نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اکثر افعال حج اور دونوں قسم کے اعمال سے بندے مکلف کئے گئے تاکہ اس تکلیف شرعی پر عمل کرنے کی وجہ سے مکلفین اپنے کمال کے مرتبوں میں ترقی کریں بلکہ دوسری قسم میں کمال اطاعت زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح کلمات قرآنی میں دونوں قسمیں وارد ہوئی ہیں۔ تاکہ دوسری قسم میں ایمانی قوت زیادہ ظاہر ہو۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں۔ اور یہ اکثر متکلمین کا مذہب ہے۔ اور خلیل اور سیبویہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حروف اسمائے الٰہیہ ہیں۔ اور یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعود اور دیگر منتخب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بھی منقول ہے کہ وہ اپنی دعا میں یوں کہتے یا کہیعص یا حمعسق اور اسی کے قریب یہ

marfat.com

Marfat.com

قول ہے کہ یہ حروف اسماء الٰہی کے بعض حصے ہیں۔ بعض جگہوں پر ہمارے لئے ترکیب ممکن ہے۔ مثلاً الر حم ن کو جمع کریں تو ہمیں الرحمٰن حاصل ہوا اور بعض میں ممکن نہیں ہے۔ اور یہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قول چہارم یہ ہے کہ یہ حروف قرآن پاک کے نام ہیں۔ اور کلبی' سدی اور قتادہ کا یہی مذہب ہے۔

قول پنجم یہ ہے کہ ان حروف میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کسی نام پر بطریق اشارہ دلالت کرتا ہے۔ مثلاً الف احد' اول' آخر' ازلی اور ابدی کا اشارہ ہے۔ اور لام لطیف کا اشارہ' میم ملک' مجید' منان کا اشارہ ہے۔ ک سے کافی' ہا سے ہادی' حا سے حکیم' عین سے عالم اور صاد سے صادق کا اشارہ ہے۔ اور کبیر و کریم' مجز' عزیز و عدل کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ قول منقول ہے۔ لیکن کبھی وہ ان حرفوں سے صفات مرکبہ کا استنباط بھی کرتے تھے مثلاً الف لام میم میں انا اللّٰہ اعلم کہتے تھے۔ اور الف لام میم ص انا اللہ اعلم و افصل ۔ اور الٓر میں انا اللہ اری اور محمد بن کعب قرظی صفات افعال کو انہیں حروف سے نکالتے تھے۔ اور کہتے تھے الف الاء اللہ' لام لطف الٰہی ہے میم اس کی مجد ہے۔

قول ششم یہ ہے الف اللہ سے لیا گیا ہے۔ اور ل جبریل سے اور میم محمد سے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو بواسطہ جبریل علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا ہے۔ اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ الف انا لام لی اور میم منی یعنی تمام عالم میں ظاہر میں ہوں۔ اور ہر چیز میری ملک اور خلق ہے۔ اور مجھ سے پیدا ہوئی۔

قول ہفتم: عبدالعزیز بن یحییٰ نے کہا ہے کہ بچوں کی تعلیم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے انہیں حروف ابجد مقطعہ کی تعلیم دیتے ہیں اس کے بعد مرکبات سکھاتے ہیں ان حروف مقطعہ کو لانے میں اسی طریقہ کی طرف اشارہ ہے۔

آٹھواں قول: قطرب نحوی کہتا ہے کہ جب کفار اس قرآن کو سنتے تھے تو مذاق اور بیہودہ باتیں کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا کہ کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو مت

marfat.com

Marfat.com

سنو اور اس میں شور ڈالو۔حق تعالیٰ نے یہ حروف مقطعہ اس لئے اتارے تا کہ تعجب سے سننے لگیں۔اور قرآن پاک کے معنی ان کے دل پر وہاں سے ہجوم کریں کہ انہیں شعور تک نہ ہو۔

نانواں قول: مبرد کہتے ہیں کہ بعض سورتوں کے اوائل میں ان حروف مقطعہ کو لانا تحدی یعنی دعویٰ نبوت کے وقت کافروں کو ہوش دلانے اور تنبیہ کرنے کو ہے کہ دیکھو کہ یہ قرآن پاک ان ہی حروف سے ہے کہ تم بھی اپنے کلام کو ان ہی سے ترکیب دیتے ہو اگر یہ ہمارا کلام نہ ہو تو تم سب کے سب اس کے مقابلہ سے عاجز کیوں ہو جاؤ۔

دسواں قول: ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ یہ حروف ابجد کے حساب سے اس امت کے عمدہ انقلابات کے اوقات اور مدتوں کی طرف اشارہ ہے کہ ان میں سے بعض معلوم اور بعض نامعلوم ہیں۔اور اس کی تائید وہ روایت ہے جو بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ایک دن ابو یاسر بن اخطب یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب سے گزر رہا تھا۔اس نے سنا کہ حضور علیہ السلام سورۃ بقرہ کا ابتدائیہ پڑھ رہے ہیں یہ دیکھ کر اپنے بھائی حیی بن اخطب کے پاس گیا۔اور کہنے لگا کہ آج میں نے محمد سے عجیب چیز سنی ہے۔کہ کتاب الٰہی میں الم کی تلاوت کر رہے تھے حیی نے کہا تو نے اپنے کانوں سے سنا اس نے کہا ہاں حیی اٹھا اور یہودی عالموں کی جماعت کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ یہ حرف آپ کے پاس جبریل اللہ تعالیٰ کے ہاں سے لائے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا: ہاں۔ حیی نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ گزشتہ پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کو (علیہم السلام) اپنی حکومت کی مدت معلوم نہ تھی اس پیغمبر کو اس مدت پر کیوں آگاہی دی گئی پھر اس نے ہمراہیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ شمار کرو۔الف ایک ہے۔اور لام تیس اور میم چالیس۔ پس اس دین کی مدت ساری کی ساری اکہتر برس ہے یہ دین جو اتنی قلیل مدت رکھتا ہے ہم اسے کیوں قبول کریں پھر حضور علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ ان حروف کے علاوہ آپ پر اور حروف بھی نازل ہوئے ہیں۔حضور علیہ السلام نے فرمایا ہاں اور المص

marfat.com

Marfat.com

پڑھا اس نے کہا کہ اس کی مدت زیادہ ہے ایک سو اکسٹھ سال۔ پھر پوچھا آپ کوئی اور چیز بھی رکھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: الٓر المٓر حیی نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے یہ مسئلہ ہم پر مشتبہ کر دیا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ آپ کے دین کا رواج کم ہے یا زیادہ اور جب اٹھ کر چلا گیا تو ساتھیوں سے کہنے لگا کہ شاید یہ ساری مدتیں امت (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیلئے جمع کی گئیں لیکن اس کی امت کے ادوار و انقلابات ان مدتوں میں دوسرے رنگ میں ظاہر ہوں گے اس کے ہمراہیوں نے کہا کہ ابھی کام مشتبہ ہے کچھ معلوم نہیں ہوا۔ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس قصہ کے بعد یہ آیت بھیجی وہ وہی ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری۔ اس میں سے بعض آیات محکمات ہیں جو کہ کتاب کی اصل ہیں۔ اور دوسری متشابہات۔

گیارہواں قول یہ ہے کہ یہ حروف ایک کلام کے ختم ہونے اور دوسری کلام کے شروع ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

بارہواں قول یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان حروف کی قسم فرمائی ہے۔ اور حرف قسم محذوف ہے۔ جس طرح کہ دوسری سورتوں کے اوائل میں دوسری مخلوقات کی قسمیں بیان فرمائیں اور فی الواقع یہ حروف ایک شرافت رکھتے ہیں۔ اور اسی شرافت کی وجہ سے قسم کے قابل ہیں۔ کیونکہ لغات کی اصل ہیں۔ اور ان کی وجہ سے لوگوں کے مافی الضمیر کا تعارف حاصل ہوتا ہے۔ ذکر الٰہی کا مادہ ہیں اللہ تعالیٰ کی کلام کی اصل اور بندوں کے نام اس کا خطاب ہیں۔

تیرہواں قول: الف امر سلوک کی ابتداء میں شریعت پر استقامت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ فرمایا جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر انہوں نے استقامت اختیار کی۔ اور لام اس چیز کی طرف اشارہ ہے جو کہ مجاہدہ کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ اور جن لوگوں ہم میں مجاہدہ کیا ہم ضرور انہیں اپنی راہوں کی ہدایت دیں گے۔ اور میم اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ محبت کے مقام میں دائرہ کی مانند گھومتا ہے کہ اس کی انتہا عین ابتداء ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک عارف نے فرمایا انتہاء آخر میں ابتداء ہو جاتی ہے۔

marfat.com

Marfat.com

چودھواں قول: الف حلق کی جڑ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور لام زبان کی طرف سے جو کہ مخارج کا درمیان ہے۔ اور میم لب سے ظاہر ہوتا ہے جو کہ مخارج کا آخر ہے اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ کے کلام کی ابتداء، درمیان اور آخر اللہ تعالیٰ کا ذکر چاہئے۔

پندرہواں قول یہ ہے الف لام تعریف کی علامت ہے۔ اور میم علامت جمع، گویا فرمایا گیا کہ قرآن پاک کا نزول تمام لوگوں کو آگاہی بخشنے کیلئے ہے۔ تاکہ اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو جانیں۔ اور اس کی پسند اور ناپسند کو پہچانیں۔

سولہواں قول: ان حروف مقطعہ کو سورتوں کے اوائل میں لانا اعجاز ثابت کرنے کیلئے ہے۔ کیونکہ لکھنے اور پڑھنے کے بغیر حروف کے ناموں کو پہچانا نہیں جا سکتا۔ بالکل بے پڑھا جو کہ کبھی کسی مکتب میں نہ بیٹھا ہو اسے حروف کے نام اصلاً معلوم نہیں ہوتے۔ ہاں صرف حروف کے ساتھ بولتا ہے۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھے پڑھے بغیر ان اسماء کا ذکر فرمائیں تو یقین حاصل ہوگا کہ آپ نے انہیں وحی کے ذریعے سے معلوم کیا۔ خصوصاً جب گہری نظر سے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ان حروف کو لانے میں اس قدر باریکیوں اور نکات کی رعایت کی گئی ہے کہ ماہر عربی دان کیلئے ان کی رعایت ممکن نہیں۔

## دقائق حروف

ان میں سے یہ ہے کہ مقطعات میں چوداں حروف وارد کئے گئے ہیں جو کہ حروف ہجا کا نصف ہیں اگر الف کو علیحدہ شمار نہ کریں۔ انتیس سورتوں میں جو کہ الف کو ملا کر حروف ہجا کی تعداد ہے۔ پس حروف کے ناموں کا نصف مسمیات کی تعداد میں وارد کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ الف کو ہمزہ کے ساتھ پوری شارکت ہے ان میں فرق صرف سکون اور حرکت کا ہے۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ ان حروف کو وارد کرنے میں حروف کی ساری قسموں کی طرف اشارہ ہے کہ نصف نصف ہر قسم کا لایا گیا مثلاً حروف کی دو قسمیں ہیں مہموسہ، مجہورہ؛ مہموسہ حروف "سَتَشحَثُكَ خَصَفَہ" ہیں۔ اور ان دس حروف میں سے حا، ہا، صاد، سین اور کاف مقطعات قرآنی میں وارد ہیں جو کہ ان کا حقیقی نصف ہیں۔ اور حروف مجہورہ میں سے بھی

marfat.com

Marfat.com

نصف حقیقی یا نصف اقل مذکور ہے۔ اور وہ لام' نون' یا' قاف' طا' عین' ہمزہ' میم اور را ہے۔

نیز حروف دو قسموں پر ہیں شدیدہ اور رخوۃ۔ شدیدہ آٹھ حروف ہیں ہمزہ' جیم' دال' تا' طا' با' کاف اور قاف اور ان حروف کا نصف جو کہ الف' قاف' طا اور کاف ہے ان مقطعات میں مذکور ہے۔ اور باقی بیس حروف جو کہ رخوہ ہیں میں سے دس حروف مقطعات میں مذکور ہیں حا' میم' سین' عین' لام' یا' نون' صاد' را اور ہا

نیز حروف کی دو قسمیں ہیں مطبقہ' منفتحہ' مطبقہ سے جو کہ چار حروف ہیں صاد' ضاد' طا اور ظا کے نصف کو ذکر فرمایا جو کہ صاد اور طا ہیں۔ اور باقی حروف جو کہ منفتحہ ہیں کے بھی نصف کو ذکر فرمایا ہے جو کہ ۱۲ حروف ہیں۔ اور حروف قلقلہ سے جو کہ پانچ حروف ہیں قاف' دال' طا' با اور جیم نصف اقل کو ذکر فرمایا جو کہ قاف اور طا ہیں۔ تا کہ اس طرف اشارہ ہو کہ کلام عرب میں یہ حروف تھوڑے ہیں۔ اور دو حرف لین کہ واؤ اور یا ہیں میں سے یا کو اختیار فرمایا کیونکہ یا ثقل میں واؤ سے کمتر ہے۔ اور حروف مستعلیہ سے جو کہ سات ہیں قاف' صاد اور طا کو جو کہ نصف اقل ہے اختیار فرمایا۔ اور خا' غین' ضاد اور ظا کو ترک فرمایا۔ اور حروف منخفضہ سے جو کہ اکیس ہیں نصف اکثر کہ جو کہ گیارہ ہیں ذکر فرمایا۔ اور حروف بدل سے جو کہ سیبویہ کے مذہب کے مطابق گیارہ حرف ہیں الف' جیم' دال' طا' واؤ' یا' تا' میم' نون' ہا اور ہمزہ نو حرف ذکر فرمائے ہیں۔ اور ان حروف میں سے جو کہ اپنی مثل میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے قریب المخرج میں مدغم نہیں ہوتے۔ اور وہ پندراں حروف ہیں ہمزہ' ہا' عین' صاد' طا' میم اور یا کو ذکر فرمایا جو کہ اس کا نصف اقل ہوتا ہے۔ اور خا' غین' ضاد' فا' ظا' شین' زا اور واؤ کو ترک فرمایا۔ اور ان حروف میں سے جو کہ دونوں میں مدغم ہوتے ہیں اپنی مثل میں بھی اور قریب المخرج میں بھی اور وہ باقی تیراں حروف ہیں میں سے اس کے نصف اکثر کو ذکر فرمایا جو کہ حا' قاف' کاف' را' سین' لام اور نون ہیں۔ تا کہ اشارہ ہو اس بات کا ادغام' کلام کے ہلکے اور فصیح ہونے کو واجب کرتا ہے جو چیز ادغام زیادہ قبول کرے گی اس کے حال کی رعایت زیادہ کی جائے گی۔ اور وہ چار حروف جو کہ اپنے قریب المخرج میں ادغام قبول نہیں کرتے۔ اور ان کے قریب المخرج ان میں ادغام قبول کرتے ہیں۔ اور وہ حروف میم' را'

marfat.com
Marfat.com

شین اور فا ہے اس کے نصف کو ذکر فرمایا کہ میم اور را ہے۔ اور حروف زلقیہ جو کہ رب منقل میں جمع ہیں۔ اور حروف حلقیہ جو کہ حا' خا' عین' غین' ہا اور ہمزہ ہیں عرب کے کلام میں زیادہ واقع ہوتے ہیں دو تہائی ذکر فرمائے گئے تا کہ کلام عرب میں ان کے زیادہ واقع ہونے کا اشارہ ہو۔ اور دس زاید حروف جو کہ سالتمونیہا میں جمع ہیں میں سے سات حروف کو ذکر فرمایا گیا۔ تا کہ اشارہ ہو کہ مزید فیہ کی بنا سات سے تجاوز نہیں کرتی اور وہ بھی اسم میں جیسے استفعال اور افعیلال۔ پھر ان حروف کو کبھی مفرد لائے ہیں۔ جیسے صاد' قاف' نون اور کبھی دو دو مثل حامیم' یاسین' طاسین۔ اور کبھی تین تین جیسے طاسیم' الم اور کبھی چار چار جیسے المص' المرٰ اور کبھی پانچ پانچ جیسے کہیعص اور حمعسق تا کہ اس بات کا اشارہ ہو کہ مفرد حروف تین قسموں اسم' فعل اور حرف میں موجود ہوتے ہیں اسم میں جیسے کاف خطاب اور فعل میں جیسے ق اور ل جو کہ وقی یقی اور ولی یلی سے صیغہ امر ہے۔ اور حرف میں جیسے بائے جر اور کاف تشبیہ۔ اور چار جگہ دو دو لائے ہیں طٰہٰ' طٰسٓ' یٰسٓ اور حمٓ تا کہ اشارہ ہو کہ دو دو کی ترکیب کبھی حرف میں ہوتی ہے حذف کے بغیر جیسے بل اور ہل اور کبھی فعل میں حذف کے ساتھ ہوتی ہے۔ جیسے قل اور کبھی اسم میں حذف کے بغیر ہوتی ہے۔ جیسے من اور حذف کے ساتھ بھی جیسے دم نو مقامات میں تا کہ اشارہ ہو اس بات کا کہ یہ ترکیب تینوں قسموں اسم' فعل اور حرف میں تین وجہ پر واقع ہوتی ہے ضم' فتح اور کسر۔ پس اسماء میں من' اذ اور ذو اور افعال میں قل' بع اور خف اور حرف میں ان' من اور منذ اور تین ترکیب تین تین کی وارد کی ہیں کہ الٓمٓ' الٓر اور طٰسٓمٓ ہیں۔ تا کہ اشارہ ہو اس بات کا کہ یہ ترکیب تینوں قسموں اسم' فعل اور حرف میں واقع ہوئی۔ تیراں سورتوں میں تا کہ اس امر کا اشارہ ہو کہ ابنیہ مستعملہ کے تیرہ اصول ہیں دس اسم کیلئے فلس' فرس' کتف' عضد' حبر' عنب' ابل' قفل' صرد' عنق اور تین فعل ماضی کیلئے بصر' علم' شرف اور چار چار کی ترکیب کو دو جگہ وارد فرمایا ہے المرٓ' المصٓ اور اسی طرح پانچ کی ترکیب کو بھی دو جگہ وارد فرمایا کھیٰعٓصٓ' حٰمٓعٓسٓقٓ تا کہ اس طرف اشارہ ہو کہ رباعی اور خماسی ترکیب میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں اصل جیسے جعفر اور سفرجل اور ملحق' جیسے قردد اور جحنفل۔ اور انہیں اشارات کیلئے ان حروف کو سورتوں میں جدا جدا کر کے ذکر فرمایا گیا۔

marfat.com
Marfat.com

اور قرآن مجید کے اول میں ایک مقام پر انہیں جمع نہیں کیا گیا واللہ اعلم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ : یعنی قانون جس کی اتباع لازم محکم جو کہ منکروں کیلئے معجزہ ہے۔ اور دلیل طلب کرنے والوں کیلئے مفید کیونکہ بلند مطالب کو روشن دلائل کے ساتھ ثابت کرنے والا ہے۔ اور کمزور شبہات کو زائل کرنے اور مٹانے والا۔

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ : یعنی وہ کتاب ہے جو کہ اپنے درجہ کمال کی بلندی اور اپنے اسرار و دقائق کی باریکی کی وجہ سے سننے والوں کے وہم اور فہم سے غائب اور افکار اور نگاہوں کی جولانیوں کے مقام سے بعید ہے۔ اسی لئے اس کے حق میں وہ کتاب کہا جاتا ہے جو کہ دوری پر دلالت کرتا ہے۔ نہ یہ کتاب کہ قرب پر دلالت کرتا ہے۔

## احکام دین کے اصول چار چیزیں ہیں

یہاں جاننا چاہئے کہ احکام دین کے اصول چار چیزیں ہیں کتاب' سنت' اجماع اور قیاس۔ اس لئے کہ دین کے بعض احکام کتاب سے ثابت ہوئے جیسے نماز' روزہ' زکوٰۃ' حرمت خنزیر اور گائے کا حلال ہونا۔ اور اسی کی مثل دوسرے احکام۔ اور بعض احکام حضرت پیغمبر علیہ السلام کے قول اور فعل سے ثابت ہوئے جنہیں سنت کہتے ہیں۔ جیسے نماز جنازہ اور گدھے اور خچر کی حرمت وغیرہ اور بعض احکام مجتہدین کے اجماع سے ثابت ہوئے جیسے اس لونڈی کو بیچنے کی حرمت جس نے اپنے مالک سے بیٹا جنا ہو۔ اور دو بہنوں کو حرمت ملک یمین کی وطی میں جمع کرنے کی حرمت اور بعض قیاس ظاہر سے ثابت ہوتے ہیں کہ غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا ہو جیسے پیسوں اور ٹکوں میں سود لینے کی حرمت کہ صریح طور پر اس باب میں سونے اور چاندی سے ملتے ہیں۔ لیکن وہ اصل جو لازم اور محکم ہو کتاب کے سوا کوئی اور نہیں۔ اس لئے کہ قیاس کیلئے ایسی جائے اعتماد چاہئے کہ اصل میں اس کی وجہ سے حکم شرع ثابت ہوا ہو۔ اور وہ اعتماد کا مقام یا کتاب ہے یا سنت یا اجماع اور اجماع بھی اپنی ذات میں اصل نہیں۔ کیونکہ اجماع اس قیاس کا نام ہے کہ تمام مجتہدین کے قیاس اسی پر وارد ہوئے ہوں۔ پس اس قیاس کا بھی کتاب وسنت سے کوئی مقام اعتماد ہوگا۔ اور سنت حضرت

marfat.com

Marfat.com

رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول وفعل کا نام ہے جب تک پیغمبر کی نبوت ثابت نہ ہوتو اس کے قول اور فعل معتبر نہیں ہوتے۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت قرآن پاک سے ثابت ہے جو کہ دائمی معجزہ ہے۔ پس حقیقت میں اصل محکم جو کہ پیغمبر' امت' مجتہد اور عام آدمی سے ہر ایک لئے لازم الاتباع ہے یہی قرآن پاک ہے۔ اور بس۔

اور کتاب اگر چہ اصل لغت میں مکتوب کے معنوں میں ہے کہ لکھے ہوئے کو کہتے ہیں۔ جیسے کہ لباس بمعنی ملبوس لیکن اصطلاح شرع میں یہ لفظ قرآن پاک کے ساتھ خاص ہے۔ حتیٰ کہ اگر کہا جائے کہ فلاں چیز کتاب میں ہے۔ تو سمجھا جائے گا کہ قرآن پاک میں ہے۔ اور قرآن پاک کے قرآن اور کتاب کے سوا بہت نام ہیں کہ عین قرآن پاک میں مذکور ہوں گے۔

ان میں سے فرقان ہے جو کہ آیت تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ میں مذکور ہے۔
اور فرقان کی وجہ تسمیہ دو چیزیں ہیں پہلی یہ کہ قرآن حق و باطل کے درمیان جدائی کرتا ہے دوسرے یہ کہ نزول میں متفرق آیا ہے تیئس سال میں آغاز سے انجام کو پہنچا۔
اور ان میں سے تذکرہ' ذکریٰ اور ذکر ہے۔ چنانچہ آیت وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ اور وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ اور وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ میں مذکور ہے۔ اور تذکرہ ذکریٰ اور ذکر کا معنی یاد کراتا ہے۔ یعنی یہ قرآن پاک بندوں کو احکام الٰہی یاد کراتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ شرف وفخر کے معنوں میں ہے۔

اور ان میں سے تنزیل ہے جو کہ آیت وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں ہے۔
اور ان میں سے احسن الحدیث ہے۔ یعنی بہترین بات' جو کہ آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ میں ہے۔

اور ان میں سے موعظہ ہے۔ یعنی نصیحت آیت يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ میں۔

اور ان میں سے حکم' حکمت' حکیم اور محکم ہے آیت وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا اور آیت حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ اور آیت يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اور آیت كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ

marfat.com
Marfat.com

آیاتہٗ میں۔

اوران میں سے شفااوررحمت ہے آیت وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اوران میں سے ھدی اورحادی ہے اسی آیت میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اور آیت اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ میں۔

اوران میں سے صراط مستقیم ہے آیت اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا

اوران میں سے حبل اللہ ہے آیت وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا یعنی قرآن پاک خداتعالیٰ کی رسی ہے اس کمند کی مانند جوکہ اونچے محل سے لٹکا دیتے ہیں۔تا کہ جو چاہے ہاتھ میں پکڑ کراوپرآجائے۔اورترقی حاصل کرے۔

اوران میں سے روح ہے آیت وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا کیونکہ قرآن پاک ارواح کی زندگی کا سبب ہے۔جس طرح کہ روح بدنوں کی زندگی کا سبب ہے۔پس قرآن پاک بمنزلہ روح کی روح کے ہے۔

اوران میں سے قصص حق ہے آیت اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ کیونکہ جوکوئی قصہ بیان کرتا ہے غالباً لغواور باطل بھی اس میں ملادیتا ہے سوائے اس کلام کے کہ حق کے سوا اس میں کوئی اور چیز نہیں ہے۔

اوران میں سے بیان تبیان اورمبین ہے آیت هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اورقُرْآنٌ مُّبِيْنٌ

اوران میں سے بصائر یعنی روشن دلائل آیت هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ

اوران میں سے قول فصل ہے آیت اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ میں

اوران میں سے نجوم ہے فَلَا اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ

اوران میں سے مثانی ہے۔ کیونکہ اس میں واقعات اخبار اور وعدو وعید کو تکرار سے بیان فرمایا آیت مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

اوران میں سے متشابہ ہے۔ کیونکہ اس کی ہر آیت دوسری آیت سے فصاحت و

marfat.com
Marfat.com

بلاغت، اعجاز اور لطف اسلوب میں مشابہ ہے۔

اوران میں سے برہان ہے آیت قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ میں

اوران میں سے بشیرونذیر ہے آیت قرآنا عربیا لقوم یعلمون بشیرا و نذیرا

اوران میں سے قیم ہے سورۃ کہف کے اول میں

اوران میں سے مہیمن ہے سورۃ مائدہ کے درمیان آیت مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتَابِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ میں

اوران میں سے نور ہے آیت وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ میں

اوران میں سے حق اور حق الیقین ہے آیت یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ اور اِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ میں

اوران میں سے عزیز ہے آیت اِنَّهٗ لَکِتَابٌ عَزِیْزٌ میں

اوران میں سے کریم ہے آیت اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ میں

اوران میں سے عظیم ہے آیت وَلَقَدْ اٰتَیْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمِ میں

اوران میں سے مبارک ہے آیت کِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَیْكَ مُبَارَكٌ میں

اوران میں سے نعمت ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق کہ آپ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ میں نعمت کی تفسیر قرآن سے فرمائی اوران ناموں کی شرح اپنے مقام پر آئے گی (اقول وباللہ التوفیق۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ مفسر علام قدس سرہ کا پورے قرآن کریم کی تفسیر کا ارادہ ہے۔ واللہ اعلم ارادہ کی تکمیل کی لیکن دستبرد زمانہ سے یہ عظیم ذخیرہ جواہر ضائع ہوگیا۔ یا حیات مستعار نے وفا نہ کی اور آپ کو تکمیل ارادہ نہ مل سکا۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ) اور یہ کتاب اس لئے اصل لازم الاتباع محکم ہوئی کہ

لَا رَیْبَ فِیْهِ: یعنی اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اس سبب سے کہ یہ کتاب اپنے مطالب پر خود روشن دلائل قائم کرتی ہے۔ اور شبہات کو شفا بخش تقریر کے ساتھ دفع کرتی ہے۔ پھر اعجاز کے ساتھ اس کی تائید کی گئی ہے کہ منکروں کے شبہات کو دور کرنے میں

marfat.com
Marfat.com

تیغ براں ہے۔ پھر اس سے پہلے جو کتب الٰہیہ تھیں۔ اور عام مخلوق کے نزدیک ان کا وحی ہونا مسلم الثبوت ہے نے اس کی تصدیق کی ہے۔ پھر اولیاء اور مجاہدات حقہ کرنے والوں کے کشف اس کتاب کے نزول کے بعد اس کتاب کے مطابق آئے ہیں بلکہ کشوف کا سچا ہونا اس کتاب کے مطابق ہونے سے جانا جاتا ہے۔ اور صرف عقلی دلائل معارضات اور مناقضات سے کم خالی ہوتے ہیں۔ پس وہ اس لائق نہیں ہیں کہ انہیں اصل محکم لازم الاتباع گردانا جائے۔ اور نقلی دلائل جو کہ خود دوسری کتابوں سے ہیں تحریف کا احتمال رکھتے ہیں۔ اور وہ انبیائے سابقین علیہم السلام سے لئے گئے۔ سند کے منقطع ہونے اور ان کی امتوں میں جھوٹ اور بہتان عام ہونے کی وجہ سے محل اعتماد نہیں ہیں۔ اور اس کے باوجود علوم حقہ اور معارف صادقہ میں سے جو کچھ پہلی کتب الٰہیہ اور نبوت کی اخبار ماضیہ میں جدا جدا اور متفرق تھا اس کتاب میں ایک جگہ جمع ہے۔ پس اس کتاب کی اتباع گویا تمام کتب الٰہیہ اور تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کی اتباع ہے۔ جس طرح کہ ہر فن کی پچھلی کتاب متقدمین کی کتابوں کے خلاصہ پر حاوی ہوتی ہے۔ اور وہ کتاب اپنے دیکھنے والے کو تمام پہلی کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

اور جب یہ کتاب اصل لازم الاتباع محکم ہے۔ تو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی متقیوں کیلئے ہدایت ہوگی۔ کیونکہ متقی ایسے شخص کا نام ہے جو اپنے آپ کو اس سے بچائے جو کہ آخرت میں اسے نقصان دے خواہ وہ نقصان دینے والا برا عقیدہ ہو یا بری عادت یا برا عمل۔ اور آخرت کے نقصانات کی معرفت اعتقادات و اخلاق و اعمال سے اس اصل محکم لازم الاتباع کے بغیر متصور نہیں۔

## تقویٰ کے تین مراتب

یہاں جاننا چاہئے کہ شرع میں تقویٰ کے تین مرتبے مقرر ہیں پہلا اپنے آپ کو ہمیشہ کے عذاب سے محفوظ رکھنا ہے۔ اور یہ تقویٰ کے مرتبوں میں سے ادنیٰ مرتبہ ہے جو کہ اپنے نفس کو انواع شرک سے دور رکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور آیت وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى میں تقویٰ اسی معنی میں ہے۔

marfat.com
Marfat.com

دوسرا مرتبہ اپنے آپ کو گناہوں سے دور رکھنا ہے۔ اور آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ آمَنُوْا وَاتَّقَوْا میں تقویٰ اسی معنی میں ہے۔ اور اہل شرع کی اصطلاح میں اسی مرتبے کو تقویٰ کہتے ہیں تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو شبہات سے بھی بچائے اور ان بعض مباح چیزوں سے بھی پرہیز کرے جو کہ گناہ کے ارتکاب تک کھینچ لے جائیں۔ اور اپنے باطن کو غیر حق کی طرف مائل ہونے سے باز رکھے۔ اور کلی طور پر اپنے تمام اعضاء و جوارح سمیت اپنے خالق کے حضور متوجہ رکھے۔ اور اس مرتبہ کو تقویٰ حقیقی اور مرتبہ ولایت کا نام دیتے ہیں۔ اور آیت اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔

## احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ وتابعین کے حوالے سے متقین کی کچھ علامات اور شرائط

اب ہم متقیوں کی کچھ علامات و شرائط بیان کرتے ہیں جو کہ احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ وتابعین میں وارد ہوئیں تا کہ متقی اور تقویٰ کا معنی ذہن میں جگہ پکڑے ابن ابی حاتم معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں کو قیامت کے دن ایک کھلے میدان میں روکیں گے پھر ایک ندا دینے والا آواز دے گا کہ متقی کہاں ہیں؟ یہ آواز سنتے ہی متقی پروردگار کے سایہ میں کھڑے ہوں گے۔ اور تجلی الٰہی کے مقام سے اس طرح متصل ہوں گے کہ اس تجلی کی شان ایک لحہ کیلئے بھی ان سے نہیں چھپے گی۔ لوگوں نے پوچھا کہ متقی کون سی جماعت ہے؟ تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ ایسے لوگ ہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو شرک کی انواع اور بت پرستی سے بچایا اور خالص اللہ تعالیٰ کیلئے عبادتیں کیں۔

امام احمد، ترمذی اور دوسرے معتبر محدثین نے عطیہ سعدی سے جو کہ صحابی ہیں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ بندہ اس درجہ تک نہیں پہنچتا کہ متقیوں میں سے شمار ہو یہاں تک کہ ان چیزوں کو چھوڑ دے جن میں کوئی خطرہ شرعی نہیں صرف اس ڈر سے کہ کہیں حرام میں پڑ جائے۔ اور ایک دن ایک شخص نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کا معنی پوچھا آپ نے فرمایا کبھی کانٹوں کی راہ چلے ہو؟ اس نے عرض کی ہاں فرمایا پھر تم نے کیا کام کیا؟ عرض کی کہ جہاں کانٹا دیکھتا وہاں سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا

marfat.com
Marfat.com

تھا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی تقویٰ کی حقیقت ہے جب مقدمات دین میں اس قسم کی احتیاط سے کام لے گا تو تو متقی ہو جائے گا اس حکایت کو ابن ابی الدنیا نے کتاب التقویٰ میں روایت فرمایا۔ نیز اسی کتاب میں حضرت حسن بصری سے لائے ہیں کہ تقویٰ ہمیشہ متقین کے ساتھ رہتا ہے یہاں تک کہ انہوں نے حرام کے ڈر سے بہت سا حلال بھی چھوڑ دیا۔

نیز عبداللہ بن مبارک سے روایت کی گئی کہ اگر ایک شخص سو گناہ سے پرہیز کرے۔ اور ایک گناہ سے پرہیز نہ کرے تو وہ متقیوں میں سے نہ ہوگا۔ اور عون بن عبداللہ سے لائے ہیں کہ پورا تقویٰ یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ تقویٰ کی شرطیں جاننے کا متلاشی رہے۔ اور اپنی دانست پر اکتفا نہ کرے جس طرح صحت کی حفاظت کرنے والا۔ اور بیماری سے خوف کرنے والا ہمیشہ بیماری کے اسباب کی معرفت کا متلاشی رہتا ہے۔ اور اپنی دانست پر اکتفا نہیں کرتا۔

نیز امام مالک سے روایت کی کہ وہب بن کیسان کہتے تھے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بطور نصیحت یہ عبارت لکھی ہے اما بعد کہ اہل تقویٰ کی کچھ علامات ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ اور وہ اپنے آپ سے انہیں پہچانتے ہیں۔ بلا پر صبر' قضا پر راضی رہنا' نعمتوں کا شکر ادا کرنا اور قرآن پاک کے حکم کے سامنے عاجزی کرنا۔ نیز ابن المبارک سے روایت ہے کہ حضرت داؤد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا کہ آدمی کے تقویٰ پر تین علامات سے استدلال کیا جا سکتا ہے اول اس کا خدا تعالیٰ پر ہر حالت میں حسن توکل میں جو اسے پیش آئے۔ دوسرے اسے جو کچھ عطا فرمایا اس پر اچھی طرح راضی ہونا' تیسرے جو اسے نہیں ملا اس میں اچھا زہد۔ نیز حضرت ابو سعید مقبری سے روایت کی گئی کہ ایک شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا اے لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے! مجھے اس بات کا نشان دیں کہ متقی کس طرح ہو سکتے ہیں؟ فرمایا: یہ کام بہت آسان ہے۔ اپنے پورے دل سے خدا تعالیٰ کی محبت بجالا اور اپنی طاقت و استطاعت کے مطابق اس کیلئے عمل کر اور اس اپنی جنس پر اس طرح رحمت کر۔ جیسا کہ خود اپنی جان پر رحمت کرتا ہے اس نے کہا کہ میری جنس کیا ہے؟ فرمایا تمام اولاد آدم اور جو سلوک تو نہ چاہے کہ

marfat.com

Marfat.com

تیرے ساتھ کریں تو کسی کے ساتھ وہ سلوک نہ کر۔ اگر تو یہ کام کرے گا تو تقویٰ کا حق ادا کرے گا۔

اور سہم بن منجاب سے لائے کہ کمال تقویٰ یہ ہے کہ تیری زبان ہمیشہ ذکر خدا سے تر ہو۔ اور عون بن عبداللہ سے لائے کہ تقویٰ کی ابتداء حسن نیت ہے۔ اور تقویٰ کی انتہا توفیق' اور آدمی کو اس ابتداء وانتہاء کے درمیان کئی مہلک چیزیں اور شبہات پیش آتے ہیں۔ اور ایک طرف سے نفس اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور شیطان جو کہ مکار دشمن ہے ایک آن بھی غافل نہیں ہوتا ہے۔

اور محمد بن یوسف فریابی سے لائے کہ میں نے ایک دن سفیان ثوری سے کہا: کہ آپ کے نام لوگوں میں اس قدر مشہور ہے کہ ہر مقدمہ میں سفیان ثوری' سفیان ثوری کہتے ہیں۔ میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ رات نیند میں گزارتے ہیں۔ فرمایا: خاموش رہ' اس امر کا مدار تقویٰ پر ہے۔ نیز روایت کی گئی کہ حکمائے زمانہ میں سے ایک شخص عبدالملک بن مروان کے پاس آیا۔ عبدالملک نے اس سے پوچھا کہ متقی کی تعریف کیا ہے؟ حکیم نے کہا کہ متقی وہ آدمی ہے جس نے خدا کو خلق پر اور آخرت کو دنیا پر اختیار کر کے اپنے مطلب وطمع سے ہاتھ دھو لئے ہوں۔ اور چشم دل سے روح کے بلند مراتب پر نظر کر کے ان مرتبوں کی طرف متوجہ ہوا اور لوگ سوئے ہوتے ہیں۔ اور وہ ترقی کے غم میں بیدار ہوتا ہے اس کی شفا قرآن' اس کی دوا حکمت کی بات اور دنیا کی نصیحت کو اس کے عوض میں پسند نہیں کرتا اور اس کے سوا کسی لذت کو نہیں جانتا حاضرین مجلس نے جو کہ زیادہ تر اکابر تابعین تھے ان کلمات کو بہت پسند کیا۔

نیز قتادہ سے لائے کہ جب حق تعالیٰ نے بہشت کو پیدا فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ کچھ کہہ بہشت نے کہا طُوبٰی لِلْمُتَّقِیْنَ یعنی متقین کیلئے خوشخبری ہے۔

اور مالک بن دینار سے لائے کہ ساری قیامت متقیوں کی شادی ہے۔ نیز محمد ابن یزید رحبی سے لائے کہ میں نے ایک دن ابودرداء رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ انصار میں سے کوئی ایسا نہیں جو شعر نہ کہے آپ کو کیا ہے کہ آپ شعر نہیں کہتے؟ ابودرداء نے فرمایا کہ میں

marfat.com

Marfat.com

بھی شعر کہتا ہوں۔ لیکن وہ اس قابل نہیں کہ شاعروں کی مجلس میں پڑھے جائیں میں نے عرض کی کچھ مجھے سنائیں آپ نے یہ دو بیت پڑھے:

يريد المرء ان يعطى مناه
ويابى الله الا ما ارادا
يقول المرء فائدتي وذخري
وتقوى الله افضل ما استفادا

آدمی چاہتا ہے کہ اسے اس کی خواہش عطا کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ انکار فرماتا ہے مگر جو ارادہ فرمائے آدمی کہتا ہے میرا فائدہ اور ذخیرہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ بہترین سے ہے جو اس نے حاصل کی۔

اور ابن ابی حاتم نے معاذ بن جبل سے روایت کی کہ بہشت کے کاروبار کا مدار چار گروہوں پر ہے۔ پہلے متقی اس کے بعد شکر گزار۔ اس کے بعد ڈرنے والے اس کے بعد اصحاب یمین اور ابن ابی شیبہ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں میمون بن مہران سے روایت کی ہے کہ کوئی شخص متقیوں کے درجہ کو نہیں پہنچتا یہاں تک کہ وہ ہر روز اپنے نفس کے ساتھ شدید محاسبہ کرے جس طرح کہ اپنے شریک کے ساتھ کرتا ہے۔ تا کہ اسے پتہ چلے کہ میرا کھانا کہاں سے ہے میری پوشاک کہاں سے ہے۔ اور میرا پینا کہاں سے ہے حلال سے یا حرام سے۔

## مفسرین کا اشکال اور اس کا جواب

یہاں مفسرین کو ایک اشکال ہے جو یہاں ذکر کرتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں کہ ہدایت تو گمراہوں کے مناسب ہے۔ پس ظاہر تو یوں تھا کہ ہدی للضالین فرمایا جاتا کہ متقین کو تو علامات اسلام اور شرائط ایمان کا اچھی طرح سے علم ہے اور سالہا سال بلکہ ساری عمر یں اسی راہ میں چلے ہیں۔ اور اس راہ کے نشیب و فراز طے کر چکے تو انہیں ہدایت کا کیا معنی کہ تحصیل حاصل ہے۔ اور وہ عقلمندوں کے نزدیک بالاتفاق سے باطل ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کا معنی یہ نہیں کہ یہ کتاب انہیں مرتبہ تقویٰ پر پہنچنے کے بعد ہدایت

marfat.com
Marfat.com

دیتی ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی متقی ہدایت قرآنی کے بغیر متقی نہ ہوا اور اس کتاب کی دلالت کے بغیر اس نے اس راہ کو نہیں پایا۔ جس طرح کہ کہتے ہیں کہ یہ دایہ اس جوان کو دودھ دینے والی ہے۔ حالانکہ جوانی کے وقت دودھ دینے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ دودھ دینا تو حالت طفلی میں ہے نہ کہ جوانی کی حالت میں لیکن چونکہ جوانی اسے دودھ دینے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ جوان کو دودھ دینے والی ہے۔ اور صاحب کشاف نے اس معنی کی دوسری طریقے سے تقریر کی ہے۔ اور کہا کہ **هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ** **من قتل قتيلا فله سلبه** کے قبیلے سے ہے اس طرح کہ یہ کتاب ان گمراہوں کیلئے ہدایت ہے کہ آخرکار وہ درجہ تقویٰ تک پہنچ جائیں گے۔

اور بیضاوی نے کہا کہ اگرچہ قرآن پاک کی ہدایت ہر مسلم وکافر کیلئے عام ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے **هُـدًى لِّلـنَّـاسِ** مگر قرآن پاک کی ہدایت سے نفع پانا صرف متقی لوگوں کا حصہ ہے۔ اور بس اور امام رازی نے فرمایا ہے کہ متقیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں حق کو پہچاننے کی نیت نے بغیر تعصب اور قیل وقال کے گھر کر لیا۔ اور ان کے عقل وفہم اپنے آباؤ اسلاف کی تقلید کے زنگ سے صاف ہوئے۔ پس یہی وہ جماعت ہے جو کہ قرآن پاک کی ہدایت سے راہ پاتے ہیں نہ کہ وہ لوگ جن کی عقلیں آفت رسیدہ ہوئیں اور ان کی دانش کا آئینہ زنگ آلود ہوا۔ اور اس معنے کو انہوں نے اچھی غذا سے تشبیہ دی ہے جو کہ صحت کی حفاظت کا سبب ہوتی ہے مگر اصل صحت کے حاصل ہونے کی شرط کے ساتھ ورنہ جو بدن فاسد اخلاط سے پر ہو اس میں اچھی غذا مرض کو بڑھانے کا سبب ہوتی ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی اس تحقیق کا اشارہ ہے اس آیت میں **وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا** اور اس آیت میں **يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَّمَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ**

## آدمیوں کے سات گروہوں کا بیان

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لوگ اپنے کام کے انجام کے اعتبار سے سات گروہ ہیں۔ کیونکہ نص قرآنی کے مطابق آدمی یا بدبخت ہے یا نیک بخت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

marfat.com

Marfat.com

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ اور اصطلاح قرآن میں اشقیاء کو اصحاب الشمال اور اصحاب مشئمة کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہ دو گروہ ہیں۔ پہلا گروہ مردود ہے کہ ان کے حق میں فرمایا وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (ہم نے جہنم کیلئے بہت سے جن اور انسان پیدا کئے ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے سنتے نہیں۔ وہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ زیادہ گمراہ ہیں۔ وہ لوگ وہی غافل ہیں) اور یہ لوگ درحقیقت انسانیت سے خارج ہیں گو انسانی صورت میں ہوں بیت۔

این کہ می بینی خلاف آدم اند

نیستند آدم غلاف آدم اند

یہ جو تو دیکھتا ہے آدم کے خلاف ہیں آدم نہیں ہیں آدم کا غلاف ہیں۔ کیونکہ اصل فطرت اور پیدائشی ظلمت کی وجہ سے نور الٰہی کے قابل نہیں ہیں ان کی پیدائش صرف دوزخ کی آگ کو پر کرنے کیلئے ہے کہ ولاء خلقتهم للنار ولا ابالی انہیں میں نے آگ کیلئے پیدا فرمایا۔ اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

## منافقین

دوسرا گروہ منافقوں کا کہ اصل میں نور الٰہی قبول کرنے کی استعداد رکھتے تھے لیکن نالائقیاں کرنے، گناہ اپنانے، چارپایوں، درندوں جیسے اعمال کرنے اور شیطانی مکر و فریب کے اثر کرنے سے تاریک تصورات اور ظلمانی طاقتوں نے ان کے نفسوں میں رسوخ پیدا کیا۔ اور رفتہ رفتہ ان کے دلوں پر زنگ جم گیا اس گروہ کی حالت فریق اول سے بدتر ہے۔ اس لئے کہ ان کی استعداد کا سکہ ان کے حال کے منافی واقع ہوا اسی لئے ان کے حق میں وارد ہے کہ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ بے شک منافق آگ کے سب سے نچلے درجہ میں ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

## سعید

اور سعید یعنی نیک بخت کی شرع میں دو قسمیں فرمائی ہیں۔ایک قسم سابقین اور مقربین کی۔اور ایک قسم اصحاب الیمین مقتصدین اور اصحاب المیمنہ کی۔اور اس گروہ کی تین قسمیں رکھی ہیں ایک گروہ فضل وثواب والے ہیں کہ ان کا ایمان اور عمل صالح فضل وثواب الٰہی کی امید کے ساتھ واقع ہوا فَوَجَدُوْا مَاعَمِلُوْا حَاضِرًا اور لِکُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا انہیں کے حال کا بیان ہے۔

اور ایک گروہ عفو والوں کا ہے کہ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ جنہوں نے عمل صالح اور برے عمل کو ملایا۔قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت سے توجہ فرمائے۔اور معافی کے دو طریقے ہیں اول یہ کہ اعتقاد صحیح کی قوت کی بنا پر اور برائیوں کے جوہر قلب میں اثر انداز نہ ہونے کی وجہ سے بغیر توبہ بغیر شفاعت اور بغیر عذاب دیئے اسے معاف فرمادیں۔دوسرا یہ کہ ہر عمل کے مقابلہ میں ان سے توبہ ثابت ہو۔اور اس عمل کی بجائے صحیفہ اعمال میں توبہ درج ہو فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ان لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔اور ایک گروہ عذاب پانے والوں کا ہے کہ گناہوں کے رسوخ کے مطابق عذاب پائیں گے۔یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام علماء شہداء اور ملائکہ کی شفاعت سے نجات پائیں اور انہیں اہل عدل واہل عتاب کہتے ہیں۔وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوْا انہیں لوگوں کے حال کا بیان ہے۔اور مِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ بھی ان ہی کا عنوان ہے۔

## سابقین مقربین

اور سابقین مقربین کے بھی دو گروہ ہیں کہ شرع کی زبان میں پہلے گروہ کو مجتبیٰ اور دوسرے کو منیب کہتے ہیں چنانچہ آیت اَللّٰهُ يَجْتَبِیْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِیْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ میں اسی نام کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔اور اہل سلوک کی اصطلاح میں ان دونوں گروہوں کو محبوبین اور محبین کا نام دیتے ہیں۔اور مجذوبین اور سالکین جانتے ہیں۔پس محبین

marfat.com
Marfat.com

وہ ہوتے ہیں کہ پہلے انہوں نے مجاہدہ اور رجوع الی الحق کو سامنے رکھا اس کے بعد معرفت کی راہ ان پر کھول دی گئی اور محبوبین وہ ہیں کہ پہلے انہیں چن کر معرفت کا شناسا بنایا۔ اس کے بعد انہیں مجاہدہ اور انابت کا شوق دل میں پیدا ہوا اور ان دونوں گروہوں کو اہل اللہ کہتے ہیں۔ جس طرح کہ اصحاب الیمین کے تینوں گروہوں کو اہل آخرت کا نام دیتے ہیں۔ اور اشقیا کے دونوں فرقوں کو اہل دنیا۔

جب یہ تفصیل ذہن نشین ہو گئی۔ تو جاننا چاہئے کہ اشقیاء کے فریق اول کیلئے قرآن مجید ہدایت نہیں ہو سکتا کیونکہ ان سے قبولیت ہدایت محال ہے اس سبب سے کہ قبول کرنے کی استعداد نہیں رکھتے بمنزلہ شیاطین اور اسی طرح فریق ثانی بھی کیونکہ ان کی استعداد وجود میں آنے کے بعد زائل ہو گئی۔ اور ان کی معنوی صورت مسخ ہو گئی جس طرح کہ بدبودار کھانے کو درست نہیں کیا جا سکتا۔ پس قرآن مجید کی ہدایت آخری پانچ گروہوں کے ساتھ خاص ہو گی جنہیں متقین کا لفظ شامل ہے۔

اور وہ جو بعض ناواقف گمان کرتے ہیں کہ سابقین اور مقربین میں سے ایک گروہ جو کہ محبوبین ہیں۔ اور کشش الٰہی نے پہلے ہی انہیں شناسائے معرفت کر دیا ہے وہ قرآن پاک کی ہدایت کے محتاج کیونکر ہوں گے۔ یہ باطل ہے۔ کیونکہ محبوب جذب وصول کے بعد بھی کتاب کی ہدایت کا محتاج ہے۔ تاکہ سلوک فی اللہ کرے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اسی معنی کا اشارہ فرمایا گیا کَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ اور وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ہاں محبوب اور محب کے درمیان فرق یہ ہے کہ محبؑ وصول سے پہلے جذب سے پہلے اور اس کے بعد بھی کتاب کی ہدایت کا محتاج ہوتا ہے۔ تاکہ سلوک الی اللہ اور فی اللہ کرے۔ اور اس تقریر میں اس مقام پر متقی اپنے لغوی معنی کے قریب ہے اس معنی میں کہ متقی وہ ہے جو صحیح استعداد پر باقی ہو۔ اور شرک اور شک کے زنگ استغراق کی ظلمت اور گناہوں کی محبت نے اس کی فطرت کے آئینہ کو خراب نہ کر دیا ہو۔ پس یہ تقویٰ ایمان پر مقدم ہے۔ جس طرح کہ تقویٰ کے دوسرے مرتبے ایمان کے بعد ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ عرف شرع میں تقویٰ جدا جدا معنوں پر واقع ہوتا ہے کبھی بمعنی ایمان آتا

marfat.com
Marfat.com

ہے۔ جس طرح اس آیت میں وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی۔ کبھی بمعنی توبہ جیسے اس آیت میں وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰی آمَنُوْا وَاتَّقَوْا اور کبھی بمعنی اطاعت جیسے کہ اس آیت میں اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ اور کبھی بمعنی ترک گناہ جس طرح اس آیت میں وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور کبھی بمعنی اخلاص جس طرح اس آیت میں فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

اور تقویٰ کے فضائل میں قرآن پاک میں جو وارد ہے یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ اور احادیث میں تقویٰ کے فضائل بے شمار ہیں۔

## یکے از لطائف

اور اس مقام کے لطائف میں سے یہ ہے کہ جب ہم اس آیت کو ملاحظہ کرتے ہیں کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اور اس کے ساتھ دوسری آیت کو دیکھیں کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْنَ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ تو صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ناس صرف متقی ہی ہیں۔ اور باقی لوگ الانعام۔

## ایک اہم سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال جواب طلب باقی رہ گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ تمام قرآن پاک کو ہدایت کے ساتھ موصوف کرنا کس طرح درست ہوگا۔ حالانکہ قرآن پاک میں مجملات اور متشابہات بھی واقع ہیں کہ ان سے مراد کا تعین عقل کے بغیر ممکن نہیں۔ اور جب عقل دخیل ہوئی تو ہدایت عقل کی شان ہوئی نہ کہ قرآن کی شان اور اسی لئے اسلام کے تمام گروہ خواہ وہ حق پرست ہوں یا باطل پرست قرآن مجید سے ہی دلیل لیتے ہیں۔ نیز حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے صحیح روایت میں وارد ہے کہ آپ جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خارجیوں کے ساتھ مناظرہ کرنے کیلئے بھیجتے تو فرماتے سنت کو لازم کرنا کیونکہ قرآن کی کئی وجہیں ہیں۔ نیز بعض اعتقادی مسائل ایسے ہیں کہ ان کے مطابق قرآن کا ہدایت ہونا

marfat.com
Marfat.com

دلیل عقل پر موقوف ہے۔ جیسے مباحث ذات وصفات اور اثبات نبوۃ علی الاطلاق۔ پس اس قسم میں قرآن کس طرح ہدایت ہوسکتا ہے؟ ورنہ دور لازم آئے گا اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے ہدایت ہونے کا معنی یہ نہیں کہ صرف قرآن سے مخالف کو الزام دیا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس کا معنی دیکھنے والے پر نفس الامری حقیقتوں کا انکشاف ہے۔ اور مجملات اور متشابہات قرآن یا تو محکمات کی طرف رجوع کرنے کے بعد مزید انکشاف کا موجب ہوتے ہیں یا ان مجملات اور متشابہات کے مدلول پر صرف ایمان لانے کی وجہ سے درجہ ایمان کی ترقی کا سبب ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی ہدایت کی ایک قسم ہے۔ اور ان مسائل میں کہ جن پر قرآن کی قرآنیت موقوف ہے قرآن کی ہدایت تاکید' تقویت اور ان مسائل کے دلائل میں وہم کی مداخلت سے امن کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بھی ہدایت کی ایک عمدہ قسم ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کا ہر جزو ہر متقی کیلئے ہدایت ہوگا تاکہ کوئی محذور لازم آئے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ پورا قرآن پاک جمیع متقی افراد کیلئے ان کے فہم واستنباط کے درجوں میں فرق کے مطابق ہدایت ہے۔

## ہدایت کے معنوں میں علماء کا اختلاف

اور علماء کرام کو ہدایت کے معنی میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ہدایت کی حقیقت صرف مطالب کی راہ دکھانا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے ساتھ مطلب تک پہنچانا بھی ضروری ہے۔ اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ ہدایت' تعلیم' ارشاد' انذار اور ان کی مثل الفاظ کبھی فاعل کے فعل کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اگرچہ اس کا اثر منفعل میں ظاہر نہ ہو۔ اور اسی قبیل سے یہ آیت ہے اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى اور کبھی تاثیر فاعل کے معنی میں جو کہ منفعل کو متاثر کرنے کو شامل ہو استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ هداه الله فاهتدى مثل احيى و امات اور یہ دونوں اس کے حقیقی معنی ہیں بلکہ تفتیش کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں معنوں کا انجام ایک چیز ہے فاعل کی تاثیر کا جب فاعل کی نسبت سے تاثیر منفعل کے بغیر اعتبار کریں گے تو پہلا معنی ہے۔ اور اگر اسی تاثیر کو منفعل میں اعتبار کریں تو دوسرا معنی ہے۔ اور دونوں معنوں میں

marfat.com

Marfat.com

صفت خدا بھی ہے۔ اور قرآن پاک' انبیاء علیہم السلام اور دوسرے مرشدوں کی صفت بھی ہے۔ ہاں ہدایت کو پیدا کرنا حضرت حق کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن ہدایت پیدا کرنا' ہدایت کا حقیقی معنی نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن سے ہدایت پانے کی علامت یہ ہے۔ اور یہی تقویٰ کی علامت ہے کہ ایک شخص پہلے اپنے اعتقادات کو صحیح کرے۔ پھر اپنے اعضاء کے اعمال کو قرآن پاک کے امر و نہی کے مطابق کرے۔ پھر ردی اخلاق جو کہ روح کو ہلاک کرنے والی بیماریاں ہیں' کو ترک کرے۔ اور اعتقادات کی تصحیح' کمزور شبہات اور وہم کی مداخلتوں سے بچے بغیر ممکن نہیں۔ اسی لئے متقی وہ ہیں کہ

يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ یعنی وہ جماعت جو کہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ غیب اس چیز کا نام ہے جو کہ حواس ظاہری اور باطنی کے ادراک سے باہر ہو۔ جیسے ذات و صفات پروردگار' فرشتے' قیامت کا دن اور اس دن جس جس چیز کا وعدہ ہے۔ تقدیرات الٰہی اور کتب الٰہیہ پر ایمان لاتے ہیں اس حیثیت سے کہ ان کی نسبت خدا کی طرف ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام پر اسی حیثیت سے ایمان لاتے ہیں۔

ایمان بالغیب کو متقیوں کی علامات میں اس جہت سے اعتبار کیا گیا ہے کہ حواس ظاہری اور باطنی کے مدرکات میں مکلف کا کوئی اختیار نہیں رہتا وہ ان مدرکات کی تصدیق ضرور کرتا ہے۔ پس وہ تقویٰ کی علامت نہیں ہو سکتی اور اس باب میں قرآن کی ہدایت ان امور کی حقیقتوں اور تفصیلات پر مزید اطلاع کے ساتھ ہے۔ اور عقائد کے اہم مسائل یہی امور ہیں۔ اور جب قرآن پاک میں وارد تمام حقائق اور تفصیلات کے ساتھ ان امور کی تصدیق کریں تو تقویٰ کا جزو اعظم حاصل ہوگا جو کہ عقیدہ کو صحیح کرنا ہے۔

اگرچہ جو ایمان یہاں مذکور ہے وہ ایمان لغوی ہے۔ بمعنی تصدیق۔ لیکن مفسرین یہاں حقیقت ایمان شرعی کے بیان کا معمول رکھتے ہیں۔ اور معتزلہ' خوارج' زیدیہ اور کرامیہ کے رطب و یابس اقوال نقل کر کے سننے والے کا دماغ پریشان کرتے ہیں۔ صاف بات اس قدر ہے کہ عرف شرع میں ایمان' تصدیق کو کہتے ہیں۔ بمعنی دل میں جگہ دینا اور اس بات کا

marfat.com
Marfat.com

یقین کر لینا جس کے متعلق یقین سے معلوم ہو کہ دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں جگہ جگہ ایمان دل کے کام کو کہا گیا۔ کہیں فرمایا ہے وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ اور کہیں فرمایا اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ اور کہیں وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ۔ اور ظاہر ہے کہ دل کا کام بھی تصدیق ہے۔ اور بس۔ نیز ایمان کو عمل صالح کے ساتھ ملایا گیا جیسا کہ اس آیت میں اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور گناہوں کے ساتھ بھی ملا کر بیان ہوا۔ جیسا کہ اس آیت میں وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا اور اس آیت میں وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا ۔ پس معلوم ہوا کہ نہ تو نیک اعمال کو ایمان میں دخل ہے۔ اور نہ ہی برے اعمال ایمان کو برباد کرتے ہیں۔ اور تصدیق کے بغیر صرف اقرار کی اسی سورت میں مذمت کی گئی ہے اس آیت میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۔ پس معلوم ہوا کہ صرف اقرار ایمان کی حکایت ہے اگر حکایت 'محکی عنہ' یعنی جس کی حکایت ہے۔ اور وہ یہاں ایمان ہے کے مطابق واقع ہوئی تو درست ورنہ ایک دھوکے اور جھوٹ سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور محکی عنہ نہیں ہے مگر تصدیق۔

## تحقیق مقام

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ جس طرح ہر چیز کے تین قسم کے وجود ہیں۔ وجود عینی، ذہنی اور وجود لفظی۔ اسی طرح ایمان کے بھی تین قسم کے وجود ثابت ہیں۔ اور مقرر قاعدہ ہے کہ ہر چیز کا وجود عینی اصل ہے۔ اور باقی وجود اس کے فرع اور تابع ہیں۔ پس ایمان کا وجود عینی ایک نور ہے جو کہ دل میں حاصل ہوتا ہے اس سبب سے کہ اس کے اور حق کے درمیان سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ اور یہ وہی نور ہے جس کی مثال کو اس آیت میں پورے طور پر بیان فرمایا گیا مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ اور اس آیت اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ میں اس کا سبب بیان فرمایا۔ اور یہ نور دوسرے تمام محسوس انوار کی طرح قوت وضعف، پختہ اور غیر پختہ ہونے کو قبول کرتا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا اور دوسری آیتوں میں اس

marfat.com

Marfat.com

کے متعلق بہت کچھ ارشاد فرمایا گیا۔ اور اس کے زیادہ ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ جب پردہ اٹھ جاتا ہے۔ تو یہ نور زیادتی قبول کرتا ہے۔ اور ایمان قوت پکڑتا ہے یہاں تک کہ اپنے کمال کی بلندی تک پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ نور وسیع ہو کر اور پھیل کر تمام قویٰ اور اعضاء کو گھیر لیتا ہے۔ پس پہلے شرح صدر حاصل ہوتی ہے۔ اور حقائق اشیاء پر مطلع ہوتا ہے۔ اور غیوب الغیو اس کی قوت ادراک پر روشن ہو جاتے ہیں۔ اور ہر چیز کو اس کے مقام پر پہچانتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی صداقت کو ان خبروں میں جو انہوں عطا نے فرمائی ہیں اس نور کے اندازے کے مطابق اجمالاً اور تفصیلاً پالیتا ہے۔

پھر شرح صدر کے مطابق اس کے دل میں جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر امر الٰہی کے مطابق تعمیل کرے۔ اور شرع شریف میں روکے گئے ہر کام سے پرہیز کرے۔ اور اس حالت میں اخلاق فاضلہ کے انوار اچھی صلاحیتیں اور برکت والے اعمال صالحۂ معرفت کے انوار کے ساتھ مل کر ایک جگہ اکٹھے ہو کر بہیمیہ شہویہ طبیعت کی تاریک رات میں عمدہ قسم کا چراغاں روشن کر دیتے ہیں چنانچہ ان ہی معنوں کی طرف قرآن پاک کی آیات میں اشارہ واقع ہوا ایک جگہ فرمایا نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ایک جگہ فرمایا نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

اور ایمان کے وجود ذہنی کے دو مرتبے ہیں اول روشن معرفتوں اور منکشف ہونے والے غیبوں کا پورے طور پر اجمالی ملاحظہ جو کہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا مفاد ہے۔ اور اس ملاحظہ کو تصدیق اجمالی دل سے تسلیم کرنا اور یقین کرنا کہتے ہیں۔ دوسرا روشن غیبوں اور منکشف حقائق کے افراد میں سے ہر ہر فرد کا تفصیلی ملاحظہ اس رابطہ کی وجہ سے جو درمیان میں قائم ہوتا ہے۔ اور اسے تصدیق تفصیلی کہتے ہیں۔

اور ایمان کا وجود لفظی اصطلاح شرع میں شہادتین کا نام ہے۔ اور بس اور ظاہر ہے کہ ہر چیز کا وجود لفظی اس چیز کی حقیقت کی تحقیق کیے بغیر بالکل فائدہ نہیں دیتا۔ ورنہ پیاسے کو پانی کا نام لینے سے سیرابی ہوتی اور بھوکے کو روٹی کا نام تسلی بخشتا۔ مگر جبکہ عالم بشریت میں مافی الضمیر کی تعبیر نطق اور تلفظ کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے کلمہ شہادت کو کسی شخص کے مومن

marfat.com
Marfat.com

ہونے کے حکم میں بہت بڑا دخل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے لڑوں حتیٰ کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہیں تو جب انہوں نے یہ پڑھ لیا تو مجھ سے اپنے خون اور مال بچالئے مگر اس کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اور اس تحقیق سے ایمان کے زیادہ اور کم ہونے کی کیفیت اور اس کے قوی اور ضعیف ہونے کی حقیقت کا پتہ چلا۔ نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ جو حدیث پاک میں وارد ہے کہ بدکاری کے وقت بدکار مومن نہیں ہوتا' حیا ایمان سے ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی طرف سے تکالیف سے محفوظ نہ ہو۔ یہ سب اپنے وجود عینی میں کمال ایمان پر محمول ہے۔ اور جنہوں نے ایمان کے کم اور زیادہ ہونے کی نفی کی ہے ان کی مراد ایمان کے وجود ذہنی کا پہلا مرتبہ ہے۔ پس کوئی جھگڑا اور اختلاف نہیں ہے۔

## بیان اقسام ایمان

ایمان کی دو قسمیں ہیں' اول ایمان تقلیدی' دوسرا ایمان تحقیقی اور تحقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ استدلالی اور کشفی اور ان دو قسموں میں سے ہر ایک یا تو انجام رکھتا ہے کہ اس حد سے آگے نہیں گزرتا یا انجام نہیں رکھتا جو انجام رکھتا ہے اسے علم الیقین کہتے ہیں۔ اور جس کا انجام نہیں وہ بھی دو قسموں پر ہے یا مشاہدہ ہے جس کا نام عین الیقین ہے یا شہود ذاتی ہے جس کا نام حق الیقین ہے۔ اور یہ دو آخری قسمیں یعنی عین الیقین اور حق الیقین ایمان بالغیب میں داخل نہیں۔

اور قدیم صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس آیت میں ایمان بالغیب کو ایک اور معنی پر محمول فرمایا ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں حاکم اور دیگر معتبر محدثین کی روایت کے ساتھ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ حارث بن قیس نے ایک دن آپ سے کہا کہ اے اصحاب رسول علیہ السلام ہم اس پر بہت حسرت و افسوس کرتے ہیں جس سے ہم محروم رہے۔ اور آپ کو یہ نعمت حاصل ہوئی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم بھی اس چیز پر بہت حسرت و

marfat.com

Marfat.com

افسوس کرتے ہیں جو ہم سے فوت ہوئی۔ اور تمہیں حاصل ہوئی کہ تم دیکھے بغیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے خدا کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی اس کے نزدیک آپ کی نبوت سورج سے بھی زیادہ ظاہر ہے۔ ایمان تو تمہارا ایمان ہے۔ پھر آپ نے سورۃ بقرہ کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ مفلحون تک پہنچے۔ اور اسی مضمون کو بزار ابویعلی اور حاکم حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک دن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھا تھا کہ آپ نے فرمایا میرے سامنے ذکر کرو کہ ایمان کی قسموں میں سے افضل کن لوگوں کا ایمان ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ فرشتوں کا ایمان' فرمایا انہیں ایمان سے کون سی چیز مانع ہے؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرشتوں کے مرتبہ کو تم جانتے ہو لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! پیغمبروں علیہم السلام کا ایمان۔ فرمایا: پیغمبروں کے ایمان سے کیا تعجب کہ حق تعالیٰ نے انہیں اپنی رسالت و نبوت کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ان لوگوں کا ایمان جو کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس حاضر رہے۔ اور دین پر اپنی جانیں قربان کر کے شہادت پائی۔ فرمایا کہ ان کا ایمان کیا تعجب رکھتا ہے؟ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی صحبت پائی اور ان کے عادات خصائل دیکھ کر یقین کامل حاصل کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ بیان فرمائیں کہ کس گروہ کا ایمان افضل ہے۔ فرمایا کہ ان لوگوں کا ایمان جو ابھی باپوں کی پشتوں میں ہیں۔ اور میرے بعد آئیں گے۔ اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔ انہوں نے مجھے نہ دیکھا' چند سیاہ اوراق ان کی نظر میں آئے۔ اور قوت ایمانی کی بدولت اس تحریر کے مطابق انہوں نے عمل کیے۔ یہ گروہ ایمان میں دوسروں سے افضل ہے۔

اور اسی واقعہ کو طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طریقہ سے روایت کیا کہ دوران سفر ایک دن حضور علیہ السلام صبح اٹھے اور فرمایا کہ پانی ہے؟ کہ ہم وضو کریں لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ یہاں پانی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کسی کے پاس پینے کا پانی ہے؟ لوگوں نے ایک آبخورہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رکھ دیا۔ حضور علیہ السلام

marfat.com
Marfat.com

نے اس آبخورہ میں انگشتان مبارک ڈال دیں اور حضرت بلال سے فرمایا کہ لشکر میں اعلان کردو تاکہ لوگ آئیں اور وضو کریں۔ لوگ آرہے تھے۔ اور حضور علیہ السلام کی انگشتان مبارک کے درمیان سے جاری پانی سے وضو کر رہے تھے۔ اور پانی مبارک انگلیوں کے درمیان سے فوارے کی طرح جوش مار رہا تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ وہ پانی پینے میں مصروف تھے۔ اسے بار بار پی رہے تھے۔ جب تمام لشکر وضو سے فارغ ہوگیا۔ سرکار علیہ السلام اٹھے اور نماز صبح ادا فرمائی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا اے لوگو! بتاؤ کہ کس گروہ کا ایمان زیادہ تعجب کا باعث ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ فرشتوں کا ایمان۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کو تو فرشتے پہنچاتے ہیں خود اس پر ایمان کیوں نہ لائیں گے۔ ان کا ایمان لانا کیا تعجب کی بات ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ پیغمبروں علیہم السلام کا ایمان۔ فرمایا پیغمبروں پر آسمان سے وحی اترتی ہے۔ پیغمبر ایمان کیوں نہیں لائیں گے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ آپ کے یاروں کا ایمان۔ فرمایا میرے دوستوں کو کیا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ حالانکہ میں ان کے درمیان موجود ہوں۔ ہر لمحہ اور لحظہ دیکھتے ہیں جو کچھ کہ دیکھتے ہیں۔ ایمان ان لوگوں کا عجیب ہوگا جو کہ میرے بعد آئیں گے۔ اور بے دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے۔ اور میری تصدیق کریں گے۔ وہی لوگ میرے (دینی) بھائی اور تم میرے دوست ہو۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ یہ برنائے شفقت اور کہتر نوازی کے طور پر فرمایا۔ یہاں سے خوارج زمانہ کے مطابق حضور علیہ السلام کو اپنا بھائی کہنا ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بادنیٰ تامل معلوم ہوتا ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

ابوداؤد اور طیالسی نے نافع سے روایت کی کہ ایک شخص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابوعبدالرحمٰن! آپ نے اپنی آنکھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہاں اس شخص نے کہا کہ آپ اپنی ان زبانوں سے حضور علیہ السلام کے ساتھ ہمکلام بھی ہوئے؟ فرمایا ہاں پھر کہا کہ آپ نے اپنے ان ہاتھوں کے ساتھ بیعت بھی کی؟ فرمایا: ہاں۔ وہ شخص وجد میں آ گیا۔ اور کہنے لگا آپ کتنی

marfat.com

Marfat.com

عجیب خوشی کی حالت رکھتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تیرے سامنے ایک بات کہتا ہوں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا کہ فرمار ہے تھے کہ وہ شخص خوش حال ہے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور خوش حال وہ ہے۔ پھر خوشحال وہ ہے کہ جو بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لایا اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک جماعت میرے بعد پیدا ہوگی جو کہ میری محبت میں اس قدر فریفتہ ہوگی کہ اگر ہو سکے تو میرے دیدار کو اپنے اہل وعیال، ساز وسامان اور احوال کے بدلے خرید لیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایمان بالغیب جس قسم کا بھی ہو اعمال قلبیہ اور بدنیہ اور مال، مرتبہ اور ساز وسامان کو خرچ کرنے کو لازم ہے جو کہ جسمانی لذتیں اور طبعی خواہشات ہیں۔ اسی لئے يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ میں متقیوں کے اعمال قلبیہ اور صحت اعتقادات کا نشان دینے کے بعد اب ان کے بدنی اعمال کا پتہ دیا جارہا ہے۔ اور فرمایا

## وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

اور نماز کو برپا کرتے ہیں یہاں جاننا چاہئے کہ نماز ادا کرنا اور چیز ہے۔ اور نماز برپا کرنا دوسری چیز ہے۔ اور قرآن مجید میں جگہ جگہ مدح و تاکید کے مقام میں نماز گزارنے کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اقامت نماز کو ذکر کیا۔ اور اقامت لغت میں قیام سے لیا گیا یعنی سیدھا کھڑا کرنا اور قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کو سیدھا کھڑا کریں تو اس کے اجزاء میں سے ہر ہر جزو اس کی طبعی وضع کے مطابق مناسب مقام پر بیٹھتا ہے۔ پس اقامت صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ نماز کو ہر خلل اور کجی سے بچائیں۔ خواہ وہ خلل اور کجی دل کے کام میں ہو یا زبان کے کام میں یا جسم کے اعضاء کے کام میں اور یہ حفاظت خواہ فرائض میں ہو یا شروط میں یا سنتوں میں یا مستحباب میں۔ اسی لئے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اقامت صلوٰۃ رکوع، سجود، تلاوت اور خشوع کو پورا کرنا ہے۔ اور نماز میں ان پر متوجہ رہنا ہے۔ اور حضرت قتادہ نے فرمایا ہے کہ اقامۃ صلوۃ سے مراد نماز اس کے اوقات اس کے وضو اس کے رکوع وسجود کی حفاظت کرنا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

## نماز کے ارکان کے اسرار

اور صوفیا کے نزدیک اقامت صلوٰۃ میں یہ بھی داخل ہے کہ نماز کے ارکان وآداب کی ادائیگی کے وقت ہر ایک کے سرّ کو پائے اور قصد کرے کہ اپنے آپ کو اس سرّ کے ساتھ وابستہ کرے۔ اور نماز کے اسرار سے وابستہ ہونے کے قصد کے ساتھ ان اسرار کو پانا' نماز گزارنے والوں کے مرتبوں اور استعداد کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہے۔ جو کچھ ابتدائی آدمی کے حال کے مناسب ہے لکھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ نجاست حکمی جو کہ حدث اصغر و اکبر ہے سے پاک ہونا اور نجاست حقیقی جو کہ بول' براز' خون اور پیپ وغیرہ ہے سے پاک ہونا نماز میں اس لئے مقرر کیا گیا ہے۔ تاکہ دنیوی آلائشوں سے پاکیزگی حاصل کرنے پر دلالت کرے۔ جو کہ تمام حادث اور نو پید ہیں۔ اور نجاست سے خالی نہیں ہیں۔ تاکہ حق کی طرف متوجہ ہونے کے وقت اس درگاہ پاک سے کچھ مناسبت حاصل ہو جائے۔ اور اس بارگاہ میں حاضر ہونے کی قابلیت اور جو خدمت سپرد کی گئی ہے اسے بجالانے کی صلاحیت نصیب ہو۔ جیسا کہ پہلے حمام' غسل' عطریات کے استعمال اور کپڑوں کو صاف کئے بغیر بادشاہوں کے دربار میں نہیں جایا جاسکتا اور نہ ہی ان کی خدمت میں کھڑا ہونا ممکن ہے۔ اور ظاہر کا قبلہ کی طرف متوجہ ہونا کہ اس پاک قطعہ کی زمین آدمی کی جسمیت کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ کیونکہ تمام زمین اسی قطعہ سے پھیلائی گئی۔ دلالت کرتا ہے کہ باطن کو بھی بارگاہ خداوندی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے جو کہ آدمی کی روحانیت کے پیدا ہونے کا مقام ہے۔

## تکبیر تحریمہ

یعنی اس وقت دونوں ہاتھ اٹھانا اشارہ کرتا ہے کہ میں نے دونوں عالم سے ہاتھ اٹھا لئے اور دربار حق کو ساری کائنات سے بڑا سمجھتا ہوں۔ اور اس اعتقاد کی تائید دعائے استفتاح یعنی ثنا کو زبان پر جاری کرنے سے ہوتی ہے۔ اور کھڑا ہونا اس راہ میں استقامت پر دلالت کرتا ہے۔ اور سورت فاتحہ پڑھنا جس میں ثنائے ربانی ہے جبکہ زبان دل کی ترجمان ہے اس امر پر دلالت ہے کہ میرا دل مکمل طور پر اس کی طرف مائل ہوا اور اس سورۃ

marfat.com
Marfat.com

میں خطاب کے الفاظ مثل اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ کے ساتھ عبادت واستعانت کو خاص کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ پوری توجہ اور میلان کی وجہ سے مجھے مشاہدہ اور خطاب کا مرتبہ حاصل ہوا اور عبادت واستعانت میں کہ یہ دونوں کام بنی آدم کے اوقات کو لازم ہیں غیروں سے میں نے پورے طور پر منہ موڑ لیا۔ اور ہدایت کا سوال اور اہل غضب وضلالت کی راہ سے فرار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ میری محبت اور بغض' میلان اور نفرت اس جناب کے تابع ہے۔ پھر رکوع دلالت کرتا ہے کہ مشاہدۂ عظمت کی وجہ سے میری پشت جھک گئی پھر قومہ دلالت کرتا ہے کہ اس انکساری میں میں نے استقامت اختیار کی پھر سجدہ جو کہ انکساری کے بعد کمال عاجزی ہے کمال قرب پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ جو قرب بشر کی ہمت میں ہے اسی قدر ہے کہ اپنے اعضاء میں سب سے بزرگ عضو کو اس قدر پست کر دے کہ اپنی اصل خاک تک پہنچ جائے۔ اور دوسرا سجدہ حصول قرب کی وجہ سے تکبر کو دور کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ اور بیٹھنا اس بارگاہ عالی سے اعزاز اکرام حاصل ہونے کا اشارہ کرتا ہے کہ سلام قبول ہونے کے بعد بارگاہ میں بیٹھنے کا پروانہ مل گیا۔ اور سلام اس باطنی سفر سے واپسی پر دلالت کرتا ہے۔

## نماز تمام بدنی عبادات کی اصل ہے

نیز کہتے ہیں کہ نماز تمام بدنی عبادتوں کی اصل ہے۔ کیونکہ یہ طہارت اور استقبال قبلہ پر۔ نیز ذکر' تسبیح' تہلیل' شہادتین' درود شریف اور دعا پر مشتمل ہے جو کہ زبان کی عبادتوں کی اصل ہیں۔ نیز روزے کے معنی کو شامل ہے کہ نفس کو اس کی خواہشات سے روکنے کا نام ہے۔ بلکہ نماز میں روزے کی نسبت زیادہ پابندیاں ہیں۔ کیونکہ آنکھ کو دوست کی جہت کے سوا دیکھنے سے بچاتا ہے۔ اور زبان کو اس کے نام یا اس کے کلام پاک کی تلاوت کے غیر سے اور پاؤں کو کسی اور مقصد کیلئے حرکت دینے سے اور ہاتھ کو لینے دینے سے روکنا ہے۔ اور اسی طرح قوت خیالیہ وفکریہ کو اپنے خزائن میں سیر اور دورہ کرنے سے بچاتا ہے۔ اور یہ معنی روزہ میں ثابت نہیں۔ نیز نماز حج کے معنوں کو بھی مشتمل ہے اس کی تکبیر تحریمہ احرام کی جگہ' استقبال قبلہ طواف کی جگہ' قیام' وقوف عرفات اور رکوع وسجود اور رکعات کی حرکات دور یہ صفا و

marfat.com
Marfat.com

مروہ کے درمیان سعی کی مثل ہیں۔ نیز نماز زکوٰۃ کے معنوں کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ اس میں ستر پوشی اور آلات طہارت کو حاصل کرنے کیلئے مال خرچ کرنا واجب ہے۔ نیز اوقات میں سے ایک وقت کو اپنی منفعتوں سے خالی کر کے حکم خداوندی میں مصروف رکھنا مال میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں خرچ کرنے کو جدا کرنے کی طرح ہے۔

نماز خلائق کی عبادات کی جامع ہے۔

نیز جمادات کی عبادت بیٹھنا ہے۔ اور چرنے والے جانوروں کی عبادت رکوع ہے۔ اور اڑنے والے جانوروں کی عبادت اچھی آواز کے ساتھ ذکر الٰہی ہے۔

مرغانِ چمن بہر صباحے خوانند ترا با صطلاحے

چمن کے جانور ہر صبح ایک اصطلاح کے ساتھ تجھے پکارتے ہیں۔ اور زمین پر رینگنے والے جانوروں کی عبادت سجدہ ہے۔ اور درختوں اور نباتات کی عبادت قیام ہے۔ اور فرشتوں میں سے ہر گروہ کی عبادت انہیں قسموں کی ہے۔ اور کروبیین کی عبادت جنہیں مہیمن بھی کہتے ہیں مشاہدہ میں استغراق ہے۔ اور نماز ان تمام عبادتوں کو شامل ہے اس اعتبار سے کہ یہ عبادت تمام عبادات بدنی اور نفسی کی ہیئت جامعہ ہے۔ اسی لئے تمام عبادتوں سے بالاتر ہے۔ اس لئے حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اعمال میں کون سا عمل افضل ہے۔ تو فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا۔ اسی بنا پر علامات تقویٰ کے بیان میں صرف نماز قائم کرنے پر اکتفا کیا گیا گویا اشارہ فرمایا ہے کہ ان کے تمام اعمال شرع شریف کے موافق ہیں۔ کیونکہ انہوں نے یہ عبادت جو کہ اعمال بدنی کی اصل الاصول ہے اس خوبی کے ساتھ ادا کی۔ اور جب متقین کے اعمال کی خوبی کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب ان کے حسن اخلاق کا نشان دیا کہ

**وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ** یعنی ہم نے انہیں جو روزی دی ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔ تاکہ خود کو شہوت وحرص سے پاک کریں۔

## مال خرچ کرنے کی سات قسم کی عبادت

شریعت میں مال خرچ کرنا سات قسموں کی عبادت ہے۔ اول فرض زکوٰۃ ادا کرنا کہ

marfat.com

Marfat.com

سونے اور چاندی سے نصاب کی حد کو پہنچنے کی شرط کے ساتھ اور ایک سال گزرنے پر اس کا چالیسواں حصہ واجب ہے۔ اور مویشی اور تجارتی اموال اور عشری زمین کی پیداوار سے ابھی اسی طرح واجب ہے۔ جس طرح کہ کتب فقہ میں لکھا ہے دوسری صدقہ فطر کہ عید کا چاند دیکھنے سے دو سیر گندم ہر آدمی پر واجب ہوتی ہے۔ تیسری خیرات جو کہ سائلوں کو دینے' مہمانوں کی ضیافت' کمزوروں' یتیموں اور مقروضوں کی امداد کرنے سے عبارت ہے۔

چوتھی وقف: جیسے مسجد' مدرسے' پل' کنواں اور سرائے بنانا۔ پانچویں مصارف حج خواہ اپنے لئے یا دوسرے کیلئے سامان حج درست کر کے دیا جائے جیسے سواری' سفر خرچ وغیر ذالک' چھٹی مصرف جہاد کہ اس جگہ ایک درم خرچ کرنا ۷۰۰ درم کے برابر ہے۔ جیسا کہ اس سورت کے آخر میں آئے گا انشاء اللہ العزیز۔ ساتویں ادائے نفقات واجبہ وہ اخراجات جو کہ اس کے ذمہ واجب ہیں۔ اور وہ زوجہ' چھوٹی اولاد اور دوسرے محارم اس شرط پر کہ اس میں استطاعت ہو۔ اور وہ رشتے دار محتاج ہوں۔

اور مما کے لفظ میں من تبعیضیہ لانے میں اشارہ فرمایا کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے میں حد سے گزرنا ممنوع ہے۔ اور اسراف کی حد یہ ہے کہ مال کو ایک جہت میں خرچ کرنا دوسری جہت کے حق کو فوت کرنے کا باعث ہو۔ اور رزق کو اپنی طرف نسبت کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر چیز ہماری ملک اور مال ہے۔ پس اس چیز میں بخل کرنا جو کہ اپنے ہاتھ میں ہے۔ اور ہمیں عاریت کے طور پر دی گئی ہے بیجا ہے۔

یہاں جاننا چاہئے کہ اہل سنت وجماعت کے مذہب میں جس طرح حلال' رزق ہے' حرام بھی رزق ہے۔ پس لفظ من کو لانا جو کہ بعضیت پر دلالت کرتا ہے نہایت مناسب ہے۔ کیونکہ رزق کی جو قسم حرام ہے خرچ کرنے کیلئے لائق نہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ خیانت والے مال غنیمت سے صدقہ قبول نہیں کیا جاتا۔ اور فرقہ معتزلہ رزق کو ملک سے عبارت جانتے ہیں۔ اور مال حرام اس جہت سے کہ غاصب کی ملک میں داخل نہیں رزق نہیں کہتے اور یہ صریح غلطی ہے۔ کیونکہ رزق' فائدہ لینے سے عبارت ہے۔ اور فائدہ لینے میں حلال اور حرام برابر ہے۔ اور اگر رزق' ملک سے عبارت ہو تو چاہئے کہ جانوروں کا رزق

marfat.com

Marfat.com

نہ ہو۔ کیونکہ ان میں ملک کی اہلیت نہیں۔ حالانکہ قرآن پاک کی آیت وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ جانوروں کیلئے بھی جناب الٰہی سے رزق مقدر ثابت ہے۔

اور جب متقیوں کے وصف میں ایمان بالغیب کا اعتبار فرمایا گیا تو اس بات کا گمان پیدا ہوا کہ لفظ متقی عربیوں اور ان کی مثل ان پڑھوں کے ساتھ خاص ہو جائے۔ اس لئے کہ ذات' صفات' مباحث نبوت اور قیامت صرف ان ہی لوگوں کی نسبت سے غیب تھے جبکہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ ان امور کو کمال شہرت' انبیاء علیہم السلام کی خبروں کے تواتر اور کتب الٰہیہ کی وجہ سے اس طرح جانتے تھے گویا کہ انہیں آنکھوں سے دیکھا ہو حتیٰ کہ ان کے چھوٹی عمر کے بچے بھی اس حقیقت کو بیان کرتے تھے تو جو اہل کتاب مشرف باسلام ہوتے تھے انہیں متقین کے زمرہ میں داخل کرنے کیلئے ضروری ہوا کہ ایمان بالغیب پر ایک اور صفت کا عطف کیا جائے۔ تاکہ پتہ چلے کہ متقیوں کی دو قسمیں ہیں اول وہ لوگ جو ایمان بالغیب لاتے ہیں۔ اور اس کے تقاضا کے مطابق اپنے اعمال اور اخلاق کو درست کرتے ہیں دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو کہ پہلے سے ہی ان امور غیبیہ کی معلومات رکھتے ہیں۔ اور اپنی ان معلومات کی تاکید اور تقویت کیلئے اس کتاب کی پناہ لیتے ہیں۔ جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کی طرح دوسرے اور یہی جماعت مراد ہے ان لوگوں سے کہ فرمایا وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ یعنی متقیوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو کہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو کچھ آپ کی طرف وحی متلو کی شکل میں اتارا گیا جس سے مراد کتاب ہے۔ اور وحی غیر متلو کی شکل میں جو کہ سنت ہے کہ انہیں اس ایمان کے سبب سے ان امور غیبیہ کی تفصیل وتحقیق پر مزید اطلاع حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ قرآن کی ہدایت سے مستفید ہوتے ہیں۔

وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یعنی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو کہ آپ سے پہلے سابقہ انبیاء علیہم السلام پر اتارا۔ اس سے مراد پہلی کتب الٰہیہ ہیں۔ جیسے تورات' انجیل' زبور اور پہلے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے۔ نیز مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ سے مراد انبیاء سابقین کی سنتیں اور ان کے مواعظ اور ارشادات ہیں۔ پس اس جماعت کو تمام افراد وحی کا احاطہ کرنے کی

marfat.com
Marfat.com

بدولت تقویٰ اور ہدایت کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ جس طرح کہ پہلی جماعت کو ابتداء میں حاصل ہوا تھا اور قرآن پاک کی ہدایت ان لوگوں کی نسبت سے یہ ہے کہ ان ہی امور آخرت اور دیگر امور غیبیہ کی تفصیل وتحقیق قرآن پاک سے حاصل ہوئی۔ اسی لئے ان کے دیگر ساتھی اگرچہ آخرت پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر پورا یقین نہیں رکھتے۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ یعنی وہی آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ کیونکہ کسی چیز کا یقین کامل اس کی تفصیلات پر اطلاع اور شبہات کے رفع کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور یہ معنی ان کے علاوہ اہل کتاب کو حاصل نہیں ہے۔ یہاں جاننا چاہئے کہ جس طرح ہر مکلف پر قرآن پاک پر ایمان لانا فرض ہے۔ اسی طرح پہلی کتابوں پر ایمان لانا بھی فرض ہے ہاں ان کتابوں کے بعض احکام جو کہ منسوخ ہو چکے ہیں ہر عمل درست نہیں۔ جس طرح بیت المقدس کے قبلہ ہونے پر ایمان فرض ہے۔ لیکن نماز میں اس کی طرف منہ کرنا جائز نہیں کہ منسوخ ہو گیا ہے خلاصہ الکلام یہ کہ دونوں گروہ جو اس کتاب سے ہدایت پا گئے اگرچہ پہلی کتب الٰہیہ میں سے ہر کتاب کی ہدایت پر انہیں اطلاع نہ ہو لیکن

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى یعنی وہ لوگ عظیم ہدایت پر ہیں مِنْ رَّبِّهِمْ اپنے پروردگار سے۔ اس لئے کہ پہلا گروہ اگر درجہ دار پہلی کتابوں کی ہدایات پر غالب نہ ہوئے لیکن جب یہ کتاب ان تمام کتابوں کے تمام مضامین کو شامل ہے۔ تو ایک دم ان تمام کتابوں کا نور ان پر جلوہ افروز ہوا اور دوسرے گروہ والوں نے اگرچہ درجہ دار ہدایات سابقہ کے انوار حاصل کئے تھے لیکن یہ امر غیبی جو کہ قرآن مجید کا نزول ہے اپنے انوار و برکات سمیت ان کی نگاہوں سے غائب تھا۔ پس حقیقت میں انہیں بھی ایمان بالغیب وجہ کمال کے ساتھ حاصل نہیں ہوا تھا لہٰذا دونوں گروہ اس قرآن پاک کی بدولت اپنے مطلب کو پہنچے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی وہ لوگ ہیں جو مطلب پانے والے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلے گروہ نے ایک دم اس عظیم خزانہ کی طرف راہ پائی اور دوسرے گروہ نے تدریجاً اسے پایا یہاں جاننا چاہئے کہ سورت فاتحہ اپنی ساتوں آیتوں کے ساتھ اور سورت بقرہ کی یہ چار آیات ان تمام ۳۳ آیات میں سے ہیں کہ ان کی برکات مشہور و

marfat.com
Marfat.com

معروف ہیں۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے زوائد مسند اور حاکم و بیہقی نے کتاب الدعوات میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا اچانک ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کی کہ میرا ایک بھائی ہے جو کہ شدید درد میں مبتلا ہے فرمایا اسے کیا تکلیف ہے؟ عرض کی اس پر جن کا اثر معلوم ہوتا ہے فرمایا اسے ہمارے پاس لاؤ اعرابی اپنے بھائی کو لے آیا اور اسے حضور علیہ السلام کے سامنے بٹھا دیا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسے ان آیتوں کے ساتھ دم فرمایا وہ فی الفور ٹھیک ہو گیا۔ اور اس طرح اٹھ کر کھڑا ہو گیا گویا اسے کبھی تکلیف ہوئی ہی نہیں۔

سورۃ فاتحہ‘ سورت بقرہ کی پہلی چار آیتیں۔ دو آیت الٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ آیت الکرسی‘ تین آیات سورۃ بقرہ کے آخر سے‘ سورہ آل عمران کی ایک آیت شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (آیت ۱۸)‘ سورۂ اعراف سے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ (آیت ۵۴) سورۃ مومنون سے فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (آیت ۱۱۶)‘ سورۃ جن سے وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا (آیت ۳)‘ سورۃ صافات کی پہلی دس آیات‘ سورت حشر کی آخری تین آیات‘

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ

## سورت بقرہ کی آیات کی تلاوت کے فوائد

دارمی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس نے رات میں سورۂ بقرہ کی پہلی چار آیات تلاوت کیں اس گھر میں اس رات صبح تک شیطان کا دخل نہیں ہوتا اور شعب الایمان میں بیہقی کی بعض روایتوں میں اور سعید بن منصور نے اپنی مسند میں اور دارمی نے مغیرہ بن شعبہ سے جو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دوستوں میں سے ہیں یہ روایت وارد کی ہے کہ جو سورت بقرہ کی دس آیات سوتے وقت پڑھے قرآن مجید نہیں بھولے گا۔ چار پہلی آیات‘ آیت الکرسی اور اس کے بعد والی دو آیات اور تین آخری آیات جن کی ابتداء لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سے ہے۔

اور طبرانی اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمارہے تھے کہ جب تم میں سے کوئی فوت

marfat.com

Marfat.com

ہو جائے تو اسے گھر میں سنبھالے نہ رکھو بلکہ اسے قبر میں جلد پہنچاؤ اور چاہئے کہ قبر میں میت کے سر کے قریب کھڑے ہو کر سورۃ بقر کی ابتداء کی تلاوت کرو۔ اور پاؤں کی طرف سورہ بقرہ کا اخیر پڑھو اور ابن النجار نے اپنی تاریخ میں محمد بن سیرین سے روایت کی کہ ایک دفعہ ہم نے نہر تشتر کے کنارے خیمہ لگایا لوگوں نے آ کر کہا کہ یہ جگہ خطرناک ہے جس قافلہ نے بھی یہاں آ کر ڈیرا لگایا اس کے سامان کو چوروں نے لوٹ لیا ہے میرے ساتھی یہ سنتے ہی کوچ کر کے شہر میں آ گئے اور میں ایک حدیث پاک کی وجہ سے جو میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنی تھی اسی جگہ ٹھہرا رہا اور حرکت نہیں کی۔ اور وہ حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص رات کو ۳۳ آیات پڑھے اسے اس رات درندہ یا چور تکلیف نہیں دے گا۔ لیکن چور گھر کا نہ ہو۔ اور وہ اپنی جان اہل اور مال کے ساتھ صبح تک محفوظ رہے گا۔ جب رات ہوئی میں چوروں کے ڈر سے نہ سو سکا۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ایک کثیر جماعت نے ننگی تلواروں کے ساتھ مجھ پر تیس سے زیادہ مرتبہ حملہ کیا لیکن میرے نزدیک نہیں آ سکے جب صبح ہوئی۔ اور میں نے کوچ کیا تو راستہ میں ایک بوڑھا ملا اور اس نے کہا تو انسانوں کی جنس سے ہے یا جنوں سے۔ میں نے کہا میں انسان ہوں اس نے کہا رات تیرا کیا حال تھا کہ ہم ستر سے زیادہ آدمیوں نے تجھ پر حملہ کیا لیکن تیرے اور ہمارے درمیان ایک آہنی قلعہ پیدا ہو جاتا تھا میں نے اس بوڑھے کے سامنے حدیث پاک کا واقعہ بیان کیا اس نے کہا کہ وہ ۳۳ آیات کونسی ہے میں نے کہا چار آیات سورت بقرہ کے اول سے مفلحون تک اور تین آیات آیت الکرسی سے خالدون تک۔ تین آیات آخر بقر وللہ مَا فِی السَّمٰوٰتِ سے لے کر آخر تک تین آیات اعراف اِنَّ رَبَّكُمُ (آیت ۵۴) سے مُحْسِنِیْنَ تک۔ اور دو آیتیں بنی اسرائیل قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ سے سورت کے آخر تک اور دس آیات صافات کی ابتداء سے لازب تک۔ دو آیتیں سورہ رحمٰن سے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ سے تَنْتَصِرَانِ تک اور حشر کے آخر لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ سے لے کر سورت کے آخر تک اور دو آیتیں سورہ جن سے قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا سے شَطَطًا تک۔

marfat.com
Marfat.com

اور جب آدمیوں کے پانچ گروہوں جن کو لفظ متقی شامل ہے۔ اور وہ قرآن کی ہدایت سے نفع پاتے ہیں کے حال کو بیان کرنے سے فراغت ہوئی تو اب دو اور فرقوں کا بیان فرمایا جو کہ بد بخت ہیں گویا اس ارشاد میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تسلی ہے کہ ان دو فرقوں کا قرآن پاک سے نفع نہ پانا اس وجہ سے نہیں کہ قرآن پاک کی ہدایت میں کوئی کمی ہے۔ اور نہ ہی اس وجہ سے کہ آپ کے ڈرانے اور تبلیغ میں کوئی نقص ہے۔ بلکہ ان کی استعداد کے باطل ہونے اور ان کی فطرت کے خراب ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ

## اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

یعنی تحقیق وہ لوگ جو کہ کافر ہو کر مرے۔ اس لئے کہ جو عمر کے آخر میں ایمان لایا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر نہیں ہے۔ اسی لئے شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کسی کافر کو کافر نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ اس کا خاتمہ کفر پر نہ ہو۔ اور اشاعرہ کے نزدیک اسے مسئلہ موافات کہتے ہیں۔ اور کفر کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیزیں بالیقین دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہیں۔ ان میں سے کسی چیز کا انکار کرے۔ اور انکار کا معنی تسلیم نہ کرنا ہے خواہ اس کی حقیقت کو پہچانے یا نہ پہچانے بلکہ خواہ اس کی حقیقت کا اقرار بھی کرے یا نہ کرے۔ پس اگر یہ حالت معاذ اللہ مرتے دم تک باقی رہی تو کفر حقیقی ہوا۔ ورنہ کفر کی صورت ہے۔ اور در حقیقت کفر نہیں۔ کیونکہ اعتبار کسی کے ایمان یا کفر پر خاتمہ کا ہے۔ پس جو لوگ اسی مرض میں مر گئے تو انہیں اپنی زندگی کے اوقات میں سے کسی وقت بھی آپ کے دین کو تسلیم کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ اور ان کا کفر اس قدر پکا ہوا کہ آپ کے ڈرانے سے اصلاً باز نہیں آتے یہاں تک کہ

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ یعنی ان پر برابر ہے خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں۔ اس لئے کہ ان کا کفر اس وجہ سے نہیں کہ قرآن کے اعجاز یا آپ کی نبوت میں انہیں کوئی شبہ ہے۔ بلکہ ان کی اس طرف بے التفاتی اور بے توجہی کی وجہ سے ہے یا کمال بغض و عناد کی وجہ سے ہے کہ دیکھی ہوئی شے کو ان دیکھی اور سنی کو ان سنی سمجھتے ہیں۔ پس ان کا حال برابر ہے خواہ انہیں دلیل ظاہر ہو یا نہ ہو لَا يُؤْمِنُوْنَ وہ ایمان نہیں

marfat.com
Marfat.com

لائیں گے۔ اور سواء علیہم میں علیہم کا لفظ اس لئے زیادہ کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کا ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کی نسبت سے برابر ہے۔ لیکن حضور علیہ السلام کی نسبت سے برابر نہیں۔ کیونکہ انہیں ڈرانے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سراسر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور ڈرانا چھوڑنے سے وہ اجر وثواب حاصل نہیں ہوتا۔ پس گویا اس طرح ارشاد ہوا کہ ان پر برابر ہے نہ کہ آپ پر۔ اور اسی وجہ سے اس آیت کے نزول کے بعد بھی حضور علیہ السلام انہیں ڈرانے سے باز نہیں رہے۔ بلکہ زیادہ کوشش فرماتے تھے تا کہ اجر وثواب زیادہ حاصل کریں۔ اور قرآن پاک کے کمال ہدایت اور پیغمبر علیہ السلام کی پوری کوشش کے باوجود ان کے کفر کے باقی رہنے کا سبب یہ ہے کہ دلائل اگر چہ یقینی اور قطعی ہوں۔ لیکن ان کا فائدہ صرف اسی کو پہنچتا ہے جس کے دل کا دروازہ کھلا ہو۔ اور یہ گروہ

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ یعنی ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگائی ہے۔ پس ان سے ممکن نہیں کہ کسی دلیل سے علم حاصل کریں۔ کیونکہ دلیل ان کے دل کے اندر داخل نہیں ہو سکتی اور جب تک کہ دلیل آدمی کے دل میں نہ آئے اس کیلئے ممکن نہیں کہ اس دلیل میں غور کرے۔ اور کوئی نتیجہ نکالے اور قلب لغت میں صنوبری گوشت کا نام ہے۔ جسے سینہ کی بائیں جانب خالی جگہ میں رکھا گیا ہے۔ اور روح حیوانی اسی گوشت میں پیدا ہوتی ہے اور وہی روح حس وحرکت کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ اور اس گوشت سے شرائین کے ذریعے سارے اعضاء میں پہنچتی ہے۔ اور اہل شرع کی اصطلاح میں لطیفہ انسان کا نام ہے کہ انسان کی انسانیت اسی سے ہے۔ اور شریعت کے اوامر ونواہی کی تعمیل اور تکلیفات الہیہ کے مطابق عمل کرنا اسی سے ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا ہے: ان فی ذلك لذكرٰی لمن كان له قلب بے شک اس میں البتہ نصیحت ہے اس کیلئے جس کا قلب ہے۔ اور یہ لطیفہ عالم امر سے ہے کہ اس کا وجود مادے پر موقوف نہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے: انما امره اذا اراد شیئا ان یقول له كن فیكون اس کا امر یہ ہے کہ جب کسی شے کا ارادہ فرمائے تو اسے فرماتا ہو۔ پس وہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ گوشت صنوبری بلکہ تمام بدن عالم خلق سے ہے کہ اس کا وجود مادے پر موقوف ہے۔ اور کبھی قرآن مجید میں اس لطیفہ کو نفس سے بھی تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ

marfat.com

Marfat.com

آیت وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ۔ میں اور کبھی روح سے بھی تعبیر فرمایا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ۔ اور اس مقام پر لفظ قلب سے یہی لطیفہ مراد لیا گیا ہے۔ کیونکہ دلیل سے استدلال کرنا اور مدلول کو نکالنا اسی لطیفہ کا کام ہے کہ اسے مخبر الٰہی اور الہام ربانی کی جگہ بنایا گیا ہے۔

اور جب اس لطیفہ پر مہر لگا دی گئی تو استدلال اور الہام کی راہ اور ذوق و کشف سب کچھ بند ہو گیا۔ اور ان کے حق میں اسی قدر پر اکتفاء نہیں کہ ان کے دلوں پر مہر لگائی بلکہ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ اور ان کے سننے کی قوت پر بھی مہر لگا دی گئی۔ پس وہ دوسروں کا استدلال سن بھی نہیں پاتے تا کہ رفتہ رفتہ اس استدلال کا مضمون پنہاں سوراخوں کے ذریعے ان کے دل تک نہ پہنچے۔ اور اگر یہ ان لوگوں کو کہ جنہوں نے استدلال کی راہ طے کی یا دوسروں کے استدلال سن کر کوئی کمال حاصل کیا دیکھتے ہیں تو اصلاً ان کے کمالات کو نہیں پاتے تا کہ خود بھی ان کمالات کو حاصل کرنے میں مشغول ہوں اور عملی راہ لے لیں کیونکہ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ یعنی ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے جو بالکل دیکھنے نہیں دیتا۔

## چند سوالات اور جوابات

یہاں چند سوال باقی رہ گئے جن کے جواب میں اہل عربیت معروف ہوتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ علی سمعهم کا عطف قلوبهم پر ہے۔ پس مہر کے تحت داخل ہوگا یا جملہ کا عطف جملہ پر ہے۔ تو بصر کے ہمراہ غشاوہ کے حکم میں داخل ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن مجید میں سمع کو ختم یعنی مہر کے حکم میں داخل فرمایا ہے۔ نہ کہ حکم غشاوہ میں داخل کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا خَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً کہ اس کی سماعت اور قلب پر مہر لگائی اور اس کی بینائی پر پردہ ہے۔ دوسرا سوال اسی جواب کی فرع ہے۔ اور وہ یہ کہ دل اور کان کو مہر کے تحت کیوں داخل فرمایا۔ اور آنکھ کی بینائی کو کس لئے پردہ لٹکا کر چھپایا گیا۔ حالانکہ تینوں پر مہر لگانے سے یکساں غرض حاصل ہوتی تھی۔ اور تینوں پر پردہ ڈالنے سے یہی غرض یکساں پوری ہوتی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دل کا مدرکات کو پانے کا سبب حس سلیم۔ سچی خبر اور

marfat.com

Marfat.com

عقل ہے اور کان کا مسموعات کو سننے کا سبب ہوا کی لہر ہے جو کہ آواز کی کیفیت میں ہوتی ہے۔ پس دل اور کان پر مہر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں باہر سے اندر نہ پہنچیں جبکہ آنکھ کے مرئیات کو دیکھنے کا سبب مذہب قوی کے مطابق شعاع کا نکلنا اور اس کا شے مرئی تک پہنچنا۔ پس آنکھ کا پردہ شعاع کے باہر آنے کو مانع ہے جو کہ دیکھنے کا منشا ہے۔ اور عقل والوں کا معمول یہ قاعدہ ہے کہ باہر کی چیزوں کے اندر آنے سے حفاظت کیلئے مہر لگاتے ہیں۔ اور اندر کی چیزوں کے باہر آنے کی حفاظت کیلئے پردہ لٹکاتے ہیں اس قاعدہ معمولہ کے مطابق یہ دونوں تعبیریں مختلف آئیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ سمع کو مفرد اور ابصار کو جمع کیوں لائے؟ حالانکہ اگر دونوں کی جنس کے معنی پر نظر کریں تو کوئی تعدد نہیں ہر جگہ مفرد کافی ہے۔ اور اگر ان دونوں کے افراد پر نظر کریں کہ جمع کے صیغہ کے مضاف ہیں تو دونوں جگہ جمع لانا چاہئے تھی۔ اس اسلوب کو بدلنے میں کیا نکتہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سننے کی طاقت کی جگہ ایک عصبہ یعنی پٹھا ہے جو کہ کان کے سوراخ کے اندر بچھا ہوا ہے۔ اور قوت بینائی کا محل مختلف طبقات اور متعدد رطوبتیں ہیں۔ جیسا کہ علم تشریح میں وضاحت کی گئی ہے۔ اور ہر طبقہ سے شعاع کا نکلنا اور ہر رطوبت میں صورتوں کا منقش ہونا رونما ہوتا ہے۔ پس ہر طبقہ اور ہر رطوبت اس کام میں دخل کی قوت رکھتی ہے۔ پس اس قوت نے گویا متعدد مقامات پر جگہ پکڑی ہے۔ اس کے مقامات کے متعدد ہونے پر نظر کرتے ہوئے صیغہ جمع لانا مناسب ہے۔ بخلاف قوت شنوائی کے کہ خود بھی ایک ہے۔ اور اس کا محل بھی ایک تو لفظ سے جو تعدد سمجھا جاتا ہے وہ کسی طرح بھی اس کے حال کے مناسب نہیں ہے۔

چوتھا سوال یہ کہ دل اور کان پر مہر کرنے کو جملہ فعلیہ کی صورت میں ذکر فرمایا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ اور ان کی آنکھوں کو ڈھانپنے کا بیان جملہ اسمیہ کی صورت میں لایا گیا جو کہ ہمیشگی اور ثابت رہنے کا معنی دیتا ہے وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ فرق کی وجہ کیا ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ دل اور کان پر مہر کرنا امور خارجہ کے دل اور کان میں داخل ہونے کو مانع ہے۔ اور در حقیقت علت کے پورا ہونے اور اس کی تاثیر کے پورا ہونے

marfat.com

Marfat.com

کو منع کرتا ہے۔ جیسا کہ ڈھال جو کہ تیرے کے پہنچنے کو مانع ہے۔ اور علت کے پورا ہونے اور اس کی تاثیر کا مانع علت کے شروع ہونے سے متاخر ہے۔ پس جملہ فعلیہ سے اسے تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ جملہ فعلیہ حدث یعنی کسی شے کے پیدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور آنکھ کا پردہ آنکھ سے جو کہ دیکھنے کا مقام ہے شعاع کو باہر آنے سے مانع ہے۔ اور حقیقت میں علت کے شروع ہونے کو مانع ہے۔ جیسا کہ ہاتھ کا شل ہونا کہ تیر پھینکنے سے روکتا ہے۔ اور جو علت کی ابتداء کو روکنے والا ہو وہ معلول کو اپنے اصلی عدم پر باقی رکھنے کا موجب ہوتا ہے۔ اور اصلی عدم ثابت ہے۔ حادث یعنی نیا پیدا ہونے والا نہیں کہ اس سے جملہ فعلیہ کے ساتھ تعبیر کی جائے بلکہ اس کی تعبیر جملہ اسمیہ کے ساتھ زیادہ بہتر ہے جو کہ ہمیشگی اور ثابت رہنے پر دلالت کرتا ہے۔

پانچواں سوال جو کہ اس جواب پر بطور فرع پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ آیت خَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً میں آنکھ کے پردہ کو بھی جملہ فعلیہ کے ساتھ لائے ہیں۔ جیسے کہ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ۔ پس اگر فرق کی یہ وجہ درست ہے۔ تو اس آیت میں ترک اولیٰ لازم آیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جعل اگرچہ فعل ہے۔ لیکن افعال قلوب کے ساتھ ملحق ہے۔ اور افعال قلوب کی خاصیت ہے کہ جملہ اسمیہ کو دوام وثبات کے معنی پر دلالت کرنے سے بدلتے نہیں۔ اور مبتدا اور خبر کو اپنے دو مفعول بنا لیتے ہیں۔ جیسا کہ علمت زیدا فاضلا میں تصریح کی گئی ہے کہ علمت کی نسبت حادث ہے۔ اور زید کی طرف فضل کی نسبت حادث نہیں۔ پس جعل علی بصرہ غشاوہ میں کہ اس سے آنکھ کے پردے کا بیان متعلق ہے۔ ثبوت ودوام کا معنی ثابت ہے۔ کیونکہ مفعول ثانی کی نسبت مفعول اول کی طرف اسی طریقے سے باقی ہے۔ اگرچہ وہ جعل سے متعلق ہے۔ پس اس آیت میں غشاوہ ابصار کے بیان میں معنی کے اعتبار سے جملہ اسمیہ ہی لائے ہیں۔ اور کان اور دل پر مہر کرنے کے بیان میں جملہ فعلیہ کو اختیار فرمایا۔ اور اسی فرق کو ملحوظ رکھا گیا۔

چھٹا سوال یہ ہے کہ سمع کو بصر سے پہلے کیوں لایا گیا۔ حالانکہ حکماء کے نزدیک بصر کی حس، سمع کی حس سے افضل ہے۔ اس لئے کہ ابصار سے متعلق نور ہے۔ اور سمع سے متعلق ہوا

marfat.com
Marfat.com

اور بصر دور سے دیکھتی ہے۔ اور سمع دور سے نہیں سن سکتی ہے۔ اور صنعت الٰہی کے عجائب بصر کی پیدائش میں پیدائش سمع کی نسبت زیادہ ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام الٰہی کی سماعت ان کی خواہش اور سوال کے بغیر عطا فرمائی گئی اور جب آنکھ سے دیکھنے کی درخواست کی تو یہ نعمت عطا نہ ہوئی۔ اور آنکھ میں چہرے کا جمال ہے بخلاف کان کے اور جو انکشاف بصر کی وجہ سے ہوتا ہے تمام انکشافات سے قوی اور کامل ہے۔ اسی لئے عرب کی مثالوں میں وارد ہے کہ آنکھ کے بعد کوئی بیان نہیں۔ اور اس کے جواب کا بیان یہ ہے کہ اگرچہ بصر کی فضیلت میں یہ وجوہ ثابت ہیں۔ لیکن یہاں ان وجوہ کی رعایت کرنا مناسب نہیں یہاں تو ان وجوہ کی رعایت کرنا چاہئے جو کہ حق کی پہچان میں ترجیح کا باعث ہوں۔ اسی لئے دل کو دونوں حسوں پر مقدم فرمایا۔ اور سننے کی طاقت کو قرآن پاک کی ہدایت۔ پیغمبر علیہ السلام کے ارشاد اور ان کے ڈرائے سے ڈرنے میں پورا دخل ہے کہ اس قدر قوت بینائی کو دخل نہیں ہے اس مقام پر اسی وجہ کی رعایت بہتر ہے۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ سمع کو نبوت کی شرط کے طور پر لکھا گیا ہے۔ کیونکہ کوئی پیغمبر علیہ السلام بہرہ نہیں ہوا جبکہ بعض پیغمبروں کی بینائی میں فرق تھا۔ جیسے حضرت یعقوب' حضرت شعیب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نیز قوت سمع دوسروں کی عقلوں کے معارف ونتائج فہم تک پہنچنے کا ذریعہ ہے بخلاف بصر کے کہ اس کے ساتھ صرف محسوسات کو آشکارا کیا جاسکتا ہے۔ نیز قوت سامعہ کا ادراک چھ طرفوں سے ممکن ہے بخلاف بینائی کی قوت کے ادراک کے کہ صرف سامنے کی جہت سے ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ قرآنی ہدایت اور پیغمبر علیہ السلام کے ڈرانے سے کفر کے فائدہ نہ لینے کے بیان میں کان پر مہر لگانا پردۂ چشم سے پہلے ہے۔ جیسا کہ تفسیر میں اس طرف اشارہ ہو چکا ہے۔ اور جب یہاں اس شبہ کا گمان تھا کہ کسی کے دل میں یہ گزرے کہ جب کافروں کے دائمی کفر کا خداتعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہو۔ اور ان کے دلوں میں نصیحت کے داخل ہونے کی راہ اس قدر بند کر دی گئی تو یہ کفر میں مجبور ہوں گے۔ اور قیامت کے دن حقیقت کار سے بے خبر رہنے کا معقول عذر ان کے ہاتھ میں ہوگا تو اس گمان کو دور کرنے کیلئے فرمایا۔

marfat.com
Marfat.com

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے کیونکہ ان کے دل پر مہر لگانا اوران کی آنکھوں اور کانوں کو دیکھنے سننے سے باز رکھنا جو کہ نصیحت کا ذریعہ ہیں۔ حضرت حق تعالیٰ کی طرف سے پہلے واقع نہیں ہوا تا کہ عذر کی گنجائش ہو بلکہ ان کی نظر میں تقصیر اور رسل علیہم السلام اور نصیحت کرنے والوں کے ساتھ ان کے عناد اور اس تقصیر وعناد پر ان کے اصرار کی وجہ سے یہ حالت پیدا ہوئی تو ان کی یہ حالت ایک مہلک مرض کی طرح ہے کہ ایک آدمی مہلک زہر کھا کر اپنے آپ کو قتل کرتا ہے۔ کہ یہ صریح علامت اور عتاب کا مقام ہے۔ اور جب بدبختوں کے ایک گروہ کے حال کو بیان کرنے سے فراغت ہوئی تو اب ان میں سے دوسرے فریق کا بیان شروع فرمایا۔

## وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ

لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو کہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لائے ہیں۔ گویا اپنے لئے علم توحید اور علم معاد دونوں کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور یہی دو علم دین کی اصل ہیں۔ پس حقیقت میں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم نہ تو مشرکین میں سے ہیں۔ کیونکہ وہ حق سے حجاب اور پردے میں ہیں۔ اور نہ ہی اہل کتاب میں سے ہیں جو کہ دین اور معاد کے متعلق پردے میں ہیں۔ اور حقیقی کفر حجاب میں ہوتا ہے یا تو حق سے۔ جیسا کہ مشرکین کیلئے ہے یا دین سے۔ جیسا کہ اہل کتاب کیلئے۔ اور جو حق سے محجوب ہے وہ دین سے پردے میں ہے۔ کیونکہ دین نہیں ہے مگر حق کی طرف پہنچنا اور جو دین سے محجوب ہے کبھی کبھی حق سے محجوب نہیں ہوتا۔ پس یہ گروہ اپنے لئے دعویٰ کرتا ہے کہ ہمارے دونوں حجاب اٹھ گئے۔ حالانکہ اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ یعنی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ حاصل یہ کہ ایمان ان سے سلب کر لیا گیا ہے۔ کسی وقت بھی انہیں نصیب نہیں ہوگا۔ اور شرع میں اس گروہ کو منافق کہتے ہیں۔

### نفاق کی چند اقسام

اور نفاق کی چند قسمیں ہیں۔ سب سے اونچی اور بڑی قسم یہ ہے کہ ایمان کا اظہار

marfat.com

Marfat.com

کرے۔ اور باطن میں صاف منکر ہو۔ دوسری قسم یہ کہ ظاہر میں مذبذب اور متردد ہو۔ تیسری قسم یہ کہ گناہوں کی کثرت' خطاؤں کے اثر انداز ہونے' حب دنیا کے حد سے زیادہ ہونے اور برے اخلاق کے جمع ہونے کی وجہ سے ان کا ایمان چھپ جائے۔ اور بے حد کمزور ہو جائے یہاں تک کہ دنیا کے نقصان کو آخرت کے نقصان پر پسند نہ کر سکیں۔ اور آخرت کے نفع کو دنیا کے نفع پر ترجیح نہ دے سکیں۔ پس حقیقت میں یہ فرقہ بھی ایمان نہیں رکھتا کیونکہ ایمان سے مقصود دنیا اور نفسانی لذتوں کی پستی سے مرضیات الٰہی اور آخرت کے بلند درجات تک پہنچنے کے لئے بلند ہمت حاصل کرنا ہے۔ اور یہ فرقہ اگرچہ ایک قسم کی تصدیق رکھتا ہے مگر بہت کمزور تصدیق جو کہ ہمت کی بلندی میں کوئی اثر نہیں رکھتی اور عقل کا مقرر شدہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی چیز مقصود سے خالی ہے۔ تو لغو ہے۔ پس ان کی تصدیق محض لغو ہے۔ اس کا ہونا' نہ ہونا برابر ہے۔ نفاق کے انہیں تین مرتبوں پر مختلف آیات اور احادیث کو موزوں کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ تک پہلے اور دوسرے مرتبہ کے حال کا بیان ہے۔ اور آیت وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ الخ تیسرے مرتبہ کے حال کا بیان ہے۔ اور وہ جو حدیث پاک میں وارد ہے کہ آیة المنافق ثلاث وان صام و صلی وزعم انه مسلم اذا حدث کذب واذا عاهد غدر واذا ائتمن خان ۔ منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ روزہ رکھے نماز پڑھے اور گمان کرے کہ میں مسلمان ہوں۔ جب بات کرے جھوٹ بولے' جب معاہدہ کرے تو توڑ دے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ یہ بھی اسی مرتبہ پر محمول ہے۔ اور ان کے نفاق کے جو کہ ان کی بے ایمانی کا گواہ ہے کے واضح ترین دلائل میں سے یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر بالفرض خدا و جزا ثابت ہوا اور ہم سے ہمارے حال کی تفتیش کریں تو ہمارے لئے یہی ہمارا زبانی ایمان سہارا ہے۔ جس طرح دنیا میں ایمان والوں کی نسبت سے اسی سہارے کو پکڑتے ہیں۔ اور اپنی جان اور مال کو امان دیتے ہیں اسی طرح آخرت میں اسی قسم کے

marfat.com

Marfat.com

ایمان کا سہارا لے کر ہم نجات پائیں گے۔ پس اپنے گمان میں وہ۔

**يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا** یعنی وہ اپنے اس ظاہری ایمان سے اللہ تعالیٰ کو اور صحیح ایمان لانے والوں کو فریب دیتے ہیں **وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ** یعنی وہ حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے کہ ان کے فریب دینے سے اسے فریب لگ جائے۔ اور ایمان والوں کو بھی حق تعالیٰ پیغمبروں علیہ السلام کی زبان اور قرائن ونشانات کے ذریعے ان کے حال پر مطلع فرما دیتا ہے۔ پس ایمان والے بھی ان سے فریب نہیں کھاتے۔ اگرچہ کلمہ شریف کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے جان اور مال کے درپے نہیں ہوتے۔

**وَمَا يَشْعُرُونَ** یعنی وہ شعور نہیں رکھتے کہ اس باطل آرزو اور جھوٹی طمع سے ہم اپنی جان کو فریب دے رہے ہیں۔ اس مریض کی طرح جو کہ مہلک مرض میں مبتلا ہو۔ اور دواؤں کے ناموں کو یاد کر کے زبان سے پڑھتا رہے۔ اور آرزو کرے کہ ان دواؤں کا زبان سے نام لینا اس مرض کو دور کرنے کیلئے کافی وشافی ہوگا کہ یہ صریح اپنی جان کو دھوکا دینا ہے۔ اور یہ فریب کھانا عقل مندوں پر پورے طور پر ظاہر ہونے کے باوجود ان پر ظاہر نہیں ہوتا اس لئے کہ

**فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ** یعنی ان کے دلوں میں پکی بیماری ہے۔ اور وہ بیماری قوت حکمیہ کا قاصر ہونا ہے جو کہ اپنے آباء واجداد کے دین وآئین کے۔ عدالت پکڑنے کی وجہ سے ہوا اور شہوت کی خلط کا غلبہ ہے کہ اپنی نفسانی لذتوں اور جسمانی خواہشات کو ضبط نہیں کر سکتے۔ اور یہ کلمات اگرچہ اس قسم کی بیماریوں کی شفا کا باعث ہے۔ لیکن جب وہ رسول علیہ السلام ۔ ساتھ کمال بغض وعناد اور دلوں میں جہالت کی مرض کے مستحکم ہونے کی وجہ سے اسے نہیں سمجھتے اور غور نہیں کرتے اس سے وہ کیا فائدہ اٹھائیں گے۔ اس دوائی کی طرح کہ جسے استعمال نہ کریں بلکہ اس قسم کی دوا اگر اپنے طریقے کے مطابق استعمال نہ کی جائے تو مرض کی زیادتی کا سبب بنتی ہے۔

**فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا** ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک اور مرض زیادہ کر دی کہ

marfat.com

Marfat.com

جب اس قرآن مجید کے مضامین کو اپنی وضع اور آئین کے خلاف دیکھا اور اسے نفسانی لذتوں اور جسمانی خواہشوں سے روکنے والا پایا تو ان کی قوت غضبیہ نے جوش کیا۔ اور انکار ومقابلہ کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور پیغمبروں علیہم السلام اور واعظوں کو تکلیف دینے کے درپے ہوگئے۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ جب ہم نے اس قرآن میں نظر نہیں کی۔ اور غور وفکر نہیں کیا تو ہم بے ایمانی میں معذور ہیں تو کہنا چاہئے کہ ہدایت کے اس قسم کے سبب میں نظر نہ کرنا عذر نہیں ہوسکتا۔ اور اگر بالفرض عذر بھی ہو صرف تو اسی قدر عذر ہوگا کہ ایمان نہ لائے لیکن تکذیب انکار اور مقابلہ میں کس طرح عذر ہوسکتا ہے وہ اپنی اس تکذیب اور انکار کی سزا ضرور پائیں گے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ اور انہیں دردناک عذاب ہوگا اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کی بلا دلیل تکذیب کی۔ بلکہ اس کی صداقت کے دلائل اور اعجاز کے واضح ہونے کے باوجود انکار سے دست بردار نہیں ہوتے تھے۔ نیز اپنے آپ کو مومن اور متقی ظاہر کرتے تھے۔ حالانکہ ایمان اور تقویٰ کے نام کے سوا جو کہ ان کی زبان پر جاری تھا دل میں اس کا کوئی اثر نہیں رکھتے تھے۔

## بقیہ سوالات اور جوابات

یہاں چند سوال باقی رہ گئے جنہیں ہم ان کے جوابوں کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اول یہ کہ حق تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء میں خالص ایمان والوں کی شان میں پوری چار آیات نازل فرمائیں اور کھلے کافروں کی شان میں کہ جن کا ظاہر وباطن یکساں کفر کے ساتھ آلودہ تھے پوری دو آیتیں اتاریں۔ اور اس قسم کے چھپے کافروں کے بارے میں جنہیں منافق کہتے ہیں تیرہ آیات اتاریں۔ حالانکہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ کھلے کافر کا کفر جس کا ظاہر وباطن کفر کے ساتھ آلودہ ہے کافر منافق ہے کفر سے زیادہ برا ہے۔ کیونکہ اس کا دل بھی جہالت کی بیماری میں گرفتار ہے۔ اور اس کی زبان بھی عقائد کفر بیان کرنے میں جھوٹ اور انکار سے آلودہ ہے۔ بخلاف کافر منافق کے کہ اس کا دل جہالت کی مرض میں گرفتار ہے مگر اس کی زبان اسلام کے سچے عقائد کے بیان میں سچ کہتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ منافق کی

marfat.com
Marfat.com

زبان بھی جھوٹ اور انکار میں پڑی ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ عقائد اسلام میرے دل میں گھر کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واللّٰه يشهد ان المنافقين لكاذبون اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق البتہ جھوٹے ہیں۔ پس اس کے دل و زبان دونوں گناہگار ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ منافق دھوکہ دینے کا قصد کرتا ہے۔ اور بے پردہ کافر کسی قسم کی تلبیس کا قصد نہیں کرتا۔ نیز کھلا کافر مردوں کی طبیعت پر ہے جو کرتا ہے وہی کہتا ہے۔ اور منافق ناقص عورتوں کی طبیعت پر ہے کہ کرتا کچھ ہے۔ اور کہتا کچھ ہے۔ نیز کافر اگرچہ جھوٹ بولنے والا ہے مگر اپنے گمان میں سچ کہتا ہے۔ اور اپنے نفس کیلئے جھوٹ بالکل پسند نہیں کرتا بلکہ اس سے عار محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے اپنے دل کا عقیدہ کھلے بندوں بیان کرتا ہے۔ اور منافق طبیعت میں اتنا کمینہ ہے کہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے۔ اور اس جھوٹ بولنے کو اپنا کمال سمجھتا ہے۔ نیز منافق اپنے کفر کے ساتھ حضرت حق جل وعلا کا استہزاء اور اسے فریب دینے کا قصد کرتا ہے۔ اور بے پردہ کافر بے پردہ اس قسم کی بے ادبی نہیں رکھتا۔ اس لئے منافق کا کفر زیادہ غلیظ اور اس کا پردہ زیادہ موٹا ہے۔ اور اس کا حال زیادہ مخفی ہے۔ اس لیے اس کی رسوائی کیلئے تیرہ آیات نازل ہوئیں اور اس کا حال بیان کرنے کے بعد اس کیلئے مثال بھی بیان ہوئی۔

## تقیہ باز کھلے بندوں انکار کرنے والے سے بدتر ہے

یہاں سے معلوم ہوا کہ جس کے مذہب کی بنیاد تقیہ اور باطن کے ساتھ ظاہر کی مخالفت پر ہو وہ اس کے مذہب سے بدتر ہے جو کہ کھلے بندوں انکار کرتا ہے۔ کیونکہ تقیہ والے کی اندرونی حالت پر اصلاً اعتماد نہیں رہتا۔ اور اس کا اقرار و انکار اگرچہ کبھی سچا بھی ہو جھوٹا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں۔ اور اس کلام کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کو اس کی توبہ پر اعتماد کا تصور نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی توبہ پر اطلاع کا ذریعہ بھی زبانی توبہ ہے۔ اور بس اور چونکہ وہ تقیہ کا قائل ہے۔ اس لئے اس کے زبانی اقرار کا کوئی اعتماد نہیں۔ اور اس کلام کا معنی یہ نہیں کہ اگر تہہ دل اور نیت کی سچائی سے اپنے باطل نظریات سے پھر جائے۔ اور اس کا باطن صاف ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مردود و مسترد ہے۔

marfat.com

Marfat.com

کیونکہ اللہ تعالیٰ چھپے اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔ جبکہ بندے کے دلی احوال کو جانتا ہے۔ اور بندوں کو اظہار زبانی کے وسیلہ کے بغیر مافی الصدور کا علم ممکن نہیں۔

## دوسرا سوال اور اس کا جواب

دوسرا سوال یہ ہے کہ لفظ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ سے جو کہ مخادعت سے لیا گیا ہے۔ اور یہ باب مفاعلہ سے ہے جو کہ مشارکت کو چاہتا ہے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ منافق خدا تعالیٰ کو بھی اور ایمان والوں کو بھی فریب دیتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ اور ایمان والے بھی انہیں فریب دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سے نہ تو فریب دینا متصور ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی اسے فریب دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا علم محیط کہ ہر چھپا اس کے حضور آشکارا ہے فریب دیئے جانے سے مانع ہے۔ اور اس کی حکمت کہ اس کے تمام افعال عیب سے پاک ہیں فریب دینے سے مانع ہے۔ اور مومنین کو اگرچہ فریب کھانا ممکن ہے۔ کیونکہ کمال حلم اور ان کے متعلق اچھا گمان رکھنے کی وجہ سے تحقیق نہیں کرتے۔ اور ان کے جھوٹ کو سچ سمجھتے ہیں چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ مومن فریب کھانے والا سخی ہے۔ اور منافق دھوکا باز کنجوس ہے۔ لیکن فریب دینا ان سے بھی بعید ہے۔ تو مخادعت کا لفظ استعمال کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باب مفاعلہ یہاں مشارکت کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ اصل فعل کیلئے ہے۔ جس طرح کہ عاقبت اللص (میں نے چور کو سزا دی) سافرت (میں نے سفر کیا) میں واقع ہے۔ اور بالفرض اگر مشارکت کیلئے بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے خداع کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے معاملہ نہیں فرماتا مگر اس کے صدق نیت اور بلندی ہمت کے مطابق۔ اسی لئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا یعنی جو شخص اپنے سخن و کلام میں سچ بولنے کی عادت رکھتا ہے۔ تو خواب میں بھی اسے عالم غیب سے سچی خبر عطا کرتے ہیں۔ اور جو حرف و سخن میں جھوٹ بولنے کی عادت رکھتا ہے۔ تو اس طرف سے بھی اس کے حال کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے۔ تو جس شخص نے اپنے دین میں کسی عقیدہ اور عمل کو پسند کر کے اسے اپنے لئے اختیار کیا۔ اور اس عقیدہ اور عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا قصد کیا پہلے اسے خواہشات میں مصروف کر دیتے ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

تا کہ اسے اس بات کا یقین ہو جائے کہ میرا یہی عقیدہ اور عمل میرے اور میرے پروردگار کے درمیان میرا کافی وسیلہ ہے۔ اور جانب غیب سے اس کی دعا کی قبولیت۔ دل میں پے در پے القاء بدعتوں' گناہوں۔ اور گھٹیا کاموں میں سکون دل کے حصول کے موافق خوابیں دیکھنے' نجاستوں سے ملوث ہونے اور ملعون جانوروں کی صحبت سے ایک قسم کی امداد و اعانت ملتی ہے۔ تا کہ اس عقیدہ وعمل کی خوبی یقین کے ساتھ اس کے دل میں جگہ پکڑے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خداع کا معاملہ یہی ہے۔ پھر ورق الٹنے اور بدن سے روح کے جدا ہونے کے وقت یا کسی پیغمبر علیہ السلام یا مرشد کی قوی ہمت کے تصادم کی وجہ سے وہ سارا لطف وکرم برباد ہو جاتا ہے۔ اور معاملہ دگرگوں ہو جاتا ہے۔

رہی مخادعت مومنین۔ پس منافقین کی طرف سے یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو محبوں اور موافقوں کی صورت میں ظاہر کر کے ایمان والوں کے اقبال کو ضائع کرنے اور ان کے مرتبے کو توڑنے کیلئے کئی حیلے کرتے تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں عبداللہ بن ابی آپ کے مقابلہ کیلئے یہودیوں کو ابھارتا اور ورغلا کر دلیر کرتا تھا۔ اور مومنوں کی طرف سے مخادعت یہ ہے کہ ان منافقوں کا حال دیکھنے اور جاننے کے باوجود ان کے درپے نہیں ہوتے تھے تا کہ ظاہرداری سے بھاگ نہ جائے۔ اور اپنی جماعت کی کثرت کا انجام قلت نہ ہو۔ اور ان کے مل جانے سے کافروں کی جماعت زیادہ نہ ہو جائے تو خداع کا معنی دونوں طرف سے ثابت ہو۔

اور بعض محققین نے کہا ہے کہ مخادعت خدا سے مراد اس کے رسول علیہ السلام کی مخادعت ہے۔ کیونکہ اس باب میں کسی شخص کا بھیجا ہوا اس شخص کے حکم میں ہوتا ہے وہ جو معاملہ کرے گا اسی شخص کی طرف لوٹے گا اور کسی شخص کے بھیجے ہوئے کا کہنا ہو بہو اس شخص کے کہنے کی طرح ہے۔ جس طرح آیت مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اور آیت وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى میں اس فعل کو صاف طور پر بیان فرمایا گیا۔ پس ایمان کا اظہار کر کے ان منافقوں کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا گویا خدا تعالیٰ کو فریب دینا ہے۔ اور رسول علیہ السلام کا ان منافقوں کے ایسے اسلام کو قبول کرنے

marfat.com
Marfat.com

قتل اور قید سے نجات دینے اور غنیمت و منافع میں انہیں شریک کرنے کا معاملہ کرنا گویا خدا تعالیٰ کا ان کے ساتھ معاملہ کرنا ہے۔ اس طرح کہ تمہارا اسلام مقبول ہوا اور ہماری دست بردے تم نے نجات پائی۔ خصوصاً اس رسول علیہ السلام کیلئے رسالت کے علاوہ محبوبیت کا مرتبہ بھی ثابت ہے۔ اور محبوب خدا کو فریب دینا بمنزلہ اس کے ہے کہ خدا کو فریب دیتے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ایک حدیث قدسی میں وارد ہے کہ بندہ مومن نوافل کی ادائیگی اور طاعتیں کر کے میرے قریب ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ اور جب اسے اپنا محبوب بنالوں تو اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں کہ مجھ ہی سے سنتا اور دیکھتا ہے۔ اور میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں کہ مجھ سے سخن کرتا ہے۔ اس کا ہاتھ میں بن جاتا ہوں کہ میرے ساتھ ہی وہ کام کرتا ہے۔ اس کے پاؤں بن جاتا ہوں کہ میرے ساتھ چلتا ہے۔

اور جسے قرب خداوندی کی یہ حالت نصیب ہو اسے فریب دینے کا قصد بلاشبہ خدا تعالیٰ کو فریب دینے کا قصد ہوگا۔

## تیسرا سوال اور جواب

تیسرا سوال یہ ہے کہ منافقوں کے حال کا بیان کافروں کے حال کے بیان پر عطف کے ساتھ لایا گیا۔ جبکہ کافروں کے حال کا بیان ایمان والوں سے جدا کر کے نئے سرے سے بیان کیا گیا۔ اس انداز کو بدلنے میں نکتہ کیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر ان دو گروہوں میں سے گروہ کے حال کا بیان دوسرے گروہ کے حال کے بیان پر عطف کے ساتھ لاتے ہیں۔ جیسا کہ آیت اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ اور اہل معانی کے قاعدہ کے مطابق بھی جامع وہمی جو کہ تضاد ہے دونوں کے درمیان ثابت ہے۔ کیونکہ کفر ضد ایمان ہے۔ باوجود جامع اور مناسبت کے عطف نہ کرنا آئین بلاغت کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی کلام اصل میں کتاب کے حال کا بیان تھا اور وہ جو کتاب مذکور فلاں فلاں گروہ کی ہدایت کا سبب ہوتی ہے۔ پس کافروں کا ذکر اور ان کی مذمت جو کہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کے جملہ کا مضمون ہے اس مقام کے مخالف

marfat.com
Marfat.com

ہے نہ کہ مناسب اور جامع وہمی جو کہ تضاد ہے مومن و کافر اور ایمان و کفر کے درمیان ثابت ہے نہ کہ کتاب کی مدح اور کفار کی مذمت کے درمیان اور کمال بلاغت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مقام کے تباین کو باوجود جامع کے اعتبار میں پہلے کرتے ہیں۔ اور عطف کو ترک کرتے ہیں۔ جس طرح کہ خبریت اور انشا کے ساتھ کلام میں اختلاف کی صورت میں اس اختلاف کو وجود مناسبت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور عطف ترک کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں سمجھنا چاہیے۔ اور صاحب مفتاح نے باب فصل و وصل میں قاعدہ تباین کو لزوم فصل کیلئے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔

## چوتھا سوال اور جواب

چوتھا سوال یہ ہے کہ مَنْ يَّقُوْلُ آمَنَّا بِاللّٰهِ مبتداء ہے اور من الناس اس کی خبر ہے۔ اور چاہئے کہ خبر ایک مفید لفظ ہونا چاہئے۔ اور منافقون کا آدمیوں کے زمرہ میں سے ہونا ایک امر معلوم ہے کہ اس کی خبر دینا کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ من یقول میں من موصوفہ ہے۔ پس کلام کا مفاد یہ ہوا کہ آدمیوں کی جنس میں اس قسم کے گروہ ہیں۔ پس فائدہ کلام کا مدار وصف پر ہے۔ جیسا کہ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا میں کہا گیا ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ کا ذکر اس لئے ہے کہ اس فرقہ میں صرف آدمی ہونے کی ماہیت کے علاوہ صفات فاضلہ مثل عقل، علم اور سمجھ میں سے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ چنانچہ علماء مصنفین کی اصطلاح میں من الناس کا لفظ اسی اشارہ کیلئے ذکر کیا جاتا ہے۔ صاحب حامی نے کہا ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ عَمِلَ فِي النصوص بوجوه اخرىٰ فاسدہ اور شارحین نے کہا ہے کہ اس کلام کا معنی یہ ہے کہ ومن الناس لامن العلماء۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں مِنَ النَّاسِ کا لفظ لانا سامعین کے تعجب کیلئے ہے۔ یعنی لوگوں میں سے اس قسم کے بے وقوف بھی ہوتے ہیں۔ پس اپنی صورت انسانی پر مغرور نہ ہونا اور علم کی اصطلاح اور اپنی سمجھ میں کوشش کرو۔

## پانچواں سوال اور جواب

پانچواں سوال یہ ہے کہ کافروں کے عذاب میں عظیم کا لفظ لایا گیا۔ جبکہ منافقوں کے

marfat.com

Marfat.com

عذاب میں لفظ الیم ہے۔ تو ان دونوں عذابوں کے درمیان بڑائی اور دردناک ہونے میں فرق کس طرح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن کافروں کی موت کفر پر مقدر ہے وہ ازلی مردود ہیں۔ تقدیر کے وقت انہیں دینی نعمتوں سے محروم کردیا گیا ہے۔ پس ان کا عذاب بڑا ہے۔ لیکن اپنی استعداد کے باطل ہونے اور اپنے ادراک کی تختی کے مکمل طور پر غبار آلود ہونے کی وجہ سے اس عذاب کے درد کی شدت کو نہیں پاتے۔ جیسے میت کا عضو یا مفلوج یا بے حس ہونے والا عضو کہ اس میں کاٹنے یا داغ لگانے اور دیگر تکلیف کی قسموں کا پتہ نہیں چلتا رہے منافق۔ پس اپنی اصل استعداد کے باقی رہنے کی جہت سے اور قوت ادراک کی وجہ سے درد کی شدت کو پائیں گے۔ اسی لئے ان پر عذاب نہایت دردناک ہوگا۔ نیز کفار جنہوں نے ایمان کی حلاوت بالکل نہیں چکھی اور ایمان کے گھر کے دروازے پر نہ پہنچے۔ کلی طور پر محروم ہونے کی وجہ سے ایمانی لذتوں کی اتنی خواہش نہیں رکھتے۔ بخلاف منافقوں کے اس گھر کے دروازے پر پہنچ کر اور ایمان کی کچھ چاشنی زبان سے چکھ کر اس کی پوری لذت حاصل کرنے سے محروم کردیئے گئے تو دیکھی اور چکھی ہوئی لذتوں کے گم ہونے پر لازماً انہیں حسرت زیادہ ہوگی۔ جیسا کہ ولایت کے لوگ کہ میوے کھا کر فیضیاب ہو کر وطن سے دور پڑے ہوں۔ ان میووں کے نہ ملنے کی حسرت ان کی جان کے گریبان کو زیادہ پکڑتی ہے بخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے ولایت نہیں دیکھی اور اس کے میووں کی لذت نہیں چکھی کہ انہیں اس قدر حسرت نہیں ہوتی۔

## چھٹا سوال اور جواب

چھٹا سوال یہ ہے کہ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ" آمنا کے جواب میں کس طرح واقع ہوسکتا ہے۔ حالانکہ آمنا میں فعل کی شان کا ذکر ہے نہ شان فاعل کا اور وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ میں شان فاعل کا ذکر ہے نہ کہ شان فعل کا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جواب بطریق ترقی ہے۔ یعنی وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان میں داخل ہوگئے۔ حالانکہ اس کی اہلیت نہیں رکھتے کہ ایمان والوں کی ایک جماعت میں گنے جاسکیں اور اگر اس کلام کے جواب میں یہ فرمایا جاتا کہ وَلَمْ يُؤْمِنُوْا کہ وہ ایمان نہیں لائے تو یہ ترقی سمجھ میں نہیں آتی تھی اور اسی طریقے پر

marfat.com

Marfat.com

دوسری آیت ہے یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا ھُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنْھَا اور احتمال کہ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ میں دووجہ سے ترقی سمجھی جائے۔ اول تو عموم اوقات کی جہت سے یعنی لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم زمانہ قریب میں ایمان لائے۔ حالانکہ یہ لوگ وقتوں میں سے کسی وقت میں بھی نہ بالفعل اور نہ ہی آئندہ زمانے میں ایمان کی قابلیت رکھتے ہیں۔ دوسرے متعلقات کے عموم کی جہت سے کہ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے نہ خدا تعالیٰ پر' نہ روز آخرت پر' نہ رسول پاک علیہ السلام پر' نہ قرآن پاک پر اور نہ ہی کسی اور چیز پر ان چیزوں میں سے جن پر ایمان لانا فرض ہے۔

## ساتواں سوال اور جواب

ساتواں سوال یہ ہے کہ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فرمایا قُلُوْبُھُمْ مرضیٰ کیوں نہ فرمایا۔ جملہ ظرفیہ لانے میں کیا نکتہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تا کہ معلوم ہو جائے کہ ان کی مرض عارضی ہے اصلی نہیں۔ لیکن عارضی ہونے کے باوجود اسے پورا قرار اور رسوخ حاصل ہو گیا ہے۔ اسی لئے مرض کو نکرہ لایا گیا۔ اور یہ معنی قُلُوْبُھُمْ مَرْضٰی سے سمجھا نہیں جاتا تھا۔ کیونکہ قُلُوْبُھُمْ مَرْضٰی یا تو مرض کے دائمی ہونے پر اور اس کے اصلی ہونے پر دلالت کرتا یا قرار اور رسوخ کے بغیر عارضی ہونے پر۔ اور اس مرض کی حقیقت جو کہ ہر وقت منافقوں کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ روحانی طب کے محققین کے نزدیک یہ ہے کہ جب بھی امور غیبیہ الٰہیہ میں سے کوئی امر جہان دنیا میں ظہور کا لباس پہنتا ہے اسے دو قسم کے لواحق ضروری ہیں۔ اول عالم غیب کی صفائی اور طہارت کیونکہ اس کا خزانہ عالم غیب ہے۔ دوسرے جہان دنیا کے لوازمات کیونکہ وہ جہاں دنیا میں وارد ہوا۔ پس مخلص ایمان والے اس امر غیبی کو جہان کے لواحق سے قطع نظر کر کے ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور حقیقت کے درپے ہوتے ہیں۔ اور منافقین جب اس کے ساتھ لوازم غیب دیکھتے ہیں تو اقرار کرتے ہیں۔ اور جب جہان کے لواحق اس کے ساتھ دیکھتے ہیں تو پھر جاتے ہیں۔ اور انکار سے پیش آتے ہیں۔

مثلاً پیغمبر علیہ السلام کو جب نور اور دلائل کے ساتھ ملاحظہ کرتے تو بے اختیار سرخم ہو

marfat.com

Marfat.com

جائے۔ اور اطاعت کرتے تھے پھر جب دیکھتے کہ پیغمبر علیہ السلام ازدواجی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں۔ بازار میں تشریف لاتے ہیں۔ کبھی جنگ میں پسپائی بھی واقع ہو جاتی ہے۔ بیمار ہو جاتے ہیں تو کہتے کہ اگر یہ بندہ مقرب خدا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یہ معاملہ کیوں کرتا **ما لهذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق . لولا انزل الیه ملك فیکون معه نذیرا اویلقی الیه کنزا وتکون له جنة یاکل منها** (یعنی اس رسول کو کیا ہے کہ کھانا کھاتا ہے بازاروں میں چلتا ہے آپ پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو کہ آپ کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا یا آپ کی طرف خزانہ اتارا جاتا یا آپ کا باغ ہو جس سے آپ پھل کھائیں) اس قسم کے اور بھی شبہات۔

اور اس مرض کی زیادتی کا طریقہ یہ ہے کہ آیات الٰہیہ میں سے ہر آیت کے ہمراہ اور اس راہ کے ہادیوں میں سے ہر ہادی کی جبلت میں جہان دنیا کے لوازم میں سے کوئی چیز ملائی گئی ہے جس قدر وہ آیات کے ملاحظہ اور ہادیوں کی تلاش میں دور دور تک جاتے ہیں اسی قدر ان کے شکوک و شبہات زیادہ ہوتے ہیں۔ اور مقصد دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ هَادٍ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ فرمادے تو اس کا کوئی ہادی نہیں۔ اور ان کی ذات کے جوہر میں اس مرض کے مستحکم ہونے کے باوجود عجیب بات یہ ہے کہ وہ اپنی مرض کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اور اس مہلک بیماری کو عین صحت سمجھتے ہیں اس کا گواہ یہ ہے کہ اپنے برے کاموں کو اچھا سمجھتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو۔

## منافقوں کے فساد کی اقسام

ان کا زمین میں فساد چند قسموں کا تھا اول یہ کہ قوت شہوت اور غضب کے تقاضوں کو حاصل کرنے میں حد سے گزر جاتے تھے۔ اور قوت حکمیہ کے تقاضوں حاصل کرنے میں کمی کرتے تھے۔ حالانکہ انسانی روح کے مزاج کی صحت اس سے ہے کہ قوت حکمیہ غالب ہو۔ اور قوت شہویہ اور غضبیہ مغلوب اور تابع تا کہ احکام شرعیہ کی اطاعت ممکن ہو۔ اور اس

marfat.com

Marfat.com

اطاعت کی وجہ سے دونوں جہانوں کے امور کا انتظام میسر آتا ہے۔ اور انسانیت کا معنی معرض وجود میں آتا ہے۔ دوسری قسم یہ کہ کافروں اور مومنوں کے درمیان آمدورفت رکھتے تھے۔ اور ہر فریق کی باتیں دوسروں کو پہنچاتے تھے تاکہ ہر فریق کے ہاں مرتبہ اور عزت حاصل کریں۔ اور یکسوئی سے مسلمانوں کے ساتھ دوستی نہیں کرتے تھے۔ تیسری قسم یہ کہ کافروں سے ملنے اور ان کی دلجوئی کرنے میں حد سے گزر جاتے تھے۔ اور دین کے امور میں سستی کرتے تھے۔ اور چونکہ وہ خود کو ایمان والوں کے گروہ میں سے کہتے تھے تو کفار کے ہاں یہی ثابت ہوتا کہ پیغمبر علیہ السلام کا کام اور ان کے دوستوں کا اعتقاد اسی قدر ہے کہ ہماری چاپلوسی کریں۔ اور ہم سے طمع رکھیں اس وجہ سے کافر دلیر ہوتے تھے۔ اور وہ ایمان والوں کے پاس دین اور حضور علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں کافروں کے شبہات بیان کرتے اور اس وجہ سے ضعیف الایمان لوگ شک میں پڑ جاتے ان تمام امور کو فساد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور جب انہیں اس بڑے فساد سے ایمان والے منع کرتے تو جواب میں کہتے۔

اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں حاصل یہ کہ ہم چاہتے ہیں کہ ملک وملت کا حال اسی اصل حالت پر لوٹ آئے۔ سب لوگ باہم متفق اور شیر وشکر ہو جائیں۔ اور اس نئے دین اور آئین کی وجہ سے لوگوں میں جو جھگڑا اور اختلاف رونما ہوا ہے زائل ہو جائے۔ اور حقیقی صلاح یہی ہے کہ ملک وملت کے امر کو پرانے طریقے پر۔ جیسا کہ زمانہ ماضی میں تھا لوٹا دیا جائے۔ اور نئے آئین کی حمایت جو کہ اختلاف اور جھگڑوں کا موجب ہے درمیان سے اٹھ جائے۔ اور کوئی شخص کسی کو قتل کرنے' تکلیف دینے' قید کرنے' اموال لوٹنے اور ہتک حرمت کے در پے نہ ہو۔ پس درحقیقت وہ اصلاح کو معاش حاصل کرنے' اس کے اسباب مہیا کرنے اور دنیوی امور کے انتظام میں منحصر جانتے ہیں۔ اور یہ ان کی دنیا کی محبت میں غلو' لذات بدنیہ میں انہماک' جزوی منفعتوں اور حسی لذتوں میں پوری توجہ کی وجہ سے کلی اور عام مصلحتوں اور باقی رہنے والی عقلی لذت سے محجوب رہنے کی وجہ سے ہے جو کہ عین فساد ہے۔ چنانچہ ان کی اس سمجھ کے رد میں پوری تاکید سے بیان فرمایا۔

marfat.com
Marfat.com

اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ یعنی آگاہ ہو کہ تحقیق یہی گروہ فساد کرنے والے ہیں۔ کیونکہ ملک وملت کا کام اس رسول علیہ السلام کی بعثت سے پہلے ہمیشہ کیلئے خراب تھا اور حق تعالیٰ نے چاہا کہ اس فساد کو دور فرمادے اور یہ چاہتے ہیں کہ اصلاح کے بعد اس فساد کو پھر اپنی جگہ پر لے آئیں۔ پس وہ اصلاح کے بعد فساد کاری کرتے ہیں۔ اور یہ ہمیشہ جاری رہنے والی فساد کاری سے زیادہ قبیح اور برا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی اصلاح یہ ہے کہ دین حق کو تمام دینوں پر غالب کر دیا جائے۔ اور اس ارادہ الٰہی کی جان و مال کے ساتھ خدمت کی جائے۔ اور اپنی طاقت کے مطابق حق کے ارادہ کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے اگرچہ اس دوران قتل' قید' مال کی لوٹ کھسوٹ اور دوسری سختیاں اپنے آپ پر یا اپنی جنس پر پہنچیں چنانچہ اس سورت کی دوسری آیت میں فرمایا ہے

وَمَاتلوهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ اور دین اللہ ہی کیلئے رہ جائے۔ نیز اسی سورت میں فرمایا ہے يَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ آپ سے پوچھتے حرمت والے مہینہ میں لڑائی کے متعلق فرمادیجئے کہ اس میں لڑائی بڑا گناہ ہے۔ اور اس کے اور مسجد حرام کے ساتھ کفر ہے۔ اور اس کے رہنے والوں کو اس سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بڑا گناہ ہے۔ پس ان سختیوں کو فساد سمجھنا اور ان سختیوں سے بچنے کو اصلاح جاننا اور ملک وملت کے کام اسی پہلی نہج پر رکھنے کو صحت کاملہ تصور کرنا بعینہٖ اس مریض کی طرح ہے جس کے اعضاء میں سے کسی عضو میں کیڑے پڑ کر بدبودار ہو چکا ہو۔ اور اس عضو کے زہر کا اعضائے رئیسہ تک پہنچنے کا خوف ہو۔ اور کوئی تجربہ کار طبیب اسے کاٹنے اور داغ دینے کا عمل تجویز کرے۔ اور یہ ناقص العقل مریض اس سے پرہیز کرے۔ اور کہے کہ اس عضو کو کاٹنا اور داغ دینا بدن کی بنیاد کو خراب کرنا ہے مجھے چاہئے کہ میں اپنے بدن کی اصلاح کروں اور جو کچھ پیدائش کے وقت سے لے کر میرے بدن میں موجود ہے اسے اس کی اصلی صورت پر باقی رکھوں۔ یہ صریح غلطی

marfat.com
Marfat.com

اور ہلاکت کا موجب ہے۔ لیکن رای العلیل علیل یعنی بیمار کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے کے مطابق یہ بیمار دل والے لوگ نہیں سمجھتے کہ اس قسم کی اصلاح دارین کے امور عامہ میں خلل ڈالنے والی ہے۔ بلکہ حقیقت انسانیت کو تباہ کرنے والی ہے۔

چنانچہ فرمایا وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ لیکن وہ شعور نہیں رکھتے کیونکہ اصلاح کے وقت فساد کاری کرتے ہیں۔ اور ان کی بے شعوری پر قوی گواہ یہ ہے کہ عقل کامل والے لوگوں کو بے وقوف اور احمق کہتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ ایمان حقیقی جو کہ فتنہ و فساد ترک کرنے' دنیوی ایندھن میں بے رغبتی' اور نفس کی فانی لذتوں اور نام اور مرتبہ چاہنے سے منہ موڑنے کو لازم ہے۔

كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ جس طرح کہ لوگ ایمان لائے ہیں کہ حقیقت میں لوگ نام ہی اس جماعت کا ہے۔ کیونکہ دارین کے انتظام کے درست ہونے کی وجہ سے معنی انسانیت معرض وجود میں آتا ہے۔ اور اصلاح و انتظام ظاہری اور باطنی طور پر شرع شریف کی اطاعت کے بغیر میسر نہیں ہے۔ اور جب ان کے غیر میں یہ اطاعت ثابت نہیں گو معنی انسانیت ہی ثابت نہیں اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ان کا حال ہے۔ اسی لئے ناس کو یہاں تعین کے بغیر ارشاد فرمایا تا کہ اشارہ ہو کہ حقیقی مومنوں کے سوا کسی کو انسان نہیں کہا جا سکتا۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بے عقلوں کی طرح ایمان لائیں کہ وہ ایک طرف کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اور زمانے کے انقلابات سے نہیں ڈرتے کہ دوسری طرف کا غلبہ ہو جائے اس وقت اس طرف کے لوگ عداوت کے در پے ہوں گے۔ اور دائرہ تنگ کر دیں گے۔ نیز احکام شرع کی اطاعت صرف دور دراز کی توقعات کیلئے بے شمار دنیوی فوائد سے محرومی کا سبب ہے۔ اور بے پناہ مشقتوں کو برداشت کرنے اور بے پایاں تکالیف پہنچنے کا ذریعہ۔ پس عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ظاہر میں شرع کے احکام کی اطاعت کرنا چاہئے تا کہ مسلمانوں کی زدوکوب سے نجات حاصل ہو جو کہ بالفعل

marfat.com
Marfat.com

تسلط رکھتے ہیں۔اور دنیوی منفعتیں بھی ہاتھ سے نہ جائیں۔اور دوسری طرف کے لوگوں کو چوری چھپے راضی رکھنا چاہئے تا کہ انقلاب کے وقت ان کی رضامندی کام آئے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ دانا اور آگاہ رہو کہ تحقیق بھی لوگ بے عقل ہیں۔کیونکہ اگر مرکزی نقطہ یہی ہے کہ نفع حاصل کیا جائے۔اور نقصان کو دور کیا جائے تو فانی گھٹیا چیز کو باقی اعلیٰ چیز کے مقابلہ میں اختیار کرنا کمال بے وقوفی ہے۔اور آخرت کو دنیا کے عوض فروخت کرنا نہایت بے عقلی ہے۔اور مدار دو طرفوں کو راضی رکھنے پر ہے۔تو ایک طرف علام الغیوب ہے کہ اس کے نزدیک چھپا اور ظاہر برابر ہے۔خصوصاً اس وقت کہ نزول وحی اور غیبی خبروں کے آنے کا وقت ہے۔اس کی وجہ سے ہر کسی کو لوگوں کے عقیدہ پر اطلاع ممکن ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ دلیل کے تقاضہ سے منہ پھیرنا اور دلیل کو تھامنے والے کو بے وقوف کہنا نری بے وقوفی ہے۔

وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ لیکن وہ نہیں جانتے کہ بے وقوف کون ہے؟ اور بے عقلی کا معنی کیا ہے۔

## ایک سوال اور جواب

اور یہاں ایک مشہور سوال ہے کہ پہلی آیت کو لَا يَشْعُرُوْنَ پر ختم فرمایا۔اور دوسری آیت کو لا یعلمون پر۔یہ فرق کس نکتہ کی بنا پر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شعور کا لفظ زیادہ تر علم حسی میں استعمال ہوتا ہے۔اور اسی لئے حواس خمسہ کو مشاعر کہتے ہیں۔اور زمین میں ان کا فساد ایک ایسا امر تھا۔جیسا کہ محسوس چیز۔ان کی قباحت کو نہ پانے کو بے شعوری سے تعبیر کیا گیا لیکن نعمت آخرت کی نعمت دنیا پر ترجیح اور ایمان خالص کے طریقہ کی حقیقت اور نفاق کے طریقہ کا بطلان اور تقیہ ایک استدلالی عقلی امر ہے انہیں نہ جاننے کی تعبیر لَا يَعْلَمُوْنَ کے ساتھ مناسب تھی۔

نیز اس آیت میں سفہ یعنی بے وقوفی کا ذکر ہے جو کہ جہالت کی ایک قسم ہے۔تو اس کا تقاضا ہوا کہ اس کے مقابلہ میں علم لایا جائے تا کہ مقابلہ کی صنعت درست ہو۔اور یہاں ایک اور شبہ بھی ہے کہ منافق اپنے کفر کو چھپائے رکھتے تھے اور اپنے کفر کو ظاہر کرنے سے

marfat.com

Marfat.com

پوری احتیاط کرتے تھے۔ اور اَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَآءُ صریح کلمہ کفر ہے جو کہ نفاق کے منافی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ان سے یہ بات اپنے ان رازداروں کے سامنے واقع ہوئی جن سے وہ اپنے نفاق کو نہیں چھپاتے تھے۔ کیونکہ بعض مسلمانوں کی بعض منافقوں کے ساتھ ہم صحبتی اور رازداری ثابت ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے کو اس سے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ جو کہ انہوں نے اپنے رازداروں کے سامنے کہا نقل فرما کر انہیں رسوائے عام فرمایا۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات ان سے صرف دل میں صادر ہوئی ہوگی۔ پس قَالُوْا کا معنی قَالُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمْ انہوں نے اپنے دل میں بات کی۔ حق تعالیٰ چونکہ سر اور مخفیات کو جاننے والا ہے ان کی دل بات کو برملا ظاہر فرما دیا۔

## الناس سے مراد چہار یار ہیں

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے آمن الناس کی تفسیر میں فرمایا ہے **کما آمن ابوبکر و عمر و عثمان و علی** اور ان چار یاروں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ایمان کا خلوص اس وقت کے خواص و عوام میں مشہور ہو چکا تھا۔ ورنہ پہلے گزر چکا کہ جو بھی ظاہری اور باطنی طور پر احکام شرعی کا مطیع ہوا ناس میں داخل ہے۔ اور جس طرح یہ منافق ایمان خالص والوں کو زبان سے احمق اور بے وقوف کہتے ہیں اسی طرح دل میں بھی اس متلاشی حق جماعت کے متعلق حماقت اور سفاہت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ پس یہ کلمہ کو ان سے صادر ہوتا ہے ایسا نہیں کہ مغلوبیت اور غضب کی حالت میں کوئی لفظ زبان سے نکل جائے۔ اور دلی عقیدہ اس کے مطابق نہ ہوتا کہ وہ اس کلمہ کفر بکنے میں معذور ہوں کیونکہ ان کا معاملہ اس بات کی دلیل ہے کہ مخلص مومنوں کی سادہ لوحی اور کافروں کی پختگی اور عقلمندی ان کے دل میں رچی بسی تھی۔ چنانچہ فرمایا

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جب وہ مخلص مومنوں سے ملاقات کرتے ہیں قَالُوْٓا اٰمَنَّا کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ پس ماضی کا جملہ فعلیہ لاتے ہیں۔ اور اس دعویٰ میں مبالغہ اور تاکید نہیں کرتے کیونکہ جانتے ہیں کہ مخلص مومن سادہ لوح ہوتے ہیں۔ اور گمان بھی نہیں

marfat.com

Marfat.com

کرتے کہ کسی نے دنیا میں جھوٹ بھی بولا ہوگا۔ پس صرف ہمارے بغیر تاکید و مبالغہ کے کہہ دینے کو وہ قبول کرلیں گے۔ اور جان و مال پر دست اندازی کا ہاتھ چھوٹا کریں گے۔

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ اور جب اپنے گمراہ کرنے والوں کے پاس خلوت میں جاتے ہیں تو پوری تاکید کے ساتھ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ کہتے ہیں کہ بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اگرچہ ہم مومنوں کے پاس جان اور مال کی حفاظت کی خاطر ظاہر داری کرتے ہیں۔ اور ایمان اور اطاعت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ جس طرح تم نے کفر کے اعلیٰ مرتبوں میں ترقی کی ہے ہم بھی اسی مرتبے میں ہیں۔ اور اس کلام میں کئی قسم کی تاکید اور مبالغہ کی رعایت کرتے ہیں جملہ اسمیہ لاتے ہیں پھر اسے حرف تاکید کے ساتھ پکا کرتے ہیں۔ اور انا کافرون کی بجائے اِنَّا مَعَكُمْ کہتے ہیں۔ تاکہ مرتبہ کفر میں ایک ہونے پر دلالت کرے اس لئے کہ کافروں کی کمال عقلمندی اور سمجھ کے معتقد ہیں۔ جانتے ہیں کہ ہم نے ایمان والوں کے پاس ایمان کا اظہار کیا ہے اگر اپنے باطنی کفر کے اظہار کے بارے میں کافروں کے نزدیک پوری تاکید اور مبالغہ نہیں کریں گے تو وہ ہم سے قبول نہیں کریں گے۔ اور اس تاکید اور مبالغہ کے باوجود ان کی دلی تسلی نہیں ہوتی۔ اور گمان کرتے ہیں کہ اس دعویٰ میں اس تمام تر تاکید کے باوجود کافر ہماری تکذیب کریں گے۔ اور اعتراض کریں گے کہ اگر تم ہمارے ساتھ مرتبہ کفر میں شریک ہو تو آمنا کا لفظ تمہاری زبان پر کیوں جاری ہوا؟ کیونکہ اس لفظ کا جاری ہونا اگرچہ ظاہر داری اور زمانہ سازی کیلئے ہو کفر میں تمہارے عقیدہ کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے اس بنا پر پیش بندی کے طور پر کہتے ہیں۔

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ کہ ہم تو صرف ایمان والوں کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ اور ان کی بے عقلی کو برملا ظاہر کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ جان لیں کہ سادہ لوح لوگ صرف ہمارے زبانی کہنے سے ہمارے افعال کے ہمارے اقوال کے خلاف ہونے میں غور کئے بغیر ہم سے ہمارے ایمان کے دعویٰ پر یقین کرلیتے ہیں۔ پس اس مذاق کی وجہ سے ہمارا کفر میں پورے طور پر پکا ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ جو شخص جس چیز سے مذاق کرتا ہے اس چیز کو بہت

marfat.com
Marfat.com

ہلکا اور خفیف جانتا ہے۔ اور ہرگز اس کی کوئی قدر و وقعت نہیں رکھتا۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اگرچہ ایمان والوں کو کسی وقت استہزاء اور استخفاف کا محل گردانتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ ہر وقت علام الغیوب کے استہزاء و استخفاف کے مقام پر واقع ہیں۔ اور نئی مثالوں کے ساتھ کسی وقت بھی اس بارگاہ عالی کے استخفاف اور استہزاء سے خالی نہیں رہتے کیونکہ

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ یعنی حق تعالیٰ خود ان کے ساتھ استہزاء فرماتا ہے۔ کیونکہ ایمان والوں کو ان کے جان اور مال سے تعرض نہ کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ تاکہ دم بدم ان کا نفاق زیادہ ہو۔ اور نفاق زیادہ ہونے کی وجہ سے ایسے عذاب کے مستحق ہوں جو کہ مشقت اور تکلیف میں مال اور جان کے جانے سے زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ مال اور جان کا جانا دنیا کی زندگی میں تکلیف دیتا ہے۔ اور پس اور تہ بہ تہ نفاق ابدی زندگی کو نقصان دینے والا ہے۔ پس گویا اس دربار عالی سے دم بدم ان کے ساتھ ایسا معاملہ ہے جو کہ بے عقلوں اور بے وقوفوں کے ساتھ کرنا چاہیے۔ یوں ظاہر ہوتا ہے کہ سنگریزہ دیتے ہیں۔ اور ایک یاقوت لیتے ہیں۔ اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اس نفاق پر جلدی سے دنیا میں نہیں پکڑتا بلکہ فرصت دیتا ہے **وَيَمُدُّهُمْ** اور انہیں لمبی مہلت دیتا ہے کہ وہ مستغرق رہیں **فِىْ طُغْيَانِهِمْ** اپنی سرکشی میں **يَعْمَهُوْنَ** اندھا دل ہو کر اور اپنے حال کی ابتری سے بے خبر ہو کر۔

یہاں جاننا چاہیے کہ ابتداء میں اپنی طرف سے کسی کو مذاق کرنا جہالت ہے۔ چنانچہ اسی سورت میں آئے گا **قَالُوْا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ** لیکن استہزاء کے جواب میں بطور بدلہ استہزاء کا سا سلوک کرنا عین حکمت اور کمال انصاف ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں واقع ہے۔ خصوصاً وہ شخص جو کہ کسی کے محبوبوں سے مذاق کرے انتقام کے مقام پر ان محبوبوں کی طرف سے استہزاء کا جواب دینا محبت کی دنیا کے واجبات میں سے ہے۔ اور اس آیت میں اس مقصد پر نظر رکھتے ہوئے خالص الایمان مومنوں کی جلالت شان کا کمال ہے کہ حق تعالیٰ ان کی جماعت میں منافقوں کے استہزاء کا جواب ان کی طرف سے خود دیتا ہے۔

نیز اس آیت میں صریح طور پر وجوب اصلح پر رد ہے جس کے معتزلہ قائل ہوئے

marfat.com
Marfat.com

ہیں۔ اس لئے کہ منافقوں کو سرکشی اور دل کے اندھے پن میں رکھنا کسی وجہ سے بھی منافقوں کے حق میں صلاح یعنی درستی نہ تھی اور لغت عرب میں جس طرح آنکھ کے اندھے پن کو عمی کہتے ہیں دل کے اندھے پن کو عمہ کہتے ہیں۔ اور یہ نفاق پیشہ استہزاء الٰہی کے مقام پر کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ جو معاملہ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا اس سے ان کمال بے عقل ہونا ظہور پذیر ہوا اس لئے کہ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ یہ گروہ وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے ہدایت ایمان دے کر نفاق کی گمراہی خریدی ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے اسلام کا کلمہ زبان پر جاری کیا تو کچھ نہ کچھ حقیقت ایمان کے ساتھ ایک ربط پیدا ہوا گویا وہ اس کے مالک ہو گئے۔ پھر اپنے باطنی نفاق کی وجہ سے اس ہاتھ آئے ہوئے ایمان کو ضائع کر کے اس کے عوض اپنے لئے نفاق کی گمراہی حاصل کر لی۔ حالانکہ ایمان میں سراسر دونوں جہانوں کی بھلائی تھی اور نفاق میں آخرت کا خسارہ نقد حاصل ہے۔ اور دنیا کا خسارہ اگرچہ نفاق میں معلوم نہیں ہوتا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے حال کی رسوائی واقع ہوئی۔ اور ایمان والوں کو اس پر اطلاع دے دی گئی اور قرآن پاک میں ان کے نفاق کا ذکر اتارا اور یہاں تک مشہور اور رائج ہوا کہ ہر مکتب میں بچے اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ کہ دنیا کا خسارہ بھی بہت قبیح طریقے سے ہوا۔ پس ان کا یہ سودا اس شخص کے سودے کی مانند ہے جس نے تریاق دے کر زہر ہلاہل خریدی ہو۔

فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ ۔ پس یہ سوداگری انہیں کچھ سودمند نہ ہوئی۔ کیونکہ دنیا میں کوئی نفع نہیں رکھتے اور آخرت کو خود برباد کر دیا تھا۔ کیونکہ آخرت کا راس المال جو کہ ایمان تھا اس نفاق کے بدلے ہار گئے۔

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ اور راہ پانے والے نہ ہوئے۔ اس لئے کہ صرف زبانی ایمان' جو کہ اب رکھتے ہیں ہدایت نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض ہدایت بھی ہو تو اس صورت میں ہے کہ دل کا اعتقاد اس کے خلاف واقع نہ ہو۔ اور یہاں خود تکذیب اور انکار اس کے بدن میں حاصل ہوا۔ پس اس معاملہ میں کسی وجہ سے بھی نفع یاب نہ ہوئے۔ اور ابدی سعادت کہ اگر

marfat.com
Marfat.com

اسے سعادت دنیا سے بدلتے تو بھی خسارہ تھا چہ جائیکہ دنیا کی سعادت بھی ہاتھ نہ آسکی مفت میں ضائع ہوگئی۔ اس سے زیادہ کوئی حماقت اور بے عقلی نہیں ہوسکتی لیکن اپنی کمال حماقت کی وجہ سے کلمہ اسلام کو صرف زبان سے ادا کر لینے کو کمال کا ایک مرتبہ جانتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ زبان پر اس کلمہ کو جاری کرنے کا مقصد مال اور جان کی حفاظت ہے۔ اور اسے ہم نے خود حاصل کر لیا۔ اس کے بعد دوسرے مرتبوں کی ہمیں کوئی پرواہ نہ رہی۔ پس مَثَلُهُمْ یعنی اس کوتہ نظری غلط فہمی اور گمراہی اور تاریکی کو ہدایت اور نور کے عوض خریدنے کی ان کی مثال

كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا اس شخص کی مثل ہے جس نے آگ جلائی تاکہ اس کا شعلہ بلند ہو۔ اور اس کی وجہ سے روشنی، گرمی، کھانا پکانا اور آگ کے دوسرے فائدے ہاتھ آئیں۔ اسی طرح اس گروہ والوں نے بھی چاہا کہ ایمان کے فطری نور کو جو کہ ہر کسی کی استعداد میں امانت کے طور پر رکھا گیا ہے پیغمبر علیہ السلام کی صحبت اور اہل ایمان کی رفاقت کی وجہ سے شعلہ بار اور قوت والا کریں۔ تاکہ اس نور کے منافع حقائق و معارف کی وضاحت طاعات اور اذکار شوق و ذوق کی گرمی اور اخلاق اور استعدادوں کا پختہ ہونا حاصل ہو۔

فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ۔ پس جب اس آگ نے آگ جلانے والے کے اردگرد کو روشن کر دیا۔ اور حاصل کلام یہ کہ اس کی روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھنا شروع کیا۔ اور لما کی جزا محذوف ہے۔ یعنی اطفاہا یعنی اسے بجھا دیا حاصل یہ کہ اس آگ کو بجھا دیا اس گمان سے کہ اب مجھے کیا حاجت ہے کہ اس سے زیادہ آگ جلاؤں کیونکہ میری آنکھ کھل گئی ہے میں ہر چیز کو خود بخود دیکھ لوں گا اور اس قدر گرمی جو کہ میں نے کسب کر لی ہے میرے لئے کافی ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ تاریکی میں بیٹھوں اور آگ جلانے کی مشقت نہ اٹھاؤں اور ایندھن اور خس و خاشاک کی طلب کا احسان نہ اٹھاؤں اسی طرح یہ لوگ پیغمبر علیہ السلام کی سرسری صحبت اور ایمان والوں کی مشارکت کی وجہ سے کچھ بصیرت سے بہرہ مند ہوئے۔ اور انہوں نے سمجھا کہ ہمارے جان اور مال جو کہ ہمارے گرد و پیش

marfat.com
Marfat.com

میں حمایت میں داخل ہوئے اب ایمان کے مرتبوں کو طے کرنے کی محنت کیا کرنا چاہئے۔ اور اقارب وقبائل کے فراق اور وطنوں اور گھروں سے ہجرت کی تلخی کیا چکھنا چاہئے۔ جب وہ اسی حالت میں مر گئے۔

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس نُور کو صاف کر دیا جو انہوں نے کسب کیا تھا۔ کیونکہ اس کا فائدہ تو صرف ان کے مال اور جان کی حفاظت میں تھا اور یہ فائدہ مرنے کے بعد منقطع ہو گیا۔

وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ اور انہیں حق تعالیٰ نے ان کی موت کے بعد اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ کسی چیز کو ہرگز نہیں دیکھتے اور کسی وجہ سے ان تاریکیوں سے خلاصی پانے کا حیلہ ان کی نظر میں نہیں آتا اور ظلمات کو جمع اس لئے لائے ہیں کہ مرنے کے بعد ان منافقوں کو چند قسم کی تاریکی گھیر لے گی۔

## منافقوں کو گھیرنے والی تاریکیاں

پہلی کفر کی تاریکی' دوسری مکر وفریب کی تاریکی جو کہ اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کے ساتھ کرتے تھے۔ تیسری جھوٹ اور بہتان کی تاریکی کہ خود کو مومن کہتے تھے۔ چوتھی مخلص مومنوں کو طعن اور برا کہنے کی تاریکی کہ انہیں احمق اور بے وقوف کہتے تھے۔ پانچویں جہل مرکب کی تاریکی کہ اپنے فساد کو اصلاح سمجھتے تھے۔ چھٹی نافرمانیوں اور خواہشات کی تاریکی کہ ان کی قید میں گرفتار ہو کر انہیں حاصل کرنے کیلئے نفاق کے پیشے کو حیلہ قرار دیا تھا۔ ساتویں قبر کی تاریکی انواع واقسام کے عذابوں اور کئی قسم کے غضب الٰہی کی سختیاں اور ہولناکیاں۔ پس یہ ان کی مثال ہے اگر وہ سنیں لیکن وہ دنیا میں صُمٌّ یعنی بہرے ہیں۔ سچی بات کو ہرگز نہیں سنتے اور اگر سنتے ہیں تو اپنے حال کو درست کرنے میں ایسی چیز کو جو کہ اس کی اصلاح کرے یعنی خالص ایمان کا اظہار اور اپنی تقصیروں سے معذرت جو کہ انہوں نے بارگاہ پیغمبر علیہ السلام اور دوسرے مخلص ایمان والوں کے بارے میں کیں زبان پر نہیں لا سکتے۔ اس لئے کہ وہ بُکْمٌ گونگے ہیں بغیر اس کے جو کہ ان کے دلوں میں کفر کی پختگی ہے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اور اگر بناوٹ اور تکلف کے ساتھ کہنے کا قصد بھی کریں تو وہ اپنے حال

marfat.com

Marfat.com

کے تدارک اور اصلاح میں اس وقت لگیں گے کہ ایمان کا حسن اور نفاق عیب ان کی نظر میں آئے۔ اور ابھی تاریکیوں کے تہ بہ تہہ ہونے کی وجہ سے ایمان کا حسن اور نفاق کا عیب ان کی نظروں سے غائب ہے۔ کیونکہ وہ عُمْیٌ اندھے ہیں کہ چیزوں کے حسن وقبح کو نہیں دیکھ سکتے۔

فَهُمْ ۔ پس وہ اگر چہ اس معاملہ سے ہٹنے اور واپس آنے کا قصد کریں لیکن لَا يَرْجِعُوْنَ وہ ہرگز لوٹ نہیں سکتے۔ کیونکہ دنیا میں جو کچھ جوہر روح میں راسخ ہوا موت کے بعد زائل نہیں ہوتا اور اس کا تدارک حد امکان سے خارج ہے۔ اور اس وقت حواس و مشاعر روح کی اسی کیفیت راسخہ کے تابع ہوتے ہیں۔ اور اس کے خلاف دیکھنا' سننا اور کہنا اس حال میں کسی سے نہیں ہو سکتا۔ ہاں دیکھنے اور سننے کا اعتبار کئے بغیر اس کیفیت کو جزا کے آثار لازم آئیں گے۔ اور یہی عذاب کا معنی ہے۔ اور اسی لئے اہل عقل اور اہل شرع کا اس بات پر اجماع ہے کہ موت کے بعد جدید کسب ممکن نہیں ہے۔ اور زندگی کی کسب کی ہوئی چیزوں کو اپنے سے جدا کرنا اور دور پھینکنا بھی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ اور وہ جو دوسری آیات میں فرمایا ہے کہ کافروں اور منافقوں کے حواس موت کے بعد قیامت کے دن تیز ہو جائیں گے۔ اور ان کی قوت شنوائی اور بینائی ترقی کرے گی۔ جیسا کہ سورۃ مریم میں ہے اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا ۔ پس اس آیت کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے حواس کی تیزی کسب کئے ہوتے اعمال کی جزا کے آثار کو پانے میں تیز ہوگی نہ کہ حق کو پانے میں اور اگر اس جہان میں انہیں دریافت حق بھی نصیب ہوگی تو حسرت وافسوس کے طریقے سے ہوگی نہ کہ تہذیب کسب کرنے کے طریقے سے تاکہ انہیں مفید ہو۔ جس طرح دق کی بیماری والا کہ اسے دق کے آخری درجہ پر پہنچ کر اپنی بری تدبیر' ضروری قانون اور مرض کے دوسرے اسباب حواس پر ظاہر ہو جائیں تو حسرت وندامت اور دست افسوس کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت میں اس قسم کے حالات سے پناہ دے۔

اور ہو سکتا تھا کہ لما کا جواب ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ ہو اس لئے کہ ان کی ساری مدت

marfat.com

Marfat.com

عمر ماحول کو روشن کرنے میں گزری اور جب اس جہان سے گئے اس نور کا فائدہ گم کر دیا۔ اور اکثر مفسرین نے ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ کو تشبیہ و تمثیل میں داخل کیا ہے۔ اور نور کو لے جانا ان کی ذلت اور طاعات میں بے توفیقی پر جو کہ وہ دنیا میں رکھتے ہیں محمول کیا ہے۔ لیکن اس محمول کرنے میں ایک قوی خدشہ ہے۔ کیونکہ ان کے زبانی ایمان کا اثر جو کہ نور سے مراد ہے دنیا میں ان سے کبھی جدا نہ ہوا۔ ہمیشہ ان کے جان اور مال محفوظ رہے۔ اور ایمان والوں کا ان کے درپے ہونا واقع نہیں ہوا۔ پس ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ کا معنی کیا ہوگا۔ اور اس سے زیادہ ان کے زبانی ایمان کا اثر نہ تھا کہ اسے زائل ہونے والا کہا جائے۔ اور اس کے بدل میں تاریکیوں کو لایا جا سکے۔ پس یہ حالت نہیں ہے مگر حالت آخرت جو کہ موت کے بعد رونما ہوگی۔

اور اگرچہ یہ مثال منافقین کے معاملہ کے خسارہ کے بیان میں جو کہ گمراہی خریدنے اور ہدایت دینے میں انہوں نے ظاہر کیا کافی اور شافی ہے۔ لیکن اگر اس خرید و فروخت کے بعد ان کے حال پر نظر کی جائے۔ اور وہ پوری نفرت اور بلاشک وشبہ اعراض جو کہ اسباب ہدایت سے انہیں رونما ہوا اگر اسے نظر میں رکھا جائے تو ایک اور مثال ان کے حال کے موافق آتی ہے۔ پس سامع کو اختیار ہے کہ اگر چاہے۔ تو اسی مثال پر قناعت کرے۔ اور اگر چاہے۔ تو وہ دوسری مثال بھی ملاحظہ کرے۔ چنانچہ فرمایا او یا گمراہی خریدنے اور ہدایت دینے یا اسباب ہدایت سے پوری نفرت کے باوجود ہدایت دے کر گمراہی خریدنے میں ان کی مثال كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ اس شخص کی ہے جو کہ اس جگہ سے بھاگ کر جہاں آسمان سے کثرت سے بارش برستی ہے ایسے مکان کو اختیار کرے جہاں قحط ہو۔ اسی طرح منافقوں کے اس گروہ نے اسلام سے بھاگ کر جو کہ آسمان سے علوم نافع کی بارش کا مکان ہے۔ اور تجلیات کے وارد ہونے اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال کی برکات کی جگہ ہے۔ کفر کو جو کہ قحط زدہ مقام کی مثل ہے کہ نہ وہاں آسمان سے علم نافع کی بارش ہوتی ہے نہ انوار و برکات اعمال صالحہ وہاں وارد ہوتے ہیں جائے قرار اور پناہ گاہ بنا لیا ہے۔ اور اپنے خیال میں اس بدلنے اور معاوضے کو انہوں نے عین حکمت و عقلمندی سمجھا ہے۔ کیونکہ بارش کے

marfat.com
Marfat.com

مقام پر کئی تکالیف متوقع ہوتی ہے کہ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ اس بارش میں تاریکیاں ہیں اول تو تہہ بہ تہہ بادل کی تاریکی کہ گویا اس کا ہر طبقہ علیحدہ تاریکی ہے۔ دوسری قطروں کے ہجوم کی تاریکی' تیسری رات کی تاریکی اگرچہ اس مثال میں رات کا ذکر صراحت سے نہیں آیا لیکن برق کے ذکر سے اور وہ جو كُلَّمَا اَضَاءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَا اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا فرمایا صراحت کے قریب ہی پہنچ گیا کہ یہاں رات کا ذکر ہے۔ کیونکہ یہ حالت صرف رات کو واقع ہوتی ہے۔ وَرَعْدٌ اور اس بارش میں تیز آواز ہے جو کہ بادل سے سنی جاتی ہے خواہ وہ بادل کے جسموں کے ٹکرانے کی وجہ سے ہو یا اجزائے دخانیہ کے پھٹنے سے وَ بَرْقٌ یعنی اس بارش میں بجلی بھی چمکتی ہے جو کہ آنکھ کو چندھیا دیتی ہے۔ اسی طرح یہ منافق اسلام سے کئی تکالیف کی توقع کرتے ہیں۔ اور جاہلوں کے طعنے' جہاد کی مشقتیں' گھر بار کو چھوڑنا اور قبیلہ اور خاندان سے جدا ہونا ان کی نظر میں تاریکیاں ہیں۔ اور خواہشات کو پورا کرنے اور غضب کو بروئے کار لانے سے شریعت کی جھڑکیاں جو کہ اسلام میں سنتے ہیں رعد شدید کی طرح ان کے جگروں کو پھاڑتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے انوار جلالیہ جو کہ دلائل اور معجزات سے چمکتے ہیں ان کی بصیرت کی نگاہ کو خیرہ کر دیتے ہیں۔ اور اسے بجلی خیال کرتے ہیں بلکہ جس طرح بارش کے مکان سے بھاگنے والے۔ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ اپنی انگلیاں ڈال لیتے ہیں فِيْٓ اٰذَانِهِمْ اپنے کانوں کے سوراخوں میں ڈر کی وجہ سے مِّنَ الصَّوَاعِقِ یعنی رعد کی تیز آواز کی تاثیر سے اور بجلی کی آگ گرنے سے حذر الموت موت کے خوف سے کہ کہیں تیز آواز دل کو صدمہ پہنچائے اور موت تک پہنچا دے۔ اسی طرح منافقوں کا یہ گروہ تہدیدات شرعیہ سننے سے اپنے کانوں کو بند کر لیتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان ہولناک جھڑکیوں کو سن کر شہوت و غضب جو کہ دنیوی زندگی سے لذت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں مر جائے۔ اور یہ بھاگنا انہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے رہائی نہیں رکھتے۔

وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہر طرف سے پکڑنے والا ہے۔ اور وہ بچ نہیں سکتے کیونکہ قہر تشریعی سے بھاگیں تو اس کے قہر تکوینی سے کیسے بھاگ سکیں

marfat.com
Marfat.com

گے۔ اور اگر انہوں نے تہدیدات قرآنی سننے سے اپنے کانوں کو بند کر لیا تو غازیوں کے گھوڑوں کے ہنہنانے' مجاہدین کی تلواروں اور نیزوں کی جھنکار اور ان کے تند و تیز نعروں کے سننے سے اپنے کانوں کو کس طرح بند کر سکیں گے۔ چنانچہ بارش سے بھاگنے والوں کو بجلی کی چمک خوف کا موجب بنتی ہے یہاں تک کہ:

یَکَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ قریب ہے کہ بجلی کی تیز چمک ان کی بینائی لے جائے۔ اور انہیں اندھا کر دے۔ اور اسی طرح دلائل باہرہ اور معجزات قاہرہ کے انوار ان چمگادڑ سیرت لوگوں کی بصیرت کی نظر اندھا کرتے ہیں۔ جس طرح کہ بارش سے بھاگنے والوں کو بارش کی تاریکیوں کی وجہ سے حیرت اور بے کلی رونما ہوتی ہے یہاں تک کہ

کُلَّمَا اَضَآءَ لَھُمْ جب بھی بجلی چمکنے سے ان کیلئے جہان روشن ہو جائے مَّشَوْا فِیْهِ اس کی روشنی میں راہ چلتے ہیں اسی طرح منافقوں کا یہ گروہ جب نور اسلام کا غلبہ اور معجزات قاہرہ کا ظہور پاتا ہے۔ تو ظاہری طور پر سیدھی راہ پر قائم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بارش سے بھاگنے والے وَاِذَا اَظْلَمَ اور جب ان پر جہان تاریک ہو جاتا ہے عَلَیْھِمْ ان پر بجلی کی روشنی چلے جانے کی وجہ سے قَامُوْا یعنی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور راستہ نہیں چل سکتے۔ اسی طرح جب ان منافقوں کو اسلام میں کوئی تکلیف اور مشقت نمودار ہوتی ہے۔ تو اپنے کفر میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ارتداد اور نفاق کے کلمات ان سے سرزد ہوتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ بارش میں اگرچہ اس قسم کی مشقتیں اور تکلیفیں ہوتی ہیں۔ اور وہ سمع و بصر کی حس پر صدمہ پہنچاتی ہے۔ لیکن اس سے جو منافع متوقع ہیں ہزاروں مرتبہ ان مشقتوں کے برداشت کرنے اور ان صدموں کو قبول کرنے سے بہتر ہیں۔ اور اس کے باوجود اس سے بھاگنا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ خدا کے کارخانہ میں مشقت کے اسباب صرف اسی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ اس قدر احتیاط کے باوجود کہ وہ اپنی انگلیاں رعد کی آواز کے خوف سے اپنے کانوں میں کر لیتے ہیں۔ اور بجلی کی چمک سے بھاگتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسا کر سکتا ہے کہ ان کے کانوں کو بہرا اور ان کو اندھا کر دے۔ بلکہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔ تو ان کی

marfat.com
Marfat.com

شنوائی اوران کی بینائی کورعد اور برق کے بغیر ہی لے جائے اس لئے کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اوراس کی قدرت کسی سبب کی محتاج نہیں ہے۔ اور کوئی مانع اسے اپنی قدرت جاری کرنے سے روک نہیں سکتا۔ پس عمدہ منفعت کے مکان کو قلیل نقصان کے توہم کی وجہ سے کیوں چھوڑا جائے خصوصاً جبکہ وہ چھوڑنا یقین کے ساتھ اس نقصان سے خلاصی پانے کا موجب نہ ہو۔

## چند سوالات اور جوابات

یہاں چند سوال باقی رہ گئے ہیں کہ یہاں مفسرین ان کے جواب کے درپے ہوتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ کے لفظ پر نظر کرتے ہوئے مناسب اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ ذَهَبَ اللّٰهُ بِضَوْءِهِمْ فرمایا جاتا۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ کیوں لایا گیا۔

## ضوء اور نور کے معنوں میں فرق:

اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ضوء زیادہ تر مضیئی بالذات کے اثر میں استعمال ہوتا ہے۔ اور نور عام ہے خواہ مضیئی بالذات کا اثر ہو یا مضیئی بالعرض کا۔ جس طرح کہ آیت هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا میں اس کا اشارہ ہے۔ پس اس آگ کے بے اثر ہونے کے بیان کے مقام پر ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ زیادہ مناسب ہوتا کہ اس پر دلالت کرے کہ اس کا آگ اثر واسطہ کے ساتھ اور بے واسطہ سب ختم ہو گیا۔ اور اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہا۔ یہ توجیہ جواب اس صورت میں ہے کہ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ تمثیل میں داخل اور لما کا جواب ہو۔ اور اگر لکھی گئی تقسیم کے موافق ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ موت کے بعد منافقوں کے حال کا بیان ہو نہ کہ تمثیل میں داخل تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ضوء حسی شعاع میں مستعمل ہوتا ہے۔ اور یہاں ایمان کی روشنی برباد کرنا منظور ہے جو کہ معنوی ہے۔ پس لفظ نور کا استعمال ضروری ہوتا کہ سننے والے کا خیال ضوء حسی کی طرف نہ جائے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ دنیا میں کافروں کے حال کے بیان میں پہلے بہرہ ہونا اس کے

marfat.com
Marfat.com

بعد گونگا ہونا اور اس کے بعد اندھا ہونا بیان فرمایا۔ جیسا کہ آیت صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ میں جبکہ آخرت میں کافروں کے حال کے بیان میں اندھا ہونے کو گونگا ہونے سے اور گونگا ہونے کو بہرہ ہونے سے پہلے ذکر فرمایا۔ جیسا کہ سورت بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کے قول وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا میں ہے اس طرز کے بدلنے میں کیا نکتہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں حقائق الٰہیہ اور اخرویہ پردے اور حجاب میں ہیں۔ اور اکثر افراد بنی آدم کے افراد ان حقائق سے نابینائی رکھتے ہیں۔ حقائق کی دریافت کا طریقہ یہی ہے کہ واعظوں' مرشدوں اور پیغمبروں علیہم السلام کے کہے ہوئے کو جو کہ ان حقائق کو دیکھتے ہیں۔ اور ہم تک پہنچاتے ہیں سنا جائے۔ اور سننے کے بعد کوئی شبہ اور خلش باقی رہ جائے تو تفتیش' سوال اور تحقیق کی جائے۔ اور تحقیق و تفتیش کے بعد صداقت وحقانیت کی علامات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اور حجاب اٹھ جاتے ہیں۔ اور نابینائی اٹھ جاتی ہے۔ پس ان تینوں مرتبوں کے فقدان کو دنیا میں اسی ترتیب سے یاد فرمایا۔ جبکہ آخرت میں حجاب برخاست اور درمیان سے پردہ اٹھا ہوا آئے گا۔ کچھ ہی ہے دیکھنا ہے کسی واعظ و مرشد کی وہاں ضرورت نہیں۔ کہ عیاں کسی بیان کا محتاج نہیں۔ پس اس مقام میں حقائق کی دریافت کے طریقے کا فقدان یہی ہے کہ حقیقت میں آنکھ اندھی ہو جائے اس کے بعد سوال و تفتیش کا آلہ جو کہ حرف اور آواز ہے گم ہو جائے اس کے بعد اگر سوال و تفتیش کے بغیر بھی کوئی آواز اپنے کان میں محسوس نہ ہوگی تو آخرت کی نسبت سے یہی ترتیب زیادہ مناسب ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ کلام عرب میں او شک کیلئے آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خبروں میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ تو اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ میں کلمہ اَوْ کے استعمال کیا کیا وجہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اصل کلمہ 'او' خبری کلام میں شک کیلئے ہے۔ لیکن جب کلام خبری اختیار دینے اور برابر بتانے کے معنوں کو ضمن میں لئے ہو تو لفظ او کو شک سے خالی لاتے ہیں۔ اور تسویہ اور تخییر میں استعمال کرتے ہیں۔ اور یہاں اس اظہار کیلئے اس کلمہ کو لائے ہیں کہ دونوں تشبیہیں جواز میں برابر ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ منافقوں کو اگر معاملہ

marfat.com
Marfat.com

کے خسارہ اور دنیا کو آخرت کے بدلے اور گمراہی کو ہدایت کے بدلے لینے میں آگ جلانے والے کے حال سے تشبیہ دیں جس نے اپنی جلائی ہوئی آگ کو برباد کر دیا۔ اور نقصان اٹھایا تو بھی جائز ہے۔ اور اگر ان لوگوں کے حال کو تھوڑے سے نقصان کے وہم کی وجہ سے نفع کے مقام سے منہ موڑنے میں اور تھوڑی سی مشقت کے ڈر کی وجہ سے فوائد کثیرہ سے بھاگنے میں بارش سے بھاگنے والوں اور اس کی رعد تاریکی اور برق سے ڈرنے والوں کے حال سے تشبیہ دیں تو بھی روا ہے۔ سننے والا بااختیار ہے خواہ اس تشبیہ کو سنے یا اس تشبیہ کو کیونکہ دونوں تشبیہیں ان کے حال کی صورت بیان کرنے میں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ بارش تو آسمان کی طرف سے ہی آتی ہے۔ تو لفظ مِنَ السَّمَآءِ کا فائدہ کیا ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی بارش کو ہر کثیر منفعتوں والی چیز کیلئے بطور مجاز استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح کہ کہتے ہیں کہ فلاں مقام میں نعمت برستی رہے فلاں شہر میں سونا برستا ہے۔ اس مجاز کے توہم کو دور کرنے کیلئے اس لفظ کو بڑھانا ضروری ہوا تاکہ کوئی لفظ صیب کو مجازی معنوں پر محمول نہ کرے۔ جس طرح کہا گیا ہے واذا استیقظ من منامہ جب وہ اپنی نیند سے بیدار ہوا تو مِنْ مَّنَامِہٖ کا لفظ بڑھانے سے غرض اس وہم کو دور کرنا ہے کہ کوئی استیقاظ کو خواب غفلت سے تنبیہ پر محمول نہ کرلے اور اسی قیاس پر لفظ طائر یطیر بجناحیہ میں کہا گیا ہے کہ کوئی طیران سے مراد ہمت کی پرواز نہ لے۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ کانوں میں انگلیوں کے سرے ڈالتے ہیں نہ کہ پوری انگلیاں تو مناسب اس طرح تھا کہ یَجْعَلُوْنَ انا ملھم فرمایا جاتا نہ کہ اَصَابِعَھُمْ کیونکہ اصابع پوری انگلی کو کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ انگلی کو کان کے سوراخ میں لانا اس کو لازم نہیں کہ ساری انگلی اس میں جائے بلکہ جب انگلی کا سرا کان کے سوراخ میں گیا تو کہا جاسکتا ہے کہ کان میں انگلی آئی۔ اور لفظ اصابع جو کہ پوری انگلی کا نام ہے کے استعمال میں مبالغہ بھی سمجھا جاسکتا ہے گویا ارشاد ہوتا ہے کہ کمال خوف کی وجہ سے وہ چاہتے ہیں کہ اپنی ساری انگلیاں اپنے کانوں کے سوراخوں میں ڈال لیں تاکہ کسی طرح بھی رعد کی تیز آواز ان کے کانوں میں نہ

marfat.com
Marfat.com

آئے۔

چھٹا سوال یہ ہے کہ بارش بادل سے برستی ہے آسمان سے نہیں۔ پس اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ کا معنی کیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ بارش بادل سے ہی برستی ہے مگر بادل کا ہونا آسمانی جہتوں پر موقوف ہے۔ جس طرح کہ آنے والی آیت میں مذکور ہے۔ پس کہا جاسکتا ہے کہ بارش آسمان سے آتی ہے۔ اس کے باوجود آسمان سے مراد جہت آسمان ہے نہ کہ جسم آسمان اور بادل آسمان کی جہت میں ہے۔ اگرچہ آسمان میں نہیں ہوتا۔

## بادلوں اور رعد وغیرہ کی پیدائش کا بیان:

یہاں اہل حکمت نے کہا ہے کہ جب فلکی قوتیں عناصر میں اثر کرتی ہیں تو گرمی اور بخارات کی وجہ سے عناصر حرکت میں آتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ اور عناصر کے باہم ملنے سے کئی کئی مخلوقات معرض وجود میں آتی ہیں مثلاً جب موسم گرما کی گرمی عناصر میں قوی اثر کرتی ہے۔ تو دریا سے بخار اور زمین سے دھواں اٹھتا ہے۔ اور آسمان کی طرف جاتا ہے۔ پس کبھی دھواں ہوا کے مقام سے اوپر چلا جاتا ہے۔ اور کرۂ آگ کی حد میں پہنچ جاتا ہے۔ اور شعلہ بار ہوتا ہے۔ اور کبھی چند دنوں وہ شعلہ باقی رہتا ہے۔ اور دم دار ستارے اور نیزے کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اور اگر شعلہ کی صورت میں چمکنے کے بعد عنقریب زائل ہوجائے تو شہاب ہوتا ہے۔ اور گاہے مشتعل نہیں ہوتا بلکہ جلنے لگتا ہے۔ اور سرخ وسیاہ علامات آسمان اور زمین کے درمیان ظاہر ہوتی ہیں۔ اور بخار اٹھنے کے وقت چند قسموں کا ہوتا ہے کبھی لطیف ہوتا ہے۔ اور بہت اونچا جاتا ہے۔ اور ایسے مکان تک پہنچ جاتا ہے کہ آفتاب کی شعاع زمین سے اس مکان تک منقطع ہوجاتی ہے۔ اور سردی اور موٹاپا قبول کرتا ہے۔ اور قطرہ قطرہ ہو کر زمین پر گرتا ہے اس موٹے بخار کو بادل کہتے ہیں۔ اور قطروں کو بارش کا نام دیتے ہیں۔

کبھی اتنا لطیف نہیں ہوتا بلکہ کچھ بوجھ بھی اس میں موجود ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے زیادہ بلندی پر نہیں جاتا اور یہ بخار پچھلی رات کی سردی سے جلد جم کر گرتا ہے۔ اور اسے شبنم کہتے ہیں۔ اور کبھی ہوا کی شدید ٹھنڈک کی وجہ سے موٹا بخار جو کہ نازل ہونے لگتا ہے راہ

marfat.com

Marfat.com

میں جم کر گرتا ہے اسے ژالہ کہتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ بخار دھواں اور غبار جب مل کر زمین سے اٹھتے ہیں۔ اور اٹھنے کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ اور غبار واپس ہو جاتا ہے جس سے تیز ہوائیں اور آندھیاں آتی ہیں۔ اور بخار اور دھواں جب ٹھنڈک کی حد کو پہنچتے ہیں تو بخار سرد ہو جاتا ہے۔ اور دھواں اس کے درمیان دباؤ ڈالتا ہے۔ تا کہ اوپر کو نکلنے کا راستہ پیدا کرے۔ اور اس دباؤ سے تیز آواز پیدا ہوتی ہے۔ جسے رعد کہتے ہیں۔ اور کبھی اس دباؤ کی شدید حرکت کی وجہ سے دھواں شعلہ بار ہو جاتا ہے۔ اور بجلی ظاہر ہوتی ہے اور کبھی تہہ بہ تہہ موٹا اور ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے بخار جم جاتا ہے۔ اور زمین پر گرتا ہے اسے صاعقہ یعنی گرنے والی بجلی کہتے ہیں یہ ہے ان چیزوں کا بننا اہل حکمت کے طریقہ پر۔

لیکن ان کی نظر قاصر ہونے کی وجہ سے سوائے مواد کی استعداد اور صور نوعیہ کی تاثیر کے کچھ دریافت نہیں کر سکتی اس لئے انہوں نے اسی قدر پر اکتفا کیا۔ اور حقیقت میں ان اسباب کے ساتھ اور اسباب بھی اس کارخانہ کیلئے بلکہ کائنات کے تمام کارخانوں کیلئے درکار ہیں۔ اور وہ ان مادوں اور صورتوں پر مدبرہ موکلہ روحوں کے ارادے اور اختیار ہیں کہ شرع کی زبان میں انہیں ملائکہ اور فرشتے کہتے ہیں۔ اور زمان و مکان کی خصوصیتیں اور اسباب مادیہ اور صوریہ کے اجتماع کے باوجود اثر کا پیچھے رہ جانا اسی اختیار اور ارادوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ اس لئے شارع علیہ السلام نے علت نامہ کے جز واخیر یعنی ارواح مدبرہ کے ارادہ و اختیار کے تعلق کا اعتبار فرمایا کہ اس کارخانہ کو بلکہ جہان کے تمام کارخانوں کو پورا کرنے کو ملائکہ کے فعل کی نسبت سے فرمایا۔ اور ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کے امر تکوینی کے تابع قرار دیا کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کیلئے ان کی خوبی ہے کتنی باریک بین ہے ان کی نظر اور کتنا میٹھا ہے ان کا پھل۔

اگر انسان کی قوت فکریہ ہر چیز کے اسباب مادیہ اور صوریہ کی گہرائی میں اترے تو اسے اسباب کے منتہی سے کمال غفلت معلوم ہو۔ اور مسبب کی معرفت ہرگز میسر نہ ہو اگر کلی طور پر اسباب کی نفی کرے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے کارخانہ کا منکر ہو جائے گا۔ اور ان تمام اسباب کی تخلیق کو باطل سمجھے گا سُبۡحَانَكَ مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا تو پاک ہے۔ تو نے اسے بے

marfat.com
Marfat.com

مقصد پیدا نہیں فرمایا۔ پس جو اعتقاد کہ دنیا و آخرت میں نافع ہو وہ یہی اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بننے والی چیز کا بلاواسطہ فاعل ہے۔ لیکن اسباب کو درمیان میں لانا اس کی عادت کریمہ کا دستور ہے۔ تاکہ حکمت اور قدرت میں سے کسی کا بے مقصد ہونا لازم نہ آئے۔ از سبب سازیش من سوداہم۔ از سبب سوزیش سوفسطاہم۔ اس کے بنانے کے سبب سے میں سودائی ہوں اور اس کے سوز کے سبب سے سوفسطائی ہوں۔

اور جب یہ معنی معلوم ہوا تو جاننا چاہئے کہ حکماء نے جو کچھ بادل' بارش' رعد اور برق کے بننے میں کہا ہے وہ صرف قدرت الٰہی کے ساتھ واقع ہونے والی صورتوں میں سے ایک صورت کی تصویر کیلئے کہا ہے۔ تاکہ دوری دفع ہو۔ اور اسباب کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے جاری ہونے کے ادراک سے الفت رکھنے والا ذہن قبول کر لے۔ ورنہ ان امور کیلئے اور طرق و اسباب بھی متصور بلکہ واقع ہیں چنانچہ آنے والی آیت کی تفسیر اور پہلی اقوام کے عذابوں کے واقعات میں اس کا اشارہ آئے گا انشاءاللہ اور جب نیک بختوں اور بدبختوں کے گروہوں کے بیان سے فراغت ہوئی۔ اور ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب متقیوں کیلئے ہدایت ہے جن کے پانچ گروہ ہیں اب اس سورت کے نازل کرنے سے جو مقصود ہے اسے شروع فرمایا۔ اور تقویٰ کو حاصل کرنے کے طریقے پر دلالت فرمائی جو کہ قرآنی ہدایت سے نفع پانے کا سبب ہے گویا اس طرح فرمایا کہ جب لوگوں نے جان لیا کہ یہ کتاب متقیوں کی ہدایت کیلئے نازل ہوئی تو انہیں اپنے لئے تقویٰ حاصل کرنے کی فکر کرنا چاہئے۔ اور اسے حاصل کرنے کا طریقہ ہم سے سنیں۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اس مثال سے جو ہم نے منافقوں کے بارے میں بیان فرمائی کہ یہ لوگ دین اسلام سے جو کہ سراسر شفا ہے۔ سختیوں کی تاریکیوں اور وعید کی رعد و برق کی وجہ سے بھاگتے ہیں۔ جس طرح کہ لوگ بارش سے جو کہ عین رحمت ہے ان چیزوں کے ڈر سے بھاگتے ہیں جگہ سے مت ہلو اور مسر کہو کہ عقل مندوں کا کام یہی ہے کہ وہ دنیوی نقصان سے بھاگتے ہیں۔ اور متوقع نفع پر دا نہیں دیتے۔ پس ہمیں ایسا ہی کرنا چاہئے اس لئے کہ یہ مثال تو کوتہ نظر منافقوں کے حال

marfat.com

Marfat.com

صرف تصویر ہے کسی علم کا فائدہ نہیں دیتی۔ پس یہ ان یقینی دلائل جو کہ دین اسلام کو قبول کر کے اور اس دین کے احکام کی اطاعت کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے وجوب پر دلالت کرنے والے ہیں کے مقابل نہیں ہو سکتی تو جو اس قسم کے مواقع پر مضبوطی سے پکڑنے کی اصل کو چھوڑ دے اور اس ضعیف مثال سے دلیل لے گویا وہ انسانیت سے باہر آ گیا۔ اور لفظ ناس کے مفہوم سے خارج ہو گیا۔ اور اس محکم اصل کا حاصل یہ ہے کہ ربوبیت کی حقیقت' معبود ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ اور حقیقت عبدیت' عابدیت کو چاہتی ہے خصوصاً جب رب تعالیٰ نے بندے کو ایسی نعمت عطا کی جو کہ بزرگ ترین نعمت ہے۔ اور ہر نعمت اس نعمت کے حصول کے بعد ملتی ہے۔ اور وہ ایجاد کرنے کی نعمت ہے کہ ذات عبد کو بھی عدم کے پردے سے وجود میں لایا گیا ہے۔ اور اس کے مبادی و اصول کو بھی وجود کی خلعت بخشی کیونکہ منعم وہی ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ یعنی اس کی وہ جس نے تمہیں۔ اور انہیں پیدا فرمایا جو تم سے پہلے ہوئے ہیں تمہارے آباؤ اجداد سے یہ پیدا کرنا ایک نہایت عمدہ نعمت ہے اس کے عوض ایسا شکر کرنا چاہئے جو کہ انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اور وہ عبادت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ میں بندے سے عبادت اپنے نفع کیلئے نہیں چاہتا بلکہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اس لئے کہ شاید تم متقی ہو جاؤ اور قرآن پاک کی ہدایت سے جو کہ متقیوں کے نصیب میں ہے تم بہرہ ور ہو جاؤ اور اسی لئے محققین نے کہا ہے کہ عبادت کی حقیقت نسبت عبودیت کو صحیح کرنا ہے۔ اس لئے کہ جب بندے نے اپنے آپ کو ممکن جانا تو اپنے ربّ کو وجوب کے ساتھ پہچانے گا اور جب اپنے آپ کو مملوک جانا تو اپنے ربّ کو مالک جانے گا اور جب اپنے آپ کو مغلوب دیکھا تو اپنے ربّ کو غالب دیکھے گا۔ اور جب اپنے آپ کو تحت قدرت دیکھا تو اپنے ربّ کو قادر دیکھے گا اور جب اپنے آپ کو مامور اور عاجز جانا تو اپنے آپ کو آمر اور غالب جانے گا علیٰ ہذا القیاس۔ پس اپنی حد سے آگے نہیں گزرے گا اور اس عقلی قضیہ کو منعکس نہیں کرے گا۔ اور اپنے میں کوئی قدرت اور تصرف کسی طرح بھی نہیں پائے گا اور اپنے آپکو ایک عاجز غلام کی طرح جانے گا جو کہ اپنے مالک کے حضور پاؤں پر کھڑا اور کمر بستہ ہو کر اس کے ہر امر

marfat.com
Marfat.com

اور نہی کا منتظر ہے۔

اصمعی نے روایت کی ہے کہ ایک غلام کو ایک شخص کے سامنے لایا گیا۔ تا کہ وہ اسے خریدے۔ اس شخص نے غلام سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے اس نے کہا جو تو میرا نام رکھے گا۔ اس شخص نے پوچھا کیا کھائے گا؟ اس نے کہا جو تو کھلائے گا' پھر پوچھا کہ کیا پہنے گا اس نے کہا جو تو پہنائے گا۔ اس شخص نے کہا کہ تو چاہتا ہے کہ میں تجھے خریدلوں۔ غلام نے کہا کہ بندوں کی کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ خواہش اس کے مولی کی خواہش ہے۔

اور جب عبادت کا معنی نسبت عبودیت کو صحیح کرنا ہے۔ تو عبادت کا حکم فرمانا کافر اور مومن کو شامل ہے۔ عبادت کے مباریات اور اس کی نہایات کو بھی شامل ہے۔ اور اس کے اصول وفروع کو کہ اللہ تعالی کی شریعتیں اس کی شرح وتفصیل ہیں۔

یہاں جاننا چاہئے کہ اگر چہ عبادت کی حقیقت صرف اپنے نفس کے حال پر توجہ اور اپنے آپ پر داغ عبوذیت دیکھنے سے ظاہر ہے۔ لیکن یہاں بشری قصور اور قوت فکری کی کمزوری کی وجہ سے معرفت معبود کی طرف ایک راہ کا نشان دیا گیا ہے جو کہ بہت آسان اور واضح ہے۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ عقل والوں میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ میں ایک وقت معدوم تھا اس کے بعد میں موجود ہوا اور جو عدم کے بعد موجود ہو اس کا کوئی خالق چاہئے۔ اور میرا خالق میرا نفس نہیں ہے۔ اور نہ ہی میرے ماں باپ اور نہ ہی میری جنس کے دوسرے لوگ کیونکہ یہ سب کے سب میری طرح عاجز ہیں اگر کسی صدمہ کی وجہ سے میرے بدن کی کھال کو خراش لگے یہ اسے لوٹا نہیں سکتے۔ اور نہ ہی فصول طبائع' افلاک' عناصر اور کواکب خالق ہیں۔ کیونکہ یہ بھی تغیر وتبدل کے چکر میں گرفتار ہیں۔ پس خالق کوئی ایسی ذات ہے جو کہ عاجزی' حادث ہونے تغیر وتبدل اور نقصان سے پاک ہے۔ اور وہی ذات معبود ہے۔

## چند بحثیں- یا ایھا الناس والی آیت مکی اور یا ایھا الذین امنوا والی آیت مدنی ہے

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں کہ مفسرین نے ان میں بہت سی باتیں کہی ہیں۔ پہلی یہ

marfat.com

Marfat.com

کہ علقمہ سے روایت آئی کہ جس آیت کی ابتداء میں یَـٰٓاَیُّهَا النَّاسُ ہے مکی ہے اور ہر وہ آیت جس کی ابتداء میں یَـٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہے مدنی ہے۔ اور یہ دونوں قاعدے ٹوٹ گئے ہیں۔ کیونکہ آیت بالا جماع مدنی ہے۔ حالانکہ اس کے پہلے یَـٰٓاَیُّهَا النَّاسُ ہے۔ اور آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا جو کہ سورت تحریم میں واقع ہے مکی ہے۔ حالانکہ اس کے اول میں یَـٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کلام علقمہ میں مکی اور مدنی ہونے کا معنی یہ نہیں ہے کہ مکہ اور مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ جہاں بھی یَـٰٓاَیُّهَا النَّاسُ آیا یہ مشرکین مکہ سے خطاب ہے۔ کیونکہ زیادہ مکہ میں رہتے تھے۔ اور جہاں یَـٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وارد ہوا ہے وہ مومنوں سے خطاب ہے جو غالباً مدینہ عالم میں رہتے تھے۔ کیونکہ اس وقت کفر کے غلبہ کا مقام مکہ اور غلبہ ایمان کا مقام مدینہ عالیہ تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ لغت عرب میں لعل امید اور توقع کیلئے ہے۔ اور امید اور توقع اس کے لائق ہے جو کام کی عاقبت سے آگاہ نہ ہو۔ کلام الٰہی میں کیونکر واقع ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ کلام الٰہی میں حرف امید دو جہت سے واقع ہوا۔ اول بندوں کی حالی یا قالی کلام کی نقل جیسا کہ لَعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى اس لئے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام جب فرعون کی طرف مبعوث ہوئے ان کا حال اسی توقع کا تقاضا کرتا تھا گو واقع نہ ہوا دوسری جہت یہ کہ امید کے معنی سے خالی کر کے تعلیل کے معنوں میں استعمال کریں اسی لئے فراء نے کہا ہے کہ کلام الٰہی میں لعل بمعنی "کے" ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ عبادت تقویٰ کے بغیر کوئی اور چیز نہیں۔ پس اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ کے بعد لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کہنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْبُدُوْنَ یا اِتَّقُوْا رَبَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کہیں۔ اور یہ بہت نامناسب کلام ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت کا معنی عبودیت کی نسبت کو صحیح کرنا ہے۔ اور اس تصحیح کی انتہاء صفت تقویٰ سے متصف ہونا ہے۔ پس عبادت اور تقویٰ باعتبار انتہاء کے باہمی اتحاد رکھتے ہیں۔ اور ابتداء کے اعتبار سے فرق اور غیریت۔ یہاں کلام ابتدائے حال کے اعتبار سے ہے۔ اور یہ احتمال ہے

marfat.com

Marfat.com

کہ یہاں اتقاء اپنے لغوی مفہوم بمعنی پرہیز کرنا اور اپنے آپ کی حفاظت کرنے کے موافق ہو یعنی اپنے پروردگار کی عبادت بجالاؤ تاکہ اپنے آپ کو اس کے غضب سے بچالو کیونکہ حقوق کو ضائع کرنا اس کے غضب کا موجب ہے۔ اور عبادت ترک کرنے میں تین حق تلف ہوتے ہیں اول اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا حق' دوسرا اپنی عبودیت کا حق' تیسرا اس کی نعمت کا حق کہ اس کے شکر میں دیر کرنا لازم آتا ہے۔ اور جو مثال منافقوں کے حق میں گزری ہے اس قابل نہیں کہ عبادت ترک کرنے والے اس سے دلیل پکڑیں بلکہ وہ مثال انہیں پر ابلغ وجوہ سے الٹی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ جس چیز کو انہوں نے اسلام سے بھاگنے کا منشا قرار دیا ہے۔ درحقیقت اپنی ذات کے اعتبار سے بھی اور اپنے مبدء و منتہی اور ثمرات کے اعتبار سے بھی اسلام میں داخل ہونے کا سبب ہے۔ کیونکہ وہی خالق ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش کی مانند کر دیا ہے کہ اس پر قرار پکڑتے ہو۔ اور سکونت اختیار کرتے ہو۔ باوجود اس کے کہ دریائے شور نے اس کے اطراف و جوانب میں احاطہ کیا ہے اس سے ایک حصہ کھلا رکھا ہے نہ اس قدر سخت کیا۔

## زمین میں صنعت الٰہی کے عجائبات:

کہ سخت چٹانوں کی طرح اس پر سکونت اور رہنا ممکن نہ ہو نہ اس قدر لطیف اور نرم کیا جیسے پانی اور ہوا اور کیچڑ جس سے کہ قدم پھسلیں۔ پس گویا تمام زمین فرش کی طرح بچھی ہے۔ اور اپنی جگہ پر قرار پکڑے ہوئے تاکہ اس پر سوئیں اور بیٹھیں۔ اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی صنعت کے عجائب میں سے یہ ہے کہ زمین کو اس کے مقام پر ساکن کیا ہے جو کہ جہان کا درمیان ہے۔ اس لئے کہ ہر بھاری چیز طبعی طور پر نیچے کی طرف مائل ہے۔ جس طرح کہ ہر ہلکی چیز اوپر کی طرف مائل ہے نچلی سمت زمین کے مرکز کا نام ہے جو کہ اس کی حقیقت کے وسط میں ایک نقطہ ہے۔ اور اوپر کی جہت اس طرف کا نام ہے جس کا رخ آسمان کی طرف ہے۔ پس جس طرح زمین کا آسمان کی طرف اس سمت سے کہ جس پر ہم ہیں بلند ہونا بعید ہے۔ اسی طرح زمین کا اس سمت کے مقابل سے نیچے جانا بھی بعید ہے۔ اس لئے کہ وہ نیچے

marfat.com

Marfat.com

جانا عین آسمان کی طرف بلند ہونا ہے۔ پس اس تدبیر سے زمین کے اپنے اس مقام پر قرار پکڑنے میں کوئی احتیاج نہ رہی کہ اس کے اوپر سے کسی لٹکی ہوئی چیز کے ساتھ باندھیں۔ یا اس کے نیچے سے کسی ستون کے ساتھ اس کی مدد کریں بلکہ اس کی طبیعت میں جو وسط حقیقی کی طرف طبعی میلان رکھا گیا اس بارے میں وہی کافی ہے۔ چنانچہ آیت اِنَّ اللّٰـهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔

اور زمین کی پیدائش میں بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے یہ ہے کہ اسے پتھر کی طرح سخت نہیں بنایا۔ اور نہ پانی کی طرح نرم۔ تا کہ اس پر چلنا' بیٹھنا اور لیٹنا آسان ہو۔ اور زراعت اور عمارتیں بنانا میسر ہو۔ اور کنویں کھودنا اور نہریں جاری کرنا ممکن ہو۔ اور ان میں سے یہ ہے کہ نہایت لطافت اور صاف ہونے میں ہوا کی طرح نہیں بنایا۔ تا کہ انوار آسمانی کی شعاعیں اس پر قرار پکڑیں اور ان شعاعوں کی وجہ سے اس کے باطن میں حرارت اور گرمی پیدا ہو۔ اور زراعت کے کام آئے۔ اور ان میں سے یہ ہے کہ اسے طبعی طور پر خشک بنایا۔ تا کہ تر عناصر کو اس کے ساتھ خمیر کریں۔ اور مرکبات کے جسم میں ٹھہراؤ پیدا ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیاں جو زمین میں دریعت رکھی گئی ہے۔ اور اجمالی طور پر ان نشانیوں آیتوں کی طرف آیت وَفِی الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ (الذاریات آیت ۲۰) میں اشارہ ہوا چند چیزیں ہیں۔ ان میں سے زمین کے ٹکڑوں کا اختلاف ہے نرمی اور سختی۔ نیز اچھا اگانے اور اس کی ضد میں اور اس کی طرف اس آیت میں تفصیلی اشارہ ہے وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ (الرعد آیت ۴)

اور ان میں سے زمین کے رنگ کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ آیت وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ (الفاطر آیت ۲۷) میں ہے۔ اور ان میں سے نباتات کا اگنا ہے جو کہ آیت والارض ذَاتِ الصَّدْعِ (الطارق آیت ۱۲) میں مذکور ہے۔

اور ان میں سے یہ کہ اپنی طبعی خشکی کی وجہ سے بارش کے پانی کو جذب کر کے ہضم کرتی ہے۔ اور سنبھال کر رکھتی ہے۔ جیسا کہ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی

marfat.com

Marfat.com

الْاَرْضِ (المؤمنون آیت ۱۸) میں مذکور ہے۔

اوران میں سے چشموں کا پھوٹنا اور دریاؤں کا رواں ہونا ہے جو کہ آیت وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا (الحجر آیت ۱۹) میں مذکور ہے۔

اوران میں سے یہ کہ زمین کی طبیعت میں کرم وسخاوت ودیعت رکھی گئی ایک دانہ پکڑتی ہے۔اوراس کے عوض سات سودانہ دیتی ہے۔چنانچہ آیت كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ (البقرہ آیت ۲۶۱) میں مذکور ہے۔

اوران میں سے اس کا زندہ ہونا اور مرنا ہے جو کہ حشر وقیامت کا نمونہ ہے۔ ہر سال اس پر دیکھا جاتا ہے۔جیسا کہ اس آیت میں ہے وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ اَحْیَیْنٰهَا (یٰس آیت ۳۳)

اوران میں سے مختلف جانور ہیں جو کہ اس میں پیدا ہوتے ہیں وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ (البقرہ آیت ۱۶۴)

اوران میں سے قسم قسم کی بوٹیوں کا اگنا ہے آیت وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِیْجٍ (قٓ آیت ۷)

اوراگر اگنے والی چیزوں میں غور کیا جائے تو ان کے رنگوں کا اختلاف ایک بہت بڑی آیت ہے۔اور ذائقوں اور مزوں کا اختلاف علیحدہ آیت ہے۔اور مہکوں کے خلاف ایک اور آیت ہے۔ پھران میں بعض آدمیوں کی خوراک ہے۔اور بعض چرندوں اور پرندوں کی خوراک ہے۔اوران میں سے بعض طعام ہے۔اور بعض سالن' بعض دوا' بعض پھل' بعض آدمیوں کے لباس جیسے روئی اور کتان۔(جو کہ ایک قسم کا کپڑا ہے) ان حیوانی لباسوں کے علاوہ جو کہ بال' اون' ریشم اور کھال سے بنتے ہیں۔

اوران میں سے مختلف پتھر ہیں کہ ان میں سے بعض زینت کیلئے ہیں۔ جیسے یاقوت' الماس' عقیق اور فیروزہ اوران میں سے بعض بنیاد مضبوط کرنے کیلئے ہیں۔جیسے خارا اور علولہ (ایک قسم سخت پتھر کا نام) اور بعض دونوں مقصدوں کیلئے جیسے مرمر اور سرخ۔اوران پتھروں میں عجائب قدرت الٰہی میں سے یہ ہے کہ جس کا فائدہ زیادہ ہے اس کی قیمت اتنی سستی جیسے

marfat.com

Marfat.com

سنگ چقماق اور جس کی منفعت تھوڑی ہے وہ زیادہ قیمتی ہے۔ جیسے یاقوت سرخ۔

اور ان میں سے عجیب وغریب کانیں ہیں جو کہ زمین میں رکھی گئی ہیں۔ اور ان میں سے افضل سونا اور چاندی ہے۔ اور اس باب میں عجائب قدرت الٰہی میں سے یہ ہے کہ آدمی کو دقیق پیشے' باریک کاریگریاں اور دور دور کے حیلے سکھائے گئے ہیں یہاں تک کہ مچھلی کو دریا کی تہہ سے اور پرندوں کو ہوا کی بلندی سے شکار کرتا ہے۔ اور اس کے باوجود اسے سونا چاندی بنانے سے عاجز رکھا ہے۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے زیادہ فائدے قیمتی ہونے کی وجہ سے ہیں۔ اور قیمتی ہونا بغیر عزت کے نہیں۔ اور عزت تقاضا کرتی ہے کہ بشر کو اس کے بنانے کی طاقت نہ ہو ورنہ ذلیل ہو جائے گا اسی لئے کہا گیا ہے **من طلب المال بالکیمیاء افلس** جس نے کیمیا گری سے مال طلب کیا دیوالیہ ہوا۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ پہاڑوں اور زمین کے دوسرے قطعات میں بڑے جسموں والے درخت اگائے گئے ہیں۔ اور انہیں پھل نہ دیا گیا۔ تا کہ چھت بنانے' جلانے کی لکڑی اور کوئلے کے کام آئیں اور پکانے کے کارخانے میں صرف ہوں۔

مختصر یہ کہ اگر آدمی اپنے حال میں غور کرے۔ اور جہان کو اپنی حاجتوں کے ساتھ وزن کرے تو یقین کے ساتھ جان لے کہ سارا جہان ایک گھر کی طرح ہے کہ اس میں ساری ضروریات مہیا کر کے اسے دیا گیا ہے۔ اور آسمان کو چھت کی مثل بلند کیا گیا زمین کو فرش کی طرح بچھایا گیا۔ اور ستاروں کو چراغوں اور قندیلوں کی طرح لٹکایا گیا۔ اور غذا' دوا' پوشاک' سواری اور زیور' نباتات' حیوانات اور کانوں کی جنس سے اسے عطا کر کے اس خانہ کا مالک بنا دیا ہے۔ اور اپنے انعام واحسان کا گرویدہ بنایا چنانچہ عبادات اور طاعات کی ادائگی کے ساتھ اس نعمت کے شکر کی طلب کے مقام پر اس معنی کا اشارہ فرمایا ہے۔

**وَالسَّمَآءَ بِنَآءً** اور تمہارے لئے آسمان کو بلند عمارت بنایا ہے چھت کی مانند کہ تم پر سایہ کرے تا کہ عالم بالا کے فرشتوں کے انوار کی شعاعیں تمہارے جہان کو برباد نہ کر دیں۔

اور آسمانوں کو اپنے بندوں کے اوپر بنانے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے یہ ہے کہ آسمان کو چراغوں کے ساتھ زینت دی ہے۔ جیسا کہ آیت **وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمٰوٰتِ**

marfat.com
Marfat.com

السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (الملک آیت ۵) میں مذکور ہے۔ اور چاند سے بھی زینت دی وجعل القمر فیھن نورا اور سورج کے ساتھ بھی وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (نوح آیت ۱۶) پھر کرسی کے ساتھ اس کا احاطہ فرمایا ہے۔ اور کرسی کو عرش سے گھیرا۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (البقرہ آیت ۲۵۵) وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (التوبۃ آیت ۱۲۹)

اور ان میں یہ ہے کہ اس چھت کو ٹوٹنے گرنے سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور چند طبقات بنائے گئے چنانچہ فرمایا وَبَنَيْنَا فَوْقَهُمْ سَبْعًا شِدَادًا (النباء آیت ۱۲) اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (نوح آیت ۱۵) وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا (الانبیاء آیت ۳۲)

اور ان میں سے یہ ہے کہ آسمان کو اعمال کے چڑھنے کا مقام انوار کی تجلی گاہ قبلہ دعا اور روشنی اور صفائی کا محل بنایا ہے۔ اور ان میں سے یہ ہے کہ اس کے رنگ کو قوت بصری کیلئے سارے رنگوں سے زیادہ مفید بنایا ہے کہ سبز اور روشن ہے۔ اور اس کی شکل کو بہترین کیا گیا ہے کہ گول ہے۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ آسمان کے ستاروں کو شیطانوں کیلئے سنگسار کرنے کا ذریعہ بنایا۔ اور انہیں جنگل اور سمندروں کے مسافروں کیلئے راستہ پانے کی علامات بنایا۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ سورج کیلئے ایک طلوع مقرر کیا تا کہ زمین کے اطراف و جوانب میں آدمیوں کیلئے اپنی ضروریات کیلئے آنا جانا آسان ہو۔ اور ایک غروب بھی تا کہ سکون راحت ہو اور سکون اور نیند کی حالت میں قوت ہاضمہ کو بدن کے باطن میں کامل توجہ ساتھ حاصل ہو۔ اور غذا کو اعضاء کی طرف جاری کرنے کا موقع ملے۔ حکماء کہتے ہیں کہ اگر آفتاب کا طلوع نہ ہوتا تو ٹھنڈک اور کثافت کا اس حد تک غلبہ ہوتا کہ پانی کے جم جانے اور قوت غریزیہ کے جمود کا موجب ہوتا۔ اور اگر آفتاب کا غروب نہ ہوتا تو زمین اس حد تک گرم ہو جاتی کہ جانور اور نباتات سب جل جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی عین عنایت ہے کہ نور و ظلمت اور حرارت و برودت کے آگے پیچھے آنے سے آدمیوں کی زندگی میں اعتدال قائم فرمایا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## آسمان گردش کرتا ہے

نیز کہتے ہیں کہ اگر آسمان گردش نہ کرتا تو سورج آسمان کی ایک سمت میں قرار پکڑتا اور دولت مند سردیوں میں اس طرف کو کھلا رکھتے اور سورج کی شعاع سے نفع لیتے اور موسم گرما میں اس طرف کو بند کر دیتے اور آفتاب کی گرمی سے محفوظ رہتے اور غریب دونوں حالتوں میں محروم و مایوس ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے فلک کو گردش دے کر اس نعمت اور اس مشقت کو غنی اور فقیر کے درمیان برابر کر دیا پھر اس سے سورج کے قرب اور دوری کو چار فصلوں کا سبب بنایا۔ تا کہ سردیوں میں حرارت درختوں اور نباتات کے باطن میں چلی جائے۔ اور میوے اور دانے پک جائیں۔ اور حرارت کی قلت کی وجہ سے ہوا پاک اور صاف ہو جائے۔ اور بادل اور برف برسے اور حیوانات کا بدن باطن میں حرارت غریزیہ کے جمع ہونے کے سبب سے قوت پکڑے اور بہار میں سارے طبائع متحرک ہوتے ہیں۔ اور جو مواد سردیوں میں پیدا ہوا تھا وہ ظاہر ہو جائے۔ اور درخت شگوفے لائیں اور جانوروں کو جفتی کا جوش پیدا ہو۔

اور موسم گرما میں ہوا اتنی گرمی پیدا کرے تا کہ میوے پک جائیں۔ اور بدن کی فالتو رطوبتیں تحلیل ہو جائیں۔ اور زمین کی سطح خشک ہو جائے۔ اور زراعت اور عمارت کے قابل ہو جائے اور خریف میں سردی اور خشکی غلبہ کرے اور تر میوے ذخیرہ کرنے کے قابل ہو جائیں۔ اور حیوانات کے بدن آہستہ آہستہ سردیوں کی مشقت برداشت کرنے کیلئے مستعد ہو جائیں۔

اور چاند کو سورج کا خلیفہ بنایا ہے۔ اور سالوں کی گنتی اور قرضوں اور مدتوں کا حساب اس کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے۔ اور شرعی اوقات کو اس سے مربوط کیا گیا ہے۔ پس اگر آدمی اپنے حال پر توجہ کرے تو یقین کے ساتھ جان لے کہ اسے کسی حالت میں بھی آسمان اور زمین سے گریز نہیں ہے۔ اور اسی لئے ایک کی دوسرے پر ترجیح کی وجوہ متعارض ہو گئی ہیں۔ اگر آسمان اس جہت سے بزرگی رکھتا ہے کہ ملائکہ کی عبادت گاہ ہے۔ اور نافرمانی اور گناہ سے خالی اور محفوظ چھت ہے۔ اور برکت سے موصوف اور اس کے ستاروں کی شعاعیں

marfat.com

Marfat.com

زمین کی چیزوں میں قوی تاثیر رکھتی ہیں۔ اور مؤثر' متاثر سے زیادہ شرف والا ہوتا ہے۔ اور اسی لئے قرآن پاک میں جگہ جگہ آسمان کا ذکر زمین سے پہلے ہے۔ اور زمین اس جہت سے بزرگی رکھتی ہے کہ تجلیات کا آشیانہ خانہ کعبہ معظمہ اور مسجد اقصیٰ اس میں واقع ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی خلقت کا مادہ اور ان کے اجسام مقدسہ کا مدفن یہی ہے خصوصاً آدمی کے حق میں کہ شفیق ماں کا حکم رکھتی ہے۔ بلکہ اگر ماں ایک قسم کی غذا جو کہ دودھ ہے اسے دیتی ہے تو زمین رنگا رنگ کی نفیس غذائیں کھلاتی ہے۔ اور اسی وجہ سے جب آدمی کو حکم ہوتا ہے کہ ماں کے شکم سے باہر آ تو پوری خوشی سے اسے قبول کرتا ہے۔ اور سر کے بل باہر آتا ہے۔ اور جب حکم ہوتا ہے کہ دنیا سے باہر آ' ہرگز اپنے پاؤں سے نہیں جاتا یہاں تک کہ مقرر فرشتے روحیں کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اس آیت میں زمین کا ذکر آسمان پر مقدم فرمایا ہے۔ اور آسمان اور زمین کو اگرچہ بندوں کے حق میں عمدہ نعمت بنایا ہے مگر ان ہر دو کو جدا جدا نہیں چھوڑا بلکہ ہر دو کو ایک دوسرے سے ایک رابطہ دے کر ایک کی قوت کو دوسرے تک پہنچایا تاکہ ترکیب سے دونوں نعمتوں کے آثار جلوہ گر ہیں چنانچہ فرمایا:

وَاَنْزَلَ اس نے اتارا مِنَ السَّمَآءِ آسمان کے بعض اوضاع سے ستاروں کی حرکتوں میں خصوصاً سورج میں مَآءً پانی مختلف قسم کی نباتات اگانے کیلئے جو کہ مختلف قسم کے میووں کے مادوں کو اٹھائے ہوئے ہیں فَاَخْرَجَ بِهٖ پس نکالا اس پانی سے جو کہ قوت فاعلہ رکھتا ہے۔ اور زمین میں قبول کرنے کی قوت ودیعت رکھی تاکہ ان دونوں قوتوں سے پیدا کرے مِنَ الثَّمَرٰتِ میووں کی جنسوں سے رِزْقًا لَّكُمْ تمہارے لئے رزق۔

## اوضاع آسمان سے پانی نازل کرنے کا طریقہ:

اور اوضاع آسمانی سے پانی اتارنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب سورج اپنی خاص حرکت سے ملک اور شہر کی سمت الراس کے قریب پہنچتا ہے۔ تو حرارت اور خشکی اس ملک میں شدت اختیار کر لیتی ہے۔ اور اس ملک کی زمین کے اجزاء میں ایک دوسرے سے کچھ جدائی پیدا ہو جاتی ہے اور غبار اٹھتے ہیں۔ اور اگر اس ملک کے گرد دریائے شور کا کوئی حصہ احاطہ کئے ہوئے ہو تو اس دریا میں تبخیر کی وجہ سے بخارات پیدا ہوتے ہیں۔ اور آبادیوں اور شہروں

marfat.com

Marfat.com

سے بہت سا دھواں جمع ہو کر اوپر کو جاتا ہے۔ اور یہ غبار' بخارات اور دھواں تینوں موسم گرما میں آسمان اور زمین کے درمیان اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ تپش غلبہ رکھتی ہے۔ اور بخارات مرطوب کم ہوتے ہیں' غبار غالب ہو جاتا ہے' آندھیاں اٹھتی ہیں۔ اور ہولناک تیز ہوائیں چلتی ہیں۔ اور جب سورج گرمی کے نقطہ انقلاب سے پھرتا ہے۔ اور روز بروز اس کی سمت الراس دور ہوتا ہے۔ اور ان تمام غبارات اور دھوؤں میں نمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جو حرارت کہ پہلے سے فضا میں تھی ان کی رقت و لطافت زیادہ کرنے کا باعث بنتی ہے۔ اور گرم علاقوں میں جو کہ دریائے شور کے ساحلوں کے ساتھ ہوتے ہیں موسم برسات نمودار ہوتا ہے۔ پس فضا کی تدبیر کرنے والی ارواح کو جو کہ بادل کے فرشتے ہیں حکم ہوتا ہے کہ ان تینوں چیزوں کو ہواؤں کی تحریک سے طبقہ زمہریر میں لے جا کر کچھ پکائیں اور پکنے کے بعد اسے برسائیں۔ پس پکنے کی حالت میں خام غبار جن پر زمین کے اثرات غالب ہوتے ہیں سیاہ مواد کی طرح پک کر پانی ہو جاتے ہیں۔ اور برسنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں دیگ کے پکنے کی صورت سامنے آتی ہے اس طرح کہ طبقہ زمہریر کی ٹھنڈک تہہ بہ تہہ بادل کے باہر سے جو کہ تین اجزاء غبار' بخارات اور دھوئیں پر مشتمل ہے اثر کرتی ہے۔ اور حکمت کا مقرر قاعدہ ہے کہ ٹھنڈک اور حرارت جس طرح موضوع اور محل میں تضاد رکھتے ہیں' مکان میں بھی تضاد رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمین کا باطن سردیوں میں ظاہر کی بہ نسبت زیادہ گرم ہوتا ہے۔ اور گرمیوں میں اس کے برعکس اور کنوؤں کا پانی سردیوں میں گرم ہوتا ہے۔ اور گرمیوں میں سرد۔ پس دھوؤں کی گرمی بادل کے باہر سے بھاگ کر اس کے اندر چھپ جاتی ہے۔ اور بادل کے فرشتے اس گرمی کو معدے کی حرارت غریزیہ اور دیگر آلات غذا کی جگہ قرار دے کر بھڑکاتے اور روشن کرتے ہیں۔ اور یہ روشن کرنا برق کی حقیقت ہے۔ اور اس وقت بادل کو ایک دیگ کی طرح فرض کرنا چاہئے جسے پکانے کیلئے چولہے پر رکھا گیا ہو۔ فرق یہی ہے کہ دیگ کو پکانے والی حرارت دیگ کے باہر سے پکاتی ہے۔ اور بادل کو پکانے والی حرارت اس کے اندر سے ہے۔' معدہ اور جگر کی طرح اور جب پکانے کیلئے ضروری ہے کہ تر جسم کی استعانت کے ساتھ ہو ورنہ خشک اجسام جل کر برباد ہو جائیں گے اسی لئے غذا

marfat.com
Marfat.com

کو پکانا پانی اور اس کے مثل کی رطوبت کی مدد کے بغیر میسر نہیں آتا اور پانی اور اس کے مثل کے بغیر غذا جل جاتی ہے۔ اور اسی طرح دیگ پکانا دانوں غلوں اور دوسرے سخت اور خشک جسموں کے ساتھ جب تک پانی نہ ملائیں ممکن نہیں ہوتا اور اسی لئے بادل کو پکانے میں دانوں اور غلوں کے بجائے غبارات لیتے ہیں۔ اور بخارات کی تری کو پانی کی تری کی جگہ اور دھوؤں کی گرمی پکانے والی حرارت کی جگہ اور حکمت کا مقرر قاعدہ ہے کہ جب حرارت کو تر جسم پر مسلط کریں تو اس تر جسم کے اجزاء میں ایک شور پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح کہ پکانے کے وقت دیگ کی آواز اور اسی آواز کو رعد سمجھنا چاہئے جو کہ ضرورت کے مطابق پکنے میں باقی رہتی ہے۔ اور منقطع ہو جاتی ہے۔ اور باہر سے بادل کے اجزاء کو جدا کرنے اور جمع کرنے کیلئے ہواؤں کو بھی مسلط کرتے ہیں۔ اور اسی دوران کبھی پکانے والے دھوؤں کے بھڑکنے کی شدت کی وجہ سے ان کا ایک حصہ ہوا کی حرکت دینے کی وجہ سے کود کر زمین پر گر پڑتا ہے۔ جس طرح کہ مطبخ کے دھوئیں کا شرارا اڑتا ہے اس نازل ہونے والے شرارے کو صاعقہ سمجھنا چاہئے۔ اور جب پکنا کامل ہو جائے۔ اور غباروں کی رقت پورے طور پر رونما ہوتی ہے۔ تو بارش اترتی ہے۔ چنانچہ منضجات اور مسہلات میں تجربہ کیا گیا ہے کہ نضج کامل کے بعد کمزور سی تحریک سے اخلاط گرنے لگتے ہیں۔

یہاں جاننا چاہئے کہ اس کارخانہ میں کام کا مدار ہر وقت ہواؤں کی تسخیر پر ہے۔ پہلے غبارات بخارات اور دھوؤں کو اٹھانے اور ان تینوں کو فضا میں جمع کرنے کیلئے اس کے بعد نمی پیدا کرنے کیلئے پانی کے خزانوں اور دریا سے نمدار بخارات لانے کیلئے۔ پہلی ہواؤں کو مثیرات کہتے ہیں کہ فتثیر سحابا (الروم آیت ۴۸ الفاطر آیت ۹) ان کی شان ہے۔ اور دوسری ہواؤں کو لواقح کہتے ہیں کہ بمنزلہ بیج رطوبت کو منتشر کرتی ہیں۔ جس طرح کہ نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور میں لگانا۔ وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ (الحجر:۲۲) ان کی صفت ہے۔

اس کے بعد تہہ بہ تہہ بادل کے اجزاء کو برابر کرنے کیلئے تا کہ پکنے کے اثر کو یکساں قبول کریں ہوائیں ضروری ہیں۔ اور اس قسم کی ہوائیں بھی لواقح میں داخل ہیں اس کے بعد بادل کے اجزاء میں سوراخ پیدا کرنے اور مسام کھولنے کیلئے بھی کہ پورے طور پر پانی بہہ

marfat.com

Marfat.com

سکے ہوائیں ضروری ہیں۔ اور اس قسم کی ہواؤں کو مثیرات کہتے ہیں۔ اور کبھی اس طرح اتفاق ہوتا ہے کہ سردیوں کے موسم میں بارش کے قطرے غلیظ بادل سے جدا ہونے کے بعد راستے میں سرد ہوا لگنے سے جم جاتے ہیں۔ اور اولوں کی صورت میں گرتے ہیں۔ پس یہ ہواؤں کا کام ہے۔ اور موسم بہار میں بادل کا جسم منجمد ہو کر برف کا پہاڑ ہو جاتا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ سردیوں میں جہان کی ہوا کی ٹھنڈک کی وجہ سے بادل کے باہر سردی ہوتی ہے۔ اور سردی مسام کے گاڑھے ہونے کا سبب ہوتی ہے اور مسام کے غلیظ ہونے سے بادل کے اندر حرارت جمع ہو جاتی ہے۔ پس جب تک قطرے بادل کے اندر رہتے ہیں نہیں جمتے اور جب بھی اس سے جدا ہوئے۔ اور بادل کے موٹاپے سے باہر آئے ٹھنڈی ہوا انہیں منجمد کر کے نیچے پھینک دیتی ہے۔ اور موسم بہار میں باہر کی ہوا کی گرمی کی وجہ سے بادل کا بیرونی حصہ گرم ہو جاتا ہے مکانی تضاد کی وجہ سے بخارات کے ٹھنڈے اجزاء بادل کے اندر پوشیدہ اور مخفی ہو جاتے ہیں۔ اور بادل کے اندر کا حصہ ان کی ٹھنڈک کی وجہ سے غلیظ ہو جاتا ہے۔ اور منجمد ہو کر کھڑا رہتا ہے جب بھی فرشتوں میں سے بعض کو حکم ہوتا ہے ایک ہوا کو اس پر مسلط کرتے ہیں۔ اور وہ ہوا منجمد اجزاء کو جدا جدا کر دیتی ہے۔ اسی لئے موسم بہار میں ژالہ باری کے وقت کافی شور سنا جاتا ہے۔ بلکہ دھماکوں کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اور سورت نور میں اس حالت ربیعی کا اشارہ فرمایا گیا۔ اس آیت میں **وینزل من السماء من جبال فیھا من برد فیصیب به من یشاء ویصرفه عمن یشاء یکاد سنا برقه یذھب بالابصار** اس وقت برق کی چمک میں شدت اس لئے ہے کہ برق کی شعاع کا صاف چمکیلے جسم جو کہ منجمد بادل سے عبارت ہے پر پڑنا اس کی شعاع کو زیادہ کر دیتا ہے۔ اور آنکھ کو خیرہ کر دیتا ہے۔ اور آنکھ کے بالکل خیرہ ہونے کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

اور جس طرح جما ہوا بادل ان اسباب کے ساتھ لٹکا کھڑا رہتا ہے۔ اسی طرح کبھی بہنے والا بادل ہوا کی نمی کی شدت کی وجہ حد سے زیادہ ٹپکنے کی ضرورت کے بغیر رقت اور سیلان پیدا کر کے لٹکائے ہوئے دریا کی طرح فضا میں کھڑا رہتا ہے گویا عالم کی ہوا زمہریری طبقہ میں سب کی سب پانی بن کر ارواح مدبرہ کی تسخیر کی وجہ سے اپنی طبع کے خلاف نزول

marfat.com
Marfat.com

نہیں کرتی اور جب بھی تیز ہوا اس معلق دریا پر گزرتی ہے۔ تو اس دریا سے بہت سے قطرے پھوہار کی طرح اڑاتی ہے۔ اور اس حالت کو حالت ترشح کہتے ہیں جو کہ بارش کے موسم کے درمیان رونما ہوتی ہے اس ترشح کی مانند جو کہ دریا کے ساحل یا چشمہ و تالاب پر تیز ہوا چلنے کے وقت اور بے در پے پھوہار اڑنے کے وقت حاصل ہوتی ہے یہ ہے گرم علاقوں میں جو کہ دریائے شور سے متصل ہوں بارش کے اترنے کا طریقہ' البتہ سرد علاقوں میں اس کا دوسرا طریقہ ہے۔

## سرد علاقوں میں بارش اترنے کا طریقہ

اور وہ یہ ہے کہ جب موسم خریف میں سورج ان شہروں کی سمت الراس سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ تو ان علاقوں کی فضا کی ہوا غلیظ ہو کر بادل کی صورت میں نظر آتی ہے۔ اور منجمد ہو کر برف بن جاتی ہے اس پانی کی طرح جو کہ سردیوں میں جم جاتا ہے جب تیز ہوا اس پر مسلط ہوتی ہے۔ تو اس منجمد ہوا کے ٹکڑے نیچے گرتے ہیں۔ اور اسے برف کہتے ہیں۔ اور جب سورج سردیوں کے انقلاب سے واپس مڑتا ہے۔ اور بہار کے اعتدال کے قریب پہنچتا ہے۔ اور گرمی پیدا کرتا ہے وہ منجمد ہوا پانی بن کر زمین پر گرتی ہے۔ اور بہار کی بارش ان علاقوں میں تیزی اور کثرت سے برستی ہے گویا وہ بارش برف کے مادے سے ہوا کا تنقید کرتی ہے۔ اور گرمیوں کے موسم میں ان علاقوں میں ان کی سمت الراس سے سورج کے دور رہنے کی وجہ سے اس قدر گرمی نہیں ہوتی جو کہ زمین میں خلل کا سبب ہو۔ اور غبارات و بخارات کے اٹھنے کا موجب ہو سکے اسی لئے ان علاقوں میں آندھیاں نہیں اٹھتی اور برسات کا موسم بھی نہیں ہوتا۔

یہاں جاننا چاہئے کہ اس کارخانہ کا شور و شر یعنی بارش کا برسنا اور برف کا گرنا زیادہ تر موسم گرما کے انقلاب سے موسم برسات میں اور سردیوں کے انقلاب سے موسم سرما میں سورج کے لوٹنے کے بعد واقع ہوتا ہے۔ اور بہار کے اعتدال سے گرمی کے انقلاب تک' اور خریف کے اعتدال سے سردیوں کے انقلاب تک اس کارخانہ میں اتنا زور نہیں ہوتا۔ یا اگر کبھی بارش یا برف کا نزول ان اوقات میں ہوتا ہے۔ تو بہت کم اور خلاف عادت ہوتا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

اوراس کا سبب یہ ہے کہ گرمیوں میں حد سے زیادہ حرارت کے بغیر سورج کی شعاع کی تاثیر کی غبارات کو رقیق کرنے اور بخارات کو بنانے میں جو کہ موسم برسات کی بارش کا مادہ ہیں صورت نہیں بنتی اور اسی طرح سردیوں میں ٹھنڈک اور بے حد خشکی کے بغیر بخارات اور ہواؤں کو جمانے میں سورج سے دوری کی تاثیر کی صورت نہیں بنتی۔ اور یہ اس کارخانہ کے وہ اسباب ہیں جو کہ شرع وعقل کے بیان کے مطابق دریافت ہوئے ہیں۔ اور ان اسباب اور طریقوں کے سوا دوسرے اسباب اور طریقے جو کہ نادر ہونے کی صورت میں بارش برسانے اور برف اور ژالہ کے نزول کے سبب ہیں بہت ہیں۔ پس جو اس کارخانہ کے اسباب کا احاطہ کرنے کا قصد کرے بے عقل ہے وللّٰہ خزائن السموت والارض ولکن المنافقین لایفقهون

## ایک مشہور سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک مشہور سوال رہ گیا کہ ثمرات جمع قلت ہے جو کہ تین سے دس تک پر دلالت کرتی ہے۔ حالانکہ میوے تو بہت ہیں اس قدر کثرت کے باوجود جمع قلت کا استعمال کس طرح جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کریم جو کہ کامل جود وعطا والا ہو بہت کو کم جانتا ہے اسی جہت سے جمع قلت کا صیغہ لایا گیا کہ یہ سب قسم قسم کے میوے جو تمہاری نظر میں بہت معلوم ہوتے ہیں اس کی جود وعطا کی نسبت سے قلیل وحقیر ہیں۔ اور صاحب کشاف نے اس سوال کے جواب میں جو ذکر کیا ہے کہ ثمرات کو قلت کے وزن پر ذکر کیا ہے۔ اگرچہ آسمان کے پانی سے نکلنے والے پھل بہت ہیں۔ کیونکہ ثمرات سے جماعت ثمرہ کا قصد کیا گیا وہ جو تمہارے اس قول میں ہے کہ میں نے اس کے باغ کا ثمرہ پایا تو اس کے پھلوں کا ارادہ کرتا ہے۔ جیسا کہ قصیدہ کو کلمہ کہتے ہیں۔

اوراس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ ثمرات گویا جمع الجمع کا فائدہ دیتا ہے۔ اور جماعات ثمرات کے معنوں میں ہے۔ یہ اس سوال کے رد میں کافی نہیں ہے۔ کیونکہ لفظ ثمرات اگرچہ اس تقدیر پر پھلوں کے افراد کی قلت پر دلالت نہیں کرتا لیکن پھلوں کی جماعتوں کی تعداد کی قلت پر بلا شبہ دلالت رکھتا ہے۔ اور وہ خلاف واقع بیان کثرت کے مقام کے منافی ہے۔

marfat.com

Marfat.com

## ان دو آیات میں پانچ نعمتوں کا بیان

یہاں جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں بندوں پر اپنی نعمتوں میں سے پانچ چیزیں شمار کی ہیں جو کہ اس کی وحدانیت کے دلائل ہیں۔ پہلی نعمت ہر وقت کے لوگوں کی خلقت' دوسری نعمت ان کے آباؤ اجداد کی خلقت' اور ان دونوں نعمتوں کو ایک جگہ ذکر فرمایا۔ اور آیت ختم فرمائی۔ تیسری نعمت زمین کی پیدائش' چوتھی نعمت آسمان کی پیدائش' پانچویں وہ جو کہ زمین و آسمان سے مجموعی طور پر حاصل ہوئی ہے کہ آسمان سے پانی نازل فرمایا۔ اور زمین سے اس کے ذریعے پھل اگائے۔ اور رزق بنایا۔ اور یہ تینوں نعمتیں دوسری آیت میں ایک جگہ لائی گئیں۔ اس تفریق اور اس ترتیب کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی دونوں انفسی نعمتوں کے قبیلے سے ہیں۔ اور دوسری تینوں نعمتیں آفاقی نعمتوں کے قبیلے سے ہیں۔ انفسی نعمتوں کو پہلے ایک جگہ لائے کیونکہ انسان کی طرف سب چیزوں سے زیادہ قریب اس کا نفس ہے۔ پھر اس کے اصول آباء و امہات اور آفاقی نعمتوں کو اس ترتیب سے ایک جگہ لائے کیونکہ زمین بنی آدم کا مکان اور جائے قرار ہے ان کا بیٹھنا' اٹھنا' جاگنا سونا اسی پر ہے اس سے کسی وقت غافل نہیں ہوتے۔ پھر جب نظر کو اوپر اٹھائیں آسمان کو دیکھتے ہیں کہ ایک گنبد کی طرح ان کے سروں پر سایہ ڈالے اور اس سے ہر قسم کے انوار اور شعاعیں چمکتی ہیں پھر وہ جو اس صحن اور چھت سے مجموعی طور پر پیدا ہوتا ہے بیان فرمایا کیونکہ مرکب کا مرتبہ مفردات سے بعد ہے۔

نیز جاننا چاہئے کہ بعض کوتہ اندیشوں نے لفظ فراشاً سے اس پر استدلال کیا ہے کہ زمین گیند کی شکل پر نہیں ہے۔ کیونکہ گیند کو فرش نہیں کہا جا سکتا اور یہ استدلال بہت بے معنی ہے۔ اس لئے زمین کے فراش ہونے کو اپنے معروف بستروں توشک' کمبل' قالین اور شطرنجی پر قیاس کرنا کمال بے خبری ہے۔ بستر کیلئے کیا ضروری ہے کہ سطح مستوی ہو۔ کرۂ زمین باوجود گیند کی طرح اور گول ہونے کے جب بہت بڑا جسم رکھتا ہے۔ اور اس کی طرفیں ایک دوسرے سے بہت دوری رکھتی ہیں۔ اور اس کے نشیب و فراز نظر میں نہیں آتے تو وہ بلاشبہ فراشیت کے قابل ہے۔ اور اس کے باوجود قوی قطعی دلائل اس کے گیند نما ہونے پر

marfat.com

Marfat.com

قائم ہیں۔

## زمین کے گول ہونے پر واضح دلیل

اور اس مدعا پر عقل کے دلائل میں سب سے زیادہ واضح یہ ہے کہ ستارے کا اہل مشرق پر طلوع و غروب، اہل مغرب پر طلوع و غروب سے پہلے ہے۔ اور شمال و جنوب کے درمیان قطب ظاہر کا مبالغہ کے ساتھ جانب شمال میں زیادہ اٹھا ہونا اور قطب خفی کا نیچا ہونا اور جانب جنوب میں اس کے برعکس ہونا اس کے گول ہونے پر صریح دلیل ہے لہٰذا محققین فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر طلوع آفتاب کے ساتھ دو بھائی فوت ہو جائیں ایک چین میں دوسرا اندلس میں بلکہ سمرقند میں۔ دوسرا پہلے کا وارث ہوگا نہ کہ اس کا عکس، کیونکہ چین میں آفتاب کا طلوع سمرقند میں طلوع آفتاب سے پہلے ہے۔ پس چینی بھائی کی موت سمرقندی بھائی کی موت سے مقدم ہے۔

اور دلائل شرعیہ کے اوضاع سے جو اس مکلف پر ہے وہ یہ ہے کہ نماز کے اوقات کو سورج کے اطوار پر اس طرح قرار دیا گیا ہے کہ تمام مکلفین کو جو کہ زمین کی اطراف و جوانب میں مختلف ملکوں پھیلے ہوئے ہیں کو عام اور شامل ہو۔ اور یہ معنی زمین کے گول ہونے کے بغیر ممکن نہیں۔

نیز جاننا چاہئے کہ اس آیت سے صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رزق بنی آدم کی غذا کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ ہر وہ چیز جس سے نفع لیں رزق ہے۔ اس لئے کہ نعمت کے عموم کے بیان کے مقام میں ان میووں پر اکتفا کرنا جو کہ آدمیوں کی غذا ہیں۔ اور بس اصلاً مناسب نہیں۔ نیز جاننا چاہئے کہ پرانے مفسرین سے اس طرح منقول ہے کہ بارش کا پانی آسمان سے آتا ہے نہ کہ بادل سے اور بادل ایک واسطہ سے زیادہ نہیں۔ جیسا کہ چھلنی چنانچہ ابوالشیخ کتاب العظمۃ میں حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت لائے ہیں کہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ بارش آسمان سے آتی ہے یا بادل سے؟ آپ نے فرمایا کہ آسمان سے۔ بادل ایک علامت کے سوا کچھ نہیں۔ اور پانی آسمان سے ہے۔ اور کعب احبار سے روایت کی گئی کہ بادل، بارش کی چھلنی ہے اگر بادل نہ ہوتا تو آسمان کا پانی نزول کے وقت اتنی

marfat.com

Marfat.com

شدت کرتا کہ زمین پھٹ جاتی۔

اور اس طرح خالد بن معدان سے روایت کی کہ بارش عرش کے نیچے سے آتی ہے۔ اور ترتیب کے ساتھ سات آسمانوں سے گزرتی ہے یہاں تک کہ نچلے آسمان میں جمع ہو جاتی ہے۔ اور وہاں سے اسے بادل جذب کر کے اپنے اندر کھینچتا ہے۔ اور عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کیا گیا کہ بارش کا پانی ساتویں آسمان سے ہے۔ اور خالد بن یزید سے روایت کی کہ بارش دو قسم کی ہے ایک قسم آسمان سے ہے۔ اور ایک قسم وہ ہے جو کہ بادل اسے دریا سے لیتا ہے۔ اور رعد اور برق کے سبب سے اسے زمین پر گراتا ہے۔ پس وہ قسم جو کہ دریا سے ہے اگانے کی طاقت نہیں رکھتی اور وہ قسم جو کہ آسمان سے ہے اگانے کی طاقت رکھتی ہے۔

اور ان اقوال کی حقیقت یہ ہے کہ بادلوں کا ہونا بلاشبہ زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ اور غبارات و بخارات کا نئی شکل اختیار کرنا بھی اس جگہ واقع ہوتا ہے۔ لیکن جب زیادہ تر بخارات کا اٹھنا دریائے شور سے ہوتا ہے۔ اور رعد اور برق غبارات کو کھولنے اور رقیق کرنے کا سبب ہوتے ہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ بادل نے دریا سے پانی پیا۔ رعد و برق کے سبب سے زمین پر ڈال دیتا ہے۔ اور اس کارخانہ کی اصل آسمانی اطوار اور ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے افعال سے لی گئی ہے جو کہ عرشی فیصلہ کے حکم سے اس کام کی تدبیر کرتے ہیں۔ پس تمام عبارتیں ایک دوسرے کے مطابق ہو گئیں اور درحقیقت کائنات کے کارخانوں میں سے ہر کارخانہ اگرچہ ظاہر میں نظر میں نچلی زمین کے اسباب کے ساتھ وابستہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن تاثیر عرشی فیصلے کی ہے جو یہ اسباب فراہم کر کے اس کارخانہ میں مصروف کرتا ہے خصوصاً زمین و آسمان اور جو کچھ ان دونوں کے قوائے فاعلہ اور قابلہ کی ترکیب سے نمودار ہوتا ہے کی خلقت بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ تاثیرات میں منفرد ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ ان انعامات کی عطا میں منفرد ہے۔ پس بندوں کو چاہئے کہ ان انعامات کے شکر میں اسے عبادت کے ساتھ منفرد کریں۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ۔ پس اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی ہمسر نہ ٹھہراؤ کہ انہیں استحقاق

marfat.com

Marfat.com

عبادت میں اس کے ساتھ شریک مقرر کرو اس کا کیا مقام کہ الوہیت یا صفات کمال میں کسی کو اس کے برابر اعتقاد کرو وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ حالانکہ تم جانتے ہو کہ تمہیں تمہارے آباؤ اجداد اور زمین و آسمان کو اس کے سوا کسی دوسرے نے پیدا نہیں کیا۔ اور اس کی طرف بارش کو کسی دوسرے نے نہیں اتارا اور اس کے سوا کسی دوسرے نے زمین سے میوے نہیں نکالے۔ کس قدر ظاہر ہے کہ نعمت دینے میں اکیلا ہونا شکریہ میں اکیلے ہونے کا موجب ہے۔ پس دین اسلام کو قبول کرنا بارش اور اس کے لواحق کا تقاضا ہے۔ کیونکہ بارش کی ذات بھی اور اس کا مبداء بھی جو کہ آسمان ہے۔ اور اس کی انتہا بھی جو کہ زمین ہے۔ اور اس کا پھل بھی جو کہ رزق کا حصول ہے اس کی قدرت کے قبضے میں ہے۔ اور تمہیں بارش سے گریز نہیں ہے۔ پس جس چیز کو تم نے اسلام سے بھاگنے کیلئے مثال بنایا تھا تم پر منعکس ہوگئی۔ اور دین اسلام کی اطاعت کا موجب ہوئی۔

یہاں جاننا چاہئے کہ کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں ہے جو کہ وجوب وجود، علم، قدرت اور حکمت میں اللہ تعالیٰ کیلئے کسی شریک کا اعتقاد کرے لیکن بہت سے فرقوں نے دوسری چیزوں میں غفلت کی وجہ سے اس کیلئے شریک مقرر کئے ہیں۔ اور جب صحیح غور و فکر کریں تو ان چیزوں میں شریک ٹھہرانا ان چار صفات میں شریک ٹھہرانے کے اعتقاد تک پہنچتا ہے۔ پس حقیقت میں شرک کا اعتقاد ان چار صفات میں ایک ہونے کے عقیدے کے مخالف اور منافی ہے کہ جسے تفتیش اور تحقیق کے وقت ہر شخص تسلیم کرتا ہے۔ پس مشرکین اپنی زبان سے ملزم ہوتے ہیں۔

## انواع شرک کی تفصیل:

اور انواع شرک کی تفصیل جو کہ دنیا میں واقع ہے یہ ہے کہ ایک گروہ والے عالم کیلئے دو صانع کا اعتقاد کرتے ہیں ایک حکیم جو کہ خیر اور نیکی کا مصدر ہے۔ اور ایک بیوقوف جو شر اور بدی کا مصدر ہے اس جماعت کو مجوسیہ کہتے ہیں۔ اور ان کے مذہب کا بطلان انہی کی زبان سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بیوقوف صانع کس کا پیدا کیا ہوا ہے اگر صانع حکیم کا پیدا کیا ہوا ہے۔ تو شر کا صادر ہونا حکیم سے لازم آیا اور اگر خود بخود پیدا ہوا ہے۔ تو واجب

marfat.com

Marfat.com

الوجود ہوا اور واجب الوجود کو کمال علم' کمال قدرت اور کمال حکمت لازم ہے کیسے ہوا کہ یہ واجب الوجود جاہل اور بے وقوف ہو گیا۔

دوسرا فرقہ کہ اپنا نام صابئین رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ اگرچہ وجوب وجود' علم' قدرت اور حکمت اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جہان کے کاموں کو آسمانی ستاروں کے ساتھ وابستہ کیا۔ اور خیر و شر کی تدبیر انہیں سپرد فرمائی۔ پس ہمیں چاہئے کہ ان ستاروں کی ارواح کو بے حد تعظیم کے ساتھ پیش آئیں اور بے حد تعظیم عبادت ہے۔ تا کہ وہ ہمارے کام کریں۔ اور ان کا مذہب بھی ان کی زبان سے باطل ہوتا ہے۔ اس لئے اگر اللہ تعالیٰ ہماری عبادت کو جانتا ہے۔ تو ان ستاروں کی عبادت لغو اور بے مقصد ہوئی۔ کیونکہ وہ قرب جو ہمیں عبادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ حاصل ہوگا ہمیں ان ستاروں کی روحوں سے وسیلہ لینے سے بے نیاز کر دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ ہماری عبادت کو نہیں جانتا تو اس کے علم میں قصور ہوا اور اس کا علم کامل نہ ہوا۔ نیز ستارے جو کہ ہمارے کام کرتے ہیں اگر خود بخود کرتے ہیں تو قدرت میں اللہ تعالیٰ کے برابر ہوئے۔ اور قدرت میں شرک لازم آیا اور اگر اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے سے کرتے ہیں تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ان واسطوں کی طرف رجوع لائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے جس طرح انہیں ہمارے کام کرنے کا واسطہ بنایا ہے۔ اسی طرح ہمیں فیض پہنچانے کا جذبہ ان کے دل میں ڈال دے گا۔

تیسرا فرقہ ہندو ہیں جو کہتے ہیں کہ روحانیات غیبیہ جو کہ عالم کے امور کی مدبر ہیں رنگا رنگ صورتیں رکھتی ہیں۔ اور ہم سے پردہ اور حجاب میں واقع ہیں۔ پس ہمیں چاہئے کہ ان روحانیت کی شکلوں کو اچھے جسموں سے جیسے پیتل' سونا اور چاندی بنا کر تعظیم کے ساتھ پیش آئیں تا کہ وہ روحانیت ہم سے راضی ہو جائیں۔

چوتھے پیر پرست ہیں جو کہتے ہیں کہ جب کوئی بزرگ کمال ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مستجاب الدعوات اور مقبول الشفاعۃ ہو کر اس جہان سے گزر جاتا ہے۔ تو اس کی روح کو عظیم قوت اور بڑی وسعت مل جاتی ہے جو شخص اس کی صورت کو برزخ بنائے یا اس کی نشست و برخاست کے مکان میں یا اس کی قبر پر سجدہ اور پوری عاجزی کرے

marfat.com
Marfat.com

تو اس کی روح وسعت واطلاق کی وجہ سے اس پر مطلع ہوتی ہے۔ اور دنیا و آخرت میں اس کی شفاعت کرتی ہے۔

پانچویں جاہلوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی عبادت کر سکے۔ پس عبادت کا راستہ یہ ہے کہ اس کی مخلوقات میں سے کسی مخلوق کو اپنی ذات کا قبلہ بنایا جائے۔ تاکہ ہماری توجہ اس قبلہ کی طرف عین توجہ خدا تعالیٰ کی طرف ہو۔ اور جو مخلوق اس کام کی قابلیت رکھتی ہے وہ ایک جنس کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ جو چیز عجیب وغریب خاصیتوں پر مشتمل ہوگی قبلہ ہو سکتی ہے۔ جیسے دریاؤں میں گنگا کا پانی اور درختوں میں تلسی کا درخت' اور اسی قیاس پر حیوانات' نباتات' معادن' پہاڑوں اور پریوں سے قبلے گھڑے ہیں۔ اور یہی عام ہندوؤں کا مذہب ہے یہ ان لوگوں کی تفصیل ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں دوسروں کو ہمسر کرتے ہیں۔

اور ان میں سے وہ لوگ ہیں جو کہ نام رکھنے میں اپنے آپ کو بندہ فلاں اور عبد فلاں کہتے ہیں۔ اور یہ شرک فی التسمیہ ہے۔ (اقول وباللّٰہ التوفیق۔ عبد کے معنی عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عبد کی نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو اس کے معنی عابد ہوں گے اور جب غیر اللہ کی طرف ہوگی تو معنی ہوں گے خادم غلام۔ قال اللّٰہ سبحانہ وتعالٰی وانکحوا الایامٰی منکم والصّٰلحین من عبادکم وامائکم (سورۃ النور پ ۱۸) یہاں عبادکم بمعنی غلام۔ ازالۃ الخفاء میں مفسر علام قدس سرہ کے والد محترم شاہ ولی اللہ بحوالہ الریاض النضرۃ ناقل کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر فرمایا: قد کنت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکنت عبدہ و خادمہ۔ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا بس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔ اس وضاحت کے مطابق عبدالنبی۔ عبدالرسول نام رکھنا جائز ہے۔ بشکریہ جاء الحق حصہ اوّل از مفتی احمد یار خاں گجراتی رحمۃ اللہ علیہ کو بمعنی غلام نبی اور غلام رسول ہے اور ہر مسلمان غلام نبی ہے۔ اور یہ شرک فی التسمیہ ہرگز نہیں۔ وہ پہلے معنی کے حوالے سے ہے یعنی بمعنی عابد۔ اور یہ معنی عبدالنبی میں کسی مسلمان کی مراد نہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

marfat.com
Marfat.com

اور ان میں سے وہ لوگ ہیں جو کہ تکالیف میں دوسروں کو پکارتے ہیں۔ اور اسی طرح منافع حاصل کرنے میں دوسرے سے رجوع کرتے ہیں مستقل سمجھ کر نہ وہ جو کہ ان دوسروں سے توسل کرتے ہیں۔ (معلوم ہوا کہ مستقل جان کر حل مشکلات کے لیے پکارنا شرک ہے لیکن اہل اللہ سے توسل کرنا جائز ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

ان میں سے وہ لوگ ہیں جو کہ کسی کے نام کو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ عموم علم و قدرت میں برابر کرتے ہیں چنانچہ نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے کہا **ماشاء اللہ و شئت** جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور آپ نے چاہا ہو جائے گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا **جعلتنی للہ ندا بل ماشاء اللہ وحدہ**

اور امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لا تقولوا ماشاء اللہ وشاء فلان قولوا ماشاء اللہ ثم شاء فلان** ماشاء اللہ وشاء فلان نہ کہو بلکہ ماشاء اللہ ثم شاء فلان کہو

یہاں جاننا چاہئے کہ جس طرح غیر خدا کی عبادت قطعات شرک و کفر ہے غیر خدا کی اطاعت بھی بالاستقلال کفر ہے۔ اور غیر کی بالاستقلال اطاعت کا معنی یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے احکام کا مبلغ نہ سمجھتے ہوئے اس کی اطاعت کی رسی گردن میں ڈالے اور اس کی تقلید لازم سمجھے اور اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مخالف ظاہر ہونے کے باوجود اس کی اتباع سے منہ نہ پھیرے۔ اور یہ بھی شریک ٹھہرانے کی ایک قسم ہے جس کی آیت **اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ** میں مذمت کی گئی ہے۔

## جن کی اطاعت بحکم خدا فرض ہے چھ گروہ ہیں

تو جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ حکم کے ساتھ فرض ہے چھ گروہ ہیں۔ ان میں سے انبیاء علیہم السلام ہیں کہ ان کی اطاعت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی اطاع ان کی وساطت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ مخلوق کو دوری

marfat.com
Marfat.com

اور حجاب کی وجہ سے ممکن نہیں کہ معارف حق کو اپنے پروردگار کی طرف سے خود حاصل کریں تو
ایسے واسطہ کے وجود کے سوا چارہ نہیں۔جس کی روح نے مشاہدہ حق کی وجہ سے بارگاہ الٰہی
کے ساتھ پوری مناسبت پیدا کرلی ہے۔اور اس کا نفس خلق میں مخلوط ہونے سے بشری مرتبہ
رکھتا ہو تا کہ اس کا قلب اس کی روح سے کلمات ربانیہ کو حاصل کرے۔اور اس کے نفسی قوئی
میں ان کلمات کو ڈال دے اور خلق جنسی رابطہ کی وجہ سے اس سے ان کلمات کو قبول کرے
اس لئے اس کی اطاعت ان اوامر و نواہی کے ساتھ مقید ہے جو کہ رسالت کی حیثیت سے
القاء فرمائیں نہ کہ مطلقاً۔اسی لئے مشورہ اور پیغمبر علیہ السلام کے دوسرے اجتہادی احکام کو
قبول کرنے میں وسعت کی گئی ہے۔بریرہ رضی اللہ عنہ کو پہلے حکم فرمایا کہ اپنے شوہر کو اختیار
کرے جب اس نے پوچھا کہ یہ حکم رسالت ہے یا سفارش اور میاں بیوی کے درمیان
اصلاح۔فرمایا حکم رسالت نہیں ہے۔بلکہ میں سفارش اور مشورہ کے طریقہ سے کہہ رہا ہوں
چاہے قبول کر چاہے نہ کر۔اقول وباللہ التوفیق۔یہاں یہ بات واضح رہے کہ سعادت
دارین اور بہمہ وجوہ بہتری اسی میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشورہ پر ہی عمل کیا
جائے۔اور اگر کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو قبول کر کے آپ اس کے مطابق عمل کرنے
کا حکم دیں تو اب یہ آپ کا ہی حکم قرار پائے گا جیسا کہ خندق کھودنے میں حضرت سلمان
فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو قبول فرمایا تو صحابہ نے آپ کے حکم کی تعمیل میں خندق کھودی
اور اسی حوالے سے اجر پایا۔محمد محفوظ الحق غفرلہ) نیز فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم
اذا امرتکم من امور دینکم فخذوا به

اور ان میں مجتہدین شریعت اور شیوخ طریقت ہیں کہ ان کا حکم اختیاری واجب کے
طریقے سے عوام امت پر لازم الاتباع ہے۔کیونکہ اسرار شریعت اور طریقت کی باریکیاں
سمجھنا انہیں کو میسر ہے فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون

اور ان میں سے بادشاہ امراء اور اہل خدمات ہیں۔جیسے قاضی محتسب اور حکام ہیں
کہ ان کے اوامر و نواہی جزوی مصلحتوں اور یومیہ واقعات میں رعایا کیلئے واجب الاتباع
ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

اور ان میں سے بیوی کے حق میں شوہر ہے ان میں سے اولاد کیلئے والدین ہیں۔ اور ان میں سے مملوک کے حق میں مالک ہے۔ البتہ ان پانچ گروہوں کی اطاعت اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ ان کے اوامر ونواہی شرعی اوامر ونواہی کے خلاف نہ ہوں۔ اسی بنا پر فرمایا ہے لاطاعة للمخلوق فی معصیة الخالق۔ نیز فرمایا اطیعوا اللّٰه واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوه الی اللّٰه والرسول

اور اطاعت اور عبادت میں فرق کی وجہ کہ شرائع میں غیر کی اطاعت کو ان شرطوں سے جائز بلکہ واجب کیا گیا ہے۔ اور عبادت غیر کو کسی حال سے بھی جائز نہ کیا گیا یہ ہے کہ اطاعت کسی کے حکم کو بجا لانا ہے جو کہ حکمرانی کے لائق ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے غیر میں حکمرانی کی لیاقت نائب ہونے کی صورت میں بھی متصور ہے۔ جیسے رسول علیہ السلام حاکم بخلاف عبادت کے کہ اس کی حقیقت انتہائی عاجزی ہے۔ پس لائق نہیں مگر اس کے سامنے جو انتہائے عظمت رکھے۔ اور وہ ایک ذات میں ہی منحصر ہے۔ اور بس اور اس وجہ سے کہ جاہل لوگ اطاعت اور عبادت کے معنوں میں فرق نہیں کرتے۔ شبہ اور حیرت کے بھنور میں گر پڑے ہیں۔ اور ہر فرقہ کے مشرکین انہیں الزام دیتے ہیں کہ شرک تو ہر مذہب اور ہر دین میں ہے۔ کیونکہ غیر اللہ کی اطاعت تمام دینوں میں مسلم ومعتبر ہے۔ جیسے پیغمبر علیہ السلام مرشد مجتہدین اور حاکم اور مطاع ہونا عظمت اور جاہ کے بغیر متصور نہیں۔ پس عظمت میں مشارکت کا اعتقاد لازم آیا اور وہ نہیں سمجھتے کہ مطاع ہونے کیلئے ذاتی عظمت لازم نہیں۔ اور معبود ہونے کیلئے عظمت ذاتی اور وہ بھی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی لازم ہے۔ پس عبادت کو اطاعت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جب عبادت حضرت خالق کی ذات کا مقتضیٰ ہے۔ نیز بندہ کی ذات کا بھی مقتضیٰ۔ نیز بندوں پر اس کے احسان وانعام کا بھی مقتضیٰ ہے حکمت الٰہی میں عبادت سے چارہ نہیں۔ اور جب عبادت تعمیل احکام پر موقوف ہے۔ اور اوامر الٰہی چار طریقوں سے دریافت کئے جاسکتے ہیں کتاب اللہ یا سنت پیغمبراں علیہم السلام یا اجماع مجتہدین یا قیاس جلی اور ان تمام امور کی اصل کتاب اللہ ہے۔ پس کتاب کو اتارنا بھی لازم ہوا اور جب کتاب کی

marfat.com
Marfat.com

شان اس سے تمام شکوک وشبہات دور کئے بغیر پوری نہیں ہوتی تو اسے دور کرنے کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا اگر تم شک وشبہ میں ہو اس کے متعلق جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمایا یہاں نزلنا فرمایا نہ کہ انزلنا کیونکہ قرآن کی حقیقت میں کافروں کے شک وشبہ کا منشا تنزیل تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تنزیل لغت عرب میں مرور و تدریج یعنی درجہ وار آنے پر دلالت کرتا ہے۔ اور کافر جب دیکھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سوال کے جواب اور ہر واقعہ کے مقتضی میں قرآن پاک کی کوئی آیت لاتے ہیں انہیں شک وشبہ پیدا ہوتا تھا کہ کہیں شاعروں کے افکار کی طرح جو کہ ہر وقت کے تقاضا کے مطابق کوئی شعر جوڑ لیتے ہیں یہ کلام حضور علیہ السلام کا کلام ہوگا نہ کہ کلام الٰہی۔ پس گویا حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تمہیں قرآن پاک کے اس طرح آنے سے اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک وشبہ پڑتا ہے۔ تو اس کا علاج یہ ہے کہ تم بھی اپنی فکری قوتیں جمع کرو اور الفاظ کی ترکیب اور معنوں کو پرونے میں پوری کوشش کو کام میں لا کر اس کلام کی پیروی کرو۔ کیونکہ اس شخص کو تم خود خوب جانتے ہو کہ چالیس سال تک یہ محض بے پڑھے تھے۔ اور انہوں نے اپنی عمر میں ایک بیت بھی موزوں نہ کیا۔ اور نثر میں سے ایک فقرہ بھی نہ لکھا اور تم سب اس کام کے مشاق زمان کے نادر استاذ ہو۔ اور طویل خطبات کی۔ اور روشن قصیدوں کی تالیف کا سلیقہ رکھتے ہو۔ اور اگر تم سے اس سارے کلام کا تتبع نہ ہو سکے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ تو اس کلام کی مثل ایک سورت لاؤ کہ جس کی کم از کم تین آیات ہوں۔ اور اس کلام کی طرح انتہائی فصیح وبلیغ ہو۔ اور اس کی ترکیبوں میں سے ہر ترکیب موقع کے مطابق ہو۔ اور ہر تشبیہ ہر مجاز اور ہر کنایہ اس میں حسن ولطافت کے ساتھ مستعمل ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تنافر (علم معانی کی اصطلاح کہ چند الفاظ کا ایک مقام پر جمع ہونا کہ تلفظ مشکل ہو۔ اور اس کی ادائیگی سے زبان نفرت کرے) وحشت اور تعقید (ایسی گفتگو کرنا جو سمجھ نہ آئے) سے پاک اور بری ہو تا کہ معلوم ہو کہ یہ کلام بھی تالیف بشری اور سلیقہ شعری ہے۔ اور یہ بھی لگام سست کرنا اور آسانی پیدا کرنا ہے ورنہ اس کلام میں فصاحت وبلاغت کے سوا اور چیزیں بھی

marfat.com
Marfat.com

ہیں کہ اگر ان چیزوں کی پیروی تم سے چاہی جائے تو تم پر کام بہت مشکل ہو جائے۔

## کلام قرآن کے خصائص ومحاسن

اول یہ کہ یہ کلام بشری کلام کے اسلوبوں سے جدا ہے خصوصاً مطالع اور مقاطع میں۔ دوسری یہ کہ تناقض اور اختلاف سے پاک ہے تیسری یہ کہ غیب کی خبروں پر مشتمل ہے۔ گزشتہ زمانوں کے گزرے ہوئے واقعات کسی کتاب کے مطالعہ اور تواریخ کی طرف رجوع کئے بغیر تفصیل کے ساتھ اس میں مذکور ہیں۔ اور آنے والے واقعات بھی کہیں صراحت کے ساتھ اور کہیں اشارہ کے ساتھ اس سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور وہ واقعات اسی کے مطابق رونما ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ اس میں مذکور ہیں پھر ہم جب اس کلام میں غور کریں تو اس کلام میں نقصان فصاحت کے نقصان کی متقاضی ہیں۔ اور اس کے باوجود فصاحت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے یہاں سے سراغ لگایا جاسکتا ہے کہ قادر وتوانا کے سوا کسی کا کلام نہیں ہے کہ ان رکاوٹوں کے باوجود اس قسم کا کلام جو کہ فصاحت وبلاغت میں اس کی انتہا پر پہنچ ہوا ہے تالیف کر سکتا ہے۔

ان رکاوٹوں میں سے ایک یہ ہے کہ فصاحت میں عرب اور دنیا کی دوسری جماعتوں کے لوگ زیادہ تر انہیں چیزوں کی تعریف میں کامیاب ہیں جو دیکھی اور سنی ہیں۔ جیسے اونٹ' گھوڑا' غلام' کنیز' عورت' بیٹا' بادشاہت' جنگ' لوٹ مار اور اس قسم کی چیزیں۔ جبکہ اس کلام میں اس قسم کی چیزوں میں سے قدر قلیل کے سوا کچھ مذکور نہیں۔ زیادہ تر اس کلام میں وہ چیزیں مذکور ہیں کہ کسی نے دیکھیں نہ سنیں۔ اور ان چیزوں کے بیان میں تشبیہات دقیقہ اور استعارات بلیغہ کی رعایت کرنا کسی گروہ کی طاقت نہیں۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ اس کلام میں طریق صدق کی رعایت اور جھوٹ سے پرہیز انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس طریقہ کی رعایت کے باوجود فصاحت وبلاغت میں کمی نہیں۔ حالانکہ جھوٹ اور مبالغہ سے پرہیز نظم ونثر میں ضعف اور خست پیدا کرتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے احسن الشعر اکذبہ یعنی شعر میں جس قدر مبالغہ زیادہ ہوگا اسی قدر لطف پیدا کرتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اوران موانع میں سے یہ ہے کہ جب شعر جوڑنے والا اور اسی طرح نثر لکھنے والا جب واقعہ بیانی اور مضمون باندھنے کیلئے کلام کو دوبارہ لاتا ہے۔ تو اس کا کلام دوسری بار بلندی کے مرتبہ سے گر جاتا ہے اور ناقص ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس کلام میں جہاں تکرار فرمایا ہے زیادہ لطف پیدا کیا ہے۔

اوران میں سے یہ ہے کہ کلام جب طویل ہو جائے تو اس میں فصاحت و بلاغت کی رعایت بہت مشکل ہوتی ہے۔ اور لازماً بعض مقامات میں مرتبہ بلند سے گر جاتی ہے۔ اور یہ کلام اس طول کے باوجود کسی جگہ پر بھی مرتبہ بلند سے نہیں گرتا۔

اوران میں سے یہ ہے کہ اس کلام کے مضامین مشقت طلب عبادتوں کو واجب کرنا' لذیذ چیزوں اور خواہشات نفس کو احرام کرنا لوگوں کو دنیا میں بے رغبتی' مال خرچ کرنے' مصیبتوں پر صبر کرنے' موت کو یاد کرنے اور آخرت کی طرف توجہ کرنے پر ابھارتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان امور کے درمیان بلاغت کا دائرہ بہت تنگ ہو جاتا ہے۔

اوران میں سے یہ ہے کہ کوئی شاعر اور نثر نویس نہیں ہے مگر اس کے کلام میں ایک مضمون کو ادا کرنے کا سلیقہ غالب ہوتا ہے۔ بعض معشوقوں کے حسن کو بیان کرنے میں پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اور بعض بزم میں' بعض جنگ میں اور بعض ہجو میں۔ اور اسی لئے عرب کے اساتذوں نے کہا ہے امرءالقیس عورتوں کے حسن اور گھوڑوں کی تعریف میں بے نظیر ہے۔ اور نابغہ جنگ کو خوب نبھاتا ہے۔ اور اعشیٰ مجلس شراب' خوشی اور رقص و تماشا کو خوب بیان کرتا ہے۔ اور زہیر مطلب پیش کرنے اور طمع کے اظہار پر خوب قدرت رکھتا ہے اس کلام کو جب ہم اچھی طرح دیکھیں ہر فن میں بے نظیر ہے۔ ترغیب میں اس کی ایک آیت کافی ہے **فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین** (السجدہ آیت ۱۷) اور ترہیب یعنی ڈرانے میں یہ آیت **و خاب کل جبار عند من ورائہ جھنم ویسقی من ماء صدید یتجرعہ ولا یکاد یسیغہ ویاتیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیت** (ابراہیم آیت ۱۵ تا ۱۷) اور زجر و توبیخ میں یہ آیت **فکلا اخذنا بذنبہ فمنھم من ارسلنا علیہ حاصبا و منھم من اخذتہ الصیحۃ ومنھم من خسفنا بہ الارض ومنھم**

marfat.com

Marfat.com

**من اغرقنا** (العنکبوت آیت ۴۰) اور وعظ و عبرت میں یہ آیت **افرء یت ان متعناهم سنین ثم جاء هم ما کانوا یو عدون ما اغنی عنهم ما کانوا یمتعون** (الشعراء آیت ۲۰۵ تا ۲۰۷) اور الٰہیات میں یہ آیت **اللہ یعلم ماتحمل کل انثی وما تغیض الارحام وما تزداد و کل شیء عنده بمقدار عالم الغیب والشهادة الکبیر المتعال** (الرعد آیت ۹،۸)

اور ان میں سے یہ ہے کہ یہ کلام علوم دقیقہ کی بنیاد ہے۔ جیسے علم عقائد ادیان باطلہ کے ساتھ مناظرہ، علم اصول فقہ، علم فقہ، علم احوال، علم اخلاق اور دوسرے باریک علوم اور اس قسم کے گہرے مسائل کو بیان کرنے میں بلاغت کی راہ چلنا بشر کی طاقت نہیں ہے۔ اور اگر کسی بلاغت والے نثر نویس کو فرمائش کریں کہ منطق کے ایک دو مسئلوں کو رنگین عبارت کے ساتھ لکھے یا علم فرائض کے ایک یا دو مسئلے کلام بلیغ کے ساتھ ادا کرے اس سے ہرگز ممکن نہیں ہوگا۔ پس ان چیزوں سے یقین کے ساتھ پالیں گے کہ یہ کلام بشری کلام نہیں ہے کلام الٰہی ہے۔

اور اگر اس کے باوجود اس کلام کی پیروی سے عاجز رہو۔ اور تمہارا شک و شبہ زائل نہ ہو تو کہہ دو کہ ہمارے سوا کوئی اور اس پر قدرت رکھتا ہوگا گویا ہم عاجز ہو گئے تو اس کا علاج بھی ہم بیان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ مخلوقات میں سے جس کے متعلق قدرت کاملہ اور علم وسیع کا اعتقاد کرتے ہو اس سے مدد مانگو۔

**وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اور عاجزی اور زاری کے ساتھ اپنے معبودوں کو خدا کے سوا پکارو تا کہ اس کام میں تمہاری امداد کریں۔ اور اس مشکل کو حل کریں۔ اور ان کے معبودوں کو شہداء کا لقب دو وجہ سے دیا گیا ہے اول یہ کہ شہداء شہید کی جمع ہے۔ اور شہید شہود سے لیا گیا ہے بمعنی حضور اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہمارے معبودوں کو علم محیط اور قدرت کاملہ اس حد تک حاصل ہے کہ جب بھی انہیں کوئی کسی وقت اور کسی مکان میں پکارتا ہے اور فریاد کرتا ہے۔ اور مدد مانگتا ہے وہ فی الفور حاضر ہو جاتے ہیں۔ اور امداد و اعانت کرتے ہیں۔ اور وہ مشکل حل ہو جاتی ہے۔ اور اس بنا پر کہ یہ اعتقاد انہیں کے ساتھ

marfat.com

Marfat.com

مخصوص تھا شہداء کی اضافت ان کی طرف کی گئی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ شہید شہادت سے لیا گیا ہے۔ اور وہ اپنے معبودوں کے حق میں کہتے ہیں کہ "هولاء یشهدون لنا عند الله" إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ یعنی اگر اس اعتقاد میں سچے ہو کہ ہمارے معبودوں کو منصب حضور اور مشکل کشائی یا منصب شفاعت و شہادت اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے۔ پس اگر اس استعانت اور استعداد کے باوجود بھی تمہارا مدعا حاصل نہ ہو تو جان لو کہ تمہارا مذہب دو طریقوں سے باطل ہے۔ ایک یہ کہ تم قرآن پاک کے اعجاز کے منکر تھے۔ اور اسے کلام بشری کہتے تھے۔ اب ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم اپنے معبودوں کو حلال مشکل اور جبر و کل کا عقدہ کشا جانتے تھے۔ اور وہ سب جھوٹ نکلا۔

اور بعض مفسرین نے شہداء کو بمعنی گواہاں لیا ہے۔ اور اس کلام کی گزشتہ کلام سے ربط کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر اس کلام کی مانند ایک سورت کی قدر تالیف کر کے عقل مندوں کے مجمع اور مقابلہ اور معارضہ کی مجلس میں پڑھو اور تم یہ گمان کرتے ہو کہ مس[illegible]ن از [illegible]تعصب انکار کریں۔ اور تمہارے لائے ہوئے کلام کی اس کلام کے ساتھ مماثلت کا یقین نہ کریں۔ اور کہیں کہ یہ تمہارا لایا ہوا کلام اس کلام کے برابر نہیں ہوتا۔ اور اس کی دھول کو نہیں پہنچتا تو ایک اور تدبیر کرو۔ اور اپنے معتبر گواہوں شاعروں اور نثر نویسوں کو کہ تمہارے نزدیک ان کی گواہی معتبر ہو اس مجلس میں حاضر کرو تا کہ گواہی دیں کہ تمہارا لایا ہوا کلام اس کلام کے برابر ہے۔ اور اس صورت میں لفظ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اس لئے بڑھایا ہے کہ خدا سے گواہی لانا ہر عاجز کی شان بلکہ ہر سچے جھوٹے کی عادت ہے۔ پس جھگڑا ختم نہیں ہو سکتا کہ اس کی گواہی پر اطلاع قطع و یقین کے ساتھ ممکن نہیں مگر اعجاز یا وحی کے ساتھ اور پہلی شکل میں تسلسل اور دوسری شکل میں دور لازم آتا ہے۔

## چند سوالات کے جوابات

یہاں چند سوال باقی رہ گئے جو کہ ظاہری طور پر وارد ہوتے جنہیں دور کرنا ضروری ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ السلام کو یہاں عبدنا کیوں فرمایا لفظ نبینا اور رسولنا

marfat.com

Marfat.com

کیوں نہیں فرمایا کہ مقام کے مناسب تھا۔ کیونکہ کتاب کا نزول نہیں ہوتا مگر رسول اور نبی علیہ السلام پر۔ جواب یہ ہے کہ منصب رسالت ونبوت پانا خلوص بندگی اور کمال عبدیت کی وجہ سے ہے۔ اور اصل کا ذکر کرنا فرع کے ذکر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور کیا ہی اچھا کہا گیا: بیت۔ تیری غلامی کے داغ نے خسرو کا مرتبہ بلند کر دیا۔ وہ غلام ملک کا سردار ہوتا ہے۔ جسے بادشاہ نے خرید لیا۔ پس شرف عبودیت کے اظہار کی جہت سے لفظ عبد تا زیادہ مناسب ہوا جس طرح کہ انزل علی عبدہ الکتاب' نزل الفرقان علی عبدہٖ اور دوسری آیات میں اس کی رعایت کی گئی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ قرآن پاک میں بعض آیات دوسروں کے کلام سے بطور نقل لائی گئی ہیں۔ پس اگر وہ آیات اسی عبارت کے ساتھ ان سے صادر ہوئی تھیں تو قرآن پاک کا اعجاز متحقق نہیں ہوتا کیونکہ بشر کی کلام بھی اس درجہ بلاغت کو پہنچ گئی۔ اور اگر ان عبارتوں کے ساتھ ان سے صادر نہیں ہوئی تھیں تو خبر واقعہ کے مطابق نہ ہوئی۔ اور خبر الٰہی کا واقعہ کے مطابق واقع نہ ہونا محال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے کے کلام کی حکایت کے دو طریقے ہیں پہلا یہ کہ اس کے کہے ہوئے کو بعینہٖ لے آئیں اور اس میں کسی وجہ سے بھی تبدیلی نہ کی جائے جس طرح کہ احکام طلاق' غلام آزاد کرنے عتاق' اقرار' انکار' قسم اور وصیت کے احکام میں فتویٰ طلب کرنے میں کسی کی عبارت کو لاتے ہیں۔ یا بچوں کے کلام کو بچوں کی لغت میں نقل کرتے ہیں دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نقل بالمعنی کریں۔ اور دوسرے کے معنوں کو اپنی عبارت میں ترتیب دیں جس طرح کہ منشی کسی بادشاہ کے احکام کو اور مکان کی سندیں۔ خطوط اور معاملات لکھنے والے یہی عمل کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی حکایات اور واقعات سب دوسرے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسروں کے کلام کو اپنی عبارت میں نقل فرمایا ہے۔ اور اسی طرح بعض جگہوں میں بندوں کی زبان پر تلقین اور تعلیم کے طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یہاں معنی کا واقع کے ساتھ خبر کی سچائی میں مطابقت رکھنا کافی ہے۔ مطابقت الفاظ درکار نہیں ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ حقیقت قرآن میں کافروں کے شکوک وشبہات یقینی تھے۔ اور

marfat.com
Marfat.com

امر یقینی کو حرف شک کے ساتھ جو کہ "اِنْ" ہے کس نکتہ کیلئے لایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے اعجاز کے دلائل کے واضح ہونے کی جہت سے جو کہ شک وشبہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اس امر یقینی کو انہوں نے مشکوک قرار دیا اور حرف شک استعمال کیا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ صاحب شک مدعی نہیں ہے کہ اس سے حجت طلب کی جائے۔ کیونکہ منکر کے مقابلہ میں حجت مدعی پر ہوتی ہے منکر پر نہیں۔ اپنی طرف سے خود حجت لانی چاہئے۔ پس منکروں سے قرآن کا معارضہ طلب کرنا کس وجہ سے واقع ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو بھی قرآن پاک کے اعجاز کا منکر ہوا گویا اس نے دعویٰ کیا اس کلام کی مثل کی تالیف بشر کے بس میں ہے۔ اس ضمنی دعویٰ پر مدعی سے حجت طلب کرنا ضروری ہوا۔ بیت اگر اس بیہودہ گوئی کے ساتھ کچھ کہا جاسکتا ہے ہے اگر کچھ طاقت ہے۔ تو کہہ اور اگر کچھ قدرت ہے۔ تو لا۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز میں شک کرتا ہے وہ کسی حکم کے قصد میں نہیں ہوتا۔ جبکہ صدق اور کذب حکم کے لوازمات میں سے ہیں۔ پس اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ اور اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ کے درمیان کس وجہ سے رابطہ ہوسکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ کے دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ سے مربوط ہو۔ اور اس تقدیر پر سوال پڑتا ہے۔ اور اس کا رد یہ ہے کہ جو شخص قرآن کے اعجاز میں شک کرتا ہے۔ پس گویا وہ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ قرآن تالیف بشری ہوسکتا ہے۔ اور وہ اس ضمنی کلام میں کاذب ہے۔ اس کلام پر نظر کرتے ہوئے اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فرمایا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے ساتھ مربوط ہو۔ اور اس تقدیر پر مراد یہ ہے کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ ہمارے معبود ہماری فریاد کو پہنچتے ہیں۔ اور ہماری مشکلات کو حل کرتے ہیں تو اس وقت اپنی شک اور حیرت کو زائل کرنے کیلئے انہیں بلاؤ۔ پس سوال اصل پر نہیں پڑتا۔

یہاں جاننا چاہئے کہ من مثلہ کی ضمیر کو بعض مفسرین نے دور لوہٹنے والی قرار دیا ہے۔ اور معنی کی تقریر اس طرح کی کہ ایک سورت کی قدر لاؤ ہمارے اس بندے کی مثل سے جو کہ

marfat.com
Marfat.com

اُمی محض ہیں۔ اور آپ نے نظم و نثر کی کبھی مشق نہیں کی۔ اور اس تفسیر کا اگرچہ اس مقام پر احتمال ہے۔ لیکن اس تفسیر کو اختیار کرنا بلاوجہ دائرۂ اعجاز کو تنگ کرنا ہے۔ اور دوسرے مقامات میں دوسری آیات اس تفسیر کے خلاف ہیں۔ ان میں سے سورت یونس میں فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ اور ہود میں فاتوا بعشر سور مثلہ اور سورۃ اسری میں قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یا توا بمثل ھذا القران لایاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ قرآن پاک کے معاوضہ کا مطالبہ ہر بشری اور جنی فرد سے واقع ہوا۔

اور یہاں جب مخاطبین اس ہنر میں برتری کا دم بھرتے تھے تو انہیں سے خطاب مخصوص ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ دوسرے سے مدد طلب کرنے کو بھی جائز فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ بلکہ معارضہ سے عاجز ہونے کے ظاہر ہونے اور انکار پر اصرار کے بعد ایک اور ارشاد ہوا۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا تو اگر تم یہ کام طلب معارضہ میں ہمارے مبالغے فصاحت و بلاغت میں تمہاری کثرت و شہرت اور معارضہ و مقابلہ میں تمہاری حرص کے باوجود نہ کرسکو وَلَنْ تَفْعَلُوْا اور تم یہ کام ہرگز نہ کرسکو گے اس لئے کہ اس آسان کام کو مخالف کے الزام میں چھوڑنا' جنگ اور لڑائی کیلئے تیار ہونا' اپنی اور دوسرے عزیزوں کی جان کی بازی لگا دینا' جلا وطنی اور اپنے ملک کی خرابی گوارا کرنا کسی عقلمند سے متصور نہیں ہے۔ پس جب تم نے ان چیزوں کو قبول کرلیا۔ اور اس آسان کام سے کنارہ کشی اختیار کی تو یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ یہ کام آسان نہیں۔ بلکہ تمہاری طاقت سے باہر ہے۔ پس یہ نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کا کلام۔ پس اس پر ایمان لانا اور یقین کرنا فرض متعین ہے۔ اور تم جو کہ ابھی تک شک و شبہ میں ہو عناد کی راہ چل رہے ہو۔ اور معاندین کیلئے دوزخ کی آگ تیار ہے۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۔ پس اس جلانے والی آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔ اور وہ آگ غضب الٰہی کی آگ ہے کہ ابتدائی طور پر اس کے بھڑکنے کا سبب کفار کی جنس سے ہے۔ اور دیگر مخلوقات کی جنس سے بت ہیں جو کہ

marfat.com

Marfat.com

غالبًا پتھروں سے گھڑتے ہیں۔ اور انہیں عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر کرتے ہیں۔ اور سونا کہ دنیا طلبوں کا معبود ہے۔ اور شہوت وغضب جو کہ شہوت پرستوں اور درندہ صفتوں کا مطلب ہے پتھروں اور لوگوں میں شامل ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

مشکل سوال: اور اسی تقریر سے ایک بہت مشکل سوال دور ہو گیا جو کہ یہاں وارد کرتے ہیں۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ جسے اس آگ کی تمیز کی علامت قرار دیا ہے۔ کس معنی سے ہے اگر مراد یہ ہے کہ اس آگ کے بھڑکنے کی ابتداء ان دو چیزوں پر واقع ہوئی۔ پس خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ ہزار سال آگ جلائی گئی یہاں تک کہ سفید ہو گئی پھر اسے ہزار سال بھڑکایا گیا یہاں تک کہ سیاہ ہو گئی۔ پس وہ سیاہ تاریک ہے۔ اس وقت آدمی اور پتھر کہاں تھے کہ اس آگ کا ایندھن بنتے تھے۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ آدمیوں اور پتھروں کو جلائے گی تو ہر آگ یہی خاصیت رکھتی ہے کہ جسے بھی اس میں ڈال دیں استعداد کے مطابق اسے قبول کرنے والے کو جلا کر یا گرم کر کے بدل دیتی ہے۔ دوزخ کی آگ کی خصوصیت کیا ہے۔ اور اس سوال کے جواب کی تحریر یہ ہے کہ دوزخ کی آگ غضب الٰہی کی آگ کا ظہور ہے کہ اس کا بھڑکنا ابتدائی طور پر اور اصل میں کفر اور بت پرستی کی وجہ سے رونما ہوا اور اس برے دھندے کے رکن یہی دو چیزیں ہیں آدمی اور بت۔ کہ ایک عابد ہے۔ اور دوسرا معبود اور اس آگ کا نافرمانیوں کی وجہ سے بھڑکنا بھی انسانی فاسد قوتوں کی طرف لوٹتا ہے۔ پس اس معنی سے بھی اس آگ کا ایندھن آدمی ہوں گے۔ اور بعض مفسرین نے اس طرح کہا ہے کہ اس آگ میں آدمیوں کی کثرت اور ہجوم کی وجہ سے گویا صورتحال یوں ہے کہ ایندھن کی بجائے یہی لوگ اس آگ کا ایندھن ہے۔ پس کلام تشبیہ پر مبنی ہے۔

اور یہاں ایک اور سوال ہے کہ اس صورت میں النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کو موصول اور صلہ کے طریقے سے لایا گیا۔ اور اس طریقے کو پہلے سے مخاطب کا علم والا ہونا درکار ہے۔ اور سورت تحریم میں نَارًا وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ بطریق موصوف وصفت ارشاد ہوا اور اس طریقے میں پہلے سے مخاطب کا جاہل ہونا درکار ہے۔ پس

marfat.com

Marfat.com

تطبیق کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ تحریم اس سورت سے پہلے اتری ہوگی۔ اس سورت میں مخاطبین کو ایسی آگ کا علم حاصل نہیں تھا جس کی صفت یہ ہو۔ پس نار کو نکرہ لایا گیا۔ اور اس صفت کے ساتھ موصوف کیا۔ جبکہ اس سورت کے نزول کے وقت جو کہ اس کے بعد اتری اس نار معروفہ کو موصول اور صلہ کی ترکیب کے ساتھ یاد کرایا اور بعض گزشتہ مفسرین سے منقول ہے کہ انہوں نے حجارہ کو سرخ گندھک پر محمول کیا نہ کہ بتوں پر۔ لیکن قرآنی آیات اکثر جگہوں پر دلالت کرتی ہیں کہ حجارۃ سے مراد بت ہیں چنانچہ آیت انکم وما تعبدون من دون اللہ حصبُ جھنم اور اس کی مثل آیات ہیں۔ اور اس سے زیادہ بعید یہ ہے کہ حجارہ کو اہل قسوہ کے سخت دلوں پر محمول کیا ہے۔ اور آیت ثم قست قلوبھم من بعد ذالك فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ کو بطور گواہ پیش کیا لیکن اہل قسوہ کے سخت دل لوگوں کے اجزاء اور الباض میں داخل ہیں انہیں حجارۃ کے لفظ کے ساتھ لوٹانے کی ضرورت نہیں مگر عام کے بعد خاص کو بیان کرنے کی جہت سے جو کہ اس مقام پر اتنا موزوں نہیں۔

## مفسرین کا شبہ

اور بعض مفسرین اس مقام پر ایک اور شبہ رکھتے ہیں کہ دوزخ کی آگ قہر الٰہی کی آگ کا نمونہ ہے۔ جس طرح آدمیوں کے برے افعال کی وجہ سے بھڑکتی ہے اس طرح بلکہ اس سے زیادہ شیطانوں کے افعال قبیحہ کی وجہ سے جوش مارتی ہے۔ تو یہاں آدمیوں کی تخصیص کس لئے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مخاطبین چونکہ آدمیوں کی جنس سے تھے اس لئے انہیں اس آگ سے ڈرانا چاہئے جو کہ آدمیوں کے برے اعمال کی وجہ سے مشتعل ہوتی ہے۔ اگرچہ وہاں ایک اور آگ بھی ہے جس کا ایندھن شیاطین اور کافر جن ہیں اس آگ کا عجیب وغریب ہونا بھی اس طرح بھی ہے کہ آدمی اور پتھر اس آگ کا ایندھن ہیں۔ اور جن اور شیاطین جبکہ ناری ہیں ان کا مادہ آگ ہے۔ تو ان کا آگ کو مشتعل کرنا اتنا عجیب وغریب نہیں۔

## تحقیق مقام

اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ آگ کی حرارت اس کی صورت نوعیہ کے تابع ہے جو

marfat.com
Marfat.com

کہ اس کی روحانیت اور ملکوت کا ظل ہے۔ اور اگر صور نوعیہ جو کہ ہر جسم بلکہ ہر جوہر اور عرض کی روحانیات اور ملکوت کے ظلال ہیں درمیان میں نہ ہوں تو تمام اجسام خصائص میں ایک دوسرے کے برابر ہو جائیں۔ اور درمیان سے امتیاز اٹھ جائے۔ اور آگ کی روحانیت قہر الٰہی کی آگ کی ایک چنگاری ہے جو کہ بے شمار مرتبوں میں تنزل کے بعد مرتبہ نفس میں غضب کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ اور وہ اخلاط اور ارواح کو جلانے میں اس قدر موثر ہے کہ لکڑی کو جلانے میں جسمانی آگ اس قدر اثر نہیں رکھتی اور جب قیامت کے دن ہر چیز کے احکام روحانیہ غالب ہو جائیں گے تو وہ آگ تکلیف دینے' جلانے اور دائمی تاثیر میں دنیا کی آگ کے مقابلہ میں لامتناہی مرتبوں تک زیادتی پیدا کرے گی اور یہی ہے اس حدیث صحیح کا مضمون ''تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کے ستر اجزاء میں سے ایک جزو ہے سب کے سب اس کے جزو کی طرح ہیں۔ اور وہ آگ کافروں سے دور نہیں ہے کہ قیامت کے دن اسے بھڑ کا کر مہیا کریں گے۔ بلکہ اس کے جلانے کے نشان ان کافروں کو مرنے کے بعد بغیر کسی فاصلے کے پہنچ سکتے ہیں۔ کیونکہ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ وہ آگ انہیں سزا دینے کو تیار کی جا چکی ہے ان کی پیدائش اور ان کے کفر اور معاصی سے پہلے کیونکہ آگ نہیں ہے مگر قہر و غضب الٰہی کی چنگاری اور یہ لوگ ازلی غضب رسیدہ ہیں۔

## معتزلہ کا رد

اور یہاں جاننا چاہئے کہ کافروں کیلئے وہ آگ تیار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر کافر گناہگاروں اور اہل کبائر کو اس سے عذاب نہیں دیں گے۔ جس طرح چوروں کیلئے قید خانہ بنانے سے لازم نہیں آتا کہ قرض داروں اور دوسرے حقوق والوں کو اس میں قید نہیں کریں گے یا گھر بنانے سے یا اپنی رہائش کیلئے گھر بنانے سے لازم نہیں آتا کہ مہمان کو اس میں جگہ نہ دیں یا کرایہ داروں یا عاریۃً لینے والوں کو اس میں نہیں ٹھہرائیں گے۔ پس معتزلہ اور خوارج کا اس آیت سے دلیل لینا کہ اہل کبائر کافر ہیں۔ اور اہل صغائر کیلئے معافی واجب ہے اعتبار سے گرا ہوا اور بے ہودہ ہے اس دلیل سے کہ بہشت کی صفت میں اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ فرمایا ہے۔ حالانکہ اطفال اور پاگل بھی معتزلہ اور خوارج کے اجماع کے ساتھ

marfat.com
Marfat.com

جنت میں داخل ہوں گے۔ اور اطفال اور پاگل متقی نہیں ہیں بلکہ لفظ اُعِدَّتْ جو کہ ماضی کے صیغہ کے ساتھ وارد ہوا اہل سنت کی صریح دلیل ہے اس بات پر کہ بہشت اور دوزخ مخلوق اور تیار ہو چکے ہیں چنانچہ متواتر المعانی احادیث بھی بیان کرتی ہیں۔ اور معتزلہ اس کے خلاف ضد کرتے ہیں۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک جواب طلب سوال ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس آیت میں پہلے آدمیوں اور پتھروں کو دوزخ کا ایندھن قرار دیا گیا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ وہ آگ کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اور جب کافر آگ سے عذاب دیئے جائیں گے تو دوسرے لوگ کون ہیں جو کہ آگ کا ایندھن ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب معرفہ کو معرفہ کے بعد لاتے ہیں تو یہ اتحاد یعنی ایک ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے جاء نی زید فاکرمت الجانی جائی اور زید ایک ذات ہے۔ پس مذکور کفار اور وہ لوگ جو کہ آگ کا ایندھن ہیں ان کا مصداق ایک ہو گا۔

اور جب اس کلام سے پہلی غرض لوگوں کو عبادت و توحید کی تاکید اور پابندی تھی۔ بات قرآن پاک کے اعجاز اور منکروں سے معارضہ طلب کرنے تک پہنچی اور اس کے معارضہ سے عاجز ہونے اور انکار پر اصرار کی صورت میں دوزخ کی آگ سے ڈرانا مذکور ہوا تہذیب نفس کی حکمت کے قاعدہ کے مطابق لازم آتا ہے کہ جنہیں اس رشد و ہدایت پر مبنی کلام سے تعلق ہوا اور انہوں نے اس کے اوامر و نواہی کے مطابق عمل کیا ہو انہیں دائمی لذت پانے کی بشارت اور ابدی آرام کی خوش خبری دی جائے۔ تاکہ ڈرانے کے ساتھ رغبت دلانا جمع ہو جائے۔ اور امید اور خوف مل جائیں اور دونوں کیفیتوں کا اعتدال سننے والوں کے نفسوں میں پیدا ہو۔ اور اس قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ کرم کے وعدوں کے ساتھ عذاب کی وعید ملا دیتا ہے۔ اور کسی جگہ دونوں امروں میں سے ایک پر اکتفا نہیں فرمایا تاکہ خوشخبری اور ڈرانا دونوں مل کر خوف اور امید کی دونوں کیفیتوں کو معتدل کر دیں اور ایمان کے دونوں پر جو کہ قرب کے مرتبوں اور جو ہر نفس کی اصلاح کے میدانوں میں پرواز

marfat.com
Marfat.com

اور بلندی کا سبب ہیں ایک دوسرے کے برابر کر دیئے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر مومن کے خوف اور امید کو تولیں تو دونوں برابر ہوں گے اس بنا پر یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ پر یا انذرهم بالنار الموصوفة جو کہ اعدت للکافرین کے بعد مقدر ہے پر عطف کے طریقے سے ارشاد فرمایا کہ آپ اس آگ سے اس کتاب کے منکروں کو ڈرائیں۔

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور ان لوگوں کو خوشخبری سنائیں جو اس کتاب پر ایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور اچھے عمل کئے۔ اور اچھے اعمال وہی ہیں جن کا کتاب نے حکم فرمایا یا اس کتاب کی تین شاخوں جو کہ سنت پیغمبر علیہ السلام اور اجماع مجتہدین اور قیاس جلی ہے میں سے ایک اس پر دلالت کرے۔ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ کہ ان کیلئے مراتب ایمان اور اچھے اعمال کے مطابق باغات ہیں کہ ان باغات میں سے ایک کا نام جنت الفردوس ہے۔ دوسرا جنت عدن' تیسرا جنت الماویٰ' چوتھا دار الخلد' پانچواں دار السلام' چھٹا دار المقامہ' ساتواں علیین اور آٹھواں جنت نعیم کے نام سے موسوم ہے اس کے عوض جو کہ ان کے باطن میں ایمان کی وجہ سے معارف حقہ اور پاکیزہ صلاحیتیں باغ کی طرف مرتب تھیں۔ اور وہ باغات ہمیشہ سرسبز اور ترو تازہ ہوں گے اس لئے کہ:

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ان باغوں کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جس طرح کہ حکمت ایمانی کی نہریں ان کے باطن سے ان کی زبانوں پر جاری ہوتی تھیں۔ اور ان کا فیض زمانے کو پہنچتا تھا اور جس وقت کہ وہ ان باغات میں داخل ہوں گے۔ اور اس جگہ کی لذیذ چیزوں کو استعمال کریں گے انہیں معلوم ہو کہ یہ تمام قسم قسم کی لذیذ چیزیں اسی ایمان اور عمل صالح کی جزا ہے۔ تاکہ اس جاننے کی وجہ سے ان کی لذت دوبالا ہو جائے۔ اور ایمان اور عمل صالح کی قدر ان کے ذہنوں میں بڑھ جائے۔

اور اگر یہ امر انہیں معلوم نہ ہو تو دنیا کی نعمتوں کی طرح ان نعمتوں کو بھی ابتدائی تصور کریں۔ اور جزا پانے کی لذت نہ پائیں۔ ان کے اس جاننے کی دلیل یہ ہے كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا جب بھی وہ ان باغات سے روزی دیئے جائیں گے مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا میووں کی جنس سے حسی ہو یا عقلی' خیالی قَالُوْا هٰذَا کہیں گے یہ رزق جزا ہے الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ اس چیز

marfat.com

Marfat.com

کی جو ہمیں اس سے پہلے دنیا میں مقامات اور احوال سے عنایت فرمائی گئی جو کہ ہمارے ایمان اور عمل صالح کے ثمرات تھے۔ اور جب ان کے باطن میں ہر عمل کے بے شمار ثمرات پیدا ہو گئے تھے۔ اور یہ تمام ثمرات باہمی مشابہت اور مماثلت جو کہ کیفیتوں میں باہم اتحاد کی وجہ سے رکھتے تھے کہ باوجود لاحق ہونے والی وسعت' رسوخ اور قوت استعداد کی جہت سے ایک دوسرے سے فضیلت رکھتے تھے۔

وَاُتُوا بِهٖ مُتَشَابِهًا اور وہ لذت میں فرق کے باوجود ہم رنگ اور ہم صورت رزق دیئے جائیں گے تاکہ منشاء کی مشابہت اور آثار کا باہمی فضیلت والا ہونا دونوں برقرار رہیں۔ اور اکثر مفسرین نے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا کو نوعیت اور جنسیت پر محمول کیا ہے نہ کہ جزائیت پر اور ان پر قوی اشکال آتا ہے کہ کلما کا لفظ تمام افراد رزق اور رزق کی باریوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پہلی بار ان سے یہ قول متصور نہیں ہوسکتا کہ اس سے پہلے انہیں اخروی رزق کبھی بھی عنایت نہ فرمایا گیا اسی لئے بعض مفسرین نے رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ کو رزق دنیوی پر محمول فرمایا ہے۔ اور وہ بھی درست نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ آخرت میں کوئی نعمت دنیوی نعمتوں کے علاوہ نہ ہوگی۔ حالانکہ بے شمار آیات اور لاتعداد احادیث دلالت کرتی ہیں کہ وہاں ان دیکھی اور ان سنی نعمتیں بھی ہوں گی اور ان میں سے آیت فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين (السجدہ آیت ۱۷) ہے۔ اور حدیث پاک اعددت لعبادی الصالحين مالا عين رء ت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر

اور ان دونوں مشکلات کی وجہ سے متاخرین میں سے ایک جماعت نے رزقنا من قبل کو عام کیا ہے اس سے کہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ پس پہلی مرتبہ رزق دنیوی کو یاد کریں گے۔ اور دوسری باریوں میں رزق اخروی کو لیکن یہ توجیہہ تکلف کے باوجود جو کہ اس میں ہے مطلقاً درست نہیں ہوتی کیونکہ بہشتی افراد کی اکثریت مفلس اور مسکین اور بے مایہ تھی انہیں دنیا میں قدر ضرورت سے زیادہ نہیں ملا تھا بہشت کی نعمتوں کو دیکھ کر وہ کون سی نعمتوں کو یاد کریں گے جو کہ انہیں ملی تھیں اس۔ کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کو بار بار لانے میں لذت

marfat.com
Marfat.com

ناقص ہو جاتی ہے۔ اگرچہ منافع اور ذائقے میں فرق ہو اس لئے کہ مثل مشہور ہے کہ جب حلوہ ایک بار کھایا اور بس۔

پس سب سے صحیح یہ ہے کہ ھٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ جزا کو مجری علیہ (جس عمل پر جزا دی گئی) پر محمول کرنا ہے نہ کہ نوع کو فرد پر محمول کرنا اور جو اتحاد جزا اور مجری علیہ میں فی الواقع موجود ہے وہ اس اتحاد سے زیادہ قوی ہے جو کہ نوع اور فرد میں نظر ظاہر بین میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ جزا حقیقت میں مجری علیہ کا دوسرے لباس میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس حقیقت کو پانے میں کہ یہ نعمت اس عمل کا ظہور ہے جو کہ دنیا میں ہم سے صادر ہوا ایسی لذت اور لطف حاصل ہوتا ہے کہ بیان کی حد سے باہر ہے۔

اور وہ جو کہتے ہیں کہ آدمی کو اپنی مالوفات کے ساتھ بہت انس حاصل ہوتا ہے۔ اور اپنی مالوفات کے ساتھ شدید رغبت اور میلان پیدا کرتا ہے۔ پس یہ اس وقت ہے کہ اس کا مزاج عادی اور خواہش کی قوتیں اسی پہلی حالت پر ہوں۔ اور جب مزاج جہان کی وسعت کی جہت سے بدل گیا ہو۔ اور قوت سہو یہ نے اپنی بلندی کے کمال کی وجہ سے ترقی کی ہو پھر اسے اپنی مالوفات کا پابند جاننا نادانی ہے ہاں حسن بصری اور دوسرے تابعین سے منقول ہے کہ جنت کے میوے صورت میں ایک رنگ والے ہوں گے۔ اور لذت اور ذائقہ میں مختلف اور جدا جدا لیکن ان بزرگوں نے اس آیت کو اس پر محمول نہیں کیا ہے۔ بلکہ بیان واقع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ بھی بعض اوقات لذت اور خوشی کے طریقوں سے ہے۔

اور لفظ انہار جو کہ یہاں مجمل واقع ہے احتمال ہے کہ اس تفصیل پر ہو جو کہ سورت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں واقع ہوگی۔ اور وہ یہ ہے کہ بہشت کی نہریں چار قسم کی ہوں گی پانی کی نہریں' شہد کی نہریں' دودھ کی نہریں اور شراب کی نہریں اور احتمال ہے کہ یہاں صرف پانی کی نہریں مراد ہوں کیونکہ درختوں کی سرسبزی اور ان کی تروتازگی میں بھی پانی کی نہریں کام آتی ہیں۔ اور بہشتیوں کے پینے کیلئے وہ چار قسم کی نہریں مہیا ہوں گی کہ مختلف رغبتوں کے مطابق ان سے کھائیں اور پئیں۔

اور بعض اہل زراعت درختوں کو بھی دودھ' شہد اور شراب سے پالتے ہیں۔ اور کہتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں کہ درخت کے میوے میں نرمی اور چکنائی دودھ دینے سے بڑھتی ہے۔ اور مٹھاس شہد دینے سے اور نشاط و تفریح شراب دینے سے اور اس صورت میں وہاں درختوں کو پالنے میں چاروں نہروں سے کام لیا ہوگا۔ اور جب جنتیوں کے مسکن' کھانے اور پینے کو اس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ یہ لذتیں اور نعمتیں انہیں اعمال کی جزاء اور بدلہ دینے کی صورت میں دی جائیں گی تا کہ ان کی خوشیاں اور سرور بڑھائے اور قاعدہ ہے کہ ہم مزاج دوستوں اور دل لبھانے والے محبوبوں کے بغیر ہر نعمت بے مزہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ خوشی اور سرور کی تکمیل کیلئے انہیں ہم مزاج مصاحب بھی دیئے جائیں گے۔

وَلَهُمْ فِيهَا اور ان کیلئے ان باغوں' نہروں اور میووں میں اس کے عوض جو انہوں نے اپنے اندر اخلاق الٰہی حاصل کر کے اپنی روح کے جوہر کو لازم کر لئے تھے۔ اور ان اخلاق سے متخلق ہو گئے تھے جو کہ اس کتاب کی عبارتوں اور اشاروں سے سمجھتے تھے۔

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۔ ردی اخلاق' بول' براز' حیض اور نفاس کی نجاستوں اور طبیعت کی گھن والی چیزوں جیسے ناک کا پانی' منہ کا پانی' میل اور بدبو وغیرہ سے پاک اور صاف بیویاں ہوں گی اور ان تمام نعمتوں کے باوجود اگر انہیں زائل ہونے' منقطع ہونے اور موت کا خوف بھی ہوگا تو وہ تمام نعمتیں بے مزہ ہو جائیں گی جس طرح کہ کسی نکتے والے نے کہا ہے کہ مجھے محبوب کی منزل میں کس قسم کا امن اور عیش ہو جبکہ ہر وقت گھنٹی آواز دیتی ہے کہ کجاوے باندھ لو لہٰذا انہیں اس قسم کے خوف سے پورے طور پر امن نصیب ہوگا۔

وَّهُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ اور وہ ان پر نعمت باغوں میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ کیونکہ ان کے جسموں پر روحانیت غالب آئی اور ایمان اور اعمال کی ہیئتیں ان کی روحوں اور قلوب پر غالب ہوئیں۔ پس ان کے جسم روحانیت کے غلبہ کی وجہ سے فنا کے قابل نہ رہے۔ اور ان کی ارواح اور قلوب ایمان اور اعمال کے آثار کے ساتھ ہمیشہ لذت پائیں گے۔ اور خوش رہیں گے۔

## تین چیزوں کی دریافت لازم ہے

یہاں محققین نے کہا ہے کہ آدمی کو تین چیزوں کی دریافت لازم ہے پہلی چیز اپنا مبدء

marfat.com

Marfat.com

کہ میں کہاں سے آیا ہوں۔ اور میں کیا تھا۔ دوسری چیز اپنی معاش کہ کہاں سے کھاتا ہوں۔ اور کہاں رہتا ہوں۔ تیسری چیز اپنا معاد کہ میرے کام کی آخر کیا ہے۔ ان آیات میں ان تینوں چیزوں کی یاددہانی کرائی گئی۔ مبدء کے بیان میں اس کے علاوہ کوئی حرف نہ فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ کیونکہ اس سے زیادہ اس حقیقت کو کھولنا ممکن نہیں ہے۔ اور معاش کے بیان میں الذی جعل لکم الارض فراشا والسمآء بناء سے رزقالکم تک کچھ تفصیل ارشاد فرمائی کیونکہ اپنے معاش کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ اور دونوں فریقوں کے معاد کے بیان میں فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ سے لے کر خَالِدُوْنَ تک سیر حاصل تبصرہ فرمایا اس لئے کہ اس بحث کو اپنے معاش پر قیاس کر کے سمجھ سکتے تھے نہیں سمجھے۔ پس یہ بیان کا بہت محتاج ہے۔

اور جب اس ضمن میں اعجاز قرآن کا اثبات اور اس کے برحق ہونے کی دلیل بیان ہوئی تو کافروں کے معارضہ کا جواب جو کہ وہ مناظرہ کے وقت وارد کرتے ہیں سوال مقدر کے جواب کے طریقے پر ذکر کرنا ضروری ہوا تاکہ دلیل قائم کرنے کے ساتھ شبہ کا دفعیہ ل کر کام پورا کردے۔

کافروں کی طرف سے معارضہ کی تقریر جو کہ وہ قرآن پاک کے برحق ہونے کے باطل کرنے میں کرتے تھے یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کے مقابلہ اور تتبع سے ہم عاجز ہیں۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام بشری کلام نہیں۔ کلام الٰہی ہے۔ لیکن ہمارے پاس ایک اور دلیل اس پر ہے کہ یہ کلام' کلام الٰہی نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ بزرگ اپنی باتوں میں حقیر چیزوں کے ذکر سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور بے وقعت مثالیں اپنے کلام میں نہیں لاتے۔ حق تعالیٰ نے جو سب سے بڑا ہے اپنے کلام میں سورت حج کے آخر میں اور سورۃ عنکبوت کے درمیان میں بتوں اور انہیں پوجنے والوں کی تحقیر کیلئے مکھی اور مکڑی کا ذکر کیوں فرمایا۔ پس ان چیزوں کا ذکر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کلام' کلام الٰہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے لائق نہیں۔ اور اس معارضہ کے جواب کی تقریر یہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا تحقیق اللہ تعالیٰ عار نہیں فرماتا اس سے

marfat.com

Marfat.com

کہ اپنے کلام میں کوئی مثال بیان فرمائے کیسی بھی ہو خواہ حقیر ہو یا عظیم کیونکہ تمثیل سے غرض نہ ہے کہ کبھی معقول معنی کے ادراک میں وہم کے جھگڑا کرنے سے وہ معنی پورے طور پر ذہن نشین نہیں ہوتا اور جب اس عقلی معنی کو محسوس صورت میں جلوہ گر کریں تو وہم کی کھینچا تانی سے خلاصی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس معقول معنی کا ادراک پوری وضاحت سے ہاتھ آتا ہے اس غرض میں اس چیز کی عظمت اور حقارت جسے مقام تمثیل میں لائیں برابر ہے۔ بلکہ تمثیل میں واجب یہ ہے کہ ممثل (جس کی مثال دی جائے) کے موافق ہو اگر حقیر ہو تو حقیر، اگر عظمت والا ہو تو عظمت والا۔ ہاں بزرگ اور عظمت والے لوگ اپنی کلام میں فحش کے ذکر اور ایسی تمثیلات کے استعمال سے جو فحش پر مشتمل ہوں حیا فرماتے ہیں۔ اور قرآن پاک میں اس ادب کی کامل طور پر تعلیم فرمائی ہے۔ جہاں بھی جماع یا انسان کے ستر والے اعضاء کا ذکر ہوا کنایہ اور ابہام کے ساتھ ادا ہوا۔ کافروں کو یہ حیا جو کہ محمود ہے اشیائے حقیرہ کی تمثیل سے حیا کے ساتھ مشتبہ ہوا اور قیاس مع الفارق کر کے اعتراض کر دیا۔ حالانکہ اشیاء حقیر کا ذکر ایسے مقام میں جو کہ ان اشیاء کے ذکر کا تقاضا کرے کمال بلاغت اور عین فصاحت ہے برابر ہے کہ وہ حقیر شے۔

**بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا** مچھر ہو یا اس سے بڑی شے اور مچھر سے اوپر ہونے کے دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جسامت میں بالا ہو جیسے مکھی اور ٹڈی۔ دوسرا یہ کہ چھوٹا ہونے میں اور حقارت میں بالا ہونا جیسے مچھر کا پر کہ حدیث پاک میں دنیا کو اس سے تمثیل فرمائی گئی جہاں کہ ارشاد فرمایا ہے لو کانت الدنیا تعدل عند اللّٰہ جناح بعوضۃ لما سقی کافرا منھا شربۃ ماءٍ اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی قدر رکھتی تو اس سے کافر کو پانی کا گھونٹ نہ پلاتا اور عرب میں مشہور ہے ما البق وما شحمہ وما رجل الجراد وما لحمہ یعنی مچھر کیا۔ اور اس کی چربی کیا۔ اور مکڑی کا پاؤں کیا۔ اور اس کا گوشت کیا۔ اور فارسی کی مثالوں میں ہے کہ از بستن پائے پشہ چہ کشاید مچھر کا پاؤں باندھنے سے کیا کھلے گا علی ہذا القیاس۔

حاصل کلام تمثیل کا حسن کمال مطابقت پر مبنی ہے تمثیل کے اور اس کے درمیان جس کی

marfat.com

Marfat.com

تمثیل لائے ہیں اگر یہ مطابقت پورے طور پر ثابت ہے۔ تو کلام کے حسن اور بلاغت کو بڑھاتی ہے ورنہ بلاغت میں ایک کمی پیدا ہو جائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ امور حقیرہ کے مطابق نہیں ہوں گے مگر امور حقیرہ۔ پس ایسے مقام میں جو کہ تحقیر واہانت کے مناسب ہے۔ امور حقیرہ کی تمثیل کو چھوڑنا بلاغت کا نقصان ہے۔ کلام الٰہی اس سے مبرا ہے۔ اور اس حقارت کی وجہ سے تمثیل کو چھوڑ دینا اور اس معنی کو بغیر مثال کے لانا سمجھانے اور وضاحت کرنے میں خلل ڈالتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ الامثال مصابیح الاقوال یعنی مثالیں اقوال کے چراغ ہیں۔ اور ظاہر ہے چراغ خواہ سونے کا ہو یا مٹی کا روشنی میں فرق نہیں رکھتا۔ پس اشیائے حقیرہ کی تمثیل سے حیا حق تعالیٰ سے محال ہے۔ اور اگر کافر کہیں کہ تمثیلات حقیرہ سے اللہ تعالیٰ کا حیا نہ فرمایا کس دلیل سے ثابت کرتے ہیں؟ اگر اسی کلام سے دلیل لیتے ہیں تو عین دعویٰ سے دلیل لانا لازم آتا ہے۔ کیونکہ ابھی تو اس کلام کے کلام الٰہی ہونے میں بحث ہے خود اسی کلام سے اس بات کو ثابت کرنا کہ یہ کلام کلام الٰہی ہے اثبات الشیء بنفسہ ہے ہم کہتے ہیں کہ ہم اس مطلب کو ان کتابوں سے ثابت کرتے ہیں جن کا کلام الٰہی ہونا دوسرے مذاہب والوں سے بھی تسلیم شدہ ہے۔ جیسے کہ انجیل مقدس کہ اس بزرگ کتاب میں حقیر چیزوں کے ساتھ مثال دی گئی جیسے زواں جسے ہندی میں منمنہ کہتے ہیں۔ اور وہ ایک دانہ ہے جو کہ گندم میں مل کر اگتا ہے۔ اور اسے خراب کرتا ہے۔ اور جیسے رائی کا دانہ' چھلنی' کنکر' لکڑی کا کیڑا' پتھر کا کیڑا چنانچہ کھیتی کی اصلاح میں۔

## انجیل مقدس میں اشیائے حقیرہ کا بیان ہے

جہاں کہ فرمایا ہے مَلَکُوتِ آسمانی کی تمثیل وہ شخص ہے جس نے اپنی کھیتی میں گندم کاشت کی جب سو گیا تو ایک دشمن آیا اور اس نے گندم کے درمیان بہت زواں ڈال دیا اور چلا گیا جب کھیتی زمین سے باہر آئی اس شخص کے غلاموں اور خادموں نے دیکھا کہ زواں گندم پر غالب ہے انہوں نے عرض کی اے ہمارے سردار آپ نے اس کھیتی میں صاف اور پاک گندم کاشت کی۔ یہ زواں کہاں سے پیدا ہو گئی اگر آپ فرمائیں تو ہم اسے گندم سے نکال دیں اس شخص نے کہا اگر تم اس وقت زواں کو نکالنے کے درپے ہو گئے تو اس کے ساتھ

marfat.com

Marfat.com

اچھی گندم بھی اکھڑ جائے گی۔ ان دونوں کو چھوڑ دو تا کہ کھیتی کاٹنے کے وقت تک اکٹھے
پرورش پائیں' جب کھیتی کاٹنے کا وقت پہنچا تو اس نے کاٹنے والوں کو فرمایا کہ زواں کو گندم
سے علیحدہ چن لو اور اسے دستہ باندھ کر آگ لگا دو اور صاف گندم کو کھلیان میں جمع کر دو
اور تمہارے لئے میں اس تمثیل کی تفسیر کرتا ہوں۔ وہ آدمی جس نے اچھی گندم کاشت کی تھی
ابوالبشر ہے۔ اور اس کی کھیتی جہان ہے۔ اور پاک صاف گندم ملکوت کے بیٹے ہیں جو کہ خدا
تعالیٰ کی اطاعت میں عمل کرتے ہیں۔ اور جس دشمن نے گندم کے درمیان زواں ڈال دی
ابلیس ہے۔ اور زواں گناہ اور نافرمانیاں ہیں جنہیں ابلیس کاشت کرتا ہے۔ کاٹنے والے
فرشتے ہیں جو کہ اجل آنے تک نیک و بد کو یکساں پرورش کرتے ہیں۔ اور اجل کے پہنچنے
کے وقت زواں کو گندم سے جدا کرتے ہیں بروں کو دوزخ کی آگ کی طرف لے جاتے
ہیں۔ اور نیکوں کو ملکوت الٰہی میں سپرد کر دیتے ہیں۔ اور جب بروں کو جہنم کی آگ میں لے
جاتے ہیں وہاں گریہ وزاری ہوتی ہے۔ اور دانت پیسنا اور نیکوں کیلئے راحت ہوتی ہے۔ جس
کے سننے والے کان ہوں وہ سن لے میں تمہارے لئے ایک اور مثال بیان کرتا ہوں جو کہ
ملکوت آسمانی کے بہت مناسب ہے ایک اور آدمی نے رائی کا ایک دانہ پکڑا جو کہ سب سے
چھوٹا دانہ ہے۔ اور اسے اپنی کھیتی میں بویا جب وہ دانہ اگا ایک بڑا درخت بن گیا یہاں تک
کہ بیج سے اگنے والے درختوں میں سب سے بڑا ہو گیا۔ اور آسمان سے پرندے آئے۔ اور
انہوں نے اس کی شاخوں میں گھونسلا بنایا یہی ہدایت کی تمثیل ہے جو کوئی ہدایت کی طرف
دعوت دے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اجر کو بہت بڑا بنا دیتا ہے اس کے ذکر کو بلند کر دیتا ہے۔ اور
جس نے اس کی وجہ سے ہدایت پائی نجات پا گیا۔ نیز انجیل مقدس میں فرمایا ہے کہ تم چھلنی
کی مانند ہو کہ اس میں سے نفیس نکل جاتا ہے۔ اور کثیف اسی میں رہ جاتا ہے ایسا نہ ہو کہ
حکمت تمہارے دل سے باہر چلی جائے۔ اور تمہارے سینوں میں کینے باقی رہ جائیں۔

نیز فرمایا ہے کہ تمہارے دل کنکریوں کی مانند ہیں کہ نہ آگ انہیں پختہ کر سکتی ہے نہ
پانی انہیں نرم کرتا ہے۔ اور نہ ہوا انہیں حرکت دیتی ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ اے خدا کے بندو! تم
کل کے ذخیرہ کی فکر میں نہ رہو۔ اور جانوروں کے حال میں نظر کرو کہ اون اور ریشم کا انہیں

marfat.com
Marfat.com

لباس دیا گیا ان کا رزق انہیں پہنچتا ہے۔ نہ وہ سوت کاتتے ہیں نہ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ اور بعض جانور پتھر کے اندر اور لکڑی کے پیٹ میں ہوتے ہیں کون ہے جو وہاں انہیں لباس اور رزق پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا۔ آیا تم سمجھتے نہیں۔

نیز فرمایا کہ بھڑوں کو ان کی جگہ سے نہ اٹھاؤ ورنہ وہ تمہارے ساتھ لپٹ جائیں گی۔ اسی طرح بے وقوفوں اور بے عقلوں سے بات نہ کرو تا کہ وہ گالی نہ دیں۔

## مچھر میں ہاتھی کے اعضا سے ایک شے زاید ہے اور اس کی سونڈ کے عجائبات

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑے چھوٹے کا خالق ہے۔ اور اس کی حکمت ہر اس چیز میں جلوہ گر ہے۔ جسے اس نے پیدا فرمایا۔ پس جو چیز کسی حکمت اور منفعت پر مشتمل ہے اس کی تمثیل بیان کرنا قابل تحسین اور قابل تعریف ہے۔ بلکہ چھوٹے جسم اور حقیر قدر والی چیزوں میں اگر کوئی کامل حکمت اور عمدہ منفعت ظاہر ہو تو زیادہ عجیب ہوتی ہے۔ چنانچہ مچھر کی عجیب خلقت کے متعلق لکھا ہے کہ اتنے سے چھوٹے جسم کے باوجود جو کچھ ہاتھی کو اس کے اتنے بڑے جسم میں اعضاء جوارح دیئے گئے اسے بھی عنایت فرمائے گئے ایک زائد شے سمیت۔ اور اس کی سونڈ کے عجائبات میں یہ ہے کہ باوجود اس قدر چھوٹا اور کھوکھلا ہونے کے اگر اسے بھینس یا ہاتھی کی کھال میں چبھوئے تو اس طرح پیچ چلا جاتا ہے گویا انگلی حلوہ کے اندر چلی گئی۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ اس کی سونڈ کی نوک میں ایک زہر رکھی گئی ہے جس کی وجہ سے اثر کرتی ہے۔

پس اشیائے حقیرہ کی تمثیل کو اللہ تعالیٰ جو کہ حکیم ہے۔ اور اس نے ان چیزوں میں قسم قسم کی حکمتیں رکھی ہیں ہرگز ترک نہیں فرماتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کلام سننے والے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم اہل ایمان ہیں جن کا قول معتبر ہے۔ کیونکہ وہ عقل کے مطابق چلتے ہیں۔ اور دوسری قسم کفار ہیں جن کا قول معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عقل کے تقاضا کے برخلاف چلتے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ پس جو ایمان لائے۔ پس وہ جانتے ہیں کہ وہ تمثیل حق ہے ان کے پروردگار سے اس لئے کہ کسی سے بے وقعت اور حقیر

marfat.com

Marfat.com

ہونے کا بیان بغیر بے وقعت اور حقیر چیز کے ساتھ مثال دیئے ہو نہیں سکتا اگر وہاں بزرگ چیزوں کی مثال دیں تو بے موقع ہو گی۔ اور ان کا رب جو کہ چیزوں کے مرتبوں کو جانتا ہے۔ اور ہر چیز کو اس کے مرتبے میں رکھتا ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں فرمائے گا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ اور وہ جو کافر ہو گئے تو وہ کہتے ہیں باوجود اس کے کہ مثال اور جس کی مثال دی گئی میں مطابقت جانتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ حقیر چیز کی مثال حقیر چیز کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ کس چیز کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا باوجودیکہ اس کی عظمت کی کوئی حد نہیں۔

بِهٰذَا مَثَلًا اس چیز کی مثال دے کر تا کہ سبب ہدایت ہو۔ حالانکہ یہ حقیر چیز اس کی عظمت کے مناسب نہیں۔ اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ مثال کو ممثل بہ کے عظمت و حقارت میں مطابق ہونا چاہئے نہ کہ ممثل یعنی مثال دینے والے کے مطابق ہاں حق تعالیٰ نے ان حقیر چیزوں کی تمثیلات قرآن میں لانے سے ایک عظیم کام کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور وہ مومنوں اور کافروں کے درمیان امتیاز ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ اس کے سبب سے گمراہ فرماتا ہے باوجودیکہ فی نفسہٖ وہ سبب ہدایت ہے كَثِيْرًا بہت سے لوگوں کو جو کہ غلط فہمی کی وجہ سے اشیائے حقیر کی اشیاء کے ساتھ تمثیل کو مثال بیان کرنے والے کی عظمت کے منافی جانتے ہیں۔ اور اگرچہ یہ کثیر جماعت ہیں۔ لیکن ان کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں۔ تا کہ ان کے قول کو درستی پر محمول کیا جائے یا ان کی مذمت و طعن کو کسی شمار میں لایا جائے۔

وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا اور اس مثال کے ساتھ ہدایت عطا فرماتا ہے بہت سے لوگوں کو۔ کیونکہ اس مثال کی وجہ سے ان کے ذہنوں میں بعض اشیاء کی حقارت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ اور وہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں چہ جائیکہ ان کی عبادت کریں۔

جواب طلب سوال: یہاں ایک جواب طلب سوال ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہدایت پانے والوں کو قرآن پاک میں دوسرے مقامات پر قلت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔ چنانچہ

marfat.com

Marfat.com

آیت منهم المومنون واكثرهم الفاسقون اور آیت و قليل من عبادى الشكور اور آیت الا الذين آمنوا وعملوا الصالحات وقليل ماهم میں جبکہ یہاں دونوں فریقوں کو کثرت کے ساتھ موصوف فرمایا یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا بظاہر ان مقامات کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ پس تطبیق کی صورت میں ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی کوئی چیز بذات خود زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن دوسری چیز کی نسبت سے جو کہ اس سے کثیر ہوتی ہے اسے قلیل کہتے ہیں۔ ہدایت پانے والوں کا حال بھی ایسا ہی ہے کہ خود تو وہ زیادہ ہیں۔ لیکن ہدایت نہ پانے والوں کی نسبت سے قلیل ہیں یہاں ہدایت پانے والوں کا بیان ان کی اپنی ذات کے اعتبار سے ہے۔ اور دوسرے مقامات پر ہدایت پانے والوں کے حال کا بیان ہدایت نہ پانے والوں کی نسبت سے ہے۔ پس کوئی تعارض نہیں۔ علاوہ اس کے کہ اگرچہ ہدایت پانے والے گنتی میں قلیل ہیں۔ لیکن حقیقت میں کثیر ہیں چنانچہ کہتے ہیں بیت کہ ہم لوگ شہروں میں بہت ہیں اگرچہ تعداد میں قلیل ہیں۔ جیسا کہ ان کے غیر تھوڑے ہیں اگرچہ گنتی میں کثیر ہیں۔

ایک دوسرا سوال جواب طلب یہ ہے کہ ہدایت پانے والوں کا ذکر پہلے نہیں فرمایا۔ حالانکہ ان کی شرافت مقدم لانے کی متقاضی تھی اور اسی لئے قرآن پاک میں اکثر مقامات پر نیکوں کا ذکر بروں کے ذکر سے پہلے ہے جواب یہ ہے کہ یہ کلام کافروں کی گفتگو کے رد کیلئے چلائی گئی جو کہ اعجاز قرآن کو باطل قرار دینے کیلئے اس شبہ سے دلیل پکڑ کر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ اور گمراہ ہوتے ہیں۔ پس پہلے ان کے حال کو بیان کرنا منظور ہوا اور اسی لئے اس کلام میں کلام سابق کی نسبت جو کہ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ہے نشر کو ترتیب لف کے خلاف لائے۔ اور یہ ہدایت اور گمراہی جو کہ قرآن پاک کے نزول اور اس کی تمثیلات کی وجہ سے لوگوں میں تفریق پیدا کرتی ہے اس کی زبردستی ترجیح بلا مرجح نہیں۔ بلکہ قرآن کا نزول دراصل ہدایت کا سبب ہوا نہ کہ گمراہی کا۔ لیکن عقل کے مزاج کا صحیح ہونا شرط ہے۔ اور سننے والے کی استعداد کا قصور روکنے والا ہے۔ اس لئے بنی آدم میں سے صحیح المزاج اور کامل الاستعداد افراد کیلئے قرآن پاک کا نزول گمراہی کا سبب نہیں ہوسکتا۔

marfat.com

Marfat.com

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ اور اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں حقیر اشیاء کی تمثیل بیان فرماتا ہے اس کی وجہ سے گمراہ نہیں فرماتا مگر فاسقوں کو جو کہ حد عقل اور حد شرع سے نکل چکے ہیں۔ اور حق کو سمجھنے کی استعداد کو گم کر چکے۔

## فاسق کے معنی کا بیان:

یہاں جاننا چاہئے کہ لفظ فاسق قرآن پاک کے عرف میں دو معنی رکھتا ہے ان دو معنوں میں سے ایک جو کہ اہل شرع کے عرف میں مشہور ہے یہ ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ فرمان بجا نہیں لاتا اور کبیرہ کا مرتکب یا صغیرہ پر اصرار کرنے والا رہتا ہے بغیر اس کے اس کا تدارک توبہ سے کرے اس قسم کا آدمی اہل سنت کے نزدیک مسلمان ہے مگر گناہگار ہے اس کے حق میں نجات اور قبول شفاعت اور گناہ سے معافی ملنے کے امکان کی امید کرنی چاہئے۔ اور اس کے ساتھ مناکحت اور وراثت کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔ اور مرنے کے بعد اسے مسلمانوں کے طریقے پر غسل دینا چاہئے نماز جنازہ پڑھنی چاہئے۔ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہئے۔ اس پر لعنت اُس سے بیزاری اور اس کا بغض دین کی رو سے حرام ہے۔ بلکہ اس کی امداد استغفار فاتحہ درود اور صدقات وخیرات کے ساتھ لازم شمار کی جائے۔ اور خارجیوں کے نزدیک کافر ہے اسلام سے باہر اور معتزلیوں کے نزدیک ایمان اور کفر کے درمیان ایک مرتبہ رکھتا ہے نہ مومن ہے نہ کافر اور زیدیوں کے نزدیک امامت کے قابل نہیں کہتے ہیں اس کی امامت میں نماز درست نہیں ہوتی۔ اس نماز کو لوٹانا فرض ہے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ ایک شخص جو کفر میں حد سے گزر جائے۔ اور سرکشی اور عناد اختیار کرے۔ اور دیدہ دانستہ حق کا انکار کرے۔ چنانچہ آیت بئس الاسم الفسوق بعد الایمان (الحجرات آیت ۱۱) میں پہلے معنی میں استعمال ہوا اور آیت ان المنافقین ھم الفاسقون (التوبہ آیت ۶۷) اور آیت منھم المومنون واکثر ھم الفاسقون (آل عمران آیت ۱۱۰) میں دوسرے معنوں میں استعمال ہوا اور اس آیت میں بھی اسی معنی میں ہے۔ اس لئے کہ معنی اول کے ساتھ فاسق ابھی فاسد المزاج نہیں ہوا اس مریض کا حکم رکھتا ہے جس

marfat.com
Marfat.com

کی مرض عارضی ہے۔ اور اس کی روح کا مزاج عقائد حقہ کا اعتقاد رکھنے کی وجہ سے صحیح ہے۔ قرآن کے مواعظ اور اس کی تمثیلات سے نفع پاتا ہے۔ اور اصلاح قبول کرتا ہے۔ بخلاف فاسق بمعنی دوم کے کہ اس کا کفر جہل بسیط کی رو سے گزر کر جہل مرکب کی حد تک پہنچ گیا۔ قرآن اور اس کی تمثیلات غذائے صالح کی طرح رہیں جو کہ فاسد مزاج میں فاسد ہو کر فساد میں زیادتی کا موجب ہوتی ہے۔

اور اگر کسی کے دل میں آئے کہ فاسق مطلق خصوصاً وہ فاسق جو کہ ان آگے آنے والی صفات سے موصوف ہیں خود گمراہ ہیں۔ گمراہوں کو گمراہ کرنے کا کیا معنی؟ کہ تحصیل حاصل ہے ہم کہتے ہیں گمراہی کے مرتبوں کی ہدایت کے مرتبوں کی طرح انتہا نہیں۔ ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ میں ترقی کرتے ہیں۔ قرآن کے انکار اور اس کی تمثیلات میں طعن سے پہلے انہیں اصل گمراہی حاصل تھی۔ لیکن نزول قرآن اور اس کے اعجاز کے انکار کے بعد انہوں نے گمراہی کا اور مرتبہ حاصل کر لیا ہے جو کہ پہلے انہیں حاصل نہ تھا۔ ہاں اس مرتبہ تک ترقی کی استعداد ان میں چھپی ہوئی تھی جو اس وقت ظاہر ہوئی کیونکہ یہ فاسق

**اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ** وہ لوگ ہیں جو کہ اس عہد کو توڑتے ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھا ہے اس کو پختہ کرنے کے بعد۔

یہاں جاننا چاہئے کہ کسی شخص نے جب کلمہ اسلام زبان پر جاری کیا۔ اور پیغمبر علیہ السلام یا اس کے خلفاء میں سے کسی خلیفہ کے ساتھ بیعت کی پیغمبر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا اور اس کا نائب جانا تو اس نے خدا تعالیٰ کے ساتھ عہد باندھا کہ اس کے احکام میں سے جو کچھ بھی اس پیغمبر علیہ السلام کے واسطہ سے اسے پہنچے گا اسے قبول کرے گا۔ اور جب پیغمبر علیہ السلام کی صحبت میں پہنچا یا اس کی سیرت و شمائل کی کتابیں پڑھیں اور جب ان کے عادات و اطوار جو کہ سراسر ان کی حقانیت کی دلیل ہیں مطلع ہوا اور ان کے معجزات اور ان کی امت کے اولیاء کے کمالات کو دیکھا یا سنا۔ اس عہد کو پختہ کیا۔

اس حالت کے بعد اگر معاذ اللہ امر اسلام میں اپنے دل میں شبہ کو جگہ دے اور اس شبہ کی وجہ سے احکام شرعیہ میں طعن کرنا شروع کر دے تو یقین ہے کہ یہ شخص عقل و شرع کی حد

marfat.com
Marfat.com

سے باہر ہوا اور اس نے گمراہی کے اونچے مرتبے پر ترقی کی جو کہ اسے اسلام میں آنے۔ پیغمبر علیہ السلام اور ان کے معجزات دیکھنے یا ان کے عادات واطوار سننے سے پہلے حاصل نہ تھی۔ پس یہ حالت ظاہر علامت ہے اس پر کہ یہ شخص سرکش اور کفر کی ادنیٰ حد سے خارج اور اس کی اعلیٰ حد کو پہنچنے والا ہے۔

اور مفسرین میں سے بعض نے اس عہد کو الست بربکم والے دن کے عہد پر محمول فرمایا ہے۔ اور کہا ہے کہ بنی آدم کی ارواح میں سے ہر روح کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ان کی پشت سے باہر نکال کر چھوٹی چیونٹیوں کی شکل میں پھیلایا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ان میں ودیعت فرمایا ہے۔ اور ان سے اس مضمون کا اقرار کروایا ہے۔ تو اس وقت تمام نفوس انسانی نے اپنے پروردگار کے ساتھ عہد باندھا ہے کہ اس کے غیر کو اس کے ساتھ شریک نہیں کریں گے۔ اور اس کے احکام کی اطاعت کی رسی سے باہر نہیں جائیں گے۔

اور اس عہد کو پکا اور پختہ کرنا دو طریقوں سے ہے پہلا طریقہ دلائل توحید کو ان کے حق میں اس طرح گاڑنا کہ اگر وہ اپنی عقلوں کو اوہام کے پردوں سے صاف کرلیں تو ان دلیلوں کو پالیں اور یہی معنی ہے **اشھدھم علی انفسھم** کا۔ دوسرا طریقہ انہیں یہ عہد یاد دلانے اور شبہات وہمیہ دور کرنے کیلئے رسل علیہم السلام کو معجزات دے کر بھیجنا ہے۔ اور اس عہد کو توڑنا یہ ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید اور اپنی خواہشات اور شہوتوں کی اتباع میں اس قدر نیچے چلے جائیں۔ اور بدنی لذتوں اور دنیوی منفعتوں کو اختیار کریں کہ وہ علم ضروری ان سے چھپ جائے۔ اور اسے ریافت نہ کرسکیں اور جب ان تاکیدوں کے باوجود جو کہ اس عہد میں واقع ہوئیں اسے توڑ دیں اور اس کی مخالفت پر اصرار کریں تو یقین ہے کہ ان کی سرکشی اور عناد کا کمال ثابت ہوگا۔ حالانکہ وہ اسی قدر پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ

## قطع تعلقات کی صورتیں چند ایک ہیں

**وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ** اور وہ اس تعلق کو قطع کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ملانے کا حکم دیا ہے۔ پہلا تعلق جو کہ روح کو مبادی عالیہ ملاء اعلیٰ اور عالم جبروت و

marfat.com

Marfat.com

ملکوت کے ساکنوں کے ساتھ ہے۔ اور اسے قطع کرنا شہوتوں کی پیروی میں مشغول ہونے' تاریکی پھیلانے والے جواہر دنیوی سے محبت اور گھٹیا فانی امور پر حرص کرنے کی وجہ سے ہے۔ دوسرا تعلق جو کہ حضرات انبیاء علیہم السلام مرشدوں اور واعظوں کے ساتھ جبلت انسانی کے حکم کے ساتھ ثابت ہے۔ اور اس تعلق کو قطع کرنا کافروں' منافقوں اور بدعتیوں کے پاس بیٹھنے' ان کے شبہات سننے اور نیکوں کے عادات واطوار میں طعن کرنے کی وجہ سے ہے۔ تیسرا تعلق قرابت اور رحم ہے۔ اور ان کا قطع کرنا چند قسموں کا ہے۔ ان میں سے ایک ملاقات ترک کرنا اور حاضری چھوڑ دینا ہے۔ جبکہ اس کی حاضری کی امید کی گئی ہو جیسے شادی' غم' بیمار پرسی اور امداد۔ دوسرا ان کے ساتھ احسان اور مروت چھوڑ دینا' تیسرا انہیں تکلیف پہنچانا اور ان تعلقات کو قطع کرنا باوجودیکہ ان کا لحاظ کرنا مقتضی عقل بھی اور مقتضاء شرع بھی ہے صریح دلیل ہے کہ یہ شخص عقل وشرع کے دائرہ سے باہر نکل چکا ہے۔

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔

## زمین میں فساد کرنے کے چند طریقے

چند طریقوں سے پہلا یہ کہ لوگوں کو ایمان سے متنفر کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صلحاء امت کے عیب تلاش کر کے تشہیر کرتے ہیں۔ تا کہ لوگ پیغمبر علیہ السلام کی صحبت کی تاثیر اور اس دین کی خوبی سے بداعتقاد ہو جائیں۔

دوسرا یہ کہ بری رسموں اور بری بدعتوں کو لوگوں کے مال' انعام اور احسان میں طمع دلانے کی وجہ سے بدعتیوں اور فاسقوں میں رائج کرتے ہیں۔

تیسرا یہ کہ اپنی خواہش اور غضب کو جاری کرنے میں بے باکی کرتے ہوئے قتل کرتے' زخمی کرتے' مارتے' گالیاں بکتے' تاوان لیتے اور مال لوٹتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ جانوں' مویشیوں اور کھیتیوں کو ضائع کرنے' ڈاکے مارنے اور ذخیرہ اندوزی کرنے تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ان چیزوں کی وجہ روئے زمین خراب ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ لوگ ان حرکات کی وجہ سے اپنے مقصد تک جو کہ دین حق کی توہین اور اہل صلاح اور نیکوں کی تحقیر ہے نہیں پہنچتے بلکہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یہ لوگ وہی خسارے میں ہیں۔ جنھوں نے اپنے راس

marfat.com

Marfat.com

اعمال کو جو کہ عقل تھی اور اس کی وجہ سے انہیں کثیر نفعوں کی امید تھی جو کہ دنیا میں کتاب کے فوائد اور آخرت میں بہشت کی لذیذ نعمتیں ہیں ضائع کر دیا۔ اور اس کی بجائے ان ہلاک کرنے والی چیزوں کو جو کہ مرنے کے بعد سانپوں اور بچھوؤں کی صورت میں نمودار ہوں گی خرید لیا۔ تو ان کے حق میں وہی مثال درست ہوئی اعطیٰ درۃ واخذ اجرۃ موتی دیا اور اینٹ لے لی۔

اور تم اس قرآن پاک کے تتبع سے عاجز ہو گئے۔ اور تمہارے معبود اور مشکل کشا بھی تمہاری مدد کرنے سے عاجز ہو گئے تو معلوم ہوا کہ تم قرآن پاک کو کلام الٰہی جانتے ہوئے انکار کرتے ہو تو یہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جبکہ آدمی سے اپنی ابتداء اور انتہا کو جاننے کے باوجود خدا تعالیٰ کے ساتھ کفر کا تصور نہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ تم کس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات سے کفر کتے ہو وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا حالانکہ تم بے جان قسم تھے تم میں کوئی حس وحرکت نہ تھی پہلے تم عناصر تھے اس کے بعد تم ماں باپ کی غذا ہوئے۔ اس کے بعد نطفہ اس کے بعد جما ہوا خون اس کے بعد گوشت کا ٹکڑا اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی عنایت تمہاری طرف متوجہ ہوئی فَاَحْيَاكُمْ ۔ پس اس نے روح پھونک کر تمہیں زندہ کیا۔ یہاں تک کہ تم میں حس وحرکت پیدا ہو گئی لیکن بے عقلی کی وجہ سے مردے کی طرح جاہل تھے یہاں تک کہ اس نے تمہیں عقل کامل بخشی۔ اور تمہیں ایک اور زندگی عطا فرمائی اور ابھی ان چیزوں کو جاننے میں مردہ کی طرح تھے جنہیں عقل دریافت نہیں کر سکتی یہاں تک کہ تم پر کتاب نازل فرمائی اور حضرت پیغمبر علیہ السلام کی زبان پاک سے اس کتاب کی شرح کرائی اور تمہیں ایک اور زندگی بخشی۔

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ پھر تمہیں موت دے گا۔ نہ اس لئے کہ تمہیں نیست ونابود کر دے۔ بلکہ اس لئے کہ اس تنگ فانی سرائے سے کھلی ہمیشہ رہنے والی سرائے میں تمہیں منتقل کرتا ہے۔ تا کہ اپنے علم اور کمائے ہوئے عمل کی جزا اس سرائے میں دیکھو۔

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ پھر تمہیں زندہ فرمائے گا۔ جبکہ صور میں پھونک ماری جائے گی۔ اور یہ زندگی پہلی زندگی کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ پہلی زندگی میں تم اپنے خالق سے حجاب میں

marfat.com
Marfat.com

تھے۔ اور اس زندگی میں حجاب بالکل اٹھ جائے گا۔

ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو جو ابتداء سے انتہاء تک کسی کے احسان کا گروی اور اس کے انعام کا امیدوار ہو۔ اور ہر حال میں اس کا کام اسی ذات سے وابستہ ہو اس سے کیسے ممکن ہے کہ وہ اس ذات کے ساتھ کفر کرے۔

## سوالات اور ان کے جوابات

یہاں چند جواب طلب سوال باقی رہ گئے پہلا یہ کہ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا کے جملے کا تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ کے ساتھ کیا رابطہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حال ہوگا۔ اور اس کے حال ہونے میں چند وجہ سے اشکال آتا ہے۔ پہلا اشکال یہ کہ جملہ ماضی جب حال واقع ہو تو ضروری ہے کہ قد مقدر ہو۔ اور قد کا خاصہ یہ ہے کہ ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے۔ حالانکہ ان کا ماؤں کے پیٹ میں بے جان ہونا ماضی بعید ہے۔ قد کے داخل ہونے کا محل نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی ماضی بعید کو قریب اعتبار کرتے ہیں۔ اور قد کا لفظ اس پر داخل کرتے ہیں۔ جس طرح کہ اس میں کیف تکذب و قد قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المؤمن لا یکذب تو کیسے جھوٹ بولتا ہے۔ حالانکہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ مومن جھوٹ نہیں بولتا۔ چونکہ جب حضور علیہ السلام کا قول اس حدیث پاک کو محفوظ کئے ہوئے۔ اور اس پر عمل ہو رہا ہے اسے قریب اعتبار کیا گیا اگرچہ ماضی بعید ہے۔ اسی طرح یہاں جب زندگی کی گھڑیاں اور زمانہ عمر جلدی گزر گیا۔ اور گزرتا ہے۔ اگرچہ دور ہے نزدیک معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا اشکال یہ کہ اس تقدیر پر ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون کا عطف وکنتم اموانا پر مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ امور صرف زمانہ مستقبل کے ہیں۔ اگر یہ اس پر معطوف ہوں تو حال ہوں گے۔ اور صرف مستقبل حال نہیں ہو سکتا۔ صاحب کشاف نے اس اشکال سے اس طرح جواب دیا کہ صرف جملہ ماضی حال نہیں۔ بلکہ سارا قصہ حال واقع ہوا تو گویا اس طرح ارشاد ہوتا ہے کیف تکفرون باللّٰہ وقصتکم ھذہ القصۃ لیکن اس جواب میں ابھی خدشہ باقی ہے۔ کیونکہ جو قصہ مستقبل کے امور پر مشتمل ہو اس کا عامل کے وجود کی حالت میں مجموعی طور پر ثبوت مشکل معلوم ہوتا

marfat.com
Marfat.com

ہے۔اس لئے کشاف کی عبارت کی توجیہہ کرنے والوں میں سے اکثر نے اس طرح اختیار کیا ہے کہ مجموعی قصہ حال واقع ہوا ہے۔لیکن معلوم ہونے کے اعتبار سے نہ کہ وقوع کے اعتبار سے اور اس قصہ کا علم عامل کے قریب ہے۔

اور اس جواب میں الجھن باقی ہے۔اور وہ یہ ہے کہ کافروں کو یہ قصہ معلوم نہیں تھا اور اگر ان میں سے بعض نے دیدہ دانستہ بحث کی ہوگی۔تو احتمال ہے۔لیکن ان میں سے اکثر دوبارہ زندہ کئے جانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے پر یقین نہیں رکھتے اور پچھلے مفسرین میں سے بعض نے یوں کہا ہے کہ یہاں مستقبل کے امور ثم کے معنی کے اعتبار سے بمعنی ماضی تاویل کئے گئے ہیں۔اس لئے کہ ثم کا معنی تراخی کے ساتھ عطف ہے۔پس کلام کا معنی یوں ہوگا فاحیاکم و تراخی اماتته و تراخی احیاء ہ ایاکم و تراخی رجوعکم الیه یعنی۔پس اس نے تمہیں زندہ فرمایا۔اور اس کا تمہیں موت دینا دیر سے ہوا اور اسی کا تمہیں زندہ کرنا دیر سے ہوا اور تمہارا اس کی طرف رجوع دیر سے ہوا اور اس وجہ میں یہی خدشہ باقی ہے۔اس لئے کہ امور کے دیر سے ہونے کو عدم کفر میں دخل نہیں۔اور اس کے علاوہ تراخی جو کہ ثم کا مدلول ہے ایک حرف کا معنی ہے جس میں استقلال بالکل نہیں۔بلکہ غیر کے ملاحظہ کا آئینہ ہے۔اور بس اور حال کو چاہئے کہ معنی مستقل ہو۔اور اگر حرفی معنوں کو اسمی معنوں میں لے کر وصف اور حال کیلئے استعمال کیا جائے تو حرفی اور اسمی معنی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

پس سب سے صحیح توجیہہ یہ ہے کہ جملہ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ کلام کا مقطع یعنی ختم ہونے کی جگہ ہے۔اور ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ، كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ کے جملہ پر معطوف ہے۔اور کلام کا حاصل یہ ہے کہ اپنے حال کی ابتداء جاننے کے باوجود تم سے کفر کا ہونا بعید ہے۔اور اگر یہ سب کچھ جاننے کے باوجود تم کفر اختیار کرتے ہو تو ایک موت اور ایک زندگی پھر تمہارے سامنے ہے اس کفر کی سزا اس موت اور حیات میں چکھو گے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ فَاَحْيَاكُمْ میں فا استعمال کی۔اور اس کے معطوفات میں لفظ ثُمَّ لائے ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو موت وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا میں مذکور ہے وہی ہے جو کہ باپ کی پشت میں نطفہ کو اور ماں کے پیٹ میں مل کو ہوتی ہے۔یعنی

marfat.com
Marfat.com

عدم حیات اور یہ عدم حیات' زندہ کرنے کے وقت تک دراز ہے۔ پس احیاء اس سے ملا ہوا ہوگا۔ اور فـــا کے داخل ہونے کا محل ہوگا۔ اور موت دینا' احیاء سے بہت تاخیر رکھتا ہے۔ اگرچہ حیات سے متراخی نہیں۔ اور اسی طرح احیاء بھی موت دینے سے متراخی ہے۔ اگرچہ موت سے متراخی نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح رجوع الی اللہ دوسرے احیاء سے متراخی ہے۔ پس ثم کے آنے کا محل ہوا۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ بعض مفسرین نے ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ کو قبر میں نکیرین کے سوال کیلئے زندہ کرنے پر محمول کیا ہے۔ اور ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ کو حشر ونشر کے دن ثواب وعذاب کیلئے زندہ کر کے اٹھائے جانے پر۔ اس توجیہہ میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ من حیث اللفظ اگرچہ توجیہہ کا احتمال ہو لیکن معنی کے اعتبار سے موزوں نہیں۔ کیونکہ اگر قبر کی حیات کو حیات حقیقی اعتبار کر لیا جائے تو بعث' حشر اور نشر کے وقت اس حیات پر کسی دوسری حیات کا وارد ہونا کوئی صورت نہیں رکھتا کیونکہ زندہ کو زندہ کرنا بے معنی ہے۔ تو دو امروں میں سے ایک ارتکاب چاہیے یا تو قبر میں ایک اور موت کا قائل ہونا چاہیے۔ اور وہ اجماع کے خلاف ہے۔ نیز اس کلام کے اسلوب کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں یوں کہنا چاہیے تھا کہ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ یا اس بات کا قائل ہونا چاہیے کہ بعث حشر اور نشر کی حیات مجازی ہے حقیقی نہیں۔ اور وہ صریح طور پر باطل ہے۔

بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حیات کا معنی روح کا بدن سے متعلق ہونا ہے۔ اور قبر میں روح کا تعلق بدن سے بالکل نہیں ہے۔ بلکہ جسم سے جدا ہونے کے بعد روح میں شعور اور ادراک باقی رہنے کو حیات سے تعبیر فرماتے ہیں۔ پس حیات قبر کو مجازیت پر محمول کرنا متعین ہے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ بعض لوگوں کو قرآنی نصوص کے اعتبار سے تین بار موت درپیش آئی جیسے حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال تک موت دے کر پھر زندہ کئے گئے۔ پھر دوسری موت جو کہ جاری ہے چکھائی گئی۔ اسی طرح بنی اسرائیل میں سے وہ لوگ جو وبا کے ڈر سے بھاگ کر باہر آ گئے تھے انہیں فرمایا گیا مُـــوْتُـــوْا پھر انہیں زندہ کیا گیا۔ اور اسی طرح بنی

marfat.com
Marfat.com

اسرائیل میں سے وہ لوگ جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ میقات میں گئے تھے بجلی سے مر گئے۔ اس کے بعد زندہ کیے گئے۔ چنانچہ اسی صورت میں آتا ہے ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ اور جب موت کے بعد احیاء لازم ہے۔ تو اس جماعت کو احیاء بھی تین مرتبہ واقع ہوا اور اس آیت میں صرف دو موت اور دو حیات پر اکتفا مطلقاً کس طرح درست ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دو موت اور دو حیات پر زیادہ کرنا عادی نہیں۔ اور یہاں ان نعمتوں اور تصرفات کا ذکر ہے جو کہ عادت کے حکم سے جاری ہیں۔ اور ہر کس و ناکس میں پائے جاتے ہیں۔ اور اس دو بار سے زیادہ موت اور حیات بعض افراد اور بعض جماعتوں کے ساتھ مخصوص ہے قاعدہ کلیہ نہیں۔

اور باوجود اس کے دو بار سے زائد موت و حیات کا علم مخاطبین کو حاصل نہ تھا۔ کیونکہ وہ گزشتہ امتوں کے واقعات پر مطلع نہ تھے۔ اور ان کے خطاب میں زائد کے ذکر کی کوئی وجہ نہ تھی۔

یہاں جاننا چاہئے کہ اس آیت میں علم عقائد سے عمدہ امور ضروریہ دلائل کے ساتھ بیان فرمائے گئے۔ سامع کو چاہئے کہ وہ ان امور عظیمہ سے ان کے دلائل سمیت خبردار ہو۔

## علم عقائد کا دلائل کے ساتھ بیان

پہلا امر عظیم یہ کہ عالم کو ایک پیدا کرنے والا ہے۔ جاننے والا' طاقتور' زندہ' سننے والا' دیکھنے والا اور اپنے ماسوی سے بے نیاز۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ زندہ کرنے اور موت دینے کی قدرت اس کے غیر کو حاصل نہیں ہے۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ حشر و نشر برحق ہے۔ کیونکہ پہلی مرتبہ کام کرنے کی نسبت سے دوسری مرتبہ کام کرنا زیادہ آسان ہے۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو امر و نہی کی تکلیف دی ہے۔ اور ان کیلئے عالم آخرت میں خوف اور امید کے اسباب مہیا فرمائے ہیں۔ اور ان میں سے یہ ہے کہ دنیا میں بے رغبتی اختیار کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ اس زندگی کے بعد ایک موت

marfat.com
Marfat.com

درپیش ہے۔ اور یہ زندگی موت میں بدل جائے گی۔ اور جو صورت کہ اس حالت میں ہے۔ اور جو مال' اولاد' گھر اور باغ اس زندگی کے نفع کیلئے دیئے گئے واپس لے لیں گے اس حد تک کہ موت کے بعد کسی چیز کا مالک نہ رہے گا۔ اور دنیا سے اس کے پاس کوئی نشان نہیں چھوڑیں گے مدت دراز لحد میں گزرے گی کہ اگرچہ اسے آواز دیں جواب نہیں دیتا اور اگرچہ اس سے پوچھیں کوئی بات نہیں کہتا۔ اور دلوں سے یہاں تک اتر جاتا ہے کہ رشتہ داروں کو اس کی زیارت کی پرواہ نہیں رہتی اور اہل خانہ اور قبیلے والے اسے بالکل بھلا دیتے ہیں۔ جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے کہ (بیت) ایک دن دو بیتوں نے میرا جگر کباب کر دیا کہ ایک کہنے والا رباب کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ اس جگہ ہمارے بغیر بے شمار زمانوں میں پھول آئیں گے۔ اور نئی بہاریں کھلیں گی۔ بہت سے موسم خزاں' موسم سرما اور موسم بہار آئیں گے لیکن ہم خاک اور اینٹ ہوں گے۔

اور جب اس زندگی کی حالت ایسی ہے۔ تو وہ اس قابل نہیں کہ اس سے دل باندھا جائے۔ اور اسے ہمیشہ کی زندگی پر جو کہ آگے ہے پسند کیا ہے۔ اور اگر کافر کہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہمارے زندہ کرنے اور موت دینے کا مصدر ہے۔ لیکن وہ ہم پر کوئی حق ثابت نہیں رکھتا کہ ہمیں اس کی نعمت کی ناشکری اور اس کے غیر کی التجا نقصان دینے والی ہو۔ کیونکہ ہمارے زندہ کرنے اور موت دینے کا صدور اس سے قصد و اختیار کے طریقے سے نہیں۔ بلکہ ہمارے وجود کے اسباب اس سے صادر ہوئے تھے۔ اور اسباب رفتہ رفتہ یہاں تک پہنچے کہ ہم بھی عرصہ وجود میں آ گئے ابتداء سے ہماری ایجاد کا قصد نہیں رکھتا تھا کہ ہم پر اس کا کوئی احسان ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ تمہارا یہ عقیدہ غلط ہے۔ کیونکہ

**هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ** وہ ذات پاک ایسی ہے کہ جس نے تمہاری پیدائش سے پہلے تمہارے مقدر فرمایا۔

**مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا** جو کچھ کہ زمین ہے سب کچھ۔ جیسے اچھی غذا' مرغوب خوشبوئیں' اچھی آوازیں' خوبصورت چہرے اور دوسرے مزے' لذتیں' لذیذ چیزیں اور خواہشات۔ اور زمین میں سے بعض چیزوں کو ان مطالب اور ان مرغوبات کو تیار کرنے اور

marfat.com
Marfat.com

ان کی استعداد حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا جیسے تیر وکمان' جال اور کانٹا شکار کیلئے۔ اور لکڑی اور لوہا اور بیل اور رسی کاشتکاری اور درخت لگانے کیلئے اور بعض چیزوں کو نقصان دور کرنے اور آرام وقرار کے حصول کا ذریعہ بنایا جیسے گرمی اور سردی کے دفعیہ کیلئے گھر اور خیمہ اور دوائی مرض دور کرنے کیلئے اور بعض چیزوں کو عبرت حاصل کرنے اور زیادہ باخبر ہونے کیلئے پیدا کیا جیسے موت اور بیماری اور مشقت اور درد اور موت میں اور فائدہ بھی ہے کہ اگر پہلے لوگ نہ مرتے اور پچھلے پیدا ہوتے رہتے تو اتنی کثیر تعداد کی زندگی بسر کرنے کو زمین تنگ ہو جاتی اور باہم ازدہام اور تصادم ہوتا پہلے لوگ ریاست اور مرتبے پر غلبہ جمائے رکھتے اور پچھلے ریاست اور حکمرانی کی لذت سے محروم رہتے۔

اسی طرح مشقتوں اور تکلیفوں میں دوسرے فوائد ہیں۔ ان میں سے عمدہ یہ کہ اگر مشقت نہ ہوتی تو اس مشقت کو دور کرنے کا کارخانہ اور ان اسباب کو تیار کرنے والے معطل رہتے۔ مثلاً اگر چور نہ ہوتا تو پہرے دار کیا کام کرتا اور اگر دشمن کا خطرہ نہ ہوتا تو قلعہ اور قلعہ بنانے والے بے کار رہتے اسی طرح اگر موسم سرما کی مشقت نہ ہوتی تو شال بننے والے بے کار ہوتے۔ اور اگر موسم گرما نہ ہوتا تو خس خانہ اور پنکھا معطل ہوتا اور اگر بھوک نہ ہوتی تو باورچی کیا کرتا اور اگر پیاس نہ ہوتی تو پانی والا نوکر اور سقہ بے کار رہتے اور اگر مرض نہ ہوتی تو دوا' طبیب' دوا فروش' فصد کرنے والا۔ اور جراح سب بے فائدہ ہوتے۔

اور بعض چیزوں کو کمالات حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ جیسے حواس ظاہر اور حواس باطن اور ان امور کی استعدادوں کی مدد کرنے والی چیزیں جیسے دوات' قلم' کاغذ' سیاہی' استاد اور معلم اور بعض چیزوں کو عذر اور کوتاہیوں کو صحیح کرنے کیلئے پیدا فرمایا جیسے بھول اور خطا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جو کچھ جہان میں ہے سب آدمیوں کے کام میں لگا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ زہر قاتل کہ بعض دواؤں میں اس سے بھی نفع ہوتا ہے۔ اور آدمی کی پیدائش سے پہلے ان چیزوں کو مقدر کرنا اس بات کی صریح دلیل تھی کہ آخر کار ایک مخلوق کو پیدا کیا جائے گا جو کہ ان چیزوں سے کام لے اور مصروف کرے جس طرح کہ آدمی کی پیدائش اور اسے ان ساری چیزوں کا محتاج بنانا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آدمی میں ان تمام چیزوں کے اسرار رکھے

marfat.com
Marfat.com

گئے ہیں ورنہ اس کے ان چیزوں میں تصرف اور انہیں حکمت کے مطابق استعمال کرنے کی صورت نہ بنتی اور جب یہ چیزیں جو کہ زمین میں مقدر تھیں زمین سے خود بخود ظاہر نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ زمین تو صرف قبول کرنے والی ہے۔ اور صرف قبول کرنے والے سے بالفعل کوئی چیز نہیں ہوتی اس لئے تمہاری منفعت کی تکمیل کیلئے ایک اور عنایت فرمائی کہ

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ پھر آسمان کی طرف راست توجہ فرمائی کیونکہ آسمان' زمین کے اندر کی چیزیں حاصل کرنے کیلئے اسباب کو ضمن میں لئے ہوئے تھا۔ فَسَوّٰهُنَّ ۔ پس ان آسمانوں کو اس طرح درست فرمایا کہ ان میں کوئی درز' شگاف اور کجی نہ رہی اور اعتدال کلی حاصل ہوا۔

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سات آسمان تاکہ سیر کرنے والے کواکب ان میں حرکت کریں۔ اور ان کی حرکتوں سے قسم قسم کے اطوار ظاہر ہوں۔ اور ان اطوار سے وہ چیزیں جو زمین کے اندر چھپی ہوئی۔ اور مخفی ہیں ظاہر ہوں۔ جیسے بارش کا برسنا' میووں' دانوں اور غلوں اور گھاس کا پکنا سورج کے ساتھ اور رنگ اور مزہ اور خاصیتیں چاند اور دوسرے ستاروں کے ساتھ۔ چاروں فصلوں کی تبدیلی سورج کے قریب اور دور ہونے کے ساتھ اور دانوں اور ہر موسم کے پھلوں کا تیار ہونا اور ان اسباب کی ضرورت کا لاحق ہونا جو کہ ہر موسم کے نقصان کو دفع کرتے ہیں۔ جیسے مضبوط عمارتیں بارش کے وقت' گرم ملبوسات موسم سرما میں' خس خانہ' پنکھا اور برف موسم گرما میں اور ضیاء اور روشنی ہر حال میں آسمان کواکب سے ہے۔ اس لئے کہ زمینی جسموں میں چمکنے والا جوہر آگ کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور اس جوہر آتش کی ہمیشگی انسانی بقا میں خلل ڈالتی ہے بخلاف آسمانی چمکنے والے جواہر کے۔

اور باوجود اس کے جسم آتش کا نور عام اور باقی نہیں ہے۔ بلکہ ہر وقت امداد اور ایندھن اور خس و خاشاک کے جلنے والے مادے کے خرچ کرنے کا محتاج ہے۔ جس طرح جو کچھ زمین میں ہے اس کے اسرار آدمی میں دویعت رکھے گئے ہیں۔ اور اس وجہ سے ان سے نفع حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح جو کچھ آسمانوں میں ہے اس کے اسرار بھی اس میں رکھے گئے ہیں۔ تاکہ آسمانی چیزوں سے نفع حاصل کرے۔ اور نفع لینے کی ایک قسم جو کہ نفع لینے کی

marfat.com
Marfat.com

سب قسموں سے عمدہ ہے نچلی مخلوقات کے اعتبار سے بھی جو کہ زمین میں ہے۔ اور اوپر کی مخلوقات کے اعتبار سے بھی جو کہ آسمانوں سے ہے نوع انسانی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور نفع لینے کی وہ قسم آیات قدرت اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے دلائل سے استدلال ہے۔ چنانچہ اسی نفع لینے کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے سنریھم ایا تنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق ۔(حم السجدہ آیت ۵۳) نیز جو نفع ان چیزوں سے آخرت اور اس جہان کے ثواب و عذاب کو یاد کرانے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے وہ بھی نوع انسانی کے ساتھ خاص ہے۔ اس لئے وہ کہ انس اور لذت کے اسباب جو کہ کھانے اور پینے کی چیزوں اور پھلوں' منکوحات اور سواریوں میں سے جسے دیکھتا اور سنتا ہے جنت کی نعمت کو اسی پر قیاس کرتا ہے۔ اور وحشت اور درد کے اسباب جیسے غم' خوف' گرنے والی بجلی' آگ' درندے' طوق' زنجیر' سانپ اور بچھو کو دیکھتا اور سنتا ہے۔ تو عذاب دوزخ کو اس پر قیاس کرتا ہے۔

اور اس مقام پر سات آسمانوں کے ذکر کی تخصیص اس لئے ہے کہ نچلی کائنات کے آثار جو کہ زیادہ تر نوع انسانی کو مطلوب و درکار ہیں انہیں سات آسمانوں اور ان کے ستاروں کے ساتھ ہیں ورنہ ان چیزوں کے اصول عرش و کرسی کی ارواح مدبرہ سے ظاہر ہوئے ہیں۔ اور انسان بلکہ ہر مخلوق کو سب سے عظیم نفع ان ہی سے ہے۔ لیکن چونکہ نچلی کائنات کا ان سے رابطہ ظاہر بینوں کی نظر سے پوشیدہ اور چھپا ہوا ہے۔ اس لئے عرش و کرسی بلکہ لوح و قلم کا ذکر بھی اس مقام میں نہیں فرمایا گیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ آدمی کو زمین و آسمان کی چیزوں سے نفع پہنچانے اور ان چیزوں میں اس کے کام میں آنے کی صلاحیت پیدا کرنے میں اس امر پر صریح دلیل ہے کہ آدمی کا وجود اور اسکی زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے معرض وجود میں آئے وہ اس قبیلے سے نہیں کہ دوسری چیزوں کی پیدائش اس تک کھینچی گئی ہو بغیر اس کے کہ وہ مقصود بالذات ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اس چیز کے سبب سے رابطے کو جانتا ہے۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ پس وہ ہر چیز کو جو کہ زمین و

marfat.com
Marfat.com

آسمان میں ہے جانتا ہے۔ اور ان تمام چیزوں کے اسرار کو آدمی میں ودیعت رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح وہ ان کی موت کے بعد ہر مرنے والے کے اجزاء کو جانتا ہے۔ پس مردہ کے تمام اجزاء کو اس کے لوٹانے کیلئے جمع کرنا اس کے نزدیک آسان کام ہے۔ نیز ہر عمل کا تقاضا جو کہ اچھی یا بری جزا ہے جانتا ہے۔ اور جو ان نعمتوں کے شکر کا تقاضا ہے۔ اور جو ان نعمتوں کی ناشکری کا تقاضا ہے وہ بھی جانتا ہے۔ پس ان چیزوں کا جاننا آدمی کو مجبور کر کے اس امر پر کھینچتا ہے کہ اس کی نعمت کی ناشکری نہ کرے۔ اور اس کے نازل کئے ہوئے احکام کا انکار نہ کرے۔

## سوالات اور جوابات

یہاں دو جواب طلب سوال باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا دلالت کرتا ہے کہ زمین میں جو کچھ ہے اس فائدہ لینا ہر ایک کیلئے مباح ہے۔ جیسا کہ اباحتیوں کا مذہب ہے۔ حالانکہ حرام چیزوں کی حرمت تمام شریعتوں میں یقیناً ثابت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام چیزوں کی تمام آدمیوں کے نفع کیلئے پیدائش اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ ہر چیز سے ہر آدمی نفع لے سکتا ہے۔ بلکہ اس آیت میں جَمِيْعَ مَا فِي الْاَرْضِ کا مقابلہ جمیع بنی آدم کے ساتھ تقاضا کرتا ہے کہ پہلے کے افراد دوسرے کے افراد پر تقسیم ہوں۔ پس جو چیز غیر کے حق کے ساتھ متعین ہوگئی۔ اور اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے کسی کی ملک ہوگئی اس سے نفع لینا صاحب حق کی اجازت کے بغیر جائز نہ ہوگا۔ اور اسی طرح جَمِيْعَ مَا فِي الْاَرْضِ سے بنی آدم کا نفع لینا تقاضا نہیں کرتا کہ ہر کسی کو ہر چیز سے ہر قسم کا فائدہ لینا جائز ہوگا بلکہ فائدہ لینے کی وجوہ کو مقرر کرنے کیلئے شرع شریف کی طرف رجوع کرنا چاہئے مثلاً عورت سے جو فائدہ لینا ہے وہ مقاربت کے ساتھ ہے۔ اور جو فائدہ لینا ماں اور بہن سے ہے وہ شفقت و امداد کے ساتھ ہے۔ اور پانی سے نفع لینا پینے کے ساتھ ہے۔ اور آگ سے فائدہ لینا کھانا پکانے سے ہے۔ بلکہ لفظ لَكُمْ کا لام نفع والا جو کہ اس میں موجود ہے اس بات پر صریح دلیل ہے کہ ان سب چیزوں کو اپنے نفع میں استعمال کرو نہ کہ ضرر میں۔

marfat.com
Marfat.com

ضرر کی دو قسمیں ہیں دنیوی اور دینی۔ دنیوی کو اہل تجربہ جانتے اور سمجھتے ہیں۔ اور دینی کو انبیاء علی نبینا و علیہم السلام جان سکتے ہیں۔ کیونکہ دینی نقصان کے ظہور کا وقت آخرت ہے۔ اور اس وقت کو کوئی دریافت کر کے نہیں آیا تا کہ اس نے اس ضرر کا تجربہ حاصل کیا ہو تو اس نقصان کی پہچان کا اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ پیغمبروں علیہم السلام کی بات سنیں اور اس پر یقین کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حرام چیزوں کی حرمت تمام شریعتوں میں واقع ہیں۔

اور اگر کوئی کہے کہ زمین میں بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جن سے نفع لینا شریعت میں ہر طرح رائیگاں قرار دیا گیا ہے۔ اور اسے قیمت والے مال کی جنس خارج کیا گیا ہے۔ جیسے شراب اور خنزیر۔ ان چیزوں سے نفع لینے کی کیا صورت ہوگی۔ ہم کہیں گے کہ جس طرح کہ زمینی چیزوں میں اس طرح کی چیزیں پیدا کی گئی ہیں جو کہ محض بے قدر ہیں اسی طرح بنی آدم کے گروہ میں ایک ایسا فرقہ پیدا کیا گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محض بے قدر ہے اس فرقے والے ان بے قدر چیزوں سے نفع یاب ہوتے ہیں۔ مثال مشہور ہے کہ ہر گندا پکانے والے کو گندا کھانے والا ہے۔ اور اہل عقل و شرع جو اس بے قدر گروہ کو ان چیزوں سے نفع اٹھاتے دیکھتے ہیں۔ اور ان کا نفس بھی ان سے نفع لینے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو حکم شرع کے مطابق اس سے بند رکھتے ہیں انہیں [illegible] یم حاصل ہوتا ہے کہ وہ صبر کے ثواب کے مستحق ہوتے ہیں اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ زمین میں ہے اس کی خلقت آسمانوں کی خلقت سے پہلے ہے۔ اور یہی معنی سورت حم السجدۃ میں پوری صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ اور وہ جو سورت نازعات میں آیا کہ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا صریح دلالت کرتا ہے کہ زمین کو پھیلانا اور بچھانا آسمان کی خلقت اور اسے برابر کرنے بلکہ کواکب کی حرکات کے بعد ہے۔ اور دن رات کے ظہور کے بعد اور ظاہر ہے کہ زمین کی خلقت اور جو کچھ زمین میں ہے بغیر زمین کے بچھانے کے ممکن نہیں۔ پس دونوں آیتوں کے مضمون میں تعارض اور ٹکراؤ ہو گیا۔ اور اس کے باوجود خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا کا لازم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو کچھ زمین میں اس کی خلقت کی

marfat.com
Marfat.com

ابتداء سے لے کر اس خطاب کے وقت تک موجود ہوا ہے وہ آسمانوں کے برابر کرنے سے پہلے ہے۔ اور یہ معنی حس اور حقیقت کے خلاف ہے اس سے قطع نظر کہ دوسری آیت کے معارض ہے صحیح نہیں آیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ کو بمعنی قدر لکم سمجھنا چاہئے۔ اور اسی طرح سورۃ سجدہ میں وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا اقواتها کیونکہ جَمِيعًا مَّا فِي الْأَرْضِ کی خلقت حرکات آسمانی کے واسطہ کے بغیر واقع نہیں۔ پس آسمان کو برابر کرنا متاخر نہیں ہوسکتا۔ اور وہ جو دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ زمین کا بچھانا آسمان کی خلقت سے متاخر ہے۔ اور بعض دوسرے کہتے ہیں کہ آسمان کا برابر کیا جانا زمین کی خلقت سے متاخر ہے۔ تو یہ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا کے عموم اور آیت رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا سے غفلت پر مبنی ہے ہاں احتمال ہے کہ پہلے زمین کو چھوٹا سا پیدا کیا ہوگا ازاں بعد آسمان کی طرف متوجہ ہو کر اور انہیں سات آسمان بنا کر گردش میں لایا گیا رات دن کا نور اور تاریکی ظاہر کر کے پھر زمین کو بچھایا اور جو کچھ تھی اس سے زیادہ وسیع اور فراخ بنائی ہوگی۔ اور اس احتمال پر ساری آیات ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتیں مگر یہ کہ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا کو معدنیات اور نباتات کے ساتھ مخصوص کرنا ضروری ہے۔ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اس احتمال کی تائید کرنے والا قول منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی جگہ ایک ڈھیلے کی شکل کی شے بنائی جس پر دھواں لپٹا ہوا تھا پھر دھواں اوپر اٹھایا اور اس سے آسمان بنائے۔ اور اس ڈھیلے کو اسی جگہ رو کے رکھا اور اس سے زمین کو پھیلایا۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ کا قول کَانَتَا رَتْقًا کہ زمین آسمان بند تھے۔

## زمین و آسمان کی پیدائش میں چند فوائد

یہاں چند فائدے جاننا چاہئے پہلا یہ کہ سدی کی روایت سے ابن عباس اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دوسری جماعت سے اس طرح منقول ہوا ہے کہ آسمان اور زمین کی خلقت سے پہلے دو چیزیں موجود تھیں عرش اور پانی جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ آسمان اور زمین کی

marfat.com
Marfat.com

خلقت کے ساتھ متعلق ہوا پانی سے ایک دھواں اٹھا اور دھواں اٹھنے کی وجہ بعض روایتوں میں اس طرح آئی کہ اس پر ہوا مسلط کی گئی اور اس ہوا کی وجہ سے پانی میں موجیں اور جوش پیدا ہوا اور موجوں کی تیزی حرکت کی وجہ سے پانی کے جوہر میں ایک گرمی پیدا ہوئی جو کہ دھواں پیدا ہونے کا سبب بنی اور وہ دھواں اوپر کی طرف بلند ہوا اور وہی دھواں آسمان کا مادہ ہے جس کے متعلق ایک اور آیت میں اشارہ واقع ہے ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ (الدخان) پھر کچھ پانی میں خشکی اور سختی پیدا ہو کہ زمین کی خلقت کا مادہ بنی۔ پس اس زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے سات زمینیں بنایا اس کے بعد مادہ آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور اسے سات آسمان بنایا۔

اور ان روایات میں زمین کی خلقت کو چار دنوں میں اس تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ بروز اتوار اس دھوئیں کی پیدائش جو کہ آسمان کا مادہ ہے۔ اور اس سخت مٹی کی پیدائش جو کہ زمین کا مادہ ہے کی ابتداء واقع ہوئی۔ اور پیر کے دن زمین کو سات قطعے بنایا گیا۔ منگل کے دن پہاڑوں کو زمین پر گاڑا اور نہروں کو جاری کیا۔ اور بدھ کے دن درختوں کو اگایا گیا۔ اور جانوروں کی روزی' دانہ اور گھاس اس میں پیدا کیا۔ اور جمعرات کے دن آسمان کے مادہ کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں سات آسمان بنایا۔ اور جمعہ کے دن ہر آسمان میں ستارے بنائے۔ اور ان میں سے ہر ستارے کی گردش مقرر فرمائی اور فرشتوں کو ہر آسمان کے کاروبار کیلئے مقرر فرمایا۔ پس سارے جہان کی خلقت چھ دنوں میں اس تفصیل کے ساتھ واقع ہوئی چنانچہ سورت حم السجدہ میں اس تفصیل کا اشارہ فرمایا۔

لیکن یہاں ایک اشکال ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دن اور رات سورج کے طلوع اور غروب کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور آسمان اور زمین کی تخلیق سے پہلے دن رات کا تصور کیسے ہو سکتا ہے۔ علماء میں سے بعض اس کے جواب میں اس طرح کہتے ہیں کہ ان دنوں سے مراد دنوں کی حقیقت نہیں۔ بلکہ دنوں کی مدت ہے۔ یعنی جہان کی ساری خلقت اتنی مدت میں رونما ہوئی کہ اگر اس مدت کو دن رات کی مدت پر قیاس کریں تو چھ دن ہوتے ہیں۔ اور بعض علماء یوں کہتے ہیں کہ دن رات جس طرح سورج کے طلوع وغروب کے ساتھ

marfat.com
Marfat.com

صورت پکڑتے ہیں اسی طرح دوسری حرکات اور گھومنے والے حوادث کی وجہ سے بھی رونما ہو سکتے ہیں۔ پس احتمال ہے کہ آسمان اور زمین کی خلقت سے پہلے کسی وقت عرش کا نور پھیلتا تھا اور اس وقت کو دن اعتبار کرتے تھے۔ اور بعض اوقات چھپ جاتا تھا اور اس وقت کو رات قرار دیتے تھے۔ چنانچہ اب بھی ان مقامات پر جہاں آفتاب کا طلوع وغروب پہلی حرکت پر نہیں ہوتا جیسے ۹۰ عرض بلد پر اس کا طلوع وغروب اس کی خاص حرکت کے ساتھ جو کہ چھ ماہ کی مدت میں ہوتی ہے۔ اور چھ مہینوں تک باقی رہتی ہے دن اور رات کا مبدء اعتبار کرتے ہیں۔ پس برج حمل کے اول سے سنبلہ کے آخر تک دن کہتے ہیں۔ اور میزان کے اول سے حوت کے آخر تک کو رات کا نام دیتے ہیں اس قیاس پر اس سے پہلے کہ سورج موجود ہو دوسری حرکات اور دیگر حوارث کے ساتھ دن اور رات کی حد بندی ہوتی ہوگی۔ اور اس حساب سے تمام عالم کی خلقت چھ دن کی مدت میں واقع ہوئی۔

اور محققین اس بات پر ہیں کہ جس طرح دن اور رات کی سابقہ حرکات کے ساتھ حد بندی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح لاحق ہونے والی حرکات کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ پس یہ ایام جو کہ آسمان اور زمین کی پیدائش کی مدت' میں اسی پیدائش کی وجہ سے حد اور تشخص میں آ گئے جب ایک کام کیا ایک دن ہو گیا جب دوسرا کام کیا تو دوسرا دن ہو گیا۔ پس دنوں کا معنی دفعات کے معنوں میں ہے۔ یعنی چھ دفعات اور چھ بار میں ہے۔ دو بار آسمان پر توجہ ہوئی' ایک بار اس مشترکہ ہیولا سے جسے پانی سے تعبیر کیا گیا ہے اس کا مادہ اٹھانے کو اور ایک بار صورتیں ڈالنے کو کہ کواکب کا وجود' سات آسمانوں کی ترتیب اور ان سے خاص قسم کی حرکات کا صادر ہونا انہیں صورتوں کے طفیل ہے۔ اور چار دفعہ زمین کے ساتھ توجہ فرمائی ایک بار سفلیات کا مادہ اٹھانے کو' دوسری صورت بسیط ڈالنے کیلئے تیسری صور معدنیہ کا فیض دینے کو اور چوتھی بار نباتات کی صورتیں القاء کرنے کے لئے کہ حیوانات کی زیادہ تر خوراک انہی سے حاصل ہوتی ہے۔

اور ہم اس پر آ گئے کہ صحیح مسلم' تاریخ بخاری' صحیح نسائی اور حدیث پاک کی دوسری کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا

marfat.com
Marfat.com

ہاتھ پکڑا اور ان کی انگلیوں پر شمار فرمایا۔ اور فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا۔ اور اس میں پہاڑ اتوار کے دن' چار پائے اور درخت پیر کے دن' تکلیفات منگل کے دن' نور بدھ کے دن پیدا فرمایا۔ اور اس میں چار پائے جمعرات کے دن پھیلائے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایا۔ اور یہ روایت سابقہ روایت کے ساتھ ظاہری طور پر تعارض اور تناقض رکھتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں آسمان و زمین کی خلقت کی ابتداء کا بیان نہیں۔ بلکہ زمینی اشیاء کی خلقت کا بیان ہے گو یہ خلقت مسلسل و متصل نہ ہو بلکہ بعض چیزوں کی۔ اور بعض دوسری چیزوں کی خلقت کے درمیان فاصلہ دراز ہوگا۔

## آسمان کے مادہ کے بیان میں دوسرا فائدہ

دوسرا فائدہ یہ کہ آسمانی جواہر زمینی جواہر سے جدا ہیں۔ پس وہ جو ربیع بن انس' سلمان فارسی اور کعب احبار رضی اللہ عنہم کی روایات میں واقع ہوا ہے کہ آسمان دنیا ایک موج ہے جو کہ لگی کھڑی ہے دوسرا آسمان سفید چاندی سے ہے' تیسرا آسمان لوہے سے ہے' چوتھا تانبے سے' پانچواں سونے سے چھٹا' سبز زمرد سے اور ساتواں یاقوت سرخ سے یا اس قسم کی تمام روایات تشبیہ پر مبنی ہیں۔ یعنی ان جواہر کو جواہر دنیا پر قیاس کریں تو یہ تشبیہ ہو سکتی ہے۔ اس لئے روایات میں بہت اختلاف آیا ہے۔ اور یہی دلیل ہے اس بات کی یہ سب کلام تشبیہ پر مبنی ہے۔

## طبقات آسمان کے بیان میں تیسرا فائدہ

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اہل حکمت نے حرکات کے تقاضا کے مطابق جو کہ انہیں معلوم ہیں یوں قرار دیا ہے کہ آسمان کے نو طبقے ہیں۔ پہلے آسمان کو اوپر کی طرف سے فلک الافلاک کہتے ہیں۔ اور اس یومیہ حرکت کو جو کہ سورج اور دوسرے ستاروں کا طلوع و غروب ہے اس کے سبب سے ہر خاص و عام کو محسوس ہے اسی کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔ اور دوسرے طبقہ کو فلک الثوابت کہتے ہیں۔ اور کواکب کی سست رفتار کو جس کی وجہ سے بروج و منازل کی

marfat.com
Marfat.com

صورتیں پس و پیش ہوتی ہیں اس کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اور سات دوسرے آسمان سات ستاروں کیلئے اس ترتیب کے ساتھ "بیت" قمر ہے۔ اور عطارد اور زہرہ شمس اور مریخ مشتری اور زحل ثابت کرتے ہیں۔ اور چونکہ تمام نقلی دلائل کے ضمن میں سات آسمان ہیں۔ اس لئے اپنی معلومات کو نقلی دلائل کے ساتھ مطابقت دینے کیلئے کہتے ہیں کہ دو زائد آسمانوں کو شرع شریف میں عرش اور کرسی سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ تکلفات پر مبنی اور بے معنی ہے۔ جس طرح کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ احتمال ہے کہ ان سات آسمانوں کو ایک مدبر فرشتے نے حرکت یومیہ کے ساتھ جو کہ تمام اجرام کو شامل ہے حرکت دی ہو۔ اور تمام ثابت ستارے آسمان زحل میں گڑے ہوں۔ اور زحل اس آسمان کے حجم میں۔ پس سات آسمانوں سے زیادہ ثابت نہ ہوں۔ اور جو کچھ عرش و کرسی کی تعریف میں روایات شرعیہ میں آیا ہے اکثر ان دو افلاک پر منطبق نہیں ہوتا۔ پس بہتر یہی ہے کہ آسمانوں کی تعداد سات کا اعتقاد کیا جائے۔ اور ان کے علاوہ عرش و کرسی کو ثابت کرنا چاہئے۔

ابوالشیخ نے حضرت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے کہ آسمان دنیا کا نام رفیع اور ساتویں آسمان کا نام براح ہے۔ اور ابن المنذر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آسمانوں کا سردار وہ آسمان ہے جس میں عرش ہے۔ اور زمینوں کی سردار وہ زمین ہے جس پر تم رہتے ہو۔ اور ابن ابی حاتم نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے ایک دن حضرت علی کو قسم اٹھاتے سنا کہ اس ذات کی قسم جس نے آسمان کو دھوئیں اور پانی سے پیدا کیا۔ اور بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہر چیز میں غور و فکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر مت کرو۔ پس بتحقیق ساتویں آسمان کے درمیان اس کی کرسی تک سات ہزار نور ہیں۔ اور وہ ان سے وراء ہے۔

یہاں جاننا چاہئے کہ عرش و کرسی کا دو عدد ہونا یعنی علیحدہ علیحدہ دو وجود ہونا ابھی تک دلیل قطعی کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ بلکہ بے شمار دلائل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سات آسمانوں سے اوپر بہت دور جبکہ بے شمار انوار درمیان میں ہیں ایک نورانی جسم ہے کہ اسی جسم کو کبھی عرش کا

marfat.com
Marfat.com

نام دیتے ہیں۔اور کبھی کرسی کا اور وہ جسم تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے۔چنانچہ آیت وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں بھی اس معنی کی مہک دی گئی ہے واللہ اعلم

## خلافت کو آدم کے ساتھ خاص کرنے کا بیان

حاصل کلام یہ ہے کہ آدمی کو جو اس شرافت سے ممتاز کیا گیا۔اور جَمِیْعَ مَا فِی الْاَرْضِ کو اس کیلئے پیدا کیا گیا۔اور ساتوں آسمانوں کو اس کے کاروبار کیلئے درست کیا گیا۔اسی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دونوں اسرار اسرار خدائی اور اسرار عالم کا جامع اور وہ تمام جہانوں پر اللہ تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کی مخلوق کو علویات اور سفلیات سے پیدا فرمایا ہے۔اور باوجود خالق ہونے اور مالک ہونے کے کمال بے نیازی کی وجہ سے عالم کی کسی چیز سے نفع نہیں لیتا اس لئے کہ کسی چیز سے بھی نفع لینا فرض کریں تو اس چیز کی احتیاج لازمی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کسی وجہ سے بھی کسی چیز کی احتیاج نہیں رکھتا کیونکہ احتیاج اس کی صدیت کے منافی ہے۔تو ایسی مخلوق کا ہونا ضروری ہوا جو کہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق اور اس کے اوصاف سے موصوف۔اس کے اوامر ونواہی کو نافذ کرنے دوسری مخلوق پر حکم چلانے ان کے کاموں کی تدبیر کرنے ان کے انتظام کی حفاظت اور انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف کرنے کا کام اس سے سرانجام پا سکے ورنہ یہ سب رنگا رنگ کی مخلوقات معطل اور بیکار رہتی اور حکمت اس کے منافی ہے۔پس اس تدبیر کے ساتھ گویا تمام مخلوقات کے منافع کو اس نائب کے واسطہ سے پورے طور پر حاصل کرنا منظور ہوا چنانچہ کسی کہنے والے نے کہا ہے (بیت) سرمد جو کہ بلبل ہے سونے کی پرواہ نہیں کرتا اس کا یار پھول ہے۔اور پھول کیلئے سونے کی ایک مٹھی ضروری ہے۔اور اس خلیفہ کیلئے واجب ہے کہ تمام انواع کی خلقت کے بعد پیدا ہوتا کہ اس سے تمام مخلوقات کی منفعتیں پوری طرح حاصل کرنے کی صورت ہو سکے۔اور دوسری مخلوقات ضرورت کی چیزوں اور گھریلو سامان کی طرح جو کہ شادی میں ضروری ہوتی ہیں اس کے وجود سے پہلے مہیا ہو کر اپنی استعداد کی زبان سے اس خلیفہ کے وجود کا تقاضا کریں۔اور ان کی زبان حال اس بات کا ترانہ گائے کہ تو اس ناقہ پر کب سواری کرے گا جس پر زین ڈالا جا چکا ہے اور وہ مخلوق نہیں ہے مگر

marfat.com
Marfat.com

انسان کیونکہ اس کے وجود سے پہلے شعور وارادہ والی مخلوق میں سے دوقسموں کے سوا کوئی موجود نہ تھا فرشتے اور جن' فرشتوں کے لائق نہ تھا کہ اوپر اور نیچے کی مخلوق کے منافع پوری طرح ظاہر کرسکیں۔ اس لئے کہ ضرورت کی اکثر وجوہ سے پاک اور فارغ پیدا کئے گئے ہیں بیوی' بیٹا' کھانا' پوشاک اور ان امور کے لوازمات کی انہیں ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ خواہش اور غضب نہیں رکھتے۔

جن اگر چہ شہوت وغضب رکھتے تھے لیکن ان کی خیالی قوت ان کی قوت عقلیہ پر اس حد تک غالب ہے کہ جس چیز کا خیال کرتے ہیں اسی کو حقیقت سمجھتے ہیں۔ کانے پر سوار بچے کی طرح جو کہ اپنے آپ کو حقیقتاً گھوڑے پر سوار سمجھتا ہے۔ اور اپنے لکڑی پر سوار ہونے کو گھوڑ کے لوازمات میں سے ثابت کرتا ہے۔ پس اگر تمام مخلوقات کو اس کے منافع میں مصروف کر دیا جائے تو اس کے خیال کے علاوہ ان سے منفعتیں سرانجام نہیں پاسکتیں۔ حالانکہ ان منافع کی حقیقتوں کو کمی بیشی کے بغیر ظاہر کرنا منظور ہے۔ نیز ثابت قائم دائم تصرف کا اختیار جو کہ ثابت دائم آثار کا مصدر ہوسکتا ہے ان کے غلبہ خیال اور ان کے اقوال و افعال کے رنگا رنگ ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ شعر۔ جس حال پر تو ہوتا ہے اس پر قائم نہیں رہتا جس طرح اپنے کپڑوں میں جن رنگ بدلتا رہتا ہے۔ بلکہ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ جنوں کا درجہ آدمیوں کے درجہ کی نسبت سے نقالوں اور بہروپیوں کا سا ہے ان لوگوں کی نسبت سے جن کی قول فعل' شکل اور لباس میں ان کی حکایت کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ تکلفاً آنکھوں میں سرمہ ڈالنا سرگیں ہونے کی طرح نہیں ہے۔ نیز جنوں کو جسمانی لطافت' تنگ مقامات اور باریک مساموں میں داخل اور جاری ہونے کی قدرت اور ان کی روحوں کے مزاج پر ناریت کے غلبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے تمام اخلاق جیسے صبر' بردباری اور اس قسم کے اخلاق سے بہرہ ور ہونا ممکن نہیں۔ اور نہ ہی اکثر مخلوقات جیسے قلعہ' حویلی' عمارات' اسلحہ اور اس قسم کی چیزوں سے نفع لینے کی صورت اور ضرورت ہے۔

پس یہ گروہ بھی فرشتوں کی طرح تمام مخلوقات کی منفعتوں کو پوری طرح حاصل نہیں کرسکتا

marfat.com
Marfat.com

چنانچہ تمام ربانی صفات سے موصوف ہونا اور تمام اخلاق الٰہیہ سے بہرہ ور ہونا ان سے میسر نہیں ہوسکتا تھا۔ پس تمام مخلوقات میں سے آدمی ہی اس منصب کے لائق ہونے کیلئے متعین ہوا اور اگر ان میں سے کوئی اس حقیقت کا منکر ہوجائے تو اسے آدم علیہ السلام کا واقعہ یاد کرائیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ اس وقت کو یاد کرایئے جبکہ آپ کے رب نے فرمایا آدم کی پیدائش سے پہلے اس کی فضیلت کے اظہار کیلئے تاکہ اس کی پیدائش کے بعد کوئی بھی اسے چشم حقارت سے نہ دیکھے اور اس کے حکم کی اطاعت کرنے سے عار محسوس نہ کرے۔

لِلْمَلٰٓئِكَةِ فرشتوں کو۔ کیونکہ تمام مخلوقات کے منافع در حقیقت فرشتوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لئے کہ ہر مخلوق کی حفاظت اور اس کے خواص کے ظہور کیلئے ہی گروہ معین اور مقرر ہے اگر آسمان اور ستاروں کی گردش ہے۔ تو ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر بارش کا برسنا ہے یا نباتات کا اگنا ہے یا پہاڑوں میں کانوں کا ہونا ہے تو یہ بھی انہیں کے حوالے ہے۔ پس سارا جہان ایک آباد شہر کی مانند ہے۔ جو کہ فرشتوں کے ہاتھ سپرد کیا گیا ہے۔ اور فرشتوں کو حاکم اور کارکن مقرر کیا گیا۔ جب تک کہ یہ خلیفہ وقت کی اطاعت نہ کریں اس کا تصرف کسی چیز میں جاری نہ ہو مثلاً اگر انسان ایک بیج کو زمین میں کاشت کرتا ہے جب تک کہ موکل اس کی اطاعت ثابت نہ کریں کھیتی اور درخت زمین سے باہر نہ آئے۔ اور خلافت کا معنی متحقق نہ ہو۔ اور کیا نہ کیا برابر ہو جائے۔ اور جب یہ گروہ اطاعت کرے۔ پھر کسی چیز سے نافرمانی اور سرکشی کی صورت نہ ہو۔ اور آگے نہ بڑھے اس لئے کہ ہر چیز کے اختیار کی لگام ان کے ہاتھ میں ہے۔ اور حیوانات اور جن اگرچہ ارادہ اور اختیار کی کچھ آمیزش رکھتے ہیں۔ لیکن فرشتوں کی تسخیر کے مقابلہ میں وہ ارادہ اور اختیار مجبوری اور بے چارگی پر انجام پذیر ہوتا ہے۔ جیسے موکلوں کے طلب کرنے پر جنوں کی بے چارگی اور اپنے سائیس کے ہاتھوں میں جانور کی مجبوری۔

تو چونکہ آدم علیہ السلام کی خلافت کی تمام جہان والوں سے قبولیت کی پیشگی تدبیر منظور تھی اس لئے متعین ہوا کہ پہلے فرشتوں کی جماعت کو اس کے مطیع کیا جائے۔ تاکہ ہر چیز چارو ناچار اس کی فرماں برداری کرے۔ اسی لئے جب آدمیوں کی خلافت ظاہرہ حضرت

marfat.com

Marfat.com

سلیمان علیٰ نبینا و علیہ السلام کے عہد میں اپنے پورے کمال پر پہنچی تو جنات' ہوا اور دوسری سرکش مخلوق کو فرشتوں نے چاروناچار مسخر کیا۔ اور اس مخلوق پر حکمرانی واقع ہوئی۔ بلکہ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام کے عہد کی ابتداء میں بھی جانوروں کی نسبت سے یہی جبری تسخیر وقوع پذیر ہوئی۔ جیسا کہ تاریخوں میں مذکور ہے۔ اسی لئے اس وقت تمام موجودات میں سے صرف فرشتوں کے ساتھ خطاب کو خاص فرمایا گیا۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً تحقیق میں زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ جو میری نیابت کرے اور زمین کی چیزوں میں تصرف کرے۔ اور جب زمین کی چیزوں میں تصرف ان چیزوں کے اسباب میں جو کہ آسمان سے مربوط ہیں تصرف کے بغیر متصور نہیں۔ پس اگرچہ وہ خلیفہ زمین کے عناصر سے پیدا ہو۔ اور ہونے اور مٹ جانے کے مقام میں سکونت پذیر ہو لیکن اس میں آسمانی روح بھی ڈالوں گا کہ اس روح کی وجہ سے آسمان کے رہنے والوں اور ستاروں کے موکلوں پر بھی حکمرانی کرے۔ اور انہیں اپنے کام میں مصروف کرے۔ جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے۔ بیت۔ میں مے خانے کا گدا ہوں۔ لیکن مستی کے وقت دیکھو کہ آسمان پر ناز اور ستارے پر حکم کرتا ہوں۔

## خلیفہ کو خلافت دینے کا طریقہ

اور اس خلیفہ کو خلافت دینے کا طریقہ یہ تھا کہ اس کی روح کو اپنی صفات' علم وحکمت کا نمونہ عطا فرمایا جائے جو کہ کلیات اور قواعد کی دریافت کا نام ہے۔ اور ارادہ اور اختیار کیونکہ اس کے سبب سے کلی آراء اور کلی انتظامات کا قصد پیدا ہوتا ہے۔ ان انتظامات کا عالم میں اظہار اور بے شمار صدیوں اور زمانوں تک ان انتظامات کا باقی رکھنا رونما ہوتا ہے۔ اور سننے' دیکھنے اور کلام کرنے کی صلاحیتیں جو کہ اس مراد کو پورا کرنے اور جاری رکھنے میں صرف ہوتی ہیں۔ پھر اسے ایک قدرت دی گئی جو کہ اپنی قدرت کا نمونہ ہے ان معنوں سے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ثابت الآثار بنیادی حقائق کے وجود کا سبب ہے۔ اسی طرح اس خلیفہ کی قدرت جمع وتفریق' تحلیل وترکیب اور حکایت وتصویر کے ساتھ بے شمار مصنوعات کا سبب ہو۔ اور حقائق مختلفۃ الاثار کے وہ مصنوعات اس انداز میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوں کہ

marfat.com

Marfat.com

عرصہ دراز تک باقی اور ثابت رہیں۔ پس وہ تمام صفات اور ان کے آثار میں اللہ تعالیٰ کی عالی صفات کی حکایت اور نمونہ ہوا اور خلافت کا معنی محقق ہوا۔

اور علم وحکمت میں اس مرتبہ کو پہنچا کہ ہر نظام کے قواعد کلیہ کو دریافت کر لیا۔ علم طب' علم زراعت' علم کیمیا اور معدنی اجسام کو بدلنے کا علم نکالا۔ گویا اس نے انسانی' حیوانی' نباتی اور معدنی جسموں کے نظام کی حفاظت کو اپنے قابو میں کر لیا بلکہ اصلاح نفس اور روح آسمانی کو پست درجے سے بلند درجہ تک ترقی بخشنے اور درجات سلوک کو طے کرنے کے نظام کا بھی مالک ہو گیا۔ اور اس بزرگ علم کی بدولت ملکوت آسمان میں تصرف کرنا شروع کر دیا۔ اور ستاروں کی قوتوں کو کام میں لانے کا طریقہ اور موکل فرشتوں کو تابع کرنے کا طریقہ بھی جان لیا اور اس کی قدرت یہاں تک پہنچی کہ مخلوقات الٰہی میں سے بعض کو بعض کے ساتھ جمع کر کے جیسے شہد اور سرکہ سکنجبین میں۔ شورہ اور گندھک بارود میں۔ چینی اور ہلیلہ شربت میں یا بعض کو بعض سے جدا کر کے جیسے چکنائی اور پنیر کو ماء الجبن سے زائل کر کے' آگ میں پگھلنے والی دھاتوں سے کشتہ کر کے زہر کو جدا کر کے۔ یا بعض مخلوقات کے اجزاء کو گلا کر فنا کر کے جیسے عرق گلاب اور دوسری عرقیات۔ بعض مخلوقات سے مختلف کیفیت رکھنے والے اجزاء کی ترکیب سے جیسے تریاق فاروق اور مشرود پطوس یا ان میں نیا مزاج پیدا کر کے یا مخلوقات الٰہی میں نئی صورت ڈال کر جیسے برتن اور زیور کی قسمیں جو کہ معدنی جسموں سے بناتا ہے۔ اور توپ اور بندوق جو کہ ان سے لیتا ہے ایسا تصرف کیا بے شمار حقائق اور ان گنت خواص کو کام میں لایا۔

اور سننے اور دیکھنے میں اس قدر وسعت پیدا کی۔ اور گہرائی حاصل کی کہ ستارے دیکھنے والے آلات کی مدد سے آسمان پر ستاروں کو گننا شروع کر دیا۔ اور عالم بالا کے اجرام کی حرکتوں کی مقداروں گھنٹوں' منٹوں اور سیکنڈوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اور آلات موسیقی کی مدد سے بہت سی مسموعات کو کام میں لایا اور ان مسموعات میں سے جو کہ مختلف نغموں سے عبارت ہیں ہر ایک لذت اور کیفیت میں ایک حقیقت ہو گئیں۔ کیونکہ بشر کی قوت سامعہ اس سے مستفید اور فائدہ حاصل کرتی ہے۔ اور کلام میں اتنی وسعت اور اتنی گہرائی رکھتا ہے کہ

marfat.com

Marfat.com

اس کی انتہا پیدا نہیں ہوئی اپنی کلام کو مختلف قسموں اور ان گنت طرزوں پر ڈھال کر برا کہنے' تعریف کرنے' معشوق کے حسن کو اور دوسرے دل لبھانے والے مضامین کو بیان کرنے میں کام میں لایا اور قسم قسم کی مصنوعات میں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ جمع وتفریق' تحلیل و ترکیب اور حکایت وتصویر سے کرتا تھا اسے لفظ و معنی کے جہان میں جاری کر کے کارخانے کو اٹھا دیا کہ دوسری مخلوقات میں سے کسی کے خیال میں نہیں سماتا۔ لفظ و معنی کے جہان کو عالم اجسام وارواح کا نمونہ بنا دیا۔

پھر باقی نہ رہنے والی مصنوعات کی حفاظت کیلئے ایسی عجیب تدبیر سوچی کہ قلموں اور کاغذوں سے مدد لے کر ان قرار نہ رکھنے والے امور کو ثبات اور ہمیشگی دی اور ان الفاظ کے خطی نقوش کو ان کے قائم مقام کر دیا۔ اور اس باب میں اور جادو بھی چلائے۔ اور اہمال' اعجام' اعراب' سکون کو بلکہ اظہار واخفاء اور دوسری چھپی باریکیوں کو صورتوں میں محفوظ رکھا تا کہ زمان ومکان کے دور افتادہ لوگ اس سے نفع پائیں۔

اور جب اس خلافت کا مدار دو چیزوں پر تھا اول نظامات الہیہ میں سے ہر نظام کے قواعد وکلیات کا علم' دوسری چیز ان کے مطابق اختیار اور قصد کی توجیہ تا کہ اس نظام کی حکایت کرے یا اس نظام کی حفاظت اور بقا کی کوشش کرے فرشتوں کو اس معنی کے حاصل ہونے کا امکان نہ تھا اس لئے کہ پہلے تو انہیں ہر نظام کے قواعد وکلیات کا علم حاصل نہیں ہو سکتا تھا ان کے کمال کا منتہی یہی ہے کہ وہ اس نظام کے قواعد وکلیات کو کہ جس سے وہ تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس نظام کی خدمت کرتے ہیں پہچانیں۔ جیسے آدمی کے بدن میں قوت بصر یہ جو کہ آوازوں کے نظام اور ان کے متعلقات سے بالکل بے خبر ہے یا قوت سمعیہ جو کہ رنگوں کے نظام سے غافل مطلق ہے۔ اور اسی قیاس پر تمام قوتیں اور حواس کہ ہر ایک کسی کام میں مشغول ہے اگر دوسرے کام میں مشغول ہو جائے تو اس کام کا تعلق برہم ہو جائے۔ دوسرے اپنی معلومات کی آراء کے مطابق قصد واختیار کی توجیہ بھی ان سے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے اختیار کو انسان کے طور پر کھلا نہیں چھوڑا ہے۔ بلکہ اپنی رضا میں مقید ومحصور اور اپنے حکم کا تابع قرار دیا وما نتنزل الا بامر ربك لا يعصون الله ما امرهم

marfat.com

Marfat.com

ویفعلون ما یؤمرون اور اس منصب کے لائق وہ ہو سکتا ہے جس کے اختیار کو اس کے طور پر کھلا چھوڑ دیا گیا ہو بلکہ اپنے ارادہ کو اس کے ارادہ کے تابع کر دیں تاکہ وہ جس چیز کا ارادہ کرے خود اسے سرانجام فرما کر اس کے حوالہ کر دیں اور نافرمانی اور مخالفت امر بھی اس سے متصور ہو۔ اسی لئے انسان کی قوتوں اور حواس کو ان کی خلافت کے قابل نہیں کیا ہے۔
لیکن فرشتوں نے انی جاعل فی الارض خلیفة سے سمجھا کہ جب یہ خلیفہ زمین میں پیدا ہو۔ اور زمین کے مختلف عناصر سے حصہ حاصل کرے تو سفلی لذتوں کی طرف مائل ہونا اس کی جبلت میں دریعت رکھیں گے۔ کیونکہ اس کے مادے بھی اس میلان کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور وہ غرض بھی جو اس کی خلافت سے منظور ہے۔ یعنی زمینی منافع سے فائدہ حاصل کرنا اس میلان کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ پس اس میں قوت شہویہ بھی پورے طور پر موجود ہوگی۔ اور اس کی قوت غضبیہ بھی مزاحم اور معارضہ کرنے والے کو روکنے کیلئے جوش کرے گی جو کہ اس کے بعض کا مقتضیٰ بلکہ اس کی صورت جامعہ کا مقتضی ہے۔ اور یہ دونوں قوتیں نظامات صالحہ کی برہمی کا موجب ہوں گی اس لئے انہوں نے دربار خداوندی میں دریافت کرنے اور صورتحال کی وضاحت چاہنے کیلئے۔
قَالُوْٓا عرض کی کہ زمین میں خلیفہ کو پیدا کرنا اگر صرف اس لئے ہے کہ زمین کو آباد کرے۔ اور اس کی اصلاح کرے تو یہ مقصد اس کے زمینی چیزوں کے محتاج ہونے کے بغیر ممکن نہیں۔ اور جب اسے سفلی چیزوں کی ضرورت ہوئی تو اس کی قوت شہویہ جوش میں آئے گی اور جب دوسرے سفلی لذت پورے طور پر حاصل کرنے میں مزاحمت اور معاوضت کریں گے تو اسی وقت اس کی قوت شہویہ غضب کی صورت میں نمودار ہو کر قتل و غارت اور جنگ وجدال تک پہنچ جائے گی۔ پس اس قسم کے خلیفہ کو زمین کی آبادی اور اصلاح کیلئے پیدا کرنا ہماری قاصر نظر میں تیری حکمت کے موافق نظر نہیں آتا۔
اَتَجْعَلُ فِیْهَا کیا تو زمین میں متصرف کرے گا
مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا اسے جو کہ اس زمین میں فساد کرے گا۔ کیونکہ اس کا وجود مختلف عناصر سے جو کہ سفلی لذتوں کے داعی ہیں صورت پکڑے گا۔ اگرچہ تیری کامل صفات کا

marfat.com
Marfat.com

نمونہ اس کی روح میں تجلی فرمائے گا ان سب کو وہ سفلی لذتوں میں صرف کرے گا۔ اور شہوتوں کی پیروی کے پیچھے ان پاک صفات کو کدورت کے ساتھ ملوث کرے گا۔ مثلاً اس کا علم وحکمت لذتیں پوری کرنے کیلئے کئی قسم کے حیلوں اور شیطانی تدبیروں میں خرچ ہوگا۔ اور اس کی قدرت حرام کھانے پینے اور رہنے میں خرچ ہو گی۔ اور اس کا ارادہ اور اختیار نافرمانیوں اور قباحتوں کے ساتھ متعلق ہو جائے گا۔ اور اس کے کان اور آنکھ ساز کی تاروں کے نغمات، کھیل کود کی باتیں، غیبت، چغلی، فضول گفتگو سننے اور بے ریش لڑکوں اور عورتوں کو دیکھنے میں ضائع ہوں گے۔ اور اس کا کلام متکبرین کی تعریف اور خوشامد اور نیکوں کی برائی اور مذمت، فحش کلامی، گالی گلوچ اور لعن طعن میں صرف ہو جائے گا۔ پس اس قسم کی مخلوق کو جو کہ شہوت اور غضب کا بندہ ہو اپنی صفات کا نمونہ عطا کرنا کتے کی گردن میں جواہر و مروارید کا ہار ڈالنے کی طرح ہے۔ اور یہ مخلوق اس آگ کی وجہ سے جو کہ اس کے بدن کے عناصر میں سے ہے اسی قدر پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ جب بھی اس کے ابنائے جنس میں سے کسی نے اس کی لذت مقصودہ کو حاصل کرنے میں مزاحمت کی اس کی غضب کی آگ بھڑک اٹھے گی اور وہ جنگ اور لڑائی کیلئے اٹھ کھڑا ہوگا۔

وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ اور وہ خون بہائے گا، چرنے والے جانوروں کا ان کا گوشت کھانے کیلئے اور ان کی کھالیں لینے کیلئے انہیں ہلاک کرے گا۔ اور اڑنے والے جانوروں کو بلکہ دریا کی مچھلی کو لہو اور شکار کیلئے پکڑ کر مارے گا۔ اور اپنی نوع کے لوگوں کو ملک و مال میں مزاحمت سے روکنے کیلئے قتل کرے گا۔ اور ظاہر ہے کہ زمین کی بہترین مخلوق حیوانات ہیں۔ اور حیوان کے اجزاء میں سے افضل خون ہے جو کہ ان کے جسموں کا جزو قریب ہے جب اس قسم کی گراں اور قیمتی جنس کو اس طرح بے دریغ ضائع کرے گا تو اس سے کسی اور اصلاح کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ اور اگر اس خلیفہ کو پیدا کرنے سے منظور یہ ہے کہ اپنے پروردگار کو اس کے کمالات کے ساتھ پہنچانے اور نقصان اور تصور سے منزہ اور پاک جانے اور اس کے کمالات اور پاکیزگی کو بیان کی زبان سے ظاہر کرے تو ہم اس امر میں کیا قصور رکھتے ہیں۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ اور ہم سب تیری پاک ذات کی تسبیح کرتے ہیں ملا کر بِحَمْدِكَ تیری

marfat.com
Marfat.com

تعریف کے ساتھ تیری ذات کے کمالات پر۔ پس ہم تیری ذات وصفات کا حق ادا کرتے ہیں حق ذات کی ادائیگی تسبیح کے ساتھ اور حق صفات کی ادائیگی حمد کے ساتھ۔

وَنُقَدِّسُ اور ہم تیرے افعال کو اس سے پاک جانتے ہیں کہ خلاف حکمت۔ بے مقصدیت اور کم عقلی ان میں راہ پائے اور یہ ہماری تسبیح وتقدیس اور تیرے ذاتی کمالات پر حمد جو ہم سے صادر ہوتی ہے خاص ہے لَکَ تیرے لئے اور کسی دوسرے کو اس میں شرکت نہیں۔ بخلاف اس زمینی مخلوق کے کہ جب اپنی حرص اور خواہش کا بندہ ہوگا تو جس طرف سے اپنے مطلب کے حاصل ہونے کا سوچے گا اس کی تسبیح وتقدیس اور حمد وشکر اسی طرف پھر جائے گا۔ اور اسباب کے ملاحظہ میں اس قدر نیچے چلا جائے گا کہ سبب سے غافل ہو جائے گا۔ پس ہماری نظر میں اس مخلوق کو پیدا کرنا اور اسے منصب خلافت عطا کرنا کسی طرح بھی حکمت کے موافق معلوم نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس عرض کے جواب میں۔

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ فرمایا بے شک میں جانتا ہوں۔ تمہاری تسبیح وتقدیس کے قصور تمام جہان پر میری خلافت کیلئے تمہارے قابل نہ ہونے اور میرے لطیفہ اور قہریہ اسماء کے مقتضی کے ظہور سے۔

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ جو کچھ کہ تم نہیں جانتے ہو اس لئے کہ خلافت الٰہیہ کا معنی اور اوصاف ربانیہ کی تجلی اجتماعی ترکیبی ہیئتوں کی خاصیتوں سے ہے۔

پس ایسی ترکیب چاہئے جو کہ ہر دو عالم کی جامع ہو۔ خواہش اور غضب بھی اس میں ضروری ہے۔ کیونکہ روح کا بدن کے ساتھ تعلق ان دونوں کے بغیر مستقل اور باقی نہیں ہے۔ اور اس میں پاک قوت عقلی بھی ضروری ہے۔ تا کہ کائنات کے مشمولات کی حکایت اور نظام کلی اس میں نقش ہونا مقصود ہو۔ اور ان تینوں قوتوں کی ترکیب کے نتائج ظاہر ہوں۔ پس فرشتوں کے ہر طبقہ کو اپنے کمالات پر اطلاع حاصل ہے۔ پس ان کی حمد واقع نہ ہوگی مگر انہیں کمالات کے مقابلہ میں نہ ان کمالات کے مقابلہ میں جو کہ ان کے اوپر نیچے ہیں اسی طرح تسبیح وتقدیس بھی واقع نہ ہوگی مگر ان نقصانات کے ساتھ مقید ومحصور ہو کر جو کہ ان کمالات کی ضد ہیں نہ کہ ان کے علاوہ۔

marfat.com
Marfat.com

پس فرشتوں کی طرف سے مقام مشورہ میں خلیفہ جامع کے تقرر کو ترک کرنے کیلئے ان تقریروں کے ساتھ عرض کرنا اس شخص کی مثل ہے کہ جس کے قوئی اور اعضاء نے اس سے عرض کی کہ کسی غلام کو پالنے کی ضرورت نہیں ہے ہم سب کفایت کر رہے ہیں۔ یہ نہ سمجھے کہ پالا ہوا اور تربیت یافتہ غلام اپنے مالک اور پالنے والے کی ہیات جامعہ کا حامل ہوگا جبکہ اس کے قوئی اور اعضاء ایک ایک شان سے زیادہ اظہار نہیں کرسکیں گے۔ پس ان کے وجود سے جامع ہیئتوں کے حصول میں کفایت نہیں ہوسکتی اور جو کچھ انہوں نے قوت شہوت وغضب کی خرابیوں اور شرور کا ذکر کیا اس میں انہوں نے دو چیزوں سے غفلت اختیار کی اول یہ کہ جب اس کی خواہش کارخانہ حق میں مصروف ہوگی تو اس سے کیسے کیسے عمدہ نتائج ظاہر ہوں گے جو کہ فرشتوں کے حوصلہ میں ہرگز چھپے نہیں ہوں گے جیسے عشق الٰہی کا غلبہ اور شوق اور محبت کا غلبہ اور اسی طرح جب بھی اس کی قوت غضب کارخانہ حق میں صرف ہوئی تو جانبازی' شہادت' جہاد اور دین کی غیرت ظاہر ہوگی۔ دوسری چیز یہ کہ اگر جہان میں شرور اور قباحتوں کا مصدر موجود نہ ہوتو مکلف ہونے' رسل علیہم السلام کو مبعوث کرنے اور کتابیں اتارنے کا مقصد اور کارخانہ وحی' امر و نہی' ترغیب و ترہیب اور وعدو وعید سب ختم ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں جزا دینے کی صورت اور ثواب وعذاب کے گھر کی آبادی نہیں ہوسکتی اور اللہ تعالیٰ کی یہ تمام عظیم شانیں پردے میں اور معطل رہتی ہیں۔ جس طرح کہ کہنے والے نے کہا ہے بیت' عشق کے کارخانہ میں کفر ضروری ہے اگر ابولہب نہ ہوتو دوزخ کسے جلائے گی۔ نیز کہا ہے بیت اس کا قاتل غازی اور مقتول شہید ہے کس کافر کو اس دنیا میں چشم حقارت سے نہ دیکھ۔

## چند ضروری فائدے

چند فائدے باقی رہ گئے جن سے خبردار کرنا ضروری ہے۔ پہلا فائدہ یہ کہ جب اس قسم کی مخلوق کو پیدا کرنے اور اسے منصب خلافت عطا کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو چکا تھا تو فرشتوں سے اس غرض کے ظاہر کرنے کی کیا وجہ تھی اور فرشتوں کو اس امر کی خبر دینے میں فرشتوں کو کیا حاصل؟ اس قسم کی خبریں دنیا میں مشورہ کے مقام پر ہوتا ہے۔ اور مشورہ کی حقیقت دوسروں کی عقل سے مدد چاہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کہ ہر شے میں اپنے غیر سے بے

marfat.com
Marfat.com

نیاز ہے کسی سے مشورہ کیوں فرماتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خلافت کی حقیقت جس طرح کہ تفسیر میں مذکور ہوئی منافع عالم کو پورے طور پر حاصل کرنا اور ان میں تصرف کرنا ہے۔ اور جہان کے تمام منافع فرشتوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جس طرح کہ گزرا۔ پس اس شہر کے حاکم اور کارکن فرشتے ہیں۔ اور دوسری چیزیں آلات اور سامان کی طرح ہیں۔ خلیفہ مقرر کرنے سے پہلے کہ جس کے فرمان کی اطاعت ان پر واجب ہو گی انہیں اطلاع دینا اور اس کے فرمان کی اطاعت کیلئے انہیں مسخر کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ اگر اچانک ہی ان پر خلیفہ مقرر ہو جاتا اور وہ اس کے استحقاق خلافت میں اعتراض کرتے تو اطاعت کا مسئلہ جیسے چاہئے تھا صورت نہ پکڑتا اور پیدائش اور خلیفہ مقرر کرنے سے پہلے جب ان کا شبہ زائل ہو گیا تو اطاعت میں پوری رغبت اور خوشی کے ساتھ قدم رکھیں گے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس معاملہ میں منظور یہ ہے کہ بندے جان لیں کہ عمدہ کاموں میں اس کام کے اہل لوگوں سے مشورہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے مشورہ سے بے نیازی کے باوجود شورہ فرمایا۔ اور خطاب کو مشورہ کی صورت میں القاء فرمایا۔ پس بندے جو کہ ناقص العقل ہونے اور کاموں کے انجام سے بے خبر ہونے کی وجہ مشورہ کے محتاج ہیں وہ کبھی مشورہ ترک نہ کریں اسی لئے حدیث پاک میں وارد ہے ماخاب من استخار ولاندم من استشار جس نے استخارہ کیا وہ نامراد نہ ہوا اور جس نے مشورہ کیا وہ نادم نہ ہوا۔

اور بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ جو کچھ کائنات میں بنتا ہے اس کے بننے سے پہلے عالم قضا میں اس کی ایک صورت ہوتی ہے۔ پھر لوح محفوظ میں پھر محو و اثبات کی لوح میں جسے اکثر استعمالات شرع میں سماء دنیا سے بھی تعبیر فرماتے ہیں۔ پس لفظ قال ربك للملائكه اس صورت کے ان مرتبوں میں نزول سے کنایہ ہے بغیر اس کے کہ درمیان میں کوئی بات' کوئی کلام' کوئی اظہار اور کوئی مشورہ ہو جس طرح کہ آدمی کو اپنے حال میں غور کرنا ان مرتبوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے کہ آدمی کے اعضاء اور جوارح پر جو کہ اس کی کائنات کا عالم شہادت ہیں اقوال اور افعال ظاہر ہوتے ہیں ان کا اپنے مرتبہ روح میں ایک وجود ہوتا

marfat.com
Marfat.com

ہے جو کہ اس کے غیب الغیب سے ماوراء ہوتا ہے۔ پھر اس کے قلب میں جو کہ اس کا غیب الغیب ہے۔ پھر اس کی نفسانی قوتوں میں جو کہ اس کی دنیا کا ادنیٰ اور آسمانی غیب ہے۔ پھر اعضاء جوارح پر ظاہر ہوتا ہے۔

## حقیقت فرشتہ

دوسرا فائدہ یہ کہ فرشتہ کی حقیقت میں جسے لغت عربی میں ملک کہتے ہیں لوگوں کو اس حقیقت کے ثبوت پر اتفاق کے باوجود بہت اختلاف ہے۔ اکثر مسلمان' یہود اور نصاریٰ اس طرف گئے ہیں کہ ملائکہ لطیف نورانی جسم ہیں۔ اور حق تعالیٰ نے انہیں قدرت بخشی ہے جس کی وجہ سے وہٗ اپنے آپ کو مختلف شکلوں اور کئی صورتوں میں ظاہر کر سکتے ہیں۔ اور مجاہدات کرنے والے مکاشفہ کے ذریعے ان صورتوں پر مطلع ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات حاجتوں اور ضرورتوں والوں کیلئے بھی ان کی عجیب وغریب صورتوں اور شکلیں مشکلات کے حل اور مہمات کی کفایت کیلئے ظاہر ہوتی ہیں چنانچہ حکماء کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ جالینوس کو جگر میں درد لاحق ہوا اگرچہ کئی قسم کے علاج کئے شفایاب نہ ہوا ایک دن اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی شخص اسے فرما رہا ہے کہ اس شریان کا فصد جو کہ تیرے دائیں ہاتھ کی پشت پر انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کے درمیان ہے تیری اس بیماری کو فائدہ دے گا۔ جیسے ہی وہ نیند سے بیدار ہوا اس کو ڈھونڈ کر اس کا فصد کیا۔ اور ٹھیک ہو گیا۔ اور شرعی روایات میں تواتر سے ثابت ہوا ہے کہ ملائکہ کی اس حد تک کثرت ہے کہ دوسری مخلوقات کی کثرت پر اسے قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ آسمان آواز کرتا ہے۔ اور اسے لائق ہے کہ آواز کرے کیونکہ اس آسمان میں کہیں بھی ایک قدم کی جگہ نہیں مگر وہاں ایک فرشتہ موجود ہے جو کہ سجود یا رکوع میں مشغول ہے۔

## فرشتوں کی خدمات اور معصومیت کا بیان

اور جو کچھ اس جماعت کے اہل خدمات کے حال سے احادیث صحیحہ کی رو سے ثابت

marfat.com
Marfat.com

ہوا یہ ہے کہ ان میں سے بعض عرش کو اٹھانے والے ہیں۔ اور ان میں سے بعض اکابر فرشتے کہ عمدہ کام ان کی تدبیر کے ساتھ وابستہ ہیں مثل حضرت جبریل علیہ السلام کے جو کہ صاحب علم و وحی ہیں۔ حضرت میکائیل جو کہ صاحب رزق و غذا ہیں۔ حضرت اسرافیل جو کہ لوح محفوظ' صور اور روحیں پھونکنے والے ہیں۔ حضرت عزرائیل جو کہ ملک الموت ہیں' ان میں سے بہشت کے خازن ہیں۔ ان میں سے دوزخ کے دربان ہیں' ان میں سے آفات اور بلیات سے بنی آدم کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ان میں سے بنی آدم کے اعمال لکھنے والے ہیں۔ اور ان میں سے اس جہان کا نظام سنبھالنے والے موکل ہیں۔ جیسے ملک الجبال اور ملک البحار وغیرہ۔

یہاں جاننا چاہئے کہ جمہور علمائے دین اس پر اجماع رکھتے ہیں کہ فرشتے اپنی ساری قسموں سمیت سب گناہوں سے محفوظ اور معصوم ہیں۔ اور صریح آیات اس مضمون پر گواہ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد بل عبادٌ مکرمون لا یسبقونه بالقول وهم بامره یعملون (الانبیاء آیت ۲۶) اور اس قسم کی۔ اور بے شمار آیات ہیں۔

## ملائکہ کی معصومیت کی مخالفت اور اس کا جواب

اور اس واقعہ میں چند وجوہ کے ساتھ اس عقیدہ کا خلاف پیش آتا ہے۔ چنانچہ فرقہ حشویہ والے ان وجوہ سے دلیل پکڑ کر فرشتوں کی معصومیت کے منکر ہو گئے ہیں اس میں سے وہ ہے جو انہوں نے کہا ہے اتجعل فیها من یفسد فیها اور یہ طریقہ اعتراض کا طریقہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ پر اعتراض کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اور ان میں سے یہ کہ بنی آدم کی طرف قتل و فساد منسوب کیا ہے۔ اور یہ غیبت کے قبیلے سے ہے۔ اور غیبت کبائر میں سے ہے۔ اور ان میں سے یہ کہ خودستائی میں فضول گفتگو کی ہے کہ کہا ہے ونحن نسبح بحمدك و نقدس لك اور یہ خود بینی پر دلالت کرتا ہے۔ اور ان میں سے یہ کہ حق تعالیٰ نے انہیں فرمایا اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔ پس معلوم ہوا کہ وہ کاذب تھے۔ اور ان میں سے یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا الم اقل لکم انی اعلم غیب السموت والارض اور اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو اس بارے میں کہ اللہ تعالیٰ کل معلومات کو جاننے والا ہے کوئی شک و شبہ تھا

marfat.com
Marfat.com

اوران میں سے یہ کہ فرشتوں کا کہنا سبحانك لاعلم لنا الا ما علمتنا عذر اور توبہ کے بیان پر دلالت کرتا ہے۔اور عذر اور توبہ گناہ صادر ہونے کی دلیل ہے۔

اور جمہور علماء نے ان وجوہ کا جواب دیا ہے کہ اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا کہنے سے فرشتوں کی غرض اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا نہ تھا بلکہ اس بات کا بیان ہے کہ ہمیں اس ارادہ میں حکمت کی وجہ معلوم نہیں ہوتی ہے ہماری تسلی کی جائے۔اور جواب مانگنے کیلئے اشکال بیان کرنا بے ادبی نہیں ہے۔جس طرح کہ شاگردوں کا اپنے اساتذہ کے ساتھ یہی طریقہ معمول اور مروج ہے۔اور ہر عقل کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی کے حق میں حکمت کاملہ کا عقیدہ رکھتا ہواس سے کسی ایک فعل کا علم ہو کہ جس کی وجہ حکمت پوشیدہ ہوتو بے اختیار از رہ تعجب پوچھتا ہے۔اور کہتا ہے کہ اس فعل کا کوئی گہرا راز ہوگا۔

اور بنی آدم کی غیبت جو کہ اس سوال میں واقع ہے اشکال کی جگہ کے درپے ہوتا ہے نہ کہ تحقیر واہانت کے قصد سے اور اس قسم کی غیبت حلال ہے۔جیسا کہ فتویٰ پوچھنے کے اور صورت مسئلہ بیان کرنے کے وقت سے جائز قرار دیا گیا ہے۔اور اس صورت میں سے وہ ہے جو کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ابوسفیان کی بیوی ہندا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں عرض کی کہ ابوسفیان ایک بخیل کنجوس آدمی ہے۔اور اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غیبت سے نہیں روکا۔

اوران سے خودستائی خود بینی کے قصد سے نہ تھی۔بلکہ اس سوال سے عذر کیلئے اپنا حال بیان کیا۔یعنی ہمارا یہ سوال اس جہت سے نہیں کہ تیرے منزہ ہونے اور تیرے کمال حکمت میں ہمیں کوئی شک ہے۔اس لئے کہ ہم ہمیشہ تیری تسبیح وتقدس اور حمد وشکر میں مشغول ہیں بلکہ ہمارا سوال صرف وجہ حکمت کی طلب کیلئے ہے۔تاکہ یہ چھپا ہوا راز ہم پر ظاہر ہو جائے۔

اور اللہ تعالیٰ کا انہیں اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ فرمانا ان کے صریح جھوٹ پر دلالت نہیں کرتا بلکہ مراد یہ ہے کہ تم اپنی تسبیح وتقدیس اور حمد وشکر کو کامل خیال کرتے ہو۔اور یہ ایسا نہیں۔اور اگر کسی خلاف واقع امر کو غلط فہمی سے کوئی مطابق واقع سمجھ کر خبر دے اسے مذموم جھوٹ نہیں کہا جا سکتا بلکہ اس صورت میں اگر اس خبر کو قسم کے ساتھ پکا کرے تب بھی اسے پکڑا نہیں جاتا چنانچہ

marfat.com
Marfat.com

آیت لا یو اخذکم اللّٰہ باللغو فی ایمانکم میں آتا ہے انشاءاللہ العزیز

اور اسی طرح انہیں اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ان کی طرف سے کسی شک وشبہ کے وقوع پر دلالت نہیں کرتا بلکہ انہیں وہ کچھ یاد دلانے کیلئے ہے جو انہیں معلوم تھا اور سوال کرنے کے وقت اس سے غفلت ہوگئی تھی اور اسی طرح ان کا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ جو کہ عذر لانا اور توبہ کرنا ہے دلالت نہیں کرتا مگر صرف ترک اولیٰ کے وقوع پر یعنی ایسا کام جسے چھوڑنا بہتر تھا۔ کیونکہ افعال الٰہی میں وجوہ حکمت کی تفصیلات کا سوال کرنا اہل کمال کی شان نہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر اجمالی ایمان اس قسم کے سوالات سے زبان بندی کر دیتا ہے۔

تیسرا فائدہ یہ کہ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ارشاد فرمایا خالق فی الارض خلیفۃ نہیں فرمایا۔ حالانکہ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ کے لفظ کے ساتھ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ خالق فرمایا جاتا چنانچہ دوسری جگہ اسی طرح ارشاد ہوا اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ اس تعبیر میں کیا نکتہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں نوع انسانی کو خلافت دینے کا بیان منظور ہے۔ اور خلافت کا معنی دو چیزوں کے بغیر نہیں ہو سکتا ایک زمینی بدن جو کہ عالم خلق سے ہے دوسرا روح آسمانی جو کہ عالم امر سے ہے۔ پس لفظ خالق یہاں مناسب نہیں تھا کہ اس کے اجزاء میں سے صرف ایک جزو پر دلالت کرے۔ اور دوسری جگہوں پر بیان خلافت منظور نہیں۔ بلکہ صرف اس کی خلقت کا بیان ہے لہٰذا ان مقامات پر لفظ خالق چسپاں ہوتا ہے۔

چوتھا فائدہ: خلیفہ کو چاہئے کہ کسی کا جانشین ہو۔ اور اس کے اقوال وافعال کی حکایت کرے وہ کون ہے اس کا جواب یہ ہے کہ محققین کے نزدیک وہ ذات پاک حضرت حق ہے۔ اور انسان زمین میں اس کا خلیفہ ہے۔ جس طرح کہ اس نوع کے بعض افراد کے حق میں اللہ تعالیٰ کی خلافت صراحت کے ساتھ ثابت ہوئی جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کہ ان کے حق میں ارشاد ہوا ہے یَا داوٗد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق

اور بعض مفسرین کے نزدیک جنوں کی خلافت مراد ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش

marfat.com

Marfat.com

سے چند ہزار سال پہلے زمین میں متصرف تھے۔ اور زمین کی منفعتوں کو اپنی ضرورتوں کے مطابق صرف کرتے تھے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات میں بھی زمین میں جنوں کے تصرف اور ان کے تباہی فتنہ وفساد کے واقعات منقول اور مشہود ہیں چنانچہ حاکم نے ان کی تصحیح فرمائی۔

پانچواں فائدہ: خلافت الٰہی ساری نوع انسان کیلئے ثابت ہے۔ اور کبھی بھی یہ نوع پوری کی پوری فاسد نہیں ہوتی ہے۔ اور سیدھی راہ سے باہر نہیں آتی جس طرح پیغمبر علیہ السلام کی خلافت ساری امت کو مجموعی حیثیت سے ثابت ہے۔ اور اسی لئے اس امت کا اجماع خطا سے معصوم ہے۔ اور جو خصوصیت کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت نوع انسانی انہیں کی ذات شریف میں منحصر تھی۔ اور ان کے بعد وہ ایک ہونے کا کمال کثرت اور شعبوں میں ڈھل گیا۔ پس افراد انسانی میں سے ہر ہر فرد کو خلافت الٰہی نہ پہنچی بلکہ مجموعی عالم انسانیت کو مجموعی حیثیت سے اور اس تقدیر پر کافروں' فاسقوں اور ان کی بری روش کے وجود کے سبب مجموعی نوع کی خلافت کے معنی میں کوئی اشکال نہیں آتا اور اگر ہر ہر فرد انسانی کیلئے خلافت الٰہی ثابت کریں تو درست نہیں۔ کیونکہ خلافت کا معنی جہان کے تمام منافع کو پورے طور پر حاصل کرنا ہے۔ اور کاریگری کے حقائق کو ان کے خواص وآثار سمیت نکالنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ معنی ہر ہر فرد کیلئے ثابت نہیں۔ پس ہر ہر فرد اس کا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اور لفظ جو کہ مفرد واقع ہوا بھی ایک شعور دیتا ہے کہ منظور اس نوع کے تمام افراد میں حقیقت وحدانیہ مشترکہ کی خلافت ہے ورنہ خلفاء فرمایا جاتا۔

## ملائکہ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ خلیفہ فسادی ہوگا

چھٹا فائدہ: علماء کو اس میں اختلاف ہے کہ فرشتوں نے کہاں سے جانا کہ یہ خلیفہ زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ فرشتے نے آدمیوں کے حال کو جنوں کے حال پر قیاس کر کے یہ حکم لائے جس طرح کہ ابن عباس اور کلبی سے منقول ہے۔ اور بعض دوسروں نے کہا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً تو انہوں نے عرض کی اے ہمارے رب خلیفہ کیا ہوگا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا

marfat.com
Marfat.com

کہ اس کی اولاد ہوگی زمین میں فساد کریں گے باہمی حسد کریں گے ایک دوسرے کو قتل کریں گے اس کے بعد فرشتوں نے عرض کی اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ اور یہ توجیہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اکابر ملائکہ کو لوح محفوظ پر اطلاع حاصل تھی اور عوام ملائکہ لوح محفوظ کے بعض مضامین کو اپنے اکابر سے حاصل کرتے تھے اس خلیفہ کے وجود اور اس کے برے افعال کی خبر بھی انہیں اسی راہ سے معلوم ہوئی تھی۔ بلکہ بعض روایات میں اس طرح وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آگ کو پیدا فرمایا اسے دیکھ کر فرشتوں کو شدید خوف پیدا ہوا۔ عرض کی کہ یہ مخلوق کس چیز کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا نافرمانوں اور فرمانبرداری نہ کرنے والوں کیلئے اور اس وقت فرشتوں کے علاوہ شعور و ارادہ والی کوئی مخلوق موجود نہ تھی جب ارشاد ہوا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً انہوں نے جان لیا کہ معصیت اور نافرمانی کا مصدر یہی مخلوق ہوگی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ خلیفہ حکم اور فیصلہ میں خدا تعالیٰ کا نائب ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حاکم کی ضرورت نہیں ہوتی مگر باہمی جھگڑے اور ایک دوسرے پر ظلم کرنے کے وقت۔ پس لفظ خلیفہ سے التزاماً دریافت کیا کہ فساد اور شر واقع ہوگا۔ اور تفسیر میں فرشتوں کے اس معنی کو پانے کی ایک اور وجہ گزر چکی ہے وہ یاد کرنی چاہئے۔

ساتواں فائدہ. اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زمین میں خونریزی اور فساد بدترین گناہ ہے۔ اور اسی طرح فرشتوں کے نزدیک بھی۔ لہٰذا اس خلیفہ کی برائی اور گھٹیاپن کے اظہار کے مقام پر اسی گناہ کا ذکر حضور خداوندی میں پیش کیا۔ نیز معلوم ہوا کہ اپنی عقل ناقص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے افعال اور احکام میں اس کی حکمت کی وجوہ کا سوال کرتا ہے ادبی کی ایک قسم ہے۔

آٹھواں فائدہ: یہاں اس واقعہ کا بقیہ محذوف ہے۔ کیونکہ غرض پورا قصہ بیان کرنے سے متعلق نہ تھی۔ بلکہ جس قدر واقعہ خلافت کی اہلیت کے بیان میں دخل رکھتا تھا تمام واقعہ سے چن کر بیان فرمادیا۔

marfat.com
Marfat.com

## حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا باقی حذف شدہ واقعہ

پورا واقعہ یہ ہے کہ ابوالشیخ اور دوسرے محدثین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آدم علیہ السلام کو پیدا فرمائے۔ جبریل علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا کہ تمام روئے زمین سے سفید۔ سیاہ اور سرخ' شور اور شیریں' نرم اور سخت زمین سے ایک مٹھی اٹھا کر لائے کہ میں اس سے ایک مخلوق کو پیدا کروں گا جب جبریل علیہ السلام زمین کے پاس گئے اور چاہا کہ اس سے مٹھی بھر لیں تو زمین نے پوچھا کہ آپ مجھ میں نقص کیوں ڈالتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے ایک مخلوق پیدا فرمائے گا جسے زمین کی خلافت بخشی جائے گی۔ اور وہ ایسے ویسے عمل کرے گا۔ اور ثواب اور عذاب میں پڑے گا۔ زمین نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی عزت کی پناہ لیتی ہوں اس سے کہ آپ مجھ سے مٹھی بھریں کہ اس میں سے بعض جہنم کے نصیب ہو۔ جبریل علیہ السلام واپس چلے گئے اور عرض کی اے خدا تعالیٰ! زمین نے تیری عزت کی پناہ لی میں تیرے نام پاک اور تیری عزت کا ادب کرتے ہوئے واپس آ گیا اور اس کے درپے نہ ہوا۔

حق تعالیٰ نے میکائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ میکائیل علیہ السلام بھی اسی طریقہ سے واپس آ گئے۔ پھر اسرافیل علیہ السلام کو بھیجا۔ وہ بھی واپس آ گئے۔ پھر ملک الموت علیہ السلام کو بھیجا۔ ملک الموت علیہ السلام نے زمین کی زاری نہ سنی اور کہا کہ میں فرمان الٰہی کا مطیع ہوں۔ تیری زاری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے باز نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے روحیں قبض کرنے کا کام انہیں کے سپرد فرمایا۔ اور فرمایا کہ خاک کی مٹھی کو اس جگہ جہاں اب کعبہ معظمہ بنا ہوا ہے جمع کرے۔ اس کے بعد فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس مٹی کا گارا بنائیں۔ اور چالیس دن تک اس مٹی پر بارش برسی۔ ۳۹ دن غم واندوہ کی بارش اور ایک دن خوشی اور شادی کی بارش۔ اسی وجہ سے انسان کے غم اور اندوہ کے اوقات خوشی اور شادی کے اوقات سے زیادہ ہوتے ہیں اس کے بعد اس مٹی کو خشک کیا گیا۔ یہاں تک کمہاروں کے پیالے کی طرح ہو گئی۔ اور ہواؤں کے چلنے سے اس میں آواز پیدا ہوتی تھی۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس خشک شدہ گارے کو صلصال کالفخار فرمایا ہے۔ یعنی ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی۔

marfat.com

Marfat.com

اس کے بعد فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس خشک شدہ گارے کو مکہ اور طائف کے درمیان وادی نعمان میں جو کہ عرفات کے متصل ہے لے جا کر رکھ دیں اور حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ہاتھ سے اس سخت مٹی سے آدم علیہ السلام کے جسم کی تصویر بنائی۔ فرشتوں نے چونکہ اس شکل کی مانند کبھی نہ دیکھی تھی تعجب کی وجہ سے اس کے اردگرد گھومتے تھے۔ اور اس کی صورت کی خوبی سے حیرت کرتے تھے۔ ابلیس بھی اس جسم کو دیکھنے کیلئے آیا اور اس کے گرد گھوما اور کہنے لگا اس جسم سے کیا تعجب کرتے ہو کہ ایک جسم ہے جو اندر سے خالی ہے جگہ جگہ سے کھوکھلا ہے۔ یہ پر کئے بغیر سیر نہیں ہوگا۔ اگر اس کے خلا کو پر نہ کیا گیا تو کمزوری کی وجہ سے زمین پر گر پڑے گا۔ اور اگر اسے پر کر دیں تو اس کے اعصاب میں کھچاؤ ہوگا۔ اور چلنے میں سستی کرے گا۔ تو اس کھوکھلے جسم سے کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔ مگر اس کے سینے کے بائیں جانب دروازے بغیر ایک حجرہ ہے مجھے معلوم نہیں کہ اس میں کیا چیز چھپی ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہی مقام لطیفہ ربانی کا مقام ہو جس کی وجہ سے مستحق خلافت ہوگا۔

اس کے بعد روح کو حکم ہوا کہ اس جسم میں داخل ہو۔ اور اس جسم کے خالی حصوں میں پر ہو جائے۔ جب روح اس صورت والے جسم کے قریب گئی اس نے دیکھا کہ ایک تنگ و تاریک مقام ہے وہاں داخل ہونے سے رک گئی۔ اسے اللہ تعالیٰ کے دربار سے مجبور کر کے جسم میں داخل کیا گیا ابھی اس کے سر میں روح آئی تھی کہ اس نے چھینک ماری اور الہام خداوندی کی وجہ سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ زبان پر جاری ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا یرحمک اللہ۔ حاکم نے اسے اسی طرح روایت کیا۔ اور ابن عباس سے اس کی تصحیح کی۔ اور بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں ابن مسعود اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک اور جماعت سے روایت کی کہ جب روح حضرت آدم علیہ السلام کی کمر تک پہنچی۔ اچھل کر کھڑے ہو گئے ابھی روح ان کے جسم کے نچلے حصہ میں نہیں آئی تھی اس لئے زمین پر گر گئے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء آیت ۳۷) اس کے بعد کہ روح ان کے تمام بدن میں چلی گئی۔ حکم ہوا کہ فرشتوں کی جماعت پر گزر کرو۔ اور انہیں السلام علیکم کہو۔ اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں پر گزر کیا۔ اور فرمایا السلام

marfat.com
Marfat.com

علیکم۔ فرشتوں نے کہا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ حکم ہوا کہ انہیں کلمات کو میں نے تیرے اور تیری اولاد کیلئے ملتے وقت کی دعا قرار دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اے خداوند کریم! میری اولاد کیا ہے؟ فرمایا کہ تیری اولاد میرے دونوں ہاتھوں میں ہے۔ ان دونوں ہاتھوں میں جسے تو پہلے اختیار کرے گا اس ہاتھ سے وابستہ چھپی ہوئی چیزوں کو تیرے لئے پہلے ظاہر کروں گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ میں نے پہلے اپنے پروردگار کا دایاں ہاتھ اختیار کیا۔ اور میرے پروردگار کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہاتھ کو ان کی پشت پر پھیرا اور قیامت تک پیدا ہونے والے نیک بختوں کو ان کی پشت سے کھینچا اور ان کی تصویریں آپ کو اپنے ہاتھ میں دکھائیں۔ پھر دوسرا ہاتھ ان کی پشت پر گزارا اور بدبختوں کو کھینچا اور ان کی تصویریں انہیں دکھائیں۔

جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کی تصویریں ملاحظہ کیں۔ دیکھا ان کے درمیان بہت فرق واقع ہوا ہے۔ بعض خوبصورت' بعض بدصورت' بعض امیر' بعض فقیر' بعض لمبے قد والے' بعض چھوٹے قد والے۔ بعض صحیح خلقت والے اور بعض ناقص الخلقت۔ عرض کی اے خداوند کریم! یہ سب تیرے بندے ہیں تو نے انہیں یکساں پیدا کیوں نہیں فرمایا؟ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر انہیں میں یکساں پیدا کرتا تو کوئی بھی میرا شکر ادا نہ کرتا اب جبکہ ان کے درمیان فرق واقع ہوا تو ہر شخص جو حاصل شدہ نعمت کو پہچانے گا میرا شکر کرے گا۔

اس کے بعد آپ نے انبیاء علیہم السلام کو دیکھا جو کہ آپ کی ساری اولاد میں سے نور عظیم کا امتیاز رکھتے ہیں جو کہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان چمکتا تھا۔ ان پیغمبروں علیہم السلام میں سے جو نور حضرت داؤد علیہ السلام کی پیشانی پر چمکتا تھا حضرت آدم علیہ السلام کی نظر میں بہت خوشنما معلوم ہوا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام انبیاء علیہم السلام میں سے خلاف اولیٰ کام کرنے کے مرتکب ہوئے جسے آپ نے اپنے عرفان خداوندی سے معمور اور تجلیات صفاتی سے منور قلب مقدس کے نازک احساسات کے مطابق

marfat.com

Marfat.com

خطا قرار دیا جبکہ حقیقت میں وہ ایسی خطا نہ تھی کہ معصیت کے دائرے میں داخل ہو۔ اور اس کے تدارک کیلئے اس حد تک توبہ' استغفار اور زاری کی کہ انسانوں میں سے کسی کیلئے بھی ایسا تدارک ممکن نہیں ہوا۔ پس ان کا نور نبوت ان کی توبہ اور ندامت کے نور سے مل کر ایک عظیم چمک رکھتا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اس قسم کی صورت حال پیش ہوئی کہ انہوں نے تعمیل حکم میں فروگذاشت کی بنا پر اس کا تدارک توبہ' ندامت' استغفار اور پہلے کی نسبت زیادہ آہ و زاری کر کے کیا۔ لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام کے نور کو حضرت آدم علیہ السلام کے نور سے پوری مناسبت حاصل ہوگئی۔ مناسبت جس قدر زیادہ ہوتی ہے اسی قدر محبت زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے نور داؤدی کو دیکھ کر عرض کی کہ یا اللہ یہ تیرا کون سا بندہ ہے۔ اور اس کا کیا نام ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہ آپ کا بیٹا داؤد ہے۔ عرض کی کہ اس کی عمر کتنی مقرر فرمائی ہے؟ ارشاد ہوا ساٹھ سال عرض کی کہ میری عمر کس قدر ہے ارشاد ہوا ہزار سال۔ عرض کی میری عمر سے چالیس سال کم کر کے اس کی عمر میں زیادتی کر دی جائے۔ اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر سے چالیس سال باقی رہ گئے ملک الموت علیہ السلام اور ان کے مددگار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ آپ کی وفات کا وقت آ پہنچا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ ابھی میری اجل سے چالیس سال باقی ہیں۔ فرشتوں نے کہا کہ وہ چالیس سال آپ نے اپنے بیٹے حضرت داؤد علیہ السلام کو دے دیئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے کسی کو دیئے ہوں۔ اور کوئی شخص اپنی عمر میں سے کسی کو نہیں دیتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے لینے دینے کا معاملہ فراموش ہونے کی وجہ سے انکار کر دیا۔ یہی رسم ان کی اولاد میں میں باقی ہے۔ اور اسی وقت سے حکم ہوا کہ جو کوئی کسی کو چیز دے چاہئے کہ ہبہ نامہ لکھ لے اور شاہد اور گواہ طلب کرے تا کہ حاجت کے وقت کام آئے۔

امام احمد اور ابن ابی شیبہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب

marfat.com
Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد دکھائی۔ فرشتوں نے عرض کی کہ اے خداوند کریم اتنی کثیر تعداد کیلئے زمین میں گنجائش نہ ہوگی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے انہیں کم کرنے کیلئے ایک چیز کو مقرر کیا ہے۔ اور وہ موت ہے۔ فرشتوں نے عرض کی کہ اگر یہ اپنی موت کو اسی طرح دیکھیں گے انہیں زندگی ہرگز گوارا نہ ہوگی۔ موت کی یاد ان کی زندگی کو تلخ کردے گی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان پر غفلت ڈالنے کیلئے آرزو اور امید کی درازی دے دوں گا کہ اس کی وجہ سے موت سے غافل رہیں گے۔

## رنگوں اور عادتوں میں اختلاف کی وجہ

اور صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری معتبر کتابوں میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کے سارے قبض کئے ہوئے اجزاء سے پیدا فرمایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آدمی رنگ میں بھی مختلف ہوتے ہیں سرخ' سفید اور سیاہ اور طبعی عادات میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔ نرم' سخت اور نیت میں اچھے اور برے اور خبیث اور طیب اور بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے کہ فرشتے اس خلیفہ کے پیدا ہونے سے بہت ڈرتے تھے کہ جب خلیفہ ہم پر حکمرانی کرے گا اس کے ساتھ کیا معاملہ واقع ہوگا؟ ابلیس آیا اور اس نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کے ایک ایک عضو کو ملاحظہ کیا۔ اور کہنے لگا اس سے نہ ڈرو۔ پس تمہارا رب صمد ہے۔ اور یہ کھوکھلا ہے اگر مجھے اس پر مسلط کیا گیا تو میں اسے ہلاک کر دوں گا۔

اور دیلمی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت لائے کہ خواہش' آزمائش اور شہوت کو چالیس دن کی مدت تک حضرت آدم علیہ السلام کے گارے میں خمیر کرایا گیا۔ اور صحیح مسلم اور دوسری صحاح میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین دن روز جمعہ ہے۔ کیونکہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ اور اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا۔ اور اسی دن انہیں جنت سے زمین پر اتارا گیا۔ اور اسی دن آپ نے وفات پائی اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

امام احمد' طبرانی اور دوسرے محدثین کی روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com

Marfat.com

نے فرمایا ہے کہ بہشتی جب بہشت میں آئیں گے بے ریش اور ان کے جسم بالوں سے خالی ہوں گے۔ اور ان کے رنگ سرخ وسفید اور ان کے سروں کے بال گھنگھریالے اور ان کی آنکھیں سرمگیں گویا کہ تینتیس سال کے ہیں۔ اور وہ سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں ہوں گے ان کے قد ساٹھ ہاتھ اور ان کا عرض اسی طول کے مناسب ہوگا۔

اور ابن سعید ابن جریر ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام روئے زمین سے پیدا فرمایا شور اور شیریں سے۔ آپ کی اولاد میں سے جس پر میٹھا جز وغالب آیا وہ آخر نیک بختی میں آجاتا ہے۔ اگرچہ اس کے ماں باپ کافر ہوں۔ اور آپ کی اولاد میں سے جو شور کا جز وغالب رکھتا ہے وہ آخرکار بدبخت ہوگا اگرچہ کسی عظیم کا بیٹا ہو۔

اور چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے منظور روئے زمین کی خلافت تھی اور خلافت کو دو چیزیں لازم ہیں۔ اول اس کی صفات وافعال کو جاننا جو اسے خلیفہ مقرر کرے تا کہ ان کے موافق اپنی طرف سے صفات وافعال سرانجام دے سکے۔ دوسری چیز ان چیزوں کو جاننا جو اس کی خلافت کے فرمان میں داخل ہیں۔ تا کہ ہر چیز کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو اس کے ساتھ کرنا چاہئے۔ اور ٹوپی کو پاؤں میں اور جوتے کو سر پر نہ ڈالے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے اور مخلوق کے اسماء کی تعلیم ضروری ہوئی تا کہ اسمائے الٰہی کے ساتھ حقائق کونی میں تصرف کریں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد اس علم کو ان کے دل میں ڈالا اس کے بغیر کہ کوئی کلمۂ کلام، صرف اور آواز درمیان میں ہو۔

## تعلیم آدم اور اس میں علماء کے ایک شبہ کا جواب

وَعَلَّمَ اٰدَمَ اور تعلیم فرمائی حضرت آدم علیہ السلام کو اس طرح کہ ان کے دل میں ڈالا کہ فلاں چیز کا فلاں نام ہے۔ اور فلاں چیز کا فلاں نام۔ اور یہاں بعض علماء کو شبہ ہوتا ہے کہ اسماء کی تعلیم بعض لغات کو جاننے پر موقوف ہے۔ کیونکہ اسماء کی تعلیم اسی سے عبارت ہے کہ کہیں کہ فلاں چیز کا فلاں نام ہے۔ اور فلاں چیز کا فلاں نام اور اس کلام کو سمجھنا بغیر جاننے

marfat.com

Marfat.com

ان سب کے مفردات کے مفہوموں کے ممکن نہیں ہے۔ پس چاہئے کہ تعلیم اسماء میں حضرت آدم علیہ السلام کو دور لازم آئے کیونکہ تعلیم اسماء بعض اسماء کے کو جاننے پر موقوف ہے۔ اور ان اسماء کو جاننا تعلیم پر موقوف ہے۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم اسماء دو وجہ پر تھی۔ ان چیزوں کی ضروری مقدار کہ باہمی خطاب' فائدہ دینا اور لینا اس پر موقوف تھا حروف آواز' کلمہ' کلام کے واسطہ کے بغیر ان کے دل میں ڈال دیں گئی اور جو باقی رہ گئیں انہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو معلوم الفاظ کے واسطہ سے بیان فرمایا۔ پس یہ ایک بے مقصد طول دینا ہے۔ پہلے سے یہی کہنا چاہئے کہ یہ تعلیم الفاظ کے واسطہ سے نہ تھی۔ بلکہ دل میں ڈالنے کے طریقے سے تھی۔ اگر چہ اسی طریقہ سے بعض اسماء کی تعلیم حضرت آدم علیہ السلام کو آپ کی پیدائش ساتھ ہی تھی کیونکہ آپ کی روح آپ کے نچلے بدن میں نہیں آئی تھی کہ آپ نے چھینک کے شکریہ میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا اور اس کے جواب میں یرحمك الله سنا لیکن پیدائش کے بعد آپ کو عام وسیع تعلیم دی گئی۔

اَلْاَسْمَآءَ كُلَّهَا تمام چیزوں کے ناموں کی۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ کو ہر شے کے نام کی تعلیم دی حتیٰ کہ بڑے پیالے اور چھوٹی پیالی کی۔ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہاں تک کہ اونٹ' گائے اور بکری کی۔ اور ان کے ناموں کی تعلیم اس لئے واقع ہوئی کہ نام ایک لفظ سے عبارت ہے جو کہ ایک حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔ اور منظور حقائق کے علم کا فائدہ دینا تھا تا کہ خلافت کا کام سرانجام دیا جا سکے۔ اور نام اس چیز کا سب سے قلیل حصہ ہے جس کی وجہ سے حقائق کے درمیان امتیاز ہوتا ہے۔ نیز منظور یہ تھا کہ تمام چیزوں کے خواص اور ان کے نفعوں اور نقصانوں کی آپ کو تعلیم دی جائے۔ اور ان خواص کے استعمال کا طریقہ بھی۔

اور اس تعلیم کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ پہلے آپ کو ہر چیز کے نام کی تعلیم دیں تا کہ یہ بیان کرنے کے وقت کہ فلاں چیز فلاں خاصیت رکھتی ہے۔ اور فلاں منفعت کو اس سے فلاں طریقے سے لیا جا سکتا ہے۔ اور فلاں ضرر کو اس سے فلاں طریقے سے زائل کیا جا سکتا ہے غ کو لمبا کرنے کی ضرورت نہ ہو۔

marfat.com
Marfat.com

یہاں جاننا چاہئے کہ فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کے امتیاز کی وجہ جس کی وجہ سے ان پر فوقیت حاصل کی صرف تعلیم اسماء اور اشیاء اور ان کے نفع ونقصان کی معرفت نہیں۔ کیونکہ یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کا خطاب فرشتوں کی طرف متوجہ ہوتا تھا کہ فلاں چیز کو اس طرح کرو اور فلاں کو اس طرح۔ جیسا کہ اسی واقعہ میں گزرا کہ پہلے جبریل علیہ السلام کو روئے زمین سے مٹی کی مٹھی لانے کیلئے بھیجا اس کے بعد دوسرے فرشتوں کو تو اگر فرشتوں کو حقائق اور ان کے اسماء کا علم نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ مخلوقات کے حق میں حکم صادر فرماتا تھا وہ کس طرح بجالا سکتے بلکہ آدم علیہ السلام کا فرشتوں سے امتیاز دو مرتبوں سے تھا۔

## حضرت آدم علیہ السلام کے فرشتوں سے امتیاز کی دو وجوہات

بلکہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے دو وجہوں کی بنا پر ممتاز تھے۔ ایک یہ کہ آدم علیہ السلام کی خلقت سے پہلے فرشتوں کو ہر چیز کے اسماء کا علم حاصل نہ تھا بلکہ ان کا علم انہیں حقائق اور اسماء میں منحصر تھا جن کا ان کے کام اور خدمت سے تعلق تھا اور دوسرے حقائق اور ان کے اسماء کے ساتھ انہیں کوئی سروکار نہ تھا اور ان پر انہیں اطلاع حاصل نہ تھی۔ بخلاف حضرت آدم علیہ السلام کے کہ انہیں خلیفہ بنانے کی نسبت سے عام تعلیم دی گئی تا کہ ہر حقیقت کے نفع اور نقصان سے آگاہ ہوں۔

چنانچہ حاکم اور ابن عساکر نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسماء کی تعلیم کے ضمن میں حضرت آدم علیہ السلام کو قسم قسم کے پیشوں سے ایک ہزار پیشے کی تعلیم دی اور ارشاد فرمایا کہ اے آدم! اپنی اولاد اور نسل سے کہو کہ اگر تم دنیا سے صبر نہیں کر سکتے ہو تو اس دنیا ان پیشوں کے ساتھ طلب کرو اور دنیا کو دین کے ساتھ طلب نہ کرو کیونکہ دین صرف میرے لئے ہے۔ اس پر افسوس ہے جو دنیا کو دین کے ساتھ طلب کرے

اور دیلمی ابو نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی تصویریں مٹی اور پانی میں بنا کر مجھے دکھائی گئیں اور مجھے تمام اسماء کی تعلیم دی گئی جس طرح آدم علیہ السلام کو تمام ناموں کی تعلیم دی گئی اور اس آیت میں کلھا کا لفظ جو کہ عموم

marfat.com

Marfat.com

اسماء کی تاکید کیلئے بڑھایا ہے اسی نکتہ کیلئے ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا فرشتوں سے امتیاز یہی عام تعلیم تھی نہ کہ تعلیم اسماء۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس عام تعلیم کی ابتداء بھی حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور اس کے بعد کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو ہر چیز کے نام کی خبر دی اور فرشتوں نے ہر چیز کے نام کا استعمال حضرت آدم علیہ السلام اور آدمیوں سے سنا ان میں سے بعض جیسے حضرت جبریل علیہ السلام اور دوسرے اکابر ملائکہ کو ہر چیز کے ناموں کا علم حاصل ہو گیا کیونکہ یہ بات شرائع سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت جبریل اور دوسرے اکابر ملائکہ علیہم السلام انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں آئے تھے۔ اور ہر چیز میں بحث و تفتیش کرتے تھے۔ اور مختلف امور کا ذکر درمیان میں آتا تھا۔ اور وہ کبھی بھی فائدہ دینے اور لینے اور گفت و شنید میں دقت محسوس نہیں کرتے تھے۔ اور پوچھتے نہیں تھے کہ فلاں نام کس چیز کا نام ہے۔ اور یہ لفظ کیا معنی رکھتا ہے؟ اور فلاں چیز کی حقیقت کیا ہے؟ ہاں اس عام تعلیم کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے خصوصی طور پر ہوئی تا کہ فرشتوں پر ان کے علم کی زیادتی خصوصاً اس علم کی جو کہ سیاست اور خلافت سے متعلق ہے ظاہر ہو۔ اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام کی صرف تعلیم پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ پھر اللہ تعالیٰ نے ان ناموں کو فرشتوں کے سامنے اس طرح پیش فرمایا۔ ان چیزوں کی تصویریں پیش کیں جن کے ناموں کی حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم دی گئی۔

فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ ۔ پس فرمایا کہ اے فرشتو! مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ کیونکہ نام حقائق کی تمیز دینے والوں میں سے سب سے کم تر شے ہے۔ اور خلافت کے استحقاق کیلئے حقائق کی معرفت اور ان کا امتیاز شرط ہے اگر تمہیں ان چیزوں کے ناموں کی خبر ہو گی تو تمہاری طرف سے خلافت کا دعویٰ ممکن ہو گا ورنہ جب تم ان چیزوں کے ناموں سے بے خبر ہو گے تو خلافت کا کام جو کہ چیزوں میں تصرف کا نام ہے تم سے کس طرح سرانجام پائے گا اور اگر چہ تم نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ لیکن یہ دعویٰ تمہاری گفتگو کا

marfat.com
Marfat.com

ازم ہے۔پس اس دعویٰ کی شرطوں کو ثابت کرو۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنی گفتگو میں سچے ہو کہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ کیونکہ اس کلام کا معنی یہ ہے کہ ہماری تسبیح وتقدیس کمال کی بلندی کو پہنچ چکی ہے۔اور ہماری حمد وشکر انتہاء تک پہنچی ہوئی ہے۔اور ظاہر ہے کہ کمال تسبیح وتقدیس بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کے ساتھ ہو۔اور اسی طرح حمد وشکر کی انتہا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کمال اور نعمت کے مقابلہ میں ہو۔اور اسے جمیع اسماء الٰہیٰ کائنات کے تمام اسماء اور اللہ تعالیٰ کے تمام کمالات اور نعمتوں کا علم درکار ہے۔اور حقائق عالم کی تفصیلی معرفت کے بغیر اس علم کی صورت نہیں بنتی اور حقائق کے درمیان بے شمار وجہوں سے امتیاز ہے کہ ان وجوہ میں سب سے ادنیٰ وجہ امتیاز نام ہے اگر تمہیں اس قدر بھی حاصل نہیں تو تسبیح و تقدیس علی الاطلاق اور حمد کامل کا دعویٰ تمہاری طرف سے کس طرح درست ہوگا۔

## اس مقام کے متعلق چند بحثیں

اس جگہ چند بحثیں باقی رہ گئیں جنہیں مفسرین یہاں ذکر کرتے ہیں۔پہلی بحث یہ ہے کہ اکثر علماء نے اس آیت سے اس بات پر دلیل لی ہے کہ الفاظ کو معنوں کیلئے مقرر کرنے کی ابتداء حق تعالیٰ کی جانب سے ہے کہ اس آیت میں فرمایا وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اور اگر معنوں کیلئے الفاظ وضع کرنے والے آدم یا اولاد آدم ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم کی گنجائش نہ ہوتی لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وضع لغات حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ ملی ہوئی نہیں۔ بلکہ اس سے بہت عرصہ پہلے اور فی الواقع اسی طرح ہے۔اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے فرشتوں کے نام اور دوسری چیزوں کے نام جنہیں سرانجام دینے کا فرشتوں کو حکم ہوتا تھا مقرر تھے۔اور فرشتوں کا باہم ایک دوسرے کو خطاب کرنا اور احکام الٰہیہ کے مضمون کو الفاظ کے واسطہ سے سمجھنا جو کہ ان سے واقع تھا یقینی اور قطعی طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ثابت تھا۔جو لوگ کہ لغات کی وضع کو حضرت آدم اور آدمیوں کی اصطلاح سے جانتے ہیں وہ فرشتوں کے آپس میں مکالمات سے صریح غافل ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

اور وہ جو علماء نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم اسماء کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں خواہش ڈالی کہ وضع الفاظ کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر انہیں وضع کا طریقہ تعلیم دیا۔ جیسا کہ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ کا معنی بھی یہی ہے۔ اس کا فاسد ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ فرشتوں کو اس امر کا مکلف کرنا کہ وہ آدمیوں کی اصطلاح کے الفاظ اور معنوں کی خبر دیں یہ تکلیف مالایطاق کے زمرے میں ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بے حاصل سی بات ہوگی کیونکہ اگر کسی کو کسی کی اصطلاح پر اطلاع نہیں تو اس کے علم میں کیا قصور اور اس دوسرے کو اس پر کیا فضیلت۔ ورنہ علمائے عرب کو ترکوں کی اصطلاحات پر اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے ایک قسم کا قصور لازم آیا اور ترکوں کو ان پر ایک فضیلت ثابت ہوئی۔ ہاں علم لغات و اسماء جو کہ علم الٰہی میں مخصوص معنوں کیلئے مقرر ہیں کو نہ جاننا قصور کی علامت ہے۔ اور اسے جاننا ترجیح وفضیلت کی دلیل۔ اس لئے کہ معلومات الٰہی کا احاطہ جتنا زیادہ ہو گا اسی قدر اس دربار عالی سے مناسبت ومشابہت زیادہ ہوگی۔ اور جناب الٰہی سے مشابہت کی زیادتی مخلوق کی فضیلت کا سبب ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ ثم عرضہم کی ضمیر ظاہر ہے کہ اسماء کی طرف لوٹنے والی ہے مگر مسمیات کے اعتبار سے اور اسماء کے مسمیات ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں تھے۔ یہ ضمیر جو کہ ذوی العقول مذکروں کے ساتھ مخصوص ہے کیوں لائی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان مسمیات کا فرشتوں پر پیش کیا جانا ان مسمیات کے جسم کے اعتبار سے نہ تھا جو کہ مذکر و مونث' ذوی العقول اور غیر ذوی العقول کا محل ہے۔ بلکہ روحی ملکوتی وجود کے اعتبار سے تھا کہ تمام مخلوقات اس کے مطابق عقل اور ادراک والی ہے اور مذکر و مونث ہونے سے پاک ہے ہاں اس وجود میں تانیث نہ ہونے کی وجہ سے تذکیر کے الفاظ اور اس کے صیغے ان ے حق میں استعمال ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ ملائکہ کے حق میں بھی اسی اعتبار سے تذکیر کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

تیسری بحث یہ ہے کہ انبئونی میں امر کا صیغہ عاجز کرنے اور الزام دینے کیلئے مکلف کرنے اور تعمیل کرنے کیلئے نہیں تو جنہوں نے اس صیغہ سے دلیل لے کر تکلیف

marfat.com
Marfat.com

مالایطاق یعنی ایسا حکم دینا جس کی تعمیل کی طاقت نہ ہو کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے خطا کی ہے۔ اور اسی لئے ملائکہ نے یہ امر اور یہ خطاب سنتے ہی اپنی عاجزی کا اظہار شروع کر دیا اس طرح کہ قَالُوْا سُبْحَانَكَ انہوں نے کہا اے پروردگار ہم تجھے جانتے ہیں اس سے کہ تیرے علم میں کوئی قصور ہو یا تیرا کوئی کام بے مقصد ہو۔ اور حکمت کے خلاف واقع ہو۔ اور ہمارا سوال نہیں تھا مگر ہدایت وارشاد کی طلب کیلئے اس لئے کہ

لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ہمیں کوئی علم حاصل نہیں ہوتا مگر وہ جو تو نے ہمیں تعلیم فرمایا یہی وجہ ہے کہ ہم اس خلیفہ کے پیدا کرنے کی حکمت نہیں جان پائے اور اپنی تسبیح و تقدیس کو اور اپنی حمد وشکر کو کامل سمجھ بیٹھے اور حقائق اشیاء کی تفصیلی معرفت اور ان کے ممیزات کو جن میں ان کے نام بھی ہیں ہمیں معلوم نہ ہوئے۔ اور اگر ہمیں جناب پاک سے یہ علوم ابتداء ہی سے حاصل نہیں ہوئے تو کوئی محل اعتراض نہیں۔ کیونکہ

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ تحقیق تو نہایت جاننے والا ہے۔ تو جانتا ہے کہ ہمارے حقائق کا تقاضا نہیں کہ اس علم کو واسطہ کے بغیر تجھ سے حاصل کر سکیں۔ اسی لئے تو نے اس مخلوق کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اور انہیں افعال پر ایک قسم کی قدرت دی ہے۔ اور ہمیں اس کے مقاصد خدمت اور اس کے اسباب پورا کرنے کیلئے تو نے مامور فرمایا تا کہ ہم بھی اس خلیفہ اور اس کی خدمت کے واسطہ سے ان افعال اور حقائق پر اطلاع پائیں کیونکہ تو

اَلْحَكِيْمُ کامل حکمت والا ہے اس تدبیر کے ساتھ ہمارے حقائق کو بھی ان علوم کے ساتھ بہرہ ور فرمائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ عاجزی اور تضرع اور اپنے علم و حکمت کے کمال کا اقرار پسند فرمایا۔

قَالَ يَا اٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ فرمایا اے آدم! ان فرشتوں کو خبر دو اگرچہ جسمانی عوارض سے مجرد ہونے میں تو ان سے بہت کم ہے۔ اور مقرر ہے کہ جس قدر تجرد زیادہ ہوگا اسی قدر چیزوں کے حقائق پر اطلاع زیادہ ہوگی۔

بِاَسْمَآئِهِمْ ان چیزوں کے ناموں کی جو کہ ہم نے فرشتوں پر پیش کیں اس لئے کہ ان چیزوں کو ان کے خواص' منافع اور نقصان کے ساتھ نہیں جانا جا سکتا مگر اس عقل کے

marfat.com
Marfat.com

ساتھ جو کہ وہم' شہوت اور غضب کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ اور یہ معنی صرف تمہارے ساتھ خاص ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب یہ حکم سنا تو ان حقائق' اسماء اور ان کی صفات کو فرشتوں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا۔ اور ہر چیز کے نام کو اس کے تمام خواص اور آثار سمیت۔ ان پر واضح فرمایا۔

فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ تو جب حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو ان چیزوں کے ناموں کی خبر دی۔ حالانکہ وہ چیزیں گنتی اور احاطہ سے باہر تھیں۔ اور اس بیان میں ان سے بالکل غلطی نہ ہوئی۔ فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت کے کمال سے حیران ہو گئے۔ اور اس وقت

قَالَ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی مزید تاکید کیلئے فرشتوں کو فرمایا

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ کیا میں نے تمہیں نہ کہا تھا اس مخلوق کی پیدائش سے پہلے کہ

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ تحقیق میں جانتا ہوں ان چیزوں کو کہ تم نہیں جانتے ہو۔ اور اس کلام سے میری غرض یہ تھی کہ میں جانتا ہوں۔

غَیْبَ السَّمٰوٰتِ ان چیزوں کو جو کہ عالم بالا میں پوشیدہ ہیں۔ ستاروں کے اطوار' افلاک کی حرکات اور ان کے خوص و آثار سمیت اور باوجودیکہ تم عالم بالا کے ساکن ہر گز ان چھپے اطوار کو نہیں جانتے ہو۔ اور یہ مخلوق باوجودیکہ سفلی عناصر سے پیدا کی گئی ہے ان سب سے واقف ہے صغریٰ' کبریٰ' وسطی اور عظمی قرانات (ستاروں کا ملنا مراد ہے) سورج اور چاند گرہن اور ستاروں کے دوسرے احوال کو ان کے پیدا ہونے سے ہزاروں سال پہلے جانتا ہے۔ اور ہر ایک کو ایک نام سے موسوم کرتا ہے۔ اور ان تمام احوال کے مجموعی طور پر اور فرداً فرداً احکام نکالتا ہے۔

وَ اور جانتا ہوں غیب الْاَرْضِ یعنی جو عالم سفلی میں چھپا ہے۔ حالانکہ عالم سفلی حس کے نزدیک بہت زیادہ ظاہر ہے۔ لیکن تمہیں نباتات کے ہونے معدنی اجسام کے بدلنے' عجیب شکل والے حیوانات کے پیدا ہونے کے طریقے' پیوند کاری کے فوائد' ترکیب و تالیف کی صنعتیں جیسے بیل گاڑی کہ ایک حقیقت ہے جو کہ انسان' لکڑی' حیوان اور لوہے وغیرہ سے

marfat.com
Marfat.com

مرکب ہے معلوم نہیں۔ اور یہ مخلوق اس قسم کی چھپی ہوئی بہت سی چیزوں کو جانتی ہے۔ اور اسے بنا سکتی ہے۔ جبکہ تمہارا علم ان کے ناموں تک نہیں پہنچتا باوجودیکہ سفلی عوارض سے جو کہ عقل وادراک سے مانع ہیں پورے طور پر پاک ہو۔

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ اور میں اس چیز کو جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو یعنی تسبیح' تقدیس اور اسماء الٰہی کی معرفت اس قدر جتنی کہ تمہارے حوصلہ کی استعداد میں گنجائش ہے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اپنے قوی اور افعال سے اور تم ان پر بالکل مطلع نہ تھے کہ ہم میں وہ قوی اور افعال مخلوق ہیں۔ جیسے رحم میں بنی آدم کی صورت بنانا' مسجدوں کی خدمت' ذکر الٰہی سے انس حاصل کرنا' نیک لوگوں کے متبرک مقامات پر حاضری' غازیوں اور حاجیوں کی امداد' اسم قہار اور غفار کے مظہر کا تماشا اور اسمائے الٰہی میں سے ان ہر دو کی مانند' زندوں کی طرف سے مردوں کو ثواب اور ہدیے پہنچانا' اچھے اعمال اوپر لے جانے کے فوائد' راہ خدا کے سالکوں کو ترقی دینا' عالم مثال میں تجلیات شہودی کی خدمت کرنا جو کہ اس خلیفہ کی اولاد میں کاملوں کیلئے ہونے والی ہیں وحی نازل کرنا' اور کتب الٰہیہ نازل کرنا' شریعتوں' دینوں' ملتوں اور فرق و مذاہب [illegible] غیر ذالک۔ حالانکہ یہ سب چیزیں بالقوۃ تم میں موجود تھیں۔ [illegible] ہم نے ان چیزوں کا ظہور اس خلیفہ کے وجود پر موقوف رکھا تھا تا کہ اس خلیفہ کے واسطہ سے تمہیں ان چیزوں پر آگاہ کریں۔ اور تم اس خلیفہ کی خدمت کی وجہ سے اپنے بالقوۃ کمالات کو فعل میں لاؤ۔ اب یہ خلیفہ معرض وجود میں آ گیا۔ اور اس نے تمہیں ان چیزوں کی خبر دی تم نے جان لیا کہ اپنے میں ہم کیا چیزیں رکھتے تھے۔ پس اس خلیفہ کا تمہاری گردن پر عظیم حق ہے کہ اس نے تمہیں اپنی حقیقت سے آگاہ کیا۔ اور جناب الٰہی میں زیادہ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہوا۔

لازم ہے کہ اس خلیفہ کو استاد اور مرشد کی طرح سمجھو اور اس کی تعظیم کے آداب بجالاؤ۔

چند بحثیں

[illegible] میں باقی رہ گئیں۔ پہلی بحث یہ کہ جب فرشتوں کو حقائق اشیاء کا علم حضرت آدم علیہ السلام کے طفیل حاصل ہوا تو علمہم کیوں نہ فرمایا۔ اور انبہم فرمایا جس

marfat.com

Marfat.com

طرح کہ اَنۡبِئُوۡنِیۡ فرمایا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ استاد سے علم اور اس کی مشق حاصل کرنا جمعیت انسانی کی ہیئت کی خصوصیت ہے ملائکہ کو یہ ترقی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ فرشتوں کے سب کمالات ان کے وجودوں کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہاں حضرت آدم علیہ السلام کے طفیل ملائکہ کی قسموں میں سے ہر قسم کو اپنی معلومات کی جنس سے بہت کچھ حاصل ہوا کہ اس سے پہلے حاصل نہ تھا۔ لیکن معلومات کی یہ کثرت مرتبہ علم کی ترقی کا سبب نہیں ہوتا جس طرح کہ آدمی میں دیکھنے کی قوت کی نظر میں آنے والی چیزوں کی کثرت کی وجہ سے علم میں اس کے مرتبہ کو زیادتی نہیں ملتی بلکہ کثرت مبصرات کے باوجود اس سے ممکن نہیں کہ مبصرات کے علاوہ کسی دوسری چیز کو قبول کرے اسی طرح فرشتوں کا حال ہے اپنی معلومات میں حضرت آدم علیہ السلام کے طفیل زیادتی کی وجہ سے اور اسی نکتہ کو سمجھانے کیلئے اَنۡبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ فرمایا۔ اور علمھم باسماء ھم نہ فرمایا۔

## فضیلت علم کی دلیل

دوسری بحث یہ ہے کہ یہ آیت اور یہ واقعہ فضیلت و شرافت علم پر واضح دلیل ہے۔ اس لئے کہ عالم امکان میں علم کے علاوہ کوئی دوسری چیز اس قدر شرافت والی ہوتی تو فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کے اظہار کے مقام پر ضرور اسی چیز کو پیش کرتے۔ نیز اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ باوجودیکہ فرشتے عالم قدس کے باسی ہیں۔ اور ان کی عبادت اور اخلاص آدمیوں کی عبادت اور اخلاص سے کئی مرتبہ زیادہ ہے۔ اور پاک اور گناہوں سے معصوم ہونا ان کے جوہر ذاتی کو لازم ہے۔ اور ہر باب میں لَا یَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ان کی شان ہے۔ اور کھانے پینے' نکاح' سواری اور دوسری سفلی ضرورتوں اور جسمانی عوارض سے بے رغبتی اور بے نیازی انہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور مشکل کاموں پر جو انہیں قدرت ہے آدم علیہ السلام اور آدمیوں کو اس سوواں حصہ بھی نصیب نہ ہوا اور حجاب کا اٹھنا' تجلیات الٰہی کا معاینہ اور اللہ تعالیٰ کے خطاب بلا واسطہ سننا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں جو قرب اور مرتبہ حاصل ہے شروع میں آدمیوں کو میسر نہیں۔ اور ان تمام انعامات کے باوجود خلافت کا حق انہیں حاصل نہ ہوا کیونکہ وہ کائنات کے حقائق کا علم

marfat.com

Marfat.com

نہیں رکھتے تھے۔ اور بننے بگڑنے والے جہان کی رعایا کا انتظام نہیں کر سکتے تھے۔

## تین قسم کی نگہبانی شرط خلافت ہے

یہاں سے معلوم ہوا کہ عصمت وطہارت یا کامل درجہ ولایت یا خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا کثرت عبادت وزہد یا فنا وبقا کے مرتبہ کا حاصل ہونا اور تجلیات الٰہی سے مشرف ہونا اور جہان رغیب کو دیکھنا اور ہاتف کی آوازیں سننا خلافت کی شرطوں میں سے نہیں ہے جو فضیلت کہ خلافت کی شرط ہے یہ ہے کہ تین قسم کی نگہبانی اور حکومت کے علم میں زیادہ ہو۔ نگہبانی منزل' نگہبانی ملک' نگہبانی دین اور اس تین قسم کی سیاست میں پوری مہارت حاصل کی ہو۔ اور یہی اہلسنّت وجماعت کا مذہب ہے کہ انہوں نے استحقاق خلافت کا مدار اس علم میں فضیلت حاصل کرنے کو قرار دیا ہے۔

## علم کی فضیلت کا بیان۔ عالم کی مجلس کی برکات

علماء اور حکماء نے علم کی فضیلت کے باب میں بہت سی باتیں کہی ہیں۔ فقیہ ابوالليث سمرقندی نے کہا ہے کہ عالم کی مجلس میں حاضر ہونا اس کے بغیر کہ اس سے فائدہ لے یا مسئلہ یاد کرے سات کرامتوں کا موجب ہے ایک یہ متعلموں کے زمرہ میں گنا جاتا ہے۔ اور اس ثواب میں شریک ہو جاتا ہے جس کا متعلمین کیلئے وعدہ ہے۔ دوسری کرامت یہ کہ اس محفل میں حاضری کی مدت تک گناہوں سے بندر رہتا ہے۔ تیسری یہ کہ جب طلب علم کی نیت سے گھر سے باہر آتا ہے اس ثواب میں جس کا طالبان علم کے ساتھ وعدہ ہے داخل ہو گیا۔ چوتھی کرامت یہ کہ حلقہ علم میں نزول رحمت کے وقت شریک ہو جاتا ہے۔ پانچویں کرامت یہ کہ جب تک علمی مذاکرات سنتا ہے عبادت میں ہے۔ چھٹی کرامت یہ ہے کہ جب وہ کوئی مشکل مسئلہ سنتا ہے۔ اور اس کی سمجھ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچتی تو دل تنگ ہوتا ہے۔ اور اس کا دل منکسر ہوتا ہے۔ تو منکسرۃ القلوب کی جماعت میں شمار کیا جاتا ہے۔ ساتویں کرامت یہ کہ علم کی عزت اور فسق وجہالت کی ذلت اس کے دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اور جاہلوں اور فاسقوں سے متعلق اسے ایک نفرت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ حال اس شخص کا جسے کہ علماء کی مجلس

marfat.com
Marfat.com

سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ اور اس شخص کا حال جو ان کی صحبت سے بے شمار دینی دنیوی فائدے حاصل کرتا ہے یہاں سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔

## علم کی مال پر فضیلت کی سات وجوہ

حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ علم کو مال پر سات وجوہ سے فضیلت ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ علم پیغمبروں علیہم السلام کی میراث اور مال فرعون ٗ ہامان ٗ شداد اور نمرود کی وراثت ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ علم خرچ کرنے سے گھٹتا نہیں۔ بلکہ بڑھتا ہے۔ جبکہ مال خرچ کرنے کی وجہ سے گھٹتا ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ مال حفاظت کرنے والے کا محتاج ہے۔ جبکہ علم خود آدمی کا نگہبان ہے۔ چوتھی وجہ یہ کہ جب آدمی مرتا ہے مال کو چھوڑ کر مرتا ہے۔ جبکہ علم آدمی کے ہمراہ قبر میں داخل ہوتا ہے۔ پانچویں وجہ یہ کہ مال ایک ایسی نعمت ہے جس کے شرکاء خسیس ہیں ٗ مومن و کافر کو حاصل ہے۔ اور علم نافع حاصل نہیں ہوتا مگر با ایمان شخص کو ٗ چھٹی وجہ یہ ہے کہ آدمیوں کا کوئی گروہ ایسا نہیں جو کہ عالم کا اپنے دین کے معاملہ میں محتاج نہ ہو۔ اور کئی ایسے گروہ ہیں جو کہ مال داروں کے محتاج نہیں ہیں۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن علم پل صراط سے گزرنے کی قوت دے گا جبکہ مال کمزوری کا باعث ہوگا۔

بعض حکماء نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سات چیزوں کیلئے فرمایا ہے کہ باہم برابر نہیں ہیں بلکہ ایک دوسری سے بہتر ہے پہلی۔ **قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون** (الزمر آیت ۹) کیا جاننے والا اور نہ جاننے والے برابر ہیں؟ دوسری چیز **قل لا یستوی الخبیث والطیب** (المائدہ آیت ۱۰۰) فرما دیجئے ناپاک اور پاک برابر نہیں ہیں۔ تیسری چیز **لا یستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ** (الحشر آیت ۲۰) جہنم والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں۔ چوتھی ٗ پانچویں ٗ چھٹی اور ساتویں چیز۔ **وما یستوی الاعمی والبصیر ولا الظلمات ولاالنور ولا الظل ولاالحرور وما یستوی الاحیاء ولاالاموات** (فاطر آیت ۱۹ تا ۲۲) نابینا اور بینا ٗ تاریکیاں اور نور ٗ سایہ اور گرمی اور زندے اور مردے برابر نہیں ہیں۔ اور ان سات قسم کی چیزوں میں تفضیل کا مرجع عالم کو جاہل پر فضیلت

marfat.com

Marfat.com

دینا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ جو فضیلت بھی ہے وہ عالم کو جاہل پر فضیلت دینے کی طرف لوٹتی ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں بار بار مختلف عبارتوں کے ساتھ عالم کو عابد پر ترجیح دی گئی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بعض پر بعض کو فضیلت دینے کے مقام میں اسی صفت اور اس صفت کے شعبوں کو ترجیح دی ہے۔ خصوصاً انبیاء علیہم السلام میں سے سات افراد کو سات علموں سے فضیلت دینے کی صراحت فرمائی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو علم لغت کے ساتھ وعلم آدم الاسماء کلھا (البقرہ آیت ۳۱) حضرت خضر علیہ السلام کو علم فراست کہ وعلمناہ من لدنا علما۔ (الکہف آیت ۶۵) حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تعبیر وعلمتنی من تاویل الاحادیث (یوسف آیت ۱۰۱) حضرت داؤد علیہ السلام کو علم صنعت وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم (الانبیاء آیت ۸۰) حضرت سلیمان علیہ السلام کو جانوروں کی زبان جاننے وعلمنا منطق الطیر (النمل آیت ۱۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو علم تورات و انجیل ویعلمہ الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل (آل عمران آیت ۴۸) اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو علم اسرار کے ساتھ وعلمك مالم تکن تعلم (النساء آیت ۱۱۳)

کہتے ہیں کہ ان سات علموں نے ان سات رسل علیہم السلام کے حق میں عجیب ثمرات ظاہر کئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے علم نے مسجود ملائکہ بنایا۔ حضرت خضر علیہ السلام کو ان کے علم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی شخصیت کی استادی کا شرف بخشا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے علم نے سرزمین مصر کی بادشاہی تک پہنچایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے علم نے بلقیس جیسی خاتون ملک، حشم اور مال کے مرتبہ اور دولت کے ساتھ بخشی۔ (اقول باللہ التوفیق۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہ نکتہ شایان شان نہیں کہ آپ کے علم نے آپ کو ایک خاتون بخشی۔ یہ اعزاز تو اس خاتون کے لئے تھا کہ جلیل المرتبت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچ گئی اور دولت ایمان سے مشرف ہو کر زوجیت کی عزت پائی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے دیگر نوازشات الٰہیہ کافی ہیں جو کہ کتاب مجید میں مذکور ہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ) حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کے علم نے ریاست و بادشاہی تک پہنچایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے علم نے والدہ محترمہ سے

marfat.com

Marfat.com

تہمت زائل کرنے کا شرف عطا کیا۔ اور حضرت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے علم نے خلافت کبریٰ' شفاعت عظمیٰ سے سرفراز کیا۔

## نکتۂ نفیس

اہل نکات کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو علم اسماء مخلوقات نے سے مسجود ملائکہ بنایا۔ تو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کو جاننا کہاں تک پہنچائے گا؟ اور حضرت خضر علیہ السلام کو علم فراست نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحبت کا شرف بخشا۔ امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوت والتسلیمات کو علم حقیقت و شریعت و طریقت اگر انبیاء علیہم السلام کی صحبت تک پہنچادے تو کیا بعید ہے فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين

حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر جاننے نے قید خانہ سے رہائی بخشی اگر امت کے مفسرین کو کتاب اللہ کی تاویل' شبہات کے قید خانہ سے اور آخرت کی جیل سے نجات بخشے تو کیا بعید ہے؟

حکایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے مضبوط وسیلے کے ذریعے ایک بادشاہ کی ملازمت حاصل کر لی اور بادشاہ سے درخواست کی کہ دوسرے خواص کے دستور کے مطابق مجھے بھی اپنے دربار کی خدمات پر مامور فرمائیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ پہلے جاؤ اور علم حاصل کرو تا کہ تو میرے لائق ہو جائے۔ وہ شخص حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور علم حاصل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد کہ علم کی لذت پائی اور بادشاہوں کی صحبت کی آفات کو جانا' بادشاہ نے اسے طلب کیا۔ اور امتحان لیا اور امتحان کے بعد کہا کہ تو میری خدمت کے قابل ہو گیا۔ علم کی طلب سے بس کر اور میری خدمت میں مصروف ہو جا۔ اس شخص نے عرض کی کہ جس وقت میں آپ کی خدمت کرنے کے قابل تھا آپ نے مجھے قبول نہیں کیا۔ اور اب جبکہ میں اللہ تعالیٰ کی خدمت کے قابل ہو گیا تو میں آپ کو قبول نہیں کرتا۔

## نکتۂ زریں در فضیلت علم

کہتے ہیں کہ فضیلت علم میں یہی کافی ہے کہ سکھائے ہوئے کتے کا شکار حلال ہے۔

marfat.com
Marfat.com

صرف تعلیم کی برکت سے۔ حالانکہ نجس الاصل ہے۔ کمزور چیونٹی کو اس مرتبہ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایک علمی نکتہ کی برکت سے اس قدر پسند فرمایا کہ اس نکتے کو اس کی زبان سے اپنی کلام میں نقل فرمایا۔ اور ساری سورت کو اس چیونٹی کی طرف منسوب فرمادیا اور سورۃ النمل نام رکھا۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی لشکری دیدہ ودانستہ کمزور چیونٹی پر بھی ظلم نہیں کرتے چنانچہ اس کی زبان سے نقل فرمایا لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمَانُ وَ جُنُوْدُہٗ وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (النمل آیت ۱۸)

## اس فرقہ کی مذمت جو کہ اصحاب پیغمبر علیہ السلام کو ظالم اور غاصب کہتے ہیں

پس صحبت انبیاء علیہم السلام کی قدر کو جاننا چاہئے کہ ان کی سرسری صحبت نے جو کہ لشکریوں کو میسر تھی ان کے باطن کو روشن کرنے اور تاریکیاں دور کرنے میں ایسی تاثیر کرے کہ دیدہ دانستہ کمزور چیونٹی پر بھی ظلم نہیں کرتے۔ پس افسوس ان لوگوں کے حال پر جو کہ پیغمبر علیہ السلام کے پرانے مصاحبوں کو ظالم اور پیغمبر علیہ السلام کے خاندان کے حقوق کے غاصب گمان کرتے ہیں۔ ان بوڑھے نابالغوں کی عقل اس چیونٹی کی عقل سے بھی بدرجہا کم ہے۔ اور ان نفاق پیشہ لوگوں کا عقیدہ اپنے پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں اس چیونٹی کے عقیدہ سے ہزاروں مرتبہ کمزور ہے جو کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں تھا۔

## علماء کرام کی فضیلت کا بیان

اور قرآنی آیات جو کہ علم اور عالموں کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں بہت زیادہ ہیں انشاء اللہ العزیز ہر ایک کی اس کے مقام میں شرح کی جائے گی (اقول وباللہ التوفیق اس سے اشارہ ملتا ہے کہ مفسر علام قدس سرہ نے پورے قرآن کریم کی تفسیر کی ہے یا اس کا عزم تھا۔ واللہ اعلم بالصواب محمد محفوظ الحق غفرلہٗ) اور جو اس مقام کے لائق ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا خوف خاص نصیب علماء قرار دیتے ہوئے فرمایا: **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** (فاطر آیت ۲۸) اور دوسرے مقام پر بہشت خوف کرنے والوں کا حصہ قرار دی اور فرمایا ہے ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ (البینۃ آیت ۸)۔ پس دونوں آیات کے مجموعہ سے معلوم ہوا

marfat.com
Marfat.com

کہ بہشت خاص علماء کا حصہ ہے۔ اور بس۔

اور علماء کرام کو اپنے خوف کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو کسی چیز کو جانتا ہی نہیں محال ہے کہ اس سے ڈرے پھر کسی چیز کی ذات کو جاننا اس سے ڈرنے کا موجب نہیں۔ بلکہ اس کی ذات کو جاننے کے ساتھ ساتھ تین دوسری چیزوں کو بھی جاننا چاہئے تاکہ خوف اور ڈر حاصل ہو۔ ایک یہ کہ اسے قادر اور طاقتور جانے اس لئے کہ ہر بادشاہ جانتا ہے کہ میری رعایا میرے برے افعال پر مطلع ہے۔ اور ان افعال کو برا اور مبغوض بھی قرار دیتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی رعیت سے نہیں ڈرتا کیونکہ جانتا ہے کہ انہیں میرے مقابلہ اور ہٹانے کی قدرت نہیں ہے۔ دوسری چیز یہ کہ اس چیز کو اپنے حال سے واقف بھی سمجھے کیونکہ جو چور کہ کسی بادشاہ کے خزانہ سے کوئی چیز چراتا ہے وہ یقین سے جانتا ہے کہ بادشاہ کو مجھے سزا دینے کی قدرت حاصل ہے۔ لیکن بادشاہ میرے حال سے واقف نہیں اسی وجہ سے وہ نہیں ڈرتا۔ تیسری چیز یہ کہ اس چیز کو حکیم بھی مانے کیونکہ مسخرے بادشاہ کی موجودگی میں برے کام کرتے ہیں۔ بادشاہ اور دوسرے بڑے امراء کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ بڑے امراء ہمارے افعال کی قباحتوں کو جانتے ہیں۔ اور روکنے اور تنبیہ کرنے پر واجبی قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن نفس کے کمینہ پن کی وجہ سے ان برے افعال اور اس گالی گلوچ سے راضی اور خوش ہیں۔ اس جہت سے وہ ان سے ڈرتے نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا حاصل نہیں ہوتا مگر اس وقت جبکہ جانے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور حکیم ہے۔ سفیہ نہیں جو کہ منکرات اور قبیح افعال کو پسند فرمائے۔ حاصل کلام یہ کہ علم کی پہلی فضیلت نے جہان میں یہی ظہور کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسی فضیلت کی وجہ سے فرشتوں کی استادی کا منصب حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس استادی کا حق فرشتوں سے چاہا اور فرشتوں سے ان کی انتہائی حد تک تعظیم کرائی چنانچہ اس معنی کی شرح میں فرمایا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا ان کافروں کو یاد کرائیں جو کہ اس کلام کے تتبع سے عاجز ہونے کے باوجود آپ کو مطیع نہیں کرتے۔ اور خشوع و خضوع سے پیش نہیں آتے اور تکبر و عناد اختیار کرتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں وہ وقت کہ ہم نے کہا اس کے بعد کہ فرشتے اسمائے حقائق کے بیان سے عاجز ہو گئے۔ اور آدم علیہ السلام نے ان سب اسماء کو ان کے سامنے بیان کیا۔ اور ان کی خلافت جناب الٰہی سے بلا واسطہ ثابت ہوئی۔ جس طرح کہ اس قرآن کے تتبع سے کافروں کے عاجز آنے سے آپ کی نبوت اور تعلیم قرآن بلا واسطہ ثابت ہوئی۔

لِلْمَلٰٓئِكَةِ فرشتوں کو جو کہ ملاءِ اعلیٰ کے ہوں یا نچلی کائنات کے کیونکہ آدم علیہ السلام کی خلافت اور آپ کی فضیلت ان سب پر ثابت ہو گئی تھی۔ پس ملائکہ کی نچلے طبقہ کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ اور یہ روایات کے خلاف ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے ضمرہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اس سے سنا جو ذکر کر رہا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے حضور سجدہ کرنے کا حکم دیا سب سے پہلے حضرت اسرافیل سجدہ میں گرے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے بدلے یہ جزا دی کہ ان کی پیشانی میں قرآن پاک لکھ دیا۔

اور ابن عساکر نے عمر بن عبدالعزیز سے روایت کی کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو سب سے پہلے جس نے سجدہ کیا وہ اسرافیل علیہ السلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تعمیل حکم میں اس جلدی کرنے کی جزا میں یہ مرتبہ بخشا کہ سارا قرآن پاک ان کی پیشانی میں لکھ دیا اور علاوہ ازیں قرآن مجید میں دوسری آیت فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ہے عموم و استغراق میں اس قدر صریح ہے کہ اس کی تخصیص معرفہ بنا دیتی ہے اور فی الواقع جس طرح سفلیوں کو اس خلیفہ کے وجود سے اپنے کمالات کی وسعت نصیب ہوئی علویوں کو بھی اپنے کمالات کی وسعت حاصل ہوئی۔ بعثت انبیاء علیہم السلام۔ وحی نازل کرنے' شریعتوں کو مقرر کرنے' فرعونوں اور جابروں کو سزا دینے اور ان سے دنیوی انتقام لینے کا کارخانہ' قبر سے لے کر جنت اور دوزخ تک اخروی جزا کا کارخانہ' توبہ و انابت سے لے کر فنا و بقا تک سلوک الی اللہ کا کارخانہ اور تجلیات و تدلیات اور شعائر اللہ کو قائم کرنے کا کارخانہ سب کا سب ملاءِ اعلیٰ والے فرشتوں کی خدمت کے ساتھ وابستہ ہے۔ تو جس طرح سفلی ملائکہ اس خلیفہ کے خادم ہیں علوی ملائکہ نے بھی

marfat.com
Marfat.com

اس خلیفہ کی خدمت سے حظ وافر حاصل کیا ہے۔اور یہ خلیفہ ان کی نسبت سے بھی تقرب الی اللہ کا قبلہ بنا اور اس نے کعبہ کا حکم پایا اس بنا پر علویوں اور سفلیوں میں سے سب فرشتے اس خطاب سے مخاطب ہوئے کہ

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کرو اس طریقہ سے کہ اسے اپنے سجدہ کا قبلہ بنالو۔تا کہ اس خلیفہ کے بارے میں جو حکم دوں گا اس کی تمہاری طرف سے اطاعت کی دلیل ہو جائے۔گویا تم اول سے ہی یہ سجدہ کر کے امر الٰہی کی اطاعت کیلئے تیار اور مستعد ہو چکے ہو گے جو کہ اس خلیفہ کی جزوی خدمات کے حق میں ہر وقت کے مطابق تفصیلی طور پر وارد ہو گا جیسے بادشاہ جب کسی کو اپنی جگہ پر ولی عہد اور خلیفہ مقرر کریں تو ارکان مملکت کو حکم دیتے ہیں کہ اسے مجرا کر کے نذر دے کر اور دوسرے افعال و اقوال سے اس کی تعظیم بجا لائیں تا کہ تفصیلی اطاعت اور فرماں برداری پر دلیل ہو۔

لیکن اس طرح بعض مخلوقات کا بعض دوسری مخلوق قبلہ بنانا حکمت الٰہی میں دو چیزوں کے ساتھ مشروط ہے۔پہلی یہ کہ وہ قبلہ اپنا ہم جنس نہ ہو بلکہ اپنی جنس کا غیر ہو اسی لئے کہ اس صورت میں کہ قبلہ اپنا ہم جنس ہو گا شرک اور مستقل جاننے کا وہم ہو گا۔جیسے ان صلحاء کی تصویروں کو سجدہ کرنا جو کہ آدم علیہ السلام کی جنس اور جنوں سے گزرے اور آدم اور جن اس امر میں ایک جنس ہیں۔کیونکہ تکلیفی احکام دونوں شریک ہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ قبلہ بنانا اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہو نہ کہ عقل کے اچھا جاننے پر کیونکہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ قرار دینا شان الٰہی کے طور طریقے پر موقوف ہے۔اس وقت اس خاص طریقہ کے ساتھ شان الٰہی کے ظہور پر موقوف ہے۔اور نئے نئے شیون الٰہی کا علم اس زمرے سے نہیں کہ کسی مخلوق کی عقل خود بخود اسے دریافت کر سکے۔پس جہاں یہ دونوں شرطیں پائی جائیں اسے شرع شریف میں قبلہ توجہ بنانا جائز بلکہ واجب ہو جاتا ہے۔جیسے کعبہ معظمہ اور صخرۃ اللہ انسانوں اور جنوں کے حق میں اور جیسے حضرت آدم علیہ السلام ملائکہ کے حق میں۔

اور یہاں سے لازم نہیں آتا کہ قبلہ اس کی طرف متوجہ ہونے والے سے افضل ہو۔

marfat.com

Marfat.com

کیونکہ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ کعبہ معظمہ خاتم الانبیاء علیہ السلام کی ذات پاک سے افضل نہ تھا اور اس کے باوجود آپ کا قبلہ تھا اور شاید غیر جنس کو قبلہ قرار دینے کی تخصیص قبلہ قرار دینے میں غیر جنس کی تخصیص میں یہی نکتہ ہے جنسیت کی صورت میں پوری افضلیت کا اظہار نہیں ہوتا اور افضلیت نامہ کے بغیر یہ معنی خلاف حکمت معلوم ہوتا ہے۔ اور شاید اسی نکتہ کیلئے سودی چیزوں میں جنس کے متحد ہونے کے وقت بڑھوتری حرام لکھی ہے۔ تو جنہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا قبلہ قرار دینے سے تمام فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت کی دلیل لی ہے وہ درست راہ پر نہیں گئے۔

اور جب تمام ملائکہ علویین سفلیین سے اس خلیفہ کی اطاعت' فرمانبرداری اور اعزاز و اکرام کے ساتھ مامور ہوئے تو جنات جو کہ اس وقت فرشتوں کے حاشیہ بردار تھے خصوصاً ابلیس جو کہ کمال مخالطت کی وجہ سے فرشتوں میں شامل تھا اس حکم میں داخل ہوا۔

فَسَجَدُوْا ۔ پس سجدہ کیا تمام فرشتوں اور ان کے تابعین جنوں نے جو کہ شعور و ادراک اور سمجھ اور خطاب میں فرشتوں کا حکم رکھتے تھے۔

اِلَّآ اِبْلِيْسَ مگر ابلیس جو کہ دراصل فرقہ جن سے تھا اور فرشتوں کے ساتھ کمال میل جول کی وجہ سے انہیں میں رہتا تھا۔

## ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ

اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے اس کے باز رہنے کا سبب یہ تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے معرض وجود میں آنے سے چند ہزار سال پہلے جنوں کی اولاد زمین میں متصرف تھی۔ اور وہ حیوانات اور نباتات سے اپنے حوصلہ کی استعداد کے مطابق نفع لیتے تھے۔ اور آسمان پر بھی سیر اور چکر رکھتے تھے۔ جب جنوں کے درمیان فتنہ و فساد اور خونریزی زیادہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا کے فرشتوں کو حکم دیا کہ جنوں کو روئے زمین سے دور کرو تا کہ زمین ان کی آلودگی سے پاک ہو۔ آسمان دنیا کے فرشتوں نے زمین پر آ کر جنوں کی اولاد کا ایک حصہ قتل کر دیا۔ اور ان میں سے کچھ بھاگ کر جزیروں اور پہاڑوں میں چھپ گئے۔ ان میں سے ابلیس جو کہ اس وقت عزازیل نام رکھتا تھا اور علم کی کثرت اور

marfat.com

Marfat.com

عبادت میں کوشش کی وجہ سے جنوں کی اولاد میں ممتاز تھا۔ فرشتوں کے ہمراہ آسمان دنیا پر چلا گیا۔ اور اپنا عذر بیان کیا کہ میں اس فساد اور خونریزی میں جنوں کی اولاد کے ساتھ شریک نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آسمان دنیا کے فرشتوں کی سفارش کی وجہ سے نکالنے اور دھتکارنے سے محفوظ رکھا۔ اس نے اس طمع سے کہ جن کی ساری اولاد کی جگہ ساری زمین میں تصرف کروں عبادت کرنے میں زیادہ کوشش شروع کر دی۔

اور جب بھی آسمان دنیا کے فرشتوں کو دربار خداوندی سے کوئی حکم پہنچتا تھا کہ فلاں مہم اس اس طرح کوشش کرو۔ یہ لعین سب سے زیادہ اور سب سے پہلے اس مہم میں دوڑتا تھا اور سرانجام دیتا حتیٰ کہ اسے آسمان دنیا کے فرشتوں میں ایک قدر اور عزت مل گئی۔ اور یہ اپنے دل میں خلافت کی توقع رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ فرشتوں کو حکم الٰہی انی جاعل فی الارض خلیفۃ اس وقت اسے پتہ چلا کہ یہ منصب مجھے نہیں دیں گے۔ اور یہ رب تعالیٰ کی ساری عبادت اور طاعت ضائع ہو جائے گی اس وجہ سے اس کی رگ حسد پھڑکی اور اس کے رشک کی دیگ نے جوش مارا۔ وہ اس خلیفہ کی قدر کو توڑنے کی فکر میں رہتا تھا۔ جب اس نے سجدہ کا حکم سنا تو بے پردہ مخالفت کی یہاں تک کہ:

اَبٰی اس نے انکار کیا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے اور یہ وجہ حکمت طلب کرنے اور رشد و ہدایت طلب کرنے کیلئے نہ تھا بلکہ اس نے اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر جانا۔

وَاسْتَکْبَرَ اور اس نے تکبر کیا کہ میرے جیسے کو جو کہ آگ کے چمکتے جوہر سے پیدا ہوا اور کئی صدیوں سے عبادت وطاعت میں معروف رہا اور مہموں کو نمٹانے اور احکام الٰہی کو نافذ کرنے میں بہترین کوششیں کیں۔ حکم فرمائیں کہ ایک مخلوق کو جس کے جسم کو میرے سامنے سیاہ مٹی سے بنایا ہو۔ ابھی کسی موزوں کام اور تردد کا مصدر نہ ہوا ہو۔ اور اس کے جوہر بندگی کی اچھائی ابھی تک امتحان کی کسوٹی پر نہ پہنچی۔ سجدہ کروں اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگ جاؤں۔ جو کہ صریح طور پر خلاف حکمت' ناقدری اور میری خدمت کے حق کو ضائع کرنا ہے۔ اور اس تکبر نے چلتے چلتے اس حد تک پہنچا دیا کہ حکم الٰہی کو خلاف حکمت کہنے لگا اور

marfat.com

Marfat.com

اس کام کی اچھائی کا انکار کیا۔

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ اور کافروں سے ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے امر قطعی کی تعمیل کے برحق ہونے کا انکار کیا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے قطعی اوامر میں سے کسی امر کی تعمیل کے واجب ہونے کا انکار کرے کافر ہے۔ جیسے وجوب نماز اور زکوٰۃ اور ان کی مانند احکام کا انکار۔ پس اس قرآن پاک کے منکروں کو سمجھاؤ کہ جب احکام الٰہی میں سے ایک قطعی حکم کا انکار اس کفر اور ملعونیت کا موجب ہوا تو تم جو قرآن پاک کے تمام واجبات کا انکار کرتے ہو باوجودیکہ قرآن پاک کے مقابلہ سے اپنی عاجزی کی وجہ سے تم نے یقینی اور قطعی طور پر جان لیا ہے کہ یہ قرآن کلام الٰہی ہے کفر اور ملعونیت کی کس حد تک پہنچو گے۔

## تفسیری متعلقات

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں جو کہ اس مقام کی تفسیر کے متعلقات میں سے ہیں۔

پہلی بحث یہ ہے کہ ان آیات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش، تعلیم اسماء اور ان اسماء کے بیان سے فرشتوں کے عجز کے اظہار کے بعد ہوا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں دوسری آیات سے جو کہ دوسری سورتوں میں واقع ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے فرشتوں کو حکم ہوا تھا فاذا سویته ونفخت فيه من روحي فقعوا له ساجدين (الحجر آیت ۱۹) جب میں اسے درست کر کے بنالوں اور اس میں اپنی طرف سے روح ڈال دوں تو اس کے سامنے سجدہ میں گر جاؤ۔ نیز ان آیات کو دوسری آیات کے ساتھ وقوع سجدہ کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ کیونکہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف روح پھونکنے کے ساتھ ہی فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے حضور سجدہ کا حکم تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی حکم ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی پیدائش کے بعد سجدہ کریں لیکن سجدہ کی ادائیگی کا وجوب دوسرے حکم سے ثابت ہوا۔ جیسا کہ نو آموز بچے کو نماز کا وقت ہونے سے پہلے کہتے ہیں کہ جب سورج ڈھل جائے تو وضو کر اور نماز پڑھ اور سورج ڈھلنے کے بعد پھر سے پابند کریں کہ اب نماز کا وقت ہو گیا ہے وضو کر اور نماز ادا کر۔

marfat.com

Marfat.com

رہا دوسرا تعارض۔ پس اس کا دفعیہ یہ ہے کہ روح پھونکنے سے مراد اس پھونکنے کے آثار کا فرشتوں کی عقلوں میں ظاہر ہونا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی روح خاص جو کہ اللہ تعالیٰ کے شیون کثیرہ کی جامع ہوسکتی تھی اور اسی روح کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت کی اہلیت نصیب ہوئی کا اثر اس وقت حاصل ہوا جبکہ اس کی تعلیم اسماء ملاحظہ کی۔ اور اپنے اندر یہ جامعیت اور وسعت نہ پائی۔ اور اس کے باوجود اس مقام کی آیات میں کوئی تصریح نہیں ہے کہ سجدہ کرنے کا واقعہ تعلیم اسماء اور فرشتوں کے عاجز کرنے کے واقعہ کے بعد ہوا ہو۔ ہاں حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت سے متعلق واقعات کے بیان کی ترتیب اس کا تقاضا کرتی ہے۔ اور احتمال ہے کہ پہلے واقعہ کو ترتیب بیانی میں بعد میں لایا گیا ہو۔

دوسری بحث یہ ہے کہ سجدہ کی حقیقت پیشانی کو زمین پر پہنچانا ہے۔ اور یہ معنی شرع میں غیر خدا کیلئے جائز نہیں ہے۔ اور یہاں فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کیلئے اس فعل کی ادائیگی کا حکم دیا گیا۔ اس امر کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پیشانی زمین تک پہنچانا دو طریقوں سے واقع ہوتا ہے ایک یہ کہ معبودیت کا حق ادا کرنے کیلئے ہو۔ اور یہ قسم تمام دینوں اور تمام ملتوں میں غیر خدا کیلئے حرام اور ممنوع ہے۔ اور کبھی بھی جائز نہ ہوا کیونکہ یہ محرمات عقلی میں سے ہے۔ اور محرمات عقلی دینوں اور ملتوں کے بدلنے سے نہیں بدلتے اور اس کی دلیل یہ ہے اس قسم کی تعظیم انتہائی عاجزی کا پتہ دینے والی ہے۔ اور انتہائی عاجزی اس کے حضور کیلئے لائق ہے جو انتہائے عظمت میں ہو۔ اور انتہائی عظمت یہ ہے کہ ذاتی ہو۔ اور عظمت ذاتی حضرت حق کیلئے خاص ہے۔ اور کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی۔

دوسرا یہ کہ عزت کرنے اور سلام کرنے کیلئے ہو جیسے سلام اور سر جھکانا۔ اور یہ معنی رسوم و عادات کے اختلاف اور زمانوں اور اوقات کے بدلنے کی وجہ سے مختلف ہے۔ کبھی جائز ہوا ہے کبھی حرام۔ یہ پہلی امتوں میں جائز تھا۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے واقعہ میں ہوا کہ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا (یوسف آیت ۱۰۰) اور ہماری شریعت میں یہ طریقہ بھی مخلوقات کے درمیان حرام اور ممنوع ہے ان متواتر احادیث کی دلیل سے جو کہ اس باب میں وارد ہیں۔ اور فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ اسی طریقے سے تھا اس

marfat.com
Marfat.com

لئے کہ تعلیم اسماء کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر ایک احسان اور برتری حاصل ہوگئی تھی اور فرشتوں سے آدم علیہ السلام کے متعلق ان کی پیدائش سے پہلے ایک خلاف ادب بات ہوگئی تھی اس احسان کا بدلہ چکانے اور اس بے ادبی کا کفارہ ادا کرنے کیلئے نہیں اس قسم کی تعظیم وتکریم کا حکم دیا گیا۔

## ابلیس فرشتوں میں سے نہیں

تیسری بحث یہ ہے کہ بعض ظاہر بین مفسرین نے ابلیس کو فرشتوں میں سے شمار کیا ہے۔ اس دلیل سے کہ اگر فرشتوں میں سے نہ ہوتا تو حکم سجدہ اسے شامل نہ ہوتا۔ اور سجدہ ترک کرنے میں اس پر کوئی ملامت اور عتاب متوجہ نہ ہوتا۔ اس لئے کہ حکم سجدہ فرشتوں کے ساتھ خاص تھا۔ نیز فرشتوں سے اس کی استثناء جو کہ فَسَجَدُوْا اِلَّآ اِبْلِيْسَ میں وارد ہے متصل نہ ہوتی کیونکہ غیر جنس کی استثناء متصل نہیں ہوتی۔ اور استثناء میں اصل اتصال ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ابلیس فرشتہ نہ تھا۔ جیسا کہ تفسیر میں گزرا۔ اور سورت کہف میں اس کے متعلق صراحت ہے کان من الجن (الکہف آیت ۵۰) اور سورت سبا میں بھی صریح کے قریب ہے یوم نحشرھم جمیعا ثم نقول للملائکۃ اھولاء ایاکم کانوا یعبدون قالوا سبحانک انت ولینا من دونھم بل کانوا یعبدون الجن ۔ (الکہف آیت ۵۰) نیز قرآن مجید میں ابلیس کیلئے اولاد ثابت کی ہے۔ افتتخذونہ وذریتہ اولیاء من دونی حالانکہ فرشتوں کی اولاد نہیں ہے۔ کیونکہ ذریت اولاد ہے۔ اور اولاد میاں بیوی سے ہوتی ہے۔ اور فرشتوں میں مادہ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر انکار فرمایا ہے وجعلوا الملائکۃ الذین ھم عباد الرحمٰن اناثا (الزخرف ۱۹)۔ نیز جگہ جگہ فرشتوں کو عصمت اور طہارت کے ساتھ موصوف کیا گیا۔ اور ابلیس کا حال سراسر ان دونوں صفتوں کے خلاف ہے۔

اور وہ جو کہتے ہیں کہ سجدہ کا حکم فرشتوں کے ساتھ خاص تھا۔ پس صحیح ہے۔ لیکن اصالتاً فرشتوں کے ساتھ خاص تھا اور جن خصوصیت سے ابلیس تابع ہو کر اس حکم میں داخل تھا۔ جیسا کہ بادشاہ اپنے لشکریوں کو کوئی حکم دیتے ہیں۔ اور وہ حکم لشکر کے شتربانوں، سائیسوں،

marfat.com

Marfat.com

فراشوں اور شہدوں کو شامل ہوتا ہے۔ اور اسی تبعیت کی بنا پر فرشتوں سے ابلیس کی استثناء بطریق اتصال صحیح ہوتی ہے۔

چوتھی بحث یہ ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت نے اس واقعہ سے دلیل لی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام تمام فرشتوں سے خواہ وہ عالم بالا کے ہوں خواہ زمین کے ہوں افضل ہیں۔ کیونکہ فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکام دینا اس کے بغیر کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان پر کوئی فضیلت ہو حکمت کے خلاف ہے۔ لیکن یہ استدلال اس وقت صحیح ہوتا ہے۔ جبکہ سجدہ حقیقتاً آدم علیہ السلام کی طرف ہو۔ اور اگر آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کی غرض انہیں قبلہ بنانا ہو تو یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ قبلہ کیلئے لازم نہیں ہے کہ وہ اس کی طرف منہ کرنے والے سے افضل ہو ورنہ کعبہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوگا۔ اور وہ اجماع کے خلاف ہے۔

پانچویں بحث: اس واقعہ میں سجدے کی فضیلت پر واضح دلیل ہے۔ اور اس پر کہ تمام افعال میں سے جو کہ تعظیم کیلئے بنائے گئے ہیں سجدے کی شان عمدہ ہے۔ کیونکہ بندے کیلئے جو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس کو چھوڑنے کی وجہ سے ابلیس کو اس برے حال تک پہنچایا گیا کہ ابدی لعنت کا مستحق ہوا۔ تو بے شمار سجدوں کا ترک کرنا جو کہ اس نے اپنے لئے طلب کئے ہیں کس حد تک پہنچائے گا۔

اور روایات میں آیا ہے کہ جب دوزخ کو قیامت کے میدان میں حاضر کریں گے۔ اور اس کی آگ شعلہ مارے گی تو اس پر ہول وقت میں مسلمان اور کافر مخلص اور منافق کے درمیان تمیز کرنے کیلئے سجدے کا حکم ہوگا۔ مخلص مسلمانوں کو سجدہ میسر آئے گا اور کافر اور منافق جب چاہیں گے کہ سجدہ کریں تو ان کی پشت لوہے کی طرح سخت ہو جائے گی۔ اور خطاب پہنچے گا کہ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ (یٰسٓ) ۔ پس معلوم ہوا کہ یہی سجدہ ہے۔ جسے دوست اور دشمن کافر و مومن کے امتحان کیلئے مقرر کیا گیا۔ ابتداء میں بھی اسی سے امتحان فرمایا۔ اور آخر میں بھی اسی کے ساتھ امتحان کریں گے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے جب مسلمان اللہ تعالیٰ کیلئے سجدہ میں جاتا ہے۔ تو شیطان اپنے سر پر مٹی ڈالتا ہے۔ اور

marfat.com
Marfat.com

واویلا کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اس آدمی کو اللہ نے سجدے کا حکم دیا وہ بجالایا۔ پس اس کیلئے بہشت ہوئی۔ اور مجھے سجدہ کا حکم فرمایا۔ اور میں نے انکار کیا۔ پس آگ میرا نصیب ہوگئی۔

اور یہیں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے غیر کو سجدہ کرنے کو کفر کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ آدم زاد کو اسی لئے شرافت ہے کہ آدم کا بیٹا ہے۔ اور آدم علیہ السلام کو یہی شرافت ملی کہ ان کو سجدہ ترک کر کے شیطان ملعون ہوا۔ گر یہ ناخلف بیٹا دوسرے کیلئے بجا لائے تو اپنے باپ کی شرافت کو برباد کردے گا۔

## ابلیس کا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنا

ابن ابی الدنیا نے مکائد الشیطان میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک دن شیطان حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے ساتھ چنا اور آپ سے ہمکلامی کی۔ اور میں گناہگار ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ توبہ کروں میری سفارش کیجئے تا کہ حق تعالیٰ میری توبہ کو قبول فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں دربار الٰہی میں دعا کرتا ہوں کہ تیری توبہ کو قبول فرمائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا میں مشغول ہوئے۔ بارگاہ خداوندی سے فرمان پہنچا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو آپ کی سفارش کی وجہ سے قبول فرمایا۔ آپ اس سے کہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کی طرف سجدہ کرے تا کہ اس کی تقصیر کو معاف کردوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ماجرا ابلیس سے کہا۔ ابلیس نے کہا کہ میں نے ان کو زندہ ہونے کی صورت میں سجدہ نہیں کیا ان کے فوت ہونے کے بعد کیوں سجدہ کروں۔ پھر ابلیس نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ کا مجھ پر ایک حق ثابت ہو گیا کہ آپ نے میری سفارش کی۔ میں آپ کو فائدہ دیتا ہوں۔ اپنی امت کو فرمائیں کہ مجھ سے تین حالتوں میں خبردار رہیں کہ میں ان ہی تین حالتوں میں بنی آدم کو خراب کرتا ہوں۔ اول غضب کی حالت میں کہ میں اس حالت میں خون کی جگہ دوڑتا ہوں۔ اور آدمی کی آنکھ' کان' زبان' ہاتھ اور پاؤں کو اس کے قبضہ و اختیار سے کھینچ لیتا ہوں۔ اور جو چاہوں کراتا ہوں۔ دوسرے حالت جنگ وقتال میں کہ اس وقت گھر' بیوی اور اولاد کا خیال اس کے دل میں گزارتا ہوں۔ اور اسے ان خیالات کے

marfat.com

Marfat.com

ساتھ میدان جنگ سے بھگاتا ہوں۔ تیسری غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت کی حالت میں کہ میں کنگھی کرتے اور دلالی کرنے میں جادو چلاتا ہوں۔ اور دونوں کے دل میں دھوکے کے فنون کے ساتھ نافرمانی کا قصد ڈالتا ہوں۔

ابن المنذرؒ عبادہ بن ابی امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ پہلا گناہ جو جہاں میں ہوا حسد تھا۔ ابلیس کو حضرت آدم علیہ السلام کے حسد نے یہاں تک پہنچا دیا کہ اس نے فرمان الٰہی کی مخالفت کی۔ اور ملعون ہوا۔ حاصل کلام یہ کہ اس واقعہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اس زمین میں اکیلے پھرتے تھے۔ ادھر جانور کو اپنی جنس کا غیر دیکھتے تھے۔ اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔

## حضرت حواء رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا بیان

اور اپنے دل میں آرزو کرتے تھے کہ کوئی شخص میری جنس سے پیدا ہو کہ اس کی صحبت سے انس حاصل کروں۔ حق تعالیٰ نے ان کی اس خواہش پر رحمت فرمائی۔ اور جمعہ کے دن ان کی خواب کی حالت میں فرشتوں سے فرمایا۔ یہاں تک کہ انہوںؑ نے ان کے بائیں پہلو کو چاک کیا۔ اور وہاں سے ایک خوبصورت عورت نکالی کہ ایک لحہ میں اس کا قد وقامت درست ہو گیا پھر آپ کے چاک شدہ پہلو کو جوڑ دیا گیا۔ اور اس دوران حضرت آدم علیہ السلام کو کوئی تکلیف اور درد محسوس نہیں ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام جب خواب سے بیدار ہوئے دیکھا کہ میری جنس سے ایک دوسرا شخص میرے پہلو میں بیٹھا ہے۔ پوچھا کہ تو کون ہے؟ فرمان پہنچا کہ یہ ہماری کنیز ہے جس کا نام حوا ہے آپ کو مانوس کرنے کیلئے ہم نے اسے پیدا کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے چاہا کہ اس تک ہاتھ پہنچائیں حکم پہنچا کہ اسے ہاتھ نہ لگائیں تاوقتیکہ اس کا مہر ادا نہ کریں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ اس کا مہر کیا ہے حکم ہوا کہ اس کا مہر یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر دس بار درود بھیجیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں حکم ہوا آپ کی اولاد سے پیغمبروں کے خاتم ہیں۔ اور اگر اس کی پیدائش منظور نہ ہوتی تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دس مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر

marfat.com
Marfat.com

درود شریف بھیجا' فرشتے گواہ ہوئے۔ اوران دونوں کے درمیان عقد نکاح منعقد ہوا۔ اس کے بعد اس جمعہ کے دن کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اور حضرت حواء کو قسم قسم کے زیور اور زینت کے ساتھ سونے کے بازو بند' کمر بند' پازیب اور یاقوت و مروارید سے جڑاؤ کئے ہوئے دستانے اور دیگر زینتوں سے سجا سنوار کر سونے کے تخت پر بٹھا کر بادشاہوں کی طرح ان کو بہشت میں داخل کریں۔

وَقُلْنَا يٰاٰدَمُ اور ہم نے فرمایا اے آدم! اگرچہ ہم نے تجھے زمین کی خلافت اور اس کی عمارت کیلئے پیدا کیا ہے مگر تجھے خلافت کا ڈھنگ اور اس کی عمارت کا طریقہ معلوم نہیں ہو سکتا مگر اس وقت جبکہ تو کچھ مدت جنت میں سکونت اختیار کرے۔ اور بہشت کے حقائق کو ملاحظہ کرے۔ تا کہ تو ان حقائق کے نمونوں کو زمین میں اپنی صنعت کے ساتھ درست کرے۔ نیز زمین کی عمارت موقوف ہے بعض بیج اور بعض آلات کے لانے پر جو کہ بہشت میں موجود ہیں۔ اور دوسری جگہ نہیں پائے جاتے۔ پس تجھے چاہئے کہ اس باغبان کی طرح جسے فارغ پڑی ہوئی زمین میں کاشتکاری' یا کسی میدان میں باغ لگانے کیلئے مقرر کریں جب تک وہ باغبان میوہ پیدا کرنے والے علاقے کی سیر نہ کرے۔ اور باغ لگانے' کاشتکاری کرنے' کھالے اور چھوٹی نہریں نکالنے اور درختوں کی پیوند کاری کو نہ دیکھے اس سے وہ سرانجام دینا ممکن نہ ہوگا۔ یا اس انجینئر کی طرح جسے مالک کسی جگہ قلعہ اور حویلی تعمیر کا حکم دے جب تک وہ انجینئر اپنے مالک کے آباد قلعوں اور محلات کو ملاحظہ نہیں کرتا تب تک اس سے قلعہ بنانا اور برج اور فصیل کو اٹھانا ممکن نہیں ہوتا۔ پس تو جنت کی آبادی کا قصد کر اور صرف سیر اور چکر لگانے پر اکتفا نہ کرے بلکہ کچھ وقت کیلئے ٹھہرنے اور وطن اختیار کرنے کے طریقے سے۔

اسْكُنْ اَنْتَ سکونت اختیار کر اس جگہ تا کہ عمارت بنانے کی کیفیت' باغ و بوستان اور کاشتکاری کا کام سرانجام دینے اور نہروں اور کھالوں میں پانی جاری کرنا ملاحظہ کرے۔ اور اسی کے مطابق زمین کی تعمیر میں کام کرے۔ اور یہ کام صرف تجھ سے ہی سرانجام نہیں ہوگا بلکہ

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ اور آپ کی بیوی بھی بہشت میں سکونت اختیار کرے۔ دو جہت کیلئے' ایک یہ کہ زمین کی تعمیر میں جو چیز عورتوں کے ذمہ ہے ان کی آرائش اور زیب و زینت اور زیورات اور پوشاک کے استعمال کا طریقہ جنتی چیزوں کو دیکھ کر سیکھے اور اسی کے مطابق

marfat.com

Marfat.com

زمین میں عمل کرے۔ اور مردانہ اور زمانہ دونوں طرح کی تعمیر ہو جائے اگر تیری بیوی ان چیزوں کو نہ جانے تو تمام زمین ایک گھر کی مانند ہوگی جس کی کوئی مالک نہ ہو یا بے عقل مالک ہو اس لئے کہ عورتوں سے متعلق کام مردوں سے سرانجام نہیں دیئے جاسکتے۔

دوسرے یہ کہ اگر تیری بیوی بہشت میں تیرے ہمراہ نہ ہوگی تو تیرا دل اسی کی طرف متعلق رہے گا اور تجھے بہشت میں پوری طرح قرار حاصل نہیں ہوگا کیونکہ آدمی اسی مکان کو وطن سمجھتا ہے جس میں بیوی بچے ہوں۔ اور پوری طرح قرار اور جگہ پکڑے بغیر اس عالم کے حقائق کی دریافت تم سے ممکن نہ ہوگی۔ اور تم ہر دو کو چاہئے کہ جنت کی سکونت میں اس جگہ کے پھلوں کو صرف دیکھنے پر ہی اکتفا نہ کریں کیونکہ ماکولات اور مشروبات کی حقیقت کھائے پیئے بغیر اور ذائقہ' بو' خواص' نفع ونقصان کی دریافت تجربہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی بلکہ چاہئے کہ تم اس جگہ کے پھلوں میں تصرف کرو تا کہ ان کی کیفیتوں کو یاد رکھو۔

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا اور اس بہشت سے خوب کھاؤ وسعت کے ساتھ۔ اس لئے کہ ماکولات اور مشروبات کو صرف چکھنے سے اور ان سے سیر ہوئے بغیر۔ جیسا کہ چاہئے خواص اور نفع ونقصان کا پتہ نہیں چلتا۔ چونکہ جنت کا ہر طبقہ آپ وہوا جدا رکھتا ہے۔ اور ہر طبقہ کی عمارتیں' منزلیں' محلات اور نہریں مختلف رنگ ظاہر کرتی ہیں۔ پس تم دونوں کو چاہئے کہ ایک طبقہ کی سکونت اور اس کے ایک قطعہ کے پھل کھانے پر اکتفا نہ کرو بلکہ

حَيْثُ شِئْتُمَا جہاں تم دونوں چاہو سکونت اختیار کرو اور اس کے پھلوں میں تصرف کرو تا کہ بہشت کے تمام طبقات اپنے تمام مشمولات سمیت تمہارے خیال میں محفوظ رہیں۔ اور جب زمین میں آئیں تو اپنے ذہنی محفوظ کے نمونہ کو ظاہر کرو اور خلافت داخلی و خارجی' مدنی وبزلی مرد اور عورت کے اجتماعی مشورہ سے صورت پذیر ہو لیکن تمہیں اس وسعت اور عام اجازت کے باوجود ذمہ داری قبول کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کی گئی چیزوں سے پرہیز کرنے کی ورزش کیلئے جو کہ تمہاری جبلت کے جوہر میں ودیعت ہے۔ اور زمین میں تمہاری خلافت کے اثر کے ظاہر ہونے کے وقت جلوہ گر ہوگی جنت کی بعض چیزوں سے منع کرنا بھی ضروری ہے۔ تا کہ عام اجازت کی وجہ سے عادت نہ بن جائے۔ اور نفس کی لذیذ اور طبیعت کی مرغوب چیزوں سے پرہیز تم پر مشکل نہ ہو۔ اور وہ چیز جس سے

marfat.com

Marfat.com

روکا جائے چاہئے کہ ایسی جنس سے ہو کہ اس میں عقلی اور طبعی طور پر کوئی قباحت نہ ہو ورنہ ان عقلی اور طبعی قبائح سے بچنا تو جبلت انسانی کا تقاضا ہے اس میں شریعت کے احکام کی اطاعت معلوم نہیں ہوتی اس بنا پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ جنت کے بے شمار درختوں میں سے اس درخت کو اپنے اوپر حرام سمجھو اور اس درخت سے نقصان کی وجہ کی تحقیق کیئے بغیر اس سے پرہیز لازم شمار کرو۔

وَلَا تَقْرَبَا اور نزدیک نہ ہونا چہ جائیکہ اس سے کوئی چیز پکڑ کر کھاؤ۔

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اس درخت کے۔ اور جنت کے درختوں میں سے ایک درخت کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور اس درخت کا تعین ضروری نہیں ہے کہ گندم تھا۔ جیسا کہ اکثر روایات میں ہے۔ اور ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اور وہب ابن منبہ نے یوں کہا ہے کہ اس گندم کا ہر دانہ جنت میں بیل کے گردے کے برابر تھا۔ مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا یا انگور کا پودا تھا۔ جیسا کہ ابن مسعود اور جعد ابن ہبیرہ سے منقول ہے۔ اور کہتے ہیں یہی درخت ہے جس کے پھل سے قوی منشیات بناتے ہیں۔ اور دنیا میں فتنہ و فساد کا باعث بنتا ہے۔ اور بے عقلی، بے حیائی اور ستر کھلنے کا موجب ہوتا ہے یا انجیر تھا۔ جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے یا لیموں تھا۔ جیسا کہ ابوالشیخ نے یزید بن عبداللہ بن قسیط سے روایت کی یا ایک ایسا درخت تھا کہ جو بھی اس سے کھائے اسے پاخانے کی حاجت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے ابوالعالیہ سے روایت کی ہے۔

اور اسی طرح اس درخت کے حرام کرنے کی حکمت کی وجہ کا سوال کرنا بے فائدہ بلکہ مقصد کو نقصان پہنچانے والا ہے۔ کیونکہ اس حرام کرنے سے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کی ورزش پیش نظر تھی تاکہ مکلف کیئے جانے اور پسندیدہ اور مرغوب چیزوں کو کہ جن کی عقلی اور طبعی طور پر مضر ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو حرام قرار دینے کے وقت لیت و لعل اور توقف نہ کریں۔ اور اس غرض کے حصول میں اگر اس کی حرمت کی وجہ عقلی یا طبعی ان پر یا ان کی اولاد پر ظاہر ہو تو مضر ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا حسن و قبح شرعی کی اطاعت کرنا بغیر اس کے کہ عقلی یا طبعی حسن اور قبح اس کے ساتھ ملا ہوا ہو اس صورت میں ظاہر نہیں ہوتا اور اسی لئے اس درخت کے پھل کو کھانے کی جزا کے دوران کسی عقلی اور طبعی ضرر کو بیان نہیں فرمایا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

بلکہ یہی ارشاد ہوا کہ اگر تم اس درخت کے قریب گئے یا اس میں سے کوئی چیز کھائی تو تمہاری طرف سے میرے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔

فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ تو تم ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ کیونکہ ظلم حق تلفی کا نام ہے۔ اور مالک کا حق یہ ہے کہ مملوک اس کے کہے سے بال برابر بھی آگے نہ جائے۔ اور وہ مالک جو تمہیں اس طرح عدم کے پردے سے وجود میں لایا پھر تمہیں ہر چیز کے اسماء کی تعلیم فرمائی اور اپنی بہترین مخلوق پر جو کہ فرشتے میں اس قدر ترجیح دی کہ ان کی عبادت کا قبلہ بنا دیا پھر زمین کی خلافت کے آئین کی تعلیم دینے کیلئے تمہیں اپنے حرم خاص بہشت میں مطلق العنان کیا۔ اور اگر ایک قسم کے درخت سے منع فرمائے۔ اور تم نے اس سے پرہیز نہ کی۔ اور اس کے حکم کے خلاف کھایا تو تم نے اس کے حقوق کو کس قدر ضائع کیا ہوگا۔

جب شیطان نے معلوم کیا کہ اس وقت تک انہیں کسی قسم کی ناگوار تکلیف نہیں دی گئی ہے۔ اور ہر طرف سے چھٹی اور اجازت فرمائی میرا مکر نہیں چل سکا۔ کیونکہ نافرمانی کا صادر کرنا اور پھسلنا تنگی اور احتیاج کے وقت ہوتا ہے۔ اور انہیں کسی چیز سے روکا نہیں گیا اب جبکہ انہیں اتنی سی تنگی پیش آئی کہ جنت کی بعض چیزوں سے روک دیئے گئے۔ میرے قابو میں گئے تو اس نے انہیں اغوا کرنے کی فکر شروع کی۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا کہ آپ کچھ جانتے ہیں کہ آپ کے کام کا انجام کیا ہے؟ اس تکریم و تعظیم سے دھوکا نہ کھائیں آخر آپ کے کام کا انجام موت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا موت کیا ہے؟ شیطان نے اپنے آپ کو مردہ جانور کی شکل میں ان کے سامنے ڈال دیا اور تنگی نزع، روح کا نکلنا اور نزع کے وقت ہاتھ پاؤں مارنا انہیں دکھایا۔ صرف اس حال کو دیکھ کر ان پر خوف اور ڈر غالب ہوا پوچھا کہ تدبیر کیا ہے۔ تا کہ ہم اس حالت سے محفوظ رہیں۔ شیطان نے کہا ھل أَدُلُّكَ علی شجرة الخلد وملك لا یبلی (طٰہٰ آیت ۱۲۰) کیا میں آپ کو ہمیشگی کے درخت اور نہ ختم ہونے والی بادشاہی پر دلالت نہ کروں۔ یعنی میں آپ کو ایک درخت کا نشان دیتا ہوں کہ جس نے اس سے کچھ کھا لیا وہ نہیں مرے گا اور اس کی بادشاہی فنا نہیں ہوگی۔ آپ نے پوچھا وہ درخت کونسا ہے اس نے اسی درخت کی طرف اشارہ کیا جس سے آپ کو روکا گیا تھا اور کہا کہ یہی درخت ہے۔

marfat.com

Marfat.com

آپ نے کہا کہ یہ درخت فنا کا درخت ہے ہمیشگی کا درخت نہیں ہے۔ اور ملک کے زوال کا سبب ہے۔ سبب دوام نہیں ہے۔ بلکہ رسوائی اور دربار خداوندی سے دوری کا سبب ہے۔ اور قرب وعزت کا سبب نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس درخت کے نزدیک جانے سے منع فرمایا ہے اگر اس درخت میں یہ فائدے تھے تو ہمیں اس کے قریب جانے سے کیوں منع فرمایا۔ وہ تو ارحم الراحمین ہے۔ شیطان نے کہا مانھکما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین (الاعراف آیت ۲۰) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس درخت سے اس لئے منع نہیں فرمایا کہ اس کا پھل کھانے سے آپ کو نقصان پہنچے گا بلکہ اس لئے منع فرمایا کہ آپ اسے کھا کر فرشتوں کی طرح ہو جائیں گے جو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ اور کھانے پینے اور اہل وعیال کی فکر میں نہیں رہتے اور جب آپ کو حالت ملکیت مل جائے گی تو آپ روئے زمین کی خلافت کا قیام نہیں کر سکیں گے لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ آپ کو کھانے پینے اور اہل وعیال کے فکر میں مصروف رکھے۔ اور کچھ وقت آپ کو اپنی یاد سے غافل کر دے تا کہ آپ کے ذریعے سے خلافت کا کام سرانجام دے۔ پس حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ آپ اس سے دور رہیں۔ اور اس درخت کا میوہ کھانا قرب واتصال کا سبب ہے۔ پس یہ منع فرمانا اس کی مانند ہے کہ بادشاہ کسی کو کسی مہم کی تدبیر کیلئے دور بھیجتے ہیں تو دربار کی خدمتوں کا حکم نہیں دیتے۔ یا اس لئے ہے کہ آپ اس درخت کا میوہ کھانے کی وجہ سے بہشت سے نکالے جانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اور بہشت میں موت نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ آپ جنت کی سکونت سے خلافت کا طریقہ اور آئین یاد کر کے دنیا میں جائیں۔ اور وہاں آپ کو موت لاحق ہو تا کہ آپ کی نسل صدیوں تک روئے زمین کی خلافت برپا رکھے۔ اور رہائش کا یہ قرب جو اللہ تعالیٰ کے دربار کے ساتھ آپ کو حاصل ہے فوت ہو جاتا ہے۔ قصہ مختصر یہ نہی الٰہی تنزیہی اور ارشادی ہے اس نہی کی تعمیل سے ملنے والے مرتبہ سے زیادہ بلند مرتبہ حاصل کرنے کیلئے اس کی مخالفت کا کوئی ڈر نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کو اس کی فریب والی گفتگو سن کر تردد لاحق ہوا اور اس وقت شیطان نے تاکیدی قسمیں کھائیں کہ میں صرف آپ کی خیر خواہی کا ارادہ رکھتا ہوں

marfat.com
Marfat.com

کیونکہ میری طرف سے آپ کے حق میں بے ادبی واقع ہوئی کہ میں نے سجدہ نہ کیا۔ اور اس کی وجہ سے ملعون ہوا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس بے ادبی کی آلائش کو اپنے سے دھوڈالوں اور آپ کو ایسے مرتبہ پر پہنچاؤں کہ عمر بھر آپ میرا شکریہ ادا کریں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں یہ بات آئی کہ مخلوق میں سے کسی کو یہ طاقت نہیں کہ اپنے خالق کی قسم اس تاکید سے کھائے بے شک اس نے سچ کہا ہوگا۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا۔ پس ان دونوں کو شیطان نے اس درخت کی پرہیز سے لغزش دی۔ اس طرح کہ پہلے مور کے پاس گیا۔ اور اسے کہا کہ بہشت میں جا کر آدم وحوا کے سامنے جا کر اپنے آپ کو سجائے۔ اور ان کے سامنے رقص کرے۔ اور جب دونوں اس کے تماشا سے فریفتہ ہو جائیں۔ اور آہستہ آہستہ پھر کر اپنے آپ کو جنت کی دیوار تک پہنچائے اور جب دونوں دیوار کے قریب آئے تو ایک سانپ کے پاس جا کر اس کے منہ میں بیٹھ کر اس سانپ سے کہا کہ مجھے دیوار کے اوپر پہنچا دے۔ اور دیوار کے اوپر حضرت آدم علیہ السلام اور حوا سے ملاقات کر کے ممنوع درخت کھانے کی ترغیب کا وسوسہ شروع کیا۔ اور اتنا تکلف اس لئے کیا کہ اسے سجدہ آدم سے انکار کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکال دیا تھا اور بہشت کے دربان اسے اندر نہیں آنے دیتے تھے اس تدبیر کے ساتھ اس نے چاہا کہ حضرت آدم وحوا کو بھی اس جگہ سے نکال دے۔

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۔ پس اس نے ان دونوں کو اس سے نکال دیا جس میں وہ تھے کہ نفیس میوے چکھتے تھے۔ اور صاف ہوا کے ساتھ مرغوب لذتیں' باغات کے سائے' جاری نہریں اور دوسری قسم قسم کی نعمتیں انہیں میسر تھیں۔

اور حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کے بہشت سے نکالنے کی کیفیت' ان کا ممنوعہ درخت سے کھانا' بہشتی لباس سے محروم ہونا' اپنی ستر پوشی کیلئے ان کو حیرانی اور سرگردانی اور ستر پوشی کیلئے درختوں سے پتے طلب کرنا قرآن مجید کی دوسری سورتوں لکھا ہوا ہے اس سورت میں معصیت کی نحوست کے اظہار کیلئے اسی قدر پر اکتفا فرمایا کہ

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا اور ہم نے آدم وحوا' ان کی اولاد جو کہ ان کی نسل میں مقدر تھی اور شیطان کو کہا کہ بہشت سے اتر جاؤ۔ کیونکہ بہشت دار العصیان نہیں۔ عاصیوں کیلئے

marfat.com

Marfat.com

دار الابتلاء ہے جو کہ سراسر رنج و مشقت کا گھر ہے۔ اور ہاں رنج و تکلیف کا سب سے کم مرتبہ اپنے درمیان عداوت ہے جو کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی نقصان دیتی ہے۔ اور ابتلاء کی وجہ سے یہ مرتبہ تمہارے پیش آنے والا ہے۔ کیونکہ

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ تم سے بعض بعض کا دشمن ہے۔ شیطان ہمیشہ آدمی کو گمراہ کرنے کے درپے ہے۔ اور آدمی ہمیشہ شیطان کو ذلیل کرنے کے درپے ہے۔ پس ان دونوں کے درمیان شرعی اور دینی دشمنی ہے۔ جیسا کہ آدمی سانپ اور مور کے درمیان طبعی دشمنی ہے۔ اور آدم علیہ السلام کی اولاد میں اگرچہ باہم یگانگت اور اتحاد جنسی ہے۔ لیکن ان میں سے بعض شیطان سے سیکھنے کی وجہ سے شیطانی آئین مہیا کرتے ہیں۔ اور طبعی طور پر اپنی نوع کے افراد کو تکلیف دینے والے ہو جاتے ہیں۔ اور دشمن ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض سانپ کی طبیعت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ان کی کاٹ کھانے کی۔ اور غضب کی قوت جوش مارتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ڈنگ مارنے کی عادت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض مور کی طبیعت جو کہ شہوت پرستی' خود آرائی' خود بینی اور غرور ہے کے تابع ہو کر ہم جنسوں کا حسد' کینہ' بغض اور کھوٹ مہیا کرتے ہیں۔ اسی لئے انہیں نکالنے کے بعد بہشت میں عنقریب واپس آنا میسر نہیں ہے۔ کیونکہ بہشت بغض و عداوت اور دشمنوں کے جمع ہونے کی جگہ نہیں۔ بلکہ تمہاری بود و باش زمین میں ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ اور تمہارے لئے زمین میں دیر تک رہنا ہے۔ اور اس استقرار کی وجہ سے تمہاری حرص کا رشتہ لمبا ہو جائے گا۔ اور تمہارے لالچ کا دروازہ کھلا ہوگا۔ ہر ایک اپنے لئے طویل عرصہ تک باقی رہنے کی فکر کر کے دوسرے سے جھگڑا کرے گا۔ اور درمیان میں دشمنی کے اسباب پہنچیں گے۔

وَّمَتَاعٌ اور فائدہ لینا ہے زمین کی چیزوں سے اور وہ فائدہ لینا تمہیں شہوتوں میں ڈال دے گا اور بہشت میں واپسی کی فکر تمہارے دل سے بھلا دے گا۔ لیکن یہ قرار اور فائدہ لینا دائمی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ختم ہو جائے گا۔

اِلٰى حِيْنٍ وقت معین تک جو کہ موت کا وقت ہے۔ ہر ہر فرد کے حق میں اور قیامت کا وقت ہے تمام نوع انسانی کے حق میں۔ اور جب حضرت آدم علیہ السلام نے یہ عتاب آمیز

marfat.com

Marfat.com

خطاب سنا اور بہشت سے باہر آئے انہیں بہت ندامت اور شرم ساری لاحق ہوئی۔ اور گریہ زاری میں وقت گزارتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ان تک پہنچی۔

فَتَلَقّٰی آدَمُ۔ پس آدم علیہ السلام نے سیکھے مِنْ رَّبِّهٖ اپنے پروردگار کے الہام سے کَلِمٰتٍ چند کلمات جو کہ ان کی توبہ کی قبولیت کا سبب ہوئے۔ اور وہ کلمات یہ ہیں رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (البقرہ آیت ۳۷)

اور طبرانی نے معجم صغیر میں' حاکم' ابونعیم اور بیہقی نے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے فروگذاشت ہوئی۔ اور عتاب ہوا اپنی توبہ کی قبولیت کے بارے میں حیران تھے۔ انہیں یاد آیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا فرمایا تھا اور خاص روح مجھ میں پھونکی۔ میں نے اس وقت اپنے سر کو عرش کی طرف اٹھایا۔ دیکھا کہ وہاں لکھا ہوا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس ذات کے برابر کوئی نہیں جن کے نام کو اپنے نام کے برابر فرمایا ہے۔ تدبیر یہ ہے کہ اسی شخصیت کے وسیلے سے بخشش کا سوال کروں۔ پس اپنی دعا میں کہا: اسئلك بحق محمد الاغفرت لی کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا اور وحی بھیجی کہ تو نے محمد علیہ السلام کو کہاں سے جانا آپ نے سارا ماجرا عرض کیا۔ فرمان پہنچا کہ اے آدم علیہ السلام! تیری اولاد میں سے محمد علیہم السلام پیغمبروں علیہ السلام میں سے آخری ہیں۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

## کسی کے حق کے ساتھ دعا کرنے کا بیان

یہاں جاننا چاہئے کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ کسی کے حق کے ساتھ دعا کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ کسی کا خدا تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ہے۔ اور اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک جو کہ بندوں کے افعال کو بندوں کی مخلوق جانتے ہیں ان افعال کی جزا بندوں کا حقیقی حق ہے۔ اور اہلسنت وجماعت کے مذہب کے مطابق بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ پس ان افعال کی وجہ سے بندوں کیلئے کوئی حقیقی حق ثابت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ

marfat.com
Marfat.com

کے وعدے اور اجرت کے طور پر۔ چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی۔ رمضان کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا اپنی زمین بیٹھا رہا جہاں پیدا ہوا۔

نیز حدیث صحیح میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے آیا کہ کیا تو جانتا ہے کہ بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ والی حدیث میں جو وارد ہوا اسی مزدوری والے اور تفضلی حق پر محمول ہے۔ اور جو کتب فقہ میں ممنوع حق حقیقی ہے۔ اور گزشتہ زمانے میں معتزلہ کا مذہب نہایت ہی زیادہ رواج رکھتا تھا اور اس لفظ کے استعمال سے ان کے مذہب کا وہم ہوتا تھا تو فقہاء نے مطلقاً اس لفظ کے استعمال سے منع فرما دیا تا کہ کسی کا خیال اس مذہب کی طرف نہ جائے۔

یہ وہ ہے جو کہ اس مقام پر علماء ظاہر کی قرارداد کے مطابق ہے۔ اور اہل تحقیق نے کہا ہے کہ بنی آدم کے کاملین میں سے ہر ایک کیلئے اس کی صورت کمالیہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے جو کہ اس کی تربیت فرماتا ہے۔ پس کاملوں میں سے کسی کامل کے حق کے ساتھ سوال کرنا اس اسم کی طرف اشارہ ہے۔ اگر کوئی شخص اس لفظ کو استعمال کرتے وقت اس معنی کو زیر نظر رکھے تو اس پر قطعاً کوئی ملامت یا عتاب وارد نہیں۔

## حضرت آدم علیہ السلام کی دعاؤں کا بیان

اور طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا وقت پہنچا آپ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور دو رکعت نماز ادا کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے الہام سے یہ دعا ان کی زبان پر جاری ہو گئی۔ **اللهم انك تعلم سری وعلانیتی فا قبل معذرتی وتعلم حاجتی فاعطنی سؤلی وتعلم ما فی نفسی فاغفرلی ذنبی اللهم انی اسئلك ایمانا یباشر قلبی و یقینا صادقا حتی اعلم انه لا یصیبنی الا ما کتبت لی و ارضنی بما قسمت لی** اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ آپ کی توبہ قبول ہوئی۔ اور

marfat.com

Marfat.com

دعا منظور اور آپ کی اولاد میں سے جو کوئی اس دعا کے ساتھ توسل کرے گا اس کا مدعا حاصل ہو جائے گا اس حدیث کو ازرقی نے تاریخ مکہ جندی نے فضائل مکہ اور بیہقی نے اپنی کتاب الدعوات میں بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے متعدد سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور عبد بن حمید ضحاک کی روایت کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لائے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی توبہ کی فکر میں دو سو سال تک گریہ وزاری کرتے رہے ایک دن اپنے ہاتھ کی ہتھیلی اپنی پیشانی پر رکھ کر اور اپنے سر کو زانو پہ ڈالے گریہ زاری میں مشغول تھے کہ اچانک جبریل علیہ السلام وارد ہوئے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ زاری سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان پر بھی گریہ طاری ہو گئی؟ اور پوچھا کہ آپ کی اس قدر گریہ وزاری کس وجہ سے ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کیونکر گریہ نہ کروں جبکہ رب تعالیٰ نے مجھے اس کام کی نحوست کی وجہ سے آسمانوں کی بلندی سے زمین کی پستی میں ڈال دیا اور قائم رہنے والے گھر سے دارالزوال میں ڈال دیا اور نعمت خانہ سے نکال کر رنج و مصیبت کے گھر میں پہنچا دیا اور ہمیشہ کے مقام سے فنا کے مقام پر لا کھڑا کیا۔ اے جبریل علیہ السلام اگر اس معیبت کی سختیاں شمار کروں تو نہ کر سکوں حضرت جبریل علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا عرض کیا۔ حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم پر جو ہمارے انعام تھے انہیں یاد کرو پہلے میں نے تجھے اپنے دست قدرت سے بنایا پھر میں نے تیرے ڈھانچے میں اپنی خاص روح پھونکی پھر میں نے اپنے فرشتوں کو تیرے سامنے سجدہ ریز کیا۔ اور تو نے میری ان نعمتوں کی قدر نہ کی۔ اور میرے حکم کی تعمیل میں فروگذاشت کی۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کیوں نہیں اے میرے پروردگار! یہ تقصیر مجھ سے واقع ہوئی۔ اور میں نادم ہوں۔ حکم پہنچا میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔ میں نے تیری آواز سنی۔ تیری عاجزی اور زاری پر میں نے رحم کیا۔ اور تیری تقصیر سے درگزر فرمایا یہ کلمات کہیں **لا الہ الا انت سبحنك وبحمدك عملت سوء و ظلمت نفسی فاغفرلی ذنوبی انك انت خير الغافرين لا اله الا انت سبحانك وبحمدك عملت سوء وظلمت نفسی فارحمنی انك انت خير الراحمين لا اله الا انت سبحنك**

marfat.com

Marfat.com

وبحمدك عملت سوء و ظلمت نفسي فتب علي انك انت التواب الرحيم

اور ابن المنذر کی حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت میں یہ الفاظ ان الفاظ کی زیادتی سے وارد ہوئے اللهم اسئلك بجاه محمد عبدك و كرامته عليك ان تغفرلي خصيتي اور دعا کی ابتداء میں لا اله الا الله وحده لا شريك له وهو على كل شيء قدير بھی وارد ہوئے۔ اور خطیب اور ابن عساکر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعا اس طرح لائے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام اس فعل کی نحوست کی وجہ سے بہشت سے زمین پر آئے تو آپ کا

## ایام بیض کے روزوں کا بیان

رنگ سیاہ ہو گیا تھا جب توبہ کا وقت آپہنچا تو حکم ہوا کہ مہینے کی تیراں تاریخ کا روزہ رکھیں آپ نے وہ روزہ رکھا۔ جسم شریف کا تیسرا حصہ اصلی حالت پر آ گیا پھر فرمایا کہ چوداں تاریخ کا بھی روزہ رکھیں۔ ان کے بدن کے دو حصوں کا رنگ درست ہو گیا۔ پھر پندرہویں تاریخ کا بھی روزہ رکھنے کا حکم ہوا تو سارا جسم اپنی اصلی حالت پر آ گیا اس کے بعد ان تین دنوں کے روزے آپ پر اور آپ کی اولاد پر فرض ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک۔ لیکن ان تین دنوں کے روزے توبہ کی تکمیل کیلئے ظاہر ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ صحیح روایات میں وارد ہے کہ آپ کی توبہ کی قبولیت عاشورا کے دن ہے۔ اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بہشت سے باہر زمین پر آ کر اس قدر گریہ وزاری کی کہ اگر تمام بنی آدم کی گریہ زاری اور حضرت داؤد علیہ السلام کی گریہ وزاری کو ان کے سامنے لائیں۔ تو حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ و زاری زیادہ ہوگی۔

اور بیہقی نے شعب الایمان میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کی کہ اگر آدم علیہ السلام کے آنسوؤں کو انکی تمام اولاد کے آنسوؤں کے ساتھ تولیں تو آپ کے آنسو وزن میں زیادہ ہوں گے۔ اور امام احمد کتاب الزہد میں امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لائے ہیں کہ اس فعل کے صادر ہونے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی یہ حالت تھی کہ

marfat.com

Marfat.com

آپ کی اجل آپ کی آنکھوں کے سامنے اور آپ کی امید آپ کے۔ پس پشت تھی اور جب یہ فعل سرزد ہوا تو ان کی امید ان کی آنکھوں کے سامنے کر دی گئی اور ان کی اجل ان کے۔ پس پشت۔

اور ابن عساکر مجاہد کی روایت سے لائے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو باہر نکلنے کا حکم ہوا تو حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہ السلام آئے۔ اور آپ کے سر سے تاج اتار لیا اور لباس بھی سلب ہو گیا۔ اور عربی زبان بھی سلب کر لی گئی اور اس کے بجائے سریانی زبان جاری کر دی گئی۔ قبول توبہ کے بعد پھر حکم ہوا تو عربی زبان میں گفتگو فرماتے۔ مختصراً یہ کہ بہت کدوکاوش کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی دعا بارگاہ خداوندی میں قبول ہوئی۔

فَتَابَ عَلَيْهِ ۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس پر رحمت سے توجہ کی۔ اور توبہ قبول فرمائی۔ اور آئندہ کیلئے معصیتوں سے معصوم کر دیا۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے کمال اور عنایت کی فراوانی کی وجہ سے ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ تحقیق وہ وہی ہے بندوں کی دعاؤں کو قبول کرنے والا۔ اور مہربان کہ ان کے گناہوں کو بار بار معاف فرماتا ہے۔ اور اپنے بندوں کے ساتھ عموماً اور حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ خصوصاً اس کمال کی رحمت وعنایت کے باوجود جو کہ ہم رکھتے ہیں توبہ قبول کرتے ہی فی الفور ہم نے انہیں جنت میں اٹھا کر داخل نہیں فرمایا۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا ہم نے فرمایا کہ ابھی اپنے اترنے کی جگہ پر رہو مِنْهَا بہشت سے دور رہ کر جَمِيْعًا جمع ہو کر۔ اور اگر تمہیں اس وقت ہم بہشت میں اٹھا لے جائیں تو تمہاری اولاد میں تفرقہ لازم آئے گا۔ نیک لوگوں کو جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پیچھے چل کر بہشت کے مستحق ہوئے ہوں گے بہشت میں پہنچا دیا جائے۔ اور بروں کو جنہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے طریقے کے خلاف روش اختیار کی ہوگی دنیا میں چھوڑ دیا جائے یا دوزخ میں۔ اور یہ تفرقہ زمین پر اتارنے کی غرض کے منافی ہے۔ کیونکہ اس اتارنے سے مقصود بالذات تکلیف میں مبتلا کرنا اور امر و نہی کے ساتھ امتحان لینا ہے۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى تو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے جس

marfat.com
Marfat.com

کا عقلی دلائل اور قولی اور فعلی معجزات کے ساتھ میری طرف سے ہونا ثابت اور یقینی ہو جائے۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ تو جس نے اس ہدایت کی میری ہدایت سمجھ کر پیروی کی فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ۔ پس ان پر کوئی خوف نہیں اس سے کہ وہ ہدایت میری طرف سے کوئی دھوکا یا شیطان کے فعل سے ہو یا بعض آسمانی اطوار اور زمینی استعدادوں کی وجہ سے رونما ہوئی ہو اس لئے کہ عالم بالا کے علوم میں اس قسم کے احتمال نقصان نہیں دیتے۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ نہ وہ غمگین ہوں گے بہشت کی سکونت اور اس کی لذتوں کے فوت ہونے سے جو کہ ان کے باپ کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ اس فعل کے رونما ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ انہیں جسموں سے جدا ہونے کے بعد پھر اس کی طرف لوٹنا حاصل ہوگا۔ اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پہلے کی نسبت زیادہ سرور اور لذتیں حاصل ہوں گی۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور جنہوں نے انکار کیا اس ہدایت کا اور بعید احتمالات کو اپنے دل میں راہ دی اور باطل شقوں کو اپنے ذہن میں راسخ کیا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور ہماری بھیجی ہوئی علامات کی نسبت جھوٹ کی طرف کردی کہ ان علامات کی وجہ سے سچائی یقینی ہو جاتی ہے۔ پس وہ اس سے محروم ہو گئے کہ پھر بہشت دیکھیں اور اپنے اترنے کی جگہ جو کہ زمین سے ترقی کریں بلکہ اس مقام سے بھی انہیں نیچے گرا دیا جائے گا کیونکہ

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ یہ لوگ دوزخ والے ہیں کہ کبھی بھی اس سے جدا نہ ہوں گے۔ اور وہاں سے منتقل بھی نہ ہوں گے۔ بلکہ

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیونکہ ہمیشہ کے عذاب کے وعدے کے بغیر امتحان پورا نہیں ہوتا کیونکہ منقطع ہونے والے عذاب کو وہم خاطر میں نہیں لاتا اور اس سے نہیں ڈرتا اور جب ہمیشہ کے عذاب کا وعدہ واقع ہوا تو اس کا پورا کرنا لازم آیا کہ وعدہ خلافی کرنا نقص اور عیب ہے۔ اور جناب الٰہی نقص کے عیب سے پاک اور مبرا ہے۔

## چند بحثیں

اس واقعہ میں چند بحثیں باقی ہیں کہ ان کے درپے ہونا ضروری ہے۔ پہلی بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت کی سکونت کو اصالتاً حضرت آدم علیہ السلام کیلئے فرمایا۔ اور ان کی

marfat.com
Marfat.com

زوجہ جو کہ حضرت حواء تھیں ان کے تابع فرمایا کہ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ اور میوے کھانے میں دونوں کو باضابطہ خطاب فرمایا وَکُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا اور اسی طرح ممنوع درخت کے قریب جانے سے روکنے میں دونوں کو شریک فرمایا اس اسلوب میں نکتہ یہ ہے کہ سکونت کے مکان کے تعین میں مرد کو اختیار ہے عورت کو اس میں کوئی دخل نہیں جہاں چاہے لے جائے اور کھانے پینے اور ممنوعات سے پرہیز کرنے میں دونوں برابر ہیں کوئی بھی دوسرے کا تابع نہیں۔

دوسری بحث یہ ہے کہ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ کا عطف اسکن کی ضمیر پر ہے۔ پس چاہئے کہ اسکن' زوجک کی طرف مسند ہو۔ حالانکہ امر حاضر کے صیغے کو ظاہر کی طرف مسند کرنا جائز نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عطف 'اصل نسبت میں مشارکت کا موجب ہوتا ہے نہ کہ کیفیت نسبت میں۔ جاء نی زید لا عمر کی دلیل ہے۔ حالانکہ معطوف علیہ میں نسبت ثبوتی ہے۔ اور قامت ہند وزید کی دلیل ہے۔ حالانکہ زید کے عامل کو تانیث جائز نہیں۔ اور اسی لئے یوں نہیں کہا جاسکتا قامت زید یہاں بھی اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ بمعنی اسکن انت ولتسکن زوجتك سمجھنا چاہئے۔

تیسری بحث یہ ہے کہ یہ بہشت جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو سکونت دی گئی وہی بہشت ہے جس میں قیامت کے دن بہشتیوں کو داخل فرمائیں گے یا کوئی دوسرا قطعہ زمین ہے جو کہ بہشت کی طرح پھل دار درختوں' چشموں اور نہروں سے تھا۔ سب سے صحیح یہ ہے کہ وہی بہشت ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور بے شمار احادیث اور آثار اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت زمین پر تھی۔ اگر اس بہشت میں آپ کو منتقل فرماتے تو اس واقعہ میں ان کے آسمان کی طرف ایک طبقہ کے بعد دوسرے طبقہ کی طرف چڑھنے کا ذکر ضرور ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں غرض اس سفر کی منزلوں کے ذکر سے متعلق نہ تھی جو مدعا ہے مقصد کے متعلق ہے جو کہ بہشت ہے لہٰذا مقصد کے ذکر پر اکتفا فرمایا بخلاف معراج محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ اس سفر کے دوران ہر منزل میں عجیب واقعات ارواح انبیاء علیہم السلام اور ہر آسمان کے فرشتوں سے

marfat.com

Marfat.com

ملاقات ہوئی اسی وجہ سے احادیث معراج میں ان منزلوں کی تفصیل مذکور ہوئی۔

چوتھی بحث یہ ہے کہ اس سورت میں وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حرف واؤ کے ساتھ مذکور ہے۔ جبکہ سورۂ اعراف میں یہی واقعہ فکلا یعنی حرف فا کے ساتھ ہے۔ یہ فرق کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات قرآن مجید میں جگہ جگہ مقام کے تقاضا کے مطابق تکرار سے بیان ہوئے۔ اور ان واقعات کے بیان میں ہر جگہ اس مقام کے مقتضیٰ کی رعایت فرمائی گئی ہے۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ زمین میں ان کی خلافت کے ذکر کے مسئلہ کے ساتھ بیان ہوا جو کہ سکونت کے باب سے ہے۔ اور زمین کی سکونت کے طریقہ اور اس کے منافع میں تصرف کی تعلیم کے لئے بہشت کی سکونت بھی مذکور ہوئی۔ پس سکونت اصل مقصد ہے۔ کھانے پینے کا وسیلہ نہیں۔ اگر یہاں فکلا فرمایا جاتا تو معلوم ہوتا کہ سکونت میوے کھانے کے لئے تھی۔ اور مقصود بالذات میوے کھانا تھا جبکہ سورت اعراف میں پہلے اور بعد میں آدمیوں کے لئے اسباب معیشت مہیا کرنے کا ذکر ہے۔ اور یہ امر زیادہ تر کھانے پینے کی طرف لوٹتا ہے جیسا کہ اس واقعہ سے پہلے بھی فرمایا ہے۔ وجعلنا لکم فیھا معایش (الاعراف آیت ۱۰) اور اس واقعہ کے بعد بھی کلوا واشربوا ولا تسرفوا ارشاد ہوا (الاعراف آیت ۳۱) اور درمیان میں پاکیزہ چیزوں کے رزق کا حلال کرنا بیان ہوا۔ پس آدم علیہ السلام کا واقعہ وہاں معاش کی اچھائی اور کھانے پینے کی خوبی کے مسئلہ کے ساتھ مذکور ہوا۔ اسی لئے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام سے بہشتی لباس اتارنے اور اس کے عوض دنیوی لباس کے طریقے کے الہام کرنے کو تفصیل سے بیان فرمایا۔ پس اس سورت میں مقصود بالذات بہشتی میووں کا کھانا پینا ہے اور بہشت کی سکونت اس کا وسیلہ ہے۔ پس فا کو فکلا میں وہاں لانا ضروری ہوا۔ اور اس بنا پر کہ مقصود بالذات کھانا پینا ہے کھانے میں وسعت دینا وہاں بیان نہیں فرمایا اور اسی قدر پر اکتفاء فرمایا فکلا من حیث شئتما۔ اور یہاں چونکہ کھانا مقصود نہ تھا اس لئے کھانے میں وسعت دینا رغدًا کے ذکر سے منظور ہوا۔ کیونکہ جب کوئی چیز مقصود بالذات ہوئی خود بخود اس میں وسعت دینا لازم آیا۔ تاکید کی حاجت نہیں۔ پانچویں بحث یہ ہے کہ لا تقربا نہی ہے۔ اور دربار

marfat.com
Marfat.com

خداوندی سے نہی دو طریقوں سے وارد ہوتی ہے۔

اول تحریم شرعی کے طریقے سے کہ اس کے ارتکاب میں وہی نقصان ہوتا ہے۔ اور وہ فعل اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب ہوتا ہے۔ اور دوسرا طریقہ ارشاد پرہیز اور احتیاط دنیوی نقصان سے۔ جیسا کہ لا تسئموا ان تکتبوه صغیرا او کبیرا الی اجلہ (البقرہ آیت ۲۸۲) اور اس کی امثال واقع ہیں۔ پس پہلے طریقے میں اس نہیں کی مخالفت گناہ کا موجب ہوتی ہے۔ اور اس کا مرتکب توبہ و استغفار کا محتاج ہوتا ہے۔ اور دوسری نہی میں اس باب میں سے کچھ بھی لازم نہیں آتا بلکہ ترک اولیٰ اور کسی مصلحت کے خلاف کرنا لازم آتا ہے۔ اور علماء کو اختلاف ہے کہ یہ نہی کس قبیلے سے تھی ایک جماعت کے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ دوسرے قبیلے سے تھی۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ پہلے قبیلے سے ہے۔ کیونکہ لاتقربا اس درخت کے نزدیک ہونے سے منع کرنے پر دلالت کرتا ہے چہ جائیکہ اس سے کچھ کھائیں اور اس قدر تاکید دنیوی پرہیز اور احتیاط کیلئے نہیں ہوتی۔ اسی لئے یہ صیغہ سخت حرام چیزوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لاتقربوا الزنا (بنی اسرائیل آیت ۳۲) ولا تقربوا مال الیتیم (بنی اسرائیل آیت ۳۴) ولا تقربوھن حتّٰی یطھرن (البقرہ آیت ۲۲۲) اور لفظ فتکونا من الظالمین بھی اس کی تائید کرنے والا ہے۔ اور اس فروگذاشت کی جزا کے طور پر بہشت سے نکالنا اور اس کے خوف سے حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری اور تلقین توبہ اور لفظ فتاب علیہ اور ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین سب اسی قول کی ترجیح کے دلائل ہیں۔

چھٹی بحث یہ ہے کہ جب ممنوع درخت کا کھانا زیادہ ترجیح والے قول کے مطابق معصیت ہوا تو حضرت آدم علیہ السلام سے معصیت کا وقوع لازم آیا اور انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے قانون کے خلاف ہے بعض مفسرین نے اس شبہ کا جواب یوں دیا ہے کہ ان سے یہ معصیت نبوت سے پہلے واقع ہوئی۔ اس لئے کہ آپ کو زمین پر اترنے کے بعد مرتبہ نبوت حاصل ہوا لیکن یہ جواب قوی نہیں ہے۔ کیونکہ مرتبہ نبوت تو آپ کو صرف پیدائش کے ساتھ ہی حاصل تھا بلا واسطہ تعلیم اسماء کی دلیل سے اور اس دلیل سے کہ فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم فرمایا گیا۔ اور اس کا التزام کہ تمام فرشتے غیر نبی کو سجدہ کریں بہت بعید ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور طبرانی' ابوالشیخ اور ابن ابی شیبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ آپ خبر دیں کہ آدم علیہ السلام نبی تھے؟ فرمایا ہاں نبی رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے مشافہۃً گفتگو فرمائی۔ آپ سے فرمایا یَـــا آدَمُ اسْـكُـنْ اَنْـتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا! یارب تو نے آدم علیہ السلام کے ساتھ جو اچھا سلوک کیا وہ اس کا شکر یہ کس طرح ادا کر سکتے ہیں تو نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اور اس میں اپنی خاص روح پھونکی۔ اپنی جنت میں ٹھہرایا۔ اور تو نے فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے اسے سجدہ کیا۔ تو فرمایا اے موسیٰ! اس نے جانا کہ یہ سب کچھ میری طرف سے ہے۔ تو اس نے میری حمد کی تو یہ میرے اس حسن سلوک کا شکر تھا۔

اور اسی لئے اکثر محققین اس طرف گئے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے اس فعل کا ارتکاب ذلت کے طریقے سے تھا اور زلت کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی امر مباح یا کسی نیکی کا قصد کرے۔ اور غفلت اور بے احتیاطی کی وجہ سے اس امر مباح یا مستحب میں اس سے خلاف شرع کام سرزد ہو جائے۔ پس اس عمل کی صورت معصیت کی صورت ہے۔ اور اس کا معنی طاعت یا مباح کا معنی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ابلیس کے قسم کھانے اور اس کی دل کو فریب دینے والی تقریر سے یوں معلوم ہوا کہ مجھے اس درخت سے کھانے سے خلافت زمین کی وجہ سے منع فرمایا ہے۔ اور اس درخت سے کھانے کی صورت میں خلافت زمین کے مرتبہ سے ایک اور اعلیٰ مرتبہ مجھے حاصل ہوگا۔ اس جہت سے اسے کھانے کا اقدام کیا۔ اور جب ان سے بہشت کا لباس اور زیور کھینچ لیا گیا تو جانا کہ میرا یہ سمجھنا خطا تھا اور ممنوع درخت سے کھانا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوا اس بنا پر توبہ واستغفار میں کوشش کی۔ اور یہی کاملوں کی شان ہے کہ تھوڑی گناہ کو بہت سمجھتے ہیں۔ اور ترک اولیٰ یا بے احتیاطی پر گھبراتے اور پریشان ہوتے ہیں۔

ساتویں بحث یہ ہے کہ سورت اعراف میں مذکور ہے کہ شیطان کو صرف اس وجہ سے

marfat.com

Marfat.com

کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا بہشت سے نکال دیا گیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام نے بہشت میں سکونت اختیار کی۔ پس شیطان کو یہ کیسے ممکن ہوا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو وسوسہ دیا اور ممنوع درخت سے کھانے پر جرأت دی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تفسیر میں گزرا کہ مور اور سانپ کی وساطت سے اس لعین نے اس مہم کو سرانجام دیا اور اہل اسرار نے شیطان کی وساطت کیلئے ان دونوں جانوروں کی تخصیص میں یوں لکھا ہے کہ شیطان اگرچہ آدمی کو نیکی کی راہ سے دور ڈالنے اور گمراہی کی راہ چلانے کیلئے پوری کوشش کرتا ہے اس کا یہ مقصد ہرگز میسر نہیں آتا مگر جبکہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ انسان کو اپنے قابو میں کر لیتی ہیں۔ کیونکہ یہی دو قوتیں آدمی کے نفس پر غالب ہیں۔ مور قوت شہویہ کا مظہر ہے۔ اور سانپ قوت غضبیہ کا۔ جس طرح کہ شیطان قوت وہمیہ کا مظہر ہے۔ اور زیادہ تر شہوتوں کا قبضہ بدن کے باہر سے ہے۔ اور غضب کا تسلط جسم کے اندر سے۔ شیطان کے وسوسہ کی صورت اس طرح ظاہر ہوئی ہے کہ مور کو باہر سے بھیجا اور سانپ کو بہشت کی دیوار پر آنے کا وسیلہ بنایا۔ تا کہ اس بات کا اشارہ ہو کہ قوت غضبیہ افق روحانی اور لطیفہ قلبی سے قوت شہویہ کی نسبت زیادہ قریب ہے۔

آٹھویں بحث یہ ہے کہ اِھْبِطُوْا جمع کا صیغہ ہے۔ اور بہشت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کے بغیر کوئی اور نکالنے کے قابل نہ تھا۔ پس چاہئے تھا کہ اھبطا فرمایا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ آدمیوں کی ساری نوع سے خطاب مراد تھا۔ اور یہ دونوں اس نوع کی اصل ہیں۔ پس ان دونوں کے خطاب میں جمع کا صیغہ لائے تا کہ اس امر پر دلالت کرے کہ منظور اس ساری نوع کو نکالنا ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ابلیس' سانپ اور مور بھی اس خطاب میں شریک ہیں۔

نویں بحث: بنی آدم کیلئے گناہوں سے بچنے اور معصیت سے پرہیز کے بارے میں اس واقعہ میں ایک عجیب عبرت اور موثر نصیحت ہے۔ چنانچہ کہنے والے نے کہا ہے اے سونے والے کی آنکھوں سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے والے اور ایسے کام کا مشاہدہ کرنے والے جو مشاہدہ کے لائق نہیں تو گناہوں کو گناہوں کے ساتھ ملا رہا ہے۔ اور درجات جنت اور

marfat.com

Marfat.com

عبادت گزار کا اجر پانے کی امید کرتا ہے۔ کیا تو بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس سے ایک فعل کی وجہ سے دنیا کی طرف نکال دیا۔

دسویں بحث یہ ہے کہ ایک بار قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا فرمایا۔ اور مقصد جو کہ بہشت سے نکالنا تھا اس سے معلوم ہوگیا۔ دوسری بار کیا ضرورت تھی کہ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ارشاد ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بار یہ حکم بہشت سے نکالنے کیلئے تھا اور دوسری بار زمین میں قرار پکڑنے اور فی الفور بہشت کی طرف لوٹنے کی امید ختم کرنے کیلئے تھا۔ تاکہ توبہ کی قبولیت کی وجہ سے یہ آرزو نہ کریں کہ ہم پھر بہشت میں آئیں اور اس جگہ کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کریں۔

گیارہویں بحث یہ ہے کہ اما حرف شک ہے۔ اور ن تاکید جو کہ یاتینکم میں موجود ہے یقین پر دلالت کرتا ہے شک اور یقین کے درمیان جمع کس طرح سمجھی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سننے والوں کے علم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے آنے کا یقین مشکوک تھا۔ اس وجہ سے حرف شک لائے تو گویا آمد ہدایت اور یقین کے مجموعے پر حرف شک داخل ہوا یعنی اگر تمہارے نزدیک میری طرف سے ہدایت کا آنا محقق ہو جائے۔ اور اس صورت میں کوئی اشکال لازم نہیں آتا کیونکہ شک کا متعلق آمد محقق ہے۔ اور یقین کا متعلق صرف آمد ہدایت۔ پس شک اور یقین کا مورد جدا جدا ہوگیا۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ہدایت کا آنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقینی اور سننے والوں کے نزدیک مشکوک تھا اور علم معانی کا قاعدہ ہے کہ اس باب میں سامع کا یقین کرنا یا یقین نہ کرنا بھی معتبر ہے۔ پس نون ثقیلہ کی تاکید اس جہت سے ہے کہ متکلم کے علم اور ارادہ میں فعل کا وقوع یقینی ہے۔ اور ان کا لانا جو کہ حرف شک ہے اس جہت سے ہے کہ سامع کے نزدیک فعل کا واقع ہونا مشکوک ہے۔ پس شک سامع کے اعتبار سے ہوئی۔ اور یقین متکلم کے اعتبار سے اور شک اور یقین کا اجتماع ایک شخص کی نظر سے محال ہے نہ کہ دو کی نظر سے۔

## حقیقت توبہ کی ترکیب

بارہویں بحث یہ ہے کہ توبہ کی حقیقت تین چیزوں سے مرکب ہے علم، حال اور عمل۔

marfat.com

Marfat.com

علم، گناہ کے نقصان کو جانتا ہے۔ اور اس بات کو کہ یہ گناہ بندے اور رحمت الٰہی کے درمیان پردہ واقع ہو گیا۔ اور جب یہ جان لینا ذہن میں قرار پکڑتا اور مستحکم ہوتا ہے۔ تو دل کو محبوب کے گم ہونے سے ایک طیش اور بے چینی پہنچتی ہے۔ اور جس کام کی وجہ سے محبوب کو نہ پانا رونما ہوتا ہے اس پر ایک افسوس حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ افسوس کرنا دل کے حالات میں سے ایک حال ہے۔ جسے ندامت کہتے ہیں۔ اور اس حالت کے تین تعلق ہے ایک تعلق ماضی کے ساتھ اور وہ جو فوت ہوا اس کی تلافی اور کفارہ دینا اور قضا کرنا ہے اگر کفارے اور قضا کے قابل ہو۔ اور ایک تعلق حال کے ساتھ ہے اور وہ اس فعل کو فی الفور ترک کرنا ہے۔ اور ایک تعلق مستقبل کے ساتھ ہے۔ اور وہ اس ارادے کو پختہ کرنا ہے کہ یہ کام پھر نہیں کروں گا۔

پس ان امور کا مجموعہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے لطف کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لئے حصر کے لفظ کے ساتھ فرمایا اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ اور تواب میں تاکید کا معنی یہ ہے کہ آدمی کی طبیعت عذر کی قبولیت سے بار بار رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ بخلاف حضرت حق جل وعلی کے کہ ہر بار اس کی بارگاہ میں توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ نیز آدمی گناہگاروں کی کثرت کی وجہ سے رنجیدہ ہوتا ہے۔ اور جواب دے دیتا ہے۔ بخلاف حضرت حق جل جلالہ کے کہ گناہگار جس قدر زیادہ ہوں گے اس کی رحمت کا جوش اسی قدر زیادہ ہوتا ہے۔

اور حضرت ذوالنون مصری سے لوگوں نے پوچھا کہ حقیقت توبہ کیا ہے؟ فرمایا کہ توبہ چھ چیز سے مرکب ہے۔ پہلی چیز گزشتہ گناہوں پر ندامت۔ دوسری چیز: آئندہ کیلئے گناہ ترک کرنے کا پختہ ارادہ۔ تیسری چیز: ہر فوت شدہ فریضہ ادا کرنا۔ چوتھی چیز: مخلوق کے حقوق ادا کرنا۔ خواہ وہ حقوق مالی ہوں یا جانی یا حقوق ناموسی۔ پانچویں چیز: ہر اس گوشت اور خون کو پگھلانا جو کہ مال حرام سے پیدا ہوا۔ چھٹی چیز: اپنے آپ کو طاعات کی تلخی چکھانا جس طرح کہ معصیت کی حلاوت چکھائی تھی۔

## خوف اور حزن کے معنی میں فرق

تیرہویں بحث یہ ہے کہ خوف کا معنی ایسا رنج ہے جو کہ کسی تکلیف کی توقع کی وجہ سے

marfat.com

Marfat.com

حاصل ہوتا ہے۔ اور حزن کا معنی وہ رنج ہے جو کہ آدمی کے نفس کو کسی محبوب کو گم کرنے یا کسی مطلب کے فوت ہو جانے سے لاحق ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں خوف کی نفی کو حزن کی نفی سے پہلے رکھا گیا ہے۔ کیونکہ خوف کی نفی کا معنی تمام آفات سے سلامتی حاصل ہونا ہے۔ اور حزن کی نفی کا معنی مرادات کو پہنچنا ہے۔ اور آفت کا زوال حصول مراد سے پہلے ہے۔

اور ہر تقدیر پر صرف اتباع ہدایت پر خوف اور حزن کی عام نفی کیسے درست ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اتباع ہدایت کے باوجود لکھی ہوئی تقدیر کی سبقت کا اور سعادت کے شقاوت میں بدل جانے کا خوف باقی ہے جب تک کہ موت قبر' قبروں سے اٹھنے' محشر میں حاضر ہونے' اعمال ناموں کی تقسیم ہونے' میزان عمل قائم ہونے اور پل صراط عبور کرنے کی مشکل منزلوں سے خیریت کے ساتھ نہ گزرے اطمینان اور امن حاصل ہونا محال ہے۔ اور اسی لئے قیامت کے دن کا خوف کافروں' فاسقوں' ایمان والوں بلکہ اپنے مرتبہ اور شان کے مطابق انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو بھی عام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے قول کی دلیل سے یوم ترونها تذهل كل مرضعة عما ارضعت وتضع كل ذات حمل حملها وترى الناس سكارى وماهم بسكارى (الحج آیت ۲) فكيف تتقون ان كفرتم يوما يجعل الولدان شيبا ن السماء منفطربه (المزمل آیت ۱۷'۱۸) يوم يجمع الله الرسل فيقول ما اذا اجبتم (المائدہ آیت ۱۰۹) فلنسئلن الذين ارسل اليهم ولنسئلن المرسلين (الاعراف آیت ۶) بلکہ اکثر علماء نے لکھا ہے کہ بہشت میں داخل ہونے کے بعد بھی اہل بہشت کو اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت کا خوف باقی رہے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد آخرت میں خوف اور حزن کی نفی ہے۔ اور آخری دم تک ہدایت کی اتباع اس بشارت اجمالی کا سبب ہوتی ہے کہ ہر واقعہ میں ان کے ساتھ احسان کا سلوک ہوگا۔ اور وہ اپنے مقاصد اور مرادوں کو پہنچیں گے۔ چنانچہ دوسری آیت میں مذکور ہے ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة ان لاتخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التي كنتم توعدون (حم السجدہ آیت ۳۰) اور نہ وہ اور آخرت کے موقعوں میں عام خوف کا لاحق ہونا ان خوفناک واقعات کی بنا پر ہوگا

marfat.com
Marfat.com

جن کی وجہ سے اس اجمالی بشارت کی طرف توجہ نہ رہے گی اور چونکہ وہ خوف جلدی زائل اور ختم ہونے والا ہے گویا خوف ہے ہی نہیں۔ چنانچہ فرمایا لایحزنھم الفزع الاکبر وتتلقاھم الملائکۃ ھذا یومکم الذی کنتم توعدون (الانبیاء آیت ۱۰۳) اور خشیت الٰہی کو خوف نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی وہ غم وفکر کا سبب ہوتا ہے۔ پس اس کا بہشت میں باقی رہنا خوف کی نفی کے مخالف نہیں۔ اور کیا ہی اچھا کہا گیا۔ نظم: ایک بلبل خوش رنگ پھول کی پتی چونچ میں رکھتی اور اس کے باوجود زاروقطار رو رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ عین وصل میں یہ رونا کس لئے ہے اس نے کہا ہمیں جلوۂ معشوق نے اسی کام پر لگا رکھا ہے۔

اور اسی لئے بعض اہل تدقیق نے کہا ہے کہ خوف کو جہاں بھی علٰی کے لفظ کے ساتھ استعمال کرتے ہیں وہاں رنج وضرر کے معنوں کی رعایت کرتے ہیں۔ اور ہدایت کی اتباع کرنے والوں کو اس قسم کا کوئی خوف نہیں ہوگا اگر انہیں کوئی خوف ہے۔ تو ان کے نفع کیلئے ہیں کہ ان کے درجات کی ترقی اور ان کے ثواب میں کئی گنا اضافہ کیلئے ہے۔ ولمن خاف مقام ربہ جنتان (الرحمٰن آیت ۴۶) اور اسی لئے لاخوف بھم ارشاد نہ ہوا بلکہ لاخوف علیھم اور اسی طرح خشیت جلال الٰہی کو بھی اس خوف میں داخل نہیں سمجھا سکتا کیونکہ رنج اور ضرر کا سبب نہیں۔ جیسا کہ باپ اور استاد اور پیر کا خوف جو کہ ادب پر ابھارنے والا ہے نہ کہ کسی نقصان کی توقع یا کسی منفعت کے فوت ہونے پر مبنی ہے۔

اور اس مقام کے مناسب وہ قاعدہ کلیہ ہے جس کی بنیاد شیخ ابوالحسن اشعری علیہ الرحمۃ نے رکھی اور اسے ہر جگہ موزوں فرمایا یعنی سعادت وشقاوت' ایمان وکفر اور ہدایت وضلالت میں اعتبار خاتمے کا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک کافر وہ ہے جس کی موت کفر پر ہو۔ اور مومن وہ ہے جو اس جہان سے ایمان کے ساتھ جائے۔ پس اس آیت میں ہدایت کا تابع وہی ہے جس کا خاتمہ ہدایت پر ہو نہ کہ وہ جس نے بالفعل نیک راہ اختیار کی۔ اور اس کا خاتمہ پردے میں ہے۔

## متعلقات واقعہ

چودھویں بحث یہ ہے کہ حدیث پاک کے مطابق اس واقعہ کے متعلقات چند چیزیں

marfat.com

Marfat.com

ہیں۔ان میں سے یہ ہے کہ پہلے حضرت حواء رضی اللہ عنہا نے شیطان سے دھوکا کھایا اور اس کے بعد ان کے مشورہ سے حضرت آدم علیہ السلام سے فروگذاشت کا ارتکاب ہوا چنانچہ حاکم اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا اس درخت سے کھانے پر تجھے کس نے ابھارا جس سے کہ میں نے تجھے روکا تھا۔ عرض اے میرے پروردگار! میرے لئے یہ کام حواء نے خوبصورت کیا۔فرمایا کہ اس پر حوا رونے لگیں تو انہیں کہا گیا کہ تجھ پر اور تیری بیٹیوں پر رونا ہے۔

اور دار قطنی کتاب الافراد میں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت لائے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حوا کی طرف بھیجا جب حضرت حواء کو خون کا عارضہ لاحق ہوا تو آپ نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے خون آیا ہے کہ جسے پہچانتی نہیں ہوں تو انہیں ندادی کہ میں تجھ سے اور تیری اولاد سے خون جاری کروں گا اور اسے تیرے لئے کفارہ اور خطاؤں سے پاک کرنے کا ذریعہ بناؤں گا۔

اور صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت بدبودار نہ ہوتا اور اگر حوانہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی اور بیہقی دلائل النبوۃ میں اور خطیب تاریخ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم روایت لائے کہ مجھے آدم علیہ السلام سے (اور وجوہ فضیلت کے علاوہ) دو خصلتوں میں فضیلت دی گئی میرا شیطان مسلمان ہو گیا۔ اور ان کا شیطان کافر۔ میری ازواج میرے دین کے معاملہ میں میری مددگار ہیں۔ جبکہ ان کی زوجہ نے خطا پر مدد کی۔

### حضرت آدم علیہ السلام' حضرت حواء رضی اللہ عنہا کا زمین پر اترنا اور شیطان' سانپ اور مور کا

اور ان میں سے یہ ہے کہ اکثر روایات کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے اترنے کی جگہ ہندوستان کی ایک زمین ہے۔ جسے وجنا کہتے ہیں۔اور حاکم اور بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے لائے کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے

marfat.com
Marfat.com

فرمایا کہ کچھ جانتے ہو کہ سرزمین ہند دوسری زمینوں کی بہ نسبت زیادہ خوشبو والی کیوں ہے۔ اور خوشبو کی قسموں میں سے عوؤ اخروٹ اور لونگ اس زمین کے ساتھ کیوں مخصوص ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام اس زمین میں اترے تو بہشت کے درختوں کے پتے آپ کے جسم شریف پر تھے۔ ان پتوں کو ہوا نے بکھیر دیا جس درخت پر بھی ان پتوں سے کوئی پتہ پہنچا اور اس درخت کے ساتھ لٹکا اچھی مہک پیدا کی۔ اور حضرت حواء اکثر روایات کے مطابق جدہ میں اتریں اور ابلیس میسان کے جنگل میں جو کہ بصرہ سے چند کوس کے فاصلے پر ہے۔ اور سانپ اس جگہ جہاں آج کل اصفہان آباد ہے جب حضرت آدم علیہ السلام کو توبہ کیلئے خانہ کعبہ کے حج کا حکم ہوا اور آپ حج سے فارغ ہوئے حضرت حواء سے ملاقات ہوئی۔ اور توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہوا۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت سے روئے زمین پر بھیجا گیا تو تیس قسم کے جنتی پھل ان کے ہمراہ کر دیئے جو کہ زمین میں نہ تھے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرمائی کہ حضرت آدم علیہ السلام تیس قسم کے جنتی پھلوں سمیت اتارے گئے۔ ان پھلوں میں سے بعض وہ ہیں جن کے اندر اور باہر دونوں حصے کھائے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ داخل کھایا جاتا ہے۔ اور خارج پھینک دیا جاتا ہے۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ اس کا خارج کھایا جاتا ہے۔ اور داخل پھینک دیا جاتا ہے۔ اور بعض روایات میں ان پھلوں کی تعیین بھی آئی جن میں سے (نہایت عمدہ کھجور) عجوہ لیموں اور کیلا بھی ہیں۔ اور نیز ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں صحیح سند کے ساتھ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام ہند میں اتارے گئے اور ان کے ساتھ ایک اہرن سنی (گرم لوہا پکڑنے والا اوزار) اور ہتھوڑا تھا اور حوا جدہ میں اتاری گئیں۔

## حجر اسود اور حد حرم

اور ابن جریج کی روایت سے وارد ہے کہ حجر اسود بھی آدم علیہ السلام کے ہمراہ بہشت

marfat.com
Marfat.com

سے آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا بھی ان کے ہمراہ بہشت سے آیا اور یہ ایک عصا تھا جو کہ بہشتی درخت آس کا تھا جس کا طول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قد مبارک کے مطابق دس گز تھا اور جب حضرت آدم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کا حج ادا کیا تو حجر اسود کو جبل ابو قبیس پر رکھ دیا اور وہ پتھر تاریک راتوں میں چاند کی طرح چمکتا تھا جہاں تک اس کی شعاع پڑی وہیں تک حرم کی حد مقرر ہوئی۔

## نام مصطفیٰ وجہ تسکین آدم علیہما الصلوٰۃ والسلام

اور طبرانی' ابو نعیم اور ابن عساکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے نکل کر زمین پر آئے تو آپ کو بہشت وحشت سی طاری تھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر بلند آواز سے اذان دی جب کلمہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر پہنچے تو یہ نام سن کر آدم علیہ السلام کو بہت انس اور اطمینان پہنچا اور وحشت دور ہوگئی۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ بہشت سے دنیا میں آنے کے وقت حضرت آدم علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں زانوؤں پر رکھ کر اپنے سر کو دونوں زانوؤں کے درمیان ڈال کر شرم ساروں کی طرح گردن جھکائے ہوئے تھے۔ اور شیطان نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیان پنجہ کیا۔ اور انہیں اپنی کوکھ پر رکھ کر اپنے سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے حیرت زدوں کی شکل میں متکبرانہ انداز میں نیچے آیا تھا۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی منصف میں حمید بن بلال سے روایت کی کہ اپنے ہاتھ کو نماز میں اپنے کھوکھ پر رکھنا اسی لئے مکروہ ہے کہ زمین پر اترنے کے وقت شیطان اسی شکل میں آیا تھا اور ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت سے لائے ان کے ہمراہ قسم قسم کے بیج دیئے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام اترنے کے بعد غم و اندوہ اور فکر توبہ کی وجہ سے ان بیجوں سے غافل ہوگئے۔ ابلیس نے اس وقت فرصت پا کر ان بیجوں تک اپنا ہاتھ پہنچایا جس بیج کو اس کا ہاتھ لگا وہ نفع سے خالی ہوگا۔ اور اس میں ایک قسم کی زہر پیدا ہوگئی۔ اور جو اس کی دسترس سے محفوظ رہا اس کی منفعت برقرار ہے۔

marfat.com

Marfat.com

اور ان میں سے یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت میں کبھی پاخانے کی حاجت نہ ہوئی تھی جب زمین پر آئے تو پہلی چیز جو کھائی مالٹے کا پھل تھا انہیں پیٹ میں حاجت براز ہوئی' نہایت حیران ہوئے۔اور دائیں بائیں بھاگ رہے تھے۔اور جانتے نہ تھے کہ کیا کیا جائے۔ تاکہ یہ حاجت دور ہو حضرت جبریل علیہ السلام آئے۔اور آپ کو قضائے حاجت کا طریقہ بتایا جب بدبو محسوس ہوئی تو آپ پر گریہ زاری غالب ہوئی۔اور ستر دن تک اسی ماجرا پر روتے رہے۔اسی طرح اسے ابن ابی الدنیا نے کتاب البکاء میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا۔اور ابن عساکر نے جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ کے طریقہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب دنیا کو پیدا فرمایا تو اس میں سونے اور چاندی کو پیدا نہ فرمایا تو جب حضرت آدم وحوا اترے تو ان کے ہمراہ سونا چاندی بھی اتارا تو ان کے بعد ان کی اولاد کے نفع کے لئے اسے زمین میں چشمے کی شکل میں جاری فرمایا۔

## تمام رسل علیہم السلام کے پیشوں کا بیان

اور دیلمی مسند الفردوس میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ حضور علیہ السلام سے روایت لائے کہ سب سے پہلے جس نے کپڑا بنا حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔اور ابن عساکر نے بھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کاشتکاری کرتے تھے۔اور اپنی روزی اسی پیشے سے کماتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی تھے۔اور حضرت ادریس درزی اور حضرت ہود اور حضرت صالح علیٰ نبینا وعلیہم السلام دونوں تجارت کرتے تھے۔اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کاشتکاری کرتے تھے۔حضرت شعیب علیہ السلام مال مویشی والے تھے۔اور اپنے جانوروں کے دودھ' نسل' اون اور ریشم سے سلسلہ معاش چلاتے تھے۔اور حضرت لوط علیہ السلام بھی کھیتی باڑی کرتے تھے۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ عرصہ بکریاں چراتے رہے۔حضرت داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے تھے۔اور حضرت سلیمان علیہ السلام خواص تھے۔اور خواص وہ ہے جو درختوں کے پتوں سے مختلف چیزیں بنے

marfat.com

Marfat.com

جیسے زنبیل' چٹائی اور پنکھا اور باوجودیکہ آپ کو ساری زمین کی بادشاہی عطا فرمائی گئی تھی اپنے ہاتھ کی کمائی کے سوانہیں کھاتے تھے۔ اور ہر مہینے نو روزے رکھتے' تین روزے مہینے کے ابتداء میں' تین درمیان میں اور تین مہینے کے آخر میں اور اس زہد کے باوجود آپ کی قوت مردمی اس قدر تھی کہ سات سو کنیز اور تین سو منکوحہ بیوی تھی جو کہ آپ کے محل میں تھی جن ہیں آپ مشرف فرماتے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سیاح تھے۔ اور کسی پیشے سے کسب معاش نہیں فرماتے تھے۔ اور نقد اور جنس سے کوئی چیز آنے والے کل کیلئے ذخیرہ نہیں فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ جس نے مجھے صبح کا کھانا کھلایا ہے شام کا کھانا بھی کھلائے گا اور جو مجھے شام کا کھانا کھلائے گا صبح کا کھانا بھی کھلائے گا اور اس سب سیر و سیاحت کے باوجود ساری رات بیداری فرماتے اور روزانہ روزہ رکھتے تھے۔

اور حضور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشہ جہاد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عمر کے آخر میں آپ کا رزق آپ کے نیزے کے سایہ کے نیچے کر دیا تھا۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام مقبول التوبہ ہوئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام آئے۔ اور آواز دی کہ اے زمین کے جانورو! اللہ تعالیٰ نے تم پر خلیفہ کو بھیجا ہے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔ دریائی جانوروں نے اپنے سر اوپر کئے اور اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا۔ اور جنگل کے سب جانور حضرت آدم علیہ السلام کے اردگرد آ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام ہر جانور کو اپنے پاس بلاتے تھے۔ اور اس کے سر اور پشت پر ہاتھ مبارک پھیرتے تھے۔ اور جنگل کے جانوروں میں سے جو حضرت آدم علیہ السلام کے قریب آئے۔ اور آپ کا ہاتھ انہیں لگا وہ اہلی جانور ہو گئے کہ ان کی گزر بسر آدمیوں کے درمیان ہے۔ جیسے گھوڑا' اونٹ' گائے' بکری' کتا اور بلی جس نے اپنے آپ کو کھینچ کر رکھا اور حضرت آدم علیہ السلام کے قریب نہیں آئے۔ اور آپ کے دست مبارک کی برکت نہیں پائی وحشی رہے کہ بنی آدم سے نفرت کرتے ہیں۔ جیسے نیل گاؤ' گورخر اور ہرن وغیرہ

## حضرت آدم علیہ السلام کی اپنی اولاد کیلئے دعا

اور ان میں سے یہ ہے کہ توبہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں

marfat.com
Marfat.com

عرض کی کہ اے رب کریم! تیرے اس بندے ابلیس اور میرے درمیان دشمنی پکی ہو گئی اگر تو میری اور میری اولاد کی مدد نہ فرمائے تو ہمیں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری اولاد میں کوئی پیدا نہ ہوگا۔ مگر میں اپنے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ اس کے ساتھ مقرر کروں گا تا کہ اسے اس دشمن کے وسوسہ سے بچائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی بار خدایا! میں اس سے زیادہ چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بدی کا بدلہ ایک بدی اور ایک نیکی کی جزا دس نیکیاں دوں گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی بار خدایا! میں اس سے بھی زیادہ چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری اولاد کیلئے میں توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں گا جب تک کہ ان کے جسم میں روح ہے۔ توبہ مقبول ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اب مجھے کافی ہے۔ جب ابلیس کو اس معاملہ کا پتہ چلا تو اس نے پوری عاجزی اور زاری سے بارگاہ الوہیت میں عرض کی کہ بار خدایا! اپنے اس بندے کی جو کہ میرا دشمن ہے۔ تو نے اس قدر امداد کی اب مجھے اس کے اغوا پر کس قسم کی قدرت ہو گی۔ میری بھی مدد فرما حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اولاد آدم میں سے ہر ایک کے ساتھ تیرا بھی ایک فرزند وجود میں آئے گا جو کہ ساری عمر اسے گمراہ کرنے میں مصروف رہے گا۔ ابلیس نے عرض کی اس سے زیادہ مدد چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے اور تیری اولاد کو میں نے قدرت دی کہ خون کی جگہ بنی آدم کی رگوں اور پوست میں داخل ہوں۔ اور ان کے سینوں اور دلوں میں آشیانہ بنائیں۔ ابلیس نے عرض کی کہ اس سے بھی زیادہ چاہتا ہوں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تجھے قدرت دی کہ بنی آدم میں سے ہر ایک پر اپنا لشکر سوار اور پیادے جمع کرے۔ اور ان پر ہر طرف سے تو ہجوم کرے۔ اور ان کے اموال اور اولاد میں تو شریک ہو اسی طرح اسے ابن ابی الدنیا نے مکاید الشیطان میں اور ابن المنذر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

## چار باتوں کی حفاظت کرو

اور ان میں سے یہ ہے کہ امام احمد اور بیہقی نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اور ابن (ابی) ... کر نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ توبہ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ چار باتوں کی حفاظت کرو اور اپنی اولاد میں سے ہر ایک تک یہ پہنچاؤ۔

marfat.com

Marfat.com

ان چار میں سے ایک میرا حق آپ کے ذمہ ہے۔ دوسرا تمہارا حق میرے ذمہ' تیسرے وہ معاملہ جو میرے اور تیرے درمیان ہے۔ چوتھے وہ معاملہ جو تیرے اور مخلوق کے درمیان ہے اور میرا جو حق تیرے ذمہ ہے یہ ہے کہ تو میری عبادت کرے۔ اور کسی کو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرائے اور جو تیرا حق میرے ذمہ کرم پر ہے وہ یہ ہے کہ تیرے اعمال کی پوری پوری جزا تجھ تک پہنچاؤں اور کسی قسم کا ظلم اور کمی نہ کروں اور جو معاملہ میرے اور تیرے درمیان جاری ہے۔ تو تیری طرف سے مانگنا اور دعا کرنا ہے اور میری طرف سے قبول کرنا اور عطا کرنا ہے اور وہ معاملہ جو تیرے اور مخلوق کے درمیان ہے۔ تو وہ یہ ہے کہ جو چیز تو اپنے لئے پسند نہ کرے دوسروں کیلئے پسند نہ کر۔ اور جو سلوک تو چاہے کہ لوگ تجھ سے کریں تو بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کر۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ خطیب اور ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آخری عمر میں جب آپ کی اولاد چالیس ہزار آدمیوں تک پہنچ گئی خاموشی اختیار فرمائی اور کم بولنا لازم کر لیا۔ آپ کی ساری اولاد آپ کے پاس جمع ہو گئی۔ اور عرض کی کہ اے ہمارے والد بزرگوار! کیا بات ہے کہ آپ ہمارے ساتھ بات نہیں فرماتے ہم سے اگر آپ کے بارے میں کوئی کوتاہی یا گناہ صادر ہوا ہو تو ہمیں بتائیں تا کہ ہم توبہ کریں۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام بولے اور فرمایا اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک فعل کی وجہ سے بہشت سے زمین پر اتار دیا اور میری ساری عمر اسی فکر میں گزر گئی کہ کسی حیلے سے اپنے آپ کو پھر اسی مقام پر پہنچاؤں اب مجھے وحی آئی ہے کہ گفتگو کم کر دے تا کہ تو میرے پڑوس میں پہنچے۔

اور ابن صلاح نے اپنی امالی میں محمد بن نصر سے روایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ اے رب کریم میں چاہتا تھا کہ میری عمر کے سانس سب تیری حمد اور تسبیح میں گزریں لیکن تو نے مجھے ہاتھ کی کمائی میں مصروف کر دیا جو کہ میں کھیتی باڑی میں کرتا ہوں۔ پس مجھے ایسی چیز کی تعلیم فرما جو کہ مخلوق کی سب تسبیح وحمد کی جامع ہو۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی صبح اور شام کے وقت ان کلمات کو تین بار کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

marfat.com
Marfat.com

الْعَالَمِينَ حمدا يوافى نعمه ويكافى مزيد كرمه کیونکہ یہ کلمات حمد و تسبیح کی ساری قسموں کو شامل ہیں۔

اور ابوالشیخ نے قتادہ سے روایت کی کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ساری زندگی بارش کا پانی استعمال فرمایا۔ اور زمین کا پانی کبھی نوش نہ فرمایا۔ اور ابن ابی شیبہ نے کعب احبار سے روایت کی سب سے پہلے جس نے روپیہ اور اشرفی بنائی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اور سونے اور چاندی کو چیزوں کی قیمت میں آپ نے رائج فرمایا۔

## حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور مدفن کا بیان

ابن سعد حاکم اور دوسرے محدثین نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے انہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت نزدیک پہنچا تو آپ پر بہشتی پھل کھانے کی خواہش نے غلبہ کیا۔ اور خود کمزوری اور قوت گھٹنے سے حرکت نہیں کر سکتے تھے اپنے بیٹوں سے فرمایا جاؤ اور میرے لئے اللہ تعالیٰ سے بہشتی پھل طلب کرو اور اس وقت آدم علیہ السلام کی اولاد کی عادت یہ تھی کہ جب بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی مطلب مانگتے تھے تو کعبہ معظمہ کی سرزمین میں آتے۔ اور دعا کرتے تھے۔ اور حاجت پوری ہو جاتی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے اسی مقصد کیلئے باہر آئے۔ حضرت جبریل اور دوسرے فرشتے علیہم السلام انہیں ملے اور نکلنے کا مقصد پوچھا۔ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی فرمائش کا ماجرا بیان کیا فرشتوں نے کہا کہ واپس ہمارے ساتھ آؤ کہ ہم خود بخود تمہارا مطلب لے کر آئے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حضرت حواء نے فرشتوں کو دیکھتے ہی وفات کا ڈر محسوس کیا۔ اور پے در پے حضرت آدم علیہ السلام کے قریب ہوتی گئیں حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں قدرے تلخی سے فرمایا کہ اس وقت مجھ سے علیحدہ رہو کہ مجھے جو کچھ تکلیف پہنچی تیری وجہ سے پہنچی۔ میرے اور میرے پروردگار کے فرشتوں کے درمیان حائل نہ ہو۔ ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح مبارک قبض کی۔ اور انہوں نے کہا کہ آدم علیہ السلام کے بیٹو! دیکھو ہم تمہارے والد بزرگوار کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ اپنے فوت ہونے والوں کے ساتھ یہی سلوک تمہیں کرنا

marfat.com

Marfat.com

ہوگا۔ حضرت جبریل علیہ السلام ایک مرکب خوشبو ارگجہ (ایک قسم کی خوشبو ہے جو کہ صندل گلاب، مشک کافور، عنبر اور چنبیلی کے تیل ملا کر بناتے ہیں) کی مانند بہشتی حلوں کا ایک کفن اور بہشت کی بیریوں سے پتے لائے اور حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دیا اور کفن پہنایا اور خوشبو لگائی۔ اس کے بعد انہیں اٹھا کر کعبہ شریف میں لائے۔ اور آپ پر نماز جنازہ ادا کی۔ اور مسجد خیف کے ساتھ دفن کیا۔

اور دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آدم علیہ السلام پر نماز پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو مسجد خیف میں نماز پڑھائی اور آپ کو قبلہ کی طرف سے اتارا اور آپ کیلئے لحد بنائی اور آپ کی قبر کوہان دار بنائی۔

## جنت میں حضرت ہارون کی ریش ہوگی

اور ابن عساکر نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ آدم علیہ السلام کیلئے بغلی قبر بنائی گئی اور طاق گنتی سے آپ کو غسل دیا گیا۔ اور ابن عساکر عطاء خراسانی سے لائے کہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا نے سات دن تک حضرت آدم علیہ السلام کا سوگ کیا۔ اور روتی رہیں۔ اور ابوالشیخ، ابن عدی اور ابن عساکر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت لائے ہیں کہ بہشت والوں میں سے ہر ایک کو اس کے نام کے ساتھ پکاریں گے مگر آدم علیہ السلام کو ان کی کنیت سے پکاریں گے۔ اور کہیں گے اے ابا محمد! اور بہشت میں کسی کی داڑھی اور مونچھیں نہیں ہوں گی سوائے حضرت ہارون علیہ السلام کے کہ ان کی ریش مبارک ناف تک ہوگی۔

اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت کی کنیتیں نہیں ہوں گی سوائے آدم علیہ السلام کے کہ تعظیم وتوقیر کے طور پر ان کی کنیت ابو محمد ہوگی۔ اور ابوالشیخ نے اسی مضمون کو بکر بن عبداللہ المزنی سے روایت کیا۔ اور ابن عساکر غالب بن عبداللہ عقیلی سے روایت لائے کہ آدم علیہ السلام کی کنیت دنیا میں ابوالبشر اور جنت میں ابو محمد ہے۔

marfat.com

Marfat.com

## حضرت آدم کا مزار منیٰ میں اور حواء کا جدہ میں ہے

اور ابوالشیخ نے خالد بن معدان سے روایت کی کہ حضرت آدم علیہ السلام کا اترنا ہند میں تھا اور وفات کے بعد انہیں اٹھا کر خانہ کعبہ کے متصل لائے۔ اور آپ کی اولاد سے ایک سو پچاس آدمی باری باری اٹھانے کی خدمت پر مقرر تھے۔ اور ابوالشیخ' مجاہد سے لائے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مزار شریف منیٰ کی جگہ ہے مسجد خیف میں اور حضرت حواء کی قبر جدہ میں ہے۔

## ابلیس ملعون کی کتاب' قرآن' رسول اور مسجد

اور ان میں سے یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا گیا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ابلیس نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی یا اللہ آدم کے ساتھ کرامت کا وعدہ فرمایا۔ اور اس کی اولاد کیلئے تو نے کتاب' رسول' علم' رہنے کی جگہ' کھانا پینا اور اچھی آواز عنایت فرمائی مجھے ان چیزوں میں سے تو نے کیا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری کتاب وشم ہے۔ یعنی بدن کو سوئی وغیرہ سے نیلگوں کرنا اور تیرا قرآن شعر ہے' تیرے رسول کاہن' برہمن وغیرہ ہیں تیرا علم جادو ہے۔ اور تیرا کھانا ہر وہ مردار ہے جس کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ اور تیرا پینا ہر وہ شے ہے جو نشہ کر دے۔ جیسے بھنگ' پوست کا پانی اور شراب۔ اور تیرا ٹھکانہ حمام ہے۔ اور تیری بات جھوٹے افسانے تیرا موذن مزامیر اور بربط اور تیری مسجد بازار اور تیری آواز گھنٹی کی آواز ہے۔ تیرے شکار کا جال عورتیں ہیں۔ ابلیس نے کہا حسبی حسبی یعنی یہ اسباب میری زندگی میں کافی ہیں۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پڑوس سے دور ہو گئے آپ کو اس قرب ومنزلت سے جدائی کی وحشت لاحق تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کعبہ کی جگہ نشان دیا کہ وہاں بیت المعمور کی طرح ایک گھر بنائیں جو کہ آسمان میں ہے۔ اور اس کے ارد گرد طواف کریں جس طرح کہ آپ نے فرشتوں کو دیکھا تھا کہ بیت المعمور کے گرد طواف

marfat.com
Marfat.com

کرتے تھے۔ اور اس گھر کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں۔ جس طرح کہ بیت المعمور کی طرف منہ کر کے فرشتے نماز ادا کرتے تھے۔ اسے طبرانی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سرزمین ہندوستان سے چالیس حج پیدل چل کر ادا کئے۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت آدم علیہ السلام پر اعتراض کرنا

## اور ان کا جواب

اور ان میں سے یہ ہے کہ صحیحین اور دوسری صحاح ستہ میں اس واقعہ کی اصل وارد ہے۔ اور بیہقی نے اسماء وصفات میں' واحدی نے کتاب الشریعت میں اور ابوداؤد حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس طرح لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی یاالٰہی مجھے حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات میسر فرما تاکہ میں ان سے پوچھوں کہ انہوں نے ہمیں اور اپنے آپ کو بہشت سے نکال کر مصیبت و تکلیف کی جگہ کیوں ڈالا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے ظاہر فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کے طور پر کہا کہ آپ وہی حضرت آدم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں اپنی خاص روح پھونکی۔ ہر چیز کے اسماء کی آپ کو تعلیم دی۔ فرشتوں کو حکم دیا کہ آپ کو سجدہ کریں۔ اور بہشت میں آپ کو سکونت عطا فرمائی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کو کیا وجہ بنی کہ آپ نے خود کو اور ہم سب کو بہشت سے نکال کر زمین میں ڈال دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جب یہ اعتراض سنا تو فرمایا پہلے یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا وہی موسیٰ کہ آپ سے رب تعالیٰ نے ہمکلامی فرمائی' اپنی رسالت کے ساتھ چن لیا اور آپ کو مناجات کے مرتبہ سے سرفراز فرمایا۔ اور تورات عطا فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

marfat.com
Marfat.com

نے کہا ہاں میں وہی ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا۔ پس صحیح کہنا کہ میرے معرض وجود میں آنے سے کتنی مدت پہلے تورات لکھی گئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے وجود سے دو ہزار سال پہلے تورات لکھی گئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ آیا تورات میں یہ موجود تھا کہ وَعَصٰی آدَمُ رَبَّهٗ یا نہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں موجود تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا تو پھر آپ اس بات پر کیسے ملامت کرتے ہیں جو کہ میری پیدائش سے دو ہزار سال پہلے مقدر اور لکھی ہوئی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ کو نقل فرمانے کے بعد فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش ہو گئے۔

## مذکور الصدر واقعہ میں اشکال اور اس کا حل

اور اس واقعہ میں عوام الناس کو ایک بہت بڑی دشواری پیش آئی کہ اگر اس قسم کی گفتگو صحیح ہے۔ تو لازم آتا ہے کہ ہر خطا کار اپنے نصیحت کرنے والے کو خاموش کر دے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بالکل بند ہو جائے۔ کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے اچھا ہے یا برا وہ نیکوں اور بروں کی خلقت سے پہلے ہی مقرر اور لکھا ہوا ہے۔ اور نیکی اور بدی کی تقدیر مجبوری کا باعث ہے۔ بلکہ تقدیر وقوع کے تابع ہے جو واقعہ ہونے والا تھا وہی مقدر فرمایا گیا خواہ اختیار سے ہو یا بے اختیار۔

اور اس مشکل کا حل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غرض یہ نہ تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کے فعل پر انکار فرمائیں کیونکہ خطا پر انکار کرنا مکلف ہونے کے وقت ہوتا ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام اس وقت نہ مکلف تھے نہ گناہ کے مرتکب اور نہ ہی اپنے سے صادر شدہ فعل پر راضی اور نہ ہی یہ کام کرنے کا عزم رکھتے تھے۔ اور گناہ پر انکار کرنے کی وجوہ انہیں امور میں منحصر ہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس سوال سے غرض صرف عار دلانا تھا کہ آپ سے یہ کام کیوں صادر ہوا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے اس عار دلانے والے سوال کو تقدیر کے حوالے سے دفع فرمایا۔ اور شریعت کا قابل عمل طریقہ یہی ہے کہ تائب شدہ کو اس سے صادر شدہ گناہ کے ساتھ عار نہیں دلانا چاہئے۔ اور اس سے گناہ کے صادر ہونے کو تقدیر

marfat.com
Marfat.com

کے حوالے کر دینا چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مکلف ہونے کے اوقات میں ہوتا ہے نہ کہ موت کے بعد۔ نیز عار دلانا اور سرزنش کرنا اس گناہگار کے لائق ہے جو کہ اپنے گناہ پر نادم نہ ہوا ہو۔ اور اگر طاقت پائے تو پھر اسی گناہ کا ارتکاب کرے۔ اور جب ان میں سے کچھ بھی متحقق نہیں تو عار دلانا اور سرزنش کرنا درست نہیں۔

اور ایک عارف کی زبان سے سنا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی فروگذاشتیں اگرچہ بظاہر ذنب کے ہم رنگ ہوں۔ لیکن ان میں معنوی طور پر بے شمار حکمتیں اور اسرار چھپے ہوتے ہیں۔ پس ان ذلتوں پر عار دلانے اور سرزنش کرنے کا کام اس کا ہے جو ان حکمتوں اور اسرار سے بے خبر ہو نہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسوں کا کام۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے تمام مناقب کے ساتھ تعریف کر کے اس الزام کو اس پر ڈھالا کہ ''کیا آپ مجھے ایسے کام پر ملامت کرتے ہیں جو کہ میری تخلیق سے پہلے مقدر ہو چکا تھا۔ پس آدم علیہ السلام کی کلام کا حاصل یہ ہے کہ آپ جیسے کامل عرفان کے مرتبہ پر فائز شخص سے بعید ہے کہ اس سراسر حکمت پر مبنی ذلت کو میری طرف منسوب کریں۔ اور حکیم کے فعل سے جو کہ اس کے ضمن میں چھپا ہوا ہے بے توجہی اختیار کریں۔ اور نہ جانیں کہ میری خلقت' زمین پر خلافت۔ اوامر و نواہی کو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکلیفی احکام کو میری اولاد پر جاری کرنے کیلئے تھے۔ اگر میں اس فعل کا مرتکب نہ ہوتا تو یہ کارخانہ کس طرح صورت پکڑتا اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے (بیت) پاکوں کے کام کو اپنے قیاس سے نہ پکڑ اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر کی صورت ایک ہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قسم کے مؤاخذات ہیں جو کہ ان کے کمال کے مقتضی تھے نہ کہ عرفان میں نقصان کی دلیل۔ ان میں سے وہ تین حکایات ہیں جو کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے وقت پیش آئیں۔ جیسا کہ یہ حکایات سورۃ الکہف کے آخر میں منقول ہیں۔

## بنی اسرائیل کے عہد کا بیان

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات سے۔ کفار سے قرآن پاک کا مقابلہ

marfat.com

Marfat.com

طلب کرنے اور ان کے اس سے عاجز ہونے‘ پھر ابلیس کی حالت یاد کرانے جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کے نص صریح کے ساتھ ثابت ہونے کے باوجود اور تمام فرشتوں کے حضرت کے مقابلہ میں عاجز ہونے حقائق الٰہیہ اور کائنات کے اسماء بیان کرنے سے عاجز ہونے کے باوجود وہ مطیع اور فرمانبردار نہ ہوا اور اس نے انکار اور تکبر کیا۔ پھر اس عہد کے ذکر کرنے کے ساتھ جو کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے ان کی توبہ قبول کرنے اور انہیں زمین میں سکونت پذیر کرنے بعد ان سے لیا گیا فارغ ہوئے۔ تو بنی اسرائیل کو ان کے اسلاف کے عہد یاد کرانا کئی وجہ سے ضروری ہوا جو کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھے تھے پہلی وجہ یہ کہ وہ بنی آدم کے تمام فرقوں سے انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کی وجہ سے ممتاز تھے۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے۔ اور ان کے پیغمبروں علیہم السلام میں سے بعض بادشاہوں کی صورت میں گزرے ہیں جیسے حضرت داؤد اور سلیمان علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والتسلیمات اور بعض علماء و مشائخ کی صورت میں جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام اور بعض مملکت کے وزیروں اور مشیروں کی صورت میں جیسے شمویل علیہ السلام اور بعض زاہدوں اور راہبوں کی صورت میں جیسے یونس علیہ السلام انہیں ممکن تھا کہ لوازمات نبوت کو مختلف رنگوں میں پہچانیں اور اسے ایک وضع اور ایک شکل کے ساتھ مقید نہ سمجھیں۔ تا کہ انبیاء علیہم السلام کی حقیقت سے بے خبر لوگ ان کی گواہی کی وجہ سے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق سمجھ کر اطاعت کریں۔ نیز ان کے پاس کتب الٰہیہ اور علوم انبیاء علیہم السلام کے بقایا سے بہت سے دلائل اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق ہونے پر موجود ہیں۔ اور جس وقت مدعی اور مدعا علیہ کچہری میں حاضر ہوں۔ اور نوبت گواہی پر آ پہنچے تو گواہی کا اظہار گواہوں پر لازم اور فرض ہوتا ہے۔ پس اس وقت روئے زمین پر موجود فرقوں کی نسبت سے بنی اسرائیل کے فرقوں کی حیثیت دفاتر کے منشیوں کی ہے کہ سب لوگوں کیلئے صحیح و غلط اور مناصب و خدمات کی سندوں کے اصل یا جعلی ہونے میں ان کا قول معتبر اور گواہی مقبول ہے اگر اس قسم کے لوگ ضرورت کے وقت حق کا اظہار نہ کریں تو

marfat.com

Marfat.com

حق تلفی جو سارے لوگوں سے واقع ہوئی ہے کا اس وبال انہیں کی گردن پر ثابت ہوتا ہے۔ اور ان کا خاموش رہنا ناواقفوں کے ذہن کو شک میں ڈالنے کا موجب ہوتا ہے۔ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ اگر یہ شخص اس منصب کے دعویٰ میں جعلی ہونے سے اور دھوکے سے بری ہوتا تو یہ لوگ اس کے سچا ہونے کے متعلق گواہی دیتے۔

دوسری وجہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر اب تک نوع انسان کے اگرچہ بے شمار افراد اور کثیر اشخاص منصب عزت پر فائز ہوئے۔ لیکن عنایت الٰہی نے چند بار اس نوع کو نگاہ انتخاب سے نوازا۔ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے وقت کہ سب زمین والے شرک اور بت پرستی کی وجہ سے خراب ہو گئے تھے۔ اور ان کی استعدادات کی زمین میں باطل اعتقادات نے اس قدر جڑیں پکڑ لی تھیں کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی طویل دعوت سے جو کہ ہزار سال کے قریب لمبی ہو گئی تھی کوئی اصلاح قبول نہ کی۔ انتخاب الٰہی کی نظر نے ان تمام فاسد نفوس کو طوفان کی چھری کے ساتھ مکمل طور پر صفحہ وجود سے مٹا دیا اور حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کا نچوڑ باقی رکھا۔

دوسری بار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں جبکہ کواکب پرستی' صابیت اور ملاحظہ اسباب کی گرفتاری نے زمین والوں کے ذہنوں میں اس قدر رسوخ پیدا کر لیا تھا کہ سبب کا لحاظ کرنے سے بالکل غافل ہو چکے تھے۔ دوسرے انتخاب کی نظر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکاروں کو جو کہ ہر باطل دین سے بیزار مخلص مسلمان تھے ممتاز فرمایا۔ اور ان کیلئے ایسے طریقے مقرر فرمائے جو کہ حقانیت کے دلائل تھے جیسے ختنہ' غسل' جنابت' جسمانی طہارت کی دوسری قسمیں' خانہ کعبہ کا حج' حیوانات کی قربانی' اولاد کے عقیقے اور دوسری ایسی رسمیں جو کہ ہر حال میں ذہن کو بدن' اموال اور اولاد کے معاملات میں ذات حق کی طرف متوجہ کرتی تھیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت تیسرے انتخاب کی نظر کی توجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے فرقہ بنی اسرائیل کے حال پر ہوئی۔ اور انہیں اپنے محرر مقرر فرمایا تا کہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور احکام کے محافظ ہوں۔ اور وحی لانے والے ملائکہ کو اسی

marfat.com
Marfat.com

خاندان میں اترنا اور آنا جانا رہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اسی جماعت سے مبعوث ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ کے وقت یہ نظر بنی اسماعیل سے قریش کے گروہ پر متوجہ ہوئی۔ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہی تھے۔ اور اس منصب کا منتقل ہونا بنی اسرائیل کو بہت ناگوار گزرا اور ان کے حسد کی رگ نے حرکت کی۔ پس لازم ہوا کہ پہلے بنی اسرائیل کو ان کی برائیوں اور عیبوں پر مطلع کیا جائے۔ تا کہ ان کے نزدیک اور باقی سننے والوں کے نزدیک یہ بات دلیل سے ثابت ہو جائے کہ اس فرقہ کی استعداد باطل ہو گئی تھی اور اس خدمت کی ان میں بالکل صلاحیت نہیں رہی تھی تا کہ یہ معزول ظاہر بینوں کی نظر میں ایک اٹکل اور زبردستی نہ ہو بلکہ کئی حکمتوں پر مبنی ہو۔

تیسری وجہ یہ کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ میں تھے زیادہ تر مناظرہ اور مکالمہ قریش کے ساتھ تھا۔ کیونکہ وہاں ان کے علاوہ کوئی اور گروہ نہیں رہتا تھا اور جب مدینہ منورہ میں ہجرت فرمائی تو زیادہ تر بنی اسرائیل کی صحبت اور انہیں سے ہم کلامی رونما ہوئی۔ اور تمام عرب اس معاملہ کے منتظر تھے اس لئے کہ بنی اسرائیل کو اہل کتاب اور ان کاموں کو پہچاننے والا جانتے تھے۔ اور جب بنی اسرائیل اس پیغمبر علیہ السلام کی اطاعت سے پھر گئے تو گمان یہ ہوا کہ سب لوگوں کو ایک قسم کا شک اور شبہ پڑ جائے اس بنا پر بنی اسرائیل کی پرانی اور نئی قباحتوں کا ذکر ضروری ہوا تا کہ ان کا قول اور فعل لوگوں کی نظر میں اعتبار کے مقام سے گر جائے۔ اور استدلال کے لائق نہ رہے۔

چوتھی وجہ یہ کہ مخلوق کے تمام فرقوں میں سے بنی اسرائیل انبیاء علیہم السلام کی ولادت کی وجہ سے فخر ومباہات کرتے تھے۔ اور جو شخص بزرگوں کی نسبت کا فخر کرے اسے چاہیے کہ پہلے اپنے نفس کو سنوارے اور اپنی ظاہری باطنی خرابیوں کی اصلاح کرے تا کہ الولد سرلابیہ (بیٹا اپنے باپ کا راز ہے) کے حکم کے مطابق اس کے نسب کے صحیح اور فخر کے درست ہونے کی دلیل ہو سکے ورنہ اس کا حال اس کے دعویٰ کے خلاف ہوگا۔ اور وہ اپنی زبان سے خود ملزم ہوگا ان امور کی بنیاد پر پہلے تمام زمین والوں کو خطاب فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ اور جو نعمتیں کہ تمام بنی آدم کو عام ہیں زمین وآسمان کی خلقت سے لے کر

marfat.com
Marfat.com

حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت' انہیں بہشت میں داخل کرنے اور انہیں زمین میں خلیفہ مقرر کرنے تک یاد کرائیں۔ اس کے بعد اس فرقہ کی طرف توجہ فرماتے ہوئے وہ خاص نعمتیں جو کہ ان کے اسلاف پر گزری تھیں ان نعمتوں کی ناشکری اور اپنے اطوار کو بدلنے کا کام جو ان سے صادر ہوا یاد کرایا۔ چنانچہ فرمایا ہے:

## اسرائیل کا معنی اور دیگر متعلقات

یَا بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اے یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کے بیٹو! اور اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے۔ اور اسرا کا معنی عبرانی لغت میں بندہ ہے۔ اور ئیل بمعنی اللہ ہے۔ پس اس کلمہ کا معنی عبداللہ ہوا اور عبد بن حمید نے ابومجلو سے روایت کی کہ دراصل حضرت یعقوب علیہ السلام کیلئے جو نام حضرت اسحاق علیہ السلام نے معین فرمایا یعقوب تھا۔ اس بنا پر کہ حضرت یعقوب اور حضرت عیص ایک ہی دفعہ توام یعنی جوڑے پیدا ہوئے۔ حضرت عیص پہلے ظاہر ہوئے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے بعد۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے ان کا نام یعقوب رکھا کیونکہ حضرت عیص کے عقب میں یعنی بعد پیدا ہوئے۔ اور عبرانی زبانی میں یعقوب کا معنی پیچھے آنے والا ہے۔ اور ان کا یہی نام جاری تھا۔ یہاں تک کہ آپ جوانی کے قریب پہنچے۔ ایک دن حضرت اسحاق علیہ السلام خلوت خانہ میں تھے۔ اور آپ نے یعقوب علیہ السلام کو خلوت خانہ کے دروازے پر بٹھا دیا تاکہ اس خاص وقت میں کوئی نامحرم بیگانہ نہ آئے۔ اور بارگاہ الوہیت میں مناجات میں تشویش نہ ڈالے اچانک درگاہ الٰہی کے مقرب فرشتوں میں سے ایک فرشتہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی زیارت کیلئے آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس نے چاہا کہ خلوت خانہ میں داخل ہو آپ اس سے اور وہ آپ سے الجھنے لگا اور آپ نے اسے اندر نہ آنے دیا یہاں تک کہ حضرت اسحاق علیہ السلام خلوت خانہ سے باہر تشریف لائے۔ اور دیکھا کہ آپ مقرب فرشتے کے ساتھ جھگڑ رہے ہیں۔ آپ نے اس فرشتے سے معذرت شروع کر دی۔ اس فرشتے نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تحسین و آفریں کی۔ اور کہا خدمت کا حق اسی طرح بجالانا چاہئے۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے اس صاحبزادے کا کیا نام

marfat.com

Marfat.com

ہے۔ آپ نے فرمایا یعقوب۔ فرشتے نے کہا کہ ہماری طرف سے اس بیٹے کا نام اسرائیل مقرر کریں کیونکہ ہماری زبان میں اسرا برگزیدہ آدمی کو کہتے ہیں۔ اور ئیل بمعنی خدا اور آپ کا یہ بیٹا مرد خدا ہے کہ بالکل کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ اس وقت سے آپ کا نام اسرائیل جاری ہو گیا۔ اسی لئے یہ نام فرشتوں کے ناموں کے مشابہہ ہے۔ جیسے جبرئیل' میکائیل۔ یا اولاد یعقوب کے بجائے اس نام سے خطاب کرنا یہ جتلانے کیلئے ہے کہ تم اس مرد خدا کے بیٹے ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ تھا۔ اور باپ کے فرمان کا حق ادا کرنے میں اس نے کسی کی پرواہ نہ کی۔ اور کسی چیز کا لحاظ نہ کیا۔ تمہیں بھی چاہئے کہ الولد سر لابیہ کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنے اور اس کا فرمان بجالانے میں دنیا کے چلے جانے کی پرواہ نہ کرو اور مرتبہ اور ریاست کے زوال سے نہ ڈرو اور اگر اس کام میں تم کوتاہی کرو گے تو تم اپنے باپ کے طریقے کی مخالفت کرو گے۔ اور اپنے نسب کے صحیح ہونے میں خلل ڈالو گے۔

اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قرآن پاک میں مذکورہ مشہور انبیاء علیہم السلام تمام بنی اسرائیل میں سے تھے سوائے دس کے حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت لوط' حضرت شعیب' حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وعلیہم وبارک وسلم اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ پیغمبروں علیہم السلام میں سے کوئی نہیں کہ جس کے دو نام قرآن پاک میں ذکر کئے گئے ہوں سوائے حضرت یعقوب اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اسرائیل بھی فرمایا ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح بھی کہا ہے انتہی۔ مگر یہ تجسس ناقص ہے۔ کیونکہ حضرت یونس کو ذوالنون بھی فرمایا ہے علیہ السلام مگر یہ کہ کہا جائے کہ ذی النون علامات والقاب کے زمرے سے ہے نام نہیں۔

## حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے مختلف شعبوں میں ہونے کا بیان

اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے مختلف شعبوں میں ہونے کا بیان یہ ہے کہ آپ کے والد بزرگوار حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی سے ہوئی تھی اور اس بیوی سے ایک ہی شکم سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ جب

marfat.com
Marfat.com

حضرت اسحاق علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنی مسجد میں سجادہ نشین کر دیا۔ اور اپنا مال بھی دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت عیص کو زیادہ دوست رکھتے تھے۔ اور آپ کی زوجہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف زیادہ متوجہ تھیں۔ اپنی آخری عمر میں ایک دن حضرت اسحاق علیہ السلام نے حضرت عیص سے فرمایا کہ میرے خاص وقت میں حاضر ہونا اور آواز کرنا تا کہ میں تیرے لئے دعا کروں آپ کی زوجہ نے اس بات کو سن لیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت عیص کا لباس پہنا کر بھیج دیا اور کہا کہ اپنی آواز کو عیص کی آواز میں بدل کر کہنا کہ میں حاضر ہوں میرے لئے دعا فرمائیں جس کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کو عمر کے آخری حصہ میں نظر کی کمزوری لاحق ہو گئی تھی جب حضرت یعقوب علیہ السلام اس شکل اور لباس میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے پاس گئے تو آپ نے ان کیلئے دعا فرمائی اور دعا کا مضمون یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ تیری اولاد میں نبوت کو جاری رکھے۔ کچھ دیر بعد حضرت عیص آئے۔ اور دعا طلب کی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس خاص وقت میں تم آئے تھے میں نے دعا کر دی۔ حضرت عیص نے کہا مجھے کوئی خبر نہیں۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام آ کر ان کی دعا کی برکت لے گئے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام نے حضرت عیص کیلئے ایک دوسری دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ بادشاہوں کو تیری نسل میں سے کر دے۔

## حضرت اسحاق علیہ السلام کی وفات اور یعقوب علیہ السلام کے حالات اور اولاد

اور جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی وفات قریب پہنچی تو آپ نے دونوں صاحبزادوں کو وصیتیں فرمائیں لیکن مسجد اور سجادہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے حوالے فرمایا۔ اس وجہ سے حضرت عیص کے دل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق رنج پیدا ہو گیا۔ اور اسحاق علیہ السلام کے وصال کے بعد تمام مال میں حضرت عیص متصرف ہوئے۔ اور لوگ حضرت عیص کی طرح رجوع کرنے لگے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس مال و دولت نہ رہی۔ آپ کی والدہ نے حالات اس طور پر دیکھے تو فرمایا کہ یہاں رہنا سہنا

marfat.com
Marfat.com

تمہارے لئے مناسب نہیں ہے۔ میرے بھائی لایان کے پاس چلے جاؤ۔ اس کی لڑکیاں ہیں۔ اور مالدار آدمی ہے۔ اپنی صاحبزادیوں سے ایک کے ساتھ تمہاری شادی کر دے گا اور معاش کی طرف سے تم فارغ البال ہو جاؤ گے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام لایان کے پاس پہنچے تو وہ ان کے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ اور آپ سے آپ کی والدہ اور بھائی کے متعلق پوچھا۔ آپ نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ لایان نے کہا کہ بھائی کی بدسلوکی کی وجہ سے کوئی غم نہ کر تو میرا بیٹا ہے۔ اور اپنے گھر کے تمام کام انہیں کے سپرد کر دیئے اور اپنی بڑی صاحبزادی کے ساتھ شادی کر دی جن سے آپ کے چار بیٹے پیدا ہوئے روبیل' شمعون' لاوی اور یہودا اس کے بعد وہ دختر فوت ہو گئی۔ لایان نے دوسری صاحبزادی کی آپ سے شادی کر دی۔ اس سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ اور فوت ہو گئی۔ لایان نے تیسری دختر کی شادی آپ سے کر دی۔ اور اس سے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی اس نے بھی وفات پائی۔ لایان نے اپنی چوتھی دختر جن کا نام راحیل تھا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی والدہ تھیں کی شادی آپ سے کر دی۔ اس وقت حضرت یعقوب آپ کی عمر چالیس سال کو پہنچ گئی اور آپ پر وحی آئی کہ ہم نے تجھے رسول بنایا آپ کنعان کی طرف جائیں۔ اور وہاں کے لوگوں کو اپنے آباؤ اجداد کے دین کی دعوت دیں۔ آپ نے یہ ماجرا لایان سے کہا۔ لایان سجدہ شکر بجا لائے۔ اور کہا کہ اگرچہ آپ کی جدائی اور میری بیٹی کی جدائی مجھ پر بہت ناگوار ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا میری رضا سے پہلے ہے۔ اب آپ جو کچھ چاہیں میرے مال سے لے لیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے مال کی حاجت نہیں۔ لیکن میرے قبیلے اور اولاد کو میرے ہمراہ رخصت فرمائیں۔ لایان نے اپنی صاحبزادی کو بیٹوں سمیت رخصت کیا۔ اور پانسو بکری' پانسو گائے' پانسو اونٹ' پانسو گھوڑے' پانسو خچر اور خدمت اور جانوروں کی نگہبانی کیلئے بے شمار غلام اور بہت سی نقدی اور پوشاکیں آپ کو عطا کیں۔ جب آپ کنعان کی طرف چلے اور عیص کو خبر پہنچی پہلے تو اس نے بہت جوش و خروش کیا۔ اور مقابلہ اور جنگ کرنے کیلئے اٹھا۔ بات آخر حسن سلوک پر انجام پذیر ہوئی۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے شائستگی کے ساتھ ملاقات کی۔ اور پورے ادب

marfat.com
Marfat.com

کے ساتھ دعا کے طالب ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ مجھ پر بزرگی دی ہے آپ دعا کریں کہ میری نسل سے بھی کوئی پیغمبر پیدا ہو۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری پشت سے ایوب پیغمبر علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ اور نیک بخت بادشاہ ذوالقرنین جو کہ مشرق و مغرب کا مالک ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عیص اور حضرت یعقوب علیہ السلام باہم رخصت ہوئے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان شہر کا قصد فرمایا۔ اور کنعان میں راحیل سے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین پیدا ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام دو سال کے تھے کہ راحیل فوت ہوگئیں۔ لایان نے یہ ماجرا سنا تو پانچویں دختر جو کہ سب سے چھوٹی تھی کافی جہیز کے ساتھ آپ کیلئے بھیج دی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اسی نے پرورش کی۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے مجموعی طور پر باراں بیٹے ہیں۔ اور ہر بیٹے سے کافی نسل پیدا ہوئی۔ اور بنی اسرائیل سب کے سب باراں قبیلے ہیں۔ اور اس خطاب میں ان سب کو شریک کر کے فرمایا ہے کہ اے اولاد یعقوب علیہ السلام! اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کے کمال کا تقاضا یہ ہے کہ ایک لحہ بھی میری یاد سے نہ رہو۔ جیسا کہ امت مرحومہ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات کو ہم نے فرمایا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (الاحزاب آیت ۴۱) فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (البقرۃ آیت ۱۵۲) اور اگر تمہاری استعداد اس قدر ترقی یافتہ نہیں ہے کہ تم بغیر واسطہ کے مجھے یاد کر سکو تو اس قدر تو کرو۔

اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ عام نعمتیں جن میں یہ اور دوسرے لوگ شریک ہیں دل میں اتنا اثر پیدا نہیں کرتیں اور شرکاء کے غیر معیاری ہونے کی وجہ سے نظر سے گر جاتی ہیں۔ اور ہلکی معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے مقام شکر میں خاص نعمت کا لحاظ کرنے کا پتہ دیا۔ اور اگرچہ لفظ نعمت مفرد ہے۔ لیکن نعمت کی جنس کو شامل ہے۔ اور اس جنس کی تفصیل اس سورت میں اور دوسری سورتوں میں بیان ہوگی۔

ان میں سے فرعونیوں کے ہاتھ سے نجات ہے۔ اور ان میں سے ان کی خاطر دریا کو پھاڑنا۔ میدان تیہہ میں ان کیلئے بادل کا سائبان پیدا کرنا۔ من اور سلویٰ اتارنا۔ ایک پتھر

marfat.com
Marfat.com

سے باراں چشمے جاری کرنا۔ پے در پے اس جماعت میں پیغمبروں علیہم السلام کو مبعوث فرمانا اور ان کی۔ اور ان کے خاندان کی شان میں کتابیں اتارنا۔ ہر وقت دشمنوں سے حفاظت کرنا۔ ان کی کوتاہیوں پر انہیں مسلسل تنبیہ کرتے رہنا۔ اور انہیں غفلت میں نہ چھوڑنا' پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی ہدایت کیلئے بھیجنا اور یہ نعمتیں ان عمدہ نعمتوں میں سے ہیں جو کہ اس گروہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور بنی آدم کے فرقوں میں سے کسی کو بھی اس قسم کی عام عادات کے خلاف نعمتیں اور اس قسم کی تنبیہیں' نصیحتیں اور تربیتیں بارگاہ خداوندی سے نہیں دی گئیں۔ گویا ان لوگوں کو تمام لوگوں سے مکمل امتیاز حاصل ہوا اور اگرچہ ان نعمتوں میں سے اکثر ان کے اسلاف اور آباؤ اجداد پر تھیں۔ لیکن جو نعمت باپوں پر ہو وہ بیٹوں کے حق میں بطریق اولیٰ نعمت ہوگی کیونکہ اگر یہ نعمتیں نہ ہوتیں تو ان کی نسل جاری نہ رہتی اور بیٹے وجود میں نہ آتے۔ نیز بیٹوں کو اس قسم کے باپوں کی طرف منسوب ہونے پر عظیم فخر ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے عمدہ نعمتوں کے ساتھ خاص کیا ہو۔ نیز جب بیٹوں کو معلوم ہو کہ ہمارے باپوں کو یہ نعمتیں حکم خداوندی کی اطاعت' مشقت پر صبر اور کفر و انکار سے منہ پھیرنے کی وجہ سے حاصل ہوئیں۔ تو یقیناً وہ اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ میں رغبت کرتے ہیں۔ اور یہ بات پکی ہے کہ ہر بیٹا اپنے باپ کے طریقے کی پیروی پر جبلی طور پر رغبت رکھتا ہے۔ پس ان کا اپنے اسلاف کی نعمتوں کو یاد کرنا اس قسم کی نعمتوں کی طمع عطا کرتا ہے۔ اور یہ طمع اس کے فرمان کی مخالفت اور اس کے عہد کو توڑنے سے روکنے والی ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ الانسان عبید الاحسان انسان احسان کا بندہ ہے۔

## نعمتیں یاد کرانے کے فوائد

اور ان نعمتوں کو یاد کرانے میں کئی اور فائدے بھی منظور ہیں۔ ان میں ایک فائدہ یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی زبان پر ان نعمتوں کی تفصیل ان کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہوگی کہ مطالعہ کتاب اور اہل کتاب سے میل جول کے بغیر ان واقعات کو بیان فرماتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ نعمتیں جس قدر زیادہ ہوں گی اسی قدر منعم کے حکم کی نافرمانی زیادہ ڈر اور خوف پیدا کرتی ہے۔ اور مخالفت کی قباحت شدید معلوم ہوتی ہے کم از کم اپنے منعم کی

marfat.com
Marfat.com

مخالفت کے اظہار سے شرم کرنا ہر عقلمند کی جبلت ہے۔ اور یہ تمام فوائد مدعا میں مدد کرتے ہیں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اثبات اور بنی اسرائیل کے فرقہ کی اصلاح ہے۔

نیز یہ سب نعمتیں کرامت اور بزرگیوں کا سبب ہے۔ جیسا کہ فرشتوں کے سجدہ کرنے اور بہشت کی سکونت اختیار کرنے سے حضرت آدم علیہ السلام کی بزرگی ظاہر ہوئی۔ اور جب یہ بزرگی ایک ادنیٰ سی فروگذاشت جو کہ ممنوع درخت کا پھل کھانے میں تھی خلل میں پڑ گئی تو نعمتوں کی ناشکری کی صورت میں ان بزرگیوں کو زائل سمجھنا چاہئے۔ اور قطع نظر اس سے کہ نعمتوں کا یاد کرنا مخالفت چھوڑنے کا سبب ہوتا ہے۔ ہم نے حق کے ظاہر کرنے پر تم سے ایک عہد لے رکھا ہے۔ اور جس نے کسی سے کوئی عہد باندھا ہو اگرچہ وہ منعم نہ ہو۔ اور اس سے کوئی نعمت نہ پہنچی ہو اس کے عہد کو پورا کرنا بنی آدم کے تمام فرقوں کے نزدیک واجب ہے۔ پس تمہیں چاہئے کہ اگر تم ہماری نعمتیں یاد کرنے سے غافل ہو جاؤ تو ہمارے اس عہد کو یاد کرو۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اور میرے عہد کو پورا کرو جو میں نے تم سے لیا ہے۔ کیونکہ ہمارا وہ عہد پختگی اور یقین میں حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے کم نہیں جو کہ بہشت میں ٹھہرانے کے وقت ان سے لیا گیا کہ ممنوع درخت کے میوے سے پرہیز کریں۔ اور اس عہد سے بھی کم نہیں جو کہ ان سے اور ان کی اولاد سے قبولیت توبہ اور زمین میں سکونت کے بعد لیا گیا کہ جب بھی کوئی یقینی ہدایت میری طرف سے آئے تو اس ہدایت کی پیروی لازم جانیں اس لئے کہ اگر تم میرے عہد کو پورا کرو گے۔

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ میں بھی اس عہد کو پورا کروں گا جو کہ تم سے کیا ہے کہ خوف اور حزن کو تم سے دور کروں اور تمہارے گناہوں کو بخش دوں اور تمہاری نیکیوں کو کئی گنا بڑھا دوں اور تمہاری سخت تکالیف کو تم سے اٹھا دوں اور تمہیں اس بہشت میں واپسی نصیب کروں جو کہ تمہارے باپ کا مسکن تھا اور ایک فروگذاشت کی وجہ سے ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

## بنی اسرائیل کے عہد کی تفصیل

اور اس عہد کی تفصیل جو کہ بنی اسرائیل کے ساتھ طے پایا یا سورت مائدہ میں مذکور ہے اس آیت میں ولقد اخذ اللّٰہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منھم اثنی عشر

marfat.com

Marfat.com

نقیباً سے لے کر اس لفظ تک ولادخلنکم جنات تجری من تحتھا الانھار (آیت ۱۲) اور سورت اعراف میں بھی ان آیات میں فساکتبھا للذین یتقون سے اس آیت تک الذین یتبعون الرسول النبی الامی آخر آیت تک (آیت ۱۵۶-۱۵۷) اور اس احتمال کا مقام بھی ہے کہ اس عہد سے مراد وہی عہد ہو جو کہ اترتے وقت آدم علیہ السلام سے لیا گیا فاما یاتینکم منی ھدی یا وہ عہد جو کہ تمام سابق انبیاء علیہم السلام سے لاحقین کی تائید و امداد کرنے کیلئے لیا گیا۔ جیسا کہ سورت آل عمران میں مذکور ہے واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمة الخ (آیت ۸۱) یا وہ عہد جو کہ تمام علماء سے لیا گیا۔ چنانچہ اسی سورت آل عمران میں مذکور ہے۔ واذ اخذ اللّٰہ میثاق الذین اوتو الکتاب لتبیننہٗ للناس ولا تکتمونہ (آیت ۱۸۷) کیونکہ جو عہد عام سے لیا گیا ہو خاص پر لازم ہوتا ہے۔ اور جو عہد پیغمبر علیہ السلام سے لیا گیا ہو ان کی امت پر لازم ہوتا ہے۔ پس بنی اسرائیل کے ذمہ پر اللہ تعالیٰ کے چار عہد تھے جن کا پورا کرنا واجب تھا۔

اول وہ عہد جو بالخصوص ان سے لیا گیا ہے۔ اور اگرچہ وہ عہد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بالخصوص واقع نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا مضمون عام اور تمام رسل علیہم السلام پر ایمان لانے' ان کی تائید و تصدیق کرنے' نماز قائم کرنے' زکوٰۃ دینے اور مالی اخراجات کو شامل ہے۔ لیکن اور مدعا حاصل ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام بھی رسل علیہم السلام کے زمرہ میں داخل ہیں۔ اور آپ انہیں اعمال کا حکم دیتے ہیں۔ پس آپ پر ایمان لانا اور آپ کی تقویت و تائید اس عہد کی بدولت بنی اسرائیل کے ذمہ واجب ہے۔ اور اس عہد کا سورت مائدہ کے اول میں ہے۔ (یعنی آیت ۱۲ میں)

دوسرا عہد وہ جو کہ خاص رسول نبی امی کی اتباع پر لیا گیا۔ اور وہ سورت اعراف (آیت ۱۵۶'۱۵۷) میں مذکور ہے۔

تیسرا عہد وہ جو تمام سابق انبیاء علیہم السلام سے آنے والے انبیاء علیہم السلام کی امداد اور تصدیق کرنے کیلئے لیا ہے۔ اور چونکہ بنی اسرائیل کی جماعت میں بے شمار انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے آپ کو ان تمام انبیاء علیہم السلام کی امت میں شمار

marfat.com

Marfat.com

کرتے ہیں۔ پس وہ عہد تکرار اور کثرت کے ساتھ انہیں پورا کرنا لازم ہوا۔ اور اس عہد کا ذکر سورت آل عمران کے وسط (آیت ۸۱) میں ہے۔

چوتھا عہد وہ جو کہ بالعموم آدم علیہ السلام کی اولاد سے لیا گیا۔ جیسا کہ یہاں مذکور ہوا یا تمام علماء سے لیا گیا۔ جیسا کہ سورت آل عمران کے آخر (آیت ۱۸۷) میں مذکور ہے۔ یہ عہد بھی بنی اسرائیل کے فرقہ پر پورا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ اپنے آپ کو آدم علیہ السلام کی اولاد اور علماء کے گروہ میں سے سمجھتے ہیں۔ پس یہاں بنی اسرائیل سے یہ چار قسم کے عہد طلب کئے گئے ہیں۔ پہلے اس مناسبت سے کہ عہد کو پورا کرنا انسانی جبلت کا تقاضا ہے۔ اور اگر وہ اس امر میں کوتاہی کریں گے تو دائرہ انسانیت سے باہر آجائیں گے۔ دوسرے اس طریقے سے کہ ہر ہر عہد کے مقابلہ میں میں نے بھی ایک عہد کیا ہے اگر تمہیں میری طرف سے ان موعود چیزوں کی کوئی طمع ثابت ہے۔ تو ان موعودات کو حاصل کرنے کا راستہ عہد کو پورا کرنا ہے۔ پس گویا یوں ارشاد ہوا کہ اگر جواں مردی اور بات پالنے کے طریقے سے عہد کو پورا نہ کرو تو سوداگری کے طریقہ اور دستور کو تو نہ چھوڑو کہ اس طرف سے کچھ دینا اور اس طرف سے اس کا دس گنا لینا ہے۔ اور اگر تمہارے خیال میں یہ بات گزرے کہ منافع حاصل کرنا اگرچہ وہ کتنے زیادہ بھی ہوں اس وقت پسندیدہ کام ہے کہ کسی نقصان کا خوف نہ ہو۔ اور ان عہدوں کو پورے کرنے میں کئی نقصان لاحق ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہمارے مرتبہ اور ریاست کا درہم برہم ہونا ہے ان میں سے نذر و نیاز، فتوح اور ہدیوں کا ختم ہونا ہے جو کہ ہمارے ہم مذہب لوگ ہمیں دیتے ہیں۔ اور ان میں رشوت اور کارسازی کے دروازے کا بند ہونا ہے جو کہ تورات وانجیل میں سے احکام حاصل کرتے وقت ہمیں پہنچتی ہے۔ اور ان دونوں کتابوں کے منسوخ ہونے کی صورت میں ہم سے کوئی بھی وہ احکام نہیں پوچھے گا۔

اور ان میں سے ہماری قوم، قبائل اور رشتے داروں کا ہم سے ناراض ہونا، بائیکاٹ کرنا اور اس باہمی تعاون اور امداد کا برباد ہونا ہے جو کہ قومیت اور رشتے داری کی وجہ سے ہمیں حاصل ہے۔ علی ہذا القیاس۔ پس ان عہدوں کو پورا کرنے میں اگرچہ منفعت بھی ہو ہم ان بڑے نقصانات سے ڈرتے ہیں۔ اور عقل مند کا کام یہی ہے کہ جس چیز میں نفع و نقصان کی

marfat.com

Marfat.com

دونوں صورتیں ہوں اس سے پرہیز کرے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس طرح عہد کو پورا کرنے میں تم ان قلیل اور فانی نقصانات کا اندیشہ کرتے ہو تو وفا چھوڑنے میں ان بڑے نقصانات کا اندیشہ کرو جو کہ ان نقصانات سے ہزاروں مرتبہ زیادہ سخت اور ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ پس ان دونوں کے نقصانات کو برابر مت کرو۔ کیونکہ بے وفائی کی صورت میں ہم تم سے ناراض ہو جائیں گے۔ اور ہماری ناراضگی دنیوی وبال بھی لاتی ہے۔ اور اخروی مصیبت بھی۔ پس ان دو قسم کے نقصانات کو ایک دوسرے کے برابر نہ کرو کیونکہ ان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بلکہ دنیوی نقصانات سے مت ڈرو کہ میری رضا ان کے بدلے میں ہو سکتی ہے۔

وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنَ اور میری ناراضگی سے ضرور ڈرو۔ کیونکہ وہ تمام دنیوی منافع اس کا عوض نہیں ہو سکتے جس طرح کہ کہا گیا ہے (بیت) ہر چیز کیلئے جب تو اسے چھوڑے عوض ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اگر چھوڑ دے تو اس کا کوئی عوض نہیں۔

یہاں جاننا چاہئے کہ لغت عرب میں رہبت کا معنی ہے کسی کا حق ادا کرنے میں کوتاہی سے ڈرنا۔ اور ڈرنا یا تو اس کے عتاب و عذاب سے ہے۔ اور یہ اہل ظاہر کا حصہ ہے یا اس کے جلال سے ڈرنا ہے۔ اور یہ اہل دل کے لائق ہے۔ اور پہلا خوف زائل ہو سکتا ہے۔ جبکہ دوسرا خوف زائل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لئے وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنَ فرمایا نہ کہ ومن عقابی فارھبوا

نیز جاننا چاہئے کہ اہل کتاب کو جو کہ پہلے سے ہی ریاست اور مرکزیت کا شوق رکھتے تھے۔ اور لوگوں سے نذر اور ہدیے پڑھنے پڑھانے کے عنوان سے لیتے تھے وہ دین چھوڑنا بڑا دشوار تھا اور اس مشقت پر صبر کرنا اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنا جو کہ ان سے رونما ہو عنداللہ ان کے ثواب کی زیادتی کا موجب ہے۔ اسی لئے سورت قصص میں اہل کتاب کے مومنوں کے بارے میں ارشاد ہوا اولئك یوتون اجرھم مرتین بما صبروا (آیت ۵۴)

## تین آدمیوں کے ثواب کا بیان

اور صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت کے ساتھ وارد ہے کہ حضور صلی اللہ

marfat.com
Marfat.com

علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمیوں کواللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دوہرا ثواب عطا ہو گا۔ایک وہ جواہل کتاب میں سے اسلام سے مشرف ہوا دوسرا وہ جس نے اپنی مدخولہ کنیز کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا۔تیسرا وہ غلام جو کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی بھی بجالائے اور اپنے مالک کی خدمت میں بھی کوتاہی نہ کرے۔

پس بنی اسرائیلیوں کو اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی میں جس طرح مشقت زیادہ ہوگی اسی طرح ثواب کی امید بھی زیادہ رکھنی چاہئے ہم بیشتر عنایت دہم بیشتر عنا یعنی عنایت بھی زیادہ مشقت بھی زیادہ۔مشقت کو نظر میں لانا اور اونچے منافع اور عظیم درجات سے جی چرانا عزم والوں اور عالی ہمت لوگوں کا شیوہ نہیں۔جس طرح کہ کہنے والے نے کہا ہے کہ بلند مرتبوں کے مقابلہ میں ہمارے نفس ہم پر ہلکے ہیں۔کیونکہ جس نے خوبصورت خاتون سے خطبہ کیا ہوا سے حق مہر زیادہ معلوم نہیں ہوتا۔

اور اگر میں تم سے عہد نہ لیتا کہ اس پیغمبر علیہ السلام پر ایمان لاؤ۔اور اس کتاب کو صحیح جانو پھر بھی تمہارے ذمہ واجب تھا کہ تم اس کتاب پر ایمان لائے کیونکہ جو چیز حق کے مطابق ہو وہ بالکل حق ہے۔اور عقلمند کا کام نہیں کہ کسی چیز کو حق جانے اور پھر اس کی موافقت سے انکار کرے کیونکہ اس صورت میں حق کا انکار لازم آتا ہے۔پس تم اس پیغمبر علیہ السلام کو برحق جانو۔

**وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ** اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے نازل فرمایا۔اور تمہیں یقین سے معلوم ہو چکا کہ یہ میرا نازل کیا ہوا ہے۔کیونکہ معجز ہے۔نیز یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ سراسر ہدایت ہے۔

**مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ** اس کے موافق ہے جو تمہارے پاس ہے۔تورات انجیل زبور اور پہلے انبیاء علیہم السلام کے صحائف سے۔ہر باب میں اعتقاد ذات صفات احوال ملائکہ اخبار انبیاء علیہم السلام ذکر رشوت و دوزخ توحید وعبادت کے امر اور کبائر کی نہی میں موافق ہے۔اور جس چیز میں تم اسے اپنی کتابوں کے خلاف جانتے ہو یعنی تورات وانجیل کے بعض احکام کا نسخ۔پس اگر غور کرو تو وہ بھی موافقت کی دلیل اور تصدیق کا گواہ ہے۔کیونکہ اس

marfat.com
Marfat.com

کتاب میں جگہ جگہ مذکور ہے کہ دین موسیٰ اور دین عیسیٰ علیٰ نبینا علیہما السلام حق ہے۔ اور تورات وانجیل کے احکام اپنے وقت میں حق تھے۔ پس قرآن پاک پر ایمان لانا تورات و انجیل کے منسوخ احکام پر بھی ایمان لانے کی تاکید کرنے والا ہے۔ نیز ان کتابوں میں اس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود اور اس کتاب کے نزول کی بشارت موجود ہے۔ اور مذکور ہے کہ اس پیغمبر علیہ السلام کے تشریف لانے اور اس کتاب کے نازل ہونے کی وجہ سے تم سے مشقت والی ذمہ داریاں اٹھ جائیں گی۔ پس اگر یہ پیغمبر اور یہ کتاب ان احکام کو منسوخ نہ کریں تو وعدہ الٰہی کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ پس نسخ کی وجہ سے ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اور یہی نکتہ سمجھانے کیلئے صریحاً نہ فرمایا کہ **آمنوا بالقرآن و بھذا الکتاب** بلکہ کنایہ کی راہ اختیار فرمائی کیونکہ کنایہ صریح سے زیادہ موثر بھی ہے۔ اور اس کنایہ سے وجوب ایمان کی علت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ اور اگر تمہیں اس قرآن اور اس پیغمبر پر ایمان لانے میں باوجودیکہ اس کے وجوب پر عقلی دلیل قائم اور عہد لینا موجود ہے کوئی شک شبہ باقی ہے۔ تو ایسا نہ کرو کہ چھوٹتے ہی انکار و تکذیب سے پیش آؤ بلکہ اپنی کتابوں کی طرف رجوع کرو اور اس قرآن اور اس پیغمبر علیہ السلام کے احوال کو اس کے ساتھ مطابقت دو جو کہ ان کتابوں میں مذکور اور لکھا ہوا ہے عقل والوں کی شان یہی ہے۔

**وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ** اور دیدہ دانستہ اس قرآن کی حق پوشی کرنے والے پہلے نہ بنو۔ کیونکہ اہل کتاب کے دوسرے فرقے تمہارے پیچھے چل کر انکار و تکذیب اختیار کریں گے۔ اور ان کا وبال تمہاری گردن پر پڑے گا۔ اس وقت تک جو مشرکین مکہ اور قریش نے اس پیغمبر علیہ السلام اور اس قرآن کا انکار اور تکذیب کی ہے۔ اپنی جہالت اور بے خبری کی وجہ سے ہے انہوں نے دیدہ دانستہ حق پوشی نہیں کی ہے۔ اور جہالت اور نادانی کی وجہ سے وہ اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی ان کی اقتداء کرے یا ان کی پیروی کرے۔ بخلاف تمہارے کہ اس پیغمبر علیہ السلام اور اس قرآن کے احوال سے واقف ہونے کے باوجود چشم پوشی کر کے حق چھپاؤ گے۔ پس کفر کی حقیقت جو کہ حق چھپانا ہے پہلے تمہیں سے ظاہر ہوگا اگرچہ حکمی کفر دوسروں نے تم سے پہلے بھی کیا ہوگا۔ نیز اہل مکہ کا کفر اس قرآن پاک کے ساتھ مخصوص نہ تھا

marfat.com
Marfat.com

بلکہ توحید، محشر، تمام پیغمبروں علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں کے منکر تھے۔ اور تم اپنے گمان میں ان سب چیزوں کا یقین کرتے اور معتقد ہوتے ہوئے خاص اسی قرآن پاک کے منکر ہوتے ہو۔ پس تم خاص قرآن پاک کے منکروں میں سے پہلا فرقہ ہو گے۔ اور یہ معنی بہت دور ہے۔ کیونکہ اس قرآن مجید میں توحید، نبوت، معاد، حسن عبادت اور قبح معصیت سے جو کچھ مذکور ہے ان سب پر یقین کرتے ہوئے انکار کے ساتھ پیش آتے ہو۔ اور یہ تعصب کی دلیل ہے۔ اور مشرکین مکہ اور قریش چونکہ ان سب چیزوں کے منکر تھے اگر قرآن پاک میں ان کا ذکر سن کر یقین نہ کریں۔ اور انکار کے ساتھ پیش آئیں تو اتنا بعید نہیں ہے۔ کیونکہ مضامین کتاب کا انکار اس کتاب کے انکار کو لازم کرتا ہے۔ جبکہ تمام مضامین کتاب کی تصدیق پھر اس کتاب کا انکار تعصب اور عناد کا سچا گواہ ہے۔

اور اگر وہ کہیں کہ اگرچہ یہ کتاب تورات اور انجیل کے وعدہ کے مطابق نازل ہوئی ہے۔ اور تورات وانجیل کہ وہ آیات جن میں اس کتاب کا وعدہ ہے ہمارے پاس موجود ہیں۔ لیکن اگر ہم ان آیات پر عمل کریں تو ہماری ریاست اور مرتبہ سب کا سب ختم ہو جائے گا بلکہ ہماری معاش کا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ پس ضرورت اور عمومی آزمائش کی وجہ سے ہم سے ان آیات پر عمل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حرج ذمہ داری کو گرا دیتا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ تم دنیوی نقصان سے زیادہ ڈرتے ہو۔ اور میری ناراضگی سے نہیں ڈرتے ہو۔ اور دنیا کی منفعت کو میری آیات پر عمل کرنے کی منفعت پر ترجیح دیتے ہو۔ اور یہ بات انتہائی بری ہے۔ اور تورات وانجیل میں اس کی مذمت وارد ہے۔ پس اگر تورات وانجیل پر ایمان رکھتے ہو تو اس کام سے دست بردار ہو جاؤ۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اور میری آیات کے عوض دنیوی قلیل قیمت مت خریدو کیونکہ ان آیات کے ثواب کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اس کے باوجود فانی ہے۔ اور وہ باقی ہیں۔ اور کوئی عقلمند قلیل کو کثیر پر اور فانی کو باقی پر ترجیح نہیں دیتا۔

وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ اور میری ناراضگی سے چاہئے کہ بچو۔ نہ کہ مرتبہ اور ریاست کے چلے جانے سے کیونکہ اس کا عوض میری خوشنودی کی وجہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اور میری

marfat.com
Marfat.com

خوشنودی کا عوض مرتبہ اور ریاست سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ قیمت کو خریدنے کا کیا معنی؟ حالانکہ عرف میں اس طرح رواج ہے کہ قیمت دیتے ہیں۔ اور سامان خریدتے ہیں نہ یہ کہ سامان دیں اور قیمت کو خریدیں۔ تو اگر انہوں نے آیات کو سامان قرار دیا ہوگا تو کہنا چاہئے تھا کہ ولا تبیعوا آیاتی بثمن قلیل یعنی میری آیات کو تھوڑی قیمت کے بدلے فروخت مت کرو۔ اور اگر انہوں نے آیات کو قیمت قرار دیا ہوگا تو کہنا چاہئے تھا کہ ولا تشتروا بایاتی متاعا قلیلا یعنی میری آیات دے کر متاع قلیل کو مت خریدو یہ ترکیب جو یہاں واقع ہوتی ان دونوں ترکیبوں سے جدا ہے اس کی وجہ کیا ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی کیلئے اصل مقصود بالذات آخرت کی منفعتوں کو حاصل کرنا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کی فرمانبرداری کی وجہ سے میسر آتا ہے۔ پس حقیقت میں اس معاملہ میں مبیع یعنی فروخت کی گئی چیز وہی ہے۔ اور اہل کتاب کو جو رشوتیں' تحفے' ہدیئے' مقرر حصے کھیتیاں پھل امداد و نصرت۔ اور دوستی اور رشتہ داری کے لفع ان اخری منافع کے عوض ملتے تھے سب دنیا کی جنس سے تھا جو کہ مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ آخرت حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ جس طرح کہ کہتے ہیں الدنیا مزرعة الأخرة دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ پس حقیقت میں دنیا اور اس میں جو کچھ ہے دو نقدیوں کے قائم مقام ہیں جو کہ نفع بخش سامان کی قیمت ہو سکتی ہیں۔ اور خود نافع نہیں ہیں جب اہل کتاب نے اخروی منافع کو برباد کر دیا۔ اور ان فانی منفعتوں کو جو کہ مقصود بالذات نہیں ہیں حاصل کیا گویا انہوں نے معاملہ الٹا کر دیا جو چیز دینے کی تھی لے لی اور جو لینے کی تھی وہ دے دی۔ پس ان کے اس معاملہ کو الٹ کرنے اور ان کی غلط فہمی کی تعبیر اسی ترکیب سے مناسب معلوم ہوئی کہ ولا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا گویا اشارہ فرمایا ہے کہ میری آیات اس قبیل سے نہ تھیں کہ انہیں کسی چیز کے حاصل کرنے کا وسیلہ بناؤ بلکہ وہ تو مقصود بالذات تھیں۔ اور اگر ان کے عوض کوئی ایسی چیز لیتے جو کہ باقی رہنے والے ذخیرہ کے قابل ہوتی تو پھر بھی معاملہ کی

marfat.com
Marfat.com

صورت درست ہوتی۔ لیکن تم نے اس کے عوض اس چیز کو لیا ہے جو کہ فانی اور نہ باقی رہنے والی ہے جو کہ قیمت کا حکم رکھتی ہے۔ اور ادنیٰ ہے لینے کی نہیں۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں (بیت) لوگ دنیا میں چار چیزوں کی حرص کرتے ہیں' کھانا' پینا' پہننا' نکاح کرنا اور اگر تو غور کرے تو سب کا انجام نجاست' پیشاب' پھینکا ہوا اور رسوا کی گئی چیز ہے۔

یہاں جاننا چاہئے کہ اگر چہ یہ آیت بنی اسرائیل کو نصیحت ہے۔ لیکن حقیقت میں اس امت کے چند گروہوں کی ملامت ہے جو کہ آیات الٰہی کے عوض قلیل قیمت لیتے ہیں۔ اور اس نعمت کو برباد کرتے ہیں چنانچہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت اور اس کی مانند دوسری آیتوں کی تفسیر میں فرمایا کہ بنی اسرائیل چلے گئے اور یہ آیت تمہارے سوا کوئی نہیں سنتا۔

## بد اطوار علماء' راشی قاضی' بے خوف مفتیوں' ظالم بادشاہوں' بے انصاف حاکم' دنیا کے طالب اساتذہ اور بے حد طمع کرنے والے واعظوں کی مذمت کا بیان

پہلا گروہ بد اطوار علماء ہیں جو کہ دنیا داروں اور ظالموں سے میل جول رکھتے ہیں۔ اور ان کی لذتوں اور شہوتوں اور ان کے مظالم کو صحیح کرنے کیلئے عجیب غریب روایات نکالتے ہیں۔ اور کئی حیلے ظاہر کرتے ہیں۔ دوسرا گروہ رشوت خور ججوں اور بے خوف مفتیوں کا ہے جو کہ رشوت کیلئے حکم شرع کو بدل دیتے ہیں۔ اور مدعی کو مدعا علیہ اور اس کا عکس قرار دیتے ہیں۔ تیسرا گروہ ظالم بادشاہوں۔ اور بے انصاف افسروں کا ہے جو کہ مظلوموں کی مدد نہیں کرتے۔ اور اپنے کارگزاروں' منشیوں کے حالات کا جائزہ نہیں لیتے۔ چوتھا گروہ وزیروں اور دفتروں کے سیکرٹریوں کا ہے جو کہ رعایا سے مال حاصل کرنے اور مزارعوں سے خراج کھینچنے میں دل میں آخرت کا خوف نہیں لاتے۔ پانچواں گروہ دنیا طلب معلموں اور لالچی واعظوں کا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعلیم اور نصیحت کی تبلیغ کیلئے دنیوی سامان مانگتے ہیں۔ اور منفعت کی امید ہونے پر تو سائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور ناامیدی کی صورت میں سختی اور بد خلقی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

## بچوں کو پڑھانے پر اجرت لینے کے جواز کا بیان

لیکن بچوں کو پڑھانے والے جو کہ اس مقصد کیلئے نوکر ہوتے ہیں اس زمرے میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ تعلیم کے عوض کچھ نہیں لیتے بلکہ ان کی خوراک ان کی محنت کی اجرت ہے جو کہ صبح سے شام تک اپنے گھر سے جدا رہ کر اور معاش کی کمائی سے معطل ہو کر معذور بچوں کی چرواہے کی طرح جو کہ ادھر ادھر منتشر بکریوں کو جمع کرتا ہے حفاظت نگاہبانی کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی صرف قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم پر بغیر مکان و زمان کے تعین کے مزدوری مانگیں تو اسی گروہ میں شمار ہوتا ہے۔

## امامت اور اذان پر اجرت لینے کا بیان

اور علماء کو امامت' اذان اور خطبہ پر اجرت لینے میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے اس بات پر نظر کرتے ہوئے کہ عبادات ہیں۔ اور عبادت پر اجرت لینا ان عبادتوں کے ثواب کو باطل کرنے والا ہے جائز قرار نہیں دیا اور ایک جماعت نے اس پر نظر کرتے ہوئے کہ اجرت ان عبادتوں کی ذات پر نہیں۔ بلکہ ان عبادات کے خاص مکان یا خاص وقت میں ادا کرنے پر ہے۔ اور یہ خصوصیت عبادت میں داخل نہیں ہے جائز قرار دیا ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ گزشتہ زمانے میں آئمہ' خطباء اور موذن صرف رضائے خداوندی کیلئے ان کاموں میں مشغول ہوتے تھے جیسے قاضی' مفتی' محتسب' خراج عشر اور زکوۃ وصول کرنے والے بھی اسی خالص نیت کے ساتھ یہ کام کرتے تھے۔ اور جب خلفائے راشدین اور عادل سلاطین نے دیکھا کہ ان لوگوں نے ان عبادات کی ادائیگی میں اپنے آپ کو مشغول کر دیا ہے۔ تو ان کی معاش کیلئے مسلمانوں کے مال سے ایک امداد مقرر کر دی' اجرت کے طور پر نہیں۔ بلکہ امداد کرنے کے طریقے سے' رفتہ رفتہ یہ طریقے معاش کا ذریعہ ہو گئے۔ اور مزدوری قرار پائی اور اس زمانے میں معاش کی اس وجہ کا حال مشکوک بلکہ حرمت کے قریب ہے حتی المقدور بچنا لازم ہو۔

## تعویذ اور دم پر اجرت کے جواز کا بیان

ایک اور مسئلہ باقی رہ گیا۔ اور وہ تعویذ اور قرآن کے دم پر اجرت لینا ہے۔ اور وہ

marfat.com

Marfat.com

اجماع اور نص کے ساتھ جائز ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں جو کہ صحیحین اور معتبر کتابوں میں موجود ہیں اس کا جواز آیا ہے۔ اور محقق علماء نے ایک قاعدہ مقرر کیا ہے جو کہ بہت نفع بخش ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو چیز کسی شخص کے حق میں عبادت ہو خواہ فرض عین ہو خواہ فرض کفایہ خواہ سنت موکدہ' اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ جیسے تعلیم قرآن وحدیث وفقہ' نماز' روزہ' تلاوت' ذکر اور تسبیح اور جو کسی وجہ سے بھی عبادت نہیں صرف مباح ہے اس پر اجرت لینا جائز ہے جیسا قرآن پاک پڑھ کر دم کرنا یا تعویذ لکھنا' وغیر ذالک اور وہ عبادت جو مدت کے معین ہونے یا مکان کے مخصوص ہونے کی وجہ سے مباح ہو جاتی ہے ان پر بھی اجرت لینا جائز ہے۔ جیسے کسی کے بچے کو صبح سے شام تک اس کے گھر میں قرآن پاک کی تعلیم دینا کہ عبادت نہیں ہے۔

نیز جاننا چاہئے کہ جس طرح عبادات اور طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں اسی طرح گناہوں کو چھوڑنے اور محرمات سے بچنے پر بھی اجرت لینا جائز نہیں۔ اور منصب کی حفاظت اجرت کے حکم میں ہے۔ دو تین عالم دیکھے گئے کہ قضا اور فتویٰ دینے کے شغل میں مصروفیت کے وقت مزامیر اور باجے سننے سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ اور جب وہ اس خدمت سے معزول ہو جاتے تو مافات کا تدارک اچھے طریقے سے کرتے تھے۔

## چند بحثیں

اس مقام پر چند بحثیں باقی رہ گئیں جن کے مفسرین درپے ہوئے ہیں۔ پہلی بحث یہ کہ بنی اسرائیل کو فرمایا ہے کہ اس کتاب کے کافر اول نہ بنو۔ حالانکہ بنی اسرائیل کا پہلا کافر ہونا ممکن نہیں تھا۔ اور منع کرنے کو فعل کا ممکن ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ آدمی کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آسمان پر پرواز مت کرو کیونکہ بنی اسرائیل سے پہلے مشرکین مکہ اور قریش نے دس سال تک کفر کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو انواع و اقسام کی تکلیفیں پہنچائیں۔ اس کا جواب عین تفسیر میں گزرا کہ کافر سے مراد دیدہ دانستہ حق پوشی ہے۔ اور یہ معنی اہل کتاب کے غیر میں حاصل ہونا ممکن نہیں۔ اور اہل کتاب میں سے اس دین کی دعوت پہلے اس فرقہ بنی اسرائیل کو پہنچی جو کہ اس کلام سے مخاطب ہیں۔ اور دوسرے مفسرین

marfat.com
Marfat.com

نے یوں کہا ہے کہ یہاں لفظ مثل محذوف ہے۔ یعنی لاتکونوا مثل اوّل کافر بہ اور حاصل کلام یہ کہ تم اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت اور اس قرآن کی حقانیت جاننے کے باوجود کفار مکہ کی طرح نہ ہو جاؤ۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس عبارت میں من اہل کتاب مضمر ہے۔ یعنی وَلَا تَكُونُوٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ کیونکہ بنی اسرائیل نے دوسرے اہل کتاب سے اس قرآن پاک کے ساتھ کفر کرنے میں پہل کی۔ اور بعض نے کہا کہ بہ کی ضمیر بما معکم کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ بما انزلت کی طرف یعنی تم وہ پہلے لوگ نہ بنو جنہوں نے اپنی کتاب سے کفر کیا کیونکہ تمہارا اس قرآن کے ساتھ کفر کرنا تمہاری اپنی کتاب کے ساتھ کفر کا موجب ہے۔ اور ابھی تک جہان میں کوئی نہیں گزرا جو کہ اپنی کتاب کے ساتھ کفر کرے۔ پس اگر تم یہ کام کرو گے تو پہلے کافر ہو گے۔

اور بعض نے کہا کہ اول کافر سے مراد یہ ہے کہ اس قرآن کو صرف سن کر ہی کفر کرے بغیر اس کے کہ اس کے حال میں غور وفکر کرے۔ اور اپنی عقل سے سوچے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ لاتکونوا اوّل کافر بہ کے مفہوم مخالف کے طریقے سے سمجھا جاتا ہے کہ انہیں کفر جائز ہے۔ لیکن پہلا کافر نہیں ہونا چاہئے۔ اور اسی طرح لاتشتروا بآیاتی ثمنا قلیلاً بھی اسی طریقے سے دلالت کرتا ہے کہ اگر ثمن کثیر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا اعتبار اس وقت ہونا چاہئے کہ صریح نص اس کے خلاف وارد نہ ہو۔ اور یہاں آمنو بما انزلت اور دوسری بے شمار آیات حرمت کفر پر دلالت کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں مفہوم مخالف کی دلالت بھی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ جیسا کہ لاتاکلوا الربوا اضعافا مضاعفة اور رفع السموت بغیر عمد ترونها میں مفسرین نے کہا ہے۔

تیسری بحث یہ ہے کہ پہلی آیت کو فارھبون کے ساتھ اور دوسری کو فاتقون کے ساتھ ختم فرمایا۔ حالانکہ رہبت اور اتقاء کا معنی ڈر اور پرہیز ہے دونوں میں سے ایک لفظ کو دونوں آیات میں سے ایک آیت سے مخصوص کرنے میں کیا نکتہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے

marfat.com

Marfat.com

کہ پہلی آیت میں ابھی بنی اسرائیل صریح ایمان کے ساتھ مخاطب نہیں ہوئے تھے۔ پس گویا ابھی اپنی یہودیت پر باقی ہیں۔ اور خدا سے ڈرنے کو یہودیت کی اصطلاح میں رہبت اور رہبانیت کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے کو ان کی اصطلاح میں راہب اور رہبان کہتے ہیں۔ پس آیت کے آخر میں ان کے اصطلاحی لفظ کے ساتھ خطاب مناسب ہوا اور جب دوسری آیت میں انہیں صریح ایمان کا حکم دیا گیا۔ اور ایمان والوں کے عرف میں اس قسم کے آدمی کو جو خدا سے ڈرے متقی کہتے ہیں۔ اور دین میں پرہیز اور احتیاط کو تقویٰ کہتے ہیں لہٰذا اس آیت میں لفظ تقویٰ سے خطاب زیادہ مناسب ہوا تا کہ اس بات کا شعور ہو کہ جب کوئی آدمی ایک دین اور مذہب کو چھوڑ دے اور دوسرے دین و مذہب میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ اس دین اور مذہب کے مروجہ الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرے۔ اور اختیار کئے ہوئے دین کے الفاظ کام میں لائے تا کہ کوئی شک وشبہ واقع نہ ہو۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اگرچہ رہبت اور اتقاء دونوں پرہیز اور احتراز کے معنی میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ لیکن رہبت زیادہ تر وہاں استعمال ہوتا ہے جو جائز الوقوع ہو۔ اور اتقاء وہاں جس کا وقوع یقینی ہو۔ پس پہلی آیت میں انہیں اس کتاب پر ایمان لانے کا حکم نہیں فرمایا تھا اور ان کے ذہن میں کفر پر عذاب الٰہی کا واقع ہونا جائز تھا اور دوسری آیت میں کہ انہیں قرآن مجید پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا۔ اور قرآن پاک میں وعدہ کیا گیا ہے کہ کافروں کو یقیناً عذاب ہوگا۔ اور وہ جواز یقین کے ساتھ بدل گیا۔ اور انہیں اتقاء کا حکم دیا گیا۔

چوتھی بحث یہ ہے کہ یہاں تک بنی اسرائیل کو اعتقادات میں اپنی تکمیل کا حکم دیا گیا۔ اور دو طریقوں سے راہ ہدایت کا نشان دیا گیا ایک عہد کو پورا کرنا اور دوسرا دلیل کی اتباع کرنا اب انہیں فرمایا ہے کہ جس طرح تم پر واجب ہے کہ اپنے آپ کو گمراہی سے بچاؤ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ۔ اور اپنی کتابوں کی ان آیات پر جو کہ اس پیغمبر علیہ السلام اور اس قرآن کی شان میں تمہارے پاس موجود ہیں مرتبہ اور ریاست کے زائل ہونے کو دیکھ کر عمل سے جی نہ چراؤ اسی طرح تمہارے ذمہ واجب ہے کہ دوسروں کو اغوا اور گمراہ نہ کرو اور اغوا کرنے

marfat.com

Marfat.com

کے دو طریقے ہیں۔ بکھیرنے اور تقسیم کرنے کے طریقے سے کیونکہ اگر اس غیر نے ہدایت کی دلیلوں میں سے کسی دلیل کو سنا ہو گا تو اس کے گمراہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس دلیل میں شبہ ڈالیں تا کہ اس غیر کے نزدیک حق اور باطل مشتبہ ہو جائیں۔ اور اسے ذہنی تشویش پیدا ہو جائے۔ اور اگر اس غیر نے دلیل ہدایت کو نہیں سنا ہو گا۔ اور محض بے خبر رہا ہو تو اس کے گمراہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے ہدایت کے دلائل کو چھپا دیں اور اسے دلیل تک پہنچنے نہ دیں اور ان دونوں طریقوں سے منع کرنے کیلئے فرمایا ہے۔

وَلَا تَلْبِسُوا اور اپنے عوام پر مشتبہ نہ کرو الْحَقَّ حق کے معنی کو جو کہ لغوی دلالت کے ذریعے اور تورات' انجیل اور دوسری کتب الٰہیہ کی آیات سے سیاق و سباق کی مدد سے سمجھتے ہیں۔ اور اسے سمجھنے سے اس پیغمبر علیہ السلام کی نبوت کی صداقت اور اس کتاب کے نزول کا برحق ہونا ان کے ذہن میں جگہ پکڑتا ہے۔ بِالْبَاطِلِ یعنی اپنی باطل تاویل کے ساتھ کہ اضمار یا غیر حقیقی معنی پر محمول کرنے یا سیاق و سباق کے خلاف کرنے کی حاجت ہو۔

## ان فرقوں کا بیان جو کہ نص اور حدیث کے معنوں میں تحریف کرتے ہیں

جس طرح اس امت کے گمراہ فرقے جیسے خارجی' رافضی' معتزلی اور قدری قرآن پاک کی بابت کرتے ہیں۔ اور حق کو باطل کے ساتھ مشتبہ کرنے کی۔ اور صورتیں بھی ہیں جو کہ سب کی سب اس نہی اور منع میں داخل ہیں۔

ان میں سے یہ ہیں کہ کسی واقعہ کی روایت میں کوئی لفظ اپنی طرف سے زیادہ کریں جس طرح کہ شیعوں نے کیا ہے کہ حدیث **جهز و اجيش اسامة** کے ساتھ **لعن الله من تخلف عنها** کو بڑھا دیا ہے۔ اور حدیث **من كنت مولاه اللهم وال من والاه دعاء من عاداه** میں لفظ **وانصر من نصره واخذل من خذله** بڑھایا۔

اور ان میں یہ ہے کہ ایک لفظ کو قریب المخرج لفظ کے ساتھ بدل دیں۔ جیسا کہ ناصبیوں اور خارجیوں نے حدیث **انت مني بمنزله هارون من موسٰى** میں لفظ ہارون کو قارون کے ساتھ بدل دیا ہے۔

اور ان میں یہ ہے کہ حدیث یا قرآن پاک میں کوئی لفظ مبہم واقع ہوا ہو۔ اس مبہم لفظ

marfat.com

Marfat.com

کو کسی دلیل کے بغیر اپنی خواہش کے ساتھ معین کر دیں۔ جیسا کہ فرقہ شیعہ نے حدیث قرطاس میں جو کہ قالوا اھجرا ستفھموہ وارد ہے قال عمر روایت کر دیا ہے۔ اور ناصبیوں خارجیوں نے حدیث علی رضی اللہ عنہ میں فان آل ابی فلاں لیسوا لی باولیاء انما اولیائی المتقون میں لفظ ابی طالب روایت کر دیا ہے۔ اور رافضیوں نے حدیث ما اظن فلانا و فلانا یعرفان من امرنا شیئا میں ما اظن ابابکر و عمر روایت کر دیا ہے۔ اور حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے وہ تمام کلمات جو کہ مخالف قریشیوں کے بارے میں تھے جو کہ جنگ جمل اور صفین کا باعث بنے تھے خلفائے ثلاثہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم پر ڈھال دیئے ہیں۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ اشارہ کسی چیز کا واقع ہوا ہو۔ اور اس اشارئے کو دوسری چیز پر چسپاں کر دیں جس طرح کہ رافضیوں نے اس حدیث پاک الا ان الفتنة ھھنا من حیث یطلع قرنا الشیطان کہ اشارہ زمین مشرق کی طرف فرمایا تھا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ پاک پر محمول کیا جو کہ مشرق کی جانب تھا۔

وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ اور حق کو مت چھپاؤ اس طریقے سے کہ تورات اور انجیل کی نصوص جو کہ کتب الٰہیہ میں موجود ہیں۔ اور اس پیغمبر علیہ السلام اور اس قرآن مجید کے برحق ہونے پر ناطق ہیں۔ عوام سے پوشیدہ رکھو اور انہیں نہ سنواؤ۔ اگر تلاوت کے وقت ان نصوص پر گزرو تو آہستہ پڑھ جاؤ اور اگر کتاب دکھانے کے وقت وہ صفحہ جو کہ ان نصوص پر مشتملہ ہے نمودار ہو جائے تو اس پر ہاتھ رکھ دو جس طرح کہ یہودیوں نے آیت رجم میں یہی عمل کیا تھا اور اگر تم سے کوئی پوچھے کہ تم نے تورات یا انجیل میں کوئی آیت اس کتاب اور اس پیغمبر علیہ السلام کی شان میں دیکھی یا سنی ہے۔ تو کہہ دو کہ ہم نے دیکھی نہ سنی۔ یا ہمیں یاد نہیں۔ جس طرح کہ روافض نہج البلاغة کی نصوص کو جو کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی مدح میں ان کے نزدیک متواتر ہے اپنے عوام سے چھپاتے ہیں۔

اور حق کو چھپانے کی ایک اور صورت بھی ہے کہ معین کو مبہم کر دیں جس طرح کہ نہج البلاغة کے جامع سید رضی نے للہ بلاد عمر کو للہ بلاد فلاں کر کے نقل کیا ہے حاصل کلام یہ کہ

marfat.com
Marfat.com

علماء کے ذمہ واجب ہے کہ کسی وجہ سے بھی اغوا واضلال کو اپنی طرف راہ نہ دیں جس طرح کہ ان کے ذمہ واجب ہے کہ وہ خود راستہ پانے والے اور ہدایت پانے والے ہوں تو اے بنی اسرائیل تمہیں بھی لازم ہے کہ اغوا کے ان دو طریقوں سے پرہیز کرو۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ حالانکہ تم جانتے ہو کہ حق حق ہے۔ اور باطل باطل۔ حق کو چھپانا نہیں چاہئے۔ اور باطل کو حق کے رنگ میں ظاہر نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہ قید اس لئے بڑھائی ہے کہ کبھی حق کو باطل کے ساتھ مشتبہ کرنا اور حق کو چھپانا غلط فہمی کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ جسے اہل اصول کے عرف میں خطا اجتہادی کا نام دیتے ہیں۔ اور وہ چھپانا یا مشتبہ کرنا اس شدید عتاب کا مقام نہیں کہ کفر تک پہنچے بلکہ اس کی ایک تفصیل ہے اگر اس خطا والے نے حق کی تلاش اور اسباب ہدایت فراہم کرنے میں پوری کوشش کی۔ اور اس کا ذہن خالص حق تک نہیں پہنچا معذور ہے۔ بلکہ اجر پانے والا ہے۔ اور اگر اس نے حق کی دریافت میں مقدور بھر کوشش نہیں کی۔ اور سرسری غور پر قناعت کر کے خطا کی تو لازماً اس پر عتاب اور ملامت ہے۔ لیکن اس کے باوجود کفر تک نوبت نہیں پہنچتی بخلاف حق پوشی اور مشتبہ کرنے کے جو کہ دیدہ دانستہ واقع ہو۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا معنی یہ ہے کہ تم اس فعل کی قباحت کو جانتے ہو۔ اور اگرچہ حق چھپانا اور مشتبہ کرنا اس کی قباحت کو نہ جاننے کے باوجود بھی حرام ہے۔ لیکن جاننے کے باوجود زیادہ قبیح ہو جاتا ہے۔ جیسے زہر کو جان بوجھ کر کھانا۔ پس یہ قید ان کے فعل کی زیادہ قباحت کو بیان کرنے کیلئے ہے۔

اور یہاں جاننا چاہئے کہ اکثر عوام سمجھتے ہیں کہ علم دین کو حاصل کرنا اس خرابی کے خوف کی وجہ سے مضر ہے۔ اور جہالت میں رہنا اچھا ہے۔ کیونکہ وجوب اور حرمت کے بارے میں احکام شرعیہ کا علم رکھنے والے عالم کی طرف سے ان احکام کی مخالفت اس مخالفت کی بہ نسبت زیادہ قبیح ہے جو جاہل کرتے ہیں۔ پس یہ علم حاصل کرنے میں اپنے اوپر یہ وبال لازم کرنا ہے۔ اور اس علم کو حاصل کرنے کو چھوڑنے سے اس شدید وبال سے پناہ حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اپنے اس اعتقاد کی تائید کرنے والی ابوالدرداءؓ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث لاتے ہیں جو کہ مصنف ابن شیبہ اور امام احمد کی کتاب الزہد میں وارد ہے کہ حضور صلی

marfat.com

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کیلئے ایک بار ہلاکت ہے جو نہیں جانتا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے علم دیتا اور جو جانتا ہے۔ اور عمل نہیں کرتا اس کیلئے سات مرتبہ ہلاکت ہے۔ اور اس شبہ کا رفع یہ ہے کہ درحقیقت جہالت کا وبال' علم بے عمل کے وبال سے زیادہ ہے۔ کیونکہ جہالت میں دو فرض کام ترک ہوئے ایک علم دوسرا عمل اور علم بے عمل میں ایک فرض ترک ہوا جو کہ عمل ہے۔ پس جو مواخذہ دو فرضوں کے چھوڑنے پر متوقع ہے وہ اس مواخذہ سے زیادہ شدید اور قوی ہے جو کہ ایک کی ترک پر متوقع ہے۔ ہاں علم کے باوجود ترک عمل عقل کی نظر میں بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ اور لوگوں کے نزدیک جاہل معذور ہوتا ہے۔ لیکن وہاں جہاں کہ اس علم کو حاصل کرنا ضروری نہ ہو لیکن اگر اس علم کو حاصل کرنا ضروری ہو تو لوگوں کے نزدیک بھی وہ جاہل زیادہ طعن و ملامت کا مستحق ہوتا ہے۔ جس طرح کہ ایک شخص اپنے باپ کو نہ پہچانے اور اس کے ساتھ غلاموں والا معاملہ کرے۔ اور اپنی ماں کو نہ پہچانے اور اس کے ساتھ کنیزوں والا معاملہ کرے۔

اور وہ جو حدیث پاک میں جاہل کے حق میں ایک بار دیل وارد ہوئی۔ اور عالم بے عمل کے حق میں سات بار تو یہ جاہل کے عذاب میں تخفیف پر دلالت نہیں کرتا بلکہ بے عمل عالم پر عتاب اور ملامت کی کثرت پر کہ اسے ہر فعل میں ملامت متوجہ ہوتی ہے۔ اور جاہل پر وہی ایک ملامت علم حاصل کرنے کو چھوڑنے پر متوجہ ہوتی ہے اور بس۔ کافر جو کہ دین کے انکار کی وجہ سے نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج اور دوسرے واجبات کے مواخذہ سے چھوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ جس عذاب کا کفر پر وعدہ کیا گیا ہے وہ اس عذاب سے ہزاروں مرتبہ زیادہ سخت ہے جو کہ واجبات کی ترک اور محرمات پر ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھنا چاہئے کہ جاہل کی ایک ویل عالم بے عمل کی ہزار ویل سے زیادہ سخت ہے۔ اور ایک خوش طبع نے عوام کی یہ مثال ایک شخص سے سن کر جواب میں کہا کہ یہ بھی علم کی برکت ہے کہ جاہل کے وبال کو عالم بے عمل کے وبال سے کمتر اس حدیث کی وجہ سے سمجھ کر اس کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو۔ پس اس شبہ کے ساتھ علم کی فضیلت کا انکار اس کی فضیلت کا عین اقرار ہے۔ اس لئے کہ اگر اس مسئلہ یا اس حدیث کا علم حاصل نہ ہوتا تو یہ شبہ کیسے دل میں راہ پاتا اور اس حیلہ سے عذاب میں تخفیف

marfat.com

Marfat.com

کرنا کیسے معلوم ہوتا۔

اور جب بنی اسرائیل کو عقائد صحیح کرنے اور گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے سے باز رہنے کا حکم دیا اب بیان فرمایا ہے کہ اگر تم نے اس کتاب اور اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور حق کو مشتبہ کرنے اور اس کے چھپانے سے بھی تم باز رہے۔ تو تمہاری نجات کیلئے صرف اسی قدر کافی نہ ہوگا جب تک کہ اس کتاب اور پیغمبر علیہ السلام کے احکام کو تسلیم نہ کرو اور اپنے آپ کو ان کی جماعت میں داخل نہ کرو کیونکہ منسوخ دین کے ساتھ عمل اگرچہ کسی تبدیلی کے بغیر ہو۔ اور اس میں حق پوشی نہ ہو جائز نہیں۔ بلکہ تم پر لازم ہے کہ اصول شرائع میں اس کتاب اور اس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرو

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور نماز برپا کرو اور زکوٰۃ دو' کتاب اور اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے تقاضا کے مطابق بلکہ دین کے فضائل اور مستحبات میں بھی اس کتاب اور اسی رسول علیہ السلام کی پیروی کرو۔ کیونکہ بعض فضائل اور مستحباب ایسے ہوتے ہیں جو کہ دین کی علامت بن جاتے ہیں۔ اور انہیں اپنانا اس دین کے قبول ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ جیسے نماز میں جماعت' اسی لئے نماز تنہا نہ گزارو۔

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ اور دوسرے نمازیوں کے ہمراہ نماز باجماعت ادا کرو۔ کیونکہ اس شریعت میں باجماعت نماز کو تنہا کی نماز سے ۲۷ درجے ثواب کی زیادتی ہے۔ اور باجماعت نماز اس دین کی مخصوص علامت ہے۔ اور یہاں نماز کی رکوع کے ساتھ اس لئے تعبیر فرمائی ہے کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہ تھا اور رکوع اس امت کا خاصہ ہے۔ پس گویا یوں ارشاد ہوا کہ نماز کو مسلمانوں کے طریقے سے رکوع کے ساتھ ادا کرو اور رکوع کو خوبی کے ساتھ اس حد تک ادا کرو کہ یوں معلوم ہو کہ نماز کے تمام افعال سے مقصود بالذات رکوع ہے۔ تا کہ تمہارا دین اسلام قبول کرنا یقینی ہو جائے۔

اور اس آیت سے اکثر شافعی حضرات نے دلیل لی ہے کہ کافروں کیلئے جس طرح حالت کفر میں ایمان لانے کا مکلف ہونا ثابت ہے۔ اسی طرح عبادات جیسے نماز' روزہ اور زکوٰۃ کا مکلف ہونا بھی محقق ہے۔ اور احناف جواب دیتے ہیں کہ یہ خطاب ایمان کے

marfat.com
Marfat.com

خطاب کے بعد ہے گویا یوں فرمایا ہے کہ پہلے ایمان لاؤ اس کے بعد نماز گزارو اور زکوۃ دو لیکن حرف واؤ جو کہ مطلق جمع کیلئے ہے اس ترتیب اور ایمان واعمال کے ایک دوسرے کے پیچھے کرنے پر دلالت نہیں کرتی اور تحقیق یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک کفار کو ایمان کے خطاب کے ساتھ ملا کر عبادت کے خطاب کا کوئی ڈر نہیں۔ کیونکہ خطاب ایمان اور عبادت کے مجموعے کا ہے صرف عبادت کا نہیں۔ اور بعض احناف نے اَقِیْمُو الصَّلٰوۃَ وَآتُو الزَّکٰوۃَ کے لفظ کو نماز اور زکوۃ کے امر کو قبول کرنے اور ان کی فرضیت کا عقیدہ کرنے پر محمول کیا ہے۔ لیکن یہ معنی درست نہیں ہوتا کیونکہ نماز اور زکوۃ کو قبول کرنا اور ان کی فرضیت کا اعتقاد آمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ کے مضمون میں داخل ہے تکرار کی حاجت نہیں۔

اور علمائے ظاہر میں سے بعض اس آیت کے مقتضیٰ کی وجہ سے اس طرف گئے ہیں کہ نماز تنہا گزارنا جائز نہیں نماز میں جماعت کا طلب کرنا فرض ہے۔ اور اسی لئے علماء میں سے بعض ان کے اس استدلال کو باطل کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ کی قید جماعت پر دلالت کیلئے نہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہمراہ تم بھی انہیں کے طریقے سے نماز گزارو جو کہ رکوع پر مشتمل ہے نہ یہ کہ تکبیر تحریمہ اور ادا میں بھی موافقت کرو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ لفظ مع مسلمانوں کے ساتھ موافقت کے وجوب پر دلالت کرتا ہے خواہ نماز کے ارکان اور ہیئت میں ہو خواہ ادا اور تحریمہ میں لیکن تحقیق یہ ہے کہ ہر امر وجوب کیلئے نہیں۔ پس لفظ ارکعوا اسی قدر پر دلالت کرتا ہے کہ جماعت تم سے مطلوب ہے گو واجب نہ ہو خصوصاً جب کوئی اور دلیل عدم وجوب پر دلالت کرے تو امر کو وجوب پر محمول نہیں کیا جاسکتا اور وہ دلیل یہ ہے کہ جماعت پر قادر ہونا دوسرے سے متعلق ہے۔ اور قدرت بالغیر قدرت نہیں۔ پس نماز میں بے قدرت تکلیف نہیں ہوتی تو اگر جماعت فرض ہو تو بے قدرت تکلیف لازم آتی ہے۔

اور وہ جو بعض کم نگاہوں نے اس دلیل میں نقض وقدح کے ساتھ اختلاف کیا ہے کہ نماز جمعہ میں جماعت اجماع کے ساتھ فرض ہے اگر جماعت پر قدرت غیر کے ساتھ متعلق ہے۔ اور قدرت بالغیر حقیقت میں قدرت نہیں ہے۔ تو نماز جمعہ میں تکلیف بغیر قدرت کے ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمعہ کی فرضیت جماعت میسر آنے کی صورت میں ہے۔ اور

marfat.com

Marfat.com

جماعت منعقد نہ ہونے کی صورت میں جمعہ فرض نہیں ہوتا اور جماعت کے حاضر ہونے کے بعد امام کو امامت پر اور مقتدیوں کو اقتداء پر بنفس خود قدرت حاصل ہے۔ پس تکلیف بغیر قدرت کے متحقق نہ ہوئی اسی لئے نابینے سے جو کہ کسی ہاتھ پکڑنے والے کے بغیر مسجد تک نہیں پہنچ سکتا جمعہ ساقط ہے۔ کیونکہ اس کی قدرت غیر کے ساتھ متعلق ہے بنفس خود نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ ہر کسی کے پنجگانہ نماز میں جماعت سنت موکدہ ہے کہ کسی عذر کے بغیر چھوڑی نہیں جا سکتی جیسے بیماری' سفر' بارش' کیچڑ اور سخت ٹھنڈی اور تیز اہوا کیونکہ یہ سنت دین کی علامات سے ہے۔ جیسے اذان اور جو سنت کہ اس قسم کی ہو اسے کبھی بھی بالکل ترک نہیں کرنا چاہئے ورنہ دوسرے دینوں سے اس دن کے امتیاز کو نقصان پہنچے گا۔

## ایک شبہ اور اس کا جواب

اور جب بنی اسرائیل کو بلکہ اکثر علماء ظاہر کو اس مقام پر شبہ طاری ہوتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جب ہم دین کی تعلیم اور احکام الٰہی میں کوتاہی نہ کریں۔ اور حق پوشی نہ کریں تو ہمیں اس کی حاجت نہیں کہ خود بھی ان احکام کے مطابق عمل کریں کیونکہ ہمارے فرمان اور تعلیم کی وجہ سے بہت سے لوگ ان احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اور یہ تمام اعمال ہمارے اعمال نامے میں لکھے جاتے ہیں الدال علی الخیر کفاعلہ کے مطابق کہ جو خیر پر دلالت کرنے والا ہو وہ ایسا ہی ہے۔ جیسے اس نے خود عمل خیر کو اپنایا مثلاً جتنے نمازی ہماری تعلیم کی وجہ سے نماز گزارتے ہیں گویا ہماری نماز ہے۔ اور اسی طرح روزہ' زکوٰۃ' تلاوت اور ذکر ان کی اس غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ اعمال شرعی کو مالی امداد اور جانی خدمت پر قیاس کرتے ہیں جب کوئی کسی کے فرمان پر ایک شخص کی مالی امداد یا بدنی خدمت کرے اس شخص کے نزدیک یہ امداد اور یہ خدمت کو حکم دینے والے کی امداد اور خدمت ہوتی ہے۔ اسی لئے شکر گزار ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ تو نے یہ کام کیا۔ اور تیرے طفیل اس کا نفع مجھے پہنچا۔ حالانکہ احکام شرعیہ کا مقدمہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ شرعی تکلیفات کی مثال طبی دواؤں اور طبی پرہیز کی مانند ہے جب تک کہ مریض آدمی خود اس دوا کا استعمال اور اس پرہیز کو اختیار نہ کرے اسے کوئی فائدہ مستحق نہیں ہوگا۔ اور جسمانی صحت حاصل نہیں ہوتی اگرچہ اس شخص کے فرمان پر ہزاروں

marfat.com
Marfat.com

لوگوں نے اس دوا اور اس پرہیز کو استعمال کیا ہو مثلاً جو طبیب تنقیہ اور اسہال کا محتاج ہے۔ اسے دوسرے مریضوں کے تنقیہ اور اسہال سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اخلاط کی وجہ سے معدے کی برائی ہرگز دور نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس شبہ کے ازالہ اور اس غلط فہمی کے رد کیلئے بطریق عتاب فرمایا۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ کیا لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو جیسے نماز کی ادائیگی' زکوٰۃ دینا' عہد کو پورا کرنا اور حق کا اظہار کرنا وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ اور اپنے نفسوں کو فراموش کر دیتے ہو تو انہیں نیکی پر نہیں ابھارتے ہو۔ اور اپنے نفسوں کی اصلاح نہیں کرتے ہو۔ اور اپنے نفسوں کے احوال کی خبر گیری سے غافل ہوتے ہو۔ جیسا کہ کسی بھولی ہوئی چیز سے غافل ہوتے ہو۔

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ حالانکہ تم کتاب الٰہی کی ہمیشہ تلاوت کرتے اور دوسرے لوگ تم سے کتاب سن کر اس کے مضمون پر عمل کرتے ہیں۔ پس تمہارا حق یہ ہے کہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس کے مضمون پر عمل کی کوشش کرو۔ نیز کتاب الٰہی میں تم جگہ جگہ پڑھتے ہو کہ جو حکم الٰہی کے خلاف عمل کرے۔ اور اس کا قول اس کے عمل کے خلاف ہو تو وہ وبال اور عذاب کا مستحق ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اس معنی کو تین مقامات پر ارشاد فرمایا ہے اول اس آیت میں دوسرا آیت لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ (الصف آیت ۲) میں اور تیسری آیت وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ (ہود آیت ۸۸) اور عقل مند سے یہ امر بعید ہے کہ اپنے غیر کے حال کی اصلاح میں کوشش کرے۔ اور اپنے نفس کی ہلاکت سے چشم پوشی کرے۔ اور ہمیشہ کلام الٰہی کی تلاوت کرے۔ اور اس کے مطابق بالکل عمل نہ کرے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم نہیں سمجھتے ہو اپنی کتاب کے معنی کو۔ اپنے اس کام کی قباحت کے ساتھ۔ حالانکہ عقل صریح اس کام کی قباحت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے اپنی مصلحت کو جانیں اور اپنے نقصان سے پرہیز کریں۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے نفس کی مصلحت کو سمجھنا اور اپنے آپ سے نقصان کو دور کرنا دوسروں کی مصلحتوں کو حاصل کرنے اور ان کے نقصان کو دور کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ تو

marfat.com
Marfat.com

جو دوسروں کو نصیحت دے اور خود نصیحت قبول نہ کرے وہ ایسی چیز کا مرتکب ہے کہ اسے عقل صحیح قبول نہیں کرتی۔ نیز اس قسم کی نصیحت کرنا دوسروں کو گناہوں پر دلیر کرنا ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر اس واعظ کے نزدیک ان چیزوں کی کوئی اصل ہوتی اور اس کے یہ ڈراوے اور تاکیدیں صحیح ہوتے تو خود ان کی مخالفت کیوں کرتا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کی یہ نصیحت سب بے اصل ہے۔ اور یہ شبہ انہیں احکام دین کو ہلکا سمجھنے اور گناہوں پر جرأت کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور وہ پند و نصیحت کی غرض کے منافی ہے۔ اور عقل والے کبھی ایسا کام نہیں کرتے کہ عین اس کام کے دوران اس کام کی غرض مجروح ہو۔

نیز اس قسم کا واعظ جس کا عمل اس کے قول کے مخالف ہو اس کا کلام بے تاثیر ہوتا ہے۔ اور اس کی گفتگو مفید نہیں ہوتی۔ اور لوگ اس کی بات کو مقبول نہیں سمجھتے تو لوگوں کو نصیحت کرنے میں اس کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ اور کیا نہ کیا برابر ہو جاتا ہے۔

## واعظ بے عمل اور نہی عن المنکر

یہاں جاننا چاہئے کہ بعض ظاہر بینوں نے اس آیت اور دوسری آیت جو کہ سورت صف میں واقع ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ سے دلیل پکڑی ہے کہ عاصی کو جائز نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ آدمی دو چیزوں کے ساتھ مامور ہے خود بھی گناہ چھوڑے اور دوسروں کو بھی اس سے باز رکھے۔ اور اگر خود گناہ ترک نہ کرے تو دوسروں کو اس سے باز رکھنے سے تو نہ ہٹے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کو چھوڑنا دوسرے حکم کی ذمہ داری گرانے کا سبب نہیں ہوتا اور اس آیت میں جو عتاب اور مذمت وارد ہے بے عمل واعظ کو وعظ سے روکنے کیلئے نہیں۔ بلکہ اپنے نفس کے تزکیہ اور اس کی تکمیل پر تاکید کیلئے ہے۔ پہلے اصول کا مقرر قاعدہ ہے یہ کہ جب دو چیزوں کے مجموعے کی طرف انکار متوجہ ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا انکار سمجھنا خطا ہے اس قاعدہ کی بنیاد پر اس آیت میں بھی امر اور نسیان کے مجموعے پر انکار ہے۔ اگرچہ یہ انکار اپنے آپ کو بھولنے کی وجہ سے ہے ہاں قیامت کے دن بلکہ دنیا میں اس قسم کے بے عمل عالم کی ذلت اور رسوائی بہت ہوگی۔ اور اس کی توقع ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## واعظ بےعمل کے عذاب کے بیان میں

چنانچہ حدیث معراج میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو کہ تمام صحاح ستہ میں موجود ہے وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے شب معراج ایک جماعت کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹ رہے ہیں۔ اور جب وہ کاٹنے سے فارغ ہوتے ہیں تو ان کے ہونٹ پھر درست ہو جاتے ہیں۔ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے تھے۔ اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے۔ اور صحیحین میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر آتش دوزخ میں ڈال دیں گے۔ اور اس کی انتڑیاں باہر آ پڑیں گی اور وہ ان انتڑیوں کو کھینچ کر چکر لگائے گا جس طرح چکی چلانے والا گدھا چکی کے اردگرد چکر لگاتا ہے۔ دوزخی اس کے نزدیک آئیں گے۔ اور کہیں گے کہ اے فلاں! تجھے کیا بلا پڑی تو وہ تھا کہ ہمیں نیک کاموں کا کہتا تھا اور برے کاموں سے روکتا تھا وہ کہے گا کہ میں تمہیں حکم دیتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا اور تمہیں منع کرتا تھا اور خود وہ کام کرتا تھا۔

اور خطیب اور ابن النجار حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لائے کہ قیامت کے دن جنتیوں کی ایک جماعت دوزخیوں پر جھانکے گی اور یہ لوگ کہیں گے کہ اے فلاں اور فلاں تمہیں کیا ہوا کہ دوزخ میں گر پڑے۔ حالانکہ ہم تمہاری تعلیم کی وجہ سے بہشت میں آئے۔ وہ لوگ جواب میں کہیں گے کہ ہم تمہیں تعلیم دیتے تھے۔ اور خود عمل نہیں کرتے تھے۔ اور طبرانی' خطیب اور ابن ابی شیبہ' جندب بن عبداللہ بجلی' ابو بریدہ اسلمی اور سلیک عطفانی سے اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ بےعمل عالم چراغ کے دھاگے کی طرح ہے خود جلتا ہے۔ اور دوسروں کو روشنی بخشتا ہے۔

اور چونکہ عہد پورا کرنا' حق کا اظہار کرنا' مانوس دین کو چھوڑنا۔ نئے دین کی اتباع کرنا' ہمیشگی اور جماعت کی رعایت کے ساتھ نماز ادا کرنا اور خوش دلی سے زکوۃ دینا نفس پر بہت

marfat.com
Marfat.com

ناگوار اور بھاری ہے۔ اس لئے فرمایا ہے کہ اگر تم سے یہ کام نہ ہو سکے۔ اور ان چیزوں کی مشقت تمہیں ان پر عمل سے روکے جو دوسروں سے کہتے ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ ان دو دواؤں کو کام میں لاؤ۔

**وَاسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ** اور ان مشکل کاموں پر صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔

## صبر کی قسموں کا بیان

صبر کی تین قسمیں ہیں اول طاعت کی مشقت پر صبر کرنا۔ جیسے نماز کیلئے نیند سے اٹھنا' سردی کے وقت غسل اور وضو کرنا' موسم گرما میں اور تاریکی میں مسجد کو جانا علی ہذا القیاس' دوسری قسم گناہ کی لذت سے صبر کرنا جو کہ بے اختیار طبیعت کو مرغوب ہوتی ہے۔

تیسری قسم مصیبت پر صبر کرنا کہ جزع وفزع' شکایت' مخالف شرع حرکات سے اپنے آپ کو باز رکھنا۔ اور جب آدمی نے ان تین حالتوں میں اپنے نفس کو صبر کا عادی کر لیا تو یقین ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے نفس کا مالک ہو گیا۔ اور اس کا نفس مغلوب اور عقل غالب ہو گی۔ اور یہ ساری چیزیں اس پر آسان ہو گئیں۔ پس ملکہ صبر کی تعلیم نفس کیلئے پرہیز کی ورزش کی طرح ہے جو کہ حفاظت صحت کا سرمایہ اور مرض سے پناہ کا باعث ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں وارد ہے کہ ایمان دو حصے ہیں نصف صبر میں اور نصف شکر میں۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔ گویا اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ ایمان بمنزلہ صحت کے ہے۔ اور صحت دو چیز سے حاصل ہوتی ہے پرہیز اور دوا' پرہیز صبر ہے۔ اور دوا شکر اور جہاں پرہیز نہ ہو دوا کوئی فائدہ نہیں دیتی اور پرہیز دوا کے بغیر بھی فائدہ دیتی ہے۔ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے صبر کو ایمان کا جز و اعظم قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ نے کتاب الایمان میں اور بیہقی نے ان سے روایت کی ہے **الصبر من الايمان بمنزله الراس من الجسد از اقطع الراس انتن مافی الجسد ولا ايمان لمن لا صبر له** یعنی صبر ایمان کیلئے ایسا ہے جیسا جسم میں سر' جب سر کاٹ دیا جائے تو سارا جسم متعفن ہو جاتا ہے۔ اور جسے صبر نہیں اس کا

marfat.com

Marfat.com

ایمان نہیں۔

اور اسی لئے حدیث پاک میں عبید بن عمیر لیثی کی روایت سے حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مطابق وارد ہے کہ ایک دن ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا کہ یارسول اللہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا صبر اور سخاوت۔ نیز صحاح ستہ میں مروی ہے کہ کسی کو صبر سے زیادہ وسیع عطیہ خیر نہیں دیا گیا۔ اور ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے باہر تشریف لائے۔ اور اپنے دوستوں سے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ بغیر سیکھنے کے علم عطا فرمائے۔ اور ہدایت کے بغیر راہ پانے والا کردے۔ اور تم سے کوئی چاہتا ہے کہ اس سے نابینائی کو دور فرمائے۔ اور اسے بینا کردے۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ ہم میں ہر ایک یہی مطلب رکھتا ہے۔ فرمایا: جو دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے۔ اور اپنی حرص کی رسی کم کردے اللہ تعالیٰ اسے بغیر پڑھے ایک علم عطا فرماتا ہے۔ اور بغیر ہدایت کے ایک رشد عطا فرماتا ہے۔ جانو اور آگاہ رہو کہ میرے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کی بادشاہی قتل اور تکبر کے بغیر درست نہ ہوگی۔ ان کی دولت بخل اور ظلم کے بغیر برقرار نہ رہے گی اور ان کی محبت دین میں سستی اور ان کی خواہش نفس کی پیروی کے بغیر حاصل نہ ہوگی۔ پس تم سے جو اس وقت کو پائے اور اپنی فقیری پر صبر کرے۔ اور ان کی دولت سے اپنے آپ کو باز رکھے۔ اور ان کی ناراضگی پر صبر کرے۔ اور ان کی محبت سے دست بردار ہو جائے۔ اور اپنی ذلت پر صبر کرے۔ اور عزت کو ترک کردے۔ اور ان امور میں اس کی غرض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے بغیر کوئی دوسری چیز نہ ہو اللہ تعالیٰ اسے پچاس ولیوں کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ اور حکیم ترمذی نوادر الاصول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے لائے ہیں کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے چند نفع بخش چیزوں کی تعلیم دوں میں نے عرض کی جی ہاں آپ نے فرمایا: علم لازم کرو کیونکہ علم مومن کا دوست خیر خواہ ہے۔ اور بردباری بمنزلہ اس کے وزیر کے ہے۔ اور عقل بمنزلہ رہبر کے ہے۔ نرم خوئی بمنزلہ بھائی کے

marfat.com

Marfat.com

ہے۔ جو کہ ہر وقت اس کے کام آتی ہے۔ اور صبر اس کے لشکر کا سالار اعظم ہے کہ کوئی مہم اس کی مدد کے بغیر فتح نہیں ہو سکتی۔

اور بیہقی نے اشعث بن سلامہ سے روایت کی کہ انہوں نے ابو حاصرہ اسدی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص کو جو کہ ہمیشہ مجلس پاک میں حاضر ہوتے تھے چند روز نہ دیکھا۔ اس کے متعلق تجسس کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اس نے فلاں پہاڑ میں خلوت اختیار کر لی ہے۔ اور عبادت میں مشغول ہے۔ فرمایا اسے میرے پاس لاؤ۔ جب وہ خدمت عالیہ میں پہنچے تو فرمایا تجھے کیا ہوا کہ تو نے پہاڑ میں تنہائی اختیار کر لی اور مسلمانوں کی صحبت سے کنارہ کر لیا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے لوگوں کی صحبت عبادت خداوندی میں تشویش دیتی ہے۔ فرمایا کہ آدمی کا مسلمانوں کی صحبت میں اپنی ناپسند چیزوں پر صبر کرنا اس عبادت سے بہتر ہے جو کہ ساٹھ سال تک خلوت میں کرے۔

اور بخاری کتاب الادب میں' ترمذی اور ابن ماجہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لائے ہیں کہ وہ مسلمان جو کہ لوگوں کے ساتھ مل کر رہے۔ اور ان کی طرف سے تکلیف پر صبر کرے اس مسلمان سے بہتر ہے جو کہ ان کی تکلیف پر صبر نہ کرے ان کی صحبت چھوڑ دے۔

## نماز کے ساتھ مدد مانگنے کا بیان

رہ گئی نماز تو اس کے ساتھ استعانت کے دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ جو کہ عوام کا حصہ ہے یہ ہے کہ جب کوئی مقصد پیش آئے جس کا چارہ معلوم نہ ہو۔ اور اسے پورا نہ کر سکیں تو اس مطلب کے حصول کیلئے مسجد میں جائیں۔ اور دوگانہ ادا کریں۔ اور دعا میں مشغول ہوں۔ اور اس طریقے کو ترمذی اور دیگر صحاح نے اس طرح روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف یا بنی آدم میں سے کسی کی طرف کوئی حاجت ہو تو وہ وضو کرے۔ پھر دو رکعت ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی ثنا کرے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھے۔ پھر کہے لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش

marfat.com
Marfat.com

العظیم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اسئلك موجبات رحمتك و عزائم مغفرتك والغنیمة من كل بر والسلامة من كل اثم لا تدع لی ذنبا الا غفرته ولا هما الا فرجة ولا حاجته هی لك رضا الا قضیتها یا ارحم الراحمین

اور استعانت کے اس طریقے کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو دنیوی حاجتوں میں سے کوئی حاجت اپنی طرف نہیں کھینچتی۔ اور اس کے اسباب کو حاصل کرنے میں مصروف نہیں کرتی۔ اور اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں کرتی۔ بلکہ دینوی حوائج کا پیش آنا اس کے حق میں نماز کا وقت آنے کا حکم حاصل کرے۔ اور اس کی نظر اسباب سے منقطع ہو کر صرف سبب الاسباب کے ساتھ متعلق ہو جاتی ہے۔ اور جب تمام اسباب اس کی قدرت کے قبضہ میں ہیں۔ اور اس کے تصرف کے ساتھ فراہم ہو جاتے ہیں۔ اور منتشر ہو جاتے ہیں تو اسباب جمع کرنے کی مشقت سے فراغت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اسباب کی خصوصیتیں جو کہ زیادہ تر باہمی حسد اور بغض' امید کی طوالت' اور ان لوگوں کی پاسداری کا موجب ہوتی ہیں کہ جن کی طرف سے ان اسباب کے حصول کی توقع ہوتی ہے نظر سے گر جاتی ہیں۔ اور اسباب کا حاصل نہ ہونا اور مرتبہ اور ریاست کا زوال عقل کے نزدیک ہلکا ہو جاتا ہے۔ اور انہیں چھوڑنا دشوار نہیں ہوتا۔

## طریقہ قلندریہ

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نماز سے استعانت میں مطلب ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ نفس کو پوری طاقت کے ساتھ حضرت حق جل وعلا کے دربار کبریائی کی طرف کھینچنا ہے۔ کیونکہ دینوی حاجات زیادہ تر روح کے خواہشات یا خواہشات کے اسباب کی طرف اترنے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ جب اسے اس جہان سے عالم بالا کی طرف کھینچا جائے۔ اور بارگاہ خداوندی کے مکالمہ اور مناجات کی لذت میں استغراق اور انوار جلال و جمال کی حاضری رونما ہو تو وہ اس جہان کے امور اور کیا ہونا چاہئے کیا نہیں ہونا چاہئے سے غافل اور بے خبر ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ زخمی یا جس کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو کہ زخم کے سینے یا شکستہ ہڈی کو باندھنے کے وقت کوئی نشہ آور چیز کھلا دیتے ہیں۔ تاکہ زخم اور ہڈی ٹوٹنے کے درد سے بے خبر ہو جائے اسی طرح یہاں جب حوائج دنیا نفس کو اپنی کھینچا تانی میں ڈال دیں تو چاہئے کہ اسے محبوب حقیقی کے حسن

marfat.com

Marfat.com

میں مشغول کر دیں تا کہ اس جمال کے مشاہدہ کی لذت سے اپنے آپ کو اور جو ہونا چاہئے یا نہ ہونا چاہئے کو بھول جائے۔ اور اس لذت کی وجہ سے جو اسے حاصل ہوئی ناپسند چیزیں اس کی نظر میں ہلکی معلوم ہوں۔ اور یہ طریقہ اکثر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول شریف تھا کہ بہ نفس نفیس اسی طریقے پر عمل فرماتے تھے۔ اور اسی طریقے کو قلندریہ کہتے ہیں کہ امور دنیا سے بے توجہی اور اس کی ترک کیلئے باوجود اس کے دھوکا کے اس سے بہتر کوئی علاج نہیں۔ خوف دلانے' ڈرانے' حسن آخرت اور اس کی بقا اور دنیا کی قباحت اور اس کی فنا سمجھانے کا راستہ دشوار ہے کہ ہر کسی کو سہولت کے ساتھ میسر نہیں آتا اور شیطان شبہات اور وسوسے ڈال کر اکثر لوگوں کو اکثر اوقات میں اس راہ پر چلنے سے روک دیتا ہے۔ جس طرح کہ کہنے والے نے کہا ہے (بیت) صنمارہ قلندر سزدار بمن نمائی' کہ دراز و دور دیدم راہ ورسم پارسائی کہ قلندر کا طریقہ اگر تو مجھے دکھائے تو موزوں ہے۔ کیونکہ پارسائی کے راہ ورسم بہت دور دراز ہیں۔ پس یہ نماز اسم ذات کے ساتھ نفی واثبات کے شغل کا حکم رکھتی ہے جو کہ شوق کو ابھارنے اور خطرات اور وسوسوں کو دور کرنے کیلئے تریاق مجرب ہے۔

امام احمد اور ابوداؤد نے حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی امر کی وجہ سے پریشان ہوتے تو نماز کی طرف پناہ لیتے۔ اور نسائی' ابن حبان حبیب رومی کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لائے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام جب کسی وجہ سے گھبراتے تھے تو نماز کی طرف پناہ لیتے تھے۔ اور ابن عساکر اور ابن ابی الدنیا حضرت ابودرداء کی روایت سے لائے ہیں کہ جب رات کو آندھی آتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے پناہ مسجد ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ہوا رک جاتی اور جب آسمان میں سورج گرہن یا چاند گرہن کا واقعہ رونما ہوتا تو آپ نماز میں مصروف ہو جاتے یہاں تک کہ وہ کھل جاتا۔

اور محب الدین طبری حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آشیانہ پاک میں فقر (اختیاری) کی کیفیت ہوتی اور رات کو کوئی چیز نہ کھاتے اور بھوک غلبہ کرتی تو بار بار مسجد میں تشریف لے جاتے اور

marfat.com
Marfat.com

نماز میں مشغول ہوتے تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ان کا ایک بیٹا قریب المرگ ہو گیا آپ کو اطلاع دی گئی۔ اتنا سنتے ہی نماز میں مشغول ہو گئے۔ اور نماز میں اس قدر مستغرق ہوئے۔ اور نماز لمبی کی کہ انہیں کوئی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ لوگ بیٹے کو دفن کر کے آ گئے۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ مجھ پر اس بیٹے کی محبت غالب تھی اس کی مصیبت پر صبر نہیں کر سکتا تھا تو مجبوراً اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نماز کی پناہ لی اور بے خبر ہو گیا گویا آپ نے اشارہ فرمایا کہ اس آیت میں ذکر کے اعتبار سے نماز کو صبر کے بعد رکھنا ترقی کیلئے ہے۔ یعنی جب صبر سے کام نہ چلے تو نماز میں استغراق کے ساتھ پناہ لینی چاہئے جو کہ عقل اور وہم کے وسوسوں سے بے خبر کر دیتی ہے۔ اور روح کو حاضری کی لذتوں سے یہاں تک پر کر دیتی ہے کہ اس میں کسی وسوسہ اور خیال کی گنجائش نہیں رہتی اور اسی لئے پہلے طریقے یعنی نماز سے استعانت کو عوام کیلئے چاند سورج کے گرہن اور قحط کی شدت کے وقت نماز استسقاء کی صورت میں نشان دیا اور اس دوسرے طریقے کو اپنے لئے اور اپنی امت کے کاملین کیلئے مخصوص فرمایا چنانچہ فرمایا:

وَاِنَّهَا اور تحقیق وہ نماز جو کہ دل کی حاضری اور ظاہری باطنی شرائط کے اجتماع کے ساتھ ہو۔ اور مرتبہ اور حکومت' عورت' اولاد اور مال دنیا کی محبت کو دل سے دور کر دے لَكَبِيْرَةٌ البتہ شان اور بوجھل ہے ہر کسی سے ممکن نہیں اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ مگر اس جماعت پر جو کہ خشوع اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور ان کا نفس اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے سکون پاتا ہے۔ کیونکہ وہ نماز ان کے حق میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہا فرمایا کرتے تھے وقرة عینی فی الصلوة جیسے ہی وہ لوگ نماز میں گئے انہیں مشاہدۂ حق میسر ہوا اور اس مشاہدہ کی لذت میں انہوں نے ہر چیز کو فراموش کر دیا۔ اور مدت دراز تک اس لذت کا اثر ان کے نفوس میں باقی رہتا ہے۔ اور اگر ان میں سے بعض اس مرتبہ تک پہنچیں کہ انہیں عین مشاہدہ میسر ہو تو کم از کم اس جماعت میں سے ہوتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ جو کہ نماز میں مشغولی کے وقت خیال کرتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں کہ وہ نماز میں اپنے پروردگار سے ملاقات کرتے ہیں۔ پس وہ انہیں دیکھتا ہے گو وہ اسے نہ دیکھیں اس شخص کی طرح جو کسی بادشاہ کے دربار میں اس طرح حاضر ہو کہ بادشاہ اسے دیکھے اور وہ بادشاہ کو نہ دیکھے کہ اسے کچھ تو حاضری کی لذت ضرور حاصل ہو گی۔ اور یہ بھی خیال کرتے ہیں۔

وَاَنَّهُمۡ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ کہ وہ نماز میں اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ اور جب کسی کو کسی شخص کی طرف رجوع منظور ہو تو لازماً وہ ان مشقتوں کو جو کہ حقیر چیزوں میں رونما ہوتی ہیں نظر انداز کر دے گا۔ اور گزشتہ خواہشات کو پھینک دے گا جس طرح کہ کہنے والے نے کہا ہے کہ (بیت) ہر آنکہ عشق یکے در دلش گرفت قرار روا بود کہ تحمل کند جفاء ہزار یعنی جس کے دل میں کسی ایک کا عشق قرار پکڑے جائز ہے کہ وہ ہزار کا ظلم برداشت کرے۔

حدیث صحیح میں جو کہ صحیحین میں مروی ہے مذکور ہے کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھتا ہے۔ اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ یعنی عبادت کو اچھی طرح ادا کرنے کا معنی یہ ہے کہ تو عین عبادت میں یوں خیال کرے کہ میں اپنے معبود کو دیکھ رہا ہوں۔ تو اگر یہ مقام تجھے میسر نہیں تو اتنی بات تو مقرر ہے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اور حاضری میں اتنی قدر بھی کافی ہے۔ اور یہ لذت بخشتی ہے۔

اور جب یہاں تک بنی اسرائیل کو ایمان اور تقویٰ حاصل کرنے کے طریقے کا نشان دیا کہ وہ صبر' مناجات حق میں استغراق اور اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ حاضر اور جلوہ گر ہونا ہے۔ اور یہ راستہ بہت دشوار گزار اور بوجھل ہے لہٰذا بیان فرمایا ہے کہ اگر اس راہ پر چلنا تمہیں ممکن نہ ہو تو ایک دوسری راہ کا تمہیں نشان دیتا ہوں جو کہ پہلی راہ کی نسبت آسان ہے۔ اور وہ راہ شکر ہے۔ کیونکہ حقیقت شکر' منعم حقیقی کی نعمتوں کا ملاحظہ کرنا ہے۔ اور نعمتوں کا ملاحظہ کرنا منعم کے ساتھ بے حد محبت کا موجب ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے جبلت القلوب علی حب من احسن الیھا دلوں کی جبلت میں احسان کرنے والوں کی محبت رکھی گئی ہے۔ اور محبت کا کامل ہونا ایسی لذت بخشتا ہے جو کہ دوسری پسندیدہ چیزوں کی

marfat.com
Marfat.com

لذتوں سے زیادہ کامل اور زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اور ان لذات کے مقابلہ میں ساری لذتیں حقیر ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ پھر خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

**يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ** اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد میری اس نعمت کو یاد کرو جو کہ میں نے تم پر انعام فرمائی۔ پس تمہارا حق یہ ہے کہ اس نعمت کے شکریہ میں اس نعمت کے معیار کے مطابق نیک اعمال کرو۔ اور اگر دوسری نعمتوں کے ملاحظہ سے عاجز آ جاؤ تو وہ نعمت جو کہ ان تمام نعمتوں کی جامع ہے اس کا لحاظ کرو۔ اور وہ یہ ہے کہ میں نے تمہیں بنی آدم کے تمام گروہوں سے ممتاز اور خاص کیا ہے۔

**وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ** اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی کیونکہ میں نے تمہارے گروہ میں چار ہزار پیغمبر علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ اور تورات' زبور' انجیل اور دوسرے صحائف تمہاری لغت میں تمہارے ہاتھوں میں اتارے اور عدل کرنے والے بادشاہ اور باعمل علماء تم میں پیدا فرمائے۔ پس تم بنی آدم کے تمام گروہوں میں سے اس شرف کے ساتھ ممتاز ہوئے ہو کہ مہبط وحی الٰھی آسمانی کتابوں کا مخزن۔ احکام شرعیہ کے اسرار جاننے والے اور انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کے عادات واطوار سے واقف اس وقت تک تمہارے سوا اور کوئی گروہ نہیں۔ اور یہ فضیلت تمہیں اس وقت تک موجود سارے جہانوں پر حاصل ہے۔ پس تمہارا حق یہ ہے کہ اس وقت جو کہ نئی کتاب کے نزول اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کا وقت ہے بھی تمام خلائق سے اس دین کی پہلی امداد اور اس کتاب اور اس رسول علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں جلدی کر کے افضل ہو جاؤ تا کہ اس وقت کے تمام جہانوں پر بھی تمہاری فضیلت کی صورت حاصل ہو جائے۔ اور تم اس مرتبہ اور منصب سے جو کہ کارخانہ شریعت کے دفتری کا منصب ہے معزول نہ ہو۔

ظاہر بین مفسرین اس لفظ کے مضمون میں جو کہ بنی اسرائیل کے تمام جہانوں سے افضل ہونے کا فائدہ دیتا ہے تردد کرتے ہیں۔ حالانکہ تردد کی کوئی جگہ نہیں۔ کیونکہ جب سے بنی اسرائیل کا فرقہ وجود میں آیا ہے اس وقت سے لے کر اس کتاب کے وقت تک کوئی فرقہ

marfat.com
Marfat.com

ان فضائل میں ان کا شریک نہیں ہوا ہے ہاں اس کے بعد کہ بنی اسرائیل نے اس رسول علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ اور اس کتاب پر انہیں ایمان میسر نہ آیا اس منصب سے گر گئے اور عام لوگوں کی طرح ہو گئے۔ اور یہ وقت مضمون کلام سے خارج ہے اس وقت بنی اسرائیل کی تمام جہانوں پر فضیلت اس لفظ سے نہیں سمجھی جاتی تا کہ اشکال کی جگہ ہو۔ اور بنی اسرائیل کے فرقہ کی مجموعی فضیلت پہلے ذکر کیے گئے فضائل میں سب فرقوں پر قطعی ہے۔ اگر چہ اس فرقہ کے بعض نالائقوں نے اپنے نفس کی شامت کی وجہ سے اس فضیلت کو برباد کر دیا۔ اور اسفل سافلین تک پہنچ گئے۔ جیسے قارون اور سامری کیونکہ اس فرقہ کی فضیلت کیلئے یہ درکار نہیں کہ اس کا ہر ہر فرد دوسروں سے افضل ہو۔ جیسا کہ ہماری امت میں سے فرقہ سادات کی فضیلت اس بات کی متقاضی نہیں کہ اس فرقہ سادات کا ہر ہر فرد اپنے ماسوا سے افضل ہو اس قسم کے مقامات پر اس گروہ کی مجموعی صورت پر نظر ہوتی ہے نہ کہ ہر ہر فرد پر۔

اور اگر بنی اسرائیل کہیں کہ ہمارے پہلے لوگ ان نعمتوں کا پورے طور پر شکر ادا کر کے اس مرتبہ پر پہنچ گئے ہیں کہ اب جو بھی ان کی اولاد سے ہوگا ان کا متوسل ہوگا اسے باز پرس کا خوف نہیں ہے ان کی شفاعت اسے چھڑانے میں کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت ہمارے پہلوں کے شامل حال رہی ہماری نجات میں کام آئے گی کہ ہم ان کا نام لیتے ہیں۔ اور ان کی نسل میں سے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس خیال سے دھوکا مت کھاؤ اور قیامت کے دن کو دنیا پر قیاس مت کرو۔

وَاتَّقُوْا یَوْمًا اور اس دن سے ڈرو کہ لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ کوئی نفس ادا نہیں کرے گا اگر چہ وہ شکر کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اسے پورا قرب حاصل ہو عَنْ نَّفْسٍ کسی نفس کی طرف سے اگر چہ اس کا حقیقی بیٹا ہو یا اس نے ساری عمر اس کا نام لیا ہو۔ اور اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کیا ہو جبکہ اس نے شکر چھوڑ کر کفر کیا ہو شَیْئًا کسی چیز کو حقوق شکر سے جو کہ اس کے ذمہ واجب الادا ہے۔ کیونکہ اس وقت اپنا شکر کسی کو دینا ممکن نہ ہوگا۔

وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ اور اس شکر گزار مقرب بارگاہ سے کوئی شفاعت اس کوتاہی

marfat.com

Marfat.com

کرنے والے کے حق میں جس نے شکر چھوڑ کر کفر اختیار کیا قبول نہیں کی جائے گی۔

وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ اور اس شکر گزار سے فدیہ یا سپرداری نہیں لی جائے گی جو کہ اس نفس کافر کے عوض دے گا اگر بالفرض اس سے ہو سکے وَلَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ اور نہ ہی شکر میں ان کوتاہی کرنے والوں کا کوئی مددگار ہوگا جو کہ طاقت اور غلبہ کے ساتھ ان سے عذاب کو روک سکے۔ اور دنیا میں عذاب کو دفع کرنے کا طریقہ انہیں چار چیزوں میں منحصر ہے یا قہر اور غلبہ کے ساتھ اور اسے نصرت کہتے ہیں یا قہر و غلبہ کے بغیر اور وہ دو قسم ہے یا کوئی چیز دیئے بغیر چھڑا لیں اور وہ شفاعت ہے یا کوئی چیز دے کر اور وہ بھی دو قسم پر ہے یا ایسی چیز دینا ہے جو کہ اس کے ذمہ بعینہٖ واجب تھی جیسے قرض' تاوان اور تاوان کا مال یا اس کے عوض میں دینا ہے۔ جیسے فدیہ' گروی اور یرغمال کہتے ہیں۔ اور جب خلاصی کے یہ چاروں راستے قیامت میں نہیں ہوں گے تو اس دن غیر پر کسی وجہ سے بھی اعتماد نہ رہا۔

یہاں جاننا چاہئے کہ معتزلہ اس آیت سے شفاعت کی نفی کی دلیل پکڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قیامت کے دن شفاعت نہیں ہوگی۔ لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ اس آیت میں شفاعت کی نفی اس سے ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا کبھی شکر ادا نہ کیا ہو۔ اور وہ کافر کے سوا کوئی اور نہیں۔ اور کافر کے حق میں شفاعت بالاجماع مقبول نہیں۔ یہ کوئی بحث اور جھگڑے کا مقام نہیں۔

## چند جواب طلب سوالات

پہلا سوال یہ ہے کہ شفاعت اور فدیہ کی نفی میں ضمیر کے ساتھ تاکید نہیں فرمائی ہے۔ اور نصرت کی نفی میں لفظ ہم کے ساتھ تاکید ارشاد فرمائی۔ اسلوب کی اس تبدیلی میں کیا نکتہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے مقامات میں ضمیر لانا حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسا کہ ماانا قلت کی بحث میں قرار دیا گیا ہے۔ پس کلام کا معنی یہ ہوا کہ مدد نہ دینا کافروں اور حق شکر میں کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایمان والوں کی اس دن مدد ہوگی کیونکہ ان کے دشمنوں سے ان کا بدلہ ضرور لیں گے۔ جس طرح کہ دوسری آیات میں اس کی تصریح ہے انا لننصر رسلنا والذين آمنوا فى الحيوة الدنيا ويوم يقوم الاشهاد

marfat.com

Marfat.com

(المؤمن آیت ۵۱) **و حقًا علینا نصر المؤمنین** (الروم آیت ۴۷) **بخلاف بغیر حکم** کے شفاعت قبول کرنے اور فدیہ اور یرغمال لینے کے کہ مومن و کافر اور نیک اور بد سب اس کی نفی میں شریک ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت میں قبول شفاعت کو فدیہ لینے سے پہلے بیان فرمایا جبکہ ایک دوسری آیت میں جو کہ اس پارہ کے آخر میں واقع ہے بالعکس ارشاد ہوا کلام کے اس فن میں کیا نکتہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی بلا میں گرفتار ہوتا ہے۔ تو اس کے عزیز اسے چھڑانے کی فکر میں ہو جاتے ہیں۔ ان کی کوشش کی صورت اسی ترتیب سے ہوتی ہے کہ پہلے وہ اس کے ذمہ واجب حق کی ادائیگی میں کوشش کرتے ہیں۔ اور جب اس تدبیر سے عاجز ہو جاتے ہیں تو سفارش اور وسیلہ سے اس بلا کو دور کرتے ہیں۔ اور جب اس سے بھی عاجز ہو جائیں تو کوئی یرغمال یا فدیہ دیتے ہیں۔ اور جب اس سے بھی عاجز آ جائیں تو بھائیوں اور مددگاروں کو جمع کر کے جھگڑا اور لڑائی کرتے ہیں۔ پس اس آیت میں اسی ترتیب کی موافقت منظور ہوئی کیونکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔

اور جب بعض لوگوں کے دل میں مال کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ اور اتنے عالی نفس نہیں ہوتے۔ اور سفارشیوں کا احسان اٹھانے سے جو عار لاحق ہوتی ہے مالی خرچ کرنے کے مقابلہ میں ان پر اتنی دشوار نہیں ہوتی۔ پہلے وہ سفارش اور وسیلہ کا سہارا لیتے ہیں اس کے بعد جب دیکھتے ہیں کہ اس حیلے سے کام نہیں چلا تو فدیہ اور جسمانی یرغمال دیتے ہیں۔ اسی لئے دوسری آیت میں ترتیب کو بدل دیا گیا۔ تا کہ دونوں فریقوں کے حال کا اشارہ ہو لیکن اکثر رونما ہونے کی وجہ سے اس ترتیب کو مقدم فرمایا۔ اور دوسری ترتیب کو موخر فرمایا کیونکہ یہ نادر الوقوع اور پست ہمت لوگوں کا کام ہے۔ پہلے لانے کے لائق نہیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ نفی شفاعت اور فدیہ و یرغمال کی نفی کے مقام میں ضمیر مفرد پر اکتفا فرمایا۔ اور نفی نصرت کے مقام پر جمع کی ضمیر لائی گئی اور یوں نہ فرمایا **و لاھی تنصر او لا ینصر احد احدا** اس کا جواب یہ ہے کہ نصرت کے لئے اجتماع لازم ہے کہ تنہا ایک آدمی کسی کی مدد نہیں کر سکتا اور جب دوسرے لوگ بھی کوتاہی کرنے والے کے ساتھ اس کی مدد کو

marfat.com

Marfat.com

جمع ہو جائیں تو ہر ایک ہر ایک کو مدد دیتا ہے۔ پس ناصر بھی متعدد ہوئے۔ اور منصور بھی متعدد ہوئے۔ اس نکتہ کیلئے ضمیر کو بھی جمع لایا گیا گویا ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تمام گناہگار مجموعی طور پر چاہیں کہ کوئی ان کی امداد کرے۔ اور اس صورت میں ان کی امداد قبولیت کے زیادہ قریب ہو گی کہ وہ خود بھی کثیر تعداد میں ہیں مقابلہ کی طاقت رکھتے ہیں تھوڑی سی امداد کی وجہ سے وہ منصور ہو سکتے ہیں کوئی بھی اسے قبول نہیں کرے گا چہ جائیکہ وہ اکیلا امداد چاہے کہ اسے امداد دینا بہت مشکل ہے۔

## شفاعت کا بیان

چوتھا سوال یہ ہے کہ یہ آیت ظاہر کے اعتبار سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نفس عن نفس شیئا کے عموم کے پیش نظر کسی کو شفاعت کا منصب نہیں کہ عموم تین مرتبوں میں واقع ہوا۔ ایک شفاعت کرنے والے نفس میں' دوسرا جس کی شفاعت کی جائے۔ اور تیسرا اس کام میں کہ جس میں شفاعت واقع ہو۔ یعنی شیئاً ۔ اور یہ مسئلے شفاعت کے نکرہ ہونے سے نکلتا ہے۔ حالانکہ اہل شریعت کا اس امر پر اجماع ہے کہ شفاعت ضرور واقع ہوگی۔ معتزلہ صرف کبیرہ گناہ کرنے والے کے سوا شفاعت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور اہل سنت کبیرہ گناہ والوں کیلئے شفاعت جائز قرار دیتے ہیں ہاں کافر کو کوئی بھی شفاعت کے قابل نہیں جانتا ہم کہتے ہیں کہ بے شمار آیات واحادیث شفاعت کے وقوع پر دلالت کرتی ہیں۔ پس اس آیت کی تخصیص ضروری ہے۔ سنت کافر کے ساتھ تخصیص کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اس دن شفاعت قبول نہیں ہوگی اس دلیل سے بے شمار آیات میں شفاعت کی نفی کو اسی قید کے ساتھ مقید قرار دیا گیا۔ **یومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن و رضی له قولا** (طٰہٰ آیت ۱۰۹) **من ذالذی یشفع عنده الا باذنه** (آیۃ الکرسی) **ما للظلمین من حمیم و لا شفیع یطاع** (المومن آیت ۱۸) **و لا تنفع الشفاعة عندهٗ الا لمن اذن له** (سبا آیت ۲۳) اور متواتر احادیث نے بیان کیا کہ کافر کے سوا تمام گناہگاروں کے حق میں شفاعت کا حکم ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ شفاعت سے مطلقاً محروم کفار ہیں۔ اور بس۔ اور اس مقام کے مناسب بھی اسی شفاعت کی نفی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

کیونکہ یہ کلام اہل کتاب اور ان کے ہم مشرب لوگوں جو کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی اولاد اور بزرگان دین کے متوسلین میں سے اپنے آپ کو قیامت کی پکڑ اور باز پرس سے محفوظ جانتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ کفر اور دیگر قباحتوں کے باوجود ہمارے بزرگ ہمیں اخروی عذاب سے چھڑا لیں گے کے غلط خیال کے رد میں ہے۔ اور اس خیال کے رد کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شفاعت جس کی امید کی وجہ سے تم دھوکا کھاتے ہو اس روز واقع نہیں ہوگی کیونکہ ہر شفاعت کرنے والے کی شفاعت اس دن حکم الٰہی پر موقوف ہوگی جب شفاعت حکم الٰہی پر موقوف ہوئی تو اعتماد کی جگہ نہ رہی کیونکہ اس شفیع کا توسل اس شفاعت کو حاصل کرنے میں کفایت نہیں کرے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم درکار ہے۔ اور وہ خطرے میں ہے ہو یا نہ ہو تم صرف کسی کامل سے توسل پر ناز نہ کرو کہ یہ توسل مستقل سبب نہیں ہے۔

اور اسی لئے بعض مفسرین نے لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ میں مِنْهَا کی ضمیر کو قصوروار کے نفس کی طرف لوٹایا ہے۔ اور اسے نفی کی گئی شفاعت کی قید قرار دیا یعنی وہ شفاعت قبول نہیں ہوگی جو کہ اس قصوروار اور اس کی فریاد زاری اور ضعیفی کے توسل کے ساتھ وہم میں آتی ہے۔ اور اس صورت میں اگلی اور پچھلی ضمیروں کا انتشار بھی نہیں رہتا اور مطلق شفاعت کی نفی بھی لازم نہیں آتی۔

## شفاعت کے بارے میں اہل سنت کا روشن مذہب

اور اگر شفاعت کی حقیقت کی گہرائی میں اتر کر غور کریں تو اہل سنت کا مذہب روشن آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شفاعت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے نفس کامل کا کمال وسعت پیدا کرے۔ اور اپنے پیروکار ناقص نفسوں کو پکڑے اور ان کا نقصان اس کے کمال کے ضمن میں آ جائے۔ پس اس شفاعت کا مدار دو چیزوں پر ہے پہلی چیز نفس کاملہ کے کمال کی وسعت جس کا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بے پناہ عنایت کی وجہ سے واسطہ کوشش اور تلاش کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ عمل اور کوشش کی انتہا اپنے کمال کو حاصل کرنا اور اس کمال کا اپنے پیروکاروں کا اس طرح احاطہ کرنا ہے کہ ان کے نقصانات کو چھپا دے اور کمال کی صورت میں ظاہر کرے۔ اور اس عطا شدہ فراخی اور احاطہ کو شریعت میں

marfat.com

Marfat.com

اذن اور حکم کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ دوسری چیز نفس ناقصہ کا اہل کمال کے پیروکاروں میں سے ہونا جو کہ ایمان اور صحیح عقائد کے بغیر محال ہے۔ اور اس آخری امر کو شریعت میں اس عبارت کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے کہ کافر اور منافق کی شفاعت نہیں ہے۔ جس طرح کہ آیت **ماکان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی** (التوبہ آیت ۱۱۳) اور **ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ انھم کفروا باللہ ورسولہ** (التوبہ آیت ۸۴) میں تصریح کی گئی ہے۔

اور جو کچھ محقق فلسفیوں نے شفاعت کے معنوں کی تحقیق میں کہا ہے وہ بھی اسی تقریر کی تائید کرنے والا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ حضرت واجب الوجود کا فیض عام ہے جو کمی ہے وہ قبول کرنے والے کی طرف سے ہے۔ اور جائز ہے کہ افراد میں سے کسی فرد کو اللہ تعالیٰ کے دربار سے یہ فیض بلا واسطہ حاصل کرنے کی قابلیت نہ ہو وہ کسی دوسرے قابلیت والے سے یہ فیض قبول کر سکتا ہے۔ پس وہ قابلیت والا اس فرد اور اللہ تعالیٰ کی عام الفیض ذات کے درمیان واسطہ کی صورت میں واقع ہو جس طرح کہ آفتاب صرف اسی کو روشن کرتا ہے جو اس کے سامنے آئے۔ اور آفتاب کے اس فیض کیلئے سامنے آنا شرط ہے۔ اور بعض چیزیں جو کہ بلا واسطہ سورج کے سامنے نہیں ہو سکتیں جیسے گھر کی چھت وہ اس فیض کو حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ لیکن جب پانی سے بھرا ہوا طشت دھوپ میں رکھیں تو اس صاف پانی سے سورج کی شعاع چھت کی طرف عکس ڈالتی ہے۔ اور اسے روشن کرتی ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام کی ارواح صاف پانی کی طرح جود الٰہی کا وسیلہ واقع ہوئی ہیں۔ جس طرح صاف پانی نے سورج کی شعاع کو چھت تک پہنچا دیا اسی طرح یہ ارواح مقدسہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو عام مومنوں تک پہنچاتی ہیں ہاں نور کو قبول کرنے کی استعداد شرط ہے یہاں تک کہ اگر چھت قبول کرنے کی مطلقاً استعداد نہیں رکھتی تو پانی کے واسطہ سے بھی روشنی قبول نہیں کرے گی جس طرح کہ کافر جو کہ استعداد کے ضائع ہونے کی وجہ سے مطلقاً بے نصیب ہو گیا۔ نیز اگرچہ چھت سورج کے سامنے آنے سے محروم ہے۔ لیکن صاف پانی کے سامنے آنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اور اسی صلاحیت کی وجہ سے منور اور روشن ہو گئی۔ اور جو شخص انبیاء

marfat.com
Marfat.com

علیہم السلام پر ایمان نہیں رکھتا وہ اس چھت کی طرح ہے۔ جسے صاف پانی کے سامنے آنا بھی نصیب نہیں اسے صاف پانی کے واسطہ سے روشن ہونے کی توقع خام خیالی ہے۔

مختصر یہ کہ بنی اسرائیل کو اس قسم کے خیال خام سے جو کہ وہ کہتے تھے مایوس کر کے نعمتوں کے شکر کی تاکید کیلئے اپنی وہ نعمتیں یاد کرائی جارہی ہیں جو کہ ان کے اسلاف پر انعام ہوئی تھیں۔ اور فرمایا ہے کہ تم ہماری نعمتوں میں سے ان نعمتوں کو یاد کرو کہ قیامت کے دن کا نمونہ تھا اور زندوں مردوں میں سے تمہاری فریاد کو کوئی نہیں پہنچتا تھا اور کسی طرح کی امداد سے بھی تمہیں اس مصیبت کے پنجے سے چھڑا نہیں سکتا تھا۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ اور یاد کرو کہ ہم نے تمہیں اپنی قوت کے ساتھ خلاصی دی اور نجات عطا فرمائی نہ کہ تمہارے آباؤ واجداد اور تمہارے دوستوں یاروں میں سے کسی اور نے اور کمال قوت کا پتہ دینے کیلئے ضمیر جمع جو کہ متکلم مع الغیر کا صیغہ ہے اختیار فرمائی ورنہ یا بنی اسرائیل سے لے کر یہاں تک متکلم واحد کا صیغہ مستعمل ہوا ہے۔ تا کہ شکر اور اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ آیات پر ایمان لانے میں باری تعالیٰ کی توحید کا پتہ چلے۔

مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ فرعون کے پیروکاروں کے ہاتھ سے جو کثرت میں لاتعداد تھے۔ اور یہاں اس کے پیروکاروں کا ذکر۔ حالانکہ بدسلوکی کی جڑ اور دراصل خود فرعون تھا اس اشارہ کیلئے ہے کہ جب کوئی حاکم کسی گروہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے جبکہ اس کے پیروکار، وزیر اور امیر دلی طور پر اس گروہ کے خیر خواہ ہوں تو مصیبت آسان ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس حاکم کا ارادہ پیروکاروں کی امداد اور شرکت کے بغیر اتنا پورا نہیں ہوتا اور یہاں فرعون کے پیروکار فرعون سے بھی زیادہ اس گروہ کی دشمنی پر کمر بستہ تھے۔ اور سب کے سب لڑائی پر آمادہ تھے۔

يَسُوْمُوْنَكُمْ تمہیں پہنچاتے تھے سُوْٓءَ الْعَذَابِ سخت ترین عذاب اس طرح کہ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ کثرت سے ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو

## فرعون کے عذاب کا بیان جو کہ بنی اسرائیل پر مقرر تھا

اور یہ سب سے زیادہ سخت عذاب ہے۔ کیونکہ بیٹوں کو ہلاک کرنا کسی گروہ کی نسل کو

marfat.com

Marfat.com

مٹانے کا موجب ہے۔ نیز جب مرد نہیں رہیں گے تو عورتوں کی زندگی بہت رنج والم میں ہو گی۔ کیونکہ کمائی اور روزی کی تلاش مردوں کا ذمہ ہے۔ نیز اولاد کو قتل کرنا اس کے بعد کہ اس کے حمل اور رحم میں آنے میں سخت رحمت اور محنت اور طویل تکلیف اٹھائی ہو۔ اور شکم سے باہر آنے پر اس سے نفع پہنچنے کی قوی امید حاصل ہوئی روح کو سخت اذیت پہنچانے کا موجب ہوتا ہے۔ نیز بشری جبلت کے اعتبار سے بیٹے کی جنس بیٹی کی جنس سے زیادہ پیاری اور مرغوب ہوتی ہے یہاں تک کہ عربوں نے کہا ہے۔ (بیت) سرود ان مالهما ثالث حیوة البنین وموت البنات دو خوشیاں ہیں جن کی تیسری نہیں' بیٹوں کی زندگی اور بیٹیوں کی موت۔ پس بیٹوں کو ذبح کرنا عقلی صدمہ بھی تھا اور طبعی رنج بھی۔ اور دونوں صدمے شدت میں کمال کو پہنچے ہوئے۔ اور کاش کہ فرعون کے پیروکار لڑکوں لڑکیوں ساری اولاد کو قتل کر دیتے تاکہ بعض وجہوں سے یہ مصیبت ہلکی ہو جاتی لیکن وہ صرف بیٹوں کو قتل کرتے تھے۔

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ اور زندہ رہنے دیتے تھے تمہاری لڑکیوں کو۔ اور اگرچہ پیدائش کی ابتداء میں لڑکیاں پیاری اور مرغوب ہوتی ہیں۔ اور حرکتوں اور دل فریب باتوں کے ساتھ تمہیں فریفتہ کرتی تھیں۔ لیکن جوانی کے بعد بالغ عورتیں ہو جاتی تھیں۔ اور مردوں کے بغیر عورتوں کا باقی رہنا۔ اور ان کی طرف سے سوچوں کا ہجوم' محنت اور خرچوں کے اعتبار سے بھی اور اس اعتبار سے بھی کہ دشمنوں کی بیویاں بنیں گی اور انتہائی ذلت اور عار لاحق ہو گی بہت غم اور ملال کا باعث ہوں گی اور اسی نکتہ کو ظاہر کرنے کیلئے وَيَسْتَحْيُوْنَ بَنَاتِكُمْ نہ فرمایا۔ اور یذبحون رجالکم نہ فرمایا۔ اور اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ کامل مشقت اور رنج بیٹوں کی بچپن میں ہلاکت میں ہوتا ہے۔ کہ ابھی کسی نافرمانی کی جڑ نہیں بنے ہیں۔ اور ان سے نفع کی امید تمام وجوہ کے ساتھ برقرار ہے۔ اور ان کی حرکات کی طرف طبیعت کا میلان اوج کمال پر ہے۔ اور بیٹیوں کی زندگی میں کامل مشقت اور رنج ان کے بلوغ کا وقت ہے کہ ان کی حرکات کی طرف میلان طبعی نہ رہا۔ اور ذلت اور عار کے اسباب ان کے باقی رہنے میں ہر طرف سے ہجوم کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ پس اگر یذبحون رجالکم و

marfat.com
Marfat.com

یستحیون نساء کم یا یذبحون ابناء کم ویستحیون بناتکم فرمایا جاتا تو عذاب کی یہ شدت نہ سمجھی جاتی۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ اس سورت میں یذبحون داو کے بغیر واقع ہوا ہے۔ اور سورت اعراف میں بھی یُقَتِّلُوْنَ (آیت ۱۴۱) اسی سورت کی مانند داوٗ کے بغیر واقع ہے۔ اور سورت ابراہیم میں وَیُذَبِّحُوْنَ (آیت ۶) واوٗ کے ساتھ آیا اس کی وجہ کیا ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں اور اعراف میں یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ کی تفسیر ابناء کے قتل اور ذبح اور اس کے بعد سے فرمائی ہے۔ پس داوٗ کی حاجت نہیں۔ بلکہ داوٗ کا وجود مخل ہے۔ کیونکہ تفسیر اور مفسر دونوں ایک چیز ہیں۔ ان میں کوئی مغایرت نہیں۔ تا کہ حرف واوٗ کی گنجائش ہو۔ جبکہ سورۂ ابراہیم میں یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ سے دوسری سخت تکلیفیں مراد لی گئی ہیں جو کہ فرعونی بنی اسرائیل کے فرقہ کو دیتے تھے۔ ان میں سے یہ کہ اس فرقے کے قوت والوں کو فرعون کے باغات اور اس کے محلات کی تعمیر کیلئے پہاڑ سے پتھر اٹھالانے پر مقرر کیا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے ہاتھ اور گردنوں میں ناسور پیدا ہو گئے تھے۔ اور ان کی کمریں زخمی تھیں۔ اور ان کے کمزوروں کو چھوٹے پتھر اٹھانے اور گارا بنانے کیلئے مقرر کیا ہوا تھا اور ان میں ایک جماعت کو اینٹیں بنانے اور انہیں آوہ میں پکانے کا کام سپرد تھا اور ایک جماعت کو بڑھیوں اور لوہاروں کے کام اور راہوں۔ اور گھروں کی صفائی کیلئے مقرر کر رکھا تھا اور ان میں سے جو زیادہ کمزور ہوتے۔ اور کسی طرح کارآمد نہ ہوتے ان پر ٹیکس مقرر کیا ہوا تھا جو کہ سال کے سال اور مہینے کے مہینے ادا کرتے اور بنی اسرائیل کی عورتوں کو بے گار کے طور پر سوت کاتنے اور کپڑا بننے اور بعض کو دوسرے رذیل اور ناپاک کاموں پر مقرر کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے مرد اور عورتیں اس سخت صورتحال میں موت کی آرزو کرتے تھے۔ اور اپنی زندگی سے بیزار ہو چکے تھے۔

اور ظاہر ہے کہ بیٹوں کو قتل کرنا ان چیزوں کے سوا ایک دوسری چیز ہے۔ اس لئے مغایرت کیلئے دونوں جملوں کے مضمون کے درمیان حرف داوٗ کو لانا ضروری ہوا جو کہ اس پر

marfat.com
Marfat.com

دلالت کرتی ہے۔ باقی رہا یہ کہ یہاں یُذَبِّحُوْنَ کے جملہ کو یَسُوْمُوْنَکُمْ کی تفسیر کیوں گردانا ہے۔ اور سورت ابراہیم میں دوسری مصیبت کیوں شمار کیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت اور سورت اعراف میں یہ دونوں جملے کلام الٰہی میں سے واقع ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو اپنی کامل مہربانی اور رحمت جو کہ اپنے بندوں کے حال پر ہے منظور نہ ہوا کہ ان کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا شمار کرے کیونکہ بلا کا یاد کرنا بھی عذاب کی ایک قسم ہے۔ اور سورت ابراہیم میں یہ دونوں جملے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کلام سے واقع ہوئے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم تھا کہ بنی اسرائیل کو تمام محنتیں اور مشقتیں یاد کرائیں وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کلام اپنے ہم عصروں کے ساتھ تھا جو کہ تمام محنتوں اور مشقتوں سے واقف تھے۔ اور یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے زمانے کے بنی اسرائیل سے تھا جنہوں نے یہ مصیبتیں ہرگز دیکھیں نہ چکھیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر ان مشقتوں اور تکلیفوں سے واقفیت بھی نہیں رکھتے تھے مگر اس مشقت سے کہ ان کا قتل ہو۔ کیونکہ اس تکلیف کا حال ان میں تواتر کے ساتھ رائج اور مشہور تھا تو لازماً یہاں صرف اسی مشقت کا بیان منظور ہوا اور حقیقت بھی سب سے بڑی مشقت اور بڑی مصیبت تھی۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

وَفِیْ ذٰلِكُمْ اور ان مذکورہ تکلیفوں میں جو کہ بیٹوں کو قتل کرنا اور لڑکیوں کو باقی رکھنا ہے۔

بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ تمہارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑا امتحان تھا۔

کیونکہ دشمن کو یہاں تک مسلط کر دینا کہ عزیز ترین جانوں کو برباد کر دے کمال ذلت و رسوائی اور رنج و غم کا باعث ہے۔ اور یہ سب اس لئے تھا کہ اس قدر بڑی بلا سے خلاصی دینا تمہاری نظر میں عظمت پیدا کرے۔ اور اس نعمت کی قدر کو جانو۔ نیز سمجھو کہ جو کوئی بلائے سخت پر صبر کرے جزائے عظیم کا مستحق ہو جاتا ہے۔ خصوصاً دار الجزاء میں۔ نیز تم جانو کہ دنیا کی سختیوں میں ذات حق عزوعلا کے بغیر کوئی کام نہیں آتا۔ کیونکہ اس وقت زندوں اور مردوں میں سے کوئی بھی تمہاری فریاد کو نہ پہنچا۔ اور نہ ہی تمہیں فرعون اور فرعونیوں کے ہاتھ سے طاقت اور غلبہ کے ساتھ چھڑایا اور تمہارے عوض کے طور پر کسی دوسرے فرقہ کو لا کر دیا۔ اور نہ ہی تمہاری محنتیں اور مشقتیں اپنے اوپر لیں تو جب دنیا میں جو کہ باہمی تعاون اور امداد کا وقت ہے کوئی

marfat.com
Marfat.com

تمہارے کام نہ آیا تو آخرت میں جونفسی نفسی کا وقت ہے تمہیں کسی اور سے امداد اور اعانت کی توقع خام خیال ہے۔

## فرعون اور فرعونیوں کی بنی اسرائیل کے ساتھ دشمنی کی وجہ کا بیان

اور فرعون اور فرعونیوں کی بنی اسرائیل کے ساتھ عداوت کی وجہ یہ تھی کہ جب فرعون کو جس کا نام ولید بن مصعب تھا۔ اور اسے اس کے چہرہ کے چمکنے کی وجہ سے قابوس کا لقب دیتے تھے۔ کیونکہ قابوس چمکتی چنگاری کو کہتے ہیں۔ اور اس وجہ سے کہ وجہ سے کہ ملک مصر کا بادشاہ تھا اور اسے فرعون کہتے تھے۔ کیونکہ فرعون قبطیوں کی لغت میں بادشاہ کو کہتے ہیں۔ جس طرح لغت عرب میں سلطان۔ لغت فارسی میں شاہ' لغت ہندی میں راجہ مصر کی بادشاہی میسر آئی اور اسے قدرت اور مرتبہ کے اسباب ہر طرف سے مہیا ہو گئے تو اس نے اپنی طرف سے قانون بنایا کہ مملکت مصر کے تمام شاہی کارندوں اور ارکان سلطنت' وزراء اور امراء سے لے کر چھوٹی رعایا تک کو اس بات کا پابند کرے کہ وہ اسے سجدہ کریں۔ چنانچہ جس نے سب سے پہلے اسے سجدہ کیا ہامان تھا اس کے بعد دوسرے امراء اور ارکان سلطنت نے سجدہ کیا۔ اور جو لوگ اس کے پایہ تخت سے دور تھے ان کیلئے اپنی ہم شکل مورتیاں سونے سے بنا کر ہاتھی دانت' آبنوس اور چاندی کے تختوں پر نصب کر کے اور ان تختوں کے اردگرد سونے کے تنے والے درخت جن کے پتے زمرد کے تھے بنائے۔ اور ان درختوں کی ہر شاخ پر چاندی کے جانور بنائے۔ اور ان جانوروں کی چونچ نفیس جواہر سے درست کی۔ اور ہر جانور میں ایسا معمہ رکھا تھا کہ جب خادم اس تخت کو حرکت دیں تو ان جانوروں کے پیٹ سے ایک آواز آئے کہ اے مصر والو! فرعون تمہارا خدا ہے اسے سجدہ کرو۔ اور قصبوں اور بستیوں والے اس آواز کو سنتے ہی سجدہ میں گر جاتے تھے۔ اور جب تمام مصری فرعون پرستی میں گرفتار ہو گئے تو بنی اسرائیلیوں نے ان کی موافقت نہ کی۔ اور سجدہ نہ کیا فرعون نے ان کے سرداروں کو اپنے دربار میں بلا کر ڈانٹ کر کہا تم مجھے سجدہ نہیں کرتے ہو۔ اور میری مورتیوں کو بھی نہیں پوجتے ہو معلوم ہوتا کہ تمہاری زندگی تم پر بوجھ ہے۔ اگر تم نے مجھے اور میری مورتیوں کو سجدہ نہ کیا میں تمہیں مختلف قسم کے عذاب دوں گا یہ کہہ کر جلادوں کو عذاب دینے کے اسباب

marfat.com

Marfat.com

سمیت اپنے پاس طلب کیا۔ اور بنی اسرائیل کو ڈرایا۔ بنی اسرائیل کے سرداروں نے اپنے فرقہ سے کہا کہ فرعون کا عذاب ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے گا جبکہ عذاب خداوندی ہمیشہ کیلئے ہے بہتر یہی ہے کہ فرعون کے عذاب پر صبر کرو اور اسے سجدہ نہ کرو بنی اسرائیل کی ساری جماعت نے اسی عزم پر پختگی کرکے فرعون کو کھل کر کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ جائز نہیں ہم تجھے ہرگز سجدہ نہیں کریں گے جو چاہے کرلے فرعون نے تانبے اور لوہے کی دیگیں طلب کیں اور ان میں زیتون کا تیل اور گندھک ڈال کر آگ پر رکھ کر انہیں گرم کرایا جب وہ دیگیں گرم ہو گئیں اور زیتون کا تیل اور گندھک جوش کرنے لگی تو بنی اسرائیل کو اس میں ڈالتا تھا اور وہ جل جاتے تھے۔ اور بنی اسرائیل نے فرعون کو قطعاً سجدہ نہ کیا۔ اور صبر کیا۔ اور کہا کہ پروردگار وہی خدا تعالیٰ ہے جو کہ حضرت ابراہیم اسحاق اور یعقوب علیٰ نبینا وعلیہم السلام کا پروردگار ہے ہم اپنے اسی پروردگار پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی کثیر جماعت کو جلا دیا گیا۔

ہامان جو کہ فرعون کا وزیر تھا سفارش کیلئے کھڑا ہوا اور کہا کہ بادشاہ انہیں مہلت دے تاکہ کچھ سوچ سمجھ کر وہ بادشاہ کا حکم قبول کرلیں۔ فرعون بنی اسرائیلیوں کو جلانے سے رک گیا لیکن اس فرقہ پر وہی پہلے لکھی گئی بیگاریں مقرر کر دیں۔ یہاں تک کہ فرعون نے متواتر تین راتیں وحشتناک اور ڈراؤنی خوابیں دیکھیں۔ کہتے کہ اس کی خواب میں ایک آگ نظر آئی جو کہ مصر کا سارا شہر اور قبطیوں کا ملک جلا کر آ رہی ہے۔ اور جب بنی اسرائیل کے محلے سے گزرتی ہے۔ تو کسی کو نہیں جلاتی اور بنی اسرائیل کے محلہ سے ایک بہت بڑا اژدھا فرعون پر جھپٹا جس نے اسے تخت کے اوپر سے الٹا گرا دیا۔ صبح کو اٹھ کر اس نے تعبیر کہنے والوں اور نجومیوں کو جمع کرکے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ سب نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو کہ تیری بادشاہی کے زوال کا باعث ہوگا۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا بیان

فرعون نے جب یہ تعبیر سنی تو شہر کے کوتوال کو بلا کر حکم دیا کہ ایک ہزار پیادہ بنی اسرائیل کے محلہ میں مقرر کرے۔ اور ان کے ہمراہ ایک ہزار دائی مقرر کرے تاکہ وہ بنی

marfat.com

Marfat.com

اسرائیل کے گھروں میں تلاش کریں۔ اور جس گھر میں لڑکا پیدا ہوا سے قتل کر دیں اور لڑکیوں کو چھوڑ دیں۔ فرعون کے حکم کے مطابق دو سال تک بنی اسرائیل پر اسی قسم کا ظلم جاری رہا۔ جب تیسرا سال ہوا تو عمران جو کہ بنی لادی کے سرداروں میں سے ایک تھے۔ اور لادی حضرت یعقوب علیہ السلام کا بڑا بیٹا ہے کی بیوی عانذ نامی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں اور فرعون کی مقرر کردہ دائیاں ان کے گھر میں اور پیادے دروازے پر تحقیق و تلاش کیلئے ہر روز آتے تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب ہو گیا تو فرعون کی دائیوں میں سے ایک دائی نے احتیاطاً ان کے گھر میں رات بسر کرنی شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اچانک رات کے وقت پیدا ہوئے۔ جیسے ہی آپ جلوہ افروز ہوئے۔ اور آپ کے چہرہ مبارک پر دائی کی نظر پڑی تو اس کے دل میں آپ کی محبت نے بے اختیار غلبہ کیا اگر چہ اس نے چاہا کہ نصیب دشمناں انہیں قتل روے لیکن اس طرح ہر گز ممکن نہ ہو سکا۔ آخر اسی نے آپ کی والدہ محترمہ سے کہا کہ میرے ہاتھ بیٹے کو قتل کرنے کیلئے کام نہیں کرتے کیا تدبیر کی جائے؟ آپ کی والدہ نے فرمایا کہ ہمارے پڑوس میں ایک شخص نے بکری ذبح کی ہے اس بکری کے گوشت کا ایک ٹکڑا لا کر ایک دیگ میں ڈال کر پیادوں کو دکھا کہ یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اور اسے دبانے کیلئے جنگل جا رہی ہوں صبح جس وقت پیادے تحقیق کیلئے آئے دائی باہر آئی اور انہیں سربستہ دیگ دکھائی کہ یہ یہاں لڑکا پیدا ہوا تھا میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اور جنگل کو جا رہی ہوں چونکہ پیادے دائیوں پر پورا اعتماد کرتے تھے انہوں نے زیادہ تحقیق نہ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام گھر میں رہے۔ لیکن تعبیر کہنے والوں اور نجومیوں نے جمع ہو کر فرعون کو خبر پہنچائی کہ وہ لڑکا جس کا وعدہ تھا وجود میں آ چکا ہے۔ اور اس کا ستارہ طلوع ہو چکا۔ خبردار رہنا چاہئے۔ اور تحقیق کی جانی چاہئے فرعون نے کوتوال کو پابند کیا۔ اور اس نے پیادوں پر بہت تشدد کیا پیادوں نے کہا کہ ہم نے ایک گھر میں زیادہ تحقیق نہیں کی صرف دایہ کے کہنے پر اعتماد کر لیا اگر آپ کہیں تو گھر کے اندر جا کر پوری تحقیق کریں۔ اور دائیوں پر اعتماد نہ کریں کوتوال نے کہا جلدی جاؤ اور بغیر پردہ کرائے اندر جاؤ تا کہ اگر انہوں نے کسی لڑکے کو چھپا

marfat.com

Marfat.com

رکھا ہوگا تو ظاہر ہو جائے پیادے بغیر خبر دیئے عمران کے گھر میں آ گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بڑی ہمشیرہ جن کا نام حضرت مریم ہے کی گود میں تھے۔ آپ کی ہمشیرہ نے جب دیکھا کہ پیادے شور کرتے ہوئے گھر میں گھس آئے تو آپ کو تنور میں ڈال دیا اور اس وقت تنور میں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے اپنی طرف سے سوچا یہ کہ اگر یہ لڑکا ظاہر ہو گیا ہم تمام گھر والے قتل کر دیئے جائیں گے۔ اور یہ لڑکا بھی اور اگر اس تنور میں ڈال دوں تو اس کی جان چلی جائے گی۔ لیکن تمام گھر والوں کی جان محفوظ رہے گی۔ پیادوں نے تمام گھر کی پوری تلاشی لی کہیں بھی بیٹے کا نشان نظر نہ آیا اور اس بنا پر کہ تنور سے شعلے اٹھ رہے تھے اس کی تلاشی نہ لی اور باہر نکل کر چلے گئے۔

## تنور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے جو کہ اس واقعہ کی وجہ سے سہمی ہوئی بیہوش تھیں افاقہ ہونے پر اپنی بیٹی سے حال کی تحقیق کی کہ تو نے بچے کو کہاں پھینکا؟ اس نے کہا کہ گھبرا کر میں نے اسے تنور میں ڈال دیا۔ آپ کی والدہ محترمہ بہت غمگین ہو کر تنور پر آئیں دیکھا کہ تنور شعلے مار رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے ناامید ہو گئیں اچانک آپ نے تنور کے اندر سے آواز دی کہ اے والدہ محترمہ غم نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو مجھ پر ٹھنڈا کر دیا ہے۔ جس طرح کہ میرے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اسے سرد کیا۔ آپ کی والدہ محترمہ حیران ہو گئیں اور کہا کہ اب کس تدبیر کے ساتھ میں تجھے تنور سے نکالوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاتھ لمبا کیجئے اور مجھے تنور سے نکال لیں کہ یہ آگ آپ کے ہاتھ کو بھی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ اور اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک ۴۰ دن کی ہو چکی تھی۔ آپ کی والدہ نے آپ کو تنور سے نکالنے کے بعد اپنے گھر والوں سے مشورہ کیا کہ یہ فرزند اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائب میں سے ہے۔ لیکن آخر بچہ ہے۔ آواز سے روئے گا اور فرعون کے پیادے جو کہ گھر گھر تلاشی لے رہے ہیں اس کی آواز کو سن لیں گے اور ہمیں اور اسے مار ڈالیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اس بچے کو صندوقچہ میں ڈال کر دریائے نیل میں بہا دیں تاکہ دیہات میں سے کسی گاؤں میں کسی کے

marfat.com

Marfat.com

ہاتھ لگ جائے۔ اور بچ جائے۔ اور ہم بھی فرعون کے خوف سے نجات پائیں۔ تمام گھر والوں کے مشورہ سے یہی قرار پایا اور ایک بڑھئی کو جس کا نام سانوم یا حانوم تھا چوری چھپے بلایا کہ ہمیں ایک صندوقچہ اس قدر طول وعرض کا بنادے اور اس صندوق کی تختیوں کو اس طرح ملا کر جوڑ کہ پانی اندر نہ جاسکے اس بڑھئی نے کہا کہ یہ صندوقچہ تمہیں کس لئے مطلوب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی زبان سے نکلا کہ ہمارے گھر میں بچہ پیدا ہوا ہے ہم چاہتے ہیں کہ اسے دریائے نیل میں بہادیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ بادشاہ کو پتہ چل جائے۔ اور ہمیں قتل کردے۔ اس بڑھئی نے کہا کہ بہت خوب میں تمہارا راز دار ہوں تمہیں ایسا صندوقچہ بنا کر دیتا ہوں جب گھر پہنچا تو اس نے سنا کہ فرعون کا منادی آواز دے رہا تھا کہ جو کوئی ہمیں بنی اسرائیل میں ان دنوں پیدا ہونے والے بچے کا پتہ دے تو ہم اسے اس اس طرح نوازیں گے۔ بڑھئی کی طمع کی دیگ جوش میں آئی اور اس نے چاہا کہ کوتوال کے سامنے یہ ماجرا ظاہر کردے۔ جیسے ہی گھر کے دروازے سے پاؤں باہر رکھا اندھا ہو گیا۔ اور اس کے دونوں پاؤں ٹخنوں تک زمین میں دھنس گئے اور غیب سے ایک آواز سنی کہ اگر تو نے یہ راز کسی سے کہا تو ہم تجھے اسی وقت زمین میں غرق کردیں گے۔ بڑھئی نے خالص توبہ کی۔ اور نابینائی اور دھنسنے سے نجات پا کر اپنے گھر میں آیا اور راتوں رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے فرمان کے مطابق صندوقچہ بنا کر اور اس میں آسمان کی طرف کھولنے کا ایک دریچہ رکھ کر راتوں رات حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی والدہ کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اجرت کے طور پر اسے بھاری رقم ادا کی۔ اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے کہا کہ میں دل وجان سے اس بچے کا مرید اور معتقد ہوں۔ میں ان کے کام کی مزدوری ہرگز ہرگز نہیں لوں گا۔ مگر اتنا کیجئے کہ مجھے اس فرزند کی زیارت سے مشرف فرمائیں حضرت کی والدہ محترمہ نے اسے آپ کی زیارت کرائی اس نے اپنی دونوں آنکھیں آپ کے قدموں پر ملیں اور واپس ہوا پہلا شخص جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا وہ بڑھئی تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے دن بھر توقف کیا۔ جب دوسری رات آئی حضرت موسیٰ کو غسل دیا' خوشبو لگائی' نئے کپڑے پہنائے اور آپ کو صندوقچہ میں رکھ کر

marfat.com
Marfat.com

روتے ہوئے۔ اور غم کرتے ہوئے دریائے نیل کے کنارے لائیں۔ اچانک ابلیس لعین بہت بڑے سیاہ اژدھا کی صورت میں ظاہر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تو نے اسے دریا میں ڈالا تو میں اسے ایک لقمے سے ہضم کرلوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نہایت عقلمند تھیں جان لیا کہ یہ اژدھا جانور ہوتا تو بولنے کی یہ صلاحیت کہاں سے پاتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ہے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی اور آپ کو دریا میں ڈال دیا اور روتے ہوئے پریشان حالت میں گھر کو لوٹیں۔ حضرت کی ہمشیرہ سے فرمایا کہ اگر تو میری زندگی چاہتی ہے۔ تو اس صندوقچہ کے پیچھے پیچھے جا اور دیکھ کہ کہاں جاتا ہے اگر شہر کے سامنے سے گزر گیا تو ہمیں دلجمعی نصیب ہوگی۔ اور اگر شہر کے لوگوں میں سے کسی نے دیکھ کر اسے پکڑ لیا تو یقیناً وہ بادشاہ کے پاس لے جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن صندوقچہ کے ہمراہ دریا کے کنارے کنارے جا رہی تھیں۔ اور بیگانوں کی طرح دور سے دیکھتی تھیں۔

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے بنی اسرائیل کے ۱۲ ہزار بچے قتل ہو چکے تھے۔ اور نوے ہزار حمل اس خوف کی وجہ سے بنی اسرائیل کی عورتوں نے گرا دیئے تھے کہ کہیں بیٹا ہوا اور فرعونی اسے قتل کر دیں۔ اور فرعون بد بخت کی یہ ساری تدبیریں تقدیر الٰہی کے مقابلہ میں کارگر نہ ہوئیں۔ قصہ مختصر وہ صندوقچہ دریائے نیل سے اس نہر میں داخل ہو گیا جسے فرعون دریائے نیل سے کھود کر اپنے باغ میں جس کا نام عین الشمس تھا لے گیا تھا صندوقچہ فرعون کے باغ کے درمیان پہنچ گیا۔ فرعون اس وقت باغ کی سیر میں مصروف تھا اور فرعون کی بیٹی اور دوسرے اہل محل اس کے ہمراہ تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ایک صندوقچہ پانی کے ساتھ باغ میں آیا ہے۔ تو دوڑے اور اس صندوقچے کو اٹھا کر فرعون کے سامنے لے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جب دیکھا کہ صندوقچہ نہر کے پانی کے ہمراہ باغ میں آ گیا ہے۔ دوڑ کر گئیں اور اپنی والدہ کو خبر دی۔ آپ کی والدہ محترمہ اس وقت بہت بے قرار ہوئیں اور قریب تھا کہ بے اختیار ہو کر گریہ زاری کرتے ہوئے گھر سے باہر آئیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ کوئی فکر نہ کر اور ہماری قدرت کا تماشا دیکھ کہ ہم کس تدبیر سے اسے تمہارے پاس پہنچاتے ہیں۔ آخر ہم

marfat.com
Marfat.com

اسے اولوالعزم پیغمبروں علیہ السلام میں سے کریں گے۔

قصہ مختصر جب فرعون نے دیکھا کہ ایک نومولود بچہ صندوقچہ میں رکھا ہوا ہے۔ تو اس نے اپنے وزیر ہامان کو بلایا اور کہا کہ یہ وہی بچہ ہے جس سے ہمیں نجومی ڈراتے ہیں۔ میرا نصیب دیکھ کر بچہ کس طرح خود بخود میرے پاس آ گیا۔ اب اسے (معاذ اللہ) قتل کر دو۔ فرعون کی بیوی جس کا نام آسیہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جمال جہاں آراء کو دیکھتے ہی فریفتہ ہوگئی۔ اور اس نے کہا کہ اس بے گناہ کو بدگمانی کی وجہ سے مت قتل کرو زندہ رہنے دو۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارے کام آئے ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں کہ ہمارے ہاں بیٹا نہیں ہے۔ فرعون اپنی بیوی کے اصرار کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز رہا اور فرعون کی بیوی نے آپ کو اپنا بیٹا بنا لیا اور حکم دیا کہ اس بچے کیلئے دائیوں کو لایا جائے جو دایہ بھی لائی گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا دودھ نہیں لیتے تھے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جو کہ آپ کے حالات کا پتہ کرنے کیلئے بار بار فرعون کے دروازے پر آتی تھیں یہ ماجرا سن کر کہا کہ میں ایک دائی کا پتہ دیتی ہوں جو کہ بچوں کی پرورش میں بے مثل ہے غالب گمان ہے کہ یہ بچہ اس کا دودھ لے لے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلا کر لے گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ محترمہ کا دودھ نوش فرمایا۔ فرعون نے رائج الوقت ایک اشرفی یومیہ مقرر کر دی کہ اس بچے کو یہی دایہ دودھ دیتی رہے گی۔

## عبادت پر مزدوری لینے کا جواز

حدیث شریف میں وارد ہے کہ میری امت کے غازیوں کی مثال جو کہ بادشاہ وزیر اور حاکم سے ماہانہ اور سالانہ تنخواہ لیتے ہیں۔ اور اسباب جہاد مہیا کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔ اور ان کی نیت خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرح ہے جو کہ فرعون سے یومیہ خرچ لیتی تھیں۔ اور اپنے بیٹے کو دودھ پلاتی تھیں۔ اور اس حدیث پاک میں فقہ کے اصول کلیہ میں سے ایک عظیم قانون کا اشارہ ہے۔ یعنی عبادت پر اجرت لینا اس صورت میں جائز ہے کہ نیت خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہو۔ اور اجرت کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہو۔ اس عبادت کو اپنے کرنے کا کام سمجھے اگرچہ اسے کوئی مزدوری دے یا نہ دے اور اگر

marfat.com
Marfat.com

دنیوی پیشوں اور مزدوریوں کی طرح اس عبادت کو اجرت لینے پر معلق کر دے کہ لوگ اجرت دیں تو بجالائے ورنہ چھوڑ دے تو وہ صرف مزدور ہے اس کا ثواب میں کوئی حصہ نہیں۔ بلکہ عذاب کا خطرہ ہے کہ اس نے دین کے کام کو دنیا کیلئے کیا۔ اور آخرت کو ادنیٰ سی چیز کے عوض فروخت کر دیا اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔

## دورانِ تربیت فرعون کی مرمت

قصہ مختصر آسیہ زوجہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے سونے کی تختیوں کا پنگھوڑا تیار کیا۔ اور آپ کو پوری عزت واحترام کے ساتھ رکھا اور دو سال کی مدت تک آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو فرعون کے گھر میں دودھ دیا اور جب دو سال کے بعد دودھ سے جدا ہوئے تو آسیہ نے ایک خچر کا بوجھ سونا اور چند اونٹ قیمتی تحائف اور سامان سے لدے ہوئے دے کر آپ کی والدہ محترمہ کو رخصت کیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس رکھ کر تربیت شروع کر دی۔ جب حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تین سال کے ہو گئے ایک دن فرعون آپ کو اپنی گود میں لے کر کھیل رہا تھا کہ اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسکی داڑھی کو ہاتھ سے پکڑ کر کھینچا اور فرعون کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا۔ فرعون جھنجھلایا اور آسیہ سے کہنے لگا کہ میں نے نہ کہا تھا کہ یہ بچہ وہی میرا دشمن ہے جس سے میں ڈرتا تھا اور تو نے مجھے اسے قتل کرنے نہ دیا اب بھی اس سے دست بردار ہو جاؤ۔ آسیہ نے کہا تو کس خیال میں ہے۔ بچوں سے اس قسم کی حرکتیں بہت سی ہو جاتی ہیں ان کی حرکات کو دشمنی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ فرعون نے کہا کہ اس بچے کو دوسروں پر قیاس نہ کرے۔ قیافہ کے ساتھ میں اس بچے میں بالغوں سے زیادہ تمیز اور عقل پاتا ہوں۔ اور اس نے میرے ساتھ یہ حرکت جان بوجھ کر کی ہے۔ آسیہ نے کہا کہ اس عمر میں تمیز اور عقل کہاں سے آئی دیکھ میں اس کا امتحان لیتی ہوں۔ اس نے حکم دیا سونے کا ایک خوانچہ آگ سے اور دوسرا چاندی کا خوانچہ مروارید اور یاقوت سے پر لایا گیا اس کے بعد اس نے کہا کہ ان دونوں خوانچوں میں سے جو تجھے پسند ہے اٹھا لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مروارید اور یاقوت والے خوانچہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام پہنچے اور آپ کا ہاتھ آگ والے خوانچے کی طرف کر

marfat.com
Marfat.com

دیا۔اور ایک چنگاری وہاں سے اٹھا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منہ مبارک تک پہنچادی یہاں تک کہ اس نے آپ کی زبان مبارک پر اثر کیا۔اور اسی وقت سے آپ کی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی۔

## سال بہ سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احوال وواقعات اور آسیہ کی تاویلات

آسیہ نے فرعون سے کہا کہ تو نے اس بچے کی عقل دیکھی؟ اس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ برس کے ہوئے ایک دن فرعون کے پاس بیٹھے تھے۔اچانک فرعون نے مرغے لڑانے والے سے کہا کہ ہمارے لڑائی والے مرغوں کو چھوڑ دے پہلے ایک مرغا باہر آیا اور اس نے دونوں پر ہلا کر ایک آواز نکالی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا۔فرعون نے پوچھا کہ اس نے کیا کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نے ان لفظوں کے ساتھ اپنے پروردگار کی تسبیح کی کہ "پاک ہے وہ خدا جس نے چرواہے کے بیٹے کو اس مدت دراز تک دولت اور عزت سے نوازا اور اسے قسم قسم کی نعمتیں عطا فرمائیں۔حالانکہ وہ ہر نعمت کے مقابلہ میں ناشکری کرتا ہے۔"فرعون نے کہا اے موسیٰ! مرغے کو اس قسم کی باتوں سے کیا تعلق؟ تو اپنی طرف سے ایسی باتیں بنا رہا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مرغے کو آواز دی کہ اوپر آ اور ایسی زبان میں بات کر جو کہ خاص اور عام سب سمجھیں۔مرغا سامنے آیا اور اس نے فصیح زبان میں اس بات کی وضاحت کی۔فرعون کا چہرہ بدل گیا۔اور بہت ڈرا۔اس کے وزیر ہامان نے جو کہ اس وقت حاضر تھا عرض کی کہ اس مرغے پر جادو چل گیا ہے اس کو ذبح کرنے کا فرمان دینا چاہئے جب اسے ذبح کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر اس میں روح لوٹا دی اور وہ ہوا میں اڑ کر لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ۹ برس کے ہوئے تو ایک دن فرعون نے آپ کو از رہ لطف اپنے تخت پر بٹھایا اور تمام امراء اور وزراء اس کے تخت کے اردگرد کھڑے تھے۔فرعون نے اپنی عادت کے مطابق کہ سر میں غرور وتکبر رکھتا تھا کفریہ کلمات بکنے شروع کر دیئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام غصے میں آ کر اس کے تخت سے نیچے اتر آئے۔فرعون نے کہا کہ کہاں جاتے ہو۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پاؤں مبارک سے اس کے تخت کو ایک

marfat.com

Marfat.com

ٹھوکر ماری کہ اس کے تخت کے دو پائے ٹوٹ گئے تخت ٹیڑھا ہو گیا۔ اور فرعون تخت سے گر گیا۔ اور اس کی ناک سے بہت سا خون بہہ نکلا۔ درباریوں میں شور و غوغا مچ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی سے بھاگ کر آسیہ کے پاس آ گئے اور انہیں اس واقعہ کی اطلاع دی۔ فرعون جب محل کے اندر آیا تو اس نے دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام آسیہ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ فرعون نے آسیہ پر برسنا شروع کر دیا کہ تو نے مجھے اس بچے کو قتل کرنے نہ دیا اب یہ بچہ بہت شوخیاں کرتا ہے۔ آسیہ نے کہا کہ بچپنے میں بچے جو شوخیاں ماں باپ کے ساتھ کرتے ہیں وہ شکایت کے لائق نہیں ہیں بلکہ اس امر کی دلیل ہیں کہ تمیز و عقل کی عمر کو پہنچنے کے بعد یہ سب شوخی اور قوت اپنے ماں باپ کے دشمنوں پر کرے گا۔ اور تمام وزراء اور ارکان سلطنت اس بچے کے دبدبہ کے خوف سے تیرے سامنے سرافگندہ رہیں گے۔ اس کے بعد دستر خوان چنا گیا۔ اور شاہی کھانا حاضر کیا گیا۔ اور فرعون کھانا کھا رہا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی کھانا کھا رہے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ فرعون کیلئے تنور میں سالم بکری کا بچہ بھون کر لایا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بکرے سے فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑا ہو جا وہ بکرا اٹھا اور بھاگنے لگا۔ فرعون بہت متعجب ہوا۔ آسیہ نے کہا کہ یہ سب چیزیں تیری بادشاہی اور حکومت کی بقا کیلئے کام آئیں گی۔ اس بچے کو غنیمت سمجھ اس کے بعد فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ادب سے پیش آتا تھا۔ اور آپ کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا تھا۔

## زمین پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تصرف

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ۲۳ برس کے ہو گئے۔ ایک دن آپ نیل کے کنارے وضو کر کے نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک فرعون کے خاص آدمیوں میں سے ایک شخص وہاں سے گزرا۔ اس نے کہا کہ اس قسم کی عبادت آپ کس کیلئے کر رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنے آقا و مالک کیلئے اس نے کہا کہ تمہیں کوئی آقا اور مالک نہیں چاہئے۔ اپنے باپ کی عبادت کرو جو کہ فرعون ہے۔ یہی کافی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تجھ پر اور فرعون پر خدا تعالیٰ کی لعنت۔ اس نے کہا میں فرعون کو اس ماجرا سے خبردار کروں گا۔

marfat.com
Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے زمین اسے پکڑ لے۔ زمین اسے زانو تک نیچے لے گئی اور اسے اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ اس نے مغلظ قسم اٹھائی کہ میں فرعون کو اس ماجرا کی ہرگز خبر نہیں کروں گا۔ اس کے بعد زمین سے نجات پا کر چلا گیا لیکن آپ کی نماز اور عبادت کا واقعہ فرعون کے خاص درباریوں میں مشہور ہو گیا۔ چلتے چلتے یہ خبر فرعون تک پہنچ گئی۔ فرعون نے کہا کہ جب موسیٰ نماز اور عبادت میں مشغول ہو تو مجھے خبر کرنا۔ فرعون کے خواص میں سے ایک شخص اس وقت کا منتظر رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نماز شروع فرمادی ہے۔ تو جا کر فرعون کو خبر کر دی۔ فرعون خود آیا اور کھڑا رہا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے۔ فرعون نے پوچھا اے موسیٰ! یہ کس کی عبادت تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنے اسی آقا کی جو مجھے کھلاتا' پلاتا' پہناتا اور پرورش فرماتا ہے۔ فرعون نے کہا کہ تو نے ٹھیک کہا میں ہی ہوں جس نے یہ کام کیے ہیں۔ اور کرتا ہوں۔

## سلسلۂ رشد و ہدایت کا آغاز

حاصل کلام یہ کہ اس عمر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پرانی عمر کے لوگوں کو اپنے پاس بلاتے تھے۔ اور ان سے مجلس کرتے اور ان کے ساتھ محبت اور پیار کرتے۔ اور یہ امر فرعون پر بہت ناگوار گزرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو اپنی مجلس میں جمع فرما کر پوچھا کہ تم کب سے فرعون کے عذاب میں گرفتار ہوئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم مدت دراز سے اسی عذاب میں گرفتار ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ تم اپنے اوپر ایک نذر لازم کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ اس سزا کو تم میں سے اٹھا لے تو اسے ادا کرو۔ سب نے کہا کہ ہم روزہ' نماز اور مساکین کو بہت کھانا کھلائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے اوپر ایک چیز کو قبول کر لو جو کہ ان سب سے کفایت کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی اختیار نہ کرنا۔ سب نے کہا کہ ہم نے جان و دل کے ساتھ قبول کیا۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ پہلے زمانہ میں

marfat.com
Marfat.com

بت پرستوں کی ایک جماعت کو اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ نوازا اور انہوں نے اس پیغمبر علیہ السلام کی قدر نہ جانی اور اس کیلئے ایندھن کے گٹھے جمع کر کے انہوں نے آگ جلائی اور اس پیغمبر علیہ السلام کو اس آگ میں ڈال دیا اور اس آگ نے انہیں کوئی تکلیف نہ دی۔ یہ قصہ کس طرح ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ پیغمبر علیہ السلام خود ہمارے اور آپ کے جد امجد تھے۔ حضرت ابراہیم (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ پس اپنے جد امجد کے طریقے پر رہو۔ اور فرعون اور فرعونیوں کے تکلیف دینے سے مت ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے شر کو تم سے دور کر دے گا۔

## مدین کو روانگی اور دورانِ سفر حفاظت کا عظیم اہتمام

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ۳۰ سال کے ہوئے۔ ایک دن ایک راستہ سے گزر رہے تھے کہ اچانک فرعون کے پیادوں میں سے ایک پیادا جو کہ فرعون کا ناظم مطبخ تھا ایندھن کا گٹھا ایک بنی اسرائیل کے سر پر رکھ کر اسے کہہ رہا تھا کہ اس گٹھے کو بادشاہ کے مطبخ میں پہنچا دے۔ اسرائیلی نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو فریاد کرنا شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے جتنا بھی ظلم سے روکا وہ باز نہ آیا۔ ناچار آپ نے اسکی پیشانی پر مکہ مارا وہ پیادا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اور وہ اسرائیلی نجات پا کر اپنے گھر کو چلا گیا۔ اور یہ خبر فرعون کو پہنچی۔ اس نے کہا کہ یہ جھوٹ ہے۔ موسیٰ نے اسرائیلی کی حمایت میں قبطی کو قتل نہیں کیا ہوگا۔ دوسرے دن پھر اسی قسم کا اتفاق ہوا کہ اس اسرائیلی پر ایک اور قبطی ظلم کر رہا تھا۔ اس نے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اس اسرائیلی کو ڈانٹ ڈپٹ فرمائی کہ ایک بار تو نے مجھے ابھارا یہاں تک کہ میں نے قبطی کو مار دیا اور آج پھر مجھے ابھارتا ہے اس کے بعد آپ نے چاہا کہ اس قبطی کو دفع کریں۔ اسرائیلی نے سمجھا کہ آپ مجھے مارتے ہیں۔ اس نے بلند آواز سے کہا کہ اے موسیٰ آج آپ مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ جبکہ گزشتہ روز آپ نے ایک اور آدمی کو مار دیا تھا۔ بازار کے سب لوگوں نے فرعون کے سامنے گواہی دی کہ قبطی کا قاتل موسیٰ ہے۔ اور قبطی سرداروں نے فرعون سے درخواست کی موسیٰ کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ تا کہ ہم اسے قبطی کے بدلے قتل کریں۔ فرعون حضرت

marfat.com
Marfat.com

موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے حکم سے توقف کرتا تھا کہ حزقیل نامی قبطی جو کہ ایمان سے مشرف ہو چکا تھا اور اس کا حال سورت حم المومن میں انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کیا جائے گا اس مجلس سے بھاگ کر آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ قبطی امیر اور رئیس آپ کو قتل کرنے کے درپے ہیں۔ آپ کیلئے یہی بہتر ہے کہ آپ چند دنوں کیلئے اس شہر سے باہر تشریف لے جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ خبر سنتے ہی سفر خرچ اور سواری کے بغیر ہی مدین کی راہ لی۔ راستے میں ایک چرواہے سے ملاقات ہوئی۔ اپنی نفیس پوشاک جو کہ زیب تن فرمائے ہوئے تھے اس چرواہے کو دے دی اور اس کا ادنیٰ جبہ اور گودڑی خود پہن کر روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ سات روز میں آپ مدین پہنچے۔ دوران سفر ہر روز دو شیر آپ کے ہمراہ ہوتے تھے جو کہ راستے پر دلالت کرتے تھے۔ اور رات کے وقت درندوں اور کیڑوں مکوڑوں سے آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ اس کے بعد کہ آپ مدین پہنچے حضرت شعیب علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں سکونت اختیار فرمائی اور ان کی صاحبزادی سے نکاح فرمایا۔ جیسا کہ سورت قصص میں اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں دس سال گزارنے کے بعد پھر مصر کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور راستہ میں نبوت ورسالت سے مشرف ہوئے۔ اور مصر میں چالیس سال تک فرعون اور فرعونیوں کے ساتھ مقابلہ اور جھگڑا کیا۔ اور قاہر معجزات دکھانے میں مصروف رہے۔ جیسا کہ سورہ اعراف میں مذکور ہے۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون' فرعونیوں اور قبطیوں کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ اے مولیٰ کریم! مجھے کوئی تدبیر اور حیلہ سکھا کہ بنی اسرائیل کو قبطوں کے ہاتھ سے چھڑا لوں تاکہ وہ کسی خوف وہراس کے بغیر تیری عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی فرمائی کہ اب تدبیر یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو جمع کر کے راتوں رات کوچ کر جائیں۔ اور اگر فرعون تمہارے پیچھے آئے گا تو اسے میں ہلاک کر دوں گا۔ آپ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو یہ تدبیر بیان فرمائی۔ انہوں نے اپنی ساری جماعت کو جو کہ شہر میں منتشر تھی آگاہ کر دیا۔ اور بنی اسرائیل میں سے جو کوئی بھی قبطیوں کے ہاں نوکری

marfat.com
Marfat.com

یا منہ بولا بیٹا ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے تعلق رکھتا تھا سب کو اٹھا کر ایک جگہ جمع فرمایا۔ فرعون کو اس اجتماع سے وہم سا ہوا پوچھا کہ یہ حرکت کیوں کر رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کے سرداروں نے کہا کہ عاشورا کے دن جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت کا دن اور متبرک ہے ہماری عید ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سب ایک جگہ جمع ہو کر شہر سے باہر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اور اپنی عید کی رسمیں بجالائیں۔

## مصر سے روانگی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت شریف کا واقعہ

فرعون نے اجازت دے دی۔ بنی اسرائیلی عوام نے زیب و زینت کے حوالے سے قبطیوں سے بہت سے زیورات اور پوشاکیں عاریتاً حاصل کیں اور عید کے بہانے سے شہر کے باہر قناتیں اور خیمے لے آئے یہاں تک کہ پچھلی رات تک جب سب جمع ہو گئے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے ان سے کوچ کرایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے اور ہارون علیہ السلام آگے چل رہے تھے یہاں تک کہ جنگل میں داخل ہو گئے۔ اور راستہ گم ہو گیا جس قدر بھی دائیں بائیں جاتے تھے راستے کا نشان نہیں ملتا تھا۔ بنی اسرائیل کا ہجوم چھ لاکھ ستر ہزار تک پہنچ چکا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے عمر رسیدہ لوگوں کو بلایا اور پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ راستہ معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ راستہ ہر وقت چلتا ہے۔ اور تم بارہا یہاں سے گزرے ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ نے وصیت فرمائی اور اپنی اور اپنے بھائیوں کی اولاد سے عہد و پیمان لیا کہ جب بھی تم مصر سے باہر جاؤ میرا تابوت ساتھ لے کر جانا اور مجھے میرے آباؤ اجداد کے قبرستان میں پہنچا دینا۔ حالانکہ ہم مصر سے باہر آ گئے ہیں۔ اور ہم نے تابوت نہیں اٹھایا ہے۔ ہمیں غیبی طور پر بند کر دیا گیا ہے کہ راہ معلوم نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کی قبر مبارک کہاں ہے۔ تا کہ ہم ان کا تابوت نکالیں اور ساتھ لے چلیں بنی اسرائیل کے عمر رسیدہ لوگوں نے کہا کہ ان کے مزار شریف کی جگہ ہمیں معلوم نہیں۔ لیکن ان کی یہ وصیت ہمیں اپنے آباؤ اجداد کے ذریعے یاد ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اٹھے اور بنی اسرائیل کے لشکر میں منادی فرمائی کہ جسے حضرت یوسف علیہ السلام

marfat.com

Marfat.com

کی قبر شریف کی جگہ کا علم ہو اسے خدا تعالیٰ کی قسم کہ وہ میرے پاس آئے۔ اور مجھے خبر دے کسی نے بھی اقرار نہ کیا۔ مگر ایک بہت ہی بوڑھی عورت نے کہا کہ میں ان کے مزار شریف کی جگہ پہنچاتی ہوں۔ لیکن مجھے خدا تعالیٰ کے نام کا عہد دیں کہ اگر میں ان کے مزار شریف کی نشانی بتا دوں تو جو میں چاہوں مجھے مل جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توقف فرمایا۔ وحی آئی کہ آپ عہد دے دیں اور جو کچھ وہ چاہے اس کے حوالے کر دیں۔ بڑھیا نے کہا کہ میرا دو چیزوں کا مطالبہ ہے ایک دنیا میں اور ایک آخرت میں۔ دنیا کا مطالبہ یہ ہے کہ میں بہت ہی بوڑھی ہوں چلنے کی طاقت نہیں رکھتی مجھے سواری پر بٹھالیں اور اپنے ہمراہ لے چلیں اور اخروی مطالبہ یہ ہے کہ بہشت میں آپ کے ساتھ آپ کے درجہ میں رہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں چیزیں قبول فرمالیں اس کے بعد بڑھیا نے نشان بتایا کہ آپ کا مزار شریف فلاں جگہ عین نیل کے پانی کے اندر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور آپ کا صندوق جو کہ سنگ مرمر کا تھا نکال لائے۔ اور اسے خود اٹھا کر لشکر کے آگے آگے جا رہے تھے۔ اور ان پر راستہ ظاہر ہو گیا۔ اسی اثنا میں فجر طلوع ہو چکی تھی۔

فرعون کے جاسوسوں نے اسے خبر پہنچائی کہ بنی اسرائیل اس مقام سے کہ جہاں عید کیلئے جمع ہوئے تھے راتوں رات کوچ کر کے چلے گئے۔ فرعون کے غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے اپنے چوبداروں کو شہر کے اردگرد قصبوں اور بستیوں میں بھیجا تاکہ اچھے گھوڑ سوار حاضر ہو جائیں۔ اور خود اپنی فوجوں کے ساتھ سوار ہو کر اسی وقت پیچھا کیا۔ اور اس کے ہمراہ بہت بڑا ہجوم تھا۔

## فرعون کے لشکر کی مقدار اور بحیرۂ قلزم کی جغرافیائی حدود

کہتے ہیں کہ ستر ہزار ابلق سوار اس کی فوج کا اگلا دستہ تھا اور ایک لاکھ سوار تیر انداز اسی قدر نیزہ باز اور اسی قدر گرز بردار اس کی رکاب میں چل رہے تھے۔ قصہ مختصر بنی اسرائیل پوری جلدی سے روانہ ہوئے۔ اور پے در پے دوڑتے ہوئے دریائے قلزم کے کنارے پہنچ گئے اور قلزم ایک شہر کا نام ہے جو کہ اس دریا کے کنارے واقع ہے۔ اور اس شہر کے ساتھ یہ دریا پہنچتا ہے۔ اس لئے اس دریا کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں ورنہ اصل میں یہ دریا

marfat.com

Marfat.com

بحر محیط کی خلیجوں میں سے ایک خلیج ہے۔ جو کہ حبش اور عرب کے شہروں کے درمیان سے گزرتی ہے۔ اور اسے خلیج احمر کہتے ہیں۔ جس طرح کہ دوسری خلیج کو جو کہ فارس اور عرب کے درمیان سے گزرتی ہے خلیج اخضر کہتے ہیں۔ اور اس خلیج احمر کا جنوب سے شمال کی طرف طول چار سو ساٹھ فرسنگ ہے۔ اور اس کا عرض شروع میں ساٹھ فرسنگ کی قدر ہے۔ اور جب انتہا کے قریب پہنچتی ہے۔ تو اس کا عرض کم ہو جاتا ہے۔ فسطاط مصر سے جو کہ وہاں کا دارالخلافہ ہے اس خلیج کی سمت تک خشکی میں تین دنوں کی مسافت ہے اور نیل مصر کے شہر سے مغرب کی طرف واقع ہے۔ اور شہر نیل کے مشرق کی طرف ہے۔ اور اس خلیج کے مغربی بازو پر بربر کے اکثر شہر واقع ہیں۔ اور کچھ شہر حبش کے ہیں۔ اور اس خلیج کے مشرقی بازو پر اکثر عرب کے ساحلی علاقے واقع ہیں۔ ان میں سے فرضہ ہے جو کہ مدینہ منورہ کا ساحل ہے۔ اور مصر اور حبشہ کے قافلے حجاز کو جاتے ہوئے بندرگاہ سے گزرتے ہیں پھر یمن کے ساحلی علاقے جدہ سے لے کر عدن تک اسی خلیج کے مشرقی کنارے پر ہیں۔ اور اس خلیج کے درمیان مصر سے متعلق بعض شہر بھی آباد ہیں۔ ان علاقوں میں سے دمیاط ہے جو کہ مصر کا جیل خانہ ہے۔ جیسا کہ ہندوستان میں گوالیار کا قلعہ مصر سے کشتی کے ذریعے وہاں غلہ لے جاتے ہیں۔ اور اس کے قلعہ کے محافظ حاکم مصر کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اور قلزم کا شہر جہاں یہ دریا ختم ہوتا ہے اس کا طول ۶۴ درجے ہے۔ اور اس کا عرض ۳۰،۲۹ درجے ہے۔

جب بنی اسرائیل اس دریا کے کنارے پہنچے اور پانی کے متلاطم موجوں اور کثرت کو دیکھا تو حیران رہ گئے کہ اتنی کشتیاں ایک دم کب میسر آسکتی ہیں کہ ہم جلدی سے اس دریا سے گزر جائیں۔ اسی اثنا میں سورج چڑھ آیا اور دن روشن ہو گیا۔ پیچھے سے گھوڑوں کی آوازیں سنائی دیں جب غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ فرعون اپنے تمام لشکر سمیت پیچھا کرنے کیلئے پہنچ گیا۔ اور اس کے لشکر کا اگلا حصہ نمودار ہوا۔ بنی اسرائیل حواس باختہ ہو گئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے کہ اب آپ کے وہ وعدے کہاں ہیں؟ یہ دیکھئے فرعون ہمارے پیچھے آ گیا۔ اور بہت بڑا دریا ہمارے سامنے ہے۔ نہ ہم میں طاقت ہے کہ فرعون کا مقابلہ کریں اور نہ اس کی طاقت کہ دریا سے خلاصی پائیں۔ حضرت

marfat.com
Marfat.com

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مایوس نہ ہو اللہ تعالیٰ کی امداد میرے ساتھ ہے وہ خود میری مشکل کشائی فرمائے گا۔ اسی اثنا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اپنے عصا کو دریا پر ماریں اور کہیں کہ پھٹ جا اور ہمیں راہ دے۔ حضرت موسیٰ نے ایک بار عصا مارا اور کہا۔ دریا اپنے حال پر رہا۔ پھر حکم آیا کہ دریا کو اس کی کنیت سے یاد کریں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسری مرتبہ عصا مارا اور فرمایا کہ اے ابو خالد پھٹ جا۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے دریا پھٹ گیا۔ اور اس میں بارہ خشک راستے پیدا ہو گئے۔

## عبور قلزم کی کیفیت

حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن ہوا اور سورج کو دریا پر مسلط فرما دیا۔ ہوا زلزلے کی طرح پانی کے اندر سے آئی اور دریا کو جدا جدا کر کے کھڑا کر دیا۔ اور سورج نے دریا کی زمین کو خشک کر دیا تا کہ بنی اسرائیل آسانی سے گزر جائیں اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: کہ دریا میں آ جاؤ اور گزر جاؤ۔ وہ اعتقاد کی کمزوری کی وجہ سے جرأت نہیں کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہمیں اس حالت پر کیا اعتبار کہ ہمارے گزرنے تک کھڑا رہے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم راستہ میں ہوں۔ اور دریا باہم مل جائے۔ اور ہمیں غرق کر دے۔ حضرت یوشع علیہ السلام پہلے اپنے گھوڑے کو اس میں لے آئے اس کے بعد ہارون علیہ السلام اندر آئے۔ اور روانہ ہوئے جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ یہ لوگ گزر کر جا رہے ہیں مجبوراً دریا میں آ گئے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے ہر قبیلہ بارہ راستوں میں سے داخل ہو گئے یہاں تک کہ سب سے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے قبیلے کو لے کر دریا میں داخل ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبیلے نے عرض کی کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمیں کیا معلوم کہ دوسرے قبیلوں پر کیا گزری؟ آپ چونکہ ہمارے ساتھ ہیں۔ اس لئے ہمیں اپنے متعلق اطمینان ہے۔ البتہ ہم اپنے بھائیوں کے متعلق خطرہ ہے کہ کہیں ان پر پانی بہہ نکلا ہو۔ حضرت موسیٰ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی بار خدایا! اس قوم کی بدخلقی پر میری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کو حکم دیا جس نے پانی کی دیواروں میں جالی دار روشن دان بنا دیئے ہر فرقہ دور سے دوسروں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ گزر رہے جا رہے

marfat.com

Marfat.com

ہیں یہاں تک کہ سلامتی کے ساتھ دریا کے کنارے پہنچ گئے۔

اسی دوران فرعون اپنے لشکریوں سمیت دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ اور اس نے دیکھا کہ دریا پھٹا ہوا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرح جگہ جگہ پانی کی دیواریں کھڑی ہیں' حیران ہو گیا۔ اور اپنے لشکریوں سے کہنے لگا کہ یہ میرا نصیب ہے کہ میرے لئے دریا چیرا گیا ہے۔ تا کہ میں اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کو خود پکڑوں اور زندہ میرے ہاتھ آئیں اگر غرق ہو جاتے تو میرے کام معطل ہو جاتے لیکن اس کے دل میں خوف و ہراس تھا کہ دریا کا پھٹنا اعتماد کی جگہ نہیں ہو سکتا ہے کہ عبور کرنے کے دوران پھر مل جائے۔ اور غرق کر دے۔ اور ہامان جو کہ اس کا وزیر تھا وہ بھی اسے دریا میں داخل ہونے سے روکتا تھا اور وہ عرض کر رہا تھا کہ جلدی نہیں کرنی چاہئے ہم کشتیاں جمع کرتے ہیں۔ اور سہولت کے ساتھ عبور کر کے انہیں جہاں بھی ہوں پکڑ لیں گے اسی حالت میں حضرت جبریل امین علیہ السلام گھوڑی پر سوار ہو کر فرعون کے گھوڑے کے آگے جو کہ مست تھا ظاہر ہوئے۔ اور آپ نے اس گھوڑی کو دریا میں اتار دیا فرعون کا گھوڑا' گھوڑی کی بو سے بے اختیار ہو کر دریا میں داخل ہو گیا۔ اور جب لشکریوں نے دیکھا کہ بادشاہ خود دریا میں اتر گیا تو ہر طرف سے ہجوم کر کے دریا میں آ گئے اور اسے عبور کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ فرعون اور لشکریوں کا اگلا دستہ کنارے کے قریب پہنچ گیا اس وقت دریا کو حکم ہوا کہ جلدمل جا ایک دم اچانک دریا میں طغیانی آئی اور سب کے سب پانی میں غرق ہو گئے۔ اور بنی اسرائیل اس سارے ماجرے کا دوسرے کنارے پر کھڑے ہو کر تماشا دیکھ رہے تھے۔ اور جہاں بنی اسرائیل کی گزرگاہ اور فرعون کی ہلاکت گاہ تھی اس دریا کا عرض بہت قلیل ہو گیا۔ اور اس کا عرض چار فرسنگ کی قدر ہے جو کہ آدھے دن میں عبور کیا جا سکتا تھا اور یہ واقعہ عاشورا کے دن رونما ہوا چنانچہ صحیح حدیث میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کیلئے دریا عاشورا کے دن چیرا گیا۔ اور صحیحین میں حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ دنوں میں سے ایک دن میں یہودی روزہ رکھتے تھے آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے

marfat.com

Marfat.com

کہ آج تم نے روزہ رکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ آج عاشورا کا دن ہے اس دن حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دی اور فرعون کو غرق کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس دن کا شکرانے کے طور پر روزہ رکھتے تھے ہم بھی ان کی اقتداء میں روزہ رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کے ان کی نسبت زیادہ مستحق ہیں۔ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن آخری عمر میں فرماتے تھے کہ اگر میں آئندہ سال تک حیات ظاہری میں رہا تو عاشورا کے روزہ کے ساتھ نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا تا کہ یہودیوں کی مشابہت لازم نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ دریا کو پھاڑنے کا واقعہ جو کہ ایک عظیم خلاف عادت امر تھا نعمت در نعمت کے طور پر بنی اسرائیل کو یاد کراتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا اور یاد کرو نعمت کی قدر جاننے کیلئے فرعون سے نجات کو خصوصاً دوسرے واقعہ کو جو کہ فرعون سے نجات کے علاوہ گویا ایک مستقل دوسری نعمت تھی اس وقت کو جبکہ ہم نے پھاڑا بِكُمُ تمہارے دریا کے کنارے پہنچنے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دربار میں تمہاری بے چینی کی وجہ سے کیونکہ حقیقت میں دریا کو پھاڑنے کا باعث یہی تھا۔ کیونکہ عصا مارنا سبب کے آلہ ہونے کے طور پر قریب ہوا۔

اَلْبَحْرَ دریائے قلزم کو اور لغت عرب میں بحر دریائے شور اور اس کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ اور میٹھے پانی اور نہروں کیلئے اگر کسی جگہ لفظ بحر استعمال ہوا تو مجازی طور پر ہے۔ انہیں انہار کہتے ہیں بحر نہیں کہتے اور ہم نے اس نعمت میں اسی قدر اکتفا نہیں فرمایا کہ دریا پھاڑنے کا خلاف عادت کام تمہیں دکھائیں بلکہ ہم نے نعمت کو پورا فرمایا۔

فَاَنْجَيْنٰكُمْ ۔ پس ہم نے تمہیں نجات دی اور دریا کے پانی کو بھی ہم نے اسی پھٹی ہوئی شکل میں محفوظ رکھا۔ اور ہم نے اس پر ہوا کو مسلط کر دیا تا کہ اسے باہم ملنے نہ دے۔ یہاں تک کہ تم سب سلامتی کے ساتھ کنارے پر پہنچ گئے اور غرق ہونے کے خوف سے بچ گئے اور اس ضمن میں تمہیں ایک اور نجات حاصل ہوئی ہر اس شبہ سے جو کہ صانع حکیم مختار کے وجود کے بارے میں ہوتا ہے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے متعلق رونما

marfat.com
Marfat.com

ہوتا ہے پھر ہم نے اسی قدر پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ہم نے تمہیں اس ہلاکت گاہ سے نجات دی اور تمہارے دشمن کو تمہارے سامنے اسی ہلاکت گاہ میں ہلاک کیا۔

وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ اور ہم نے فرعون کے پیروکاروں کو غرق کر دیا تاکہ تمہیں خوشی پر خوشی بڑھے۔ اور اس سے خوف کا کوئی اثر تمہارے دل میں باقی نہ رہے۔ اور اپنے پرانے مسکن کو جو کہ مصر ہے چھوڑنے کا غم وفکر تمہارے دل کے ارد گرد نہ رہے۔ اور یہ نعمتیں ہم نے اس طرح ڈالیں کہ تمہیں کوئی شک وشبہ اور خبر کے سچے جھوٹے ہونے کا احتمال تمہارے دل میں نہ گزرے اسی لئے ان سب چیزوں کو ہم نے تمہارے سامنے کیا۔

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور تم دیکھ رہے تھے۔ پس اس قسم کی عظیم نعمتوں کا شکر بھی عظیم چاہئے۔ اور وہ یہ ہے کہ تم اپنے مالک کی عبادت کے دریا میں داخل ہو جاؤ اور اس کے دشمنوں کو جو کہ نفس' شیطان اور خلق اور دنیا کی محبت ہے اسی گہرے دریا میں تزکیہ' تصفیہ اور علائق دنیوی کو قطع کرنے کے ساتھ غرق کر دو۔

### سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال باقی رہ گیا جو کہ مفسرین کے دل میں کھٹکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وَاِذْ اَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ کا مضمون اور وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ کا مفہوم ایک چیز ہے۔ اور اس کا ماحصل فرعون سے نجات ہے اس ایک مضمون کو دو نعمتیں کیوں قرار دیا اور دو آیتوں میں کیوں ذکر فرمایا؟ اس سوال کا جواب دوران تفسیر اشارۃً مذکور ہو چکا کہ فرعون سے نجات دینا مختلف رنگ رکھتا تھا خصوصاً دریا کا پھاڑنا جو کہ خلاف عادت عظیم کام ہے ایک دوسری نعمت ہے۔ مثلاً ایک شخص کو اللہ تعالیٰ رزق وافر پہنچائے اور احتیاج وفقر کو اس سے دور کر دے اگر احسان جتلانے کے مقام پر فرمائے کہ میری اس نعمت کو یاد کر جو کہ میں نے تجھے دی جبکہ میں نے تجھے رزق دیا اور فقر واحتیاج سے نجات دی تو یہ ایک مکمل کلام ہے۔ پھر اگر رزق پہنچانا اس کی طرف سے دست غیب کے طریقے سے ہو بغیر کسی مخلوق کے احسان اور بغیر کوئی تکلیف ومشقت اٹھانے کے اسے دوسری نعمت قرار دے کر فرمایا کہ تجھ پر میری اس نعمت کو یاد کر جبکہ میں نے تجھ پر غیب سے بغیر کسی مخلوق کے احسان اور بغیر کسی

marfat.com
Marfat.com

تکلیف و مشقت کا بوجھ ڈالنے کے رزق جاری کیا۔ یہ فی نفسہ ایک مستقل اور مکمل دوسرا کلام ہے ان دونوں کلاموں میں سے ہر ایک کو جدا جدا کلام قرار دینا نعمتوں کی گنتی کے مقام پر مناسب اور لائق ہے۔

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ پہلی آیت میں فرعون کی گرفت اور غلبے سے نجات دینے کی نعمت مذکور ہے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بنی اسرائیل میں صرف بعثت اور تشریف آوری کی وجہ سے پوری ہوئی۔ کیونکہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد اس کی ان تکلیفوں اور محکومیوں سے بچ گئے بلکہ اس کے مقابل ہو گئے۔ اور دوسری آیت میں ایک اور نعمت ہے کہ مصر سے نکلنے کے وقت دریائے شور عبور کر کے فرعون کے غلبے سے بچ گئے۔ اور اس کے اور اس کے لشکریوں کے غرق ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں سے مستقبل کا خطرہ بھی زائل ہو گیا۔ اور ہر طرح سے ان کو قلبی اطمینان حاصل ہو گیا۔

## مزدور بنی اسرائیلی عورت کی مزدوری فرعون کی داڑھی کے مروارید

حکایت کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے ایک عورت پانی لینے پچھلی رات کے وقت دریا پر گئی اپنا گھڑا بھر رہی تھی کہ فرعون کی داڑھی جو کہ موتیوں اور مروارید سے مرصع تھی اس کے ہاتھ لگی اس نے اس کے بال جڑ سے اکھاڑ لئے اور موتیوں کو اس کی داڑھی سے نکال لیا اتفاقاً یہی عورت فرعون کے محل میں مزدوری کیلئے اینٹیں لے جاتی تھی اور اس نے مزدوری نہ پائی تھی۔ غیب سے آواز آئی کہ اپنا اجر لے لے۔ یہ آواز اس کے کان میں پڑی۔ وہ لوگوں میں آئی اور یہ واقعہ بیان کیا۔ اور انہیں فرعون کی داڑھی' موتی اور مروارید دکھائے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ ظلم کا انجام تباہی اور مظلوم کا انجام رہائی ہے۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بارگاہِ خداوندی سے کتاب لینے کیلئے جانا اور سامری کا قصہ

جب بنی اسرائیل فرعون اور فرعونیوں کے خوف سے بالکل مطمئن ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ تم نے ایک نذر مانی تھی کہ اگر حق تعالیٰ تمہیں فرعون اور

marfat.com
Marfat.com

فرعونیوں سے خلاصی عطا فرمائے تو ہم اس کی اطاعت میں کوشش کریں گے۔ اب وہ نذر پوری کرو۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم جان و دل کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ احکام یعنی اوامر و نواہی پر اطلاع نہیں۔ تا کہ ہم اس کی اطاعت کی راہ میں قدم رکھیں۔ چاہئے کہ آپ خدا تعالیٰ کے ہاں سے کوئی کتاب لائیں تا کہ ہم اس کے مطابق اطاعت کی راہ پر چلیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ مقصد بارگاہ خداوندی میں عرض کیا حکم آیا کہ آپ کوہ طور پر حاضر ہوں جو کہ آپ کی رسالت کی عطا کا مقام ہے۔ اور ایک مہینہ تک جو کہ تیس دن کی مدت ہے روزہ رکھیں اور اعتکاف کریں۔ اس کے بعد تمہیں اوامر و نواہی کی جامع ایک کتاب عطا کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ارشاد کے مطابق بنی اسرائیل کو چھوڑ کر اور حضرت ہارون علیہ السلام کو ان پر خلیفہ مقرر کر کے کوہ طور کی طرف جلد روانہ ہوئے۔ اور جسم اور لباس کو صاف کر کے اس پہاڑ میں معتکف ہو گئے۔ اور آپ کے اعتکاف کی ابتداء ذوالعقد کی پہلی تاریخ کو تھی جب آپ کا اعتکاف پورا ہو گیا۔ اور ایک دن باقی رہ گیا تو آپ کو روزہ اور کم کھانے کی وجہ سے اپنے منہ کی بو بدلی ہوئی لگی۔ آپ نے مسواک استعمال فرمائی۔ غیب کی طرف سے حکم آیا کہ ہمارے نزدیک یہ بدلی ہوئی بو کستوری کی مہک سے زیادہ بہتر تھی۔ آپ نے اسے زائل کیوں کر دیا اب اس کے عوض اور دس راتیں مزید اعتکاف کیجئے۔ ذوالحجہ کی دس تاریخ کو جو کہ عید قربانی کا دن ہے آپ کو کتاب دوں گا اور کلام فرماؤں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس راتوں کے اعتکاف کی نیت کی۔ اور وہاں ٹھہرے رہے۔

لیکن آپ کے آنے کے بعد بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا حادثہ رونما ہوا اور اس کا سبب یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے لشکر میں ایک شخص تھا جس کا نام موسیٰ بن ظفر قبیلہ سامرہ سے تھا جو کہ زرگری اور ڈھانچے بنانے میں بڑا استاد اور ماہر تھا۔ جس دن فرعون غرق ہوا اور حضرت جبریل علیہ السلام گھوڑی پر سوار ہو کر دریا کے کنارے گشت کر رہے تھے اس نے دیکھا تھا کہ جہاں اس گھوڑی کے سم کا نقش لگتا تھا وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔ اس نے جان لیا کہ اس گھوڑی کے سم کے نقش میں زندگی کا اثر ہے۔ اسی بنا پر اس نے گھوڑی کے پاؤں کے نیچے کی کچھ مٹی

marfat.com
Marfat.com

اٹھا کر بطور تبرک احتیاط کے ساتھ اپنے پاس رکھ لی تھی اور جب بنی اسرائیل دریائے شور عبور کر کے صحرا میں آئے تو ان کا گزر ایسی قوم پر ہوا جو کہ گائے کی پوجا کرتی تھی۔ اور وہ گائے کی مورتیاں پیتل وغیرہ سے بنا کر پوجتے تھے۔ بنی اسرائیل کو یہ مورتیوں کی پوجا بہت اچھی لگی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے بھی ہمارے پروردگار کی صورت بنا کر دیجئے تا کہ اس کی عبادت کا حق اچھے طریقے سے بجا لائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس سوال پر ڈانٹ ڈپٹ فرمائی تھی۔ لیکن سامری نے معلوم کر لیا تھا کہ اس جماعت کو صورت پرستی طبعی طور پر پسند ہے اس وقت جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے بنی اسرائیل کے سردار حضرت ہارون علیہ السلام کی خدمت میں حاضر آئے۔ اور عرض کی کہ مصر سے نکلنے کے وقت ہم نے قبطیوں سے بہت ساز اور عاریتاً لیا تھا اس بہانے سے کہ ہم عید میں زیب و زینت کریں گے اب اس زیور کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سب زیور کو ایک گڑھے میں ڈال کر آگ دو اور جو جل جائے جل جائے۔ اور اس کی راکھ جو باقی رہے زمین میں دبا دو کیونکہ کافروں کا مال ہے۔

## ایک فقہی اشکال اور اس کا جواب

جاننا چاہئے کہ اس مقام پر بعض کمزور ذہن فقہاء ایک دشواری وارد کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل مصر کے شہر میں پناہ گزین تھے۔ اور قبطیوں سے پناہ لیتے تھے۔ پناہ گزینوں کو حربیوں کا مال لینا جائز نہیں۔ اور اگر بنی اسرائیل نے معصیت کے ساتھ یہ کام کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی اس ماجرا پر مطلع ہو چکے تھے تو انہوں نے اس حرکت سے انہیں منع کیوں نہ فرمایا؟ اس دشواری کا جواب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا مصر کے شہر میں پناہ گزین ہونا تسلیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ قیدی تھے۔ اور انہیں زور تعدی کے ساتھ فرعون نے وہاں سے نکلنے سے روک رکھا تھا اور وہ ہر روز قبطیوں کا ظلم سہتے تھے۔ اور ان سے رنج اور دکھ برداشت کرتے تھے۔ اور قیدیوں کو جائز ہے کہ حربیوں کا مال جس طرح ہاتھ لگے خواہ گدائی سے خواہ چوری کر کے لے جائیں۔ اور اگر بالفرض پناہ گزین

marfat.com

Marfat.com

بھی تھے تب بھی ان کا زیور اور مال لے جانے کی ضرورت رکھتے تھے۔ کیونکہ اگر بھاگنے کے وقت عاریت واپس کرنے میں مشغول ہوتے تو گرفتار ہو جاتے۔

قصہ مختصر سامری نے بنی اسرائیل کو کہا کہ یہ سب زیور میرے حوالے کر دو کہ میں اس سے ایک عجیب طلسم بناؤں گا جو کہ موسیٰ کے عصا سے بہتر ہوگا۔ اور اس کے بعد تمہیں موسیٰ کے ساتھ ہمسری اور برابری حاصل ہو جائے گی۔ اور موسیٰ کو تم پہ کوئی فخر اور فضیلت نہیں رہے گی۔ بنی اسرائیل نے وہ سب زیور اس کے حوالہ کر دیا۔ سامری نے سونے کو جدا اور جواہر دیواقیت کو جدا کر دیا۔ سونے سے بہت خوبصورت بچھڑا بنایا۔ اور جواہرات اور یواقیت کو کان' آنکھ' ہاتھ کے جوڑ' زانو اور قدم کی جگہ قرینے کے ساتھ نصب کیا۔ اور اس کے پیٹ کو کھوکھلا رکھا اور اس خالی جگہ میں وہ مٹی ڈال دی جو کہ اٹھائی تھی۔ بچھڑا اس مٹی کے اثر سے ہلنے لگا اور گائیوں کی طرح آواز کرنے لگا۔ سامری نے کہا کہ دیکھو تمہارا پروردگار اس بچھڑے کی صورت میں ظہور کر کے تمہارے خیموں میں آ گیا ہے۔ اور موسیٰ اس کی تلاش میں پہاڑوں پر بھاگے پھرتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے کہا تو نے سچ کہا ہے تیس دن گزر گئے ہیں جو کہ موسیٰ کے واپس آنے کی مدت تھی اور موسیٰ واپس نہیں آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خدا کو وہاں نہیں پایا۔ بنی اسرائیل میں سے آٹھ ہزار کے قریب لوگوں نے سامری کے گمراہ کرنے سے اس بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ اور مشہور مثال کی طرح کہ جو کام آدمی کرتا ہے بندر بھی کرتا ہے۔ اس بچھڑے کے اردگرد معتکف ہو گئے۔ اور سامری نے اس بچھڑے کے اوپر بہت خیمہ کھڑا کر دیا۔ اور وہاں پر تکلف فرش اور کپڑے ڈال دیئے اور اس خیمے کے اردگرد نقارہ بجانا شروع کر دیا۔ اور اس غیر ذی عقل بچھڑے کے سامنے گانا بجانا شروع کر دیا۔ اور مرد اور عورتیں تماشا کیلئے دوڑے اور شیطان کا بازار گرم ہو گیا۔

اور وہاں موسیٰ علیہ السلام کو ذوالحجہ کے دسویں دن چاشت کے وقت زبرجد کی بارہ تختیاں عطا ہوئیں جن پر تورات منقش تھی اور ان کے لئے نصیحت اور حکم پر مشتمل کلام تھا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ تیری قوم نے تیرے بعد نعمت کی عجیب ناشکری کی ہے۔ اور انہیں جو فرعون کہتا تھا کہ مجھے سجدہ کرو انہوں نے اس سے بدتر کام سامری کے اغوا کرنے کی وجہ

marfat.com
Marfat.com

سے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ کیونکہ اقتدار والے بادشاہ کی تعظیم جو کہ نفع ونقصان کا مالک ہوتا ہے کچھ نہ کچھ معقول ہونے کی وجہ رکھتی ہے۔ عقل سے خالی بچھڑا جو کہ بے وقوفی اور حماقت میں ضرب المثل ہے کسی طرح بھی لائق تعظیم نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس خبر وحشت اثر کو سنتے ہی بے اختیار لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے تو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ سختی سے پیش آئے کہ آپ نے اس بری حرکت کو کیسے برداشت کیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے فرمایا میں نے بارہا انہیں اس برے کام سے روکا تھا لیکن انہوں نے کہا: لن نبرح علیه عاکفین حتّٰی یرجع الینا موسیٰ (طٰہٰ آیت ۹۱) ہم اس بچھڑے پر اپنا اعتکاف ہرگز ختم نہ کریں گے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے پاس آجائیں۔ اور اس کام کی اچھائی یا برائی ہمارے سامنے ظاہر فرمائیں اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بچھڑے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اسے آگ میں جلایا اور اس کی راکھ کو دریا میں اڑا دیا اور بچھڑا پوجنے والے چوری چھپے جاتے تھے۔ اور اس پانی کو بطور تبرک لاتے تھے۔ اور پیتے تھے۔

کہتے ہیں کہ اس بچھڑے کے بارے میں بنی اسرائیل تین گروہوں میں بٹ گئے ایک گروہ وہ تھا جنہوں نے سامری کے گمراہ کرنے کی وجہ سے فریفتہ ہو کر اس کی پوجا کی۔ دوسرا گروہ وہ تھا جنہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ مل کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ڈیوٹی ادا کی۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو کہ خاموش اور متوقف رہا نہ یہ کام کرتے تھے۔ اور نہ ہی انکار کرتے تھے۔ پہلا اور تیسرا گروہ دونوں زیر عتاب آگئے اور دوسرا گروہ بچ گیا۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم نعمت کو کہ باوجود اس قدر گستاخی کے کہ اس سے کم تر گستاخی کی وجہ سے فرعونیوں کو ان کے سامنے غرق کیا تھا انہیں اس سے معافی دے کر یاد کراتا ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰی اور اس وقت کو یاد دلاؤ جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وعدہ فرمایا۔ اور اگرچہ مواعدت کا لفظ دونوں طرف سے وعدہ کے صادر ہونے کو چاہتا ہے۔ لیکن یہاں اسافرت اور عاقبت اللص کے طریقے پر مشارکت کے معنی سے خالی ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ وعدہ دونوں طرف سے متحقق تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف

marfat.com
Marfat.com

سے پورے اعتکاف کا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب دینے کا وعدہ اور وہ وعدہ اس مدت پر موقوف تھا اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً یعنی چالیس رات۔ اور اکثر روایات میں وارد ہے کہ تیس راتیں ماہ ذوالعقد کی تھیں۔ اور دس ذوالحجۃ کی پہلی راتیں اور دسواں دن کتاب دینے کا وقت تھا اسی لئے اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا نہیں فرمایا ورنہ دسواں دن بھی اعتکاف اور روزے کے دنوں میں داخل ہوتا اور وہ حلال نہیں ہے۔

اور بعض محققین نے کہا ہے کہ چونکہ رات عبادت اور تنہائی کا وقت ہے۔ اور ریاضت کرنے والے زیادہ تر اسی وقت اپنے کام میں مصروف ہوتے ہیں۔ اس بنا پر راتوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ فرمایا۔ نیز عربوں کے مہینے چاند کی سیر اور گردش پر مقرر ہیں۔ اور اس کی ابتداء پہلی رات کے چاند سے کرتے ہیں۔ اور یہ معنی رات کے ساتھ خاص ہے۔

## لفظ موسیٰ کی تحقیق کا بیان

اور موسیٰ اصل لغت میں عبرانی کا لفظ ہے جو کہ معرب ہوا ہے۔ یعنی وہاں سے اسے عربی میں لایا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی اصلی میشا بمعنی آب یعنی پانی اور شا بمعنی درخت ہے چونکہ آپ کو فرعون نے نہر میں درختوں کے نیچے پایا تھا اس لئے یہ نام آپ کیلئے مقرر کر دیا۔ عربوں کی زبان میں یا واؤ سے اور ش س سے بدل گیا۔

## عبادت کیلئے چالیس کے عدد کی تحقیق کا بیان

اور ۴۰ کے عدد کا بہت سی جگہوں پر اعتبار ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص چالیس دن اللہ تعالیٰ کیلئے خاص کرے تو حکمت کے سوتے اس کے دل سے اس کی زبان پر بہہ نکلتے ہیں۔ نیز آیا ہے کہ آدم علیہ السلام کی خاک شریف کو چالیس دن تک خمیر کیا گیا۔ نیز آدم کا بچہ مدت کی اسی مقدار میں ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتا ہے۔ چالیس دن تک نطفہ ہوتا ہے۔ اور دوسرے چالیس دن تک جما ہوا خون اور اگلے چالیس دن تک گوشت کا ٹکڑا اس کے بعد روح الٰہی پھونکنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور یہیں سے تمام صوفیہ نے ریاضت وخلوت کیلئے چلہ مقرر کیا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

marfat.com
Marfat.com

قصہ سے معلوم ہوا کہ اس مدت تک ریاضت کرنا ایک حال سے دوسرے اعلیٰ حال تک ترقی کرنے کا سبب ہے۔

## ایک تناقض کا جواب

ہم یہاں آ گئے کہ اس آیت میں چالیس راتوں کا وعدہ مذکور ہے جبکہ سورت اعراف (آیت ۱۴۲) میں تیس رات کا۔ بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اجمالی طور پر اصل مدت اور زیادتی کو ملا کر آپ کی پوری مدت خلوت کو بیان فرمایا گیا۔ جبکہ سورت اعراف میں تفصیلی طور پر اصل وعدہ کو جو کہ ۳۰ راتیں تھیں۔ اور پھر دس روز کی مدت جسے بے وقت مسواک استعمال کرنے کی وجہ سے بڑھایا گیا تھا جدا جدا بیان کیا گیا۔ پس کوئی تناقض نہیں ہے۔ کیونکہ اجمال اور تفصیل میں کوئی مخالفت نہیں ہوتی مثلاً جس شخص نے کسی سے چالیس درم قرض لئے ہوں وہ کہے کہ میں چالیس درم کا مقروض ہوں ایک صحیح اجمال ہے۔ اور اگر کہے کہ میں نے اس سے تیس درم فلاں مقصد کیلئے اور دس درم فلاں مقصد کیلئے لئے ہیں تو ایک درست تفصیل ہے۔ خصوصاً سورت اعراف کی آیت میں اس تفصیل کا میزانیہ بھی مذکور ہے فتم میقات ربہ اربعین لیلة

## سوال اور جواب

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ ترکیب نحوی میں اربعین لیلة کیا مقام رکھتا ہے مفعول ہو نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ تھا کتاب دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پورا اعتکاف کرنا۔ اور ظرف بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ وعدہ دونوں طرف سے چالیس راتوں میں نہ تھا اس کا جواب یہ ہے کہ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ایک محذوف مفعول کا ظرف ہے۔ یعنی واعدنا موسٰی معاملة عند انقضاء اربعین لیلة۔ ہاں لفظ انقضاء کو بھی محاورت کے مجاز کی وجہ سے لفظوں میں گرا دیا اور اربعین لیلة کو اس کی جگہ فرمایا۔ جیسا کہ عرف میں کہتے ہیں کہ آج چالیس دن ہیں کہ فلاں آیا ہے۔ یعنی چالیس روز گزر گئے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نسب کا بیان

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے کہ آپ ابن عمران بن یصہر بن قاہث بن لادی بن یعقوب بن اسحاق ابن ابراہیم علیہ السلام تھے۔ اور لادی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے ہیں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے فرقہ میں سے حقیقی سرداری بھی حاصل تھی کیونکہ ابوالعزم پیغمبر تھے۔ اور عرفی سرداری بھی کیونکہ عام عرف میں سرداری سب سے بڑے لڑکے اور اس کی نسل کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کتاب لینے کیلئے بنی اسرائیل کی طرف سے بارگاہ خداوندی میں گئے تھے۔ پس ہر کسی کو چاہئے تھا کہ حضرت کی انتظار کرتا اور دوسری راہ اختیار کرنے سے پرہیز کرتا اور اے بنی اسرائیل! تمہارے اسلاف نے ادنیٰ لوگوں کے اس معمول کی مخالفت کی کہ جب بھی کسی فرقے کے سرداروں میں سے کوئی سردار کسی حاکم یا بادشاہ کے پاس کسی مطلب کی درخواست کیلئے جاتا ہے دوسرے اس سردار کے جانے کا لحاظ کرتے ہیں۔ اور ہرگز اس کی مخالفت اور اختلاف نہیں کرتے۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے جانے اور چالیس دن کی مدت مقرر کرنے کے بعد تم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے غیر حاضر ہونے کے وقت بچھڑا بنایا۔ کیونکہ جب تک موسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان تھے تمہیں فرعون اور ہامان کی پوجا سے روکتے تھے۔ حالانکہ فرعون اور ہامان ظاہری اقتدار والے اور کسی قدر نفع وضرر کے مالک تھے تمہیں بے جان بے عقل بچھڑے کی پوجا سے کس قسم کی ممانعت نہ فرماتے۔ اور ثم کا لفظ اصل میں زمانے کی تراخی یعنی تاخیر کیلئے ہے۔ یہاں ماقبل کے مضمون سے مابعد کے مضمون کے بہت بعید ہونے کیلئے استعمال ہوا گویا کسی وجہ سے مناسبت نہ تھی کہ تم اپنے سردار کو ہماری بارگاہ میں ایک مطلب پیش کرنے اور ایک غرض کی درخواست کیلئے بھیج دو اور خود اپنے سردار کی غیر حاضری میں ہماری مرضی کے خلاف عمل کرو بلکہ ہمارے ایک مخالف کو اپنی طرف سے کھڑا کر دو۔ اور اتخاذ اخذ سے باب افتعال ہے۔ ہمزہ کی تلیین اور اسے تا کے ساتھ بدلنے کے بعد تا کو تا میں مدغم کر دیا۔ اور چونکہ اس لفظ کا استعمال افتعال کے

marfat.com

Marfat.com

صیغے پر بہت واقع ہوا ہے۔ اور عربوں کو وہم ہوا کہ شاید تا اصلی ہو تخذ یتخذ سے لی گئی اسی بنا پر تخذ یتخذ کو بھی استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور عربوں کے نزدیک اتخاذ کے فعل نے افعال قلوب کا حکم حاصل کر لیا ہے کہ مبتداء اور خبر پر داخل ہوتا ہے۔ اور دونوں کو مفعولیت کے ساتھ نصب دیتا ہے۔ اگر اس استعمال پر یہاں نظر کریں تو دوسرا مفعول محذوف مانیں گے یعنی ثم اتخذتم العجل الها اور ارباب معانی نے اس ناپاک امر کی صراحت کی قباحت کو اس حذف کی وجہ قرار دیا ہے ورنہ ہم اتخاذ کو بنانے کے معنوں میں مقرر کرتے۔ اور اس صورت میں ایک مفعول جو کہ موجود ہے کافی ہے۔

اور وہ جو بعض اہل معانی کے دل میں خیال گزرا ہے کہ بچھڑا بنانا محل انکار نہ تھا۔ نیز بچھڑا بنانا تنہا سامری کا کام تھا اور تمام بنی اسرائیل اس میں شریک نہ تھے۔ بخلاف بچھڑے کو معبود پکڑنے کے کہ اس میں ہر ایک شریک تھا۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ انکار کا محل عین بچھڑا بنانا تھا۔ جیسا کہ لام عہد سے سمجھا جاتا ہے۔ اور معین بچھڑا وہ تھا جس کی پوجا کی گئی علاوہ ازیں تصویریں بنانا بھی محرمات میں سے ہے۔ اور مال حرام سے نفع لینا جس طرح سے ہو بھی محرمات میں سے ہے۔ پس صرف بچھڑا بنانا بھی محل انکار ہو سکتا ہے۔ اور اگر چہ بچھڑے کا ڈھانچہ سامری نے بنایا تھا لیکن امداد و اعانت اور زرد جواہرات پر اسے قبضہ دینے کی وجہ سے ہی اس کا یہ کام پورا ہوا تھا اور اس امداد و اعانت سب کے سب شریک تھے۔

اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ اس بچھڑے کا نام بہوت تھا۔ ظاہراً انہوں نے اس نام میں بھی شرک کی بو رکھی تھی۔ اسی لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ کاش تم بچھڑے صرف کھیل تماشا کیلئے بناتے اور بچوں کی گڑیوں اور مورتیوں کی طرح ذلیل و حقیر سمجھتے لیکن تم نے بچھڑے کی اس مورتی کو معبود بنالیا۔

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ حالانکہ تم بہت ظلم کر رہے تھے۔ کیونکہ تم نے عبادت کو جو کہ انتہائی تعظیم سے عبارت ہے۔ اور علیم و حکیم کا خاص حق ہے۔ بچھڑے کے بارے میں جو کہ بیل کا بچہ جائز قرار دے دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سے حماقت اور بے سمجھی میں بیل کی مثال دی جاتی ہے۔ اور بیل کا بچہ بیل سے کمتر ہے۔ اور اس بچے کی صورت اپنے

marfat.com

Marfat.com

صورت والے سے کم ہے۔ پس تم نے خدا تعالیٰ کی مخلوقات میں سے حقیر ترین شے کو خدا تعالیٰ کا حق دے دیا۔ پس تمہارا ظلم فرعونیوں کے ظلم سے کئی درجے زیادہ شدید اور ناپاک ہے۔ خصوصاً اس طرح کہ تم سے یہ ظلم ایمان اور ناقص معرفت کے بعد ظاہر ہوا۔ جبکہ فرعونیوں سے حالت کفر اور جہالت میں ظاہر ہوا۔

اہل تحقیق نے کہا ہے کہ ہر قوم کا ایک بچھڑا ہے جس کی پوجا میں وہ مصروف ہیں اگرچہ ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان اور دیندار سمجھیں چنانچہ حدیث پاک میں بھی اس معنی کا اشارہ آیا ہے جہاں فرمایا ہے تعس عبد الدینار عبد الدراھم و عبد الخمیصة ان اعطی رضی وان لم یعط سخط یعنی وہ شخص بدحال ہے جو کہ اشرفی کا بندہ یا روپیہ کا بندہ یا شال اور زینت والے کپڑوں کا بندہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے یہ چیزیں عطا ہوں تو خوش رہتا ہے ورنہ ناخوش رہتا ہے۔ اور شکایت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

یہاں جاننا چاہئے کہ علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ بنی اسرائیل ان غالب معجزات اور ظاہر خوارق کے مشاہدہ کے باوجود جو کہ صانع قادر مختار پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی صداقت پر دلالت کے بارے میں الحاد اضطراری کے قریب پہنچ گئے تھے سامری کے مکر و فریب پر کیسے فریفتہ ہو گئے۔ اور اس کے اغوا کے جال میں گرفتار ہو گئے۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ سامری نے شبہات ڈال کر بنی اسرائیل کے دلوں میں یوں نقش کر دیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان عجیب معجزات پر طلسمات اور جادو کے ذریعے قدرت حاصل ہوئی ہے۔ پس تمہیں بھی چاہئے کہ کوئی طلسم اور جادو انکے طلسم اور جادو کی طرح کا بناؤ تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برابر ہو جاؤ اور جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ اکثر جاہل بنی اسرائیل حلولی مذہب کے تھے۔ اور ذات حق کا بعض جسموں میں سما جانا جائز قرار دیتے تھے۔ سامری نے اس طرح انہیں دھوکا دیا کہ تمہارا پروردگار اس بچھڑے کی صورت میں ظاہر ہوا ہے اس بچھڑے کی آواز اور حرکت کو اس دعویٰ کی دلیل اور گواہ بنایا جس طرح کہ ہندو جہاں بھی کسی عجیب امر کا مشاہدہ کرتے ہیں اسی جگہ اپنے خالق کے سما جانے کا اعتقاد کر کے پوجا اور انتہائی تعظیم سے پیش آتے ہیں۔ اور کافی آیات اور

marfat.com
Marfat.com

احادیث اسی قول پر دلالت کرتی ہیں۔ اور پہلے قول کے منافی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ سامری نے کہا ھٰذا الھکم والہ موسٰی فنسی اور ان میں سے ان کا عبادت اور تعظیم کے ساتھ اس بچھڑے کے اردگرد اعتکاف کرنا کیونکہ طلسمات اور جادو کے ساتھ اس قسم کا معاملہ نہیں کیا جاتا علاوہ ازیں اور بھی دلائل ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ بنی اسرائیل کا یہ فعل شنیع جو کہ کفر کی سب سے قبیح قسم ہے چاہتا تھا کہ انہیں فی الفور نیست و نابود کر دیں اور توبہ کی فرصت نہ دیں اور عذر و معذرت کی گنجائش نہ چھوڑیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی اور رحمت کے ساتھ جو کہ اصل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ تھی اور بالتبع تمام بنی اسرائیل کو پہنچتی تھی انہیں دنیوی مواخذہ نہ فرمایا۔ اور ہلاک نہ کیا چنانچہ فرمایا ہے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ پھر ہم نے تمہیں معاف فرمادیا اور تمہیں فی الفور نسل ختم کرنے والے عذاب کے ساتھ ہلاک نہ کیا۔ جس طرح کہ فرعونیوں کو اس سے کمتر گناہ کی وجہ سے ہم نے ہلاک کر دیا تھامِنْ بَعْدِ ذَالِكَ بچھڑا اپنانے اور اس بے جان مورتی کی پوجا کے بعد جو کہ تم سے ایمان اور معجزات اور عظیم نشانیاں دیکھنے کے بعد رونما ہوئی۔ اور جرم ہونے میں بے انتہا شدید تھی۔ لہٰذا اس قابل ہوئی کہ اسے اشارہ بعید کے صیغے سے اشارہ کیا جائے لیکن یہ سب کچھ اس بنا پر تھا کہ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ شاید تم زمانہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشقتیں برداشت کرنا گوارا کرو۔ اس لئے کہ ابھی تمہارے فرقہ کی استعداد باطل ہونے تک نہیں پہنچی تھی۔ تم سے توقع تھی کہ نیک اور صالح وجود میں آئیں اور وہ معرفت و عبادت کے کام میں لگ جائیں۔ بخلاف فرعونیوں کے کہ ان کی استعداد مکمل طور پر زائل ہو چکی تھی اور ان میں سے کوئی بھی معرفت اور عبادت کی امانت اٹھانے کے قابل نہ رہا تھا۔ اور لعل اگرچہ لغت عرب میں امیدواری کیلئے ہے۔ لیکن کلام الٰہی میں زیادہ تر یقین کے مقا[م] استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس کے بعد بنی اسرائیل علوم الٰہیہ کے خزانے [او]ر اس کے اسرار کے حامل ہو گئے۔ اور ان میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام

marfat.com
Marfat.com

شہداء اور صالحین پیدا ہوئے۔ اور راہب اور احبار کام میں لگ گئے اور اللہ تعالیٰ کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

## مشکل سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک بہت مشکل سوال ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بچھڑے کی پوجا بلاشبہ کفر تھی۔ بلکہ کفر کی سب سے قبیح قسم اور کفر معافی کے لائق نہیں ہے۔ اور توبہ کے بغیر بخشا نہیں جاتا اور اگر کوئی لفظ جو کہ توبہ پر دلالت کرنے والا ہو ہم یہاں مقدر مانتے ہیں جس طرح کہ جمہور مفسرین نے کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ کلام کی تقدیر یہ ہے ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ حين تبتم لعلكم تشكرون نعمة العفو یعنی پھر ہم نے تمہیں معاف فرمادیا جب تم نے توبہ کی تاکہ تم معاف کرنے کی نعمت کا شکر ادا کرو۔

تو لازم آتا ہے کہ اس آیت کا مضمون اور اس آیت کا مضمون فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ایک چیز ہو۔ اور آیت فتاب علیکم کے مضمون کو اس آیت کے مضمون کے بعد ذکر کرنا بے فائدہ تکرار ہوگا کیونکہ یہ مقام نعمتوں کی گنتی کا مقام ہے۔ اور اس آیت میں سوائے قبولیت توبہ کے کوئی نعمت مذکور نہیں۔

اور اس مشکل کا جواب دوران تفسیر اشارۃً مذکور ہو چکا کہ معاف کرنے سے مراد دنیا میں جلد آنے والے عذاب میں گرفتار کرنے کو ترک کرنا ہے نہ کہ آخرت کی پکڑ کو ترک کرنا اور یہ معنی کفر کیلئے ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ امت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰت والتحیات سب اس نعمت میں شریک تھے۔ اور آنے والی آیت میں بنی اسرائیل کی توبہ کا ذکر ہے۔ اور اس توبہ کی تعلیم کا طریقہ جو کہ اس جرم کے آثار کو بالکل ختم کردے۔ اور اس کے نقصان سے دنیا اور آخرت میں بے خوف کردے تو یہ کہاں اور وہ کہاں۔ پھر فرماتا ہے کہ اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی تعلیم کیلئے ہم نے تمہیں ایک نعمت عطا فرمائی جو کہ عظیم اور بہت بڑی ہے۔ اور تمہارے اس قبیح جرم کی وجہ سے ہم نے وہ نعمت تم سے واپس نہ لی۔ پس اس نعمت عظمیٰ کو یاد کرو۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور وہ تورات مقدس ہے جو کہ شکر گزاری کے قواعد کی جامع ہے۔ تاکہ شکر گزار نے

marfat.com

Marfat.com

والے اس کے قواعد کے مطابق ذمہ داری پوری کریں۔ اور حق شکر ادا کریں۔

وَالْفُرْقَانَ اور ہم نے موسیٰ کو وہ چیز بھی عطا فرمائی جو کہ اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فرق کا باعث ہو۔ اور وہ شعائر دین اور احکام شرع ہیں کہ انہیں اپنانے سے موافق و مخالف کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں آدمی دین میں داخل ہو گیا۔ اور فلاں آدمی دین سے باہر نکل گیا۔ جیسے ہفتہ کے دن کی تعظیم اور اس دن روزہ رکھنا اور اس دن دنیوی کاموں سے فارغ رہنا۔ اور دین یہودیت کی دوسری رسمیں اور عیدیں اور گوشت چھوڑنا' اونٹ کا دودھ اور گوشت ترک کرنا اور ختنہ' ذبح اور قربانی اور ان چیزوں کی مانند دین اسلام میں (اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے)' اذان' نماز' جمعہ' جماعات' عیدین اور ختنہ۔

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ فرقان سے بھی وہی تورات مراد ہے۔ اور عطف صفت کے جدا ہونے کی وجہ سے ہے۔ اگرچہ ذات ایک ہے۔ جیسا کہ عرب کہتے ہیں کہ رأیت الغیث واللث یعنی رایت الرجل الذی ھو جواد کالغیث و شجاع کا الیث یعنی میں نے بارش اور شیر دیکھا یعنی میں نے ایسا آدمی دیکھا جو کہ بارش کی طرح سخی اور شیر کی طرح بہادر ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ فرقان سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں جو کہ کافر و مومن کے درمیان فرق کر دیتے تھے (وباللہ التوفیق: یعنی جو معجزات دیکھ کر اور انہیں کمالات نبوت سمجھ کر مان لیتے تھے وہ ایمان والے اور جو یہ کمالات کر دیکھ کر بھی نہ مانے تو وہ کافر۔ پتہ چلا کہ کمالات نبوت مفید ایمان ہیں۔ اور ان سے منہ پھیرنا عین کفر اعاذ اللہ تعالیٰ۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ) اور ہر صورت میں کتاب اور فرقان دینا جس معنی میں بھی ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درکار نہ تھا وہ تو صرف اس لئے تھا۔

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ شاید کہ تم راہ پاؤ۔ شکر گزاری کے قانون کے مطابق اور یہ تم پر ایک اور نعمت ہوئی۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی الٰھی انعمت علی النعم السّوابغ وامرتنی بشکرھا وانما شکری ایاك نعمة منك فقال اللہ تعالیٰ یا موسیٰ حسبی من عبدی ان یعلم ان مابه من نعمة فھی منی اے میرے اللہ تو نے مجھ پر وسیع نعمتیں انعام فرمائیں اور مجھے ان کے شکر کا حکم دیا اور

marfat.com

Marfat.com

میرا شکر کرنا بھی تو تیری طرف سے نعمت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! مجھے میرے بندے کی طرف سے یہی کافی ہے کہ وہ یہ جان لے کہ اس کے پاس جو بھی نعمت ہے میری طرف سے ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اس مضمون کو اسی طرح بیان فرمایا ہے **سبحان من جعل اعتراف العبد بالعجز عن شکرہ شکرہ کما جعل اعترافہ بالعجز عن معرفۃ معرفۃ** پاک ہے وہ ذات جس نے اس کے شکر سے بندے کے اعتراف عجز کو اپنا شکر قرار دیا۔ جس طرح اس کی معرفت سے بندے کے اعتراف عجز کو اپنی معرفت قرار دیا اور یہ دونوں حدیثیں تفسیر معالم التنزیل میں اسی آیت کے تحت مذکور ہیں۔ اور اس کتاب اور اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فارق عظیم کی ہدایت میں سے ایک ہدایت بچھڑا پوجنے کے جرم سے توبہ تھی۔ جو کہ قتل نفس کی صورت مقرر کی گئی۔ پس اس عمدہ ہدایت کو یاد کرو۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔ مزید شفقت اور غم خواری کے طریقے سے جو کہ آدمی کو اپنی قوم سے ہوتی ہے۔ اور ان کی بیماریوں کے علاج کو اپنی بیماری کے علاج کی طرح سمجھتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی اندرونی بیماری سے بے خبر ہوں تو لطف و عنایت کے ساتھ انہیں اس مرض پر خبردار رہتا ہے۔

یٰقَوْمِ اے میری قوم' قومیت کی شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ تمہیں تمہاری اندرونی مرض اور اس مرض کے علاج سے آگاہ کروں۔ پس سنو اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ تحقیق تم نے اپنی جانوں پر بچھڑا بنا کر ظلم کیا ہے۔ اس لئے کہ سامری نے جب تمہارے سامنے قبطیوں کے سونے سے بچھڑا بنایا۔ اور تم نے زر و جواہرات سے اس کی مدد کی۔ اور آواز نکالنے اور اس میں زندگی کے آثار کے ظہور کیلئے وہ مٹی جو کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے سم کے نیچے سے زندہ کرنے کی خاصیت پر مشتمل سمجھ کر اٹھائی تھی اور اس میں ڈالی تھی دیدہ دانستہ اسے معبود بنانا اور اس میں معبود کے حلول کا عقیدہ کرنا گویا یہ دعویٰ کرنا ہے کہ ہم نے اپنے معبود میں حیات ڈالی۔ اور اگرچہ اس بچھڑے کا آواز نکالنا ایک عجیب خلاف عادت کام تھا لیکن جب عادت کے خلاف کوئی عجیب کام اسباب کے ہاتھ لگنے' کسی

marfat.com

Marfat.com

کی کاریگری کے معاملہ اور عمل سے صورت پکڑے تو اسے ایک غیبی امر سمجھنا عقل سلیم کے تقاضا کے خلاف ہے۔ اسی لئے جادوگروں' نظر بندوں' مداریوں اور بیہودوں کے عجیب کام کی عقل مندوں کی نظر میں کوئی وقعت اور قدر نہیں ہوتی اس قسم کی گھڑی اور بنائی گئی چیز کو الوہیت سے کیا مناسبت اور معبودیت سے کیا تعلق؟ جو کہ فرعون اور ہامان سے بدرجہا نیچے اور مرتبہ الوہیت سے زیادہ بعید ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا کہ کیا کرنا چاہئے تا کہ یہ اس ظلم کی سزا سے بچ جائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ . بس توبہ کرو تمہارے ڈھانچے بنانے والے کی طرف متوجہ ہو کر۔ جو کہ حضرت حق جل شانہ ہے۔ تا کہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری جانوں کو اس ظلم کی نجاست سے پاک کر دے کیونکہ اس ظلم نے تمہاری جانوں میں رسوخ حاصل کر لیا ہے۔ اور اس بچھڑے کی محبت کی زیادتی کی وجہ سے تمہاری جانیں آفت رسیدہ ہیں۔ اور باری اصل میں قلم تراشنے والے کو کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے یہاں اس اسم کو اختیار کرنا اسی لئے ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے قالب تراش یعنی ڈھانچہ بنانے والا ہونے کے مقابلہ اپنے آپ کو خدا کا قالب تراش بنا لیا تھا۔ اور الیٰ بارئکم کا لفظ بڑھانا یہ بتانے کیلئے ہے کہ یہ توبہ ریا کے طریقے سے نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ وہی ہے جو کہ دل کی گہرائی سے ہو۔ اور اگر توبہ کا اظہار صرف زبان سے کیا جائے تو وہ بندوں کی طرف توبہ ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کی طرف۔

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ . بس اپنے آپ کو قتل کرو۔ اور اپنے آپ خود کو قتل کے لئے پیش کرو اور اپنی جانوں کو اپنے جسموں سے جدا کرو۔ تا کہ اس جرم کا کفارہ ہو سکے کیونکہ تم نے جھوٹ موٹ جان کر اپنے گھڑے ہوئے جسم میں ڈالا اور اسے معبود بنا لیا۔ علمائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جسم کو قتل میں دینا ان کی عین توبہ تھی یا کہ توبہ کا بقیہ۔ جس طرح کہ شریعت میں جان بوجھ کر قتل کرنے والے کے حق میں ہے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں مگر اس طرح کہ اپنے آپ کو مقتول کے وارثوں کے ہاتھوں میں سپرد کر دے تا کہ اگر وہ

marfat.com

Marfat.com

چاہیں تو بخش دیں اور اگر چاہیں تو قتل کر دیں۔

اور اس طرح اپنے آپ کو ہلاکت کے مقام میں ڈالنا اگرچہ ظاہری عقل کے اعتبار سے بہت قبیح اور برا لگتا ہے۔ لیکن

ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ یعنی یہ عظیم کام تمہارے لئے تمہارے قالب تراش کے نزدیک بہتر ہے۔ کیونکہ یہ کام اس کے ساتھ تمہاری کامل محبت پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی راہ میں تم نے اپنی جان خرچ کر دی۔ نیز اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اس کی قالب تراشی کو تم تسلیم کرتے ہو۔ اور اس کے جان پیدا کرنے کی بھی تصدیق کرتے ہو اس کے حکم سے اس کی امانت تم نے اسے واپس کر دی۔ اور اس محبت اور اطاعت کی وجہ سے تم آخرت کے دائمی عذاب سے بچ گئے اور دنیا کی تکلیف اگرچہ زیادہ سخت ہوتی ہے۔ لیکن آخرت کے عذاب کے مقابلے میں ہلکی ہے۔ بلکہ ختم ہونے والے کو نہ ختم ہونے والے سے کوئی نسبت نہیں۔ اور موت لازماً آنے والی ہے۔ پس قتل کی شدت برداشت کرنے میں کوئی تکلیف متصور نہیں سوائے تقدیم و تاخیر کے اور اس کا بھی وہم ہے۔ اور بس اس لئے کہ جس طرح موت مقدر ہے موت کا وقت بھی مقدر ہے حقیقت میں کوئی۔ پس و پیش نہیں۔

## بنی اسرائیل کی توبہ کے لئے قتل کی کیفیت

اور جب بنی اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے توبہ کا طریقہ سن کر قبول کر لیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پختہ عہد و پیمان لیا کہ بچھڑا پوجنے والے اپنے گھروں سے ہتھیار اور خود اور زرہ کے بغیر باہر آ کر زانوں ٹیک کر بیٹھ جائیں۔ اور اپنی پشتوں کو اپنے زانوؤں سے باندھ لیں اور اپنے سروں کو زانوؤں پر رکھیں اور تلوار کا زخم سر پر لیں۔ زانو بند نہ کھولیں۔ جسم نہ ہلائیں۔ ہاتھ پاؤں کے ساتھ مدافعت نہ کریں۔ اور جس نے ان چیزوں میں سے کسی چیز سے منہ پھیرا اس کی توبہ قبول نہیں ہے اس کے بعد دوسرے دن جب صبح ہوئی حضرت ہارون علیہ السلام کو ان بارہ ہزار بنی اسرائیلیوں سمیت فرمایا جنہوں نے بچھڑا نہیں پوجا تھا اور اس قبیح فعل کے انکار میں حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھی رہے تھے کہ ننگی تلواریں ہاتھوں میں لے کر جاؤ اور انہیں قتل کرنا شروع کر دو۔ اور خود ایک اونچی جگہ پر

marfat.com

Marfat.com

کھڑے ہو کر فرما رہے تھے اے گروہ بنی اسرائیل تحقیق تمہارے بھائی تلواریں کھینچے ہوئے تمہارے پاس آئے ہیں تمہیں قتل کرنا چاہتے ہیں تو اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔

اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے بنی اسرائیل کے تین گروہوں میں سے دو کو یہ حکم ہوا تھا کہ ایک دوسرے سے کھینچا تانی کریں جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی انہیں حکم تھا کہ قتل ہوں۔ اور جنہوں نے نہ بچھڑا پوجا اور نہ ہی اس پر انکار کیا انہیں حکم تھا کہ قتل کریں۔ تا کہ انکار کا چھوڑنا جو ان سے واقع ہوا اس سے توبہ حاصل ہو جائے۔ اور جنہوں نے بچھڑا نہیں پوجا تھا اور اس برے فعل پر انکار بھی کرتے تھے اس توبہ میں شریک نہ ہوئے کیونکہ وہ اس جرم کی توبہ کے محتاج نہ تھے۔

اور روایات میں واقع ہوا کہ جب قتل کرنے والوں نے دیکھا کہ جس گروہ کو ہم قتل کرنے کے درپے ہیں۔ ان میں سے بعض ہمارے بھائی' بیٹے' بھتیجے' بھانجے' دوسرے رشتہ دار اور دوست ہیں تو قتل کرنے میں۔ پس و پیش کرتے تھے۔ اور جبلی شفقت کی وجہ سے ان کے ہاتھ کام نہیں کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا سیاہ دھواں بھیجا کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور جبلی رحمت انہیں مانع نہ ہوئی یہاں تک کہ صبح سے لے کر شام تک ۷۰ ہزار آدمی قتل ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل کی عورتیں اور بچے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضور فریاد لے کر آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عاجزی کے ساتھ ننگے سر دعا مانگی حکم ہوا کہ مقتولوں اور غیر مقتولوں سب کی توبہ قبول ہوئی جو قتل ہوا مرتبہ شہادت پا گیا۔ اور جو زندہ بچ گیا گناہ کی نجاست سے پاک ہو گیا۔

یہاں جاننا چاہئے کہ **فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ** کا لفظ بظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خود قتل کریں۔ جیسا کہ بعض مفسرین اس آیت کے ظاہر کی طرف گئے ہیں۔ لیکن اس واقعہ کی سب روایات اس ظاہر کے خلاف ہیں۔ پس یہاں کلام کی حقیقت مراد نہیں ہے یا اسناد مجازی پر محمول ہے کہ قتل کی نسبت ممکن سبب کی طرف فرمائی ہے یا **اَنْفُسَكُمْ** سے مراد اپنے ہم جنس مراد ہیں۔ اور اس لفظ کا اس مجاز پر محمول کرنا روایات کی دلالت سے مقرر ہے بہر حال بنی اسرائیل اس مشکل توبہ کو بجا لائے چنانچہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

**فَتَابَ عَلَيْكُمْ** یعنی جب تم نے یہ کام کر لیا تو تمہاری توبہ قبول ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ

marfat.com

Marfat.com

نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اگرچہ تمہارا گناہ فرعونیوں کے گناہ سے زیادہ سخت تھا اس لئے کہ تم نے ایمان کے بعد کفر کیا تھا۔

اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ تحقیق اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے میں مبالغہ فرماتا ہے یہاں تک کہ اس غیر موزوں عمل پر جبکہ اس سے کم تر پر فرعونیوں کو سزا دی تھی بھی توبہ قبول فرمائی اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر بندہ کسی گناہ سے سچے دل سے توبہ اور ندامت کرتا ہے حق تعالیٰ اسے قبول فرمالیتا ہے۔ اگرچہ وہ ایک دن میں ستر مرتبہ اس گناہ کا ارتکاب کرے۔ یہ سب اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ الرَّحِیْمُ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے کہ ایک گھڑی کی تکلیف برداشت کرنے پر ابدی عزت عنایت فرما دیتا ہے۔

اور بنی اسرائیل کی یہ توبہ ایک عمدہ ہدایت تھی جو کہ اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہوئی۔ اور ان کے پرانے لوگوں نے باوجودیکہ اس میں بہت مشقت تھی اسے پوری خوشدلی سے قبول کیا۔ جبکہ بنی اسرائیل کا وہ گروہ جو کہ اس کلام کا مخاطب ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے ہمعصر صرف زبان سے بھی توبہ نہیں کرتے۔ اور اس شدت نہ آسان عبادت کو کثرت فضائل کے باوجود قبول نہیں کرتے۔ اور یہ بھی کفران نعمت ہے۔ ب سے ہے۔ اور اس آیت میں تمام امت کو خبردار کرنا مراد ہے۔ تاکہ وہ توبہ اور ندامت سے جی نہ چرائیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت نے اس توبہ میں باوجود انتہائی مشقت کے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ اور انکار نہ کیا۔ اور تم سے کہ ہم نے سوائے ندامت کے کچھ نہیں مانگا توبہ سے فارغ رہنا بہت بعید ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے ان قاہر آیات کو دیکھنے اور ان متواتر سزاؤں کو چکھنے کے باوجود حق شکر ادا نہ کیا۔ بلکہ پھر اپنی انہیں بے ادبیوں اور سختیوں کے بھنور میں پھنس گئے اور ان میں سے سب سے زیادہ سخت بے ادبی یہ تھی کہ انہوں نے کبھی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت اور ان کے فرقان پر جو کہ ان کے پاس پہنچا تھا اکتفا نہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے چاہا کہ ہم ان تمام احکام کو بغیر واسطہ کے جناب الٰہی سے سنیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم فرداً فرداً سب یہ چاہتے ہو یا تم میں سے بعض نیک لوگ اگر اپنے کان کی وساطت کے بغیر سن کر آئیں تو یقین کر لو گے؟ انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے صالحین کی

marfat.com

Marfat.com

کثیر جماعت جن کی خبر تواتر کی حد کو پہنچ جائے۔ اور عقل کے نزدیک ان کا جھوٹ پر اجتماع محال ہو۔ اور اسے بلاواسطہ دربار خداوندی سے سن کر آئیں تو ہم لازماً یقین کر لیں گے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنے قابل اعتبار اور قابل اعتماد لوگوں کی جماعت چن کر میرے ہمراہ کر دو۔ انہوں نے اس کام کیلئے اپنے صالحین میں سے ستر برگزیدہ لوگوں کو چن کر پیش کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تم سب غسل کرو اور اپنے تمام گناہوں سے انہیں توبہ کرو کہ آئندہ کیلئے نصیحت ہو جائے۔ اور تین دن روزہ رکھو اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہو۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کے مطابق عمل کیا اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں ہمراہ لے کر کوہ طور کی طرف روانہ ہوئے۔ اور دربار خداوندی میں عرض کی۔ بار خدایا بندوں میں سے یہ نیک گروہ تیرا کلام سننے کے شوق سے آئے ہیں۔ ان سے کلام فرما۔ اللہ تعالیٰ نے عرض قبول فرمائی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے نزدیک پہنچے نور کا ایک ستون سفید پتلے ٹھنڈے بادل کی شکل میں ظاہر ہوا اور آہستہ آہستہ وسیع اور فراخ ہوتا گیا۔ اور اس نے تمام پہاڑ کو گھیرے میں لے لیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس نور میں چھپ گئے اور آپ نے بنی اسرائیل کی جماعت کو پہاڑ کے نیچے کھڑا کر دیا۔ اور فرمایا ہاں اب کلام الٰہی سنو۔ وہ اپنے کانوں سے بلاشبہ سن رہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہو رہا تھا اور امر اور نہی آ رہے تھے۔ انہوں نے فریاد کی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! یہ سب خطاب آپ سے ہے ہمیں بھی اس عزت سے کوئی حصہ ملے۔ اچانک نور کی ایک چمک ان کی طرف جلوہ فرما ہوئی۔ اور یہ کلام نور کی اس چمک سے ان کے کانوں میں پہنچا۔ انی انا اللہ لا الہ الا انا ذوبکتہ اخرجتکم من ارض مصر فاعبدون ولا تعبدوا غیری یعنی تحقیق میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ مکہ والا میں نے تمہیں مصر سے نکالا۔ پس میری عبادت کرو۔ اور میرے غیر کی پوجا مت کرو۔ اس کے بعد وہ کلام منقطع ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس نور میں چھپے رہے جب وہ نور کا بادل کھل گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام باہر آئے اس مذکور جماعت سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام تم نے سنا؟ اور اس کے احکام سمجھ گئے؟ انہوں نے ایک فضول شبہ سے دلیل لی اور کہا کہ ہم کس طرح جانیں کہ یہ کلام خدا تعالیٰ کا کلام تھا۔ ایسا نہ ہو کہ کسی شیطان یا جن

marfat.com
Marfat.com

نے اس بادل میں آواز دی ہو۔ پس یہ عقیدہ کہ یہ کلام خدا تعالیٰ کی کلام ہے ہمیں چاہئے کہ صرف آپ کی تقلید اور آپ کے کہنے پر رکھیں اور اگر ہم آپ کے کہنے پر یقین کرتے تو شروع ہی سے یقین کر لیتے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی صورت دکھا اور ہم اس صورت سے آواز سنیں اور یقین کریں کہ یہ آواز کسی شیطان یا جن کی آواز نہیں ہے۔ پس یہ بے ادبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بچھڑے کی پوجا سے زیادہ واقع ہوئی۔ اور اس بے ادبی کی وجہ سے تمہارے اسلاف ایسی سزا کے مستحق ہو گئے جو کہ قتل سے بھی زیادہ ہو۔ اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے تمہارے اس جرم سے بھی درگزر فرمائی اور نازل ہونے والے عذاب کو پہنچنے اور لاحق ہونے کے بعد اٹھالیا اور اسی قصہ کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يَا مُوْسٰى اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ ہم آپ کے کہے پر ہرگز یقین نہیں کریں گے کہ جو کچھ ہم سنتے ہیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً یہاں تک کہ ہم خدا کو صورت و شکل میں دیکھیں۔ جس طرح کہ بلند آواز کو کانوں سے سنتے ہیں نہ کہ جیسے درویش اور عارف لوگ شہود و مشاہدہ میں پاتے اور دیکھتے ہیں کہ ہم اسے خیال کی کاریگری سمجھتے ہیں۔ اور اس پر ہمیں کوئی اعتماد نہیں۔ اور نہ اس طرح کہ جیسے آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے کہ کیفیت کے بغیر دیدار میسر ہوگا اس لئے کہ وہ بلا کیف دیدار ہماری ناقص عقلوں کے مطابق دیدار نہیں۔ دیدار وہی ہے کہ عیاں طور پر جہتوں میں محدود صورت اور شکل میں ہو جس طرح کہ جہری آواز قوت سامعہ پر ظاہر ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس بے ادبی کی وجہ سے تمہارے اسلاف پر دو وجہ سے غضب فرمایا پہلی وجہ یہ کہ انہوں نے کہا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے کہے پر یقین نہیں کریں گے۔ حالانکہ معجزات کے ساتھ تصدیق کئے گئے رسول علیہ السلام کا یقین نہ کرنا کفر کی جڑ ہے خصوصاً حاضری اور کلام سننے کے مقام پر۔ دوسری وجہ یہ کہ حتی نری اللہ اور جھرۃ کہا اگر یوں کہتے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی زیارت کی آرزو رکھتے ہیں ہمیں اپنا دیدار کرائے تو محل غضب نہ ہوتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت دنیا میں محال نہیں۔ اور اس کی طلب پر غضب

marfat.com
Marfat.com

اور عتاب نہیں اس کا جواب اسی قدر تھا کہ تم اس نعمت کے قابل نہیں ہو۔ اور آخرت میں جب آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک ہو گے تو دیکھ لو گے۔ کیونکہ آخرت میں دیدار عام مومنین کا حصہ ہے۔ اور دنیا میں دیدار خاصان درگاہ خداوندی بلکہ اخص الخواص سے مخصوص ہے۔ جیسے حضور پیغمبر آخر الزمان علیہ الف الف صلوۃ والف الف سلام لیکن انہوں نے دنیا میں شکل وصورت دیکھنے کی درخواست کی۔ اور اسی وجہ سے محل غضب ہوئے۔

فَاَخَذَتۡكُمُ الصّٰعِقَةُ پس تمہیں صاعقہ نے پکڑ لیا اور وہ ایسی آگ ہے جو کہ آسمان کی طرف سے آتی ہے۔ اور غالب طور پر وہ بادل میں ہوتی ہے۔ اور جب وہ نور کی کودنے والی بجلی جو کہ اس سفید بادل میں چمکتی تھی غضب کے ساتھ ان پر گری اور ان کے بدنوں کے مساموں سے ان کے بدن میں داخل ہو گئی۔ اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تو اس نے صاعقہ کے ساتھ پوری مناسبت اور مشابہت پیدا کر لی اسی جہت سے اسے صاعقہ فرمایا گیا۔

اور بعض مفسرین نے صاعقہ کو صعق کی مصدر قرار دیا ہے۔ جیسے کاذبہ عافیہ اور بیہوشی اور غشی کے معنوں میں لیا ہے۔ لیکن صحیح روایات میں ثابت ہے کہ نور کی وہی کودنے والی بجلی ان پر پڑی اور انہیں بے حس وحرکت کر دیا تو اگر صاعقہ بے ہوشی اور غشی بھی ہو تو اسی کودنے والی نورانی بجلی کا اثر تھا جو کہ صاعقہ آسمانی کے ساتھ مشابہت رکھتی تھی۔ بلکہ آسمانی بجلی سے زیادہ قوی اور سخت تھی کیونکہ گرنے والی متعارف بجلی ایک ہی دفعہ اتنی کثیر جماعت کو موت کے گھاٹ نہیں اتارتی غالباً دو یا تین آدمیوں کو قتل کرتی ہے۔ نیز اس بجلی سے بھاگ کر چھت اور سائے کے نیچے یا مضبوط مکان کے اندر جانا ممکن ہے۔ جبکہ اس کودنے والی برق سے جس کی حرکت اختیاری تھی نہ کہ طبعی تمہیں بھاگنا ممکن نہ ہوا چنانچہ اس نے تمہیں پکڑ لیا۔

وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ اور تم اس صاعقہ کا آنا اور اپنی جماعت کے بعض لوگوں کا اس کی وجہ سے ہلاک ہونا دیکھ رہے تھے۔ اور تم اس سے ہرگز فرار نہ ہو سکے۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس واقعہ کو یوں دیکھا تو بارگاہ الٰہی میں عاجزی اور زاری شروع کر دی۔ اور عرض کی بار خدایا میں بنی اسرائیل کے پاس کس منہ سے جاؤں گا کیونکہ میں ان کے بڑوں اور صالحین کو گواہ بنانے کیلئے لایا تھا وہ سب ہلاک ہو گئے بلکہ اس کے بعد بنی اسرائیل مجھے جھوٹا کہیں گے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا بہتان باندھتا تھا اور ۔۔۔

marfat.com

Marfat.com

جماعت کو حیلے اور مکر کے ساتھ ہلاک کر کے آ گیا۔ تاکہ اپنا جھوٹ ظاہر ہونے کی وجہ سے شرمندہ نہ ہو۔ پس ان سے رونما ہونے والی گستاخیوں کے باوجود انہیں معاف فرما اور انہیں نئے سرے سے زندہ فرما۔ پس ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ پھر ہم نے تمہیں زندہ فرمایامِنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ تمہاری حقیقی موت کے بعد جو کہ غشی اور سکتہ کے قبیل سے نہ تھی۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ شاید کہ تم آئندہ اس درگزر اور موت کے بعد زندہ کرنے کی نعمت کا شکریہ ادا کرو اور یہ نجات دینا اس سابقہ نجات سے زیادہ بڑی نعمت ہے جو کہ فرعونیوں کے ہاتھ سے اور بچھڑا پوجنے کے جرم اور سزا سے واقع ہوئی تھی۔

علمائے تفسیر کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ واقعہ بچھڑا پوجنے سے پہلے وقوع میں آیا یا اس کے بعد۔ ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ گوسالہ پرستی سے پہلے تھا۔ اس دلیل سے جو کہ سورہ نسا میں واقع ہے یسئلك اهل الكتاب ان تنزل عليهم كتابًا من السمآء فقد سئلوا موسٰى اكبر من ذٰلك فقالوا ارنا اللّٰه جهرة فاخذتهم الصاعقه بظلمهم ثم اتخذوا العجل من بعد ما جاء تهم البينات (آیت ۱۵۳) اور اکثر مفسرین اور اہل قصص نے کہا ہے کہ یہ واقعہ گوسالہ پرستی کے بعد کا ہے۔ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جماعت کو گوسالہ پرستی کا عذر پیش کرنے کیلئے کوہ طور پر لے گئے تھے۔ وہ گناہ سے بھی بدتر عذر عمل میں لائے۔ ان کی دلیل اس سورت اور سورۃ اعراف اور دیگر سورتوں میں اس قصہ کا بیان ہے۔ کیونکہ واقعات کے ذکر کی ترتیب میں غالب طور پر ان کے وقوع زمانی کی ترتیب رکھی گئی ہے۔ اور سورت نساء میں ثم بیان کی ترتیب کا فائدہ دینے اور ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی دینے کیلئے۔ جیسا کہ شاعر کے قول میں ان من سادثم ساد ابوه ثم قد ساد قبلَ ذالك جده مستعمل ہوا اور کلام الٰہی میں بھی بہت رائج ہے۔

اور یہاں جاننا چاہئے کہ آخرت میں یا دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے منکر اس آیت سے دلیل لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رؤیت ممکن ہوتی تو اس کا سوال اتنے غضب کا موجب نہ ہوتا لیکن دوران تفسیر معلوم ہو چکا کہ غضب کا موجب دو چیزیں تھیں

marfat.com

Marfat.com

اول لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ کے الفاظ جو کہ صریح کفر ہے۔ اور دوسری جھرۃ کی قید جو کہ محض سرکشی اور بے ادبی ہے۔ اور صرف رؤیت کا سوال محل غضب نہیں کہ ان منکرین کا دلیل لینا درست ہو۔ بلکہ جب دوسری بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے رؤیت طلب کرنے کے لئے عرض کی رب ارنی انظر الیك ان کے جواب میں سوائے دنیوی بنیاد کے اس کو برداشت کرنے سے عاجز ہونے کے کچھ بھی ارشاد نہ فرمایا۔ اور یہی فرمایا: لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانه فسوف ترانی

قصہ مختصر بنی اسرائیل نے اس نعمت کو دیکھنے کے باوجود شکر گزاری نہ کی جس طرح کہ انہوں نے دوسری نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی توجہ کریمانہ ان کی امداد اور انہیں نجات دینے سے حضرت موسیٰ اور ہارون علیٰ نبینا وعلیہما السلام کی وجہ سے دست بردار نہ ہوئی۔ بلکہ ان تمام ناشکریوں کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی عنایات ان پر وارد ہوتی ہیں۔ خصوصاً جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب امور سے فارغ ہو کر بنی اسرائیل کے لشکر میں پہنچے اور انہیں حکم الٰہی پہنچایا کہ تمہیں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سرزمین شام کو جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا مدفن ہے۔ اور بیت المقدس بھی وہاں واقع ہے عمالقہ کے جابروں سے چھڑاؤ اور ان کے ساتھ جہاد کرو اور اسی سرزمین میں وطن بناؤ اور مصر کو چھوڑ دو۔ اور اس حکم میں راز یہ تھا کہ بنی اسرائیل جب تک مصر میں تھے فرعون اور فرعونیوں کی زندگی کو باغات' گلزاروں' کھیتیوں' وافر خزانوں' جاری نہروں' عورتوں اور گویوں کے ساتھ ناز ونعمت میں دیکھتے تھے۔ اور جب فرعون اور فرعونی ہلاک ہو گئے۔ اور انہیں اس ملک پر مکمل قبضہ حاصل ہو گیا اس بات کا گمان تھا کہ یہ بھی اس سرزمین عیش میں عیش اور آسودگی کی طرف مائل ہو کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف جہاد اور لڑائی اور ریاضات وعبادات سے جی چرائیں گے۔ اور کاہلی کا شکار ہو جائیں ... خاص وعام کے نزدیک یہ بات ظاہر ہو جائے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیٰ نبینا علیہما السلام فرعون کے ساتھ جو پرخاش رکھتے تھے اس سے یہ منظور نہ تھا کہ اس کے ملک پر خود قابض ہو جائیں۔ اور دنیوی مرتبہ اور عزت حاصل کریں جس طرح کہ فرعون کو بھی خیال دامنگیر ہو چکا تھا اور بار بار کہتا تھا ان هذان لساحران یریدان ان یخرجاکم من ارضکم بسحرهما (ط)

marfat.com

Marfat.com

آیت ۶۳) اور کہتا تھا کہ ان ھذا لساحر علیم یریدان یخرجکم من ارضکم بسحرہ (الشعراء، آیت ۳۵) پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ انہیں فرعون کے ملک اور مال سے کسی طرح کوئی فائدہ نہ ہو۔ اور ان کی دنیا اور متاع دنیا سے بے رغبتی ظاہر ہو جائے۔ اور ان کے بعد ان کے خلفاء کو بھی یہی مقصد منظور ہو اور لوگ انہیں دنیا طلب کرنے والوں کی طرح حیلہ باز خیال نہ کریں۔ اور عام بنی اسرائیل چونکہ دنیا کی محبت میں غرق تھے۔ اور زمین مصر سے باہر آنا جو کہ ایک لقمہ تر تھا ان پر بہت ناگوار اور بھاری معلوم ہوتا تھا پہلے تو انہوں نے اس حکم کو ہٹانے کی کوشش کی دوسرے جب چاروناچار مجبور ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے ہمراہ روانہ ہوئے تو راستہ میں جہاں بھی ان پر سختی اور دشواری پیش آتی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکایت اور زبان درازی کے ساتھ تنگ کرتے تھے۔

ان میں سے یہ کہ جب بے سایہ اور سبزہ سے خالی جنگل میں پڑے تو سورج کی گرمی سے شکایت شروع کر دی۔ اور چونکہ غلہ اور کھانے کی چیزیں ہمراہ نہ تھیں تو بھوک سے بے تاب ہو گئے۔ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان دونوں تکلیفوں سے نجات عطا فرمائی اور عجیب خوارق رونما ہوئے چنانچہ انہیں نعمتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

**وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ** اور ہم نے سائبان بنا دیا تم پر سفید پتلے ٹھنڈے بادل کو۔ سورج کی گرمی سے بچانے کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے جبکہ تم نے ان کے سامنے گرمی کی شکایت کی۔ اور یہ نعمت گزشتہ نعمتوں کی نسبت زیادہ عمدہ تھی کیونکہ یہ نعمت حالت غضب میں معرض وجود میں آئی کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے حکم کو جو کہ عمالقہ سے جنگ اور لڑائی کی بابت تھا ٹالنے کی وجہ اس کے غضب کا مورد بن گئے تھے تو یہ انتقام اور سزا کا مقام تھا۔ اس مقام پر یہ نعمت عطا فرمانا بہت زیادہ شکر کرنے کا متقاضی تھا۔

## غمام کی حقیقت

اور وہ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ بادل معروف بادل کی جنس سے نہ تھا بلکہ اس بادل سے زیادہ ٹھنڈا اور زیادہ پاکیزہ تھا اور یہ وہی بادل ہے جس میں بدر کے دن ملائکہ اترے تھے۔ اور وہ جو مجاہد سے منقول ہے کہ یہ وہ بادل ہے جس

marfat.com
Marfat.com

میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جلوہ فرما ہوگا۔ اور معروف بادل نہیں۔ پس اس کا معنی یہ ہے کہ بادل کا ہونا دو طریقوں سے ہے۔ پہلا مشہور طبعی طریقہ کہ بخارات' غبار' دھواں اور ان کا کثیف ہونا بادل کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور دوسرا طریقہ غیر طبعی خلاف عادت کہ عالم مثال سے عالم شہادت میں کسی پر حکم کے اترنے سے فرشتوں کی خدمت کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور وہ بادل جو کہ میدان تیہ میں بنی اسرائیل کا سائبان تھا دوسری قسم سے تھا نہ کہ پہلی قسم سے۔ اور مراد یہ نہیں کہ وہ بادل بعینہ قیامت کے دن کا بادل تھا! ہ زبدر کا بادل اور اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

اور مفسرین اور اہل قصص نے لکھا کہ بادل کو سایہ بان بنانے کے ساتھ اس سفر اور پریشانی میں ان پر دیگر نعمتیں بھی اتاری گئیں۔ ان میں یہ کہ رات کے وقت نور کا ایک ستون ان کے لشکر میں کھڑا ہو جاتا تھا جس کی روشنی میں وہ کام کاج کرتے اور آمد ورفت کرتے اور ان میں سے یہ کہ ان کے کپڑے پرانے نہیں ہوتے تھے۔ اور میل نہیں لگتی تھی اور ان میں سے یہ کہ ان کے بال اور ناخن لمبے نہیں ہوتے تھے کہ انہیں کاٹنے یا مونڈنے کی ضرورت پیش آئے۔ اور ان میں سے یہ کہ اس سفر کے دوران جو بچہ پیدا ہوتا تھا اس کے جسم پر آدمی کے ناخن کی طرح کپڑا بھی پیدا ہوتا اور اس بچے کے طول وعرض کے مطابق طول وعرض پکڑتا تھا گویا ناخن اور بال کا مادہ اس طرف چلتا تھا۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ اور ہم نے تم پر آسمان کی طرف سے 'من' اتارا۔ تمہیں بھوک کی تکلیف سے نجات دینے کے لئے جو کہ صبح صادق کے طلوع سے لے کر طلوع آفتاب تک برف کی طرح برستا تھا۔ اور لشکر کے لوگ اسے چادروں اور کپڑوں پر لیتے تھے۔ اور چن لیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ہر آدمی کیلئے ایک صاع کی مقدار جمع ہوتا تھا جو کہ اس ملک کے چار سیر ہوتے ہیں۔ اور سارا دن اسے چینی اور شکر کی طرح کھاتے تھے۔ چھ دن تک مسلسل برستا تھا بلکہ جمع کرنے کے دن اتنا برستا کہ ہر آدمی کو دو دن کیلئے کافی ہوتا۔ اور ہفتہ کے دن بالکل نہیں برستا تھا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لشکریوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جمعۃ المبارک کے دن دوگنا برسے گا تاکہ ہفتہ کے دن کیلئے بھی ذخیرہ کرلو۔ کیونکہ ہفتہ کے دن نہیں برسے گا اور ایک دن سے زیادہ ذخیرہ نہ کرنا۔

marfat.com

Marfat.com

## من کی حقیقت اور خصوصیت

محقق حکماء کے نزدیک من کی حقیقت یہ ہے کہ بخار اور دھواں جب زمین سے جدا جدا آسمان کی طرف جاتے ہیں تو بادل' برق' رعد' صواعق' شہاب اور دمدار ستارے وجود میں آتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی تفصیل اپنے مقام پر کی گئی ہے۔ اور سورت فاتحہ کی تفسیر میں بھی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کی تفسیر میں اس کا کچھ تعارف گزرا ہے۔ اور جب بخارات اور دھواں باہم مرکب ہو کر زمین سے آسمان کی طرف جاتے ہیں تو اگر دھواں لطیف ہو۔ اور رطوبت غالب ہو جائے۔ اور حرارت اعتدال کے ساتھ عمل کرے تو اس میں ایک حلاوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور برف کی طرح منعکس ہو کر گرتے ہیں۔ اور اسے ترنجبین کہتے ہیں (ایک دوا جو قدرتی شکر ہے اور شبنم کی طرح گرتی ہے) اور اگر خشکی غالب آ جائے۔ اور حرارت اعتدال کے ساتھ عمل کرے اسے خشک انجبین کہتے ہیں۔ اور اگر رطوبت اور یبوست دونوں معتدل ہوں۔ اور حرارت کا عمل بھی اعتدال سے ہو تو اسے شیر خشک اور شیر خشت کہتے ہیں۔ اور اگر بخارات اور دھواں دونوں لطیف الجوہر ہوں۔ اور معتدل حرارت ان میں اثر کرے تو اسے من کہتے ہیں۔ اور اگر حرارت مغلوب یا معدوم ہو اسے طلول فاسدہ یعنی معروف شبنم کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا بالفعل کوئی ذائقہ نہیں۔

اطباء کی اصطلاح میں من کو اس سے عام معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر وہ شبنم جو کسی درخت یا پتھر پر پڑے اور اس کا کچھ ذائقہ اور مزاج ہو تو اسے من میں داخل جانتے ہیں۔ جیسے ترنجبین' شیر خشت' گزانگبین اور بیدانگبین وغیرہ۔ اور من جس کی حقیقت ذکر کی گئی اس کی خصوصیت یہ ہے کہ پہلے درجہ میں گرم ہے۔ اور رطوبت اور یبوست میں معتدل ہے۔ سینہ کیلئے اچھی ہے۔ اور پھیپھڑے کی رطوبت کو زائل کرتی ہے۔ اور اس کی سختی کو نرم کرتی ہے کھانسی کو جو کہ رطوبت سے ہو زائل کرتی ہے۔ اور معدہ کی سستی میں مفید ہے۔ اور طبیعت میں استحکام پیدا کرتی ہے۔ اور صفرا کو فائدہ پہنچاتی ہے جب پئیں اور جب پیٹ پر لیپ کریں۔ اور اس جہت سے اکثر سفر کرنے والوں کیلئے بہت مفید ہے جو کہ مختلف قسم کے پانی پیتے ہیں۔ اور جب چھ رتی مقدار کے برابر اس سے نسوار لیں تو دماغ کو پاک کرے۔

marfat.com

Marfat.com

اور غلیظ ہواؤں کو اس سے خارج کرے اسی وجہ سے وسوسہ والوں' مالیخولیا والوں اور وہمیوں کیلئے مفید ہے۔ اور اسی نکتہ کیلئے اس قسم کی چیز کو بنی اسرائیل پر اتارنا منظور ہوا تا کہ ان کے دماغ صاف ہو جائیں۔ اور لغو وہمی شبہات ان کے دماغ میں جگہ نہ پکڑیں۔

اور عرف میں من کو اس سے عام معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ پس جو چیز کہ تکلیف اور مشقت کے بغیر میسر آئے۔ اور اسے کاشت کرنے' کاٹنے' پانی دینے' گاہنے' پکانے اور گوندھنے کی مشقت نہ ہو اسے من کہتے ہیں۔ کیونکہ **هو ما من الله تعالىٰ به على عباده** وہ ان نعمتوں سے ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان فرمایا۔ اور اسی معنی میں وہ حدیث پاک ہے جو صحیحین اور حدیث پاک کی دوسری معتبر کتابوں میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **الكماة من المن وماء ها شفاء للعين** یعنی کھمبی من سے ہے۔ اور اس کا پانی آنکھوں کیلئے شفا ہے اسے بنات الرعد کہتے ہیں۔ اور ہندی میں کھمبی یہ بھی من کی جنس سے ہے۔ یعنی بنی بنائی تمہارے لئے مہیا کی گئی بغیر اس کے کہ تم نے اسے کاشت کیا ہو یا پرورش کیا ہو۔ اور من کا یہ معنی کئی چیزوں کو شامل ہے۔ جیسے جنگلی بیر اور خود اگنے والا غلہ جیسے چینا وغیرہ اور حدیث سے مراد یہ نہیں کہ کھمبی وغیرہ بنی اسرائیل کے من کی جنس سے ہیں۔ کیونکہ صحیح روایات میں ثابت ہے کہ بنی اسرائیل کا من وہی حقیقی من تھا۔ جیسا کہ تورات وغیرہ کے ترجموں میں اس کی شکل اور چہرے کو پوری تشریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس شکایت لائے کہ ہر روز اس میٹھی چیز کو کھا کھا کر ہمارا ذائقہ خراب ہو گیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ذائقہ بدلیں۔ اللہ تعالیٰ کے دربار سے نمکین چیز طلب کرنا چاہئے بلکہ بعض ان کے بعض شوخ طبعوں نے کہا کہ اللہ کی قسم ہمیں اس کی حلاوت نے مار دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر بارگاہ خداوندی میں دعا کی حق تعالیٰ نے قبول فرمائی چنانچہ اس نعمت کی طرف اشارہ فرمایا۔

## حقیقت سلویٰ اور اس کے خواص کا بیان

وَالسَّلْوٰى اور ہم نے تم پر سلویٰ بھی اتارا۔ اور سلویٰ ایک جانور کا نام ہے۔ جسے حباری کے وزن پر سمانیٰ بھی کہتے ہیں۔ اور اس جانور کا زیادہ تر مسکن مصر اور حبشہ کے

marfat.com

Marfat.com

اطراف میں دریائے شور کے ساحلی علاقے ہیں۔ اور اس جانور کو اتارنے کا طریقہ یہ تھا کہ جب دن کا آخری حصہ ہوتا تو جنوب کی ہوا مسلط کی جاتی جو کہ ان جانوروں کو دریا کے کنارے سے چلا کر گروہ در گروہ بنی اسرائیل کے لشکر میں ڈال دیتی اور بنی اسرائیل اس جانور کو ہاتھ' چادر اور لکڑی وغیرہ سے شکار کر کے ذبح کرتے تھے۔ اور ہر شخص اپنے اور اپنے اہل وعیال کی کفایت کے مطابق لے لیتا۔ اور ذخیرہ کا حکم نہ تھا سوائے جمعہ کے دن کے کہ ہفتہ کیلئے ذخیرہ کر لیتے اور ہفتہ کے دن اس جانور کا آنا بھی رک جاتا اور بنی اسرائیل کے بعض لالچیوں نے ہفتہ کے علاوہ گوشت کا ذخیرہ کر لیا وہ گوشت بدبودار اور خراب ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت سے پہلے ذخیرہ کرنے سے گوشت بدبودار اور خراب نہیں ہوتا تھا اس وقت سے یہ سلسلہ جاری ہوا چنانچہ حدیث شریف میں اس معنی کا اشارہ واقع ہوا جہاں فرمایا ہے لولا حواء لم تخن انثی زوجها الدهر و لولا بنی اسرائیل لم یخنزا للحم اگر حوا نہ ہوتیں تو کوئی عورت کبھی بھی اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی۔ اور اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی خراب نہ ہوتا۔

اور اہل طب نے سمانی کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ ایک جانور ہے جو کہ دریا سے اٹھتا ہے۔ اور اسے قتیل الرعد بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ جب رعد کی آواز سنتا ہے۔ تو مر جاتا ہے۔ اور یہ اس کے دل کے بہت کمزور ہونے کی وجہ سے ہے کہ سخت آواز سننے کا متحمل نہیں۔ اور اس جانور کے پتے کو چاٹ کر استعمال کرنا مرگی کیلئے بہت مفید ہے۔ اور اس کے خون کو کان میں ٹپکانا کان کے درد کو دور کر دیتا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ جب اس جانور کو کھائیں اور ہمیشگی کریں تو سخت دل کو نرم کر دیتا ہے۔ اور اسی نکتہ کیلئے اس جانور کو اتارنا اور اس کا گوشت بنی اسرائیل کو کھلانا منظور ہوا تاکہ من کے کھانے سے ان کے اعتقادات پاک ہوں۔ اور اس جانور کا گوشت کھانے سے ان کے دل نرم ہو جائیں۔ اور ان کے اخلاق اور اعمال درست ہو جائیں اس جانور کی بیٹھ ہو بہو چڑیا کی بیٹھ کی طرح ہوتی ہے۔ اور اس کی شکل اور جسم چھوٹے مرغ کے قریب ہوتا ہے۔ اور مزاج میں اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ اور گرمی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور اچھا کیموس (غذا کی صورت جو جگر میں پکنے سے اختیار کرتی ہے) پیدا کرتا ہے اس کا ذائقہ اچھا ہوتا ہے' صحت مندوں اور بیماری سے نئے نئے اٹھنے والوں کو اچھی غذا

marfat.com
Marfat.com

دیتا ہے۔ اور اس کا گوشت گردے اور مثانے کی پتھری نکال دیتا ہے۔ اور شیرازی زبان میں اس جانور کو آروہی کہتے ہیں۔

اور عجیب بات یہ کہ اس عمدہ نعمت پر ہم نے بنی اسرائیل سے کوئی بھاری شکر طلب نہیں کیا۔ اور اس کے عوض ہم نے ناگوار تکلیف نہیں دی جس طرح کہ ہم نے گوسالہ پرستی کے جرم سے نجات کی نعمت میں نفس کو قتل کرنا طلب کیا تھا یا جس طرح ارنا اللہ جہرۃ کے بے ادبی پر مبنی سوال پر ہم نے صاعقہ کے ساتھ تنبیہ کی تھی۔ بلکہ ہم نے انہیں فرمایا کہ اس نعمت کا شکر یہ بھی ہے کہ

کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جن کی ہم نے تمہیں روزی عطا فرمائی اور صرف کھانے پر اکتفا کرو۔ پس اس کا ذخیرہ نہ کرنا اور اسے بدلنے کا مطالبہ بھی نہ کرنا۔ کیونکہ شکر کے خلاف ہے۔ لیکن بنی اسرائیل یہ شکر اگرچہ بہت آسان تھا بجا نہ لائے۔ اور ذخیرہ کیا یہاں کہ گوشت سڑ گیا۔ اور اس گوشت کی بدبو کی وجہ سے لشکریوں کے دماغ پریشان ہو گئے۔ اور انہوں نے اس کا تبادلہ بھی کیا۔ اور انہوں نے کہا ہم سے ایک ہی قسم کی آسمانی خوراک پر صبر نہیں ہو سکتا ہمارے لئے زمینی خوراک' مسور' ترکاریاں' گندم' ککڑی' پیاز اور لہسن وغیرہ مانگنی چاہئے۔ اور اس ناشکری کی وجہ سے عصیان اور نافرمانی میں پڑ گئے اور اپنے آپ کو تکلیف اور مشقت میں ڈال لیا۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا اور انہوں نے اس کفرانِ نعمت کی وجہ سے ہم پر ظلم نہیں کیا۔ اگرچہ انہوں نے ہمارے فیض کے دروازے کو بند کر دیا۔ اور شان رزاقی کو جو کہ اسباب کے واسطہ کے بغیر جلوہ گر ہوئی چھپا دیا لیکن ہماری بے انتہا شانوں میں سے ایک شان کا چھپانا ہمارے عظمت اور جلال میں کمی نہیں کرتا۔

وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے۔ اور اپنے آپ کو اس عظیم فیض کی قابلیت سے محروم رکھتے تھے۔ جیسا کہ اس زمانے میں افضل المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی بعثت کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ اور اس بہت بڑے انعام کے شکر کے طور پر وہ اعمال بجا نہیں لاتے جو کہ بہت آسان اور ہلکے ہیں۔ اور اس فیض عام کو قبول کرنے سے اپنے آپ کو محروم رکھتے ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

## دو جواب طلب سوالات

یہاں دو جواب طلب سوالات باقی رہ گئے پہلا سوال یہ ہے کہ گزشتہ واقعات میں سے ہر واقعہ اذ کے کلمہ سے شروع کیا گیا تھا جبکہ یہ واقعہ جس کی ابتداء وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ہے کلمہ اذ کے ساتھ شروع کیوں نہ فرمایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ وَظَلَّلْنَا معطوف ہے بَعَثْنَاكُمْ پر جس پر ثم داخل کیا گیا۔ اور صاعقہ سے نجات دینے کی نعمت کا بقایا ہے۔ یعنی رؤیت کے سوال میں تم سے صادر ہونے والی سخت بے ادبی کے باوجود ہم نے تم سے عذاب اٹھا لیا اور بادل کا ایک سائبان تمہارے لئے مقرر فرمایا۔ اور تمہارے لئے آسمان سے کھانا اتارا تاکہ تم کلی طور پر غضب کے آثار سے نجات پاؤ۔ اس شخص کی طرح کہ جسے جیل سے باہر لائیں۔ پھر اسے حمام میں بھیجیں۔ اور اس کی رہائش گاہ کیلئے ایک حویلی مقرر کریں۔ اور اسے ایک خلعت پہنائیں۔ اور کھانے سے پر خوانچہ اس کیلئے مقرر کریں۔ کہ یہ سب ایک نعمت ہے جیل سے باہر لانے کی نعمت کا بقیہ۔ اسی لئے کلمہ اذ یہاں نہ لایا گیا۔ اور اگر بادل کا سائبان ایک علیحدہ مستقل نعمت ہوتی تو لازماً اسے کلمہ اذ سے شروع فرمایا جاتا۔ نیز تظلیل غمام اور انزال من وسلویٰ اگرچہ عمدہ نعمتیں ہیں۔ لیکن بے آب وگیاہ جنگل کے سفر کی فرع ہیں جو کہ دربار خداوندی سے ان پر لازم ہوا تھا۔ پس اگر ان چیزوں کو مستقل نعمتیں بیان کیا جاتا تو ممکن تھا کہ بنی اسرائیل کہتے کہ یہ نعمتیں ہمیں اس لئے درکار ہوئیں کہ تیرے فرمان پر ہم بے آب وگیاہ جنگل میں پریشان ہوئے۔ اور ہم نے کوئی رہائش گاہ اور کھانے پینے کی شے نہ پائی اگر یہ تکلیف ہمارے سر پر نہ ہوتی ہم ان چیزوں کے محتاج کیوں ہوتے۔ فرعون کے بوستان اور باغات ہمارے لئے سایہ کرنے کیلئے کیا کم تھے۔ اور مصر کی کھیتیوں اور پھلوں کی لذت میں کیا کمی تھی۔ بخلاف پانی طلب کرنے کے کہ آگے چل کر اسے نعمت مستقلہ کے طور پر بیان فرمایا کیونکہ تورات کے ترجموں کے مطابق وہ واقعہ شام کے سفر کی تکلیف سے پہلے رونما ہوا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس سورت میں (آیت ۵۷) اور سورت اعراف (آیت ۱۶۰) اور سورت روم (آیت ۹) میں اس عبادت کو اسی طریقے لایا گیا یعنی لفظ اَنْفُسَهُمْ سے پہلے

marfat.com

Marfat.com

لفظ کانوا زیادہ لایا گیا۔ جبکہ سورت آل عمران میں وَلٰکِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (آیت ۱۱۷) لفظ کانوا کے بغیر ارشاد ہوا۔ انداز کی یہ تبدیلی کس نکتہ پر مبنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان سورتوں میں گزرے ہوئے لوگوں کی خبر دی گئی ہے جو کہ ختم ہو گئے۔ اور چلے گئے جبکہ سورۃ آل عمران میں کسی کے حال سے خبر نہیں دی گئی بلکہ مثال بیان کی گئی ہے۔ اگرچہ حال ہو یا مستقبل ہو۔ کانوا جو کہ گزرنے اور ختم ہونے پر دلالت کرتا ہے وہاں حذف فرما دیا گیا۔

یہاں جاننا چاہئے کہ بنی اسرائیل پر نعمتوں کی گنتی کے آغاز سے لے کر اس مذکورہ نعمت تک جو کہ بادل کا سایہ کرنا' من وسلویٰ کا اتارنا ہے وہ نعمتیں ذکر فرمائی گئیں جن پر شکر عظیم طلب کیا گیا۔ مثلاً فرعون سے نجات۔ اور دریائے شور کو پھاڑنے پر تورات کے اوامر و نواہی کی اطاعت طلب کی گئی۔ کتاب و فرقان کی نعمت دینے پر ان کے احکام سے وابستگی چاہی گئی۔ اور گوسالہ پرستی اور اللہ تعالیٰ کو عیاناً دیکھنے کے بے ادبی پر مبنی سوال کے عذاب سے نجات کی نعمت پر عمالقہ کے ساتھ جہاد اور ان کے ہاتھوں سے بیت المقدس اور سرزمین شام کو آزاد کرانا مقرر ہوا۔ جس کا معنی نفس کو قتل کرنا اور اسے ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ اور یہ سب چیزیں مشکل اور بھاری ہیں ان کی طبیعت ان سے جی چراتی ہے۔ بخلاف اس نعمت کے کہ اس پر بہت آسان سا شکر چاہا گیا تھا یعنی ذخیرہ ترک کرنا اور تبدیلی کا مطالبہ ترک کرنا۔ اور ان سے یہ بھی نہ ہو سکا اور اس پر قائم نہ رہ سکے۔ اب اشارہ ہوتا ہے کہ ان نعمتوں کے شکر میں تبدیلی کا مطالبہ چھوڑنا بھی کچھ مشقت رکھتا تھا۔ کیونکہ انسانی طبیعت ایک قسم کے کھانے پر ہمیشگی سے ملال پکڑتی ہے۔ اور نفرت کرتی ہے۔ تمہارے اسلاف نے ایک اور نعمت کی ناشکری کی ہے جس میں کوئی ملال اور مشقت نہ تھی۔ اور ایک سجدہ کرنے اور ایک کلمہ کو زبان پر لانے سے زیادہ اس کا شکر مقرر نہ فرمایا تھا اس نعمت اور اس نعمت کے شکر کو یاد کرو۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ہم نے تمہارے اسلاف سے فرمایا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ۔ جبکہ تم من وسلویٰ کھانے' سایہ ابر اور جنگل میں گھومنے کے سفر کے بعد عاجز آ گئے تھے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ کونسی بستی تھی۔ بہت صحیح یہ ہے کہ اریحا تھی اور یہ بستی عمالقہ کا مسکن تھا اور اس کے مضافات کے قریب بنی اسرائیل کا لشکر

marfat.com
Marfat.com

پہنچنے کی وجہ سے اس بستی میں رہنے والے اسے خالی کر کے چلے گئے تھے۔ اور اس بستی میں غلہ اور پھل وافر مقدار میں تھے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ بستی بیت المقدس تھی مگر یہ قول صحیح نہیں۔ کیونکہ اہل قصص کے اجماع کے مطابق بنی اسرائیل کا بیت المقدس میں داخلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں نہیں ہوا ہے۔ اور شبہ کا منشا یہ ہے کہ باب حطہ بیت المقدس کے دروازوں میں سے ایک مشہور دروازہ ہے۔ اور ابھی تک آباد اور زیارت گاہ ہے۔ اور جو کوئی اپنے گناہوں کے استغفار کیلئے اس مسجد شریف میں آتا ہے اسی دروازہ سے اندر آتا ہے۔ اور اس جگہ کے مجاوروں کی زبان پر عام ہے کہ اس دروازہ سے داخل ہونا گناہ سے پاک ہونے کا سبب ہے۔ حالانکہ یہ دروازہ بیت المقدس کی اس تعمیر کے بعد بنا جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد مبارک میں ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مسجد بیت المقدس تھی نہ یہ دروازہ ہاں اس دروازے کو حضرت سلیمان اور ان سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے وحی یا کشف کی بنیاد پر اس بستی کے دروازے سے مشابہت دے کر باب حطہ کا لقب دے دیا ہوگا کہ خاصیت میں مذکورہ بستی کے باب حطہ سے مناسبت رکھتا ہوگا۔

قصہ مختصر بنی اسرائیل کو سفر اور آسمانی خوراک کے ملال کو دور کرنے کیلئے حکم ہوا کہ اس بستی میں جا کر تھکاوٹ دور کریں۔ اور فرمایا فَكُلُوْا مِنْهَا تو اس بستی کے غلے، پھل اور لذت کی چیزیں کھاؤ۔ حَيْثُ شِئْتُمْ جہاں چاہو خواہ اس بستی میں خواہ اپنے لشکر میں لا کر۔ اور حَيْثُ شِئْتُمْ کا لفظ بڑھانا اسی لئے ہے۔ تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اس بستی کے غلے اور پھل اس بستی میں کھانا درست ہیں۔ اور اگر پھر لشکر کو لوٹیں تو اس آسمانی خوراک کے سوا کچھ حلال نہ ہوگا اور کھانا بھی کسی مقرر کردہ مقدار کے ساتھ نہیں۔ جس طرح کہ مجبور کو صرف کچھ جان بچانے کی حد سے آگے نہیں گزرنا چاہئے بلکہ رَغَدًا یعنی فراخی اور وسعت کے ساتھ سیر ہو کر کھانا لیکن اس نعمت سے مستفید ہونے سے پہلے ایک شکر بھی بجالاؤ۔

وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا اور اس بستی کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو۔ اور یہ بدنی شکر ہے وَقُوْلُوْا اور زبان سے کہو تاکہ توبہ اور زبانی شکر بھی ادا ہو جائے کہ ہمارا مطلب حِطَّةٌ گناہوں کا گرنا ہے۔ اور جب یہ دونوں عمل بدنی اور زبانی ندامت قلبی

marfat.com
Marfat.com

کے ساتھ جو کہ تم رکھتے ہو جمع ہوں گے تو تمہاری توبہ صحیح اور مقبول ہوگی۔ پس نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ہم تمہارے گناہ ضرور بخش دیں گے۔ اور گناہوں کے میل سے تمہیں پاک کر دیں گے۔ اور اس دروازے کو ہم تمہارے حق میں کعبہ کا حکم دے دیں گے کہ اس کے طواف اور اس کی طرف سجدہ گناہوں کو گرا دیتا ہے۔ اور صرف تمہارے گناہ گاروں اور معصیت اور برائی والوں کی بخشش پر ہی اکتفانہ ہوگا۔

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ اور البتہ تمہارے نیک لوگوں کو جو کہ گناہوں سے پاک تھے ان دونوں عملوں کی وجہ سے مزید ثواب اور نوازشات عطا فرمائیں گے۔ کیونکہ گناہوں کو مٹانے والے اعمال جب گناہ نہ پائیں تو درجات کی بلندی کا سبب ہوتے ہیں۔

## توبہ کرنے کا بیان

جاننا چاہئے کہ اس آیت سے چند فائدے نکلتے ہیں پہلا یہ کہ توبہ میں زبان سے استغفار کرنا اور بدن سے نماز اور سجدہ بجالانا توبہ کو پورا کرنے والا ہے۔ اور اگر چہ حقیقت توبہ جو کہ ماضی پر ندامت، حال میں گناہ کو چھوڑنا اور مستقبل میں گناہ کو چھوڑنے کا پختہ عزم اور اس پوری نفرت کرنا ہے۔ سب دل سے متعلق ہے۔ لیکن جب دل کی صفت قوت پکڑتی ہے۔ تو اعضاء اور زبان پر ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتی اسی لئے حدیث پاک میں توبہ کے وقت صلوٰۃ توبہ اور استغفار کے صیغوں کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی گناہ میں مشہور ہو جائے اور لوگ اس کے گناہ پر اطلاع پالیں تو وہ اعلانیہ توبہ کرے۔ اور لوگوں کو اپنی توبہ کی اطلاع دے۔ اور زبانی استغفار کرنے، عادل اور ذمہ دار لوگوں کو گواہ بنانے اور خیرات اور نماز ادا کرنے کا اہتمام کرے۔ نہ اس وجہ سے کہ ان چیزوں کے سوا توبہ پوری نہیں ہوتی اس لئے کہ گونگے۔ اور لنگڑے لولے کی توبہ بھی مقبول ہے۔ اگر چہ زبان اور اعضاء کی حرکت دینے پر قادر نہیں۔ بلکہ لوگوں کو اپنی توبہ پر اطلاع دینے کیلئے تا کہ وہ جانیں کہ گناہ سے رک گیا ہے۔ اور دین کی سیدھی راہ پر چل نکلا ہے۔ اور تا کہ اس سے تہمت زائل ہو جائے۔ اور لوگ اس کے متعلق بدگمانی اور غیبت سے باز رہیں۔

marfat.com
Marfat.com

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی باطل مذہب کے ساتھ متہم ہوا ہو پھر اسے حق واضح ہو جائے تو اسے لازم ہے کہ انہیں وجوہ کیلئے دوسرے لوگوں کو جو اسے اس باطل مذہب کے ساتھ پہچانتے تھے اپنے رجوع سے آگاہ کرے۔

## اہل بیت نبوی میں بیعت کا فائدہ

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ بعض متبرک مقامات جو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور رحمت کا مورد ہوئے ہیں یا اہل صلاح وتقویٰ کے بعض قدیم خاندان ایک خصوصیت پیدا کرتے ہیں کہ ان میں توبہ کرنا اور اطاعت بجالانا جلدی قبولیت اور اچھے نتائج کا موجب ہوتا ہے۔ اور اسی مقام سے وہ ہے جس کی ابن مردویہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حکایت کی کہ ہم ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رات کے وقت کسی غزوہ یا سفر میں جارہے تھے جب پچھلی رات ہوئی تو ہم ایک پہاڑ کے پشتہ میں گزرے جسے دارالحنظل کہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مامثل هذه الثنية الاكمثل الباب الذى قال الله لبنى اسرائيل ادخلوا الباب سجدا وقولوا حطةٌ نغفرلكم خطاياكم یعنی اس گھاٹی کی مثال اس دروازے کی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور حطہ کہو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔

اور ابوبکر ابن ابی شیبہ صحیح روایت کے ساتھ حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لائے کہ انما مثلنا فى هذه الامة كسفينة نوح وكباب حطة فى بنى اسرائيل یعنی اہل بیت نبوی کے ائمہ جو کہ خاندان نبوت کے منتظم اور ولایت ومعرفت کے اسرار کے حامل ہیں کی مثال اس امت میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اور بنی اسرائیل میں باب حطہ کی مثال ہے۔ کیونکہ نفس وشیطان کے طوفان سے نجات اور اولیاء اللہ کے سلسلوں میں داخل ہونے کی وجہ سے توبہ کی تصحیح اور گناہوں کی تکفر اس امت میں انہیں بزرگوں کے دامن سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ اس زمانے میں ظاہر اور واضح ہے کہ راہ خدا کے سلوک کے سلسلے اور بیعت توبہ اور انابت اسی خاندان تک پہنچتی ہے۔

قصہ مختصر بنی اسرائیل سہولت کے باوجود اس نعمت کے شکر کی ذمہ داری سے بھی عہد

marfat.com
Marfat.com

برآنہ ہو سکے۔ بلکہ ان میں سے ایک جماعت نے بہت بے ادبی کی۔ اور توبہ و استغفار کی بجائے تمسخر اور مذاق کے ساتھ پیش آئے چنانچہ فرمایا ہے

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا تو بدل دیا ان لوگوں نے جو ان میں سے ظالم تھے استغفار کو تمسخر کے ساتھ جب انہوں نے کہا قَوْلاً غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَھُمْ وہ کلام جو کہ کلی طور پر مغایرت رکھتا تھا اس سے جو انہیں کہا گیا۔

اس لئے کہ انہیں جو کہا گیا تھا اس کا مقصد گناہوں کی بخشش مانگنا اور استغفار کرنا تھا اور انہوں نے جو کچھ کہا تو جیہ وار تکاب کے بعد طلب دینا اور غلوں اور اجناس خوردنی کی رغبت دل میں چھپانا تھا یا صرف تمسخر اور مذاق۔ اور اے کاش صرف لفظ کی تبدیلی کرتے اور حطہ کے بجائے تب علینا یا اغفر لنا یا اعف عنا کہتے۔ ان امور میں لفظ کے بدلنے میں کوئی ڈر نہیں۔ لیکن انہوں نے معنوی تضاد استعمال کیا۔ اور پوری مخالفت اختیار کی۔ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ حطہ کی بجائے حطی سمہاتا کہا کہ ان کی زبان اس کا معنی حطۂ حمراء یعنی سرخ گندم تھا لیکن صحیحین اور دوسری صحاح ستہ میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیل لبنی اسرائیل ادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة فدخلوا یزحفون علی استاھھم وھم یقولون حنطة فی شعیرۃ بنی اسرائیل کو کہا گیا کہ دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور حطہ کہو تو وہ بیٹھ کر گھسٹتے گھسٹتے داخل ہوئے۔ اور وہ کہہ رہے تھے جو میں گندم، جو میں گندم۔

یہاں جاننا چاہئے کہ اس آیت سے بعض شافعی علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ نماز کی تکبیر تحریمہ لفظ اللہ اکبر کے سوا سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَعْظَمُ وَاَجَلُّ اور اس کی مثل الفاظ کے ساتھ جائز نہیں۔ اور بعض اہل ظواہر نے کہا ہے کہ کسی ذکر کے لفظ کو جو کسی خاص مقام کیلئے وارد ہے تبدیل کرنا درست نہیں یا یہ کہ اس کے لفظ کو تبدیل کرنے سے فساد کا حکم کرتے ہیں۔ اور اس تبدیلی کو طعن اور انتہائی مذمت کا موجب قرار دیتے ہیں۔ لیکن تفسیر میں معلوم ہوا کہ ایک کلام کی دوسرے کلام سے مغایرت کا دارومدار عرف میں مضمون کی مغایرت پر ہے نہ کہ لفظی مغایرت پر۔ پس اگر صرف لفظی تبدیلی واقع ہوئی۔ اور معنی میں اتفاق و اتحاد

marfat.com
Marfat.com

ہو یا ایک دوسرے کے قریب تو محل طعن اور مقام عتاب معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

## چند جواب طلب سوالات

یہاں چند جواب طلب سوالات باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اس سورت میں وَاِذْ قُلْنَا فرمایا ہے۔ اور سورت اعراف میں وَاِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا (آیت ۱۶۱) اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ کی ابتداء سے افعال کو ضمیر متکلم کا اضافہ کر کے لائے ہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے اس جگہ بھی مناسب ہوا کہ اس قول کو اگر چہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے تھا اپنی طرف نسبت فرمائیں۔ تا کہ بنی اسرائیلیوں کی انتہائی بے ادبی ظاہر ہو جائے کہ ہماری گفتگو کے ساتھ تمسخر سے پیش آئے۔ اور اس کا مزا چکھا۔ اور سورۃ اعراف میں کلام اس لئے چلائی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے دوگروہ تھے۔ امہ یہدن بالحق وبه یعدلون ۔ ایک گروہ جو کہ حق کے ساتھ ہدایت دیتے اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ اور گمراہ ظالم گروہ اور اسی مناسبت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باکرامت زمانے میں ان کے اختلاف کو یاد فرمایا ان میں سے گھاٹ اور پتھر سے جاری ہونے والے چشموں میں ان کا جدا جدا ہونا ہے۔ جو کہ ان کے مختلف ہونے پر دلالت کرتا تھا اور ان میں سے مذکورہ بستی میں داخلے کے وقت انکے حال کا اختلاف ہے کہ بعض نے فرمان کے مطابق عمل کیا۔ اور بعض نے سخت بے ادبی اختیار کی۔ اور اس غرض میں اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ فرمانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کہنا برابر تھا اس کے باوجود قرائن کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا کون ہے۔ اور کس کے فرمان پر کہا۔ پس ابہام اٹھ گیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس سورت میں اُدْخُلُوا فرمایا ۔ اور سورۃ اعراف میں اسکنوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں اس آیت کے لانے کا مقصد ان کے من و سلویٰ کھانے اور اس نعمت کو اجناس خوردنی اور غلوں کے ساتھ بدلنے کا ذکر ہے۔ پس یہاں مقصود بالذات یہ بیان کرنا ہے کہ ہم نے انہیں اس بستی کے غلے کھانے کی اجازت دے دی اور داخل ہونا اس مقصود بالذات کا موقوف علیہ اور وسیلہ ہے۔ اور کسی چیز کی اجازت دینا

marfat.com

Marfat.com

اس کی بھی اجازت ہے جس ہو وہ چیز موقوف ہے۔تو داخل ہونے کا ذکر بھی ضروری ہوا۔ جبکہ سورۃ اعراف میں سفر وحضر میں ان کا جدا جدا ہونا اور علیحدہ علیحدہ ہونا مذکور ہے۔پس سفر میں پانی پینے میں علیحدگی اختیار کی۔اور گھر میں سکونت اور اس کے طریقے میں اختلاف کیا۔ نیز اس سورت میں بستی کی سکونت کو بھی مقصود بالذات بیان فرمایا گیا کیونکہ جس طرح وہ من وسلویٰ کھانے سے ملال کا اظہار کرتے تھے خیمہ اور کھلی جگہ کی سکونت سے بھی عاجز آ چکے تھے۔اور چونکے داخل ہونا سکونت سے پہلے ہے۔اس لئے سورت بقرہ میں جو کہ سورت اعراف سے پہلے ہے داخل ہونے کا ذکر فرمایا۔اور سورت اعراف میں سکونت کا۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ یہاں فکلوا فا کے ساتھ لائے جبکہ سورت اعراف میں وکلوا واؤ کے ساتھ یہ فرق کس بنیاد پر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ دخول ذکر فرمایا ہے۔اور بستی میں داخل ہونا مقصود بالذات نہیں ہوتا مقصود بالذات دوسری چیز ہوتی ہے جو کہ داخل ہونے پر مرتب ہوتی ہے۔اور مرتب ہونے والی وہ چیز دانے اور غلے کھانا تھا۔پس ایسے لفظ کولانا ضروری ہوا جو کہ ترتیب کا پتہ دے اور سورۂ اعراف چونکہ لفظ اسکنوا لایا گیا۔اور بستی کی سکونت مقصود بالذات ہوتی ہے بغیر اس کے کہ کسی چیز کا وسیلہ ہو۔پس مناسب ہوا کہ دانوں اور غلوں کا کھانا وہاں ترتیب سے خالی عطف کے طریقے سے بیان فرمایا جائے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ یہاں رغدا کا لفظ بڑھایا گیا ہے۔اور اعراف میں اس لفظ کو گرا دیا گیا اس کا جواب یہ ہے اس سورت میں مقصود بالذات دانوں اور غلوں کے کھانے کا جواز اور اس میں وسعت دینا ہے۔تو لفظ رغدا سے تاکید مناسب ہوئی۔ جبکہ اعراف میں مقصود بالذات سکونت ہے۔اور کھانا اس بنا پر کہ سکونت اسے لازم کرتی ہے بھی مباح ہوا اور ضروری شے کا اندازہ ضرورت کے مطابق ہوتا ہے۔ نیز پھلوں سے معمور باغ میں داخل ہونا ان پھلوں سے سیر ہونے کو لازم نہیں کرتا کیونکہ کھانے پینے کا مقام اس باغ کے علاوہ ہوتا ہے۔ اور کسی مقام میں سکونت اختیار کرنا اس مقام کی خوراک سے سیر ہونے کو لازم ہے۔کیونکہ مسکن کے سوا کھانے پینے کیلئے کوئی دوسرا امکان نہیں ہوتا۔پس دخول اور سکونت کے لفظوں کا فرق جو کہ دونوں سورتوں میں واقع ہوا اس لفظ کے ذکر اور حذف کرنے کا متقاضی ہوا۔

marfat.com

Marfat.com

پانچواں سوال یہ ہے کہ یہاں خطایا کم فرمایا۔ اور اعراف میں بعض قرأتوں کے مطابق خطیئاتکم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خطایا کم جمع کثرت ہے۔ اور خطیئات جو کہ جمع سالم ہے جمع قلت کے صیغوں سے ہے چونکہ اس سورت میں قول کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اور اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ اور اکرم الاکرمین کی بارگاہ پاک کے لائق یہ ہے کہ ایک سجدہ اور دعا کے ساتھ بے شمار گناہوں کو بخش دے اور کثرت پر دلالت کرنے والا لفظ لانا مناسب ہوا۔ اور اعراف میں قول کی نسبت اپنی طرف نہیں فرمائی اس لئے کثرت پر دلالت کرنے والے لفظ کو ذکر کرنا ضروری نہ تھا اور یہاں سے اس جگہ لفظ رغداً کے ذکر اور وہاں اس کے حذف کیلئے ایک اور نکتہ واضح ہوا۔

چھٹا سوال یہ ہے کہ اس سورت میں دروازے میں داخل ہونے کو حطہ کہنے سے پہلے رکھا گیا۔ جبکہ اعراف میں اسکے برعکس۔ یہ اسلوب کی تبدیلی کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مخاطبین دو قسم کے تھے گناہگار اور نیکوکار' نیکوکار کے لائق ہے کہ عبادت اور طاعت کو پہلے کرے۔ اور کوتاہیوں سے توبہ اور معافی طلب کرنا اس کے بعد بجالائے۔ تاکہ نفس کی پستی ہو اور تکبر اور خود بینی کا ازالہ۔ جبکہ گناہگار کیلئے لائق بلکہ واجب ہے کہ پہلے صدق دل سے توبہ نصوح کرے اس کے بعد اطاعت اور عاجزی میں قدم رکھے۔ تاکہ وہ طاعت اور عاجزی مقبول ہو جائے۔ اور سورۂ اعراف میں جو کچھ گناہگاروں کے لائق تھا اس کی رعایت کی گئی۔ کیونکہ اس سورت میں زیادہ تر گزشتہ امتوں کے گناہگاروں کا ذکر ہے۔ جبکہ اس سورت میں وہ ترتیب جو کہ نیک بختوں اور نیکوکاروں کے حال کے لائق تھی پیش نظر رکھی گئی۔ کیونکہ اس سورت میں زیادہ تر پرہیزگاروں اور نیک بختوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ نیز اس سورت میں چونکہ داخل ہونے کا ذکر پہلے ہوا۔ پس مناسب ہوا کہ پہلے داخل ہونے کی کیفیت کو بیان کیا جائے۔ اور اس سورت میں سکونت کا ذکر ہے داخل ہونے کی کیفیت کو اس سے اتنا تعلق نہیں۔

ساتواں سوال یہ ہے کہ اس سورت میں وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ لفظ واؤ کی زیادتی کے ساتھ آیا جبکہ سورت اعراف میں سَنَزِيْدُ واؤ کے حذف کے ساتھ۔ فرق کس وجہ سے

marfat.com
Marfat.com

ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں چونکہ دروازے میں داخل ہونا جو کہ طاعت و عبادت کے قبیل سے تھا پہلے ذکر ہوا اور حطہ کہنا جو کہ توبہ واستغفار کے باب سے اس کے ساتھ ہوا۔ دونوں فعلوں نے یک جان ہو کر پہلے خطائیں زائل کرنے میں اثر کیا۔ پھر نیکوں کے درجات بلند کرنے میں۔ جیسا کہ دوائیاں اور تنقیہ استعمال کرنے کا قاعدہ ہے۔ بخلاف اعراف کے کہ جب حطہ کہنا جو کہ توبہ واستغفار کے قبیلے سے ہے پہلے ہوا اس نے صرف مرض گناہ زائل کرنے میں اثر کیا۔ اور اس کے بعد دروازے کا داخلہ آیا اور وہ عبادت کے قبیلے سے ہے۔ درجات بلند کرنے اور ثواب وعزت زیادہ کرنے میں مفید ہوا۔ پس دونوں جزائیں دونوں فعلوں پر منقسم ہو گئیں حرف واؤ کی گنجائش نہ رہی اور یہاں ایک اور لفظی نکتہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وَاِذْقُلْنَا جو متکلم مع الغیر کا صیغہ ہے۔ اور وسنزید جو کہ وہی صیغہ ہے کے بیان میں لفظی اتصال متحقق ہے۔ پس عطف کو مناسبت حاصل ہو گئی۔ بخلاف اعراف کے کہ وہاں واذ قیل واقع ہے سنزید کو اس پر عطف کرنا مناسب نہ تھا۔ اور یہ نکتہ اس پر مبنی ہے کہ سنزید' نغفر لکم خطایاکم پر معطوف نہ ہو۔ چنانچہ واقع میں اس طرح ہے ورنہ نزد کہا جاتا اور اسے مجزوم لاتے جو کہ امر کا جواب ہوتا۔

آٹھواں سوال یہ ہے کہ اعراف میں فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ لفظ منہم کی زیادتی کے ساتھ فرمایا جبکہ یہاں اس لفظ کو حذف فرمادیا اس اسلوب میں تبدیلی کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اعراف میں پہلے گزرا ہے کہ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ وہاں اگر تخصیص کے بغیر سب کو ظالم کہتے تو اس کلام کے منافی ہوتا اور اس سورت میں ماقبل میں کوئی تمیز و تخصیص نہیں گزری اس لئے لفظ منہم کی حاجت نہ تھی۔

نانواں سوال یہ ہے کہ اس سورت میں فَاَنْزَلْنَا واقع ہوا جبکہ اعراف میں فَاَرْسَلْنَا یہ فرق کس وجہ سے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں شروع سے انزال کتاب کا ذکر ہے۔ اور یہاں تک اکثر لفظ انزال استعمال ہوا۔ جیسا کہ یہیں قریب ہی وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى گزرا ہے۔ اس عذاب کو بھی بطور مذاق اس وادی سے قرار دیا ہے گویا مہمانی کے دسترخوان سے تشبیہ دے کر اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ اور سورت

marfat.com

Marfat.com

اعراف میں شروع سے لفظ ارسال مذکور ہے۔ آیت فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ میں۔ گزشتہ اقوام کے واقعات میں اور فرعون کے قصے میں۔ پس لفظ ارسال جو کہ مسلط کرنے پر دلالت کرتا ہے مناسب ہوا۔ نیز لفظ انزال عذاب کے پیدا ہونے کی ابتداء پر دلالت کرتا ہے۔ اور لفظ ارسال ان پر عذاب کے مسلط ہونے اور کلی طور پر ان کی جڑ کاٹنے پر دلالت کرتا ہے۔ پس اس سورت میں جو کہ اعراف سے پہلے ہے عذاب کے نزول کی ابتداء کا ذکر مناسب ہوا اور سورۃ اعراف میں کام کی انتہاء کا ذکر ہے۔

دسواں سوال یہ ہے کہ یہاں بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ذکر فرمایا۔ اور اعراف میں يَفْسُقُوْنَ کے بجائے يَظْلِمُوْنَ ارشاد ہوا۔ اس فرق کا نکتہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ فعل اپنے حق میں ظلم تھا کہ اس کی وجہ سے غضب الٰہی کے مقام میں داخل ہوتے تھے۔ اور دین خداوندی کی نسبت سے فسق تھا۔ دونوں سورتوں میں اس فعل کی دونوں بری صفتوں کو یاد فرمایا البتہ اس سورت میں فسق کے ذکر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اپنے حق میں ان کا ظلم قریب ہی اس سورت میں گزرا آیت وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ اگر یہاں یہی لفظ ذکر کیا جاتا تو تکرار کا وہم ہوتا بخلاف اعراف کے کہ وہاں ان کا ظلم کی وصف کے ساتھ ذکر پہلے نہیں گزرا۔ اس لئے اس معنی کا فائدہ دینا مناسب ہوا۔ قصہ مختصر بنی اسرائیل کو اس تمسخر اور مذاق پر آنکھ دکھانا لازم تھا اس لئے ہم نے ان سے درگزر نہ فرمایا بلکہ انہیں بے ادبی کی سزا چکھائی۔

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۔ پس ہم نے ان لوگوں پر اتارا جنہوں نے یہ بے ادبی کی تھی اور تمسخر اور مذاق کیا۔ نہ کہ دوسروں پر جو کہ بے گناہ تھے رِجْزًا سخت عذاب مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے۔ جو کہ مکانات میں سب سے بڑا اور اونچا ہے۔ اور من اور سلویٰ بھی انہیں وہیں سے عنایت ہوتا تھا بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ اس وجہ سے کہ انہوں نے فسق کی عادت بنالی تھی۔ اور اس کے خوگر ہو گئے تھے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے دین سے نکل جانا ہے۔

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ وہ عذاب طاعون تھا۔ اور اس طاعون کی وجہ سے بنی

marfat.com

Marfat.com

اسرائیل میں سے چوبیس ہزار آدمی ایک دن میں مر گئے۔ اور اس عذاب کا آسمان سے اترنا اس طرح تھا کہ ایک زہریلی ہوا آسمان کی طرف سے آئی جس نے ان کے مساموں میں داخل ہو کر روح کے مزاج کو خراب کر دیا۔ اور خون کو زہریلی کیفیت میں ڈھال کر ان کی جڑوں اور بدن کی نرم جگہوں کی طرف دھکیل دیا۔ حتیٰ کہ طاعون ظاہر ہو گیا۔ اور اس کے زہریلے اثر سے جو کہ دل تک پہنچا ہلاک ہو گئے۔

## طاعون اور وباء سے بھاگنے کی ممانعت کا بیان

اور صحیح مسلم اور دوسری صحاح ستہ میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون عذاب ہے۔ اور اس عذاب کا بقیہ ہے جس کے ساتھ پہلوں کو عذاب دیا گیا۔ تو جب کسی شہر یا ملک میں واقع ہو جبکہ تم وہاں ہو تو اس شہر اور ملک سے فرار نہ کرو اور اگر سنو کہ کسی شہر یا ملک میں واقع ہے۔ تو اس شہر اور ملک میں داخل نہ ہو۔ کیونکہ پہلی صورت میں قضائے الٰہی سے فرار اور توکل و تسلیم کے مخالف ہے۔ اور دوسری شکل میں عذاب الٰہی پر جرأت اور اس کے غضب کی طرف قدم اٹھانا ہے۔ نیز صحیح حدیث شریف میں وارد ہوا کہ جب کسی جگہ وبا پڑ جائے۔ اور اس جگہ کے لوگ فرار نہ کریں۔ اور صبر کریں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس صبر پر اجر کی توقع کریں اللہ تعالیٰ انہیں شہیدوں کے مرتبہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اگرچہ وہ سلامت رہیں۔

## ایک اشکال کا جواب

اور یہاں اکثر ظاہر بینوں کے دلوں میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قحط اور دیگر بلاؤں سے بھاگنا بلاشبہ شریعت میں جائز ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے **الفرار مما لا یطاق من** سنن المرسلین جس کے تحمل کی تاب نہیں اس سے فرار رسل علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہے۔ اور طاعون کی وبا سے جو کہ سب سے شدید بلا ہے فرار شریعت میں کیوں منع قرار دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دو جہتیں ہیں۔ ایک یہ کہ طاعون کی وباء کی صورت میں اکثر شہر والے خصوصاً اقارب۔ کنبے، دوست اور جان پہچان والے لوگ بیمار ہوتے ہیں

marfat.com
Marfat.com

اگر لوگوں کو فرار کے جائز ہونے کا حکم ہوتا تو ان بیماروں کی خبر گیری کون کرتا۔ سب لوگ اپنی جان کے خطرہ سے جو کہ بہت پیاری ہے بھاگ کر چلے جاتے اور بیمار بے اجل مرتے۔ یعنی بہت تنگی اٹھاتے۔ پس اس وقت بیماروں کی خدمت' ان کے دلوں کو اور عاجزوں اور معذوروں کے دلوں کو جو کہ بھاگنے کی بالکل طاقت نہیں رکھتے تسکین دینے کے عمل نے جہاد کا حکم پیدا کیا۔ اور اس مکان میں صبر کرنا جہاد کی صف میں صبر کرنے کی طرح اجر و ثواب کا موجب ہے۔ بخلاف قحط اور دشمن کے خوف کے کہ بھاگنے کی یہ رکاوٹ وہاں متحقق نہیں ہے۔ بلکہ فقیر اور غریب اس وقت سب سے پہلے بھاگنے کی پیش قدمی کرتے ہیں یا وہ اس سے مستغنی ہوتے ہیں۔ کیونکہ مال نہیں رکھتے کہ کوئی ان کے پیچھے پڑ جائے۔

دوسری جہت یہ ہے کہ طاعون اور وباء جنوں کی ناپاک روحوں کے اثر سے ہوتے ہیں۔ جو کہ ایک دم بنی آدم کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کو تکلیف دینے کیلئے پھیل کر اس قسم کی تکلیف پہنچاتے ہیں۔ پس ان کے مقابلہ سے بھاگنا ان سے ڈرنے کی دلیل ہے۔ اور صبر و استقامت ان کی ذلت اور ان کے تکبر کو توڑنے کا موجب ہے۔ پس اس جہت سے بھی جہاد اور لڑائی کی صف میں صبر کا حکم پیدا کیا۔ اور حدیث شریف میں اس معنی کا اشارہ ہے جہاں طاعون کے بارے میں فرمایا ہے: فانها رجز اعدائکم من الجن۔

اور جب بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچنے والی نعمتوں کی گنتی سے جو کہ کفران اور ناشکری کا سبب ہوتی تھیں فراغت ہوئی۔ اب ایک اور نعمت کو یاد فرمایا ہے جو کہ اگرچہ ناشکری اور فسق کا موجب تو نہ ہوئی لیکن تفریق' اختلاف اور جانب داری کا موجب ہوئی۔ جو کہ فساد اور مذاہب اور مشارب میں اختلاف کی جڑ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب دوران سفر پانی نہ پایا اور پیاس لگی اور اس بات کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں شکایت کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں ان کی پیاس دور کرنے کیلئے دعا کی چنانچہ فرمایا ہے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا استسقاء کی۔ اور پینے کیلئے پانی مانگا۔ لِقَوْمِهٖ اپنی قوم کیلئے جو کہ بنی اسرائیل تھی نہ کہ تمام

marfat.com
Marfat.com

جہان کیلئے اس لئے کہ پانی پینے کے محتاج اور پیاس میں گرفتار صرف آپ کی قوم تھی۔ اور اس تخصیص میں اس بات کا اشارہ ہوا کہ انہیں پانی دینے کا طریقہ پتھر سے چشمے جاری کرنا کیوں قرار دیا گیا؟ آسمان سے بارش کیوں نازل نہ ہوئی؟ جیسا کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے پیغمبروں علیہم السلام کے استسقاء میں ہوا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام پانی تمام جہان کیلئے مانگا تھا۔ پس آسمان سے بارش کا پانی جو کہ عام پانی ہوتا ہے عطا فرمایا گیا۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خاص اپنی قوم کیلئے مانگا۔ پس پتھر سے جاری ہونے والا خاص پانی دیا گیا۔

## استسقاء تمام پیغمبروں علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی سنت موکدہ ہے

اور استسقاء سب پیغمبروں علیٰ نبینا علیہم السلام کی سنت موکدہ ہے جو کہ پانی کے قحط کے وقت خدا تعالیٰ سے مانگتے ہیں۔ اور اس کی حقیقت استغفار توبہ اور عاجزی ومحتاجی کا اظہار ہے۔ اور اس کا مسنون طریقہ کتب فقہ مذکور اور لکھا ہوا ہے۔ پس ہم نے حضرت موسیٰ کی دعا قبول فرمائی۔

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ

پس ہم نے موسیٰ کو فرمایا کہ اپنے عصا کو پتھر پر ماریں۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا بیان

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا بہشت کے درخت آس کا تھا اس کا طول آدمی کے دس ہاتھ کی قدر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قد کے برابر تھا۔ اس کی دو شاخیں تھیں۔ اور دونوں شاخیں دو مشعلوں کی طرح تاریکی اور رات کے وقت چمکتی تھیں دراصل یہ عصا حضرت آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے۔ اور وراثت کے طریقے سے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ میں رہتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آپ کے بیٹے مدین کو ملا اور ان سے چند واسطوں کے ساتھ حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔

marfat.com
Marfat.com

اوراس میں اختلاف ہے کہ پتھر سے مراد غیر معین پتھر ہے؟۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام جس پتھر کو چاہتے تھے عصا کے ساتھ مارتے تھے۔ اور پانی نکال لیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اور وہب بن منبہ نے کہا ہے۔ اور الف لام کو جنس کا اشارہ قرار دیا۔ تو اس صورت میں یہ معجزہ بھی صرف عصا کے واسطہ سے پتھر کے واسطہ کے بغیر واقع ہوتا ہے یا ایک معین پتھر تھا۔ کیونکہ روایات میں یہی قول صحت کو پہنچا کہ وہ ایک معین پتھر تھا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک چمڑے کے تھیلے میں سنبھال رکھا تھا اور ضرورت کے وقت اس سے یہ کام لیتے تھے بعض کہتے ہیں کہ یہ وہی پتھر تھا جو کہ آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا تھا۔ جیسا کہ اس کا واقعہ سورت احزاب میں اشارۃً مذکور ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اس پتھر کو اٹھالیں اور ضروری حفاظت میں رکھیں کہ یہ پتھر کسی وقت اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں سے ایک عظیم قدرت کا مظہر اور آپ کے معجزات میں سے عمدہ معجزہ ہوگا۔ اور بعض نے کہا کہ ایک اور پتھر تھا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سے اٹھا کر لائے تھے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ پتھر بھی دراصل بہشت سے آیا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کے ہمراہ دنیا میں پہنچا اور وراثت کے طریقے حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچا تھا اور آپ نے عصا کے ہمراہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا بہر صورت وہ ایک مرمر کا پتھر تھا گز در گز مکعب شکل رکھتا تھا جس کی چھ سطحیں محیط ہوتی ہیں اوپر نیچے اور چار دوسری سطحیں اور ہر سطح سے تین چشمے جاری ہوتے تھے۔

اور عطا اور دوسرے مفسرین سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا کو بارہ مرتبہ بارہ جگہ پر مارتے تھے۔ اور ہر جگہ ضرب کی جگہ پر عورت کے پستان کے سر کی طرح ظاہر ہو جاتا تھا پہلے پسینہ آتا تھا پھر بوندا باندی ہوتی پھر جاری ہو کر چل نکلتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکری بارہ قبیلے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ بارہ گہرے حوض کھودیں تاکہ ہر چشمے کا پانی اس حوض میں جمع ہو جائے۔ اور وہ پانی پئیں اور جب کوچ کے وقت اس پتھر کو اٹھاتے تو خشک ہو جاتا اور پانی رک جاتا تھا گویا عصا کے ساتھ اس پتھر کو مارنا اس پتھر میں ایک طاقت پیدا کرنے کا موجب ہو جاتا کہ اس کی وجہ سے اس سے دو عجیب فعل صادر

marfat.com
Marfat.com

ہوتے ایک اس ہوا کو پے در پے جذب کرنا جو کہ پتھر کے ساتھ لگتی تھی۔ دوسرا اس ہوا کو انتہائی ٹھنڈا کر کے پانی کی شکل میں بدلنا اور اس قسم کے عجیب خواص پتھروں میں بہت دیکھے اور سنے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مقناطیس میں لوہے کا کھینچنا' اور وہ جو حجر المطر وغیرہ کے خواص میں لکھتے ہیں مگر اس سے زیادہ عجیب وہ ہے کہ صحیحین میں انس بن مالک اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہوا کہ ایک دن حضور علیہ السلام مقام زوراء میں تشریف رکھتے تھے۔ پانی سے بھرا ہوا ایک چھوٹا برتن وضو کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رکھا گیا۔ پانی فوارے کی طرح مبارک انگلیوں سے جوش مارتا تھا کثیر لوگوں نے اس پانی کے ساتھ وضو کیا۔ اور بعض تبرک کے طور پر پی رہے تھے۔ حضرت قتادہ نے جو کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کتنے افراد تھے جنہوں نے اس پانی سے وضو کیا آپ نے فرمایا تین سو یا تین سو کے قریب۔ قصہ مختصر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اس پتھر کو عصا مارا۔

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۔ پس اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ اور اس پتھر کے چار رخ تھے۔ ہر رخ سے تین چشمے جاری ہو گئے بنی اسرائیل کے قبائل کی تعداد کے برابر تا کہ خود پانی پینے اور اپنے جانوروں کو پلانے کے وقت کوئی ہجوم اور جھگڑا نہ ہو۔ اور اس جھگڑے اور مزاحمت کو دور کرنے کیلئے چشموں کی تفریق ایسے نہیں ہوئی کہ جیسا بھی اتفاق ہوا ایک قبیلہ ایک چشمے سے پانی پئے اور دوسرے دن یہ قبیلہ دوسرے چشمے سے بلکہ چشموں کو بھی معین کر دیا گیا۔ تا کہ ہر روز ہر قبیلہ پانی پینے کیلئے اسی چشمے پر آئے یہاں تک کہ

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ تحقیق بنی اسرائیل کے قبائل میں سے ہر قبیلے نے اپنی پانی پینے کی جگہ جان لی تھی۔ کہ پتھر کے فلاں رخ اور فلاں طرف سے ہمارا چشمہ ہے۔ اور غیبی پانی کے بہنے میں فرق اور اختلاف اس بنا پر تھا کہ ان کا ایک گھاٹ پر اجتماع حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات ظاہری میں باوجودیکہ آپ انہیں ایک مشرب پر جمع کرنے والے تھے ان کی استعداد میں کمی کی وجہ سے ممکن نہ ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد کہ ان ظاہری جمعیت کی صورت درہم برہم ہو گئی۔ ایک شریعت پر ان کا اجتماع کیا امکان رکھتا ہے؟

marfat.com

Marfat.com

## جواب طلب سوال

یہاں ایک سوال باقی رہ گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ فَانْفَجَرَتْ کا عطف قُلْنَا پر نہیں ہو سکتا کیونکہ حرف فا تعقیب مع الوصل کیلئے ہے۔ اور چشموں کا جاری ہونا قول مذکور کے ساتھ متصل نہ تھا تو لامحالہ کسی محذوف پر عطف ہوگا یعنی فَضَرَبَهٗ بِعَصَاهُ فَانْفَجَرَتْ اس حذف کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حذف میں اس بات پر دلالت ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معصوم ہونے کی وجہ سے اس حکم کو بجالانے میں توقف نہ فرمایا۔ اور جو فرمان ہوا فی الفور اس پر عمل کیا۔ اور ان کا امر الٰہی کی تعمیل کرنا اس حد تک قطعی اور یقینی تھا کہ ذکر اور صراحت کی حاجت نہیں رکھتا۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ان کے معصوم ہونے کی وجہ سے حکم الٰہی عموماً تعمیل کے ذکر سے بے نیاز ہوتا ہے۔

نیز بعض ارباب وقت پوچھتے ہیں کہ اس سورت میں فَانْفَجَرَتْ واقع ہوا اور سورت اعراف میں فَانْۢبَجَسَتْ جبکہ انفجار شدت کے ساتھ جاری ہوتا ہے۔ اور انبجاس قلیل بوندا باندی کا نام ہے۔ یہ فرق کس لئے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ذکر ہو چکا کہ پہلے انبجاس تھا اس کے بعد انفجار۔ اور اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے پروردگار سے پانی مانگنا مذکور ہے۔ اور وہ زیادہ قوی ہے اس سے کہ امت اپنے نبی علیہ السلام سے پانی مانگے نا چار کام کی انتہا جو کہ انفجار ہے۔ اور مکمل قبولیت اور عام عنایت پر دلالت کرتا ہے مناسب ہوا۔ اسی لئے فقلنا جو کہ قول صریح کا مدلول ہے اس سورت میں لائے۔ اور سورت اعراف میں چونکہ بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی مانگنا ذکر ہوا تو قبولیت کی ابتداء جو کہ قلیل بوندا باندی ہے کا ذکر کافی تھا اور اسی لئے وہاں لفظ اوحینا لائے جو کہ خفیہ اشارہ کے معنوں میں ہے۔ قصہ مختصر اس نعمت پر ان سے نافرمانی سے پرہیز کے سوا کوئی شکر طلب نہ فرمایا۔ اور فرمایا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا کھاؤ آسمانی کھانا جو کہ من وسلویٰ ہے۔ اور پیو پتھر کے چشموں سے جو کہ تم نے خود نہیں بنایا بلکہ تمہارے پاس پہنچتا ہے مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ خاص اللہ تعالیٰ کی روزی سے جو کہ اسباب کے وسیلہ اور کسی تگ و دو کے بغیر آتی ہے۔ اور اس کھانے اور پینے میں

marfat.com

Marfat.com

اس کی نافرمانی نہ کرنا۔ بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مدد بنالینا اور اللہ تعالیٰ کے کرم اور مہربانی کی دلیل سمجھنا۔

وَلَا تَعْثَوْا اور تباہ کاری مت کروایسی کہ اس کا اثر سرایت کرے فِي الْاَرْضِ زمین میں حالانکہ تم تفرقہ اور اختلاف کا سبب ہوئے ہو مُفْسِدِيْنَ یعنی فساد کرنے والے۔ لیکن ابھی تمہارا فساد تمہارے دلوں میں چھپا ہوا ہے۔ اور تمہاری استعداد کو خراب کرنے کا موجب ہے۔ اس کا اثر زمین پر نہیں پہنچا اور تمہارے افعال میں ظاہر نہیں ہوا اگر تم احتیاط نہ کرو گے یہی فساد پوری شدت سے ظاہر ہو جائے گا۔ اور ایک جہان کو خراب کر دے گا۔ پس اے بنی اسرائیل معلوم ہوا کہ تمہارے اسلاف کے حق میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ان کے مزید فساد کا سبب ہوئی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس پیغمبر علیہ السلام کی بعثت کی وجہ سے ان کا زیادہ حال فساد تک پہنچا۔

## دو سوالات اور ان کے جوابات

پہلا سوال یہ ہے کہ لَا تَعْثَوْا عثی سے مشتق فعل کا صیغہ ہے۔ اور عثی کا معنی فساد میں مبالغہ کرنا ہے۔ پس اس کے بعد مفسدین کا ذکر تکرار ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لاتعثوا فعل کا صیغہ ہے جو کہ فساد کے پیدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور مفسدین جو کہ اسم کا صیغہ ہے اس کے ثابت رہنے پر دلالت کرتا ہے۔ تو حاصل کلام یہ ہوا فلا تحدثوا المبالغة فی الافساد حال کونکم ثابتین فی الافساد یعنی فساد کرنے میں مبالغہ نہ کرو ان حال کہ تم فساد پیدا کرنے میں ثابت قدم ہو۔ گویا یوں فرمایا ہے کہ مطلق فساد سے پرہیز خود تم سے ممکن نہیں۔ کیونکہ فساد نے تمہارے دلوں میں اثر و نفوذ کر رکھا ہے۔ البتہ احتیاط کرو تاکہ وہ فساد زیادہ نہ بڑھ جائے۔ اور مبالغہ کی حد تک نہ پہنچنے پائے اور تفسیر میں اس کی وجہ گزر چکی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ظاہر کے اعتبار سے یوں مناسب معلوم ہوتا تھا کہ بادل کے سائبان اور من و سلویٰ اتارنے کے ساتھ ساتھ پتھر سے پانی کے چشمے جاری کرنے کو بھی ذکر فرمایا جاتا تاکہ دوران سفر ان کی ضروریات کو کھانے پینے اور سایہ حاصل کرنے کے ساتھ

marfat.com

Marfat.com

ایک جگہ ذکر کر دیا جاتا کیونکہ سب ایک ہی جنس سے ہیں اس نعمت کو مستقل بیان کرنا اور بادل کے سائے اور من وسلویٰ اتارنے کو ایک جگہ لانا اور نعمت کے بقیہ میں صاعقہ کے عذاب سے نجات کو داخل کرنے میں کیا نکتہ ملحوظ رکھا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان پر صاعقہ آسمان کی طرف سے اور سفید ابر کے درمیان سے جو کہ نور کا بادل تھا گری تھی۔ اور اس آفت سے نجات کی نعمت کے بقیہ میں اس بات کا ذکر کہ ہم نے اسی بادل کو جو کہ ہلاکت کا سبب ہوا تھا۔ اور اسی آسمان کی جو کہ اس آفت جان کا مصدر تھا ازراہ کرم وعنایت تمہارے کام میں لگا دیا یہاں تک کہ اس بادل سے سورج کی گرمی سے تمہاری حفاظت کی۔ اور اس آسمان نے تم پر من وسلویٰ برسایا مناسب معلوم ہوا۔ بخلاف پتھر سے چشمے جاری کرنے کی نعمت کے کہ وہ زمینی نعمت تھی نہ کہ آسمانی اور بادل اور آسمان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ نیز پتھر سے چشمے جاری کرنے کی یہ نعمت اگرچہ بظاہر نعمت تھی۔ لیکن انکے دلوں کے اختلاف اور تفرقہ کی دلیل ہوگئی تھی۔ پس وہ ایک مستقل واقعہ تھا اور اس چیز کی سند کہ ان میں آراء کا اختلاف اور تفرقہ کے محرکات پیدا ہوں گے۔ اور ان کی وجہ سے فساد کا مصدر ہو جائیں گے بخلاف بادل کے سایہ کرنے اور من وسلویٰ کے اتارنے کے کہ ان میں وہ سب شریک تھے۔ اور کسی وجہ سے بھی اختلاف وتفرقہ نہیں رکھتے تھے ۔اسی لئے اس نعمت کے ذکر پر نعمتوں کی گنتی ختم فرمائی اور آگے ان کی استعداد کی کمی۔ انبیاء علیہم السلام سے ان کا اختلاف اور نافرمانی دوں ہمتی اور پستی کی طرف میلان جو کہ ان سے بار بار رونما ہوتا تھا بیان فرمایا ہے۔ اور ارشاد ہوتا ہے کہ مذکورہ نعمتیں ان کے حق میں اس جہت سے کفر اور تفرقہ کا موجب ہوگئی تھیں کہ وہ نعمتیں سب آسمانی امور اور غیبی خصوصیات تھیں۔ ان امور پر صبر کرنا ان پر ناگوار اور بوجھل ہو گیا کیونکہ طبعی طور وہ پست زمینی امور کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے۔ اور بلندی ہمت سے انہیں کوئی حصہ نہیں ملا تھا چنانچہ یہی نکتہ سمجھانے کیلئے چند واقعات کی یاددہانی کرائی جاتی ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ تم نے کہا اے موسیٰ! اور اس ندا میں تم نے کمال بے ادبی تھا۔ کیونکہ تم نے کہا لَنْ نَّصْبِرَ ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے۔ اور اس قسم کا

marfat.com
Marfat.com

کلام اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ ہم صبر کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنے اختیار کے باوجود نہیں کرتے ورنہ لن نستطیع الصبر یا لا یمکن منا الصبر کہنا چاہئے تھا۔

عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ ایک جنس طعام پر جو کہ آسمان سے آتا ہے چند وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ یہ آسانی کھانا ہے۔ کیونکہ اگر من ہے۔ تو دراصل شبنم ہے۔ اور ہوا کے بعض طبقوں میں ذائقہ اور مزاج پیدا کر کے گری ہے۔ اور سلویٰ ہے۔ تو بھی ایک اڑنے والا جانور ہے۔ جسے ہوا نے چلا کر ہمارے سامنے ڈال دیا اور یہ زمین کی مخلوق سے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اس چیز سے غذا میسر آئے جس پر زمین کا حکم غالب ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک قسم کا کھانا کھانے سے بھوک ختم ہو جاتی ہے۔ اور نظام ہضم کمزور ہو جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ کھانا خلاف عادت تھا اور عادت کے خلاف کھانا اگرچہ کتنا ہی اعلیٰ اور اچھا ہو اتنا مرغوب نہیں ہوتا جتنا کہ وہ کھانا جس کی عادت ہو چکی ہو اگرچہ ادنیٰ اور عام سا ہو یہی وجہ ہے کہ کسانوں کو اہل شہر کا کھانا اور لذیذ چیزیں مرغوب نہیں ہوتیں اور وہ اس سے سیر نہیں ہوتے اگرچہ بطور تفریح طبع دو ایک بار استعمال کی ہو۔

یہاں ایک مشہور سوال ہے کہ من اور سلویٰ دو کھانے تھے ایک طعام کیوں فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وحدت سے مراد فردیا جنس کی وحدت نہیں۔ بلکہ وحدت تکرار ہے کہ ہر روز وہی کھانا آتا ہے۔ اگرچہ دو جنس ہوں۔ ہر روز جنس سے دوسرا فرد آتا تھا۔ اور عرف میں رائج ہے کہ تکرار سے آنے والا کھانا اگرچہ مختلف قسموں کا ہو بغیر تبدیلی کے ایک کھانا ہی کہلاتا ہے۔ اور اس وحدت اعتباری کو وحدت حقیقی کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔

اور بعض مفسروں نے کہا ہے کہ جب طعام سالن کے ساتھ ملایا جائے تو ایک طعام ہو جاتا ہے۔ جیسے بھنا ہوا گوشت اور ابلے ہوئے چاول یا دال اور ابلے ہوئے چاول اور دودھ چاول اور روٹی کباب لیکن اس جواب میں ایک الجھن ہے۔ کیونکہ من اور سلویٰ ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے تاکہ ایک کو کھانا اور دوسرے کو اس کا سالن قرار دیا جا سکے۔ قصہ مختصر بنی اسرائیل اس کھانے کو مسلسل کھانے سے عاجز آ کر کہنے لگے۔

فَادْعُ لَنَا ۔ بس ہماری آسانی کیلئے دعا فرمائیں رَبَّكَ اپنے پروردگار سے کہ

marfat.com
Marfat.com

دراصل اس کی پرورش اور عنایت آپ کے حال کی طرف متوجہ ہے۔ اور آپ کے پیچھے ہماری بھی پرورش ہو رہی ہے۔ اور اس اضافت میں بھی بے گانگی کی بو آ رہی ہے۔ کیونکہ فادع لنا ربنا نہیں کہا۔

یُخْرِجْ لَنَا ہمارے کھانے کیلئے نکالے۔ کاشتکاری' آبیاری اور گاہنے کے ظاہری اسباب کے بغیر کیونکہ سفر اور پریشانی کی حالت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرنے کے ساتھ یہ چیزیں ممکن نہیں ہیں۔ پس چاہئے کہ خلاف عادت جس طرح من وسلویٰ آسمان سے برستا ہے ہمارا لشکر جہاں بھی جائے وہاں ہم موجود اور مہیا پائیں۔

مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ اس سے جسے زمین اگاتی ہے مِنْ بَقْلِهَا اس کی ساگ سبزی سے جیسے خرفہ اور پالک جسے اسفاناخ کہتے ہیں۔ اور میتھی جسے حلبہ کہتے ہیں۔ اور شبت جسے سویہ کہتے ہیں۔ کھانے کی سبزی دو قسم پر ہے۔ ایک قسم وہ جسے کچا کھانا بھی رائج اور مشہور ہے۔ جیسے نعناع یعنی پودینہ کریزہ یعنی دھنیا' کرنس یعنی اجمود (مشہور دانہ جو دوا کے طور پر استعمال ہوتا ہے) جرجیر یعنی ترہ تیزک اور کراث یعنی گندنا (ایک قسم کا ساگ) اور اس قسم کی سبزیوں کو احرار البقول کہتے ہیں۔ اور ایک قسم وہ جسے پکا کر کھاتے ہیں نہ کہ کچا' جیسے میتھی' پالک اور سویہ وغیرہ اور ساگ اور سبزی کو طلب میں اس لئے پہلے رکھا کہ کھانا نہ ملنے کے وقت جو چیز جلدی نفع دینے والی اور زمین کی جنس سے ہے یہی جنس ہے۔ اس لئے کہ خود بھی دانہ اور غلہ اور میوہ کی انتظار کے بغیر کھائی جاتی ہے خصوصاً احرار البقول جنس جوش دینے اور نمک ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں ہے نقد سودا ہے۔

وَقِثَّائِهَا اور اس زمین کے کھیرے ککڑیاں' خواہ لمبی ہوں جسے ککڑی کہتے ہیں۔ اور چھوٹی جسے (بادرنگ) کہتے ہیں۔ اور یہ جنس بھی کچی کھائی جاتی ہے۔ اور غذا کے قائم مقام ہوتی ہے۔ اور پکا کر روٹی کے ساتھ سالن کے طور پر بھی کام آتی ہے۔ اور اس کے ظاہر سے عمدہ نفع لینا ہے۔

وَفُوْمِهَا اور اس کی گندم۔ کیونکہ اس کے باطن سے نفع لینا ہے نہ کہ ظاہر سے اور پیسنے اور پکانے کی محتاج ہے۔

marfat.com
Marfat.com

وَعَـدَسِهَـا اور اس کے مسور سے کہ ایک دانہ ہے جو کہ گندم کی روٹی کھانے میں مددگار ہوتا ہے۔ اور معقول سالن بنتا ہے۔ اور اس دانے کا چھلکا اتارنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ چھلکے والے کی لذت بغیر چھلکے کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے بخلاف دوسرے دانوں کے جیسے چنا اور ماش وغیرہ جو کہ چھلکا اتارنے اور صاف کرنے کے محتاج ہوتے ہیں۔

وَبَـصَـلِهَا اور اس کے پیاز سے جو کہ اپنی مہک سے سارے سالن کی اصلاح کر دیتا ہے۔ اور کبھی خود بھی سالن کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔

اور بعض مفسرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بصل کی مناسبت کی وجہ سے فوم کا معنی لہسن کیا ہے اس بنا پر کہ یہ اصل میں کلمہ ثوم تھا اور ثا کو فا سے بدل دیتے ہیں۔ اور اس کے برعکس بھی۔ جیسا کہ فروغ الدلو میں ثروغ الدلو کہتے ہیں۔ اور جدث جس کا معنی قبر ہے جدف کہتے ہیں ورنہ فوم جو کہ اصل میں فا رکھتا ہے گندم کے معنوں میں ہے۔ ابومحجن ثقفی نے کہا ہے کہ قد کنت احسبنی کا غنی واحد قدم المدنیة عن زراعته فوم اور عرب گندم کی روٹی مانگنے کی جگہ پہ کہتے ہیں فوموا لنا یعنی ہمارے لئے گندم کی روٹی پکاؤ اور اس کا عدس یعنی مسور کے متصل ہونا اور بصل سے جدا ہونا بھی دلالت کرتا ہے کہ فا اصلی ہے اور گندم کے معنی میں ہے۔ ہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں فومہا کی بجائے ثومہا آیا ہے۔ اور اس قرأت میں لہسن متعین ہے۔

ابوبکر ابن ابی الدنیا نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے تھے مجھے زید بن ثابت کی قرأت پسند ہے مگر سولہ مقامات میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت اختیار کرتا ہوں اور ان میں سے مِنْ بَقْلِهَا وَ قِثَّائِهَا وَثُوْمِهَا پڑھتا ہوں۔ اور عبداللہ بن مسعود کی قرأت سے اس حرف کو اختیار کرنے کا سبب آپ کا شبہ ہے جو کہ دل میں آیا ہے۔ اور یہ شبہ پچھلے مفسرین کو بھی کھٹکا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخر میں بنی اسرائیل کے مطلوبہ کھانوں کو پست، بے وقعت اور ردی فرمایا ہے۔ اور ساگ، ککڑی اور مسور البتہ ردی کھانوں میں سے ہیں۔ لیکن گندم دانوں میں سے اعلیٰ ہے اسے ردی کھانوں میں کس طرح داخل کیا جا سکتا ہے؟۔ پس اس کے سوا کوئی صورت نہیں فـا نـا

marfat.com
Marfat.com

کے بدل میں ہو۔ اور اصل کلمہ ثوم بمعنی لہسن ہے۔ جس کا ردی اور بدبودار ہونا پوشیدہ نہیں۔ اور اس شبہ کا حل یہ ہے کہ گندم کا جوہر فی نفسہ بلاشبہ اعلیٰ غلوں میں سے ہے۔ مگر جب سبزی' پیاز' مسور اور ککڑی کے ساتھ کھائی جائے تو ادنیٰ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ گندم کی روٹی اچھے اور ردی' اعلیٰ اور ادنیٰ ہونے میں سالن کے تابع ہے جیسا بھی ہو۔ اور اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے جواب میں

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی فرمایا کیا چاہتے ہو کہ ادنیٰ چیز کو اعلیٰ کے بدلے میں لے لو۔ اور قدر و قیمت کے اعتبار سے بھی فائدہ اور نفع کے اعتبار سے بھی اور ذائقہ اور لذت کے اعتبار سے بھی۔

بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اس چیز کے عوض جو کہ ان اعتبارات سے بہتر ہے۔ اور اگر چہ یہ بدل چاہنا فی نفسہ شرعی گناہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اپنے نفس کی خوشی کو قوت دینا ہے۔ لیکن پستی اور دوں ہمتی آخر تمہیں یہاں تک کھینچ لے جائے گی کہ تم آخرت کے بدلے دنیا لے لو گے۔ اور منسوخ شریعت کو مقبول شریعت کے عوض اور ہر مقام پر پستی اور تنزلی کے عادی ہو کر عالی ہمت لوگوں والے کاموں سے پیچھے رہ جاؤ گے۔ پس میں یہ مقصد بارگاہ خداوندی میں پیش نہیں کروں گا کہ یہ مقصد پیش کرنے کے قابل نہیں ہے اگر اس تنبیہ اور جتلانے کے باوجود ان ردی کھانوں کی طلب پر اصرار رکھتے ہو تو اس کا علاج یہ ہے۔

اِهْبِطُوْا مِصْرًا کہ شام کے شہروں میں سے کسی شہر میں قیام کرو۔ اور عاصم کی قرأت میں اس فرعون کا مصر مراد نہیں۔ کیونکہ مصر جو کہ ایک معین شہر کا نام ہے غیر منصرف ہے۔ اس پر تنوین داخل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ فرمایا اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ (الزخرف آیت ۵۱) وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ (یوسف آیت ۹۹) اگر چہ ہندو غیرہ کے قاعدہ کے مطابق اس کا منصرف لانا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ نحو کی کتابوں میں موجود ہے۔

فَاِنَّ لَكُمْ ۔ پس تحقیق تمہارے لئے اس شہر میں میسر ہوگا مَا سَاَلْتُمْ جو کچھ تم نے مانگا ہے۔ مسور اور پیاز سے۔ کسی کی دعا کی ضرورت کے بغیر۔ اور میرے لائق نہیں کہ یہ سوال جناب الٰہی میں عرض کروں۔ پس بنی اسرائیل کو ہمیشہ پستی کی طرف جھکاؤ اور دوں

marfat.com
Marfat.com

ہمتی لازم رہی جب تک عالی ہمت لوگ ان میں موجود رہے۔ جیسے حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت یوشع اور دوسرے عالی مرتبت انبیاء علیہم السلام اور ان کے احکام غالب رہے اس پستی اور کم ہمتی نے کوئی قابل ذکر اثر نہ کیا۔ اور جب بلند ہمت لوگوں کا وجود ان میں سے اٹھ گیا اس طبعی بدبختی کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ اور وہ زراعت اور کاشتکاری کی طرف مائل ہوئے۔ اور جانور چرانے کو اختیار کیا۔ اور جہاد قتال اور دشمنوں کے ہاتھوں سے شہروں کو خلاصی دلانے سے جی چرانے لگے یہاں تک کہ گنواروں اور مزارعوں کی طرح ہلکے اور ذلیل ہو گئے۔ اور اس واقعہ نے جالوت کے ان پر غالب آنے اور بخت نصر اور سنجاریب کے حادثے کے بعد پورا رسوخ حاصل کر لیا۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۔ اور خیمے کی طرح ان پر ذلت اور غربت مقرر کی گئی۔ ذلت اس جہت سے کہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں اور نصرانیوں کے محکوم رہتے ہیں۔ اور اپنی کوئی حکومت نہیں رکھتے۔ اور غربت' تاوان' باز پرس' جزیہ اور ٹیکس کے باعث جن کا خرچ آمدنی سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور اگر کسی وقت ان میں سے بعض کو غنی ہونا نصیب ہوتا ہے۔ تو وہ شاہی تاوان کے ڈر سے اپنے آپ کو مفلسوں کی طرح قلاش' گھٹیا لباس پہننے والا اور تنگ دست ظاہر کرتے ہیں۔ تا کہ حکام اسے مالدار سمجھ کر ظلم کا ہاتھ دراز نہ کریں۔ اور یہ ذلت اور فقر ان کیلئے مسلمانوں کی ذلت و فقر کی طرح نہ ہوا جس پر صبر کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور درجات کی بلندی کا موجب ہوتا ہے۔ اور جنت میں پہلے داخل ہونے اور حساب کے ہلکا ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ بلکہ اس ذلت و فقر کی وجہ سے وہ زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی رضا سے دور جا گرے۔

وَبَآءُوْ ا اور وہ لوٹے اس مرتبہ بلند سے جو کہ انہیں۔ ان میں انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کے پائے جانے کے طفیل میسر تھا' اپنی ذلت و فقر کے ساتھ جس طرح کہ کوئی سفر سے واپس اپنے گھر پہنچتا ہے۔ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اس غضب کے ساتھ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں نصیب ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا قہر مسلط فرمایا۔ اور ان سے اپنا لطف و کرم ظاہری اور باطنی طور پر روک لیا اور یہی وجہ ہے کہ ان پر کفر مسلط ہے۔ اور ہرگز انہیں ایمان میسر نہیں ہوتا اور انہیں یہ قبیح حالت صرف آسمانی طعام کو زمینی طعام سے بدلنے اور اس کی

marfat.com

Marfat.com

مانند ان گستاخیوں اور بے ادبیوں کی وجہ سے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان سے صادر ہوئیں طاری نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ مدتیں گزر جانے' نبوت کے زمانے سے دوری' استعدادیں باطل ہونے اور ان سے سخت قبیح اعمال اور بہت بڑے جرائم صادر ہونے کی وجہ سے خرابی کے مستحق ہوئے۔ جیسا کہ فرمایا:

ذٰلِكَ غضب الٰہی کے ساتھ ملی ہوئی یہ ذلت اور فقیر بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے تھے۔ اور وہ ان آیتوں کا جو کہ تورات میں ان کی نفسانی خواہش کے خلاف ہوتی تھیں انکار کرتے تھے۔ اور لفظی یا معنوی تبدیلی کرتے تھے۔ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں اور زبور اور انجیل کو بھی انکار کا نشانہ بناتے تھے یہاں تک آیات قرآنی کے بھی منکر ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جلوؤں کی آیات جو کہ ہر پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھ مبارک پر معجزات کی صورت میں ظاہر ہوتی تھیں جادو' کہانت اور استدراج کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور ان پر یقین نہیں کرتے تھے۔

وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ اور پیغمبروں علیہم السلام کو قتل کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت شعیا' حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیٰ نبینا و علیہم السلام کو قتل کیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنے گمان میں انہوں نے تختۂ دار پر کھینچا اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادو کر دیا۔ اور زہر دیا اور جو حیلہ بھی اس پاک نفس کو معاذ اللہ قتل کرنے میں ہو سکا بروئے کار لائے۔ اور حدیث شریف میں جسے امام احمد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وارد ہوا کہ **اشد الناس عذابا رجل قتله نبی او قتل نبیا او امام ضلالة او ممثل من الممثلین** لوگوں میں سے سب سے زیادہ سخت عذاب اسے ہوگا جسے کسی پیغمبر علیہ السلام نے قتل کیا یا جس نے پیغمبر علیہ السلام کو قتل کیا۔ یا گمراہی کا امام جس کے گمراہ کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہی میں پڑ گئے ہوں۔ یا جاندار کی تصویر بنانے والا۔ پس ان کے حق میں غضب کے اسباب پوری شدت کے ساتھ جمع ہو گئے تھے کہ کفر بھی کرتے تھے۔ اور قتل بھی جو کہ کفر کے بعد کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے۔ اور قتل کی قسموں میں سے جو بدترین اور ناپاک قسم ہے اختیار کرتے تھے یعنی پیغمبر علیہ السلام کو قتل کرنا۔ جو کہ

marfat.com

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی ہدایت کو روکنا اور بہترین نعمت کا کفران شدید ہے۔ اور فیض کے اس دروازے کو بند کرنا ہے جس سے عام نفع کی توقع تھی اور وہ بھی۔

بِغَيْرِ الْحَقِّ اپنے گمان میں بھی شرعی سبب کے بغیر اس لئے کہ فی نفسہٖ پیغمبر علیہ السلام کو قتل کرنا بغیر سبب شرعی ہی کے ہوتا ہے۔ لیکن کبھی منکر پر طاری ہونے والے شبہ کی وجہ سے اس کا وجہ شرعی کے بغیر ہونا اس کے نزدیک یقینی نہیں ہوتا اور یہاں اس قسم کا شبہ بھی نہ تھا' جان بوجھ کر قتل کرتے تھے۔ اور کسی کے ذہن میں یہ معنی بعید از مکان ہو کہ آخر وہ اہل کتاب تھے۔ اور حضرت موسیٰ اور دوسرے پیغمبروں علیہم السلام پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے تھے ان سے یہ کیسے ہوسکا کہ بغیر شرعی سبب کے اور بغیر شبہ کے کفر صریح اور پیغمبروں علیہم السلام کو قتل کرنے کا قدم اٹھائیں۔ ہم کہتے ہیں۔

ذَالِكَ بِمَا عَصَوْا یہ کفر اور پیغمبروں علیہم السلام کے قتل پر جرأت انہیں اس وجہ سے تھی کہ انہوں نے پیغمبروں علیہم السلام کے احکام کی نافرمانی کی۔ اور آہستہ آہستہ ان میں نافرمانی کی مہارت پکی ہوگئی۔ اور وہ ایک دو نافرمانیوں پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے کہ ان کا تدارک توبہ اور ندامت کے ساتھ جلد ہوسکتا بلکہ اس نافرمانی میں وہ پورا مبالغہ کرتے تھے۔

وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ اور وہ تھے کہ نافرمانی میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ پس گناہوں کو اچھا سمجھتے تھے۔ اور جو شخص انہیں گناہوں سے روکتا اور باز رکھتا۔ اسے دشمن سمجھتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو جو کہ ان گناہوں کی قباحت پر دلالت کرتی تھیں باطل تاویل کر کے رد کر دیتے تھے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے انہوں نے ان پیغمبروں علیہم السلام کو جو کہ گناہوں سے روکنے میں مبالغہ کرتے تھے قتل کر دیا۔ اور کتاب الٰہی کی آیات کا صاف انکار کر دیا۔ اور یہ نافرمانی کی نحوست ہے جو کہ آہستہ آہستہ اعتقاد میں بھی فتور بلکہ تبدیلی پیدا کر دیتی ہے۔ اور اسی لئے علمائے ربانی نے گناہوں پر ہمیشگی' ان سے لذت حاصل کرنا اور ان کے ارتکاب کا عادی ہونے سے شدت کے ساتھ روکا ہے۔ اس لئے کہ آہستہ آہستہ ان کا اچھا لگنا اور جوان سے روکے اس کا برا لگنا دل میں جگہ پکڑ لیتا ہے۔ اور نوبت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ شرعی احکام کو برا سمجھتا ہے۔ اور یہ اسے کفر کی حد پر پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں

marfat.com

Marfat.com

نے فرمایا ہے کہ جس نے مستحبات کو حقیر سمجھا اسے سنت سے محرومی کی سزا ملتی ہے۔ اور جس نے سنت کو حقیر سمجھا اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملتی ہے۔ اور جس نے فرائض کو حقیر جانا اسے معرفت سے محرومی کی سزا ملتی ہے۔

## چند سوالات اور ان کے جوابات

یہاں چند سوالات باقی رہ گئے جن کے جوابات ضروری ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ ہم ایک قسم کے کھانے پر صبر نہیں کریں گے ہمیں ذائقہ بدلنے اور طبعی خوشی کیلئے زمینی کھانوں میں سے کوئی اور کھانا بھی کھلانا چاہئے۔ تو ان کا مقصد یہ تھا کہ من و سلویٰ کے ساتھ کوئی اور زمینی کھانا بھی آیا ہو تا نہ یہ کہ من و سلویٰ بالکل بند ہو جائے۔ اور اس کے بدلے زمینی کھانا آئے تو ان کا مقصد دونوں کھانوں کو جمع کرنا تھا نہ کہ ایک کو دوسرے سے بدلنے کا مطالبہ۔ ان کی گفتگو کو تبدیلی کی طلب پر کیوں محمول فرمایا گیا۔ اور فرمایا: اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر کہ کیا تم ادنیٰ کو اعلیٰ کے عوض بدلنا چاہتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے آسمانی کھانے سے اپنی اکتاہٹ تکلیف کو بیان کیا۔ نیز انہوں نے کہافَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا

صریح طور پر معلوم ہوا کہ وہ اس کے بعد یا تو آسمانی کھانا بالکل نہیں کھائیں گے کہ اس سے عاجز آ گئے ہیں یا سیر ہو کر نہیں کھائیں گے۔ بلکہ وہ زمینی کھانے سے پیٹ بھر کر کھائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ آدمی کا پیٹ اپنی مقرر مقدار کے سوا غذا برداشت نہیں کر سکتا جب بھی ایک کھانے کی کچھ مقدار کھاتا ہے تو اس کے اندازے کے مطابق دوسرے کھانے سے رک جاتا ہے۔ پس کھانے میں ادنیٰ کی تبدیلی اعلیٰ کے ساتھ لازم آئے گی اگرچہ انہوں نے صریح لفظوں میں بیان نہیں کیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ لغت میں ہبوط بلندی سے پستی کی طرف اترنا ہے۔ سفر سے شہر میں آنے کی ہبوط کیوں فرمایا کہ اِهْبِطُوْا مِصْرًا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لشکر جب تک سفر میں ہو اسباب اور سامان اونٹ یا خچر پر لاد کر اور خیمہ اور قناتیں چارپایوں پر رکھ کر سواری پر سوار ہوتا ہے۔ اور جب شہر میں پہنچ جاتا ہے۔ تو ان سب کو بلندی سے پستی کی طرف منتقل کرتا

marfat.com

Marfat.com

ہے۔ اور خود بھی سواری سے نیچے آجاتا ہے اس وجہ سے سفر سے شہر میں واپس آنے کو ہبوطؔ نزول مقام کرنے اور اترنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ نیز اس منتقل ہونے میں ان کا معنوی طور پر اترنا بھی تھا کہ بلند ہمتی سے پست ہمتی کی طرف انتقال کرتے تھے۔ اور آسمانی کھانے کے بلند مرتبہ سے زمینی کھانے کی پستی میں اترتے تھے۔ لہٰذا لفظ ہبوط بہت مناسب ہوا۔

تیسرا سوال یہ کہ اس سورت میں وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ فرمایا ہے۔ اور حق کو لام کے ساتھ معرف لایا گیا۔ جبکہ سورت آل عمران (آیت ۲۱) میں بغیر حق ارشاد ہوا اور لفظ حق کو نکرہ رکھا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام اہل کتاب کے نزدیک معلوم حق جو کہ قتل کو واجب کرتا ہے تین چیزوں میں سے ایک ہے مرتد ہونا' ناحق قتل کرنا' شادی شدہ ہونے کے بعد بدکاری کرنا۔ پس یہاں جو حق کو معرفہ لایا گیا اس معلوم حق کی طرف اشارہ ہوا جبکہ سورت آل عمران میں بغیر حق کو نکرہ لانے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی نہ تھا۔ نہ یہ معلوم حق اور نہ ان کے گمان کے مطابق کوئی دوسرا حق اور اس سورت میں تخصیص اور اس سورت میں عام کرنے میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس کلام کو لانا بنی اسرائیل کے افعال کی برائی اور قباحت بتانے کیلئے ہے خصوصاً وہ اہل کتاب ہیں ان سے حق معلوم کے بغیر انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا بہت قبیح ہے بخلاف سورت آل عمران کے کہ وہاں خاص فرقہ بنی اسرائیل کے متعلق کلام نہیں۔ بلکہ عام طریقے سے ایک قاعدہ کلیہ ارشاد ہوتا ہے۔ اور وہاں حق معلوم کی قید اور تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اگرچہ کبائر پر اصرار کرنا کفر تک کھینچ لے جاتا ہے۔ جیسا کہ یہودیوں کیلئے ہوا لیکن خداتعالیٰ اور یوم آخرت پر صحیح ایمان لانا کفر کی ساری قسموں کو مٹانے والا ہے۔ اور اگر ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی ملا ہوا ہو تو ہر طرح ڈر اور غم کو مٹا دیتا ہے۔ تو کسی کافر کو اور کسی گناہگار کو اپنے ایمان اور توبہ کی قبولیت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے چنانچہ فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تحقیق وہ لوگ جو کہ ایمان لائے۔ زبان کے ساتھ جبکہ دل کی گہرائی سے اس دین کی تصدیق نہیں کرتے اگرچہ ان کا کفر بہت برا ہے۔ کیونکہ کفر کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کو دھوکا دینے کا قصد کرتے ہیں۔ اور ان کی زبوں حالی سورت کی ابتداء میں گزر چکی۔

marfat.com

Marfat.com

## یہود کی وجہ تسمیہ اور الوہیت ونبوت کے متعلق ان کے عقائد

وَالَّذِيْنَ هَادُوْا اور وہ جو یہودی ہو گئے۔ اگرچہ ان کی برائیاں اعمال میں بھی اعتقادات میں بھی اور اخلاق میں بھی حد سے زیادہ ہیں۔ چنانچہ ان کا بڑا کفریہ کہ حضرت حق جل مجدہ کو انسان کی شکل میں جسمانی اعتقاد کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات جسمیت سے پاک ہے۔ لیکن اس کا کسی جسم کے ساتھ تعلق لازمی ہے۔ بغیر جسم کے ہرگز نہیں رہتا اور جو جسم اسے لازم ہے مثالی نورانی ہے شعاع کی مانند کبھی جمع ہو جاتا ہے کبھی جدا جدا۔ اسی وجہ سے صورت' اونچی آواز' طور سینا پر اترنا' ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا' اپنے ہاتھ سے تورات لکھنا' عرش پر استواء کا معنی پوری طرح قرار پکڑنا' سمت و طرف میں اسے دیکھنا' طوفان نوح علیہ السلام پر رونا' ہنسنا' فکر و غم اور خوشی اور مسرت کو بغیر کسی تاویل کے اللہ تعالیٰ کیلئے جائز قرار دیتے ہیں اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بہت بدگمانی اور نافرمانی کی تہمت لگاتے ہیں حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت ہارون علیہ السلام کے قتل کی تہمت لگاتے ہیں۔ اور صاف کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ' حضرت ہارون علیہما السلام سے حسد کرتے تھے۔ اور ان میں سے بعض کہتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام (معاذ اللہ) پیغمبر نہ تھے بلکہ ولی تھے اور ولایت کو نبوت سے افضل جانتے ہیں۔ اور ان کے خیال میں یہ بات جم گئی ہے کہ نبوت کا معنی صرف ایلچیوں کا کام کرنا اور خدا تعالیٰ کی پیغام رسانی ہے۔

(یہی عقیدہ مودودی کا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہودی اور مودودی کا عقیدہ اس بارے میں ایک ہے)

اور اس خدمت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب حاصل کرنا مراد نہیں۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نبوت میں شریک نہیں مانتے۔ بلکہ ان کا خلیفہ کہتے ہیں۔ اور بچھڑا بنانے کی نسبت (معاذ اللہ) حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اوریا کے قتل کی تہمت بھی لگاتے ہیں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو طلسمات' منتر اور جنوں کی تسخیر والا مانتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم

marfat.com

Marfat.com

السلام پر رجعت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور تورات کی ان آیات کی جھوٹی تاویل کرتے ہیں جو کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچا ہونے پر صحیح دلالت کرتی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان کے قبضہ اور حکومت کا اشارہ ہے نبوت و رسالت کا نہیں۔ شریعت کے منسوخ ہونے کو بالکل جائز نہیں سمجھتے۔ بلکہ شریعت الٰہیہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں منحصر خیال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کوئی شریعت نہ تھی نہ ان کے بعد کوئی شریعت ہوگی۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ اور حضرت مریم کے بارے میں جھوٹی تہتیں بیان کرتے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے لئے یہود کا لقب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سے گھڑا ہے کہ آپ نے مناجات اور دربار خداوندی سے رحمت طلب کرنے کے وقت انا ھدنا الیك (الاعراف آیت ۱۵۶) فرمایا یعنی ہم نے تیری طرف توبہ اور رجوع کیا۔

وَالنَّصَارٰی اور نصاریٰ کو جو کہ دراصل نصران کی جمع ہے۔ جیسے سکاری بمعنی ناصر اور یہ لقب نصرانیوں پرستوں نے اپنے لئے خود مقرر کیا ہے۔

## نصاریٰ کی وجہ تسمیہ اور ان کے عقائد کا بیان

اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے یہود سے مدد مانگنے کے وقت فرمایا تھا۔ من انصاری الی اللہ اور حواریوں نے ان کے جواب میں کہا تھا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اور یہ فرقہ بھی اعتقاد اور اعمال میں بہت بے وقوف ہے۔ اور ان کی زیادہ تر حماقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور ان کے بدن کے ساتھ ان کی روح کے اتصال کی کیفیت کے بارے میں ہے۔ پھر ان کے آسمانوں پر جانے اور ان کی روح کے عالم ملکوت سے متصل ہونے کی کفیت کے بارے میں ہے۔ اور ان دو کیفیتوں کے بیان کے حوالے سے ایسے عجیب وغریب کفریات بکتے ہیں کہ کان انہیں سننے سے بہت نفرت کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں فرقے آخرت کے حال کے بارے میں بھی کفر کرتے ہیں اکثر یہودی کہتے کہ تورات' زبور اور دوسری آسمانی کتابوں میں گناہوں پر جو عذاب کے وعدے اور خوف دلایا گیا ہے وہ بنی اسرائیل کے علاوہ دوسروں کیلئے ہے۔ بنی اسرائیل اپنے آباؤ اجداد کی

marfat.com
Marfat.com

سفارش کی وجہ سے جو کہ قدر والے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں اس وعدہ عذاب سے کوئی خوف نہیں رکھتے۔ اور اکثر نصاریٰ کہتے ہیں کہ جزا اور پکڑنے کا معاملہ حساب لینے کا مسئلہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد ہوگا بلکہ یوم جزا کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کا دن مانتے ہیں۔ پس اس نسبت سے وہ پورا اطمینان رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے پیروکاروں کو بغیر عبادت کے جنتی نعمتوں سے سرفراز فرمائیں گے۔

## صابیوں کے مذہب اور خلاصہ

وَالصَّابِئِينَ اور بے دین لوگ جو کہ کسی آسمانی دین کے پابند نہیں ہیں۔ اور ان کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کو سعادت حاصل کرنے کیلئے کسی پیغمبر یا مرشد کی ضرورت نہیں وہ روحانیات جو کہ افلاک' عناصر اور حوالید کی تدبیر کرنے والی ہیں اس کی تکمیل اور ترتیب کیلئے کافی ہیں۔ ہاں آدمی کو چاہئے کہ روحانیات کے ساتھ کوئی مناسبت پیدا کرے تا کہ ان سے فیض لے۔ اور ان روحانیات سے مناسبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے ان کے نام کے مجسمے اور بت بنائے جائیں۔ اور ان مجسموں اور بتوں کی بے حد تعظیم کی جائے۔ اور ان کے سامنے روحانیات اور ان کے اوصاف کے نام کا ذکر کیا جائے اسی وجہ سے اس فرقہ میں سے بعض لوگ سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض نے ان ستاروں کے نام کی مورتیاں تراشی ہیں۔ اور انہیں اپنا قبلہ بناتے ہیں۔ اور ان میں سے کلدانیین کی یہی روش تھی۔ جن کے مقابلہ کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ اور ان میں حرنانیین اور آبادیاں کا فرقہ اپنے اسلاف میں سے بعض کو پیغمبر بھی مانتے ہیں۔ اور اکثر صابی تین تین وقت نماز پڑھتے ہیں۔ اور جنابت سے غسل کرتے ہیں۔ اور میت کو چھونے کی وجہ سے بھی غسل کو واجب جانتے ہیں۔ اور گدھے' کتے' اڑنے والے جانوروں میں پنجے سے پکڑنے والے جانوروں' اونٹ اور کبوتر کا گوشت اور پیاز' باقلا (لوبیا کی قسم کا ایک دانہ جس کی دال کھائی جاتی ہے) اور سانپ کی شکل کی مچھلی کھانا حرام سمجھتے ہیں۔ شراب پینا جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن شراب سے نشہ کو حرام خیال کرتے ہیں۔ اور ختنہ حرام سمجھتے ہیں۔ اور حاکم کے حکم کے بغیر طلاق کو درست نہیں سمجھتے اور مرد کیلئے ایک سے

marfat.com

Marfat.com

زیادہ بیویاں جائز قرار نہیں دیتے اور مجسمے بنانے میں باریکیاں پیدا کرتے ہیں علت اولیٰ' عقل' سیاست' صورت اور نفس جو کہ جواہر عقلیہ روحانیہ ہیں کہ مجسمے گول شکل کے بناتے ہیں۔ جبکہ زحل کا مجسمہ چھ جہتوں والا مسدس' مشتری کا مثلث' مریخ کا مستطیل' آفتاب کا مربع' زہرا کا مربع کے اندر مثلث۔ عطارد کا مثلث کے اندر مستطیل مربع۔ چاند کا مثمن یعنی آٹھ پہلوؤں والا بناتے ہیں قیامت کے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قابل سکونت ولاتیوں میں سے ہر ولایت میں چھتیس ہزار چار سو پچیس سال گزرنے پر حیوان کی ہر نوع سے ایک جوڑا پیدا ہوتا ہے۔ اور ایک جوڑا انسان کا بھی۔ پس ہر نوع اس مدت تک باقی رہتی ہے۔ اور جب دور پورا ہو جاتا ہے انواع ختم ہو جاتی ہیں پھر دوسرا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اور انواع پیدا ہوتی ہیں۔ مردوں کے زندہ کرنے اور قبروں سے اٹھنے کا انکار کرتے ہیں۔ اور جزا اور سزا کو انہیں زمانوں اور اوقات میں تناسخ کے طور پر جانتے ہیں۔

قصہ مختصر ان چار قسم کے گروہوں میں ہر ایک نے راہ حق سے بہت دور ہونے کی وجہ سے گویا خراب' بدبودار کھانے کا حکم حاصل کر لیا ہے کہ ظاہری طور پر اس کی اصلاح کی کسی وجہ سے امید نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کامل مہربان ہے کہ

مَنْ اٰمَنَ ان میں سے جو بھی تہ دلی اور اخلاص کے ساتھ ایمان لایا بِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ پر تشبیہ' تعطیل اور شریک ٹھہرائے بغیر وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور آخرت کے دن پر بھی ایمان لائے جو کہ روز جزا ہے۔ اور اس دن پر ایمان لائے بغیر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا پورا نہیں ہوتا اس لئے کہ جو شخص اس دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی ہمیشگی' عموم قدرت اور اس کے کمال حکمت وعدل کا منکر ہے۔ اور کتابوں' رسولوں علیہم السلام اور فرشتوں پر ایمان لانا ان دونوں ایمانوں کو لازم ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں ایمان پیغمبروں اور فرشتوں علیہم السلام کے واسطے کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔ اور آسمانی کتابوں کے بغیر اس کا علم باقی نہیں رہ سکتا اس وجہ سے ان تین چیزوں پر ایمان لانے کی صراحت نہیں فرمائی۔

اور فی الواقع جسے بھی دنیا و آخرت پر کماحقہ ایمان نصیب ہوا رسل علیہم السلام' فرشتوں اور کتابوں کے واسطے کے بغیر نہ ہوا اور صرف مبدء' دنیا' آخرت اور واسطوں پر ایمان لانا

marfat.com

Marfat.com

اگر چہ نجات کی امید میں بہت اثر رکھتا ہے۔ لیکن کلی طور پر نجات کیلئے ایک اور چیز بھی چاہئے چنانچہ فرمایا ہے وَعَمِلَ صَالِحًا اور درست عمل کئے۔ اور درست عمل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ناسخ کو قبول کرے۔ اور منسوخ کو چھوڑ دے اور عقلی مصلحتوں کے مقابلہ میں احکام الٰہیہ کو ترجیح دے۔ اور جب ان چاروں فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ اس قانون کے مطابق صحیح ایمان لایا۔

فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ ۔ پس ان کیلئے ان کا پورا اجر ہے کہ اپنی ابتدائے ولادت سے لے کر اس وقت تک ہمیشہ کیلئے اختیار کرتے بھی اجر پاتے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے پروردگار کے ہاں جو کہ ان کے ایمان اور عمل کی تربیت فرماتا ہے یہاں تک کہ ایک لمحہ کے ایمان اور ایک ساعت کے عمل کو ساری عمر کے کفر اور فسق کو مٹانے والا بنا دیتا ہے۔ اور اپنی اچھی تربیت سے ساری عمر کے ایمان اور عمل صالح کی مقدار تک پہنچا دیتا ہے۔

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ اور ان پر کوئی خوف نہیں ہے۔ سابقہ کفر کے اثر کی وجہ سے کہ کہیں اجر میں نقصان کا موجب ہو۔ کیونکہ ان کے ناقص المدت ایمان کو لاحق ہونے والے ان کے عمل نے اللہ تعالیٰ کی عنایت کی وجہ سے تدارک فرمایا اور پورا کر دیا۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ وہ غمگین ہوں گے ایام کفر میں عمل صالح فوت ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور حسن تربیت سے عمل لاحق نے اس کا تدارک کر لیا۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ اس سورت میں نصاریٰ کو صابئین سے پہلے بیان کیا۔ جبکہ سورۃ الحج میں اس کے برعکس صابئین کو نصاریٰ سے پہلے رکھا (آیت ۱۷) اور سورت مائدہ میں لفظاً پہلے رکھا اور تقدیراً پیچھے (آیت ۶۹) کیونکہ وہاں کلام کی تقدیر والصائبون کذالك ہے۔ اسلوب بیان کے گوناگوں ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں گفتگو بنی اسرائیل کے ساتھ ہے۔ اور خطاب اہل کتاب کے ساتھ اور نصاریٰ اصل میں بنی اسرائیل سے ہی نکلے ہیں۔ اور اہل کتاب ہیں۔ شرافت کی وجہ سے پہلے ہو گئے۔ اور سورت حج میں اہل حق کے ساتھ گمراہ فرقوں کے

marfat.com

Marfat.com

اختلاف کو ختم کرنے کا بیان ہے۔ تو جن کا جھگڑا اور اختلاف زیادہ تھا مقدم ہو گئے۔ اور اسی لئے یہودیوں کو اس سورت میں صابیوں پر مقدم فرمایا۔ حالانکہ زمان کے اعتبار سے صابی ان سے پہلے ہیں اس وجہ سے کہ زیادہ تر یہودی مسلمانوں کے ساتھ لڑتے جھگڑتے تھے۔ اس کے بعد صابی جو کہ کسی دین اور شریعت کے شناسا نہ تھے۔ اس کے بعد نصاریٰ جو کہ اکثر رسولوں اور کتابوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ اس کے بعد مجوسی کہ انہیں کتاب کا شبہ ہے۔ اس کے بعد مشرکین جو کہ اصلاً کتاب کے مدعی نہیں ہیں۔ اور تمام دینوں کے مخالف ہیں۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ صابی اگرچہ موحد ہیں۔ اور کسی وجہ سے بھی شرک نہیں کرتے لیکن ذات الٰہی کے روحانیات میں اترنے اور روحانیات کے اشخاص اور جسموں میں اترنے کا قول کرنے میں نصاریٰ کے پیشوا اور ان کے مقتدا واقع ہوئے ہیں گویا نصاریٰ ان سے سیکھنے کی وجہ سے حلولی مذہب والے ہو گئے ہیں۔ بخلاف یہود کے کہ ان کا مذہب حلول سے دور ہے۔ تو صابیوں کے استاذ ہونے اور نصاریٰ کے شاگرد ہونے کی وجہ سے صابیوں کا ذکر پہلے لایا گیا۔

اور سورت مائدہ میں دونوں امروں کی رعایت کی گئی ہے کہ لفظاً پہلے اور معنی میں پیچھے کیا گیا۔ اور وہ جو وہب بن منبہ سے ابن ابی حاتم کی تفسیر میں مروی ہے کہ صابی وہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا ہے۔ اور اس کے پاس کوئی شریعت نہیں جس پر عمل کرے۔ اور اس نے کفر نہیں کیا۔ اور اسی تفسیر میں ابو الرماد سے ہے کہ صابی عراق سے متصل ایک قوم ہے تمام نبیوں علیہم السلام کے منکر ہیں۔ یہ اس کے مطابق ہے جو تفسیر میں مذکور ہوا اور پرانے مفسروں سے اس قول کے علاوہ کئی اقوال صابئین کے مذہب کے بارے میں منقول ہیں۔ لیکن کوئی بھی اس کے مطابق نہیں جو کہ ارباب مقالات اور مذاہب والوں نے لکھا ہے۔

ان میں وہ ہے جو سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ صابیہ نصرانیت اور مجوسیت کے درمیان ایک مرتبہ ہے۔ اور ابو العالیہ سے منقول ہے کہ صابی اہل کتاب میں سے ایک قوم ہے۔ اور قتادہ سے منقول ہے کہ صابی وہ قوم ہیں جو ملائکہ کی پوجا کرتے ہیں۔ قبلہ سے ہٹ کر نماز پڑھتے ہیں۔ اور زبور پڑھتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

یہاں جاننا چاہیے کہ جس طرح کہ اس آیت کا مضمون ہر کافر سے ایمان اور عمل صالح کی قبولیت پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ کفر اور فسق کی انتہائی قبیح قسموں کا مرتکب ہو چکا ہو۔ اسی طرح اس آیت کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس حقیقت پر ایمان لانا واجب ہے اس کے بعض پر ایمان لانا نیز کفر اور صحیح مکمل ایمان نہ ہونے کی حالت میں تمام طاعتیں خواہ بدنی ہوں یا مالی قبول نہیں جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے اس وقت ارشاد فرمایا تھا جبکہ سلمان فارسی مسلمان ہوئے۔ اور آپ نے بارگاہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نصاریٰ کے راہبوں کا حال' ان کی مشقت طلب عبادتیں اور ان کی خلاف عادت چیزیں جو کہ وہ رکھتے تھے بیان کیں۔ اور اس آیت نے حضور علیہ السلام کے قول کی تصدیق کی۔ اور ابن جریر نے مجاہد سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قصہ میں جو کہ بہت طویل ہے کہا کہ حضرت سلمان نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان نصرانیوں اور ان کے اعمال کے متعلق جو دیکھے تھے پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ اسلام پر نہیں مرے۔ سلمان کہتے ہیں کہ مجھ پر زمین تاریک ہوگئی۔ اور مجھے ان کے مجاہدے یاد آئے تو یہ آیت کریمہ اتری اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا الخ آپ نے سلمان کو بلایا اور فرمایا یہ آیت تیرے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے پھر فرمایا جو میرے متعلق سننے سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر مر گیا تو وہ خیر پر ہے۔ اور جس نے میرے متعلق سنا اور مجھ پر ایمان نہ لایا وہ ہلاک ہوا۔ قصہ مختصر بنی اسرائیل نے نعمتوں کے اس تبادلہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شروع کر دی تھی اور آخر کھل کر مخالفت ظاہر کر دی۔ چنانچہ ان سے مخالفت کے ظاہر ہونے کو یاد کرایا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا۔ اس بات کہ تم تورات کے مشکل احکام کو قبول کرو گے۔ اور احکام کی اطاعت سے گردن نہیں پھیرو گے۔ اور جب تم نے دیکھا کہ تورات کے احکام بہت مشکل اور بھاری ہیں تو ان ذمہ داریوں کو قبول کرنے سے تم نے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے تم نے پورے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ ہمارے پاس کوئی شریعت

marfat.com
Marfat.com

اور دین نہیں ہے چاہئے کہ ہمارے لئے ایک کتاب آئے۔ اور اس کتاب میں شریعت کے قواعد اور طاعت وعبادت کا قانون تفصیلاً مذکور ہو۔ تا کہ اس کے مطابق ہر عمل کریں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند بار تم سے تاکیدی عہد و پیمان پختہ کیا تھا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب جو کہ ذمہ داریوں اور احکام پر مشتمل ہو لے آؤں تو تم اسے ضرور قبول کرو گے۔ اور جب تم نے اس کتاب کے آنے کے بعد اسے قبول کرنے میں توقف کیا۔ اور عہد و پیمان پورے کرنے سے کنارہ کشی کی تو ہم نے تمہیں مجبور کر کے قبول کرایا کہ

**وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ** اور ہم نے تمہارے سروں پر پہاڑ بلند کیا۔ اور طور لغت میں اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر سبزہ اور درخت ہوں۔ جیسا کہ ابن جریر ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ **الطور ماینبت من الجبال وما لم ینبت فلیس بطور** پہاڑوں میں سے طور وہ ہے جس پر سبزہ آگے۔ اور جس پر سبزہ نہیں اگتا وہ طور نہیں ہے۔ لیکن یہاں ایک معین پہاڑ مراد ہے۔ اور وہ وہی پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی گئی تھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا تو وہ اس پہاڑ کو اس کی جگہ سے اپنے پروں پر اٹھا لائے اور بنی اسرائیل کے لشکر کے سروں کے مقابل آدمی کے ایک قدم کے برابر رکھا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت لشکر گاہ کا طول ایک فرسنگ اور عرض ایک فرسنگ تھا اور پہاڑ کی مقدار بھی اتنی ہی تھی۔ جب بنی اسرائیل نے اپنے سروں پر پہاڑ کو دیکھا تو ڈر گئے اور سجدے میں گر گئے۔ لیکن پیشانی کی ایک طرف کے ساتھ سجدہ کیا۔ اور دوسری طرف سے آنکھ کو پہاڑ کی طرف کر کے دیکھتے تھے کہ کہیں ہمارے سروں پر گر پڑے۔ اس وجہ سے سجدہ کرنے کا طریقہ بنی اسرائیل میں اسی طرز پر قرار پایا تا کہ اس ہولناک حالت کی یاد دہانی کرانے والا ہو۔ اور پہاڑ کو تمہارے سروں پر کھڑا کرنے کے بعد ہم نے کہا

**خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ** پکڑو اسے جو ہم نے تمہیں دیا۔ تورات میں درج مشکل ذمہ داریوں سے جو کہ حقیقت میں ہماری عطا ہے۔

**بِقُوَّۃٍ** پوری کوشش کے ساتھ۔ جس طرح کہ دنیا کی کمائیوں میں کوشش کو آخری حد

marfat.com

Marfat.com

تک پہنچا دیتے ہو۔ اور دنیا کے تھوڑے سے سامان کیلئے دنیوی سختیاں برداشت کرنے میں جدوجہد کرتے ہو۔ کیونکہ یہ تکلیفیں عقل سلیم والوں کے نزدیک ان سختیوں سے کہیں زیادہ ضروری اور پسندیدہ ہیں۔ پس جب تمہارے اسلاف نے اس چیز کو جسے پورے مبالغہ اور تاکید سے طلب کیا تھا اور مشکل ہونے اور ناگوار ہونے کی وجہ سے انہوں نے انکار کر دیا یہاں تک کہ ان کے اوپر پہاڑ گرانے کے ساتھ ہم نے ڈرایا اور انہیں مجبوری کی حد تک پہنچا دیا۔ تم سے کیا بعید ہے کہ اس پیغمبر علیہ السلام کی پیروی رشوتوں اور نذر و نیاز کے ختم ہونے کی وجہ سے جو کہ تم جاہلوں سے لیتے تھے۔ اور اپنی سرداری اور مرتبے کے درہم برہم ہونے کی وجہ سے ترک کر دو اور انکار کر دو حتیٰ کہ ہم تمہیں قتل، لوٹ مار، قید اور جلاوطنی سے ڈرائیں۔ تم اس کی اطاعت نہ کرو۔ حالانکہ اگر غور کرو تو اس رسول علیہ السلام کی پیروی بھی ان ذمہ داریوں میں سے ہے جو تم نے اس پہاڑ کے نیچے قبول کی تھیں۔ اور اسی لئے ہم نے تم سے صرف تورات کے ظاہر پر عمل کرنے کے عہد پر اکتفا نہ کی بلکہ ہم نے کہا تھا۔

وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ اور بار بار یاد کرو ان اسرار و فوائد اور باطنی حکمتوں کو جو کہ ان تکلیفات کے اندر ودیعت رکھی گئی اور پوشیدہ ہیں۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ہوسکتا ہے کہ تم اس ذکر و فکر کی وجہ سے تقویٰ کا مرتبہ حاصل کرو اور ہر زمان اور ہر زبان میں جو رسول علیہ السلام تشریف لائیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے پرہیز کرو۔

## ایک قوی الجھن

یہاں ایک قوی الجھن باقی رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ تکلیفات الٰہیہ کی بنیاد بندوں کے اختیار پر ہے۔ اور ان تکلیفات کو قبول کرنے پر مجبور کرنا مکلف کرنے کی غرض کے خلاف ہے۔ کیونکہ بندوں کو امر اور نہی کے ساتھ مکلف کرنے کا مقصد ان کا امتحان ہے۔ تاکہ واضح ہو کہ ان میں سے کون اپنی خوشی اور رغبت کے ساتھ اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اور کون اپنے اختیار سے معصیت اور نافرمانی کی راہ طے کرتا ہے۔ تاکہ اس کے مطابق اسے جزا دی جائے۔ جبکہ مجبور کرنے کی صورت میں اختیار، خوشی اور رغبت بالکل سلب ہو جاتی ہے۔ اور اطاعت کرنے والے کی نافرمانی کرنے والے سے تمیز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ انسان اس جلت

marfat.com

Marfat.com

پر پیدا کیا گیا ہے کہ اپنی جان کے خوف اور خاندان کی ہلاکت کے وقت ہر چیز کو خوشی ناخوشی قبول کرلیتا ہے۔ اور اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا گیا آیت لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (البقرۃ آیت ۲۵۶) میں اور ظاہر ہے کہ طور کو اس طرح اٹھانا حد درجہ مجبور کرنا ہے۔ بنی اسرائیل سے اس طرح احکام تورات قبول کرانے کا کیا فائدہ تھا؟ کیونکہ حقیقت میں یہ قبول کرنا نہ تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اس واقعہ سے پہلے اپنی خوشی اور رغبت کے ساتھ بارہا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ احکام پر مبنی کوئی کتاب ہمارے پاس لائیں تا کہ اس کے مطابق ہم عمل کریں۔ اور اس امر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پختہ وعدے اور تاکیدی عہد لئے تھے۔ اور جب وہ کتاب آ گئی اور اس کے احکام کو اپنی خواہش کے خلاف دیکھا تو انکار کر دیا۔ اور قبول کرنے سے سر پھیر لیا۔ پس حقیقت میں انہوں نے عہد کو توڑا اور گزشتہ وعدہ قبولیت کی مخالفت کی۔ طور کو ان کے اوپر کھڑا کر کے انہیں عہد توڑنے سے باز رکھا گیا۔ اور بدعہدی پر انہیں ڈرایا۔ پس یہ دین وایمان میں مجبور کرنا نہ تھا بلکہ برے افعال میں سے ایک فعل سے ڈرانا تھا۔ جیسے کہ مسلمانوں کے حق میں حد اور تعزیر کہ مجبور کرنے کے باب سے بالکل نہیں کہ مکلف کرنے کی صحت میں خلل پڑے۔ اس شخص کی طرح جس نے کسی شخص کے ساتھ عہد باندھا ہو کہ اس شادی یا عمارت میں تیرا جو مال صرف ہو سب میرے ذمہ ہے۔ اور جب اس نے اس شادی یا عمارت کے جمع خرچ کو دیکھے تو عہد سے پھر جائے۔ اور کہے کہ اس قدر خرچ کو میں اپنے ذمہ نہیں لوں گا۔ کہ یہ صریح طور پر عہد توڑنا اور بدمعاملگی ہے۔ اسے ڈرا دھمکا کر پہلے عہد پر لوٹانا چاہئے۔ اور پہلے اقرار پر مواخذہ کرنا چاہئے۔

اور بعض مفسرین نے جواب میں کہا ہے کہ ذمی اور معاہد کے علاوہ ایمان واسلام پر مجبور کرنا جائز ہے۔ اور حربی کافروں کے ساتھ لڑائی اور انہیں قتل اور لوٹ مار سے ڈرانا جو کہ بادشاہاں اسلام کی طرف سے ہوتا ہے یہ سب اکراہ یعنی مجبور کرنے کے باب سے ہے۔ پس آیہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ آیت قتال کے ساتھ منسوخ ہوگئی۔ اور ذمیوں اور عہد والوں کو دین پر مجبور کرنا اس وجہ سے حرام ہے کہ یہ نقض عہد ہے۔ اور نقض عہد حرام ہے۔ اور

marfat.com

Marfat.com

دعوھم وما یدینون (انہیں ان کے دین پر چھوڑ دو) کے حکم کے خلاف واقع ہوتا ہے۔ پس اس جہت سے بھی حرام ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ میں مجبور کرنے کی نفی بندوں سے ہے۔ کیونکہ یہ نفی بمعنی نہی ہے۔ یعنی لاتکرھوا احدا فی الدین دین کے بارے میں کسی کو مجبور نہ کرو جبکہ طور کو بلند کرنا خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ بندوں کے ساتھ مخصوص نفی کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

بہرحال تمہارے اسلاف نے وہ عہد و میثاق دیا اور تورات کے احکام کو قبول اور اس کی ذمہ داریوں کو لازم کیا۔

ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ پھر تم نے تورات کے ظاہر و باطن سے منہ موڑ لیا۔ نہ تم تورات کے احکام بجا لائے۔ اور نہ ہی مسیح اور اس رسول علیہما السلام کی پیروی کی۔ حالانکہ دونوں کی پیروی پر تورات کا باطن دلالت کرتا ہے۔

مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ان موثر تاکیدوں اور پختہ وعدے لینے کے بعد۔ جو کہ قطع نظر اہل کتاب اور اہل شرع کے عقل والوں کے نزدیک بھی ان عہدوں کی مخالفت نہایت قبیح اور بری ہے۔ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُهٗ تو اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم سے کوتاہیوں کی معافی اور توبہ قبول نہ فرماتا اور اس رسول علیہ السلام پر تمہارا ایمان صحیح قرار نہ دیتا۔

لَکُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ البتہ تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوتے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ اس نے اب تک بھی تم پہ توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اور تمہارے ایمان اور عمل صالح کو قبولیت کے لائق گردانا ہے۔ پس تمہیں چاہئے کہ اپنے خسارے کو پکا نہ کرو اور ہرگز روا نہ رکھو کہ اس رسول علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے کی حالت میں مرو۔ جن کی پیروی میں اب بھی تمہاری بیماری کی دوا منحصر ہے۔ اور اگر تم اس معنی کو محال سمجھتے ہو کہ انسانوں میں سے ایک شخص کی پیروی ترک کرنے کی وجہ سے ہمیں کلی طور پر خسارہ اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہمیشہ کیلئے محرومی کیسے لاحق ہو گی۔ حالانکہ ہم بہت سے پیغمبروں علیہم السلام کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور منسوخ شریعتوں پر بہت عمل کرتے ہیں تو ہم

marfat.com

Marfat.com

کہتے ہیں کہ اس حقیقت کو محال سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تمہارے فرقہ میں سے وہ لوگ جو کہ مرتبہ میں تم سے اعلیٰ تھے تورات کے احکام میں سے ایک حکم کو ترک کرنے کی وجہ سے جو کہ اس رسول علیہ السلام کی پیروی ترک کرنے سے بدرجہا کم تر تھا انہوں نے اپنے لئے خسران کلی اور ہمیشہ کی محرومی جمع کر لی اور اپنے اوپر لعنت کی قبا ڈال لی۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا اور تحقیق تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے دریا کی مچھلیوں کا شکار کر کے حد کو توڑا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ تمہارے فرقہ سے ہفتہ کے دن میں کیونکہ تورات میں تمہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس دن دنیا کا کوئی کام نہ کرنا اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا۔

## ان لوگوں کا بیان جو کہ بندروں کی شکل میں مسخ ہو گئے تھے

اور وہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ تھا جو کہ شہر ایلیا میں رہتے تھے۔ اور وہ شہر دریا کے کنارے پر تھا انہیں ایک آزمائش پیش آئی کہ ہفتہ کے دن پانی کی سطح پر بہت مچھلیاں آتی تھیں۔ اور اس دن شکار حرام ہونے کی وجہ سے انہیں جال اور کانٹوں کے ساتھ پکڑ نہیں سکتے تھے۔ اور مچھلی کا گوشت کھانے کی حسرت میں جو کہ ساحلی علاقوں کے رہنے والوں کو زیادہ مرغوب ہوتا ہے ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے۔ اور جب ہفتے کا دن گزر جاتا تھا تو مچھلیاں چھپ جاتی تھیں۔ اور کسی مچھلی کا نام و نشان معلوم نہیں ہوتا تھا جب اس حسرت میں بے قرار ہو گئے تو انہوں نے اس کام میں باہمی مشورہ کیا کہ کوئی شرعی حیلہ نکالنا چاہئے تا کہ ہم حرام فعل سے بھی بچ جائیں۔ اور شکار سے محروم بھی نہ رہیں ان کے عقل مندوں نے یہ حیلہ کیا کہ جمعہ کے دن کے آخری حصہ میں دریا کے کنارے پر چھوٹے چھوٹے حوض کھودتے اور ہفتہ کے دن کی ابتداء ہی میں جب مچھلیاں آنا شروع ہوتیں تو دریا سے ان حوضوں تک چھوٹی نالیاں بناتے تا کہ دریا کے پانی کے ہمراہ مچھلیاں ان حوضوں میں آئیں۔ اور جب مچھلیاں ان حوضوں میں بھر جاتیں تو ان نالیوں کو بند کر دیتے تھے تا کہ مچھلیاں واپس دریا میں نہ جائیں۔ اور جب اتوار کا دن ہوتا تو ان مچھلیوں کو حوضوں سے جال، کانٹوں اور ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اپنے گھروں کو لے جاتے اور کھاتے اور فروخت

marfat.com

Marfat.com

کرتے اور کہتے تھے کہ ہم ہفتہ کے دن مچھلی کو پانی سے باہر نہیں لاتے بلکہ پانی میں اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ پس ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار کا بوجھ ہم پر نہیں ہوتا۔ اتوار کے دن چونکہ مچھلی کا شکار جائز ہے۔ اس لئے ہم انہیں پانی سے نکال لیتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اس برے کام پر فوری طور پر گرفت نہ فرمائی وہ سمجھے کہ یہ عمل حلال ہے۔

کہتے ہیں کہ چالیس یا ستر سال تک یہ عمل ان میں رائج رہا۔ یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت اور خلافت کا زمانہ آیا۔ ان کے حالات پر مطلع ہوکر آپ نے انہیں نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تمہارا نالیوں کو بند کرنا اور حوضوں میں مچھلیوں کو روک لینا بھی شکار ہے۔ جو تم ہفتہ کے دن کرتے ہو اس کام سے فوراً باز آ جاؤ ورنہ تم سخت عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ وہ اس کام سے باز نہ آئے۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم سالہا سال اور مدتوں سے اسی حیلہ کے ساتھ شکار کرتے چلے آئے ہیں۔ اور مچھلیوں کے شکار' لوگوں کے ہاتھوں ان کا نمک لگا خشک گوشت اور کسی کو مچھلی کی ہڈیاں' دانت اور چربی کی فروخت ہم مال دار ہوتے ہیں۔ اور روزی کے اسباب میں سے ایک ذریعہ حاصل کیا ہے اسے ہم نہیں چھوڑ سکتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کی ہلاکت کی دعا اور ان پر لعنت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان سے بدلہ لیا۔ جیسا کہ فرمایا:

**فَقُلْنَا لَهُمْ** ۔ پس ہم نے انہیں فرمایا **كُونُوا قِرَدَةً** بندر ہو جاؤ۔ اور یہ کہنا بنانے اور ایجاد کرنے کیلئے ہے نہ کہ مکلف کرنے اور امتحان کیلئے۔ تاکہ فعل کا مکلف کی طاقت میں ہونا درکار ہو۔ اور ان میں ان صفات کا بنانا اور ایجاد کرنا اس طرح رونما ہوا کہ مچھلیوں کے اسی گوشت نے ان کے شکموں میں فاسد ہوکر کوڑھ کا ناپاک مادہ پیدا کر دیا۔ اور یکبارگی ان کے چہرے پر اثر ڈالا اور ان کے چہرے نے بندروں کے چہرے کی شکل اختیار کر لی اور ان کی کمروں میں جھکاؤ اور کبڑا پن ظاہر ہو گیا' چہروں کا رنگ جل گیا۔ اور ان کے اصل بال گر گئے' چہرے کی شکل بدل گئی۔ جیسا کہ کوڑھ کے غلبہ کے وقت ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان سے قوت گویائی بھی زائل ہو گئی جبکہ انسانی فہم اور شعور باقی رہا' ایک دوسرے کو دیکھتے تھے۔ اور روتے تھے۔ اور تین دن کے بعد مر گئے۔ اے کاش وہ اچھی شکل کے بندر

marfat.com

Marfat.com

بن جاتے کہ لوگ انہیں ان کی پسندیدہ حرکات کی وجہ سے پالتے اور لذیذ کھانے کھلاتے اور سونے کے ہار اور ریشمی کپڑے پہناتے اور اچھی حرکتوں والے اطفال اور بچوں کی طرح ان سے پیار کرتے لیکن وہ بندر اس حالت میں بنے کہ وہ تھے۔

خَاسِئِيْنَ ذلیل وحقیر بدن کی خلط کے بدبودار ہونے اور ان کے بدنوں سے بدبو آنے کی وجہ سے اور جو کوئی عبرت کیلئے انہیں دور سے دیکھنے کیلئے آتا لعن طعن اور ملامت کرتا اور وہ کمال حسرت سے سر ہلاتے تھے۔ اور دیکھتے تھے۔

روایات میں آیا ہے کہ اس برے عمل کے عام ہونے کے وقت شہر والے تین گروہوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے بارہ ہزار وعظ ونصیحت کے طور پر انہیں اس کام سے روکتے تھے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے اور ان بدبختوں کے محلے کے درمیان دیوار کھینچ لی تھی اور اپنے میں سے کسی کو ان کے پاس جانے نہیں دیتے تھے۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت دیتے تھے۔ اور تقریباً ستر ہزار آدمی مچھلیوں کے شکار میں گرفتار تھے۔ اور تیسرے گروہ والے نہ روکتے تھے نہ یہ کام کرتے تھے۔ خاموش تھے بلکہ نصیحت کرنے والوں کو روکتے تھے کہ تم اس تباہی کے قریب پہنچنے والوں کو بے فائدہ وعظ ونصیحت کرتے ہو۔ نصیحت کرنے والے پورے طور پر نجات پا گئے۔ اور مچھلی کا شکار کرنے والے سب مسخ ہو کر ہلاک ہو گئے۔ اور چپ رہنے والوں کے بارے میں اختلاف ہے۔

## عکرمہ کا حسن استدلال

نقل ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سورت اعراف سے اس واقعہ کو پڑھ رہے تھے۔ اور رو رہے تھے۔ اور لوگ ان کے پاس بیٹھے حیران تھے۔ اور آپ کے رونے کی وجہ سے تعجب کر رہے تھے۔ اچانک عکرمہ جو کہ آپ کے خاص شاگرد تھے دروازے میں سے داخل ہوئے۔ اور پوچھا کہ یا حضرت اس گریہ وزاری کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ میں اس واقعہ میں غور کر رہا تھا کہ مچھلی کا شکار کرنے والوں کو تو خود یہ آفت پہنچی اور جو اس برے کام سے روکنے میں مصروف ہوئے ان کے متعلق نص قرآنی سے نجات ثابت

marfat.com

Marfat.com

ہوئی۔ خاموش رہنے والوں کا حال کیا ہوگا جب بھی یہ خیال آتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہ کبیرہ کرنے والوں کے ساتھ عذاب میں شریک کر دیا ہو۔ کیونکہ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا تھا تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ اور بے اختیار رونا آتا ہے۔ کیونکہ اکثر لوگوں سے اس قسم کی خاموشی اور کوتاہی صادر ہوتی ہے۔ عکرمہ نے پوری جرأت سے کہا کہ یا حضرت خاموش رہنے والوں کا حکم نصیحت کرنے والوں کا سا ہے کہ وہ بلاشبہ نجات پا گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تو یہ دعویٰ کس دلیل کے ساتھ کرتا ہے۔ تاکہ میرے دل کو تسلی ہو۔ عکرمہ نے عرض کی کہ میں نے آپ سے کئی بار سنا ہے۔ نیز شریعت کے قوانین میں سے ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ اور فرض کفایہ میں بعض کا بجالانا سب کے بجالانے کا حکم رکھتا ہے۔ اور جب ایک جماعت نے امر بالمعروف کیا تو سب کے ذمہ سے فرض گر گیا۔ اور خاموش رہنے والوں پر مواخذہ نہ رہا اگر سب کے سب خاموش رہتے تو لازماً گناہگاروں کے شریک ہوتے۔ اور نصیحت کرنے والوں کو ان کا روکنا اس بنا پر تھا کہ امر اور نہی قبول کرنے سے ناامید ہو چکے تھے نہ کہ کوتاہی اور گناہ پر راضی ہونے کی وجہ سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ گفتگو سن کر انتہائی مسرت ہوئی۔ اور آپ نے کھڑے ہو کر عکرمہ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اسے پہلو میں لے لیا۔ اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ ہاں غلام اور کم مرتبہ لوگ علماء کرام کی صحبت کی وجہ سے دین و دنیا کی سرداری حاصل کرتے ہیں۔ اور کیا ہی خوب کہا گیا ہے۔ تیری غلامی کے داغ نے خسرو کا مرتبہ اونچا کر دیا وہ غلام ریاست کا سردار ہو جاتا ہے۔ جسے بادشاہ خرید لے۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا جو کہ ارباب معانی کے درمیان مروج ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ مخاطبین کے اصحاب سبت کے واقعہ کو جاننے کی خبر دینا ہے۔ اور شک نہیں کہ المرء اعلم بحالہ (یعنی آدمی اپنے حال کو بہتر جانتا ہے) کے مطابق مخاطبین اس واقعہ کو خود جاننے کے عالم تھے۔ پس یہ خبر دینا مخاطبین کو جتلانے کیلئے نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح مخاطبوں کے علم کے متعلق متکلم کے عالم

marfat.com

Marfat.com

ہونے کو جتلانا بھی مفید نہیں ہے۔ کیونکہ عقل مندوں میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔ پس خبر کا فائدہ جو کہ مخاطب کا حکم کو جاننا ہے۔ اور خبر کے فائدہ کو لازم جو کہ علم متکلم کے متعلق مخاطب کو جتلانا ہے اس اخبار میں دونوں مفقود ہیں۔ پس یہ خبر دینا صحیح نہ ہوگا کیونکہ دونوں فائدوں سے خالی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مخاطبین کے اس قصہ کو جاننے کو ایک چیز لازم ہے جو کہ عبرت پکڑنا اور نصیحت قبول کرنا ہے۔ اور یہاں اس لازم کو لزوم کا فائدہ دینا مراد ہے۔ پس کلام کا معنی یوں ہوا قد لزمتکم العبرۃ ووجب علیکم التحرز عن المعصیتہ حین علمتم بھذہ القصہ یعنی جب تم اس قصہ کو جانتے ہو تو تمہیں اس سے عبرت حاصل کرنا لازم تھا اور تم پر واجب تھا کہ نافرمانی سے پرہیز کرتے۔ پس مکنی عنہ پر نظر کرتے ہوئے اس اخبار سے مقصود مخاطب کو حکم کے ثبوت کا فائدہ دینا ہے جو کہ خبر کا فائدہ ہے۔ اور جس طرح صریح معنی پر نظر کرتے ہوئے اخبار میں خبر کا فائدہ مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی معنی کنائی پر نظر کرتے ہوئے بھی مقصود ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاغت سے معمور کلام میں دودھ کے بارے میں وارد ہے ان لہ دسما ۔ اور یہ دودھ پینے کے بعد کلی کے مستحب ہونے سے کنایہ ہے۔ نیز حدیث پاک میں آیا ان ابراھیم ابنی وانہ مات فی الثدی جو کہ اندوہگیں ہونے اور غمگین رہنے سے کنایہ ہے وغیرہ۔

اور اس جواب پر ایک اور سوال وارد ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ معنی کنائی کا فائدہ دینے میں تاکید قسمی جس پر لام تمہید دلالت کرتا ہے۔ اور لام اور قد کے ساتھ تاکید کی کیا حاجت ہے۔ اور ان تاکیدات بلیغہ کے ساتھ موکد جملہ وارد کرنا کیوں ضروری ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب انہوں نے عبرت حاصل نہ کی۔ اور وہ نافرمانی سے پرہیز نہیں کرتے تھے گویا انہوں نے عبرت کے لازم ہونے اور معاصی سے پرہیز کے واجب ہونے کے معنی کا انکار کر دیا اس وجہ سے انہیں منکر کے بجائے انکار پر اصرار کرنے والے قرار دے کر اور انہیں اس کے مرتبہ پر رکھ کر کلام کو ان تاکیدوں کے ساتھ پکا فرمایا۔

ہم اس بات پر آ گئے کہ معتزلہ میں سے بعض بے وقوفوں نے اس واقعی مسخ کا جو کہ تواتر

marfat.com
Marfat.com

کے ساتھ ثابت ہے انکار کیا ہے۔ اور اس آیت کے ظاہر کی تاویل کر کے مسخ معنوی مراد لیا ہے۔ یعنی دلوں اور عقلوں کا تبدیل کرنا۔ جیسا کہ دوسرے کفار کے بارے میں اس معنی کو ختم اور طبع یعنی مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ایک دوسری آیت میں واقع ہے کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعہ) اس اور ایک اور آیت میں فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (الاعراف ۱۷۶) جس طرح کہ استاد اپنے نالائق شاگرد کو کہتا ہے گدھا ہو جایا کتا۔ اور جس شبہ نے انہیں یہاں کھڑا کیا۔ اور تاویل کی پناہ لینے والا گردانا وہ یہ ہے۔ کہ مسخ حقیقی انسان کو انسانیت سے باہر لے آتا ہے۔ بہیمیت یعنی جانوروں کی سرشت تک پہنچا دیتا ہے۔ پس وہ عذاب چکھے اور سزا پانے کے قابل نہیں رہتے۔ کیونکہ عذاب چکھنے اور جزا پانے کیلئے انسانیت شرط ہے۔ جس طرح کہ مکلف ہونے کیلئے بھی شرط ہے۔ کیونکہ جزا پانا مکلف ہونے اور اس کے نتیجے پر بطور فرع لازم آتا ہے۔ اور جو اصل کی شرط ہے فرع کی بھی شرط ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہاں تین چیزیں جدا جدا ہیں۔ مسخ حقیقی مسخ صوری اور مسخ معنوی مسخ حقیقی کے باطل ہونے سے مسخ معنوی لازم نہیں آتا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی حقیقت یہ محسوس جثہ عوارض اور اس مخصوص جثہ کی صفات نہیں ہے ورنہ موٹاپے کے لاغری میں۔ جوانی کے بڑھاپے سے بدلنے اور اس کے برعکس سے حقیقت بدل جاتی۔ تو جب اس جثہ کو باطل کر کے اس کی جگہ بندر کی ترکیب پیدا کر دی گئی تو انسان کی حقیقت نہ بدلی۔ بلکہ جن اعراض پر اس انسانی جثہ کا دارومدار تھا انہیں معدوم کر دیا گیا۔ اور ان کے بجائے دوسرے اعراض جو کہ بندر کے جثہ کا مدار ہیں ایجاد کر دیئے گئے۔ پس مسخ صوری متحقق ہوا اس کے بغیر کہ روح انسانی جو کہ اس کی حقیقت ہے بدلی گئی ہو۔ اور عقل اور فہم اپنی جگہ برقرار رہے۔ تا کہ تخلیق کے بدلنے صورت کے مکروہ ہونے بولنے پر قدرت نہ رکھنے بلکہ تمام انسانی خاصیتوں کے ختم ہونے سے جو کہ اس جثہ کے ساتھ متعلق تھیں دکھ محسوس کریں۔ اور سزا اور جزا دینے کا معنی متحقق ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ مسخ معنوی میں بھی بعض انسانی صفات میں تبدیلی ضرور آتی ہو گی جیسے ذہن کی تیزی کا کند ذہنی قناعت کا حرص اور پاکیزگی کا نجاست سے بدلنا وغیرہ اور عقل کے نزدیک صفات نفسانیہ اور صفات محسوسہ کے

marfat.com
Marfat.com

بدلنے میں کوئی فرق نہیں اس کا یقین کرنا اس کا انکار کرنا معنوی مسخ کے اثر سے خالی نہیں۔

یہاں جاننا چاہئے کہ مسخ ہونے والی تمام قومیں مسخ کے بعد ہلاک ہوگئیں۔ اور ان کی کوئی نسل باقی نہ رہی۔ یہ بندر جو ہم دیکھتے ہیں ان مسخ ہونے والوں کی نسل میں سے نہیں۔ بلکہ سارے حیوانات کی طرح اصلی بندر ہیں۔ اور روایت وعقل کے اعتبار سے یہی معنی زیادہ صحیح ہے۔ اور اس کے اعتبار سے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آخر میں منکشف ہوا۔ ہاں ابتداء میں جبکہ ابھی مسخ کئے جانے والوں کی اخروی دنیوی احکام میں ملعونیت حضور علیہ السلام پر منکف نہیں ہوئی تھی مسخ کی گئی اقوام کی نسل کی بقا میں تردد فرماتے تھے۔ جیسا کہ چوہوں کے بارے میں وارد ہوا کہ وہ اونٹ کا دودھ نہیں پیتے کہیں بنی اسرائیل کا کوئی فرقہ ہو جو کہ اس صورت میں مسخ کئے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ مسخ ہونے والے تین دن سے زیادہ نہیں رہے۔ نہ کھایا۔ نہ پیا۔ اور نہ نسل چلی۔ قصہ مختصر بنی اسرائیل کو ان کے اسلاف میں گزرا ہوا۔ واقعہ یاد کرایا جا رہا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جب مچھلی کے شکار کی طمع کی وجہ سے جس کی اتنی مالیت بھی نہیں منسوخ شریعت کے احکام میں سے ایک حکم کی پیروی کو چھوڑنا اس مکمل خسارے کا موجب ہوا ہو۔ تو رشوت' نذر و نیاز اور فتوح جو کہ وہ اپنے کمینہ قسم کے لوگوں سے لیتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ اپنی سرداری اور مرتبہ کو برقرار رکھتے ہیں کے شکار کی طمع کی وجہ سے اس عظیم الشان رسول علیہ السلام کی پیروی چھوڑنا اور آپ کی اصل شریعت کا انکار کرنا جو کہ تمام گزشتہ شریعتوں کی ناسخ ہے ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ جبکہ ہم نے تمہارے اسلاف میں یہ واقعہ صرف عبرت کیلئے ظاہر فرمایا تھا۔

**فَجَعَلْنَاهَا** ۔ پس ہم نے اس واقعہ اور اس عذاب کو کر دیا **نکالاً** عبرت اور گناہوں سے روکنے کا سبب۔ جیسا کہ حقیقی نکال جو کہ زنجیر ہے جانے اور بھاگنے سے روکنے والی ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ آدمیوں کو اس قسم کے عذاب دینے سے مقصود ہوتا ہے کہ غصہ کو مدہم کرتے' غضب کی آگ کو بجھاتے اور دل کی تکلیف کو نافرمان سے بدلہ لینے کی انتظار سے

marfat.com

Marfat.com

دور کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ نہ تھا۔ کیونکہ ہماری کبریائی کی عزت کا میدان ان امور سے متاثر ہونے اور سفلی جذبات کا شکار ہونے سے منزہ اور پاک ہے۔ اور یہ عبرت اور گناہوں سے روکنا بھی عرف ہم زمانہ لوگوں کے بارے میں نہ تھا اور نہ انتقام اور عذاب کی کسی دوسری قسم پر ہم اکتفا کرتے جس کی عادت ہو جیسے وبا' قحط' غرق اور جلانے کے ساتھ ہلاک کرنا' بلکہ ہم نے عام عبرت کا قصد فرمایا۔

لَمَا بَيْنَ يَدَيْهَا ان شہروں اور بستیوں کیلئے جو کہ اس شہر کے سامنے تھے۔ اور اس وقت موجود تھے۔ اور ان گناہوں کے مرتکب ہوتے تھے وَمَا خَلْفَهَا اور ان بستیوں اور شہروں کیلئے جو کہ اس شہر کے۔ پس پشت تھے۔ اور زمانے یا مکان کے اعتبار سے غائب تھے۔ اور گناہوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ کیونکہ یہ بہت بڑا واقعہ نادر ہونے کی وجہ سے اس پر مطلع ہونے والوں کو اس کی نقل اور حکایت کرنے کا باعث ہے کہ اسے تواریخ اور عجیب واقعات میں لکھیں اور مسافروں اور تاجروں کی زبانیں دور دراز علاقوں اور شہروں میں نقل کریں۔ تا کہ عام عبرت ثابت ہو۔

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ اور متقین کیلئے نصیحت کا سبب ہو۔ جو کہ تقویٰ کی وجہ سے گناہ کے ارتکاب سے باز رہے ہیں مگر جبلت بشریہ کی وجہ سے ان کے نفس گناہوں کی طرف قدرے جھکاؤ رکھتے ہیں۔ جب بھی وہ اس واقعہ میں غور وفکر کریں تقویٰ کی حد سے باہر نہ جائیں۔ اور یہ واقعہ ان کیلئے بمنزلہ ایک واعظ کے ہو کبھی بھی اس کے خوف دلانے اور ڈرانے کی وجہ سے سیدھی راہ سے نہ پھسلیں اور نکال اور موعظۃ میں فرق اس لئے منظور ہوا کہ نکال مانع فعل ہے۔ اور موعظۃ مانع قولی اور مانع فعلی' مانع قولی سے زیادہ قوی ہے۔ گناہ کا ارتکاب کرنے والوں کو مانع قوی کے بغیر باز نہیں رکھا جا سکتا جبکہ متقین کو مانع قولی کافی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا العبد يقرع بالعصاد الحر تكفيه الملامة یعنی غلام کو ڈنڈے کے ساتھ روکا جاتا ہے جبکہ آزاد کے لئے ملامت کافی ہے۔

## قابل بیان نکتہ

یہاں ایک اور نکتہ محتاج بیان ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قردۃ غیر ذوی العقول کی جمع ہے۔

marfat.com

Marfat.com

اور غیر ذوی العقول کی صفات میں تانیث کا صیغہ آتا ہے۔ خواہ مفرد ہو یا جمع۔ پس اس قاعدے کے مطابق قردۃ خاسئات یا خاسئۃ فرمانا چاہئے تھا اور خاسئین جو کہ ذوی العقول کا صیغہ ہے کیوں ارشاد ہوا؟ اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں خاسئین قردۃ کی صفت کے طور پر واقع نہیں ہوا تا کہ اس قاعدہ کے مطابق اسے مونث لانا ضروری ہو بلکہ اس ضمیر سے حال ہے جو کہ کونوا میں ہے۔ تو معنی یہ ہے کونوا قردۃ حال کونکم خاسئین فی هذا المسخ والتبدیل یعنی بندر بن جاؤ اس حال میں کہ تم اس مسخ و تبدیل میں ذلیل ہو۔

اور اگر بنی اسرائیل یہ واقعہ سننے کے بعد کہیں کہ ہمارے اسلاف میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس قسم کی روگردانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے زمانے سے دوری کے سبب سے اور غلط فہمی کی وجہ سے ہوئی کہ شکار کے جواز کیلئے حیلہ شرعی کو دلیل واقعی سمجھ لیا۔ اور کوئی رسول علیہ السلام جن کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے یہ شبہ زائل ہو جاتا موجود نہ تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام غائبانہ طور پر انہیں کچھ لکھتے تھے۔ اور وہ کچھ اور سمجھتے تھے۔ نیز یہ واقعہ ہم میں سے تھوڑی سی جماعت کو پیش آیا تھا تو بنی اسرائیل کے سارے گروہ کو تھوڑی سی جماعت کے کام کی وجہ سے کیوں طعن و ملامت کی جائے۔ اور سارے فرقہ کو بعض پر کیوں قیاس کیا جائے ہم کہیں گے کہ احکام الٰہی سے روگردانی اور ان احکام کو رد کرنا تمہارے اسلاف سے کئی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اور ان کے زمانے میں ان کے فرمانے سے ایک مقدمہ میں واقع ہوا۔ پس اس مقدمے کو یاد کرو۔

## گائے ذبح کرنے کے واقعہ کے بیان کا آغاز

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔ اس وقت جبکہ ایک مالدار آدمی کو اس کے بھتیجے یا چچازاد نے جس کے سوا اس مالدار آدمی کا کوئی وارث نہ تھا۔ اور وہ مدت دراز تک اس کی موت کا انتظار کرتا رہا تا کہ اس کی وراثت کے مال سے اپنی غربت دور کرے۔ اور اسے خوشحالی نصیب ہو اور وہ مرتا نہ تھا' تنگدل ہو کر اس نے اسے قتل کر دیا۔ اور اسے قتل کرنے کے بعد اٹھا کر دوسرے محلے میں ڈال دیا اور صبح کے وقت فریاد کرتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور اس محلے

marfat.com
Marfat.com

والوں پر اس مقتول کے خون کا دعویٰ کر دیا۔ اور چاہا کہ اس محلے والوں سے خون بہا لے۔ جیسا کہ ہماری شریعت میں قسامت کا حکم ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس محلے والوں سے پوچھا انہوں نے صاف انکار پیش کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم قسامت جاری کرنے اور محلے والوں سے قسم لینے میں توقف فرما کر بارگاہ خداوندی میں دعا کی تا کہ حقیقت حال ظاہر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی اور حضرت موسیٰ نے اس وحی کے مضمون کو بنی اسرائیل کے سرداروں کو جمع کر کے تبلیغ فرمائی کہ

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً تحقیق اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ اور اس گائے کے گوشت کا ایک حصہ اس مقتول پر مارو جو کہ زندہ ہو جائے گا۔ اور اپنے قاتل کا نشان دے گا۔ اور اس طریقے کو اس وجہ سے اختیار فرمایا کہ اگر وحی کے ذریعے سے قاتل کا نام معین کر کے خبر دی جاتی تو یہ بے باک جماعت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹ کی تہمت لگاتے اور صریح کفر میں پڑ جاتے پھر انہیں کسی عذاب کے ساتھ آنکھیں دکھانا ضروری ہوتا۔ پس پہلے انہیں ایک معجزہ جو کہ مردہ اعضاء میں سے ایک عضو کو مارنے کی وجہ سے میت کو زندہ کرنا ہے۔ اور ان دونوں میں سببیت اور مسببیت کا تعلق کسی کے خیال میں بھی نہیں گزرتا دکھایا گیا اس کے بعد مقتول کی زبان سے جو کہ ابھی جہان غیب سے آیا ہے۔ اور دار الجزا کو دیکھ کر لوٹا ہے لازماً بات کا سچا ہو گا مقتول کا تعین کرایا گیا۔ تا کہ بالفرض اگر قاتل اس کا بھی انکار کر دے تو وہ مقتول اس سے جھگڑا اور تنازع کرے۔ اور قرائن اور آلودگی سے ثابت کرے۔ نیز چونکہ واقع میں اس مقتول کا قاتل اس کے وارث کے سوا کوئی نہ تھا اور اس مقتول کا اور کوئی وارث نہیں تھا اور قاعدہ شرعی ہے کہ وارث کے دعویٰ کے بغیر قصاص طلب کرنا درست نہیں ہوتا اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بذریعہ وحی قاتل کا تعین معلوم کر کے اس کا نام بتا دیتے تو قصاص لینا ہرگز ممکن نہ ہوتا۔

اب ہم اس بات پر آتے ہیں کہ گوشت کا ٹکڑا مار کر مردے کو زندہ کرنا بغیر سببیت اور مسببیت کے تعلق کے جب صرف اللہ تعالیٰ کا فعل تھا تو اس جانور کو ذبح کرنے کی تخصیص کیوں ہوئی؟

marfat.com
Marfat.com

## گائے کی تخصیص کی وجہ

اس کا جواب یہ ہے کہ اس واقعہ میں یہ بھی منظور تھا کہ ایک نیک شخص کے بیٹے کو جس نے اس کے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ اور اس جہاں سے کوچ کر گیا تھا۔ اور ایک گائے کے بچھڑے کے سوا اس بیٹے کیلئے میراث بھی نہیں چھوڑی تھی نمایاں نفع حاصل ہوتا کہ ساری زندگی اس نفع سے روزی کا سلسلہ پورا ہو سکے۔ نیز اس جانور کو جو کہ بیل ہے زمین' نباتات اور درختوں کو کاشتکاری اور زراعت اور آبپاشی کے ذریعے زندہ کرنے میں پورا دخل ہے۔ اور زمین آدمی کی خلقت کی اصل ہے۔ اور نباتات اور درخت اس کی غذا کی اصل ہیں۔ پس اس جانور کو زیادہ خصوصیت حاصل ہوئی۔ اور اگر زندہ بیل کے مس کرنے سے اس مردہ کو زندہ کیا جاتا تو اس غریب کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تھا جسے نفع پہنچانا منظور تھا۔ علاوہ ازیں زندہ کرنے میں مردہ کو مردہ سے مس کرنا' زندہ کو مردہ سے مس کرنے سے زیادہ عجیب ہے۔ حاصل کلام یہ کہ بنی اسرائیل نے اس صریح حکم سے روگردانی کی۔ اور کمال بے ادبی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا کہنے لگے کہ آیا آپ ہمیں مذاق کرتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اس مردہ کے قاتل کو بیان کریں۔ اور آپ کہتے ہیں کہ ایک بیل ذبح کرو۔ اس سوال و جواب میں کیا مناسبت ہے؟ ایک جاندار کو بے جان کرنے سے دوسرے بے جان کے قاتل کا کس طرح پتہ چل سکتا ہے۔ اور اس روگردانی اور اعتراض کی وجہ سے بنی اسرائیلیوں نے اپنے آباؤ اجداد کے اطوار سے بہت دوری حاصل کر لی' جس کی وجہ سے وہ ناز اور فخر کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں فرمایا کہ اپنے بیٹے کو ہمارے لئے ذبح کیجئے۔ وہ فی الفور تیار ہو گئے۔ اور جب اپنے بیٹے سے کہا تو اس نے بھی بغیر تامل اور توقف کے گردن رکھ دی اور نہ کہا کہ خواب کا مدار خیال پر ہوتا ہے۔ جبکہ انہوں نے بیل کے ذبح کرنے میں اس قدر تردد اور توقف کیا یہیں سے ان کی احکام الٰہی کی اطاعت کو قیاس کرنا چاہئے۔

marfat.com
Marfat.com

## کیا یہ گفتگو موجب کفر ہے؟

اب ہم یہاں پہنچے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی یہ گفتگو ان کے کفر کا سبب ہوئی یا نہ ہوئی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ کافر ہو گئے۔ اس لئے کہ ان سے یہ گفتگو اگر مردوں کو زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کی وجہ سے صادر ہوئی تو صریح کفر ہے۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی میں خیانت کی تہمت رکھتے تھے تو بھی کفر ہے۔ واضح یہ ہے کہ ان دونوں امور میں سے کوئی چیز بھی انہیں اس گفتگو پر ابھارنے والی نہ تھی۔ بلکہ اس جواب سے جس کی سوال سے مطابقت ان کے ذہن میں نہیں آتی تھی تعجب کے طور پر انہوں نے بطریق تشبیہ کہا کہ گویا آپ ہمارے ساتھ مذاق اور تمسخر کرتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام پر خوش طبعی اور دل لگی جائز سمجھ کر یہ بات کی ہو اگرچہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ اس سے کہیں عالی ہے کہ اس قسم کے موقع پر خوش طبعی اور مذاق کی طرف متوجہ ہوں۔ لیکن انہیں ابھی تک اس منصب کی بلندی کا علم نہیں ہوا ہو گا۔ اور اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جواب میں

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ فرمایا: میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہوں۔ اور سوال کے مطابق جواب نہ لاؤں یا آپس میں مقدمہ بازی' فیصلہ اور قصاص طلب کرنے کے وقت مذاق کروں بلکہ اگر انبیاء علیہم السلام سے اظہار مسرت اور تفریح خاطر کیلئے خوش طبعی ظاہر ہو تو تبلیغ احکام اور جھگڑے چکانے کے علاوہ دوسرے مقام پر واقع ہوتی ہے۔ جیسا کہ آخر الزمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اس قسم کی قابل تعریف خوش طبعیاں منقول ہیں۔ اور یہ جہالت اور نادانی کی جنس سے نہیں۔ کیونکہ اپنے موقع پر ہے۔ جہالت یہ ہے کہ اپنے افعال کو بے موقع ظاہر کرے۔ اور جس وقت مسرت اور تفریح خاطر مقصود ہو اس کا قصد کرتا ہے۔

قصہ مختصر جب بنی اسرائیل نے جان لیا کہ ہو سکتا ہے کہ گائے ذبح کرنے میں کوئی خاصیت ہو جس کی وجہ سے گوشت کا ٹکڑا مردے کو لگانے سے وہ مردہ زندہ ہو جائے۔ اور ہر گائے کی یہ خاصیت نہیں۔ اس لئے اس عجیب گائے کے اوصاف کی تحقیق میں دور دور تک

marfat.com
Marfat.com

گئے۔ اور حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایت کے ساتھ وارد ہوا کہ اگر بنی اسرائیل ادنیٰ گائے پکڑ کر ذبح کر دیتے تو کافی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ پر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سخت حکم فرمایا۔ اور حقیقت میں دربار خداوندی میں اس گائے کے مالک کو ایک عظیم نفع پہنچانا منظور تھا۔ اسی لئے بنی اسرائیل کے دل میں ڈالا کہ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَاهِيَ انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کریں۔ تاکہ ہمارے لئے بیان فرمائے کہ اس گائے کی حقیقت کیا ہے۔ کیونکہ اس معروف گائے کی حقیقت یہ خاصیت نہیں رکھتی اور نہ ہی وحشی گائے جسے نیل گاؤ کہتے ہیں۔ اور نہ ہی پہاڑی گائے جسے سورگاؤ کہتے ہیں۔ اور نہ ہی دریائی گائے۔ پس لازماً جس گائے کی خاصیت یہ ہے ان قسموں کے سوا کوئی دوسری حقیقت رکھتی ہے۔ اگرچہ نام میں گائے کے ساتھ شریک ہو جیسے جنگلی بیر اور باغ کا بیر کہ ہر ایک کے خواص و آثار جدا جدا ہیں اگرچہ نام میں شریک ہیں۔

اور اس تقریر سے وہ سوال دور ہو گیا جو مفسرین یہاں وارد کرتے ہیں۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لغت عرب میں لفظ ما کے ساتھ شے کی حقیقت طلب کرنے کیلئے سوال کیا جاتا ہے۔ اور تعریف حقیقت نہیں ہوتی مگر اس شے کے ذاتی اجزاء یا اس کے نوعی خواص اور لوازم کے ساتھ نہ کہ جدا ہونے والی صفات کے ساتھ۔ پس جواب سوال کے مطابق نہیں ہوتا اور اس کے باوجود یقینی طور پر معلوم ہے کہ بنی اسرائیل کے اس سوال سے غرض اس کی ماہیت نوعیہ کی طلب نہ تھی کیونکہ انہوں نے سنا تھا کہ وہ گائے ہے۔ اور نہ ہی اس کے ذاتی اجزاء کی طلب کیونکہ وہ گائے کی حقیقت کو بھی جانتے تھے۔ پس سوال صرف افراد کے متعلق تھا جبکہ غیر ذوی العقول کے افراد سے سوال لفظ ای کے ساتھ آتا ہے نہ کہ لفظ ما کے ساتھ اور اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے حقیقت نوعیہ کے بجائے حقیقت شخصیہ کو قائم کر کے ما کے ساتھ سوال کیا ہو۔ کیونکہ شخص من حیث ہو شخص بھی حقیقت نوعیہ کے علاوہ ایک حقیقت رکھتا ہے یا ماھی اس لئے کہا کہ ذوی العقول میں ان کے جزئیات وعوارض مشخصہ سے سوال لفظ من کے ساتھ آتا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں من زید، من عمر اور چونکہ یہاں غیر

marfat.com
Marfat.com

ذوی العقول کی جزئی کے متعلق سوال منظور تھا تو من کے بجائے ما لے آئے۔

اور اس سوال کو اصل سے دور کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے جب اس گائے کے عجیب خواص سنے تو انہوں نے گمان کیا کہ اس گائے کی حقیقت معروف گائیوں کی حقیقت سے جدا ہے۔ اگر چہ صورت اور نام گائے کا ہے اسی بنا پر لفظ مَاهِیَ کے ساتھ سوال کیا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس معنی کی وضاحت طلب کرنے کیلئے پھر بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔ اور اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اس گائے کا نشان دریافت کرلیا۔

قَالَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ وہ گائے معروف گائیوں سے جدا حقیقت نہیں رکھتی اور اس گائے میں یہ عجیب خاصہ کسی خاص ماہیت یا کسی صفت کے اعتبار سے نہیں ہاں اِنَّهٗ يَقُوْلُ تحقیق حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهَا تحقیق وہ گائے جو کہ علم الٰہی میں ذبح کیلئے معین ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے بعض اجزاء کو اس مردے کے جسم پر مار کر اسے زندہ کرنے کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے بَقَرَةٌ ایک گائے ہے۔ معروف گائیوں کی جنس سے اس کی حقیقت کوئی اور نہیں۔ اور اس میں صفات کمال میں سے بھی کوئی صفت جو تمہارے خیال میں اس عجیب خاصہ کا موجب موجود نہیں مگر یہ کہ عمر کے اعتبار سے اس میں ایک کمال ثابت ہے۔ کیونکہ لا فارض ولا بکر نہ پرانی عمر کی بوڑھی ہے کہ کمزوری کی وجہ سے گائیوں کے مشقت والے کاموں سے معطل رہے۔ اور نہ ہی چھوٹی عمر کی نوجوان کہ ابھی بچہ پیدا نہ ہوا ہو یا مادہ پر جست نہ کی ہو اس لئے کہ چھوٹی عمر کی وجہ سے اس کی طبیعت میں شوخی اور سرکشی ہوتی ہے۔ پس خوبی کے ساتھ کاموں میں مطیع نہیں ہوتی جس طرح کہ وہ بوڑھی اور نوجوان نہیں اسی طرح بڑھاپے اور جوانی کی طرف کوئی میلان نہ ہو بلکہ

عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ درمیانی عمر کی ہے جو کہ بڑھاپے اور جوانی کے حقیقی وسط میں واقع ہے۔

## چند جواب طلب سوالات

اور یہاں چند جواب طلب سوالات ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ بعینہٖ عوان کا مدلول ہے۔ تو عوان کے ذکر کی کیا ضرورت ہوئی پھر عَوَانٌ کا مدلول اور بَيْنَ

marfat.com
Marfat.com

ذَالِكَ کا مدلول بھی ایک ہی شے ہے۔ تو تکرار پر تکرار لازم آیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ کا مدلول یہ ہے کہ بوڑھی ہے نہ جوان اور یہ معنی اس سے زیادہ عام ہے کہ نہایت چھوٹا بچھڑا ہو۔ اور اس سے کہ درمیانی عمر کا ہو۔ پس عَــــوَانٌ کو ذکر کرنے کی ضرورت پہلے احتمال کو دور کرنے کیلئے ثابت ہوئی۔ اور جب درمیانی عمر کا ہونا بھی زیادہ عام ہے اس سے کہ دونوں عمروں کے وسط حقیقی میں واقع ہو یا پیری یا جوانی کی طرف مائل ہو تو باقی دو احتمالوں کو دور کرنے اور پہلے احتمال کو معین کرنے کیلئے لفظ بَيْنَ ذَالِكَ لانا لازم ہوا۔ پس کسی وجہ سے تکرار نہیں ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ لفظ بین کے خواص میں سے ہے کہ متعدد پر داخل ہوتا ہے۔ اور یہاں لفظ ذالک پر داخل ہوا ہے جو کہ متعدد نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بین کا مضاف الیہ اس سے عام ہے کہ تعدد لفظی ہو یا تعدد معنوی۔ یہاں تعدد معنوی ثابت ہے۔ کیونکہ لفظ ذَالِكَ دو چیزوں کا اشارہ ہے فَارِضٌ اور بِكْرٌ۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ یہ گائے دو حال سے خالی نہیں نر تھا یا مادہ اگر نر تھا تو لا بکر اس کے بارے میں کس طرح مقرر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ گائے کا نر بکر نہیں ہے۔ کیونکہ حیوانات میں بکر کا معنی عدم کے مقابلہ کے طور پر نہ جننے والا ہے۔ جبکہ جننے کی صلاحیت کا تقاضا کرتا ہے۔ اور نر میں جننے کی بالکل صلاحیت نہیں ہوتی۔ پس بکر کے ساتھ موصوف نہیں ہو سکتا۔ نیز واقعہ کی ابتداء سے لے کر انتہا تک تواتر کے ساتھ جو تانیث کی ضمیریں واقع ہیں اس کے نر ہونے سے انکار کرتی ہیں۔ اور اگر مادہ تھی تو لا بکر کی صفت اور سب ضمیریں درست واقع ہوتی ہیں۔ لیکن لَا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ اس کی تعریف نہیں بن سکتے۔ کیونکہ ہر مادہ گائے عرف و عادت کے اعتبار سے ہل جوتنے اور پانی کھینچنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اگرچہ عقلی طور پر ممکن ہو اس کا جواب یہ ہے کہ غالب گمان یہ ہے کہ وہ گائے نر تھا اور ضمائر کی تانیث لفظ بقرہ کی بناء پر ہے جو کہ تانیث لفظی کے ساتھ مونث ہے۔ اگرچہ اس میں تا وحدت کیلئے ہے نہ کہ تانیث کیلئے جیسے تمرۃ، حمامہ، عصفورۃ وغیرہ جہاں جنس اور اس کے واحد میں تا کے ساتھ فرق کیا جاتا ہے۔ اور لغت عرب کا قاعدہ ہے کہ جب مذکر کی لفظ مونث کے ساتھ

marfat.com
Marfat.com

تعبیر کرتے ہیں تو ضمائر کو مونث لاتے ہیں۔ جیسے لفظ دابۃ میں اگرچہ گھوڑا مراد لیں۔ ضمائر کو مونث کر دیتے ہیں۔ اور بکر کا معنی جو کہ نہ جننے والا ہے مونث جانوروں میں ہے۔ لیکن نر جانوروں میں اس کا معنی وہ جانور ہے جس نے ابھی مادہ پر جست نہ کی ہو۔ اور اسے باردار نہ کیا ہو۔ اور اگرچہ عرفی اور عادی اغراض کا نر حیوانات کی بکارت دریافت کرنے کے ساتھ بہت کم اور نادر تعلق ہے اہل لغت بکر کے معنی کی تحقیق کے مقام میں مادہ حیوانات کی بکارت کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

اور بعض مفسرین ضمائر کی تانیث اور اس کے بکارت سے موصوف ہونے کی دلیل کی وجہ سے اس طرف گئے ہیں کہ مادہ گائے تھے۔ اور لاذَلُولٌ وَلاَ تَسۡقِي الۡحَرۡثَ کے منطبق نہ ہونے کا جواب یہ دیتے ہیں کہ زمانوں اور شہروں کے مطابق رواج اور عادت مختلف اور جدا جدا ہوتی ہے اس وقت ان علاقوں میں مادہ گائے کا ہل جوتنے اور پانی کھینچنے میں استعمال کرنے کا رواج ہوگا۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ نشان بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ تم اس گائے کے خواص اور صفات پر نظر مت کرو بلکہ اپنی نظر کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی طرف متوجہ کرو اور جس نے اشیاء میں خواص ودیعت رکھے ہیں اسے دیکھو۔

فَافۡعَلُوۡا مَا تُؤۡمَرُوۡنَ ۔ پس بجالاؤ اسے جو تمہیں دربار خداوندی سے حکم دیا جاتا ہے۔ کیونکہ خواص اور عجائب کی ایجاد اسی کی مشیت سے وابستہ ہے جس گائے میں چاہے گا یہ عجیب خاصہ پیدا فرمادے گا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قدر نشان دینے کے باوجود بنی اسرائیل کی تسلی اور تشفی نہ ہوئی۔ اور انہوں نے پھر کھوج اور تفتیش شروع کر دی۔

قَالُوۡا انہوں نے کہا کہ جانور کا کمال جس طرح عمر کی وجہ سے ہوتا ہے رنگ اور صورت کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔ ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنۡ لَّنَا مَا لَوۡنُهَا ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کریں۔ تاکہ ہمارے لئے بیان فرمائے کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہے؟ تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ اس کے رنگ اور صورت میں بھی کوئی کمال ہے۔ جو کہ اس میں اس عجیب خاصیت کا موجب ہوا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تحقیق حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے زرد رنگ جس کی زردی صاف اور تیز ہے۔ اور یہ رنگ جانوروں کا بہترین رنگ ہے۔ اس لئے کہ اس رنگ کی وجہ سے تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ وہ گائے دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے اس لذت کی وجہ سے جو اسے دیکھنے کی وجہ سے رونما ہوتی ہے۔ اور ہر خالص زرد رنگ کی خاصیت ہے کہ لوگوں کو خوش کرنے اور غموں کو دور کرنے میں نافع ہے۔

## زرد جوتا پہننے کی فضیلت اور رنگوں کے خصائص

طبرانی' خطیب اور دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جو زرد رنگ کا جوتا پہنے جب تک وہ جوتا پہنے ہوئے ہے خوش رہے گا۔ اور تفسیروں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جس نے زرد جوتا پہنا اس کا غم قلیل ہوا اور بعض روایات میں دیکھا گیا ہے کہ جس نے زرد رنگ کے سات جوتے پے در پے پہنے ہوں اس کے غم اور فکر ختم ہو جاتے ہیں۔ قصہ مختصر پانچ رنگ یعنی سرخی' زردی' سیاہی' سفیدی اور سبزی مختلف خاصیتیں رکھتے ہیں جنہیں اہل تجربہ اور قیاس نے۔ الحمرة اجمل والصفرة اشكل والخضرة انبل والسواد اهول والبياض افضل یعنی سرخی خوبصورت ہے۔ اور زردی دیکھنے میں اچھی لگتی ہے۔ اور سبزی' بزرگی اور وقار کا سبب ہے۔ اور سیاہی ہولناک ہے۔ اور سفیدی فضیلت اور خوبی رکھتی ہے۔ اور لغت عرب میں ہر رنگ کی قوت اور صفائی بیان کرنے کیلئے کسی لفظ کے ساتھ جو تاکید کرے کہتے ہیں احمر قانی واصفر فاقع واسود حالك واخضر وارق و ناضر دابيض ناصع. پس نقوع کا معنی خاص زرد رنگ کی صفائی اور تیزی ہے۔ دوسرے رنگ میں اس کا استعمال جائز نہیں۔

گائے کے رنگ کا نشان دینے کے باوجود بنی اسرائیل نے پھر سوال کیا قَالُوْا کہا کہ اگرچہ اس گائے کا کمال عمر' رنگ اور خوبصورتی کے اعتبار سے ہم نے دریافت کر لیا لیکن یہ کمال بہت سی گائیوں میں مشترک ہے۔ ایک فرد کی ترجیح کا باعث نہیں ہو سکتا جس کی وجہ سے اس عجیب خاصیت کے پائے جانے کی علت ہمارے ذہن میں آسکے۔ پس

marfat.com

Marfat.com

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کریں۔تاکہ ہمارے لئے بیان فرماتے کہ اس گائے کی معینہ حقیقت کیا ہے جو کہ خصوصا اس میں اس خاصیت کے ایجاد کو ترجیح دینے والی ہو۔کیونکہ

اِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا تحقیق گائے کی جنس ایک دوسرے کے مشابہ ہے ہماری حس اور خیال میں اس خاصہ عجیب کی ایجاد کیلئے اس قدر تخصیصات کے باوجود ترجیح دینے والی کوئی چیز حاصل نہیں ہوئی۔وَاِنَّآ اور تحقیق جب ہم اس ترجیح دینے والی چیز کو دریافت کریں گے۔اور ہمارے ذہن نشین ہو جائے گی اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا دریافت کریں اور مطلع ہو جائیں گے۔کہ اس میں اس خاصہ عجیب کا منشا یہ ہے۔پھر ہم آپ کے فرمان کی پیروی کی راہ میں سرگرم عمل ہو جائیں گے۔اور پوری بصیرت کے ساتھ آپ کے حکم کی تعمیل کریں۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر بنی اسرائیل انشاء اللہ کا کلمہ نہ کہتے تو اس گائے کو کبھی نہ پا سکتے۔اور ان کی دلی تسلی نہ ہوتی۔اس کلمہ کی برکت سے حیرت اور تردد سے رہا ہوئے۔یہاں سے معلوم ہوا کہ اس مبارک کلمہ کی مدد لینا ہر نیک کام میں جسے حاصل کرنے کی غرض ہے مبارک اور استحباب شرعی کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔اور کیوں نہ ہو کہ یہ کلمہ خدا تعالیٰ کی ذات سے استعانت اور اپنے کاموں کو اس کی مشیت کے سپرد کرنا بھی ہے۔اور اس کی قدرت اور اس کے ارادہ کے نافذ ہونے کا اقرار واعتراف بھی ہے۔اور ان دونوں امور میں اعتقاد اور عمل کی اصلاح ہے۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تحقیق حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ مرجح جو تمہارے ذہن نشین ہو جائے۔اور اس عجیب خاصیت کی ایجاد کا موجب اس میں ہو دو چیزیں ہیں۔پہلی چیز اس گائے کا خالص اپنی عزت پر ہونا کہ اس نے کبھی بوجھ اٹھانے اور بنی آدم کے دوسرے اعمال کی ذلت کا منہ نہ دیکھا۔دوسری چیز اپنی نوع کے عیوب سے اس کا پاک ہونا کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔کیونکہ

اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تحقیق وہ ایسی گائے ہے جو کہ کسی کام میں کبھی نہ چلی اور ذلیل

marfat.com
Marfat.com

نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ تُثِيْرُ الْاَرْضَ زمین کو ہل چلانے اور بار برداری میں مضطرب کیا ہو۔
وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہے۔اور کنویں سے ڈول کھینچتی ہے
مُسَلَّمَةٌ سالم رکھی گئی ہے۔اس سے کہ آدمیوں کے ہاتھ اسے لگیں۔یا کسی کام میں اسے
ذلیل کریں یا اس کے بدن میں کاٹ کر سوراخ کر کے اور داغ لگا کر تصرف کرے۔جس طرح
کہ جانوروں میں عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ لَّا شِيَةَ فِيْهَا اس کے بدن میں مخالف رنگ کا
کوئی داغ نہیں ہے۔اس لئے کہ اگر کام میں ذلیل ہوتی تو لازماً اس کے بدن کے بعض اجزاء
کا رنگ بدل جاتا۔جیسا کہ جانوروں میں مجرب ہے۔اور وہ بدلا ہوا رنگ نظر آتا ہے۔

قَالُوا الْاٰنَ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اب اور وہ اصل میں زمانے کے غیر منقسم جز کا
نام ہے خواہ وہ غیر منقسم جز وگزشتہ زمانے میں ہو یا آئندہ فرض کر لیا جائے لیکن جب اسے
لام عہد کے ساتھ معرفہ کرتے ہیں تو اس سے وہی خاص جز و مراد لیتے ہیں جسے متکلم اور
مخاطب پہنچانتا ہے۔اور وہ نہیں ہے مگر جز و موجود اور لام عہد داخل کرنے کے بعد اس لفظ کو
مبنی ظرفوں کی طرح استعمال کرتے ہیں۔اور ہمیشہ منصوب لاتے ہیں۔جیسے کہ الیوم اور
الساعۃ میں بھی اسی قسم کا عمل کرتے ہیں۔

جِئْتَ بِالْحَقِّ آپ نے صحیح فرمایا کہ حقیقت میں اس میں اس نادر صفت کی ایجاد کا
سبب یہی ہے۔اور اب ہمارا تردد بالکل زائل ہو گیا۔اس لئے کہ تمام حیوانات اور انسانوں
میں فیضان حیات عالم غیب سے سب سے پہلے روح حیوانی پر ہوتا ہے۔اور اس روح کے
وسیلے سے زندگی کا اثر بدن کے تمام اجزاء گوشت پوست وغیرہ میں پہنچتا ہے۔اور حیوانات
کی دو قسمیں ہیں وحشی اور اہلی وحشیوں کی حیات متعدی نہیں۔بلکہ ان کی ذات کو لازم ہے
ان کی حیات سے انسان کو اثر کیسے پہنچے۔کیونکہ وہ اس سے پوری نفرت رکھتے ہیں۔اور
بھاگتے ہیں یا اسے قتل کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔پس زندگی جس کا فیض انسان کو پہنچے
اور اسے زندہ کرے نہیں ہو گی مگر اہلی جانوروں کی زندگی 'اور اہلی جانوروں سے بھی ہماری
نظر میں جس چیز نے غیبی حیات کو قبول کیا ہے 'متعارف اسباب نطفہ ڈالنے اور گائے کے جسم
کے رحم کی تربیت کے وسیلے کے بغیر ہے کہ سامری کے بچھڑے میں جبریل علیہ السلام کی

marfat.com
Marfat.com

سواری کے پاؤں کے نیچے خاک ڈالنے کی وجہ سے وہ بولنے لگا تھا تو ہمارے مردے کو کسی گائے کے جسم پر فائض زندگی کے وسیلے سے زندہ کرنا حکمت خداوندی کے مطابق ہے۔ پھر دوسری گائیاں جو کہ آدمیوں کی قیدی ہیں۔ اور آدمی ان کے جسموں میں انہیں مطیع و ذلیل کر کے اور کان کاٹ کر اور سوراخ کر کے اور داغ لگا کر تصرف کرتے ہیں۔ اور اپنے کاموں میں انہیں بھگاتے ہیں۔ اپنی خالص غیبی حیات پر نہیں رہتیں۔ اور ان کی روح حیوانی اس صفائی کی حالت اور قوت پر نہیں رہتی جس کی وجہ سے مردے کو زندہ کرنے کا واسطہ بن سکے۔ مگر ہل جوتنے اور پانی کھینچنے وغیرہ کے پردے میں اور جو غیبی حیات کی ایجاد کا بے پردہ واسطہ ہے لازماً اپنی صفائی' قوت اور خالص ہونے پر باقی رہے گا۔

نیز اس قسم کی گائے جس کا رنگ زرد' صاف' بے داغ اور آدمیوں کی خدمت کرنے سے اور ذلت سے پاک ہو۔ اور اس عزت کے ساتھ معزز ہو کہ کسی کے تابع فرمان نہ رہی۔ سامری کے بچھڑے کے ساتھ پوری مشابہت رکھتی ہے۔ جو کہ خالص سونے سے بنایا گیا تھا اور اسے پوری تعظیم اور توقیر کے ساتھ رکھا اور وہ بچھڑا ہمارے سامنے بولتا تھا اور اس سے حیات غیبیہ کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ پس حکم المثلین واحد یعنی دو ایک جیسی چیزوں کا حکم ایک ہوتا ہے کے مطابق اس قسم کی گائے میں اس اثر کی ایجاد ذہن نشین ہوگی۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

اور اگر کوئی کہے کہ انسانی حیات' انسانی حیات کے ساتھ ایک ایسی مناسبت رکھتی ہے جو کہ حیات حیوانی کی حیات انسانی سے مناسبت سے زیادہ قوی ہے۔ پس افراد انسانی میں سے بعض کو اس مردے کے جسم کے ساتھ مس کرنے کو اس خلاف عادت کام کا وسیلہ کیوں نہ فرمایا۔ ہم کہیں گے کہ اجزائے انسانی کو حیوان کے ساتھ مس کرنا اس ممسوس میں زندگی ایجاد کرنے کا وسیلہ نہیں ہو سکتا۔ مگر اس وقت جب مس کرنے والے سے زندگی جدا ہو جائے۔ اور ممسوس میں سرایت کرے۔ اور مس کرنے والے کی روح حیوانی ممسوس کے بدن کے ساتھ تعلق پکڑے۔ پس مس کرنے والے سے روح کا نکالنا ضروری ہوتا۔ اور ایک انسان کو دوسرے انسان میں گویائی پیدا کرنے کیلئے قتل کرنا اسی قبیلے سے ہوا کہ بنی قصر او ہدم مصر یعنی

marfat.com

Marfat.com

محل بنایا۔ اور شہر ڈھا دیا۔ اس لئے کہ شرعی سبب کے بغیر کسی انسان کو قتل کرنا کسی وجہ سے جائز نہیں ہے بخلاف حیوان کے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذبح کرنا ایک قسم کی عبادت ہے۔ اور جب شرعاً انسانی زندگی منتقل کرنا مشکل ہوا تو ایسے حیوان کا منتقل کرنا ضروری ہوا جو کہ عالم غیب سے زندگی قبول کرنے میں انسان کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا ہے کہ اس کے حمل کی مدت انسان کی مدت حمل کے برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا دودھ سب سے افضل ہے۔ اور حمل انسانی کی مدت کے ساتھ اس کے حمل کی مدت کا برابر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان پر روح حیوانی کی مدت فیضان میں اس پر بھی روح حیوانی فائض ہوتی ہے۔ اور اس کی جسمانی ساخت اسی مدت میں پوری ہوتی ہے۔

## اس گائے کا واقعہ جسے بنی اسرائیل نے مردے کو زندہ کرنے کیلئے ذبح کیا تھا

قصہ مختصر جب بنی اسرائیل کو اپنی سمجھ اور استعداد کی مقدار کے مطابق اس امر الٰہی میں حکمت کی وجوہ پر اطلاع ہوئی تو سرگرم عمل ہو گئے۔ اور ان صفات کے ساتھ موصوف گائے کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔ اتفاقاً جو گائے کہ ان صفات سے موصوف ہو ان علاقوں میں صرف ایک تھی اور اس کا قصہ یوں تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت نیک آدمی تھا اور اس کا چھوٹی عمر کا ایک بیٹا تھا اور زمانے کے حادثوں کی وجہ سے اس نیک آدمی کے پاس مال کی جنس میں سے گائے کے ایک بچھڑے کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس بچھڑے کو پکڑ کر اس کی گردن پر مہر لگا کر حضرت ابراہیم' اسماعیل' اسحاق اور یعقوب علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے معبود کے نام سے برکت لے کر جنگل میں چھوڑ دیا اور عرض کی بار خدایا! میں نے یہ بچھڑا تیرے پاس اپنے بیٹے کیلئے امانت رکھی ہے یہاں تک کہ میرا بیٹا بڑا ہو۔ اور یہ بچھڑا اس کے کام آئے وہ بچھڑا اس جنگل میں چرتا تھا اور درختوں کے پتوں سے پلتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے درندوں کے شر سے محفوظ رہتا تھا اور جب جنگل سے باہر آتا اور آدمیوں میں سے اسے کوئی دیکھتا اور پکڑنے کا قصد کرتا تو اس طرح بھاگتا اور چھپ جاتا کہ کسی کے ہاتھ بالکل نہیں آتا تھا جب یہ لڑکا بڑا ہوا اپنے باپ کی طرح صلاح و تقویٰ کے ساتھ پروان چڑھا۔ رات کے تین حصے کرتا تھا ایک حصہ میں اپنی والدہ کے پاس بیٹھتا۔ اور اس کی

marfat.com

Marfat.com

خدمت کرتا۔ ایک حصہ میں آرام کرتا اور ایک حصہ میں نماز پڑھتا اور جب صبح ہوتی' رسی اور کلہاڑا لے کر جنگل کی راہ لیتا۔ اور بہت سا ایندھن اکٹھا کر کے دن کے آخری حصے میں بازار میں آ کر فروخت کر دیتا اور اس ایندھن کے بھی تین حصے کرتا تھا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے نام پر دے دیتا ایک حصہ خود کھاتا اور ایک حصہ اپنی ماں کے پاس چھوڑ دیتا اور ساری عمر اسی مصروفیت میں گزاری۔ یہاں تک کہ اس کی والدہ نے اسے کہا کہ تمہارے باپ نے تمہارے لئے فلاں جنگل میں ایک بچھڑا چھوڑا تھا اور حضرت ابراہیم' اسماعیل' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے معبود نام کے ساتھ امانت کر دیا تھا۔ اب وہ بچھڑا پوری جوانی کو پہنچ چکا ہوگا۔ جوان جانوروں کی طرح شوخی نہیں رکھتا اور نہ ہی بوڑھوں کی سی کمزوری' تجھے چاہئے کہ اس جنگل سے اس بچھڑے کو لے آئے۔ اور جنگل سے لکڑیاں لانے کے کام میں استعمال کرے تاکہ ہر روز ایندھن اٹھانے کی وجہ سے تیری پشت زخمی نہ ہو جائے۔

بیٹے نے کہا کہ اس بچھڑے کی نشانی کیا ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس جنگل میں جاؤں اور کوئی اور گائے دوسرے کے مال سے پکڑ کر لے آؤں۔ اور وہ میرے لئے حلال نہ ہوگی۔ اس کی ماں نے کہا ہے کہ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کا رنگ تیز چمکدار زرد ہے۔ اگر کوئی اسے دور سے دیکھتا ہے۔ تو یوں لگتا ہے کہ آفتاب کی کرن اس کی کھال سے باہر آ رہی ہے۔ اور اسی لئے ہم نے اس کا نام سونے کا بچھڑا رکھا ہوا تھا۔ بیٹے نے کہا کہ ابھی مجھے بچھڑے کی یقینی پہچان نہیں ہوئی کہیں ایسا نہ ہو کہ اسی رنگ کی کسی اور شخص کی گائے اس جنگل میں چرتی ہو۔ اس کی ماں نے کہا کہ اس کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ گائے جب آدمی کو دیکھتی ہے۔ تو بھاگ جاتی ہے۔ اور بالکل قابو نہیں آتی جب تو اسے دور سے دیکھے تو تجھے چاہئے کہ بلند آواز سے کہے کہ اے گائے حضرت ابراہیم' اسماعیل' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے خدا کے نام کے ساتھ مطیع ہو جا۔ اور میرے پاس آ۔ بیٹا اس علامت کو دل میں رکھ کر اس جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے دیکھا اسی صفت والی گائے چر رہی ہے۔ اور بیٹے نے ماں کی تعلیم کئے ہوئے طریقے کے مطابق آواز دی۔ وہ گائے چراگاہ چھوڑ کر اس لڑکے کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ اس لڑکے کو اس کی ماں نے وصیت کی تھی کہ تو اس گائے کو

marfat.com
Marfat.com

گردن سے پکڑ کر کھینچ کر لے۔آ اور اس پر سوار نہ ہونا تا کہ وہ گائے انسانی تصرف میں نہ آئے۔اور مستعمل نہ ہو۔کہیں ایسا نہ ہو کہ آدمی کے استعمال کرنے سے اس سے برکت زائل ہو جائے۔

## ماں کی فرماں برداری کی برکت

لڑکا اسے ماں کی نصیحت کے مطابق گردن پکڑ کر کھینچ کر لا رہا تھا۔وہ گائے اذن خداوندی سے بولنے لگی اور اس نے کہا اے نیک بخت جوان مجھ پر سوار ہو جا تا کہ آسانی کے ساتھ اپنے گھر پہنچ سکے کیونکہ یہاں سے تیرے گھر تک ایک دن کی راہ ہے۔اس لڑکے نے کہا کہ میری ماں نے مجھے تجھ پر سوار ہونے کا حکم نہیں دیا ہے۔بلکہ کہا ہے کہ اس کی گردن سے کھینچ کر لے آ۔اس نے کہا تجھے آفرین اور شاباش۔میں نے تیرا امتحان لیا تھا اگر تو مجھ پر سوار ہو جاتا تو میں تجھے اپنی پشت سے گرا کر بھاگ جاتی کیونکہ میری یہ سب فرمانبرداری اسی وجہ سے ہے کہ تو اپنی ماں کے ساتھ نیکی اور اچھا سلوک کرتا ہے۔اور اس کے حکم سے آگے نہیں بڑھتا۔اسی راستے میں اس لڑکے کو ابلیس لعین ایک مسافر کی شکل میں ملا اور کہنے لگا اے جوان تو بہت نیک بخت معلوم ہوتا ہے مجھے ایک حادثہ پیش آیا ہے اس میں میری مدد فرمایا کہ اس پہاڑ کی اس طرف میرا گائیوں کا ریوڑ ہے۔اور میں وہ ریوڑ چرا رہا تھا کہ اچانک مجھے بشری حاجت ہوئی۔اور قضائے حاجت کیلئے میں اس پہاڑ میں داخل ہو گیا۔اب میرے پیٹ میں بہت درد ہے یہاں تک کہ چلنے سے عاجز ہو گیا ہوں۔اور اپنے ریوڑ تک نہیں پہنچ سکتا اگر تو مجھے حکم دے میں اس گائے پر سوار ہو جاؤں اور میں اپنے ریوڑ میں سے چنی ہوئی دو گائیں اس گائے پر سواری کی اجرت کے طور پر تیرے حوالے کر دوں گا۔پس مجھے بھی ایک نفع حاصل ہو جائے گا۔اور تجھے بھی نمایاں فائدہ ملے گا اور تیری گائے کو کسی قسم کا نقصان بھی نہیں پہنچے گا۔

اس لڑکے نے کہا کہ میری ماں نے خود مجھے اس گائے پر سواری کی اجازت نہیں دی ہے میں تجھے کرایہ کے ساتھ کس طرح اس پر سوار کروں؟ابلیس نے کہا کہ تیری ماں کو کیا عقل ہے؟تجھے چاہیے کہ تو اپنی عقل کے ساتھ اس کام کی اچھائی برائی کو تولے اور اپنے نفع کو ہاتھ

marfat.com

Marfat.com

سے نہ جانے دے اور میری نصیحت کو قبولیت کے کان سے سن کہ میں سراسر تیری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ لڑکے نے کہا کہ میں اپنی ماں کے حکم کی مخالفت بالکل نہیں کروں گا۔ شیطان نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ لڑکا عاجز آ گیا۔ اور اس نے بلند آواز کے ساتھ کہا اے ابراہیم' اسماعیل' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے خدا مجھے اس برے ساتھی سے چھڑا ابلیس نے جب یہ آواز سنی اپنے آپ کو ایک جانور کی شکل میں کر کے اڑا اور دفع ہو گیا۔ اس گائے نے اس جوان سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کچھ پتہ ہے کہ یہ کون تھا؟ یہ ابلیس تھا چاہتا تھا کہ کسی حیلے سے مجھ پر سوار ہو جائے۔ اور اس کے سوار ہونے سے برکت مجھ سے دور ہو جائے۔ پھر میں تیرے کام نہ آ سکوں۔ جب تو نے حضرت ابراہیم' اسماعیل' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے خدا کا نام لیا اور فریاد کی ایک فرشتہ اس شیطان کو دفع کرنے کیلئے حاضر ہوا اور شیطان کمال بے قراری کے ساتھ اپنے آپ کو جانور کی صورت میں ڈھال کر اڑ کر چلا گیا۔

قصہ مختصر شام کے وقت وہ جوان اس گائے کو پکڑے ہوئے اپنی ماں کے پاس پہنچا اور اسے اس عجیب ماجرا اور دو مرتبہ گائے کے بات کرنے کی خبر دی۔ اس کی ماں نے کہا کہ یہ گائے اس جنس سے نہیں ہے کہ ہم اسے بوجھ لاد کر ذلیل کریں۔ اور ہم سے اس گائے کی تعظیم کا حق پورا نہیں ہو سکے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اس گائے کو فروخت کر دے تا کہ اگر کوئی اس گائے کی خوبی کے ساتھ حفاظت نہیں کرے گا تو اس کا وبال اس کی گردن پر ہو گا۔ اور تجھے بھی ایندھن بیچنے کی تکلیف سے چند روز کیلئے فراغت مل جائے گی جب صبح ہوئی تو یہ جوان گائے کو لے کر گھر سے باہر آیا اور منڈی کی طرف روانہ ہوا اور اپنی ماں سے پوچھ کر کہ کس قیمت پر فروخت کروں اس نے کہا کہ اس گائے کی اس شہر میں اس وقت تین دینار قیمت ہے جو کہ خالص سونے کے ۱۴ ماشے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ گائے عجیب ہے اگر اس قیمت پر کوئی سودا کرے تو تجھے چاہئے کہ مجھ سے پوچھنے کی شرط کرے۔ اور ایک نہ بیچنا۔ اللہ تعالیٰ نے اس گائے کی قیمت مقرر کرنے کیلئے ایک فرشتہ بھیجا۔ جو کہ اس جوان کو راستے میں ملا اور اس نے کہا کہ اے جوان یہ گائے تو کتنے میں بیچتا ہے؟ جوان نے کہا تو کتنی قیمت دیتا ہے فرشتے نے کہا تین دینار جوان نے کہا کہ اس شرط پر کہ میری ماں راضی ہو جائے تین دینار

marfat.com
Marfat.com

میں بیچ دوں گا۔فرشتے نے کہا کہ اس شرط کو ختم کردے۔اور مجھ سے چھ دینار لے لے۔ جوان نے کہا کہ چھ دینار کے ساتھ بھی یہی شرط ہے۔فرشتے نے کہا کہ بارہ دینار لے لے۔لیکن اس شرط سے دستبردار ہوجا۔جوان نے کہا اے پیارے اگر تو اس گائے کے وزن کے مطابق مجھے خالص سونا بھی دے میں اپنی والدہ کی مرضی کے بغیر اسے نہیں بیچوں گا۔ کیوں دردسر بنتا ہے۔فرشتے نے کہا میں آدم زاد نہیں ہوں میں تیرے امتحان کیلئے آیا تھا کہ تو اپنی ماں کی کس قدر اطاعت کرتا ہے۔

اب اس گائے کو اپنے گھر لے جا اور بازار میں کسی کو نہ دکھانا۔بنی اسرائیل کو ایک واقعہ پیش آیا ہے۔اور اس کا علاج ان کے رسول حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ اس قسم کی گائے ذبح کریں۔بنی اسرائیل جستجو اور تلاش میں ہیں۔اور تیری گائے کے سوا کوئی اور گائے ان صفات کے ساتھ موصوف نہیں۔اگر بنی اسرائیل تجھ سے اس گائے کے خواہاں ہوں تو ان کے ہاتھوں ہرگز فروخت نہ کرنا یہاں تک کہ اس کی کھال میں سونا بھر کے تیرے حوالے کریں۔تاکہ ساری زندگی کیلئے روزی کمانے سے فراغت حاصل ہو۔اور لوگوں کو پتہ چل جائے کہ جو شخص اپنے بیوی بچوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرکے جاتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس طرح پرورش فرماتا ہے۔اور جو شخص اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس مال کو بابرکت اور بارآور کرتا ہے۔یہ جوان گائے کو پکڑے ہوئے گھر آیا اور تمام ماجرا اپنی ماں کے سامنے ظاہر کیا۔رفتہ رفتہ اس گائے کی خبر شہر میں مشہور ہوگئی۔اور بنی اسرائیل اسے خریدنے کیلئے اس کے گھر ہجوم کرکے آئے۔اور گائے کی قیمت بڑھانے لگے۔وہ جوان اور اس کی والدہ راضی نہیں ہوتے تھے حتیٰ کہ یوں قرار پایا کہ گائے کو ذبح کرنے اور کھال اتارنے کے بعد اس کی کھال کو سونے سے بھر کر ان کے حوالے کریں اس جوان اور اس کی ماں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ضامن لے کر گائے بنی اسرائیل کے سپرد کردی۔فَذَبَحُوْهَا ۔ پس بنی اسرائیل نے وہ گائے ذبح کی۔

### ذبح اور نحر کا مفہوم

اور ذبح گردن کے اوپر کے حصے کو کاٹنے سے عبارت ہے جو کہ ٹھوڑی کی کھال کے

marfat.com

Marfat.com

متصل ہوتا ہے۔ اور اسے حلق کہتے ہیں۔ اور بھیڑ' بکری' گائے اور بھینس میں یہی مسنون ہیں۔ اور نحر گردن کے نچلے حصے کو کاٹنے سے عبارت ہے جو کہ چیز سے متصل ہے۔ اور اسے لبہ کہتے ہیں۔ اور اونٹ میں وہی مسنون ہے۔ اور دونوں صورتوں میں حلق' مری کا کاٹنا منظور ہے۔ اور خون کی دونوں رگیں کاٹنا لازم ہے۔ لیکن اونٹ کی گردن لمبی ہوتی ہے اگر اوپر کے حصے یعنی حلق سے کاٹیں تو روح دیر سے نکلتی ہے۔ اور جانور کو تکلیف دینے کا موجب ہوتا ہے۔ کیونکہ خون کا خزانہ جو کہ روح حیوانی کی سواری ہے دل' جگر اور ان کے مضافات ہیں۔ اسی لئے اونٹ کیلئے نحر کا حکم آیا۔ اس کے باوجود اگر کوئی اونٹ کو بھی ذبح کرے جائز ہے۔ جس طرح کہ بھیڑ' بکری اور گائے کی نحر بھی جائز ہے۔ لیکن ترک ادی اور خلاف مستحب ہے۔

وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ اور بنی اسرائیل یہ کام کرنے کے قریب نہ تھے۔ کیونکہ اس گائے کی خصوصیات کی وضاحت کیلئے سوال پر سوال کئے جاتے تھے اس حد تک کہ ان کی تفتیش کا طویل رشتہ منقطع ہونے کو نہ تھا۔ نیز اس گائے کی قیمت کی گرانی کی وجہ سے اس قدر وافر سونا خرچ کرنے سے بخل کرتے تھے۔ نیز ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مقتول زندہ ہونے کے بعد کسی ایسے کا نام لے دے جس سے رسوائی ہو۔ اور اس سے قصاص لینا مشکل ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے چارونا چار یہ کام کر لیا۔

اگر بنی اسرائیل کہیں کہ ہمارے اسلاف نے اس واقعہ میں وحی الٰہی سے روگردانی نہیں کی ہے۔ بلکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قاتل کے تعین کو گائے ذبح کرنے کے ساتھ وابستہ فرمادیا اور ان دونوں امور میں کوئی مناسبت نہ تھی تو انہوں نے ازرہ تعجب اس قدر توقف کیا۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ابتداء ہی سے قاتل کا تعین فرمادیتے تو ہمارے اسلاف کبھی روگردانی نہ کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ سب غلط ہے۔ بلکہ تمہارے اسلاف شروع واقعہ سے ہی وحی الٰہی کا اقرار نہیں رکھتے تھے۔ اور اسے بعید سمجھتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس امر غیبی پر وحی کے ذریعے اطلاع واقع ہوگی ورنہ وہ ایک دوسرے پر خون کی تہمت نہ لگاتے اور قاتل خود اقرار کر لیتا۔ اور اگر تمہیں اس کا یقین نہیں تو شروع قصہ کو یاد کرو۔

marfat.com
Marfat.com

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ تم نے ایک جان کو قتل کر دیا جس کا نام عامیل تھا اور اگرچہ قتل کرنے والا تم میں سے ایک تھا لیکن چونکہ یہ قتل تمہارے درمیان واقع ہوا اور قاتل کی تحقیق سے تم باز رہے گویا تم سب قتل میں شریک ہو گئے اور کاش صرف قتل کا ایک گناہ تم سے صادر ہوتا تم نے اس پر ایک اور گناہ بڑھا دیا۔

فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا ۔ پس تم میں سے ایک آدمی دوسرے کو اس مقدمے میں ڈالتا تھا اور کہتا تھا کہ فلاں آدمی اس کام کا مرتکب ہے نہ کہ میں اور اس صیغہ ادراءتم کا اس تدارءتم ہے تا کو دال میں مدغم کر دیا۔ اور ہمزہ وصل کی ضرورت پیش آئی۔ تدارء بمعنی تَدَافع هے ۔ یعنی ایک آدمی دوسرے کو دھکیلے اور کسی کنویں یا گڑھے میں پھینک دے۔ پس یہ تدارء دوسرا گناہ ہوا کہ ایک دوسرے پر ناحق تہمت لگائی۔ اور اس بات کی دلیل ہوئی کہ تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آنے کا پورا یقین نہیں۔ اور انہیں غیب کی طرف سے قاتل کی اطلاع کو تم بعید از امکان جانتے ہو۔ (اقول وباللہ التوفیق: یہی عقیدہ خوارج زمانہ کا ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو تسلیم نہیں کرتے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ اور خدا تعالیٰ چھپے ہوئے پردے سے باہر لانے والا ہے مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ اس چیز کو جسے تم چھپاتے تھے۔ قاتل کے حال نفاق اور اپنے یقین کی کمزوری کو۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم نہ فرمایا کہ قاتل کا نام لیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم تکذیب کرو اور قاتل جھوٹی قسم کھالے کہ میں نے قتل نہیں کیا۔ پس مقدمہ پھر پردے میں رہ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ کی یہی عادت ہے کہ جب اس کے بندوں میں سے کوئی بندہ کسی چیز پر ہمیشگی کرتا ہے خواہ وہ اچھی ہو یا بری اللہ تعالیٰ اسے لوگ پر ضرور ظاہر فرما دیتا ہے۔ اور اس کا حال چھپا نہیں رہنے دیتا۔ بخلاف اس کے کہ بندے سے ایک دو بار کوئی کوتاہی واقع ہو اس پر وہ نادم ہو۔ اور اسے چھپانے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنی رحمت کے پردے میں چھپائے رکھتا ہے۔ اور پردہ دری نہیں فرماتا۔

## عمل صالح اور سر مومن کا بیان

مستدرک حاکم میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت

marfat.com

Marfat.com

آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے: **لو ان رجلا عمل عملا فی صخرة صماء لاباب لها ولاکوة خرج عمله الی الناس کائنا ما کان.** یعنی اگر کسی آدمی نے کسی چٹان میں کوئی کام کیا جس میں کوئی دروازہ ہو نہ سوراخ۔ اس کا عمل لوگوں کی طرف ضرور ظاہر ہو کر رہے گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ اور بیہقی نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کی کوئی عادت ہو اچھی یا بری اللہ تعالیٰ اس پر چادر ظاہر کر دیتا ہے۔ جس سے وہ پہچانا جاتا ہے بیہقی نے کہا کہ موقوف زیادہ صحیح ہے۔

اور ابوالشیخ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ مومن کون ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ اللہ اور رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا مومن وہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اس جہان سے نہیں لے جاتا جب تک اس کے کانوں کو اس ثنا اور صفت سے پر نہ کر دے جو اسے پسند ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ پرہیزگاری کا کام مکان میں بجا لاتا ہے جو کہ ستر مکانوں کے اندر ہو۔ اور ہر مکان پر لوہے کا دروازہ ہو اللہ تعالیٰ اسے اس کے عمل کی چادر پہنا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ لوگ اس عمل کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کے کیے ہوئے کام سے زیادہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ عمل کی مشہوری اور اظہار تو اس کے تقویٰ کا بدلہ ہوا۔ زیادہ کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: اگر متقی آدمی زیادہ طاقت پائے تو اپنے عمل کی حد سے زیادہ کام کرے۔ اللہ تعالیٰ زیادہ کی شہرت کرنے میں اس کی اس نیت کا بدلہ عطا فرماتا ہے۔

## فاجر کا بیان

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فاجر کون ہے۔ لوگوں نے عرض کی خدا اور رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا کہ فاجر وہی ہے جو اس جہان سے گزرنے سے پہلے اپنی بدگوئی کو اپنے کانوں سے سنے اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کوئی بندہ کسی مکان میں جو کہ ستر مکانوں کے اندر ہو۔ اور ہر مکان اور ایک مضبوط لوہے کا دروازہ بند ہو کوئی کام کرے اللہ

marfat.com
Marfat.com

تعالیٰ اسے اس کے عمل کی چادر پہنا دیتا ہے۔حتیٰ کہ لوگ اس عمل کا ذکر کرتے ہیں۔اور اس کے کئے ہوئے کام سے زیادہ کو اس کی طرف نسبت کرتے ہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ یہاں زیادہ کہنے کی وجہ کیا ہوگی۔فرمایا فاجر آدمی اس چیز پر مستعد ہے کہ اگر طاقت پائے تو زیادہ فسق و فجور کرے اللہ تعالیٰ اس بری نیت کا بدلہ دیتا ہے۔

## مشہور نحوی سوال

یہاں ایک مشہور نحوی سوال باقی رہ گیا۔اور وہ یہ ہے کہ مخرج اسم فاعل کا صیغہ ہے۔اور اس نے مَاكُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ میں عمل کر کے اسے مفعولیت کے ساتھ منسوب کیا ہے۔حالانکہ ماضی کے معنوں میں ہے۔کیونکہ بنی اسرائیل کی چھپائی ہوئی چیزوں کے اظہار کو خصوصاً عامیل مذکور کے مقدمہ قتل میں ہزاروں سال گزر گئے۔اور اسم فاعل کے عمل کے صحیح ہونے کیلئے معنائے مستقبل شرط ہے یہاں شرط عمل کے ثبوت کے بغیر کس طرح عامل ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی چھپائی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرنا اگرچہ خطاب کے وقت کے اعتبار سے ماضی ہے۔لیکن تدافع اور اختلاف کے اعتبار سے مستقبل ہے۔اور اسم فاعل کے عمل کے صحیح ہونے میں مستقبل کے معنی کا اعتبار خطاب کے وقت کی نسبت سے ضروری نہیں گزشتہ واقعہ کے وقت کی نسبت سے درکار ہے۔اور بس لیکن اس جواب پر ایک اور سوال متفرع ہوتا ہے کہ جملہ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ حال ہے فَادّٰرَءْتُمْ سے۔پس چاہئے کہ اس جملہ کا مضمون تدافع و اختلاف کے ساتھ ملا ہوا ہو نہ کہ اس سے مستقبل میں اور اس میں شک نہیں کہ مکتومات (یعنی مخفی امور) کا اظہار تدافع و اختلاف کے ساتھ ملا ہوا نہ تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ حال مقدرہ ہے۔اس قبیلے سے کہ جاء نی ريد مع صقر وهو صاعد به غدا مختصر کلام یہ کہ خطاب کے وقت اس چیز کی جو کہ تدارء اور تدافع کے وقت مستقبل تھی حکایت فرمائی ہے۔جیسا کہ آیت وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ میں حکایت حال فرمائی ہے۔اور احتمال ہے کہ یہ جملہ معترضہ ہو۔پس اشکال وارد ہی نہ ہو قصہ مختصر قاتل کو ظاہر کرنے کیلئے ہم نے تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا جب گائے ذبح ہوگئی۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ ۔ پس ہم نے فرمایا اس نفس مقتولہ کو مارو اور ضمیر کا مذکر لانا قتیل کے

marfat.com

Marfat.com

اعتبار سے ہے۔ اور ضمیر کے مرجع کیلئے نفس کا اعتبار نہ کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ بدن میت سے جدا شدہ نفس کو مارنا ممکن نہیں۔ پس اگر اضربوھا فرمایا جاتا تو بظاہر تکلیف مالا یطاق ہوتی۔ اور تاویل کی ضرورت ہوتی۔ بخلاف قتل کے کہ مذمت اور سزا کا مورد ہی قتل ہے جو کہ نفس پر وارد ہوتا ہے۔ اور اس کے تعلق کو بدن سے جدا کرتا ہے۔ بلکہ حقیقت میں قتل وہی ہے۔ اور بس۔

بِبَعْضِهَا اس گائے کے اعضاء میں سے بعض کے ساتھ۔ تا کہ وہ زندہ ہو جائے۔ اور اپنے قاتل کی خبر دے اور اس سے قصاص طلب کرے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ عضو کونسا عضو ہے' بعض کہتے ہیں کہ اس گائے کی زبان تھی کیونکہ مردے کو زندہ کرنے کا مقصد صرف اسے گویا کرنا تھا اور اس معنی کو زبان کے ساتھ مناسبت زیادہ ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس گائے کی ریڑھ کی ہڈی تھی اور عجب الذنب اس ہڈی کا نام ہے جس پر جانوروں کا خون اگتا ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ روز حشر تک آدمی اور جانوروں کے تمام اجزاء گر جائیں گے۔ اور پرانے ہو جائیں گے مگر یہ ہڈی جو کہ باقی رہے گی اور اسی ہڈی سے قیامت کے دن لوٹانے کیلئے تخلیق کی ترکیب شروع کریں گے۔ اور جسم کا ستون یہی ہڈی ہے۔

اور بعض نے کہا کہ اس گائے کی دائیں طرف کی ران تھی کیونکہ زیادہ تر حرکت اسی طرف سے شروع ہوتی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ دونوں کندھوں کے درمیان کا گوشت کا ٹکڑا ہو سکتا ہے۔ اور زیادہ تر روح حیوانی کا مسکن جو کہ دل اور جگر کے مضافات میں پھیلا ہوا ہے وہی ہے۔ جبکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ بعض معین نہ تھا بلکہ اس میں اختیار دیا گیا تھا کہ جس بعض کے ساتھ ماریں اللہ تعالیٰ مارنے کے ساتھ مردے کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ زندہ فرما دے گا۔ ہاں جب انہوں نے گائے ذبح کی ہوگی کسی نے زبان کو کسی نے ران کو اور کسی نے گوشت کا کوئی اور ٹکڑا مارا ہوگا۔ نقل کرنے والوں نے یہ سب کچھ نقل کر دیا۔ اور انہوں نے سمجھا کہ یہ سب امر الٰہی تھا۔

قصہ مختصر گائے کو ذبح کرنے کے بعد بنی اسرائیل نے گائے کے اعضاء کے ساتھ مارا۔ اور وہ زندہ ہو گیا۔ اور اس حالت میں کھڑا ہوا کہ اس کے حلق کی رگیں فوارے کی طرح خون

marfat.com
Marfat.com

کے ساتھ جوش مار رہی تھیں۔ اور اس نے اپنے قاتل کی خبر دی کہ مجھے فلاں نے قتل کیا ہے۔ تا کہ میرے مال کا وارث ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قاتل سے اقرار کرایا اور اقرار کے بعد قصاص تک پہنچایا۔ اور اس کے بعد شریعت کا حکم آیا کہ قاتل' مقتول کی وراثت سے محروم ہوگا اگر چہ باپ' بیٹے یا بھائی کا تعلق رکھتا ہو۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ ماورث قاتل بعد صاحب البقرہ یعنی گائے والے کے بعد کوئی قاتل وارث نہیں ہوا۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ قاتل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اقرار کرنے کا ذکر اخبار میں نہیں آیا اور مقتول کے کہنے سے قصاص نہیں لیا جا سکتا۔ اکثر فقہاء نے اس سوال کا جواب اس طرح دیا ہے کہ جب مقتول موت کے بعد زندہ ہو گیا تھا اور وہ برزخ کا حال اور عذاب اخروی کا نمونہ دیکھ کر آیا تھا اس لئے اس کا قول دو معتبر گواہوں کی جگہ بلکہ اس سے بھی زیادہ اونچا ہو گیا۔ ہاں جب تک مقتول نہیں مرا ہے۔ اور اس نے برزخ کے حال کا معائنہ نہیں کیا اس وقت تک اس کے کلام میں سچ اور جھوٹ کا احتمال ہو سکتا ہے۔ اور قاتل کے تعین میں اس کا کہنا معتبر نہیں ہوتا۔ لیکن علم کلام والوں کے قاعدے کے مطابق اس جواب میں ایک قوی خدشہ ہے۔ کیونکہ اہل کلام نے معجزات کی بحث میں یوں تقریر کی ہے کہ اگر کسی رسول علیہ السلام کی دعا سے مردہ زندہ ہو جائے۔ اور اس رسول علیہ السلام کی نبوت کی صداقت پر گواہی دے۔ یا اس رسول علیہ السلام کی تکذیب کرے معتبر نہیں ہوگی بلکہ اس رسول علیہ السلام کا معجزہ صرف مردے کو زندہ کرنا ہے۔ اس کی گواہی کو دعویٰ نبوت کی موافقت اور اس کی مخالفت میں کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ مردہ انسان ہے جب زندہ ہوا انسانی عقل' شعور' خیال اور وہم جو کہ معرفت میں غلطی کا محل ہے اسے حاصل ہوا اس کا حکم دوسرے افراد انسانی کا حکم ہے کہ ان کی گواہی کام نہیں آتی۔ اور اگر کوئی جانور یا پتھر یا درخت رسول علیہ السلام کی دعا سے بولنے لگے۔ اور دعویٰ نبوت کے سچے ہونے کی گواہی دے تو معتبر ہے۔ اور اگر تکذیب کرے تو معتبر ہے۔ اور یہ نبوت کے جھوٹے مدعی کے حق میں رسوائی ہوئی۔ جیسا کہ مسلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں کی رسوائی

marfat.com

Marfat.com

کیونکہ پتھروں اور حیوانات کا بولنا خیال اور وہم کی بناوٹ سے نہیں ہے۔ بلکہ غیبی گفتگو ہے اس میں صدق وکذب کی گنجائش نہیں۔ پس اس قاعدے کے مطابق چاہئے کہ مردے کی گفتگو زندہ ہونے کے بعد صدق وکذب کا احتمال رکھے کیونکہ کلام میں جھوٹ بولنا اور فریب دینا انسان کا شیوہ ہے۔ اور اس کا کہا ہوا قاتل کے تعین میں معتبر نہ ہو جب تک کہ قاتل کا اقرار درمیان میں نہ ہو۔

پس صحیح جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس کے بعض اعضاء کو مارنے سے مردہ زندہ ہو جائے گا۔ اور اپنے قاتل کے حال کی خبر دے گا۔ پس اس مردے کی گواہی کی سچائی خصوصیت کے ساتھ درحقیقت بارگاہ خداوندی سے ثابت ہوئی۔ لہٰذا اس مردے کے کہنے پر قصاص کا فیصلہ قاتل کے اقرار کے بغیر جائز ہوا۔ اور دوسرے مردوں کو اس مردے پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ خصوصاً اس خبر میں اس کی سچائی نص سے ثابت تھی۔ اگرچہ التزاماً ہی سہی۔ اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ یہ معجزہ ظاہر اور ہولناک حالت دیکھنے کے بعد قاتل کا اقرار ثابت نہ ہو۔ اور وہ حد امکان سے بہت زیادہ دور ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ قاتل نے بھی اقرار یا ایسی خاموشی اختیار کی ہوگی جو کہ اقرار کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔ اور صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں انصار کی ایک بچی جس نے گلے' ہاتھ اور پاؤں میں چاندی کا زیور پہن رکھا تھا کھیلنے کیلئے باہر آئی ایک لعین یہودی نے اسے ایک ویران جگہ میں قتل کر دیا۔ اور اس کا زیور اتار لیا جب اس کے وارثوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے بھاگ دوڑ کر کے بچی کو پا لیا اور ابھی اس میں کچھ جان باقی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی کو بلا کر قصاص لیا اور بعض روایات میں آیا کہ یہودی نے اقرار بھی کیا۔ پس احتمال ہے کہ جس قاتل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قصاص لیا اس نے بھی اقرار کیا ہو لیکن روایات میں اقرار کا ذکر گر گیا۔

## مسئلہ دیت اور قصاص کا بیان

اب اس مسئلہ کا حکم شریعت میں دریافت کرنا چاہئے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

marfat.com
Marfat.com

شریعت بھی اس مسئلہ میں اسی شریعت کے مطابق ہے جیسا کہ تورات مقدس نے بیان کیا ہے۔ اگر کوئی مردہ کسی جگہ پڑا ہو جس کے جسم پر قتل کا اثر اور زخم پائے جائیں۔ اور اس کے قاتل کا پتہ نہ ہو۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس محلہ والوں یا اس بستی والوں کو جہاں مقتول پڑا ہو یا قریبی بستی اگر مقتول جنگل میں پڑا ہو میں سے پچاس نیک او معتبر آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کی قسم دینی چاہئے کہ نہ ہم نے اس مقتول کو قتل کیا۔ اور نہ ہمیں اس کے قاتل کی خبر ہے۔ اگر انہوں نے قسم کھالی تو تمام محلہ والوں یا بستی والوں سے خون بہا لینا چاہئے۔ اور چھوڑ دینا چاہئے۔ اور اگر وہ قسم کھانے سے انکار کریں تو انہیں قید میں رکھنا چاہئے حتیٰ کہ قسم کھائیں یا تحقیق کر کے قاتل کا پتہ دیں۔ کیونکہ اس قدر زیادہ لوگ ایک محلہ یا ایک بستی میں سے اس واقعہ سے بے خبر نہیں ہو سکتے جو اسی محلہ یا بستی میں رونما ہوا۔

اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک تفصیل ہے اگر اس محلہ یا بستی کی ایک جماعت پر قتل کی تہمت ہو اس طرح کہ غالب گمان حکم کرتا ہے کہ انہوں نے قتل کیا ہوگا جیسا کہ وہ جو کہ ایک گھر یا جنگل میں جمع ہوئے تھے اس کے بعد منتشر ہو گئے۔ اور ایک کو قتل کر کے چھوڑ گئے یا اس محلہ یا بستی والوں کو اس مقتول کے ساتھ دشمنی تھی۔ اور اس کے ساتھ ان کی دشمنی مشہور تھی۔ پس مقتول کے وارثوں کو کہنا چاہئے کہ اس جماعت میں سے ایک شخص کا نام مقرر کر کے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ فلاں آدمی اس شخص کا قاتل ہے۔ اور ان کے قسم کھانے کے بعد اس شخص کے مال سے خون بہا دلانا چاہئے۔ اور قصاص نہیں ہے۔ اور امام مالک اور امام احمد کہتے ہیں کہ اگر جان بوجھ کر قتل کرنے کو مدعی قسم کھا کر ثابت کر دیں تو قصاص لینا چاہئے۔ اور اگر تہمت نہ ہو تو امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے طریقے پر اس محلہ یا بستی والوں سے قسمیں لے کر اور خون بہا دلا کر چھوڑ دینا چاہئے۔

قصہ مختصر اللہ تعالیٰ نے گائے کو ذبح کرنے کا حکم فرمانے' اس کے بعض اجزاء کے ساتھ میت کو مارنے' اس مردے کے زندہ ہونے اور اپنے قاتل کی خبر دینے اور پھر مردہ ہو کر گرنے کے بعد بنی اسرائیل سے فرمایا۔

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى جس طرح اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے اس

marfat.com
Marfat.com

مردے کو تمہارے سامنے زندہ فرمایا۔ اور تم نے اس کا کلام سنا اسی طرح مردوں کو زندہ فرمائے گا' صور پھونکنے کے وقت' اس صور پھونکنے یا کسی دوسرے سبب سے نہیں۔ بلکہ صرف جزا دینے' عدل قائم کرنے اور قصاص جاری کرنے کیلئے۔ کیونکہ یہاں بھی مذبوحہ گائے کے اعضاء کو بدن میت کے ساتھ مس کرنے کے سوا کوئی سبب واقع نہ ہوا اور ظاہر ہے کہ مردے کو مردے کے ساتھ مس کرنا سبب حیات نہیں ہوسکتا۔ ہاں چونکہ قاتل سے عدل اور بدلہ لینا منظور تھا اور مقتول کو اس کے بغیر تسلی وتشفی حاصل نہیں ہوتی تھی اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس سے متعلق ہوا کہ مردے کو زندہ کر کے اس کی زبان سے قاتل کا تعین اور قصاص کا دعویٰ کرائے اور اس کے عوض میں قاتل کو قتل کرنے کا حکم فرمائے۔ اور یہ معنی آخرت میں عدل قائم کرنے اور تمام حقوق کا بدلہ لینے کیلئے مردوں کو زندہ کرنے کا قوی سبب ہے۔

**وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ** اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت' حکمت اور عدالت کی نشانیاں دکھاتا ہے۔ تاکہ تم سمجھو اور سوچو۔

## چند کارآمد چیزوں کا بیان

پس ان نشانات میں سے جو کہ اس واقعہ سے روشن ہوئے چند کام آنے والی چیزیں ہیں۔ پہلی یہ کہ میت کے اعضاء کو دوسری میت کے اعضاء سے مارنا جب حیات کا سبب ہوا تو یقین سے معلوم ہوا کہ ایجاد عالم میں موثر وہی ذات مسبب ہے نہ کہ اسباب۔ دوسری چیز یہ کہ جب کوئی چاہے کہ اپنے آپ پر یا اپنے خاندان پر عالم غیب کا کوئی فیض اتارے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ذبح' قربانی اور دوسری نیکیاں اور خیرات کرے تاکہ ان کی برکت سے اس کا مطلب حاصل ہو جائے۔ تیسری چیز یہ کہ اپنی طرف سے سخت گیری اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت گیری کا موجب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی تعمیل میں فی الفور جلدی کرنا سہولت' آسانی اور قبولیت کا ذریعہ ہے۔ چوتھی چیز یہ کہ یتیموں کو اللہ تعالیٰ اپنے لطف ورحمت کا مقام بنا دیتا ہے۔ تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کے حکم کے مطابق یتیموں کے حال پر توجہ' ان کے مال کی حفاظت اور ان کی تجارت کو نفع بخش بنانا ساری مخلوق پر لازم ہے۔ پانچویں چیز یہ کہ جس نے اپنے اہل وعیال کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑا اور اپنے مال کو اللہ تعالیٰ

marfat.com

Marfat.com

کی حفاظت اور نگہبانی کے سپرد کیا اللہ تعالیٰ اسے اس طرح نفع بخشتا ہے۔ چھٹی چیز یہ کہ والدین کے ساتھ نیکی اور ان کی خدمت کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت و برکت کے نزول کا سبب ہے۔ ساتویں چیز یہ کہ وہ مال جس سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا قرب تلاش کریں۔ اور اسے خرچ کر کے ثواب جزیل چاہیں چاہئے کہ مالوں میں سے بہترین ہو۔ مرغوبات میں سے نفیس ترین اور ان میں سے سب سے زیادہ قیمتی ہو۔ جیسا کہ مذکورہ گائے تھی اور اسی لئے قربانی کے متعلق پوری تاکید آئی ہے کہ کمزور اور عیب دار نہ ہو۔

آٹھویں چیز یہ کہ بنی اسرائیل کو عبرت حاصل ہو کہ جب وہ اس سونے کے بچھڑے سے تعظیم کے ساتھ پیش آئے جو کہ سامری کا بنایا ہوا تھا اس کے بدلے اپنے رشتے داروں اور دوستوں میں سے ستر ہزار کو قتل کرنا پڑا تا کہ ان کی توبہ صحیح ہو۔ اور یہ زریں گائے جسے انہوں نے ڈھیروں سونے کے ساتھ خریدا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے ذبح کیا اس قسم کے عجیب خلاف عادت کام کے ظاہر ہونے کا سبب ہوئی کہ ایک مردہ اس کے عضو کے مس کرنے سے زندہ ہو گیا۔ تا کہ وہ جانیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف گوسالہ پرستی کا یہ وبال اور عذاب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق گائے کو ذبح کرنے اور اس کی بارگاہ کے قرب کا قصد کرنے کی یہ برکت نمایاں ہے۔ اور کیا ہی اچھا کیا گیا۔ (بیت) بے حکم شرع آب خوردن خطاست وگر خون بفتوی بریزی رواست یعنی حکم شریعت کے خلاف پانی پینا گناہ ہے۔ اور اگر فتویٰ شرعی کے ساتھ قتل کر دے تو جائز۔

## ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ عامیل کے قتل کے واقعہ کو جو کہ اس واقعہ کا سر ہے۔ گائے کے ذبح کے حکم سے پہلے کیوں نہ فرمایا گیا۔ واقعہ کا جیسے حق تھا اس کا لحاظ کیوں نہ کیا گیا؟ اس سوال کا ایک لطیف جواب بیان تفسیر میں گزرا ہے۔ سوچ لینا چاہئے لیکن جو دوسرے مفسرین نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس طرح کیا جاتا تو سارا ایک واقعہ ہو جاتا اور جو غرض تھی پوری نہ ہوتی کیونکہ یہاں اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد پہلے تو یہ ہے کہ تمہارے اسلاف نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے

marfat.com

Marfat.com

ایک حکم کی تبلیغ میں جس کی حکمت کی وجہ ان کے ناقص فہم میں نہیں آتی تھی مذاق اور تمسخر کی تہمت لگائی اور پھر انہوں نے اس امر مقدس کی تعمیل میں جلدی نہ کی بلکہ بار بار موشگافیاں شروع کر دیں اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک وحی الٰہی کی کوئی وقعت نہ تھی۔ اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمان سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور یہی گزشتہ امتوں کی سخت بیماری ہے کہ اپنے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کمزور اعتقاد رکھتے تھے۔ اور عقلی مصلحتوں کو احکام شرعیہ پر مقدم کر دیتے تھے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ تم اس قدر برے اعمال والے واقع ہوئے ہو کہ اس زمانے میں تمہارے اسلاف حرکت والی جان کو قتل کر کے ایک دوسرے پر تہمت رکھتے تھے۔ اور اس واقعہ کو چھپانے کی کوشش کرتے۔ حالانکہ وحی نازل ہو رہی تھی اور اسے عظیم اولوالعزم رسول اللہ علیہ السلام ان کے درمیان موجود تھے۔ پس اس واقعہ کو دونوں مقاصد پر ترتیب کے مطابق جدا جدا بیان کرنا ضروری ہے۔

ہاں واقعہ کو جدا جدا بیان کرنے سے ایک شبہ ہوتا تھا اور وہ یہ ہے کہ کوئی اس ایک قصے کے دو واقعات کو دو قصے سمجھ کر غلطی میں نہ پڑ جائے اس کا علاج یوں فرمایا ہے کہ بِبَعْضِهَا کی ضمیر کو بقرہ کی طرف راجع کر کے گویا قصہ کے ایک ہونے کی تصریح کر دی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کلامہ

## میراث سے محرومی کا بیان

نیز یہاں جاننا چاہئے کہ جان بوجھ کر قتل کرنے والا۔ اور غلطی سے قتل کرنے والا علماء کے اجماع کے مطابق دونوں مقتول کی وراثت سے محرومی میں برابر ہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر قاتل حق پر ہو۔ اور مقتول ناحق تو پھر بھی مقتول کی میراث سے محرومی ثابت ہے یا نہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عدل کرنے والا کسی باغی کو قتل کرے یا دفاع کرنے والا حملہ آور کو قتل کرے تو میراث سے محروم نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر چہ گناہ اور بوجھ نہیں ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے انکار کے ساتھ ان کی عبرت کے باب میں بنی اسرائیل کے ساتھ کلام کا خاتمہ ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اب فرمایا ہے کہ تمہارے حال میں سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ جو چیز دلوں کی نرمی اور نصیحت کو قبول کرنے کا سبب ہے تمہارے حق میں اس کے برعکس دلوں کی سختی اور نصیحت نہ سننے کا ذریعہ ہوئی۔ کیونکہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں کبھی کفر اختیار کرتے تھے۔ اور کبھی ایمان لاتے تھے' کبھی نافرمانی کرتے تھے۔ اور کبھی توبہ وندامت' کبھی تم سے عہد و میثاق کو توڑنا رونما ہوتا ہے۔ اور کبھی اسے قبول کرنا۔ اور اس کی تاکید وتجدید ہوتی اور کبھی تم اپنے پیغمبر علیہ السلام کو اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا کہتے اور کبھی تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی آرزو کرتے وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۔ ان مختلف حالات اور غیر مستقل طبائع میں تمہارے دل پھر کچھ نرم تھے۔ اور نیکوں کی وعظ ونصیحت کو قبول کرنے اور نصیحت وخیر خواہی کی بات سننے کے قابل تھے۔ اور تمہاری بیماری اگر چہ سخت ہو جاتی تھی۔ لیکن ہلکی بھی ہو جاتی تھی اور برائی میں مزاج کی پختگی کی حد تک نہیں پہنچی تھی۔

ثُمَّ پھر مذکورہ واقعات کے ظاہر ہونے اور پیش نظر غالب نشانات کا مشاہدہ کرنے کے بعد کہ ان میں سے ہر ایک سمجھانے اور بیدار کرنے میں ایک جامع نسخہ تھا خصوصاً قصاص ثابت کرنے اور عدل قائم کرنے کیلئے دنیا میں مردے کو زندہ کرنے کو دیکھنا جو کہ آخرت میں جزا دینے کیلئے زندہ کرنے کی واضح دلیل ہوتی تھی۔ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ تمہارے دل سخت ہو گئے۔

مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ان تمام خلاف عادت کمالات اور آیات کے بعد جو کہ دلوں کی نرمی اور مواعظ اور نصیحتوں کو قبول کرنے کا سبب تھے۔ فَهِيَ ۔ پس وہ دل سختی اور درشتی میں كَالْحِجَارَةِ پتھر کی مانند ہیں۔ نہ کہ لوہے کی طرح کیونکہ لوہے کو کسی آگ کے ساتھ نرم کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ تمہارے دل خوف دلانے' ڈرانے اور عذاب کے وعدے کے ساتھ بھی نرم نہیں ہوتے۔

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً یا وہ دل سختی اور درشتی میں پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ پس وہ اس لائق نہیں ہیں کہ انہیں پتھر کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ کیونکہ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ اور تحقیق پتھر کی جنس سے ایسے پہاڑوں کی مانند بھی ہوتے ہیں لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ کہ جن سے

marfat.com

Marfat.com

نہریں جاری ہوتی ہیں۔ جس طرح کوہ سوالک وغیرہ۔ اس طریقے سے کہ اس پہاڑ کے بعض اجزاء ہوا کے ساتھ پھر پانی کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ اور دوسری ہوا کو اپنی اطراف سے کھینچتے ہیں۔ اور اس کھینچی ہوئی ہوا کو ٹھنڈا کرنے کی اس قوت کے ساتھ جو کہ ان میں ہے اپنی طرح پانی بنا لیتے ہیں یا اس طریقے سے کہ بہت سے بخارات زمین کے اندر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور چونکہ پہاڑ کے پتھریلا ہونے کی وجہ سے زمین کا ظاہری حصہ نرم اور مسام دار نہیں ہوتا کہ اس راہ سے نکل کر چلے جائیں ناچار پوری قوت کے ساتھ سخت پتھریلے اجزاء کو دھکیلتے ہیں۔ اور اس حرکت کی وجہ سے وہ بخارات پانی ہو جاتے ہیں۔ اور پہاڑ کے اجزاء میں وسیع کھلے شگاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان شگافوں میں بہہ کر اور جاری ہو کر زمین کو چیرتے ہوئے ایک نہر بن جاتے ہیں یا اس طریقے سے کہ بعض پتھر اس روحانیت کی وجہ سے جو کہ وہ رکھتے ہیں حق تعالیٰ کے حکم کو قبول کر کے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے ان تک پہنچتا ہے ہوا کے پانی کی شکل اختیار کرنے میں وہی عمل کرتے ہیں جو کہ پہاڑ کرتا ہے۔ نہروں کے جاری ہونے کا موجب ہوتے ہیں۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کہ عصا مارنے سے اس سے چشمے جاری ہو جاتے تھے تم نے دیکھا اور سنا ہے۔

وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ اور تحقیق پتھر کی جنس سے ایسے بھی ہیں جو کہ پھٹ جاتے ہیں ان کے پیچھے سے بڑی قوت کے ساتھ جاری ہونے والے پانی کے دھکیلنے سے۔ فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ ۔ پس اس سے پانی نکل آتا ہے۔ اگرچہ چلنے میں کمزور ہو جس طرح کہ تھوڑا تھوڑا چلنے والے چشموں میں کیونکہ اس کا مادہ پتھر کے پیچھے سے آتا ہے پہاڑوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اور پہلی صورت اور اس صورت میں چند وجہ سے فرق ہے۔ جس طرح کہ تفسیر کے بیان سے معلوم ہوا سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ وہاں کئی مقامات پر کھلے شگاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور پہاڑ کے اندر کا ہوا مادہ پانی کی شکل میں بدل کر باہر آتا ہے۔ اور یہاں ایک جگہ میں لمبا شگاف جس کا عرض کم ہوتا ہے مادہ کی مدافعت کی وجہ سے پچھلی طرف سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اور مدافعت کرنے والا مادہ راہ پا کر ٹپکتا ہے۔

وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ اور تحقیق پتھر کی جنس سے وہ بھی ہے جو پہاڑ کی بلندی سے نیچے گر

marfat.com

Marfat.com

پڑتا ہے۔مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ سخت آندھی سے جو کہ قہر الٰہی کے نشانوں سے ہے۔اور اس دربار سے خوف آنے اور ڈرنے کا باعث ہے۔اور تمہارے دل نرم نہیں ہوتے چہ جائیکہ پانی ہو جائیں۔اور شق نہیں ہوتے کہ ان میں پند ونصیحت داخل ہو چہ جائیکہ وعظ ونصیحت کے اثر کو راہ دیں تا کہ اعضاء وآلات تک پہنچے اور نہ ہی اپنی نخوت' تکبر اور غرور کے مرتبہ سے حوادث اور مصیبتوں کی آندھیوں کی وجہ سے نیچے گرتے ہیں۔یہ ہے تمہارے دلوں اور تمہاری قلبی صفات کا حال۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے اس سے جو تم عمل کرتے ہو اعمال بدن سے اور اپنی ان صفات قلبیہ اور اندرونی حالات کو ان اعمال کے ساتھ مقام ظہور میں جلوہ گر کرتے ہو۔پس تمہارے دل اور اندرونی حالات بھی خراب ہے۔اور تمہارے اعمال او ظاہری حالات بھی کسی گنتی میں نہیں ہیں۔اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ ہیں پتھروں کے افعال اور آثار جو کہ مجموعی طور پر نرمی پر دلالت کرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال وافعال سے غافل نہیں ہے کہ تمام سختی کے نشان ہیں۔اور نرمی کا بالکل نشان نہیں ملتا۔

## چند تحقیق طلب باتیں

یہاں چند تحقیق طلب باتیں باقی رہ گئیں۔پہلی بات یہ کہ پتھروں کو خشیت جو کہ ڈرنے کے معنی میں ہے موصوف کیا ہے۔اور شک نہیں کہ ڈرنا زندگی اور عقل کے بغیر نہیں ہوتا جبکہ پتھر ان دونوں چیزوں سے خالی ہیں۔پس انہیں اس صفت سے موصوف کرنا کیونکر درست ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک جمادات اور حیوانات میں سے ہر ایک روح مجرد ہے جس سے آیت فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ (یٰس) میں مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ سے تعبیر کی گئی ہے۔اور وہ روح زندہ شعور رکھنے والی اور ادراک کرنے والی ہے۔اور ہر جماد اور حیوان کی صلوٰۃ اور تسبیح جو کہ کلام الٰہی سے بہت سی آیات میں معلوم ہوتی ہے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ (النور آیت ۴۱) وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (الاسراء آیت ۴۴) اسی روح کے ساتھ ہے۔لیکن اس روح کو ان کے جسموں میں تدبیر اور تصرف کرنے کا تعلق حاصل

marfat.com

Marfat.com

نہیں ہے۔اور نہ ہی روح حیوانی کے وسیلے سے اس روح کا اثر پہنچتا ہے۔ بلکہ فرشتوں کی روحوں کی طرح جو کہ اپنے جسموں میں روح حیوانی کے وسیلے کے بغیر تصرف کرتی ہیں یہ روح بھی اپنے خاص جسم پر شعاعوں کا عکس ڈالتی ہے۔اور اس وقت اس جسم سے شعور و ارادہ کے فعل رونما ہوتے ہیں۔اور یہ تعلق دائمی نہیں ہے۔تا کہ ذمہ داری' ثواب اور عذاب کی جگہ ہوں۔اور عالم آخرت میں ان ارواح کے آثار کا اپنے بدنوں میں ظہور دائمی ہوگا۔ اور اسی وجہ سے گواہی دیں گے۔اور بولیں گے۔اور جنت کی شاخیں اور پھل بہشتیوں کی آواز پر لبیک کہیں گے۔اور اس جہان میں جبکہ ارواح کا حکم غالب نہیں ہے نفس قدسیہ کی قوت کی وجہ سے وہ تعلق پرتو ڈالتا ہے۔اور پھر چھپ جاتا ہے۔اور اسی وجہ سے درختوں' پتھروں اور گونگے حیوانات نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اور انبیاء علیہم السلام کے فرمان پر گفتگو' گواہی کی ادائیگی اور ان کے احکام کی تعمیل کی ہے۔اور اس میں سے قدر متواتر انبیاء علیہم السلام سے منقول اور مروی ہے۔

## پتھروں کا ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کلام کرنے کا بیان

ان میں سے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ ثبیر پر تشریف فرما تھے۔اور کافر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں تھے۔ پہاڑ نے عرض کی یا رسول اللہ یہاں سے اتر جائیے کہیں ایسا نہ ہو کہ میری پشت پر سے آپ کو پکڑ لیں اور مجھے شرمندگی ہو۔اور صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہوا کہ آپ نے فرمایا میں مکہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو کہ بعثت سے پہلے مجھ پر سلام کہتا تھا اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے بھی مکہ کے پتھروں کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پڑھنا صحیح ہوا (اقول وباللہ التوفیق: ان بے نصیبوں کیلئے لمحہ فکریہ جو کہ انسان بلکہ مسلمان بلکہ اس کے علاوہ مبلغ محدث مفسر اور جانے کیا کیا کہلاتے ہیں۔لیکن انہیں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پڑھنا نصیب نہیں۔ پتھر قبل بعثت سلام پڑھتا ہے مگر انہیں بعثت شریفہ پر ہزاروں برس گزرنے کے باوجود اس سے محرومی ہے۔پتھر کو وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کا خطاب بھی نہیں مگر وہ پھر بھی سلام پڑھتا ہے۔اور ان ایمان کا دعویٰ کرنے

marfat.com

Marfat.com

والوں کو وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کا خطاب ہے۔ لیکن انہیں پھر بھی عمل کی توفیق نہیں۔ نیز سلام کہنے کو حضور علیہ السلام نے وجہ تعارف قرار دیا۔ حالانکہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ کے مطابق پتھر تسبیح بھی پڑھتے ہیں۔ پتہ چلا کہ بارگاہ رسالت مآب روحی وقلبی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تعارف کا اصل ذریعہ سلام پڑھنا ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احد پہاڑ کو دیکھا تو فرمایا هذا جبل يحبنا ونحبه یعنی یہ پہاڑ ہے ہم سے محبت کرتا ہے۔ اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روایت سے آیا کہ حضور علیہ السلام ایک بیل کا واقعہ بیان فرما رہے تھے کہ اسے ایک شخص لے جا رہا تھا اس کے دل میں خیال آیا وہ اس پر سوار ہو گیا۔ بیل نے کہا کہ حق تعالیٰ نے ہمیں سواری کیلئے نہیں کھیتی باڑی کرنے کیلئے پیدا فرمایا ہے۔

اسی طرح بھیڑیے کا باتیں کرنا بھی حدیث شریف میں وارد ہے۔ اور صحیحین میں موجود ہے۔ اور اسی طرح صحیحین میں کئی روایات سے آیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کوہ حرا پر تشریف فرما تھے اس کی چٹانیں زلزلے کی طرح ہلنے لگیں۔ حضور علیہ السلام نے چٹان کو ٹھوکر ماری اور فرمایا با ادب رہ اس لئے کہ تیری پشت نہیں ہے مگر رسول علیہ السلام، صدیق اور دو شہید رضی اللہ عنہم اور صرف آپ کے فرمانے سے ہی پہاڑ ساکن ہو گیا۔ اور استن خانہ کا حضور علیہ السلام کی جدائی کی وجہ سے آواز کرنا اس قدر مشہور ہے کہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اور اس ستون کا رونا اور اس کا چپ ہونا جب اسے حضور علیہ السلام نے بغل میں لے لیا صریح طور پر اس کے شعور اور زندگی پر دلالت کرتا ہے۔ اور آیت لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر آیت ۲۱) اس باب میں سب سے زیادہ صریح آیت اور تاویل سے بہت دور ہے اس کے علاوہ اور بھی واضح ظاہر دلائل ہیں۔

دوسری بات یہ کہ اگر اس آیت سے مراد سنگدل کافروں اور فاجروں پر طعن کرنا ہے اس

marfat.com
Marfat.com

طرح کہ پتھر اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتے ہیں۔ اور اس سے ڈرتے ہیں۔ جبکہ تم اس کے احکام کو بجانہیں لاتے ہو۔ اور اس سے ڈرتے نہیں ہو تو یہ واضح نہیں۔ کیونکہ جبلی الہامات اور طبعی تقاضوں سے نہ انسان انکار کرتا ہے نہ حجر و شجر۔ شرعی اوامر و نواہی اور ان کی ذمہ داری قبول کرنا پتھروں اور درختوں سے کب ثابت ہوا تاکہ اس کی وجہ سے الزام دیا جاسکے۔ اور اسے قبول کرنے کی وجہ سے انہیں پتھر سے زیادہ سخت کیا جاسکے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جبلی الہامات کو قبول کرنا اگرچہ پتھروں اور سنگدل فاجروں کے درمیان مشترک ہے۔ لیکن پتھروں کے کمال اور ان کے تعمیل کرنے میں صرف اتنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ ان کی پیدائش ایک بے حس و حرکت کی پیدائش ہے۔ اور سنگدل فاجروں کا ان محرکات اور الہامات کو قبول کرنا ایک جو کے برابر نہیں۔ کیونکہ انسان کا کمال ایک فرشتہ کے الہام کی موافقت اور احکام تکلیفیہ کو قبول کرنا ہے جو کہ رسول علیہم السلام اور ان کے وارثوں کے ذریعے پہنچتے ہیں۔ پس جمادات اپنے کمال کی حد کو پہنچتے ہیں۔ اور اس الہام کی اطاعت کرتے ہیں جو ان کے لائق ہے۔ اور سنگدل فجار اپنے کمال کی حد کو نہیں پہنچتے اور اس الہام کی اطاعت نہیں کرتے جو کہ ان کے لائق ہے۔ پس سختی اور درشتی میں پتھر سے زیادہ سخت ہوئے۔ اور یہ اس بات کے مشابہ ہے کہ کہیں کہ اس سال موسم گرما موسم سرما سے زیادہ گرم ہے۔ یعنی موسم گرما کی گرمی شدت اور کمال میں موسم سرما کی سردی سے زیادہ ہے جو کہ اس نام والے کا تقاضا ہے۔

تیسری بات یہ ہے سنگدل کافروں کے دلوں اور پتھروں کے درمیان فرق بیان کرنے کے مقام میں پتھروں کی تین اقسام یاد فرمائیں۔ حالانکہ ایک قسم کا ذکر کرنا بھی اس مقصد کیلئے کافی تھا اس طول دینے کی کیا وجہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پتھر کی تین قسموں کے ذکر کرنے میں سلوک کی معرفت کا اشارہ ہے۔

## قلوب کے چار مرتبوں کا بیان

کیونکہ اہل سلوک کے نزدیک قلوب کے چار مرتبے ہیں۔ پہلے وہ دل جو کہ نور الہٰی میں مستغرق اور نابود ہو۔ اور ایک علم کے سمندر میں فانی اور اس دل سے معرفت کی نہریں جوش مارتی ہیں۔ اور طالبان رشد و فیض کے دلوں کی حیات کا باعث ہوتی ہیں۔ اور یہ قلب

marfat.com
Marfat.com

اہل اللہ اور سابقین کے دلوں میں سے ہے۔

دوسرا قلب وہ ہے جو کہ علم کے دریا سے سیر ہو کر مخلوق کو نفع پہنچانے کا باعث ہوا اور یہ قلب علمائے راسخین کے قلوب میں سے ہے۔

تیسرا قلب وہ ہے جو کہ جھکنے' تسلیم کرنے اور اطاعت کرنے کے ساتھ موصوف ہے۔ اور یہ قلب زاہدوں' عابدوں اور پرستش کرنے والوں کے قلوب میں سے ہے۔ اور پتھر کا ادنیٰ حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہبوط اختیار کرے یعنی طبعی حکم کی فرمانبرداری کرنا جسے حق تعالیٰ نے اس پر حاکم کیا ہے۔ اور وہ استقامت کے ساتھ مرکز کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور جب وہ اس حد سے ترقی کرتا ہے۔ تو پانی کو راہ دیتا ہے۔ اور اس کے جوہر کے تکاثف کی لطافت کی وجہ سے اس میں تنگ مسام پیدا ہو جاتے ہیں کہ اس راہ سے پانی کا ٹپکنا ممکن ہو جاتا ہے پھر جب اس حد سے بھی ترقی کرتا ہے۔ تو احاطہ کرنے اور ہوا کو پانی میں بدلنے کی اس میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نہروں کے نکلنے کی جگہ بن جاتا ہے۔

چوتھا قلب اثر قبول نہ کرنے والا جو کہ کمال سرکشی اور تکبر کی وجہ سے خوف اور ڈر کے بغیر یا نرمی اور ملائمت کے ساتھ کسی علم کے فیض کو قبول کرنے سے موصوف نہیں ہوتا اور اپنے آپ کو اطاعت میں نہیں دیتا اور یہ قلب کافروں اور فاجروں کے قلوب میں سے ہے۔ اور جواہر محسوس اور سخت اشیاء میں سے کوئی چیز اس دل کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہدایت اور علم عطا فرمایا ہے ایک زبردست بارش کی مانند ہے جو کہ کسی زمین پر برستی ہے۔ پس اس زمین میں سے ایک قطعہ پاک اور نرم تھا۔ پانی کو جذب کیا۔ اور بہت گھاس اور ایندھن پیدا ہوا اور اس کی وجہ سے عام نفع متحقق ہوا اور دوسرا قطعہ سخت تھا اور پست۔ پانی کو اپنے میں جمع کیا۔ اور سنبھال رکھا اس سے بھی لوگوں کو ایک مالی منفعت ملی کہ پانی پیا اور اپنی کھیتیوں کو پانی دیا اور اپنے مویشیوں کو سیر کیا۔ اور ایک اور قطعہ تھا شور اور ناہموار نہ تو پانی جذب کیا ہے۔ اور نہ پانی اس میں جمع ہو کر باقی رہتا ہے۔ تا کہ کسی کے کام آئے یا ایندھن اور گھاس اگائے اور بھی ہے مثال اس کی جس نے ہدایت قبول کی۔ اور خود بھی علم حاصل کیا۔ اور دوسروں کو بھی پڑھایا اور مثال اس کی جس

marfat.com
Marfat.com

نے ادھر توجہ ہی نہیں کی۔ اور کسی قسم کا فائدہ نہ لیا۔

اور بعض مفسرین نے اس طرف گئے ہیں کہ پتھر کی یہ تینوں قسمیں ان احکام الٰہیہ کا اشارہ ہیں۔ جنہوں نے غیب کے حکم کے ساتھ پتھروں میں ظہور کیا ہے۔ پس وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ اس پتھر کی طرف اشارہ ہے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی ضرب سے جاری ہونے والی نہروں کے نکلنے کی جگہ اور بارہ چشموں کا منبع بن جاتا تھا اور وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ اس پتھر کی طرف اشارہ ہے۔ جسے سیل عرم کی روک بنایا گیا تھا اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھٹ گیا۔ اور اس نے سیلاب کے پانی کو راستہ دیا اور ملک سبا کو خراب کیا وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ سنگ سجیل کا اشارہ ہے جو کہ آسمانی فضا سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے گرا اور لوط علیہ السلام کی قوم کو زیروزبر کر دیا۔

چوتھی بات یہ کہ او کا کلمہ شک کیلئے ہے۔ اور عَلَّامُ الْغُيُوْبِ کے کلام میں شک کی کیا گنجائش ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کلمہ او شک کیلئے نہیں۔ بلکہ تخییر یعنی اختیار دینے کیلئے ہے۔ یعنی ان کا حال سننے والا اس بات میں اختیار دیا گیا ہے کہ ان کی اصل قساوت پر نظر کرتے ہوئے ان کے دلوں کو پتھر کے ساتھ تشبیہ دے یا ان کی قساوت کے مرتبہ میں لوٹ کر انہیں پتھر کی قساوت سے بالاتر جانتے ہوئے یہ تشبیہ چھوڑ دے اور کلام کو ترجیح اور تفضیل میں لے آئے۔

اور اگر کہیں کہ تخییر انشاءات میں ہوئی ہے اخبار میں نہیں۔ ہم کہیں گے کہ ہر انشاء کیلئے ایک ضمنی خبر لازم ہے۔ جس طرح ہر خبر کو ایک انشاء بھی لاحق ہے کبھی بلغاء مقام کے تقاضا کی وجہ سے اس لازم ضمنی پر نظر کرتے ہیں۔ اور اس اعتبار کی رعایت کرتے ہیں جو کہ اس حال کے لائق ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اَشَدُّ قَسْوَةً کیوں فرمایا۔ حالانکہ اسم تفضیل کا صیغہ ممکن تھا اور اقسیٰ کہا جا سکتا تھا لفظ اشد اکثر ازید اور ان جیسے الفاظ کے ساتھ وہاں مدد لیتے ہیں جہاں افعل التفضیل کا صیغہ ممکن نہ ہو جیسے رنگ اور عیوب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ سختی پر اقسیٰ کی دلالت اجمالی ہے۔ جبکہ اَشَدُّ قَسْوَةً کی دلالت تفصیلی ہے۔ یہاں تعبیر کی ممکنہ صورتوں

marfat.com
Marfat.com

میں سے سب سے زیادہ واضح صورت کے ساتھ ان کی حال کی قباحت بیان کرنے کیلئے دلالت تفصیلی منظور ہوئی۔ نیز اقسی قسوۃ کے مدلول میں ایک دقیق فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اقسی' قسوت کی افراط پر دلالت کرتا ہے خواہ کیفیت کے اعتبار سے خواہ کمیت کے اعتبار سے جبکہ اشد خاص افراط کیفیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسی کا فائدہ یہاں منظور تھا۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جہاں کسی فعل کی افراط کیت کا فائدہ دینا منظور ہوا کثر اور ازید کہنا چاہئے۔ اور جہاں افراط کیفیت کا فائدہ دینا پیش نظر ہو اشد اور اقوی کہنا چاہئے۔ اور افعل التفصیل ان دونوں سے زیادہ عام ہے۔ افراط کیفی اور کمی کا احتمال رکھتا ہے اس کے استعمال کا مقام وہ جگہ ہے جہاں ابہام منظور ہو نہ کہ دونوں حیثیتوں میں سے ایک کی تصریح

چھٹی بات یہ ہے کہ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهَارُ الخ ظاہری طور پر سخت قلوب کی حالت کا بیان ہے۔ کیونکہ پتھر سے مشابہ وہی دل ہیں نہ کہ نرم دل۔ ہاں وہ کفار جن سے گفتگو اور خطاب ہے سختی کے مرتبوں میں اعلیٰ اور انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اور تمام سخت دلوں سے ترقی کر گئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان کے دلوں کی تشبیہ پتھروں کے ساتھ موزوں نہیں۔ پس ان تینوں صفات کو قلوب قاسیہ میں تصور کرنا چاہئے نہ کہ قلوب صافیہ میں۔ جیسا کہ اہل سلوک سے نقل کرتے ہوئے پہلے گزرا اس کا جواب یہ ہے کہ قلوب کے درجے سختی کے اعتبار سے بھی مختلف ہے۔ ان میں سے بعض انہار کا منبع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ان لوگوں کے دل ہیں۔ جنہوں نے مدتیں اور زمانے لذتوں اور خواہشات کی ترک میں گزارے ہیں۔ اور اس ترک کی وجہ سے ان پر روح کے انوار نے غلبہ کیا۔ اور ان کرامات سے مشابہہ بعض خلاف عادت کام صادر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہندوستان کے راہب اور ان میں سے بعض علوم غیبیہ کے پانی کو راہ دیتے ہیں۔ اور ان علوم کی گزرگاہ واقع ہوتے ہیں۔ اور وہ ان لوگوں کے قلوب ہیں۔ جنہوں نے بعض بشری حجاب چیر کر روح ملکوت کے عالم کا ایک عکس حاصل کیا ہے۔ اور بعض آیات الٰہی اور معقولہ معانی ان پر ظاہر ہوئے۔ جیسا کہ اشراقی حکماء کیلئے۔ اور ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت سے متصف ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ان لوگوں کے قلوب ہیں جو حجابات سے ماوراء کی ارواح میں

marfat.com
Marfat.com

سے بعض کے قریب ہونے کی وجہ سے اس عالم کی کیفیتوں میں سے ایک کیفیت کے بطریق عکس عالم ہو کر اس کیفیت سے لبریز ہو کر خوف اور خشیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور یہ درجے مسلمانوں اور کافروں میں مشترک ہیں۔ لیکن عالم غیب کی طرف توجہ اور ریاضات' عبادات اور وجہ روح کا تصفیہ ضروری ہے۔ اسی لئے ہر دین کے اور ہر مشرب کے فاسق لوگ ان امور سے بالکل محروم ہیں۔ کیونکہ غفلت اور غرور والے ہیں۔ اور اس طرف ان کی بالکل توجہ نہیں ہے۔

فرق یہ ہے کہ یہ مراتب مسلمانوں میں نور ایمان کے ساتھ موید ہو کر قبولیت' ترقی درجات اور ملاء اعلیٰ میں پسندیدہ ہونے کا سبب ہوتے ہیں۔ اور کفار میں نور ایمان سے موید نہیں ہوتے۔ اور قبولیت اور ملاء اعلیٰ کی رضامندی کا باعث نہیں ہوتے۔ ہاں جو اہل اسلام سے مخصوص ہے وہ مقام شریعت میں پختہ قدم ہوتا۔ ملاء اعلیٰ کی خوشنودی اور اس عالم کے انوار کے فیضان کو حاصل کرنا ہے نہ کہ تصفیہ لذتوں کی ترک اور تعلقات سے جدا ہو کر انوار روحیہ کا فیضان حاصل کرنا۔ اور کیا ہی اچھا کیا گیا۔ بیت۔ صفا با خبث باطن نیز گاہے جمع میگردد' برد بالوعہ راچوں در دبنشیند تماشہ کن' یعنی خبث باطن کے ساتھ کبھی صفائی جمع ہو جاتی ہے جب میل کچیل بیٹھ جائے تو گندے پانی کے چو بچہ کو دیکھا۔

قصہ مختصر جب بنی اسرائیل کی ملامت سے ان کے اسلاف کے حالات یاد دلا کر جو کہ دم بدم تعدی اور تکبر میں بڑھتے تھے۔ اور جس قدر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور حضور نبی پاک علیہ السلام کے معجزات دیکھتے تھے اسی قدر ناشکری' تہمت اور احکام شرعیہ پر ان کی بے اعتمادی زیادہ ہوتی تھی فراغت ہوئی اب مسلمانوں سے خطاب فرمایا۔

ءَ - اے مسلمانو! تم ان کی سنگدلی کو جانتے ہو کہ جس قدر ان پر زیادہ دلائل قائم کئے جاتے تھے وہ کفر و انکار میں بہت دور چلے جاتے تھے پھر کیا تم چاہتے ہو کہ وعظ و نصیحت کے ساتھ انہیں راہ راست پر لے آؤ۔

فَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ . پس تم طمع کرتے ہو اس پر کہ ان کے بقیہ لوگ جو کہ تمہارے زمانے میں ہیں تمہارے دلائل اور تمہاری وعظ و نصیحت کی وجہ سے ایمان لے

marfat.com
Marfat.com

آ ئیں گے۔ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ حالانکہ ان کا زمانہ گزشتہ میں ایک گروہ تھا جبکہ ابھی تمہارے پیغمبر علیہ السلام مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ اور ان لوگوں کی سرداری کے خواہاں نہیں ہوئے تھے۔ اور المعاصرة اصل المنافرہ کے مطابق تمہارے رسول علیہ السلام کی طرف سے نفرت کی کوئی وجہ رونما نہیں ہوئی تھی اور ظاہری علم والوں کو مناظرہ کے وقت جو بات پالنے اور جانب داری کرنے کا تعصب لاحق ہوتا ہے ابھی ان لوگوں کو لاحق نہیں ہوا تھا اور ان ساری چیزوں کے باوجود۔

يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی کلام سنتے تھے تورات میں جو کہ تمہارے رسول علیہ السلام کی صداقت' تمہارے دین کی دوستی اور تمہارے بے شمار فضائل و کمالات پر دلالت کرتی تھی۔ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهٗ پھر اس کلام کو بدل دیتے تھے کبھی لفظ بدل کر۔ جیسا کہ ابیض جو کہ تمہارے رسول علیہ السلام کے صورت کے بیان میں تھا کی بجائے آدم کر دیا۔ اور ربعہ مائلا الی الطول کی بجائے طوالا لکھ دیا۔ اور کبھی فاسد تاویل کے ساتھ بدلا۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام کی امت کے فضائل اور بزرگی کو اور ان کی نیکی اور اچھے اطوار کو جو کہ تورات اور زبور میں بیان ہوئے ہیں دنیوی امور کے انتظام' ان کی تدبیر کے تقدیر کے ساتھ موافق ہونے' قبضے' غلبے اور ظاہری خوش نصیبی پر محمول کیا۔

مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ اس کے بعد کہ انہوں نے اس کلام کے لفظ اور معنی کو سمجھ لیا تھا۔ کیونکہ اگر انہیں اس کلام کے لفظ سننے میں شبہ پڑتا اور ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ سمجھتے یا اس کے معنی میں غلطی ہوتی کہ اس لفظ سے ایسا معنی لیتے جو کہ مراد نہیں تھا تو البتہ معذور ہوتے لیکن وہ سمجھ تول کر دوسرا لفظ لائے جو کہ تورات کے لفظ کے ساتھ بالکل مشتبہ نہ تھا یا انہوں نے دوسرا معنی گھڑ لیا جس پر لفظ بالکل دلالت نہیں کرتا تھا۔

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اور وہ تحریف کے وقت بھی جانتے تھے کہ یہ لفظ تورات کے لفظ کا غیر ہے یا یہ معنی بالکل اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے۔ پس وہ اس تحریف میں کسی طرح معذور نہ تھے۔ کیونکہ تحریف کلام میں انہیں دو وجہوں کے ساتھ عذر ہو سکتا تھا یا کلام سننے کے وقت لفظ اور معنی اچھی طرح سمجھ نہ آئیں یا اس کلام کو نقل کرتے وقت لفظ اور معنی اس کے ذہن سے

marfat.com
Marfat.com

نکل جائے انہیں ان دو عذروں میں سے ایک بھی نہ تھا۔ پس وہ اسی مثال کی جگہ بن گئے جو کسی شخص نے لکھنے والے کی مذمت میں کہی ہے **یسمع غیر مایقال له ویفهم غیر مایسمع ویکتب غیر ما یفهم ویقرء غیر مایکتب ویترجم غیر مایقرء** جو اسے کہا جاتا ہے اس کے خلاف سنتا ہے' جو سنتا ہے اس کے خلاف سمجھتا ہے' جو سمجھتا ہے اس کے خلاف لکھتا ہے' جو لکھتا ہے اس کے خلاف پڑھتا ہے' جو پڑھتا ہے اس کے خلاف ترجمہ کرتا ہے۔ اور احتمال ہے کہ جب اسی طرح ہوگا۔ اور وہ جانتے تھے کہ کلام الٰہی کی تحریف میں وہ اللہ تعالیٰ کے کسی قسم کے شدید غضب کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور برے کام کو برا جاننا اور پھر اس کا مرتکب ہونا اس سے زیادہ برا ہے کہ برا نہ جانے اور مرتکب ہو۔ اور روایات میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام احکام تورات کی تصدیق کیلئے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو جو کہ ستر افراد تھے اپنے ہمراہ لے گئے انہوں نے بغیر واسطہ کے اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کو سنا پھر اپنے لشکر اور قوم میں آئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم نے کلام کے آخر میں یہ بھی سنا تھا کہ **ان استطعتم ان تفعلوا هذه الاشياء فافعلوا وان لم تفعلوا فلا باس** یعنی اگر تم یہ کام کر سکو تو کرو اور اگر نہ کرو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ پس ان الفاظ کو اپنی طرف سے بڑھا دیا اور جو کلام سنی تھی اسے ایجاب سے تخییر میں بدل دیا۔ اور آیت میں مذکور فریق سے مراد وہی گروہ ہے۔

حاصل کلام یہ کہ تمہیں ان لوگوں سے جو کہ تمہارے زمانے میں ہیں۔ اور ہم عصر ہونے کی وجہ سے تم سے کمال نفرت کرتے ہیں۔ اور اپنے اسلاف کی تقلید میں حد درجہ سرگرم عمل ہیں کیا توقع ہے کہ تمہاری وعظ و نصیحت پر ایمان لے آئیں گے۔ اور اگر دل میں آئے کہ یہ کام ان کے اسلاف سے وقوع پذیر ہوا۔ ہمارے ہم عصر اس جنس سے نہیں ہیں۔ کیونکہ ہمارے سامنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں بلکہ اپنی زبان سے اپنے اسلاف کی تحریف کا اظہار کرتے ہیں۔ پس انہیں اس اظہار میں سچا مت جانو اور ان کے ایمان پر یقین کرو کیونکہ وہ چھپانے میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ اور ان میں سے جو شخص ایمان یا اسلاف کی تحریف کا اظہار کرتا ہے اسے تنہائی میں شدید ملامت کرتے ہیں۔ اور اس بات کا گواہ یہ ہے

marfat.com
Marfat.com

کہ ان کی ایک جماعت۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا اور جب وہ ایمان والوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں تمہارے دین پر اور دل میں اس دین کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن ظاہری طور پر اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ نہیں سکتے کیونکہ ہم اپنے قریبیوں اور بزرگوں سے ڈرتے ہیں۔ اور اسی بنا پر ظاہر میں تورات کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔

وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ اور جب خلوت کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض جو کہ اس رسول علیہ السلام کی نعت اور اس دین کی صحت کو چھپانے والے ہیں۔ بعض دوسروں کے پاس جا کر جن کی زبان سے کبھی کبھی اپنے اسلاف کی تحریف کا اظہار' اس رسول علیہ السلام کی نعت اور اس کے دین کا صحیح ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اور مجلس میں مسلمانوں میں سے کوئی نہیں ہوتا۔ قَالُوْٓا چھپانے والے ظاہر کرنے والوں کو کہتے ہیں اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ کیا تم مسلمانوں سے باتیں کرتے ہو۔

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ ایسی جو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر لی ہیں اپنے علم سے تورات' زبور اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کے صحائف میں۔ اور وہ اس رسول علیہ السلام کی تعظیم' اس کی رسالت کی صداقت' اس کی شرافت وجلالت' اس کی امت کے فضائل اور اس پختہ وعدے اور عہد پر دلالت کرتی ہیں جو کہ تم سے اس کے احکام قبول کرنے اور اس کے دین کی مدد کرنے پر لیا گیا ہے۔

لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ انجام کار یہ ہوگا کہ یہ مسلمان دلیل اور سند کے ساتھ تمہارا مقابلہ کریں۔ اور تمہیں ہلکا اور ملزم گردانیں عِنْدَ رَبِّكُمْ تمہارے پروردگار کے نزدیک جو کہ ہر کسی سے دلیل اور سند طلب فرمائے گا یعنی کیا تم انہیں اپنی طرف سے اپنے خلاف دلیل کی تلقین کرتے ہو۔ فلا تعقلون۔ پس نہیں سمجھتے ہو کہ اس کام کا انجام کیا ہے۔ اور تمہاری ان سرسری باتوں سے پختہ سند ہو جائے گی۔

یہاں جاننا چاہئے کہ اکثر مفسرین نے عِنْدَ رَبِّكُمْ کے معنی بہت تردد کیا ہے۔ اور

marfat.com
Marfat.com

سے فائدہ تاویلیں کی ہیں۔ اس بنا پر کہ اگر انہیں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں قیامت کے دن رسوائی کا خوف اس کلام کا باعث تھا تو اس کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام حجتوں، دلیلوں اور سندوں کو جانتا ہے۔ اظہار کو ترک کرنے یہ خوف کس طرح دور ہوتا ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ انکار سے انہیں منظور یہ تھا کہ اگر ہم خود بھی اپنی زبان سے اقرار کریں کہ یہ رسول اور یہ دین برحق ہے۔ تو قیامت کے دن رب العالمین کی بارگاہ میں اگلوں پچھلوں کے سامنے بہت ذلت اور رسوائی کا باعث ہوگا۔ اور جب تک کہ ہم نے خود اقرار نہیں کیا ہے صرف حاکم کا ان حجتوں اور دلائل کو جاننا اتنی ذلت اور رسوائی کا باعث نہیں ہے۔ جس طرح کہ دنیوی مقدمات اور جھگڑوں میں بھی یہ بات تجربہ میں آئی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زبان سے کسی کے حق کا اقرار کرے یا سند لکھ کر دے دے اور پھر حاکم کے سامنے انکار کرے تو بہت رسوا ہوتا ہے۔ اور اگر حاکم خود اس حق کو جانتا ہے یا دوسرے گواہوں کی زبان سے حق ثابت ہوتا ہے۔ تو انکار کرنے والے کیلئے اتنی رسوائی کا مقام نہیں بنتا اور جو لوگ اس فرق سے غافل ہیں کبھی عِنْدَ رَبِّكُمْ کو فِیْ كِتَابِ رَبِّكُمْ کے معنی ڈھالتے ہیں کبھی بمعنی فِیْ حُكْمِ رَبِّكُمْ اور کبھی بمعنی بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ کرتے ہیں۔ یہ تمام معید تاویلات اور نادرست احتمالات ہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور ان تاویلات کے بعید ہونے کا گواہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام پر انکار کے مقام میں انکار فرماتا ہے کہ

کیا تم گمان کرتے ہو کہ اگر وہ لوگ ان چیزوں کو چھپائیں گے تو تمہارے لئے ان پر کوئی حجت نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کو انہیں پکڑنے کیلئے کوئی سند نہیں ملے گی وَلَا يَعْلَمُوْنَ اور وہ نہیں جانتے اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ کہ تحقیق اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس چیز کو جسے وہ چھپاتے ہیں۔ اور اس چیز کا اعلان کرتے ہیں۔ پس اسے حق پہنچتا ہے کہ ان کی تمام حجتوں کو خود مسلمانوں پر ظاہر کر دے کہ تمہاری فلاں فلاں سند اس کی فلاں فلاں کتاب میں موجود ہے اس سند سے تم انہیں ملزم گردانو۔ نیز اللہ تعالیٰ پر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔ پس ان کے پوشیدہ انکار کو بھی جو کہ وہ غیروں سے خلوت کے وقت میں ظاہر کرنے والوں پر کرتے ہیں تم پر ظاہر فرما دیا حتیٰ کہ ایک عام سند تمہارے ہاتھ آ گئی۔ کیونکہ جب

marfat.com

Marfat.com

تک کہ انہوں نے خلوت میں انکار نہیں کیا تھا صرف ظاہر کرنے والوں کی زبان سے اظہار واقع ہوا تھا۔ پس اس انکار میں ان کی اپنی زبان سے بھی اظہار واقع ہو گیا۔ پس سب اظہار کر کے پھر گئے اور مسلمانوں کیلئے بات کرنے کی جگہ بن گئی کہ تم سب نے اقرار کیا تم میں سے ایک گروہ نے ہمارے سامنے اور تمہارے دوسرے گروہ نے خلوت میں۔ پس ان کا یہ کام مزید ذلت اور رسوائی کا باعث ہوا۔ پس اس انکار میں ان کی مثال اسی بے وقوف کی سی ہے کہ خر من المطر وقف تحت المیزاب جو کہ بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ یہ ہے حال ان کے علماء کا جو کہ اپنے گمان میں کتاب جاننے اور عقل مندی میں بڑا مضبوط قدم رکھتے ہیں۔ جبکہ حد درجہ کند ذہن ہونے کی وجہ سے سمجھتے نہیں کہ جب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ تو اظہار و اخفاء یکساں ہے۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں اصلاً لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ اور جیسا کہ ماں کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں اسی طرح ہیں۔ اسی لئے انہیں ماں کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔ اور امی کہا جاتا ہے گویا کہ وہ صرف ماں کے بیٹے ہیں باپ نہیں رکھتے ورنہ وہ ان کی پرورش کرتے اور لکھنا پڑھنا سکھاتے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ کتاب کو نہیں جانتے نہ اس کے لفظ کو پہچانتے ہیں۔ اور نہ اس کے معنی کو سمجھتے ہیں۔ اور اس سب کے باوجود وہ اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہیں إِلَّا أَمَانِيَّ سوائے چند آرزوؤں کے جو کہ انہوں نے کتاب کی تحریف کرنے والوں سے سن رکھی ہیں۔ اور انہیں اپنی خواہش دل کے مطابق پا کر دل نشیں کر رکھا ہے۔ اور اپنے گمان میں ان آرزوؤں کو مضمون کتاب کا خلاصہ سمجھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے کتاب کا نچوڑ حاصل کر لیا ہے ان آرزوؤں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی اور مخلوق ہونے کا تعلق جو سب لوگ رکھتے ہیں ہمیں ایک دوسرا تعلق حاصل ہے کہ ہم محبوب اور اس کے منہ بولے بیٹے ہیں۔ پس ہم سے جو گناہ بھی سرزد ہو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کثرت محبت کی وجہ سے درگزر فرماتا ہے۔ دوسری آرزو یہ کہ ہمارے آباؤ اجداد بلند مرتبہ رسول ہو گزرے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا مرتبہ حاصل کر چکے کہ اس کی مرضی کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ بالفرض اگر

marfat.com

Marfat.com

ہمیں گناہوں کا مواخذہ ہوگا بھی تو ہمارے آباؤ اجداد کوشش کر کے چھڑا لیں گے۔ تیسری آرزو یہ کہ یہودی فرقہ کو اگر چہ وہ سب کفار سے بڑا کافر ہو سات روز یا چالیس روز کے سوا عذاب نہیں ہوگا۔ چوتھی آرزو یہ ہے کہ یہود کی شریعت قیامت تک واجب العمل ہے۔ اور منسوخ ہونے والی نہیں۔ پانچویں آرزو یہ ہے کہ نبوت اور رسالت کی استعداد صرف بنی اسرائیل کے خاندان میں ہے۔ کسی دوسرے میں اس کام کی ہرگز لیاقت نہیں۔ جس طرح عوام اور جاہلوں کو اپنے ملک کی سلطنت کے قدیم خاندانوں کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ عَلٰی هٰذَا الْقِیَاس اس قسم کی بہت سی جھوٹی باتوں کے محکم تقلید کے ساتھ معتقد ہیں۔ لیکن اس اعتقاد تقلیدی کے ساتھ جو کہ انہوں نے اپنے علمائے سوء سے حاصل کیا ہے کفر سے چھٹکارا نہیں پاتے ہیں۔ اور معذور نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے علماء جھوٹ بولنے والے ہیں جب دنیوی معاملات میں ان کی کذب بیانی اور رسوت ستانی کا تجربہ رکھتے ہیں تو انہیں اپنے علماء کے کہے پر یقین حاصل نہیں ہے کہ معذور رہوں۔

وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ اور نہیں ہیں وہ مگر گمان کرتے ہیں۔ اور ان کا عقیدہ نہیں پہنچتا مگر حد گمان غالب تک کہ اصول دین میں اس کا اعتبار نہیں۔ پس ان کے علماء اور ان کے جہلاء دونوں گمراہی اور جھوٹ میں برابر ہیں۔ کیونکہ عالم پر فرض ہے کہ اپنے علم کے مطابق عمل کرے۔ اور جھوٹ بولنے اور کتاب میں تحریف کرنے سے پرہیز کرے۔ اور عام آدمی پر فرض ہے کہ پیچھے لگنے اور گمان کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ یقین حاصل کرنے کا قصد کرے ہاں فرق یہ ہے کہ جاہلوں کا عذاب ان عالموں کے عذاب کو نہیں پہنچتا جنہوں نے انہیں گمراہ کیا کیونکہ جاہلوں کا عذاب صرف گمراہی پر ہے۔ جبکہ ان عالموں کا عذاب گمراہی اور گمراہ کرنے پر ہے۔

فَوَیْلٌ۔ پس بہت بدحالی ہے لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ان برے عالموں کیلئے جو کہ تحریف کی ہوئی کتاب کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں یہ دیکھتے جانتے ہوئے کہ یہ ہمارے ہاتھ کا عمل ہے۔ اور اَیْدِیْهِمْ کا لفظ زیادہ کرنا ان کے فعل کی قباحت کی زیادتی کو بیان کرنے کیلئے ہے۔ کیونکہ اگر کتاب کے محرف نسخے سے جو کہ ان کے زمانے سے پہلے کسی نے تحریف کر کے لکھا تھا نادانی اور معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نقل کرتے تو اس قدر

marfat.com

Marfat.com

سزا کے مستحق نہ ہوتے۔ وہ خود اپنے ہاتھوں سے کلام محرف کو کتاب میں لکھتے تھے۔

ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا پھر کہتے ہیں کہ یہ ہمارا لکھا ہوا ہی نازل شدہ ہے مِنْ عِنْدِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے۔ پس دو وجہ سے گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے۔ پہلی وجہ یہ کہ کلام محرف کو کتاب میں لکھتے ہیں جس کا صرف لکھنا گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ اگر وہ لکھا ہوا اگر کسی کے ہاتھ آ جائے تو وہ اس سب کو اللہ کا کلام خیال کرے گا۔ اور گمراہ ہوگا اگرچہ انہوں نے نہ کہا ہو کہ یہ کلام خدا ہے۔ اور اسی وجہ سے مسئلہ یہ ہے کہ تفسیر ترجمہ آیات کی گنتی اور سورتوں کے نزول کے مقام کو اور وقف ربع نصف عشر اور خمس کی علامت کو قرآن کے خط میں اس طرح لکھنا کہ امتیاز ظاہر نہ ہو حرام ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لکھنے کے بعد اس محرف کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ جو کہ صراحتاً خدا تعالیٰ پر بہتان ہے۔ پھر وہ اس لکھت پڑھت میں ایک اور وجہ سے گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ یہ سب بے ایمانی نہیں کرتے مگر

لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اس لئے تا کہ اس کہنے اور لکھنے کی وجہ سے تھوڑی سی قیمت خریدیں کیونکہ انہیں اس تحریف سے اپنے رئیسوں اور دنیاداروں کی دل جوئی منظور ہوئی تھی یا جاہلوں سے رشوت لینا کہ ان کے مطلب کے مطابق کتاب سے روایات لکھ کر دیتے تھے۔ اور یہ کمال بدبختی ہے کہ حقیر فانی نفع کو ہمیشہ رہنے والے اجر عظیم کے عوض حاصل کرتے تھے۔

## کتاب اللہ کی تحریف کرنے والوں، بے دین چودھریوں، بے ایمان سرداروں اور شرابیوں کے عذاب کا بیان

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ پس سخت بُرا حال ہے ان کا اس وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھ کر چھوڑا ہے۔ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ اور سخت بُرا حال ہے ان کا اس وجہ سے جو اس لکھنے اور کہنے کی وجہ سے کماتے ہیں کہ دنیوی رشوت ہے اور تھوڑی اور فانی۔

☆☆☆☆☆

marfat.com

Marfat.com

# چند تحقیق طلب باتیں

## کلمہ ویل اور اس کی اُخوات کا بیان

باقی رہ گئیں یہاں چند تحقیق طلب باتیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ لغتِ عرب میں وَیْلٌ ایک ایسا کلمہ ہے۔ جو کہ مصیبت زدہ پر بولتے ہیں۔ اور اس کے بُرے انجام پر دلالت کرتا ہے۔ گویا یہ کلمہ کہنے والے کو یوں منظور ہوتا ہے کہ مصیبت زدہ اس مصیبت سے خلاصی نہ پائے۔ اور اس سے زیادہ گرفتار ہو۔ اور ویح اور ویس بھی اسی طرح مصیبت زدہ پر استعمال کرتے ہیں۔ لیکن منظور رحم کھانا اور اس مصیبت زدہ کی اس مصیبت سے خلاصی چاہنا ہوتا ہے۔ اور ویب وَیْلٌ کے ہم معنی ہے اس کا استعمال بھی بدخواہی کے مقام پر ہے۔ ابونعیم کتاب دلائل النبوۃ میں امیر المومنین حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں الویح والویل بابان ناما الویح فباب رحمة واما الویل فباب عذاب یعنی ویح اور ویل دو دروازے ہیں۔ ویح رحمت کا اور ویل عذاب کا دروازہ ہے۔ اور ابراہیم عربی نے اپنے فوائد میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ مصروف گفتگو تھے کہ مجھے ویحك فرمایا' میں بہت بے چین اور تنگ دل ہوئی۔ فرمایا اے کھُل ویحك اور ویسك رحمت ہے اس سے تنگ دل مت ہو۔ لیکن ویل تنگ دل ہو بہر حال یہ کلمہ جو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کفار اور فجار کے بعض فرقوں کے حق میں وارد ہوا ہے قیامت کے دن اس وعید کا پورا کرنا مختلف رنگوں میں ظاہر ہوگا۔

## محرّنین کتاب اللہ۔ بے دین چودھریوں' بے ایمان سرداروں اور شرابیوں کے عذاب کا بیان

یہود اور کتاب تحریف کرنے والوں کے حق میں عذاب آگ کے ایک پہاڑ کی شکل

marfat.com

Marfat.com

میں نمودار ہو کر ان پر گرے گا اور پاش پاش کرے گا جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی تحریف کے ساتھ پاش پاش کیا اور آپس سے جدا کر دیا۔ اور دوسرے متکبر کافروں کے حق میں ایک غار کی شکل میں نمودار ہو گا۔ اور اس کافر کو تکبر اور بلند پروازی کے عوض اس کی تہہ میں ڈالیں گے۔ اور بے دین چودھریوں کے حق میں جو کہ اپنے فرقہ پر ظلم وستم کرتے تھے ایک پتھر کی شکل میں ظاہر ہو گا۔ اور انہیں اس پتھر پر چڑھنے اور اُترنے کی سزا دی جائے گی جس کی سوزش شدید ہو گی۔ اور دوسرے فاسقوں خصوصاً شراب پینے والوں کے حق میں ایک جاری نہر کی شکل میں ہو گا جس میں دوزخیوں کی بدبودار پیپ جاری ہو گی۔ اور انہیں اس کے پینے کی سزا دی جائے گی۔

امام احمد اور ترمذی صفت النار کے باب ہیں۔ ابویعلیٰ' طبرانی' ابن حبان اپنی صحیح میں۔ حاکم مستدرک میں۔ اور بیہقی کتاب البعث میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ویل جہنم میں ایک کنوئیں کا نام ہے۔ جس میں کفار کو ڈالیں گے۔ اور چالیس (۴۰) سال تک اس میں چلتے جائیں گے۔ اور رسی اس کی تک نہ پہنچیں گے۔

اور ابن جریر نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے **فویل لھم مما کتبت ایدیھم** کی تفسیر میں نقل کیا کہ ویل ایک آگ کا پہاڑ ہے۔ اور یہ وہی پہاڑ ہے۔ جو کہ یہود پر گرے گا۔ کیونکہ اُنہوں نے تورات کی تحریف کی ہے۔ اور کلامِ الٰہی میں کمی بیشی کی ہے۔ اور بزار اور ابن مردویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوزخ میں ایک بہت بڑا آتشیں پتھر ہے' اسے ویل کہتے ہیں۔ بے دین چودھریوں اور بے ایمان سرداروں کو اس پتھر پر چڑھائیں' اُتاریں گے۔ اور طبرانی اور بیہقی نے کتاب البعث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور ابن ابی حاتم نے نعمان بن بشیر سے روایت کی ہے کہ ویل دوزخ میں بہنے والی ایک ندی کا نام ہے۔ جس میں دوزخیوں کی پیپ جاری ہے۔ اور صحیحین کی حدیث میں وارد ہے کہ جو شراب نوشی میں توبہ کیے بغیر مر جائے' اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اسے دوزخیوں کے

marfat.com
Marfat.com

جسموں کا نچوڑ پلائے۔ اور عبداللہ بن مبارک نے کتاب الزہد میں اور بیہقی نے کتاب البعث میں عطاء بن یسار سے روایت کی ہے کہ ویل دوزخ کی ایک ندی کا نام ہے کہ اگر دنیا کے پہاڑوں کو اس میں پھینکیں اس کی گرمی کی شدت سے پگھل کر پانی بن جائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب اس کلام میں امیین کے عذاب سے محرفین کے عذاب کی زیادتی بیان کرنا منظور ہے۔ تو چاہیے تھا کہ زیادتی کی ساری وجہیں جو کہ تین ذکر کی گئی ہیں' ذکر فرمائی جاتیں' دو وجہوں کے بیان پر کیوں اکتفا فرمایا؟ مِمَّا کَتَبَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمِمَّا یَكۡسِبُوۡنَ۔ اور وَیَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ کو کیوں گرایا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کتاب میں کلامِ محرف لکھنا صرف اسی لیے تھا کہ جاہلوں کے پاس کہیں هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ اور اس بدبخت گروہ کا اس منحوس حرکت سے مقصود یہی ناپاک گفتگو تھی۔ اور جو کچھ صرف لکھنے پر کہنے کے بغیر ہی مرتب ہوتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہوا کہ کسی دوسرے کو دھوکہ لگ جائے۔ ان کے خیال میں نہ تھا۔ اور نہ اس کا قصد رکھتے تھے۔ اور نہ ابھی مرتب ہوا تھا۔ اور نہ قطعی طور پر واقع ہونے والا تھا اس بناء پر اس لکھنے اور کہنے کو ایک گناہ اعتبار کیا اور اس کی تعبیر اس کے پہلے جزو کے ساتھ جو کہ لکھنا ہے' اختیار کی گئی کیونکہ انہوں نے جب یہ کہنے کے لیے لکھا تھا گویا کہنے سے فارغ ہو گئے۔ پس اس لکھنے کے ذکر نے کہنے کے ذکر کی حاجت نہ چھوڑی۔

تیسری بات یہ ہے کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا کہ وَیۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا کَسَبُوۡا فرمایا جاتا۔ اور اگر اس حال کی قباحت کو ذہن میں حاضر کرنے کی غرض سے ماضی کی حکایت لیے مضارع کو ماضی کی جگہ لائے تو دونوں جگہ یہی مناسب تھا۔ کہنا چاہیے تھا وَیۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا یَكۡتُبُوۡنَ بِاَیۡدِیۡهِمۡ وَوَیۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا یَكۡسِبُوۡنَ جیسا کہ آیت کی ابتدا میں اسی طرح فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان کی کتابت ایک دفعہ ہوئی اور ختم۔ اور وہ کلام محرف ایک نسخہ میں لکھ کر رکھ دی اس کی تعبیر ماضی کے ساتھ مناسب ہوئی۔ جبکہ ان کی رشوت ستانی ختم نہیں ہوتی تھی بلکہ جب بھی اس مضمون کا طالب ان کے پاس آتا اس محرف نسخے کا پتا دیتے تھے۔ پس اس کی تعبیر مضارع کے صیغے کے ساتھ ضروری ہوئی جو کہ

marfat.com
Marfat.com

استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے۔

اور کتابوں کی تحریف کرنے والوں۔ جعل سازوں' بادشاہوں کے فرامین اور احکام میں دھوکہ دینے والوں۔ اور دغاباز مہر لگانے والوں کا یہی معمول ہے کہ ایک دفعہ ان چیزوں کو درست کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اور ضرورت کے وقت اس سے دولت اکٹھی کرتے ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ آیت کی ابتدا میں فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ واقع ہے۔ تو اس کے آخر میں اس مضمون کا تکرار کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے ابتدائی حصہ کا مدلول اس کے آخر کے مدلول سے دو وجہوں سے جدا ہے۔ پہلی وجہ یہ کے آیت کی ابتدا سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ ان صفات سے موصوف ہیں بُرا حال رکھتے ہیں۔ اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ صفات ان کے انجام کی بُرائی میں بھی دخل رکھتی ہیں یا نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ ان صفات کا ذکر علامت اور تعریف کے لیے ہو جیسے یا غلام اعط درهما صاحب الثوب الاحمر جبکہ آیت کے آخر سے ان صفات کا ان لوگوں کی بدبختی میں دخل معلوم ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تعلیق الحکم بالوصف یشعر بعلیته کہ (یعنی حکم کو صفت پر معلق کرنا اس وصف کے اس حکم کی علت ہونے کا پتہ دیتا ہے) کہ قاعدے کے مطابق ان صفات کا دخل آیت کی ابتدا سے بھی سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن مجموعی صفات کا ان کی بدبختی میں دخل سمجھا جائے گا۔ جبکہ ہر صفت کا جدا جدا اور دونوں جہتوں سے اُمیوں کے عذاب سے ان کے عذاب کی زیادتی صرف آیت کے آخر سے سمجھی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ہر جہت کے مقابل کلمہ ویل لایا گیا ہے۔

## مصاحف کی خرید و فروخت کے جواز اور عدم جواز کا بیان

پانچویں بات یہ ہے کہ پرانے ظاہرین' مفسرین میں سے بعض اس آیت کی ظاہری بیان کی وجہ سے جو کہ تحریف وافتراء کا ذکر ہے۔ جبکہ تھوڑی قیمت کا تعین کہ کس جنس سے اور کس چیز پر ہے کاغذ' سیاہی' قلم اور محنت کتابت کے عوض ہے یا مضمون اور اس سے نکالے جانے والے حکم کے عوض۔ آیت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ دلیل لے کر قرآن پاک کی

marfat.com
Marfat.com

خرید وفروخت کی حرمت کے قائل ہوئے ہیں۔ عبدالرزاق اور ابن ابی داؤد نے مصاحف میں ابراہیم نخعی سے انہوں نے امام اعمش سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اُجرت کے ساتھ مصاحف لکھنا مکروہ ہے۔ اور استدلال کے لیے یہ آیت پڑھتے تھے فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم الخ نیز ابوالضحیٰ سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے کوفے کے تین جلیل القدر علماء سے مصحف خریدنے کے متعلق پوچھا' عبداللہ بن یزید خطمی' مسروق بن الاجدع اور شریح سے۔ تینوں نے کہا کہ کتاب پر قیمت نہ لے۔ اور ابن ابی الدنیا نے قتادہ عن زرارہ بن اوفی عن لطرف کے طریق سے روایت کی کہ تستر شہر کی فتح کے وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حاضر ہوا اس مالِ غنیمت میں میں نے کتان (ایک قسم کا باریک کپڑا جس کے متعلق بعض کا خیال ہے کہ چاند کے سامنے آنے سے پھٹ جاتا ہے) کے دو دو پٹے پائے۔ اور ایک چھوٹا صندوقچہ جس میں کتاب اللہ کی جنس سے ایک کتاب تھی' تورات یا زبور یا انجیل۔ اور ہمارے لشکر میں قوم نصاریٰ کا ایک مزدور تھا اس نے کہا کہ یہ صندوقچہ میرے ہاتھ بیچ دو کہ اس کتاب کا قدردان اور اسے سمجھنے والا میں ہوں۔ اور اسے نعیم کہتے تھے۔ پس مسلمانوں نے مکروہ جانا کہ اس کے ہاتھ کتاب اللہ کو بیچیں' وہ صندوقچہ میں نے اس کے ہاتھ دو درم میں فروخت کر دیا۔ اور کتاب مذکورہ اسے ہبہ کر دی۔ قتادہ جو کہ اس واقعہ کے راوی ہیں' کہتے تھے کہ یہیں سے مصاحف بیچنے کی کراہت ثابت ہوئی کیونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے دوستوں نے اس کتاب الٰہی کو فروخت کرنا جائز قرار نہیں دیا۔ نیز ابن ابی داؤد نے سعید بن المسیّب اور حسن بصری رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ دونوں بزرگ مصحف کی فروخت کو مکروہ جانتے تھے۔ اور حضرت حماد بن ابی سلمان جو کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اُستاد محترم ہیں' سے روایت لائے کہ کسی شخص نے ان سے پوچھا کہ مصحف کو بیچنے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ابراہم نخعی مصحف کی خرید وفروخت کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور سالم کی روایت سے لائے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بازار سے گزرتے اور دیکھتے کہ کوئی مصحف بیچ رہا ہے۔ تو فرماتے کہ یہ تجارت بُری تجارت ہے۔ اور سعید بن جبیر

marfat.com
Marfat.com

کی روایت کے ساتھ لائے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے اے کاش میری زندگی میں ایسا حاکم پیدا ہو جو مصاحف فروخت کرنے پر لوگوں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے۔ اور اس سودے کی کراہت حضرت امیر المومنین عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی گئی۔ ابن ابی داؤد کی کتاب میں جو کہ کتاب المصاحف کے نام سے معروف تھی۔ اور عبداللہ بن شفیق عقیلی سے عبدالرزاق اور ابن ابی داؤد ایک روایت لائے ہیں کہ کان اصحاب رسول اللہ صلی علیہ وآلہٖ وسلم یشددن فی بیع المصاحف ویرونه عظیمًا یعنی رسولِ کریم علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مصاحف کی فروخت میں سختی کرتے تھے۔ اور اسے بہت بڑا گناہ جانتے تھے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں مصاحف کی فروخت کا رواج نہ تھا۔ عادت یوں تھی کہ جسے مصحف لکھنا منظور ہوتا' خالی اوراق اور قلم دوات لے کر منبر شریف کے پاس آ کر بیٹھ جاتا جو مسلمان بھی آتا اس سے لکھنے کی درخواست کرتا اور جو لکھنا جانتا تھا' ایک ورق لکھ کر دے دیتا پھر دوسرا لکھتا اور اسی طریقے سے چند دنوں میں مصحف پورا ہو جاتا تھا۔ اور عطاء اور دوسرے تابعین سے بھی یہی مضمون مروی ہے۔

مختصر یہ کہ اس قدر درست ہے کہ مصحف کو لکھ کر بیچنا یا ان کے لکھنے پر اُجرت لینا خلفائے راشدین کے چاروں زمانوں میں معمول نہ تھا' اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لکھتے تھے۔ یہ بدعت سب سے پہلے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے آخری دور میں رائج ہوئی جیسا کہ ابو عبیدہ وغیرہ نے ابو مجز تابعی جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں' سے روایت کی ہے۔ لیکن یہ بدعت حسنہ ہے' بدعت سیئہ نہیں ہے۔

(اقول وباللہ التوفیق) ان لوگوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔ جو کہ معمولات اہلِ سنت از قبیل میلاد شریف' گیارہویں شریف' عرس شریف' وجوہ ایصال ثواب از قبیل فاتحہ سوم' ہفتم' چہلم' صلوٰۃ وسلام عندالاذان وغیرہا من المبرات والمستحسنات کو صرف اس لیے بدعت اور ناجائز کہتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں کرتے کہ اس وضع خصوصی کے ساتھ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھیں۔ اگر یہ ناجائز ہونے کی دلیل ہے۔ تو حضرت مفسر

marfat.com
Marfat.com

علام قدس سرہ العزیز کی صراحت کے مطابق اُجرت پر قرآن پاک کی طباعت' کتابت اور خرید وفروخت بھی معاذ اللہ حرام قرار پائے گی۔ بلکہ مخالفین معمولات اہلِ سنت کے خلاف جو فتویٰ بھی لگاتے ہیں صرف اس بناء پر کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں اور خلفائے راشدین کے دور میں نہ تھے تو ذرا وہی فتویٰ اور وہی زبان قرآن پاک سے متعلق مذکورہ معمولات میں استعمال کریں۔ نیز جو لوگ سیاق وسباق کا لحاظ کیے بغیر کل بدعة ضلالة کا مفید مطلب معنی کر کے کہتے ہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے' وہ بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ پر غور کریں جن میں آپ نے بدعت کو حسنہ اور سیئہ پر منقسم فرمایا ہے۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

مصحف کی خرید وفروخت کا جواز

پہلی مرتبہ اس دور کے علماء نے اس کا انکار فرمایا تھا۔ اور اس آیت سے دلیل لی جب دوسرے علماء نے غور کیا تو اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہ پائی اور اس کے جواز پر اجماع ثابت ہو گیا۔ اور اس آیت سے اس کی حرمت ثابت نہیں ہوئی کیونکہ اگر لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا سے کتابت کی اُجرت یا کاغذ اور سیاہی کی قیمت لینا مراد ہوتا تو لفظ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ محض ضائع اور بے معنی ہوتا۔ اور اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس اور محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہما نے اس کی اباحت کا فتویٰ دیا۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ آپ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا' آپ نے فرمایا لاباس انما یاخذون اجورا ایدیھم یعنی کوئی حرج نہیں' وہ تو اپنے ہاتھوں کی مزدوری لیتے ہیں۔ اور محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت لائے کہ آپ نے فرمایا لاباس انما بیع الورق وعمل یدیہ کوئی ڈر نہیں یہ تو صرف ورق اور اس کے ہاتھوں کا سودا ہے۔ اور حضرت امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ آپ نے امام محمد الباقر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ لاباس بشراء المصحف وان لعطی الاجر علی کتابتھا یعنی مصحف بیچنے کا کوئی حرج نہیں۔ اور اس میں کہ اس کی کتابت پر اُجرت دی جائے۔ اور حسن بصری رضی اللہ عنہ اور مطرف سے بھی اس مذہب سے صحیح روایت کے ساتھ رجوع روایت کیا گیا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

جیسا کہ کتاب المصاحف میں موجود ہے۔

اور عجیب تر یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور بعض دوسرے فقہاء سے مروی ہوا کہ مصاحف کو خریدنا جائز قرار دیتے تھے۔ اور اس کی فروخت کو حرام یا مکروہ جانتے تھے اس جہت سے کہ اس آیت میں لفظ اشتری بمعنی بیع ہے ثمنا قلیلًا کی دلیل سے لیکن جس چیز کی فروخت مطلق احرام ہو گی اسے خریدنا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ خریدنا فروخت کرنے کا باعث ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ اس معاملہ کی خرید وفروخت کی کراہت کا قول پہلی مرتبہ غور کیے بغیر سلف صالح میں رائج ہو گیا تھا۔ اور آخر یہ مسئلہ اعتبار کے درجہ سے گر گیا اور اس کے صحیح ہونے پر اجماع منعقد ہو گیا۔ حاصل کلام یہ کہ جب فرقہ بنی اسرائیل کے علماء کا حال اس قدر خراب ہے کہ دینوی اغراض کے لیے کھلے بندوں کتاب کی تحریف کرتے ہیں۔ اور ان کے عام لوگوں کا حال ان کی تقلید میں اس حد تک پہنچ چکا۔ تو ان سے ایمان لانے کی طمع فضول ہے۔ اور حال یہ کہ سب کے سب خواہ علماء ہوں' خواہ عوام جرائم کے ارتکاب' تحریف کتاب اور اپنے پیشواؤں کی تقلید میں باوجود یہ کہ ان کے اقوال قطعی دلائل کے خلاف ہیں۔ بہت جرأت اور بے باکی کرتے ہیں' کہتے ہیں کہ اگرچہ ہلاکت کی وجوہ اور عذاب کے اسباب ہر طرف سے کثرت کے ساتھ ہم پر ہجوم کیے ہوئے ہیں۔ لیکن ہمیں کوئی ڈر نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں عذاب نہیں ہو گا مگر تھوڑی سی مدت۔

## یہودیوں کے اقوال کا بیان

وَقَالُوْا اور ان سب نے کہا۔ علماء نے بہتان باندھ کر اور جاہلوں نے تقلید کر کے کہ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ہمیں دوزخ کی آگ ہرگز نہیں پہنچے گی۔ اگرچہ ہم کفر کی کئی قسموں کا ارتکاب کریں۔ اور محرمات کو حلال اور فرائض کا انکار کریں اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً مگر چند گنے ہوئے دن۔ اور ان دنوں کے تعین میں انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ سات روز کیونکہ نوع انسان کی خلقت کی مدت سات ہزار سال ہے۔ اور کلام الٰہی میں آیا کہ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ پس ایک ہزار

marfat.com
Marfat.com

سال کے بجائے ایک دن عذاب کا ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ چالیس (۴۰) دن کیونکہ ہمارے اسلاف اتنی ہی مدت جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وقت مقرر تھا' نبی علیہ السلام کے انوار و برکات سے محروم ہو کر بچھڑا پوجنے میں گرفتار ہوئے تھے۔ اور وہ گناہ کفر کی قسموں میں سب سے زیادہ شدید گناہ تھا۔ جب چالیس (۴۰) دن کی مدت میں اس کا اثر زائل ہو گیا تو دوسرے گناہوں اور کفر کی قسموں کا اس مدت میں کیونکر اثر زائل نہ ہوگا۔ اور بعض نے کہا کہ چالیس (۴۰) سال کیونکہ میدانِ تیہ میں ہماری سرگردانی کی مدت اسی قدر تھی۔ اور نیز انبیاء علیہم السلام کے صحائف میں ہم نے سنا ہے کہ جہنم کی دو طرفوں کے درمیان چالیس (۴۰) سال کا فاصلہ ہے۔ اور جب قیامت کے دن ہمیں آگ میں ڈالیں گے تو ہم اپنے آباؤ اجداد کی سفارش کے زور پر اس کنارے سے اس کنارے تک گزر جائیں گے۔ اور اس مدت میں وہ فاصلہ طے کر لیں گے اگر اس کا کوئی جلانے والا عذاب ہمیں پہنچے گا اس مدت سے آگے نہ بڑھے گا۔

اور بعض کہتے تھے کہ ہر کسی کو بالغ ہونے کا وقت نکال کر اس کی عمر کے برابر عذاب ہو گا۔ کیونکہ دنیا میں نافرمانی کی مدت اسی قدر ہے۔ اور عذاب اس سے زیادہ بڑھانا اللہ تعالیٰ کے عدل کے تقاضے کے خلاف ہے۔ اور ان میں سے بعض یونان کے فلسفیوں سے سیکھ کر کہتے تھے کہ اگرچہ روحیں بدنی تعلقات کی وجہ سے برے اعمال کے ساتھ غبار آلود ہو جاتی ہیں۔ لیکن اصل میں طہارت وقدس کی دنیا سے ہیں۔ اور جب ان بدنوں سے جدا ہوں گی تو برے اعمال کے نتائج کو اپنے اندر پائیں گی اور تکلیف اُٹھائیں گی۔ یہاں تک کہ ان عارضی تعلقات کے نشان مٹ جائیں گے۔ اور پھر عذاب سے نجات پائیں گی۔ اور اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آئیں گی۔ جیسے کہ پانی طبعی طور پر ٹھنڈا ہے۔ اگر اس کے نیچے آگ جلائیں تو گرم ہو جاتا ہے۔ اور جب چولہے سے اُتار لیں تو اس آگ کا اثر ایک وقت تک جاری رہتا ہے۔ اور اس مدت کے بعد پانی کی اصلی طبیعت غلبہ کرتی ہے۔ اور ٹھنڈک میں ڈھال دیتی ہے۔ جو کہ اس کا اصلی تقاضا ہے۔ اور یہ سب ان کے فاسد خیالات ہیں۔ صحیح وجدان نہیں رکھتے کہ ارواح کس طرح مذمومِ اخلاق بھیمیہ اور سبعیہ سے مکدر

marfat.com
Marfat.com

ہوتی ہیں اور استعداد کا آئینہ کس طرح زنگ پکڑتا ہے۔ کہ کبھی اصلاح پذیر نہیں ہوتا۔ اور کفر کس قدر زہریلا ہے۔ جو کہ طبیعت کو تصرف اور اپنی اصلی حالت پر آنے سے معطل کر دیتا ہے۔

## ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ غیر ذوی العقول کی جمع کی صفت میں واحد مؤنث اور جمع مؤنث دونوں کا صیغہ لانا صحیح ہے۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً اور اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ تو اس سورت میں پہلا صیغہ کیوں ارشاد ہوا جبکہ سورت آل عمران میں دوسرا صیغہ' دونوں سورتوں میں یکساں کیوں نہ فرمایا یا برعکس کیوں نہ کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ دونوں صیغوں کا مدلول ایک ہے۔ لیکن پہلے کی صورت مفرد کی صورت ہے۔ اس لیے وحدت پر دلالت کرتا ہے۔ اور دوسرے کی صورت جمع کی صورت ہے پس کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں اس سورت میں یہ ذکر ہے کہ ان سے ایمان کی طمع نہ رکھو کیونکہ وہ اس قسم کا فاسد عقیدہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ معطوف ہے وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ پر اور اس غرض میں مدتِ عذاب کی قلت کا بیان صورت اور معنی کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے۔ جبکہ سورت آل عمران میں ذکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ اور انبیاء علیہ الاسلام اور واعظوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے جو ان کی کتاب میں آیا ہے روگردانی کرتے ہیں۔ اور یہ سب اس جرأت کی وجہ سے ہے۔ جو کہ اس فاسد عقیدہ کی وجہ سے انہیں حاصل ہوئی ہے۔ اور چونکہ وہاں بہت سے ایسے افعال شمار کیے گئے جو کہ عذابِ شدید کا باعث ہو سکتے ہیں تا کہ مدتِ عذاب میں بھی لفظی اور صوری کثرت کو ملاحظہ کریں اگرچہ معنوی طور پر قلت ہو۔ کیونکہ کثیر افعال جزا کی کثرت کی لازم کرتے ہیں۔ اگر معنی کے اعتبار سے نہ ہو' صورت کے اعتبار سے خود رعایت کرنی چاہیے۔ نیز اس آیت کے بیان میں وہاں لفظ اذا جمعناھم واقع ہوا۔ پس جمع کا صیغہ وارد کرنا اس کے مناسب ہوا۔ حاصلِ کلام یہ کہ پیغمبر وقت کو فرمایا ہے کہ اگر اس قسم کے بوگس عقیدے کو آپ کے سامنے پیش کریں۔ اور ایمان اور عمل صالح سے اپنی لاپرواہی بیان کریں تو جواب میں قُلْ کہہ دیجئے

marfat.com

Marfat.com

کہ آخرت مدت عذاب کے قلیل ہونے کا تعین اس قبیلے سے نہیں کہ عقل خود بخود اس تک راہ پائے۔ پس تم جو یہ یقین رکھتے ہو دلیل سمعی سے حاصل کیا ہوگا۔ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عہد باندھا ہے۔ کہ تمہیں تمہارے کفر اور گناہوں پر چند روز سے زیادہ عذاب نہیں فرمائے گا۔ تو اس عہد کا نشان دو کہ کس کتاب میں ہے۔ تاکہ ہم دیکھیں اور اقرار کریں۔ اور اگر چہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو کہ خبر کا سچا ہے' عہد لینے کی ضرورت نہیں اس کا صرف خبر دینا ہی یقین کے لیے کافی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی خبر پختہ عہد کا حکم رکھتی ہے پس اگر خبر بھی ہے۔ تو عہد کے حکم میں ہے۔

فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ پس اللہ تعالیٰ اپنے اس عہد حکمی کا خلاف ہرگز نہیں فرمائے گا۔ کیونکہ اس کا ازلی کلام ہے۔ اور کلام میں جھوٹ بہت بڑا نقصان ہے۔ جو کہ اس کی صفات میں ہرگز راہ نہیں پا سکتا۔

اور وہ جو بعض ظاہر بینوں نے کہا ہے کہ اچھے وعدے کے خلاف کرنا نقصان ہے۔ اور برے وعدے کے خلاف کرنا کرم ولطف ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں غائب کو حاضر پر قیاس کرنا ہے۔ کیونکہ اس کے لطف وکرم کی بہت سی راہیں ہیں۔ اور یہ جائز ہے لطف وکرم کا معاملہ فرمائے اور وعید کا خلاف بھی ہو۔ بخلاف آدمیوں کے کہ عجز بشری کی وجہ سے وعید کے خلاف کیے بغیر ان سے لطف وکرم ممکن نہیں۔ پس ان کے بارے میں وعید کی مخالفت ایک نقصان کو دوسرے نقصان پر ترجیح کے ساتھ ہے۔ جو کہ پہلے نقصان سے زیادہ شدید ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے حق میں تکمیل کی احتیاج کے بغیر نقصان محض ہے۔ پس دونوں جدا جدا ہو گئے۔ اور اگر کوئی نص اس مدت کو کم کرنے کا پتہ نہیں دیتی تو معلوم ہوا کہ بے دلیل بات کرتے ہیں۔ اور بے دلیل بات تو کسی کے بارے میں نہیں کرنی چاہیے چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کا تعلق ہو۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ آیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں ہو کہ سچی ہے یا جھوٹی۔ کیونکہ اس دعوے میں تمہارے دلیل پکڑنے کی انتہا ایک حدیث ہے۔ جو کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے تمہاری اخبار میں روایت ہوئی اس کا

marfat.com
Marfat.com

مضمون یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت یعقوب کے ساتھ یہ عہد باندھا ہے کہ ان کے بیٹوں کو عذاب نہیں کرے گا مگر قسم اُتارنے کے لیے۔ اور اوّل تو یہ حدیث صحیح نہیں کہ حضرت یعقوب نے فرمائی ہو اس کی سند معتبر نہیں۔ دوسرے تم نے یہ کہاں سے جانا کہ یعقوب کے بیٹوں سے مراد بنی اسرائیل کا سارہ گروہ ہو۔ بلکہ ظاہر یہ کہ ان کے صلبی یعنی حقیقی بیٹے مراد ہیں۔ کیونکہ لفظ پسراں بولنے سے یہی معنی معروف ہے۔ تیسرے یہ کہ ان کے بیٹوں کو عذاب نہ کرنے کی بھی ایک شرعی وجہ ہے۔ کیونکہ ان کے بیٹے ان گناہوں پر صحیح توبہ اور قوی ندامت رکھتے تھے۔ جن کے وہ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں مرتکب ہوئے تھے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ان کا ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں اپنے گناہ کا اقرار کیا اور آپ سے بخشش کی دعا کے طالب ہوئے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بارگاہ میں بھی خطا کا اقرار کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا حق انہیں معاف کر دیا۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی ان کے لئے استغفار کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کا حق اور بندے کا حق دونوں ان کے ذمہ سے گر گئے اگر تم بھی اسی قسم کی خالص توبہ کرو اور حق تلفیوں سے ندامت کرو۔ اور اپنے وقت کے رُسل علیہم السلام سے اپنے حق میں معافی کی دعا کراؤ تو تم بھی اس خوش خبری کے ضرور مستحق بن جاؤ گے۔ جب تک کہ تم یہ کام بجا نہیں لاتے' تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اصل قاعدہ کے مطابق ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے: بَلٰی اس طرح نہیں کہ تمہیں تمہارے کفر اور نافرمانی پر عذاب ابدی نہ ہوگا۔ کیونکہ کوئی کفر بخشش کے قابل نہیں۔ اور شریعت کا طے شدہ قاعدہ ہے۔ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً جس نے کوئی گناہ کیا اگرچہ وہ گناہ صغیر ہو۔ اور کتاب کی تحریف اور رشوت ستانی سے کم تر ہو۔ اور لفظ سَيِّئَةً اصل میں سیوِءۃ تھا' ساد یسوء سے جو کہ وادی ہے' یائی نہیں۔ واو کو یا لیا اور یا کو یا میں ادغام کیا سَيِّئَةً ہوا وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيْئَتُهُ اور اس کا احاطہ کر لیا اس کے گناہ نے۔ اور احاطہ کی حد یہ ہے کہ پہلے وہ گناہ اعضاء سے دل تک پہنچتا ہے۔ اور وہ اس سے بہت لذت حاصل کرتا ہے۔ اس کے بعد اس گناہ کی اچھائی دل میں گھر کر لیتی ہے۔ اور اس کی قباحت کا انکار دل میں بیٹھ جاتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

پس کفر ہوا۔ اور اس حد کے بغیر احاطہ متحقق نہیں ہوتا کیونکہ احاطہ کا معنی یہ ہے کہ انسان کو ہر طرف سے چھپا لے اور انسان اس سے چھٹکارا نہ پائے۔ اور گناہ نے جب تک کہ وہ اسے دل سے اچھا اور جائز نہ جانے' دل کو قبضہ میں نہیں کیا ہے۔ اور نیکیوں کو برباد نہیں کیا۔ اور اس سے توبہ وندامت کے ذریعے چھٹکارا پانا ممکن ہے۔ اور جسے گناہ نے گھیر لیا' کافر ہو گیا۔

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ پس وہ لوگ دوزخ والے ہیں کہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اس مدت تک جس کی انتہا نہیں چہ جائیکہ چند گنتی کے دن ہوں۔ کیونکہ جب تک کہ وہ گناہ کرتے تھے۔ اور دلی طور پر اس سے بیزار تھے۔ اور اس پر نادم تھے' ان کا دل گناہ گار نہ تھا۔ تو گناہ نے انہیں گھیرا نہیں تھا۔ اور نہ ہی ان کی نیکیاں برباد اور مستور تھیں۔ توقع یہ تھی کہ عذاب چکھنے کے بعد چھٹکارا پالیں گے۔ اب چھٹکارے کی کوئی صورت باقی نہ رہی اور ان کا عذاب ہمیشہ اور دائمی کیوں نہ ہو حالانکہ وہ مومنین صالحین کی مقابل سمت میں پڑے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور وہ جو ایمان لائے۔ اور انہوں نے شائستہ عمل کیے۔ پس ان کے دل بھی گناہ سے پاک ہیں۔ اور ان کے جسم بھی عمل صالح سے منور ہیں۔ لازماً اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ وہ لوگ جنت والے ہیں جو کہ پاک اور طاہر مقام ہے۔ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ وہ اس بہشت میں ہمیشہ رہیں گے۔ تو جس طرح اس فریق کی جزا دائمی ہے نہ ختم ہونے والی۔ دوسرے فریق کی جزا جو کہ دونوں امور یعنی ایمان اور عمل صالح میں ان کے مخالف واقع ہیں' بھی دائمی ہوگی۔ ورنہ باہمی مقابلہ اُٹھ جائے گا۔ ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں۔ اور عمل صالح نہیں رکھتے' ان کی جزا دونوں فریقوں کی جزا سے مرکب ہے۔ لیکن اس طرح کہ پہلے انہیں عذاب دیں گے پھر ثواب کی جگہ منتقل کر دیئے جائیں گے۔ اگر اس کے برعکس ہوتا تو خلاف حکمت ہوتا کیونکہ جسے نوازا جائے اسے گرانا نہیں چاہیے۔ اور جو عمل صالح رکھتا ہے۔ لیکن ایمان نہیں رکھتا' بظاہر احتمال ہے۔ لیکن فی الحقیقت محال ہے۔ کیونکہ عمل صالح کا عمل صالح ہونا ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔ اور جب شرط نہیں تو مشروط نہیں۔ اور اسی لیے کفار کے صدقات اور خیرات کو عمل صالح نہیں کیا

marfat.com
Marfat.com

جا سکتا۔ اگرچہ صورت میں عمل صالح کے ساتھ مشابہت ہے۔ جیسے لکڑی کے گھوڑے اور قالین کے شیر کی صورت۔ اور اسی لیے ان کے اعمال کے بارے میں فرمایا: اعمالھم کسراب بقیعة یحسبه الظمآن ماء (النور آیت ۳۹)

حاصل کلام یہ کہ جہان کا نظام پورا نہیں ہوتا مگر ثواب دائمی اور عذاب دائمی کے وعدے کے ساتھ۔ اور اس کا تقاضا ہے کہ اسے پورا کیا جائے اگر اس کے خلاف کا بھی احتمال ہو تو کوئی موجبات ثواب کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور اسباب عذاب سے نہ ڈرے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عہد کی تفسیر میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد کلمہ طیبہ ہے۔ یعنی اگر تم نے یہ کلمہ کفر اور شرک کے بغیر کہا ہے۔ اور دل و جان سے قبول کیا ہے۔ پس اگر عذاب ختم ہو جانے کے امیدوار ہو تو بجا ہے۔ کیونکہ جو شخص اس کلمہ کو بغیر کفر اور بغیر شرک کے دل و جان کے ساتھ پڑھے' عذاب ابدی سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کے مطابق ورنہ وہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے۔

## بنی اسرائیل کے عقیدہ میں غلطی کا منشا

یہاں جاننا چاہیے کہ فرقہ بنی اسرائیل کی اس فاسد عقیدہ میں غلطی اور تحریف کا منشا یہ تھا کہ ہر شریعت میں گناہوں کے دو درجے رکھے گئے ہیں۔ ایک درجہ یہ ہے کہ عقیدہ میں ملت حقہ کے مطابق ہو۔ اور عمل میں مخالفت کرے۔ مثلاً یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ شراب پینا' زنا' چوری' لواطت اور غیر کا مال غصب کرنا حرام ہے۔ اور اس پر عذاب کا خوف رکھے لیکن طبعی یا رسمی حجاب کے غلبے کی وجہ سے اس سے یہ چیزیں صادر ہوتی ہیں۔ اور اس درجے کو فسق' فجور اور عصیاں کہتے ہیں۔ اور اس کے لئے آخرت میں منقطع عذاب کا وعدہ کیا گیا۔ کیونکہ صحیح عقیدہ سے اس کی مطابقت ضائع نہیں جائے گی کارآمد ہو گی۔ اور عذاب سے نجات بخشے گی۔ اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ عقیدہ میں بھی مخالفت کرے۔ اور جو چیز حقیقت میں ثابت ہے' خواہ الہیات سے ہو' خواہ آخرت سے۔ خواہ شعائر اللہ سے جیسے اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور اس بارگاہِ عالی کے رُسل علیہم السلام اور خواہ اس دین کے متواتر و مشہور احکام ہوں۔ کا انکار کرے۔ اور دیدہ دانستہ نہ مانے اور اس مرتبے کو کفر' زندہ اور الحاد کہتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

اور اس پر آخرت میں دائمی عذاب کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور ان دو مسئلوں کو مسلمانوں کی اصطلاح میں اس عبارت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ الفاسق لایخلد فی النار والکافر مخلد فی النار۔ فاسق آگ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ جبکہ کافر ہمیشہ آگ میں رکھا جائے گا۔ اور ملت حقہ کی موافقت اور اس کی مخالفت کے بیان میں غالباً اس فرقہ کا نام جو کہ اس ملت حقہ پر قائم رہے ہیں۔ اور اس کے مخالفین کا نام لیا گیا ہے۔ پس بنی اسرائیل کے زمانے میں جبکہ ملت حقہ ملت یہودیہ تھی۔ اور اس ملت پر قائم رہنے والے فرقہ بنی اسرائیل کی اس مسئلے میں تعبیریوں کی گئی ہوگی کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہ ہوگا۔ اور غیر بنی اسرائیل کو دائمی عذاب ہوگا۔ ان لوگوں نے کند ذہنی اور کم فہمی کی وجہ سے عنوان اور اس عنوان سے موصوف لوگوں میں فرق نہ کر کے اپنے فرقہ کی خصوصیت سمجھ کر یوں بات کر دی کہ لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً حق تعالیٰ نے اس شبہ کے جواب میں پہلے منع فرمایا۔ اور دلیل طلب کی کہ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا۔ کیونکہ اصل کلام میں بنی اسرائیل کی تخصیص اور یہودیوں کا نام نہ تھا۔ بلکہ نصوص الٰہیہ نے مطلقاً اہلِ حق اور اس وقت کے دین کے پیروکاروں کا ذکر فرمایا تھا۔ اور چونکہ اس وقت بنی اسرائیل اور یہود کے سوا کسی میں یہ صفت نہ تھی' انہوں نے ان نصوص سے اس فرقہ کی ایک قسم کی اطلاع سمجھ کر تخصیص کر لی تھی۔ پس نص صریح جس کی تاویل وغیرہ نہ کی گئی ہو جو کہ اس عہد سے عبارت ہے' یہاں مفقود تھی۔ اور اپنے فہم کے مطابق تاویل کی گئی۔ نص قابل نہیں کہ اعتقادیات' اصولِ دین اور آخرت کی بحث میں اس سے دلیل پکڑنا جائز ہو۔ اور اسی لیے فرمایا: اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ پھر اس امر کی تحقیق بیان کر کے شبہ کو حل فرمایا کہ خطاؤں کا نفس کو گھیر لینا جو کہ علم و عمل کے فساد اور عقیدہ و افعال کے اس حد تک خراب ہونے سے عبارت ہے کہ ایمان کا ایک ذرہ بھی نہیں رہتا' عذاب میں ہمیشہ رہنے کا سبب ہے۔ جس گروہ میں بھی پایا جائے بغیر کسی تخصیص اور امتیاز کے اگرچہ کلمہ گوئی اور دین داری کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

## گناہ کو جائز سمجھنا کفر ہے

نیز جاننا چاہیے کہ کسی گناہ کو جائز سمجھنا کفر ہے۔ اور استباحت کا معنی یہ ہے کہ دل میں

marfat.com

Marfat.com

اس گناہ پر عذاب کا خوف نہ رہے۔ اور عقیدے میں اس کی قباحت زائل ہو جائے۔ اگر چہ یہ جانے کہ اس گناہ کو شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور اس سے شدت کے ساتھ منع کیا ہے۔ اور زبان سے اقرار بھی کرے کہ یہ معصیت' معصیت ہے۔ کیونکہ استباحت کا معنی مباح جاننا ہے نہ کہ مباح کہنا۔ اور جب معصیت سے عذاب کا خوف زائل ہو گیا۔ اور وہ معصیت اعتقاد میں قبیح نہ رہی تو مباح ہو گئی۔ اور اس معصیت کے ساتھ مباحات والا معاملہ وقوع پذیر ہوا۔

فقہ کے ظاہر بین سمجھتے ہیں کہ شرع میں اس کی حرمت کے وارد ہونے کا انکار بھی استباحت میں لازم ہے۔ اور یہ معنی وقوع کے اعتبار سے نادر ہے۔ احادیث اور آیات کی رو سے استباحت کی تحقیق میں اسی قدر کافی ہے۔ شرع میں اس کی حرمت کے وارد ہونے کا دل یا زبان سے انکار ضروری نہیں ہے۔ بسا اوقات ایک شخص اس طرح اعتقاد رکھتا ہے کہ مصلحت عام کی بناء پر تا کہ بُری رسم نہ پھیلے اور ہوتے ہوتے دوسری قباحت تک نہ لے جائے' شرع میں اس فعل کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور ڈرانے دھمکانے کے لیے عذاب کا وعدہ کیا گیا۔ ورنہ فی نفسہ اس کام میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔ اور اس پر کوئی عذاب مرتب نہیں ہوتا ہے اس فرق کی دل سے نگہبانی کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں اکثر احادیث و آیات کو سمجھنے میں کام آئے گا۔

## اہلِ قبلہ کے اختلاف کا بیان

نیز جاننا چاہیے کہ اہلِ قبلہ کے درمیان اس مسئلہ میں عظیم اختلاف رونما ہوا ہے۔ ان میں سے بعض کبیرہ کے مرتکب کے لیے قطعی دائمی عذاب کی وعید ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر کبیرہ گناہ والا توبہ کے بغیر مر گیا تو اس کا حکم کافروں والا ہے۔ اور معتزلہ اور خوارج کا یہی مذہب ہے۔ اگر چہ معتزلہ کہتے ہیں کہ ھوفی منزلۃ بین المنزلتین یعنی وہ دونوں درجوں (کفر و اسلام) کے مابین ایک درجے میں ہے۔ اور خوارج کہتے ہیں ھو کافر یعنی وہ کافر ہے۔ لیکن چونکہ ایمان سے نکل گیا اور اس لیے معتزلہ کے نزدیک بھی اس نے کافروں کا حکم حاصل کیا۔ پس اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنا چاہیے۔ اس کی

marfat.com

Marfat.com

نمازِ جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے۔ اور اس کے لئے صدقات' فاتحہ' درود' تلاوتِ قرآن اور استغفار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان کے لیے ایمان شرط ہے۔ اور جب شرط ہی نہیں تو مشروط نہیں۔ (اقول وباللہ التوفیق معلوم ہوا کہ مندرجہ بالا وجوہ ایصالِ ثواب کافر کے لیے جائز نہیں بلکہ صرف اور صرف مسلمانوں کا حق ہے۔ تو جو لوگ ان چیزوں کو ناجائز کہتے اور حرام جانتے ہیں' وہ غور کریں کہ وہ اپنے مرنے والوں کے متعلق لاشعوری طور پر کیا گمان کرتے ہیں۔ کیونکہ درود و فاتحہ اور قرآن خوانی مسلمان کے لیے تو ہر صورت جائز ہے۔ اور اس مسئلہ فاتحہ مروجہ کے جواز کے بارے میں شیخ العرب والعجم مجدد دین وملت مولانا الامام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کا عظیم فتویٰ الحجة الفائحه یطیب التعیین والفاتحه کا مطالعہ کریں بغایت مفید ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَلْبَابُ وَالْاَبْصَارُ۔

اور ان میں سے بعض اس کے قطعی مگر منقطع ہونے والے عذاب کی وعید ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ معافی کے قابل نہیں' اسے عذاب ضرور ہوگا لیکن اس کا عذاب منقطع ہو جائے گا۔ اور آخر کار وہ جنت میں جائے گا۔ اور بشر مریسی' خالدی اور دوسرے جاہل بے وقوفوں کا مذہب یہی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ فساق کے عذاب کی وعید بالکل نہیں ہے۔ اور قرآن وحدیث میں جو وعید وارد ہے' کافر کے لیے ہے۔ جو کہ فسق کے ساتھ کفر بھی رکھتا ہے۔ اور جب ایک شخص ایمان پر مرا' اسے کسی گناہ سے کوئی خطرہ نہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ لایضر مع الایمان معصیة کما لاینفع مع الکفر طاعة ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا جس طرح کفر کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔ اور یہی مرجیہ کا قول ہے۔ اللہ انہیں ذلیل کرے۔ اور ان کے حق میں صحیح حدیث وارد ہے کہ صنفان من امتی لیس لهمانی الاسلام نصیب المرجیه والقدریه میری اُمت سے دو گروہ ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے: مرجیہ اور قدریہ۔

## اہلِ سنت وجماعت کا مذہب

مذہب صحیح جسے صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین اور تابعین نے وضاحت سے بیان فرمایا

marfat.com
Marfat.com

ہے۔ اور اہل سنت و جماعت نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ معافی کے قابل ہے۔ اگر چہ توبہ کے بغیر فوت ہو جائے۔ اور وہ نماز جنازہ، استغفار اور صدقات و احسان کے ساتھ امداد کرنے میں سب مسلمانوں کی طرح ہے۔ اور اس کے حق میں حضرت پیغمبر کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہونا چاہیے۔ بلکہ یقین کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں رحمت یا رسول پاک کی شفاعت کی وجہ سے بعض کبیرہ گناہ کرنے والے بعض لوگوں کو معاف فرما دے گا۔ نیز یقین کرنا چاہیے کہ ان میں سے جسے عذاب دیا جائے گا اس کا عذاب منقطع ہو جائے گا ہمیشہ کا عذاب کفر کے ساتھ خاص ہے۔ کسی گناہ کی وجہ سے اس کا مستحق نہیں ہو سکتا لیکن معلوم نہیں کہ کبیرہ گناہوں پر عذاب کی مدت کتنی ہوگی۔ نیز یہ بھی معلوم نہیں کہ کبیرہ گناہ والوں میں سے کسے عذاب ہوگا۔ اور کسے بالکل معاف فرمایا جائے گا۔ اسی وجہ سے ہم ڈر اور امید میں رہتے ہیں' بے خوفی اور نا امیدی نہیں کرتے۔ قرآنی آیات جیسے اِنَّ اللّٰهَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء آیت ۴۸) اور اس جیسی اور آیات اس مذہب میں صریح نص ہیں۔ نیز قرآن پاک ان صفات سے پُر ہے۔ کَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا رَّحِیْمًا' کَرِیْمًا۔ اور اگر ہم احادیث میں نظر کریں تو اس مضمون کو حد تواتر سے بالاتر پائیں گے۔ اور اسی لیے یحییٰ بن معاذ رازی نے اپنی مناجات میں کہا ہے الٰہی جب ایک گھڑی کا ایمان ستر (۷۰) سالہ کفر کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ تو ستر (۷۰) سالہ ایمان ایک گھڑی کے گناہ کو نیست و نابود کیوں نہ کرے گا۔ نیز جب آیات اور احادیث بخشش کے وعدے اور عذاب کی وعید پر منہ بولتی دلالت کرتی ہیں۔ اور ایک دوسرے کے منافی دو چیزوں میں جمع محال ہے۔ تو کوئی مطابقت دینا امر ضروری ہے۔ اور مطابقت میں دو احتمال ہیں: ایک تو یہ کہ پہلے آدمی کو ثواب کا انعام عطا کریں اس کے بعد عذاب میں گرفتار کریں۔ اور یہ معنی اجماع کے بھی خلاف ہے۔ حکمت کے بھی اور کرم کے بھی۔ کیونکہ نوازے گئے کو گرانا نہیں چاہیے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہلے اسے عذاب میں گرفتار کریں جب اپنے بُرے کردار کی سزا چکھ کر عبرت حاصل کر لے اور پھر اسے عفو و کرم سے بخش دیں اور ثواب انعام عطا فرما دیں اور یہی تقاضائے حکمت اور قانون کرم کے

marfat.com

Marfat.com

مطابق ہے۔ پس یہ مقرر ہو گیا۔ اور یہی مذہب ہے۔

اور اس مقام پر معتزلہ کے طرف داروں میں سے بعض کہتے ہیں کہ اہلِ سنت و جماعت کا مذہب اگرچہ ادب کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے دونوں صفات جمال و جلال' عفو و انتقام اور لطف و قہر ثابت کرتے ہیں۔ اور ان دونوں صفتوں میں سے کسی ایک کو بندوں کے حق میں واجب نہیں جانتے۔ اور کہتے ہیں کہ وہ مالک ہے۔ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ جو چاہتا ہے' کرتا ہے۔ اور جو ارادہ کرتا ہے' فیصلہ کرتا ہے۔ اور متعین نہیں کرتے کہ فلاں واجب العفو ہے۔ اور فلاں واجب العقاب اس جہت سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کو اغراض اور اسباب سے مبرا مانتے ہیں۔ لیکن معتزلہ کا مذہب احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ فی الواقع امن کے ہوتے ہوئے ڈرانا اور پرحذر رکھنا بہتر ہے یا کہ واقعی خوف سے بے خوف کر دیں اور مطمئن رکھیں۔ لیکن اس بات سے ایک خدشہ ہے۔ کیونکہ قابلِ تعریف احتیاط مذہب اہلِ سنت و جماعت میں منحصر ہے۔ کیونکہ وہ تعین نہیں کرتے کہ معافی کسے ہوگی اور بدلہ کس سے لیا جائے گا۔ دونوں صفتوں کو تخصیص کے بغیر ثابت کرتے ہیں۔ پس ہر ایک کو خوف عام اور شامل ہوتا ہے۔ بخلاف معتزلہ کے مذہب کے کہ گناہِ صغیرہ والے کے بارے میں بے خوف ہونے کا موجب اور گناہِ کبیرہ والے کے حق میں ناامید ہونے کا سبب ہے۔ اور یہ احتیاط قابلِ تعریف نہیں ہے۔ بلکہ علاج سے ناامید کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مردے استغفار' صدقات اور نیکیوں کی شفاعت جو کہ نجات کا قوی وسیلہ ہے' سے محروم ہیں۔ نیز وہ احتیاط جو کہ عمدہ منافع سے محرومی کا سبب ہو۔ اور وہ منافع بھی اسی امر میں کار آمد ہوں جس سے احتیاط منظور ہے۔ تمام عقلمندوں کے نزدیک بہت مذموم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہادی ہے اسی پر میرا بھروسہ اور میرا اعتماد ہے۔

اور اگر بنی اسرائیل اس مدعا پر سمعی دلیل قائم کرنے سے عاجزی اور تمام دینوں اور شریعتوں کے درمیان متفقہ قاعدہ کلیہ جو کہ ان کے دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہنے پر دلالت کرتا ہے' سننے کے باوجود اس دعوے سے دستبردار نہیں ہوتے تو انہیں ان کی کتاب کی رو سے الزام دیں۔ کیونکہ ہم نے اس کتاب میں بعض احکام قبول کرنے پر پختہ وعدے اور

marfat.com
Marfat.com

تاکیدی عہد لیے ہیں۔ اور انہوں نے ان سب کو توڑ دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دستور میں محال ہے کہ ان پختہ محکم وعدوں کو توڑنے پر چند دنوں سے زیادہ عذاب نہ کرے۔ خصوصاً جب انہوں نے اس عہد شکنی کو عادت بنا رکھا ہو۔ اور اس کے خوگر ہو چکے ہوں۔ کیونکہ العادۃطبیعہ ثانیہ اگر عمر ابدی پائیں اس سے ہرگز باز نہیں آئیں گے۔ پس ان عظیم کبیرہ گناہوں پر ہمیشگی کی نیت ان میں ثابت ہے۔ جو کہ ان پر ہیشگی کرنے کے حکم میں ہے۔ اور دائمی گناہ کے لیے دائمی عذاب ان کے فہم کے مطابق بھی واجب ہے۔ اور ان کے الزام کے لیے کہیے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اور یاد کرو اس وقت کو کہ ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا' عبادت میں توحید پر اور مزید تاکید اور اس عہد کی پختگی کی بناء پر حکم نہ فرمایا بلکہ خبر دینے کے طریقے پر کیونکہ مرد مومن اس کے خلاف کرنے میں اللہ تعالیٰ کی تکذیب سے ڈرتا ہے' ہم نے فرمایا:

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ تم عبادت نہیں کرو گے مگر خالص اللہ تعالیٰ کی۔ پس اس عہد کے ضمن میں دو ذمہ داریاں ہوئیں: ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرو گے' دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت نہ کرو گے۔ پہلی ذمہ داری اس پر موقوف ہے کہ خدا تعالیٰ کو جانو اور چونکہ اس کی ذات کو جاننا محال ہے۔ اس لیے صفاتِ کمال کے ساتھ پہچانو۔ اور جو چیز اس کے حق میں ضروری ہے۔ جیسے عموم علم' عموم قدرت' ارادے کا نافذ کرنا' بندوں کے اعمال و اقوال کا دیکھنا' سننا اور امر و نہی اور جو کچھ اس کے حق میں محال ہے جیسے عاجزی۔ جہالت۔ آغاز اور ندامت اس کا واقع کے مطابق اعتقاد رکھو۔ نیز روغ عبادت کی کیفیت اور اس کے اوقات جاننے پر موقوف ہے۔ اور یہ جاننا وحی و رسالت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ پس انبیاء' کتب الٰہیہ اور فرشتوں کے ساتھ اعتقاد جو کہ وحی اور کتابیں وصول کرنے کا ذریعہ ہیں' بھی حقیقت کے مطابق بھی تمہیں ضروری ہوا۔ اور دوسری ذمہ داری ریا' شرک اور محبت ماسوی اللہ کو دل میں غالب کرنے سے بچنے پر موقوف ہے۔ پس ان امور سے پرہیز لازم ہوئی۔

ونیز ہم نے فرمایا کہ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا والدین کے ساتھ احسان کرو' عظیم

marfat.com

Marfat.com

احسان کرنا جو کہ چند قسموں کا جامع ہو۔

## حقوقِ والدین کا بیان

اور وہ تین قسمیں ہیں: پہلی قسم قول اور فعل سے تکلیف نہ دینا' دوسری قسم جسم اور مال سے ان کی خدمت کرنا اور تیسری قسم جب حاضر ہونے کی طلب کریں تو حاضر ہونا۔ پہلی قسم تو مطلق واجب ہے۔ اس لیے اسے چھوڑنے میں بہت بُری نافرمانی لازم آتی ہے۔ اور دوسری قسم مشروط ہے ان کے محتاج ہونے اور اس کے خدمت کرنے پر قادر ہونے پر۔ پس اگر وہ محتاج نہ ہوں یا اسے قدرت نہیں ہے۔ تو واجب نہیں ہے۔ اور تیسری قسم بھی مشروط ہے اس پر کہ حاضر ہونے سے شرعی خرابی ثابت نہ ہو۔ ورنہ واجب نہیں اور اگر والدین یا ان میں سے ایک اسے فرمائیں کہ نفلی عبادتوں کو چھوڑ دے اور ہمارے پاس حاضر رہ تو ان کے حکم کی تعمیل پہلے ہے۔ اور اگر فرمائیں کہ واجبات ترک کر دے یا حج فرض کے لیے نہ جا تو قبول نہ کرے۔ اور اگر سنن موکدہ کو جیسے جماعت اور عرفہ کا روزہ چھڑائیں تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ اگر ایک یا دو بار ترک کرائیں تو ان کا کہا مان لے اور اگر اس ترک کی عادت بنالیں تو ان کے حکم کو قبول نہ کرے۔

## حق اللہ کے بعد حقوق والدین رکھنے کی وجوہ

حاصلِ کلام یہ کہ ہم نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کو اپنی عبادت کے بعد اور ان کے حق کو اپنے حق کے برابر کیا چند وجوہ کی بناء پر۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ والدین جس طرح اپنی اولاد کی پرورش اور تربیت کا سبب ہیں اسی طرح اولاد کے وجود کا بھی سبب ہیں۔ اور ایجادِ الٰہی کے فیض کا واسطہ ہوتے ہیں۔ والدین کے سوا کوئی یہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ اگر کوئی تربیت اور پرورش کا ذریعہ بنتا ہے۔ تو وجود کا سبب ہرگز نہیں ہوتا۔ پس اللہ تعالیٰ کے انعام کے بعد والدین کے انعام سے کسی کا انعام بڑا نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ والدین کا انعام حضرت حق جل وعلا کے انعام کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ اس انعام کے عوض کوئی تعریف شکر یا کوئی ثواب اور جزا نہیں چاہتے۔ بخلاف دوسرے لوگوں کے

marfat.com
Marfat.com

انعام کے کہ لازمی طور پر کسی غرض سے مخلوط ہوتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر انعام کرنے سے رنجیدہ نہیں ہوتا اگر چہ بندہ گنہگار اور نافرمان ہو۔ اسی طرح وہ بھی اولاد سے شفقت اور خیر خواہی سے رنجیدہ نہیں ہوتے اگر چہ اولاد نالائق ہو۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ والدین کو واحد حقیقی کی بارگاہ سے کمال مناسبت ہے۔ جس طرح درجہ خدائی میں ایک ذات پاک کے سوا کسی کی گنجائش نہیں اسی طرح ماں باپ کے درجہ میں ایک ایک فرد کے سوا کوئی نہیں آ سکتا۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ کمال جو ممکن ہے' اولاد کے بارے میں والدین اس کی آرزو کرتے ہیں۔ بلکہ ہر کمال میں اپنی اولاد کی اپنے آپ سے زیادہ ترقی چاہتے ہیں۔ اور کسی اچھی چیز پر اس پر حسد نہیں کرتے اور یہ والدین کے سوا کسی کی خصوصیت نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام شرائع اور دینوں میں والدین کی تعظیم واجب رہی۔ بلکہ اولاد کے ساتھ والدین کی مناسبت' محبت اور جھکاؤ ذاتی ہے' بے شعور حیوانات میں بھی موجود ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے کے ساتھ محبت بھی ذاتی ہے۔ اور اسی لیے کافروں کے حق میں بھی رُسل علیہ السلام کو بھیجنے' کتابیں اُتارنے' دلائل قائم کرنے اور عذر زائل کرنے کے ساتھ مصروف ہے۔

اور اس آیات میں جو والدین کو ایمان کی قید کے بغیر مطلق ذکر فرمایا ہے' ایک اشارہ ہے کہ ماں باپ اگر چہ کافر منافق یا فاسق و فاجر ہوں' اولاد کو ان کے متعلق بھی نرمی اور اچھے سلوک کی راہ چلنا چاہیے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے اپنے چچا کو جو کہ بمنزلہ باپ تھا' پیغامِ ہدایت دیتے ہوئے نرمی کا راستہ اختیار فرمایا جیسا کہ سورۂ مریم میں اسے وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور جب حنظلہ بن ابو عامر راہب نے جو کہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ تھے' اپنے باپ ابو عامر راہب کو جو کہ سخت عناد رکھتا تھا' قتل کرنے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہ دی اور باپ کو قتل کرنے سے اگر چہ واجب القتل تھا' منع فرمایا۔

marfat.com
Marfat.com

## والدین کے ساتھ احسان کرنے کا طریقہ

اور احادیث صحیح میں جو کچھ مروی ہے اس کے مطابق والدین کے ساتھ احسان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تہ دلی سے ان کے ساتھ محبت کرے۔ اور گفتگو' چلنے' بیٹھنے اور اُٹھنے میں ادب کی باریکیوں کی رعایت کرے۔ مثلاً چلنے میں آگے نہ ہو۔ اور گفتگو میں انہیں ان کے نام کے ساتھ نہ پکارے مثلاً یا سیدی اور یا سیدتی' یا اے والد محترم اور والدہ محترمہ اور اسی طرح خدمت میں مقدور بھر خرچ کرے۔ اور قول اور فعل میں انہیں خوش رکھنے کا قصد کرے۔ اور اپنے قیمتی اوقات اور نفیس مال کا ان سے دریغ نہ کرے۔ اور وفات کے بعد ان کی وصیت جاری کرنے میں لگ جائے۔ اور انہیں دعائے خیر اور استغفار کے ساتھ یاد رکھے۔ اور ان کے لیے صدقات وخیرات بھیجے۔ اور ایک جمعہ کی مقدار میں ان کی قبر کی زیارت کرے۔ اور سورۂ یٰسین پڑھ کر اس کا ثواب ان کی روح کو گزارے اور جنہیں ان سے محبت اور قرابت ہے' ان کی خبر گیری کرے۔ اور جو سلوک وہ ان سے کرتے تھے بجالائے کیونکہ ان اعمال کے ساتھ والدین کے ساتھ نیکی کرنا پورا ہوتا ہے۔ اور ان تمام مراتب کو سورت اسراء میں چند کلمات کے ضمن میں ارشاد فرمایا: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ (الاسراء، بنی اسرائیل آیت ۲۳، ۲۴) انہیں اف تک مت کہو اور انہیں مت جھڑکو اور ان سے بڑی تعظیم سے بات کرو۔ اور ان کے لئے تواضع وانکسار کے بازو جھکا دو رحمت سے اور عرض کرو اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے (بڑی محبت وپیار سے) پالا تھا جب میں بچا تھا۔

## ذی القربٰی کے حقوق

ونیز ہم نے فرمایا کہ تم احسان کرو گے ذِی الْقُرْبٰی قریبوں کے ساتھ اور اس احسان کو ہم نے والدین کے ساتھ احسان کے تابع کر دیا کیونکہ دنیا میں جو رشتہ داری ہے یا والدین کے واسطہ سے ہے دونوں کے واسطہ سے جیسے حقیقی بھائی بہنیں یا ان میں سے ایک

marfat.com
Marfat.com

سے واسطہ سے جیسے دادا' باپ کی طرف سے بھائی' چچے اور چچیاں یہ سب باپ کی وجہ سے رشتہ داری رکھتے ہیں۔ اور جیسے ماں کی طرف سے بھائی بہنیں' نانا' ماموں اور خالائیں۔ جو کہ ماں کی وجہ سے رشتہ دار ہیں۔ پس تمام ذوی القربیٰ والدین کے ساتھ قرابت میں شریک ہو گئے۔ اور فرق یہی ہے کہ سلسلہ وجود میں والدین اصل ہونے کے اعتبار سے قریب واقع ہوتے ہیں۔ اور یہ سب بالتبع۔ اور اسی لیے اصل احسان میں شریک ہیں۔ اور شریعت میں اس احسان کو صلہ رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور احادیث شریف میں وارد ہے کہ الرحم سحنة من الرحمن یعنی قرابت اسم رحمان کے ظہور کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پردے میں ظہور کرتی ہے۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے قرابت کو فرمایا ہے من وصلك وصلته ومن قطعك قطعة جو تجھ سے اچھا سلوک کرتا ہے' میں اس سے اچھا سلوک کرتا ہوں اور جو تجھ سے بُرا سلوک کرے میں اس سے اسی قسم کا سلوک کرتا ہوں۔

اور عقلی مصلحت بھی تقاضا کرتی ہے کہ اپنے اقارب کے ساتھ احسان کی راہ چلنا چاہیے۔ کیونکہ آدمی کا شادی میں بھی' غمی میں بھی اور دوسری مہمات میں بھی بغیر مالی امداد و اعانت اور خدمت بدنی کے کام درست نہیں ہوتا۔ اور ہر کسی کو ہر کسی کے ساتھ اس قسم کی امداد ممکن نہیں۔ پس ناچار ان لوگوں کو جو کہ ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ میلان اور اُلفت طبعی رکھتے ہیں۔ اور ایک قسم کا اتحاد' محرمیت اور ان کے احوال پر اطلاع ممکن ہے' یہ سلوک لازم کیا گیا ہے۔ تاکہ تمدن' اجتماعیت اور ایک دوسرے کے ساتھ امداد و تعاون کا کام نہ بگڑے۔

## قرابت کی دو قسمیں

یہاں جاننا چاہیے کہ اہل قرابت کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ان لوگوں کی ہے۔ جو کہ قرابت کے ساتھ محرم بھی ہیں۔ جیسے چچا' ماموں' پھوپھی' خالہ' بھائی' بہن اور بھائیوں اور بہنوں کی اولاد۔ اس قسم کے ساتھ احسان فرض ہے۔ اور اس کا تارک گنہگار۔ دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو محرم نہیں ہیں۔ جیسے چچاؤں اور ماموؤں کی اولاد' پھوپھیوں اور خالاؤں کی اولاد'

marfat.com
Marfat.com

ان کے ساتھ احسان سنت موکدہ ہے۔ لیکن امداد و اعانت کے معنی میں۔ لیکن احسان بمعنی تکلیف نہ دینا تو یہ سب کی نسبت سے فرض ہے۔ بلکہ تمام مسلمانوں کی نسبت سے بھی۔

## مشہور سوال

نیز جاننا چاہیے کہ یہاں مشہور سوال ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں یتامیٰ اور مساکین کو جمع کے صیغے کے ساتھ لایا گیا ہے۔ اور اہلِ قرابت بھی متعدد ہیں۔ لیکن انہیں مفرد کے صیغے سے لائے۔ اور ذوی القربیٰ نہ فرمایا۔ اس میں کیا نکتہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہلِ قرابت کے بارے میں صیغہ مفرد لانے میں جتلانا مراد ہے کہ چونکہ قرابت ایک مرتبہ میں ہوتی ہے' انہیں ایک آدمی کے حکم میں اعتبار کرنا چاہیے۔ اور ترجیح' تفضیل اور سلوک میں اختلاف سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ وحشت کا موجب نہ ہو بخلاف یتامیٰ اور مساکین کے کہ وہاں اختلاف سلوک اور بعض کو بعض پر ترجیح اور فضیلت دینا حرام نہیں ہے۔

## دیگر سوال اور جواب

ایک اور سوال بھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سورت میں ذی القربیٰ حرف جار جو کہ با ہے کے تکرار کے بغیر ارشاد فرمایا گیا۔ جبکہ سورت نساء میں وبذی القربیٰ حرف با کے تکرار کے ساتھ' یہ فرق کس نکتہ پر مبنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سورت میں عہد کا ذکر ہے۔ جو کہ بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا۔ بنی اسرائیل اپنی استعداد کی تنگی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے والدین کے ماسوا کا حق احسان نہ سمجھ سکے تو انہیں سمجھانے کے لیے ذی القربیٰ کو والدین کے حکم میں داخل کر دیا گیا۔ اس بناء پر کہ تمام ذی القربیٰ والدین میں سے ایک سے اتصال رکھتے ہیں۔ والمتصل بالمتصل متصل اور متصل سے ملا ہوا بھی متصل ہے۔ پس حرف با کا گرانا جو کہ استقلال پر دلالت کرتا ہے۔ اور کمال اتصالی کے منافی ہے' ضروری ہوا۔ جبکہ سورۂ نساء میں اُمتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا السلام والتحیہ سے خطاب ہے۔ اور وہ اپنے کمال معرفت اور فراخی استعداد کی وجہ سے حق دار کے حق کو مستقل طور پر پہچان سکتے ہیں۔ پس

marfat.com
Marfat.com

حرف با جو کہ اس پر دلالت کرتا ہے' کا لانا مناسب ہوا۔ نیز اس سورت میں کلام اختصار پر مبنی ہے۔ کیونکہ منظور اصلی تو عہد یاد کرانا ہے نہ کہ حاضر ذمہ داری۔ اسی لیے مقامِ توحید میں نفی و اثبات پر اکتفاء فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ پس با کے حذف کرنے کی جو کہ اختصار کا موجب ہے' رعایت کی گئی۔ تاکہ روشِ کلام کے مناسب ہو۔ اور سورۂ نساء (آیت ۳۶) میں تکلیفات کی تفصیل کا مقام ہے۔ اور اسی لیے توحید کو دو مستقل عبارتوں کے ساتھ ادا کیا۔ فرمایا کہ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا اور حقوق والوں کے بیان میں ایک طوالت منظور رکھی گئی ہے کہ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ پس حرف با کا یہاں لانا ضروری ہوا تاکہ روشِ کلام کے خلاف نہ ہو۔

بلکہ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ نساء میں ذی القربیٰ کو اصلی حق والا بناء کر جَارِ ذِی الْقُرْبٰى۔ جَارِ الْجُنُبِ اور صَاحِبِ بِالْجَنْبِ کو تابع اور حکمی قرابت قرار دیا گیا ہے۔ اور اس سورت میں والدین کو اصالۃً صاحبِ حق بناء کر ذوی القربیٰ کو ان کے تابع حکمی گردانا گیا۔ پس اس بناء پر یہاں حرف با کا لانا اور یہاں اس کا حذف لازم ہو گیا۔

و نیز ہم نے فرمایا کہ تم احسان کرو گے۔ اَلْیَتٰمٰی یتیموں کے ساتھ خواہ وہ مردوں کی جنس سے ہوں یا عورتیں۔

## یتیم کے معنی اور حقوق کا بیان

عرف شرع میں وہ نابالغ بچہ ہے۔ جس کا باپ فوت ہو گیا ہو یا گم ہو چکا ہو اس کی ماں زندہ ہو یا نہ۔ اور اگر ماں بھی نہیں رکھتا تو وہ زیادہ مستحق ہو جاتا ہے۔ اور جانوروں میں یتیم وہ ہے۔ جس کی ماں نہ ہو گو باپ رکھتا ہو۔ اور جواہر اور نفیس چیزوں میں یتیم وہ جس کا ثانی اور مثل نہ ہو جیسے در یتیم کہتے ہیں۔ اور یتیم کی جمع یتامیٰ لائی گئی ہے۔ حالانکہ فعیل کی جمع فعالیٰ نہیں آتی لیکن یتیم آفت زدہ ہے' آفت زدوں کی جمع کی طرح اس کی جمع لائے جیسے وجاعی وحباطی اور صاحب کشاف نے کہا ہے کہ یتیم کو اگرچہ صفت ہے' اسمائے غالبہ کا حکم دیا گیا

marfat.com

Marfat.com

ہے۔ جیسے صاحب' فارس اور انہیں کی شکل پر جمع لائی گئی پس اصل میں یتائم تھا' جگہ بدل کر یتامیٰ بنا دیا گیا۔ اور یتیم پر احسان دو قسم کا ہے: پہلی قسم وہ ہے جو اس کے وارثوں پر واجب ہے۔ جیسے اس کے مال کی اس طرح نگہبانی کرنا کہ روز بروز زیادہ ہو' تجارت یا زراعت کے ساتھ تا کہ خرچ کا اندازہ اور ملکیت کی ذمہ داریاں اس سے نکل آئیں۔ اور یتیم کی مصلحتوں کی دیکھ بھال خوراک' پوشاک' تعلیم علم و کتابت اور کمال نرمی اور خیر خواہی کے ساتھ آداب کی تلقین اور ایک قسم وہ ہے۔ جو کہ عام لوگوں پر واجب ہے اور وہ تکلیف نہ دینا ہے۔ نرمی اور دلجوئی' مجالس اور محافل میں اپنے پاس بٹھانا' یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا اور اسے بیٹوں کی طرح بغل میں لینا اور اظہارِ محبت کرنا۔

اور یتیمی کا حق اس لیے اقارب اور والدین کے حق کے تابع ہوا کہ جب کوئی شخص یتیم اور بے پدر ہوا۔ حق تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو حکم فرمایا کہ اس کے ساتھ باپ ہونے کا حکم ظاہر کریں۔ تا کہ حکمی عاجزی جو کہ اس کے باپ کی موت کی وجہ سے لاحق ہوئی اس حقیقی قوت کے ساتھ جو کہ اسے ہزاروں باتوں کی وجہ سے ملی' پوری ہو جائے۔ پس یتیم بھی شرعی قرابت رکھتا ہے۔ جس طرح ذوی القربیٰ قرابت عرفی رکھتے ہیں۔

و نیز ہم نے فرمایا کہ تم احسان کرو گے۔ اَلْمَسَاکِیْن گداؤں اور کنگالوں کے ساتھ جو کہ زمانہ حال کی عاجزی اور فقیری کی وجہ بالفعل یتیموں کا حکم رکھتے ہیں۔ اگرچہ یتیم کمائی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور یہ طاقت رکھتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے کلامِ الٰہی میں ہر جگہ مساکین سے مقدم ہوئے ہیں۔

کیونکہ یتیموں میں حال اور مستقبل دونوں کی عاجزی ثابت ہے۔ بخلاف مساکین کے

## مسکین کے معنیٰ کا بیان

اور قرآن پاک کے عرف میں مسکین وہ شخص ہے۔ جس کی آمدنی اس کے خرچ سے کم ہو۔ اگر کچھ مال بھی رکھتا ہو۔ اور کسی پیشے میں بھی مصروف ہو۔ اس کی دلیل وہ ہے۔ جو کہ سورۂ کہف میں مذکور ہے کہ جس کشتی کو خضر علیہ السلام نے توڑا' مسکینوں کی ملکیت تھی۔ اور وہ مساکین اس کشتی کے ساتھ کمائی کرتے تھے اسی دلیل سے جو کہ سورۃ لااقسم میں شدید

marfat.com

Marfat.com

محتاجی کے مقام میں مِسۡكِينًا ذَا مَتۡرَبَةٍ فرمایا ہے۔ اگر لفظ مسکین خود بخود کسی بالکل کنگال پر دلالت کرتا تو اس قید کی حاجت نہ تھی۔ اور جب مساکین کو احسان کا مستحق ٹھہرایا تو فقیر کو بطریق اولیٰ محل رحم واحسان جاننا چاہیے۔ کیونکہ اس کی محتاجی مسکین کی محتاجی سے زیادہ ہے۔

وَ نیز ہم نے فرمایا قُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرو جو کہ دل کی تنگی کا باعث نہ ہو۔ کیونکہ عوام الناس کے بارے میں احسان فعلی میسر نہیں ہوتا کیونکہ احسان فعلی اگر خدمت بدنی ہے۔ تو قوت کے ساتھ مشروط ہے۔ اور اس قدر قوت کہ بدن سے عام مخلوق کی خدمت کرے آدمی میں نہیں پائی جاتی۔ اور اگر مالی امداد ہے۔ تو اپنی حاجت سے زائد مال پانے پر موقوف ہے۔ اور کسی کے لیے مال کی اس قدر کثرت جو کہ عام مخلوق کی حاجتوں کی گنجائش رکھے ہاتھ نہیں لگتی۔ تو مجبوراً عوام کے حق میں احسان قولی پر اکتفاء کرنا چاہیے۔

## احسان قولی کے مرتبوں کا بیان

اور شرع شریف میں احسان قولی کے چند مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ کہ ملاقات کے وقت سلام سنون بجالائے۔ اور سلام کے جواب میں ایک لفظ زیادہ ملائے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ مہربانی اور نرمی کے ساتھ نیکی پر دلالت کرے۔ اور بُرائی سے روکے اور سمجھانے کی راہ چلے نہ کہ مناظرہ اور مجادلہ کی جیسا کہ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ انہوں نے کسی شخص کو جو وضو کے آداب اور سنتوں کی رعایت نہیں کرتا تھا۔ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ وضو کروں' تم توجہ سے دیکھو کہیں ایسا نہ ہو مجھ سے کوئی مستحب رہ جائے۔ اور چاہیے کہ یہ دلالت بھی خلوت میں ہو نہ کہ محضر عام میں تا کہ عار کا موجب نہ ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ملاقات کے وقت دوستی کا اظہار کرے۔ اور مزاج پُرسی کرے۔ اور شادی اور غم میں شریک ہونا بیان کرے۔ لیکن اس حد تک کہ سچ ہو' بے حد مبالغہ کیے بغیر' چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اسے بُلانے یا یاد کرنے کے وقت اس کے اچھے نام اور القاب زبان پر لائے۔ اور جو نام یا لقب اسے بُرے لگیں' ان سے پرہیز کرے۔ البتہ یہاں بھی سچائی کی رعایت کرے۔ اور جھوٹ نہ کہے۔

marfat.com
Marfat.com

پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ پس پشت اسے خوبی کے ساتھ یاد کرے۔ اور اس کی سچی تعریف کرے۔ اور بے حد جھوٹ اور بے حد مبالغہ سے پرہیز کرتے ہوئے اس کے فضائل کو ظاہر کرے۔ چھٹا مرتبہ یہ ہے کہ اچھے صلاح و مشورے کے وقت اس سے دریغ نہ کرے۔ ساتواں مرتبہ یہ ہے کہ اگر کسی کو دیکھے کہ نادانستہ کسی ہلاکت یا نقصان میں گرفتار ہوتا ہے۔ اور اس آفت سے اس کی خلاصی کو یہ شخص جانتا ہے' کمال حسن خلق اور ادب کی رعایت کرتے ہوئے اسے تعلیم دے۔ اور کسی اندھے کے حق میں جو کہ کسی کھڈے یا کنوئیں میں گرنے کے قریب ہو یا وہ شخص جو راستہ بھول گیا ہو یا اس کا سامان گم گیا ہو۔ اور اسے ڈھونڈتا ہو۔ اور اس کے نشان سے بے خبر ہو یا کوئی سامان خریدنا یا دوائی کی پہچان منظور ہو۔ اور اس کی خرید وفروخت کے امکان کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کے طریقے سے آگاہی نہ ہو' یہ دلالت بہت تاکیدی ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح علمی استفتاء اور دینی شبہ کا حل طلب کرنے کے وقت وعلی ہذا القیاس۔ اور یہ اکثر معاملات کفار کے ساتھ بھی اجر وثواب کا باعث ہیں۔ اور اسی لیے وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا فرمایا۔ اور ایمان اور اسلام کی قید سے مقید نہ فرمایا مگر سلام کہنے میں پہل کرنا اہلِ اسلام کے ساتھ خاص ہے۔

## مدارات' حسن خلق اور مداہنت کے معنوں میں فرق کا بیان

اور یہاں جاننا چاہیے کہ اس آیت میں حسن کا معنی یہ نہیں ہے کہ مخاطب کے نزدیک ہر لحاظ سے اچھا معلوم ہو۔ ورنہ مداہنت کا ارتکاب اور شرع کی مخالفت ہو گی کیونکہ اکثر مخاطبین اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو کہ اپنی خواہش کے مطابق ہو اگرچہ شرع کے مخالف اور دین داری کے قانون کے منافی ہو۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ حقیقت میں اس کے حق میں اچھی ہو۔ اور اس طرح ادا کی جائے کہ دل شکنی اور اسے عار لاحق ہونے کا سبب نہ ہو۔ پس اس آیت میں ہاں میں ہاں ملانے والوں اور خوشامدیوں کے لیے کوئی سند نہیں۔ اس لیے کہ ان کا کلام اور گفتگو اگرچہ بے سمجھ مصاحبوں اور مخاطبوں کے نزدیک اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک قباحت اور بُرائی سے موصوف ہے۔ پس فِیْ نَفْسِہٖ حسن نہ رہا اور اس آیت میں حسن کا لفظ واقع ہے نہ کہ لفظ مستحسن۔ مرضی یعنی پسندیدہ [illegible]

marfat.com
Marfat.com

خوش آنے والا تا کہ وہ باطل معنی اس سے سمجھا جاسکے۔

## مدارات، حسن خلق اور مداہنت میں فرق

اور یہاں ایک عظیم مغالطہ پیش آیا۔ اکثر لوگوں کے لئے مدارات' حسن خلق کے اور مداہنت کے درمیان فرق واضح نہیں ہوا۔ مدارات اور حسن خلق شرع میں ہر مسلمان اور کافر کے ساتھ قابلِ تعریف ہے۔ جبکہ مدارات اور خوشامد معیوب اور مردود۔ ایک کا دوسرے سے امتیاز نہیں کرتے اور حسن خلق کے مقام پر مداہنت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان صاف ستھرا فرق یہ ہے کہ مدارات اور حسن خلق اپنے بارے میں چشم پوشی کرنا اور نفسانیت کے ساتھ کام نہ کرنا ہے۔ اور اپنے آپ کو واجب التعظیم نہ سمجھنا اور اپنے بارے میں کسی کوتاہی سے درگزر کرنا ہے۔ جبکہ مداہنت دینی معاملہ میں چشم پوشی کرنا اور ناجائز امور اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر پسندیدہ اقوال کو دیکھنے سننے کے باوجود حمایت و غیرت نہ کرنا اور اپنے دین کو ہلکا کرنا اور شریعت اور دین کے واجب حق سے درگزر کرنا۔ مثلاً اگر کسی شخص نے اسے سخت سست کہا یا اس کی تعظیم نہیں کی تو غصے میں نہ آنا اور اس سے بدلہ لینے کے درپے نہ ہونا بلکہ اچھا سلوک کرنا حسن خلق اور مدارات کے زمرے سے ہے۔ اور اگر شخص نے خلاف شرع حرکت کی یا دین کی تعظیم نہ کی اس سے موافقت کرنا' اس سے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرنا اور اس کی بات کا رد نہ کرنا مداہنت اور خوشامد ہے۔ پس حسن خلق اور مدارات کسی کی خوشنودی اور دلجوئی کے لیے اپنے حق کو چھوڑنا ہے۔ جبکہ مداہنت اسی غرض فاسد کے لیے حق شرع کو ضائع کرنا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ ایک دوسرے سے بالکل جدا ہے۔ کسی طرح سے مشتبہ نہیں ہے۔ اور جب یہ فرق معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ گفتگو یا تو دینی امور کے بارے میں ہے۔ اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ کہ کافروں کے ساتھ ہو جیسے ایمان کی طرف بُلانا اور یہاں نرم گفتگو اور دلجوئی معتبر ہے۔ اس دلیل سے کہ حق تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیٰ نبینا و علیہما السلام کو عنوانِ رسالت کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تو ارشاد فرمایا فقولا له قولاً لینا لعله یتذکر او یخشیٰ (طٰہٰ آیت ۴۴) اس سے نرمی سے بات کرنا شاید کہ نصیحت قبول

marfat.com

Marfat.com

کرے یا اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ اور اس دلیل سے کہ حضرت خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ السلام کی تعریف میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك (آل عمران آیت ۱۵۹) اللہ تعالیٰ کی کمال مہربانی ہے کہ آپ کافروں اور منافقوں کے لیے خود بخود نرم طبع ہوئے۔ اور اگر درشت گفتگو والے اور سخت دل ہوتے تو آپ کی صحبت سے گریز کرتے اور آپ کی بات نہ سنتے۔

دوسری قسم یہ کہ فاسقوں کے ساتھ بات چیت ہو۔ اور ان لوگوں کے ساتھ جو کہ حقوقِ اسلام میں کوتاہی نہیں کرتے جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دینا اور نافرمانی سے روکنا یہاں بھی آداب، حسن خلق، گفتگو میں نرمی اور دلوں کو قائل کرنے کا لحاظ کرنا چاہیے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا۔ ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة۔ (النحل آیت ۱۲۵) نیز فرمایا ہے: ادفع بالتي هي احسن (المومنون آیت ۹۶)

یا دنیوی امور کے بارے میں ہو جیسے غاصب اور امانت دار سے اپنا حق اور قرض کا تقاضا کرنا۔ اور ہر عقل مند کو معلوم ہے کہ نرمی کے ساتھ مقصد حاصل کرنا ممکن ہو تو اسے چھوڑ کر سختی اختیار کرنا معیوب اور مردود ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں وارد ہوا کہ مادخل الرفق في شيء الا زانه وما دخل الخرق في شيء الا شانه یعنی جہاں نرمی ہوگی، اسے زینت بخشے گی اور جہاں سختی ہوگی، اسے بے زیب کردے گی تو ثابت ہوا کہ اچھی بات کہنا مسلمانوں اور نیک لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بنی آدم کے تمام گروہوں کے ساتھ دین و دنیا کے مقدمات میں حسن خلق کا طریقہ اپنانا اور ادب و تواضع کی راہ اختیار کرنا اچھا ہے مگر جہاں سختی اور سخت گوئی کے بغیر دین یا دنیا کا کام نہیں بنتا یا وہاں حسن خلق مداہنت کے ساتھ مشتبہ ہو جائے تو وہاں سختی اور شدت اختیار کرنا چاہیے۔ اور یہی مقام ہے اس آیت کا يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اور حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ما تحبون ان يقال لكم۔ لوگوں کو ایسی بات کہو جو تم پسند کرتے ہو کہ تمہیں کہی جائے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام امور میں خواہ وہ دینی ہوں

marfat.com

Marfat.com

جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا دنیوی جیسے قرض کا تقاضا اور اپنا حق مانگنا۔ چاہیے کہ انسان اپنے آپ کو اپنے حریف کے پلے میں رکھے۔ اور اپنے دل میں تولے کہ اگر میں اس فعل میں گرفتار ہوتا۔ اور کوئی شخص میرے ساتھ مقام نصیحت وارشاد میں یا نزاع اور جھگڑے کے وقت گفتگو کرتا تو مجھے کس طرح پسند ہوتا۔ اور کون سے طریقے سے برا لگتا۔ پہلے طریقے کو اختیار کرے۔ اور دوسرے سے پرہیز کرے۔ اور جب اس عہد میں بندوں کے ذمے جو بندوں کے جو حقوق ثابت ہیں' کے بیان سے فراغت ہوئی تو اپنے حقوق طلب فرمائے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور نماز برپا کرو۔ اور اسے اس طرح درست کرو کہ اس میں کوئی کمی نہ رہے۔ کیونکہ نماز ایک ایسی عبادت ہے۔ جو کہ دل و جان اور ہاتھ پاؤں کو شامل ہے۔ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ دو جو کہ مال سے معین مقدار ہے۔ چالیسواں حصہ سونے چاندی سے اور اموال تجارت کی قیمت سے بشرطیکہ ایک سال گزر جائے۔ اور مویشیوں اور کھیتی باڑی سے اجناس اور اصناف کے اختلاف کے مطابق مختلف ہے۔ جیسا کہ فقہی کتابوں میں مذکور ہے۔ کیونکہ یہ عبادت اگرچہ صورت میں خداتعالیٰ کا حق ہے۔ لیکن معنوں کے اعتبار سے بندوں کا حق ہے۔ اور اخلاق کو اچھا کرنے اور بخل کی ردی عادت کو دفع کرنے میں اسے پورا دخل ہے۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ اس پہلے عہد میں توحید کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد آدمیوں کے حقوق کو۔ اس کے بعد نماز اور زکوٰۃ کو۔ پس ترتیب میں دگرگونی لازم آئی کیونکہ اگر حقوق العباد کو پہلے لانا منظور تھا اس بناء پر کہ حقوق العباد زیادہ شدید ہیں۔ اور ان کی رعایت کرنا زیادہ ضروری اور ان میں عہد کو توڑنا زیادہ سخت ہے۔ تو چاہیے تھا کہ توحید کو بھی مؤخر کیا جاتا اور نماز زکوٰۃ کے ساتھ ذکر فرمایا جاتا اور اگر حقوق اللہ کو پہلے لانا پیش نظر تھا اس بناء پر کہ بنیاد یہی ہے۔ تو نماز اور زکوٰۃ کو توحید کے ہمراہ ذکر کرنا چاہیے تھا۔ اور حقوق اللہ کی تفریق کہ بعض کو پہلے اور بعض کو آخر میں بیان فرمایا' کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں حقوق العباد کو پہلے لانا منظور ہے۔ کیونکہ بندے اپنی

marfat.com

Marfat.com

محتاجی کی وجہ سے اپنے حقوق میں کوتاہی کی وجہ سے تکلیف پاتے ہیں۔ جبکہ حضرت حق جل وعلا احتیاج سے پاک ہے۔ اگر اس کے حق میں کوئی کوتاہی ہو جائے' اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ لیکن توحید کو حقوق اللہ میں ایک ایسا مقام حاصل ہے۔ جو کہ طاعات کی مقبولیت کی شرط ہے خواہ وہ طاعات حقوق العباد سے متعلق ہوں یا حقوق اللہ سے۔ اور طبعی طور پر شرط کو مشروط پر اولیت حاصل ہے اس بناء پر توحید کو باقی تمام چیزوں سے پہلے لانا لازم ہوا۔ اور اس کے بعد حقوق العباد کو حقوق اللہ پر مقدم فرمایا تا کہ ان کی ادائیگی پر زیادہ تاکید سمجھی جائے۔

## ایک اور سوال اور اس کا جواب

اور ایک اور سوال بھی ہے کہ یتیموں' مسکینوں اور قرابت داروں کے ساتھ احسان کرنا زکوٰۃ دینے میں داخل ہے' اسے جدا ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یتیموں' مسکینوں اور قرابت داروں کے ساتھ احسان کرنا جیسا کہ تفسیر میں اس کا اشارہ پہلے گزر چکا' زیادہ عام ہے کہ مال کے ساتھ ہو یا کسی دوسری صورت کے ساتھ اور جس صورت میں مال کے ساتھ ہو' بھی عام ہے اس سے نصاب کی قدر میں ہو یا اس سے کم تر میں۔ اور جس صورت میں کہ قدر نصاب میں ہو بھی عام ہے اس سے کہ زکوٰۃ میں شمار کی جائے یا زکوٰۃ کے علاوہ۔ پس اس احسان کو جو کہ اس درجہ عموم رکھتا ہے' زکوٰۃ دینے میں شمار نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں ان تین اصناف یعنی' یتیموں' مسکینوں اور قرابت داروں کے ساتھ احسان کرنے کے طریقے میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مال زکوٰۃ کو ان کی طرف خرچ کیا جائے۔

نیز قرابت داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ احسان کرنے کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کو منظور یہ ہے کہ ان کے حال پر خصوصیت کے ساتھ توجہ اور لطف کی نظر رکھیں۔ جس طرح بھی ہو۔ اور زکوٰۃ دینے میں پیش نظر یہ ہے کہ مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا قصد کریں اور اسی لیے پہلا احسان عدالت کے خُلق کی تکمیل کے زمرے سے ہے۔ اور دوسرا احسان یعنی زکوٰۃ دینا سخاوت کے خلق کو حاصل کرنے کے لیے ہے۔ پہلا احسان حقوق العباد میں سے ہے۔ جبکہ دوسرا حقوق اللہ میں سے ہے۔

marfat.com
Marfat.com

حاصل کلام یہ کہ یہ عہد یاد دلانے کے بعد جو کہ آٹھ (۸) تکلیفات شامل ہے۔ اور تکلیفات کی تمام قسموں کو جامع ہے۔ کیونکہ تکلیف بدنی ہے یا مالی۔ اور ان میں سے ہر ایک عام ہے یا خاص۔ تکلیف بدنی عام مطلق عبادت ہے کہ ایک شخص اپنے تمام اعضاء اور قویٰ کو امر الٰہی کی تکمیل کے لیے مستعد کر کے اس غلام کی طرح گوش بر آواز ہو جو کہ اپنے مالک کی اطاعت کے قصد کے ساتھ کھڑا ہے۔ اور اس تکلیف کا اشارہ ان لفظوں کے ساتھ واقع ہے۔ لَاتَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ اور خاص بدنی تکلیف نماز ہے۔ جو کہ مخصوص اوقات میں مقررہ شرائط اور ارکان کے ساتھ قرار پائی۔ اور خاص مالی تکلیف زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ مالک نصاب' سال گزرنے مقرر مستحقوں اور گنتی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور عام مالی تکلیف جو کہ صرف امکان کی قدرت کے ساتھ مشروط ہے' سبب کے ساتھ ہے یا نسب کے ساتھ' یا غیر نسب۔ اور نسب کی تین حالتیں ہیں یا سابق ہے۔ جیسے والدین' یا مقارن ہے۔ جیسے دُور کے رشتے دار۔ یا لاحق جیسے یتیم جو کہ اپنے باپوں کی موت کی وجہ سے عام لوگوں کی اولاد کے حکم میں ہیں۔ اور نسب کے بغیر یا محتاجی اور فقیری ہے جیسے مساکین۔ یا نوع کا اشتراک ہے۔ جو کہ عام لوگوں کی نسبت سے ثابت ہے۔ لیکن عام لوگوں کی نسبت سے سوائے احسان قولی یا مکارم اخلاق میں سے جو اس کے حکم میں ہے کہ میسر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حدیث پاک میں وارد ہے انکم لن تسعوا الناس باموالکم ولکن سعوھم باخلاقکم تمہیں ممکن نہیں کہ اپنے مال کے ساتھ تمام لوگوں کی گنجائش نکال سکو لیکن تمہیں چاہیے کہ سب کے لیے اپنے اخلاق کے ساتھ گنجائش کرو اب جھڑکنے اور عتاب کرنے کے طریقے سے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ پھر تم نے روگردانی کی۔ اس عہد سے باوجود تاکید و پختگی کے اور ان تمام آٹھوں تکالیف کو ضائع کر دیا۔

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ مگر تم میں سے قلیل جماعت نے۔ جیسے عبداللہ بن سلام اور کعب کے بیٹے اسد اور اسید اور ان کی مثل وہ لوگ جو کہ اپنے رسول علیہ السلام کی پیروی کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اور توحید اور حقوق اللہ کی ادائیگی میں راسخ قدم ہوئے۔ پس اس محکم

marfat.com
Marfat.com

عہد کو توڑنے اور ان عمدہ آٹھ تکالیف کو ضائع کرنے کے باوجود تم یہ توقع کیسے کرتے ہو کہ تمہارا عذاب چند روز سے زیادہ نہ ہوگا۔ حالانکہ ان میں سے بعض تکالیف کو چھوڑنا ہمیشہ کے عذاب کا سبب ہے۔ جیسے توحید اور بعض کو چھوڑنا دوزخ میں دیر تک ٹھہرنے کا موجب ہے۔ جیسے والدین کی نافرمانی' نماز ترک کرنا۔ اور کاش تم نے اس کے بعد اس روگردانی کا تدارک کر لیا ہوتا۔ اور اس عہد شکنی کی اصلاح کر لیتے لیکن تم روز بروز اس عہد شکنی میں ترقی کر رہے ہو۔

وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ اور تم نے احکامِ الٰہی سے روگردانی کو عادت بناء لیا ہے۔ اور العادۃ طبیعۃ ثانیہ یعنی عادت دوسری طبیعت ہے' کے مطابق اس روگردانی کا رنگ تمہارے نفسوں کے جواہر میں پختہ ہو کر مستحکم بدمزاجی کی طرح قابل علاج نہ رہا۔ اور اگر اس زمانے کے بنی اسرائیل کہیں کہ اس پختہ عہد سے روگردانی ہمارے تمام فرقوں سے رونما نہیں ہوئی بلکہ ہم میں سے بہت سے لوگ عبادت میں توحید اور حقوق کی ادائیگی پر ثابت قدم ہیں۔ خصوصاً ہم جو کہ اس وقت یہاں ہیں' ان تکلیفات کی ادائیگی میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ پس ہمارے اسلاف میں سے بعض کے فعل کی وجہ سے ہم پر طعن نہیں ہو سکتا۔ پس ان کے جواب میں انہیں ایک اور عہد یاد دلائیں اور کہیں

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے تم سے پختہ عہد اس بات پر لیا کہ

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ کہ تم ایک دوسرے کا خون نہیں گراؤ گے۔ اور اس عہد کو بھی ہم عہد توحید کی طرح خبر دینے کی شکل میں لائے تاکہ تم جانو کہ ایک دوسرے کا خون گرانا قباحت میں کفر و شرک کے قریب ہے۔ اور اسی لیے شرائع الٰہیہ میں مقرر ہے کہ شرک کے بعد بڑا کبیرہ گناہ ناحق خون کرنا ہے۔ اور اسی طرح اسی طریقے پر مزید تاکید کے لیے ہم نے فرمایا:

وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اور تم اپنے ہم مذہب گروہ کو اپنے گھروں سے نہیں نکالو گے۔ کیونکہ جلاوطنی ہلاکت کے قریب ایک آفت ہے۔ پس خون ریزی کے

marfat.com
Marfat.com

حکم میں ہے۔ اور انہیں ترک کرنے پر پختہ عہد دینے کے باوجود اس قسم کے عظیم گناہوں کے ارتکاب پر شدید طویل عذاب کی امید کرنا چاہیے تھی اس کے قریب جو کہ کفر و شرک میں متوقع ہے۔

اور کسی شخص کو اس کے گھر سے نکالنا چند طریقوں سے ہوتا ہے۔ ان میں سے ادنیٰ یہ ہے کہ ہمسائیگی میں اس سے بُرا سلوک کیا جائے تاکہ اس مسکن کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔ اور جس طرح اس شخص کو ناحق اس کے گھر سے نکال باہر کیا' اللہ تعالیٰ اسے اس کے موروثی گھر سے جو کہ جنت ہے' نکال دے گا اور تم نے اس عہد کو قبول کیا۔

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ پھر تم نے اقرار کیا کہ ہم نے اس عہد کا التزام کیا ہے۔ اور ہم نے قبول کیا وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اور تم بھی جو کہ اس زمانے میں حاضر ہو' اپنے اسلاف کے اس اقرار کی گواہی دیتے ہو۔ اور اس کا انکار نہیں کرتے ہو۔

ثُمَّ پھر اس اقرار اور گواہی کے بعد اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تم جو کہ اس وقت حاضر ہو' ان دونوں عہدوں کو توڑتے ہو جو کہ حق تعالیٰ نے تمہارے اسلاف سے بطریق خبر لیے تھے۔ اور تمہاری یہ عہد شکنی خبرِ الٰہی کی تکذیب کے مشابہ ہے۔ معاذ اللہ۔ کیونکہ تم تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ اپنے ہم مذہب اور ہم قوم لوگوں کو قتل کرتے ہو جو کہ درحقیقت اپنے آپ کو قتل کرتے ہو۔ کیونکہ حکم شرع کے ساتھ تم پر قصاص واجب ہو جاتا ہے۔ اور تم واجب القتل ہو جاتے ہو۔ اور اس واقعہ کی صورت یوں تھی کہ مدینہ منورہ کے گرد و نواح میں یہود کے دو گروہ رہتے تھے: بنو قریظہ اور بنو نضیر۔ اور شہر مدینہ عالیہ میں بھی انصار کے دو گروہ رہتے تھے: اوس اور خزرج۔ بنو قریظہ اوس کے اور بنو نضیر خزرج کے حلیف تھے۔ اور اوس اور خزرج کے درمیان جب بھی لڑائی ہوتی' بنو قریظہ اوس کی امداد کے لیے۔ اور بنو نضیر خزرج کی امداد کے لیے آتے تھے۔ اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ بنو قریظہ کے ہاتھوں بہت سے بنو نضیر اور بنو نضیر کے ہاتھوں بہت سے بنو قریظہ مارے جاتے تھے۔ اور ان کا یہ معاملہ سالہا سال سے جاری تھا اس کا تدارک بالکل نہیں کرتے تھے۔ اور اس کام پر ندامت محسوس نہیں کرتے تھے۔ اور کاش تم اسی قدر پر اکتفاء کرتے لیکن تم اس پر ایک اور چیز کا اضافہ کرتے تھے۔

marfat.com
Marfat.com

وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ اور اپنے ہم مذہبوں کے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو۔ اور یہ گروہ وہ لوگ تھے۔ جو کہ جنگ میں مغلوب ہو جاتے اور ان کے سردار مارے جاتے' یہ اس فرقے کو کمزور سمجھ کر ان کے تعلقات پر تصرف کرتے تھے۔ اور اگر تم کہو کہ ہم اپنے ہم مذہب لوگوں کو قصداً قتل نہیں کرتے اور نہ ہی نکالتے ہیں بلکہ اس قسم اور عہد کی نگہبانی کے لیے جو کہ ہمارے ہم عہدیوں کے ساتھ ہے' ان کی امداد واعانت کرتے ہیں۔ اور اس ضمن میں ان کا قتل اور نکالنا لازم آتا ہے' ہم مجبور ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس عہد نے جو کہ ہم عہدیوں کے ساتھ تمہارے عہد سے پہلے تھا' تم پر ہم مذہبوں کو قتل کرنے اور نکالنے کو حرام کر دیا تھا۔ اور فعل حرام پر امداد و تعاون کرنا شریک ہونا ہے۔ اور شک نہیں کہ تم

تُظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ پشت پناہی کرتے ہو اپنے ہم مذہبوں کو قتل کرنے اور نکالنے پر اس فعل کے ساتھ جو کہ فی نفسہٖ گناہ ہے۔ اور اپنے دینی بھائی کے حق میں زیادتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح ظلم حرام ہے۔ اسی طرح ظالم کی اس کے ظلم پر مدد کرنا بھی حرام ہے۔

## معتزلہ کے ایک قوی شبہ کا جواب

اور یہاں ایک قوی شبہ ہے۔ جو کہ معتزلہ پر وارد ہوتا ہے۔ اور وہ حضرت حق تعالیٰ پر عدل واجب کرنے میں کہتے ہیں کہ اگر ظالم کی مدد کرنا حرام ہے۔ تو حق تعالیٰ ظالم کو ظلم کرنے کی قدرت کیوں دیتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ نے ظالم کو ظلم کی قدرت بخشی ہے۔ اسی طرح اسے ظلم سے روکا بھی ہے۔ اور شدید وعید فرمائی ہے بخلاف آدمی کے کہ جو بھی ظالم کی مدد کرتا ہے' زیادہ تر ظلم پر اُبھارتا ہے۔ اور اس کی نظر میں ظلم کو اچھا گردانتا ہے۔ اور اگر حق تعالیٰ ظالم کو ظلم پر قدرت نہ دیتا تو تکلیف اور امتحان کا معاملہ جس پر اچھی بُری جزا کا دارومدار ہے' ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کے قدرت دیئے بغیر بندہ سے نہیں ہو سکتا۔ پس بندوں کا ظالم سے باز رہنا بے طاقتی کی وجہ سے ہوتا۔ نہ کہ ایمان اور اطاعت فرمانِ خداوندی کی وجہ سے۔ اور غرض تکلیف حاصل کرنے میں

marfat.com

Marfat.com

جب ایک آدمی کو دوسرے پر اس قسم کی قدرت دینا ہے۔ تو لازماً آدمیوں کے درمیان ظالم کے ظلم کی امداد مطلق حرام اور ممنوع ہوئی اور عجیب بات یہ ہے کہ اپنے ہم مذہبوں کو قتل کرنے اور وطن سے نکالنے میں اس قدر زیادتی کرتے ہو۔

وَاِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ اور اگر تمہارے پاس تمہارے ہم مذہب قیدی ہو کر آتے ہیں تو ان کا فدیہ دے کر انہیں چھڑا لیتے ہو۔ مثلاً اوس اور خزاج کی جنگ میں اگر بنو قریظہ میں سے کوئی خزرجیوں کے ہاتھوں قیدی ہو جاتا تو بنو نضیر اسے خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔ اور اگر بنو نضیر میں سے کوئی اوسیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا تو بنو قریظہ سونا دے کر اسے رہا کرا لیتے۔ اور اگر کوئی انہیں کہتا کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ جنگ بھی کرتے ہو۔ اور ایک دوسرے کو جلا وطن کر دیتے ہو پھر سونا دے کر ان کے قیدیوں کو کیوں چھڑا لیتے ہو؟ جواب میں کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بھی حکم فرمایا ہے کہ جب بھی ہم اپنے دینی بھائیوں کو کسی کے ہاتھوں میں اسیر دیکھیں تو اسے ہر حال میں رہا کرائیں اور ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کرنا صرف دنیاداری کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ جنگ سے بیٹھ رہنے کی صورت میں ہم پر طعن کیا جاتا ہے۔ اور ہمیں شرمندگی لاحق ہوتی ہے کہ ہم نے اپنے ہم عہدیوں کی مدد نہ کی اور وہ بھی ضرورت کے وقت ہماری مدد نہیں کریں گے۔ اور ہمارا دنیوی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ حق تعالیٰ ان کے جواب کو باطل فرماتا ہے کہ جس طرح دینی بھائی کو دین کے مخالف کی قید سے چھڑانا تم پر فرض تھا۔ اور تم اسے بجا لاتے ہو۔ اور اسی لیے عہد شکنیوں کے ذکر میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح تمہارے درمیان جنگ بھی تم پر حرام تھی۔

وَهُوَ حال یہ ہے مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ تم پر اپنے ہم مذہبوں کو نکالنا حرام ہے۔ اور جب نکالنا حرام ہے۔ تو قتل کرنا اور قتل کرنے پر مدد کرنا بطریق اولیٰ حرام ہوا۔ اور ان چیزوں کو بے دریغ عمل میں لاتے ہو۔ پس معلوم ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کے بعض بعض معاہدوں پر عمل کرتے ہو۔ اور اس کے بعض معاہدوں کو توڑ دیتے ہو۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ تو کیا اپنی کتاب کے بعض احکام پر ایمان لاتے ہو۔ جو کہ ظالموں کی قید سے قیدی کو چھڑانا ہے۔ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ اور اسی کتاب کے بعض

marfat.com
Marfat.com

احکام کے ساتھ کفر کرتے ہو جو کہ اپنے ہم مذہب کو قتل کرنا اور جلاوطن کرنا ہے۔ حالانکہ
کتاب پر ایمان لانا اجزا میں تقسیم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کے تمام احکام کو قبول نہ کرو
تمہارا ایمان صحیح نہیں ہوگا۔ اور اگر تم اپنی کتاب کے ایک حکم پر ایمان نہیں لائے تو کافر مطلق
ہو گئے۔ اور جب احکام کتاب میں سے ایک حکم کا انکار کفر ہے۔

فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ پس کیا جزا ہے اس کی جو یہ کام کرتا ہے۔ کسی گروہ
سے بھی ہو مِنْكُمْ تم میں سے۔ کیونکہ تم اپنے آپ کو اہل کتاب اور اس کتاب کے
پیروکار کہتے ہو۔ خود انصاف کرو اور ظاہر ہے کہ کفر کی جزا نہیں ہے اِلَّا خِزْیٌ مگر شدید
رسوائی جس سے شرم کی جاتی ہے۔ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا دنیا کی زندگی میں۔ جیسے چند
لاتوں کے ساتھ جزیہ لینا اور ذلت سے اور طمانچے مار کر خراج وصول کرنا اس کی گواہی کو قبول نہ
کرنا اٹھتے بیٹھتے مجلس اور شارع عام میں اسے ذلیل اور حقیر ٹھہرانا قتل کرنا قید کرنا مال
لوٹنا اور گھر جلانا جیسا کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس وقت
کے مسلمانوں کے ہاتھوں سلوک ہوا۔ کہ تمام بنو قریظہ کو قتل فرمایا۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں
کو کنیز اور غلام بنایا گیا۔ اور بنو نضیر کو پوری ذلت کے ساتھ جلاوطن فرمایا گیا۔ یہاں تک کہ وہ
بھاگ کر خیبر چلے گئے پھر خیبر میں ان کے سردار قتل ہوئے۔ اور ان کی عورتیں قیدی ہو گئیں۔
اور ان کے باقی ماندہ لوگ مسلمانوں کے خراج اور کارندے بنے۔ اور یہ سب کچھ اس وجہ
سے ہوا کہ انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کی دل جوئی کو اللہ تعالیٰ کے پختہ عہدوں کی پاسداری
پر مقدم کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے عہد کو ذلیل اور حقیر جانا اور کاش ان کی یہی جزا پر اکتفا کی جاتی
لیکن یہ دنیا اور دنیا کی ذلت سب زائل ہونے والا ہے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ اور قیامت کے دن سخت عذاب کی
طرف پھیرے جائیں گے۔ جو کہ دنیا کی طرح ایک مقررہ مدت میں ختم ہونے والا نہیں ہو
گا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عہدوں کو توڑنے میں مبالغہ کرتے تھے۔ حالانکہ وہ عہد بے
بہت محکم اور پختہ تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں مبالغہ نہ فرمائے تو جاہلوں کو وہم ہو
جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غافل ہے۔

marfat.com
Marfat.com

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ کہ تم اس کے پختہ وعدوں کو بار بار توڑتے ہو۔ اور دوستی اور آشنائی کے لحاظ کو اللہ تعالیٰ کے حق پر مقدم کرتے ہو۔

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آخرت میں وہ سخت ترین عذاب میں گرفتار ہوں۔ کیونکہ انہوں نے آخرت کی منفعتوں میں سے اپنے لیے خود کچھ نہیں چھوڑا ہے۔ کیونکہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ وہ ایسا بے عقل گروہ ہے جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خریدا۔ جس وقت کہ انہوں نے اپنے ہم عہدیوں کا فرمان قبول کیا اور فرمانِ خداوندی کو خاطر میں نہ لائے۔ اور جب انہوں نے آخرت کو خود بیچ دیا تو منافع میں سے کسی منفعت کی امید کیا رکھتے ہیں۔

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ پس ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ عذاب کا ہلکا ہونا بھی اخروی منفعت کی ایک قسم ہے۔ جو کہ عنایتِ خداوندی سے ثابت ہوتی ہے۔ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اور نہ ہی کوئی ان کی مدد کرے گا کہ طاقت کے ساتھ ان سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دُور کر دے۔ جیسا کہ دنیا میں اپنے ہم عہدیوں سے اس کی امید رکھتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ اقرار اور گواہی کے مطابق ہمیشہ کے عذاب شدید کے مستحق ہیں۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً خود اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

## موافق طبع احکام قبول کرنے اور مخالف طبع ترک والے کا بیان

یہاں جاننا چاہیے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص شریعت کے بعض احکام کو جو کہ اس کی طبیعت اور عادت کے موافق واقع ہوں' قبول کرے۔ اور بجالائے۔ اور جو اس کی طبیعت اور عادات کے خلاف ہو' اسے قبول کرنے میں کوتاہی کرے تو یہ موافقت اور یہ عمل اس کے لیے کوئی کارآمد نہ ہوگا۔ مثلاً ایک شخص ہے۔ جو کہ شراب کو اپنے مزاج کو نقصان دینے والی سمجھ کر یا اپنے خاندان کے اطوار کے خلاف دیکھ کر چھوڑ دے اور پوشیدہ طور پر بدکاری کرے تو شراب کا چھوڑنا اس کے حق میں ثواب کا موجب نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ عمل اتباع شریعت کے طور پر واقع نہیں ہوا۔ ہاں اگر طبعی تقاضے اور اتباع شریعت کے

marfat.com

Marfat.com

قانون کی وجہ سے ایسا کرے۔ لیکن دوسری طرف ظاہر کے خلاف بھی عمل نہ کرے تو البتہ قانون کے مطابق یہ اسے فائدہ بخشتا ہے۔ اور اسی لیے اس قسم کی نیکیوں کے بجالانے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے۔

جرمے کہ رخت ما بحریم صفا کشد

بہتر ز طاعتے کہ بعجب وریا کشد

یعنی جس جرم سے صفائی ملے اس نیکی سے بھلا جو خود بینی اور ریاکاری تک پہنچا دے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ریاوالی طاعت اس گناہ سے بہتر جو کہ توبہ کے بغیر ہو۔ اور دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ یہ ہے کہ نفس کی اصلاح اور اسے پاک کرنے کے باب میں ندامت اور شرمساری کے ساتھ گناہ خود بینی اور ریاوالی نیکی سے بہتر ہے۔ اور رسم کی اصلاح اور شریعت کو رواج دینے کے لیے عجب وریاوالی طاعت گناہ سے بہتر ہے۔ واللہ علم

اور اے یہودیو! تم کہو کہ قتل اور گھر سے نکالنے کے مقدمہ میں یہ ہمارے تمام توڑے گئے معاہدے ظالموں کی مدد ہے۔ اگرچہ کفر تک نہیں لے جاتے لیکن دراصل فسق کے زمرے سے ہیں۔ اور فاسق کا عذاب ختم ہونے والا ہے' دائمی نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ فاسق کے عذاب کا ختم ہونا اس صورت میں ہے کہ کفر تک نہ لے گیا ہو۔ بخلاف تمہارے اس فسق کے جو کہ کتاب کے بعض احکام کے ساتھ کفر کا موجب ہے۔ اور خطا کے گھیر لینے کی حد کو پہنچا۔ اور علی سبیل الفرض اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی تم سے پیغمبروں علیہم السلام پر ایمان لانے کے عہد کو جو کہ بمنزلہ توحید کے ہے' توڑنا واقع ہوا حتیٰ کہ ان رسل علیہم السلام پر ایمان لانے کے بدلے تم نے انہیں قتل کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ جو کہ تورات تھی۔ اور اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کے تمام پختہ وعدے اور معاہدے مذکور تھے۔ اور ان میں سے سب سے عمدہ یہ معاہدے تھے کہ تم ہر دور کے رسل علیہم السلام کی اطاعت کرو گے۔ اور ان پر تم ایمان لاؤ گے' ان کے ساتھ تعظیم اور توقیر کے ساتھ پیش آ ؤ گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو

marfat.com
Marfat.com

تورات کی تختیاں عطا فرمائی گئیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اُٹھانے کی طاقت نہ پائی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر آیت کے لیے ایک فرشتہ مقرر فرمایا۔ اور وہ بھی نہ اُٹھا سکے۔ اور اس کے بعد ہر حرف کے لیے فرشتہ بھیجا' وہ بھی نہ اُٹھا سکے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور فرشتوں کو اس کتاب کی معنوی عظمت اور بوجھ معلوم ہوا۔ اور اس کی قدر ان کے ذہن میں واضح ہوگئی تو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو حکم ہوا کہ اب ہم نے اس کتاب کو اُٹھانا آپ پر آسان کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے اُٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لائے۔

وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہم ان کے پیچھے رسولوں کو لائے۔ جو کہ حضرت یوشع' حضرت الیاس' حضرت الیسع' حضرت شمویل' حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت شعیا' حضرت ارمیا' حضرت یونس' حضرت عزیر' حضرت حزقیل' حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام اور ان کے علاوہ چار ہزار افراد تھے۔ اور وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر گزرے۔ اور انہیں بھیجنے کا مقصد اس شریعت کے احکام کو جاری کرنا تھا جو کہ بنی اسرائیل کی کاہلی اور سستی کی وجہ سے مٹ جاتی تھی۔ اور ان کے علمائے سوء کی وجہ سے بدل جاتی تھی۔ پس بنی اسرائیل میں یہ پیغمبر علیہم السلام اس اُمت کے علماء ربانیین اور مجددین اسلام کی طرح ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہوا کہ ان اللہ تعالیٰ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس اُمت کے لیے ہر صدی کے آخر پر ایسے شخص کو بھیجے گا۔ جو کہ اس کے دین کو نئے سرے سے قائم کرے گا۔ پس تم نے ان رسل علیہم السلام کے بعض کا انکار کیا۔ اور ان سے بعض کو شہید کر دیا جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام اور اگر تم کہو کہ یہ رسل علیہم السلام اس قسم کے غالب معجزات نہیں رکھتے تھے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات تھے۔ اس بناء پر ہمارے اسلاف کو ان کے حال پر شبہ پڑ گیا اور غلط فہمی کی وجہ سے ان کی تکذیب کی اور انہیں قتل کر دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ ان رسل علیہم السلام کے بعد ہم نے وہ غالب معجزات تمہیں دکھائے اور تم نے ہرگز یقین نہ کیا۔

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو ظاہر معجزات عطا

marfat.com
Marfat.com

فرمائے جیسے مردے زندہ کرنا' مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو ٹھیک کرنا' پرندوں کو زندہ کرنا' غیب کی خبر دینا اور خود بخود تورات کو سیکھنا وغیر ذالك جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غالب معجزات سے کم نہ تھے۔ بلکہ بعض وجوں سے ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ خصوصاً اس جہت سے کہ ایک چیز ہم نے خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس قسم کا معجزہ عطا نہیں فرمایا تھا۔ اور وہ یہ ہے:

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اور ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو روح القدس کے ساتھ مدد دی اور روح القدس اس اسم الٰہی کا نام ہے۔ جس اسم کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اور بیماروں کو ہاتھ پھیر کر اور دم کر کے شفا دیتے تھے۔ اور بعض نے کہا کہ روح القدس حضرت جبریل علیہ السلام کا نام ہے۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہمیشہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفاقت اور اعانت حاصل تھی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ روح القدس اس روح پاک سے عبارت ہے۔ جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بدن میں پھونکی گئی اور دوسری روحوں سے کئی وجوہ سے ممتاز تھی۔ اور اس کی قدس کے ساتھ اضافت ایسی ہے جیسی حاتم الجود کی۔ اور وہ روح ملکی تھی جو کہ بشریت کے متعلقات بہت کم رکھتی تھی۔ حاصل کلام یہ کہ روح القدس کے ساتھ تائید جس معنی میں بھی ہو' آپ کی خصوصیتوں میں سے تھی۔ پس تم ان کی تکذیب اور انکار میں کسی طرح کا عذر نہیں رکھتے تھے۔

## لفظ عیسیٰ اور مریم کے معنی کا بیان

اور عیسیٰ کا معنی عبرانی لغت میں الیشوع ہے۔ اور الیشوع کا معنی ہے مبارک اور مریم عبرانی لغت میں بمعنی خادم ہے چونکہ آپ کی والدہ کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے نذر کر دیا گیا تھا اس لیے آپ کا نام مریم ہوا۔

کیا تم نے کسی شبہ' سند اور عذر کے بغیر ان پیغمبروں علیہ السلام کے بارے میں ہمارے پختہ عہد کو توڑ دیا سوائے اس کے کہ وہ تمہاری طبیعت کے خلاف حکم فرماتے تھے۔ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ۔ پس جب بھی ان پیغمبروں علیہ السلام میں سے کوئی پیغمبر تمہارے پاس آیا۔ بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمُ ایسا حکم لے کر جسے تمہارے دل نہیں چاہتے تھے۔

marfat.com
Marfat.com

اسْتَكْبَرْتُمْ تم اسے قبول کرنے سے تکبر کرتے تھے۔

فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ پس ان میں سے ایک گروہ کی تم نے تکذیب کی۔ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ اور ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے۔ جیسے حضرت شعیا' حضرت زکریا' حضرت یحیٰ اور اپنے گمان فاسد کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر چہ درحقیقت آپ کو پانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن شبہ کے ساتھ آپ کو سولی پر چڑھا دیا۔ اور جیسے رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ایک بار آپ پر جادو کیا اور ایک بار زہر دیا۔ اور ایک بار آپ کو دیوار کے نیچے بٹھا کر بہانے کے ساتھ چاہا کہ ایک بہت بڑا پتھر آپ پر پھینک دیں۔ لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو تمام حالات میں محفوظ رکھا اور یہی نکتہ جتلانے کے لیے قتلتم نہ فرمایا بلکہ مضارع کا صیغہ لایا گیا۔ کیونکہ ابھی تک وہ رسل علیہ السلام کو قتل کرنے کی فکر میں تھے۔

اور صحیح حدیث میں آیا کہ بکری کے گوشت کا زہر آلود لقمہ جو کہ میں نے خیبر میں کھایا تھا' ہر سال اس کا اثر لوٹتا ہے۔ اور گلے کے درد اور گلا گھٹنے کا موجب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اس وقت میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس کے اثر کی وجہ سے میری جان کی رگ پھٹ گئی ہے۔ پس حقیقت میں اس افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وبارک وسلم کا وصال بھی ان کے قتل کی وجہ سے تھا۔ اور اس آیت میں جس نہج پر ارشاد ہوا ہے کہ ایک عظیم بلاغت رونما ہوئی ہے۔ گویا ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے نزدیک وصف رسالت ان دو چیزوں میں سے ایک کی مقتضی ہے' تکذیب یا قتل اور یہ انتہائی جہالت ہے کہ مخلوقات میں سے بہترین شخصیتوں کے ساتھ بدترین معاملہ کے ساتھ پیش آتے ہو۔

اور حدیث میں آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روح القدس جبریل علیہ السلام ہے۔ اور بخاری اور دوسری معتبر صحاح میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاعر دربار رسالت حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں ایک منبر رکھنے کا حکم دیتے اور ان کے اشعار سنتے جو کہ وہ کفار کے شاعروں کے جواب میں کہتے۔ اور ان کے حق میں دعا فرماتے اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ پس معلوم ہوا کہ روح القدس کی تائید حضور صلی

marfat.com
Marfat.com

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے فیض آپ کے بعض اُمتیوں کو نصیب ہوتی ہے۔ تو حضور کو بطریق اولیٰ حاصل ہوگی اور ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روح القدس نے میرے سینے میں یوں بات ڈالی ہے کہ کوئی نفس نہیں مرتا۔ یہاں تک کہ اپنا رزق پورا نہ لے لے۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رزق طلب کرنے میں زیادہ تکلیف نہ اُٹھاؤ۔

اور روح القدس کی صحبت کے خصائص میں سے وہ ہے۔ جو کہ زبیر بن بکار نے کتاب اخبار مدینہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روح القدس جس سے ہم کلام ہوتی ہے' زمین کو اس کا گوشت کھانے کی اجازت نہیں ہے۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال ہے۔ جو کہ اہلِ تفسیر وارد کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ کذبتم ماضی کے صیغہ کے ساتھ اور تقتلون مضارع کے صیغہ کے ساتھ کیوں لائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا رسل کی تکذیب کرنا ایک ایسی چیز تھی کہ ہوئی اور گئی۔ اور ان کا رسل علیہم السلام کو قتل کرنا ابھی تک ختم نہ ہوا کیونکہ تمام پیغمبروں سے افضل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے درپے ہیں۔ پس گویا ابھی قتل میں مشغول ہیں۔ اور اگرچہ کافروں کا رسل علیہم السلام کو قتل کرنا ان کی تکذیب کو بھی لازم کرتا ہے۔ اور جب تک قتل باقی ہے' تکذیب بھی باقی ہے۔ لیکن ہر رسول علیہ السلام کی تکذیب اس کی بعثت کے اوائل میں رونما ہوتی ہے۔ اور اس کا رونما ہونا ختم ہو جاتا ہے۔ بخلاف قتل کے کہ بار بار اس کے اسباب مہیا ہوتے ہیں۔ اور مہیا ہونے کا ظاہر ہونا دوسری تکذیب کے ظاہر ہونے کو لازم نہیں کرتا بلکہ پہلی تکذیب ہی کفایت کرتی ہے اس نکتہ کی بناء پر روش کو بدل دیا گیا۔ واللہ اعلم

وَقَالُوْا اور یہودیوں نے رسل علیہم السلام کو قتل کرنے کے عذر کے مقام میں کہا ہے۔ کہ ہم نے انہیں۔ اس لیے قتل کیا کہ ہمارے نزدیک ان کی سچائی ثابت نہ ہوئی۔ اگرچہ عوام

marfat.com
Marfat.com

اور جاہلوں نے ان کے خلاف عادات کمالات دیکھ کر دھوکہ کھا کر انہیں سچا مانا۔ اور ان کے گرویدہ ہو گئے۔ مگر ہم لوگ اپنے مذہب میں اس قدر تعصب رکھتے ہیں کہ اس قسم کی باتوں سے ہم بالکل دھوکہ نہیں کھاتے۔ اور جو کوئی ہمارے مذہب اور آئین کے خلاف ہو۔ اگرچہ اس سے کتنی ہی خلاف عادت باتیں اور کرامتیں صادر ہوں' ہم ہرگز اس کے معتقد نہیں ہوتے۔ اور سر نہیں جھکاتے اور ہم اس سلسلہ میں اس درجہ پر پہنچے ہوتے ہیں کہ

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ ان میں خوشامد' چاپلوسی اور جادو بیانی بالکل اثر نہیں کرتی۔ اور دھوکہ دہی اور کرشمے دکھانے سے ہم نہیں اُکھڑتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مقدمہ یوں نہیں ہے بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ اور انہیں اپنی رحمت سے دُور پھینک دیا۔ اور حق کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی ان کے دلوں میں گنجائش نہ رکھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نصیحت کرنے والوں کے معتقد نہیں ہوتے۔ اور سچی بات کو نہیں سنتے۔ پس ان پر مقدمہ مشتبہ ہے۔ تعصب باطل کا تصلب حق سے امتیاز نہیں کرتے' انہیں جو حاصل ہے' تعصب باطل ہے۔ اور جس چیز کا دعویٰ کرتے ہیں تصلب حق ہے۔ جو کہ انہیں بالکل حاصل نہیں۔

## تصلب حق اور تعصب باطل کے معنی کا بیان

اور تصلب حق کا معنی یہ ہے کہ دینِ حق کو قوت کے ساتھ پکڑے اور دوسرے دین اور آئین کی طرف ہرگز نہ دیکھے۔ اور شیاطین کی دھوکہ دہی' جوگیوں اور راہبوں کے کرتبوں پر توجہ نہ کرے۔ اور مصائب و تکالیف وارد ہونے کی وجہ سے اپنے دین کے حسن میں شک اور تردد نہ کرے۔ اور یہ تمام دینوں میں قابلِ تعریف اور ہر زمانے میں مطلوب ہے۔ اور تعصب باطل کا معنی یہ ہے کہ اپنی رسم یا اپنے خاندان کی سرداری کی غیرت کی وجہ سے دوسرے دین کا اس کی سچائی کی علامات ظاہر ہونے کے باوجود انکار کرے۔ اور اپنے بُرے کو نیک اور اپنے غیر کے نیک کو بُرا سمجھے اور یہ امر مردود اور معیوب ہے۔ اور انہیں ان دونوں معنوں کی تمیز نہیں۔ تعصب باطل کو تصلب حق خیال کرتے ہیں۔ اور اس کے حاصل ہونے پر تکبر اور فخر کرتے ہیں۔ اور اگر وہ کہیں کہ جب ہم ابدی لعنتی اور بارگاہِ خداوندی کے

marfat.com
Marfat.com

دُھتکارے ہوئے ہیں' خطاب کو قبول کرنے اور حق کو سمجھنے کی صلاحیت ہمارے دلوں سے سلب ہو چکی تو ہم پر کیا گناہ؟ ہم تو معذور ہو گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ ان کا یہ عذر نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ اگر یہ حالت ابتدا سے ہی ان کے کام اور مداخلت کے بغیر ان کے دلوں میں پیدا ہو جاتی تو لازماً معذور ہوتے لیکن یہ حالت بارگاہِ خداوندی سے ابتدا ہی سے ان پر ڈالی نہیں گئی بلکہ

**بِكُفْرِهِمْ** ان کے کفر کی وجہ سے کیونکہ جب بھی انہوں نے ایک معجزے' ایک رسول علیہ السلام اور ایک حکمِ الٰہی کا انکار کیا تو ان کے دلوں میں ایک قساوت پیدا ہو گئی۔ اور جب دوسری بار معجزے اور دوسرے رسول علیہ السلام کا انکار کیا تو وہ قساوت بڑھ گئی۔ یہاں تک۔ کہ سختی اور کثافت کی سرحد پر پہنچ گئی جس طرح کہ موسمِ سرما میں ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے پانی میں کچھ کثافت اور سختی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب بار بار وہ سرد ہوا لگتی ہے' کثافت زیادہ بڑھتی ہے۔ یہاں تک کہ پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ اور کسی چیز سے بالکل متاثر نہیں ہوتا۔ اور بندے کے اختیار کی بدولت جو کچھ لعنت اور مقاماتِ رحمت سے دُوری ہوتی ہے' وہ عذر کی جگہ نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اکثر کتاب اور رسول پر ایمان نہیں رکھتے۔

**فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ** پس بہت کم ایمان لاتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر جو کہ ان دونوں پر ایمان لانے کے مدعی ہیں۔

## دل کی چار قسمیں ہیں

امام احمد نے سندِ صحیح سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دل کی چار قسمیں ہیں: ایک دل صاف ہے۔ اور اس میں چراغ روشن ہے۔ اور ایک دل وہ ہے۔ جس پر غلاف پڑا ہے۔ اور غلاف کے اوپر سے مضبوط رسی سے بند کیا ہوا ہے۔ اور ایک دل اُلٹا ہوا۔ اور ایک دل کے دو رنگ ہیں اس کی ایک سطح سفید اور ایک سطح سیاہ ہے۔ صاف دل ایمان والا دل ہے۔ اور روشن چراغ نورِ ایمان ہے۔ اور غلاف والا دل کافر کا دل ہے۔ اور اُلٹا دل منافق کا دل ہے۔ جس نے معرفت کے بعد انکار کیا ہے۔ اور دو رنگوں والا دل وہ ہے۔ جس میں ایمان اور نفاق دونوں

marfat.com
Marfat.com

جمع ہوں اور اس دل میں ایمان کی مثال سبزے کی طرح ہے کہ اسے پاک پانی مدد دیتا ہے۔ اور اُگاتا ہے۔ اور اس دل میں نفاق کی مثال ایک ناسور کی طرح ہے کہ دم بدم اس میں سے پیپ اور خون نکلتا ہے۔ ان دونوں طرفوں سے جو طرف غلبہ کرلے دوسری کے احکام کو مغلوب کردیتی ہے۔ اور اس حدیث کے مضمون کو ابن ابی شیبہ ابن ابی الدنیا اور ابن جریر نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا ہے کہ **القلوب اربعة قلب اغلف فذالك قلب الكافر وقلب اجرد فيه مثل السراج فذالك قلب المؤمن. وقلب منكوس فذالك قلب المنافق. عرف ثم انكر. وقلب مصفح فيه ايمان ونفاق فمثل الايمان فيه كمثل شجرة يمدها ماء طيب. و مثل النفاق كمثل قرحة يمدها القيح والدم فاى المدتين غلبت على الاخرى غلبت عليه۔**

اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ گناہ اور خواہشات دل پر وارد ہوتے ہیں۔ تو جس دل نے انکار کیا' ایک سفید نقطہ اس دل میں پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جو دل انکار نہیں کرتا' ایک سیاہ نقطہ اس دل میں پیدا ہوجاتا ہے۔ پھر اگر دوسری بار وہی گناہ یا کوئی اور گناہ اس کے سامنے آیا اور اس نے اس گناہ کا بھی انکار کیا۔ اس کی سفیدی زیادہ ہوئی حتیٰ کہ خالص سفیدی رونما ہوئی پھر اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ اور اگر دوسری بار بھی انکار نہیں کیا' اس کی سیاہی زیادہ ہوئی حتیٰ کہ رفتہ رفتہ سیاہ ہوجاتا ہے۔ اور اُلٹا ہوجاتا ہے۔ پس وہ حق کو حق نہیں سمجھتا اور باطل کو باطل نہیں جانتا اور اسی مضمون کو بیہقی نے شعب ایمان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا۔ **قال الايمان يبد ولمظة بيضاء في القلب فكما ازداد الايمان عظما ازداد ذلك البياض فاذا استكمل الايمان ابيض القلب كله وان النفاق يبد ولمظة سوداء في القلب كلما ازداد النفاق عظما ازداد النفاق عظما ازداد ذالك السواد. فاذا استكمل النفاق اسود القلب كله وايم الله لو شققتم عن قلب مومن لوجدتموه ابيض ولو شققتم عن قلب منافق لوجدتموه اسود** فرمایا کہ ایمان کی برکت سے دل میں سفید نقطہ ظاہر ہوتا ہے جب بھی ایمان میں عظمت آتی ہے' وہ سفیدی زیادہ ہوجاتی

marfat.com
Marfat.com

ہے۔ تو جب ایمان درجہ کمال کو پہنچتا ہے سارا دل سفید ہو جاتا ہے۔ اور بے شک نفاق سے دل میں سیاہ داغ پڑ جاتا ہے۔ جیسے جیسے نفاق بڑھتا ہے وہ سیاہی بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ تو جب نفاق کامل ہو جاتا ہے سارے کا سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قسم اگر مردِ مومن کے دل کو کھولو تو اسے سفید پاؤ گے۔ اور اگر تم منافق کا دل چیرو تو اس کا دل سیاہ پاؤ گے۔

اور اس بات پر دلیل کہ یہودیوں کی اپنے دین میں سخت تعصب باطل اور حق پوشی کے زمرے سے ہے یہ ہے کہ انہوں نے پیغمبر وقت علیہ السلام پر دیدہ دانستہ اور اس کی سچائی کو پہچانتے ہوئے سرکشی کی اور عناد کی راہ اختیار کی اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ

وَلَمَّا جَآءَ هُمْ كِتَابٌ اور جب ان کے پاس کوئی کتاب آئی انہوں نے جان لیا کہ وہ کتاب مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ بلیغ انسان اس کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے۔ نیز انہوں نے دیکھا کہ وہ کتاب مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ اس کے موافق ہے جو ان کے پاس ہے۔ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں سے حالانکہ جس وہ شخص پر یہ کتاب اُتری وہ ان کتابوں سے متعارف نہیں۔ عربی رسم الخط جو کہ اس کے ملک میں رائج تھا نہیں لکھ سکتا تھا۔ چہ جائیکہ خط عبرانی۔ اور عبارت عربی کو لکھے ہوئے سے نہیں پڑھ سکتا چہ جائیکہ لغت عبری۔

## نام پاک سے توسل اور فتح و نصرت

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ اور اس کتاب کے نزول سے پہلے یہودی اس شخصیت کی نبوت اور ان کی تمام نبیوں علیہم السلام پر بزرگی کے معترف اور اقراری تھے۔ کیونکہ جنگ اور اپنی شکست کے خوف کے وقت يَسْتَفْتِحُوْنَ اس پیغمبر علیہ السلام کے نام کے ساتھ بارگاہِ الوہیت سے فتح و نصرت طلب کرتے تھے۔ اور جانتے تھے کہ ان کا نام پاک اس قدر بابرکت ہے کہ اس کے ذکر اور اس سے وسیلہ لینے کی وجہ سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے۔

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان لوگوں پر جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ غیر اللہ کی پوجا کر کے شرک۔ اور رسل علیہم السلام کا انکار کیا۔ تو گویا رسول علیہ السلام کے نام کو تمام رسل علیہم

marfat.com
Marfat.com

السلام کے لئے قوت دینے والا اور مدد کرنے والا جانتے تھے۔ اور یہ یقین رکھتے تھے کہ یہ رسول علیہ السلام کافروں کو قتل کرنے' باطل دینوں کو مٹانے میں اس مرتبہ پر فائز ہیں کہ آپ کا نام لشکر جرار رکھتا ہے۔

ابو نعیم' بیہقی اور حاکم نے صحیح سندوں اور متعدد طریقوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ مدینہ کے یہودی اور خیبر کے یہودی جب بھی عرب کے بت پرستوں بنی اسد' بنی غطفان' جہینہ اور عذرہ کے ساتھ جنگ کرتے تھے' مغلوب ہو جاتے تھے۔ اور شکست کھا جاتے تھے۔ مجبور ہو کر انہوں نے اپنے عقلمندوں اور کتاب جاننے والوں کی طرف رجوع کیا اور انہوں نے کافی جستجو کے بعد اپنے سپاہیوں کو یہ دعا سکھائی کہ جنگ کے وقت پڑھا کریں اس کے بعد وہ مغلوب نہ ہوئے۔ اور فتحیاب اور کامیاب ہوئے۔ دعا یہ ہے کہ **اللھم ربنا انا نسئلك بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان و بکتابك الذی تنزل علیه آخرما ینزل ان تنصرنا علی اعدائنا** اے اللہ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں حضرت احمد نبی اُمی کے وسیلہ سے جنہیں تو نے ہمارے لئے آخری زمانے میں بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔ اور تیری اس کتاب کے وسیلہ سے جسے تو ان پر آخری کتاب کی شکل میں نازل فرمائے گا کہ ہمارے دشمنوں پر ہماری مدد فرما۔

(اقول وباللہ التوفیق ابن تیمیہ' ابن عبدالوہاب نجدی اور ان کے اذناب واتباع غور کریں کہ مسئلہ توسل نیا نہیں بلکہ اُمم گزشتہ میں بھی جاری تھا۔ اور جاری رہا ہے۔ بلکہ ان سے بہت پہلے ابتدائے آفرینش انسانیت کے وقت بھی توسل ہوتا تھا۔ چنانچہ اسی تفسیر میں فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ کے تحت مفسر علام رحمۃ اللہ نے بحوالہ طبرانی۔ حاکم' ابو نعیم اور بیہقی کے حوالہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی کہ **اسئلك بحق محمد الاغفرت لی۔** معلوم ہوا کہ مقربین بارگاہ خداوندی سے توسل کرنا حضرت آدم خلیفۃ اللہ مسجود ملائکہ سے شروع ہوا۔ ان کی اولاد کا فرض ہے کہ اپنے جد امجد کے طریق خیر کو اپنائیں تاکہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ سے عملی وابستگی کا شرف حاصل ہو۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

marfat.com

Marfat.com

نیز ان تمام مذکور محدثوں نے اور امام احمد اور طبرانی نے سلمہ بن قیس سے روایت کی ہے کہ ہمارے محلہ میں جو کہ بنو عبدالاشہل کا محلہ تھا' ایک یہودی سکونت پذیر تھا۔ ایک دن اپنے گھر سے نکلا اور بنو عبدالاشہل کی محفل کی طرف گزرا اور کھڑا ہو کر بلند آواز سے کہنے لگا اور میں ان دنوں چھوٹی عمر کا تھا کہ اے اہل شرک اور اے بت پرستو! تمہیں معلوم نہیں کہ موت کے بعد کیا ہونے والا ہے؟ ہم سب نے کہا کہ ایک بار کہو کہ کیا ہوگا؟ اس نے کہا کہ موت کے بعد سب لوگ زندہ ہوں گے۔ اور جنت اور دوزخ نمودار ہوگی۔ اور حساب' اعمال اور میزان کا سلسلہ ہوگا۔ اور ہر کسی کو اپنے عمل کے مطابق بدلہ ملے گا۔ ہم نے کہا یہ کیا غیر ممکن باتیں کرتا ہے؟ اس نے کہا خدا کی قسم اگر اس روز کی آگ کے عوض مجھے دنیا میں آگ سے پُر ایک بہت بڑے تنور میں ڈال کر بند کر دیں اور اس آگ سے نجات دیں تو میری عین آرزو کے مطابق ہے۔ ہم نے کہا تیرے سچ کہنے کی کیا دلیل ہے؟ اس نے کہا میرے اس کلام کی دلیل ایک رسول علیہ السلام ہے۔ جو کہ عنقریب مکہ اور یمن کی طرف سے آئے گا۔ اور جو کچھ میں کہتا ہوں' تمہیں ثابت کر دے گا۔ ہم نے کہا کہ وہ پیغمبر (علیہ السلام) کب پہنچے گا؟ اس یہودی نے دائیں بائیں نگاہ ڈال کر میری طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اگر اس نوجوان کی زندگی دراز ہوئی تو اس رسول علیہ السلام کا زمانہ ضرور آئے گا۔ سلمہ بن قیس کہتے ہیں کہ چند روز نہ گزرے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری کی خبر مشہور ہوگئی۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ عالیہ میں جلوہ افروز ہوئے' ہم سب ایمان سے مشرف ہوئے۔ اور اس نے کفر' سرکشی اور حسد کیا' ہم اسے ملامت کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اے فلاں! تجھے کیا بلا پڑی کہ کافر ہوگیا؟ تجھے یاد نہیں کہ تو ہمیں کیا کہتا تھا؟ وہ کہتا کہ کیوں نہیں' مجھے یاد ہے۔ لیکن یہ شخص وہ پیغمبر نہیں ہے۔ جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ اس رسول علیہ السلام اور اس کتاب کے آنے سے پہلے یہودی ان دونوں کے احوال کو کلی طور پر جانتے تھے۔ اور ان دونوں کے آنے کے بعد جزوی طور پر بھی انہیں اس حد تک علم حاصل ہو کہ اسے معرفت اور پہچان کہا جا سکتا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا پس جب ان کے پاس وہ چیز آ گئی جسے' انہوں نے پہچان

marfat.com
Marfat.com

لیا۔ اور اس کے تمام اوصاف کو جو کہ پہلے ہی جانتے تھے اس پر درست پایا۔ پیغمبر علیہ السلام کی ذات، جائے ولادت، مکان اور ان کے شمائل واخلاق، وہ واقعات جو کہ تیرہ (۱۳) سال کی مدت میں ظاہر ہو چکے تھے۔ اور آپ پر نازل کی گئی کتاب لفظی اور معنوی اعجاز کے اعتبار سے اور آپ کی شریعت کے اطوار جو کہ باریک حکمتوں اور عام لوگوں کی مصلحتوں کو خوب شامل ہیں۔

کَفَرُوْا بِہٖ تو انہوں نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا صرف عناد اور حسد کی وجہ سے اور یہی تعصب باطل کی علامت ہے۔ جو کہ خود گزشتہ لعنت کے آثار میں سے بھی ہے۔ اور دوسری لاحق ہونے والی لعنت بھی اس کے آثار سے ہے۔

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ پس خدا کی لعنت ہے ان کافروں پر۔ جو کہ دیدہ دانستہ حق پوشی کرتے ہیں۔ اور سرکشی، عناد اور حسد کی وجہ سے واضح حق کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے ذمہ خصوصاً تورات کے پختہ وعدوں اور گزشتہ رسل علیہ السلام کے معاہدوں کی وجہ سے واجب اور لازم تھا کہ اس دین اور اس رسول علیہ السلام کی پوری کوشش اور ہمت کے ساتھ مدد کرتے۔ تاکہ ان کی جانیں ان معاہدوں اور پختہ وعدوں کو پورا کرنے کے مطالبہ سے نجات پائیں۔ پس وہ اس معاملہ میں اس غلام کی طرح ہو گئے جو کہ مال کے بدلے گروی تھا اگر کمائی کے اسباب سے وہ مال حاصل کر کے خلاصی پاتا تو ممکن تھا مگر اس کم عقل غلام نے خلاصی کا طریقہ یوں سوچا کہ اپنے ذمہ اس مال کے ثبوت کا انکار کرنے لگا اور کہنے لگا کہ اس شخص کا جس نے مجھے گروی کر رکھا ہے، مجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔ بلکہ مال کے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اور اس کی دستاویز جعلی ہے۔ اسی طرح انہوں نے اس رسول علیہ السلام کی نبوت اور اس دین کے انکار کو اور اس کی صداقت کو باطل کرنے کو ان معاہدوں سے نجات پانے کا وسیلہ بنالیا جنہیں پورا کرنا واجب تھا۔ پس بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ بہت بُری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو خرید لیا کیونکہ ان کی جانیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد اور پیروی کرنے کے عہد کو پورا کرنے کی خدا تعالیٰ کی دی ہوئی ذمہ داری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گروی تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ ان

marfat.com

Marfat.com

جانوں کو اس بندھن سے آزاد کرائیں۔ خلاصی کی وجہ اس کے سوا نہ پائی کہ

اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اس چیز کے ساتھ کفر کریں جو اللہ تعالیٰ نے اُتاری۔ توراۃ میں اس پیغمبر علیہ السلام اور اس دین کی نعتوں اور صفات سے اور قرآن پاک میں آپ کی سچائی کے دلائل سے۔ یہاں تک کہ اس کفر کی وجہ سے نصرت و پیروی کے وجوب کو اپنے ذمہ سے گرادیں۔ کیونکہ نصرت و اتباع کا وجوب اس پیغمبر علیہ السلام اور اس دین کی پہچان پر موقوف تھا۔ اور آپ کی صداقت اور سچائی کے اعتقاد کی فرع تھا۔ اور جب یہ پہچان اور یہ عقیدہ حاصل نہ ہوا' وہ وجوب بھی ثابت نہ ہوا۔ اور کاش کہ انہیں واقعی ناواقف ہونا اس کفر وانکار پر لاتا اور حقیقت میں اس رسول علیہ السلام کی صداقت اور اس دین کا حق ہونا انہیں حاصل نہ ہوتا کہ اس صورت میں وہ نصوص توراۃ اور دلائل قرآن پاک میں کوتاہ نظری اور غور نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ایک غضب کے مستحق ہونے جیسے کہ اُمی کافر تھے۔ لیکن انہیں حقیقت میں یہ ناواقفیت اور نادانی نہ تھی بلکہ انہوں نے جو کچھ کیا

بَغْيًا اللہ تعالیٰ پر انکار کرتے اور اس بات کو بُرا جانتے ہوئے کہ اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اپنی وحی نازل فرمائے جو کہ مِنْ فَضْلِهٖ اللہ تعالیٰ کے فضل اور عطا کی جنس سے ہے۔ نہ کہ عمل نیک کی اُجرت کے طور پر اور نہ ہی انسان کے کمائے ہوئے کمالات کی جنس سے۔ پس اسے حق پہنچتا ہے اسے نازل فرمائے عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے۔ بغیر کسی گزشتہ عمل اور استحقاق کے پس وہ اس انکار کی بناء پر چند وجوہ سے کفر میں گرے۔ اوّل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب سے کفر کیا اور اس کی نصوص کو بدل دیا۔ دوسری وجہ یہ کہ حق ہونے کے دلائل واضح ہونے کے باوجود قرآن پاک کا انکار کیا' تیسری وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک عمدہ فعل کا اپنی ناقص عقل سے انکار کیا اور اسے بُرا جانا۔ پس گویا انہوں نے اللہ تعالیٰ پر اعتراض کیا کہ یہاں وحی بھیجنا نہیں چاہیے تھی۔ چوتھی وجہ یہ کہ پیغمبر وقت علیہ السلام کے ساتھ حسد کی بناء پر انہیں رسالت کے قابل نہ سمجھا۔ اور ان کے کمالات سے چشم پوشی کی۔ اور صرف اس لیے کہ فرقہ بنی اسرائیل سے نہ تھے گرچہ خلقی اور عملی کمالات کے جامع تھے' آپ کا اعتبار نہ کیا۔ اور اپنے آپ کو صرف اس

marfat.com
Marfat.com

لیے کہ بنی اسرائیل کے فرقہ سے ہیں' مرتبہ رسالت کے لائق بنالیا۔ پس اہل کو نااہل اور نااہل کو اہل قرار دے دیا۔

فَبَآءُوْ پس وہ سوداگری اور تجارت کے مقام سے پھر گئے جس کا انہوں نے اپنی جانوں کو چھڑانے کے لیے قصد کیا تھا بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ بارگاہ خداوندی کے غضب کے ساتھ جو کہ اس بارگاہ کے ایک اور غضب کے اوپر ہے۔ گویا وہ غضب الٰہی کو تہ بہ تہ کما کر لائے۔ اور عرب لوگ اس ترکیب کو کسی چیز کی کثرت بیان کرنے کے مقام میں استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ عرف میں رائج ہے کہ کہتے ہیں نور علی نور۔ اس کی حاجت نہیں ہے کہ صرف دو قسم کے غضب کو اس کے استعمال کرنے کی وقت ملحوظ رکھیں بلکہ وجوہ غضب کی کثرت جو کہ پہلے ذکر کی گئی اسے استعمال کرنے کے وقت منظور ہے۔ اور جب انہوں نے ان وجوہ کفر کی وجہ سے غضب الٰہی کے ڈھیروں کے ڈھیر اپنے اُوپر اُٹھا لیے ہیں تو قیامت کے دن اپنے عذاب کے ہلکا ہونے یا اس عذاب کے چند دنوں میں منقطع ہو جانے کا اعتقاد بہت بعید از امکان ہے۔ اور ان کا عذاب ہلکا اور منقطع کس طرح ہو حالانکہ انہوں نے رسل علیہم السلام کے قتل اور تکذیب کی وجہ سے ایسی شخصیتوں کو ذلیل کرنے کا قصد کیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں میں عزت عطا فرمائی ہے۔ اور معجزات کے ساتھ ان کی تصدیق فرمائی ہے۔ پس کثرت غضب کی وجوہ سے قطع نظر ان میں ایک وجہ غضب جو کہ کفر ہے بلاشبہ ثابت ہے۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ اور کافروں کے ایک عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔ جو کہ چند دن گزرنے پر اعزاز کے ساتھ ہرگز نہیں بدلتا۔ اور نہ ہی ہلکا اور خفیف ہوتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ہر عذاب ذلیل کرنے والا نہیں ہوتا جیسے کہ نافرمان مسلمانوں کا عذاب جو کہ اہانت اور ذلیل کرنے کے لیے نہیں صرف گناہوں کی آلائش سے پاک کرنے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی دلیل کے ساتھ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ پس ایمان والے گناہگاروں کا عذاب ڈانٹ ڈپٹ یا طمانچہ مارنے کے قبیل سے ہے۔ جیسا کہ مشفق باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اس کے بھلے کے لیے کرتا ہے یا ختنے یا

marfat.com
Marfat.com

حجامت اور حمام میں مَل مَل کر دھونے کے قبیل سے ہے کہ اسے میل کچیل سے پاک کرنے کے لیے عمل میں لایا جاتا ہے۔

## اہل کتاب کے کفر کے اسباب

یہاں جاننا چاہیے کہ اس رسول علیہ السلام کے حالات کو جاننے اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں کی نصوص کی رو سے آپ کے برحق ہونے کے دلائل واضح ہونے کے باوجود اہلِ کتاب کے کفر کرنے اور حضور کی پیروی اور موافقت نہ کرنے کا باعث چند چیزیں تھیں۔ پہلی چیز یہ کہ ان میں سے بعض کا گمان یہ تھا کہ چاہیے کہ نبی آخر الزمان بنی اسرائیل سے ہو۔ کیونکہ خاندانِ رسالت یہی خاندان تھا۔ اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی اسماعیل سے تھے اس لیے انہیں آپ کی متابعت گوارا نہ ہوئی۔ اور ان بیشتر عوام اور جہاں کے کفر کا یہی باعث تھا۔ کیونکہ خاندان پرستی ان کا شیوہ ہے۔ اور مرتبوں کے اہل ہونے کا موروثی خاندانوں میں منحصر ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ان میں سے بعض اپنے آپ کو اہلِ کتاب اور احکامِ الٰہیہ کے جاننے والے قرار دے کر رسل علیہم السلام کی بعثت سے بے پرواہ اور غیر محتاج سمجھتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اگر اس زمانے میں کوئی پیغمبر کا محتاج ہے۔ تو عرب لوگ ہیں۔ کیونکہ ان میں کبھی کتاب نازل نہیں ہوئی اور وہ محض اَن پڑھ ہیں۔ پس اس پیغمبر کی بعثت صرف عربوں کے لیے مخصوص ہے۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے دین کی دعوت دی، اور ان کی کتابوں کے بعض احکام منسوخ فرمادیئے تو ان کے حسد اور تکبر کی رگ پھڑک اٹھی اور نبوت کے انکار، مقابلہ اور جنگ کرنے کے ساتھ پیش آئے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ ان کے علماء اور احبار نے یہ جاننے کے باوجود کہ آپ کی بعثت انسانوں اور جنوں کو عام ہے۔ اور یہ کہ یہ رسول علیہ السلام بنی اسماعیل سے ہوں گے نہ کہ بنی اسرائیل سے اور آپ کی جائے ولادت مکہ معظمہ اور آپ کا قبیلہ قریش ہے۔ سوچا کہ اگر ہم آپ کی پیروی میں قدم رکھتے ہیں تو ہماری سرداری اور کمائی کے ذرائع درہم برہم ہو جائیں گے۔ اور رشوتیں اور نذریں ہدیئے جو کہ ہم ممالک کی رعایا اور بادشاہوں سے لیتے ہیں،

marfat.com
Marfat.com

ایک دم سب کے سب ختم ہو جائیں گے۔ ناچار انہوں نے عناد کی راہ اختیار کی اور دیدہ و دانستہ نبوت کے انکار پر ضد باندھی۔ اور قرآن پاک میں ان تینوں گروہوں کا اکٹھے اور جدا جدا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ اور ان آیات میں زیادہ تر ان تینوں فرقوں کے حالات کو بیان میں شامل فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ ان کے کفر کا اصل مادہ خود پسندی' بلند پروازی' رسالت کے لائق ہونے کو اپنے فرقہ میں منحصر جاننا اور اپنے آپ کو نبیوں رسولوں علیہم السلام سے بے نیاز قرار دینا ہے۔ جس پر لفظ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ دلالت کرتا ہے۔

## چند بحثیں

باقی رہ گئیں یہاں چند بحثیں جس کے مفسرین در پے ہوئے ہیں۔ پہلی بحث یہ ہے کہ لما کلمہ شرط ہے۔ اور شرط کی ایک جزا اور جواب ہوتا ہے۔ اور یہ کلمہ اس آیت میں دو جگہ استعمال ہوا ہے۔ اوّل وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ اور دوسری فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ اور اس کی جزا یہاں دوسری جگہ مذکور ہے۔ جو کہ كَفَرُوْا بِهٖ ہے۔ پہلی جگہ میں کوئی ایسی چیز نظر آتی جو کہ جواب بننے کے قابل ہو۔ اس اشکال کی توجیہ کیا ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے مقام میں لما کا جواب محذوف ہے' آنے والی شرط کے قرینہ کی وجہ یعنی وَلَمَّا وَجَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ عَرَفُوْا اَنَّهٗ حَقٌّ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ اور بعض اہل عربیت نے کہا ہے کہ درحقیقت اس لفظ کا جواب کفروا بہ ہے۔ جو کہ ظاہر کے اعتبار سے فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا کا جواب واقع ہوا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے مقام میں لما صرف تاکید کے لیے لاتے ہیں۔ کلام کے طویل ہونے کی وجہ سے اور اس کے اعتبار سے کہ سامع کو آیت کی ابتدا میں واقع کلمہ لما سے غفلت ہو گئی جیسا کہ فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ میں لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ (آل عمران آیت ۱۸۸) کے بعد قرار دیا گیا ہے۔ اور اس توجیہ میں ایک باریک خدشہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لما کو تکریر اور تاکید پر محمول کرنا اس وقت مناسب ہوتا ہے جبکہ اس کے بعد کا مدلول اور پہلے مقام میں لما کے

marfat.com

Marfat.com

بعد کا مدلول کی بیشی کے بغیر ایک چیز ہو جبکہ یہاں دونوں مدلول کے درمیان باہمی غیریت اور فرق واضح ہے۔ کیونکہ گزشتہ خبروں کی تصدیق کرنے والی کتاب کا آنا بغیر غور وفکر کے ان کی معرفت کو لازم نہیں کرتا مگر یہ کہ معرفت کو قریب ہونے اور معرفت کے قریب استعداد پر محمول کیا جائے۔ اور اس میں بعد ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

اور ان میں سے بعض نے کہا ہے مقام اول میں لما کا جواب جزائے آئندہ کے قرینے سے محذوف ہے۔ یعنی کذبوہ واستھانوا یعنی اسے جھٹلایا اور برا سمجھا۔ کَفَرُوْا بِہٖ کی دلیل سے۔ اور اس توجیہ میں بھی خلل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں فلما حرف تفریع و تعقیب کے ساتھ مناسب نہیں ہوتا جیسا کہ ارباب سلیقہ پر پوشیدہ نہیں ہے۔ نیز تکذیب اور استھانت عین کفر ہے پس ایک جزا کو عموم اور خصوص کے ساتھ پر دو متغایر شرطوں پر مرتب کرنا لازم آتا ہے۔ حالانکہ عام کا لازم خاص کا لازم ہے۔

## بیع اور شرا کے معنی کی تحقیق

دوسری بحث یہ ہے کہ اشتراء لغت عرب میں خریدنے کے معنی میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہودیوں نے کفر کی وجہ سے اپنی جانوں کو برباد کیا نہ کہ خریدا تو بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِہٖٓ اَنْفُسَھُمْ کا معنی کیا ہوگا۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے دوران تفسیر گزر چکا کہ یہودیوں نے اس کفر سے قصد کیا کہ اپنی جانوں کو اس عہد و پیماں میں گروی ہونے سے نجات دیں جو کہ انہوں نے رسول علیہ السلام کی مدد اور پیروی کرنے پر کیا تھا۔ اور جو کوئی کسی چیز کو گروی ہونے سے چھڑاتا ہے اس چیز کی خریداری کرتا ہے۔ پس اس معاملہ کی تعبیر اشتراء کے ساتھ مناسب ہوئی۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اِشْتَرَوْا بِہٖ بمعنی باعوا ہے اس طریقے سے کہ اشتری بمعنی شری ہے مزید فیہ کو مجرد کے معنوں میں استعمال کرنے کے طریقے پر اور شری بمعنی بیع ہے۔ جیسا کہ آیت وَشَرَوْہُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ اور آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ میں ہے۔ اور چونکہ انہوں نے کفر کو طمع اور حسد کی وجہ سے اختیار کیا۔ گویا انہوں نے اپنے آپ کو ہلاکت کے میدان میں ڈالا اور دوزخ پر مقرر فرشتوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا لیکن اس توجیہ میں عرف اور استعمال کی

marfat.com

Marfat.com

مخالفت لازم آتی ہے۔ کیونکہ اہل عربیت نے یوں کہا ہے کہ اشترا اور ابتیاع عرب کے استعمال میں خرید کے ساتھ خاص ہے۔ اور بیع اور شری فروخت کرنے کے ساتھ اور مبایعت اور مشارات دونوں معاملوں میں مشترک ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اس بات پر کہ یہودیوں نے یہ خسارے کا کام صرف حسد اور سرکشی کے طور پر کیا ہے نہ کہ غلط فہمی یا اس چیز میں کسی شک اور شبہ کی بناء پر جو اس رسول علیہ السلام کو وحی اور شریعت سے عطا فرمائی گئی۔ صریح دلیل یہ ہے کہ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اُتارا۔ خواہ تورات ہو' خواہ انجیل' خواہ فرقانِ حمید کیونکہ وجوب ایمان کا سبب عبوریت اور ربوبیت کا تعلق ہے۔ بندے کو واجب ہے کہ اپنے مالک کے فرمان کی اطاعت کرے خواہ وہ فرمان اپنے فرقہ کے ذریعے پہنچے یا غیر کے وسیلے سے۔ اور یہ علت ان تمام کتابوں میں مشترک ہے۔ جواب میں قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا کہتے ہیں کہ ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو ہمارے فرقہ پر نازل کیا گیا ہے۔ جس سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ اور اس قید سے اس سے پرہیز کرتے ہیں جو کہ بنی اسرائیل کے غیر پر نازل ہوا ہے۔ جیسے انجیل اور فرقانِ حمید۔ پس وہ غیر بنی اسرائیل پر کتاب نازل کرنے کو بُرا جانتے ہیں۔ اور ان انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حسد کرتے ہیں جنہیں یہ کتابیں دی گئی ہیں۔

وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ اور وہ اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں جو کہ ان کی کتاب کے سوا ہے۔ باوجودیکہ اس پر ایمان لانے کا موجب ان کے اعتقاد کے مطابق بھی ثابت ہے وَهُوَ اور وہ یہ ہے کہ وہ کتابیں فی نفسہا الْحَقُّ حق اور واقع کے مطابق ہیں' ان کے مضامین اور دلائل پر نظر کرتے ہوئے۔ اور اس کے باوجود مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ اس کتاب کے موافق ہے جو ان کے پاس ہے۔ جس پر وہ ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب کوئی چیز فی نفسہ دلیل پر نظر کرتے ہوئے حق اور واقع کے مطابق ہو۔ اور اس کے باوجود اس کے موافق ہو جس پر وہ یقین رکھتے ہیں تو اس چیز پر یقین نہ کرنا تعصب باطن اور عناد کی دلیل ہے۔ کیونکہ مطابق کے مطابق' مطابق ہوتا ہے۔ پس اگر ان کے کلام پر تم غور کرو تو

marfat.com

Marfat.com

صریح تناقض ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ تورات پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور جو چیز تورات کے موافق ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔ پس حقیقت میں ان پر تورات کا انکار اور انجیل وفرقاں پر ایمان لازم آتا ہے اسی وجہ سے ان کے کلام جس میں صریح تناقض اور تصادم ہے کے جواب کی ضرورت نہیں۔ اور اگر تو چاہے کہ بطریق تنزل ان کے جواب میں مشغول ہو تو انہیں اس دعویٰ کی تعلیم دے کر جواب میں قُلْ کہہ۔ کہ اگر تمہارا تورات پر ایمان صحیح ہے۔ تو تورات کے ضمن میں ہر نبی علیہ السلام پر ایمان لانے کا عہد ہے۔ جو کہ اس کے بعد تشریف لائیں۔ پس تمہیں کیا ہوا کہ اپنے زمانے کے انبیاء علیہم السلام پر ایمان نہیں لاتے ہو۔ اور اگر تمہیں تورات سے دلیل لینا اس سے منع کرتا ہے کہ تورات کے بعض احکام کو منسوخ کرنے والے نبی علیہ السلام پر ایمان لاؤ۔

فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ پس تم نے ان اللہ کے رسولوں علیہم السلام کو کیوں قتل کیا جو کہ اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ جبکہ انہوں نے تورات کے احکام میں سے کسی ایک حکم کو بھی ہے۔ بلکہ وہ احکام تورات کی ترویج اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی شریعت کی تائید کے مبعوث ہوتے تھے۔ جیسے حضرت شعیا' حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تمہارا تورات اور شریعت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان کا دعویٰ صحیح ہے۔ اور احتمال ہے کہ آیت کا معنی یوں ہو کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس پر جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں اُتارا یعنی قرآن مجید تو کہتے ہیں کہ ہم اسی قدر پر ایمان لاتے ہیں جو کہ قرآن کے مضامین اور احکام سے ہم پر اُتری ہے۔ یعنی اس قدر پر جو کہ ہماری کتابوں اور اس کتاب میں مشترک ہے۔ اور اس قدر مشترک کے علاوہ جو کچھ ہے اس سے کفر کرتے ہیں۔ جیسے وہ احکام جو کہ تورات کو منسوخ کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی حق ہونے اور تورات کے اس کی تصدیق کرنے میں اس قدر کے برابر ہیں جن پر وہ یقین کرتے ہیں۔ پس ان کے نزدیک ایمان اور کفر کا مدار اس پر ہوا کہ جو تورات کے حکم کے تابع اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق ہو قبول کر لینا چاہیے ورنہ رد کر دینا

marfat.com
Marfat.com

چاہیے۔ پس انہیں جواب میں کہیے کہ اگر وجوب ایمان کی علت تمہارے نزدیک یہی ہے۔ تو گزشتہ رسل علیہم السلام جنہوں نے تورات کی مخالفت نہیں کی ہے۔ اور اس کے احکام کو منسوخ کرنے والے انہیں تم نے کیوں قتل کیا اگر تم تورات پر ایمان رکھتے تھے۔

## تفسیری نکتہ

باقی رہ گیا یہاں اس نکتہ کا بیان کہ تَقْتُلُوْنَ کو مضارع کے صیغہ کے ساتھ کیوں لایا گیا۔ حالانکہ مِنْ قَبْلُ کا لفظ صریح اس بُرے فعل کے زمانہ ماضی میں ہونے پر دلالت کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کے قتل پر راضی ہونا بھی اس شخص کو قتل کرنے کے حکم میں ہے۔ اور چونکہ حضور علیہ السلام کے ہم عصر یہودی اپنے اسلاف کے اس بُرے فعل پر راضی تھے اس لیے انہیں قاتل قرار دے کر فعل مضارع کی نسبت ان کی طرف کی گئی۔ گویا یوں ارشاد ہوا کہ تم اس زمانے میں گزشتہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے اسلاف کے فعل پر راضی ہونے کے طریقے سے کیوں قتل کرتے ہو۔ کیونکہ اس انتہائی بُرے فعل کا وبال جو کہ تمہارے وجود سے بہت طویل زمانہ پہلے گزر چکا اب تمہارے نامۂ اعمال میں لکھا جا رہا ہے۔ بلکہ تمہارا کفر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں منحصر نہیں ہے جنہیں انہوں نے قتل کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی اس سے بھی زیادہ قبیح و شنیع فعل تم سے رونما ہوا۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى اور تحقیق تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام آئے جن کی شریعت پر تم اپنے آپ کو قائم سمجھتے ہو۔ بلکہ ان کی شریعت پر ایمان کے بہانے سے دوسری برحق شریعتوں کا انکار کرتے ہو۔ بِالْبَيِّنٰتِ ظاہر معجزات کے ساتھ جیسے عصا، ید بیضا اور سمندر کو چیرنا جو کہ اس پر صریح دلالت کرتے تھے کہ الوہیت اور عبادت خاص اللہ تعالیٰ وجل شانہ کے لیے ہے کسی دوسرے کے لیے اس میں شرکت نہیں۔ اگرچہ ممکنہ کمال کی بلندی کو پہنچ چکا ہو۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ پھر تم نے لایعقل بچھڑے کو معبود بنالیا۔ مِنْۢ بَعْدِهٖ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور کی طرف جانے کے بعد۔ جو کہ اتنا زیادہ سفر نہ تھا۔ اور وہ بھی تیس

marfat.com

Marfat.com

(۳۰) یا چالیس (۴۰) دن کہ اتنی سی مدت میں نہ تو تمہارے نزدیک ان کے معجزات کی دلالت مقام اعتبار سے گری تھی۔ نہ ان کے لائے ہوئے احکام منسوخ ہوئے تھے۔ نہ وہ منصب نبوت سے معزول ہوئے تھے۔ اور نہ ہی اس جہان سے منتقل ہوئے تھے۔ کہ تم معلم اور مرشد کو نہ پانے کی وجہ سے اِدھر اُدھر بھٹکنے اور غرق ہونے والے کی طرح خس و خاشاک کا وسیلہ ڈھونڈتے تھے۔ پس اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی شریعت پر تمہارا ایمان کہاں چلا گیا تھا؟ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غائب ہونے کی اس قلیل مدت میں ایک دین کے عمدہ حکم کو جو کہ توحید اور عبادت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرنا ہے' تم نے سامری کے کہنے پر جو کہ زرگری' مکاری اور شعبدہ بازی سے زیادہ نہ تھا اس حکم کی ضد کے ساتھ جو کہ عقل و انصاف کی راہ سے کمال جدائی رکھتی تھی کیونکہ لا یعقل بیل کو اور اس کے بچے کی گھڑی گئی مورتی کو جناب ربوبیت کے ساتھ کس مشارکت یا مشابہت کا وہم ہو سکتا ہے کس طرح منسوخ قرار دیا؟ حالانکہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو قابل نسخ نہیں جانتے ہو لیکن تم سے یہ بے انصافی بعید نہیں۔ کیونکہ جو کسی چیز کا خوگر ہو جاتا ہے' وہ چیز اس پر بہت ہلکی معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ فی نفسہ وہ چیز انتہائی قبیح اور شنیع ہوتی ہے۔

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ اور تم ظلم کے خوگر ہو چکے ہو۔ گویا تمہارے تخم میں ظلم کا خمیر کیا گیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بے دریغ یہ حق تلفیاں کرتے ہو۔ یہ ہے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام پر تمہارے اسلاف کے ایمان کا حال۔ اور اگر تم چاہو کہ تورات پر ان کے ایمان کا حال معلوم کرو تو ایک اور واقعہ سنو۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے تم سے عہد لیا۔ احکام تورات کو قبول کرنے پر اور جب تورات تمہارے پاس آئی۔ اور اس کے احکام کو تم نے اپنی طبیعت پر گراں پایا تو اس عہد سے پھر گئے۔ اور اس کے احکام کو قبول کرنے میں پس و پیش کی۔ پس ہم تمہیں ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ اور تمہارے سروں پر پہاڑ گرنے سے ڈرانے کے ساتھ پھر اسی عہد پر لائے۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ اور ہم نے تمہارے سروں پر پہاڑ کھڑا کر دیا تاکہ اس کے

marfat.com
Marfat.com

گرنے کے ڈر سے تم اپنے عہد سے نہ پھرو۔ اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے فرمایا خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ اسے پکڑو جو ہم نے تمہیں احکام تورات اور مشقت طلب تکلیفات عطا کی ہیں۔ بِقُوَّۃٍ ایسی قوت کے ساتھ جو تم دنیوی مشقتوں کو برداشت کرنے میں صرف کرتے ہو۔ وَاسْمَعُوْا اور سنو جو کچھ تمہیں کہا جاتا ہے تورات میں تاکہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں سے کوئی چیز رہ نہ جائے۔ اور حافظہ سے نکل نہ جائے۔

قَالُوْا اس وقت تمہارے اسلاف میں سے موجود لوگوں نے کہا۔ جب پہاڑ کے گرنے سے ڈر گئے۔ سَمِعْنَا ہم نے احکام تورات سنے۔ وَعَصَیْنَا اور ہم نے نافرمانی کی ان احکام کی کیونکہ مشکل احکام کو اس طرح قبول کرنا آگے نہیں بڑھے گا کیونکہ جب تک کہ ہم اپنے اوپر پہاڑ گرنے کا خطرہ محسوس کرتے ہیں' مجبوراً زبان پر اطاعت اور قبولیت کے الفاظ لاتے ہیں۔ اور جب اس خطرے سے بے خوف ہو جائیں گے۔ اور شہوت' غضب' کاہلی اور سستی اپنی طبعی حالت پر لوٹے گی تو بے اختیار ہم نافرمانی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور ایسی حالت میں جو کہ خوف اور غفلت کی حالت تھی' شہوت و غضب کے تقاضوں میں سے یہ بات کہنے کا باعث یہ تھا کہ صورت پرستی اور ہر چیز کو مباح جاننا ان کے جوہر نفس میں راسخ ہو چکا تھا۔

وَاُشْرِبُوْا اور وہ پلائے گئے تھے بچھڑے کی محبت جسے انہوں نے چند روز پوجا تھا جیسے شراب جو کہ جلدی جسم کے خالی حصوں اور گہرائیوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ پس انہوں نے ظہر الیانی فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ ان کے دلوں میں بچھڑے کو۔ اور یہ سب کچھ شروع سے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے حق میں وقوع پذیر نہیں ہوا تاکہ مجبور و معذور ہوتے۔ اور حیوانات کی طرح ان کی حرکتوں پر مواخذہ اور عتاب نہ ہوتا۔ بلکہ یہ حالت انہوں نے جنابِ الٰہی سے کسب کی ہے۔ بِکُفْرِهِمْ اپنے کفر کی وجہ سے کہ جب انہوں نے ایک بار آیاتِ الٰہی کے ساتھ کفر کیا۔ اور پیغمبر وقت کے ساتھ انکار سے پیش آئے۔ اور ان کے دلوں میں ایک زنگ چڑھ گیا۔ پھر جب دوسری مرتبہ اسی قسم کا کام کیا' وہ زنگ زیادہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ دل کا پردہ غلیظ اور کثیف ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہدایت کا اثر پہنچنے کو مانع ہوا۔

marfat.com
Marfat.com

اس شخص کی طرح جس نے پہلی مرتبہ ایک غذا کھائی جو کہ اس کی بینائی کی قوت پر ایک باریک پردہ پیدا کرنے کا موجب ہوئی اس نے دوسری بار بد پرہیزی کی اور مسلسل یہی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ کثیف اور سخت پردے نے اس کی بینائی کو ڈھانپ لیا۔ اور وہ بالکل اندھا ہو گیا۔ پس یہ لوگ جنہیں تورات پر ایمان کا دعویٰ تھا۔ اور اب یہی پورے کمال اور تاکید سے دعویٰ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے ایمان کو اس کتابِ مقدس میں منحصر مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَآءَهٗ یعنی ہم صرف اسی پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پہ اُتارا گیا اور اس کے علاوہ کفر کرتے ہیں۔ اور پھر اس کتابِ مقدس کے احکام کو قبول کرنے کے وقت اس طرح کے کلمات کفر بکتے ہیں۔ انہیں ملامت اور عار دلانے کے طور پر قُلْ فرمایئے کہ اگر کلمہ عصینا کہنا دل میں سامری کے بچھڑے کی محبت کی شراب پینا۔ تمہارے ایمان کے حکم سے صادر ہوا۔ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ إِيْمَانُكُمْ بہت بُری ہے وہ چیز جس کا تمہارا ایمان تمہیں حکم دیتا ہے إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ اگر تم ایمان لانے والے تھے۔ اس کتابِ مقدس پر۔ اس وقت جبکہ تم نے یہ کلمات کہے اور تم نے یہ شراب پی اور اگر تم تورات پر ایمان نہیں رکھتے تھے تو تمہارا یہ دعویٰ نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا باطل ہوا کیونکہ تم نے تورات کے عین نازل ہونے کے وقت اس کے ساتھ کفر کیا۔

## چند بحثیں

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں جن کے مفسرین درپے ہوتے ہیں۔ پہلی بحث یہ کہ آیت کے ظاہر سے یہ فائدہ نہیں نکلتا ہے کہ ان کے اسلاف نے طور اُٹھانے اور تورات کے احکام قبول کرانے کے وقت یہ دونوں کلمے کہے ہوں یعنی سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا اور یہ بہت غیر ممکن معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ وقت کمال خوف اور ڈر کا وقت تھا اس وقت نافرمانی اور سرکشی کا اظہار عادتِ بشری کے مطابق ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں۔ قالوا کی ضمیر فرقہ بنی اسرائیل کے تمام اصول و فروع کی طرف لوٹتی ہے۔ اور یہ دونوں کلمے تمام فرقہ بنی اسرائیل نے تقسیم اور بانٹنے کے طریقے سے کہے ہیں یعنی سَمِعْنَا ان کے آباء و اسلاف نے اور عَصَيْنَا ان کی اولاد اور اخلاف نے کہا۔ اور اس نکتہ کے لیے قَالُوْا

marfat.com

Marfat.com

فرمایا ہے ورنہ مناسب یوں معلوم ہوتا ہے کہ قُلْتُمْ کہا جاتا لیکن قُلْتُمْ کہنے میں گماں اس بات کا ہوتا کہ اس آیت کے نزول کے وقت حاضرین اور مخاطبین نے بھی سَمِعْنَا کہا ہوگا۔ حالانکہ سوائے نافرمانی کے ان کی کوئی صفت نہ تھی۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے اس وقت کے حاضر لوگ جدا جدا ہو گئے۔ بعض نے سَمِعْنَا کہا اور بعض نے عَصَيْنَا دوسری جماعت نے کہا ہے بنی اسرائیل کے تمام فرقے نے یہ دونوں باتیں کہی ہیں۔ لیکن سَمِعْنَا بزبان قال اور عَصَيْنَا بزبان حال۔ اور بعض یوں کہتے ہیں کہ اس وقت سب نے سَمِعْنَا کہا اور اس کے بعد جب ان ذمہ داریوں کے بجا لانے کا وقت آ پہنچا اور ان پر ناگوار ہوئیں تو عَصَيْنَا کہہ دیا۔

حاصلِ کلام یہ کہ اس اشکال کا مدار اس پر ہے کہ سَمِعْنَا اطاعت پر دلالت کرتا ہے اور عَصَيْنَا اس کے خلاف پر۔ پس عقل مند سے دو باہم کلاموں کے درمیان جمع خصوصاً کمال خوف و ہراس کے وقت نافرمانی کا اظہار کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے جواب میں کبھی اختلاف قائل، کبھی دونوں قولوں کے وقت کے مختلف ہونے کبھی آلہ قول کے مختلف ہونے کہ حال تھا یا قال کے ساتھ اس اشکال کو دور کرنے کا قصد کیا گیا ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ سَمِعْنَا اطاعت پر دلالت نہیں کرتا۔ پس ان کے کلام کا مدلول صرف عصیان ہے گویا انہوں نے یوں کہا ہے کہ ہم نے ان تمام احکام کو کانوں سے سنا لیکن ہم ان احکام کی اطاعت نہیں کریں گے۔ پس جمع بین الکلامین المتنافیین لازم نہ آیا۔

ہم یہاں پہنچے کہ بنی اسرائیل کے فرقہ سے جو لوگ اس وقت حاضر تھے ان سے ان احکام کو قبول کرنا بھی متواتر اور ثابت ہے۔ اور یہ مندرجہ بالا کلام قبول نہ کرنے پر صریح دلالت کرتی ہے۔ پس اس کی کیا وجہ ہوگی؟ نیز پہاڑ کا اُٹھانا صرف ان کے احکام کے قبول کرانے کے لیے تھا۔ اگر انہوں نے یہ کلمہ کہا تھا تو چاہیے تھا کہ پہاڑ ان پر پھینک دیا جاتا۔

ہم کہتے ہیں کہ حقیقت الامر یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے سروں پر پہاڑ دیکھنے کے باوجود پہلے ان احکام کو قبول نہیں کیا۔ اور انہوں نے جانا کہ پہاڑ کو لانا صرف ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے۔ دوسرے واقعات کی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیٰ نبینا

marfat.com

Marfat.com

وعلیہما السلام کی سفارش سے یہ ہولناک واقعہ دُور ہو جائے گا۔ تورات کی مشقت طلب ذمہ داریاں کیوں قبول کریں۔ اسی وقت یہ کلمہ ان کی زبان پر آیا تھا جب انہوں نے دیکھا کہ یہ کلمہ کہنے کے بعد پہاڑ اور نیچے آ گیا اور سروں کے قریب پہنچ گیا تو سمجھے کہ ہمارا یہ ناز ونخرہ قبول نہیں ہوتا تو مجبوراً سجدے میں گر گئے۔ اور قبول کرنے کے الفاظ کہنے شروع کر دیئے اور سورۃ اعراف میں اس واقعہ کی طرف تفصیلی اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اس آیت میں وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ الخ اور اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ کا اس مقام میں وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ جو کہ بنی اسرائیل کے واقعات کے شروع میں اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے رکوع میں گزرا ہے' کے بعد ذکر کرنا تکرار نہیں ہے۔ بلکہ یہ واقعہ کا ابتدائی حصہ ہے۔ اور وہ واقعہ کا آخری حصہ ہے۔ جیسے وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا کو وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً کے بعد ذکر کرنا۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہاں خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ کے بعد واقع ہوا۔ اور وہ یاد رکھنے پر دلالت کرتا ہے۔ جو کہ سننے اور قبول کرنے کے بعد ہے۔ اور یہاں وَاسْمَعُوْا جو کہ سننا طلب کرنے کے لیے ہے۔ اور ظاہر ہے سننے کا حکم قبول نہ کرنے کے وقت ہوتا ہے۔ نیز وہاں ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ صریح دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا۔ اور ایک مدت کے بعد پھر گئے۔ اور ان تمام قرائن کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ان کے قبول کرنے کی حالت کا بیان ہے کہ کس طرح بڑی ردوکد کے بعد قبول کیا۔ اور پھر وقت آنے پر پھر گئے۔ اور یہاں ان کے حال کی ابتدا کا بیان ہے کہ ابھی قبول نہیں کیا تھا۔ اور تمام وجوہ سے اشکال دُور ہو گیا۔ اور تکرار کا وہم بھی زائل ہو گیا۔

دوسری بحث یہ ہے کہ کلام کے ظاہر کا تقاضا یہ تھا کہ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا فرمایا جاتا الفاظ خطاب کی دلیل سے مِيْثَاقَكُمْ' فَوْقَكُمْ' خُذُوْا وَاسْمَعُوْا۔ اس ظاہر کو چھوڑ کر قالو صیغہ غائب کے ساتھ کیوں لایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کریموں اور بزرگوں کا شیوہ ہے

marfat.com
Marfat.com

کہ کسی کے جرم کو اس کے روبرو ذکر نہیں کرتے اور اس کی بے ادبی کو بالمشافہ اس کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ بلکہ مخاطب کے قبیح جرائم کا ذکر کرتے وقت اس کے غیر کی طرف توجہ کرتے ہوئے غائبانہ طور پر اس کے حال کی خبر دیتے ہیں۔ جیسا کہ کریم آقاؤں کا اپنے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ معمول ہے یہاں بھی جب تک اپنی عنایات کا یعنی مِیثَاق لینے' طور اُٹھانے اور قبولیت کے ساتھ پکڑنے اور سننے کے حکم کا ذکر فرمایا تو خطاب کی راہ اختیار فرمائی۔ اور جب ان کی اس ثقیل گفتگو کے ذکر کرنے کی باری آئی تو رسول کریم علیہ السلام اور ایمان والوں کی طرف توجہ فرما کر غائبانہ طور پر اسے نقل فرمادیا پھر جب ان کی اس قبیح گفتگو سے ان کے الزام اور ان کے دعوے کو باطل کرنے کا نتیجہ نکالنا منظور تھا تو دوسری بار بِئْسَمَا یَاْمُرُکُمْ میں انہیں خطاب فرمایا لیکن پیغمبر علیہ السلام کے وسیلہ سے۔ گویا ان سے مشافہۂ خطاب کا مرتبہ سلب ہوگیا۔

تیسری بحث یہ کہ عرب کے فصیح لوگوں کے استعمال میں اشراب کے دو معنی ہیں: پہلا معنی پلانا اور سیر کرنا اور جو تفسیر گزر چکی اسی معنی پر مبنی تھی۔ اور اس میں نہایت ہی اچھا لفظی استعارہ ہے۔ کیونکہ اگر زمین کو پلانا منظور ہے۔ تو جس طرح وہ پانی جو زمین کو پلاتے ہیں' زمین کے سبزے کا مادہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح گوسالہ پرستی کی محبت ان سے صادر ہونے والی قباحتوں اور خباثتوں کا مادہ بن گئی۔ اور اگر شراب اور نشہ آور چیزیں پلانا مراد ہے۔ تو جس طرح نشہ آور شراب رگ رگ میں داخل ہوتی ہے۔ اور ہوش وحواس کو ضائع کر دیتی ہے۔ اور آدمی کو یہاں تک لایعقل بنا دیتی ہے کہ وہ بہن اور بیوی میں فرق نہیں کرتا۔ اور نیک اور بد میں تمیز نہیں کرتا۔ اسی طرح انہیں بچھڑے کی محبت نے لایعقل بنادیا۔ دوسرا معنی رنگوں میں سے کسی رنگ کو دوسرے رنگ کی ملاوٹ دینا۔ جیسا کہ عرب لوگ کہتے ہیں ثوب مشرب بحمرۃ یعنی وہ کپڑا جس میں سرخ رنگ کی آمیزش ہو۔ اور اس استعارہ میں بھی ایک حسن اور لطافت ثابت ہے۔ کیونکہ جس طرح رنگ کسی کپڑے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے مسام میں اثر کرتا ہے۔ اسی طرح بچھڑے کی محبت اور اس کی پوجا پر حرص نے ان کے دلوں کو رنگین کر دیا۔

marfat.com
Marfat.com

چوتھی بحث یہ ہے کہ لفظ اشربوا جو کہ مجہول کا صیغہ ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ ان کے سوا کسی دوسرے نے ان کے ساتھ یہ کام کیا ہے۔ وہ دوسرا کون ہے؟ معتزلہ کہتے ہیں کہ سامری' ابلیس اور جن وانس کے شیاطین نے انہیں بچھڑے کی پوجا دل کی گہرائیوں میں ڈال کر اس رنگ میں رنگین کر دیا تھا۔ اور اس شراب سے انہیں مست کر دیا۔ اور اہل سنت کہتے ہیں کہ مسبب الاسباب ایک ذاتِ واحد ہے' تمام اسباب اسی جناب تک پہنچتے ہیں اگر ابلیس ہے۔ تو اسی کے اغوا سے کام کرتا ہے۔ اور اگر سامری ہے تو اس نے اسی کی تعلیم سے یہ کاری گری سیکھی ہے۔

پانچویں بحث یہ ہے کہ ایمان اعراض کی جنس سے ہے۔ اس سے امر اور نہی کا تصور کس طرح ہو سکتا ہے۔ لیکن جو کچھ فعل کا باعث اور اس کا سبب ہوتا ہے' آمر اور حکم کرنے والے کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت بہم پہنچاتا ہے۔ پس اس کی سببیت کو امر کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ آیت اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ میں اسی قسم کی تشبیہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

چھٹی بحث یہ ہے کہ سخت جھگڑالو دشمن کو الزام دینے کے مقام میں واجب التعظیم چیزوں کے متعلق مذاق کی راہ چلنا جائز ہے۔ جیسا کہ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ میں واقع ہوا اور نہ ایمان نہایت قابلِ احترام شے ہے اس کی طرف قابلِ مذمت افعال کو منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

ساتویں بحث یہ ہے کہ مناظرہ کے قواعد کے مطابق ابتدائے وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ سے لے کر یہاں تک اس کلام کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قلوبنا غلف کا مضمون جو کہ یہودیوں سے صادر ہوا تھا' اپنے دین میں کمال پختگی کی دلیل تھا جو کہ قابلِ تعریف کام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعوے کو ان پر رد فرمایا اس طرح کہ یہ سب کچھ اس لعنت اور سنگدلی کے آثار سے ہے۔ جو کہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دل پر وارد ہوئی۔ پس تمہارا اپنے دین کے غیر کی طرف متوجہ نہ ہونا اور دلائل میں غور نہ کرنا تعصب باطل کے زمرے سے ہے نہ کہ تصلب حق سے۔ اور اس کی علامت تین چیزیں ہیں: پہلی چیز یہ ہے کہ قرآن پاک اور پیغمبر

marfat.com
Marfat.com

آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی تشریف آوری سے پہلے بہت متبرک اور معظم سمجھتے تھے۔ اور آپ کے نام کے ساتھ اپنی مہموں میں وسیلہ لیتے تھے۔ اور جب یہ دونوں بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں ظاہر ہوئے تو تمہاری حسد کی رگ پھڑک اٹھی اور تمہارا قبول کرنا انکار میں بدل گیا اور یہ تمہارے تعصب کی صریح دلیل ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ تورات کے سوا ہم کسی دوسری کتاب پر یقین نہیں رکھتے۔ اگرچہ وہ کتاب تورات کے مطابق ہو۔ اور یہ بھی تعصب کی علامت ہے کیونکہ اگر اپنے محبوبوں میں سے کوئی شخص کہے کہ السماء فوقنا آسمان ہمارے اوپر ہے اس کا ہم یقین کریں۔ اور اپنے دشمنوں میں سے کوئی یہی بات کہے اس کی تکذیب کریں۔ اور یہی وجہ ہے کہ تم نے انبیائے بنی اسرائیل کو تعصب و جہالت کی وجہ سے قتل کر دیا۔ حالانکہ وہ تورات کی مخالفت بالکل نہیں کرتے تھے۔ بلکہ تورات کے احکام کی تاکید کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ تمہاری مخالفت تعصب پر مبنی ہے تصلب پر نہیں۔

تیسری چیز یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی تمہارے اسلاف نے بے التفاتیاں سرکشیاں بچھڑے کی محبت پر اصرار۔ اور پختہ وعدہ کو توڑا ہے تو اگر وہ اس لڑائی جھگڑے اور ضد کو دین و ایمان پر پختگی قرار دیتے ہیں تو تمہارا ایمان ایک بُری چیز ہے۔ اور ان تینوں علامات میں جو کہ تعصب باطل اور تصلب حق کے درمیان فرق کرنے والی ہیں' ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ پہلے تو قرآن پاک کی صداقت پر دلالت کرنے والے قرائن کے واضح ہونے کے باوجود اس کے انکار کو ان کے حسد کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ان انبیاء علیہم السلام کو قتل کر کے جو کہ تورات کے مطابق حکم دیتے تھے۔ اور امر و نہی فرماتے تھے' عہد شکنی کی ہے۔ اس کے بعد خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان کی ظاہری حیات مبارکہ میں مخالفت کر کے عہد شکنی کی اور یہ ان کے تعصب کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔

اور اگر یہودی کہیں کہ ہم تورات کے سوا دوسری کتابوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے سوا دوسری شریعتوں کے ساتھ اس لیے کفر اختیار کرتے ہیں کہ ہمارے

marfat.com
Marfat.com

نزدیک تورات کے بعد کوئی کتاب آسمان سے نازل ہوئی اور نہ ہی کوئی شریعت آسمان سے اُتری۔ پس ہمارا یہ کہنا کہ نُؤْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہ ہونے والی کتابوں سے پرہیز کرنا ہے نہ کہ اس کی طرف سے ہمارے غیر پر نازل ہونے والی کتابوں سے۔ اور ایسی صورت میں ہمیں ملامت اور عتاب نہیں ہوسکتا تو ان کی اس گفتگو کے جواب میں۔

قُلْ آپ فرمائیں اگر معاملہ یہی ہے کہ تمہارے عقیدے میں سوائے تورات کے کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے سوا کوئی اور شریعت نہیں اُتری تو چاہیے کہ آخرت میں جو کہ بہشت اور جو کچھ اس میں ہے سے عبارت ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف تمہارے لیے ہو۔ کیونکہ برحق ہونا تمہی میں منحصر ہے۔

اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دار آخرت تمہارے لیے ہو خصوصاً جب کہ وہ دار آخرت خَالِصَةً تمہارے ساتھ خالص ہو۔ اور کسی دوسرے کو اس میں شرکت نہ ہو۔ اس معنی سے نہیں کہ وہاں کے بلند درجات تمہارے ساتھ مخصوص ہیں اگرچہ دوسرے لوگ بھی نچلے درجات میں داخل ہوں۔ بلکہ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ دوسرے لوگوں کے سوا تو چاہیے کہ تمہیں موت دنیا کی زندگی سے زیادہ پسند ہو جو کہ اس عظیم نعمت مقام تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ کیونکہ اگرچہ دنیوی زندگی کی وجہ سے جنت کے درجات بلند کرنے والے اعمال میسر ہوتے ہیں۔ لیکن اس زندگی کی وجہ سے اس محبوب اور مرغوب تک پہنچنے میں دیر ہوتی ہے۔ جبکہ موت کی وجہ سے اس محبوب اور پسندیدہ مقام کا وصال جلدی حاصل ہوتا ہے۔ اور محبت کا قاعدہ ہے کہ محب کو محبوب سے دُور رہنا ایک ساعت اور ایک لمحے کے لیے بھی دشوار ہوتا ہے۔ اگرچہ جانتا ہے کہ دیر آید درست آید تو اگر یہ معنی تمہارے ہاں موجود ہے۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ پس موت کی آرزو کرو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو۔ اور اگر تم کہو کہ ہم موت کی آرزو اس لیے نہیں کرتے کہ ہمیں یقین حاصل نہیں کہ جب بھی ہم موت کی آرزو کریں گے تو ہمیں موت ضرور آ جائے گی۔ ہم کہتے ہیں کہ اس

marfat.com
Marfat.com

تردد کو دل میں جگہ مت دو۔ کیونکہ ہم جو کہ موت وحیات کے مالک ہیں' تمہارے ساتھ اقرار کرتے ہیں کہ جب بھی تم موت کی آرزو کرو گے' ہم کسی توقف کے بغیر تمہیں موت پہنچا دیں گے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ اگر یہودی موت کی آرزو کریں تو ہر شخص اپنے منہ کے پانی سے دَم گھٹ کر اپنی جگہ پر مر جائے۔ اور روئے زمین پر ایک یہودی باقی نہ رہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تحدی اور معجزہ کے اظہار کے وقت پر ممکن کا واقع ہونا واجب ہو جاتا ہے مگر یہ وجوب ان کی آرزو پر معلق تھا جب انہوں نے آرزو نہیں کی' واقع نہیں ہوا۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا اور موت کی آرزو ہرگز نہیں کریں گے۔ جب تک کہ دنیا کی زندگی میں ہوں اگرچہ موت چکھنے اور ان سختیوں کو جو کہ موت سے بھی بالاتر ہیں' دیکھنے کے بعد چار و ناچار کہیں کہ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا کیونکہ وعدہ اور وعید میں اس رسول علیہ السلام کی راست گفتاری کے تجربہ کی وجہ سے یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ ہم نے جب بھی اس کی آرزو کی' موت آئی۔ اور موت کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں پوری جزا دے گا۔

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اس کے مطابق جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ اور یہ ان کے عمل کی قوت سے کنایہ ہے۔ کیونکہ اکثر اعمال کا آلہ ہاتھ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے ظلم کی شدت کے باوجود انہیں ان کے بُرے اعمال کی پوری جزا کیوں نہ دے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو جانتا ہے۔ پس وہ اگرچہ موت کی آرزو نہ کریں۔ اور اس سے ہزار فرسنگ دُور بھاگیں' انہیں بُری موت ضرور پہنچے گی اور یہ مریں گے۔ اور مرنے کے بعد اپنے نامناسب کردار کی جزا پائیں گے۔

اور بیہقی کتاب الدلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لائے کہ جب پہلی آیت اُتری تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچ کہتے ہو تو ایک بار زبان سے کہہ دو اللھم امتنا یا اللہ! ہمیں موت دے۔ مجھے اس خدا کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے' تم میں سے کوئی بھی یہ دعا زبان سے نہیں کہے گا مگر اس کے گلے کا پانی مہلک خناق کا مادہ ہو کہ اس کے گلے کو بند کر

marfat.com
Marfat.com

دے گا اور وہ فی الفور ہلاک ہو جائے گا۔ یہودیوں نے یہ کلمہ کہنے سے انکار کر دیا۔ اور ڈر گئے اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وَاللّٰهُ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ اس کی کبھی آرزو نہیں کریں گے۔

قصہ مختصر یہ کلام یعنی وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا جو کہ خبر دیتا ہے کہ یہودی ہرگز کبھی بھی یہ آرزو نہیں کریں گے' غیبی خبر اور واقع کے مطابق آیا۔ کیونکہ اگر وہ موت کی آرزو کرتے تو ضرور اسے نقل کیا جاتا بلکہ تواتر سے ثابت ہوا کہ لوگ ان آزمائشی واقعات میں ان کے واقع ہونے کے زیادہ منتظر ہوتے ہیں۔ اور صرف واقع ہونے پر ہی اس کی تشہیر کرتے ہیں۔

## ایک شبہ کا جواب

یہاں اگر کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ آرزو اور تمنا دل کا کام ہے۔ اس کا نہ ہونا کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ تو اس واقعہ کی واقع کے ساتھ مطابقت کس طرح واضح ہو؟ ہم کہتے ہیں کہ اول تو تمنا دل کا کام نہیں بلکہ لغت میں تمنا اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زبان سے کسی چیز کی آرزو کا اظہار کرے۔ اور کہے کہ کاش مجھے یہ چیز حاصل ہو جائے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا دعویٰ ایسی چیز کے ساتھ ہوتا ہے جو ظاہر اور کھلی ہو نہ کہ مخفی اور پوشیدہ اور ظاہر ہے کہ دلوں کی چھپی باتیں ایسی چیز ہیں کہ علام الغیوب کے سوا خود بخود اس پر اطلاع نہیں ہو سکتی۔ تحدی اور مسائل میں سے کسی مسئلہ اور دعووں میں سے کسی دعویٰ کی سچائی کو ثابت کرنے کے مقام میں اس پوشیدہ امر پر کام کی بنیاد رکھنا مقصد کے خلاف ہے۔ اور اسی لیے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کی گزشتہ روایات میں گزرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں سے صرف اللھم امتنا کا کلمہ کہنے پر اکتفاء فرمایا۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ دل سے موت کی آرزو کرو۔

دوسری بات یہ کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آرزو دل کا کام ہے۔ لیکن دل کے کاموں سے کوئی ایسا کام نہیں جس کے وجود اور عدم کی دلیل اعضاء کے کاموں سے نہ کہی جا سکے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ ما من عیان الادلہ بیان ہر ظاہر کا بیان ہے۔ اور دعویٰ کرنے

marfat.com

Marfat.com

والوں کا موت اور اسباب موت سے فرار بلکہ زبانی طور پر موت طلب کرنے اور زبان سے اس کا ذکر کرنے سے گریز پائی اس بات کی صریح دلیل ہے کہ ان کے دل میں موت کی محبت بالکل نہ تھی۔ کیونکہ کسی چیز کی آرزو اس چیز کو بُرا سمجھنے کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔

تیسری بات یہ کہ اس وقت کے یہودیوں کا حال دو شقوں سے باہر نہیں تھا۔ موت کی دلی آرزو ان سے بھی ثابت ہوئی نہ ہوئی اگر نہ ہوئی تو یہ خبر واقع کے مطابق ہوئی اور نبوت کے صحیح ہونے کی دلیل ہوئی اور اگر ہوئی تو چاہیے تھا کہ زبان سے اس آرزو کا اظہار کرتے۔ تا کہ الزام' شرمندگی اور اپنے دعویٰ کے باطل ہونے کی ذلت سے نجات پاتے۔ عقل مند ایک شرمندگی دُور کرنے کے لیے ہزاروں جھوٹ گھڑتے ہیں انہیں یہ سیدھی سی بات کہتے ہوئے ہاتھ سے کیا جاتا تھا۔ اور بالکل ظاہر ہے کہ اگر انہیں دل میں موت کی آرزو حاصل ہوتی اور زبان سے اس کا اظہار نہ کرتے تو اپنے اُوپر جہالت' شرمندگی اور الزام بھی عائد کرتے اور جھوٹے بھی ہوتے اور کوئی عقل منداس قسم کی بے ہودہ حرکت نہیں کرتا جس میں دنیوی نقصان بھی ہو۔ اور دینی ضرر بھی۔ بلکہ اگر انہیں موت کی دلی آرزو حاصل نہ ہوتی لیکن اس کا زبان سے اظہار کرتے تو عقل والوں کے نزدیک گنجائش ہوتی جو کہ عزت' آبرو اور اپنی بات پالنے کے لیے جھوٹ کو بہت شیریں جانتے ہیں۔ پس یہودیوں کا زبان سے اس آرزو کے اظہار سے باز رہنا اس آرزو کے ان کے دل میں نہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔

## چند جواب طلب سوالات اور جوابات

یہاں چند تحقیق طلب سوالات باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ یہ کلام یہودیوں کی طرف سے مسلمانوں پر پھیری جاتی ہے۔ کیونکہ انہیں حق پہنچتا ہے کہ وہ کہیں کہ مسلمان بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ جنت اور مافیہا خاص ان کے لیے ہے۔ ان کے سوا دوسرے فرقے یہود ونصاریٰ' مجوسی اور مشرک وہاں داخل نہیں ہوں گے۔ اور اس کے باوجود موت کی تمنا نہیں کرتے۔ بلکہ ہزار حیلوں سے اس سے بھاگتے ہیں۔ پس ہم بھی اگر یہ دعویٰ کریں۔ اور موت سے بھاگیں اور اسے بُرا جانیں' ہم پر کیا الزام عائد ہوتا ہے؟ اس کا حل یہ ہے کہ

marfat.com

Marfat.com

یہاں دو اعتقاد ہیں: پہلا کہ بہشت خالص ہمارے لیے ہے۔ اور دوسرے فرقوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ دوسرا یہ کہ ہم سب کے سب جیسے بھی ہوں' بہشت میں جائیں گے۔ اور موت کی محبت بلاشبہ ان دونوں اعتقادات کے مجموعے کو لازم ہے۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک اعتقاد کو جدا جدا لازم نہ ہو۔ بلکہ تحقیق کے اعتبار سے اس محبت کے لازم ہونے کو صرف دوسرا اعتقاد بھی کافی ہے۔ اور یہودیوں کے یہ دونوں عقیدے تھے۔ جیسا کہ ان کے اس مجموعہ کلام سے ظاہر ہے۔ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً وَلَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى۔ بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ دوسرا عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ اپنے بُرے اعمال اور غیر پسندیدہ باتوں سے ہمیشہ خائف اور ڈرتے ہیں۔ پس یہ کلام پھیری نہیں جاسکتی کیونکہ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ ان دونوں اعتقادوں کے مجموعے پر دلالت کرتی ہے۔ اسی وجہ سے لکم میں نَفع کا لام اس جگہ کا ثواب تمام مخاطبین کے لیے حاصل ہونے کا اشارہ کرتا ہے۔ اور لفظ خالصہ عذاب کی انواع سے بچنے کو جتلاتا ہے۔ پس کلام کا معنی یہ ہوا کہ اگر تمہارے نزدیک جنت تمہارے فرقے کے نفع کے لیے ہے۔ جبکہ پہلے کوئی عذاب نہ ہوگا۔ اور اس منصب میں دوسروں کے لیے کوئی شرکت بھی ثابت نہیں تا کہ شرکاء کے گھٹیاپن کی جہت سے اس نعمت میں کوئی اندیشہ نہ ہو پس اس نعمت تک جلدی پہنچنے کی آرزو میں کیا توقف کرتے ہو۔

اس کے باوجود کہا جاسکتا ہے کہ وہ مسلمان جو کہ اس وقت کے یہودیوں کے مقابلہ میں واقع ہوئے تھے۔ جیسے کہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' مہاجرین اور انصار انہیں ممکن تھا کہ اس پھیرنے کا دو طرح مقابلہ کریں۔ پہلا طریقہ یہ کہ کہیں کہ ہم اور ہمارے رسول علیہ السلام شرائع کی تبلیغ اور احکامِ الٰہیہ کو نافذ کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ بلکہ اس وقت یہ بلند مرتبہ ہمیں میں منحصر ہے۔ اگر ہم فوت ہو جاتے تو قیامِ قیامت تک تصور نہیں ہو سکتا کہ کوئی دوسرا یہ منصب سنبھالے کیونکہ ہمارے رسول خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور ہم پہلے مومن اگر ہم درمیان میں نہ ہوں' کون ہے جو رسول علیہ السلام کے اقوال و افعال اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُترنے والے احکام کو پچھلے لوگوں تک پہنچائے اور اس کا

marfat.com
Marfat.com

پہنچانا حدتواتر تک پہنچے۔ تاکہ اس کے ساتھ محبت کا الزام ہو سکے۔ پس ہمارے وجود سے جو حکمتِ خداوندی مراد ہے پوری نہیں ہوتی سوائے ہماری زندگی کے۔ اسی وجہ سے ہم اپنی وفات سے راضی نہیں ہوتے تاکہ ہم اپنے خالق کی حکمت کو ضائع نہ کر بیٹھیں۔

## ذوقِ شہادت فی سبیل اللہ اور غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دوسرا طریقہ یہ کہ ان مذکور لوگوں میں سے ہر ہر فرد موت کی محبت اور اپنے پروردگار کی ملاقات کے شوق سے پُر تھا۔ جیسے مطیع غلام جو کہ بلند مرتبے حاصل کرنے کے لیے اپنے سردار کی ملازمت کا خواہاں ہوتا ہے بھاگے ہوئے غلام کی طرح نہیں جو کہ چوروں کی طرح اپنے مالک کے سامنے جانے سے پہلوتہی کرتا ہے۔ اور ان کی اس محبت اور شوق کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنی جان اور مال کو جہاد میں خرچ کیا اور انہوں نے اپنی روحوں کو اس دین کی ڈھال بنا رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں اُتارا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔ (الاحزاب آیت ۲۳)

نیز یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (التوبہ آیت ۱۱۱)

نیز فرمایا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ

(البقرہ آیت ۲۰۷)

اور حضرت امیر المومنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے اللهم ارزقني شهادة في سبيلك ووفاة ببلد رسولك یا اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت اور اپنے رسول علیہ السلام کے شہر میں وفات عطا فرما۔

اور حضرت امیر المومنین علی ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ کان يطوف بين الصفين في غلالة یعنی آپ جنگ کی دو صفوں کے درمیان گھوڑا دوڑاتے حالانکہ ایک پسینہ پونچھنے والے رومال کے کپڑے کا باریک کرتہ پہنے ہوتے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ یہ جنگ کا لباس نہیں ہے جو آپ نے پہن رکھا

marfat.com

Marfat.com

ہے یہاں زرہ اور فولاد کی کڑیوں والا لوہے کا بنا ہوا لباس پہننا چاہیے۔آپ نے فرمایا:

یابنی لایبالی ابوک علی الموت سقط او سقط علیہ الموت۔

اے بیٹے! تیرے باپ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ موت پر گرے یا موت اس پر۔

اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حالتِ نزع میں آپ کو بہت تازگی اور مسرت لاحق ہوئی اور آپ بلند آواز سے فرمارہے تھے جاء حبیب علی فاقتہ لاافلح من ندم یعنی موت جو کہ میرا محبوب ہے' عین انتظار اور کمال اشتیاق کے وقت آئی۔اور جسے اس محبوب کی آمد سے ندامت ہوئی خلاصی پانے والا نہ ہو۔

اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جنگِ صفین میں یہی نعرہ لگارہے تھے الآن القی الاحبۃ محمد اوحزبہ اب مجھے احباب کی ملاقات ہوگی۔حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی۔اور جب ایک ہزار چار سو افراد نے حدیبیہ کے دن قربان ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کی' اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ آیت بھیجی لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(الفتح آیت ۱۸)

حاصلِ کلام یہ کہ جو صحابہ کبار خصوصاً غزوۂ بدر میں حاضر ہونے والوں' شہدائے احد اور اہلِ بیعت رضوان کی اچھی سیرت سے واقف ہوا' وہ یقین سے جانتا ہے کہ وہ فی سبیل اللہ قربان ہونے میں عظیم پختہ قدم رکھتے تھے۔یہاں تک کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کفار کے سردار رستم بن فرخ زاد کے نام اپنے خط میں لکھا فان معی قوماً یحبون الموت کما یحب الاعاجم الخمر کہ میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جو کہ اس طرح چاہتے ہیں۔جیسے عجمی لوگ شراب کو پسند کرتے ہیں۔اور یہ لکھنے میں اس کے بعید از امکان ہونے کو دور کرنے کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔کیونکہ نشہ کی حالت بھی موت کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت رکھتی ہے کہ شراب سے مست آدمی لایعقل ہو کر اس جہان سے باہر چلا جاتا ہے۔اور عالم خیال کی سیر اور گردش میں مستغرق رہتا ہے۔پس موت کے مشابہ اس حالت کو شراب پینے والوں نے ایک گھڑی راحت اور عالم خیال کی سیر کے

marfat.com
Marfat.com

لیے پسند کیا ہوگا تو ہم لوگ موت کو جو کہ محبوبِ حقیقی کے وصال اور عالمِ ملک ودود کی سیر کا موجب ہے' کیوں پسند نہ کریں۔

اور بالکل ظاہر ہے کہ دنیا کا سامان آخرت کی نعمت کے مقابلہ میں بہت قلیل ہے۔ اور وہ قلیل بھی اس زمانے کے یہودیوں پر جو کہ اس کلام سے مخاطب ہیں۔ انوارِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام والتحیہ کے جلووں کے ظہور کے بعد اور اس نزاع کے بعد جو کہ ان کے ساتھ مسلمانوں کو پیش آیا۔ یہاں تک کہ یہ جنگ وجدال لڑائی جھگڑے' بہادر مردوں کے قتل' اولادوں اور بچوں کی قید' نفیس جائیدادوں اور احوال کو لوٹنے' جزیہ اور خراج لگانے اور فقرو مسکنت اور احتیاج تک کھینچ لے گیا' بہت تلخ اور بدمزہ ہوگیا۔ پس ان کے گمان میں ان کے حق میں اس زندگی سے موت بلاشبہ اچھی اور بہتر تھی۔

اور اگر یہودی کہیں کہ آخرت کی نعمتوں کی آرزو میں ہم آگے ہیں۔ لیکن موت جو کہ اس نعمت کے ملنے کا وسیلہ ہے طبعی طور پر انسان کو پسند نہیں اس کی وجہ سے ہم موت کی آرزو نہیں رکھتے اور اس سے بھاگتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس محبوب چیز کا وسیلہ بذاتِ خود مکروہ ہے۔ لیکن عقل مند محبوب کو حاصل کرنے کے لیے اس وسیلہ کی ہزار دل سے آرزو کرتا ہے۔ جیسے شفا کے لیے فصد کھلوانا اور تنقیہ۔

یہاں جاننا چاہیے کہ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں ایک اور روش اختیار کی ہے۔ جو کہ اس مقام پر وارد ہونے والے اکثر اشکالات سے نجات بخشتی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کہ لَنَا الدَّارَ الْاٰخِرَةَ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ کے باطل کرنے میں تحدی اور اعجاز کی راہ اختیار فرمائی نہ کہ الزام اور مناظرہ کی۔ پس گویا یوں ارشاد ہوا کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو ہم نے تمہاری صداقت کی علامت یہ قرار دی کہ تم موت کی آرزو کرو۔ بغیر اس کے کہ اس دعویٰ اور آرزوئے موت کے درمیان کوئی واقعی لزوم ثابت ہو۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ اگر تیرا دعویٰ درست ہے تو چاہیے کہ تو اپنے ہاتھ کو سر پر رکھے۔ کیونکہ جن حرکات کی عادت ہو' ان سے عاجز ہونا بغیر اس کے کہ کوئی ظاہری سبب ہو' اعجازِ الٰہی کی دلیل ہے۔ اور اعجاز کے وقت نبی علیہ السلام کا دعویٰ صحیح اور ان

marfat.com
Marfat.com

کے مخالفین کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ موت کی آرزو اتنا عجیب اور مشکل کام نہیں خصوصاً جب آرزو کو زبانی اظہار پر محمول کیا جائے۔ پس سب کے سب یہودیوں کا اس بات سے عاجز آنا کہ موت کی آرزو اپنی زبان سے ظاہر کریں' ان کے اس دعویٰ میں جھوٹ کی صریح دلیل ہوئی۔

اور ان میں سے بعض دوسروں نے کہا ہے کہ اس دعویٰ میں انکار کا مقام لفظ خالصۃً ہے۔ اور مِنْ دُوْنِ النَّاسِ بھی خالصۃً سے متعلق ہے۔ پس کلام کا معنی یوں ہوا کہ اگر سرائے آخرت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے لیے ہے اس حالت میں کہ وہ سرا ہر طرح عذاب سے پاک ہوگی بخلاف دوسرے لوگوں کے ان کے لیے وہ سرائے عذاب سے پاک میسر نہیں آئے گی یا تو اس سے بالکل محروم ہوں گے یا عذاب چکھنے کے بعد وہاں پہنچیں گے۔ اور اس توجیہ کی وجہ سے دوسرا عقیدہ جو کہ پہلے مذکور ہوا' بھی اس کلام سے ظاہر ہوگیا۔ اور یہودیوں کی طرف سے مسلمانوں پر اس کلام کا لوٹنا دُور رہا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت :ور لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلُ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (آل عمران آیت ۱۴۳) اور اس جیسی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کی آرزو اور اسے دل سے چاہنا ایک قابلِ تعریف کام ہے۔ اور نجات کی نشانی اور شوقِ الٰہی کی دلیل ہے۔ اور بہت سی احادیث اس کی تائید میں وارد ہوئیں۔ ان میں سے یہ ہے کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: من احب لقاء اللّٰہ احب اللّٰہ لقاء ہ ومن کرہ لقاو اللّٰہ کرہ اللّٰہ لقائہ۔

اور ان میں سے وہ ہے جو کہ آخری زمانے کے مسلمانوں کی مذمت اور کفار کے ساتھ جہاد کرنے سے ان کی بزدلی میں واقع ہوا۔ حب الدنیا و کراھیۃ الموت اور عقلی دلیل بھی اسی کی گواہ ہے۔ کیونکہ مردِ مومن کی سب کی سب ہمت آخرت میں راحت اور انس حاصل کرنا ہے۔ اور وہ یقین کامل رکھتا ہے کہ وہ حالت آنے والی ہے۔ اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اور دنیا کی زندگی فانی اور ناپائیدار ہے۔ اور اس کے علاوہ وہ اوقات کو بدمزہ کرنے

marfat.com
Marfat.com

والی اور اطاعت سے روکنے والی مصروفیات بہت رکھتا ہے۔ پس اسے آخرت میں رغبت، دنیوی لذتوں سے بے رُخی اور یہاں کی زندگی کو حقیر سمجھنا ضروری ہے۔ اور اگرچہ طبعی طور پر موت سے کراہت کرتا ہے مگر وہ کراہت نہیں جو کہ آخرت کی لذتوں سے بے رغبتی کی وجہ سے ہو۔ بلکہ دو اسباب میں سے ایک کی وجہ سے پہلا سبب نزع کی شدت اور روح کی کھینچا تانی کی سختی جو کہ بدذائقہ منقیہ کرنے والی دوا پینے کی مانند طبعی طور پر ناپسند ہوتی ہے مگر عقلی طور پر محبوب ہوتی ہے۔

دوسرا سبب مواخذہ اور کوتاہیوں پر عتاب۔ پس وہ چاہتا ہے کہ لمبی زندگی پائے۔ اور زیادہ نیکیاں بجالائے۔ اور اسے توفیق نصیب ہو تاکہ اس جہان سے پاک اور صاف ہو کر جائے۔ اور اس سفر کی طرح نہ ہو جو کہ اسباب سفر خرچ اور سواری مہیا کیے بغیر ہو اسی لیے عبادہ بن صامت کی حدیث میں آیا کہ جب حضور علیہ السلام نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم سب موت کو مکروہ جانتے ہیں۔ پس ہمارا حال کیا ہوگا؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری اس کراہت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ تمہاری نظر میں مواخذہ اور عتاب کے خوف اور خطرے کی وجہ سے اس سرائے کی خاص لذت ابھی جلوہ گر نہیں ہوئی۔ معتبر وہ وقت ہے جو کہ نزع کا وقت ہے۔ اس وقت مردِ مومن کو ہر طرف سے بشارت پر بشارت پہنچتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے آثار اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کرم ظاہر اور بے پردہ نظر آتا ہے اس وقت اس کے نزدیک موت سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جبکہ کافر کو ہر طرف سے عذاب اور سزا کے اسباب نظر آتے ہیں۔ اور ڈرانا دھمکانا رونما ہوتا ہے۔ پس اس وقت اس کے نزدیک کوئی چیز موت سے زیادہ بُری نہیں ہوتی۔

اور بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس سوال کے جواب میں فرمایا والموت قبل لقاء اللہ' یعنی موت کو بُرا جاننا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو بُرا جاننے کو لازم نہیں کرتا کیونکہ موت اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے ہے۔ اور اس مقصد کا وسیلہ ہے۔ اور کئی دفعہ وسیلہ ناپسند ہوتا ہے۔ اور مقصد محبوب ہوتا ہے۔ جیسے کڑوی دوائی پینا جو کہ حصولِ تنقید کا وسیلہ

marfat.com
Marfat.com

ہے۔اور فصد اور بدذائقہ مسہل جو کہ حصولِ شفاء کا وسیلہ ہے۔اور ہر پرخطر سفر جو کہ مال کے حصول کا وسیلہ ہے۔

## موت کی آرزو کرنا حرام ہے

اور بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ موت کی آرزو کرنا حرام ہے' نہیں کرنی چاہیے۔چنانچہ صحاح ستہ میں مروی اور ثابت حدیث مشہور ہے۔اور وہ حضور علیہ السلام کا قول ہے لایتمنین احدکم الموت لضر نزل به وان کان ولابدفلیقل احینی ما کانت الحیوة خیرالی و توفنی اذاکانت الوفاة خیرالی۔تم میں سے کوئی کسی نازل شدہ تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔اور اگر اس کے سوا چارہ نہیں تو یوں کہے اے میرے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہے۔اور فوت کردے جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔پس اس ظاہری تعارض میں تطبیق کی وجہ کیا ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موت کی آرزو کرنا کبھی اخروی راحت کے شوق کامل اور علائق دنیوی سے مجرد ہونے کی حالت سے مانوس ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔اور وہ نجات اور شوقِ الٰہی کے غلبہ کی دلیل ہے۔لیکن شریعت میں اس آرزو کا اظہار جائز نہیں ہے۔کیونکہ اصل میں یہ آرزو مغلوبیت اور مجذوبیت کے آثار سے ہے۔جو کہ زندگی کے فوائد اور منافع سے غافل کرنے والی ہے۔اور وہ سمجھتا نہیں کہ اس دنیا میں جس قدر رہوں گا' اتنا ہی زیادہ قربِ الٰہی حاصل کروں گا۔اور مزید شوق اور رغبت حاصل کروں گا۔تو اگر کبھی غلبہ شوق کی وجہ سے یہ حالت رونما ہو تو چاہیے کہ اسے چھپانے کی کوشش کرے۔اور زبان سے اظہار نہ کرے۔جس طرح کہ شریعت میں مغلوبیت اور مجذوبیت کے تمام آثار کو اسی دستور کے مطابق چھپانا واجب قرار دیا گیا ہے۔

اور وہ جو اس باب میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہوا' سب کچھ اس وقت تھا۔جبکہ موت کے اسباب موجود ہو چکے تھے۔اور ظاہری زندگی کے باقی رہنے سے مایوسی ہو چکی تھی اس وقت انہوں نے موت کی آمد پر خوشی اور اپنے پوشیدہ مقصد کے حصول پر فرح و سرور کا اظہار کیا ہے۔اور وہ وقت بحث سے خارج ہے۔اور اس کے باوجود ان سے موت

marfat.com
Marfat.com

کی طلب' آرزو اور خواہش منقول نہیں ہوئی۔ موت کی محبت اور اس کے پہنچنے پر خوش ہونا اور چیز ہے۔ اور موت کی طلب' دعا اور دلی طور پر چاہنا اور چیز اور کبھی مصائب پر بے صبری اور انہیں برداشت کرنے میں حوصلہ کی تنگی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس طرح کسی کہنے والے نے کہا ہے شعر' الاموت یباع فاشتریه' فهذاالعیش مالاخیرفیه' الارحم المهیمن روح عبد' تصدق بالوفاة علی اخیه

اور یہ آرزو چند وجہ سے محل عتاب اور دلیل نقصان ہے۔ کیونکہ گھبراہٹ' بے صبری' اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے ناراضگی کی دلیل اور توکل وتسلیم کے تقاضا کے خلاف ہے۔ اور اس آرزو میں کفر کی ایک قسم کی بھی ملاوٹ ہے۔ کیونکہ یہ شخص سمجھتا ہے کہ موت کے بعد میں قضا کے پنجے سے نجات پالوں گا۔ اور رب تعالیٰ کی قدرت مجھ پر اس وقت تک ہے جب تک کہ میں بقید حیات ہوں جب مرجاوں گا تو اس کی قدرت سے باہر نکل جاوں گا اس عقیدے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور یہی وہ آرزو ہے۔ جس سے احادیث شریفہ میں شدت سے روکا گیا ہے۔ اور اس کی مذمت کی گئی جیسا کہ اسی حدیث پاک میں لضر نزل کے لفظ کے ساتھ اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس سورت میں ولن یتمنوہ فرمایا ہے۔ اور اس سورت الجمعہ میں ولا یتمنونہ یہ فرق کس وجہ سے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں یہودیوں کا دعویٰ یہ ہے اِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ یعنی عذاب سے پاک جنت اور جو کچھ اس میں ہے' ہمارے لیے ہے۔ اور اس میں دوسروں کا کوئی حصہ نہیں۔ اور سورۃ جمعہ میں یہ ہے نحن اولیاء اللہ من دون الناس یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں نہ کہ دوسرے لوگ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی جنت اور اخروی نعمتوں تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ اور جنت اور اخروی نعمتوں تک پہنچنا مقصود بالذات ہے۔ پس مناسب ہوا کہ اس صورت میں ان کے دعوے کی جو کہ مطلوب بالذات کو اپنے فرقہ میں منحصر کرنا ہے' پوری تاکید سے نفی اور اس کا انکار کردیا جائے جبکہ سورۃ الجمعہ میں ان کے دعویٰ کی جو کہ وسیلہ کو منحصر کرنا ہے۔ اور اتنا مقصود نہیں ہے بغیر تاکید وانکار کے اصل نفی کردی جائے تاکہ مطلب

marfat.com
Marfat.com

اور وسیلہ میں فرق ظاہر ہو جائے۔

نیز کہا جاسکتا ہے کہ سورۃ جمعہ میں ان کا دعویٰ اس صورت میں مذکور دعوے سے خاص ہے۔ کیونکہ جسے بہشت اور اخروی نعمت حاصل ہو جائے' لازم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ولی بھی ہو۔ کیونکہ کمال میں ولی کا مرتبہ نبی علیہ السلام کے مرتبہ سے متصل ہے۔ اور معقولیوں کا قاعدہ ہے کہ عام کی نفی خاص کی نفی سے زیادہ بعید ہے۔ جس طرح کہ خاص کا اثبات عام کے اثبات سے زیادہ بعید ہے۔ اس کی مثال' تیرا یہ کہنا کہ الانسان موجود فلاں بن فلاں ابن من فلاں موجود اور جب پہلا دعویٰ یعنی اپنے فرقہ میں نجات اور جنت کے درجات کو پہنچنے کا منحصر ہونا۔ دوسرے دعوے سے جو کہ ولایت کا اپنے میں منحصر ہونا ہے' زیادہ بعید تھا تو پہلے دعوے کے رد میں لفظ لن کی ضرورت ہوئی کیونکہ نفی کے باب میں اس سے زیادہ بلیغ اور کوئی حرف نہیں ہے۔ اور دوسرے دعوے کے رد میں اصل نفی پر جو کہ کلمہ لا کا مدلول ہے' اکتفاء مناسب ہوا۔

اور جب گزشتہ آیت میں اس بات کی خبر دی گئی کہ یہودی موت کی آرزو ہرگز نہیں کرتے اور نہ کریں گے۔ اور احتمال ہے کہ کسی کو دونوں ضدوں کی آرزو نہ ہو اور اسے دونوں طرفوں میں سے کسی کی رغبت نہ ہو۔ پس یہودیوں کے نزدیک موت و حیات برابر ہو نہ موت کے خواہش مند ہوں اور نہ زندگی کے طالب۔ اس احتمال کو دُور کرنے کے لیے فرمایا ہے کہ کاش اُنہوں نے موت کی آرزو کی ہوتی' دنیا کی زندگی پر حرص نہ کرتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تسلیم کرنے اور اپنے ارادہ کی نفی کرنے کے تقاضا کے مطابق موت و حیات کی دونوں طرفوں کو اپنے مالک کی رضا کے سپرد کرتے کیونکہ یہ حالت بھی طالبانِ آخرت بلکہ طالبانِ مولیٰ کے قابلِ تعریف حالات میں سے ایک قسم ہے۔ لیکن جب تو تجربہ اور امتحان کرے تو ان کی حالت اس کے خلاف پائے گا۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اور تو ان یہودیوں کو ضرور پائے گا۔ جو کہ جنت کو خالص اپنا نصیب کہتے ہیں اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ لوگوں میں سب سے زیادہ حریص ایک خالص قسم کی زندگی پر جو کہ انتہائی طویل اور بے فکری کے ساتھ ہو۔ اس سے بھی زیادہ جو کہ انسان میں

marfat.com
Marfat.com

راغب ہے۔ بلکہ تو انہیں اس قسم کی زندگی پر زیادہ حریص پائے گا۔ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اوران سے جو شرک کرتے ہیں۔ جبکہ وہ مشرکین تمام لوگوں کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کی حرص زیادہ رکھتے ہیں۔ اس قدر کہ گویا اس باب میں حد انسانیت سے گزر چکے ہیں۔ اور لوگوں کے گروہ سے خارج ہو گئے۔ کیونکہ معاد اور عاقبت کے بالکل معتقد نہیں ہیں۔ اور موت کو محض فنا اور مطلق عدم سمجھتے ہیں۔ اور دنیا کی زندگی کے سوا کسی زندگی کو نہیں جانتے۔ تو ان کی بہشت یہی دار دنیا ہے۔ اگر وہ اس دنیا کی زندگی پر حرص کریں۔ اور جان دیں تو بجا ہے۔ اور جب یہ یہودی جو کہ اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہیں۔ اور دار الجزاء کا اقرار کرتے ہیں۔ بلکہ اس سرائے کی نعمتوں کو اپنے لیے خاص جانتے ہیں' مشرکین کی نسبت زیادہ حرص کرتے ہیں تو جانا جاسکتا ہے کہ انہیں اپنا دوزخی ہونا پیش نظر ہے۔ اور ان کی یہ باتیں لاف زنی سے زیادہ نہیں ہیں۔ اور ان کے سب لوگوں سے زیادہ حرص ہونے کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کی نسبت عمر کے زیادہ کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ اور بیماریوں سے شفا کی طلب میں جائز حد سے زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ ہر طبیب' ہر منتری اور ہر جادوگر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور اس زندگی کی بقاء کے لیے اپنے ایمان اور دین کو برباد کرتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کی فراخی اور اس کے تکلیف دہ نہ ہونے کے لیے ہر طرف سے حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر مال کو جمع کر کے ذخیرہ کرتے ہیں۔ اور آخری دم تک ان کا یہ شیوہ جاری رہتا ہے۔ بڑھاپے' دانت گرنے اور بالوں کی سفیدی جو کہ موت کا برآمدہ ہے' کے باوجود اپنی عمر بڑھانے کی تدبیروں سے باز نہیں آتے اور مشرکین سے بھی ان کے زیادہ حریص ہونے کی دلیل یہ ہے کہ

یَوَدُّ اَحَدُھُمْ ان میں سے ایک دوست رکھتا ہے' اپنے حق میں نہ کہ اپنے تمام فرقہ اور خاندان کے حق میں کیونکہ اپنے تمام فرقہ اور خاندان اور اپنے مذہب و مشرب کے بارے میں یہ آرزو جو کہ اکثر اشخاص کو ہوتی ہے۔ لیکن ان میں ہر ہر آدمی آرزو کرتا ہے۔

لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ یہ کہ ایک ہزار سال عمر پائے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اتنی عمر میں زندگی کی حلاوت میں سے کچھ باقی نہیں رہتا۔ اور کسی عیش سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔ اور

marfat.com
Marfat.com

کسی طاقت سے اپنے کام میں مصروف نہیں ہو سکتے۔ اور مشرکین کے دل میں یہ آرزو پیدا نہیں ہوتی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین جب سرے سے معاد اور عاقبت کے منکر ہیں وہاں کی خیر میں رغبت رکھتے ہیں نہ اس جگہ کے شر سے ڈرتے اور بھاگتے ہیں۔ اور یہ لوگ دل سے جانتے ہیں کہ اس سرائے میں ہر نیک و بد کا بدلہ ہوگا۔ اور ہم ابدی عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں جب تک دنیا میں ہم زندہ ہیں اس عذاب سے دُور رہیں گے۔ پس اس محبت اور اس آرزو کی وجہ سے اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے دُور رکھتے ہیں۔

وَمَاهُوَ اور نہیں ہے اس قدر عمر پانا بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اس شخص کو عذابِ الٰہی سے دُور رکھنے والا اگرچہ اس کی آرزو کے مطابق واقع ہو جائے اَنْ يُّعَمَّرَ یہ کہ اسے ہزار سال عمر دی جائے۔ کیونکہ اگرچہ عمر طویل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جب آخر کار ختم ہونے والی ہے تو مدت قریب اور قلیل کے حکم میں ہے۔ اور یہ شخص جو کفر اور گناہ کے ارتکاب کا عادی ہے۔ جس قدر دنیا میں دیر تک رہتا ہے اسی قدر گناہ کا بوجھ اُٹھاتا ہے۔ پس اس قدر طویل عمر کفر اور گناہ میں گزارنا حقیقت میں اپنے آپ کو عذاب کے قریب کرنا ہے نہ کہ دُور کرنا۔ اور اپنے کو عذاب سے دُور رکھنا یہ ہے کہ اپنے اعمال کی اصلاح کریں۔ اور توبہ اور ندامت کی رغبت پیدا کریں۔ اور یہ کام انہیں میسر نہیں۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے جو وہ عمل کر رہے ہیں۔ کفر میں دَم بدم زیادتی اور ڈھیروں گناہوں اور ناجائز کاموں کے ارتکاب سے تو انہیں عمر کے چھوٹا ہونے کی صورت میں جو عذاب میں کچھ تخفیف متوقع تھی وہ بھی حاصل نہ ہوگی۔ بلکہ اس طویل عمر میں قبیح اعمال کی زیادتی کی وجہ سے ان کا عذاب اور زیادہ ہوگا۔ اور اگر ان کی عمر فی الواقع چھوٹی ہوتی تو اس آرزو سے کہ ہزار سال کی عمر گناہ اور کفر میں گزاریں' ہزار سال کے کفر اور گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر وہ اس قدر عمر پالیں گے تو انہیں اعمال میں گزاریں گے۔ پس وہ اپنے آپ کو عذاب کے قریب کر رہے ہیں نہ کہ دُور۔

اور اگر یہودی کہیں کہ ہم تورات کے غیر پر ایمان نہیں لاتے۔ اور اس پر یقین نہیں

marfat.com
Marfat.com

کرتے۔ یہ ازرہ حسد نہیں کہ ہمارے فرقہ پر کیوں نہ اُترا بلکہ اس وجہ سے ہے کہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی کے واسطہ کے بغیر بارگاہِ خداوندی سے عنایت فرمائی گئی تھی۔ جبکہ یہ قرآن تم پر جبریل کے واسطے اُترتا ہے۔ اور فرشتوں میں سے جبریل ہمارا دشمن ہے' ہمارا نفس یہ قبول نہیں کرتا کہ اپنے دشمن کے احسان کا بوجھ اُٹھائیں۔

پس ان کی اس بات کے جواب میں قُلْ آپ فرمادیں۔ کہ جبریل علیہ السلام تم سے دشمنی نہیں رکھتا بلکہ تم خیالات فاسدہ کی وجہ سے اسے دشمن سمجھتے ہو۔ مثلاً تم کہتے ہو کہ جبریل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہماری خفیہ باتوں کی اطلاع دیتا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں ہم جو تدبیر اور مشورہ کرتے ہیں اس کی اسے خبر دے دیتا ہے اور اس کے کافروں پر عذاب لاتا ہے۔ اور انہیں زمین میں دھنساتا اور ان کی شکلوں کو مسخ کر دیتا ہے۔ اور اس نے بخت نصر کو ہمارے ہاتھ سے چھڑایا اور اسے قتل نہ کرنے دیا۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہوا۔ اور اس نے بیت المقدس کو خراب کیا۔ اور بنی اسرائیلوں کو قتل اور قید کیا۔ اور جب اس نے یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کی ہیں تو ان کاموں میں انہیں دشمن قرار دینے کا حق نہیں پہنچتا۔ پس

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ جو جبریل (علیہ السلام) کا دشمن ہو اس کی دشمنی بلاوجہ ہے۔ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ کیونکہ جبریل (علیہ السلام) نے اس قرآن کو اُتارا ہے۔ اور اس سے ان کی دشمنی کا سب سے آخری سبب یہی ہے۔ آپ کے دل پر صرف اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے حکم سے۔ نہ کہ خود بخود اپنی طرف سے۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجماع کے ساتھ جبریل (علیہ السلام) لئے سفارت اور رسالت کے منصب سے زیادہ ثابت نہیں۔ پس وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اور پہنچاتا ہے' اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتا ہے اور پہنچاتا ہے۔ اور پیغمبر وقت کے پاس تمہارے بھید ظاہر کرنا بھی بحکم خداوندی سے ہے نہ کہ تمہاری عداوت کی وجہ سے۔ اور اس کے باوجود تمہارے کفر اور نافرمانی کی وجہ سے جبریل (علیہ السلام) تمہارا دشمن بھی ہوگا۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ بذات پاک خود کافروں کا دشمن ہے۔ اور جبریل (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہے پھر بھی

marfat.com
Marfat.com

تمہارے ایمان چھوڑنے اور جبریل کے لائے ہوئے پیغامات سے کفر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نازل کیا ہوا نہیں ہے مگر

مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ موافق اس کے جو اس سے پہلے ہے۔ جو کہ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے دوسرے انبیاء علیہم السلام نازل ہوا۔ پس جبریل (علیہ السلام) کے لائے ہوئے کو رد کرنا گویا گزشتہ کتابوں کو رد کرنا ہے۔ اور ان کا اقرار کرنا عین جبریل علیہ السلام کے لائے ہوئے کا اقرار کرنا ہے۔ اور کمال بے وقوفی اور حماقت ہے کہ اگر تمہارا دوست کہے کہ السماء فوقنا یعنی آسمان ہمارے اُوپر ہے تو یقین کر لیتے ہو۔ اور اگر یہی الفاظ دشمن کہے تو نہیں مانتے ہو۔ اور اگر بادشاہ کی طرف سے کوئی حکم پہنچائے' اسے قبول کر لیتے ہو۔ اور اگر تمہارا دشمن وہی حکم پہنچائے تو رد کر دیتے ہو۔ بلکہ اگر جبریل (علیہ السلام) کے اُتارے ہوئے میں اس وقت غور کرو تو اس کی ایک دیگر صفت بھی پاؤ گے۔ کیونکہ وہ تمہاری کتابوں کے موافق ہے۔

وَهُدًى اور ایک کامل ہدایت بہ نسبت پہلے اُتاری گئی ہدایت کے وَبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ اور ایمان والوں کے لیے بشارت۔ پس اسے اگر قبول کرو اور اس کا یقین کر لو تو اس بشارت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس ہدایت سے مشرف ہو جاؤ اور تمہیں جبریل (علیہ السلام) کے واسطہ سے عظیم نفع حاصل ہو۔ اور اس کی قوی محبت کا سبب ہو۔ کیونکہ اندھے کے نزدیک اس سے زیادہ دوستی کوئی نہیں کہ اسے سیدھی راہ کا نشان دے دیں اور پریشان' حیران' خائف اور ڈرنے والے کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی دوستی نہیں کہ اسے خوش کر دیں تو جسے تم نے دشمنی کا سبب گمان کیا ہے عین سبب محبت ہے۔ اور تمہارا یہ عذر اس اندھے کے عذر جیسا ہے۔ جسے کوئی کنوئیں یا ہلاکت کی جگہ سے بچا لے اور سیدھی راہ کا نشان دے اور وہ کہے کہ یہ شخص میرا دشمن ہے' میں اس کی بات پر یقین نہیں کرتا اور کنوئیں میں گرتا ہوں یا اس حیران و پریشان شخص کے عذر کی طرح از حد خوف کی وجہ سے جان نکلتی ہے۔ اور اسے کوئی خوش خبری پہنچائے اور تسلی بخشے اور وہ کہے کہ میں اس کی باتوں کا یقین نہیں کرتا۔ اور میں خوف میں رہتا ہوں اور اپنی جان کو برباد کرتا ہوں۔

marfat.com
Marfat.com

## یہودیوں کے سوالات اوران کے جوابات

اوراس آیت کے نازل ہونے کا سبب تفسیر ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں اور حدیث کی دوسری کتابوں جیسے طبرانی' بیہقی' مسند امام احمد اور عبد بن حمید میں اس طرح مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ عالیہ میں داخل ہوئے تو حالات کی تفتیش کے لیے یہودیوں کی کثیر جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ان کا سردار عبداللہ بن صوریا جو کہ فدک کے احبار میں سے تھا امتحان کے درپے ہوا۔ اوراس نے پوچھا کہ پہلے تو آپ ہمیں اپنی نیند کی کیفیت سے خبر دیں۔ کیونکہ ہماری کتابوں میں آخر الزماں پیغمبر کی نیند کی کیفیت کا نشان دیا گیا ہے۔ میں دیکھوں کہ وہ علامت آپ میں موجود ہے یا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں' دل نہیں سوتا۔ اور غافل نہیں ہوتا۔ اگر یہی علامت ہے تو مجھ میں موجود ہے۔ عبداللہ بن صوریا نے کہا کہ آپ نے سچ کہا یہی علامت ہے۔

اب ہم آپ سے چند چیزوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں جنہیں پیغمبروں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو چاہو پوچھو لیکن میں تم سے خدائی عہد چاہتا ہوں اور وہ عہد طلب کرتا ہوں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے لیا تھا اگر میں تمہیں ان چیزوں کی خبر دے دوں' تم ایمان لاؤ گے۔ اور میری پیروی کرو گے۔ سب نے کہا کہ قبول ہے۔ اس کے بعد عبداللہ بن صوریا نے کہا کہ آپ بتائیں کہ بچہ کبھی ماں جیسا ہوتا ہے۔ اور کبھی باپ جیسا ایسا کس وجہ سے ہوتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مرد اور عورت دونوں میں مادہ منویہ موجود ہے' مرد کا مادہ سفید اور گاڑھا ہوتا ہے۔ جبکہ عورت کا مادہ زردی مائل اور پتلا جو مادہ منویہ اوپر آجائے۔ اور دوسرے کے مادہ کو نیچے بٹھا دیتا ہے یا رحم میں قرار پکڑنے میں پہلے پہنچتا ہے۔ اور دوسرے کے مادہ سے پہلے جمع ہو جاتا ہے یا اجزا اور حجم کے اعتبار سے غلبہ اختیار کرتا ہے' بچے کو مشابہت میں اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اگر ان تین چیزوں میں سے ایک چیز مرد کے مادہ سے متحقق ہو تو بچہ باپ کے خاندان کے ساتھ مشابہت حاصل کرتا ہے۔ اور اگر عورت کے مادہ

marfat.com

Marfat.com

میں یہ چیزیں جمع ہوگئیں تو بچہ ماں کے خاندان سے ہم شکل ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس نے پوچھا بچے کا کون سا عضو ماں کے مادہ سے اور کون کون سے عضو باپ کے مادہ سے بنتا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہڈیاں' چربی اور نرم ہڈیاں باپ سے ہوتی ہیں۔ جبکہ گوشت' خون' بال اور ناخن ماں سے۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ ہمارے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں اسی طرح مذکور ہے۔ اب آپ فرمائیں کہ جنت میں داخل ہوتے ہی جنتیوں کی مہمان نوازی میں کیا چیز پیش کی جائے گی؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مچھلی کا جگر ہوگا۔ اور بعض روایات میں بیل کا گوشت اور مچھلی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ یہ بھی درست ہے۔ اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ ہمیں اس طعام کی خبر دیجئے جسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے آپ پر حرام کر رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی تکلیف ہوگئی تھی۔ اور بہت طویل ہوگئی' آپ نے بارگاہِ خداوندی میں نذر مانی کہ مجھے اس سخت تکلیف سے شفا حاصل ہو جائے تو مجھے کھانے کی چیزوں میں سے جو زیادہ مرغوب ہوگی' اپنے اوپر حرام کرلوں گا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو شفا عطا فرمائی۔ انہوں نے اونٹ کا گوشت اور اونٹ کا دودھ جو کہ انہیں بہت مرغوب تھا' اپنے اُوپر حرام کر دیا۔ اور اس کے بعد آپ کی ساری اولاد پر یہ کھانا حرام ہوگیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بھی درست ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نے ان سوالات کے جوابات میں میرا امتحان لیا۔ اور تم نے میری سچائی کو جان لیا۔ پس تمہیں کیا توقف ہے کہ میرے دین میں داخل نہیں ہوتے ہو۔ اور میری پیروی اختیار نہیں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ایک چیز باقی رہ گئی ہے جب تک کہ اس چیز سے ہماری تسلی نہیں ہوتی' ہم آپ کی پیروی نہیں کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہو وہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ بتایئے کہ آپ پر کون سا فرشتہ وحی لاتا ہے۔ اور آپ کا رفیق اور غمگسار ہوتا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتوں میں سے میرا ساتھی۔ اور غمگسار حضرت جبریل علیہ السلام ہے۔ اور وہی ہے جو فرشتوں میں سے ہر نبی علیہ السلام کے ہمراہ ہوتا ہے۔ اور اس پر وحی لاتا ہے۔ اور اس امر

marfat.com
Marfat.com

میں میں تمام پیغمبروں علیہم السلام کے ساتھ شریک ہوں۔ وہ بولے ہم آپ کی پیروی نہیں کریں گے۔ کیونکہ تمام فرشتوں میں سے جبریل (علیہ السلام) ہمارا دشمن ہے۔ اگر آپ کا صاحب وحی میکائیل (علیہ السلام) ہوتا تو ہم ضرور آپ کی متابعت کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل (علیہ السلام) کو کس وجہ سے دشمن قرار دیتے ہو؟ انہوں نے کہا چند وجوہ سے۔

## یہودیوں کی حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ عداوت کی وجہ

پہلی وجہ یہ ہے کہ قدیم زمانے سے نبوت اور رسالت ہمارے خاندان میں تھی اب جبریل نے یہ عہدہ منصب بنی اسماعیل میں مقرر کر دیا۔ اور ہمیں اس خدمت سے معزول کر دیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی اُمتوں پر خسف' مسخ' عذاب' قحط اور وباء اسی نے نازل کی جبکہ میکائیل (علیہ السلام) بارش' عطا اور فراخی والا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ پیغمبروں نے ہمیں خبر دی تھی کہ بیت المقدس ایک شخص کے ہاتھوں خراب ہوگا جس کا نام بخت نصر ہوگا' بابل اور عراق کی سرزمین میں پیدا ہوگا۔ اس کے پیدا ہونے کا وقت فلاں تاریخ ہوگی۔ اور اس کی سکونت فلاں جگہ ہوگی۔ اور اس کے ہاتھوں بنی اسرائیل کی ایسی تباہی اور خرابی ہوگی جو کہ بیان سے باہر ہے۔ جب اس کے پیدا ہونے کا وقت آیا تو ہمارے بزرگوں نے اپنے اعتباری آدمیوں میں سے چند لوگوں کو چوری چھپے بھیجا تاکہ اس بچے کو کسی حیلہ وتدبیر کے ساتھ قتل کر دیں۔ جب ہمارے بزرگوں کے بھیجے ہوئے آدمی بخت نصر کے شہر میں پہنچے اور اسے بچوں میں کھیلتا ہوا پایا اور چاہا کہ اسے قتل کر دیں۔ جبریل (علیہ السلام) ایک آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور اس بچے کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔ اور کہا کہ اگر یہ بچہ وہی ہے۔ جس کے ہاتھوں تمہیں تکلیف پہنچنا مقدر ہے تو تمہیں اسے قتل کرنے پر قدرت حاصل نہیں ہوگی کیونکہ تقدیر بدل نہیں سکتی۔ اور اگر یہ بچہ وہ نہیں جس کا وعدہ دیا گیا ہے تو بے گناہ بچے کو کیوں قتل کرتے ہو؟ ہمارے بزرگوں کے بھیجے ہوئے آدمی واپس آ گئے اور بخت نصر جب جوان ہوا۔ اور اس نے شام اور بیت المقدس پر فوج کشی کی اور بنی اسرائیل کو زیروزبر کر دیا۔

marfat.com

Marfat.com

## یہودیوں کے بیت المدارس میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کلمۂ حق

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا یہ عذر سُن کر خاموش رہے حتیٰ کہ ایک دن امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس زمین کی جو کہ یہودیوں کے مدرسہ کے ساتھ متصل تھی' دیکھ بھال کے لیے جا رہے تھے۔ اور آپ کی عادت یوں تھی کہ جب بھی اس راہ سے گزرتے' یہودیوں کے مدرسہ میں داخل ہو جاتے اور ان سے تورات اور دوسری پہلی کتابوں کی نصیحتیں اور حکمتیں سنتے اور تعجب کرتے کہ کتب الٰہیہ آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں اس دن بھی اسی عادت کے مطابق ان کے بیت المدارس میں داخل ہو گئے اس دن یہودیوں کے عقل مند جمع تھے۔ سب نے مرحبا کہا اور کہنے لگے کہ ہم تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔ اور غالب گمان یہ ہے کہ آپ بھی ہمیں دوست رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ کے سوا پیغمبر علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہمارے پاس کوئی نہیں آتا' آپ اکثر تشریف لاتے ہیں۔ حضرت امیر المومنین نے فرمایا کہ تمہارے پاس میری آمد و رفت از رہ محبت نہیں ہے۔ اور میں جو تم سے سوال کرتا ہوں اور جواب سنتا ہوں یہ اس لیے نہیں ہے کہ مجھے میرے دین کے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی رہ گیا ہے۔ بلکہ اپنے دین کے بارے میں مزید بصیرت حاصل کرنے کے لیے تمہارے پاس آتا ہوں۔ اور تمہاری کتابوں کی رو سے اپنے رسول علیہ السلام کے آثار اور علامات معلوم کرتا ہوں اور میرا ایمان دَم بدم قوت پکڑتا ہے۔ اور میں تم سے تعجب کرتا ہوں کہ اس قدر معرفت کے باوجود تمہیں کیا بیماری ہے کہ اس طرح کے عظیم الشان رسول علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتے ہو۔ اور ان کی پیروی سے مشرف نہیں ہوتے ہو۔

یہودیوں نے کہا کہ اس رسول کی پیروی سے ہمارے انحراف کی بھی ایک وجہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ رسول علیہ السلام پر وحی لانے والا جبریل (علیہ السلام) ہے۔ جبکہ جبریل (علیہ السلام) کو ہم دشمن سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جہان میں جہاں بھی خسف' مسخ اور عذاب واقع ہوا ہے اسی کے وسیلہ سے ہوا۔ نیز جبریل مشرب کا جاسوس ہے۔ اور چغلی کرتا ہے ہم خفیہ طور پر جتنی بھی تدبیریں کرتے ہیں' وہ سب کی سب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کھلے

marfat.com
Marfat.com

عام پہنچا دیتا ہے۔ اور ہمیں بے وقعت کرتا ہے۔ اور میکائیل (علیہ السلام) بارش' فراخی اور نعمت والا ہے اور بردبار فرشتہ ہے کہ کسی کی بات کسی دوسرے تک بالکل نہیں پہنچاتا۔ اگر یہ وحی لانے والا میکائیل (علیہ السلام) ہوتا' ہم ضرور ایمان لانے والے ہوتے اور پیروی کرتے۔ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ بارگاہِ خداوندی میں ان دونوں فرشتوں کا مرتبہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ دونوں اس دربار میں کمال مرتبہ رکھتے ہیں جہاں تجلی الٰہی ظہور فرماتی ہے' جبریل (علیہ السلام) دائیں جانب ہوتے ہیں۔ اور میکائیل (علیہ السلام) بائیں جانب۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم گدھوں سے زیادہ کند ذہن اور کافر ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے قرب اور مرتبہ سے معلوم ہوا کہ جو کوئی ان میں سے ایک کا دشمن ہوگا اس دوسرے کا بھی دشمن ہو گا۔ اور جو ان دونوں کا بھی دشمن ہوگا' خدا تعالیٰ کا بھی دشمن ہوگا۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں یہودیوں پر بہت ناگوار اور گراں گزریں۔ ان کی محفل بدمزا ہوگئی۔ وہاں سے اُٹھ کر اس کا ماجرا کے اظہار کے لیے آپ نے بارگاہِ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصد کیا۔ اس سے پہلے کہ آپ محفل پاک میں پہنچیں' حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت لا چکے تھے۔ جیسے ہی آپ پہنچے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لقد وفقك ربك یا عمر۔ تحقیق تیرے رب نے تیری موافقت فرمائی یعنی تیری تقریر کے مطابق حق تعالیٰ نے یہودیوں کو الزام دیا۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت امیر المومنین فرماتے تھے کہ اس کے بعد میں دین اور ایمان کے بارے میں ایسی حالت پر پہنچا کہ میں اپنے آپ کو دینی مقدمات میں پتھر سے زیادہ سخت پاتا تھا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ قرآن پاک کی ان تین صفات میں جو کہ مصدقا لما بین یدیه وهدی وبشرٰی للمؤمنین ہیں' کے ذکر میں یہاں ایک مضبوط نکتہ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی دوسرے سے سُنی ہوئی بات کی تصدیق کا باعث تین چیزوں میں ایک ہوتی ہے: پہلی چیز یہ کہ وہ کلام سننے والا ایک مشرب کا پابند ہے اس کے بزرگ جو کچھ کہہ کر چلے گئے ہیں اس کا شدت کے ساتھ معتقد ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس کے بزرگوں کے

marfat.com

Marfat.com

کہے ہوئے کے مطابق کہتا ہے اسے فوراً مان لیتا ہے۔ اور جو اس کے خلاف ہو اگر چہ اس پر عقلی دلیل قائم ہو وہ بات اس کے ذہن میں نہیں بیٹھی۔

دوسری چیز یہ ہے وہ کلام سننے والا محقق اور دلیل کا طالب ہے تو اگر اس پر کوئی قوی دلیل پالے گا' قبول کرے گا ورنہ انکار کر دے گا۔ تیسری چیز یہ ہے کہ کلام کو سننے والا بچوں اور عورتوں کی طرح وہم اور خیال سے مغلوب ہے پس ہر خوش کن چیز جو کہ کسی مطلب کے حصول یا کسی مصیبت کو دُور کرنے پر دلالت کرے تو دلیل میں غور کیے بغیر اس کے نزدیک اس کی تصدیق واجب ہوتی ہے۔ اور ہر ناخوش چیز جو کسی خوف ناک امر سے ڈراتی ہے اس کا یقین نہیں کرتا۔ پس مصدقا لما بین یدیہ تصدیق کے پہلے باعث کا اشارہ ہے۔ اور ھدی دوسرے باعث کا جبکہ بشری للمؤمنین تیسرے باعث کا اشارہ ہے۔ اور جب تصدیق کے تینوں باعث اس کلام میں جمع ہو گئے ہوں پھر تصدیق نہ کرنا اور کفر اختیار کرنا کمال حماقت اور بے وقوفی ہے خصوصاً اس ناقابلِ قبول عذر کے ساتھ کہ ہمارے دشمن کی لائی ہوئی ہے۔

## چند جواب طلب سوالات اور جوابات

یہاں چند جواب طلب سوالات باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ شرط اور جزا کے درمیان کوئی رابطہ چاہیے۔ اور یہاں شرط جو کہ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ ھے۔ اور جزا جو کہ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ہے کہ درمیان کوئی رابطہ معلوم نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شرط وجزا کے درمیان ربط کے مفسرین کے نزدیک دو طریقے ہیں: پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس شرط کی جزا کو محذوف رکھیں اور اس محذوف جزا کی دلیل کو جو کہ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ہے اس جزا کے قائم مقام سمجھیں۔ پس کلام کا معنی یوں ہو گا کہ اگر کوئی جبرئیل (علیہ السلام) کو دشمن سمجھتا ہے تو اس کی دشمنی محض بلاوجہ ہے۔ کیونکہ جبرئیل (علیہ السلام) بارگاہِ الٰہی سے بندوں کے لیے اس عظیم نعمت کے حصول کا واسطہ ہے۔ اور جب نزولِ قرآن پاک جبرئیل (علیہ السلام) کے واسطہ سے صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہے نہ کہ بالاستقلال اپنی خواہش سے۔ پس اگر اس پر نظر کریں کہ جبرئیل (علیہ

marfat.com

Marfat.com

السلام) اس کام پر مامور ہے تو چاہیے کہ اسے معذور سمجھیں اور جانیں کہ اگر اللہ تعالیٰ میکائیل (علیہ السلام) کو اس کا حکم دیتا تو وہ بھی یہی کرتا اور اس پر بھی اشکال وارد ہوتا۔ اور اگر اس بات پر نظر کرے کہ جبریل (علیہ السلام) ہمارے لیے ہدایت اور بشارت سے ہر ایک دسترخوان لائے ہیں۔ اور انہوں نے ہمارے درد کی شفاخانہ غیب سے شافی دوا ہم تک پہنچائی ہے تو چاہیے کہ جبریل علیہ السلام کے شکرگزار ہوں اور ہزار زبان سے اس احسان کا شکر ادا کریں۔ اور ہزار دل سے اس سے محبت کریں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس شرط کی جزا محذوف نہیں ہے۔ بلکہ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ الخ جزا واقع ہوئی لیکن بلغاء کے کلام میں شرط کی جزا دو وجہ سے آتی ہے: ایک وہ جو شرط پر متفرع اور مرتب ہوتی ہے۔ اور شرط اس کا سبب ہوا اسے بطور جزا ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ یہاں کہتے ہیں کہ من کان عدوالجبریل استحق اشد العذاب یعنی جو جبریل (علیہ السلام) کا دشمن ہوا شدید عذاب کا مستحق ہوا۔ دوسری وجہ یہ کہ جس پر شرط متفرع اور مرتب ہو۔ اور وہ شرط کے حصول کی وجہ بنا ہوا سے ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ کہتے ہیں ان عاداك زید فقد آذیته واسات الیه یعنی اگر زید نے تیرے ساتھ عداوت کی تو بے شک تو نے اُسے ستایا تھا۔ اور بُرا سلوک کیا تھا۔ یہاں بھی یہی راہ اختیار کی گئی ہے۔ کیونکہ یہودیوں پر اس عداوت میں جو کہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ رکھتے' دو طریقوں سے عذاب پیش نظر ہے: پہلا طریقہ اس عداوت کے سبب کی خباثت کے بیان میں' دوسرا طریقہ اس عداوت کے ثمرہ اور نتیجہ کی بُرائی اور قباحت کے بیان میں جو کہ آئندہ آیت میں مذکور ہے۔ اور جب ہر چیز کا سبب اس کے سبب سے طبعی طور پر پہلے ہوتا ہے تو ذکر کرنے میں بھی سبب عداوت کو اس کے نتیجے سے پہلے لانا منظور ہوا۔ پس اس طریقے پر کلام کا معنی یوں ہے کہ جو جبریل (علیہ السلام) کا دشمن ہوا تو اس دشمنی کا سبب یہ ہے کہ وہ قرآن پاک کو آپ کے دل پر القاء کرتا ہے نہ کہ بنی اسرائیل میں سے کسی کے دل پر۔ اور چونکہ وہ قرآن پاک تمام کتابوں کے کمال کا جامع الصفات ہے کہ گزشتہ کتابوں کے مطابق بھی ہے' روشن دلیل بھی اور بشارت اور خوش خبری بھی۔ ان کے حسد کی رگ حرکت میں آئی' انہوں نے

marfat.com
Marfat.com

اسے نازل کرنے والے کو دشمن قرار دے دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب کسی کی دشمنی کا سبب حسد ہو۔ اور وہ بھی دینی نعمت پر تو وہ اس عداوت سے زیادہ قبیح ہوتی ہے۔ جس کا سبب دشمنی کے اسباب میں سے کوئی اور ہو۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ نزلہ کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے۔ حالانکہ لفظ قرآن مذکور نہیں ہے پس اضمار قبل الذکر لازم آیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ضمیر کو کبھی اسم اشارہ کا حکم دیتے ہیں۔ اور اس کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ اور اس استعمال میں مشارالیہ کی ذات کا حاضر ہونا کفایت کرتا ہے' لفظوں میں اس کا ذکر درکار نہیں۔ اور تلاوتِ قرآن کے وقت ذاتِ قرآن کی حاضری بلاشبہ متحقق ہے۔ پس یہ استعمال صحیح ہوا جیسا کہ انا انزلناہ فی لیلة القدر میں معلوم ہے۔

چند چیزوں میں اضمار قبل الذکر جائز ہے

اور یہی وجہ ہے کہ عربی دانوں نے، اصل عربوں کی استعمال شدہ ترکیبوں کے تجسس کے بعد کہا ہے کہ ان کے نزدیک چند چیزوں میں اضمار قبل الذکر جائز ہے۔ جیسے آسمان' زمین' روز و شب اور ہاتھ کی انگلیاں اور ان کی مثل جیسے ولو یواخذ اللہ الناس بما کسبوا ماترک علیٰ ظھرھا من دابة (فاطر آیت ۴۵) اور جیسے انھا لغداة باردة والذی شقھن خمسا اور اس کی تحقیق یہی ہے کہ ان استعمالات میں ضمائر کو اسمائے اشارہ کی جگہ لاتے ہیں۔ اور اسم اشارہ کے استعمال میں مشارالیہ کی ذات کا حاضر ہونا کافی ہے۔ اور یہ چیزیں غالباً اس انداز میں حاضر ہوتی ہیں کہ اشارہ کو صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات کرنے پر مامور ہوئے تو ان کی زبان سے یوں فرمانا چاہیے تھا کہ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِيْ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ عَلٰى قَلْبِكَ کیوں فرمایا؟ اس کا جواب اکثر مفسرین نے یوں دیا ہے کہ عَلٰى قَلْبِكَ لفظ خطاب اللہ تعالیٰ کے کلام کی حکایت کی بناء پر وارد ہے گویا اس طرح ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کلام جو کہ میں فرماتا ہوں' لوگوں کو خصوصاً یہودیوں کو پہنچا دیں۔ پس اس صورت میں عَلٰى قَلْبِيْ وارد کرنا مناسب نہیں بلکہ عَلٰى قَلْبِكَ مقرر ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ حضور علیہ

marfat.com
Marfat.com

السلام مامور نہ تھے مگر صرف جملہ شرطیہ کہنے کے جس کی شرط موجود ہے۔ اور جزا محذوف اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ لعادی من لایعادی یعنی وہ اس سے عداوت کرتا ہے۔ جس سے عداوت کی نہیں جاتی۔ اور آنے والا کلام یعنی فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ جو کہ اس جملہ شرطیہ کی دلیل ہے آمر کے کلام سے ہے۔ جو کہ حق تعالیٰ ہے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ تنزیل قرآن تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے جسد مقدس پر تھا نہ صرف قلب مقدس پر۔ پس عَلٰى قَلْبِكَ کا لفظ وارد کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام وجود پر قرآن پاک کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ساری اُمت کو عام ہے۔ کیونکہ قرآن پاک جس طرح جبریل علیہ السلام کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اسی طرح حضور علیہ السلام کے وسیلہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نازل ہوا۔ جو کہ حضور علیہ السلام سے قرآن پاک سننے کی دولت سے مستفید ہوئے اور ان سننے والوں کے واسطہ سے دوسروں پر اُترا۔ اور اسی طرح ہمارے زمانے تک جو فرق کہ ہے صرف واسطوں کی قلت اور ان کی کثرت کی وجہ سے ہے۔ اور جو کچھ حضور علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے وہ قرآن پاک کا دل پر اُترنا ہے۔ جو کہ اُمتیوں کو حاصل نہیں ہے۔

اور اس مبہم مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ کسی کا کلام کسی تک دو طریقوں سے پہنچتا ہے:

پہلا طریقہ یہ کہ کان پر وارد ہو۔ اور کان کے راستے دل پر وارد ہو۔ اور یہ طریقہ عام جامع اور متعارف ہے۔ اور اُمتیوں کو کلام اللہ اسی طریقے سے پہنچتا ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اور ابتدائی طور پر دل پر وارد ہو۔ اور ترتیب یافتہ الفاظ خیال میں حاضر ہوں۔ اور یہ طریقہ اہل کمال کے ساتھ خاص' نادر اور غیر مشہور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے اسی طریقے سے پہنچتا تھا۔ اور اسی وجہ سے حضور علیہ السلام کو اس کلام کو یاد رکھنے میں تکرار کے ساتھ بار بار پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اور آپ اسے بھولتے نہیں تھے۔ ورنہ ایک بار سنا ہوا کلام خصوصاً طویل کلام یاد نہیں رہتا اگرچہ

marfat.com
Marfat.com

کسی شخص کا حافظہ قوی ہو۔ پس اس نزول کی تخصیص کے لیے کہ باعثِ حسد یہی ہے لفظ عَلٰی قَلْبِكَ کا لانا ضروری ہوا۔

## لفظ جبرئیل کی تحقیق

ہم لفظ جبرئیل کی تحقیق پر آتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ اہلِ عربیت کے اجماع کے مطابق جبرئیل علمیت اور عجمہ کی وجہ سے اس کی شرط کے ساتھ غیر منصرف ہے۔ اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات کے مطابق اس کا معنی عبداللہ ہے۔ اس تفصیل کے ساتھ کہ جبر بمعنی اپنے مالک کے ہاتھوں میں بے اختیار اور مجبور بندہ اور ایل یعنی اللہ ہے۔ اور تفسیر ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس، عکرمہ، علقمہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے اسی طرح روایت کی گئی۔ ابن دیلمی میں ابوامامتہ سے مرفوعاً روایت کی گئی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسم جبرئیل عبداللہ واسم میکائیل عبداللہ واسم اسرافیل عبدالرحمٰن ہے۔

اور ابوالشیخ کی کتاب العظمۃ میں اس روایت کی مانند حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اور احتمال ہے کہ جبرئیل (علیہ السلام)، میکائیل (علیہ السلام) اور اسرافیل (علیہ السلام) کہ ان کے آخر میں کلمہ ایل ھے۔ اور ایل بمعنی اللہ ہے، ان تینوں فرشتوں کے القاب ہوں اور مذکورہ نام یعنی عبداللہ اور عبدالرحمٰن ان کے مخصوص اسمائے علم ہوں نہ کہ ان القاب کا ترجمہ۔ پس کوئی تعارض نہیں رہتا۔

اور بیہقی شعب الایمان اور خطیب مفترق ومتفق میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لائے کہ کل اسم فیه ایل فهو عبدالله یعنی جس اسم میں ایل ہوگا، وہ عبداللہ ہے۔

بہر حال ان فرشتوں کے نام آدمیوں کے ناموں کی طرح نہیں ہیں کہ زنگی کافور اور فاسق کو صالح کہتے ہیں۔ بلکہ ان کے نام توقیفی یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں۔ پس ان کے مرتبہ کمال پر دلالت کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان القاب کی طرح جو امراء کو بادشاہوں کی طرف بخشے جاتے ہیں۔ اور ان کے درجوں اور مرتبوں پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے وزیر اعظم، امیر الامراء اور میر سامان وغیرہم۔ تو جبرئیل (علیہ السلام) اپنے اس نام کے

marfat.com
Marfat.com

مدلول کے تقاضا کی وجہ سے جو کہ یہودیوں کے نزدیک انہیں جناب حق تعالیٰ سے عنایت فرمایا گیا' قدرتِ الٰہی کے ہاتھ میں مجبور ہو۔ اور ایک آلہ ہونے سے زیادہ اس کا مرتبہ نہ ہو۔ اور ایک حالت جو کہ اس مصرع کے مضمون کا نمونہ ہے او بجز نائی وماجز نیھم یعنی وہ بانسری بجانے والا اور میں بانسری ہوں۔ اسے بارگاہِ خداوندی میں حاصل ہے۔ پس اس کام کی وجہ سے اس سے عداوت درحقیقت خدا تعالیٰ سے عداوت ہے اس غصے کے ساتھ کہ اس نے اپنا فضل اپنے بندوں میں سے کسی پر کیوں اُتارا اور ظاہر ہے کہ

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ جو خدا تعالیٰ کا دشمن ہو۔ اس بات پر کہ اس نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے پر ہمارے مشورہ اور جائز کرنے کے بغیر اپنا فضل کیوں نازل کیا۔ وَمَلَائِكَتِهٖ اور دشمن اس کے فرشتوں کا بھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کہنے اور حکم دینے پر اس بندے پر یہ فضل اور فیض پہنچانے میں کوئی مصروف ہوئے اگرچہ وہ فرشتے نہ ہوں۔ وَرُسُلِهٖ اور دشمن اس کے رسولوں کا بھی کہ انہوں نے یہ فیض کیوں قبول کیا اور ہمارا لحاظ نہ کیا اگرچہ وہ رسول فرشتے نہ ہوں۔

وَجِبْرِيْلَ اور خصوصاً جبریل (علیہ السلام) کا بھی دشمن جو کہ فرشتہ بھی ہے۔ اور رسول بھی اور معلم قرآن اور اس رسول علیہ السلام کے قلب مقدس میں اسے ثابت کرنے والا۔ وَمِيْكَالَ

اور خصوصاً میکائیل (علیہ السلام) کا بھی دشمن۔ جو کہ فرشتہ بھی ہے۔ اور جبریل (علیہ السلام) کا مددومعاون بھی۔ اور اس رسول علیہ السلام کے قلب مبارک پر قرآن نازل کرنے پر راضی بھی اور درحقیقت عام فرشتوں اور رسولوں اور خصوصاً ان دو فرشتوں اور دو رسولوں سے دشمنی خدا تعالیٰ سے دشمنی ہے۔ کیونکہ ہر شخص کے محبوب اور بھیجے ہوئے کی دشمنی اس شخص کی دشمنی ہوتی ہے۔ پس اس شخص نے چند طرفوں سے خدا کی دشمنی کے اسباب اپنے لیے جمع کر لیے' پہلے تو خدا تعالیٰ کو دشمن قرار دیا۔ اور اس کے فعل پر اعتراض کیا۔ دوسرے اس کے خاص بندوں کو جو کہ اس کے محبوب ہیں۔ اور اس کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں' دشمن قرار دیا۔ اور تیسرے خصوصاً جبریل اور میکائیل (علیہ السلام) کو دشمن قرار دیا جو کہ تمام

marfat.com
Marfat.com

فرشتوں اور رسل ملائکہ سے ممتاز ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کی عداوت اس پر لوٹی اور جس طرح اس نے خدا تعالیٰ کو دشمن قرار دیا' خدا تعالیٰ اسے دشمن قرار دے گا۔

فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِيْنَ کیونکہ اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے۔ اگر چہ وہ ایک وجہ سے کفر اختیار کریں۔ انہیں جنہوں نے کئی وجہ سے کفر کیا' خدا تعالیٰ کو دشمن قرار دیا۔ اور فرشتوں' رسولوں اور جبریل و میکائیل (علیہ السلام) کو بھی دشمن قرار دیا کیوں دشمن قرار نہ دے کیونکہ ان کا کفر انواع کفر میں سب سے زیادہ شدید ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ جبریل اور میکائیل (علیہ السلام) کا فرشتوں کے بعد ذکر حالانکہ یہ ان میں شامل ہیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں قرب و منزلت میں ایک بہت بلند مرتبہ حاصل ہے۔ خصوصاً یہ کہ ان کی دشمنی خدا کی دشمنی کا موجب ہو جاتی ہے۔ گویا یہ دونوں فرشتے ملکیت سے قطع نظر جو کہ موجب محبت ہے' ایسا مرتبہ رکھتے ہیں کہ ان کی محبت ایمان اور ان کی عداوت کفر ہے۔ اور اسی خصوصیت کا فائدہ دینے کے لیے مستقل طور پر ان دونوں فرشتوں کے نام ذکر فرمائے۔ ورنہ عام کے ذکر کے بعد خاص کا ذکر اتنا ضروری نہیں ہوتا۔ نیز یہاں ان دو فرشتوں کو خصوصیت سے ذکر کرنے کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب وہ گفتگو تھی جو کہ جبریل اور میکائیل (علیہما السلام) کے بارے میں یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ اور اگر چہ عداوت کے مقام میں صرف جبریل علیہ السلام کا ذکر تھا نہ میکائیل (علیہ السلام) کا لیکن چونکہ اپنے پروردگار کی رضا اور اطاعت کے اتحاد میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک جان دو قالب کا حکم رکھتے ہیں۔ اس لیے میکائیل (علیہ السلام) کے ذکر کا اشارہ فرمایا باوجود کہ جبریل (علیہ السلام) کی عداوت یقیناً میکائیل (علیہ السلام) کی عداوت ہے۔ اگر چہ زبان کے ساتھ نہ کہیں۔ اور اپنے آپ کو میکائیل (علیہ السلام) کا دوست کہیں۔ فرقہ روافض کی طرح جو کہ تینوں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہ اجمعین سے عداوت رکھتے ہیں۔ اور اپنی زبان سے خلیفہ چہارم کے دوست کہلاتے ہیں۔ حالانکہ ان تینوں میں سے ہر ایک کی عداوت یقیناً چوتھے خلیفہ سے بھی عداوت ہے۔ اور کیا ہی اچھا کہا گیا۔ رباعی

marfat.com

Marfat.com

ربط خلفاء اربعہ ہست ازلی
گفتن ازخلاف شاں بودشرجلی
دانداین نکتہ طفل ابجدخواں ہم
کزوصل سہ مفردست ترکیب علی

یعنی چاروں خلفاء کا تعلق ازلی ہے' ان کے خلاف کہنا شرک جلی ہے' ابجد پڑھنے والا بچہ بھی یہ نکتہ جانتا ہے کہ تین مفردوں کا ملنا علی کی ترکیب ہے۔

نیز جاننا چاہیے کہ یہاں حرف واو بمعنے او ہے۔ کیونکہ ان پانچوں مذکورین میں سے ایک کی عداوت کفر کے حصول میں کافی ہے۔ لیکن یہاں ایک باریک نکتہ ہے۔ جس نکتہ دقیقہ کی رعایت کرتے ہوئے حرف او کو چھوڑ کر حرف واؤ وارد فرمایا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ بظاہر ممکن ہے کہ کسی شخص کو ان پانچ مذکورین میں سے ایک کے ساتھ عداوت ہو۔ اور دوسرے کے ساتھ عداوت نہ ہو لیکن گہری نظر سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی عداوت سب کی عداوت کو لازم کرتی ہے تو حقیقت میں ان سب کی عداوت اکٹھی ہوگی نہ کہ جدا جدا۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ اکثر روایات کے مطابق اسرافیل (علیہ السلام)' جبریل (علیہ السلام) سے افضل ہیں تو اس کی عداوت کو یہاں خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر نہیں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسرافیل علیہ السلام کا دنیوی جزوی امور جو کہ کثیر الوقوع ہیں کے ساتھ تعلق نہیں ہے مگر ان تینوں جبریل' میکائیل اور عزرائیل علیہم السلام کے واسطے سے۔ پس حقیقت اسرافیل حقیقت جنسی کی منزل میں ہے۔ جس کا کوئی اثر نہیں۔ مگر انواع کے ضمن میں۔ اور ان تینوں کے حقائق حاصل شدہ انواع کے مقام میں ہیں۔ اور خوب ظاہر ہے کہ جنسی معنی محبت اور عداوت سے متعلق نہیں ہوسکتا کیونکہ ایک قسم کے اطلاق کی وجہ سے جو وہ رکھتا ہے' ایک دوسرے کے مقابل آنے والی قیود کا جامع ہو جاتا ہے۔ اگر ایک جہت سے عداوت کے ساتھ متعلق ہو تو دوسری طرف سے

marfat.com
Marfat.com

محبت کا متعلق ہو جاتا ہے۔ اور اس کے برعکس اور عزرائیل علیہ السلام چونکہ روحیں قبض کرنے پر مقرر ہیں۔ اور موت طبعی طور پر ہر حیوان کو مکروہ ہے عموماً اور انسان کو خصوصاً۔ پس ان کے فعل کی کراہت اگر عداوت کے ساتھ مشتبہ ہو جائے تو گنجائش نکل سکتی ہے۔ بخلاف ان دو فرشتوں کے کہ نہ تو حقیقت عداوت ان کی طرف متصور ہو سکتی ہے۔ اور نہ عداوت کا شبہ۔ پس ان کی عداوت صراحتاً خدا تعالیٰ کی عداوت ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ دے۔ (آمین)

## حضرت جبریل- اسرافیل اور عزرائیل کے قرب کا بیان

اور ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں بیہقی نے شعب الایمان میں معتبر سند کے ساتھ روایت کی ہے' ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے ہمراہ تنہا بیٹھے تھے کہ اچانک آسمان کا کنارہ شق ہوا۔ اور اس شق ہونے کی وجہ سے حضرت جبریل علیہ السلام سمٹنا شروع ہوئے۔ اور سر زمین پر رکھنے لگے۔ اور ان پر تواضع اور عاجزی' خوف اور گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ اسی حالت میں ایک فرشتہ حضور علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں نمودار ہوا۔ اور اس نے کہا کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کا پروردگار آپ پر سلام فرماتا ہے۔ اور آپ کو اختیار دیتا ہے کہ آپ چاہیں تو بادشاہ منش پیغمبر ہوں اور اگر چاہیں تو بندہ منش پیغمبر کی طرح زندگی بسر کریں۔ حضور علیہ السلام سوچنے لگے۔ اور جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے سر جھکا کہ اشارہ کیا کہ بندگی اور عاجزی اختیار فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بندوں کی طرح زندگی بسر کروں گا' مجھے بادشاہی نہیں چاہیے۔ وہ فرشتہ یہ جواب سُن کر آسمان کی طرف عروج کر گیا۔ اس عجیب واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے جبریل! (علیہ السلام) میں تم سے پوچھنا چاہتا تھا کہ یہ فرشتہ کون ہے۔ اور تمہیں اس کے دیکھنے سے یہ حالت کس لیے لاحق ہوئی؟ جبریل علیہ السلام۔ نے کہا کہ یہ فرشتہ اسرافیل (علیہ السلام) ہے۔ جس دن سے حق تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا ہے' تجلی الٰہی کے حضور کھڑا رہتا ہے۔ اور اپنے دونوں قدموں کی صف باندھ کر کمال خشوع سے کھڑا

marfat.com

Marfat.com

رہتا ہے' اپنی آنکھ کبھی اوپر نہیں کرتا۔ اور اس کے اور اس کے پروردگار کے درمیان اس حالت میں بھی نور کے ساتھ (۶۰) پردے حائل ہیں اگر ان پردوں میں سے ایک کے قریب ہو جائے' جل جائے۔ اور اس فرشتے کی ڈیوٹی یہ ہے کہ لوحِ محفوظ اس کے روبرو رکھی ہے۔ اور اسے اس لوح کی پوشیدہ چیزوں پر اطلاع دی گئی ہے جب بھی اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس سے متعلق ہوتا ہے کہ آسمان یا زمین میں کوئی چیز واقع ہو' وہ لوح خود بخود بلند ہو جاتی ہے۔ اور اس فرشتے کے سامنے پہنچ جاتی ہے۔ اور یہ فرشتہ اسی وقت اس لوح میں دیکھتا ہے۔ اور اس مقدر یقینی کام کو دریافت کر لیتا ہے۔ اگر میرے متعلق کاموں میں سے ہو تو مجھے حکم دے دیتا ہے۔ اور میکائیل (علیہ السلام) کے کاروبار سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا میکائیل (علیہ السلام) کو حکم دے دیتا ہے۔ اور اگر ملک الموت کے ساتھ متعلق ہو تو اسے نامزد کرتا ہے۔

## حضرت جبریل' حضرت میکائیل اور حضرت ملک الموت علیہم السلام کی خدمات کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کس کس کام پر مقرر ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ ہوائیں چلانے اور لشکروں کی فتح و شکست پر۔ میں نے کہا کہ میکائیل (علیہ السلام) کس ڈیوٹی پر مقرر ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بارش اور نباتات پر۔ میں نے کہا کہ ملک الموت کس کام پر ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ روحیں قبض کرنے پر پھر جبریل (علیہ السلام) نے کہا کہ جب اسرافیل علیہ السلام نیچے آئے' میں سمجھا کہ یہ قیامت قائم ہونے کا وقت ہے۔ اور ڈر گیا اور میری حالت کی جو تبدیلی آپ نے دیکھی اسی ڈر کی وجہ سے تھی۔

اور طبرانی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آیا تمہیں خبر نہ دوں کہ فرشتوں میں سے افضل کون ہے؟ ان میں سے افضل جبریل علیہ السلام اور پیغمبروں میں افضل حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ

marfat.com
Marfat.com

علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور دنوں میں افضل روزِ جمعہ۔ اور مہینوں میں افضل ماہِ رمضان المبارک اور راتوں میں افضل شب قدر۔ اور عورتوں میں افضل مریم بنت عمران ہیں۔

لیکن یہاں جاننا چاہیے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی فرشتوں پر اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیغمبروں علیہم السلام پر افضلیت مطلقاً نہیں ہے۔ بلکہ خصوصاً نوع انسانی کے لیے نفع بخش کاموں کا لحاظ کرتے ہوئے ہے۔ کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام خصوصیت کے ساتھ وحی اور شرائع نازل کر کے نوعِ انسانی کی تکمیل اور اس نوع کے افراد کی آخرت کی اصلاح' انوار و برکات کے ساتھ عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں کی امداد اور ظالموں اور فرعونوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ ان جہتوں سے آپ کا اس نوع کے حق میں خصوصاً ایک احسان ہے ورنہ پہلی روایت میں گزرا کہ حضرت اسرافیل (علیہ السلام) قرب و منزلت اور لوحِ محفوظ کی پوشیدہ چیزوں پر مطلع ہونے میں آگے ہیں۔ بلکہ حضرت جبریل' حضرت میکائیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام پر حکم چلاتے ہیں۔

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور بزرگی اس وجہ سے ہے کہ تمام آدمیوں کے اچھے اعمال آپ کے اعمال نامے میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور آپ اس نوع کے اصل الاصول ہیں۔ اور اس نوع کے سب سے پہلے فرد۔ اور پہلے فرد ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے بلاواسطہ اپنا خلیفہ فرمایا۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرب و منزلت معلوم ہے۔ اور حدیث شفاعت میں صریح وارد ہوا کہ **آدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ۔**

اور اس مسئلہ میں تحقیق کی انتہا یہ ہے کہ اگر عموم اور کمالات کے احاطہ پر نظر کی جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کے برابر کوئی نہیں۔ کیونکہ نوع انسانی میں جو کمال ظاہر ہوا' ان کی ذات میں لپٹنے اور پیوست ہونے کے طریقے سے موجود تھا۔ یہاں تک کہ کمال محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات بھی۔ اور اگرچہ درجہ کمال کی بلندی پر نظر کی جائے تو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدس کے برابر کوئی نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ روئی داغ لگے کپڑے سے لے کر شبنم اور جاری پانی تک لباس کے تمام کمالات کی جامع ہے۔

marfat.com
Marfat.com

حالانکہ شبنم اور جاری پانی کے مرتبے کو نہیں پہنچتی۔

بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن ابی شیبہ نے ثابت بنانی سے روایت کی ہے۔ اور صالونی کتاب المائین میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت لائے کہ جبریل علیہ السلام کی ڈیوٹیوں میں سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں آدمیوں کی حاجات پیش کرنے پر داروغہ مقرر فرمایا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کے محبوبوں میں سے کوئی محبوب کوئی مطلب حاصل کرنے کے لیے بارگاہِ خداوندی میں دعا کرتا ہے' جبریل (علیہ السلام) عرض کرتے ہیں کہ فلاں بندہ مطلب چاہتا ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ ابھی اس کی ضرورت روک لو۔ اور اس کا مقصد پورا نہ کرو تاکہ دعا زیادہ کرے۔ کہ مجھے اس کی آواز' دعا اور زاری اچھی لگتی ہے۔ اور اگر کوئی کافر یا فاجر کسی کے مقصد کے لیے دعا کرتا ہے' حکم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد جلد پورا کر دو تاکہ اپنی بُری آواز سے مجھے ناراض نہ کرے۔

## حضرت جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت کا بیان

اور حضرت ابوالشیخ نے حضرت اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور امام احمد نے بھی روایت کی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہیں تمہاری اصلی صورت میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ رات کی فلاں ساعت میں بقیع الفرقد میں تشریف لائیں تاکہ میں اپنی صورت سے آپ کو ایک جھلک دکھاؤں۔ حضور علیہ السلام اس میدان میں تشریف لے گئے۔ اور آپ نے دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام آسمان کی طرف سے آرہے ہیں' لباسِ شاہی کے ساتھ جس میں مروارید' یاقوت اور زبرجد نصب ہیں۔ اور آپ کے چھ سو (۶۰۰) پر ہیں۔ اور ان پروں میں زبرجد' یاقوت اور مروارید پروئے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے ایک ایک پر اتنا فراخ ہے کہ اس نے آسمان کا کنارہ ڈھانپ رکھا ہے۔

## جبریل علیہ السلام کی مختلف صورتوں میں حاضری

اور ابوالشیخ نے شریح بن عبید سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

marfat.com
Marfat.com

فرماتے ہیں کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو مختلف شکلوں میں دیکھا ہے۔ اور اب اکثر دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں دیکھتا ہوں۔ اور اس سے پہلے مختلف صورتوں میں مجھ پر ظاہر ہوتے تھے۔ اور اکثر اوقات میں انہیں یوں دیکھتا تھا جیسے کوئی کسی کو چھلنی کے پیچھے سے دیکھتا ہے۔ اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کی کہ ایک دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ' حضور علیہ السلام کے چچا نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی شکل میں دکھائیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کو انہیں دیکھنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ انہوں نے عرض کی میں بہت قوی دل والا ہوں' بے جا نہیں ہوؤں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تشریف رکھیں۔ اچانک جبریل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اور اپنے دونوں قدم اس بڑے پتھر پر جو کہ کعبہ شریف کے متصل رکھا ہوا تھا۔ اور لوگ طواف کے وقت اپنے کپڑے اس پر ڈال دیتے تھے' رکھ چھوڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی نظر اُٹھائیں۔ انہوں نے نگاہ اُٹھائی اور جبریل علیہ السلام کے دونوں قدم دیکھے اور غش کھا کر گر پڑے جب ہوش میں آئے' لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے کیا دیکھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک سبز زبرجد دیکھا لیکن اس زبرجد میں اتنی گرمی اور چمک تھی کہ میری آنکھیں چندھیا گئیں اور میں بے خود ہو کر گر پڑا۔

اور ابن المبارک کتاب الزہد میں ابن شہاب سے لائے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاندنی رات میں عیدگاہ کی طرف جا رہے تھے کہ اچانک جبریل علیہ السلام نہایت چمک دمک کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ حضور علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے جب افاقہ ہوا تو دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام' حضور علیہ السلام کا سر انور اپنے سینے پر رکھ کر اور اپنا ایک ہاتھ حضور علیہ السلام کے سینے پر اور دوسرا ہاتھ آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ کر بیٹھے ہیں۔ اور پوچھ رہے ہیں کہ آپ کو کیا ہوا کہ آپ بے ہوش ہو گئے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے گمان نہ تھا کہ مخلوقات میں سے کسی کی اتنی چمک اور شعاع بھی ہوگی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اگر آپ اسرافیل (علیہ السلام) کو

marfat.com

Marfat.com

دیکھیں جس کا ایک پر مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہے۔ اور عرش ان کے کندھے پر ہے بہت تعجب کریں۔ اور جثہ کے اس قدر طول و عرض کے باوجود بعض اوقات تجلی عظمت کی وجہ سے سمٹ کر چھوٹی سی چڑیا کی طرح ہو جاتا ہے۔

اور ابن ابوداؤد نے کتاب المصاحف میں حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ مرتبہ تھا کہ آپ حضرت جبریل علیہ السلام کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سرگوشی سن لیتے تھے۔ لیکن ان کی صورت نہیں دیکھتے تھے۔

اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک دن میں حضور علیہ السلام کی خلوت میں حاضر آیا اور حضرت جبریل علیہ السلام کو حضور علیہ السلام کے ساتھ دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ افسوس کہ جو بھی نبیوں کے سوا جبریل علیہ السلام کو سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے نابینا ہو جاتا ہے۔ لیکن میں تیرے لیے دعا کروں گا کہ یہ نابینائی تجھے آخری عمر میں لاحق ہو۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

اور ابوالشیخ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لائے کہ جنت میں ایک نہر ہے۔ جس میں جبریل علیہ السلام کے سوا کسی دوسرے کو اس میں داخل ہونے کا حکم نہیں ہے۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام ہر روز اس نہر میں ایک غوطہ لگاتے ہیں۔ اور باہر آ کر اپنے آپ کو جھاڑتے ہیں۔ اور ان کے ہر ہر قطرے سے ایک ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے۔ اور علاء ابن ہارون کی روایت میں وارد ہوا کہ کوثر کی نہر ہے۔ اور ابن مردویہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اکثر اوقات جبریل علیہ السلام میرے پاس سفید کپڑوں میں آتے ہیں۔ لیکن سنجاف کی جگہ ان کے کپڑوں پر مروارید اور یاقوت سلے ہوتے ہیں۔ اور ان کا سر مروارید سے جالی کی طرح ہوتا ہے۔ اور ان کے سر کے بال مرجان کی طرح اور ان کے جسم کا رنگ برف کی طرح اور ان کی پیشانی چمکتی ہے۔ اور ان کے اگلے دانت چمکیلے ہوتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں۔ اوران پردو ہار مروارید سے پروئے ہوتے ہیں' ان کے دونوں پاؤں کسی سبز چیز میں لپٹے ہوتے ہیں گویا آپ نے سبز موزے پہن رکھے ہیں۔

اور ابوالشیخ اور ابن مردویہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن جبریل علیہ السلام سے فرمارہے تھے کہ تمہیں رب العزت جل شانہ کا دیدار بھی میسر آیا ہے؟ عرض کی نہیں میرے اور اس دربارِ عالی کے درمیان نور کے ستر ہزار حجاب رہتے ہیں اگر ان میں سب سے نچلا حجاب دیکھوں' جل جاؤں۔

اور طبرانی' ابن مردویہ اور ابونعیم نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہودیوں میں سے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر پوچھا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا حضرت حق تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے کوئی پردہ اور حجاب بھی ہے؟ فرمایا ہاں! اس بارگاہ اوران فرشتوں کے درمیان جو عرش کے اردگرد ہیں' نور کے ستر (۷۰) پردے ہیں۔ اور ستر (۷۰) پردے ظلمت کے' ستر (۷۰) پردے اطلس کی چادروں کے' ستر (۷۰) پردے شاہی دفارف کے' ستر (۷۰) پردے سفید مروارید کے' ستر (۷۰) پردے سرخ مروارید کے' ستر (۷۰) پردے سبز مروارید کے' ستر (۷۰) پردے تیز روشنی کے' ستر (۷۰) پردے برف کے' ستر (۷۰) پردے پانی کے' ستر (۷۰) پردے اولوں کے اور ستر (۷۰) پردے اور ہیں۔ حضرت حق کی ذاتی عظمت سے جن کی وصف بیان نہیں ہوسکتی۔ پھر اس یہودی نے کہا کہ مجھے اس فرشتے کی خبر دیں جو کہ اس بارگاہ کی تجلی کے متصل ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ فرشتہ اسرافیل (علیہ السلام) ہے پھر جبریل (علیہ السلام) پھر میکائیل (علیہ السلام) پھر ملک الموت علیہ السلام۔

اور امام احمد کتاب الزہد میں ابوعمران جونی سے لائے ہیں کہ ایک دن جبریل علیہ السلام' حضور علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور رو رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ رونے کی کیا وجہ ہے۔ حالانکہ آپ معصوم ہیں۔ اور بازپرس کے خطرے سے

marfat.com
Marfat.com

امن میں ہو؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میری آنکھ اس دن سے خشک نہیں ہوئی جس دن سے اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا فرمایا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے فروگذاشت ہو۔ اور میں دوزخ کا مستحق ہو جاؤں۔

(اقول وباللہ التوفیق قربِ خداوندی کے مراتب میں سے ایک مرتبہ خوف کا ہے قال اللہ تعالیٰ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ، وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ اس جیسی اور بھی بے شمار آیات میں جن سے مستفاد ہے کہ خوف ایک قربِ خداوندی کا مرتبہ ہے۔ جس میں ضروری نہیں کہ کسی نافرمانی یا معصیت کا وجود ہو اسی لیے جو جس قدر قربِ خداوندی سے بہرہ ور ہوتا ہے اسی قدر خوفِ خدا سے معمور ہوتا ہے محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اور مسند امام احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت وارد ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ میں نے میکائیل (علیہ السلام) کو کبھی مسکراتے نہیں دیکھا اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ جس دن سے دوزخ کی تخلیق ہوئی ہے' میکائیل (علیہ السلام) مسکرائے نہیں ہیں۔ اور ابوالشیخ لیث بن سعد کی روایت کے ساتھ خالد بن سعید سے لائے کہ حضرت اسرائیل (علیہ السلام) رات کی بارہ (۱۲) ساعات میں بارہ (۱۲) اذانیں دیتے ہیں' ہر ساعت کی ایک اذان مقرر ہے۔ اور اس اذان کو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے سب فرشتے سنتے ہیں۔ اور جن اور انسان نہیں سنتے اور سب آسمانی فرشتے بیت المعمور کے پاس جو کہ خانہ کعبہ کی محاذات میں ہے' ساتویں آسمان میں جمع ہو کر جماعت کا انتظار کرتے ہیں۔ اور حضرت میکائیل (علیہ السلام) امام بن کر نماز پڑھاتے ہیں۔

## مسواک کی اہمیت

اور حکیم ترمذی نے زید بن رفیع سے روایت کی کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسواک کر رہے تھے کہ اچانک حضرت جبریل اور میکائیل (علیہ السلام) دونوں آدمی کی شکل میں تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور تحفہ مسواک حضرت جبریل علیہ

marfat.com
Marfat.com

السلام کو عطا کی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ کبر کبر۔ حکیم ترمذی کہتے ہیں کہ یعنی یہ مسواک حضرت میکائیل (علیہ السلام) کو عطا کریں جو کہ مجھ سے زیادہ بزرگ ہیں۔

اور ابوالشیخ عکرمہ بن خالد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون زیادہ عزیز ہے؟ فرمایا مجھے علم نہیں جب حضرت جبریل علیہ السلام آئے ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ میں بھی نہیں جانتا پھر چلے گئے جب نیچے آئے تو کہا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوقات میں سب سے زیادہ عزیز چار فرشتے ہیں: جبریل میکائیل اسرافیل اور ملک الموت علیٰ نبینا علیہم السلام۔ رہے جبریل علیہ السلام تو نبوت و وحی کا کام رسل علیہم السلام کے پاس آمد و رفت اور جنگوں میں فتح و شکست ان سے تعلق رکھتی ہے۔ اور رہے میکائیل علیہ السلام تو بارش کا ہر قطرہ اور ہر پتہ جو زمین سے اُگتا ہے ان سے متعلق ہے۔ اور رہے ملک الموت علیہ السلام پس ہر روح خواہ خشکی میں ہو خواہ سمندر میں کا قبض کرنا ان کا کام ہے۔ اور اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ اور ہر فرشتے کے درمیان امین ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام ان تک پہنچاتے ہیں۔ اور لوحِ محفوظ کا نشان وہی دیتے ہیں۔

اور ابوالشیخ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لائے کہ جبریل (علیہ السلام) کا مقام تجلی الٰہی کی دائیں جانب ہے۔ اور میکائیل (علیہ السلام) کا مقام بائیں جانب اور مقام اسرافیل (علیہ السلام) ان دونوں کے درمیان۔ نیز ابوالشیخ نے خالد بن ابی عمران سے روایت کی کہ بندوں کے اعمال نامے بھی حضرت میکائیل (علیہ السلام) کے پاس پہنچتے ہیں۔ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صور پھونکنے والے اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ اور ابوالشیخ نے وہب سے روایت کی کہ گناہ گاروں کی لعنت اطاعت شعاروں کی رحمت اور بارگاہِ الٰہی کے محبوبوں کی محبوبیت ایک ایسی ڈیوٹی ہے۔ جو کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ متعلق ہے۔ پہلے آپ کو ان چیزوں کا حکم ہوتا ہے۔ اور آپ کے واسطے سے دوسرے فرشتوں کو حکم پہنچتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیروں کے تعین کا بیان

اور حاکم ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر پیغمبر علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں سے دو آدمی وزیر اور مشیر رہے ہیں۔ اور مجھے چار وزیر عطا ہوئے۔ دو وزیر آسمان والوں سے جو کہ جبریل اور میکائیل علیہم السلام ہیں۔ اور دو وزیر اہلِ زمین سے جو کہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

## دو رسل - دو ملائکہ اور دو خلفاء کی عادات میں مناسبت

اور طبرانی نے معتبر سند کے ساتھ حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ آسمان میں دو فرشتے ہیں ان میں سے ایک کی عادت نرم ہیں۔ اور دوسرے کی سخت یعنی حضرت جبریل اور میکائیل علیہم السلام اور زمینی پیغمبروں میں سے دو پیغمبر علیہم السلام ہیں جن میں ایک کی عادت نرم اور دوسرے کی سخت یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہم السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نرمی اس حد تک ہے کہ اپنے مخالفوں کے بارے میں بھی شفاعت فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں مَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور حضرت نوح علیہ السلام کی سختی یہاں تک ہے کہ کہتے ہیں رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا اور میرے بھی دو دوست میں ایک کی عادت نرم اور دوسرے کی سخت اور ہر ایک اپنے کام میں درست ہے۔ یعنی حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما۔

## حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کا اور حضرت میکائیل وجبریل علیہما السلام کا مکالمہ

اور بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں طبرانی معجم اوسط میں اور بزار اپنی مسند میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے لائے کہ ایک دن کافی لوگ جمع ہو کر بارگاہِ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آئے اور عرض کی یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیکیاں سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ اور بُرائیاں سب بندوں کی جانب سے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نیکی بدی سب کچھ

marfat.com

Marfat.com

خدا تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ ایک جماعت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول کی قائل ہوگئی ہے۔ اور دوسرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے قائل ہیں۔ اور باہم بحث کر رہے ہیں' ہم سب آپ کی خدمت میں آئے ہیں تاکہ آپ اس مقدمے کا فیصلہ فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ عجیب اتفاق ہے کہ آسمان میں بھی اسی قسم کا جھگڑا ہوا' حضرت میکائیل (علیہ السلام) نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے قول کے مطابق کہا جبکہ حضرت جبریل (علیہ السلام) نے قولِ عمر کے مطابق بات کی اس کے بعد حضرت جبریل (علیہ السلام) نے حضرت میکائیل علیہ السلام سے کہا کہ جب ہم لوگ جو کہ اہلِ آسمان ہیں' باہم مختلف ہوں گے تو زمین والے تو بطریقِ اولیٰ اختلاف کریں گے۔ آیئے تاکہ اس قضیئے کو اسرافیل علیہ السلام کے سامنے لے جائیں اور فیصلہ کرائیں۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے پاس گئے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے ان پر قضاء قدر کا راز القاء فرمایا۔ اور فرمایا کہ القدر خیرہ وشرہ وحلوہ و مرہ کلہ من اللہ تعالیٰ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابوبکر! اگر حق تعالیٰ چاہتا کہ کوئی اس کی نافرمانی نہ کرے تو ابلیس کو پیدا نہ فرماتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔

اور حاکم نے اسامہ بن عمیر ہذلی سے روایت کی ہے کہ ایک دن میں فجر کی دو سنتیں حضور علیہ السلام کے قریب پڑھ کر بیٹھ گیا' میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہلکی سی دو رکعات پڑھ کر یہ دعا فرما رہے ہیں۔ اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل و محمد اعوذبک من النار اور یہ دعا تین بار فرمائی۔ (اقول وباللہ التوفیق۔ معلوم ہوا کہ فرضوں اور سنتوں نفلوں کے بعد دعا مانگنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ اسے ناجائز کہنے والے جہالت وحماقت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ نیز معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو مقربین کا رب کہہ کر پکارنا سنت ہے اور دعا کی قبولیت کا ذریعہ۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ۔

اور امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے

marfat.com
Marfat.com

روایت کی ہے کہ جب مرضِ الوصال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف کا وقت قریب ہوا' شدید غشی لاحق ہوئی اور آپ کا سر انور میری گود میں تھا۔ اور میں بار بار چہرۂ مبارک پر پانی چھڑک رہی تھی۔ اور شفا کی دعا کر رہی تھی۔ اور بے چین تھی کہ اچانک کچھ افاقہ رونما ہوا۔ اور فرمایا یہ دعا نہ کر بلکہ میں خدا تعالیٰ سے رفیقِ اعلیٰ کی صحبت چاہتا ہوں اور کہتا ہوں کہ جبریل' میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کی مصاحبت کروں اس وقت سے میں نے جان لیا کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری دنیا میں نہیں رہیں گے۔

حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں احکامِ الٰہی کی خدمت کی بدولت بغیر کسی خواہشِ نفسانی کے امتزاج کے ان تینوں فرشتوں کا مرتبہ قرب و منزلت میں اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ ان کے ساتھ عداوت کرنا حقیقت میں جنابِ کبریائی الٰہی کے افعال پر اعتراض کرنا ہے۔ پس جبریل علیہ السلام سے اس وجہ سے عداوت کرنا کہ اس نے قرآن مجید فرقہ بنی اسرائیل کے غیر پر نازل کر دیا' حقیقت میں عین ہماری عداوت ہے۔ کیونکہ کتابیں نازل کرنا ہمارا کام ہے۔ اور جبریل (علیہ السلام) کا سفارت سے زیادہ منصب نہیں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ اور تحقیق ہم نے آپ کی طرف اپنے مقام عظمت سے نازل کی ہے۔ آیاتِ قرآنی آیات اور اس اشتباہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ آیات ہماری اُتاری ہوئی ہیں یا کسی دوسرے کی نازل کی ہوئی ہیں۔ اس لیے کہ وہ آیات بینات روشن دلائل ہیں۔ اعجازِ لفظی کے اعتبار سے بھی ان آیات کے معنوں کے عقلِ سلیم کے تقاضا کے مطابق ہونے کے اعتبار سے بھی۔ اور اس جہت سے بھی کہ یہ آیات گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں جو کہ یہودیوں کے نزدیک مانی جاتی ہیں' کے بھی موافق ہیں۔ پس ان آیات کا انکار ان یہودیوں سے نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے ضمن میں تمام پہلی کتابوں کا انکار ہوتا ہے۔

وَمَا يَكْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ اور ان آیات کا انکار نہیں کرتے مگر وہ لوگ جو کفر میں حد سے گزر گئے ہیں۔ اور پہلی کتابوں میں سے کسی کتاب پر ہرگز ایمان نہیں رکھتے۔ اور انہوں نے عقل اور نقل کے تقاضوں سے باہر قدم رکھا ہے۔ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ فسق کو کافر کی صفت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس

marfat.com
Marfat.com

آیت میں اس سے مراد وہ کفر ہے۔ جو کہ انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ اور اس سے اوپر کسی کفر کا تصور نہیں ہو سکتا اور جہاں فسق کو اہلِ ایمان کی صفت قرار دیا وہاں مراد کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہے۔

## چند معجزات کا مختصر تذکرہ

اور احتمال ہے کہ آیت کا معنی یوں ہو کہ یہودی اگرچہ جبریل (علیہ السلام) سے عداوت رکھتے ہیں۔ اور اس وجہ سے کفر میں گرفتار ہیں۔ مگر یہ امر قرآن مجید کے ساتھ کفر کو واجب کرنے والا نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم نے جبریل علیہ السلام کے واسطہ کے بغیر آپ پر بہت سے معجزات اُتارے ہیں۔ جیسے ستون کا رونا' آپ کے حکم کو درختوں کا قبول کرنا' اونٹوں اور ہرنوں کا شکایت کرنا' آپ پر پتھروں اور پہاڑوں کا سلام پڑھنا' احبار یہود کا جواب سوال وغیر ذالك جو کہ مجموعی طور پر آپ کی رسالت کے صحیح ہونے پر یقین کرنے کا موجب ہوتے ہیں۔ اور اُن دیکھے گئے۔ اور مشاہدہ کیے ہوئے معجزات کا انکار نہیں کرتا مگر وہ جو منتخب دین کے دائرے سے خارج ہو۔ اور کسی دین اور آئین سے وابستہ نہ ہو۔ ورنہ اسے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا جو کہ ان معجزات سے زیادہ نہ تھے' انکار لازم آئے گا۔

ءَ کیا۔ یہ یہودی اپنے فسق کا انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نے عقل اور نقل کے تقاضوں سے قدم باہر نہیں رکھا ہے۔ اور ہم نے عقل و شرع کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی ہے۔ اور اگر تم اس انکار کو عقل اور نقل کے خلاف سمجھتے ہو تو حساب سے باہر ہے۔ کیونکہ تم مدعیانہ بات کرتے ہو۔

وَكُلَّمَا عَاهَدُوْا عَهْدًا اور حال یہ ہے کہ جب بھی وہ خدا تعالیٰ یا وقت کے رسول علیہ السلام یا دوسری مخلوق سے کوئی عہد باندھتے ہیں اگرچہ آسان سے مقدمہ میں ہو۔ نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ اسے پسِ پشت ڈال دیتا ہے ان میں سے ایک گروہ جس طرح کہ اس رسول علیہ السلام کے عہد مبارک میں بنو قریظہ اور بنو نضیر نے بارہا آپ کے ساتھ عہد باندھے۔ کہ جنگ میں ہم مشرکوں کی مدد نہ کریں گے۔ اور آپ کے بدخواہ نہ ہوں گے۔ اور ہر بار اس

marfat.com

Marfat.com

عہد کو توڑا اوران کے آباء واجداد سے یہ گناہ کثرت اور تکرار کے ساتھ واقع ہوا۔ جیسا کہ اسی سورۃ میں بارہا گزرا۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ' وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ' وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ۔ اور ظاہر ہے کہ عہد کو توڑنا شرع میں بھی حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اور مقتضائے عقل کے خلاف بھی۔ اور اسی لیے اس بُرے کام کی قباحت پر بنی آدم کے تمام گروہ حتیٰ کہ بے دین بھی متفق ہیں۔ اور اس جرم کے مرتکب کو بدکار سمجھتے ہیں۔ پس عہد شکنی کی وجہ سے جو کہ ان سے بار بار واقع ہوئی اور ہو رہی ہے' ان کا فسق ثابت ہوا۔ اور اگر کسی واجب کے ساتھ ان کے حال کی تحقیق کی جائے تو اس فعل کی وجہ سے فاسق ہی نہیں ہوئے ہیں۔

بَلْ بلکہ کفر بھی رکھتے ہیں۔ کیونکہ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ان کے اکثر اپنی کتاب پر جو کہ تورات ہے۔ اور پختہ وعدوں پر جو کہ تورات میں موجود ہیں' ایمان نہیں رکھتے۔ نیز ان کی نگہبانی کو ضروری بھی نہیں سمجھتے۔ اور احتمال ہے کہ کلمہ بل میں فریق کے مضمون سے ترقی منظور ہو یعنی ایک فریق کیا' ان کے اکثر تصدیق نہیں کرتے کیونکہ عہد شکنی گناہ بھی ہے۔ اور اپنی کتاب کے ساتھ ان کے کفر اور دین سے ان کے خارج ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اگر انہیں اپنی کتاب پر ایمان حاصل ہوتا تو اپنے دین پر قائم رہتے۔ اور جو اس کتاب کے مطابق بات کرے یا اس دین کے قواعد کے مطابق دعوت دے اس کا انکار نہ کرتے۔ اور اسے ستانے کے درپے نہ ہوتے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ اور جب بھی ان کے پاس ایک رسول تشریف لایا جس کی آمد کو انہوں نے جانا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ' اللہ تعالیٰ کے ہاں سے۔ کیونکہ اس کے معجزات سابقہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح اس کی صداقت پر قوی دلیل ہیں۔ اور اس کے باوجود مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وہ رسول تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو کہ ان کے پاس تورات و زبور وغیرہ سے ہیں۔ کیونکہ ان کتابوں میں اس رسول علیہ السلام کی آمد کی خبر دی گئی ہے۔ اگر یہ رسول علیہ السلام تشریف نہ لاتے' وہ خبریں درست نہ ہوتیں۔ پس ان کے حال کا تقاضا یہ تھا کہ رسول علیہ السلام کے آنے سے ان کا ایمان اپنی کتابوں پر زیادہ ہو

marfat.com
Marfat.com

جاتا اور یہ اُلٹا کفر میں گر گئے۔ اور انہوں نے اپنی کتابوں کے ساتھ بھی کفر اختیار کیا۔ اس لیے کہ

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڈال دیا ان میں ایک فرقے نے جنہیں ہم نے علم کتاب عطا فرمایا تھا۔ انہیں اس کتاب کے معنوں سے کچھ ربط تھا۔ اور اس کتاب کو انہوں نے اس رسول کے مطابق پہچانا۔ كِتٰبَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جسے پہلے سے ہی وہ خدا کی کتاب سمجھتے تھے۔ اور اس کتاب کے مضامین کے برحق ہونے کے معترف تھے کہ گویا اس فرقے نے اس کتاب کو ڈال دیا۔ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ پسِ پشت کہ اس کی طرف بالکل کوئی توجہ نہیں کرتے۔ اور اس کے لفظ اور معنی کو نہیں دیکھتے۔ اور جب کتاب پسِ پشت ہو تو مطالعہ درس اور اس کے تکرار سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پس وہ اس حرکت بے برکت کی وجہ سے كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ گویا کچھ نہیں جانتے۔ پس مطلق جہالت کو انہوں نے کتابِ الٰہی کے مقابلہ میں اختیار کیا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ انہیں اپنی کتاب پر بھی ایمان حاصل نہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہودی تورات کو دیبا اور ریشم کے غلافوں میں رکھتے تھے۔ اور سونے اور لاجورد سے ملمع کرتے تھے۔ لیکن اس کے حلال کو حلال نہیں جانتے تھے۔ اور اس کے حرام کو حرام قرار نہیں دیتے تھے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے انہیں کتابِ الٰہی سے منہ موڑنے کے ساتھ موصوف کیا۔ اور مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ اس قسم کے عمل سے ڈریں اور اپنی کتاب کے علم اور اس کے مضمون پر عمل کرنے کے درپے ہوں۔ اے اللہ! ہمیں یہ سعادت عطا فرما۔ کاش یہ یہودی اسی قدر پر اکتفاء کرتے لیکن انہوں نے کتابِ الٰہی کو پسِ پشت ڈالا۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ اور انہوں نے پیروی کی ان منتروں اور ٹوٹکوں کی جو انسانوں اور جنوں کے شیطان پڑھتے تھے۔ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی میں۔

## شیاطین کے منتروں کا قصہ

اور اس کا قصہ یوں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنوں، انسانوں،

marfat.com
Marfat.com

جانوروں' ہوا۔ اور دوسری مخلوقات پر عام بادشاہی عطا فرمائی تھی۔ تو آپ کے وقت میں شیاطین جن بھی آدمیوں کی شکل میں منتقل ہو کر غوطہ خوری' سنگ تراشی' بلند عمارات کی تعمیر' حوض اور قلعے بنانا' عجیب تصویریں اور نادر قسم کے نقش ونگار بنانے کی قسم کے مشکل کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں مذکور ہے۔ اور اس وجہ سے آدمیوں کو جنوں کے ساتھ بے پردہ ملنے جلنے کا موقع ملتا تھا۔ اور ان کا ایک دوسرے کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا رہتا تھا۔ اور شیاطین جن آدمیوں کے سامنے اپنے عجیب وغریب اعمال ظاہر کرتے تھے۔ اور جو منتر شرک صریح پر مشتمل تھے۔ جیسے بتوں اور گزشتہ شیطانوں کے نام جو کہ گمراہ کرنے اور کفر میں مقتدا گزرے تھے' لوگوں کے سامنے پڑھتے اور ان کے پڑھنے سے دو وجہ سے بہت سے عجائبات ظاہر ہوتے تھے۔

پہلی وجہ یہ کہ جنوں کی خلقت کا آدمیوں کی خلقت سے بہت فرق ہے۔ پس وہ منتر سُن کر آدمیوں کو گمراہ کرنے کے لیے شیاطین الجن دُور دراز کی چیزیں لاتے تھے' کسی کی گردن توڑ دیتے تھے' کسی کے پاؤں باندھ دیتے تھے۔ اور کسی کے پیٹ میں داخل ہو کر درد پیدا کر دیتے تھے۔ اور بعض اوقات بنی آدم کے افراد میں سے بعض پر کوئی مکروہ اثر ڈال دیتے اور جب وہ منتر اس پر پڑھا جاتا تھا تو رہا کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ ان منتروں کے معتقد ہو کر ان بتوں اور ان شیاطین کے پیشواؤں کی تعظیم کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے آدمیوں کے افعال کے مقابلے میں جنوں کے افعال خلافِ عادت کا ہی حکم رکھتے ہیں۔

اور دوسری وجہ یہ کہ بعض امراض کی ارواح نے شرارت اور خباثت میں جنوں کا حکم حاصل کر لیا ہے کہ طبعی طور پر معبود بننے اور اپنی پوجا کرانے کو پسند کرتی ہیں۔ اور چاہتی ہیں کہ لوگ ہماری طرف رجوع لائیں۔ شیاطین الجن بعض منتروں میں ان خبیث روحوں کے التجا اور ان کے متعلق حد سے زیادہ تعظیم کے کلمات آدمیوں کو سکھاتے تھے۔ اور سجدہ بجالانا اور ان روحوں کے لیے قربانی دینا۔ اور دوسرے تعظیمی افعال کو اس منتر کے پڑھنے کے شرائط میں سے قرار دیتے تھے۔ تا کہ آدمی شرک اور گمراہی میں گرفتار ہوں اور اس عمل پر عجیب اثرات مرتب ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کا یہ بے حد بُرا عمل رائج اور مشہور ہو گیا۔

marfat.com

Marfat.com

یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیٰ نبیناء علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس پر مطلع ہوئے۔ آپ نے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو حکم دیا کہ شیاطین کو حاضر کر کے جو کچھ اس سلسلے میں ان کے پاس ہے' سب کچھ جمع کر کے چند دفتروں میں لکھوا کر میری کرسی کے نیچے دفن کر دو اور اس کے بعد پابندی لگا دو کہ شیاطین اور آدمی ایک دوسرے کے ساتھ نشست و برخاست نہ کریں۔ اور پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ بند کر دیں جب تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حیاتِ ظاہری میں تھے' وقت اسی طرح گزرتا رہا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور آصف بن برخیا کی وفات کے بعد شیطانوں نے لوگوں کے سامنے یوں ظاہر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام۔ نے جادو کے زور پر یہ سب بادشاہی حاصل کر رکھی تھی کہ ہوا' وحشی جانور' جنات اور انسان ان۔ کے زیر نگیں تھے۔ اور اپنے اس تمام جادو کو اپنی کرسی کے نیچے دفن کر کے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ اب تدبیر یہ ہے کہ اس جگہ کو کھود کر ان کتابوں کو نکال لو اور اس کے مطابق عمل کر دتا کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی طرح تمہارے ہاتھوں بھی عجیب وغریب چیزوں کا ظہور ہو۔

لوگوں نے شیاطین کے گمراہ کرنے سے ان کتابوں کو نکال لیا۔ اور وہ منتر پڑھنا شروع کر دیئے۔ اور ان میں عجیب خاصیتیں پائیں۔ یہاں تک کہ تورات اور علومِ دین میں مصروفیت ختم ہوگئی۔ اور ان کی ساری ہمت جادو کا علم اور وہ منتروں کو حاصل کرنے میں مصروف ہوگئی۔ جس وقت تک شیطانوں کو ان کا گمراہ کرنا منظور تھا' ان منتروں کی اطاعت خوب کرتے تھے۔ اور ان کے اثرات بھی پوری خوبی سے مرتب ہوتے تھے۔ جب شیطانوں نے دیکھا کہ یہ گمراہی کے گڑھے میں گر گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے انہوں نے پورے طور پر روگردانی کر لی تو ان منتروں کی اطاعت سے خاموشی اختیار کر لی۔ اور ہاتھ کھینچ لیے۔ اور وہ اثرات کم ہونا شروع ہوگئے۔ پس اس حادثہ کی وجہ سے یہودیوں کے دین میں چند وجہ سے سخت نقصان رونما ہوا۔ اوّل اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے جو کہ روحانی امراض کے علاج کی پونجی تھی' روگردانی۔ دوسرے بتوں اور گزشتہ شیطانوں کے ناموں کی تاثیر کا اعتقاد اور ان کے لیے نذر اور قربانی بجالانا جو کہ صریح کفر اور شرک ہے۔ تیسرے

marfat.com
Marfat.com

حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے بارے میں بدگمانی۔ یہاں تک کہ آپ کی نبوت کا انکار کر دیا۔ اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ (معاذ اللہ) سلیمان (علیہ السلام) ایک ماہر جادوگر تھے۔ جیسا کہ ابن جریر نے شہر بن حوشب سے روایت کی ہے کہ یہودی ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ دیکھو محمد حق کو باطل سے ملاتے ہیں۔ اور سلیمان (علیہ السلام) کو انبیاء کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ (معاذ اللہ) سلیمان (علیہ السلام) ایک ساحر تھے۔ جو کہ جادو کے زور سے ہوا کی پشت پر سوار ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے صادر ہونے والے ان دو فعلوں کی مذمت فرمائی یعنی کتب الٰہیہ سے روگردانی اور بتوں اور شیاطین کے ناموں کی تاثیر کا اعتقاد اور تیسرے امر کو جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق کامل جادوگر ہونے کا قول تھا اس عبارت سے رد فرمایا۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ اور سلیمان کافر ہرگز نہ تھے۔ بتوں اور شیطانوں کے ناموں کی تاثیر کے عقیدہ اور ان کے لیے نذر اور قربانی بجالانے کے ساتھ جو کہ جادو کی بنیاد ہے۔ کیونکہ آپ یہودیوں کی کثیر جماعت کے اقرار کے مطابق پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر تھے۔ اور پیغمبروں کا کفر سے پاک ہونا قطعی ہے۔ بلکہ بدیہی یعنی کسی کی دلیل کا محتاج نہیں۔ کیونکہ منصب نبوت کفر کے ساتھ صریح منافات رکھتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کفر کو دفع کرنے کے لیے ہے۔ اگر معاذ اللہ نبی خود کفر اختیار کرے تو اس کی بعثت کا مقصد فوت ہونا لازم آتا ہے۔

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لیکن جن وانس کے شیاطین جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں آپ کے معجزات دیکھ کر ایمان لائے تھے۔ اور مسلمانوں کے گروہ میں داخل ہو گئے تھے۔ لیکن ان کے نفسوں کے جوہر میں شرارت اور کفر کا خمیر تھا۔ اور آپ کے وصال کے بعد اپنی چھپی ہوئی خباثت کی وجہ سے

كَفَرُوْا کافر ہو گئے۔ اور سلیمان علیہ السلام پر جھوٹی تہمت لگادی کہ وہ بھی جادو کے کام کرتے تھے۔ اور انہیں ناپاک اعمال کی وجہ سے انہوں نے جنوں، انسانوں، وحشی جانوروں، پرندوں اور دوسری مخلوقات کو تابع اور مطیع کر رکھا تھا۔ اور صرف یہ کہنے اور اعتقاد

marfat.com
Marfat.com

رکھنے پر اکتفاء نہ کی بلکہ یہ کام شروع کر دیا کہ

**یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ** لوگوں کو جادو کے کاموں کی تعلیم دیتے تھے۔ تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی اپنی طرح کافر اور جادوگر بنا دیں۔ اور لوگ ان کے بہتان اور جھوٹ سے فریب کھا کر گمان کریں کہ جادو کا عمل بُرا نہیں ورنہ ایسا بلند مرتبہ رسول علیہ السلام اس میں کیوں مصروف ہوتا۔

## جادو کی قسموں اور ان کے احکام کا بیان

یہاں جاننا چاہیے کہ جادو کا حکم مختلف ہے۔ اگر جادو میں کوئی قول یا فعل جو کہ کفر کا موجب ہو جیسے بتوں اور خبیث روحوں کا نام ایسی تعظیم کے ساتھ لینا جو کہ حضرت رب العزت کے لائق ہے۔ جیسے عموم علم وقدرت' غیب دانی' مشکل کشائی' ذبح لغیر اللہ یا سجدہ لغیر اللہ وغیرہ واقع ہو تو بلاشبہ وہ جادو کفر ہے۔ اور ایسا جادو کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح وہ شخص جو اپنے مطلب کے لیے اس قسم کا جادو کرائے' دیدہ دانستہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور اس پر مرتد ہونے کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ اگر مرد ہے تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے تاکہ توبہ کرے۔ اور اس قول اور فعل سے بیزاری ظاہر کرے۔ اور تین دن کے بعد اگر اس سے توبہ ثابت نہیں ہوئی' اسے قتل کر دینا چاہیے۔ اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنا چاہیے۔ اور مسلمانوں کے قانون کے مطابق اس کی تکفین وتجہیز نہ کی جائے۔ اور اس کے لیے فاتحہ' درود اور صدقات نہیں بھیجنے چاہئیں اور اگر عورت ہے تو امام شافعی کے نزدیک اسے بھی مردوں کے دستور کے مطابق تین دن کی مہلت کے بعد قتل کر دیا جائے۔ اور امام اعظم کے نزدیک اسے ہمیشہ کے لیے قید کر دینا چاہیے۔ یہاں تک کہ سچی توبہ کرے۔

اور اگر جادو میں کوئی فعل یا قول ایسا نہیں جو کہ مرتد ہونے یا کافر ہونے کا موجب ہو لیکن ایسے جادو والا دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے جادو کے ذریعے خدائی کام کر سکتا ہوں۔ مثلاً انسانوں کی شکلیں جانوروں کی شکلوں میں بدلنا یا پتھر کو لکڑی اور لکڑی کو پتھر کر سکتا ہوں یا پیغمبروں کے کام اور ان کے معجزات ظاہر کر سکتا ہوں۔ جیسے ہوا میں اُڑنا یا ایک مہینے کی راہ

marfat.com

Marfat.com

ایک لمحے میں طے کرنا۔ پس وہ بھی کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔ صرف جادو کی وجہ سے نہیں بلکہ اس دعوٰی کی وجہ سے۔

اور اگر کہتا ہے کہ میرے ان اعمال کی ایک خاصیت ہے۔ جس کی وجہ سے قتل کرنا یا صحیح کو بیمار کرنا' یا بیمار کو صحیح کرنا' پُر امن کو ڈرانا اور خیالات کو خراب کرنے کا عمل کر سکتا ہوں۔ پس یہ جادو مکر و فریب اور فسق ہے۔ اور ایسا جادوگر مکار اور فاسق ہے۔ اگر اپنے جادو کے ساتھ بے گناہ جان کو ہلاک کر دے تو ڈاکوؤں کی طرح اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ فساد برپا کرنے والا ہے۔ اور اس سلسلے میں جادوگر مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں۔ یہ ہے وہ جس کی امام فخر الدین رازی اور دوسرے علمائے حنفیہ نے تنقیح فرمائی ہے۔

اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں یوں آیا جب کسی کے متعلق معلوم کریں کہ جادو کرتا ہے۔ اور اقرار یا گواہی سے یہ معنی ثابت ہو جائے' اسے قتل کر دینا چاہیے۔ اور اس سے توبہ طلب نہیں کرنی چاہیے۔ اور اگر وہ کہے کہ میں جادو ترک کرتا ہوں اور میں توبہ کرتا ہوں تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ ہاں اگر کہے کہ میں پہلے جادو کرتا تھا۔ اور اب مدت سے میں نے یہ دھندا چھوڑ دیا ہے تو اس کا قول قبول کر لینا چاہیے۔ اور اس کے خون سے درگزر کرنا چاہیے۔ اور امام شافعی کے نزدیک اگر کسی نے جادو کیا اور اس کے جادو کی وجہ سے سحور مر گیا تو اس سے پوچھنا چاہیے اگر وہ اقرار کرے کہ میں نے اسے جادو کیا تھا۔ اور میرا جادو اکثر مار دیتا ہے تو اس پر قصاص واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر کہے کہ میں نے اسے جادو کیا تھا۔ لیکن میرا جادو کبھی مارتا ہے' کبھی نہیں مارتا تو قتل شبہ عمد ہوا۔ شبہ عمد کے احکام اس پر جاری کرنے چاہئیں اور اگر کہے کہ میں نے کسی اور کو جادو کیا تھا' اتفاقاً اس کا نام اس کے نام کے موافق پڑا یا اس کا گزر جادو کے مقام پر ہوا۔ اور اس پر اثر ہو گیا پس یہ قتل خطا ہے اس پر احکامِ خطا جاری ہوتے ہیں۔

## ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں ایک شبہ ہے جو اکثر دل میں آتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلاف عادت افعال جو کہ صرف قدرتِ الٰہی سے صادر ہوتے ہیں' اکثر اوقات اولیاء سے ظاہر ہوتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں۔ جیسے اعیان کو بدلنا' شکلیں تبدیل کرنا۔ اسی طرح وہ افعال جو کہ رسل علیہم السلام کے معجزات کے مشابہ ہوتے ہیں۔ جیسے مردے زندہ کرنا' طویل سفر کو ایک ساعت میں طے کرنا۔ اور اس قسم کے افعال بھی اولیاء سے اکثر واقع ہوتے ہیں۔ اور ان اولیاء کے احوال لکھنے والے ان افعال کو ان کی کرامات اور مناقب میں لکھتے ہیں تو اگر فعل الٰہی کی نسبت غیر کی طرف کرنا کفر ہے۔ تو یہاں بھی کفر لازم آتا ہے۔ اور اگر ظاہری سبب ہونے پر نظر کریں جو وہ غیر رکھتا ہے تو کفر نہ ہوگا۔ پس جادوگر کے بارے کفر کا حکم کیوں دیا گیا۔ بلکہ دعوتیں' ورد پڑھنے والوں جو کہ دعائے سیفی اور دعوت کے ساتھ اس قسم کے عجائبات ظاہر کرتے ہیں' کے حال میں جادوگروں کے ساتھ پوری مشابہت رونما ہوتی ہے۔ فرق کی وجہ کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خلافِ عادات افعال خواہ رسل علیہم السلام کے معجزات کے مشابہ ہوں' خواہ کسی اور جنس سے سب کے سب تحت قدرتِ الٰہی ہیں۔ اور اس کے ارادہ اور ایجاد سے صادر ہوتے ہیں۔ اور اس باب میں اولیاء کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے اور جادوگروں سے صادر ہونے والے کاموں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق یہ ہے کہ اولیاء' دعوتی اور عزائم پڑھنے والے ان فعلوں کی نسبت غیر خدا کی طرف نہیں کرتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت یا اس کے اسماء حسنیٰ کے خواص سے منسوب کرتے ہیں۔ پس کوئی شرک لازم نہیں آتا جبکہ جادوگر ان فعلوں کو غیر خدا کی طرف یعنی ارواحِ خبیثہ' منتروں کے خواص اور بتوں کے ناموں کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اس لیے ان فعلوں کو اپنے قبضہ میں جانتے ہیں۔ اور اپنے حکم میں سمجھتے ہیں۔ اور ان فعلوں پر اُجرت لیتے ہیں۔ اور رشوت مانگتے ہیں۔ اور ان ارواحِ خبیثہ اور اصنامِ باطلہ کے لیے نذریں اور قربانیاں مانگتے ہیں۔ پس صریح شریک لازم آتا ہے۔ اور کفر کا موجب ہوتا ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے افعال عادی جیسے بیٹا دینا' رزق فراخ کرنا' شفائے مریض اور اس جیسے دوسرے کاموں کی نسبت مشرکین ارواحِ خبیثہ اور بتوں کی طرف کرتے ہیں۔ اور کافر ہو جاتے ہیں۔ جبکہ توحید کے ماننے والے اسمائے الٰہی کی تاثیر یا اس کی مخلوقات یعنی دواؤں اور جڑی بوٹیوں کے خواص سے جانتے ہیں یا اس کے نیک بندوں کی دعا سے جو کہ اس کی بارگاہ سے درخواست کر کے حاجت روائی کرتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں' سمجھتے ہیں۔ اور ان کے ایمان میں خلل نہیں پڑتا اور اسی طرح یہ ہے۔

## جادو کی حقیقت اور اس کی قسموں کا بیان

ہم یہاں آپہنچے کہ جادو کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کی کتنی قسمیں ہیں۔ اور اس کی کونسی قسم موجب کفر ہے۔ کونس سی فسق۔ اور کونسی مباح جو کہ شریعت میں جائز ہے؟ اس بحث کی تفصیل طوالت چاہتی ہے اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جادو کی حقیقت خلاف عادت عجیب افعال پر خفیہ اسباب کو اپنا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اس کے اسماء کی تلاوت کا وسیلہ کیے بغیر اور ان افعال کو اس کی قدرت کی طرف منسوب کیے بغیر قدرت حاصل کرنا ہے۔ اور چونکہ جہان میں پوشیدہ اسباب چند قسموں کے ہیں' جادو کی بھی چند قسمیں ہیں۔ اور ان اقسام کا ضبط یہ ہے کہ سبب خفی یا روحانیات کی تاثیر ہے یا جسمانیات کی تاثیر ہے۔ اور روحانیات یا روحانیات کلیہ مطلقہ ہیں۔ جیسے روحانیات کواکب' افلاک اور عناصر کی روحانیات یا روحانیات جزئیہ خاصہ ہیں۔ جیسے امراض کی روحانیات اور شیطانوں اور بنی آدم سے جدا ہونے والے نفسوں کی روحانیات کہ ان نفوس کو مسخر کر کے اپنے کام میں لاتی ہیں۔ اور ہندی کی لغت میں بیر کہتے ہیں۔ یعنی با کی زیر اور یا کے سکون کے ساتھ۔

اور جسمانیات یا کیفیات کی ترکیب واجتماع سے عجیب تاثیر پیدا کرتی ہیں یا خواص کی وجہ سے یعنی کیفیات کے واسطہ کے بغیر صور نوعیہ کے تقاضا کی وجہ سے۔ جیسے مقناطیس کا لوہے کو کھینچنا۔ پھر روحانیات کے ساتھ مناسبت اور ان کی تاثیرات حاصل کرنے کا طریقہ معتبر شرائط کے ساتھ ان کے ناموں کے ذکر اور ان کی طرف التجا کے ساتھ ہے یا ڈھانچوں کی تصویر بنانا' مناسب تصویریں بنانا اور ان کے پسندیدہ کام کرنا یا ایسے کلام کی تلاوت جس کے مفردات ترکیب کا لحاظ کیے بغیر ارواح میں سے کسی روح کی عظمت کا اشارہ کریں۔ یا کوئی عجیب فعل جو اس سے کسی وقت سرزد ہوا۔ اور خاص وعام کی زبان پر اس کی تعریف جاری ہو گئی۔ پس ان شقوں پر نظر کرتے ہوئے جادو کی کئی قسمیں ہو گئیں لیکن جو رائج اور معمول ہے اس کی چند قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم جو کہ سب قسموں سے عمدہ ہے کلد انیّین کا جادو اور بابل کا جادو ہے جن کے مذاہب کے رد اور عقیدہ کو باطل کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیٰ

marfat.com

Marfat.com

نبینا وعلیہ السلام مبعوث ہوتے تھے۔ اور اس علم کی اصل ہاروت ماروت سے لی گئی ہے۔ جسے بابل والے ان سے سیکھ کر کام میں لائے۔ اور اس میں بہت گہرائی حاصل کی۔ اور کلدانیین جو کہ بابل کے شہری تھے اس علم میں بہت مصروفیت رکھتے تھے۔

## ساکنانِ بابل کے چھ (۶) حیران کن طلسموں کا بیان

معتبر تاریخوں میں لکھا ہے کہ نمرود کے عہد میں شہر بابل میں جو کہ اس کا دارالحکومت تھا، حکمائے بابل نے چھ (۶) طلسم ایسے بنائے تھے کہ ان کے ادراک میں عقلیں حیران تھیں: پہلا طلسم یہ کہ تانبے سے ایک بطخ بنائی تھی جب بھی کوئی جاسوس یا کوئی چور اس شہر میں آتا اس بطخ سے ایک ایسی آواز نکلتی کہ سب شہر والے اس کی آواز کو سنتے اور جان لیتے کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ اور اس جاسوس اور چور کو پکڑ لیتے تھے۔

دوسرا طلسم ایک ڈھول تھا کہ جس کی کوئی چیز گم ہو جاتی، وہ اس ڈھول کے قریب آتا اور نقارے کی چوب اس پر مارتا۔ اس ڈھول سے آواز آتی تھی کہ تیری فلاں چیز فلاں جگہ پر ہے۔ اور ڈھونڈنے کے بعد اسی طرح نکلتی۔

تیسرا طلسم ایک شیشہ تھا جو کہ انہوں نے کسی غائب کا حال جاننے کے لیے بنایا تھا جب بھی کوئی غرض منداس شیشے میں دیکھتا اس کے غائب کا حال اس آئینے میں ظاہر ہو جاتا اور شہر میں یا جنگل میں یا کشتی میں یا پہاڑ میں وہ غائب جس حال میں ہوتا اس کی صورت کو اسی حال میں مشاہدہ کرتا تھا۔ اور اگر بیمار یا تندرست یا فقیر یا امیر یا زخمی یا قتل کر دیا گیا ہوتا اسی طرح نمودار ہوتا تھا۔

چوتھا طلسم ایک حوض تھا کہ ہر سال میں ایک دن اس حوض کے کنارے ایک جشن کا انتظام کرتے اور شہر کے امراء اور اشراف حاضر ہوتے تھے۔ اور جو شخص شربت اور جوس میں سے جو چاہتا، لا کر اس میں ڈال دیتا جب لوگوں کو پلانے کے لیے ساقی اس چوبچے پر کھڑے ہوتے اور اس میں سے نکالتے تو ہر شخص کے لیے وہی کچھ نکلتا جو وہ لایا ہوتا۔

پانچواں طلسم ایک تالاب تھا جو کہ جھگڑے چکانے اور مقدمات کے فیصلے کرنے کے لیے بنایا تھا۔ اگر دو آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ہو جاتا اور سچ اور جھوٹ کا پتہ نہ چلتا تو اس

marfat.com
Marfat.com

تالاب کے کنارے آ جاتے اور اس میں داخل ہو جاتے جو سچا ہوتا تالاب کا پانی اس کی ناف سے بھی نیچے رہتا۔ اور وہ غرق نہیں ہوتا تھا۔ اور جو جھوٹا ہوتا' پانی اس کے اوپر ہو جاتا اور اسے غرق کر دیتا مگر جو سچ کے آگے گردن جھکا دیتا اور اپنے جھوٹے دعویٰ سے باز آ جاتا اسی وقت نجات پالیتا۔

چھٹا طلسم نمرود کے مکان کے دروازے ایک درخت لگا رکھا تھا جس کے سایہ کے نیچے درباری بیٹھتے تھے۔ اور لوگ جس قدر زیادہ ہوتے تھے' درخت بھی اسی قدر وسیع ہو جاتا۔ یہاں تک کہ ایک لاکھ تک پہنچ جاتے' سایہ اسی قدر زیادہ ہو جاتا اور جب اس عدد یعنی ایک لاکھ سے ایک آدمی بھی زیادہ ہو جاتا' سایہ بالکل نہیں رہتا تھا۔ اور سب دھوپ میں بیٹھتے تھے۔

اور نمرود جو کہ ان کا بادشاہ ہوتا' بھی اس بارے میں بہت مشق اور مبالغہ کرتا۔ کہتے ہیں کہ اس قسم کا جادو سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اور اسے حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد کہ کسی کو اس قسم کے جادو کی حقیقت تک پہنچنا میسر ہو جائے جو چاہے خلاف عادت کو ظاہر کر سکتا ہے یا موافق عادت کو روک سکتا ہے۔ جیسے ان بیماریوں کا علاج کرنا جس سے طبیب عاجز ہوں جیسے برص' کوڑھ اور اذیت دینے والا عشق وغیرہ اس سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ روحانیات کی استعانت سے تدبیر کرتا ہے۔ اور طبیب جسمانیات کی مدد سے کام کرتا ہے۔

اور اس ہنر کی حقیقت یہ ہے کہ فلک سے لے کر عناصر اور موالید تک ہر جسم ایک روح رکھتا ہے۔ جو کہ اس کی تدبیر کرنے والی ہے۔ اور جسموں کی تاثیرات سب کی سب ارواح کی طفیل ہیں۔ اور جب تمام عالم کی روحیں اس کے تابع ہیں گویا جہان کا مالک ہو گیا۔ پس اس سے جنگ اور لڑائی کیے بغیر دشمنوں پر قہر اور مفسدوں کی بیخ کنی ممکن ہے۔ جیسا کہ ارسطو نے حکیم برہماطوس اور بیداغوس سے نقل کیا کہ بابل کے شہر میں ان دونوں کے درمیان جھگڑا ہوا' بیداغوس نے کہا کہ تجھے میرے ساتھ مقابلہ کرنے کی کس طرح طاقت ہو گی جبکہ مریخ اور زحل میرے مقابلے سے عاجز ہیں۔ برہماطوس نے جب یہ بات سنی تو اس نے جلانے

marfat.com
Marfat.com

والا جادو کر کے مریخ کی روح سے مدد لی اور بیداغوس کو جلا دیا۔ اور کسی جنگ اور لڑائی کے بغیر اس کا شر دور کر دیا۔ اور دوسرے شہروں میں بھی اسی قسم کے واقعات نقل کرتے ہیں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجسام اور ارواح دکھائے اور آپ نے سب کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہاتھوں مجبور اور بے اختیار دیکھا اور آپ سب سے چہرۂ مبارک پھیر کر ذاتِ واحد حقیقی کی طرف متوجہ ہوئے جیسا کہ سورۃ انعام میں آئے گا۔ انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَكَذٰلِكَ نُرِىٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ سے لے کر اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

## اہل بابل کی دعوت ارواح کواکب کا نمونہ

اور اس قسم کا جادو نرا کفر اور محض شرک ہے۔ کیونکہ اس جادو کی شرائط میں جو کہ پندرہ (۱۵) ہیں لکھا ہے کہ اس کی شرائط میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ ارواح کو دلوں پر مطلع جانے اور ان کے بارے عاجزی اور جہالت کا گمان ہرگز نہ کرے۔ ورنہ وہ ارواح اس کی دعوت قبول نہیں کرتیں۔ اور اسے مطلب تک نہیں پہنچاتیں۔ نیز کواکب کی روحانیات کی دعوت کی کیفیت میں لکھتے ہیں کہ دعوت قمر سے شروع کرے۔ کیونکہ وہ عالم سفلی سے زیادہ قریب ہے۔ اور اس کے وسیلے سے عطارد کی دعوت۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور قمر کی دعوت کے الفاظ میں لکھتے ہیں کہ کہے۔ ایها الملك الكريم والسيد الرحيم ومرسل الرحمة و منزل النعمه اور عطارد کی دعوت میں یوں کہے۔ كل ماحصل لى من الخير فهوعنك وكل ماينذفع من الشرمنى فهومنك نیز کہے ایها السيد الفاضل الناطق العالم نجفيات الامور المطلع على السرائر اور اسی پر دوسرے ستاروں کی دعوت کا قیاس کیجیے اور ظاہر ہے کہ یہ اعتقاد اور یہ قول اسلام توحید اور ملت حنفی کے منافی ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ اہلِ بابل ہاروت اور ماروت کی تعلیم کی وجہ سے تسخیر کا طریقہ اور تمام روحانیات کلیہ و جزئیہ علویہ و سفلیہ فلکیہ و عنصریہ اور بسطیہ و مرکبہ سے استعانت کا طریقہ جانتے تھے۔ اور عمل میں لاتے تھے۔ حتیٰ کہ امراض اور دوسرے مذاہب کی

marfat.com
Marfat.com

روحانیات کی بھی تسخیر کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ اتصال حاصل کر چکے تھے۔ اور عجیب اعمال ظاہر کرتے تھے۔ لیکن یونانیوں نے ان سے روحانیاتِ علویہ کی تسخیر کے طریقے پر اکتفاء کیا اور یوں سمجھتے تھے کہ جب روحانیاتِ علویہ مسخر ہو گئیں تو روحانیاتِ سفلیہ کی تسخیر کی' کوئی اور حاجت نہ رہی کیونکہ روحانیاتِ سفلیہ کو قبول کرنے اور متاثر ہونے کے سوا کوئی منصب نہیں ہے۔ فاعلیت اور اثر کرنا علویت سے مخصوص ہے۔ اور قدیم ہندی حکماء تمام روحانیات کی تسخیر کرتے ہیں۔ اور ہر ایک سے جو کام بھی اس کے متعلق ہے' لیتے ہیں۔

مصرعہ

وللناس فیما یعشقون مذاهب

پس بابلی جادو آج ہندیوں میں موجود ہے۔ اور یونانیوں نے اس میں سے بعض پر اکتفاء کی ہے۔

اور اس جادو کی دوسری قسم خاص کر جنوں اور شیطانوں کی تسخیر ہے۔ اور اس کا حصول آسان اور رواج زیادہ ہے۔ اور اس تسخیر میں بڑے جنات جیسے بھوانی اور ہنومان وغیرہ ہما سے التجا' عاجزی اور زاری کرنا اور ان کے لیے نذریں اور قربانیاں پیش کرنا اور مناسب عطریات کو ان کی حاضری کی جگہوں پر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اور کفر صریح لازم آتا ہے۔

اور اس کی تیسری قسم بیر کا پیدا کرنا ہے۔ اور اس جادو میں ضرورت پڑتی ہے کہ کسی ایسے انسان کا دل تلاش کریں جو دل اور جسم کے قوی ہونے کی صورت میں مرا ہو اس کے بعد اس کی روح کو بعض ایسے الفاظ پڑھ کر جو کہ بڑے بڑے شیطانوں کے ذکر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اور ان کے متعلق ان الفاظ میں حد سے زیادہ تعظیم بیان کرتے ہیں' اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اور ان الفاظ کی طاقت کے ساتھ اور نذریں اور قربانیاں رکھ کر اس روح کو اپنے حکم اور قابو میں اس حد تک کر لیتے ہیں کہ غلام اور نوکر کی طرح جو حکم دیں' وہ روح سر انجام دیتی ہے۔ پس یہ عمل بھی یا کفر کو لازم کرنے والا ہے یا کفر کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ اور غالباً اس قسم کی ارواح جو شہوت اور غضب کے امور میں مدد کی طرف متوجہ ہوتی ہیں' صرف ناپاک جنس سے ہوتی ہیں۔ جیسے ہندوؤں اور فاسق لوگوں کی روحیں۔ پس اس عمل میں

marfat.com
Marfat.com

خباثت سے خلط ہونا لازم آتا ہے۔

اس کی چوتھی قسم قوتِ خیال کو خراب کرنا ہے۔ کیونکہ جنوں کی بعض ارواح کے واسطے سے کسی شخص کے خیال میں تصرف کرتے ہیں تاکہ اسے جو کچھ موجود نہیں ہے نظر آئے۔ یا اپنی خوفناک خیالی صورتوں سے ڈرے یا غیر واقعہ حرکات کو واقع سمجھے اور اس قسم کو نظر بندی اور خیال بندی کہتے ہیں۔ اور فرعون کے جادوگروں کے واقعہ میں آیت یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی سے اسی قسم کا جادو سمجھ میں آتا ہے۔ اور اس قسم کا جادو اگر معجزہ کے مقابلے میں اس کی دلالت علی الحق کو دُور کرنے کے لیے کیا جائے یا اولیاء کے مقابلہ میں ان سے جھگڑنے کے لیے عمل میں لائیں تو حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ اور اسی طرح اگر اس خیال بندی کے ذریعے کسی کو دھوکہ دیں اور اس کی عزت اور مال میں خیانت کریں' یہ بھی گناہِ کبیرہ ہوتا ہے۔ اور یہ جادو بنفسہٖ کفر نہیں۔ لیکن جس وقت کسی شخص کے خیال میں تصرف کرتے ہیں تو جنوں کی روحوں سے یا بڑے جنوں کے ناموں کا ذکر ضروری ہوتا ہے۔ اگر وہ التجا اور ذکر حد سے زیادہ تعظیم کے ساتھ ملا ہو تو کفر لازم آتا ہے۔

پانچویں قسم وہمیوں کا جادو ہے۔ جو کہ پہلے ہندوؤں میں بہت رائج تھا۔ اور اب اس کا نام ونشان موجود نہیں ہے۔ اور اسے تعلیق الوہم بھی کہتے ہیں۔ اور اس کا طریقہ اس طرح ہے کہ کسی مطلوبہ واقعہ کی صورت کا تصور کر کے پیش نظر رکھ کر وہم کو اسے حاصل کرنے کے ساتھ متعلق کرتے ہیں۔ اور اس تعلیق کی شرائط یعنی غذا کو کم کرنا' لوگوں سے میل جول ترک کرنا وغیرہا عمل میں لاتے ہیں تاکہ وہ مطلوب حاصل ہو جائے۔ اور اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے جائز غرض کا قصد کریں جیسے دو زانیوں میں جدائی ڈالنا یا کسی ظالم اور کافر کو ہلاک کرنا تو مباح ہے۔ اور کسی ممنوع غرض کا قصد کریں جیسے میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا یا کسی بے گناہ کو ہلاک کرنا تو حرام ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اس فعل کو عمل میں لانے کا حکم رکھتا ہے۔ اور فی نفسہٖ قبیح نہیں ہے۔

چھٹی قسم عجائب کا جادو ہے۔ یعنی چیزوں کے خواص کی وجہ سے کوئی عجیب فعل صادر کرتے ہیں۔ اور وہ خواص ہر کسی کو معلوم نہیں ہوتے۔ مثلاً یہ کہ جب چاہیں کہ انگلیوں سے

marfat.com
Marfat.com

آگ جلائیں تھوڑا سا کابلی چونا سرکے میں ترکر کے اس میں تھوڑی سی سمندری جھاگ ملا دیں اور انگلی پر مل لیں اور اس مقام پر نفط (ایک قسم کا تیل ہے جو آگ پکڑتا ہے) ڈال لیں۔ پس اگر کسی مجلس میں جہاں شمع یا چراغ جل رہا ہو ان انگلیوں کو چراغ کے سامنے لے جائیں' آگ لگ جائے گی۔ اور انگلی نہیں جلے گی۔

ساتویں قسم حیلوں کا جادو ہے۔ جو کہ عجیب بناوٹ کے آلات کی مدد سے عجیب و غریب کام ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان آلات کو بنانا انتہائی سوچ بچار اور ریاضتوں پر مبنی ہے۔ جیسے بنی موسیٰ کے حیلے اور ساعت پہنچاننے کے آلات جو کہ فرنگی بناتے ہیں۔

آٹھویں قسم شعبدہ بازی اور ہاتھ کی چالاکی کا جادو ہے۔ جو کہ لوگوں کو حیران کرنے کے لیے بہت سی عورتیں اور مرد عمل میں لاتے ہیں۔ اور اس قسم کے جادو میں پوشیدہ سبب خفیہ حرکات اور مشابہ چیزوں کو جلدی سے بدل دینا ہے۔ اور تینوں جادو کفر ہیں نہ حرام مگر جب غرض فاسد کا قصد کریں تو اس قصد کی وجہ سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

## جادوگروں کے افعال اور معمولات اولیاء اللہ میں فرق

یہاں جاننا چاہیے کہ جادو کی اکثر قسموں کی اُمتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے ذہین لوگوں نے اصلاح کر کے اور ان سے کفر و شرک دُور کر کے انہیں استعمال کیا ہے۔ پہلی قسم کی اصلاح دعوتِ علوی ہے کہ ملاء اعلیٰ کے فرشتوں کی اس کے ساتھ تسخیر کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے عظیم اسماء اور قرآن پاک کی آیات کی مدد سے۔

اور دوسری قسم کی اصلاح قرآن پاک کی سورتیں اور دعوتِ سفلی ہے۔ جس سے موکلات ارضی اور جنوں کو مسخر کرتے ہیں۔ لیکن اسماء حسنیٰ اور آیات کی مدد سے بغیر کسی آلائش کفر و شرک یا غیر اللہ کی تعظیم کے بلکہ حکومت اور غلبے کے ساتھ۔

اور تیسری قسم کی اصلاح صلحاء اور اولیاء کی پاک ارواح کے ساتھ رابطہ ہے۔ جسے اکثر اویسی مشرب رکھنے والے عمل میں لاتے ہیں۔ اور اپنی ضرورتوں میں اور دوسری مخلوق اس سے فائدہ حاصل کرتی ہے۔ اور اسے حاصل کرنے کے طریقے میں بھی پاکیزگی' تلاوت آیات اور ان ارواح کے لیے صدقات کا ثواب پہنچانے کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

اور چوتھی قسم کی اصلاح عقد ہمت یعنی ارادے کو باندھنا ہے۔ جو کہ مشائخ کبار اور اولیاء اللہ سے مشکلات کے حل کے لیے واقع ہوا۔ اور یہ عمل بھی عظیم کیفیت سے موصوف ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم کے جلوے میں مستغرق ہونے کی وجہ ہاتھ آتی ہے۔ جو کہ سراسر روح کی پاکیزگی اور گناہوں کی میل اور آلائشوں کے جہان سے اس کے اونچا ہونے پر مبنی ہے۔

اور پانچویں قسم کی اصلاح آیات' اسماء اور ان کے اعداد کے خواص کی گہرائی میں اُترنا ہے۔ اور بعض کو بعض کے ساتھ ترکیب دینا اور اوقاتِ مبارکہ کی تصویر بنانا کہ مختلف کاغذوں اور مختلف خاصیتوں کی ارواح پر اچھے مقاصد میں سے کسی مقصد کو اس سے حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ تعویذات اور اسماء اور قرآن پاک کی سورتوں کے خواص کی کتابوں میں قیود اور شرائط کے ساتھ اور تکسیر کی کتابوں میں ان کی تشریح کی گئی ہے۔ اور اس علم کی پیروی میں دوسری چیزوں یعنی عنصریات کے خواص۔ اور برجوں کے خواص اور درجات ستاروں کے شرف اور وبال میں بھی گہرا غور وفکر کرتے ہیں۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ملاتے ہیں۔

حاصلِ کلام جادو کی قباحت کی وجہ بھی ہے کہ کفر و شرک' کواکب' ارواح' مدبرہ یا شیطانوں کی ارواحِ خبیثہ کی تاثیر کے اعتقاد تک کھینچ کرلے جاتا ہے۔ اور غیر اللہ کی طرف التجا پر موقوف ہوتا ہے۔ اور اسباب کو دیکھنے میں اس طرح مصروف ہے کہ سبب کی قدرت سے غافل کر دیتا ہے۔ اور جب یہ قبیح وجہ بالکل زائل ہو جائے تو حلال اور حرام ہونے کا مدار مقصود غرضوں پر ہے۔ اگر اچھی ہیں تو اچھا اور اگر بُری ہیں تو بُرا۔ اور یہودیوں کا جادو غالباً ارواح شیاطین سے مدد لینے اور ان کے ناموں کا ذکر تھا یا مہمل معنوں والے منتر پڑھنا اور پسندیدہ اور ڈراؤنی تصویریں بنانا اور اسی لیے اسے مذمت کے مقام پر یاد فرمایا۔ اور یہ لوگ اسی پر اکتفاء نہ کرتے تھے جو انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں شیطانوں سے حاصل کیا تھا۔ بلکہ تلاش اور جستجو کرتے تھے۔

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ اور اس جادو کی جو ان دو فرشتوں پر نازل ہوا جو کہ بابل میں تھے جن کے نام ہاروت اور ماروت تھے۔ اور وہ جادو کی

marfat.com
Marfat.com

پہلی قسم تھی جو کہ ذکر کی گئی ہے۔ اور صریح کفر اور نرا شرک ہے۔ کیونکہ عالم کی تدبیر کرنے والی ارواح کو خدا تعالیٰ جیسا سمجھنا ہے۔ اور ان کے متعلق وہ افعال بجالانا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ جیسے حمد وثناء عموم علم قدرت کا عقیدہ اور غلبہ وعظمت۔ بخلاف جنوں اور شیطانوں کی تسخیر اور مہمل معنوں والے منتر پڑھنے کے کہ استیلائی اور قہری تسخیر کا احتمال بھی رکھتے ہیں۔ اور ان منتروں کے معنی درست اور غلط دونوں طرح کا احتمال رکھتے ہیں۔ شرک صریح اور کفر ظاہر کا ارتکاب اس قسم سے ثابت نہیں ہوتا۔

## ہاروت' ماروت اور کلدانیین کے جادو میں فرق

اور ہاروت' ماروت کے جادو اور کلدانیین اور اہل بابل کے جادو میں جو کہ انہوں نے ان سے سیکھا تھا' فرق یہ تھا کہ ہاروت ماروت کو یہ قدرت بھی عطا ہوئی تھی کہ صرف ان کی تاثیر سے تسخیر ارواح میں مشکل اعمال کی کشاکشی کے بغیر کسی خبیث روح کے ساتھ ایک رابطہ حاصل ہو جاتا تھا۔ اور اس رابطے کا اثر طالب کی روح کے جوہر میں پکا اور راسخ ہو جاتا تھا۔ اور کسی تدبیر سے بھی زائل نہیں ہوتا تھا۔ جبکہ کلدانیین اور اہل بابل ارواح کے ساتھ مناسبت اور رابطہ حاصل کرنے میں بہت مشقتیں برداشت کرتے تھے۔ اور ریاضتیں کرتے تھے۔ اور خلوتیں اختیار کرتے اور پھر بھی انہیں وہ پختگی اور رسوخ حاصل نہیں ہوتا۔

## ہاروت ماروت کی تاثیر قوی کی دلیل

اور ہاروت اور ماروت کی تاثیر قوی کی دلیل یہ ہے۔ جو کہ حاکم نے سند صحیح کے ساتھ اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا دومۃ الجندل والوں سے ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد آئی۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈھونڈ رہی تھا۔ اور کہتی تھی کہ مجھے آپ سے ایک چیز پوچھنا تھی۔ افسوس کہ آپ رحلت فرما گئے۔ جب وہ میرے پاس آئی' میں نے اس سے پوچھا کہ اپنی حاجت اور سوال بیان کرو۔ اس نے کہا میرا ایک شوہر تھا جو کہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتا تھا۔ اور صلح کی طرف ہرگز مائل نہیں ہوتا تھا۔ اور میں اس واقعہ سے بہت

marfat.com
Marfat.com

تنگدل تھی۔ اچانک ایک بڑھیا میرے گھر میں داخل ہوئی۔ میں نے اس کے سامنے اس ماجرا کی شکایت شروع کر دی۔ اس نے کہا کہ جو کچھ میں کہوں اگر تو اسے عمل میں لائے تو تیرا شوہر غلام کی طرح تیرا مطیع ہو جائے۔ میں نے کہا میں ضرور بجا لاؤں گی۔ جب رات کا پچھلا وقت ہوا' وہ بڑھیا میرے پاس آئی۔ اور اپنے ساتھ دو سیاہ کتے لائی۔ ایک کتے پر خود سوار ہو گئی۔ اور دوسرے پر مجھے سوار کر دیا۔ اور ہم روانہ ہوئیں۔ ایک لمحہ گزرا تھا کہ ہم سرزمین بابل میں پہنچ گئیں' ہم نے دیکھا کہ دو آدمیوں کو ان کے پاؤں کے ساتھ اُلٹا لٹکا رکھا ہے۔ ان دونوں مردوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیوں آئی ہے؟ میں نے اس بڑھیا کے سکھانے پر کہا کہ جادو سیکھنے آئی ہوں۔ ان دونوں نے کہا کہ جادو کفر ہے۔ اسے سیکھنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے' اپنے گھر واپس چلی جا۔ میں نے کہا کہ میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گی۔ جادو سیکھے بغیر نہیں جاؤں گی' وہ اگرچہ مجھے منع کرتے تھے۔ میں اصرار کر رہی تھی جب میرا اصرار زیادہ ہوا تو انہوں نے مجھے کہا کہ اس تنور کی طرف جا اور اس میں پیشاب کر۔ میں اس تنور کی طرف گئی لیکن اسے دیکھ کر مجھ پر خوف غالب ہوا۔ اور میرے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے' میں واپس ہو گئی۔ اور ان کے پاس پہنچی اور میں نے کہا کہ پیشاب کر آئی ہوں۔ انہوں نے کہا تو نے کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا جھوٹ کہتی ہے تو نے پیشاب نہیں کیا اب بھی تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ اپنے گھر کو لوٹ جا اور کافر نہ ہو۔ میں نے کہا میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔

انہوں نے کہا پس جا اور تنور میں پیشاب کر۔ میں پھر تنور کی طرف گئی پھر وہی حالت در پیش آئی۔ یہاں تک کہ تین بار اسی قسم کا واقعہ ہوا۔ چوتھی مرتبہ میں نے جرأت کر کے اس تنور میں بول کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک زرہ پوش مسلح گھوڑا سوار جو کہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہے' اندر سے باہر آ رہا ہے۔ اور وہ اُڑ کر آسمان کی طرف چلا گیا اور میری آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ میں ان کے پاس گئی اور واقعہ کا اظہار کیا' انہوں نے کہا تو سچ کہتی ہے۔ یہ زرہ پوش سوار تیرا ایمان تھا جو تجھ سے نکل کر چلا گیا اب جا تو جادو کے فن میں کامل ہو گئی۔ میں نے اپنی ساتھی بڑھیا سے کہا کہ میں جادو سیکھنے آئی تھی ابھی تک کچھ بھی نہیں

marfat.com

Marfat.com

سیکھا اور یہی انہوں نے مجھے تعلیم دی تو میرا مطلب تو حاصل نہیں ہوا۔ اس بڑھیا نے کہا کہ تو نہیں جانتی ان کی تعلیم اسی طرح ہوتی ہے اب جس چیز کو تو جو کہہ دے گی اسی طرح ہو جائے گی۔ میں نے کہا کیسے یقین آئے۔ اس بڑھیا نے کہا کہ گندم کا ایک دانہ لے اور زمین میں ڈال اور کہہ کہ زمین سے باہر آ۔ میں نے ایسا ہی کیا صرف میرے کہنے سے ہی باہر آ گیا۔ میں نے کہا لمبا ہو جا' لمبا ہو گیا پھر میں نے کہا سٹہ باہر لا' سٹہ باہر لایا اور پھر میں نے کہا کہ خشک ہو جا' وہ خشک ہو گیا پھر میں نے کہا آٹا بن جا' آٹا ہو گیا پھر میں نے کہا پکی ہوئی روٹی ہو جا' پکی ہوئی روٹی ہو گئی جب میں نے یہ حالت دیکھی کہ جس چیز کو جو کہتی ہوں' ہو جاتی ہے میرے دل میں میرا ایمان چلے جانے پر بہت ندامت اور افسوس ہے۔ اور اے اُم المومنین میں خدا تعالیٰ کی قسم کھاتی ہوں کہ ابھی تک میں نے کسی کے حق میں بُرائی نہیں کی اور نہ کروں گی اب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ جلیلہ سُن کر آئی ہوں کہ آپ سے کوئی تدبیر پوچھوں تاکہ میرا گیا ہوا ایمان واپس آ جائے۔ اور جب میں نے آپ کو ظاہری حیات میں نہیں پایا' بہت حسرت میں ہوں۔

## والدین کی خدمت کی برکت سے ایمان کی واپسی

حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہما) موجود ہیں' جا اور ان سے سوال کر۔ وہ عورت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنا حال بیان کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے جرأت نہ کی کہ اس کے ایمان کی واپسی کی کوئی تدبیر بیان کرے۔ مگر ابن عباس اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اگر تیرے والدین یا ان میں سے ایک زندہ ہو تو تجھے کفایت کرتا ہے۔ اور ان کی خدمت بجالا تاکہ تیرا ایمان تیرے پاس واپس آ جائے۔

اور ابن المنذر نے اوزاعی سے روایت کی اور انہوں نے ہارون بن رباب سے نقل کی کہ میں ایک دن عبدالملک بن مروان جو کہ بادشاہِ وقت تھا' کے پاس ملاقات کے لیے گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک شخص بیٹھا ہے۔ جس کے لیے مسند بنائی گئی ہے۔

marfat.com

Marfat.com

اور تکیہ رکھا ہے۔ میں نے درباری لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ جو کہ بادشاہ کے برابر مسند پر بیٹھا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس شخص کی بزرگی اس لیے ہے کہ ہاروت' ماروت کو دیکھ کر آیا ہے۔ میں نے کہا یہ شخص؟ انہوں نے کہا ہاں! میں اس کے سامنے گیا اور سلام کیا اور اس سے کہا کہ ایک بار ہاروت' ماروت کی ملاقات کا قصہ بیان کریں۔ میرے صرف یہی کہنے سے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور اس نے کہا کہ میرا قصہ یہ ہے کہ میں نوجوان لڑکا تھا' بچپنے میں میرا باپ گزر گیا تھا۔ اور اس نے بہت سا مال چھوڑا اور وہ سارا مال میری ماں کے ہاتھ میں تھا۔ اور میری ماں مجھے بہت اچھی طرح رکھتی تھی' میں اس سے جو مانگتا' دے دیتی اور موزوں' غیر موزوں لاپرواہی سے خرچ کرتا۔ میری ماں مجھ سے نہیں پوچھتی تھی کہ تو اس مال کو کیا کرتا ہے جب کافی مدت گزر گئی اور میں خوب جوان ہو گیا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں اپنی ماں سے پوچھوں کہ اس قدر زیادہ مال میرے باپ نے کہاں سے لیا تھا؟ جب میں نے اپنی ماں سے پوچھا تو اس نے کہا کہ بیٹا تجھے یہ پوچھنے سے کیا غرض؟ کھا اور عیش کر اور جس قدر بے جا خرچ کرنا چاہے کر لیکن اس مال کے حال کے متعلق مت پوچھ کہ یہی بہتر ہے۔ میں نے یہ باتیں سن کر زیادہ اصرار کیا' میری ماں مجھے گھر میں لے گئی جہاں مال کے ڈھیر لگے ہوئے تھے' کہنے لگی یہ سب تیرا مال ہے' تیری چند پشتوں تک کے لیے کافی ہوگا' تجھے کیا پرواہ ہے کہ مال کمانے کی وجہ پوچھتا ہے؟ میں نے کہا مجھے بہر حال بتانا چاہیے کہ اس قدر زیادہ مال کس طرح جمع کیا جا سکتا ہے۔

اس نے کہا کہ تیرا باپ جادوگر تھا' یہ تمام مال اس نے اپنے جادو کے ساتھ جمع کیا تھا۔ میں نے جب یہ بات سنی تو دل میں سوچا کہ مال موروثی پر اکتفاء کرنا بے ہمتوں کا کام ہے' مجھے بھی جادو سیکھنا چاہیے۔ اور جس طرح میرے باپ نے اس قدر بافراغت مال جمع کیے تھے' میں بھی اپنے زورِ بازو اور ہمت کے ساتھ مال جمع کروں۔ میں نے اپنی ماں سے پوچھا کہ اس ملک میں میرے باپ کے خاص دوستوں اور ساتھیوں میں سے کوئی باقی ہے۔ جو کہ میرے باپ کے اسرار سے واقف ہو اور وہ اعمال جو کہ میرا باپ کرتا تھا اس کے پاس موجود ہوں؟ اس نے کہا ہاں! فلاں آدمی فلاں قصبہ میں رہتا ہے۔ میں نے سفر کا سامان درست

marfat.com
Marfat.com

کیا اور اس شخص کے پاس پہنچ گیا' پورے ادب سے سلام کیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا اس نے مجھے نہ پہچانا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ میں نے کہا کہ فلاں کا بیٹا ہوں جو کہ آپ کا دوست تھا جب اس نے میرے باپ کا نام سنا تو بہت تپاک سے ملا اور بڑی شفقت کی' مرحبا مرحبا کہا۔ اور اس کے بعد پوچھا تیری کیا حاجت ہے۔ اور کس غرض سے آیا ہے؟ تیرا باپ اس قدر مال چھوڑ کر گیا ہے کہ تو کئی پشتوں تک کھائے گا اور کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔ میں نے کہا کہ میں مال کی ضرورت کی وجہ سے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ جادو سیکھنے کے لیے آیا ہوں اس نے کہا بیٹے! یہ خیال ہرگز نہ کرنا کیونکہ اس میں قطعاً بہتری نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ میں آپ کے دامن نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک مجھے بھی میرے باپ کی طرح پورا جادوگر نہ بنا دیں اس نے جس قدر نصیحت کی' میں باز نہ آیا۔ آخر اس نے مجبور ہو کر کہا یہاں ٹھہر۔ یہاں تک کہ فلاں دن فلاں ساعت آئے۔ جب وہ دن اور وہ ساعت آ گئی' میں تیار ہو کر چلا گیا اور میں نے اس سے وعدہ پورا کرنے کی درخواست کی۔ وہ مجھے قسمیں دے رہا تھا۔ اور روکتا تھا۔ اور میں اس کے پیچھے لگا ہوا تھا حتیٰ کہ اس نے مجبور ہو کر کہا کہ آ تجھے ایک جگہ لے چلتا ہوں لیکن خبردار تو وہاں خدا کا نام نہیں لے گا۔

مجھے ساتھ لے کر ایک سرنگ میں جو کہ زمین کے نیچے تھی' نیچے لے گیا' میں نے اپنے خیال میں شمار کیا کہ تین سو اور کچھ سیڑھیاں طے کیں اور وہاں سورج کی روشنی ہرگز کم نہ تھی جب ہم ان سیڑھیوں سے نیچے پہنچے اچانک ہم نے دیکھا کہ ہاروت ماروت لوہے کی زنجیر کے ساتھ ہوا میں لٹک رہے ہیں۔ اور ان کی آنکھیں ڈھالوں کی طرح بڑی بڑی اور ان کے پر وسیع اور لمبے۔ جب ان کی خطرناک صورت پر میری نظر پڑی بے اختیار میری زبان سے نکلا لا الہ الا اللہ یہ کلمہ سنتے ہی وہ اپنے پروں کو ہلا رہے تھے۔ اور زور زور سے چیخ رہے تھے۔ حتیٰ کہ ایک ساعت کے بعد چپ ہو گئے' میں نے امتحان کے لیے دوسری بار پھر کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ان کی پھر وہی حالت ہو گئی۔ میں نے تیسری بار بھی کہا پھر وہی حالت رونما ہو گئی۔ اس کے بعد میں خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور کہا تو آدمی کی جنس سے ہے؟ میں نے کہا ہاں! میں نے کہا تمہاری حالت کیا ہو گئی؟ وہ بولے جب سے ہم عرش

marfat.com

Marfat.com

کے نیچے سے آ گئے اور اس عذاب میں گرفتار ہوئے' کبھی یہ کلمہ نہیں سنا۔ اب جب ہم نے تمہاری زبان سے سنا تو ہمیں ہمارا اصلی ٹھکانہ یاد آ گیا۔ ہم نے بے اختیار گریہ زاری کی اب بتا کہ تو کس اُمت میں سے ہے؟ میں نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت سے۔ انہوں نے پوچھا کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہو گئے؟ میں نے کہا ہاں مبعوث ہو کر وصال بھی فرما گئے۔ اور ان کے وصال کے بعد ان کے خلفاء ان کے قائم مقام ہوئے۔ اور وہ بھی وفات پا گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ اب آپ کی اُمت ایک شخص کے تابع ہے یا گروہ گروہ؟ میں نے کہا ایک شخص کے تابع ہے۔ جسے بادشاہ کہتے ہیں۔ اس بات سے ناخوش ہوئے پھر انہوں نے پوچھا کہ آپس میں نفاق رکھتے ہیں یا اتفاق؟ میں نے کہا دلوں میں باہمی نفاق رکھتے ہیں اس بات سے خوش ہوئے۔

پھر انہوں نے پوچھا کہ دنیا کی عمارتیں بحیرہ طبریہ تک پہنچ گئی ہیں؟ میں نے کہا کہ ابھی نہیں پہنچیں اس بات سے بھی رنجیدہ ہوئے۔ اور خاموش ہو گئے۔ میں نے کہا کہ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے ایک شخص پر متفق ہونے پر تم کس لیے رنجیدہ اور ناخوش ہوئے؟ انہوں نے کہا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ ہم قربِ قیامت سے خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہمارا عذاب دنیا کی مدت تک ہے' قیامِ قیامت کے بعد ختم ہو جائے گا۔ جب تک کہ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیات ایک شخص پر جمع ہے قیامت دُور ہے جب جدا جدا ہو جائیں گے' قیامت نزدیک ہو جائے گی۔ اور اسی طرح اس اُمت کا آپس میں دلی نفاق بھی قربِ قیامت کی دلیل ہے۔ اور عمارتوں اور آبادی کا بحیرہ طبریہ تک پہنچ جانا بھی قربِ قیامت کی علامت ہے۔ میں نے کہا مجھے نصیحت فرمائیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہو سکے تو نیند نہ کرنا کیونکہ مشکل کام درپیش ہے پھر یہ شخص واپس آ گیا اور اس نے ان سے جادو نہ سیکھا۔

## ہاروت اور ماروت کا واقعہ

اور ہاروت اور ماروت کا واقعہ اس کے مطابق جو ابن جریر' ابن ابی حاتم' حاکم اور دوسرے مفسرین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ادریس

marfat.com

Marfat.com

علیہ السلام کے زمانے میں بنی آدم کے بُرے اعمال زمین سے آسمان کی طرف چڑھنے لگے تو آسمانی فرشتوں میں اس بات کی بہت قیل وقال ہوئی۔ اور فرشتوں نے بنی آدم کے بارے میں حقارت' توہین' نفرت اور لعنت کا اظہار شروع کر دیا۔ حق تعالیٰ نے خطاب بھیجا کہ ہم نے بنی آدم میں شہوت اور غضب کی ترکیب کی ہے اس وجہ سے ان سے گناہ صادر ہوتے ہیں۔ اگر ہم تمہیں بھی زمین میں اُتاریں اور تمہیں شہوت اور غضب کا مرکب بنائیں' تم سے بھی گناہ صادر ہوں گے۔ فرشتوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کبھی بھی تیری نافرمانی کے نزدیک نہ جائیں۔ اگرچہ ہم میں شہوت اور غضب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے میں سے دو کو چن کر پسند کرو تاکہ میں اس امر کی حقیقت تم پر واضح کروں۔ انہوں نے ہاروت اور ماروت کو منتخب کیا جو کہ فرشتوں کے درمیان کمال عبادت وصلاح میں ممتاز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں شہوت اور غضب کی ترکیب کر دی اور فرمایا کہ زمین پر چلے جاؤ اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرنا اور حق کے مطابق فیصلہ کرنا اور انہیں شرک' قتل' زنا اور شراب پینے سے منع فرمایا۔ نیز فرمایا کہ سارا دن دنیا میں رہا کرو اور فیصلوں کے کام میں مشغول رہا کرو اور جب شام ہو تو یہ اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر آ جانا پھر صبح کے وقت زمین میں اتر جانا۔ انہوں نے ایک ماہ تک اسی قسم کی آمد و رفت رکھی۔ اور زمین میں ان کی بہت شہرت ہو گئی کہ دو نیک طینت آدمی فلاں جگہ پر ہیں' ہر واقعہ میں درست فیصلہ کرتے ہیں۔ اور حق کے طریقے سے رو رعایت کے بغیر جھگڑوں کا فیصلہ کرتے ہیں۔

اچانک زہرہ نامی ایک عورت جو کہ اس وقت کی تمام عورتوں سے حسن و جمال میں ممتاز تھی۔ اور حضرت امیر المومنین کی روایت میں اس طرح وارد ہوا کہ اہل فارس سے تھی۔ اور اس ملک میں اس کا لقب بیدخت تھا لباسِ فاخرہ پہن کر پُر تکلف انداز میں اپنے شوہر کے خلاف دادخواہی کے لیے ان کے سامنے آئی۔ کہتے ہیں کہ اصل میں اسے اسم اعظم سیکھنے کا شوق لگا ہوا تھا۔ لیکن چونکہ وہ قدیم سے اس بے حیائی کی عادی تھی اسی طریقے کو اس مطلب کے حاصل کرنے کا وسیلہ بنالیا۔ بہرحال یہ دونوں اسے دیکھتے ہی اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئے۔ اور اس سے بُرے فعل کا تقاضا کیا۔ اس نے کہا تمہارا دین اور ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور میرا دین اور ہے دین میں اختلاف کے ہوتے ہوئے یہ کام نہیں ہوسکتا۔ نیز میرا شوہر غیور ہے۔ اگر وہ جان لے گا کہ میں تمہارے ساتھ نشست و برخاست کرتی ہوں تو مجھے قتل کردے گا۔ پہلے تو چاہیے کہ تم میرے بت کو سجدہ کرو اس کے بعد میرے شوہر کو قتل کرو اس کے بعد میں تمہارے پاس رہوں گی۔ انہوں نے کہا پناہ بخدا شرک اور قتل ناحق سخت قبیح ہے ہم ہرگز نہیں کریں گے۔ وہ عورت پھر کر چلی گئی لیکن اُن کے دل میں اس کی محبت کے قلق اور بے چینی نے بہت غلبہ کیا۔ دوسرے دن انہوں نے اس عورت کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم تیرے گھر میں مہمان ہوتے ہیں۔ اس نے کہا سرآنکھوں پر اس نے ایک مکان مہیا کیا اور اپنے آپ کو بھی مزین کیا اور اپنی عادت کے مطابق شراب کی بوتلیں بھی حاضر کیں۔

جب وہ اس مکان میں پہنچے تو اس نے کہا کہ اب میں تمہیں چار چیزوں میں اختیار دیتی ہوں۔ میرے بت کو سجدہ کرو یا میرے شوہر کو قتل کردو یا مجھے اسم اعظم کی تعلیم دو یا شراب کا ایک پیالہ پیو۔ ان دونوں نے باہمی مشورہ کیا کہ شرک اور قتل دونوں شدید گناہ ہیں۔ اور اسم اعظم سرالٰہی ہے کسی سے کہا نہیں جاسکتا۔ البتہ شراب پینا نسبتاً آسان گناہ ہے اسی کو اختیار کرلینا چاہیے۔ جیسے ہی شراب پی بے ہوش اور لاعقل ہوگئے۔ اور اس عورت کے حکم سے بت کو سجدہ بھی کردیا اس کے شوہر کو بھی قتل کردیا۔ اور اس عورت کو اسم اعظم بھی سکھا دیا۔ اور بعض روایات میں یوں وارد ہے کہ وہ عورت اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چلی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح کو ستارہ زہرہ کی روح کے ساتھ ملا دیا۔ اور زہرہ کی صورت میں مسخ ہوگئی اور یہ دونوں اس کے ساتھ نہ جاسکے۔ اور اسم اعظم ان کی یاد سے نکل گیا جب شراب کی مدہوشی سے اپنے آپ میں آئے افسوس اور ندامت شروع کردی۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانی فرشتوں کو ان کے حال سے مطلع فرمایا۔ اور فرمایا کہ دونوں فرشتے باوجود یہ کہ میری تجلیات سے غائب نہیں۔ اور انہیں پورا مشاہدہ نصیب تھا شہوت کے غلبہ کی وجہ سے اس گناہ میں گرفتار ہوگئے۔ بنی آدم جو کہ حضوری سے غائب ہیں ان کی طینت میں شہوت کا خمیر ہے۔ اگر ان سے گناہ صادر ہوں تو کیا تعجب؟

سب ملائکہ نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اس کے بعد زمین والوں کے لیے بخشش کی دعا

marfat.com
Marfat.com

میں مصروف ہوئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ الخ (الشوریٰ آیت ۵) حاصل کلام یہ ہے کہ دونوں فرشتے اپنی دگرگوں حالت دیکھ کر بے چین ہوئے۔ حضرت ادریس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنی حالت بیان کی اور اپنے حق میں شفاعت کی درخواست کی۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے وعدہ فرمایا کہ ٹھہرو تاکہ جمعۃ المبارک کے دن تمہارے لیے بارگاہِ خداوندی میں عرض کروں گا۔ جب جمعہ کا دن گزر گیا تو فرمایا اس جمعہ میں تمہارے حق میں میری دعا قبول نہیں ہوئی' دوسرے جمعہ کا انتظار کرو۔ جب دوسرا جمعہ آیا تو حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمہیں اختیار دیا ہے۔ اگر تم چاہو تو اپنے لیے دنیا کا عذاب قبول کر لو اور اگر چاہو تو آخرت کے عذاب کے لیے تیار رہو دنیا میں تم سے مواخذہ نہ ہوگا۔ انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ دنیا کا عذاب فانی ہے۔ جبکہ آخرت کا عذاب باقی' فانی کو اختیار کر لینا چاہیے کہ ختم ہو جائے گا۔ عذابِ دنیا کو اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ لوہے کی زنجیروں میں ان کے سر کے بال اور جسم کو چوٹی سے لے کر قدم تک باندھیں اور انہیں سرنگوں کر کے سر نیچے اور پاؤں اوپر کر کے اس کنوئیں میں لٹکائیں۔ جو کہ آگ کے شعلے مار رہا ہے۔ اور ایک ایک فرشتہ باری باری آگ کے کوڑے مارنے کی ڈیوٹی دے۔ یہاں تک کہ دنیا ختم ہو جائے۔

کہتے ہیں کہ ہر فرشتہ جو کوڑے مارنے سے فارغ ہوا دوسری بار اس کی باری نہیں آتی اور فرشتہ آتا ہے۔ اور اس کام میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور ان پر پیاس اس قدر مسلط کر دی گئی ہے کہ پیاس کی شدت سے ان کی زبانیں منہ سے باہر لٹکتی ہیں۔ اور ان کے منہ سے ایک بالشت کے فاصلے پر ٹھنڈا خوش گوار پانی رکھتے ہیں۔ اور ان کا منہ وہاں نہیں پہنچتا۔ والعیاذ باللہ من غضب اللہ اور یہ واقعہ محدثین کی تفاسیر' سنن بیہقی' مسند امام احمد اور کتب حدیث میں متعدد روایات اور مختلف طریقوں سے جن میں بعض صحیح ہیں' مروی اور ثابت ہے۔ البتہ مفسرین متکلمین نے جیسے امام رازی اور قاضی بیضاوی نے اس واقعہ کا انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو کہ اس واقعہ کا پتہ

marfat.com
Marfat.com

دے اور ان کتابوں کی روایات جو اصول بنیادی عقائد اور دین کے قواعد کے خلاف ہوں' معتبر نہیں سمجھی جا سکتی۔

## ہاروت ماروت کے واقعہ میں اصول وقواعد دین کے خلاف ہونے کی چند وجوہ

اور اس واقعہ میں چند وجہ سے اصول اور قواعد دین کی مخالفت لازم آتی ہے: پہلی وجہ یہ فرشتے بالاجماع معصوم ہیں' ان سے کبیرہ گناہوں کا صادر ہونا ان کی عصمت کے خلاف ہے' دوسری وجہ یہ کہ ان دونوں فرشتوں کو اس عذاب میں گرفتاری کے باوجود جادو کی تعلیم کی فرصت ہے۔ اور لوگوں کو ان سے ملنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ تاکہ تعلیم وتعلیم کا سلسلہ درست ہو' تیسری وجہ یہ کہ ایک فاجرہ عورت کو اس قسم کی خباثت کے باوجود کیسے ممکن ہوا کہ اسم اعظم کے زور سے آسمان پر چڑھ گئی۔ اسمائے الٰہی کی دعوت کے لیے بہت شرائط درکار ہیں۔ اور ان میں سے عمدہ شرط تقویٰ اور طہارت ہے۔ چوتھی وجہ یہ کہ صورت کا مسخ اور تبدیلی عذاب کے زمرے سے ہے۔ اور عذاب کے لیے چاہیے کہ اس کے ضمن میں ذلت ورسوائی ہو اور جب اس فاجرہ عورت کو چمکدار روشن ستارہ بنا دیا گیا اور اسے آسمان پر جگہ دی گئی کہ اس کے انوار ہمیشہ زمین والوں پر چمکیں اس کی کمال تعظیم کا موجب ہوا کہ انسانی شکل میں اتنی عظمت کا تصور بھی ہرگز نہیں ہو سکتا۔

پانچویں وجہ یہ کہ زہرہ سات (۷) ستاروں میں سے ایک مشہور ومعروف ستارہ ہے۔ جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے تھا۔ جبکہ اس واقعہ سے لازم آتا ہے کہ یہ ستارہ اس واقعہ کے بعد موجود ہوا ہوگا۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ اس قصے میں فرشتوں کی زبان سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ ہم شہوت وغضب کی ترکیب کے باوجود تیری نافرمانی نہیں کریں گے۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر تم میں بھی آدمیوں کی طرح شہوت وغضب کو مرکب کر دوں تو تم بھی نافرمانی میں مبتلا ہو جاؤ گے تو اس میں صریح طور پر دربارِ خداوندی کی تکذیب اور ناواقف قرار دینا لازم آیا۔ اور یہ فعل شنیع تو صرف ایمان کے بھی خلاف ہے چہ جائیکہ فرشتہ ہوتا۔

پس ان دو فرشتوں کے نازل کرنے کا سبب یہ تھا کہ جادو کا علم بھی علومِ الٰہیہ میں سے

marfat.com

Marfat.com

ہے۔ نوع انسان میں اس علم کو باقی رکھنا نگاہ خداوندی میں منظور تھا۔ اور انبیاء علیہم السلام کی شان نہیں ہے کہ اس قسم کے نقصان دہ علوم کی تبلیغ کریں۔ جن کی وجہ سے مخلوق کی تاثیر کا اعتقاد اور خالق کی تاثیر سے غفلت دلوں میں جاگزیں ہو۔ جیسے ریاضیات اور طبعیات کے علوم فلسفیہ کہ ان کا نقصان ان کے نفع سے زیادہ ہے انہیں بھی انبیاء علیہم السلام بیان نہیں کرتے۔ اور ان سے جان بوجھ کر خاموشی اختیار فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ نبوت کی حقیقت خلق کو حق کی طرف بلانا ہے۔ اور ان کے احساسات اور ذہنوں کو ملاء اعلیٰ کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ اور یہ علوم اس غرض میں خلل ڈالتے ہیں۔ پس ناچار دو فرشتوں کو اس قسم کے علوم کی تعلیم دینے کے لیے نازل فرمایا۔

## جادو کی تعلیم کا بیان

اور جادو کی تعلیم میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ جادو کے کام کی انتہا یہ ہے کہ کفر ہے۔ اور جو چیز کفر تک پہنچائے اس کی تعلیم کا کوئی ڈر نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ اگر تو فلاں ستارے کی پوجا کرے تو یوں اثر ہوگا اور اگر فلاں شیطان کی عبادت کرے تو یہ مطلب ہوگا۔ اور کوئی دوسرا آدمی اس کلام کو سُن کر اس ستارے کی تاثیر کا معتقد ہو جائے یا اس شیطان کی پوجا میں لگ جائے تو کفر یہ عبادت اور اعتقاد ہے۔

نیز جادو کا علم بہت سے فائدے رکھتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کی کرامات کے درمیان اور جادوگروں کے جادو، طلسم، منتروں اور شعبدہ کے درمیان فرق اسی علم سے حاصل ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اس علم سے بے خبر ہیں ان چیزوں میں فرق نہیں کرتے۔ بلکہ جادوگروں اور مداریوں کو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی مانند سمجھتے ہیں۔

اور جادو کے بعض اعمال اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو ہلاک کرنے میاں بیوی کے درمیان اُلفت پیدا کرنے۔ اور ظالم کے شر کو دُور کرنے کے لیے شرعی طور پر مستحسن ہو جاتے ہیں۔ نیز جب کوئی شخص جادو کے قاعدے جان کر ناپسندیدہ جگہ پر استعمال کرنے سے پرہیز کرے مزید ثواب کا مستحق ہوگا۔ کہ گناہ پر قدرت ہونے کے باوجود گناہ سے باز رہا۔ نیز اس وقت بابل شہر کے لوگوں کو اس علم کا بہت شوق تھا۔ اور انہوں نے جادو سے عجیب و

marfat.com
Marfat.com

غریب چیزیں نکالی تھیں۔ اور اس علم کی وجہ سے ان میں تکبر اور غرور بہت پیدا ہو گیا تھا۔ اور بارگاہِ خداوندی سے بالکل غافل ہو چکے تھے۔ حکمتِ الٰہی نے تقاضا فرمایا ہو گا کہ اس وقت جہانِ غیب سے اس علم کی باریکیاں دو فرشتوں کے ذریعے ان پر کھول دے۔ تاکہ وہ جانیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے کبھی بھی بے نیازی نہیں ہو سکتی اور غیبی مدد کے بغیر ہر فن کی آخری حد تک پہنچنے اور اس کی انتہا کو پانے سے بشر کا عاجز ہونا انہیں حائل ہو۔ حاصلِ کلام یہ کہ انہیں اسی پردہ میں کسی بارگاہِ رب العزت کی طرف توجہ حاصل ہو۔

اور اس سبب کے ہونے پر دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ میں وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ واقع ہوا جو کہ اس علم کو جنابِ الٰہی سے نازل کرنے کی صریح دلیل ہے۔ نیز قرآن پاک میں ان فرشتوں کے حال سے متعلق مذکور ہے کہ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ اور یہ نصیحت اور وعظ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ دونوں فرشتے خود بخود اس علم کی تعلیم نہیں دیتے تھے۔ نیز اس امر پر بھی دلیل ہے کہ ان کے پیش نظر صرف اس کی تعلیم نہ تھی بلکہ تعلیم اور جادو پر عمل سے روکنا۔ مختصر یہ کہ اس گروہ کی باتیں اسی طرز پر ہیں۔

## اس واقعہ کی مخالفات قواعد دین کی توجیہ کا بیان

لیکن اگر اس باب میں وارد ہونے والی روایات کو تلاش کیا جائے تو یقین کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی بھی کوئی بنیاد ہے۔ اس لیے کہ اس باب میں مرفوعاً' موقوفاً' اخباراً اور آثاراً جو کچھ وارد ہوا اس نے اس واقعہ کی قدر مشترک کو تواتر کی حد تک پہنچا دیا ہے۔ اگرچہ واقعہ کی خصوصیات میں کوئی اختلاف وارد ہوا ہو۔ اور جس قدر متواتر ہے اس کا انکار اچھا نہیں۔ اور اگرچہ اس واقعہ کی چند اسناد غیر معتبر اور لغو ہیں۔ لیکن لغو اور ضعیف اسناد کا تواتر بھی سچا ہونے کی جہت کی ترجیح کا موجب ہو جاتا ہے۔

اور انہوں نے اس واقعہ کے دین کے قواعد کے خلاف ہونے کی وجوہ میں جو کچھ ذکر کیا ہے' ظاہراً وہ مسلم ہے۔ لیکن جب گہری نظر کی جائے تو ان مخالف چیزوں کو دین کے مقرر قواعد کی طرف لوٹانا ممکن ہے۔ اور اس کا احتمال ہے۔ اگر اس واقعہ کی صحت روایات کی

marfat.com

Marfat.com

رو سے ثابت ہو جائے تو ان مخالف چیزوں کی توجیہ میں پڑنا چاہیے۔ اور کثیر روایات کے انکار کے لیے نہیں اُٹھنا چاہیے ورنہ حضرت یوسف اور حضرت داوٗد علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے واقعات اور اس قسم کے اور واقعات کی تکذیب لازم آئے گی۔ مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ گناہوں سے فرشتوں کا معصوم ہونا اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ صرف اپنی جبلت ملکی پر باقی رہیں۔ اور جب ان میں شہوت اور غضب پیدا کر دیا گیا تو صرف فرشتہ ہونے سے نکل گئے۔ پس اس وقت اس محض فرشتہ ہونے کے تقاضا کی جو کہ عصمت اور طہارت ہے' کی بھی ان سے امید نہیں رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ انبیا علیہم السلام اور اولیاء کے نفوسِ قدسیہ جو کہ بشریت کے باوجود شہوت وغضب کی اصلاح کی وجہ سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب اثر کرنے والا بدل جائے تو اثر کے بدلنے میں کیا دُوری ہو گی۔

نیز کہا جا سکتا ہے کہ عذاب میں گرفتار ہونے کی حالت کے باوجود جادو کی تعلیم دینا اگر انسانی حوصلہ پر قیاس کریں تو بعید از امکان ہے۔ مگر یہاں فرشتوں کے بارے میں بات ہو رہی ہے جن کے حوصلہ کی فراخی معلوم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے جسموں پر عذاب کی مختلف قسموں کے باوجود ان کی فکری اور نطقی قوتیں برقرار ہوں۔ اور بارہا تجربہ ہوا ہے کہ کسی بھی علم میں مہارت رکھنے والا تکلیف دہ دردوں اور شدید بیماریوں میں گرفتار ہونے کے باوجود اس علم کی تعلیم دے سکتا ہے۔ اور اس علم میں ہمیشہ مصروف رہنے اور مہارت رکھنے کی وجہ سے اس علم کا پڑھانا اس پر بہت سہل اور آسان ہوتا ہے۔ اور وہ تھوڑی سی توجہ سے ایسا کام کر سکتا ہے جو دوسرے گہری نظر کے ساتھ بھی نہیں کر سکتے اور ان دونوں فرشتوں کو جادو کا علم کسی کے دل میں ڈالنے کا اسی قسم کا ملکہ ہو گا۔ خصوصاً جب کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا زمین میں اُترنا اسی علم کی تعلیم کے لیے تھا تو انہیں غیب کی طرف سے بھی اس بارے میں کوئی مدد پہنچتی تھی۔ اور عذاب برداشت کرنا اس سلسلے میں مانع نہیں ہوتا تھا۔

اور مسلم ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کا ان دونوں فرشتوں سے ملنا واقع نہیں ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ شیاطین اور جنات فائدہ دینے اور لینے میں واسطہ ہو گئے ہوں جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے کہ ہر سال شیطانوں میں سے ایک فرد ان تک پہنچتا ہے۔ اور نیا جادو سیکھ

marfat.com
Marfat.com

کرآتا ہے۔ اور لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ اور گزشتہ زمانے میں جبکہ کارخانۂ تعلیم وتعلم کی ابتدا تھی لوگ ان سے ملتے تھے۔ اور سیکھتے تھے۔ اور انہوں نے اس کی تدوین ترک کردی۔

نیز کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ وہ عورت فاجرہ تھی۔ لیکن جب وہ اسمِ اعظم سیکھنے کا شوق رکھتی تھی۔ اور اسے اس نے بدکاری پر قادر کرنے کی شرط قرار دیا تھا پس اس فعل میں حسن اور قبیح کی دو وجہیں مل گئیں۔ اچھی نیت اور صورت عمل کی قباحت۔ اس شخص کی طرح جو کسی مجبور پیاسے کو غصب کیے ہوئے پانی سے سیراب کرے یا کسی مجبور بھوکے کو حرام کھانا کھلائے۔ اس کی جزا کی صورت میں تو ضرور مسخ ہوگئی لیکن اس کی اچھی نیت نے کام کیا کہ چمکتے ستاروں کے ساتھ مل گئی۔

اور اس کا راز یہ ہے کہ اس عورت نے اپنے حسن و جمال کو قربِ الٰہی حاصل کرنے کا وسیلہ بنایا تھا۔ لیکن بے جا اور بے محل۔ پس اسے حسن دائمی اس طرح عطا ہوا کہ زہرہ کی روح کے ساتھ اس کی روح کو متصل کر دیا گیا اور نورانی جسم کے ساتھ اسے تعلق بخشا گیا اور آدمیوں کی روحوں کا آسمان پر چڑھنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ صالح ایمان والوں کے فوت ہونے والوں کی رُوحوں کا خصوصاً شہداء کا ساتویں آسمان پر چڑھنا تسلیم شدہ اور طے شدہ امر ہے۔ اور اگرچہ ستارے کی شکل دوسری مخلوقات کی نسبت شرافت اور عظمت رکھتی ہے۔ لیکن انسانی صورت کی نسبت سے مہین وحقیر ہے۔ پس ایک نسبت سے تعظیم اور ایک نسبت سے حقارت دونوں متحقق ہوگئیں۔

اور فرشتوں کے کلام میں اپنے ارادہ کی پختگی اور اطاعت نافرمانی نہ کرنے کا بیان ہے نہ کہ باری تعالیٰ کی تکذیب اور اسے معاذ اللہ ناواقف سمجھنا۔ پس ان کے کلام کا معنی یہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے یہ پختہ ارادہ رکھتے ہیں گو اس کے خلاف واقع ہو جائے۔ اور ظاہری طور پر فرشتوں نے کلامِ الٰہی سے یوں سمجھا ہوگا کہ جس مخلوق میں شہوت اور غضب کی ترکیب ہو جائے اس سے نافرمانی کا صادر ہونا لازم ہے۔ اگرچہ مجبوری اور بے اختیاری سے ہو اور انہوں نے اپنی طرف سے یوں عرض کی کہ ہم سے اپنے اختیار کے ساتھ معصیت صادر نہیں ہوگی۔ پس دونوں کلاموں کے مدلولوں میں کوئی تناقض نہیں تاکہ تکذیب اور ناواقف ماننا

marfat.com
Marfat.com

لازم آئے۔

اور اس عورت کو زہرہ کی شکل میں مسخ کرنے کا بھی یہی معنی ہے کہ اس عورت کی روح کو زہرہ کی روح کے ساتھ متصل کر دیا گیا نہ یہ کہ پہلے یہ ستارہ موجود نہ تھا۔ پس واقع کی کوئی مخالفت لازم نہیں آتی۔

## مسخ شدہ شکلیں تیرہ (۱۳) ہیں۔ اور مسخ ہونے کی وجوہات

اور زبیر بن بکار، ابن مردویہ اور دیلمی نے حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ مسخ شدہ کتنی شکلیں ہیں؟ فرمایا تیرہ (۱۳) ہیں: ہاتھی، ریچھ، سور، بندر، سانپ کی شکل کی مچھلی، گوہ، ابابیل، بچھو، عموص جو کہ ایک چھوٹا سا جانور جو پانیوں اور دریاؤں میں ہوتا ہے۔ اور اسے ہندوستان کے عرف میں جولاہہ کہتے ہیں، مکڑی، خرگوش، سہیل ستارہ اور زہرہ ستارہ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مسخ ہونے کی کیا وجہ تھی؟ فرمایا کہ ہاتھی ایک سرکش اور دولت مند آدمی تھا جسے لواطت اور اغلام بازی کی عادت تھی، بے ریش لڑکوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس سے اس نے یہ برا فعل نہ کیا ہو۔ ریچھ ایک مخنث تھا جو کہ اپنے آپ کو عورتوں کی طرح سنوارتا تھا۔ اور مردوں کو اپنے اُوپر مسلط کرتا تھا۔ اور سور نصاریٰ کی ایک جماعت تھی جنہوں نے نزول مائدہ کی نعمت کی ناشکری کی تھی۔ اور بندر یہودی تھے۔ جو کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کرتے تھے۔

اور سانپ کی شکل والی مچھلی ایک بے غیرت آدمی تھا جو کہ اپنی بیوی اور دوسرے مردوں کے درمیان دلالی کرتا تھا۔ اور گوہ ایک گنوار جنگلی تھا جو کہ حجاز کے قافلوں سے چوری کرتا تھا۔ ابابیل ایک ایسا شخص تھا جو درختوں سے پھل چراتا تھا۔ اور بچھو ایک زبان دراز آدمی تھا جس کی زبان سے کوئی بھی محفوظ نہ تھا۔ اور عموص ایک چغل خور آدمی تھا جو کہ اپنی چغل خوری کی وجہ سے دوستوں میں جدائی ڈال دیتا تھا۔ اور مکڑی ایک عورت تھی جس نے اپنے شوہر کو جادو کر کے مار دیا تھا۔ اور خرگوش بھی ایک عورت تھی جو کہ حیض سے پاک ہونے کا غسل نہیں کرتی تھی۔ اور سہیل یمن میں ایک چوکیدار تھا جو کہ ہر شخص سے کوئی نہ کوئی چیز

marfat.com
Marfat.com

چھین لیتا تھا۔ اور زہرہ ایک بادشاہ کی بیٹی تھی جس نے ہاروت اور ماروت کو فتنے میں ڈالا۔

اور تفسیر زاہدی میں اس قصہ کے بقیہ میں مذکور ہے کہ اس عورت کو دونوں نے اپنی طرف راغب کیا اس نے انہیں اپنے آپ پر قادر کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ اسے اسم اعظم نہ سکھا دیں تو انہوں نے اس اسم اعظم سکھا دیا۔ پس وہ ایک مکان میں داخل ہوئی اور غسل کیا اور اللہ تعالیٰ سے اس کے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی تو اسے اللہ تعالیٰ نے ستارہ کی شکل میں مسخ کر دیا جو آسمان کی طرف چڑھ گیا۔

وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ اور وہ دونوں فرشتے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ہرگز قصد نہیں رکھتے تھے۔ اور انہیں جادو کی تعلیم سے مخلوق کا کفر منظور نہ تھا جیسا کہ شیاطین کرتے تھے۔ بلکہ وہ کسی کو جادو کی تعلیم نہیں دیتے تھے۔ جب تک کہ اسے جادو کی قباحت سے خبردار نہ کر دیتے۔ اور وعظ و نصیحت نہ کر لیتے۔ حتیٰ کہ اپنے آپ کو صفتِ حقارت سے موصوف کرتے تھے۔ يَقُوْلَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ کہتے تھے کہ ہم نہیں ہیں۔ مگر مخلوق کے فتنے کا سبب۔ کیونکہ لوگ ہم سے جادو سیکھ کر کافر اور نافرمان ہو جاتے ہیں۔ پس تیرے حق میں یہی بہتر ہے کہ تو اس کفر و نافرمانی کے سبب کو جو اکثر اپنے سبب کو کھینچ لیتا ہے اپنے لیے اختیار نہ کرے۔ اور اگر تو اس سبب کا مرتکب ہوتا ہے۔

فَلَا تَكْفُرْ تو کافر مت ہو۔ ستاروں شیطانوں اور ارواحِ خبیثہ کی تاثیر کا اعتقاد اور ان کی عبادت کر کے۔ اور جب طالب اصرار کرتا تھا۔ اور ان کی وعظ و نصیحت کے باوجود دو سیکھنے سے باز نہ آتا تو اسے تعلیم دیتے تھے کہ اس مقدمہ میں جادو اس طرح ہوتا ہے۔ اور اس مقدمہ میں اس طرح اور اس ترتیب کے ساتھ فلاں مقصد میں اس کا اثر جاری ہوتا ہے۔ اور اس ترتیب کے ساتھ فلاں کام میں۔ پس تو اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اس عمل میں مشغول مت ہو تاکہ تجھے رفتہ رفتہ باطل تاثیروں کے عقیدہ تک کھینچ کر نہ لے جائے۔

اس مقام پر تفسیر زاہدی میں کہتے ہیں کہ یہ فرشتوں کی طرف سے ڈرانے کے طریقہ سے واقع ہوتا ہے۔ اور سننے والے کی طرف سے بطور تعلیم یعنی سیکھنے کے جیسا کہ فقیہ کہتا ہے کہ جس نے ایک درہم کے عوض دو درہم لیے تو اس نے سود لیا۔ اور جس نے ایسا کیا اس نے

marfat.com

Marfat.com

بدکاری کی۔ تو یہ کہنا فقیہ کی طرف سے بطور ڈرانے کے واقع ہوتا ہے۔ اور سننے والے کی طرف سے بطور سیکھنے کے۔ نیز اسی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جادو کو بیان کرنا اس لیے جائز ہے کہ اسے جانے بغیر حرام سے پرہیز تک پہنچنا نہیں ہوسکتا جس طرح کہ تعمیل حکم تک حکم جانے بغیر پہنچنا نہیں ہوسکتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا یعنی ہر نفس کے دل میں اس کی طاعت ڈالی تا کہ اسے عمل میں لائے۔ اور اس کی معصیت ڈالی تا کہ اس سے بچے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ فلاں آدمی شر کو پہچانتا نہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ اس شر میں پڑنے کے زیادہ لائق ہے۔ اور جادو کو جاننے میں کوئی گناہ نہیں۔ جیسا کہ شراب کا حال اور گانے بجانے کے آلات کو سمجھنے کے علم میں کوئی گناہ نہیں۔ گناہ تو اسے عمل میں لانے اور استعمال کرنے میں ہے۔ کیا تو دیکھتا نہیں جب فرعون کے جادوگروں نے کفر اور جادو پر عمل چھوڑ دیا تو اس نے ان کے دین میں کوئی نقص واجب نہیں کیا۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ جب فرشتوں سے جادو کی تعلیم دینا اور ان سے لوگوں کا سیکھنا ثابت ہوا تو شیاطین کی تعلیم اور ان کی تعلیم میں کوئی فرق نہ رہا۔ شیاطین کی تعلیم کی مذمت کیوں فرمائی گئی اور اسے موجب کفر قرار دیا گیا ہے کہ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ جبکہ اس تعلیم کو موجب کفر قرار نہ دیا گیا اور مورد عتاب نہ ٹھہرایا گیا۔

اس کا جواب دوران تفسیر واضح ہو چکا کہ شیاطین کی طرف سے جادو کی تعلیم باطل تاثیرات کے اعتقاد اور اس پر عمل کی ترغیب کے ساتھ ملی ہوتی تھی۔ اور فرشتوں کی تعلیم پرہیز اور احتیاط کے لیے نہی اور نصیحت کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ پس فرق واضح ہو گیا۔ اور مدحت اور مذمت کا مقام روشن ہو گیا۔ اور اس کے باوجود کہ یہودیوں کا جادو یا شیاطین سے لیا گیا ہے۔ جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں رائج ہوا۔ یا فرشتوں سے لیا گیا ہے۔ جس کی تعلیم بابل میں دی جاتی تھی۔ اور یہ دونوں قسمیں بلا تامل مذموم اور متروک

marfat.com
Marfat.com

ہیں۔ کیونکہ بنی آدم کی دشمنی اور انہیں گمراہ کرنے میں شیاطین کا حال ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ جو کچھ ان سے لیا گیا' ہو گیا اس پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اور فرشتے خود وعظ و نصیحت کے ساتھ اپنے علم سے منع کرتے اور باز رکھتے ہیں۔ یہ یہودی اپنے جادو سے جس کی دونوں قسموں کی قباحت انہیں بھی معلوم ہے' ہرگز دست بردار نہیں ہوتے۔

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا اور یہ جملہ اِتَّبَعُوْا پر عطف ہے۔ یعنی پس یہ یہودی جادو کی دونوں جنسیں سیکھتے ہیں۔ جو شیاطین سے لیا گیا ہے۔ اور جو فرشتوں سے لیا گیا ہے۔ حالانکہ انہیں ان دونوں قسموں کی قباحت معلوم ہے۔ اور صرف سیکھنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے۔ بلکہ لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ سیکھتے ہیں مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وہ اعمال جن کی وجہ سے مرد اور اس کی عورت کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں۔ اور یہ جدائی دو طریقوں سے واقع ہوتی ہے: پہلی حکم شرع کے ساتھ کیونکہ جب عورت اور اس کے شوہر میں سے ایک سحر باطل کی تاثیر کا معتقد ہوا تو کافر ہو گیا۔ اور عورت شوہر سے اور شوہر عورت سے جدا ہوا۔ اور نکاح ٹوٹ گیا اور دوسری جدائی عرف کے طریقے سے کیونکہ ان اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہونے کے حکم کے مطابق میاں بیوی کے درمیان باہمی بغض اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اور جدائی تک کھینچ لے جاتی ہے۔ حالانکہ یہ جدائی کبائر میں سے ایک کبیرہ گناہ' نسب صحیح کو کاٹنے کا سبب ہے۔ اور شرع کے موضوع کے مخالف ہے۔ جس نے یہ عقد پیدا کرنے اور اسے باقی رکھنے کا حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ جس چیز کا وصل چاہتا ہے' یہ قطع کرتے ہیں۔ اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ بناتا ہے' یہ اسے بگاڑتے ہیں۔ پس اس بُرے فعل میں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ امر کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔ بدکاری واقع ہونے اور نسب کے منقطع ہونے سے جہان میں فساد بھی اور میاں بیوی کو نقصان پہنچانا بھی اور جب وہ جادو کے اعمال سے یہ بُرا عمل اپناتے ہیں تو جانا جا سکتا ہے کہ دوسرے اعمال بھی اپناتے ہوں گے۔

اور سنن ابن ماجہ میں حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ بہترین سفارش اور صلح کرانا یہ ہے کہ مقدمۂ نکاح میں دو افراد کے درمیان صلح کرائے اور صحیح مسلم میں روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان ہر روز صبح

marfat.com
Marfat.com

کے وقت پانی پر اپنا تخت بچھاتا ہے۔ اور اپنے پیروکاروں کو روئے زمین میں لوگوں کو خراب کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ اور شام کے وقت ان کے اعمال کا جائزہ لیتا ہے جو لوگوں کے درمیان بڑا فتنہ پیدا کر کے آتا ہے۔ اور اپنے قریب جگہ دیتا ہے۔ پس اس کے پیروکاروں میں سے ایک آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کا اس قدر پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ اس نے بدکاری کی یا چوری کی یا شراب پی۔ شیطان کہتا ہے کہ تو نے کچھ نہیں کیا پھر ایک اور آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں آدمی کو اس قدر گمراہ کیا کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دی۔ شیطان بہت خوش ہوتا ہے اُسے اپنے نزدیک بلاتا ہے۔ اور اپنے سینے سے لگاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ تو اچھا بیٹا ہے۔

اور ابو الفرج اصفہانی کتاب آغانی میں عمرو بن دینار کی روایت سے لائے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے قیس کے باپ ذریح سے فرمایا کہ کیا تیرے نزدیک حلال ہو گیا کہ تو نے قیس اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دی۔ کیا تو نے نہیں سنا کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک برابر ہے کہ مرد اور اس کی عورت کے درمیان جدائی کر دوں یا دونوں کو تلوار کے ساتھ قتل کر دوں کیونکہ گناہ ہونے میں دونوں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

لیکن مسلمانوں کو نہیں چاہیے کہ یہودیوں وغیرہم کے جادو سے جو کہ اس قدر قوی تاثیر رکھتا ہے کہ میاں بیوی کے دیرینہ ساتھ کو ایک لمحے میں جدائی میں بدل دیتے ہیں۔ اور شرعاً اور عرفاً محبت کے وافر اسباب ہونے کے باوجود دلوں میں بغض اور نفرت پیدا کر کے تصرف کرتے ہیں۔ ڈریں اور کہیں کہ جادو کے دوسرے اقسام سے جیسے دشمنوں کی فتح و نصرت یا اعلان کے بدلنے یا خلاف عادت کام کرنے سے ہم ایمان کے زور سے بچ سکتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ہم باطل تاثیرات کے معتقد نہ ہوں۔ مگر اس قسم کے جادو سے جو کہ دل میں اثر کرتا ہے۔ اور دل کو محبت سے نفرت کی طرف پھیر دیتا ہے ہم کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے دلوں کو رسول کریم علیہ السلام خدا تعالیٰ عز شانہ اور ہماری کتاب اور دین کی محبت سے پھیر دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو جو کہ سالوں سے

marfat.com
Marfat.com

ہمیں حاصل ہے فراق اور جدائی میں بدل دیں۔ پس ہر اندرونی مرض کے علاج کا سرمایہ ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے۔ اور ہم کسی حیلہ سے بھی انہیں دُور نہ کرسکیں کیونکہ اگرچہ یہود اور ان جیسے دوسرے جادو کی یہ تاثیریں رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں کچھ نہیں کرسکتے اس لیے کہ جادو اور جہان کے تمام اسباب میں حکمِ الٰہی کے بغیر کوئی تاثیر نہیں ہے۔

وَمَاهُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ اور وہ یہودی اپنے جادو کے ساتھ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے ساتھ جب چاہتا ہے ان کے جادو کے اعمال کو اثر بخشتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے تاثیر بند کردیتا ہے۔ اور اسی لیے اگر کوئی جادوگر چاہے کہ اللہ تعالیٰ کے دائمی جاری افعال کو باطل کردے مثلاً بارش کو برسنے نہ دے اور دانہ اُگنے نہ دے اور بغیر فوج اور سپاہیوں کی مدد کے کسی ملک پر قابض ہو جائے یا کسی لشکر کو بھگادے ایسا نہیں کرسکتا۔ جادو کے نام کی انتہا یہ ہے کہ کمزور نفسوں میں حادثات کے محرکات پیدا کرکے ایک تاثیر کرتا ہے۔ اور وہ تاثیر بھی دائمی اور ہمیشہ نہیں رہتی۔ پس مردِ مومن کو جو کہ ایک ذاتِ حقیقی کی تاثیر کا معتقد ہے خدا تعالیٰ کے سوا کسی غیر سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ عالمِ اسباب اور مسببات کی رسی کا سرا اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ بلکہ حقیقت میں اس کی تاثیر کے علاوہ کوئی تاثیر نہیں ہے اسی کے افعال ہیں کہ ایک دوسرے کے پیچھے چل رہے ہیں۔ وہم و خیال کی دنیا سمجھتی ہے کہ فلاں فعل فلاں فعل کا سبب ہوا۔

اور یہ یہودی جادو کی ان دونوں قسموں کو جو کہ مذموم اور معیوب ہیں' سیکھنے میں مبالغہ کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے اوقات کو اس جنس کی دوسری چیزوں کو حاصل کرنے میں بھی خرچ کرتے ہیں جو کہ علمِ شریعت اور وحی الٰہی سے روگردانی کا سبب ہیں۔

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ اور ایسے علم سیکھتے ہیں جو کہ انہیں نقصان دیتے ہیں اگرچہ دوسروں کو نہ دیں اور انہیں نفع نہیں دیتے اگرچہ دوسروں کو دیں اور عقل مند کو چاہیے کہ جو چیز خود کو نقصان دے اور نفع نہ دے اس سے پرہیز کرے۔

## علم کیسا بھی ہو مذموم نہیں ہے

یہاں جاننا چاہیے کہ علم فی نفسہٖ بُرا نہیں ہے جیسا بھی ہو۔ پس بندوں کے حق میں علم

marfat.com

Marfat.com

مذموم نہیں ہو سکتا مگر تین وجہوں میں سے ایک کے ساتھ: پہلی وجہ یہ ہے کہ اس سے خود کو یا دوسرے کو کسی نقصان کی توقع ہو جیسے جادو اور طلسمات کا علم اور علمِ نجوم بھی اسی قبیلے سے ہے۔ کیونکہ اکثر مخلوق کے لیے مضر ہے اس طرح کہ جب ستاروں اور افلاک کے اطوار کے بعد جہان کے آثار کو جس نہج پر دیکھتے ہیں ان کے دلوں میں جاگزیں ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں ستارہ فلاں برج اور فلاں درجہ کی تاثیر کی وجہ سے ہے۔ پس مقاصد کے حاصل ہونے کی امید اور ان کے فوت ہونے کا خوف ستاروں اور برجوں کی جہت سے دل میں جگہ پکڑتا ہے۔ اور نفع ونقصان کے مالک کی طرف توجہ نہیں رہتی اور دل پر ایک بہت بڑا پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ جو کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف دیکھنے سے مانع ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ علم اگر چہ فی نفسہ کوئی نقصان نہیں رکھتا لیکن یہ شخص اپنی استعداد کی کوتاہی کی وجہ سے اس علم کی باریکیوں کو دریافت نہیں کر سکتا اور جب اس کی باریکیوں تک نہ پہنچا تو جہل مرکب میں گرفتار ہوا اسی قبیلے سے اسرار الٰہیہ' شرعی حکمتوں' بہت سے علومِ فلسفیہ' مسئلہ قضا وقدر' جبر واختیار' توحیدی شہودی' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافات' ان بزرگوں کے درمیان واقع جنگوں' اولیاء اللہ کی شطحیات کا علم جیسے کلمہ انا الحق و سبحانی ان کے سمجھ میں نہ آنے والے کلمات جیسے فصوص الحکم کے بعض مقامات اور قرآن مجید کی تصوف کے قواعد کے مطابق تاویلات میں بحث کرنا ہے۔ اور یہی حال ہے شعروں اور رخساروں اور خال وخط کی تعریف کے علم کا جو کہ احمق عوام کے بارے میں جن کے دل شہوت سے پُر ہوتے ہیں زہر کا حکم رکھتا ہے۔ اور تخیل اور ہر شے میں مبالغہ کرنے کی استعداد پیدا کرنے والا ہو جاتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ قابلِ تعریف شرعی علوم میں بے جا سوچ بچار کرے۔ اور کمی بیشی کا مرتکب ہو۔ مثلاً علم عقائد اور توحید میں فلسفی بحثوں کو دخل دے۔ اور علم فقہ میں حیلوں اور بے اصل نادر روایات کو شروع کر دے اور علم سلوک میں جوگیوں کے معمولات کو داخل کر دے اور دعوت اسماء کے علم میں جادو اور طلسم کو ملا دے اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے علم میں یہودیوں اور رافضیوں کی جھوٹی تواریخ کو سنے تا کہ عقیدوں میں خرابی کا سبب ہو۔ علیٰ

marfat.com
Marfat.com

ہذا القیاس اور یہ تمام علوم اکثر مخلوق کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اور جو نفع ان علوم سے متوقع ہے' انہیں نہیں پہنچتا اور یہودی اسی قسم کے علوم کے دلدادہ ہو چکے تھے۔ اور قابلِ تعریف علوم سے روگردانی کرتے تھے۔ اور ان کا یہ مشغول ہونا اس وجہ سے نہ تھا کہ ان علوم کے نقصان کو وہ جانتے نہیں تھے۔ اور جہالت اور نادانی کی وجہ سے ان علوم کے متعلق نافع ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ بلکہ

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ اور تحقیق یہ یہودی جانتے ہیں کہ جو اس قسم کے علوم خریدتا ہے۔ اور اپنے مال اور جان کو ان کے حاصل کرنے کے پیچھے صرف کرتا ہے اسے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مال ضائع گیا اور اس کے اوقات جو کہ ثواب کمانے کا سرمایا تھے' بھی ضائع ہو گئے۔ اور جو چیز کہ آخرت میں کام آئے اس کے ہاتھ نہ آئی۔ اور ان کے بارے میں اسی قدر بے نصیبی پر قناعت نہیں بلکہ

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اور بہت بری چیز ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کیا۔ اس لیے کہ ان علوم میں مشغول ہونے کی وجہ سے انہیں ابدی بدبختی حاصل ہوئی اور ابدی سعادت ہاتھ سے جاتی رہی۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کاش کہ وہ جانتے کہ ہم ان علوم کو حاصل کر کے سعادتِ ابدی کو شقاوتِ ابدی کے ساتھ بدل رہے ہیں۔ لیکن انہیں اس کا پتہ نہیں بلکہ وہ گمان نہیں کرتے کہ اگر ہم ان علوم کو حاصل کرنے میں اپنا مال اور اوقات صرف کریں تو اس کا انجام یہی ہے کہ آخرت میں ہم اس پر ثواب نہ پائیں جیسا کہ دوسری مباح چیزوں میں۔ یا گمان کرتے ہیں کہ اگر ان نقصان دہ علوم کا حاصل کرنا آخرت میں کسی عذاب کا موجب ہوگا تو وہ عذاب جلد منقطع ہو جائے گا۔ اور اس بارے میں خود ساختہ باتوں سے دلیل پکڑتے ہیں کہ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً تو ہم اس معاملہ میں کہ ہم نے اپنی جانوں کو تھوڑے سے عذاب میں گرفتار کر دیا اس شخص کی مانند ہو گئے جس نے بالفعل لذت حاصل کرنے کے لیے شب بیداری کی اور ناچ یا چہرے دیکھنے کے لیے نیند چھوڑ دی اور کچھ مال بھی خرچ کیا۔ اگرچہ اسے بدن میں روزانہ کچھ سستی اور تھکاوٹ یا مال میں کچھ نقصان لاحق ہو تو اتنی بڑی بات نہیں' ہم اس نوبت تک نہیں پہنچے کہ ہم

marfat.com
Marfat.com

نے اپنی جانوں کو بیچ دیا ہو اور اسی تقریر سے معلوم ہوا کہ لَقَدْ عَلِمُوْا اور لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ کے مدلول میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں۔ کیونکہ اس کلمے کا مدلول آخرت میں ان علوم کے حاصل کرنے کے ضائع ہونے کا علم ہے۔ اور لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ کا مدلول ان علوم کو حاصل کرنے میں عذاب ابدی کے علم کی نفی ہے۔ اور علم ثابت اور منفی میں بہت فرق ہے۔

اور اس کے باوجود کہ یہ یہودی اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور قابلِ تعریف علوم کے اس قسم کی غفلتوں اور روگردانیوں میں گرفتار ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی عام رحمت نے ان پر توبہ اور اصلاح کا دروازہ بند نہیں فرمایا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا اور بالفرض یہ یہودی اگر اب بھی ایمان لے آئیں اپنی کتابوں اور اس کتاب پر جو کہ اس وقت نازل ہوئی ہے۔

وَاتَّقَوْا اور پرہیز کریں جادو کی کتابوں اور دوسرے نقصان دہ علوم میں مشغول ہونے سے۔

لَمَثُوْبَةٌ البتہ وہ ثواب اگرچہ تھوڑا ہو مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ان کے لیے بہتر اور زیادہ نفع بخش ہوگا دنیا و مافیہا سے چہ جائیکہ وہ چیز جو انہیں جادو سے اُجرت یا رشوت کے طریقے سے حاصل ہوتی ہے یا نام اور مرتبہ جو ان علوم کی وجہ سے پیدا کرتے ہیں۔

لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ کاش کہ وہ جانتے کہ اخروی ثواب دنیوی منافع سے کہیں بہتر ہے۔

## چند جواب طلب سوالات

یہاں چند جواب طلب سوال باقی رہ گئے جو کہ مفسرین یہاں وارد کرتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ جملہ انشائیہ ہے۔ جو کہ فعل ذم سے صادر ہوا۔ اور لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ جملہ خبریہ ہے۔ انشاء کا اخبار پر عطف لازم آتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے تفسیر کا جو رخ اختیار کیا ہے یہ جملہ وَلَقَدْ عَلِمُوْا پر معطوف ہے نہ کہ لَمَنِ اشْتَرٰىهُ پر اور علم کے تحت داخل نہیں ہے ورنہ

marfat.com
Marfat.com

لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ جو کہ نفی علم پر دلالت کرتا ہے اس کے خلاف واقع ہوتا۔ اور اگر کہیں کہ لَقَدْ عَلِمُوْا بھی جملہ خبریہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ لام قسم کی تمہید ہے۔ اور جملہ قسمیہ جملہ انشائیہ ہے نہ کہ جملہ خبریہ۔ ہاں جمہور کی تفسیر کے مطابق جو کہ اس جملے کو لَمَنِ اشْتَرَاهُ پر معطوف قرار دیتے ہیں' یہ سوال وارد ہوتا ہے۔ اور اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ انشاء کو خبر کی تاویل میں کر کے مقول فی حقھم لَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ کو مقدر مان کر ہم عطف کرتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ تمنا کے لیے ہے۔ جیسا کہ تفسیر میں گزرا اور کسی شے کی تمنا اس وقت ہوتی ہے جب اس شے کو حاصل کرنے پر قدرت نہ ہو۔ پس حضرت حق جل مجدہ سے جو کہ قادر مطلق ہے' تمنا کا تصور کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کلام الٰہی میں تمنا اس کلام کے بشر سے خطاب کے موقع پر ہوتی ہے۔ جس طرح شک اور اضراب کے الفاظ میں اس کلام میں اسی خطاب پر مبنی ہے۔ اور جب اس کلام کا نزول بشر کو خطاب کرنے کے لیے ہے تو گفتگو میں ان کی روش اور طریقہ جاری رکھا گیا۔ گویا یوں ارشاد ہوتا ہے کہ عقل اور بصیرت کے حصول سے مایوسی میں ان کا حال اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ کہنے والا ان کے حق میں یہ لفظ کہتا ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ کلام الٰہی میں تمنا اپنی حقیقت پر نہیں ہے۔ بلکہ طلب سے مجاز ہے۔ اور اس کلام میں تمنا کے لفظ سے متمنیٰ کا مطلوب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور غیر واقع امر کو طلب کرنا خدا تعالیٰ سے بعید نہیں۔ جیسے ابولہب کا ایمان اور صاحب کشاف نے کلام الٰہی میں تمنا کا معنی مجازاً ارادہ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ اہل سنت و جماعت کے مذہب میں صحیح نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک ارادۂ الٰہی حصول مراد کو لازم کرتا ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ وَلَقَدْ عَلِمُوْا میں تاکید قسمی کے طریقے سے علم کا اثبات فرمایا گیا اور لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ میں علم کی اس حد تک نفی کی گئی کہ اس سے مایوسی ہو گئی۔ اور اس نے محالات کا حکم لے لیا' ایک آرزو سے زیادہ نہ رہا۔ بظاہر یہ نفی اور اثبات ایک دوسرے کے منافی ہیں؟

marfat.com
Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اس وقت وارد ہوتا ہے جب لَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ کا عطف لِمَنِ اشْتَرٰهُ پر ہوتا کہ علم کے تحت داخل ہوا اور تفسیر کی بنیاد پر جو کہ پہلے گزر چکی' یہ جملہ' جملہ قسمیہ پر معطوف ہے' علم کے تحت داخل نہیں۔ اور جائز ہے کہ پہلے جملے کا مضمون یہودیوں کو یاد ہو اور اس جملے کا مضمون معلوم نہ ہو۔ کیونکہ دونوں جملوں کے مضمون میں نہ اتحاد علمی ہے نہ متلازم علمی۔ کیونکہ پہلے جملے کا مضمون یہ ہے کہ نقصان دینے والے غیر نافع علوم کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا آخرت میں انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ جبکہ اس جملے کا مضمون یہ ہے کہ اس قسم کے علوم حاصل کرنے کے پیچھے اپنی جان کی بازی لگانے کا نتیجہ بُرا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز میں نفع حاصل ہونا حصول نقصان کو لازم نہیں ہے۔ جیسے مباح چیزیں کہ نہ اخروی نفع رکھتی ہیں۔ اور نہ اخروی نقصان۔

لیکن جمہور مفسرین جنہوں نے اس جملے لِمَنِ اشْتَرٰهُ پر معطوف قرار دیا ہے۔ اور تحت العلم شمار کیا اس سوال کے جواب میں یوں کہتے ہیں کہ پہلے جملہ کی ابتدا میں علم کا اثبات تحقیق کے طور پر ہے۔ اور بیان واقع ہے۔ اور کلام کے دوران علم کی نفی حقیقتاً نہیں تاکہ تناقض ہو۔ بلکہ عالم کو جاہل کے مرتبہ اُتارنے کے طور پر ہے۔ کیونکہ جو عالم اپنے علم کے تقاضا کے مطابق نہیں چلتا' جاہل کے برابر ہے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ جملہ شرطیہ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا کی جزا واقع ہوا۔ اور جزا کے لیے چاہیے کہ شرط پر ایک طرح مرتب ہوتی ہو اور فرع بنتی ہو حالانکہ خدا تعالیٰ کے ثواب کا بہتر ہونا ان کے ایمان اور تقویٰ پر بالکل موقوف نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ثواب دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے خواہ یہودی ایمان اور تقویٰ لائیں یا نہ لائیں۔ پس اس شرط اور جزا میں ربط کس طرح حاصل ہوگا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جزا کا شرط پر مرتب ہونا کبھی تو ثبوت واقعی کے پیش نظر ہوتا ہے۔ جیسے ان جاءك زيد فاكرمه اور کبھی علمی طور پر ثابت ہونے اور اس پر حکم کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسے وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ' وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ اور یہاں اس آخری قبیلے سے ہے۔ یعنی ثواب کی خیریت کا حکم اور اس کا

marfat.com
Marfat.com

ان کے پاس ذکر کرنا ان کے ایمان اور تقویٰ پر موقوف ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قرینہ مقام کی وجہ سے لھم کا لفظ لَمَثُوبَةٌ لَّهُمْ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ میں محذوف ہے۔ اور اس ثواب کی خیریت جوانہیں حاصل ہوگا' ان کے ایمان اور تقویٰ پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم

اور جس طرح یہ یہود کتب الٰہیہ سے روگردانی کر کے جادو اور اس کی دوسری قسموں کو حاصل کرنے میں پڑ گئے ہیں۔ اور انہوں نے اس برے کام میں اپنی جانوں کی بازی لگا دی اسی طرح ان کی عادت بن چکی ہے کہ بزرگوں سے گفتگو اور خطاب کرنے میں دھوکہ کرتے ہیں۔ اور دوطرفہ بات کرتے ہیں کہ ایک وجہ سے تعظیم اور ایک وجہ سے توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ اور گفتگو میں اس قسم کی دھوکہ بازی خاص کر جب واجب التعظیم بزرگوں سے خطاب ہو' بھی جادو کے ساتھ پوری مشابہت رکھتی ہے۔ کیونکہ قبیح فعل کو جو کہ بزرگوں کی توہین ہے' حقیقی تعظیم کے پردے میں چھپاتے اور پوشیدہ کر دیتے ہیں تا کہ کوئی اس کے توہین ہونے کے درپے نہ ہو جس طرح جادوگر اپنے فعل کو نیکوں کے خلاف عادت کاموں اور کرامات میں چھپا دیتا ہے۔ پس وہ حقیقی جادو کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ اور لسانی جادو کے بھی۔ اور ان کی اس دھوکہ بازی کی ایک مثال یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے اور آپ سے ہم کلام ہوتے تو کہتے راعنا جس کا ظاہری معنی طلب رعایت اور اپنے حال پر توجہ ہے۔ یعنی ہمارے حال پر توجہ فرمائیں۔ اور ہمیں تعلیم وہدایت فرمائیں اور یہ تعظیم پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کا ایک معنی قبیح بھی ہے۔ اس لیے کہ راعن لغت میں احمق کو کہتے ہیں' رعونت سے مشتق ہے۔ جس کا معنی تکبر کے ساتھ ملی ہوئی حماقت ہے۔ اور اس کے آخر میں الف نصبی تنوین سے بدلا ہوا ہے۔ جو کہ وقف کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور اس لفظ کو منادیٰ نکرہ کے حکم میں منصوب لاتے تھے۔ یعنی اے احمق متکبر۔ اور یہودیوں کے عرف میں زیادہ تر اسی برے معنی میں رائج ہو گیا تھا جیسے معطی ہمارے زمانے کے اوباش لوگوں کے عرف میں مابون یعنی اغلام بازی کرانے والے کے معنی ہیں۔ ثالث بالعبریۃ بمعنے ولدالزنا اور مرد مقدس بمعنی احمق

اور مسلمان اس برے معنی سے بےخبر تھے۔ جب انہوں نے یہودیوں سے سنا کہ اس

marfat.com
Marfat.com

کلمے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرنے کے مقام میں استعمال کرتے ہیں' سمجھے کہ شاید یہ گروہ جو کہ اہل کتاب ہیں' انبیاء علیہم السلام کی تعظیم میں اس کلمہ کو ماثور اور منقول سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ اسے استعمال کریں۔ بے خبری اور بے سمجھی کی وجہ سے اس کلمے کے استعمال کے چکر میں پڑ گئے۔ پس اس کلمے کے استعمال میں جادو کے ساتھ ایک اور مشابہت بھی ہوگئی کہ مسلمانوں کو مخفی طریقے سے اس بات پر لے آئے کہ انہوں نے کلمہ کفر زبان سے ادا کیا اور یہ نہ جانا کہ یہ کلمہ' کلمہ' کفر ہے۔ بلکہ پیغمبر علیہ السلام کی تعظیم کا کلمہ ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جو کہ انصار کے بزرگوں میں سے تھے' ایک دن یہودیوں سے یہ کلمہ سنا۔ اور آپ پہلے سے یہودیوں کے نشست و برخاست رکھتے تھے۔ اور جانتے تھے کہ یہ لفظ ان کے عرف میں گالی گلوچ ہے۔ آپ سختی سے پیش آئے اور فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ کلمہ تمہاری زبان سے میں نے پھر سنا تو تمہاری گردنیں اُڑا دوں گا۔ یہودیوں نے کہا کہ آپ ہم پر کیوں غضب ناک ہوتے ہیں تمہارا گروہ جو کہ مسلمان ہیں' یہی کلمہ حضور علیہ السلام کے حق میں کہتے ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ناخوش ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ عالیہ میں حاضر آئے۔ دیکھا کہ یہ آیت نازل ہو چکی ہے۔

**یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ تمہارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس دھوکے بازی کے لفظ کو بالکل ترک کر دو۔ اگرچہ تمہارا قصد اس دھوکے کا نہیں ہوتا۔ پس **لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا** رسول کریم علیہ السلام کے دربار میں رَاعِنَا کا لفظ مت کہو اس لیے کہ یہ لفظ ایک بہت بڑا دھوکہ رکھتا ہے۔ اور یہودی تمہارے کہنے کو دلیل بنا کر کہتے ہیں۔ اور باطل معنی کا ارادہ کرتے ہیں۔ اگرچہ تم اس باطل معنی سے بے خبر اور غافل ہو۔

**وَقُوْلُوا انْظُرْنَا** اور اس لفظ کے بدلے اُنْظُرْنَا کہو یعنی ہم پر مہربانی فرمائیں اور ہمارے حال پر توجہ فرمائیں۔ جو کہ رَاعِنَا کا صحیح معنی ادا کرتا ہے۔ اور اس میں کوئی دھوکہ نہیں۔ اور کسی کے عرف میں اسی سے باطل معنی سمجھا نہیں جاتا ہے۔ **وَاسْمَعُوْا** اور رسول

marfat.com
Marfat.com

کریم علیہ السلام کے کلام کو پوری توجہ سے گوش برآواز ہو کر ذہن کو حاضر کر کے سنو۔ تاکہ اس کی حاجت ہی نہ رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے حال پر توجہ کی درخواست کرو اور ان دونوں کلموں میں سے ایک کہو۔ اس لیے کہ توجہ سے اور گوش برآواز ہو کر سننا شاگرد کا کام ہے نہ کہ استاد کا۔ شاگرد کو چاہیے کہ استاد کو بار بار گفتگو لوٹا کر تنگ نہ کرے۔ اور شروع سے ہی اپنے آپ کو متوجہ کر لے تاکہ استادِ محترم کی تقریر سے فائدہ حاصل کرے۔ اور تم سے ایمان کے ہوتے ہوئے اس قسم کی دھوکہ بازی اور رسولِ کریم علیہ السلام کو ستانا کیسے مقصود ہو سکتا ہے۔ حالانکہ رسولِ کریم علیہ السلام کی توہین اور انہیں ستانا کفر ہے۔

وَلِلْكَافِرِيْنَ اور کافروں کے لیے تیار ہے اس کے عوض کہ اس قسم کے کلمات سے رسولِ کریم علیہ السلام کو ستانے کا قصد کرتے ہیں۔ اور آپ اور مسلمانوں کے دِلوں کو دُکھاتے ہیں۔ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ایک دردناک عذاب کہ اس ایذاء اور درد کو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں۔

یہاں جاننا چاہیے کہ اس کلام پاک میں جو کہ قرآن مجید اور فرقانِ حمید ہے اٹھاسی (۸۸) مقامات پر اس اُمت کے ایمان والوں کو اس لفظ سے خطاب فرمایا کہ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور ان مقامات میں سے یہ پہلا مقام ہے۔ (اقول و باللہ التوفیق۔ امام اہل سنت مجدد ہٰذہ الامۃ مولانا الامام احمد رضا بریلوی اپنی تصنیف منیف تجلی الیقین میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں کے مابین حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو یاایھا الذین امنوا کے خطاب کے ساتھ امتیاز بخشا ہے جبکہ باقی اُمتوں کو یاایھا المساکین کے ساتھ خطاب فرمایا جب کہ توراۃ میں ہے۔ اسے ابن ابی حاتم نے روایت فرمایا۔ اسے امام سیوطی نے الخصائص الکبریٰ میں نقل فرمایا ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور کہتے ہیں کہ ایمان والوں سے خطاب اسی کتابِ حمید کا خاصہ ہے۔ پہلی کتابوں میں خطاب انبیاء علیہم السلام کی طرف پھیرا جاتا تھا کہ اپنی اُمتوں کو پہنچا دیں۔ اور یہاں بلاواسطہ مشافہۃً خطاب اس اُمت سے فرمایا جا رہا ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے کہ انہیں افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہونے کی وجہ سے پیغمبروں کا حکم دیا گیا۔

marfat.com
Marfat.com

والحمد للہ علی ذلك یہاں سے اس بات کا سراغ لگایا جاتا ہے کہ جب اس جہان میں انہیں ایمان کے لقب کے ساتھ نوازا گیا ہے تو اس جہان میں بھی امن اور امان والوں سے قرار دیئے جائیں گے۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا۔

زوائد مسند امام احمد میں اور شعب الایمان بیہقی میں اور حدیث کی دوسری معتبر کتابوں میں وارد ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی مجھے کوئی نصیحت اور وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو قرآن پاک پڑھے اور اس میں یہ لفظ سنے کہ یٰاَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تو فی الفور اپنے کانوں کو متوجہ کر اور اپنے ذہن کو حاضر کر کیونکہ اللہ تعالیٰ تجھ سے بلاواسطہ خطاب فرماتا ہے۔ اور کسی اچھی چیز کا حکم دیتا ہے یا کسی بُری چیز سے منع فرماتا ہے۔

اور حلیۃ الاولیاء میں ابونعیم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی آیت جو کہ یٰاَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے صادر ہوتی ہے نازل نہیں ہوئی مگر حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اس آیت کے سر اور اس آیت کے سردار ہیں۔ لیکن ابونعیم نے اس حدیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ اس لفظ کو کسی نے ان کی طرف منسوب نہیں کیا مگر ابن ابی حیثمہ نے اور ہم نے بھی ان سے یہ حرف لکھے ہیں۔ دوسرے راوی اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کلام کر کے روایت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

نیز حلیۃ الاولیاء میں اور حدیث وتفسیر کی کتابوں میں خثیمہ سے روایت لائے ہیں کہ جہاں قرآن پاک میں یٰاَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وارد ہوا ہے اس جیسے مقام میں تورات وانجیل میں یٰاَیُّهَا الْمَسَاكِيْنَ ہوتا تھا۔

## شافعیہ کے استدلال اور اس کا جواب

نیز جاننا چاہیے کہ رَاعِنَا اور اُنْظُرْنَا اگرچہ ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں۔ اور ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ لفظ رَاعِنَا خرابی پر مشتمل تھا جو کہ مذکور ہوئی اس سے منع کرنا اور دوسرے لفظ کو تجویز کرنا حکمت کے مطابق ہوا۔ پس وہ جو شافعیہ نے اس مقام پر استدلال

marfat.com
Marfat.com

کے طریقے سے ذکر کیا ہے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے ایک مقام میں ایک کلمہ کو تجویز کرنا اس کے ہم معنی دوسرے کلمے کے جائز ہونے کو لازم نہیں کرتا۔ پس اگر کوئی شخص اللہ اکبر کی جگہ خدائے بزرگ کہے یا الرحمٰن اجل اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ یہ بات حنفیہ کے خلاف درست نہیں بیٹھتی کیونکہ بحث اس جگہ ہے جہاں دونوں ہم معنی لفظوں میں سے کسی ایک میں خرابی نہ ہو۔ علاوہ ازیں بعض احناف نے ان کے ہم معنی ہونے کو بھی چند وجوہ کی بناء پر منع کیا ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ لغوی مدلول کے مطابق رَاعِنَا اور اُنْظُرْنَا کا معنی ایک ہے۔ لیکن مدلول عرفی میں رَاعِنَا گالی گلوچ ہے۔ اور اُنْظُرْنَا کے مدلول سے بہت دوری رکھتا ہے دوسری وجہ یہ کہ رَاعِنَا باب مفاعلہ سے ہے۔ جو کہ دو مخاطبوں میں برابری پر دلالت کرتا ہے۔ گویا یوں کہتے ہیں کہ آپ ہماری رعایت کریں۔ تاکہ ہم آپ کی بات کی رعایت کریں۔ اور بارگاہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس قسم کا خطاب کمال بے ادبی ہے اس دلیل سے کہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا تیسری وجہ یہ ہے کہ اس خطاب میں ایک قسم کی بلندی سمجھی جاتی ہے۔ یعنی میرا کلام سننے کی رعایت کیجئے اور اس سے غافل نہ ہوں اور کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہوں جبکہ انظرنا میں شفقت اور مہربانی کی طلب ہے۔ اور بس اور لفظ اسمعوا میں یہ اشارہ ہے کہ شاگرد کو چاہیے کہ پوری توجہ اور دھیان سے استاد محترم کی بات سنے تاکہ دوبارہ کہلوانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اور جب مسلمانوں کو یہ کلمہ کہنے سے منع فرمایا گیا اگرچہ یہودی جو کہ اپنے آپ کو اہل کتاب جانتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کی تعظیم سے خوب واقف ہیں اس کلمے کو استعمال کرتے تھے اب بیان فرمایا جا رہا ہے کہ یہودیوں کا تمہارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب میں یہ کلمہ کہنا ایک غلط مقصد کے لیے ہے کہ تم بھی اسے سیکھ کر استعمال کرو۔ اور اس کلمہ کی قباحت اور برائی کا تجسس نہ کرو۔ اور لوگوں کے سامنے تمہاری ناواقفی ظاہر ہو اور ناواقف ہونا تم پر وحی اُتارنے کے منافی ہے۔ کیونکہ جس گروہ پر پہلے پہل وحی نازل ہو چاہیے کہ تیز فہم اور سمجھ دار ہو پس گویا وہ لوگوں کی نظر میں ثابت کرتے ہیں کہ یہ گروہ اس

marfat.com
Marfat.com

قائل نہیں کہ ان پر وحی الٰہی کا نزول ہو کہ

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ جو اہل کتاب میں سے کافر ہو گئے ہیں' پسند نہیں کرتے یعنی مدینہ شریف کے یہودی وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اور نہ ہی مشرکین مکہ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ اس بات کو تم پر نازل ہو۔مِنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی امر خیر۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کو تم پر خیر نازل کرنے سے روکنے پر قدرت نہیں رکھتے تو ناچار قصد کرتے ہیں کہ لوگوں کی نظر میں تمہاری بے لیاقتی ثابت کریں۔ اور ایسا ثابت کرنے کا مصدر یہودی ہوئے ہیں۔ اور اس شبہ کو قبول کرنے والے مشرک۔ پس اس طرح وہ تم سے یہ مذاق اور مبہم سی بات کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ تمسخر اور ابہام کچھ نہیں کھول سکے گا۔ کیونکہ ان کا حسد اس وقت کامیاب اور کارگر ہوگا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا نزول روک دیں اور یہ کام ان سے ممکن نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کا محکوم نہیں۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ اور اللہ تعالیٰ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ۔ کہ وحی کا نزول بھی اس کی رحمت کے آثار سے ہے۔مَنْ يَّشَآءُ بندوں میں سے جسے چاہے۔ اگرچہ ظاہر بینوں کی نظر میں اس رحمت کی لیاقت نہ رکھتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے خاندانوں کے لوگ نئے دولت مندوں کو تمسخر اور مذاق کرتے ہیں۔ بلکہ ہر جبی کمال والے کو اس کمال کے موروثی خاندان والے حقیر جانتے ہیں۔ اور سمجھتے نہیں ہیں کہ پہلے ہمارے مرتبہ بزرگوں میں سے جو کسی کمال کا مبدا ہوئے ہیں' وہ ظاہر بین نظر کے اعتبار سے اس کی لیاقت نہیں رکھتے تھے۔ نیز نہیں سمجھتے کہ جب بھی حق تعالیٰ کسی کو بزرگی اور مرتبہ عطا فرماتا ہے پہلے اسے اس منصب کی لیاقت بخشتا ہے خاص کر شرعی مرتبوں اور دینی مناصب میں اور اسی لیے کہتے ہیں۔

(مصرع) بجائے خویش بود آنچہ کردگار دہد

یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ دیتا ہے درست ہوتا ہے۔

اور ان کی غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ وہ غائب کا قیاس حاضر پر کرتے ہیں۔ جس طرح بادشاہ آدمیوں کو نہ پہچاننے والے یعنی نالائق کو انکل اور مذاق کے طور پر اونچا مرتبہ بخش

marfat.com
Marfat.com

دیتے ہیں۔ اور وہ اس مرتبہ کی ذمہ داری پوری نہیں کرتا۔ اور رُوئی کاشت کرنے کے بجائے اُون کاشت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح شہنشاہِ مطلق بھی معاذ اللہ انکل اور مذاق کرتا ہے۔ حالانکہ بندوں کا دوسرے بندوں پر فضل واحسان سراسر ناقص اور ناتمام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ منصب تو دیتے ہیں۔ اور اس منصب کی لیاقت نہیں دے سکتے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اور اللہ تعالیٰ عظیم فضل والا ہے۔ جو کہ کمال کی حد سے بھی زیادہ ہے اس کے فضل کی نسبت سے منصب دینا اور اس کی لیاقت عطا کرنا دونوں برابر ہیں۔

اور اگر مسلمانوں کے دلوں میں تشویش ڈالنے کے لیے یہودی شبہ ڈالیں اور کہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر خیر اور نیکی نازل ہوتی ہے۔ اور یہ قرآن پاک کا نزول اس کی رحمت کے آثار سے ہے۔ اور فضلِ عظیم جانتے ہو۔ پس احکام کا منسوخ ہونا جو کہ تمہارے دین میں کئی بار واقع ہوا۔ اور ہو رہا ہے اس کا کیا معنی؟ اگر تمہارے حق میں پہلا حکم بہتر تھا تو دوسرا حکم بُرا ہوا۔ اور اگر دوسرا حکم بہتر تھا تو پہلا حکم بُرا ہوا۔ نیز کئی دفعہ تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بعض اوقات وحی آتی ہے۔ اور ان پر ایک کلام اُترتا ہے۔ اور اسے وہ خود بھی پڑھتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ اور دوسرے وقت میں وہ سب نازل شدہ ان کے ذہن سے نکل جاتا اور بالکل بھول جاتا ہے۔ پس وہ نیک امر جس کی تلاوت پر انہیں ثواب کی امید تھی' ان سے واپس کیوں لے لیا گیا؟ یہ کون سی رحمت اور کیا فضل واحسان ہے؟

اس شبہ کو دفع کرنے کے لیے اس مضمون کو سمجھئے اور دوسرے لوگوں کو سمجھائیے کہ منسوخ کرنے میں خیر کو شر کے ساتھ یا شر کو خیر کے ساتھ بدلنا نہیں ہے۔ تاکہ اس وحی کے اچھے ہونے کے منافی ہو۔ بلکہ ناسخ اور منسوخ دونوں خیر ہیں۔ اس لیے کہ

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ قرآنِ کریم کی آیت کی جنس سے جسے ہم منسوخ کرتے ہیں۔ اور اس کے حکم کو روک دیتے ہیں اگرچہ وہ آیت تلاوت میں برقرار رہے' مصاحف میں لکھی ہوئی اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ۔ جیسے آیت وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ

marfat.com
Marfat.com

اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ الخ (البقرہ آیت ۲۴۰) کہ اس کا حکم ایک سال کی عدت کا واجب ہونا ہے۔ جبکہ یہ دوسری آیت کے ساتھ جس کا حکم چار ماہ دس دن کی عدت کا وجوب ہے' منسوخ ہوئی۔ حالانکہ یہ آیت بھی قرآن پاک میں موجود ہے۔ اور بھولی نہیں بلکہ حافظ کی زبان پر جاری ہے۔ اور مثل آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً (المجادلہ آیت ۱۲) کہ اس کا حکم بھی منسوخ ہے۔ جبکہ اس کی تلاوت باقی ہے۔ اور اسی طرح کفار کے ساتھ جنگ میں صبر کرنے سے متعلق آیت کہ ایک مجاہد کو دس آدمیوں کے مقابلہ میں ثابت رہنے کا حکم تھا' منسوخ ہے۔ اور سورۃ انفال میں موجود ہے۔ اور پڑھی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

اَوْ نُنْسِهَا یا ہم اسے رسول علیہ السلام اور دوسرے قاریوں کے ذہن سے فراموش کرا دیں۔ تا کہ اس آیت کے الفاظ انہیں بخوبی یاد نہ رہیں۔ اور اس کے الفاظ کے بارے میں شبہ میں پڑ جائیں' اگرچہ اصل مضمون اور اس کے بعض الفاظ انہیں یاد ہوں۔ خواہ اس آیت کا حکم باقی ہو جیسے آیت الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم کہ اس کا حکم برقرار ہے۔ اور اس کے الفاظ بخوبی یاد نہ رہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس کے آخر میں وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ہے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ہے۔ اور اسی طرح اس کا مقام بخوبی معلوم نہیں کہ یہ کس سورۃ میں تھی اسی لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے امر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تلاوت چھوڑ دی اور جیسے لاترغبوا عن آباءكم فانه كفر بكم ان ترغبوا عن آبائكم والولد للفراش وللعاهر الحجر جیسا کہ اسے ابن عبد البر نے تمہید میں حضرت عمرو (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا اور جیسے جاهدوا كما جاهدتم اول مرة اسے ابن عبید نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور جیسے بلغوا قومنا انا لقد لقينا ربنا فرضي عنا وارضانا جو کہ بئر معونہ کے شہداء کی زبان سے حکایۃً نازل ہوا تھا۔ اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔ اور جیسے لو كان لابن آدم واد من ذهب لابتغى اليه ثانيا ولو كان واديان لابتغى اليهما ثالثا ولايملأ جوف ابن آدم الا التراب

marfat.com
Marfat.com

ويتوب الله علی من تاب کہ اکثر محدثین نے اسے کثیر صحابہ کرام سے نقل کیا ہے۔ اور ابی بن کعب کے مصحف میں لکھا ہوا بھی تھا۔ لیکن اس کے بعض الفاظ مشتبہ ہو گئے جیسے بطن ابن آدم یا جوف ابن آدم اور اس کا مقام بھی مشتبہ ہو گیا کہ سورۂ احزاب تھی یا سورۂ برأت اور اس کی ابتدا بھی فراموش ہو گئی کہ انا انزلنا المال لاقام الصلوة وايتاء الزكوة تھا یا کچھ۔ اور اسی طرح آیت ان الله سيئويد هذا الدين برجال مالهم في الآخرة من خلاق ہے یا باقوام لاخلاق لهم في الآخرة اسے ابوعبید وغیرہ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ علیٰ ہذا القیاس

اور خواہ اس کا حکم بھی چھوڑ دیا گیا ہو۔ جیسے عشر رضعات معلومات یحرمن کہ اس آیت کی ابتدا اور بعد کا حصہ سب بھول گیا۔ اور اس کا مقام بھی بالکل بھول گیا۔ اور اس کا حکم بھی منسوخ ہے۔ اسے بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا اور ابوداؤد کتاب ناسخ و منسوخ میں، بیہقی دلائل النبوت میں ابوامامۃ بن حنیف کی روایت سے لائے ہیں کہ انصار میں سے ایک صاحب تہجد کے لیے اُٹھے اور انہوں نے سورۂ فاتحہ کے بعد چاہا کہ ایک سورۃ پڑھیں جو کہ انہیں یاد تھی۔ اور ہمیشہ اس کی تلاوت کرتے تھے اس کی تلاوت پر بالکل قادر نہ ہو سکے۔ اور حافظہ سے ساری سورۃ اُتر گئی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سوا ان کی زبان پر کچھ بھی جاری نہیں ہوتا تھا۔ بوقت صبح تعجب کے ساتھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا تو سبھی نے یہی کہا کہ اسی طرح یہ سورۃ ہماری یاد سے بھی نکل گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ماجرا عرض کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا آج رات اس سورۃ کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔ اور میرے سینے سے اور سب لوگوں کے سینے سے نکل گئی۔ بلکہ اس سے جس پر لکھا تھا اس خطبہ کے نقوش بھی زائل ہو گئے۔ بہر حال ان دونوں طریقوں میں سے جو بھی واقع ہو۔

نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ ہم اس منسوخ شدہ یا فراموش شدہ آیت سے بہتر لاتے ہیں۔ اَوْمِثْلِهَا یا خوبی میں اس منسوخ شدہ یا فراموش شدہ آیت کی مثل۔ پس منسوخہ اور ناسخہ دونوں آیات میں خیریت موجود ہوتی ہے۔ اگر چہ بعض اوقات منسوخہ آیت کے مقابلہ میں

marfat.com
Marfat.com

ناسخہ میں زیادہ خیریت ہوتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر آیت کا حکم منسوخ ہے تو اس کی ناسخ دوسری آیت آتی ہے۔ جس سے دوسرا حکم نکلتا ہے۔ اور وہ حکم منسوخ حکم کے مقابلہ میں بہتر ہوتا ہے کہ عمل میں زیادہ آسان ہوتا ہے جیسے فاقرء وا ماتیسر من القرآن کیونکہ عمل میں قم ایلیل الا قلیلا نصفه اوانقص منه قلیلًا او زد علیه ورتل القرآن ترتیلا سے زیادہ آسان ہے۔ یا عمل میں بھی آسان ہوتا ہے۔ اور مصلحت وقت کے بھی زیادہ مطابق ہوتا ہے۔ جیسے اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا کہ عمل میں بھی آسان ہے۔ اور مصلحت وقت کے ساتھ زیادہ مطابق ہے۔ کیونکہ افواج کی کثرت کے وقت ان کے درمیان کمزور دل لوگ ہوتے ہیں اگر انہیں بھی قوی دل لوگوں کی طرح ایک آدمی کو دس کے مقابلہ میں صبر کرنے کی تکلیف دی جائے تو جہاد سے پہلوتہی کریں گے۔ اور جی چرائیں گے۔

یا عمل کرنے والے کی مصلحت سے زیادہ موافق ہو جائے۔ اگرچہ عمل میں سہولت نہ ہو۔ جیسے ماہ رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کو متعین کرنا جو کہ فدیہ دینے اور روزہ رکھنے کے درمیان اختیار دینے کا ناسخ ہوا۔

یا اجر میں زیادہ ہو اگرچہ عمل کرنے والے کی مصلحت کے زیادہ مطابق نہ ہو اور عمل میں بھی آسان نہ ہو جیسے اسلام کے ابتدائی دور میں جہاد کا حکم کہ ابھی زیادہ جمعیت بھی نہیں ہوا تھا۔ اور جنگ کا تجربہ رکھنے والے اور اسلحہ کی مشق رکھنے والے لوگ اس دین میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ اور صبر اور معاف کرنے کی آیات کا ناسخ ہوتا۔

یا ناسخ آیت کا حکم ان امور مذکورہ میں منسوخ آیت کے حکم کی مانند ہوتا ہے۔ اور اگر آیت فراموش ہو گئی ہو تو اس کے عوض دوسری آیت آتی ہے۔ جو کہ اس کے بدلے اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور اس سے ثواب حاصل کیا جاتا ہے۔ اور وہ بھی کبھی پہلی آیت سے کثرت ثواب' فصاحت الفاظ اور بلاغت کلام میں بہتر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ بجائے ان ذات الدين عند الله الحنيفة السمحه'

marfat.com
Marfat.com

لا الیھودیۃ والنصرانیہ کے۔ اور کبھی ان امور میں فراموش شدہ آیت کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسے بُھلائی گئی آیات کے عوض باقی رہنے والی اکثر سورتیں۔

## نسخ کی ایمان افروز حقیقت

یہاں جاننا چاہیے کہ احکامِ شرعیہ میں نسخ احکام تکوینیہ میں نسخ کی طرح ہے۔ اور نظامِ تشریعی میں نسخ کو بعید جاننا جو کہ کافروں کے شبہات ڈالنے کی وجہ سے رونما ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کے نظام تکوینی کے حال کو ملاحظہ کرنے سے دُور ہو جاتا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ احکامِ الٰہیہ جو کہ لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں خواہ تکوینی احکام کی جنس سے ہوں' خواہ شرعی احکام کی جنس سے ہوں' دو قسم پر ہیں۔ خاص ہیں یا عام اور خاص یا تو اشخاص کے ساتھ خاص ہیں یا زمانے کے ساتھ خاص ہیں۔ جو اشخاص کے ساتھ خاص ہیں' اشخاص کی باقی رہنے تک باقی رہتے ہیں۔ اور اس کے بعد منسوخ ہو جاتے ہیں۔ اور جو زمانے کے ساتھ خاص ہیں' وہ اس زمانے کے باقی رہنے تک باقی رہتے ہیں۔ اور وہ زمانہ گزرنے کے بعد ختم ہو جاتے ہیں خواہ وہ گزرنے والا زمانہ قلیل ہو جیسے قرآن پاک کے منسوخ احکام خواہ طویل ہو جیسے پہلی شرائع کے احکام اور یہ تبدیلی ان احکام کے لوحِ محفوظ میں لکھے ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ وہاں انہیں اوقات اور انہیں مدتوں کے ساتھ مقرر کر کے لکھے گئے ہیں۔ جیسے تمام احکام تکوینی جیسے صحت' مرض اور امیری' فقیری۔

اور عام احکام بالکل قابلِ نسخ نہیں ہیں' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی اور برقرار ہیں۔ جیسے احکام تکوینی میں انسان کا بولنا اور اس کے قد کا سیدھا ہونا اور جیسے احکام شرعی میں شرک' زنا' لواطت اور چوری کی حرمت اور اس بیان سے واضح ہو گیا کہ احکام کے نسخ میں خواہ تکوینی ہوں یا شرعی علم الٰہی میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آتی جو تغیر و تبدیلی ہے' وہ ہمارے نقصان زدہ ذہن میں ہے۔ کہ ہم ہر حکم کی مدت نہیں پہچانتے۔ اور غلط فہمی کی وجہ سے اسے ہمیشہ ور دائمی خیال کرتے ہیں۔ اور اگرچہ احکام تکوینی میں یہ معنی جائے انکار اور محل شبہ نہیں۔ کیونکہ بنی آدم میں سے ہر شخص ایک بدن میں صحت کا بیماری سے بدلنا' ایک شخص میں امیری کا فقیری سے بدلنا اور ایک قوم اور ایک گروہ میں غلبے کا مغلوبیت سے بدلنا۔ ایک قوم سے دوسری قوم

marfat.com

Marfat.com

کے ساتھ حکومتوں کی تبدیلی اور ایک مکان اور ایک شہر کا آباد ہونا اور برباد ہونا۔ مختلف اوقات میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اور ان تبدیلیوں کے خفیہ اسباب میں محمول کرتا ہے۔ لیکن شرعی احکام میں اس قسم کی تبدیلی دیکھ سن کر کفار طعنہ اور طنز کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس طعن و تشنیع کو دُور کرنے کے لیے ہر مسلمان کو خطاب کر کے جواب کی تلقین فرماتا ہے۔ اور خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اَلَمْ تَعْلَمْ اے صاحب عقل کیا تو نہیں جانتا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیونکہ تو جہاں بھی دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر لحہ اور ہر آن میں رنگارنگ حوادث اور قسم قسم کے عجائب ظاہر فرماتا ہے۔ اور جو کسی کے فہم اور وہم میں نہیں سماتا' اپنی قدرتِ کاملہ سے اسے اچھی طرح سرانجام دیتا ہے۔ جیسے مہلک بیماری کو صحت' ذلت آمیز غربت کو دولت و ثروت حد درجہ کمزوری کو قوت سلطنت کو گدائی عزت کو ذلت اور بے کسی' روشنی کو تاریکی۔ اور تاریکی کو روشنی سے بدلنا۔ اور جب تو اسے ان تبدیلیوں پر قادر مانتا ہے تو تو اس سے کیا بعید جانتا ہے کہ ایک حکم کو دوسرے حکم اور ایک لفظ کو دوسرے لفظ کے ساتھ بدل دے۔ اور ایک حکم مشروع ہونے کے مرتبے سے معزول فرما کر اس کی جگہ دوسرا حکم مقرر فرمائے۔ اور ایک لفظ کو تلاوت و عبادت کے شرف سے پیچھے کر کے کسی دوسرے لفظ کو اس فضیلت سے نوازا ہے۔ اور دونوں احکام اور دونوں الفاظ اپنے مرتبہ میں قابلِ تعریف اور اچھے ہوں اور اگر یہ اجمالی بیان تیرے اعتراض کی گرہ نہیں کھولتا اور تیری عقل کے شیشے کو صاف نہ کرے تو میں تجھ سے پوچھتا ہوں:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ساتوں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔ اور اس نے ہر آسمان میں ایک جدا حکم' ایک جدا ذکر۔ اور ایک جدا تدبیر کا فیصلہ فرمایا ہے۔ اور اسی طرح زمین کی مختلف ریاستوں میں ایک جدا لغت' ایک جدا طرزِ زندگی۔ اور ایک جدا قانون رکھا ہے۔ جبکہ تمام احکام' تدابیر' طرز ہائے زندگی اور لغتیں اپنے اپنے مقام پر قابلِ تعریف اور پسندیدہ ہیں۔ سندھیوں کے لئے اصطلاح سندھ اچھی اور ہندیوں کے اصطلاح ہند پسندیدہ۔ اور جب تو

marfat.com
Marfat.com

نے جگہوں کے اختلاف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام اور تدبیرات کے اختلاف کو مان لیا۔ اوران سب کو قابلِ تعریف اور بہتر سمجھا تو اشخاص کے اختلاف اور زمانوں کے فرق کی وجہ سے اس کے احکام اور تدبیرات کے اختلاف سے کیوں تعجب کرتا ہے۔ اور بعید سمجھتا ہے۔ اور ہر حکم کو اس کے زمانے میں اوران اشخاص اور گروہ کے حق میں جن پر وہ حکم اُترا' کیوں اچھا نہیں سمجھتا۔

اوراس سے قطع نظر جب معجزات کی دلالت کی وجہ سے پیغمبر وقت علیہ السلام کی سچائی ثابت ہوگئی۔ اور یقین کے ساتھ معلوم ہوگیا کہ جو کچھ وہ رسول علیہ السلام پہنچاتے ہیں بلاشبہ حکم خداوندی ہے۔ پس اس حکم کی اطاعت میں اگرچہ وہ پہلے حکم کا ناسخ ہو' کوئی عذر نہ تھا۔ اور کفار کے بوگس شبہات کی وجہ سے حکم الٰہی کی اطاعت میں تم کس طرح تردد اور پس و پیش کرتے ہو۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ حالانکہ تمہارے لیے خدا تعالیٰ کے سوا کوئی کارساز نہیں۔ جو تمہاری معاش اور معاد کے کام کی اصلاح کرے۔ اگر تمہارا کوئی اور کارساز ہوتا تو گنجائش تھی کہ اس کارساز کو مزاج کا غیر مستقل اور حکم بدلنے والا سمجھ کر چھوڑ دیتے۔ اور اس دوسرے کارساز کی طرف رجوع کرتے۔ اور اپنے معاش اور معاد کا علاج اس سے ڈھونڈتے۔ وَّلَا نَصِيْرٍ اور اس کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ کہ اگر اپنے ناسخ احکام کی نافرمانی پر تم سے باز پرس کرے۔ اور سزا دے تو وہ مددگار تمہیں اس کے ہاتھ سے چھڑا لے۔ تو تم نسخ کی حکمت اور اس کے قبضہ میں اپنی بے چارگی جاننے کے باوجود جب بھی جیسے بھی فرماتے اس کے حکم کی اطاعت اور فرماں برداری کرتے ہو۔ اور اسے سر آنکھوں پر رکھتے ہو؟

ام یعنی نہیں بلکہ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ تم چاہتے ہو کہ سوال کرو اور اپنے رسول علیہ السلام سے درخواست کرو۔ احکامِ الٰہی کو بدلنے کی کہ پہلے جو کچھ فرمایا ہے اسی کو برقرار رکھے۔ اور اسے منسوخ نہ کرے۔ یا جو ہماری خواہش کے مطابق ہے' وہ حکم دے۔ اور جو ہم پر شاق اور گراں ہے' اسے ختم کردے۔ اور رسول علیہ السلام سے اس مقصد

marfat.com
Marfat.com

کو چاہنا اس لیے ہے کہ وہ تمہاری طرف سے اس آرزو کو بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیں اور بار بار زاری کریں۔ تاکہ اس کے مطابق قبولیت ہو جائے۔

كَمَا سُئِلَ مُوسَى مِنْ قَبْلُ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس رسول علیہ السلام سے پہلے سوال کیا گیا تھا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کو احکام میں سے کوئی حکم پہنچاتے تھے۔ اور وہ اسے نفس کے خلاف اور اپنی طبیعت پر ناگوار پاتے تھے۔ جیسے عمالقہ سے جہاد اور زکوٰۃ میں مال کا چوتھائی حصہ دینا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نہایت منت سماجت کے ساتھ درخواست کرتے تھے کہ بارگاہِ خداوندی میں عرض کر کے اس حکم کو تبدیل کرا دیں اور اس کے بجائے کوئی اور ہلکا اور آسان حکم لائیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے سوالات کی کثرت کی وجہ سے بہت تنگ دل ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج آپ کے سامنے ان کی شکایت بھی کی اور آپ کو تاکید بھی کی کہ اُمتیوں تک پہنچنے سے پہلے بارگاہِ خداوندی میں احکام کی تخفیف کا سوال کریں۔ اور پچاس (۵۰) نمازوں کو پانچ (۵) کرایا اور اسی طرح گائے کے واقعہ میں اپنے سوالات کی کثرت کی وجہ سے عام گائے کو بدل کر نادر پابندیوں کے ساتھ مقید کمیاب گائے بنا کر خود تنگی میں گرفتار ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ حکم الٰہی کی تبدیلی چاہنا خصوصاً ناسخ کے حکم کی اطاعت نہ کرنا اور منسوخ کے حکم کو لازم کرنا صریح کفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر حکم اور فرمان چلانے کو لازم کرنا ہے۔

وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ اور جس نے ایمان کے بدلے کفر کو بدل لیا فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ تحقیق اس نے سیدھی راہ گم کر دی کیونکہ منسوخ حکم اگرچہ حکم الٰہی ہے۔ لیکن جب منسوخ ہو گیا اس میں ہدایت باقی نہ رہی۔ اور یہ اس کی طرح ہے کہ چلنے والا طے کی ہوئی راہ پھر طے کرنا شروع کر دے اور آگے نہ جائے' وہ مقصد تک نہیں پہنچ سکے گا۔

## چند جواب طلب سوالات

یہاں چند جواب طلب سوالات باقی ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ عام تکوینی احکام میں تبدیلی کے اسباب معلوم ہیں۔ اور اس کے اسباب پر اطلاع کی وجہ سے وہ بعید اور عجیب

marfat.com
Marfat.com

سمجھنا دُور ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ معلوم ہے کہ موسمِ گرما میں برف نہیں جمتی اور سردیوں میں پانی چھڑکنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور مفلس آدمی فلاں فلاں سبب سے امیر ہوتا ہے۔ اور امیر آدمی فلاں فلاں سبب سے فقیر ہوتا ہے۔ اور بیمار دواؤں سے صحت پاتا ہے۔ اور صحت مند بدپرہیزی سے بیمار ہوتا ہے۔ لیکن احکامِ شرعی میں تبدیلی کا کیا سبب اور کیا وجہ ہے؟ وہاں سوائے مکلفین کی آزمائش اور امتحان کے کہ اطاعت کرتے ہیں یا نافرمانی۔ دوسرا کوئی سبب ظاہر نہیں ہے۔ اور یہ سبب تبدیلی کا موجب نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ احکامِ شرعی میں اصلی سبب یہی ہے۔ مگر یہ آزمائش اور امتحان صرف اٹکل اور خودساختہ حکومت چلانا نہیں۔ بلکہ مکلفین کی مصلحتوں کی رعایت اور ان کے معاش اور معاد کی اصلاح پر مبنی ہے۔ جیسے طبیب کا مریض کو تکلیف دینا کہ جو چیز اسے نفع دینے والی ہے' اس کا حکم دیتا ہے۔ اور جو اسے نقصان دہ ہے' اس سے شدت کے ساتھ منع کرتا ہے نہ کہ جیسا اتفاق ہو۔ اور جب مکلفین کی معاشی اور اخروی مصلحتوں کی رعایت پیشِ نظر ہوئی اور ان کی روحانی بیماریوں کا علاج ارادۂ الٰہیہ کو منظور ہے' مختلف اُمتوں اور مختلف زمانوں کی مصلحتوں کے مطابق احکام کا اختلاف لازمی ہوا۔

## احکامِ شرعیہ میں نسخ کی چار وجوہات

اور محقق علماء نے فرمایا ہے کہ احکامِ شرعیہ میں نسخ چار وجہوں میں سے ایک کے ساتھ ہوتا ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ میں سے کسی حکم میں جو حکمت ہے' مختلف رنگ اختیار کرتی ہے۔ کبھی ایک رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی دوسرے رنگ میں کہ حکمت کی وہ مختلف صورتیں مختلف احکام کا تقاضا کرتی ہیں۔ اور ہر صورت کے مطابق ایک حکم آتا ہے۔ ظاہر بین لوگ صورت کو دیکھتے ہوئے احکام کو مختلف خیال کرتے ہیں۔ اور باریک بین لوگ چھپی ہوئی حکمت پر نظر کرتے ہوئے تمام احکام کو ایک سمجھتے ہیں۔ مثلاً کفار کے ساتھ ان کی عیدوں اور عبادتوں میں مشابہت کو دور کرنا حکمتِ الٰہی میں واجب ہے۔ اور جس زمانے میں یہودی دارالاسلام کے پڑوس میں غلبہ رکھتے اور ہفتہ کے دن کی تعظیم میں زیادتی کرتے تھے' مسلمانوں کو حکم ہوا کہ تنہا ہفتہ کا روزہ نہ رکھیں مگر دوسرے روزوں کے دوران جیسے ماہِ

marfat.com
Marfat.com

رمضان اور ایامِ بیض کے روزے اور جب وہ یہودی ان اچھے مقامات سے نیست و نابود ہو گئے۔ اور ان سے مشابہت کا اصلاً خوف نہ رہا تو اس تنہا دن کا روزہ رکھنے کی حرمت منسوخ ہو گئی۔ اور دوسرے روزوں کی طرح اس دن کا روزہ بھی مباح اور نفل ہو گیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کائنات کے امور کی تدبیر میں ارادۂ الٰہی نیا تعلق پکڑتا ہے۔ اور اس کام میں ایک نیا نقش آ جاتا ہے۔ جو کہ پہلے نہ تھا۔ پس اس نئی تدبیر اور نئے تقاضا کی وجہ سے کئی احکام صادر ہوتے ہیں۔ جو کہ پہلی شریعتوں اور گزشتہ اوقات میں بالکل صادر نہ ہوئے۔ جیسا کہ حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ کے وقت جہان کے لیے تدبیر الٰہی یوں منظور ہوئی کہ نبوت اور بادشاہت کو جمع فرمادیں۔ پس وہ احکام جو کہ دونوں طرف ملے ہوئے تھے' صادر ہوئے۔ اور جہاد' تقسیم اموال غنیمت' خراج اور جزیہ کے مسائل اور جو ان کے مناسب تھا' بروئے کار آئے اور پہلے زمانوں میں جبکہ نبوت' بادشاہت کے ساتھ ملی ہوئی نہ تھی' یہ احکام بھی نہ تھے۔ بلکہ اس کے خلاف حکم ہوتا تھا مثلاً اموالِ غنیمت حلال نہ تھے۔ اور مخالفین سے دین قبول کرنے کے عوض جزیہ اور خراج لینا جائز نہ تھا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس رسول علیہ السلام کی بعثت کے زمانے کے رسم و رواج یا اس رسول علیہ السلام کی قوم کے رسم و رواج کسی حکم کا موجب ہوں کہ اس سے پہلے اس وقت یا اس قوم میں وہ رسم و رواج نہ ہونے کی وجہ سے حکم نہ تھا۔ اور اسی طرح نزولِ وحی کے اوقات کی ابتدا سے انتہا تک جو کہ تیئیس (۲۳) سال کی مدت تھی' کی رسموں کا اختلاف بھی بعض احکام کی تبدیلی کا موجب ہوا۔ اور اسی طرح اس ملت کے قواعد کی نگہداشت اور حفاظت بھی بعض احکام کی تبدیلی کا موجب ہوئی۔ جس کو قائم کرنے کے لیے اس رسول علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی جیسے حضور خاتم المرسلین علیہ السلام کے حق میں ملتِ ابراہیمی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور یہی وجہ ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنا بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا ناسخ ہوا۔

چوتھی وجہ یہ تھی کہ ایک حال سے دوسرے حال تک اور ایک ذمہ داری سے دوسری ذمہ داری تک منتقل کرنے میں درجہ بندی اور مشق کرانے کو کام میں لایا جاتا ہے۔ اس لیے

marfat.com
Marfat.com

کہ صرف اباحت سے مشقت طلب ذمہ داری کی طرف منتقل ہونا اکثر نفسوں پر ناگوار ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ پہلے ہلکی اور آسان ذمہ داریوں کا عادی بنایا جائے تاکہ رفتہ رفتہ مشقت طلب اور بھاری کاموں کو برداشت کرسکیں۔ اور اس درجہ واریت اور مشق کرانے میں بار بار منسوخ کرنا اسی حکمت کی بناء پر واقع ہوا۔ جیسے متعہ میں اور یہ درجہ واریت اور مشق شراب کی حرمت میں خوب ظاہر ہے۔ اور ترکہ کی تقسیم اور والدین اور بیٹوں کے لیے حصے مقرر کرنے میں بھی واضح ہے۔

دوسرا سوال وہ ہے جو اسی جواب پر بطور فرع نکلتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ احکام اور شرعی تکالیف کے نسخ کے لیے یہ وجوہات اور اسباب دل کو تسلی بخش ہوئے لیکن الفاظ قرآن کو فراموش کرنا جو کہ ثواب واجب کرنے اور قربِ خداوندی تک پہنچانے میں محض خیر اور نفع تھا' کون سا سبب سمجھا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اسباب تلاوت کے منسوخ کرنے میں جس کی تعبیر اس آیت میں اس کے ساتھ واقع ہوئی' کامیاب نہیں ہوتے۔ اور کوئی دخل نہیں رکھتے؟

اس کا جواب یہ ہے اس نوع کے نسخ کا سبب بہت دقیق ہے۔ پہلے ایک مقدمہ بیان کیے بغیر ذہن نشین نہیں ہوتا اس مقدمہ پر توجہ رکھنی چاہیے۔ کیونکہ عالمِ غیب سے علوم کے القاء کا طریقہ ترتیب یافتہ الفاظ اور استعمال شدہ کلمات کے طریقہ سے جدا ہے۔ اس لیے کہ علوم کا القاء پہلے عقل پر ہوتا ہے وہاں سے خیال کی طرف چلتے ہیں۔ اور الفاظ کا ایک لباس پہنتے ہیں۔ اور بولنے کے راستوں میں جاری ہوتے ہیں۔ جبکہ الفاظ اور کلمات مذکورہ کا طریقہ قوتِ خیالیہ کی کشادگی اور اسے وسعت دینا ہے۔ تاکہ ترتیب یافتہ الفاظ اور لمبے دامن والے مستعمل کلمات کی اس میں گنجائش ہوسکے۔ پس الفاظ کے القاء میں عالمِ غیب کی نزدیکی اور قرب میں القائے علوم کی نسبت ترقی ہے۔ جو کہ مقام تعقل سے ایک درجہ نیچے اُتر کر خیال کی سرحد میں داخل ہوتے ہیں۔ اور اسی لیے القاء الفاظ کی یہ قسم اولوالعزم پیغمبروں علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے پھر خصوصاً خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام پر زیادہ تر وحی متلو تختیوں پر نقش کی گئی اور

marfat.com

Marfat.com

پتھروں میں کر دی گئی' کتاب کی شکل میں پہنچتی تھی۔ اور اس افضل الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں زبر جدی تختیوں کے بجائے آپ کے مقدس خیال کو مقرر کر کے بلند پایہ حروف کا مصور جو کہ روح المقدس ہے' نقش و تصویر میں مصروف ہوا۔ اور جب یہ نوع قوای بشری کی نسبت سے بہت نادر اور کمیاب ہے تو لازماً بعض اوقات مشق کرانے اور عادت دلانے کے لیے ایک مرتب کلام القاء ہوئی تھی۔ اور اس لوح میں اس کا باقی رہنا منظور نہ ہوتا تھا۔ جیسے بنائی گئی چیزوں کے ڈھانچے' گھڑی گئی عجیب چیزوں کے نمونے اور مختلف افکار کے مسودے۔ بلا تشبیہ بچوں کی تعلیم کی ابتدا میں حروف ہجا کی تعلیم کی طرح کہ حرفوں کی صورتوں کی تعریف اور ان کے ناموں کو بولنے کی مشق کرانے کے علاوہ اس میں اور کسی غرض کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور اسی لیے فرمایا ہے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهِ۔

ہم یہاں پہنچے کہ جو کچھ بھلایا گیا ہے' خصوصیت کے ساتھ اس بھلانے کی وجہ کیا ہے۔ حالانکہ یادداشت میں باقی رہنے والی آیات کے مضامین بھی ان مضامین کی مثل یا ان کے قریب ہیں۔ پس یہ سوال ایک جواب چاہتا ہے۔ جو کہ نہایت تفصیل اور طوالت میں ہے کہ اس تفسیر کا حوصلہ اس کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اور یہاں اسی اجمال پر قناعت کرنا چاہیے جو کہ تفصیل سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ اور اگر نفس بعض نکات کا شدید تقاضا کرے تو اس قدر سننا چاہیے کہ بعض اوقات اس وحی کے مضمون کا خوف اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ بار بار کان میں نہ پڑے جیسے الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما کیونکہ سزا کی سب سے شدید قسم کا بیان ہے۔ اور کبھی سابق یا لاحق وحی میں واقع لفظ سے زیادہ مختصر ایک دوسرا لفظ اس سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور سمجھانے اور وضاحت کرنے کے لیے فوری طور پر اس بھلائے گئے الفاظ کے اُتارنے کے محتاج ہو گئے تھے کہ سابق وحی کے لفظ میں غور یا لاحق وحی کے انتظار کی فرصت نہ تھی جیسے لاترغبوا عن آبائکم فانہ کفربکم وان ترغبوا عن آباء کم۔ کیونکہ وقضی ربك ان لاتعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا الخ اس سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے۔ لو کان لابن آدم وادمن ذھب الخ کا منسوخ ہونا کیونکہ دو کلمات الھاکم التکاثر حتّٰی زرتم المقابر لفظ اور

marfat.com
Marfat.com

کلام کے اختصار کے ساتھ اس کلام سے بے نیاز کرنے والے ہیں۔ اور کبھی پریشان اور غمگین دِلوں کی تسلی اور تشفی منظور ہوتی ہے۔ اور یہ مہربانی ایک دوسرے کلام کو اُتارنے کا سبب ہو جاتی ہے کہ تشفی حاصل ہونے اور غم دُور ہونے کے بعد اس کی اس قدر ضرورت نہیں رہتی بلکہ بلاتشبیہ اس شخص کی مانند ہو جاتی ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کے لیے رقعہ لکھے اور حاضرین میں سے بعض اپنا سلام لکھنے پر بھی اصرار کرے اس حاضر کا سلام اپنی عبارت میں درج کر کے لکھ دے۔ اگر مکتوب الیہ چاہے کہ اس مکتوب کی نقل حاصل کرے تو اس سلام اور اس کی عبارت کو گرا دے گا اور یہی معنی بلغوا عنا قومنا الخ کے نسخ کا باعث ہوا کہ زندوں کی تسلی کے لیے شہیدوں کی طرف سے ایک پیغام پہنچانا منظور تھا۔ اور وہ ہو گیا اسی مثال پر باقی بھلائی گئی آیت کو قیاس کرنا چاہیے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اربابِ اصول کے نزدیک نسخ کی تین قسمیں ہیں۔ صرف حکم کا نسخ جیسے نجویٰ میں وجوب صدقہ کی آیت صرف تلاوت کا نسخ جیسے آیہ رجم۔ اور تلاوت و حکم دونوں کا نسخ جیسے عشر رضعات معلومات یحرمن اور اس آیت میں دو قسموں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور نسخ حکم کو نسخ کا نام دیا۔ اور نسخ تلاوت کو بھلا دینے سے تعبیر فرمایا۔ اور تیسری قسم کے درپے نہیں ہوئے۔ اس کا کیا سبب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت نسخ کی بھی دو قسمیں ہیں جو مذکور ہوئیں لیکن تیسری قسم ان دو قسموں کو مرکب کرنے سے حاصل ہوئی، قسم حقیقی نہیں ہے۔ اور اسی لیے دونوں قسموں میں داخل ہے۔ گویا یوں ارشاد ہوا کہ نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ سواء انسیناها اولااوننسها سواء نسخناها اولانات بخيرمنها اومثلها ؟ اہم جو آیت منسوخ کریں، برابر ہے کہ ہم اسے بھلا دیں یا نہ بھلائیں یا ہم اس آیت کو بھلا دیں برابر ہے کہ اسے منسوخ کریں یا نہ کریں۔ اس سے بہتر لاتے ہیں یا اس کی مثل اور اس اشارہ کی مؤید یہ بات ہے کہ اربابِ تحصیل کہتے ہیں کہ مقسم میں وحدت معتبر ہے۔ اور اسی لیے دو قسموں کو جمع کرنے سے تیسری قسم سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتی۔ ورنہ کوئی تقسیم نہ رُکتی کیونکہ دو قسموں کا مجموعہ تیسری قسم ہو جاتا۔

marfat.com
Marfat.com

چوتھا سوال یہ ہے کہ جب منسوخ التلاوۃ کو بھلانے کے قابل قرار دیا گیا تو چاہیے کہ وہ آیات بالکل بھول جاتیں اور کسی اور کو یاد نہ رہتیں حالانکہ مذکورہ آیات منسوخ التلاوۃ کی مثال میں ابھی یاد ہیں کہ اسے نقل کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات کو فراموش کرانا اس معنی سے نہیں ہے کہ اس کے لفظ اور معنی سے کچھ بھی کسی کے ذہن میں نہ رہے۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان آیات میں نازل شدہ پوری عبارت محفوظ نہ ہو اور بعض الفاظ یا الفاظ کی ترتیب میں شبہ پڑ جائے۔ اور جب شبہ پڑ گیا تو اس کا منزل ہونا یقین کے ساتھ ثابت نہ ہوا۔ اور قرآنِ کریم کی تعریف سے نکل گیا جو کہ منزل بالیقین ہے۔

اور بعض محققین نے کہا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے حافظہ سے فراموش ہونا نسخ تلاوت کی دلیل ہے۔ لیکن چاہئے کہ یہ فراموش ہونا کہ تواتر کی تعداد تک تبلیغ سے پہلے ہو۔ یا عدد تواتر تک تبلیغ کے بعد ہو لیکن اس کا فراموش ہونا ان کی اکثریت کے حافظہ سے کہ ان کے گھٹنے سے تواتر باطل ہو جائے' بھی اسی کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اور اگر عدد تواتر تک تبلیغ کے بعد رسول علیہ السلام کے حافظہ سے فراموش ہو جائے۔ اور ابھی عدد تواتر کو یاد ہے تو یہ نسخ تلاوت کی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ بارہا حضور علیہ السلام کو بعض آیات میں اشتباہ پڑ جاتا جیسا کہ صبح کی قرأت میں سورۂ روم سے اور دوسری سورتوں سے کئی آیات چھوڑ کر گزر گئے ہیں۔ اور تحقیق کے بعد فرمایا کہ کیا تم میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نہیں تھے کہ مجھے لقمہ دیتے اور ان آیات کی یاد دلاتے۔ اور جب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر تھا۔ لیکن یہ سمجھا کہ جب ان آیات کو حضور علیہ السلام نے چھوڑ دیا تو منسوخ ہو گئیں اس وجہ سے میں نے لقمہ نہ دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی کہ میں لبادۂ بشریت میں ہوں' میں بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو تو جب بھول جاؤں تو مجھے یاد کرا دیا کرو۔ نیز فرمایا کہ اگر یہ آیات منسوخ ہو جاتیں تو میں تمہیں اس کی خبر دیتا۔ بعض اصحاب السنۃ نے اسے اسی طرح روایت کیا۔

پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حافظہ سے عدد تواتر کے حافظہ میں باقی

marfat.com
Marfat.com

رہنے کے باوجود کسی آیات کا فراموش ہونا اس آیت کی تلاوت کے نسخ کی دلیل نہیں بنتا اور جو مطلقاً حضور علیہ السلام کی فراموشی کو نسخ تلاوت کی دلیل جانتے ہیں اس واقعہ اور اس کی مثل واقعہ کے جواب میں کہتے ہیں کہ نسیان اور چیز ہے۔ اور سہو و ذہول اور چیز۔ نسیان اس وقت ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ حضور علیہ السلام کے حافظہ میں بالکل نہ رہے۔ اور یہ معنی منسوخ شدہ آیات کے سوا واقع نہیں ہوا۔ اور وہ جو سورۂ روم وغیرہ کی قرأت میں واقع ہوا' صرف ذہول اور سہو یا اشتباہ تھا۔ سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰىٓ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کی دلیل کے ساتھ۔

## سہو اور نسیان میں فرق

اور سہو اور نسیان میں فرق یہ ہے کہ سہو میں صرف خبردار کر دینا کفایت کرتا ہے کہ عقل متوجہ ہو کر اس آیت کو حافظہ میں پالیتی ہے۔ اور نسیان میں اس آیت کے الفاظ سُنے بغیر اور ان الفاظ کو نئے سرے سے یاد کیے بغیر کام نہیں بنتا اور ظاہر ہے کہ مذکورہ واقعات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حالت لاحق نہیں ہوئی۔ ورنہ لقمہ دینا اور متنبہ کرنا کوئی فائدہ نہ دیتا ہاں عرف میں اس حالت کو بھی مشابہت کے طور پر نسیان کہہ دیتے ہیں۔ اور اسی عرفی اطلاق کے مطابق فرمایا کہ انما انا بشر انسی کما تنسون ورنہ نصِ قرآنی کے مطابق قرآن کا بھولنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے محال تھا۔ مگر جب ارادۂ الٰہی اس کے نسخ کے ساتھ متعلق ہوتا تھا۔ اور اس تقریر سے یہ حدیث اس حدیث سے مطابق ہوگئی۔ انی لاانسی ولکن انسی یعنی میں بھولتا نہیں۔ البتہ بھلایا جاتا ہوں کہ موطاء کے بعض نسخوں میں وارد ہے' اسے سمجھنا چاہیے۔

## اس آیت سے مفہوم احکام کا بیان

علمائے اصول نے اس آیت سے جو احکام معلوم کیے ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ احکام کا نسخ جائز ہے' کوئی ڈر نہیں ہے۔ اور یہودی اس بارے میں مخالف ہیں وہ کہتے ہیں۔ کہ شارع کی طرف سے حکم شرعی کو منسوخ کرنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ کوئی مخفی حکمت شارع پر ظاہر نہ تھی۔ اور اب ظاہر ہوئی۔ پس نئے سرے سے شروع کرنا لازم آیا۔ اور کوئی حکمت

marfat.com
Marfat.com

ظاہر نہیں ہوئی تو پہلے حکم کو ختم کرنا اور دوسرا حکم لانا محض بے معنی ہوا۔ اور بے معنی کام شارع سے جو کہ حکیم ہے' بھی محال ہے۔

اور مسلمانوں نے اس بات کے جواب میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ علی الاطلاق مالک ہے۔ اور لَایُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ اس کی شان ہے۔ اسے حق پہنچتا ہے کہ جو چاہے۔ جیسے چاہے حکم فرمائے۔ اور جب چاہے اس کے خلاف حکم دے۔ اس کے بارے میں حکمت و مصلحت پر نظر کا اعتقاد کرنا اسے اپنی طرح مخلوقات کا پابند سمجھنا ہے۔ وہ اس سے پاک ہے۔ اور اگر ہم حکمت اور مصلحت کا اعتبار کریں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصلحتیں اور حکمتیں فی نفسھا زمان' مکان اور اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے۔ جس طرح موسمِ سرما اور ٹھنڈے مزاج میں گرم دوا کھانا ضروری ہوتا ہے۔ اور موسم گرما اور گرم مزاج میں نقصان دیتا ہے۔ اور جب زمانہ سب کا سب ازل سے ابد تک اپنے اوقات میں واقع جزئیات پر منقسم اور پھیلا ہوا ہے۔ بغیر اس کے کہ بارگاہِ خالقِ کائنات کے ساتھ کوئی مصلحت عائد ہو۔ بلکہ اصلح اور اولیٰ کی بنیاد پر زمانہ کے مخفی واقعات کے بارے میں وہی ترتیب ہے۔ ظاہر ہونا' مخفی ہونا' پہلے ہونے والا' لاحق ہونے والا' معدوم کرنا اور واجب کرنا یہ سب زمانہ اور زمانہ والوں کی نسبت سے ہے۔ لیکن دربارِ خداوندی کی نسبت سے تو ازل میں ہر شے اپنے وقت میں کسی تغیر و تبدل کے بغیر واقع ہے۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ہر حکم کی ایک انتہا ہے۔ لیکن مکلفین اس حد کو نہ سمجھنے کی وجہ سے احوال کے قرائن سے گمان کرتے ہیں کہ یہ حکم ہمیشہ رہے گا۔ جب حضرت شارع سے اس حکم کی انتہا کا بیان آتا ہے۔ اور اس حکم کو زائل کر دیتا ہے تو جانتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ اور دوسرا حکم ناسخ ہوا۔ پس یہ جدت' تبدیلی' تقدم و تاخر صرف کم علم مکلفین کی نسبت سے ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ہر حکم اپنے وقت مقرر میں ہے' ظہور و خفا کے بغیر اور اس وقت مقرر سے تقدم و تاخر کے بغیر۔ اور یہ معاملہ صرف احکامِ شرعیہ ہی میں نہیں بلکہ حوادثِ عالم میں سے ہر حادثہ میں بھی قسم واقع ہے۔ اور جو شخص پورے نسخۂ وجود کو جو کہ یکے بعد دیگرے واقع ہونے والے بے انتہا حادثوں پر مشتمل ہے'

marfat.com

Marfat.com

گہرائی سے مطالعہ کرے' اسے ایک کتاب کی طرح جانے کہ اس کتاب کو پڑھنے والا اس کی ایک سطر پڑھتا جاتا ہے۔ اور کلمہ کے بعد کلمہ اس کی زبان سے نکلتا ہے۔ اور جب کچھ کلمات یا سطریں گزر جاتی ہیں تو کچھ دوسرے کلمات اور سطریں ان کے پیچھے سے پہنچ جاتی ہیں۔ جو گزر گئے' لفظی وجود سے مٹ گئے۔ اور جو پیچھے سے آئے وجود لفظی کی تختی پر ثابت ہوگئے۔ اور یہ محو اثبات ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اس اعتبار سے اس نسخے کو کتاب المحو والاثبات کہتے ہیں۔ اور اگر اسی نسخہ کو اس کی مجموعی ہیئتوں کے ساتھ کہ حکمت والے علم والے نے اس کی ابتدائی چیزوں اور انتہائی مقامات سے ترتیب دیا' ملاحظہ کرے' تلاوت کا اعتبار کیے بغیر اور ایک کے گزرنے اور دوسرے کے آنے پر نظر کیے بغیر اسے اُم الکتاب کہتے ہیں۔ اور یہیں سے یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب کا معنی واضح ہوا۔

اور بعض محققین نے اس سب مجموعہ کا نام قضا رکھا ہے۔ اور ظہور تدریجی کو قدر کا نام دیا ہے۔ اور اصطلاح میں کوئی مضائقہ نہیں۔ نیز مسلمان کہتے ہیں کہ تورات مقدس میں مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اپنی بیٹیوں کا اپنے بیٹوں سے نکاح کردیں تا کہ نسل جاری ہو۔ یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ بہن کا بھائی کے ساتھ نکاح دوسری شریعتوں میں شدید حرام ہے تو جب نسخ کا واقع ہونا ثابت ہوا تو اس کے جواز میں اور کیا شبہ باقی رہ گیا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ اکثر عوام گمان کرتے ہیں کہ نسخ کی صورت میں بداء یعنی شروع کرنا لازم آتا ہے۔ اور اس تقریر سے معلوم ہوا کہ بدا اور چیز ہے۔ اور نسخ اور چیز ہے۔ اس لیے کہ نسخ میں مختلف اوقات کے مطابق مکلفین کی مصلحتوں کی تبدیلی ہے نہ کہ حضرت سبحانہ وتعالیٰ پر غیر ظاہر مصلحت کا ظاہر ہونا۔ اور بدا میں غیر ظاہر کا ظاہر ہونا ہے تو ان کے درمیان واضح فرق واضح ہوگیا ہاں نسخ اس وقت بدا کو لازم آتا ہے جب اتحاد فعل' اتحاد وجہ' اتحاد وقت اور اتحاد مکلف سب ثابت ہو جائیں۔ اور اس قسم کا نسخ جو ان چار شرائط کے ساتھ واقع ہو' محالات سے ہے۔ اس لیے کہ نسخ میں یا فعل مختلف ہوتا ہے۔ جیسے یوم عید کے روزہ کا

marfat.com
Marfat.com

حرام ہونا اس کی نماز کے واجب کرنے کے ساتھ یا وجہ فعل مختلف ہوتی ہے۔ جیسے یومِ عاشورہ کا روزہ مستحب ہونے کی صورت میں یومِ عاشورہ کے روزہ کے ساتھ واجب ہونے کی صورت میں۔ یا یتیم کو تکلیف دینے کی نیت سے مارنے کی حرمت اسے ادب سکھانے کو مارنے کے جائز ہونے کے ساتھ یا وقت مختلف ہوتا ہے۔ جیسے کعبہ کی طرف منہ کرنا بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کے ساتھ کہ یہ ایک زمانے میں تھا۔ اور وہ دوسرے زمانے میں یا مکلف مختلف ہوتا ہے۔ جیسے زکوٰۃ میں یہودیوں پر چوتھائی مال واجب کرنا اور مسلمانوں پر چالیسواں حصہ واجب کرنا اور بنی ہاشم پر مالِ زکوٰۃ حرام کرنا اور ان کے غیر پر اس مال کو حلال کرنا۔ علیٰ ہذا القیاس

دوسرا حکم یہ ہے کہ بعض اصولیوں نے کہا ہے کہ حکم کا نسخ بدل کے بغیر جائز نہیں اس لفظ کی بناء پر کہ نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا۔ اور یہ حق ہے کہ اس لفظ سے یہ معنی سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ یہ لفظ صرف دوسری آیت کے وارد ہونے پر دلالت کرتا ہے نہ کہ دوسرے حکم کے وارد ہونے پر۔ کیونکہ ظاہر ہے حضور علیہ السلام سے مناجات کے لیے صدقہ واجب ہونے کی آیت ایک اور آیت سے منسوخ ہو گئی۔ اور اس کے بدلے دوسرا حکم نہ آیا۔ اور اسی طرح روزہ کی رات میں سونے کے بعد کھانے پینے وغیرہ سے رُکنے کا وجوب منسوخ ہوا۔ اور دوسری آیت آئی کہ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ اور اس کے بدلے میں کوئی دوسری چیز مقرر نہیں ہوئی اور اگر حکم کو اباحت سے عام رکھیں جیسا کہ اصولیوں کی اصطلاح ہے تو ہر نسخ میں ایک بدل متحقق ہوتا ہے۔ اگر اباحتِ اصلیہ کی طرف لوٹتا ہو اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظی جھگڑا ہے۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ بعض اصولیوں نے حکم کے نسخ کے لیے شرط کی ہے دوسرے حکم سے زیادہ ہلکا ہونا کہ زیادہ ثقیل۔ اس لیے کہ اس صورت میں خیریت اور مثلیت متحقق نہیں ہوتی۔ اور اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ حکم ناسخ چاہیے کہ خیر ہو یا مثل جبکہ محققین کے نزدیک یہ معنی ضروری نہیں۔ اس لیے کہ عمل کا بھاری ہونا کثرت ثواب کا سبب ہوتا ہے۔ پس خیریت کثرت ثواب کے اعتبار سے ثابت ہوئی اور یہ قطعاً معلوم ہے کہ رمضان کا روزہ رکھنے اور

marfat.com
Marfat.com

فدیہ دینے کے درمیان اختیار دینا معین طور پر روزہ واجب کرنے کے ساتھ منسوخ ہوا حالانکہ ناسخ کا حکم منسوخ کے حکم سے زیادہ بھاری ہے۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک اسی لفظ کی وجہ سے کہ نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْمِثْلِهَا کتاب اللہ کا ناسخ کتاب اللہ ہوگی۔ اور رسول علیہ السلام کا کلام آیت کتاب سے نہ بہتر ہے۔ اور نہ مثل۔ اور انصاف یہ ہے کہ نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْمِثْلِهَا دلالت نہیں کرتی مگر اس پر کہ ناسخ کا حکم منسوخ سے ثواب کی کثرت اور رعایت مصلحت کے اعتبار سے بہتر یا اس کی مانند ہوتا ہے نہ یہ کہ وحی متلو ہوتی ہے۔ اور حقیقت رسول علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتارا گیا حکم جیسے بھی ہو متلو ہو یا غیر متلو خدا تعالیٰ کا لایا ہوا ہے۔ اور یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ الالاوصیۃ لوارث اقربین کی وصیت کا ناسخ ہوا۔ اور اس معنی کو مواریث کی آیت سے سمجھنا اس کو واجب نہیں کرتا کہ ناسخ بھی وہی ہے۔ کیونکہ ناسخ کی دلالت نئے حکم پر بالکل واضح ہونی چاہیے نہ کہ خفیہ۔

پانچواں حکم یہ ہے کہ دین کے مفسر اور مجتہد کو چاہیے کہ ناسخ اور منسوخ کا علم رکھتا ہو اور اس علم کے بغیر اسے علوم دینیہ میں دخل دینے کا حق نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اس علم کے بغیر اسے علم شرع اور غیر شرع میں امتیاز نہ ہوگا۔ کئی دفعہ حکم منسوخ کو شارع کا حکم سمجھ کر فتویٰ دے دے گا اور غلطی میں پڑ جائے گا۔ اور اسی لیے ابوجعفر نحاس نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ آپ ایک دن مسجد کوفہ میں داخل ہوئے' دیکھا کہ ایک شخص وعظ کر رہا ہے' پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کی یہ واعظ ہے کہ لوگوں کو خدا سے ڈراتا ہے۔ اور گناہوں سے منع کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس شخص کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس کی طرف انگلیاں اُٹھائیں اس سے پوچھو کہ ناسخ اور منسوخ کو جدا جدا جانتا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا مجھے یہ علم حاصل نہیں۔ فرمایا اسے مسجد سے باہر نکال دو۔ (اقول وباللہ التوفیق اس سے معلوم ہوا کہ آج کل بستر بردار جاہل تبلیغیوں کو مسجد سے نکالنا جائز ہے کہ بدعقیدہ ہیں اور احمقوں کا ریوڑ اور مسائل شرعیہ سے نابلد۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے بچائے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور دارمی نے اپنی مسند میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے جو کہ رسول کریم

marfat.com
Marfat.com

علیہ السلام کے رازدار تھے روایت کی کہ ان سے کسی نے مسئلہ پوچھا اور عرض کی کہ اس کے بارے میں کوئی حکم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا فتویٰ اور حکم دینے کے درپے تین میں سے ایک شخص ہوتا ہے: پہلا وہ شخص ہے۔ جو کہ قرآن کے ناسخ اور منسوخ احکام پہچانتا ہے۔ اور اس قسم کا آدمی اس زمانے میں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ دوسرا وہ شخص ہے۔ جسے قاضی بنا دیا گیا ہو چار و ناچار یہ کام اس کے ذمہ پڑا ہو۔ تیسرا وہ احمق جو تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو علماء اور فقیہوں میں داخل کرتا ہے۔ میں پہلی قسم میں سے تو ہوں نہیں۔ اور نہ ہی دوسری قسم سے۔ اور میری طبیعت پسند نہیں کرتی کہ میں تیسری قسم میں ہو جاؤں۔

چھٹا حکم یہ ہے کہ آیت اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ میں ارشاد ہوا کہ رسل علیہم السلام سے سوال ممنوع اور غیر پسندیدہ ہے۔ حالانکہ رسل علیہم السلام سے سوال اور تفتیش کیے بغیر دین اور ایمان کے مقدمات واضح نہیں ہوتے۔ اور حق کی راہ باطل کی راہ سے جدا نہیں ہوتی۔ اور اُمتیوں کو تسلی و تشفی حاصل نہیں ہوتی۔ پس پیغمبر علیہ السلام سے سوال کو بُرا کیوں قرار دیا گیا اور کنایہ کے طریق سے اس سے کیوں منع فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسل علیہم السلام سے سوال مطلقاً منع نہیں ہے۔ بلکہ احکامِ الٰہیہ کو تبدیل کرنے کا سوال منع ہے۔ جیسا کہ تفسیر میں گزرا۔ ہاں ہر وہ سوال جس کے ضمن میں مقدمات دین میں کوئی خرابی ہو اسی سوال کے ساتھ ملنے والا ہے۔ جیسے رسول علیہ السلام سے حاجت کے بغیر خود ساختہ معجزات کا سوال کرنا جس طرح کہ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ لن نومن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا اوتكون لك جنة من نخيل و عنب فتفجر الانهار خلالها تفجيرا او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا اوتاتي با لله والملائكة قبيلا او يكون لك بيت من زخرف اوترقى في السماء ولن نؤمن لرقيك حتى تنزل علينا كتابا نقرء ه (بنی اسرائیل آیت ۹۰ تا ۹۳) یا اس طرح نزولِ وحی کی فرمائش کرنا جس طرح ہم چاہتے ہیں۔ جیسا کہ اہل کتاب کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا يسئلك اهل الكتاب ان تنزل عليهم كتابا من السماء فقد

marfat.com
Marfat.com

سالوا موسیٰ اکبر من ذٰلك فقالوا ارنا اللّٰه جهرة یا مرضی الٰہی کے بغیر نئے گھڑے ہوئے احکام کو مقرر کر لینا جیسا کہ ناواقف مسلمانوں کے ایک گروہ نے کہا تھا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے لیے بھی ایک درخت مقرر فرمائیں جس میں ہم اپنے ہتھیار لٹکائیں جیسا کہ مشرکین کے لیے ایک درخت ہے۔ جس میں وہ اپنے ہتھیار لٹکاتے ہیں۔ اور انہوں نے اس درخت کو ذات انواط کا خطاب دے رکھا ہے۔

اور یہ قصہ جاہل بنی اسرائیلیوں کے سوال کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا تھا کہ کہتے تھے اجعل لنا الٰها كما لهم آلهة یا امور غیبیہ جزئیہ جن سے کوئی نفع نہیں' کے متعلق سوال کرنا جس طرح کہ بعض ضعیف الایمان لوگ امتحان یا بدگمانی دور کرنے کے لیے پوچھتے تھے کہ میری بیوی سے کیا پیدا ہوگا لڑکا یا لڑکی اور میرا باپ کون آدمی تھا؟ اور فلاں گم شدہ چیز کہاں ہے؟ مختصر یہ کہ جو سوال کہ ممنوع ہے' وہ ایسا سوال ہے جو بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیے گئے سوالات کے ساتھ ان وجوہ میں سے کسی وجہ کے ساتھ مشابہت رکھے نہ کہ مطلق سوال۔ اور اس قسم کے بے ادبی کے سوالات بے ایمانی کا شائبہ بھی رکھتے ہیں۔

اور اہلِ کتاب جو کہ نسخ آیات اور الفاظ قرآن کے بارے میں۔ بے سروپا شبہات ڈالتے ہیں' حقیقت میں ان کا مقصد طلب ہدایت اور اپنے شبہات دور کرنا نہیں تا کہ ان کے ہر سوال کا جواب دیا جائے بلکہ

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اکثر اہلِ کتاب دوست رکھتے ہیں۔ باوجود یکہ کتاب کو جاننے والے ہیں۔ اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے احوال سے خوب واقف ہیں۔ اور نسخ احکام ان کی کتاب میں بھی موجود ہے۔ جس طرح کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کے عہد میں بیٹیوں کی بیٹوں کے ساتھ شادی کرنے کا واقعہ اور اس کا لاحق شریعتوں میں منسوخ ہونا۔ اور جیسا کہ کوئی سی گائے ذبح کرنے کا قصہ جو کہ ان کے بے ہودہ سوالات کی وجہ سے منسوخ ہو کر ایک خاص گائے ذبح کرنے تک پہنچا۔ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ کاش کہ تمہیں شبہات ڈال کر لوٹا دیں۔ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ تمہارے ایمان کے بعد۔ كُفَّارًا کافر کر کے۔ جیسا

marfat.com

Marfat.com

کہ اپنی کتاب کے ساتھ خود کفر کرتے ہیں اور تمہاری طرف سے انہیں یہ بُرا مقصد کسی سبب اور محرک کی وجہ سے وقوع پذیر نہیں ہوا بلکہ

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ حسد کی بناء پر جو کہ ان سے اُٹھتا ہے۔ بغیر کسی وجہ کے اور انہیں تمہارے دین کے بارے میں بھی کوئی شک اور شبہ باقی نہیں رہا تا کہ مشکوک اور شبہ والے دین سے لوٹانا ان کے گمان میں بہتر اور اچھا ہو۔ بلکہ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ اس کے بعد کہ تمہارے دین کی حقانیت ان پر واضح ہو چکی ہے۔ اور ان کی اس شرارت اور بدذاتی کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے انتقام کے درپے رہو لیکن تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودیوں میں سرگرم عمل رہو۔ اور نفسانیت کو اپنے تک راہ نہ دو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ان سے مت اُلجھو۔

فَاعْفُوْا پس ان کے یہ جرائم معاف کر دو۔ اور ان کے بیہودہ شبہات کی طرف کوئی توجہ نہ کرو۔ وَاصْفَحُوْا اور ان کی جنگ' لڑائی اور گالی گلوچ سے درگزر کرو۔ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے۔ جنگ اور لڑائی کے لیے۔ اور یہ گمان مت کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی تاخیر عاجزی کی بناء پر کی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے شر کو ابھی دُور کرنے پر بھی قادر ہے۔ بلکہ

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ان کے شر کو دُور کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نسبت کون سا کام ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اس امر کی تاخیر کا تقاضا فرماتی ہے۔ کیونکہ اگر اس وقت تمہیں اُن کے ساتھ جنگ اور لڑائی کا حکم دے حالانکہ مشرکین عرب خصوصاً مکہ کے رئیس تمہارے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں۔ اور عوام الناس کے ذہنوں میں یہ بُرا گمان جگہ پکڑتا ہے کہ یہ آدمی بہت سخت مزاج ہے کہ ہر کسی کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ اور نرمی اور تالیف قلوب نہیں کرتا۔ اور جب عرب کے مشرکین اور مکہ کے رئیس مغلوب ہونے اور لڑنے جھگڑنے کے بعد تمہارے دین میں داخل ہو جائیں یا صلح صفائی کے لیے سلسلہ جنبانی کریں۔ اور تمہارے رسول علیہ السلام کی طرف سے مائل کرنے اور تالیف قلوب کا طریقہ عام خاص لوگوں کے مشاہدے میں آجائے اس وقت تمہارے

marfat.com

Marfat.com

ہاتھوں انہیں تنبیہ کرنا اور ان سے بدلا لینا زیادہ درست اور مناسب ہے۔ اور اگر تمہارا شوقِ جہاد شدید تقاضا کرتا ہے تو اس وقت تک جہادِ نفس میں مشغول رہو۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور نماز کو برپا رکھو جو کہ بدن پر بہت گراں عبادت ہے۔ اور نفس کو زیر وزبر کرتی ہے۔ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ دو کیونکہ مال خرچ کرنا نفس پر مشقت بدن سے زیادہ تر بوجھل اور ناگوار ہوتا ہے۔ اور اگر تمہیں اس قدر پر قناعت حاصل نہ ہو تو بدنی اور مالی نفلی عبادات بجالاؤ۔ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ اور جو کچھ تم نیکی اور خیرات کی قسم سے اپنی جانوں کے نفع کے لیے آگے بھیجتے ہو۔

تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ضرور پاؤ گے اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ اگرچہ بے دین اہلِ کتاب تمہارے اعمال کو رائیگاں اور ضائع سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ تحقیق اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ اور تم سے حسنِ نیت اور شوقِ اطاعت کو جانتا ہے۔ اور اسی کے مطابق تمہیں جزا دیتا ہے۔

## حذیفہ بن الیمان اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا یہود کو جواب لاجواب

یہاں جاننا چاہیے کہ اکثر مفسرین نے ان دونوں آیات کے نزول کے سبب کی یوں حکایت کی ہے کہ ایک دن فخاص بن یزید بن قیس اور یہودیوں کی ایک جماعت نے احد کے واقعہ اور اس میں مسلمانوں کو لاحق پریشانی کے بعد حذیفہ بن الیمان اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ دیکھو کیسی آفت آ پہنچی اور ذلت ورسوائی ہوئی' تمہارے سردار قتل کر دیئے گئے۔ اگر تم حق پر ہوتے تو تمہیں یہ ہزیمت اُٹھانا نہ پڑتی۔ پس بہتر ہے کہ تم پھر اسی پرانے دین کی طرف رجوع کرو اور اگر رسول (علیہ السلام) کی پیروی چاہتے ہو تو ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ ہمارا دین سب سے افضل ہے۔ اور مدت دراز ہوئی کہ ہمارے پاس ہدایت آئی۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ عہد شکنی تمہارے نزدیک کیسی ہے؟ اچھی ہے یا بری؟ انہوں نے کہا کہ عہد شکنی سخت گناہ ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عہد باندھا ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں' ان سے نہیں پھروں گا اور

marfat.com
Marfat.com

آپ کا منکر نہیں ہوں گا۔ یہودیوں نے کہا کہ اس شخص نے جواب کی ذمہ داری خوب پوری کی۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میرا حال پوچھتے ہو تو میں اپنے خدا پر راضی ہوں کہ وہ میرا پروردگار ہے۔ اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے راضی ہوں کہ وہ میرے رسول علیہ السلام ہیں۔ اور اسلام سے راضی ہوں کہ وہ میرا دین ہے۔ اور قرآن سے راضی ہوں کہ وہ میرا امام اور پیشوا ہے۔ اس کے بعد مجھے کسی مصیبت اور آفت کی کوئی پرواہ نہیں ہے جب یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور ماجرا عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے خوب کہا اور چھٹکارا پایا' اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں آیات بھیجیں۔

## حسد کی مذمت کا بیان

اور اس آیت میں حسد کی مذمت واقع ہوئی۔ اس لیے کہ دوسرے کے کفر اور ہے گمراہ کرنے کا سبب ہوتا ہے۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ الحسد یا کل الحسنات کما تاکل النار الحطب حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے۔ جس طرف آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔ نیز حدیث پاک میں وارد ہے کہ بنی آدم کی ایک جماعت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی دشمن ہوئی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کون بدبخت ہوگا جسے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے دشمنی ہے؟ فرمایا وہ لوگ جو کہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جو فضل وکرم کرتا ہے' اسے پسند نہیں کرتے۔ اور اس بُری خصلت کی سب سے شدید قباحت یہ ہے کہ علماء میں یہ خصلت زیادہ غلبہ کرتی ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدر کو زیادہ سمجھتے ہیں۔ اور اس نعمت کے اپنے پاس نہ ہونے اور اپنے غیر کے پاس ہونے سے بہت تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اور ان کی طبیعت حسد کی طرف رغبت کرتی ہے۔

## چھ (۶) گروہ حساب کے بغیر دوزخ میں جائیں گے

اور اسی لیے اہل تجربہ نے کہا ہے کہ چھ (۶) گروہ حساب کے بغیر دوزخ میں جائیں

marfat.com

Marfat.com

گے۔ حکام ظلم کی وجہ سے۔ تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے دیہاتی غرور اور تکبر کی وجہ سے تاجر خیانت کی وجہ سے جنگلی اور بادیہ نشین جہالت کی وجہ سے اور علماء حسد کی وجہ سے۔ اور اس کہنے والے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بُری خصلتیں ان مذکورہ گروہوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ان خصلتوں سے خالی نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ۔ پس حساب اور حالات پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

## والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی فضیلت

اور بنی اسرائیل کی بعض کتابوں میں منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے روحانی معراج میں ایک شخص کو سایہ عرش میں دیکھا جو کہ تجلی الٰہی سے بہت قریب ہے۔ عرض کی بارخدایا! یہ شخص کون ہے۔ اور کس عمل کی وجہ سے اس مرتبے کو پہنچا؟ ارشاد ہوا کہ اس کا نام تمہارے سامنے نہیں لیتے لیکن اس کے اعمال سے تین (۳) چیزیں ہماری بارگاہ میں مقبول ہوئیں جس کی وجہ سے ہم نے اسے اس مرتبہ تک پہنچایا۔ پہلی چیز یہ ہے کہ جو نعمت کسی کے حق میں دیکھتا تھا' حسد نہیں کرتا تھا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اپنے والدین سے نافرمانی کا سلوک نہیں کرتا تھا۔ تیسری چیز یہ کہ چغل خوری اور عیب جوئی نہیں کرتا تھا۔

اور حضرت عبداللہ بن عون سے مروی ہے کہ ایک دن وہ فضل بن مہلب کی مجلس میں داخل ہوئے۔ اور فضل بن المہلب ان دونوں واسط کا صوبہ دار تھا۔ اس سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تجھے چند چیزوں کے ساتھ پند و نصیحت کروں۔ خبردار رہ تکبر مت کر کیونکہ یہ پہلا گناہ ہے جو جہان میں رونما ہوا۔ اور ابلیس اسی گناہ کی وجہ سے ابدی ملعون ہوا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ۔ نیز اپنے آپ کی حرص اور طمع سے حفاظت کر کیونکہ یہ زمین پر اُترنے کا باعث ہے۔ نیز حسد سے دُور رہ کیونکہ قابیل کا ہابیل کو قتل کرنے کا باعث یہی مذموم خصلت ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ کسی پر حسد نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ شخص اگر جنتی ہے تو مال و دولت' نام اور دنیا کا مرتبہ جنت کے مقابلے میں کیا شے

marfat.com

Marfat.com

ہے کہ اس پر حسد کیا جائے۔ جب اسے جنت دیں گے تو یہ چیزیں بھی اگر اسے دے دیں تو
دی ہوں گی۔ اور اگر دوزخی ہے پس اس پر حسد کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان سب
نعمتوں کا انجام دوزخ ہے۔

## حسد کے چار (۴) مرتبے ہیں

علماء نے کہا ہے کہ حسد کے چار مرتبے ہیں ایک سے ایک اونچا۔ پہلا مرتبہ یہ کہ کسی سے نعمت کا زوال چاہنا اگر چہ وہ نعمت خود تک نہ پہنچے اور یہ حسد کا سب سے اونچا مرتبہ ہے۔ کیونکہ نیک مسلمان کے حق میں اسی قسم کا حسد کرنا بہت بُرا اور کبیرہ گناہ ہے۔ جبکہ کافر اور فاسق کے حق میں جو کہ اس نعمت کی وجہ سے کفر اور معصیت پر قوت پکڑتا ہے جائز اور مباح ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ کہ کسی سے اس نعمت کا اپنی طرف منتقل ہونا چاہے۔ مثلاً کسی کے باغ کے متعلق چاہے کہ میں مالک ہو جاؤں اور کسی کی عورت کو چاہے کہ میرے نکاح میں ہو اور کسی کی سرداری مجھے مل جائے یہاں اپنے لیے اس نعمت کا حصول پہلی غرض اور مطلوب بالذات ہوتا ہے اس شخص سے اس نعمت کا زوال بالتبع مقصود ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کے بارے میں اس قسم کا حسد بھی حرام ہے۔

تیسرا مرتبہ یہ کہ کسی سے نعمت کا زوال نہ چاہے مگر جب اس قسم کی نعمت کو اپنے لیے حاصل کرنے سے عاجز ہو جائے تو آرزو کرے کہ کاش یہ نعمت کسی اور کے پاس بھی نہ ہو تا کہ اسے مجھ پر کوئی فضیلت اور فوقیت نہ رہے۔ چوتھا مرتبہ یہ کہ اس نعمت کا حصول اپنے لیے چاہے۔ اور اپنے غیر سے اس نعمت کا زوال یا اس نعمت کا اپنی طرف منتقل ہونا قطعاً اس کے دل میں نہ کھٹکے۔ اور اسے غبطہ اور تنافس کا نام دیتے ہیں۔ اور حسد کا یہ مرتبہ اگر دینی امور میں متحقق ہو جیسے ایمان' نماز' زکوٰۃ' فی سبیل اللہ خرچ کرنا' پڑھانا' پڑھنا' ارشاد اور ولایت تو قابلِ تعریف ہے۔ بلکہ بعض اوقات واجب بھی ہو جاتا ہے۔ اور حرام نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں واقع ہے **وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون** اور حدیث صحیحین یعنی بخاری و مسلم کی حدیث میں وارد ہے **لاحسد الافی اثنین رجل اٰتاہ اللّٰہ مالاً فانفقہ فی سبیل اللّٰہ ورجل آتاہ اللّٰہ علما فھو یعمل بہ ویعلم الناس** یعنی صرف دو

marfat.com
Marfat.com

کے متعلق حسد (رشک) درست ہے۔ وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ اور وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علمِ دین عطا فرمایا تو وہ اس پر عمل کرے ہے۔ اور لوگوں کو پڑھائے۔

## حسد کے اسباب سات (۷) چیزیں ہیں

نیز علماء نے فرمایا ہے کہ تحقیق کے مطابق حسد کے سات اسباب ہیں۔ پہلی چیز عداوت اور بغض اس لیے کہ آدمی کی جبلت ہے کہ جب اسے کسی کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے تو طبعی طور پر یہ اسے اپنے دل میں دشمن سمجھتا ہے۔ اور اس کے باطن میں کینہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ہر وقت رشک اور انتقام کی تشفی کا قصد کرتا ہے۔ اور جب اسے اپنی ہمت سے یہ امر میسر نہیں آتا تو چاہتا ہے کہ زمانہ کی گردش اس سے انتقام لے اور اس کی جان اور مال ضائع ہو جائے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ایسے حاسدوں کے بارے میں فرمایا کہ ان تمسسکم حسنة تسؤهم وان تصبکم سئية يفرحوا بها یعنی اگر تمہیں اچھائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے۔ اور اگر تمہیں برائی پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اور یہی حسد ہے۔ جو کہ باہمی مقابلہ بازی اور جھگڑے کا باعث ہوتا ہے۔

دوسری چیز غرور اور تکبر ہے کہ اس کی وجہ سے اپنے دوست اور ہم نشیں کو اونچے منصب اور بلند مرتبہ پر نہیں دیکھ سکتا ہے۔ پس وہ چاہتا ہے کہ وہ مرتبہ اس سے زائل ہو جائے تاکہ ہم دونوں برابر ہو جائیں اور یہی وہ حسد ہے۔ جس کی وجہ سے کافر کہتے تھے لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم (الزخرف آیت ۳۱) تیسری چیز یہ کہ ایک آدمی کو دوسروں سے خدمت لینے اور انہیں تابع رکھنے کی عادت ہے۔ اور یہ خدمت لینا اور تابع رکھنا دوسروں سے نعمت زائل ہوئے اور ان کے اس کا محتاج ہوئے بغیر صورت نہیں پکڑتا۔ ناچار ان سے نعمت کا زوال چاہتا ہے۔ جس طرح کے کفار مسلمانوں کی نسبت کہتے تھے اهؤلاء من الله عليهم من بيننا (الانعام آیت ۵۳) چوتھی چیز کسی کے نعمت حاصل کرنے پر تعجب کرنا کہ اپنی نظر میں اسے اس کے لائق نہیں سمجھتا۔ اس کا باعث ہوتا ہے کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے تاکہ تعجب زائل ہو جائے۔ جیسا کہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

marfat.com

Marfat.com

وسلم کے بارے میں تعجب رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا او عجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم علی رجل منکم لینذر کم (الاعراف آیت ۶۳) پانچویں چیز اپنے بعض مقاصد کے فوت ہونے کا خوف دوسرے سے نعمت زائل ہونے کی تمنا کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہر صنعت والوں کو اس صنعت میں شریک لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے ایک شوہر کی عورتیں ایک شہر کے طبیب۔ یا ایک مسجد کے واعظ۔ چھٹی چیز سرداری کی محبت دوسروں کی سرداری کے زوال کی تمنا کرتی ہے۔ اس لیے کہ بے مثل ہونا اور کسی کمال میں منفرد ہونا آدمی کو طبعی طور پر پسند ہے۔ حالانکہ یہ معنی اسے کبھی میسر نہیں ہوتا۔ بلکہ کمالات میں منفرد ہونا حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پاک کا خاصہ ہے۔ ساتویں چیز نفس کا کمینہ پن' حد سے زیادہ لالچ اور بے حد بخل کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا فیض دیکھنے سے ہی طبعی طور پر رنجیدہ ہوتا ہے۔ اور بندوں کی مصیبت اور بدحالی دیکھ کر طبعی طور پر خوش دل ہوتا ہے۔ اور یہ حسد تمام حسدوں سے بدترین ہے۔ حسد کی تمام قسموں سے خدا کی پناہ

اور جب ان ساتوں اسباب میں سے چند چیزیں جمع ہو جائیں تو حسد زیادہ قوی اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اور یہودیوں میں اپنے وقت کے رسول علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے متعلق چند اسباب حسد جمع ہو گئے تھے۔ اور اسی لیے ان کا حسد ان کے جوہر نفس میں پختہ ہو گیا تھا جیسا کہ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ کے لفظ سے اس کا اشارہ فرمایا گیا ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ حسد ایک عالمگیر بیماری ہے کہ بہت کم لوگ اس سے خالی ہوں گے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں اس آزمائش کے عام ہونے کا اشارہ آیا ہے جہاں کہ فرمایا مامنا الاویحسد ومامنا احد الاوینظر ولکن اذا حسدت فلا تحقق واذا نظرت فلا ترجع یعنی ہم میں سے کوئی نہیں۔ مگر وہ حسد کرتا ہے۔ اور ہم میں سے کوئی نہیں۔ مگر وہ بری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ لیکن جب تو حسد کرے تو کھوج نہ لگا اور جب ایسی نظر سے دیکھے تو دوبارہ مت دیکھ۔

## روحانی مرض حسد کا علاج دو چیزیں ہیں

اور اس روحانی بیماری کا علاج دو چیزیں ہیں: علم اور عقل۔ علم کی دو قسمیں ہیں: اجمالی

marfat.com
Marfat.com

اور تفصیلی۔ اجمالی یہ کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور حکم کے ساتھ جانے اور اس عقیدے کو ذہن میں حاضر رکھے کہ ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن یعنی جو اللہ تعالیٰ نے چاہا' ہو گیا۔ اور جو نہیں چاہا' نہیں ہوا۔ اور سمجھے کہ کسی کو بُرا سمجھنا اور کسی کی خواہش تقدیر کو ٹالنے میں کارگر نہیں ہوتی اور تفصیلی علم یہ ہے کہ حسد کو اپنے ایمان کی آنکھ کا تنکا سمجھے اس لیے کہ حکم الٰہی کو بُرا جاننے اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم سے ناراضگی کا سبب بنتا ہے۔ اور اپنی نوع کے بھائیوں کی بدخواہی اس کا لازمہ ہے۔ اور عذابِ دائمی' ہمیشہ کا غم' وسواس اور حواس کا بے سکون ہونا اس کی فوری دولت ہے بغیر اس کے کہ جس سے حسد کرتا ہے۔ اسے دنیا یا آخرت میں کوئی نقصان پہنچے اس لیے کہ دنیا میں حسد کی وجہ سے اس کی نعمت زائل نہیں ہوتی اور دین میں اسے نقصان تو کیا بلکہ عظیم فائدہ پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ وہ مظلوم ہو جاتا ہے۔ اور یہ ظالم اور مظلوم کو آخرت میں ظالم کی نیکیوں میں تصرف کا حق دیں گے۔

اور حکماء نے حاسد کا نقصان سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان کی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ صحیح بات کہی کہ حاسد بالکل اس شخص کی طرح ہے جو اپنے دشمن پر ایک پتھر پھینکے مگر وہ پتھر دشمن تک نہ پہنچے اور واپس اسی کی آنکھ پھوڑ دے۔ اور یہ بے وقوف دوبارہ اس پتھر کو پھینکے اور دوسری آنکھ بھی پھوٹ جائے۔ اور تیسری دفعہ اس کا سر پھوڑ دے۔ اور اس کا دشمن ہر حالت میں محفوظ رہا۔ دوسرے لوگ اس کی بیہودہ حرکات کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں۔ اور یہ حسد کا سارا وبال دنیا میں ہے۔ وَالْعَذَابُ الْاٰخِرَةُ اَشَدُّ وَاَبْقٰی۔

رہا عمل تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس سے حسد کرتا ہے اس کے بارے میں ایسے کام عمل میں لائے جو سب کے سب حسد کے تقاضا کے خلاف ہوں۔ مثلاً اگر حسد بدگوئی کا باعث ہو تو بدگوئی کے بجائے اس کی تعریف کرے۔ اور اگر تکبر کا باعث ہو تو اس کے سامنے تواضع اور عاجزی کرے تاکہ رفتہ رفتہ محسود اس کا محبوب اور محب ہو جائے۔ اور حسد خود بخود زائل ہو جائے اس لیے کہ محبت حسد کے مادہ کو ختم کرنے والی ہے۔

نیز یہاں جاننا چاہیے کہ حاسد کے دل میں محسود کی طرف سے جو نفرت آتی ہے' وہ ایسی چیز ہے جو اس شخص کے بس میں نہیں ہوتی۔ پس اس نفرت پر عذاب اور سزا بھی واقع

marfat.com
Marfat.com

نہیں ہوگی اس لیے کہ لَایُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اور تکلیف شرعی اس نفرت کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ بلکہ حاسد اس کا مکلف ہے کہ اس نفرت کو برا جانے اور اس نفرت کو زائل کرنے کے درپے ہو اور اپنے آپ کو اس نفرت کے اظہار سے تکلف کے ساتھ باز رکھے۔ یہاں تک کہ درجہ بدرجہ وہ تکلف طبیعت بن جائے۔

## جواب طلب سوال

یہاں جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس آیت میں خطاب فرمایا گیا ہے کہ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حالانکہ معاف کرنا انتقام پر قادر ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ اور اس وقت کافر پورے غلبہ اور دبدبہ میں تھے اس مقام میں عفو و درگزر کا استعمال کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عفو و درگزر کا حکم مسلمانوں میں سے ہر ایک کے لیے ہر ہر کافر کی نسبت واقع ہے۔ اور مسلمانوں میں سے ہر ہر شخص کے لیے ممکن تھا کہ دوسرے مسلمانوں سے مدد لے کر اس کافر کو سزا دے جو اسے ستانے کا قصد کرے اگرچہ اس کے کفر کے مادے کا خاتمہ نہ کر سکے۔ پس انتقام پر قدرت ثابت تھی۔ نیز مسلمانوں کے غلبہ اور امداد کا وعدہ ہو چکا تھا۔ اور کافروں کا غلبہ اور دبدبہ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں کی وجہ سے زوال کے کنارے پر تھا۔ پس ان کے اعتقاد میں انتقام پر قدرت ثابت تھی۔ اور وہ یقین سے جانتے تھے کہ ہم جب بھی ان کا مقابلہ کریں گے غالب آئیں گے۔ اگرچہ بظاہر ان کا غلبہ اور دبدبہ ہو اور یہی وجہ ہے کہ دس آدمیوں کو ایک شخص جواب دیتا تھا۔ اور پہلو تہی نہیں کرتا تھا۔

اور بعض مفسرین نے عفو و درگزر کو اچھے طریقے سے دعوت اور نصیحت بجالانے گفتگو میں شفقت اور نرمی کرنے اور سختی اور شدت ترک کرنے پر محمول کیا ہے۔ اور یہ معنی قادر ہونے اور انتقام سے عاجز ہونے کی دونوں صورتوں میں قابل تعریف اور اچھا ہے۔ اور اس مقام پر اس کا استعمال بلا تکلف صحیح ہوتا ہے۔ لیکن حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ کا لفظ اس سے کچھ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ اس امر سے مراد ان کے جھگڑے اور اصرار اور ان کے عناد اور سرکشی کی وجہ سے سختی اور شدت کرنے کا امر ہو اور نرمی اور دلجوئی ترک کرنا ہو۔ واللہ اعلم

marfat.com
Marfat.com

اور جب ان دو آیات میں ذکر ہوا کہ اکثر اہلِ کتاب چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں اور اسی مقصد کے لیے نسخ کا شبہ ڈالتے اور بیہودہ اعتراضات کرتے ہیں اب ان کی اس اندرونی خواہش پر دلیل ارشاد فرمائی ہے کہ

وَقَالُوْا اور تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کرنے کے لیے اہلِ کتاب کہتے ہیں جو کہ یہودی اور نصرانی ہیں لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اگرچہ احکامِ الٰہی کی اطاعت کرے۔ اور تمام رسل علیہم السلام پر فریفتہ ہو۔ اور اپنی عمر عبادت اور بندگی میں صرف کر دے۔ اِلَّا مَنْ کَانَ ھُوْدًا مگر وہ جو یہودی ہو۔ اور اپنے اعتقاد اور عمل کو یہودیوں کے طریقے پر درست کرے۔ اور یہ یہودیوں کا مقولہ تھا جو کہ اہلِ کتاب کا پہلا فرقہ ہے۔

## لفظ یہود اور نصاریٰ کے معنی کا بیان

اور یہود اصل میں ہائد کی جمع ہے۔ اور لغت میں ہائد توبہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ اعراف میں واقع ہوا کہ اِنَّا ھُدْنَآ اِلَیْکَ اور اس وجہ سے کہ بابِ توبہ میں یہودیوں نے ایک سخت ناگوار فعل اپنایا تھا کہ بچھڑا پوجنے کے بدلے اپنے آپ کو قتل کرنے کے لیے پیش کر دیا' ان کا یہ لقب رکھا گیا۔

اَوْ یا کہتے ہیں کہ جنت میں ہرگز نہیں جائے گا مگر وہی جو نَصٰرٰی نصرانی ہو یا نصرانیوں کے طریقے کے مطابق اپنے اعتقاد اور عمل کو درست کرے۔ اور یہ نصاریٰ کا مقولہ تھا جو کہ اہلِ کتاب کا دوسرا فرقہ ہے۔ اور نصاریٰ نصران کی جمع ہے۔ جو کہ ناصر کے ہم معنی ہے۔ اور جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عہد باندھا کہ ہم آپ کے دین کے مددگار ہوں گے۔ جیسا کہ سورۂ صف اور دوسری سورتوں میں مذکور ہے اس لقب سے ملقب ہوئے پس اہلِ کتاب جو کہ دو فرقے ہیں' ان دو میں سے ایک بات کہتے ہیں۔ یہودی پہلی بات اور نصرانی دوسری بات۔ تاکہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کریں۔ اور تم ان کے کہنے سے دھوکہ کھا کر جنت میں داخل ہونے کے شوق کی وجہ سے ان دونوں طریقوں میں سے ایک کو اختیار کر لو اگر تمہیں یہودیوں کے متعلق اچھا گمان ہوگا تو ان کا

marfat.com
Marfat.com

طریقہ اختیار کرلو گے۔ اور اگر نصرانیوں کے متعلق اچھا گمان ہو گا تو ان کا طریقہ اپنا لو گے۔
پس یہاں لفظ او دونوں اقوال کو اہلِ کتاب کے دونوں فرقوں پر تقسیم کرنے کے لیے ہے۔
اور کلام کا مفہوم یوں ہوا کہ اہلِ کتاب ان دو اقوال میں سے ایک کہتے ہیں جس طرح کہ اس صورت میں کہ ایک شہر یا ایک محلے والے کسی مقتول کے قاتل کے تعین میں اختلاف کریں۔ دونوں قول کہے جاسکتے ہیں۔ قال اھل البلدلم یقتلہ الافلان او فلان۔

اور جو اشکال یہاں وارد ہوتا ہے زائل ہو گیا۔ اشکال کی صورت یہ ہے کہ اہلِ کتاب میں سے یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے مگر یہودی یا نصرانی کیونکہ یہودی دینِ نصاریٰ کو باطل جانتے ہیں۔ اور نصاریٰ دینِ یہود کو منسوخ شمار کرتے ہیں۔ آیت آئندہ کی دلیل سے کہ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ۔ پس اس کلام کو اہلِ کتاب کی طرف سے نقل کرنا خلاف واقع ہوا۔ ہاں اگر یہود و نصاریٰ آپس میں فروعی اختلاف رکھتے اور ہر ایک دوسرے کو درست اور سچا شمار کرتا جیسا کہ مسلمان مذاہب اربعہ والوں کو جانتے ہیں تو اس مقولہ کی گنجائش تھی۔ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ بلکہ دونوں فریقوں کے درمیان ایک دوسرے کو کافر قرار دینا' گمراہ کہنا اور انکار کرنا اور جھوٹا کہنا ثابت ہے۔ اور اس تفسیر کے مطابق جو کہ گزری اس اُلجھن کا ازالہ یہ ہے کہ لفظ او نصاریٰ کا عطف ہودا پر نہیں ہے۔ تاکہ قول کے مقولہ میں داخل ہو اور خلاف واقع لازم آئے بلکہ قول کے مجموعی مقولہ پر ہے۔ اور جب دونوں اقوال کے درمیان جدائی کا مقام یہی لفظ ہوداً نصاریٰ تھا۔ اور کلام کے باقی اجزا دونوں اقوال میں مشترک تو اس مشترک کے اعادہ کو تکرار محض جانتے ہوئے گرا دیا ہے۔ اور حرف او کو نصاریٰ پر لگا دیا جیسا کہ پہلے لکھی گئی مثال میں گزرا پس کلام کی تقدیر یوں ہے کہ وقال اھل الکتاب لن یدخل الجنۃ الامن کان ھودا اوقالوا لن یدخل الجنۃ الامن کان نصارٰی اور اس عطف کا نتیجہ ان دونوں کلاموں کو تمام اہلِ کتاب پر تقسیم کرنا ہوا۔ اور وہ واقعہ کے مطابق ہے۔ اس لیے کہ اہلِ کتاب کا ایک فرقہ ایک کلام کرتا ہے۔ اور دوسرا فرقہ دوسرا کلام

marfat.com
Marfat.com

اور جمہور مفسرین جو کہ اَوْنَصَارٰی کا عطف هودًا پر مانتے ہیں اس اشکال سے اس طریقے سے رہائی تلاش کرتے ہیں کہ کلام لف ونشر پر مبنی ہے۔ پہلے انہوں نے یہود و نصاریٰ دونوں فرقوں کو قالوا کی ضمیر میں جمع کر کے لپیٹ لیا اس کے بعد من کان هودا او نصاریٰ میں انہیں جدا جدا کر دیا لیکن اس توجیہہ میں ایک قوی اُلجھن ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لف میں جمع کرنا نشر میں بھی جمع کو لازم کرتا ہے پس کہنا چاہیے تھا کہ لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّامَنْ کَانَ هُوْدًا وَنَصَارٰی حرف واؤ کے ساتھ نہ کہ حرف او کے ساتھ جیسا کہ لف ونشر کی تمام مثالوں میں اسی طرح واقع ہے۔ مثلاً اس بیت میں کہ

سیب و بہ و انار بہ ترتیب لف و نشر
دل را معدہ را وجگر را مقوی است

اور اس شعر میں کیف اسلو وانت حقف وغصن وغزال الحظا وقد مادروفا اور اس آیتِ کریمہ میں ومن رحمته جعل لکم اللیل والنهار لتسکو فیه ولتبتغوا من فضله وعلیٰ ہذا القیاس۔ اللھم مگر یہ کہ او کو یہاں واؤ کے معنی میں قرار دیا جائے۔ ہاں ان دونوں میں سے ہر قول کی اس کے معین قائل کی طرف نسبت معین اور اس جمع کی نسبت کی تخصیص سمجھ میں نہیں آتی لیکن ایسے مقام پر سامع تھوڑی سی توجہ سے ہر قول کے قائل کی تخصیص کر سکتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں فرقوں میں سے ہر ایک کا دوسرے کو کافر اور گمراہ قرار دینا معلوم ہے۔ اور اس آیت کی مانند ایک اور آیت ہے۔ جو کہ سپارہ کے آخر میں آتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْنَصَارٰی تَهْتَدُوْا

حاصلِ کلام یہ کہ مسلمان آدمی کو چاہیے کہ ان کے اس بے دلیل دعویٰ سے دھوکہ نہ کھائے اور جانے کہ

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ یہ ان کی تمام بے اصل آرزوئیں ہیں۔ اس شخص کی آرزوؤں کی طرح جو کہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے دل کی تسلی کے لیے خیالات باندھتا ہے۔ اور خوش ہوتا ہے۔ اور اگر وہ لوگ اپنی بے وقوفی کی وجہ سے آپ کے سامنے اپنی ان دِلی آرزوؤں کا

marfat.com
Marfat.com

اظہار کریں۔ اور اس خواہش کو بطور مذہب اور عقیدہ کے بیان کرنا شروع کردیں تو آپ ان کے جواب میں

قُلْ فرمائیں کہ نفی یا اثبات میں ہر مدعی کو اپنے دعویٰ پر دلیل لانا چاہیے۔ ورنہ اس کا دعویٰ باطل اور غیر مقبول ہے۔ پس ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اس دعویٰ پر اپنی واضح دلیل لاؤ نص الٰہی یا قیاس عقلی سے جو کہ سچے مقدمات سے مرکب ہوا

اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو۔

## صیغۂ ھاتوا کی تحقیق

اور ہات اصل میں آت تھا امر کے صیغہ کے ساتھ باب افعال سے جو کہ ایتاء ہے۔ جس کا معنی ہے لانا۔ ہمزہ کو قرب مخرج کی وجہ سے ہا کے ساتھ بدل دیا گیا ہات ہو گیا۔ اور یہ بدلنا امر کے صیغوں میں مستعمل ہے ہات' ہاتیا' ہاتو' ہاتی' ہاتیا' ہاتین

اور بعض عربی دانوں نے اس لفظ کو اسم فعل قرار دیا ہے۔ لیکن اس کی فعل کے طریقے پر تصریف اس بات کو ترجیح دیتی ہے کہ فعل ہے اسم فعل نہیں۔

بَلٰی ہاں اتنا تو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت ہے۔ اور تمام اہل حق کے نزدیک مسلم کہ مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ جس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے لیے مطیع کر دیا۔ اور اس کی آیات اور احکام کو ہر دور میں اور جس رسول علیہ السلام کی زبان سے بھی اس تک پہنچے سر آنکھوں پر رکھا اور قومیت کے تعصب اور اپنے قانون پر جھگڑا کرنے کو درمیان میں نہ لایا۔

وَھُوَ مُحْسِنٌ اور وہ شخص نیکوکار بھی ہو۔ نہ کہ افعال شنیعہ اور اعمال قبیحہ کا مرتکب۔

فَلَہٗ اَجْرُہٗ پس اس کے لیے اس کے نیک عمل کا اجر ہے۔ کہ جنت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور قرب خداوندی اس اجر کے نشانات سے ہے۔ عِنْدَ رَبِّہٖ اس کے پروردگار کے ہاں کہ اس کی اطاعت کی اور اس کے فرمان کے مطابق کام کیا۔ اگرچہ اس کے مخالفین کے نزدیک اسے کوئی اجر نہ ہو اور وہ اس کے عمل کو ضائع سمجھیں۔

وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ اور اس قسم کے لوگوں پر کوئی ڈر نہیں' ان کے مخالفین کے ڈرانے اور ان کے اعمال کو بے فائدہ سمجھنے کی وجہ سے۔

marfat.com
Marfat.com

وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں۔ اپنے مخالفین کے طعن و تشنیع اور ان کی بے ہودہ گفتگو سے۔ اس لیے کہ ان کا تعلق اپنے پروردگار سے ہے۔ جو کہ ہر عمل کا قدر دان ہے۔ اور دل کی ہر نیت' ارادے اور عقیدے کو جاننے والا ہے نہ کہ مخلوق کے ساتھ۔ پس اس قسم کے اشخاص خواہ یہودی ہوں یا نصرانی یا ان کے علاوہ سب جنت میں داخلے کے مستحق ہیں۔ اور بہشت میں داخلے کو ایک فرقے یا دین یا آئین کے ساتھ منحصر کرنا بالکل باطل ہے۔ بلکہ کسی دین والوں کے حق میں بہشت کے داخلے کو منحصر کرنا اس وقت ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ اس دین کے سوا سب دین منسوخ ہو جائیں۔ اور قیامت تک اس دین کے سوا کوئی اور دین نہ آتا ہو اور جب یہودیت اور نصرانیت میں یہ دونوں اوصاف ثابت نہیں ہیں تو ان کے ماننے والوں میں بہشت کے داخلے کو منحصر جاننا کسی طرح درست نہیں ہے۔

## اجر واجب کرنے اور خوف وحزن زائل ہونے کا بیان

یہاں جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اجر واجب کرنے اور ڈر اور غم کے زائل ہونے کے متعلق دو شرطیں فرمائی ہیں: پہلی شرط اسلام لوجہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جھکنا' دوسری شرط احسان یعنی نیک کام کرنا۔ اکثر مفسرین نے پہلی شرط کو عقائد درست کرنے پر محمول کیا ہے۔ اور دوسری کو درستیٔ اعمال پر۔ پس اس آیت کا مفہوم اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا مضمون ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ اسی عنوان پر ثواب کا وعدہ مرتب کیا گیا اور دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ یہ اسلام' اسلام سے علیحدہ ہے۔ اس لیے کہ اسلام عام کا معنی کلمہ طیبہ کے مضمون کی تصدیق اور اس کا اقرار ہے۔ اور نماز قائم کرنا' روزہ رکھنا' زکوٰۃ دینا اور خانہ کعبہ کا حج کرنا اس حدیث شریف صحیح کے مطابق کہ الاسلام ان تشهد ان لااله الا الله وان محمدا رسول الله وتقيم الصلوٰة وتؤتى الزكوٰة وتحج البيت ان استطعت اليه سبيلا وتصوم رمضان جبکہ اس اسلام کا معنی خاص ہے۔

## اسلام کا خاص معنی

اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان آدمی اپنے تمام اعضاء' جوارح اور قوتوں کے

marfat.com
Marfat.com

ساتھ اپنے تمام احوال اور حالات میں اپنے پروردگار کے متعلق یقین کامل اور پوری فرماں برداری ظاہر کرے۔ اور یہی وہ اسلام ہے۔ جسے حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چاہا اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ میں اسی معنی کا اشارہ ہے۔ اس لیے کہ وجہ بمعنی ذات ہے۔ اور اگرچہ کسی شے کی ذات کے متعلق کبھی گردن، کبھی سر اور کبھی دوسرے اعضاء کے ساتھ بھی تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن لفظ وجہ جس کا معنی چہرہ ہے ایک ایسی خصوصیت رکھتا ہے کہ دوسرے اعضاء میں وہ خصوصیت پائی نہیں جاتی۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی کا چہرہ اس کے اعضاء میں سب سے بزرگ ہے۔ اور ظاہری اور باطنی خواس کی کان۔ فکر وتخیل کا سرچشمہ۔ اور اس کی احساس اور تحریک پیدا کرنے والی قوتوں کا مبدا ہے۔ اور بہترین عبادت جو کہ سجدہ ہے اسی عضو سے حاصل ہوتی ہے۔ پس یہ عضو گویا ذات کا خلیفہ اور اس کے قائم مقام ہے۔ جب کوئی اسے کسی کے لئے جھکا دے تو جانا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے تمام اعضاء اور قوتوں کو مطیع کردیا۔ اور اسلام کا یہ مرتبہ صحیح توکل اور پورے طور پر سب کچھ اسی کے سپرد کردینے' امید اور خوف اور اپنی محبت اور نفرت کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع کیے بغیر صورت نہیں پکڑتا۔

اور اسی طرح یہ احسان بھی معروف احسان سے جدا ہے۔ اور اس کی حقیقت وہی ہے۔ جو کہ جبرئیل علیہ السلام کے سوال والی حدیث پاک میں واقع ہے۔ الاحسان ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنی عمل کو نیک کرنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح بجالائے کہ گویا تو اسے دیکھتا ہے۔ پس اگر تو اسے نہ دیکھے' وہ خود تجھے دیکھ رہا ہے۔ اور اس کا دیکھنا عبادت کے آداب کا لحاظ کرنے کے بارے میں کفایت کرتا ہے۔ اور اس دیکھنے کو لازم یہ ہے کہ اپنے عمل کو تین خرابیوں سے محفوظ رکھے۔ پہلی نیت کی خرابی کہ اس میں نفسانیت بالکل ملائی نہ جائے' دوسری عمل کی اس صورت کو اختیار کرے جو شرع شریف نے بیان فرمائی اور اپنی طرف سے اس میں کمی بیشی نہ کرے۔ اور اسے مسنون طریقے پر تمام شرائط اور آداب کا لحاظ کرکے ادا کرے۔ اور تیسری عمل سے فارغ

marfat.com
Marfat.com

ہونے کے بعد ثواب کے منافی اور اسے ختم کرنے والی چیزوں جیسے گناہ اور خواہشات سے پرہیز کرے۔ اور جب اس نے ایسا کیا تو وعدہ کیے گئے اجر وثواب کا مستحق ہو گیا۔ اور قبول نہ ہونے کا ڈر اور غم زائل ہو گیا۔

مختصر یہ ہے کہ اس آیت میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اس زمانے کے یہودیوں اور نصرانیوں کا حال جنتیوں کے حال کے بالکل مشابہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ نہ تو اسلام لوجہ اللہ رکھتے ہیں کہ اس کے ناسخ احکام کو قبول کریں۔ اور پیغمبر وقت علیہم السلام کے شیدائی ہوں اور نہ ہی انہیں احسان عمل کا مرتبہ نصیب ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی طرف سے نئی شریعتوں کو گھڑ لیا ہے۔ اور شریعت کے مقرر کردہ اطوار کو بدل دیا ہے۔ اور تحریف کی ہے تو جب تک وہ اس حالت پر ہیں انہیں جنت میں داخل ہونا خام خیالی ہے چہ جائیکہ وہ بالخصوص جنت کے مالک ہوں اور دوسروں کو جنت میں نہ آنے دیں۔ ہاں اگر وہ اپنا طریقہ بدل دیں اور پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کریں۔ اور اپنے اعمال کو موجودہ شریعت اور پیغمبر زماں علیہ السلام کے فرمان کے مطابق اچھا کریں تو اجر وثواب پانے میں ضرور کامیاب ہو جائیں۔

اور اہلِ کتاب کے جھوٹے دعووں کو دلیل اور حجت طلب کیے بغیر کس طرح سنا اور قبول کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ خود ان کے درمیان دین کے بارے میں ایک دوسرے کو جھوٹا سمجھنا اور انکار کرنا واقع ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ اور یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے پاس دین وہدایت کی کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اعتقاد اور عمل میں بالکل گمراہی اور بے راہ روی پر ہیں۔ اس لیے کہ یہودی حضرت عیسیٰ کو رسولِ خدا اور انجیل مقدس کو منزل من اللہ نہیں جانتے۔

وَقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کے ہاں ہدایت اور دین کی کوئی چیز نہیں۔ اس لیے کہ تورات اور احکامِ تورات حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے آنے سے منسوخ ہو گئے اس میں کوئی ہدایت نہ رہی تو اگر ان دونوں اقوال میں

marfat.com
Marfat.com

سے ہر قول کو معتبر سمجھا جائے تو تمام اہلِ کتاب درجۂ اعتبار سے گر جاتے ہیں۔ اور یہ کتاب اقتداء کے لائق نہیں رہتی اور ان میں سے ایک قول کو معتبر سمجھا جائے۔ اور دوسرے کو لغو اور ساقط قرار دیا جائے تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ اس لیے دونوں فرقے اپنی کتاب کے علم میں برابر ہیں۔ اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔ وَهُمْ اور وہ سب خواہ یہودی ہوں' خواہ نصرانی يَتْلُونَ الْكِتَابَ ایک دوسرے کے مذہب کے باطل کرنے پر دلیل لینے اور اپنے قول پر گواہی لینے کے وقت کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں تو اگر ایک شخص چاہے کہ صرف اہلِ کتاب کے اقوال کے ساتھ حق کو باطل سے جدا کرے تو ممکن نہیں بلکہ اگر ان کا قول معتبر ہو تو دونوں مذہبوں کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہودیوں کا مذہب نصاریٰ کے کہنے اور ان کے دلائل سے اور نصاریٰ کا مذہب یہودیوں کے کہنے اور ان کے دلائل سے۔

اور اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو فرماتے صَدَقُوا وَاللّٰهِ' اللہ کی قسم انہوں نے سچ کہا یعنی اس حد تک انہوں نے درست کہا کہ دونوں فرقے ہدایت اور دین پر قائم نہیں ہیں۔ بلکہ ہدایت اور دین کسی دوسرے طریقے میں ہے۔ جو کہ ان دونوں طریقوں سے جدا ہے۔

بہر حال اس باہمی جھوٹ اور انکار کی وجہ سے ان کے اقوال کا کوئی اعتبار نہ رہا بلکہ اگر غور کیا جائے تو انہیں عرب کے جاہلوں اور مشرکینِ مکہ پر بھی کوئی فضیلت اور برتری ثابت نہیں۔ اس لیے کہ

كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ اسی طرح کا بے ہودہ کلام کرتے ہیں' وہ لوگ کتاب کا علم بالکل نہیں رکھتے۔ جیسے بت پرست' آتش پرست اور ستارہ پرست۔ بعینہٖ ان کے کلام کی طرح کسی فرق کے بغیر کرتے ہیں۔ اور جب عالم جاہلوں کی طرح بے دریغ چیخیں تو پھر ان کے اقوال کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے۔ کہ کوئی ان کے کہنے سے حق دریافت کر سکے۔ نیز ہر فرقہ کی دوسرے کے حق میں گفتگو خود اس کے نزدیک بھی باطل ہے۔ کیونکہ یہودی جانتے ہیں کہ نصاریٰ پہلے انبیاء علیہم السلام کے بعض اعتقادات کے معتقد ہیں۔ اور تورات کے بعض اعمال کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور بجالاتے ہیں۔ اور اسی طرح نصاریٰ جانتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں کہ یہودی بھی اس قسم کے بعض سچے امور کے معتقد ہیں تو ان سے ہدایت اور دین کی مطلقاً نفی جس پر کہ علیٰ شئی دلالت کرتا ہے' ہر ایک سے دوسرے کے بارے میں واقع نہیں ہو سکتی مگر از رہ تعصب اور تعصب کا یہ مرتبہ بے سمجھ جاہلوں کی خاصیتوں میں سے ہے۔ اور اسی لیے بے حد تعصب کی وجہ سے علماء اعتبار کے مرتبہ سے گر جاتے ہیں۔ اور ان کے قول سند نہیں رہتے اور جب اہلِ کتاب کے دونوں فرقے کمالِ تعصب کی وجہ سے یا بے دریغ باتیں کرنے کی وجہ سے جاہلوں کی طرح ہو گئے۔ اور جاہل شروع سے ہی دلیل و برہان سے آشنا نہیں ہیں تو ان کی راہ سے حق کی معرفت سے مایوس ہو گئی۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ پس اللہ تعالیٰ اہلِ کتاب کے دونوں فرقوں اور دوسرے جاہلوں کے درمیان قیامت کے دن قطعی فیصلہ فرمائے گا۔ ہر کسی کو اس کے گناہ کے مطابق جزا دے کر فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ان چیزوں میں جن میں وہ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔ جاہل دونوں فرقوں کو باطل جانتے تھے۔ اور اہلِ کتاب جاہلوں کو اور اسی طرح اہلِ کتاب سے ہر ہر فرقہ دوسرے کو کافر اور گمراہ جانتا تھا۔ اور جب حال ایسا ہے تو اہلِ کتاب کا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى کہنا ان کے اسی قول کے ساتھ باطل ہو گیا اس لیے کہ یہودیوں کے قول کے مطابق نصاریٰ جنت میں نہیں جائیں گے۔ اور نصاریٰ کے مطابق یہودی اور جب دونوں اہلِ کتاب ہیں تو دونوں کے اقوال کا اعتبار کرنا چاہیے تو دو نقیضوں کے درمیان اجتماع لازم آیا اور یہ محال محض اہلِ کتاب کے اقوال پر اعتبار کرنے کی وجہ سے لازم آتا ہے تو ثابت ہوا کہ اہلِ کتاب کا قول حق کی تشخیص کے بارے میں معتبر نہیں۔

## چند جواب طلب سوالات

یہاں چند جواب طلب سوالات باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ کہ لفظ علیٰ شئی نکرہ ہے' سیاق نفی میں واقع ہوا ہے۔ حالانکہ یہودیوں اور نصرانیوں میں سے ہر ایک کے نزدیک یہ عام نفی درست نہیں۔ اس لیے کہ اگرچہ مخالف کا مذہب باطل ہو لیکن وہ شے میں داخل ہے۔ اور اگر قرینۂ مقام کی وجہ سے شَیْءٍ کو صحیح اور قابلِ اعتماد و اعتبار شے پر محمول کیا جائے تب بھی

marfat.com
Marfat.com

یہ نفی عام درست نہیں ہوتی اس لیے کہ یہودیوں کے بعض عقائد اور اعمال نصاریٰ کے نزدیک اور اسی طرح نصاریٰ کے بعض اعتقادات اور اعمال یہودیوں کے نزدیک درست اور قابلِ اعتماد تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان سے یہ کلمہ جھگڑے لڑائی کے وقت از رہ تعصب سرزد ہوا تھا بغیر اس کے کہ ان کا مذہب ہو اور اہلِ تعصب اکثر اس قسم کے بے اصل کلمات جو کہ خود ان کے نزدیک باطل اور نادر ہوتے ہیں' کہہ دیا کرتے ہیں۔ ابن اسحاق اور ابن جریر وغیرہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب نجران کے لوگ جو کہ نصاریٰ تھے' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے لیے حاضر آئے' یہود کے دانش مند بھی جو کہ حضور علیہ السلام کے قرب وجوار میں رہتے تھے' انہیں دیکھنے کے لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اور حضور علیہ السلام کے سامنے دین ومذہب کے بارے میں باہمی جھگڑا اور مناظرہ شروع کر دیا۔ رافع بن حرملہ نے جو کہ یہودیوں کے دانش مندوں سے تھا' نصاریٰ سے کہا کہ تم کسی چیز پر نہیں ہو اس لیے عیسیٰ (علیہ السلام) کو رسول مانتے ہو اور انجیل کو کلامِ الٰہی خیال کرتے ہو جبکہ نہ عیسیٰ (علیہ السلام) (معاذ اللہ) رسول تھے۔ اور نہ ہی انجیل کتاب اللہ۔ پس تمہارے مذہب کی بنیاد بوگس ہے۔ نجران کے نصاریٰ میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہمارے نزدیک تمہارے پلے بھی کچھ نہیں۔ کیونکہ موسیٰ (علیہ السلام) کو رسول جانتے ہو اور تورات کو کتابِ الٰہی قرار دیتے ہو نہ موسیٰ (علیہ السلام) (معاذ اللہ) رسول تھے نہ تورات کلامِ الٰہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اس گفتگو سے بہت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا کہ تم پر تعجب ہے کہ تم میں سے ہر ہر شخص اپنی کتاب کو پڑھتا ہے۔ اور ہر کتاب میں دوسری کتاب اور دوسرے رسول کی تصدیق موجود ہے' اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے جواب کے مطابق یہ آیت بھیجی۔

اور بعض مفسرین نے یہ مقولہ ہر ہر فرقہ کے مذہب پر محمول فرمایا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہودیوں سے ہدایت کی نفی سے نصاریٰ کی مراد یہ تھی کہ اس زمانہ کے یہودی جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دینِ یہودیت پر قائم ہیں' ہدایت کا کوئی حصہ نہیں رکھتے۔ اگرچہ

marfat.com
Marfat.com

دینِ یہودیت کے منسوخ ہونے سے پہلے ہدایت یافتہ ہوں۔ اور نصاریٰ سے ہدایت کی نفی سے یہودیوں کی مراد یہ ہے کہ یہودیوں سے نصاریٰ کے امتیاز کی وجہ باطل اور بے اصل ہے۔ اگر چہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور دیگر گزشتہ انبیاء پر ایمان اور احکام تورات کو قبول کرنا جو کہ یہود و نصاریٰ کے درمیان قدرِ مشترک ہے، صحیح اور درست ہو اور ظاہر ہے کہ ہر فرقہ کی تعریف اور مذمت میں اس فرقہ کے امتیاز کی وجہ کا لحاظ کیا جاتا ہے نہ کہ اس فرقہ اور دوسرے فرقوں کے درمیان قدرِ مشترک کا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ كَذَالِكَ کلمہ تشبیہ ہے۔ جو کہ کاف تشبیہ اور ذالك سے جو کہ اسم اشارہ ہے، مرکب ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مشارالیہ یہاں وہی کلام سابق ہے پس لفظ مِثْلَ قَوْلِهِمْ محض تکرار ہوا۔ اس لیے کہ کاف تشبیہ کا ہم معنی ہے۔ اور قولهم ذالك کی جگہ ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس تکرار کو دُور کرنے کے بارے میں دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ کہ مِثْلَ قَوْلِهِمْ کو ذَالِكَ کی تاکید بتاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے درمیان موصول اور صلہ آنے کی وجہ سے کافی فاصلہ ہو گیا۔ دوسرا طریقہ یہ کہ تشبیہ کے اختلاف پر محمول کرتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ كَذَالِكَ کا مدلول قول کی قول کے ساتھ تشبیہ ہے۔ اور مِثْلَ قَوْلِهِمْ کا مدلول مقولہ کے ساتھ تشبیہ ہے یا اس کے برعکس یا وجہ تشبیہ کے مختلف ہونے پر محمول کرتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ كذالك سے مراد فی البطلان والفساد اور مِثْلَ قَوْلِهِمْ سے مراد کونہ ناشیاعن العداوۃ ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ ان دونوں لفظوں کے لانے کا مقصد اس چیز کا بیان ہے کہ انہوں نے اس قول میں چند وجہ کے ساتھ جاہل مشرکینِ مکہ، مجوس اور ہنود کے ساتھ مشابہت اختیار کی جو کہ برحق دینوں کے منکر ہوتے ہیں۔ اور اگر اپنے حال پر غور کریں تو حق کے بیان اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی سے اپنے کو بہت دُور سمجھیں۔ اس لیے کہ بنی آدم کے داناؤں کے اجماع اور تمام ملتوں کے ماننے والوں کے اتفاق کے مطابق مساجد کی تعظیم واجب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنا حرام اور وہ ان دونوں بُرے کاموں کو عمل میں لاتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے۔ جو کہ

marfat.com
Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں جو کہ بلاشرکت غیر سے اس کے گھر ہیں' منع کرتا ہے اَنْ یُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ اس سے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے نام پاک کا ذکر کیا جائے۔ خواہ دل سے اور خواہ زبان سے اور خواہ تمام اعضاء کے ساتھ جو کہ نماز سے عبارت ہے۔ اور اس قدر پر اکتفاء نہ کیا بلکہ اس نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ کے گھروں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکے وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا اور ان مسجدوں کو خراب کرنے کی صرف اس تعصب کی بناء پر کوشش کی کہ ان مسجدوں میں ہمارے مخالفین عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ پس اس شخص کا ظلم چند جہتوں سے پُر ہجوم ہوا کہ دوسرے ظلموں میں یہ ہجوم پایا نہیں جاتا۔

## ظلم اور اس کی اقسام کا بیان

اوّل یہ کہ ظلم کی بہت سی اقسام ہیں: ظلم مالی' ظلم عرضی' ظلم جانی اور ظلم کا سب سے اونچا مرتبہ یہ ہے کہ کسی کے گھر کو چھین لے۔ اور اسی لیے ظلم کی شدت بیان کرنے کے مقام میں اسی کا نام لیتے ہیں کہ فلاں آدمی فلاں کے گھر پر قابض ہو گیا۔ اور اسے گھر سے نکال دیا اس لیے کہ گھر چھیننے میں گویا شخص کے تمام متعلقات کا چھیننا متحقق ہو جاتا ہے۔

دوسری جہت یہ کہ کسی کی چیز چھیننے کے بھی مختلف درجے ہیں۔ عین اس چیز کو غصب کرنا۔ منافع کو غصب کرنا۔ اور غصب کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اس کے نام کو مقام ذکر میں روا نہ رکھیں۔ تیسری جہت یہ کہ غصب کے بعد غاصب کے تصرفات بھی چند قسموں پر ہیں۔ کبھی مالک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں' کبھی عوض کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور جب غصب کی گئی چیز کو اس کی اصل سے اُکھاڑ پھینکا اور خراب کر دیا تو ظلم کامل ہو گیا۔ اور ظاہر ہے کہ ظلم کی قسموں سے وہی ظلم اُونچا اور بہت بُرا ہے۔ جو کہ اپنے خالق اور منعم کی نسبت سے ہو اور جب وہ اپنے خالق کی نسبت اس قسم کے ظلم کے مرتکب ہوئے ہوں کہ اس کے گھروں کو غصب کر لیں اس کے نام کا ذکر نہ کرنے دیں پھر ان گھروں کو خراب کر دیں اور گرا دیں تو ان سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہو سکتا اور اہلِ کتاب میں سے اس ظلم کے مرتکب نصاریٰ ہوئے کہ یہودیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دینے اور قتل کا ارادہ کرنے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اُٹھائے جانے کے بعد یہ حادثہ رونما ہوا۔ نصاریٰ کی ایک جماعت

marfat.com
Marfat.com

در پے ہو کر طیطوس رومی کے پاس پہنچی اور اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معتقد بنا کر شام کی طرف لائے' یہودیوں کو قتل کرایا اور یہودیوں کے تعصب کی وجہ سے مسجد بیت المقدس کو جو کہ بلاشبہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیٰ نبینا علیہما السلام کی بنائی ہوئی تھی۔ اور اس وقت سے ہمیشہ بنی اسرائیل کے انبیاء کی عبادت گاہ اور ذکرِ خداوندی سے معمور رہی' خراب کر دیا۔ اور اسے گندگی اور کوڑے کرکٹ سے پُر کر دیا۔ اور اسے کوڑے کرکٹ اور گندگی کے ڈھیر میں بدل دیا۔ اور جہاں تورات ملی' جلادی اور اس متبرک مکان کے بدلے اس کے مشرقی مکان کو جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خواب گاہ تھی' عبادت گاہ مقرر کر دیا۔ اور وہ متبرک مسجد اسلام کے پھیلنے کے وقت تک خراب رہی حتیٰ کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس شہر کو فتح فرمایا۔ اور خود بنفسِ نفیس اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مکان کو نجاستوں سے پاک کیا اور پانی کے ساتھ دھو کر پاک صاف کر کے عبادات اور نماز کا مقام قرار دیا۔

اور جاہلوں میں سے اہلِ مکہ ہوئے جنہوں نے حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے' وہاں نماز پڑھنے اور اس مقام میں خدا تعالیٰ کا ذکر کرنے سے روکا بلکہ مسلمانوں میں سے جسے دیکھتے تھے کہ وہاں نماز پڑھتا ہے یا ذکر کرتا ہے' اسے مار پیٹ اور گالی گلوچ کے ساتھ تکلیف دیتے اور اگرچہ انہوں نے اس مسجد کی عمارت خراب کرنے میں کوشش نہ کی لیکن اسے ذکرِ الٰہی سے فارغ کرنے اور معنوی نجاستوں سے جو کہ بت ہیں' ملوث کرنے میں کوشش کرنے والے ہوئے۔ اور درحقیقت مسجد کو خراب کرنا یہی ہے۔ اور اس کے بعد یہی طریقہ کفار کے دوسرے گروہوں ہندوؤں اور مجوسیوں میں رائج ہو گیا کہ اسلام کے شہروں میں سے کسی شہر کی مسجدوں پر غالب آتے ہیں' اذان اور جماعت سے روکتے ہیں۔ اور مسجدوں کو ذکرِ الٰہی کی برکت سے خالی کر دیتے ہیں۔ اور اپنے ذلیل کاروبار وہاں کرتے ہیں۔ اور اگرچہ یہودیوں نے یہ ظلم صریح نہیں کیا ہے۔ لیکن مشرکینِ مکہ کی امداد میں در پردہ وہ بھی اس گناہ کے مرتکب تھے۔ حالانکہ ان تینوں فرقوں کے نزدیک مسجدوں کی اس قسم کی بے حرمتی جائز نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنا ہر جگہ قبیح ہے خاص کر

marfat.com
Marfat.com

مسجدوں میں جو کہ اسی کام کے لیے بنائی اور مقرر کی گئی ہیں۔ (اقول وباللہ التوفیق یہ بات حضرت مفسر علام قدس سرہ کے دور تک کی ہے جبکہ اس زمانے کے یہودیوں نے تو تخریب مساجد خصوصاً تخریب مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کے آثار مقدسہ کو پریشان کرنے کی حد کردی اور جب سے بیت المقدس ان بدبختیوں کے مکروہ قبضہ میں آیا ہے اس کی حرمت کو قطعاً پامال کیا جارہا ہے۔ اور براہِ راست یہودی یہ ناپاک کام سرانجام دے رہے ہیں) لعنہم اللّٰہ تعالٰی وخزلھم۔

بلکہ اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ ان فرقوں کے لیے اپنے مذہب اور آئین میں بھی جائز نہ تھا۔ اَنْ یَّدْخُلُوْھَا کہ خدا تعالٰی کی مسجدوں میں داخل ہوں اِلَّا خَآئِفِیْنَ مگر ڈرتے اور ہراساں ہوتے ہوتے اس سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے اس مکان کا حق ادا کرنے اور اس کی تعظیم میں کوئی کوتاہی واقع ہو جائے۔ اور ہم صاحب خانہ کے حضور شرمندہ ہوں۔ جس طرح بادشاہوں کے دیوانِ عام اور دیوانِ خاص میں لوگوں کو اسی قسم کا خوف و ہراس ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ یہ ظالم سب سے بڑے ظالم قرار پائے۔ اور اگر توحید اور اتباع ملت کے مدعی ہیں تو ان کا کام ان کی گفتار کے خلاف ہوا کیونکہ معبود کی تعظیم اس کی عبادت کی تعظیم کو لازم کرنے والی ہے۔ اور اس کی عبادت کی تعظیم اس کی عبادت گاہ کی تعظیم کو لازم کرتی ہے۔ پس عبادت گاہ کو خراب کرنا انکار عبادت کی دلیل ہے۔ اور عبادت کا انکار معبود کا انکار ہے۔ اور جب ان کا کام ان کی گفتار کے خلاف آیا تو منافقت کا داغ ان پر ثابت ہو گیا۔ اور اہلِ دین کے زمرے سے نکل گئے تو لازماً ان کے اس ظلم کے بدلے میں

لَھُمْ فِی الدُّنْیَا ان کے لیے دنیا میں ہے۔ جو کہ دار الجزاء نہیں۔ لیکن تاکہ دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں خِزْیٌ شدید رسوائی۔ قتل کرنے' قید کرنے' جلاوطن کرنے' ان کے قبضہ سے شہروں اور ملکوں کو پکڑنے کے ساتھ اور انہیں اُن مقامات متبرکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے ساتھ مگر پورے خوف و ہراس کے ساتھ جیسے کہ مشرکینِ مکہ کے حق یہ معنی حضور علیہ السلام کے باسعادت عہد میں واقع ہوا کہ ہجرت کے نویں (۹) سال حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے حضور علیہ السلام کے فرمان پر موسمِ حج میں منادی کی

marfat.com
Marfat.com

کہ آج کے بعد کوئی مشرک یہاں نہ آئے اور اگر آئے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور نصاریٰ کے حق میں امیر المومنین عمر فاروق اور امیر المومنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما کی خلافت میں یہی معنی ظاہر ہوا کہ ملک شام ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اور بیت المقدس سے پوری رسوائی اور ذلت نکالے گئے۔ اور رفتہ رفتہ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے بادشاہوں کے دور میں قسطنطنیہ' عموریہ اور رومیہ بھی ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ اور جزائر فرنگیں میں بھاگ کر آوارہ ہوئے۔ اور ان کے حق میں اس دنیا کی رسوائی پر ہی اکتفاء نہیں بلکہ

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور ان کے لیے آخرت میں جو کہ جزا و بدلہ دینے کا مقام ہے' بہت بڑا عذاب مہیا اور تیار ہے۔ جس کے پہلو میں اس قدر دنیوی رسوائی کسی حساب میں نہیں۔ اور اسی لیے اسے عذاب نہیں کہا جاسکتا لیکن یہ سب ظلم و ستم جو انہوں نے کیا ہے۔ اور کر رہے ہیں اس کا سب وبال ان کی جانوں پر ہے۔ اور باری تعالیٰ کی بارگاہ پاک اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی ظلم و ستم کر کے اسے کوئی نقصان پہنچا سکے یا مساجد کو خراب کرنے اور ڈھا دینے سے اس کی عبادت رُک جائے۔ اور اس کے ذکر اور یاد کا گھر ویران ہو جائے اس لیے کہ اس کا کوئی ایک مکان نہیں ہے کہ ایک مکان میں قرار پکڑے اور ٹھہرے اور اس مکان کی خرابی کی وجہ سے دشت غربت میں آوارہ ہو یا ایک مکان میں عبادت اس تک پہنچتی ہے۔ اور دوسرے میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے تمام مکان برابر ہیں۔ اور اس کی عبادت ہر جگہ مقبول ہے۔ اور اسی طرح اس روکنے اور خدا کی مسجدوں کو خراب کرنے سے مسلمانوں اور اس کے عبادت گزاروں کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا اس لیے کہ اس نے مسلمانوں کے عبادت کرنے کے لیے سب روئے زمین کو مسجد کا حکم دیا ہے۔

فَاَيْنَمَا تو جہاں کھڑے ہو کر تُوَلُّوْا اپنے چہرے کو اس کی طرف پھیرو اور توجہ کرو فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ پس اسی مکان میں دربارِ خداوندی اور اس کا قرب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں ہے کہ اس کا ایک مکان میں ہونا اس کے دوسرے مکان میں ہونے کو مانع ہو جائے۔ اور روحانی مقید بھی نہیں کہ اسے حوصلہ کی تنگی ایک طرف توجہ کرنے کی وجہ سے دوسری طرف توجہ کرنے سے باز رکھے بلکہ

marfat.com
Marfat.com

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ تحقیق اللہ تعالیٰ فراخ حوصلہ والا ہے کہ کسی چیز کی فراخی کو اس کی فراخی سے نسبت نہیں۔ اس لیے کہ جسمانیات اور روحانیات میں سے جو چیز بھی حسی یا معنوی فراخی رکھتی ہے اس کی فراخی لازماً کسی نہ کسی قسم کی قید سے مقید ہے۔ جیسے آفتاب کی شعاع تمام وسعت کے باوجود زمین کے مخروطِ ظلی میں کام نہیں کرتی اور جبریل علیہ السلام کے حوصلہ کی فراخی اس کام میں جو کہ ملک الموت علیہ السلام سے متعلق ہے' کامیاب نہیں ہوتی۔ جبکہ شیون باری تعالیٰ کی وسعت تمام واقعہ اور ممکنہ وسعتوں کو محیط ہے کہ کوئی حد نہیں اور اگر اس کی اس قسم کی فراخی کو تم سمجھ نہیں سکتے ہو تو اس قدر تو تم یقین سے جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ عَلِيْمٌ ہر چھپے اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔ تو اگر اس کا ہر جگہ حاضر ہونا تمہاری سمجھ میں نہیں آتا اس کے علم کا ہر مکان میں ہر چیز کا احاطہ تمہیں معلوم ہے۔ اور عبادات قبول کرنے میں اللہ تعالیٰ کا احاطۂ علمی بھی کفایت کرتا ہے۔ کیونکہ دنیا کے بادشاہ ایک مکان میں ہوتے ہیں' اپنے تمام زیرنگیں ملک کے واقعات کو جانتے ہیں۔ اور اپنے اس جاننے کے مطابق ہر کسی کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ اور مطیع کی نافرمان سے تمیز کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ جو کہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے' اپنی تمام مملکت میں اپنی رعایا کے احوال سے کس طرح بے خبر ہوگا۔

## چند بحثیں جن کا بیان ضروری ہے

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں ہیں جن کے درپے ہونا ضروری ہے۔ پہلی بحث یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مسجد کو ذکر اور نماز سے معطل کرے۔ اور اس کی ظاہری یا معنوی خرابی کی کوشش کرے' سب سے بڑا ظالم ہے۔ حالانکہ اہلِ شرع کے اجماع کے مطابق کفر و شرک سب گناہوں سے بڑا ہے۔ اور ظلم کا سب سے اونچا مرتبہ ہے جیسا آیت اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان آیت ۱۳) میں بھی اسی معنی کا اشارہ سمجھا جاتا ہے۔ پس دونوں میں مطابقت کی وجہ کیا ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ ظالم ہونے کے چند معنی ہیں: ایک معنی کے ساتھ شرک اور کافر زیادہ ظالم ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنے آپ کو بھی ابدی ہلاکت میں گرفتار کیا اور اپنے پروردگار کا حق بھی ضائع کیا۔ اور ایک معنی کے ساتھ مانع ذکر اور مخرب مساجد زیادہ

marfat.com
Marfat.com

ظالم ہے۔ اس لیے کہ اس نے لوگوں کو سعادت سے محروم رکھا اور معبود کی معرفت کو جہان سے ختم کر دیا۔ مشرک و کافر اگرچہ توحید و نبوت کی معرفت نہیں رکھتے لیکن معرفت معبود کو مانع نہیں ہوتے۔ اور دوسروں کو اس سعادت سے محروم نہیں کرتے بخلاف اس شخص کے۔ پس شخص کے اپنے حال پر نظر کرتے ہوئے شرک و کفر بڑا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کے حال کی نسبت سے یہ ظالم اس سے زیادہ اونچا ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔ اور اسم تفضیل جو کہ اظلم ہے کے مفہوم میں کسی ایک وجہ سے زیادتی کفایت کرتی ہے' تمام وجوہ اور اعتبارات سے زیادہ ہونا درکار نہیں۔ پس کوئی اختلاف اور تعارض نہیں ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ جو شخص ذکرِ خدا سے منع کرنے والا ہو اور لوگوں کو دین اور نشانات شرع قائم کرنے سے کسی وجہ سے بھی روکے اس سخت وعید میں داخل ہے۔ ہر مسلمان کو اس امر سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔ اور اس کام کے ابتدائی عوامل' قریب اور دُور کے اسباب سے پوری احتیاط کرنا چاہیے۔

تیسری بحث یہ ہے کہ لفظ من مفرد ہے۔ اور اشارہ کے مقام پر جمع کا صیغہ لائے جو کہ اُولٰٓئِکَ ہے' یہ استعمال کس طرح درست ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ لفظ من مفرد ہے۔ لیکن جمع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس جمع کے صیغے کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کرنا صحیح ہوگا۔ اور مقام اشارہ میں جمع کے صیغے کو پسند کرنے میں ایک نکتہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ڈر کا مقام زیادہ تر تنہائی ہوتا ہے۔ اور اجتماع میں خوف کا اتفاق کمتر ہوتا ہے۔ اور جب حالتِ اجتماع میں بھی خوف ثابت ہو جائے تو جانا جا سکتا ہے کہ اس خوف کے اسباب کس قدر قوت اور غلبہ رکھتے ہیں۔

چوتھی بحث یہ ہے کہ لھم کے لفظ کو عذاب عظیم میں لوٹانا اگرچہ اس کی اتنی ضرورت نہ تھی کسی نکتہ کے لیے ہے۔ کیونکہ اگر لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ فرمایا جاتا تب بھی یہی معنی ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ لھم کا مفاد دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب عظیم کا ان کے ساتھ خاص ہونا ہے۔ اگر اس لفظ کو دوبارہ لوٹایا نہ جاتا تو معلوم ہوتا کہ دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب عظیم کا مجموعہ ان کے ساتھ خاص ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اوران کا غیر اس رسوائی اور عذاب کا مستحق نہیں ہے۔ اور احتمال رہ جاتا کہ دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب عظیم علیحدہ علیحدہ ان کے غیر میں بھی متحقق ہو اور جب اس لفظ کا اعادہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب عظیم سے ہر ہر ایک مستقل طور پر اور انفرادی طور پر انہیں کے ساتھ خاص ہے۔ دوسروں میں نہ وہ رسوائی پائی جاتی ہے۔ اور نہ وہ عذاب۔ لیکن وہ رسوائی تو اس توہین اور ذلت کا عوض ہے جو خانہ خدا اور نام خدا کے ساتھ وہ اپنے گمان میں عمل میں لائے۔ اگرچہ اس کا اثر اس ذات پاک تک نہ پہنچا اور دوسروں نے اس توہین اور ذلت کا قصد نہ کیا پس وہ اس رسوائی کے مستحق نہ ہوں گے۔ اور رہا وہ آخرت کا عذاب عظیم تو ظلم اور لوگوں کو اس سعادت عمدہ سے محروم رکھنے کا بدلہ ہے جو دوسروں میں ثابت نہ تھا۔

## خدا تعالیٰ کی طرف مسجدوں کی اضافت کا بیان

پانچویں بحث یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف مسجدوں کی نسبت صرف عزت وعظمت دینے کے لیے ہے ورنہ مسجدیں آدمیوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ اور مؤذنوں اور اماموں کے رہنے کی جگہ اور اگر ملکِ الٰہی کی حقیقت پر نظر کی جائے تو تمام جہان اسی کی ملکیت اور مخلوق ہے۔ جیسا کہ آگے فرمایا وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ پس یہ نسبت صرف تشریف وتعظیم کے لیے ہے۔ جس طرح خانہ کعبہ کو بیت اللہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ فرمایا گیا اور اس کا راز یہ ہے کہ جہان کے تمام مکانات جہاں میں اللہ تعالیٰ کی ابتدائی ملک یکساں ہے۔ لیکن ان متبرک مقامات میں ابتدائی ملکیت ایک اور ملکیت کے ساتھ مل گئی کہ پہلے ان مکانات کو آدمیوں کی ملک میں داخل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آدمیوں نے ان کے مالک ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے انہیں اپنی ملک سے جدا کر کے اس کی عبادت اور اس کے نام کی یاد کے لیے وقف کر دیا۔ جیسے جانوروں کے درمیان قربانی کا جانور۔ پس یہ مقامات اس وجہ سے جہان کی تمام چیزوں سے ممتاز ہو گئے۔ اور ان میں دوسری جگہوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت زیادہ مضبوط اور قوی ہو گئی اس لیے ان مکانات کو تشبیہ کی بناء پر بیوت اللہ اور اللہ کے گھروں کا نام دیا گیا۔

marfat.com
Marfat.com

اور یہی وجہ ہے کہ صحیحین کی حدیث میں وارد ہے کہ احب البلاد الی اللہ مساجدھا والبغض البلاد الی اللہ اسواقھا یعنی شہروں کے مکانات میں سب سے پسندیدہ مکان اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی مسجدیں ہیں۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی یاد دلاتی ہیں۔ اور دل کو اس کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ اور شہروں میں سب سے غیر پسندیدہ جگہ ان شہروں کے بازار ہیں جو کہ اس کی یاد سے ہٹا کر دل کو امورِ دنیا کی طرف لگا دیتے ہیں۔ اور نفسانی خواہشات' کھانے پینے' نفع بخش تجارتوں' بے ریش لڑکوں' عورتوں اور سجی سجائی دُکانوں کی رغبت پیدا کرتے ہیں۔

چھٹی بحث یہ ہے کہ جب مسجدوں کو خراب کرنے والے کے متعلق یہ وعید شدید فرمائی تو مقابلہ کے طور پر یہ بات سمجھی گئی کہ مسجدوں کو آباد کرنے والے کے متعلق اس کے بدلے عدل اور ایمان کا حکم دیں گے۔ چنانچہ آیت اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ (التوبہ آیت ۱۸) میں آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اذا رءیتم الرجل یتعاھد المسجد فاشھدو الہ بالایمان جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کی خبر گیری کرتا ہے۔ اور اس مکان متبرک میں بار بار آمد و رفت کرتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی گواہی دو۔

## مسجدوں کی تعظیم میں چند چیزوں کا بیان

ساتویں بحث یہ ہے کہ شرع شریف میں جو کچھ مساجد کی تعظیم میں وارد ہے چند چیزیں ہیں۔ مسلمان آدمی کو چاہیے کہ ان چیزوں میں سے اپنے بس میں جس چیز کی طاقت پائے دریغ نہ کرے تا کہ مسجدوں کو خراب کرنے والوں میں داخل نہ ہو۔ بلکہ مسجدوں کو آباد کرنے والوں کی لڑی میں شمار کیا جائے۔ پہلی چیز مسجد میں فرض ادا کرنے کے لیے پیدل جانا خصوصاً تاریکی کے وقت کہ صحیح حدیث کے مطابق گناہوں کا کفارہ ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں اچھے طریقے سے طہارت یعنی وضو کر کے مسجد کی طرف صرف فرض ادا کرنے کے لیے متوجہ ہوا۔ اس کا ہر قدم ایک کام کرتا ہے' ایک قدم سے اس کا ایک گناہ گر جاتا ہے۔ اور ایک قدم کی وجہ سے اس کا جنت میں ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

دوسری چیز یہ ہے کہ مسجد کو کوڑے کرکٹ ناک کے پانی' تھوک اور دوسری طبعی مکروہ چیزوں اور شرعی پلیدیوں سے پاک رکھے۔ اور خوشبو لگا کر معطر کرے۔ اور اس میں تکلف کے بغیر نرم پاک فرش بچھوائے اور حدیث پاک میں ہے کہ مسجد سے خس و خاشاک کو دُور کرنا' اس متبرک مکان میں جھاڑو دینا حورانِ بہشتی کا مہر ہے۔ لیکن اس باب میں احتیاط کرے تا کہ مسجد کو سونے کے پانی سے مزین اور مطلا کرنے اور پھولوں' کلیوں کے ساتھ منقش کرنے اور لاجورد وغیرہ کے ساتھ رنگین کرنے تک نوبت نہ پہنچے اس لیے کہ یہ چیزیں مسجد کو مسجد کے حکم سے نکال کر تماشہ گاہ میں داخل کر دیتی ہیں۔ اور اسی لیے جب حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد مقدس نبوی علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کی عمارت از سر نو تعمیر فرمائی تو آپ نے معمار کو ارشاد فرمایا اکن الناس من المطر وایاك ان تحمر او تصفر لتفتتن الناس یعنی مسجد کی تعمیر کو اس قدر کو مضبوط کرتا کہ بارش ٹپکنے کا خطرہ نہ رہے۔ اور خبردار رہ تا کہ مسجد کو سرخی اور زردی کے ساتھ رنگین نہ کرے کہ لوگ فتنے میں پڑ جائیں گے۔ اور عبادت کے وقت اس دلفریب رنگ اور زیب و زینت والے نقوش میں مصروف ہو جائیں گے۔ اور ان کی عبادت میں کمی ہو جائے گی۔

تیسری چیز یہ کہ جب مسجد میں داخل ہو اگر فرض و سنت کی ادائیگی کا وقت ہوا تو بہتر ورنہ دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پاک کے مطابق جو کہ صحاح ستہ میں موجود ہے اذا دخل احدکم المسجد فلیر کع رکعتین قبل ان یجلس جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو چاہیے کہ بیٹھنے سے قبل دو رکعت ادا کرے اور اگر فرض' سنت اور دوسرے نفل ادا کیے تو اس سے تحیۃ المسجد گر گئے۔ ہاں اگر نماز کے ممنوع اوقات ہوں جیسے عین سورج برابر ہونے کا وقت اور طلوع و غروب کا وقت اجماعی طور پر یا نمازِ فجر اور عصر کے بعد حنفیہ کے نزدیک تو چاہیے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور مختصر سی گھڑی میں ذکر اور تسبیح میں مشغول ہو پھر اپنی حاجت کی طرف متوجہ ہو اور اس وقت نماز نہ پڑھے۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو دائیں پاؤں کو پہلے رکھے۔ اور جب باہر آئے تو پہلے بایاں پاؤں رکھے۔ اور حضرت خاتون قیامت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی

marfat.com
Marfat.com

روایت میں آیا کہ مسجد میں داخل ہونے کے وقت یہ کہے صلی اللّٰہُ علی محمد وسلم رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك اور باہر آنے کے وقت یہ کہے صلی اللّٰہُ علی محمد وسلم رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلك۔

پانچویں چیز یہ ہے کہ نماز کے انتظار کے لیے مسجد میں بیٹھنا عبادت ہے۔ اور اسی طرح نماز ادا کرنے کے بعد ذکر، تہلیل اور تسبیح کے لیے

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ نماز کے بعد جب تک نمازی اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے اس کے حق میں فرشتے یہ دعا کرتے ہیں اللھم اغفرله وارحمه لیکن فرشتوں کی یہ دعا اس وقت تک ہے جب تک کہ اس کا وضو نہیں ٹوٹتا۔

## آداب ومکروہاتِ مسجد کا بیان

چھٹی چیز یہ کہ حتی المقدور مسجد میں خرید وفروخت اور دنیا کے دوسرے معاملات جیسے کوئی شے اُجرت پر دینا اور کسی کو کوئی چیز بنانے کا کہنا وغیرہ نہ کرے۔ اور لوگوں کو چاہیے کہ نمازِ جمعہ سے پہلے گروہ گروہ بیٹھ کر دنیا کی باتوں، فضول بیہودہ گفتگو اور حکام اور بادشاہوں کے واقعات بیان کرنے میں مشغول نہ ہوں۔ بلکہ قبلے کی طرف متوجہ ہو کر نماز کی شکل میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول رہیں۔ اور گمشدہ چیز کو مسجد میں بلند آواز سے تلاش نہ کریں بلکہ اپنی آواز کو بلاوجہ مسجد میں اونچا نہ کریں۔ اور بے عقل بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں نہ آنے دیں اور مسجد میں ہتھیار نہ لائیں اور ہجوم اور اجتماع میں ایک دوسرے کو تنگ نہ کریں۔ اور نہ ہی ضرر پہنچائیں اور خانہ جنگی نہ کریں۔ اور فقیروں کو مسجد میں سوال کرنا حرام ہے۔ اور اگر وہ مسجد میں سوال کریں تو انہیں دینا مکروہ ہے۔ تا کہ اس فعل کے عادی نہ ہو جائیں۔ اور مسجد میں شعر پڑھنا ممنوع ہے مگر وہ شعر جن کے ضمن میں توحید باری تعالیٰ اور نعتِ رسول علیہ السلام ہو یا وعظ ونصیحت پر مشتمل ہوں اور مسجد کے اندر مجرم کو سزا نہ دی جائے۔ اور بلاضرورت مسجد کے اندر سونا مکروہ ہے۔ اور ضرورت کے وقت کوئی مضائقہ نہیں۔ اور مسجد میں تھوکنا گناہ ہے۔ اور اس کا علاج یہ ہے کہ اگر کسی نے یہ غلطی کی تو تھوک کو فوراً مسجد سے باہر پھینکیں اور اس جگہ کو صاف کریں۔ اور زمین سخت نہ ہو تو زمین کھود کر اسے دبا دیں اور

marfat.com
Marfat.com

کاریگر کو مسجد میں بیٹھ کر کام کرنا ممنوع ہے مگر وہ جو معتکف ہو اور اسے اپنے پیشے کے بغیر روزی میسر نہیں ہوتی اور مسجد میں غسل کرنا' وضو کرنا اور حجامت اس طرح بنوانا کہ زمین مستعمل پانی سے ملوث ہو یا بدن کے بال اور میل اس میں گریں' ممنوع ہے۔ کچا پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں آنا یا منہ میں حقہ کی بدبو لے کر مسواک کیے بغیر مسجد میں آنا مکروہ ہے۔

ساتویں چیز یہ کہ جہاں مسجد کی ضرورت ہو وہاں مسجد بنانے میں مالی اور جانی امداد کرنا ثواب عظیم رکھتا ہے۔ اور اسی طرح اسباب طہارت مہیا کرنے میں ثواب عظیم ہے۔ جیسے غسل خانہ بنوانا' مسجد کے کنوئیں کی مرمت کرانا' پرنالہ یا طہارت خانے کا چوبچہ جاری کرنا اور بوریا وغیرہ کا فرش مہیا کرنا اور جب تک لوگ وہاں موجود ہیں' چراغ روشن کرنا عبادت ہے۔ اور صحیح حدیث میں اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے وارد ہے کہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ببناء المساجد فی الدور وان تطیب وتنظف یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا۔ اور ان مسجدوں کو پاک صاف رکھنا چاہیے۔ اور انہیں خوشبودار اور معطر رکھنا چاہیے۔

## مسلمانوں کے بغیر کسی اور کو مسجد میں مجبوری کے بغیر داخل نہ ہونے دیں

یہاں جاننا چاہیے کہ اکثر فقہاء نے اولئك ماكان لهم ان يدخلوها الاخائفين کے الفاظ سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ غیر اہل قبلہ کو خواہ یہودی ہوں' خواہ نصرانی یا مشرکین جیسے ہندو' مجوسی مسجد میں نہیں آنے دینا چاہیے۔ اور یہ مسئلہ نکالنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے مقامات پر خبر نہی کے ہم معنی ہوتی ہے۔ جیسے مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ' (الاحزاب آیت ۵۳) وَمَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ (التوبۃ آیت ۱۷) اور جب نہی کافر کے متعلق ہو کہ کسی ذمہ داری کے حکم پر یقین نہیں رکھتا گویا وہ نہی ذمہ داری قبول کرنے والوں کے متعلق ہو جاتی ہے کہ وہ اس کافر کو یہ کام نہ کرنے دیں۔ پس کلام کا حاصل یوں ہوا کہ تمہیں جائز نہیں کہ اس قسم کے لوگوں کو مسجد میں داخل ہونے دو مگر اس وقت جبکہ مجبور' بے چارہ' ذلیل اور ڈرتے ہوں جیسے کہ مقدمے' جھگڑے اور قصاص اور حد ثابت کرنے کے وقت اس صورت میں جبکہ قاضی مسجد بیٹھا ہو اور اسی لیے امام مالک

marfat.com
Marfat.com

رحمتہ اللہ علیہ اس مستنبط حکم کے مطابق عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کسی کافر کو مسجد میں داخل کرنا جائز نہیں۔ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اس حکم کو مسجد حرام کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ اور اس مسجد مبارک میں کسی بھی کافر کو آنے نہیں دینا چاہیے۔ اور دوسری مسجدوں میں اگر مسلمان کسی مصلحت اور حکمت کے لیے اسے اندر آنے دیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کافروں کا سب مسجدوں میں آنا درست ہے۔ اس لیے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سعادت والے زمانے میں مہمانوں کو اگرچہ کافر ہوتے' مسجد میں ٹھہراتے تھے۔ جیسا کہ بنو ثقیف کے وفد کو اور دوسرے وفدوں کو۔ نیز تواتر سے معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے لیے یہود و نصاریٰ اور مشرکین اذن و اجازت طلب کیے بغیر مسجد میں آتے جاتے تھے۔ اور بیٹھتے تھے۔ اور ثمامہ بن اثال حنفی کو کفر کی حالت میں حضور علیہ السلام نے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ بندھا رہنے دیا تھا۔ اور حضور علیہ السلام کے اس ہمیشہ کے عمل کا ناسخ وارد نہیں ہوا۔ اور اس معنی پر اس آیت کی دلالت واضح نہیں ہے۔ کیونکہ تفسیر میں گزرا کہ آیت مذکورہ کا معنی اور ہے۔ جو کہ سیاق و سباق کے ساتھ زیادہ موزوں ہے۔ پس اس احتمالی معنی کی وجہ سے حضور علیہ السلام کا ہمیشہ کا عمل کس طرح منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ نیز اس معنی پر **الاخائفین** کا استثناء ایک تکلف چاہتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ (**اقول وباللہ التوفیق**۔ متاخرین کے مطابق کفار کو مسجدوں سے دور رکھنا چاہیے تاکہ عوام کے دلوں میں ان کے متعلق نفرت پیدا ہو۔ اور **انما المشرکون نجس** سے بھی اشارہ ملتا ہے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمول شریف کا حوالہ ایک وقتی مصلحت کا آئینہ دار ہے۔ ابھی کچھ صفحات پہلے آداب عید کے عنوان میں گزرا کہ بے عقل بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں نہ آنے دیں۔ اور کفار بہر حال ان سے زیادہ لایعقل اور غیر ذمہ دار ہیں۔ اور ان کا ناپاک ہونا بھی یقینی نہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

آٹھویں بحث یہ ہے کہ آیت **وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ** الخ اگرچہ مسلمانوں کی تسلی اور دلجمعی کے لیے اتری ہے۔ تاکہ کافروں کے انہیں متبرک مساجد جیسے مسجد حرام اور

marfat.com
Marfat.com

مسجد بیت المقدس سے روکنے اور ان نورانی مقامات کو خراب کرنے کی وجہ سے وہ رنجیدہ نہ ہوں اور عبادت میں بے ذوق نہ ہوں لیکن جب اس آیت سے یہ فائدہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے سب مکانات برابر ہیں۔ اور اس سے لازم آیا کہ اس کی نسبت سے تمام طرفین بھی برابر ہوں گی اس لیے کہ طرفین حقیقت میں مکانوں کی اطراف ہیں۔ اور اس کی عبادت جس طرح ہر مکان میں مقبول ہے۔ اسی طرح جس طرف بھی توجہ ہو عبادت کے صحیح ہونے میں کفایت کرے۔ اور نماز میں قبلہ کی سمت معین ہونے کی وجہ سے یہ لازم بظاہر محال معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے مفسر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس لازم کو صحیح کرنے میں چند صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی صورت یہ کہ استقبال قبلہ کا اصل اطاعت میں جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے' کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ اس استقبال کا حکم صرف عوام کے ذہنوں میں توجہ درست کرنے اور مقرر و محدود کرنے کے لیے ہے۔ پس ایک سمت سے دوسری سمت کے ساتھ استقبال کے منسوخ ہونے کی وجہ سے جیسا کہ بیت المقدس سے کعبہ کے ساتھ واقع ہوا۔ عبادت اور اطاعت کے حال کی تبدیلی کا موجب نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب ایک شخص تاریک رات میں گمان اور انداز کے ساتھ کسی سمت کو کعبہ معظمہ کی جہت جان کر اس کی طرف منہ کرے۔ اور اس کی طرف نماز ادا کرے۔ اور اس کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ کعبہ کی سمت نہ تھی' وہ ادا کی ہوئی نماز درست ہے۔ اور اس نماز کا اعادہ لازم نہیں آتا اور حضور علیہ لسلام نے اس حکم کو اسی آیت سے نکال کر لوگوں کو اس کا پتہ دیا حتیٰ کہ اس وقت کے اکثر حاضرین نے بھی گمان کیا کہ یہ آیت اسی مقدمہ میں نازل ہوئی ہے۔

جیسا کہ سنن ترمذی اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن عامرۃ بن ربیعہ کی روایت سے وارد ہے کہ ہم ایک غزوہ کے سفر میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ تھے۔ اور رات کا وقت تھا۔ اور وہ رات بہت تاریک تھی کہ ستارے تک نظر نہیں آتے تھے اس منزل میں قبلہ کی سمت معلوم نہیں ہوتی تھی' لوگوں نے اندازے سے ایک طرف منہ کر کے نماز ادا کی اور اس سمت کے نشان کے لیے لکیریں کھینچ دیں اور ان لکیروں پر پتھر رکھ دیئے جب صبح روشن ہوئی' ہم نے معلوم کیا کہ وہ تمام لکیریں سمت قبلہ سے پورے طور پر بدلی ہوئی تھیں۔ ہم نے ماجرا حضور صلی اللہ

marfat.com
Marfat.com

علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اور شکایت کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم سب نے غلطی سے غیر قبلہ کی سمت نماز پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری نماز درست اور مقبول ہوئی۔

اور دار قطنی نے اس قسم کا واقعہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قدیم مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ قبلہ کے تعین سے پہلے لوگوں کو اختیار تھا جس سمت چاہتے تھے نماز ادا کر لیتے تھے۔ اور بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا لیکن اس اختیار دینے کی سند صحیح روایات کی رو سے ثابت نہیں ہوتی اور محض احتمال ہے۔ ہاں قتادہ اور عبدالواحد بن زید نے کہا ہے کہ شب معراج کے بعد استقبال بیت المقدس اور کعبہ میں مسلمانوں کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ ان دونوں مکانوں میں سے ہر ایک کی طرف توجہ جائز تھی۔ اور اس کے بعد یہ اختیار بھی منسوخ ہو گیا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اس آیت کا مدلول نوافل پڑھنے والے مسافر کے ساتھ خاص ہے کہ اگر سواری پر نفل پڑھتا ہے اس کی سواری جس طرف بھی متوجہ ہو اس کی نماز درست ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے بھی سفروں میں اس طرح نماز ادا فرمائی ہے۔ جیسا کہ صحیحین اور دوسری صحاح ستہ میں مروی ہے۔ (اقول وباللہ التوفیق۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوران سفر نوافل ادا کرنا جائز بلکہ مسنون ہے۔ لیکن آج کے بعض ناعاقبت اندیش نوافل تو کیا سنن موکدہ ادا کرنے کو بھی درست قرار نہیں دیتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خود تو گمراہ تھے ہی عوام کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے بچائے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

پانچویں صورت یہ ہے کہ بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی نے آپ کے پاس یہ آیت تلاوت کی وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ آپ نے فرمایا اس کا معنی یوں ہے کہ مابین المشرق والمغرب قبلہ اذا توجهت قبل البیت یعنی جب تو بیت اللہ کی طرف منہ کرے تو مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ اور یہ تصویر مدینہ منورہ میں درست بیٹھتی ہے۔

اور ترمذی اور دوسری صحاح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً

marfat.com
Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہے کہ فرماتے تھے مابین المشرق والمغرب قبلة۔ پس اس آیت کا خلاصہ اس بات میں وسعت دینا ہے کہ علی التخصیص عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ کعبہ کی سمت بھی کفایت کرتی ہے۔

چھٹی صورت یہ ہے کہ بعض باریک بینوں نے کہا ہے کہ جس مقام پر مقاطر مکہ ہیں وہاں جس طرف بھی اپنا منہ متوجہ کرے' استقبال قبلہ حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فن ہیئت جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں۔

ساتویں صورت یہ ہے کہ اس آیت کا مضمون اس شخص کے بارے میں ہے جو خانہ کعبہ کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ جس سمت سے بھی چاہے' خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔

آٹھویں صورت یہ ہے کہ اس آیت کا نزول دعا کے حق میں ہے نہ کہ نماز کے بارے میں جیسا کہ حسن بصری اور ضحاک سے مروی ہے کہ جب آیت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اُتری' لوگوں نے پوچھا کہ ہم کس سمت منہ کر کے دعا مانگیں؟ ان کے جواب میں یہ آیت اُتری' اسے ابن جریر نے ابن المنذر' انہوں نے مجاہد سے روایت کیا۔

نویں صورت یہ ہے کہ اس آیت کا نزول عبادت کے حق میں نہیں ہے۔ بلکہ گریز اور فرار کے حق میں۔ ہے۔ اور لفظ تولوا کا خطاب ان لوگوں کے لیے ہے۔ جو کہ ذکرِ خدا سے منع کرتے ہیں۔ اور مسجدوں کو خراب کرنے میں کوشش کرتے ہیں۔ اور مراد یہ ہے کہ اگر تم چاہو کہ دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے بھاگ دوڑ کر بچ جاؤ تو تمہارے لیے یہ ممکن نہیں۔ اس لیے کہ زمین کا مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہے۔ جس طرف بھی بھاگ کر جاؤ گے' دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب جو کہ تمہارے حق میں خدا تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا ہے' تمہارے سامنے آ جائے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ وسیع تصرف اور قدرت والا ہے۔ اور اس کا علم ہر مکان کو محیط ہے۔ اس لیے بھاگا نہیں جا سکتا۔

مختصر یہ کہ اہلِ کتاب کے دونوں فرقے جو کہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ اور دوسرے باطل فرقے جیسے مکہ کے جاہل' ہندو اور مجوسی اس قسم کے ظلم کا ارتکاب کرنے کے باوجود جو کہ ظلم کی سب سے شدید قسم ہے' جنت میں داخل ہونے کا استحقاق نہیں رکھتے چہ جائیکہ ان کے سوا کوئی

marfat.com
Marfat.com

جنت میں نہ جائے۔ اور جنت خاص انہیں کا حصہ ہو اس لیے کہ وہ اپنے پروردگار کے بارے میں سب وشتم کا دستور رکھتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا ظلم ہے۔ جو کہ شناعت میں پہلے ظلم سے بھی زیادہ اونچا ہے۔

وَقَالُوْا اور ان سب نے کہا۔ خواہ یہود ہیں خواہ نصاریٰ خواہ مشرکین عرب جن کے متعلق اس سے پہلے اَلَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ کے ساتھ تعبیر کی گئی اِتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد بنائی ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے (نعوذ باللہ) اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) پسر خدا ہے (نعوذ باللہ) اور مشرکین عرب کہتے ہیں کہ فرشتے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ کیونکہ خدائی کے کام کرتے ہیں۔ اور کسی کو نظر نہیں آتے اگر بیٹے ہوتے تو پردہ نشینی اختیار نہ کرتے۔ اور اولاد حاصل کرنے میں اگرچہ جانوروں اور آدمیوں میں کوئی عیب نہیں ہے کہ آدمیوں میں سے کسی کے ساتھ اس کی نسبت کرنا سب وشتم ہو لیکن حضرت باری عز شانہ کے بارے میں بہت بڑا عیب ہے۔ اور بہت قبیح گالی ہے۔ جیسا کہ فراش ہونا عورتوں کے حق میں عیب نہیں ہے۔ اور مردوں کے حق میں گالی ہے۔

اسی لیے صحیح بخاری اور دوسری صحاح میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے حدیث قدسی میں آیا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ابن آدم مجھے جھوٹ کی تہمت لگاتا ہے۔ اور یہ اس کے لائق نہ تھا۔ ابن آدم مجھے گالی دیتا ہے۔ اور یہ ہرگز اس کے لائق نہ تھا۔ رہی جھوٹ کی تہمت تو اس طرح کہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے پھر آخرت میں زندہ نہیں کرے گا اگرچہ اس نے مجھے پہلے پیدا کیا حالانکہ پہلے پیدا کرنے کے مقابلہ میں دوبارہ پیدا کرنا مجھ پر زیادہ دشوار نہیں ہے۔ تاکہ اس کے دل میں یہ شبہ اور جھٹلانے کا خیال پیدا ہو۔ رہی گالی تو اس طرح کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اولاد رکھتا ہے جانوروں اور آدمیوں کی طرح۔ حالانکہ میں بے مثل خدا اور بے نیاز ہوں' نہ میری اولاد ہے۔ اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں' نہ کوئی میرا ہمسر ہو سکتا ہے۔

## قول مذکور کے بطلان پر حدیث قدسی سے پانچ دلائل

اور اس حدیث قدسی میں پانچ دلیلوں کے ساتھ اس قول کے باطل ہونے کا اشارہ

marfat.com

Marfat.com

ہے۔ پہلی دلیل احدیت اور یگانگی جو کہ بعضیت اور جزئیت کے منافی ہے۔ اور اولاد والد سے نطفہ جدا ہوئے بغیر نہیں ہوتی۔ دوسری دلیل صمدیت اور بے نیازی جو کہ احتیاج کے منافی ہے۔ اور صاحب اولاد ہونا احتیاج کا تقاضا ہے۔ اس لیے کہ ایک شخص کے لیے بڑھاپے کی حالت میں یا موت کے بعد یا سفر یا بیماری کی وجہ سے غیر حاضر ہونے کے وقت کوئی دوسرا چاہیے کہ اس کا قائم مقام ہو اور جسے احتیاج نہ ہو یا اسے موت فوت' غیر حاضری' سفر' کمزوری' عاجزی اور بڑھاپا لاحق نہیں ہوتا' اولاد سے بے نیاز ہے۔ جیسے آسمان' زمین اور ستارہ' تیسری دلیل لم یلد ہے۔ اس لیے کہ اولاد کے پیدا ہونے میں والد کا ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنا ہے۔ اور جو قدیم ہے۔ اور تغیر سے بالکل بری ہے اسے تولد کا کیا امکان؟ چوتھی دلیل لَمْ یُوْلَدْ ھے۔ اس لیے کہ جو جنتا ہے لازماً جنا گیا بھی ہوتا ہے۔ یا جنے گئے کے حکم میں۔ جیسے حضرت آدم وحوا کہ زمین سے پیدا ہوئے۔ اور جب کوئی کسی چیز سے پیدا نہ ہوا ہو اس سے دوسری چیز جدا ہو کر کیسے پیدا ہو۔

پانچویں دلیل وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ہے۔ اس لیے کہ اولاد کی حقیقت زوج یا زوجہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اور زوج' زوجہ کا ہمسر ہوتا ہے۔ اور زوجہ' زوج کی ہمسر۔ نیز ہر بیٹا باپ کا ہمسر ہوتا ہے۔ تو جس کا ہمسر نہ ہو اولاد بھی نہیں رکھتا۔

اور تحقیق کے مطابق معنائے خدائی کی تصدیق جو کہ یکتائی کا تقاضا کرتا ہے اس خیال سے مانع کافی ہے۔ اسی لیے عقلندوں کو یہ باطل عقیدہ سنتے ہی عظیم حیرت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ان کی عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ آدمی اس عقل کے باوجود جو اسے حاصل ہے ایسی بیہودہ گفتگو کس طرح کر سکتا ہے اسی بناء پر قرآن مجید میں جگہ جگہ اس بیہودہ بات کو نقل کرنے کے بعد اس قول کے بہت بڑا اور بہت برا ہونے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ سورۂ مریم میں فرمایا ہے تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ ھَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا وَّمَا یَنْبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا (مریم آیت ۹۰ تا ۹۲) یعنی قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں' زمین شق ہو جائے۔ اور پہاڑ ڈھ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے بیٹے کا دعویٰ کیا حالانکہ رحمٰن کے

marfat.com

Marfat.com

شایانِ شان نہیں کہ اس کا بیٹا ہو۔

اور صحیحین میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خدا تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں کہ خود سنتا ہے کہ لوگ اس کے بارے میں اولاد بیٹے اور بیٹیاں ثابت کرتے ہیں۔ پھر انہیں رزق دیتا ہے۔ اور عافیت کے ساتھ رکھتا ہے۔ اور ابن ابی حاتم اور ابن المنذر اہلِ شام میں سے ایک شخص کی روایت سے لائے ہیں کہ اسے کسی سے یہ خبر پہنچی کہ زمین اور اس میں جو کچھ ہے کی تخلیق کی ابتدا میں کوئی درخت کانٹوں والا نہ تھا۔ اور کوئی میوہ کڑوا بدذائقہ اور بدبودار نہ تھا۔ اور کہیں سے کھاری پانی نہیں نکلتا تھا۔ اس کے بعد کہ جب بدبخت لوگوں نے ایسی بات کہی اور خداعزوجل کے بارے میں یہ قبیح گالی بکی درخت خاردار میوے تلخ اور بدبودار ہو گئے۔ اور کھاری پانی نکلنا شروع ہو گیا۔ اور اس بات کے سخت بُرا ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان کو چاہیے کہ کافروں سے ایسی بات سننے پر فوراً کہے:

سُبْحَانَهٗ میں اس ذات پاک کو اس سے پاک جانتا ہوں کہ اس کی اولاد ہو۔ جیسا کہ رائج ہے کہ دنیوی یا دینی مصیبت کے ذکر کے بعد (معاذ اللہ) نصیب دشمنان اور اسی قسم کے الفاظ کہتے ہیں۔ اور اس کلمے کو یہاں کلامِ الٰہی میں وارد کرنا اسی نہج پر ہے کہ یہ مسلمانوں کو تلقین کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ اور اِس کلمے کا معنی اس کے مطابق جو بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے ذاتِ خداوندی کو پاک جاننا ہے ہر اس چیز سے جو اس ذات پاک کے لائق نہیں۔ اخرج الحاکم والبیهقی عن طلحة بن عبیدالله قال سألت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم عن تفسیر سبحان الله فقال هو تنزیه الله من کل سوء واخرج عبدبن حمید عن زید بن الاصم قال جاء رجل الی ابن عباس فقال لا اله الاالله نعرفها انه لااله غیره والحمد لله نعرفها ان النعمة کلها منه وهو المحمود علیها والله اکبر نعرفها انه لاشئ اکبر منه فما سبحان الله ؟ قال ابن عباس وما تنکر منها هی کلمه رضیها الله لنفسه وامر بها ملائکته وفزع الیها الاخیار من خلقه یعنی حاکم اور بیہقی نے طلحہ بن عبیداللہ سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

marfat.com
Marfat.com

علیہ وآلہ وسلم سے سبحان اللہ کی تفسیر پوچھی تو فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے پاک جاننا ہے۔
اور عبد بن حمید نے زید بن الاصم سے بیان کیا کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں آیا اور کہا لاالٰہ الااللّٰہ کا معنی ہم پہچانتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
اور الحمدللّٰہ کو ہم پہچانتے ہیں کہ سب نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں۔ اور اُن کی وجہ سے وہ تعریف کیا گیا ہے۔ اور اللہ اکبر کو پہچانتے ہیں کہ اس سے بڑا کوئی نہیں تو سبحان اللہ کیا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس میں بے پہچان کون سی چیز ہے یہ ایک کلمہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے پسند فرمایا۔ اور اس کا فرشتوں کو حکم دیا۔ اور اس کی مخلوق میں سے اچھے لوگ اس کی طرف پناہ لیتے ہیں۔

اور ابن ابی حاتم نے حسن بصری سے روایت کی کہ سبحان اللہ اسم لایستطع الناس ان ینتحلوہ یعنی اس کلمے کو مخلوق اپنے حق میں استعمال نہیں کر سکتی کیونکہ ہر نالائق شے سے پاک ہونا شانِ خداوندی ہے۔ اور بس۔ بخلاف حمد و تکبیر کے کہ اسے آپس میں استعمال کرتے ہیں۔

اور اس خیال خیام سے اس ذات پاک کے پاک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی بیٹا ہو۔ پس اگر وہ بیٹا بھی منصب خدائی رکھتا ہے تو چاہیے کہ مستقل بنفسہ' قائم بذاتہ اور خود موجود ہو اور اسے اپنے وجود میں اس ذات سے کوئی تعلق نہ رہے۔ اور جب یوں ہوگا تو ولدیت کا معنی جو کہ فرع کے اپنی اصل کے ساتھ متعلق ہونے کا مقتضی ہے' بگڑ جائے گا۔ اور اگر اپنی ذات میں واجب الوجود نہ ہو تو لازماً باری تعالیٰ کے ایجاد کرنے سے موجود ہوا ہو گا اور اس صورت میں عبدیت لازم آئی۔ اور فرزندی اور ولدیت کا معنی باطل ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ مرتبۂ خدائی فرزند حاصل کرنے سے صریح منافات رکھتا ہے۔ کیونکہ فرزند کو چاہیے کہ اپنے والد کی جنس سے ہو۔ ورنہ فرزند نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شے ہم جنس نہیں ہو سکتی۔

بَلْ لَّهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بلکہ اسی کے لیے ہے سب کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے' ملک کے طور پر اور پیدا کرنے کی جہت سے۔ اور ظاہر ہے کہ مملوک و مخلوق'

marfat.com
Marfat.com

مالک وخالق کے ہم جنس نہیں ہو سکتی۔ اور اسی لیے شرح شریف میں مقرر ہے کہ جب بھی کوئی شخص اپنے اقارب میں سے کسی کا مالک ہو جائے' وہ قریبی آزاد ہو جاتا ہے۔ پس عبدیت اور ولدیت میں پوری منافات ہے۔ نیز اولاد کے لیے واجب ہے کہ اپنے والد کی عبودیت سے باہر ہوں اور آسمان والوں اور زمین والوں میں سے کوئی بھی اس کی بندگی سے خارج نہیں ہے۔ بلکہ

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ آسمانوں اور زمینوں میں سے ہر ایک اس کا مطیع اور تابع فرمان ہے۔ ان میں سے بعض خوشی کے ساتھ جیسے انبیاء علیہم السلام' ملائکہ' نیک ایمان والے اور بعض زور اور مجبوری کی وجہ سے جیسے کفار' شیاطین' فاسق وفاجر ایمان والے کہ جب چاہتا ہے' انہیں زندہ فرماتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے' فوت کر دیتا ہے۔ جب چاہتا ہے' تندرست رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے' بیمار کر دیتا ہے۔ جب چاہتا ہے غنی اور دولت مند کر دیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے مفلس اور فقیر کر دیتا ہے۔ وہ اس کے ان تصرفات کو روک نہیں سکتے۔ اگرچہ دل سے برا جانتے ہوں۔

اور اگر وہ کہیں کہ ہم بھی اس بات پر دلیل رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے بعض فرزندی کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے۔ اور آدمی کے لیے باپ چاہیے۔ پس ان کا باپ (معاذ اللہ) خدا ہے۔ اور اسی طرح حضرت عزیر علیٰ نبینا وعلیہ السلام معلم کی تعلیم کے بغیر تورات کو یاد سے پڑھتے تھے۔ اور آدمی کے لیے معلم کی تعلیم کے بغیر اس قسم کی طویل کتاب کو یاد سے پڑھنا ممکن نہیں۔ پس انہیں بلاواسطہ اللہ تعالیٰ نے فرزندوں کی طرح اپنی کتاب کی تعلیم دی ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ مرتبۂ فرزندی رکھتے تھے۔ اور اسی طرح فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں فنا ہو کر اپنے ارادے کو اس ذات کے ارادہ کے تابع کر رکھا ہے۔ اور ان سے وہ افعال صادر ہوتے ہیں جو کہ مخلوق کی طاقت نہیں ہیں۔ اور یہ مرضی اور عمل کا اتحاد ان کی ولدیت کی دلیل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال کی معرفت میں بہت قصوروار ہو اسی وجہ سے ان شبہات میں گرفتار ہوتے ہو اگر اس کی صفات اور افعال کی

marfat.com
Marfat.com

معرفت کا کوئی حصہ تمہارے پاس ہوتا تو اس طرح کی بیہودہ گفتگو نہ کرتے۔ اور اگر اس کی عمدہ صفات و افعال کو سمجھ نہیں سکتے ہو تو اس قدر تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کو نئے سرے سے پیدا کرنے والا ہے بغیر اس کے کہ ان کی پیدائش سے پہلے کوئی مادہ موجود ہو جو کہ اس پیدائش کے قابل ہو تو اس سے کیا بعید ہے کہ آدمی کو باپ کے بغیر پیدا کر دے یا کسی کو واسطۂ بشر کے بغیر اپنی کتاب کی تعلیم دے اور اگر غور سے دیکھو تو اس حقیقت کو پالو کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے میں مادہ اور اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ

اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا جب کسی کام کو سرانجام دیتا ہے فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ پس اس کا طریقہ یہی ہے کہ اس چیز کو فرماتا ہے کہ ہو، وہ چیز ہونے اور سرانجام پانے میں اس کے حکم سے تاخیر اور توقف نہیں کرتی۔ فَيَكُوْنُ پس وہ چیز بلا توقف ہو جاتی ہے تو اگر مادہ اور اسباب کے بغیر پیدا کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ چیز اپنے خالق کا فرزند ہو تو ہر چیز میں ولدیت اور فرزندی کا دعویٰ لازم آئے گا۔ حضرت عیسیٰ عزیر اور ملائکہ علیہم السلام کی کوئی خصوصیت نہیں رہے گی اس لیے کہ حقیقت میں پیدائش امر سے ہے نہ کہ اسباب سے۔ اگرچہ ظاہر بین نگاہ میں جو کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے بعد دیکھتی ہے اسباب کا وہم گزرے۔

## چند بحثیں

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئی ہیں جن کے مفسرین یہاں درپے ہوتے ہیں۔ پہلی بحث یہ کہ باری تعالیٰ کے لیے بیٹے کا ثبوت جیسا کہ ان آیات سے معلوم ہوا صریح خلاف عقل ہے تو اس قدر کثیر تعداد جو کہ عقل مندوں سے خالی نہ تھی کس طرح اس بیہودہ بات پر اصرار کرتے تھے؟ اور اسی لیے علمائے محققین اس طرف گئے ہیں کہ پہلے گمراہ ٹولے کو حقیقی ولدیت کا اعتقاد نہ تھا۔ بلکہ ان کے کلام کا خلاصہ اسی قدر تھا کہ مخلوقات میں سے بعض کو عبدیت سے بالاتر مرتبہ دیتے تھے۔ اور اس مرتبے کا نام ولدیت رکھتے تھے اور ان بعض کو حقیقی جانتے تھے۔ لیکن اس توجیہ میں دو وجہ سے خدشہ ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ اس عقیدۂ باطلہ کے رد کے

marfat.com
Marfat.com

مقام میں جگہ جگہ قرآن مجید میں ایسے الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ حقیقی ولدیت پر صریح دلالت کرتے ہیں۔ جیسے انی یکون له ولد ولم تکن له صاحبة (الانعام آیت ۱۰۱) یعنی اس کی اولاد کیسے ہوگی جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں۔ اور بعض جگہوں پر حقیقی ولدیت کی صراحت بھی ارشاد ہوئی کہ وجعلوا بینه وبین الجنة نسبا (الصافات آیت ۱۵۸) اور متبنیٰ میں نسب نہیں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ کہ جب ان کے عقیدہ کے مطابق متبنیٰ یعنی منہ بولا بیٹا ہونا ہو تو حقیقت میں انہوں نے تعبیر لفظی میں خطا کی ہوگی نہ کہ معنی میں اس لیے کہ چنا ہوا ہونا اور محبوب ہونا مسلمانوں کے نزدیک بعض مخلوق کے حق میں ثابت ہے اسی اصطفاء اور محبوبیت کو وہ تبنی سے تعبیر کرتے تھے تو ان پر اس قدر شدید عتاب اس لفظی خطا کی وجہ سے کیوں متوجہ کیا گیا اور کہا جا سکتا ہے کہ اصطفاء اور محبوبیت' عبدیت کے منافی نہیں ہیں۔ اور تبنی اور ولدیت جیسے بھی ہو' عبدیت کے منافی ہے۔ اور فرق کی حقیقت یہ ہے کہ اصطفاء اور محبوبیت' مصطفیٰ اور محبوب کو اس سے مرتبہ سے باہر نہیں کرتی بلکہ اس مرتبہ کے اعلیٰ درجات تک پہنچاتی ہے۔ مثلاً غلاموں یا کنیزوں میں سے جو کوئی اپنے مالک کا برگزیدہ اور محبوب ہو جاتا ہے تو اسی معنی سے ہوتا ہے کہ اپنے غلام یا کنیز ہونے کا حق خوب ادا کرتا ہے بخلاف تبنی اور بیٹا بنانے کے کہ تبنی کو اس کے مرتبہ سے باہر لانا اپنے مرتبہ میں اسے بٹھانا اور اپنے قائم مقام کرنا اسے لازم ہے۔ اور یہ معنی صریح شرک کو لازم کرنے والا ہے بخلاف اصطفاء اور محبوبیت کے پس جدا جدا ہو گئے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ لفظ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمام آسمانوں اور زمینوں والے حضرت باری تعالیٰ کے مطیع اور تابع فرمان ہیں۔ جیسا کہ ابو نعیم' طبرانی' ابو یعلیٰ' ابن حبان اور دوسرے محدثین حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے ہیں کہ کل حرف فی القرآن یذکر فیه القنوت فهو الطاعة یعنی قرآن پاک میں جہاں بھی قنوت کا ذکر ہے تو اس سے اطاعت مراد ہے۔ حالانکہ بے شمار مخلوق احکامِ الٰہی کی بالکل مطیع و تابع نہیں۔ جیسے شیاطین اور کفار اور اسی لیے مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ قیامت

marfat.com

Marfat.com

کے دن مطیع اور تابع فرمان ہوں گے۔ دوبارہ سوال کیا کہ یہ اطاعت اور انقیاد مکلفین کے ساتھ خاص ہے۔ جبکہ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مکلفین اور غیر مکلفین کو شامل ہے تو آپ نے جواب میں دوسری تفسیر کی طرف رجوع فرمایا۔ اور کہا کہ قنوت کا معنی یہ ہے کہ ذراتِ عالم کا ہر ذرہ ذات پاک حضرت حق اور اس کی صفات کمال کا گواہ ہے۔ اس لیے کہ ذروں میں خود حادث اور محتاج ہونے کی علامات وارد ہیں۔ اور اس کی قدرت اور حکمت کے آثار ان میں جلوہ گر ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ تمام موجودات اس کے تصرف کے مغلوب ہیں اس کے تصرف سے باہر نہیں جاتے جیسا کہ تفسیر میں گزرا اور تحقیق یہ ہے کہ اس آیت میں کل له قانتون واقع ہوا نہ کہ کل لاحکامه قانتون. کفار اور شیاطین جو کہ احکام شرعی کے نافرمان ہیں' اوّل تو ان احکام کو اللہ تعالیٰ کے احکام نہیں جانتے۔ پھر اگر دیدہ دانستہ اس کے احکام کا انکار کرتے ہیں تو اس کے وجود اور صفات کمال کا انکار بالکل نہیں کرتے' اہلِ حق اور باطل میں سے ہر شخص کی جبلت میں اس ذات پاک کی معرفت اور اس کی صفات کے کمال کا عقیدہ رکھا گیا ہے گو وہ غلط راہ پر چلا گیا ہو اور افراط و تفریط کا شکار ہوا۔ اور مافی السموت والارض میں سے ہر چیز کی ایک روح ہے جو شعور و عقل والی ہے کہ اس کی وجہ سے اس قدر معرفت سے وہ چیز محروم نہیں رہی۔ مکلف ہو یا غیر مکلف' حیوان ہو یا غیر حیوان۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ' (بنی اسرائیل آیت ۴۴) كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (النور آیت ۴۱)

تیسری بحث یہ ہے کہ مَافِي السَّمٰوٰتِ میں لفظ ما جو کہ غیر ذوی العقول کے لیے ہے' استعمال فرمایا گیا ہے۔ اور كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ میں جمع سالم کا صیغہ لایا گیا ہے۔ جو کہ ذوی العقول کے لیے خاص ہے۔ اور کلام کا یہ تنوع کس نکتہ پر مبنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مملوکیت کے بیان میں ذوی العقول کو ساز و سامان کی مانند قرار دے کر غیر ذوی العقول کو غلبہ دے کر ما کا کلمہ استعمال فرمایا گیا جو کہ اس مقام سے پوری مناسبت رکھتا ہے۔ اور اطاعت کے بیان کے مقام میں جو کہ عاقلانہ کام ہے' ذوی العقول کو غلبہ دینا زیادہ تر موزوں ہوا پس یہ تنوع کی انتہا کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے اسرار کو بہتر جانتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## بحث چہارم

چوتھی بحث یہ ہے کہ جملہ فَیَکُوْنُ دفع کی قرأت پر جسے جمہور قرأ نے اختیار فرمایا ہے' یقول پر معطوف ہے یافَھُوَ یَکُوْنُ کی تقدیر پر کلام کی ابتدا ہے۔ لیکن ابن عامر کی قرأت پر جو کہ فَیَکُوْنُ کونصب کے ساتھ پڑھتے ہیں' ایک قوی اشکال ہے۔ اس لیے کہ سببیت کے بغیر امر کا مابعد منصوب نہیں ہوتا۔ اور یہاں سببیت درست نہیں۔ اس لیے کہ شے کا ہونا اس شے کے ہونے کا سبب نہیں ہوسکتا۔ لان سببیة الشئ لنفسه باطل اسی لیے علماء عربیت نے قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جواب امر کو چاہیے کہ کسی طرح امر کے خلاف ہو یا فعل میں جیسے اذہب تنتفع یا فاعل میں جیسے اذہب یذہب زید یا دونوں میں جیسے اذہب ینفعک زید اور اگر دونوں فعل متفق ہوں اور دونوں فاعلوں میں بھی متحد ہوں تو وہاں نصب کو جائز قرار نہیں دیا گیا اس لیے کہ شے اپنے نفس کے لیے شرط نہیں ہوتی۔ پس ان فعلت فعلت کا معنی جو کہ فا کے ساتھ جواب کے صحیح ہونے کی شرط ہے' ثابت نہیں ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو غرض امر پر مرتب ہوتی ہے' کبھی ایسی چیز ہوتی ہے۔ جو کہ فعل امر کے مغائر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اکثر اوقات اسی طرح واقع ہوتا ہے۔ اور اسی لیے علمائے عربیت نے فعل یا فاعل کی مخالفت کو شرط قرار دیا ہے۔ اور کبھی امر پر مرتب ہونے والی غرض بعینہٖ وہی فعل ہوتا ہے۔ پس اس فعل کو امر کے جواب میں واقع کرنا اس چیز سے خبردار کرنا ہے کہ اس امر سے ہماری غرض اس فعل کے سوا کوئی اور چیز نہیں۔ چنانچہ اگر کہنے والا کہے کہ اذہب تذہب اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہماری غرض اس امر سے صرف تیرا جانا ہے نہ کہ کوئی اور چیز اور اسی آیت میں جب وجود کے امر سے مقصود نفس وجود ہے اس غرض کے لیے کہ کان قامه کو کان تامه کا جواب بنایا ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ علمائے نحو نے فا کے بعد جواب کی نصب کو جائز قرار دیا ہے کہ اس چیز کے بعد جو کہ امر کا معنی ہے یا اس کے لفظ کے بعد جو کہ لفظ امر کو ضمن میں لیے ہوئے ہے' بھی آتا ہے۔ جیسے اتق اللہ امرا وافعل الخیر فیثاب علیه وقلت لزید زرنی فیزورنی اس لیے کہ اس جواب کی نصب کے صحیح ہونے میں مدار معنی پر ہے نہ کہ لفظ پر تو چیز کہ امر کے معنی میں ہے۔

marfat.com
Marfat.com

حقیقت میں امر ہے۔ اور اسی طرح جو چیز کہ لفظ امر کو ضمن میں لیے ہوئے ہے اس باب میں امر کے ساتھ پوری مشابہت رکھتی ہے کہ سبب لفظ امر کے بعد واقع ہوگا۔ اگر چہ امر کا سبب نہ ہو تو اس قاعدے پر فیکون کی نصب جواب امر کی تشبیہ کی بناء پر ہوگی۔

لیکن اس صورت میں کہ فیکون مقولہ کے تتمہ سے ہوا۔ بہتر یوں معلوم ہوتا تھا کہ صیغہ خطاب کا ہوتا جیسے اذہب فتذہب لیکن غائب کا صیغہ لانے میں نکتہ یہ ہے کہ اس کلام میں اس امر حادث کو دو بار غائب کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے۔ پہلے امر فرمایا۔ اور دوسری مرتبہ لہ اور ایک بار کن میں خطاب کے طریقے پر۔ پس یہاں بھی غیبت کی صورت کو تغلیب دی گئی ہے۔ تا کہ خطاب اور غیبت کا باہم برابر ہونا حاصل ہو۔ نیز جب یہ جواب امر کے جواب کے مشابہ ہے۔ اور حقیقت میں امر نہیں ہے تو خطاب و غیبت کی رعایت ان لوگوں کی نسبت سے کرنا چاہیے جن کی طرف اصل کلام کا رُخ ہے۔ اور اصل کلام جو کہ اس امر کو ضمن میں لیے ہوئے ہے کہ مخاطب مکلفین ہیں۔ جنہوں نے عرصہ ہائے دراز سے وجود کی خلعت پہن کر خطاب کی لیاقت حاصل کر رکھی ہے۔ اور نئے نئے حوادث اس مقام سے غیبت رکھتے ہیں۔ پس اس باریکی پر نظر کرتے ہوئے غائب کے صیغے کا استعمال متعین ہوا۔

پانچویں بحث یہ ہے کہ کلمہ کن کہنا پیدا کرنے سے کنایہ ہے۔ اور لفظ فیکون ایجاد کے تعلق کے بعد چیزوں کے جلد پائے جانے پر دلالت ہے۔ اس لیے کہ فاتعقیب مع الوصل کے لیے ہے۔ کلام کا خلاصہ یوں ہوا کہ اذا قضی امر فلایحتاج الی شئی الا الایجاد فیوجدہ بلا مہلۃ یعنی جب کسی امر کا فیصلہ فرمائے تو کسی شے کی ضرورت نہیں ہوتی سوائے ایجاد کے پس اسے بغیر مہلت کے ایجاد فرماتا ہے۔ پس اشیاء کا وجود فعل ایجاد سے ہے نہ کہ کلمہ کن سے اور کلمہ کن کی طرف اس کی نسبت تمثیل کے طریقے سے ہے۔ گویا ہونے والے امر کو ذہن میں مطیع اور فرماں بردار غلام کی مانند قرار دیا گیا ہے۔ جسے حکم دیا گیا جو کہ اپنے مالک کے حکم سے ایک لمحے کے لیے ہرگز دیر نہیں کرتا۔ اور حکم ملتے ہی تعمیل کرتا ہے۔

اور اس بیان میں اس ذات پاک کے بیٹا حاصل کرنے سے پاک ہونے کی پوری

marfat.com
Marfat.com

تاکید ہوئی۔ اس لیے کہ جسے اس قدر قدرت حاصل ہو اسے کیا پڑی کہ بیٹا پیدا کرنے اور اس کی پرورش کرنے میں جانوروں اور آدمیوں کی طرح مقاربت' حمل' رضاعت اور دودھ چھڑانے کا محتاج ہو اس کی شان بلند اور برہانِ عظیم ہے۔ اور جو لوگوں نے اس تمثیلی معنی سے غافل ہو کر اس لفظ کے ظاہر پر نظر کی' وہ کئی اشکالات کی تنگ وادی میں گرفتار ہوئے ہیں۔

ان میں ایک اشکال یہ ہے کہ مخلوق کس وقت کن سے مخاطب ہوتی ہے۔ وجود سے پہلے اہلیت خطاب نہیں رکھتی اور وجود کے بعد اسے وجود کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے۔ اور ان میں سے یہ اشکال ہے کہ اگر مخلوق بے حس و حرکت شے ہے۔ جیسے پتھر' مٹی وغیرہ اسے مکلف کرنا خلاف عقل ہے۔

اور ان میں سے ایک یہ اشکال ہے کلمہ کن قدیم نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ایسے اجزاء سے مرکب ہے جنہیں قرار نہیں۔ کیونکہ نون مسبوق ہے کاف سے جس وقت زبان پر کاف تھا' نون نہ تھا۔ اور جب حادث ہوا تو دوسرے کن کا محتاج ہوا۔ اور اسی طرح آگے تو دور اور تسلسل لازم ہوتا ہے۔ اور ان میں سے یہ اشکال ہے کہ قادر علی الاطلاق کو اگر اس کلمہ کے بولنے سے قطع نظر اعتبار کریں' اشیاء کی ایجاد کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو اس کلمہ کی ضرورت نہیں رہتی اور نرا لغو ہوا۔ اور اگر نہیں کر سکتا تو قادر مطلق نہ رہا۔ اور ان میں سے ایک اشکال یہ ہے کہ ہم اپنے متعلق قطعیت اور یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اگر ہزار بار یہ کلمہ کہیں تو ہمارے افعال میں سے کسی چیز کے وجود میں کوئی اثر نہیں کرتا تو ہر قدرت اور ارادہ والے کا حال یہی ہے۔

اور ان اشکالات کے جواب میں انہیں عجیب حیرت ہوئی اور دائیں بائیں بھٹکے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ یہ کہنا ہر مخلوق میں عام نہیں' ان کے ساتھ خاص ہے جو موجود ہیں۔ ایک حال سے دوسرے تک منتقل ہوتے ہیں' ان لوگوں کی طرح جنہیں حق تعالیٰ نے فرمایا کُوْنُوْا قِرَدَۃً خٰسِئِیْنَ

نیز کہتے ہیں ھذا اللفظ امر الاحیاء بالموت وللموتٰی بالحیٰوۃ یعنی یہ لفظ

marfat.com

Marfat.com

زندوں کے لیے موت اور مردوں کے لیے زندگی کا حکم ہے۔ اور فخر الاسلام بزدوی نے کہا ہے کہ اس کلمہ کا تکلم ایجاد کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ ملأ اعلیٰ کو جتلانے کے لیے دستورِ خداوندی کے جاری ہونے کے طریقے پر ہے۔ تا کہ جب وہ اس کلمہ کو سنیں، جان لیں کہ حق تعالیٰ نے کسی امر کو پیدا فرمایا ہے۔ اور اس قول کی اس سے تائید کی ہے۔ جو کہ حدیث صحیح میں ہے کہ ان ربنا اذا قضی امرا اسمعت الملائکة صوتا کانه صلصلة علی صفوان الخ یعنی فرشتے کہتے ہیں کہ ہمارا ربِ کریم جب کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے ایک آواز سنتے ہیں گویا وہ پتھر پر زنجیر ٹکرانے کی آواز ہے الخ۔ نیز کہتے ہیں کہ یہ امر تکلیفی حکم نہیں ہے کہ خطاب کو سمجھنے اور دوسری شرائط کا پایا جانا درکار ہو۔ بلکہ امر تسخیر ہے۔

## اسمِ اعظم پر مشتمل دعا

مختصر یہ کہ اس کلام کے تمثیلی معنی کی تحقیق کے بعد ان تمام مشکلات سے جان بچ گئی۔ اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے عبد الرحمٰن بن سابط سے روایت کی، حضور علیہ السلام کی مسجد مبارک میں ایک دعا کرنے والا اس طرح دعا کر رہا تھا اللھم انی اسئلك باسمك الذی لا اله الا انت الرحمٰن بدیع السمٰوٰت والارض واذا اردت امرا فانما تقول له کن فیکون۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا سُن کر فرمایا کہ اس دعا کرنے والے کو خبر پہنچاؤ کہ تیری دعا اسمِ اعظم کے ساتھ واقع ہوئی اور مقبول ہوئی۔

اور اب تک جو مذکور ہوئے اہلِ کتاب کے بیہودہ احوال تھے کہ ان کے دانا بھی نادانوں کی طرح ظاہر ہو کر عرب کے جاہلوں اور مشرکوں کے ساتھ اپنی مشابہت پسند کر کے بے دریغ چیخ رہے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اور اہلِ کتاب، مشرکینِ مکہ، اور دوسرے بت پرست جو کہ کچھ نہیں جانتے کہتے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کے قابل ہونے کی کیا شرط ہے۔ اور وہ شرائط کس شخص میں پائی جاتی ہیں کہ اگر حق تعالیٰ کو محمد (علیہ السلام) کی رسالت کو ثابت کرنا اور ان کے دعویٰ نبوت کی تصدیق منظور ہے تو لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ بالمشافہ کلام کیوں نہیں کرتا کہ فلاں کو میں نے بھیجا ہے۔ اور وہ اپنے

marfat.com

Marfat.com

دعویٰ میں سچا ہے' جھوٹ نہیں کہتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ او فرشتوں کے ساتھ اور موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ اس لیے حصول مطلب کے لیے یہ راہ زیادہ آسان ہے۔ اور حکیم آدمی جب مقصد کو حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے سب سے قریبی اور آسان راستے کو اختیار کرتا ہے۔

اَوْتَاْتِیْنَآ اٰیَةٌ یا ہمارے پاس کوئی علامت کیوں نہیں آتی۔ کہ اس علامت کی وجہ سے مجبور ہو کر ہم اس کی حقیقت کو پالیں۔ جیسا کہ سرزمینِ مکہ میں کہ جہاں پانی بالکل نہیں' چشمے جاری ہو جائیں یا اس زمین میں ایک دم باغ اور بوستان پیدا ہو جائیں۔ یا آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہم پر گر پڑے یا فرشتے گروہ در گروہ ہماری نگاہوں میں ظاہر ہوں یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سونے اور چاندی کا گھر بنے۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آسمان کے اوپر چلے جائیں۔ اور ایک کتاب اپنے ہمراہ لے کر آئیں کہ ہم اس کتاب کو پڑھیں اور ان کی اس گفتگو کا منشا جہالت ہے۔ اس لیے کہ نہیں سمجھتے خدا عزوجل سے ہم کلامی کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔ وہ ابھی پہلی سیڑھی جو کہ ایمان ہے' تک نہیں پہنچے ہیں۔ جبکہ وہ رُتبہ فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے۔ اور ان کے علاوہ کسی کو میسر نہیں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کی فرمائش گویا اس بات کی فرمائش ہے کہ تا کہ سب کو پیغمبر یا فرشتے بنا دے اور یہ فرمائش ان بے وقوفوں سے محال نہیں۔ اس لیے کہ

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ اسی طرح کہہ کر۔ چلے گئے وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے۔ ان کی گفتگو کی طرح کسی فرق کے بغیر اس لیے کہ ان کے پہلوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں ارنا اللّٰہ جھرۃ' اجعل لنا الٰہا کمالھم آلھۃ کہا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں ھل یستطیع ربك ان ینزل علینا مائدۃ من السماء کہہ کر چلے گئے۔ اور دوسری اُمتوں کے جاہلوں نے بھی اپنے رُسل علیہم السلام سے اسی قسم کی فرمائشیں کی ہیں۔ پس اگرچہ اس زمانے کے کافر پہلے زمانے کے کفار کے ساتھ زمان' مکان' قوت' جسم اور عمر کے طول میں بہت اختلاف رکھتے ہیں۔ لیکن

marfat.com
Marfat.com

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ان کے دل ایک دوسرے جیسے ہیں۔ پہلے کفار کے دلوں میں جو بیہودہ شبہات اور رسل علیہم السلام کے معجزات کا انکار واقع ہوتا تھا اس زمانے کے کافروں کے دلوں میں بھی واقع ہوتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کی طلب جو وہ رکھتے ہیں' صراحتاً جہالت کے آثار میں سے ہے اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ ہم علامات اور معجزہ کی فرمائش پر آتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے:

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ تحقیق ہم نے اس رسول علیہ السلام کی علامات اور معجزات کو واضح اور روشن کر دیا۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض معجزات کا بیان

جیسے چاند کا شق ہونا' پتھر کا سلام و کلام کرنا' آپ کے حکم پر درخت کا آنا' آپ کی جدائی میں ستون کی لکڑی کا رونا' آپ کے دستِ مقدس اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا' آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشموں کا جاری ہونا۔ اونٹنی' ہرنی اور دوسرے بے زبان جانوروں کی آپ کی خدمت میں شکایت کرنا' آپ کے دعویٰ نبوت کی صداقت پر گوہ اور بھیڑیے کا گواہی دینا۔ آپ کی برکت سے تھوڑے سے کھانے کے ساتھ لشکروں کا سیر ہونا۔ مشکل علاج والی بیماریوں کا آپ کا دستِ مقدس لگنے سے دُور ہونا اور اس سراپا اعجاز کلام کی ہر ہر آیت کا آپ کے قلب مقدس پر نازل ہونا۔ آپ کے اُمی ہونے اور حروف کو نہ پہچاننے کے باوجود۔ علیٰ ہذا القیاس لیکن یہ تمام روشن علامات اور واضح معجزات

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ان لوگوں کے لیے ہیں جو یقین حاصل کرنے کا قصد کرتے ہیں نہ ان لوگوں کے لیے جو کہ تعصب اور عناد اختیار کرتے ہیں۔ اور عاجز کرنے کا قصد کرتے ہیں۔ اور اگر وہ غور سے دیکھیں تو جان لیں کہ رسل علیہم السلام کی علامات اور معجزات میں یہ شرط نہیں کہ منکروں کی فرمائش کے مطابق آئیں یا حد اضطرار تک پہنچا دیں۔ بلکہ اس معنی کا ہونا ایمان میں خلل پیدا کرتا ہے۔ اس لیے کہ ایمان وہی صحیح ہے۔ جو کہ اختیار کے ساتھ ہو نہ کہ مجبوری کے ساتھ۔ ہاں رسل علیہم السلام کی علامات اور معجزات میں اس قدر شرط ہے کہ

marfat.com
Marfat.com

ڈرانے اور خوش خبری دینے کے قابل ہوں۔ اور یہ معنی ان علامات اور معجزات میں جو کہ آپ کے دستِ مقدس پر ظاہر ہوئے یا ہو رہے ہیں موجود ہے۔ اس لیے کہ

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ تحقیق ہم نے آپ کو معجزات حقہ کے ساتھ درست طریقے پر اور حکمت کے تقاضوں کے مطابق بھیجا اور وہ یہ ہے کہ ہم آپ کو انہیں ایمان پر مجبور کرنے کی قدرت نہیں دیتے۔ کیونکہ جبر کی صورت میں ایمان کا فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اور ان کا ایمان فرعون اور ہامان کے ایمان کی طرح ناامیدی کا ایمان ہو جائے گا تو چاہیے کہ آپ کا حال اس سے متجاور نہ ہو۔

بَشِيْرًا کہ آپ بشارت دینے والے ہوں۔ ہر اس شخص کو جو اپنے اختیار سے جبر واکراہ اور عذاب کا معائنہ کیے بغیر آپ کی پیروی کی راہ چلے وَّنَذِيْرًا اور آپ ڈرانے والے ہوں اسے جو اپنے اختیار سے آپ کی پیروی کی راہ سے کنارا کرے۔

وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اور آپ سے پرسش نہ ہوگی کہ آپ کے منکر راہ پر کیوں نہ آئے۔ اور انہوں نے عناد کیوں اختیار کیا۔ اگرچہ وہ منکر اور معاند داخلی ہو گئے اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ جلانے والی آگ والوں میں۔ ہاں اگر ہم آپ کو انہیں ایمان لانے پر مجبور کرنے کی قدرت دیتے اور پھر یہ لوگ انکار اور عناد پر اصرار کرتے تو آپ سے ضرور پرسش ہوتی کہ آپ انہیں راہ پر کیوں نہ لائے۔

## چند بحثیں

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں۔ پہلی بحث یہ ہے کہ تشابہ اور تشبیہ میں کیا فرق ہے۔ اور اس آیت میں تشابہت کو کیوں بیان فرمایا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ کے کفار کے دلوں اور گزشتہ کافروں کے دلوں کے درمیان کوئی فرق نہ تھا۔ دونوں فریقوں کے دلوں کی برابری ثابت کرنے کے لیے لفظ تشابہ زیادہ موزوں ہوا بخلاف تشبیہ کے جو کہ مشبہ اور مشبہ بہ کے مرتبہ کی باہمی مخالفت پر دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے جب شاعروں کو برابری اور مساوات منظور ہوتی ہے تو تشبیہ سے ہٹ کر لفظ تشابہ لاتے ہیں۔ جیسا کہ کہنے والے نے کہا ہے بیت

marfat.com

Marfat.com

رق الزجاج ورقت الخمر
متشابھا وتشاکل الامر
فکانما خمر ولا قدح
وکانما قدح لاخمر

دوسری بحث یہ ہے کہ آیت قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ میں بظاہر ایک اشکال نمودار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اہلِ یقین کے لیے بیان کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ بیان تو اہلِ تردد اور شک والوں کے لیے چاہیے۔ اہلِ یقین کے لئے بیان کرنا تو تحصیل حاصل ہے؟ اس کا جواب دورانِ تفسیر گزرا کہ اہلِ یقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ حصولِ یقین کے لیے تیار اور اسے حاصل کرنے کا قصد رکھتے ہیں نہ کہ وہ لوگ جو بالفعل یقین رکھتے ہیں۔

تیسری بحث یہ ہے کہ نافع اور یعقوب کی قرأت میں لفظ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ صیغہ نہی کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ اور اکثر مفسرین نے اس کا معنی یوں کیا ہے کہ دوزخیوں کا حال نہ پوچھیے کہ نہ تو زبان اس کے بیان کی متحمل ہے۔ اور نہ کانوں میں اس کے سننے کی طاقت اور اس نہی سے مراد دوزخیوں کے عذاب کی شدت کو بیان کرنا ہے۔ لیکن محدث عبدالرزاق اور ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی اور داؤد بن ابی عاصم سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن فرما رہے تھے "اے کاش میں اپنے والدین کا انجام جانتا" اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے والدین کا ذکر نہ فرمایا حتیٰ کہ واصلِ بحق ہو گئے۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے ان دو روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے ارسال سند کے باوجود ان کی سند بھی ضعیف ہے۔ اور اس کے باوجود سیاق کلام سے اتنی مناسبت بھی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اور اگر کسی کے دل میں خیال آئے کہ اگر اس رسول علیہ السلام جو کہ خوش خبری سنانے اور ڈرانے کے لیے بھیجے گئے ہیں' کی علامات اور معجزات دوسرے رسل علیہم السلام کی علامات اور معجزات کی طرح بشارت اور ڈرانے کی صلاحیت رکھتے تو لازماً ان علامات اور

marfat.com
Marfat.com

معجزات کو اہلِ علم اور کتاب کو سمجھنے والے پسند کرتے اور قبول کرتے گو جاہل اور ناسمجھ لوگ انکار اور عناد اختیار کرتے لیکن اس رسول (علیہ السلام) کی علامات اور معجزات کو اہلِ کتاب جو کہ یہود و نصاریٰ ہیں' بھی قبول نہیں کرتے اور پسند نہیں کرتے تو اس وسوسہ کو دُور کرنے کے لیے یہ جان لیں کہ آپ کے معجزات کو قبول نہ کرنا جو کہ یہود و نصاریٰ سے واقع ہوا' ان علامات اور معجزات میں کمی کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ دونوں فرقے آپ سے راضی نہیں ہیں۔ اور ان کی بصیرت کی نگاہوں پر آپ کی طرف سے اور آپ کے معجزات کی طرف سے تعصب اور عناد کا پردہ سمجھنے دیکھنے کا حجاب بن گیا اور اگر آپ چاہیں کہ انہیں اپنی طرف سے راضی کریں' ہرگز صحیح نہیں ہے۔

(اقوال باللہ التوفیق یہ مسلک ہی حقیقت کی نظر سے ضعیف اور نا قابلِ اعتماد و التفات ہے۔ امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے ایمان' شرک سے پاک ہونے' اور جنتی ہونے کے متعلق کئی رسائل لکھے ہیں۔ مثلاً مسالك الحنفاء في والدى المصطفىٰ صلى اللّٰهُ عليه وآله وسلم. الدرج النيفة فى الآباء الشريفة. المقامة السندسيه فى النسب المصطفويه. التعظيم والمنة فى ان ابوى رسول الله صلى اللّٰهُ عليه وآله وسلم فى الجنة. نشر العلمين فى احياء الابوين الشريفين. اور السبل الجلية فى الاباء العليه۔ چنانچہ مسالک الحنفاء ص ۱۸ پر فرماتے ہیں کہ انهمالم يثبت عنهما شرك بل كانا علىٰ الحنيفية دين جدهما ابراهيم علىٰ نبيناء عليه الصلوٰة والسلام كما كان علىٰ ذالك طائفة من العرب كزيد بن عمرو بن نفيل و ورقة بن نوفل وغيرهما۔ آپ کے والدین سے شرک قطعاً ثابت نہیں بلکہ وہ حنیفیت پر تھے یعنی اپنے اپنے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے جس طرح کہ عربوں کا ایک گروہ تھا جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہ۔ اور یہی مسلک امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے' پھر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر اسرار التنزیل جسے تفسیر کبیر کہتے ہیں' کی یہ عبارت نقل فرمائی۔ ومما يدل علىٰ ان آباء النبى محمد صلى

marfat.com

Marfat.com

اللہ علیہ وآلہ وسلم ما کانوا مشرکین قولہ علیہ السلام لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات وقال تعالیٰ انما المشرکون نجس فوجب ان لایکون احد من اجدادہ مشرکا۔ اور جو دلائل حضور علیہ السلام کے آباء واجداد کے مشرک نہ ہونے پر دلالت کرتے' ان میں سے حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ ''میں ہمیشہ پاکوں کی پشتوں سے پاکوں کے ارحام میں منتقل کیا جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرک پلید ہیں تو واجب ہوا کہ آپ کے آباء واجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہ ہو' اور امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کو امام جلال السیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے چھٹی صدی کا مجدد مانا ہے۔

اس سلسلہ میں علمائے اسلام کا ایک مسلک یہ ہے کہ اگرچہ والدین کریمین حقیقت ایمان پر فوت ہوئے لیکن انہیں مزید عزت وشرف عطا کرنے کے لیے زندہ فرمایا۔ اور انہوں نے زیارت بھی کی اور کلمہ شریف بھی پڑھا۔ چنانچہ شیخ عبداللہ العبسوی الروحی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مطالع النور السنی للنبیء عن طھارۃ النسب العربی میں فرمایا اعلم ان کثیرا من حفاظ المحدثین وغیرھم مثل ابن شاھین والحافظ ابوبکر الخطیب البغدادی' والسھیلی والقرطبی والمحب الطبری والعلامہ ناصرالدین بن المنیر وغیرھم ذھبوا الی ان اللہ احیالہ ابویہ فامنا بہ (جواہر البحار ج ۳ ص ۳۰۳) یعنی حفاظ محدثین میں سے کثیر تعداد اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے آپ کے والدین کو زندہ فرمایا تو وہ دونوں آپ پر ایمان لائے جیسے ابن شاہین' حافظ ابوبکر بغدادی' سہیلی' قرطبی' محب طبری اور علامہ ناصر الدین المنیر رحمتہ اللہ علیہم۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی اور آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے یہود اور نہ ہی نصاریٰ۔ تاکہ آپ کے معجزات کو قبول کریں اس لیے کہ دونوں فرقے اپنے آپ کو اہل علم ودانش خیال کرتے ہیں۔ اور لوگوں کی زبان پر اور جہان میں مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں صرف ان کے پاس ہیں اور بس۔ تو وہ چاہتے ہیں کہ ان کے سوا دنیا میں کوئی

marfat.com
Marfat.com

بھی ہے ان کے تابع ہو اور وہ مطلقاً متبوع۔ پس آپ سے کس طرح راضی ہوں کہ آپ انہیں اپنا تابع بناتے ہیں۔ ہاں وہ آپ سے راضی نہ ہوں گے حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ۔ یہاں تک کہ آپ (معاذ اللہ) ان کے منسوخ مذہب اور خود ساختہ دین اور آئین کی پیروی کریں۔ اور یہ کام آپ کی طرف سے کبھی واقع نہیں ہو سکتا بلکہ آپ انہیں اس خیال خام اور جھوٹی طمع سے ناامید کر دیں۔

قُلْ فرما دیجئے کہ پیغمبر کے شایانِ شان نہیں کہ کسی چیز کی پیروی کرے خدا تعالیٰ کی ہدایت کے سوا

اِنَّ هُدَى اللّٰهِ تحقیق اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہر زمانے میں هُوَ الْهُدٰى وہی ہدایت ہے۔ جو اس زمانے کے پیغمبر علیہ السلام لائے ہیں۔ اور اس کے سوا دوسری ہدایتیں منسوخ ہونے سے پہلے اگرچہ ہدایت تھیں مگر نسخ کے بعد نہ رہیں۔ بلکہ ہوائے نفسانی اور دلوں کی خواہش ہو گئیں۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اور اگر بالفرض آپ ان کی نفسانی خواہشات کی پیروی کریں بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اس کے بعد آپ کے پاس اس بات کا قطعی علم آیا۔ کہ اس زمانے کی ہدایت آپ کے لائے ہوئے دین میں منحصر ہے۔ اور اس کے سوا سب منسوخ ہیں۔

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی دوست جس کی کوشش اور تلاش آپ کو اس سے رہائی دے۔ وَّلَا نَصِيْرٍ اور نہ کوئی مددگار کہ طاقت کے ساتھ اس عذاب کو دور کر سکے۔ یہاں تک کہ موسیٰ، عیسیٰ (علیہما السلام) کہ اپنی ملت کی پیروی کی وجہ سے آپ کی حمایت کر سکیں۔ (اقول و باللہ التوفیق۔ اس آیت میں مذکور خطاب امت محمدیہ کو ہے۔ جیسا کہ تفسیر خزائن العرفان میں صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں" یہ خطاب امت محمدیہ کو ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس حق و ہدایت لائے تو تم ہرگز کفار کی خواہشات کا اتباع نہ کرنا۔ اگر ایسا کیا تو تمہیں کوئی عذاب الٰہی سے بچانے

marfat.com
Marfat.com

والا نہیں"۔ چنانچہ شیخ العرب والعجم مولانا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز ولئن لتبعت اھواء ھم کا یوں ترجمہ کرتے ہیں۔ اور (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا" اور اسی آیت کا ترجمہ غزالی زماں امام اہل سنت مولانا سیّد احمد سعید کاظمی نور اللہ مرقدہ اپنے ترجمۃ القرآن البیان میں یوں کرتے ہیں "اور (اے مخاطب) اس کے بعد کہ تیرے پاس علم آچکا اگر تو نے اس کی پیروی کی الخ۔ بنا بریں عظمت نبوت اور مقامِ رسالت کے پیش نظر راست اور بے ضرر ترجمہ یہی ہے۔ اور یہاں تفسیر میں مذکور وضاحت کے تکلف کی ضرورت ہی نہیں۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اس کے باوجود تمام اہلِ کتاب آپ کے انکار پر متفق نہیں ہیں۔ اور آپ کے معجزات کو رد نہیں کرتے۔ بلکہ اہلِ کتاب یہودی ہوں خواہ نصاریٰ دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب دی ہے۔ اور کتاب کی حقیقت اور قدر کو وہی جانتے ہیں۔ اور اس کے معنی کو وہی سمجھتے ہیں جو يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اس کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ جیسا کہ تلاوت کا حق ہے۔ تحریف لفظی یا معنوی کے بغیر اور حروف و کلمات کی حفاظت کے ساتھ۔ کلمات اور تشابہات کی تصدیق اور اس کے مدلولات کو بدلنے سے پرہیز کے ساتھ اور اس کی تقریر میں غور و فکر اور اس کی مرادات اور ارشادات کو سمجھنے کے ساتھ۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ اہلِ کتاب سے یہ گروہ اس حق پر ایمان لاتے ہیں جو ہم نے آپ کے ہمراہ بھیجا اور اس علم اور ہدایت پر جو کہ ہم نے آپ کے قلب مقدس میں اُتارا ہے۔ بلکہ ان کا اس نازل کیے گئے حق پر ایمان لانا عین اپنی کتاب پر ایمان لانا ہے تو ان کا آپ کے معجزات کے کمال اور آپ کے بشارت دینے اور ڈرانے کی صلاحیت کو جاننا کافی ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ اور جس نے اس نازل کیے گئے حق سے کفر کیا۔ اور وہ اہلِ کتاب کی دوسری قسم ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ تو وہ لوگ وہی زیاں کار ہیں۔ کہ اس نازل

marfat.com
Marfat.com

کردہ حق پر ایمان بھی ان کے ہاتھ نہ رہا اور نہ ہی اپنی کتاب کا ایمان رہا' قتل و غارت' اولاد کی قید اور جلاوطنی کی وجہ کی وجہ سے دنیا سے بھی بے بہرہ ہو گئے۔ اور آخرت سے بھی کہ کفر و عناد کی وجہ سے جہنم کی گہرائی میں پہنچ گئے۔ پس اگر وہ اپنے کامل خسارے کی وجہ سے آپ کی رسالت کی علامات اور معجزات میں شکوک و شبہات وارد کرتے ہیں۔ اور انہیں قبول نہیں کرتے تو کوئی ڈر نہیں کہ حقیقت میں وہ اہلِ کتاب سے نہیں ہیں۔ گو ظاہری طور پر گدھے کی طرح اس کتاب کے حامل ہوں۔ مصرع

که نکته داں نشود کرم گر کتاب خورد

یعنی اگر کیڑا کتاب کھا جائے تو نکتہ داں تو نہیں ہو جاتا۔

## چند ضروری بحثیں

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں جن کے درپے ہونا واجب ہے۔ پہلی بحث یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دلائل کے واضح ہونے اور براہین کے روشن ہونے کے بعد تقلید باطل ہے۔ اس لیے کہ یہ علم آنے کے بعد خواہش کی پیروی ہے۔ اور یہی وجہ ہے مجتہد عالم کو غیر کی تقلید حرام ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ جاننے کے باوجود کہ اس شخص سے یہ کام صادر نہ ہوگا اس شخص کو اس کام سے منع کرنا اور اس کے بُرے انجام سے ڈرانا حکمت کے موافق ہے۔ جیسا کہ یہاں اہلِ کتاب کی خواہشات کی پیروی کے بارے میں معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اور اس کے باوجود اس پر شدید وعید فرمائی اور مؤثر طور پر روکا گیا اور اسی آیت کی مانند ایک اور آیت ہے کہ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الزمر آیت ۶۵) اور اس میں راز یہ ہے کہ شاید علمِ الٰہی میں اس شخص کو اس فعل سے بھی مؤثر تاکیدیں اور ہولناک خطرات باز رکھنے والے ہوں یا ان تاکیدوں کی وجہ سے اس کی عصمت زیادہ قوی اور بیشتر ہو جائے۔ نیز معصوموں کے بارے میں یہ سب مؤثر تاکیدیں اس لیے ہوتی ہیں کہ اُمتیوں کو شدید رکاوٹ حاصل ہو جائے۔ اور وہ جان لیں کہ اگر بالفرض اس قدر بلند درجات والے لوگوں

marfat.com

Marfat.com

سے اگر یہ کام صادر ہوں تو انجام درست نہیں ہوتا۔ ہم جو کہ ابھی ایمان کی پہلی وادی سے نہیں گزرے ہیں' کس طرح بے خوف ہو سکتے ہیں؟

مختصر یہ کہ یہ معاملہ اس معاملہ کے برعکس ہے کہ ابولہب کو کافر سمجھتے ہوئے ایمان کی ترغیب فرماتے ہیں۔ اور اچھے وعدوں کے ساتھ اسے طمع دلاتے ہیں تاکہ پورے طور پر التزام حجت اور عذر کامل کر دیا جائے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ علم الٰہی اسباب کی سببیت کو باطل نہیں کرتا کیونکہ علمِ الٰہی میں اسباب اور مسببات کا سلسلہ کہ بعض بعض پر مرتب ہوتے ہیں۔ ثابت ہے تو اللہ تعالیٰ کا علم سببیت اسباب کی تاکید کرنے والا ہے نہ اسے باطل کرنے والا اور اسی راز کو دریافت کر کے انبیاء علیہم السلام اور وارثانِ انبیاء کا علم مغلوبوں اور مجذوبوں کے علم سے ممتاز ہوا ہے جنہوں نے یقینی تقدیر میں مسببات کو واجب الوقوع خیال کر کے طلب' تلاش اور مبادی و اسباب میں کوشش کرنے سے ہاتھ کھینچ لیے ہیں۔ اور اسباب حاصل کرنے کے دروازے اپنے اوپر بند کر لئے۔ بخلاف انبیاء علیہم السلام کے جنہوں نے ہمیشہ اسباب حاصل کیے ہیں۔ اور اسباب ترک کرنے سے روکا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھا اور اس کی حکمت سے جو کہ ہر مسبب کو اس کے سبب کے ساتھ مربوط کرنے والی ہے' چشم پوشی کی اور یہ دونوں کارخانوں کا لحاظ کرتے ہیں۔ اور دونوں طرفوں کی رعایت ان کی نظر میں منظور ہے۔

تیسری بحث یہ ہے اس سورۃ میں یہاں بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ۔ آل عمران میں فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْہِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ۔ اس سورۃ میں نسخ قبلہ کے مقدمہ میں مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ اور سورۃ رعد میں بعد مَا جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ واقع ہوا۔ پس یہ مراد ادا کرنے کے لیے کبھی لفظ مَن لایا جاتا ہے کبھی اسے ترک کر دیا جاتا ہے۔ اور کبھی الذی فرمایا ہے۔ اور کبھی ما اس تبدیلی انداز میں کیا نکتہ ہے؟ اور اس مقام کا ان عبارتوں میں سے ہر ایک کا تقاضا کس اعتبار پر مبنی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کلمہ الذی معرفہ کرنے میں ما کی نسبت زیادہ قوی ہے۔ اس لیے کہ کلمہ کبھی نکرہ نہیں ہوتا۔ اور اس کا صلہ واجب ہے۔ بخلاف ما کے کہ کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

نیز کلمہ من جو کہ تبعیض پر دلالت کرتا ہے جب لفظ بعد پر داخل ہو تو وقت کو اور اس کی حد کو مقرر کرتا ہے۔ اور من کے بغیر لفظ بعد تمام اوقات کو عام کرتا اور گھیرتا ہے جب دونوں قاعدے معلوم ہو گئے تو ہر مقام کی اس عبادت کے ساتھ مناسبت جو وہاں اختیار کی گئی ہے' سہولت کے ساتھ نکالی جا سکتی ہے۔ مثلاً یہاں جو علم مراد ہے' ہدایتِ الٰہی کا علم ہے۔ جو کہ تمام امورِ دینیہ کو شامل ہے۔ جیسے ذات' صفات' نبوات' آخرت کے متعلق عقائد اور شرائع اور احکام اور یہ علم دو کمال رکھتا ہے' ایک عام ہونے کا کمال دوسرا ہمیشہ رہنے کا کمال کہ زمانہ بعثت سے لے کر آخر تک باقی ہے بغیر کسی جدت اور تبدیلی کے۔ تو لفظ الذی جو کہ تعریف میں زیادہ مؤثر ہے اس علم کی تعریف کے کمال کا فائدہ دینے کے لیے مناسب ہوا۔ اور لفظ من جو کہ ابتدائے غایت کے لیے ہے' مناسب نہ ہوا۔ اس لیے کہ یہ علم کسی وقت کے ساتھ مقرر نہیں ہے۔ تاکہ اس کی حد کی ابتدا بیان کی جائے تو بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ کی عبارت اس مقام کے لائق ہوئی۔

اور قبلہ کے مقدمہ میں علم سے مراد خاص علم ہے۔ جو کہ امر قبلہ سے متعلق ہے۔ اور وہ علم پہلے نہ تھا۔ بلکہ اس سے پہلے ایک اور علم تھا جو کہ بیت المقدس کی سمت منہ کرنے کا متقاضی تھا۔ پس اس جگہ لفظ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ مناسب ہوا۔ اور اسی طرح سورۂ آلِ عمران میں مراد وہ خاص علم ہے۔ جو کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے متعلق ہے۔ اور وہ علم بھی موقت تھا وفد نجران کی گفتگو کے بعد نازل ہوا۔ پس وہاں بھی اسی عبارت کے ساتھ بیان کرنا مناسب ٹھہرا۔

اور اس سورۃ رعد میں اگرچہ علم خاص مراد ہے حکمِ عربی کے نزول کے متعلق کہ قرآن سے عبارت ہے۔ لیکن وہ علم بھی علم ہدایت و دین کی طرح وقت کے ساتھ مقرر نہیں بلکہ بعثت شریفہ کے زمانے کی ابتدا سے لے کر اس کے آخر تک قائم اور باقی ہے۔ پس علم کی خصوصیت پر نظر کرتے ہوئے لفظ ما لایا گیا جو کہ تعریف میں کچھ کمی رکھتا ہے۔ اور اس سے ایک ابہام کی بو محسوس کی جاتی ہے۔ اور اس کے استمرار اور دوام پر نظر کرتے ہوئے من کے لفظ کو حذف کر دیا گیا تاکہ اشارہ ہو کہ یہ خاص' عام کی طرح ہمیشہ اور دائمی ہے اس کی ابتدا

marfat.com
Marfat.com

نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے اسرار کو بہتر جانتا ہے۔

چوتھی بحث یہ ہے کہ رسول علیہ السلام یقیناً معصوم ہیں۔ پس ان سے کافروں کی خواہشات کی پیروی کی نفی یقینی ہے۔ اور وہ شرط جس کا عدم یقینی ہے لفظ لو کے استعمال کا مقام ہے نہ کہ حرف ان کے استعمال کا۔ تو یہاں حرف ان کو کیوں استعمال فرمایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول علیہ السلام سے یہ خطاب حقیقت کے اعتبار سے نہیں کہ جس میں شرط کے وقوع اور نفی کی قطعیت کی رعایت کر کے شرط کے الفاظ میں سے ان دونوں شقوں میں سے ایک کے ساتھ جو مناسب تھا اختیار کیا گیا۔ بلکہ یہ تو فرض محال کی بنیاد پر ہے۔ اور فرض محال کا مقام مطلقاً وقوع شرط میں شک کا مقام ہے کہ ان کے استعمال کا محل ہے۔ اور اسی لیے ان کان زید حمارا فھو ناحق جیسے کلام میں ان استعمال ہوتا ہے نہ کہ لفظ لو۔ ہاں اگر حقیقت اور بیان واقع کے طور پر خطاب واقع ہوتا ہے تو شرط کے منفی ہونے کے متعلق یقین کی صورت میں لو کا استعمال متعین ہو جاتا جیسے لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اور چونکہ ایسا نہیں۔ اس لیے استعمال بھی ایسا نہیں۔

## کتاب اللہ کی تلاوت کے حق کا بیان

پانچویں بحث یہ ہے کہ کتاب اللہ کی تلاوت کا حق کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تلاوت ادا کرنے میں چند چیزیں معتبر ہیں۔ جیسا کہ دوران تفسیر ان چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا لیکن ان چیزوں کی تفصیل جو کہ صحیح روایات میں وارد ہے۔ ان میں سے حاکم کی روایت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ آپ نے حق تلاوت کی تفسیر میں فرمایا یحلون حلالہ ویحرمون حرامہ ولایحرفونہ عن مواضعہ یعنی اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اور اسے اس کی جگہوں سے نہیں بدلتے۔ اور ان میں سے ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ای یتبعونہ حق اتباعہ ثم قرء ابن عباس والقمر اذا تلاھا یقول تبعھا یعنی اس کی پیروی کرتے ہیں۔ جیسا کہ پیروی کا حق ہے پھر ابن عباس نے یہ آیت پڑھی والقمر اذا تلاھا یعنی اس کے پیچھے آئے۔

marfat.com

Marfat.com

اور ان میں سے ابن ابی حاتم کی حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا اذامر بذکر الجنة سئل الله الجنة واذامر مذکر النار تعوذبالله من النار جب جنت کے ذکر سے گزرے تو اللہ تعالیٰ سے جنت مانگے۔ اور جب آگ کے ذکر سے گزرے تو آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ اور خطیب کتاب الرواۃ میں مالک سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لائے کہ آپ نے فرمایا کہ کلام اللہ کا حقِ تلاوت یہ ہے کہ اس کے حلال کو حلال سمجھے اور اس کے حرام کو حرام جانے اور اسے اس طرح پڑھے جیسے نازل ہوئی اس کے کلمات کی تحریف نہ کرے اس کے معنوں کی فاسد تاویل نہ کرے۔ اور اس کے احکام کو دنیا داروں اور دولت مندوں کی دلجوئی کے لئے نہ چھپائے۔

اور ان میں سے ابن جریر اور وکیع کی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کلام اللہ کا حقِ تلاوت یہ ہے کہ اس کے محکمات پر ایمان لائے۔ اور ان کے مطابق عمل کرے۔ اور اس کی متشابہات پر ایمان لائے۔ اور جس کا سمجھنا اس پر مشکل ہو علمائے کرام کے سپرد کردے اور رد کرنے اور قبول کرنے اور تاویل و تمثیل میں اپنی ناقص عقل کو دخل نہ دے۔

اور یہاں سے پتہ چلا کہ حقیقت میں اہل کتاب وہی لوگ ہیں جنہوں نے اس طریقے سے کتاب کی تلاوت کو لازم کیا ہے۔ اور نفسانیت اور اپنے خاندانی اور قومی تعصب کو یا اپنے طور طریقے اور آئین کی حفاظت کو کتاب کی معرفت کے لیے پردہ نہیں بنایا ہے۔ نہ وہ لوگ جو کہ کتاب کو غرور و تکبر کا وسیلہ جانتے ہیں باولے کتے یا باردار گدھے کی طرح ہر کسی پر جھپٹتے ہیں۔ اور تکبر و خود بینی کے حجاب میں گرفتار ہیں۔ اور مطلقاً متبوع ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پس اے بنی اسرائیل! ہم تمہیں پھر خطاب کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابتدائے کلام میں تم سے خطاب کیا تھا۔ اور ہم فرماتے ہیں یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ! اے بنی اسرائیل! تم اپنے گمان میں مطلقاً متبوع و مقتداء ہونے کا مرتبہ رکھتے ہو یہاں تک سب پیغمبروں علیہم السلام سے کامل اور افضل المرسلین علیہ السلام کو اپنی پیروی کی تکلیف دیتے ہو تم سمجھتے نہیں

marfat.com

Marfat.com

ہو کہ یہ شان اور مرتبہ تمہیں کس طرح حاصل ہوا۔

اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی اور اس نعمت کی وجہ سے تمہیں یہ لمبے چوڑے دعوے یاد آ گئے۔

وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ اور تحقیق میں نے تمہیں تمہارے جہان والوں پر بزرگی دی تھی۔ اور اگر چاہوں تو وہ بزرگیاں تم سے چھین لوں اور کسی اور کو دے دوں' وہ تمہاری ذاتی فضیلت نہیں تھی کہ جدا نہیں ہو سکتی۔ پس اس نعمت کا حق اور اس فضیلت دینے کے لائق یہ نہ تھا کہ تم میری آیات اور رسولوں علیہم السلام پر بڑائی مارو اور ان سے کفر کر کے میری نعمت کی ناشکری کرو۔

وَاتَّقُوا اور اس باب میں ڈرو يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ اس دن سے کہ کوئی نفس کار آمد نہ ہوگا۔ اگر چہ تم نے اس کی طرف منسوب ہو کر بزرگی حاصل کی ہوگی۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام ظاہری نسبت میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام معنوی نسبت میں۔

عَن نَّفْسٍ کسی نفس کے لیے۔ اگر چہ وہ اپنے آپ کو اس نفس کا تابع اور اس کی طرف منسوب خیال کرے۔ جب کہ وہ اللہ تعالیٰ' اس کی آیات اور اس کے رسل علیہم السلام پر تکبر کرے۔ اور کفر اختیار کرے۔ شَيْئًا کچھ بھی اگر چہ عذاب کا کچھ حصہ کم کر کے اور حساب میں قدرے تخفیف کے ساتھ ہو۔

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ اور اس نفس سے کوئی عوض ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ جو وہ اپنے پیروکار کی خلاصی کے لیے دے۔ اگر چہ اپنے تمام اچھے اعمال کو اس کے فدیہ کے طور پر دے دے۔ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ اور کسی نفس کو کوئی شفاعت اور سفارش نفع نہ دے گی جو وہ اپنی طرف منسوب لوگوں کے حق میں ان کے کفر اور اللہ کی آیات اور اللہ تعالیٰ کے رسل علیہم السلام پر تکبر کے باوجود کرے گا اگر چہ قبول کرنے کے حق میں نفع دے گی۔

وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ اور نہ ہی وہ اس معاملہ میں بارگاہِ خداوندی سے مدد کیے جائیں گے۔ اگر چہ حقوق ضائع کرنے والوں سے ان کے حقوق لینے کے بارے میں ان کی مدد کی جائے گی۔ بمطابق إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ

marfat.com
Marfat.com

یَقُوْمُ الاشہاد (المؤمن آیت ۵۱)

اور احتمال ہے کہ منہا اور تنفعہا اور ہم کی ضمیر دوسرے نفس کی طرف راجع ہو جو کہ عذاب میں گرفتار ہے۔ اور اس کے مطابق معنی زیادہ ظاہر اور روشن ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

## چند جواب طلب سوال

یہاں چند جواب طلب سوال باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ یہ آیت بالکل اسی طرح بنی اسرائیل کے واقعہ کی ابتدا میں گزری ہے یہاں اس کا لوٹانا کس مقصد کے لیے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعہ کی ابتدا میں اس مضمون کا ذکر نعمتیں یاد دلانے کے لیے تھا' نعمتوں کی ناشکری سے پرہیز کر کے راہِ شکر اور منعم کا حق پہچاننے کا راستہ اختیار کریں۔ اور قصہ کے آخر میں اس مضمون کا ذکر اپنی متبوعیت کے دعویٰ اور افضل الرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی پیروی چاہنے کے رد اور باطل کرنے کے لیے ہے۔ اس لیے کہ جب اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کریں۔ اور جہانوں پر اپنی فضیلت ملاحظہ کریں تو سراغ لگائیں کہ اس دعویٰ کا منشا اور ابتدا ایک ایسی چیز ہے جو ہماری ذاتی نہیں۔ اور نہ ہی ہم نے بزرگوں سے اپنی نسبت کے زور سے پائی ہے۔ اور ہمارے آگے ایک ایسا دن ہے۔ جس دن کوئی نسبت اور نسب کام نہیں آئے گا۔ اور طریقہ حق کی پیروی کے بغیر کام نہیں بنتا اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قصہ کی ابتدا میں اس آیت کے لانے کی غرض یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے حق میں اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کی اجمالاً یاد دِلا کر اس کا شکر طلب کیا جائے۔ اور اس دن سے کہ اسلاف کرام کی نسبت اور نسب کسی کے کام نہ آئے گا ڈرائیں اس دن کے بعد اس فرقہ کے اوقات اور اشخاص کے مطابق ان نعمتوں اور تفصیل کو سیر حاصل طریقے سے بیان فرمایا اس واقعہ کے آخر میں خلاصہ حساب اور صرف جمع وخرچ کے طور پر اس مضمون کو دوبارہ بیان کرنا مناسب ہوا۔ پس اس آیت کو اس طویل واقعہ کے آغاز اور انجام میں وارد کرنا اس طرح ہے۔ جیسا کہ حساب والے لوگ پہلے تو صرف جمع اور خرچ

marfat.com

Marfat.com

لکھ لیتے ہیں کہ اس قدر جمع تھا۔ اور اتنا خرچ ہوا اس کے بعد تاریخوں اور مدوں پر تقسیم کرتے ہیں۔ اور جب حساب سے فارغ ہوتے ہیں تو پھر اسی جمع خرچ کو مختصر کر کے دوبارہ لکھ دیتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت میں گزشتہ آیت کے مطابق تین (۳) فرق ہیں۔ پہلا یہ کہ سابقہ آیت میں لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ فرمایا ہے۔ جبکہ اس آیت میں لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ہے۔ دوسرا یہ کہ سابقہ آیت میں لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ فرمایا ہے۔ جبکہ یہاں لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ فرمایا۔ تیسرا یہ کہ سابقہ آیت میں شفاعت کی نفی کا ذکر پہلے فرمایا ہے۔ جبکہ یہاں فدیہ کی نفی کو پہلے بیان فرمایا اس فرق میں نکتہ کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انداز بیان کی تبدیلی کے بعض نکتے سابقہ آیت کی تفسیر میں گزر چکے ہیں' یاد کر لینے چاہئیں اور وہ جو اس وقت حاضر ہیں' یہ ہیں کہ شفاعت کا فائدہ مند ہونا دو چیزوں پر موقوف ہے' پہلی چیز یہ کہ شفاعت بذاتِ خود نفع دینے والی ہو نہ کہ مضر دوسری چیز یہ ہے کہ جس کے حضور شفاعت کی جائے وہاں مقبول بھی ہو۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر شفاعت بذاتِ خود نفع دینے والی ہو۔ جیسا کہ مال دینا' قید سے رہائی دینا اور وہ شخص اس شفاعت کو قبول نہ کرے تو اس شفاعت میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اور وہ محض بے سود ہوگی۔ اور اسی طرح اگر شفاعت مقبول ہو جائے۔ لیکن بذاتِ خود مضر ہو جیسے حاکم کے سامنے چور کی سفارش تاکہ اسے سزا نہ ملے' وہ شفاعت بھی محض بے سود ہے تو ایک جگہ قبولیت کی نفی فرمائی اور دوسری جگہ نفع ختم کر دیا گیا تاکہ نفع کی دونوں طرفوں کی نفی کا بیان ہو جائے۔

## مسئلہ شفاعت کی تحقیق

اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس دن انبیاء علیہم السلام اور اولیائے اللہ شفاعت فرمائیں گے۔ لیکن ان کی عام شفاعت جو کہ بمنزلہ قاعدہ کلیہ کے بیان کے ہے کہ انہیں بخش دے جو ایمان لائے۔ اور انہوں نے اچھے عمل کیے۔ یا اے میرے رب! میرے پیروکاروں اور میرے فرمانوں کو بخش دے اور اس کی مثل شفاعت کافروں کے ہرگز کام نہ آئے گی۔ اگرچہ مقبول ہوگی اور ان کی خاص شفاعت ہر ہر کافر کے حق میں جیسے حضرت ابراہیم علیہ

marfat.com
Marfat.com

السلام کی شفاعت آزر کے حق میں مقبول نہیں ہوگی۔

(اقول و باللہ التوفیق۔ یہ علیٰ سبیل الفرض ہے کہ مثلاً اگر وہ قیامت کے دن آزر کی شفاعت کریں تو قبول نہیں ہوگی گویا قانون شفاعت کی وضاحت کے لیے یہ جملہ کہا گیا ورنہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے چچا آزر کے لیے شفاعت نہیں کریں گے۔ کیونکہ سورۃ الشعراء میں آپ کی ایک دعا مذکور ہے واغفر لابی انه کان من الضالین لیکن یہ دعا آپ نے اس لیے فرمائی تھی کہ آزر نے آپ سے ایمان کا وعدہ کیا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ وماکان استغفار ابراھیم لابیه الاعن موعدة وعدھا ایاہ' فلما تبین انه عدواللّٰه تبرء منه ان ابراھیم لاواہ حلیم۔ تبرء منه سے آزر سے آپ کی بیزاری قطعاً ثابت ہوئی تو قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

پس انہیں دونوں وجہوں سے اپنے اسلاف کی شفاعت سے ناامید کیا گیا لیکن پہلی آیت کو مقبولیت کی نفی اور اس آیت کو نفع کی نفی کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا کہ پہلی آیت کے ماسبق میں کفر کا ذکر صراحت کے ساتھ ہوا ہے۔ فرمایا ولاتکونوا اول کافر به. پس وہاں مقبولیت کی نفی زیادہ مناسب ہوئی۔ جبکہ اس آیت سے پہلے منسوب ہونے اور متبع ہونے کا ذکر ہے۔ جسے وہ اپنے متبوعوں اور منسوب الیہم کی شفاعت کا وسیلہ گمان کرتے تھے تو یہاں نفع کی نفی زیادہ موزوں ہوئی۔ گویا یوں فرمایا گیا کہ اگرچہ انبیاء علیہم السلام اور تمہارے اسلاف کی شفاعت ان کے پیروکاروں اور ان کی طرف نسبت رکھنے والوں کے بارے میں مقبول ہے۔ لیکن تمہارے کفر کے ہوتے ہوئے نفع نہ دے گی کیونکہ تم پیروی اور ان کی نسبت سے خارج ہو گئے۔

نیز عدل کے ذکر میں اخذ اور قبول جدا جدا ہیں' ان دونوں میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ جائز ہے کہ اخذ یعنی فدیہ لینا تو ہو لیکن رد یا قبول میں تردد کے طور پر ہو۔ یا قبول نہ ہو۔ اور اسی طرح جائز ہے کہ قبول ہو مگر فدیہ لیا نہ جائے۔ بلکہ قبول کے بعد سپرد نہ کریں۔ اور پہلی آیت میں جب قبول شفاعت کی نفی پہلے گزر چکی ہے۔ اور غالب طور پر دنیا میں

marfat.com
Marfat.com

جب شفاعت قبول نہیں کرتے تو مقصد عوض لینا ہوتا ہے اس کی لفظ اخذ کے ساتھ نفی فرمادی تا کہ یہ وہم بھی زائل ہو جائے۔ اور اس آیت میں جب نفع شفاعت کی نفی پہلے نہیں گزری ہے تو عوض کی لفظ قبول کے ساتھ نفی فرمادی گئی کہ وہاں عوض دینا بھی قبول نہیں ہوگا چہ جائیکہ لیا جائے۔ کیونکہ لینا' دینے کے بعد ہوتا ہے۔

رہی عوض میں شفاعت کی پہلے یا بعد میں ذکر کرنے کی وجہ تو وہ یہ ہے کہ حادثہ کی ابتدا میں شفاعت عوض دینے سے پہلے کرتے ہیں۔ اور جب حادثہ لمبا ہو جاتا ہے۔ اور طول پکڑتا ہے تو عوض کو شفاعت سے پہلے لاتے ہیں۔ اور پہلی آیت میں حادثہ کی ابتدا ہے۔ اور اس آیت میں اس کی انتہا' اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے اسرار کو بہتر جانتا ہے۔ اور دو آیتوں کے انداز میں فرق کا زیادہ تر دارومدار وہ غرض ہوتی ہے۔ جس کے لیے کلام لایا جائے۔ کیونکہ گزشتہ آیت میں وہ غرض بنی اسرائیل کو اس پیغمبر علیہ السلام کی پیروی پر اور ان بُرے کاموں کو ترک کرنے پر اُبھارنا ہے۔ جیسے کتاب میں رد و بدل کرنا' حق کو باطل کے ساتھ ملانا۔ رسول کریم علیہ السلام کی نعت کو چھپانا۔ نماز اور زکوٰۃ کو ترک کرنا۔ لوگوں کو نیکی کا حکم دینا۔ اور خود اس کے مطابق عمل نہ کرنا' طمع اور حرص کے جال میں گرفتار ہونا صبر نہ کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کی پرواہ نہ کرنا جبکہ اس آیت کا مقصد ان شبہات کو دُور کرنا ہے۔ جو کہ وہ پیغمبر وقت علیہ السلام کی رسالت کے بارے میں لائے تھے۔ اور اپنے آپ کو ان کی پیروی سے بالاتر خیال کرتے تھے۔ بلکہ وہ خود کو ہر طرح رہبر اور بالکل نجات پانے والا گمان کرتے تھے۔ اور فضیلت اور بزرگی کو اپنی ذاتی شے سمجھتے تھے۔ اور جنت اور اخروی نعمتوں کو ذاتی طور پر اپنے لیے تصور کرتے تھے۔ اور اسی لیے اس آیت کے بعد نعمتیں یاد نہیں دِلائیں بلکہ ان کے مطلق رہبری اور امامت کے خیال کو دُور کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ کیونکہ ان کے عناد اور کفر کی جڑ یہی خیال تھا۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ابراہیم کو آزمائش کے طور پر فرمایا۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی ابتدا کا بیان

جو کہ تارخ بن ناخور کے بیٹے تھے۔ اور تارخ کا لقب آزر بھی بیان کرتے تھے (اقول

marfat.com

Marfat.com

وباللہ التوفیق محققین کے نزدیک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دُور کے رشتے کا چچا ہے باپ نہیں۔ آپ کے والد کا نام تارخ ہے۔ چنانچہ مسالک الحنفاء میں امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ پر نقل فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بعض صحیح طرق سے امام مجاہد سے روایت کی ہے لیس آذر ابا ابراھیم یعنی آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں۔ نیز ابن المنذر نے سند صحیح کے ساتھ ابن جریج سے اللہ تعالیٰ کے قول واذقال ابراھیم لابیہ آذر (الانعام آیت ۷۴) کی تفسیر میں یہ قول نقل فرمایا قال لیس آزر بابیہ انما ھو ابراھیم بن تیرخ او تارخ اور قرآن پاک میں جہاں بھی آزر پر اب کا اطلاق ہوا ہے وہاں چچا مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا بان العرب کانوا یطلقون لفظ الاب علی العم اطلاعاشانعاً وان مجازا یعنی چچا پر لفظ اب کا اطلاق عرب کی لغت میں عام ہے۔ اگرچہ مجازاً ہے۔ بلکہ قرآن پاک میں بھی چچا کو اب کہا گیا ہے ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الھک والہ آبائك ابراھیم و اسماعیل واسحاق۔ یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پر اب کا لفظ بولا گیا حالانکہ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں۔

نیز ۱۸ پر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر اسرار التنزیل کے حوالہ سے نقل فرمایا ان آباء الانبیاء ما کانوا کفاراً کہ انبیاء علیہم السلام کے باپ کافر نہ تھے۔ ان میں سے ایک دلیل یہ ہے الذی یراك حین تقوم وتقلبك فی الساجدین' قیل معناہ انہ کان ینقل نورہ من ساجد الی ساجد یعنی حضور علیہ السلام کا نور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ گزاروں میں منتقل ہوتا رہا۔ وبھذالتقدیر الآیۃ والۃ علی ان جمیع آباء محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانوا مسلمین وحینئذ یجب القطع بان والد ابراھیم ما کان من الکافرین' انماذاك عمۂ یعنی مندرجہ بالا معنی کے مطابق یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء واجداد مسلمان تھے۔ اور اس لیے یہ یقین کرنا بھی واجب ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ

marfat.com
Marfat.com

السلام کے والد کافر نہ تھے۔ بلکہ وہ تو آپ کے چچا ہیں اس مسئلہ کی تفصیلات کے لیے مسائل تسعہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور تفسیر نعیمی از حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی گجراتی کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ نیز اس تفسیر میں جہاں کہیں بھی آزر کے متعلق حضرت مفسر علام ذکر کریں وہاں مندرجہ بالا وضاحت پڑھ لی جائے تاکہ حقیقت مسئلہ سامنے رہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود بن کنعان کے دورِ حکومت میں مضافات شہر بابل کے قصبہ کوثی میں حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کی تاریخ سے ۲۷۰۹ میں پیدا ہوئے۔ اور آپ میں بچپنے سے ہی ہدایت کے نشانات ظاہر ہو گئے۔ اور آپ نے اپنے چچا اور قوم کے ساتھ بت پرستی کے ردو ابطال کے لئے بحثیں اور مناظرے کئے یہاں تک آپ نے بتوں کو توڑ دیا۔ اور آپ کی قوم نے کینہ اور بغض کی وجہ سے آپ کو آگ میں جلانا چاہا۔ آگ کو خوب جلایا اور آپ کو اس میں ڈال دیا۔ آپ کے پروردگار نے آپ کو اس آگ سے صحیح وسالم باہر نکال لیا پھر آپ کا چچا اور آپ کی قوم والے آپ کے دشمن ہو گئے حتیٰ کہ آپ اپنا گھر بار چھوڑ کر حران کی طرف اور وہاں سے شام اور فلسطین کی طرف ہجرت فرما گئے۔ اور اسی سرزمین کو آپ نے وطن بنالیا۔ حق تعالیٰ نے چاہا کہ آپ کو اس کے بدلے کہ آپ نے اس کی رضا کے لیے اپنے آپ کو آگ میں جلنے کے لیے پیش کر دیا۔ اور آپ نے اپنا گھر بار خویش واقارب کو اس کی راہ میں ترک کر کے پردیس اختیار کیا۔ بہت اونچا مرتبہ عطا فرمائے جو کہ اس وقت تک آدمیوں میں سے کسی کو وہ مرتبہ حاصل نہ ہو۔ پس بعض باتیں فرما کر ان کی چھپی ہوئی استعداد کو ظاہر فرمایا۔

رَبُّهٗ ابراہیم علیہ السلام کے پروردگار نے۔ کہ بچپنے سے آپکی رنگارنگ تربیت فرمائی اور آپ کو اعلانِ نبوت وخلت کے مرتبہ تک پہنچایا۔ اور اس کی تربیت ہر وقت ابراہیم علیہ السلام میں ایک نیا رنگ پیدا کرتی تھی۔ اور ہر تربیت کے بعد آپ میں ایک بلند استعداد اور عظیم مرتبے کا استحقاق ظاہر ہوتا تھا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ کو مامور فرمایا۔

بِکَلِمٰتٍ چند باتوں کے ساتھ کہ ان کے بجالانے کی وجہ سے عالم بالا اور زیریں

marfat.com
Marfat.com

کے فرشتوں پر ظاہر ہوجائے کہ یہ شخص اسی مرتبہ کے لائق تھا۔ اور اس شخصیت کو یہ منصب عطا فرمانا حکمت کی شان میں ضروری اور لازم معلوم ہوتا تھا۔ اور یہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دائمی دستور ہے کہ مرتبے' عہدے' جزائیں اور اجر دینے میں اپنے علم پر اکتفاء نہیں فرماتا جب تک کہ اس کے مستحق اور مستعد ہونے کی زبان کو اس طرح گویا نہ کرے کہ زمین وآسمان کے سب رہنے والے اس حتمی فیصلے کا قالی اور حالی زبانوں کے ساتھ اس کے لیے تقاضا نہ کریں۔ اور یہ معاملہ امتحان اور آزمائش کے ساتھ بہت ہی مشابہت رکھتا ہے اس لئے اس کا اس لفظ کے ساتھ موسوم کرنا بہت موزوں اور مناسب ہوا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو جو کہ علام الغیوب ہے اور مستقبل کے واقعات اس کے علم میں ماضی کا حکم رکھتے ہیں' امتحان وآزمائش کی کیا ضرورت ہے۔

## وہ کلمات جن کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا گیا

اور وہ چند باتیں جن کے ساتھ بطور امتحان ابراہیم علیہ السلام کو مامور فرمایا گیا اور ان باتوں کو بجالانے کے ساتھ آپ کی خفیہ استعداد کو ظاہر کیا گیا' آپ کی چند چیزوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ پہلے آپ کی قوت علمیہ اور فکریہ کے ساتھ۔ کہ آپ کو بت پرستوں کے ساتھ مناظرہ اور جھگڑا کرنے پر مامور فرمایا۔ اور آپ نے اس ضروری کام کو نہایت اچھے طریقے سے سرانجام دیا۔ پہلے آپ نے سورج' چاند اور ستارے کو حادث ہونے اور ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنے کی وجہ سے معبود ہونے کی اہلیت سے نکال باہر کیا۔ دوسرے آپ نے بتوں کو توڑا اور رب الارباب کی کمزور مخلوق آدمی کی قوت کے مقابلہ میں ان کے عاجز ہونے کی دلیل سے واضح کیا۔ تیسرے آگ پوجنے والوں کو الزام دینے کے لیے اپنے آپ کو آگ کے سپرد کردیا۔ اور آگ کی تاثیر کو اللہ تعالیٰ کی طاقت کے ساتھ باطل کردیا۔ اور آگ کی روح کو اس کے فعل اور طبعی اثر ڈالنے سے ہٹا کر ٹھنڈک میں بدل دیا اس بے مثل ترتیب کے ساتھ آسمان وزمین کی روحانیات کو معبود ہونے کی اہلیت سے معزول کر دیا۔ اور جسمانی اور روحانی اسباب کو ایک قہار مسبب کے ارادہ کے آگے بے کار ظاہر فرمایا۔ حتیٰ کہ زبان سے یہ دعویٰ لائے اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

marfat.com
Marfat.com

حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (الانعام آیت ۸۹)

اور اس دعوے کی سچائی کے امتحان کے لیے آپ کو چند چیزوں میں آزمایا تا کہ آپ کی روح کو امتحان کی کسوٹی اور معرفت کے معیار پر رکھیں۔

پہلی چیز اپنی قوم اور خاندان سے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز بے زاری جیسا کہ خالص دوست اور سچے خلیل کی نشانی ہے کہ محبوب کے سوا ہر شے سے بے زار ہوتا ہے۔ اور اسی لیے فرمایا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ (الانعام آیت ۷۸) نیز فرمایا اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ (الزخرف آیت ۲۶) اور اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ (الممتحنۃ آیت ۴) بلکہ یہ بے زاری دشمنی تک جا پہنچی کہ فرمایا فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (الشعراء آیت ۷۷)

دوسری چیز واسطوں کو اٹھانا اور محبوب میں حجاب کے بغیر نگاہیں جمانا۔ یہاں تک کہ سخت شدید حاجت کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا اما الیك فلاحاجة یعنی مجھے تیری کوئی حاجت نہیں۔

تیسری چیز اللہ تعالیٰ کے امر کے سامنے جھک جانا۔ اور اس کی رضا میں اپنی جان اور مال کے نقصان کے ساتھ انتہائی خوشی حاصل ہونا۔ جیسا کہ پیارے وطن سے ہجرت اور بیٹے کو ذبح کرنے کے حکم کے وقت آپ سے ظاہر ہوئی اور مہمانوں کی مہمان نوازی اور گداؤں پر ایثار کرنے میں ہمیشہ ظاہر ہوتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ آدمی کو دنیوی امور میں سب سے زیادہ عزیز یہی چار چیزیں ہوتی ہیں: جان' مال' اولاد اور وطن جو کہ قریبیوں اور قبیلوں کو جامع ہوتا ہے۔ اور ان چیزوں کی حفاظت کے لیے آدمی کس قسم کی بے صبریاں نہیں کرتا۔ جب آپ نے ان چاروں چیزوں کو اپنے مولا کی رضا پر قربان کر دیا تو آپ کی محبت اور خلت پورے طور پر ثابت ہوگئی۔ اور اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان مبہم کلمات کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ الکلمات التی ابتلی بها ابراهیم فراق قومه فی الله حین امره الله بمفار قتهم ومحاجة نمرود فی الله حین قال انا احیی وامیت وصبره علی تذفهم ایاه فی النار لیحرقوه فی الله والهجرت بعد ذالك من وطنه وبلاوه حین امره بالخروج عنهم وما امره به من الضیافة والصبر علیها وما ابتلی

marfat.com
Marfat.com

به من ذبح ولده یعنی وہ کلمات جن کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزمائے گئے' اللہ تعالیٰ کی رضا میں اپنی قوم سے جدائی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے جدا ہونے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا میں نمرود سے مناظرہ جب اس نے کہا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں اور جب انہوں نے جلانے کے لیے آپ کو آگ میں پھینکا تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آپ کا صبر کرنا اور اس کے بعد اپنے وطن اور علاقے سے ہجرت کرنا جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اور آپ کو جو مہمان نوازی کا حکم دیا۔ اور اس پر آپ کا کاربند رہنا اور اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے جو آپ کو آزمایا گیا۔

اور اگر اس معاملہ میں غور کیا جائے جو آپ نے حضرت اسماعیل علیہ اسلام کے ساتھ ان کے عین بچپنے میں اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا تو بشری طاقت سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ ان تمام مشقت طلب ذمہ داریوں کا مقصد آپ کے حال کی اچھائی' آپ کی عملی قوت اور آپ کے تمام لطائف اور روحی قوتوں کے حکمِ خداوندی کے حضور مطیع ہونے کا اظہار تھا جنہیں آپ نے اَسْلِمْ کے خطاب کے جواب میں اجمالی طور پر یوں عرض کیا تھا کہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ

پھر آپ کے بدن اور جسم کو بھی محبت سے داغ دار فرمایا جیسا کہ عاشق اپنے معشوقوں کے لیے اپنے بدن پر داغ لیتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے ان کے دعویٰ عشق کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ اور ان داغوں میں سب سے عمدہ ختنہ تھا جو کہ جماع اور مقاربت کی ذلیل بہیمانہ خواہش کی جگہ کو کاٹنا ہے۔ تاکہ یاد رہے کہ رب العزت جل مجدہ کے داغ والے اس عضو کو اس کے غیر پسندیدہ مقام پر صرف نہیں کرنا چاہیے۔ اور اسی لیے تورات میں وارد ہوا ہے کہ ختنہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر خدا تعالیٰ کا داغ ہے۔ جیسے شاہی گھوڑوں اور جانوروں کے داغ لگائے جاتے ہیں۔ اور ان داغوں میں مونچھیں پست کرنا ہے۔ اور زیر ناف کے بال صاف کرنا' ناخن اُتارنا' بغل کے بال اُکھاڑنا۔ استنجا کے وقت بول و براز کے مقامات کو دھونا۔ وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا' نماز اور ذکر کے وقت ہمیشہ

marfat.com
Marfat.com

مسواک کرنا' کنگھی کے ساتھ سر کے بالوں کی مانگ نکالنا' عطر وخوشبو استعمال کرنا' پہننے کے کپڑے صاف رکھنا' ہر جمعہ میں بدن کے جوڑوں کو دھونا۔ اور آپ کو ایک روز کچھ عبادات اذ کار اور اخلاق کو لازم کرنے کی تاکید فرمائی۔

## سہام الاسلام کا بیان

اور وہ سب تیس (۳۰) خصلتیں ہیں جن کا نام سہام الاسلام ہے' ان میں سے دس (۱۰) سورۂ برأت میں مذکور ہیں: توبہ' عبادت' حمد' سیاحت' رکوع' سجود' امر بالمعروف' نہی عن المنکر۔ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں کی حفاظت اور ایمان۔ اور ان میں سے دس (۱۰) سورۂ احزاب میں ہیں: اسلام' ایمان' قنوت' صدق' صبر' خشوع' صدقہ دینا' روزہ رکھنا۔ شرم گاہ کو بدکاری' لواطت' سحاق اور اجنبی کی نظر سے بچانا۔ اور زبان اور دل سے ہمیشہ ذکر کثیر کرنا اور ان میں سے دس (۱۰) سورۂ مومنون اور سأل سائل میں ہیں: ایمان' یومِ جزا کی تصدیق' اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنا۔ نماز میں خشوع۔ اس کے آداب' عادات' سنن اور مستحبات کی حفاظت کرنا۔ بے ہودہ گفتگو' بے فائدہ باتوں' کھیل کود اور مسخرگی سے پرہیز اور روگردانی کرنا۔ خوش دلی سے زکوٰۃ دینا۔ اس عورت سے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنا جو کہ اپنے نکاح یا ملک میں نہیں۔ عہد کو پورا کرنا۔ امانت ادا کرنا۔ گواہی پر قائم رہنا۔

اور اگرچہ ان مذکورہ سورتوں میں سے بعض خصلتیں ایک دوسرے میں داخل ہیں۔ لیکن احتمال ہے کہ قیود' خصائص اور اپنے ساتھ مذکورہ اعمال کے ساتھ مل کر علیحدہ اور جدا خصلتوں کا حکم پیدا کریں۔ اور ہر جگہ جدا شمار کی جائیں۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ہر سال میں ایک مرتبہ اپنے آپ کو فریفتہ اور شیدائی بنا کر دیوانوں اور عاشقوں کی طرح اپنے محبوب کے گھر کے اردگرد گھومنے کے لیے ننگے سر' ننگے بدن' ننگے پاؤں' بکھرے بالوں' پریشان حال اور گرد آلود ہو کر شام سے سرزمینِ حجاز میں پہنچ کر کبھی پہاڑ پر کبھی زمین پر اس کے گھر کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں۔ اور کبھی اس کے دشمن کو اپنے خیال میں تصور کر کے اس پر لعنت اور پھٹکار کے پتھر پھینکیں۔ اور اس

marfat.com
Marfat.com

کی خاطر اپنی جان کے بدلے اپنی مملوکہ چیزوں میں سے سب سے پیاری شے کی جان کی قربانی کریں اس کے بعد اس کے تجلیات سے معمور گھر کے گرد طواف کریں۔ اور بار بار اس کے گوشوں کو چومیں اور چاٹیں تا کہ عشق و محبت کا جو معنی ان کے باطن میں چھپا ہوا ہے' صورت کے لباس میں جلوہ گر ہو اور خاص و عام اس کا مشاہدہ کریں۔ اور اس دوران بلند آواز کے ساتھ لبیک کہتے ہوئے نعرے لگائیں اور اندرونی محبت کی آگ کو بھڑکائیں اور اس کیفیت کی نمائش کے لیے ان کے لیے مناسک مقرر ہوئے۔ اور شریعت نے طواف۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا۔ مزدلفہ و عرفات کا آنا جانا۔ منیٰ میں ٹھہرنا۔ قربانی ذبح کرنا۔ تلبیہ کہنا اور احرام باندھنا مقرر فرمایا۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تمام ذمہ داریوں کو جو کہ بعض تو بشر کی عقلِ ناقص میں اچھی معلوم ہوتی تھیں اور اکثر بشر کے فہم سے بالاتر تھیں' دل و جان کے ساتھ پوری مسرت و خوشی سے قبول کیا۔

فَاَتَمَّهُنَّ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام ان تمام باتوں کو کمی بیشی' سستی اور غفلت کے بغیر پورے طور پر بجالائے۔ یہاں تک کہ دوسرے مقام پر آپ کے حق میں فرمایا وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى (النجم آیت ۳۷) اور وہ ابراہیم جس نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ما ابتلی بھذ الدین احد فقام به کله الا ابراھیم یعنی اس دین کے ساتھ کوئی شخص آزمایا نہیں گیا جس نے پورے طور پر اسے قائم کیا ہو سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے۔

## ختنہ کا بیان

اور ابوالشیخ نے کتاب العقیقہ میں موسیٰ بن علی بن رباح' انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختنہ کا حکم فرمایا گیا اس وقت آپ کی عمر مبارک ۸۰ برس تھی۔ آپ نے گھر میں موجود تیشے کے ساتھ فوراً حکم کی تعمیل کی۔ بہت درد ہوئی' بارگاہِ خداوندی میں دعا کی' اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تو نے جلدی کی اور اس سے پہلے

marfat.com
Marfat.com

کہ ہم اس کام کے طریقہ اور آلے کے متعلق بتائیں تو نے اپنے آپ کو پریشانی میں ڈال لیا۔ آپ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! میں نے تیرے حکم کی تعمیل میں ایک لمحہ کے لیے دیر کرنا پسند نہ کیا۔ اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کے ساتویں دن آپ کا ختنہ فرمایا۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بالغ ہونے کے بعد تیرہ (۱۳) سال کی عمر میں۔ اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا ولادت کے ساتویں دن ختنہ فرمایا۔

## اولیات ابراہیم علیہ السلام

اور بیہقی نے زہری سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اسلام لائے چاہئے کہ ختنہ کرے۔ اور حاکم اور بیہقی نے طریق صحیحہ کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے رسم ختنہ جاری فرمائی اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام ختنہ شدہ پیدا ہوتے تھے۔ اور جس کے سب سے پہلے بال سفید ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جب آپ نے اپنے بالوں میں سفیدی دیکھی تو عرض کی بار خدایا یہ کیا ہے؟ حکم ہوا کہ وقار ہے۔ عرض کی رب زدنی وقارا۔ اے میرے رب! میرا وقار زیادہ فرما۔ اور سب سے پہلے جس نے لبوں کے بال لئے' ناخن تراشے اور زیر ناف بال دُور کرنے کو جاری کیا اور پابندی کی وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور سب سے پہلے جس نے سلی ہوئی چادر پہنی جسے شلوار کہتے ہیں' بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ سے پہلے دھوتی پہننے کی عادت تھی۔ اور وکیع کی مسند میں مروی ہے کہ اوحی اللّٰہُ تعالٰی الی ابراھیم انك اکرم اھل الارض علی فاذاسجدت فلاتری الارض عورتك فاتخذ سروالا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ آپ میرے نزدیک سب زمین والوں سے زیادہ معزز ہیں۔ تو جب آپ سجدہ کریں تو زمین آپ کے ستر کو نہ دیکھے تو آپ نے شلوار اختیار فرمائی۔ اور دیلمی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سب سے پہلے (سیاہی کے بغیر) خضاب' مہندی اور وسمہ لگایا' حضرت ابراہیم علیہ

marfat.com
Marfat.com

السلام ہیں۔

اور ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں لائے کہ اول من خطب علی المنبر ابراھیم خلیل الرحمن یعنی جس نے سب سے پہلے منبر پر خطبہ دیا' اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور بزار اور طبرانی نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اگر میں اپنے لیے منبر بنواؤں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی منبر استعمال فرمایا ہے۔ اور ابنِ عساکر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے کہ سب سے پہلے جس نے راہِ خدا میں جہاد کیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور سب سے پہلے جس نے جنگ میں لشکر کو آراستہ کیا اور میمنہ' میسرہ اور قلب مقرر کیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور یہ واقعہ اس وقت ہوا جب رومی حضرت لوط علیہ السلام کو گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے خلاف جہاد فرمایا۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کو چھڑا لیا۔

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ان لفظوں کے ساتھ روایت آئی ہے کہ اول من عقد الالویه ابراھیم کہ سب سے پہلے جس نے جہاد میں جھنڈے باندھے' حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مہمان نوازی کی کثرت کی وجہ سے ابوالضیفاں لقب تھا۔ اور آپ کے مکان مبارک کے چار دروازے تھے۔ تاکہ جس طرف سے چاہے' مہمان داخل ہو جائے۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام چاشت کا کھانا کھانا چاہتے تو اپنی اقامت گاہ کے چاروں طرف سے ایک ایک کوس تک مہمان کی تلاش کرتے اور جب تک مہمان نہیں پہنچتا تھا' چاشت کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ کیونکہ چاشت کا وقت مہمان کے آنے کا وقت نہیں ہوتا۔ اور مسند امام احمد میں وارد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ بارخدایا زمین میں میرے سوائے کوئی نہیں ہے جو تیری عبادت کرے۔ حق تعالیٰ نے تین ہزار ملائکہ اُتارے تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ عبادت میں شریک ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین دن تک فرشتوں کی امامت میں مصروف رہے۔ اور ابن سعید

marfat.com
Marfat.com

نے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مال اور خدام کی بہت وسعت دی گئی تھی۔ سب سے پہلے جس نے ثرید (شوربے میں روٹی کے ٹکڑے بھگو کر کھانا) بنایا' حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

## شیرمال کے ایجاد کرنے والے کا اور حکم معانقہ کا بیان

اور دیلمی نے حضور علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جس نے سب سے پہلے شیرمال تیار کیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ جو کہ اپنے مہمانوں کے لیے تیار کرتے تھے۔ اور کھلاتے تھے۔ اور خطیب اپنی تواریخ میں تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور علیہ السلام سے لائے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ مرد کا مرد کے ساتھ معانقہ کرنے سے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ معانقہ درست ہے۔ پہلوں میں بھی تھا۔ اور ان کی دوستی کے خلوص اور ملاقات کے آداب کی تکمیل کی علامت تھا۔ اور دوستی کے اظہار کے وقت سب سے پہلے جس نے معانقہ کیا' وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور اس کا واقعہ یوں تھا کہ آپ ایک دن اپنے مویشیوں کی چراگاہ کی طلب میں بیت المقدس کے پہاڑ میں سیر فرمارہے تھے۔ تاکہ اپنے مویشیوں کو رکھنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کریں اسی دوران آپ نے ایک غمگین اور نرم آواز سنی کہ کوئی ذکر کرنے والا اللہ تعالیٰ کا ذکر کررہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تقدیس اور پاکی کی صفات بیان کررہا ہے اس آواز کو سنتے ہی اپنے مقصد کو بھلا کر اس آواز کی طرف متوجہ ہوئے۔ دیکھا کہ ایک دراز قد والا بوڑھا جس کا جسم بالوں سے پُر ہے' کھڑا اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر کررہا ہے۔ آپ اس کے پاس گئے۔ اور پوچھا کہ اے بوڑھے! تیرا خدا کون ہے۔ جسے تو یاد کررہا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا خدا آسمان میں ہے۔ پوچھا زمین میں بھی وہی خدا ہے یا کوئی اور؟ اس نے کہا زمین میں بھی وہی خدا ہے اس کے سوا کوئی اور خدائی کا اہل نہیں۔ پھر پوچھا کہ تیرا قبلہ کہاں ہے۔ اس نے کہا کعبہ کی طرف۔ پھر آپ نے پوچھا کہ تو کہاں سے کھاتا ہے؟ اس نے کہا کہ جنگل میں خودبخود اُگنے والے غلے کے پکنے کے وقت جو کہ موسم گرما کے اخیر میں ہوتا ہے' میں باہر آتا ہوں اور وہ دانہ غلہ جمع کر کے رکھ لیتا ہوں تاکہ سردیوں میں کام آئے' وہی کھانا کھاتا ہوں۔

marfat.com

Marfat.com

آپ نے پھر پوچھا کہ تیرے اہل وعیال میں سے کوئی باقی ہے جو تیری خدمت کرے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے پھر پوچھا کہ تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ اس پہاڑ کے غاروں میں سے ایک غار میں وقت گزارتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آؤ اس غار کا نشان دو تا کہ تمہارے ہمراہ میں تمہارے گھر جاؤں اور تیرے قبلہ کی سمت دیکھوں۔

اس نے کہا کہ اس مکان اور اس غار کے درمیان ایک نہر ہے۔ جس کا پانی بہت گہرا ہے۔ اور اسے عبور کرنا آدمی کے لیے ممکن نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ تو اس گہری ندی سے کیسے گزرتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں خلافِ عادت پانی کے اوپر چلتا ہوں۔ اور وہ پانی میرے لیے مسخر ہو جاتا ہے کہ میرے پاؤں کے تلوے کے سوا کچھ بھی تر نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا آؤ تمہارے گھر چلیں' ہوسکتا ہے کہ جو تمہارے لیے پانی کو مسخر کرتا ہے' میرے لیے بھی مسخر کر دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور وہ بوڑھا دونوں روانہ ہوئے جب پانی کے کنارے پہنچے تو دونوں پانی کے اوپر چلتے ہوئے گزر گئے۔ اس بوڑھے کو تعجب ہوا جب غار میں پہنچے تو اس کی مسجد کے قبلہ کی سمت کو سمتِ کعبہ کے مطابق پایا اور بہت خوش ہوئے اس کے بعد پوچھا کہ اے بوڑھے! یہ بتا کہ کون سا دن سب سے زیادہ سخت ہے؟ اس بوڑھے نے کہا کہ وہ دن کہ جس دن حضرت رب العرش مخلوق کے حساب کے لیے اپنی کرسی ظاہر فرمائے گا اور دوزخ کو بھڑکائے گا۔ یہاں تک کہ کوئی فرشتہ مقرب اور نبی مرسل نہیں رہے گا۔ جو کہ زاری کرتے ہوئے نہ گرے اور وہ اپنے حال سے پریشان ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے نیک بخت بوڑھے! میرے لیے اور اپنے لیے دعا کر کہ اللہ تعالیٰ اس دن کی پریشانی سے ہمیں امن اور اطمینان نصیب فرمائے۔ بوڑھے نے کہا کہ میری دعا کس کام آتی ہے' مجھ سے دعا نہ چاہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا میں تین (۳) سال سے ہر وقت اور ہر لحہ دعا کر رہا ہوں لیکن بالکل قبول نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا وہ دعا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ایک دن میں اسی صحرا میں' جس میں آپ سے ملاقات ہوئی' کھڑا تھا کہ ایک نوجوان مویشی لیے ہوئے پہنچتا ہے۔ اور اس نوجوان کی زلفیں پریشان اور بکھری ہوئی

marfat.com
Marfat.com

تھیں۔ میں نے کہا تو کہاں سے آیا ہے۔ اور یہ مویشی کس کے ہیں؟ اس نے کہا کہ اللہ کے دوست ابراہیم علیہ السلام کے گھر سے آ رہا ہوں اور مویشی اسی کے ہیں۔ میں اس وقت سے یہ دعا میں مشغول ہوں کہ بار خدایا اگر دنیا میں کوئی ہے۔ جو کہ تیرا دوست ہو تو مجھے اس کی زیارت میسر فرما اور اس سے پہلے کہ میں اس جہان سے جاؤں اس کے دیدار سے مشرف ہو جاؤں ابھی تک اس کے دیدار سے مشرف نہیں ہوا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تیری دعا قبول ہو گئی' آؤ میں تم سے معانقہ کروں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بوڑھے کو کھینچ کر معانقہ فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی دن سے معانقہ رائج ہو گیا۔ اور اس سے پہلے سجدے کی رسم تھی کہ تعظیم کے مقام میں ایک دوسرے کو سجدہ کرتا تھا۔ پھر اسلام میں مصافحہ رائج ہوا۔

قصہ مختصر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بشر کے لیے ممکن تمام وجوہ کمال کے ساتھ قوت علمیہ' نظریہ اور فکریہ کی جہت سے بھی' قوت علیہ' خلقیہ اور حالیہ کے اعتبار سے بھی' جسم کی طہارت اور نفاست کی صورت میں بھی اور فطرت روح' سر' اور دوسرے لطائف کی صفائی کی جہت سے بھی مکمل ہو گئے۔ اور آپ کی کامل استعداد اچھے طریقے سے ظاہر ہو گئی۔

قَالَ ان کے پروردگار نے ان سے فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا میں تجھے سب لوگوں کے لیے جو کہ تیرے بعد آئیں' امام اور پیشوائے مطلق بنانے والا ہوں۔ کہ ہر چیز میں تیری اقتداء کریں۔ اور تیری پیروی سب مخلوق پر واجب ہوئی۔ گویا تیری اقتداء اور پیروی ان کی حقانیت کی دلیل ہوگی۔ اور تیری مخالفت باطل ہونے اور گمراہ ہونے کی علامت ہوگی۔ اور یہ امامت مطلقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خاصیتوں میں سے ہے۔ جیسا کہ خاتمیت حضرت افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیتوں میں سے ہے۔ اور اسی لیے جب بھی اور جہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کوئی حق ظاہر ہوا۔ اور کوئی پیغمبر علیہ السلام بھیجا گیا اور کوئی کتاب اتری۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی اور آپ کی اقتداء کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہودی' نصرانی اور صابی سب کے سب آپ کی تعظیم اور آپ کی پیروی اور اقتداء کے قصد کی کوشش کرتے ہیں۔ اور آپ کے افعال اور اقوال کو کلی طور پر شریعت

marfat.com

Marfat.com

بنانے کا قانون اور دین سے وابستگی کا معیار سمجھتے ہیں۔ اگر بدلے ہوئے حکم کی جزئیات میں وقتی مصلحتوں کی وجہ سے بظاہر مخالفت کرتے ہیں تو وہ مخالفت بھی اس قانون کلی اور معیار میں داخل ہے۔ اور موافقت کے حکم میں شمار ہے۔ جس طرح کہ سب کے سب یونانی طب میں ابن سینا کو اپنا امام جانتے ہیں۔ اور قواعد کلیہ اسی سے لیتے ہیں۔ اور اگر وقتی تقاضا میں اس کے خلاف چلتے ہیں تو اسی کے مقرر کردہ قاعدوں کے مطابق چلتے ہیں۔ اور اسی قیاس کے مطابق حنفی امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو اپنا امام جانتے ہیں۔ اور اگر کسی وقت صاحبین یا زفر بن ہذیل کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں تو اسے قانونِ حنفی اور امام کے مذہب کے قاعدے سے باہر نہیں جانتے اور اس امام کے مقرر کردہ عام قواعد میں مثل قول بالاستحسان اور عموم بلوی کے اعتبار میں درج کرتے ہیں۔

اور اس تقریر سے ملتِ ابراہیمی اور دینِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہما وبارک وسلم کے درمیان فرق واضح ہو گیا کہ ملتِ ابراہیمی کی ہر حال میں کلی طور پر پیروی واجب ہے۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی قبولیت یہودیت ونصرانیت کے منسوخ ہونے کے بعد جزوی طور پر لازم ہے۔ اور جو اشکال اس مقام پر وارد ہوتا تھا' زائل ہو گیا۔

## ملتِ ابراہیم علیہ السلام اور دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرق

اشکال یہ ہے کہ اگر عام لوگوں کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء اور اتباع واجب ہے۔ تو آپ میں اور افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دعوت کے عام ہونے میں فرق نہ رہا۔ نیز یہودیت اور نصرانیت اپنے اپنے وقتوں میں سچے دین تھے۔ حالانکہ ان میں بہت سے کاموں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی مخالفت جلوہ گر تھی اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت مطلقہ مراد تھی تو یہ مخالفت کس طرح جائز ہوتی؟

اس اشکال کے زائل ہونے کی وجہ اس عبارت سے روشن ہے۔ جو کہ پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص اس امامتِ مطلقہ کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ کو قیامت کے دن تمام مخلوق سے پہلے پوشاک اور خلعت سے نوازا جائے گا۔ جیسا کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ ہر قوم کے سردار اور پیشوا کو اس قوم کے تمام

marfat.com
Marfat.com

افراد سے پہلے خلعت پہناتے ہیں۔ اور بخاری اور مسلم اور دوسری صحاح میں مروی ہوا کہ قیامت کے دن سب مخلوق ننگے سر ننگے بدن اور ننگے پاؤں اٹھیں گے۔ اور سب سے پہلے جسے پوشاک پہنائی جائے گی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ اور کتاب الزہد امام احمد میں آیا کہ ان کے بعد بلافصل جناب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھاری دار پوشاک جسے حبرہ کہتے ہیں' کا جبہ پہنایا جائے گا۔ اور صحیح مسلم اور دوسری صحاح میں وارد ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لفظ کے ساتھ خطاب کیا کہ یاخیر البریہ اے مخلوق! میں سب سے بہتر تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس خطاب کے لائق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

(اقول وباللہ التوفیق امامت مطلقہ سے مراد یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ باقی انبیاء و رسل علیہم السلام کے آپ امام اور مقتداء ہیں' قیامت کے دن سب سے پہلے پوشاک کا پہنایا جانا لازم نہیں کرتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی امام ہیں۔ کیونکہ اوّل تو متکلم عموم کلام میں داخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں مامن بنی آدم مولود الایسہ الشیطان حین یولد الخ کی شرح میں ۸۲ پر فرماتے ہیں کہ

بعضے از شارحاں گفتہ اند کہ متکلم از عموم کلامی کہ می گوید در محاورات خارج باشد

اور مفسر علام کی نقل کردہ مصنف ابن شیبہ اور کتاب الزہد والی حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پوشاک پہنائی جائے گی تو یہ ایک جزری فضیلت ہے۔ چنانچہ اسی مقام پر اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ محقق نے فرمایا چونکہ مشہور است کہ فضل کلی منافی جزئی نہ بود۔ مفہوم یہ ہے کہ جزوی فضیلت من کل الوجوہ فضیلت سے متصادم اور منافی نہیں۔ ہوسکتا ہے۔ کہ مفضول میں کوئی ایسی صفت ہو جو کہ اس سے فاضل میں نہ ہو رہی حدیث مسلم کہ خیر البریہ کا لقب حضور علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لائق گردانا تو امام نووی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا قال العلماء انما قال صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم ھذا تواضعا واحتراما

marfat.com
Marfat.com

لابراهم صلی اللّٰہُ علیه وآله وسلم لخلته وابوته والانبیناً صلی اللّٰہُ علیه وآلہٖ وسلم افضل کما قال صلی اللّٰہُ علیه وآله وسلم انا سید ولد آدم یعنی حضور علیہ السلام نے یہ الفاظ تواضع کے لیے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے احترام کے لیے فرمائے کیونکہ آپ خلیل بھی ہیں۔ اور آپ کے نسبی جدامجد بھی۔ ورنہ حضور علیہ السلام افضل ہیں۔ جیسا کہ خود آپ نے فرمایا انا سید ولد آدم میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کا سردار ہوں۔ اور یہ آپ کی مطلقاً سیادت اور امامت پر واضح دلالت ہے۔ نیز بحوالہ مسلم، حضور علیہ السلام نے فرمایا واخرت الثالثة لیوم یرغب الی الخلق کلهم حتی ابراهیم علیه السلام کہ میں نے تیسری دعا اس دن کے لیے بچا رکھی ہے جس دن ساری مخلوق میری طرف رغبت کرے گی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔ پتہ چلا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمیت تمام مخلوق بارگاہِ حضور علیہ السلام میں حاجت براری کے لیے حاضر ہوگی۔ اسی لیے امام اہلِ سنت مجدد مأتہ حاضرہ اعلیٰ حضرت مولانا الامام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

لَاوَرَبِّ الْعَرْشِ جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی
وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

(محمد محفوظ الحق غفرلہ)

## گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

اور مصنف ابنِ ابی شیبہ میں صحیح سند سے مروی ہے کہ ایک سال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاقے میں غلے کا قحط پڑ گیا آپ غلہ لینے کے لیے دوسرے شہر میں تشریف لے گئے۔ تلاش کے باوجود غلہ نہ ملا مایوس ہو کر واپس ہوئے۔ سرِ راہ ایک میدان میں پہنچے جس میں سرخ ریت بہت تھی۔ آپ نے اپنے غلاموں سے فرمایا کہ بوریوں میں یہ سرخ ریت بھر لو تا کہ لوگ ہمیں ہلکا اور حقیر نہ سمجھیں کہ بوریاں خالی لے کر آ گئے۔ چنانچہ وہ ریت

marfat.com
Marfat.com

بوریوں میں بھر کر لے آئے۔ لوگ جب بھی پوچھتے تھے کہ آپ ان بوریوں میں کون سا غلہ بھر کر لائے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے کہ سرخ گندم۔ جب گھر لا کر غلاموں نے بوریاں کھولیں تو سرخ ریت سرخ گندم بن چکی تھی۔ حق تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اپنے خلیل علیہ السلام کے کلام کو خلافِ واقعہ ہونے دے اور اس سرخ گندم کی خاصیت یہ تھی کہ جب بھی اسے کاشت کرتے تھے' اوپر سے نیچے تک اس کے سارے کے سارے پودے میں گندم کے دانے اُگتے تھے۔

اور امام احمد کتاب الزہد میں' ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں' اور ابن ابی شیبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت لائے ہیں کہ ایک دفعہ کفار نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دو بھوکے شیر چھوڑ دیئے' ان دونوں شیروں نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو سر بسجود ہو گئے۔ اور آپ کے قدمین شریفین کو چاٹنا شروع کر دیا۔

اور اس امامتِ مطلقہ کی علامات میں سے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملت کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کا باپ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے **ملة ابیکم ابراهیم** (الحج آیت ۷۸) پس تو آپ ابوالملۃ ہیں۔ جیسا کہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوالشفقت والرحمۃ ہیں۔ آپ نے فرمایا **انما انا لکم مثل الوالد** میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وازواجه امهاتهم** (الاحزاب آیت ۶) آپ کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔ اور اسی سلسلہ کی وہ روایت ہے۔ جو کہ مسند احمد' حاکم' بیہقی اور دوسرے معتبر محدثین سے وارد ہوئی کہ **اولاد المومنين فى الجبل فى الجنة' يكفلهم ابراهيم وساره عليهما السلام حتّٰى يروهم الى آباء هم يوم القيامة** ایمان والوں کی اولادیں ایک جنتی پہاڑ میں ہیں جن کی حضرت ابراہیم اور سارہ علیہا السلام کفالت فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں قیامت کے دن ان کے آباء واجداد کی طرف لوٹائیں گے۔ اور سعید بن منصور کی مسند میں حضرت مکحول شامی سے مروی ہے **ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال ان ذرارى المسلمين فى عصا فير خضر فى شجر الجنه يكفلهم ابوهم ابراهيم عليه السلام** حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

marfat.com

Marfat.com

نے فرمایا کہ مسلمانوں کی اولادیں جنتی درخت میں سبز چڑیوں میں ہیں۔ جن کی کفالت ان کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں۔

قصہ مختصر اس واقعہ سے واضح ہوا کہ امامت اور متبوعیت مطلقہ کے قابل وہی شخص ہوتا ہے۔ جو کہ امتحانِ الٰہی میں ٹھیک ٹھیک کامیاب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرنے کے اس قدر لائق ہو۔ کیونکہ امتحان کے وقت آدمی عزت پاتا ہے یا ذلیل ہوتا ہے۔

بیت

تکلیف اُٹھائے بغیر خزانہ حاصل نہیں ہوتا

اے جان برادر مزدوی اسی کو ملتی ہے۔ جس نے کام کیا۔ اور یہود و نصاریٰ کو امامت و متبوعیت مطلقہ کا دعویٰ کس طرح لائق ہو جو کہ ابھی تک خود بینی اور خود رائی میں گرفتار ہیں۔ اور ایمان کا پہلا زینہ جو کہ پیغمبر وقت علیہ السلام کے حکم کی اطاعت ہے' بجا نہیں لاتے۔ اور اس عظیم مرتبہ کے لیے ان کی نالائقی کی صریح دلیل یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس عظیم منصب سے نوازا تو آپ نے چاہا کہ یہ منصب میرے خاندان میں بطور وراثت جاری ہو۔

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں عرض کی کہ ہر زمانے میں میری اولاد میں سے ایک امام مقرر فرما۔ تاکہ زمین کبھی بھی میری امامت سے خالی نہ ہو۔ اور آپ کی یہ آرزو اس بناء پر تھی کہ جب مجھے تمام لوگوں کا امام بنایا گیا ہے۔ اور قیامِ قیامت تک میرا ظاہری طور پر باقی رہنا ممکن اور عادت کے مطابق نہیں۔ پس آپ نے اس امامت کے باقی رہنے کی صورت اس رنگ میں نکالی کہ میری نسل میں سے ایک امام زمین میں ہمیشہ موجود رہے۔ جو کہ امامت کے کام اور اس منصب عظیم کو جاری رکھے۔ حق تعالیٰ نے ان کے جواب میں۔

قَالَ فرمایا کہ اگر بعض زمانوں میں آپ کی نسل ظالم ہوگی اور ان میں سے ظالم کے سوا کوئی نہیں رہے گا تو اس وقت امامت عطا کرنے کے کوئی قابل نہ ہوگا۔ اس لیے کہ لَايَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ میرا خدمت اور منصب کا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ خواہ نبوت

marfat.com
Marfat.com

ہو یا امامت' خواہ خلافت ہو یا ولایت۔ بلکہ شرع شریف کے حکم کے مطابق قضا' افتاء' محتسب' بادشاہی' امارت اور حکومت کا منصب بھی ظالموں اور فاسقوں کو نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ ان منصبوں میں عدالت اور تقویٰ شرط ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس وقت کے یہود و نصاریٰ ظلم کی سب سے شدید قسم کے مرتکب تھے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ' (البقرہ آیت ۱۱۴) وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ (البقرہ: آیت ۱۱۶) وغیرہما آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ پس ان میں اس منصب کی قابلیت کیسے ہوگی؟ تو انہیں ظالم ہونے کے باوجود جو اپنا امام بنائے گا' وہ بھی ظالم ہوگا۔ اور وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (البقرہ آیت ۱۴۵) کا مضمون اس واقعہ سے بہت اچھے طریقے سے ثابت ہوتا ہے۔

اور اس آیت میں اس امر پر صریح دلیل ہے کہ جو تین حجابات میں جو کہ حجاب رسم' حجاب طبع اور غلط فہمی اور بُری معرفت کا حجاب ہے' گرفتار ہو۔ اور جاہ و مال کی محبت جیسی نفسانی لذتوں میں مصروف ہو۔ یا اس کی ہمت جزوی مصلحتوں تک محدود ہو اور کلی مصلحتوں پر دھیان نہیں دیتا' جن کی شرع شریف میں حق تعالیٰ نے رعایت فرمائی یا اس کی اصل فطرت میں پختگی نہ ہو۔ بلکہ بیڑھا سوچے تو وہ نبوت کا وصی جو کہ امامت اور پیشوائی سے عبارت ہے' کی لیاقت نہیں رکھتا اور جو کوئی امور دین میں سے کسی امر میں پیشوائی کا مدعی ہو اور ان روحانی امراض میں مبتلا ہو تو یقین کر لینا چاہیے کہ اس کا دعویٰ باطل ہے۔ اور وہ نالائق ہے۔ اور یہ معنی ہمارے رسول کریم علیہ السلام کے زمانہ کے یہود و نصاریٰ میں آفتاب کی طرح روشن تھا۔ پس درحقیقت وہ مرتبہ امامت کی ضدوں سے موصوف تھے۔ اور اس منصب عالی سے روکنے والے تمام امراض اپنے میں جمع کر چکے تھے پھر ان کا اس منصب کی آرزو کرنا بڑی حماقت اور بالکل جہالت تھی۔ جیسا کہ ان کے جاہلوں کی خداتعالیٰ سے ہم کلامی کی درخواست جو کہ آیت لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ میں گزری۔

## چند جستجوئیں

یہاں چند جستجوئیں باقی رہ گئیں جن کا اکثر اوقات سامع منتظر رہتا ہے۔ پہلی جستجو یہ کہ

marfat.com
Marfat.com

سورۃ کی ابتداء سے لے کر یہاں تک بنی اسرائیل کے ساتھ خطاب چلتا ہے۔ پارہ کے آخر تک بھی انہیں سے خطاب ہے کہ اَمْ کُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ (البقرہ آیت ۱۳۳) بنی اسرائیل کے خطاب کے درمیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت اور کعبۃ اللہ کی تعمیر کا واقعہ جو کہ ان سے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے رونما ہوا' کیوں لایا گیا؟ یہ خطاب قریش کے لائق تھا جو کہ خانہ کعبہ کے مجاور اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ اور جو نعمتیں تعمیر کعبہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فضیلت دینے کے بارے میں ہیں' ان کے حق میں قدر اور عزت رکھتی ہیں نہ کہ بنی اسرائیل کے حق میں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد نعمتوں کا شمار نہیں ہے۔ جیسا کہ اکثر گزشتہ واقعات میں ہے۔ بلکہ خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور بنی اسرائیل پر اس دین متین کی اطاعت واجب ہونے کو ثابت کرنا ہے۔ اس لیے کہ وہ اگر چہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کو اپنا فخر جانتے تھے۔ اور اس بات کے معتقد تھے کہ کعبہ معظمہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما السلام نے بنایا ہے اس وقت اپنی اولادوں کے لیے انہوں نے دعائیں مانگیں اور وہ دعائیں قبولیت سے مشرف ہوئیں۔ پس یہ واقعہ بنی اسرائیل کے سامنے بیان کرنے میں چار عمدہ مقاصد پیش نظر ہیں جو کہ سب کے سب بنی اسرائیل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

پہلا مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے مشقت طلب ذمہ داریوں سے آزمایا جب آپ ان ذمہ داریوں سے اچھی طرح پورے طور پر عہدہ برآ ہو گئے تو انہیں مقتدا ہونے اور امام ہونے کا منصب عطا فرمایا تو معلوم ہوا کہ دینی مرتبے سرکشی اور عناد ترک کرنے اور ہر وقت احکامِ الٰہیہ جو کہ ہر آنے والے رسول علیہ السلام کی زبان سے ظاہر ہوں' کو قبول کیے بغیر حاصل نہیں ہوتے اگر چہ غرور' تکبر اور اپنی ریاست کی وجہ سے وہ قبول کرنا نفس پر ناگوار ہو۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امامت کے منصب کی

marfat.com

Marfat.com

درخواست کی تو فرمان پہنچا کہ آپ کی اولاد میں سے ظالموں کو یہ منصب نہیں ملے گا تو جو بھی منصب امامت یا دینی مناصب میں سے کسی منصب کا طالب ہو گا جیسے ولایت' ارشاد' افتاء' محتسب ہونا اس کے لیے ضروری ہے کہ بے موقع تعصب' جھگڑا' فضول گفتگو اور کج بحثی کو چھوڑ دے۔ اور خدا تعالیٰ کی بلند کی ہوئی قدروں کو توڑنے کے درپے نہ ہو۔ تاکہ اپنے مطلوب منصب کی لیاقت سے دور نہ جا پڑے اور تمہیں یہ معنی میسر نہیں ہوتا مگر اس وقت جبکہ دل و جان کے ساتھ اس رسول علیہ السلام کے مددگار' محب اور خیر خواہ ہو جاؤ۔

تیسرا مقصد یہ کہ اگر میں قبلہ کو بیت المقدس سے بدل کر سمت کعبہ کو مقرر کر دوں تو تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ طعن کی زبان کھولو اور اس رسول علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں بیہودہ شبہات ڈالو۔ اس لیے کہ کعبہ بھی پرانے زمانے سے مقام تعظیم اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی جائے عبادت رہا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے۔ جو کہ آپ نے ہمارے حکم اور فرمان سے بنایا۔ اور اس مسجد متبرک میں مقامِ ابراہیم علیہ السلام ہے۔ جو کہ تمام ملتوں کے امام اور تمہارا فخر ہیں۔ اور آپ نے اس شہر اور مقامِ ابراہیم کے لیے دعائیں کی ہیں۔

چوتھا مقصد یہ ہے کہ اس کعبہ معظمہ کی تعمیر کے وقت تمہاری دانست کے مطابق حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا بھی مانگی ہے کہ ہماری اولاد میں سے ایک اُمت پیدا ہو جو کہ حکمِ الٰہی کی مطیع ہو۔ ان میں ایک پیغمبر علیہ السلام تشریف لائیں۔ جو کہ صاحب کتاب' دین کے معلم اور راہِ یقین کے راہبر ہوں۔ اور یہ دعا جو کہ دو عالی مرتبت پیغمبروں علیہما السلام نے ایسے مبارک وقت میں کی جو کہ تعمیر کعبہ کا وقت تھا' یقین ہے کہ وہ قبولیت سے ہمکنار ہوئی ہے۔

تو تمہارے گمان کے مطابق بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں ایک اُمت اور ایک رسول علیہ السلام کا وجود ضروری ہوا۔ پس اگر تم اس رسول علیہ السلام اور اس اُمت کا انکار کرتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت اور ان کی دعا کی قبولیت کے عقیدہ سے دست بردار ہوتے ہو۔ اور اپنے فخر کو ضائع کرتے ہو۔ اور اسی تقریر سے واضح ہوا کہ حضرت

marfat.com
Marfat.com

ابراہیم علیہ السلام کی امامت کا ذکر پہلے کیوں لائے اور اس کے بعد خانہ کعبہ کو جہان والوں کی عبادت گاہ ہو مقرر کرنے کی طرف کیوں انتقال فرمایا گیا اس کے بعد اس شہر کی آبادی کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر اور اس چیز کا بیان کہ کسی وقت اس شہر میں کفر بھی پھیلے گا' کیوں لائے؟ اور بات کو اُمت کے وجود اور رسول علیہ السلام کی بعثت کی دعا پر کیوں ختم کیا؟ **واللہ اعلم بمقاصد کلامہ القدیم**

دوسری تفتیش یہ ہے کہ من تبعیضیہ کی دلیل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا خلاصہ یہ تھا کہ میری اولاد میں سے بعض کو بھی امامت حاصل ہو۔ پس اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد لَایَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ کس قبیلے سے ہے' رد ہے یا قبول اگر رد ہے تو خلاف واقع ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور نسل میں بہت سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے وصی گزرے ہیں۔ جیسے حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب' حضرت یوسف' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت ایوب' حضرت یونس' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس علیٰ نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام پھر ان میں سب سے افضل و اشرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم وبارک وسلم اور اگر قبول ہے تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ فرمایا جاتا **نعم یا نعم ینال عھدی المومنین الصالحین**

اس کا جواب یہ ہے۔ جو کہ دورانِ تفسیر گزرا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مدعا یہ تھا کہ ہر وقت میری اولاد میں روئے زمین پر ایک امام موجود ہو اور یہ معنی مقبول نہ ہوا لیکن اسے ایک دلیل کے طور پر بیان فرمایا اس طرح کہ امامت میرا عہد ہے۔ اور میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ پس اگر آپ کی ساری اولاد کسی وقت ظلم اختیار کرے۔ اور ان میں سے کوئی بھی عدالت وتقویٰ کی راہ پر قائم نہ رہے تو اس منصب کے لائق ہونے سے دُور جا پڑے گا۔

(اقول وباللہ التوفیق ۔اس سے مراد یہ نہیں کہ کسی زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری اولاد ہی کافر مشرک ہوگی۔ بلکہ ایسا تو صرف قانون امامت بیان کرنے کے

marfat.com
Marfat.com

لیے فرمایا کہ اگر کسی وقت ایسا ہوا تو وہ عہد امامت سے محروم رہیں گے۔ چنانچہ امام جلال الدین السیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کے مسلک کی تائید فرماتے ہوئے مسالک الحنفاء ۱۹ پر فرمایا ان الاحادیث الصحیحة ولت علی ان کل اصل من اصول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من آدم الی ابیہ عبد اللہ فھو خیر اھل قرنہ وافضلھم ولا احدنی قرنہ ذالک خیر منہ ولا افضل یعنی احادیثِ صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اصول میں سے ہر اصل حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک اپنے زمانے کے لوگوں سے بہتر اور افضل ہیں۔ اور اس زمانے میں ان سے کوئی بہتر تھا نہ افضل۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی بعثت من القرن الذی کنت فیہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے بنی آدم کے بہتر قبیلوں میں نسل بعد نسل رکھا گیا حتیٰ کہ میں اس خاندان میں رکھا گیا جس میں کہ میں تھا۔ محدث ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الطیبہ الی الارحام الطاھرہ مصفی مھذبا لا تنشعب شعبتان الا کنت فی خیر ھما اللہ تعالیٰ مجھے پاک پشتوں سے، پاک ارحام میں منتقل فرماتا رہا، ہر آلائش سے صاف پاک، دو شاخیں نہیں پھوٹتی تھیں مگر میں ان میں سے اچھی میں ہوتا تھا۔

نیز امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ان الاحادیث والا ثار ولت علی انہ لم تخل الارض من عھد نوح او آدم الی بعثة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی ان تقوم الساعة من ناس علی الفطرة یعبدون اللہ ویو حدونہ ویصلون لہ وبھم یحفظ الارض ولولاھم لھلکت الارض ومن علیھا احادیث اور اقوال اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ نوح علیہ السلام بلکہ آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ ولہ وسلم کی بعثتِ شریفہ تک یہاں تک قیامت قائم ہو زمین

marfat.com
Marfat.com

ان لوگوں سے خالی نہ ہوئی جو کہ فطرت اسلام پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں' اسے وحدہ لاشریک مانیں اور اس کے لیے نماز پڑھیں انہیں کی برکت سے زمین کی نگہبانی ہوتی ہے۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب ہلاک ہو جائے۔انتہی محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اور جمہور مفسرین نے کہا ہے کہ یہ جواب قبولیت دعا پر دلالت کرتا ہے۔اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ میری ساری اولاد اس منصب کی اہل نہ ہوگی اور اتنی مدت میں ظالموں کی کثیر جماعت پیدا ہوگی۔پس ان کی طلب صرف اس قدر تھی کہ میری اولاد میں سے بعض کو منصب امامت نصیب ہو اور واقع میں یہی قسم واقع ہوئی تو آپ کا سوال پورا ہوا۔

اب ہم یہاں پہنچے کہ اس سوال کے جواب میں نعم۔ یا ینال عهدی المومنین الصالحین کیوں نہ فرمایا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نعم فرمایا جاتا تو صریح طور پر معلوم نہ ہوتا کہ وہ بعض جو کہ امامت کی اہلیت رکھتا ہے' صالح ہوگا یا فاسق' عادل ہوگا یا ظالم اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان کرنے کے لیے کہ ظالم امامت کے لائق نہیں ہے' یہ عبارت ارشاد فرمائی گئی اور اسی طرح اگر ینال عهدی المؤمنین الصالحین فرمایا جاتا تو جب بھی یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ واضح نہ ہوتا اس لیے کہ اس عبارت کی انتہائی دلالت اس بات پر ہوتی کہ ظالم سے اہلیت سلب ہے۔لیکن مفہوم مخالف کے طریقے سے نہ کہ کلام کے صریح معنی کے طور پر۔

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ مبنی بر ہدایت کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقصد کی تاکید ہے۔ کیونکہ آپ کی غرض صرف اپنی اولاد کے صلحاء کے لیے امامت کی طلب تھی اس کے لیے کہ آپ اس بلند مرتبہ پر جو کہ امامتِ مطلقہ ہے' فائز ہونے کے بعد اس مسئلہ کو کیونکر نہیں جانتے تھے کہ کافر وظالم امامت کے لائق نہیں ہیں۔ پس یہ جواب کچھ اس طرح ہے کہ قریب المرگ آدمی سے کہیں کہ اپنے بیٹے کے لیے کوئی وصیت کرو۔ وہ جواب میں کہے کہ لا یرث منی اجنبی یعنی کوئی اجنبی میرا وارث نہیں ہوتا یعنی جو کچھ مجھ

marfat.com

Marfat.com

سے باقی رہے گا' میرے بیٹے کے لیے ہے پس وصیت کی کوئی ضرورت نہیں۔

تیسری جستجو یہ ہے کہ ومن ذریتی کا لفظ ظاہر ہے کہ محذوف پر عطف ہے۔ یعنی قال ابراھیم اجعلنی اماماوبعضامن ذریتی ائمة. اور جب انی جاعلك للناس اماما کی نص صریح کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام بنانے کا وعدہ ہو چکا تھا تو پھر اپنی امامت کی دعا کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ واؤ عطف جمع کے لیے ہے۔ تو یہ دعا حقیقت میں اپنی اور اپنی اولاد کی امامت کو جمع کرنے کے لیے ہے نہ صرف اپنی امامت کے لئے۔ اور وعدہ صرف اکیلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت کا تھا نہ کہ دونوں اماموں کو جمع کرنے کا اور کشاف میں مذکور ہے۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ کا عطف جاعلك کے ک پر ہے۔ جیسا کہ کوئی کہے ساکرمك یعنی میں تیری عزت کروں گا۔ اور سننے والا اس کے جواب میں کہے وزیدا یعنی تکرمنی وزیدا تو میری اور زید کی عزت کرے گا۔ لیکن اس توجیہ میں ایک قوی اشکال ہے کہ اگر اس صورت میں لفظ ومن ذریتی جاعلك کا مفعول بھی ہوگا تو کلام کی تقدیر اس طرف لوٹے گی کہ انی جاعلك وجاعل بعض ذریتی اور اس کلام کا فساد بالکل ظاہر ہے۔ اور اگر کہیں کہ تقریر کا حاصل یہ ہے کہ انك جاعل بعض ذریتی ائمہ اور اس کا عطف اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا کے جملہ پر قرار دیں حالانکہ وہ جملہ قال اللہ کا مقول ہے تو یہ جملہ بھی اسی قال کا مقول ہو جائے گا نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقول' جبکہ یہ جملہ بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقولہ ہے۔ اور صحیح وجہ وہی ہے کہ محذوف پر عطف قرار دیا جائے۔ اور صاحب کشاف کے کلام کی توجیہ کی انتہا یہ ہے کہ یہاں عطف کی حکایت ہے نہ کہ عطف فی الحقیقت واقع کرنا اور حکایت میں وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ واؤ عطف کے ساتھ واقع ہوا ہے۔ لیکن حقیقت میں عطف کلام کے صادر ہونے کے وقت تلقین کے طور پر ہے۔ جیسا کہ کوئی کہے ساکرمك اور مخاطب تلقین کے طور پر کہے وزیدا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ یوں کہے ساکرمك وزیدا۔ پس زیدا میں عامل وہی ساکرمك ہوگا۔ جو کہ قائل کے کلام میں تھا۔ البتہ کلام کی کیفیت کو بدل کر اس لیے کہ قائل کا کلام خبر دینے کے طریقے پر

marfat.com
Marfat.com

ہے۔اور مخاطب کی کلام طلب کے طور پر۔اور معطوف علیہ اور معطوف میں عامل کے عمل کے قائم کرنے میں اصل عامل کا تعلق شرط ہے نہ کہ کیفیت کا باقی رہنا جیسا کہ قامت هندوزید قام زید لاعمرو اور ماقام زید لکن عمرو میں ہے کہ پہلے کلام میں عامل کی تانیث کی کیفیت اور دوسرے کلام میں کیفیت کا اثبات اور تیسرے کلام میں کیفیت نفی باقی نہ رہی اور اس قسم کے استعمال کا گواہ آیت اسکن انت وزوجك الجنة هے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا کیونکہ اس کا معنی اسکن انت ولتکن زدجتك الجنة مقرر ہے۔

چوتھی جستجو یہ ہے کہ نص قرآنی کے مطابق حضرت یونس اور حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام نے اپنے متعلق ظلم کا لفظ بولا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء آیت ۸۷) اور حضرت آدم علیہ السلام سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الخ (الاعراف آیت ۲۳) حالانکہ انہیں امامت کا اعلیٰ مرتبہ جو کہ نبوت ہے' حاصل تھا تو لَایَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ کا کلمہ اُلٹ پلٹ ہوگیا۔

تو جمہور اہلِ تفسیر کے ذوق کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ جس ظلم کو ان دونوں بزرگوں نے اپنی طرف منسوب کیا ہے' حقیقی ظلم نہ تھا۔ بلکہ ترکِ اولیٰ ہے۔اور آیت لَایَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ میں حقیقی ظلم مراد ہے۔ جو کہ فسق ہے۔اور وہ گناہ کرنے سے عبارت ہے۔اور اہلِ تحقیق کے ذوق کے مطابق جواب یہ ہے کہ ظالم اور اختیاری افعال سے مشتق تمام اسماء جیسے ضارب' قاتل وغیرہ حقیقت میں اس شخص کے بارے میں استعمال کیے جاتے ہیں جس نے ان افعال کا قصد کیا ہو اور انبیاء علیہم السلام کی فروگزاشتوں میں معصیت کا قصد بالکل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ کسی مباح شے یا کسی اطاعت کا قصد فرماتے ہیں۔اور اس اطاعت کی مجاورت اور قرب کی وجہ سے فروگزاشت رونما ہوتی ہے تو اس کام کا ارتکاب قصد نہ ہونے کی وجہ سے ان کے حق میں معصیت نہیں ہوتا لیکن نفس کی پامالی' تواضع اور انکساری کی وجہ سے ظاہری صورت کی بناء پر اس فروگزاشت کو ظلم اور معصیت کہہ دیتے ہیں۔اور

marfat.com
Marfat.com

ذلت کا لفظ جو کہ پاؤں پھسلنے کے معنوں میں ہے اسی تحقیق کا پتہ دیتا ہے۔

پانچویں جستجو یہ ہے کہ اس نص صریح کے مطابق مناصب شرعیہ میں سے ہر منصب کے لیے عدالت اور تقویٰ شرط ہے۔ اور اسی لیے فقہاء نے اس بات پر اجماع فرمایا ہے کہ اپنے اختیار سے کسی فاسق کو بادشاہی اور حکومت سونپنا نہیں چاہیے۔ البتہ اگر کوئی فاسق غلبہ حاصل کر کے سلطنت اور حکومت پر مسلط ہو جائے تو اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یقینی طور پر فتنہ کھڑا کرنے کا سبب ہے۔ جبکہ اسے معزول کرنا موہوم ہے تو موہوم مصلحت کے لیے یقینی فساد کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ اور اسی طرح قاضی، مفتی، محتسب اور نماز کے پیش امام کو چاہیے کہ فاسق و فاجر نہ ہو۔ اور اس کے باوجود اگر کسی شخص نے نماز میں کسی فاسق کی اقتداء کی تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی اور اکثر علمائے اسلام کا یہی مسلک ہے۔

(اقول و باللہ التوفیق مقصد یہ ہے کہ اعمال نماز ثابت ہو گئے لیکن مکروہ تحریمی ہے۔ چنانچہ بہار شریعت حصہ سوئم از صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ میں، درمختار اور شامی کے حوالہ سے ہے کہ بدمذہب کہ جس کی بدمذہبی حد کفر کو نہ پہنچی ہو اور فاسق معلن جیسے شرابی، جواری، زناکار، سود خوار وغیر ہم جو کبیرہ گناہ بالاعلان کرتے ہیں، ان کو امام بنانا گناہ اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اور ابن مردویہ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہ الکریم کی روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ **لاطاعة للمخلوق فی معصية الله لاطاعة الافی المعروف** یعنی مخلوق کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں جائز نہیں۔ اطاعت تو صرف نیکی میں ہے۔ اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی آپ نے فرمایا **قال الله لابراهيم انی جاعلك للناس اماما قال ومن ذريتی فابی ان يفعل ثم قال لاينال عهدی الظالمين** یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ عرض کی: کہ میری اولاد سے؟ تو قبولیت نہ ہوئی پھر فرمایا کہ میرا وعدہ ظالمین کو شامل نہیں ہے۔ اور ابن اسحاق اور ابن جریر کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

marfat.com
Marfat.com

روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یخبر انه کائن فی ذریته ظالم لاینال عهده ولا ینبغی له ان یولیه من امره یعنی یہاں خبر دی ہے کہ آپ کی اولاد میں سے ظالم ہوں گے جنہیں یہ وعدہ شامل نہیں۔ اور اسے لائق نہیں کہ اسے اپنے امر کا والی بنائے۔

## شیعہ فرقۂ امامیہ کا عصمت امامت میں حد سے تجاوز کرنا

لیکن یہاں امامیہ فرقہ نے حد سے تجاوز کرنے کی راہ اختیار کی ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ امامت کے صحیح ہونے میں عصمت شرط ہے۔ جس کا معنی ہے فہم میں خطا اور عمل میں گناہ کے مرتکب ہونے سے رُکنا۔ اور جب مخلوق کو اس ظاہری اور باطنی عصمت کا علم نہیں ہو سکتا پس مجبوراً امام مقرر کرنا چاہیے جو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو نہ کہ مخلوق کی طرف سے لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ظلم کے مقابلہ میں عدالت اور تقویٰ ہے نہ کہ عصمت۔ ہاں اگر آیتِ شریفہ میں لاینال عهدی من کان ممکن الظلم ومحتمل المعصیة کے الفاظ واقع ہوتے (یعنی میرا وعدہ اسے شامل نہ ہوگا جس سے ظلم کا امکان اور معصیت کا احتمال ہو) تو اس سمجھ کی گنجائش تھی۔ اب جبکہ لفظ ظالمین واقع ہے تو غیر ظالم کی امامت خواہ معصوم ہو خواہ متقی' درست رہی۔ نیز اگر عہد کو عام رکھیں تو چاہیے کہ قاضی' مفتی' محتسب' امیر اور حاکم میں بھی عصمت کو شرط جانیں اور اگر عہد کو کئی قسموں میں سے ایک قسم کے ساتھ خاص کرتے ہیں تو دوسرے بھی عہد کی بعض قسموں میں عصمت کے شرط ہونے میں شریک ہیں۔ اس لیے کہ نبوت میں اجماعی طور پر عصمت شرط ہے۔

اور ان کے دل میں جو یہ بات آتی ہے کہ اگر امامت میں عصمت شرط نہ ہو اور متقی آدمی کو امامت کے ساتھ منسوب کریں۔ اور اس کی اطاعت ساری مخلوق پر فرض ہو جائے تو احتمال ہے کہ وہ متقی چونکہ معصوم نہیں ہے' تقویٰ کے راستہ سے پھر جائے۔ اور ظلم کی راہ اختیار کرے۔ تو لوگ بھی اس کی فرض شدہ اطاعت کی وجہ سے ظلم میں گرفتار ہو جائیں۔ اور امامت کا مقصد حاصل نہ ہو۔ تو یہ نہایت گھٹیا بات ہے۔ اس لیے کہ امام کی معصیت کا احتمال اُمت کو اس وقت نقصان پہنچاتا ہے جب ان پر اس کی اطاعت قید اور شرط کے بغیر فرض ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ امام کی اطاعت ان چیزوں کے ساتھ مقید و مشروط ہے جن کا

marfat.com
Marfat.com

معصیت ہونا شرع شریف کی رو سے معلوم نہ ہو ورنہ امام کی اطاعت فرض نہیں رہتی اور احکام قرآن اور رسول علیہ السلام کے اوامر ونواہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس دلیل سے یٰایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللّٰہ والیوم الاٰخر ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول (علیہ السلام) کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اُٹھے تو اسے اللہ اور رسول (علیہ السلام) کے حضور لوٹاؤ۔ اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور حدیث شریف کی دلیل سے لاطاعة للمخلوق فی معصیة الخالق کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ پس رعایا کے حق میں امام کی اطاعت' غلام کے حق میں مالک کی اطاعت' بیوی کے حق میں شوہر کی اطاعت' اولاد کے حق میں والدین کی اطاعت اور زیر دستوں کے حق میں امیر' حاکم' قاضی' مفتی اور محتسب کی اطاعت کی طرح مقید اور مشروط ہے نہ کہ غیر مشروط۔ ہاں انبیاء علیہم السلام کے لیے مطلق یعنی غیر مشروط اطاعت ثابت ہے۔ اور وہاں اس وجہ سے عصمت شرط ہے کہ سلسلہ تبلیغ کی ابتدا انہیں سے ہے۔ اگر ان میں عصمت شرط نہ ہو تو احکامِ شرعیہ کی طرف رجوع کی وجہ سے ان کی خطا کا تدارک نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ احکامِ شرعیہ کی معرفت کا راستہ نبی علیہ السلام کے واسطہ کے بغیر ممکن نہیں۔ بخلاف امام اور دوسرے واجب الاطاعت اشخاص کے کہ جن کا پہلے ذکر ہو چکا اس لیے یہ حضرات تبلیغ کے مبداء میں واقع نہیں ہیں کہ ان کی وساطت کے بغیر احکام کی معرفت حاصل نہ ہو سکے۔ پس دونوں صورتیں جدا ہو گئیں۔

اور کتاب نہج البلاغۃ میں جو کہ فرقہ امامیہ کی معتبر کتابوں میں سے ہے' حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی صریح نص موجود ہے کہ لابد للناس من امیر بر اوفاجر یعمل فی امرتہ المومن ویستمتع الکافر و یا من فیہ السبیل الخ یعنی لوگوں کے لیے نیک یا بُرے امیر کے سوا چارہ نہیں جس کی امارت میں ایمان والا مصروفِ عمل ہو' کافر فائدہ حاصل کرے۔ اور راستے پُر امن ہو۔

marfat.com

Marfat.com

## عجیب ترین تجاوز

اور اس حد سے تجاوز کی عجیب ترین صورت یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے رد کے لیے ان لوگوں نے اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ امام کو چاہیے کہ اس نے کبھی کفر نہ کیا ہو اور سنِ بلوغ کی ابتدا ہی سے اسلام کی روش پر ہو۔ حالانکہ جب کافر مسلمان ہو گیا۔ اور اس نے کفر سے توبہ کر لی۔ تو اسے کافر و ظالم ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ ظالم وہی ہے۔ جو کہ ظلم سے آلودہ ہو حالانکہ التائب من الذنب کمن لاذنب له یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے۔ جس پر کوئی گناہ نہیں۔ شرع شریف کا مقرر کردہ قاعدہ ہے۔ اور اگر ایک کافر سالہا سال سے مسلمان ہوا۔ اور اس نے توحید میں پختہ قدمی حاصل کر لی ہو اسے ہرگز کافر نہیں کہا جا سکتا اور وہ جو بعض ناسمجھ لوگ فرقہ امامیہ کی تائید کے لیے کہتے ہیں کہ ایک باایمان شخص کو جو کہ خواب کی حالت میں ہے' ہم مومن کہتے ہیں۔ حالانکہ اس حالت میں اسے ایمان جو کہ تصدیق کے معنوں میں ہے' یقیناً حاصل نہیں ہے۔ اس کی اسی پہلی تصدیق کی بناء پر اس پر مومن کا لفظ استعمال کرنا صحیح ہے تو ظالم کا لفظ بھی اسی سابق ظلم کی وجہ سے صحیح الاستعمال ہو گا۔ نیز متکلم اور ماشی کہ ان کے مبادی کا حصول یک بارگی ممکن نہیں۔ اس لیے کہ یہ قرار نہ پانے والے امور ہیں' ان کا استعمال مصادر کے حصول کے بغیر صحیح ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ باایمان آدمی کے لیے حالتِ خواب میں اس کی تصدیق کو زائل کرنے والی شے حاصل نہیں ہے۔ اسی لیے شرعاً وہی پہلی تصدیق معتبر ہے۔ اور اسی اعتبار سے اس کے حق میں اصطلاح شرعی کے مطابق مومن کا لفظ استعمال کرنا صحیح ہے۔ اس لیے کہ الفاظِ شرعیہ کے استعمال میں معانی شرعیہ ثابت ہونا چاہئیں نہ کہ معانی لغویہ۔ بخلاف اس ظالم اور کافر کے جس نے اپنے ظلم اور کفر سے توبہ کر لی ہو اور اس کے کفر اور ظلم کو زائل کرنے والا شرعاً ثابت ہو چکا اس کے حق میں ظالم و کافر کے لفظ کا استعمال کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کی اجازت لغت دیتی ہے نہ شرع۔ اور اس کے باوجود حالتِ خواب میں تصدیق سے غفلت اور بے توجہی ہے نہ کہ خزانہ اور حافظہ سے تصدیق کا زائل ہونا اور جو حصول کہ لفظ

marfat.com
Marfat.com

مومن کے استعمال کے صحیح ہونے میں شرط ہے' خزانہ اور حافظہ میں حصول ہے نہ کہ اس کا بالفعل ادراک ورنہ عالم کو نماز میں مشغولیت کے وقت جاہل کہنا صحیح اور ایک مال دار کو جس کے ہاتھ میں کافی مال نہیں۔ جبکہ اس کے خزانے میں بے پناہ مال ہے' مفلس کہنا درست ہو اور یہ اجماعی طور پر باطل ہے۔

اور اسی طرح قرار نہ پانے والے امور کے مشتقات اس وجہ سے کہ ان کے مبادی کا حصول یک بارگی محال ہے' ان مبادی کو حاصل کرنے کا قصد وارادہ ان مشتقات کے استعمال میں عرفاً لغتہً اور شرعاً ان کے مبادی کے حصول کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے۔ بخلاف ممکنہ الحصول مشتقات کے کہ یہ بدل قائم کرنا ان کے استعمال میں جائز نہیں' اصل کے ممکن ہونے کی وجہ سے۔ جیسا کہ مریض کے حق میں تیمم جائز ہے۔ اور صحیح مقیم کے حق میں ناجائز۔ نیز وہ حصول جو کہ مشتقات کے استعمال میں شرط ہے' عام ہے اس سے کہ درجہ بدرجہ حصول ہو یا یک بارگی اور قرار نہ پانے والے امور میں ان کے تمام زمانوں میں درجہ بدرجہ حصول ثابت ہے۔ اگرچہ یک بارگی نہیں۔

چھٹی جستجو یہ ہے کہ اس آیت میں ظلم کے بُرے انجام سے شدت کے ساتھ ڈرانا اور خوف دلانا ہے۔ اس لیے کہ پہلے تو یہ بُری خصلت ایک شخص کو مرتبۂ نبوت' امامت اور ریاستِ شرعیہ سے دُور پھینک دیتی ہے کہ لَايَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ دوسرے مرتبہ ولایت سے بھی گرا دیا اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ تیسرے مخلوق کی نظر اور دلوں سے بھی گرا دیتی ہے۔ کیونکہ احسان کرنے والے سے محبت اور بُرا سلوک کرنے والے سے بغض دلوں کی جبلت میں ہے۔ چوتھے اپنے نفس کی سعادت سے بھی گرا دیتی ہے کہ فرمایا وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ حقیقت میں وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ پانچویں پیچھے رہ جانے والی چیزوں میں خیر و برکت کا ذکر بھی ختم ہو جاتا ہے کہ دار الظالم خراب ولو بعد حین کہ ظالم کا گھر برباد ہے۔ اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہی سہی۔ چھٹے شفاعت' اسلاف کی حمایت اور اچھے نسب سے بھی گرا دیتی ہے۔ فرمایا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

marfat.com
Marfat.com

تمام ناپسندیدہ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتے ہیں۔

اور اگر اہلِ کتاب کہیں کہ ہم اپنے لیے مقبوعیتِ مطلقہ اور امامتِ عامہ کا دعویٰ نہیں کرتے کہ لوگ ہم سے لیاقت امامت کے سلب ہونے کی وجہ سے الزام دھریں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ حکمِ الٰہی نہیں بدلتا۔ پس ہر رسول (علیہ السلام) اور ہر اُمت کو چاہیے کہ سابقہ کتابوں کی طرف رجوع کریں۔ اور ان میں سے عمدہ کتابیں تورات اور انجیل ہیں۔ جو کہ ہمارے پاس موجود ہیں۔ پس اس رسول علیہ السلام اور اس کی اُمت کو چاہیے کہ ان دونوں کتابوں کے احکام کی ہم سے تحقیق کریں کیونکہ یہ تو بڑے اُمی ہیں' کتاب کو نہیں جانتے۔ نیز چاہیے کہ احکام کے منسوخ ہونے کا دعویٰ بھی نہ کریں۔ چنانچہ پہلے انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل میں گزرے ہیں' اُنہوں نے اسی طریقے سے تورات کے احکام کی پیروی کی ہے۔

ان کے جواب میں آپ فرمائیں کہ تمہارا یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ حکمِ الٰہی ہر زمانے کے مطابق دوسرے رنگ میں آتا ہے۔ اور تمہیں خود بھی اس امر کا اقرار ہے کہ تورات نے ملتِ ابراہیمی کے بعض احکام کو منسوخ کیا تھا۔ تو اگر کوئی دوسرا رسول علیہ السلام اور کوئی دوسری کتاب تورات کے احکام کو منسوخ کرے تو ناممکن خیال کرنے اور تعجب کرنے کی کون سی جگہ ہے۔ اور اس اقرار کے لیے ایک اور واقعہ یاد کرو۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ہم نے خانہ کعبہ جو کہ آج تک شہر مکہ میں موجود ہے۔ اور بے شمار مخلوق اس کی تعظیم' احترام' طواف اور استلام میں مشغول ہے مَثَابَةً لِّلنَّاسِ لوگوں کے جمع ہونے کا مقام بنایا۔ تاکہ ہر سال حج اور طواف کرنے کے لیے اس عظیم گھر کے پاس جمع ہوں۔ اور اس اجتماع میں انہیں دینی' دنیوی' روحانی اور جسمانی فائدے حاصل ہوں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے نوعِ انسانی کو اس طرح پیدا فرمایا ہے کہ ان کے علوم اور انسانی کمالات ایک دوسرے سے ملنے اور مصاحبت کرنے سے بڑھتے ہیں۔ اور اسی لیے جنگلوں میں رہنے والے اور صحرا نورد اکثر انسانی کمالات سے خالی ہوتے ہیں۔ پس یہ عین حکمت کے مطابق ہے کہ تمام جہان والوں کو ایک مکان اور ایک وقت میں جمع ہونے کا حکم فرمایا جائے تاکہ ہر ایک شخص دوسرے کے کمال سے فائدہ حاصل کرے۔

marfat.com

Marfat.com

اور ایک ریاست کے رہنے والوں نے اپنی سوچ یا الہامِ خداوندی سے جو صنعتیں' پیشے' علوم اور عبادات ظاہر کی ہوں' دوسری ریاست کے رہنے والے اس مکان میں جمع ہونے کی وجہ سے ان پر مطلع ہوں اور اس تازہ سوچ کی اچھائی یا بُرائی آراء اور عقلوں کے اجتماع کی وجہ سے مقرر ہو اور اگر حاصل کرنے کے قابل ہے تو سب کے سب اسے سیکھیں۔

نیز انسانی ارواح اُن شیشوں کی طرح ہیں جو کہ ایک دوسرے کے مقابل پڑے ہیں کہ ایک کا عکس دوسرے میں پڑتا ہے۔ اور ایک کی استعداد دوسرے میں اثر کرتی ہے۔ پس اجتماع کے حکم کی وجہ سے ہر شخص کی کسب کی ہوئی عبادات اور کیفیات کے دوسرے بھی حامل ہو کر ایک عظیم نورانیت پیدا کرتے ہیں بہت سے چراغوں کی طرح کہ اجتماعی صورت کی وجہ سے ہر ایک کے نور کو کئی گنا بڑھا دیتے ہیں۔ اور اسی نکتہ کے لیے جمعہ اور باجماعت نماز مشروع ہوئی۔ البتہ پنجگانہ جماعتیں تو صرف ایک محلّہ کو جمع کرتی ہیں۔ اور جمعہ ایک شہر والوں کو جمع کرنے والا ہے۔ اور یہ جماعت ہفت اقلیم کے لوگوں کو جمع کرنے والی ہے۔ اور احتمال ہے کہ لفظ مثابہ ثواب سے مشتق ہو یعنی لوگوں کے لیے ثواب حاصل کرنے کی جگہ

## حج اور عمرہ کی فضیلت

اور ظاہر ہے کہ یہ گھر ثواب حاصل کرنے کے لیے ایک عجیب نسخہ ہے۔ اس لیے کہ اس گھر کا حج حدیث صحیح کے مطابق تمام گناہوں کے کفارہ کا سبب ہے کہ فرمایا **من حج للّٰہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ** جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حج کیا اور رفث وفسوق سے پرہیز کی' وہ اس دن کی طرح ہو گیا جس دن وہ پیدا ہوا۔ اور اس گھر کا عمرہ بھی کفارہ سیآت ہے اس حدیث کے مطابق **العمرۃ الی العمرۃ کفارۃ بینھما** عمرہ سے لے کر عمرہ تک دونوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور نماز جو کہ ثوابِ کثیر حاصل کرنے کے اسباب میں سے بہترین ہے' کا صحیح ہونا اس گھر کی طرف منہ کرنے کے ساتھ مشروط ہے۔ اور طواف اور قربانی بھی جو کہ ثواب حاصل کرنے کے عمدہ اسباب سے ہیں' اسی گھر کی خصوصیات سے ہیں۔ اور تمام نیکیوں کے لیے خواہ روزہ یا صدقہ یا دوسری خیر کی قسموں میں سے ہوں اس گھر کے اردگرد یہاں تک زیادہ ثواب ہے کہ یہاں

marfat.com

Marfat.com

کی ایک ایک نیکی دوسری جگہ کی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ جیسا کہ تاریخ ارزقی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ مروی ہے۔ اور وہاں مشغولیت عبادت سے قطع نظر صرف اس متبرک مقام کی مجاورت اور اس تجلیات سے معمور گھر کو دیکھنے سے ہی بے حد ثواب حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ انہیں کتابوں میں مروی ہے کہ حضرت حق تعالیٰ ہر روز اس گھر پر ایک سو بیس (۱۲۰) رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ ان میں سے ساٹھ (۶۰) طواف کرنے والوں، چالیس (۴۰) نماز ادا کرنے والوں اور بیس (۲۰) صرف دیکھنے والوں کے لیے ہیں۔ نیز حدیث پاک میں وارد ہے النظر الی الکعبۃ عبادۃ کعبہ شریف کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔ اور جب یہ گھر حصولِ ثواب کا مکان ہوا تو اجتماع و ہجوم کی جگہ بھی ضرور ہوگا۔ اس لیے کہ بنی آدم کے عقل مند ثواب حاصل کرنے میں رغبت کرتے ہیں۔ اور جہاں اپنی مرغوب شے پائیں وہاں ہجوم کرتے ہیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ جہاں میٹھا چشمہ جاری ہو وہاں آدمی، پرندے اور چیونٹیاں جمع ہوتی ہیں۔

واور اسی لیے ہم نے اس گھر کو کیا امناً امن کی جگہ تاکہ جو لوگ دینی اور دنیوی فوائد اور ثواب کمانے کے لیے اس کے اردگرد جمع ہوں، وہ خوف سے محفوظ ہوں ورنہ اجتماع اور مل بیٹھنا ممکن نہ ہوگا۔ اس لیے کہ خوف کی صورت میں بھاگنا آدمی کی جبلت میں ہے۔ اور لوگ نفع حاصل کرنے پر نقصان دور کرنے کو پہلے رکھتے ہیں۔ اور اگرچہ روئے زمین پر ہر جگہ ازروئے شریعت امن قائم کرنا واجب ہے۔ اور بغیر وجہ سے کسی کے در پے ہونا خواہ جان کو یا مال کو یا عزت کو حرام ہے۔ لیکن اس خطے کو ایک ایسی خصوصیت ہے جو دوسرے مقامات کو حاصل نہیں۔ جیسا کہ شاہی قلعے ان ممالک کی نسبت سے جن کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اسی لیے حدِ حرم میں شکار کرنا گناہ اور کفارے کا موجب ہے۔ اور حدیث صحیح میں ہے کہ ان اللہ حرم مکۃ وانہا لم تحل لاحد بعدی وانما احلت لی ساعۃ من نہار وقد عادت حرمتہا الیوم کحرمتہا بالامس فھی حرام بحرمۃ اللہ الی یوم القیامۃ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ شریف کو محترم کیا اور اس میں لڑنا میرے بعد کسی کے لیے حلال نہیں۔ اور میرے لیے دن کی ایک گھڑی کے لیے اسے حلال

marfat.com
Marfat.com

کیا گیا اور اس کی حرمت آج اسی طرح لوٹ آئی ہے۔ جیسا کہ کل تھی تو یہ اللہ تعالیٰ کی حرمت سے قیامت کے دن تک محترم ہے۔

اسی لیے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر حد کا مرتکب یا کسی جان کا قاتل حرم مکہ میں داخل ہو جائے وہاں اُس کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کا حلقہ تنگ کر دینا چاہیے۔ اور لوگوں کو اس سے معاملہ روک دینا چاہیے۔ یہاں تک کہ اس سے بات نہ کریں۔ اور اس کے ہاتھ کوئی شے فروخت نہ کریں۔ اور وہ تنگ ہو کر حرم سے باہر آئے اس وقت اس سے قصاص لیں اور حد جاری کریں۔

اور ظاہر ہے کہ یہ مذکورہ احکام یہود کی شریعت میں بالکل موجود نہ تھے۔ اور تورات ان احکام کی ناسخ تھی۔ ہاں یہ احکام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور ان پیروکاروں میں باقی تھے۔ یہاں تک کہ ہم نے ان پر فرض کر دیا تھا کہ اس گھر کے لیے ہر سال آؤ اور اس کے اردگرد ایک دوسرے کے قتل اور لوٹ کھسوٹ کے درپے نہ ہونا۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ اور بناؤ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جو کہ ایک معین پتھر ہے۔ اور اس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ بناتے تھے اس کے بعد اسی پتھر پر کھڑے ہو کر آپ نے لوگوں کے درمیان حج کا اعلان فرمایا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدم مبارک اس پتھر میں نقش ہو گئے۔ اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ حجر اسود اور یہ پتھر دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے ہمراہ بہشت سے آئے ہیں۔ قیامت کے دن دونوں کو آنکھیں زبان اور لب عطا ہوں گے تاکہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کی زیارت کی گواہی دیں۔

## مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کی حکمت

مُصَلًّى جائے نماز۔ کیونکہ خانہ کعبہ کے طواف کے بعد اس پتھر کے پیچھے کھڑے ہو کر دو رکعت تحیۃ الطواف گزارنا مقرر ہے۔ تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت تا قیامت جاری رہے۔ نیز جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر حج کا اعلان فرمایا تھا تو آپ کی رحلت کے بعد اس پتھر کے قریب کھڑا ہونا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانا

marfat.com
Marfat.com

گویا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔ اور آپ کی خدمت میں عبادتِ خداوندی بجالانا ہے۔ اور یہ حکم بھی بنی اسرائیل میں نہیں تھا تو کیا تعجب ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بنی اسماعیل میں سے ایک رسول (علیہ السلام) پیدا ہو اور بنی اسرائیل کے مخصوص احکام کو منسوخ فرمادے۔ جیسا کہ تورات اور انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام نے بنی اسماعیل کے مخصوص احکام کو منسوخ کیا تھا۔

اور اگر وہ کہیں کہ خانہ کعبہ کو حج کے لیے مقرر کرنا' اس متبرک مقام میں ہر سال اجتماع کا واجب ہونا' ہر نماز کی ادائیگی میں اس گھر کی طرف منہ کرنا اور مقام ابراہیم کے پیچھے نماز طواف ادا کرنا احکامِ الٰہی سے نہ تھا۔ بلکہ لوگوں نے اپنی آراء کے اجتماع سے ان احکام کو مقرر کر رکھا تھا۔ ہاں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما السلام نے اس مکان کو عبادت کے لیے دوسری سب مسجدوں اور معبدوں کی طرح بنایا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ اس لیے کہ جس طرح ہم نے لوگوں کے دلوں میں اس مکان کی زیارت اور یہاں اجتماع کا شوق ڈالا ہے۔ اسی طرح ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) کو حج اور نماز کے لیے حکم دیا۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ یعنی ہم نے حضرت ابرہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کی طرف ایسی وحی بھیجی جو کہ تاکید اور مبالغہ میں عہد لینے کے مشابہ تھی۔ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ کہ میرے گھر کو پاک رکھو نجاستوں اور ان تمام چیزوں سے جنہیں دیکھنے سے طبع سلیم نفرت کرتی ہے۔ جیسے تھوک' ناک سے بہنے والا پانی اور کوڑا کرکٹ۔

لِلطَّآئِفِيْنَ طواف کرنے والوں کے لیے جو کہ اس کے اردگرد گھومتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمہارے دین میں نہیں ہے۔ اس لیے کہ واجب طواف یا حج کے ضمن میں ہوتا ہے یا عمرہ کے ضمن میں اور تم ان دونوں کو جائز نہیں سمجھتے۔

وَالْعٰكِفِيْنَ اور یہاں اعتکاف کرنے والوں کے لئے جبکہ تم اس مکان میں اعتکاف کرنے کو دوسری مسجدوں میں اعتکاف کرنے سے بہتر نہیں سمجھتے ہو۔

وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اور نمازیوں کے لیے جو کہ رکوع وسجود کرتے ہیں۔ اور تمہارے

marfat.com

Marfat.com

دین میں رکوع بالکل نہیں ہے۔ اور تمہارا سجدہ بھی حقیقی سجدہ نہیں کہ پوری پیشانی کو زمین پر رکھو بلکہ اپنا ایک گال زمین پر رکھتے ہو۔ پس تم قائل ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد کے دین سے تورات کے آنے کی وجہ سے یہ احکام منسوخ ہو گئے ہیں تو اگر ایک دوسری کتاب کے آنے سے تورات کے بعض دوسرے احکام منسوخ ہو جائیں تو کیوں تعجب کرتے ہو؟

## چند ابحاث

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں۔ پہلی بحث یہ کہ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ کی دلالت اس پر ہے کہ اس مبارک گھر کو اجتماع کی جگہ قرار دینا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ لیکن اس وقت حکم کون سا تھا؟ اس آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر یہ ہے کہ اس حکم کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے تھی۔ لیکن تواریخ کی رو سے ثابت ہے کہ اس عظیم گھر کو بنانا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں وقوع پذیر ہوا۔ اور اس کے بعد یہ مقام ہمیشہ انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کا معبد اور دعا کی قبولیت کی جگہ رہا۔

## کعبہ معظّمہ کی تعمیر کا بیان

تاریخ ارزقی' ابوالشیخ کی کتاب العظمۃ' تاریخ ابن عساکر' اور اس فن کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر آئے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ اے میرے خدا! میں ملائکہ کی تسبیح' تکبیر اور تہلیل زمین پر نہیں سنتا جیسا کہ آسمان پر سنتا تھا۔ اور نہ ہی کوئی طواف کی جگہ رکھتا ہوں جیسا کہ میں آسمان میں فرشتوں کی طواف گاہ دیکھتا تھا جو کہ بیت المعمور ہے۔ حکم ہوا کہ چلئے۔ اور جہاں ہم نشان دیں' مکان تعمیر کرو اور اس کے گرد طواف کرو اور اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرو اور حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہمراہ جائیں۔ اور انہیں نشان دیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام کو کعبہ معظّمہ کی جگہ لائے۔ اور وہاں اپنا پر مارا کہ زمین کی تہہ سے اس کے ساتویں طبقے سے متصل ایک بنیاد ظاہر ہوئی۔ اور

marfat.com
Marfat.com

اس بنیاد کے اوپر فرشتوں نے بڑے بڑے پتھر جن میں سے ایک پتھر کو تیس (۳۰) آدمی بھی نہیں اُٹھا سکتے' ڈال کر اسے پُر کر دیا۔ اور یہ سب پتھر پانچ پہاڑوں سے تھے: کوہِ لبنان' کوہِ زیتا' طورِ سینا' جودی اور حرا۔ یہاں تک کہ وہ بنیاد سطح زمین کے برابر پہنچ گئی۔ اس وقت حق تعالیٰ نے بیت المعمور کو آسمان سے اُتار کر اس بنیاد پر رکھ دیا۔ اور حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد اس کے گرد طواف کریں۔ اور اس کی طرف نماز پڑھیں۔ اور یہ گھر طوفانِ نوح علیہ السلام کے زمانے تک موجود تھا۔ اور طوفان کے وقت اس گھر کو پھر آسمان پر لے گئے۔ اس کے بعد کعبہ معظمہ کی جگہ ایک بلند ٹیلے کی طرح تمام زمین سے جدا معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اس پر کوئی عمارت نہ تھی۔ اور دنیا والے اسی جگہ کا قصد کرتے تھے۔ اور اسے دعا کی قبولیت کا مقام سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنائے کعبہ کا حکم ہوا۔

## خانہ کعبہ کا رقبہ

اور ان کے ہمراہ سکینہ نے ایک بادل کی صورت میں سایہ ڈالا اور اس سایہ کی وجہ سے کعبہ معظمہ کی حد معین ہوگئی۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام نے سایہ کے اندازے کے گرد ایک خط کھینچ دیا۔ اور اسی خط کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام زمین کھودنے میں مصروف ہوگئے۔ یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بنیاد ظاہر ہوئی۔ اس بنیاد کے اوپر خانہ کعبہ کی تعمیر عمل میں آئی۔ اور جس وقت کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس گھر کی تعمیر فرمائی اس کی بلندی نو (۹) گز کی اور حجر اسود سے رکن شامی تک اس کا دور تینتیس (۳۳) گز اور رکن شامی سے رکن غربی تک بائیس (۲۲) گز اور رکن غربی سے رکن یمانی تک اکتیس (۳۱) گز اور رکن یمانی سے حجر اسود تک بیس (۲۰) گز۔ پس اس وقت کعبہ معظمہ کی شکل مستطیل تھی جس کا طول اس کے عرض سے واضح طور پر زیادہ تھا۔ اور دونوں طرفوں کا طول جو کہ شرقی اور غربی ہے' بھی مختلف تھا۔ لیکن غیر محسوس سا اور اسی طرح عرض کی دونوں طرفیں جو کہ شمالی اور جنوبی تھیں' بھی غیر محسوس سی مختلف تھیں اور اس وقت اس گھر کا دروازہ زمین کے ساتھ چسپاں تھا نہ کہ بلند اور بالکل کشادہ تھا کواڑ نہ تھے۔ حتیٰ کہ تبع حمیری نے اس

marfat.com

Marfat.com

کے لیے دروازہ' کواڑ زنجیر اور قفل بنائے۔

## مقام ابراہیم اور حجر اسود کی حقیقت

نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مکان کے اندر داخل ہونے والے کے دائیں ہاتھ پر ایک گڑھا کھود کر چھوڑ دیا تھا تا کہ اس مکان کے خزانہ کے طور پر ہو۔ اور اس گھر کے لیے جو نذریں اور ہدیے آئیں اس خزانہ میں رکھے جائیں۔ اور اس گھر کے بنانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ اور مزدور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) تھے۔ جو کہ گارا بناتے تھے۔ اور کوہ ابوقبیس' حرا اور ورقان سے پتھر لاتے تھے۔ یہاں تک اس گھر کی عمارت آدمی کے قد سے اونچی ہوگئی۔ اور آپ کو ایسی چیز کی ضرورت پیش آئی جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کریں۔ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے لیے ایک ایسا پتھر لاؤ جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام کرسکوں۔ آپ کسی پتھر کی تلاش میں کوہ ابوقبیس پر گئے' راستے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ملے اور انہوں نے کہا کہ آیئے تا کہ میں آپ کو ایسے دو بڑے پتھروں کا پتہ دوں جو کہ آدم علیہ السلام کے ہمراہ جنت سے دنیا میں آئے ہیں۔ اور بڑی برکت رکھتے ہیں۔ اور حضرت ادریس علیہ السلام نے دونوں پتھروں کو طوفان آنے کے خوف سے اس پہاڑ میں چھپا کر دفن کر دیا۔ ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کے لیے لے جائیں۔ اور دوسرے کو خانہ کعبہ کے گوشے میں دروازے سے دائیں طرف لگائیں تا کہ جو بھی اس گھر کا طواف کرے پہلے اس پتھر کو چومے اور طواف شروع کرے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام' حضرت جبریل علیہ السلام کے حکم کے مطابق ان دونوں پتھروں کو یکے بعد دیگرے لائے۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام نے بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہمراہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر کعبہ کے گوشے میں حجر اسود رکھنے کا حکم دیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک پتھر پر کھڑے ہو کر عمارت کی تعمیر فرما رہے تھے تو وہ پتھر عمارت کی بلندی کے اندازے کے مطابق بلند ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ عمارت مکمل ہونے تک دوسرے پتھر کی ضرورت نہ پڑی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کی انگلیوں کے نشان اس پتھر میں منقش ہو گئے۔ اور دوسرا پتھر جو کہ کعبہ شریف

marfat.com
Marfat.com

کے گوشے میں رکھا گیا اس میں سے ایک عظیم نور پھیلا اور کعبہ معظمہ کے چاروں طرف اس کے نور نے سرایت کی۔ حتیٰ کہ جس حد تک وہ روشنی پہنچی تھی' چاروں طرف سے حرم شریف کی حد مقرر ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد اس حد کو حرم کے نصاب کے ساتھ نشان لگائے۔

اور حدیث صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ الرکن والمقام یاقوتتان من یاقوت الجنۃ طمس اللّٰہ نورھما ولولا ذالك لاضاء مابین المشرق والمغرب یعنی حجر اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوت میں سے دو یاقوت ہیں جن کا نور اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو مشرق ومغرب کے درمیان سب کچھ روشن ہو جاتا۔ نیز حدیث صحیح میں وارد ہے کہ سیاہ پتھر کا رنگ جو کہ حجر اسود کے نام سے مشہور ہے' ابتدا میں بہت سفید اور نورانی تھا۔ بنی آدم کے گنہگاروں کے ہاتھ لگنے سے اس قدر سیاہ ہو گیا۔ اور قتادہ سے مروی ہے کہ اسلام سے پہلے عادت نہ تھی کہ کوئی مقامِ ابراہیم تک ہاتھ پہنچائے اور مسح کرے اس اُمت میں یہ کام رائج ہو گیا۔ اور جنہوں نے اسلام سے پہلے اس پتھر کو دیکھا' نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دونوں ایڑیوں اور آپ کی انگلیوں کے نشان اس پتھر میں ظاہر اور واضح تھے۔ اور اب لوگوں کے ہاتھ لگنے کی وجہ سے نشان بخوبی ظاہر نہیں ہیں۔ اور ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے نقل کی کہ انہوں نے ایک جماعت کو دیکھا جو کہ مقامِ ابراہیم پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے تمہیں اس پتھر پر ہاتھ پھیرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کا یہی حکم ہے کہ اس کے متصل نماز پڑھو۔ (اقول وباللہ التوفیق گزشتہ وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ تبرکاً مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو ہاتھ لگانا اسلام میں رائج ہوا' پہلے نہ تھا۔ گویا متبرک شے کو ہاتھ لگا کر برکت لینا اسلام کے خصائص میں سے ہے۔ نیز سیاق کلام سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے لوگوں کو مسح کرنے سے روکنے کی وجہ یہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام قدمین شریفین کے نشانات مٹ رہے تھے انہیں باقی رکھنے کے لیے آپ نے صرف یہ فرمایا کہ ہاتھ پھیرنے کا حکم نہیں۔ یہ

marfat.com
Marfat.com

روایت نجدی شرک فروشوں کی دلیل نہیں ہوسکتی ورنہ حضرت انہیں ڈانٹتے' کوستے اوراس سے توبہ کرنے کا حکم دیتے جیسا کہ آج مقام ابراہیم کو ہاتھ لگانے والوں کونجدی حرام حرام اورشرک' شرک کی گردان کرتے ہیں۔ سلف صالحین سے اس کا اشارہ تک بھی نہیں ملتا بلکہ مذکورہ روایت سے تبرکات کے تحفظ کا مسئلہ واضح ہوتا ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ) اور بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ یہ پتھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں خانہ کعبہ سے متصل تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قدرے فاصلہ پر رکھا گیا۔ اوراس کا سبب بہت بڑے سیلاب کا آنا تھا۔ جسے سیل ام نہشل کہتے ہیں۔ اور یہ پتھر سیلاب کے پانی کے زور سے اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور دور جا پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود تشریف لا کر اس پتھر کے لئے ایک جگہ تجویز کی۔ اوراس پتھر کے اردگرد پتھر بھر کر درمیان میں اسے رکھا۔ اور جب سے اب تک اسی جگہ پر ہے۔ یہ ہے وہ حقیقت جو اکثر مورخین بیان کرتے ہیں۔

## تعمیر کعبہ کے مختلف دور

پس خانہ کعبہ کی پہلی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام سے واقع ہوئی اور وہ جو مشہور ہے کہ اس گھر کی پہلی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی ہے اس بناء پر ہے کہ اس جگہ کو کعبہ کی صورت میں کہ چار دیواریں اور چھت ہو' آپ نے بنائی ہے۔ جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں اس کی بنیاد کے سوا کچھ نہ تھا۔ اوراس بنیاد کے اوپر بیت المعمور کو رکھا گیا تھا جو کہ اندر سے خالی یاقوت سے خیمہ کی شکل میں تھا۔ اور مٹی اور پتھر کی عمارت نہ تھی۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے بھی یہ مقام محل تعظیم واحترام تھا۔ بلکہ زمین اوراس میں جو کچھ ہے' کی تخلیق سے بھی پہلے جیسا کہ فاکہی تاریخ مکہ کی ابتدا میں کہتے ہیں کہ حدثنی عبداللہ بن ابی سلمہ قال حدثنا الواقدی قال حدثنا ابن جریج عن بشیر بن عاصم الثقفی عن سعید بن المسیب انہوں نے کہا کہ علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو زمین وآسمان سے چالیس (۴۰) سال پہلے پیدا فرمایا پس وہ پانی پر جھاگ کی صورت میں تھا۔ نیز فاکہی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت

marfat.com
Marfat.com

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ کعبہ زمین سے دو ہزار (۲۰۰۰) سال پہلے پیدا کیا گیا۔ کہا گیا کہ اسے زمین سے پہلے کیسے پیدا کیا گیا۔ جبکہ یہ زمین سے ہے تو فرمایا کہ اس پر دو فرشتے مقرر تھے۔ جو کہ دو ہزار (۲۰۰۰) سال تک رات دن تسبیح پڑھتے رہے تو جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اسے کعبہ شریف کے نیچے سے بچھایا اور کعبہ کو زمین کے وسط میں کیا۔

اور وہ جو بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے بیٹوں نے کعبہ کو مٹی اور پتھر سے بنایا ہے۔ اور اس مقام پر بیت المعمور کا ہونا حضرت آدم علیہ السلام کی حیات ظاہری تک تھا تو یہ اتنا قابلِ اعتماد نہیں۔ کیونکہ اس روایت کی سند کی انتہا وہب بن منبہ تک ہے۔ جو کہ زیادہ تر اسرائیلیات نقل کرتے ہیں۔ اور تحقیق یہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اسے کسی نے مکان کی شکل میں نہیں بنایا ہے۔ اور قرآن پاک اور سنت صحیحہ شہورہ سے بھی ثابت ہے۔ اسی لیے شیخ عماد الدین بن کثیر اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ کسی معصوم سے یہ روایت نہیں ہوا کہ خلیل علیہ السلام سے پہلے بیت اللہ تعمیر کیا گیا تھا۔ رہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کا معاملہ تو مؤرخین کے نزدیک اسی طرح مقرر ہے کہ عمالقہ اور جرہم نے بھی اسے تعمیر کیا ہے۔ اور پھر قصی بن کلاب نے بھی اسے بنایا اور اس کی چھت کی گوگل کے درخت کی لکڑی کے ساتھ پوشش بنائی۔ اور کھجور کی لکڑی کو تختوں کی جگہ کام میں لایا گیا۔ پھر جب حضور علیہ السلام پچیس (۲۵) برس کے تھے تو قریش نے اس گھر کو پھر بنایا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک عورت کعبہ شریف کی پوشاک کو خوشبو والا دھواں دے رہی تھی ایک چنگاری اڑی جس سے چھت کی اکثر لکڑیاں جل گئیں اور اس سے پہلے ایک بہت بڑا سیلاب آیا تھا جس کے صدمے سے کعبہ شریف کی دیواریں پھٹ گئی تھیں۔ قریشی سرداروں نے جمع ہو کر ولید بن مغیرہ کو تعمیر کا انچارج مقرر کیا اور کعبہ کو شہید کر کے نئے سرے سے بنایا اور آپس میں یوں طے کیا گیا کہ مال حلال کے سوا اس مصرف میں کچھ بھی خرچ نہ کیا جائے۔ اور چونکہ اس وقت اکثر مال دار سود خور تھے اس لیے حلال مال بہت کم میسر آیا اور اس تعمیر میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ایک یہ کہ کعبہ شریف کے عرض سے

marfat.com
Marfat.com

چند گز زمین چھوڑ دی گئی اور اسے حطیم میں داخل کر دیا گیا۔ دوسری یہ کہ اس کے دروازے کو زمین سے بہت اونچا بنا دیا گیا تا کہ جسے چاہیں اندر آنے دیں اور جسے چاہیں اندر نہ آنے دیں۔ تیسری تبدیلی یہ کہ خانہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو قطاریں کھڑی کر دی گئیں اور ہر قطار میں تین ستون تھے۔ چوتھی تبدیلی یہ کہ باہر سے خانہ کعبہ کی اونچائی ڈگنی کر دی یعنی اٹھارہ (۱۸) گز۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی اونچائی سے نو (۹) گز زیادہ کر دیئے۔

پانچویں تبدیلی یہ کہ خانہ کعبہ کے اندر رکن شامی سے متصل ایک سیڑھی بنائی تا کہ اس کے ذریعے کعبہ کی چھت پر پہنچا جا سکے۔ اور یہ بھی پہلے نہ تھی۔

پھر اسلام میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس گھر کو بنایا اور اس حدیث پاک کے مطابق جو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سُنی تھی' دورِ جاہلیت کی نئی چیزیں ختم کر دیں اور گارے کے بجائے ورس کو جو کہ یمن میں خوشبودار مٹی ہے' پائیدار چونے میں ملا کر استعمال کیا گیا اور حطیم کو خانہ کعبہ میں داخل کر کے اس کے دو دروازے بنا دیئے۔ ایک مغرب کی طرف دوسرا مشرق کی طرف اور جب آپ تعمیر سے فارغ ہوئے تو اوپر سے لے کر نیچے تک' باہر اور اندر مشک وغیرہ کی لپائی کی۔ اور دیباج کی پوشاک ڈالی گئی اور اس تعمیر سے ۲۷ رجب المرجب ۶۴ھ کو فراغت حاصل ہوئی۔

پھر حجاج کے دور میں اس عظیم گھر کی ایک اور تعمیر ہوئی لیکن صرف اسی قدر کہ کعبہ کی شامی طرف کو شہید کر کے قریش کی بنیاد پر اسے اونچا کیا اور کعبہ کی زمین کو بڑے بڑے پتھروں سے پُر کر کے اس کے مشرقی دروازے کو بلند کر دیا۔ اور مغربی دروازہ بند کر دیا۔ اور کعبہ کی دوسری طرفوں کو نہ چھیڑا اور یہ تعمیر ۷۴ھ میں واقع ہوئی۔ اس کے بعد سلطان مراد بن احمد خان کے دور تک عمارت کی تجدید نہ ہوئی سوائے اس کے کہ بادشاہ حجاج کی اسی تعمیر کی ترمیم واصلاح کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سلطان مراد نے پھر تعمیر کی تجدید کی اور سوائے حجر اور اس گوشے کے تمام کعبہ کو شہید کر کے تعمیر کیا۔ اور یہ تعمیر ۱۰۴۰ھ میں واقع ہوئی اور ابھی تک وہی عمارت باقی ہے۔ لیکن حجاج کی تعمیر کی طرز پر ہے۔

marfat.com
Marfat.com

دوسری بحث یہ ہے کہ لفظ مثابہ سے لغتِ عرب کے مطابق دو چیزیں سمجھ میں آتی ہیں۔ایک یہ کہ مجمع ہو۔اور دوسری یہ کہ لوگ بار بار وہاں آئیں۔اور ایک بار آنے سے سیر نہ ہوں۔یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباس' مجاہد اور دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ اس گھر کی زیارت کا شوق ہم نے لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا تاکہ اسے دیکھنے اور اس کا طواف کرنے سے سیر نہ ہوں اور جب بھی اس گھر سے جائیں ان کے دل اس گھر کی طرف واپس آنے کے مشتاق ہوں۔چنانچہ یہ بات تجربہ میں آئی ہے کہ جو شخص اس گھر کا حج ایک بار کرتا ہے۔اور اس گھر کو دیکھ کر آتا ہے پھر وہ ساری عمر اس گھر کی طرف لوٹنے کا مشتاق رہتا ہے۔اگرچہ اس نے راستے میں بے شمار سختیاں برداشت کی ہوں اور بے پناہ تکلیفیں اٹھائی ہوں اور اس گھر کو دیکھنے کے بعد اس کی تعظیم گویا اضطراری طور پر دل کی گہرائی سے جوش مارتی ہے۔اور اس کی تعظیم جبلی طبعی امور کی طرح محسوس ہوتی ہے۔

## حیوانات کا کعبۃ اللہ کی تعظیم و طواف کرنا

ارزقی نے مطلق بن حبیب سے روایت کی ہے کہ ایک دن ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ کعبۃ اللہ کے سایہ میں بیٹھے تھے۔یہاں تک کہ سورج بلند ہونے کی وجہ سے سایہ ختم ہوگیا۔اور لوگ اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔اچانک مسجد حرام کے دروازوں میں سے ایک دروازے کی طرف سے شدید چمک ظاہر ہوئی۔ہم نے دیکھا کہ ایک سانپ باہر آرہا ہے۔تمام حاضرین نے اپنی نگاہیں اس سانپ کی طرف متوجہ کرلیں۔وہ سانپ سیدھا خانہ کعبہ کی طرف آیا اور اس نے طواف کے سات چکر ادا کئے اور اس کے بعد مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے چلا گیا۔اور دو رکعت نماز ادا کی۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے اکابرینِ محفل اس سانپ کے قریب گئے۔اور انہوں نے کہا: کہ اے عزیز! تیرا طواف ادا ہوگیا لیکن اس شہر میں ناواقف لوگ' غلام اور خدمت گار بہت ہیں' بہتر یہی ہے کہ تو اپنے آپ کو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رکھے' کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تجھے ایذاء پہنچائیں اس نے یہ بات سنتے ہی اپنے سر کو اپنی دُم کے ساتھ لگایا اور آسمان کی طرف اُڑتا چلا گیا۔یہاں تک کہ ہماری نظر سے اوجھل ہوگیا۔

marfat.com

Marfat.com

نیز ابوالطفیل سے لائے کہ نیک جنوں میں سے ایک نوجوان جو کہ وادی ذی طویٰ میں رہتا تھا اکثر سانپ کی شکل میں خانہ کعبہ کے طواف کے لیے آیا کرتا تھا۔ اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کرتا تھا۔ جنیات میں سے اس کی ماں تھی جو کہ اس کام سے روکا کرتی تھی۔ اور ڈراتی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ تجھے سانپ سمجھ کر مار دیں۔ وہ باز نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ بنوسہم کے ایک گروہ نے اسے مار دیا اس کو مارتے ہی مکہ شریف میں زبردست غبار اُٹھا اور شدید آندھی آئی۔ اور بنوسہم کی اس جماعت کو ان کے گھروں میں مردہ پایا گیا۔

نیز تواریخ مکہ میں ایک طواف کرنے والے اونٹ کی حکایت مشہور ہے۔ اور اس حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ۸۱۵ھ ماہ جمادی الاخری میں جمال فاروقی کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ اپنے مالک سے بھاگ کر مکہ معظمہ کا قصد کیے ہوئے مسجد حرام میں داخل ہوا' بہت سے لوگ اس کے اردگرد بھاگ رہے تھے۔ اور اسے پکڑنا چاہتے تھے اس نے کسی کی طرف توجہ نہ کی۔ یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے گرد طواف کے سات چکر بجالایا اور اس نے تین طواف پورے کئے۔ ازاں بعد حجر اسود کی طرف آیا اور اسے بوسہ دیا پھر مقامِ حنفیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور پرنالہ رحمت کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور رونے لگا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو جاری ہو گئے۔ اور اسی حالت میں زمین پر گر پڑا اور جان کو جانِ آفریں کے سپرد کر دیا۔ اور لوگ اسے اس حالت میں دیکھ رہے تھے۔ اس کے مرنے کے بعد انہوں نے اسے اُٹھا کر صفا و مروہ کے درمیان لے جا کر دفن کر دیا۔

## مکہ معظمہ میں پندرہ (۱۵) مقامات قبولیت دعا

اور اس گھر کی طرف مخلوقات کے رجوع کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ یہاں چند مقامات پر دعا قبول ہوتی ہے۔ اور لوگوں نے تجربہ کیا ہے۔ اور اپنے دینی اور دنیوی مقاصد کے حصول کے لیے ان مقامات میں دعا کو نہایت قوی ترین وسیلہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہے کہ مکہ معظمہ میں پندرہ (۱۵) مقام ایسے ہیں جہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ ملتزم کے پاس' میزاب رحمت کے نیچے'

marfat.com
Marfat.com

رُکن یمانی کے پاس' صفا پر' مروہ پر' صفا اور مروہ کے درمیان' رُکن اور مقام کے درمیان' کعبہ شریف کے اندر' منیٰ میں' مزدلفہ میں' عرفات میں' تینوں جمرات کے پاس اور زمزم شریف کا پانی پیتے وقت۔

## انبیاء علیہم السلام- بنی اسرائیل اور تعظیم کعبہ

اور ابن ابی شیبہ کی مصنف میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک اُمت مکہ شریف کو آتی تھی۔ اور جب وہ وادی ذی طویٰ پہنچتی تو حرم شریف کی تعظیم کے لیے اپنے جوتے اُتار لیتی۔ اور یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام جب حرم کے نشان کے پاس آتے تو اپنی نعلین اُتار لیتے۔ اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں امام مجاہد سے روایت کی کہ بعض اوقات بنی اسرائیل میں سے ایک ایک لاکھ آدمی حج کے لیے آتے اور جب حد حرم تک پہنچتے تو ننگے پاؤں ہو جاتے تھے۔ اور ازرقی اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حواریوں نے بھی اس گھر کا حج کیا ہے۔ اور جب وہ حد حرم میں داخل ہوئے تو سواریوں سے اُتر گئے۔ اور پیدل چلنا اختیار کیا۔

اور ازرقی نے حویطب بن عبدالعزیٰ سے روایت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم ایک دن کعبہ شریف کے سائے میں بیٹھے تھے۔ اچانک ایک عورت آئی۔ اور اس نے کعبہ کے پردے کو پکڑ کر فریاد شروع کر دی کہ اے میرے خدا! میں اپنے شوہر کے ہاتھوں تنگ ہوں' مجھے بے وجہ مارتا ہے اس دعا کے ساتھ ہی اس کے شوہر کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ میں اسے اسلام میں اشل یعنی ٹنڈا دیکھتا تھا۔

اور تواریخ میں ثابت ہے کہ اساف اور نائلہ دونوں مرد عورت تھے' کعبہ میں داخل ہوتے وقت مرد نے عورت کا بوسہ لیا۔ دونوں پتھر کی شکل میں مسخ ہو گئے۔ لوگوں نے دونوں کو کعبہ سے باہر لا کر مخلوق کی عبرت کے لیے کھڑا کر دیا۔ اور ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمٰن بن سابط سے روایت کی ہے کہ مکہ شریف کے لوگ موسم حج میں باہر آئے ہوئے تھے۔ ایک چور نے مکان خالی دیکھ کر کسی کے گھر سے سونے کا ٹکڑا اُٹھا کر کعبہ شریف کے اندر رکھ دیا جب واپسی کے وقت وہ سونے کا ٹکڑا اُٹھانے کے لیے کعبہ میں آیا۔ ابھی اس کا سر کعبہ کے اندر

marfat.com

Marfat.com

تھا۔ اور اس کے باقی اعضاء باہر کہ خانہ کعبہ نے اسے جھٹکا دیا اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ لوگوں نے یہ عجیب واقعہ دیکھ کر اس کے مردہ جسم کو باہر لا کر کتوں کے آگے ڈال دیا۔

نیز ارزقی نے اپنی تاریخ میں سند صحیح سے ذکر کیا کہ جاہلیت کے دور میں ایک عورت تھی جس نے اپنے قریبی رشتہ داروں سے ایک بچہ لے کر پالا تھا۔ اور وہ عورت کسب معاش کے لیے گھر سے باہر جاتی تھا۔ اور وہ بچہ اکیلا رہ جاتا۔ ایک دن اس بچے نے اپنی تنہائی کا شکوہ کیا اس عورت نے کہا کہ اے بیٹے! اگر اکیلے ہونے کی حالت میں کوئی ظالم تجھ پر زیادتی کرے تو جان لے کہ مکہ میں ایک گھر ہے' اپنے آپ کو اس میں پہنچا دینا اور فریاد کرنا۔ اس گھر کا ایک مالک ہے۔ جو کہ فریاد کو پہنچتا ہے۔ اتفاقاً اس بچے کو اکیلا پا کر ایک ظالم قیدی بنا کر لے گیا اور ایک مدت تک اسے اپنے پاس رکھا۔ ایک دفعہ وہ تجارت کی غرض سے مکہ معظمہ میں پہنچا اور وہ بچہ اس کے ہمراہ تھا جب اس نے اس گھر کو دیکھا' لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے؟ انہوں نے کہا خانہ خدا ہے۔ اسے ماں کی بات یاد آ گئی اس ظالم کے قبضے سے بھاگ کر خانہ کعبہ کے قریب آیا اور اس کے پردوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اس کے پیچھے اس کا مالک پہنچ گیا اور اس نے چاہا کہ اسے کھینچ کر لے جائے۔ پہلے اس نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا تا کہ اس بچے کو پکڑ لے اس کا ہاتھ خشک ہو گیا پھر بایاں ہاتھ بڑھایا' وہ بھی خشک ہو گیا جب اس نے صورتِ حال اس طرح دیکھی تو سردارانِ قریش کے پاس گیا اور کہا کہ میں اس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں' تم گواہ ہو کہ میں نے اس بچے کو چھوڑ دیا۔ اور میں اس کے درپے نہ ہوں گا جہاں چاہے چلا جائے۔ لیکن میرے دونوں ہاتھوں کا علاج کیجئے۔ اکابرِ قریش نے کہا کہ اپنے ہر ہاتھ کے لیے ایک اونٹ قربانی کرو اس نے اسی طرح کیا اس کے دونوں ہاتھ کھل گئے۔

نیز ارزقی نے عبد المطلب بن ربیعہ بن حارث سے روایت کی کہ بنی کنانہ کا ایک شخص اپنے چچازاد پر بہت ظلم کرتا تھا۔ اور وہ خدا تعالیٰ اور قرابت کی جتنی پناہ ڈھونڈتا' وہ ظالم اسے تکلیف دینے سے باز نہیں آتا تھا' مجبور ہو کر اس نے خانہ کعبہ کی پناہ لی۔ اور دعا کی کہ اے میرے خدا! فلاں مجھ پر ظلم کرتا ہے۔ اور میں نے تیرے گھر میں پناہ لی ہے۔ اسے کسی ایسی

marfat.com
Marfat.com

درد میں مبتلا کر جو لا دوا ہو۔ یہ دعا کی اور گھر چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے ظالم کا پیٹ سوج کر مشک کی طرح ہو گیا ہے' جتنی دوائیں کرتا تھا' کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور مر گیا۔ عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی ایک ایسے شخص کو دیکھا جس نے خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے اپنے ظالم کے لیے بددعا کی کہ اندھا ہو جائے۔ وہ فی الفور اندھا ہو گیا۔ اور لوگ اسے کھینچ کر لے گئے۔ اور یہی کرشمے تھے کہ یہ مکان ہمیشہ جائے امن رہا ہے۔ کیونکہ لوگ دنیوی عذاب کے خوف سے اس شہر کے لوگوں کے در پے ہونے اور اس شہر کی بے ادبی کرنے پرہیز کرتے تھے۔ اور یہاں ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ اور اس شہر کے امن کے اسباب میں سے ایک اور سبب یہ ہے کہ بادشاہوں کے تسلط سے ہمیشہ آزاد رہا۔ یہاں تک کہ اسلام تک نوبت پہنچی اور جو لوگ اس مکان کی تعظیم زیادہ کرتے تھے' سلطنت کے مرتبہ کو پہنچے۔ اس کے بعد زیادہ امن متحقق ہوا۔

## تیسری بحث

یہ ہے کہ اس گھر کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کرنے کا کیا معنی؟ جیسا کہ اس آیت میں واقع ہے اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ (البقرہ آیت ۱۲۵) اگر اس گھر کی خلقیت اس اضافت کو درست قرار دیتی ہے تو ہر خطۂ زمین یہی حکم رکھتا ہے۔ اور سکونت اور بود و باش کی نسبت سے ہے تو باری تعالیٰ کی ذات پاک مکان سے منزہ ہے۔ اسے کسی مکان کے ساتھ یہ نسبت حاصل نہیں۔ اور اگر اس سبب سے ہے کہ یہاں اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور اس کی شان معبودیت نے وہاں ظہور فرمایا ہے تو خانہ کعبہ اور کفار کے عبادت گھر جیسے ہردوار وغیرہ یکساں ہوئے کیونکہ سب میں شانِ معبودیت ظاہر ہے۔ اس لیے کہ ہر جگہ طالبان حق اپنے شوق کو صورت کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جنابِ الٰہی کے ساتھ اس گھر کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ گھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ اس کی عبادت اور اس کی طلب کے شوق کو پورا کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اور اس کا مخلوقات کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ جبکہ کفار کے عبادت گھر جیسے

marfat.com

Marfat.com

ہردوار وغیرہ نہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ اس کام کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اور نہ ہی مخلوقات کے تعلق سے خالی ہیں۔ کیونکہ ان تمام عبادت گھروں میں رام یا کشن یا دوسری روحوں کی کوئی نسبت ان جگہوں کا قصد کرنے والوں کی نظر میں ملحوظ ہے۔ پس ان دونوں جہتوں سے فرق واضح ہو گیا۔

اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ کسی مکان کو قبلہ بنانے کے لیے یہ دو چیزیں لازم ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہو۔ اس لیے ظہور الٰہی کی نسبت تو ہر جگہ ہے۔ لیکن یہ ظہور عام عقل مندوں کے اجماع کے مطابق عبادت میں اس طرف توجہ کرنے کو صحیح قرار نہیں دیتا تو اس کام میں ایک خاص قسم کا ظہور ضرور ہونا چاہیے۔ اور اس ظہور کو پہچاننے کی ترازو عقلِ بشری کی حد سے باہر ہے۔ توقیف شرعی کے بغیر سمجھی نہیں جا سکتی۔ تو اس بارے میں شارع کی نص ضروری ہے۔ دوسری چیز یہ کہ اس مکان کو کسی طور سے بھی کسی مخلوق سے تعلق نہ ہو۔ ورنہ اس مکان کی طرف منہ کرنے کے وقت شرک کا شائبہ لازم آئے گا۔ اور اس عبادت میں خالص توحید نہیں رہے گی۔ اور اسی لیے قبور انبیاء علیہم السلام' ستارہ' آگ' پانی اور درخت کو قبلہ قرار دینے کے متعلق سختی سے منع کیا گیا۔ اور تفتیش کے مطابق کفار کے معبدوں میں یہ دونوں صفتیں نہیں ہیں۔ مثلاً ہردوار اس وجہ سے ان کے نزدیک واجب التعظیم ہے کہ کشن اسی راہ سے اوپر گیا اور اجودھیا اس وجہ سے کہ رام چندر کا مسکن اور سیتا کا مقامِ رسوائی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

البتہ یہ فرقہ جو کہ حلولی المذہب ہیں' ان اشخاص کو ذاتِ مقدس کے مظاہر سمجھتے ہیں۔ اور ان اشخاص کی طرف منسوب چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب چیزوں کے حکم میں جانتے ہیں۔ لیکن جب اس ذات پاک کے لیے حلول باطل ہے۔ یہ خیال فاسد کی بنیاد فاسد پر کے قبیلے سے ہے۔ اور اگر بالفرض کفار کے معبدوں کو ہم اصل میں شعائر الٰہی مانیں۔ اور کہیں کہ ان مقامات کی نسبت مخلوقات کی طرف ان فرقوں کی تحریفات میں سے ہے۔ اور ابتدا میں ذاتِ حق کے سوا کسی کے ساتھ ان کی نسبت نہ تھی۔ اور کوئی صریح نص ان مقامات کے تعین کے بارے میں قدیم شریعتوں میں آئی تھی تو پھر بھی خانہ کعبہ اور ان

marfat.com
Marfat.com

مقامات کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ اس لیے کہ ان مقامات میں عبادت کرنا بھی منسوخ ہے۔ اور منسوخ حکم کی پیروی کرنا خداتعالیٰ کی صریح مخالفت ہے۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ قبلہ مقرر کرنے کا مدار عبادت کی قبولیت پر ہے۔ اور جب قبولیت عبادت کو ایک مکان یا ایک جہت پر منحصر کر دیا گیا تو پھر اس مکان کے علاوہ عبادت بجالانا اپنی کوشش کو ضائع کرنا ہے۔

بلاتشبیہ جس طرح ایک بادشاہ اپنی سلطنت میں سے کسی مکان کو دارالخلافہ مقرر کرے۔ اور رعایا پر فرض کر دے کہ اپنی حاجتیں اسی مکان کی طرف لے جائیں۔ اور نذریں ہدیے اسی مقام پر پہنچائیں پھر کچھ عرصہ کے بعد دوسرے مقام کو دارالخلافہ بنائے اور اس مکان کے متعلق اسی قسم کا حکم صادر کرے تو پہلے مکان کو کوئی حکومتی اعزاز نہیں رہتا۔ اور وہاں آمد و رفت بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ اور جو نذریں اور ہدیے وہاں پہنچائیں۔ قبولیت نہیں پاتے۔ بلکہ اگر رعایا میں سے کوئی اصرار کرے۔ اور کہے کہ دارالخلافہ وہی مکان ہے نہ کہ یہ دوسرا۔ تو وہ لازمی طور پر تنبیہ اور سزا کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اس نے بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ اور اگر کفار کے عبادت گھروں کا قصد کرنے والوں سے کوئی شخص تفتیش کرے کہ تم کس لیے اور کس کے لیے جاتے ہو؟ تو ضرور واضح ہو جائے گا کہ یہ لوگ ان مکانات کی طرف جانے میں مخلوقات میں سے کسی مخلوق خواہ روحانی ہو یا جسمانی کے قرب کا قصد کرتے ہیں۔ اور ذاتِ خالق کی طرف متوجہ ہونے سے بالکل غافل ہیں۔ اس قسم کا مکان جو کہ صرف توجہ الی اللہ کے لیے معین اور مقرر ہو زمین کی طرفوں میں خانہ کعبہ اور صخرۂ بیت المقدس کے سوا کہیں نہیں پایا جاتا اسی لیے ان دونوں مکانوں کو قبلہ ہونے کی لیاقت حاصل ہوئی اور بس۔

البتہ کفار کے معبدوں کو اگر قدرے مشابہت ہے تو اولیاء و صلحاء کی قبور یا ان کی چلہ گاہوں سے ہے نہ کہ کعبہ اور صخرہ بیت المقدس سے۔ اور دونوں میں بہت فرق ہے۔ اور یہیں سے ان تاکیداتِ بلیغہ کا راز واضح ہو گیا جو کہ حدیث پاک میں زیارتِ قبور اور تین سجدوں کے سوا کسی اور مقام کی طرف شدِ رحال کرنے سے روکنے میں وارد ہوئیں اور اس سے کہ انبیاء علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہیں بنائیں۔ مدعا یہی ہے کہ اس عمل میں اکثر جاہل

marfat.com
Marfat.com

لوگ وہی عقیدہ اپنا لیتے ہیں جو کہ مشرکوں کو اپنے بزرگوں کے بارے میں ہے۔ اور خالص توجہ الی اللہ نہیں رہتی مگر ان ارواح کے پردے میں اور اس قدر توجہ آخرت میں جو کہ نفسِ انسانی کی دوستی اور فساد کے ظاہر ہونے کا وقت ہے' کام نہیں دیتی۔

(اقول وباللہ التوفیق- ظاہر ہے کہ اہلِ ایمان اولیاء اللہ کے مزارات پر انہیں اللہ تعالیٰ کے ولی سمجھ کر جاتے ہیں اس سے واضح ہے کہ وہ یہاں حاضری میں ذاتِ حق کو اولیاء اللہ سے ثانوی حیثیت نہیں دیتے بلکہ وہ تو اس حوالے سے جاتے ہیں کہ یہ مقبولانِ بارگاہِ خداوندی ہیں۔ اور انہیں مستقل نہیں مانتے' شریک نہیں ٹھہراتے۔ بلکہ بندگانِ خدا سمجھتے ہیں انہیں مظاہر عونِ خداوندی جانتے ہیں۔ جبکہ مشرکین تو غیر خدا کو معبود مانتے ہیں۔ اور انہیں شریک ٹھہراتے ہیں' دونوں عقیدوں میں واضح فرق ہے۔ حضرت مفسر علام رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کی بات کی ہے جو مشرکین کا سا عقیدہ رکھیں۔ چنانچہ نفس مسئلہ زیارتِ قبور کے لیے آپ نے ایاك نعبد کے تحت خواسی تفسیر میں ارشاد فرمایا آنچہ تعلق بچشم وارد...... وزیارت قبور شہداء وصالحاں کہ جان خود در راہ او باختہ اند۔ یعنی وہ عبادت جو آنکھ سے تعلق رکھتی ہے' شہداء اور اولیاء کی قبور کی زیارت ہے جنہوں نے راہِ خداوندی میں اپنی جانوں کی بازی لگا دی۔ اور آگے چل کر وایاك نستعین کے تحت فرمایا دریں جا باید فہمید اگر التفا محض بجانب حق ست واو را یکے از مظاہر عون دانستہ ونظر بکارخانہ اسباب وحکمت او تعالیٰ دراں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید دور از عرفان نخواہد بود۔ دور شرع نیز جائز وروا ست۔ بلکہ آگے فرماتے ہیں کہ انبیاء اولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند۔ ایسی استعانت انبیاء و اولیاء نے غیر اللہ سے کی ہے۔ اس لیے حضرت مفسر علام کی اس عبارت کو آپ ہی کی وضاحت کے تناظر میں دیکھا جائے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

## اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب خانہ کعبہ کی تخصیص کی وجہ

اب ہم یہاں پہنچے کہ اس مکان کو ایسا گھر بنانے میں جو کہ جنابِ خداوندی کی طرف منسوب ہو' عبادت کا قبلہ اور مرجع خلائق ہو' خاص کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس لیے کہ شارع حکیم مطلق ہے۔ بغیر کسی حکمت کے انکل کے ساتھ تخصیص نہیں فرماتا۔ ہم کہتے ہیں

marfat.com

Marfat.com

کہ اس تخصیص کی حکمت میں تین مؤثر وجوہ ہیں جو کہ افراد بشر کے ناقص فرد کے ذہن میں آئی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے نوع انسانی کی اصل خاک ہے۔ اور کرۂ خاک کی اصل یہی نقطہ ہے۔ جیسا کہ گزشتہ روایات میں گزرا کہ زمین کی تخلیق سے پہلے یہ مکان پانی کی سطح پر جھاگ کی طرح کا ایک جسم تھا۔ اور اس کے بعد ساری زمین اسی جھاگ کے نیچے سے بچھائی اور وسیع کی گئی۔ پس جسم آدمی کی اصل اسی نقطہ کی طرف لوٹتی ہے۔ اسے چاہیے کہ جب اپنے جسم کو اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول کرے تو اس کے مٹی والے اصل کی طرف رجوع کرے۔ چنانچہ جہاں بھی اسے میسر ہو اپنے اصل قریب پر سجدہ کرتا ہے تو عبادت کے وقت اپنے اصل بعید کی طرف متوجہ ہو اور عمر میں اک مرتبہ اس مقام کی زیارت کے ساتھ توجہ الی اللہ اور اشتیاق الی لقاء اللہ کے معنی کو جلوہ گر کرے۔ اور حق شوق کو پورا کرے۔ اور اس کے اردگرد گھومے اور اپنے مالک کی رضامندی کے لیے حکم بجالائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عبادت کے وقت آدمی فرشتوں کا خلیفہ ہے۔ دراصل یہ عظیم شغل ان کا کام ہے۔ جیسا کہ وہ غصے کے وقت درندوں کا خلیفہ ہے۔ اور شہوت کے وقت چارپایوں اور مکروفریب کے وقت شیطان کا خلیفہ ہے۔ اور فرشتوں کی عبادت گاہ آسمان میں بیت المعمور ہے۔ اور یہ مقام زمین پر بیت المعمور کے بالکل سیدھ میں ہے۔ جیسا کہ ارزقی نے حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اور دوسرے بہت سے تابعین سے روایت کی کہ بیت اللہ بیت المعمور کی سیدھ میں ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان ان کی سیدھ میں ساتویں آسمان تک۔ اور جو اس کی سیدھ میں اس سے ساتویں زمین تک اس کے نیچے ہے سب کا سب حرم ہے۔ اور دوسری سند سے اسی مضمون کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس عظیم الشان مکان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے بڑے ہیں۔ اور حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب مقدس کا مبداء ہیں ربوبیت الٰہی عجیب رنگ میں ظاہر ہوئی اور اس مکان کے بالکل قریب غیبی پانی جس کا نام زمزم ہے۔ حضرت جبریل علیہ

marfat.com

Marfat.com

السلام کے پر مارنے سے اُبلنے لگا۔ اور اب تک جاری ہے۔ تو جب بھی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما السلام والتحیہ کی اولاد اور ان کے تابعین چاہیں کہ دربار رب العزت میں متوجہ ہوں اس مکان کو توجہ کے لیے اختیار کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت نے ان کے بزرگ اسلاف کے حق میں جن کی طرف منسوب ہو کر یہ لوگ فخر محسوس کرتے ہیں اسباب کے پردہ کے بغیر جلوہ گری فرمائی اور اس شان ربوبیت کے آثار و نشان اب تک ظاہر ہیں۔

اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما السلام والتحیہ کے حق میں بھی اس نعمت کا شکر یہ ادا کرنے کا تقاضا ہوا کہ یہاں عبادتِ خداوندی کے لیے ایک مکان مقرر کریں۔ تا کہ جب بھی وہاں عبادت میں مشغول ہوں تو اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت عیاں طور پر انہیں ملحوظ ہو۔ کیونکہ مکان کو دیکھنا گزشتہ واقعات کو یاد دلانے میں بہت بڑا دخل رکھتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہیں جو کہ اس جگہ کو خدا کا گھر بنانے کے لیے تخصیص کی ابتدا میں وجوہ حکمت کے طور پر بشر کو معلوم ہیں۔ لیکن اس کے بعد جبکہ یہ مکان معبد خلائق' قبلۂ عبادات' عاشقانِ صادق کا مرجع اور خاص محبوں کا مطاف بن گیا تو اس مکان کی تخصیص کی وجوہ کی عمدہ وجہ اس مقام میں تجلی الٰہی کا ظہور ہے۔ کہ یہ تمام تعظیمیں اور محبتیں اسی تجلی پر واقع ہوتی ہیں۔ اور قسم قسم کی دعائیں اور رنگا رنگ اذکار اسی پر پڑتے ہیں۔ اور یہ کامل وسیع تجلی ہے۔ جس نے اس خطہ کے اردگرد کو نور عظیم کے ساتھ پکڑا ہوا ہے۔ اور ملائکہ کی افواج کو خدمت اور اتباع میں لگایا ہوا ہے۔ اور بعض سابقہ انبیاء علیہم السلام کے کلام میں جسے بنی اسرائیل کی کتابوں میں روایت کرتے ہیں اسی تجلی کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے **سبحان الذی تجلی علی طور سیناء واشرق نورہ من الساعیر واستعلن من جبال فاران۔** فاران مکہ معظمہ کا نام ہے۔ جیسا کہ ساعیر کوہ بیت المقدس کا نام ہے۔ اور اس کلام کا معنی یہ ہے کہ وہ خداوند پاک ہے۔ جس نے کوہِ طور پر تجلی فرمائی۔ جس کا نور ساعیر سے چمکا اور جو فاران کے پہاڑوں پر بے پردہ ظاہر ہوا۔ اور اسی تجلی الٰہی کے سبب اس عظیم گھر کے زائروں میں سے جو شخص اس میں گہری نظر سے دیکھے' ایک سکون' ایک وقار اور جلال سے ہر ایک

marfat.com
Marfat.com

عظمت پاتا ہے۔ خواہ ذہین ہو خواہ کند ذہن اور وہ سمجھتا ہے کہ یہاں ایک عظیم شان ہے۔ جو کہ کسی مکان میں نمودار نہیں ہے۔ اور دِلوں میں اس گھر کا محبوب ہونا اور اس کی طرف دِلوں کو کھینچنا اسی تجلی کے اثرات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے ظاہر و باطن کے مشاہدہ کا شرف نصیب فرمائے اور جہاں اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات کے بارے میں جو کہ قلوب اولیاء پر واقع ہوتی ہیں۔ اور ابھی وہ شان معبودیت و مسجودیت کے مرتبہ کو نہیں پہنچاتیں' کئی چیزیں کہی ہوں جیسا کہ حذیفہ بن الیمان کا قول لمجلس من عمر خیر من عبادۃ ستین سنه کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک مجلس ساٹھ (۶۰) برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور مولانا روم کے اس قول کی طرح کہ جن نے تبریز میں شمس الدین کی ایک نظر پائی' وہ بستی پر طعن اور چلہ سے مذاق کرتا ہے تو اس عام وسیع تجلی کے بارے میں جو کہ معبودیت کے مرتبہ کو پہنچی ہے' کیا سمجھا جا سکتا ہے؟ البتہ ابن ابی شیبہ' ارزقی' جندی اور بیہقی شعب الایمان میں عطاء بن یسار سے لائے ہیں کہ بیت اللہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ اور بیت اللہ کی طرف دیکھنے والا قائم' صائم' مخبت اور مجاہد فی سبیل اللہ کے مرتبہ پر ہے۔

اور جندی نے عطا سے روایت کی کہ طواف اور نماز کے بغیر بیت اللہ شریف کی طرف دیکھنا ایک سال کی عبادت کے قیام' رکوع اور سجود کے برابر ہے۔ اور ابن ابی شیبہ اور جندی نے طاؤس سے نقل کیا کہ بیت اللہ شریف کی طرف نظر صائم قائم دائم مجاہد فی سبیل اللہ کی عبادت سے افضل ہے۔ اور ابن عدی اور بیہقی نے شعب الایمان میں تضعیف کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک سو بیس (۱۲۰) رحمتیں ہیں جنہیں ہر روز و شب میں اس گھر کے لیے نازل فرماتا ہے۔ ساٹھ (۶۰) طواف کرنے والوں کے لئے چالیس (۴۰) نماز پڑھنے والوں کے لیے۔ اور بیس (۲۰) دیکھنے والوں کے لیے ہیں۔ اور ارزقی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ جب بھی سابقہ پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر علیٰ نبینا علیہم السلام کی اُمت عذاب الٰہی کے ساتھ ہلاک ہوتی تو وہ پیغمبر علیہ السلام مکہ شریف کی طرف رجوع فرماتے۔ اور عبادت میں مشغول ہوتے جس طرح کہ عہدے دار اور بادشاہی خدمت گزار

marfat.com
Marfat.com

جب اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہو جاتے ہیں تو وہ بادشاہ کے حضور رجوع کرتے ہیں۔ اور اس کے مجرا اور سلام میں حاضر رہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جس کا دل دنیا سے بھر جاتا ہے' وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ کہتا ہے کہ میں بیت اللہ کا ارادہ رکھتا ہوں۔ گویا وہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع اسی طریقے سے سمجھتا ہے۔ اور یہاں سے مثابہ للناس کا ایک اور معنی ظاہر ہو گیا۔

اور ارزقی نے امام مجاہد سے روایت کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سرخ اونٹ پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کے حج کے لیے تشریف لائے ہیں۔ اور آپ نے روحا سے احرام باندھا اور آپ نے دو قسطوانی گودڑیاں زیب تن فرمائیں' ایک دھوتی بنائی اور دوسری چادر اور خانہ کعبہ کا طواف فرمایا۔ اور صفا و مروہ کے درمیان بھی گھومے۔ اور آپ صفا و مروہ کے درمیان لبیک لبیک کہتے ہوئے دوڑ رہے تھے کہ غیب سے ایک آواز آپ کے کانوں میں پہنچی لبیك عبدی انا معك یعنی میں حاضر ہوں اے میرے بندے' میں تیرے ساتھ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آواز کی لذت سے بے ساختہ سجدہ کرتے ہوئے زمین پر گر پڑے۔

اور ابن مردویہ اور اصفہانی نے ترغیب وترہیب میں اور دیلمی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا کعبۃ اللہ کو فرشتے دلہن کی طرح زیب و زینت سے سجا کر میدانِ حشر میں لائیں گے۔ راستے میں میرے مزار سے گزر ہوگا تو کعبہ فصیح زبان سے کہے گا ''السلام علیک یا محمد'' میں جواب میں کہوں گا ''وعلیک السلام یا بیت اللہ'' تیرے ساتھ میری اُمت نے کیا سلوک کیا؟ گویا وہ تو ظاہر ہے۔ تو ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ کعبہ کہے گا یا رسول اللہ! آپ کی اُمت میں سے جو شخص میری زیارت کے لیے آیا تو اس کے لیے میں کافی ہوں اور اس کی میں شفاعت کروں گا اس کی طرف سے آپ مطمئن رہیں۔ اور جو میری زیارت کو نہ پہنچ سکا تو اس کے لیے آپ کفایت اور شفاعت فرمائیں۔

## چوتھی بحث

وَاتَّخِذُوْا کے لفظ میں ہے۔ اور یہ قرأت متواترہ ہے۔ نافع اور ابن عامر خا کی فتح

marfat.com
Marfat.com

پڑھتے ہیں۔ اور اس کے معنی ظاہر ہیں کہ جَعَلْنَا پر عطف ہے۔ یعنی ہم نے خانہ کعبہ کو مرجع خلائق اور ان کے لیے جائے امن گردانا اور انہوں نے مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) سے نماز کی جگہ حاصل کی تا کہ فرمان کے مطابق بجالائیں۔ اور دوسرے قرأ جو کہ خا کی کسر سے پڑھتے ہیں۔ اور اسے امر کا صیغہ سمجھتے ہیں اس کا عطف جَعَلْنَا کے جملہ پر جو کہ خبر یہ ہے انشأ کے خبر پر عطف کے قبیل سے ہوگا۔ اسی لیے جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ قلنا کا لفظ واوعطف کے بعد مقدر ہے۔ یعنی وَقُلْنَا اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ (علیہ السلام) تا کہ خبر کا عطف خبر پر ہو۔ ہر تقدیر پر اس آیت کے ظاہری معنی پر عمل نہیں ہے۔ کیونکہ نہ لوگوں نے اس پتھر پر نماز گزاری اور نہ حکم شرع اس بات پر آیا کہ اس خاص پتھر کو نماز کی جگہ بنانا چاہیے۔ اسی اشکال کی وجہ سے امام مجاہد نے کہا ہے کہ مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) عرفات' مزدلفہ اور منیٰ ہے۔ اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان مقامات پر کھڑے ہو کر دعا فرمائی ہے۔ لیکن ان دونوں اقوال میں لفظ مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) کو غیر متعارف معنوں پر محمول کرنا ہے۔ کیونکہ اہلِ مکہ اور ان کے علاوہ لوگوں کے عرف میں مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) وہی پتھر ہے۔ جس میں قدم مبارک کا نشان ہے۔ اور اس پتھر کو مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) ہونے میں ایک ظاہری خصوصیت ہے۔ اس لیے کہ یہ روشن معجزہ اسی پتھر میں ظاہر ہوا ہے۔ نیز لفظ مصلّی کو معنی شرعی کے غیر پر محمول کرنا ہے۔ اس لیے کہ صلوٰۃ کو دعا میں استعمال کرنا اہلِ شرع کے نزدیک رائج نہیں ہے۔ اگرچہ لغت میں ہوگا۔ اور الفاظ قرآنیہ کو معانی شرعیہ پر محمول کرنا چاہیے نہ کہ لغوی معنوں پر۔ پس سب سے بہتر وہی توجیہ ہے جو تفسیر میں گزری اور مراد یہ ہے کہ طواف کی نماز تاکیدی مستحب کے طور پر اس پتھر کے قریب اس طرح ادا کرے کہ وہ پتھر امام کی جگہ ہو اور نماز گزارنے والا بمنزلہ مقتدی نماز پڑھے اور مکان کی قریبی جگہ کو وہ مکان کہنا مجاز متعارف ہے۔ جو کہ حقیقت کے قریب ہے۔ پس اس آیت کے ظاہر پر عمل ہوتا ہے۔ اگرچہ امام اعظم کے مذہب پر اس نماز کی اصل واجب ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ سنت ہے۔ دوسری یہ کہ فرض ہے۔ لیکن اس نماز کو اس طرح ادا کرنا کہ اس پتھر کے پیچھے ہو' بالا جماع

marfat.com
Marfat.com

مستحب تاکیدی ہے۔ جہاں تک ہو سکے اسے چھوڑنا نہیں چاہیے اگر مخلوق کا ہجوم رکاوٹ پیدا کرے تو مسجد حرام کی کسی دوسری جگہ پر ادا کرنا چاہیے۔

سنن ابن ماجہ اور دیگر محدثین کی کتابوں میں جابر رضی اللہ عنہ کی روایت آئی کہ جب فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس رُکے تو آپ کی خدمت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا یہ وہی مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى فرمایا ہاں۔ اور صحیح مسلم اور دوسری صحاح میں موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین چکروں میں رمل فرمائی۔ اور چار میں معمول کے مطابق چلے۔ جب فارغ ہوئے تو مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) کا قصد فرمایا۔ اور اس کے پیچھے دو رکعات ادا فرمائیں۔ پھر پڑھا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى نیز تمام صحاح میں موجود ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقات میں سے ہے۔ اور آپ نے اسی پتھر کے بارے میں عرض کی تھی کہ طواف کی نماز کو اس کے پیچھے مقرر فرمایا جائے نہ کہ پورے حرم یا عرفات وغیرہ کے متعلق۔

اور شوافع کے بعض خوش طبع لوگوں سے سنا گیا ہے کہ کہتے تھے کہ اس آیت پر عمل تمام مخلوق میں سے ہمارے نصیب ہے کہ ہمارا مصلیٰ مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) کی طرف ہے۔ اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے مصلے دوسری طرفوں میں ہیں۔ ایک حنفی نے اس خوش طبعی کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے قبلہ کی سمت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی سمت کے موافق ہے۔ کیونکہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور شام کے تمام شہروں کا قبلہ میزاب رحمت کی سمت ہے۔ اور اسی جگہ مصلائے حنفی ہے لیکن وہ مقام جہاں بالفعل مصلائے حنفی ہے اصل میں مسجد حرام کی حد سے باہر تھا۔ اور قریش کا دارالمشورہ تھا۔ لیکن مسجد حرام کے وسیع ہونے کے بعد اس نے مسجد کا حکم پالیا ہے۔ اس حدیث پاک کی دلیل کے ساتھ جو کہ مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمائی ہے۔ اور مسجد حرام کا حکم بھی وہی ہے۔ اور وہ آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اگر میری یہ مسجد وادی صنعاء تک بنائی گئی

marfat.com
Marfat.com

تو میری ہی مسجد ہوگی۔

## پانچویں بحث (فضیلت طواف)

یہ ہے کہ طائفین کو عاکفین اور مصلین سے پہلے لانے سے بعض علماء نے استنباط کیا ہے کہ مکہ شریف کے مجاور کو نماز سے طواف بہتر ہے۔ جندی اور ابن النجاری نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بیت اللہ کے سات (۷) چکر لگائے اور مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) کے پیچھے دو رکعت ادا کیں اور زمزم کا پانی پیا' اللہ تعالیٰ اس کے سب کے سب گناہ بخش دیتا ہے چاہے کتنے بھی ہوں۔ اور ارزقی نے عمرو بن شعیب سے' انہوں نے اپنے باپ' اپنے دادا سے روایت کی انہوں نے کہا کہ رسولِ کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بھی کوئی شخص طواف کے ارادے سے اپنے گھر سے باہر آئے وہ ایسا کہ جیسا کہ دریائے رحمت میں جا رہا ہے۔ اور جب مطاف میں داخل ہوا تو ایسا ہے۔ جیسا کہ اس نے دریائے رحمت میں غوطہ لگایا اور جب طواف شروع کیا تو ہر قدم میں اسے دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں جو قدم اُٹھاتا ہے اس کے لیے پانچ صد نیکیاں لکھتے ہیں۔ اور جب قدم رکھتا ہے تو اس سے پانچ سو گناہ دُور کر دیئے جاتے ہیں۔ اور جب طواف سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) پر پہنچتا ہے۔ اور وہاں دُو رکعت نماز ادا کرتا ہے' وہ یوں ہو جاتا ہے کہ گویا ماں کے شکم سے ابھی ہی پیدا ہوا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔ اور ایک فرشتہ اس کے سامنے آ کر کہتا ہے کہ اپنی باقی عمر میں از سرِ نو عمل شروع کر کہ تجھے اپنی گزشتہ عمر سے کوئی کھٹکا نہیں رہا اور اسے اپنے قریبیوں میں سے ستر (۷۰) آدمیوں کی شفاعت کرنے کا منصب عطا فرمایا جاتا ہے۔

چھٹی بحث یہ کہ رکع اور سجود کے درمیان حرف عطف کو جو کہ واؤ ہے' کیوں حذف کر دیا گیا حالانکہ اس سے پہلے کلام کی روش بطریق عطف ہے کہ فرمایا لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ اس کا جواب ظاہر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ طواف اور اعتکاف دونوں جدا جدا عمل ہیں۔ ایک دوسرے پر موقوف نہیں ہیں۔ بخلاف رکوع وسجود کے کہ ان دونوں کو ایک ساتھ ملائے بغیر عبارت نہیں بنتی اور ان کا اعتبار نہیں ہوتا اس بنیاد پر کہ ان دونوں فعلوں کا مجموعہ ایک عمل

marfat.com

Marfat.com

ہے۔ جو کہ نماز ہے۔ عطف کے حرف کو درمیان میں لانا مناسب نہ تھا۔

ساتویں بحث یہ ہے کہ یہاں ارکانِ نماز میں سے صرف رکوع وسجود پر اکتفاء فرمایا جبکہ سورۂ الحج میں قیام کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس اسلوب بیان کے اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں جو چیز نماز اور غیر نماز میں تمیز پیدا کرتی ہے' یہی دو فعل ہیں' رکوع وسجود جبکہ قیام نماز کے ساتھ بلکہ عبادت کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ اس لئے کہ اکثر اوقات قیام عادت کی بنا پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے قعود اور اضطجاع۔ بخلاف رکوع وسجود کے کہ بے حد تعظیم کے قصد بلکہ عبادت کے قصد کے بغیر متحقق نہیں ہوتے۔ پس رکوع وسجود کا ذکر گویا نماز کی امتیازی اداؤں کا ذکر ہے۔ ان دونوں کے ذکر کرنے سے نماز کی حقیقت کی طرف اشارہ متحقق ہوگیا۔ اور قیام کے ذکر کی اتنی ضرورت نہ رہی۔ ہاں چونکہ سورۂ الحج میں مناسکِ حج کا بیان کرنا منظور ہے' کلام کو جامع کرنا اور ارکان کو پورا بیان کرنا بھی اس جگہ روش خطاب کے مناسب ہے۔ نیز کہا جاسکتا ہے کہ سورۂ حج میں خطاب مشرکین مکہ سے ہے۔ جو کہ نماز سے بالکل آشنا نہ تھے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی دلیل سے تو وہاں قیام' رکوع اور سجود سب کا ذکر موزوں ہوا۔ اس لیے کہ وہ نہ تو خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے قیام کرتے تھے۔ اور نہ رکوع وسجود اور یہاں خطاب اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ سے ہے۔ اور وہ نماز کو جانتے تھے۔ اور قیام کو کسی کمی بیشی کے بغیر ارکان نماز میں سے ادا کرتے تھے جن میں خلل کرتے تھے یہی دور کن تھے۔ کیونکہ رکوع بالکل نہیں کرتے تھے۔ اور سجدۂ شرعی طریقے پر نہیں کرتے تھے تو ان کے لیے قیام کا ذکر بالکل درکار نہ تھا۔

آٹھویں بحث یہ ہے کہ یہاں عاکفین کو بھی طائفین کے ساتھ ذکر فرمایا جبکہ سورۂ حج میں عاکفین کو چھوڑ کر طائفین اور نمازیوں پر اکتفاء فرمایا اس میں اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ حج میں اس سے پہلے یہ لفظ بالکل قریب ہی مسجد حرام کے بارے میں گزرا ہے کہ فرمایا جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ن الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ یہاں عاکف کا ذکر تکرار تھا۔ بخلاف طائفین اور نمازیوں کے کہ یہ دونوں بادی ہیں۔ نیز سورۂ حج میں شروع

marfat.com
Marfat.com

سے پوری مسجد حرام کا ذکر ہے۔ اور اعتکاف کا تعلق پوری مسجد کے ساتھ ہے۔ عاکفین کو مسجد کے ذکر کے متصل لانا مناسب تھا۔ اور طواف اور نماز کو جو کہ گھومنے اور اس طرف منہ کرنے کی وجہ سے خانہ کعبہ سے متعلق ہیں' خانہ کعبہ کے متصل لانا زیادہ موزوں ہوا۔ اور اس سورۃ میں پہلے مسجد حرام کا ذکر نہیں گزرا ہے۔ بلکہ خانہ کعبہ کا ذکر ہے کہ فرمایا وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاس تو عاکفین کا ذکر جو کہ اس گھر کے ساتھ ایک قسم کا تعلق رکھتے ہیں اگرچہ وہ تعلق بعید ہے' ضروری ہوا۔

نویں بحث یہ ہے کہ محققین نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مقام' مقامِ قلب تھا۔ اور لطیفہ قلب کے احکام ان پر غالب اور بیت المعمور شخص اکبر میں قلب کی طرح ہے۔ اسی لیے روایات کے مطابق چوتھے آسمان میں جگہ رکھتا ہے۔ جو کہ عالم کبیر کا وسط ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کو اس گھر کے طواف کا حکم دینا اور ان کے لیے بنیاد تعمیر کرنا لطیفۂ قلب کی تکمیل پر ان کے گھومنے کی صورت تھی جس نے اس رنگ میں ظہور کیا اور حضرت ادریس علیہ السلام کے عہد میں لطیفۂ عقل ظاہر ہوا۔ اور اس کے احکام غالب ہو گئے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں لطیفۂ روح کا غلبہ ہوا لہٰذا بیت المعمور کا طواف اور اس گھر کے مناسک مخفی ہو گئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر اس لطیفہ کی اصلاح پر متوجہ ہوئے۔ اور آپ نے اس کے احکام کو غالب کر دیا۔ اور آپ کے عہد میں احکامِ حج اور مناسک کی ادائیگی جو کہ سب کے سب جوش محبت' شوق اور دوسری صفاتِ قلبیہ کا نشان دیتے ہیں' پورے اثر کے ساتھ جلوہ گر ہوئے۔

اور رکن اسود مصافحہ بیعت کے وقت دست شیخ کے مشابہ ہے۔ اور مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) مرید کے حق میں اتباع شیخ کی صورت ہے۔ جبکہ وہ منصبِ ابراہیمی کا وارث ہو اور رکن اسود کی سیاہی اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ میں احکام بشریت دیکھ کر نفرت نہ کرے۔ اور بے اعتقاد نہ ہو۔ بلکہ اس کے ہاتھ کو خدا کا ہاتھ جانے اور طریقت کا دستگیر سمجھے۔

اور جب بنی اسرائیل محبت و شوق کی راہ سے بے خبر تھے۔ سوائے طمع اور خوف کے کوئی دوسری راہ نہیں جانتے تھے۔ افعالِ حج کے حسن کو نہیں سمجھتے تھے۔ اور وہ ان افعال کی حقیقت

marfat.com
Marfat.com

دریافت نہ کر سکے۔ جس طرح علمائے ظاہر بین وجد و شوق کی کیفیت سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اور اس سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان امور سے آگاہ فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ یہ امور ملتِ ابراہیمی کی پشت میں داخل تھے نہ کہ مشرکین کی بدعات کے قبیل سے اگر یہ رسول علیہ السلام اور ان کی اُمت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس عظیم سنت کو زندہ کریں تو اعتراض کی کون سی جگہ ہے۔ اور انکار کا کیا مقام؟ اور اگر اس گھر کی تعظیم اس گھر کا طواف اس کے نزدیک اعتکاف کرنا اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ملتِ ابراہیمی کی اصل میں داخل نہ تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس گھر کو بنانے کے بعد اس گھر کی بقاء اور اس کی حرمت کی دعائیں بار بار کیوں مانگتے تھے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ یعنی اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا جب آپ کو خانہ کعبہ بنانے کا حکم ہوا۔ اور آپ نے اس پر پختہ ارادہ کیا۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا اے میرے پروردگار! بنا اس لق و دق صحرا کو جہاں چند گھروں کے سوا کوئی سکونت اختیار نہیں کرتا بَلَدًا آباد شہر تا کہ اس گھر کو بنانے کا فائدہ حاصل ہو۔ کیونکہ اگر اس گھر کے مضافات میں ایک شہر آباد نہیں ہوگا تو اس گھر کا طواف کون کرے گا' اعتکاف کون کرے گا۔ اور نماز کون ادا کرے گا؟

مگر ایسا شہر جو کہ آمِنًا امن والا ہو۔ کیونکہ تکالیف و آفات شہر کی ویرانی کا موجب ہوتی ہے۔ نیز بدامنی کی صورت میں حجاج کے قافلے دُور دراز سے نہیں پہنچ سکتے تو مثابہ للناس کا معنی کیسے متحقق ہوگا۔ نیز یہ جنگل نہ تو گھاس اُگنے کے قابل ہے۔ تا کہ مویشی وہاں زندگی گزار سکیں۔ اور نہ ہی خشکی اور پتھریلے پن کی وجہ سے قابلِ زراعت ہے۔ تا کہ لوگ وہاں معاش کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔ تو یہاں وافر امن چاہیے تا کہ تاجر ہر طرف سے زرعی اجناس' غلے اور سامان وغیرہ لے کر آئیں۔ اور یہاں رہنے والوں کے لیے معیشت کا کام فراخ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو اس طرح قبول فرمایا کہ غریبوں کو ستانے والا کوئی ظالم اس جگہ دستیاب نہ ہو اور اگر ظالموں میں سے کسی نے اس مکان کا قصد کیا تو فی الفور ہلاک ہو گیا جیسا کہ اصحاب فیل کے واقعہ میں رونما ہوا۔

marfat.com
Marfat.com

اور اگر کوئی کہے کہ حجاج ثقفی جو کہ ظلم وستم اور ناحق خون کرنے میں ضرب المثل ہے اس شہر پر اس وقت کس طرح قابض ہو گیا جب اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا اور انہیں قتل کیا؟ ہم کہتے ہیں کہ حجاج کا مقصد اس شہر کو خراب کرنا اور اس میں رہنے والوں کو ایذاء دینا نہ تھا۔ اسی لیے اس نے اس شہر کے لوگوں سے تعرض نہ کیا۔ اور اس کی طرف سے جو ظلم وستم واقع ہوا' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے رفقاء پر واقع ہوا۔ اور اس سانحہ میں کعبہ شریف کی عمارت کو جو نقصان پہنچا اس نے اس کی مرمت اور درستی میں کوشش کی۔ اور کعبۃ اللہ کے غلاف اور زیب وزینت کو پہلے کی نسبت اور زیادہ کیا۔ حاصلِ کلام یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رسم حج کی بقاء کے لیے اس شہر کی آبادی چاہی اور آبادی کے لیے امن۔ کیونکہ بے امنی کی صورت میں شہر ویرانی لازم ہے۔ نیز آبادی کی بقاء کے لیے ایک اور دعا فرمائی۔

وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ. اور اس شہر والوں کو مختلف ریاستوں کے رنگا رنگ پھلوں کی روزی عطا فرماتا کہ وہ پھل کھانے کے شوق میں اس خشک وادی سے پریشان ہو کر پھل دار ریاستوں کا رُخ نہ کریں۔ اور آپ کی اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح قبول فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام فلسطین اور شام کی سرزمین سے شہر طائف کو اپنے پروں پر رکھ کر لائے۔ اور پہلے اسے خانہ کعبہ کے اردگرد سات مرتبہ طواف کرایا۔ اور اسی لیے اس کا نام طائف ہوا اس کے بعد مکہ شریف سے تین دن کی راہ کے فاصلہ پر پہاڑ کے اوپر رکھ دیا۔ اور اس کی آب وہوا کو اس کی اصل صورت پر باقی رکھا گیا۔ اور یہ واقعہ قدرتِ الٰہی کے عجائب میں سے ہے۔ اس لیے کہ موسم گرما میں گرم لُو چلنے اور پتھروں کے گرم ہونے کی وجہ سے مکہ معظمہ میں ایک شدید حالت محسوس ہوتی ہے۔ اور جب وہاں سے کوہ طائف پر آتے ہیں تو وہاں کی ہوا بالکل سرد ملک کی ہوا ہوتی ہے۔ اور طائف کا بغیر دانے کے منقی اور سرد ملکوں کے پھل وافر مقدار میں ہوتے ہیں۔ نیز اس دعا کی قبولیت کے لیے ایک اور طریقہ یہ ہوا کہ اس شہر اور اس کے رہنے والوں کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں بہت محبت پیدا کر دی گئی حتیٰ کہ ہر طرف سے زرعی اجناس اور غلہ' پھل اور میوے اُٹھا کر لاتے ہیں۔ اور پہنچاتے ہیں۔ مصر'

marfat.com
Marfat.com

ہند، سندھ، فارس اور بصرہ سے بھرے ہوئے جہاز جاتے ہیں۔ اور خالی واپس آتے ہیں اسی لیے اس شہر میں ہر ملک کی نفیس چیزیں پائی جاتی ہیں۔

اور یہ دعا مانگتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یاد آیا کہ میں نے اپنی اولاد کے لیے امامت طلب کی تھی۔ اور حق تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آپ کی اولاد میں سے ظالموں کو امامت نہیں ملے گی تو رزق طلب کرنے میں بھی لازماً مجھے اسی کی موافقت کرتے ہوئے تخصیص اور تقلید کرنا چاہیے۔ اسی بنیاد پر آپ نے کہا کہ میں رزق کی طلب میں خاص کرتا ہوں۔

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اسے جو کہ اس شہر میں سے ایمان لایا ہے خدا تعالیٰ اور آخرت کے دن پر۔ تاکہ ان کا غیر معاش نہ ہونے کی وجہ سے اس شہر میں سکونت اختیار نہ کرے۔ اور کوئی کافر یہاں اقامت پذیر نہ ہو سکے۔ تاکہ یہ شہر کفر اور بت پرستی کی آلائش سے خالی ہو۔

قال حق تعالیٰ نے فرمایا کہ روزی کو امامت پر قیاس نہ کیجئے کیونکہ امامت، نبوت کی نیابت ہے۔ پس چاہیے کہ صاحب امامت ظالم اور ستم گر نہ ہو۔ اور روزی پرورشِ الٰہی سے ہے۔ اور وہ رب العالمین ہے۔ مومن و کافر، ظالم و عادل اور صالح و فاسق کو پرورش کرتا ہے۔ ہاں باایمان لوگوں کا رزق دنیا میں آخرت کے ساتھ ملا ہوا ہے تو گویا اپنی ولادت کی ابتدا سے ابدالآباد تک انہیں رزق ملتا رہے گا۔

وَمَنْ كَفَرَ اور جو کافر ہوا تو اسے ہم رزق دنیوی کے حصول میں مومن سے امتیاز نہیں دیتے بلکہ اس کے امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ اس کا رزق صرف اس کی عمر تک ہے۔ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا تو ہم اسے تھوڑے سے مال کے ساتھ نفع دیتے ہیں۔ اگرچہ اسے بہت سا رزق اور بے شمار نعمت دے دی جائے۔ لیکن وہ سب کچھ زندگی کی مدت تک ہے۔ ثُمَّ اَضْطَرُّهٗ پھر میں اسے بے چارہ کر کے لے جاؤں گا۔ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ آگ کے عذاب کی طرف۔ جس کی ابتدا بدن سے روح کے جدا ہونے سے شروع ہوتی ہے۔ اور اس کی انتہاء ابد ہے۔ جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اور اس وجہ سے کہ وہ خانہ کعبہ کا مجاور تھا۔ اور اس

marfat.com
Marfat.com

شہر میں رہتا تھا اس کے لئے عذاب میں کوئی تخصیص حاصل نہ ہوگی۔ بلکہ دوسروں کی نسبت اس کا عذاب کئی گنا ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے میرے گھر کے نزدیک لادینیت کو اختیار کیا۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور دوزخ بُری جائے بازگشت ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں اگر ایک مکان دوسرے مکان کی نسبت ایک جہت سے بُرا ہوتا ہے تو دوسری جہت سے اچھا بھی ہوتا ہے۔ اور وہ مکان ہر جہت سے بُرا ہے' کسی وجہ سے بھی اس میں خوبی نہیں۔

## چند فوائد

یہاں چند فائدے باقی رہ گئے جن پر اطلاع دینا ضروری ہے۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ ان واقعات کے بیان میں زمانے کی ترتیب کی رعایت نہیں کی گئی ہے۔ اس لیے کہ زمانے کے اعتبار سے پہلے کعبۃ اللہ کی تعمیر ہے۔ اس کے بعد یہ دعا اس کے بعد خانہ کعبہ کو مرجع خلائق بنانا تو اس میں کیا نکتہ ہے کہ اس ترتیب کے برعکس بیان کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اجمالی طور پر وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ میں ان واقعات کا اشارہ فرمایا گیا۔ اس کے بعد اس کی تفصیل فرمائی گئی۔ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت کا ذکر لایا گیا اس لیے کہ یہ منصب عطا کرنا ازروئے شرافت تمام نعمتوں پر مقدم ہے۔ اس کے بعد خانہ کعبہ کی مرجعیت اور اس شہر کے پُرامن ہونے کا ذکر لایا گیا اس لئے کہ کعبۃ اللہ کی تعمیر کا یہی مقصد تھا۔ اور مقاصد کو وسائل پر تقدم حاصل ہے۔ اس کے بعد بیان فرمایا کہ اس شہر کا پُرامن ہونا صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہوا۔ اور وہ دعا یقیناً قبول ہوئی۔ پس دوسری دعا جو یہ گھر بناتے وقت کی تھی' بھی مقبول ہوگی۔ اور دوسری دعا کے ضمن میں حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ کی دعا بھی تھی۔ پس اس ترتیب کا مقصد اچھی طرح واضح ہوا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں بَلَدًا اٰمِنًا واقع ہوا جبکہ سورۂ ابراہیم علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں ھٰذا البلدًا آمِنًا فرمایا۔ ان دونوں عبارتوں کا فرق کس لیے ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دعا جو کہ اس سورۃ میں ہے اس سے پہلے تھی کہ وہ مکان آباد ہو کر شہر کی صورت حاصل کرے تو گویا یوں عرض کیا کہ بارخدایا! اس گھاس سے خالی صحرا کو پہلے شہر بنا

marfat.com

Marfat.com

اور پھر با امن شہر اور وہ دعا جو کہ سورۂ ابراہیم میں ہے شہر کی آبادی کے بعد تھی تو گویا یوں عرض کیا کہ بارِ خدایا! اس آباد شہر کو حوادث سے محفوظ رکھ۔

## دین کی خاطر دنیا طلب کرنا کمال کے منافی نہیں

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات کاملین بھی دنیوی امور کو جیسے امن، روزی، پھل کھلانے اور اس قسم کے امور خدا تعالیٰ سے چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ چیزیں فروغ دین اور رونق شریعت میں فراوانی کا باعث ہوتی ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ امن اور دل کا روزی کے بارے میں فراغت پانا اطاعات میں دلجمعی کے باعث ہوتا ہے۔ نیز وہ شہر جو کہ خوف سے پاک ہو اور وہاں لوگوں کی روزی وسیع ہو تو وہاں مخلوق کا اجتماع اور لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہوتی ہے۔ تو یہ طلب حقیقت میں دنیا کی طلب نہیں ہے۔ بلکہ دین کی طلب ہے۔ اور دین کی خاطر دنیا طلب کرنا کمال کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ **نعم المال الصالح للرجل** آدمی کے لیے حلال مال بہت اچھا ہے۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ پہلے تو **جعلنا** اور **عهدنا** میں متکلم مع الغیر کی ضمیریں استعمال ہو کر آئیں۔ یہاں **امتعه** و **اضطره** میں صیغۂ واحد متکلم کیوں استعمال فرمایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلوب کی اس تبدیلی میں ایک دقیق نکتہ اور ایک باریک اشارہ ہے۔ گویا یوں فرمایا گیا ہے کہ کافر اور فاجر کو روزی دینے اور اس کی موت کے بعد اسے عذاب دینے میں اگر چہ میرے نیک بندے فرشتے اور انبیاء علیہم السلام میرے رفیق نہ ہوں اور اس کے روادار نہ ہوں۔ میں تنہا یہ دونوں کام کرتا ہوں اور اس کا راز یہ ہے مخلوق اگر چہ کمال کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچی ہوئی ہو حکمت کی تمام وجوہ کے ملاحظہ سے قاصر ہے۔ اور جاذب قوتوں کے حکم میں مجبور ہے۔ اگر کسی کو سرکشی اور عناد کے مقام پر دیکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ وہ فی الفور ہلاک ہو جائے۔ اور سانس لینے کی مہلت نہ پائے۔ اور اگر کسی کو سخت تکلیف اور عذاب میں گرفتار دیکھتا ہے تو رقت کا مظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے سابقہ جرائم سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی سفارش کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ صرف حکیم مطلق کی شان ہے۔ اور بس کہ وجوہ

marfat.com

Marfat.com

حکمت میں سے ہر وجہ کی وقت پر رعایت فرماتا ہے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) اس گھر کی دیواریں اونچی کر رہے تھے۔ اپنے ہاتھ سے اور اس کام کو کسی نقاش اور معمار کے حوالے نہیں فرماتے تھے۔ تاکہ اس اجر و ثواب میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہ ہو۔

وَاِسْمٰعِیْلُ اور اسماعیل (علیہ السلام) بھی اسی طرح حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ ان دیواروں کو بلند کرنے میں مشغول تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام راج گیری کی جگہ خود کعبہ معظمہ کی تعمیر میں مشغول تھے۔ اور اسماعیل علیہ السلام مزدور کی جگہ کام کرتے تھے کہ گارا بناتے تھے۔ اور پتھر اُٹھا کر لاتے تھے۔ اور یہ دونوں بزرگ اس وقت یہ دعا کر رہے تھے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اے ہمارے پروردگار! اپنے فضل سے اس محنت اور اس خدمت کو ہماری طرف سے قبول فرما۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ تحقیق تو ہی ہماری دعا کو سننے والا ہے الْعَلِیْمُ ہماری نیت کو جاننے والا۔

## قبول اور تقبل میں فرق اور افطاری کی دعا

قبول اور تقبل میں فرق یہ ہے کہ اگر کوئی چیز قبول کرنے کے لائق ہو تو وہاں کہتے ہیں کہ اس چیز کو قبول کیجئے۔ اور اگر وہ چیز ناقص ہو اور اس لائق نہ ہو کہ اسے کوئی قبول کرے تو کہتے ہیں کہ اس کا تقبل کیجئے۔ اس بنیاد پر کہ تقبل کا معنی تکلفاً قبول کرنا ہے۔ اور تکلفاً سے قبول کیا جاتا ہے جو قبولیت کے لائق نہ ہو۔ پس اس لفظ میں انتہائی کسر نفسی، عاجزی اور اپنے عمل کو حقیر جاننا ہے۔ گویا وہ اس لائق نہیں ہے کہ مقبول ہو مگر جبکہ تو از رہ عنایت اپنے فضل سے اسے قبول فرمائے۔ اور اس قسم کی کسر نفسی اور تواضع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی منقول ہے۔

اور دار قطنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ

marfat.com

Marfat.com

وآلہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو یوں کہتے اللھم لك صمنا وعلی رزقك افطرنا فتقبل منا انك انت السمیع العلیم

## چند فوائد

یہاں چند فوائد باقی رہ گئے۔

## حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر کعبہ

پہلا فائدہ یہ ہے کہ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ کے لفظ سے اکثر مؤرخین نے یوں مسئلہ نکالا ہے کہ خانہ کعبہ کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے پہلے موجود تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی بنیاد پر دیواریں بلند کیں۔ جیسا کہ بیہقی نے شعب الایمان میں اور ارزقی نے وہب بن منبہ سے روایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر آئے تو تنہائی کی وجہ سے آپ کو بہت وحشت سی محسوس ہوئی۔ نیز زمین میں کوئی مکان اور چھت نظر نہیں آتی تھی۔ عرض کی بارخدایا! میں زمین میں اکیلا اترا ہوں۔ کوئی ایسا نہیں جو میرے ساتھ تیری عبادت میں شریک ہو۔ نیز میں زمین میں کوئی چھت والا مکان نہیں دیکھتا۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب تیری اولاد سے بے شمار لوگ پیدا ہوں گے۔ اور میری تسبیح و تقدیس میں مشغول ہوں گے۔ اور مکانات بنائیں گے۔ لیکن چاہیے کہ پہلے میرے نام سے مکان بنائیں۔ اور اسے عرش اور بیت المعمور کی طرح قبلہ اور طواف گاہ بنائیں۔ اور اس کے بعد اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے مکانات بنائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ بارخدایا! وہ گھر کہاں بناؤں؟ فرمایا وہاں جہاں ہم نے آپ کے بدن کی خاک کا گارا بنایا تھا۔ اور چالیس (۴۰) سال تک وہ خاک وہیں پڑی رہی اور تمام زمین کو ہم نے وہیں سے پھیلایا اور فراخ کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھے اس جگہ کا نشان دیا جائے۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہمراہ جائیں۔ اور کعبہ معظمہ کے مکان کا نشان دیں اور وہ گھر بنانے میں آپ کی مدد کریں۔ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے ہمراہ

marfat.com
Marfat.com

آئے اور اس جگہ کا نشان دیا۔ اور فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین کے نیچے سے اس گھر کی بنیاد کو پُر کر کے لائیں جب وہ بنیاد سطح زمین تک پہنچی تو بیت المعمور کو جو کہ آسمان میں ملائکہ کی طواف گاہ تھی' اُتار کر اس بنیاد پر رکھ دیا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس کے اردگرد طواف کریں۔ اور اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں۔ اور خانہ کعبہ کی عمارت طوفان کے دنوں تک اسی طرح تھی۔ طوفان کے وقت بیت المعمور اُٹھا لیا گیا اور کعبۃ اللہ کی سیدھ میں ساتویں آسمان پر رکھا گیا۔ اور اب فرشتے اس کے طواف اور زیارت میں مشغول ہیں۔ جیسا کہ حدیث معراج میں اس کا ذکر آیا ہے' اور طوفان کے بعد مقامِ کعبہ میں ایک سرخ رنگ کا بہت بڑا ٹیلا زمین سے اونچا نمودار ہوا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی وہ بنیاد زیر زمین برقرار رہی لیکن لوگ اپنی حاجات طلب کرنے اور اپنی مہموں میں دعا مانگنے کے لیے اسی جگہ کا قصد کرتے تھے۔ اور نذریں' ہدیئے لاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ بنانے کا حکم دیا گیا۔ آپ نے انہیں بنیادوں پر دیواریں کھڑی کیں اور اس جگہ کے تعین کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک بادل کو لا کر اس کے سایہ کو اس جگہ کو معین فرمایا۔

## تعمیر کعبہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت

احادیث میں جو کچھ آیا ہے اس کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کے کعبہ معظمہ بنانے کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آتشِ نمرود سے نجات پائی اور قوم اور اپنے چچا کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو ترکِ وطن کر کے حران کی طرف تشریف لے گئے جہاں اپنے ایک چچا ہاران نامی کے پاس سکونت پذیر ہوئے اس نے اپنی دختر سارہ کا آپ کے ساتھ عقد نکاح کر دیا۔ اور آپ کو نرمی اور دلجوئی کے ساتھ اپنے پاس بحفاظت رکھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو دنیوی مال و اسباب اور عورت اور اولاد کی طمع کے ساتھ آپ کے دین سے پھیر لے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عقیدۂ توحید پر استقامت فرمائی اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ متفق ہو گئیں اور آپ نے بت پرستوں کے دین کو بُرا کہنا شروع کر دیا تو ہاران سخت خفا ہوا۔ اور اس نے دونوں کو مالی اسباب اور زیب و

marfat.com
Marfat.com

زینت کے لباس سے خالی کر کے نکال دیا۔ آپ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے لیا۔ اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے ساتھ عہد کیا کہ میں آپ کی نافرمانی ہرگز نہیں کروں گی بشرطیکہ آپ بھی میری بات مانیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بارے میں ان کے ساتھ عہد فرمایا۔ اور وہاں سے نکل آئے اور حضرت لوط علیہ السلام کے سوا جو کہ رشتے میں دونوں کے قریبی تھے۔ اور کوئی ہمراہ نہ ہوا۔ پہلے مصر کا قصد فرمایا اتفاقاً وہاں ایک جابر سرکش اور کافر بادشاہ مسلط تھا۔ اور اس کی ناپاک عادت یہ تھی کہ ہر خوبصورت عورت کو اس کے مالک سے چھین لیتا تھا۔ اور اگر وہ اس کا شوہر ہوتا تو اسے قتل کر دیتا تھا۔ اور اگر بھائی یا اس کا کوئی اور وارث ہوتا تو قتل نہ کرتا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس شہر میں داخل ہوئے۔ اور آپ نے یہ ماجرا سنا تو خوف زدہ ہوئے کیونکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا حسن و جمال میں اس وقت کی خواتین میں سے ممتاز تھیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ وہ حسن جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا تھا اس کا ایک نصف حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا تھا۔ اور چھٹا حصہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اور باقی تمام لوگوں میں تقسیم ہوا۔

قصہ مختصر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یہاں سے بادشاہ کی عادت ایسی ہے اگر اس کے پیادے تمہیں لینے کے لیے آئیں تو یہ ظاہر نہ کرنا کہ میں تمہارا شوہر ہوں۔ بلکہ یوں کہنا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔ اس لیے کہ میں دین و اسلام کے اعتبار سے تمہارا بھائی ہوتا ہوں اور حق تعالیٰ تمہیں اس ظالم کے ہاتھوں سے محفوظ رکھے گا اور میری عزت کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ اچانک اس بادشاہ کے کارندوں نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی حسن و جمال کا سُن کر اس کے سامنے بیان کیا کہ اس شہر میں ایک خاتون آئی ہے۔ جو کہ حسن میں بے مثل ہے اس ظالم نے کہا کہ اسے لاؤ اور اگر اس کا شوہر ہے تو اسے قتل کر دو اس کے پیادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے۔ اور انہوں نے پوچھا کہ جو عورت آپ کے ساتھ ہے اس کا آپ سے کیا تعلق ہے؟ آپ نے فرمایا میری دینی بہن ہے۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ دیا۔ اور حضرت

marfat.com
Marfat.com

سارہ رضی اللہ عنہا کو زبردستی لے گئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ صورتِ حال دیکھی تو نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ ادھر جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اس ظالم کے پاس پہنچیں' دیکھتے ہی حسن و جمال کا فریفتہ ہو گیا۔ اور اس نے بے ادبی کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پہلے مجھے مہلت دے کیونکہ ابھی مجھ پر راستہ کی دھول پڑی ہوئی ہے' میں ہاتھ منہ دھولوں اور عبادت کرلوں ازاں بعد جو چاہو کرنا اس ظالم نے حکم دیا کہ لوٹا اور طشتری لاؤ اور اسی جگہ ہاتھ منہ دُھلاؤ۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے وضو فرمایا۔ اور نماز کے لیے کھڑی ہو گئیں اور نماز کو لمبا کر دیا۔ اور دعا میں مشغول ہو گئیں۔ اس ظالم نے جب دیکھا کہ آپ نماز سے فارغ نہیں ہوتیں تو چاہا کہ عین حالتِ نماز میں آپ پر دست درازی کرے۔ اور مکان کو خالی کر لیا جیسے ہی اس نے آپ تک ہاتھ لے جانے کا ارادہ کیا اس کے ہاتھ بند ہو گئے۔ اور مرگی کا دورہ پڑنے سے زمین پر گر پڑا اس کا سانس رُک گیا اور منہ سے جھاگ بہنے لگا جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ اس ظالم کی یہ حالت ہو گئی ہے' ڈریں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی سانس کی آواز سے اس کے چوکیدار مطلع ہو کر آئیں۔ اور مجھے اس کے قتل کی تہمت لگائیں اور قتل کر دیں۔ بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ بار خدایا! اس ظالم کو چھوڑ دے کہ اسے عبرت حاصل ہو گئی ہے جب اسے افاقہ ہوا تو پھر وہی ارادہ کیا پھر اسی قسم کا واقعہ ہوا پھر ارادہ کیا پھر وہی حشر ہوا۔ تیسری دفعہ اس نے کہا کہ اس عورت کو لے جاؤ کہ یہ آدمی نہیں جنیہ ہے یا جادوگر ہے۔ اور میرے شہر سے باہر نکال دو اور اسی قسم کی ایک اور عورت میرے پاس ہے۔ جسے میں نے قبطیوں سے چھینا تھا۔ اور اس پر بھی مجھے تصرف حاصل نہ ہوا' وہ عورت بھی اس عورت کے حوالے کر دو۔ حضرت سارہ' حضرت ہاجرہ (رضی اللہ عنہ) کو لے کر آئیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت نماز میں مصروف تھے۔ جب حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) کو دیکھا' سلام پھیر کر پوچھا کہ کیا حال ہے؟ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ خیر ہے' اللہ تعالیٰ نے ظالم کے ہاتھ کو چھوٹا کر دیا۔ اور ہمیں ایک خادمہ دی ہے۔ جس کا نام ہاجرہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خوش ہوئے۔ اور وہاں سے بھی کوچ کر کے فلسطین کی

marfat.com

Marfat.com

سرزمین میں جو کہ شام کے وسط میں ہے۔ اقامت اختیار فرمائی۔ وہاں کے لوگوں نے آپ کی تشریف آوری کو غنیمت جان کر بہت سی زمینیں بطورِ نذر پیش کیں جن کی پیداوار انہیں ملتی تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس زمین میں بہت فراخی ملی۔ آپ نے بہت سے غلام خریدے اور بہت سی زمینیں آباد فرمائیں اور بے شمار مویشی پالے اور مہمان نوازی اور لنگر خانہ جاری فرمایا۔ اور حضرت لوط علیہ السلام کو رسالت کے طور پر سدوم اور اس ضلع کے دوسرے شہروں کی طرف بھیجا۔

اور اسی اثنا میں حضرت سارہ کو اولاد کے اشتیاق نے غلبہ کیا۔ اور آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ میں ہاجرہ کو آپ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کرتی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے بطن سے کوئی بیٹا پیدا ہو تاکہ ہم اس سے دل بہلائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے مزاج میں غیرت اور رشک غالب ہے ایسا نہ کہ جب اس خادمہ سے کوئی بیٹا پیدا ہو تو تمہیں گراں گزرے اور تم اس پر زیادتی کرو۔ حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) نے اس مدعا پر اصرار کیا حتیٰ کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور حضرت سارہ کی گود میں پرورش پاتے تھے۔ اور حضرت ہاجرہ (رضی اللہ عنہا) آپ کو دودھ دیتی تھیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) کے خوف کی وجہ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف نظر نہیں فرماتے تھے۔ اور اجنبیوں کی طرح رہتے تھے۔ ایک دن جبلتِ بشری کے تقاضا سے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی گود میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تنہائی میں دیکھا' محبت پدری نے غلبہ کیا' اپنی گود میں لے کر چند باراں کے چہرہ کو چوما۔ اچانک حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) کو اس امر پر آگاہی ہوگئی۔ اور ان پر رشک نے غلبہ کیا۔ اور کہا کہ اس بچے کی ماں کو اسی وقت میرے گھر سے لے جائیے۔ اور ایسے صحرا میں جہاں پانی' سایہ اور گھاس نہ ہو' چھوڑ آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جتنا سمجھایا کوئی پیش نہ گئی۔ بارگاہِ خداوندی میں التجا کی۔ حکم ہوا کہ سارہ (رضی اللہ عنہا) کے کہنے کے مطابق عمل کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کو سوار کر کے روانہ ہوئے۔ اور منزل بمنزل تے

marfat.com
Marfat.com

کرتے آرہے تھے۔ یہاں تک کہ اس میدان میں پہنچے جس میں خانہ کعبہ واقع ہے۔ حکم الٰہی پہنچا کہ ان دونوں کو اسی مکان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خانہ کعبہ کے نزدیک ایک درخت کے تنے کے نیچے جو کہ زمزم کے مقام کے قریب تھا' چھوڑ دیا۔ اور اس وقت سرزمینِ مکہ میں کوئی سانس لینے والا موجود نہ تھا۔ اور نہ ہی پانی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کھجور سے پُر ایک تھیلا' چند روٹیاں اور پانی سے بھرا ایک مشکیزہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کے پاس چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ اس بچے کو دودھ پلاؤ اور یہیں رہو۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس ہوئے۔ حضرت اسماعیل کی والدہ آپ کے پیچھے چل رہی تھیں اور عرض کر رہی تھیں کہ آپ کہاں چھوڑ چلے اس صحرا میں جہاں پانی ہے نہ مونس اور نہ ہی سایہ دار مکان؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیٹھ پھیر کر جا رہے تھے۔ اور ان کی بات پر متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ آخر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے عرض کی کہ آیا اس کام کا آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف اتنا کہا کہ ہاں! حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ پھر ہمیں کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔ اور دلجمعی سے واپس اپنے بیٹے کے پاس آگئیں اور دودھ دینا شروع کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب پہاڑ کے ٹیلے سے گزر کر آگے چلے گئے۔ اور معلوم کیا کہ اب مجھے حضرت ہاجرہ (رضی اللہ عنہا) نہیں دیکھ رہیں تو کعبۃ اللہ کی جگہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور یہ چند دعائیں بارگاہِ خداوندی میں عرض کیں۔ **ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتك المحرم ربنا لیقیمو الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم لشکرون**

(ابراہیم آیت ۳۷)

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا جب تک کہ مشک کا پانی موجود تھا۔ اور کھجوریں اور روٹیاں باقی' بچتی کھاتی رہیں۔ اور اپنے بچے کو دودھ پلاتی رہیں۔ جب پانی ختم ہو گیا' پیاس نے آپ پر غلبہ کیا اور آپ کے بیٹے پر بھی۔ یہاں تک کہ بچہ اپنے آپ کو زمین پر مارتا اور لیٹتا

marfat.com

Marfat.com

تھا۔ بچے کی یہ حالت ان سے دیکھی نہ گئی۔ اُٹھیں اور کوہِ صفا کی طرف متوجہ ہوئیں۔ جو کہ اس مقام سے نسبتاً قریب تھا۔ اور اس پہاڑی پر چڑھ گئیں تا کہ دیکھیں کہ اگر انہیں کہیں کوئی آدمی یا جانور نظر آئے تو اس سے پانی کا سراغ لگائیں۔ لیکن اس پہاڑی پر صرف وہیں تک اوپر گئیں جہاں تک بچہ نظر سے اوجھل نہ ہو۔ دائیں بائیں جتنا بھی دیکھا اور نظر دوڑائی' کچھ بھی نظر نہ آیا۔ مایوس ہو کر اس پہاڑی سے اُتر آئیں۔ اور مروہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور میدان میں چلنے کے دوران آپ کے دل میں خیال گزرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس وقت جبکہ میں اپنے بچے سے غائب ہوں' کوئی درندہ آئے اور میرے بچے کو لے جائے اس خیال کی وجہ سے اس میدان کے نشیبی حصہ میں جسے بطن الوادی کہتے ہیں' دوڑنا شروع کر دیا۔ اور اپنا دامن اُٹھا کر شدید دوڑ لگائی۔ یہاں تک کہ میدان کی ڈھلوان سے ہموار زمین پر آ گئیں اور دوڑنا چھوڑ دیا اس لیے کہ وہاں سے ان کے بچے کی جگہ اتنی پوشیدہ نہ تھی۔ اور جب مروہ کے پاس پہنچیں تو اس پہاڑی پر بھی اسی قدر اوپر چڑھ کر دائیں بائیں نظر دوڑائی' کوئی شے نظر نہ آئی پھر صفا کی طرف متوجہ ہوئیں اور میدان کے نشیبی حصہ سے دوڑ کر اور ہموار زمین سے آہستہ چل کر اوپر گئیں اور اسی طرح آپ کو سات (۷) مرتبہ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا آنے جانے کا اتفاق ہوا۔

## صفا مروہ کی سعی اور چشمۂ زمزم کا جاری ہونا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس واقعہ کی روایت کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے تھے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی اسی لیے مقرر ہوئی ہے۔ تا کہ لوگ ان کی بے کسی اور بے چارگی کی حالت کو اور حضرت حق عزوجل کی فریادرسی کو یاد کریں۔ اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں بے چارگی اور بے کسی کی حالت میں پیش کریں۔ تا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ورود ہو۔

قصہ مختصر جب آخری بار مروہ پر پہنچیں تو ان کے کانوں میں ایک آواز پہنچی۔ آپ نے اپنے آپ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اندیشہ چھوڑ اور آواز پر کان لگا۔ اس کے بعد پھر وہی آواز سُنی تو کہا کہ تو نے آواز تو سنا دی' اے کاش تیرے پاس ہمارے کام کا کوئی چارہ ہوتا۔

marfat.com
Marfat.com

یہ کہا اور بھاگتے ہوئے اپنے بچے کے پاس آئیں۔ دیکھا کہ ایک فرشتہ زمزم کی جگہ پر اپنا پر یا ایڑھی مار رہا ہے۔ اور زمین سے پانی جاری ہے۔ آپ نے چاہا کہ اس جاری پانی کو ایک حوض میں جمع کریں اس لیے مٹی کے تودے اُٹھا اُٹھا کر لاتی تھیں اور پانی کے گرد حوض کی طرح بنا رہی تھیں اور اس پانی سے مشکیزہ کو بھر لیا۔ اور ڈرتی تھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ پانی ختم ہو جائے۔ اور ہم پیاسے رہ جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس واقعہ کے ذکر کے بعد فرماتے تھے کہ خدا تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کو معاف فرمائے اگر جلدی نہ کرتیں اور پانی کو اس کی طبیعت پر کھلا چھوڑ دیتیں تو زمزم ایک جاری چشمہ ہوتا۔

قصہ مختصر وہ پانی خود بھی پیا اور اپنے بچے کو بھی پلایا۔ اور اس فرشتے نے انہیں تسلی و تشفی دی اور کہا کہ ڈریں نہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ آپ کو یہاں ضائع نہیں فرمائے گا۔ اس لیے کہ اس جگہ خدا کا گھر ہے۔ جسے یہ بچہ جوان ہو کر اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مل کر تعمیر کرے گا۔ اور حق تعالیٰ یہاں کے رہنے والوں کو بھی ضائع نہیں فرمائے گا اور اس وقت کعبۃ اللہ کی جگہ زمین سے اونچی اور ممتاز تھی ایک ٹیلے کی طرح نمودار تھی' سیلاب آتے تھے۔ اور اس سے دائیں بائیں گزر جاتے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اور حضرت اسماعیل وہاں تنہائی میں وقت گزارتے تھے۔ کہ اتفاقاً قوم جرہم کی ایک جماعت یمن کے گردونواح سے دشت غربت میں آوارہ پھرتے ہوئے وہاں آنکلتی ہے۔ اور وہ لوگ مقامِ کدا کی طرف سے گزر کر مکہ شریف کی نچلی طرف فروکش ہوتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ بہت سے پرندے خانہ کعبہ کے بالمقابل پرواز کر رہے ہیں۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ پرندے وہاں ہوتے ہیں جہاں آبادی اور پانی ہو اور ہم ہمیشہ سفروں میں یہاں سے گزرتے ہیں' ہم نے کبھی یہاں پانی کا نام ونشان نہیں دیکھا۔ انہوں نے اس کام کی تحقیق کے لیے ایک ایلچی بھیجا۔ وہ ایلچی دیکھ کر گیا کہ یہاں غیب سے پانی نکلا ہے۔ اور ایک خاتون اور ایک بچہ اس پانی کے پاس سکونت پذیر ہیں۔ مذکورہ جماعت کے لوگ اس واقعہ کو سن کر یہاں سکونت کی رغبت کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کے پاس آئے اور آپ (رضی اللہ عنہا) سے یہاں رہنے کی اجازت کی درخواست کی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بھی ان کا پڑوس

marfat.com
Marfat.com

اختیار کرنے میں راغب ہوئیں اور چاہا کہ اس تنہائی میں کوئی مونس مہیا ہو۔ انہیں سکونت کی اجازت دے دی لیکن اس شرط پر کہ پانی میں ان کا کوئی حق ملکیت نہیں ہوگا۔ انہوں نے یہ شرط قبول کر کے اس جگہ سکونت اختیار کی اور اپنے اہل و عیال اور دوستوں کو بھی بُلا کر چند گھر آباد کر لیے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان سے عربی زبان سیکھ کر نہایت ذہین' قابل' تیز فہم اور جوان ہوئے۔ یہاں تک کہ اس جماعت جرہم کے سرداروں نے کمال آرزو کے ساتھ اپنی بچی کا نکاح آپ سے کر دیا اس دوران حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ وفات پا گئیں۔ اتفاقاً جب حضرت اسماعیل علیہ السلام چودہ (۱۴) سال کے ہوئے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک صاحبزادہ پیدا ہوا جو کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اس بیٹے کی پرورش میں مصروف ہو گئیں اور ان کا رشک کم ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے اجازت چاہی تا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھ آئیں۔ انہوں نے اس شرط پر اجازت دی کہ گھوڑے سے نیچے نہ اُتریں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر میں رات نہ گزاریں اور زیادہ دیر نہ ٹھہریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی شرط پر روانہ ہوئے جب یہاں پہنچے تو پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بیٹا جوان ہو کر خانہ دار ہو گیا ہے۔ اور اس کی والدہ وفات پا چکی ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر کا پوچھ کر آپ ان کے دروازہ پر تشریف لائے۔ اتفاقاً حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت شکار کے لیے جنگل کی طرف گئے ہوئے تھے۔ اور ان کی گزر بسر یہی تھی کہ تیر اور کمان کے ساتھ حلال جانوروں کا شکار کر کے لاتے تھے۔ اور آبِ زمزم میں پکا کر کھاتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں صرف اسی پر قناعت دے دیتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہ دیکھا تو ان کی اہلیہ کو دروازہ پر بُلا کر پوچھا کہ تیرا شوہر کہاں گیا ہے۔ اور کب واپس آئے گا؟ اس نے عرض کی کہ روزی کی تلاش کے لیے جنگل کی طرف گئے ہیں۔ اور شام تک آ جائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ اگر میں شام تک یہاں ٹھہروں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام آ جائیں گے' وہ مجھے بالکل نہیں چھوڑیں گے۔ اور ان کے گھر میں مجھے رات بسر کرنا ہو گی تو

marfat.com
Marfat.com

شرط اور وعدہ کی خلاف ورزی لازم آئے گی اور مقصد احوال پُرسی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ان کی اہلیہ سے احوال پوچھ کو لوٹ جاؤں۔ گھوڑے پر سوار ہو کر دروازے پر کھڑے کھڑے ان کی اہلیہ سے احوال پُرسی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ان کی گزر بسر کے متعلق پوچھا۔ اس عورت نے کہا کہ ہماری روزی کا حال تباہ اور خراب ہے۔ اور بہت تنگی اور تکلیف سے گزارہ ہوتا ہے۔ اور بہت شکایتیں کیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سُن کر فرمایا کہ جب تیرا شوہر آئے تو میری طرف سے اسے سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازے کی دہلیز کی لکڑی کو تبدیل کریں کہ یہ دہلیز ان کے لائق نہیں ہے' یہ فرما کر واپس ہوئے۔

شام کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام آتے ہیں' انہیں نبوت کے کچھ انوار اور برکات محسوس ہوتی ہیں۔ اپنی بیوی سے پوچھا یہاں کوئی آیا تھا؟ اس نے کہا ہاں ایک بزرگ آدمی گھوڑ سوار جن کی صورت اس طرح کی تھی۔ اور ان کا رنگ اس طرح کا تھا۔ اس دروازے پر کھڑے ہو کر انہوں نے مجھے بُلا کر آپ کے حالات پوچھے۔ آپ نے اپنے دل میں جان لیا کہ یہ بزرگ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اس لیے کہ آپ نے اپنی والدہ سے آنجناب کا حلیہ اور شمائل سُن رکھے تھے۔

قصہ مختصر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے تمام ماجرا بیان کیا اور کہا کہ آپ نے مجھ سے روزی کے متعلق پوچھا تھا' میں نے کہا کہ ہم بہت غربت اور تنگی میں گرفتار ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر بزرگ کیا فرما گئے ہیں۔ بیوی نے کہا کہ یہی فرما گئے ہیں کہ اپنے شوہر کو میری طرف سے سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے گھر کی دہلیز کو تبدیل کر دے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بزرگ میرے والد بزرگوار تھے' مجھے فرما گئے ہیں کہ تجھے اپنے سے جدا کر دوں' جا اپنے باپ کے گھر میں رہ اور میرے ساتھ تیرا کوئی تعلق نہیں۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس عورت کو جدا کر دیا تو جرہم کے قبیلے سے ایک اور شخص نے اپنی بیٹی کا آپ (علیہ السلام) سے نکاح کر دیا۔ اور وہ آپ (علیہ السلام) کے گھر میں آباد رہی۔ یہاں تک کہ مدت دراز کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھنے کے لیے پھر اجازت

marfat.com

Marfat.com

چاہی۔ اور فرمایا کہ پہلی دفعہ میری اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اور میرے دل نے تسلی نہیں پائی تھی۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے پھر اسی شرط کے ساتھ اجازت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھنے کے لیے پھر روانہ ہوئے۔ اور جب ان کے گھر پہنچے تو انہیں نہ پایا۔ پوچھا کہ اسماعیل کہاں ہیں؟ ان کی نئی بیوی نے دروازے پر آ کر عرض کی کہ مرحبا! یا حضرت تشریف لائیں اور آرام فرمائیں اور یہ حکم دیں کہ میں سر مبارک کو دھو ڈالوں کیونکہ راہ کی دھول سے بہت آلودہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا مجھے اُترنے کا حکم نہیں ہے۔ وہ خاتون ایک بڑا پتھر لا کر اور آپ (علیہ السلام) کی رکاب کے قریب رکھ کر اس پتھر پر کھڑی ہو گئی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے پاؤں مبارک کو اس پتھر پر زور دے کر رکھ کر اپنا سر جھکا دیا اس عورت نے آپ (علیہ السلام) کے سر مبارک کو خوب دھویا' صاف کیا اور کنگھی کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دوران اس خاتون سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے احوال پوچھے۔ اس نے آپ (علیہ السلام) کے اخلاق و عادات کا شکریہ ادا کیا۔ یہاں تک کہ بات گزر بسر پر پہنچ گئی۔ اس خاتون نے حق تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا اور کہا کہ الحمد اللہ! ہم بہت وسیع اور فراخ روزی کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کسی مخلوق کا محتاج نہیں فرمایا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جنگل کے شکار سے گوشت لاتے ہیں۔ اور زمزم کا پانی ہمارے پاس موجود ہے۔ اس گوشت اور اس پانی سے گزر بسر اچھی ہو رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور فرمایا کہ حق تعالیٰ انہیں گوشت اور پانی میں برکت عطا فرمائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپ کی دعا کی خصوصیت یہ ہوئی کہ جو کوئی مکہ معظمہ میں گوشت اور پانی پر اکتفاء کرے اُسے زرعی اجناس اور غلوں کی ضرورت نہیں رہتی اور اس کی قوت برقرار رہتی ہے۔ جبکہ دوسرے شہروں میں یہ خاصیت نہیں ہے۔

قصہ مختصر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر رات ٹھہرنے کے خوف سے زیادہ توقف نہ فرمایا۔ اور لوٹنے کا ارادہ فرمایا۔ اس خاتون سے فرمایا کہ جب تمہارا شوہر آئے تو انہیں

marfat.com
Marfat.com

میری طرف سے سلام پہنچانا اور کہنا کہ دروازہ کی یہ دہلیز بہت اچھی ہے اسے غنیمت جانیں اور اس کی پوری نگہبانی کریں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جو کہ شام کے وقت آتے ہیں۔ پھر انہیں انوار و برکات محسوس ہوتے ہیں' اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ کیا آج یہاں کوئی صاحب آئے تھے؟ آپ کی اہلیہ نے کہا ہاں اس طرح کے ایک بزرگ تشریف لائے تھے' میں نے ان کا سر مبارک دھویا اور تواضع کی لیکن آپ گھوڑے کی پشت سے نیچے نہیں آئے اور فرمایا کہ مجھے اُترنے کا حکم نہیں ہے۔ اور آپ نے ہمارے احوال اور ہماری گزر بسر کے متعلق بہت کچھ پوچھا اور ہمارے لیے دعائے خیر کر کے تشریف لے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا آپ نے اور کیا فرمایا؟ اہلیہ نے عرض کی کہ یہ فرمایا کہ اپنے شوہر کو میرا سلام دینا اور کہنا کہ اپنے دروازہ کی دہلیز کو غنیمت جان کر پوری نگہبانی کریں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بزرگ میرے والد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ اور تیرے حق میں سفارش فرما گئے ہیں' میرے گھر کے دروازہ کی دہلیز تو ہے۔ چاہیے کہ میں تجھے حسن سلوک سے رکھوں جب اس واقعہ پر بھی ایک مدت گزر گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھنے کا شوق پھر غالب ہوا۔ حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا کہ میں اسماعیل کو دیکھنے کے لیے دوبار گیا ہوں لیکن ملاقات نہ ہوئی۔ اگر اجازت ہو تو اسے دیکھ آؤں اور چند دن اس کے پاس ٹھہروں تا کہ میرے دل کو تسلی ہو۔ حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) نے بخوشی اجازت دے دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام روانہ ہو کر وہاں پہنچے۔

دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھے تیروں کو درست کر رہے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دیکھتے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہچان لیا' بے اختیار اُٹھے اور ایک دوسرے سے معانقہ فرمایا۔ اور جو کچھ سعادت مند بیٹے کو اپنے عالی مرتبت باپ کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے تھا کیا اور معمر بن راشد یمنی اس واقعہ کے ذکر میں فرماتے تھے کہ میں نے ایک شخص کو یہ ذکر کرتے سنا انهما بكيا حين التقيا حتى اجابهما الطير یعنی یہ دونوں بزرگ جب ملے تو اس قدر روئے اور ان کی

marfat.com
Marfat.com

آوازیں اس قدر بلند ہوئیں کہ ہوا میں اُڑنے والے جانوروں نے بھی گریہ اور آہ وزاری شروع کردی۔

ملاقات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ مجھے حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہاں خدا تعالیٰ کے لیے ایک گھر بناؤں۔ اور یہ کام میں اپنے ہاتھوں سے کروں گا اگر تو میری امداد کرے تو بہتر ہوگا۔ کیونکہ تیرا کام کرنا گویا میرا کام کرنا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کی کہ کہاں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس بہت بڑے اونچے ٹیلے پر۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ کا حکم اور خدا تعالیٰ کا حکم دونوں سر آنکھوں پر۔ میں اس کام میں آپ کی مدد ضرور کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذوالقعدہ کی پہلی تاریخ کو خانہ کعبہ کی تعمیر شروع فرمائی اور اس مہینے کی پچیس (۲۵) تاریخ کو یہ تعمیر مکمل ہوئی۔ اور اس دوران حضرت اسماعیل علیہ السلام پہاڑوں سے پتھر اُٹھا کر لاتے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر فرمارہے تھے۔

حاکم نے طریق صحیح کے ساتھ اور بیہقی نے دلائل النبوہ میں حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت بیان کی کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ مجھے خانہ کعبہ کے متعلق بتائیے کہ کیا یہ پہلا گھر ہے۔ جو کہ زمین میں بنایا گیا؟ آپ نے فرمایا مسئلہ یوں نہیں ہے اس گھر کی تعمیر سے پہلے بہت سے گھر تھے۔ اور لوگ اپنی رہائش کے لیے بناتے تھے۔ یہ گھر وہ پہلا گھر ہے۔ جو کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کے لیے زمین میں مقرر ہوا۔ اور اس پر برکت اور نور ڈالا گیا۔ پھر آپ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کا واقعہ شروع فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دربار خداوندی سے حکم ہوا کہ اس گھر کی تعمیر کریں' آپ اس جگہ کی تعیین نہیں جانتے تھے۔ اور متردد تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے اس کی تعمیر میں کمی بیشی ہو جائے۔ حق تعالیٰ نے سکینہ کو ایک پیچیدہ اور گرہ لگی ہوا کی صورت میں بھیجا۔ ہوا کے اس قطعہ کے دو سر تھے۔ اس ہوا نے بادل کی طرح خانہ کعبہ کی زمین پر سایہ ڈالا اور ڈھال کی طرح ہوا میں لٹکتی کھڑی رہی اس کے بعد از اں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ سکینہ کے سایہ کے اندازے کے مطابق زمین کعبہ کو معین کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ

marfat.com
Marfat.com

السلام نے اس کے مطابق تعمیر فرمائی۔

## نصب حجر اسود کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد مدت دراز تک وہ عمارت قائم رہی۔ یہاں تک کہ سیلابوں کی وجہ سے منہدم ہوگئی۔ اور عمالقہ نے اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انداز میں تعمیر کیا پھر وہ عمارت منہدم ہوگئی۔ اور فرقۂ جرہم نے اسے بنایا یہ پھر منہدم ہوگئی۔ اور قریش نے اسے تعمیر کیا۔ اور جس وقت قریش اسے بنا رہے تھے۔ جب حجر اسود نصب کرنے کی باری آئی تو آپس میں اختلاف اور جھگڑا شروع کر دیا۔ قریش کے فرقوں میں سے ہر فرقہ چاہتا تھا کہ اس پتھر کو ہم اپنے ہاتھ سے رکھیں اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے یہ طے پایا کہ مسجد میں جو سب سے پہلے آئے اسے منصف قرار دیں اور اس کے حکم کے مطابق عمل کریں۔ اچانک سب سے پہلے جس نے مسجد میں قدم رکھا' وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ جو کہ باب بنی شیبہ میں سے داخل ہوئے۔ انہوں نے اپنی قرارداد کے مطابق آپ کو منصف بنالیا۔ آپ نے فرمایا کہ چادر لاؤ اس چادر کو پھیلایا گیا اور آپ نے اپنے دستِ مقدس کے ساتھ حجر اسود کو چادر کے درمیان رکھ دیا اس کے بعد قریش کے فرقوں میں سے ہر فرقہ کے سرداروں سے فرمایا کہ چادر کے ایک ایک گوشہ کو پکڑ کر اُٹھائیں جب وہ چادر حجر اسود کی جگہ کے مقابل پہنچ گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پتھر کو اپنے دست مبارک کے ساتھ اُٹھا کر اس کی جگہ رکھ کر دوسرے پتھروں کے ساتھ ملا دیا۔

## بیت اللہ شریف کا رقبہ

اور ارزقی نے ابن اسحاق سے روایت کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف بنایا اور اس کی بلندی آسمان کی طرف نو (۹) گز اور اس کا زمین میں رُکن ا-دو سے رُکن شامی تک جو کہ حطیم کے پاس اس کے سامنے ہے' عرض بتیس (۳۲) گز کیا اور رُکن شامی سے رُکن غربی تک جس میں حطیم ہے' (۲۲) گز عرض کیا' رُکن غربی سے رُکن یمانی تک اکتیس (۳۱) گز اور رُکن یمانی سے رُکن اسود تک کا عرض بیس (۲۰) گز کیا۔ فرمایا کہ اسی

marfat.com
Marfat.com

لیے اس کا نام کعبہ رکھا گیا۔ کیونکہ یہ مربع کی شکل میں ہے۔ فرمایا۔ اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی بنیاد تھی۔ اور اس دروازہ کو زمین کے ساتھ بنایا گیا جسے کواڑ نہیں لگائے تھے۔ یہاں تک کہ تبع بن سعد الحمیری آیا اور اس نے اسے کواڑ لگائے۔ اور فارسی دروازہ لگایا اور اسے پورا غلاف چڑھایا اور اس کے نزدیک قربانی کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کے پہلو میں حجر کو ایک چھپر بنایا جو کہ پیلو کے درخت سے بنایا گیا جس میں بکریاں داخل ہوتی تھیں تو یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بکریوں کا گیٹ تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کے اندر داخل ہونے والے کے دائیں ہاتھ ایک گڑھا بنایا جو کہ اس گھر کا خزانہ ہو اور اس میں کعبہ شریف کے ہدیے ڈالے جائیں۔ اور جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو غرق فرمادیا تو حجر اسود کو جبل ابوقبیس میں بطور امانت رکھ دیا گیا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خلیل کو میرا گھر بناتے ہوئے دیکھا تو اسے نکالا۔ حضرت جبریل علیہ السلام اسے لائے۔ اور اس مقام پر رکھ دیا۔ اور اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر فرمائی اور وہ اس وقت اس کی سفیدی کے نور سے جگمگاتا تھا۔ اور اس کا نور ہر طرف سے حرم کے نشانات تک چمکتا تھا۔

اور صحیح بخاری اور دوسری معتبر صحاح میں مروی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خانہ کعبہ کے پاس لے گئے۔ اور فرمایا کہ دیکھو تمہاری قوم قریش نے بنائے کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے کعبہ کو مختصر کر دیا۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب آپ اسے پورا فرمادیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تمہاری قوم تازہ تازہ اسلام میں داخل ہوئی ہے۔ اگر میں خانہ کعبہ کو شہید کروں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر پورا کروں تو طعن وتشنیع کریں گے۔ اور کہیں گے کہ اس شخص نے اپنی طرف سے دوسری زمین کا کعبہ میں اضافہ کردیا اگر یہ خوف نہ ہوتا تو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر ضرور پورا کرتا۔ اور میں اس کے دروازے کو زمین کے ساتھ ملا دیتا۔ اور اس گھر کو دو دروازوں والا بنادیتا' ایک مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف۔

marfat.com
Marfat.com

یہاں جاننا چاہیے کہ خانہ کعبہ کے چار گوشے ہیں۔ دو گوشوں کو یمانی کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک حجر اسود کا گوشہ ہے۔ جو کہ مشرق کی طرف واقع ہے۔ اور ان میں سے ایک کنج یمانی یعنی رُکن یمانی کہتے ہیں جو کہ مغرب کی طرف واقع ہے۔ اور دو گوشوں کو رُکن شامی کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک کا لقب جو کہ مشرق کی طرف ہے' رُکن عراقی ہے۔ اور دوسرا جو کہ مغرب کی طرف ہے' رُکن غربی کے نام سے مشہور ہے۔ بس قریشیوں نے بنائے کعبہ کے وقت دونوں شامی رُکنوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے چھوٹا کر دیا۔ اور کعبہ شریف کی کچھ زمین کو باہر چھوڑ دیا۔ اور اس زمین کر حجر اسود میں داخل کر دیا۔ اور وہ دیوار جو کہ حجر اسود کے گوشے سے رُکن عراقی تک ہے اس کے نشانات کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشانات کے اندازے سے کم کر دیا اسی وجہ سے اس طرف بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد سے کچھ حصہ چبوترے کی طرح زمین سے اونچا رہا اور اسے کعبہ کا سائبان کہتے ہیں۔

اور جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی حکومت کے دور میں خانہ کعبہ کو شہید کر کے بنایا تو اس کے مطابق جو کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ذہن شریف میں قرار دیا تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس کا اظہار بھی فرمایا تھا' عمل کیا۔ لیکن حجاج نے غلبہ پانے کے بعد پھر دور جاہلیت کی صورت پر لوٹا دیا۔ اور تواریخ میں مذکور ہے کہ ہارون رشید نے اپنے دور سلطنت میں حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے فتویٰ پوچھا تھا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں خانہ کعبہ کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے طریقے پر بنا دوں جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش کے مطابق تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس کے مطابق عمل کرنا حضور علیہ السلام کی مرضی کی پیروی ہے۔ لیکن کعبہ کو بار بار منہدم کرنا اور اس کی تعمیر میں تبدیلیاں لانا مصلحت نہیں۔ اس لیے کہ اس صورت میں کعبہ کی تعمیر بادشاہوں کا کھیل بن جائے گا۔ ہر بادشاہ اسے اپنے مخصوص طریقے پر بنانے کو رسوم شاہی جان کر اس پر اقدام تمائی کرے گا۔ اور بہت بڑی خرابی رونما ہوگی۔ اور جہاں مصلحت اور خرابی ایک دوسرے کے مقابل ہوں وہاں خرابی دُور کرنے کی رعایت کو پہلے رکھا جانا

marfat.com
Marfat.com

چاہیے۔ اور مصلحت سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ قواعد کے لفظ کی تفسیر میں لوگوں کو ایک حیرت لاحق ہے۔ اکثر مفسرین نے قاعدہ کی تفسیر اساس اور بنیاد کے ساتھ کی ہے۔ اور اس صورت میں قواعد کو اونچا کرنا سمجھ نہیں آتا۔ اس لیے کہ بنانے والا اساس اور بنیاد کو اس کی جگہ سے بلند نہیں کرتا بلکہ اس پر دیوار کی چنائی کرتا ہے مگر یہ کہ روایات کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا جائے۔ اور کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زمین کی تہ سے بھی اس گھر کی بنیاد اُٹھا کر سطح زمین تک بلند کی ہے یا کہا جائے کہ بنیادوں کو بلند کرنے کے مجازی معنی یہی ہیں کہ ان پر دیوار بنائی جائے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قواعد سے مراد پتھر اور اینٹ کی قطاریں ہیں۔ اس لیے کہ ہر نچلی قطار اوپر کی قطار کے لیے بنیاد کی طرح ہے۔ اور اسی لیے لغتِ عرب میں ان قطاروں کو ساقات البنا کہتے ہیں۔ اور لغتِ ہندی میں ردہ کہتے ہیں۔ اور اگر چہ ان قطاروں کو ان کی جگہوں سے حقیقتاً اُٹھانا متصور نہیں ہے۔ لیکن بنیاد کی نسبت سے سب کے لیے حقیقی اٹھانا واقع ہے۔ اور سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ قواعد سے مراد دیواریں ہیں۔ اس لیے کہ قاعدہ کا لفظ لغتِ عرب میں زیادہ تر ستون کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور دیواریں چھت کے لیے بمنزلہ ستون ہوتی ہیں۔ خصوصاً جب ان دیواروں کے درمیان کوئی دروازہ بھی کھول دیں کہ اس صورت میں ستونوں کے ساتھ پوری مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ عبارت کی ظاہری صورت اس طرح تھی کہ فرمایا جاتا واذیرفع ابراھیم قواعدالبیت اس عبارت میں کہ القواعد من البیت ہے' بلاغت کی کیا باریکی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر لفظ من بیان کے لیے ہے تو اس عبارت کا مدلول ابہام کے بعد بیان کرنا ہوا۔ اس لیے کہ اس کلام کے معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیواروں کو اونچا کر رہے تھے۔ اور وہ دیواریں خانہ کعبہ کی دیواریں تھیں۔ تو اس ادا سے خانہ کعبہ کی شان کی تعظیم نکلتی ہے۔ جو کہ قَوَاعِدَ الْبَیْتِ کی عبارت سے نہیں نکلتی تھی۔ اور اگر لفظ من تبعیض کے لیے ہے تو اس عبارت کو لانا یہ جتلانے کے لیے ہے کہ

marfat.com
Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پورے گھر کو اس کی بنیاد سے نہیں بنایا بلکہ اس کے اجزا اور بعض حصوں کو بنایا صرف دیواریں بلند کیں' جبکہ اس کی بنیاد تو پہلے ہی سے موجود تھی۔ اور اسی اعتبار سے اس سے پہلے اس گھر کی تعمیر بھی مقرر ہو چکی تھی۔ جیسا کہ روایات کے مطابق گزرا اور قواعد البیت کی عبارت سے یہ فائدہ ظاہر نہیں ہوتا ہے۔

چوتھا فائدہ یہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کلام پورا کرنے کے بعد کیوں لایا گیا اور کلام کے درمیان میں درج کیوں نہ فرمایا تاکہ عبارت یوں ہوتی کہ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ وَاِسْمَاعِیْلُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس گھر کی تعمیر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شراکت برابر کی نہ تھی بلکہ دو وجہ سے تابع کی اپنے متبوع کے ساتھ اور خادم کی مخدوم کے ساتھ شراکت تھی۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کو بنانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اصالتاً مامور تھے بخلاف حضرت اسماعیل علیہ السلام کے۔ ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مامور فرمایا تھا۔ اور خود امر فرمانے والے تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ بلند کرنے کا عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وقوع پذیر ہوا نہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے۔ اس لیے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مزدور کی طرح پتھر لاتے تھے۔ اور عرف میں تعمیر یا حکم دینے والے کی طرف منسوب کرتے ہیں یا اس کی طرف جو خود تعمیر کر رہا ہے۔ مثلاً لوگ کہتے کہ یہ قلعہ فلاں بادشاہ نے بنایا ہے یا یہ دیوار فلاں معمار اور مستری نے بنائی ہے۔ اور تعمیر کی نسبت مزدور کی طرف کرنا رائج نہیں۔ اس فرق کے اظہار کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذکر کو دورانِ کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ درج نہ فرمایا تاکہ برابری کی شرکت نہ سمجھی جائے۔ ہاں دعا میں دونوں کی شرکت برابری کی تھی کیونکہ دونوں اپنی کوشش اور محنت کی قبولیت کے یکساں آرزومند تھے۔ اور اپنی اولاد کے لیے عنایاتِ ربانی کے طالب اور اسی لیے دعا کی حکایات میں متکلم مع الغیر کا صیغہ تابعیت و متبوعیت کا فرق ظاہر کیے بغیر ارشاد فرمایا گیا۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ قبولیت عمل کی دعا سے جو ان دونوں بزرگوں سے صادر ہوئی'

marfat.com

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایسے فعل پر جو کہ اخلاص اور قبولیت کی دوسری شرائط کے ساتھ مزین ہو' ثواب کا مرتب ہونا اور اس کے ساتھ رضائے خداوندی کا متعلق ہونا واجب اور لازم نہیں ہے ورنہ اپنی نیت کے اخلاص کو جاننے کے باوجود قبولیت کی طلب کا کوئی فائدہ نہ تھا اور اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ اور معتزلہ کی جماعت جنہوں نے اس صورت میں قبولیت کو باری تعالیٰ کے ذمہ واجب جانا ہے' وہ اس دعا اور طلب کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ اس عمل کو قبول کرنے کی طلب میں ان دونوں بزرگوں کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے اخلاص سے معمور اور شرائط قبولیت کے جامع افعال کے زمرے میں سے کردے بلکہ قبول کرنے کی طلب' عمل کو اس طرح صحیح کرنے کی طلب سے کنایہ ہے کہ جس سے عمل مقبول ہو اور نتیجتاً ثواب حاصل ہو۔ لیکن عقل مند پر پوشیدہ نہیں ہے کہ معتزلہ کے قانون کے مطابق جو کہ بندوں کے اعمال کو بندوں کی مخلوق اور ان کے اختیار کے ساتھ وابستہ مانتے ہیں' عمل کو صحیح کرنا اور اسے قبولیت کے لائق بنانا ان کا اپنا کام تھا۔ اور ان کے اپنے ہاتھ میں تھا اسے بارگاہِ خداوندی سے مانگنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

اور ہر صورت میں ان دونوں بزرگوں نے جب نبوت کی سچی فراست کے ساتھ جان لیا کہ جس وقت حق تعالیٰ نے اپنے لیے گھر بنانے کا حکم فرمایا ہے تو اس مناسبت سے اس جہان میں کوئی اور رنگ ظہور پذیر ہوگا۔ اور عبادت کے لیے کوئی نیا انداز جو کہ صورت پرستی اور عشق مجازی کے مشابہ ہوگا' مقرر ہوگا۔ اور اس وسیلہ سے باطنی معنی کو صورت ظاہری کا لباس پہنائیں گے۔ اور لوگ ملائکہ کی طرح معائنہ اور مشاہدہ کا حکم حاصل کریں گے۔ اور اس نئے انداز کے اکثر احکام جن کے معنی عقل سے وراء ہوں گے' دربارِ خداوندی سے پہنچیں گے۔ اور ان احکام کے اسرار اور حکمتیں بشری عقل کی ظاہری نظر میں جلوہ گر نہیں ہوں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان اسرار اور حکمتوں پر آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے یا صورت پرستوں کے افعال کی مشابہت کے پیش نظر ان احکام کی تعمیل میں ہم سے اور ہماری اولاد سے کوئی کوتاہی یا توقف رونما ہو اور دعا بارگاہِ خداوندی میں پیش کی اور یوں عرض کی۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ اے ہمارے پروردگار! اور ہم دونوں کو اپنے احکام مطیع

marfat.com
Marfat.com

فرماتا کہ وہ جس رنگ اور جس انداز میں آئیں ہم انہیں قبول کریں۔ اور ان کے اسرار طلب نہ کریں۔ نیز اس گھر کے حج میں ہم تیری عبادت اور بندگی کا قصد کریں نہ کہ اس گھر کی عبادت کا۔ نیز کردے وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ہم دونوں کی اولاد سے ایک جماعت جو تیرے احکام کی مطیع ہوتا کہ مناسک حج کی ادائیگی میں کوئی سستی اور کاہلی نہ کریں جن میں زیادہ تر اپنی آبروریزی اور مجنونانہ اور بے تابانہ انداز اختیار کرنے کو ضمن میں لیے ہوئے ہیں۔ اور وقار و عزت کے منافی اور اپنی وضع اور خودداری کی حفاظت سے دور ہیں۔ جیسا کہ ننگے سر اور ننگے بند ہونا' خوشبو ترک کرنا' اونچی جگہ پر تند و تیز انداز میں تلبیہ کے نعرے لگانا' اپنے آپ کو شیفتہ و شیدا ظاہر کرنا' چند پتھروں اور لکڑیوں کے گرد گھومنا' کسی پتھر کو بوسہ دینا' سبب ظاہری کے بغیر کبھی بھاگنا کبھی چلنا کبھی کھڑے ہونا' کسی دشمن کا مشاہدہ کیے بغیر صرف آنکھوں سے اوجھل دشمن کے تصور پر کنکریاں پھینکنا اور بغیر کسی قصور کے ایک جان دار کو بے جان کرنا ہے۔ اور وقار اور عزت کے پابند نہ ہوں اور ان کی زبانِ حال پر یہ ترانہ جاری ہو

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں
خاک برفرق قناعت بعد ازیں

یعنی اگر سلطان دین مجھ سے طمع چاہیں تو اس کے بعد قناعت کے سر پر خاک ہو اور جب احکام کی اطاعت اور وہ عبادتیں جو کہ اس گھر سے وابستہ ہیں' ان احکام کو پہچانے بغیر ممکن نہیں۔ پس پہلے ہمیں اور ہمارے واسطے سے ہماری اولاد کو ان احکام کی معرفت نصیب فرما۔

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا اور ہمیں ہماری عبادتوں کے مقامات دکھا جو کہ اس گھر سے متعلق ہیں۔ اور ان عبادتوں کا وقت اور ان کی کیفیات اور وہ اسرار جو کہ اس کے ضمن میں پوشیدہ ہیں۔ گویا ہمیں وہ ساری چیزیں آنکھوں سے نظر آجائیں تاکہ ہم اس کے مطابق عمل کریں۔ اور اپنی اولاد کو بھی اس کا حکم دیں۔

## صورت حج اور اس کے ارکان کا بیان

اور تفسیر ابن جریر اور محدثین کی دوسری کتابوں میں متعدد طریقوں سے حضرت

marfat.com
Marfat.com

امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں یہ دعا پیش کی تو حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ حج کی صورت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے ظاہر کریں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کرایا اور احرام سے لے کر سر منڈانے تک حج کے جو ارکان' سنتیں اور اس کے مستحبات بجالانا چاہئیں' آپ کو سب کا پتہ دیا۔ پہلے احرام' اس کے بعد طواف قدوم' اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا' اس کے بعد ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو منیٰ میں مقام کرنا' اس کے بعد اس ماہ کی نویں تاریخ کو میدانِ عرفات میں کھڑے ہونا اور تلبیہ کہنا' اس کے بعد مزدلفہ میں لوٹنا اور رات گزارنا اور دسویں دن کی صبح کے وقت وقوف کرنا' اس کے بعد منیٰ میں لوٹنا اور قربانی کے لئے ذبح اور نحر اور سر کے بال کاٹ کر احرام سے باہر آنا اور اس کے بعد لباس پہن کر طواف زیارت کے لیے جانا اور اسی اثنا میں جمرہ عقبیٰ کے نزدیک جو کہ منیٰ کی حد میں ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے شیطان رونما ہوا۔ اور اس نے راستہ روکا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی طرف سات (۷) سنگ ریزے تکبیر کہتے ہوئے پھینکیں تا کہ دُور ہو۔ اور دوسرے' تیسرے اور چوتھے دن تینوں جمرات میں شیطان ظاہر ہوا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو تینوں مقامات پر پھر شیطان پر پتھر پھینکنے کا حکم دیا۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی اس حج میں شریک تھے۔ اور اس واقعہ کو بیہقی شعب الایمان میں بھی لائے ہیں۔

اور سعید بن منصور نے امام مجاہد سے نقل کیا کہ حج ابراہیم واسماعیل وہما ماشیان۔ کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علی نبینا وعلیہما السلام نے پیدل چل کر حج کیا۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حج سے فارغ ہوئے تو انہیں بارگاہِ خداوندی سے حکم ہوا کہ روئے زمین کے لوگوں میں حج کا اعلان کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ بارخدایا! میری آواز کس کے کان میں پہنچے گی لوگ تو جہان کی اطراف میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حکم ہوا کہ آواز دینا آپ کے ذمہ ہے۔ اور اس آواز کو پہنچانا ہمارا کام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو گئے جو کہ مقامِ ابراہیم کے نام سے مشہور ہے۔ اور آپ نے کعبۃ اللہ کی

marfat.com
Marfat.com

تعمیر بھی اسی پتھر پر کھڑے ہو کر کی تھی۔ اور وہ پتھر اتنا بلند ہوا کہ جبل ابوقبیس اور دوسرے اونچے پہاڑوں سے بھی اونچا ہو گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلند آواز سے تین مرتبہ فرمایا کہ اے لوگو! تمہارے خدا نے اپنے لیے زمین میں ایک گھر بنایا ہے۔ اور وہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اس کے گھر کے حج کے لیے آؤ خواہ سوار خواہ پیدل۔ اللہ تعالیٰ نے اس آواز کو تمام جہان والوں کے کانوں میں پہنچا دیا جو کہ موجود تھے۔ اور ان ارواح کے کانوں میں جو کہ ماؤں کے شکموں میں یا باپوں کی پشتوں میں تھیں' بھی پہنچا دی۔ کسی نے ایک بار لبیک کہا' کسی نے دو بار اور کسی نے اس سے زیادہ بار کہا اور کسی نے جواب نہ دیا۔ اور جس نے جواب نہ دیا اسے حج خانہ کعبہ میسر نہیں ہوتا۔ اور جس نے ایک بار کہا' ایک بار حج کرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اور ارزقی نے اپنی تاریخ میں اسے امام مجاہد سے اسی طرح روایت فرمایا۔ اور جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما السلام نے سوچا کہ اس گھر کے مناسک احرام سے لے کر سر منڈانے تک بے شمار مشکل اور طویل المدت افعال پر مشتمل ہوں گے۔ اور ان افعال میں مصروفیت کے دوران لازماً کوئی سہو یا کوتاہی رونما ہو گی تو ایک اور دعا پیش کی اور عرض کی۔

وَتُبْ عَلَيْنَا اور ہم پر رحمت سے توجہ فرما۔ اگر اس گھر کے مناسک میں ہم سے اور ہماری اولاد سے کوئی کوتاہی واقع ہو۔ اور اس کوتاہی کے کفارے سے بھی ہمیں آگاہ فرما تا کہ ہم اس کا تدارک کریں۔ مثلاً اگر حالتِ احرام میں سِلا ہوا کپڑا پہنیں یا ناخن کاٹ لیں یا خوشبو استعمال کر لیں یا سر کے بال تراش لیں یا شکار کر لیں تو کیا کرنا چاہیے۔ اور اگر صفا و مروہ کے درمیان سعی بھول جائیں یا اس گھر کا طواف طہارت کے بغیر کریں تو کیا کرنا چاہیے تا کہ ان کوتاہیوں کے بوجھ سے خلاصی پائیں۔

إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ تحقیق تو ہی اپنے گنہگار بندوں پر بار بار رحمت سے توجہ فرمانے والا اُرحم فرمانے والا ہے۔ اور ان کی اس دعا سے مسلمانوں اور ان کی اولادوں کے لیے مناسک میں غلطی جیسے احرام میں جنایات وغیرہ کے تدارک کا طریقہ از روئے شرع بیان کیا گیا جیسا کہ کتب فقہ میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اور اس صورت میں

marfat.com
Marfat.com

بھی ان کا کچھ حصہ دوسرے پارے میں ذکر کیا جائے گا' انشاء اللہ العزیز۔

## چند بحثیں

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں۔ اہل تفسیر جن کے درپے ہوتے ہیں اگر چہ ان بحثوں کا حل عین تفسیر کے دوران گزر چکا ہے۔ پہلی بحث یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی سے درخواست کی ہے کہ ہم دونوں کو مسلمان بنا حالانکہ اس وقت ان دونوں کی مسلمانی یقین کے ساتھ ثابت تھی۔ پس اس سے تحصیل حاصل لازم آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسلام سے مراد مسلمانی کا دین اور اس کا اعتقاد ہے تو ان کا اس دعا سے مقصد اپنے لیے اس دین اور اعتقاد پر ثابت قدمی اور استقامت ہے۔ اور اکثر اوقات عرف میں شے کی ہمیشگی کو اس شے کے لفظ کے ساتھ طلب کرتے ہیں۔ اور اگر اسلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپی گئی ذمہ داریوں کی پوری اطاعت' یقین کامل' تمام اعضاء اور قوتوں کے ساتھ تعمیل کرنا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قسمت اور تقدیروں پر راضی ہونا ہے تو ان چیزوں کی طلب ہر شخص کے لیے مفید ہے۔ خواہ نبی علیہ السلام ہو یا غیر نبی اس لیے کہ یہ چیزیں ضبط اور حد سے باہر ہیں' اللہ تعالیٰ کی دائمی امداد اور توفیق کے شامل ہوئے بغیر میسر نہیں ہوتیں۔ بخلاف دین اور اعتقاد کے کہ یہ مضبوط اور محدود چیز ہے۔ اور ایک بار توفیقِ الٰہی اس کے حصول میں کافی ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا میں لفظ من تبعیض کے لیے ہے۔ پس حضرت ابراہیم و اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما السلام نے اپنی بعض اولاد کی مسلمانی کی درخواست کیوں کی؟ حالانکہ دعائے خیر میں سب کو شامل کرنا پیش نظر رہنا چاہیے۔ اور خاص نہیں کرنا چاہیے۔ اور اسی لیے اس اعرابی کو جس نے کہ خاص اپنے لیے اور حضور علیہ السلام کے لیے رحمتِ الٰہی کی ان لفظوں سے درخواست کی اللھم ارحمنی و محمدًا ولا ترحم معنا احدا یعنی یا اللہ مجھ پر' حضور علیہ السلام پر رحمت فرما اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ فرما۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لقد حجرت واسعا تو نے وسیع رحمت کو روک دیا ہے۔ اور حدیث شریف میں آدابِ امامت کے بارے میں وارد ہے کہ ولایخص نفسہ

marfat.com
Marfat.com

بالدعاء یعنی امام خاص اپنے لیے دعا نہ کرے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ دعائے امامت کے جواب میں حق تعالیٰ سے سنا تھا کہ ان کی اولاد میں سے ظالم اور فاسق ہوں گے۔ دوسری دفعہ دعائے رزق میں سنا تھا کہ ان میں سے کچھ کافر ہوں گے تو ان کے نزدیک یہ بات یقیناً پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ میری بعض اولاد کے کافر ہونے کے ساتھ ارادۂ الٰہی متعلق ہو چکا ہے۔ اور دعا کرنے والے کو چاہیے کہ ارادۂ الٰہی کے خلاف دعا نہ کرے اسی وجہ سے اس دعا میں انہوں نے تخصیص فرمائی۔

تیسری بحث یہ ہے کہ جب امامت کی دعا آپ کی بعض اولاد کے حق میں قبول ہو چکی تھی تو پھر ان کے لیے اسلام کی دعا کیوں درکار ہوئی؟ امامت کا مرتبہ اسلام کے مرتبہ سے بالاتر ہے۔ اور حصولِ اسلام پر موقوف ہے۔ اور جب ان کی بعض اولاد کو امامت حاصل ہو گئی تو اسلام بطریقِ اولیٰ حاصل ہو گیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا اس دعا سے مقصود یہ ہے کہ وہ کثیر جماعت کہ جنہیں اُمت کہا جا سکے مدت دراز تک مسلمانی پر قائم رہے۔ جبکہ دعائے امامت کی قبولیت اگر دلالت کرتی ہے تو صرف اسی حد تک کہ ان کی اولاد کا بعض اگرچہ ایک دو آدمی ہوں منصب امامت پائیں گے۔ گو ان ایک دو کے پیروکار اوروں سے نہ کہ آپ کی اولاد سے۔ پس امامت کی دعا اس دعا سے کفایت نہیں کرتی تھی۔

چوتھی بحث یہ ہے کہ اس امت مسلمہ کا مصداق ان دونوں بزرگوں کی اولاد میں سے کون سی جماعت کے لوگ گزرے ہیں؟ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے اور ان کی نسل جو کہ مدت دراز تک توحید اور اسلام پر قائم رہے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ان میں سے ہر دور میں چیدہ چیدہ لوگ باایمان گزرے ہیں۔ جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلب۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس اُمت مسلمہ کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں' قریش وغیرہم اور ان کی اولاد۔ اس لیے کہ اگلی دعا میں یہ الفاظ واقع ہیں وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ اور یہ صفت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں اور

marfat.com
Marfat.com

ان کی قریبی نسل اور اسی طرح زید بن عمرو بن نفیل' قیس بن ساعدہ وغیرہم پر صادق نہیں آتی بلکہ اس لفظ سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول علیہ السلام نازل شدہ کتاب کی ان کے سامنے تلاوت کریں۔ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں۔ اوران کے بواطن کو غفلت اور حجاب سے پاک فرمائیں۔ اور یہ صفات ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما السلام کی اولاد سے ہیں کہ غیر میں ثابت نہیں ہوئی ہیں۔ اور نہ ہوں گی اور اسی لیے سورۃ الحج کے آخر میں صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ

پس حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا اس بارے میں نص صریح ہے کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہیں۔ اور آپ کی امت اُمت مسلمہ ہے۔ اور اسی نص سے یہود ونصاریٰ پر الزام ہو سکتا ہے۔ اور محققین کے نزدیک صفات کو نصاً بیان کرنا ناموں اور القاب کی نص سے زیادہ قوی ہے۔ ہاں اس قدر شرط ہے کہ ان صفات کو اس طرح ذکر کیا جائے کہ کلی فرد واحد میں منحصر ہو جائے تا کہ شرکت کا احتمال نہ رہے۔

## خلفائے راشدین کی خلافت نص کے ساتھ ثابت ہے

اور اسی لیے اہلِ تحقیق کا یہ عقیدہ ہے کہ چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت اس قسم کی نصوص کی وجہ سے منصوص ہے۔ جیسا کہ آیت استخلاف میں جو کہ سورۃ النور میں ہے۔ اور مرتدین کے ساتھ لڑائی کی آیت میں جو کہ سورۃ مائدہ (آیت ۵۴) میں ہے۔ اور غزوۂ حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والوں کی آیت جو کہ سورۃ الفتح (آیت ۱۶) میں پوری تفصیل اور تکمیل کے ساتھ مذکور ہے۔

سورۃ النور میں استخلاف کی آیت یہ ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا

marfat.com
Marfat.com

يَعْبُدُوْنَنِي لَا يُشْرِكُوْنَ بِي شَيْئًا وَّمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۔

پانچویں بحث یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے توبہ کا کیا معنی؟ کیونکہ وہ گناہ صادر ہونے سے معصوم ہوتے ہیں۔ اور گناہ کے بغیر توبہ کا تصور نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے مطابق بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں فروگزاشت کا حکم رکھتی ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں وہ گناہ قطعاً نہیں ہیں۔ اور یہ ان بلند منصب کا تقاضا ہے۔

نزدیکانرا بیش بود حیرانی

ہم بیشتر عنایت وہم بیشتر عنا

یعنی مقربین کو حیرانی زیادہ ہوتی ہے (کیونکہ انہیں احساس زیادہ ہوتا ہے) ان پر عنایات بھی زیادہ ہیں۔ اور تکلیف بھی زیادہ اسی لیے حدیث پاک میں آیا ہے یا ایہا الناس توبوا الی اللہ فانی اتوب الیہ فی الیوم مأتہ مرۃ یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو بیشک میں اس کے حضور دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب اسلام کی دعا میں اپنی اولاد کو اپنے ساتھ ملایا تو توبہ کی طلب کے لیے بھی متکلم مع الغیر کے صیغے کو لایا گیا' اپنی اولاد کے اشارہ کے لیے کیونکہ خود تو گناہ سے معصوم ہیں۔ اور جب ایک گروہ کے اکثر اشخاص کسی فعل کے مرتکب ہوں اور توبہ کے محتاج ہوں تو مجاز کے بغیر تمام گروہ کے لیے توبہ کی درخواست صحیح ہے۔ اور جب حضرت ابراہیم واسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما السلام نے سوچا کہ اُمت کثیرہ کے اسلام کا قیام جو کہ مختلف آراء اور جدا جدا عقلیں رکھتے ہیں۔ اور ان کا ایک وطیرہ اور ایک طریقہ پر چلنے کو لازم کرنے پر اتفاق محالات عادیہ میں سے ہے' بغیر کسی جامع اور غالب کے تو اس اتفاق کو حاصل کرنے اور اس اتفاق کی مدت دراز تک بقاء کے لیے بارگاہِ خداوندی میں ایک اور دعا پیش کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں ایک رسول بھیج دے۔ لیکن وہ رسول ہماری اولاد سے خارج نہ ہو۔ بلکہ مِنْهُمْ اسی اُمت میں سے ہوتا۔ کہ

marfat.com
Marfat.com

وہ رسول علیہ السلام اور اس کی مقبول اُمت دونوں ہماری اولاد میں سے شمار ہوں اور ہمیں شرف عظیم اور مرتبہ فخیم حاصل ہو۔ کیونکہ اگر اُمت ہماری اولاد میں سے ہو اور وہ اس رسول علیہم السلام کے محتاج ہوں جو کہ ہماری اولاد میں سے نہیں ہے تو ہمارا شرف اور مرتبہ کیا باقی رہا۔ نیز جب وہ رسول (علیہ السلام) اسی اُمت سے ہوگا تو وہ اس کی ولادت' نشو ونما' نسب' حسب' اخلاق' عادات' صداقت' دیانت' عہد اور امانت سے پوری طرح واقف ہوں گے۔ اور اس کی اقتداء اور پیروی میں سرگرم ہو جائیں گے۔ اور اس کی متابعت سے عار محسوس نہیں کریں گے۔ کیونکہ اپنی جماعت کے ایک شخص کی سرداری انکار کرنے والے نفوس والوں پر اتنی دشوار نہیں ہوتی بخلاف اجنبی کی سرداری کے۔ نیز قرابت' رشتہ داری اور مصاہرت اور بہت سے اسباب اس کی امداد و اعانت کے لیے مہیا ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی شریعت کو جاری کرنے اور اس کے حکم کو نافذ کرنے میں انتہائی کوشش کرتے ہیں۔ نیز جب وہ اسی اُمت میں سے ہوگا تو ان پر اس کی شفقت زیادہ ہوگی اور انہیں پڑھانے سمجھانے میں مبالغہ کرے گا۔ کیونکہ آدمی کے نزدیک اپنے اقارب اور رشتہ داروں کی تربیت اجنبیوں کی شرکت سے زیادہ ضروری ہے۔ اور آدمی کی اپنی قوم اور قبیلہ پر حرص اور شفقت جبلت کی وجہ سے اجنبیوں پر حرص وشفقت سے زیادہ ہوتی ہے۔

اور اسی لیے حدیث پاک میں وارد ہے کہ اپنی اُمت میں سب سے پہلے میں اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا۔ پھر بنی ہاشم کی۔ پھر قریش میں سے اقرب کی۔ اور حضرت امیر المومنین ذی النورین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر بہشت کی کنجی میرے حوالے کر دیں تو میں بنی اُمیہ میں سے کسی کو بھی بہشت سے باہر نہ چھوڑوں اور شک نہیں ہے کہ ایسا رسول علیہ السلام جو کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی مجموعی اولاد سے مبعوث ہوا ہو سوائے ذات عالی صفات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی نہیں۔ اور نہ ہوا ہے۔ اس لیے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں اس زمانے تک کوئی رسول (علیہ السلام) مبعوث نہ ہوا تھا۔ اور اگر کوئی زید بن عمرو بن نفیل اور قیس بن ساعدہ کے بارے میں نبوت کا احتمال رکھتا ہے تو رسالت کا احتمال تو قطعاً

marfat.com
Marfat.com

نہیں رکھتا۔ اور اگر بالفرض وہ رسول بھی ہوتے تو ان کی اُمت مسلمہ تو بالکل نہ تھی۔ اور اگر بالفرض ان کی اُمت مسلمہ بھی ہوتی تو یہ اوصاف تو ان میں بالکل نہ تھے کہ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ آیاتک یعنی ان پر تیری آیات پڑھیں اور آیاتِ الٰہی کا پڑھنا کسی کتاب کے اس پر نزول کے بغیر نہیں ہوسکتا تو چاہیے کہ اس پر کوئی کتاب بھی نازل ہو۔ اگر چہ اس کتاب کی آیات کی تلاوت کی وجہ سے اس کتاب کے الفاظ اس کے شاگردوں کی زبان پر جاری رہیں گے۔ لیکن نعمت پوری نہ ہوگی مگر اس وقت جب اس کتاب کے معنوں پر انہیں مطلع فرمائیں۔

وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ اور انہیں کتاب کے معنی سکھائیں۔ جو کہ اس کی عبارت کا ظاہری مدلول ہے۔ گویا ان معنوں کا جاننا نفس کتاب کو جاننا ہے۔ اس لیے کہ وہ معانی پورے طور پر واضح اور روشن ہونے کی وجہ سے الفاظ سے جدا نہیں ہیں۔ اور صرف ان الفاظ کو سنتے ہی کسی غور وفکر اور گہرائی کی ضرورت کے بغیر ذہن میں آجاتے ہیں۔ لیکن کتاب کے ان ابتدائی معنوں کو سمجھنا اس کتاب کے اسرار سے باخبر نہیں کرتا تا کہ اس کتاب کے احکام کی لذت پائیں اور پورے ذوق سے اس کتاب کی تعمیل میں سرگرم ہو جائیں۔ پس چاہیے کہ انہیں اس کتاب کے اسرار سے آگاہ فرمائیں۔

وَالْحِکْمَۃَ اور انہیں وہ سر اور حکمت سکھائیں۔ جو کہ اس کتاب کے ہر ہر حکم اور اس کے ہر ہر لفظ میں سپرد کیے گئے۔ اور چھپائے گئے۔ تا کہ وہ علم ظاہر اور علم باطن کے جامع ہوں۔ اس لیے کہ علم باطن' علم ظاہر کے بغیر زندقہ اور لادینیت بن جاتا ہے۔ اور ظاہری علم' علم باطن کے بغیر تقشف اور حیلہ گری کی طرف کھنچتا ہے۔ اور جب پڑھنے پڑھانے کی ایک حد اور منقطع ہونا ہے اس لیے کہ نہ تو ہر چیز کی تعلیم کے لیے معلم کی قوت کفایت کرتی ہے۔ اور نہ ہی متعلم کی قوت ہر ہر نکتہ یاد کرنے کے لیے وفا کرتی ہے۔ پس چاہیے کہ غیب سے علم حاصل کرنے بلکہ علم لینے کے لیے انہیں نبوت صنائی تک پہنچائے جو کہ ولایت ہے۔

وَیُزَکِّیْھِمْ اور ان کے نفوس اور ارواح کی تختی کو ان کدورتوں سے پاک کرے جو کہ معرفت عیانی کا حجاب بن گئی ہیں۔ اور ان کی صلاحیتوں کے آئینہ کو پوری طرح صیقل فرمائے۔ تا کہ جہاں سے اس پیغمبر علیہ السلام کی لوح مدرکہ پر علومِ غیبیہ کے القاء کا خود بخود

marfat.com

Marfat.com

پڑھنا پڑھانا ہوتا تھا اُن پر بھی ہو۔ اور اس تربیت کے ساتھ کہ انتہا کو پہنچے انہیں حقائق الٰہیہ کے انکشاف میں اپنی مانند بنائے۔ مگر اسی حد تک کہ وہ نبوت اصلی نہیں رکھتے۔ گویا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما السلام نے جان لیا کہ یہ پیغمبر علیہ السلام خاتم المرسلین ہوں گے۔ اور ان کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا تو ناچار ان کی اُمت میں نبوت کا اثر جو کہ ولایت ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہے تاکہ وہ اُمت ممکنہ حد تک نبوت کے فیض سے خالی نہ رہے۔ بیت

چوں کہ گل رفت و گلستان شد خراب
بوئے گل راازکہ جویم ازگلاب

اس کے باوجود تجھ سے یہ دعا اس لیے مانگ رہے ہیں۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ تحقیق تو نہایت عزت والا اور بے نہایت حکمت والا ہے۔ تیری عزت تقاضا نہیں کرتی کہ کسی کو بلاواسطہ علوم کی تعلیم فرمائے۔ اور اس کے ساتھ ہم کلام ہو۔ اور اپنی آیتیں اس پر اُتارے۔ اور تیری حکمت تقاضا کرتی ہے کہ افراد بشر میں کسی کو اپنی ذات وصفات کی معرفت اور دنیا وآخرت میں اچھے نظام کو پہچاننے سے محروم نہ چھوڑے۔ پس ان دونوں تقاضوں کا اجتماع اسی صورت میں میسر ہو سکتا ہے کہ ان کے درمیان ایک شخصیت کو اپنی رسالت کے ساتھ خاص کرے۔ اور اس کے واسطہ سے وہ فیض دوسروں کو پہنچائے کہ تیری عزت بھی قائم رہے۔ گی اور تیری حکمت بھی معطل نہ ہوگی۔ بیت

حکمت محض است اگر لطف جہاں آفریں
خاص کند بندۂ مصلحت عام را

یعنی اگر رب العالمین کا لطف وکرم کسی بندے کو خصوصیت سے نوازے تو عین حکمت کے مطابق ہے۔

## چند فوائد

یہاں چند فوائد باقی رہ گئے۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام نے تعمیر کعبہ کی حالت میں تین دعائیں فرمائیں اور ہر دعا کو ربنا

marfat.com

Marfat.com

کے کلمہ سے شروع اور اسمائے حسنیٰ میں سے دو اسماء سے مزین فرمایا۔ سمیع اور علیم کی دعا کی قبولیت کے ساتھ مناسبت کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ اور اسی طرح توبہ اسلام پر ثابت قدمی اور ادائے مناسک کی توفیق کی دعا کے ساتھ تواب اور رحیم کی مناسبت بھی روشن ہے۔ لیکن بعثت رسول علیہ السلام کی دعا کے ساتھ عزیز اور حکیم کی مناسبت پورے طور پر ظاہر نہیں ہے۔ اور اسی لیے اکثر مفسرین نے یہاں مناسبت کے بیان سے خاموشی اختیار فرمائی اور مناسبت کی وجہ اس تفسیر میں گزر گئی۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ رسول علیہ السلام کے اوصاف میں تلاوت آیات کو تعلیم کتاب پر اور تعلیم کتاب کو تعلیم حکمت پر اور اسے تزکیہ پر مقدم فرمایا اس ترتیب کی رعایت کرنے میں کیا نکتہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس ترتیب میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ اس لیے کہ اپنے پیغمبر علیہ السلام سے اُمت کا فائدہ لینا چار مرتبے رکھتا ہے' بعض' بعض سے فوقیت رکھتے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائے گئے الفاظ کو ان سے یاد کریں۔ تاکہ وہ تواتر کے ساتھ نقل کیے جائیں۔ اور ان الفاظ کو حفظ کرنے اور ان کی تجوید و ترتیل میں انتہائی کوشش کریں۔ اور یہ نفع حاصل کرنے کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔ جو کہ اُمت کے حافظوں اور قاریوں کو میسر ہے۔ اور یہ مرتبہ حاصل کر کے انہیں رسل علیہم السلام اور ان کی وراثت سے کچھ تشبیہ حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس کے سینے میں قرآن پاک یاد ہے لقد اور جت النبوۃ بین کتفیه الاانه لایوحی الیه بیشک اس کے دونوں کندھوں کے درمیان فیض نبوت مندرج ہو گیا مگر اس کی طرف وحی نہیں ہوتی۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ الفاظ کے حفظ کے ساتھ ان کے ظاہری معنوں سے بھی آشنا ہو اور اس کے پہلے معنوں کو رسول علیہ السلام سے حاصل کرے۔ اور اس کے احکام' واقعات' وعد اور وعید کی باحسن وجوہ تحقیق کرے۔ اور یہ مرتبہ علمائے ظاہر کا نصیب ہے۔ اور اس مرتبے میں رسل علیہم السلام اور ان کی وراثت کے ساتھ تشبیہ زیادہ اور قوی ہے۔ اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ان دو مرتبوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسرار اور حکمتوں کو اس کے احکام اور معاملات میں جو کہ دنیا اور آخرت میں نیکوں اور بُروں کے ساتھ فرماتا

marfat.com

Marfat.com

ہے۔ اور فرمائے گا' دریافت کرے اور ہر حکم' ہر واقعہ اور ہر وعدہ ووعید کو اس کے منشا اور اصل کے ساتھ عوالم غیبیہ الٰہیہ اور اس کے کارخانوں کے نظاموں سے وابستہ جانے اور شیون ظاہر کو ان احکام اور معاملات میں ملاحظہ کرے۔ اور یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت کے کسبی مراتب میں سب سے اعلیٰ ہے۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اس کی روح کا ہر عضو پاک اور صاف ہو جائے۔ اور جس مقام سے پیغمبر علیہ السلام نے پانی پیا ہے۔ اسے بھی تابع ہونے کے اعتبار سے کچھ حصہ مل جائے۔ اور یہ شخص نبی کے قائم مقام ہے۔ اور اس کا وارث کامل ہے کہ گویا پیغمبر علیہ السلام کا ظل اور اس کے بعد اس کا نمونہ باقی ہے۔ اور پیغمبر (علیہ السلام) کے وصال کے بعد خلافت اور وصی ہونے کے لائق ہے۔ اور یہ مرتبہ اُمتیوں کے مراتب سے مطلقاً اعلیٰ ہے۔ لیکن وہبی یعنی عطیہ خداوندی ہے اس کے حصول میں کسب کو کوئی دخل نہیں۔ مگر تیار کرنے اور قریب کرنے کے طریقے سے' ان مرتبوں میں پستی سے بلندی کا فرق جتلانے کے لیے اس ترتیب کو اختیار فرمایا گیا۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ لفظ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ جو کہ حرف عطف کے ساتھ واقع ہوا اس کا معطوف علیہ کیا چیز ہے؟ اگر لفظ تقبل معطوف علیہ ہے تو جملہ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اور جملہ ندائیہ ربنا دونوں معترضہ ہوں گے۔ پہلا تعلیل کے لیے اور دوسرا تاکید دعا کے لیے۔ اور اگر اس کا معطوف علیہ محذوف ہے تو کلام کی تقدیر یوں ہوگی ربنا افعل هذا واجعلنا مسلمين لك اور ربنا وابعث فيهم رسولا کی ترکیب بھی اسی دستور کے مطابق سمجھنا چاہیے۔

ہم یہاں پہنچے کہ اس صورت میں حرف عطف کو لانا جو کہ معطوف علیہ کو مقدر ماننے کی حاجت پیدا کرنے والا ہوا' کیوں ضروری ہوا؟ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اس بات کا پتہ چلے کہ ان دعاؤں سے ہماری غرض تینوں مقاصد کو جمع کرنا ہے نہ کہ تنہا ایک ایک مقصد۔

## الحكمة کی تفسیر

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ حکمت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نہ کہا ہے کہ حکمت سے مراد قول اور عمل کا درست ہونا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حکمت کی حقیقت بقدر طاقت

marfat.com
Marfat.com

بشری دربار حضرت حق کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور اسی قول کے موافق وہ ہے۔ جو کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا کہ تخلقوا باخلاق اللّٰہ اور قتادہ اور امام شافعی سے مروی ہے کہ یہاں حکمت سے مراد سنتِ نبوی ہے۔ جو کہ ارکان شرع میں سے دوسرا رکن اور اصول دین سے عمدہ اصل ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کتاب سے مراد آیات محکمات ہیں۔ اور حکمت سے آیات متشابہات اور ہر تقدیر پر تزکیہ کتاب وحکمت کی تعلیم سے جدا چاہیے پس وہ کیا چیز ہے؟ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ تزکیہ سے مراد عادل ہونے کی گواہی ہے۔ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن اپنی اُمت کے لیے دیں گے' اور دنیا میں بھی صحابہ کرام' اہلِ بیت اور ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بعض تابعین کے فضائل ومناقب میں دی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شہادت تلاوت اور کتاب وحکمت کی تعلیم سے جدا ہے۔ یہ ہیں اس مقام پر مفسرین کے اقوال اور جو کچھ اس آیت کے سیاق وسباق کے مناسب تھا' تفسیر میں گزر چکا۔

قصہ مختصر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ سے پیغمبر آخرالزماں کی نبوت کی صحت اور آپ کی اُمت کی مقبولیت پر نص صریح ہے۔ اور اس پر کہ اس پیغمبر علیہ السلام کا مبعوث ہونا اور اس اُمت کا پیدا ہونا ایک ایسی چیز ہے کہ ان دونوں عالی قدر بزرگوں نے پوری آرزو کے ساتھ دربارِ خداوندی سے اس کے گھر کی تعمیر میں مصروف ہونے کے وقت جو کہ بلاشبہ قبولیت دعا کا وقت تھا اس کی درخواست کی ہے۔ اور اسی لیے امام احمد اور بیہقی کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت کے ساتھ لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میں اُم الکتاب میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک البتہ خاتم النبیین تھا حالانکہ حضرت آدم (علیہ السلام) اپنی طینت میں تھے۔ اور میں تمہیں ابتدا کے متعلق خبر دوں گا۔ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا ہوں جبکہ وہ بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے ربنا وابعث فیھم رسولا منھم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور میری والدہ کا وہ مشاہدہ جو انہوں نے دیکھا کہ ان سے نور کا ظہور ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے شام اور بصریٰ کے محلات چمک اُٹھے۔

marfat.com
Marfat.com

اور ظاہر ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے راز کے حامل ہوتے تو لازم ہوا کہ ان کی ملت ابراہیمی ملت ہو اور اگر یہودیوں کے حق میں اس ملت کے اکثر احکام جیسے مناسک حج اور قربانی منسوخ ہو گئے تھے تو یہودیوں کی استعداد کی کمی کی وجہ سے تھے کہ وہ نرے ظاہر پرست تھے۔ اور اسرار باطنی سے بالکل محروم۔ خصوصاً محبت وفنا کی راہ کو بالکل نہیں پہچانتے تھے۔ طمع اور خوف کے سوا انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل پر ابھارنے والی کوئی چیز نہ تھی تو لازماً ان کے حق میں احکامِ الٰہی بھی اسی رنگ میں صادر ہوئے۔ جب اہلِ کمال پیدا ہوئے جو کہ ظاہر و باطن کے جامع ہوئے۔ اور ان کے دل محبت' وجد اور شوق کے لائق ہو گئے تو وہ تمام منسوخ احکام لوٹ آئے اور ملت ابراہیمی از سرِ نو قائم ہو گئی۔ پس اس وقت اس پیغمبر علیہ السلام کی ملت سے انحراف اور روگردانی حقیقت میں ملت ابراہیم علیہ السلام سے انحراف اور روگردانی ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ اور کون ہے۔ جو کہ کسی دوسری ملت میں رغبت کرے انحراف اور روگردانی کر کے عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ ملت ابراہیم سے۔ جو کہ ملتوں میں سب سے قدیم اور کامل ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام وہی ہیں جن کی طرف منسوب ہونے میں بنی اسماعیل کے تمام فرقوں اور بنی اسرائیل کے اسباط کو فخر اور فضیلت ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ اس ملت سے وابستگی کی استعداد کامل طور پر جلوہ گر ہو چکی۔ اور وہ پیغمبر علیہ السلام جنہیں ابراہیم علیہ السلام نے نہایت عاجزی اور آرزو کے ساتھ مانگا تھا' مبعوث ہو چکے۔

اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ مگر وہ شخص جو بے وقوفی کی وجہ سے اپنے نفس کے حال سے ناواقف ہوا' وہ نہ سمجھا کہ میرے نفس میں کون کون سے لطائف آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ اور ہر ہر لطیفہ کا کمال کس رنگ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ کون سی ملت ہے۔ جو کہ میرے نفس کے کمالات کے اتحاد کی جامع اور میرے نفس کے تمام لطائف کے حق کو پورا کرتی ہے۔ اور محبت وشوق اور فنائے قلب کی راہ جو کہ مقامِ خلت کی سرحد تک پہنچاتی ہے' کس ملت میں کھلی ہے۔ اور کس ملت میں بند ہے۔ اور ملت ابراہیمی سے انحراف بے وقوفی اور اپنے نفس کے حال سے بے خبری کی دلیل کیونکر نہ ہو۔

marfat.com
Marfat.com

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا اور تحقیق ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں برگزیدہ کیا ہے تمام نفسانی کمالات عطا فرما کر۔ نبوت' رسالت' ولایت' قیامت تک آپ کی اولاد اور پیروکاروں میں نورِ نبوت کا سرایت کرنا' مرتبہ خلت تک پہنچانا' مناسک حج کا ظاہر کرنا جو کہ جناب حق تبارک و تعالیٰ کے وصال کا نمونہ ہے۔ آپ پر ان مناسک کے اسرار کھولنا۔ قیامت تک امن و عزت کے ساتھ اس گھر کو باقی رکھنا جو کہ آپ نے ہماری عبادت کے لیے بنایا ہے۔ اور آپ کی اولاد اور پیروکاروں میں نبوت اور مختلف ذوق کی ولایات کے سر کے حاملین کا قیامت تک پیدا ہونا۔ یہ ہیں دنیا میں آپ کی بزرگی کے اسباب اور اگر کسی کو آخرت میں اس صاحب ملت کی شفاعت کی امید اتباع ملت پر برانگیختہ کرے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امید کے لائق بھی ہیں۔

وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ اور تحقیق وہ آخرت میں اگر چہ اس وقت ان کی نبوت' رسالت اور امامت منقطع ہو چکی گی لَمِنَ الصَّالِحِينَ البتہ صالحین میں سے ہیں۔ ان کی خاص ولایت کے ساتھ جو کہ ان کی نبوت اور رسالت سے افضل ہے۔ اگر چہ آپ کی نبوت و رسالت مختلف ولایات سے افضل ہوگی اور اگر چہ آپ کے یہ سب کمالات درجہ بدرجہ اور عمر تک حاصل ہوئے' ہمیشہ ترقی میں تھے۔ لیکن آپ میں ان تمام کمالات کا تخم صرف اسلام نے بویا ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ جبکہ اسے اس کے پروردگار نے فرمایا۔ وحی خفی کے ساتھ۔ اس لیے کہ ابھی تک آپ پر وحی ظاہر نہیں آئی تھی۔ اور آپ مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ أَسْلِمْ مطیع ہو جا تمام اسمائے الٰہیہ اور اس کے احکام کا۔ ہر زمانے میں جس کے واسطہ سے بھی پہنچے۔ اور اسی حکم کے عین دوران ان کے پروردگار نے انہیں تمام اسماء کے ساتھ جذب فرمایا۔ اور حضرت نے اس جذب قوی کی وجہ سے بے اختیار ہو کر

قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ کہا میں مطیع ہوا اپنے تمام قوی' لطائف' جوارح اور اعضاء کے ساتھ رب العالمین کے لیے جس کے اسماء میں سے کوئی اسم ہر عالم میں ظہور فرما کر اس کی تربیت فرماتا ہے۔ پس کمال کے طالب کو اپنا مطلب حاصل کرنے میں اس کا

marfat.com

Marfat.com

توسل کافی ہے۔ اور روحِ ابراہیمی میں تمام مطلوبہ کمالات کی وسعت سپرد کی گئی ہے۔ طالبانِ حق میں سے کسی کو بھی آپ کی ملت کی پیروی اور آپ کے مشرب کی اقتداء سے گریز نہیں ہے۔

اور جب اسلام کا معنی جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امر فرمایا گیا اس تفسیر سے معلوم ہوا جو کہ عرفی اسلام سے جدا ہے۔ اور انسانی کمالات کا منتہا ہے۔ تو اس آیت میں مفسرین کو جس اشکال نے حیرت میں ڈال دیا ہے زائل ہو گیا۔ اور اس اشکال کی صورت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اسلام لانے کا حکم نبوت کے اعلان سے پہلے درست ہوتا ہے نہ اعلان نبوت کے بعد۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ مسلمان ہوتے ہیں۔ اور کفر تبعی یعنی خاندان کی پیروی سے ان پر حکم کفر جائز نہیں۔ جیسا کہ دوسرے کافروں کے لیے جائز ہے۔ اور بد اعتقادی سے معصوم ہیں۔ تو انہیں اسلام کا حکم تحصیل حاصل اور ثابت شدہ کو ثابت کرنا ہے۔ اور تفاسیر میں اس اشکال کا جواب چند وجوہ سے مذکور ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ اس اسلام سے مراد متعارف اسلام نہیں بلکہ کفار کی جفا کر برداشت کرنے میں حکم خداوندی کی اطاعت کا اقرار کرنا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ کلام بطور مثال ہے بطور تحقیق نہیں۔ اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اپنی قدرت کی علامات اور اپنی وحدانیت کے دلائل ظاہر کرنا بمنزلہ اس قول کے تھا کہ اسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذات و صفاتِ الٰہی کا عارف ہونا بمنزلہ اس قول کے ساتھ کہ اسلمت۔

اور اصولیوں کے محققین نے ایک اور وجہ کہی ہے۔ جو کہ تیسری وجہ ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اگرچہ کفر تبعی اور اعتقادی سے صغرٰی اور کبرٰی میں قطعاً معصوم ہوتے ہیں۔ اور خلقتاً اسلام کے ساتھ موصوف۔ لیکن وہ ذمہ داری اور ابتلاء جو کہ اوامر و نواہی کے وارد ہونے پر ثابت ہوتی ہے وہ ان اوامر اور نواہی کے وارد ہونے پر موقوف ہے۔ پس اسلم سے مراد یہی تکلیفی اور ابتلائی اسلام ہے۔ جو کہ اس امر کے متوجہ ہونے پر موقوف تھا۔ اور یہ تحصیل حاصل کے قبیلے سے نہیں۔

نیز اس تفسیر میں جو کچھ گزرا اس سے ایک اور اشکال زائل ہو گیا جس کے جواب میں

marfat.com
Marfat.com

جمہور مفسرین بھی مضطرب ہیں اس کی صورت یوں ہے کہ اذ کا کلمہ ظرف ہے۔ اور از روئے معنی اس کا اصطفاء سے تعلق درست نہیں آتا۔ اس لیے کہ اصطفاء کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں ہوتا۔ اور اگر مقید ہوتا تو اس وقت کے ساتھ مقید نہیں ہوسکتا۔

اور اس اشکال کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اصطفاء اگرچہ ہمیشہ ہے۔ لیکن بعض اوقات اس کے آثار سب پر حاصل ہو جاتے ہیں۔ پس اس کا کسی وقت کے ساتھ مقید ہونا کہ اس وقت اس کے ظہور کی ابتدا ہوئی ہو اس کے دوام کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ زید شجاع فی المعرکه یعنی زید معرکہ کے وقت بہادر ہے' عمرو بحر فی المدرسة عمرو مدرسہ میں علم کا سمندر ہے' بکر کریم فی المعاملة' بکر معاملے میں کریم ہے۔ اور اگر کلمہ اذ کو فعل محذوف کا ظرف قرار دیں یا قال کے متعلق کریں تو یہ اشکال وارد نہیں ہوتا۔ اور اس کے جواب کی ضرورت نہیں رہتی۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ملتِ ابراہیمی اس قبیل سے نہیں کہ کوئی اس سے روگردانی کرے۔ اور پہلوتہی کرے۔ اور اگر اس ملت کے منکر خصوصاً یہود و نصاریٰ کہیں کہ ہمارے نزدیک بھی یہ بات مسلم ہے کہ ملت ابراہیمی سب ملتوں سے کامل اور ان سے افضل ہے۔ اور تمام ملتوں سے زیادہ کمالات انسانیہ کی جامع ہے۔ لیکن یہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خاص تھی جو کہ اوج کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ اور مقام خلت سے مشرف یا ان کی اولاد سے عالی قدر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص تھی۔ عوام کو حق نہیں کہ اس ملت کی پیروی کریں۔ اس لیے کہ کمالات کو جمع کرنے کی یہ نوع ان کی استعداد کے دائرہ سے خارج ہے۔ جس طرح کے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص عادات میں ان کی اقتداء کریں۔ جیسا کہ چار سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اور اس کی مانند دوسرے معاملات۔ پس دوسروں کے حق میں وہ ملت لازم العمل نہیں ہے۔

ان کے جواب میں کہنا چاہیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جس طرح اس ملت پر خود عمل فرماتے تھے اسی طرح اپنی اولاد اور پیروکاروں کو بھی ملت کے ساتھ مکلف فرماتے تو معلوم ہوا کہ یہ ملت ان کی مخصوص چیزوں میں سے نہ تھی بلکہ جس طرح آپ نے اپنی حیاتِ

marfat.com
Marfat.com

ظاہری میں اس ملت کا حکم دیا تھا' وفات کے بعد بھی اسی ملت کا امر فرمایا ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کی تفصیل

وَوَصّٰی بِهَا اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ اور آپ اسی ملتِ ابراہیم کا حکم فرما گئے ہیں' اپنے بیٹوں کو۔ جو کہ آٹھ (۸) تھے' ان میں سب سے بڑے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ قبطیہ (رضی اللہ عنہا) ہیں۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت سارہ (رضی اللہ عنہا) ہیں جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہاران کی بیٹی تھیں۔ اور یہ دونوں عالی قدر پیغمبر تھے۔ اور چھ دوسرے یقطن کی دختر قنطورا کنعانیہ کے شکم سے تھے۔ جو کہ خالص عربوں کی نسل سے تھی۔ اور وہ چھ (۶) مدین' مدائن' یفنان' زموان' اسبق اور شوخ تھے۔ جو کہ پیغمبر نہ تھے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی اور آپ کے غیروں پر بھی' آپ کی موجودگی میں بھی اور آپ کے وصال کے بعد بھی واجب العمل تھی۔

اور ابن سعد کلبی نے سے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ معظمہ میں سکونت پذیر کیا۔ اور ان کی نسل وہاں جاری رہی۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنے ساتھ کنعان میں ساکن رکھا۔ اور مدین کو شہر مدین میں جو کہ اسی کے نام سے ملقب تھا۔ اور اس کی اولاد بھی وہیں تھی۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام اسی کی اولاد سے ہیں۔ جبکہ مدائن اور دوسرے بیٹوں کو شام اور روم کے شہروں میں پھیلا دیا۔ لیکن یفنان کی اولاد آخر میں مکہ شریف آ گئی اور وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ مل گئے۔ اور دوسرے بیٹوں کی اولاد شام کے شہروں میں متفرق رہے۔ دوسرے بیٹوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو خدا کے گھر کے پڑوس میں جگہ دے دی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنے پاس رکھا جبکہ ہم سب کو جدا کر کے غربت اور وحشت کی زمین میں پھینک دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں مجبور ہوں' مجھے دربارِ خداوندی سے اسی طرح حکم ملا ہے لیکن میں تم میں سے ہر ایک کو اسمائے الٰہی میں سے ایک اسم کی تعلیم دوں گا۔ جو کہ حل

marfat.com
Marfat.com

مشکلات اور طلب حاجات میں کافی ہوگا۔ پس آپ نے ان میں سے ہر ایک کو اسمائے الٰہی میں سے ایک اسم کی تعلیم دی۔ کہ قحط کے وقت اس اسم کے ساتھ دعا کرتے تھے تو بارش آجاتی تھی۔ اور دشمنوں سے مقابلہ کے وقت اس اسم کا توسل لیتے تھے تو فتح پاتے تھے۔ اور ملت کی پیروی صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلبی اولاد کے ساتھ خاص نہ تھی بلکہ

## یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کی تفصیل

وَيَعْقُوْبَ اور یعقوب علیہ السلام نے بھی۔ جو کہ حضرت لوط علیہ السلام کی دختر سے حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے اسی طرح اپنے بارہ (۱۲) بیٹوں کو۔ جو کہ روبین جنہیں روبیل بھی کہتے ہیں' شمعون' لاوی اور یہودا تھے۔ لایان کی دختر لیا کے شکم سے جو کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ماموں ہوتے تھے' اور یوسف علیہ السلام اور بنیامین راحیل کے شکم سے جو کہ لایان کی دوسری دختر تھی۔ زیتون' یشاخر' دان' نفتالی' کاد اور اشر جو کہ کنیزوں کے شکم سے تھے' وفات کے وقت مصر میں جمع کر کے فرمایا

يَابُنَيَّ اے میرے بیٹو! اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ تحقیق تمہارے لیے حق تعالیٰ نے اس دین کو برگزیدہ کیا ہے۔ جو کہ اسلام ہے گویا اس کے سوا دین ہے ہی نہیں۔ اور جو اعتقاد اور عمل اس کے خلاف ہوگا' مقبول نہیں۔

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ پس چاہیے کہ تم نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم اسلام پر قائم ہو اور ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام' بنی اسرائیل کے جدامجد تھے۔ اور آپ نے اپنی اولاد کو یہودیت ونصرانیت کی وصیت نہ فرمائی بلکہ احکام الٰہی کی اطاعت اور تعمیل کی جو کہ ہر زمانے میں ہر پیغمبر علیہ السلام کی زبان پر جس رنگ میں ظاہر ہوں۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ موت اضطراری امور میں سے ہے۔ اور نہی کے لیے چاہیے کہ امور اختیاری کے ساتھ متعلق ہو۔ اس کلام میں موت

marfat.com
Marfat.com

سے نہی کس طرح واقع ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مطلق موت سے نہی نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کے سوا کسی دوسری حالت میں موت سے نہی ہے گویا یہ نہی حالتِ اسلام پر قائم دائم رہنے کا امر ہے۔ تا کہ اس حالت کے علاوہ کس دوسری حالت میں موت نہ آئے جیسا کہ کہتے ہیں کہ لاتصل الاوانت خاشع کہ یہ نماز سے نہی نہیں بلکہ نماز میں خشوع کا حکم ہے۔
اور صحاح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ وصال مبارک سے تین روز پہلے آپ فرما رہے تھے لایموتن احد کم الا وھو یحسن الظن بربہ یعنی نہیں چاہیے کہ تم میں سے کوئی مرے مگر اس حالت میں کہ اپنے پروردگار کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو اور اس کے عفو کرم اور رحمت کو نصب العین بنائے ہوئے ہو۔

تفاسیر میں لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے یہودیوں نے حضرت ابراہیم صلوٰت اللہ وسلامہ علیٰ نبینا وعلیہ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کا قصہ سنا تو انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وصیت کا تو ہمیں علم نہیں کہ کس چیز کے متعلق تھی۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام بنفس نفیس اس جہان سے نہیں گئے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے بیٹوں کو دین یہودیت کی وصیت فرمائی۔ حق تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ تم حضرت یعقوب علیہ السلام پر جو کہ پیغمبر تھے صحیح سند کے بغیر ایک چیز کا دعویٰ کرتے ہو؟

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ کیا تم حاضر اور گواہ تھے اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اس وقت جب کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب ہوا خصوصاً اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ جبکہ آپ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ کہ میرے بعد کس چیز کی عبادت کرو گے؟ اور اس پوچھنے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ان کے بیٹے ان کے حضور توحید کا اقرار کریں۔ اور آپ اس اقرار پر ان سے پختہ عہد و پیمان لیں۔ چنانچہ آپ کے بیٹوں نے آپ کا مقصد سمجھ کر

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ کہا کہ ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے جس کے پاک

marfat.com
Marfat.com

اوصاف ہم نے آپ کی زبان مبارک سے سُن رکھے ہیں۔ اور ہم نے قطعی دلائل کے ساتھ اس کے اوصاف کو پہچانا ہے۔ اور وہ آپ کا معبود صرف آپ کے خیال کا بنایا ہوا یا، ہم کا تراشا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ وہ معبود تمام حق پرستوں کا معبود ہے۔ اور اسی لیے ہم کہتے ہیں

وَاٰلٰهَ اٰبَآءِكَ اور ہم آپ کے آباء کے معبود کی عبادت کریں گے۔ لیکن وہ آباء نہیں جو کہ مشرک ہو گزرے ہیں۔ اور معرفت ذات سے دُور جا پڑے جیسے آزر بلکہ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اضافت کے متعدد ہونے کی وجہ سے مضاف کے تعدد کا وہم پیدا ہو جائے' کہنے لگے اِلٰهًا وَّاحِدًا یعنی ہم عبادت کریں گے اس معبود کی جو کہ ایک ہے۔ جو کہ کسی طور بھی متعدد نہیں۔ اور عبادت کا بھی ہم ایک طور یا ایک طریقے پر التزام نہیں کریں گے بلکہ اس امر میں بھی حکم الٰہی کی پیروی کریں گے۔

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور ہم سب، اس کے لیے اس کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور جس زمانے میں بھی جس پیغمبر علیہ السلام کی زبان، کے ذریعے آئے اسے واجب القبول جانتے ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں اپنے پرانے طریقے کے مطابق کوئی ضد اور جھگڑا نہیں کرتے۔

اور اے اہل کتاب اگرچہ تم ان بزرگوں کی اولاد سے ہو لیکن تم میں ان کی اس اطاعت کا کوئی حصہ بھی نہیں ہے۔ تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ ان کی اس اطاعت پر فخر و مباہات کرو اور اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کر کے بزرگی اور فضیلت ثابت کرو اس لیے کہ

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ یہ ایک ایسی جماعت تھی جو کہ گزر گئی اور ان کی وصیت کا تم میں کوئی اثر باقی نہیں ہے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ اس جماعت کے لیے وہ کچھ ہے جو کچھ وہ کسب کر کے چلے گئے اعتقادات' اعمال اور اخلاق سے وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ اور تمہارے لیے وہ کچھ ہے جو تم کسب کرتے ہو۔ اور تمہیں ان کی طرف منسوب ہونا قطعاً مفید نہیں۔ اس لیے کہ

وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور تم سے سوال نہیں کیا جائے گا اس کے متعلق جو کہ وہ عمل کرتے تھے۔ اگرچہ بالفرض انہوں نے گناہ کیے ہوں تو اسی طرح ان کی نیکیاں

marfat.com

Marfat.com

بھی تمہیں نفع نہ دیں گی جبکہ تم ان کی وصیت پر قائم نہیں رہے ہو۔ تفاسیر میں مروی ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ مذہب کا اختلاف رکھتے ہیں بعض بت پرست ہیں' بعض ستارہ پرست اور بعض آتش پرست۔ آپ کو خطرہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری اولاد ان لوگوں کی صحبت سے گمراہ ہو جائے۔ اسی وجہ سے اپنی وفات کے وقت آپ نے سب کو جمع کر کے اس قسم کا اقرار کرایا اور آپ کے لڑکوں کے اقرار کا خلاصہ یہی تھا کہ اپنے معبود کو مخلوقات میں حلول سے پاک جان کر عبادت کے انداز کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہر زمانے میں جس رنگ میں آئے' بجالائیں گے۔ اور ملتِ حنفیہ کا خلاصہ یہی ہے۔ جو کہ یہودیت ونصرانیت کے تعصب سے کوسوں دُور ہے۔ اور اسی کا نام اسلام ہے۔ پس یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہودیت کی وصیت فرمائی ہے' انبیاء علیہم السلام پر نرا افتراء ہے۔

## چند فوائد

یہاں چند فوائد باقی رہ گئے۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام' حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء سے نہ تھے' انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپوں میں سے کیوں شمار کیا گیا۔ بلکہ حضرت اسحاق علیہ السلام سے پہلے ذکر کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اگرچہ حقیقی باپ نہ تھے۔ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا ہوتے تھے۔ اور چچا کو باپوں کے زمرہ سے شمار کرنا مجاز متعارف ہے۔ جیسا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں آیا الخالة بمنزلة الام. نیز حدیث پاک میں وارد ہے کہ اکرموا العباس فانه بقية آبائي یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تعظیم کرو اس لیے کہ وہ میرے آباء کا بقیہ ہیں۔ نیز حدیث پاک میں وارد ہے کہ عم الرجل صنو ابیه یعنی ایک شخص کا چچا اس کے باپ کا ہمسر ہے۔ جو سلوک باپ سے کرنے کا ہے اس کے ساتھ بھی کیا جائے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے دادا کو باپ کہنا حقیقت ہے۔ یا مجاز' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مجاز ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ حقیقی بھائی' بہن' دادا کے ساتھ وارث ہوتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں۔ اور امام مالک' امام ابو یوسف اور امام محمد رحمتہ اللہ علیہم کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور ان کی دلیل حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرّ اللہ وجہہ الکریم' عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ جبکہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک حقیقت ہے۔ اور اسی لیے حقیقی بھائی' بہن' دادا کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوتے' سارا مال باپ کی طرح دادا لے گا اور آپ کی دلیل حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق' حضرت عائشہ' حضرت ابن عباس' حسن بصری طاؤس اور عطا کا قول ہے۔ لیکن اس آیت سے لفظ اب کا جد میں حقیقت ہونا ثابت نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ بعض حنفیہ ثابت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہاں آباء کا اطلاق حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذکر کی دلیل سے بلاشبہ مجازی ہے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ فرقہ تعلیمیہ نے کہا ہے کہ معرفتِ الٰہی میں تقلید رسول بھی کفایت کرتی ہے۔ اس لیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ذات پاک الٰہی کے اوصاف میں اس کے سوا کچھ نہیں کہا کہ آپ کا معبود اور آپ کے آباء کا معبود ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں معرفتِ الٰہی دلائل کی رو سے حاصل تھی۔ لیکن چونکہ یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل کی تسلی مقصود تھی اس لیے اس صفت پر اکتفاء کیا تا کہ آپ کا دل مطمئن ہو جائے کہ میرے اور میرے آباء کے طریقے پر قائم رہیں گے۔ اور بعض اہلِ کلام نے کہا ہے کہ اس عبادت کا معنی یہ ہے کہ نعبد الا له الذی دل علیه وجودك ووجود آبائك كقوله اعبدوا ربكم الذی خلقكم والذین من قبلكم یعنی ہم اس معبود کی عبادت کرتے ہیں جس پر آپ کا اور آپ کے آباء کا وجود دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مانند کہ آپ اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں۔ اور تم سے پہلوں کو پیدا فرمایا۔ اور تحقیق یہ ہے کہ معرفتِ الٰہی کی دلیل ہر شخص کی نسبت سے جدا ہے۔ اگر کوئی کسی شخص کے بارے میں اس کے عادات و اطوار' کمال صداقت اور درستگی' عقل و فراست وافر' تجربہ اور رائے صحیح ہونے کو دیکھ کر معتقد ہو جائے کہ صرف اس کے کہنے کو ہی دلیل قوی خیال کرتا ہے تو حقیقت سے دُور نہیں۔ اور تعلیمیہ کی مراد یہی ہے۔ تو ان سے لفظی نزاع ہے۔ اس لیے کہ یہ تقلید اصل میں تحقیق ہے۔ تقلید یہ ہے کہ

marfat.com
Marfat.com

دلیل کے بغیر کسی کی اتباع کرے ورنہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اتباع فرض ہے جن کی سچائی معجزات اور خوارق سے' عادات و اخلاق کی درستی اور خطاء وکذب سے پرہیز اظہر من الشمس ہوتی ہے۔ اور تقلید کے باب سے نہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے کمال اور آپ کے فضائل کا اعتراف اور اقرار کرنے کے باوجود اہلِ کتاب اس ملت کی پیروی کو ہدایت ہرگز نہیں سمجھتے بلکہ گمراہی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ہدایت کو اس ملت کے غیر میں منحصر مانا ہے۔

وَقَالُوْا اور اہلِ کتاب نے یعنی یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کو بطریق تقسیم کہا کہ كُوْنُوْا هُوْدًا یہود کے مذہب پر رہو اور یہ یہود کا مقولہ ہے۔ اَوْ یا کہا کہ رہو نصاریٰ۔ اور یہ نصاریٰ کا مقولہ ہے۔ تو ان میں سے ہر فرقہ کہتا ہے کہ ہماری راہ اختیار کرو تا کہ تَهْتَدُوْا تم راہ پاؤ اور ہدایت حاصل کرو۔ اس لیے کہ ہدایت ہماری راہ میں منحصر ہے۔ قُلْ آپ ان کے جواب میں فرمائیں کہ ہدایت تمہاری راہ میں منحصر نہیں ہے۔ بَلْ بلکہ ہم اتباع کریں گے مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ ملت ابراہیمی کی۔ جو کہ یہودیت اور نصرانیت سے زیادہ کامل ہے۔ اور انواع ہدایت کی زیادہ جامع خصوصاً ابراہیم علیہ السلام کی یہ صفت کہ آپ تھے حَنِيْفًا کل ماسوا سے ہٹ کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ اور یہودیت و نصرانیت میں غیر خدا کی طرف ناجائز میلان بہت ہے۔ کبھی عزیز علیہ السلام کی طرف' کبھی مسیح علیہ السلام کی طرف اور کبھی اپنے پیشواؤں کی سچائی اور درستی کی تحقیق کیے بغیر ان کی طرف جھکتے ہیں۔ اور ان پیشواؤں کے احکام خدا تعالیٰ کے احکام کی مانند سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیت میں صراحت سے بیان فرمایا۔ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللّٰہِ والمسیح بن مریم وما امروا الا لیعبدوا الٰھًا واحدا لا الٰہ الا ھو سبحانہ عما یشرکون (التوبہ آیت ۳۱) حالانکہ ابراہیم علیہ السلام ان تمام وجوہ شرک وکفر سے مبرا تھے۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور ابراہیم علیہ السلام مشرکوں میں سے نہ تھے نہ عبادت میں نہ تخلیق و تدبیر میں۔ اور نہ حلال و حرام قرار دینے میں۔ جبکہ تم سب حضرت عزیر اور مسیح (علیہم السلام) کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ اور تخلیق و تدبیر میں اپنے

marfat.com
Marfat.com

اسلاف کو شریک کرتے ہو۔ اور تم عقیدہ رکھتے ہو کہ تمہارے اسلاف اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہمیں فتح و نصرت دیتے ہیں۔ اور روزی پہنچاتے ہیں۔ اور اولاد دیتے ہیں۔ اور آخرت میں اپنی طاقت سے عذاب سے بچائیں گے۔ نیز جادو میں جنوں کی ناپاک روحوں سے مدد مانگتے ہو۔ اور ارواح کواکب کو مدبر مانتے ہو۔ حلال و حرام قرار دینے میں اپنے پیشواؤں' احبار اور راہبوں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ اور ان کی حلال و حرام قرار دی گئی چیزوں کو خدا تعالیٰ کی حلال و حرام قرار دی گئی چیزوں کی مانند سمجھتے ہو اور کتاب کی نصوص اس کے خلاف پانے کے باوجود ان کی تقلید نہیں چھوڑتے ہو۔

## چند بحثیں

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں۔ پہلی بحث یہ ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام اصول و فروع میں پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملت کے بعینہٖ مطابق ہے یا دونوں اصول میں متفق ہیں۔ جیسے توحید' نبوت' معاد' غسل جنابت' ختنہ اور مکارم اخلاص کے اصول صبر' قضا پر راضی ہونا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔ اور اس قسم کے دوسرے امور اور فروع میں مختلف ہیں اگر پہلی شق کو اختیار کریں تو لازم آتا ہے کہ آخر الزمان پیغمبر علیہ السلام نئی شریعت والے نہ ہوں اور بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی طرح جو کہ دین موسیٰ علیہ السلام کو رائج کرنے والے تھے' آپ بھی سابقہ دین کو رائج کرنے والے ہوں اور یہ امر صریح طور پر باطل ہے۔ اور اگر دوسری شق کو اختیار کریں تو ملت ابراہیمی کی پیروی کا کیا معنی جن کا قرآن پاک میں جگہ جگہ حکم فرمایا گیا ہے۔ اس لیے یہودیت' نصرانیت اور اسلام تینوں ملتیں ان اصولوں میں متفق ہیں۔ بلکہ تمام شریعتوں کے اور ملتوں کے اصول میں اتفاق رکھتی ہیں اس دلیل سے کہ شرع لکم من الدین ماوصّٰی به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراهیم و موسٰی و عیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه (الشوریٰ آیت ۱۳) نیز اس سورت میں لازم آتا ہے کہ یہ پیغمبر علیہ السلام اور یہ اُمت بھی فروع میں ملت ابراہیمی سے منحرف ہوں۔ اس لیے کہ ایک ملت کے اصول کا اعتراف ساری ملت کے اعتراف کا موجب نہیں ورنہ یہود و نصاریٰ بھی

marfat.com

Marfat.com

ملت ابراہیمی کے تابع ہوں اس بحث کے جواب میں علمائے محققین نے دو مسلک اختیار کیے ہیں۔ اکثر محققین نے کہا ہے کہ ان دو ملتوں کا اصول میں اتفاق ہے۔ لیکن جس طرح عقائد کو اصول کہتے ہیں اسی طرح شریعت کے ان قواعد کلیہ کو بھی کہتے ہیں جن سے مسائل جز ئیہ نکالے جاتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ ملت ابراہیمی کے اصول شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں اس معنی کے ساتھ بعینہٖ محفوظ ہیں' ان میں کوئی فرق نہیں۔ اگر ان میں سے نکالے ہوئے فروع میں مصلحت زمانے کے مطابق کوئی فرق ہو تو کوئی حرج نہیں مثلاً تہذیب نفس میں افراط وتفریط کے بغیر سہولت' آسانی اور اعتدال کی راہ چلنا' معاش اور معاد دونوں کے نظام کی مصلحتوں کی رعایت کرنا' عبادت' عادات' اعیاد اور رسموں میں کسی مقام اور کسی مدت کی مشکل پابندیاں نہ لگانا اور قوائے طبعیہ میں سے کسی قوت کو باطل کرنے اور نوع انسانی کی ہمیشہ کی عادتوں میں سے کسی عادت کو بدلنے سے پرہیز کرنا اس شریعت کے ہر حکم میں ملحوظ ہے اور ملت کی اتباع کا معنی یہی ہے نہ کہ جزوی فروع کو بعینہٖ باقی رکھا جائے۔ بلکہ تحقیق کے مطابق ملت انہیں ملحوظ قواعد کا نام ہے نہ کہ جزوی فروع کا۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ہماری ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارا دین' آئین اور شریعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین' آئین اور شریعت ہے۔ اس لیے کہ شریعت' دین اور آئین میں فروع کا لحاظ بھی ہوتا ہے۔ اور وہ فروع بعینہٖ محفوظ نہیں ہیں۔ اور اس اتباع کی عام فہم مثال یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں شاگرد جو کہ صاحبین ہیں یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد' اجتہاد اور استنباط کی روش میں اپنے امام کے تابع ہیں۔ اور مسائل نکالتے وقت ان کے قواعد کی رعایت کرتے ہیں۔ اور اسی لیے ان کا اجتہاد حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد سے جدا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی بھی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تابع نہیں کہتا اور اس کے باوجود قواعد سے نکالی گئی فروع میں اپنے امام کی مخالفت کرتے ہیں۔

اسی طرح شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کو جاری فرمانے والے نے دستور ابراہیمی اور قانون حنیفی کو یہ شریعت عطا کرنے کے وقت ملحوظ رکھ کر اسی قانون پر بنایا

marfat.com

Marfat.com

ہے۔ اگر چہ بعض جگہ اس وقت کی فروعی جزئیات اس وقت کے جزئیات کے خلاف واقع ہوئی ہوں اسی لیے ایک اور آیت میں ارشاد ہوا ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین آمنوا (آل عمران آیت ۶۸) اور اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ملت اور شریعت میں فرق ہے۔ پس ہماری ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے۔ اور ہماری شریعت' شریعت محمدی ہے۔ اور ہم ملت ابراہیمی کی اتباع کے پابند ہیں نہ کہ ان کی شریعت کے جبکہ یہود و نصاریٰ کو ان کی استعداد کے مطابق دربارِ خداوندی سے دوسری شریعتیں عطا ہوئیں۔ جو کہ ملت ابراہیمی کی روش پر نہ تھیں اور قواعد ملت ابراہیمی پر ان کی استعداد کے قاصر ہونے کی وجہ سے نہ چلنے کی بناء پر ان شریعتوں میں ان قواعد کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا۔ اگر چہ اصول عقائد موافق ہوں گے۔ پس تمام ملک اور ادیان کا اصول عقائد میں باہمی اتفاق تمام مجتہدین کے اصول اربعہ کتاب سنت' اجماع اور قیاس سے دلیل لینے پر اتفاق کی مانند ہے۔ اور اس شریعت کا ملت ابراہیمی کے ساتھ اتفاق حضرت امام اعظم اور صاحبین کے قواعد استنباط باہمی اتفاق کی مانند ہے۔ جیسے یہ قاعدہ کہ کتاب پر زیادتی نسخ ہے۔ اس لیے خبر مشہور کے بغیر ثابت نہیں ہوگی۔ نیز جیسے عموم بلویٰ اور استحسان اور اسی طرح اور بھی۔ اور جب ملت اور شریعت میں فرق واضح ہو گیا۔ اور ملت کی اتباع کا معنی بھی ظاہر ہو گیا تو پتہ چلا کہ اختلاف شریعت کو ملت ابراہیمی سے انحراف نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ انحراف یہ ہے کہ اس کے اصول و قواعد سے تجاوز کیا جائے۔

اور بعض محققین اس طرف گئے ہیں کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت بعینہٖ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ہے۔ اور انہوں نے ملت اور شریعت میں فرق نہیں کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس شریعت کے اصول و فروع بغیر کسی فرق کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے اصول و فروع کے مطابق ہیں۔ لیکن ان معنوں میں کہ ملت ابراہیمی کے تمام احکام اس شریعت میں محفوظ ہیں۔ اس طرح کہ ان پر بہت سی چیزیں بڑھائی گئی ہیں۔ اور وہ چیزیں بھی ان احکام کے مخالف نہیں ہیں۔ بلکہ انہیں احکام کی شرح اور تکمیل ہیں۔ پس ملت ابراہیمی متن کا حکم رکھتی ہے۔ جبکہ شریعت مصطفوی علیٰ صاحبہا

marfat.com
Marfat.com

الصلوٰۃ والسلام اس متن کی شرح کے حکم میں اور انہیں معنوں میں شارح کو ماتن کا تابع کہتے ہیں۔ اور صاحب مشکوٰۃ کو مثلاً صاحب مصابیح کا تابع جانا جاتا ہے۔ ہاں ہمیں ملت ابراہیمی کے احکام تفصیل کے ساتھ اس شریعت کے علاوہ کسی اور راہ سے معلوم نہ ہوئے۔ اور وہ احکام اس شریعت میں زائد احکام کے ساتھ مل کر آئے اس وجہ سے دونوں میں تمیز مشکل ہو گئی لیکن کتاب وسنت کی صریح نصوص جو کہ بے شمار آیات اور احادیث ہیں' کی رو سے اتنی بات یقینی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی شریعت لائے ہیں تو آیات میں سے یہ آیت مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ' ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وغیرہ اور اس احادیث میں سے حضور علیہ السلام کا ارشاد اتیتکم بالحنیفیة السمحة البیضاء ؟

## ملت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام اور حضور علیہ السلام کی جدید شریعت

نیز احادیث اور سیر کی رو سے جن کا اس مقام پر ذکر کرنا بڑی طوالت چاہتا ہے' ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جہاد کرنا' بت توڑنا' ختنہ' عقیقہ' آداب مہمان نوازی' عبادت کے وقت کپڑے پہننا۔ اور زینت اختیار کرنا' نماز میں ہاتھ اٹھانا' ہر جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر کہنا' چار رکعت چاشت کی نماز' اشہر حرم کا احترام کرنا' نکاح میں محرمات کی حرمت' اس میں گواہوں اور حق مہر کا واجب کرنا' نماز میں سجدے سے پہلے رکوع کرنا' اموال میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جدا کرنا جسے زکوٰۃ کہتے ہیں' مواضع ستر کے ڈھانپنے کا واجب ہونا' بدکاری' لواطت اور عورتوں کے مابین غیر فطری عمل اور دوسرے کبیرہ گناہوں کی حرمت' کعبہ کو قبلہ بنانا' سارے مناسک حج' ساری خصال فطرت' قربانی اور ہدی کے آداب' ستاروں کے احکام کا معتقد نہ ہونا' نجومیوں سے ساعت نہ پوچھنا' ساعتوں' دنوں' مہینوں اور تواریخ کی نحوست کی بحث میں نہ پڑنا' بدشگونی نہ لینا' کہانت پر عقیدہ نہ رکھنا' جنوں دیوں اور پریوں کے نام نذر نہ باندھنا' ان کے لیے ذبح نہ کرنا' رزق' شفا' موت اور حیات کو بلا واسطہ مسبب الاسباب کی طرف سے جاننا' مصیبت کے وقت صبر کرنا' قریبیوں اور دوستوں کی موت پر جزع اور نوحہ بین نہ کرنا' اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کی راہ پیش کرنا' باپ کو بیٹے کے اور بیٹے کو باپ کے گناہ میں نہ پکڑنا' کپڑا' جسم' گھر اور جائے

marfat.com
Marfat.com

سکونت کو پاک صاف رکھنا' لہو ولعب سے پرہیز کرنا' تصویر بنانے کو جو کہ حق نفس یا اپنے اہل وعیال کے حق کو ضائع کرنے کا موجب ہو' اچھا نہ سمجھنا' کسب معاش کرنا' ضرورت کے بغیر مانگنے سے پرہیز کرنا۔ اور اس قسم کے کام ملت ابراہیمی کے احکام سے ہیں جو کہ بعینہٖ اس شریعت میں باقی ہیں۔ بلکہ یہی وہ امور ہیں جو کہ اس شریعت کی اصل اور اس دین کی بنیاد ہیں۔ اور ان مذکورہ امور میں سے ہر ایک سے بے شمار فروع نکلتی ہیں۔ جو کہ شاید تمام شریعت کا احاطہ کرلیں۔ البتہ ملت ابراہیمی کے احکام' اس کے نشانات کے مٹ جانے اور کتابوں میں مدوین نہ ہونے اور ان احکام کے جاہلوں کے ہاتھوں آنے اور حضرت موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) اور ان دونوں کے درمیانی زمانہ میں جو کہ طویل مدت تھی' ان احکام میں سے اکثر کے منسوخ ہو جانے کی وجہ سے کلی طور پر دنیا سے اس حد تک چھپ گئے تھے کہ ان احکام پر وحی جدید کے بغیر انسان کے لیے آگاہی ممکن نہ تھی۔ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ احکام وحی کے واسطہ سے حاصل فرمائے اور جہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی نئے سرے سے نازل ہوئے تو آپ ان معنوں میں جدید شریعت والے ہوں گے اس لیے کہ شریعت کے جدید ہونے میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس شریعت کے احکام کسی وقت اور کبھی بھی جہان میں ظاہر نہ ہوئے ہوں۔ بلکہ محو شدہ شریعت کو نئے سرے سے عالم غیب سے حاصل کرنا بھی تجدید شریعت میں کفایت کرتا ہے۔ اور اسی معنی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے دینوں کو منسوخ فرمانے والے ہوئے کہ اس منسوخ شریعت کے ناسخات کو پھر اس شریعت منسوخہ کے ساتھ منسوخ فرمایا۔ البتہ کتاب کے جدید ہونے میں یہ بھی ضروری ہے کہ اس سے پہلے وہ کتاب کسی اور پر نازل نہ ہوئی ہو۔

اسی لیے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ جدید کتاب والے تھے یا ان پر تورات اُتری تھی۔ یہ فرق پوری طرح سمجھ کر بہت سی آیات اور بے شمار احادیث کے ظاہری معنوں کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے کہ دو شریعتوں کے اتحاد پر دلالت کرتی ہیں۔ اور بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

marfat.com
Marfat.com

شریعت کو رائج کرنے والے تھے اس مدون شریعت کو کتابوں اور انسان کی محفوظ کی ہوئی تحریروں سے حاصل کرتے تھے نہ کہ عالمِ غیب کی طرف سے وحی کے ذریعے سے۔ پس وہ نئی شریعت والے نہیں ہوں گے۔

## صاحبِ شریعت جدیدہ ہونے کی ایک اور وجہ

نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبِ شریعت جدیدہ ہونے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ آپ نے ملتِ ابراہیمی کے احکام پر بہت کچھ بڑھایا ہے۔ جیسے نماز' روزہ' زکوٰۃ' مسائل جہاد کی ماہیتیں چاہتیں بیان کرنا اور خلافتِ کبریٰ یعنی قاضی محتسبین جزیہ خراج کے عامل مقرر کرنا۔ مال فئے اور مال غنیمت کی تقسیم۔ اور وہ مسائل جو کہ جمعہ' جماعات اور عیدیں قائم کرنے سے متعلق ہیں۔ فرائض اور ترکہ اور معاملات میں بھی بہت گہرائی فرمائی ہے۔ قضا کے آداب اور فیصلوں کی تفصیلات بھی پوری شرح ربط سے لائی گئی ہیں۔ اس وجہ سے آپ یہی جدید شریعت والے ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام پر احکام تورات کے سوا کسی اور حکم کی تازہ وحی نہیں ہوتی تھی۔ تو حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کے درمیان فرق پورے طور پر روشن ہو گیا۔ بلکہ آپ اس شریعت کے لانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بہر حال ملتِ ابراہیمی کو منظورِ نظر رکھتے ہیں۔ اور انہیں قواعد پر فروعات بیان فرماتے ہیں۔ پس تحقیق کے مطابق آج اپنے تمام مشمولات سمیت مستقل صرف دو شریعتیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ملتِ ابراہیمی کے تمام قواعد کی رعایت پر مشتمل نہیں ہے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملتِ ابراہیم کے تمام احکام پر پورے طور پر حاوی ہے۔ اور اس پر چند دوسری چیزوں کا اضافہ کر کے اس کی تکمیل کرتی ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت وہی شریعت موسوی ہے۔ لیکن تخفیف' آسانی اور کچھ پابندیوں کو اُٹھا کر۔ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے نزول کی بنیاد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی طرف رجوع کی ابتدا تھی۔ لیکن ایک وجہ سے نہ کہ

marfat.com
Marfat.com

دوسری وجہ سے جیسا کہ ارہاصات اور تمہیدات کی شان ہے کہ مطلب سے پہلے مطلب کا کوئی نشان دیتی ہیں۔ اور اس طرف ایک راستہ کھولتی ہیں اس بحث کے جواب میں اہلِ تحقیق کا یہی ذوق ہے۔

## ملت ابراہیمی کی اتباع کا معنی

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ملت ابراہیمی کی اتباع جس کا قرآن مجید میں جگہ جگہ ذکر ہے' عقیدے کو اس ملت کے عقائد کے مطابق استوار کرنے کا نام ہے اور بس۔ کیونکہ اس ملت کے عقائد اُمتوں کے تمام گروہوں جیسے ہندو' یونانی' صابی اور مجوسی سے پورے طور پر ممتاز ہیں۔ جیسے یہ کہ معبود ایک ہے۔ اور ستاروں' عناصر اور موالید بنانا درست نہیں۔ اور ہیاکل اور ارواح اختیار کرنا اور عبادت کے وقت ان کی طرف منہ کرنا جائز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ رسل علیہم السلام کو بھیجتا ہے۔ اور ان کے ہاتھوں معجزات ظاہر فرماتا ہے۔ اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف قاصد ہیں۔ اور وہ اس کے اور اس کی مخلوقات کے درمیان واسطہ ہیں۔ اور وہ احکام کی تبلیغ میں جھوٹ اور خیانت سے معصوم بندگانِ خدا ہیں۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو احکام کے ساتھ مکلف فرمایا ہے جن کی وجہ سے قیامت کے دن جنت اور دوزخ کی جزا اور سزا دے گا۔ اور قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اور بے شک ارواح اپنے اجسام کے علاوہ بطریق تناسخ نہیں لوٹتیں۔ اور بے شک غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ اور ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینا حرام ہے۔ اور نیکوں سے بنائی ہوئی مورتیوں کی تعظیم اور انہیں قبلہ قرار دینا حرام ہے۔

اور چونکہ ملت ابراہیمی کے اصول میں یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ آخری زمانے میں سے ایک رسول علیہ السلام کو مبعوث فرمائے گا اور ان کا دین ساری مخلوق کے لئے واجب القبول ہوگا۔ اور ان کی پیروی اور خدمت سب پر فرض ہوگی۔ پس اس پیغمبر علیہ السلام کی نبوت کا اعتقاد اور ان کے دین کی اتباع بھی ملت ابراہیمی کے اصولی عقائد میں سے ہوئی۔ جس طرح کہ حضور علیہ السلام کی شریعت میں نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج مہدی علیہ السلام کا عقیدہ اور ان دونوں کی اتباع اصولی عقائد میں سے ہے۔ اور اسی لیے ان دونوں امور کو

marfat.com

Marfat.com

عقائد کی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں۔ اور دلائل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ اور اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ جو کہ تفاسیر میں آیت وَمَنْ یَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ کے سبب نزول میں مرقوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں بھتیجوں سے جو کہ سلمہ اور مہاجر تھے' کہا کہ ہمیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ میں حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کی اولاد سے ایک نبی علیہ السلام مبعوث فرمانے والا ہوں جن کا نام احمد ہوگا۔ تو جوان پر ایمان لایا اس نے ہدایت اور رشد پائی اور جوان پر ایمان نہ لایا تو وہ ملعون ہے۔ سلمہ یہ سنتے ہی ایمان لے آئے اور مہاجر نے انکار کیا اور اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لیکن اس تقریر میں خدشہ آتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت تمام شریعتوں اور دینوں میں اصولی عقیدوں میں سے ہے۔ جس طرح پچھلوں پر سابقہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہے۔ اسی طرح پہلوں پر ان انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہے۔ جو کہ بعد میں تشریف لائے جن کے متعلق تفصیلی علم ہوا ان پر تفصیلی ایمان اور جس کے متعلق اجمالی طور پر علم ہوا ان پر اجمالی طور پر ایمان لانا ضروری ہے تو یہ معنی ملت ابراہیمی کے ساتھ خاص نہیں ہے' تمام سابقہ انبیاء علیہم السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی خبر دی ہے۔ اور اپنی اُمت کو ان کی امداد کی تاکید فرمائی اور اس کے متعلق پختہ وعدے لئے تو اس اعتبار سے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا عقیدہ تمام ملتوں اور دینوں کے اصولوں میں سے ہوگا نہ صرف ملت ابراہیمی کے اصولوں سے۔

اور اس خدشہ کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ آخر الزماں رسول علیہ السلام کی بعثت اور ان کی اُمت کو پیدا کرنے اور ان پر کتاب نازل کرنے کی طلب ملت ابراہیمی کی حقیقت میں داخل تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمال کی ایک قسم اسی پر موقوف تھی۔ پس آخر الزماں رسول علیہ السلام گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخصوص خلیفہ ہوئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت آپ کی رسالت کے ساتھ پوری ہوگئی۔ اور ان کے دین کے احکام اس زمانے میں گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احکام تھے۔ بخلاف

marfat.com
Marfat.com

دوسرے انبیاء علیہم السلام کے جو کہ اس امر کے طالب نہیں ہوئے ہیں۔ اور ان کی ملت کی حقیقت میں یہ درخواست نہیں تھی۔ ہاں! حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اس موعود کمال کے ساتھ اپنے اُمتیوں کو بشارت دیتے تھے۔ اور حضور علیہ السلام کی امداد اور پیروی کی تاکید کرتے تھے۔ پس فرق واضح ہو گیا۔

لیکن ابھی آیاتِ قرآنی کے الفاظ میں بھی جیسے ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ اور مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ اور الفاظ حدیث میں بھی جیسے اتیتکم بالحنیفیة السمحة البیضاء اس تقریر سے ایک اختلاف باقی ہے۔ کیونکہ اپنے عقائد کو کسی ملت کے عقائد کے موافق کرنا اس ملت کی پیروی میں داخل نہیں ہے۔ اور اس کے باوجود اگر اتباع کا معنی یہی ہے تو پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پیروی کا حکم دینا ایک قسم کے تکلف سے خالی نہیں ہے۔ نیز بنی اسرائیل کے تمام انبیاء علیہم السلام بھی اسی اتباع کے ساتھ مامور تھے۔ جناب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر شریعت تین چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلی چیز بنیادی عقائد ہیں۔ جیسے توحید نبوت اور آخرت اور یہ چیز تمام سچی ملتوں اور دینوں میں مشترک ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام اس پر اتفاق رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ چیز ایک ایسا امر ہے۔ جو کہ اوقات اور زمانوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف نہیں ہوتا۔ اور اس معنی کے ساتھ ہر پچھلی ملت کو پہلی ملت کے تابع کہا جا سکتا ہے۔ کسی ایک نبی علیہ السلام اور ایک اُمت کے ساتھ خاص نہیں۔ دوسری چیز شریعت کے قاعدے کلیے ہیں جن کی طرف احکام کی جزئیات اور مسائل کی شاخیں لوٹتی ہیں۔ اور ہر ہر حکم میں وہ کلیات ملحوظ ہوتی ہیں۔ اور حقیقت میں ملت انہی قواعد کلیہ کا نام ہے۔ اور اس اُمت اور اس پیغمبر علیہ السلام کی ملت ابراہیمی کی پیروی اسی خاص معنی کے ساتھ ہے اس نبی علیہ السلام اور اُمت کے غیر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے متعلق یہ اتباع نہیں پائی جاتی۔ تیسری چیز شریعت کے تمام مقرر کردہ طریقے کلیات جزئیات اصول اور فروع اور اسی معنی کے ساتھ حضور علیہ السلام جدید شریعت والے ہیں۔ اور انبیاءِ بنی اسرائیل علیہم السلام اسی معنی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ

marfat.com
Marfat.com

السلام شریعت کے تابع تھے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ بل حرف عطف ہے۔ اور اِتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ یا نتبع ملة ابراهيم جو کہ بل کے بعد مقدر ہے کا کُوْنُوْا هُوْدًا اَوْنَصَارٰى پر عطف درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ مقولہ یہود و نصاریٰ کا ہے۔ اور اتبعوا مقولہ پیغمبر علیہ السلام ہے۔ اور غیر کے کلام پر عطف صحیح نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ کلام غیر پر تلقین کے طریقے سے عطف جائز ہے۔ جیسا کہ کوئی مخاطب کو کہے اگر ایک مخاطب اس کے جواب میں کہہ دے وزیدا یعنی وزیدا کہہ اور جیسے کوئی کہے اضرب زیدا اس کے جواب میں تو کہے بل اکرمہٗ یعنی بل اکرمه کہہ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ کلام غیر کے کلام پر عطف کے قبیلے سے تو ہے۔ لیکن رد اور انکار کے طریقے پر یعنی لا تقولوا لنا ذٰلك واتبعوا انتم ملة ابراهيم۔ یا لا نکون یهودا اونصارىٰ بل نتبع ملة ابراهيم اور صاحب کشاف نے اس عطف کو جاعلك پر ومن ذريتي کے عطف کی مانند قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کے تحت گزر چکا اور کونوا هودا اونصارىٰ پر لف ونشر کی تحقیق وقالوا لن يدخل الجنة الامن كان هودا اونصارىٰ کے قیاس پر سمجھنا چاہیے اور کلام کو دونوں اقوال کی تقسیم پر اہل کتاب کے دونوں فرقوں پر محمول کرنا چاہیے نہ کہ لف ونشر پر کیونکہ او کا حرف اس سے انکار کرتا ہے۔

## تیسری بحث

تیسری بحث یہ ہے کہ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کا جملہ جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شرک کی نفی پر دلالت کرتا ہے بظاہر مستدرک معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تمام مخاطبین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کمال کے عقیدے پر متفق تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام میں شرک کے احتمال کا کسی کے دل میں کھٹکا نہ تھا' یہ جملہ لانے کا کیا مقصد ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ لانا ان لوگوں کے حال پر تعریض کے لیے ہے۔ جو کہ خود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تابع کہتے تھے۔ اور شرک کرتے تھے۔ یہود جو کہ تشبیہ کے قائل تھے۔ اور حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا (نعوذ باللہ) کہتے تھے۔ اور جیسے نصاریٰ جو

marfat.com

Marfat.com

کہ تثلیث کے قائل تھے' حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ (نعوذ باللہ) کہتے تھے۔ اور جیسا کہ قریش میں سے مکہ کے جاہل جو کہ صریح بت پرستی کرتے تھے۔ گویا یوں فرمایا گیا ہے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع سے بہت دُور جا پڑے ہو اس لیے کہ تم تو ان کی پہلی بات جو کہ نری توحید اور خالص اسلام ہے' کا بھی انکار کرتے ہو' ان کے دوسرے عقائد اور دوسرے اعمال و اخلاق تک رسائی کیسے ہوگی؟

## چوتھی بحث

چوتھی بحث یہ ہے کہ بعض مفسرین نے بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰھٖمَ کے لفظ کو اس وضاحت کے ساتھ یہود و نصاریٰ کے کلام کے رد اور ابطال پر محمول فرمایا ہے کہ دین کے معاملہ میں اگر نظر و استدلال پر دار و مدار ہے تو ہم نے اس دین کے صحیح ہونے پر قوی دلائل قائم کیے ہیں۔ اور اگر دار و مدار تقلید پر ہے تو تقلید کے سلسلہ میں مختلف فیہ کی بہ نسبت متفق علیہ زیادہ درست اور بہتر ہے۔ اور تمام ملتوں والے یعنی یہود و نصاریٰ بلکہ مشرکین عرب بھی دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیح ہونے پر متفق ہیں۔ جبکہ دین یہود کی صحت پر نصاریٰ' نصاریٰ کے دین کی صحت پر یہود اور ان کے دین کی صحت پر مشرکین عرب طنز کرتے ہیں۔ پس دین ابراہیم علیہ السلام جس کی حقیقت تمام گروہوں کے نزدیک مسلم ہے' اتباع بہت بہتر ہوگی۔ اور اگر یہ تعریض اور رد و ابطال سُن کر یہود و نصاریٰ کہیں کہ تم نے یہودیت و نصرانیت کو ہدایت کے دائرہ سے خارج کر دیا۔ اور دونوں کے شرک ہونے کا اشارہ کیا' تم پر لازم آیا کہ تم حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی شریعت کے کافر ہو جاؤ۔ تو ان کی اس بات کے جواب میں

قُوْلُوْٓا کہو۔ کہ ہم ارکان ایمان میں سے کسی چیز کے ساتھ ہرگز کفر نہیں کرتے۔ اس لیے کہ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ جو کہ اس کی تمام آیات اور احکام اور تمام رسل علیہم السلام پر ایمان لانے کو لازم کرتا ہے۔ لیکن اس ایمان میں کچھ تفصیل ہے' ہم اسے مقدم کرتے ہیں جو کہ افضل و اولیٰ ہے پھر اسے جس کے وہ افضل و اولیٰ تابع ہوا ہے۔ اس لیے کہ افضل کا متبوع ہونا بھی افضلیت کا موجب ہے۔ پس اس جہت سے ہم ایمان میں اپنی کتاب کو مقدم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ

marfat.com
Marfat.com

وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا اور ہم ان تمام آیات واحکام پر ایمان لائے جو کہ ہم پر نازل کیے گئے جو کہ نہایت کامل ہیں۔ وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ اور اس پر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نازل کیے گئے جو کہ ہماری اس شریعتِ کاملہ کے ساتھ پوری مشابہت رکھتے ہیں۔ اور ہمارے رسول علیہ السلام اس کی اتباع کے مامور ہیں۔ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اور اس کے جو نازل کیا گیا حضرت اسماعیل' اسحاق اور یعقوب علٰی نبینا وعلیہم السلام اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد کی طرف جو کہ بارہ (۱۲) افراد تھے۔ اور ان میں سے یوسف علیہ السلام قطعی پیغمبر ہیں۔ اور دوسروں کی پیغمبری میں اختلاف ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ پیغمبر نہ تھے۔ لیکن ان میں سے ایک پر جو کہ نازل ہوا گویا ان سب پر نازل ہوا۔

اور طبرانی اور ابونعیم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں قسم اُٹھاؤں تو حانث نہیں ہوں گا اس بات پر کہ میری اُمت کے پیش دستوں سے پہلے چند اشخاص کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جائے گا۔ جو کہ بیس (۲۰) سے کم اور دس (۱۰) سے زیادہ ہوں گے۔ حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب علیہم السلام' حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد' حضرت موسیٰ اور عیسیٰ اور مریم۔ بہر حال یہ جماعت جن کا ذکر کیا گیا' شریعت ابراہیمی کے تابع تھے۔ اور ان پر جو وحی ہوتی تھی' شریعت ابراہیمی کو مکمل کرنے والی تھی۔ پس اس وجہ سے ہم ان کی وحی کو مقدم کرتے ہیں۔

وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى اور اس پر جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو تورات' انجیل اور احکام شریعت عطا ہوئے۔ اور اگرچہ یہ دونوں بزرگ بعض متقدمین سے افضل ہیں۔ لیکن انہیں جو کچھ دیا گیا ہے' ان کی اُمتوں کی استعداد کے مطابق دیا گیا ہے۔ تو ان کی شریعت پہلوں کی شریعت سے کچھ پست ہے۔ اسی لیے ہم نے ان کا تاخیر سے ذکر کیا۔ البتہ ان کے کمال اور ان کی شریعتوں کی تفصیل کے پیش نظر ہم ان پر مستقل تفصیلی ایمان لائے ہیں۔ اور ہم نے انہیں اجمال میں داخل نہیں کیا۔ اسی طرح ہم اجمالی طور پر ایمان لائے ہیں اس سب پر مَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ جو تمام پیغمبر علیہم السلام اپنے پروردگار کی طرف سے عطا کیے گئے مصاحف' احکام اور شریعتوں سے۔ اگرچہ اس میں

marfat.com
Marfat.com

فاضل اور مفضول کا فرق ہے۔لیکن

لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کے ساتھ کفر کریں۔اور ہم سے یہ بُرا کام کیسے ہوسکتا ہے۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور ہم صرف خداتعالیٰ کے لیے مطیع ہیں اس کا ہر حکم جو کسی زمانے میں کسی رسول علیہ السلام کی زبان کے ذریعے آئے ہمارے سرآنکھوں پر ہے۔ اگرچہ وہ احکام اُمتوں میں فرق کی وجہ سے فضل اور کمال میں مختلف ہوں۔

## چند فوائد

یہاں چند فائدے باقی رہ گئے۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ آسمان سے نازل شدہ کتابوں اور شرائع پر ایمان کے ذکر میں اگر وقت کی ترتیب کا لحاظ رکھیں تو ما انزل الینا کے ذکر کو سب سے پہلے کیوں لائے؟ اس لیے کہ وہ تو سب سے متاخر ہے۔اور اگر شرافت اور بزرگی کی ترتیب منظور ہے تو مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی کے ذکر کو مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ کے ذکر سے پہلے لانا چاہیے۔اس لیے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔اور ان کی کتابیں جو کہ تورات وانجیل ہیں' ان مذکورہ انبیاء علیہم السلام کی وحی سے بالاجماع افضل اور اعلیٰ ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عین تفسیر میں گزرا کہ ان مذکور انبیاء علیہم السلام کے ذکر کو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ذکر سے پہلے لانا ان کے ان دونوں سے افضل ہونے کی جہت سے نہیں ہے۔اور نہ ہی ان کی وحی کے ان دونوں کی کتابوں سے افضل ہونے کی جہت سے ہے۔ بلکہ اس بناء پر ہے کہ ان کی وحی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وحی کی تاکید تھی۔اور وحی ابراہیمی' وحی موسوی اور وحی عیسوی سے افضل واشرف ہے۔اور افضل کی تاکید کرنے والا بھی بطور تابع افضل ہو جاتا ہے۔اگرچہ مستقل افضل نہ ہو۔جیسا کہ ایک سردار کے ساتھی کسی بادشاہ کے دربار میں بازیابی کے لیے اس سردار کے تابع ہونے کی وجہ سے دوسرے سردار پر مقدم ہوتے ہیں اگرچہ مرتبہ میں وہ اس سردار سے پست ہوتے ہیں۔

امام احمد اور بخاری کتاب الادب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت

marfat.com

Marfat.com

لائے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کون سا دین سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ فرمایا الحنیفیة السمعة یعنی آسان دین حنفی۔ اور حاکم اور ابن عساکر سعد بن عبداللہ بن مالک خزاعی کی روایت کے ساتھ لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ احب الدین الی اللّٰہ الحنیفیه السمحة اور ابی بن کعب کے مصحف میں سورۂ لم یکن میں یہ آیت تھی جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔ اور صحابہ کرام کی کثیر تعداد سے اس آیت کے قرآن پاک میں اسی سورۃ میں ہونے کی شہرت ثابت ہے کہ فرمایا ان ذات الدین عنداللّٰہ الحنیفة السمحة لاالیھودیة ولا النصرانیة ومن لیعمل خیرا فلن یکفره اور بعض محققین نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان لانا اس لیے مقدم فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام وحی اور کتاب سب کی معرفت اسی معرفت پر موقوف ہے۔ اور اسی لیے وہ معرفتِ عقلی ہے' سننے پر موقوف نہیں ہے پھر سابقہ انبیاء علیہم السلام کی معرفت کا راستہ جو کہ زرا سمعی ہے' ہماری نسبت سے اپنے پیغمبر علیہ السلام اور اپنی وحی کتاب کو پہچاننا ہے۔ اور یہ معرفت دلیل کا حکم رکھتی ہے۔ اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت مدلول کے حکم میں ہے۔ اور دلیل مدلول سے پہلے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ما انزل الینا کو سب پر مقدم فرمایا گیا اس کے بعد سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تفصیل میں تقدم زمانی کا لحاظ ہے۔ اور اجمال میں لازم ہے کہ اس کے بعد تفصیل واقع ہو تا کہ جو باقی رہ گیا ہے' سب کو اکٹھا کر لے۔ پس یہ ترتیب تفصیلی اور اجمالی ایمان کے ذکر کی سب سے اچھی وجہ ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی فرق کے بغیر تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں اور ان کی کتابوں پر ایمان لانا فرض ہے۔ جس طرح کہ اپنے پیغمبر علیہ السلام اور کتاب پر ایمان لانا فرض ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اپنے پیغمبر علیہ السلام اور کتاب کی پیروی بھی فرض ہے۔ جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں کی پیروی فرض نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ تورات' زبور اور انجیل پر ایمان لاؤ لیکن پیروی میں تمہیں صرف قرآن پاک کی ہی گنجائش ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام ضحاک اور دوسرے علماء فرماتے تھے

marfat.com
Marfat.com

کہ اپنی عورتوں، اولاد، غلاموں، کنیزوں اور ملازموں کو ان انبیاء علیہم السلام کے اسمائے مبارک کی تعلیم دو جو کہ قرآن پاک میں مذکور ہیں تاکہ وہ ان پر ایمان لائیں اس لیے کہ حق تعالیٰ نے اس ایمان کو وہاں فرض قرار دیا ہے جہاں کہ فرمایا قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرۃ آیت ۱۳۶) اور یہی وجہ ہے کہ امام احمد، مسلم اور دوسرے محدثین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنت فجر کی دو رکعات میں یہ دو آیتیں تلاوت فرماتے تھے۔ پہلی میں قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الخ اور دوسری میں قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا الخ تاکہ اپنی اُمت کو یہ سکھائیں کہ ہر صبح کو ان پیغمبروں علیہم السلام کے ساتھ اپنے ایمان کو تازہ کریں۔

## اولادِ یعقوب علیہ السلام کو اسباط اور حسنین کو سبطین کہنے کی وجہ

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ لغت میں سبط کا معنی قبیلہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو اسباط کیوں فرمایا گیا؟ کیونکہ ان میں سے ہر ایک قبیلہ نہ تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان میں سے ہر ایک سے ایک ایک قبیلہ معرضِ وجود میں آیا اس لیے ان میں سے ہر ایک کو قبیلہ کا نام دیا گیا جیسا کہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اسباط حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں، یہ بارہ (۱۲) تھے، ان میں سے ہر ایک سے لوگوں کا ایک ایک قبیلہ اور جماعت پیدا ہوئی اور اسی معنی سے حضرت حسنین رضی اللہ عنہ کو بھی سبطین کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان سے دو بڑے قبیلے حسنی اور حسینی پیدا ہوئے ہیں۔ اور بعض روایات حدیث میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ اس لقب کے ساتھ ملقب فرمایا گیا اس وجہ سے کہ ان سے اولاد کی بہت کثرت ہے۔ جیسا کہ صحاح میں وارد ہے کہ انا من حسین وحسین منی سبط من الاسباط گویا اس حدیث میں اس بات کا اشارہ ہے کہ بزرگی، پاکیزگی، علم اور تقویٰ آپ کی اولاد میں بہت رہے گا۔ چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔ اور لفظ سبط کے معنوں میں شرافت، اچھے اخلاق،

marfat.com
Marfat.com

صالحیت' تقویٰ اور انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں ہونا بھی عرف شرع کے مطابق معتبر ہے اس شرط کو نہ پانے والے کو سبط نہیں کہا جاسکتا اور جب تم نے اپنا ایمان جیسا کہ چاہیے تھا' درست کرلیا۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا پس اگر ایمان لائیں یہ یہود و نصاریٰ جو کہ ہدایت کو اپنے دین میں منحصر کرتے ہیں بمثل مَا اٰمَنْتُمْ بِہٖ اس طرح جیسے تم اس پر ایمان لائے ہو۔ یعنی تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اور کتابوں پر کسی امتیاز اور تفریق کے بغیر فَقَدِ اهْتَدَوْا پس تحقیق انہوں نے بھی ہدایت پائی اور مہتدی کا لفظ ان پر صادق آیا اگرچہ وہ ان میں منحصر نہ ہوا وَاِنْ تَوَلَّوْا اور اگر وہ اس قسم کے ایمان سے روگردانی کر گئے تو اگرچہ بظاہر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن فی الواقع دونوں کے تابع نہیں ہیں۔ فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ تو نہیں ہیں وہ مگر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کی مخالفت میں۔ اس لیے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اسی ایمان کا حکم دیا ہے۔ تو وہ اگر آپ کے ساتھ جھگڑا اور مقابلہ کریں۔

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ پس عنقریب خدا تعالیٰ آپ کو ان کے شر سے کفایت فرمائے گا۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ اور وہی ہے سننے والا۔ جو کہ ان کی باتیں سنتا ہے' الْعَلِيْمُ جاننے والا۔ جو کہ ان کی نیتوں کو جانتا ہے۔ اور آپ کے بارے میں جو کچھ خفیہ مکر و فریب کرتے ہیں اُسے معلوم ہے۔ نیز وہ آپ کی دعا سنتا ہے۔ اور کلمۂ حق کو بلند کرنے کے لیے آپ کی نیت جانتا ہے۔ پس آپ کو بہمہ وجوہ ان پر کامیابی عطا فرمائے گا اور انہیں مغلوب اور سرنگوں۔

ہم یہاں پہنچے کہ بمثل مَا اٰمَنْتُمْ میں لفظ مثل کا کیا معنی ہے؟ اس لیے کہ مقبول ایمان تو ایک ہے اس میں تعدد نہیں کہ اس میں لفظ مثل استعمال کیا جائے؟ اس سوال کے جواب میں مفسرین نے چند وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ یہ کلام فرض و تقدیر پر مبنی ہے۔ یعنی اگر یہ لوگ اس ایمان کی مثل کوئی اور ایمان حاصل کریں پھر بھی راہِ ہدایت پالیں۔ بات تو اس میں ہے کہ اس ایمان کے علاوہ جہان میں کوئی اور ایمان موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ مشورہ کے مقام پر کہتے ہیں کہ اس اگر تدبیر کی مانند کوئی اور تدبیر تمہارے دل میں آئے تو اس کے

marfat.com
Marfat.com

مطابق عمل کرو۔ اور غرض یہ ہوتی ہے کہ اس تدبیر کے سوا کوئی تدبیر راست نہیں آئے گی۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ مَا آمَنتُمْ میں ما مصدر یہ ہے نہ کہ موصولہ اور لفظ با استعانت کے لیے ہے۔ یعنی یہ لوگ اخلاص' بے نفاقی' ثابت قدمی اور پختگی میں تمہارے ایمان کی مثل کوئی ایمان لائیں تو لازماً ہدایت پا جائیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہاں لفظ مثل تعظیم اور سمجھانے کے لیے زائد واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ مثلك لاتبخل میں کہتے ہیں جس کا معنی ہے انت لاتبخل اور اس توجیہ کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ جو کہ بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ لاتقولوا فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فان الله لا مثل له ولكن قولوا فامنوا بالذی آمنتم به یعنی اس آیت کے معنوں کو اُس طرح نہ سمجھو کہ بلکہ اس طرح سمجھو اس لیے کہ لفظ مثل زائد ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ مومن بہ اس قضیہ کے معنی سے عبارت ہے۔ جو کہ حکم اور تصدیق سے متعلق ہے۔ اور قضیہ کا معنی تصدیق کرنے والوں کے ذہنوں کے ساتھ قائم ہونے کے اعتبار سے متعدد اور متغائر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اعراض کی تشخیص ان کے موضوعات کی تشخیص کے تابع ہے۔ پس قضیہ کا یہ معنی جو کہ ایمان والوں کے ذہنوں کے ساتھ قائم ہے اس معنی کا غیر ہے۔ جو کہ اہلِ کتاب کے ذہنوں کے ساتھ قائم ہوگا۔ نہایت کار یہ ہے کہ دونوں طرفوں کے اتحاد اور دونوں میں نسبت وحکم کے اعتبار سے مماثلت ثابت ہے۔ پس اس مغائرت کے پیش نظر لفظ مثل کا استعمال صحیح ظاہر ہوا۔ اگرچہ عرف میں مغائرت نہ جانیں لیکن عرفیات سے حقائق نہیں ٹوٹتے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ لفظ بمثل میں اور اسی طرح بہ میں حرف با سببیت کے لیے ہے نہ کہ صلۂ ایمان' اور اس صورت میں کلام کا معنی یوں ہوا کہ اگر اہلِ کتاب ان دلائل کی مانند دلائل کی وجہ سے ایمان لے آئیں جن کی وجہ سے تم ایمان لائے تو ضرور ہدایت پا جائیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگرچہ ایمان مومن بہ کے معنوں میں ایک ہے۔ لیکن اس کے دلائل بے شمار ہیں۔ جس طرح مومن کے لیے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھنا اور ان کے حالات کو سننا اور ان کے معجزات' تمام سمعیات پر ایمان کی دلیل ہیں اسی طرح یہود کے

marfat.com
Marfat.com

لیے اپنے پیغمبر علیہ السلام احوال واطوار کو دیکھنا اور سننا اور اپنی کتاب دلیل ہو سکتی ہے۔ اور اسی طرح نصاریٰ کے لیے۔ اور مقصد ہے ان مذکورہ چیزوں پر ایمان لانا نہ کہ طریقے اور دلیل کو معین کرنا۔ اس بناء پر لفظ مثل لانا ضروری تھا۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ مثل سے مراد ایک اور ترتیب ہے۔ جو کہ اس ترتیب سے جدا ہے۔ اور حاصلِ کلام یہ ہے کہ ان تمام چیزوں پر ایمان ضروری ہے خواہ اس ترتیب کے ساتھ یا کسی اور ترتیب کے ساتھ مثلاً اگر یہود پہلے تورات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں اور اس کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کی شریعتوں پر تو بھی جائز ہے۔ اور اسی طرح نصاریٰ اگر پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں اور اس کے بعد دوسرے انبیاء علیہم السلام اور ان کی شریعتوں پر تو بھی جائز ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ میں ایک عنقریب واقع ہونے والی کفایت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اور اس سورۃ کے نزول کے بعد چند سالوں میں اس وعدے کے مطابق کفایت متحقق ہوگئی۔ یہود میں سے بنو قریظہ کو حضور علیہ السلام نے قتل فرمایا جبکہ بنو نضیر کو جلا وطن فرمایا۔ اور خیبر والوں کو بھی برباد کیا اور جو لوگ یہاں تھے پوری ذلت ورسوائی کے ساتھ جزیہ میں مبتلا ہوئے۔ یہ تو یہودیوں کا حال ہے رہے نصاریٰ تو اس وقت ان سے کوئی فریب اور شر صادر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ حبشہ کا بادشاہ جس کا نام نجاشی تھا مسلمان ہو گیا۔ اور نجران والوں نے صلح اور قبولیت جزیہ کے ساتھ اپنے آپ کو زیرِ اطاعت کر دیا اور قیصر بادشاہ روم نے بھی تکبر اور دشمنی اختیار نہ کی اس وجہ سے وہ قہرِ الٰہی کے صدمہ میں گرفتار نہ ہوئے۔

## شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق اخبار بالغیب

اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ میں ایک دن حضور علیہ السلام کے دربارِ اقدس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عثمان! تو شہید کیا جائے گا اس حالت میں سورۂ بقرہ پڑھ رہا ہوگا۔ اور تیرے خون کا ایک قطرہ اس آیت پر گرے گا کہ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ اور ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں اور دوسرے

marfat.com

Marfat.com

معتبر محدثین نے روایت کی ہے کہ جب مصری لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے گھر میں گھس آئے آپ کے سامنے مصحف مجید کھلا تھا اور آپ تلاوت فرما رہے تھے۔ ان بدبختوں نے پہلے آپ کے دونوں ہاتھوں پر تلوار ماری اور آپ کا خون جاری ہو گیا اور اسی آیت پر پڑا۔ آپ اپنے ایک ہاتھ سے اس خون کو مصحف شریف سے دور کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ مجھے خدا کی قسم یہ ہاتھ وہ پہلا ہاتھ ہے جس نے مفصلات قرآن کو لکھا ہے۔

اور ابن ابی حاتم' نافع بن ابی نعیم سے لائے ہیں کہ ایک دن زیارت کے لیے مصحف عثمان ایک خلیفہ کے پاس لائے' میں اس وقت حاضر تھا' میں نے خلیفہ سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ شہادت کے وقت مصحف آپ کی گود میں تھا۔ اور آپ کا خون آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ پر گرا ہے اس خلیفہ نے اس آیت کو کھولا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس آیت پر خون کا اثر تھا۔

اور عبداللہ بن احمد زوائد زہد میں عمرہ بنتِ ارطاۃ عدویہ سے روایت لائے' فرماتی ہیں کہ جس سال کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حج کے لیے گئی تھی جب ہم مکہ شریف سے مدینہ عالیہ لوٹے' ہمیں پتہ چلا کہ شہادت کے وقت جو مصحف شریف آپ کی گود میں تھا' خون کا پہلا قطرہ اسی پر گرا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ اسی آیت پر گرا تھا۔ عمرہ کہتی ہیں کہ اس واقعہ کا اثر ایسا ہوا کہ آپ کے قاتلوں میں سے کوئی بھی صحیح موت نہیں مرا تمام بُری موت مرے۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ تیسرے پارے کے آخر میں سورۂ آل عمران میں اسی آیت کو لوٹایا گیا ہے۔ اور دو جگہ پر اسلوب بیان کو بدلا گیا۔ پہلی تبدیلی یہ ہے کہ اِلَيْنَا کی جگہ عَلَيْنَا لائے ہیں۔ اور دوسری تبدیلی یہ کہ اَلنَّبِيُّوْنَ سے پہلے وما اوتی کے لفظ کو حذف کر دیا گیا۔ اسلوب کی اس تبدیلی میں کیا نکتہ ہے' ہر کلام کی اپنے مقام کے ساتھ مناسبت کس طرح سمجھی جا سکتی ہے؟

marfat.com

Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مخاطب تمام ایمان والے ہیں قولوا کی دلیل کے ساتھ جبکہ اُس آیت میں قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ کی دلیل سے خطاب صرف پیغمبر علیہ السلام سے ہے۔ اور جب نزول کو الیٰ کے ساتھ متعدی کریں تو اس کا معنی پہنچنا اور منتہی ہونا ہوتا ہے۔ اور جب علیٰ کے ساتھ متعدی کرتے ہیں تو اس کا معنی بلاواسطہ واقع ہوتا ہے۔ اور ایمان والوں کے پاس نازل شدہ قرآن پیغمبر علیہ السلام کے واسطہ سے پہنچا ہے نہ کہ بلاواسطہ ان پر واقع ہوا۔ جبکہ پیغمبر علیہ السلام کے قلب مقدس پر بلاواسطہ وارد ہے۔ اس وجہ سے اس آیت میں نزول کا صلہ حرف الیٰ کو کیا گیا اور اُس آیت میں حرف علیٰ کو۔ لیکن چونکہ اس آیت میں نزول کی تعدیت کی ابتدا میں حرف الیٰ کو اختیار کیا گیا تو نظم کلام کی موافقت کے لیے انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں بھی اسی حرف کے ساتھ متعدی کیا گیا۔ تاکہ کلام کی روش معنی صحیح ہونے کے باوجود متعدد نہ ہو اس لیے کہ وصول وانتہا اس سے عام ہے کہ بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ ثبوت واسطہ میں نص نہیں ہے۔

اور وہ جو اہل عربیت میں سے بعض اس وجہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ فرق صحیح ہوتا تو آیت وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا میں عَلٰی کا استعمال صحیح نہ ہوتا اس لیے کہ یہ کلام یہودیوں سے حکایت ہے۔ جو کہ انبیاء نہ تھے۔ اور ان پر بلاواسطہ نزول نہیں ہوا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہودی یہ بات فخر ومباہات اور تعصب کے مقام پر کہتے تھے تو اس کلام میں ان کی مراد نزول بلاواسطہ تھا یعنی عَلٰی أَنْبِيَآئِنَا اور اس قسم کے مقام میں اپنے آباء واسلاف کے مرتبوں کو اپنی طرف منسوب کرنا مجاز متعارف ہے۔ جیسا کہ سادات میں سے بعض کے قول میں واقع ہے کہ فینا النبوة والمعراج والکرم اور جب سورۂ آل عمران کی آیت میں مخاطب پیغمبر علیہ السلام ہیں تو کسی تفصیل وضاحت کی ضرورت نہ تھی اس لیے کہ ان کی قوتِ ایمانی اور ان کے اعتقاد کا تمام ایمانی معتقدات کو جامع ہونا معلوم ہے۔ اس لیے ضروری طور پر وہاں کلام کو اختصار پر مبنی کر دیا گیا اور ما اوتی کے لفظ کو دوبارہ نہ لایا گیا اور حرفِ عطف پر اکتفاء فرمایا بخلاف اس آیت کے کہ اس میں ایمان والوں کو تفصیلی ایمان کی تلقین پیش نظر ہے۔ اور ابھی یہ لوگ

marfat.com
Marfat.com

اس مکتب کے نو آموز طفل ہیں' وضاحت و تفصیل ان کے حال کے مطابق ہے۔

نیز سورۂ آل عمران کی آیت سے پہلے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِنْ کِتَابٍ وَّحِکْمَۃٍ گزرا ہے۔ اور جو کچھ تمام انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمایا گیا ہے اس کے متعلق اجمالی طور پر علم ہو چکا۔ تو مقام اجمال میں اس مطلب کا اعادہ تکرار محض ہوتا ہے۔ البتہ بعض انبیاء علیہم السلام کی تفصیل اور تخصیص کے مقام میں اس کا ذکر مفید ہے بخلاف اس آیت کے کہ اس سے پہلے کوئی ایسی چیز مذکور نہیں ہے کہ اجمالی طور پر تمام انبیاء علیہم السلام کو کتاب وحکمت عطا کرنے کا پتہ دینے والی ہو۔ پس اجمال وتفصیل دونوں میں مَآ اُوْتِیَ کا ذکر ضروری ہوا۔

## اُنْزِلَ اور اُوْتِیَ کے فرق کی حکمت

اب ہم یہاں آتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد کے ذکر میں لفظ نزول وارد فرمایا گیا ہے۔ جبکہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے ذکر میں لفظ مَآ اُوْتِیَ لایا گیا ہے' یہ فرق کس وجہ سے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر غیب سے احکام اُتارنے کا راستہ وحی بردار فرشتے کا نزول تھا اور بس۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی اسی راستہ سے علوم ڈالے جاتے تھے۔ جیسا کہ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس باب میں دو طرح سے سلوک ہوتا تھا' پہلے تو زبرجد کی منقش تختیاں دینا جن پر تورات لکھی ہوئی تھی۔ اور دوسرے کسی فرشتے کے واسطے کے بغیر خباء الحضر میں بالمشافہ نازل ہوتا تھا جو کہ تجلی الٰہی کا خیمہ اور بارگاہ تھی۔ اور ان دونوں طریقوں میں کوئی نزول وعروج نہ تھا۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی دو طریقوں سے سلوک تھا: پہلے انجیل عطا کرنا' دوسرے ان کے سینے میں روح القدس کا پھونک مارنا اور ان کی زبان میں گفتگو کرنا اور ان دونوں طریقوں میں بھی انہیں کوئی نزول محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ معاملہ لین دین کے قبیلے سے تھا' ان دونوں طریقوں کے فرق کی بناء پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہم السلام) کے ذکر میں مَآ اُوْتِیَ کا لفظ لایا گیا۔ اور جب اس لفظ کو ان کے ذکر میں استعمال کیا گیا تو انبیاء علیہم

marfat.com

Marfat.com

السلام کے مجمل ذکر میں بھی اسی لفظ کو کام میں لایا گیا تا کہ ترک کیے گئے لفظ کی طرف رجوع نہ ہو اور معنی کے صحیح ہونے کے باوجود نظم کلام میں انتشار رونما نہ ہو۔

اور یہاں تک جو کچھ مذکور ہوا' ایمان کے ارکان اور اعتقادی واجبات تھے اب فرمایا ہے کہ ایمان والوں کو چاہیے کہ اسی قدر پر قناعت کریں بلکہ اس مرتبے سے اُوپر کی طرف ترقی ڈھونڈیں اور کہیں کہ ہم نے اختیار کیا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ خداتعالیٰ کے رنگ کو۔ اور ہم نے اپنے آپ کو اس کے رنگ میں رنگین کرلیا۔ جس طرح کہ رنگ کپڑے کے ظاہر و باطن میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ کپڑا دوسرے کپڑوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح توحید الٰہی نے ہمارے رگ و پوست میں آ کر ہمارے اعضاء کو قبضہ میں کرلیا۔ پس ہمارا ظاہر و باطن اور قلب و جسم اسی کی ملکیت ہو گیا جیسا کہ نصاریٰ جب کسی کو اپنے دین میں داخل کرتے ہیں یا نیا بچہ پیدا ہوتا ہے' اسے نصرانی بناتے ہیں۔ ایک زرد رنگ جسے معمور یہ کہتے ہیں' ایک برتن میں ڈالتے ہیں۔ اور اس نئے آدمی کو اس میں غوطہ دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اب یہ شخص نصرانی ہو گیا۔ اور دوسرے ادیان سے پاک ہو گیا۔ لیکن ان کا یہ رنگ دو تین دنوں میں نہانے دھونے کی وجہ سے زائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ صرف جلد کے ظاہر پر ہے۔ جبکہ ہمارا رنگ خداتعالیٰ کا رنگ ہے جو تہہ دل سے جوش مارتا ہے۔ اور باطن و ظاہر کو رنگ دیتا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اور رنگین کرنے میں خداتعالیٰ سے زیادہ اچھا کون ہے۔ اس لیے کہ مخلوقات کا رنگ نہ احاطہ کرتا ہے نہ باقی رہتا ہے۔ اس لیے کہ اگر ظاہری رنگ ہے تو صرف جسم کے چمڑے پر ہے۔ اور اگر باطنی رنگ ہے تو بھی قوائے باطنہ میں سے ایک قوت کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسے فلسفہ کا رنگ صرف قوتِ عقلیہ پر ہے۔ اور بدعت کا رنگ صرف قوتِ وہمیہ پر ہے۔ جو کہ شیطان کا مرکب ہے۔ اور منسوخ ملتوں کا رنگ صرف عادت و رسم پر ہے۔ اور محبت دنیا کا رنگ صرف قوتِ شہویہ پر ہے۔ اور حکومت و سلطنت کا رنگ صرف قوتِ غضبیہ پر ہے۔ اور یہ تمام رنگ ادنیٰ سے دھکے سے جو کہ اس قوم کو پہنچتا ہے' زائل ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے رنگ کے غلبہ کی وجہ سے مغلوب ہو جاتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں۔ بخلاف اس خدائی رنگ کے کہ نہ تو شبہات' حوادث اور مصیبتوں کے پانی سے متغیر ہوتا ہے نہ کوئی اور رنگ اس پر غالب آتا ہے۔ جیسا کہ رنگ ریزوں کے رنگنے والے رنگ پانی' سورج' دھوئیں اور غبار کی وجہ سے متغیر ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں دوسرے رنگ بھی بدل سکتے ہیں۔ اور تخلیقی رنگ جو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ جیسے یاقوت کی سرخی' مرجان کی زردی' سنگِ موسیٰ کی سیاہی' سنگِ مرمر کی سفیدی اور اسی قیاس پر نباتات' پھلوں' پھولوں' گلستانوں اور چرنے اُڑنے والے حیوانات کے رنگ نہیں بدلتے۔

چنانچہ ضیاء مختارہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لائے کہ بنی اسرائیل نے عرض کی اے موسیٰ علیہ السلام! کیا آپ کا رب رنگ دیتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تو آپ کے رب نے آپ کو ندا دی اے موسیٰ! (علیہ السلام) انہوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ کا رب رنگ دیتا ہے تو آپ فرمائیں میں مختلف رنگ دیتا ہوں' سرخ' سفید' سیاہ اور سب رنگ میرے رنگ میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام پر یہ آیت اُتاری۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اور ہمارے باطن کا یہ رنگ جو کہ خدا تعالیٰ کا رنگ ہے کیونکر زائل ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ہم ہمیشہ اس رنگ کے ثبات و دوام کی فکر میں ہیں۔ اور ہمیشہ اس کی بقاء اور جلاء کے علاج میں کوشش کرتے ہیں۔

وَنَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ اور ہم صرف اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ اور عبادت باطن کے رنگ کو دُور کرتی ہے۔ اور قلب اور اعضاء کو چمکاتی اور صاف کرتی ہے۔ پس وہ رنگ ہمیشہ بارونق معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ روز بروز زیادہ ہوتا ہے خصوصاً جب ریا' خود بینی اور تعصب قومیت کی آمیزش کے بغیر اخلاص اور قانون کی محافظت کے طریقے سے عبادت ہو کہ یہ باطن کے آئینے سے زنگ دُور کرنے میں تریاق مجرب ہے۔

## خدا تعالیٰ کا رنگ کیا ہے؟

ہم اس بات کی تحقیق پر پہنچے کہ یہ خدا تعالیٰ کا رنگ جسے ایمان والوں کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے' کیا چیز ہے؟ سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ رنگ اللہ تعالیٰ کے حضور سر تسلیم خم کرنا اور اطاعت کرنا اور اس کے اوامر و نواہی پر مطمئن ہونا ہے۔ جو کہ اس کے ہر حکم میں

marfat.com

Marfat.com

پوری خوشی اور رغبت کے ساتھ تعمیل کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور تعصب، سخن پروری، اور اپنے آباء واجداد کی رسم کے ساتھ اپنی وضع اور آئین کی حفاظت کا کوئی رنگ یا مشقتیں یا خلاف طبع کو قبول کرنے سے کاہلی اور غیر مانوس چیزوں کی گرانی باقی نہیں چھوڑتا۔ اور یہ ملکہ ایمان سے جدا ہے۔ اور ورزش اور کمال ایمان کے سبب سے حاصل ہوتا ہے۔ اور طاعتیں اور اچھی عادتیں جیسے خوف، حیا، محبت، شوق، انکساری، عاجزی، دوام حضور، نگرانی، پرہیزگاری اور تقویٰ سب اس کے آثار میں سے ہیں۔ اور قلب سے قالب تک محیط ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اسے رنگ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب کوئی اس حد تک کسی کی مرضی کے تابع ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ فلاں تو فلاں کے رنگ میں رنگا گیا ہے۔

اور دوسرے مفسرین نے اس رنگ کی رنگا رنگ اور طرح طرح کی تفسیریں کی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ دین اسلام قبول کرنے کو فعل نصاریٰ سے مشاکلت کی بناء پر جو کہ اپنے بیٹوں اور اولاد کو زرد پانی کے ساتھ رنگین کر کے کہتے تھے کہ اب صحیح نصرانی ہو گیا اس عبارت میں رنگِ خدا کا نام دیا گیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ صبغۃ اللہ سے مراد فطرۃ اللہ ہے۔ جس پر اس نے ہر فرد انسانی کو پیدا فرمایا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم آیت ۳۰) اور وہ فطرت جب آدمیوں کے رنگنے کے بغیر خدا تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہے، تو رنگ طبعی کے ساتھ پوری مشابہت رکھتی ہے۔ جبکہ مختلف مذاہب اور ملتیں جیسے یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت یا تو شیطانی القاء کی وجہ سے نفس میں جگہ پکڑتی ہیں یا ماں، باپ، قوم اور خاندان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے **کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ اوینصرانہ او یمجسانہ** یعنی ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے تو اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ختنہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی اطاعت کا بدن پر ظاہر ہونے والا اثر یہی ہے۔ جس طرح کپڑے پر رنگ اور بعض نے کہا ہے کہ صبغۃ اللہ اس نفسانی کیفیت سے عبارت ہے۔ جو کہ بندے کو اپنے خالق کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔

marfat.com

Marfat.com

اور ہمیشہ قائم رہنے کی بناء پر رنگ کا حکم حاصل کر لیتی ہے۔ اور ظاہر و باطن میں سرایت کرتی ہے۔ جیسے شوق کے ساتھ دوام حضور صفائی کے ساتھ وحدۂ انکساری اور فنائے نفس کے ساتھ طہارت اور صوفیا کے عرف میں اس نفسانی کیفیت کو نسبت الی اللہ کا نام دیتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے ہر لطیفہ کی نسبت کے لیے جدا جدا رنگ ثابت کیا ہے۔ جیسے سفیدی، سرخی، سیاہی، زردی اور سبزی۔

اور اگر اہلِ کتاب کہیں کہ اگر تم نے فی الحال اپنے آپ کو رنگ خدا کے ساتھ رنگین کیا ہے۔ اور اس کی عبادت میں مشغول ہو گئے ہو تو ہم تو کئی نسلوں سے رنگ خدا میں رنگین اور اس کی عبادت میں مشغول ہیں۔ اور ہمارا دین تمہارے دین سے بہت قدیم ہے۔ اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے آئی۔ اور ہم میں نبوت و رسالت جاری رہی۔ اور خدا کے بیٹے اور محبوب ہونے کا مرتبہ ہمیں حاصل ہے نہ کہ تمہیں نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّآءُ هٗ (المائدہ آیت ۱۸) اس کی مرضی کے جس طرح ہم واقف ہیں تم نہیں ہو سکتے ہو تو ان کے جواب میں قُلْ کہو اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ کیا تم ہمارے ساتھ خدا تعالیٰ کے متعلق جھگڑا کرتے ہو۔ کہ وہ کس کا ہے، ہمارا یا تمہارا؟ جیسا کہ اہلِ دنیا کسی باغ اور کسی زمین کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ تو تمہارا یہ جھگڑا بالکل فضول ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح تمہارا ہے، ہمارا بھی ہے۔

وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ اور وہ ہمارا پروردگار اور تمہارا پروردگار ہے۔ اس لیے کہ اس کی ربوبیت کل مخلوقات کے لیے عام ہے۔ ذراتِ عالم کا ہر ذرہ اسی کا پیدا کیا ہوا اور پروردہ ہے۔ اور اگر تم کہتے کہ ہماری عبادات اور طاعات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہیں۔ جبکہ تمہاری عبادات و طاعات اس کی بارگاہ میں قبول نہیں ہیں۔ تو یہ نزاع بھی نرا بے معنی ہے اس لیے کہ جو عبادت اور طاعت بھی اس کے فرمان پر کی جائے اس کی بارگاہ میں مقبول ہے۔

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں۔ جو کہ ہم اس کے حکم کے مطابق اس دور میں کر رہے ہیں۔ وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ جو کہ تم

marfat.com
Marfat.com

نے اس کے حکم کے مطابق اس وقت کیے جب کہ وہ منسوخ نہیں ہوئے تھے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ تمہارے اعمال آباء و اجداد کی رسم کی حفاظت کی بناء پر تھے۔ اور تعصب' نفسانیت اور اعراض دنیوی کے ساتھ ملوث خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہ تھے۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ اور ہم اسی کے لیے عبادت کو خالص کرنے والے ہیں کہ آباء و اجداد کی رسم اور تعصب' نفسانیت اور دنیوی اغراض کو ہم اس میں دخل نہیں دیتے۔ اور جب تمہارے یہ دونوں جھگڑے بے دلیل ظاہر ہوئے تو اب تم کیا کہتے ہو؟ آیا یہ کہتے ہو کہ ہمارا دین اور آئین حضرت ابراہیم' اسماعیل' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد کے دین و آئین سے بہتر ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ یہودی اور نصرانی نہیں تھے' یہودیت اور نصرانیت ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مقرر ہوئی۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ کیا تم جہالت اور بات پالنے کو کہتے ہو کہ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ کہ تحقیق ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد۔ باوجودیکہ تورات اور انجیل کے نزول سے پہلے اور یہودیت و نصرانیت کے مقرر ہونے سے پیشتر ہو گزرے ہیں كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى یہودی یا نصرانی تھے۔ اور یہ دونوں شقیں باطل ہیں۔ اور اگر اہلِ کتاب سخن پروری اور تعصب کی بناء پر خود اسی شق کو اختیار کریں جس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور کہیں کہ ہاں یہ جماعت اس معنی میں یہودی اور نصرانی تھے کہ ان کی شریعت معمولہ یہودیت و نصرانیت کی شریعت کے مطابق تھی گو تورات و انجیل اور یہودیت و نصرانیت کے تقرر سے پہلے گزر گئے ہوں۔ پس ان کے جواب میں قُلْ کہیے ءَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا خدا تعالیٰ۔ خدا تعالیٰ نے خود ہمیں خبر دی ہے کہ مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آل عمران آیت ۶۷) نیز تعمیر کعبہ کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے دعا کی ہے۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا۔ نیز انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اور یہودیوں اور نصرانیوں کی شریعت میں خانہ کعبہ کے حج کے مناسک کہاں ہیں؟ اور نماز میں رکوع کہاں

marfat.com
Marfat.com

ہے؟ بلکہ تورات اور انجیل میں بھی اسی مضمون کی روشن نصوص موجود ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد بالکل حقیقت حنفیت پر تھے۔ اور ہفتہ کی حرمت اور یہودیت کی دوسری بڑی خصوصی پابندیاں ان پر مقرر نہ تھیں۔ اور اسی قیاس پر لوازم نصرانیت جیسے اتوار کے دن کی تعظیم ان کی شریعت میں نہ تھی۔ لیکن تم ان واضح نصوص کو مناظرہ ومجادلہ کے وقت تعصب اور سخن پروری کی بناء پر چھپا لیتے ہو اور ظاہر نہیں کرتے ہو تاکہ تمہیں خفت اور الزام نہ پہنچے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے۔ جو کہ ایک گواہی کو بھی چھپالے۔ جو کہ ثابت ہو عِنْدَهٗ اس کے نزدیک کہ وہ شہادت مِنَ اللّٰهِ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جبکہ تم ان تمام واضح شہادتوں کو چھپاتے ہو اور صرف اسی قدر پر اکتفاء نہیں کرتے ہو۔ بلکہ ان نصوص کی تحریف اور انہیں تبدیل کرتے ہو۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں جو کچھ اس چھپانے اور تحریف وتغیر میں کرتے ہو۔ اگر اقتدار والے بادشاہ کا قاصد تم پر نگہبان ہو اس سے ڈر کر اس کے حکم میں جعل سازی اور دھوکہ دہی نہیں کرتے ہو۔ جبکہ اس بادشاہوں کے بادشاہ سے جس کے اقتدار کے سامنے بادشاہوں کا اقتدار بے حقیقت ہے۔ اور وہ تم پر نگہبان اور آگاہی رکھتا ہے' نہیں ڈرتے ہو۔ اور اس کے کلام میں بے دریغ جعل سازی اور دھوکہ کرتے ہو۔ اور اگر تم اس بات پر غرور کرتے ہو کہ ہم انبیاء (علیہم السلام) کی اولاد ہیں۔ اور ہمارے اسلاف مقبولان بارگاہِ خداوندی تھے۔ اور ہمارے گروہ میں نبوت اور رسالت جاری رہی ہے۔ اور انہیں خدا تعالیٰ محبوب رکھتا تھا تو یہ خیال تمہیں کوئی فائدہ نہیں کرے گا' چاہیے کہ تم اپنے اعمال کو ان اسلاف کے اعمال کے مطابق کرو تاکہ تم سرخ رو ہو جاؤ۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ یعنی وہ ایک جماعت تھی جو کہ گزر گئے۔ اور اپنے اعمال اپنے ساتھ لے گئے۔ تمہارے لیے ان اعمال کا ذخیرہ چھوڑ کر نہیں گئے ہیں جو تمہارے کام آئے۔ جس طرح کہ دنیوی مال ومتاع جو کہ باپ اپنے بیٹوں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

اور غربت اور ضرورت کے وقت بیٹوں کے کام آتا ہے۔ اس لیے کہ

لَهَا مَا كَسَبَتْ اس جماعت کے لیے جو کہ گزر چکی ہے اس کی جزا ہے جو انہوں نے کمایا۔ اور اگر تمہارے لیے وہ اعمال چھوڑ جاتے تو انہیں اعمال کا بدلہ نہ ملتا بلکہ تمہیں ملتا۔

وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ اور تمہارے اس کی جزا ہے جو تم کماتے ہو۔ اگر تمہارے گناہوں کو وہ برداشت کرتے تو ان گناہوں کی سزا انہیں ملتی نہ کہ تمہیں۔ اور عمل کی جزا اس عمل کے کرنے والے کے غیر کو دینا تمہارے نزدیک بھی عدل کے خلاف اور حکمت کے منافی ہے۔ اور تم ان کے اعمال کی جزا کی کس طرح توقع کرتے ہو۔

وَلَا تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور تم سے اس کا سوال نہیں کیا جائے گا۔ جو کہ گزشتہ جماعت والے کرتے تھے۔ اور عمل کی جزا نہیں ملتی مگر سوال کے بعد اور غیر کے عمل کے متعلق کسی شخص کو سوال کرنا خلاف عقل ہے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے غیر کے اعمال پر اطلاع نہیں رکھتا تا کہ اس کے جواب میں ذمہ داری سے باہر آئے۔ تو تمہارا یہ خیال نری کم عقلی اور بے وقوفی ہے۔

اور اس تقریر سے معلوم ہوا کہ یہاں اس آیت کا تکرار باوجود یہ کہ ابھی قریب ہی گزرا ہے، تکرار معنوی نہیں ہے کہ بلاغت میں مخل ہو۔ اس لیے کہ پہلے مقام پر اس آیت سے غرض یہ تھی کہ تمہارے اعمال و افعال کسی طرح بھی تمہارے گزشتہ اسلاف کے اعمال و افعال کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتے۔ اور ان کی وصیتوں پر تم میں عمل باقی نہ رہا۔ اور یہاں غرض یہ ہے کہ اپنے اسلاف کی نیکی اور بزرگی پر اعتماد کر کے گواہی اور واضح حق کو چھپانے کا اقدام اور دوسرے اعمال قبیحہ کا ارتکاب کمال بے وقوفی اور بے عقلی ہے۔ جو کہ تم سے صادر ہوتی ہے۔

کم عقلی اور بے وقوفی میں اور زیادہ بڑھے ہوئے وہ لوگ ہیں جو کہ تمہیں میں سے ہیں کہ ان کی بے وقوفی اور بے عقلی بالکل آشکارا ہے، عنقریب ظاہر ہو جائے گی اس لیے کہ

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ عنقریب بے عقلوں اور بے وقوفوں کا ایک گروہ کہے گا اور ان کی اس حماقت اور کم عقلی کے باوجود صورت انسانی کے ساتھ ان کی صورت کی مشابہت پر نظر

marfat.com
Marfat.com

کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ مِنَ النَّاسِ کہ لوگوں کے زمرہ سے ہیں۔ ورنہ فہم و عقل میں انسانیت کا کوئی حصہ بھی نہیں رکھتے۔ جب دیکھیں گے کہ مسلمانوں نے نماز میں ایک قبلہ سے دوسرے قبلہ کو منہ کرلیا ہے مَا وَلّٰهُمْ کون سی چیز ان مسلمانوں کو روگردانی کرنے کا باعث ہوئی۔

عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا اپنے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ آیا اس قبلہ میں انہوں نے کوئی نقصان پایا یا دوسرے قبلہ میں ان پر کوئی بزرگی اور کمال ظاہر ہوا کہ اس کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے؟ اگر وہ قبلہ ناقص تھا۔ اور یہ کامل تو شروع سے ہی کامل کو کیوں اختیار نہ کیا۔ اور ناقص کو کیوں نہ چھوڑا۔ تو یہ معاملہ ان کی ناعاقبت اندیشی کی دلیل ہے۔ اور اگر پہلے قبلہ کو یہود کے تعصب کی بناء پر چھوڑا یا قبلۂ دوم کو اس بناء پر اختیار کیا کہ اپنی قوم سے محبت ہے۔ کیونکہ یہ اہلِ مکہ ہیں تو معلوم ہوا کہ انہیں دینی معاملات میں مخالفین کے تعصب اور اپنی قومیت کی جانب داری کا پاس ہے صرف حق کے طالب نہیں ہیں۔ اور آپ جب ان سے اس قسم کی بات سنیں تو جواب میں

قُلْ فرمائیں۔ کہ ان چیزوں میں سے کوئی ایک بھی اس قبلہ سے روگردانی کا باعث نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ ہمارے دین کی بنیاد فرمانِ خداوندی ہے نہ کہ اپنی عقل ناقص کی پسندیدہ چیزوں کی پیروی اور نہ ہی تعصب اور اپنی قومیت کا پاس۔ بلکہ ہمارے لیے اس روگردانی کا باعث حکمِ خداوندی ہے کہ ایک مدت تک اس قبلہ کی طرف منہ کرنے کے لیے ہوا تھا اب اس قبلہ کو منہ کرنے کے لیے ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی جہت اور مکان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ بلکہ

لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے زمین کی مشرق اور زمین کی مغرب۔ جس مکان کو چاہے قبلہ مقرر فرمادے جب چاہے اسے موقوف کر کے دوسرے مکان کو قبلہ بنادے تو ہم سے روگردانی کی وجہ پوچھنا تمہاری کمال کم عقلی اور بے وقوفی ہے۔ اور تمہارا یہ پوچھنا بعینہ اس شخص کے پوچھنے کی طرح ہے۔ جو کہ کسی شخص کے غلام سے پوچھے کہ اس مدت تک تو یہ کام کرتا رہا اب اس کام کو چھوڑ کر دوسرا کام کیوں نہیں کرتا؟ اور وہ سمجھتا

marfat.com
Marfat.com

نہیں کہ غلام کا کوئی ارادہ اور خواہش نہیں ہوتی۔ ارادہ تو صرف مالک کا ارادہ ہے۔ جس کام میں چاہے اسے مصروف کردے اور اگر ہم سے تمہارا پوچھنا اس غرض سے ہے کہ ہم تمہیں اپنے مالک کے مختلف احکام کے اسرار سے آگاہ کریں تو ہم اس کے تمام اسرار اور مخفی حکمتوں پر مطلع ہی نہیں ہیں نہ ہی تم ان اسرار کے فہم کی صلاحیت رکھتے ہو اس لیے کہ اسرار کو سمجھنے کے لیے ایک اور حوصلہ چاہیے جو کہ تم میں نہیں ہے۔ البتہ تمہارے سامنے ہم اتنا کہتے ہیں کہ قبلہ کا تعین صرف راہِ عبادت دِکھانے کے لیے ہے۔ اصل عبادت میں داخل نہیں ہے۔ اور اپنے بندوں کو راہِ عبادت دِکھانے میں اللہ تعالیٰ کے معاملات مختلف ہیں' کسی کو ایک راہ سے پتہ دیتا ہے تو کسی کو دوسری راہ سے اور وہ راہیں استقامت میں مختلف ہیں۔

يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے جب چاہے' راہ نمائی فرماتا ہے۔ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ سیدھی راہ کی طرف جو کہ سب سے نزدیک راہ ہے۔ جس طرح کہ اس وقت ہمیں راہ دِکھائی ہے کہ سب سے بہتر قبلہ کا حکم دیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آدمی کو قوتِ عقلیہ دی گئی ہے کہ اس قوت کے ساتھ مجردات کا ادراک کرتا ہے قوتِ خیالیہ بھی عطا فرمائی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عالم اجسام میں داخل ہوتا ہے۔ اور جب قوتِ خیالیہ' قوتِ عقلیہ کی مدد کرتی ہے تو اس کا کام زیادہ قوی اور زیادہ مستحکم ہوتا ہے۔ جس طرح انجینیئر مقداروں کے احکام کے ادراک کے وقت جب تک کہ صورتوں اور شکلوں کی تصویر و تشکیل نہیں کرتا۔ اور حس اور خیال کو اپنی قوتِ عقلیہ کا مددگار نہیں کرتا' ان احکام کو بخوبی دریافت نہیں کرتا۔ اور اسی طرح جو کوئی کسی بادشاہ یا امیر کا ثناء و تعریف کے ساتھ قرب چاہتا ہے' پہلے اس بادشاہ اور امیر کے رُخ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتا ہے پھر ثناء و تعریف میں مشغول ہو جاتا ہے۔

اور عبادت کی روح جو کہ خشوع ہے کے حصول کا تصور سکون اور دائیں بائیں جھانکنا چھوڑنے کے بغیر نہیں ہے۔ اور سکون اور ترک التفات حاصل نہیں ہوتے مگر اس وقت جب کہ عبادت کرنے والا عبادت کے وقت ایک معین سمت کو لازم کرے۔ اور اس سے نہ پھرے۔ قصہ مختصر ظاہر کا باطن کے ساتھ ایک تعلق ہے کہ توجہ ظاہری میں قصد کا ایک ہونا

marfat.com

Marfat.com

توجہ باطنی میں قصد کے ایک ہونے کے سبب سے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے نماز میں استقبال قبلہ ضروری ہوا۔ لیکن چاہیے کہ وہ قبلہ تمام مخلوق کے لیے ایک معین چیز ہوتا کہ ان کے ظاہر کا اتفاق ان کے باطن کے اتفاق کا موجب ہو۔ اور جب ان کا باطن انوار و برکات عبادت کا فیض لینے میں متفق ہو جاتا ہے تو اس عبادت سے دل کو روشن کرنے میں عظیم اثر پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح ایک مکان میں ایک ہی سمت میں بہت سے چراغوں کا اتفاق بہت عظیم روشنی کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ اور اسی نکتہ کے لیے جمعہ اور جماعات جاری کیے گئے ہیں۔ لیکن پنجگانہ جماعت میں ایک محلے والوں کا اتفاق نورِ عبادت کے زیادہ ہونے کا موجب ہوتا ہے۔ اور جمعہ میں ایک شہر والوں کا اتفاق۔ اور حج میں تمام جہان والوں کا اتفاق اور چونکہ سب جہان والوں کا ایک مقام میں ہر وقت اتفاق مشکل ہے تو ناچار اس مکان کی سمت کو اس کے قائم مقام کر کے اوقات نماز اور دوسری عبادات میں اس سمت منہ کرنے کا حکم بطور فرض یا مستحب مصلحت کے عین مطابق ہوا۔ نیز چاہیے کہ وہ مکان اور وہ سمت مخلوقات کے ساتھ کوئی تعلق یا محسوس یا معقول کمال نہ رکھتے ہوں۔ جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے مزارات یا سورج اور چاند یا آگ اور دریا۔ ورنہ عوام کے حق میں وہ عبادت اس مخلوقات کی طرف متوجہ اور ان محسوس و معقول کمالات کے ساتھ مصروف ہو جائے گی۔ اور باری تعالیٰ کی ذات پاک تک نہ پہنچے گی جیسا کہ چاہیے کہ عینک کا شیشہ رنگین نہ ہو صاف اور بے رنگ ہوتا کہ نگاہ کی شعاع اس سے نکل کر اس چیز تک پہنچے جسے دیکھنا مقصود ہے۔ اور عینک کے رنگ کے حجاب میں اُلجھ کر نہ رہ جائے۔ اور اسی لیے اس سمت اور اس مکان کے تعین کو امر سماوی غیبی کے ساتھ وابستہ ہونا چاہیے۔ اور اپنی عقول اور سوچوں کے ساتھ اس کے تعین و تشخیص میں دخل نہیں دینا چاہیے۔

نیز عبادت حضرت معبود کا حق ہے۔ اور کسی کے حق کو اس کے حکم کے بغیر کسی مصرف میں خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ اور جب تک اس کی طرف سے تنخواہ کا پروانہ نہ پہنچے کسی کو نہ دینا چاہیے۔ اسی بناء پر حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں جو کہ نوع بشر کے ابوالآباء ہیں۔ اور اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں جو کہ ابوالملت ہیں سب جہتوں سے

marfat.com

Marfat.com

کامل جہت اور سب مکانوں سے افضل مکان کو قبلہ ہونے کے لیے معین فرمایا۔ اس لیے کہ کعبہ معظمہ انسان کا خاکی مبداء ہے کہ اس مبداء سے اوپر اسے حس کے ساتھ معلوم نہیں ہوسکتا اور جب یہ کام حس کا کام ہے تو اس کے مدرکات سے بالاتر نہیں جانا چاہیے۔ کیونکہ پہلے گزر چکا کہ زمین کو جو کہ انسان کا اصل عنصری ہے اسی نقطہ کے نیچے سے پھیلا کر بچھایا گیا ہے۔ جب عابد کا ظاہر اپنے مبداء ظاہر کی طرف متوجہ ہوا تو عوامل ظاہرہ اور باطنہ کے باہم ایک دوسرے کے مقابل اور دونوں نسخوں غیب وشہادت کی باہمی مطابقت کی بناء پر اس کا باطن اپنے مبدء باطن کی طرف متوجہ ہوگا۔

## اتینا طائعین کہنے کا فیض حضور علیہ السلام سے حاصل ہوا

نیز روایات کے مطابق ثابت ہوا ہے کہ اسی مکان سے ذرۂ محمدیہ علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے اپنے پروردگار کے حکم کو قبول فرمایا ہے جب آسمان اور زمین کو اتیا طَوْعًا اَوْکَرْهًا کا حکم ہوا۔ اور ساتوں آسمانوں میں سے اس قطعۂ زمین کی محاذات میں جو کچھ تھا' آپ کی پیروی میں جواب میں شریک ہو کر عرض گزار ہوا اتینا طائعین۔ تو جب مشاہدہ میں آنے والی مخلوقات میں سے اس قطعۂ زمین اور اس کی محاذات نے اپنے پروردگار کی طرف توجہ میں تمام ذرات عالم سے سبقت کی ہو تو پھر عبادت کے وقت ان سے روگردانی' قدردانی اور حق شناسی کے خلاف ہے۔

## صخرۂ بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کی حکمت

البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے حق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک اور ان انبیاء علیہم السلام کے حق میں جو کہ ان دونوں کے درمیان تھے صخرۂ بیت المقدس کو ایک نکتے کے لیے قبلہ بنایا گیا تھا۔ اور وہ نکتہ یہ تھا کہ وہ صخرۂ اپنی ہولناک صورت کے ساتھ جو کہ تھی۔ اور آسمان اور زمین کے درمیان معلق تھا' راہِ عبادت اور اطاعت سے منہ موڑنے والوں کو ڈرانے کے لیے جلاد کے کوڑے کی مانند ہے کہ گنہگار بے اختیار ہو کر اس کے نیچے سر جھکاتے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی اُمت محبت اور شوق کی راہ

marfat.com
Marfat.com

سے بے خبر تھی' وہ ڈرانے کے بغیر عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتے تھے تو ناچار انبیاء علیہم السلام کو بھی اس وجہ سے کہ اُمت کے مقتداء ہوتے ہیں اسی معلق صخراء کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوتا تھا۔ نیز اس مقام کی آخرت میں ایک خصوصیت ہے کہ عرشِ الٰہی کی تجلی اسی مقام پر ہوگی۔ اور اہلِ قیامت بھی اسی کے اردگرد کھڑے ہوں گے۔ پس اس مکان کی طرف منہ کرنا حالت قیامت' اعمال کے متعلق باز پرس کے خوف' حساب اور وزن اعمال کو یاد کرانے والا ہے۔ اور اسی راز کی وجہ سے حضرت سلیمان (علیہ السلام) نے جب اس صخرہ پر قبہ تعمیر فرمایا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک مسجد بنائی' معبد سے باہر بہشت اور دوزخ کی تصویر کو قیامت کی ہولنا کیوں کو یاد کرنے کے لیے درست فرمایا ہے۔ اور حضور علیہ السلام جب بعثت کی ابتدا سے حضرت آدم (علیہ السلام) اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے کمالات سے مشرف ہوئے۔ اور آپ نے کعبہ معظمہ کے پڑوس میں نشوونما پائی اور بچپن سے ہی اس گھر کی تعظیم سے مانوس ہوئے تو پہلے آپ کو اسی گھر کی طرف جو کہ قبلوں سے افضل واکمل تھا۔ منہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ کو شب معراج بیت المقدس لے گئے۔ اور اس پڑوس میں جلوہ گر انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ آپ کی ملاقات واقع ہوئی۔ اور ان کی نبوت کی برکات بھی حضرت آدم وابراہیم علیہما السلام کے انوار و نبوت کے ساتھ مل گئیں اور وہیں سے آسمان کی طرف چڑھنا حاصل ہوا۔ تو ناچار کچھ مدت کے لیے آپ کو ضروری تھا کہ ان انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے آثار و برکات کی تفہیم و تکمیل کے لیے نیز شکرانہ معراج اور اس کے اثر کو باقی رکھنے کے لیے اس قبلہ کی طرف منہ کریں۔ اور توجہ الی اللہ کا اس صورت کے ساتھ مشاہدہ کریں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ کعبہ اور بیت المقدس دونوں کا استقبال ہاتھ سے نہ جائے۔ چنانچہ بیہقی اپنی سنن میں ابوداؤد ناسخ ومنسوخ میں اور ابن ابی شیبہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ شریف میں بیت المقدس کی طرف نماز ادا فرماتے۔ درآں حالیکہ کعبہ شریف آپ کے سامنے ہوتا۔ اور مدینہ عالیہ تشریف لے جانے کے بعد سولہ (۱۶) ماہ تک یہ سلسلہ رہا پھر آپ کو کعبہ شریف کی طرف پھیر دیا گیا۔ یوں صخرہ

marfat.com

Marfat.com

بیت المقدس کا اس وقت استقبال کمالات انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کے ساتھ تکمیل کے لیے تھا کہ شب معراج ان کی نبوت کے انوار اجمالی طور پر انوار محمدیہ کے ساتھ ملحق ہو گئے تھے۔ نیز اس بنا پر کہ اس مقام میں معراج واقع ہونے کے باعث ان کے حق میں اس مقام کو ایک شرف اور فضیلت مل گئی تھی۔ اور اس مقام کا استقبال ذوالقبلتین کے لقب کے سچا ہونے کا باعث ہوا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں پہلے انبیاء علیہم السلام سے منقول ہے۔ اور تمام انبیاء (علیہم السلام) کے کمالات کے جمع کرنے کا اشارہ کرتا تھا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعثت کی ابتدا میں حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے خلیفہ تھے۔ اور معراج کے بعد انبیاء بنی اسرائیل علیم السلام کی خلافت بھی پا لی اور جب مدینہ عالیہ کو ہجرت فرمائی تو دونوں قبلوں کا استقبال ممکن نہ تھا۔ کیونکہ وہاں سے دو باہم مقابل سمتوں میں واقع ہیں۔ ناچار حضور علیہ السلام نے یہاں ایک باریک اجتہاد فرمایا۔ اور جان لیا کہ جب مجھے مکہ سے مدینہ عالیہ ہجرت کرنے کا حکم ہوا تو لازماً مکہ کی طرف پشت اور بیت المقدس کی طرف منہ کیے ہوئے جاؤں گا۔ بہتر یہ ہے کہ عبادت کے وقت بھی اسی امر کے تابع رہوں۔ اور استقبال کعبہ پر استقبال بیت المقدس کو ترجیح دے کر مکہ معظمہ سے نکلنے کے دن سے جو کہ ماہ ربیع الاوّل شریف کا پہلا دن تھا دوسرے سال کے رجب کے نصف تک کہ سولہ ماہ اور کچھ کسر کی مدت ہوتی ہے۔ اور اس مدت کو کسر کی تتمیم کے طریقے سے بعض راویوں نے سترہ ماہ (۱۷) بھی کہا ہے۔ بیت المقدس کی سمت میں نماز ادا فرماتے تھے۔ اور جب کمال محمدی کا عروج اپنے پوری بلندی پر پہنچ گیا اور آپ حضرت آدم' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ علیہم السلام کے کمالات بلکہ تمام انبیائے بنی اسرائیل کے کمالات کے جامع ہوئے۔ اور غزوۂ بدر جو کہ ظہور خلافت کی ابتدا تھی قریب آ پہنچا تو ناچار آپ کو النہایہ الرجوع الی البدایہ کے حکم کے مطابق پھر سمت کعبہ کی طرف متوجہ کر دیا گیا اور یہ تحویل آپ کے کمال کی انتہا کا اشارہ ہوا۔ اس لیے کہ اس سمت کی طرف ظاہر بدن کی توجہ جب باطن کی جناب حق کی طرف توجہ کو لازم کرنے والی ہے تو وہاں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ اور معراج کو یاد کرنا فاصلہ پائے جانے' مراحل طے کرنے اور منازل سے گزرنے کا پتہ دینے والا ہے۔ اور وہ بُعد اور

marfat.com
Marfat.com

دوری کا نشان دیتا ہے۔ عین قرب کے وقت، بُعد اور دوری کو یاد نہیں کرنا چاہیے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس ترتیب کے ساتھ دونوں قبلوں کے استقبال کا اتفاق ہوا۔ پہلے آپ کے جبلی کمال کی وجہ سے سب سے کامل قبلہ آپ کو عطا ہوا۔ پھر مزید عروج اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کمالات حاصل کرنے کے لیے صخرۂ بیت المقدس کی طرف توجہ ضروری ہوئی تاکہ جامع کمالات کی ہیئات ناقص نہ رہیں۔ پھر اسی کمال کی طرف رجوع واقع ہوا۔ اسی لیے یہ راہ عبادت کی نزدیک ترین راہ ہوئی جو کہ کمال کی ہر نوع کی جامع اور دونوں طرف استقبال کی برکات پر حاوی ہوئی۔

## چند سوالات

یہاں چند ایک جواب طلب سوال باقی رہ گئے۔ ان میں سے ایک سوال یہ ہے کہ ابھی قبلہ کی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اور آیت قدنری تقلب وجھك فی السماء جو کہ بیت المقدس کے استقبال کی ناسخ ہے ذکر نہیں ہوئی تھی۔ اور سفہاء کا مقولہ جو کہ اس پر متفرع تھا گفتگو میں نہیں آیا تھا۔ واقعہ کے وقوع سے پہلے پیش بندی کس لیے فرمائی گئی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ آیت قدنری تقلب وجھك فی السماء نزول میں اس سے پہلے ہے پس ان کے مقولے کا باعث ثابت تھا۔ اگرچہ ابھی ان کا مقولہ صادر نہیں ہوا تھا۔ اور جب کسی امر کا باعث متحقق ہو جائے تو گویا وہ امر متحقق ہو گیا۔ اس کا بندوبست کرنا حکیم کی نظر میں واجب کی طرح ہوتا ہے۔ اور اگر نزول کی ترتیب بھی قرأت کی ترتیب کے مطابق ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ اس پیش بندی میں چند عمدہ فائدوں کا قصد کیا گیا ہے۔ ان میں سے نفیس فائدہ یہ ہے کہ اس معجزانہ کلام میں غیب کی خبر واقع ہو اور اس کلام کے اعجاز کے دلائل میں سے ایک دلیل ہو۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مکروہ واقعہ کا اچانک رونما ہونا آدمی کی طبیعت پر بہت ناگوار اور گراں گزرتا ہے۔ اور اگر اس واقعہ کے رونما ہونے سے پہلے اس کا پتہ چل جائے تو اس کا نفس اس واقعہ کے خیال اور تصور سے مانوس ہو کر اس کے واقع ہونے کے وقت اتنا بے چین اور بے راہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ تو جب پیغمبر علیہ السلام اور

marfat.com

Marfat.com

مسلمانوں کو پہلے ہی پتہ چل جائے کہ بے وقوفوں کا ایک گروہ اس قسم کا بے جا سوال کرے گا تو اس سوال کے واقع ہونے کے وقت پریشان نہیں ہوں گے۔ اور وہ مبنی بر طعن سوال ان کی طبیعت پر ناگوار نہیں ہوگا۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جو جواب پہلے سے ہی مہیا اور تیار ہو دشمن کی فی الفور دندان شکنی کرتا ہے۔ اور سوچنے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور دشمن کے نزدیک جواب حاضر تر دید کلی پیدا کرتا ہے۔ اور اسی لیے مثالوں میں عرب کہتے ہیں کہ قبل الرمی یراش السہم۔ تیر اندازی سے پہلے تیر جمع کیے جائیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ان کے اس سوال میں سفاہت اور حماقت کی دلیل کون سی چیز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سفاہت کا معنی عقل کا ہلکا ہونا ہے۔ اور ان کا منسوخ قبلہ چھوڑنے اور مقرر کردہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کی وجہ پوچھنا باوجود مسلمانوں کے حال کو جاننے کے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی حکم کے نزول کے بغیر کوئی حرکت وسکون نہیں کرتے کم عقلی کی صریح دلیل ہے۔ اور جب کسی ایسے شخص کو جو کہ اپنا مال بے جا اور بے جا خرچ کرتا ہے۔ اور آخرت کے نفع اور نقصان کو نہیں پہچانتا شرع میں بے وقوف فرمایا گیا ہے جہاں یہ ارشاد ہوا کہ **لا تؤتوا السفھاء اموالکم التی جعل اللّٰہ لکم قیاما** (النساء آیت ۵) تو جو شخص اپنی آخرت کو بالکل ہی برباد کردے اور اس رسول علیہ السلام پر طعنہ زنی کرے جن کی نبوت دلائل کے ساتھ ثابت ہو وہ کیونکر بے وقوف نہیں ہوگا؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ سفہاء کا لفظ ذکر کرنے کے بعد من الناس کے ذکر میں بظاہر کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ کم عقلی بھی آدمیوں کی مخصوص صفت ہے۔ جیسا کہ عقلمندی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس لفظ کو لانے کی وجہ دوران تفسیر گزر چکی ہے۔ اور اس کے علاوہ یہاں یہ وجہ ہے کہ اس صفت کے ذکر میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ان لوگوں میں آدمی ہونے کے علاوہ کوئی اور علامت نہیں ہے۔ جیسا کہ **جاء نی رجل من الرجال** میں کہتے ہیں۔ اور رایت انسانا من لا ناسی میں مقرر ہے۔ اور جب پیغمبر علیہ السلام کو بے عقلوں کے سوال کے جواب میں تلقین سے فراغت ہوئی اب ایمان والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس طرح ہم نے تمہارے قبلہ کو قبلوں سے افضل قرار دیا ہے۔ اسی طرح تمہاری

marfat.com
Marfat.com

ملت کو ملتوں سے افضل کیا اور اسی طرح تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا جامع کر دیا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اور اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی اُمت کیا۔ اس گھر کی طرح جو کہ شہر کے درمیان ہو یا اس مکان کی طرح جو گھر کے درمیان ہو۔ یا اس مسند کی طرح جو کہ محفل کے وسط میں بچھائی گئی ہو یا اس سردار کی طرح جو کہ حلقۂ مجلس کے درمیان بیٹھا ہو اور سارے اہل حلقہ اس کی طرف منہ کیے ہوئے ہوں اور اس معنی میں جو بھی درمیان ہو ہے اپنے دوسرے ہم جنسوں سے بہتر ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمہارا قبلہ بھی' ملت بھی اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ممتاز اور برگزیدہ ہیں۔ اور ہم نے یہ سب کچھ اس لیے کیا۔

لِّتَكُوْنُوْا تا کہ تم ہو جاؤ۔ اپنی اس سرداری اور قابل اعتبار ہونے کی وجہ سے شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ لوگوں پر نافذ الحکم گواہ۔ کہ تمہاری گواہی ان کے بارے میں معتبر ہے۔ اور تمہارا حکم ان میں نافذ' خواہ وہ لوگ یہودی ہوں یا نصرانی' خواہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے امتی ہوں خواہ بے دین ہوں۔ جیسے مجوسی' صابی' ہندو اور یونانی' اور اسی طرح دنیا و آخرت میں واقع ہوا۔ اس لیے کہ دنیا میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو ظاہری شوکت اور غلبہ عطا فرمایا۔ اور اس وجہ سے مسلمانوں نے سب پر حکمرانی کی اور ان کے درمیان قضیوں کے اپنے احکام کی گواہی کے ساتھ فیصلے کیے اور کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ نصاریٰ اور یہودی اپنے پورے غلبہ میں قضا کا مرتب اور مہذب دستور نہیں رکھتے مجبوراً کچہریوں اور فیصلوں میں اسلام کے شرعی احکام سے مدد حاصل کرتے ہیں۔

## لوگوں پر مسلمانوں کے گواہ ہونے کی تفصیلات

نیز مسلمانوں کو وسعت ذہن' فراخی علم اور حق کی شناخت میں اس طرح گہرائی عطا فرمائی کہ انہوں نے تمام گروہوں کے علوم کو امتحان کی کسوٹی پر رکھ کر ان علوم کے سچے یا جھوٹے ہونے کی گواہی دی اور ان کی گواہی کی وجہ سے ان گروہوں نے اپنی غلطیوں پر متنبہ ہو کر اپنا مذہب اور معلومات کو بدل دیا۔ اور اپنے مذہب کی توجیہ کے پردہ میں اپنے

marfat.com
Marfat.com

مذہب باطل کی اصل سے ہی دست بردار ہو گئے بلکہ اس کا ذکر کرتے ہوئے شرمانے لگے۔
جیسا کہ نصاریٰ تثلیث کے عقیدہ میں' یہود تشبیہ کے عقیدہ میں' ہنود حلول کے عقیدہ میں' فلاسفہ عقلوں کو واسطہ بنانے' جزئیات کے علم کی نفی' عالم کے قدیم ہونے کے بعد نفس کے فنا ہونے میں' مجوسی حرام چیزوں کو حلال جانے' ثنویہ خالق کے متعدد ہونے کے قول میں۔
نیز طبیعت کی نفاست' کاریگریاں' قسم قسم کے کھانے اور لباس ظاہر کرنے اور ہر طرح سے لذائذ کا استعمال' پُر فضا مکانات کی ترتیب اور حلال طریقے سے زندگی بسر کرنا اور آسودگی سے رہنا انہیں اس قدر عنایت فرمایا گیا کہ ان امور میں بھی وہ تمام گروہوں کے پیشوا ہیں۔ اور عبادت' ریاضت' تصفیۂ نفس' تنویر باطن' مجاہدات کے نتائج حاصل کرنے' مستقبل کے واقعات کے کشف اور معرفت کے مقدمہ کے طور پر علوم رمل و جفر کے نکالنے میں انہیں اس قدر گہرائی نصیب ہوئی کہ دوسرے لوگ ان امور میں ان کی شاگردی پر بھی فخر کرتے ہیں۔ اور مشہور مثال کے مطابق آنچہ آدم می کند بوزینہ ہم یعنی جو کچھ آدم زاد کرتا ہے بندر بھی وہی کرتا ہے۔ اپنے آپ کو ان کے رنگ میں لاتے ہیں اگرچہ نسبت زربفت بنانے والے اور بوریا بنانے والے کی ہے۔ نیز حکم شرع کے مطابق اس اُمت کا اجماع تمام خلائق کے حق میں ایک لازم القبول حجت ہے۔ جیسا کہ مدعی علیہ کے بارے میں گواہ کی گواہی۔ پس اس اُمت کا حکم عام لوگوں کے بارے میں پیغمبر (علیہ السلام) کے اپنی اُمت کے بارے میں حکم کی مانند ہے۔ جو کہ خطا سے معصوم اور واجب القبول ہے۔ اور آخرت میں جب تجلی الٰہی کے حضور انبیاء علیہم السلام کا اپنی امتوں سے جھگڑا ہوگا۔ اور ہر پیغمبر علیہ السلام کے امتی اس پیغمبر علیہ السلام کی تبلیغ کے منکر ہو جائیں گے۔ یہ اُمت انبیاء علیہم السلام کے لیے گواہی دے گی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس اُمت نے تصدیق خدا اور بغیر کسی تفریق اور امتیاز کے تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق میں نہایت جلدی کی ہے یہ لوگ دوسری امتوں کی نسبت فاسقوں اور جھوٹ بولنے والوں کے مقابلہ میں عدالت اور تقویٰ والوں کا حکم رکھتے ہیں۔ پس دوسروں کے حق میں ان کی شہادت قبول ہوگی جبکہ دوسری امتوں کی گواہی ان کے حق میں مقبول نہ ہوگی۔

marfat.com
Marfat.com

نیز چونکہ یہ دوسری امتوں کے زمانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ خداتعالیٰ اور اپنے رسول علیہ السلام کے خبر دینے کی وجہ سے دوسری امتوں کے حالات پر آگاہ ہو گئے ہیں۔ جبکہ دوسرے پہلے زمانے میں ہو گزرے ہیں۔ اور وہ ان کے حالات پر آگاہ نہیں ہوئے پس انہیں دوسروں پر گواہی ممکن ہے۔ اور دوسروں کی ان پر گواہی ناممکن۔ اسی لیے جب ان کی گواہی کے رد میں دوسری امتیں کہیں گی کہ تم کس طرح گواہی دیتے ہو حالانکہ تم ہمارے وقت میں نہیں تھے۔ اور واقعہ کے وقت تم حاضر نہ تھے۔ وہ جواب میں کہیں گے کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی خبر پہنچی اور ہمارے نزدیک یقین کا فائدہ دینے کے لیے یہ خبر دیکھنے اور حاضر ہونے سے کہیں بہتر ہے۔ اور گواہی میں مشہور علیہ کے متعلق یقینی علم چاہیے جس طرح بھی حاصل ہو جائے۔

اور اس قصہ کو سند صحیح کے ساتھ محدثین نے روایت کیا ہے' بخاری اور دوسری صحاح میں مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا۔ تو آپ سے کہا جائے گا کہ کیا آپ نے پیغام حق پہنچایا؟ آپ کہیں گے ہاں۔ تو آپ کی قوم کو بلایا جائے گا تو انہیں کہا جائے گا کہ کیا انہوں نے تمہیں تبلیغ کی؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی (علیہ السلام) نہیں آیا۔ پس حضرت نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا آپ کے حق میں کون گواہی دے گا؟ آپ کہیں گے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت۔ پس وہ بلائے جائیں گے پس وہ آپ کے حق میں تبلیغ کی گواہی دیں گے۔ اور میں تم پر گواہی دوں گا' تو یہ معنی ہے آیت کریمہ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا کا اور وسط سے مراد عادل' اور امام احمد' نسائی اور ابن ماجہ اس قصہ کے تمتہ میں یہ الفاظ بھی لائے ہیں کہ پس کہا جائے گا کہ تمہیں کس نے علم دیا تو وہ کہیں گے ہمارے پاس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے ہمیں یہ خبر دی کہ بیشک رسل علیہم السلام نے تبلیغ فرمائی۔

## اموات کے متعلق اس امت کے صلحاء کی گواہی کے مطابق جزا و سزا

اور اس اُمت کی مقبول گواہوں میں سے مرنے والوں کے حق میں ان کی گواہی ہے کہ رحمت اور عذاب کے فرشتے اسی کے مطابق مرنے والوں کو جزا و سزا دینے میں عمل

marfat.com

Marfat.com

کرتے ہیں۔ لیکن اس گواہی کی قبولیت اس اُمت کے صلحاء اور اہل صدق کے ساتھ خاص ہے۔ بخاری، مسلم اور دوسری صحاح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کسی کا جنازہ لے جا رہے تھے۔ لوگوں نے اس کی تعریف کی آپ نے فرمایا واجب ہوگئی۔ پھر ایک اور جنازہ لے گئے لوگوں نے اس کی برائی بیان کی، فرمایا واجب ہوگئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! کیا چیز واجب ہوئی۔ ارشاد فرمایا کہ پہلے جنازے پر تم لوگوں نے اچھی تعریف کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ اور اس جنازہ پر تم نے برائی بیان کی اس کے لیے جہنم واجب ہوگئی۔ تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو اور حکیم ترمذی کی نوادر الاصول میں اس واقعہ کی روایت کے بعد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

## اچھوں کی گواہی پر خدائی فیصلہ

امام احمد، بیہقی نے شعب الایمان میں اور دوسرے محدثین نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جو مسلمان فوت ہو جاتا ہے۔ اور اس کے چار نزدیکی ہمسائے کہتے ہیں کہ ہم اس کے حال سے جو کچھ جانتے ہیں نیک تھا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہاری گواہی کو قبول فرمایا۔ اور اس کے حال سے جو کچھ تم نہیں جانتے ہو اس سے میں نے درگزر فرمائی اور اسے بخش دیا۔ لیکن یہ سب گواہیاں زبان کی حفاظت اور اس کی لگام قابو میں رکھنے کے ساتھ مشروط ہیں چنانچہ مسلم اور دوسری صحاح میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ خوش ہوں گے نہ شفیع۔ گویا اس مذموم عادت کو کثرت سے عمل میں لانے سے ایک آدمی اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات سے باہر ہو جاتا ہے۔ معاذ اللہ۔ اور ایک عظیم اعزاز جو کہ اس اُمت کے ساتھ مخصوص ہے کھو بیٹھتا ہے۔

## حضور علیہ السلام کی امت کے لئے خصوصی انعام

سعید بن منصور اور ابن ابی حاتم، کعب احبار سے روایت لائے ہیں کہ اس اُمت کو

marfat.com
Marfat.com

تین ایسی چیزیں عطا فرمائی گئی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کو میسر نہیں ہیں: پہلی چیز یہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کو حکم ہوتا تھا کہ بلغ ولاحرج یعنی تبلیغ کرو اور تم پر کوئی تنگی نہیں۔ اور اس اُمت کے لیے بھی فرمایا گیا ہے کہ مَاجَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (ج آیت ۷۸) دوسری چیز یہ ہے کہ ہر نبی (علیہ السلام) اپنی اُمت پر گواہ ہوتا ہے۔ جبکہ اس اُمت کے لیے فرمایا گیا ہے لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ تیسری چیز یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو حکم ہوتا تھا کہ تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ جبکہ اس ساری اُمت سے فرمایا گیا ہے

ادعونی استجب لکم (المؤمن آیت ۶۰)

اور اگر قیامت کے دن دوسری امتیں تمہارے اس اعتبار اور عدالت کا انکار کریں تو تمہارے لیے اپنی عدالت اور اعتبار ثابت کرنے کے لیے ایک سرٹیفکیٹ اور سند ہوگی۔

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا اور تمہارے رسول (علیہ السلام) تم پر گواہ ہوں گے۔ اس لیے کہ وہ نور نبوت کے ساتھ دین قبول کرنے والے ہر شخص کے مرتبہ سے آگاہ ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ میں پہنچا ہے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اور وہ کون سا پردہ ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ترقی سے محروم رہا ہے۔ پس آپ پہچانتے ہیں تمہارے گناہوں کو تمہارے ایمان کے درجات کو تمہارے نیک و بد اعمال کو اور تمہارے اخلاص و نفاق کو اور اسی لیے حکم شرع کی وجہ سے دنیا میں اُمت کے حق میں آپ کی گواہی مقبول اور واجب العمل ہے اور وہ جو آپ اپنے زمانے کے حاضرین جیسے صحابہ کرام ازواج مطہرات اور اہل بیت یا اپنے زمانے سے غائبوں جیسے اویس' صلہ' مہدی اور قتل کرے گا۔ جیسے دجال کے فضائل و مناقب یا حاضروں اور غائبوں کے عیب اور برائیاں بیان فرماتے ہیں ان پر اعتقاد واجب ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کو اپنے امتیوں کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے کہ فلاں آج یوں کر رہا ہے۔ اور فلاں یوں تاکہ قیامت کے دن گواہی ادا کر سکیں۔ اور جب تمہارے پیغمبر علیہ السلام تمہیں عادل قرار دیں اور تمہاری معتبری بیان فرمائیں تو پھر تمہیں دوسری امتوں کے انکار سے کیا خطرہ۔

marfat.com
Marfat.com

## چند بحثیں جنہیں بیان کرنا واجب ہے

یہاں چند واجب البیان بحثیں باقی رہ گئیں: پہلی بحث یہ ہے کہ اس اُمت کی صفت میں جو وسط فرمایا ہے اس کا کیا معنی ہے؟ اس لیے کہ مرتبہ کے اعتبار سے یہ اُمت تمام امتوں سے اعلیٰ اور بہتر ہے۔ ایک اور آیت کی دلیل سے کہ فرمایا کنتم خیر امة اخرجت للناس (آل عمران آیت ۱۱۰) اور پیدائش کے اعتبار سے سب سے پیچھے اور نیچے۔ پس اس اُمت کا درمیان میں ہونا کس اعتبار سے درست ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس اُمت کے توسط سے مراد اس کا طبعی یا زمانی توسط نہیں بلکہ اس کا توسط وضعی ہے۔ اور توسط وضعی کو بہتر اور اعلیٰ ہونا لازم ہے۔ پس توسط وضعی کا معنی کنائی بہتری اور بلند ہونا ہے۔ اور وہ عین خیریت ہے۔ اور توسط وضعی کے لیے خیریت کے لازم ہونے کا بیان تفسیر میں گزر چکا کہ رکھنے' بنانے' لٹکانے' بچھانے' موتی اور تسبیح کے پرونے وغیر میں جو اعلیٰ اور نفیس تر ہوتا ہے اسے درمیان میں جگہ دیتے ہیں۔ اور اس کی تابع چیزوں کو اس کے ارد گرد جگہ دیتے ہیں تاکہ اسے بزرگی کی وجہ سے گھیرے میں لیے ہوئے محفوظ رکھیں اور اسی لیے کہتے ہیں کہ خیریت صرف وسط میں ہے۔ اور ارد گرد مشقتیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ اور بہتر ہونا اس لفظ کا کنائی معنی ہے نہ کہ صریح معنی' اور اہل بلاغت کے نزدیک مقرر قاعدہ کہ الکنایة ابلغ من الصریح۔

اور بعض مفسرین نے اس لفظ کے صریح معنی مراد لیے ہیں۔ اور کہا ہے کہ اس اُمت کے توسط سے مراد عقائد' اعمال' اخلاق' ہر باب میں میانہ روی ہے۔ اس لیے کہ یہ اُمت تمام صفات کمال میں نہ غلو کرتی ہے کہ افراط کی صورت بن جائے۔ اور نہ ہی اس میں اتنی کمی کرتی ہے کہ حد تفریط کو پہنچ جائے۔ اور قابل تعریف یہی میانہ روی ہے۔ نہ یہودیوں کی طرح شان انبیاء علیہم السلام میں اس قدر بے باکی اور کوتاہی کرتے ہیں کہ انہیں معاصی اور گناہوں کی آماجگاہ جان کر ان کی عصمت کا انکار کر دیا حتیٰ کہ انہیں قتل کرنے اور ستانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور نہ نصاریٰ کی طرح کہ اپنے نبی (علیہ السلام) کی شان میں غلو اور افراط کرتے ہوئے انہیں مرتبۂ بندگی سے باہر نکال کر بیٹا ہونے کی حد تک پہنچا دیا۔ علیٰ

marfat.com
Marfat.com

ہذا القیاس تمام اعتقادات' اعمال اور اخلاق میں میانہ روی اسی اُمت کے نصیب ہے۔ اور بس۔

لیکن اس توجیہہ پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صفات کمال میں درجہ کی بلندی قابل تعریف ہے نہ کہ درمیانہ ہونا' تو مقام مدح میں توسط کو کیوں لانا چاہیے؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جو قابل تعریف ہے وہ صفات کمال میں مرتبہ کا بلند ہونا ہے۔ لیکن صفت کمال ہونے کے لیے توسط لازم ہے۔ اور معترض پر یہ بلندی مرتبہ اس مرتبہ کے ساتھ مشتبہ ہوگئی ہے۔ جو کہ صفت کمال کو حد کمال سے باہر کر دیتی ہے۔ اور اسے ایک مثال کے ساتھ واضح کیا جاسکتا ہے۔ اگر شجاعت اس درمیانی صفت سے باہر آ جائے۔ اور تہور کی طرف مائل ہو تو صفت کمال نہیں رہے گی کہ شجاعت کے درجہ کی بلندی قابل تعریف وستائش امر ہوتا ہے۔ اور اس کا راز یہ ہے کہ ہر صفت کمال میں جب مرتبہ کی بلندی کا قصد قابل تعریف میانہ روی کا لحاظ کیے بغیر کیا جائے تو لازماً دوسرے کمال میں کمی اور تفریط تک پہنچائے گا جس طرح پیغمبر (علیہ السلام) کے حق میں اعتقادی افراط جناب باری تعالیٰ کی شان تنزیہہ میں تقصیر تک لے گیا اور اس کے لیے مخلوق کی طرح انہوں نے ایک بیٹا ثابت کر دیا۔ پس قابل تعریف وہی میانہ روی ہے نہ کہ بلندی۔ البتہ میانہ روی کے درجات میں بلندی قابل تعریف ہے۔ لیکن وہ بلندی عین میانہ روی ہے۔

اور مفسرین کا ایک گروہ اس طرف ہے کہ وسط جس طرح لغت میں میانہ روی اور متوسط کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح معتبر اور عادل کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ جیسا کہ زہیر بن ابی سلمٰی کے بیت میں واقع ہوا۔ ہم وسط یرضی الانام بحکمہم' اذا انزلت احدی اللیالی بمعصم' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حاکم اور پنچ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان ہوتا ہے اس کی رعایت بھی کرتا ہے۔ اور اس کی بھی۔ پس لفظ وسط جو کہ میانہ کے معنوں میں ہے اس کے لیے نقل کر کے دوسری وضع کی گئی ہے۔ جیسے لفظ میانجی فارسی لغت میں سفیر اور وکیل کے معنوں میں۔

دوسری بحث یہ ہے کہ اگر اس اُمت کی گواہی سے مراد آخرت میں گواہی ہے جیسا کہ

marfat.com
Marfat.com

از روئے روایات صحیحہ ثابت ہوا۔ اور تمام روایات سے زیادہ صریح روایت حضرت عبداللہ بن مبارک کی ہے کتاب الزہد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اپنی سند کے ساتھ کہا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا۔ تو سب سے پہلے اسرافیل کو بلایا جائے گا۔ پس اس کا رب فرمائے گا کہ میرے عہد کے بارے میں تو نے کیا کیا؟ کیا میرا عہد پہنچا دیا۔ تو وہ عرض کرے گا ہاں یارب میں نے جبریل (علیہ السلام) تک پہنچا دیا۔ پس جبریل (علیہ السلام) کو بلایا جائے گا تو اسے کہا جائے گا کہ کیا تجھے اسرافیل (علیہ السلام) نے میرا عہد پہنچا دیا۔ وہ کہے گا! ہاں۔ پس اسرافیل (علیہ السلام) کو رخصت دے دی جائے گی پھر جبریل (علیہ السلام) سے فرمایا جائے گا کیا تو نے میرا عہد پہنچا دیا؟ وہ عرض کرے گا! ہاں میں نے رسل علیہم السلام کو پہنچا دیا۔ پس رسل علیہم السلام کو بلایا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کیا جبریل (علیہ السلام) نے تمہیں میرا عہد پہنچا دیا؟ وہ کہیں گے! ہاں ہمیں جبریل (علیہ السلام) نے پہنچا دیا۔ اور ہم نے امتوں تک پہنچا دیا۔ پس امتوں کو بلایا جائے گا تو انہیں کہا جائے گا کہ کیا تمہیں پیغمبروں نے میرا عہد پہنچایا' تو ان میں سے کوئی تکذیب کرے گا۔ اور کوئی تصدیق کرے گا۔ پس رسل علیہم السلام عرض کریں گے ان کے خلاف ہمارے پاس گواہ ہیں۔ وہ کہیں گے کون؟ رسل علیہم السلام کہیں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت۔ پس آپ کی اُمت کو بلایا جائے گا تو انہیں کہا جائے گا کہ کیا تم اس امر کی گواہی دیتے ہو کہ رسل علیہم السلام نے امتوں تک میرا عہد پہنچایا۔ تو وہ کہیں گے! ہاں' تو امتیں کہیں گی اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہمارے خلاف کیسے گواہی دے سکتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے انہیں پایا نہ انہوں نے ہمیں پایا' تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت عرض کرے گی اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف ایک عظیم الشان رسول علیہ السلام بھیجا اور تو نے ہم پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں تو نے ہمارے سامنے یہ بیان فرمایا کہ رسل علیہم السلام نے تبلیغ فرمائی' تو ہم ان پر اس کی گواہی دیتے ہیں جس کا تو نے ہم سے عہد لیا۔ پس رب تعالیٰ فرمائے گا انہوں نے سچ کہا۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

marfat.com
Marfat.com

تو لوگوں پر اس اُمت کی گواہی خود صحیح ہوئی لیکن اس صورت میں ان کے رسول علیہ السلام کی ان کے متعلق گواہی کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے کہ انہوں نے وہ گواہی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی مبنی بر صداقت خبروں کی وجہ سے بلاواسطہ دی ہے۔ اور انہیں بھی خبروں کی وجہ سے الزام لگائیں گے۔ اور بات ختم ہو جائے گی۔ اور اگر اس اُمت کی گواہی دنیا میں ہے تو اس اُمت نے تمام لوگوں کو نہیں پایا ہے کہ ان پر گواہی دیں۔ اور نہ رسول علیہ السلام نے ظاہری زمانہ کے اعتبار سے ساری اُمت کو پایا کہ ان کے حال پر گواہی دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں گواہیاں مراد ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ جیسا کہ تفسیر میں گزرا لیکن ان کی گواہی آخرت میں اپنے رسول علیہ السلام کے واسطے سے ہوگی اس لیے کہ دربار خداوندی سے ان تک قرآن مجید رسول علیہ السلام کے وسیلہ سے پہنچا ہے۔ اور انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات کی شرح اور تفصیل آپ کی زبان مبارک سے ہی پائی ہے۔ تو ان کا یہ کہنا کہ تو نے ہماری طرف رسول (علیہ السلام) بھیجا رسول علیہ السلام سے ہی طلب شہادت کے مرتبہ میں ہے۔ اور رسول علیہ السلام کی خاموشی گویا ان کی تصدیق بن گئی جو کہ ان کے سچے ہونے کے معنی میں ہے۔

لیکن تمام امتوں پر ان کی گواہی تو وہ اس جہت سے ہے کہ انہوں نے عقائد اور اعمال تمام امتوں کے عادات واطوار کی تحقیق کر کے دریافت کیے ہیں۔ اور اپنے رسول علیہ السلام سے حاصل کیے ہوئے قواعد وضوابط اور ان کی نصوص سے دلیل پکڑ کر انہیں سچا اور جھوٹا اور انہیں صحیح اور غلط کہا ہے۔ اگرچہ وہ امتیں ان کے زمانے سے پہلے گزر چکی ہوں۔

تیسری بحث یہ ہے کہ اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ ہم نے تمہیں بہتر یا میانہ اُمت اس لیے بنایا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول علیہ السلام تم پر گواہ ہوں اور اس اُمت کا دوسرے لوگوں پر گواہ ہونا بجائے خود اس اُمت کے بہتر اور میانہ ہونے کا موجب ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ اُمت بہتر اور میانہ نہ ہوتی تو افراط وتفریط والوں کے رنگ میں وجود بھی ناقص ہوتا۔ ان کے نقصان پر کس طرح اطلاع ہوتی اور ان کا نقصان کس طرح بیان ہو سکتا۔ جیسا کہ مس کر کے معلوم کی جانے والی اعضاء کی کیفیتوں کے ادراک میں فیصلہ نہیں کر سکتے بلکہ

marfat.com
Marfat.com

وہاں انگشت شہادت کی جلد فیصلہ کرے گی جو کہ کسی طرف میلان نہیں رکھتی اور اس کی گواہی اعتدال سے باہر ہونے والی کیفیات کے ادراک میں معتبر ہے کہ خود معتدل ہے۔ لیکن اس اُمت پر رسول علیہ السلام کی گواہی اس اُمت کو کس طرح بہتر یا میانہ بنانے کا موجب ہو سکتی ہے کہ رسول علیہ السلام کا کام بھی اُمت پر گواہی دینا ہے جیسی بھی ہو اچھی یا بری' میانہ ہو یا حد سے تجاوز کرنے والی جیسا کہ آیت فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ (النساء، آیت ۴۱) اور یَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (النحل آیت ۸۹) میں صراحت کی گئی ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ رسول علیہ السلام بیشک میانہ اور معتدل' بہتر اور افضل ہوتے ہیں انہیں اعتدال سے تجاوز کرنے والی کیفیت جو کہ ان کی اُمت میں ظاہر ہوئی ہے کا علم حاصل ہو سکتا ہے۔ اس بحث کا جواب یہ ہے کہ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا کو وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا کی تعلیل میں اس طرح داخل سمجھا جا سکتا ہے کہ مقام کے اعتبار سے علیکم سے مراد علی مقولکم ومدعاکم قرار دینا چاہیے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اُمت سچ کہنے والی اور معتدل نہ ہو اور واجب شے کا اظہار نہ کرے۔ اور ناقص کو ناقص اور کامل ادا نہ کرے تو رسول علیہ السلام جو کہ معصوم ہیں ان کے مقولے کے مطابق اور ان کے دعوے کی تصدیق میں کیسے گواہی دیں؟ یہ جمہور مفسرین کے مذاق کے مطابق اس آیت کی تحقیق ہے۔

اور یہاں ایک نہایت ہی دلچسپ تفسیر ہے۔ جو کہ بعض قدیم مفسرین سے منقول ہے۔ اور یہاں مذکور اکثر اعتراضات سے نجات دیتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً میں خاص مخاطب وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز گزاری ہے۔ یعنی پہلے مہاجرین اور پہلے انصاری جن کا ایمان میں مرتبہ بلند معروف و مشہور ہے۔ پس فرمایا ہے کہ جس طرح ہم نے تمہیں دونوں قبلوں کے انوار سے منور کیا ہے۔ اسی طرح ہم نے تمہیں ایک متوسط اُمت بنایا تاکہ تم رسول علیہ السلام اور ان کے دوسرے امتیوں کے درمیان واسطہ بنو۔ اور پیغمبروں اور امتوں کے حال کے درمیان تمہارا حال برزخ اور متوسط ہو۔ اس لیے کہ ہم نے تمہیں پیغمبروں (علیہم السلام) کی طرح ان

marfat.com
Marfat.com

دوسرے لوگوں کے احوال کے گواہ مقرر کر دیا ہے۔ جو کہ تمہارے بعد آئیں گے۔ تا کہ تم ان کے اعمال' عقائد اور اخلاق کی درستی اور خرابی کی گواہی دو۔ اور کھرے کو کھوٹے سے جدا کرو۔ اور رسول علیہ السلام مناقب اور فضائل کے ضمن میں تمہارے درجات کے کمال کو بیان فرمائیں۔ اور تمہارے واسطہ سے قیامت تک رسول علیہ السلام کی گواہی کا سلسلہ باقی رہے۔ اس لیے کہ رسول علیہ السلام تمہارے کمال پر گواہی دیں اور تم تابعین کے کمال پر اور اسی طرح ہمارے آج کے دن تک' اور اس اُمت میں اللہ تعالیٰ کا یہ سچا وعدہ اس طرح ظاہر ہوا کہ علم ظاہری کی سند اور طریقۂ باطنی کی اجازت کا سلسلہ آج کے دن تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے ٹوٹا نہیں۔ پس اس اُمت کے رسول علیہ السلام گویا اپنی اُمت سے ہر ہر ایک کے حق میں اس کے حال کے مطابق گواہی دیتے ہیں۔ پس اس اُمت کا پہلا دور نبوت اور صرف اُمت کے درمیان متوسط مرتبہ رکھتا ہے کہ وہ ایک طرح سے پیغمبری کا کام کر رہے (گویا پیغمبر نہیں ہیں) اور ایک طرح امتوں کا' اور اسی طرح قیامت تک ہر پہلے طبقہ میں اپنے سے بعد والے طبقے کی نسبت سے۔

ہاں سب سے اوپر کا طبقہ بلاواسطہ فیض نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیما کی آماجگاہ ہیں۔ اور انہوں نے اپنے بعد والوں سب پر تربیت و اصلاح کا حق چھوڑا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کے کام سے کمال مشابہت رکھتے ہیں۔ جو کہ نچلے طبقات والوں کو نصیب نہیں۔ اور اسی لیے تمام صحابہ کبار رضی اللہ عنہم میں سے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے والوں کو وہ بزرگی حاصل تھی جو کہ دوسروں کو نہ تھی۔ کیونکہ انہیں ان لوگوں کے حق میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہری کے زمانے میں اس دین میں داخل ہوتے تھے۔ لیکن آخری دور میں اقتداء و اتباع کا حق ثابت ہے۔ جیسا کہ اُستاذ محترم کے ہوتے ہوئے استاذ کا خلیفہ کہ اس کے عام شاگردوں کے حق میں اُستادی کا حق پیدا کرتا ہے۔

چوتھی بحث یہ ہے کہ اس اُمت کی گواہی کی گزشتہ روایات سے ظاہر یہ ہے کہ ان کی گواہی بعض لوگوں کے حق میں جو کہ کفار ہوں مُضر ہوگی اور بعض کے حق میں جو کہ انبیاء علیہم السلام ہوں گے نافع ہوگی۔ یہ حال ہے آخرت میں ان کی گواہی کا۔ لیکن دنیا میں ان کی

marfat.com
Marfat.com

گواہی کے نفع اور ضرر کا ثابت ہونا لوگوں کی نسبت سے بالکل ظاہر ہے۔ اس گواہی کو مطلقاً نقصان دینے والی گواہی کیوں قرار دیا گیا کہ حرف علیٰ کے ساتھ متعدی کیا جو کہ ضرر کے لیے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شہادت کے اعتبار کا مقام وہی ہے کہ مُضر شہادت ہو اس لیے کہ نفع پانے والا اپنے گواہ پر جرح نہیں کرتا تا کہ گواہ حاکم کے معتبر رکھنے کا محتاج ہو یا اپنی عدالت ثابت کرے۔ اس نکتہ کے لیے ضرر کو نفع پر غلبہ دے کر شہادت کو علیٰ کے ساتھ متعدی فرمایا

ہم یہاں آتے ہیں کہ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا میں یہ توجیہ کیسے چلے گی کہ وہاں گواہی صرف مخاطبین کے نفع کے لیے ہے۔ اور ضرر کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اس اشکال کے جواب میں چند وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ مخاطبین اس گواہی سے نفع پائیں گے۔ لیکن سابقہ امتوں کے کفار اس گواہی سے ضرر اٹھائیں گے۔ ان کے ضرر کا لحاظ کرتے ہوئے لفظ علیٰ لایا گیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں علیٰ بمعنے لام ہے۔ جیسا کہ مَاذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ میں ہے۔ لیکن لام سے ہٹ کر یہاں علیٰ کی طرف پھرنے کی وجہ علی النّاس کے ساتھ ہم شکل ہونے کی رعایت ہے۔ جیسا کہ تدین تدان اور جزاء سیئۃ مثلھا میں کہا گیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ شہیدا کا صلہ قرائن کے واضح ہونے پر اعتماد کی بنا پر محذوف ہے۔ اور علیکم اس فعل کے ساتھ متعلق ہے۔ جس پر لفظ شہید بطور تضمین دلالت کرتا ہے۔ یعنی ،مطلقاً ورقیباً' بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں شہادت گواہی کے معنوں میں نہیں ہے۔ بلکہ اطلاع اور نگہبانی کے معنوں میں ہے۔ تا کہ راہ حق سے باہر نہ نکلیں۔ جیسا کہ واللّٰہ علٰی کل شیء شھید (المجادلہ آیت ۶) میں اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے اس مقولہ میں ہے کنت علیھم شھیدًا مادمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علٰی کل شیء شھید (المائدہ آیت ۱۱۷) اور جب یہ نگہبانی اور اطلاع گواہی برداشت کرنے کا راستہ ہے۔ اور گواہی کی برداشت گواہی ادا کرنے کے لیے ہوتی ہے احادیث میں اس شہادت کی قیامت کے دن گواہی کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔ حاصل معنی کو بیان کرنے کے

marfat.com
Marfat.com

لیے نہ کہ لفظ کی تفسیر کے لئے۔

پانچویں بحث یہ ہے کہ شہادت کے صلہ کو پہلے جملہ میں موخر کیوں کیا گیا اور دوسرے جملہ میں مقدم کیوں کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے جملے میں مقصد اس اُمت کی گواہی کو بغیر اختصاص کے تمام لوگوں پر ثابت کرنا ہے۔ جبکہ اس جملہ میں غرض اس اُمت کے رسول علیہ السلام کی گواہی صرف خصوصیت کے ساتھ اسی اُمت کے بارے میں ثابت کرنا ہے۔ اور صلہ کو پہلے لانا اختصاص کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی **علیکم لاعلی غیرکم** کہ آپ صرف تم پر گواہی دیں کے نہ کہ کسی اور پر۔

## اجماعِ اُمت حجت ہے

چھٹی بحث یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اُمت کا اجماع حجت ہے۔ اور اس کے مطابق عمل واجب ہے۔ اس لیے کہ **لتکونوا شھداء علی اللناس** میں نزول کے وقت سے لے کر قیامت کے قائم ہونے تک ساری اُمت مخاطب ہے۔ جیسا کہ اس قسم کے خطاب میں ہر جگہ اسی طرح مراد لی جاتی ہے۔ جیسے **کتب علیکم الصیام** (البقرہ آیت ۱۸۳)، **کتب علیکم القصاص** (البقرہ آیت ۱۷۸) لیکن اگر یہاں ہم تمام اُمت سے مراد اول سے آخر تک لیں تو تکلیف کا قاعدہ دگرگوں ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ تمام اُمت کے گزر جانے کے بعد کوئی شخص باقی نہ رہے گا جس پر ان کا قول حجت ہو سکے۔ تو معلوم ہوا کہ مراد ہر زمانہ کے لوگ ہیں۔ اور چونکہ ہر زمانہ کے لوگ مخلوط ہوتے ہیں ان میں عالم و جاہل، صالح و فاسق سب موجود ہوتے ہیں۔ اس لیے عقلی قرائن سے معلوم ہوا کہ اعتبار علماء مجتہدین دینداروں کے کہے ہوئے کا ہے نہ کہ ان کے غیر کا۔ بہر حال ان کا غلطی پر اجماع ممکن نہیں ہے۔ ورنہ یہ اُمت بہترین اور عادل نہ ہوگی۔ اور ان میں اور دوسری امتوں میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ اور یہ ایک بہت بڑا شرف ہے کہ اس اُمت کو اجماعی صورتوں میں رسول علیہ السلام کے حکم کی طرح قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح رسول علیہ السلام کا حکم غلطی سے معصوم واجب القبول ہے۔ اسی طرح اس اُمت کا اجماع غلطی سے معصوم اور واجب القبول ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور جب اس قبلہ کی ترجیح جو کہ بالفعل قرار پایا کے بیان اور اس کے کمال جو کہ اُمت کے کمال کی دلیل ہے کی وجوہ کی شرح سے فراغت ہوئی۔ اور مسلمانوں کو بشارت دی گئی کہ اپنے قبلہ کے کمال سے اپنے کمال کو قیاس کریں۔ اب کامل کے منسوخ ہونے کی مدت میں اس کامل سے ناقص کی طرف منتقل ہونے کی حکمت کے بیان پر توجہ فرمائی جا رہی ہے کہ اے محبوب علیہ السلام آپ کے کمال اور آپ کی اُمت کے کمال کی اصل یہی تقاضا کرتی ہے کہ آپ کا قبلہ کعبہ ہی ہو اور بیت المقدس کا قبلہ قرار پانا ایک عارضی امر تھا کہ ایک فائدہ کے لیے ہم نے منظور کیا تھا۔ جب وہ فائدہ حاصل ہو گیا تو ہم نے پھر تمہیں تمہارے اصلی قبلہ کی طرف متوجہ فرما دیا۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اور ہم نے مقرر نہیں کیا تھا اس قبلہ کو تمہارا قبلہ جس پر آپ چند روز رہے اِلَّا لِنَعْلَمَ مگر اس لیے کہ ہم جانیں ایسے حال کا جاننا جو کہ معلوم وجوہ کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔ اور اس جاننے کے بغیر جزا کا استحقاق اور مدح وثنا یا مذمت و نفرت مرتب نہیں ہو سکتے۔

مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ اسے جو کہ رسول کی پیروی کرتا ہے۔ اس قبلہ کے استقبال میں باوجود کے کہ کامل سے ناقص کی طرف منتقل ہونے کو خلاف معقول جانتے ہیں۔ ممتاز اور جدا ہو کر مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ اس سے جو کہ پھر جاتا ہے۔ لیکن رسول علیہ السلام کے چہرے کو پشت کر کے نہیں تا کہ کافر ہو جائے بلکہ اپنے چہرے کو رسول علیہ السلام کے چہرے پر متوجہ رکھ کر جس راہ سے آیا تھا واپس چلا جاتا ہے۔

عَلٰى عَقِبَيْهِ اپنی دونوں ایڑیوں پر۔ تا کہ اسلام کی حد سے باہر نہ آئے لیکن اس کے دل میں قسم قسم کے شبہات آتے ہیں۔ کہ بہتر اور کامل قبلہ کو چھوڑنا اور غیر بہتر اور غیر کامل کو صرف چند یہودیوں کی دلجوئی کے لیے کہ جن کا اس دین میں اس موافقت کی وجہ سے داخل ہونا موہوم ہے اختیار کرنا خلاف حکمت ہے۔ رسول علیہ السلام جو کہ حکمت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے چاہئیں اس قسم کا کام کیوں کرتے ہیں؟ اور پھر رسول علیہ السلام کے خدا نے انہیں یہودیوں کی اس موافقت سے جو کہ بظاہر ان کی پیروی ہے منع کیوں نہ فرمایا حتیٰ کہ کئی سال

marfat.com
Marfat.com

اسی پر گزر گئے۔

اور اگر چہ اس قسم کے شبہات جو کہ اللہ تعالیٰ اور رسول علیہ السلام کے احکام کی حکمت کی وجوہ میں تردد ہے کفر نہیں ہوتے لیکن جاہلیت کی سرحد کے قریب پہنچا دیتے ہیں۔اس لیے کہ عبودیت اور رسول علیہ السلام کی پیروی کا تقاضا یہ ہے کہ حکمت کی ہر وجہ میں تردد نہ کریں۔اور وجہ حکمت کے ظاہر کرنے کا مطالبہ کیے بغیر پوری خوش دلی کے ساتھ پیروی میں قدم رکھیں۔اور اجمالی طور پر جان لیں کہ جو کچھ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یا اس کے رسول علیہ السلام اپنے اجتہاد کے ساتھ کہتے ہیں۔اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عتاب اور کوئی انکار نہیں پہنچتا تو بلاشبہ حکمت کے مطابق ہے۔اگر چہ ہم پر اس کی وجہ پوشیدہ رہے۔اور موافق حکمت معلوم نہ ہو اور جماعت کفار کو الفت دلانے کی اگر چہ عوام مومنین کے حق میں اتنی وقعت نہیں۔لیکن حضرت رسول کریم علیہ السلام کے حق میں ایک عظیم عبادت اور ایک بہت بڑا کمال ہے کہ ان کا کام یہی ہے۔پس کعبہ کا بیت المقدس کے ساتھ منسوخ ہونے کا یہی فائدہ تھا کہ مخلصین شک کرنے والوں سے جدا ہو جائیں۔خصوصاً اس وقت جبکہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ تر پیروی کرنے والے قریشی نسل سے تھے۔اور اپنے آباء واجداد سے تعظیم کعبہ کے عادی تھے۔اور اسی عظیم قطعۂ زمین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ سمجھتے تھے۔اور اس مقام کی مجاورت پر فخر کرتے تھے۔اور قریشیوں کے علاوہ تمام عرب لوگ بھی اسی مکان کے معتقد اور اس کی تعظیم کے خوگر ہو چکے تھے۔انہیں اس مکان کی طرف منہ کرنے کو ترک کرنے کا حکم فرمایا گیا اور بیت المقدس کی طرف توبہ کرنے کو مقرر کرنا جس سے عرب لوگ خصوصاً قریشی بالکل آشنا نہ تھے۔اور جبلی حسد کی وجہ سے اسے قبلۂ بنی اسرائیل سمجھ کر اور اپنے آپ کو بنی اسماعیل سے شمار کر کے اس سے بہت بہت نفرت اور گریز کرتے تھے ایمان کے بہت امتحان کا مقام تھا۔

اور یہ امتحان اور تمیز حکمت الٰہی میں ضروری ہے کہ ہر دین اور ہر ملت بلکہ ہر حکومت میں واقع ہوتا ہے۔اور اس کا راز یہ ہے کہ ہر ملت اور ہر حکومت کے ظہور اور نشوونما کے اوائل میں لوگ مختلف نتائج اور جدا جدا اسباب کی وجہ سے اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔کوئی گروہ

marfat.com
Marfat.com

اپنی قومی غیرت کا پاس کرتے ہوئے اور کوئی گروہ عزت و وقار کے کمال دنیوی کے مرتبوں میں اپنی ترقیوں کی امید رکھتے ہوئے تو کوئی گروہ معرفت حق اور اس کی پیروی کی وجہ سے شامل ہوتا ہے۔ جب تک انہیں ان کی معلومات اور توقعات کے خلاف حکم نہ دیں اور ذمہ داری نہ سونپیں اور اس ذمہ داری میں ان کے چھپے ہوئے دلی ارادے اور ایمان کے درجات ظاہر نہ ہوں تو مخلصین اور ان کے درجات دوسرے لوگوں سے کس طرح ممتاز ہوں گے۔

اور اگرچہ علم الٰہی ازل میں ہمارے تمام کلی' جزئی' ظاہری اور باطنی واقعات کو محیط ہے اسے امتحان کی ضرورت نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کارکن زمین سے لے کر آسمان تک سب اس ظہور و امتیاز کے محتاج ہیں تا کہ ہر کسی کے ایمان اور درجۂ ایمان کے ساتھ اسے پہچانیں اور اس کے حال کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کریں۔ نیز علم ازلی الٰہی ثبوت جزا اور مدح و ثنا یا مذمت و عذاب کے استحقاق کا مدار نہیں ہے۔ اس امر میں مستقبل کا وہ علم چاہیے جو کہ ہر چیز کے ساتھ اس کے وجود اور ظہور کے وقت متعلق ہوتا ہے کہ اس کے مطابق ہر کسی کا بدلہ مقرر ہو اور کارخانہ جزا کے کارکن اسے اپنے عمل کا پیمانہ اور قانون سمجھیں۔

اور اس قبلہ کی طرف متوجہ ہونا مقام امتحان کیوں نہ ہو جب کہ امتحان ہوتا ہی اس چیز کے ساتھ ہے۔ جو کہ نفس اور طبیعت پر ناگوار اور شاق ہو۔

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اور تحقیق وہ قبلہ منسوخہ یعنی بیت المقدس بہت ناگوار اور گراں تھا اس وقت کے اکثر مسلمانوں پر۔ اس لیے کہ اس وقت مسلمان صرف عرب لوگ تھے۔ اور زیادہ تر قریشی' اور ان کے نزدیک کعبہ معظمہ کا قبلہ ہونا تسلیم شدہ تھا۔ اور وہ ہمیشہ اس خطہ کی تعظیم کے معتقد تھے۔ پس اسے چھوڑنا اور نماز میں اس سے منہ موڑنا ان پر بہت گراں تھا۔ نیز وہ جانتے تھے کہ ہماری ملت' ابراہیمی ہے۔ اور ہمارے رسول علیہ السلام حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے ہیں۔ پس لازم ہے کہ ہمارا قبلہ بھی حضرت اسماعیل و ابراہیم علیہما السلام کا قبلہ ہو نہ کہ حضرت موسیٰ' حضرت عیسےٰ اور دوسرے انبیاء بنی اسرائیل (علیہم السلام) کا قبلہ' اور ان میں دانشمند سمجھتے تھے کہ کعبہ معظمہ بیت

marfat.com
Marfat.com

المقدس سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ اور اعلیٰ سے اسفل اور افضل سے غیر افضل کی طرف منتقل ہونا ترقی معکوس ہے۔ جس سے کہ پناہ مانگی جاتی ہے۔ مشہور مثل ہے کہ نعوذباللہ من الحور بعد الکور۔ پس اس وقت کے تمام مسلمانوں پر بیت المقدس کا قبلہ ہونا گراں تھا۔ اس کے عوام پر اس وجہ سے ان کی الفت وعادت کے خلاف تھا۔ اور ان میں سے خاص اہل نظر لوگوں پر اس وجہ سے کہ ملت ابراہیمی کی پیروی کے منافی ہے۔ اور ان کے اخص الخواص پر جو کہ اہل ذوق تھے اس وجہ سے کہ یہ قرب ووصال کے مرتبوں میں ترقی معکوس کا پتہ دیتا ہے۔

اِلَّاعَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ مگر ان پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس حکمت اور بھید کی راہ دکھادی۔ جو کہ اس قبلہ کو مقرر کرنے میں ودیعت اور چھپا ہوا تھا۔ اور انہوں نے نور الٰہی سے پالیا کہ اس قبلہ کے استقبال میں ہمارے رسول علیہ السلام کے کمال کو پورا کرنا منظور ہے۔ چنانچہ ہمارے رسول علیہ اسلام اپنی ظاہری پیدائش کے اعتبار سے مشرب ابراہیمی والے ظاہر اور واقع ہوئے ہیں۔ اور اسی طرح شب معراج آپ کو انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ ملنے اور وہاں ان کی امامت جو کہ صخرۂ بیت المقدس کی طرف تھی کرانے کے بعد ان کی نبوت کے انوار سے بہت وافر حصہ ملنے والا ہے۔ اور اس ملنے کی تائید اور مدت دراز تک اس کے اثرات کو باقی رکھنا صخرہ کے استقبال کے بغیر جو کہ اس وقت واقع ہوا تھا متصور نہیں ہے۔

نیز جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہجرت کا حکم دیا تو ناچار ہم صخرہ کی طرف منہ اور کعبہ کی طرف پشت کر کے روانہ ہوئے حتیٰ کہ ہم مدینہ عالیہ پہنچے۔ پس ہمیں نماز میں اسی روش کو قائم رکھنا چاہیے تاکہ ہر نماز کے وقت ہجرت کا مقصد ہمارے سامنے رہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ہماری توجہ کا رُخ کعبہ معظمہ کی طرف اس متبرک مکان کو مشرکوں کے ناپاک ہاتھوں سے جہاد اور لڑائی کے ساتھ چھڑانے کے لیے پھیر دے۔ جیسا کہ جنگ بدر کے قریب واقع ہوا۔

ترمذی اور دوسری صحاح میں مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استقبال کا حکم ہوتو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یارسول اللہ! کہ ہم زندہ لوگ تو اپنی ان

marfat.com
Marfat.com

گزشتہ نمازوں کا تدارک کر سکتے ہیں جو کہ ہم نے غیر کعبہ کی طرف ادا کیں کہ باقی عمر میں ہم کعبہ کی طرف نمازیں ادا کریں۔ لیکن ہمارے فوت ہونے والوں کا حال کیا ہے؟ جنہیں اس تدارک کی فرصت نہ ملی اور بیت المقدس کے استقبال کے دوران فوت ہو گئے حالانکہ ہمارا حقیقی قبلہ تو کعبہ تھا اور بس۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے زندہ اور فوت شدہ سب کے سب اپنی گزشتہ نمازوں پر ثواب میں شامل ہیں۔ اس لیے کہ منسوخ کا حکم بھی اپنے وقت میں برحق ہے۔ جیسا کہ ناسخ اپنے وقت میں حق ہے۔ اور درحقیقت ثواب کا مرتب ہونا ایمان پر ہے۔ جو کہ عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے نہ کہ صرف صورت عمل پر اور جب وہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کے مامور تھے تو یہ تقاضائے ایمان تھا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ اور خدا تعالیٰ اس کے ہرگز درپے نہیں ہوا ہے کہ تمہارے ایمان کو ضائع کردے بلکہ تم میں اس وقت ایمان کا تقاضا زیادہ ظاہر تھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت جو کہ اپنی طبیعت اور سمجھ کے خلاف ہو عبودیت کے باب میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت سے زیادہ کامل ہے۔ جو کہ عقل کے مطابق بھی ہو۔ کیونکہ اس اطاعت میں عقل کی اطاعت کی آمیزش بھی ہے۔ اور اگر تمہیں اس قبلہ کے ناقص ہونے کی وجہ سے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری اس عبادت میں جو کہ اس قبلہ کی طرف واقع ہوئی کوئی نقص پڑ گیا ہو تو اس طرح بھی ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کمال اطاعت کی وجہ سے جو کہ اس قبلہ میں تھی اس قبلہ کا نقصان بھی پورا فرمادے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ تحقیق اللہ تعالیٰ عام بندوں پر خواہ مسلمان ہوں خواہ کافر نیک ہوں خواہ بُرے مطیع ہوں خواہ سرکش لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ بہت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب کی پرورش کرتا ہے روزی پہنچاتا ہے۔ اور آفات سے حفاظت فرماتا ہے۔ اسے شایان نہیں کہ جہت عبادت کے نقصان کو جبکہ تم نے اسی کے حکم اور فرمان پر اس جہت کو اختیار کیا ہو تمہاری کامل اطاعت کی وجہ سے کامل نہ فرمائے اور اجر میں نقصان کا سبب گردانے۔

marfat.com
Marfat.com

## چند بحثیں

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں۔ پہلی بحث یہ ہے کہ لفظ جعل لغت عرب میں دو مفعولوں کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ جبکہ یہاں اس کا دوسرا مفعول ندارد۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ جعل اپنے اصلی معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ قرار دینے کے معنی میں ہے۔ جو کہ ایک مفعول کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ اور اگر ہم جعل کو اصلی معنی میں لیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ اس کا دوسرا مفعول عموم وخصوص کا لحاظ کیے بغیر عین پہلا مفعول ہی ہے اس کا ذکر کرنے سے لفظی تکرار لازم آتا اس بنا پر اس کا حذف کرنا مناسب ٹھہرا اور معنی یہ ہے کہ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا قِبْلَةً' اور صاحب کشاف نے کہا ہے کہ اَلَّتِيْ جَعَلْنَا کا دوسرا مفعول ہے۔ اور قبلہ کی صفت نہیں ہے۔ اور التی کنت علیھا سے مراد کعبہ معظمہ ہے۔ لیکن آیت کا سیاق وسباق اس توجیہ کا انکار کرتا ہے۔ اس لیے کہ قیل وقال تو بیت المقدس کے استقبال کی وجہ میں تھی نہ کہ استقبال کعبہ میں۔ کیونکہ استقبال کعبہ اس وقت کے تمام مسلمانوں کو مرغوب اور مطلوب تھا۔ اور اخلاص والوں اور بے اخلاصوں میں امتیاز بھی بیت المقدس کے استقبال سے ثابت ہوا نہ کہ استقبال کعبہ سے۔ البتہ یہودی استقبال کعبہ میں حرف زنی کرتے تھے۔ لیکن جب وہ ملت سے باہر تھے تو ان کے اعتراض کا کوئی اعتبار نہ تھا کہ انہیں وجہ حکمت سمجھائی جائے۔ اور اسی طرح وہ تفسیر جو کہ قدیم مفسرین سے منقول ہے کہ انہوں نے کنت علیھا کو انت علیھا کے معنوں میں کیا ہے بھی سیاق وسباق کے ساتھ موزوں نہیں ہے۔

ہم یہاں پہنچے کہ كُنْتَ عَلَيْهَا اور وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ آیت استقبال کعبہ مقرر ہونے اور استقبال بیت المقدس کا وقت گزرنے کے بعد آئی ہوگی۔ حالانکہ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت اس واقعہ سے پہلے اُتری ہے تو مطابقت کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لغت عرب میں عنقریب واقع ہونے والی چیز کو واقع اعتبار کرتے ہیں۔ اور اسی روش کے مطابق کلام کرتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ اس کلام کے آخر میں امر کا وقوع بھی منظور ہوتا ہے۔ یہاں بھی اسی قسم

marfat.com

Marfat.com

کا اعتبار واقع ہے۔ اس لیے کہ یہ آیات بیت المقدس کے استقبال کو منسوخ کرنے کی تمہید کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ اور استقبال کعبہ کے حکم پر پہنچی ہیں۔ پس کلام کے اول میں آخری مطلب ملحوظ ومنظور ہے۔ جس طرح کہ جب بادشاہ کسی شہر یا ملک سے کسی امیر کو معزول کرنے کے لیے حکم بھیجتے ہیں تو اس حکم سے پہلے اسے معزول کرنے کے عذر کو تمہیداً بیان کرتے ہیں۔ اور فرمان کے آخر میں اس کی معزولی کی تصریح منظور ہوتی ہے۔ اسے کلام کی ابتدا ہی سے معزول قرار دیتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ جس وقت تو اس ملک کا والی تھا تو نے یوں کیا' ایسا کیا حالانکہ ابتدا میں ابھی وہ صریحاً معزول نہیں ہوا ہے۔ اسی طرح یہ ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ علم الٰہی ازل سے ابد تک ہر چیز کے ساتھ متعلق ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی اور تجدید نہیں ہے۔ پس لِنَعْلَمَ کا لفظ جو کہ قبلہ مقرر کرنے کے بعد حصول علم پر دلالت کرتا ہے کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم متغیر ومتجدد نہیں ہے۔ بلکہ ہر معلوم کے ساتھ جس صفت کے ساتھ وہ معلوم کسی وقت موصوف ہوگا ازل سے ہی متعلق ہے۔ اور ہر چیز اپنے وقت میں جو حالت رکھتی ہے اس میں منکشف ہے۔ اور ایک قسم یہ ہے کہ اشیاء کے وجود کے بعد ان کے موجود ہونے کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ اور اشیاء کے عدم کے بعد یعنی ان کے وجود کے بعد معدوم ہونے کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور وجود اشیاء سے پہلے ان کے مستقبل میں موجود ہونے کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور اس قسم تغیر وتجدد جاری ہے۔ اور یہاں نعلم کے لفظ سے یہی علم مراد ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں سے علم سے مراد خارج میں تمیز ہے۔ اور تمیز وجود کی فرع ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ علم کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ جبکہ اس سے مراد رسول علیہ السلام اور ایمان والوں کا جاننا ہے۔ جو کہ مجازی طور پر ذات خداوندی کی طرف منسوب ہے۔ جس طرح کہ بادشاہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں شہر کو فتح کر لیا ان کے لشکر نے فتح کیا ہوتا ہے۔ اور فرا نے کہا ہے کہ مراد مخاطبین کا علم ہے بطریق کنایہ' جس طرح کہ ایک عقلمند اور ایک جاہل ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا کریں۔ جاہل کہے کہ ایندھن آگ کو جلاتا ہے۔ اور عقل مند کہے کہ آگ ایندھن کو جلاتی ہے۔ آؤ ہم دونوں کو جمع کرتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ کون کسے جلاتا ہے۔ اور اس سے مراد اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جاہل کو پتہ چل جائے۔ لیکن کلام کو منصفانہ رنگ میں ادا کرتا ہے۔ (اقول و باللہ التوفیق۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ واجب الوجود ہے اور تمام صفات کمالیہ کا جامع لہٰذا اس کی ہر صفت کے متعلق تعبیر اور بیان میں صفت کمال کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے ایسے مقام پر ترجمہ اس انداز میں کیا جائے کہ کمال ذات وصفات مجروح نہ ہو۔ اس حقیقت کے پیش نظر حضرت مولانا الامام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فی الحقیقت اپنے ترجمۃ القرآن مسمی ''کنزالایمان'' میں ایمان کی صحیح ترجمانی فرمائی ہے جہاں آپ نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:
''اے محبوب! تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے''۔ نیز امام اہل سنت غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی نور اللہ مرقدہ اپنے ترجمہ ''البیان'' میں یہ ترجمہ کرتے ہیں ''(اے حبیب!) آپ جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ ہم ظاہر (کر کے ممتاز) کر دیں ان لوگوں کو جو رسول کی پیروی کرتے ہیں ان سے جو الٹے پاؤں پھر جاتے ہیں''۔ الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہ)

تیسری بحث یہ ہے کہ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ اور كُنْتَ عَلَيْهَا کے الفاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ استقبال بیت المقدس دراصل رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجتہاد سے تھا اس کے بغیر کہ اس کے استقبال کے متعلق صریح امر خداوندی آئے ورنہ من یطیع امر اللہ' اور القبلة التی امر ناك بها فرمایا جاتا۔ البتہ جب دربار خداوندی سے اس اجتہاد کے بارے کوئی رکاوٹ اور انکار نہ ہوا تو اس نے وحی صریح کا حکم کر لیا جیسا کہ رسول کریم علیہ السلام کے تمام اجتہادات کا حال ہے۔ اور اسی لیے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَا یعنی ماقررنا ها بعد ان كنت عليها باجتهادك. اور سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ بیت المقدس کا استقبال وحی صریح میں نہ تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صخرۂ بیت المقدس کی طرف انبیاء علیہم السلام کی امامت' ہجرت کے حکم اور اس قسم کے امور سے اس کا استنباط فرمایا تھا۔

marfat.com
Marfat.com

چوتھی بحث یہ ہے کہ مِمَّنۡ يَّنۡقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيۡهِ کے الفاظ سے مفسرین کے مقرر کردہ قانون کے مطابق کہ یہ الفاظ کفر وارتداد کے لیے بطور استعارہ جانتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ استقبال بیت المقدس کے وقت کچھ لوگ مرتد ہو گئے ہوں تا کہ ان میں سے مخلصیت کا امتیاز ثابت ہو سکے حالانکہ کوئی صحیح روایت اس مفہوم کی تائید نہیں کرتی۔ اور وہ جو ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی کہ مسلمانوں میں سے چند لوگ مرتد ہو گئے۔ انہوں نے کہا کبھی یہاں کبھی بیت المقدس؟ تو اس کی سند قابل اعتماد نہیں ہے۔ جبکہ صحاح میں اس کے خلاف منقول ہے کہ اس وقت تک ارتداد اور نفاق بالکل نہ تھا۔

اس کا جواب دوران تفسیر گزر چکا کہ انقلاب علی العقبین ارتداد و کفر کے استعارہ کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ پتہ دیتا ہے کہ ایمان قائم تھا شبہات کے ساتھ۔ اور وہ کمزور ایمان کی ایک قسم ہے۔ اور اسی لیے بیہقی نے اپنی سنن میں اور ابن ابی حاتم اور دیگر قابل اعتماد لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے مِمَّنۡ يَّنۡقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيۡهِ کی تفسیر اہل شک کے ساتھ کی ہے۔ اور عطاء نے فرمایا ہے لیتمیز من یسلم الامر ومن لا یسلم یعنی تا کہ حکم ماننے اور نہ ماننے کے درمیان امتیاز ہو جائے۔

## کراہت طبعی کے باوجود اطاعت تقاضائے ایمان ہے

پانچویں بحث یہ ہے کہ انداز کلام کے مطابق ذہن میں یوں آتا ہے کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيۡعَ اِيۡمَانَكُمۡ کا جملہ ان لوگوں کی تسلی کے لیے ہے جن پر استقبال بیت المقدس گراں تھا۔ گویا فرمایا گیا ہے کہ اگر چہ بیت المقدس کا استقبال تم پر ناگوار گراں اور تمہاری طبع اور سمجھ کے خلاف واقع ہوا تھا۔ لیکن یہ گمان نہ کرنا کہ تمہاری وہ تمام نمازیں جو کہ تم نے طبعی کراہت کے باوجود اس سمت ادا کی ہیں ضائع ہو گئی ہوں اور اجر کے لائق نہ ہوں۔ اس لیے کہ کراہت طبعی کے باوجود حکم خداوندی کی اطاعت تقاضائے ایمان ہے۔ ضائع ہونے کے قابل نہیں۔ اور اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا ہے کہ پورے طور پر وضو کرنا جس وقت کہ طبعاً اچھا نہ لگتا ہو۔ جیسا کہ سخت سردی کے وقت گناہوں کے کفارہ کا سبب ہے۔ البتہ جب طبعی کراہت اس حد تک پہنچ جائے کہ نیک عمل سے تکلیف وملال ہو اور صرف رسم پوری

marfat.com
Marfat.com

کرنے یا اپنے التزام کا پاس کرنے کے لیے ملال کے ساتھ ادا کرے تو اجر و ثواب میں نقصان کا موجب ہوتا ہے۔ پس خوش دلی کے باوجود کراہت طبعی اور قلبی طور پر ملال اور خوش دلی کے بغیر کراہت فرق کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

لیکن صحیح روایات میں وارد ہوا ہے کہ یہ آیت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب میں اُتری جیسا کہ تفسیر میں گزرا' اور احتمال ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس سوال سے یہی مقصد ہو کہ وہ لوگ جو استقبال بیت المقدس کے وقت فوت ہو گئے۔ اسی استقبال کو ناگوار اور گراں جانتے ہوئے نماز میں اسے بجالاتے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نمازیں اجر کے بغیر ہو گئی ہوں اور انہوں نے فوت ہونے والوں کی تخصیص اس لیے کی کہ زندوں کو اگرچہ ان نمازوں کا ثواب اور اجر ہاتھ نہ لگا لیکن باقی عمر میں کہ اپنے دلی طور پر پسندیدہ قبلہ کی طرف منہ کریں گے۔ اور خوش دلی سے نماز ادا کریں گے تو جو اجر ضائع ہو گیا اس کا تدارک ہو جائے گا۔ بخلاف فوت ہونے والوں کے اور اس صورت میں کلام کے اجزاء صریح طور پر ایک دوسرے کے مناسب ہو جاتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے ایمان کو نماز پر محمول کیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ اور اس تفسیر کے مطابق ایمانی اعمال میں نماز کا عظیم مرتبہ ثابت ہوتا کہ حق تعالیٰ نے اسے عین ایمان قرار دیا۔ اور اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ الفرق بين العبد دين الكفر ترك الصلوٰة اور سورۂ روم کی آیت وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ سے اسی مطلب کی ایک مہک آتی ہے۔

اور جب مسلمانوں کو قبلہ کے مسئلہ میں ہر طرف سے تسلی دی گئی اور کسی شک و شبہ منافقوں کی طعن و تشنیع اور کمزور ایمان والوں کے کھٹکے کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگرچہ ہم مہربانی اور رحمت کی وجہ سے جو کہ ہم عام لوگوں پر خصوصاً ایمان و اطاعت والوں پر کرتے ہیں بیت المقدس کی طرف توجہ کا اجر بھی کامل کر دیں گے۔ لیکن درحقیقت وہ قبلہ کعبہ شریف کے کمال کے مقابلے میں ناقص ہے۔ اگرچہ امرِ الٰہی کی تعمیل کے پیش نظر اس سمت نماز کی ادائیگی کامل ہوئی اور ذاتی طور پر کامل کی استعداد کا تقاضا یہ ہے کہ وہ طبعی

marfat.com
Marfat.com

طور پر کامل بالذات کا طالب ہو اور ہماری مہربانی اور رحمت کے شایاں یہ ہے کہ کامل بالذات کو کاملہ بالذات سمت کی طرف منہ کرنے کا حکم دیں تاکہ اس کا اجر وثواب جہت استقبال کے اعتبار سے بھی اور امر الٰہی کی تعمیل کے اعتبار سے بھی کمال پر کمال حاصل کرے۔ اور اسی وجہ سے

قَدْ نَرٰی ہم گاہے گاہے نظر رحمت وعنایت سے دیکھتے ہیں تَقَلُّبَ وَجْهِكَ آپ کے چہرے کا اُٹھنا نزول وحی کے انتظار میں جس کا مضمون استقبال کعبہ ہو فی اطراف و جوانب السَّمَآءِ آسمان میں' کبھی آپ آسمان کی ایک سمت دیکھتے ہیں کہ شاید جبریل علیہ السلام اس سمت سے نمودار ہوں اور مجھے استقبال کعبہ کا حکم خداوندی پہنچائیں۔ اور کبھی دوسری طرف۔ پس آپ اس حالت میں ایک پیارے بچے کی طرح جو کہ کسی چیز کے حاصل کرنے کا مشتاق ہو اور بار بار اپنے چہرے کو اس چیز کے آنے کی سمت کو پھرتا ہے ہماری نظر میں ہیں۔ اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کا یہ سب اشتیاق آپ کی بلندی استعداد اور نشہ کا کمال ہے کہ آپ کامل بالذات کے طالب ہوئے ہیں۔ اور ہماری عنایت کے کارخانہ میں اس طلب کا جو کہ استعداد کی زبان سے کی جائے پورا کرنا ضروری ہے۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ہم آپ کو لازماً اس قبلہ کی طرف متوجہ کردیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں چند وجوہ سے۔

## کعبہ شریف کو پسند کرنے کی وجوہ

پہلی وجہ یہ ہے کہ اس قبلہ کا کمال ذاتی آپ کی استعداد کے کمال کے مطابق ہے:
دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی ملت' ابراہیمی ملت ہے تو چاہیے کہ آپ کا قبلہ بھی ابراہیمی قبلہ ہو۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی بعثت پہلے تو عرب کی طرف ہے۔ اور پھر دوسرے لوگوں کی طرف' اور قدیم زمانہ سے عرب لوگ اس قبلہ کو اپنے فخر کی جگہ اور اسے اپنے لیے زیارت اور طواف کا مقام سمجھتے ہیں۔ پس اس قبلہ کا استقبال ان کے کمال اطاعت اور اس دین سے نفرت نہ کرنے کا موجب ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ جس شہر میں کہ یہ قبلہ واقع ہے آپ کی جائے ولادت ہے۔ اور جبلی طور پر آدمی اس بات کا خواہاں ہوتا ہے کہ ہر قسم کی عزت اور

marfat.com
Marfat.com

بزرگی میرے وطن کو حاصل ہو۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ استقبال بیت المقدس کے وقت یہودی طعنہ دیتے تھے کہ اس رسول (علیہ السلام) کا حال بھی عجیب ہے کہ شریعت میں ہماری مخالفت کرتا ہے۔ اور پھر قبلہ کے معاملہ میں ہماری پیروی کرتا ہے۔ اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی ملت پر ہوں اور پھر ان کے قبلہ کو چھوڑ کر اس قبلہ کی طرف توجہ کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اپنے کاروبار میں حیران ہے۔ اور ایک طریقے کو لازم نہیں پکڑتا۔

اس لیے ہم بھی آپ کی پسند کو پسند کرتے ہیں فَوَلِّ وَجْهَكَ پس اپنے چہرے کو نماز میں کعبہ کی طرف پھیر لیں شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ' مسجد حرام کی وضع کے مطابق جو کہ اس قبلہ کے اردگرد بنائی گئی ہے۔ اور ہر طرف اس کے دروازوں کا رُخ اسی گھر کی طرف واقع ہے نہ کہ دوسرے مکانات کی طرح کہ وہ ایک طرف سے کعبہ شریف کے مقابل ہوتے ہیں دوسری طرف سے نہیں۔

## مسجد حرام کی وجہ تسمیہ کا بیان

اور اس کا نام مسجد حرام اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ کاملین کے لیے وہاں غیر خدا کی طرف نظر کرنا حرام ہے۔ نیز اس مسجد کی وہ حرمت وعزت ہے کہ تمام روئے زمین پر کوئی اور مسجد ایسی عزت وحرمت نہیں رکھتی۔ (اقول وباللہ التوفیق۔ اس سلسلے میں حدیث شریف کے مطابق مسجد حرام میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔ لیکن امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات میں نماز ادا کرنا مسجد حرام سے بھی افضل ہے۔ ویسے افضلیت ثواب کے کئی گنا زیادہ ہونے میں منحصر نہیں ہے۔ گو مسجد حرام میں مضاعفت ثواب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ ہو لیکن بے شمار قسم کی کرامات' برکات' فتوح' فیوض اور منافع جو کہ مدینہ مطہرہ کے ساتھ مخصوص ہیں اس کی افضلیت کے لیے کافی ہیں۔ نیز مضاعفت ثواب کثرت تعداد کی وجہ سے ہے۔ جبکہ عزت ونفاست اس سے وراء ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز لاکھ چیزوں سے زیادہ قیمتی ہو۔ جیسا کہ ایک موتی لاکھ روپوں کے برابر ہوتا ہے۔ تو ہوسکتا ہے کہ مسجد شریف مدینہ عالیہ میں

marfat.com
Marfat.com

ایک نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب اور پڑوس کی برکت سے مسجد حرام کی لاکھ نماز سے زیادہ نفیس اور عظیم ہو اسی لیے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے۔ اس مسئلہ تفاضل بین الحرمین کے متعلق جذب القلوب الی دیار المحبوب کا مطالعہ مفید ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ ناقلاً عن شرح الشیخ المحقق للمشکوٰۃ)۔

اور اگر وہ قبلہ آپ کا پسندیدہ ہے۔ اور آپ کے کمال کے مناسب ہے۔ لیکن میں نے آپ کے پیروکاروں کو بھی آپ کی تبعیت میں اس قبلہ میں شریک فرمادیا اسی لیے آپ کو اور آپ کے امتیوں کو جمع کر کے میں خطاب فرماتا ہوں۔

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ اور تم جہاں بھی ہو خواہ مدینہ میں خواہ کسی دوسرے شہر میں حتیٰ کہ عین بیت المقدس میں فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهٗ پس اپنے چہرے کو اسی مسجد کی طرف پھیر لو تا کہ تم اپنے رسول علیہ السلام کی پیروی میں وہ کمال حاصل کرو جسے پہلے انبیاء علیہم السلام نے باوجودیکہ تم سے افضل تھے بھی یہ کمال نہ پایا۔ اور اگر تمہارے دل میں یہ اندیشہ ہو کہ اس قبلہ میں ہمہ وجوہ خوبیاں ہیں۔ لیکن اتنی بات ہے کہ اہل کتاب کے قبلہ کے مخالف اور اہل جاہلیت کے قبلہ کے مطابق ہے۔ پس اس اندیشے سے اپنے دل کو پراگندہ مت کرو اس لیے کہ اہل کتاب اگرچہ نماز میں اس قبلہ کے غیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لیکن اپنی کتابوں کی بشارت کی رو سے تمہارے رسول علیہ السلام کو دو قبلوں والا جانتے ہیں۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ اور تحقیق جو کتاب دیئے گئے ہیں ضرور جانتے ہیں کہ تمہاری یہ توجہ الی الکعبہ ہی حق ہے۔ اس لیے کہ ان کی کتابوں میں اس بات کا وعدہ ہے کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملت ابراہیمی پر مبعوث ہوں گے۔ اور ان کا قبلہ کعبہ معظمہ مقرر ہوگا۔ اور یہ حق ایسا نہیں جسے اس رسول علیہ السلام اور ان کی اُمت نے اپنے اجتہاد کے ساتھ اپنے لیے اختیار کیا ہو اور ان کا اجتہاد درست ہوا ہو۔ بلکہ ایسا حق ہے۔ جو کہ مخصوص ہے مِنْ رَّبِّهِمْ ان پروردگار کی طرف سے۔ لیکن وہ جان بوجھ کر اس اُمت کی اس فضیلت بلکہ ان کے تمام فضائل کو چھپاتے ہیں۔ اور ان کی کتابوں

marfat.com
Marfat.com

میں ان کلمات کو جو کہ اس رسول علیہ السلام کی نعت میں وارد ہوئے ہیں تحریف کرتے ہیں۔
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور خدا تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو۔

نیز اہل کتاب جانتے ہیں کہ درحقیقت قبلہ ایسی چیز چاہیے جس کی طرف نماز میں سجدہ واقع ہو۔ اور ان کا قبلہ جو کہ بیت المقدس میں معلق پتھر ہے سجدے کی سمت واقع نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ جب وہ ہوا میں معلق ہے تو ہوا۔ اور آسمان کا حکم رکھتا ہے پس جو چیز کہ اس کی سمت سجدہ واقع ہو کعبہ کے سوا نہیں۔ ہاں آسمان دعا کا قبلہ ہے نہ کہ نماز کا قبلہ اور وہ جو اس کے حکم میں ہے۔ جیسے صخرۂ بیت المقدس اسے بھی چاہیے کہ دعا کا قبلہ ہو نہ کہ نماز کا قبلہ اور وہ بھی اس کے حق میں جو کہ اس کے نیچے کھڑا ہو۔ اور ان کے حق میں ہم نے اس قبلۂ دعا کو حقیقت عبادت کو پانے میں ان کی استعداد کے قاصر ہونے کی وجہ سے اور خوف وطمع پر ان کے قصور نظر کی وجہ سے قبلۂ نماز بنا دیا تھا۔ جب رسول کریم علیہ السلام اور ان کی اُمت معنائے عبادت کے راز کو پہنچی۔ اور ان کی عبادت نے دعا سے امتیاز حاصل کیا۔ اور انہوں نے جان لیا کہ عبادت کا دارومدار معبود کے ذاتی کمال پر ہے نہ کہ اس سے خوف وطمع پر۔ اور مقام عبادت سوال کے مقام سے جدا ہے تو ہم نے ان کے حق میں قبلۂ عبادت کو اپنی اصل پر مقرر کر دیا۔

نیز کعبہ معظمہ پورا گھر ہے۔ جو کہ کسی غیر کے تعلق کے بغیر خدا کے نام پر بنایا گیا۔ جبکہ صخرۂ بیت المقدس اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آثار سے ایک معلق پتھر ہے۔ ایک پتھر کو پورے گھر کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے کہ کتنی نسبت ہے۔ اگرچہ وہ پتھر بڑا اور وسیع ہو۔

## چند جواب طلب سوالات

یہاں چند جواب طلب سوالات باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ پہلے گزر چکا کہ استقبال بیت المقدس شب معراج کے بعد اور ہجرت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجتہاد کی وجہ سے مقرر ہوا تھا۔ جبکہ آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استقبال کعبہ پر راضی تھے نہ کہ استقبال بیت المقدس پر۔ ان دونوں امور میں ایک تعارض معلوم ہوتا

marfat.com
Marfat.com

ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجتہاد بدل گیا ہوگا۔اور اس کا سبب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استقبال بیت المقدس کو زیادہ تر اس لیے منظور فرمایا تھا تا کہ اس قبلے کے استقبال کے ساتھ یہودیوں کے دِلوں میں الفت پیدا کی جائے۔اور کمالات انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام اور ان کے انوار سے استفادہ بھی جاری اور باقی رہے۔جب آپ یہودیوں کی متابعت سے مایوس ہو گئے۔اور وہ استفادہ بھی کمال کو پہنچا تو اس قبلہ یعنی کعبہ کی ترجیح کی وجوہ کو آپ کی نظر میں جلوہ گر کر دیا گیا حتیٰ کہ آپ اپنی استعداد کے مطابق طبعی طور پر اس سمت کو منہ کرنے کے خواہاں ہوئے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ بیت المقدس کے استقبال کے زمانہ میں ہی آپ استقبال کعبہ کو پسند کرتے ہوں لیکن یہود کی تالیف قلب اور ارواح انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملنے کے اثر کو پورا کرنے کے لیے جس کا شب معراج اتفاق ہوا تھا آپ نے اس استقبال کو بیت المقدس کے ساتھ اختیار فرمایا ہو۔جس طرح کوئی آدمی ایک اچھے مکان سے دوسرے مکان میں جو کہ اتنا اچھا نہیں ہوتا کسی مصلحت اور کمال کا استفادہ کرنے کے لیے منتقل ہوتا ہے۔اور پسند اسی پہلے مکان کو کرتا ہے۔

(اقول وباللہ التوفیق - استقبال قبلہ نماز کی شرائط میں سے ہے۔تحویل قبلہ بحوالۂ قرآن کریم ایک مہتم بالشان مسئلہ ہے۔جو کہ سید الانبیاء والمرسلین حبیب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ومحبوبیت کا شاہکار ہے اور حکمت خداوندی کا بحر ناپیدا کنار۔ یہاں احتمالات کی اپنی ذہنی تصویر کہ یوں ہوگا یا یوں گا'' جچتی نہیں۔دراصل اس مسئلہ کی صحیح تعبیر اور مفید تعظیم رسول علیہ السلام تصویر نہ ہے جو کہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنے ایک وعظ میں فرمائی ہے۔بحوالہ حدیث پاک۔میں نے دنیا و مخلوقات دنیا اسی لئے بنائی کہ میری بارگاہ میں تمہاری جو عزت ومنزلت ہے ان پر ظاہر فرمادوں۔آگے چل کر فرماتے ہیں۔قال اللہ تعالیٰ: وما جعلنا القبلة التی کنت علیھا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ۔ہم نے نہ کیا وہ قبلہ جس پر تم تھے مگر اس لئے کہ علانیہ ظاہر ہو جائے کہ کون براہ غلامی تمہارا اتباع کرتا ہے اور کون

marfat.com
Marfat.com

الٹے پاؤں پھرتا ہے۔ دیکھو آیت کریمہ صاف ارشاد فرماتی ہے کہ فرضیت قبلہ صرف اس لئے ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم واطاعت کرنے والوں کی پہچان سب کو ہوجائے۔ پھر وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون پر گفتگو میں فرماتے ہیں کہ عبادت سے حضرت عزت جل جلالہٗ کو نہ کوئی نفع نہ اس کے ترک سے کوئی ضرر۔ وہ غنی حمید ہے۔ احکام عبادت کی تشریع اسی لئے ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلامان مطیع وفرمانبردار۔ ان کے حکم سے الٹے پاؤں پھر جانے والے نابکار سب پر ظاہر ہوجائیں۔ عبادت الٰہی اور تعظیم ومحبت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متلازمین ہیں۔ الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہ)

دوسرا سوال یہ ہے کہ نص قرآنی کی رو سے جو کہ یہاں پانچ جگہ واقعہ ہوئی صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا قبلہ پوری مسجد حرام ہے نہ صرف کعبہ ہے۔ حالانکہ ساری اُمت کا اجماع اس بات پر ہے کہ قبلہ صرف کعبہ ہے نہ کہ مسجد حرام اور صحیح احادیث میں بھی یہی آیا ہے۔ چنانچہ بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے موجود ہے کہ لوگ قبا میں نماز صبح میں مصروف تھے کہ اچانک ان کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا کہ آج کی رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن اُترا ہے۔ اور آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ کعبے شریف کو منہ کریں تو تم بھی اسی طرف منہ کرلو اور ان کے چہرے شام کی طرف تھے پس وہ کعبے کی طرف پھر گئے۔ نیز صحیحین میں حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کی روایت سے آیا انہوں نے کہا کہ مجھے اسامہ ابن زید نے خبر دی کہا کہ جب نبی پاک علیہ السلام بیت اللہ میں داخل ہوئے آپ نے اس کی ساری طرفوں میں دعا مانگی اور نماز نہ پڑھی۔ یہاں تک کہ اس سے باہر تشریف لے آئے اور کعبے شریف کی طرف منہ کرکے دو رکعت ادا فرمائیں اور اس کے علاوہ کتب احادیث میں اخبار متواترہ موجود ہیں کہ تحویل قبلہ کعبہ کے ساتھ ہوئی۔ ملکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت اور دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ استقبال کعبہ کا حکم قرآن مجید میں ہے۔ حالانکہ یہ آیت مسجد حرام کے استقبال پر دلالت کرتی ہے۔ پس وہ قرآن جو کہ کعبہ کی طرف تحویل قبلہ پر دلالت کرتا ہے کہاں ہے؟ اس کا جواب عین

marfat.com
Marfat.com

تفسیر میں گزر چکا کہ لفظ شطر یہاں بمعنے مثل ہے۔ اور عرب لوگ جس طرح نحو کے لفظ کو مثل کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ اصل میں جانب کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ شطر جو کہ اصل میں کسی شے کے ٹکڑے کے لیے وضع کیا گیا ہے جہت اور جانب نیز مثل اور طور کے معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہاں اسی استعمال کے مطابق وارد ہوا ہے۔ پس مراد کعبہ کی طرف منہ پھیرنا ہے۔ اور الی الکعبہ کا لفظ جو کہ تولیت کا صلہ تھا قبلۃ ترضاہا کے قرینے سے حذف فرمایا گیا ہے۔ اور شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کا لفظ لانے کی غرض یہ ہے کہ لمبی صفوں کو چاہیے کہ کعبہ شریف کی محاذات میں دائرہ باندھ کر کھڑے ہوں جس طرح کہ مسجد حرام اس کے دائرہ پر ہے نہ کہ سیدھی قطاروں میں کہ اس صورت میں کعبہ کی محاذات سے باہر ہو جائیں گے۔ اور جو قرآن کہ کعبہ کی سمت تحویل قبلہ پر دلالت کرتا ہے قبلۃ ترضاہا کا لفظ ہے۔ لیکن فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کو ساتھ ملا کر کیونکہ یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرغوب اور پسندیدہ استقبال کعبہ تھا نہ کہ استقبال مسجد حرام اور اگر لفظ شطر کو جانب اور جہت کے معنی میں قرار دیں جو کہ متعارف ہے تو ہم کہیں گے کہ مسجد حرام کی جانب سے مراد وہ جانب ہے۔ جس جانب مسجد حرام روئے توجہ رکھتی ہے۔ اور وہ جانب نہیں ہے مگر جانب کعبہ

ہم یہاں پہنچے کہ جانب کعبہ کو اس طرح بیان کیوں فرمایا گیا اور صراحت کے ساتھ الی الکعبۃ یا جانب الکعبہ کیوں نہ فرمایا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد کا لفظ ذہن کی ادنیٰ توجہ سے اس پر دلالت کرتا ہے کہ سجدہ کی جگہ ہے نہ کہ استقبال کی جگہ۔ پس لازمی طور پر استقبال کی سمت کی رعایت اس مسجد میں بھی کی جائے گی ورنہ مسجد نہ ہو گی۔ وہی جہت استقبال اس مسجد کی جانب ہے پس یہ عبارت جانب کعبہ سے کنایۂ لطیف ہوا **والکنایۃ ابلغ من الصریح۔**

اور اس مقام میں کنائے کے راستہ پر چلنے میں ایک نکتہ ہے۔ اور وہ استقبال کعبہ کی دلیل جتلانا ہے گویا یوں فرمایا کہ مسجد حرام اہل کتاب کے اقرار کے ساتھ مبارک اور حرمت والی مسجد ہے۔ اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے وقت سے نماز اور

marfat.com
Marfat.com

سجدوں کی ادا کے لیے بنائی گئی۔ اس مسجد کے سجدوں کی جانب دیکھو کہ کس سمت پڑتے ہیں۔ اس سمت کو اپنا قبلہ مقرر کرو۔ اور اسی لیے بار بار اسی کنایہ اس مقام پر جو کہ اہل کتاب کے سامنے حجت بیان کرنے کا مقام ہے استعمال فرمایا گیا اور صریح لفظ کعبہ سے سکوت فرمایا گیا۔ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو کہ وحی اور قرآن کے رمز شناس تھے اس کنایہ کو صریح سے بہتر طور پر سمجھ کر کہہ دیا کہ قد انزل علیہ قرآن وان امر باستقبال الکعبہ۔

اور دوسرے مفسرین اس سوال کے جواب میں مختلف ہیں۔ صاحب شرح السنۃ کہتے ہیں کہ ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت آئی کہ بیت اللہ اہل مسجد کا قبلہ ہے' اور مسجد اہل حرم کا قبلہ ہے' اور حرم اہل مشرق اور اہل مغرب کا قبلہ ہے' اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا قول یہی ہے۔ لیکن اس جواب پر یہ اعتراض متوجہ ہوتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام آیت تحویل کے نزول کے وقت مدینہ منورہ میں تھے تو اس جواب کے مطابق چاہیے کہ آپ کو حرم کی طرف متوجہ فرمایا جاتا نہ کہ مسجد کی طرف کہ اکثر متاخرین اس طرف گئے ہیں کہ یہاں مسجد حرام سے مراد کعبہ ہے' احادیث متواترہ اور اجماع اُمت کی دلیل سے۔ اور اس سے مراد کے دو راستے ہیں پہلا یہ کہ کل کے جزو پر اطلاق کے قبیلے سے ہو کہ مجاز کا مشہور علاقہ ہے' دوسرا یہ کہ مسجد سے مراد جہت سجدہ ہو نہ کہ محل سجدہ اور مسجد کا شرعی معنی' اور پہلی تقدیر پر حقیقت کے مقابلہ میں مجاز کو اختیار کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ جہت کعبہ کی مراعات کا اشارہ ہو کہ کعبہ سے دوری کی حالت میں کفایت کرتی ہے۔ اور عین کعبہ کی رعایت دور والوں کے لیے ضروری نہیں ہے' اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے' اور امام شافعی رحمت اللہ علیہ کے اقوال میں سے ایک قول اور اس مذہب پر بہت سے دلائل قائم ہیں۔ اس لیے کہ دور والوں کے لیے عین کعبہ کے استقبال میں بہت حرج ہے۔ اور یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ تحویل کے وقت قبا اور دوسری مساجد والوں نے بلا تامل جہت کعبہ کو منہ کیا۔ خصوصاً اُن لوگوں کو جنہیں نماز صبح کے وقت خبر پہنچی۔ اور اس وقت تاریکی تھی' دوران نماز اس حالت میں عین کعبہ کی تشخیص کا کس طرح تصور ہو سکتا تھا' اور حضور علیہ السلام نے ان لوگوں کے عمل کا انکار نہ فرمایا۔ اور ان کی نماز فاسد ہونے کا حکم نہ فرمایا۔

marfat.com
Marfat.com

اور جو شخص صحابہ کرام اور تابعین کے غزوات اور لشکروں میں غور کرے بلاشبہ جان لے کہ جہت کعبہ کے استقبال پر اکتفاء کرنا ان کے لیے کافی تھا۔ اور وہ عین کعبہ کا قصد ہرگز نہیں کرتے تھے۔ اس لیے کہ دلائل ہندسیہ سے مدد لیے بغیر عین کعبہ کی تشخیص نہیں کی جاسکتی اور وہ نہ ان دلائل کو جانتے تھے۔ اور نہ ہی ان دلائل کا سیکھنا فرض جانتے تھے۔ اگرچہ دور والوں کے لیے عین کعبہ کی تشخیص اتنی بعید نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہر دو نقطے جو آسمان اور زمین میں فرض کیے جائیں ان کے درمیان دلائل ہندسیہ کی مدد سے ملانے والا خط نکالا جاسکتا ہے' اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عین کعبہ کے استقبال کا معنی یہی ہے کہ نمازی کا سجدہ زمین کے عظیم دائرہ کی کسی قوس پر واقع ہو جو کہ اس کے ہر دو قدم سے بھی گزرتی ہے۔ اور اس کے محل سجدہ سے بھی۔ اور وسط کعبہ سے بھی۔ بشرطیکہ یہ قوس نصف دائرہ سے کم ہو اس حد تک معرفت دائرۂ ہندسیہ اور اس کام کے دوسرے طریقے سے ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اس تفتیش و تحقیق کی طرف بالکل متوجہ نہ تھے' اور عرب و عجم کے نومسلموں خصوصاً جنگلیوں کو اس طریقے کی معرفت عطا نہ کی۔

## تشخیص قبلہ کی علامات کا بیان

ہاں علامات کے ساتھ قبلہ کی تشخیص ان کے درمیان رائج تھی۔ اور علامات کی تین قسمیں لکھی ہیں پہلی زمینی' دوسری ہوائی' تیسری آسمانی' زمینی علامات جیسے پہاڑ' نہریں' شہر اور دیہات ہوائی علامات جیسے مختلف سمتوں کی ہوائیں ضبط میں نہیں آتیں مگر یہ کہ کسی مسافر کے راستے میں اونچا پہاڑ واقع ہو اور وہ پہلے سے جانتا ہے کہ یہ پہاڑ قبلہ کی طرف منہ کرنے والے کے سیدھے ہاتھ پر واقع ہے یا اُلٹے ہاتھ پر یا بالکل سامنے یا پس پشت' اور اسی طرح منزل سے سیر کی ابتدا کے وقت ایک ہوا شمال سے یا جنوب سے چلنا شروع ہوتی ہو اور وہی ہوا راستہ میں جاری رہے اس سے سمت کی تشخیص لازماً ہوسکتی ہے' رہی آسمانی علامات تو روزانہ چاہیے کہ شہر سے باہر آنے سے پہلے زوال کے وقت سورج کا ملاحظہ کرے کہ اس کے دونوں ابروؤں کے درمیان ہوتا ہے یا سیدھی آنکھ پر یا اُلٹی آنکھ پر یا ان اعضا کے سامنے سے کچھ ہٹ کر ہے تھوڑا یا زیادہ' اور شمالی شہروں میں کہ مسلمانوں کی زیادہ تر رہائش

marfat.com

Marfat.com

گاہیں بھی شہر ہیں۔ سورج ان تین روشوں سے کم ہی تجاوز کرتا ہے۔ اور اسی طرح عصر کے وقت بھی سورج پر نگاہ رکھے' اور غروب کے وقت بھی کہ کس سمت غروب ہوتا ہے قبلہ کی طرف منہ کرنے والے کی دائیں جانب یا بائیں جانب اور اس کے سامنے کی طرف کچھ مائل ہے یا اس کی پچھلی طرف' اور اسی طرف عشاء کے وقت شفق پر دھیان کرے۔ اور صبح کے وقت طلوع کو دیکھے' اور موسم گرما کے مشرق اور موسم سرما کے مشرق میں امتیاز کے متعلق احتیاط کرے' غالب طور پر سمت قبلہ سے غلطی نہ ہوگی' اور رات کے وقت قوی علامت ستارہ جدی ہے۔ جسے قطب کہتے ہیں اسے شہر میں قبلہ کی طرف' مستقبل ہو کر دیکھے کہ گدی پر رہتا ہے یا دائیں کندھے پر یا بائیں کندھے پر یہ مکہ شریف سے شمال میں واقع شہروں میں ہے۔ اور ان شہروں میں جو کہ مکہ شریف سے جنوب میں واقع ہیں ان میں ان روشوں کے خلاف ہوگا۔ اور جب یہ علامات یاد ہوگئیں تو ان کے مطابق راستے میں استدلال کرے۔

اور طویل راستہ طے کیا ہو جس کی وجہ سے آسمانی روشیں بدل گئی ہوں تو چاہیے کہ جب کسی شہر میں وارد ہو تو اس شہر کے طلوع' غروب اور قطب کو ملاحظہ کرے یا اس شہر کے دانشوروں سے تحقیق کرے یا اس شہر کی مسجد جامع کے محراب کو دیکھے۔ اور آئندہ اس کے مطابق عمل کرے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب علامتیں عین کعبہ کی تشخیص میں کفایت نہیں کرتیں' دلائل ہندسیہ کی مدد کے بغیر یقین حاصل نہیں ہوتا اگر ہر نمازی کو عین کعبہ کی پہچان کی ذمہ داری سونپی جائے تو بہت بڑا حرج واقع ہوتا ہے کہ اس کی مثل شرع شریف میں وارد نہیں ہوا۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ لغت میں لفظ قد تقلیل کے معنوں میں ہے۔ جبکہ یہاں تقلیل درست نہیں ہوتا اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کی گردش کو خدا تعالیٰ کا دیکھنا ہمیشہ تھا نہ کہ گاہے گاہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دوران تفسیر گزر چکا کہ دیکھے جانے والی شئی کے وقوع کی قلت کے پیش نظر یہاں تقلیل کا معنی درست ہے نہ کہ دیکھنے کی قلت کے اعتبار سے' اور جب کوئی چیز فی نفسہ کم واقع ہو نظر میں بھی کم آئے گی اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا آسمان کی طرف گردش کرنا دائمی اور اکثری نہ تھا۔ بلکہ گاہے گاہے تھا۔ پس یہاں لفظ قد کے استعمال میں کسی تکلف کی حاجت

marfat.com
Marfat.com

نہیں ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں قد کثرت کے معنوں میں ہے اور جس طرح کہ لفظ رُب جو کہ اصل میں تقلیل کے معنوں میں ہے تکثیر کے معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں اسی طرح لفظ قد کو بھی کبھی تکثیر کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ شاعر کے قول کی دلیل سے' قداترك القرن مصفر انامله' كان اتوابه مجت بفرصاد' اوران میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہاں لفظ قد بمعنے تحقیق ہے۔ جیسے قديعلم الله المعوقين منكم میں۔ گویا مضارع کو ماضی کا حکم دیا گیا ہے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ قبلہ کا استقبال پورے بدن کے ساتھ فرض ہے حتیٰ کہ انگلیوں کے سر بھی سجدہ اور قعدہ کی حالت میں اسی طرف متوجہ رکھنے چاہئیں جبکہ اس آیت میں صرف چہرے کو جس پر لفظ وجہ دلالت کرتا ہے کیوں ذکر کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چہرے کو ایک سمت میں متوجہ کرنا تمام بدن کو اس سمت متوجہ کرنے کو لازم کرتا ہے۔ نیز چونکہ اعضائے انسانی میں سے چہرہ سب سے زیادہ عزت والا ہے اس کا قبلہ کی سمت متوجہ کرنا معلوم ہو گیا تو قیاس کے ساتھ دوسرے اعضاء کی اس سمت میں توجہ معلوم ہو گئی۔ البتہ گدی' پشت اور ایڑیاں ان سب اعضا کو چہرے کے متوجہ کرنے کے باوجود متوجہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے انہیں ساقط کر دیا گیا۔ بلکہ توجہ کا معنی بدن کی اسی طرف کو کعبہ کی طرف پھیرنے میں منحصر ہے۔ جو کہ چہرے کی جہت میں واقع ہے۔ اور اس باب میں اصل چہرہ ہے۔ اور دوسرے اعضاء اس کے تابع' اور اسی وجہ سے تمام اعضا کے رُخ اور پشت کو عرف اور لغت میں چہرے کے رُخ اور پشت کے ساتھ اعتبار کرتے ہیں۔ اور رُخ اور پشت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ اس آیت میں مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کو مطلقاً فرمایا ہے۔ معلوم نہیں کہ کس کس حالت میں مراد ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے خطابات میں مراد کو سمجھنے میں قرآئن حالیہ اور قالیہ کفایت کرتے ہیں۔ تصریح کی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ گفتگو قبلہ کے مقدمہ میں تھی۔ اور قبلہ کو چہرے کے سامنے رکھنا نماز میں

marfat.com
Marfat.com

واجب ہے نہ کہ غیر نماز میں' ہاں دوسرے حالات میں اس طرف منہ کرنا مستحب ہے۔ اور عبادت میں داخل ہے۔ جیسے سونے' قرآن کریم کی تلاوت کرنے ذکر کرنے' دعا کرنے اور قربانی کرنے کی حالت میں بلکہ مطلق بیٹھنے کی حالت میں روبقبلہ بیٹھنا حدیث صحیح کی دلیل کے ساتھ مستحب ہے کہ فرمایا بہترین مجلس وہ ہے۔ جس میں قبلہ کی طرف رُخ ہو۔

## نماز میں استقبال قبلہ کی تفصیل

اور نماز میں بھی استقبال قبلہ کی ایک تفصیل ہے۔ اگر نماز فرض ہے تو اس میں استقبال قبلہ ہر حالت میں فرض ہے سوائے حالت خوف کے' اور اگر نماز فرض نہیں ہے تو استقبال قبلہ اس میں بھی فرض ہے۔ لیکن مقیم ہونے کی صورت میں' اور سفر کے دوران شہر سے باہر استقبال قبلہ ضروری نہیں' فرض اور وتر کے سوا۔ سوار ہو کر نماز ادا کرنا جس سمت میں بھی منہ ہو جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کی دلیل سے جو کہ بخاری اور مسلم میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوران سفر سواری پر نفل نماز ادا فرماتے تھے جس طرف بھی متوجہ ہو۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر میں پیدل مسافر کے لیے چلنے کے دوران نماز فرض کے سوا دوسری نماز جس سمت اس کی راہ ہو ادا کرنا جائز ہے' اور امام اعظم اور امام احمد کے نزدیک پیادہ کو اس طرف نماز جائز نہیں۔ اور اگر دوران سفر کسی ایسی جگہ پہنچ جائے کہ سمت قبلہ معلوم نہ ہو تو سب سے پہلے چاہیے کہ کسی معتبر سے پوچھے اور اس کے کہنے پر عمل کرے۔ اور اگر کوئی معتبر نہ ہو تو علامات اور قرائن سوچ کر سمت قبلہ کو اپنے ذہن میں مقرر کرے۔ اور اس سمت نماز ادا کرے' پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ سمت قبلہ کی سمت نہ تھی اس کی نماز درست ہو گئی قضا نہیں آتی۔ اس لیے کہ اس کے حق میں قبلہ وہی جہت ہے۔ جو کہ اس کے ذہن میں قرار پائی۔

اور جب ثابت ہوا کہ اہل کتاب حقیقت استقبال کعبہ کو سمجھتے ہیں۔ اور جان بوجھ کر حق پوشی کرتے ہیں تو ان سے اس قبلہ کی متابعت کی توقع نہیں رکھنا چاہیے۔ اور دل کو ان کی موافقت کے ساتھ متعلق نہیں کرنا چاہیے۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اور اگر آپ لائیں ان لوگوں کے پاس جو کہ

marfat.com
Marfat.com

کتاب دیئے گئے ہیں اپنے قبلہ کے برحق ہونے پر بِكُلِّ آيَةٍ ہر دلیل۔ اور نشان جو کہ ممکن ہے۔ جیسا کہ ان میں سے کچھ دلیل اور نشان گزر چکے اور ان میں سے عمدہ یہ ہے کہ آپ نے انہیں اس قبلہ کے برحق ہونے کو جاننے کی خبر دی حالانکہ وہ اس راز کو چھپانے میں بہت مبالغہ کرتے تھے۔ اور کسی کو اس کا نشان تک نہ دیتے تھے۔ چہ جائیکہ کہ ایک اُمی شخصیت کو ان کی کتابوں پر آگاہی ہو لیکن وہ آپ کے تمام اعجاز کے باوجود

مَا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ ان کا ارادہ ہے کہ آپ کو اپنے تابع کریں نہ خود آپ کے تابع ہوں۔ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ اور آپ ان کے قبلہ کے پیرو ہرگز نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اب آپ کا قبلہ کعبہ کی سمت کو مقرر ہو چکا اور ہرگز منسوخ نہیں ہوگا۔ اگر بالفرض منسوخ ہونے کا احتمال بھی ہوتا پھر بھی آپ کا ان کے قبلہ کی پیروی کرنا کس طرح متصور ہوتا اس لیے کہ وہ ایک قبلہ پر متفق نہیں ہیں۔ یہودی اپنا قبلہ صخرہ بیت المقدس کو بناتے ہیں۔ جبکہ نصاریٰ بیت المقدس کے مشرقی مکان کو کہ جہاں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی روح پھونکی گئی قبلہ قرار دیتے ہیں۔

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ اور ان میں سے بعض جو کہ یہودی ہیں پیروی کرنے والے نہیں بعض کے قبلہ کی جو کہ نصاریٰ ہیں۔ پس آپ کا قبلہ کے بارے میں ان کے اختلاف کے باوجود ان کے قبلہ کی پیروی کرنا دو نقیضوں کی پیروی کے قبیلے سے ہے۔ جو کہ عقل مند کے نزدیک محال ہے۔

اور اگر یہ اپنے قبلہ کے بارے میں اختلاف کی وجہ یہ بتائیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ کا حکم استقبال صخرہ کے متعلق آیا تھا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آپ کی روح مبارک کے اس عالم میں اُترنے کے بعد وہ مکان جو کہ آپ کی روح پھونکے جانے کا مقام تھا اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبلہ قرار پایا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ پس کیا بعید ہے کہ اب ان دونوں مقامات کے سوا کسی دوسرے مکان کو قبلہ بنانے کے متعلق حکم خداوندی آیا ہو۔ اور یہ دونوں حکم منسوخ ہو چکے ہوں۔ اور جب منسوخ ہو جائے تو پھر کوئی اور دلیل نہیں کہ اس کی پیروی کی جائے بلکہ صرف ہوائے نفسانی اور دلی خواہش کا حکم رہ جاتا ہے۔ جس کی پیروی دین

marfat.com
Marfat.com

کے معاملات میں حرام ہے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ اور اگر بفرض محال آپ جو کہ مخلوقات میں افضل اور گناہ سے معصوم ہیں ان کی خواہشات نفسانی کی پیروی کریں جنہیں یہ اپنے گمان میں احکام الٰہی جانتے ہیں مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اس کے بعد کے آپ کے پاس وحی کے ذریعے علم قطعی آیا ہے کہ ان کا قبلہ دوسرے قبلہ کے ساتھ جو کہ ان سے کامل ہے منسوخ ہو گیا۔

اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ تحقیق آپ اس محال تقدیری پر ظالموں میں سے ہوں گے اس لیے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ پر ترجیح دے کر امر الٰہی کی مخالفت کی' اور آپ کا ظالم ہونا قطعاً محال ہے تو آپ کا تابع ہونا بھی محال ہے۔

(اقول وباللہ التوفیق - یاد رہے کہ یہ ترجمہ ظاہری الفاظ کو دیکھ کر کیا گیا اور اسی لیے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام عصمت نبوت کے تحفظ کے لیے بفرض محال اور محال تقدیری کا قول کرنا پڑا جو کہ ایک قسم کا تکلف ہے۔ چونکہ عظمت رسول علیہ السلام کا مسئلہ نہایت اہم اور نازک ہے۔ اس لیے حبك الشیء یعمی ویصم کے بمصداق اہل محبت اس ترجمہ سے متفق نہیں ہیں۔ بلکہ ان الفاظ کا درست اور عظمت رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے مطابق صحیح ترجمہ وہ ہے۔ جو کہ امام اہل سنت شیخ العرب والعجم اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور آفاق ترجمۃ القرآن مسمّٰی بہ کنز الایمان میں کیا ہے' اور وہ یہ ہے۔ اور (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا۔ تو اس وقت تو ضرور ستم گار ہوگا۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

## دو جواب طلب سوالات

یہاں دو جواب طلب سوال باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ بعض یہودی بلاشبہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبلہ کے تابع ہوئے ہیں۔ جیسے عبداللہ بن سلام، اور اسی طرح نصاریٰ میں سے بھی بعض نے پیروی کی جیسے نجاشی اور ذی محر، تو آیت مَا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ کا مضمون کس طرح درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تمام اہل کتاب کی پیروی مراد ہے۔ اس لیے کہ الذین کا لفظ عموم کے الفاظ سے ہے۔ اور جو واقع

marfat.com

Marfat.com

ہوا ہے وہ بعض افراد کی پیروی ہے۔ اور ان میں سے بعض کے پیروی کرنے سے تمام کی سلب کی نفی نہیں ہوتی۔

اور بعض مفسرین نے کہا کہ اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ سے خاص علمائے اہل کتاب مراد ہیں۔ اور اس آیت کے نزول کے بعد اہل کتاب کے علماء میں سے کوئی بھی اس قبلہ کا پیروکار نہ ہوا۔ عبداللہ بن سلام اور نجاشی وغیرہما اس آیت کے نزول سے پہلے اسلام لائے تھے۔ اور جواب میں سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ تبعیت قبلہ سے مراد مستقل طور پر سمت قبلہ کی طرف توجہ ہے نہ کہ قبول اسلام کے ضمن میں، اور اہل کتاب کے نزدیک کعبہ کی طرف توجہ کے برحق ہونے کے باوجود ان میں سے کسی سے بھی یہ توجہ واقع نہ ہوئی۔ حالانکہ احتمال تھا کہ اپنی نماز میں کبھی اس قبلہ کی طرف بھی متوجہ ہوں۔ اس لیے کہ یہ حضرت ابراہیم و اسماعیل اور دوسرے گزشتہ انبیاء علیہم السلام کا قبلہ رہا ہے۔ اور اس کی عظمت کا ثبوت تسلیم شدہ۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اہواہم میں جمع کے صیغے کو اختیار کرنے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ ان کے دلوں کی خواہش ایک چیز تھی جو کہ نماز میں ان کے قبلہ کی طرف استقبال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے گزر چکا کہ اہل کتاب کے دو گروہ قبلہ کے مسئلہ میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ہر ایک کی دلی خواہش اپنے قبلہ کا استقبال تھا۔ پس ان کی خواہش میں تعدد واقع ہو گیا۔ اور جمع کا صیغہ جو کہ اکثر ایک سے اوپر کے لیے مستعمل ہوتا ہے صحیح الاستعمال ہوا۔ نیز طالبوں کی کثرت کے اعتبار سے طلب متعدد ہو جاتی ہے۔ نیز ان کے قبلہ کی طرف توجہ اگرچہ ایک خواہش ہے۔ لیکن اس کے مراتب اور افراد کے اعتبار سے خواہشات مختلف ہیں۔ نیز قبلہ کی طرف نماز گزارنا ان کے چند مقاصد کو ضمن میں لیے ہوئے ہے، پہلا قصد اپنے قبلۂ کامل سے پھرنا، دوسرا ان کے قبلہ کی سمت کی معرفت میں ان سے پوچھنا اور انہیں مشارالیہ قرار دینا۔ تیسرا نماز میں اس کی طرف منہ کرنا، چوتھا اپنے آپ کو ان کے طعن و طنز کی جگہ بنانا۔ تاکہ وہ کہہ سکیں کہ ان کے دین کا رکنِ اعظم جو کہ نماز ہے ہماری پیروی کیے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

نیز ان کے قبلہ کی طرف نماز ادا کرنا اس آیت کے معنوں میں متعین نہیں ہے مگر صرف

marfat.com
Marfat.com

اس جہت سے کہ مقدمۂ قبلہ میں وارد ہوئی۔ جبکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ موقع کے خاص ہونے کا۔ پس لفظ اہواء کفار کے تمام اعتقادات کو شامل ہے خواہ قبلہ کے مقدمہ میں ہو یا اس کے غیر میں، اور اس آیت کی دوسری بحثیں وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ کی تفسیر میں پہلے گزر چکیں، تکرار کی ضرورت نہیں۔

اگر آپ کے دل میں گزرے کہ اگر میرا قبلہ سمت کعبہ کے ساتھ مقرر ہو گیا تو چاہیے کہ اہل کتاب بھی اس بات کا یقین کرلیں اور بار بار اس قبلہ کے نسخ اور ان کے منسوخ قبلہ کی طرف میری توجہ کی آرزو نہ کریں۔ اور یہ نہ کہیں کہ اگر ہمارے قبلہ کی طرف لوٹ آئیں تو ہم امید کرتے ہیں کہ یہ ہمارے وہی صاحب ہیں جن کے ہم منتظر ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کو اس قبلہ کے ثبوت اور میرے متعلق وہ پیغمبر (علیہ السلام) ہونے میں کوئی شک وشبہ نہ پڑے جس کا آخر زمانے میں آنے کا وعدہ کیا گیا اور سابقہ کتب میں ذکر کیا گیا تو آپ جان لیں

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے خواہ یہودی ہوں خواہ نصرانی يَعْرِفُوْنَهٗ اس مسئلہ کو پہچانتے ہیں کہ آپ کا ان کے قبلہ کے منسوخ ہونے کے بعد اس کی پیروی کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہوگا۔ اور یہ کہ آخر زمانے میں موعود رسول (علیہ السلام) جن کا ذکر پہلی کتابوں میں ہے آپ ہی ہیں۔ اور اس رسول علیہ السلام کا قبلہ کعبہ معظمہ ہوگا نہ کہ بیت المقدس۔ اور ان کی یہ شناخت اس قبیلے سے نہیں جو کہ معجزات اور خارق عادات دیکھنے پر ثابت ہوتی ہے۔ اور اس میں سب لوگ شریک ہیں۔ اور اس شناخت کا حاصل آپ کی نبوت کے علم کے بغیر کوئی اور چیز نہ ہوگی۔ بلکہ ان کی یہ شناخت اشخاص کی شناخت کے قبیلے سے ہے۔ جو کہ اس سے عبارت ہے کہ اشخاص کی تمیز ان کے مشخصات کے ساتھ جیسے نسب، قبیلہ، جائے ولادت، جائے سکونت، چہرہ، رنگ، روش، آئین اور قد وقامت۔ اس لیے کہ آپ کے ان سب مشخصات کو اپنی کتابوں سے آپ کی تشریف آوری سے پہلے یاد کیے ہوئے ہیں۔ اور جب آپ عالم موجودات میں رونق افروز ہوئے تو انہوں نے اپنی سابقہ معلوم صفات، حلیہ، شمائل اور تمام مشخصات کو آپ میں دیکھ کر

marfat.com
Marfat.com

آپ کو پہچان لیا کہ یہ وہی شخصیت ہیں جن کی آمد کا وعدہ ہم نے اپنی کتابوں میں دیکھا تھا۔

كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ جس طرح کہ اپنے بیٹوں کو دوسروں کے بیٹوں کے درمیان پہچانتے ہیں۔ اگرچہ قد وقامت اور اکثر امور میں دوسرے بچوں کے ساتھ شریک ہوں لیکن ان کی نظر میں اپنے بیٹے دوسرں کے بیٹوں سے مشتبہ نہیں ہوتے۔ لیکن اس مقدمہ کے اظہار میں مختلف ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ حق پرستی کے رنگ میں اظہار بھی کرتے ہیں وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ اور تحقیق ان میں سے ایک فریق لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ البتہ حق کو جان بوجھ کر چھپاتے ہیں۔ لیکن حق واقعی ان کے چھپانے سے چھپا نہیں رہتا اس لیے کہ

اَلْحَقُّ حق وہی ہے۔ جو کہ نازل ہوتا ہے مِنْ رَّبِّكَ آپ کے پروردگار کی طرف سے خواہ سابقہ کتابوں کو جاننے والے اس کے موافق اظہار کریں۔ اس لیے کہ حق کی اصل سند آپ کے پروردگار تک پہنچتی ہے۔ انہیں بھی اگر معلوم ہوا ہے تو کتب الٰہیہ سے معلوم ہوا ہے۔ جو کہ پہلے انبیاء علیہم السلام پر اُتری تھیں نہ کہ اپنے عقلی افکار سے۔ پس جب آپ پر کتاب الٰہی کا نزول بلاواسطہ ہوا تو حق صریح آپ کو معلوم ہو گیا۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ پس نہ ہوں شک کرنے والوں سے۔ اس شبہ کی وجہ سے کہ پہلی کتابوں کو جاننے والے اس وحی کے خلاف کہتے ہیں۔ اس لیے کہ وحی قطعی کسی شبے کا محل نہیں ہوتا کہ سابقہ وحی کو جاننے والوں کی مخالفت اور موافقت کو اس کی امداد اور موافقت کے لیے طلب کیا جائے۔ البتہ یہ طلب اولیاء اللہ کے کشف اور صلحاء کے الہام میں ضروری ہے۔ کیونکہ دلیل قطعی نہیں ہے۔ بلکہ ظنی ہے۔ اور خطا کا احتمال بھی رکھتا ہے جب تک کہ وحی کو جاننے والوں سے اس کی وحی کے ساتھ موافقت اور مخالفت کی تحقیق نہ کر لی جائے اس کے مقبول کرنے اور رد کرنے میں اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔

(اقول وباللہ التوفیق- یہاں بھی وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ الخ کا حاشیہ دیکھ لیا جائے۔ جب مفسر علام کی تحریر کے مطابق انہیں علم ہے کہ وحی قطعی اشتباہ کی جگہ نہیں ہوتی تو کیا جس رسول علیہ السلام کے قلب مقدس پر یہ وحی اُتری انہیں اس کی قطعیت وحتمیت کا

marfat.com
Marfat.com

یقین نہیں ہوگا؟ لازماً ہوگا۔ بلکہ اس قطعیت کا علم لازمی ہوتا ہے تو پھر ایسے مفروضے قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس لیے اس کا صحیح، معیاری اور عظمت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام کرتے ہوئے مزاج قرآنی کے مطابق حقیقی اور واقعی ترجمہ وہ ہے۔ جو کہ امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خان محدث بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ (اے سننے والے) یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے (یا حق وہی ہے جو تیرے رب کی طرف سے ہو، تو خبردار تو شک نہ کرنا محمد محفوظ الحق غفرلۂ)۔

## چند جواب طلب سوالات

یہاں چند جواب طلب سوالات باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ لفظ معرفت زیادہ تر جزوی اشخاص کی ان کی مشخصات اور خصوصیات کے ساتھ شناخت، میں استعمال ہوتا ہے۔ اور لفظ علم معانی واحکام جاننے میں۔ جبکہ یہاں جب لفظ معرفت استعمال فرمایا گیا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مراد وہی مشخصات کے ساتھ شناخت ہے کیونکہ پیغمبر ہونے کو جاننا، اور اس کی وجہ تفسیر میں بھی گزر چکی کہ پیغمبر علیہ السلام کی پیغمبری کا علم صرف معجزات دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب یکساں ہیں۔ نیز اہل کتاب کے مقابلہ میں صرف ایک پیغمبر (علیہ السلام) کے متعلق علم ثابت کرنا اتنا مفید نہیں ہے۔ اس لیے کہ اکثر کتابوں میں دیکھے ہیں۔ پس انہیں الزام اسی معرفت کے ساتھ زیادہ لائق اور موزوں ہے نہ کہ نبوت اور پیغمبری کے علم کے ساتھ لیکن صحیح روایات میں آیا ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے جو کہ یہود کے عظیم احبار میں سے تھے۔ اور مشرف باسلام ہو چکے تھے پوچھا کہ آپ ہمارے رسول کریم علیہ السلام کو کیسے پہچانتے ہیں؟ عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ میں اپنے بیٹے کے میرا بیٹا ہونے کے یقین سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر یقین رکھتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے آپ کی رسالت میں کسی وجہ سے بھی شک نہیں ہے۔ جبکہ اپنے بیٹے کے بیٹا ہونے میں شک کی گنجائش ہے۔ احتمال یہ کہ اس کی ماں نے خیانت کی ہو اور غیر کے بیٹے کو میری طرف منسوب کر دیا ہو۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حضرت

marfat.com
Marfat.com

عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) کے سر کا بوسہ لیا۔ اور ان کی تحسین و آفریں فرمائی۔

اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حضور علیہ السلام کی نبوت اور پیغمبری کا علم ہے نہ کہ آپ کی شخصیت پاک کی معرفت، اور اس مراد پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ بیٹے کے بیٹے ہونے کا علم علوم قطعیہ میں سے نہ تھا جو کہ احتمال نقیض سے پاک ہوتے ہیں کہ یہاں پیغمبر علیہ السلام کی پیغمبری کو جو کہ قطعیت کی تاکید اور احتمال نقیض کے نہ ہونے کی متقاضی ہے تشبیہ دی جاتی۔ اس روایت سے پیدا ہونے والے اس اشکال کا کیا حل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقولہ سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی مراد بھی تھی کہ ہمیں پیغمبر علیہ السلام کی پیغمبری کے علم کے متعلق کیا پوچھنا چاہیے کہ یہ علم تو ہمارا ادنیٰ مرتبہ ہے۔ اور اس معرفت سے جو کہ اس آیت میں ہماری طرف منسوب کی گئی ہے مراد یہ علم نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ علم ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہونے کے علم سے زیادہ قوی ہے۔ اور اقوی کی تشبیہ اضعف کے ساتھ دینا لائق نہیں بلکہ ہمیں اس پیغمبر علیہ السلام کی خصوصیت اور مشخصات کے بارے میں پوچھنا چاہیے جو کہ شناخت سے عبارت ہے۔ اور حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی معنی کو ان سے سن کر انہیں بوسہ دیا تھا۔ اور آفرین کی تھی۔ پس کوئی اشکال نہیں ہے۔

## یعرفون ابناء ھم میں بیٹوں کی تخصیص کی وجہ

دوسرا سوال یہ ہے کہ حلیہ کی معرفت میں جو کہ التباس اور اشتباہ کا محل نہیں ہوتا جس طرح بیٹے ضرب المثل ہیں اسی طرح بیٹیاں بھی۔ پس بیٹوں کے ذکر کو خاص کرنا کس نکتہ کی بنا پر اختیار فرمایا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیٹے اندر باہر آنے جانے کی وجہ سے مشہور و معروف ہوتے ہیں۔ اور باپوں کی صحبت میں زیادہ رہتے ہیں۔ اور مرد ہونے کی شرافت اور صورت و سیرت میں مناسبت کی وجہ سے باپوں کے دلوں میں زیادہ جگہ رکھتے ہیں۔ پس ان کی معرفت باپوں کے حق میں لڑکیوں کی معرفت سے زیادہ مضبوط اور قوی ہے۔ اور اگر برابری بھی ہو تو مذکر ہونے کی شرافت ان کے ذکر کی متقاضی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## اوامر ونواہی متعلقہ نبوت کی حقیقت

تیسرا سوال یہ ہے کہ رسول علیہ السلام کو شک سے بھی نہی فرمانے کا کیا معنی؟ کہ ان کی ذات تو شک سے بالاتر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پیغمبر علیہم السلام سب لوگوں کی طرح مکلف، مامور اور منہی ہیں۔ اور پہلے گزر چکا کہ انبیاء علیہم السلام کی خلقی عصمت امر و نہی ابتلائی کے منافی نہیں۔ پس نہی میں معصیت کے لائق ہونا درکار نہیں ہے۔ البتہ مکلف ہونا درکار ہے۔ اور وہ محقق ہے۔ اور اسی قاعدے پر ان تمام اوامر ونواہی کو جو کہ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی طرف متوجہ ہیں سمجھنا چاہیے اور جگہ جگہ تکلف نہیں کرنا چاہیے۔ جیسے لاتدع مع اللہ الٰھا آخر، اور جیسے فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ۔

اور مفسرین کی ایک جماعت نے جو کہ خواہ مخواہ اس قسم کے اوامر ونواہی سے معصیت کے قابل ہونا سمجھتے ہیں کہا ہے کہ یہ نہی ان لوگوں کے حال کے ساتھ تعریض کے باب سے ہے۔ جو کہ شک رکھتے تھے یا رکھیں گے۔ جیسا کہ اس آیت میں لئن اشرکت لیحبطن عملك اور اس قسم کی آیات میں قرار پایا ہے۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے اوامر اور نہی کو انبیاء علیہم السلام کی طرف متوجہ کرنا دوسروں کے سنانے کے لیے ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ قرآن پاک ایاك اعنی فاسمعی یا جارۃ (یعنی میں نے تیرا ہی قصد کیا ہے پس اے پڑوسن تو سن) کے انداز پر اُترا ہے۔ بہر حال مدعا یہ ہے کہ دلائل قطعیہ کے ساتھ حق واضح ہونے کے بعد کسی کی مخالفت اور موافقت کا کوئی اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔ اور ایک رائے اور ایک آئین پر اتفاق حاصل کرنے کے درپے نہیں ہونا چاہیے کہ یہ اتفاق نوع انسانی میں جو کہ اختلاف کے لیے پیدا کی گئی ہے محال ہے۔ اور اگر تم افراد انسانی کی معنوی اور صوری توجہ کے بارے میں غور کرو تو عظیم اختلاف پاؤ گے اس حد تک کہ اس نوع کا ہر ہر فرد ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی کسی دوسری طرف متوجہ ہے۔

وَلِکُلٍّ اور ہر شخص، ہر فرقہ، ہر ملک اور ہر ریاست کے لیے وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ایک جہت ہے کہ وہ اپنے چہرے کو اس طرف رکھتا ہے باطن میں کسی کا اسلام کی طرف منہ

marfat.com
Marfat.com

ہے۔ اور کسی کا کفر کی طرف۔ کوئی مندر اور آتش کدہ کو جاتا ہے تو کوئی مسجد و مدرسہ میں، کوئی مال اور کارخانہ کے ساتھ دل باندھتا ہے۔ اور کوئی رُعب اور مرتبہ کے ساتھ، کوئی خوبصورت عورتوں پر نگاہیں جمائے ہوئے ہے۔ اور کسی کی توجہ پیارے بیٹوں پر ہے۔ کسی کا دل عبادت خداوندی میں مصروف ہے۔ اور کوئی ہوائے نفسانی کی پیروی کا دلدادہ۔ ہر قوم کی ایک راہ، ایک دین اور ایک قبلہ گاہ ہے۔ رہا ظاہر میں تو کسی نے بتوں کو قبلہ بنایا ہے، کسی نے ستارہ اور آفتاب کو، کسی نے آگ کے عنصر کو، کسی نے دریائے گنگا کو، کسی نے تلسی اور پیپل کے درخت کو، کسی نے کوہ سوالک کو، کسی نے اولیاء کی قبروں کو، کسی نے شہیدوں اور جنوں کے تہہ خانوں کو، اور کسی نے برحق شریعت کے مطابق کعبہ اور بیت المقدس کو۔

(اقول وباللہ التوفیق۔ یاد رہے کہ یہاں اولیاء اللہ کے مزارات کو قبلہ قرار دے کر ان کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا مراد ہے کہ قطعاً ناجائز ہے۔ جبکہ مسلمان انہیں نماز کا قبلہ نہیں مانتے بلکہ فقہاء نے صاف طور پر لکھا ہے کہ جب قبر سامنے ہو اور نمازی اور قبر کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے (منقول از بہار شریعت بحوالہ درمختار و عالمگیری) قبر کی زیارت کرنا اور ہے۔ جو کہ بالکل درست ہے۔ بلکہ خود مفسر علام نے ابتدا تفسیر میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ آنکھوں کی عبادت کعبہ شریف اور قرآن مجید کو دیکھنا، مقربین کو دیکھنا جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ اور شہدا اور صلحاء کی قبور کی زیارت کرنا'' پتہ چلا کہ مزارات کو قبلہ نماز گردانا حرام اور ناجائز ہے۔ البتہ ان کی زیارت آنکھوں کی عبادت ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)۔

پھر بیت المقدس کو منہ کرنے والوں کے درمیان بھی اختلاف ہے۔ یہودی صخرہ کا استقبال کرتے ہیں۔ اور نصاریٰ شرقی مکان کا، اور کعبہ کی طرف منہ کرنے والوں میں بھی ایک نہایت عظیم اختلاف ہے۔ وہ لوگ جو کہ عین مسجد حرام میں نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں آپس میں ایسا اختلاف رکھتے ہیں کہ ایک نماز ادا کرنے والے کی جہت دوسرے نماز ادا کرنے والے کی جہت کے ساتھ ہرگز متفق اور متحد نہیں ہوتی۔ ہر شخص کعبہ کے ایک علیحدہ نقطہ کا استقبال کرتا ہے۔ اور جو مسجد حرام سے باہر واقع ہیں ان کا اختلاف اپنے شہروں اور

marfat.com

Marfat.com

ملکوں کی جہات کے اختلاف کے تابع ہے۔ روم، شام اور مدینہ منورہ والے جنوب کی سمت کو متوجہ ہوتے ہیں۔ اور یمن، عدن اور جزائر والے سمت شمال کو، عراق، فارس، ہند اور سندھ والے سمت مغرب کو اور جدہ اور مغرب والے سمت مشرق کو، اور ان علاقوں کے لوگ عین ان جہات کو منہ کرنے میں دو جہتوں کے درمیان ان چار مختلف جہتوں میں سے ایک کی طرف مختلف ہے۔ پس اس زبردست اختلاف کے باوجود جو کہ ایک قبلہ کی طرف ظاہری توجہ میں رونما ہوا تو سارے جہان کا ظاہر و باطن میں اتفاق کیسے ممکن ہوگا؟ تو واجب یہ ہے کہ اس خیال سے گزر جاؤ اور جو کام مقصود بالذات ہے اسے ہاتھ سے جانے نہ دو۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ پس ایک دوسرے سے اصلی نیکیوں میں سبقت حاصل کرو جو کہ بالذات نیکی ہیں۔ اور دوسری نیکیوں کا وسیلہ نہیں ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، ذکر، تلاوت، مخلوق پر احسان، فقرا کی دل جوئی، غریبوں کے حالات کی خبر گیری، پروردگار سے محبت اور مقتضیات شہوت وغضب کو برا سمجھنا۔ نہ استقبال قبلہ کی طرح کہ اس کا اپنی ذات کی حد تک نیکی کا تصور نہیں ہے۔ بلکہ عبادات بدنی میں توجہ صحیح کرنے کے لیے قرار پایا۔ اور جیسے کپڑے اور بدن کو نماز کے لیے پاک رکھنا۔ اور جیسے آخرت کو یاد کرانے اور دل کو دنیا سے اُٹھانے کے لیے زیارت قبور۔ اور جیسے نعت خوانی اور منقبت خوانی صلحاء کی محبت حاصل کرنے کے لیے تاکہ ان کے طریقے پر چلا جائے مستحسن ہے۔ اور جیسے ذکر اور تلاوت میں شد اور مد کہ کیفیت شوق کو بڑھانے کے لیے ان کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

اور اگر تمہیں جہات قبلہ کے اختلاف میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ جب سب لوگوں کا ایک جہت پر اتفاق نہیں ہوگا تو تعین قبلہ کی غرض یعنی تمام مخلوق کی عبادات کے انوار کا باہم منعکس ہونا حاصل نہ ہوگا۔ پس اس وجہ سے بھی اندیشہ مت کرو کیونکہ اصلی غرض بارگاہ خداوندی میں عبادت کی قبولیت ہے۔ اور حشر ونشر کے دن رب العالمین کے حضور سرخ رو ہونا ہے کہ اس دن تمام عابد اور ان کی عبادات پیش ہوں گی اور اس پیشی میں عبادتوں کی جہتوں کا اختلاف خلل نہیں ڈالتا۔ اس لیے کہ

اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا جہاں بھی تم ہو گے مشرق میں یا مغرب میں، عبادت میں یا باطل

marfat.com
Marfat.com

کاموں میں، اسلام میں یا کفر میں اور طاعت میں یا معصیت میں یَأْتِ بِکُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا تمہیں سب کو اللہ تعالیٰ محشر میں ایک جگہ لے آئے گا۔ اور اس وقت تمام عابدوں کی عبادات کے انوار باہم منعکس ہوں گے۔ اور ناقص کامل کے ساتھ مل کر مرتبہ پائے گا۔ اور یہی ہے شفاعت کا معنی، اور اسی طرح کفر وبطالت کا اثر پیشواؤں اور پیچھے چلنے والوں کے جمع ہونے کی وجہ کئی گنا بڑھ جائے گا۔ اور ہر کسی کو مقابر ومدافن اور منازل ومساکن کے مختلف ہونے کے باوجود ایک جگہ جمع کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے آسان کام ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ ایسا کر سکتا ہے کہ مختلف جہتوں کی عبادتوں کو جو کہ اس کے امر سے واقع ہوئی ہیں ایک عبادت کا حکم دے کر سب کے آثار کو ایک فرد میں جمع فرمائے اور عظیم ترقی عطا فرمائے۔

## چند ابحاث

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں۔ پہلی بحث یہ ہے کہ وجهة کی تعلیل کیوں نہیں کرتے اور عدة اور هبة کی طرح اسے محذوف الفاء کیوں نہیں کرتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں تعلیل، فعل اور اس کے تابع کا حق ہے۔ جیسے مصدر اور دوسرے مشتقات۔ جب وجهة کو مصدر اعتبار کریں تو تعلیل کرتے ہیں۔ اور جهة کہتے ہیں۔ اور جب اسے اسم اعتبار کریں اس جہت کے لیے جو کہ چہرے کے سامنے ہے تو تعلیل نہیں کرتے، اور اسی لیے ولدة میں جو کہ ولید کی جمع ہے واؤ کو ہا کے ساتھ باقی چھوڑا گیا ہے۔ اور اسے حذف نہیں کیا۔

## اوقات نماز میں تعجیل اور تاخیر کا بیان

دوسری بحث یہ ہے کہ لفظ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے استنباط فرمایا ہے کہ نماز کو اول وقت میں گزارنا افضل ہے۔ تاکہ استباق کا معنی ثابت ہو جائے۔ اور دوسرے لوگوں سے پہلے ادا کرے۔ اور اس استنباط کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث صحیح مؤید ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے علی تین چیزوں میں تاخیر مت کرو، نماز جب اس کا وقت ہو جائے، جنازہ جب حاضر ہو جائے۔ اور دوشیزہ جب اس کا کفو یعنی اس

marfat.com
Marfat.com

کے مناسب شوہر مل جائے۔ لیکن نماز ظہر کو موسم گرما کی شدت میں موخر کرنا مستحب ہے۔ اور اسی طرح تہائی رات تک نماز عشاء کی تاخیر۔ اس باب کی صحیح احادیث کی دلیل سے مستحب ہے۔ اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اول وقت سے نماز کی تاخیر بہتر ہے۔ کیونکہ کثرت جماعت کا موجب ہوتی ہے۔ اور انتظار کا ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔ مگر نماز مغرب کو جلدی ادا کرنا بہر حال بہتر ہے۔ اور نماز ظہر کی بھی موسم گرما کے سوا جلدی ادائیگی بہتر ہے۔ البتہ اتنی بات پر تو اُمت کا اجماع ہے کہ یقین کے ساتھ وقت داخل ہونے کے بعد نماز کی تیاری میں سستی یا دوسرے امور میں مشغول ہونا ممنوع ہے۔ اور استباق خیرات ظاہراً اسی قدر پر دلالت کرتا ہے۔ وہ شخص جو جماعت کی انتظار میں بیٹھا ہے نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہے۔ اور فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کے حکم کی تعمیل میں مصروف ہے۔

## ہر ہر عبادت کرنے والوں کے قبلہ کا بیان

تیسری بحث یہ ہے کہ مفسرین نے وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ کو برحق قبلوں پر جو کہ بارگاہ خداوندی کے پسندیدہ ہیں محمول فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ مقربین کا قبلہ عرش، روحانیوں کا قبلہ کرسی، کروبین کا قبلہ بیت المعمور۔ دعا کا قبلہ آسمان۔ زمینی فرشتوں کا قبلہ جسم آدم علیہ السلام، انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کا قبلہ بیت المقدس۔ حضرت آدم، حضرت ابراہیم اور حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبلہ کعبہ معظمہ اور ارواح کا قبلہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ لیکن اس صورت میں فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کے الفاظ موزوں نہیں ہوتے مگر اس توجیہ کے ساتھ کہ مقصد نیکی حاصل کرنا ہونا چاہیے۔ طریقوں کی خصوصیات کی گہرائی میں اُترنا نہیں چاہیے۔ اس لیے کہ تمام عبادت گزاروں کا خصوصیات طرق میں اتفاق ممکن ہے نہ مطلوب۔ اتنا چاہیے کہ عبادت کا طریقہ معبود کو پسند اور اس کی رضا کے مطابق ہو اور وحی صریح کے ذریعے اس طریقے کے ساتھ رضائے خداوندی کا تعلق معلوم ہو گیا ہو۔

اور یہی وجہ ہے کہ ایک طریق عبادت اور اس کی ایک طرز جس طرح ہم نے عبادت گزاروں کے تمام افراد میں طلب نہیں فرمائی ہے۔ اسی طرح ہر ہر فرد کے حق میں تمام اوقات میں اس کی رعایت واجب نہیں فرمائی۔ پس آپ کو چاہیے کہ ہر شہر میں اس شہر کے

marfat.com

Marfat.com

قبلہ کی سمت توجہ کا رُخ کریں۔ اور اپنے شہر یا اپنے ملک کی سمت پر اصرار نہ کریں۔ اور نہ کہیں کہ میرا قبلہ اس سمت تھا میں اس سے نہیں پھرتا۔

وَمِنۡ حَيۡثُ خَرَجۡتَ اور جس شہر سے کہ آپ سفر کے لیے باہر آئیں تو راستہ میں اس شہر کی سمت قبلہ کا التزام نہ کریں بلکہ تعین جہت کے بغیر نفس قبلہ کا لحاظ فرمائیں۔

فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ پس اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔ جو کہ دور والوں کے بارے میں کعبہ کی مانند ہے۔ اور اس مسجد کا استقبال جو کہ کعبہ معظمہ کے اردگرد ہے دور والوں کے لیے استقبال کعبہ کو لازم کرتی ہے۔ جو کہ قبلۂ حقیقی ہے۔ البتہ اگر ایک آدمی مسجد حرام کے متصل واقع ہوا۔ اور اس کی نظر میں مسجد حرام کی اطراف کعبہ کی محاذات اور غیر محاذات میں جدا جدا ظاہر ہوں تو اس کے لیے مسجد حرام کی جانب استقبال کافی نہیں بلکہ اس جانب کا استقبال ضروری ہے۔ جو کہ کعبہ کے بالکل سامنے ہو تا کہ اپنی حقیقی قبلہ سے منحرف نہ ہونے پائے۔

وَاِنَّهٗ اور تحقیق کعبہ کا یہ استقبال کسی سمت اور جہت کے تعین کے بغیر لَلۡحَقُّ البتہ ثابت ہے۔ بغیر تبدیلی اور تغیر کے، اور اسی قدر نازل ہے مِنۡ رَّبِّكَ تیرے پروردگار سے، لیکن سمتوں اور جہتوں کو خاص کرنا جناب خداوندی کو منظور نہیں بلکہ سفر و حضر اور ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک ریاست سے دوسری ریاست کی طرف بدلنے اور منتقل ہونے کے حالات کے اختلاف کی طرف سپرد ہے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ اور خدا تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے جو کچھ تم عمل کرتے ہو۔ جس سمت کہ تم کعبہ کا استقبال کرتے ہو تمہاری نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں صحیح ہے۔ اور اس کے دربار اس پر ثواب کا وعدہ ہو چکا ہے۔ اور احتمال ہے کہ یہ جملہ ڈرانے اور جھڑکنے کے لیے ہو یعنی خدا تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے جو تم آئندہ زمانے میں عمل کرو گے۔ اور بدعت کے طریقے سے کعبہ کی جہات میں سے ایک ایک جہت کو تقسیم کر لو گے۔ اور اپنی اختیار کردہ جہت کی ترجیح اور تفضیل میں ہر شخص کوئی بات کرے گا مثلاً حنفیہ جنوب کی جہت کو اختیار کریں گے۔ اور ان کا امام کعبہ کی شمالی جانب کھڑا ہوگا۔ اور فخر کے مقام میں

marfat.com

Marfat.com

کہیں گے کہ ہمارا قبلہ ابراہیمی قبلہ ہے۔اس لیے کہ آپ میزاب کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔اور شافعیہ مغرب کی جہت کو اختیار کریں گے۔اوران کا امام کعبہ کی مشرقی سمت کھڑا ہو گا۔اور مقام فخر میں کہیں گے کہ ہم کعبہ کے دروازے کا استقبال کرتے ہیں۔اور ہمارا قبلہ منصوص قبلہ ہے کہ فرمایا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔ علیٰ ہذا القیاس مختلف شہروں کے لوگ اپنی جہتوں کی ترجیح میں اسی قسم کی باریکیاں لائیں گے۔لیکن یہ سب شعری نکات ہیں۔اور دین والوں کے نزدیک توجہ کے لائق نہیں ہیں۔آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہونے والا حکم صرف اسی قدر ہے کہ استقبال کعبہ کو لازم کرنا چاہیے۔اور سفر وحضر اور ایک شہر سے دوسرے شہر کو ہجرت کے وقت اسے چھوڑنا نہیں چاہیے۔جس طرح کہ اس سے پہلے ہجرت کے وقت جب آپ مکہ سے باہر آئے اور کعبہ کو پشت اور صخرہ کو منہ کر کے روانہ ہوئے تو آپ نے استقبال کعبہ موقوف کر دیا۔اور صخرہ کا استقبال اختیار کیا۔ اب ایسا نہ کریں

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ اور آپ جہاں سے باہر آئیں گو مکہ شریف سے ہو اور اس وقت کعبہ کو پشت کر کے روانہ ہوں فَوَلِّ وَجْهَكَ پس آپ اپنے چہرے کو نماز کے وقت پھیر لیں اپنے مقصد کی سمت سے شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مسجد حرام کی طرف۔جو کہ کعبہ معظمہ کے اردگرد ہے۔اور مکہ سے باہر والوں کے حق میں کعبہ کا حکم رکھتی ہے۔اور اس کا استقبال کعبہ کے استقبال کو مستلزم ہے۔اور یہ حکم صرف آپ کی ذات پاک کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ آپ اور آپ کے امتیوں کو عام ہے۔اور منسوخ ہونے والا ہرگز نہیں ہے

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ اور تم سب جہاں بھی ہو،خواہ رسول علیہ السلام خواہ امت،خواہ حضر میں خواہ سفر میں،خواہ راہ اور صحرا میں خواہ منزل اور سرا میں،خواہ مسجد میں،خواہ گھر میں،خواہ بازار میں

فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ پس اپنے چہروں کو اپنے پیغمبر (علیہ السلام) کی پیروی میں اسی مسجد حرام کی سمت پھیر لو اور اس کی مخالفت ہرگز نہ کرو۔ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ تا کہ نہ ہو لوگوں کو۔خواہ عرب ہوں،خواہ یہودی اور خواہ نصرانی عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ تم پر الزام کی

marfat.com
Marfat.com

دستاویز، اس لیے کہ یہ سب فرقے استقبال کعبہ چھوڑنے میں چند وجوہ کے ساتھ الزام دیتے تھے۔ان میں سے بعض کہتے تھے کہ اس پیغمبر (علیہ السلام) کا حال عجیب ہے کہ دعویٰ ملت ابراہیمی کی اتباع کا کرتا ہے۔اور قبلۂ ابراہیم کو ترک کرتا ہے۔اور ان میں سے بعض کہتے تھے کہ یہ شخص بہت متعصب ہے کہ قریش کی مخالفت کے لیے ابراہیم اور اسماعیل (علیہم السلام) کے قبلہ کو بھی چھوڑ دیا۔حالانکہ خود بھی ابراہیم اور اسماعیل (علیہم السلام) کی اولاد سے ہے۔اور ان کی بزرگی کا معترف۔پس استقبال کعبہ کے ساتھ طعن کی یہ وجوہ بالکل زائل ہوگئیں اور کسی شخص کو الزام رکھنے کا موقع نہ رہا۔

**اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ** مگر وہ لوگ جو کہ ان میں سے ظلم پیشہ ہیں۔اور عناد اور تعصب کے طریقے سے ہر کلام اور ہر واقعہ کو اس کے محل کے غیر پر محمول کرتے ہیں۔کہ ابھی طعن سے دست بردار نہیں ہوں گے بلکہ ان میں سے بعض کہیں گے کہ یہ استقبال کعبہ حق پرستی اور ملت ابراہیمی کی اتباع کے طریقے پر نہیں ہے۔بلکہ اپنے شہر اور اپنی قوم کی محبت اور اپنے آباء واجداد کے آئین کے ساتھ الفت کی جہت سے ہے۔اور ان میں سے بعض کہیں گے کہ یہ شخص اپنے کاروبار میں حیران ہے کبھی کوئی چیز اختیار کرتا ہے۔اور کبھی کوئی چیز۔اس استقبال کعبہ پر کہ جسے اب اختیار کیا ہے کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ظاہر ہے کہ عنقریب پھر جائے گا لیکن جب ان کے طعن کی یہ سب وجوہ محض عناد اور صریح عقل کے خلاف ہیں۔

**فَلَا تَخْشَوْهُمْ** پس ان سے مت ڈرو اس لیے کہ ان کے ان بے اصل اقوال سے جن سے صریح تعصب اور عناد ٹپکتا ہے تمہارے دین کی صحت میں عقل مندوں کے نزدیک کوئی خلل نہیں پڑتا۔ **وَاخْشَوْنِيْ** اور مجھ سے ڈرو۔میرے فرمان کی مخالفت اور ان کے طعن کا پاس کر کے مجھے ناراض کرنے میں اور عار کو دفع کرنے کو میرے حکم کے بجالانے پر ترجیح دینے کی وجہ سے۔س لیے کہ میری ناراضگی ابدی خسارے اور ہمیشہ کی ہلاکت کا موجب ہے۔جبکہ طعن، عار اور یہ تکلیف جو ان کے ان بے ہودہ کلمات کو سننے سے تمہیں لاحق ہوتی ہے چند دن سے زیادہ نہیں ہے۔اور جلد فنا اور زائل ہونے کے باوجود اس کے پیچھے ایک عظیم اجر وثواب ہے۔نیز جب میری عظمت اور جلال تمہارے دلوں کو پُر کر دے تو

marfat.com
Marfat.com

تمہارے دل اور نگاہ میں مخلوق کی کوئی قدر و وقعت نہیں رہتی۔ اس لیے کہ مخلوقات کا لحاظ اور ان کا پاس کرنا حضرت خالق کی تعظیم میں کوتاہی کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ خالق کی عظمت تیری نگاہ میں مخلوق کو حقیر بنا دیتی ہے۔

## ایک نہایت مشکل سوال

یہاں ایک نہایت مشکل سوال باقی رہ گیا اور اس کے جواب کا کافی حصہ دوران تفسیر گزر چکا۔ سوال یہ ہے کہ مسجد حرام کی سمت توجہ کو ان آیات متصلہ میں تین مرتبہ بیان فرمایا اس تکرار کا سبب کیا ہے؟ علماء نے اس سوال کے جواب میں چند وجوہ ذکر کی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں خطاب ساکنان حرم سے ہے۔ اور دوسری آیت میں ساکنان جزیرۂ عرب سے اور تیسری آیت میں تمام ساکنان زمین سے۔ لیکن اس وجہ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قرینے کے بغیر ان تخصیصات کا چھپانا بلاغت سے بہت دور ہے۔ نیز پہلی بار خطاب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ اور آپ اس وقت حرم کے سکونت رکھنے والوں میں سے نہ تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تعدد کے اعتبار سے اس مضمون کا تکرار اس مضمون کے تین طریقوں سے صحیح ہونے پر استدلال ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ایک مدعا کے لیے چند دلیلیں بیان کرتے ہیں تو ہر دلیل کو اس مدعا کے ساتھ مربوط کرنے کے لیے دلیل بیان کرنے سے پہلے اس مدعا کا تکرار کرتے ہیں۔ پس پہلے مرتبہ میں مسجد حرام کی طرف توجہ کو اس دلیل سے ثابت فرمایا ہے کہ اہل کتاب اس کے برحق ہونے کو جانتے ہیں۔ اور تورات اور انجیل اس کے صحیح ہونے پر واضح گواہی دیتی ہیں۔ اور دوسرے مرتبہ میں اسی مضمون کو ایک اور دلیل سے ثابت فرمایا کہ رسول علیہ السلام پر وحی کا آنا اس حکم پر آگاہی ہے، وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا، اور تیسرے مرتبہ میں اسی مضمون کو ایک اور دلیل سے ثابت فرمایا کہ مقصد تحویل پر نظر کرتے ہوئے جو کہ لوگوں کے الزام کو دور کرنا ہے یہ تحویل واجب کی طرح تھا۔ پس اس مضمون کا تین جگہ تکرار فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اور وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ وغیرہ کے تکرار کی مانند ہے۔ اس قدر فرق ہے کہ ان آیات کا تکرار

marfat.com
Marfat.com

دلائل بیان کرنے کے بعد نتیجہ نکالنے اور فرع بٹھانے کے مقام میں واقع ہوا جبکہ اس مضمون کا تکرار استدلال سے پہلے دعویٰ کے مقام میں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں اس وہم کی گنجائش تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تحویل صرف رسول علیہ السلام کو راضی کرنے اور ان کی دل جوئی کرنے کے لیے واقع ہوئی ہو۔ تو دوسری آیت میں فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا کے مضمون کو لوٹائے بغیر امر کے تکرار سے اس وہم کو زائل فرما دیا جبکہ تیسری آیت میں اس تحویل کا مقصد بیان کر کے پوری تسلی و تشفی دی گئی۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ پہلی آیت حالات کے عموم کے لئے، دوسری آیت مقامات کے عموم کے لیے اور تیسری آیت زمانوں کے عموم کے لیے ہے۔ تاکہ منسوخ ہونے کا شبہ بالکل نہ رہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ واقعات میں یہ پہلا واقعہ ہے۔ جس میں ہماری شریعت میں نسخ ظاہر ہوا۔ پس اس واقعہ میں تاکید مزید اور پختگی کی ضرورت پڑی اور تاکید کی مضبوط حد یہ ہے کہ تین بار ہو اور اس وجہ پر اعتراض وارد کرتے ہیں کہ جملۂ مؤکدہ میں حرف واؤ نہیں آتا۔ اس لیے کہ فصل کا مقام نہیں ہے۔ اور ان جملہ میں حرف واؤ واقع ہوا ہے۔ تو چاہیے کہ تاکید نہ ہو اور جواب میں کہتے ہیں کہ جو تاکید تکرار پر واقع ہوتی ہے۔ اگر تاکید پانے والے جملے میں حرف واؤ آیا ہو تو چاہیے کہ تاکید کرنے والے جملے میں واؤ کا تکرار کیا جائے تاکہ تاکید عطف کے ساتھ تاکید جملہ میسر آئے اور معطوف اور عاطف دونوں کی تاکید متحقق ہو۔ جیسا کہ اس جملہ کے بارے میں جاء نی زید و ذهب عمرو وذهب عمرو کہتے ہیں۔ لیکن ابھی پہلی بار واقع ہونے والے وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ میں واؤ لانے کے متعلق سخن باقی ہے۔ اور سب سے صحیح یہ ہے کہ پہلی بار کے وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ میں سابقہ مضمون کی تاکید نہیں ہے۔ اس لیے کہ سابقہ مضمون مدینہ منورہ میں اور دوسری اقامت کی جگہوں میں مسجد حرام کی سمت توجہ کرنا ہے۔ جبکہ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ کا مضمون شہر اور وطن سے باہر نکلنے کی حالت میں اس سمت توجہ کرنا ہے۔ اور یہ دونوں مضمون ایک دوسرے

marfat.com

Marfat.com

سے بالکل جدا ہیں کہ ان دونوں کے درمیان عبثیت ہے نہ لازم کرنا۔ البتہ جو وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ دوسری مرتبہ واقع ہوا ہے بلاشبہ اپنے سابق کی تاکید ہے۔ اور اس تاکید کی وجہ دوران تفسیر گزر چکی۔

نیز یہاں بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ معاندین کے قول کو حجت کیوں کہا گیا؟ حالانکہ بالکل بے اصل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حجت کو اس دلیل کے ساتھ خاص کرنا جو کہ شبہ اور مغالطہ کے مقابلہ میں سچے مقدمات سے مرکب ہو متاخر متکلمین کا عرف ہے جبکہ کلام اللہ کے عرف میں ہر دلیل کو خواہ اس کے مقدمات سچے ہوں یا جھوٹے حجت کہتے ہیں۔ جیسا کہ آیت حجتهم داحضة عند ربهم میں۔ اور لغوی معنی بھی اسی عرف کے موافق ہے۔ اس لیے کہ شبہ والا بھی قصد کرتا ہے کہ اپنے مقابل پر غلبہ پائے۔ اور اسی لیے اپنے شبہ کو درستی کے رنگ میں اشکال کی صورت ان کی شرائط اور صغریٰ کو کبریٰ کی تالیف کی رعایت میں لاتا ہے۔ اور ان امور سے قطع نظر اِس قسم کے مقامات میں تمسخر کا دروازہ کھلا ہے۔

اور جب اس تحویل کی اغراض میں سے عمدہ غرض جو کہ مخالفین کے شبہات کو دفع کرنا ہے فراغت ہوئی۔ اب دو دیگر اغراض بیان فرمائی جارہی ہیں۔ اور ارشاد ہوتا ہے کہ میں نے اس قبلہ کو پوری تاکید کے ساتھ تمہارے لیے اس لیے مقرر فرمایا تاکہ تمہارے حق میں لوگوں کے طعن کی گنجائش نہ رہے۔

وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ اور اس لیے کہ اپنی نعمت کو تم پر پورا کروں۔ اس لیے کہ تم اپنی نماز اور عبادت میں جہات میں سے افضل واکمل کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور کئی گنا برکات و انوار حاصل کرو۔

وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم حقیقت عبادت کی راہ پاؤ۔ اس لیے کہ تم اپنے جسم کی اپنے خاکی مبدء کی طرف توجہ سے اپنی روح کی مبدء حقیقی طرف توجہ تصور کرو، اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص اپنی دعا میں کہہ رہا تھا اللهم انی اسئلك تمام النعمة، اے میرے اللہ! میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں۔ فرمایا تو کچھ جانتا ہے تمام نعمت کیا ہے؟ تمام نعمت جنت میں داخل ہونا ہے۔ اور حضرت

marfat.com
Marfat.com

امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ تمام النعمة الموت علی الاسلام۔

## ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر تمام نعمت تو صرف بیت المقدس سے سمت کعبہ کو تحویل قبلہ سے واقع ہوا حالانکہ سورۂ مائدہ کی آیت جو کہ حجۃ الوداع کے عرفہ کے دن نازل ہوئی اس پر دلالت کرتی ہے کہ اتمام نعمت اس روز ہوا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نعمت کا اتمام جدا جدا ہے۔ مقدمۂ قبلہ میں اتمام نعمت اس وقت محقق ہوا جبکہ دین کے تمام ارکان کے مقدمے میں اتمام نعمت اس روز ہوا۔ کہا جا سکتا ہے کہ اتمام کے درجے بھی مختلف ہیں۔ پس نماز میں کمال اور فضیلت والی جہت کی طرف توجہ کرنا مقدمہ عبادت میں اتمام نعمت کی ایک قسم ہے۔ جبکہ حج ادا کرنا اور مناسک بیان کرنا اتمام کامل ہے۔ اور دونوں امور کعبہ کے ساتھ متعلق ہیں۔ لیکن اتمام نعمت کے مرتبوں میں سے پہلا مرتبہ اس کی طرف توجہ تھی۔ جبکہ اتمام نعمت کے مرتبوں میں سے آخری مرتبہ اس کے طواف، زیارت اور مناسک کی ادائیگی کو پہنچنا ہے۔

اور انتہاء میں تم پر یہ اتمام نعمت اور ہدایت کاملہ کَمَا اس اتمام نعمت اور اس ہدایت کی مانند ہے۔ جو کہ ہم نے ابتدا میں تمہیں عطا فرمائی۔ پس ابتدا و انتہا میں ہماری نعمتیں ہی تمہیں شامل ہیں۔ اور ہماری ہدایت سے ہی تم ہدایت یافتہ ہو۔

اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا ہم نے اپنے مقام عظمت سے تمہارے درمیان ایک رسول (علیہ السلام) بھیجا کہ تمہارے ہادی و مرشد ہوں اور یہ ابتدا میں ہماری ہدایت ہے۔ پھر ہم نے اس رسول (علیہ السلام) کو کیا مِنْکُمْ تم میں سے کہ عربی نژاد اور قریشی نسب ہیں۔ اور یہ ابتدا میں ہمارا اتمام نعمت ہے۔ اس لیے کہ کسی قوم کی طرف رسول علیہ السلام کو بھیجنا ایک عظیم نعمت ہے۔ اور اس نعمت کو پورا کرنا یہ ہے کہ وہ رسول (علیہ السلام) بھی اسی قوم سے ہوتا کہ اس ساری قوم کو اس کے وجود سے بزرگی اور فخر حاصل ہو۔ اور قیامِ قیامت تک وہ بزرگی اور فخر باقی اور جاری رہے۔ اور کیا ہی اچھا کہا گیا بیت، گکند خویش وتبارتو نازی زیبد، بحسن دلکش

marfat.com

Marfat.com

تو گر قبیلہ ناز کند، یعنی تیرے خویش واقارب ناز کرتے ہیں۔ اور اگر تیرے دلکش حسن پر قبلہ ناز کرے تو زیبا ہے۔ نیز عرب کے حال سے مشہور یہ ہے کہ اپنے غیر کی اطاعت سے بہت غیرت اور عار کرتے ہیں۔ پس ہم نے اس رسول (علیہ السلام) کو عرب کے بہترین قبائل سے گردانا۔ تا کہ کسی کو ان کی اتباع واطاعت سے کسی قسم کی عار نہ ہو۔ پھر وہ رسول علیہ السلام صرف ہمارے زبانی پیغامات پہنچانے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے۔ بلکہ

یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیَاتِنَا تم پر ہماری آیات تلاوت فرماتے ہیں۔ ہمارے اس معجزانہ کلام کی تمہاری لغت میں۔ تا کہ تمہارے نزدیک ان کی زبان سے بھی ان کی رسالت کی سند اور دستاویز ثابت ہو جائے۔ اور تم بلا تکلف ذات وصفات وافعال اور ہمارے احکام کے اسرار کی معرفت پالو۔ اور ہماری پسند کو ناپسند سے پہچان لو۔ اور رسول علیہ السلام کے اس جہان سے تشریف لے جانے یا دربارِ رسالت سے تمہارے دور ہونے کی وجہ سے تمہاری ہدایت کا سبب ناقص نہ ہو جائے۔ نیز ان آیات کو تم نمازوں اور ذکر وعبادت کے دوسرے اوقات میں تلاوت کرو اور بے حد ثواب پاؤ، اور ان آیات سے تمام علوم کا استفادہ کرو، اور تمہیں دنیا وآخرت کی خیر ہر حال میں حاصل رہے۔

پھر وہ رسول علیہ السلام ہمارے پیغامات پہنچانے اور ہماری آیات کی تلاوت کرنے پر ہی اکتفاء نہیں فرماتے۔ اور تمہیں تمہاری روش اور اختیار پر ہی نہیں چھوڑتے کہ جو چاہو ان آیات سے سمجھ لو۔ اور اگر چاہو تو ان آیات کے مطابق عمل کرو اور اگر چاہو تو عمل ترک کر دو۔ بلکہ تمہارے نفسوں کی اصلاح میں کوشش فرماتے ہیں۔

وَیُزَکِّیْکُمْ اور تمہارے عقائد، اعمال اور اخلاق کو اس کتاب کے احکام کے مطابق پاک فرماتے ہیں تا کہ تمہیں کامل تہذیب حاصل ہو۔ اور وہ رسول علیہ السلام جب اس جہان سے چلے جائیں تو دوسروں کی تکمیل میں تم ان کی نیابت کرو، اور اسی لیے وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ اور کتاب کے ظاہری معنی سکھاتے ہیں وَالْحِکْمَۃَ اور اس کتاب کے اسرار اور دقائق جو کہ اس کے ہر ہر حکم میں مخفی اور چھپے ہوئے ہیں۔ تا کہ تم صرف علم ظاہر پر اکتفاء کر کے صرف سطحیت تک نہ رہ جاؤ۔ اور صرف علم باطن پر اکتفاء کر کے بے لگام اور ہر شے کو جائز

marfat.com

Marfat.com

قرار دینے والے نہ بن جاؤ۔ بلکہ دونوں کے جامع ہو کر نبوت کی وراثت حاصل کرو۔ اور تکمیل کا رتبہ پاؤ۔ اور اگرچہ یہ دونوں علم یعنی کتاب کے ظاہر کا علم اور اس کے باطن کا علم کتاب کے نزول کے بعد معروف لغت کے مطابق ممکن تھا کہ تمہارے بعض ذہین لوگ ارشادِ رسول علیہ السلام سے مدد لیے بغیر خود بخود حاصل کر سکتے لیکن ابھی کئی چیزیں باقی تھیں کہ جنہیں فکری اور ذہنی قوت کے ساتھ ہرگز دریافت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تو اس سعی و کوشش کو انتہا تک پہنچایا جائے۔ اور اسی لیے یہ رسول علیہ السلام تمہارے حق میں عظیم نعمت ہوئے جو کہ تمہیں ان چیزوں کی نشاندہی فرماتے ہیں۔

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ اور تمہیں وہ چیزیں سکھاتے ہیں جنہیں تم اپنی فہم و فراست کے زور سے نہیں جان سکتے ہو۔ جیسے رکعات کی تعداد، نماز کے اوقات کو معین کرنا، وضو توڑنے والی چیزیں، تفصیل اور حد کے ساتھ غسل کے اسباب، زکوٰۃ کی مقدار اور دیت کی مقدار مقرر کرنا، گزشتہ امتوں کے صلحاء اور اشقیاء کے واقعات ان کے علاوہ جو کہ کتاب میں ہیں۔ حشر و نشر۔ وزن اعمال۔ پل صراط سے گزرنا۔ منازل جنت۔ طبقات دوزخ۔ ہر عمل کی مقدار کے مطابق ثواب اور عذاب کی خصوصیات۔ اور ذات پاک الٰہی کی بعض صفات جیسے ہنسنا وغیرہ جو کہ کتابوں میں نہیں ہیں۔ اور جب تم نے جان لیا کہ تم اس قدر میرے احسان کے گروی اور انعام سے معمور ہو۔

## یادِ الٰہی کے مختلف شعبے

فَاذْكُرُونِي تو مجھے یاد کرو جس رنگ میں ممکن ہو، زبان کے ساتھ، جیسے میرے کلام کی تلاوت، اور ذکر کے حلقوں میرے نام کی یاد، تسبیح، تکبیر، تہلیل اور ہر اچھے کام پر بسم اللہ پڑھنا، اور دل کے ساتھ کہ کمال توجہ اور استغراق کے ساتھ بے کیف حاضری کہ اہل سلوک اور اشغال کا حصہ ہے۔ یا توحید، معارف ذات و صفات و افعال کے دلائل میں اور اپنے بندوں کے ساتھ میرے معاملات کے اسرار اور اپنی مخلوق میں میری مخفی حکمتوں میں غور کے ساتھ کہ میں نے ہر ذرہ میں اپنی معرفت کی راہ کھولی ہے۔ اور اپنی صفات میں سے کسی صفت پر کوئی دلیل رکھتی ہے۔ جو کہ علمائے راسخین کا حصہ ہے۔ یا میرے انعام کے وعدے

marfat.com
Marfat.com

اور سزا کی وعید میں غور کرنے اور میرے ساتھ دل میں خوف وطمع کی کوئی کیفیت پیدا کرنے کے ساتھ ذکر کرو جو کہ عام پرہیزگاروں کا حصہ ہے۔

## ہر عضو کی معصیت اور اس سے ممانعت

اور اعضاء کے ساتھ ذکر دو طریقوں سے ہے۔ پہلا طریقہ یہ کہ ہر عضو کو میرے ان ممنوع چیزوں سے جو کہ اس عضو کے متعلق ہیں مجھے یاد کر کے مجھ سے ڈر کر باز رکھو۔ جیسے اجنبی عورت اور خوبرو بے ریش لڑکے پر نظر ڈالنا جو کہ آنکھ سے متعلق ہے۔ اور غیبت، چغلی، گالی گلوچ اور جھوٹے افسانے بیان کرنا جو کہ زبان سے متعلق ہے۔ اور بلاوجہ مار پیٹ اور قتل جو کہ ہاتھ سے متعلق ہے۔ اور گانے بجانے والوں کو ساز لہو ولعب کی باتیں اور جھوٹے افسانے سننا جو کہ کان سے متعلق ہیں۔ اور شراب خانہ' فاحشہ عورتوں کے چکلے' اور حکام کے پاس جاسوسی کے لیے جانا جو کہ پاؤں سے متعلق ہے۔ اور بدکاری، لواطت اور سحاق جو کہ شرم گاہ کے ساتھ متعلق ہے۔ اور حرام کھانا جو کہ لبوں، دانتوں، گلے اور معدہ کے ساتھ متعلق ہے علیٰ ہذا القیاس۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر عضو کو اس کام میں جس وقت کہ میں نے اس کام کا حکم دیا ہے مجھے یاد کر کے اور میرا فرمان بجالانے کا قصد کر کے مصروف کر دو کہ ان تمام صورتوں میں میں تمہیں یاد آتا ہوں۔ اور تمہارا ذہن میری طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور اگرچہ میرا ذکر تمہاری اسی عقل اور ذہن کی توجہ کا نام ہے۔ جو کہ مجھ سے متعلق ہوتی ہے۔ لیکن اس التفات اور توجہ کے اسباب سب کے سب ذکر کا حکم رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ اس تک پہنچاتے ہیں۔ اور جب تم ایسا کرو گے اذکر کم میں بھی تمہیں یاد فرماتا ہوں۔ اور میرا یاد کرنا یہ ہے کہ میں تمہارے حال پر ایک جدید توجہ اور ایک تازہ عنایت مصروف کروں کہ اس توجہ اور عنایت کی وجہ سے تمہاری دنیا و آخرت کے کام درست ہوں۔ اور تمہارے گناہ گر جائیں۔ اور تمہارے درجات قرب بلند ہو جائیں۔ اور تمہارے ثواب کا اندازہ اور استحقاق بڑھ جائے۔ اور اگرچہ تمہارا مجھے یاد کرنا تمہارے اوقات کو یوں محیط ہو تو میری نعمتوں کے شکر کی ایک نوع کی ادائیگی کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن تمہیں چاہئے کہ اس ذکر میں میری نعمتوں کے

marfat.com
Marfat.com

شکر کا ارادہ کرو اور شکر کی نیت سے بجالاؤ۔ واشکروالی اور میری نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اس لئے کہ جب اس قسم کا ذکر شکر کی نیت سے خالی ہو گرچہ دوسری ترقیوں کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن استحقاق نعمت میں زیادتی کا موجب نہیں ہوتا۔ اور جب شکر کی نیت کے ساتھ ہو تو نعمتوں کے فیضان میں زیادتی کا موجب ہوتا ہے۔ اور مجھے اس طرح یاد کر کے شکر ادا کرنے کے باوجود اسے دوسرے افعال کے ساتھ مت ملاؤ جو کہ میری نعمتوں کی ناشکری کی دلیل ہوں۔

وَلَا تَكْفُرُوْنِ اور میری ناشکری نہ کرو۔ اس لیے کہ اگر ایک جہت سے شکر ادا کرو گے تو دوسری جہت سے کفران نعمت کا ارتکاب کرو گے۔ اس شخص کی طرح جو کہ زبان اور دل سے بہت ذکر کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام پر مال خرچ کرنے سے بخل کرتا ہے۔ یا کسی بے گناہ کی کسی سردار یا بادشاہ کے دربار میں سفارش کے لیے زبان کو حرکت دینے میں کمی کرتا ہے تو تمہارا وہ شکر خالص شکر نہیں رہے گا۔ کہ تم اس کی وجہ سے میرے شکر سے عہدہ برآ ہو جاؤ اور تمہارا ذمہ پاک ہو جائے۔ اور میری نعمتوں کے مزید استحقاق کا موجب ہو جائے۔

## چند بحثیں

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں۔ پہلی بحث یہ ہے کہ اس آیت میں وَيُزَكِّيْكُمْ کے لفظ کو يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس آیت کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کو بیان فرمایا گیا ہے۔ جو کہ آپ نے اپنی مسلمان اولاد کے لیے مانگی تھی۔ اور آپ کی دعا میں وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کے بعد واقع ہوا تھا۔ قبولیت کو چاہیے کہ دعا کے مطابق ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قبولیت اصل مطلب کے حصول میں دعا کے مطابق ہوتی ہے۔ لیکن اس مطلب کے ذکر اور متعدد مطالب کی ترتیب ذکری میں قبولیت کی دعا کے ساتھ موافقت لازم نہیں۔ ترتیب ذکری میں حالات کے تقاضے کی رعایت کی جانی چاہیے کہ یہی بلاغت ہے۔ اور وہاں مقتضائے حال وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کو پہلے لانا تھا۔ اور یہاں اس کے برعکس۔ اس مجمل کی تفصیل یہ ہے کہ بلاشبہ کتاب وحکمت کی تعلیم حصول تزکیہ کے لیے ہے

marfat.com

Marfat.com

ورنہ خالی کتاب وحکمت کا علم مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ پس تزکیہ مقصود بالذات ہے۔ اور کتاب وحکمت کی تعلیم اس کا وسیلہ، اور دعا کے طلب کے وقت پہلے مبادی اور وسائل کو طلب کرنا چاہیے۔ اس کے بعد مقاصد و اغراض کو۔ اس لیے کہ طلب فعلی کی شان یہی ہے۔ اور طلب قولی اس کے مطابق چاہیے جبکہ قبولیت دعا کے بیان کے وقت جو کہ احسان جتلانے اور انعام گننے کا مقام ہے پہلے مقصود بالذات کو مقدم کرنا چاہیے کہ طلب کرنے والے کی نظر اسی طرف متوجہ ہے۔ اور وہ اسی کو عظیم نعمت اور اپنا اصلی مقصد شمار کرتا ہے۔ اور تفسیر کے بیان میں اس اسلوب کو بدلنے کے لیے ایک اور وجہ گزری ہے مگر گہرے غور وفکر پر موقوف ہے۔ اسے سمجھنا چاہیے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ لَاتَكْفُرُوْنَ کا جملہ جو کہ کفران سے نہی ہے جملہ وَاشْكُرُوْالِیْ کی تاکید ہے۔ جو کہ شکر کا امر ہے یا اس کا بیان ہے پس اس جملہ کا اس جملے پر عطف نہیں کرنا چاہیے تھا کہ عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے۔ حرف عطف لانے میں نکتہ کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حرف عطف لانے میں نکتہ یہ ہے کہ شکر کا امر اور کفران سے نہی دونوں مقصود بالذات معلوم ہوں۔ اگر حرف عطف نہ ہوتا تو یہی معلوم ہوتا کہ ان میں سے ایک مقصود بالذات ہے۔ اس لیے کہ وَلَاتَكْفُرُوْنَ کو تاکید پر محمول کرتے، اور جملہ وَاشْكُرُوْالِیْ مقصود بالذات ہوجاتا اور اگر اس کا بدل یا بیان قرار دیتے تو دوسرا جملہ مقصود بالذات ہوجاتا۔ جیسا کہ اقول له ارحل ولاتقیمن عندنا میں کہا گیا ہے۔

تیسری بحث یہ ہے کہ اس آیت میں بندوں کے یاد کرنے کا مطلقاً نتیجہ اپنا یاد کرنا قرار دیا ہے۔ حالانکہ بعض اوقات بندے ذکر الٰہی بے ادبی اور بے تعظیمی سے ملا کر یا غفلت اور عین معصیت میں کرتے ہیں۔ اور یقین ہے کہ وہ ذکر رب العزت کے عنایت تازہ کے ساتھ یاد فرمانے کے نتیجے کو نہیں پہنچتا۔ اس بحث کے جواب میں دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ ابن عساکر اور دیلمی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی کہ حضور علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ تم مجھے میری اطاعت کے ساتھ یاد

marfat.com
Marfat.com

کرو میں تمہیں اپنی بخشش کے ساتھ یاد کروں گا۔ تو جس نے مطیع ہو کر میرا ذکر کیا تو مجھ پر حق ہے کہ اسے اپنی مغفرت کے ساتھ یاد کروں۔ اور جس نے مجھے میرا نافرمان ہو کر یاد کیا تو مجھ پر حق ہے کہ میں اسے غضب کے ساتھ یاد کروں۔ اور عبد بن حمید، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں لائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذکری لکم من ذکر کم لی یعنی اپنے حق میں میرے ذکر کو میرے حق میں اپنے ذکر پر قیاس کرو، اگر تم مجھے اچھی وجہ سے یاد کرتے ہو میں بھی تمہیں اچھی وجہ سے یاد فرماتا ہوں۔ اور اگر بدی کی حالت میں یاد کرتے ہو تو میں بھی تمہیں اسی کے مطابق یاد فرماتا ہوں۔

اور ابن جریر نے سدی سے روایت کی کہ بندوں میں سے کوئی شخص یاد خدا نہیں کرتا مگر یہ کہ خدا تعالیٰ بھی اسے یاد فرماتا ہے۔ اور اگر آدمی ایمان والا ہے تو اسے مغفرت و رحمت کے ساتھ یاد فرماتا ہے۔ اور اگر کافر ہے تو اسے عذاب اور لعنت کے ساتھ یاد فرماتا ہے۔

اور امام احمد کتاب الزہد میں اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لائے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ ظالموں کو کہہ دیں کہ مجھے یاد نہ کریں۔ اس لیے کہ اگر مجھے یاد کریں گے تو میں بھی انہیں یاد کروں گا اور میرا انہیں یاد کرنا یہی ہے کہ میں انہیں لعنت کروں۔

عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ آپ سے کسی نے پوچھا بتائیں کہ قاتل ناحق، شراب خور، چور اور زانی، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاذکرونی اذکرکم یعنی کیا انہیں بھی اللہ تعالیٰ یاد کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں فرمایا کہ جب ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف سے لعنت کے ساتھ یاد فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ چپ ہو جائے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دونوں جگہوں پر ذکر کو قرینۂ مقام کے ساتھ اس طرح خاص کرنا چاہیے کہ رضائے الٰہی اور اس کی بارگاہ میں مرتبہ کے استحقاق کا موجب ہو جائے۔ اسی لیے پرانے مفسرین اس ذکر کے متعلقات کے تعین میں رنگا رنگ گفتگو کر گئے ہیں۔ جیسے مجھے

marfat.com
Marfat.com

میری اطاعت کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں اپنی رحمت اور مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا، تم مجھے مجاہدہ کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں مشاہدہ کے ساتھ یاد کروں گا، تم مجھے دعا کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں قبولیت کے ساتھ یاد کروں گا، تم مجھے عاجزی کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں فضل وکرم سے یاد کروں گا، تم مجھے لوگوں کے ہجوم میں یاد کرو میں تمہیں ملائکہ کے ہجوم میں یاد کروں گا۔ تم مجھے خوشحالی کے وقت یاد کرو میں تمہیں تکلیف کے وقت یاد کروں گا۔ تم مجھے راحت میں یاد کرو میں تمہیں تمہارے رنج کے وقت یاد کروں گا، تم مجھے آسانی کے وقت یاد کرو میں تمہیں تنگی کے وقت یاد کروں گا۔ تم مجھے زندگی میں یاد کرو میں تمہیں تمہاری موت کے بعد یاد کروں گا۔ تم مجھے دنیا میں یاد کرو میں تمہیں آخرت میں یاد کروں گا۔ تم مجھے عبودیت کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں ربوبیت کے ساتھ یاد کروں گا۔ تم مجھے صدق واخلاص سے یاد کرو میں تمہیں مزید خصوصی رحمتوں سے یاد کروں گا۔ اور ان عبادات میں سے بعض میں ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کا اشارہ ہے۔ جو کہ مہمات کی اصلاح کے لیے خاص عنایت اور خصوصی توجہ سے عبارت ہے۔ واللہ اعلم

## ذکر الٰہی شکر کے قائم مقام ہے

چوتھی بحث یہ ہے کہ احسان کرنے اور احسان شمار کرنے کے مقام میں ذکر کا حکم دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ذکر الٰہی بھی شکر کا کام کرتا ہے۔ اور شکر کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور یہ مسئلہ احادیث صحیحہ کی رو سے ثابت ہے۔ طبرانی نے اوسط اور ابونعیم نے حلیہ میں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم جب تک تو نے میرا ذکر کیا میرا شکر ادا کیا۔ اور جب تو نے مجھے بھلا دیا تو میری ناشکری کی۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی بار خدایا! مجھے بتایا جائے کہ میں تیرے شکر سے کس طرح عہدہ برا ہو سکتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھ پر تیری نعمتیں ہر لمحہ شمار سے باہر ہیں۔ جبکہ میری عبارت قاصر۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میرا ذکر کرو بھلاؤ نہیں تو جب تو نے میرا ذکر کیا میرا شکر کیا اور جب مجھے بھلا دیا تو یہ میری ناشکری ہے۔

marfat.com

Marfat.com

## ذکر-شکر-دعااور استغفار کے ثمرات

اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے چار چیزیں پائیں اس نے دیگر چار چیزیں بھی پالیں، اوراس کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے، جس نے ذکر الٰہی کی توفیق پائی اسے بلاشبہ حق تعالیٰ یادفرماتا ہےاس لیے کہ قرآن پاک میں ہے: فاذکرونی اذکرکم، اور جس نے دعا کی توفیق پائی قبولیت بھی پالی اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ، (المؤمن آیت ۶۰) اور جس نے توفیق شکر پائی اس نے نعمت کی زیادتی بھی پائی اس لیے کہ قرآن پاک میں ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم آیت ۷)، اور جس نے استغفار کی توفیق پائی مغفرت بھی پائی اس لیے کہ قرآن پاک میں ہے اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ غَفَّارًا۔ (نوح آیت ۱۰)

نیز اسی کتاب میں خالد بن ابی عمران رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرے خدا تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہے۔ اگرچہ نماز، روزہ (نفلی) اور تلاوت قرآن پاک کم کرے، اور جو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرے خدا تعالیٰ کو بھولنے والا ہے۔ اگرچہ نماز، روزہ اور تلاوت قرآن زیادہ کرے، اوراس حدیث پاک میں اس بات کا اشارہ ہے کہ گناہوں سے بچنا اور حدود الٰہی کی رعایت کرنا خدا تعالیٰ کو یادرکھنے میں عمدہ امور ہیں۔

اور صحیحین میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! اگر تو مجھے اپنے دل میں یاد کرے میں بھی تجھے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر تو مجھے حلقے اور اجتماع میں یاد کرے میں بھی تجھے کروبیین، ملائکہ مقربین اور ارواح انبیاء علیہم السلام کے حلقے اور اجتماع میں یاد کرتا ہوں۔ اور یہ حلقہ اور اجتماع تیرے حلقے اور اجتماع سے بہتر ہے۔ اور اگر تو ایک بالشت بھر میرے قریب ہو تو میں گز بھر قریب ہوتا ہوں۔ اور تو میری طرف قدم قدم آئے تو میں تیری طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

marfat.com
Marfat.com

## ذکر الٰہی کی فضیلت

اور سنن ابن ماجہ اور دوسری معتبر کتابوں میں وارد ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اور اس کے دونوں لب میرے نام کے ساتھ جنبش کرتے ہیں۔ اور جامع ترمذی اور دوسری صحاح میں وارد ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اسلام میں بے شمار عبادات ہیں مجھے ایک عمدہ چیز کا حکم فرمائیں جس میں کلی طور پر مصروف ہو جاؤں کیونکہ میں اسلام کی تمام عبادات کو کما حقہ ادا نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے۔

بیہقی اور دوسرے محدثین نے روایت کی کہ جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت ہوئے۔ اور یمن کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے حضور علیہ السلام سے بہت سی چیزیں پوچھیں۔ آخری بات جس پر گفتگو ختم ہوئی یہ تھی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اعمال خیر میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب اور مقبول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آدمی مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں رطب اللساں رہے۔

## ذکر خدا۔ مسجد سے وابستگی اور والدین کی تعظیم کی فضیلت

ابوبکر ابن ابی الدنیا ابوالمخارق کی روایت سے لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میرا ایک شخص پر گزر ہوا کہ وہ پورے کا پورا عرش کے نور میں گم تھا میں نے کہا یہ کون ہے؟ کیا کوئی فرشتہ ہے؟ کہا گیا فرشتہ نہیں ہے یہ وہ شخص ہے۔ جس کی زبان دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر تھی۔ اور اس کا دل ہمیشہ مسجدوں کے ساتھ وابستہ رہتا تھا۔ اور اس نے کبھی اپنے والدین کو لوگوں سے گالی نہ دلائی۔

اور امام احمد کی کتاب الزہد میں اور دوسری معتبر کتابوں میں وارد ہے کہ لوگوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس کہا کہ فلاں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سو (۱۰۰)

marfat.com
Marfat.com

غلام آزاد کیے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء نے فرمایا کہ فی الواقع اللہ تعالیٰ کے نام پر اس قدر دینا بہت ہے۔ لیکن اس سے دو چیزیں افضل ہیں پہلی چیز وہ ایمان جسے آدمی دن رات لازم رکھتا ہے۔ اور دوسری چیز یہ کہ اس کی زبان ہمیشہ ذکر الٰہی سے تر رہے۔ پھر حضرت ابوالدرداء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کیا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری بہترین عبادت، تمہارے پاکیزہ ترین عمل، تمہارے درجات کو زیادہ بلند کرنے والے کام جو کہ تمہیں سونا چاندی خرچ کرنے سے زیادہ بہتر ہو اور اس سے بھی بہتر ہو کہ تم جہاد میں دشمنوں کے مقابلہ میں آ دو وہ تمہیں شہید کریں۔ اور تم انہیں قتل کرو کی خبر نہ دوں؟ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیوں نہیں آپ ہمیں اتنے عظیم عمل کا نشان اور خبر ضرور عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز میقل یعنی چمکانے والا ہے۔ اور دلوں کو چمکانے والا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے میں کوئی چیز اتنی کارگر نہیں ہوتی جتنا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کارگر ہوتا ہے۔ اور یہ الفاظ آپ نے دو مرتبہ فرمائے۔ لوگوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی ذکر الٰہی کے برابر نہیں ہے، فرمایا نہیں ہے۔ اگر چہ مرد مجاہد اپنی تلوار کو اتنا چلائے کہ ٹوٹ جائے۔

اور طبرانی، بزار اور بیہقی، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شب بیداری سے عاجز ہو جائے۔ اور بخل کی وجہ سے راہ خدا میں مال خرچ نہ کر سکے۔ اور بزدلی کی بنا پر خدا تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ جہاد نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرے۔ کیونکہ ان نقصانوں کا تدارک کرے گا۔ نیز مذکور محدثین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لائے ہیں کہ جسے دربار خداوندی سے چار چیزیں عطا ہوئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہو گئی، شکر گزار دل، ذکر کرنے والی زبان، تکلیف پر صبر کرنے والا جسم اور بیوی جو کہ آدمی کی عزت اور مال پر نگہبان اور امین ہو۔

marfat.com
Marfat.com

اور ابن حبان، حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے لوگ اونچی مسندوں پر بیٹھ کر اور نرم تکیوں پر آرام کر کے ذکر خدا میں مشغول ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس دنیوی تعیش و تلذذ کے باوجود ذکر کی برکت سے جنت میں بلند درجات عطا فرمائے گا۔ اور صحیحین میں وارد ہے کہ خدا تعالیٰ کو یاد کرنے والا زندہ آدمی کی مانند ہے۔ اور جو خدا تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا مردے کی مانند ہے۔

اور طبرانی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص جھولی میں روپے ڈال کر تقسیم کرنا شروع کر دے اور دوسرا اس کے برابر خدا تعالیٰ کو یاد کرنا شروع کر دے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا افضل ہوگا۔

اور طبرانی اور بیہقی متعدد روایات کے ساتھ لائے ہیں کہ جنتیوں کے دل میں کسی چیز پر حسرت نہیں رہے گی مگر اس ساعت پر جو کہ ان پر گزری اور انہوں نے اس میں یاد خدا نہ کی۔ اور صحیح مسلم اور دوسری صحاح میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کسی جگہ کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے نہیں بیٹھی مگر فرشتے ان کے اردگرد حلقہ باندھ لیتے ہیں۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔ اور حق تعالیٰ انہیں اپنی بارگاہ کے مقربین میں خوبی کے ساتھ یاد فرماتا ہے۔ اور اسی مضمون کو ابن ابی الدنیا نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے دونوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر والوں کے لیے چار چیزیں ہیں۔ ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔ انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے، ان کے اردگرد ملائکہ حلقہ باندھ لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بارگاہ کے حاضرین میں یاد فرماتا ہے۔

## محافل ذکر اور ملائکہ کی حاضری

اور صحیحین میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے بہت سے فرشتے اہل ذکر کی تلاش میں گلی گلی پھرتے ہیں۔ اور جہاں بھی کسی جماعت کو ذکر میں مشغول دیکھتے ہیں ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ ادھر آؤ کہ تمہارا مقصد یہاں ہے۔ پس وہ فرشتے اپنے پروں کا

marfat.com
Marfat.com

احاطہ کر کے حلقہ باندھ کر آسمان تک کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور جب اہل ذکر فارغ ہو کر منتشر ہو جاتے ہیں تو وہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں پوچھتا ہے۔ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ فرشتے کہتے ہیں کہ تیرے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو کہ زمین میں ہیں۔ اور تجھے یاد کرتے ہیں۔ اور تیرے لیے تسبیح وتہلیل کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیا کریں۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ اگر تجھے دیکھ لیں تو یقین ہے کہ تیرے ذکر میں زیادہ معروف ہوں۔ اور پوری محنت اور کوشش کے ساتھ تجھے یاد کریں۔ پھر حق تعالیٰ پوچھتا ہے کہ مجھے یاد کرنے سے کیا چیز چاہتے ہیں۔ اور کس چیز سے پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ جنت چاہتے ہیں۔ اور دوزخ سے پناہ ڈھونڈتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ بے دیکھے جنت کے طالب اور دوزخ سے گریزاں ہیں۔ اور یقین ہے کہ اگر دیکھ لیں تو اس کے زیادہ طالب ہوں اور اس سے اور زیادہ بھاگیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ پس گواہ رہو کہ میں نے انہیں بخش دیا، اور ان کا مقصد انہیں عطا فرماتا۔ ان فرشتوں میں سے ایک عرض کرتا ہے کہ ان میں فلاں آدمی بھی تھا۔ لیکن ذکر والوں سے نہ تھا۔ کسی کام کے لیے آیا تھا اور بیٹھ گیا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اسے بھی بخش دیا۔ ان لوگوں کا وہ رتبہ ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی خلاصی پا جاتا ہے۔

اور صحیح مسلم اور دوسری صحاح میں وارد ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آستانہ پاک سے باہر تشریف لائے۔ اور ایک حلقے کے پاس کھڑے ہوئے۔ اور پوچھا کہ تم کس مقصد کے لیے حلقہ باندھے بیٹھے ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ ہم یاد خدا کے لیے بیٹھے ہیں۔ اور اس کا شکر کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قسم کھا کر کہو کہ تم اسی مقصد کے لیے بیٹھے ہو۔ انہوں نے قسم کھا کر عرض کی، آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اس وجہ سے قسم نہیں دی کہ میں تم پر جھوٹ کی تہمت رکھتا ہوں لیکن میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے۔ اور مجھے خبر دے گئے ہیں کہ اللہ

marfat.com
Marfat.com

تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرماتا ہے میں نے چاہا کہ تم سے فخر کی وجہ کی تحقیق کروں۔

اور امام احمد اور بیہقی، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ آج اس تمام مجمع کو معلوم ہو جائے گا کہ بزرگی کیا ہے؟ اور بزرگی کے لائق کون ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمیں خبر دیجئے تاکہ ہم ان جماعت کے علاوہ کسی کو بزرگ اور کریم نہ کہیں۔ فرمایا اہل کرم وہ لوگ ہیں جو کہ ذکر کی محفلوں میں بیٹھتے ہیں۔

نیز مذکور محدثین نے روایت کی ہے کہ لوگ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے جمع نہیں ہوتے مگر ان کے فارغ ہونے کے بعد آسمان سے فرشتہ ندا دیتا ہے کہ بخشے ہوئے جاؤ۔ تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل گئیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ عذاب قبر سے کوئی عمل اتنی نجات نہیں دیتا جتنی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر دیتا ہے۔

اور بے شمار محدثین حضرت ابوالدرداء، ابی بن کعب، عبادہ بن صامت، عبداللہ بن عمر، معاذ بن جبل اور سلمان فارسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بے شمار روایات لائے ہیں کہ یہ بزرگ ذکر کو مال خرچ کرنے، جہاد کرنے اور دوسری عمدہ عبادات پر ترجیح دیتے تھے۔ ان میں سے کسی نے فرمایا کہ ایک تکبیر دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور کوئی کہتے تھے کہ میں سو مرتبہ اللہ اکبر کہوں مجھے یہ سو دینار خرچ کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ کسی نے فرمایا کہ اگر میں صبح کی نماز سے طلوع شمس تک ذکر کروں یہ مجھے اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے کہ میں گھوڑوں کی پشتوں پر بیٹھ کر فی سبیل اللہ جہاد کروں۔ اور اسی طرح عصر کے بعد غروب شمس تک، کوئی فرماتے تھے کہ اگر دو شخص ایک مشرق سے اور دوسرا مغرب سے چلے ان میں سے ایک کے پاس سونا ہو جس میں سے وہ حق کے سوا خرچ نہیں کرتا۔ اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ یہاں تک کہ وہ راستہ میں ملیں تو وہ ان دونوں میں افضل وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ اور کسی نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی اپنے معاصرین کو کھانا کھلاتا ہوا فوت ہو جائے۔ اور دوسرا قرآن کی تلاوت کرتا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہوا فوت ہو تو میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کو افضل دیکھتا ہوں۔ اور اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ ہر عمل کی افضلیت

marfat.com

Marfat.com

اس کی تاثیر کے محل کے اعتبار سے مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر تہذیب نفس، غفلت کے علاج اور حجاب اُٹھانے میں افضلیت رکھتا ہے۔ اگر چہ مال خرچ کرنا اور جہاد ثواب زیادہ کرنے اور درجات بلند کرنے میں افضل ہو جائے۔

اور ابن ابی شیبہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں کہ اہل ذکر آسمان والوں کی نظر میں اس طرح چمکتے دکھائی دیتے ہیں جس طرح زمین والوں کی نظر میں ستارے۔ اور طبرانی متعدد روایات کے ساتھ لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ تجلی الٰہی کی دائیں جانب ایک جماعت نور کے منبروں پر بیٹھی ہو گی جن کے حال پر انبیاء علیہم السلام اور شہدا رشک کریں گے۔ حالانکہ وہ انبیاء (علیہم السلام) اور شہدا نہیں ہوں گے، اور جب لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ جماعت کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا کہ وہ لوگ ایک ہی گروہ سے نہیں ہیں۔ بلکہ مختلف فرقوں اور مختلف شہروں سے کہ انہوں نے صرف خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے دوستی پیدا کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے جمع ہوتے ہیں۔

## نماز فرض کے بعد دعا مسنون ہے

اور ابن ابی شیبہ، حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے لائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز ذکر اور شکر سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ اسی لیے یہاں جو احسان کرنے کا مقام ہے انہیں دو چیزوں کو طلب فرمایا ہے کہ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ اور یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ میں وارد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد خود بھی یہ دعا فرماتے تھے، اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھی اس دعا کی ہمیشگی کا حکم فرمایا ہے کہ

اللهم اعني على ذكرك و شكرك وحسن عبادتك۔

## شکر کی حقیقت اور اس کی فضیلت کا بیان

اور ہم یہاں پہنچے کی شکر کی حقیقت جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے یہ ہے کہ ایک شخص ہر نعمت الٰہی کو وہیں خرچ کرے جہاں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔ اور اس کے غیر پسندیدہ کام سے

marfat.com
Marfat.com

روک رکھے۔ اور یہ مرتبہ بہت دشوار ہے۔ اور شرع شریف میں اس عبادت کی ادائیگی کے لیے جو کچھ مقرر ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہر نعمت کو جب اس نعمت کی طرف توجہ کرے اپنی لیاقت اور قابلیت کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کا فضل جانے، پھر خود کو اور اپنے اعمال کو اس نعمت کا شکر ادا کرنے سے قاصر سمجھے۔ پھر ممکن حد تک شکر کے جامع الفاظ کو جو کہ تمام نعمتوں کو محیط ہوں اختیار کرنے میں کوشش کرے۔ پھر ہر ہر نعمت کو اس کے وارد ہونے کے وقت میں اگر چہ وہ نعمت ظاہری عقل کے اعتبار سے نعمت معلوم نہ ہو جدا جدا ملاحظہ کر کے اس پر زبانی حمد وثنا یا مالی جود وعطا یا بدنی نماز، روزہ یا ذبح وقربانی ادا کرے۔

اور بیہقی، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لائے ہیں کہ جب حق تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کوئی نعمت عطا فرماتا ہے۔ اور وہ بندہ جانتا ہے کہ یہ نعمت محض خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف اس کے اس جاننے کو اس نعمت کا شکر لکھواتا ہے۔ اس سے پہلے کہ زبان سے تعریف کرے۔ اور ایک شخص بعض اوقات اپنے لیے کپڑا خریدتا، سیتا اور پہنتا ہے۔ اور پہننے کی ابتدا میں حمد الٰہی کرتا ہے تو وہ کپڑا ابھی اس کے زانوں تک نہیں پہنچتا کہ اسے شکر گزاروں سے لکھ دیتے ہیں۔ اور اسی طرح جب کسی سے گناہ سرزد ہوتا ہے۔ اور اس کے دل میں ایک ندامت اور شرم پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کے اعمال نامہ میں اس گناہ کی توبہ لکھا دیتا ہے اس سے پہلے کہ زبان سے استغفار کرے یا توبہ کرے۔

اور امام احمد کتاب الزہد میں اور بیہقی ابومجلز سے لائے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنے رب تعالیٰ سے سوالات کی کتاب میں پڑھا ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ بار خدایا مجھے کیسے ممکن ہو کہ تیرے شکر سے عہدہ برا ہو سکوں حالانکہ مجھ پر تیری کمترین نعمت اس سے کہیں بڑی ہے کہ میرے تمام اعمال اس کے مقابل ہو سکیں، وحی آئی کہ اے موسیٰ اب تو نے میرا شکر ادا کیا کہ تو نے خود کو میرے شکر سے عاجز جانا۔

marfat.com
Marfat.com

اور بیہقی، شعب الایمان میں حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے لائے کہ جوشخص صبح کے وقت کہے: الحمد لله على حسن المساء والحمد لله على حسن المبيت والحمد لله على حسن الصباح اس نے اپنے شب وروز کا شکر ادا کر دیا، اور بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن سلام سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب الٰہی میں عرض کی کہ بارخدایا! جو شکر تیری بارگاہ کے لائق ہے کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ چاہیے کہ تیری زبان میرے ذکر سے تر ہو۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کی بارخدایا! بعض اوقات ہم ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ اس حالت میں ہم تیرا ذکر بے ادبی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ بول و براز، جنابت اور بے وضوئی۔ ارشاد ہوا کہ میرے ذکر کو کسی حالت میں نہ چھوڑو، ہر حال کے مناسب کوئی ذکر کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کیا کہوں؟ فرمایا کہ سبحانك اللهم لا اله الا انت جنبتني الاذى سبحانك وبحمدك لا اله الا انت۔

نیز بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں آتا اور سلام کرتا، اور آپ اس سے پوچھتے کہ کیف اصبحت یعنی تو نے کیسے صبح کی؟ وہ عرض کرتا احمد اللہ الیک یعنی میں آپ کی طرف اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں۔ حضور علیہ السلام اس کے لیے دعا فرماتے۔ ایک دن وہ حاضر ہوا۔ اور آپ نے اس سے پوچھا کہ کیف اصبحت انت یا فلاں اس نے عرض کی بخیر ان شکرت حضور علیہ الصلوٰۃ وسلام نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اس نے پوچھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ میری احوال پرسی کے بعد ہمیشہ دعا فرماتے تھے۔ اور آج آپ نے احوال پرسی فرمائی دعا نہیں فرمائی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں ہمیشہ تجھ سے احوال پرسی کرتا تھا۔ اور تو شکر کرتا تھا۔ اور آج تو نے شکر میں شک کی۔

### مختلف اعضاء کا شکر

نیز بیہقی ابوحازم سے لائے کہ آنکھ کا بھی ایک شکر ہے۔ اور ہاتھ پاؤں کا بھی ایک شکر ہے۔ اور پیٹ کا بھی ایک شکر ہے۔ اور شرم گاہ کا بھی ایـ ہے۔ یہ گمان مت کرو کہ

marfat.com
Marfat.com

شکر صرف زبان سے ادا ہوتا ہے۔ چاہیے کہ شکر تمام اعضا کے ساتھ ہو، اور جو شخص زبان سے شکر کرتا ہے۔ اور تمام اعضا کے ساتھ شکر ادا نہیں کرتا وہ اس شخص کی طرح ہے۔ جس کے پاس ایک گودڑی ہو۔ اس نے گودڑی کا ایک گوشہ اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا ہو حالانکہ اس کا تمام بدن ننگا ہے۔ یہ گودڑی اسے گرمی، سردی، برف اور بارش سے ہرگز فائدہ نہیں دیتی۔

اور ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے وارد ہے کہ شکر گزار کھانا کھانے والے کے لیے صبر کرنے والے روزہ دار کی مثل اجر ہے۔ اور بیہقی اور ابن ابی الدنیا متعدد روایات سے لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ دو عادتیں جس میں ہوں اسے اللہ تعالیٰ شاکر وصابر لکھتا ہے۔ اور جس میں نہ ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شاکر وصابر نہیں ہے۔ ایک یہ کہ دین کے معاملہ میں اپنے سے بالاتر کو دیکھے اور اس کی اقتدا کرے، اور دوسری یہ کہ دنیوی معاملات میں اپنے سے نچلے کو دیکھے اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور جو شخص دنیا میں بالاتر کو دیکھے اور اپنے حال پر حسرت وافسوس کرے یا اپنے دین میں نچلے کو دیکھے اور اپنے آپ کو خود بینی میں ڈال دے اللہ تعالیٰ اسے شاکر لکھتا ہے نہ صابر۔

اور ابوداؤد اور نسائی میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص صبح کے وقت کہے **اللهم ما اصبح بی اوباحد من خلقك من نعمة فمنك وحدك لاشريك لك فلك الحمد ولك الشكر**، تو اس نے اس دن کا شکر ادا کر دیا، اور جو شام کے وقت اسی طرح کہے تو اس نے رات کا شکر ادا کر دیا۔

ابن ابی الدنیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو کسی تکلیف یا مصیبت والے کو دیکھے اور کہے **الحمد لله الذی عافانی مما ابتلاك و فضلنی علی كثير ممن خلق تفضيلاً** تعریف ہے اس خدا تعالیٰ کی جس نے مجھے اس بلا اور مصیبت سے بچایا جس میں تجھے مبتلا کیا ہے۔ اور اس نے مجھے تجھ پر اور اپنی مخلوق میں سے بہتوں پر فضیلت دی۔ پس اس نے اس نعمت کا شکریہ ادا کر دیا۔ لیکن علماء نے کہا ہے کہ اس شکر کو اس طرح کہے کہ وہ مصیبت والا نہ سنے تاکہ اس کا دل نہ ٹوٹے۔ اور ابوداؤد اور ترمذی سے وارد

marfat.com
Marfat.com

ہے کہ جب حضور علیہ السلام کے پاس اچھی خبر پہنچتی یا کوئی پسندیدہ امر حاصل ہوتا تو آپ شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ میں گر جاتے، اور ابن ابی الدنیا نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک دن حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آج میری جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے عمدہ بشارت دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص آپ پر ایک بار درود بھیجے گا میں اس پر دس بار درود بھیجتا ہوں اور جو آپ پر ایک بار سلام کہے میں اس پر دس مرتبہ سلام کہتا ہوں۔ میں نے اس بشارت کی خوشی میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر ادا کیا۔

حزایطی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ **افضل الذکر لا الہ الا اللّٰہ وافضل لشکر الحمد للّٰہ**۔ اور ابن ابی شیبہ، ابن سعد اور دوسرے محدثین حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے ہیں کہ حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ جب دنیا کے لوگ سونے اور چاندی کو زیادہ کرنے میں مصروف ہو جائیں تو تمہیں چاہیے کہ یہ کلمات زیادہ کہو **اللھم انی اسئلک الثبات فی الامر والعزیمۃ علی الرشد واسئلک قلبا سلیما ولسانا صادقا واسئلک خیر ماتعلم واعوذبک من شرماتعلم واستغفرک لماتعلم انک انت علام الغیوب**۔

## چند نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے طریقے کا بیان

اور شرع شریف میں چند چیزوں کو چند نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ بچے کی ولادت کا شکر عقیقہ ہے۔ اور اس کے سر کے بالوں کے برابر چاندی کو تول کر خیرات کرنا۔ اور نکاح کا شکر ولیمہ ہے۔ اور نیا کپڑا پہننے کا شکر یہ ہے کہ پرانا کپڑا اللہ تعالیٰ کے نام پر کسی محتاج کو دے دے۔ اور روزہ رکھنے کا شکر صدقۃ الفطر اور عید کے دن وسعت، تکلف اور زیب وزینت کرنا ہے۔ اور ادائے حج کا شکر عید الاضحیٰ کی قربانی اور اس دن میں تکلف اور زیب وزینت ہے۔ اور کھانے، پینے اور نیند سے بیدار ہونے کا شکر زبانی اذکار ہیں جو کہ ان اوقات میں حدیث شریف میں وارد ہوئے ہیں۔ اور مال کا شکر یہ ہے کہ اپنے

marfat.com
Marfat.com

آپ پر اس کا اثر ظاہر کرے۔ اور لباس اور خوراک میں مفلسوں کی صورت اختیار نہ کرے۔ اور جانوروں کی سواری کا شکر یہ ہے کہ کبھی کبھی محتاجوں کو عاریۃً دے دے۔ اور مویشیوں کا شکر یہ ہے کہ ان میں سے ایک جانور کا دودھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مستحقوں کو دے دیا جائے۔ اور کھیتی اور پھلوں کا شکر یہ ہے کہ اس کے کھانے سے کسی کو نہ روکے۔ لیکن اگر کوئی چاہے کہ اُٹھا کر لے جائے تو مزاحمت کا حق ہے۔ اور صنعت کا شکر یہ ہے کہ ضرورت مند کی اس کے ساتھ مدد کرے مثلاً لکھنا اور سینا، اور قرآن پاک اور مسائل دین کی تعلیم دینا نعمت علم کا شکر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

اور چونکہ ان تین ذمہ داریوں میں جو کہ ذکر، شکر اور ترک کفران نعمت ہیں تمام احکام شرعیہ داخل ہو گئے۔ اس لیے کہ ذکر و شکر جیسا کہ گزر چکا تمام طاعتوں کو گھیرے میں لینے والے ہیں۔ اور کفران نعمت تمام منہیات کو محیط ہے۔ اور احکام شرعیہ کو پورے طور پر کمال کے ساتھ ادا کرنا بہت دشوار اور مشکل ہے تو ناچار اس مشکل کو آسان کرنے کے لیے ایک طریقے کا نشان دیا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر ذکر، شکر۔ اور میری نعمتوں کی ناشکری چھوڑنے کا حق ادا کرنا تم پر دشوار ہو تو اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ صبر کے ساتھ مدد طلب کرو۔ کہ ہمارے لشکروں میں سے ایک عظیم لشکر ہے۔ اور خاص تمہاری نوع جو کہ انسان ہے کہ ساتھ ہم نے متعین فرمایا تا کہ تمہاری مہمات میں تمہارا مددگار ہو۔

## انسان کے ساتھ صبر کی تخصیص کا بیان

اور یہی وجہ ہے کہ جانوروں میں صبر کا تصور نہیں ہے کہ محض خواہش رکھتے ہیں نہ کہ عقل۔ اور فرشتوں میں بھی تصور نہیں کہ محض عقل رکھتے ہیں نہ کہ خواہش۔ پس صبر جو کہ شہوت وغضب کے تقاضوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے عبارت ہے اس نوع کے سوا کسی مخلوق میں ہم نے پیدا نہیں فرمایا ہے۔ لیکن یہ نوع' تو اپنے وجود کی ابتدا میں اس کا فرد بمنزلۂ جانور ہوتا ہے کہ غذا کی خواہش کے سوا اور کچھ نہیں رکھتا، پھر کچھ مدت کے بعد اس پر کھیل کود کی خواہش غلبہ کرتی ہے۔ پھر جماع کی خواہش لیکن جب اس حد کو پہنچتا ہے تو اس

marfat.com
Marfat.com

میں ایک ثقل بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو کہ اس کے رُخ شہوت کو دنیوی لذت سے پھیرتی ہے۔ اور آخرت کی سعادت کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اور اس وقت عقل وشہوت دونوں کے اسباب میں جنگ اور جھگڑا پڑ جاتا ہے۔ اگر عقل نے شہوت کو مغلوب کر لیا۔ اور اپنے قبضہ میں لے لیا تو یہی ہے صبر کا معنی۔

## اقسام صبر

صبر کی دو قسمیں ہیں، بدنی اور نفسانی۔ بدنی کی بھی دو قسمیں ہیں، فعلی یا انفعالی، فعلی جیسے مشقت والے کام کرنا۔ اور انفعالی جیسے تکالیف اور دکھوں پر ثابت قدم رہنا۔ اور نفسانی اس سے عبارت ہے کہ نفس کو طبعی تقاضوں سے روکے، اگر پیٹ اور شرمگاہ کی خواہش سے بند کرے تو اسے عفت کہتے ہیں۔ اور اگر فضول طلب کرنے سے بند کرے اسے زہد و قناعت کہتے ہیں۔ اور اگر مصیبت کے وقت جزع وفزع، آواز بلند کرنے، چہرے پر طمانچہ مارنے اور گریبان اور کپڑے کو پھاڑنے سے بند کرے اسے صبر عرفی کہتے ہیں۔ اور اگر امیری اور دولت مندی کی حالت میں تکبر، نخوت اور ہم نشینوں سے اونچا ہونے سے بند کرے تو اسے فراخی حوصلہ کہتے ہیں۔ اور اگر جنگ کی حالت میں بھاگنے پھسلنے سے بند کرے اسے شجاعت کہتے ہیں اور اگر حالت غضب میں مارنے اور گالی دینے سے بند کرے تو اسے حلم یعنی بردباری کہتے ہیں۔ اور اگر مہمات میں سے کسی مہم کو سرانجام دینے میں بے چینی اور حیرت سے بند کرے تو اسے بھی وسعت حوصلہ کہتے ہیں۔ اور اگر بھید ظاہر کرنے سے بند کرے تو اسے رازداری کہتے ہیں۔ پس یہ شکر الٰہی دینی اور دنیوی مہمات میں سے ہر مہم میں مددگار ہے۔

اور صبر کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ آدمی تکلیف وہ کام کی کدورت نہ پائے۔ یا پائے اور اسے مکروہ نہ سمجھے۔ اس لیے کہ یہ دونوں کام غیر ممکن ہیں۔ بلکہ صبر کی حقیقت یہی ہے کہ کدورت اور طبعی کراہت کے باوجود اپنے آپ کو اس سے روکے جو کہ عقل اور شرع کے منافی ہے۔ اور خود کو گھبراہٹ شکایت کے اظہار سے باز رکھے۔ اور اگر آنسو جاری ہوں یا چہرے کا رنگ متغیر ہو جائے تو صبر کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

marfat.com
Marfat.com

اپنے شاہزدے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت گریہ فرمایا ہے۔اور غم واندوہ کا اظہار ان لفظوں کے ساتھ فرمایا واللہ انا بفراقك یا ابراھیم لمحزونون، اور جب لوگوں نے اس بارے میں عرض کی تو ارشاد فرمایا اس قدر غم اور ملال اور آنسو بہانا رحمت الٰہی کے تقاضوں سے ہے۔اور اس قسم کے تعلقات کے بارے میں یہ حکم ظاہر ہوا انما یرحم اللہ من عبادہ الرحماء، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔نیز فرمایا ان العین تدمع والقلب یحزن ولانقول الامایرضی ربنا، یعنی آنکھ آنسو بہاتی ہے۔اور دل غم کرتا ہے۔اور اس امر میں بندے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔اور اتنا سا کام حد تکلیف میں داخل نہیں ہوسکتا کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا البتہ ہم اپنی زبان کو بند کرتے ہیں تاکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف کوئی حرف نہ آئے۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ صبر وہی ہے جو کہ درد، مصیبت اور نفس کے قلق کے اوائل میں واقع ہو، اور جب مصیبت کی تیزی ٹوٹ گئی، اور نفس کو اس کا صدمہ بھول گیا تو اس وقت جزع وفزع اور شکایت کا ترک کرنا صبر میں شمار نہیں ہوتا۔بلکہ اسے تسلی اور بھول جانا کہتے ہیں۔اور وہ بھی ایسا امر ہے۔جو کہ اضطرار کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔اور اسی لیے حکماء نے کہا ہے کہ اگر کسی کو تکلیف دیں کہ مصیبت پر ہمیشہ بے قراری کرے تو یہ تکلیف مالا یطاق ہوگی۔

## فضائل صبر اور صابرین کا بیان

اور اس قابل تعریف خلق جس کا نام صبر ہے کے فضائل میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب عزیز میں ستر (۷۰) سے کچھ اوپر مقامات پر اس کی تعریف فرمائی ہے۔اور دارین کی اکثر خوبیاں اس اچھی خصلت کے ساتھ وابستہ فرمائیں۔ان میں سے وجعلنا ھم ائمة یھدون بامرنالماصبروا، (السجدۃ آیت ۲۴) تمت کلمة ربك الحسنیٰ علی بنی اسرائیل بما صبروا، (الاعراف ۱۳۷) ولنجزین الذین صبروا اجرھم باحسن ماکانوا یعلمون (النحل آیت ۹۶) انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب (الزمر آیت ۱۰) اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نیکی کا ایک مقرر اجر ہے صبر کے سوا کہ اس کا اجر مقدار اور اندازے میں نہیں آتا۔

marfat.com
Marfat.com

اور صبر کے فضائل سے یہ ہے کہ عمدہ عبادت جو کہ روزہ ہے محض صبر ہے کھانے، پینے اور جماع سے۔ اور حدیث قدسی میں اس عبادت کے بارے میں وارد ہوا کہ الصوم لی وانا اجزی بہ۔ نیز نصرت وامداد کو صبر پر معلق فرمایا ہے ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ آلاف من الملائکہ مسومین (آل عمران آیت ۱۲۵) نیز صابراں کو اپنی خصوصی عنایات کا مرکز قرار دیا ہے آیت اولئک علیھم صلوٰت من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون (البقرہ آیت ۱۵۷) میں، اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ الصبر نصف الایمان۔ اس لیے کہ ایمان پورا نہیں ہوتا مگر اسے ترک کرنے سے جو کہ نادرست ہے۔ اور اس پر عمل کرنے سے جو کہ درست ہے۔ اور ان دونوں امور کی ہمیشگی صبر کے بغیر نہیں ہوتی۔ پس اس حساب سے صبر پورا ایمان ہے۔ چنانچہ اسی اعتبار سے حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ الصبر ھو الایمان کلہ صبر پورا ایمان ہے۔ لیکن چونکہ کبھی نادرست کو چھوڑنا اور درست کو عمل میں لانا دلی خواہش اور نفسانی طلب کے موافق ہوتا ہے، کبھی نہیں ہوتا۔ پس جو پہلی قسم سے ہے اس میں صبر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ شارع کی نظر نے باریک بینی فرما کر اسے نصف ایمان قرار دیا۔ پس جو علاج کہ شرع شریف کی مشکل تکلیفات کو نفس پر آسان کرنے میں مفید ہے صبر کی عادت کو اپنانا ہے۔ جو کہ ذکر میں بھی، شکر میں بھی اور کفران نعمت کو ترک کرنے میں بھی عظیم اثر کرتا ہے۔

اور اگر اس خلق کو اپنانے کے باوجود بھی تم اس پر بعض تکالیف شرعیہ گرانی کریں یا معاش کی حوائج ضروریہ حاصل کرنے میں عاجز آ جاؤ اور اس وجہ سے تمہیں ذکر، شکر اور ترک کفران نعمت کی فرصت میسر نہ ہو تو تمہیں ایک اور چیز کا بھی پتہ دیتا ہوں۔ اور فرماتا ہوں وَالصَّلٰوۃِ اور مدد طلب کرو نماز کے ساتھ، اس لیے کہ نماز ایک مرکب عبادت اور مجرب تریاق ہے۔ جو کہ چند اجزا سے بنا ہے۔ جس کا جز و اعظم اور ارکان کا خلاصہ دعا ہے۔ جو کہ ہر جزو وکل کی مشکل کشائی اور محتاج کی حاجت برآری ہے۔ اور باوجود اس کے کہ قضائے حاجات کا سبب ہے ایک مستقل عبادت ہے۔ اور ذکر وشکر کی جامع صورت۔ پس

marfat.com
Marfat.com

اس مصروفیت میں تمہارے نفس وطبع کی تسلی بھی ہوتی ہے کہ میں اپنی ضروریات کو حاصل کرنے کے درپے ہوں اور معاش کی کوشش اور تلاش میں۔ اور مقصد بھی ہاتھ سے نہیں جاتا جو کہ ذکر وشکر ہے۔ اور مہمات اور حوائج میں نماز کے ساتھ استمداد کا طریقہ پہلے گزر چکا، کہ اس کی قسموں میں صلوٰۃ الحاجت ہے ہر مقصد کے لئے، اور بارش طلب کرنے کے لیے صلوٰۃ الاستسقاء اور بے چینی دور کرنے کے لیے مطلق نوافل ہیں۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اذاحزبه امر فزع الی الصلوٰۃ یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی امر پریشان کرتا تو آپ نماز میں مشغول ہوجاتے۔

## نماز کی بدولت حل مشکلات

اور حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہوگئی یہاں تک لوگوں نے گمان کیا کہ فوت ہوگئے ہوں۔ اور ان کے نزدیک سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور مکان خالی کردیا۔ اس مایوسی کے وقت میں ان کی اہلیہ ام کلثوم بنت عقبہ مسجد میں حاضر آئیں، اور یہ آیت پڑھی کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اور نماز میں مشغول ہوگئیں۔ ایک ساعت نہ گزری تھی کہ انہیں افاقہ رونما ہوا، اور آپ نے دوبارہ زندگی پائی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نماز جب کہ ظالم بادشاہ کے لوگ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو لے گئے پہلے ذکر ہوچکی، اور جریج راھب کی نماز جب کہ اسے بدکاری کی تہمت لگائی گئی، بھی بخاری اور مسلم میں مذکور ہے۔

قصہ مختصر اس کے باوجود کہ نماز ذکر اور شکر کو شامل ہے محتاجئی کی دعا کی ایک ایسی تصویر ہے کہ اس سے بہتر تصویر ممکن نہیں ہے۔ اور دعا کے ساتھ مدد طلب کرنا پرانے اور نئے مسلمانوں کی عادت ہے۔ اور تم صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرنے سے کس طرح غافل ہوسکتے ہو حالانکہ

اِنَّ اللّٰهَ تحقیق اللہ تعالیٰ۔ کہ ہر مہم اور ہر حاجت میں حقیقی مددگار وہی ہے مَعَ الصّٰبِرِیْنَ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ صبر کرنے والے تکلیف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خلق سے جو کہ صبور اور حلیم ہے اپنے آپ کو متخلق کرتے ہیں۔ اور جس نے اپنے

marfat.com

Marfat.com

آپ کو اخلاق الٰہی سے متخلق کیا علمی اور قدرتی معیت جو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر مخلوق کے ساتھ ثابت ہے کے علاوہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایک اور معیت حاصل ہوگئی، اور اس معیت خاصہ کے آثار سے وہ توفیق، امداد، تائید اور نصرت ہے۔ جو کہ نفس، شیطان اور انسانی جنی دشمنوں کے خلاف ملتی ہے جو کہ ذکر اور شکر سے روکنے والے اور کفران نعمت کا باعث ہوتے ہیں۔ نیز جب اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو تو تمہارا مقصد حاصل ہو گیا۔ کہ ذکر، شکر اور کفران نعمت کی ترک سے بھی اسی کو ڈھونڈتے ہو، اور جب یہ معیت خاصہ صرف صبر پر مرتب ہوتی ہے تو نماز پر بطریق اولیٰ مرتب ہوگی جو کہ ذکر، شکر اور صبر کی جامع ہے۔ بلکہ نماز خود معراج المومنین اور قرب ومناجات کی صورت ہے۔ اسی حالت میں خاص معیت کا حصول تو اس عمل کی طبیعت کا تقاضا اور اس کے ارکان کو پورا کرنے والا ہے نہ کہ اس کی جزا اور نتیجہ۔ اسی لیے یہ ارشاد نہ ہوا کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ وَالْمُصَلِّيْنَ۔

اور جب ثابت ہو گیا کہ صبر کرنے والوں کو حضرت حق جل وعلا کی خاص معیت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کمال کا جامع ہے۔ اس کی معیت ہر کمال کی معت کو اس کے حامل کی استعداد کے مطابق لازم کرتی ہے۔ نیز یقین کے ساتھ ثابت ہے کہ صبر کی قسموں میں سے جو اعلیٰ اور اکمل ہے خدا تعالیٰ کی راہ اور اس کی اطاعت میں جان جانے پر صبر کرنا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں الجود بالنفس اقصى غاية الجود یعنی جان کی سخاوت کرنا، سخاوت کی انتہائی حد ہے۔ کسی لذت کے فوت ہونے یا مال کے نقصان یا کسی دوسرے کی موت پر صبر کرنا جو کہ اپنے سے قرابت کا تعلق رکھتا ہو۔ اس کے مقابلہ میں اتنی حیثیت نہیں رکھتا۔ پس صبر کرنے والوں خصوصاً صبر کرنے والوں میں سے اس اعلیٰ واکمل فرد کے کمال حیات حاصل کرنے میں کوئی شک مت کرو جو کہ اس ذات مقدس کی صفات ذاتیہ میں سے پہلی صفت ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا اور مت کہو لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اس کے بارے میں جو کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے۔ اور جہاد میں صبر کرنے والوں میں سے ہو کہ وہ اَمْوَاتٌ مردہ ہیں۔ اس لیے کہ جب آدمی مرتا ہے اس کی روح جدا ہو جاتی ہے۔ پس جسم کو روح کی جدائی کی

marfat.com
Marfat.com

وجہ سے حس وحرکت اور ادراک وشعور کے نہ ہونے کی شکل میں موت رونما ہوتی ہے۔ اور روح میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ جیسے وہ قوتوں کی حامل تھی اب بھی ہے۔ اور جو شعور و ادراک رکھتی تھی اب بھی رکھتی ہے۔ بلکہ زیادہ صاف اور روشن۔ اس لیے کہ اسے بدن کی تدبیر اور امور سفلی میں توجہ ادراک میں صفائی سے مانع ہوتی تھی۔ اور جب بدن سے جدا ہوئی وہ مانع اُٹھ گیا۔ پس روحوں کو مطلقاً خواہ شہید کی روح ہو یا عام مومنین کی روح یا کافر فاسق کی روح اس معنی کے ساتھ مردہ نہیں کہا جاسکتا۔ مرنا جسم کی صفت ہے کہ اس سے شعور وادراک اور حرکات وتصرفات اس کے ساتھ روح کے تعلق کی وجہ سے ظاہر ہوتے تھے۔ اور اب نہیں ہوتے۔

## دو وجہ سے روح کی موت

البتہ روح کو دو وجہ سے موت لاحق ہوتی ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ بدن سے جدا ہونے کے بعد ترقی سے محروم ہو جاتی ہے۔ اور جب تک کہ بدن کے ساتھ متعلق تھی ترقی کا میدان اس پر فراخ تھا، اور دوسری وجہ یہ کہ بعض فوائد اور لذتیں جیسے کھانا، پینا، سیر اور ادراک کہ جن کی جسم کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے اسے عادت ہو چکی تھی اس کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ اور اسی لیے شرع شریف میں بھی موت کا حکم دیتے ہیں۔ مگر صرف انہیں امور میں، مثلاً کہتے ہیں کہ اس کے اچھے بُرے عمل ختم ہو گئے اور اس کے کام کا خاتمہ اس پر ہوا، ار سعادت یا شقاوت پر مرا، اور اس کے بعد اس سے جو کچھ رہ گیا اسے پانے کا تصور نہیں رہتا۔ نیز کہتے ہیں کہ اس کا مال وارثوں کی وراثت ہو گیا۔ اس لیے کہ اسے اس جگہ مال کی کوئی ضرورت نہ رہی، اور اس کی عورت نکاح سے فارغ ہو گئی۔ اگر عدت گزرنے کے بعد کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرے تو جائز ہے۔ اس لیے کہ وہ تعلق جو اس عورت کے ساتھ رکھتا تھا۔ اور اس سے فائدہ لیتا تھا اس جسم پر موقوف تھا۔ اور وہ جسم اس سے جدا ہو گیا جیسا کہ سوار نے اپنا گھوڑا بیچ دیا اب اسے زین اور لگام کی کوئی ضرورت نہ رہی، اور سوداگر جب دکانداری چھوڑ دے پھر اسے مال بڑھانا ممکن نہیں۔ اس کا وہی جمع کیا ہوا اس کے پاس ہے۔

marfat.com
Marfat.com

لیکن اس دو معنوں میں ارواح کی موت بھی راہ خدا میں شہید ہونے والوں کے سوا ہے۔ رہے راہ خدا میں شہید ہونے والے تو حقیقت میں وہاں ان دونوں معنوں میں بھی موت نہیں ہے۔

بَلْ بلکہ وہ اَحْيَآءٌ زندہ ہیں۔ اس لیے کہ وہ ہمیشہ ترقی، اجر اور ثواب کی زیادتی میں ہیں۔ اور ان کا وہ عمل جس پر کہ وہ فوت ہوئے ہیں۔ اور جس میں انہوں نے جان دی ہے ان کا دائمی عمل قرار پایا ہے گویا ابھی کر کے گئے ہیں۔

## شہیدوں کی حیات کی کیفیت

اور بخاری و مسلم کی حدیث میں وارد ہے **کل ابن آدم یختم علی عمله اذامات الاالمجاهد فی سبیل اللّٰهِ فانه ینمی له عمله الی یوم القیامة**۔ ہر آدمی جب مرتا ہے اس کے عمل پر مہر لگادی جاتی ہے مگر وہ شخص راہِ خدا میں جہاد میں شہید ہو کہ اس کا عمل قیامت تک جاری ہے۔ گویا جہاد کر رہا ہے۔ اور اسی طرح ان کے جسمانی نفع اور لذتیں بھی ختم نہیں کی گئی ہیں۔ بلکہ بدنوں سے ان کی ارواح کے جدا ہونے کے ساتھ ہی انہیں دوسرے بدنوں کے سات متعلق کر دیا گیا ہے۔ تا کہ ان جسموں کے واسطہ سے جسمانی فوائد اور لذتیں حاصل کریں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ موطاء میں اور امام احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ، کعب بن مالک کی روایت سے لائے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں طوطیوں اور نیل کنٹھ کی مثل سبز رنگ جانورروں کے شکم میں رکھ دی جاتی ہیں۔ اور انہیں اجازت دے دی جاتی ہے کہ بہشت کے ہر درخت اور ہر پھل سے سیر ہو کر کھائیں اور جنتی نہروں سے شراب، پانی، دودھ اور شہد میں سے جو چاہیں پئیں۔ اور ان کے آشانے وہ قندیلیں ہیں جو کہ عرش کے ساتھ لٹکتی ہیں وہاں آرام کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی اصل متواتر ہے۔ اور صحیحین میں بھی موجود ہے۔ البتہ شہیدوں کی ارواح اس جہان کے فوائد اور دنیوی تکلیفات سے دور جا پڑی ہیں۔ لیکن جسمانی فوائد کسی قسم کی تکلیف کے بغیر رکھتی ہیں۔ اور غم اور دکھ قطعاً نہیں دیکھتیں۔ تو حقیقت میں ان کی زندگی دنیوی زندگی سے زیادہ کامل ہے۔

marfat.com

Marfat.com

وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ لیکن تمہیں شعور نہیں ہے، کہ وہ ابھی تک اعمال کی ترقی اور جسمانی فوائد اور لذتوں میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ بلکہ اس جہت سے تم سے زیادہ اور فزوں ترین ہیں کہ ان کے وہ جسم تمہارے نگاہ سے غائب ہیں۔ اور تمہارے جہاں سے علیحدہ ایک اور جہان میں ان کا رزق اور سیر و تفریح مقرر ہے۔ اس شخص کی طرح جو کہ یورپ میں پھل کھاتا ہے۔ اور شگوفوں اور گلزار کی سیر کرتا ہے۔ اور ہندوستان والے جب اسے نہیں دیکھتے ہیں مردہ گمان کرتے ہیں۔ نیز اس جہت سے کہ تم ان کے چھوڑے ہوئے جسموں کو دفن کرتے ہو۔ اور بے روح جانتے ہو اور پھر ان کی ارواح کی زندگی کا کوئی اثر ان جسموں میں ظاہر نہیں ہوتا اگرچہ فرق عادت کے طور پر ضائع اور بوسیدہ ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اس شخص کی طرح جو کسی کے گھر کو ویران اور خالی دیکھ کر اس کی موت کا حکم کرے۔

## ایک جواب طلب سوال-شہداء کی حیات اور مسئلہ تناسخ میں فرق

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا، اور وہ یہ ہے کہ شہداء کی ارواح کے ان جسموں سے جدا ہونے کے بعد سبز رنگ جانوروں کے جسموں کے ساتھ متعلق ہونے کے درمیان اور تناسخ کے درمیان جو کہ اہل اسلام کے نزدیک باطل ہے فرق کس طرح سمجھا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تناسخ یہ ہے کہ روح ایک بدن سے جدا ہونے کے بعد دنیا ہی میں دوسرے جسم عنصری کے ساتھ متعلق ہو جائے۔ اور نئے سرے سے نشو نما پائے، اور دنیوی خلقت کے تمام لوازمات اس میں ثابت ہوں جبکہ اس قسم کا تعلق جو کہ ارواح شہداء کو اُڑنے والے جانوروں کے جسموں کے ساتھ ہوتا ہے عالم عناصر سے بھی باہر ہے۔ اور نشو و نما بھی نہیں رکھتا، اور دنیوی خلقت کے تمام لوازمات بھی اس میں موجود نہیں ہیں۔ پس یہ تناسخ کے باب سے نہیں ہے۔

اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ ان سبز رنگ جسموں کے لیے پہلے سے کوئی اور روح متعلق نہ ہو اور اگر ان جسموں کی پہلے سے روح حیوانی ہو اور ان کی ارواح کو ان زندہ اجسام میں رزق سے بہرہ ور کرنے کے لیے داخل کیا گیا ہو تو تناسخ کے ساتھ بالکل مشابہت نہیں

marfat.com

Marfat.com

رہتی لیکن حدیث پاک کے الفاظ فی صور طیر خضر یعنی سبز پرندوں کی شکلوں میں پہلے احتمال کی تائید کرتے ہیں۔

اور شہیدوں کو یہ خصوصیت اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ وہ عمل جس کی وجہ سے انہوں نے بارگاہ خداوندی میں قرب حاصل کیا یہی موت اور جسم سے روح کا تعلق ختم ہونا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ ہر عمل کا بدلہ اس عمل کی صورت کے مناسب ہوتا ہے تو ان کی ارواح کو جسموں سے جدا ہونے کے بعد دوسرے جسموں کے ساتھ متعلق کر دیا گیا تاکہ یہ تعلق اس تعلق کا عوض ہو جائے جو کہ منقطع ہوا۔ پس عالم برزخ میں شہیدوں کی زندگی جزا کے طور پر ہے نہ کہ ابتدا سے اور نہ ہی اعادۂ حیات، اور جزا کے لیے اگر تناسخ ثابت ہوتا تو ابتدائی حیات کے قبیل سے ہوتا۔ پس فرق واضح ہو گیا۔

اور انہیں تحقیقات سے وہ اشکال بھی زائل ہو گیا جو کہ یہاں وارد کرتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت اور آیت وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا میں جس زندگی کی تصریح کی گئی ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے حقیقت حیات مراد ہے۔ یعنی روح کا ان بدنوں کے ساتھ تعلق جو کہ وہ رکھتے تھے تو واقع کے خلاف بھی ہے۔ اور شرع کے بھی۔ اس لیے کہ شہداء کے حق میں بھی موت کا حکم کیا گیا ہے۔ اور ان مردوں کے احکام جاری کیے گئے جیسے وراثت کی تقسیم، وصیتوں کو جاری کرنا، منکوحہ کی عدت، نکاح ختم ہونا اور دفن وغیرہ، اور اگر مراد یہ ہے کہ ان کی ارواح اپنے شعور اور ادراک کے ساتھ باقی ہیں۔ اور قسم قسم کے ثواب سے مسرور اور خوش۔ تو یہ معنی شہیدوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ نجات پانے والے سب لوگوں کا یہی حکم ہے۔ اور صرف روح کا ادراک وشعور کے ساتھ باقی رہنا تو ہر مومن اور ہر کافر اور ہر صالح اور ہر فاسق کے حق میں عام ہے۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ شہیدوں کی زندگی ان لذتوں کو پوری طرح حاصل کرنے کے لیے جو کہ جسمانی آلات پر موقوف ہیں جسموں کے ساتھ ارواح کے متعلق ہونے کے معنی میں ہے نہ کہ سابقہ اجسام کے ساتھ ارواح کا متعلق ہونا اور نہ ہی ادراک وشعور کے ساتھ روح کا باقی رہنا، اور یہ زندگی، جزائی زندگی ہے کہ انہیں ان کے عمل کا ثواب اس

marfat.com

Marfat.com

صورت میں دیا گیا ہے۔ پس شہیدوں کی خصوصیت ظاہر ہوگئی۔

اور جب ارشاد فرمایا گیا کہ ذکر وشکر کی ادیگی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری ترک کرنے میں صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو۔ اور وہ لوگ جو کہ صبر کو انتہائی مرتبوں تک پہنچا کر تمہاری نظر سے غائب ہوگئے۔ اور اس جہان سے گزر گئے مردہ نہ کہو۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اس طرح خیال نہ کرنا کہ ہم تمہیں فضول چھوڑیں گے۔ اور تمہیں ذکر، شکر اور ترک کفران نعمت الٰہی بغیر کسی مشقت کے میسر ہوگا۔ بلکہ ہم تمہارے لیے ان عبادات کی رکاوٹیں بھیجیں گے، اور تمہارے صبر کے جوہر کو امتحان کی کسوٹی پر پرکھیں گے تاکہ ہم ظاہر کریں کہ ذکر، شکر اور ترک کفران نعمت کی رکاوٹوں کے باوجود صبر کرتے ہو یا نہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے۔ لیکن اس حد تک نہیں کہ طاقت کو صبر سے تنہا کردے۔ اور آزمائش کی حد سے نکل کر عاجز کرنے اور تکلیف مالایطاق تک پہنچ جائے بلکہ بِشَیْءٍ تھوڑا سا کہ اسے برداشت کرسکو۔ مِنَ الْخَوْفِ دشمنوں کے خوف سے۔ تاکہ دشمنوں کی ایذاء کے خطرے کے باوجود دین اسلام پر تمہارا صبر آزمایا جاسکے، اور یہ امتحان ہجرت کے بعد شروع ہوا جبکہ اپنے گھر بار کو چھوڑ کر نکل آئے اور اپنے ان قریبیوں اور رشتے داروں سے دور ہوگئے جن سے امداد اور امن کی توقع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو مدینہ عالیہ سے نکلنا دشوار ہوگیا۔ قبائل عرب میں سے ہر قبیلہ انہیں ستانے کے درپے ہوگیا۔ جو یہودی مدینہ شریف کے گردوپیش سکونت پذیر تھے ان کی دشمنی اور انہیں ستانے پر کمربستہ ہوگئے۔ اور انتہائی خطرہ جنگ احزاب میں رونما ہوا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں ان کے اس حالت کی حکایت فرمائی کہ ھنالك ابتلى المؤمنون وزلزلوا زلزالاً شديداً، اور یہ دشمنی اور عداوت صرف اسلام کی وجہ سے تھی۔ اور کچھ نہیں تھا۔

نیز تمہاری آزمائش کروں گا قدرے وَالْجُوْعِ اور بھوک سے اس لیے کہ کفار کے خوف کی وجہ سے تمہیں سفر، نوکری اور کمائی کے اور اسباب ممکن نہ ہوں گے، اور تم میں سے بعض نے جو کچھ بچا رکھا ہوگا جنگ، لڑائی، اسباب جہاد حاصل کرنے اور اس سفر کے

marfat.com
Marfat.com

اخراجات میں صرف ہو جائے گا۔ اور یہ صورت بھی ابتدائے اسلام میں ہجرت کے بعد رونما ہوئی۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھوک کے غلبہ کی وجہ سے بنفس نفیس شکم مبارک پر پتھر باندھتے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو کہ مال داری میں مشہور تھے کی یہ حالت ہوگئی کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھوک کی شدت کی وجہ سے بیتاب ہو کر اپنے دولت خانہ سے باہر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا وجہ ہے کہ آپ گھر سے بے وقت باہر تشریف لائے ہیں، آپ نے فرمایا بھوک کی وجہ سے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں بھی بھوک کی وجہ سے باہر آیا ہوں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اضطراری بھوک کا یہ حال تھا جو کہ روزی نہ ملنے کی وجہ سے تھی۔

رہی اختیار بھوک جو کہ روزہ سے عبارت ہے تو وہ بھی ہجرت کے دوسرے سال میں فرض ہوا، اور رسول کریم علیہ السلام کی زبان پاک سے اس عبادت کے بے شمار فضائل وارد ہوئے، اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو کہ ثواب کے مشتاق تھے روزے کا اہتمام اور کثرت کرنے میں کافی مبالغہ کیا۔

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ نیز اور ہم تمہارے مال کم کر کے تمہیں آزمائیں گے، کہ اس کا اکثر حصہ جہاد میں خرچ ہوگا۔ اور اس کا کچھ حصہ کفار کی لوٹ کھسوٹ میں چلا جائے گا۔ اور جو باقی بچے گا وہ زکوٰۃ، صدقہ فطر اور مہمانوں اور یتیموں کے حقوق واجب کرنے اور اپنے اور اپنے اہل وعیال پر محتاجوں کے ایثار کی ذمہ داری سونپنے کی وجہ سے دمبدم کم ہوتا رہے گا۔ اور کفار کی فوج آنے کی وجہ سے کھیتوں کی بربادی اس کے علاوہ ہوگی۔

وَالْاَنْفُسِ اور تمہاری جانوں کو کم کر کے اس لیے کہ ہر گھر کے قریبی اور رشتہ دار جنگوں میں پے در پے قتل کیے جائیں گے۔ اور سفر جہاد کی مشقت میں بھوک، پیاس، صدموں اور مصیبتوں کی وجہ سے ضائع ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ہر سال مہاجرین اور انصار میں واضح طور پر کمی واقع ہوتی تھی۔ غزوۂ احد میں انصار میں سے ستر (۷۰) افراد شہید ہو گئے،

marfat.com
Marfat.com

اور بیرِ معونہ کی جنگ میں بھی ان میں سے ستر (۷۰) آدمی شہید ہو گئے، اور احد کی ظاہری ہزیمت کے بعد مدینہ عالیہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے رونے کی آواز نہ آتی ہو، اور جو ان پے در پے جنگوں میں زندہ باقی رہ گئے تھے انہیں کسی کو ہاتھ پاؤں ٹوٹنے، کسی کو نابینا اور بہرہ ہونے اور دیگر آفتوں کی وجہ سے جسم میں نقصان پہنچا تھا، اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ مبارک شل ہو گیا تھا، اور اسی طرح دوسرے بھی تھے۔

وَالثَّمَرَاتِ اور دل وجگر کے میوے کم کر کے جو کہ اولاد اور اطفال سے عبارت ہے۔ اور ان کا فوت ہونا آدمی پر جان ضائع ہونے اور کسی عضو کے تلف ہونے سے زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ اور اسی لیے اس مصیبت کو تمام مصیبتوں کے بعد ذکر کیا گیا، اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب کسی مسلمان کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ روحیں قبض کرنے والے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ کیا تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کر لی؟ وہ عرض کرتے ہیں ہاں، پھر فرماتا ہے کہ کیا تم نے اس کے دل اور جان کا میوہ قبض کر لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں ہاں، حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر میرے اس بندے نے کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اس نے تیری حمد کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ بارگاہ خداوندی سے حکم ہوتا ہے کہ میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا بیت الحمد نام رکھو۔

اور اگر پھلوں سے مراد درختوں ک پھل لیے جائیں تو تکرار لازم آتی ہے۔ اس لیے کہ وہ تو مال کے نقصان میں داخل ہے۔ نیز اسے مصیبت جان کے بعد لانا اتنا موزوں نہیں رہتا، اور حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے خوف سے مراد اللہ کا خوف، اور بھوک سے رمضان المبارک کے روزے، اور مالوں کے نقصان سے زکوٰۃ، صدقات اور جانوں کے نقصان سے بیماریاں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونا، اور پھلوں کی کمی سے مراد اولاد کا فوت ہونا مراد ہے۔

## مذکورہ مصیبتوں کی ترتیب ذکری کی وجہ

اور ان مصیبتوں کے ذکر کی اس ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ پہلے خوف کو لایا گیا اس لیے کہ یہ زندگی کی چاشنی کو فوراً برباد کر دیتا ہے۔ پھر بھوک کو کہ اس میں ہلاک ہونے کی توقع

marfat.com
Marfat.com

ہوتی ہے۔ پھر مالوں کا نقصان جو کہ بھوک تک پہنچتا ہے۔ اور مالی نقصان سے زیادہ تر خوف بھوک لاحق ہونے کا ہوتا ہے۔ پھر جہاد کو لایا گیا جو کہ غالب طور پر قتل تک پہنچاتا ہے۔ پھر میووں اور اولادوں کے نقصان کو لایا گیا جو کہ موت کے معنوں میں بلکہ موت سے بھی اونچا ہے۔ کیونکہ آدمی موت کے بعد اپنی نسل کے باقی رہنے کی وجہ سے اپنے آپ کو باقی سمجھتا ہے۔ اور جب اولاد نہ رہی تو اس کی پوری طرح موت واقع ہوگئی اگرچہ ابھی خود زندہ رہے۔

اور جب تم ان آزمائشوں میں صبر کیا اور کامل طور پر عہدہ برآ ہو گئے تمہیں حق تعالیٰ کی خاص معیت نصیب ہوگئی۔ تو اے رسول علیہ السلام! ان کے صبر کے امتحان کے بعد ان کے حال سے خاموشی اختیار نہ فرمائیں بلکہ ان کی قدردانی فرمائیں۔

وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ اور ان مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو بشارت دیں کہ خدا تعالیٰ ان کے ہمراہ ہے۔ خصوصاً الَّذِيْنَ ان صبر کرنے والوں کو جو صرف جزع وفزع چھوڑنے اور شکایت نہ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ ہر مصیبت کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور شکر کا وسیلہ بناتے ہیں۔ اور رضائے الٰہی کو حاصل کرنے کا باعث سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ

اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ جب انہی کسی قسم کی مصیبت پہنچتی ہے جیسی بھی ہو چھوٹی ہو یا بڑی ان کے نزدیک ایسا ہے کہ گویا نماز کا وقت آ گیا، اور وہ اس مصیبت کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے ہرگز غافل نہیں ہوتے بلکہ اس کی یاد میں مشغول ہو کر

## اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے تقاضے

قَالُوْا کہتے ہیں کہ ہمیں اس مصیبت کی وجہ سے بے چین کیوں ہونا چاہیے؟ اس لیے کہ اِنَّا تحقیق ہم جو کہ اپنے نفس کے مالک نہیں ہیں کہ مصیبتوں سے اپنی حفاظت ہمارے ذمہ ہو اور ہم اس فکر میں پڑیں۔ بلکہ ہم سب مملوک اور بندے ہیں لِلّٰهِ، اللہ تعالیٰ کے لیے اور جو کسی کا مملوک ہوتا ہے اس کی حفاظت اس کے مالک اور خداوند کے ذمہ ہوتی ہے۔ اور جب ہمارا خداوند سب جہانوں پر غالب ہے تو ہمیں کسی چیز سے ڈرنا نہیں چاہیے خواہ دشمن، ظالم، کفار اور اشرار ہوں۔ خواہ ہلاک کرنے والے جانور جیسے شیر، چیتا، بچھو اور سانپ، خواہ

marfat.com
Marfat.com

فاسد اخلاط۔ نیز جب ہم خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اور ہر مملوک کا رزق اس کے مالک کے ذمہ ہے۔ اور ہمارا مالک صاحب خزائن ہے تو ہمیں بھوک سے کیوں ڈرنا چاہیے۔ اگر اس نے کسی وقت کسی حکمت اور مصلحت کی وجہ سے ہمیں غذا نہ دی جیسا کہ شفقت کرنے والا طبیب جو کہ ہیضہ کے مریض کو غذا سے روک دیتا ہے لازماً دوسرے وقت میں خوراک عطا فرمائے گا۔ اور اسی طرح ہماری جان، مال اور اولاد اسی کی ملک ہے۔ اور ہمارے ہاتھوں میں عاریتاً ہے۔ اگر مالک عاریت واپس لے لے تو بے جا کیوں ہونا چاہیے۔ خصوصاً جب کہ ہمیں محض اپنے فضل وکرم سے ان مصیبتوں پر ایک عظیم عوض اور ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ اور تحقیق ہم اسی کی طرف لوٹیں گے۔ تو اس نے ہمارے ساتھ جو وعدہ فرمایا ہے عطا فرمائے گا۔ اور اس کی عطا ان نقصانات سے کہیں زیادہ ہو گی۔ نیز جب ہم تمام مملوک اور بندے ہیں، تو ہمارے پاس جو کچھ ہے یہ بھی اسی کی بخشش اور عطا ہے۔ وہ عطا کیا ہوا واپس لے سکتا ہے۔ اور پھر دے سکتا ہے۔ اور جو نہیں دیا نئے سرے سے انعام فرما سکتا ہے۔ تو ہمیں ان نقصانات سے کیا غم۔ اور اگر چند روز کی جدائی کی وجہ سے ہمیں کوئی تکلیف حاصل ہو تو بھی کسی غم اور ملال کا مقام نہیں۔ اس لیے کہ سب کا لوٹنا اسی کی طرف ہے وہ چند دن کی جدائی بھی دائمی وصال اور ہمیشہ کی صحبت کے ساتھ بدل جائے گی۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ ایک دفعہ ہوا کہ جھونکے سے چراغ بجھ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ فرمایا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا یہ بھی کوئی مصیبت تھی؟ فرمایا ہاں، ہر وہ چیز جس سے آدمی کے باطن میں ایک قلق اور اس کے دل میں اس کے متعلق ایک پریشانی ہو مصیبت ہے۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مصیبت پہنچے تو وہ جزع وفزع کے مقام پر یہ کلمہ بار بار کہے حق سبحانہ وتعالیٰ اسے اس مصیبت کا اچھا عوض عنایت فرماتا ہے۔ اور اس مصیبت کا اجر وثواب اس کے حق میں ذخیرہ ہوتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کے مواقع اور برکات

حضرت ام المومنین سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جو کہ آپ کے پہلے شوہر اور بہت بزرگ اور نیک انسان تھے کی وفات ہوئی مجھے یہ حدیث پاک یاد آ گئی۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس بزرگ شخصیت کا اچھا عوض کیا ہوگا؟ لیکن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق یہ کلمہ کہا۔ حق تعالیٰ نے مجھے ان کے عوض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا فرمائے کہ میں آپ کے نکاح سے مشرف ہوئی۔

اور طبرانی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کو ایک ایسی چیز عطا فرمائی گئی ہے کہ پہلی اُمتوں میں سے کسی کو عطا نہ ہوئی، اور وہ کلمہ استرجاع یعنی اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ہے کہ مصیبت کے وقت کہنا چاہیے، اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ یہ کلمہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کو عطا نہیں فرمایا گیا۔ اُمتیوں کا کیا مقام، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ السلام والتحیۃ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے انتہائی غم کے وقت یہی کہا یَا اَسَفٰا عَلٰی یُوْسُفَ، اور اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ نہ کہا، اور بیہقی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ لائے کہ جس میں چار چیزیں جمع ہو جائیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے: پہلی چیز یہ کہ اپنے کاروبار میں خدا تعالیٰ کے حضور التجاء کرے: دوسری چیز ہر مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کہے: تیسری چیز جب دربار خداوندی سے اسے کوئی نعمت ملے الحمد للہ کہے: چوتھی چیز یہ کہ جب اس سے کوئی گناہ سرزد ہو استغفر اللہ کہے۔

اور امام احمد، ابن ماجہ اور بیہقی، حضرت امام حسین علیہ السلام کی روایت کے ساتھ لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کو کبھی کوئی مصیبت آئی ہو ایک مدت کے بعد وہ مصیبت یاد آ جائے۔ اور نئے سرے سے اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہے اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت کا تازہ اجر عطا فرماتا ہے۔ گویا کہ وہ مصیبت اسے آج ہی پہنچی ہے۔ اور حکیم ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت

marfat.com
Marfat.com

کے ساتھ پرانی نعمت اور تازہ حمد کے بارے میں اسی قسم کی روایت فرمائی، اور طبرانی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ موت کی وجہ سے بے قراری اور گھبراہٹ انسان کی جبلت ہے تو جب تم میں سے کسی کے پاس اپنے مسلمان بھائی کی وفات کی خبر پہنچے تو اسے چاہیے کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ کہے تاکہ اپنی موت بھی نظر میں آ جائے۔ اور کیا ہی اچھا کہا گیا کہ اے جامی یہ بہتر ہے کہ اس مرحلہ میں تو یہ عادت اختیار کرے کہ دوسروں کی موت سے اپنی موت کے متعلق غور کرے۔

نیز حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ لائے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاپوش مبارک کا چمڑے کا تسمہ ٹوٹ گیا تو آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھا، اور فرمایا کہ یہ بھی ایک مصیبت ہے۔ اور بزار اور بیہقی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، رائے ہیں کہ جب تمہارے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو چاہیے کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھو، اور اسے ایک مصیبت سمجھو۔ اور اس پر ثواب کی امید رکھو۔ بلکہ ابن ابی الدنیا اور دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے چمڑے کے تسمہ کی جگہ اپنے جوتے میں لوہے کی میخ لگائی ہوئی ہے آپ نے فرمایا تو بہت لمبی آرزو والا معلوم ہوتا ہے۔ اور علاوہ ازیں چمڑے کے تسمہ کے ٹوٹنے کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔ اگر تیرے جوتے کا چمڑے میں تسمہ ٹوٹ جائے۔ اور تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ کہے تو اپنے پروردگار کی طرف سے برکتیں، رحمتیں اور ہدایت پائے۔ اور تیرے حق میں اس کی یہ عنایت دنیا و مافیہا سے بہتر ہو۔

اور دیلمی، حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے ساتھ لائے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں سے تشریف لائے۔ اور آپ کے انگوٹھے مبارک میں کانٹا چبھ گیا تھا۔ آپ بار بار استرجاع فرمارہے تھے۔ اور اس جگہ کو اپنے ہاتھ سے مل رہے تھے۔ جب میں نے آپ کا استرجاع سنا تو نزدیک ہوئی اور میں نے دیکھا کہ اس کانٹے کا ہلکا سا اثر انگوٹھے کی جلد میں رہ گیا ہے۔ میں بہت ہنسی اور عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ

marfat.com
Marfat.com

پر فدا ہوں اس نامعلوم کانٹے سے اس قدر استرجاع؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اور میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اے عائشہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے بڑے کو چھوٹا اور چھوٹے کو بڑا کر دیتا ہے۔ آسان مصیبت سے پُر حذر رہو۔

اور حضرت سعید بن المسیب اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما کے معمول میں سے تھا کہ ان دونوں بزرگوں کی جب نماز باجماعت رہ جاتی تو بلند آواز کے ساتھ استرجاع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ اظہار افسوس کے لیے آتے تھے۔ المختصر اس قسم کے صبر کرنے والے جو کہ مصیبت کو ذکر، شکر اور رب العالمین کے حضور درجۂ قرب کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اور اس مصیبت کو نماز کا وقت آنے کی طرح جانتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ وہ لوگ ان پر نازل ہوتی ہیں صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ان کے پروردگار کی طرف سے خاص تازہ عنایات کہ ان عنایات کی وجہ سے آخر میں نافرمانی کا خوف نہیں رہتا۔ اور ان عنایات کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ اثر نہیں کرتا۔ اور حقیقت میں صلوٰت اللہ تعالیٰ کی انہیں خاص عنایات کا نام ہے۔ جو کہ معصیت کے نقصان سے مطلقاً بے خوف کر دیتی ہیں۔ اور اسی لیے بنیادی طور پر حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہیں، اور ان لوگوں کو بھی عنایت خصوصی کا فیض عطا کرنے میں انبیاء علیہم السلام کی طرح کر دیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں وہ عنایت خصوصی گناہوں سے معصوم ہونے کا موجب ہوتی ہے۔ اور ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا جبکہ ان لوگوں کے حق میں ان کی استعداد کم ہونے کی وجہ سے اسی قدر اثر کرتی ہے کہ کیے ہوئے۔ اور نہ کیے ہوئے گناہ برابر ہوتے ہیں۔

اور اسی لیے ترمذی، ابن ماجہ اور دوسری صحاح میں وارد ہے کہ جس کے تین نابالغ بچے فوت ہو گئے ہوں اسے جنت کی کنجی اور دوزخ کی آگ سے مضبوط ڈھال حاصل ہو گئی۔ اور جب بعض مردوں اور بعض خواتین نے پوچھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر کسی کے دو بچے یا ایک بچہ فوت ہوا ہو اسے یہ مرتبہ مل جاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ خدا تعالیٰ کی قسم نامکمل گرنے والا بچہ بھی اپنی والدہ کو اپنی ناف کے ساتھ کھینچ کر جنت

marfat.com

Marfat.com

میں لے جائے گا۔ اگر اس نے بے صبری نہ کی ہو اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھی ہو۔

اور امام مالک موطأ میں اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ ایک ایمان والے شخص کو جان، مال اور اہل وعیال میں پے در پے مصیبتیں آتی ہیں۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن جب بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوگا تو اس پر کوئی گناہ نہیں رہے گا۔

اور امام احمد، نسائی، بیہقی اور حاکم قرۂ مزنی کی روایت کے ساتھ لائے ہیں کہ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اور اس کے ہمراہ اس کا لڑکا ہوتا تھا۔ ایک دن حضور علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تجھے اس بیٹے سے بہت محبت ہے کہ اپنے سے جدا نہیں کرتا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جس قدر اللہ تعالیٰ آپ کو درست رکھتا ہے مجھے اس بیٹے سے محبت ہے۔

(اقول وباللہ التوفیق - یہ ظاہری اور نسبی اعتبار سے ہے۔ جو کہ ایک جبلی مجبوری ہے۔ ایمانی نکتہ نظر سے حضور علیہ السلام کے ساتھ جب تک ساری کائنات سے زیادہ محبت نہیں ہوگی ایمان نہیں ملتا لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ ورنہ حضور علیہ السلام اس کی اصلاح فرماتے۔ آپ کی خاموشی دلالت کرتی ہے کہ یہ محبت ایسی ہے۔ جو کہ ایمان کے لیے مخل نہیں۔ اور وہ نسبی اعتبار سے ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ) چند دنوں کے بعد حضور علیہ السلام نے اس شخص کو مجلس میں گم پایا، اور لوگوں سے اس کی احوال پرسی فرمائی۔ عرض کی گئی کہ اس کا جو بیٹا اس کے ہمراہ ہوتا تھا فوت ہو گیا۔ اور اسے شدید رنج وغم ہوا۔ حضور علیہ السلام اس کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے، اور اسے فرمایا کہ قیامت کے دن تو جنت کے جس دروازے پر جائے گا وہ اسی سمت سے دوڑتا ہوا آ کر تیرے لیے وہ دروازہ کھول دے گا۔ اور اس واقعہ کی بعض روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ وہ تیرے لیے جہنم کے ہر ہر دروازے پر کھڑا ہوگا تا کہ تجھے اس میں آنے سے روکے۔ اسے ابن ابی الدنیا نے کتاب العزیٰ میں اسی طرح ذکر فرمایا ہ

اور بیہقی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور حاکم صحیح سند کے ساتھ بریدہ اسلمی رضی اللہ

marfat.com
Marfat.com

عنہ سے لائے کہ ایک دن ہم حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک کسی نے خبر دی کہ انصار کی فلاں عورت کا ایک بیٹا فوت ہو گیا۔ وہ بہت بے چینی اور گھبراہٹ میں مبتلا ہے۔ حضور علیہ السلام اُٹھے اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہما) بھی آپ کے ہمراہ روانہ ہوئے جب اس خاتون کے گھر پہنچے اس سے تعزیت فرمائی اور تسلی دی اور ارشاد فرمایا کہ تو اس قدر بے قراری کیوں کرتی ہے۔ اس نے عرض کی کہ میں جزع کیوں نہ کروں کیونکہ میرا کوئی بیٹا نہیں بچتا۔ میں تو رقوب ہوں یعنی ایسی بے نصیب جس کا کوئی بچہ نہیں بچتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ غلط ہے۔ رقوب وہ ہے۔ جس کی سب اولاد زندہ ہو ان میں سے کوئی بھی اس کے لیے آخرت کا ذخیرہ نہ بنا ہو۔ جان لے کہ جس مسلمان عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں۔ اور وہ ان کی وجہ سے اجر کی طالب ہو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اگر دو بچے فوت ہوں۔ فرمایا دو بچوں کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سید القراء نے عرض کی کہ میرا ایک بیٹا گزرا ہے۔ فرمایا ایک بیٹا بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ لیکن چاہیے کہ تو نے معصیت کے صدمہ کی ابتدا ہی سے صبر کیا ہو۔

اور ان خاص عنایات کے باوجود کہ صبر کرنے والوں کو معصیت اور گناہ کے خوف سے امن میں کر دیا۔ اور انبیاء علیہم السلام کی طرح مشرف فرمایا انہیں عام عنایات بھی عطا فرمائی جائیں گی جو کہ آخرت میں قسم قسم کے ثواب کا موجب ہیں۔ چنانچہ فرمایا وَرَحْمَةٌ

اور ان پر ان کی جان اور مال تلف ہونے کے بدلے اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔ جس طرح کہ صبر کرنے اور جزع وفزع نہ کرنے پر خاص عنایات تھیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ اور وہ لوگ وہی ہیں راہ پانے والے۔ عین مصیبت کی حالت میں جو کہ بارگاہ خداوندی سے دوری کا مضبوط سبب تھی۔ اور شکایت اور ناراضگی کا دروازہ کھولنے والی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے ایک راہ کھول لی، اور انہوں نے دوری اور محرومی کے اس سبب کو عین قرب و وصال کا سبب بنا لیا۔ اور راہ پانے کا کمال یہی ہے کہ ہر طرف سے اپنے مقصد کا سراغ پیدا کریں،

marfat.com
Marfat.com

اور ہر گوشے سے اپنا مدعا حاصل کریں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ مرد مومن کا حال عجیب ہے کہ اس کا ہر کام خیر ہے۔ اگر اسے اچھی حالت میسر ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ اور اس وسیلے سے قرب خداوندی اور اجر و ثواب کا مستحق بنتا ہے۔ اور اگر اسے پریشان کن حالت کا سامنا ہو تو استرجاع یعنی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہتا ہے۔ اور صبر کرتا ہے۔ اور اس راستے کے ذریعے سے نزدیک ہو جاتا ہے۔ اور اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ گویا اس کے لیے ہر طرف سے قرب کی راہ کھول دی گئی ہے۔

## نکتہ

ہم یہاں آ گئے کہ صلوات میں جمع کا صیغہ اور رحمت میں مفرد کا صیغہ اختیار کرنے میں کیا نکتہ ہے؟ اس کا نکتہ یہ ہے کہ صلوٰۃ حق تعالیٰ کی خاص عنایات سے عبارت ہے کہ اس قسم کے صبر کرنے والوں پر چند وجہ سے عنایت ہوتی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ جب وہ مصیبت کے وقت یہ عمل کرتے ہیں تو دوسرے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں تو انہیں اس راہ سے کارخانہ نبوت کی برکات سے ایک قسم کا حصہ مل جاتا ہے کہ وہ اچھی رسم کا باعث ہوئے، اور لوگوں نے ان کی اقتداء میں قرب کا راستہ پایا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ دشمن اور کسی کی خرابی پر خوش ہونے والے جو کہ زیادہ تر جن وانس کے شیطان، حاسد اور منافق ہوتے ہیں ان سے یہ کلمہ سن کر ذلیل اور نامراد ہو جاتے ہیں۔ اور وسوسہ اور کھیل مذاق سے باز رہتے ہیں۔ اور اس راہ سے بھی انہیں منصب رسالت کی برکت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رسل علیہم السلام کا ہمیشہ کا کام شیاطین کو دھتکارنا اور کفار اور منافقوں کو جلانا ہے۔ اور حقیقت میں جہاد کی اصل اور خلاصہ یہی ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کے عزم کی پختگی اور اللہ تعالیٰ کے دین میں ان کی جدوجہد اور قضا پر راضی رہنے کا ذوق اعلیٰ مقام تک پہنچتا ہے۔ اور وہ بھی نبوت کی میراث ہے۔ تو گویا انہوں نے تین راہوں سے اس درود کا فیض پایا جو کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ان وجوہ کے متعدد ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے صلوات کے لفظ کو بصیغہ جمع لایا گیا۔ بہ خلاف لفظ رحمت کے کہ اس کی گردشیں تمام اہل طاعت پر عام ہے۔ اور اس

marfat.com
Marfat.com

میں کوئی اختلاف نہیں، جو بندہ کہ خداتعالیٰ کے حکم کی اطاعت جس طرح بھی بجالائے اس کا مستحق ہوجاتا ہے۔

اور صحیح حدیث پاک میں حضرت امیرالمومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے آیا کہ آپ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ نعمت العدلان و نعمت العلاوۃ یعنی اس آیت میں تین چیزوں کا وعدہ فرمایا گیا۔ صلوات اور رحمت جو کہ ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ اور ہدایت اور راہ پانا جو کہ ان کے علاوہ ہے۔ اور حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کی اس تفسیر سے غرض یہ ہے کہ صلوات اور رحمت اس جماعت کی کسبی ہیں کہ انہوں نے صبر، استقامت کے زور اور استرجاع کے معنی کا لحاظ کر کے اپنے لیے انہیں ثابت کیا ہے۔ اور ہدایت پانا محض وہبی ہے ان کے عمل پر موقوف جذب کے قبیلے سے نہیں ہے۔ اور لغت میں عدلین اونٹ کے ان دو وزنوں کو کہتے ہیں جنہیں باہم برابر کر کے پالان کے دونوں طرف ڈال دیتے ہیں۔ اور اس کا علاوہ چھوٹا سا بوجھ ہے جو ان دونوں کے اوپر رکھ دیتے ہیں۔ اور آیت ما اصاب من مصیبة الا باذن اللّٰہِ ومن یومن باللّٰہِ یھد قلبه میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جو شخص مصیبت کے وقت اپنے ایمان کے تقاضے پر قائم رہا حق تعالیٰ اس پر معرفت کی ایک راہ کھول دیتا ہے۔ اور اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

## رضا بالقضا کے دو طریقے

اسی لیے محققین نے فرمایا ہے کہ رضا بالقضا دو طریقوں سے ہے، صرف اور جذب۔ صرف یہ ہے کہ جب بھی آدمی کا دل کسی چیز کے ساتھ تعلق پیدا کرے۔ اور اس کا دل اس توجہ کے ساتھ کمال حاصل کرے حق تعالیٰ اس کے حق میں اس چیز کو تکلیف، غم اور ملال کا باعث کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خوب تعلق حاصل ہوگیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو حسد پیدا کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا کر دیا، اور حضرت یعقوب علیہ السلام انتہائی دکھ، غم اور ملال

marfat.com
Marfat.com

برداشت کرنے کے بعد ذکر حق کے لیے فارغ ہو گئے۔ اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت کے ساتھ حد سے زیادہ تعلق حاصل ہوا۔ تو شیطان کو مسلط کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ جنت سے باہر تشریف لائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے قبائل اور کنبوں کے ساتھ جو کہ اہل مکہ تھے زیادہ تعلق پیدا ہوا تو انہیں حضور علیہ السلام کے بغض اور دشمنی پر کھڑا کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے وہاں سے ہجرت فرمائی۔ اور جب مدینہ منورہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف پورے طور پر توجہ ہو گئی تو منافقوں کو اکسایا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے بہتان کی جھوٹی تہمت سے اس محبت کی صفائی کو غبار آلود کر دیا۔ علیٰ ہذا القیاس اپنے تمام برگزیدہ بندوں کے ساتھ اسی قسم کے معاملات رونما ہوئے۔

اور جذب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے خیال میں اس قدر مغلوب کر دیا جائے کہ اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو جائے۔ دوسری نفسانی خواہشات کا تو مقام ہی کیا؟ جیسا کہ کمترین نوکر جو کہ بادشاہ کے حضور پہنچتا ہے۔ اور بادشاہ کی عظمت کے مشاہدہ میں مستغرق ہو کر اپنے آپ سے اور اپنی تمام لذتوں سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور اس حالت میں رضا بالقضا کی حالت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس کی پہلی راہ کو جو کہ صرف ہے مشکل اور دشوار جانتا ہے۔ اور راہ جذب کو آسان اور ہموار سمجھتا ہے۔ اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ اے صنم! اگر مجھے قلندر کی راہ دکھائے تو لائق ہے۔ کیونکہ میں نے پارسائی کی راہ و رسم کو دور اور طویل پایا۔

اور جب صابرین کے فضائل کے بیان سے فراغت ہوئی اب گواہی پیش کرنے کے طریقے پر فرمایا کہ اگر تمہیں ہماری اس خاص معیت کے بارے میں جو کہ ہم صبر کرنے والوں اور مصیبت میں مبتلا لوگوں کو عطا کرتے ہیں۔ اور ان پر اپنی صلوات اور رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ اور انہیں خلائق کے پیشوا اور انبیاء علیہم السلام کے فیض سے مشرف فرماتے ہیں اب بھی کسی قسم کی شک باقی ہو تو اپنی سمجھ کے مطابق اس مدعا کی دلیل سنو۔

## صفا و مروہ کا محل وقوع - تعارف اور فضیلت

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ تحقیق صفا اور مروہ۔ جو کہ کعبۂ معظمہ کے مقابل دو چھوٹی

marfat.com
Marfat.com

پہاڑیاں ہیں اس کی مشرقی سمت میں جنوب کی طرف مائل صفا اور شمال کی طرف مائل مروہ، اور صفا ایک بڑے پہاڑ کی جڑ میں ہے۔ جسے ابوقبیس کہتے ہیں۔ اور مروہ قعیقعان کی آگے کو نکلی ہوئی چوٹی ہے۔ اور حجر اسود سے کوہ صفا تک دو سو باسٹھ (۲۶۲) گز اور اٹھارہ (۱۸) انگشت کا فاصلہ ہے۔ اور صفا سے مروہ تک سات سو ستر (۷۷۰) گز کا فاصلہ ہے۔ اور اصل میں یہ دونوں پہاڑیاں دوسرے پہاڑوں کی طرح تھیں کہ انہیں کوئی بزرگی اور فضیلت حاصل نہ تھی بلکہ بڑائی اور جوہر سنگ کی خوبی کے اعتبار سے دوسرے پہاڑوں کے مقابلہ میں کم تھیں لیکن صبر کرنے والوں اور خداتعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنے والوں میں سے دو افراد جو کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں ان دونوں کے متصل اس مقام پر جہاں اب چاہ زمزم ہے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر بلا اور خوف میں ڈال کر اُترے اور اس پتھریلے جنگل میں جہاں پانی تھا نہ گھاس، آدمی تھا نہ ساتھی اپنے آپ کو دشمنوں کے خوف اور چیرنے اور ڈسنے والے جانوروں کے خطرہ میں ڈالا، اور بھوک اور پیاس کو صرف حکم الٰہی کی فرماں برداری کے لیے جو کہ انہیں اس وقت کے رسول حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے پہنچا تھا برداشت کر کے سکونت اختیار فرمائی، اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کا خوف بلکہ اس حالت میں اپنی جان کی ہلاکت کا خوف یقین کی طرح تھا۔ ان تمام مصیبتوں پر اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے ہوئے صبر اختیار کیا، اور جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیاس کی وجہ سے ہلاکت کے قریب ہوئے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بے قرار ہو کر پہلے نزدیکی پہاڑ صفا پر آئیں۔ پھر جب اپنا مقصد پورا نہ ہوا اس پہاڑ سے نیچے اُتر کر نشیبی میدان میں دوڑتے ہوئے مروہ پر آئیں۔ اور اسی طرح سات مرتبہ چکر لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اپنی خاص معیت کو ظاہر فرمایا۔ اور غیب سے زمزم کا پانی پھوٹ نکلا۔ اور اس معیت کا اثر یہ ہوا کہ جس شخص نے ان بلا رسیدوں کی اقتداء کی اور ان کے دستور کے مطابق اوپر اور نیچے آیا اور دوڑ دھوپ کی تو وہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت سے یہ دونوں پہاڑ دعا کی قبولیت کی جگہ بن گئے۔ اس حد تک کہ یہ دونوں پہاڑ اب مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ، اللہ

marfat.com
Marfat.com

تعالیٰ کے نزدیک دینداری کی علامات سے ہیں۔

## شعائر کے معنی کا بیان

شعائر اصل میں شعیرۃ کی جمع ہے یا شعارہ کی جمع ہے۔ بمعنے علامت، اور دین کے عرف میں شعائر اللہ عبادت کے مکانات، زمانوں، علامتوں اور اوقات کو کہتے ہیں۔ مکانات عبادت جیسے کعبہ، عرفہ، مزدلفہ، تینوں جمرات، صفا، مروہ، منیٰ اور تمام مسجدیں ہیں۔ عبادت کے زمانے جیسے رمضان پاک، حرمت والے مہینے، عید الفطر، عید قرباں، جمعہ اور ایام تشریق ہیں۔ اور عبادت کی علامات جیسے اذان، اقامت، ختنہ، نماز با جماعت، نماز جمعہ اور عیدین کی نمازیں ہیں۔ اور ان تمام چیزوں میں علامت ہونے کا معنی ثابت ہے۔ اس لیے کہ عبادت کا مکان اور زمانہ بھی عبادت بلکہ معبود کی یاد دلاتا ہے۔ المختصر صفا اور مروہ کا شعائر اللہ میں سے ہونا صرف حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے صبر کی برکت سے حاصل ہوا، کہ حضرت حق عزوجل کی معیت خاصہ ان کے حق میں انہیں دو پہاڑوں کے درمیان جلوہ گر ہوئی، اور ان کی مشکل حل فرمائی۔ اس کے بعد ان دونوں پہاڑوں میں شعائر اللہ ہونے کا معنی ان کے بمنزلہ ذاتی جوہر کے ہو گیا۔ اس لیے کہ ماطوں کے حق میں ان کے درمیان سات بار سعی کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سات صفات کے ساتھ تحقق ہونا ہے۔ اس کے بعد کہ طواف کے ساتھ چکروں کی وجہ سے ان صفات کا تخلق ہوا، اور قاصروں اور ناقصوں کے حق میں اہل کمال کے ساتھ تشبیہ ہے۔ اور یہ معنی عوارض طاریہ کی وجہ سے ان دونوں سے زائل نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ خانہ کعبہ اس وجہ سے کہ غلبہ کفار کے وقت بیت الاصنام اور بت خانہ ہو گیا تھا اہل جہاں کا قبلہ اور مطاف ہونے سے معزول اور جدا نہیں ہوا کیونکہ جو کچھ ذات میں ہے اس کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا جو کچھ غیر میں ہے۔ اسی طرح یہ دونوں باصفا پہاڑ اس وجہ سے کہ مکہ کے جاہل اس پر اساف اور نائلہ کو رکھ کر پوجا کرتے تھے۔ اور اصل میں اساف اور نائلہ مرد اور عورت تھے کہ عین کعبہ میں ایک نے دوسرے کی طرف شہوت کے ساتھ ہاتھ بڑھایا اور بدکاری کا ارادہ کیا جس کی بنا پر جوہر سنگ میں مسخ ہو گئے تھے۔ اور اس وقت کے عقل مندوں نے لوگوں کی عبرت کے لیے اساف کو صفا پر اور نائلہ کو مروہ پر رکھ

marfat.com

Marfat.com

دیا تھا۔ ان جاہلوں نے پتھر سے تراشی ہوئی صورت کو بت خیال کر کے انہیں معبود بنالیا۔ اور یہاں تک گمراہی میں گرفتار ہوئے کہ مسخ شدہ بت اور گھڑے ہوئے بت میں فرق نہ پہچان سکے۔ اور ہر سال ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ان کی پوجا کے لیے ایک اجتماع کرتے۔ شعائر اللہ ہونے سے معزول اور جدا نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ معنی ان کے بمنزلہ جو ہر ذاتی کے ہے کہ غیر کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا۔

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ تو جو خانہ کعبہ کا عرفات سے حج کرے اَوِ اعْتَمَرَ یا عمرہ کرے اپنے گھر سے یا حرم کے باہر سے۔

## حج اور عمرہ کے درمیان فرق کا بیان

اور حج اور عمرہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ حج میں عرفات میں جانا شرط ہے۔ اور وہاں سے خانہ کعبہ کے طواف کے لیے آنا، اور عمرہ میں عرفات میں جانا شرط نہیں۔ اگر عمرہ کرنے والا مکہ شریف کے بیرون سے آتا ہے تو اسے سیدھا مکہ شریف میں آنا چاہیے۔ اور طواف کرنا چاہیے۔ اور اگر مکہ شریف کا ساکن ہے تو اسے حرم سے باہر جانا چاہیے۔ اور وہاں سے احرام باندھ کر خانہ کعبہ کے طواف کے لیے آنا چاہیے۔ نیز حج سال میں صرف ایک بار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ عرفہ کے دن جو کہ ذوالحجہ کی نو (۹) تاریخ ہے کو عرفات جانا حج کی شرط ہے۔ اور یہ دن ایک سال میں مکرر نہیں آسکتا، اور عمرہ ہر روز ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔ اور بہرحال صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا دونوں عبادتوں میں ضروری ہے۔ تو جو حج کا قصد کرے یا عمرے کا

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ تو اس پر گناہ کا کوئی کھٹکا نہیں ہے کفار اور بت پرستوں کی مشابہت کی رو سے اَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا اس میں کہ ان دونوں پہاڑوں کا طواف کرے۔ خانہ کعبہ کے طواف کی تاکید اور تکمیل کے لئے۔ اس لیے کہ کفار اور بت پرستوں کی مشابہت کی وجہ سے گناہ کا خطرہ وہاں معتبر ہوتا ہے جہاں شرع کا حکم ظاہر وارد نہ ہو۔ جبکہ یہ دونوں پہاڑ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما السلام والتحیۃ کے وقت سے طواف اور سعی کا مقام ہیں۔ اور ان دونوں پہاڑوں پر بت رکھنے کی وجہ سے مطاف ہونے سے باہر نہیں آئے جیسا

marfat.com

Marfat.com

کہ خانہ کعبہ اس کے اردگرد اور اس کے اندر بت رکھنے کی وجہ سے مطاف ہونے سے باہر نہیں آیا، اور جب اس گھر کا حج اور عمرہ اس حالت میں کیا جاسکتا ہے تو ان دونوں پہاڑوں کا طواف کیوں نہیں کیا جاسکتا۔

اور یہود ونصاریٰ اس وجہ سے تم پر طعنہ کریں۔ اور کہیں کہ تم بتوں کے مکانات کی تعظیم کرتے ہو۔ اور ان مکانات کا طواف کرتے ہو۔ اور اپنے آپ پر کفار اور بت پرستوں کی مشابہت گوارا کرتے ہو، اور یہ تمام ملتوں اور دینوں کے خلاف ہے تو ان کے اس طعنہ کی پرواہ مت کرو، اور تنگ دل نہ ہو اس لیے کہ معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اور تمہاری نیت حج اور عمرہ بجالانا ہے۔ بتوں کی تعظیم نہیں۔ اور حج وعمرہ بلاشبہ نیک کام ہیں۔ اور ان کا بجالانا طاعت ہے۔

وَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا اور جو اطاعت کی نیت سے کوئی نیک کام کرے فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کے عمل کا قدردان ہے۔ ضائع نہیں فرماتا اگرچہ بظاہر بت پرستوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوگئی ہو جیسے عاشوراء کے دن کا روزہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عَلِيۡمٌ عمل کرنے والوں کی نیتوں کو جاننے والا ہے، تو جو ان مکانات میں بتوں کی تعظیم کی نیت سے جاتا ہے اس کے عمل کو رد فرما دیتا ہے۔ اور جو مناسک کی ادائیگی کی نیت سے جاتا ہے اس کے عمل کو قبول فرماتا ہے۔

سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر اور دوسرے محدثین نے شعبی سے روایت کی ہے کہ کوہ صفا پر ایک بت تھا جسے اساف کہتے تھے، اور کوہ مروہ پر بھی ایک بت تھا جسے نائلہ کہتے تھے۔ اور اہل جاہلیت خانہ کعبہ کے طواف کے بعد جب ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سعی کرتے تھے تو ان دونوں بتوں کو بوسہ دیتے تھے۔ اور ہاتھ لگاتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ عالیہ میں تشریف لائے۔ اور سورۃ الحج میں خانہ کعبہ کے طواف کا حکم آیا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا ذکر نہ ہوا، لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! صفا و مروہ کے درمیان اہل جاہلیت ان دو بتوں کے لیے دوڑتے تھے۔ یہ سعی شعائر اللہ سے نہیں ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ان دونوں پہاڑوں

marfat.com

Marfat.com

کے درمیان سعی کریں۔ بلکہ اس بات کا خوف ہے کہ اگر ہم بھی اس سعی کے مرتکب ہوں تو جب تو ہم نے اہل جاہلیت کی مشابہت اختیار کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی اور ان کے دلوں سے گناہ کا خطرہ دور فرمایا۔

نیز انہیں محدثین نے جن کا ذکر ہوا امام مجاہد سے روایت کی ہے نصاریٰ اور از رہ طعن کہتے تھے کہ ان دو پتھروں کے درمیان سعی جاہلیت اور بت پرستوں کے عمل سے ہے نہ کہ ملت ابراہیمی کے احکام سے۔ حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اور بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یوں آیا کہ دور جاہلیت میں انصاری منات پرست تھے۔ اور جاہلیت کا قانون یوں تھا کہ جو شخص کسی بت کو پوجتا تھا وہ کسی دوسرے بت کی جگہ پر ہرگز نہیں جاتا تھا۔ اسی وجہ سے انصاری حضرات صفا اور مروہ کے قریب نہیں جاتے تھے۔ جب اسلام کی عملداری آئی تو اپنی عادت کے مطابق صفا و مروہ پر جانے سے تردد کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ بھیجی۔ اس آیت سے اسی بات پر دلیل ہوتی ہے کہ صفا و مروہ خدا تعالیٰ کی عبادت کے مقامات اور اس کے نشانات ہیں۔ اور جب کسی چیز کے بارے میں قطعی دلیل کے ساتھ ثابت ہو جائے کہ شعائر اللہ سے ہے تو کفار سے مشابہت کا اس میں کوئی اثر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اور اپنی نیت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر کے بجالانا چاہیے۔ ہاں کفار کی مشابہت اس وقت کسی عمل کے حرام ہونے کا موجب ہوتی ہے جب اس کا پسندیدہ ہونا یقینی دلیل کے ساتھ ثابت نہ ہوا ہو جیسے نوروز اور مہرجان کی تعظیم اور ہندوؤں کی عیدیں منانا جیسے ہولی، دوالی، بسنت اور دسہرہ یا ان جیسا لباس پہننا اور ان کے معابد میں جانا قشقہ لگانا، داڑھی اور مونچھ کو مصیبت کے وقت بالکل صاف کر دینا، گلے میں زنار ڈالنا اور کھانا کھاتے وقت قصداً سر اور جسم کو ننگا کرنا۔

(اقول و باللہ التوفیق- مذکورہ وضاحت سے پتہ چلا کہ ہندوؤں کے تہوار ہولی دیوالی - بسنت - دسہرہ وغیرہ منانا حرام ہے۔ نیز کفار اشرار سے نفرت اور بیزاری کا تقاضا بھی یہی ہے۔ لیکن مسلک دیوبند کے مستند اور ان کے تسلیم شدہ عالم ربانی رشید احمد گنگوہی سے سوال ہوا کہ ہندوؤں کے تہوار ہولی یا دیوالی وغیرہ میں ہندوؤں سے پوڑی وغیرہ لینا اور کھانا کیسا

marfat.com
Marfat.com

ہے تو جواب میں لکھا کہ درست ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۱۰۷) جبکہ شہداء کربلا کے ایصال ثواب کے لئے لگائی سبیل کا شربت حرام ہے (فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۱۱۴) محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اور اگر عطلقاً کفار کی مشابہت اگرچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ افعال میں ہو حرمت کا موجب ہوتی تو لازم آتا کہ حج، عمرہ، ختنہ، عقیقہ، عاشوراء کا روزہ، قربانی، حرمت والے مہینوں کی تعظیم، ہدی اور قلائد کی تعظیم اور ملت ابراہیمی کی باقی ادائیں۔ جو کہ اس وقت کے کافروں میں رائج تھیں یا سورج اور چاند گرہن کی نماز، اس وقت صدقہ دینا، غلام آزاد کرنا، مہمانوں کی ضیافت اور برسرِ راہ مسافروں کے لیے پانی مہیا رکھنا جو کہ ہندوؤں کا معمول ہے حرام ہوتا۔

## صفاومروہ کی سعی کا حکم

ہم یہاں پہنچے کہ ہماری شریعت میں صفاومروہ کے درمیان سعی کرنے کا کیا حکم ہے۔ اگرچہ اس لفظ سے کہ فلاجناح علیه ان یطوف بهما یوں ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عمل ضروری نہیں۔ اس کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ لیکن من شعائر الله کا لفظ اس بات پر صریح نص کرتا ہے کہ یہ عمل ضروری ہے۔ اور شارع کے نزدیک مطلوب۔ اور اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے جو کہ پہلے سے پیدا ہوتا ہے ارشاد فرمایا ہے ان الله کتب علیکم السعی فاسعوا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی فلھذا سعی کرو۔ شافعیہ نے لفظ کتب کے ظاہر سے جو کہ عرف قرآن مجید میں ایجاب کے صیغوں سے ہے۔ جیسے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى، (البقرہ آیت ۱۷۸) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرۃ آیت ۱۸۳) اور اسی کی مانند دوسری آیات سے دلیل لے کر اس سعی کی فرضیت کا قول کیا ہے۔ اور اس کی ترک سے حج اور عمرہ کو باطل سمجھتے ہیں۔ اور قربانی وغیرہ دینے سے اس کے تدارک کو ممکن شمار نہیں کرتے، جیسا کہ ارکان کی شان ہے۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث خبر آحاد ہے۔ اور قرآن مجید میں جو لفظ اس سعی کی طلب کرتا ہے لفظ شعائر اللہ کے سوا اور نہیں ہے۔ اور شعائر اللہ کا فرض ہونا لازم نہیں، جیسا کہ اذان، نماز عیدین کی

marfat.com

Marfat.com

جماعت، قربانی، ہدی اور قلائد، تو زیادہ احتیاط یہ ہے کہ اس سعی کو عمل میں ترک کرنے کو جائز قرار نہ دیا جائے۔ لیکن اس کی فرضیت ورکنیت کے اعتقاد کی بھی جرأت نہیں کرنا چاہیے۔ اور ان کے نزدیک واجب کا یہی معنی ہے۔ اور اس صورت میں کہ چھوٹ جائے ان کے نزدیک اس کا تدارک ہدی کے ذبح کرنے کے ساتھ ممکن ہے۔

## فلاجناح علیہ ان یطوف بہما کا مفہوم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی

اور امام مالک نے موطا میں اور بخاری، مسلم اور دوسرے صحاح والوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کی کہ اس آیت میں غور فرمائیں إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان دونوں پہاڑوں کا طواف نہ کرے تو کوئی ڈر نہیں۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے میرے بھانجے تو نے صحیح نہیں کہا۔ اور ٹھیک نہیں سمجھا۔ اگر یہ معنی اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتا تو یوں ارشاد ہوتا کہ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا، اور اب جبکہ طواف سے گناہ کی نفی کی ہے شرعی طور پر امکان عام ثابت ہوتا ہے۔ جو کہ وجوب، استحباب اور اباحت کا احتمال ہے۔ لیکن جب ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ بھی فرمایا ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے اپنے حج اور عمرہ میں ان دونوں پہاڑوں کے طواف پر ہمیشگی فرمائی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ طواف واجب ہے۔ اور طواف سے گناہ کی نفی اس بنا پر وارد ہوئی تھی کہ انصاری منات کی پرستش کرتے تھے۔ اور وہ کوہ مثال پر ایک بت تھا جو کہ مقام قدید کے بالمقابل ہے۔ اور اس کی زیارت کے لیے مدینہ سے احرام باندھتے تھے، اور اساف اور نائلہ کے صفا و مروہ پر ہونے کی وجہ سے وہاں جانے سے گریز کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہ کو دور کرنے کے لیے گناہ کی نفی فرمائی۔ حقیقت میں جو اباحت کہ اس لفظ سے ظاہری طور پر سمجھ آتی ہے حالت طواف میں

marfat.com
Marfat.com

ان دونوں بتوں کے پائے جانے کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ نفس طواف کی طرف۔ جس طرح کہ اگر کسی کے کپڑے پر ایک شرعی درم سے کم کوئی نجاست لگی ہو اور اسے کوئی حنفی فقیہ فرمائے کہ لاجناح علیك ان تصلی فیه صلوٰۃ الظھر اس سے نماز کی اباحت سمجھی نہیں جاتی بلکہ حالت نماز میں اس نجاست کے پائے جانے کی اباحت سمجھی جاتی ہے۔ ہاں اگر طواف چھوڑنے کو صریح مباح کرتے تو وہ سمجھ درست ہوتی۔

## صفا و مروہ کی سعی احادیث کے حوالے سے

اور ابن جریر، حضرت قتادہ سے لائے کہ ان دونوں کے درمیان طواف حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیٰ نبینا و علیہم السلام کی سنت سے تھا۔ اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ آپ نے لوگوں کو صفا مروہ کے درمیان طواف کرتے دیکھا اور فرمایا کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کی میراث ہے۔ جو کہ تمہارے لیے چھوڑی ہے۔ اور خطیب سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے لائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے۔ اور آپ کے ہمراہ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام تھے۔ آپ نے دونوں کو بیت اللہ کے قریب اُتارا۔ حضرت ہاجر رضی اللہ عنہا نے عرض کی کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں۔ پس بچے کو پیاس لگی تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا تو سب سے زیادہ قریب کوہ صفا نظر آیا، آپ دوڑیں اور اس کے اوپر پہنچ گئیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا، پھر دیکھا تو مروہ سب سے زیادہ قریب نظر آیا، تو وہاں پہنچ کر دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ آپ صفا پر آئیں۔ فرمایا آپ نے سب سے پہلے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ الخ۔

اور ابوداؤد اور ترمذی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے ساتھ لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ بیت اللہ کا طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی اور جمرات کی رمی تو صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر قائم کرنے کے لیے مقرر کیے گئے کسی اور مقصد کے لیے نہیں۔ اور ابن ابی شیبہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں کہ جو شخص خانہ کعبہ کے حج کی نیت سے آئے اسے چاہیے کہ پہلے بیت اللہ کے قریب آئے اور اس کے اردگرد سات بار گھومے۔ پھر مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور اس کے

marfat.com

Marfat.com

پیچھے نماز طواف کی دو رکعتیں ادا کرے۔ پھر کوہ صفا کی طرف متوجہ ہو اور اس پہاڑ پر یہاں تک اوپر آئے کہ خانہ کعبہ نظر آئے اس وقت کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو کر سات مرتبہ اللہ اکبر کہے اور ہر دو تکبیر کے درمیان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور حضرت پیغمبر علیہ السلام پر درود شریف پڑھنے میں مشغول ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے، پھر مروہ کی طرف جائے۔ اور اسی طرح اس پہاڑ پر عمل کرے۔

## سات جگہ رفع یدین کیا جائے

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ لائے کہ سات جگہ دونوں ہاتھوں کو اُٹھانا چاہیے۔ پہلی جگہ جب نماز کے لیے کھڑا ہو، دوسری جگہ جب خانہ کعبہ کی زیارت کرے، تیسری جگہ صفا پر، چوتھی جگہ مروہ پر، پانچویں عرفات میں وقوف کے وقت، چھٹی جگہ مزدلفہ میں بھی وقوف کے وقت، ساتویں جگہ رمی جمار کے وقت۔

ارزقی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ لائے کہ صفا و مروہ کے طواف میں سنت یہ ہے کہ صفا سے اتر کر آہستہ آہستہ چلے۔ یہاں تک کہ جب پانی کی گزرگاہ کے نشیبی حصہ میں آئے تو دوڑنا شروع کر دے۔ حتیٰ کہ نشیب سے اوپر آجائے پھر آہستہ آہستہ چلتا جائے۔ یہاں تک کہ مروہ پر پہنچ جائے۔ اور اسی طرح جب مروہ سے صفا کی طرف پلٹے تو عمل کرے، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حج کیا تو اسی مقام پر لبیک کہتے ہوئے دوڑے۔ بارگاہ خداوندی سے جواب میں لبیک عبدی کا خطاب دل نواز سنا، اور یہاں آپ کی دعا یہ تھی کہ رب اغفر وارحم انك انت الاعز الاکرم، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہاں طویل دعائیں منقول و ماثور ہیں۔

## ظاہر بین فقہاء کا بہت بڑا اشکال

ہم یہاں پہنچے کہ یہاں ظاہر بین فقہا کا بہت بڑا اشکال ہے۔ اور اس اشکال کا منشا یہ ہے کہ سن ۱۶۴ ہجری میں کہ مہدی عباسی نے حج کیا، اور اس نے مسجد حرام کو وسیع کرنے کا حکم

marfat.com
Marfat.com

دیا۔ تو وہ مقام جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعی فرمائی تھی مسجد حرام میں داخل ہو گئی۔ مہدی نے محمد بن عباد بن جعفر کے گھر کو جو کہ مسجد حرام کے متصل تھا سعی کی جگہ قرار دیا۔ پھر ظاہر بین فقہاء کو اس وجہ سے عظیم اشکال پیدا ہوا۔ اور انہوں نے کہا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی امور تعبدیہ سے ہے۔ جو کہ ایک معین مکان کے ساتھ متعلق ہے۔ اور اس سے پھرنا جائز نہیں۔ جس طرح طواف، خانہ کعبہ کے ساتھ اور وقوف، عرفات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور جب اس قسم کی عبادات مکان معین کے علاوہ معتبر نہیں ہوتیں تو اب لوگوں کی سعی ضائع گئی۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعی کا مقام مسجد میں داخل ہو گیا۔ اور مسجد میں سعی ممکن نہیں۔ اور معمول بھی نہیں۔

اس کا جواب اہل تقلید کے حق میں یہ ہے کہ امام مالک، امام ابو یوسف اور امام محمد اس وقت موجود تھے، اور امام شافعی اور امام احمد بھی اس زمانے کے بعد عنقریب ہی درجۂ اجتہاد کو پہنچ گئے۔ اور کسی نے سعی کے اس بدلنے پر انکار نہ کیا۔ تو اجماع ثابت ہو گیا۔

اور اہل تحقیق کے حق میں یہ ہے کہ شارع کا مطلوب صفا و مروہ کے درمیان سعی ہے۔ اور اس وقت ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سیدھی راہ چلتی تھی۔ اس میں سعی کرتے تھے۔ اس کے بعد دوسرا راستہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان جاری ہوا۔ وہ نیا راستہ پہلے راستہ کا قائم مقام ہو گیا۔ جس طرح جب کسی مسجد میں ضرورت کی بنا پر شارع عام سے کچھ حصہ داخل کریں تو اسے مسجد کا حکم حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس میں اعتکاف صحیح ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ازیں بعض محقق مورخین نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں سعی کی جگہ بہت وسیع تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک کے بعد لوگوں نے اس میدان میں گھر بنا لیے تھے، اور سعی کے اندازے کے مطابق جگہ چھوڑ دی۔ محمد بن عباد بن جعفر کا گھر بھی اسی قسم کے مکانوں میں سے ایک بنایا ہوا تھا۔ تو مہدی نے اس گھر کو ڈھا کر اس کا کچھ حصہ مسجد حرام میں داخل کر دیا۔ اور کچھ حصہ سعی کے لیے چھوڑ دیا۔ تو حقیقت میں سعی کی جگہ میں پورے طور پر تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ یہ ہے حال صفا و مروہ کا جو کہ دراصل شعائر اللہ سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی عنایت کے یاد آنے کا مقام جو

marfat.com
Marfat.com

کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے ان کے صبر کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی۔

اور اگر یہود و نصاریٰ تم پر ان دونوں پہاڑوں کے طواف کا ان دونوں پر بت رکھنے کی وجہ سے دیدہ دانستہ طعن کریں۔ اور کہیں کہ تم بھی بت پرستوں کی طرح بتوں کے مکانات کی تعظیم کرتے ہو۔ اور اہل جاہلیت کے اعمال کی طرح عمل کرتے ہو۔ تو ان کے اس طعن سے دل تنگ نہ ہونا۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے زمانے سے متوارث ہے۔ اور اس وقت بتوں کا نام ونشان نہ تھا۔ لیکن وہ اپنی ان معلومات کو چھپاتے ہیں تاکہ تم پر طعن کرنے کی وجوہ میں سے کوئی وجہ ان کے ہاتھ لگے لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ ہم اس حق چھپانے کی وجہ سے ملعون بنتے ہیں۔ اگرچہ اس چھپانے سے مسلمانوں پر طعن ہوتا ہے۔ اس لیے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ اس چیز کو جو ہم نے شعائر اللہ کی ظاہری علامات سے اُتاری ہے وَالْهُدٰى اور وہ چیز جو شعائر اللہ کی پہچان کے لیے عقل کی راہ نمائی کرتی ہے مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ اس کے بعد ہم نے اپنی اس نازل کردہ چیز کو اس طرح واضح کر دیا ہے کہ شعائر اللہ اور کفار کے معابد کے درمیان کوئی اشتباہ نہیں رہتا، اور ہمارا یہ واضح بیان اہل مطالعہ اور باریک بینوں ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے لِلنَّاسِ تمام لوگوں کے لیے خواہ ذہین ہوں خواہ کند ذہن، خواہ طالب علم ہوں خواہ ان پڑھ۔ اور ہم نے اسے خبر احاد کی طرح نہیں کیا ہے کہ کسی کے پاس پہنچی ہو اور کسی کے پاس نہ پہنچی بلکہ ہم نے اسے درج کیا ہے

فِی الْكِتٰبِ عین کتاب میں جو کہ متواتر ہے۔ اور متواتر کو چھپانا ممکن نہیں۔ لیکن وہ کمال عناد کی وجہ سے متواترات کو بھی چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس بلاشبہ

اُولٰٓىِٕكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وہ لوگ ان پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے مقصد کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہدایت دینا اور ان کی جہالت کو دور کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ یہ لوگوں کی گمراہی اور جہالت کی بقا چاہتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ اور ان پر لعنت کرتے ہیں، لعنت کرنے والے۔ رہے فرشتے اور انبیاء (علیہم السلام) اور اولیاء کی ارواح تو وہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ ان کی کوشش کو برباد کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ حضرات مخلوق کی ہدایت کے لیے کتب الٰہی لانے اور لوگوں کو اس کے احکام پہنچانے میں ساری زندگیاں مصروف رہے ہیں۔ اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی تمام کوشش کو ضائع کر دیں۔ اور رہے جن وانس کے کفار اور فاسق وفاجر لوگ تو اس وجہ سے کہ ہر شخص اپنے مقصد کے وقت کہتا ہے کہ اس پر خدا تعالیٰ کی لعنت جو حق کو چھپائے۔ اور وہ لعنت ان پر پڑتی ہے۔ بلکہ ان معنوں میں وہ خود اپنے آپ کو لعنت کرتے ہیں۔ اور رہے حیوانات اور جمادات تو اس وجہ سے کہ جب ان کی حق پوشی کی نحوست کی وجہ سے جہان کی ویرانی ہوتی ہے، قحط پڑتے ہیں۔ وبائیں نازل ہوتی ہیں۔ تو ہر خشک وتر کی روح ملکوتی آہ وزاری کرتی ہے۔ اور جن کی نحوست کی وجہ سے بلا میں گرفتار ہوئے ہیں انہیں لعنت کرتی ہیں۔

## امر واقعی کو چھپانے کی سزا اور نحوست اور اس کی مختلف صورتیں

اور اگر چہ اس آیت کا ورود ان یہود ونصاریٰ کے بارے میں ہے۔ جو کہ مسلمانوں پر طعن کرنے کے لیے خانہ کعبہ اور صفا ومروہ کی عظمت کو جو انہیں معلوم تھی چھپاتے تھے۔ لیکن اس کا مضمون ہر اس شخص کے بارے میں عام ہے جو جان بوجھ کر ایک امر واقعی کو اس کے اظہار کی ضرورت کے وقت چھپائے جیسا کہ عناد کی وجہ سے کفر کرنے والا کہ ایمان کے دلائل کو دل سے جانتا ہے۔ اور زبان پر نہیں لاتا۔ یا کوئی گواہ جو کہ کسی مقدمہ پر آگاہی رکھتا ہے۔ اور اپنی گواہی کو چھپاتا ہے۔ تاکہ کسی کا حق ضائع ہو جائے۔ اور علمائے سو جو کہ دیدہ دانستہ حق کو از رہ تعصب چھپاتے ہیں۔ اور ظالم حکام جن کے نزدیک کسی کا حق ظاہر ہوا اور وہ طمع اور پاسداری کی وجہ سے اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں۔ اور اسے مصلحت ملکی قرار دیں۔ اور رشوت لینے والے جج جو کہ طمع کی وجہ سے حق کو باطل اور باطل کو حق کر دیں۔ اور بددیانت مشیر جو کہ ملک اور ملت کی معلوم بہتری کو چھپائیں اور اس کے خلاف مشورہ دیں۔

ابن ماجہ اور دوسرے محدثین براء عازب رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے کہ ایک

marfat.com
Marfat.com

دن ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ایک جنازہ میں تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایسی گرز مارتے ہیں کہ اس کی آواز کو انسانوں اور جنوں کے سوا ہر جانور سنتا ہے۔ اور اس کافر پر لعنت کرتا ہے۔ اور یہی معنی ہے اس آیت کا وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ، اور بیہقی، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں لائے کہ جب دو آدمی ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اس لعنت کو فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اور اس لعنت کو ڈالنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ اگر وہ شخص لعنت کے قابل ہوتا ہے تو اس پر گرتی ہے۔ اور اگر وہ لعنت کے قابل نہیں تو کہنے والے پر لوٹتی ہے۔ اور اگر وہ بھی اس کے قابل نہیں تو یہودیوں اور دوسرے مستحقین لعنت پر پڑتی ہے۔ اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے کہ کسی نے کسی دوست پر تیر چلایا۔ اچانک وہ دشمن کے کینہ سے پر سینے پر لگ گیا۔

اور ترمذی، ابن ماجہ اور حدیث کی دوسری معتبر کتابوں میں حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، ابن عمر، ابن مسعود، ابوسعید خدری اور دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے یہ مضمون ثابت ہوا کہ جسے اللہ تعالیٰ نے کوئی علم دیا ہو اور کوئی اسے اس علم کے متعلق سوال کرے۔ اور یہ شخص اس علم کو چھپائے۔ اور بیان نہ کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے منہ آگ کی لگام ڈالے گا۔ اور ابن ماجہ کی روایت میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے یہ قید بھی وارد ہوئی کہ من كتم علما ينفع الناس في امر الدين یعنی جس نے ایسا علم چھپایا جو کہ لوگوں کو دین کے بارے میں نفع دیتا ہے۔ اور اس حدیث بلکہ اس آیت کریمہ سے یہ بھی استنباط کیا گیا ہے کہ علوم دینیہ کی تعلیم پر مزدوری اور اجرت لینا حرام ہے۔ اس لیے کہ اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علم دین کی تعلیم فرض ہے۔ اور فرض ادا کرنے پر اجرت لینا درست نہیں ہے۔ جیسے فرض نماز، روزہ۔ نیز اس آیت سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ خبر واحد کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ اظہار کا فرض کرنا عمل کو فرض کرنے کے لیے ہے۔ ہاں وہ علوم جو کہ دین کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے اور مکلفین شرعی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے ان علوم کے محتاج نہیں ہیں۔ جیسے علم طب، ہندسہ اور اکثر فنون ریاضی

marfat.com
Marfat.com

وطبعی، علم تاریخ، نظم، شعر اور انشاء، ان پر اجرت لینا جائز ہے۔

## علوم دینیہ کی تعلیم پر اجرت لینے کے مسئلہ کی باریکی

لیکن یہاں ایک باریکی سمجھنی چاہیے کہ نفس تعلیم پر اجرت حرام ہے۔ لیکن کسی کے گھر سفر کر کے تعلیم کے لیے جانا یا بچوں کو صبح سے شام تک پابندی میں رکھنا تعلیم کے علاوہ ایک کام ہے۔ اس کام کے عوض اجرت لینا بلاشبہ حلال ہے۔ اور اسی طرح کسی مدرسہ میں مدت دراز تک بیٹھنے کی پابندی بھی اجرت کا عوض ہو سکتی ہے۔ اور ابن ماجہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس وقت اس اُمت کا پچھلا گروہ پہلوں کو لعنت کرنا شروع کر دے۔ جیسا کہ اس وقت روافض کے فرقہ میں یہ برا کام رواج پا چکا ہے تو اس وقت جس نے کسی حدیث کو چھپائے رکھا تو گویا اللہ تعالیٰ کی تمام نازل کی گئی کتابوں کو چھپا کر رکھا، اور طبرانی اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ لائے کہ اس شخص کی مثال جو کہ علم سیکھے اور پھر اس کا اظہار نہ کرے۔ اور پوشیدہ رکھے اس شخص کی مانند ہے۔ جس نے بہت بڑا خزانہ جمع کر لیا ہے۔ اور خرچ نہیں کرتا، اور بخاری اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اگر ایک آیت کلام اللہ میں نہ ہوتی تو میں کسی کے پاس حدیث کی روایت نہ کرتا، اور آپ نے یہ آیت پڑھی اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ الخ لیکن یہ سب غضب اور لعنت اس شخص کے ساتھ خاص ہے۔ جس نے آخر عمر تک حق چھپانے پر اصرار کیا۔ ورنہ اس وعید سے نکل آتا ہے۔ اس دلیل سے

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مگر وہ لوگ جنہوں نے حق پوشی سے توبہ کر لی۔ اور صحیح توبہ یہ ہے کہ اس کام پر ندامت صرف خوف خدا اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے دل میں پیدا ہو۔ اس شخص کی طرح نہیں جو کسی کی امانت کا منکر ہو گیا۔ اور جب لوگوں نے اسے ملامت کی تو ظاہر کر دی۔ یا اس شخص کی طرح کہ حاکم نے اس کی گواہی رد کر دی تو اس نے اپنی گواہی رد ہونے کی عار کی وجہ سے امر واقعی کا اظہار کر دیا۔ کہ یہ توبہ کے باب سے نہیں۔ اور انہوں نے صرف توبہ پر ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ ان کی حق پوشی کی وجہ سے جو خرابی رونما ہوئی تھی اس

marfat.com
Marfat.com

کے تدارک کے لیے بھی انہوں نے کوشش کی ہے۔

وَاَصْلَحُوْا اور اصلاح کر لی۔ اس کی جسے اپنی حق پوشی سے خراب کر دیا تھا۔ جیسے لوگوں کے عقائد، اعمال اور ان کے ضائع شدہ اموال، اور آئندہ کے لیے حق پوشی سے دست بردار بھی ہو گئے۔

وَبَیَّنُوْا اور بیان کرنا شروع کر دیا اس حق کو جو کہ انہیں معلوم ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ پس وہ لوگ اگرچہ ان کی حق پوشی کی وجہ سے بعض لوگ اپنے نفس کی شامت کی وجہ سے گمراہی میں رہ گئے ہوں لیکن جب انہوں نے اپنی طرف سے اظہار حق میں کوشش کیا اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ان پر میں رحمت کے ساتھ رجوع فرماتا ہوں۔ اور ان کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ اور انہیں اس لعنت سے نکال دیتا ہوں جس کے وہ مستحق ہو گئے تھے۔ وَاَنَا التَّوَّابُ اور میں ہی بار بار توبہ قبول فرمانے والا، بلکہ لعنت کے بدلے ان پر فضل و ثواب نازل فرماتا ہوں۔ اس لیے کہ میں ہی ہوں اَلرَّحِیْمُ اپنے بندوں پر بہت مہربان۔

ہاں اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بے شک جو لوگ ان کی حق پوشی کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ اور ان کی طرف سے یا ان کے غیر کی طرف سے بیان حق پہنچنے کے باوجود کفر سے باز نہ آئے وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اور وہ اس حال میں مر گئے کہ کافر تھے

اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وہ لوگ ان پر خدا تعالیٰ کی لعنت پڑی کیونکہ انہوں نے حق چھپانے والوں کی تقلید اختیار کی۔ باوجودیکہ ان کے پاس بیان حق پہنچا۔ وَ اور اسی طرح ان پر لعنت پڑی الْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ فرشتوں اور سب لوگوں کی حتیٰ کہ خود ان کی بھی اس لیے کہ بعض اوقات وہ خود اپنے آپ کو لعنت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جس نے دیدہ دانستہ حق کا انکار کیا اس پر لعنت ہے۔ اور ان کی یہ لعنت منقطع نہ ہو گی جس طرح کہ پہلے گروہ کی لعنت توبہ کرنے کی وجہ سے منقطع ہو گئی تھی اس لیے کہ موت کے بعد توبہ کا وقت نہ رہا اور موت سے پہلے انہوں نے توبہ نہ کی۔ پس وہ

خَالِدِیْنَ فِیْهَا اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے، اور اثر کے منقطع ہونے سے قطع نظر وہ لعنت ان کے حق میں کم نہیں ہو گی۔ تو

marfat.com
Marfat.com

لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا۔ ہیشگی کی وجہ سے بلکہ ان کا دکھ چڑ ابد لنے کی وجہ سے دم بدم زیادہ ہوگا۔

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی کہ کچھ سستا لیں۔ اور عذاب برداشت کرنے کے لیے تازہ قوت حاصل کرلیں۔ اس لیے کہ تخفیف اور مہلت بھی لعنت سے نکالنے کی ایک قسم ہے۔ اور وہ ان کے حق میں محال ہے۔

اور جب دوسروں کی حق پوشی کی وجہ سے کفر اور گمراہی پر اصرار کرتے ہوئے مرنے والوں کا حال ایسا ہوگا تو حق پوشوں کا حال جنہوں نے حق پوشی پر اصرار کیا ہو اور توبہ نہ کی ہو قیاس کرلینا چاہیے کہ کیا ہوگا۔

اور اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے وہ کافر جب اپنے کفر پر مر جائے اس پر لعنت جائز ہے۔ اگر چہ موت کی وجہ سے مکلّف ہونے کی حد سے باہر آ چکا۔ جیسا کہ کافر اگر پاگل ہو جائے۔ اور پاگل ہونے کی وجہ سے مکلف ہونا زائل ہو گیا بھی قابل لعنت و برأت رہتا ہے۔ اور اسی طرح موت اور جنون کے بعد اہل ایمان اور اہل اصلاح کے استغفار، رحم طلب کرنے اور ان سے محبت کرنے کا حال ہے۔ اس لیے کہ اس طرح مکلف ہونے کا زائل ہونا حکم ما کان کو عما کان علیہ سے بدل دیتا ہے۔ کیونکہ عبرت خاتمہ کی ہوتی ہے۔ نیز اس آیت سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جب تک کسی کی موت کفر پر یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو اس پر لعنت جائز نہیں۔ شرط کے نہ ہونے کی وجہ سے مشروط کے نہ ہونے کی ضرورت کی وجہ سے، اور ان کافروں کی یہ کون سی قسم ہے جنہوں نے مرتے دم تک اپنے کفر پر اصرار کیا ہمیشہ کی لعنت میں نہ ہوں۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اور تمہارا حقیقی معبود ایک معبود ہے۔ اور بس۔ تو جس نے اس کے حکم سے منہ پھیرا اور اس کے غیر کی پوجا کی طرف لپکا اس کی رحمت سے دور جا پڑا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی طرف سے جو کہ فرشتے اور آدمی ہیں نفرت اور ملامت پائی۔ ہاں اگر واقع میں چند افراد شان معبودیت رکھتے تو احتمال تھا اگر ان میں سے ایک فرد ایک بندے پر عبادت میں کوتاہی اور اپنے احکام کی نافرمانی کی وجہ سے غضب میں آ کر

marfat.com
Marfat.com

اسے اپنی بارگاہ سے دھتکار دیتا۔ اور دوسرا افراد اسے اپنی رحمت میں جگہ دے دیتا اور اسے لعنت سے باہر نکال دیتا، جس طرح کہ نوکری اور آقائی، رعیت گری اور بادشاہی میں اس قسم کا احتمال ممکن اور واقع ہے۔ اس لیے کہ آقائی اور بادشاہی، استادی اور پیری اور مخلوق کے اس قسم کے مرتبے متعدد مقامات پر پائے جاتے ہیں۔ اور ایک جگہ میں منحصر نہیں ہوتے۔ یہاں کہ مرتبہ معبودی وخدائی ہے یہ احتمال ممکن ہی نہیں۔ اس لیے کہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور جس طرح معبودیت اس میں منحصر ہے۔ اسی طرح وہی ہے اَلرَّحْمٰنُ رحمت عام کا مالک کہ اس نے ہر چیز کو اس کے معاش کے منافع وجود سے لے کر صفات وآثار بخشے ہیں۔ اور اسی طرح وہی ہے اَلرَّحِیْمُ یعنی خاص رحمت کا مالک کہ اپنے فضل وکرم سے بعض مخلوق کو راہ ہدایت دکھا دیتا ہے۔ اور اس راہ پر چلنے کی توفیق بخشتا ہے۔ اور آخرت کے ثواب کا مستحق کر دیتا ہے۔ تو جس نے اس کے ساتھ کفر کیا اور اس کے حکم سے سر پھیرا اپنے آپ کو اس کی رحمت سے دور پھینک دیا، اور جب کوئی دوسرا رحمٰن ورحیم نہیں ہے تو لازماً رحمت کی ضد میں جو کہ لعنت ہے جا پڑا اور اس رحمان اور رحیم کی رحمت سے مایوس ہوا۔ تو اسے تخفیف عذاب کی توقع اور مہلت وفرصت کی امید کہاں سے رکھنی چاہیے کہ یہ دونوں چیزیں تو رحمت کے آثار سے ہیں۔ جبکہ اس نے رحمت کے دروازے کو کہ جہان میں اس دروازے کے سوا اور کوئی دروازہ ہے ہی نہیں اپنے آپ پر بند کر دیا۔

اگر کفار کہیں کہ معبودیت، رحمانیت اور رحیمیت کا واحد محض کی ایک ذات میں منحصر ہونا تمہارا دعویٰ ہے اس دعویٰ پر کیا دلیل رکھتے ہو کہ ہمیں ابدی لعنت سے ڈراتے ہو؟ ہمارے ذہن میں یہ بات ہرگز نہیں آتی کہ صرف ذات واحد اس قدر بے انتہا نعمتوں کا فیض عطا کرنے کی گنجائش کر سکے۔ جیسا کہ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے روایت کی ہے کہ جب آیت وَاِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ مدینہ عالیہ میں نازل ہوئی کفار مکہ نے اسے سن کر بہت تعجب کیا، کہنے لگے کہ ایک معبود میں سارے لوگوں کی کیسے گنجائش ہو سکتی ہے۔ حالانکہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ اسے ہمارے

marfat.com
Marfat.com

پاس کوئی نشانی لانی چاہیے اگر وہ سچوں میں سے ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اس دعویٰ کے بے شمار دلائل ہیں۔ علویات سے بھی اور سفلیات سے بھی۔ اور ان دونوں کے عوارض سے بھی اور وسائط سے بھی۔ اس لیے کہ

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ بے شک ساتوں آسمانوں کی پیدائش میں

## آسمانوں کی گردش کی مقدار کا بیان

کہ سات سیاروں کی مختلف حرکات ایک شان اور ایک رنگ میں اور ان کا ٹھہرنا، لوٹنا اور استقامت، اور ان حرکات کا کبھی برجوں کے تواتر پر ہونا اور کبھی ان کے غیر پر ہونا ان پر دلالت کرتی ہیں۔ اور ان ساتوں آسمانوں میں سے ہر ایک قسم قسم کے عجائب رکھتا ہے کہ فن ہیئت کی واقفیت رکھنے والوں نے ان میں بعض عجائبات کو دریافت کیا ہے۔ اور شریعت لانے والوں نے بعض دوسرے عجائب کو بیان فرمایا۔ جیسے یہ کہ ہر آسمان علیحدہ فرشتوں کا مسکن ہے۔ اور ہر آسمان میں قضاء وقدر کا کارخانہ ایک جداگانہ رنگ رکھتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اور کاملین کی ارواح کو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک خصوصیت ہے۔ اور عبادت گزاروں کی عبادت اور دعا کرنے والوں کی دعا ہر آسمان سے گزرتی ہے۔ اور ایک جداگانہ قوت پیدا کرتی ہے۔ اور ہر آسمان میں شان الٰہی کا ظہور اور اس ذات پاک کا جلوہ ایک جداگانہ رنگ میں ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک میں نور کی قندیلیں جو کہ چمکتے ستارے ہیں لٹکتے کھڑے ہیں۔ اور تمام ستاروں کے مطالع اور ان کے مغارب آسمان کے اجزاء میں سے دوسرا حکم اور علیحدہ اثر رکھتے ہیں۔ اور ہر آسمان کی حرکت کا اندازہ جدا، مثلاً سورج کا آسمان تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن اور ایک کسر میں، چاند کا آسمان اٹھائیس (۲۸) دن میں، عطارد اور زہرہ کے آسمان سورج کے آسمان کی مانند اپنی گردشیں پوری کرتے ہیں، زحل کا آسمان تیس (۳۰) سال میں، مشتری کا آسمان بارہ (۱۲) سال میں، مریخ کا آسمان دو (۲) سال میں، ثوابت کا آسمان چھ ہزار تیس (۶۰۳۰) سال میں یا پچیس ہزار دو سو (۲۵۲۰۰) سال میں اور آسمان محیط ایک (۱) دن میں، اور اسی طرح مشرق یا مغرب کی طرف توجہ میں یا شمال وجنوب کی طرف مائل ہونے میں ان کی حرکات، اور اسی طرح ہر ستارے کا اس

marfat.com
Marfat.com

مقدار کے ساتھ مخصوص ہونا جو کہ چھوٹے اور بڑے ہونے کی وجہ رکھتا ہے سے، اور جو رنگ رکھتا ہے۔ جیسے زہرہ کی سفیدی، زحل کی تاریکی، مشتری کی چمک، مریخ کی سرخی، قمر کی تاریکی، اور عطارد کی زردی۔ اور اسی طرح افلاک کی ترکیب، ایک حرکت کا دوسری حرکت کے ساتھ رابطہ، ستاروں کے اطوار کا مختلف ہونا۔ جو کہ اتصالات اور انفصالات کے پیدا ہونے کو لازم ہیں۔ اور ان سے عالم سفلی میں قسم قسم کی تاثیریں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور سب کی سب عین حکمت کے مطابق اور درست انداز میں

وَالْاَرْضِ اور زمین کی پیدائش میں۔ جو کہ ایک گول شکل رکھتی ہے۔ اور جہان کے عین وسط میں ایسی سطح رکھتی ہے کہ جب اس پر سورج پڑتا ہے تو اس کے جسم کی کثافت کی وجہ سے سورج کے مقابلہ میں ایک مخروطی شکل کا سایہ پیدا ہوتا ہے۔ جو کہ سورج کی طرح حرکت کرتا ہے۔ اور جہان میں نور اور روشنی کو لینا متحقق ہوتا ہے۔ یہاں تک جب چاند اس مخروطی شکل کے سایہ میں پڑتا ہے تو گرہن لگ جاتا ہے۔ نیز زمین کو غیبی تدبیر کے ساتھ کرۂ آب سے کسی قدر خالی کیا گیا ہے۔ تاکہ اس پر جانور اور درخت قرار پکڑ سکیں، اور زمین کے قطعات کے اطوار کو آسمان کی نسبت مختلف کیا گیا تاکہ سورج اور دوسرے ستاروں کا زمین کے شہروں میں رہنے والوں کے سروں کی محاذات سے گزرنا مختلف ہو۔ اور اس اختلاف کی وجہ سے مختلف فصلیں اور آدمیوں میں گوناگون مزاج اور قسم قسم کی عادات پیدا ہوں۔ اور افقوں کے اختلاف کی وجہ سے طلوع ہونے والے اور طلوع کے مقامات مختلف ہوں۔

اور اس سب کچھ کے باوجود زمین کو نباتات اور درختوں کے اُگنے کا مقام، اور دانے، غلے، میوے اور پھل نکلنے کی جگہ بنایا گیا۔ کہیں درختوں کے ہجوم نے جنگل کی صورت اختیار کی۔ اور کہیں دریا اور نہریں جاری ہیں۔ اور کہیں کان نکلتی ہے۔ گویا معدنیات کا خزانہ ہے، کہیں چشمہ جوش مارتا ہے۔ تو کہیں اونچے پہاڑ سر آسمان کو لگائے ہوئے ہیں۔ کہیں تحت الثریٰ تک رگ و ریشہ پہنچائے ہوئے گڑھے، اور ان عجائبات کے باوجود زمین جہان کا بوجھ اپنے اوپر لیے ہوئے ہے۔ مخلوقات سے کئی قسموں کا ظلم قبول کر کے شاہ و گدا کو پناہ دیتی ہے۔ اور اس کا کوئی احسان نہیں مانتا۔ آدمیوں کی خلقت کا مادہ بھی ہے۔ اور ان کی جائے

marfat.com
Marfat.com

معاش، سجدہ گاہ اور محل عبادت بھی، اس کا ایک قطعہ خدا کا گھر ہونے کی طرف منسوب ہے تو دوسرا قطعہ رب العزت کے محبوب، بندۂ خاص کے جسد مقدس کا مدفن۔ ان نورانی مقامات کے سامنے انوار آسمانی گویا کچھ بھی نہیں ہیں۔ آسمانوں میں فرشتوں کی عبادت گاہیں ان تجلیات کے آشیانوں کا رشک دل میں لیے ہوئے۔

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اور شب و روز کے اختلاف میں جو کہ علویات اور سفلیات کے عوارض ہیں۔ آسمائی سورج کی مخروطی شکل کی شعاع جس کا سر سورج کے مرکز سے لگا ہوا۔ اور اس کا نچلا حصہ زمین کے کناروں میں سے ایک کنارے کے ساتھ لگا ہوا ہے دن کی حقیقت ہے۔ اور زمین کا تاریک سایہ جس کا نچلا حصہ آفاق میں سے کسی افق کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اور اس کا سر اس سے مقابل سورج کے نقطہ سے چسپاں رات کی حقیقت ہے۔ اور ان دونوں کا کامل نزاع اور اختلاف ہے۔ یہ تاریک اور وہ نورانی، یہ سرد اور وہ گرم، یہ سیاہ اور وہ سفید، یہ ایک سمت کو جاتی ہے وہ دوسری سمت کو، یہ ایک ملک میں اور وہ کسی دوسرے ملک میں، یہ آرام اور نیند کا وقت اور وہ کام اور کسب کا وقت، یہ خلوت کا وقت اور وہ جلوت کا وقت، یہ چھپنے کا اور وہ ظاہر ہونے کا وقت، اور اگر ہر رات کو دوسری رات کے ساتھ اور ہر دن کو دوسرے دن کے ساتھ اور اسی طرح سال کی راتوں کو سال کے دنوں کے ساتھ قیاس کریں ایسا اختلاف نمودار ہوتا ہے۔ جس کی انتہا نہیں۔ اور دونوں کا رنگ اور لمبائی ایک دوسرے کی ضد پر ہے۔ رات سے جو کم ہوتا ہے دن میں اس قدر زیادتی ہوتی ہے۔ دن رات کا مجموعی دورہ چوبیس (۲۴) گھنٹے ہے۔ چھ (۶) مہینے رات لمبی اور دن چھوٹا اور چھ (۶) ماہ اس کے برعکس۔ اور جہاں قطب زیادہ بلند ہو جاتا ہے بعض اوقات تمام دورہ ایک (۱) دن ہوتا ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر کہ فلک محیط کا قطب سر کے مقابل ہو جاتا ہے چھ (۶) مہینوں تک دن رہتا ہے۔ اور اسی طرح رات۔

اور دنوں اور راتوں میں شادی کا دن اور ماتم کا دن، ولادت کی رات اور وفات کی رات، جنگ اور لڑائی کا دن۔ اور عیش اور جشن کا دن۔ بیماری کا دن اور شفا کا دن، تکلیف کی رات اور راحت کی رات، فقر و فاقہ کی رات اور دولت اور امیری کی رات، چاندنی رات اور

marfat.com
Marfat.com

اندھیری رات، عابدوں کی رات اور چوروں کی رات آپس میں کس قدر اختلاف رکھتی ہیں۔ حالانکہ دونوں سورج کی حرکت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور دونوں حیوان اور انسان بلکہ نباتات اور درختوں کی روزی میں مصروف کار ہیں۔ دونوں ضدوں کا ایک کام پر اتفاق عجیب کاموں میں سے ہے۔ نیز رات کے پہلے حصے میں لوگوں پر نیند کا غلبہ پہلے نفخہ میں موت کا نمونہ ہے۔ اور ان کا طلوع فجر کے نزدیک بیدار ہونا دوسرے نفخہ میں موت کے بعد زندگی کا نمونہ ہے۔ اور فجر مستطیل کے ظہور کے ساتھ رات کی تاریکی کا پھٹ جانا نادر چیزوں میں سے ہے۔ گویا کہ صاف پانی کی ایک نالی گدلے دریا کے درمیان جاری ہے۔ اور آپس میں ہرگز نہیں ملتے۔

وَالْفُلْكِ اور کشتیوں کے چلنے میں۔ اور یہ صنعت اور ترکیب صرف درباہ خداوندی سے حضرت نوح علیہ السلام پر القاء ہوئی حتیٰ کہ غرق ہونے سے امن کا سبب ہوئی۔ اس کے بعد لوگوں میں رائج ہوئی۔ بخلاف دوسری صنعتوں اور ترکیبوں کے جیسے عمارات، چھکڑا اور ہل وغیرہ کہ لوگوں نے اپنی سوچ کے ساتھ بنائے ہیں۔ نیز پانی کی سطح پر کشتی کا چلنا محض قدرت الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لیے کہ پہلے تو یہ پانی کے قوام کے پتلا ہونے پر موقوف ہے۔ اور اسی لیے دریائے شمالی میں جو کہ حد سے زیادہ ٹھنڈک کی وجہ سے سال کا اکثر منجمد رہتا ہے کشتی نہیں چلتی۔ دوسرے کشتی کے مادہ کے خفیف اور ہلکا ہونے پر موقوف ہے کہ کھلے مسام درمیان میں ہونے اور ان کی کثرت کی وجہ سے ہوا کے خفیف جسم کا ظرف بن سکے۔ ورنہ تانبے اور لوہے کا ایک پہیہ وزن کی وجہ سے پانی کی سطح پر نہیں رہ سکتا۔ اور ہزاروں من تانبہ اور لوہا کشتی میں لاد کر ایک ریاست سے دوسری ریاست تک لے جاتے ہیں۔ تیسرے ان ہواؤں کا بھیجنا جو کہ کشتی کے چلنے میں مددگار ہوں۔ اور اعتدال کے اندازے سے چلیں تاکہ موجوں کے تلاطم اور گرداب کے پیچ وتاب کے ٹکراؤ سے بچی رہے۔ خاص کر اَلَّتِیْ وہ کشتیاں جو تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ کہ ٹھاٹیں مارتے ہوئے دریائے شور میں چلتی ہیں جس کا کوئی کنارا نظر نہیں آتا۔ روئے زمین بالکل نظر نہیں آتا، اور پہاڑ، مینار اور راستہ پہچاننے کے دوسرے طریقے بالکل گم، اور وہاں فریادرسی کا راستہ بالکل بند اور

marfat.com
Marfat.com

سورج پانی میں سے طلوع کرتا ہے۔اور اسی میں غروب ہو جاتا ہے۔سورج،چاند،ستاروں اور دریا کے پانی کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔اگر ان کشتیوں میں سوار ہونے والوں کے دِلوں کو بارگاہ خداوندی سے تقویت نہ ملے اس قسم کے سخت حالات پر کس طرح صبر کیا جا سکتا ہے۔پھر یہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہے کہ ہر ملک اور ہر ریاست کو اجناس اور سامانوں کے تحائف میں سے کسی چیز کے ساتھ مخصوص فرمایا۔کہیں سونا زیادہ ہے۔اور پھل نایاب اور کہیں گھوڑے زیادہ ہیں۔اور خوراک کم۔کہیں غلہ کافی ہے۔اور پھل زیادہ مگر سونا کم اور کہیں کوئی چیز کہیں کوئی چیز۔اگر یہ خصوصیتیں نہ ہوتیں تو کون سا آدمی اپنے آپ کو پرخطر سفر اور خطرناک دریا میں ڈالتا تھا،پھر ایک ملک کے سامان کو دوسرے ملک تک منتقل کرنے کے لیے لوگوں میں ضرورتیں ظاہر کیں،اور تجارت کے نفع کا شوق دِلوں میں پختہ کیا حتیٰ کہ وہ اس خیال کی وجہ سے اپنے آپ کو اس قسم کی سختیوں میں ڈالتے ہیں۔اور بعض لوگوں کو حج اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی زیارت کا شوق بے چین کیے لے جاتا ہے۔

## لفظ بحر اور اس کے معنی کی تحقیق—دریائے شور کی خلیجوں کا جغرافیہ

اور لغت عرب میں،بحر دریائے شور کا نام ہے۔اور میٹھے دریا کو بحر نہیں کہتے مگر کبھی مجاز اور استعارہ کے طور پر۔اور دریائے شور کی اصل جو کہ اکثر اطراف سے زمین کی آبادی کو محیط ہے اس قابل نہیں کہ اس میں کشتیاں چلیں،اور آمد و رفت کریں۔اس لیے کہ اس میں آباد جزائر نہیں ہیں۔اور اس کے ساحلی علاقے بھی آباد نہیں ہیں۔لیکن اس بحر محیط کے چند قطعے آباد زمین کے وسط میں آ گئے،اور ایک ملک کے سامان کو دوسرے ملک میں منتقل کرنے کا باعث ہوئے،اور ان میں کشتیوں کا چلنا مروج ہے۔اس میں سے وہ ہے جو جنوب کی طرف سے آیا اور محیط مشرقی کے ساتھ متصل ہے۔اور محیط غربی سے جدا چار شاخیں ہیں۔جب ان چاروں کو مغرب کی طرف سے شمار کریں پہلے سب خلیج بربر ہے۔کیونکہ یہ خلیج ملک حبشہ سے بربر کی حدود سے گزرتی ہے۔اور جنوب سے شمال تک اس خلیج کا طول ایک سو ساٹھ (۱۶۰) فرسخ ہے۔اور اس کا عرض پینتیس (۳۵) فرسخ۔اس کے مغربی بازو پر کفار حبشہ کے شہر ہیں۔دوسری خلیج احمر ہے۔جس کا طول جنوب سے شمال تک چار سو ساٹھ (۴۶۰) فرسخ

marfat.com

Marfat.com

ہے۔اور اس کا عرض منتہی کے نزدیک ساٹھ (۶۰) فرسخ ہے۔ (ہر فرسخ تین (۳) میل کی مسافت ہے۔ ہر میل چار ہزار (۴۰۰۰) گز کا ہوتا ہے۔اور ہر گز چوبیس (۲۴) انگشت یعنی چھ (۶) مٹھی کا ہوتا ہے)،اور جہاں یہ خلیج پوری ہوئی وہاں سے فسطاط مصر تک شہر واقع ہیں۔ اور اس خلیج کے مشرقی بازو ہر سواحل حجاز اور اس کی بندرگاہیں ہیں۔ان میں سے فرضہ ہے۔ جو کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی بندرگاہ ہے۔اور اسی بندرگاہ میں مصر اور حبشہ کے قافلے ملک حجاز میں آتے ہیں۔اور ان میں سے جدہ مبارکہ ہے۔جو کہ مکہ معظمہ کی بندرگاہ ہے۔ پھر یمن کے سواحل بھی اسی خلیج پر ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے مشرقی زاویہ پر عدن کا شہر واقع ہے۔

تیسری خلیج فارس ہے۔اس کا جنوب سے شمال تک طول چار سو ساٹھ (۴۶۰) فرسخ ہے۔اور اس کا عرض ایک سو اسی (۱۸۰) فرسخ کے قریب ہے۔اور اس کے مغربی بازو کے سواحل پر ملک عمان ہے۔اور اسی لیے اس خلیج کو بحر عمان کہتے ہیں۔اور حجاز، یمن اور طائف کی تمام عرب ولایتیں اس خلیج کے مغربی بازو اور خلیج احمر کے مشرقی حصہ کے درمیان واقع ہیں۔اور اسی لیے اس ولایت کو جزیرۂ عرب کہتے ہیں۔اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھی اسی ولایت میں ہیں۔اس خلیج کے مشرقی بازو کے ساحل میں فارس کے شہر پھر ہرموز پھر مکران پھر سندھ کی دوسری بندرگاہیں ہیں۔

چوتھی خلیج اخضر ہے۔اور یہ خلیج بھی جنوب سے شمال کو آتی ہے۔اور مثلث الشکل ہے۔اس کا مشرقی بازو محیط شرقی کے ساتھ متصل ہے۔اور اس کا مغربی بازو پانسو فرسخ ہے۔ اور اس بازو کے سواحل پر آبادی ہے۔اور اسی لیے اسے بحر چین کہتے ہیں۔اور اس بحر کے مغربی گوشے سے بحر فارس کے مشرقی گوشہ تک کو بحر ہند کہتے ہیں۔اس لیے کہ دکن، گجرات اور کچھ کی ولایت اس کے ساحلوں پر واقع ہیں۔اور جو مشرق و مغرب کی طرف سے آتا ہے ایک بہت بڑی خلیج ہے۔ جو کہ مغرب کے اکثر شہروں سے گزرتی ہے۔ اور سوڈان کی سرزمین کے مقابل ہے۔اور مصر اور شام کے شہروں تک پہنچتی ہے۔اور یہ تمام شہر اس کے جنوبی بازو پر ہیں۔لیکن اس کا شمالی بازو اندلس اور صقالیہ کے شہروں پر گزرتا ہے۔ یہاں

marfat.com
Marfat.com

تک کہ روم کے شہروں تک پہنچتا ہے۔ اور وہاں سے اس خلیج کی ایک شاخ صقالیہ کی زمین کے شمال سے گزر کر ملک بلغار پر گزرتی ہے۔ اور اس مقام تک اس خلیج کا طول ایک سو (۱۰۰) فرسخ اور اس کا عرض تینتیس (۳۳) فرسخ ہے۔ اور ان اطراف سے گزر کر مشرق کی سمت کو جاتی ہے۔ اور زیادہ تر خشک پہاڑوں اور غیر آباد زمین پر گزرتی ہے۔ اور اس سے آگے اس کی انتہا معلوم نہیں ہے کہ کہاں ہے۔ یہ ان دریاؤں کا حال ہے۔ جو کہ بحر محیط سے متصل ہیں۔ اور جو بحر محیط سے متصل نہیں۔ پس بحر طبرستان، جیلان، باب الابواب، خزر اور ارمن ہے۔ اس لیے کہ یہ سب ولایتیں اس کے ساحلوں پر واقع ہیں۔ اور یہ بحر مستطیل شکل کا ہے مشرق و مغرب سے دو سو پچاس (۲۵۰) فرسخ سے زیادہ طول رکھتا ہے۔ اور شمال سے جنوب کو دو سو (۲۰۰) فرسخ کے قریب عرض، اور جب اس بحر کو بحر محیط سے متصل دریاؤں کے ساتھ جمع کریں تو بحر محیط کے علاوہ سات بحر عظیم پوری سرزمین میں گنے جاتے ہیں۔ اور سبعۃ ابحر کا لفظ جو قرآن مجید میں آیا اسی کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

اور باوجود یکہ ان سمندروں میں داخل ہونا بہت بڑی ہلاکت ہے اس سے نجات اسی کشتی کی تدبیر سے ہے۔ جو کہ الہام غیبی کے ساتھ انسان کو معلوم ہوئی، اور اس تدبیر میں صرف سمندروں کی ہلاکت گاہوں سے نجات ہی کی رعایت نہیں کی گئی بلکہ یہ کشتیاں ان ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندروں میں چلتی ہیں۔

بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ اس چیز کے ساتھ جو کہ لوگوں کو نفع دیتی ہے۔ جیسے ایک ملک سے دوسرے ملک تک عبور کرنا، اور اسباب، اموال تجارت اور عمارت کی تعمیر کے بھاری سامان کو لے جانا اور لانا۔ اور تھوڑی سی مدت میں پاؤں چلنے کی مشقت اور جانوروں کی سواری کے بغیر جنہیں باندھنا اور ان کا کھولنا اور ان کے چارے اور خوراک کی فکر زندگی کی حلاوت کو خصوصاً دور دراز مقامات پر پہنچنے کے وقت اور تھکاوٹ اور پریشانی کے وقت برباد کردیتی ہے طویل فاصلہ طے کرنا۔ اور کشتیوں کے نفعوں میں سے عمدہ یہ ہے کہ استراحت اور نیند کی حالت میں اس کی وجہ سے مراحل سے کیے جاسکتے ہیں۔ گویا ایک گھر ہے۔ جو کہ پانی کی سطح پر رواں ہے۔ بلکہ ایک شہر ہے۔ جو کہ پرندے کی مانند جارہا ہے۔ کشتی کے سواروں کو بھی

marfat.com

Marfat.com

اپنی تجارت یا اپنے مقاصد تک پہنچنے سے نفع ہے۔ اور ان لوگوں کو بھی جن کے ملک میں یہ کشتیاں لنگر انداز ہوتی ہیں نایاب و مرغوب چیزیں پانے کی وجہ سے نفع ہے۔ اور اسی لیے بما ینفع الناس فرمایا گیا، اور کشتی کے سواروں کے ساتھ تخصیص نہ فرمائی گئی، اور اس لفظ میں کشتی اور بحری جہاز کی سواری اور تجارت سے نفع حاصل کرنے کے جواز پر دلیل ہے۔

وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اور اس میں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے مِنَ السَّمَآءِ آسمان کی طرف سے۔ جو کہ پانی کی جائے قرار اور معدن بالکل نہیں۔ اس لیے کہ طبعی طور پر پانی زمین پر قرار پانے کا تقاضا کرتا ہے۔ پس صرف اس کی قدرت اور رحمت کا اثر ہے کہ اس طرف سے بے شمار دریا اُترتے ہیں۔

مِنۡ مَّآءٍ ایسی قسم کا پانی۔ جو کہ سمندر کے پانی سے علیحدہ ہے ذائقہ میں بھی اور اثر میں بھی۔ کیونکہ سمندر کا پانی شور ہے۔ اور وہ میٹھا۔ سمندر کا پانی کھیتی اور حیوان کی کھال کو جلانے والا ہے۔ اور وہ کھیتوں کی نشوونما میں مدد کرنے والا اور حیوانات کے جسموں کو نفع بخش۔ سمندر کا پانی پیاس بالکل دور نہیں کرتا۔ اور وہ پیاس کا قلع قمع کرنے میں محسوس تاثیر رکھتا ہے۔ سمندر کا پانی سیاہ، گدلا اور غلیظ اور وہ صاف شفاف اور پتلے قوام والا، اور مشترکہ منافع بھی رکھتا ہے۔ جیسے پاک کرنا، نشانات مٹانا، خشک چیزوں کو نرم کرنا اور ہر صنعت میں داخل ہونا بلکہ اپنے جوہر کے اچھا ہونے کی وجہ سے یہ منافع اس میں سمندر کے پانی کے مقابلہ میں اکثر اور بیشتر ہیں۔ خصوصاً بعض صنعتیں اسی پانی پر موقوف ہیں کڑوا پانی ان میں کارآمد نہیں ہوتا یا اسے خراب کر دیتا ہے۔ جیسے غلوں کو پکانا، کچ بنانا، اور مٹھائیاں اور اندرسہ وغیرہ کی ترکیب۔

پھر اس نازل کیے ہوئے پانی کو ضائع نہ فرمایا کہ اس کے اُترنے کے وقت کوئی اس سے نفع حاصل کرے۔ ورنہ پھر اس سے نفع لینے کی راہ نہ رہے۔ بلکہ زمین میں بعض قطعات کو ایسی خاصیت عطا فرمائی کہ وہ پانی اس کے اندر جا کر دوسرے قسم قسم کے چشموں جیسے فواروں، آبشاروں اور دوسرے جاری چشموں سے جوش مارتا ہے۔ اور بعض دوسرے قطعات کو اور خاصیت عطا فرمائی کہ اس پانی کو اپنے اندر کھینچ کر سنبھال رکھا تا کہ جب کوئی

marfat.com
Marfat.com

کنواں یا نہر کھودی جائے وہ پانی نکلے اور کام آئے اور یہ قدر تو تمام زمین میں مشترک ہے کہ اس پانی کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اگر اس پانی کو اپنی تہہ میں نہ لے جائے یا دوسری راہ سے جاری اور ساری نہ کرے تو اپنی قوت نامیہ کو اس سے ضرور بڑھاتی ہے۔

فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا پس اس پانی کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا۔ کہ اس زمین کی معطل شدہ قوت اس پانی کی وجہ سے پھر اپنے کام میں لگ گئی۔ جس طرح حس و حرکت زائل ہونے والا مردہ پھر زندگی میں لوٹتا ہے۔ اور اس سے قسم قسم کے سبزے، گھاس، درخت، بیلیں، شگوفے، گلاب کے پھول اور پھل نکلتے ہیں۔ اور اس میں نالیاں اور نہریں جاری ہوتی ہیں۔ گویا مردے کے جسم کا خشک شدہ خون اس کی رگوں میں نئے سرے سے جاری ہو گیا۔ اور اس کی خالی شدہ ہڈیوں پر گوشت پوست، بال اور اس کے گرے ہوئے ناخن اُگ آئے۔ اور گمشدہ رونق اور تازگی پالی گئی اور گیا ہوا پانی نہر میں پھر سے آ گیا۔ حیوانات کے رزق وافر مقدار میں پیدا ہو گئے۔ اور حیوان کی بے شمار اقسام کی ولادت کا مادہ حاصل ہو گیا۔

وَبَثَّ فِيهَا اور اس تدبیر کے ساتھ اس زمین میں پھیلا دی مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ہر متحرک حیوان کی جنس۔ اس لیے کہ حیوان کی دو قسمیں ہیں، تو لدی جو کہ خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ جیسے ٹڈی، سانپ، بچھو، مینڈک، پتنگے کی اقسام، اور کیڑے مکوڑے اور اس قسم کا وجود اس بارش اور زمین کی چھپی ہوئی حرارت کے ابلنے کے ساتھ وابستہ ہے یا حرارت اور رطوبت کے جمع ہونے کی وجہ سے معتدل بد بو ل جائے۔ اور حیات حیوانی کو قبول کر لے۔

تو الدی جیسے گائے، اونٹ، آدمی اور سب چرنے اور اُڑنے والے جانور، اور اس قسم کی بقا نباتات، غلوں، میووں اور پھلوں کے ساتھ وابستہ ہے کہ اس قسم کی غذا بھی چیزیں ہیں۔ اور ان چیزوں کا وجود بارش آنے اور زمین کی قوت نامیہ کے اُبھرنے پر موقوف ہے۔ اور اگر کوئی اچھی طرح سوچے تو اس حقیقت کو پالے کہ بہار کی ابتدا سے جس طرح درختوں اور سبزوں کی نشو و نما شروع ہوتی ہے۔ اور گرما کے آخر میں انتہا کو پہنچتی ہے۔ اور پختگی پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح حیوانات کے اجسام موسم برسات کی ابتدا سے نشو و نما، بڑھنا اور موٹا

marfat.com
Marfat.com

ہونا شروع کرتے ہیں۔ اور خریف کے اوائل میں کمال حسن و جمال، اور وافر گوشت اور چربی کے ساتھ زیب و زینت پکڑتے ہیں۔ اور دودھ اور فضلات پختگی، پکنا اور قوام کا اعتدال بہم پہنچاتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ جس طرح درختوں میں پتے گرنا، بے رونقی اور سایہ اور پھل کم ہونا شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح حیوانات کے ابدان میں گوشت چربی اور ان کے دودھ کی کمی اور انحطاط محسوس ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بہار کے قرب میں پوری کمزوری اور گوشت، چربی اور دودھ کی قلت ہو جاتی ہے۔ اور جب بارش برسنا شروع ہوتی ہے تو اپنی سابقہ حالت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ہاں آدمی جو اپنے لیے خوراک ذخیرہ کرتے ہیں۔ اور درندے کہ جن کی خوراک دوسرے حیوانات کا گوشت ہے بظاہر اس تبدیلی سے محفوظ رہتے ہیں۔ لیکن آخر میں ان کا بھی کھانے، پینے، رونق اور تازگی میں وسعت کا مدار فصل برسات کے اچھے ہونے پر ہے۔ اور چونکہ یہاں خشکی کے جانوروں کا ذکر ہے۔ جو کہ زمین میں پھیلے ہوئے ہیں وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ کی دلیل سے' تو بحری جانوروں کا بارش کے پانی سے بے نیاز ہونا قابل توجہ نہیں۔ اس کے باوجود علوم حیوان کے ماہرین نے لکھا ہے کہ اگر ایک سال بارش نہ برسے تو دریائی جانور اندھے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی بینائی کمزور ہو جاتی ہے پس وہ بھی بارش کے پانی کے محتاج ہوتے ہیں۔

اور احتمال ہے کہ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ کا جملہ انزل پر معطوف ہو، تو بارش کی دلیل کے علاوہ ایک دوسری دلیل بیان فرمائی ہے۔ لیکن اس صورت میں فیہا کی ضمیر کے لیے کوئی خاطر خواہ مرجع میسر نہیں آئے گا مگر تکلف کے ساتھ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ اور ہر تقدیر پر جو کتاب حیوۃ الحیوان، کتب تشریح حیوانات اور عجائب المخلوقات مطالعہ کرتا ہے وہ اس وسیع کارخانے سے کچھ تعارف حاصل کر لیتا ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔

## ذکر عجائبات حیوانات

اور حیوانات کی عجائبات میں سے یہ ہے کہ قسم قسم کی صورتیں اور بے شمار شکلیں رکھتے ہیں۔ خصوصاً آدمی تمام حیوانات سے صورتوں اور شکلوں کے اختلاف کے ساتھ مخصوص

marfat.com

Marfat.com

ہے، حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ان کے پاس از رہ تعجب کہا کہ شطرنج کا مقدمہ نہایت عجیب ہے کہ شطرنج کا رقعہ باوجودیکہ اتنا طول وعرض نہیں رکھتا لیکن اس میں معمار کھنے کی اس قدر وسعت رکھی گئی ہے کہ اگر ایک شخص ہزار بار کھیلے اس کی دو بازیاں متفق نہیں ہوتیں، ہر بار دوسری بازی ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اس سے بھی زیادہ عجیب شے کی نشاندہی کرتا ہوں جو کہ قدرت الٰہی کے کمال کی دلیل ہے۔ دیکھ کہ آدمی کا چہرہ ایک مربع بالشت بھی نہیں ہے۔ پھر اس میں ہر عضو کے مقامات مقرر ہیں جو کہ بدلتے نہیں، ابرو، آنکھ، کان، ناک اور منہ کو اپنی مقرر جگہوں سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ اس کے باوجود اگر تو اس نوع کے بے شمار افراد کا تجسس کرے تو دو آدمیوں کی صورت میں ایک دوسرے کے مشابہ نہ پائے۔ ہر ایک امتیازی وجہ رکھتا ہے۔ اور اگر یہ تدبیر الٰہی نہ ہوتی تو لوگ ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوتے اور بہت بڑا اشتباہ پڑ جاتا، اور ان کے معاش اور حوائج کا انتظام درہم برہم ہو جاتا۔

اور اگرچہ کشتیوں کا چلنا، آسمان کی طرف سے بارش کا آنا اور زمین میں جانوروں کا پھیلنا اللہ تعالیٰ کی وحدت اور رحمت کے مستقل دلائل ہیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ تمام دلائل ایک دوسری دلیل پر متفرع ہیں۔ اور وہ

## ہواؤں کی گردش کے فوائد

وَتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ اور ہواؤں کو گردش دینے میں مختلف سمتوں سے جیسے مشرق، مغرب، شمال، جنوب اور وہ گوشے جو کہ ان طرفوں میں سے ہر دو طرفوں کے درمیان ہیں۔ اور بدلنا ہے ان ہواؤں کا سردی سے گرمی کے ساتھ اور بالعکس۔ اور تری سے خشکی کے ساتھ اور بالعکس۔ اور تیز سے نرمی کے ساتھ اور بالعکس۔ اس لیے کہ ہواؤں کی گردش اور ان کے چلنے کے ساتھ کشتیوں کی روانی، بارش کا آنا اور اس کا منقطع ہونا وابستہ ہے۔ اور ہر جانور کی زندگی سانس لینے کی جگہوں اور نتھنوں کی راہ سے ہوا کھینچنے کے ساتھ ہے۔ تاکہ اس کے ساتھ اندرونی حرکات کو تسکین دے۔ اور اسے دم بدم دوسری ہوا چاہیے تاکہ اس گرم ہوا کے بدلے اس ہوا کو کھینچے اور اس گرم ہوا کو باہر لائے، اور اگر ہواؤں کی تحریک مناسب طریقے

marfat.com

Marfat.com

سے نہ ہو تو وبائی مواد کی اصلاح نہ ہو، اور جو ہر روح کے فساد، اخلاط کے بدبودار ہونے اور تغیر ارواح کا موجب ہوں۔ اور ہلاکت کا ذریعہ ہوں۔ پھر بارش کے مقدمہ میں ہواؤں کے فوائد اس سے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ کیا جا سکے۔ زراعت اور کاشت کاری کرنے والے زراعت اور پھلوں کی ہر تبدیلی میں ہواؤں کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک بادل کو چلانے، اسے اٹھانے، درختوں کی پیوندکاری، اور پھلوں کے اُگنے اور پکنے میں ان کی تاثیریں محسوس کی جاتی ہیں۔ اور اسی طرح بادل کے اجزا کو جدا جدا کرنے اور اس کے تار و پود بکھیرنے میں اور نظام عالم میں یہ سب چیزیں درکار ہیں۔ ایک وقت بارش چاہیے۔ اور ایک اس کا منقطع ہونا۔ کبھی بادل کا آنا نفع دیتا ہے۔ اور کبھی نقصان۔ پس رحمت الٰہی کا کمال ہے کہ ہر حاجت کے ضروری اسباب مہیا فرمائے۔ اور ہواؤں کے نادر اثرات میں سے لشکروں کی فتح وشکست ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ نصرت بالصبا واھلکت عاد بالدبور یعنی میری باد صبا کے ساتھ مدد کی گئی اور عاد کو پچھوا ہوا سے ہلاک کیا گیا۔

نیز کبھی ہوا بیماری کا سبب ہوتی ہے کبھی باعث صحت۔ اور کبھی بادل کو جمع کرتی ہے۔ اور بارش لاتی ہے۔ اور کبھی بادل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اور زمین کو خشک کرتی ہے۔ کبھی درختوں کو پھل لاتی ہے۔ اور کبھی پھلوں کو بلکہ پتوں کو اُتار پھینکتی ہے۔ اور اسی لیے مسلم اور دوسرے معتبر محدثین کی روایت کے ساتھ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ہوا کے نقصان سے ڈرو تو ہوا کو برا نہ کہو اس لیے کہ ہوا خود بخود نہیں چلتی بلکہ اسے تو حکم دیا گیا ہے۔ تم نے خدا تعالیٰ کا حکم نہیں سنا وتصریف الریاح، بلکہ یوں کہو اللھم انا نسئلك من خیر ھذہ الریح وخیر مافیھا ونعوذ بك من شرھا وشرما فیھا۔

## ہواؤں کی اقسام نیز ریاح اور ریح میں فرق

اور ابن ابی حاتم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ قرآن پاک میں لفظ ریاح جمع کے ساتھ واقع ہو اس سے مراد رحمت کی ہوائیں ہیں۔ اور جہاں ریح

marfat.com

Marfat.com

بلفظ مفرد فرمایا اس سے مراد عذاب کی ہوا ہے۔ جیسا کہ ومن آیاتہ ان یرسل الریاح مبشرات (الروم آیت ۴۶) اور عاد کے واقعہ میں ارسلنا علیھم الریح العقیم، (الذاریات آیت ۴۱) اور حدیث پاک میں جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحاح میں آئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی اشارہ ہے کہ جب ہوا چلنے لگتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے اللھم اجعلھا ریاحا ولا تجعلھا ریحا، اور ابو عبید، ابن ابی الدنیا اور دوسرے محدثین حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے لائے ہیں کہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے ہوا کی آٹھ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے چار آثار رحمت ہیں۔ اور چار آثار عذاب، رہیں آثار رحمت تو ناشرات مبشرات مرسلات اور ذاریات ہیں۔ اور رہیں آثار عذاب تو خشکی میں عقیم اور صرصر، اور سمندر میں عاصف اور قاصف۔

اور ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مضمون روایت کیا۔ نیز عیسیٰ بن ابو عیسیٰ خیاط سے لائے کہ ہوا کی سات قسمیں ہیں صبا، دبور، جنوب، شمال، خروق، نکبا اور ہوائے قائم۔ صبا مشرق سے آتی ہے۔ اور دبور مغرب سے۔ جنوب، جنوب سے۔ شمال، شمال سے۔ نکبا صبا اور جنوب کے درمیان سے، خروق شمال اور دبور کے درمیان سے اور ہوائے قائم مخلوق کے سانسوں کا مادہ ہے۔ اور ابوالشیخ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ لائے۔ اور ابن ابی الدنیا اور ابن جریر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ باد جنوب جنت سے ہے۔ اور یہ وہی ہوا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے لواقح فرمایا ہے۔ اور لوگوں کے لیے اس میں بہت فوائد رکھے اور شمال اصل میں دوزخ سے نکلتی ہے۔ لیکن راستے میں اس کا جنت پر گزر ہوتا ہے تو اسے جنت کا ایک اثر حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ٹھنڈک اسی سے ہے۔ لیکن اس حدیث کا موقع حجاز کے شہر اور اس بازو کے علاقے ہیں۔ اس لیے کہ دریائے شور ان شہروں کے جنوبی حصہ پر واقع ہے جو ہوا اس سمت سے اٹھتی ہے اس میں حد سے زیادہ نمی ہوتی ہے۔ اور کھیتی کی افزائش کرتی ہے۔ بخلاف شمال کے کہ خشک پہاڑوں سے گزر کر آتی ہے۔ جیسا کہ ہندوستان میں باد دبور۔

marfat.com
Marfat.com

اور بخاری اپنی تاریخ میں حضرت ابوالدرداء کی روایت سے لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں ہوا کو پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے آگے مضبوط دروازہ بند کر دیتا ہے کہ اس دروازے کی درزوں سے گزر کر ہوا تمہارے پاس پہنچتی ہے۔ اگر وہ دروازہ کھلا ہو تو ہوا کی تیزی کی وجہ سے آسمان اور زمین کی ہر شے متاثر ہو۔ نیز ابوالشیخ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ اگر تین دن تک ہوا نہ چلے تو آسمان اور زمین کے درمیان بدبو پیدا ہو جائے۔ اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رات، دن، سورج، چاند اور ہوا سے اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو ان چیزوں کو برا مت کہو اس لیے کہ یہ چیزیں خود بخود کچھ نہیں کرتیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کسی قوم پر باعث رنج وعذاب کر دیتا ہے۔ اور دوسری قوم پر موجب رحمت وراحت۔

اور بیہقی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ لائے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہوا پر لعنت کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہوا کو لعنت مت کر۔ اس لیے کہ اسے حکم ملتا ہے۔ اور جو کسی ایسی چیز کو لعنت کرے جو لعنت کی مستحق نہیں وہ لعنت اسی پر واپس آتی ہے۔ نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے لائے کہ جب بھی تیز ہوا چلتی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں زانوؤں پر کھڑے ہو جاتے اور اس طرح دعا فرماتے اللھم اجعلھا رحمۃ ولاتجعلھا عذابا اللھم اجعلھا ریاحا ولاتجعلھا ریحا، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس دعا کی تفسیر کتاب اللہ میں ہے کہ فرمایا ارسلنا علیھم ریحا صرصرًا (القمر آیت ۱۹) وارسلنا علیھم الریح العقیم (الذاریات آیت ۴۱) وارسلنا الریاح لواقح (الحجر آیت ۲۲) ان یرسل الریاح مبشرات (الروم آیت ۴۶)

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ اور اس بادل میں جو کہ اللہ تعالیٰ کے مسخر کرنے کی وجہ سے لٹکتا رہتا ہے بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ آسمان اور زمین کے درمیان۔ حالانکہ پانی کی طبیعت نازل ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ تو اس کا اپنی طبع کے خلاف کرۂ ہوا میں لٹکتے رہنا کس غلبے والے کی اور مسخر کرنے والے کی تاثیر کے بغیر نہیں ہے جو اسے تقاضائے طبعی سے روکتی ہے۔ نیز اگر

marfat.com
Marfat.com

ہمیشہ بادل چھائے رہتے تو بندوں کو بہت بڑا نقصان لاحق ہوتا۔ کہ سورج کی شعاع چھپ جاتی۔ اور رطوبتیں کثرت پکڑتیں۔ اور ضرورتوں کے لیے آمد و رفت بند ہو جاتی۔ اور اگر بادل بالکل نہ ہوتا تو قحط اور خشکی کا موجب ہوتا۔ تو بادل کے مادہ کو ایک مقرر اندازے کے مطابق رکھنا اور ضرورت کے وقت لانا اور ضرورت ختم ہونے کے بعد نیست و نابود چیز کی طرح کر دینا کہ اصلاً اس کا نام ونشان باقی نہیں رہتا یہ سب کچھ نہیں ہے مگر ایک ایسے مدبر کی تدبیر کے ساتھ جو کہ حکمت والا ہے۔

اور کوئی بادل کے جسم میں غور کرے اس کے بہت بڑا ہونے میں بھی۔ اور اس کے تہ نہ تہ آنے میں بھی۔ اور اس کے نیچے اوپر ہونے میں بھی۔ اور اس کے پھیلنے اور کشادہ ہونے میں بھی۔ حتیٰ کہ ایک لحہ بھر میں تمام افق کر گھیر لیتا ہے۔ اور اس کے لحہ بھر میں پارہ پارہ ہونے میں بھی۔ یہاں تک کہ اس کا نام ونشان باقی نہیں رہتا۔ اور اس کی رعد، برق، صاعقہ اور قوس میں بھی اور اس میں آفتاب کی شعاعوں کے منعکس ہونے کی وجہ سے اس کے رنگوں کے مختلف ہونے میں بھی خصوصاً طلوع وغروب کے قریب، اور گرمی کے مارے ہوئے تشنہ لبوں اور صحرا نوردوں پر اس کے سایہ فگن ہونے میں بھی اور اس کے بننے اور ظاہر ہونے میں بھی کہ ٹکڑے ٹکڑے پیدا ہوتا ہے۔ اور آخر میں وزنی پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔ اور آسمان کا چہرہ چھپا دیتا ہے۔ اور غصہ میں بپھرے ہوئے شیر کی طرح شور کرتا ہے۔ اور مست ہاتھی کی طرح بلکہ سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے کی طرح جلدی کرتا ہے۔

لَاٰیٰتٍ دلائل ہیں۔ معبود کی وحدانیت پر بھی۔ اور رحمانیت اور رحیمیت پر بھی۔ لیکن ان آٹھوں دلائل سے ان تین نتائج کا اخذ کرنا تھوڑے سے معقول سلیقہ پر موقوف ہے۔ اور اسی لیے باوجودیکہ یہ آٹھوں دلائل خاص و عام کے مشاہدہ میں ہیں۔ اور ساری مخلوق کی نظر میں جلوہ گر ہیں کہا جا سکتا ہے کہ مخصوص ہیں لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ اس قوم کے لیے جو اپنی عقل کو نظر وفکر میں استعمال کر کے کارفرما ہوتے ہیں۔ اور اسی لیے حدیث پاک میں اس عظیم آیت کے بارے میں وارد ہوا کہ ویل لمن لاکھا بین لحییه ولم یتفکر فیھا یعنی اس پر افسوس ہے۔ جو کہ اس آیت کو اپنے دونوں رجسٹروں کے درمیان میوے کی طرح چبانے پر

marfat.com
Marfat.com

اکتفاء کرے۔ اوران دلائل میں جو اس میں مذکور ہیں غور وفکر نہ کرے۔ اور بعض روایات میں ویل لمن قرء هذه الأية فمج بها وارد ہے۔ یعنی افسوس ہے اس شخص پر جو اس آیت کو پڑھ کر کلی کے پانی کی طرح پھینک دے، اوران دلائل کو دل میں جگہ نہ دے۔

## آٹھوں دلائل مذکورہ کی تینوں مطالب کے ساتھ مطابقت

اوران آٹھوں دلائل کی ان تین مطالب پر عام فہم طریقے سے مطابقت یہ ہے آسمان کے منافع کرزمینی منافع کے ساتھ مربوط کرنے کا ان دونوں میں ایک ہی کی تدبیر کے جاری ہونے کے بغیر تصور نہیں ہوسکتا۔ بلکہ تمام آسمانوں اورزمین کی تمام مختلف ریاستوں میں وہی ایک تدبیر جاری ہے۔ اوراگر ہرآسمان میں اس آسمان کی مدبر ایک روح ہوتی اورزمین میں دوسری روح یا دوسری ارواح کسی تعلق اور ربط کے بغیر تو ایک کے منافع دوسرے کے ساتھ باہم مربوط نہ ہوتے۔ تو اگر ہرآسمان میں اوراسی طرح زمین کے مختلف حصوں میں ارواح مدبرہ موجود بھی ہوں تو بھی لازماً ایک حکم کی مغلوب اورایک حاکم کے زیر تسخیر ہوں گے۔ اور معبودیت کے لائق جو کہ منفرد، مستغنی اور ہر ماسوا پر غالب ہونے کی متقاضی ہے وہی ایک ذات ہوگی نہ کہ مغلوب ارواح جو کہ اپنے خواص اور آثار میں صادر کرنے میں اپنے ہم مرتبہ کی محتاج ہیں۔ اور منفرد نہیں ہیں۔ یہ ہے اس راہ سے وحدت ثابت کرنے کا طریقہ۔

رہ گیا رحمت عامہ اور خاصہ کو ثابت کرنا تو بالکل ظاہر ہے۔ اس لیے کہ زمین میں قسم قسم کی صورتوں کو قبول کرنے والے مواد آسمان کے مختلف اطوار کی وجہ سے جو کہ ان کی تحریک سے معرض وجود میں آتے ہیں یکے بعد دیگرے اس مواد پر گرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ وہ مدبر واحد رحمان بھی ہے۔ اور رحیم بھی۔

اوراسی طرح دن اور رات کا اختلاف معبود کی وحدت اوراس کی رحمت پر دلیل صریح ہے۔ اس لیے کہ اگر ظلمت اور تاریکی کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور روشنی اور چمک کس اور کے ہاتھ یں تو احتمال تھا کہ ان میں سے ہر ایک تاریکی کے وقت روشنی یا روشنی کے وقت تاریکی لائے۔ اور دو نقیضوں کا اجتماع لازم آتا۔ اوراگر ان میں سے ایک اپنے کام میں اس کام کے وقت معطل ہو جاتا اوراسے ممکن نہ ہوتا کہ اپنا تقاضا ظاہر کرسکے تو عاجز

marfat.com

Marfat.com

اور پامال ہوتا۔ اور معبودیت کی قابل نہ رہتا، اور کم از کم اس کارخانے میں خود جھگڑے اور کھینچا تانی نمودار ہو جاتی۔ حالانکہ رات اور دن کا باہم آگے پیچھے آنا اور بڑھنا اور گھٹنا ایک طریقے اور ایک ڈھب پر جاری اور دائمی ہے۔ نیز ان دونوں رنگوں کا جہان میں باہمی تبادلہ حصول اعتدال اور جانوروں کے کام کے انتظام کا سبب ہے۔ کہ تاریکی کا ہمیشہ رہنا جہان کو انتہائی درجہ ٹھنڈا کرنے والا ہے۔ جبکہ نور اور شعاع کا دوام اسے حد درجہ گرم کرنے والا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس کارخانہ کا مدبر اس معقول وجہ کے ساتھ کمال رحمت رکھتا ہے۔ اور اسی طرح معبود کی وحدانیت کے وجود پر کشتیوں کی دلالت بہت روشن ہے۔ کیونکہ کشتیاں جو ہر ارضی غالب رکھتی ہیں۔ اور بلاشبہ جو ہر ارضی پانی سے زیادہ بھاری ہے۔ تو چاہیے کہ پانی کی تہ میں بیٹھ جائیں۔ اور پانی کی سطح پر نہ ٹھہر سکیں۔ اور اگر کہیں کہ اس لکڑی والے ڈھانچے کے اجزا میں ہوا داخل ہو جاتی ہے۔ اور اسے ہلکا کر دیتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سب بھی لازماً کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کے باوجود کشتی کو پتھر، لوہے اور اس قسم کی چیزوں سے پر کرنے کی صورت میں یہ کفایت نہیں کرتا کیونکہ اس وقت ہوا بہت قلیل ہے ان بھاری بھرکم اجسام کو ہلکا کرنے میں اس کے اثر کی پیش نہیں جاتی جیسے کہ لوہے کا بہت تنگ اور ہلکا اندر سے خالی گیند بنائیں اور اس میں بہت سی ہوا پھونک کر اسے بند کر دیں تو لازماً پانی کی تہہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ تو بہتر یہی ہے کہ اسباب کا سفر چھوڑ دیں اور یہ معاملہ بلاواسطہ قیوم مطلق کے ارادہ کے سپرد کر دیں۔ نیز اگر دریائے شور کی روح مدبر کشتیوں کے لکڑی کے جسم کے مدبر اور ہوائی جسم کے مدبر جو کہ اس کے مسام کے اندر اثر کر کے اسے پانی کے اوپر کھڑا رکھتا ہے کے حکم سے مغلوب ہوتی تو قابل عبادت نہ ہوتی۔ کہ مغلوب مدبر معبود ہونے کے لائق نہیں۔ اور اگر مغلوب نہ ہوتی تو ان تمام بوجھوں کو سمندر کے پانی کی سطح پر کیوں گھومنے دیتی ہے۔ اور مزاحمت کیوں نہیں کرتی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں کسی اور کے حکم کے مغلوب ہیں جس نے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ صلح میں ڈال دیا۔ اور مطیع کیا۔

اور اسی طرح اس تدبیر کی رحمت پر دلالت بہت ظاہر ہے۔ پہلے تو غیب سے اس تدبیر کا الہام کمال رحمت ہے۔ دوسرے وہ رحمت جو مسافروں، تاجروں اور ان لوگوں کے

marfat.com
Marfat.com

حق میں ہے جن کے پاس دور دراز کے علاقوں کے سامان اور نفیس چیزیں بہت جلد پہنچ جاتی ہیں اظہر من الشمس ہے۔ اور اسی طرح مقام ہوا سے پانی کا اُترنا حالانکہ پانی ہوا سے زیادہ بھاری ہے اس مقام پر مخالف کس طرح معرض وجود میں آ گیا۔ پھر اگر پانی کے جسم کی روح مدبر جسم ہوائی کی روح مدبر کا غیر ہے تو ملک غیر میں کیسے متصرف ہوتی ہے۔ اور وہ غیر اپنی ملک میں اس کے تصرف میں مزاحمت کیوں نہیں کرتا۔ اگر مقہور و مغلوب ہے تو قابل عبادت نہیں ہے۔ اور اگر مطیع اور مسخر ہے تو دوسرے سے مغلوب ہے۔ جس نے ایک کو اس دوسرے کا مطیع اور مسخر کر دیا ہے۔

اور اس کارخانہ میں رحمت کا ثبوت اس قدر ظاہر ہے کہ بیان سے بے نیاز ہے۔ اس لیے کہ زمین کو سبزوں، درختوں، پھلوں اور میووں کے ساتھ زندہ کرنا جو کہ حیوان کی روزی کے انتظام کا سبب بھی ہے۔ اور ان کے حال کے اچھا ہونے کا باعث بھی۔

اور ہواؤں کی گردش میں وحدت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ اگر جہان کی طرفوں میں سے ہر طرف کا مالک کوئی دوسرا شخص ہوتا تو مختلف سمتوں والی ہوائیں ایک کام میں مصروف نہ ہوتیں۔ حالانکہ بارش کے مقدمہ میں تجربہ سے ثابت ہوا کہ تمام ہوائیں خدمت کرتی ہیں۔ نیز جب بھی ایک سمت سے ہوا کی حرکت ہوتی۔ تو دوسری سمتوں سے ہوتی ورنہ چار سمتوں کے مالکوں میں سے ایک عاجز اور ناقص ہوتا، اور لازم آتا کہ مختلف سمتوں کی ہوائیں ہمیشہ ایک وقت میں جمع رہیں۔ اور جہان کا کاروبار برباد کر دیں۔ اور اس گردش میں رحمت کا ثبوت بھی ظاہر اور روشن ہے۔ جیسا کہ دوران تفسیر اس کا کچھ حصہ گزرا۔ بلکہ بارش، بادل اور کشتی کے کارخانہ کی بنیاد سب کی سب ہوا پر ہے۔ اور درخت اور پھل زیادہ امداد ہوا سے ہی لیتے ہیں۔ اور حیوانات کے سانس ہوا پر موقوف ہیں۔ اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ زندگی برباد ست یعنی زندگی ہوا پر ہے۔

اور اسی طرح بھاری بادل کا آسمان اور زمین کے درمیان لٹکتا کھڑا رہنا جس میں کروڑوں من پانی موجود ہے ایسے قیوم کی تدبیر پر صریح دلیل ہے۔ جو کہ نہ تو ہوا کے طبعی تقاضا کے مطابق اسے اوپر جانے دیتا ہے۔ اور نہ ہی پانی کے طبعی تقاضا کے مطابق اسے

marfat.com
Marfat.com

نیچے گرنے دیتا ہے۔ اور دونوں طبیعتوں کو ان کے تقاضوں سے روک کر اپنے حکم کے نیچے رکھتا ہے۔ اور اگر اس کارخانہ کی ارواح مدبرہ مختلف ہوتیں تو ان میں سے ہر ایک روح چاہتی کہ میں اپنے بادل کو اس جگہ کھڑا کروں تاکہ میرا بادل نہ برسے، اور اس کا بادل برسے۔ تو اس کارخانہ میں بہت بڑا خلل واقع ہو جاتا، اور اس کارخانہ میں وجوہ رحمت اظہر من الشمس ہیں۔

## اسم اعظم

ہم یہاں پہنچے کہ حدیث شریف میں حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے ساتھ وارد ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم قرآن پاک کی ان دو آیتوں میں ہے وَاِلٰھُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اور الٓمّٓ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ (آل عمران آیت ۲) نیز دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ سرکش جنوں پر کوئی چیز ان دو آیتوں سے زیادہ سخت نہیں ہے۔ جو کہ سورۂ بقرہ میں ہیں وَاِلٰھُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ دونوں آیتوں کے آخر تک۔

## جن وغیرہ کے آسیب کو دفع کرنے کی دعا

اور ابن عساکر، ابن رشمہ سے لائے کہ وہ آیات جن کی برکت سے خدا تعالیٰ جن کا آسیب اور جنوں کو دور کرتا ہے جو شخص انہیں ہر روز پڑھے ان چیزوں میں سے جو کچھ ہو گا بالکل ختم ہو جائے گا۔ یہ آیات ہیں وَاِلٰھُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ، آیت الکرسی، سورۂ بقرہ کا آخر۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے لے کر الْمُحْسِنِيْنَ تک، اور سورۂ حشر کا آخر۔ نیز کہتے تھے کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ یہ آیت عرش کے خزانوں پر لکھی ہیں۔ نیز کہتے تھے کہ ان آیات کو اپنے بچوں کے لیے لکھ کر دیں تاکہ گھبراہٹ اور ڈر سے پناہ رہے۔

ان آیات کے مضمون کی ان مقاصد کے لیے مناسبت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آثار ان آیات کے خواص سے ہیں، خواص میں مناسبت تلاش کرنے کی ضرورت نہیں

marfat.com
Marfat.com

ہوتی۔ اور اس کے باوجود کہا جا سکتا ہے کہ اسم اعظم شیون الٰہیہ میں سے کسی شان سے عبارت ہے۔ جس کا عموم و اطلاق ذات مقدس کے عموم و اطلاق کے مشابہہ ہوتا ہے۔ اور اس قسم کی شیون بہت ہیں۔ اور جس طرف سے بھی گہری نظر گہرائی میں اُترے شیون الٰہیہ میں سے کسی ایک شان پر واقع ہوتی ہے جو یہ صفت رکھتی ہے جب عارف اس شان میں عموم و اطلاق کے ساتھ جو کہ اس میں ہے گہری نظر سے دیکھتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ وہی اسم اعظم ہے۔ اسی لیے حدیث پاک چند چیزوں کے بارے میں وارد ہوا کہ اسم اعظم ہے۔

ہمارے زیر بحث مسئلہ میں اگر انعام، احسان، کارکشائی اور ساری مخلوق کی حاجت روائی کی راہ سے گہری نظر ڈالیں تو ساری کائنات کو گھیرنے والی رحمت خواہ ابتدائی ہو یا انتہائی یہ صفت رکھتی ہے۔ کہ اس آیت کا مدلول ہے۔ اور اگر قیومیت مطلقہ اور چھپے ہوئے وجود اور ہستی کو بالقوۃ کے مقام سے بالفعل میں ظاہر کرنے کے اعتبار سے غور کی جائے تو حیی وقیوم کی شان یہ صفت رکھتی ہے۔ جو کہ آل عمران کی آیت کا مدلول ہے۔ اور دونوں نظروں میں فرق یہ ہے کہ نظر اول بالاصل ماہیات کے ملاحظہ، ان کے اپنے تقاضوں کو چاہئے۔ ان ماہیات کے اپنے تقاضوں پر کمالات استعدادی اور استحقاقی کے فیضان پر مبنی ہوئی اور جس کا فیضان استحقاقی ہے۔ اور ظاہر کے مطابق اس کی استعداد نہیں صرف فضل اور انعام ہے۔ اور دوسری نظر ذات اقدس کی ہر چیز کی تقویم حقیقی پر مبنی ہے۔ اس طرح کہ فی نفسہ اسے ہیچ ہے جو کچھ ہے اپنے کمالات کا اظہار ہے۔ اور ہر نظر اپنے مرتبہ میں درست ہے۔ اور حقیقت تک پہنچی۔

اور اسی طرح یہ دونوں آیتیں پہلی آیت اجمالاً اور دوسری آیت تفصیلاً جتلاتی ہیں کہ معبود، رحمٰن اور رحیم ایک ہے۔ ضروریات کا مرجع، بلائیں دور کرنے والا اور آفات سے حفاظت کرنے والا وہی ہے۔ اور جو کچھ اس کا غیر ہے صرف بے حقیقت نمائش ہے۔ اور یہ معنی سرکش جنوں کی کسر شان میں جگر میں تیر کی طرح بیٹھتا ہے کہ ان کی سرکشی کی بنیاد فرعون صفت ہونے اور معبود بننے پر ہے۔ خصوصاً دوسری آیت میں اس امر کی تصریح ہے کہ جنوں کی سیر اور گردش کی جگہ جو کہ آسمان اور زمین ہے۔ اور ان کی شورش کا وقت جو کہ زیادہ تر

marfat.com
Marfat.com

تاریکی اور رات کا وقت ہے۔ اور ان کے کام کا آلہ جو کہ بدن کی بیرونی اور اندرونی ہوائیں ہیں سب کے سب مخلوق اور ایک معبود کے حکم کے مقہور ہیں جو کہ ساری مخلوقات کا حاکم ہے۔ اور جس طرح اس نے شیطانوں کو ایک قدرت بخشی ہے کہ اس کی وجہ سے ایذاء دے سکتے ہیں اسی طرح وہ ایسا کر سکتا ہے کہ دوسری مخلوقات کو ان کا شر دور کرنے کی قدرت بخش دے، اور اس کی رحمت عام ہے۔ اور وہ اس رحمت کے ساتھ ہر مخلوق کی نگہبانی اور اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جو کہ شیطانوں کے لشکروں کی شکست کا باعث ہوتی ہیں۔

## ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ معبود حقیقی کی وحدانیت اور اس کی رحمت کے دلائل گنتی اور شمار کی حد سے باہر ہیں۔ جیسا کہ عربی میں کہتے ہیں

وفی کل شی لہ آیۃ        تدل علی انہ واحد

یعنی ہر شے میں اس کی علامت ہے۔ جو کہ اس کے ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے۔
اور فارسی میں کہتے ہیں ہر گیاہے کہ

از زمیں روید        وحدہٗ لاشریک لہ گوید

یعنی زمین سے جو گھاس اُگتی ہے وحدہ لاشریک کہتی ہے۔

تو اس آیت میں ان آٹھ دلائل کی تخصیص کا باعث کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں جو اس آیت میں ذکر کی گئیں ہر خاص اور عام کے مشاہدہ میں ہیں۔ اور ہر کسی کے سامنے موجود، اور اس کے باوجود ان چیزوں کی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رحمت پر دلالت کئی وجہ سے دوسری مخلوقات کی دلالت سے زیادہ واضح اور قوی ہے۔

اس مبہم مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ معبود کو چاہیے کہ انتہائی تعظیم کا مستحق ہو۔ یہاں تک کہ اس سے اوپر کسی تعظیم کا تصور نہ ہو۔ اور اس جہان میں اگر کوئی کسی کی تعظیم کرتا ہے تو چند چیزوں کی بناء پر کرتا ہے: پہلی چیز یہ کہ اس کی زمین میں سکونت رکھتا ہے۔ جیسے رعایا: دوسری چیز یہ کہ اس کے سائے اور اس کی روشنی میں وقت گزرتے ہیں۔ جیسے لشکری جو کہ خیمہ میں

marfat.com

Marfat.com

آرام کرنے ار مشعل اور چراغ سے روشنی لینے کے لیے سردار کی خوشامد اور چاپلوسی کرتے ہیں.
تیسری چیز یہ کہ اوقات گزارنے کے لیے اس کا محتاج ہو اس وجہ سے اس کی تعظیم کرتا ہے:
چوتھی چیز یہ کہ پرخطر سفر میں اس کی رہنمائی اور نگہبانی کا محتاج ہو جیسے اہل شہر جو کہ اسی وجہ سے دیہات والوں اور گوجروں کے ساتھ چاپلوسی اور خوشامد کے ساتھ پیش آتے ہیں: پانچویں چیز یہ کہ اس کے ہاتھ سے یا اس کے خزانے سے روزی پاتا ہے۔ اور کھاتا ہے۔ جیسے ملازم جو کہ آقاؤں کی تعظیم میں جھکتے ہیں: چھٹی چیز یہ کہ وہ مویشی، سواری اور دوسری نفع بخش حیوانات کو پالتا ہے۔ اور ضرورت کے وقت عاریۃً دیتا ہے۔ اور ان کے دودھ، مکھن اور دہی کے ساتھ سیر کرتا ہے۔ ان لوگوں کی طرح جو کہ عاریۃً سواری اور بار برداری کا جانور لینے اور دودھ اور دہی بخشنے کی امید پر اونٹوں، گھوڑوں اور مویشیوں والوں کی خوشامد کرتے ہیں۔

ساتویں چیز یہ ہے کہ بیماری سے صحت اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور اخلاط بدنی کو سنوارنے اور بگاڑنے کا کام اس کے قبضہ میں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عام لوگ طبیبوں اور اہل تجربہ کے ساتھ تعظیم و توقیر کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اور ٹونے ٹوٹکے والوں اور جھاڑ پھونک کرنے والوں کو کہ جن، دیو اور پری کے آسیب کے مقدمہ میں ان کے محتاج ہوتے ہیں خدائی کے قریب تک پوجتے ہیں۔

آٹھویں چیز یہ کہ عجائب و غرائب والا ہے۔ اور جادو ٹونے خوب جانتا ہے۔ اور ایسی چیزیں ظاہر کرتا ہے جن کی دریافت عقل سے باہر ہے۔ چنانچہ عوام زیادہ تر انہیں کی وجہ سے فریفتہ ہوتے ہیں۔ اور اس کی تعظیم کے لیے سرخم کرتے ہیں۔ تو اس آیت میں معبود کی وحدانیت کے اثبات کے لیے انہیں آٹھ چیزوں کو یاد فرمایا گیا۔ گویا اس طرح ارشاد ہوا کہ اگر تم کسی دوسرے کی بے انتہا تعظیم اس وجہ سے کرتے ہو کہ اس کے مکان میں سکونت رکھتے ہو تو یہ ہیں میرے آسمان اور زمین اور تمام مکانات کا مرجع یہی دو مکان ہیں۔ تو اس اعتبار سے بھی انتہائی تعظیم مجھ میں منحصر ہے۔ اور اسی طرح زمان جو کہ رات اور دن سے عبارت ہے میری ملک ہے۔ اور جس زمانے کو کوئی اپنی طرف منسوب کرتا ہے یا دوسرے کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جیسے روز کالیکا، روز بالو، نوروز، مہربان، یا ہولی یا دوالی تو شب و روز

marfat.com
Marfat.com

میں داخل ہے۔ جو کہ میری ملک ہے۔

اور اسی قیاس پر تمہاری معاش کی انتہا تین چیزوں میں سے ایک کے ساتھ ہے۔ تجارت کہ جس کا عمدہ حصہ دریا اور جہاز ہے۔ اور اسی لیے تاجر کے اچھے مرتبہ میں اس کو مثال کے طور پر لاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فلاں شخص مال کے جہاز روانہ کرتا ہے۔ اور اس پر خطر سفر میں ساتھی اور نگہبانی صرف میری عنایت ہے۔ تیز جہاز اور کشتی جو کہ اس سفر کی سواری ہے اس کا بنانا میرے الہام غیبی سے تم نے سیکھا ہے۔ بخلاف دوسری بنائی گئی ترکیبوں کے جیسے بیل گاڑی اور ہل وغیرہ کہ بنی آدم نے انہیں اپنی سوچ کے ساتھ نکالا ہے۔ اور کھیتی باڑی کہ اس کی بنیاد ہی بارش کے آنے پر ہے۔ اور وہ صرف میرے ارادہ اور رحمت کے ساتھ وابستہ ہے۔

اور مویشیوں کی پرورش کرنا، نسل کو بڑھانا، ان کے دودھ، اون پشم اور کھال حاصل کرنا، حیوان کی زندگی اور بقا اس کی روح اور اعضا کی حفاظت کے ساتھ صرف میری قدرت کے اثر سے ہے کسی کو حیوان کی عمروں میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور اگر اپنے جسموں اور جانوروں کو شفایاب کرنے اور بیمار کرنے میں کسی معبود کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور اس وجہ سے اس کی خوشامد اور چاپلوسی میں مصروف ہوتے ہیں تو ہواؤں کو گردش دینا اور ان کے ذریعے جسموں کو صحت یاب اور بیمار کرنا صرف میرا کام ہے۔ اگر ہزاروں طبیب جمع ہو جائیں۔ اور لاکھوں دوائیں استعمال ہوں تو بھی ایسا نہیں کر سکتے کہ فصلوں کو اپنی طبیعتوں پر کھینچ لیں اور ہر موسم کی ہوا کو اس موسم کی طبع کے مطابق کر لیں یا اس سے زہر اور وبائیت کو دور کر دیں۔

اور اگر جنوں اور شیطانوں سے جو کہ دیو اور پری سے عبارت ہیں ڈر کر ان کے بڑوں یا ٹونے ٹوٹکے پڑھنے والوں کے پاس التجاء لے جاتے ہیں تو وہ بھی مجھ تک پہنچتی ہے کہ شیطانوں اور جنوں کے عمل کا آلہ ہواؤں کا مادہ ہے۔ اور اگر عجائب وغرائب کا تماشہ دیکھتے ہو تو اگر ہزار شعبدہ باز اور مداری جمع ہو جائیں۔ اور دس ہزار طلسم اور جادو بروئے کار لائیں میرے ایک عادی اور ہمیشہ سے جاری فعل کی حکایت نہیں کر سکتے کہ میں بھاری بھر کم بادل کو

marfat.com
Marfat.com

کروڑوں من پانی کے ساتھ حیلہ اور صنعت کے بغیر اور کسی چیز پر وزن رکھے بغیر آسمان اور زمین کے درمیان معلق رکھتا ہوں۔ اور اس سے ایک قطرہ تک نہیں گرتا جب تک کہ میں حکم نہ کروں، اور جب دنیوی نعمتوں میں سے ہر نعمت انہیں چیزوں سے نکلتی ہے۔ اور انہیں کی شاخوں کی ایک شاخ' تو حقیقتاً اور اصالۃً رحمت بھی میرے ساتھ مخصوص ہوگی۔

اور دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ آٹھوں دلائل جو کہ اس آیت میں مذکور ہیں تمام مخلوقات کو جامع ہیں۔ اس لیے کہ آسمان کی پیدائش میں ستارے، برج، فرشتے اور ارواح مندرج ہوئیں، اور زمین کی تخلیق میں نہریں، پہاڑ، چشمے اور کانیں آگئیں، اور دن رات کے اختلاف میں سال، مہینے، گھنٹے، منٹ اور نور وظلمت کی اقسام لپٹ گئیں بلکہ تمام رنگ بھی داخل ہو گئے۔ اور بارش آنے میں فضا کی ساری کائنات پیش نظر ہے۔ اور زمین کو زندہ کرنے میں دانوں، غلوں، میووں، پھلوں، سبزیوں، پھولوں اور کلیوں کی اقسام جلوہ گر، اور ہواؤں کی گردش میں کرۂ ہوا۔ اور آوازوں اور نغمتوں اور تمام آلات عجیبہ کے جہاں کے سارے عجائب جیسے ہوا کی چکی اور چرخہ کہ اسے ہوا کے ساتھ حرکت دے کر کاتتے ہیں۔ اور ساعت پہچاننے کے اکثر اسباب جو کہ وقت پر عجیب وغریب آوازیں دیتے ہیں سمجھے جاتے ہیں۔ اور کشتیوں کے چلنے میں ان تمام گھڑی گئی ترکیبات کی طرف اشارہ ہوا جو کہ موالید ثلاثہ یعنی حیوانات، نباتات اور جمادات سے مل کر تازہ خاصیت بہم پہنچاتی ہیں۔ اس لیے کہ کشتی ایک ایسا مرکب ہے۔ جو کہ بنایا گیا ہے جسم معدنی یعنی لوہے سے اور جسم نباتی یعنی لکڑی سے اور جسم حیوانی یعنی ملاح اور اس کے مددگاروں سے جو کہ ضرورت کے مطابق اسے چلانے میں بادبانوں اور بٹے ہوئے رسوں سے مدد لیتے ہیں۔

اور اس کے باوجود کشتی کا چلنا دو جسم عنصری کے ساتھ وابستہ ہے، پانی اور ہوائے متحرک۔ اور آسمان اور زمین کے درمیان معلق بادل تمام فضائی علامات کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے نیزے، دم دار ستارے، گیسو، ہالہ اور قوس کہ ان سب کا پیدا ہونا ایک نہج پر ہے۔ اور جب یہ چیزیں تمام جواہر کو گھیرنے والی ہوئیں اور عمدہ اعراض کو بھی محیط ہوئیں اور کوئی اور عقل یا حس میں آنے والی مخلوق باقی نہ رہی کہ جس سے استدلال کیا جاسکے۔ نیز یہ آٹھوں

marfat.com
Marfat.com

دلائل جامع ہیں دلیل ہونے اور نعمت ہونے کو۔ اور اس کے باوجود عام نعمتوں میں امیر و غریب ذلیل و شریف، صحیح و مریض، عالم و جاہل، مومن و کافر اور نیک اور بد ان میں یکساں اور برابر ہیں تو ان دلائل ظاہرہ سے توحید و رحمت پر جو کہ حاضر نعمتیں ہیں نشان دینا اس بات کا کمال سبب ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات اس ذات پاک کو عبادت اور محبت کے ساتھ خاص کریں۔ اور اس کے غیر کو اس کے برابر نہ جانیں۔

وَلیکن مِنَ النَّاسِ آدمیوں کے گروہ سے۔ جو کہ شعور اور عقل کے ساتھ تمام مخلوقات سے ممتاز ہیں۔ اور ہر نعمت کے مرتبے کو پہچانتے ہیں مَنْ یَتَّخِذُ ایسے لوگ ہیں جو کہ اپنے لیے پکڑتے ہیں کمال گمراہی کی راہ میں آکر اور حد آدمیت سے باہر ہو کر مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ، اللہ تعالیٰ کے سوا۔ کہ حقیقی منعم اور بالذات محبوب اس کے سوا جہاں میں اور کوئی نہیں ہے اَنْدَادًا خدا کے ہم پایہ۔ حالانکہ اس قدر ظاہری دلائل منع کرتے ہیں اس سے کہ اس کا غیر اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ایک ہو چہ جائیکہ ان تمام خداؤں کا ہجوم، پھر وہ برابری کے اعتقاد پر ہی اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ ہر چیز میں انہیں خدا کے برابر کرتے ہیں حتیٰ کہ

یُحِبُّوْنَهُمْ انہیں دوست رکھتے ہیں کَحُبِّ اللّٰہِ اس دوستی کی طرح جو کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھنی چاہیے۔ اس کے لیے کہ اللہ تعالیٰ کو بالذات اور بالاصالۃ دوست رکھنا چاہیے۔ اور جو اس کے علاوہ ہے یا تو اس کے حکم کے ساتھ محبوب ہے۔ جیسے انبیاء علیٰ نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء و صلحاء یا اس بنیاد پر کہ اللہ تعالیٰ کے کرنے سے اس شخص کی حاجت روائی کا وسیلہ ہوا جیسے مال، اولاد، وطن اور گھر۔ جبکہ یہ لوگ محبت بالذات و بالاصالۃ کا تعلق سمجھے بغیر انہیں دوست رکھتے ہیں۔ تو ان میں سے بعض اپنے ہم جنسوں کو طبیعت کی پستی اور نفس کے کمینہ پن کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت میں برابر کرتے ہیں۔ جیسے عورتیں، بیٹے، آباء و اجداد، احباب، رئیس، بادشاہ اور حاکم۔ اور ان کی محبت کی مساوات کی دلیل یہ ہے کہ جب بھی ان اشخاص کی مرضی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے ساتھ یا آباء و اجداد کے طریقے کا التزام اور رئیسوں، بادشاہوں اور حاکموں کی اطاعت حکم شرع کے خلاف واقع ہو

marfat.com
Marfat.com

تو یہ تردد میں پڑ جاتے ہیں۔ اور حیرت کے گرداب میں پھنس جاتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اس طرف کو ترجیح دینا چاہیے یا دوسری طرف کو۔ انہیں راضی رکھنا چاہیے یا خدا تعالیٰ کو۔

اور بعض اپنی غیر جنس کو جیسے سونا، چاندی، سامان اور جانور، خدا تعالیٰ کے برابر کر دیتے ہیں۔ اور دلی توجہ اور ان کی خبر گیری میں اور ان کے حال کے اہتمام اور انہیں زیادہ کرنے اور بار آور کرنے میں اس قدر منہمک ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی عبادت کے اوقات کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اور ان میں کچھ لوگ ارواح مدبرہ اور مخلوقات پر مقرر کیے گئے فرشتوں یا ارواح انبیاء علیہم السلام، اولیاء، راہبوں، احبار اور علماء کو بندگی خدا اور اس کی بالاستقلال محبوبیت کے تعلق کو ملاحظہ کیے بغیر محبت خدا میں برابر کرتے ہیں۔ اور ان کے نام کی نذریں اور قربانیاں دیتے ہیں۔ اور ان کے احکام کو ان کے ماخذ میں غور کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی وحی ناطق کے برابر شمار کرتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض لوگ ان کے ہیکلوں کی صورتوں، قبروں، معبدوں، مسکنوں اور نشست گاہوں کے ساتھ وہ افعال عمل میں لاتے ہیں جو کہ مسجد اور خانہ کعبہ کے لیے کرنے چاہئیں۔ زمین پر سر رکھنا، ارد گرد پھرنا، اور نماز میں قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونے کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا حالانکہ ان کی یہ محبت اللہ تعالیٰ پر ایمان کا تقاضا نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مفید ہو اور اس کی رضامندی میں کام آئے کیونکہ یہ محبت مخلوق کی محبت سے گزر گئی ہے۔ اور ایمان میں لازم ہے کہ مخلوق اور خالق کی محبت میں فرق کیا جائے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اور جو لوگ ایمان لائے اگرچہ ان چیزوں میں سے بعض کو خدا کے لیے اور اس کے حکم کے ساتھ محبوب رکھتے ہیں۔ اور اس کی نعمت کے پہنچنے کا واسطہ جانتے ہیں۔ اور اس کا مطیع بندہ سمجھتے ہیں۔ لیکن اس حد تک نہیں کہ خدا تعالیٰ کے برابر کر دیں بلکہ وہ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ نہایت سخت اور پختہ ہیں خدا تعالیٰ کی دوستی میں ان چیزوں کی نسبت سے بھی اس لیے کہ خدا تعالیٰ کو بالاصالۃ دوست رکھتے ہیں۔ اور ان چیزوں کو ان میں محبت الٰہیہ کے

marfat.com
Marfat.com

ظہور کی جہت کے اندازے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے اندازے کے مطابق دوست رکھتے ہیں۔ اور جب وہ ان چیزوں میں محبت الٰہی کی جہت نہیں پاتے تو ان کی محبت ان چیزوں کے ساتھ بغض اور عداوت کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ نیز ہر چیز اور کمال کو ذات الٰہی کے ساتھ مخصوص اور اسی کی جناب سے فائض سمجھتے ہیں۔ اور واسطوں کو پہلا سبب نہیں جانتے، اور اگر سبب جانیں تو اسی کے کرنے سے جانتے ہیں۔ جیسے قلم، دوات، سیاہی، کاغذ، منشی، خدمت گار، چوبدار، خزانے کا داروغہ اور پرگنہ کا عامل عطائے خسروی کے پروانہ میں۔

اور اس برابر کرنے والے لوگوں کی محبت کی نسبت سے بھی۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے استحقاق کے بغیر ان چیزوں کے ساتھ دوستی بہم پہنچائی جبکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایمان والوں کی دوستی ذاتی استحقاق کے ساتھ ہے۔ اور جو چیز استحقاق کے ساتھ ہو زیادہ سخت اور زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ س چیز کے مقابلہ میں جو بغیر استحقاق کے ہو۔ نیز ایمان والوں کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی دائم اور باقی ہے۔ اور ان لوگوں کی ان چیزوں سے دوستی زائل اور فانی۔ اس لیے کہ کافر عذاب دیکھتے ہی ان سے بیزار ہو جائیں گے۔ اور نعرۂ محبت کی بجائے بیزاری چاہیں گے۔ جیسا کہ عنقریب آتا ہے۔ نیز اہل ایمان کی اللہ تعالیٰ سے دوستی راحت وشدت، مرض وصحت، شادی غمی اور لذت ورنج میں یکساں ہوتی ہے۔ جبکہ جاہلوں کی ان چیزوں سے دوستی جب دیکھتے ہیں کہ ان چیزوں کی دوستی سے ہمیں کوئی نقصان اور مشقت پہنچتی ہے تو عداوت اور نفرت میں بدل جاتی ہے۔ اور جس وقت اپنے معبودوں اور مشکل کشاؤں کی امداد سے مایوس ہو جاتے ہیں تو ان سے توجہ کا رُخ پھیر لیتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں چنانچہ آیت فاذا رکبوا فی الفلك دعوا اللہ مخلصین له الدین (العنکبوت آیت ۶۵) میں ان لوگوں کے اس حال کی حکایت مذکور ہے۔ اور آیت یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه (عبس آیت ۳۴) میں لکھی ہے۔

## محبت الٰہی کا کیا معنی ہے؟

ہم یہاں آئے کہ محبت خدا کیا معنی رکھتی ہے۔ علمائے ظاہر کہتے ہیں کہ محبت خواہش کی ایک قسم ہے۔ اور خواہش متعلق نہیں ہوتی مگر اس چیز کے ساتھ جس کا ہونا اور نہ ہونا عقل

marfat.com

Marfat.com

کے نزدیک محتمل ہو۔ اور باری تعالیٰ کی ذات وصفات جب واجب الوجود ہیں تو اس کی ذات وصفات کے ساتھ محبت عقل میں نہیں آتی تو محبت الٰہی کا معنی یہی ہے کہ اس کی عبادت اور طاعت کو درست رکھے یا اس کے ثواب اور اس کی رضامندی کو درست رکھے۔

اور اہل سلوک ومحبت کہتے ہیں کہ کمال محبت بالذات ہے۔ اور محبت دل کے مائل ہونے کا نام ہے خواہ کسی غرض پر مبنی ہو یا نہ۔ اس لیے کہ اگر محبت میں کوئی غرض بھی ضرور ہوتی۔ اور ہم ہر چیز کو کسی چیز کے لیے دوست رکھتے تو دور اور تسلسل لازم آتا ہے۔ اور جب بھی ہم اپنے حال سے وجدان اور تجربہ کے ساتھ پاتے ہیں کہ بعض اوقات ہم عالم شخص کو اس سے کسی غرض کی توقع کے بغیر صرف اس کے علم کے لیے دوست رکھتے ہیں۔ اور اسی طرح مرد شجاع کو صرف اس کی شجاعت اور مرد زاہد کو اس کے زہد کی وجہ سے تو ذات اقدس الٰہی جو کہ ہر کمال کی جامع ہے۔ اور ہر کمال اس کا ذاتی ہے کیوں محبوب نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی یاد جتنی زیادہ کی جائے۔ اور اس کی قدرت وحکمت کی علامات کو جتنا زیادہ تر نظر میں لایا جائے۔ اور اپنے اوپر اور تمام مخلوقات پر اس کی نعمت واحسان کو جتنا زیادہ ملاحظہ کیا جائے وہ محبت ترقی اور زیادتی اختیار کرتی ہے۔ یہاں تک کہ سلطان محبت دل پر غالب آجاتا ہے۔ اور اس کے غیر کی طرف توجہ نہیں رہتی، اور نفسی حظوظ سے فنا حاصل ہوتی ہے۔

## محبت الٰہیہ کی علامت

اور محبت الٰہیہ کی علامت یہ ہے کہ اس کے محبوں اور محبوبوں کو دوست رکھے۔ اور اس سے بغض رکھنے والوں، اور جن پر وہ ناراض ہے انہیں دشمن سمجھے۔ اس کی نافرمانی کے قریب نہ جائے۔ اور عبادت کو پوری خوش دلی اور شوق سے ادا کرے۔ اور خوش دلی کے ساتھ اس کی راہ میں مال قربان کرے۔ اور بے شمار آیات اور احادیث میں محبت کو اس بارگاہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں لفظ خلیل ارشاد فرمایا گیا۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت کو نجات کے دلائل میں سے بہترین قرار دیا گیا۔ جیسا کہ صحیحین میں وارد ہے کہ ایک بدوی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ اور اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے لیے کیا تیاری کی

marfat.com
Marfat.com

ہے کہ اس کے آنے کے متعلق پوچھتا ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں نے نہ روزے زیادہ رکھے۔ اور نہ زیادہ نمازیں۔ اس قدر ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے ساتھ تہ دلی سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا خوش رہ۔ ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہے۔

## محبت کی حقیقت

اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ محبت، ارادہ اور خواہش سے وراء ایک جدا کیفیت ہے۔ اور اس کیفیت کا نتیجہ مجبوری کے ساتھ کسی چیز کی طرف جھکاؤ ہے۔ ہاں یہ کیفیت چونکہ ارادہ والی چیزوں کے غیر میں پیدا نہیں ہوتی تو ارادہ کے مشابہہ ہو جاتی ہے۔ نیز کبھی یہ کیفیت نفع ونقصان کے تصور کے بعد ارادہ اور خواہش کی طرح دل پر وارد ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اسے عین ارادہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ کیفیت نہ ارادہ ہے۔ اور نہ ارادے پر موقوف ہے۔ بلکہ اگر کوئی کیفیت اس کیفیت کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے تو وہ جسموں کا طبعی جھکاؤ ان کے مکانوں کی طرف ہے۔ اس قدر فرق ہے کہ یہ جھکاؤ ارادہ والی مخلوق میں ہوتا ہے۔ اور وہ جھکاؤ ارادہ سے خالی مخلوق ہیں۔ اور یہ جھکاؤ دل اور روح میں ہوتا ہے اور وہ جھکاؤ بدن اور جسم پر خصوصاً وہ محبت جو کہ کسی غرض کے ساتھ بالکل ملوث نہیں ہوتی' جیسے اپنے بیٹے اور اپنے نفس کی محبت مکان کی طبعی محبت کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہے۔ اسی لیے بعض عرفاء نے فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر عنصر کا جھکاؤ اپنے اصلی مقام کی طرف ہوتا ہے۔ میری شورش مستانہ کا راز میرے اصل کی کشش ہے۔ اور ایک دوسرے عارف نے فرمایا۔ تو مقناطیس ہو گیا ہے تو ہمارے دل تیری کشش کی وجہ سے تیری طرف جھکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ بندے کی محبت کو ان محبتوں کے زمرے سے نہ سمجھا جائے جو کہ کسی غرض اور کسی نفع ونقصان کے تصور اور کچھ حاصل ہونے کی امید پر مبنی ہوتی ہے۔ اور آیات واحادیث کی تاویل میں قدم نہ رکھنا چاہیے، اور اسی لیے عتاب کے مقام پر فرمایا: **یحبونهم کحب الله**۔ اس لیے کہ مخلوق کی محبت کا انداز اور ہوتا ہے۔ اور محبت خالق کا رنگ جدا۔ بلکہ اگر ان لوگوں کی محبت کے حال کو جو کہ مخلوقات کو خدا کے برابر کردیتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں۔اور محبت میں اس کے برابر کرتے ہیں اچھی طرح کھنگالیں تو لازماً ان کی وہ محبت کسی نفع اور ضرورت کے وقت کسی مدد کے خیال پر مبنی پائیں گے۔اگر چہ اس محبت کے لائق بھی حضرت حی لا یموت کی ذات پاک ہے نہ کی مخلوقات لیکن ان لوگوں کی بصیرت کی نگاہ پر مضبوط پردہ پڑ گیا اللہ تعالیٰ کے غیر میں امداد کے معتقد ہو جاتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کو حلیم اور برباد سمجھتے ہیں۔اور اس کی غیرت اور اس کے عذاب کی شدت سے ڈرتے ہیں۔

وَلَوْ يَرَى اور اگر جانیں الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا جو لوگ ظلم کرتے ہیں خدا تعالیٰ کے ہمسر بنانے اور انہیں نذروں، قربانیوں، عبادت، طاعت اور محبت میں خدا تعالیٰ کے برابر کرنے کی وجہ سے

اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ جس وقت کہ دنیا میں عذاب الٰہی دیکھتے ہیں۔کوئی مصیبت آنے یا بیماری پیدا ہونے یا غربت کے غلبہ کی وجہ سے۔اور جس وقت کہ ان چیزوں کی امداد کی توقع رکھتے ہیں، کہ ہمارے پاس آئیں۔اور ہمیں اس عذاب سے خلاصی دلائیں، اور ان کی توقع کے مطابق واقع نہیں ہوتا

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا اس مضمون کو کہ تمام کاموں میں قدرت اور طاقت صرف خدا تعالیٰ کے لیے ہے۔مال، اولاد، یار دوست، بادشاہ، حاکم، پیغمبر (علیہ السلام)، پیر، فرشتہ اور کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مدد نہیں کر سکتے۔اور اگر انہیں اپنے طور پر کوئی قوت بھی ہوتی اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہیں برابر کرنا ہرگز روا نہ تھا۔اس لیے کہ خدا تعالیٰ غیور ہے۔مخلوق کو اس کے برابر کرنے سے غضب فرماتا ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ اور یہ کہ خدا تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔تو اپنے ہمسر قرار دیئے ہوؤں سے دست بردار ہو جاتے بلکہ بیزار ہو جاتے۔لیکن یہ لوگ اس وقت ان دونوں مسائل کو بھی نہیں جانتے بلکہ عذاب الٰہی کو ہمسروں کی ناخوشی اور ان کی ناراضگی اس کوتاہی پر جو کہ ان کی نذریں، قربانیاں، طاعت، عبادت اور محبت میں کی گئی ہے محمول کرتے ہیں۔اور ان کی رضا اور چاپلوسی میں کوشش کرتے ہیں۔ہاں اس وقت جان لیں گے جبکہ انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

marfat.com
Marfat.com

وَاِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا جب بیزار ہو جائیں گے وہ جن کی اتباع کی گئی۔ اوران کے کہنے پر لوگوں نے خدا کے ہمسر بنائے۔ جیسے گمراہی کے پیشوا' بے دین رئیس' اور حکام اور وسوسہ ڈالنے والے شیاطین مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا ان لوگوں سے جو ان کے تابع ہو کر کفر میں پڑ گئے تھے۔ اور وہ دنیا میں اپنا بازار گرم کرنے کے لیے لوگوں کو جھوٹے وعدے دیتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ اگر آخرت میں تمہیں کوئی نقصان پہنچا تو ہمارے ذمہ ہے اس وقت پہلو تہی کریں گے، اور کہیں گے کہ ہم ان سے واقف نہیں ہیں۔ اور ہم نے انہیں اس کفر کا مشورہ نہیں دیا تھا تا کہ ان کے کچھ عذاب کا تحمل لازم نہ آئے۔ لیکن یہ پہلو تہی کرنا اور بیزاری کا اظہار کرنا بھی فائدہ نہ دے گا۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ علام الغیوب ہے ان کے گمراہ کرنے پر مطلع ہے انہیں فارغ نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ اپنی سزا پائیں گے۔

وَرَاَوُا الْعَذَابَ اور مخلوق کو گمراہ کرنے کی وجہ سے عذاب بھی دیکھیں گے۔ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ اور ان کے حق میں خلاصی کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے۔ کیا تابعیت اور متبوعیت' اور کیا رشتہ داری اور دوستی' اور کیا انکار' بیزاری اور گریز۔ اور کیا پکے وعدے اور قسمیں جو کہ دنیا میں ایک دوسرے کے امداد اور تعاون کے لیے باندھے تھے۔ اور جب پیروی کرنے والے دیکھیں گے کہ ہمیں گمراہ کرنے والوں نے ہماری مددگاری سے پہلو تہی کر لی اس وقت جانیں گے کہ ہمسر بنانا نری غلطی تھی۔ اور ہر چیز میں قدرت اور طاقت صرف خدا تعالیٰ کے لیے ہے۔ ورنہ ہمارے گمراہ کرنے والے ہمسر' مدد کرتے اور یہ ہم سے نہ بھاگتے۔ نیز جان لیں گے کہ حق تعالیٰ گرچہ حلیم اور بردبار ہے۔ لیکن غیور ہے۔ اور اس کی غیرت کی شدت کا اثر اس کے عذاب کی شدت ہے کہ ہمارے گمراہ کرنے والوں نے اس سے اس قدر ہراساں ہو کر ہم سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔ لیکن اس وقت ان دونوں مسائل کو جاننا کچھ مفید نہ ہوگا۔ اور مجبوراً کف افسوس ملیں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا اور گمراہ کرنے والوں کے پیچھے چل کر کفر میں گرنے والے اور خدا تعالیٰ کے ہمسر بنانے والے جب دیکھیں گے کہ یہاں ہمارے گمراہ کرنے والوں کو ہم سے بیزاری کرنے اور کنارہ کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور انہوں نے گمراہ کرنے کا عذاب

marfat.com
Marfat.com

دیکھا اور چکھا تو معلوم ہوا کہ بیزاری کی جگہ دنیا تھی نہ آخرت اور وہ ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تو کہیں گے

لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً کاش ہمیں دنیا میں پھر لوٹنا ہوتا کہ ہم ان سے اپنا انتقام لیں۔ فَنَتَبَرَّءَ مِنْهُمْ تو ہم بھی ان سے دنیا میں بیزاری کریں۔ اور بیزار ہونا ہمیں نفع دے۔ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا جس طرح انہوں نے یہاں ہم سے بیزاری اختیار کی۔ اگرچہ انہیں اس بیزاری نے نفع نہ دیا لیکن یہ محال آرزو حسرت وافسوس کے سوا نہیں کوئی نفع نہ دے گی، اور ان کے حق میں اسی ایک حسرت پر اکتفاء نہ ہوگا۔ بلکہ

كَذٰلِكَ اسی طرح يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حق تعالیٰ ان کے تمام اچھے بُرے اعمال دکھائے گا

حَسَرٰتٍ حسرتیں ہی حسرتیں۔ فقط دلوں کی حسرتیں ہی نہ رہیں بلکہ ان حسرتوں کے آثار سخت مصیبتیں ہو کر پڑیں عَلَيْهِمْ ان پر۔ اس لیے کہ ان کے اچھے اعمال جیسے خیرات، صدقات اور وہ عبادتیں جو کہ خداتعالیٰ کے لیے کرتے تھے کفر کی وجہ سے نامقبول اور ضائع ہوئیں۔ ان اعمال پر انہیں حسرت ان کے نامقبول اور ضائع ہونے کی وجہ سے ہو گی۔ اور ان کے بُرے اعمال جیسے ہمسروں کی پوجا، نذریں اور قربانیاں جو کہ ان کے نام پر دیتے تھے غیرت الٰہی کی شدت اور اس کے عذاب کی شدت کا موجب ہوئے۔ ان اعمال پر ان کی حسرت ان کی قباحت اور نقصان کی وجہ سے ہوگی۔ اور یہ حسرتیں ختم ہونے والی بالکل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ان حسرتوں کا ختم ہونا عذاب کے خاتمہ کی وجہ سے ہے جبکہ ان سے عذاب کا منقطع ہونا اس وقت ہوگا کہ وہ دوزخ سے باہر آئیں۔

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ اور وہ دوزخ سے باہر آنے والے نہیں ہیں۔ اگرچہ ایمان والے جو کہ گناہوں کی شامت کی وجہ سے دوزخ میں آئے تھے، پیغمبروں علیہم السلام اور قرآن پاک کی شفاعت سے یا ایمان کی بنا پر باہر آئیں گے۔ اور عربی کے قاعدہ کے مطابق جو کہ معتزلہ کے نزدیک بھی تسلیم شدہ ہے۔ جیسا کہ ما انا قلت کی ترکیب میں اس کی تصریح کی گئی ہے اور کہا ہے کہ مسند الیہ کو ایسے اسم صفت سے پہلے لانا جو کہ فعل کے معنی میں

marfat.com

Marfat.com

ہے۔ اور اسے حرف نفی کے متصل لانا مسندالیہ کے ساتھ نفی کو خاص کرنے کا موجب ہے۔ اور اس کے غیر کے لیے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ اس بات پر صریح دلیل ہے کہ مومن گناہ گار دوزخ میں آنے کے بعد اس سے باہر آئیں گے۔ تا کہ دوزخ سے باہر نہ آنا کافروں کے ساتھ خاص ہو۔

اور جب انہیں معلوم ہو گیا کہ اغواء اور گمراہ کرنے والوں کی خدا تعالیٰ کی ناراضگی میں پیروی کرنا یہ نتیجہ دیتا ہے کہ حسرت وافسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کسی طرح چھٹکارا میسر نہیں آتا۔ پس

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو! حکم شرع کے خلاف اپنے پیشواؤں کے پیچھے لگ کر چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو، کیونکہ اس قسم کی پیروی بھی شریک بنانے کی ایک قسم ہے۔ جیسے یہودی بعض چیزوں کو جو کہ ان کی منسوخ شریعت میں حرام تھیں جیسے اونٹ کا گوشت، اس کا دودھ، چربی، دنبہ اور ناخن والے جانور جیسے کبوتر، شترمرغ کو اب بھی حرام سمجھتے ہیں۔ اور مشرکین مکہ بحیرہ، وصیلہ، سائبہ اور حام کو حرام جانتے ہیں۔ اور ہندو گائے اور بھینس کے گوشت کو، اور عرب کے بعض قبائل جو کہ بنوثقیف، بنوعامر بن صعصعہ، خزاعہ اور بنومدلج ہیں گھی اور پنیر کو، اور بعض تکلفاً عبادت کرنے والے مسلمان ٹھنڈے پانی اور لذیز کھانے کو، اور بعض جاہل اپنی یا عزیزوں کی بیماری میں نذر باندھتے ہیں کہ فلاں کھانے پینے کی چیز کو میں نے اپنے اوپر حرام کیا تا کہ شفا حاصل ہو۔ اور بعض ناعاقبت اندیش کسی غصے اور غیرت کی بنا پر قسم کھا کر کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اپنے اوپر کسی چیز کو حرام کرنا گویا کارخانہ خدائی میں شرکت ہے۔ کیونکہ حلال اور حرام قرار دینے کا منصب تو اسی کا ہے۔ دوسرے کے لائق نہیں کہ اس کی ملک میں تصرف کرے۔ اور اس قبیح فعل کو پورے طور پر ترک کرنا یوں ہے کہ جس طرح ان چیزوں کی حرمت سے توبہ کرو اسی طرح

كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ کھاؤ اس سے جو زمین میں ہے۔ اس لیے کہ زمین اور اس میں جو کچھ ہے خدا تعالیٰ کی ملک ہے۔ اور تم اس کے بندے، اور جب مالک نے اپنے بندے کو اپنی ملک میں سکونت عطا کی تو اس کی روزی بھی اسی ملک پر تنخواہ رکھ دی۔ ہاں اتنا

marfat.com
Marfat.com

چاہیے کہ وہ چیز

حَلٰلًا حلال ہو کہ آخر الزمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت میں اس سے منع نہ کیا گیا ہو۔ نیز چاہئے کہ وہ چیز طَیِّبًا پاک ہو غیر کے حق سے۔ اور اسے لوٹ کھسوٹ خیانت۔ دھوکہ۔ رشوت۔ سود اور چوری کے ساتھ اس کے مالک سے نہ لیا ہو۔ اس لیے کہ کوئی چیز اپنی ذات میں حلال ہو لیکن دوسرے کا حق اس سے متعلق ہو اور وہ دوسرا اس کے کھانے پر راضی نہیں ہے تو یوں ہوا کہ کوئی پاک چیز نجاست سے آلودہ ہو گئی۔ اور ناپاک ہو گئی۔ اور پاک نہ رہی، اور جب کسی چیز میں یہ دونوں شرطیں جمع ہو جائیں، تو اس کے کھانے سے پرہیز نہ کرو۔ اس لیے کہ پھر بھی اس چیز سے پرہیز کرنا خلاف شرع شیطانی وسوسہ ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اور شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو۔ اور اس کے قدم بقدم مت چلو۔ کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں تم اپنی طرف سے دوسرا حکم لاتے ہو۔ جس طرح کہ شیطان نے حکم الٰہی کے مقابلہ میں جو اسے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے بارے میں ہوا تھا ایک شق نکال لی تھی کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ اور تم شیطان کی پیروی کس طرح اختیار کرتے ہو حالانکہ

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ تحقیق وہ تمہارا ایسا دشمن ہے۔ جو کہ اپنی دشمنی کھلے عام ظاہر کرتا ہے۔ اور جس شخص نے اپنے دشمن کی پیروی کی اس نے دیدہ دانستہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ اور اس کی تمہارے ساتھ دشمنی صرف اسی حلال کو حرام کرنے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ ہر چیز میں تمہاری دشمنی کرتا ہے۔ اس لیے کہ

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ نہیں حکم دیتا وہ تمہیں۔ اور مشورہ نہیں دیتا مگر بِالسُّوْٓءِ اعمال میں بدی کے ساتھ تاکہ تم اخروی عذاب کے مستحق ہو جاؤ۔ وَالْفَحْشَآءِ اور بے حیائی اور اخلاق میں بے مروتی کے ساتھ تاکہ مخلوق اور خالق دونوں کی نظر میں تم حقیر ہو جاؤ۔

وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اور یہ کہ تم خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہوئے وہ کہو جس کی حقیقت تم نہیں جانتے ہو۔ تاکہ تم کفر کی تصریح میں گرفتار ہو جاؤ، اور

marfat.com
Marfat.com

تمہارے اعتقادات جو کہ تمہارے ایمان کا سرمایہ ہے برباد ہو جائیں۔

اور اگر کوئی کہے کہ بعض اوقات شیطان ان چیزوں کے علاوہ اور باتوں کا حکم بھی دیتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ اسے شیطان صبح کی نماز کے لیے بیدار کرتا تھا۔ اس لیے کہ ایک دفعہ صبح کی نماز ان سے فوت ہو گئی تھی۔ وہ اس قدر روئے تھے کہ رحمت الٰہی کے دریا نے جوش مارا اور اسے کئی گنا زیادہ ثواب اسی وقت عطا فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان اپنے ہر امر و نہی میں بدی کا قصد رکھتا ہے۔ اگرچہ اس بدی کے ضمن میں اسے کوئی نیکی بھی پہنچتی ہے۔ مثلاً کبھی ایسی چیز سے جو بہت بہتر ہوتی ہے دوسری چیز کی طرف کھینچتا ہے۔ جو کہ بہتری میں اس سے کم تر ہوتی ہے۔ تا کہ آہستہ آہستہ اسے اپنے حکم کی اطاعت میں مطیع کرے۔ اور اسے نری بدی میں لگا دے۔ اور کبھی اس چیز سے جو کہ نیک ہوتی ہے۔ لیکن اسے حاصل کرنا آسان کسی ایسی چیز کی ظرف کھینچتا ہے۔ جو کہ نسبتاً زیادہ نیک اور زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ تا کہ مشقت کی زیادتی کی وجہ سے اس سے نفرت پیدا کرے۔ اور چھوڑ دے، اور وہ اس سے محروم رہے۔ اور کبھی کسی کام میں ثواب عظیم حاصل ہونے کے خوف سے کسی ایسے کام میں مصروف کرتا ہے۔ جس میں اتنا ثواب نہیں ہوتا۔ اگرچہ نیک ہو۔ جیسا کہ بزرگ کے واقعہ میں کیا۔ پس اس کا مقصد اس ثواب سے محروم کرنا تھا نہ کہ نماز کی ادائیگی۔

قصہ مختصر جس نے قرآن پاک یہاں تک سنا ہو گا یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ شیطان، بارگاہ خداوندی کا ملعون اور اس کی رحمت سے دھتکارا ہوا شخص ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ اس کی دشمنی موروثی ہے۔ اور وہ انہیں گمراہ کرنے پر کمر بستہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب حکم دینے والا ملعون اور مردود ہو تو اس کا مامور اور مطیع کیا ہو گا۔ نیز جب حکم دینے والا موروثی دشمن ہو وہ مامور کو کیا حکم دے گا۔ اگرچہ اس آیت کا ورود حلال کو حرام قرار دینے سے منع کرنے میں ہے۔ لیکن ان دو قیود سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے میں احتیاط کرنا چاہیے تا کہ حلال پاک ہو اور جو چیز حلال نہ ہو جیسے مردار، خون، شراب، خنزیر اور دوسرے درندہ اور نجاست کھانے والے جانور یا حلال تو ہو مگر غیر کے حق کے تعلق کی وجہ سے

marfat.com
Marfat.com

پاک نہ ہو جیسے غیر کی ملک اس کی اجازت کے بغیر جیسے بھیڑ، بکری جو کسی سے چھینی ہو یا وہ کھانا جو بطور رشوت لیا ہو اس کا کھانا جائز نہیں۔

اسی لیے ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک دن یہ آیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پڑھی جارہی تھی کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسی حالت میں عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات بنائے۔ آپ نے فرمایا کہ اے سعد اپنے کھانے میں بہت احتیاط کر کہ حلال اور پاک ہو۔ حتیٰ کہ تو خود مستجاب الدعوات ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ قسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ بعض اوقات ایک آدمی اپنے پیٹ میں لقمہ حرام ڈالتا ہے۔ اور اس لقمہ کی نحوست کی وجہ سے چالیس دن تک اس کی دعا قبول نہیں ہوتی اور جس شخص کا گوشت حرام، سود اور رشوت کے ساتھ اُگا ہو جہنم کی آگ اس سے زیادہ لائق ہے۔

اور عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ہر وہ قسم اور نذر جو کہ آدمی سے غصہ کی حالت میں سرزد ہوتی ہے خطوات شیطان میں داخل ہے۔ نیز حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے لائے کہ ایک شخص نے ان کے پاس کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو اپنے زانوؤں کے بل چل کر خانہ کعبہ کا حق ادا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خطوات شیطان سے ہے۔ سوار ہو کر حج کر اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر۔ نیز حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت لائے کہ ایک شخص نے نذر باندھی تھی کہ اپنی ناک میں سونے کا چھلا ڈالے تو حضرت جابر بن زید (رضی اللہ عنہ) نے اسے فرمایا کہ یہ سب کچھ خطوات شیطان سے ہے۔ قسم کا کفارہ ادا کر اور یہ کام مت کر کہ تو ساری زندگی مصیبت میں گرفتار رہے گا۔ نیز ابومجلز سے لائے کہ وہ **لاتتبعوا خطوات الشیطٰن** کی تفسیر میں کہتے تھے کہ اس سے مراد معصیت کی نذر ماننا ہے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ لوگ شیطان کے جال میں گرفتار ہو کر اپنے آباء و اجداد کی رسم تحریم حلال پر اس طرح اصرار کرتے ہیں کہ اسے شریعت خداوندی سے زیادہ تر سمجھتے ہیں حتیٰ کہ

marfat.com
Marfat.com

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا اَنْزَلَ اللّٰهُ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی پیروی کرو جو خدا تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ اور شیطان کے وسوسہ اور اپنے آباء واجداد کے طریقے کو چھوڑ دو قَالُوْا کہتے ہیں کہ ہم خدا کے حکم کی پیروی نہیں کرتے اس لیے کہ ہم میں یہ قابلیت کہاں کہ حکم الٰہی کی حقیقت کو دریافت کر سکیں۔ نیز یہ یقین کہاں سے حاصل کریں کہ تم نے جو کچھ کہا ہے حکم الٰہی ہے۔

بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا بلکہ ہم اس رسم ورواج کی پیروی کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے گزشتہ آباء واجداد کو پایا۔ جو کچھ وہ قدیم زمانے سے کھاتے تھے ہم بھی کھاتے ہیں۔ اور جس چیز کو وہ حرام جانتے تھے ہم حرام سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے گزشتہ آباء و اجداد زیادہ دانا اور عقل مند تھے۔ اگر وہ اس رسم ورواج میں کوئی نقصان پاتے تو ان کا یہ معمول کبھی نہ ہوتا۔ نیز اگر ہم اپنے آباء واجداد کی مخالفت کر کے کھانے اور پینے میں بیبا کی کریں تو مخلوق خصوصاً اپنے رشتہ داروں اور کنبے والوں کے مطعون ہوں گے، اور وہ ہمیں برادری سے خارج کر دیں گے۔ اور ہمارے ساتھ بیٹھنا اُٹھنا، باہم نکاح اور کھانے پینے کا تعلق ختم کر دیں گے۔ جیسا کہ ہندوؤں میں اسی عذر کی وجہ سے بقال، کایہ اور راجپوت وغیرہ اپنے رواج اور رسم سے نہیں پھرتے، اور بعض جاہل مسلمان بھی ان سے سیکھنے کی وجہ سے بیوگان کا نکاح ترک کرنے اور دوسری باطل رسموں میں اسی قسم کے عذر بیان کرتے ہیں۔

اور ابن اسحاق اور ابن ابی حاتم، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لائے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہودیوں سے ہم کلام ہوئے۔ اور انہیں اسلام کی خوبیاں اس قدر سمجھائیں اور قبول اسلام کو ترک کرنے میں انہیں اس قدر لاجواب فرمایا کہ کوئی عذر کی گنجائش نہ رہی۔ اور بات یہاں ختم ہوئی کہ رافع بن خارجہ اور مالک بن عوف اور ان کے دوسرے دانش مندوں نے کہا کہ آپ کے دین کی سچائی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ہم اس کی پیروی کرتے ہیں جس پر اپنے آباء واجداد کو پایا وہ ہم سے زیادہ عالم اور اچھے تھے تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ان سے پوچھیے

marfat.com
Marfat.com

یعنی کیا وہ اپنے باپوں کی پیروی ہر حال میں کریں گے خواہ صحیح ہوں یا غلط۔
وَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ اگرچہ آباء واجداد ہوئے ہوں کہ الولد سر لابیہ کے مطابق ان کی عقل کا نمونہ یہ ہیں

لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا کہ کسی چیز کو نہیں سمجھتے تھے۔ اچھی بُری اور نفع ونقصان اور پاگلوں کی طرح بے ربط حرکتیں کرتے تھے۔

وَّلَا يَهْتَدُوْنَ اور نہ ہی کسی کے سمجھانے اور راہ دکھانے پر راہ پاتے تھے۔ اس لیے کہ کسی کے سمجھانے سے وہی سمجھتا ہے۔ جسے کچھ عقل وشعور ہو۔ جبکہ انہیں معاد کی عقل بالکل نہیں ہے گو معاش کی عقل رکھتے ہوں۔ اور بالکل ظاہر ہے کہ اگر کسی کے آباء واجداد پاگل اور بے عقل گذرے ہوں وہ ان پاگلوں کی پیروی نہیں کرے گا تو یہ لوگ ہر حال میں اپنے آباء واجداد کی پیروی اپنے لئے کس طرح اختیار کر سکتے ہیں۔ اور یہ اپنے آباء واجداد کی معاشی عقل پر فریفتہ ہو کر دین کے معاملہ میں ان کے اقوال وافعال کی پیروی کرتے ہیں تو صریح غلطی ہے۔ اس لیے معاش کی عقل اور ہے۔ اور دین کی سمجھ اور۔ ان کے آباء واجداد دین کے مقدمات کو بالکل نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان مقدمات میں وہ انسانیت کی حد سے باہر نکل گئے تھے، اور سننا کہ انسان کلام کو سنتا ہے یا مضمون کو سمجھنا اور نفع ونقصان اور اچھائی برائی کو دریافت کرنا انہیں بالکل حاصل نہ تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ بلاشبہ کافر تھے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان کی مثال جو کہ کافر ہو جاتے ہیں۔ دین کے مقدمات کو سمجھنے اور دوسروں کو وہ مقدمات سمجھانے میں بالکل كَمَثَلِ الَّذِيْ اس لَا يَعْقِلُ جانور کی مثال ہے۔ جو کہ يَنْعِقُ کوے کی طرح جمع کرنے یا بھگانے کے لیے آواز نکالتا ہے بِمَا لَا يَسْمَعُ ان حروف اور اوزان کے ساتھ کہ خود بھی ان حروف واوزان سے نہیں سنتا اِلَّا دُعَآءً مگر بلانے کو وَّنِدَآءً اور آواز کو اور وہ کام جس کے لیے بلاتا ہے یا وہ چیز جس سے ڈراتا یا بھگاتا ہے اسے اس آواز سے بالکل دریافت نہیں ہوتی، اور جب خود کو دریافت نہ ہو تو دوسرے سننے والوں کو کس طرح دریافت ہو، اور جب اصل مطلوب اور جس سے بھاگنا ہے دریافت نہ ہو تو اس کا نفع ونقصان کو خصوصاً آخرت میں کس طرح دریافت ہو گا۔ پس سمجھنے

marfat.com
Marfat.com

کے بغیر یہ سننا نہیں ہے۔ اسی لیے کہا جا رہا ہے کہ تمام کفار خواہ پیشوا یا پیروکار' خواہ آباء و اجداد ہوں یا اولاد صم بہرے ہیں کہ کچھ نہیں سنتے، اور اگر بالفرض اس سننے کو سننا اعتبار کریں تو بلاشبہ حق کے اظہار اور اس کے مقتضا کے مطابق بولنے میں بکم گونگے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی زبان سے حق کا اظہار نہیں ہو سکتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب حقیقت میں نظر کرنے میں عمی اندھے ہیں۔ جب انہوں نے اس حقیقت ہی کو نہ پایا تو اسے بیان کس طرح کر سکتے ہیں۔ اور جب سمجھنا احساس کی فرع ہے۔ اور محسوسات، معقولات کا ابتدائیہ ہیں۔ اور انہوں نے ان مبادیات کو گم کر دیا ہے۔

فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ پس وہ مقدمات دین میں کچھ عقل نہیں رکھتے۔ گو جانوروں کی طرح معاش کی رکھتے ہوں۔ اور جب انہیں مقدمات دین میں کوئی سمجھ نہ ہوئی تو ان کی پیروی بالکل پاگلوں کی پیروی ہوئی۔

## چند فوائد

یہاں چند فائدے باقی رہ گئے۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ یٰاَیُّهَا النَّاسُ عام خطاب ہے مسلمانوں اور کافروں کو حالانکہ حنفیہ اور اکثر اہل اصول کے نزدیک کفار فروع دین کے ساتھ مخاطب نہیں ہو سکتے اور یہ خطاب فروع کے ساتھ خطاب ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ کافر جب ثواب کی اہلیت نہیں رکھتے تو اس عمل کے ساتھ جس پر مرتب ہونے والا حکم ثواب ہوتا ہے مخاطب نہیں ہو سکتے۔ رہیں عادات اور معاملات کے قبیلے سے مباح چیزیں کہ ان کا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ نہ تو ان کے کرنے سے ثواب کی توقع ہے۔ اور نہ ان کے نہ کرنے سے عذاب کا خطرہ یہ حکم نہیں رکھتیں۔ ان کے ساتھ کافر کو بھی خطاب ہوتا ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہاں اس آیت کے سیاق میں الفینا کا لفظ واقع ہوا جبکہ سورۂ مائدہ اور سورۂ لقمان میں وجدنا فرمایا۔ ایسا کہنے کی وجہ کیا ہے؟ اہل عربیت نے لکھا ہے کہ الفی ہر صورت میں دو معنوں کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ اور وجد دو معنوں میں مشترک ہوتا ہے۔ ایک معنی میں ایک مفعول کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ اور دوسرے معنی میں دو مفعول

marfat.com
Marfat.com

کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ تو قرآن پاک کے پہلے مقام میں جو لفظ کہ دو مفعول کے ساتھ متعدی معنی میں صریح نص تھا لائے اس لیے کہ مقصود وہی معنی ہے۔ اور آنے والے مقام پر وجدنا کے لفظ کی شہرت کی بنا پر اکتفاء فرمایا اس لیے مقصود معنی کا قرینہ پہلے گزرا ہے۔ اور اہل تدقیق نے کہا ہے کہ الفی اور وجدا اگرچہ اصل معنی میں مشترک ہیں جو کہ کسی صفت پر پانا ہے۔ لیکن الفی زیادہ تر ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جو عقل سے پائے جاتے ہیں۔ اور وجد زیادہ تر محسوس چیزوں میں۔ اور جب اس سورۂ میں پہلے مذکور ہوا ہے کہ یہ لوگ درحقیقت شیطان کے تابع ہیں۔ اور اس کی دشمنی سے بے خبر، اور شیطان اور اس کی دشمنی محسوس نہیں ہے تو مناسب ہوا کہ یہاں ان کے فریب کھانے کے مقام میں لفظ الفی استعمال ہو، اور سورۂ مائدہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ دور جاہلیت کے پرانے لوگ بحائر اور سوائب کو حرام کرتے تھے، اور خدا تعالیٰ پر افتراء کرتے تھے، اور یہ دونوں امر محسوس اور سنے ہوئے تھے۔ اور اسی طرح سورۂ لقمان میں اس بات کا ذکر ہے کہ بعض لوگ عقلی اور شرعی دلیل کے بغیر مقدمات دین میں جھگڑتے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ امر بھی محسوس اور سنا گیا ہے۔ اس لیے یہاں ان دونوں سورتوں میں لفظ وجد مناسب ہوا۔

تیسرا فائدہ یہ کہ اس سورۂ میں لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا ارساد ہوا جبکہ سورۂ مائدہ میں اسی آیت کی مثل میں لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا۔ یہ فرق کس نکتے پر مبنی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذمت کے مقام پر عقل کی نفی علم کی نفی سے زیادہ سخت ہے۔ اس لیے کہ آدمی عقل مند ہونے کے باوجود جاہل ہوسکتا ہے۔ جبکہ بے عقل نہیں ہوتا مگر بچہ یا پاگل۔ اور جب یہاں کفار نے بل نتبع ما وجدنا کہہ کر صریح عناد اور انکار کیا تو یہاں ان کے پیشواؤں سے عقل کی نفی مناسب ٹھہری۔ اور سورۂ مائدہ میں کفار سے صرف اس قدر حکایت ہوئی کہ حسبنا ما وجدنا علیہ آباء نا اور اس دعویٰ کے رد میں علم کی نفی بھی کفایت کرتی ہے۔ اس لیے کہ جہالت پر اکتفا نہیں ہوسکتا۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اس آیت میں دو طریقوں سے تقلید کے ابطال کا اشارہ ہے۔ پہلا یہ کہ مقلد سے پوچھنا چاہیے کہ تو جس کی تقلید کرتا ہے تیرے نزدیک حق پر ہے یا نہیں؟ اگر

marfat.com
Marfat.com

اس کا حق پر ہونا نہیں پہچانتا تو اس کے باطل ہونے کے احتمال کے باوجود تو اس کی تقلید کیوں کرتا ہے۔ اور اگر تو اس کے حق پر ہونے کو پہچانتا ہے تو کس دلیل کے ساتھ پہچانتا ہے۔ اگر دوسرے کے تقلید کرنے کی وجہ سے پہچانتا ہے تو بات اس میں چلے گی اور تسلسل لازم آئے گا۔ اور اگر عقل کے ساتھ پہچانتا ہے تو اسے معرفت حق میں صرف کیوں نہیں کرتا، اور اپنے آپ پر تقلید کی عار کو گوارا کرتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے۔ اگر اس نے بھی اس مسئلہ کو تقلید کے ساتھ جانا ہے تو تو اور وہ برابر ہو گئے۔ اسے کیا ترجیح رہی کہ تو اس کی تقلید کرتا ہے۔ اور اگر اس نے دلیل کے ساتھ جانا ہے تو تقلید اس وقت پوری ہوتی ہے جب تو بھی اسی مسئلہ کو اسی دلیل کے ساتھ جانے۔ ورنہ اس کا مخالف ہو گا نہ کہ مقلد۔ اور جب تو نے بھی وہ مسئلہ دلیل کے ساتھ جانا تقلید ضائع ہو گئی۔

(اقول و باللہ التوفیق - یاد رہے کہ یہاں جس تقلید کا رد ہے وہ ایمان اور عقائد میں تقلید ہے۔ کیونکہ ایمان مقلد معتبر نہیں۔ جیسا کہ کتب عقائد میں اس کی صراحت ہے۔ فروع و جزئیات میں تقلید جو کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید ہے درست اور معمول اُمت ہے حتیٰ کہ مفسر علام خود حنفی مقلد ہیں۔ چنانچہ صاحب تفسیر روح البیان زیر آیت نصیبھم غیر منقوص (سورۃ ھود) فرماتے ہیں وفی الآیۃ ذم التقلید وھو قبول قول الغیر بلا دلیل وھو جائز فی الفروع والعملیات ولا یجوز فی اصول اللہ والاعتقادیات بل لابد من النظر والاستدلال۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ پہلے پارے میں اس آیت کی مانند آیت میں فَھُمْ لَایَرْجِعُوْنَ فرمایا۔ اور یہاں فَھُمْ لَایَعْقِلُوْنَ۔ یہ فرق کس وجہ سے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس پارہ میں منافقوں کے بارے میں تھی جو کہ ایمان تک پہنچ کر اس سے دور جا پڑے تھے، اور یہ طاقت نہ رکھتے تھے کہ پھر ایمان کی طرف رجوع کریں جبکہ اس پارے میں کافروں کے بارے میں ہے جنہوں نے سرے سے ایمان کو پہچانا ہی نہیں۔ اور کبھی اس سے آشنا نہ ہوئے۔ اور اس کے حسن کو نہ سمجھے۔ تو ہر لفظ اپنے مقام پر اس حد تک موزوں ہے

marfat.com
Marfat.com

کہ وہاں دوسرا لفظ نہیں لایا جا سکتا۔

اور جب اس ضرب المثل سے معلوم ہوا کہ کفار جب تک شیطان کے جال میں گرفتار ہیں خطاب الٰہی کو سمجھنے کی قابلیت بالکل نہیں رکھتے، اور حیوانات کی طرح انہیں عقل معاد کے بغیر عقل معاش نصیب ہوئی۔ تو اس حالت میں ان سے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی پیروی کا کیا امکان؟ اس لیے کہ اتباع اس وقت ہو سکتی ہے جب اسے انسان کے سننے کی طرح ادراک اور شعور کے ساتھ سنیں اور سمجھیں۔ اور پھر اسے ایک دوسرے سے بیان کریں۔ جبکہ وہ اس معاملہ میں بہرے، گونگے۔ اور اندھے ہیں۔ پس سمجھنا چاہیے کہ یاایھا الناس میں خطاب عام صرف حجت لازم کرنے اور عذر دور کرنے کے لیے ہے۔ مقصود بالذات خطاب ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ اسی لیے دوسری مرتبہ خطاب کو خاص کر کے ہم فرماتے ہیں

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اور تمہارے حواس اور عقلیں مقدمات دین کو دریافت کرنے میں صحیح اور درست ہیں۔ بے کار نہیں۔ تو سمجھو کہ ایمان اور محبت خداوندی کے تقاضا کے لائق نہیں کہ تم لذیذ اور مزے دار چیزوں کے کھانے سے پرہیز کرو بلکہ ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حکمت الٰہی کو اس سے مقصود حد تک پہنچاؤ، اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے کھانے کے لیے پیدا فرمایا ہے ان سے حد مقصود انہیں کھانا ہے۔ اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ عطا فرمائے اسے پوری دل جمعی اور خوشی کے ساتھ جہاں اسے منظور ہے استعمال کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ عشاق نے معشوقوں کے ہاتھ سے کڑوی شے کو بھی میٹھا سمجھ کر کھایا ہے۔ تو

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ان حلال اور پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں روزی عطا فرمائی ہے۔ اگرچہ ذائقہ میں لذیذ اور قیمتی ہوں۔ اور اگر تمہیں اس بات کا خوف ہے کہ اگر ہم اس طرح کی لذیذ اور اچھی چیزیں کھائیں گے تو حظ نفس میں گرفتار ہو جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پیچھے رہ جائیں گے۔ تو ایسی تدبیر کرو کہ عین حظ نفس میں مشغول ہونے میں عبادت میں بھی مصروف رہو۔

marfat.com
Marfat.com

وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اور اللہ تعالیٰ کے لیے شکر کرو۔ اس لیے کہ لذیذ نفیس شے کا کھانا جو کہ طبعی طور پر مرغوب ہو شکر کو دل کی گہرائی سے نکالتا ہے۔ اور اس قسم کا شکر ایک عمدہ عبادت ہے جو کہ منعم حقیقی کی محبت میں اضافہ کرنے کا موجب ہے۔ اور اس قسم کی عبادت جیسا کہ اس کا حق ہے نفس کے لذت حاصل کیے بغیر ادا نہیں ہوتی۔ تو اس لذت حاصل کرنے کو وسیلۂ عبادت بناؤ۔ اور وسیلۂ عبادت کو عبادت سمجھو۔ اور یہی ہے عارفوں کی شان کہ عادتوں کو عبادت بنا لیتے ہیں۔

ہاں ناقص لوگ عبادت کو نفس کشی، فقر و فاقہ، خشک چیزوں کے کھانے اور چیتھڑے پہننے میں منحصر خیال کرتے ہیں۔ اس بنا پر کہ ان کی طبیعت اسی عبادت سے الفت رکھتی ہے۔ اور وہ اپنے مقتداؤں سے اسی قسم کی عبادت کو دیکھتے سنتے آئے ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ خالص عبادت خداوندی نہیں ہے۔ بلکہ اپنی طبیعت اور عادت کی رضا کی بھی اس میں ملاوٹ ہے۔ جس طرح کہ کسی حکمت کی بنا پر مالک اپنے کسی غلام کو راحت، نیند اور آرام کرنے کا حکم نہ دے، اور وہ غلام کم نگاہی کی وجہ سے سمجھے کہ یہ چیزیں مجھے اپنے مالک کی خدمت سے باز رکھتی ہیں۔ تو چاہیے کہ میں نیند، آرام اور راحت کو ترک کر دوں، اور مشقت طلب خدمات میں کوشش کروں کہ یہ اطاعت حقیقت میں اپنے وہم اور خیال کی اطاعت ہے نہ کہ اپنے مالک کی اطاعت۔ تو تم ایسا نہ کرنا۔

اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ اگر تم خالص اسی کی عبادت کا قصد کرتے ہو۔ اور اپنے وہم، خیال، الفت اور عادت کو دخل نہیں دیتے ہو۔ کیونکہ عبادت سے مقصود معبود کی رضا مندی ہے۔ جس طرح بھی راضی ہو۔ (بیت) گر سلطان دیں مجھ سے طمع چاہے تو اس کے بعد قناعت کے سر پر خاک

## شکر کے لئے لذائذ ونفائس کا استعمال

اور جس طرح نفس کو توڑنا اور لذائذ کو چھوڑنا ایک قسم کی عبادت کا موجب ہے۔ جو کہ صبر ہے۔ اسی طرح کھانے پینے کی خداداد نعمتوں میں وسعت کرنا عبادت کی ایک اور قسم کا موجب ہے۔ جو کہ شکر ہے۔ بلکہ یہ قسم محبت کی راہ تک کھینچ لیتی ہے۔ اور معبود کی محبت بڑی

marfat.com
Marfat.com

بنیاد ہے۔ اور اس کے باوجود شکر اس دربار پاک سے مطلوب بھی ہے۔ تو اس کے اسباب اور موجبات کو ترک کرنا اس دربار کی طلب کے خلاف راستہ پر چلنا ہے۔ جس سے بندگی میں رخنہ پڑتا ہے۔

اور معتبر راویوں کی روایت کے ساتھ حدیث قدسی میں آیا کہ انی والجن والانس فی نبأ عظیم اخلق ویعبد غیری وارزق ولشکر غیری یعنی میں جنوں اور انسانوں کے ساتھ عجیب قصہ میں واقع ہوا ہوں کہ پیدا میں کرتا ہوں اور وہ عبادت دوسروں کی کرتے ہیں۔ اور رزق میں دیتا ہوں اور وہ شکر دوسروں کا کرتے ہیں۔

اور فقہا نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جو کہ بندہ تک پہنچتی ہیں ان کا کھانا مباح ہے۔ اور جو امر کلوا میں وارد ہے اجازت کے لیے ہے شرعی تکلیف کے لیے نہیں۔ لیکن کبھی کھانا واجب بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس وقت جب مرنے کی قریب ہو جائے۔ اور کمزوری کی وجہ سے چلنے کی طاقت نہ رہے۔ اور کبھی مستحب ہوتا ہے۔ جیسا کہ مہمانوں کی موافقت کے لئے۔ اور حضرت زید بن علی بن الحسین علیہ السلام جو کہ شہید کے نام کے ساتھ مشہور ہیں سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص ان تین موقعوں پر کھانا کھانے اور پکانے میں تکلف کرے تو اس کا حساب نہیں ہوگا۔ اور آخرت کے حساب میں معاف ہوگا۔ مہمانوں کے لیے اگرچہ خود بھی اس طعام سے کھائے۔ روزہ دار کی سحری اور افطار کے لیے گو خود ہو۔ اور بیمار کے لیے جو کہ طعام کی رغبت کم رکھتا ہے مگر جنس کی نفاست کے ساتھ۔

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے بعض نے لذیذ اور نفیس چیزوں کی اباحت میں نص صریح کے باوجود از رہ احتیاط ان کے کھانے میں منعم سے ہٹ کر نعمت میں مصروف ہونے اور نفس پروری کا موقع اختیار کرنے کا خوف محسوس کر کے عام لوگوں کو اس سے ڈرایا ہے۔ اور مقتدا ہونے کے منصب کی حفاظت کی بنا پر خود بھی اس سے پرہیز فرمائی، اور اسی ملکتبہ فکر سے وہ ہے جو ابن سعد، حضرت عمر بن العزیز رضی اللہ عنہ سے لائے کہ آپ نے ایک دن اپنی مجلس میں فرمایا کہ میں نے رات مالیدہ کھایا تھا۔ اس سے پیٹ میں ہوا ہو گئی۔ اس لیے کہ اس قسم کے کھانوں کی مجھے عادت نہیں۔ خوشامدیوں نے عرض کی اے

marfat.com

Marfat.com

امیر المومنین! حق تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ کُلُوْا مِنَ طَیِّبَاتِ مَارَزَقْنَاکُمْ وَاشْکُرُوااللّٰہَ. آپ لذیذ کھانے کیوں نہیں کھاتے۔ آپ نے فرمایا حیرت ہے کہ تم نے اس آیت سے کیا سمجھا؟ طیب سے مراد کمائی کا حلال ہونا ہے نہ کہ نفاست اور لذت۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا مگر پاک اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اس چیز کا حکم دیا جس کا پیغمبروں علیہم السلام کو حکم دیا پس فرمایا یاایھا الرسل کلوا من الطیبات، واعملوا صالحا (المؤمنون آیت ۵۱) اور فرمایا یاایھاالذین آمنوا کلوا من طیبات مارزقنکم، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کا ذکر فرمایا جو دراز سفر کر کے پریشان سر بکھرے بالوں کے ساتھ اور غبار سے اٹا ہوا حج کے لیے جاتا ہے۔ اور وہاں آسمان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر عرض کرتا ہے یارب یارب حالانکہ اس کی خوراک حرام، اس کی پوشاک حرام اور اس کا پینا حرام، اور عمر کی ابتدا سے اس نے حرام کے ساتھ پرورش پائی۔ اس کی دعا کہاں قبول ہو، اور یہ حدیث صحیح مسلم، ترمذی اور دوسری معتبر کتابوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ موجود ہے۔

لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اس توجیہہ پر متاخرین نے دو طرح سے اعتراض کیا ہے۔ پہلا یہ کہ اگر طیبات سے مراد حلال چیزیں تھیں تو حرف ن جو کہ تبعیض کے لیے ہے مناسب نہ ہوتا۔ اس لیے کہ حلال سارے کا سارا کھانے کا ہے تو حلال کے کھانے کو بعض کے ساتھ کیوں مقید فرمایا جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں تبعیض کے معنی کو کھانے کی حلال چیزوں کے اجزاء پر نظر کر کے سمجھنا چاہیے نہ کہ اس کے افراد پر نظر کر کے کہ اشکال لازم آئے، اور جو چیز حلال ہے اس کے بعض اجزاء حرام ہیں انہیں نہ کھایا جائے۔

## ذبح شدہ جانور کی سات چیزیں حرام ہیں

جیسے خون، غدود، دونوں شرم گاہیں، کپورے، مثانہ، پتہ، اور مغز حرام۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ نیز ہر کھانے کی چیز سے سیری سے زیادہ کھانا اس حد

marfat.com

Marfat.com

تک کہ ہیضہ پیدا کرے حرام ہے۔ تو ہر حلال سے کھانے کی اجازت اس کے بعض کے ساتھ مقید ہوگی۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر طیب سے مراد حلال ہو تو گزشتہ آیت یعنی یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلٰلا طیبا میں بے فائدہ تکرار لازم آئے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے فائدہ تکرار نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت کھولنے والی صفت ہے اس بات کو جتلانے کے لیے کہ حلال چیز جس طرح شرعاً جائز ہے۔ اسی طرح پاک اور پاکیزہ بھی ہے کہ اس میں نجاست کی آلائش نہیں۔ اور بالفرض اگر طیب سے مراد حلال ہو تو لازم نہیں ہے کہ اس کی لذیذ چیزوں کی وسعت سمجھی جائے۔ اس لیے کہ طیب کے معنوں میں علمائے سلف نے بہت اختلاف کیا ہے۔ اور لذیذ اور طبیعت کو خوش لگنے والی شے اس کے معنوں میں سے ایک معنی ہے۔ کیا ضروری ہے کہ وہی معنی مراد ہوں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ طیب، حلال سے زیادہ خاص ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا کسب کسی گناہ کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔ جیسا کہ تجارت میں جھوٹی قسم اُٹھا کر فروغ دینا، اور کرایہ پر لینے کے معاملات میں جانوروں کی پشت پر زیادہ بوجھ رکھنا، اور کاشکاری میں بیلوں اور کارکنوں سے ان کی ہمت سے زیادہ کام لینا۔

اور بعض نہ کہا ہے کہ حلال وہ ہے کہ مفتیانِ شرع اس کے حلال کا فتویٰ دیں، اور طیب وہ ہے کہ اپنے دل میں بھی اس کی حرمت کا شبہ نہ ہو۔

## گروی مکان کے کرایہ کا بیان

جیسے گروی مکان کا کرایہ اور گروی زمین کی پیداوار کہ مالک رضا و رغبت کے ساتھ حلال کر دیتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے علمائے دین اس سے منع نہیں کر سکتے۔ لیکن گروی رکھنے والا اپنے دل میں سمجھتا ہے کہ اس کی یہ رضا و رغبت قرض کی محتاجی کی وجہ سے ہے تو یہ رضا کے معنی میں نہیں ہے۔ اور انہیں صورتوں کے بارے میں حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ استفت قلبك ولو افتاك المفتون یعنی اگرچہ مفتی تجھے فتویٰ دے دیں مگر اپنے دل میں سے فتویٰ پوچھ۔

marfat.com

Marfat.com

اور بعض نے کہا ہے کہ حلال طیب وہ ہے۔ جو کہ بقدر ضرورت روزمرہ کے خرچ کے طور پر اکتفاء کرے۔ اور نفس کو اس کے حقوق کے سوا نہ دے، اور اس کی خوشیوں پر دل نہ رکھے۔ مثلاً کھانے کی چیز سے بھوک دور کرنے کے اندازے پر اکتفاء کرے۔ اور پوشاک سے ستر پوشی اور گرمی و سردی دور کرنے کے اندازے پر اور جائے سکونت سے اس قدر عورتوں کا پردہ ہو بارش اور گرمی و سردی کو روک سکے۔ اور کیا ہی اچھا کہا گیا۔

حضرت لقمان بانسری کے گلے اور سرنگی کے سینے کی طرح تنگ جھونپڑی رکھتے تھے۔ آپ ساری رات پیچ و تاب میں رہتے۔ اور دن میں آدھے دھوپ میں۔ ایک فضول آدمی نے ان سے پوچھا کہ یہ کیسا گھر ہے چھ بالشت اور تین کانے۔ آپ نے ٹھنڈی سانس اور روتی آنکھ سے فرمایا کہ یہ اس کے لیے بہت ہے۔ جیسے فوت ہونا ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ان اطیب ما اکل الرجل من کسبه وان ولده من کسبه بہت پاکیزہ چیز جسے آدمی کھاتا ہے وہ ہے جو اس کی کمائی ہو اور اس کی اولاد اس کی کمائی میں سے ہے۔

## بہترین کمائی کا بیان

اور علماء نے کمائیوں کی ترجیح میں کلام کی ہے۔ اور بہترین کمائی جہاد ہے۔ اس لیے کہ حدیث پاک میں وارد ہوا کہ ہر نبی علیہ السلام کو ایک پیشہ عطا کیا گیا، اور میرا پیشہ راہ خدا میں جہاد ہے۔ اور اس کسب کی بہتری کی وجہ یہ ہے کہ غازی اپنی طرف سے دین کا بول بالا کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے۔ اور اس عبادت کے ضمن میں غنیمت کے طور پر مال حلال پاتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ عزم کے وقت غنیمت حاصل کرنے کے خیال کو دل میں ہرگز جگہ نہ دے اور اپنی نیت کو خالص رکھے۔ اس کے بعد تجارت ہے۔ خصوصاً وہ تجارت جو کہ مسلمانوں کی ضروریات کو ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک کھینچنے کا سبب ہو کہ اس کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہے الجالب مرزوق والمحتکر ملعون۔ ضرورت کی چیزیں پہنچانے والے کو رزق ملتا ہے۔ اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔ اور جب اس قسم کا تاجر مسلمانوں کی خدمت اور ان تک ان

marfat.com

Marfat.com

کی ضروریات پہنچانے کی نیت کو دل میں جگہ دے تو اس کی تجارت عبادت کا حکم پیدا کرتی ہے۔

اس کے بعد زراعت ہے کہ اس میں لوگوں اور جانوروں کی روزی حاصل کرنے کی اچھی نیت بھی ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر جو کہ بارش اور ہوا ہے توی بھروسہ اور اعتماد بھی متحقق ہوتا ہے۔ ان تین کسبوں کے بعد دوسرے کسب آپس میں اتنی فضیلت نہیں رکھتے۔ ہاں کتابت جس میں علوم دینیہ کی حفاظت، احکام شرعی کو اکٹھا کرنا، انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور اولیاء اللہ کے ملفوظات کہ پہنچانا متحقق ہے بہتر معلوم ہوتی ہے۔

اس کے بعد دوسرے پیشے اور صنعتیں جو کہ بقائے عالم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے معماری، گلکاری، اینٹیں پکانا، چونا بنانا، تیل نکالنا، روئی بیلنا، سوت کاتنا، جولاہوں کا کام یعنی کپڑا بننا، درزیوں کا کام، اور آٹا پیسنا بہتر ہیں۔

ان صنعتوں میں سے جو صرف تکلف، زینت حاصل کرنے فخر ومباہات اور دولت کی رونق ہوتی ہیں۔ جیسے زرگری، نقاشی، کارچوب، حلواگری، عطر فروشی اور رنگریزی، پھر یہ صنعتیں بھی جب اپنے موقع پر ہوں تو کراہت نہیں رکھتیں۔ بخلاف ان کسبوں کے جن میں نجاست کی آلودگی یا مخلوق کی بدخواہی یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مدد، یا دین فروشی یا زیادہ جھوٹ بولنا، فریب اور دغا لازم آتا ہو جیسے شراب کشی، قصابی، جاروب کشی، چمڑہ رنگنا، ذخیرہ اندوزی، غسالی، مردے نہلانا، ناچ رنگ کرنا، ڈانس کرنا، نقالی، گھڑا بجانا، دلالی، وکالت، اجرت امامت واذان وخدمت مسجد، تلاوت قرآن اور اس کی تعلیم کی اجرت یہ سب مکروہ ہیں۔ (متاخرین نے یہ اجرت اس اعتبار سے جائز قرار دی ہے کہ نماز پڑھانے، اذان دینے اور قرآن پاک پڑھانے پر تو نہیں۔ البتہ پابندی وقت اور پابندی مقام کی اجرت لے سکتا ہے)۔

الحتصر! اس آیت کا مضمون یہی ہے کہ جو چیز بلاشبہ حلال ہے۔ اگرچہ لذیذ، نفیس اور قیمتی ہو اس کا کھانا جائز اور ادائے شکر کی نیت سے مستحب ہو جاتا ہے۔ مقتضائے ایمان اور مقتضائے محبت الٰہی کے خلاف بالکل نہیں ہے۔ ہاں ایمان کے خلاف اور محبت الٰہی کے

marfat.com
Marfat.com

منافی یہ ہے کہ اس کی حرام قرار دی ہوئی چیزوں کو کھائے اور اس کی رضا مندی سے دور جا پڑے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تم پر لذیذ چیزیں اور منفعتیں حرام نہیں فرمائی ہیں۔ بلکہ

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ تم پر ان چیزوں میں سے حرام نہیں کیں کہ جنہیں کھانا طبائع سلیمہ والوں کا معمول ہے۔ جیسے ہرن، بکری، بھیڑ، گائے، بھینس، نیل گائے، گورخر، اونٹ، کبوتر، چڑیا، تیتر، بٹیر اور دوسرے چرنے اُڑنے والے جانور مگر

اَلْمَیْتَۃَ مردار جو کہ خود بخود مر گیا ہو یا اسے کسی۔ نے وجہ شرعی کے خلاف ذبح یا شکار کیا ہو جیسے اس کا گلا گھونٹ کر مارا ہو یا لکڑی، پتھر اور ڈھیلا ار کے مارا ہو یا اوپر سے نیچے پھینک کر مارا ہو یا ایک جانور نے دوسرے جانور کو سینگ مار کر مارا ہو یا اسے درندے نے مارا ہو کہ یہ سب چیزیں مردار ہیں۔ اور تم پر مردار کو حرام کرنا عین حکمت کے مطابق ہے۔

## مردار کو حرام قرار دینے کی حکمت

اس لیے کہ جانور کے بدن کو پاک کرنے والی روح ہے۔ جب روح اس سے جدا ہو گئی تو اس کی بدبوؤں کی اصلاح کرنے والی شے اس میں نہ رہی تو ان بدبوؤں نے اس کے سارے بدن کو خراب کر دیا۔ اس لیے وہ بدبودار، بدمزہ اور بُری تاثیر والا ہو گیا۔ یہاں تک کہ زہر پیدا کر دی جو کہ اسے مارنے والی ہوئی، اور اگر بھنگی اور چم رنگ اس کے کھانے کے عادی ہو گئے ہوں اور اس سے ضرر نہ پائیں تو یہ معتبر نہیں کہ جب زہر کی عادت ہو جائے تو نقصان نہیں دیتی۔ اور اس کے باوجود ان لوگوں کے اخلاق، شکلیں اور صورتیں مردار کھانے کی وجہ سے یہاں تک تغیر پذیر ہوتی ہیں کہ دائرہ انسانیت سے خارج نظر آتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تم پر مردار کو حرام نہ فرماتا تم بھی اسی طرح ناپاک، بدطبع، بدخلق اور بدشکل ہو جاتے، اور نفس کی رذالت اور طبیعت کے کمینہ پن میں گرفتار ہو جاتے۔

ہاں جانور کے بدن سے روح جدا ہونے کے وقت اس کے خون کو جو کہ تعفن کا باعث ہے۔ اور تمام فاسد اخلاط کا حامل ہے۔ جب نام خدا کے ذکر کے ساتھ نکال دیں تو روح کے پاک کرنے کا بدل یہ تطہیر قائم ہو جاتی ہے۔ اور شکار میں اگرچہ اس طرح خون نکالنا کہ بالکل دور ہو جائے ممکن نہیں ہے۔ لیکن نام خدا کا ذکر اسے پاک کرنے میں روح کے قائم

marfat.com
Marfat.com

مقام ہو جاتا ہے۔ اسی لیے شکار میں ذبح ضروری نہیں ہے۔ جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ زخم لگادیں حلال ہو جاتا ہے۔

(اقول وباللہ التوفیق - یہاں اس قدر وضاحت ضروری ہے کہ وہ زخم تیر، تلوار، نیزہ وغیرہ کا ہو جو کہ جارح ہے۔ اگر تکبیر پڑھ کر بندوق وغیرہ سے فائر کیا اور جانور نشانہ بن کر گر پڑا اور ختم ہو گیا تو حلال نہ ہوگا۔ جب تک کہ اسے زندہ پکڑ کر ذبح نہ کیا جائے۔ کیونکہ گولی زخم نہیں لگاتی جسم کو توڑتی ہے۔ از افادات امام اہل سنت حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب قادری امیر مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور)۔

ہاں وہ جانور جو کہ اپنے قبضہ میں ہیں خون نکالے بغیر نہیں کھائے جا سکتے۔ اور خون نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ حلقوم (یعنی سانس کی نالی) مری (یعنی خوراک کی نالی) اور گردن کی دو بلند رگوں کو کسی تیز چیز کے ساتھ خواہ لوہے سے ہو یا پتھر اور لکڑی سے کاٹنا چاہیے۔ اس لیے کہ خون جمع ہونے کی جگہ دل اور جگر کے اردگرد ہے۔ اور اس کے اس مکان سے باہر آنے کا سب سے قریبی راستہ یہی سمت ہے۔ اسی لیے طبیبوں کے نزدیک مقرر ہے کہ وہ ان جگہوں میں جمع شدہ مواد کو قے کے ساتھ باہر لاتے ہیں۔ نیز اگر خون کو جانور کے جسم سے دوسری سمت کھینچ کر باہر پھینکنا چاہیں تو اس کی موت دیر لگاتی ہے۔ اور جانور کو بے فائدہ عذاب اور تکلیف دینا لازم آتا ہے۔ بخلاف اس راہ کے کہ بالکل مہلت نہیں دیتا اور جانور کو جلدی ختم کر دیتا ہے۔ نیز جب سانس اندر اور باہر جانے کا راستہ یہی ہے۔ اور سانس روح کی مدد کرنے والا ہے تو چاہیے کہ روح کو اور روح کے سواری کو جو کہ خون ہے اسی راستہ سے باہر لایا جائے۔

نیز روح اور خون غذا سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور غذا اسی راستہ سے جاتی ہے۔ تو روح اور خون کو جدا کرتے وقت بھی اسی راہ کو اختیار کرنا چاہیے۔ نیز جب خون اوپر کی سمت حرکت کرتا ہے روح بھی اس کے ہمراہ حرکت میں آتی ہے۔ اور اوپر کی طرف حرکت میں اسے کدورت سے خلاصی اور صفائی مہیا ہوتی ہے۔ اور خباثت کم ہوتی ہے۔ اور اس بات کی قابلیت نصیب ہو جاتی ہے کہ جنت کی خاک ہو جائے۔

marfat.com

Marfat.com

مختصر یہ کہ اگر مردار کو جس میں بہت بڑی خباثت پیدا ہوگئی ہے، نہ اس میں روح کی طہارت رہی اور نہ ہی نام خدا کی طہارت اسے لاحق ہوئی کھاتے ہو اور وہ شے تمہارے جسم کا جزو بن جاتی ہے تو تمہاری ارواح کو ناپاک چیزوں کے ساتھ ایک تعلق ثابت ہو جاتا ہے۔ اور ایک خباثت پیدا کرتا ہے۔ پس شیطانوں کی اروح کی طرح ان ارواح سے اللہ تعالیٰ کی محبت منقطع ہو جاتی ہے۔ اور اس جزو خبیث میں ایک زہر اور بدبو موجود ہے اس کے علاوہ ہوتا ہے۔

## مچھلی اور مکڑی کے ذبح سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ

ہاں دو جانور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک کے مطابق ذبح سے مستثنیٰ ہیں کہ آپ نے فرمایا دو جانور مردار ہمارے لئے حلال ہیں، ایک مچھلی اور دوسرا جانور ٹڈی۔ رہی مچھلی تو اس لیے کہ اس کے بدن کا مادہ پانی ہے۔ اور پانی بالطبع پاک اور پاک کرنے والا ہے۔ تو جس طرح نجاست پانی میں اثر نہیں کرتی اسی طرح اس آبی جانور سے روح کے جدا ہونے کا بھی اثر نہیں ہوتا اور اس کے ذبح کی حاجت نہیں رہی۔ رہی ٹڈی تو اس وجہ سے کہ توالد و تناسل کے بغیر پیدا ہوتی ہے۔ اور جاری خون نہیں رکھتی۔ اس کے ساتھ روح کا تعلق پہاڑ، درخت اور دوسرے جمادات کے ساتھ ارواح ملکوتیہ کے تعلق کی مانند ہے۔ اور اس قسم کے تعلق والی روح کا جدا ہونا پلید کرنے کا موجب نہیں ہوتا۔ اور اگرچہ تمام دریائی جانور اور تمام پیدا ہونے والے حشرات الارض اس علت میں مشترک ہیں۔ لیکن مچھلی اور ٹڈی کے سوا جب اپنے خبث ذاتی یا نجاست سے پیدا ہونے اور نجاستوں کی غذا کھانے کی وجہ سے حرام اور مضر ہیں بخلاف مچھلی اور ٹڈی کے کہ ان مضرتوں اور ذاتی اور عارضی خباثت سے پاک ہیں یہ استثناء نہیں رد کے ساتھ خاص ہوگئی۔

## مردار کے اجزاء سے نفع لینے کا بیان

ہم یہاں آئے کہ مردار میں سے کس کس چیز کے ساتھ نفع لینا درست ہے۔ اور مردار کے اجزاء سے کون کون سی چیز حرمت میں داخل ہے۔ اس آیت کی رو سے خود کھانا تو بالکل

marfat.com
Marfat.com

حرام ہوا۔ البتہ مردار ایسے جانوروں کو کھلانا جنہیں گوشت کھانے کی عادت ہے۔ جیسے باز، شکرا، کتا اور بلی مختلف فیہ ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ جائز ہو۔ اور مردار کی چربی روشنی کے لیے جیسے شمع اور چراغ کام میں لانا درست ہے۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اگر ایک چوہا تیل میں گر کر مر جائے تو اس تیل کو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا چراغ میں جلا لو اور اسے کھاؤ ہرگز نہیں۔ اور مردار کے بال اور اس کی پشم اور سینگ، ناخن اور مردار کی ہڈیاں سب پاک ہیں۔ ان کا استعمال جائز ہے۔ اس لیے کہ سورۂ نحل میں اپنی نعمتوں کے بیان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ من اصوافها واوبارها واشعارها اثاثا ومتاعًا الى حين زندہ اور مردہ کی تفصیل کے بغیر۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ان چیزوں خصوصاً ہاتھی کی ہڈی اور اس کے دانتوں کا استعمال رائج تھا، اور ہاتھی یقیناً ذبح نہیں ہوتا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے استعمال سے منع نہ فرمایا، اور اسی طرح مردار کی کھال جب اسے دواؤں اور مصالحوں کے ساتھ نجس رطوبتوں سے پاک کر لیں نفع لینے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اور اگر دھوپ یا مٹی کے ساتھ خشک کر لیں تو بھی یہی حکم رکھتی ہے۔ اس لیے کہ صحیحین میں وارد ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ ایک مردہ بکری کو جو کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ملک تھی کھینچے لیے جا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتار لی۔ ہر کھال جیسے دباغت کے ساتھ خشک کر لیا جائے پاک ہو جاتی ہے۔

اور اسی طرح اگر ایسا جانور جو جاری خون نہیں رکھتا جیسے مکھی، مچھر، بچھو اگر کسی پانی یا دوسری چیز میں مر جائے وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ اس سے نفع لیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ جانور جو رطوبت رکھتے ہیں درختوں اور نباتات کی رطوبت کے مشابہ ہے۔ تعفن پذیر نہیں ہے۔ اور وہ کیڑا جو بعض میووں میں ہوتا ہے۔ جیسے گولر وغیرہ یا سرکے میں پڑ جاتا ہے بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ بلکہ اس میوے اور سرکے کے تابع اس کرم کا کھانا بھی جائز ہے۔ البتہ اس کرم کو اس میوے اور اس سرکے سے باہر نکال کر جدا کھانا درست نہیں۔ اور مردہ جانور کا

marfat.com
Marfat.com

دودھ اور شیر وان امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور اسی طرح مردہ جانور کا انڈا اگر سخت ہو گیا ہو ان کے نزدیک دھونے کے بعد ناپاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں موت کا حکم قبول نہیں کرتیں، اور نہ ہی مردہ کے ساتھ متصل اجزا ہیں۔ بلکہ طبیعت ان چیزوں کو جدا کرنے اور پھینکنے کے لیے راہ درست کرتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص حرام جانور کو جیسے کتا اور بلی شرعی طریقے پر ذبح کرے اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سے کھانا جائز نہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک پاک بھی نہیں ہوتا۔ اور نجاست میں مردار کا حکم رکھتا۔

وَالدَّمُ اور خون، اس لیے کہ اجزائے حیوان میں متعفن رطوبات کی اصل خون ہے۔ گوشت اور چمڑا سب اسی سے اُگتے ہیں۔ اور پہلے اس کے ساتھ روح کا تعلق پس روح کا اس سے جدا ہونا اسے نجس کرنے میں بہت بڑا اثر کرتا ہے۔ بلکہ حقیقت میں روح کی سواری وہی ہے۔ اور بدن سے روح کا جدا ہونا روح کے اس سے جدا ہونے سے عبارت ہے۔ تو روح کے جدا ہونے کے بعد طہارت کے قابل نہیں رہتا۔ گویا جانور کے اجزا سے یہ جز و نجس العین ہے کہ کسی تدبیر کے ساتھ پاک نہیں ہو سکتا۔ نیز اس کا تعفن اور فساد ذاتی ہے۔ جبکہ دیگر اجزائے بدن کا تعفن اور فساد اس کے اخلاط کی وجہ سے ہے۔ اور ذاتی شے عوارض کی وجہ سے زائل نہیں۔

## کون سا خون حرام اور ناپاک ہے

ہم یہاں پہنچے کہ جو خون حرام اور ناپاک ہے کون سا خون ہے؟ صرف وہ خون جو رگوں میں جاری ہوتا ہے یا وہ خون جو گوشت پر چمٹ کر گوشت کی صورت اختیار کرنے کی استعداد میں ہے؟ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک حرام اور ناپاک وہی جاری خون ہے۔ اور خون کے جو قطرے گوشت پر چمٹے ہوتے ہیں حرام ہیں نہ ناپاک۔ اگر گوشت کو دھوئے بغیر پکائیں تو اسے کھانا جائز ہے۔ البتہ طبیعت کے ستھرے پن کے خلاف ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک وہ خون اور یہ خون دونوں حرام اور ناپاک ہیں۔ اگر گوشت کو دھوئے بغیر پکایا جائے کھایا نہیں جا سکتا۔

marfat.com
Marfat.com

اور صحیح حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے لیے مردار کی دو قسمیں جو کہ مچھلی اور ٹڈی ہے حلال ہوئی ہیں۔ اسی طرح دو قسم کے خون بھی حلال ہوئے ایک جگر بند جسے لغت ہندی میں کلیجی کہتے ہیں۔ اور دوسرا طحال جسے ہندی لغت میں تلی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ تمام اعضا میں سے یہ دو عضو گویا جما ہوا خون ہے۔ اور گوشت کی صورت سے دور۔ اور ااس کے باوجود عضو ہونے کے حقیقت پر نظر کرتے ہوئے حلال ہیں۔ اور خون کا کھانا اخلاق کی درندگی کی طرف مائل کرتا ہے۔ اور مزاج میں غصہ اور ہلکا پن پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ حبشیوں میں ہے۔ جو کہ خون کھانے کی عادت رکھتے ہیں۔ اور چرنگوں میں اسے دیکھا اور محسوس کیا جاتا ہے۔ تو یہ عین حکمت الٰہی ہے کہ ان چیزوں کو حرام فرمایا۔

نیز اگر تم مردار کا خون کھاتے تو جو نقصان تمہیں مردار کھانے سے لاحق ہوتا ہے لاحق ہوتا۔ اور اگر تم زندہ جانوروں کا خون فصد کر کے کھینچ کر کھاتے جیسا کہ حبشی کرتے ہیں تو یہ صورت عین خون خوار درندوں کی صورت ہو جاتی، اور تم دائرہ انسانیت سے خارج ہو جاتے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تمہارے جانور اس وجہ سے کہ حیوان کی قوت کا مادہ اور اس کی روح کا سہارا خون ہے تمہارے ضروری کاموں سے کمزور ہو جاتے۔ اور ضرورت کے وقت تم ان کے منافع سے محروم ہو جاتے۔ اور ان کا گوشت بے لذت ہو جاتا، اور سواری اور بوجھ اُٹھانے میں کام نہ آتے۔ بلکہ ان کے دودھ اور نسل میں واضح طور پر نقصان رونما ہوتا پس تمہاری ملک حلال جانوروں کے خون کو حرام فرمانا بلاتشبیہ حکیم اور کسی بستی کے رئیس کے حکم کی مانند ہے جو اس بستی کے مزارعین کو دیتا ہے کہ کھیتی کو نشو و نما کی ابتدا میں سبز اور کچا نہ کھائیں کہ انجام کے طور پر اس میں بہت نقصان ہے۔

وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ سؤر کا گوشت۔ اگرچہ مردار نہ ہو، اور اسے شرعی طریقے کے مطابق ذبح کیا گیا ہو۔

## سؤر کا گوشت حرام دینے کی حکمت

اس لیے کہ یہ جانور نجاستوں کی طرف بہت زیادہ مائل ہے خصوصاً آدمیوں کی

marfat.com
Marfat.com

نجاستوں کی طرف کیونکہ اس کی خوراک بنی آدم کی تمام نجاستیں اور فضلات ہیں۔ اور اس کا گوشت انہیں نجاستوں سے پیدا ہوتا ہے۔ پس اس کا گوشت کھانا گویا اپنی نجاست کھانا ہے۔ نیز اس جانور کی روح حد سے زیادہ حرص، حد سے زیادہ شہوت اور حد سے زیادہ بے حیائی اور بے غیرتی رکھتی ہے کہ کسی جانور کی روح ان عادتوں میں اس قدر حد سے گزری ہوئی نہیں۔ اور اسی وجہ سے جو لوگ اس جانور کے گوشت کو بطور ہمیشگی استعمال کرتے ہیں۔ جیسے نصاریٰ اور ہندوؤں کی بعض قومیں ان عادتوں میں اس جانور کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں بے غیرتی میں اور عزت کی حفاظت نہ کرنے میں بھی، مال کو جمع کرنے میں بھی اور نجاستوں کے ساتھ آلودگی میں بھی۔

اور چونکہ اس جانور کی روح کا تعلق اس کے پورے بدن کے ساتھ ہے اس کی روح کی خباثت اس کے تمام اجزا میں سرایت کرتی ہے۔ پس اس کا سارا بدن آدمی کے فضلے کی طرح ہے کہ گوشت، چمڑا، بال، ناخن، پٹھا اور تار میں سے کوئی چیز نفع کے قابل نہیں رہی۔ اگرچہ کھانے میں صرف اس کا گوشت کے سوا کچھ بھی نہیں آتا ہے۔ اسی لیے اس آیت میں صرف اس کے گوشت کے ذکر پر اکتفاء فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ پہلے ذکر کھانے کا ہو رہا ہے۔ لیکن تمام اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ جانور نجس العین ہے۔ اس سے کسی چیز کے ساتھ نفع نہ لیا جائے مگر امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے اس کے بالوں سے بوریاں اور خورجیاں وغیرہ بننے کو جائز قرار دیا ہے۔

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ اور وہ جانور جس کے متعلق آواز دی گئی اور شہرت دی گئی کہ لِغَیْرِ اللّٰہ غیر اللہ کے لیے ہے۔ خواہ وہ غیر بت ہو یا ناپاک روح کہ بھوگ کے طریقے سے اس کے نام پر دیتے ہیں، خواہ کسی گھر یا سرائے پر مسلط کوئی جن جو کہ جانور دیئے بغیر وہاں رہنے والوں کی تکلیف دینے سے دست بردار نہیں ہوتا یا توپ چھوڑنے نہیں دیتا، خواہ کوئی پیر یا پیغمبر (علیہ السلام) کے لیے اس طرح زندہ جانور مقرر کر کے دیں کہ یہ سب حرام ہے۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ملعون من ذبح لغیر اللہ یعنی جو شخص جانور ذبح کر کے غیر اللہ کا قرب ڈھونڈے ملعون ہے۔ خواہ ذبح کے وقت نام خدا لے یا نہ لے۔ اس لیے کہ جب اس

marfat.com
Marfat.com

نے شہرت دی کہ یہ جانور فلاں کے لیے ہے تو ذبح کے وقت خدا کے نام نے کوئی فائدہ نہ دیا
کیونکہ وہ جانور اس غیر کی ملک کی طرف منسوب ہوگیا۔ اور ایسی خباثت پیدا ہوگئی جو کہ مردار
کی خباثت سے زیادہ ہے۔ اس لیے کہ مردار نے خدا تعالیٰ کے نام کے ذکر کے بغیر جان دی
ہے۔ اور اس جانور کو اس غیر کی ملک سے قرار دے کر مارا ہے۔ اور وہ عین شرک ہے۔ اور
جب اس خبث نے اس میں سرایت کی اب خدا کا نام ذکر کرنے کے ساتھ حلال نہیں ہوتا
جیسے کتا اور سؤر کہ اگر خدا کے نام پر ذبح کیے جائیں حلال نہیں ہوتے۔

اور اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان کو جان پیدا کرنے والے کے غیر کے لیے نیاز
کرنا درست نہیں ہے۔ اور کھانے پینے کی چیزوں اور دوسرے اموال کو بھی اگرچہ غیر اللہ کا
قرب ڈھونڈنے کے طریقے پر دینا حرام اور شرک ہے مگر ان چیزوں کا ثواب جو کہ دینے
والے کو لوٹتا ہے غیر کے لیے مقرر کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ انسان کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے عمل
کا ثواب اپنے غیر کو بخش دے۔ جس طرح اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنا مال اپنے غیر کو دے
دے۔ اور جانور کی جان مملوک نہیں ہے۔ تاکہ اسے کسی کو بخشا جاسکے۔ نیز اس طریقے سے
مال دینا ثواب کو واجب کرتا ہے کہ آدمی اس سے نفع پاتے ہیں۔ اور جب فوت ہونے
والے اس جہان سے جدا ہو کر عین مال کے ساتھ نفع لینے کے قابل نہیں رہے ہیں انہیں نفع
پہنچانے کا شرع شریف میں یہ طریقہ قرار پایا کہ اموال کے ثواب کو مستحقین تک پہنچائیں۔
وہ ان کی طرف لوٹا دیں، اور جب جانور کی جان زندگی میں آدمی کے نفع لینے کے بالکل
قابل نہیں ہے تو مرنے کے بعد بھی اس کے نفع لینے کے قابل نہ ہوگی۔ ہاں فوت ہونے
والے کی طرف سے قربانی کرنا حدیث صحیح میں آیا ہے۔ لیکن اس کا معنی یہی ہے کہ خدا کے
لیے جان دینے کا جو ثواب ہے اس فوت ہونے والے کو بخش دیا جائے نہ یہ کہ فوت ہونے
والے کے لیے ذبح کیا جائے۔

اور بعض ناواقف مسلمان اس مقام پر کجروی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ گوشت پکا
کر مرنے والوں کے نام پر دینا بلاشبہ جائز ہے۔ اور ہم بھی اس فوت شدہ کے نام پر ذبح
کرنے سے اسی قدر قصد کرتے ہیں۔ انہیں سمجھانے کے لیے ایک نکتہ کافی ہے کہ ان سے کہا

marfat.com
Marfat.com

جائے کہ جب تم غیر خدا کے نام پر جانور ذبح کرنے کی نذر کرتے ہو اگر اس جانور کے عوض اسی مقدار کا گوشت خرید کر اور پکا کر فقراء کو کھلاؤ تمہارے ذہن میں وہ نذر ادا ہوتی ہے یا نہیں اگر ہوتی ہے درست کہتے ہو کہ ذبح کرنے سے تمہارا مقصد اس فوت ہونے والے کے ثواب کے لیے گوشت کھلانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ورنہ تم نے ذبح کے ساتھ تقرب کی نذر کی ہے۔ اور شرک صریح لازم آتا ہے۔

اور اس آیت کے لفظ میں جو کہ قرآن مجید میں چار جگہ وارد ہوا غور کرنا چاہیے ما اہل بہ لغیر اللہ فرمایا ہے نہ کہ **وماذبح باسم غیر اللّٰہ** تو خدا کے نام کے ساتھ ذبح کرنا یہ شہرت دینے اور آواز نکالنے کے ساتھ کہ فلاں گائے فلاں کی اور بکری فلاں کی کوئی فائدہ نہیں کرتا، اور اس جانور کا گوشت حلال نہیں رہتا۔

اور وما اہل کو ذبح پر محمول کرنا لغت، اور عرف کے خلاف ہے۔ لغت عرب اور اس دیار کے عرف میں اس وقت اہلال بمعٰ ذبح کسی شعر اور کسی عبارت میں بالکل نہیں آیا بلکہ لغت عرب میں اہلال آواز بلند کرنے اور شہرت دینے کے معنوں میں ہے۔ جیسے چاند کا اہلال، نومولود بچے کا اہلال اور اہلال بمعنے تلبیۂ حج وغیرہ مستعمل ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی کہے اھللت **للّٰہ تو ذبحت للّٰہ** کے معنوں میں ہرگز نہیں سمجھا جائے گا۔ نیز اگر اہل کو ذبح پر محمول کیا جائے تو ذبح لغیر اللہ مراد ہوگا ذبح باسم غیر اللہ کہاں سے سمجھا جائے تا کہ ان لوگوں کا مقصد حاصل ہو۔ پس اس عبارت میں اہلال کو ذبح کے معنوں میں لینا، پھر لغیر اللہ کو باسم غیر اللہ کی جگہ قرار دینا کلام الٰہی کی تحریف کے قریب پہنچا جاتا ہے۔ تفسیر نیشاپوری میں کہتے ہیں کہ علماء نے اجماع کیا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور ذبح کیا اور اس کے ذبح سے غیر اللہ کا تقرب قصد کیا مرتد ہو گیا۔ اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔

اور دور جاہلیت میں کفار گھر سے نکلتے وقت اور راستہ میں بتوں کے نام کی آواز بلند کرتے تھے۔ اور جب مکہ معظمہ پہنچتے تھے۔ اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے ان کا خانہ خدا کا یہ طواف ان سے مقبول نہ تھا۔ اسی لیے حکم ہوا کہ **فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا**۔ تو یہاں بھی جب انہوں نے آواز نکالی اور شہرت دی کہ یہ جانور فلاں سے

marfat.com
Marfat.com

ہے۔اوراس کے نام پر ہے۔اور ہم اس کے لیے کرتے ہیں۔اور ذبح کے وقت خدا کے نام پر ذبح کر دیا حلال ہونے کا حکم بالکل مرتب نہ ہوا،اوراس کا راز یہ ہے کہ عوام کے نزدیک جانور ذبح کرنے کا طریقہ جیسا بھی مقرر ہے جانور کی جان کو اس تک پہنچانے کے لیے جس کے لیے منظور ہے متعین ہے۔جیسا کہ فاتحہ،قل اور درود پڑھنا کھانے پینے کی چیزوں کو ارواح تک پہنچانے کے لیے متعین ہے خواہ ان ارواح کو ثواب پہنچانے کا قصد کریں یا تقرب،دفع شر اور چاپلوسی اور خوشامد کے قصد سے۔ہاں اس جانور پر خدا کے نام کا ذکر کرنا اس وقت فائدہ دیتا ہے کہ غیر خدا کے تقرب کو دل سے دور کر کے اور اس شہرت اور آواز شہرت کے خلاف اور آواز دیں کہ ہم اس کام سے باز آئے۔

## ما اهل به لغير الله اور ما اهل لغير الله به کے فرق کی وجہ

ہم یہاں آئے کہ اس سورۃ میں لفظ بہ کو لفظ لغیر اللہ سے پہلے لایا گیا۔جبکہ سورۃ مائدہ، انعام اور نحل میں بعد میں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل یہی ہے کہ با کو فعل کے متصل اور دوسرے متعلقات سے پہلے لائیں۔اس لیے کہ یہاں با فعل کو متعدی کرنے کے لیے ہے۔جیسے ہمزہ اور تضعیف۔تو حتی الامکان فعل سے ملی ہوتی ہے۔اور یہ قرآن کا پہلا مقام ہے اس مقام پر اپنی اسی اصل پر استعمال فرمایا گیا ہے۔اور دوسری سورتوں میں جو کہ انکار کا مقام اور سرزنش کا مدار ہے پس غیر اللہ کے قصد سے ذبح کرنا پہلے آیا۔اور اسی لیے باقی سورتوں میں فلا اثم علیہ کو بھی موقوف رکھا گیا۔اس لیے کہ قرآن پاک کی ابتدا میں سنا ہوا آیا ہے۔ اور یہ چاروں چیزیں جو ذکر کی گئیں یعنی مردار،خون،سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ کے لیے مقرر کر کے ذبح کریں اس جنس سے ہے۔جو کہ تمام فرقوں پر تمام حالات میں حرام ہے۔اور اس قبیل سے نہیں کہ ایک فرقے پر حرام ہو اور دوسروں کے لیے حلال جیسے زکوۃ کا مال اور صدقات یا ایک حالت میں حرام ہو اور دوسری حالت میں حلال جیسے گرم زہریلی مضر دوا جو کہ گرم مزاجوں پر حرام ہے۔اور جب اس کا مزاج ٹھنڈک پیدا کرے حلال ہوتی ہے۔ہاں مجبوری کے وقت ان چیزوں کا کھانا حرام ہونے کے باوجود معاف ہے۔

(اقول وباللہ التوفیق-وما اهل به لغير الله سے متعلق مفسر علام کے حوالے

marfat.com

Marfat.com

جو کچھ یہاں لکھا ہے جمہور مفسرین کے تحقیق کے خلاف ہے بلکہ آپ کا مسلک اس مسئلہ میں جمہور مفسرین کے عین مطابق ہے جیسا کہ رسالہ عمدۃ النصائح فی مسئلۃ الذبائح میں ہے۔ چنانچہ بے شمار مفسرین نے وہی ترجمہ کیا ہے۔ جس سے آپ نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ برصغیر کے نامور مفسر قرآن کریم شیخ العرب والعجم فنافی المصطفیٰ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور مفسرین کے مطابق یہ ترجمہ فرمایا، ''اور وہ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا''، چنانچہ چند عبارات ملاحظہ فرمائیں، اے ذبح علی اسم غیرہ، وما کانوا یرفعونہ، عندالذبح لالھتھم (جلالین) اے رفع بہ الصوت عندذبحہ للصنم (بیضاوی)، والمعنی مارفع الصوت عندذکاتہ بغیراللہ اے باسم غیر اللہ کما اذا قال باسم الات والعزیٰ (الصاوی حاشیہ الجلالین) قال الربیع من انس یعنی ما ذکر عند ذبحہ اسم غیر اللہ وکان الکفار اذا ذبحو الالھتھم یرفعون اصواتھم بذکرھا (تفسیر مظہری) وماصیح فی ذبحہ غیر اللہ (جمل علی الجلالین) وحرم مآرفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم، وکانوا اذا ذبحوا لالھتھم یرفعون اصواتھم بذکرھا ویقولون باسم الات والعزیٰ (روح البیان) ان تمام تفاسیر میں اسی بات کی صراحت ہے کہ جانور اس صورت میں حرام ہوگا جب ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ چنانچہ انہیں تصریحات کی روشنی میں تفسیر نوار العرفان میں سورۂ مائدہ زیر آیت وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فرماتے ہیں یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جیسے کفار عرب کا دستور تھا کہ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے۔ جانور کی زندگی میں اس پر غیر خدا کا نام لینا حرام نہیں کر دیتا۔ دیکھو بحیرہ اور سائبہ بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے مگر حلال تھے۔ مسلمان انہیں ذبح کریں۔ اور کھائیں۔ جب خود گنگا کا پانی اور مشرکین کی پوجا کی گائے کا پینا کھانا جائز، اور مندر کے پتھر اور پیپل کے درخت کا استعمال جائز تو ان کے نام پر چھوڑا ہوا جانور کیوں حرام ہوگا؟

نیز تفسیرات احمدیہ میں اسی زیر بحث آیت کے تحت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وماأھل بہ لغیراللہ معناہ ذبح لاسم غیر اللہ مثل لات وعزیٰ و اسماء

marfat.com
Marfat.com

الانبیاء اغیر ذالک، ومن ھھنا علم ان البقرۃ المنذورۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللّٰہ علیھا وقت الذبح وان کانوا ینذرونھا لہ یعنی ما اھل بہ لغیر اللّٰہ کے معنی ہیں جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے مثلاً لات اور عزیٰ بتوں کے نام پر یا انبیاء علیہم السلام کے نام پر، اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو گائے اولیاء کے لیے نذر کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رسم ہے وہ حلال طیب ہے۔ کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہیں لیا گیا۔ خواہ وہ اس کی ان کے لیے نذر کرتے ہوں۔ فلہٰذا مسئلہ بے غبار ہے۔ علاوہ ازیں عالم اسلام کے نامور مستند و معتمد اور مرجع الانام والاعلام مفسرین کی صرف تفاسیر کے نام درج کئے جاتے ہیں جنہوں نے من وعن وہی ترجمہ کیا ہے جو کہ محولہ بالا تفاسیر میں مذکور ہے۔ تفسیر مدارک' جامع المضرات' مفردات امام راغب اصفہانی' لسان العرب' مصباح' فتح الرحمٰن بکشف مایلبس فی القرآن' کشاف' الکواشی' حاشیہ عبدالحکیم' شیخ زادہ خازن' روح المعانی' تفسیر کبیر' ابوالسعود بغوی' سواطع الالہام' تنویر المقیاس' نسفی' سراج منیر' فتح الرحمٰن شاہ ولی اللہ دہلوی' توضیح' درمنثور' فتح القدیر' ابن کثیر۔ ان اکابر کی تصریحات اور پھر حضرت مفسر علام قدس سرہ العزیز کے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جنہیں آپ نے تفسیر کے آغاز میں لسان العرفان' ترجمان القرآن' خاتمۃ المحدثین' وارث علوم سید المرسلین' حکم امت مصطفویہ' معجزہ از معجزات نبویہ جیسے عظیم القاب کے ساتھ یاد کیا ہے کی وضاحت کے بعد آپ کا ان کے مسلمات کے خلاف لکھنا قطعاً خارج از امکان ہے۔ اصل صورت یہ ہے کہ آپ کی جامعیت' مرکزیت اور ہمہ گیر علمی برتری کو مفید مقصد استعمال کرنے کے لئے آپ پر افتراء و بہتان ہے جسے اہل علم کی اصطلاح میں مدلیس کہتے ہیں۔ آپ کا دامن اس سے بالکل پاک ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

فَمَنِ اضْطُرَّ تو جو شخص مجبور کر دیا گیا ان چیزوں کے کھانے پر۔

اضطرار کی چند صورتیں

اس [illegible] کی [illegible] صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ بھوک کی وجہ سے بیتاب ہو

marfat.com

Marfat.com

جائے۔اور کوئی حلال چیز کھانے کو نہ پائے یا تو حاصل کرنے کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے یا نہ پانے کی وجہ سے۔اور یہاں تک کمزور ہو جائے کہ نماز میں کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہے۔اور اسے معلوم ہو کہ اس وقت اگر میں جان بچانے کے اندازے کے مطابق نہیں کھاؤں گا تو آئندہ روزی کی تلاش اور کسی کے پاس اپنے حال کے اظہار اور سوال نیز بازار میں آمدورفت سے رہ جاؤں گا۔یا کسی سفر میں ایسا حادثہ رونما ہوا اور اس میں منزل اور آبادی تک پہنچنے کی طاقت نہ رہے تو اس وقت اسے جان باقی رکھنے اور طاقت کی حفاظت کے اندازے کے مطابق ان چیزوں کا کھانا معاف ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مرض میں گرفتار ہو جائے۔اور ان چیزوں کے سوا کوئی دوا نہ پائے۔یا دین پر پختگی رکھنے والے حکیم اتفاق کر کے کہہ دیں کہ اس بیماری کی دوا انہیں چیزوں سے ہے۔جیسے ضیق النفس جو کہ زیادہ تر بچوں کو لاحق ہوتی ہے۔اور اسے ہندوستان کی لغت میں ڈبہ کہتے ہیں کہ اس کا علاج خرگوش کا خون ہے۔

تیسری صورت یہ کہ کوئی ظالم جو کہ ہلاک کرنے اور شدید تکلیف دینے پر قدرت رکھتا ہے۔اور وہ اسے ان چیزوں کے کھانے پر مجبور کرتا ہے۔اور اس کے ذہن میں بھی یقین حاصل ہو جائے کہ اگر میں ان چیزوں کو نہیں کھاؤں گا تو یہ مجھے فی الواقع ہلاک کر دے گا۔یا میرے اعضا میں سے کسی عضو کو ضائع کر دے گا۔یا میرے عزیزوں میں سے کسی کو اسی قسم کی تکلیف دے گا۔مگر شرط یہ ہے کہ اس مجبوری میں

غَیْرَ بَاغٍ لذت کا طالب نہ ہو، کہ کوئی حلال چیز موجود رکھتا ہے۔لیکن کراہت طبعی کی وجہ سے نہیں کھاتا حتیٰ کہ اس نوبت تک پہنچ جائے۔وَّلَا عَادٍ اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا کہ جان بچانے اور طاقت کی حفاظت کی قدر سے زیادہ کھاتا جائے۔اور پیٹ بھر لے۔تو اگر ان شرائط کے ساتھ مجبوری کی حالت میں ان چیزوں سے کھالیں فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔اگر چہ یہ چیزیں اپنی حرمت پر باقی ہیں۔اس لیے کہ جب اس نے ان خبیث چیزوں کو کراہت کے باوجود مجبوری کی حالت میں کھایا تو ان چیزوں کی خباثت نے اس کی روح کے جوہر میں اثر نہ کیا،اور اس مجبوری سے حرام کھانے میں گناہ کے رفع ہونے

marfat.com
Marfat.com

کو بعید کیوں جاننا چاہیے۔ حالانکہ

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے بڑے گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ جو کہ آدمی کسی مجبوری اور اضطرار کے بغیر کرتا ہے۔ اور اس بے چارے کو جس نے اس حد تک مجبور ہو کر حرام کھایا ہے کیوں نہ معاف کرے، اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ رَحِیْمٌ مہربان ہے۔ اور اس کی مہربانی تقاضا کرتی ہے کہ اس کی جان اور طاقت کی حفاظت جس طرح بھی میسر ہو جائز رکھے۔

## ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا، اور وہ یہ ہے کہ انما کا لفظ حصر کے لیے ہے تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان چار چیزوں کے سوا کھانے کی چیزوں میں سے کوئی چیز حرام نہ ہو۔ حالانکہ ہماری شریعت میں اور بھی بہت سی چیزیں جیسے درندے مثلاً شیر، گرگ، چیتا، تیندوا، بجو، گیدڑ، بن بلاؤ، کتا، اور بلی اور اسی طرح درندہ پرندے جیسے باز، شاہین، شکرا اور تمام حشرات الارض جیسے سانپ، بچھو، چوہا، نیولا، جنگلی چوہا اور دوسرے نجاست کھانے والے جانور جیسے کوا، چیل، گدھ اور گدھا حرام ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلا واسطہ حرام کرنے کی نسبت کے اعتبار سے حصر ہے۔ اور قرآن پاک میں خدا تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز ان چار چیزوں کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان چار چیزوں کے علاوہ اور چیزوں کو جن میں سے بعض ذکر کی گئیں حرام فرمایا ہے۔ لیکن جب قرآنی نص اس مضمون کے ساتھ آئی کہ تمہارے رسول علیہ السلام جو کچھ حرام فرمائیں حرام جانو۔ جیسا کہ آیت **ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث** (الاعراف آیت ۱۵۷) میں مذکور ہے۔ وہ چیزیں بھی شریعت میں حرام ہو گئیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ ان چیزوں کو حرام نہیں فرمایا۔ اور اس جواب کی تقریر اس طرح سورۂ انعام کی آیت سے صریح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ فرمایا **قل لااجد فیما اوحی الی محرمًا علٰی طاعم یطعمہ** الخ اور از روئے حدیث شریف بھی یہی تقریر معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہید

marfat.com

Marfat.com

فرما کر ارشاد فرمایا ہے الاان ماحرم رسول اللّٰہ مثل ماحرم اللّٰہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسے حرام قرار دیا وہ اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دیئے ہوئے کی مثل ہے۔ پھر فرمایا الالایحل لکم الحمار الاصل ولاکل ذی ناب من السباع ولا لقطة معاهدة الاان یستغنی عنها ربها، خبردار تمہارے لیے گھریلو گدھا حلال نہیں۔ اور نہ ہی ذی ناب درندہ اور نہ ہی گری ہوئی چیز مگر جب اس سے اس کا مالک لاپرواہ ہو جائے۔

اور عین تفسیر میں اس سوال کا ایک دوسرے جواب کی طرف اشارہ گزرا ہے، غور کرنا چاہیے، اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مراد طیبات میں سے محرمات کا حصر ہے۔ اور طیبات وہ چیزیں ہیں جن کا کھانا ان میں موجود لذت اور منفعت کی وجہ سے شہروں اور قصبوں کے رہنے والے سلیم الطبع لوگوں میں رائج اور معمول ہے۔ اور خنزیر بھی اسی باب سے ہے۔ اس لیے کہ نصاریٰ اس کے گوشت کو گوشتوں میں سے افضل لکھتے ہیں۔ اور اس کے کھانے میں بہت بدنی منافع بیان کرتے ہیں۔ اور اس کی لذت اور ذائقہ بھی اس کے کھانے والوں کی زبان سے سنا جاتا ہے۔ اور جامع بغدادی اور دوسری کتب مفردات میں لکھتے ہیں کہ خشکی اور تری کے خنزیر کا گوشت زود ہضم ہوتا ہے۔ اور جلدی گزر جاتا ہے۔ اور غذا کم دیتا ہے۔ مگر قوت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جالینوس نے کہا ہے کہ انسان کی طرح معتدل المزاج ہوتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جو لوگ آدمی کا گوشت کھاتے ہیں اگر خنزیر کا گوشت کھائیں رنگ، ذائقہ اور بو میں فرق نہیں کر سکتے، اور یہ اس کے مزاج انسانی کے ساتھ مشابہت اور مناسبت کی دلیل ہے۔ انتہی۔

پس خنزیر کے گوشت کو اس معنی میں طیبات کی فہرست سے اس کی خباثت باطنی، رذالت اخلاق، نجاسات سے ملوث ہونے اور دوسری قباحتوں کی وجہ سے مستثنیٰ قرار دینا ضروری ہوا تو حصر بلاتکلف صحیح ہوا۔ اس لیے کہ مطلق محرمات کا حصر نہیں ہے۔ بلکہ وہ خباثت کہ ان میں سے بعض مذکور ہوئے بحث سے خارج ہیں۔ اور یحرم علیهم الخبائث میں داخل۔ کلام صرف طیبات پر مخصوص کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے ان چار چیزوں کے سوا کوئی چیز حرام نہیں ہے۔ گویا کلام کا خلاصہ یوں ہوا اے ایمان والو ان پاکیزہ

marfat.com

Marfat.com

چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں رزق عطا فرمایا کیونکہ طیبات میں سے تم پر صرف مردار، خون، لحم خنزیر اور وما اہل لغیر اللہ حرام کیا گیا۔ ان چاروں کے سوانہیں۔ تو اپنے اوپر ان کے ماسوا طیبات کو چھوڑ کر تنگی مت کرو۔

یہاں جاننا چاہیے کہ جس طرح مضطر کو ان چار چیزوں کے کھانے میں رخصت ہے۔ اسی طرح دوسری چیزوں میں بھی رخصت ہے۔ اور وہ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص پیاس کی شدت کی وجہ سے مجبور ہو جائے اسے شراب پینا جائز نہیں۔ اور اگر لقمہ اس کے حلق میں اٹک جائے تو جائز ہے کہ شراب کے ساتھ اس لقمے کو نیچے اُتارے۔ تو بظاہر یہ فرق بعید سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن گہری نظر دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شراب تشنگی کو دور کرنے والی نہیں بلکہ پہلے سے زیادہ پیاس کا موجب ہوتی ہے۔ اگرچہ ٹھنڈی ہو۔ تو اسے اس غرض کے لیے پینا مفید نہیں ہے۔ اگرچہ مجبور آدمی اس کے ظاہری قوام پر جو کہ پانی کی طرح ہے فریفتہ ہو کر گمان کرتا ہے کہ میری پیاس اسے پینے سے دور ہو جائے گی۔ جبکہ لقمہ نیچے اتارنا ہر پتلی چیز کا کام ہے تو اس غرض کے لیے مفید ہو گی، اور اضطرار دور کرنے والی ہو گی۔

## شراب اور تمام حرام چیزوں کے ساتھ دوا کرنے کا بیان

اور شراب اور تمام محرمات کے ساتھ دوا کرنے میں اختلاف ہے۔ صحیح حدیث میں جو کہ بخاری اور مسلم میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استسقاء کے مریضوں کی ایک جماعت کو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا ہے۔ اور بظاہر دوسری محرمات کا بھی اسی پر قیاس ہے۔ لیکن تجربہ یا دیندار حکیموں کا کہنا شرط ہے۔ اور بے دین حکیموں جیسے نصاریٰ اور ہندو کا کہنا کافی نہیں۔ اسی طرح فاسق مسلمان حکیم۔

نیز جاننا چاہیے کہ اکثر علماء کے نزدیک مانگنا خواہ زبان کے ساتھ ہو یا اظہار حال کے ساتھ ان چیزوں بلکہ تمام محرمات کے کھانے پر مقدم ہے۔ جبکہ محرمات کا کھانا غیر کے مال کو اس کی رضامندی کے بغیر کھانے پر مقدم ہے۔ جیسے چھیننا، چوری کرنا، امانت میں خیانت اور رشوت۔ اس لیے کہ ان محرمات کے کھانے میں کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، اور کسی کا حق

marfat.com

Marfat.com

تلف نہیں ہوتا۔ اور کسی کے دل میں کوئی سوزش پیدا نہیں ہوتی۔ جبکہ غیر کا مال اس کی مرضی کے بغیر کھانے میں غیر کو بھی ضرر پہنچتا ہے۔ اور حق اسلام یا ذمہ اور عہد کا حق بھی تلف ہوتا ہے۔ اور اس کا دل بھی جلتا ہے۔ خصوصاً وہ مال جو دین فروشی اور دنیا کی طمع فاسد کے لیے حق الٰہی کے حکم کو چھپانے کی وجہ سے کسب کیا جاتا ہے کہ اس کی حرمت مردار جانور کے خون سے ہزاروں مرتبہ زیادہ شدید اور سخت ہے۔ اور کسی حالت میں حلال نہیں خواہ اختیار اور فراخی کی حالت ہو اور خواہ تنگی کی۔

اور یہ لوگ جو جانوروں اور ان کے اجزا و اعضا کے حلال و حرام ہونے میں بحث کرتے ہیں۔ اور اس مسئلہ میں مسلمانوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں پڑ جاتے ہیں غیر کا مال کھانے سے بالکل پرہیز نہیں کرتے۔ اور شیر مادر کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔ شاید اس حرام مال کھانے کے عذاب کی شدت سے واقف نہیں ہیں یا جانے ہوئے کو نہ جانا ہوا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ تحقیق وہ لوگ جو کہ اس علم کو چھپاتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت خلق کے لیے اُتارا ہے۔ اور وہ علم اسرار اور دقائق کی قسم کا نہیں کہ عوام کی عقل اسے دریافت کرنے تک نہ پہنچ سکے۔ اور وہ اسے سمجھ نہ سکیں کہ اس قسم کے علم کو چھپانا جائز بلکہ واجب ہے۔ بلکہ اس علم کو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے

مِنَ الْکِتٰبِ اس کتاب سے۔ جو کہ متواتر، معمول اور مروج ہے۔ تا کہ عام مخلوق اس کی وجہ سے ہدایت پائے۔ تو اس چھپانے میں انہوں نے ارادہ الٰہی کے خلاف عمل بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت اور ان کا علم چاہا جبکہ انہوں نے ان کی گمراہی اور جہالت چاہی۔ اور مخلوق اور اپنے مذہب والوں کا حق بھی ضائع کیا۔ کہ انہیں ہدایت اور علم سے محروم رکھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ان دو قباحتوں پر اکتفا نہیں کرتے۔

وَیَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اور اس منزل من اللہ حکم کے عوض دنیا کا تھوڑا سا سامان خریدتے ہیں جو کہ ثواب آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اور ان کا یہ خریدنا دو طریقوں کے ساتھ ہے: پہلا طریقہ یہ کہ جب منزل من اللہ حکم اپنے مقصد کے خلاف ہو اور

marfat.com
Marfat.com

اس کے اظہار کی صورت میں اپنی سرداری کے زائل ہونے اور اپنی پیری میں کمی واقع ہونے یا اپنے قریبیوں، رشتے داروں، دوستوں اور محبت والوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا ڈر ہو تو اسے اپنی اس طمع کے حصول کی خاطر پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور بالکل ظاہر نہیں کرتے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب منزل من اللہ حکم فتویٰ پوچھنے والے کے مقصد کے مطابق ہو اور اس کے بیان کرنے میں اپنا بھی کوئی نقصان نہ ہو بغیر کوئی مال لیے یا کسی منفعت کے اسے بیان نہیں کرتے، اور روایت نہیں کرتے۔ تو حرام مال کھانے میں جسے یہ ہدیہ، نذرانہ اور شکرانہ کہتے ہیں ان لوگوں کا حال مردار، خون اور خنزیر کھانے والوں سے بدتر ہے۔ کیونکہ ان کے کام کی انتہا اسی قدر ہے کہ نجس چیز اپنے پیٹ میں ڈالتے ہیں نہ کہ کسی دل کو سوزش پہنچا کر اپنے باطن میں آگ کے حصے کو جگہ دیتے ہیں۔ جبکہ یہ لوگ ان کا حال یہ ہے

اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ یہ لوگ نہیں کھاتے فِیْ بُطُوْنِهِمْ اپنے پیٹوں میں۔ جو کہ ان کے باطن سے کنایہ ہے اِلَّا النَّارَ مگر آگ۔ اگرچہ ان کے ہاتھ، منہ اور حلق میں لذیذ کھانے اور نفیس شیرینی کی صورت حاصل کی ہو۔ اس شخص کی طرح جسے لذیذ کھانے اور اعلیٰ قسم کی مٹھائی میں زہر ہلاہل کھلائیں۔ جو کہ پیٹ میں جاتے ہی آگ کی طرح شعلہ زن ہوتی ہے۔

ہاں یہ مال ان کے حقیقی پیٹوں میں جو کہ ان کے باطن ہیں آگ ہو جاتا ہے۔ اور زہر اسی شکم مجازی میں جو کہ شکم حقیقی کا غلاف ہے۔ اور بمنزلہ اس کی کھال کے ہے آگ ہو جاتا ہے۔ اور اس وجہ سے اس مال کی تاثیر انہیں جلدی سے معلوم نہیں ہوتی، اور عجیب بات یہ ہے کہ اس مال کا کھانا ان کے باطن کو جلانے پر ہی اکتفاء نہیں کرتا بلکہ ان کی یہ سب پابندی اور سختی جو کہ وہ محبت الٰہی اور اس کی رضا طلبی کے دعوے کی بنا پر جانوروں اور ان کے گوشت اور اعضاء کو کھانے میں کرتے ہیں انہیں برباد کر دے گی۔ اور ان کے دعویٰ کے برعکس اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کے آثار نمودار کرے گی۔

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ اور خدا تعالیٰ ان کے ساتھ بلاواسطہ گفتگو نہیں فرمائے گا۔ بلکہ اگر انہیں کوئی عتاب اور ڈانٹ ہو گی تو فرشتوں کے ذریعے ہو گی۔ جیسے اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ۔ (المؤمنون آیت ۱۰۸) اس لیے کہ انہوں نے دنیا میں ضرورت کے وقت کلام الٰہی

marfat.com

Marfat.com

کو ظاہر نہ کیا، اور خدا تعالیٰ کے ارشادات زبان پر نہ لائے، اور لوگوں تک نہ پہنچائے۔ تو ان کی یہی سزا ہے کہ اس کی ہمکلامی کے شرف سے محروم رہیں۔ اے کاش عین عذاب کے دوران اگر انہیں کلام الٰہی کا سننا نصیب ہوتا تو اس کلام کے سننے کی لذت کی وجہ سے انہیں وہ عذاب بھول جاتا، اور وہ اپنے باطن میں ایک راحت پاتے۔ لیکن یہ دولت بھی انہیں کبھی حاصل نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ یَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت کے دن۔ جو کہ دربار عام کا دن ہے۔ اور اس دن ہمکلامی اتنی عزت اور شرف نہیں رکھتی کیونکہ نیک و بد کمینے اور عزت والے حتیٰ کہ بعض کافر بھی کلام پاک کو سنیں گے۔ جس طرح کہ دربار عام کے دن اور کچہری کے وقت گنہگار اور مجرم بھی بادشاہوں کی باتیں سنتے ہیں۔

اور کاش کے وہ اس دولت سے محروم رہتے اور آگ کا عذاب ان کے گناہوں کا کچھ وبال پاک کر دیتا۔ اور غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی۔ اور عذاب چکھانے کے بعد انہیں گناہوں کی میل سے پاک کر دیا جاتا لیکن یہ بھی ہوتا ہے کہ

وَلَا يُزَكِّيهِمْ اور عذاب کے ساتھ انہیں پاک نہیں کرے گا۔ تاکہ پاک ہونے کے بعد جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں۔ جس طرح ایمان والے گنہگار پاک ہوں گے۔ اس لیے کہ یہ لوگ درگزر کرنے، معاف کرنے اور تخفیف و راحت کے قطعاً لائق نہیں ہیں

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اور ان کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔ ہر طرف سے اور ہر وقت میں، اور کیوں نہ ہو کہ انہوں نے اپنی نجات کا سرمایہ برباد کر دیا۔ اس لیے کہ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ یہ لوگ وہ نقصان اٹھانے والے ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے عوض خریدا۔ اور مقدمات دین میں ہدایت سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ جبکہ گمراہی سے بدتر کچھ نہیں۔ جس طرح انہوں نے اپنی گمراہی اپنی ہدایت کے عوض اختیار کی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی گمراہی کو ان کی ہدایت پر اختیار کیا کہ ان سے علم دین کو چھپایا

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ اور اسباب عذاب کو اسباب مغفرت کے بدلے خریدا۔ اور آخرت میں عذاب سے زیادہ نقصان دہ کوئی چیز نہیں۔ اور بخشش سے زیادہ نفع بخش کوئی چیز

marfat.com
Marfat.com

نہیں۔ پس ان دونوں معاملات میں انہوں نے اپنے لیے آگ کو پسند کیا۔

فَمَآ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَى النَّارِ تو یہ لوگ آگ پر کتنے زیادہ صابر ہیں۔ گویا اسے پسندیدہ اور مرغوب چیز جان کر اپنی جان اور مال کے ساتھ اس کی خریداری کرتے ہیں۔ اور اگر کسی کے دل میں گزرے کہ ان کا عذاب کو مغفرت کے بدلے خریدنا اور آگ پر صابر ہونا اس معاملہ سے اس وقت معلوم ہو کہ عذاب کے اسباب یقین کے ساتھ عذاب تک لے جائیں۔ اور مغفرت کے اسباب یقین کے ساتھ مغفرت کا ذریعہ بنیں اور یہ بات ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ احتمال ہے کہ عذاب کے اسباب کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے شریعت میں عذاب کا سبب بیان کیا ہو اور فی الواقع ایسا نہ ہو۔ جس طرح کہ کئی دفعہ بادشاہ ڈرانے دھمکانے کے لیے کچھ کہتے ہیں۔ اور وعدہ کرتے ہیں۔ اور اس کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ اور اسی طرح مغفرت کی سمت میں احتمال ہے کہ رغبت دلانے کے لیے فرمایا گیا ہو۔ ہم کہتے ہیں ہ

ذَالِكَ یہ معنی۔ کہ عذاب کے اسباب کا ثابت ہونا بمنزلہ عذاب کے ثابت ہونے کے ہے۔ اور اسی طرح اسباب مغفرت کا ثابت بمنزلہ مغفرت کے ثابت ہونے کے ہے درست اور صحیح بلکہ دلیل سے ثابت ہے بِاَنَّ اللّٰهَ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ دوسرے بادشاہوں کی طرح نہیں ہے کہ اس کی کلام میں جھوٹ کا نقص راہ پائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو کسی کی زبان سے بیان نہ فرمایا بلکہ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ کتاب کو اُتارا ہے۔ جو کہ اسباب عذاب اور اسباب مغفرت کے بیان پر مشتمل ہے۔ اور بادشاہ اگر خلاف واقع ڈرائیں تو احکام اور منشور میں نہیں لکھتے۔ پھر کتاب کا نازل کرنا خوش طبعی، مبالغہ آرائی اور فریب دینے کے انداز میں نہیں بلکہ بِالۡحَقِّ یعنی نری حکمت کے ساتھ ہے جو کہ مبالغہ اور فریب دینے کا مقام ہرگز نہیں۔ تو خدا تعالیٰ کے وعدوں کو صرف ڈرانے دھمکانے یا رغبت و طمع دلانے پر ہرگز محمول نہیں کرنا چاہیے۔

وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا تحقیق وہ لوگ جو اپنے دل میں مختلف خیالات لاتے ہیں۔ فِى الۡكِتٰبِ کتاب الٰہی کے بارے میں۔ کہ اس میں جو ڈرانے دھمکانے کی بات اور ترغیبات ہیں وہ صرف ڈرانے اور دلیر کرنے کے لیے ہیں یا فی الواقع ایسا ہونا ہے

marfat.com
Marfat.com

لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ البتہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کی دور و دراز مخالفت میں ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کرنے سے ہدایت اور تعلیم کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ وہ صرف فریب دیتا ہے۔ اور جاہل بناتا ہے۔ جس طرح کہ بچوں کو فریب دیتے ہیں۔ اور جاہل بناتے ہیں۔

یہ ہے حال ان لوگوں کا جو کہ کتاب کے بارے میں تردد اور مختلف خیالات رکھتے ہیں۔ لیکن جو لوگ کہ کتاب کے وعدوں کو یقینی طور پر صرف ڈرانے اور دلیر کرنے کے لیے سمجھتے ہیں۔ اور اس معنی کا یقین کرتے ہیں۔ اور اسی یقین پر اعتماد کر کے اسے بدلنے اور چھپانے اور اس کے احکام بیان کرنے پر رشوت لینے میں جرءت کرتے ہیں۔ پس ان کی نوبت ارادہ الٰہی کی مخالفت سے گزر کر عداوت اور مقابلہ تک پہنچ گئی ہے۔ جو کہ بلاشبہ آگ میں داخل ہونے کا سبب ہے۔

## چند جواب طلب سوالات

یہاں چند جواب طلب سوالات باقی رہ گئے: پہلا سوال یہ ہے کہ آیات الٰہی کو چھپانے کا ذکر اور اس کی سزا کا بیان آیت اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ میں عنقریب گزرا ہے۔ اسی مضمون کو یہاں دوبارہ لانا ظاہر کے اعتبار سے نرا تکرار معلوم ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں آیتوں کے مضمون میں فرق ہے، تکرار نہیں ہے۔ گزشتہ آیت میں صرف آیات الٰہی کو چھپانے کی سزا مذکور ہوئی۔ جبکہ اس آیت میں رشوت یا دنیوی منفعت کی غرض فاسد کی بنا پر چھپانے کی سزا ہے۔ اور اسی لیے جو وعید اس آیت میں مذکور ہے اس وعید سے زیادہ سخت ہے۔ جو کہ گزشتہ آیت میں مذکور ہوئی۔ اور ہم یہاں آئے کہ اس آیت میں اس بُرے فعل سے توبہ کرنے والوں کی استثناء نہ فرمائی کیونکہ گزشتہ آیت میں اس کے ذکر کرنے پر ہی اکتفاء فرمایا گیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہاں فِیْ بُطُوْنِھِمْ کے لفظ کا کیا فائدہ؟ اس لیے کہ کھانا پیٹ ہی میں ہوتا ہے؟ اہل عربیت نے اس سوال کے دو جواب لکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس لفظ کو لانا

marfat.com
Marfat.com

مجاز کے توہم کو دور کرنے کے لیے ہے۔ اس لیے کہ کھانا کبھی پیٹ کے علاوہ میں بھی بطور مجاز استعمال ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں نے سردی کھائی ہے۔ اور طمانچہ کھایا ہے۔ تو اگر یہ لفظ نہ ہوتا تو احتمال تھا کہ یاکلون نارا کے لفظ سے آگ کا ان کی کھال تک پہنچنا سمجھا جاتا جیسا کہ تمام دوزخیوں کا حال ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ وہ لوگ صرف آگ میں جلنے کا عذاب ہی نہیں دیئے جائیں گے بلکہ آگ کی چنگاریاں ان کے پیٹ کے اندر ڈالیں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ عرب کے استعمال میں اکل فی بطنہ یعنی اس نے اپنے پیٹ میں کھایا اس وقت کہتے ہیں جب پیٹ بھر کر کھایا ہو۔ اکل فی بعض بطنہ کے مقابلہ میں۔ تو یہ لفظ لانے سے ان کا آگ کو پیٹ بھر کر کھانا سمجھا گیا۔ جس طرح کہ حرام مال کو پیٹ بھر کر کھاتے تھے۔ اور اس سے ضرورت کی حد تک اکتفا نہیں کرتے تھے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ آگ پر ان کے صبر سے تعجب جو کہ فَمَآ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَى النَّارِ سے سمجھا جاتا ہے آگ پر ان کے صبر پر موقوف ہے۔ حالانکہ انہیں صبر بالکل نہیں ہوگا۔ جیسا دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آگ پر ان کے صبر سے مراد اس آگ کو دیکھنے کے بعد نہیں ہے۔ بلکہ اسے دیکھنے سے پہلے اسباب آتش کے ارتکاب میں ان کی جرءت اور لاپرواہی کو بطور تہکم صبر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِى الۡكِتٰبِ میں ان مکسورہ اپنے مدخول سمیت جملہ ہے۔ جبکہ ان مفتوحہ جو کہ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ اپنے مدخول سمیت مفرد ہے۔ جملے کا عطف مفرد پر کس طرح صحیح ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِى الۡكِتٰبِ میں حرف واؤ حرف عطف نہیں ہے۔ بلکہ حال کے لیے ہے پس کوئی اشکال لازم نہیں آتا ہے۔ اور بعض مفسرین نے یہاں ان مکسورہ کو ان مفتوحہ کے معنوں میں رکھا ہے۔ اور اس کسرہ کو دخول کی جہت سے لازمی خیال کیا لیکن اس وجہ کا تکلف ہونا ظاہر ہے۔

اگر علمائے اہل کتاب جو کہ حق پوشی کرتے ہیں۔ اور رشوت کھاتے ہیں کہیں کہ تم نے

marfat.com
Marfat.com

ہمیں گمراہی اور عذاب کے خریدار اور ہدایت اور مغفرت کے فروخت کرنے والے کیوں قرار دیا ہے۔ حالانکہ ہم نے اپنے لیے آثار ہدایت اور اسباب مغفرت سے بہت سی چیزیں حاصل کی ہیں۔ اور کر رہے ہیں۔ کم از کم اتنا تو تم بھی دیکھتے ہو کہ ہم نماز کے اوقات میں خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور بخشش اور ہدایت میں اس قدر بھی کافی ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ غلط ہے۔ اس لیے کہ

لَیْسَ الْبِرَّ نیکی نہیں۔ کہ ہدایت کا اثر اور مغفرت کا سبب ہو سکے اَنْ تُوَلُّوْا کہ نماز کے وقت تم پھرو وُجُوْهَكُمْ اپنے چہروں کو۔ اس کے بغیر کہ تم درست عقائد کے ساتھ اپنے دلوں کو پاک کرو اور بخل کی آلائش، حب مال، بد عہدی اور جزع و فزع سے صاف کرو۔ اس لیے اس منہ پھیرنے کی انتہا یہ ہے کہ تمہاری توجہ واقع ہو

قِبَلَ الْمَشْرِقِ مشرق کی طرف۔ اگر تمہارا قبلہ اس مکان سے کہ جس میں نماز پڑھتے ہو سمت مشرق کو ہو وَالْمَغْرِبِ اور مغرب کی طرف۔ اگر تمہارا قبلہ اس مکان سے کہ جس میں نماز پڑھتے ہو مغرب کی طرف ہو، اور مشرق و مغرب کو منہ کرنے سے کوئی نیکی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ کام مشرکین اور سورج کو پوجنے والے بھی کرتے ہیں۔ اگر تم اپنے چہرے کو حقیقتاً قبلے کی طرف پھیرتے ہو تو اپنے دل کو بھی صاحب قبلہ کی طرف پھیرتے۔ جب تم نے یہ کام نہیں کیا معلوم ہوا کہ وہ بھی تمہارا مقصود نہ تھا، اور جب مشرق اور مغرب کا حال کہ دونوں مشہور طرفیں ہیں۔ اور مشرکین اور سورج کو پوجنے والوں کی بہت بڑی تعداد کے نزدیک قابل تعظیم اور عبادت کا قبلہ ہیں اس طرح ہے کہ ان کی طرف منہ کرنا اصلاً خوبی اور نیکی نہیں رکھتا تو جنوب و شمال اور دوسری درمیانی طرفوں کا حال اس سے بدتر ہوگا۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ لیکن نیکی۔ جو کہ ہدایت کا اثر اور مغفرت کا سبب ہے متوجہ ہونا مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ اس کا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان حاصل نہیں ہوتا مگر اس وقت جب کہ اسے موجود، بے مثل، باطن اور ظاہر کو جاننے والا، ہر چیز پر قادر، زندہ مختار جو کہ کسی کا مجبور نہ ہو، ضرورتوں سے پاک، کسی کی جبلی محبت سے غیر مجبور، عورت اور بیٹے سے پاک، سنتا، دیکھتا، ثواب و عذاب میں وعدے کا سچا، احکام میں حکیم مطلق، شریعتوں اور

marfat.com
Marfat.com

دینوں کو منسوخ کرنے اور جس قبیلہ اور قوم سے چاہے پیغمبروں (علیہم السلام) کو بھیجنے۔ اور جس زبان میں چاہے کتابیں اتارنے پر قادر اعتقاد کرو، اور تم یہ اعتقاد نہیں رکھتے ہو۔

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اور روز آخرت پر بھی ایمان لایا۔ اس وضع کے ساتھ کہ اس دن کے احوال اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے معلوم ہوئے۔ اپنے اسلاف کی شفاعت پر اعتماد کے بغیر۔ اور بغیر اس کے کہ اپنے فرقے کو نسب وحسب کی شرافت کی بنا پر قابل عذاب نہ جانیں۔ یا اپنے عذاب کو دوسروں کے عذاب سے کمتر اور چند دن خیال کریں۔ یا دار الثواب کو صرف اپنے لیے اور اپنے فرقے کے لیے خاص خیال کریں۔

وَالْمَلٰٓئِكَةِ اور فرشتوں پر ابھی ایمان لائے کہ خدا تعالیٰ کے فرماں بردار بندے ہیں۔ اور اس کی رضا کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ اور انہیں دشمن نہیں سمجھنا چاہیے۔ کہ خدا تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اور اس کے مطیع، اور اسی طرح ان کے بارے میں افراط اور حد سے گزرنے کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔ جس طرح کہ ہندو اور اہل جاہلیت کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ لوگ استقلال کے ساتھ جہان کی تدبیر کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے لیے بمنزلہ بیٹیوں کے ہیں۔

وَالْكِتٰبِ اور کتاب الٰہی پر بھی ایمان لائے۔ جو کتاب بھی ہو اپنے پر اُتری ہو یا اپنے غیر پر۔ اپنی لغت میں یا دوسری لغت میں۔ اپنی شریعت کے احکام کے مطابق ہو یا اس کی ناسخ، اور یہ ایمان حاصل نہیں ہوتا مگر اس وقت جب اس کتاب کو لفظی اور معنوی تحریف اور تبدیلی، فاسد تاویلات، اور اپنی بات پالنے کے لیے یا دنیوی اغراض، مال، مرتبہ اور بادشاہوں اور احکام کا قرب حاصل کرنے کے لیے باطل توجیہات سے محفوظ رکھے، اور اس کے مرتبہ کو اس سے بلند سمجھے کہ کوئی حقیر اور بے وقعت چیز اس کے عوض قرار دے۔

وَالنَّبِيّٖنَ اور تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے زمانے تک امتیاز اور تعصب کے بغیر۔ جبکہ تم نے بعض انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا جیسے حضرت شعیا، زکریا، یحییٰ اور اپنے گمان میں عیسیٰ علیٰ نبینا علیہم السلام کو۔ اور تم نے بعض کی تکذیب اور انکار کیا۔ اور انہیں شہید کرنے کے درپے ہوئے۔ اور جادو کیا۔ زہر دیا۔ اور

marfat.com
Marfat.com

جنگ کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جیسے پیغمبر آخرالزماں جو کہ خاتم المرسلین اور افضل انبیاء ہیں علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات، تو جو اس قسم کا ایمان لایا اور ان چیزوں کا گرویدہ ہو کر اس نے اپنے عقیدے کو درست کیا اور اپنے دل کو جہل مرکب اور فساد معرفت سے پاک کرلیا۔ اس لیے کہ آدمی کا ایک مبداء و معاد ہے۔ جو کہ خدا تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ اور ایک معاد ہے۔ جو کہ روز آخرت ہے۔ جب خدا تعالیٰ پر ایمان لایا اور روز آخرت کی تصدیق کی اس نے اپنے مبدء کی معرفت کا ایک رابطہ پیدا کرلیا۔ لیکن اسے اپنے مالک کی پسندیدہ چیزوں کو جاننے میں کہ روز آخرت اس کے کام آئیں، اور اس کی ناپسندیدہ چیزوں کو جو کہ اس روز مضر اور مہلک ہوں انبیاء علیہم السلام کو جاننے اور ان کا گرویدہ ہونے کے بغیر کوئی چارہ نہیں تاکہ ان کی زبان سے اپنے مالک کی پسند اور ناپسند کو پہچانے، اور اگر پیغمبر (علیہ السلام) موجود نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔ جو کہ پیغمبروں (علیہم السلام) کے ہمراہ نازل ہوئیں۔ اور یہاں سے اپنے عقیدے کو حل کریں۔ اور جب پیغمبری کا سلسلہ اور کتاب کا نزول فرشتوں کے ساتھ مربوط ہے فرشتوں پر ایمان کتاب اور پیغمبروں (علیہم السلام) پر ایمان سے پہلے ہے۔ اور جب پیغمبروں (علیہم السلام) کو بھی اصالتہً احکام الٰہی کتاب کے واسطے سے معلوم ہوتے ہیں تو کتاب پر ایمان لانا پیغمبروں (علیہم السلام) پر ایمان لانے سے بھی پہلے ہوا۔ تو جب مکلف نے ان ساری چیزوں کو دل و جان کے ساتھ قبول کرلیا۔ اس کے ذمہ جو دلی تصدیق تھی ادا کی لیکن ابھی اسے اپنی اس تصدیق پر ایک گواہ گزارنا چاہیے۔ اس لیے کہ تصدیق دل کا کام ہے ہر کسی پر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور بہترین چیز جو کہ اس تصدیق پر گواہ ہوسکتی ہے مال کا دینا ہے۔ جو کہ دل کی تہہ میں جگہ رکھتا ہے۔ اور پورا گرویدہ ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے کہ کوئی کسی کے لیے مال دے۔ گو نفاق کے ساتھ تعظیم، سلام، ذکر اور تعریف کرسکتا ہے۔ پس صحیح ایمان والا وہ شخص ہے۔ جس نے یہ کام بھی کیا۔

وَاٰتَى الْمَالَ اور مال دیا۔ لیکن اس وقت نہیں کہ اس مال سے بے پرواہ اور مستغنی ہوگیا ہو، کہ اس وقت دینا گرویدہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ عَلٰی حُبِّهٖ اس مال کی محبت کے

marfat.com
Marfat.com

باوجود کہ خود بھی اس کا محتاج ہے۔اور زندگی کی امید رکھتا ہے اور صحت مند بدن رکھتا ہے۔ اور ڈرتا ہے کہ اگر میں نے یہ مال دے دیا تو محتاج اور فقیر ہو جاؤں گا۔ پھر وہ مال اسے بھی نہیں دیتا جس سے کسی نفع کی توقع ہو۔ بلکہ صرف خدا تعالیٰ کی رضامندی کے لیے صرف کرتا اور دیتا ہے

ذَوِي الْقُرْبٰى قریبیوں کو تاکہ خیرات بھی ہو اور صلہ رحمی بھی اور عوض طلب کرنے سے دور بھی۔ اس لیے کہ اہل قرابت کی یہی عادت ہے کہ اپنے قریبیوں کی دی ہوئی چیز کو شمار میں نہیں لاتے بلکہ انہیں جس قدر دیا جائے شکایت کا دروازہ اسی قدر زیادہ کھول دیتے ہیں۔ نیز دوسرے لوگ بھی اس دینے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اور اس کے ساتھ آدمی کی تعریف نہیں کرتے، اور صاحب خیرات نہیں جانتے۔ تو اس دینے میں کسی وجہ سے بھی دینے والے کے دل میں عوض کا کھٹکا نہیں ہو سکتا خصوصاً جو صاحب قرابت بدسلوک اور جفا کار ہو۔

اس لیے حدیث شریف میں جسے بیہقی اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے وارد ہے کہ بہترین خیرات وہ ہے جو تو اپنے قریبی کو دے جو کہ ناقدر شناس ہوتا ہے۔ نیز بیہقی لائے ہیں کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اتی المال علی حبہ کا کیا معنی ہے۔ اس لیے ہر شخص مال کو دوست رکھتا ہے، آپ نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ تو اس وقت مال دے کہ تیرے دل میں عمر کی درازی اور مال دینے پر غربت کا خوف کھٹکے، اور تو دیر نہ کرے، حتیٰ کہ جب تیری روح حلق میں پہنچے اس وقت تو کہے کہ فلاں کو اس قدر دے دیں، اور فلاں کو اس قدر۔ حالانکہ اس وقت تیرا مال، تیرا مال نہیں ہے، دوسروں کا مال ہو گیا۔

اور ترمذی اور دوسری صحاح میں موجود ہے کہ فقیر کو خیرات دینا ایک خیرات ہے۔ اور اپنے اہل قرابت کو دینا دو چیزیں ہیں خیرات بھی حق قرابت کی ادائیگی بھی۔ اور احتمال یہ ہے کہ حبہ کی ضمیر خدا تعالیٰ کی طرف راجع ہو یعنی مال صرف خدا تعالیٰ کی دوستی پر دے نہ کہ اپنے ذمہ ایک واجب کی ادائیگی پر۔ جیسے زکوۃ اور کفارہ مثلاً زکوۃ کے اندازے سے زیادہ

marfat.com
Marfat.com

دے یا اس مال سے دے جس میں حد نصاب سے کمی کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ یا یہ کہ جنس نامی نہیں ہے۔ جیسے کپڑا، پوشاک، حویلی، دکان اور اس صورت میں مال دینے کی مغایرت زکوٰۃ دینے سے جو کہ آئندہ ذکر کی گئی ہے بالکل ظاہر ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ضمیر مال دینے کی طرف لوٹتی ہے۔ جو کہ اتی المال سے سمجھا جاتا ہے۔ یعنی مال دینے کو مکروہ اور ناگوار نہ سمجھا بلکہ مرغوب اور پسندیدہ جانا اور خوش دلی کے ساتھ ادا کیا۔ ہر صورت میں اہل قرابت کو دینا مقدم ہے۔ اور اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ مال کی زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر تک لے جانا اچھا نہیں بلکہ ہر شہر کے مال کی زکوٰۃ اسی شہر کے محتاجوں کو دینا چاہیے۔ مگر یہ کہ زکوٰۃ دینے والے کے قریبی رشتے دار دوسرے شہر میں ہوں تو انہیں مقدم کرے۔ اور اپنے مال کی زکوٰۃ اس شہر میں بھیجے۔ اور قریبیوں کے استحقاق کو یہاں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مال کی وراثت کا مرتبہ قرب کے درجوں کے اعتبار سے بھی انہیں کو ہے۔ اور وارث نہ ہونے کی صورت میں ابتدائے اسلام میں ان کے لیے وصیت فرض تھی۔ اب بھی مال کے تہائی حصے میں مستحب ہے۔

ہم یہاں پہنچے کہ حصول ثواب کے لیے قریبیوں میں غربت اور احتیاج شرط ہے یا نہیں؟ آیت کا اطلاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قریبیوں کو مال دینا عموماً اچھائی اور نیکی کے قبیلے سے ہے۔ لیکن جب یتیموں میں فقر واحتیاج شرط ہے۔ تو یہاں سے یہ بات نکھر گئی کہ قریبیوں میں بھی شرط ہو، اور قرینہ ظاہر ہونے کی بناپر لفظوں میں ذکر نہ فرمایا، اور تحقیق یہ ہے کہ برّ اور نیکی کے اصل ثواب کے حصول کے لیے اقارب میں فقر واحتیاج شرط نہیں ہے کہ صلہ رحمی ہوتی ہے۔ اگرچہ خیرات نہ ہو، اور صلہ رحمی ثواب میں صدقہ سے کم نہیں ہے۔ ہاں صدقہ اور خیرات اس وقت ہوتا ہے کہ محتاج بھی ہوں۔ اسی لیے زکوٰۃ اور دوسرے صدقات اور کفارے فقر واحتیاج کے بغیر اقارب کو نہیں دیے جا سکتے

وَالْيَتَامٰى اور یتیموں کو مال دے۔ جو کہ بچپنے میں باپوں کے بغیر ہوتے ہیں خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔ اس لیے کہ صغرسنی اور کم عمری کی وجہ سے روزی کی تلاش اور کمائی نہیں کر سکتے۔ اور باپ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی کوئی خبر لینے والا نہیں۔ پس انہیں اپنی ساری نوع

marfat.com
Marfat.com

والوں سے حکمی قرابت مل گئی ہے گویا حق تعالیٰ نے تمام مال داروں کو ان کے باپ مقرر فرما دیا، اور اس وجہ سے اور سخت محتاج ہونے کی وجہ سے انہیں ذوی القربیٰ کے متصل ذکر کیا گیا ہے۔

وَالْمَسَاكِيْنَ اور بے مایہ لوگوں کو مال دے۔ جن کی آمدنی ان کے خرچ کے مقابلے میں کم ہے، کہ کمائی کرتے اور راس المال رکھتے ہیں۔ اور یہاں اس فرقہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو سوال اور اظہار حاجت نہیں کرتے۔ اور قناعت، صبر اور سکون کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔ صریح حدیث پاک کی دلیل سے جو کہ صحاح میں وارد ہے **ليس المسكين الذى ترده التمرة والتمرتان واللقمة واللقمتان ولكن المسكين الذى لايجد غنى يغنيه ولايفطن له فيتصدق عليه** یعنی مسکین اسے نہ سمجھو جو کہ دروازوں کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور ایک لقمہ اور دو لقمے ہر گھر سے وصول کر کے لے جاتا ہے۔ بلکہ مسکین وہ ہے۔ جو کہ اپنی ضرورت کی کفایت کے مطابق مال نہیں پاتا اور کوئی اس کے حال سے باخبر نہیں تا کہ اسے خیرات پہنچے۔ اس دلیل سے کہ اس آیت میں سوال کرنے والوں کو علیحدہ ذکر فرمایا گیا ہے پس مساکین ان کے علاوہ ہوں گے۔

وَابْنَ السَّبِيْلِ اور راستہ طے کرنے والے مسافر کو مال دے۔ جس کے پاس خرچ نہیں یا سواری اور سایہ نہیں رکھتا۔ گو اپنے وطن میں مال دار ہو۔ خصوصاً جب مہمان ہو جائے کہ گویا وہ زبان حال سے سوال کرتا ہے۔ اور اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس خصوصیت پر نظر فرماتے ہوئے ابن السبیل کی تفسیر مہمان کے ساتھ فرمائی ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم ان سے روایت کرتے ہوئے فرماتے تھے **ابن السبيل هو الضيف الذى ينزل بالمسلمين**۔

وَالسَّائِلِيْنَ اور مال دے سوال کرنے والوں کو خواہ مسلمان ہوں خواہ کافر۔ اگرچہ ان کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی لیکن جب انہوں نے مانگنے کی ذلت اور گداگری کی عار اپنے اوپر گوارا کر لی تو ان کے محتاج ہونے پر صریح دلیل ہوئی کہ آدمی ضرورت کے بغیر اس ذلت اور عار کو اپنے اوپر گوارا نہیں کرتا۔ اسی لیے مسند امام احمد اور ابوداؤد میں حضرت امام حسین

marfat.com
Marfat.com

رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ واقع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ للسائل حق وان جاء علی فرس، اور ابن ابی شیبہ نے سالم بن ابی الجعد سے روایت کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ للسائل حق وان جاء علی فرس مطوق بالفضہ یعنی سائل کا ایک حق ہے۔ اگرچہ ایسے گھوڑے پر سوار ہوکر آئے جس کی گردن میں چاندی کا طوق ہو، اور ترمذی نے امام نجید کی روایت کے ساتھ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنے والوں میں سے تھیں روایت لائی گئی کہ اس نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ایک سائل میرے دروازے پر آتا ہے۔ اور میرے پاس اسے دینے کے قابل کوئی چیز موجود نہیں ہوتی، فرمایا جو کچھ موجود ہو دے دے، اور اسے خالی نہ پھیر۔ اگرچہ بکری اور بھیڑ کا جلا ہوا سم ہو۔ اور ابونعیم ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً لائے کہ جو سائل دروازے پر آتا ہے مومن کے لیے خداتعالیٰ کا ہدیہ ہے۔

وَفِی الرِّقَابِ اور مال دے گردنیں آزاد کرانے میں۔ خواہ قیدی اور اسیر مسلمان ہوں کافروں کے قبضے میں اور یہ شخص کچھ مال دے کر انہیں کفار کی قید سے چھڑا لے۔ اور خواہ مقروض ہوں جو کہ قرض خواہوں کے ہاتھوں مقید ہو گئے ہیں۔ اور یہ شخص ان کا قرض ادا کردے، اور اگرچہ یہ لوگ کھانے اور پہننے میں محتاج نہیں ہیں۔ لیکن مخلوق کی قید سے رہا ہونے میں مال کے محتاج ہیں۔

## علمائے عربیت کا اشکال اور اس کا جواب

اور یہاں علمائے عربیت کا ایک قوی اشکال ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فی الرقاب ظرف ہے۔ جبکہ پہلے ذوی القربی اپنے معطوفات کے ساتھ مل کر مفعول بہ تھا۔ جہت عمل کے اختلاف کے باوجود ظرف کا مفعول بہ پر عطف کس طرح درست ہوگا؟ اس اشکال کا جواب دو طریقوں سے دیا گیا ہے: پہلا طریقہ یہ ہے کہ یہ عطف حذف فعل پر محمول ہے اس تقدیر کے ساتھ کہ وَاٰتَی الْمَالَ فِی الرِّقَابِ۔ پس جملے کا عطف جملے پر ہوا نہ کہ ظرف کا عطف مفعول بہ پر، اور اسی طریقے کو صاحب کشاف نے لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ (التوبۃ آیت ۲۵) میں اختیار کیا اور نَصَرَکُمْ یَوْمَ حُنَیْنٍ مقدر کیا،

marfat.com

Marfat.com

اور اسے جملہ کے عطف کے باب سے گردانا تا کہ ظرف زمان کا عطف ظرف مکان پر لازم نہ آئے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ ظرف ایک دیگر ظرف محذوف پر معطوف ہے۔ جو کہ والسائلین سے متعلق ہے۔ یعنی والسائلین فی حوائجھم وفی فك الرقاب، اور سوال عام ہے قال کی زبان کے ساتھ ہو یا حال کی زبان کے ساتھ، اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ عطف کے صحیح ہونے کا مدار معنی پر ہے صورت لفظ پر نہیں۔ اور یہاں معنوی اعتبار سے جہت کا اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ رقاب اور جو اس سے پہلے گزرے دونوں مال کے مصارف ہیں۔ اور انہیں مال دیا جاتا ہے۔ نہ کہ زمان اور مکان کو۔ مال دینا گو اس مدخول کے ظاہر کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور وہ نہیں ہوتے۔

اور اسلوب کے بدلنے میں نکتہ یہ ہے کہ اس مصرف میں قیدیوں اور مقروضوں کو دینا معمول نہیں بلکہ مال انہیں دینا چاہیے جنہیں قید کر کے لیے گئے ہیں یا وہ اپنا قرض مانگتے ہیں تا کہ یہ چھوٹ جائیں۔ بخلاف سابقہ مصارف کے کہ مال انہیں دینا چاہیے۔

یہ ہیں مال خرچ کرنے اور مخلوق کے حقوق جو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حقوق اللہ کی ادائیگی سے مقدم ہیں ادا کرنے کی رو سے ایمان حقیقی کے شواہد۔ پھر چاہیے کہ حقوق اللہ کو بھی کماحقہ ادا کریں۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ اور نماز کو کمال کے ساتھ درست قائم کرے۔ اس لیے کہ نماز ظاہر سے لے کر باطن تک آدمی کے تمام اعضا اور اجزاء کو مشغول کرنے والی عبادت ہے۔ اور اس نے جب اسے درست کیا تو ہر عضو سے حق الٰہی کی ادائیگی ثابت ہوگئی۔ پس حق بدنی جو کہ ہر روز پانچ وقت اس کے ذمہ واجب تھا کی ادائیگی سے فارغ ہوا

وَاٰتَی الزَّکٰوةَ اور زکوۃ دے جو کہ مال میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ تا کہ اس حق کی ادائیگی سے بھی فارغ ہو جائے۔ گو ذکر کیے گئے چھ مصارف میں مال دینے سے مخلوق کی ضرورتوں کی کفایت کی تھی، اور زکوۃ ایک معین اندازے کا نام ہے اس مال سے جس پر پورا سال گزرا ہو بشرطیکہ وہ حد نصاب کو پہنچا ہو اور نصاب کی حد چاندی سے ۵۲ (باون) تولے

marfat.com

Marfat.com

اور سونے سے ساڑھے سات تولے اور سامان تجارت کو جو کسی جنس سے بھی ہو سونے یا چاندی کے نصاب کی قیمت کے ساتھ مقرر کر کے زکوٰۃ دینا چاہیے، اور ان کی زکوٰۃ میں واجب مقدار چالیسواں حصہ ہے۔ لیکن مویشی اور کھیتی باڑی جو کہ خراج کی زمین میں نہ ہو تو اس میں طویل تفصیل ہے۔ جو کہ فقہ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔

اور جب زکوٰۃ دینا قریبیوں، یتیموں، مسافروں، سائلوں اور قیدیوں کو مال دینے سے، جدا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ دینا زکوٰۃ دینے سے جدا ہے۔ اور اس میں بعض واجب یا فرض ہے۔ جیسے ان قریبیوں کی خبر گیری جو کہ محرم ہیں۔ اور محتاج ہیں۔ اور جیسے مجبور مسافر کی خبر گیری، صدقہ نظر، نذریں، کفارے اور قربانی، اور ان میں سے بعض مروت اور مستحب ہے۔ اور اسی لیے اس دینے کا مطالبہ اس سے بھی ہوتا ہے۔ جس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے یا واجب ہے۔ اور اس نے ادا کر دی ہے۔ اور یہی معنی ہے اس حدیث پاک کا جو کہ ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی ایک حق ہے۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی، اور بخاری اپنی تاریخ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا زکوٰۃ دینے کے بعد مال پر کوئی حق واجب رہتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اور یہ آیت تلاوت فرمائی وآتی المال علی حبہ الخ۔

اور وہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ زکوٰۃ نے مال میں ہر حق کو منسوخ کر دیا، اور مال میں زکوٰۃ کے سوا کوئی حق نہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا معین حق زکوٰۃ کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ اور یہ حقوق جو پہلے ذکر کیے گئے معین نہیں ہیں۔ پھر مخلوق کے حقوق ہیں نہ کہ حقوق خدا۔ اور ابھی تک جو ذمہ داریاں کہ بیان ہوئیں اس قبیلے سے تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر خواہ اپنے لیے خواہ اپنی مخلوق کے لیے ان کے لازم کیے بغیر لازم فرمایا ہے۔ لیکن اس پر نظر کرتے ہوئے جو لوگوں کے ذمہ خود لازم کرنے کی وجہ سے لازم ہوتی ہیں۔ پس نیک لوگ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے۔ خواہ وہ عہد اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھیں اور کوئی نذر اپنے اوپر مقرر کریں یا کسی نیک کام پر

marfat.com
Marfat.com

اس کے نام کی قسم کھائیں۔ اور مخلوق کے ساتھ کوئی عہد باندھیں۔ یا کسی کی امانت پکڑیں یا کسی کے ساتھ نیک وعدہ کریں کہ ان سب صورتوں میں وفا واجب ہے۔ لیکن وفا کی نیت چاہئے جو کہ دل میں پختہ ہوتی ہے۔ اِذَا عَاهَدُوْا جس وقت کہ عہد باندھیں۔ تو اگر اس وقت پورا کرنے کی نیت نہ تھی۔ اور بعد میں لوگوں کی ملامت کے خوف یا کسی منفعت کی طمع سے پورا کیا تو یہ معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، اور اسی طرح اگر عہد باندھنے کے وقت وفا کی نیت پختہ تھی۔ لیکن بعد میں ناچاری اور ناطاقتی کی وجہ سے یا کسی ظالم کے ڈر کی وجہ سے وفا نہ کر سکا تو معذور ہے۔ اور اس کا بے وفاؤں میں شمار نہیں ہوتا۔

اور عہد کو پورا کرنا اگرچہ بظاہر نیک کاموں میں سے کسی ایک کام کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں تمام معاملات کو شامل ہے۔ جن کا بندوں کو خدا کے ساتھ یا مخلوق کے ساتھ اتفاق ہوتا ہے۔ جیسے پیری مریدی، شاگردی اُستادی، اُمت ہونا اور نبی ہونا یہ سب کے سب دونوں طرف سے اللہ تعالیٰ کے عہد کو ضمن میں لیے ہوئے ہیں کہ اس تعلق کے لوازمات کو کما حقہ ادا کریں، اور اسی طرح دین اسلام میں داخل ہونا اور کسی نیکی میں شروع ہونا گویا اس کے لازمی حقوق کو پورا کرنے پر عہد باندھنا ہے۔ اور اسی لیے وہ لوگ جو کہ اس زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیعت کرتے تھے کبھی تنگی اور آسانی اور خوشی غمی میں حکم قبول کرنے پر۔ کبھی اس بات پر کہ سچی بات کہیں گے جہاں بھی ہوں۔ اور دین کے مقدمہ میں کسی سے نہ ڈریں۔ اور تقیہ اور رعایت نہ کریں۔ اور کبھی اس بات پر کہ کسی مخلوق سے سوال نہ کریں۔ اور یہ چیزیں ان کے ذمہ زیادہ لازم ہو جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ اصحاب صفہ میں سے بعض جنہوں نے دینا اور مال جمع کرنے کو ترک کرنے پر بیعت کی تھی۔ اور وفات کے وقت ایک دو اشرفیاں ان کی جیب سے برآمد ہوئیں وعید شدید کا مورد ہوئے۔

اور نکاح، وکالت، شرکت، مضاربت اور اکثر معاملات وفائے عہد کی طرف لوٹتے ہیں۔ اور اس اچھی عادت کے بغیر کسی معاملے کا حق شریعت کے مطابق ادا نہیں ہو سکتا، اور اسی لیے اسلوب کو بدل کر اور فعل سے اسم کے ساتھ لا کر اس خصلت کو بیان فرمایا، اور یہ سب

marfat.com
Marfat.com

خصلتیں جو کہ ذکر ہوئیں ہم نے برّ اور نیکی کا کچھ حصہ تمہارے سامنے بیان فرمایا ہے۔ عموم کے طریقے پر بیان فرمایا:

وَالصَّابِرِیْنَ اور یاد کرو صابروں کو جن کے حق میں عنقریب آیت وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ میں کیا بشارت گزری ہے۔ اور وہ نیکی کے کن مرتبے میں ہیں۔ خصوصاً جب ان کا صبر تمام سختیوں کو گھیرنے والا ہوتا ہے تو صبر کرتے ہیں

فِی الْبَاْسَآءِ شدت فقر میں، تمہاری طرح نہیں کہ باوجودیکہ اتنے محتاج نہیں ہو رشوتیں تیل کھانے سے صبر نہیں کرتے ہو۔

وَالضَّرَّآءِ اور مرض، درد اور تکلیف میں۔ نہ کہ تمہاری طرح کہ ایک کھانا کھانے سے گرچہ لذیذ اور نفیس تھا تنگ آ کر کہا لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ

وَحِیْنَ الْبَاْسِ اور جنگ کے وقت کہ غلے اور پانی کا قحط بھی، دشمنوں کا ہجوم اور خوف بھی اور جسمانی تکلیفیں، بے خوابی، زخم اور اعضا کا ضائع ہونا بھی رونما ہوتا ہے۔ تمہاری طرح نہیں کہ تم نے اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ کہا، اور جسے ان تین حالتوں میں صبر کی عادت ہو تو جانا جا سکتا ہے کہ اس کا صبر کامل ہے۔ اس لیے کہ آدمی پر جو مصیبتیں آتی ہیں۔ اور صبر کے امتحان کا وقت آتا ہے سب کے سب تین قسم ہیں۔ پہلی قسم مال کا نقصان جس کا انجام فقر ہے۔ دوسری قسم بدن کا نقصان جس کا شروع درد، رنج، بیماری، زخم، صدمے اور خواریاں ہیں۔ تیسری قسم جان کی ہلاکت کہ اس کا زیادہ تر خطرہ جنگ کے وقت ہے۔ اور یہ تینوں مصیبتیں سختی اور شدت میں اسی ترتیب کے ساتھ ترقی کرتی ہیں۔

نیز ان کی جزا جانی جا سکتی ہے کہ یہ صرف حکم الٰہی کی اطاعت کے لیے ہے۔ ورنہ انسانی افراد اپنی طبیعتوں میں موجود مختلف جرءتوں کے اعتبار سے ان میں سے بعض مصیبتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ مثلاً بعض لوگ جنگ کے وقت بالکل بے جا نہیں ہوتے بلکہ تھوڑی سی بیماری جو ظاہر ہوتی ہے تو حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ اور بعض دوسرے فقیری برداشت کرنے میں بہت ثابت قدم ہوتے ہیں۔ جبکہ جنگ کے نام سے ان کے چہرے

marfat.com
Marfat.com

زرد پڑ جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور جوان تمام حالات میں ثابت قدم رہے اطاعت الٰہی سے مغلوب ہونے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

مختصر یہ کہ نیکوکاری ان اوصاف کا جامع ہونے سے عبارت ہے۔ اگر ان میں سے ایک وصف بھی فوت ہو جائے تو نیکوکاری کا نام درست نہیں ہوتا۔ تو اہل کتاب جنہوں نے تمام اوصاف فوت کر دیئے ہوں حتیٰ کہ خدا تعالیٰ پر ایمان لانے میں اس قدر کوتاہی کی کہ حضرت عزیر اور مسیح علیہما السلام کو خدا کے بیٹے قرار دے دیا، اور یہودیوں نے یَدُاللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ کہا، اور نصاریٰ حلول واتحاد کی طرف چلے گئے، اور آخرت کے بارے میں بھی اسی قسم کی بوگس چیزوں کے معتقد ہوئے، کبھی کہتے کہ لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ کَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی، اور کبھی لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً، اور فرشتوں پر ایمان لانے میں سے بہترین کو جو کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اپنا دشمن قرار دے دیا۔ اور ملائکہ کی عصمت کے سرے سے ہی منکر ہو گئے، اور کتاب پر ایمان لانے میں عجیب قسم کی بانٹ اور تقسیم کی۔ اس کے ایک حصے کے معتقد ہو گئے جبکہ دوسرے کے بارے میں کفر اختیار کیا، اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام پر ایمان کے بارے میں بھی۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی ایک کثیر جماعت کو شہید کر دیا۔ اور اپنا وہ مال دینے کا کیا امکان جس کے بدلے انہوں نے دین کو بیچ دیا۔ اور آیات الٰہی اور اس کے احکام کو دنیا کے تھوڑے سامان کے بدلے ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ اور اپنے عہدوں کو توڑنا ان کی ہمیشہ کی عادت ہے۔ جیسا کہ پہلے پارے میں گزرا۔ اور ان کی بے صبری بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بار بار ظاہر ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے صاف کہہ دیا لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ اور عمالقہ کی جنگ میں ان کی بزدلی اس حد تک پہنچ گئی کہ انہوں نے اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ کہا۔ تو انہیں نیکوکاری کا دعویٰ کیسے درست آئے جبکہ ان اوصاف میں ایک وصف بھی نہیں رکھتے۔ ہاں نیکوکار وہی لوگ ہیں جو کہ ان تمام اوصاف کے جامع ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ اس لیے کہ نیکوکاری یا اعتقاد میں ہے یا اعمال اور اخلاص میں۔

اُولٰٓئِكَ وہ ان اوصاف کے جامع لوگ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وہ ہیں جو کہ اعتقادات میں

marfat.com

Marfat.com

سچے ہیں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ اور وہ لوگ وہی ہیں جو اخلاق و اعمال میں متقی ہیں۔ پس کسی وجہ سے خلل نہیں رکھتے، اور ان کی نیکوکاری ظاہر و باطن میں کمال کو پہنچی۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

ہم یہاں آتے ہیں کہ صابرین کی وصف کو منصوب کیوں لائے کیونکہ سابقہ صفات بھی مرفوع ہیں۔ اور اس صفت کا ان صفات پر عطف تقاضا کرتا ہے کہ یہ بھی مرفوع ہو۔ اہل عربیت کہتے ہیں کہ اس نصب کو مدح و اختصاص کی نصب کہتے ہیں۔ جب چند صفات میں سے کسی صفت کو مزید شرافت و عظمت سے امتیاز دینا چاہیں تو معنوی امتیاز کو جتلانے کے لیے اعراب میں امتیاز دے دیتے ہیں۔ اور سختیوں اور جنگ کے معرکوں میں صبر کرنا ایک عمدہ صفت ہے اسے سابقہ صفات سے ممتاز کرنا ضروری تھا۔ اس بنا پر اس کے اعراب کو سابقہ صفات کے اعراب سے بدل کر رفع سے نصب لائے۔ گویا یوں فرمایا ہے کہ ہم صابروں کو مدح عظیم اور نیکی کے کمال کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ اور ابوعلی فارسی کہتے ہیں کہ مقام مدح یا مقام ہجو میں تو اگر بہت سی صفات کو ذکر کرے تو بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ تو ان صفات کا اعراب مختلف لائے۔ اور سب کو اپنے موصوف پر یکساں نہ لائے اس لیے کہ مدح و ہجو کا مقام طوالت اور مبالغے کی جگہ ہے۔ اور جب صفات کے اعراب مختلف ہو گئے تو معنوں میں طوالت حاصل ہو گئی۔ اس لیے کہ اعراب کے مختلف ہونے کی صورت میں کلام یوں معلوم ہوتا ہے گویا چند قسم کا کلام ہے۔ اور اعراب مختلف نہ ہوں تو سارا کلام ایک جملہ ہو جاتا ہے۔

اور علمائے عربیت میں سے بعض محققین نے اس کے جواب میں کہ حرکت کا اختلاف مدح و ہجو میں مبالغہ کا فائدہ کیوں دیتا ہے کہا ہے کہ مدح و ہجو کا اصل سامع کی کلام سے ہے۔ اس لیے کہ جب کوئی شخص دوسرے کو خبر دیتا ہے کہ فلاں نے ایسا کیا۔ غالب طور پر سامع اس کا نام سن کر یا تو اس کی مدح و ثنا کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ کیا خوب آدمی کا آپ نے ذکر کیا یا وہ کتنا عقلمند ہے یا کتنا قابل ہے یا اسی طرح اس کی ہجو اور مذمت کرتا ہے۔ پس مدح اور ہجو کے وقت متکلم چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو سامع قرار دے اسی انداز سے بات کرے اس کی بنا

marfat.com

Marfat.com

پر اعراب کا اختلاف مدح اور ذم کی دلیل ہوتا ہے۔

اور حدیث شریف میں ابن مردویہ اور عبد بن حمید کی روایت کے ساتھ وارد ہے کہ ایک شخص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور آخر تک پہنچائی۔ اس شخص نے کہا کہ یہ آیت میرے سوال کا جواب نہیں ہوئی۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں آ کر اسی قسم کا سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وہ بھی راضی نہ ہوا جیسے تو راضی نہیں ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا کہ قریب آ، جب نزدیک ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ایمان کی علامت یہ ہے کہ جب تجھ سے نیکی سرزد ہو تو اپنے دل میں خوش ہو اور اس کے ثواب کی امید رکھے۔ اور جب تجھ سے برائی صادر ہو تو غمگین ہو اور اس کی سزا کا ڈر تیرے دل میں اثر کرے، اور ابن ابی شیبہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے لائے کہ جو اس آیت پر عمل کرے اس کا ایمان کامل ہو جاتا ہے۔

اور فی الواقع اس آیت میں غور و خوض کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ شرعی ذمہ داریوں میں سے کوئی چیز اس آیت کے مضمون سے باہر نہیں ہے۔ اور حکیم ترمذی نے ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے پوچھا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! نیکی کا کمال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خلوت میں تو وہی کرے جو کہ کھلے عام کرتا ہے اور ابن عساکر، حضرت زید بن رفیع سے لائے کہ ان سے کسی نے خارجیوں کے متعلق پوچھا کہ ان کی تکفیر میں آپ کیا فرماتے ہیں وہ قبلہ والے ہیں۔ اور نماز روزہ اسلامی طریقے پر ادا کرتے ہیں۔ زید بن رفیع نے فرمایا کہ استقبال قبلہ اور نماز روزے پر فریفتہ نہ ہو جاؤ۔ تم نے سنا نہیں کہ حق تعالیٰ کیا فرماتا ہے؟ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الخ تو جس نے اپنا ایمان ان چیزوں کے ساتھ درست کر لیا مومن ہے۔ اور جو ان میں سے ایک چیز کا منکر ہوا کافر ہے۔

اور جب تم نے جان لیا کہ نیکوکاری کی قسموں میں سے بہترین قسم صبر ہے۔ تو اس

marfat.com
Marfat.com

خصلت کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دینا، خصوصاً اس وقت کہ تمہارے قریبیوں اور متوسلین میں سے کوئی کسی کے ہاتھوں مارا جائے۔ اور تمہیں قاتل سے انتقام کا غصہ، مقتول کی جدائی کا صدمہ، مقتول کی حفاظت سے پورے طور پر اپنے عاجز ہونے کی شرمندگی اور ذلت کا لاحق ہونا ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو کر عجیب حالت پیدا کر دے اور اس وقت بے صبری کر کے تم چاہو کہ قصاص میں برابری پر اکتفاء نہ کرو بلکہ ایک شخص کی بجائے چند آدمیوں کو قتل کر دو۔ اور قاتل کے ساتھ اسے کے بیٹے، بھائی اور رشتے داروں سے قصاص لے لو یا مقتول عورت کے عوض قتل کرنے والی عورت کو قتل کرنے پر اکتفاء نہ کر کے اس کے مردوں جیسے شوہر اور بیٹا بھی قتل کر دو۔ یا اپنے غلام کے عوض جو کہ کسی شخص کے غلام کے ہاتھوں مارا گیا ہو صرف غلام کے قتل پر اکتفاء گوارا نہ کرو اور چاہو کہ اس غلام کے مالکوں کو بھی قتل کر دو، اور جان لو

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے باایمان لوگو! تمہارے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ بارگاہ خداوندی سے تم پر جو کچھ لکھا گیا ہے کسی حالت میں بھی اس سے آگے نہ بڑھو۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ تم پر خون میں برابری کرنا لکھا گیا ہے۔ فِی الْقَتْلٰی مقتولوں کے مقدمہ میں، تو ہر مقتول کو دوسرے مقتول کے برابر رکھو۔ اور اپنی محبت اور قرابت یا علم، فضل، نسب، بزرگی، ذات میں اچھے ہونے، خوبصورتی اور بدصورتی، اور باہمی نیکی اور برائی کی وجہ سے ترجیح اور امتیاز کا سبب نہ بناؤ کہ ایک مقتول کے بدلے چند آدمیوں کو قتل کر دو۔ اس لیے کہ اگر اس قسم کی ترجیح اور امتیاز کو دخل دو گے تو قصاص کا مسئلہ ختم ہو جائے گا۔ اور جاری نہ رہے گا۔ اس لیے کہ ہر شخص کے نزدیک اپنا مقتول زیادہ پیارا اور قیمتی ہوتا ہے۔ جس طرح تم اپنے مقتول پر غم اور صدمہ پیدا کرتے ہو دوسرے بھی اپنے قریبیوں اور عزیزوں پر اسی طرح غمگین ہوتے ہیں۔ کیا وہ گوارا کریں گے کہ تم اپنے مقتول کے بدلے ان میں سے کئی آدمیوں کو قتل کر دو۔ پس

اَلْحُرُّ ہر آزاد برابر ہے بِالْحُرِّ دوسرے آزاد کے۔ اگرچہ اس نے ازروئے علم یا نسب و جمال فضیلت حاصل کی ہو مثلاً ایک سید ہو اور دوسرا جولاہا۔ وَ اور اسی طرح اَلْعَبْدُ ہر

marfat.com

Marfat.com

غلام برابر ہے بِالْعَبْدِ دوسرے غلام کے۔ اور اسی طرح ہر کنیز دوسری کنیز کے برابر ہے۔ اگرچہ ایک غلام بادشاہ کا چیلہ اور محبوب ہو اور دوسرا مویشی چرانے والا دیہاتی، اور ایک کنیز کسی بادشاہ کا حرم خاص ہو اور دوسری کوڑا کرکٹ اٹھانے والی۔

وَ اور اسی طرح الْاُنْثٰی یعنی ہر عورت برابر ہے بِالْاُنْثٰی دوسرے عورت کے اگرچہ ایک محل میں بیٹھنے والی بیگم ہو اور دوسری کوچے میں پھرنے والی مزدور۔ اور یہاں جاننا چاہیے کہ اس آیت کا مدلول اسی قدر ہے کہ اہل ایمان کو چاہیے کہ خون کے مقدمے میں غصے اور کینے کی وجہ سے بے صبری نہ کریں، اور قتل کرنے میں حد شرع سے تجاوز نہ کریں۔ جس طرح کہ اہل جاہلیت عمل میں لاتے تھے کہ بڑے لوگ عام لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم اپنے غلاموں کے عوض تمہارے آزاد آدمیوں کو قتل کریں گے، اور عورتوں کے بدلے مردوں کو قتل کریں گے۔ اور ایک شخص کے عوض دو آدمیوں کو قتل کریں گے۔ تم ایسا نہ کرنا بلکہ اس مقدمہ میں ہر آزاد آدمی کو آزاد آدمی کے برابر جانو، اور اسی طرح ہر غلام کو دوسرے غلام اور ہر عورت کو دوسری عورت کے برابر، نسبی شرافت یا عمدگی کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح اور فضیلت نہ دو، اور ایک کو چند آدمیوں کے برابر نہ کرو۔ اور اس آیت کا مفہوم مخالف کہ آزاد غلام کے برابر نہیں۔ اور اسی طرح غلام آزاد کے اور عورت مرد کے برابر نہیں تو یہ عام طور پر مراد نہیں ہے۔ بلکہ دیت لینے کی صورت میں۔

## مرد اور عورت کی دیت کا فرق

اس لیے کہ آزاد مرد کی دیت یعنی خون بہا دو ہزار آٹھ سو (۲۸۰۰) روپیہ کے قریب ہے (یہ حضرت مفسر علام کے دور کی بات ہے۔ اب اس سے زیادہ ہے) جبکہ آزاد عورت کی دیت اس رقم کا نصف۔ اور غلام اور کنیز کی دیت ان کی قیمت ہے۔ لیکن خون کا معاوضہ خون کی صورت میں۔ پس کوئی فرق نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک آزاد کو غلام کے عوض قتل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ غلام اس کا مملوک نہ ہو، اور مرد کو عورت کے عوض بالاجماع قتل کیا جا سکتا ہے۔ اور اکثر مفسرین جو کہ تغلیب کے طریقے سے الْقَتْلٰی کو مقتولوں اور قاتلوں میں شامل کر کے مقتولوں کے برابر کرنا مراد لیتے ہیں اس مفہوم مخالف میں تردد کرتے ہیں۔ اور بعض شافعی

marfat.com

Marfat.com

حضرات اسے اپنے مذہب پر دلیل لاتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ آزاد کو غلام کے عوض قتل نہیں کرنا چاہیے۔اور حق یہ ہے کہ اس مذہب پر اس مفہوم مخالف کے ساتھ استدلال صحیح نہیں آتا۔اس لیے کہ اگر یہ معنی مراد ہو تو اس کا عکس بھی مراد ہوگا۔اور وہ اجماع کے خلاف ہے۔ نیز جب ہر عورت کو دوسری عورت کے برابر فرمایا گیا تو کنیز اور آزاد عورت برابر ہوئیں حالانکہ اگر غلام اور آزاد مرد میں فرق کیا جائے تو کنیز اور آزاد میں بھی فرق کرنا چاہیے، اور اس کے باوجود مرد اور عورت کے درمیان یہ مفہوم مخالف کسی طرف سے درست نہیں پڑتا، اور آیت النفس بالنفس کے عموم کے مخالف بھی ہے۔اور حدیث المسلمون یتکافؤ دماء هم کے منافی بھی۔

ہاں اگر چند لوگ ایک شخص کو قتل کرنے میں شریک ہوں تو ان چند لوگوں کو ایک شخص کے عوض قتل کرنا ٹھیک ہے۔اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اس ایک کا قاتل ہوا، تو غیر قاتل قتل نہ کیا گیا، اور یہی معنی ہے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول کا کہ لو تمالا علیه اهل صنعا لقلتهم کہ اگر مقتول پر سب اہل صنعاء ٹوٹ پڑتے تو میں انہیں قصاص میں قتل کرتا۔

نیز جاننا چاہیے کہ قصاص کے حکم سے چند صورتیں مستثنٰی ہیں۔پہلی صورت یہ ہے کہ مسلمان حربی کافر کو قتل کر دے کہ بالاجماع اس صورت میں قصاص نہیں ہے۔اور اگر ذمی یا صلح کرنے والے کو قتل کیا تو اختلاف ہے۔شافعیہ کے نزدیک اس صورت میں بھی قصاص نہیں ہے۔اور حنفیہ کے نزدیک ہے۔لیکن صحیح حدیث لایقتل المسلم بکافر شافعیہ کے قول کی تائید کرتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو غلطی سے قتل کر دیا، اور اس کے دو طریقے ہیں۔پہلا یہ کہ پہچاننے میں خطا کرے۔اور اس مسلمان کو شکل اور لباس کی وجہ سے یا کفار کے ہمراہ ہونے کی وجہ سے کافر سمجھ کر قتل کرے۔اور دوسرا یہ کہ فعل میں خطا کرے جیسے تیر یا ڈھیلا شکار پر پھینکا تھا درمیان میں مسلمان کا گزر ہوا۔اور اسے لگ گیا اور وہ مارا گیا۔ان دونوں صورتوں میں قصاص لازم نہیں آتا بلکہ خون بہا واجب ہوتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

جیسا کہ سورۂ النساء میں مذکور ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ باپ یا ماں اپنے بیٹے یا بیٹی یا پوتے یا نواسے کو مار دیں کہ اس صورت میں بھی قصاص واجب نہیں ہے، خون بہا لینا چاہیے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ مالک اپنے غلام یا لونڈی کو قتل کر دے۔ اور اس صورت میں قصاص آتا ہے نہ خون بہا لیکن مالک پر کفارہ دینا لازم ہوتا ہے۔

## چند جواب طلب سوالات

یہاں چند جواب طلب سوالات باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اس کلام سے مخاطب کون لوگ ہیں؟ اگر قاتل ہیں تو ان پر واجب نہیں کہ اپنے آپ کو قتل کریں بلکہ یہ فعل حرام ہے۔ اور اگر مقتول کے ورثاء ہیں تو وہ لوگ اس سلسلہ میں بااختیار ہیں اگر چاہیں تو قصاص لیں اور اگر چاہیں تو معاف کر دیں بلکہ معاف کرنا بہتر ہے والعافین عن الناس کی دلیل سے، اور اگر کوئی ان دونوں کے علاوہ ہے تو وہ کون ہے؟ اور اس کے ساتھ کسی دوسرے پر مقدمہ خون میں بالاتفاق کوئی چیز واجب نہیں ہوتی خون بہا دینا نہ قصاص لینا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قصاص برابر کرنے سے عبارت ہے۔ اور مقتولوں میں برابری کی رعایت سب مسلمانوں پر اس طرح واجب ہے کہ جب قصاص واجب ہونے کے شرائط جمع ہو جائیں انہیں جائز نہیں کہ اس وقت برابری کی رعایت نہ کریں۔ قاتل کو برابری کی رعایت سے اپنے آپ کو پیش کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور مقتول کے وارث کو برابری کا مطالبہ کرنا چاہیے نہ کہ زیادتی کا، اور بادشاہوں اور حاکموں کو بھی قتل کرنے میں برابری کرنا چاہیے۔ پس اس خطاب سے تمام مسلمان مخاطب ہیں۔ لیکن چونکہ کسی کی بات حاکم کی تائید کے بغیر آگے نہیں بڑھتی اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کلام کے مخاطب صرف حکام ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ خون بہا لینے کے وقت برابری واجب ہے۔ لیکن یہ کہ خون کے عوض خون لینا واجب ہے تو اس آیت سے سمجھا نہیں جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں اس آیت سے یہ مضمون سمجھا نہیں جاتا اور جو آیت خون کا معاوضہ واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے دوسری آیت ہے۔ جو کہ سورۂ مائدہ میں تورات

marfat.com

Marfat.com

سے منقول ہے کہ النفس بالنفس، اور علاوہ ازیں اس کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جو برابری اس آیت میں واجب ہوئی ہے اس سے مراد قتل میں برابری ہے۔ اور قتل میں برابری قتل کی صفت ہے۔ اور صفت کا واجب ہونا ذات کو واجب کرنے کا متقاضی ہے جو کہ اس صفت سے موصوف ہو۔ تو اس راستے سے وجوب قتل بھی اس آیت سے سمجھ میں آ گیا لیکن وجوب قتل کی شرائط درکار ہیں۔ جیسے خون کا وارثوں کا مطالبہ، اور قتل کا بلاشبہ جان بوجھ کر ہونا۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ قتل میں برابری سے سمجھا جاتا ہے کہ قتل کی کیفیت میں بھی برابری کی رعایت کرنا چاہیے مثلاً اگر قاتل نے آگ میں جلایا ہو تو اسے بھی آگ میں جلایا جانا چاہیے، اور اگر پانی میں غرق کیا ہو تو اسے بھی پانی میں غرق کرنا چاہیے، اور اگر ہاتھ پاؤں کاٹ کر یا آنکھیں نکال کر یا کان اور ناک کاٹ کر قتل کیا تو اس کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک کرنا چاہیے۔ جیسا کہ حدیث شریف۔ میں بخاری کی روایت سے وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایک خبیث یہودی نے ایک انصاری کی بیٹی کو اس کا زیور حاصل کرنے کے لیے فریب دے کر اُجاڑ میں لے جا کر اس کے سر کو پتھر کے ساتھ کچل دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے اقرار کے بعد اس یہودی کو اسی طرح قتل کرنے کا حکم دیا، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کیفیت قتل میں برابری اس آیت سے معلوم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ فی القتلٰی فرمایا ہے نہ کہ فی القتل۔ علاوہ ازیں عام طور پر کیفیت قتل میں برابری کی رعایت ہو ہی نہیں سکتی۔ مثلاً اگر کسی شخص نے کسی کو جادو کے ساتھ قتل کیا ہے تو شافعیہ کے نزدیک بھی اسے جادو کے ساتھ نہیں مارا جا سکتا۔ اس لیے کہ جادو فعل حرام ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی شخص نے چھوٹے بچے کو لواطت کے ساتھ مار دیا اسے اس طریقے کے ساتھ نہیں مارا جا سکتا بلکہ تلوار کے ساتھ۔ ہاں وہ جو حدیث پاک میں منقول ہے صرف اسی قدر پر دلالت کرتا ہے کہ مقتول کے وارثوں کی تشفی کے لیے کیفیت قتل میں برابری بھی بہتر ہے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ اگر قاتل نے اپنے کیے سے توبہ نہ کی اور اس نے توبہ ترک کرنے پر اصرار کیا تو اس پر قصاص واجب کرنا۔ البتہ عقل میں آتا ہے کہ گناہ کے عوض خدا تعالیٰ کی

marfat.com
Marfat.com

طرف سے ایک سزا ہے۔ لیکن اگر اس نے تہ دل سے توبہ کر لی اور اس پر نادم ہوا تو پھر بھی اس پر قتل واجب کرنے کی حکمت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ قبول توبہ کے بعد سزا نہیں ہو سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ توبہ جو کہ ماضی پر ندامت اور مستقبل میں گناہ ترک کرنے پر پختہ ارادے سے عبارت ہے دل کا کام ہے۔ جس پر مخلوق کو اطلاع نہیں ہو سکتی۔ اور اگر توبہ کو قصاص لینے سے روکنے والی قرار دیتے تو قصاص کا حکم ہرگز جاری نہ ہوتا۔ ہر قاتل قتل کے بعد کہتا کہ میں نے توبہ کر لی۔ اور یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا جھوٹ بولنا مخلوق کے نزدیک تو چل سکتا ہے۔ خالق تو اس کے باطن کے حال سے باخبر ہے۔ اس لیے کہ قصاص لینے کا فرض بھی مخلوق پر ہے پس قصاص ترک کرنے کے لیے مخلوق کا اس کی توبہ کی قبولیت پر مطلع ہونا درکار ہے۔

## حقیقت توبہ

جبکہ اس کے باوجود محققین نے فرمایا ہے کہ حقوق العباد میں توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ ندامت اور ترک گناہ کے ساتھ ساتھ صاحب حق کو بھی راضی کرے۔ اور یہاں صاحب حق کا راضی ہونا قصاص کے لیے جان سپرد کر دینا ہو سکتا ہے۔ نیز توبہ کرنے والے پر قصاص واجب کرنے میں بھی کئی حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت قاتل کے بارے میں ہے۔ اس لیے کہ جب وہ شروع سے جانے کہ اگر میں کسی کو قتل کروں گا۔ تو اس کے عوض مجھے قتل کر دیں گے، اور توبہ کا عذر سنا نہیں جائے گا۔ یہ جاننا اسے خون ناحق سے مانع ہو جائے گا۔ دوسری حکمت مقتول کے وارث کے بارے میں ہے کہ اس غم کے مارے اور آفت کے ستائے ہوئے کی تسلی اسی کے ساتھ ہے۔ تیسری حکمت سب لوگوں کے بارے میں ہے کہ عبرت پکڑیں۔ اور اس قسم کے بُرے کاموں سے باز رہیں۔ اور اس کے باوجود خون کا معاوضہ لینا واجب نہیں ہے تو اگر مقتول کے ورثاء قاتل کو دیکھیں گے کہ اس نے توبہ نصوح کر لی ہے۔ اور اس کی توبہ نصوح مقتول کے وارثوں کے پاس حاضر ہوئے، اپنے گناہ کا اعتراف کئے، اور مال دینے یا ان کا کوئی کام کرنے کی خوشامد یا چاپلوسی کر کے اپنی طرف سے راضی کئے بغیر پوری نہیں ہوتی لازماً اس کے خون سے درگزر کریں گے۔ اور معاف کر دیں گے۔ اور اگر ضرورت کی وجہ سے مال

marfat.com

Marfat.com

میں یا کسی دوسری منفعت میں رغبت کریں گے تو اسے قبول کرلیں گے۔

لیکن اگر قاتل کے خون سے معافی دیں اور درگزر کریں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تمام ورثاء ثواب آخرت کے لیے کسی مال یا منفعت کے عوض کے بغیر معاف کر دیں تو اس صورت میں خود شرع شریف میں قاتل کے ذمے کوئی چیز واجب نہ رہی۔ مگر یہ کہ ان کی اس نعمت کا دل و جان کے ساتھ شکر بجالائے، اور ان کے لیے ہمیشہ دعائے خیر کرے۔ دوسری صورت یہ کہ بالکل معاف نہ کریں بلکہ ابھی مطالبہ رکھیں، اور اس صورت کے متعلق شرع شریف میں چند احکام مقرر ہیں۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ تو جسے معاف کردی گئی مِنْ اَخِيْهِ اس کے دینی بھائی کے خون سے شَيْءٌ کوئی چیز۔ اس طرح کہ بعض وارثوں نے معاف کردیا۔ اور بعض نے نہ کیا، اور چونکہ خون ایک ایسی چیز ہے۔ جو کہ منقسم نہیں ہوتی کہ بعض کے حصے کو قتل کردیں اور بعض کے حصے کو قتل نہ کریں۔ مجبوراً اس صورت میں حکم شرع یہ ہے کہ اس کا قتل کرنا گر گیا، اور جن وارثوں نے معاف نہ کیا ہو خون بہا سے اپنا حصہ لے لیں یا سب ورثائے مقتول اس کے خون سے درگزر کریں۔ لیکن اس مال کے عوض جو کہ اس سے لینا مقرر کریں خواہ خون بہا کی مقدار پر ہو یا اس سے زیادہ یا اس سے کم، اور ان دونوں صورتوں میں عضو کامل نہیں کہ قاتل کی ذمہ داری مطلقاً ختم ہو جائے۔ لیکن جو چیز کہ ابھی اس کی گردن پر باقی رہی۔

فَاتِّبَاعٌ تو معاف کرنے والے کی مرضی کے تابع ہے اس کی جو مرضی ہو قبول کرے۔

لیکن بِالْمَعْرُوْفِ اس طرح جو شرع شریف میں معاملات اور معاوضوں میں مروج اور معمول ہے نہ اس طرح جو کہ خلاف شرع ہو۔ مثلاً اگر مقتول کا وارث کہے کہ میں نے تیرے خون سے درگزر کی لیکن اس شرط پر کہ تو اپنے بیٹے کو میرا غلام بنائے یا میں تمہاری بیٹی سے بدکاری کروں۔ یا تو میرے لیے شراب تیار کرے۔ یا تو نماز روزہ ترک کردے یا میرے لیے تو فلاں کو قتل کر یا اس قدر مال ڈاکے اور چوری کر کے لا کہ اس قسم کی تمام شرائط مردود ہیں۔ ان صورتوں میں اس کی مرضی کی پیروی نہیں کرنا چاہیے۔

وَ اور قاتل کے ذمہ بھی واجب ہے اَدَاءٌ ادا کرنا اس چیز کا جو کہ اس کے کہنے پر قبول کی

marfat.com
Marfat.com

ہے۔ اِلَیۡهِ اس معاف کرنے والے کی طرف نہ کہ حاکم، قاضی یا وکیل کو رشوت دے کرا سے محروم کرے۔ گو اسی قدر رقم خرچ کر دے اور ادا کرنا بھی چاہیے کہ بِاِحۡسَانٍ نیکی، خوش اسلوبی اوا پنے آپ پر احسان قبول کرنے کے ساتھ ہو نہ کہ ترش روئی، وعدہ خلافی اور میعاد مقررہ سے دیر کرنے یا مقدار مقرر سے کم کرنے یا کھرے مسلغات کی بجائے کھوٹے دینے اور فی الوقت کی بجائے بعد میں دینے کے ساتھ۔ اس لیے کہ

ذٰلِكَ وہ یعنی ورثاء مقتول کی طرف سے خون کی معافی قبول کرنا تمہارے لیے ایک خاص نعمت ہے۔ جو کہ یہودیوں کی شریعت میں نہ تھی۔ کیونکہ ان کی شریعت میں خون کا بدلہ خون لینا مقرر تھا، اور اسی طرح نصاریٰ کی شریعت میں خون بہا لینا مقرر تھا۔ تو یہ عظیم وسعت کہ اگر چاہو ثواب آخرت کے لیے مفت معاف کر دو، اور اگر مال کی ضرورت ہے تو خون بہا لے لو اور اگر ہر صورت میں غصے اور کینے کی تسلی منظور ہے تو قتل کر دو۔

تَخۡفِیۡفٌ تم پر شرعی ذمہ داری کو ہلکا کرنا ہے مِّنۡ رَّبِّكُمۡ تمہارے پروردگار سے وَرَحۡمَةٌ اور اس دربار سے مہربانی ہے قاتل پر بھی کہ ورثائے مقتول کو چاپلوسی اور خوشامد کے ساتھ معاف کرنے یا خون بہا لینے پر راضی کر کے زندہ رہ سکتا ہے۔ اور ورثائے مقتول پر بھی کہ اگر انہیں کچھ مال کی ضرورت ہو تو لے سکتے ہیں۔ اور اگر ثواب آخرت کے طالب ہوں تو بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

فَمَنِ اعۡتَدٰی تو جو تعدی کرے بَعۡدَ ذٰلِكَ اس تخفیف اور رحمت کے بعد۔ اس طرح کہ چند آدمیوں کو ایک کے بدلے قتل کرے یا قاتل کے غیر کو قتل کرے یا قاتل کو پہلے معافی یا خون بہا کی قبولیت کے ساتھ مطمئن کر کے قتل کرے یا قاتل خون بہا ادا کرنے سے پھر جائے یا وعدہ خلافی کرے یا دشواری کے ساتھ ادا کرے یا مقرر مقدار سے کم کرے یا کھرے کی بجائے کھوٹا دے۔ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ تو اسے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور بیہقی کی روایت کے ساتھ حدیث میں وارد ہے کہ جسے کسی کی طرف سے قتل یا عضو کے نقصان کے ساتھ آفت پہنچی تو اس مقتول کا وارث اور وہ زخمی تین چیزوں میں بااختیار ہے یا قصاص لے لے یا معاف کر دے یا دیت قبول کرے۔ اور اگر ان تین چیزوں کے سوا

marfat.com

Marfat.com

چوتھی چیز چاہے تو اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑلو اور نہ کرنے دو، اور اگر بالفرض تعدی کر کے کوئی اور چیز عمل میں لائے فَلَهٗ نَارُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا اَبَدًا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے۔جس میں ہمیشہ رہے گا۔

نیز ابن جریر اور دوسرے محدثین نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے لا اعافي احدا قتل بعد اخذ الدية میں اسے ہرگز معاف نہیں کروں گا جس نے خون بہا لینے کے بعد قاتل کو قتل کر دیا گو اس کے وارث نے معاف کر دیا ہو۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

اور تم میں سے کسی کے دل میں خیال گزرے کہ ان احکام میں تخفیف اور رحمت کی وجہ ظاہر ہے۔اس لیے کہ معاف کرنے کو جائز قرار دینا قاتل کے حق میں بھی مہربانی ہے کہ وہ زندہ رہتا ہے۔اور مقتول کے وارث کے حق میں بھی کہ اس کا مقتول تو واپس نہیں آئے گا ثواب ہاتھ سے کیوں جانے دے۔اور بندۂ خدا کو کیوں قتل کرے، اور اسی طرح خون بہا لینے میں کہ مال کی وجہ سے مقتول کے وارث کو بالفعل ایک فراخی نصیب ہوگی۔اور اس کے کام پورے ہوں گے۔اور قاتل کو بھی عبرت اور سزا ہو جائے گی۔کہ آئندہ اصلاح پر رہے۔اور ناحق خون نہ کرے۔لیکن قصاص میں ظاہر نہیں ہے۔کیونکہ آدمی کو قتل کرنا گویا رب تعالیٰ کی بنائی ہوئی عمارت کو گرانا ہے۔اور اس کے ساتھ جان کا ضائع کرنا بھی ہے کہ اس کے جانے کے بعد آخرت کی ترقی، اس مقام کا ثواب حاصل کرنے اور نقصان کو پورا کرنے کی راہ بند ہو جاتی ہے۔اور انسانی وجود کے ساتھ جو دنیوی فائدے ہوتے ہیں ایک دم مٹ جاتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر تم غور کرو۔ساری تخفیف اور رحمت قصاص واجب کرنے میں ہے۔اگر ہم قصاص کو واجب نہ کرتے تو قاتل کو معافی کی نعمت کس طرح دریافت ہوتی اور آخرت کا ثواب مقتول کے وارث کو کیسے حاصل ہوتا۔اور اسی طرح خون بہا قاتل کو کیسے ہلکا معلوم ہوتا، اور مقتول کا وارث طاقت اور غلبے کے ساتھ مال کا مطالبہ کیوں کر سکتا۔اور اس کے ساتھ قصاص میں اگرچہ ایک جان جاتی ہے۔لیکن بہت سی جانیں محفوظ رہتی ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ اور تمہارے لیے اے سب مسلمانو! قصاص کے مقدمہ میں ایک قسم کی زندگی ہے۔ جسے تم سمجھ نہیں سکتے۔ اس لیے کہ جب قاتل کو قصاص میں قتل کریں۔ اور وہ اپنی جان فرمان خداوندی کی اطاعت میں مقتول کے وارثوں کو سپرد کر دے تو قیامت کے دن گناہ کی آلائش سے پاک اُٹھے۔ اور جہنم کے عذاب سے چھٹکارا پائے، اور ابدی زندگی پائے۔ بلکہ برزخ اور قبر میں بھی اس کے ساتھ عفو اور رحمت کا معاملہ واقع ہوا۔ اور اسے راحت اور ریحان نصیب ہو۔ تو یہ قتل ہونا اس کے حق میں صرف مصیبتوں کے گھر سے مقام راحت کی طرف منتقل ہونا ہوگا۔

اور مقتول کو اس وجہ سے کہ اس کا خون لے لیا گیا اور اس کا قتل ہونا رائگاں نہ گیا، پسماندگان میں نام اور مرتبہ حاصل ہوا، اور اس کی عزت بڑھی، اور مثل مشہور ہے کہ ذکر الفتی عیشہ الثانی، اور روح کو جو ناحق مارے جانے سے دکھ ہوا نہیں رہا۔ جہانِ قبر میں فارغ البالی کے ساتھ وقت گزرتا ہے۔ اور اس کی اس جہان کی زندگی تلخ اور بے مزہ نہیں ہوتی۔ اور مقتول کے وارثوں کی عزت اور مرتبہ بھی بڑھ گیا کہ انہوں نے اپنے مقتول کے بدلے قاتل کو قتل کر دیا، اور دکھ اور غم بھی کم ہوا۔ اور غصہ کی تسکین حاصل ہوئی۔ اور قاتل کے قبیلوں اور کنبوں کو مقتول کے وارثوں کی طرف سے بے خوفی اور اطمینان حاصل ہوا۔ ورنہ وہ جسے پاتے قتل کر دیتے جیسا کہ دور جاہلیت کی رسم تھی، اور اب بھی جاہل فرقوں میں یہ رسم جاری ہے کہ ایک خون واقع ہونے کے بعد دونوں طرف سے صدیوں اور پشتوں تک بے شمار خون ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور دونوں کی طرف سے کوئی بھی دوسرے سے مطمئن نہیں ہوتا، اور دونوں طرف زندگی بہت تلخی سے گزرتی ہے۔ اور مہلہل کا قصہ جس نے اپنے بھائی کلیب کے بدلے ہزاروں کو قتل کیا حتیٰ کہ بکر بن وائل کے قبیلے کو فنا کے قریب پہنچا دیا عرب کی تاریخوں میں مشہور ہے۔ اور اسی قیاس پر پہاڑی افغانوں، راجپوتوں اور دیہاتیوں کا معمول ہے اور سب لوگوں کو ایک عبرت اور سزا مل گئی کہ ناحق کرنے والے کو یہ روزہ سیاہ درپیش آتا ہے۔ تو جسے قوت غضبیہ کے غلبے کی وجہ سے غیرت کے کھولنے کے ساتھ ناحق قتل کرنے کی خواہش دل میں کھٹکے یہ عبرت اسے قتل سے مانع ہو۔ اور وہ بھی زندہ رہے۔

marfat.com

Marfat.com

اور جسے قتل کرنا چاہتا ہے وہ بھی زندہ رہے۔ تو اس حکم کو بطور شریعت جاری کرنا نری رحمت اور عام مخلوق کی زندگی کا باعث ہے۔ لیکن اس قسم کی زندگی کو تم دریافت کرو

یَاُولِی الْاَلْبَابِ اے خالص عقل والو، جو کہ بات کے مغز تک پہنچتے ہو اور اس کی کھال پر قناعت نہیں کرتے ہو، اور حقائق کے بواطن میں اُتر جاتے ہو اور امور کے ظواہر پر اکتفاء نہیں کرتے ہو، نہ یہ کہ خالص عقلیں نہیں رکھتے ہو، اور قصاص سے سوائے جان ضائع کرنے کے کچھ نہیں سمجھتے ہو، اور اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو جاری نہیں فرمایا۔ مگر اس لیے کہ

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ شاید کہ تم اپنے غصے میں حد سے گزرنے سے پرہیز کرو تا کہ تم غضب خداوندی سے محفوظ رہو، اور خدا تعالیٰ کی تعمیر کو بلا وجہ نہ گراؤ، اور خود کو اور اپنے غیر کو ضائع ہونے سے بچاؤ۔

## چند بحثیں

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں۔ پہلی بحث یہ ہے کہ دین کے قاعدوں کی رو سے مقرر ہے کہ اگر مقتول کو کوئی قتل نہ کرتا تو اپنی موت کے ساتھ ضرور مرتا اس لیے کہ اس کی مقدر عمر اسی قدر تھی۔ اور اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی کو قتل کرنے کا قصد کیا اور قصاص کے خوف سے باز رہا وہ شخص اپنی موت سے ضرور مرے گا اگر چہ یہ شخص اسے نہ مارے اس بنا پر کہ جو وقت اس کے قتل کا وقت قرار دیا گیا وہی وقت اس کی موت کا وقت ہے۔ تو قصاص جاری کرنے سے زندگی کے حصول کا تصور کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک سبب مقرر فرمایا ہے کہ وہ چیز وجود اور عدم میں اپنے اس سبب کے تابع ہوتی ہے۔ اگر سبب موجود ہو جائے وہ چیز بھی موجود ہو جائے۔ اگر سبب موجود نہ ہو وہ چیز بھی موجود نہ ہو۔ اور قصاص کی مشروعیت بھی اسی طریقے پر سبب زندگی ہے کہ قصاص کے خوف کی وجہ سے قتل کرنے سے باز رہتا ہے۔ اور یہ شخص اور وہ شخص زندہ رہتا ہے۔ جیسا کہ تفاوت کے بغیر تمام اسباب اور مسببات اور جو اسباب کا منکر ہو وہ عقل، شرع اور عرف کا مخالف ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مذمت، اور لوگوں کے نزدیک قابل ملامت ہوتا ہے۔ اور تمام اسباب کی سببیت میں اسی قسم کے شبہات

marfat.com
Marfat.com

آتے ہیں۔ لیکن قضا وقدر کے راز کی معرفت کی وجہ سے کہ اسباب اور مسببات کے سلسلے کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کیا ہے دور ہو جاتے ہیں۔

دوسری بحث یہ ہے کہ اس مضمون کو نزول قرآن سے پہلے عرب لوگ بھی جانتے تھے، اور مختلف عبارات کے ساتھ اس کی تعبیر کرتے تھے۔ بعض کہتے تھے قتل البعض احیاء لجمیع یعنی بعض کو قتل کرنا سب کو زندہ کرنا ہے۔ اور بعض کہتے تھے کہ اکثروا القتل لیقل القتل یعنی قتل زیادہ کرو تاکہ قتل کم ہو جائیں، اور تمام عبارات سے مختصر وہ عبارت تھی جو کہ مثال کے طور پر ان میں شائع تھی کہ القتل انفی للقتل یعنی قتل کرنا قتل کی زیادہ نفی کرنے والا ہے۔

## بلاغت قرآنی کا نمونہ

حق تعالیٰ نے اعجاز پر مبنی کلام میں ان مشہور عبارت کو ترک کر کے یہ لفظ ارشاد فرمائے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔ اسی بنا پر علمائے بلاغت نے اس مشہور مثال پر اس قرآنی عبارت کی ترجیح میں کئی باتیں کہی ہیں۔ اور ان کی باتوں کا خلاصہ دس وجوہ کی طرف لوٹتا ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ مثل مشہور صحیح کلمہ نہیں ہوتا اس لیے کہ جو قتل کہ ظلم و تعدی کے طریقے سے ناحق ہوتا ہے از روئے قصاص قتل کو دور کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ قصاص کے قتل کی زیادتی کا موجب ہے۔ اور اگر مثل مشہور میں دونوں جگہ قید کا اعتبار کریں۔ اور کہیں القتل قصاصاً انفی للقتل ظلما تو کلام بہت دراز ہو جاتی ہے۔ جبکہ آیت قرآنی اس معنی کو بے تکلف ادا فرماتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قصاص کا قتل جو کہ قتل ناحق کو دور کرتا ہے اس حیثیت سے دور نہیں کرتا کہ قتل ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ قصاص ہے۔ اور اس حیثیت کا علم آیت سے ہوتا ہے نہ کہ مثل مشہور سے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آدمی کی اصل غرض زندگی میں ہے۔ اور قتل کی نفی حصول زندگی کے لیے مطلوب ہوتی ہے۔ تو غرض مقصود کی تصریح زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ آیت مبارکہ

marfat.com

Marfat.com

میں ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ لفظ کا تکرار ضرورت کے بغیر قبیح ہے۔ جیسا کہ مثل مشہور میں واقع ہے نہ کہ آیت میں۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ آیت کے ملفوظ حروف کہ کلام کا انحصار انہیں حروف سے ہے آیت میں صرف دس حروف ہیں۔ جبکہ مثل مشہور میں چودہ ہیں۔ تو آیت کی عبارت زیادہ مختصر ہوئی۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ مثل مشہور میں غالباً ہلکے اسباب واقع ہوئے ہیں۔ اور یہ ترکیب کی سلاست میں باعث خلل ہے۔ جبکہ کمال اختصار کے باوجود آیت میں سبب وتد اور فاصلہ سبھی ہیں (سبب علم عروض کے مطابق دو حرفی کلمے کو کہتے ہیں جب کے دونوں حرف متحرک یا پہلا متحرک اور دوسرا ساکن ہو، اور وتد علم عروض کے مطابق ۳ (تین) حرفی کلمے کو کہتے ہیں)۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ مثل مشہور کا ظاہری مضمون اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ ایک چیز بعینہٖ اپنے آپ کی نفی کرنے کا سبب ہو اور وہ محال ہے۔ جبکہ آیت میں قصاص کو زندگی کی ایک قسم کا سبب گردانا گیا ہے۔ اور دونوں بظاہر ایک دوسرے کا غیر ہیں۔

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ آیت میں لفظ قصاص اور حیات میں صنعت تضاد کو کام میں لایا گیا ہے۔ جبکہ مثل مشہور اس صنعت سے خالی ہے۔

نویں وجہ یہ ہے کہ آیت کے لفظ مبارک ہیں ان سے اچھی فال لی جاسکتی ہے کہ زندگی کے ذکر پر مشتمل ہے۔ جبکہ مثل مشہور بدفالی کا کلام کہ نفی کو دونوں طرف سے قتل کے ساتھ گھیرا گیا ہے۔

دسویں وجہ یہ ہے کہ آیت دو اسموں اور ایک حرف پر مشتمل ہے۔ جبکہ مثل مشہور تین اسموں اور ایک حرف پر۔ اور اگر حرف تعریف کو شمار کریں تو آیت میں ایک بار آیا اور مثل مشہور میں دو بار۔ اور اگر تنوین کو بھی شمار کریں تو حروف برابر ہو جاتے ہیں۔ لیکن اسماء کی زیادتی مثل مشہور میں باقی رہتی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

علاوہ ازیں جب افعل التفضیل کو لام اور اضافت کے بغیر استعمال کریں تو من تفضیلیہ خواہ مخواہ مقدر ہوتا ہے تو مثل مشہور میں کلام کی تقدیر یوں ہوئی کہ القتل انفی للقتل من کل شئ، تو اختصار کہاں رہا۔

تیسری بحث یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آدمی کی زندگی جس طرح بھی ہو مطلوب شرع ہے۔ اور اسی لیے مرنے والے کے ذکر خیر کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے جانشینوں کو تاکید فرمائی گئی کہ اس کے قریبیوں اور دوستوں کی رعایت کریں بلکہ اسی راز کی بنا پر اس کی میراث اور وصیت کو جاری رکھا، کہ موت کے بعد اس کے خاندان اور نشانات کی بقا کا سبب ہو، اور اسی لیے

كُتِبَ عَلَيْكُمْ تم پر لکھ دیا گیا ہے اے مسلمانو! اگرچہ یہ حکم ایمان کا مقتضیٰ نہیں ہے۔ تاکہ تمہیں اس حکم سے پہلے یاایھاالذین آمنوا کے ساتھ خطاب کیا جائے۔ کیونکہ وارثوں کے پاس مال چھوڑنا ہر انسان کی جبلت ہے۔ اور اسی لیے تمام فرقوں میں اس کا رواج اور معمول ہے۔ لیکن تم پر لازم کی گئی

إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ جب میں تم سے کسی کو موت حاضر آئے۔ اور اس کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہوں قوتوں کے مضمحل ہونے اور بیماری کے یہاں تک سخت ہونے کی وجہ سے کہ طبیعت مغلوب ہو جائے لیکن

إِنْ تَرَكَ خَيْرًا اور اگر کوئی مال چھوڑتا ہے۔ جو کہ تجہیز وتکفین اور سوگواری کے لوازم کے خرچ سے زاید ہو، الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وصیت کرنا والدین اور دوسرے قریبیوں کے لیے اس طرح کہ میرے ماں باپ کو یہ دے دو اور میرے فلاں قریبی کو یہ دے دو۔ اس لیے کہ معمول اور مروج یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرتا ہے تو اس کے سارے مال پر عورتیں اور بیٹے قابض ہو جاتے ہیں۔ اور ماں باپ اور دوسرے قریبیوں کو کچھ نہیں دیتے حالانکہ شرع میں ماں باپ کے لیے ایک حق مقرر ہے۔ اور بعض دوسرے قریبیوں کے لیے بھی جیسا کہ بیٹوں کے باوجود دادا اور دادی کا حق مقرر ہے۔ لیکن یہ لوگ حکم شرع کا پاس نہیں کرتے جبکہ مرنے والے کی وصیت کو زیادہ پکا سمجھتے ہیں۔ اور بعض قریبیوں کے لیے بھی

marfat.com
Marfat.com

جن کا کوئی حق مقرر نہیں ہے تہائی مال سے وصیت کے حکم کے ساتھ کچھ دینا پسندیدہ اور مستحب ہے۔ تاکہ آخرت کی راہ کا توشہ ہو۔ مگر چاہیے کہ یہ وصیت ہو بِالْمَعْرُوْفِ شرع کے معروف طریقے کے مطابق۔ تو اگر اپنے قریبیوں میں سے محتاج کو محروم رکھا اور امیر کے لیے وصیت کردی تو یہ معروف طریقہ نہ ہوا۔ اور اسی طرح اگر والدین کو چچازاد بھائیوں کے برابر کردیا تو بھی طریق معروف نہیں ہوا بلکہ جس کا شرع میں حصہ مقرر ہے اس کے لیے اس حصہ سے زیادہ کی وصیت کرنا طریقۂ معروف کے خلاف ہے۔ بہرحال جب کسی شخص نے اس طرح وصیت کی اس وقت ہو جاتا ہے حَقًّا ایک حق جو لازم ہے۔ جاری کرنا ہے عَلَى الْمُتَّقِيْنَ متقیوں پر۔ اگرچہ فاسق لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے، اور کسی کو اسے بدلنے کا حق نہیں پہنچتا اس لیے کہ شرع کے خلاف نہیں۔

فَمَنْ بَدَّلَهٗ تو جس نے اسے بدل دیا خواہ مرنے والے کا وارث ہو۔ خواہ وہ جس کے لیے وصیت کی ہے۔ اور خواہ گواہ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ اس کے بعد کہ اس نے اس حق لازم کو وصیت کرنے والے سے سنا ہو۔ اگرچہ اسے گواہ نہ بنایا ہو۔ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ تو اس کا گناہ نہیں ہے مگر ان لوگوں پر جو اس حق کو بدلتے ہیں، نہ کہ اس پر جو اس کے اظہار کے مطابق حکم دے یا فتویٰ دے۔ اس لیے کہ

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ تحقیق خدا تعالیٰ سننے والا ہے وصیت کرنے والے کے قول کو اور تبدیل کرنے والے کے قول کو عَلِيْمٌ جاننے والا ہے اسے جس نے تبدیل کیا ہے۔ اور اس قدر کو جتنی تبدیل کی۔ مگر یہ اس صورت میں ہے کہ وصیت کے بدلنے میں کوئی شرعی اور عرفی مصلحت نہ ہو۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا تو جو وصیت کرنے والے سے غلطی کا خوف کرے جو کہ احکام شرعیہ سے جہالت کی وجہ سے اس نے جابجا کی اَوْ اِثْمًا یا صریح گناہ کا کہ جان بوجھ کر غیر مستحق کو دلایا اور مستحق کو محروم کیا یا اس کے حق کو کم کیا

فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ پس اس نے صلح کرا دی وصیت کرنے والے کے وارثوں کے درمیان جو کہ مال کے قابض ہیں۔ اور اس کے قائم مقام ہیں۔ اور ان لوگوں کے درمیان

marfat.com
Marfat.com

جن کے لیے وصیت کی ہے۔ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اگرچہ اصلاح میں وصیت کے بارے میں قدرے تبدیلی رونما ہو۔ اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ تحقیق اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ ان لوگوں کو جو کہ بُری نیتوں کے ساتھ گناہ کا ارتکارب کرتے ہیں، معاف کر دیتا ہے۔ اور بخش دیتا ہے تو اس اصلاح کرنے والے کو جو کہ اس تبدیل کرنے میں اچھی نیت رکھتا ہے کیوں نہیں بخشا۔

## چند بحثیں

یہاں چند بحثیں باقی رہ گئیں: پہلی بحث یہ ہے کہ یہ وصیت جو کہ اس آیت میں مذکور ہے ظاہر ہے کہ کتب کی دلیل سے واجب ہے۔ حالانکہ وصیت کہیں واجب نہیں ہوتی ہے۔ شرع کے مطابق اس کے انتہا یہ ہے کہ مستحب اور پسندیدہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وصیت کبھی واجب بھی ہوتی ہے مثلاً آدمی کے ذمہ کسی کا قرض ہے۔ اس قرض کے متعلق کوئی دستاویز اور گواہ موجود نہیں ہے۔ اور اس شخص کے ورثاء کو اس قرض کی اطلاع نہیں ہے۔ یا کسی کی امانت اس کے پاس اور اس کے مال میں مخلوط ہے۔ اور وارث مطلع نہیں ہیں تاکہ اس امانت کے مالک کو پہنچا دیں۔ اس صورت میں بالاجماع وصیت واجب ہو جاتی ہے۔ اور اسی قسم کی وصیت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ صحیحین کی حدیث وارد ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان آدمی کے لائق نہیں ہے کہ تین رات کی قدر گزرنے دے مگر یہ کہ اس کی وصیت اس کے نزدیک لکھی ہوئی موجود ہو۔ ہاں یہ وصیت جو کہ یہاں مذکور ہے اب واجب نہیں ہے۔ لیکن اسلام کی ابتدا میں واجب تھی۔ اس لیے کہ میت کے مال سے فرائض اور قریبیوں کے حصے رائج اور معمول نہیں ہوئے تھے۔ لوگ میت کے تمام مال کو اس کی عورت اور لڑکوں کا حق سمجھتے تھے۔ اور ماں باپ اور دادا اور دادی بلکہ بیٹیوں اور نواسوں کے باوجود بھائیوں کو نہیں دیتے تھے۔ جبکہ ان کے ذہن میں میت کی وصیت کی عظیم قدر و وقعت تھی، اور سمجھتے تھے کہ اس کی وصیت کے خلاف کرنا گویا اس پر ظلم کرنا اور اسے تکلیف دینا ہے۔ اس بنیاد پر اس وقت یہ حکم واجب ہو گیا، اور اب جبکہ فرائض کے احکام مروج اور معمول ہو گئے۔ اور ہر کس و ناکس نے جان لیا تو میت کے وصیت کرنے

marfat.com

Marfat.com

کی ضرورت نہ رہی۔

اب حکم یہ ہے کہ اگر میت کے قریبی اس کے وارث ہوتے ہیں تو اپنے حصوں کے مطابق لے لیں گے۔ان کے حصے سے زیادہ وصیت کرنا جائز اور نافذ نہیں ہوتا ہے۔چنانچہ صحیحین کی حدیث میں آیا کہ خبردار! اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق عطا فرمایا ہے۔ تو وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔اور اگر اس کے قریبی مانع کی وجہ سے میراث سے محروم ہیں مثلاً اس میت کے ماں باپ کافر ہیں۔اور یہ مسلمان یا کنیز اور غلام ہیں۔اور یہ آزاد یا دوسرے وارث کے پائے جانے کی وجہ سے مجوب ہیں انہیں میراث نہیں پہنچتی۔ جیسے نواسے بھائیوں اور چچازادگان کے ہوتے ہوئے تو اس صورت میں ان پر وصیت مستحب ہے مگر مال کے تہائی حصہ سے۔اگر وہ تہائی حصہ ان کی وصیت کو ادا کرے تو فبہا ورنہ جہاں تک کہ پہنچے اسی سے دیا جانا چاہیے، اور تہائی حصہ سے زیادہ وارثوں کی رضامندی کے بغیر وصیت میں خرچ نہیں کرنا چاہیے، اور یہی حکم ہے اس وصیت کا جو کہ اجنبی، محتاجوں اور مستحقوں اور دوسرے دوستوں اور شناساؤں کے لیے کرے۔

## دوسری بحث:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت سی روایات میں ان ترک خیرا کی مال ایک معین مقدار کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ جس نے ساٹھ دینار چھوڑے اسے نہیں کہا جاسکتا کہ ترک خیرا، اور بیہقی نے حضرت امیر المومنین مرتضٰی علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ آپ اپنے ایک آزاد غلام کی موت کے وقت اس کے پاس تشریف لے گئے۔اس نے عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ وصیت کروں۔آپ نے فرمایا کہ تمہارا مال کس قدر ہے؟ اس نے عرض کی کہ چھ سو یا سات سو درم۔فرمایا اس قدر مال کو نہیں کہا جاسکتا کہ ترک خیرا۔وصیت مت کر، اور اپنا مال اپنے ورثاء کے لیے چھوڑ دے۔

نیز حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے لائے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ میں چاہتا ہوں کہ وصیت کروں۔آپ نے فرمایا کہ تمہارا مال کس قدر ہے؟ اس نے عرض کی تین ہزار یا چار ہزار درہم ہیں۔آپ نے فرمایا یہ تھوڑے ہیں ان ترک خیرا فرمایا گیا

marfat.com

Marfat.com

ہے۔ اسے اپنے عیال کے لئے رہنے دے کہ یہی بہتر ہے، حالانکہ لفظ خیر عرب کے عرف میں مطلق مال کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور وصیت اور میراث بھی ہر تھوڑے اور بہت میں جاری ہے۔ ان تخصیصات کی وجہ کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان بزرگوں کی مراد یہ ہے کہ مستحب وصیت غیر وارثوں کے لیے اس وقت کی جانی چاہیے جبکہ مال زیادہ ہو۔ اور ورثاء وصیت کے باوجود مستغنی ہوں۔ ورنہ وصیت اچھی نہیں، کہ وارث کا حق تلف کرتا ہے نہ یہ کہ لفظ خیر کی عرف لغت کے مطابق اس مقدار کے ساتھ تخصیص کریں یا میراث اور واجب وصیت کو ان قیود کے ساتھ مقید کریں۔

تیسری چیز یہ ہے کہ خوف اس چیز میں ہوتا ہے۔ جس کا واقع ہونا ضمن میں ہو اور ابھی واقع نہ ہوئی ہو جبکہ یہاں وصیت واقع ہو چکی۔ اور یقین کے ساتھ معلوم ہوگئی پھر لفظ خوف کس طرح صحیح ہوگا؟ اس بحث کا جواب دو طریقوں سے دیا گیا ہے ایک تو یہ کہ اصلاح کرنے والا شخص وصیت کرنے والے کی زندگی میں اس سے پہلے کہ وصیت کے کام کا انتظام کیا جائے۔ اور لکھنا پڑھنا اور گواہوں کا حاضر ہونا درمیان میں آئے حالی اور قالی قرآئن کے ساتھ وصیت کرنے والے کا حال دریافت کرے کہ یہ شخص خلاف شرع وصیت کرے گا۔ اور اسی وقت اس وصیت کنندہ کو سمجھا کر اسے غلط ارادے سے پھیرے۔ اور اگر وہ لوگ کہ جنہیں اس کی وصیت کے ساتھ نفع پہنچا یا ورثاء جو کہ اس سے ضرر اٹھاتے ہیں اس وقت اختلاف اور جھگڑا کرتے ہیں تو دونوں گروہوں کے درمیان اصلاح کی کوشش کریں۔ پس خوف کا معنی حقیقتاً یہاں متحقق ہو گیا۔ اور اس لفظ کا استعمال درست ہوا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب تک وصیت کنندہ زندہ ہے اس وصیت کے نسخ کا احتمال قائم ہے۔ پس اس وصیت کے وقوع کا یقین کہاں۔

ہاں وصیت کنندہ کی موت کے بعد وصیت متعین اور اس کا وقوع یقینی ہوتا ہے۔ لیکن اس لفظ کے استعمال کو اس حالت پر کیوں محمول کرنا چاہیے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ دوسرا یہ کہ یہاں خوف بمعنے علم ہے۔ اور عربوں کی بعض عبارات میں بھی خوف بمعنے علم

marfat.com

Marfat.com

استعمال ہوا، اور اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

چوتھی بحث یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح اجنبیوں کے مقابلہ میں قریبیوں پر صدقات اور خیرات مقدم ہیں اسی طرح قریبیوں کے لیے وصیت اس سے مقدم ہے کہ اجنبیوں کے لیے ہو۔ لیکن قریبیوں میں دو شرائط ہیں ایک یہ کہ فی الحال وارث نہ ہوں اگر چہ وارث ہونے کے لائق ہوں۔ دوسری یہ کہ اس مال کے محتاج ہوں نہ کہ مستغنی، اور جاہلیت کے عربوں کا قاعدہ تھا کہ نام حاصل کرنے کے لیے دور و دراز کے اجنبیوں کے لیے وصیت کر جاتے تھے۔ تا کہ زمانے میں مشہور ہوں جبکہ قریبیوں کو فقر و فاقہ میں گرفتار چھوڑ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اسی بُری عادت کو دور کرنے کے لیے نازل فرمایا، اور اس آیت میں صرف قریبیوں کے ذکر پر اکتفاء فرمایا۔ گویا یوں ارشاد ہوا کہ نزدیکیوں کے لیے وصیت بمنزلۂ فرض ہے۔ اور اجنبیوں کے لیے بمنزلہ مستحبات۔ فرض کو چھوڑ کر مستحب کی طرف دوڑنا کمال بے وقوفی ہے۔ اور اسی تاکید اور تقدیم پر امام ضحاک کا قول محمول ہے کہ من مات ولم یوص لاقرباءہ فقد ختم عمله بمعصیة یعنی جو مر گیا حالانکہ اس نے اپنے اقارب کے لیے وصیت نہیں کی تو اس کے عمل کا خاتمہ معصیت پر ہوا۔ اور طاؤس کا قول ان اوصٰی للاجانب وترك الاقارب نزع عنهم فرد الی الاقارب یعنی اگر اس نے اجنبیوں کے لئے وصیت کی اور قریبیوں کو ترک کر دیا تو ان سے کھینچ لی جائے اور قریبیوں کی طرف لوٹائی جائے۔ اور حسن بصری۔ علاء بن زیاد مسروق اور مسلم بن یسار کا قول الآیہ ثابة ولیست بمنسوخة' لان القریب قریبان. قریب یرث وقریب لا یرث فالذی یرث فقداعطی اللہ حقه والذی لایرث فله الوصیه یعنی آیت ثابت ہے۔ اور منسوخ نہیں۔ کیونکہ قریبی دو قسم پر ہیں ایک وہ جو وارث ہیں۔ اور ایک وہ جو وارث نہیں ہیں۔ تو جو وارث ہے اسے تو اللہ تعالیٰ نے اس کا حق عطا فرما دیا، اور جو وارث نہیں تو اس کے لیے وصیت ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قریب انہیں معنوں میں منقول ہوا۔

پانچویں بحث یہ کہ قرآن مجید میں ہر جگہ قریبیوں کو ذوی القربیٰ اور اولی القربیٰ کے لفظ

marfat.com

Marfat.com

کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ مگر وصیت اور میراث کے ذکر میں لفظ اقربین ارشاد ہوا۔ اس تبدیلی میں کیا نکتہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ احسان اور ادائیگی حقوق قرابت کے مقام میں تمام اقارب برابر ہیں۔ ہر ایک کو اس کے استحقاق کے اندازے کے مطابق احسان اور حسن سلوک کا حصہ دینا چاہیے۔ اور اسی لیے ان مقامات میں ذوی القربی اور اولی القربی کا لفظ استعمال ہوا جبکہ وصیت اور میراث میں جو زیادہ قریب ہے مقدم ہے۔ اور بعید کو روکنے والا۔ پس یہاں لفظ اقربین موزوں ہے۔ تا کہ قرابت کے قرب کی ترجیح اور اس کی قوت سمجھ آئے۔

چھٹی بحث یہ ہے کہ اذا کا لفظ اپنے مابعد کو مستقبل کے معنی میں کرتا ہے تو اذا حضر مستقبل کے معنوں میں ہو گیا۔ جبکہ کتب فعل ماضی ہے۔ فعل ماضی کا مستقبل کے ساتھ تعلق کیونکر درست ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اذا حضر تقدیم و تاخیر کی وجہ پر وصیت کے ساتھ متعلق ہے۔ جو کہ وصیت کرنے کے معنوں میں ہے نہ کہ کتب کے ساتھ۔

ساتویں بحث یہ ہے کہ علیکم کا خطاب تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ اور اذا حضر احدکم الموت وصیت کے ساتھ متعلق ہے تو لازم آتا ہے کہ ایک شخص کی موت قریب ہونے کے وقت سب مسلمانوں پر وصیت فرض ہو جائے۔ اور یہ معنی باطل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک جماعت سے ایک غیر معین شخص کا حکم بدلیت کے طریقے سے پوری جماعت کے ساتھ متعلق ہے۔ پس مخاطبین میں سے کسی ایک کی موت کا وقت قریب ہونے پر جس کسی کا بھی تصور کریں علی سبیل البدلیۃ سب مخاطبین کے ساتھ متعلق ہوا، اور یہ معنی صحیح ہے اس میں باطل ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

آٹھویں بحث یہ ہے کہ اس آیت میں دو آدمیوں کے درمیان جو کہ جھگڑے اور اختلاف میں گرفتار ہوں صلح کرانے کے جواز پر دلیل ہے۔ اس لیے کہ باہمی جھگڑا اغالب طور پر ممنوعات شرع میں سے کسی ممنوع فعل کے ارتکاب تک لے جاتا ہے۔ تو دو جھگڑنے والوں کے درمیان شروع سے ہی صلح کرانا غیر شرعی کام کو بند کرتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

نیز اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ صلح کراتے وقت گفتگو میں اگر کمی بیشی واقع ہو اور کسی قرار داد میں تغیر و تبدل لازم آئے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور یہ گناہ کا موجب نہیں۔

## تین جگہ خلاف واقعہ بات کرنا درست ہے۔ اور اس کی شرط

اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ تین جگہ خلاف واقع کہنا درست ہے پہلا مقام دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کے وقت، دوسرا مقام جنگ کے دوران دشمن کو غافل کرنے کے لیے، تیسرا مقام اپنی عورت کو راضی کرنے کے وقت، لیکن شرط یہ ہے کہ خلاف واقع کہنے سے کسی عہد کو توڑنا اور غدر کرنا لازم نہ آئے ورنہ حرام ہو جاتا ہے۔

نویں بحث یہ ہے کہ علماء کے اجماع کے ساتھ وصیت جاری نہیں ہوتی مگر مال کے تیسرے حصے میں، اور تیسری حصے سے زیادہ وصیت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ تیسرے حصے سے کم کرنا مستحب ہے۔ اس لیے صحیحین میں آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیماری پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں مال دار آدمی ہوں۔ اور ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں اپنے مال کے دو حصوں میں وصیت کروں؟ فرمایا نہیں۔ انہوں نے عرض کی اپنے مال کے نصف کی وصیت کروں؟ فرمایا نہیں۔ عرض کی پس مال کے تیسرے حصے کی وصیت کروں؟ فرمایا: ہاں۔ اور مال کا تیسرا حصہ بہت ہے۔ اگر تو اپنے ورثاء کو غنی چھوڑ کر جائے تو تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے قریبیوں کو گداگری کی سپرد کر دے۔

نیز علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کا وصیت کرنے کا قصد ہو تو اصل یہ ہے کہ اپنے غیر وارث قریبیوں کو مقدم کرے۔ اور ان میں سے وہ لوگ جو کہ محرمیت رکھتے ہیں۔ جیسے خالہ، پھوپھی، بہن، بھتیجا، بھانجا، چچا، ماموں اور بھائی کو مقدم کرے۔ پھر ان لوگوں کو جو کہ دودھ شریک ہیں۔ پھر وہ لوگ جو مصاہرت رکھتے ہیں۔ پھر وہ جو موالات رکھتے ہیں۔ پھر وہ جو ہمسائیگی رکھتے ہیں۔ جس طرح کہ اس احسان میں ترتیب کی رعایت کی جاتی ہے جو زندگی کی حالت میں کرتے ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

اور اگر اپنے وارثوں میں سے ایک کے لیے اس کے حق سے زیادہ وصیت کی تو دوسرے ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے۔ اگر جائز قرار دیں تو نافذ ہوگی، اور اپنے مال کے تیسرے حصے سے زائد کی وصیت کی تو یہ بھی وارثوں کی اجازت پر موقوف ہے۔

جب قصاص اور وصیت کے حکم سے فراغت ہوئی۔ اب فرمایا ہے کہ ان دونوں حکموں سے سمجھو کہ موذی کو قتل کرنا اور بے گناہ کی زندگی میں کوشش کرنا کتنی نیکی رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ میت کی وصیت کو اس کی موت کے بعد کسی تبدیلی کے بغیر جاری کرنا کہ گویا اس کے حکم کو زندہ رکھنا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا اور درگاہ عالی کی پسندیدہ چیز ہے۔ پس

یَاۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تمہارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے نفس کو مارنے کے درپے رہو کہ دین کی راہ کا موذی ہے۔ اور اپنی روح کو زندہ کرنے میں کوشش کرو کہ اصل میں عالم پاک سے ہے۔ اور بے گناہ۔ اس لیے کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔

## وقت روزہ کے تعین کی حکمت

جو کہ نفس کو کھانے پینے کی چیزوں اور جماع سے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک روکنے سے عبارت ہے۔ بشرطیکہ صاحب روزہ حیض اور نفاس سے پاک ہو۔ اس لیے کہ نفس زیادہ تر انہیں چیزوں کا راغب ہوتا ہے اسے اس کی مرغوب چیز نہ دینا اسے مارنے کے معنوں میں ہے۔ اور زیادہ تر اس کی رغبت اسی وقت ہے کہ نیند سے بیدار ہوتا ہے۔ اور اس کی خواہش تر و تازہ ہوتی ہے۔ اور اس کے حواس کھلے ہوئے۔ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ اور اس کا نام سنتا ہے۔ اور خیال کرتا اور آرزو کرتا ہے۔ اور اپنے ہم جنسوں میں سے دوسروں کو دیکھتا ہے کہ کھاتے ہیں۔ اور پیتے ہیں۔ اور عورتوں کے ساتھ اختلاط کرتے ہیں، نہ کہ رات کے وقت کہ اس وقت ہر شخص مردوں کی طرح خواب غفلت میں پڑا ہے۔ نہ کوئی چیز دیکھتا ہے۔ اور نہ اس کا نام سنتا ہے۔ اور نہ اپنے ہم جنسوں کو لذتوں میں مشغول دیکھ کر رغبت کرتا ہے۔ اسی لیے سب مخلوقات کا معمول ہے کہ رات کے وقت سونے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ لیکن جماع جو کہ نیند کے وقت واقع ہوتا ہے غور و فکر کے مطابق وہ نفس کا تقاضا

marfat.com
Marfat.com

نہیں ہوتا۔ کہ شکل، عادات، لباس، زیور، ادائیں اور عورتوں کی حرکات دیکھ کر فریفتہ ہو کر اس میں مشغول ہوتا ہے۔ بلکہ وہ جماع طبیعت کے دفع کرنے سے قبیل ہے۔ جو کہ منی کی گزرگاہوں کو پر کر دیتی ہے۔ اور وہ شخص اس پر ہونے کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے اس تاریک وقت میں کہ دیو کی شکل سے پری کی شکل ممتاز معلوم نہیں ہوتی اس منی کو بہر حال کسی جگہ گراتا ہے۔ اور ہلکا پن حاصل کرتا ہے۔ اور اسی لیے اس قسم کا جماع جب اپنی بیوی کے ساتھ واقع ہو تو پاک کرنے والی چیزوں کے قبیلے سے ہے۔ جیسے بول و براز سے فراغت حاصل کرنا جو کہ روح کے حال کی اچھائی کا موجب ہیں نہ کہ قوت نفس کا سبب۔ ہاں بعض ناقص فطرت کے لوگ چاہتے ہیں کہ نفس پروری کے لیے رات کو دن کریں، اور مشعلوں، چراغوں اور ساز کے تاروں کے نغمات کے ساتھ نفس کو حرکت دے کر جو کام دن کو کیا جا سکتا ہے اس سے بہتر رات کو کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی فرق بہت ہے۔ اور بے خوابی کی کوفت، حواس کی تھکاوٹ، عقل کی کمزوری اور دن کی لذتوں سے پوری طرح بہرہ ور ہونے سے محرومی اس شغل کو لازم ہے۔ ان امور کی بنا پر رات کو دن کی جگہ نہیں بنایا جا سکتا۔ کہ طبعی طور پر سکون کا وقت اور شہوتوں اور لذتوں کو ترک کرنے کا موقعہ ہے۔ اور اگر اسے روزے کا محل قرار دیتے تو عادت سے عبادت اور تقاضائے طبعی سے حکم شرعی ممتاز نہیں ہوتا تھا، اور اسی راز کے لیے نماز تہجد، تلاوت اور مناجات کا وقت رات کو قرار دیا گیا ہے نہ کہ دن کو۔ خصوصیت کے ساتھ روزے کی راتوں کو ادائے تراویح کا وقت قرار دیا تا کہ تقاضائے طبعی کی پوری مخالفت متحقق ہو جائے کہ طبیعت روزے کی تھکاوٹ کو دور کرنے کے لیے آرام اور راحت چاہتی ہے۔

لیکن چاہیے کہ تم اپنے روزے میں ہندوؤں اور صابیوں کے طریقے پر عمل نہ کرو کہ خود اُگنے والی جنس، بعض میوے اور پھل اور دودھ کھاتے اور پیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض رات کے وقت کھانے پینے سے رکتے ہیں نہ کہ دن میں۔ اور اسے شبہ کا نام دیتے ہیں۔ جیسا کہ صابیوں کے دساتیر میں موجود ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ شرائع الٰہیہ کے طریقے کے خلاف ہے۔ بلکہ روزہ تم پر فرض ہوا ہے

marfat.com

Marfat.com

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ جس طرح کہ ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے۔ شریعتوں اور دینوں والے کہ روزے کے دنوں میں مطلقاً کھانا پینا اور عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا ان پر دن کے وقت روزانہ حرام تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر شریعتوں میں آخری شریعت تک جو کہ نصرانیت ہے اسی وضع پر رہے۔

## روزے کا بیان

ہاں روزے کے دنوں کے تعین میں اُمتیں مختلف تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام پر ہر مہینے سے ایام بیض کے روزے فرض تھے، اور یہودیوں پر یوم عاشورہ اور ہر ہفتے میں ہفتے کے دن کا روزہ اور چند دوسرے دنوں کا روزہ فرض تھا۔ اور نصاریٰ پر ماہ رمضان، لیکن نصاریٰ نے جب سردیوں اور گرمیوں کی شدت میں روزہ رکھنا مشکل سمجھا تو یوں مقرر کیا کہ موسم بہار میں رمضان کے عوض پچاس روزے ادا کریں۔ اور اس تبدیلی کے تدارک کے لیے بیس روزے بڑھا دیے، اور حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے کہ روزہ ایک اصلی پرانی عبادت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے لے کر اب تک کوئی اُمت اس کی فرضیت سے خالی نہ رہی۔ یہ گمان نہ کرنا کہ یہ تکلیف ہم نے صرف تم پر مقرر کی ہے۔

اور ابن جریر نے روایت کی ہے کہ اسی لفظ سے مسلمانوں نے کھوج لگایا کہ روزے کا طریقہ سابقہ شریعتوں والوں سے حاصل کرنا چاہیے۔ پس یوں قرار پایا کہ اہل کتاب کے مطابق کھانا پینا سونے کے بعد بند کر دینا چاہیے۔ اور اسی طرح عورتوں کی صحبت۔ یہاں تک کہ یہ معمول آئندہ آیت کے ساتھ منسوخ ہوا، اور عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس مضمون کو روایت کیا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ تم پر بھی یہ عبادت فرض کی گئی اس مقصد کے لیے کہ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ شاید تم تقویٰ اختیار کرو۔ دو جہتوں سے، پہلی جہت یہ کہ نفس کو اس کی الفت اور رغبت والی چیزوں سے بند کرنے کی مشق حاصل کرو۔ اور جس طرح روزے میں

marfat.com

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اپنی ضروریات سے جن کی تمہیں عادت ہے باز رہتے ہو گو تمہارا نفس شدید تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح سارے ایام میں اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے باز رہ سکتے ہو اگرچہ تمہیں ان کی محبت اور رغبت ہو۔ پس اس عبادت کو فرض کرنے میں تمہیں نفس کو اس کے تقاضوں سے روکنے کی ورزش حاصل ہو۔ اور جانوروں اور بچوں کی ریاضت کی طرح کہ الفت کی چیزیں ترک کرنے میں پہلے انہیں سکھا کر پھر مقصد کے کام میں مشغول کرتے ہیں۔ دوسری جہت یہ کہ زیادہ تر گناہ قوت شہوت و غضب کی شدت اور تیزی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ عبادت ان دونوں چیزوں کو توڑتی ہے۔ اس لیے کہ شہوت اور غضب دونوں کا مدار مزاج کی قوت اور روح کی مضبوطی پر ہے۔ اور روح غذاؤں اور شربتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جب تم غذا اور مشروبات میں کمی کی کوشش کرو گے تو روح نرم اور نازک ہوگی، اور اس میں شہوت اور غضب کو جاری کرنے کی طاقت نہیں رہے گی، اور مجبور ہو کر ان دونوں بُری عادتوں کو ترک کر دے گی۔ اس لیے یہ عبادت تمہارے حق میں مقرر کی گئی ہے

**اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ** چند گنتی کے دن۔ کہ نہ بالکل کم ہوں کہ قوت شہویہ اور غضبیہ کو توڑنے میں کوئی اثر نہ کریں۔ اس لیے کہ نفس ایک دو بار اپنی مالوفات کو ترک کرنے کے صدمہ کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اور اسے کچھ نہیں سمجھتا۔ نہ بہت زیادہ کہ قوت شہویہ اور غضبیہ کو توڑنے کے ساتھ تم میں مزاج کے اعتدال اور طاعت و عبادت کی طاقت کو بھی نہ چھوڑے، اور اس وجہ سے دوسری عبادات جیسے نفل نماز، حج، جہاد اور طلب علم کے سفر، دین کی کتابوں کے مطالعہ، بیماروں کی عیادت، جنازوں کے ساتھ چلنے اور قریبیوں اور محتاجوں کی ضرورتوں میں کوشش کرنے سے بھی رہ جاؤ، اور تمہارے تقویٰ کی جہت میں ایک کمی واقع ہو جائے۔

اور وہ گنتی کے دن پورے ایک ماہ کے ایام ہیں۔ اس لیے کہ ایک ماہ کی مدت درمیانی مدت ہے۔ ایک ہفتہ کی مدت جو کہ بہت کم ہے۔ اور سال کی مدت کے درمیان جو کہ بہت زیادہ ہے۔ پس درمیانہ ہونے کی رعایت کے وقت اسی مدت کا اعتبار کرنا مناسب ہوا۔

نیز آسمانی اطوار کی جدتوں پر بطور فرع مرتب ہونے والی حقیقی گردشیں سب کی سب

marfat.com
Marfat.com

تین ہیں۔ پہلی' رات اور دن کی گردش جو کہ پہلی حرکت کے ساتھ وابستہ ہے دوسری' مہینے کی گردش جو کہ چاند کی حرکت کے ساتھ وابستہ ہے، تیسری گردش سال کی جو کہ حرکت آفتاب کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور ان تین گردشوں کے علاوہ دوسری معروف گردشیں جیسے ہفتہ یا قمری سال کی گردشیں تو یہ حقیقی گردشیں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک گردش کے تکرار سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور ان تینوں گردشوں میں سے اگر رات اور دن کی گردش اختیار کرتے تو دخول بہشت گردش میں لازم آتا، اور اس کے ساتھ روز وشب کی ایک گردش بہت تھوڑی ہے کوئی اثر نہیں رکھتی۔ مگر جب اسے تکرار دی جائے۔ اور اس گردش کی تکرار اس طرح کہ ہر دو گردشوں کے درمیان فاصلہ ہو بھی اعتاد تاثیر نہیں رکھتی۔ تکرار متصل دوسری گردش کی طرف راجع ہو جاتی ہے یا دوسری کی طرح، اور اسی طرح سال کی گردش اگر قرار پاتی تو فصلوں اور ہواؤں کی تبدیلی مدت کی طوالت کی وجہ سے مزاجوں میں خلل کا موجب ہوتی۔ پس دوسری گردش کو اختیار کرنا مقرر رہوا۔

## ایک ماہ کے روزے مقرر کرنے کا راز

اور اس کے ساتھ مہینہ مقرر کرنے میں ایک اور راز بھی ہے کہ قرآن پاک نزول پہلے لوح محفوظ سے پہلے آسماپر واقع ہوا اس مقام پر جسے بیت العزت کہتے ہیں۔ تو اسی آسمان کی حرکت کی گردش کی مدت کو اس عبارت میں اعتبار کرنا چاہیے جو کہ نزول قرآن کے ساتھ پوری مناسبت رکھتی ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ کے لفظ سے اسی قدر پتہ چلتا ہے کہ وہ ایام گنے ہوئے ہیں۔ اس لفظ کے ساتھ ایک کامل مہینے کی مدت کس طرح دریافت ہوئی ہم کہتے ہیں کہ وہ ایام جن کا بیان شمار یعنی گنتی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور شمار کے سوا دوسرا نام نہیں رکھتے مہینے کے ایام ہیں۔ جبکہ ہفتے کے ایام کو ان کے ناموں سے شمار کرتے ہیں نہ کہ اعداد کے ساتھ۔ پس معدودات کا لفظ ان پر صادق نہیں آتا۔ اس لیے کہ اس لفظ میں یہ جتلایا گیا ہے کہ ان دونوں کے ناموں میں گنتی بھی معتبر ہے۔ پس دوسروں کا احتمال باقی نہ رہا سوائے مہینے کے دونوں کے۔ اس لیے کہ مہینے کی تاریخیں ہیں جو کہ گنتی کے ساتھ بیان کی جاتی

marfat.com

Marfat.com

ہیں۔ جیسے دوسری، تیسری، چوتھی، اور عدد کے ذکر کی انتہا مہینہ پورا ہونے کی مدت ہے۔ اس کے بعد مہینے کے پورا ہونے کو بمنزلے ایک قرار دے کر پورا کر کے با کسروں کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ پس گہری نظر دیکھنے کے بعد ایاما معدودات کا ذکر گویا اس بات کی تصریح ہے کہ وہ ایام ایک پورے مہینے کے ایام ہیں۔

اس لیے فرمایا ہے کہ اگر تمہارے دل میں یہ وسوسہ گزرے کہ یہ مدت، لمبی مدت ہے شاید اس مدت کے روزے رکھنے میں شروع ہونے کے بعد ہم میں سے کسی کو کوئی بیماری در پیش آئے یا ضروری سفر کرنا پڑے تو ہم سے یہ عبادت کس طرح پوری ہوگی۔ تو جان لو کہ اگر چہ اس عبادت کی اصل فرضیت تم سب پر ہے خواہ مریض ہوں خواہ مسافر، لیکن اس کی فی الفور ادائیگی فرض نہیں ہے مگر تندرست پر جو کہ مسافر نہ ہو۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا تو تم میں سے جو مریض ہو ایسی مرض کے ساتھ کہ روزہ اسے نقصان دیتا ہے

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ یا سفر پر سوار ہو اور اس پر روزہ ناگوار ہو اور روزہ چھوڑ دے فَعِدَّةٌ پس اس کے ذمے اتنے دنوں کا شمار ہے جتنے دنوں مہینے سے روزہ چھوڑا ہو۔ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ دوسرے دنوں سے ان گنتی کے دنوں کے سوا جن کے روزے رکھنے شروع کیے تھے، خواہ وہ دوسرے ایام پے در پے ہوں۔ خواہ فاصلے کے ساتھ۔ اور اس کے ساتھ اس وقت جو کہ اسلام کا ابتدائی دور ہے۔ اور تم روزے کی مشقت کے عادی نہیں ہوئے ہو۔ باوجودیکہ تمہیں مرض اور سفر کا کوئی عذر نہ ہو۔ اگر تم میں سے بعض کو روزے کی توفیق نہ ہو تو فراخی کے لیے ہم نے روزے کا بھی ایک بدل مقرر کیا ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ اور ان لوگوں پر کہ جنہیں روزہ رکھنے کی طاقت ہے۔ لیکن عادت نہ ہونے کی وجہ سے پورا مہینہ پے در پے روزے نہیں رکھ سکے۔

فِدْيَةٌ ایک بدل ہے۔ اور وہ بدل طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ایک مسکین کی خوراک ہے۔ ہر روزے کے عوض۔ اگر پکا کر دے تو اتنا دے کہ دونوں وقت سالن کے ساتھ روٹی پیٹ بھر کر کھائے، اور اگر کچا دے تو دو سیر گندم دے (امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت مولانا

marfat.com
Marfat.com

الشاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق کے مطابق پرانے سوا دو سیر بنتے ہیں) کہ اس میں بعض کو غذا بنائے اور بعض سے غذا کی درستی کی چیزیں حاصل کرے جیسے گھی، ایندھن، پانی، نمک اور سالن اور یہ بدل اس لیے مقرر کیا گیا کہ جب یہ شخص خود تو اللہ تعالیٰ کے لیے کھانا، پینا اور نمک ترک نہیں کرسکتا۔ تو اتنا کرے کہ ایک بندۂ خدا کو جو کہ مسلمان ہو رات دن کی بھوک سے نجات دے، اور وہ مسلمان بندہ اس دوران جو عبادت اور نیکی بجالائے حتیٰ کہ اس دن کا روزہ اس میں اس شخص کا کوئی دخل متحقق ہو، اور کسی وجہ سے اس کے اعمال نامے میں ثابت ہو۔ نیز جب اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے یہ مقدار دی تو بالمعنی اس نے اس مقدار سے جو کہ ایک آدمی کی خوراک ہوسکتی ہے اپنے آپ کو باز رکھا، اور کچھ نہ کچھ روزے کے ساتھ ایک مشابہت پیدا کی کہ ایک دن کی خوراک سے باز رہنے کی حقیقت ہے۔ اور یہ بدل کم از کم حد ہے ورنہ

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا تو جو طاعت میں نیکی زیادہ کرے اس طرح کہ اس مقدار سے زیادہ ایک مسکین کو دے یا یہی مقدار چند مسکینوں کو دے۔

marfat.com
Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

# سورۃ الملک

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ مکی ہے کہ الم السجدۃ کے بعد مکہ شریف میں اُتری اس کے بعد سورۃ الحاقۃ اور سورۃ المعارج نازل ہوئی ہیں جبکہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی اور بعض دوسروں کی روایت کے ساتھ مدنی ہے' اس کی تیس (۳۰) آیات ہیں اس صحیح حدیث کے مطابق جو کہ صحاح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ کتاب اللہ کی ایک سورۃ نے جو کہ تمام وکمال تیس آیات ہیں' گناہگار آدمی کے حق میں شفاعت کے لیے اس قدر اصرار کیا کہ اسے جہنم کی گہرائی سے نکالا اور جنت میں داخل کیا اور وہ سورۃ تبارک الملک ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ یہ سورۃ ہر مومن کے دل میں ہو یعنی چاہیے کہ ہر مسلمان اس سورۃ کو یاد کرے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ میت کو جب قبر میں رکھتے ہیں اور عذاب کے فرشتے آتے ہیں' یہ سورۃ حمایت کے لئے اور انہیں روکنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے اگر پاؤں کی طرف سے آتے ہیں تو کہتی ہے کہ میں تمہیں اس طرف سے راستہ نہیں دوں گی کہ یہ شخص اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر نماز میں میری تلاوت کرتا تھا اور اگر سر کی طرف سے آتے ہیں تو کہتی ہے کہ اوپر سے تمہیں راستہ نہیں دوں گی کہ یہ شخص اپنی زبان سے میری تلاوت کرتا تھا اور اگر دائیں بائیں سے آئیں تو کہتی ہے کہ ان دونوں طرفوں سے تمہیں راستہ نہیں دوں گی کہ یہ شخص مجھے اپنے سینے میں یاد رکھتا تھا۔

اور حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ عشا کی نماز کے بعد دو رکعت نفل میں بیٹھ کر یہ

marfat.com
Marfat.com

سورۃ پڑھا کرتے تھے اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرمانے سے پہلے اس سورۃ کی ضرور تلاوت فرمایا کرتے تھے اس لیے حدیث شریف میں اس سورۃ کو مانعہ - منجیہ اور واقیہ کا نام دیا گیا ہے اس لیے کہ عذاب قبر کو روکتی ہے اور عذاب سے نجات بخشتی ہے اور قیامت کے صدموں اور پریشانیوں سے حفاظت کرتی ہے۔

اس سورۃ کے سورۃ التحریم کے ساتھ رابطہ کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ تحریم میں عیال داری کے آداب اور شرائط کا بیان ہے کہ مرد کو اپنی عورتوں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ کس طرح خانہ داری کرنا چاہیے اور اگر اس کے اہل وعیال چاہیں کہ گناہوں کا ارتکاب کریں اور جہنم کی آگ والے راستے پر چلیں تو اسے واجب ہے کہ ان کی اس راہ پر چلنے سے نگہبانی کرے۔

اور اس سورۃ میں خدائی اور شہنشاہی کے لوازم اور قواعد مذکور ہیں۔ وہاں ایک گھر کی سرداری مذکور ہے جبکہ یہاں تمام جہان کی سرداری بیان فرمائی ہے۔ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کے انداز کا تقاضا ہے کہ پہلی کو دوسری پر مقدم کریں۔ نیز اُس سورۃ میں جہنم کی آگ کی صفت اس مضمون کے ساتھ ذکر فرمائی گئی ہے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ جبکہ اس سورۃ میں اس مضمون کے ساتھ کہ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ نیز مذکور ہے سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ اور دونوں مضمون ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اس سورۃ میں مذکور ہے وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ جبکہ اِس سورۃ میں مذکور ہے وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور اُس سورۃ میں مذکور ہے کہ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ جبکہ اس سورۃ میں ہے قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۔

نیز اُس سورۃ میں مذکور ہے کہ اپنی عورتوں کی خوشنودی کے لیے خدا تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز کو کیوں حرام کیا؟ جبکہ اِس سورۃ میں مذکور ہے کہ حقیقی بادشاہی صرف خدا تعالیٰ

marfat.com

Marfat.com

کے لیے ہے پس اس کے احکام کی تبدیلی میں دوسروں کی پیروی نہیں کرنا چاہیے کہ حکمرانی بادشاہوں کا خاصہ ہے اور دوسروں کی خوشنودی کے لیے بادشاہوں کے حکم کے خلاف کرنا درست نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس غور وفکر کے بعد مناسبت کی بہت سی وجوہ نکلتی ہیں۔

## وجہ تسمیہ اور ذاتِ حق کے لائق چند چیزوں کا ذکر

اور اس سورۃ کو سورۃ ملک اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں جو کچھ حقیقی بادشاہت کے لائق ہے، حضرت حق تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے ثابت فرمایا ہے اور وہ چند چیزیں ہیں: پہلی چیز خیرات کی کثرت اور انعام واحسان وافر کرنا کہ لفظ تبارک سے سمجھ آتا ہے۔

دوسری چیز عموم قدرت یہاں تک کہ یہ عموم زندہ کرنے اور مارنے تک پہنچا کہ بادشاہوں میں سے کسی کو میسر نہیں ہے اور یہ مضمون وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ کے الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے۔

تیسری چیز رعایا، اہلِ مراتب اور ملک کے رئیسوں کے اعمال کی خبر گیری جو کہ بادشاہی کے لوازمات سے ہے اور لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اور اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ کے لفظوں سے معلوم ہوتا ہے۔

چوتھی چیز غلبہ، عزت اور مرتبہ جو کہ لفظ عزیز کا مفاد ہے۔

پانچویں چیز خطاؤں کو بخشنا اور معاف کرنا جو کہ لفظ غفور سے نکلتا ہے۔

چھٹی چیز اپنے پیش کاروں، خادموں اور غلاموں کے لیے بلند عمارات تعمیر کرنا جو کہ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا کا مضمون ہے۔

ساتویں چیز رعایا کے درمیان فرق نہ کرنا جو کہ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ سے سمجھ میں آتا ہے۔

آٹھویں چیز اپنی مملکت کے شہروں کو زینت بخشنا، ان کی آئینہ بندی اور سامانِ روشنی اور مشعل خانہ کا انتظام جو کہ لفظ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ سے معلوم ہوتا ہے۔

نویں چیز دشمنوں کو مغلوب کرنے کے لیے آلات تیار رکھنا جیسے توپ گولا، قید خانہ

marfat.com
Marfat.com

اورفوجی جو کہ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ اور سَئَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ سے معلوم ہوتا ہے۔

دسویں چیز دوستوں اور فرماں برداروں پر رحم وفضل کرنے کے وافر اسباب مہیا کرنا جو کہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ سے معلوم ہوتا ہے اور آیت ءَ اَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ تین آیات کے آخر تک میں بھی دونوں مضمونوں کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

گیارہویں چیز وحشی جانوروں کی تسخیر اور توشہ خانہ کی آبادی جو کہ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ سے معلوم ہوتی ہے۔

بارہویں چیز ملک میں امن' نرخوں کی ارزانی' رعایا اور متوسلین کی روزی اور تنخواہوں میں فراخی کرنا جس کا ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ سے لے کر بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ تک کے مجموعے سے پتہ چلتا ہے۔

تیرہویں چیز کسی کو حفاظت کرنے کی طاقت نہیں ہے کہ اس درگاہ کے دھتکارے ہوئے کو جگہ دے اور حمایت کرے یا اس بارگاہ کے محروم و مردود کو روزی پہنچائے اور کوئی نفع پہنچائے اور یہ معنی اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ تا آخر بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ سے سمجھا جاتا ہے۔

## سور رحمانیات اور ربانیات

اور یہ سورۃ رحمانیات سے ہے کہ اس میں اسم ذات کی بجائے اسم رحمٰن استعمال ہوتا ہے جیسے سورۃ انبیاء' سورۃ یٰسین' سورۃ مریم اور سورۃ طٰہٰ جس طرح کہ سورۃ نون' سورۃ الحاقۃ اور دوسری بہت سی سورتیں۔ جیسے طویل سورتوں میں سے سورۃ ھود اور سورۃ یوسف اور قصار میں سے سورۃ الفجر وغیرہ ربانیات ہیں کہ ان میں اسم ذات کی بجائے اسم رب مستعمل ہوا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ بہت بابرکت ہے وہ ذات پاک جس کے دستِ تصرف میں آسمان اور زمین اور ان کے درمیان والی چیزوں کی بادشاہی ہے۔

marfat.com

Marfat.com

یہاں جاننا چاہیے کہ دس اذکار سے جو کہ تسبیح' تحمید' تکبیر' تہلیل' توحید' حوقلہ (لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ) حسبلہ (حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ) بسملہ (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) استعانت اور تبارک ہیں' ہر شریعت میں ان کے مختلف صیغے رائج اور معمول ہیں اور یہ ذکر جو کہ تبارک سے عبارت ہے' قرآن مجید کی دو سورتوں کے شروع میں واقع ہوا جس طرح کہ تحمید پانچ سورتوں کی ابتدا میں واقع ہوئی اور تسبیح سات سورتوں کی ابتدا میں۔

## برکت کا مفہوم

اور اس ذکر کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے انعام واحسان کی کثرت کو ملاحظہ کرنا ہے جو کہ ذرات عالم کے ہر ذرہ میں ہمیشگی کے ساتھ جلوہ گر ہے اس لیے کہ برکت کے مفہوم میں دونوں چیزیں داخل ہیں' خیر کا صادر ہونا اور اس کی ہمیشگی۔ اسی وجہ سے جس چیز سے خیر صادر نہ ہو اسے مبارک نہیں کہتے اور جس چیز سے ایک دوبار خیر صادر ہو اسے بھی مبارک نہیں کہتے جب تک کہ ہمیشہ اور دائم رہنے والی خیر کا صدور نہ ہو۔

## ملک وملکوت کی حد اور ان کے اعتبار سے صفات کا ذکر

نیز جاننا چاہیے کہ غیر متناہیہ عوالم کے اصول دو عالم ہیں' ملک اور ملکوت۔ ملک عرش سے لے کر فرش تک عالم اجسام کا نام ہے جبکہ ملکوت قلم اعلیٰ سے انسانی نفس ناطقہ تک عالم ارواح کا نام ہے اور حضرت حق تعالیٰ کے لیے دونوں عالموں میں بادشاہانہ تصرف اور مالکانہ تدبیر ثابت ہے۔ عالم ملک کے تصرف کے اعتبار سے اسے تبارک کے ساتھ موصوف فرماتے ہیں جو کہ خیر دائمی کی کثرت کے معنوں میں ہے اس لیے کہ یہ عالم روز بروز زیادتی اور ترقی میں ہیں اور دم بدم عجیب حالات اور نادر ترکیبات قوت واستعداد کی کمیں گاہ سے فعلیت اور ظہور کے مقام پر جلوہ گر ہو رہی ہیں جبکہ عالم ملکوت کی اپنے ارادہ کے تقاضے کے مطابق تسخیر کے اعتبار سے تسبیح کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جس کا معنی تنزیہ وتقدیس ہے جیسا کہ سورۃ یٰسین کے آخر میں فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ

marfat.com
Marfat.com

مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ ہے اس لیے کہ تنزہ قدس اور پاکیزگی عالم ارواح کے مناسب ہے۔

اور چونکہ اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی کاری گری کے عجیب نشانات جو کہ عالم ملک میں مشاہدہ میں آتے اور محسوس ہوتے ہیں اور سرحد امکان سے وجود کے مقامات میں داخل ہو کر محاصرہ کی حد اور عقل کے استدلال کے احاطہ سے خارج ہیں' کی طرف اشارہ پورا ہوا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس عالم میں اس کا تصرف اور تدبیر اس کی موجودہ مقدار تک منحصر نہیں ہے بلکہ جو کچھ ممکنات میں داخل ہے' وہ بھی اس کی قدرت کے ساتھ متعلق ہے۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور وہ سب چیزوں پر خواہ موجود ہوں' خواہ نہ ہوں' خواہ عادی ہوں' خواہ نہ ہوں' قادر ہے اور اس جہت سے کہ ہر موجود کی امکانی صورتوں کی کوئی حد نہیں اس کی قدرت کے معمور خزانوں کو کوئی پورے طور پر سمجھ نہیں سکتا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ اور خزانوں کا یہ وافر ہونا کسی بادشاہ کے لیے متصور نہیں ہو سکتا۔

اب اس کی بادشاہی کے چند اور کارخانوں کو غور سے ملاحظہ کرنا چاہیے کہ کتنے عجیب آثار رکھتے ہیں تاکہ اس کی بادشاہی کی وسعت کا تھوڑا سا تصور تمہارے ذہن میں آئے اور قدرے معرفت جو کہ اس کی بارگاہ میں توجہ کو صحیح کرنے والی ہو' تمہیں نصیب ہو۔ تمام کارخانوں سے پہلے اپنی نوع کے کارخانے کو جو سرکار عالی کے چلیے ہیں' غور وفکر کے ساتھ دریافت کرو کہ اللہ تعالیٰ کی برکت نے تقاضا فرمایا کہ موجودات میں سے ایک نوع کو اپنی قدرت اور اختیار سے ایک سایہ اور نمونہ دینا چاہیے اور اپنے علم وشعور کا ایک عکس اسے عطا فرمانا چاہیے تاکہ اختیار کے ساتھ خیرات دائمی کا مصدر ہونے میں اپنے خالق کے ساتھ مشابہت پیدا کرے اس لیے کہ دوسری مخلوقات جو کہ مصدر خیرات ہوتی ہے یا تو بے اختیار ہوتی ہے جیسے افلاک' ستارے' عناصر' کانیں اور نباتات یا ضعیف اختیار کے ساتھ جو کہ طبیعت کا حکم رکھتا ہے اور اس ضعیف اختیار کی وجہ سے تعریف اور مذمت کا

marfat.com

Marfat.com

مورد نہیں ہوتی اور ان کی خیرات دوام اور ہمیشگی کے زیور سے خالی ہوتی ہے جیسے حیوانات یا اپنے اختیار میں مجبور ہیں اور اپنے مالک کے حضور بے اختیاروں کی طرح مغلوب جیسے ملائکہ اور ارواح مدبرہ۔ اس لیے اس نے تمہاری نوع کو پیدا فرمایا اور قدرت' اختیار' شعور اور ادراک کلی دینے کی وجہ سے جو کہ ہمیشہ رہنے والے نشانات کے افعال کا مصدر ہو سکے اور ایک عالم کی بناء کر سکے' اسے اپنا خلیفہ بنایا اور اسے بطورِ خود چھوڑ دیا پھر اس کے لیے ایک ایسی چیز چاہیے تھی جو کہ اس کے جذبہ خیر کو حرکت دینے والی اور شر سے روکنے والی ہو۔ پس اللہ تعالیٰ

نِ الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ وہ بااقتدار بادشاہ ہے کہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا تا کہ حیات کی وجہ سے اعمال اختیاریہ پر قادر ہوں اور موت کی وجہ سے تمہارے عمل کے حسن کے آثار ظاہر ہوں تو جس طرح حیات اعمال کی اصل اور ان کے تخم کے ظہور کا باعث ہے' موت ان اعمال کے نتائج اور آثار کی نمود کا باعث ہے اور یہ عجیب تدبیر اس لیے فرمائی

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تا کہ تمہارا امتحان کرے کہ تم میں سے کون عمل کی رو سے زیادہ اچھا اور نیک ہے اور حسن عمل کے درجات مختلف ہونے کی وجہ سے اپنے خالق کے ساتھ تمہاری مشابہت کے مرتبے بھی مختلف ہوتے ہیں جس قدر حسن عمل زیادہ ہوگا' تم میں برکتِ الٰہی کا ظہور زیادہ ہوگا پس اس تدبیر کے ساتھ اس نے برکت کا بیج بویا تا کہ اس بیج کی پیداوار ایک جہان کی آبادی کا باعث ہو جسے عالم آخرت کہتے ہیں۔

اور یہ تدبیر بلاتشبیہ خزانوں کے مالک کی تدبیر کی طرح ہے جو چاہتا ہے کہ اپنے خزانے کو زراعت اور تجارت کے ساتھ زیادہ کرے اور دوسرا رنگ اور ایک اور نقش باندھے۔ فرق یہ ہے کہ صاحبِ خزانہ اس تدبیر میں اپنے غیر سے مدد لیتا ہے اور اس کا محتاج ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق کو بعض کے ساتھ ترکیب دے کر اپنے غیر سے مدد مانگے بغیر یہ نقش باندھا ہے اور اسی لیے باوجودیکہ یہ نقش باندھنے کے لیے اس نے اقتدار اور اختیار والے بندوں کو درمیان میں رکھا ہے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا

marfat.com
Marfat.com

جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمایا: اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُکُمْ اُحْصِیْهَا عَلَیْکُمْ وہ تمہارے اعمال ہیں' انہیں میں تم پر شمار کرتا ہوں اس کے غلبہ اور عزت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اس لیے کہ ہر چیز کی لگام بلکہ ان واسطوں کے اقتدار اور اختیار کی لگام بھی اپنے قبضہ قدرت میں رکھتا ہے۔

وَهُوَ الْعَزِیْزُ اور وہ ایسی عزت والا ہے کہ اس عزت کی مثل کا اس کے غیر میں تصور نہیں ہوسکتا اور اگر اس کی یہ عزت نہ ہوتی تو اس مخلوق کو کہ جسے اس نے اپنا خلیفہ بنایا اور تصرف میں خودمختار فرمایا ہے' اپنی نافرمانی اور ناراضگی پر مواخذہ اور سزا نہیں دے سکتا تھا جس طرح کہ دنیا کے بادشاہ جب کسی کو اپنی جگہ مقرر کرتے ہیں اور بااختیار کرتے ہیں پھر اس سے یہ عہدہ چھین نہیں سکتے اور اپنی ناراضگیوں پر مواخذہ اور سزا نہیں دے سکتے اور اس تمام عزت اور غلبہ کے باوجود جو کہ اسے حاصل ہے' ایک اور وصف بھی رکھتا ہے کہ

اَلْغَفُوْرُ پردہ پوش اور بخشنے والا ہے' اپنے ان خودمختار بندوں کی کوتاہیوں سے درگزر فرماتا ہے اور پکڑنے میں جلدی نہیں فرماتا تا کہ ان کی سرکشی اور عناد ثابت ہو جائے اور حکمت کے تقاضے کے مطابق پردہ پوشی اور بخشش کی جگہ نہ رہے۔

## دو جواب طلب سوالات

یہاں دو جواب طلب سوال باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ موت کو حیات سے پہلے کیوں لایا گیا حالانکہ موت تو حیات کے بعد ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نیک عمل کرنے کا سبب درحقیقت موت ہے اور یہاں اس معاملۂ امتحان میں حسن عمل کا منظور ہے نہ کہ اصل عمل پر اطلاع پس موت بمنزلہ مقصود ہے کہ امر مقصود یعنی حسن عمل کا سبب ہے اور حیات بمنزلہ وسیلہ کے ہے کہ ایسے امر کا سبب ہے جو کہ وسیلہ ہے اور مرتبے کے اعتبار سے مقاصد وسائل سے پہلے ہوتے ہیں اگرچہ زمانے کے اعتبار سے وسائل مقاصد سے پہلے ہوتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ عالم ملک میں موت ذاتی ہے اور حیات عرضی ہے اور ذاتی عرضی سے مقدم ہے۔

marfat.com
Marfat.com

تیسرا جواب یہ ہے کہ موت کو اس وجہ سے مقدم فرمایا گیا کہ موت ہر آدمی کی آنکھوں کے سامنے اور پیش نظر رہے اور اس سے کبھی غفلت نہ کرے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ لذتوں کی قاطع کا ذکر زیادہ کرو یعنی موت کا۔ نیز وارد ہے کہ **بئس العبد عبد نسی المقابر والبلٰی** بہت بُرا ہے وہ بندہ جو قبروں اور بوسیدہ ہونے کو بھول گیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موت سے مراد دنیوی موت ہے اور حیات سے مراد اخروی حیات ہے اور دنیوی موت کو حیاتِ اخروی پر تقدم زمانی حاصل ہے اور دوسرے مفسرین سے منقول ہے کہ موت سے مراد نطفہ ہونے کی حالت ہے اور حیات سے مراد دنیوی حیات اور نطفہ کی حالت حیات سے پہلے ہے اور اس تفسیر پر لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً کے ساتھ مناسبت اس طرح بیان کی جا سکتی ہے کہ اس نے جب تمہیں پہلے مردہ کیا پھر زندہ کیا پس تمہیں چاہیے کہ جانو کہ ہر موت کے بعد ایک زندگی ہے کہ اعمال خیر کے ساتھ اس زندگی میں تم نفع حاصل کرو گے جبکہ بُرے اعمال سے ضرر پاؤ گے اور اس جاننے سے اپنے اعمال کو اچھا کرنے میں کوشش کرو اور اپنے اعمال کو بُرا کرنے سے پرہیز کرو۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ موت کو پیدا کرنے کا کیا معنی ہے اس لیے کہ موت زوال حیات کا نام ہے اور ہر چیز کا زوال جو کہ اس چیز کا عدم ہے' مخلوق نہیں ہے اس چیز کو پیدا نہ کرنا زوال حاصل کرنے میں کافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ موت و حیات ایک ساتھ عدم اور استعداد ہیں اس لیے کہ حیات حسن و حرکت ارادیہ سے عبارت ہے اگرچہ وہ حرکت ارادی مجبوراً ہو جیسے سانس لینے والا اور موت حس و حرکت ارادی کا نہ ہونا ہے اس سے جو حس و حرکت کے قابل تھا اس لیے پتھر اور لکڑی کو نہیں کہا جا سکتا کہ میت اور مردہ ہے اور عدم استعداد عدم محض نہیں بلکہ وجود کی آمیزش رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ محل کے بغیر صورت نہیں پکڑتا اور جب اسے وجود سے آمیزش حاصل ہوئی تو پیدائش کے قابل ہو گیا جیسے حیات

دوسرا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ موت و حیات

marfat.com
Marfat.com

کی خلقت سے مراد ان دونوں کی مثالی صورتوں کی خلقت ہے اس لیے کہ موت کو عالم مثال میں سیاہ وسفید داغوں والے مینڈھے کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے کہ جب کسی چیز پر اس کا گزر ہو اور اس کی بو اس چیز کے نتھنوں میں پہنچتی ہے وہ مر جاتی ہے اور زندگی کو ابلق گھوڑی کی شکل میں پیدا کیا گیا ہے کہ جب کسی چیز پر اس کا گزر ہوتا ہے اور اس کی بو اس کے نتھنوں میں پہنچتی ہے' زندہ ہو جاتی ہے اور اسی وجہ سے صحیح حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے جنت اور دوزخ میں داخل ہونے کے بعد موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کریں گے تا کہ دوزخیوں کا غم پر غم بڑھے اور بہشتیوں کو سرور پر سرور حاصل ہو۔ نیز سامری کے قصہ میں واقع ہوا ہے کہ اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ابلق گھوڑی پر سوار دیکھا تھا اور اس گھوڑی کے سم کے نیچے سے کچھ خاک اُٹھا کر اپنے پاس رکھی کہ سونے کے بچھڑے میں ڈال کر ایک طلسم بنایا اور اسے معبود قرار دیا۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور جب آپ اس لفظ پر پہنچے کہ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تو ارشاد فرمایا: اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً واورع عن مَحَارِمِ اللهِ وَاَسْرَعُ فِیْ طَاعَةِ اللهِ یعنی حسن عمل سے مراد نوافل کی کثرت نہیں ہے بلکہ آداب کی رعایت اور محرمات سے نفس کی نگہبانی ہے اس لیے کہ نافرمانی جب اطاعت کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہے تو نیکی کے اثر کو کمزور کرتی ہے۔

پھر اس سلطنت کی عمارات اور بلند تعمیرات کے کارخانہ میں غور کرو اور بالکل ظاہر ہے کہ عالم ملک کے کمال کی انتہا آسمانوں کی پیدائش میں ہے اس لیے کہ عالم میں کوئی چیز مضبوطی' حسن انتظام اور قرائن کی رعایت میں اس کے برابر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وہ بااقتدار بادشاہ جس نے ساتوں آسمان پیدا کیے ہیں تا کہ ہر آسمان کے واسطے سے جہان میں ایک خاص فیض نازل فرمائے اور لوگ اس فیض کو اس آسمان اور اس آسمان کے ستاروں اور اس آسمان سے متعلق روحوں کے ساتھ نسبت کریں اور فعل الٰہی اس پردے میں مخفی اور چھپا رہے جب کہ بادشاہوں کی عادت

marfat.com
Marfat.com

ہے کہ اپنے فعل کو اپنے اہلکاروں کے افعال کے پردہ میں چھپا رکھتے ہیں اور دنیا کی کوئی نعمت نہیں ہے مگر اس کا مبدا اور اصل آسمان سے ہے اور آسمان کے رہنے والے ان نعمتوں کا فیض دینے میں واسطہ واقع ہوئے ہیں اور ان سات آسمانوں کو جدا جدا بنایا تا کہ جہان والوں کو اس فیض کے پہنچنے میں نزدیکی اور دُوری کا اختلاف واقع ہو بلکہ ان سات آسمانوں کو بنایا۔

طِبَاقًا تہ بہ تہ ہر آسمان اپنے نچلے آسمان کو محیط ہے اور جو فیض کہ نازل ہوتا ہے اعلیٰ کے نچلے کا احاطہ کرنے کے سبب سے اس فیض کا گزر نچلے آسمان اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کے اوپر سے صورت پکڑے اور ساتوں آسمانوں کے فیوض کا امتزاج سب کے ساتھ زمین والوں پر متحقق ہو۔ نیز ساتوں آسمانوں کو ایک ساتھ ایک دوسرے کے مطابق کر دیا تا کہ بعض کے بعض کے ساتھ موافقت کی وجہ سے کائنات کے احکام میں خلل اور تضاد اور خرابیاں رونما نہ ہوں اور یہ عجیب تدبیر کائنات کی تکمیل اور حسن اعمال کے مفاسد کا موجب ہو۔ اسی لیے

مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ تو عام رحمت والے خدا کی تخلیق میں نہ عالم علوی میں نہ عالم کون وفساد میں مِنْ تَفٰوُتٍ کوئی تفاوت دیکھتا ہے؟ حکمت کی رعایت' حسن انتظام اور ہر چیز سے مطلوب تاثیروں کے صادر ہونے میں ہاں جو تفاوت کہ ہے صور نوعیہ کی طبیعتوں میں اختلاف اور اختیار والی چیزوں کے جذبات اور ارادوں میں اختلاف کی وجہ سے ہے اور یہ تفاوت حکمت اور جہانداری کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اگر یہ تفاوت نہ ہوتی' عجیب تاثیریں اور حیران کن ترکیبات نمودار نہ ہوتیں۔

اور اے سننے والے! اگر اس امر میں تجھے کوئی شک ہے اور تو اس تفاوت کو حکمت کی رعایت میں تفاوت کا موجب نہیں سمجھتا فَارْجِعِ الْبَصَرَ پس اپنی نگاہ کو عالم بالا کی طرف پھیر کہ کائنات اور فاسدات کا مبدا وہی ہے اور جب تک کسی شے کے مبدا میں خلل نہیں پڑتا اس شے میں خلل کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ کیا تو اس عالم بالا میں کوئی شگاف دیکھتا ہے جو کہ فعل اور

marfat.com
Marfat.com

رعایت حکمت کے اتفاق پر دلالت نہ کرے اور اگر تجھے اس ایک بار کے دیکھنے سے تسلی خاطر حاصل نہ ہو تو کہہ کہ پہلی نظر حماقت ہے۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ اس عالم کے احوال میں اپنی عقلی چشم کو پھر لوٹا کَرَّتَيْنِ تکرار سے يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا تیری نظر تیری طرف پھرے گی دُھتکاری ہوئی گویا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے دلائل ہر طرف سے کوتاہی طلب کرنے والے کو دُھتکارتے ہیں۔

وَّهُوَ حَسِيْرٌ اور وہ نظر تھکی ہوئی اور عاجز ہوئی ہوگی۔ پس یہ امر اس بات پر صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں حکمت کو پسند کرتا ہے تو تمہارے اختیاری اعمال میں بھی اسی کو پسند کرتا ہے کہ ممکن حد تک اچھے طریقے سے واقع ہوں کہ کسی طرح بھی ان میں حکمت کی مخالفت اور رخنہ پیدا نہ ہو تاکہ بقدر امکان اپنے خالق کے ساتھ مشابہت حاصل کرلے۔

اور اس آیت میں اسم ذات کی بجائے لفظ رحمٰن اس وجہ سے لایا گیا ہے کہ عام پیدائش میں حکمت کی رعایت تمام نعمتوں کا مبدا ہے اور یہ عام انعام صفت رحمانیت کا اثر ہے جو کہ عموم رحمت کے معنوں میں ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ آسمان کا جوہر بسیط ہے اور جواہر عناصر اور عناصر کے مرکبات سے وراء ہے۔ پس جس طرح پانی' آگ' ہوا اور خاک کو نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں چیز سے مرکب ہو کر آیا اسی طرح آسمان کو بھی نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں جوہر سے مرکب ہے اور جو کعب احبار وغیرہ سے روایات آتی ہیں کہ آسمان دنیا پانی کی موج ہے جو کہ معلق کھڑی ہے اور دوسرا آسمان سفید مروارید سے ہے' تیسرا آسمان لوہے سے' چوتھا تانبے سے' پانچواں چاندی سے' چھٹا سونے سے اور ساتواں آسمان سرخ یاقوت سے ہے تو یہ تشبیہ و تمثیل کے طریقے پر ہے یعنی اگر آسمانی جواہر کو دنیا کے معلوم جواہر پر مطابقت اور تمثیل دیں تو یہ جوہر فلاں آسمان کے مشابہ اور مانند ہے جس طرح اسی مطابقت اور تشبیہ کی وجہ سے سورج کو سونے کا اور چاند کو چاندی کا خیال کرتے ہیں اور دن کو سفید اور رات کو سیاہ کہتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

اور جب رعایت حکمت اور عالم بالا کی اونچی عمارات جو کہ بمنزلہ بادشاہی تخت کے ہے اور نچلا عالم جو کہ کائنات اور فاسدات پر مشتمل ہے اس عالم بالا کی نسبت شہر میں رعایا کے گھروں کے مرتبے میں ہے کے کارخانہ میں عمل کے اتفاق کے بیان سے فارغ ہوئے اب فرمایا ہے کہ حکمت کو پورا کرنے اور ان خاص عمارات میں حسن ذاتی کا کامل کرنے کے علاوہ ہم نے عرضی خوبیوں اور زینتوں کو بھی کامل فرمایا ہے اور ان محاسن اور زینتوں کو اعداء پر قہر اور چوروں سے پہرے کا سبب بنایا کہ ان خاص محلات کے قریب پھٹک نہیں سکتے اور یہ تدبیر انتہائی عجیب ہے کہ ایک چیز میں زینت اور سلطنت کی رونق بھی ہو اور دشمنوں پر قہر اور فسادیوں کو سزا بھی اور کسی بادشاہ کو ایسی تدبیر نہ آئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا اور تحقیق ہم نے زمین سے نزدیک آسمان کو زینت بخشی ہے کہ چاند اس میں گڑا ہے بِمَصَابِيْحَ بے شمار چراغوں کے ساتھ جو کہ اس آسمان کے اوپر درجہ بدرجہ معلق ہیں' ثوابت کرسی میں' زحل ساتویں آسمان میں' مشتری چھٹے آسمان میں' مریخ پانچویں میں' سورج چوتھے میں' زہرہ تیسرے میں' عطارد دوسرے آسمان میں اور ان تمام چراغوں کی شعاع نچلے آسمان میں ہو کر اسے بہت زیادہ زینت بخشتی ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کسی مکان کو چراغاں کے ساتھ زینت دینا اس پر موقوف نہیں کہ وہ سب چراغ اس مکان میں رکھے ہوئے ہوں بلکہ معمول بھی نہیں بلکہ مکان کو چراغاں کے ساتھ زینت دینے کا یہی طریقہ ہے کہ اس مکان کے اوپر لڑیوں میں یا بلند طاقوں میں قندیلیں لٹکاتے ہیں تا کہ اس چراغاں کی شعاع اس پورے مکان میں پھیلے اور اگر چراغاں کو اس مکان کے اندر رکھیں تو اس چراغاں کی شعاعیں اس مکان میں نہ پھیلیں تو اس آیت سے ستاروں کا نچلے آسمان میں ہونا سمجھنا عرف کے خلاف ہے اور درحقیقت ستاروں کے تمام انوار کے ساتھ تزئین و آرائش اسی آسمان کو حاصل ہے جو کہ سب سے نیچے ہے اور سب کی شعاعوں کی جلوہ گاہ ہوا خصوصاً زمین والوں کی نظر میں آسمانوں کے

marfat.com
Marfat.com

صاف شفاف ہونے کی وجہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ستارے اسی آسمان میں ہیں اور زینت میں یہی امر معتبر ہے کہ لوگوں کے دیکھنے کے مطابق ہو نہ یہ کہ واقعی ہو۔ اسی لیے چاندی پر سونے کا جڑاؤ کرتے ہیں اور ملمع کرتے ہیں تا کہ دیکھنے میں خوبصورت لگے اور ایک چراغ کو ہزاروں آئینہ میں دیکھتے ہیں تا کہ بے شمار چراغ نظر آئیں اور زینت حاصل ہو۔

اور آسمان دنیا کی تخصیص اس وجہ سے فرمائی ہے کہ آسمان دنیا عالم بالا کے دروازے کی طرح ہے کہ بادشاہی کے تخت کا حکم رکھتا ہے اور دروازے کو زیب و زینت کرنا اور اس پر پہرے داروں' چوکیداروں کو مقرر کرنا اور وہاں توپ اور گولہ مہیا رکھنا شاہانہ انتظام کے مطابق ہے۔ نیز اس آرائش میں اس بات کا اشارہ ہے کہ میں آدمی کو بھی ان درجوں کے ساتھ زینت بخشتا ہوں جو فی الحال اس کی قدر سے زیادہ ہوتے ہیں اور درحقیقت وہ مرتبے اس کے فوقانی ارباب کے مرتبے ہیں کہ اس میں ظہور کرتے ہیں تا کہ اس میں جن چیزوں کی قوت سپرد کی گئی ہے' انجام کار وہ فعلیت اور ظہور میں آئے۔

وَجَعَلْنَاهَا اور ہم نے اس چراغاں کو کر دیا توپ کے گولوں کی طرح کہ ہو جاتے ہیں رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ شیطانوں کو سنگسار کرنے کا سبب جو کہ خبروں کی چوری اور عالم بالا کی تدبیروں کی جاسوسی کے لیے جاتے ہیں تا کہ ان خبروں اور تدبیروں کو زمین کے لوگوں تک پہنچائیں اور ان کے اعمال کو خراب کریں اور اپنے آپ کو ان کے نزدیک عالم الغیب اور تدبیرات الٰہیہ میں شریک ظاہر کریں اور ان سے عبادتیں قربانیاں اور اُجرتیں اپنے لیے اور اپنے دشمنوں کے لیے طلب کریں۔

### شیاطین کے رجم کا طریقہ

اور ستاروں کے ساتھ شیطانوں کی سنگساری کا طریقہ یہ ہے کہ فرشتے ستاروں کی شعاعوں سے جو کہ آسمانِ دنیا میں جمع ہوئی ہیں' ایک آگ جلاتے ہیں اور اس آگ کو ہر آسمانی راز چرانے والے شیطان کے پیچھے بھگاتے ہیں اور آسمانِ دنیا کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ چونکہ اوپر کے آسمانوں کے نیچے کوئی ایسا جسم نہیں ہے جو کہ ستاروں کی

marfat.com

Marfat.com

شعاعوں کو گرم کرنے کی کیفیت کے قابل ہو تا کہ اس قابلیت رکھنے والے جسم میں تاثیر کریں اور گرم کریں اس لیے کہ فاعل' قابل کے بغیر مؤثر نہیں ہو سکتا۔ بخلاف آسمانِ دنیا کے کہ اس کے نیچے اس کیفیت کو قبول کرنے والی لطیف ہوا اور اوپر چڑھنے والے بہت سے بخارات موجود ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سورج کی شعاع جب زمین اور پتھر پر پڑتی ہے تو بہت گرم ہوتے ہیں جبکہ اجسام فلکیہ میں بلکہ کرۂ ہوا کے طبقات میں بھی قابل کے تصور کی وجہ سے اس کی اپنی گرمی ظاہر نہیں ہوتی پس اگر کہا جائے کہ ہم نے زمین اور پتھر کو سورج کی شعاعوں کی وجہ سے جلانے اور پکانے کے قابل بنا دیا ہے باوجودیکہ سورج کے جسم سے بہت دور ہیں تو بالکل صحیح ہے۔

اور وہ جو حکماء نے کہا ہے کہ شہابوں کی حقیقت یہی جلانے والے بخارات ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس تاثیر کو قبول کرنے والے یہی بخارات ہیں نہ یہ کہ انہیں ستاروں کی شعاعوں کی ضرورت نہیں یا فرشتوں کو ان شعاعوں کے ساتھ ان بخارات کو روشن کرنے میں کوئی دخل نہیں اس لیے کہ اگر جلے ہوئے بخارات کرۂ نار میں داخل ہونے کی وجہ سے خود بخود جل جاتے تو لازم تھا کہ اوپر چڑھنے میں زیادتی قبول کرتے اور خطِ مستقیم پر اوپر جانے والی حرکت کرتے اس لیے کہ اس صورت میں ان کی حرکت محیط طبعی کی سمت کو ہوتی حالانکہ اکثر اوقات جلنے کے بعد بخارات نازل ہوتے ہیں اور کبھی دائیں بائیں بھاگتے ہیں اور حرکات قسریہ جو کہ خود مختار ہونے کے ارادے کو توڑتی ہیں' ان میں بالکل ظاہر محسوس ہوتی اور نظر آتی ہیں جیسا کہ تجربہ اور گہری نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔

وَاَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ اور ہم نے ان شیطانوں کے لیے مہیا کیا ہے اس خبروں کی چوری کے سوا جس کا مقصد بنی آدم کو گمراہ کرنا ہے' ان کے دوسرے گناہوں کی وجہ سے

عَذَابَ السَّعِيۡرِ جہنم کی آگ کی جلن کا عذاب اگرچہ وہ بھی آگ سے پیدا کیے گئے ہیں پس ان کے مادے کو انہیں کی صورت پر مسلط کرتے ہیں تا کہ عذاب دیں اس لیے کہ جب تک صورت مادہ پر مسلط ہے' کام طبیعت کے مطابق ہے اور جب مادہ

marfat.com
Marfat.com

صورت پر مسلط ہوا تو بنیاد اور افعال میں خلل لازم ہوا جس طرح کہ بیماریوں کے پیدا ہونے میں تجربہ اور امتحان کیا گیا ہے کہ خون اور دوسری اخلاط کے غلبہ کی وجہ سے مزاج خراب ہوتا ہے اور افعال میں خلل پڑ جاتا ہے اگرچہ بدن کا مادہ بھی خون اور اخلاط ہیں۔

## ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ سورۃ کی ابتدا سے لے کر اس آیت تک کلام کی بناء غیب پر رکھی گئی اور اپنی ذات پاک کا ذکر غائب کے صیغے کے ساتھ فرمایا اس آیت میں غیبت سے متکلم کی طرف التفات کیوں فرمائی گئی اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایسا ایسا کیا' انداز کے اس بدلنے میں نکتہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے سورۃ سے لے کر اس آیت تک ان اوصاف کا ذکر فرمایا گیا جو کہ مخلوق سے مقصود نہیں ہو سکتے۔ یعنی خلق' موت' حیات سات طبقوں والے آسمانوں کو پیدا کرنا پس متکلم کو معین کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ ہر عقل مند جانتا ہے کہ یہ کام خدائی کام ہیں جبکہ اس آیت میں جو کام ذکر فرمائے گئے ہیں یعنی مکانات کو قندیلوں اور چراغاں کے ساتھ زینت دینا' دشمنوں پر پتھر پھینکنا اور اپنے دشمنوں کے لیے سزا کے اسباب مہیا رکھنا اس قسم سے ہیں کہ آدمی بھی کرتے ہیں۔ پس متکلم کی تعریف جو کہ تعریف کے انتہائی درجات تک پہنچی ہے' ضروری ہوئی تا کہ شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

اور تفسیرات عجیبہ میں سے وہ تفسیر ہے جو کہ بعض مضبوط فقہاء نے اس آیت میں کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رجوما بوگس خیالات کے معنوں میں جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص رجما بالغیب باتیں کرتا ہے یعنی بے اصل گمان فاسد کرتا ہے اور شیاطین سے مراد نجومی ہیں جو کہ اپنی جھوٹی خبروں کے ساتھ لوگوں کو' جسے پہلے لاتا ہے' اسے مؤخر کرنے اور جسے مؤخر کرتا ہے اسے پہلے لانے میں گرفتار کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں اوہام اور وسوسوں کو راہ دیتے ہیں۔ پس اس آیت کا معنی یوں ہوا کہ ہم نے ان ستاروں کو نجومیوں کے لیے جھوٹ بولنے کے اسباب بنایا ہے اور ہم نے ان نجومیوں کے لیے جو کہ ستاروں کی تاثیر کے معتقد ہیں یا غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں

marfat.com
Marfat.com

جلن کا عذاب مہیا کیا ہے وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اور ان لوگوں کے لیے جو کہ اپنے پروردگار کے ساتھ کافر ہو گئے ہیں' ان شیطانوں کے گمراہ کرنے کی وجہ سے ایک اور عذاب ہے جو کہ قسم قسم کے دُکھ اور تکلیف کو جمع کرنے والا ہے اس لیے کہ انہوں نے بھی اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کر کے بدی کی کئی قسموں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے اور وہ عذاب

عَذَابُ جَهَنَّمَ جہنم ہے جو کہ آگ کی جلن' زمہریر کی ٹھنڈک' طوق اور زنجیریں پہننے کے ساتھ ساتھ سانپوں اور بچھوؤں کے کاٹنے' زقوم' غساق اور غسلین کھانے' گرم کھولتا پانی اور پیپ پینے' چڑھائی پر چڑھائی وغیر ذالک کو جمع کرنے والا ہے۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور بہت بُری جگہ ہے لوٹنے کی وہ دوزخ۔ اس لیے کہ مکان کا بُرا ہونا یا اس مکان کی ذات سے ہے یا اس مکان میں رہنے والوں اور وہاں کے مالکان امر سے ہے مکان کی برائی جیسے تنگ اور ہوا کے بغیر مکان کہ یہ بُرائی اس کی ذات کی وجہ سے ہے اور جیسے کھلے فضا والے مکان کی بدی جس میں کوئی جن مسلط ہے اور وہاں ہر جانے والے کو ایذاء دیتا ہے جبکہ دوزخ میں دونوں قسم کی بدیاں جمع ہیں۔ دوزخ کی ذات اس میں سکونت کا قصد کرنے والوں کے ساتھ اس طرح پیش آتی ہے۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا جب یہ کفار اس دوزخ میں پھینکنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں' تو مرحبا کہنے' استقبال اور تعظیم کرنے کی بجائے سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا اس دوزخ کی بہت مکروہ اور بلند آواز سنتے ہیں جیسے گدھے کی اونچی آواز۔ صرف فرق یہ ہے کہ گدھا اس قسم کی آواز کر کے چپ ہو جاتا ہے۔

وَّهِيَ تَفُوْرُ اور وہ دوزخ زیادہ جوش مارتی ہے جیسے دیگ جوش مارتی ہے اور یہ تیز آواز اور سخت نعرہ نکالنے سے اس کا غصہ اور غضب دُور نہیں ہوتا بلکہ ان کفار کو دیکھتے ہی اس کا غصہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ

تَكَادُ تَمَيَّزُ قریب ہو جاتی ہے کہ پارہ پارہ ہو جائے اور کفار پر ٹوٹ پڑے۔ مِنَ الْغَيْظِ غصے کی شدت سے اس لیے کہ ان کفار نے بھی دوزخ کے پروردگار کو ناراض کیا تھا

marfat.com

Marfat.com

اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو جو کہ رسل علیہم السلام کی زبان پر ان کے پاس بھیجا گیا تھا' سنتے ہی خود بھی غضب ناک ہو جاتے تھے اور اپنے بتوں اور اپنے طور طریقے اور آئین کی حمایت میں جوش دکھاتے تھے اور غصے کے وقت اس حالت کا سبب یہ ہے کہ غصے میں دل کا خون جوش میں آ جاتا ہے جبکہ قاعدہ ہے کہ جب خون جوش کرے اس میں حجم بڑھتا ہے اور اس کے اندازے کو فراخ کرتا ہے اور ظرفوں میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پھٹنے کے قریب ہو جاتے ہیں جس طرح کہ شدید خونی زخموں میں محسوس ہوتا ہے۔

اور اس مکان کے ساکن اور مالک اس قدر بدخلق اور طعن کرنے والے ہیں کہ صرف ایک طعنہ دینے اور ڈانٹنے پر اکتفانہیں کرتے بلکہ کُلَّمَآ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ جب بھی اس دوزخ میں ایک گروہ ڈالا جاتا ہے جو ایک ہی گناہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے یا ایک ہی شہر میں رہتے تھے یا ایک دوسرے کے ہم عصر تھے یا خود کو ایک نبی کی اُمت کہتے تھے اور اس نبی علیہ السلام کے قانون اور اس کے فرمان سے گزر گئے اور اگرچہ اس قسم کے بے شار گروہ اسی دوزخ میں جمع ہوں گے لیکن ڈالنے میں پس وپیش کریں گے اس لیے کہ ان سے بعض پہلے ڈالنے کے مستحق ہیں اور بعض بعد میں ڈالنے کے قابل اور بعض نچلے طبقے کے مستحق ہیں جبکہ بعض اوپر کے طبقے کے لائق' قصہ مختصر وہاں کے مالک جو کہ دوزخ کے نگہبان ہیں اس میں ڈالتے ہی بغیر اس کے کہ سانس لینے کا موقع دیں' طعن وتشنیع کے ساتھ پیش آئیں گے۔

سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ان سے پوچھیں گے دوزخ کے محافظ کہ کیا تمہارے پاس دنیا میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا جو تمہیں اس سیاہ مصیبت سے ڈراتا اور تم اپنے آپ کو اس سے بچانے کی فکر کرتے اس لیے کہ عقل مندوں کا کام یہی ہے کہ اگر کم درجہ اور ذلیل لوگوں سے بھی کسی خوف کی بات سنتے ہیں تو اس خطرناک امر سے اپنی حفاظت کی فکر کرتے ہیں چہ جائیکہ جب کوئی قابلِ اعتبار شخصیت ڈرائے اور ان محافظوں کی اس سوال سے نیت یہ ہے کہ جب انسان' رسل علیہم السلام کے آنے کا انکار کریں تو غصے کی آگ بھڑکے اور ہم ان پر دست درازی کریں اور کافر بھی قرائن کی وجہ سے سمجھ

marfat.com
Marfat.com

جائیں گے کہ سوال کا مقصد یہی ہے' مجبوراً سچائی اور راستی کی راہ اختیار کرتے ہوئے

قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ کہیں گے کیوں نہیں' ہمارے پاس ڈرانے والے ضرور آئے تھے اور ہم میں سے ایک گروہ بھی ان کی خبر پر یقین کر کے ان کے ساتھ متفق ہو کر ہمیں ڈراتا تھا جن کا ہم نے واعظ' ملا' پند گو اور نصیحت کرنے والے نام رکھا ہوا تھا۔

فَکَذَّبْنَا تو ہم نے سب کو جھوٹ کے ساتھ منسوب کیا حالانکہ ان کے پاس دلائل اور معجزات بھی تھے اور وہ ایک کلام کا نشان دیتے تھے کہ اسے حق تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور اس کلام میں دوزخ سے ڈرایا لیکن ہم نے قبول نہ کیا۔

وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ اور ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا ہے نہ امر و نہی' نہ وعدہ و وعید اور نہ پند و نصیحت۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ تم نہیں ہو مگر بڑی گمراہی میں کہ خدا تعالیٰ پر اس لیے بہتان باندھتے ہو تا کہ لوگ خدا کے گرویدہ ہو جائیں اور اس کی عبادت میں لگ جائیں اور جہاں میں فسق و فجور نہ رہے اور فتنہ فساد لڑائی اور جھگڑا رفع ہو جائے اور وہ جانتے ہیں کہ یہ بہتان عین اس کی مرضی اور اسے پسند ہے کہ ہم اس کے لیے کرتے ہیں اور ہم اس کی راہ میں کھنچتے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ افتراء باندھنا جس نیت سے بھی ہو ٖ ویسا ہی ہے اور اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہم خود بڑی گمراہی میں تھے کہ ہم نے سچوں کو جھوٹا قرار دیا اور خیر خواہی اور شفقت کرنے والوں کے ساتھ ہم نے بدگمانی کی اور ان کی بات تک نہ سنی اور ان کے حالات میں ہم نے غور و فکر اور عقل نہ کی کہ ان کی عزت کا میدان جھوٹ اور افتراء سے ہزاروں مرحلہ دُور تھا۔

وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے وہ معجزات جو اس کی سچائی پر گواہی دیتے تھے' وعدہ اور وعید کی خبروں اور احکامِ شرعیہ سے گو ہماری عقل میں نہ آئیں۔ اَوْ نَعْقِلُ یا ہم عقل کے ساتھ ان چیزوں کا حسن اور سچائی دریافت کر لیتے جو انبیاء نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں پہنچائیں۔ مَا کُنَّا فِیْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ تو آتشِ دوزخ کے ملازموں میں نہ ہوتے جو کہ ہم پر یہ ظلم کر رہے ہیں اور جب تکلیفاتِ الٰہیہ کے دلائل یہی

marfat.com
Marfat.com

دو قسم ہیں: سمعی اور عقلی تو سمعیات اور عقلیات میں غور و فکر نہ کرنے پر حسرت کریں گے۔

اور بعض مفسرین نے سمع کو تقلید پر اور عقل کو تحقیق و اجتہاد پر محمول فرمایا ہے کہ دونوں نجات کی راہیں ہیں اور صاحب کشاف نے کہا ہے کہ ومن بدع التفاسیر ان المراد لو کنا علی مذهب اهل الحدیث او مذهب اصحاب الرای ما کنا فی جهنم اس کے بعد معتزلی ہونے کے تعصب کی بناء پر اس تفسیر کو باطل کرنے میں بہت فضول باتیں کی ہیں جو کہ سب تعصب اور ناانصافی پر مبنی ہیں اس قابل نہیں ہیں کہ علماء ان باتوں کی طرف متوجہ ہوں۔ المختصر ان کفار نے موت کے بعد اس وقت ڈرانے والوں سے عبرت پکڑی اور اپنے گمراہ ہونے کا اقرار کیا۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ پس اپنے گناہ کے قائل ہوئے کہ ہم نے بلاوجہ انبیاء علیہم السلام اور واعظوں کا انکار کیا اور معجزات اور مضبوط دلائل کی طرف سے روگردانی کی اور ہم عقل کے تقاضوں سے دُور رہے لیکن اس وقت ڈرنا اور قائل ہونا انہیں مفید نہیں ہوگا۔

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ تو اس وقت دُور کرنا اور دُور رہنا ہے' آگ والوں کے لیے نجات' چھٹکارا پانے' اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور رحمتِ رحمانیہ سے' اس ڈرنے اور اقرار کرنے کی وجہ سے بحرِ رحمت ہرگز جوش میں نہیں آئے گا اور ان کے گناہ بخشے نہیں جائیں گے۔ ہاں!

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ تحقیق وہ لوگ جو غائبانہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' دوزخ کا عذاب دیکھے بغیر اور اس کی تیز آوازیں سنے بغیر اور دوزخ کے موکلوں کی ڈانٹ ڈپٹ کے بغیر کہ ان کاموں کی ابتدا موت کے وقت اور بدن سے روح کے جدا ہونے سے ہوتی ہے اور اگرچہ وہ خواہشِ نفسانی اور غضب نفسانی کے غلبے کی وجہ سے بُرے اعمال کے مرتکب ہوئے تھے لیکن ڈرنے کے وقت جو ڈر کہ وہ رکھتے تھے اور وہ ڈر بُرائی کے ارتکاب کے بعد انہیں ندامت اور شرمساری کا موجب ہوتا تھا۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ان کے لیے بخشش ہے' ان گناہوں کی جو انہوں نے شہوت اور غضب کے غلبہ کی وجہ سے کیے۔

marfat.com
Marfat.com

وَاَجْرٌ كَبِيْرٌ اور بہت بڑا اجر ہے اس ڈرنے' نادم ہونے اور شرم ساری اُٹھانے پر جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔

اور واقع میں پروردگار کی ذات پاک کے لائق یہی ہے کہ اس سے غائبانہ ڈرنا چاہیے کہ کسی شخص سے غائب ہونا اس وقت امن اور بے خوفی کا موجب ہوتا ہے کہ اسے غائب ہونے کی صورت میں اس شخص کے اقوال اور افعال کی اطلاع نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک علام الغیوب ہے' کوئی چیز اس کے علم کے احاطہ سے غائب نہیں ہے اس حد تک کہ ظاہر اور پنہاں اس کے حضور برابر ہے۔

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اور اپنی بات کو چھپاؤ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ یا کھلے عام بلند آواز سے کہو وہ ان دونوں باتوں کو جانتا اور سنتا ہے۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ تحقیق اللہ تعالیٰ دلی فطرات کو جاننے والا ہے جو کہ سینوں کے اندر ہیں۔

اکثر مفسرین نے روایت کی ہے کہ کفار قریش اپنی محفلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے بارے میں طعن اور بدگوئی کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی والہام کے ذریعے اس کی اطلاع ہوتی تھی اور ملاقات کے وقت آپ ان کفار کو آگاہ فرماتے کہ تم نے فلاں دن فلاں مجلس میں میرے حق میں یوں کہا' مناسب نہ تھا اس کے بعد کفار نے باہمی پابندی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن اور بدگوئی بلند آواز سے نہیں کرنی چاہیے اس گمان سے کہ شاید آپ کے معتقدین میں کوئی یہ سُن کر آپ کو پہنچا دیتا ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی اور ارشاد فرمایا کہ یہ علم الٰہی ہے جس میں چھپا اور ظاہر برابر ہے بلکہ جو کچھ دل میں چھپا ہے' وہ بھی ظاہر ہے اور اگر تمہیں بعید معلوم ہو کہ قرب اور حاضر ہونے کے بغیر ہمارے اقوال اور افعال کا ادراک کیسے کیا جا سکتا ہے' خصوصاً ان چیزوں کو جو ہم دل میں چھپا رکھتے ہیں اور زبان پر بالکل نہیں لاتے' کیسے جانتا ہے' ہم کہتے ہیں۔

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ کیا وہ نہیں جانتا کہ جس نے ان دلی خطرات کو تمہارے دلوں میں اور ان اقوال اور کلمات کو تمہاری زبانوں پر اور ان حرکات و سکنات کو تمہارے اعضاء

marfat.com
Marfat.com

پر پیدا کیا ہے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنا اس چیز کے حالات کی تفصیلات کو جانے بغیر ممکن نہیں اور اگر تم کہو کہ ان چیزوں کو اپنے میں ہم خود پیدا کرتے ہیں نہ کہ خدا جیسا کہ معتزلہ اور فلاسفہ کہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اس قدر تو معتزلہ وفلاسفہ کے نزدیک بھی مانی ہوئی بات ہے کہ مجردات کو واقع ہونے والی اشیاء کا علم ضروری ہے۔

وَھُوَ اللَّطِیْفُ اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ مجردات سے لطیف ترین ہے کہ مادہ سے کسی وجہ سے بھی تعلق نہیں رکھتا تو اس قسم کے مجرد کے لیے نفس الامری حقائق کے ادراک سے کسی مانع کا تصور نہیں ہے ہاں ان حقائق کی طرف توجہ اور التفات ان حقائق کے حاضر کرنے کی شرط ہے جبکہ اللہ تعالیٰ

الْخَبِیْرُ خبردار ہے کہ جہان کے ذروں میں سے ہر ذرے کے احوال پر توجہ فرماتا ہے اور اسے کسی ذرہ کے حال سے ذہول اور غفلت کبھی رونما نہیں ہوتی پھر اس کی بادشاہت کے کارخانوں میں سے ایک اور کارخانے پر نظر کرو۔

ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلاً وہ وہی بادشاہ فیاض آباد فرمانے والا ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو رام اور مسخر کر دیا ہے اور تمہیں زمینداروں اور جاگیرداروں کی طرح اس زمین میں آباد کیا اور زمین میں جو کچھ کانیں' چشمے' قوتِ نامیہ' کارآمد حیوانات جیسے گائے' اونٹ' گھوڑا اور گدھا سب کو تمہارے قبضے میں دے دیا تا کہ ان جانوروں سے خدمت لے کر زمین کی کانوں کو باہر لاؤ اور کھیتیاں اور پھل اُگاؤ اور کنویں اور چشمے جاری کرو اور عمارتیں مرتب کرو۔

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا پس چلو زمین کے کندھوں پر تجارت اور ایک ملک کی جنس کو دوسرے ملک تک لانے اور سیر وتماشا اور ہر ملک کی آب وہوا اور خاصیتوں کو پہچاننے کے لیے وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِہٖ اور اس کے دیے ہوئے رزق کھاؤ جو تمہیں زمین سے عطا فرماتا ہے تو تم اس معاملہ میں مزارعوں اور عاملوں کی طرح ہو گئے کہ تمہاری تنخواہ بھی تمہارے کام سے ہی نکلتی ہے لیکن اس کے باوجود تم سے مطلوب یہ ہے کہ تم نے بادشاہ کا حق بھی ادا کیا ہو اور دوسرے تنخواہ داروں کو جو کہ مساکین' محتاج' یتیم اور بے کس ہیں اور

marfat.com
Marfat.com

حکم حضور کی دستاویز کے ساتھ تم سے چاہتے ہیں بھی محروم نہ رکھو اس لیے کہ عملداری کی مدت ختم ہونے کے بعد آخر تمہیں اس زمین اور ان منافع سے گزرنا ہے۔

وَاِلَيۡهِ النُّشُوۡرُ اور اسی کی طرف زندہ ہو کر اٹھنا ہے اور وہ تم سے ایک ایک جو کا حساب لے گا اور حقوق ضائع کرنے پر تمہاری پکڑ دھکڑ ہو گی اور اس بات پر دھوکہ کھائے ہوئے ہو کہ زمین کا مالک ہمیں بنایا ہے اور زمین ہم پر چھوڑ دی ہے اور اس کی فوج اور لشکر جو کہ فرشتے اور ارواح مدبرہ ہیں' سب آسمان میں ہیں اور آسمانوں کی ہم سے ہزاروں سال کی مسافت ہے اگر فرشتے اور ارواح چاہیں کہ ہمارے گناہوں پر ہمیں تنبیہ کریں تو نہیں کر سکتے اگرچہ تنبیہ کے متعلق انہیں حکم الٰہی پہنچے۔

ءَاَمِنۡتُمۡ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اور ڈرتے نہیں ہو۔ مَّنۡ فِى السَّمَآءِ اس بادشاہ سے جس کی سلطنت کا ظہور اور اس کے احکام کے خدام آسمان میں ہیں اس گمان کی وجہ سے کہ آسمان سے ہمارا تدارک کیسے کر سکتا ہے کہ ہم تو زمین میں ہیں اور تمہارا یہ خیال نرا فاسد خیال ہے' بے خوف رہتے ہو۔ اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمُ الۡاَرۡضَ اس سے کہ تمہارے ساتھ زمین کو غرق کر دے جس طرح کہ اب تسخیر اور مطیع کرنے کی وجہ سے زمین کے کندھوں پر سوار پھرتے ہو' سمجھتے نہیں ہو کہ جس نے ہمیں زمین پر سوار کیا ہے ایسا بھی کر سکتا ہے کہ زمین کو ہم پر سوار کر دے۔

فَاِذَا هِىَ تَمُوۡرُ پس اچانک وہ زمین ہلنے لگے اور دریا کی موج کی طرح موج مارے اور تم اس کی موجوں کے تلاطم کی وجہ سے زمین کے پیٹ میں پاش پاش ہو کر نیست و نابود ہو جاؤ اور اگر اس دلیل کے واضح ہونے کے باوجود اس کے دستِ تصرف کو زمین سے اس کے دارالسلطنت کے دُور ہونے کی وجہ سے چھوٹا جانو تو تم سے ایک اور بات پوچھتا ہوں۔

اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِى السَّمَآءِ آیا اس بادشاہ سے بے خوف ہو گئے ہو جس کی سلطنت کا ظہور آسمان میں ہے۔

اَنۡ يُّرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا اس سے کہ تم پتھر برسانے والا بادل بھیج دے کہ پانی

marfat.com
Marfat.com

کے قطروں کی بجائے اس سے پتھر برسیں جس طرح کہ رب پانی برساتا ہے اور زمین میں تمہارے رزق کی پیدائش کا سبب ہوتا ہے اور اگر بالفرض وہ بادشاہ تمہیں دنیا میں چھوڑ دے۔

فَسَتَعْلَمُوْنَ تو قریب ہے کہ تم جان لو گے سفر آخرت کی پہلی منزل میں كَيْفَ نَذِيْرِ کہ میرا ڈرانے والا کیا سچ بولنے والا تھا اور یہ کفار آپ سے اس ڈرانے کا یقین نہ کریں اور کہیں کہ زمین کا دھنسنا عادت کے خلاف ہے اور آسمانوں سے پتھر برسنا بھی کبھی واقع نہیں ہوا تو یقین سے جانیں کہ انہوں نے آپ کی تکذیب پر اصرار کیا۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور تحقیق ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے تکذیب کی تھی جیسے قارون اور لوط علیہ السلام کی قوم نے اسی قسم کے خلاف عادت عذابوں کی۔

كَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ تو کیا ہوا میرا انکار کرنا ان پر کہ میں نے قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک ایک طرف سے دوسری طرف کو دھنستا جا رہا ہے اور زمین اس کے بارے میں دریا کے حکم میں ہوگئی کہ غرق بھی کیا ہے اور اپنی موجوں کے تلاطم کے ساتھ اسے زیر و زبر بھی کرتی ہے اور لوط علیہ السلام کی قوم کے لیے آسمان کی طرف سے کنکر پتھر برسے جو کہ اوپر سے نیچے تک گزرتے ہی گئے اور اگر ان واقعات کو سننے کے باوجود بھی اس ڈرانے پر یقین نہ کریں اور کہیں کہ سنا ہوا دیکھے ہوئے کی طرح کب ہوتا ہے تو یقین جانیں کہ یہ کمال بے عقلی میں ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ کیا وہ ہوا میں اُڑنے والے جانوروں کو نہیں دیکھتے ہیں جو کہ پتھر کی طرح بھاری ہیں اور ان میں جو ہر زمینی غالب ہے اور ہر ثقیل شے اپنی حرکت میں نچلی سمت کو طلب کرنے والی ہے جبکہ وہ جانور حکم الٰہی کے ساتھ فَوْقَهُمْ ان کے سروں کے اوپر ہوتے ہیں ایک ایک یا دو دو نہیں تاکہ اس بات کا احتمال پیدا ہو کہ سنگ ریزے ہوا کی حرکت کے زور سے اُڑ گئے ہوں بلکہ

صٰٓفّٰتٍ صفیں باندھے ہوئے سینکڑوں ہزاروں جس طرح کہ کبوتروں اور کونجوں

marfat.com

Marfat.com

میں محسوس کیا اور دیکھا جاتا ہے اور اگر کہیں کہ یہ جانوروں کے پروں کی خاصیت کی وجہ سے ہے جو کہ ہوا میں تیرتے ہیں' مثل دوسرے جانوروں کے جو کہ پانی میں تیرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اُڑنے کی حالت میں کبھی پروں کو کھول لیتے ہیں۔

وَيَقْبِضْنَ اور پروں کو سمیٹ بھی لیتے ہیں اور اس حالت میں بھی زمین پر نہیں گرتے تو معلوم ہوا کہ ان کی طبیعت کے حکم کے خلاف جو کہ نچلی حرکت کو چاہتی ہے' ہوا میں ان کی نگہداشت صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ہے۔

مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ہوا میں ان نگہبانی نہیں کرتا مگر وہ ذات جو کہ رحمانیت کے ساتھ موصوف ہے اور اس کی رحمانیت ان کے منافع ان تک پہنچانے کی متقاضی ہے اور وہ منافع ہوا کے طبقات میں امانت رکھے ہوئے ہیں تو جب تک ان کی ہوا میں نگہداشت نہ کی جائے' وہ اس کے منافع کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ضرورت کو دیکھتا ہے اور غیبی تدبیر کے ساتھ انہیں ہوا کے طبقے میں پہنچاتا اور نگہداشت فرماتا ہے۔

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ تحقیق وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے اس کے نفع ونقصان کو جانتا ہے اور اسے منافع حاصل کرنے اور نقصان دُور کرنے کی تدبیر سکھاتا ہے پس ان جواہر ارضیہ کی ہوا میں نگہداشت دونوں چیزوں پر اس کی قدرت کی دلیل ہے اس لیے کہ خسف کی حقیقت بھی زمینی اجزا کو ہوا کی مداخلت کے ساتھ حرکت دینا ہے اور آسمان سے پتھر برسنا بھی موقوف ہے' زمین کے سخت شدہ اجزا کو اوپر لے جانے اور ان اجزا کی اس وقت تک کہ پتھر کی صورت پورے طور پر قبول کرلیں نگہداشت پر پھر انہیں ان کی طبیعت پر چھوڑ دینا تا کہ اپنے طبعی تقاضے کی وجہ سے زمین پر گر پڑیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو اُڑنے والے جانوروں کا حال ان دونوں چیزوں سے زیادہ عجیب ہے اس لیے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو کرۂ ہوا میں خیال کرے اور ہوائی جانوروں کا اجتماعی طور پر اور ایک دوسرے کے پیچھے اُڑنا ملاحظہ کرے تو یقین جانے کہ زمین کی طرف سے ایک بادل اُٹھ کر سنگ باری کرتا ہے اور زمینی اجزا آسمان کی طرف دوڑتے آتے ہیں جبکہ خسف اور

marfat.com
Marfat.com

آسمان سے سنگ باری اس قدر عجیب و غریب نہیں ہے اس لیے کہ زمینی اجزا ہر صورت میں نچلی سمت کو حرکت کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ آسمان اور زمین کے بادشاہ کی پکڑ سے بے خوف ہونا اور نہ ڈرنا اس کے عاجز ہونے کے وہم کی بناء پر نہیں بلکہ مقابلہ ممکن ہونے کے وہم کی بناء پر ہے تو ان سے پوچھنا چاہیے کہ

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ آیا کون ہے اس قسم کا شخص جو تمہارا لشکر ہو اور تمہارے نوکروں کی طرح تمہارے مخالف سے جنگ کے لیے وقت پر حاضر ہو جائے۔ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ تمہاری مدد کرے رحمان کے مقابلہ میں آ کر۔

اور اگر یہ لوگ جہالت اور حماقت کے طریقے پر کہیں کہ ہاں ہم نے اپنے معبودوں اور شیطانوں کا ایک لشکر جمع کر لیا ہے جو کہ ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ کے عذاب کو ہم سے دُور کر سکتا ہے تو یقین جان کہ

اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ نہیں ہیں یہ کفار مگر دھوکے میں جو کہ بظاہر ہر حقیقت سے دھوکہ کھا گئے ہیں اور اسباب کو مسبب کے مقابلہ میں کرتے ہیں۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ آیا کون ہے اس طرح کا آدمی جو تمہیں روزی دے۔ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ اگر حق تعالیٰ اپنے رزق کو بند کر دے اور اس کے اسباب بارش' ہوا' سورج' چاند' بیج اور بیل اُٹھا لے اور ظاہر ہے کہ جب رزق کا ایک سبب جو کہ بارش ہے' بند ہو جاتی ہے' ان کے بتوں اور معبودوں میں سے کوئی بھی ان کی فریاد کو نہیں پہنچتا اور اس بند شدہ سبب کو نہیں کھولتا' دوسرے اسباب تک کیا پہنچے گا تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے مقابلے کا امکان بھی خیال باطل ہے لیکن وہ اپنے جھوٹے مقدمات کے باطل ہونے کا کھوج نہیں لگاتے۔

بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ بلکہ عناد اور حق کو قبول کرنے سے نفرت میں جھگڑا کرتے ہیں جبکہ امر کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سیدھی راہ کو گم کر دیا ہے اور اپنی نظر کو سفلی اسباب پر جما کر مسبب الاسباب سے بالکل غافل ہو چکے ہیں تو ان سے پوچھنا چاہیے۔

marfat.com
Marfat.com

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ آیا وہ جو اپنے چہرے کے بل گرا اُلٹا چلتا ہے کہ سفلی چیزوں یعنی زمین اور جو کچھ اس پر ہے کے سوا دیکھتا ہی نہیں۔ اَهْدٰٓى زیادہ راہ پانے والا ہے اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا یا وہ جو سیدھا چلتا ہے اور آسمان' ستارہ' علم اور منارہ سب کچھ اس کی نظر میں ہے۔ جس طرح توحید کو ماننے والا اپنی نگاہ مسبب الاسباب پر رکھتا ہے اور وہ اس ملاحظہ کی وجہ سے عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ سیدھی راہ پر قائم ہے کہ اسباب کو اسمائے الٰہیہ کے مظاہر سمجھتا ہے جبکہ حق تعالیٰ کو اسباب کے نزدیک مؤثر مانتا ہے نہ مؤثر بشرط اسباب اور اس کے باوجود امور کی ترتیب میں حکمت کی رعایت فرماتا ہے اور ان اسباب پر اعتماد کیے بغیر اسباب کو سببیت عطا فرماتا ہے' بخلاف اس شخص کے جس نے صرف مسبب پر نظر جمائی اور اسباب کو اعتبار کے درجہ سے بالکل گرا دیا کہ اس نے کارخانۂ حکمت کو دریافت نہ کیا اور اعتدال کی راہ سے باہر نکل گیا اور اگر ان واضح تقریروں کے ساتھ بھی حقیقت کار کا سراغ نہ لگائیں تو انہیں سمجھانے کے لیے ایک اور راستہ اختیار کیجیے۔

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ کہہ دیجیے کہ وہ ایسا مسبب الاسباب ہے جس نے تمہیں عدم کے پردے سے پیدا فرمایا اور اس وقت تمہارے وجود کا تقاضا کرنے والا کوئی سبب نہ تھا اس لیے کہ پیدا ہونے کے اسباب کی انتہا والدین کا جماع ہے اور بالکل ظاہراً معلوم ہے کہ والدین کے جماع کی بیٹا پیدا کرنے میں کوئی تاثیر نہیں ہے' کئی سال یہ عمل جاری رہتا ہے اور وہ اولاد کی آرزو میں ہوتے ہیں اور نہیں ملتی اور قوی دینے اور قویٰ کے مقام کو پیدا کرنے میں خود اس جماع کی تاثیر کا کوئی تصور نہیں۔ تو وہی ہے کہ جس نے تمہیں پیدا بھی فرمایا۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ اور بنایا تمہارے لیے سماعت' بصارتوں اور دلوں کو کہ ان تینوں چیزوں کی وجہ سے تم نے اشیائے عالم کی دریافت شروع کی اور انہیں چیزوں کے ساتھ اسباب کی سببیت کا سراغ لگاتے ہو اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو تم اسباب کو کبھی اسباب نہ سمجھتے۔ پس درحقیقت تم نے اسباب کو اسباب بنایا ہے ورنہ

marfat.com
Marfat.com

افعالِ الٰہی ایک دوسرے کے بغیر ہوتے چلے جاتے۔

قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ بہت کم شکر کرتے ہو تم اس لیے کہ یہ دونوں حواس اور دل جو کہ عقل و شعور کا مقام ہے، تمہیں اس لیے دیئے گئے تھے کہ اس کی توحید اور تاثیر میں منفرد ہونے کا حق ادا کرو اور اسباب کو اس کی حکمت کے مظاہر جانو جبکہ تم نے اپنے ان سب آلات کو اسباب کی پہچان میں اس قدر نیچا کر دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کو تاثیر میں منفرد سمجھنے سے محروم ہو گئے۔

اور اگر بالفرض وہ فہمائش کے اس طریقے سے بھی راہ پر نہ آئیں اور اسباب کی سببیت کے حقیقی ہونے کے اعتقاد پر اڑے رہیں تو ایک اور راستہ اختیار کیجیے اس موجب کے قول کی راہ اختیار کریں۔ قُلْ کہیے اگر وہ صحیح ہے جو تم کہتے ہو تو تمہارے اعمال بھی تمہاری جزا کا سبب ہوں گے اس لیے کہ

هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَکُمْ وہ ایسی قدرت والا ہے جس نے تمہیں پیدا کر کے پھیلا دیا ہے۔ فِی الْاَرْضِ زمین میں تاکہ اس میں تم سے قسم قسم کے اعمال سرزد ہوں۔ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ اور اسی کی طرف تمہارا حشر ہو گا تاکہ اپنے اعمال کی جزا پاؤ۔ پس تمہارے اعمال بھی اسباب میں سے ہیں تو تم انہیں معطل کیوں چھوڑتے ہو؟ اور بُرے کاموں سے نہیں ڈرتے ہو۔

وَیَقُوْلُوْنَ اور اس الزام کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم اعمال کو اس وجہ سے معطل چھوڑتے ہیں اور ان کی سببیت کا اعتقاد نہیں کرتے کہ اعمال کے آثار ہماری معلوم مدتوں میں ظاہر نہیں ہوتے مگر تم ان اعمال کے آثار کے ظہور کے لیے دُور دراز مدت کا وعدہ کرتے ہو اور جب تک اس وعدے کو معین نہ کرو، ہم کیسے یقین کریں۔

مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچ کہنے والے ہو تاکہ اگر اس وعدے کے مطابق حشر اور جزا واقع ہو جائے تو تمہارا سچا ہونا ظاہر ہو جائے ورنہ تمہارا جھوٹ واضح ہو۔ ان کی اس بات کے جواب میں

قُلْ کہہ دیجیے ہم اس وعدے کو معین نہیں کرتے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس

marfat.com
Marfat.com

کے معین کرنے پر آگاہ نہیں فرمایا۔ (غیوب خمسہ جن میں سے علم قیامت بھی ہے کے متعلق صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم بھی عطا فرمایا اور جہاں اس کی نفی معلوم ہوتی ہے تو وہ آپ کو وقت قیامت کی خبر دینے سے پہلے کی بات ہے۔ چنانچہ تفسیر صاوی زیرآیت فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا لکھا ہے۔ وهذا قبل اعلامه بوقتها فلاينافي انه عليه السلام لم يخرج من الدنيا حتى اعلمه الله بجمع مغيبات الدنيا والآخرة یعنی یہ آیت حضور علیہ السلام کو وقتِ قیامت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے لہٰذا یہ اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم دے دیئے۔ نیز یہی تفسیر زیرآیت يَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ لکھا ہے المعنى لايفيد علمه غيره تعالىٰ فلاينافي ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يخرج من الدنيا حتى اطلع ماكان ومايكون وما هوكائن ومن جملته علم الساعة معنی یہ ہیں کہ علم قیامت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا تو یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے انہیں سارے اگلے پچھلے واقعات پر مطلع فرمایا' ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔ مسئلہ علم غیب کی تفصیلات کے لیے دیکھیے الدولة المكية بالمادة الغيبيه از حجۃ الاسلام اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور جاء الحق ج ۱ از حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ)

بلکہ اسے مبہم رکھا اور حکمت اس کے مبہم رکھنے میں ہے اس لیے کہ اگر اس وعدے کو اس کے مقدمات کے قریب ہونے کے پیش نظر قریب بیان کریں جو کہ ہر شخص کی موت کے بعد شروع ہو جاتے ہیں اور ہر شخص کی اجل کو اس کے ساتھ معین کر کے نشان دے دیں تو کارخانۂ عالم بے کار ہو جائے اور ہر کسی کو اپنی اجل کا خوف پریشان کر دے اور اگر اس وعدے کو اس کی انتہا کے پیش نظر جو کہ روزِ قیامت ہے' دور بیان کریں تو لوگ بالکل بے خوف ہو جائیں اور ہر بُرے اعمال کرنے پر جرأت کریں اس لیے کہ انسان کی جلت

marfat.com
Marfat.com

ہے کہ اپنے زمانے سے دُور ہونے والے واقعات پر توجہ نہیں کرتا اور ان سے نہیں ڈرتا اس لیے اس علم کو مخلوقات میں سے کسی کے سامنے نہیں کھولا بلکہ

اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَاللّٰہِ اس کے سوا نہیں کہ اس واقعہ کا علم بلکہ ہر کسی کی اَجل کا علم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور اس کے غیر کو اس پر اطلاع نہیں ہے۔

وَاِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ اور میں نہیں ہوں مگر ڈرانے والا' واضح کرنے والا کہ قطعی دلائل اور تصدیق کرنے والے معجزات کے ساتھ اس کے وقوع کو ثابت کرتا ہوں اور ان دلائل اور ان معجزات کے باوجود میری صداقت کو اس وقت کے بیان کرنے پر موقوف رکھنا کمال بے عقلی ہے اور اس کے باوجود اس کے وقت کو جاننا کافروں کے حق میں سخت نقصان دہ ہے۔ چنانچہ جب اس وعدے کا وقت آ پہنچے گا اور کافر بھی اس وقت زندہ ہو جائیں گے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً تو جب اس وعدے کو قریب آیا دیکھیں گے۔ سِیْٓـئَتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ان لوگوں کے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے جنہوں نے کفر اختیار کیا اور سیاہی' دھندلاہٹ' پھٹکار اور غبار آلودگی ان سب پر ٹوٹ پڑے گی۔

وَقِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جسے تم تاکید سے طلب کرتے تھے اور اگر یہ کفار کہیں کہ اگر یہ واقعہ جس طرح کہ تم کہتے ہو' درست ہے تو ہم اور تم سب کے سب ہلاکت کی آفت میں گرفتار ہو جائیں گے اور ہر کسی کی روح قبض ہوگی۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ فرما دیجیے آیا تم نے دیکھا اور غور کیا اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِیَ اگر مجھے ہلاک فرمائے اللہ تعالیٰ اور انہیں جو میرے ہمراہ ہیں' موت کے ساتھ یا نفخۂ اولیٰ یا آخرت میں میرے ہمراہوں کو گناہوں کی شامت کی وجہ سے اَوْ رَحِمَنَا یا ہم پر مہربانی فرمائے کہ موت کے بعد سکون و راحت نصیب فرمائے اور نفخۂ اولیٰ تک اسی حال میں رکھے اور آخرت میں کوتاہیوں سے درگزر فرمائے تو تمہیں کیا فائدہ اور جب تمہارا ڈر ان چیزوں سے زائل نہیں ہوتا تو اپنے امن کی فکر کرو۔

marfat.com
Marfat.com

فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ پس کون ہے جو کافروں کو پناہ دے گا۔ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ دردناک عذاب سے۔

قُلْ کہہ دیجیے یہ ساری شقیں جو میں نے ذکر کی ہیں صرف تمہارا انکار ملاحظہ کیا ہے ورنہ میں اپنے طور پر نجات اور ثواب کا امیدوار ہوں اس لیے کہ هُوَ الرَّحْمٰنُ وہ کثیر الرحمت ہے۔ پس اس کی طرف سے کبھی رحمت کے خلاف واقع نہیں ہوتا مگر یہ کہ ہم کفر و عناد کریں اور اس کی رحمت کو غضب کے ساتھ بدل دیں یا اس کی توحید اور تاثیر میں انفرادیت کے قائل نہ ہوں اور بتوں اور دوسرے وہم پر مبنی اسباب کی سفارش پر اعتماد کر کے اس کی ناپسندیدہ چیزوں میں بے احتیاطی کریں اور ان معاملات میں سے کوئی بھی ہم میں موجود نہیں ہے۔

اٰمَنَّا بِهٖ ہم اس پر ایمان لائے وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا اور اسی پر ہم نے اعتماد کیا ہے اور اسباب میں سے کسی کو ہم نہیں دیکھتے۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ پس تم عنقریب جان لو گے کہ کون ظاہر گمراہی میں ہے ہم یا تم۔

اور اگر وہ کہیں کہ گمراہی ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ تم اسباب کے بے کار کرنے کے قائل ہوتے ہو۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ فرما دیجیے کیا تم نے اس بات میں غور کیا ہے کہ آسمانی یا زمینی کوئی سبب کارآمد ہوتا ہے؟ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا اگر صبح کرے تمہارے چشموں، کنوؤں اور دریاؤں کا پانی زمین میں گہرا نیچے جا کر کہ اسے باہر لانے کے لیے کوئی آلہ کارگر نہ ہو۔ فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ تو کون ہے جو تمہارے پاس جاری پانی لائے جو آنکھ کے ادراک سے دریافت ہو سکے حالانکہ پانی ایک ایسی چیز ہے کہ ہر وقت درکار ہے اور جب آسمانی اور زمینی اسباب اس ضروری امر کو حاصل کرنے میں بے کار ہیں تو ہم اسباب پر کس طرح اعتماد کریں اور اسباب کو معطل سمجھنے کے قائل نہ ہوں۔

منقول ہے کہ خام حکیموں میں سے ایک نے یہ آیت سنی اور کہنے لگا کہ اگر ایسا اتفاق ہو تو ہم کسیوں اور کدالوں کی طاقت سے پانی نکال لیں گے اسی وقت نزول الماء کے طریقے سے سیاہ پانی اس کی دونوں آنکھوں میں اتر آیا اور اندھا ہو گیا اور اس نے

marfat.com
Marfat.com

غیب سے آواز سنی کہ پہلے اپنی آنکھوں سے سیاہ پانی دور کر اور اس کی جگہ سفید پانی پیدا کر پھر کنویں اور چشمے کا پانی نکال اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص اس آیت کو پڑھے تو چاہیے کہ کہے اَللّٰهُ يَاْتِيْنَا بِهٖ وَهُوَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ۔

## چند سوالات

اس سورۃ کی تفسیر میں چند سوالات باقی رہ گئے جو کہ اہل عربیت' علمائے اسرار اور ارباب نظم کرتے ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ فرشتوں کی زبان سے نقل فرمایا ہے جبکہ قد جاء نانذیر دوزخیوں کی زبان سے حکایت کی اور اتیان اور مجئ دونوں ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں۔ لفظ میں اس اختلاف میں کیا نکتہ ہوگا۔

اس کا جواب امام جلال الدین السیوطی کی تفسیر اتقان میں مذکور ہے اور وہ اتیان اور مجئ کے اصل معنوں میں متحد ہونے کے باوجود استعمال میں فرق پر مبنی ہے اور وہ فرق چند وجہ سے ہے اور ہر وجہ کی ان آیات میں موجود مضمون سے مطابقت ایسی تفصیل اور طوالت چاہتی ہے جو کہ اس تفسیر کے موضوع سے خارج ہے اور جس قدر تفسیر کے لائق ہے' یہ ہے کہ اتیان محسوس اور غیر محسوس' مقدر اور موجود دونوں چیزوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بخلاف مجئ کے کہ غالب طور پر فعل سے متصل محسوس چیزوں میں استعمال ہوتا ہے اسی لیے دنیا میں تجلی الٰہی کو کہ پردۂ عزت میں مستور ہے' لفظ اتیان کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کہ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ اور اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی کو کہ آخرت میں بے پردہ اور بے حجاب ہوگی لفظ مجئ کے ساتھ کہ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا

اور عذاب مقدر کی اکثر لفظ اتیان کے ساتھ تعبیر ہوئی' اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اور ثابت اور واصل عذاب کو زیادہ تر لفظ مجئ کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ فَلَمَّا جَآءَ هُمْ اَمْرُنَا وَجَآءَ هُمْ بَاْسُنَا پس ان آیات میں ملائکہ کی زبان سے عام لفظ ارشاد ہوا کہ آیا تمہارے پاس کوئی ڈرسنانے والا محسوس یا غیر محسوس' مقدر یا محقق نہیں پہنچا تھا اس لیے

marfat.com
Marfat.com

کہ الزامِ حجت اسی انداز سے ہوتا ہے اور بے خبری کا عذر اُٹھ جاتا ہے جبکہ دوزخیوں کی زبان سے زیادہ حسرت دلانے' خطا ظاہر ہونے کی شدت اور گناہ کی بڑائی کے لیے لفظ مجیٔ لائے۔ یعنی ہمارے پاس ایک ڈرسنانے والے محسوس تشریف لائے اور ہم نے انہیں دیکھ اور سُن کر قبول نہ کیا اور اسی فرق کی تائید اس استعمال سے ہوتی ہے جو کہ حضرت خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کی طرف حکایت کے طور پر سورۂ مریم میں واقع ہوا۔ یَآاَبَتِ اِنِّیْ قَدْجَآءَ نِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَالَمْ یَاْتِکَ اور وہ جو سورۂ مومنون میں واقع ہوا اَمْ جَآءَ هُمْ مَّالَمْ یَاْتِ آبَاءَ هُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۔

احتمال ہے کہ جگہ جگہ اس استعمال کو اختیار کرنا سلامت لفظ کے لیے ہو اس لیے کہ ابتدائے کلام میں ہمزۂ متحرکہ اور انتہائے کلام میں ہمزہ ساکنہ ثقیل معلوم ہوتا ہے جس طرح کہ ذوقِ سلیم اس کا فیصلہ کرتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ سورۃ انعام میں اوپر کے عذاب کو نیچے کے عذاب پر مقدم فرمایا ہے کہ قُلْ هُوَالْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ اَوْمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ جبکہ یہاں نچلے عذاب کو اوپر کے عذاب سے مقدم فرمایا کہ ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فرمایا پھر ارشاد فرمایا اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا عبارت کے اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے سورۂ انعام میں اس سے پہلے جو آیت گزری ہے کہ وَهُوَالْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَةً پس پہلے اوپر کے عذاب کو لانا مناسب ہوا جبکہ اس سورۃ میں اس سے پہلے آیت گزری ہے۔ هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ پس نچلے عذاب کو جو کہ زمین کی طرف سے ہے' پہلے لانا زیادہ مناسب ہوا۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ صافات اور یقبضن دونوں طیر سے حال واقع ہوئے ہیں۔ ایک حال کو اسم فاعل کے صیغے کے ساتھ مفرد لانا اور دوسرے کو جملہ فعلیہ مضارعہ کر دینا کس لیے ہے؟ یصففن اور یقبضن کیوں نہ فرمایا اور صافات وقابضات ارشاد کیوں نہ فرمایا؟

marfat.com
Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوا میں اُڑنا' پانی میں تیرنے کی طرح ہے اور ان دونوں کاموں میں اصل اطراف کو کشادہ کرنا اور کھولنا ہے تاکہ پانی اور ہوا کی سطح کو چیرنا آسان ہو جائے جبکہ ان دونوں صورتوں میں اطراف کو سمیٹنا طبیعت کی استراحت کے لیے عارضی ہے تاکہ جدید قوت پیدا ہو جیسے لومڑی اور دوسرے حیوانات کا جست لگانے اور جھپٹنے کے وقت سکڑنا اور اسم فاعل کا صیغہ ثبوت اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے جبکہ جملہ فعلیہ مضارعہ نئے سرے سے کسی شے کے بننے پر۔ تو گویا یوں ارشاد ہوا کہ جانور ہوا میں ہمیشہ صف بنائے اپنے پر پھیلائے ہوتے ہیں اور پروں کو کھولنے میں مدد دینے کے لیے کبھی کبھی ان پروں کو سمیٹ لیتے ہیں' پانی میں تیرنے والوں کی طرح اور دونوں حالتوں کا یہ فرق صیغہ بدلے بغیر سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ اس سورۃ کی کیا خصوصیت ہے کہ عذابِ قبر سے نجات بخشتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبر کا عذاب زیادہ تر بداعتقادی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خصوصاً قبر میں بُرے اعمال کی باز پرس سے غفلت' نفسانی تاریکیوں کی صورتوں کے تہ بہ تہ ہونے اور نجاستوں سے آلودگی کی وجہ سے۔ جو شخص معنی سمجھ کر اس سورۃ کو ہمیشہ پڑھے' اسے پورا یقین ہو جاتا ہے کہ موت کے بعد اعمال کی باز پرس ہونا ہے اس لیے کہ آیت خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اس پر واضح دلالت رکھتی ہے۔ نیز وہ اس بات کا یقین کر لیتا ہے کہ سینوں کی چھپی ہوئی باتیں اور میرے نفس کی مخفی چیزیں سب کی سب میرے پروردگار کے حضور ظاہر ہیں کہ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ پس اس اطلاع کے ساتھ علم کی وجہ سے ان چھپی ہوئی باتوں کی جو ہر نفس کو خراب کرنے کی تاثیر کچھ کم ہو جاتی ہے۔

نیز قبر میں پہنچتے ہی جو صدمہ ہوتا ہے جو کہ زمین کے دبانے کی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس میں موج والی حرکت ظاہر ہوتی ہے اور میت کو اپنے تھپیڑوں سے زیر و زبر کر دیتی ہے۔ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِىَ تَمُوْرُ کی تلاوت کی وجہ سے یہ خوف ہمیشہ تلاوت کرنے والے کے سامنے رہے گا اور اِنَّ الَّذِيْنَ

marfat.com

Marfat.com

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ کے سچے وعدے کے مطابق معافی اور مغفرت کے لائق ہو جاتا ہے اور اس کی آخری آیت کہ اِنْ اَصْبَحَ مَآءُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ اور اس کی درمیانی آیت اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ بھی اس بارے میں قوی مناسبت رکھتی ہیں جیسا کہ غور کرنے کے بعد پوشیدہ نہیں رہتا اور آیت هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا بھی اپنے بعض بطون میں قبر میں راحت کی متقاضی ہے۔

## عذاب قبر دور کرنے کا اشارہ۔ ارواحِ انبیاء و اولیاء اہل قبور کی مدد کرتی ہے

اور اس سورۃ میں عذابِ قبر کو دُور کرنے میں دیگر اسرار بھی امانت رکھے گئے ہیں کہ یہ مقام ان کے بیان کا متحمل نہیں ہے' صرف اتنا اشارہ کیا جاتا ہے کہ تبارک کے لفظ میں جو کہ خیر کی ہمیشگی اور موت کے بعد احسان اور انعام کا معاملہ جاری رکھنے کا اشارہ کرتا ہے' غور کرنا چاہیے۔ نیز نورانی ستاروں کی قندیلوں کے ساتھ آسمان کو منور کرنے اور اس کے گردونواح سے ان کی شعاعوں کی وجہ سے شیاطین کو دُور رکھنے میں اس امر کا صریح اشارہ ہے کہ آسمانی کیفیتیں قبر میں روشنی دینے اور قبر کی تاریکی اور شیاطین کی تشویش سے محفوظ رہنے کا موجب ہوں گی بلکہ اگر گہرائی میں اُتر کر غور کریں تو ظاہر ہو کہ قبر میں داخل ہونے کے بعد زمین کے اوپر کا طبقہ قبر میں دفن آدمی کے حق میں آسمان دنیا کا حکم پیدا کرتا ہے اور ہدایت کے چراغوں کے ساتھ جو کہ انبیائے علیہم السلام اور اولیاء کی نورانی ارواح ہیں اور انہوں نے اس طبقہ میں اپنی شعائیں بکھیر کر اسے مزین کیا ہے اور نچلے لوگوں سے شیاطین کو دُور کرنے میں مدد فرماتی ہیں جس طرح آسمان دنیا روئے زمین کے ساکنوں کی نسبت اوپر کے غیبی انوار کی شعاعوں کی حکایت کرنے والا ہے اسی طرح زمین کی اوپر کی سطح ان فوقانی غیبی انوار کی شعاعوں کی زمین کے پیٹ میں رہنے والوں کی نسبت سے حکایت کرنے والی ہے۔ ہاں بصیرت کی نگاہ کا سلامت ہونا شرط ہے جو کہ اعتقادات کے صحیح کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں' قبر میں اور بعث و نشر کے دن ہر تکلیف سے امن عطا فرمائے۔ آمین

marfat.com
Marfat.com

# سورۃ نون

## شانِ نزول

اس سورۃ کا ابتدائیہ بلاشبہ مکی ہے اور اس کی بعض آیات میں اختلاف ہے کہ مکی ہیں یا مدنی اور اختلاف کے بغیر اس سورۃ کی پنجاہ آیات ہیں اور اختلاف کے ساتھ باون (۵۲) اور اس سورۃ کا سبب نزول یہ تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی اور آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ غیب سے سکھایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ حق کو ظاہر کرنا شروع کر دیا اور حضرت خدیجہ' حضرت ابوبکر' حضرت علی اور حضور علیہ السلام کے منہ بولے بیٹے حضرت زید اور حضور علیہ السلام کی خادمہ اُم ایمن رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان لائے اور حضور علیہ السلام کے اہلِ بیت میں نماز ادا کرنا رائج ہوا اور یہ تازہ حرکات جنہیں اہلِ مکہ نے کبھی نہ دیکھا تھا اس شہر کے درمیان ہر محفل کا موضوع ہو گئیں۔ کافروں نے کہا کہ فلاں دیوانہ ہو گیا ہے اور اس نے اپنے تمام گھر والوں کو دیوانہ بنا دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں سُن کر تکلیف ہوئی' اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ بھیجی اور قسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ دیوانے نہیں ہیں بلکہ آپ کی عقل تمام خلائق کی عقل سے زیادہ ہے۔

### سورۃ الملک سے رابطہ کی وجہ

اس سورۃ کا سورۃ الملک سے رابطہ یہ ہے کہ وہ سورۃ حق تعالیٰ کی حقیقی بادشاہت کے اکثر کارخانوں پر مشتمل ہے۔ پہلا کثرت خیرات' دوسرا عموم قدرت جو کہ انتہا کو پہنچ کر زندہ کرنے اور موت دینے تک پہنچی۔ تیسرا لوگوں کے اعمال سے خبردار ہونا اس حد تک کہ جو کچھ ان کے سینوں میں ہے' وہ بھی اس کے حضور پوشیدہ نہیں ہے' چوتھا غلبہ' پانچواں

marfat.com

Marfat.com

قدرت کے باوجود بخشش اور معافی' چھٹا اپنے خدام کے لیے بلند عمارات' ساتواں رعایا کے درمیان فرق نہ کرنا' آٹھواں اپنی مملکت کے شہروں کی زینت اور زیبائش' نواں دشمنوں پر غلبے کے اسباب کی تیاری' دسواں دوستوں پر رحمت کے اسباب کا وافر ہونا' گیارھواں امن' بارھواں نرخ سستے کرنا' تیرھواں مخالفوں کو بے قدرت کرنا اس سے کہ دشمنوں کی حمایت کرسکیں یا اس درگاہ کے محروموں کو رزق دے سکیں۔ یہی عمدہ کارخانے ہیں جنہیں جمع کرنے سے مملکت کا کام قوت پکڑتا ہے۔

ایک عمدہ کارخانہ باقی رہ گیا کہ یہ تمام کارخانے اسی کے ساتھ وابستہ ہیں جس کا ذکر اس سورۃ میں نہ ہوا تو تکمیل کے طور پر اس کا اشارہ اس سورۃ میں ضروری ہوا اور وہ کارخانہ اہلِ قلم اور دفتروں کے پیش کاروں کا کارخانہ ہے۔ پس یہ سورۃ گویا تمام کارخانوں کے ساتھ مملکت کے وجود خطی کا بیان ہے جیسا کہ سورۃ الملک میں تمام کارخانوں کے ساتھ خارجی بادشاہت کے وجود کا بیان ہے اور وجود خطی وجود خارجی کا ظل ہے اور ان دونوں کے درمیان حکایت اور محکی عنہ کا تعلق ثابت ہے اس بناء پر کہ ظل کا مرتبہ اصل کے مرتبے سے متاخر ہے۔

ان کارخانوں کو اس سورۃ میں کہ اس سورۃ کے بعد ہے۔ بیان فرمایا ہے تاکہ اشارہ ہو اصلیت اور ظلیت میں فرق کا اور اسی لیے اس کارخانہ کو اس سورۃ میں دوسرے کارخانوں کے ساتھ درج کر کے ایک جگہ نہیں لایا گیا اور اس کے باوجود دونوں سورتوں کے مختلف مضامین میں مناسبت تحقق ہے وہاں فرمایا ہے کہ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً جبکہ یہاں فرمایا ہے اِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ اور اس سورۃ میں جہنم میں کافروں کا عذاب اور دوزخ کے موکلوں کی ڈانٹ ڈپٹ' حکومت اور بادشاہت کے آئین کے ساتھ مذکور ہے جبکہ یہاں وہی مضامین پیش کاری کے آئین کے ساتھ ہیں کہ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ' اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ' اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ جو کہ دستاویزات اور لکھنے پڑھنے اور قول و قرار کے متعلق صریح سوال ہے اور یہ انداز دفاتر کے پیش کاروں کا انداز ہے۔

marfat.com
Marfat.com

نیز اس سورۃ میں اصحاب الجنۃ کا واقعہ مذکور ہے جو کہ پیش کاری کے قواعد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس لیے کہ کسی بستی کے زمیندار جب فصل خلاف معمول لائیں اور تنخواہ داروں کو ان کا جائز حق نہ دیں اس بستی کو ان کے ہاتھ سے لے کر حق سرکار میں ضبط کر لینا چاہیے اور ان کا سارا مال قرق کر لینا چاہیے جبکہ اُس سورۃ میں اسی قسم کے خطرناک دنیوی واقعات سے بادشاہت اور حکومت کے آئین کے ساتھ ڈرایا ہے کہ ھُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ۔

نیز اس سورۃ میں دریا کی مچھلی کا ذکر ہے جو کہ جہان کی گہرائی میں مخلوقات کے طبقات سے نیچے رہتی ہے اور تسخیر الٰہی کے ساتھ مسخر ہے کہ عظیم پیغمبر علیہ السلام کو اس کے پیٹ میں رکھا گیا اور اس نے پوری احتیاط کے ساتھ اس رسول علیہ السلام کے بدن مبارک کی حفاظت کی جبکہ اُس سورۃ میں ہوا میں اُڑنے والے جانوروں کا ذکر ہے جو کہ تسخیر الٰہی کے ساتھ مسخر ہیں۔ پس گویا ارشاد ہوتا ہے کہ مرغ سے لے کر مچھلی تک سب کے سب ہماری بادشاہت کے زیر فرمان ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس غور اور گہری نظر دیکھنے کے بعد بہت سی وجوہ مناسبت دریافت ہوتی ہیں۔

## سورۂ نون کی وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نون ابجد کے حساب سے پچاس کے عدد پر دلالت کرتا ہے اور اس سورۃ کی آیات جن پر اتفاق ہے' پچاس ہیں۔ نیز حضور علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ پچاس سال تھا۔ ۲۳ سال خود بنفس نفیس حیات ظاہری کی حالت میں وسادۂ نبوت پر جلوہ افروز رہے اور اس کے بعد آپ سرکار کے خلفاء ۲۷ سال تک اسی طرز اور قانون پر عمل کر کے تشریف لے گئے جب حضور علیہ السلام کے وصال شریف کے ستائیسویں سال خلیفۂ وقت کو حکم بنانے کے واقعہ میں اُتارا اور معزول کیا گیا تو دورِ نبوت منقطع ہو گیا گو اصل خلافت خلیفہ برحق کے وجود کی وجہ سے تیس سال تک رہی لیکن جب نبی علیہ السلام کے خلیفہ کا حکم جاری نہ ہوا تو گویا حکم نبی جاری نہ ہوا اور برکتِ نبوت منقطع

marfat.com

Marfat.com

ہوگئی اس لیے کہ اس وقت نبوت کا حکم اس وقت کے خلیفہ کے حکم میں منحصر تھا۔

(اس سے مراد یہ ہے کہ کاروبارِ حکومت میں فیوض و برکات نبوت کا دور ختم ہوا نہ کہ ازروئے دینِ اسلام کیونکہ یہ سلسلہ تو تاقیامِ قیامت جاری ہے اور آپ کی نبوت قیامت تک ہے' آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا' آپ خاتم النبین ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ۔

رونق از ما محفل ایام را

او رسل را ختم وما اقوام را

نیز اس سورۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو آپ کی ذات پاک سے جنون کی نفی کے حوالے سے بہت زیادہ واضح بیان کے ساتھ ثابت فرمایا گیا ہے۔ ن کا حرف سر نبوت ہے۔ نیز حرف ن کو اس سورۃ کے مطالب سے ہر عمدہ مطلب میں دخل ہے اس لیے کہ پہلے اس سورۃ میں حضور علیہ السلام پر اپنی نعمت بیان کر کے جنون کی نفی فرمائی ہے پھر آپ کو نہ ختم ہونے والے اجر کا وعدہ دیا گیا اور آپ کے دشمنوں کو مفتون فرمایا اس کے بعد کافروں کے بارے میں سستی کرنے سے منع فرمایا خصوصاً وہ کافر جس سے اللہ تعالیٰ کی توہین ظاہر ہوئی ہو۔ چغل خور اور خیر سے بہت روکنے والا اس کی صفت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ زنیم لینے یعنی ولدالزنا بھی ہو اور اپنے مال اور اولاد پر مغرور اور نازاں بھی اس کے بعد باغ والوں کے امتحان کا واقعہ ہے اور مساکین کے حق کو جدا کرنے کو ترک کرنا' نیند کی حالت میں ان کے باغ کو آفت پہنچنا' ان کا ایک دوسرے کو آواز دینا' پوری خوشی کے ساتھ چلنا اور حق مساکین کو روکنا اس کے بعد کافروں سے امن کی دستاویز کا سوال ہے جو کہ یمین یعنی قسم ہے اس کے بعد ذکر کید متین۔ ازاں بعد حضرت ذوالنون علیہ السلام کا ذکر اور ان کی ندا کا بیان اور اس ندا کی برکت سے اس بند مکان سے ان کی حفاظت اور اس حرف کی تفسیر میں جو کہ اس سورۃ کی ابتدا میں واقع ہوا اور یہ سورۃ اس حرف کے ساتھ مسمیٰ ہوئی' بہت اختلاف ہے۔

## مچھلی اور بیل کا واقعہ جو زمین کے نیچے ہیں

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ' سدی' مقاتل اور کلبی وغیرہم سے منقول

marfat.com

Marfat.com

ہے کہ اس سے مراد وہ مچھلی ہے جس کی پشت پر زمین ہے اور اس کا نام لہموت' یالشومایا' بلہوت یا بونیا ہے اور ان بزرگوں سے یوں روایت آئی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا' اپنے عرش کے نیچے سے فرشتہ بھیجا جو کہ ساتویں زمین کے نیچے آ گیا اور اسے اپنے کندھا پر لے لیا اس کا ایک ہاتھ مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہے اور اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ ساتوں زمینوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے کھڑا ہے اور اس فرشتے کے دونوں قدموں کے قرار کی جگہ نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس سے ایک بیل بھیجا جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں اور چالیس ہزار پاؤں اور اس فرشتے کے دونوں قدموں کی جائے قرار اس کی کوہان پر ہے اور چونکہ اس فرشتے کے دونوں قدم اس کوہان پر جمے نہیں رہتے تھے' اس لئے زمرد سبز کا ایک ٹکڑا بھی جنت الفردوس سے لا کر اس بیل کی کوہان پر اس کے کان تک بچھا دیا یہاں تک کہ اس فرشتے نے اس پتھر پر قیام کیا اس بیل کے سینگ زمین کی اطراف سے باہر نکلے ہوئے ہیں اور اس بیل کی ناک کے سوراخ دریائے شور میں ہیں جب وہ بیل سانس لیتا ہے تو دریائے شور کا پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور جھاگ لاتا ہے اور سانس اندر کھینچتا ہے تو دریائے شور میں جزر پیدا ہوتا ہے' یعنی سمٹتا ہے اور اس بیل کے پاؤں کی قرارگاہ کے لیے ایک چٹان پیدا کی گئی ہے جو کہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کے موٹاپے اور حجم کے برابر ہے اور اس بیل کے پاؤں اس چٹان پر ہیں اور یہ وہی چٹان ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے علاوہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کی نصیحت میں اسے ذکر کیا ہے کہ یَا بُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ۔

جبکہ اس چٹان کے قرار کے لیے ایک بہت بڑی مچھلی پیدا کی گئی ہے جس کی پشت پر وہ چٹان ہے اور اس کا باقی بدن خالی ہے اور وہ مچھلی ایک دریا پر ہے اور وہ دریا ہوا پر اور ہوا قدرت پر لٹکی کھڑی ہے تا کہ جانیں کہ اس جہان کی بنیاد سب کی سب ہوا پر ہے۔

کعب احبار نے کہا ہے کہ ایک دن ابلیس نیچے اُتر کر اس مچھلی تک پہنچا اور اس کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ تو نے اتنے بڑے بوجھ کو کیوں اپنے اوپر لیا ہے' ایک بار جنبش کر

marfat.com
Marfat.com

تا کہ سب آسمان، زمینیں اور پہاڑ تیری پشت سے گر پڑیں اور تو بے فائدہ بوجھ اُٹھانے سے چھوٹ جائے اس مچھلی نے ارادہ کیا کہ اپنے کو حرکت دے صرف اس قصد کے ساتھ ہی حق تعالیٰ نے ایک جانور بھیجا جو کہ اس مچھلی کے نتھنے میں داخل ہوا اور اس کے دماغ تک پہنچ گیا اس کی وجہ سے مچھلی بے قرار ہوگئی اور بارگاہِ خداوندی میں شکایت عرض کی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس وسوسۂ شیطانی کی سزا ہے جسے تو نے قبول کیا پھر اس جانور کو حکم فرمایا کہ اس مچھلی کے کان کی راہ سے باہر آئے اور اس کے سامنے حاضر رہے تا کہ اگر دوسری مرتبہ یہ خیال اس کے دل میں آئے اس کے دماغ میں پھر داخل ہو جائے۔

## ن کے متعلق دیگر اقوال

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ن سے مراد وہ مچھلی ہے جس کے پیٹ میں حضرت یونس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو رکھا گیا، تین دن تک یا چالیس دن تک آپ کو اپنے پیٹ میں رکھا اور بعض نے کہا ہے کہ وہ مچھلی مراد ہے جس کے خون میں رنگین ہو کر نمرود کا تیر آیا تھا اس لیے کہ یہ دونوں مچھلیاں اپنی جنس میں ایسی عظمت رکھتی ہیں جو دوسری مچھلیوں کو حاصل نہیں۔ وہ ایک مچھلی ایسے عظیم رسول علیہ السلام کو اپنے میں لینے کے لیے مقرر کی گئی اور اس نے اس قدر ادب کی رعایت کی کہ آپ کے گوشت پوست کو کوئی گزند نہ پہنچی اور اس دوسری نے خود کو حضرت حق تعالیٰ کا فدیہ بنایا اور اپنی جان کی اس ذات پاک کے دشمن کے مقابلہ میں بازی لگا دی جس طرح دورانِ جنگ کوئی شخص اپنے آپ کو سردار کی جگہ ظاہر کرے تا کہ اس کے دشمنوں کے تیر وتفنگ اپنے اوپر لے اور سارے لشکر سے ممتاز ہو جائے اور ضحاک اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ن سے مراد دوات ہے جیسا کہ ایک پرانے شاعر نے کہا ہے۔

اذا ما الشوق برح بی الیھم

القت النون بالدمع السجوم

اور یہ تفسیر لفظ قلم کے ساتھ بہت مناسب ہے اور اس حدیث مرفوع کی مؤید ہے کہ اوّل شیء خلقه الله القلم ثم خلق النون یعنی الدواۃ ثم قال اکتب ماھو کائن

marfat.com

Marfat.com

**من عمل او اثر او رزق او اجل فکتب ما کان او ھو کائن الیٰ یوم القیامۃ ثم ختم علی القلم** یعنی سب سے پہلی شے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا' قلم ہے پھر نون یعنی دوات کو پیدا فرمایا پھر فرمایا لکھ جو کچھ ہونے والا کام' نشان' رزق یا اجل تو قلم نے جو ہو چکا اور جو قیامت تک ہونے والا لکھا پھر قلم پر مہر لگا دی گئی۔

اور معاویہ بن قرہ سے مرفوعاً روایت آئی کہ **النون لوح من نور یکتب فیہ الملائکہ مایؤمرون بہ** نون نور کی ایک تختی ہے جس پر فرشتے وہ کچھ لکھتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے نون ایک نہر کا نام ہے لیکن ان سب تفسیرات پر ایک نحوی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ صرف نون پر وقف کرنا جس پر قراء کا اجماع ہے' ان تفسیروں سے انکار کرتا ہے اس لیے کہ لفظ نون اگر اسم جنس ہے تو حرف قسم کے مقدر ہونے کی وجہ سے اس کی جر اور تنوین لازم ہو جاتی ہیں اور اگر اسم علم منصرف ہوتا تو بھی اس پر جر اور تنوین آتی اور اگر غیر منصرف ہوتا تو حرف قسم کی تقدیر کی وجہ سے فتحہ ضروری ہو جاتا۔

اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس مقام میں اس لفظ کا ذکر قسم سے کنایہ ہے' صریح قسم نہیں ہے اور حرف قسم کا مقدر ہونا اور اس کا اس لفظ میں عمل کرنا صریح قسم کو لازم ہے نہ کہ کنایہ کو لازم۔

## ن اور عارفین کاملین

اور عطاء اور بعض مفسرین سے منقول ہے کہ نون نور اور ناصر کے پہلے حرف کا اشارہ ہے اور محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ ایمان والوں کی نصرت کا اشارہ ہے اور حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نون سے مراد وہی مچھلی ہے جو کہ دریا میں ہوتی ہے اور اسے عارفین کاملین کے ساتھ ایک قوی مناسبت ہے اس لیے کہ ساری زندگی دریا اور پانی میں ہوتی ہے اور اس سے کبھی سیر نہیں ہوتی اور اگر لحہ بھر کے لیے پانی سے جدا ہو جائے تو مر جائے اور جان دے دے اور اسی طرح عارف لوگ ہمیشہ بحر حقیقت میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور سیر فی اللہ کے مرتبوں سے کبھی سیر نہیں ہوتے اور اگر ایک لحہ اس کی یاد

marfat.com

Marfat.com

سے جدا ہوں' ہلاک ہو جائیں اور کیا ہی اچھا کہا گیا۔ جو مچھلی کے سوا اس کے پانی سے سیر ہوا' جان لے کہ وہ روزی سے خالی ہے اور اسے دیر ہوگئی۔

تو اس حرف کو مطلب میں شروع ہونے سے پہلے لانا اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ کفار آپ کو کمال شوق اور کشش کی وجہ سے جو کہ آپ ہماری طرف رکھتے ہیں اور ہر لحظہ اور ہر دَم آپ ہماری بات کرتے ہیں اور اپنی حرکات وسکنات کو جو کہ ان کی عادت کے خلاف ہیں' ہماری خاطر ان بے سمجھوں کے ہنسی مذاق کی جگہ بناتے ہیں اور ہمارے شغل کے بغیر آپ ایک لحہ نہیں رہ سکتے' مجنون کہتے ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے **اذکرو اللہ حتی یقال مجنون** اور وہ نہیں سمجھتے کہ مچھلی کو دریا کے ساتھ یہی حالت ہے اگر آپ کو اپنے لازمی محبوب کے ساتھ یہ حالت رونما ہو تو کیا عجب اور جنون پر کیوں محمول ہو۔

اور حضرات صوفیاء قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا ہے کہ نون سے مراد نفس کلیہ ہے کہ لوحِ محفوظ ہے اور مبدأ وحی ہے اور قلم سے مراد قلم اعلیٰ یعنی عقل اوّل ہے جو کہ لوحِ محفوظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا مبدا ہے اور ان میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ نون سے مراد نفسِ رحمانی ہے جو کہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا مبدا ہے اور قلم سے مراد قلم اعلیٰ ہے جو کہ اس روحانیت کے وجود کا مبدا ہے اور بعض نے نون سے مراد ولایت محمدیہ کا نور لیا ہے جو کہ قیامت باقی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نٓ یعنی آپ کی نبوت بلاشبہ برحق ہے' آپ کا نور جہان میں سرایت کرے گا تو آپ کی مدد واقع ہوگی اور آپ کا نفع پچاس سال تک روز بروز ترقی اور زیادتی میں رہے گا۔ یہاں جاننا چاہیے کہ حرف ن شکل کے اعتبار سے الف اور با کی طرح اصول حروف سے ہے اس لیے کہ شکل کے اعتبار سے اصول حروف وہ حروف ہیں کہ دوسرے حروف کی شکلیں ان حروف کی شکلوں سے مرکب ہوئیں اسی طرح الف ایک کھڑا خط ہے کہ لام نے اس کے مرکز کی طرف تین نقطے ملانے سے صورت پکڑی اور با ایک بچھایا ہوا خط ہے

marfat.com
Marfat.com

کہ تا اور ثا اور یا نے ایک نقطہ یا دو نقطوں کی زیادتی کے ساتھ اس سے امتیاز کیا اور نون ایک قوس دار خط ہے کہ۔ صادٗ ضادٗ سینٗ شین اور قاف اس کے مظاہر ہیں اور بعض محرف خطوط اور نقطوں کی زیادتی کے ساتھ اس سے ممتاز ہوئے ہیں۔

پس نون کو نبوت کے ساتھ مضبوط مناسبت حاصل ہے کہ قاف جناب حق سے بندوں کا قرب اور صاد ان کی معاد اور معاش کی صلاح و درستی اور سین سیاست الٰہیہ بطریق خلافت اور شین خیر اور شر کے اعمال پر شہادت اور ضاد باطل اور غلط کی ضدیت اس کے مظاہر اور آثار سے ہیں۔

نیز نون ان تین حروف دوائر میں سے ہے کہ جب ان کا تلفظ کریں تو حرف کا عین کلمہ اس کے آخر میں آئے جیسے واوٗ میم مگر یہ کہ واوٗ کا اوّل مفتوح میم کا اوّل مکسور اور نون کا اوّل مضموم ہے اور اسی لیے ان تینوں حرفوں میں حروف مد یعنی الف یا اور واوٗ اسی ترتیب کے ساتھ درمیان میں آئے ہیں پس یہ تینوں حروف اس چیز پر دلالت کرتے ہیں جس کی انتہا ابتدا کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور انتہا اور ابتدا کا درمیان عدم کا حکم رکھتا ہے کہ حروف مد گویا حروف نہیں ہیں صرف حرکات کا اشباع ہیں لیکن واوٗ اس چیز پر جو کہ کشادہ اور کھلی نہ ہوٗ دلالت کرتی ہے اور میم اس چیز پر جو کہ نچلی ہو اور نون اس چیز پر جو بلند و بالا ہو اور حروف ہجایں سے نون کے سوا کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس کا اوّل مضموم ہو۔ پس اسے مرتبہٗ نبوت کے ساتھ کلی مناسبت پیدا ہوگئی کہ سلوک الٰہی کی راہ کا مبدا بھی ہے اور منتہا بھیٗ تمام ولایتیں اسی مرتبے سے شروع ہوتی ہیں اور آخر میں اسی مرتبے کی طرف رجوع کرتی ہیں بلکہ ہدایت کی ابتدا مطلقاً انبیاء علیہم السلام سے ہے اور ہدایت کی انتہا جو کہ جذب کی منزلوں کو پہنچنا ہےٗ بھی انبیاء علیہم السلام کے دست مقدس پر ہے۔

نیز ایسا حرف کہ لغت عرب میں اعراب کے وقت ہر اسم متمکن کے ساتھ مل جاتا ہے کہ جب تک یہ حرف اس کے ساتھ نہ ملے اس کا اعراب پورا نہیں ہے اور یہی حال ایک نبی علیہ السلام کا ہے کہ بنی آدم کے فرقوں میں سے کوئی فرقہ بادشاہٗ ولیٗ حکیم سے لے کر کناسٗ جاروب کش تک تاوقتیکہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک کی طرف رجوع

marfat.com
Marfat.com

نہ کرے' اس کی دنیا و آخرت درست نہیں ہو سکتی اور ہر فرقے کا کمال پورا نہیں ہوتا۔

اور لغت عرب میں اس حرف کے عجیب خواص ہیں' فعل کے آخر میں تاکید کے لیے آتا ہے اور حرف کے آخر میں ترنم' آواز کھینچنے اور اسے اچھا کرنے کے لیے جبکہ اسم کے آخر میں اظہارِ اعراب کے لیے اور انبیاء علیہم السلام کی مثال' ان کی نبوت کی وجہ سے فرشتوں کے لیے جو کہ بمنزلہ افعالِ الٰہیہ کے ہیں' مراتب قرب کی تاکید حاصل ہو جاتی ہے اور جنوں اور انسانوں کو جو کہ منصرف اسموں کی طرح ہیں' اپنے کمال کے درجات جو کہ اعراب کا نمونہ ہیں' ہاتھ آتے ہیں جبکہ دوسری مخلوقات جیسے حیوانات' نباتات اور معدنیات جو کہ حروف ادواتی کے مرتبہ سے زیادہ نہیں ہیں' کے لیے انبیاء علیہم السلام کا وجود مسعود فخر اور زینت کا موجب ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں اور ان کا حکم مانتے ہیں اور انہیں سلام کرتے اور ان کی تعظیم کرنے پر قائم رہتے ہیں۔

نیز علم حروف کے علماء کے نزدیک جو کہ حروف کو افلاک اور عناصر پر تقسیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ افلاک کے کارکن اور حقائق کے عناصر حروف ہیں اور انہوں نے افلاک کو گیارہ شمار کیا ہے۔ سات' سات ستاروں کے لیے اور فلک کرسی' فلک عرش' فلک لوح اور فلک قلم۔ یوں مقرر ہے کہ نون فلک قلم کا حرف ہے جو کہ وحی و تنزیل کے جہاں سے عبارت ہے اور اس کا سفلیات میں کوئی حرف نہیں ہے جیسا کہ فلک لوح کے لیے بھی جو کہ عالم حیات سے عبارت ہے' سفلیات میں کوئی حرف نہیں ہے اور باقی افلاک اور تیرہ عناصر کے لیے علویات میں بھی کوئی حرف نہیں اور نہ ہی سفلیات میں۔ پس نون کو اثبات نبوت کے مقام میں لانا انتہائی مناسبت رکھتا ہے کہ حقیقت نبوت وحی و تنزیل کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔

وَالْقَلَمِ قلم کی قسم اُٹھاتا ہوں جو کہ انسانوں کے جہان' غیب کی چھپی ہوئی اشیاء کو میدانِ ظہور میں جلوہ گر کرتا ہے تاکہ زمان و مکان کا ہر دور افتادہ آدمی اس پر مطلع ہو۔ یہی معنی ہے نبوت اور رسالت کا کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی بشریت کی پستیوں میں دُور

marfat.com
Marfat.com

پڑے لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کلام کو افراد انسانی کی سماعت پر لاتے ہیں۔

## قلم کے اسرار اور بارگاہِ نبوت کے ساتھ مشابہت

نیز اگر کوئی شخص جو کہ قلم کی حرکت کی غرض سے آشنا نہ ہو اور اسے دوسرے کے ہاتھ میں بے اختیار دیکھے' مجنون اور دیوانہ خیال کرے کہ سفید کاغذ کو بلاوجہ سیاہ کرتا ہے اور خود بخود پیچ و تاب کھاتا ہے اور کبھی رجوع کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ٹیڑھا ہو جاتا ہے حالانکہ اس کی حرکت اور اس کے ہر پیچ و تاب میں عجیب باریکیاں لپٹی ہوئی ہیں اسی لیے حکماء نے کہا ہے کہ الخط هندسة روحانية ظهرت باله جسمانيه یعنی لکھنا ایک روحانی ہندسہ ہے جو کہ جسمانی آلہ کے ساتھ ظاہر ہوا۔ نیز کہا ہے القلم لسان اليد سفير الضمير وستودع الاسرار ومستنبط الاخبار وحافظ الاثار قلم ہاتھ کی زبان' ضمیر کا ترجمان' اسرار کی آماجگاہ' اخبار کو باہر لانے والا اور تاریخ کا محافظ ہے۔

اور قلم کے عجائب سے یہ ہے کہ دوات سے سیاہی کو باہر لاتا ہے اور کاغذ پر ثبت کرتا ہے اور آدمی کے باطن میں اسی سیاہی کو نور اور روشنائی کر کے پہنچاتا ہے۔

نیز قلم کو جس کی ہر حرکت و سکون' بولنا اور چپ رہنا اس کے مالک کے ہاتھ میں ہے اور اپنی طرف سے کوئی حرکت نہیں کرتا اور دم نہیں مارتا' انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کمال مشابہت ہے کہ يد الله فوق ايديهم — ان هو الا وحی یوحی ۔

نیز اسے اپنی حرکات میں رکوع' سجود' قیام' بار بار اپنے چہرے کو دوات کے چشمے میں دھونے اور طہارت کرنے اور پانچ انگلیوں میں ملازم ہونے سے پانچ وقت کے نمازیوں کی پوری حکایت حاصل ہے اسی لیے شاعروں میں سے بعض نے قلم کی پیچیدگی کے بارے میں کہا ہے۔

وذی اصطبار راكع ساجد اخی نحول ومعه جاری ملازم

الخمس لاوقاتها معتكف فی خدمة الباری

یعنی صبر والا' رکوع و سجود کرنے والا' لاغر جس کے آنسو جاری' پانچوں کا ان کے وقتوں میں ملازم' بنانے والے کی خدمت میں معتکف

marfat.com

Marfat.com

نیز قلم کو چار مرتبہ تکلیف اُٹھانے کی مجبوری ہے تاکہ اپنے مالک کا ہاتھ چومنے کے قابل ہو سکے اور اسے اس کی روح القدس کی ترجمانی کا منصب حاصل ہو اور ان چار مواقع کو لکھنے والوں کی اصطلاح میں فتح تحت شق اور قط کہتے ہیں اسی طرح سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چار بار سینہ مبارک کے شق ہونے کی تکلیف دی گئی حتیٰ کہ معراج کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور حضرت باری عزاسمہ کی مطلق ترجمانی کا منصب حاصل ہوا۔

نیز بنی آدم کی دنیا و آخرت کی درستی قلم کے ساتھ وابستہ ہے' احکامِ دین قلم کے وسیلے سے محفوظ ہیں' حقوق اور کتابیں اسی کے واسطے سے لکھی اور محفوظ کی جاتی ہیں۔ گزشتہ صدیوں اور اُمتوں کی خبریں اور واقعات اسی کے ساتھ دریافت ہوتے ہیں اسی لیے کہتے ہیں کہ دین و دنیا کے امور کا دارومدار دو چیزوں پر ہے' قلم اور تلوار اور تلوار قلم کے حکم کے نیچے ہے اور اس مضمون کو عرب کے بعض شاعروں نے خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے۔

ان يخدم القلم السيف الذى خضعت

لـه الـرقـاب و دانـت حذره الامم

اگر قلم کی خدمت کرے وہ تلوار جس کے سامنے گردنیں جھک گئیں اور اُمتیں اس کے ڈر سے جھک گئیں۔

فـالـمـوت والـمـوت لا يـغـالبـه

مـازال يتبـع مـا يـجـرى بـه القلم

پس موت اور موت پر کوئی غالب نہیں ہمیشہ اسی کی تابع رہی جیسے قلم چلتی ہے۔

لـذا قـضـى الله لـلاقـلام مـذبـريـت

ان الـسـيـوف لهـا مـذ ارهـفـت خدم

اسی لیے اللہ تعالیٰ قلموں کے لیے جب سے بنی ہیں' فیصلہ فرما دیا کہ تلواریں اس کی خدمت گزار ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

اور اسی طرح آدمیوں کی دنیا و آخرت انبیاء علیہم السلام کے وجود مسعود کے ساتھ وابستہ ہے کہ دین کے احکام ان سے لیے جاتے ہیں اور حشر ونشر کی خبریں انہیں کی زبان مبارک سے سنتے ہیں اور اعمال کے اچھے بُرے ہونے کے درجات انہیں کے ظاہر کرنے پر معلوم ہوتے ہیں اور بنی آدم کے تمام بادشاہ اور گروہ انہیں کے فرمان کے تابع ہوتے ہیں۔

وَمَا يَسْطُرُوْنَ اور میں قسم اٹھاتا ہوں اس کی جو لکھنے والے قلم کے ساتھ لکھتے ہیں جو کہ بہت عجائب وغرائب رکھتا ہے اس لیے کہ قلم یا علموں کا قلم ہے یا حکموں کا قلم اور علم یا تکوین و ایجاد سے متعلق ہے یا تشریع وارشاد سے متعلق اور قلم احکام بھی یا تکوین و ایجاد کے ساتھ متعلق ہے یا تشریع وارشاد سے متعلق اور ہر قلم کے لیے لکھنے والے یا علوی یا سفلی' علوی فرشتے اور سفلی انسان اور جن۔ قلم علوی ہر باب میں اصل ہے جبکہ قلم سفلی ظل اور فرع ہے اگر سفلی علوی کے مطابق پڑے تو صحیح راہ چلا ورنہ غلطی کی اور یہ صواب اور خطا تین قسموں میں متصور ہے اور چوتھی قسم میں کہ تکوین و ایجاد کے متعلق احکام ہیں' متصور نہیں ہے اس قسم میں مطابقت کے سوا واقع نہیں ہوتا۔

اور اگر ان چار اقلام کی تفصیل یہاں پورے طور پر بیان کریں تو اس تفسیر کی طرز سے باہر نکلنا لازم آئے گا۔ مجبوراً بطور نمونہ کچھ حصہ بیان کرتے ہیں تاکہ ذہن میں قلم کی عظمت پختہ ہو جائے۔ قلم اعلام جو کہ ایجاد و تکوین کے ساتھ متعلق ہے' عالم علوی میں ایک ایسا قلم ہے جس نے خلق کی پیدائش سے پہلے ساری کائنات کو لکھ چھوڑا اور علم الٰہی کی حکایت کرنے والا ہوا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ **جف القلم علی علم اللہ** قلم اللہ تعالیٰ کے علم پر خشک ہو گیا اور عالم سفلی میں نجومیوں کا قلم ہے جو کہ ہر صدی یا ہر سال میں اس صدی یا اور اس سال کے احکام جنتریوں میں لکھتا ہے اور رمل والوں اور جفر والوں کا علم بھی اسی قلم میں داخل ہے اور واقعات لکھنے والوں' خفیہ نویسوں' مورخوں' انبیاء علیہم السلام کی سیرت نگاروں' گزشتہ بادشاہوں کے تذکرہ نگاروں' ممالک' مسالک' پہاڑ' سمندر' چشمے اور آباد اور غیر آباد زمین لکھنے والوں کے قلم اسی قلم کے شعبوں کا ایک شعبہ

marfat.com
Marfat.com

ہے اور معدنیات' نباتات' حیوانات ادویہ کے مفردات اور قرابادین کے خواص کا علم رکھنے والے اسی قلم کے شعبوں سے مدد اور فیض لیتے ہیں بلکہ فضاؤں کی کائنات' طبقات عناصر' ہئیات آسمانی' رصد افلاک اور ستاروں کی صورتوں کے علم کی بحث کرنے والے اسی قلم سے اپنے علوم لیتے ہیں اور آنے والوں کے لیے لکھتے ہیں۔

اور قلم اعلام جو کہ تشریع وارشاد کے متعلق ہے' عالم علوی میں ملاء اعلیٰ کا قلم ہے کہ ہر قوم اور ہر زمانے کی استعداد کے مطابق ایک شریعت لکھ چھوڑی ہے اور پانچ شریعتوں کو اس شریعت کے منصوص تمام احکام اور اس شریعت کے مجتہدوں کے نکالے ہوئے احکام کے ساتھ ثبت کیا ہے اور عالم سفلی میں مذاہب اربعہ کے فقہاء اور اولیائے اللہ کے مختلف قسم کے اشغال اور اوراد کے طریقوں کی تدوین کرنے والوں کا قلم ہے اور قلم احکام جو کہ تکوین وایجاد کے متعلق ہے' عالم علوی میں ارزاق اور روزیوں کا قلم ہے جو کہ میکائیلی دفتر ہے۔ نیز موت کے مقررہ اوقات اور مصیبتوں کا قلم ہے جو کہ عزرائیلی دفتر ہے اور عالم سفلی میں ان دونوں قلموں کے بے شمار شعبے ہیں' ان میں سے سپہ سالاری کا قلم ہے جس کے ساتھ لشکر کے سواروں اور پیادوں کے رزقوں کا تعین وابستہ ہے اور ان میں سے قلم صدارت کہ مستحقوں اور محتاجوں کے رزق اس کے ساتھ متعلق ہیں اور ان میں استیفاء کا قلم ہے کہ خراج اور محصولات لینا اس کے ساتھ وابستہ ہے اور ان میں سے طبیبوں کا قلم ہے کہ بیماریوں سے صحت وشفا حاصل کرنا اس سے وابستہ ہے اور ان میں سے کوتوالی کا علم جو کہ قانون کے مطابق مجرم کو سزا دینے والوں کا محکمہ ہے کہ ہر گناہ گار کی سزا کی مقدار قتل' قید' پٹائی اور گھونسا مارنا ان کے سپرد ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس

اور احکام کا قلم جو تشریع وارشاد کے متعلق ہے' عالم علوی میں ملاء اعلیٰ کا قلم ہے جو کہ جبرئیلی دفتر ہے اور احکام الٰہی کو لکھ کر تازہ بہ تازہ بھیجتے ہیں اور یہی وہ قلم ہے جس کی آواز کو شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر سنا ہے۔ چنانچہ حدیث معراج میں واقع ہے کہ **فظهرت لمستوى اسمع فيه صريف الاقلام** یعنی میں ایسے مستوی پر پہنچا جہاں میں قلموں کی آواز سن رہا تھا جبکہ عالم سفلی میں شرعی قبالے اور

marfat.com
Marfat.com

حکم نامے لکھنے میں قاضیوں کے قلم' ہر واقعہ کی روایات نکالنے میں مفتیوں کے قلم اور وراثت کے حصے مقرر کرنے میں فرائض نویسوں کے قلم اس قلم کا شعبہ ہیں۔ پس جو شخص ان لکھنے والوں کی تمام تحریروں کو اجمالی طور پر نظر میں لائے تو یقین کے ساتھ جان لے کہ بارگاہِ خداوندی سے ہر وقت اور ہر لحہ جہان والوں پر علوم و معارف کا فیض پہنچ رہا ہے اور قسم قسم کے احکام اس دربار عالی سے ذرات عالم میں ہر ہر شخص کے بارے میں آناً فاناً پہنچتے ہیں۔ پس اسے نبوت کے برحق ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور انبیاء علیہم السلام کے افعال اور اقوال کو جو کہ ان احکام کی نری تبلیغ اور ان علوم کا القاء ہیں' جنون پر محمول نہ کرے اسی لیے ان دو قسموں کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ آپ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے بے عقلی اور جنون زدہ نہیں ہیں جس طرح کہ کافر بکتے ہیں اور اس سورۃ کے آخر میں ان کی زبان سے نقل فرمایا ہے۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے حق میں کلام کفار کہ جس سے جنون کی نسبت سمجھی جاتی ہے' سورۃ کے آخر میں مذکور ہے جبکہ جنون کی نفی جو کہ اس حکایت کا رد ہے' یہاں سورۃ کی ابتدا میں ہے حالانکہ عرف یہ ہے کہ پہلے مخالف کی کلام کو نقل کرتے ہیں۔ ازاں بعد اس کا رد و ابطال کرتے ہیں اب معروف ترتیب کو یہاں بدلنے میں کیا نکتہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کفار سے یہ باتیں سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا تھا اس لیے پہلے آپ کے سامنے جنون کی نفی اس کے نقیضیں ثابت کر کے ضروری ہوئی تا کہ آپ کا قلب مقدس تسلی پکڑے اس کے بعد اس سورۃ میں اس گمان کا بھرپور رد واقع ہوا پھر اس مردود قول کو آخر میں نقل فرمایا تا کہ عقل والے اس کا مذاق اڑائیں اور دشمن کی بکواس کو باطل کرنے میں یہ انداز بلغاء اور عقل مندوں کے نزدیک بہت دلچسپ اور فرض میں راسخ ہونے والا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور یہاں جاننا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنون کی نفی میں ایک اجمالی دلیل کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے جس سے ہزاروں تفصیلی دلائل نکالے جاسکتے ہیں اور وہ اجمالی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آپ کی ذات پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کو ملاحظہ کرنا ہے جیسے فصاحت' کمال عقل' خوبی ذہن' نبوت' ولایت' ہدایت عامہ اور اخلاق کریمہ پس گویا اس بات کا اشارہ فرمایا ہے کہ اس گمان کو باطل کرنے کے لیے آپ کی ذات میں اتنے دلائل موجود ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا مگر اس اجمالی دلیل کے ساتھ اور فی الواقع جو شخص حضور علیہ السلام کی سیرت میں کمال عقل اور عرب کے وحشیوں اور ان کے جنگلی ظالموں کو اپنی طرف مائل کرنے میں آپ کے حسن تدبیر پر غور کرے کہ آپ نے ان بے سروپا لوگوں کو کس طرح اپنے مطیع فرمایا یہاں تک کہ انہوں نے آپ کی حمایت میں اپنے رشتے داروں اور قبیلوں کے ساتھ جنگیں لڑیں' شہید ہوئے' قتل کیا اور آپ کے ساتھ بغیر کسی سابقہ شناسائی اور تعلق کے اپنے وطنوں اور اپنے دوستوں کو آپ کی محبت میں چھوڑ دیا تو یقین کے ساتھ اس حقیقت کو مان لے جو کہ وہب بن منبہ نے بیان فرمائی ہے کہ میں نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اکہتر (۷۱) کتابیں پڑھی ہیں' میں نے ان سب میں یہ لکھا پایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی پیدائش کی ابتدا سے لے کر اس کی انتہا تک عقل مندوں کو جتنی عقل گرانمایہ عطا فرمائی ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کے مقابلے میں صرف ایسے ہے جیسے دنیا کے تمام ریگستانوں کے مقابلہ میں ریت کا ایک ذرہ جیسا کہ اسے ابونعیم نے حلیہ میں اور اس سے ابن عساکر نے روایت کیا۔

## ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کی وسعتوں کا بیان

اور عوارف المعارف میں ایک بزرگ سے روایت کی ہے کہ عقل کے سو حصے کیے گئے ہیں' ننانوے (۹۹) حصے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئے جبکہ ایک حصہ باقی مخلوقات میں تقسیم کیا گیا ہے اور جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کو معلوم کرنا چاہے' اسے چاہیے کہ سیرت کی کتابوں کا گہری نظر سے مطالعہ کرے کیونکہ یہاں ان واقعات کی تفصیل ایک عظیم طوالت کا موجب ہے' نمونے کے طور پر ان میں سے دو تین واقعات

marfat.com

Marfat.com

لکھے جاتے ہیں۔

پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر آیا اور عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھ میں چار بُری عادتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ بدکار ہوں' دوسری یہ کہ چوری کرتا ہوں' تیسری یہ کہ شراب پیتا ہوں اور چوتھی یہ کہ جھوٹ بولتا ہوں' ان چاروں چیزوں کو بیک وقت چھوڑنا میرے لیے ممکن نہیں' آپ فرمائیں کہ میں آپ کی خاطر ایک چیز چھوڑ دوں۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جھوٹ مت بول" جب وہ شخص اپنے گھر چلا گیا' رات ہوئی اس نے چاہا کہ شراب نوشی اور بدکاری میں مصروف ہوں اس کے دل میں خیال آیا کہ اگر میں صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں اور آپؐ مجھ سے پوچھیں کہ آج رات تو نے بدکاری کی یا نہیں اور تو نے شراب پی یا نہیں؟ تو میں کیا کہوں گا۔ اگر صحیح کہوں تو رسوا ہو جاؤں اور مجھ پر بدکاری اور شراب کی حد جاری فرمائیں ورنہ میں نے جھوٹ بولا ہوگا' شراب نوشی اور بدکاری کا خیال چھوڑ دیا جب رات زیادہ ہوگئی اور لوگ سو گئے۔ اس نے چاہا کہ چوری کے لیے جائے لیکن اسی طرح کا خیال اسے چوری سے مانع ہوا کہ اگر کل کو مجھے اس چوری کی تہمت لگائیں اور مجھ سے پوچھیں تو میں کیا کہوں گا اگر اقرار کروں تو میرے ہاتھ کاٹ دیں گے اور رسوائی ہوگی ورنہ جھوٹا ہوں گا' مجبوراً اس خیال کو بھی چھوڑ دیا۔ علی الصبح حضور علیہ السلام کی خدمت میں دوڑتا آیا اور عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ چھوڑنے نے مجھ میں موجود چار بُری عادتیں مجھ سے چھڑا دیں" حضور علیہ السلام بہت خوش ہوئے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں ایک شخص کو پکڑے ہوئے حاضر آیا اس دعوے کے ساتھ کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ "خون بہا لے لے" اس نے کہا "مجھے قبول نہیں" پھر فرمایا "معاف کر دے تاکہ تجھے آخرت میں بہت ثواب حاصل ہو" اس نے کہا "مجھے یہ بھی منظور نہیں" فرمایا "جا اسے قتل کر دے کیونکہ اقراری ہے" جب وہ شخص اس مرد کو قتل کرنے کے لیے چلا گیا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا "اگر یہ شخص اس

marfat.com
Marfat.com

آدمی کو قتل کر دے گا تو اسی کی مانند ہو جائے گا'' انہوں نے دوڑ کر اسے خبر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے اس نے فوراً معاف کر دیا اور اس آدمی کو چھوڑ دیا جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے' معلوم کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ اسے قتل کر دے تو وہ جان کا قاتل ہونے میں اس کی مانند ہو گا نہ کہ گناہ میں۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر آیا اور عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرا ایک ہمسایہ ہے جو بہت ستاتا ہے'' آپ نے فرمایا ''جا اور اپنے گھر کا سامان باہر نکال کر راہ پر ڈال دے اور اگر لوگ پوچھیں کہ تو کیا کرتا ہے تو کہنا کہ میرا ہمسایہ ستاتا تھا' میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو آپ نے مجھے یونہی ارشاد فرمایا ہے'' وہ شخص چلا گیا اور اپنے گھر کا سامان نکال کر سرِ راہ ڈال دیا' لوگوں نے ہجوم کر کے اسے پوچھنا شروع کر دیا کہ ''تجھے کیا ہوا؟'' اس نے وہی بات کہی اس ہمسایہ کو بُرا بھلا کہا جانے لگا اور ہر کوچہ و بازار میں یہ بات مشہور ہو گئی' وہ ستانے والا ہمسایہ اس شخص کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ''خدارا! مجھے اس قدر رسوا نہ کر اور اپنا سامان اپنے گھر لے جا'' اور اس نے پختہ عہد و پیماں کیا کہ ''میں تجھے پھر نہیں ستاؤں گا۔''

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے مکہ معظمہ میں بہت بڑا سیلاب آیا جس سے حجرِ اسود اُکھڑ گیا اور کعبہ معظمہ کی بنیاد میں بھی کئی رخنے پڑ گئے اس سیلاب کے چلے جانے کے بعد تمام سردارانِ قریش نے اپنے ہاتھوں اس عظیم گھر کی مرمت شروع کر دی جب حجرِ اسود تک نوبت پہنچی تو ہر فرقے اور ہر قبیلے کے سردار نے چاہا کہ اس پتھر کو میں اپنے ہاتھ سے رکھوں' دوسروں نے مزاحمت کی' جھگڑا کھڑا ہو گیا' آخر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے منصف مقرر کیا جبکہ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال کی تھی اور انہوں نے کہا کہ ''اس نوجوان جیسا عقل مند قبیلہ قریش میں کبھی پیدا نہیں ہوا جو وہ کہے ہم اس کی پیروی کریں گے۔'' حضور

marfat.com
Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ "حجر اسود کو ایک بڑی چادر میں رکھ کر اس کے ہر گوشے کو ایک ایک سردار اُٹھائے اور اسے اُٹھانے میں سب شریک ہوں جب پتھر اپنے مقام کے برابر پہنچے تو مجھے اپنی طرف سے سب وکیل قرار دیں تاکہ میں اپنے ہاتھ سے رکھوں کہ میرا ہاتھ وکالت کے حکم سے سب کا ہاتھ ہوگا۔" تمام سردار اس فیصلے پر راضی ہو گئے۔

پانچواں واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ حدیبیہ میں جب کافروں کے ساتھ مغلوبانہ صلح قرار پائی' کفار نے یہ شرط کی کہ مسلمانوں سے جو بھی بھاگ کر ہمارے پاس آئے' ہم اسے واپس نہیں دیں گے اور ہم میں سے جو بھی بھاگ کر مسلمانوں کے پاس جائے' ہم اسے واپس لے لیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو قبول فرمالیا۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ ماجرا سن کر بہت پریشان ہوئے اور سب حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے کہ "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہ شرط ہرگز قبول نہیں کریں گے اس لیے کہ ان دونوں صورتوں میں ہم پر ذلت عائد ہوگی اگر اپنے بھاگنے والے کو وہ واپس لیں گے' ہم بھی اپنے بھاگے ہوئے کو واپس لیں گے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تھوڑا سا غور کرو کہ جو شخص ہم سے بھاگ کر جائے گا' وہ نہیں ہوگا مگر منافق کہ اس کے دل میں کفر اور کفار کی رفاقت کی محبت ہوگی' اوّل تو وہ اسی قابل ہے کہ ہمارے پاس نہ رہے' انہیں کے ساتھ رہے' ہمیں چاہیے کہ اسے اپنے میں سے باہر نکال دیں حالانکہ وہ خود بخود چلا گیا' ہم اسے واپس کیوں لیں؟" سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس نکتے کو سمجھ گئے اور سب نے حضور علیہ السلام کے کمالِ عقل کی تحسین و آفریں کی۔

چھٹا واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ احزاب میں طویل محاصرے کے بعد جب کافروں نے چاہا کہ علی الصبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کریں اور کافر بارہ ہزار کے قریب تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابتدا میں تین ہزار ساتھی تھے اور آخر میں محاصرہ کے طویل ہونے اور آب و دانہ نہ ملنے کی وجہ سے بہت قلیل رہ گئے تھے' اتنی بڑی فوج کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت حذیفہ بن الیمان کو جاسوسی کے لیے ان کے لشکر میں بھیجا اور فرمایا کہ سردارانِ قریش کو ڈھونڈ کر کہنا کہ کل حملے

marfat.com

Marfat.com

کا دن ہے' سب لوگ تمہارے ہی لشکر کو جو کہ اس ہنگامے کا مرکزی کردار ہے' آگے کریں گے اور خود تمہارے پیچھے رہیں گے اور اس سمت سے تم پر ہر ممکن ضرب اور حملہ ہوگا تو ہر طرف بھی قبیلہ قریش والے ہی مقتول اور مجروح ہوں گے جبکہ دوسرے قبائل محفوظ رہیں گے اور فتح اور شکست دونوں صورتوں میں تمہیں ہی سستی اور ضعف لاحق ہوگا اور اس کے بعد دوسرے قبائل تم پر ظلم کا ہاتھ بڑھائیں گے' اسے خوب سمجھ لو اور سمجھ کر قدم اُٹھاؤ۔ وہ لوگ اسے سنتے ہی اپنے ارادے میں پھسل گئے اور انہوں نے حملہ ترک کر دیا یہاں تک کہ اس لشکر کے درمیان صریح نفاق ظاہر ہوگیا اور کسی ظاہری سبب کے بغیر کوچ کر گئے۔

مختصر یہ کہ ایسے عظیم عقل مند کے متعلق یہ گمان کہ سودائی اور مجنون ہو' بعینہ اسی طرح ہے کہ کوئی سورج کو تاریک گمان کرے اور کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ مجنون ہوں؟

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ تحقیق آپ کے لیے وہ اجر و ثواب ہے کہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اس لیے کہ آپ کے ہاتھوں سارے عالم کو ہدایت کلیہ پہنچے گی اور وہ ہدایت قیامت تک باقی رہے گی جبکہ مجنون کو اپنی حرکات و افعال کی خبر نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ کسی کو ہدایت کرے' اپنے کسی عمل میں ثواب کا مستحق نہیں ہوتا اس لیے کہ بے عقلی کی وجہ سے اس کا عمل نیت سے خالی ہوتا ہے چہ جائیکہ اسے غیر منقطع ثواب حاصل ہو جب یہاں غیر منقطع ثواب کے معنی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وعدہ ہو چکا معلوم ہوا کہ اس سے مراد آپ کی اُمتوں کے اعمال کا ثواب ہے جو کہ قیامِ قیامت تک منقطع نہ ہوگی تو جو اشکال یہاں وارد ہوتا تھا' زائل ہوگیا۔

اور اس اشکال کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر ممنون اجر کا وعدہ ہر مومن کے لیے سورۃ انشقاق اور سورۃ والتین میں کیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کی خصوصیات میں اس کا ذکر کیا مناسبت رکھتا ہے اور اس اشکال کے زائل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مومنین کے حق میں جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے' ثواب بہشت کا ہمیشہ ہونا ہے اور جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے' اعمال اُمت کے ثواب کا قیامت تک اور اس غیر منسوخ ہدایت عامہ کلیہ کے منشا کا غیر منقطع ہونا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کی خصوصیات میں ہے اور دونوں کے

marfat.com
Marfat.com

درمیان کافی فرق ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے' کوئی نبی علیہ السلام نہیں ہے مگر اسے اس کے اعمال کا ثواب پہنچتا ہے جو اس پر ایمان لایا اور اس کے دین میں داخل ہوا اس لیے کہ وہ جو عمل کرتا ہے' اپنے پیغمبر علیہ السلام کی دلالت اور ارشاد کے ساتھ کرتا ہے اور کارِ خیر پر دلالت کرنے والا کارِ خیر کرنے والے کی طرح ہے اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے دین منسوخ ہوتے چلے آئے ہیں حتیٰ کہ آخری دین جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین ہے' خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ساتھ منسوخ ہو گیا اور منسوخ دین پر عمل اجر و ثواب کا موجب نہیں ہے تو گزشتہ انبیاء علیہم السلام کا اجر و ثواب لازماً منقطع ہو گیا اور قیامِ قیامت تک طویل نہ ہوا۔ بخلاف خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اجر و ثواب کے کہ قیامِ قیامت تک منقطع ہونے والا نہیں۔

## حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا بیان

نیز وہ آپ کو مجنون کس طرح گمان کرتے ہیں وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ تحقیق آپ بہت بڑے خلق پر جلوہ گر اور قائم ہیں جبکہ مجنون کا کوئی قابلِ اعتماد خلق نہیں ہوتا اس لیے کہ حالات کا عدم استحکام' اوہام اور خیالات کی تبدیلی جنوں کے لوازمات میں سے ہے اور اسی عدم استحکام اور تبدیلی کے ساتھ خلق کا پختہ ہونا متصور نہیں ہے اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور علیہ السلام کا خلق مبارک کیا تھا کہ اسے حق تعالیٰ نے مقامِ تعریف میں یاد فرمایا؟ آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا' یعنی جس چیز کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے' آپ سے طبعی طور پر صادر ہوتی تھیں اور جس چیز کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بُرا کہا ہے اس سے طبعی طور پر آپ نفرت فرماتے تھے۔

اور علماء میں سے بعض نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم وہ تھا جس کی آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تعلیم فرمائی ہے کہ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ اور واقع میں دعوت الی اللہ اور حق کی امداد کرنے کی صورت

marfat.com
Marfat.com

میں اس سے زیادہ مشکل اور کوئی چیز نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلقِ عظیم یہ تھا کہ ظاہری طور پر مخلوق کے ساتھ باہمی میل جول رکھتے تھے لیکن باطن میں حضرت حق کے ساتھ مشغول اور آرام فرماتے تھے اور ہمیشہ ظاہر و باطن کو باہمی طور پر ملا کر زندگی بسر فرماتے تھے اور یہ کام بھی بہت سخت اور مشکل ہے اس لیے کہ جب ظاہر اور باطن ایک طرف متوجہ ہوں تو کام آسان ہو جاتا ہے۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ **انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** یعنی میری بعثت اس لیے ہوئی ہے کہ تمام گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی بزرگیوں کو میں پورا کروں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی صفوت' حضرت ادریس علیہ السلام کا فہم' نوح علیہ السلام کا شکر' ہود علیہ السلام کی سخاوت' صالح علیہ السلام کی عبادت' خلیل علیہ السلام کی خلت' موسیٰ علیہ السلام کا عزم' ایوب علیہ السلام کا صبر' داؤد علیہ السلام کا عدل' سلیمان علیہ السلام کا تمکن' حضرت یحییٰ علیہ السلام کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد اور اسی وجہ سے آپ کو خلق عظیم کے ساتھ موصوف فرمایا گیا کہ ان تمام بزرگوں کے تمام اخلاق کے ساتھ موصوف تھے۔

؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نیز حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب آیت **خُذِ الْعَفْوَ** نازل ہوئی' حضور علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس کی تفسیر پوچھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا آپ کو مکارم اخلاق عطا فرمائے گئے کہ آپ اس سے تعلق رکھیں جو آپ سے قطع تعلق کرتا ہے اور اسے عطا فرمائیں جو آپ کا حق نہیں دیتا اور اسے معاف فرمائیں جس نے آپ پر ظلم کیا ہے یعنی یہ آیت آپ کو تمام اچھے اخلاق سکھاتی ہے۔

اور جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے آگاہ ہو وہ یقین سے جان لے کہ حضور علیہ السلام نے ان درجات کو انتہا تک پہنچایا کہ اس سے آگے انسان کی طاقت نہیں اور عناد کرنے والے کفار کے ساتھ آپ کے معاملات میں سے یہ تھا کہ جب جنگِ احد میں حضور علیہ السلام کے چچا بزرگوار کو شہید کر دیا گیا اور آپ کے عمدہ یاروں میں سے

marfat.com
Marfat.com

بہتر افراد کو قتل کر دیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے جگر کو نکال کر چبا کر پھینک دیا گیا اور دوسرے شہداء کا مثلہ کر دیا گیا یعنی کان' ناک کاٹ دیئے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو گہرا زخم لگایا گیا اور دندانِ مبارک کو شہید کر دیا گیا حتیٰ کہ سر اور منہ مبارک سے خون جاری تھا اور لوگوں نے یہ حالت دیکھ کر بے تاب ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اب یہ کفار ظلم وستم اور بے ادبی میں حد سے گزر گئے' ان کی ہلاکت کی دعا فرمانا چاہیے۔ آپ نے فرمایا مجھے ہلاک کی دعا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت اور ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ **اللهم اغفر لقومی واهد قومی فانهم لایعلمون** اس واقعہ کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں معتبر سند کے ساتھ بیان کیا اور دوسرے محدثین نے بھی روایت کی ہے۔

## حلم کا بحر بیکراں

اور طبرانی' حاکم' ابن حبان' بیہقی اور دیگر محدثین نے علمائے یہود میں سے زید بن ثعنہ سے روایت کی ہے کہ مجھے آخر الزماں رسول علیہ السلام کے تمام اوصاف جو کہ میں نے پہلی کتابوں میں دیکھے تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں نظر آ گئے مگر دو صفات مجھے معلوم نہ ہوئیں۔ ایک یہ کہ اس کی بردباری اس کے غصے پر غالب ہو گی' دوسری یہ کہ تلخ نوائی کے مقابلے میں ان کی نرمی اور زیادہ ہو گی۔ میں نے چاہا کہ ان دونوں صفات کا امتحان کروں' میں وقت کے انتظار میں تھا کہ اچانک یوں اتفاق ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کافی مقدار میں کھجور قرض خرید کی اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک مدت مقرر فرمائی' میں اس مدت سے دو تین دن پہلے چلا گیا اور تقاضا شروع کر دیا' میں نے دیکھا آپ بالکل بے جا نہیں ہوتے اور یہ نہیں فرماتے کہ ابھی وعدے کی مدت نہیں گزری تو کیوں تقاضا کرتا ہے؟ میں نے تقاضے کے ارادے سے بدکلامی شروع کر دی جب میں نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بہت سے صحابہ کرام جمع ہو گئے ہیں تو میں نے زیادہ سختی شروع کر دی تا کہ آپ کو ان یاروں کے حیا کی وجہ سے غصے کا غلبہ ہو اور مجھے کوئی سخت بات فرمائیں لیکن آپ بالکل بے ضبط نہ ہوئے یہاں

marfat.com
Marfat.com

تک کہ میں نے یہ بات بھی کہی کہ آپ کے خاندان میں قرض کی ادائیگی میں اسی طرح کی لیت ولعل کرتے آئے ہیں' کسی قرض خواہ نے تم لوگوں سے اپنا قرض آسانی کے ساتھ وصول نہ کیا۔ یہ بات سنتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غصے سے بھڑک اُٹھے اور میں اُٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے پیراہن مبارک اور چادر مبارک کو اپنے ہاتھوں سے کھینچا اور میں نے تیز نگاہ سے دیکھا اور کہا کہ اُٹھو اور ابھی میرا قرض ادا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے چین ہو کر تلوار اُٹھائی اور میرے سر پر آ کھڑے ہوئے اور کہا او دشمنِ خدا! تو باز نہیں آتا' میں ابھی تیرا سر قلم کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ہمیں تم سے اس کی توقع نہ تھی' تمہیں چاہیے تھا کہ مجھے نرمی کے ساتھ اچھی طرح قرض ادا کرنے اور اسے اچھی طرح تقاضا کرنے کی نصیحت کرتے' یہ کیا لفظ ہیں جو تم نے کہے ہیں؟ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نادم ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اس سے زیادہ صبر نہ ہو سکا اب آپ مجھے فرمائیں کہ میں اس کا قرض ادا کروں؟ فرمایا جاؤ اور اس کا سارا حق پورا کرو اور اس کے حق سے بیس صاع اور زیادہ دو تاکہ وہ بدسلوکی جو تم نے اس سے کی ہے اس کا بدلہ حاصل ہو جائے۔ میں یہ بات سنتے ہی مسلمان ہو گیا۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح روایت میں آیا کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ جلوہ افروز ہو کر باتیں فرما رہے تھے اور آپ وہاں سے اُٹھے تاکہ دولت خانہ میں تشریف لے جائیں' ہم بھی آپ کے ساتھ اُٹھے اچانک ایک جنگلی ظاہر ہوا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کو سر انور سے زور سے کھینچا یہاں تک کہ گردن مبارک سرخ ہو گئی اور قریب تھا کہ سر مبارک دیوار کے ساتھ لگے اس جنگلی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تیرا کیا مقصد ہے؟ کہہ۔ اس نے کہا میرے یہ دونوں اونٹ غلے سے لاد کر دیں کیونکہ آپ کے پاس جو مال ہے' خدا کا مال ہے' آپ کا یا آپ کے باپ کا مال نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو سچ کہتا ہے کہ یہ مال میرا یا

marfat.com
Marfat.com

میرے باپ کا نہیں ہے لیکن یہ جو اتنی سختی تو نے مجھ پر کی ہے میرا حق ہے میں اس کا بدلا لوں گا۔ اس نے کہا کہ میں اس کا قصاص ہرگز نہیں دوں گا اور اس حالت میں آپ پوری بشاشت کے ساتھ تبسم فرمارہے تھے جب کچھ وقت اس گفتگو میں گزر گیا تو ایک شخص کو بلایا اور فرمایا کہ اس کے ایک اونٹ پر کھجوریں اور دوسرے پر جو لاد کر دے دو۔ اس حدیث پاک کو ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت فرمایا ہے۔

اور تمام سیرت نگار متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے کے منافقین کے ساتھ ایسا سلوک فرماتے تھے کہ کسی کو طاقت نہیں کہ اپنے مخالفوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے باوجودیکہ ارحم الراحمین ہے آپ کو سختی کرنے کی تاکید فرمائی اور یہ حکم اُتارا یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوستوں سے بار بار فرمایا کرتے تھے کہ لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم وقولوا عبداللہ ورسولہ یعنی میری وہ تعریف نہ کرو جو کہ پورے مبالغہ کے ساتھ نصاریٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کرتے تھے میری نعت میں یہی کہو اللہ تعالیٰ کے بندہ اور اس کے رسول علیہ السلام ہیں کہ اس کی بندگی میرے لیے کافی عزت ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں کبھی بھی کنیزوں' غلاموں اور خدمت گاروں میں سے کسی کو نہ پیٹا اور ترمذی میں وارد ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خدمت گار کو کبھی بھی سخت آواز کے ساتھ ڈانٹ نہ پلائی اور اپنا بدلہ لینے کے لیے کسی کو نہیں ستایا ہے۔ نیز صحاح میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مجلس میں دوستوں کی موجودگی کبھی بھی پاؤں مبارک دراز نہ فرمائے اور اگر کوئی ملاقات کے لیے حاضر آتا جب تک وہ بیٹھا رہتا' ہرگز نہیں اُٹھتے تھے اور بیٹھنے میں آپ کے زانوئے مبارک کسی کے زانوؤں سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور آپ کے اہلِ بیت یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے جب بھی کوئی آپ کو یارسول اللہ! کہہ کر پکارتا تو

marfat.com
Marfat.com

اس کے جواب میں لبیک فرمایا کرتے تھے۔

اور تاریخ طبری میں مذکور ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام سفر میں تھے کہ آپ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ آج ہم چاہتے ہیں کہ ایک بکری کے کباب بنائیں۔ دوستوں نے عرض کی بہت بہتر' ان میں سے ایک نے عرض کی کہ میں ذبح کرتا ہوں' دوسرے نے کہا میں کھال اُتارتا ہوں' تیسرے نے کہا گوشت بنانا میرے ذمہ ہے اور چوتھے نے کہا اس کا پکانا میرے ذمے ہے۔ علی ہذا القیاس اس کام کے تمام لوازمات کو تقسیم کر لیا تاکہ جلدی تیار ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور تمام دوست کام میں لگے ہوئے تھے' آپ کچھ دیر کے بعد تشریف لائے اور جنگل سے ایندھن لائے' صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام بھی ہم کر لیتے' آپ کو بنفس نفیس تکلیف اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ اپنے دوستوں میں امتیاز کے ساتھ بیٹھے اور ان میں شامل نہ ہو۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ مدینہ عالیہ کی کنیزوں میں سے کوئی کنیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی' آپ انکار نہیں فرماتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایک عورت تھی جس کی عقل میں کچھ خلل واقع ہو گیا تھا' اسے فاسد سے خیالات آتے تھے اور لوگوں کے سامنے ان خیالات کا اظہار کرتے حیا کرتی تھی۔ بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی اور تنہا بیٹھ کر وہ ساری باتیں کہہ دیتی جب بھی کوئی دُور سے ظاہر ہوتا تو وہم کرتے ہوئے کہتی کہ یہاں سے اُٹھئے کسی دوسری جگہ خلوت اختیار کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی یہ سب تکلیفیں قبول فرماتے تھے۔

## دستِ مبارک سے شفا طلب کرنا

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب نمازِ فجر سے فارغ ہوتے تھے تو اہلِ مدینہ کے غلام اور لونڈیاں پانی سے بھرے ہوئے برتن لاتے تاکہ آپ ان برتنوں میں اپنا

marfat.com
Marfat.com

دست مبارک ڈال دیں' وہ پانی متبرک ہو جائے اور وہ سارا دن کھانے اور دوائی میں وہ پانی استعمال کرتے تھے اور بعض اوقات کہ موسم سرما ہوتا اور برتن زیادہ اور پانی بہت ٹھنڈا' ہر برتن میں ہاتھ ڈالنے میں بہت تکلیف ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود کسی برتن کو خالی نہ چھوڑتے' ہر ایک میں ہاتھ مبارک ڈالتے۔

اور آپ کی خوش خلقی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ چھوٹی عمر کے بچوں کے ساتھ بھی خوش طبعی فرماتے تھے۔ ایک بچہ تھا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھائی اس کے پاس نغیر نام کا ایک جانور تھا جسے ہندی زبان میں لال کہتے ہیں اس نے پالا تھا' اتفاقاً وہ لال مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لال کی تعزیت کے لیے اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا یا ابا عمیر مافعل النغیر تاکہ یہ مقفی کلام سن کر اس کا دل خوش ہو جائے اور غم نہ کرے۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم تھے' فرمایا ہے کہ میں نے دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی' آپ نے کبھی نہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا اور یہ کام کیوں کیا؟ اور صحیح حدیث پاک میں وارد ہے کہ قیامت کے دن ایمان والوں کے اعمال کے ترازو میں سب سے وزنی چیز اچھا خلق ہوگا۔ نیز وارد ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کچھ جانتے ہو کہ زیادہ تر کس وجہ سے لوگ جہنم میں جائیں گے؟ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا دو کھوکھلی چیزیں آدمی کے جسم میں جو کہ منہ اور مقام شرم ہے' زیادہ تر آگ میں داخل ہونے کا موجب ہوں گے پھر فرمایا کچھ جانتے ہو کہ کونسی چیز زیادہ تر جنت میں داخل ہونے کا سبب ہوگی؟ عرض کی اللہ ورسولہ اعلم' فرمایا تقویٰ اور حسنِ خلق۔

نیز وارد ہے کہ صاحب ایمان آدمی اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ سے ہمیشہ روزے رکھنے والے اور ساری رات قیام کرنے والے کا مرتبہ پالیتا ہے اور جب یہ ثابت کرنے سے فراغت ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں باوجود ان اعمال خیر اور ہدایت

marfat.com
Marfat.com

کلیہ کو دیکھنے کے جو کہ غیر منقطع اجر وثواب کا سبب ہے اور باوجودیکہ ان اخلاقِ کریمہ پر مطلع ہونے کے جو کہ کمال عقل پر دلالت کرتے ہیں' جنون کا گمان صریح طور پر غلط اور صاف باطل ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھیں گے جبکہ دنیا میں آثارِ ہدایت اور آپ کے اخلاقِ کریمہ کی کشش انہیں راہ پر لے آئے گی اور آپ اکمال ان کے سامنے جلوہ گر ہوگا اور موت کے بعد جب حقیقت سے پردہ اُٹھائیں گے اور عقل ودانش سے ہر ایک کا مرتبہ ظاہر ہوجائے گا کہ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنَ کہ تم میں سے کسے جنون اور دیوانگی ہے' آپ؟ جو کہ جامع کلمات کے ضمن میں انہیں عالم ملک وملکوت کے مخفی اسرار کا پتہ دیتے ہیں یا یہ لوگ؟ جو کہ اپنی ذات کی حقیقت سے اور آیاتِ الٰہی سے جو کہ ان کے نفسوں میں روشن اور چمکتی ہیں' حجاب میں رہے' دیوانوں کی طرح تراشے ہوئے پتھروں اور ناتراشیدہ لکڑی کی عبادت کے فتنے میں گرفتار رہے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ تحقیق آپ کا پروردگار ہی زیادہ جاننے والا ہے' اسے جو کہ حقیقی مجنون اور بالکل مفتون ہے کہ اس کی عقل تہ بہ تہ پردوں میں چھپی رہی یہاں تک کہ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ گمراہ ہوگیا اپنے مالک کی راہ سے اور جانور سے بھی کمتر ہوگیا کہ وہ اپنے مالک کے گھر کی راہ پہچانتا ہے۔ وَهُوَ اَعْلَمُ اور وہی ہے زیادہ جاننے والا عقل صحیح والے عقل مندوں کو کہ جنہیں تعبیر کیا جاتا ہے۔ بِالْمُهْتَدِيْنَ راہ پانے والوں کے نام سے کہ انہوں نے اپنے مالک کا راستہ پہچان لیا اور اس کی طرف متوجہ ہوئے اور جب ان دونوں فرقوں کے درمیان بہت فرق اور کافی دُوری ہے تو چاہیے کہ آپ اپنے حسن خلق کی بناء پر بظاہر بھی ان سے موافقت نہ کریں جس طرح کہ آپ باطن میں بھی ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتے اس لیے کہ ظاہر کی موافقت باطن کی موافقت کا اثر ہے اور اس کی علامت۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ پس آپ انکار کرنے والوں کی بات نہ مانیں۔ کہتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ' ابوجہل' اسود بن عبدیغوث اور اخنس میں شریق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

marfat.com
Marfat.com

پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ اگر آپ کو خلط سوداوی ان حرکات اور ان کلمات کا موجب ہوتی ہے تو ہمیں اطلاع دیں کہ ہم آپ کے بھائی بند اور رشتے دار ہیں اور اگر عیش و عشرت کا خیال ہے تو فرمائیں ہم آپ کے لیے پسندیدہ عورتیں' نفیس لباس' لذیذ کھانے اور بے پناہ مال و دولت مہیا کریں اور اگر آپ سرداری اور مرتبہ چاہتے ہیں تو لیجیے ہم تمام سردار آپ کے مطیع اور تابع فرماں ہیں' سرداری کی مسند پر بیٹھئے اور حکمرانی کیجیے کہ آپ حسب ونسبت اور عقل و دانش میں سب سے عمدہ اور زیادہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ان میں سے کچھ بھی منظور نہیں' مجھے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی فرماں برداری منظور ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ کو یہ کام منظور ہے تو بسروچشم لیکن ہماری ایک بات سُن لیں کہ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہیں اور لوگوں کو ان کی عبادت سے منع نہ کریں اور خود خدا کی عبادت میں مشغول رہیں' ہم آپ کو خدا کی عبادت سے نہیں روکیں گے اور آپ پر کوئی طعنہ اور طنز نہیں کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم خداوندی کے انتظار میں خاموشی اختیار فرمائی اور یہ آیات نازل ہوئیں اور ارشاد ہوا کہ بتوں کی مذمت اور ان کی پوجا کی قباحت کے بیان کے بارے میں ان کی بات بالکل نہ سُنیں۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ وہ پسند کرتے ہیں کہ کاش آپ اپنے طریقے اور آئین میں کچھ سستی کریں۔ پس وہ خود سست اور بے غیرت ہیں اور مقصد یہ ہے کہ مرد حقانی کو مخالفین کے کہنے کی بالکل پرواہ نہیں کرنا چاہیے اور ان کی رضا جوئی کو پیش نظر نہیں رکھنا چاہیے کہ آخر یہ مقصد دین میں سستی تک لے جاتا ہے۔ ہاں نرمی اور خوش خلقی ہر کسی کے ساتھ قابلِ تعریف ہے لیکن اس کے بغیر کہ اپنے طریقے اور قانون میں کوئی کمزوری واقع ہو اور اپنے دین کے بارے میں کچھ سستی رونما ہو۔ اور یہ ایک ایسا مقام ہے جو بہت مشکل ہے اور یہاں امتیاز کرنے اور پہچاننے میں اکثر لوگوں نے لغزش کی ہے کچھ لوگوں نے خلق کو اچھا کرنے' دِلوں کو مائل کرنے اور خاطر داری میں اس قدر کوشش کی کہ دینی معاملات صریح طور پر سستی کرنے لگے اور بعض دین کے تعصب وحمیت میں اتنا دُور چلے گئے کہ انہوں نے تلخ نوائی اور بدخلقی کو عین عبادت سمجھا۔

marfat.com

Marfat.com

## مدارات اور مداہنت میں فرق

اور سیدھا راستہ مدارات اور مداہنت کے درمیان کے فرق پر موقوف ہے۔
مدارات اپنے حقوق سے درگزر کرنا ہے جیسے ہاتھ اور زبان کے ساتھ تعظیم' اکرام اور احسان کرنا اور عیب پوشی اور خیر خواہی جبکہ مداہنت دین کے حقوق جیسے امر بالمعروف' نہی عن المنکر' حدیں قائم کرنا اور حق کو بیان کرنا' حق کو پورا کرنے میں سستی کرنا ہے۔
بہر حال منکروں کی موافقت اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے ہو ٔہدایتِ عامہ ٔ کلیہ میں خلل ڈالتی ہے اور غیر ممنون اجر کے استحقاق میں عیب لگاتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اذالقیت الفاجر فالقه بوجه خشن یعنی جب تجھے فاجر آدمی ملے تو اس ترش روئی سے مل اور حقائق التنزیل میں مذکور ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے من صحح ایمانه واخلص توحیده فانه لایانس الی مبتدع ولایجالسه ولایوا کله ولایشاربه ویظهر له من نفسه العداوة ومن داهن بمبتدع سلبه الله تعالیٰ حلاوة الایمان ومن تحبب الی مبتدع نزع نورالایمان من قلبه یعنی صحیح الایمان شخص کو چاہیے کہ بدعتیوں کے ساتھ اُنس نہ پکڑے اور ہم مجلس' ہم کاسہ اور ہم نوالہ نہ ہو اور جس نے بدعتیوں کے ساتھ دوستی پیدا کی تو ایمان کا نور اور اس کی حلاوت اس سے لے لیتے ہیں۔
خصوصاً منکروں میں سے وہ شخص جو کہ رذیل النفس اور بداخلاق ہو اس کے ساتھ موافقت کرنا اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے ہو حسنِ اخلاق کے کمال کو نقصان پہنچانے کا سبب ہے تو جسے اللہ تعالیٰ نیک اخلاق پر ثابت قدم رکھے' اسے ان کی موافقت سے پرہیز ضروری ہے تاکہ اس کی معاملت کی کثرت اور اس رذیل النفس کی صحبت کی وجہ سے اس کے اخلاق میں کمی نہ پڑ جائے۔ چنانچہ فرمایا
وَلَا تُطِعْ اور ہرگز اطاعت نہ کر ان منکروں میں سے کُلَّ حَلَّافٍ ہر بہت قسمیں اُٹھانے والے کی جو کہ ہر بات میں خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اس لیے کہ بہت قسمیں کھانا دو وجہ سے نفس کے کمینہ پن کی دلیل ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## زیادہ قسمیں کھانے والے کے کمینے پن کا بیان

اوّل تو یہ کہ اپنے مالک کے مرتبے کی بزرگی اور عظمت کو نہیں جانتا کہ اس کے عظیم نام کو اس درجہ ہلکا کر دیتا ہے اور اس کی قباحت کے راز سے غافل ہے جبکہ عزت نفس اپنے بزرگوں کے حقوق دریافت کرنے کے ساتھ ہے اور اس کا کمینہ پن ان حقوق سے غفلت کی وجہ سے۔ اسی لیے کمینے اپنے والدین کا نام تعظیم کے ساتھ نہیں لیتے اور جہان میں کوئی شخص بھی بندے کی نسبت سے اتنے حقوق نہیں رکھتا جتنے کہ اس کا خالق و مالک رکھتا ہے جب اس نے اس طرح کے حقوق نہ پہچانے تو کمال کمینہ پن کی دلیل ہوئی۔

دوسری وجہ یہ کہ جو زیادہ قسمیں کھاتا ہے' غالباً جھوٹا ہوتا ہے اور جھوٹ بولنا لوگوں کی نظر میں کمال حقیر ہونے کا موجب ہے اور اس حقارت کو جان بوجھ کر ہر وقت اپنے آپ پر گوارا کرنا نفس کے کمینے پن کی دلیل ہے۔

## ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک قوی اشکال ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بہت قسمیں اُٹھانا بُرا اور معیوب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ہر بات میں قسم کیوں زیادہ واقع ہوئی؟ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ فرمایا کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں قسم کا کثرت سے استعمال چند وجہ سے آپ کی رفعت وشان کو زیادہ کرنے کا موجب تھا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنی ہر بات میں یادِ الٰہی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے اور یہ کمال محبت کی علامت ہے' مَن احب شیئا اکثر ذکرہ ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جن مضامین پر قسم فرماتے تھے' غالب طور پر اس وجہ سے کہ عوام کی عقل اور حواس سے بالاتر ہوتے تھے' تاکید کی ضرورت پڑتی تھی۔ پس قسم لانے میں تاکید اور دعوت الی اللہ حاصل ہوتی تھی اسی لیے دنیوی امور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قسم کھانے کا اتفاق نہ ہوا۔ آپ نے جو قسم اُٹھائی ہے' احکامِ شرعیہ کے بیان یا عذابِ الٰہی سے ڈرانے میں اُٹھائی ہے۔ بخلاف زیادہ قسمیں کھانے کے جو کہ دوسروں سے واقع ہو کہ ان امور میں

marfat.com

Marfat.com

سے ہر چیز وہاں معدوم ہے۔

اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں قسم کے کثرت سے استعمال ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے غیر شرعی قسموں کا رواج بہت ہو چکا تھا۔ باپوں' بیٹوں' اپنی آنکھ اور کان' بزرگوں' مقتداؤں اور بتوں کی قسمیں کھاتے تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری ہوا کہ اپنے کلام میں بار بار قسم کا استعمال فرمائیں تاکہ لوگ آپ سے قسمیں کھانے کا طریقہ سیکھیں اور اپنی ان غیر شرعی قسموں کو چھوڑ دیں اور یہاں تبلیغ قولی کافی نہ تھی اس لیے پکی عادتوں کا قلع قمع ایک دو بار کہنے سے میسر نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ اس شخص کا بہت قسمیں کھانا معیوب ہے کہ وہ وصف مَهِينٍ کے ساتھ بھی موصوف ہوتا ہے' یعنی پست ہمت اور رذیل الطبع کہ اپنی قسمیں غیر موزوں مقاصد اور ذلیل اغراض کو ثابت کرنے میں خرچ کرتا ہے اور سمجھتا نہیں ہے کہ کس عظیم نام کو کس نالائق امر کا وسیلہ بناتا ہوں بلکہ قسم کی یہ کثرت اس کے نفس کے کمینے پن اور اس کے ذلیل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ عزت والا عزت والے کی قدر جانتا ہے اور ہر صاحب عزت کی رعایت کرتا ہے جبکہ ذلیل شخص ہر چیز کو اپنے پر قیاس کرتا ہے اور ذلیل سمجھتا ہے۔

اور اگرچہ اس طرح کا رذیل النفس جو کہ خداتعالی کے نام کی عزت کی رعایت نہیں رکھتا جو بھی ہو' پرہیز اور کنارہ کشی کے لائق ہے لیکن اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ولید بن مغیرہ کے حال کا اشارہ مراد ہے جو کہ مال دار اور کثیر الاولاد آدمی تھا۔ چنانچہ اس کے احوال اور اولاد کی کچھ تفصیل سورۂ مدثر میں مذکور ہے اس کے باوجود یہ ذلتیں رکھتا تھا اور اپنے پروردگار کے نام کی عزت کی رعایت نہیں کرتا تھا۔ کاش وہ اسی کمینے پن پر اکتفا کرتا اس کمینے پن کے ساتھ ساتھ یہ وصف بھی رکھتا تھا کہ

هَمَّازٍ مخلوق کو طعن کرنے والا اور برا کہنے والا ہے کہ پیٹھ پیچھے بھی اور آمنے سامنے بھی لوگوں کو تعریض اور طعن کے ساتھ پیش آتا تھا اور ہر شخص کے نسب وحسب اور اخلاق

marfat.com

Marfat.com

وعادات میں عیب نکالتا تھا۔ پس گویا وہ ایک کاٹنے والا کتا تھا کہ لوگ اس کی صورت سے بے زار تھے اور یہ بھی اس کے نفس کی رذالت کی دلیل ہے اس لیے کہ جو شخص دوسروں کی آبرو کا پاس نہیں کرتا' پہلے اس نے اپنی آبرو کو چھوڑا ہوگا تو حقیقت میں اپنی آبرو کا پاس نہیں رکھتا اور عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں کی آبروریزی میں اپنی طعن و تشنیع پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ

مَشَّآءٍ بِنَمِيمٍ اپنے پاؤں کے ساتھ چغل خوری کے لیے چلنے والا ہے۔ ایک کی بات دوسرے کے بارے میں اس تک پہنچاتا ہے تاکہ باہمی کدورت ہونے کی صورت میں لڑیں اور ایک دوسرے کی آبروریزی کریں اور خود بھی اس حرکت میں ہلکا اور رسوا ہوتا ہے اس لیے کہ عقل مندوں کے نزدیک چغل خوری بہت حقیر ہونے کا موجب ہے۔ جو دوسروں کے عیب تیرے پاس لائے اور شمار کرے' بلاشبہ وہ تیرے عیب دوسرے کے پاس لے جائے گا۔ یہ ہے وہ اذیت جو مخلوق کو ذلیل کرنے اور لوگوں کی حرمت اور آبرو کو ضائع کرنے میں اس سے ظاہر ہوتی ہے اور جو اذیت کہ اموال' حقوق اور دین و دنیا کے فوائد کو برباد کرنے میں اس سے ظاہر ہوتی ہے' یہ ہے کہ

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ نیکی کو بہت روکنے والا ہے اس بات کا ہرگز روادار نہیں ہے کہ کوئی کسی کی جگہ نیکی کرے یہاں تک کہ اپنے بیٹوں اور غلاموں اور نوکروں سے کہتا تھا کہ اگر تم محمد کے پاس گئے اور تم نے اس کی بات سُنی تو تمہارے واجبات اور خوراک بند کر دوں گا اور اس کے قریبیوں میں سے جو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آتا اس سے برادری کا سلوک منقطع کر دیتا تھا۔

مُعْتَدٍ ظلم و تعدی کرتا ہے اور مخلوق' جیسے نوکر' مزدور اور لین دین کرنے والوں کے واجب حقوق ادا نہیں کرتا۔

أَثِيمٍ سخت گناہ گار ہے کہ شراب بھی پیتا ہے اور بدکاری اور لواطت بھی کرتا ہے۔ پس اپنی جان پر بھی ظلم کرتا ہے کہ اسے ہلاکت ابدی کے گڑھے میں ڈالتا ہے اور ان کے علاوہ ایک اور وصف بھی رکھتا ہے کہ

marfat.com

Marfat.com

عُتُلٍ سرکش، سخت طبع اور درشت خو ہے کہ نصیحت اور سمجھانے کی وجہ سے راہ پر نہیں آتا اور خود پسندی کے جال میں گرفتار رہتا ہے اگر کسی کی بات سنتا تو احتمال تھا کہ اس کی ان سخت بیماریوں کا علاج ہو جاتا جبکہ کسی کی بات نہیں سنتا اس کا علاج بھی ممکن نہ رہا۔

بَعْدَ ذٰلِكَ ان تمام قباحتوں کے بعد جو کہ اس میں ہیں زَنِیْمٍ ولد الزنا ہے کے اٹھارہ سال تک اس کا باپ معین نہ تھا' اٹھارہ سال کے بعد مغیرہ نے کہا کہ یہ میرے نطفہ سے پیدا ہوا ہے' میں نے اس کی ماں سے مقاربت مقارمت کی تھی اور بعد ذالك کے لفظ میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اس کی یہ صفت قباحت کے مرتبوں میں سب سے بلند ہے کہ ترقی کر کے ان تمام صفات کے بعد عقل وہاں تک منتقل ہوتی ہے ورنہ وجود خارجی میں اس کا ولد الزنا ہونا تمام صفات سے پہلے تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نطفہ جب خبیث ہوتا ہے اور حرام طریقے سے باہر آئے اور حرام جگہ میں آئے تو تمام خبیث اخلاق پیدا کرتا ہے۔ پس یہ صفت گویا تمام اخلاقی پستیوں کے جھاڑو کی رسی ہے کہ سب کی تعداد کے بعد دل میں بیٹھتی ہے اور کاش ان تمام جمع شدہ رذالتوں کے بعد جو کے برابر عقل رکھتا جو اس کی ان تمام ذلتوں کی پردہ پوش ہوتی' عقل سے اس قدر بے بہرہ ہے کہ

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ اس وجہ سے کہ وہ مال کثیر اور بیٹوں والا تھا' مغرور اور نازاں ہو کر اس ذات کی آیات کے انکار اور تکذیب میں پڑ گیا جس نے یہ مال اور یہ بیٹے اسے عطا فرمائے ہیں اور اس کا مقابلہ اس حد تک شروع کر دیا کہ

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا جس وقت اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور وہ صریح طور پر جانتا ہے کہ یہ کلام مخلوقات کی طاقت سے باہر ہے۔ بلاشبہ خالق کا کلام ہے اور خالق وہی ذات ہے جس نے مجھے نسبت حسب اور اخلاق کی اس رذالت کے باوجود مال کثیر اور خوبصورت بیٹوں کی ان نعمتوں سے نوازا ہے' مجھے چاہیے کہ اس کے شکر میں بے حد کوشش کروں۔ ایک طرف ہو جاتا ہے اور ناشکری کرتا ہے یہاں تک کہ

قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کہتا ہے کہ پہلے لوگوں کے درد کے افسانے ہیں جو وہ لکھ گئے ہیں اور کلام الٰہی نہیں ہے لہٰذا اس کفرانِ نعمت کرنے والے سرکش کے بارے میں

marfat.com
Marfat.com

قیامت کے دن کا انتظار نہیں کروں گا جو کہ اچھی بُری جزا کے وعدے کا وقت ہے بلکہ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ عنقریب ہم اس کی ناک پر ایک داغ لگائیں گے کہ آدمی کے اعضاء میں سے زیادہ تر فخر اور غرور کا مقام وہی ہے اور آبرو' عزت اور غیرت کا مظہر وہی ہے تا کہ اسے سخت مجرموں کی طرح ناک کاٹ کر چھوڑ دیں۔

حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جنگِ بدر کے دن انصار میں سے ایک مجاہد کی تلوار اس کی ناک پر پہنچی اور اس کی ناک زخمی ہوگئی جب مکہ شریف میں پہنچا' اس زخم کے علاج میں لگ گیا' افاقہ نہ ہوا اور پھوڑا بن گیا حتیٰ کہ اسی مرض میں مر گیا۔

علماء نے کہا ہے کہ ولید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک طعن سے زبان کھولی تھی اور مجنون کا حرف زبان پر لایا' حق تعالیٰ نے اسے دس طعن کیے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مقامِ عدل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے والوں کو ایک کا دس کر کے بدلا دیا تو جو لوگ کہ حب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں' انہیں ایک کے بدلے دس انعام عطا فرمائے گا اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا یعنی جو شخص مجھ پر ایک بار درود شریف بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت فرماتا ہے۔

اور خرطوم کے لفظ میں جو کہ لغت میں ہاتھی اور سور کی ناک کو کہتے ہیں' اس کی کمال حقارت ہے۔ گویا وہ شخص دائرۂ انسانیت سے نکل گیا اور اس نے بے شرمی میں خنزیر اور غرور و تکبر میں ہاتھی کا حکم حاصل کیا ہے۔ نیز اس نے اصحابِ فیل کے واقعہ کو دیکھا سنا تھا اس واقعہ کا اشارہ بھی منظور تھا کہ ہم وہی ہیں جو ہاتھیوں کی ناک کاٹتے ہیں۔ اہلِ تدقیق نے لکھا ہے کہ ہر جانور کی ناک بلندی کی طرف مائل ہوتی ہے مگر ہاتھی اور خنزیر کی ناک جو کہ پستی کی طرف لٹکتی ہے۔ پس لفظ خرطوم کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی ساری بلند ہمتی پستی میں ترقی معکوس کرتی ہے اور جانور کی طرح جتنا بڑا ہو اس کی مقعد اسی قدر تنگ ہو جاتی ہے اور اس پست ہمت کو جتنا مال اور بیٹے زیادہ ہوتے ہیں' بے شرمی

marfat.com
Marfat.com

اور رذالت میں نیچے گرتا ہے اور یہ بے شرموں اور بدذاتوں کے خصائص میں سے بھی ہے۔

اور اگر کسی کو اس ولید پلید اور اس کے ہم مشربوں جنہوں نے مکہ معظمہ کی سرزمین کو اپنی ناپاک سرداری کے ساتھ آلودہ کیا تھا اور فرمانروائی اور حکمرانی کا منصب حاصل کیا' کا واقعہ سننے سے دل میں یہ بات کھٹکے کہ اس قسم کے کافر منش کمینہ نفس لوگوں سے کام کیوں لینا چاہیے اور انہیں سرداری کے منصب پر کیوں بٹھایا جائے تاکہ وہ اپنی ان خباثتوں اور قباحتوں کا اظہار کریں اور لوگ چاروناچار ان کے طریقے کی اتباع کی وجہ سے گمراہی اور ذلت میں گرفتار ہوں اور اس قسم کے عظیم رسول علیہ السلام کو ان کی طرف سے اذیت پہنچے اس کے جواب میں فرمایا کہ

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ تحقیق ہم بھی آزمائش کرتے ہیں شہر مکہ کے ان لوگوں کی بدخلقوں کو مال اور سرداری دے کر تاکہ دیکھیں کہ وہ لوگ مال اور مرتبے کی پیروی کرتے ہیں؟ اور ان رذیلوں کے مشورہ اور احکام کے مطابق کام کرتے ہیں؟ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور اطاعت کا حق ضائع کرتے ہیں؟ حتیٰ کہ آخر میں قحط' سرداروں کے مارے جانے' اموال کے ضائع ہونے اور فوجوں کے خوف میں گرفتار ہوتے ہیں' یا حق کو پہچانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حق اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی ادائیگی کو اپنے مال داروں اور سرداروں کی پیروی سے مقدم کرتے ہیں اور اس حق شناسی کے وسیلے سے سعادت دارین' تمام ممالک اور شہروں پر قبضہ اور بے شمار خزانوں کی فتوح تک پہنچتے ہیں۔

كَمَا بَلَوْنَآ جس طرح کہ ہم نے امتحان کیا تھا اس قسم کے اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ باغ والوں کا جو کہ باغ ضرواں کے نام سے مشہور تھا۔

## اصحابِ جنہ یعنی باغ ضرواں کا واقعہ

اور وہ ایک باغ یمن کے دارالحکومت صنعا کے متصل اس شہر سے چار کوس کے فاصلے پر سرراہ واقع ہے اور اس کا مالک بنو ثقیف کا ایک شخص تھا جس نے اس باغ میں میوہ دار درخت اور پیداواری فصلیں کاشت کر رکھی تھیں اور اسے اس باغ سے ہر فصل میں

marfat.com

Marfat.com

کافی پیداوار حاصل ہوتی تھی اور اس نے اپنے اوپر یوں مقرر کر رکھا تھا کہ میوے چننے اور فصل کاٹنے کے وقت جو پیڑ میں باقی رہ جاتا' فقراء کو دے دیتا اور کھلواڑا صاف کرنے کے وقت جو کچھ ہوا کی وجہ سے بکھر جاتا' وہ بھی فقراء کو دے دیتا اور میوے جھاڑنے کے وقت جو کچھ بچھے ہوئے کپڑے سے باہر گر جاتا' وہ بھی فقیروں کو دے دیتا اور اس باغ کی پیداوار گھر لانے کے بعد بھی فقیروں کا حصہ نکالتا تھا اور اپنے گھر میں اس نے پابندی لگا رکھی تھی کہ غلے کا آٹا پیستے وقت بھی دسواں حصہ جدا کریں اور فقیروں کو دیں اور روٹی پکانے کے وقت بھی دس روٹیوں میں سے ایک روٹی گداؤں کے لیے جدا کرے' سنبھال رکھتا جب وہ فوت ہو گیا اس کے سب اس کے تین بیٹے رہ گئے' انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ ہم میں سے ہر ایک قبیلہ دار ہو گیا ہے اور ہمارے بیوی بچے ہیں جبکہ ہمارے باپ کا ایک گھر تھا اب ہمارے تین گھر ہیں جس قدر وہ فقیروں کو دیتا تھا' ہم سے نہیں ہو سکتا' کیا تدبیر کی جائے؟ ان کے درمیانے بھائی نے کہا کہ کوئی تدبیر نہ کرو اور اپنے باپ کے طریقے پر چلو' حق تعالیٰ برکت دے گا۔ دوسرے دو بھائیوں نے اس کی بات نہ مانی اور باہم اتفاق کیا کہ پھل اُتارتے اور فصل کاٹتے وقت فقیروں کو آنے نہ دیں اور بغیر اطلاع جا کر پھل اور فصل اُٹھا لیں اور فقیروں کا حصہ نہ نکالیں۔ ہاں ہمارے کھانے کے وقت اگر کوئی فقیر سوالی بن کر آئے گا' اسے روٹی کا ٹکڑا دے دیں گے اور درمیانے بھائی کو بھی جھڑکی اور ملامت کے ساتھ خاموش کر دیا۔

اِذْ اَقْسَمُوْا جبکہ ان تینوں نے باہم قسم اُٹھائی لَیَصْرِمُنَّھَا اس بات کی کہ اس باغ کا پھل اور کھیتی ضرور کاٹیں گے۔ مُصْبِحِیْنَ صبح کرتے ہوئے تاکہ کسی منگتے اور مسکین کو خبر تک نہ ہو جبکہ ان کا باپ چاشت کے وقت میوہ اور فصل کاٹتا تھا تاکہ منگتے جمع ہوتے اور اپنا حق لے لیتے۔ وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ اور انشاء اللہ تعالیٰ نہیں کہتے پھرتا کہ اس قسم کو توڑنے کا احتمال بھی نہ ہو اس لیے کہ حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کوئی قسم کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ کہہ دے تو اس کے ذمے قسم لازم نہیں ہوتی اگر چاہے تو اس قسم کے مطابق عمل کرے اور اگر چاہے تو اس کے خلاف کرے۔ انہوں نے اس لیے کہ اس قسم کے خلاف درمیانے بھائی

marfat.com
Marfat.com

کے کہنے پر جو کہ اس حرکت پر راضی نہ تھا' کرنے تصور نہ رہے' استثناء کو ترک کر دیا اور جس رات انہوں نے یہ نیت کی اور باہم عہد و پیاں باندھا' سو گئے' قضائے آسمانی ایک دوسرے پر نازل ہوئی۔

فَطَافَ عَلَيْهَا پس ان کے اس باغ اور کھیتی کے گرد گھوم گیا۔ طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ گھومنے والا تیرے پروردگار کی طرف سے اور وہ ایک آگ تھی جو کہ آسمان کی طرف سے گری جس نے درخت' عمارتیں' بیل اور اس باغ کے مزارعے سب جلا دیئے۔

وَهُمْ نَائِمُوْنَ اور وہ خواب میں پڑے تھے جس طرح اہلِ مکہ قحط' روزِ بدر اور دوسرے غزوات سے غافل ہیں اور آپ کا حق جو کہ تعظیم و اطاعت ہے اور آیاتِ الٰہی کا حق جو کہ ایمان و تصدیق ہے' بجا نہیں لاتے۔

فَاَصْبَحَتْ پس صبح کے وقت ان کا وہ باغیچہ ہو گیا۔ كَالصَّرِيْمِ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کہ اس میں فصل کا کوئی نام و نشان رہا اور وہ خوابِ غفلت سے اُٹھے اور اپنے حال سے بے خبر

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ان تینوں نے ایک دوسرے کو صبح کرتے ہوئے آواز دی۔ اَنِ اغْدُوْا عَلٰی حَرْثِكُمْ کہ اپنی کھیتی کی طرف علی الصبح چلو۔ اِنْ كُنْتُمْ صَارِمِيْنَ اگر تم آج اپنی فصل کو کاٹنے والے ہو اس لیے کہ اگر تم دیر کرو گے تو منگتوں کے ہجوم کی وجہ سے فصل کاٹنا ممکن نہیں ہو گا اور کام دوسرے دن پر جا پڑے گا اور وہ یہ نہیں جانتے تم کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے فصل کٹ چکی اور سب کچھ سرکار کے حق میں پہنچ چکا۔

فَانْطَلَقُوْا پس وہ تینوں بھائی خدمت گاروں اور مزدوروں سمیت روانہ ہوئے۔ وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ اور وہ آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے اور گلیوں میں سے چھپ چھپا کر باہر آ رہے تھے اور ان کے اشاروں کا مقصد اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ یہ کہ آج اس باغ میں تمہارے پاس کوئی گدا داخل نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ اگر گداؤں میں سے کوئی اس باغیچے میں آئے گا تو مجبوراً اس کے حاضر ہونے کی شرم کرتے ہوئے کچھ دینا پڑے گا۔ پس تدبیر یہی ہے کہ دروازے پر لوگوں کو بٹھا دینا چاہیے تا کہ منگتوں کو

marfat.com
Marfat.com

اندر آنے نہ دیں جس طرح کہ اہلِ مکہ بھی کوشش کرتے تھے کہ شہر کے غریبوں اور کمزوروں کو اسلام میں داخل ہونے نہ دیں۔

وَغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ اور مسکینوں کو اصرار کے ساتھ روکنے کے قصد سے علی الصبح پہنچ گئے۔ فَلَمَّا رَاَوْهَا تو جب انہوں نے اس باغیچہ کو دیکھا کہ جلا ہوا' اس کی عمارت تباہ شدہ اور درخت اور فصل نیست و نابود تو پہچان نہ سکے کہ یہ ہمارا باغیچہ ہے۔ قَالُوْٓا آپس میں کہنے لگے کہ ہم کہاں آ پڑے' یہ باغ ہمارا باغ نہیں ہے۔ اِنَّا لَضَآلُّوْنَ تحقیق ہم نے راستہ گم کر دیا ہے اور صبح کی تاریکی کی وجہ سے ہم اپنے باغیچے کی راہ نہیں پڑے پھر جب دائیں بائیں غور سے دیکھا اور اپنے باغ کے نشانات دیکھے تو کہنے لگے کہ ہم نے راستہ گم نہیں کیا۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ بلکہ ہم درگاہِ ازلی کے محروم کیے ہوئے ہو گئے کہ ظاہری سبب کے بغیر ہمارا یہ سرسبز باغ جو کہ ہماری گزر بسر کا سرمایہ تھا' ضائع ہو گیا اسی طرح اہلِ مکہ قحط اور روزِ بدر کو دیکھ کر پہلے کہیں گے کہ یہ حقیقی قحط نہیں ہے اور جنگ عذاب نہیں بلکہ ایک مدت تک بارش رُک گئی ہے' خود بخود کھل جائے گی اور اس جنگ میں ہم نے شکست کھائی ہے پھر فتح پالیں گے اور جب یہ قحط اور یہ شکست دائمی اور متواتر ہو گی تو معلوم کریں گے کہ ہم درگاہِ ازلی کے محروم ہیں جس طرح باغ کے مالکوں نے دریافت کیا اور افسوس کے ساتھ ہاتھ کاٹے اور اس وقت

قَالَ اَوْسَطُهُمْ ان کے درمیانے بھائی نے کہا جب اس نے دیکھا کہ اپنی محرومی پر حسرت کر رہے ہیں۔ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ کیا میں نے اس سے پہلے کہا نہیں تھا کہ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ تم اللہ تعالیٰ کو پاک کیوں نہیں جانتے اس سے کہ اپنے وعدے کے خلاف کرے اور زکوٰۃ اور صدقات دینے کی وجہ مال کی برکت کو کم کر دے اور تم نے خدا تعالیٰ کے متعلق بدگمانی کیوں کی کہ فقیروں کو دینے کی وجہ سے ہمیں فقر میں گرفتار کر دے گا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ بخیل کو خدا تعالیٰ پر بدگمانی کرنا ضروری ہے اسی لیے حدیث

marfat.com
Marfat.com

شریف میں آیا ہے کہ **البخیل بعید من اللہ وبعید من الناس وبعید من الجنة قریب من النار** یعنی بخیل اللہ تعالیٰ سے دُور لوگوں سے دُور جنت سے دُور اور جہنم کے قریب ہے جبکہ سخی کو اللہ تعالیٰ کے کرم اور اس کے وعدہ کی سچائی پر اعتماد لازم ہے اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا ہے **السخی قریب من اللہ قریب من الناس قریب من الجنة بعید من النار** سخی اللہ تعالیٰ کے قریب لوگوں کے قریب جنت کے قریب جہنم سے دُور ہے۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ میں تین چیزوں پر قسم اُٹھاتا ہوں اس لیے کہ ظاہری طور پر عقل سے دُور معلوم ہوتی ہے۔ پہلی چیز یہ کہ **مانقصت صدقة من مال** اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال دینا مال کو کم نہیں کرتا۔ گو بظاہر تمہاری سمجھ کے مطابق نقصان معلوم ہوتا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ **ما تواضع احد للہ الا رفعه اللہ** ہرگز کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند فرماتا ہے اور خداتعالیٰ کے لیے تواضع کرنے کی تفسیر اس طرح ارشاد فرمائی گئی کہ خدا تعالیٰ کے لیے تواضع تین شخصوں کی تعظیم ہے۔ پہلا حافظ قرآن یا اس کے معنوں کو سمجھنے والا یا اس کے مطابق عمل کرنے والا دوسرا عمر رسیدہ مسلمان مرد کی تعظیم کرنا تیسرے والدین کی تعظیم کرنا۔

تیسری چیز یہ کہ **ما ازدار عبد عفوا الا اعزه اللہ** یعنی جو شخص کہ انتقام کی طاقت ہونے کے باوجود معاف کردے اسے اللہ تعالیٰ ضرور عزت بخشتا ہے اگرچہ ظاہری عقل انتقام ترک کرنے کو ذلت کا سبب سمجھتی ہے۔

اور جب وہ دونوں بھائی اور ان کے مشیر درمیانے بھائی کی گفتگو کی وجہ سے خبردار ہوئے بربادی کے بعد **قَالُوا** کہنے لگے اب ہم معتقد ہو گئے کہ

**سُبْحَانَ رَبِّنَا** ہمارا پروردگار پاک ہے اس سے کہ اپنے وعدے کے خلاف کرے اور ان جواں مردوں کو برکت نہ دے جو کہ اس کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ **اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ** تحقیق ہم ستمگار تھے کہ گداؤں کے حق میں ہم نے بُری نیت کی اور اپنے

marfat.com
Marfat.com

باپ کا طریقہ چھوڑ دیا اور خدا تعالیٰ کے سچے وعدے پر بھروسہ اور اعتماد نہ کیا اور جب انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ پس ان کے بعض بعض پر متوجہ ہوئے کہ ملامت کرتے تھے۔ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو کہا کہ پہلے تو نے مشورہ دیا کہ فقیروں کو اندر آنے نہیں دینا چاہیے اور علی الصبح چلنا چاہیے اور اس بھائی نے اس بھائی کی ملامت کی کہ پہلے تو نے مجھے فقیری سے ڈرایا اور تو نے کہا کہ ہم کثیر العیال ہیں اور تو نے مجھ سے اس کی تدبیر پوچھی اور دونوں بھائی اپنے مشیروں کو چمٹ گئے اور انہیں ملامت کرنے لگے۔ آخر کافی بدحواسی کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ واقعہ کے وقوعہ کے بعد ملامت کا کوئی فائدہ نہیں' بے اختیار گرفتار حسرت ہو کر قَالُوْا سب نے متفقہ طور پر کہا يٰوَيْلَنَآ اے افسوس ہم پر

اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ تحقیق ہم سرکشی کرنے والے تھے اس لیے کہ ہمیں اس مسئلے میں مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ کار خیر مشورے کا مقام نہیں ہوتا اور ہمارے مشیروں کو کیا مناسب تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حق کو بالکل ختم کر دیا اور اب کہ ہم اپنی اس سرکشی اور ظلم پر نادم ہو گئے ہیں عَسٰى رَبُّنَآ اپنے پروردگار سے ہم توقع رکھتے ہیں کہ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اس باغ کے بدلے ہمیں اس سے بہتر عطا فرمائے اور کسی دوسری راہ سے اس سال ہم پر روزی فراخ فرمائے اس لیے کہ اگرچہ ابتدا میں ہم نے اس کے کرم پر اعتماد نہ کیا لیکن اس وقت مصیبت دیکھنے کے باوجود کہ ہم اس کے لطف سے ناامید نہیں ہیں۔

اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ تحقیق ہم اپنے پروردگار کی طرف قوی رغبت رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس بات میں ان کے اخلاص کو پسند فرمایا جب حسرت کرتے ہوئے شہر پہنچے تو اس شہر کے بادشاہ نے یہ ماجرا سنا اور انہیں اپنے سرسبز باغات میں ایک باغ جس کا نام حیوان تھا' عطا فرمایا اور اس باغ میں انگور اس نشو و نما کے ساتھ ہوتے تھے کہ اس کا ایک ایک گچھا ایک اونٹ کا بوجھ بنتا تھا۔

marfat.com
Marfat.com

اسی طرح اہلِ مکہ نے اپنے بھائیوں' باپوں اور بیٹوں کے قتل ہونے' جنگوں میں اموال ضائع ہونے' سات سالہ قحط جس میں مردوں کی ہڈیاں پیس کر کھاتے تھے اور مردوں کی کھال بھون کر کھاتے تھے اور اونٹ کے معدے کا پانی پیتے تھے' کے بعد نادم اور پشیمان ہو کر بامر مجبوری رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور قرآن مجید پر ایمان کی نعمت کی قدر کو پہچانا اور سیدھی راہ کا رُخ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چھ سو چھپن (۶۵۶) سال کی مدت تک انہیں روئے زمین کی خلافت سے نوازا اور انہیں بے پناہ فتوحات' بے شمار خزانے' ہر فضا شہر اور دلکش باغات عطا فرمائے یہاں تک کہ چنگیز خاں کے ہاتھوں ان کی بادشاہی برباد ہوئی اور پھر نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ مکہ والوں کے حال کو باغ ضرواں کے مالکوں کے حال کے ساتھ مطابقت دینے کے بعد فرماتا ہے۔

**كَذٰلِكَ الْعَذَابُ** اہلِ مکہ اور باغ ضرواں کے مالکوں کی آزمائش کی طرح ہر دنیوی عذاب ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی خیر کی توقع باقی رہتی ہے اور توبہ' ندامت اور بے گناہوں کا اقرار اس عذاب کے دُور کرنے میں کارگر ہو جاتا ہے۔

**وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ** البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور بڑا ہے' اسے دنیا کے عذاب پر قیاس نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اس وقت غضب الٰہی اس حد تک شدید ہوگا کہ اس عذاب کے بعد توقع منقطع ہو جائے گی اور توبہ' استغفار' ندامت اور گناہوں کا اقرار عذاب دُور کرنے میں ہرگز مفید نہیں ہوگا۔ ہاں ایمان والے گناہ گاروں کو خشم نمائی یعنی اظہارِ غضب کے بعد جنت میں داخل کر دیں گے لیکن وہ خشم نمائی حقیقت میں عذاب نہیں ہے بلکہ انہیں گناہوں کی آلائش سے پاک کرنے کے لیے ہے تاکہ جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں جس طرح کہ چیتھڑے پہنے ہوئے' گرد آلود مسافر کو جب بادشاہ کے دربار میں لے جانا چاہتے ہیں تو پہلے اسے حمام میں لے جاتے ہیں اور اسے مالش کرنے والوں' بال مونڈنے والوں اور مل مل کر دھونے والوں کے سپرد کرتے ہیں اور گرم پانی اور حمام کی گرم ہوا کے ساتھ اس کے بدن کی میل اور بدبو دُور کرتے ہیں تاکہ بادشاہی مجلس میں حاضر ہونے کے قابل ہو جائے لیکن اچھائیوں کو وہ لوگ سمجھتے ہیں جو کہ

marfat.com
Marfat.com

امور کی حقیقتوں کو پہچانتے ہیں اور دنیا کی حقیقت کو آخرت کی حقیقت سے جدا سمجھتے ہیں اور یہ کافران چیزوں کو بھی نہیں سمجھتے۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اگر وہ اشیاء کی حقیقتوں کو جانتے اور آخرت کو دنیا پر قیاس نہ کرتے لیکن یہ لوگ امتیاز سے اس قدر خالی ہیں کہ کہتے ہیں کہ جس طرح باغ ضرواں کے واقعہ میں درمیانے بھائی کو بھی آفت پہنچی اور باغ سے اس کی پیداوار کا حصہ ضائع ہو گیا اور اسی طرح مکہ کے مومنین ہمارے ساتھ قحط میں شریک ہوئے اور پیاس اور بھوک میں گرفتار ہوئے اس پر قیاس کرتے ہوئے عذاب آخرت میں بھی سب نیک و بد شریک ہوں گے حالانکہ ان کا یہ قیاس بالکل غلط اور قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ تحقیق متقی لوگوں کے لیے اگرچہ دنیا میں ان کے باغ ضائع ہو جائیں اور ان کے مال برباد ہوں اور وہ بہت رنج اور تکلیف اٹھائیں لیکن ان کے لیے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے پروردگار کے نزدیک اس کے عوض جو انہیں دنیوی مصیبتیں پہنچی ہیں۔ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ نعمتوں سے پُر باغات ہیں۔ پس کافروں اور بُروں کا دنیوی مصائب میں ان کے ساتھ شریک ہونا عبادت اور ریاضت کے قبیلے سے ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے درجات کی ترقی کا موجب ہوتا ہے اور یہ فرق بالکل ظاہر ہے اس لیے کہ متقی ہمیشہ اپنے مالک کے تابع فرمان ہوتے ہیں جبکہ بُرے ہمیشہ نافرمان ہوتے ہیں۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ کیا ہم کردیں گے مسلمانوں کو جو کہ ہر باب میں ہمارے فرمان کی اطاعت کرتے ہیں' ان مجرموں اور بدکاروں کی طرح جو کہ ہمیشہ نافرمانی میں کوشش کرتے ہیں۔

مَا لَكُمْ تمہیں کیا ہے عقل و دانش کے باوجود كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ کس قسم کا فیصلہ کرتے ہو کہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے حالانکہ تم میں سے کوئی غلام' لونڈیاں اور خدمت گار رکھتا ہے' اطاعت کرنے والوں اور تعمیل حکم کرنے والوں کو سرکشوں اور نافرمانوں کے برابر نہیں کرتا بلکہ تم لاف زنی کے طور پر کہتے ہو کہ اگر مسلمانوں پر کوئی عطا اور نوازش ہوگی تو ہمارے لیے اس سے بہتر اور زیادہ ہوگی۔ چنانچہ

marfat.com
Marfat.com

مقاتل نے روایت کی ہے کہ مکہ کے کافروں نے اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں تم پر بزرگی دی ہے تو لازماً آخرت میں بھی ہمیں تم پر بزرگی دے گا۔ حق تعالیٰ نے ان کے اس فاسد خیال کو رد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مسلم اور مجرم کے درمیان برابری کرنا انسان کے فطری علوم کے خلاف ہے چہ جائیکہ مجرم کو مسلم پر ترجیح دی جائے جو کہ عقل سے زیادہ دُور ہے۔

اور اگر تم کہو کہ امورِ آخرت عقلی قیاس کے ساتھ درست نہیں آتے' وہ امور نرے توقیفی ہیں کہ ان کی وجہ عقل میں نہیں آتی۔ ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ کیا تمہارے کوئی آسمانی کتاب ہے کہ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ اس کتاب میں نص جلی پڑھتے ہو اس لیے کہ نص خفی پڑھنے میں نہیں آتی صرف استنباطی ہوتی ہے اس نص جلی کا مضمون یہ ہے کہ

اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ تحقیق تمہارے لیے اس کتاب میں وعدہ دیا گیا ہے کہ ہم تمہیں وہی دیں گے جسے تم بہتر اور اچھا سمجھ کر اپنے لیے منتخب کر کے چاہو گے اور اگر تم کہو کہ اگرچہ اس قسم کی کوئی کتاب تو ہمارے پاس نہیں ہے لیکن ابتدائے پیدائش سے لے کر اس وقت تک ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اسی طرح رہا ہے اور اللہ تعالیٰ خلافِ معمول نہیں کرے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا کیا تمہارے لیے ہمارے ذمہ قسمیں ہیں جو ہم نے اُٹھائی ہوں اور وہ قسمیں بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ روزِ قیامت تک پہنچنے والی ہیں کہ تمہاری پیدائش کی ابتدا سے لے کر قیامت واقع ہونے تک ہم ایک سا معاملہ کریں گے اور معاملہ میں کوئی تغیر و تبدل بالکل نہیں ہوگا اس لیے کہ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ان قسموں کا مضمون یہ ہے کہ تحقیق تمہارے لیے ہم وہی کریں گے جو تم حکم دو گے اور ظاہر ہے کہ چند روز کا معمول کسی عہد و پیماں کے بغیر محل اعتماد نہیں ہوتا اور یہ کفار اگر طعنے کے طور پر کہیں کہ ہاں خدا کے ساتھ ہمارا اس قسم کا عہد و پیماں ہے۔

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ آپ ان سے پوچھیں کہ ان میں سے اس قسم کے

marfat.com
Marfat.com

ثبوت کا کون ذمہ دار ہے اور ضامن ہوتا ہے اور اگر وہ کہیں کہ ہمارا اعتماد خدا کے کرم پر نہیں ہے اور نہ ہی ہم اس کی طرف سے کوئی عہد یا قسم رکھتے ہیں لیکن ہمارا تمام اعتماد ان پر ہے جن کی عبادت میں ہم ساری عمر مصروف رہے ہیں اور وہ خدا کے نزدیک اس حد تک مقرب ہیں کہ وہ ان کی شرکت اور شمولیت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا اگر وہ ہم پر کبھی غصہ بھی کرتا ہے تو ہمارے وہ معبود عرض معذرت کر کے اصلاح کر دیتے ہیں اور ہمارے ساتھ اس کا معاملہ برقرار رکھتے ہیں اس میں کسی قسم کا فتور یا کمی واقع نہیں ہونے دیتے۔ ہم کہتے ہیں کہ ان سے پوچھنا چاہیے کہ

اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ کیا ان کے لیے اس قسم کے شریک ہیں؟ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ تو چاہیے کہ اپنے شریکوں کو خدا کے مقابلے میں لائیں اس وقت جبکہ ہم ان پر قحط مسلط کرتے ہیں اور ان پر مسلمانوں کے غزوات پے در پے ڈالتے ہیں۔ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ اگر وہ سچ بولنے والے ہیں اس امر میں کہ ان کے مشورے کے بغیر جہان میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔

اور صاحب کشاف نے اس آیت کے عجیب معنی نکالے جو کہ لطافت سے خالی نہیں اس نے کہا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ یعنی ناس لشارکونہم فی ہذا القول یعنی کیا کوئی ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ اس بات میں ان کے ساتھ شریک ہوں اور اس تفسیر پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر ان کافروں کو مسلم و مجرم میں برابری یا مجرم کو مسلم پر فضیلت دینے کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل میسر نہیں آتی تو ان سے پوچھنا چاہیے کہ جہان کے عقل مندوں کی جنس میں سے کوئی بھی اس قول اور اس مذہب میں ان کے ساتھ شریک ہے اس لیے عقل مندوں کے ساتھ متفق ہونا بھی ایک دلیل ہے اگر ان کے ساتھ اس بات میں کوئی شریک ہو تو چاہیے کہ اپنے اس شریک کو میدانِ مناظرہ میں لائیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس قول کا عقل والوں میں سے کوئی بھی قائل نہ ہوا اور کسی نے بھی اس بے ہودہ مذہب کو قبول نہ کیا۔ یہ لوگ ذوی العقول میں سے اس سلسلے میں جدا ہیں اور جب انہیں نقلی اور عقلی دلیل اور اس مسئلے میں عقل مندوں کا اتفاق میسر نہ ہوا تو یہ قول نرا باطل اور بے اصل ہوا لیکن

marfat.com

Marfat.com

قرآن پاک کے عرف میں شرکاء کے لفظ کا معنائے متعارف معبودان باطلہ ہیں اور قرآن کے اسلوب متعارف کے خلاف اس کے الفاظ کی تفسیر اچھی نہیں۔

اور اگر کفار کہیں کہ ہمارے معبود اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کے مظہر ہیں اور اس کے ساتھ ایسا اتحاد رکھتے جیسا کہ مظہر کو ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ غیریت اور مقابلہ تاکہ ہم انہیں بارگاہِ خداوندی میں مناظرہ کرنے اور غلبہ دینے کے لیے لائیں اور ہمارا اپنے معبودوں کو پوجنا بھی عبادتِ خداوندی ہے اور اپنے معبودوں کی طرف ہماری نظر عین خداتعالیٰ کی طرف نظر ہے، ہم انہیں عبادت میں ایک واسطہ کے سوا کچھ نہیں جانتے اور نظر میں عینک کے سوا کوئی مقام نہیں دیتے اس لیے کہ نری تنزیہہ کے مرتبہ کی عبادت اور اس مرتبے کو دیکھنے سے ہم سر کی آنکھوں کے ساتھ بھی اور عقل کی نظر سے بھی عاجز ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی تمہارا باطل خیال ہے اس لیے کہ اگر تمہارے معبود عبادت میں واسطہ اور نظر میں عینک ہوتے تو تمہاری ساری عبادت اور نظر حق کی ذات منزہ تک پہنچتی اور اس عبادت اور توجہ کا اثر اعمال کے آثار ظاہر ہونے کے دن ظاہر ہوتا لیکن تمہیں یہ عبادت قطعاً فائدہ نہ دے گی اور اس توجہ اور نظر کا ظہور نہیں ہوگا۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ جس دن کہ ظاہر کر دی جائے گی اور پردہ اُٹھا دیا جائے اس حقیقت سے کہ اس حقیقت کا نام ساق ہے اور اسے تمام حقائق الٰہیہ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کہ ساق یعنی پنڈلی کو تمام اعضائے انسانی کے ساتھ ہے اور اسی وجہ سے تشبیہ واستعارہ کی بناء پر اس حقیقت کو یہ نام دیا گیا ہے۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ حقائق الٰہیہ کمال الٰہی کی ان جہتوں سے عبارت ہیں جو کہ عالم میں ظہور کرتی ہیں اور یہ حقائق صفات سے ماوراء ہیں اس لیے کہ تمام صفات کمال ان حقائق میں جمع ہیں اس لیے کہ ہر کمال الٰہی تمام صفات کمال کو پیچھے لگانا چاہتا ہے اور صفات کا جدا جدا ظہور عالم میں نہیں ہے۔ مثلاً علم قدرت کے بغیر، قدرت ارادے کے بغیر اور یہ تینوں صفات حیات کے بغیر ظہور نہیں کر سکتیں۔ بخلاف جہالت کمال کے کہ ظہور میں ہر جہت جدا اور مستقل ہے اور یہ حقائق ان صفات کے درمیان جو کہ کوئی استقلال

marfat.com
Marfat.com

نہیں رکھتیں اور نری تابع ہیں اور اس ذات کے درمیان جو کہ ان کی اصل الاصول ہے اور ہر وجہ سے ایک استقلال رکھتی ہے برزخ واقع ہوئی ہیں تو ان حقائق کو تشبیہ واستعارہ کی بناء پر اعضاء کے نام سے عنوان دیا گیا ہے اور فی الواقع عالم میں نسبت جو کہ حقائق الہیہ کی ذات کے ساتھ نسبت سے کمال مشابہت رکھتی ہے اعضاء کی ذات کے ساتھ نسبت کے سوا ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ اعضاء کمال ذات کی جہتوں کے مظاہر ہیں نہ کہ صفات کی طرح تابع اور غیر مستقل اور نہ ذات کی طرح نری وحدت اور مستقل۔ پس شریعت مطہرہ میں ان حقائق کی تفصیل سے جو کچھ وارد ہوا ہے چند چیزیں ہیں۔ وجہ عین ید یمین اصابع حقو یعنی کمر ساق اور قدم اور ردا اور صفات ان حقائق کے ساتھ ملحق ہیں اس جہت سے کہ اجتماع صفات کے سبب وحدانی ہیئت حاصل کر کے ظہور کرتی ہیں اگرچہ اصل میں اعضاء کا حکم نہیں رکھتیں اور وہ دو صفات ردا اور ازار ہیں۔

اور ان حقائق کو سمجھنے میں لوگوں کو بہت کمی بیشی پیش آئی۔ ایک جماعت نے بے عقلی کی وجہ سے حقیقت تک رسائی حاصل نہ کی حد سے زیادہ تشبیہ کے کھڈے میں گر گئے اور ان حقائق کو اپنے اعضاء اور جوارح پر قیاس کر کے اللہ تعالیٰ کی صورت اور شکل کے معتقد ہو گئے تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا جبکہ دوسری جماعت نے تنزیہہ کے قاعدے کو مضبوط پکڑا اور ان حقائق کو اس قاعدے کے خلاف جان کر بے فائدہ تاویل کے ساتھ پیش آئے جو کہ نفی اور انکار کا حکم رکھتی ہے۔ پس درحقیقت ان حقائق کو سمجھنے میں اہل تشبیہ کے ساتھ شریک ہو گئے فرق صرف اسی قدر رہا کہ انہوں نے اثبات کیا اور انہوں نے نفی۔ ان کے پاس موجود معنوں کے علاوہ انہیں ان لفظوں میں سے کچھ بھی حاضر نہ ہوا۔

اور اہل سنت کے محققین جزاہم اللہ خیرا حقیقت کار تک پہنچے اور انہوں نے کہا کہ شے کے اعضاء اس شے کی معرفت کے بعد واضح ہوتے ہیں جیسا کہ صفات میں بھی یہی حال ہے۔ مثلاً حیوان کے علم کا رنگ اور ہے جبکہ انسان کے علم کا رنگ جدا اور اڑنے والے کی قدرت دوڑنے والے کی قدرت کا غیر ہے تو جس طرح ذات پاک کے اس

marfat.com
Marfat.com

بات سے منزہ ہونے کی وجہ سے کہ ہماری عقلیں اور وہم اس کے تصور تک پہنچیں' باری تعالیٰ کی صفات کے تصور میں ہم عاجز ہیں اسی طرح ان اعضاء کے تصور سے بھی ہم عاجز ہیں اس لیے کہ ان اعضاء کا حقیقت پر مبنی ادراک ہمیں اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ہم اعضاء والی ذات کو جیسا کہ چاہیے' جان لیں۔ اور فی الواقع ہاتھ میں غور کرنا چاہیے کہ اس میں کس قدر فرق اور اختلاف ہے۔ آدمی کا ہاتھ جدا ہے اور گھوڑے اور گائے کا ہاتھ جدا جن اور پری کا ہاتھ اور ہے اور فرشتے کا ہاتھ اور ہے پھر اگر آئینہ' پانی اور اس قسم کی چیزوں میں نقش ہونے والی صورت میں ہم اچھی طرح غور کریں اس کے بھی اعضاء اور آلات ہیں اور آدمی کے جسم میں جو دایاں ہیں' اس میں بایاں ہو جاتا ہے اور بایاں دایاں ہو جاتا ہے حالانکہ اس صورت کے اعضاء اور آلات جوہریت میں اس آدمی کے اعضاء و آلات کے ساتھ شریک نہیں ہیں' سفلی اجناس کا کیا مقام؟

قصہ مختصر ان حقائق کو سمجھنا کنہ ذات سمجھنے کی طرح محالات کے قبیل سے ہے ہاں خصوصیتوں' وجوہ عرضیہ اور سلبی اور ثبوتی لوازمات کے ساتھ ان کا نشان دیا جا سکتا ہے جس طرح کہ ان سب حقائق کی شرح ان علوم میں بیان کی گئی اور تفصیلاً بیان کی گئی جو کہ ان کے بیان کے لیے موضوع ہیں اور وہ جو اشاعرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ان حقائق میں سے بعض کو صفات میں سے شمار کیا ہے جیسے وجہ' عین تو وہ اس بناء پر ہے کہ انہوں نے صفت کا معنی ماسوائے ذات لیا ہے اور اصطلاح میں کوئی تنگی نہیں لیکن شارع کی اصطلاح کا اعتبار زیادہ بہتر ہے۔

مختصر یہ کہ ان حقائق الٰہیہ سے قیامت کے دن جنہیوں پر در حقیقتیں بھی کھلیں گی' موقف میں ساق اور دوزخ میں قدم لیکن یہ لوگ پورے طور پر صلاحیت کے باطل ہونے کی وجہ سے ان حقائق کا ادراک بالکل نہیں کر سکیں گے کہ انہیں گہری نظر ڈال کر پالیں اور ان حقائق کا حق بجالائیں۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ کشف ساق کے بعد جو کہ وجہ اور یمین کی طرح اتنی اونچی حقیقت نہیں ہے' انہیں ان عبادات اور ان کی توجہات جو کہ انہوں نے مظاہر کے پردے میں اس حقیقت پر کی تھیں' کے امتحان کے لیے آگے لائیں گے۔

marfat.com
Marfat.com

وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ اور سجدے کے لیے بُلائے جائیں گے تا کہ اگر ان کی عبادت مقام تنزیہہ تک پہنچی اور مقبول ہوئی تو اس وقت بھی اسی کے مطابق ان سے سجدہ ممکن ہو جائے گا اور اگر وہ مظاہر کی قید میں گرفتار رہے اور تنزیہ کے مقام تک نہ پہنچے تو اس وقت ان سے اس مقام کی طرف توجہ ممکن نہ ہوگی کہ وہ جدید کمائی کا وقت نہیں ہے گزشتہ کمائیوں کے اثرات کے ظاہر ہونے کا وقت ہے اور بس۔

اور حضرت ابوسعید ضریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ کسی چیز کی ساق اس کی وہ بنیاد ہے جس کی وجہ سے اس کی استواری ہے جس طرح درخت کا تنا اور انسان کی پنڈلی تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ جس دن اشیاء کے حقائق اور ان کے وہ اصول ظاہر ہوں گے جن پر اشیاء مبنی تھیں تو ان کی وہ عبادت جو کہ بغیر بنیاد کے تھی ایمان والوں کی عبادت سے جدا ہو جائے گی جس کی عبادت صحیح بنیاد پر قائم تھی۔

اور جب بُلائے جانے کی وجہ معلوم ہوگئی کہ امتحان ہے نہ کہ تکلیف شرعی تو ابومسلم اصفہانی کا اسے بعید سمجھنا زائل ہو گیا جہاں کہ اس نے کہا ہے کہ شک نہیں کہ قیامت کے دن کوئی عبادت کرنا اور تکلیف شرعی کو نبھانا نہیں ہے تو مراد بڑھاپے کا وقت ہے۔ بہر حال وہ بھی سجدے کا قصد کریں گے۔

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تو ہرگز طاقت نہیں ہوگی کہ سجدہ کریں اس لیے کہ ان کی پشت ایک تختہ بن جائے گی اور جھکنا اور سر جھکانا انہیں ممکن نہ ہوگا۔

## قیامت کے دن بلاحجاب پروردگار کی زیارت کا بیان

جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ وارد ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن ہمارا پروردگار ایک ساق ظاہر فرمائے گا' ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت سجدہ میں پڑ جائیں گے اور جو دنیا میں دکھاوے اور سنانے کے لیے سجدہ کرتا تھا' سجدہ میں جانے کا قصد کرے گا لیکن ان کی پشت تانبے کے تختے کی طرح ہو جائے گی جس کا لپیٹنا ممکن نہیں رہے گا۔

marfat.com
Marfat.com

اور صحیح مسلم میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا بلاشبہ کسی پردے کے بغیر مطلع صاف ہونے کے دن سورج اور چودہویں کے چاند کی طرح کسی مزاحمت اور رکاوٹ کے بغیر دیکھو گے۔ پہلے فرشتہ آواز دے گا کہ دنیا میں جو جسے پوجتا تھا' چاہیے کہ اس کے ہمراہ چلا جائے اور بت' درخت اور دوسری چیزوں کو جنہیں دنیا میں پوجا جاتا تھا' حاضر کریں گے۔ بت پرست بتوں کے ہمراہ' درختوں کو پوجنے والے درختوں کے ہمراہ' سورج اور چاند کی پوجا کرنے والے سورج اور چاند کے ہمراہ چلے جائیں گے اور جو لوگ کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے' رہ جائیں گے اس کے بعد ندا ہوگی کہ یہودی کس چیز کو پوجتے تھے؟ کہیں گے کہ ہم عزیز علیہ السلام کو جو کہ خدا کا بیٹا تھا' پوجتے تھے۔ فرمایا جائے گا تم جھوٹ بکتے ہو' اللہ تعالیٰ بیوی اور اولاد سے پاک ہے پھر کہا جائے گا کہ اس وقت تمہاری کیا عرض ہے؟ عرض کریں گے کہ ہم پیاسے ہیں' ہمیں پانی کا قطرہ دیا جائے۔ فرمایا جائے گا کہ جاؤ اور پانی پیو' ان کے سامنے جہنم بہتی ہوئی ریت کی طرح ظاہر کی جائے گی اور انہیں فرشتوں کے ہمراہ کر کے جو کہ حضرت عزیز علیہ السلام کی شکل اختیار کریں گے' روانہ کریں گے جو انہیں جہنم کی آگ میں ڈال دیں گے اور یہی سلوک فرقۂ انصاری کے ساتھ کیا جائے گا اور انہیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شکل والے فرشتے کے ہمراہ کر دیا جائے گا اور وہ انہیں ان کی منزل تک پہنچائے گا۔

جب صرف توحید کو ماننے والے رہ جائیں گے تو نداء ہوگی کہ تم ابھی تک کس کا انتظار کرتے ہو اور تم کس کے ہمراہ جاتے ہو؟ عرض کریں گے کہ بارخدایا! ہم نے گونا گوں ضرورتوں اور قسم قسم کے تعلقات کے باوجود مشرکین کے ساتھ موافقت نہ کی اور ہم نے ان کی صحبت اختیار نہ کی۔ اب ہمیں اس گروہ کے ہمراہ کیوں کیا جا رہا ہے۔ اس طرف ایک شکل ظاہر کریں گے اور وہ شکل کہے گی کہ میں تمہارا پروردگار ہوں۔ وہ عرض کریں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو ہرگز شریک نہیں کرتے اس شکل سے ہمیں

marfat.com
Marfat.com

کیا کام۔ ہمارا پروردگار جب پردہ اُٹھائے گا ہم اسے پہچان لیں گے۔ حکم ہوگا کہ تمہارے پاس اپنے پروردگار کی کوئی علامت ہے کہ اس علامت کے ساتھ اسے پہچان سکو؟ عرض کریں گے جی ہاں! پس اس وقت ایک ساق کا ظہور ہوگا اور توحید کو ماننے والے مسلمان سب کے سب سجدے میں گر جائیں گے اور کہیں گے اب ہم راضی ہوگئے۔ تو ہی ہے ہمارا پروردگار۔ اور جن کے دلوں میں ایمان نہیں تھا' سجدے کا قصد کریں گے لیکن ان کی پشت تانبے کی تختی کی طرح سخت ہو جائے گی اور سجدہ کرنا ان سے ممکن نہ ہوگا اور اس کا حدیث کا باقی حصہ بہت کچھ ہے لیکن جس قدر اس مقام کے مناسب ہے' یہی ہے۔

اور باوجودیکہ ان سے سجدہ ممکن نہیں ہوگا اور یہ ان کی عبادات کے باطل ہونے کی دلیل ہو جائے گا اس نورانی شعاعیں مارنے والی ساق کی طرف نظر اُٹھانے کی قدرت نہیں رکھیں گے اس لیے کہ ان کی عقلی نظر مظاہر کی قید میں رہ گئی تھی اور وہ نری تجزیہ کے مقام تک نہ پہنچ پائے۔

اس لیے خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں اس سے چندھیا جائیں گی کہ اس تجلی کی طرف دیکھ سکیں بلکہ

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ان کے تمام جسم کو سر سے لے کر قدم تک ایک ذلت اور رسوائی ڈھانپ لے گی اس لیے کہ انہوں نے بھی مظاہر کی پوجا میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی عزت کا خیال نہ رکھا اور اپنے خودساختہ شرکاء میں اس کے ظہور کو اس کا کمال حقیقی سمجھا اس لیے کہ مظاہر خلقیہ جیسے بھی ہوں' ناقص اور ذلیل ہیں اور اس وقت ان سے سجدے کا ممکن نہ ہونا ان کی فطری استعداد کے باطل ہونے کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت ترک کر کے اور اس سے منہ موڑ کر انہوں نے اس استعداد کو برباد کر دیا۔

وَقَدْ كَانُوْا اور تحقیق تھے وہ دنیا میں يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ حق تعالیٰ کی منزہ ذات کی عبادت کے لیے بُلائے جاتے تھے۔ وَهُمْ سَالِمُوْنَ جبکہ وہ اس وقت سالم الاستعداد اور صحیح الفطرت تھے اگر اس وقت حق تعالیٰ کی منزہ ذات کی عبادت کے عادی ہو

marfat.com
Marfat.com

جاتے تو اس وقت انہیں یہ تنگی اور رکاوٹ رونما نہ ہوتی۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کفار آپ کو اس لیے جنون کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ آپ ان کے سامنے عذابِ قیامت کی بات کرتے ہیں اور وہ اس بات کو اپنی ناقص عقل سے دُور خیال کرتے ہیں۔ نیز آپ انہیں اپنی تبلیغ میں قرآن پاک اور حق تعالیٰ کی ذات منزہ کی عبادت اور سجدے کی طرف بُلاتے ہیں اور مظاہر کی شکلوں کی پوجا اور سجدے سے منع فرماتے ہیں اور یہ بات انہیں ایک موہوم شے کے لیے موجود شے کو چھوڑنے پر اُبھارتی ہے جو کہ جنون کے آثار سے ہے۔

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ پس مجھے اور اسے چھوڑ دیں جو کہ اس بات کو جھوٹ سمجھتا ہے اس لیے کہ یہ میری بات ہے نہ کہ آپ کی اور آپ نے ان کے عذاب جلد طلب کرنے کی دعا نہ فرمائیں اور تنگ دل نہ ہوں۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ قریب ہے کہ ہم انہیں درجہ بدرجہ کھینچتے ہیں گمراہی کے اونچے درجے میں تا کہ ان کی فاسد استعداد کا پیمانہ پُر ہو جائے اور شدید سزا کے مستحق ہوں۔ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ اس راہ سے کہ وہ نہیں جانتے کہ گمراہی کی راہ ہے اور شدید سزا کی سرحد تک پہنچاتی ہے بلکہ اپنے خیال میں اس راہ کو رشد و ہدایت کی راہ خیال کرتے ہیں اور اجر و ثواب کا سبب سمجھتے ہیں۔

وَاُمْلِیْ لَهُمْ اور میں انہیں مہلت دوں گا اور فوری مواخذہ نہیں کروں گا تا کہ وہ دھوکا کھائیں کہ اگر ہم گمراہی اور بُرائی پر ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں مہلت نہ دیتا اور فی الفور مواخذہ کرتا اس لیے کہ ان کے ساتھ کید و مکر مجھے منظور ہے۔

اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ تحقیق میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے اس کا سراغ کوئی نہیں لگا سکتا اس لیے کہ دوسروں کے مکر کا کھوج لگانا اس سے ہو سکتا ہے جو کہ اپنے مکر سے ایک قوت ادراک کو فریب دیتا ہے جبکہ دوسری قوت بحال ہوتی ہے جو کہ اس مکر کے انجام کو پہنچاتی ہے اور میری خفیہ تدبیر تمام ادراکی قوتوں کو گھیرنے والی ہوتی ہے اور بے داری اور خبرداری بالکل سلب ہو جاتی ہے اور کسی قوت کے ساتھ بھی وہ اس تدبیر کے انجام کو پہچان

marfat.com
Marfat.com

نہیں سکتے اور اگر میری خفیہ تدبیر اس قدر قوی اور مضبوط نہ ہوتی تو انہیں آپ کی خوبی اور ان نفع بخش علوم کی تبلیغ میں ان پر آپ کا احسان کیوں واضح نہ ہوتا اور آپ کی تکذیب اور انکار میں وہ دَم بدم کیوں آگے بڑھتے۔

اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا کیا آپ ان سے ان علوم نافعہ کے پہنچانے کی مزدوری چاہتے ہیں۔ فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ پس وہ اس مزدوری کے تاوان سے بوجھل ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے وہ آپ کی شاگردی اور آپ سے استفادہ نہیں کرتے۔

اَمْ عِنْدَهُمُ کیا ان کے پاس موجود ہیں الْغَيْبُ احکام الٰہیہ اور آخرت کے نفع و نقصان سے متعلق امور غیبیہ کے علوم کشف صریح کے طریقے سے فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ پس وہ اپنے ان مکشوفات کو لکھتے ہیں اور ان کشفی علوم کو واضح عبادات کے ساتھ تعبیر کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور اپنے متوسلین اور پسماندگان کو بھی ان علوم کا کچھ حصہ پہنچاتے ہیں اور آپ سے مستغنی اور لاپرواہ ہیں' آپ کے احسان کا بوجھ یوں اُٹھائیں اور جب ان دونوں چیزوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے تو آپ معلوم کرلیں کہ ان کا تکذیب اور انکار پر یہ سب اصرار صرف تدبیر الٰہی کے آثار سے ہے کہ انہیں بات کی اطراف میں غور وفکر کی طاقت نہیں دیتی اور کسی راہ سے بھی ان کے ذہنوں میں حق کے متعلق غور وفکر کا گزر نہیں ہونے دیتی۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ پس آپ ان کی ایذا پر صبر کریں اور اپنے پروردگار کے حکم کے منتظر رہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ فرماتا ہے اور ان میں سے کسے اس تاخیر عذاب کی وجہ سے توبہ' ندامت اور حق کی طرف رجوع کے ساتھ بہرہ ور فرماتا ہے اور کسے اس تاخیر کی وجہ سے نافرمانیوں اور گناہوں میں زیادتی' گمراہی کے مرتبوں میں ترقی اور حرماں نصیبی دیتا ہے۔

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اور اس کی طرح نہ ہوں جو کہ مچھلی کے پیٹ میں بند رہا اور حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا اور غیرت الٰہی کے غلبے کی وجہ سے اپنی قوم کے لیے عذاب طلب کرنے میں جلدی کی اور وہ پیغمبر حضرت یونس بن متی علیہ السلام تھے۔

marfat.com

Marfat.com

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ جو حکم الٰہی سے مچھلی کے پیٹ میں بند رہے تھے

اور ان کا واقعہ یہ تھا کہ آپ کے زمانے میں بنی اسرائیل میں صاحب الامر پیغمبر حضرت شعیا علیہ السلام ہوئے ہیں اور اس وقت کا بادشاہ جس کا نام حذقیا تھا' ان کا مطیع اور تابع فرمان تھا اور اس وقت بنی اسرائیل کا مسکن ملک فلسطین اور اُردن قرار پائے تھے جو کہ شام کے بہترین علاقے ہیں۔ اچانک نینوی اور موصل کے لوگوں نے جو کہ عراق اور شام کے درمیان واقع ہیں' بنی اسرائیل کے فرقے پر حملہ کر دیا اور ان کے اموال لُوٹ لیے اور ان کے بہت سے آدمیوں کو قید کر کے لے گئے۔ حذقیا نے یہ سارا ماجرا حضرت شعیا علیہ السلام سے عرض کیا کہ قیدیوں کو چھڑانے کی کیا تدبیر کی جائے جب تک ہمارے قیدی ان کے ہاتھوں سے رہا نہ ہو جائیں' ہم ان کی اس حرکت کا بدلہ اور تدارک فوج کے زور سے نہیں کر سکتے کہ ہمارے یرغمال کو لے گئے ہیں۔ حضرت شعیا نے فرمایا کہ تیری مملکت میں انبیاء علیہم السلام میں سے پانچ افراد ہیں' ان میں سے ایک کو ان لوگوں کے پاس بھیجو تا کہ ان کے سمجھانے سے وہ اصلاح پائیں اور قیدیوں کو چھوڑ دیں۔ حذقیا نے عرض کی کہ اس شخصیت کا تعین بھی آپ ہی سے پوچھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت یونس بن متی کو اس کام کے لیے مقرر کر دے کہ مخلص اور امانت دار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا قرب اور مرتبہ عظیم ہے اور اس وقت کے انبیاء علیہم السلام سے عبادت اور ریاضت کی کثرت میں ممتاز ہیں اگر وہ لوگ ان کی بات نہیں سنیں گے تو وہ قوی معجزات اور غیبی کرشموں کے اظہار کے ساتھ انہیں راہ پر لا سکتے ہیں۔

بادشاہ اس محفل سے اُٹھا اور اس نے حضرت یونس علیہ السلام کو ان کے گھر سے طلب کیا اور انہیں اس کام پر مامور کیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر حضرت شعیا علیہ السلام نے میرا نام امر ربانی اور امر الٰہی کی وجہ سے معین فرمایا ہے تو مجبوری ہے ابھی جاتا ہوں ورنہ اس جانے میں میرے اوقات میں پورا خلل واقع ہو جائے گا اور میں بے مزہ ہو جاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ آپ کے نام کا تعین وحی الٰہی کی وجہ سے نہیں ہے لیکن حضرت شعیا علیہ السلام نے اسی طرح فرمایا ہے' مجبوراً جانا چاہیے۔ آپ دل کی گرانی

marfat.com
Marfat.com

کے ساتھ نینوی کی سرزمین کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنے قبائل کو اپنے ہمراہ لے گئے اور پہلے اس علاقے کے بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے اور اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے کہ بنی اسرائیل کو قید سے رہا کر دے اور بنی اسرائیل کا بدخواہ ہرگز نہ ہو۔ اس نے کہا کہ اگر تو اس بات میں سچا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اتنی طاقت کیوں دیتا کہ ہم نے تمہارے ملک پر چڑھائی کی اور تمہارے بیوی بچوں کو گرفتار کر کے لے آئے۔ کیا اس وقت خدا تعالیٰ کو بنی اسرائیل کی حمایت اور ہمیں روکنے کی طاقت نہ تھی کہ اب تجھے بھیجا ہے؟

حضرت یونس علیہ السلام نے تین دن تک اس بادشاہ کے دربار میں آمدورفت رکھی اور اس نے آپ کی بات بالکل نہ سُنی۔ آپ غصے میں آ گئے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ بارخدایا! یہ لوگ میری بات قبول نہیں کرتے اور قیدیوں کو رہا نہیں کرتے۔ وحی خداوندی آئی کہ انہیں ہمارے عذاب سے ڈرائیں اگر آپ کی بات پر ایمان نہ لائیں تو ان پر ہمارا عذاب آئے گا۔ آپ کوچہ اور بازار میں گھومے اور فرمایا کہ خبر شرط ہے' اپنے بادشاہ کو یہ بات پہنچا دو کہ اگر وہ میری بات پر ایمان نہیں لائے گا تو عذاب الٰہی آئے گا۔ انہوں نے کہا کہ کوئی میعاد مقرر کر۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان چالیس دن کا قول و قرار ہے اگر ان چالیس دنوں میں تم ایمان لے آئے تو بہتر ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

رفتہ رفتہ یہ بات مشہور ہو گئی اور بادشاہ اور اس کے دوسرے ارکان نے مذاق اور تمسخر شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ فقیر (معاذ اللہ) مجنون ہے اس کے سر میں ایک خیال مستحکم ہو گیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جنابِ الٰہی میں عرض کی کہ بارخدایا! میں نے ان کے ساتھ چالیس دن کا وعدہ کیا ہے' یہ وعدہ سچا کر دے ورنہ میں ہلکا ہو جاؤں گا اور یہ مجھے مار ڈالیں گے۔ اس لیے کہ ان لوگوں کی عادت یہی تھی کہ جو شخص اس قسم کا جھوٹ باندھے' اسے مار ڈالتے تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ نے جلدی کیوں کی اور چالیس دن کا وعدہ درمیان میں لے آئے اب صبر کرنا چاہیے کہ آخر میں ان کا ایمان

marfat.com
Marfat.com

مقدر ہے' راہِ راست پر آ جائیں گے۔ حضرت یونس علیہ السلام اس بات سے بہت تنگ دل ہوئے اور جب وعدے کا ایک مہینہ گزر گیا' آپ قبائل کے ہمراہ اس شہر سے باہر نکل آئے اور وہاں سے دس بارہ کوس پر ڈیرہ لگا دیا کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے اور ہر وقت اسی دعا میں مصروف تھے کہ بار خدایا! اس وعدے کو سچا کر دے ورنہ میں خفیف ہو جاؤں گا۔

جب ۳۵واں دن ہوا اور علی الصبح اُٹھے تو دیکھا کہ عذاب کے آثار شروع ہو گئے اور آگ کا دُھواں آسمان کی طرف سے برستا ہے اور اس دُھوئیں اور آگ کا اثر گھروں کی چھتوں تک پہنچ گیا۔ بادشاہ اور دوسرے ارکان سلطنت بے قرار ہو کر باہر نکل آئے اور کہنے لگے اس گودڑی پوش فقیر کو تلاش کرو کہ کہاں گیا اور اسے جلدی لاؤ تا کہ ہم اس کے ہاتھ پر توبہ کریں اور قیدیوں کو اس کے سپرد کر دیں۔ انہوں نے شہر کا دروازہ بند کر دیا اور ہر گھر اور کوچہ میں تلاش کیا' ان کا کوئی سراغ نہ ملا' مجبوراً سب کے سب ننگے سر اور ننگے پاؤں جنگل میں نکل آئے' بچوں کو ماؤں سے جدا کر دیا' گائیوں اور بکریوں کے بچوں کو بھی ان سے جدا کر دیا اور سب گریبان چاک کر کے سر سجدہ میں رکھ کر آہ و فریاد اور گریہ زاری کرنے لگے اور عرض کی کہ بار خدایا! ہم نے کفر سے توبہ کی اور یونس علیہ السلام کی بات پر جو کہ تیرے بھیجے ہوئے تھے' ہم ایمان لائے اور ہم نے پختہ ارادہ کر لیا کہ بنی اسرائیل کے قیدیوں کو ان کے ہاتھ سپرد کر دیں۔ حق تعالیٰ نے عصر کے وقت ان سے عذاب اُٹھا لیا اور مطلع صاف ہو گیا اور یہ دسویں محرم کے یومِ عاشور کا واقعہ تھا۔ بادشاہ اور دوسرے ارکان خوش ہو کر شہر میں داخل ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اب جاسوسوں اور ہرکاروں کو مختلف سمتوں میں جلد دوڑانا چاہیے تا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی خبر لائیں بلکہ بادشاہ نے اپنی زبان سے کہا کہ جو شخص حضرت یونس علیہ السلام کی خبر مجھ تک پہنچائے' میں اسے ایک دن کے لیے بادشاہی کے تخت پر بٹھاؤں گا تا کہ وہ جو چاہے اس دن میرے مال اور کارخانوں سے لے لے۔ لوگ اس طمع میں ہر طرف دوڑے' حضرت یونس علیہ السلام کو بھی دیہاتیوں کی زبان سے خبر پہنچ چکی تھی کہ تمہاری قوم سے عذاب ٹل گیا ہے اور وہ آپ کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ آپ عذاب کے ٹلنے کا سن کر بہت تنگ

marfat.com
Marfat.com

دل ہوئے اور جان لیا کہ میں اپنی قوم کے نزدیک جھوٹ کہنے والا ہو گیا اور اب اگر ان کے پاس جاؤں تو کس منہ سے؟ کہ میرا وعدہ تو سچا نہ ہوا اگر حضرت شعیا علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے پاس جاؤں تو بھی بے وزن ہوتا ہوں کہ میں نے کوئی کام نہ کیا۔

وحی کا انتظار کیے بغیر بہت تنگ دلی کی وجہ سے دونوں طرفوں کو چھوڑ کر ملک روم کی طرف متوجہ ہوئے' عتاب الٰہی کا مورد ہو گئے اب آپ کا معاملہ دگرگوں ہو گیا' پہلے آپ کے ساتھی اور نوکر آپ سے جدا ہو گئے اور ایک بیوی اور دو بچوں کے سوا ان کے ہمراہ کوئی نہ رہا۔ ایک بچے کو اپنے کندھے پر لے لیا اور ایک بچے کو اپنی بیوی کے کندھے پر بٹھا دیا اور اسی طرح منزل بمنزل طے کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک دن راستے میں ایک درخت کے نیچے ستانے کے لیے رُکے اور خود قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف نکل گئے اس وقت ایک سوار بادشاہ زادہ جو کہ سواری پر شکار کے لیے نکلا تھا اس درخت کے پاس پہنچا اس نے دیکھا کہ ایک کمال حسن و جمال والی عورت دو بچوں سمیت بیٹھی ہے اس نے اپنے نوکروں سے کہا کہ اس عورت کو اُٹھا لاؤ۔ خاتون نے گرچہ بہت آہ و زاری کی کہ میں ایک ایسے شخص کی منکوحہ ہوں جو کہ صالح اور پیغمبر ہے اس بادشاہ زادے نے شراب اور جوانی کی مستی میں ایک نہ سُنی اور ان کی بیوی کو اپنے ہمراہ گھر لے گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جو کہ قضائے حاجت سے واپس آئے' عورت کے بارے میں پوچھا کہ کہاں گئی؟ بچوں نے کہا کہ یہ واقعہ گزرا' آپ سمجھ گئے کہ جناب الٰہی کی طرف سے عتاب کا معاملہ شروع ہو گیا' دونوں بچوں کو باری باری اپنے کندھے پر اُٹھاتے تھے اور راستہ طے کرتے تھے یہاں تک کہ ایک ندی کے کنارے پہنچے ایک بچے کو اس ندی کے کنارے کھڑا کر کے چاہا کہ دوسرے بچے کو اس سے پار کریں جب درمیان میں پہنچے اچانک ایک بھیڑیا اس ندی کے کنارے پر پہنچ گیا اور کنارے پر کھڑے آپ کے بچے کو منہ میں دبا کر لے گیا' آپ بے قرار ہو کر پیچھے مڑے تا کہ بچے کو بھیڑیے کے منہ سے چھڑائیں کہ دوسرا بچہ جو کہ آپ کے کندھے پر تھا' پانی کی رو میں گر گیا اور پانی اسے بہا لے گیا جتنی بھاگ دوڑ کی نہ اس بچے کا سراغ ملا نہ اس کا۔

marfat.com
Marfat.com

مایوس ہو کر تن تنہا دریائے روم کے کنارے پہنچے۔ دیکھا کہ ایک جہاز روانگی کے لیے تیار کھڑا ہے اور تاجر اپنے سامان لاد کر لنگر اُٹھانے کو ہیں' آپ نے بھی وہاں پہنچ کر فرمایا کہ میں درویش آدمی ہوں اگر کرایہ مانگے بغیر مجھے سوار کر لیں تو اس جہاز میں میں بھی بیٹھ جاؤں؟ ملاح اور تاجروں نے کہا کہ ہمارے آنکھوں پر' آپ کے قدموں کے طفیل ہماری یہ کشتی سلامتی کے ساتھ پہنچے گی کہ آپ مردِ صالح اور نورانی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کو سوار کر کے روانہ ہوئے جب سمندر کے درمیان پہنچے تو اچانک ایک تیز خطرناک ہوا اُٹھی اور سخت موجیں آنے لگیں اور کشتی چلنے سے رُک گئی جتنے بادبان اور کشتی کو چلانے کے آلات نصب کیے' کچھ بھی کارگر نہ ہوتا تھا۔ ملاح اور تاجروں نے باہمی مشورہ کیا کہ کشتی کے رُک جانے کا باعث کیا ہے کہ ہم نے اپنی پوری زندگی ایسی صورتِ حال نہیں دیکھی۔ ملاح نے کہا کہ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ اگر کوئی غلام اپنے مالک سے حکم کے بغیر بھاگا ہو اور کشتی میں بیٹھ جائے تو اسی قسم کی صورتِ حال رونما ہوتی ہے۔ کشتی میں آواز دو کہ جو شخص اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہو' واضح طور پر کہے کیونکہ تمام کشتی والوں کی تباہی ایک جان کی ہلاکت سے زیادہ ناگوار ہے' اسے باندھ کر دریا میں ڈالنا چاہیے۔

حضرت یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ بھاگا ہوا غلام میں ہوں کہ حکم الٰہی کے بغیر جا رہا ہوں۔ آپ نے کشتی والوں سے کہا کہ میں ایک شخصیت کا غلام تھا اس کے حکم کے بغیر جا رہا ہوں' مجھے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں ڈال دیں تاکہ تمام کشتی والے نجات پالیں۔ ملاح اور کشتی والے تاجروں نے کہا کہ سبحان اللہ ہم آپ کی نسبت یہ بُرا گمان نہیں رکھتے' آپ اپنی بزرگی کے طور پر فرما رہے ہیں کہ ہم سب کے عوض اپنے آپ کو ہلاک فرمائیں' ہم اس حرکت کے کب روادار ہیں' ہم ایک اور تدبیر کرتے ہیں کہ قرعہ اندازی کرتے ہیں' دیکھتے ہیں کہ کس کے نام پر نکلتا ہے۔ قرعہ ڈالا گیا' حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر نکلا' سب نے کہا کہ یہ قرعہ غلط ہوا' یہ بزرگ آدمی اس کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کے متعلق یہ بُرا گمان کیا جائے۔ دوسری بار قرعہ ڈالا گیا پھر آپ کے نام نکلا۔ تیسری مرتبہ ڈالا گیا پھر آپ کے نام پر نکلا' مجبور ہو کر آپ کو دریا میں ڈال دیا گیا اور کشتی روانہ ہوئی۔

marfat.com
Marfat.com

اتفاقاً دریا میں ایک بہت بڑی مچھلی لقمے کے انتظار میں بیٹھی تھی جیسے ہی آپ کو دریا میں ڈالا گیا اس مچھلی نے آپ کو لقمہ بنا لیا لیکن اس مچھلی کو حکم الٰہی پہنچا کہ خبردار رہ! میں نے اس شخصیت کو تیرے پیٹ میں غذا کے طور پر داخل نہیں کیا ہے بلکہ تیرا شکم اس کے لیے قید خانہ بنایا گیا ہے۔ چاہیے کہ اس کے وجود کے ایک بال کو بھی تکلیف نہ پہنچے۔ وہ مچھلی آپ کو اپنے پیٹ میں لے کر سیر کرتی تھی یہاں تک کہ بحیرۂ روم سے بطائح میں پہنچی اور وہاں سے دجلہ میں آ پڑی۔ اسے حکم ہوا کہ اب اس شخصیت کو دجلہ کے شامی کنارے پر ڈال دے اس مچھلی نے چالیس دنوں کے بعد آپ کو کنارے پر ڈال دیا اور اس خلاصی کا سبب یہ ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں محبوس ہوئے' آپ کا سانس رُکنے لگا۔ آپ نے معلوم کیا کہ آخری وقت ہے' خدا تعالیٰ کی یاد میں گزارنا چاہیے۔ آپ نے یہ تسبیح شروع کر دی لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰـنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ حق تعالیٰ نے آپ کے اس اقرار کو پسند فرمایا اور رحمت فرمائی اور چونکہ آپ کا بدن شکم ماہی کی گرمی کی وجہ سے نرم ہو گیا تھا اس کی طاقت نہ تھی کہ مچھر یا مکھی آپ کے جسم پر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت کدو کا درخت اُگایا اور اس درخت کے ریشے آپ کے سارے جسم پر اسی طرح چپک گئے کہ کدو کے پتے آپ کے لباس کی جگہ ہو گئے اور آپ حفاظت اور پردے میں رہے اور چونکہ اتنی طاقت نہ تھی کہ اُٹھ کر چلے جائیں اور روزی کی تلاش کریں ایک ہرنی کو حکم ملا کہ اپنے تھن کو آپ کے منہ میں دے کر کھڑی رہے یہاں تک کہ آپ سیر ہو جائیں۔ وہ ہرنی ہر صبح و شام آتی تھی اور اپنا تھن آپ کے منہ میں ڈال دیتی تھی یہاں تک کہ چالیس دن کے بعد آپ کا جسم قوی ہو گیا اور حرکت کی طاقت پیدا ہو گئی اور ہرنی کا دودھ پینے کی وجہ سے آپ کی کمزوری طاقت سے بدل گئی۔

اس ہرنی کو حکم ہوا کہ آج آپ کے پاس مت جائے اور دودھ نہ دے جب ہرنی نہ آئی' آپ نے بارگاہِ الوہیت میں عرض کی کہ بارخدایا! آج ہرنی نہیں آئی؟ حکم ہوا کہ تو اپنے آپ پر عادت کی اتنی سی تبدیلی پسند نہیں کرتا جبکہ تو مجھ سے بہت بڑی عادت کی تبدیلی مانگتا تھا کہ ہم تمام مخلوق کو ایک قلم نیست و نابود کر دیں۔ آپ نے پھر توبہ' ندامت

marfat.com
Marfat.com

اور استغفار کی اور عرض کی کہ اب جو حکم ہو۔

راستے میں ایک شہر میں پہنچے اس شہر میں ایک کمہار کو دیکھا کہ آوہ پکا کر اور درست کر کے برتن نکالنے کے لیے تیار ہے۔ حکم ہوا کہ اس کمہار کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وزنی سی لکڑی لے کر ان سب برتنوں کو توڑ دے اور وہ جو جواب دے ہماری بارگاہ میں عرض کرنا۔ آپ گئے اور کمہار سے وہی بات کہی' وہ غصے میں آ گیا اور کہنے لگا کہ یہ کیسی بات ہے جو مجھے ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے؟ میں نے ان برتنوں کو بنانے اور پکانے میں اتنی محنت اسی لیے کی تھی کہ انہیں لکڑی کے ساتھ توڑ دوں' مجھے خود ان برتنوں سے بہت نفع حاصل کرنا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے عرض کی بار خدایا! کمہار نے یوں کہا ہے۔ ارشاد ہوا کہ دیکھو کہ مٹی ہماری طرف سے' پانی ہماری طرف سے اور کمہار کا ہاتھ ہماری طرف سے' اس شکل وصورت کی وجہ سے جو کمہار نے بنائی ہے' برتنوں کے ساتھ اتنی محبت کرتا ہے کہ انہیں توڑنا دشوار سمجھتا ہے اور تو چاہتا تھا کہ اپنی مخلوقات میں سے ایک لاکھ انسانوں کو تباہ کر دوں۔

پھر وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک سرسبز باغ دیکھا۔ ارشادِ خداوندی کے مطابق اسی قسم کا پیغام اس باغ کے مالک کو پہنچایا' تلخ جواب سنا پھر ایک اور شہر میں پہنچے' ایک محل پر گزر ہوا کہ اسے خوب بنایا گیا تھا۔ ارشاد کے مطابق اسی قسم کا پیغام اس محل کے مالک کو پہنچایا پہلے سے بھی زیادہ تلخ جواب سنا جب عتاب بہت ہو گیا تو عاجزی اور زاری شروع کر دی اور اپنے کے لیے بخشش چاہی۔ حق تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ رجوع فرمایا اور آپ کو رسالت کے لیے چن لیا اور اپنی طرف انہیں رسول بنایا اور ہر طرف سے رحمت اور لطف کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے یہاں تک کہ آپ اسی ندی کے کنارے پہنچے۔ دیکھا کہ بستی کے لوگ کھڑے ہیں اور آپ کے دونوں بیٹے ان کے ہمراہ ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کس کے بیٹے ہیں؟ بستی کے لوگوں نے کہا کہ ایک بزرگ یہاں سے گزر رہے تھے' ان کے ایک بچے کو پانی کی رو بہا لے گئی تھی' ہماری بستی کے دھوبیوں نے اسے پانی کی رو سے نکال لیا اور ان کے دوسرے بچے کو بھیڑیا لے گیا تھا' بستی کے چرواہوں نے

marfat.com
Marfat.com

اسے زخمی حالت میں اس کے منہ سے چھڑا لیا۔ ہم ان دونوں کی تیمار داری اور پرورش کرتے ہیں تاکہ ان کے باپ تک پہنچا دیں۔ اسی گفتگو میں تھے کہ ان بچوں نے آپ کو پہچان لیا اور کہنے لگے کہ ہمارے والد بزرگوار یہی ہیں' انہوں نے دونوں بچے آپ کے حوالے کر دیئے اور اس ندی سے گزار دیا جب اس درخت کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک جماعت چوکی کی شکل میں اس درخت کے نیچے بیٹھی ہے' آپ نے ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارے بادشاہ کا لڑکا یہاں سے گزر رہا تھا' وہ ایک درویش کی عورت زبردستی چھین کر لے گیا' اسی دن سے پیٹ کے درد میں مبتلا ہے۔ بادشاہ نے یہ ماجرا سُن کر اس درخت کے نیچے چوکی بٹھا دی ہے کہ اگر وہ درویش کہیں سے آ نکلے تو اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس سے اپنے اس بیٹے کی تقصیر معاف کراؤں اور اس کی عورت اسے واپس دے دوں جس تک کسی کا ہاتھ ہرگز نہیں پہنچا۔ آپ نے فرمایا وہ درویش میں ہوں' وہ آپ کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ آپ کی دعا سے بادشاہ کے بیٹے کو شفا ہوگئی اور آپ کی اہلیہ کو آپ کے سپرد کیا۔ علاوہ ازیں نذریں اور وافر مقدار میں مال دے کر آپ کو رخصت کیا یہاں تک کہ آپ نینوئی اور موصل کے ملک کی سرحد پر پہنچے' آپ نے ایک شخص کو نینوئی کے لوگوں کے پاس بھیجا تاکہ انہیں خبر دے کہ حضرت یونس علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔

بادشاہ اور وہاں کے ارکان نے بہت خوشی کی اور چند منزل تک آپ کا استقبال کیا اور آپ کو پوری تعظیم اور احترام کے ساتھ شہر میں لے گئے اور مدت دراز تک آپ کی اتباع اور فرماں برداری میں گزر بسر کی حتیٰ کہ حضرت یونس علیہ السلام کی وہیں وفات ہوئی اور وہیں دفن ہوئے اور اب آپ کا مزار پُرانوار ان علاقوں کے مشہور مزارات میں سے ہے۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کا عذاب طلب کرنے میں جلدی اور شتابی جو کہ حضرت یونس علیہ السلام سے واقع ہوئی' سے روکا جا رہا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ آپ یہ کام نہ کریں کیونکہ اس کام کا نتیجہ درست نہیں ہے اور اس مچھلی والے کا حال یاد

marfat.com
Marfat.com

کریں۔

اِذْ نَادٰی وَھُوَ مَکْظُوْمٌ جبکہ اس نے بارگاہِ خداوندی میں ندا کی اپنی قوم پر عذاب طلب کرنے کے لیے اور وہ غصے سے بھرا ہوا تھا اور غصے کی وجہ سے یہ جلدی کی کہ حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا اور آخر اس کی وجہ سے تکلیف اُٹھائی کہ مچھلی کے پیٹ میں بند رہا پھر ایک اور ندا اپنی فروگزاشت کے اظہار اور اپنی تقصیروں سے معافی مانگنے کے لیے کی اور اس وقت بھی مکظوم تھا یعنی ان کا سانس بند ہو رہا تھا' لغت عرب میں مکظوم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بے حد غم زیادہ غصے کی وجہ سے دَم گھٹنے لگے اس کی وہ مکظومیت یہ مکظومیت پھر لائی۔ تو چاہیے کہ آپ میں نفس کا کچھ حصہ باقی نہ رہے تا کہ آپ کے کمال میں کوئی کمی نہ ہو اس لیے کہ اس جلد بازی کی وجہ سے قریب تھا کہ حضرت یونس علیہ السلام بلندی اور کمال کے مرتبے سے فروتر ہو جائیں اور ہمیشہ کے عتاب کا مورد ہو جائیں یہاں تک کہ

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَکَہٗ نِعْمَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ اگر یہ نہ ہوتا کہ اس کے حال کا آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک نعمت نے اس کے کمالات کو باقی رکھ کر تدارک کیا اس پر پریشانی میں

لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ البتہ اسے ڈال دیا جاتا سبزہ' گھاس' سایہ اور پانی سے خالی صحرا میں وَھُوَ مَذْمُوْمٌ اور وہ پریشان حال اور پریشان روزگار رہتا اور اللہ تعالیٰ اس کے حق میں کدو کا درخت اُگا کر اور نہ ہی ہرنی کو مسخر کر کے کسی قسم کی کرامت کا اظہار نہ فرماتا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ شکم ماہی میں ان کی تسبیح کا اثر اسی قدر تھا کہ مچھلی کے پیٹ سے خلاصی مل گئی جیسا کہ سورۂ صافات میں مذکور ہے فَلَوْلَآ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِہٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ اور مچھلی کے پیٹ سے باہر لانے کے بعد یہ کرامت جو کدو کا درخت اُگانے اور ہرنی کو ان کے لیے مقرر کرنے کی صورت میں آپ کے بارے میں ظاہر ہوئی' یہ صرف ازلی عنایتِ خداوندی کے ساتھ وابستہ تھی کہ عطا فرمودہ کمالات کو باقی رکھا گیا اور اس پریشانی کی وجہ سے سلب نہ فرمایا۔

نیز جاننا چاہیے کہ اس شرط و جزا کا مدار یعنی لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَکَہٗ الخ اسی حال پر ہے

marfat.com
Marfat.com

یعنی مذموم اس میں لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ پس یہ دوسری آیت کے معانی نہیں ہوتی جو کہ سورۂ صافات میں ہے کہ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۔

## آیتِ کریمہ کی برکات اور اُسے پڑھنے کے دو طریقے

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی مصیبت زدہ اور تکلیف میں مبتلا اس تسبیح کو نہیں پڑھتا مگر اللہ تعالیٰ اسے اس غم سے جو کہ اسے لاحق ہے' نجات عطا فرماتا ہے اور معتبر مشائخ سے اس بات کی سند ہے کہ ہر غم اور پریشانی کے لیے اس آیت کا پڑھنا تریاق مجرب ہے اور اسے پڑھنے کے طریقے دو طرح ہیں۔ پہلا یہ کہ اجتماعی طور پر ایک مجلس یا تین مجالس میں ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ پڑھی جائے' دوسرا یہ کہ ایک شخص تن تنہا عشا کی نماز کے بعد تاریک گھر میں طہارت اور قبلے کی طرف منہ کرنے کی شرائط کے ساتھ تین سو بار پڑھے اور پانی سے بھرا ہوا پیالہ اپنے پاس رکھ چھوڑے اور لحہ بہ لحہ اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈال کر اپنے چہرے اور جسم پر وہ پانی ملے۔ تین دن' سات دن یا چالیس دن تک اسی ترتیب کے ساتھ پڑھے۔

نیز حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کے شوربے میں کدو بہت پسند فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے هی شجرة اخی یونس یہ میرے برادر یونس علیہ السلام کا درخت ہے اور جب نعمتِ الٰہی نے حضرت یونس علیہ السلام کے حال کا تدارک کیا تو اس بے اطمینانی اور پریشانی کے بعد آپ کا درجہ بلند ہو گیا۔

فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ پس اسے اس کے پروردگار نے بلاواسطہ برگزیدہ فرمایا اپنی رسالت کے لیے جس طرح کہ پہلے حضرت شعیا علیہ السلام نے آپ کو رسالت کے لیے چنا تھا۔ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ پس اسے اس منصب کے لائق لوگوں میں سے کر دیا جنھوں نے اسے خوبی کے ساتھ سرانجام دیا اور ایک لاکھ چند ہزار افراد نے آپ کے ہاتھوں ایمان اور تقویٰ کا فیض پایا اور اس سے پہلے آپ میں منصب رسالت کی شائستگی نہ تھی بلکہ آپ عبادت گزار نبی تھے اور اس عتاب کے بعد اس منصب کی لیاقت کے خطاب کو استعداد کی کمین گاہ سے میدانِ فعلیت میں ظاہر فرمایا۔

marfat.com

Marfat.com

اور جب آپ نے حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم کیا کہ کفار اپنے مکروفریب کی وجہ سے انبیاء مرسلین علیہم السلام کو جلد بازی میں لا کر پریشانی میں ڈال دیتے ہیں اور عتابِ الٰہی کا مورد بنا دیتے ہیں اور ان کی شان میں طعنہ زنی اور بُرائی بیان کرنے کو ایک بات گھڑ لیتے ہیں کہ حکم بشریت کی وجہ سے انبیاء کو غصے میں لاتی ہے اور وہ حکم الٰہی کا انتظار نہیں کرتے اور اپنے درجۂ کمال سے نیچے آ جاتے ہیں۔ بس آپ کو چاہیے کہ اپنی قوم کے اس قسم کے مکروفریب سے بے توجہی نہ کریں کیونکہ یہ لوگ بھی اس معاملہ میں بہت فن کار ہیں۔

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور تحقیق یہ کفار قریب ہیں لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ اس سے کہ آپ کو صبر وضبط کے مقام سے پھسلا دیں' اپنی تیز تیز نگاہوں سے تا کہ آپ غصہ میں آئیں اور بے چین ہوں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے قبل از وقت مقدر عذاب کی درخواست کریں اور وہ یہ مکروفریب نہیں کرتے مگر

لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ اس وقت کہ جب اس کلام کو سنتے ہیں جو کہ سراسر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے' اس کی کوئی آیت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہیں ہے اور اسی بنیاد پر اس کلام کا نام ذکر رکھا گیا تا کہ آپ کا غصہ بڑھے اور آپ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ذکر کی وجہ سے ان کے ساتھ جھگڑا کریں کیونکہ آدمی اپنے عیب کی بات سُن سکتا ہے لیکن اپنے محبوب کا عیب نہیں سُن سکتا ہے' اپنی تحقیر گوارا کر لیتا ہے مگر اپنے محبوب کی تحقیر گوارا نہیں کر سکتا اور صرف اس تیز نگاہی اور آنکھ مارنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی تکلیف دیتے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ اور کہتے ہیں کہ تحقیق یہ شخص مجنون ہے اس لیے کہ ہر بات میں ایک ہی چیز کو یاد کرتا ہے اور یہ جنون کی علامت ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہر بات میں ایک چیز کو یاد کرنا اس وقت جنون کی علامت ہوتا ہے جب وہ بات کسی اور چیز کے لیے کی جائے اور اگر وہ بات صرف اسی چیز کو یاد کرنے کے لیے بنائی گئی ہے تو اس ایک چیز کا ذکر اس سارے کلام کے واجبات میں سے ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام سے

marfat.com
Marfat.com

ماثوراذکاراوراوراد۔

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ اور یہ کلام نہیں ہے مگر ذکر الٰہی جو کہ تمام جہان والوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے' بخلاف انبیاء و اولیاء کے اذکار و اوراد کے کہ صرف اپنی اُمتوں یا اپنے سلسلے سے وابستہ اہلِ طریقت اور مریدوں کے لیے مقرر کیے ہیں۔ پس فرشتے اس ذکر کو لذت حاصل کرنے کے لیے پڑھتے ہیں اور حلاوت لیتے ہیں جبکہ جن اور انسان ثواب' حجابات کو اُٹھانے اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے پڑھتے ہیں اور اس کے معانی سمجھنے اور اس کے احکام نکالنے کے لیے بھی۔ پرندے اپنی آوازوں کو اس کے کلمات پر ڈالتے ہیں تاکہ ممکن حد تک اس کی حکایت اور مشابہت کریں۔ پس اس کلام میں خدا تعالیٰ کا بار بار ذکر کرنا عین مقصود مطلوب ہے' اسے جنون پر کیسے محمول کیا جائے؟

اکثر مفسرین نے اس آیت کے نزول کے سبب میں یوں روایت کی ہے کہ جب کفار قریش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کو رد کرنے میں ہر ممکن حیلہ کر کے فارغ ہو گئے اور عاجز ہو گئے تو انہوں نے بنی اسد میں سے ایک شخص کو بلایا کہ پہلے تو وہ قبیلہ پورے ملک عرب میں آنکھ سے زخم پہنچانے میں مشہور و معروف اور مثالی تھا پھر وہ شخص ان میں سے ممتاز اور سر برآوردہ تھا' اس کی عادت یوں تھی کہ پہلے وہ تین دن کچھ نہیں کھاتا تھا اس کے بعد جس شخص کے متعلق اسے منظور ہوتا تھا' اسے آنکھ کے ساتھ زخم لگاتا اور اسے ہلاک کر دیتا' اسے بہت طمع دی گئی کہ اگر تو فلاں کو آنکھ کے زخم سے ہلاک کر دے تو تجھے یہ کچھ دیں گے اس نے اپنی عادت کے مطابق تین دن فاقہ کیا' تیسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جبکہ اس وقت آپ قرآن مجید کی تلاوت میں معروف تھے' گھڑی بھر اس نے تیز تیز دیکھا اور کہنے لگا کہ میں نے اس خوب صورتی اور خوش آوازی کے ساتھ کسی کو نہیں دیکھا ہے اور اس گفتگو کی بار بار تکرار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرما رہے تھے مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔

marfat.com
Marfat.com

## بدنظری سے بچاؤ کا طریقہ

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی کو زخم لگانے والی آنکھ کا خوف ہو یا اپنے آپ پر یا اپنے اولاد اور مال پر اس کا اثر دیکھے اس کا علاج یہی ہے کہ یہ آیت پڑھے' تکلیف رفع ہو جائے گی اور اس آیت کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس آیت کو تین مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر یا اپنے لڑکے یا اپنے مال پر دَم کرے۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے العین حق زخم والی آنکھ کی تاثیر برحق ہے' لو کان شیء سابق القدر لسبقة العین یعنی اگر جہان میں کوئی ایسی چیز ہوتی جو کہ تقدیر الٰہی سے سبقت کرے تو زخم لگانے والی آنکھ ہوتی کیونکہ اس کی تاثیر بہت قوی ہے اور جو چیز نظر میں اچھی لگے' چاہیے کہ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے تا کہ زخم والی آنکھ کا اثر نہ ہو۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس طریقے سے دَم فرماتے اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام' حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کو بھی انہیں کلمات کے ساتھ دَم فرماتے تھے۔ اُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّةٍ اور حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن میں دن کے ابتدائی وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے حاضر ہوا' میں نے دیکھا کہ درد کی وجہ سے بے قرار ہیں پھر میں پچھلے پہر عیادت کے لیے حاضر ہوا' میں نے دیکھا کہ صحت یاب ہو چکے ہیں۔ میں نے پوچھا اس فوری صحت کی وجہ کیا ہوئی؟ فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے ان کلمات کے ساتھ دَم کیا بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْكَ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ حَاسِدٍ اللّٰهُ یَشْفِیْكَ۔

نیز حدیث پاک میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ازواج مطہرات میں سے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے' ایک چھوٹی بچی کو دیکھا کہ بیمار ہے۔ فرمایا کہ اس کے لیے بدنظری کا دَم کرو کیونکہ اس کے چہرے پر چشم زخم کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اگر کسی پر نظر لگ جانے کا اثر ہو تو چاہیے کہ جس کی نظر لگی ہے اسے

marfat.com
Marfat.com

حکم دو کہ اپنے وضو اور استنجاء کے اعضاء کو پانی کے ساتھ دھو کر دے اور نظر رسیدہ اس پانی سے غسل کرے شفا پائے۔ اور ایسی نظر والے کو چاہئے کہ ان اعضاء کو دھو دینے میں توقف نہ کرے اور شرم و عار نہ سمجھے۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ اس تاثیر کی حقیقت میں جسے چشم زخم کہتے ہیں' علماء کا بہت اختلاف ہے اور ابھی تک تاثیر کی وجہ صاف واضح نہیں ہوئی۔ جاحظ نے کہا ہے کہ اس قسم کی نظر والے کی آنکھ سے شعاع کی طرح زہریلے اجزا باہر نکلتے ہیں اور نظر رسیدہ کی آنکھ میں پہنچتے ہیں اور اس کے مسام میں جاری ہو کر زہریلے اثر کو پیدا کرتے ہیں جیسے سانپ کا زہر اور بھڑ اور بچھو کے ڈنگ کا اثر اور جبائی اور دوسرے معتزلی علماء نے اس بات پر گرفت کی ہے کہ اگر زخم والی آنکھ کی تاثیر کی وجہ یہ ہوتی تو لازم آتا کہ بُری نظر والے کا یہ اثر ہر کسی کی نسبت سے ہوتا اور پسند آنے والے کام کے ساتھ کوئی خصوصیت نہ ہوتی اور جاحظ کی طرف سے دوسرے علماء نے یوں جواب دیا ہے کہ پسندیدہ امر کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ پسندیدہ شخص بُری نظر والے کا دوست ہے تو نظر والے کو پسند آنے کے وقت اس نعمت کے زائل ہونے کا ایک عظیم خوف پیدا ہو جاتا ہے اور اگر وہ اس کا دشمن ہے تو بُری نظر والے کو اپنے دشمن کو اس نعمت کے حاصل ہونے پر بے حد غم ہو جاتا ہے اور غم اور خوف دونوں دل کے اندر اپنی روح کو بند کر دیتے ہیں اور گرمی دینے کا باعث ہوتے ہیں اور قوتِ باصرہ کی روح میں بھی گرم زہریلی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور پسند نہ ہونے کی صورت میں ان دونوں امروں میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ پس تاثیر بھی نہیں ہوتی۔

لیکن جاحظ کے قول کی اصل میں یہ خلل ہے کہ بُری نظر والے کی تاثیر جیسے سامنے حاضر ہونے کے وقت ہوتی ہے' غائب ہونے کے وقت بھی ہو جاتی ہے اور جس طرح بُری نظر والے کی تاثیر حیوانی اور انسانی جسموں میں ہوتی ہے اس طرح نباتی اور معدنی جسموں میں بھی ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ تاثیر زہریلے اجزا کے سرایت کرنے کی بناء پر نہیں ہے اور جو بُری نظر والے کے اعضاء دُھلانے کے ساتھ جاحظ کے مذہب کی تائید

marfat.com
Marfat.com

کی جاتی ہے' یہ بھی بے جا ہے اس لیے کہ اس پانی کی جو کہ اس کے بدن کو لگتا ہے' ان اجزا کے زہریلے پن کو دُور کرنے میں کیا تاثیر ہوگی؟

اور ابوالہاشم اور ابوالقاسم نے یوں کہا ہے کہ بُری نظر والا جب کسی چیز کو دیکھتا ہے یا سنتا ہے تو اس کا فریفتہ ہو جاتا ہے اور علم الٰہی میں اس شخص کے حال کے لیے زیادہ بہتر یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کو بدل دیں تاکہ اس کا دل اس چیز پر فریفتہ نہ رہے اس وجہ سے وہ چیز خلل میں پڑ جاتی ہے اور دگرگوں ہو جاتی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کے پسند کرنے کی تاثیر سے دگرگونی ہوئی اور اس قول میں بھی خلل ہے اس لیے کہ اگر اس قسم کی مصلحتوں کی رعایت اور لوگوں کے دِلوں کی فریفتگی سے بچانے کے لیے یہ تبدیلی پیش نظر ہوتی تو بے ریش لڑکوں اور حسین عورتوں کو ہرگز زندہ نہ چھوڑتے تاکہ عشاق کے دِلوں کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ رہتا۔ نیز مرغوب چیزوں کے ساتھ ہر دلی تعلق ان چیزوں کے زائل ہونے کا سبب ہوتا اور یہ سب کچھ خلافِ واقع ہے۔

اور حکماء ایک اور راستے پر گئے ہیں جو کہ حق سے کچھ قریب ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ نفوس کی تاثیر دو قسم کی ہے' ایک یہ کہ محسوس کیفیتوں کے واسطے سے ہو اور دوسری یہ کیفیات محسوسہ کے واسطے کے بغیر ہو جیسے وہمی تاثیر کہ کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہونے یا باریک راستے پر چلنے کے وقت وہم غلبہ کرتا ہے اور گرنے اور جسم کے کانپنے کا موجب ہوتا ہے حالانکہ اس راستے کی مانند ہموار جگہ پر ہمیشہ چلتا ہے اور بالکل متاثر نہیں ہوتا اور جیسے تصوری تاثیر جیسا کہ نفسانی عوارض میں ہوتا ہے کہ خوف کی وجہ سے رنگ زرد ہو جاتا ہے اور بدن' سر اور آنکھ سُن ہو جاتے ہیں اور غصے کے وقت اس کے برعکس اور جس طرح نفوس کی اس طرح کی تاثیر اپنے بدنوں میں ہوتی ہے' اپنے بدنوں کے علاوہ بھی ہوتی ہے۔ پس زخم والی آنکھ کی تاثیر بھی اسی طرح سے ہے اور جادو کی ایک قسم جسے تعلق ہمت و وہم کہتے ہیں اور ہندوستان کے جوگیوں کا معمول ہے بھی اسی قسم سے ہے اور جب نفوس اس تاثیر میں مختلف ہیں' بعض طاقت ور اور بعض کمزور اس وجہ سے یہ تاثیرات بھی اختلاف اور فرق کے ساتھ ظہور کرتی ہیں اور بعض اوقات اس قسم کی تاثیرات وراثت میں

marfat.com

Marfat.com

آتی ہیں جبکہ غذا کم کرنے' گوشہ نشین ہونے اور مرغوب و پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ کر بھی اس تاثیر کو حاصل کیا جا سکتا ہے بلکہ جو نفوس اس تاثیر میں کمال کے درجے پر پہنچتے ہیں' وہ ایسا کر سکتے ہیں کہ یہ ملکہ ڈال کر دوسروں کو بھی اپنی طرح کا کر لیں جیسا کہ ڈائن کے واقعات میں کہ جسے اہلِ عزیمت کی اصطلاح میں گفتار کہتے ہیں' تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆☆

marfat.com
Marfat.com

# سورة الحاقة

مکی ہے اس کی باون (۵۲) آیات ہیں۔

## سورۂ نون کے ساتھ رابطے کی وجہ سے متعلق مقدمہ

اور اس سورۃ کے سورۂ نون کے ساتھ رابطے کی وجہ کا بیان ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے اور وہ یہ ہے کہ جہان میں خدائی عذاب دو قسم کے ہوتے ہیں ان میں سے ایک کو ابتلا کہتے ہیں جو کہ بندوں کے امتحان کے لیے ہوتا ہے کہ وہ متنبہ ہوتے اور راہِ حق پکڑتے ہیں اسے عذاب کی ایک قسم فرماتے ہیں اور اس قسم کی خاصیت یہ ہے کہ ایک مدت کے بعد عذاب منقطع ہو جاتا ہے جیسا کہ سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف میں اس کا تفصیلی بیان واقع ہوا کہ ولقد ارسلنا الی امم من قبلك فاخذناهم بالباساء والضراء لعلهم يتضرعون الخ وما ارسلنا فی قرية من نبی الااخذنا اهلها بالباساء والضراء لعلهم يتصرعون۔ ولقد اخذنا آل فرعون بالسنين ونقص من الثمرات لعلهم يذكرون اور دوسری سورتوں میں بھی اس قسم کا ذکر کافی ہے اور اس قسم سے متعلق چند واقعات بھی ذکر فرمائے ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل کے معاملات میں یہ جنس بہت زیادہ واقع ہے اور اس اُمت میں بھی کثرت سے واقع ہے۔

نیز اس قسم کی خاصیت یہ ہے کہ نیک اور بد اس میں شامل ہوتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہوتا اس لیے کہ نیکوں کے حق میں ترقی درجات سیئات کا کفارہ اور ان کے صبر و شکر کا امتحان منظور ہوتا ہے اور اسی وجہ سے حق کا ظہور جیسا کہ چاہیے اس انداز سے کہ بالکل شبہ نہ رہے نہیں ہوتا اور اس عذاب میں ظاہری طور پر اہلِ

marfat.com
Marfat.com

حق اور اہلِ باطل کے شامل ہونے کی وجہ سے اس قسم کے واقعات کے ساتھ واضح طور پر الزامِ حجت میسر نہیں ہوتا اور آخرت میں گناہ گار مسلمانوں کا عذاب بھی محققین کے نزدیک اسی قسم سے ہے کہ اس سے مقصود انہیں گناہوں سے پاک کرنا ہے اسی لیے منقطع ہو جائے گا۔

دوسری قسم کو حاقہ کہتے ہیں کہ حق کے اظہار اور باطل سے اس کے امتیاز کے لیے اہلِ باطل کو عذاب دیتے ہیں اور اس میں انتقام منظور ہوتا ہے نہ کہ امتحان اور اس قسم کا عذاب ہرگز منقطع نہیں ہوتا اگر دنیا میں واقع ہو تو برزخی عذاب کے ساتھ متصل ہو جاتا ہے اور اگر آخرت میں واقع ہو تو ہمیشہ اور دائمی ہونا اسے لازم ہوتا ہے۔ ہاں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو بظاہر اس قسم کا عذاب آکر گزر گیا جیسا کہ سورۂ یونس میں اس کا ذکر واقع ہے لیکن حقیقت میں وہ عذاب بھی حاقہ نہ تھا بلکہ ابتلا کی جنس سے تھا جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ (یہاں سے اشارہ ملتا ہے کہ مفسر علام نے باقی سورتوں کی بھی تفسیر لکھی ہے)

جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو جاننا چاہیے کہ سورۂ نون میں مذکور ہے کہ ہم نے اہلِ مکہ کو بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انتہائی بے ادبی کرنے کی وجہ سے کہ وہ مجنون کا لفظ زبان پر لائے' سات سالہ قحط میں مبتلا کیا ہے جیسا کہ ہم نے باغ ضرواں کے مالکوں کو فقراء اور مساکین کے حق کو روکنے کی وجہ سے اس باغ کے جلائے جانے کی ابتلا میں ڈالا تھا تاکہ وہ جان لیں کہ حقیقی عذاب بھی اسی طرح آتا ہے اور متنبہ ہو جائیں اور جب وہ متنبہ نہ ہوئے اور انہوں نے اس قحط سے جو کہ مسلمانوں اور ان میں مشترک تھا اور اس کی تکلیف اور دُکھ دونوں گروہوں کو شامل تھا' عبرت نہ پکڑی' انہیں اس قدر خبردار کرنا ضروری ہوا کہ یہ قحط ایک ابتلا سے زیادہ نہ تھا جبکہ حاقہ کے عذابوں کا رنگ اور ہے اور اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات کے بارے میں اس قسم کا عذاب صور پھونکنے کے دن پر موقوف ہے اور اس دن سے پہلے صرف آزمائشیں پیش آتی ہیں اور منقطع ہو جاتی ہیں۔ پس اس صورت میں اس طرح کے وعدے کیے گئے عذاب کو پوری

marfat.com

Marfat.com

شرح و بسط کے ساتھ ارشاد فرمایا اور اس کی مثل دنیوی حاقہ کے عذابوں کو بھی سابقہ اُمتوں کے واقعات نقل کر کے ذکر فرمایا تا کہ ان کے نزدیک وہ آخرت کے حاقہ کا عذاب آزمائشوں میں سے اس کی مثل واقعات کے تصور سے ممتاز ہو جائے اور وہ اسے ان آزمائشوں پر قیاس کر کے دلی طور پر مطمئن نہ ہوں۔

اور اس کے علاوہ مختلف مضامین کے اعتبار سے بھی ان دونوں سورتوں کے درمیان پوری مناسبت ہے اس سورۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنون کی نفی ابتدا میں اور جنون کی نسبت جو کہ کافر کرتے تھے' کی نفی آخر میں مذکور ہے جبکہ اس سورۃ میں شاعری اور کہانت کی نفی ہے اور اس سورۃ میں مذکور ہے کہ دنیا میں کفار اپنے مال اور اولاد پر مغرور ہو کر قرآن پاک کے بارے میں بے ادبی کرتے ہیں اور اسے پہلوں کے افسانے قرار دیتے ہیں جبکہ اس سورۃ میں مذکور ہے کہ کافر قیامت کے دن حسرت کرے گا کہ مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَہْ یعنی وہ مال میرے کسی کام نہ آیا جسے میں نے جمع کیا تھا اُس سورۃ میں مذکور ہے کہ باغ ضرواں کے مالکوں کو مساکین کا حق نہ دینے کی وجہ سے آفت پہنچی جبکہ اس سورۃ میں مذکور ہے کہ کافر کو آتشیں زنجیریں طوق اور بیڑیاں پہنائی جائیں گی اس لیے کہ مساکین کو کھانا نہیں کھلاتا اس کے علاوہ اور بھی وجوہ مناسبت ہیں جو کہ غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہیں۔

اور اس سورۃ کی حاقہ کے ساتھ وجہ تسمیہ بھی اسی تمہیدی مقدمہ سے واضح ہوئی اس لیے کہ حاقہ ایک واقعہ کا نام ہے جو کہ حق کو باطل سے جدا کرتا ہے اس انداز کے ساتھ کہ کوئی شبہ اور اُلجھاؤ باقی نہیں رہتا اور اس سورۃ میں اسی جنس سے چند واقعات کو دنیا و آخرت میں بیان فرمایا ہے اور اس بیان سے رسالت' وحی اور نزولِ قرآن کو ثابت کرنے کی طرف انتقال فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَا الْحَآقَّةُ وہ حادثہ جو کہ حق کو باطل سے اس طرح جدا کرے کہ حق اور باطل کے درمیان اشتباہ ہرگز نہ رہے' نہایت عجیب ہوتا ہے اور بہت عظمت رکھتا ہے کہ اس کے

marfat.com
Marfat.com

متعلق اسے عظیم سمجھتے اور تعجب کرتے ہوئے پوچھا جاتا ہے اور اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ

اَلْحَآقَّةُ وہ حق کرنے والا حادثہ کیا ہے؟ اور اس کی عظمت اس قدر ہے کہ اعلم المخلوقات کو بھی اس کی حقیقت کے علم سے قاصر ہونے میں لوگوں کے ساتھ شامل کیا گیا ہے (جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہوگا یہ تمام علوم حضور علیہ السلام کے سینۂ پاک میں رکھے گئے جہاں نفی کی گئی ہے یا تو یہ علوم عطا فرمانے سے پہلے کی بات ہے یا عطائے خداوندی کے بغیر علم کی نفی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى مَا اَوْحٰى سے پردہ نہ اُٹھایا گیا تو علوم نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کو ترازو پر کیسے رکھا جا سکتا ہے؟ امام بو صیری رحمۃ اللہ علیہ عرض کرتے ہیں یارسول اللہ ومن علومك علم اللوح والقلم یعنی لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے تو جب لوحِ محفوظ میں سب کچھ ہے تو حضور علیہ السلام کے علم پاک کا کیا کہنا جس کے بعض حصے لوحِ محفوظ میں سب کچھ ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور آپ کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ اور تو کیا جانے کہ وہ حق نما حادثہ کیا ہے۔ ہاں جب اس حادثے کا بیان حقیقت کی حد بندی اور اس کی کنہ کی شرح کے ساتھ دشوار ہے اس میں نظیر اور مثال کے ساتھ پہچان کرانا منظور ہے اور اس جیسے واقعات عذاب کے زمانے کی کمی بیشی اور اس کی شدت اور زیادتی میں مختلف اور جدا جدا ہیں اور اس کا سب سے کامل فرد جس کا اس اُمت کے لیے وعدہ کیا گیا' حق کو ثابت کرنے اور باطل کو باطل کرنے کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ کر اس طرح ہوا کہ گویا حاقہ اسی فرد کا نام ہوا' ذہن میں اس کی سمجھ اور تصویر لانے کے لیے دوسرے حواق کو بطور تمہید ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ فرقہ ثمود نے انکار کیا جو کہ ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور شام اور حجاز کے درمیان سکونت رکھتے تھے اور سنگ تراشی' عمارات

marfat.com
Marfat.com

بنانے' کھیتی باڑی اور باغ لگانے میں بہت زیادہ رغبت رکھتے تھے اور شام اور حجاز کے درمیان وادی القریٰ سے لے کر حجر تک انہوں نے شہروں' قصبوں اور بستیوں کی صورت میں سات سو آبادیاں آباد کیں اور ہر جگہ چشمے جاری کیے اور کھیتیاں سرسبز کیں' باغ لگائے اور عیش اور چین کے ساتھ رہتے تھے اور بت پرستی کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت صالح علیہ السلام کو جو کہ ان سے نہایت اچھے تھے' نشوونما کی ابتدا اور بچپنے کے وقت سے لے کر امانت' دیانت' صلاحیت اور تقویٰ کے ساتھ موصوف اور مشہور تھے' اللہ تعالیٰ نے رسالت اور پیغمبری کے عنوان کے ساتھ ان کی طرف بھیجا اور انہیں بت پرستی' سنگ تراشی کے شغل اور عمارات اور کھیتوں میں زیادہ طمع کرنے سے منع فرمایا۔

وَعَـادٌ اور فرقۂ عاد نے جو کہ ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور احقاف یمن یعنی وہاں کے ریگستان میں جو کہ ایک وسیع ملک تھا' سکونت رکھتے تھے' ان کے جسموں میں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بہت فراخی اور قوت تھی' ان کے قد لمبے تھے اور اعضاء بہت قوی اور جہان والوں پر لُوٹ کھسوٹ میں غالب آ جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ انہیں اپنی قوت اور زور پر تکبر اور پورا اعتماد حاصل ہو چکا تھا اور خدا تعالیٰ کی عبادت سے بالکل غافل ہو چکے تھے اور اپنے گردونواح کے لوگوں پر اپنے زور بازو سے دست درازیاں اور طرح طرح کے ظلم کرتے تھے اور انہیں بھی عمارتیں' حوض اور تالاب بنانے میں پوری رغبت تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو جو کہ انہیں کے زمرے میں سے تھے' رسالت اور پیغمبری کے منصب کے ساتھ ان کے پاس بھیجا' آپ نے انہیں غفلت' تکبر اور اپنی طاقت پر اعتماد کرنے سے منع فرمایا اور خدا تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا اور انہیں عذابِ خداوندی سے ڈرایا لیکن ان فرقوں نے اپنے رسل علیہم السلام کی گفتگو پر یقین نہ کیا بلکہ انکار کے ساتھ پیش آئے۔

بِالْقَارِعَةِ صدمہ پہنچانے والے حادثے کا جو کہ ان کے جسموں کو بھی پاش پاش کر دے اور ان کی ارواح کو بھی برزخ کے عذاب میں پہنچائے اور انہوں نے کہا کہ اس طرح کا حادثہ کبھی نہیں آیا کہ تمام فرقے کو کسی ظاہری سبب فوج اور دشمن کے بغیر ہلاک کر

marfat.com
Marfat.com

دے اور بالکل ان کا نام ونشان نہ چھوڑے۔ پس یہ تو نرا فریب دینا' مکر کے ساتھ ڈرانا اور ہم پر سرداری حاصل کرنا ہے اور اگرچہ ان دونوں فرقوں کے گناہ کی ابتدا بھی انکار اور انبیاء علیہم السلام اور وعدہ دیئے گئے عذاب کی تکذیب تھی اور بت پرستی کا مکروہ دھندا۔ دنیا کی عمارات کو نہ چھوڑنا اور خداتعالیٰ کی عبادت پر توجہ نہ کرنا اور دونوں اس کام میں شریک تھے لیکن آخر میں ان دونوں میں سے ہر فرقے کی استعداد نے ان حاصل شدہ خصوصیتوں کی وجہ سے ایک علیحدہ عذاب کا تقاضا کیا اور اسی عذاب میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوئے۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ رہے ثمود تو انہوں نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے انکار اور تکذیب میں کاٹنے والے کتے کا حکم پیدا کیا اور پوری جرأت کے ساتھ خداتعالیٰ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کرنے کے درپے ہو گئے اور ناقۃ اللہ کا گوشت کتوں کی طرح کاٹ کر کھا گئے اور اس کی ہڈیاں توڑ دیں اور اس اونٹنی کی آواز پر جو کہ اس کی کونچیں کاٹنے کے وقت آہ وفغاں کرتی تھی' انہیں رقت نہ ہوئی اور اس اونٹنی کے بچے کو ڈرایا یہاں تک کہ وہ بھاگ کر پتھروں میں داخل ہو گیا اور تین آوازیں کر کے غائب ہو گیا جس طرح ان واقعات کی تفصیل سورۃ الشمس میں شرح وبسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ پس حکمتِ الٰہی نے تقاضا کیا کہ انہیں کتوں کی جھڑکی اور ڈانٹ کی قسم کا عذاب دینا چاہیے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم پہنچا حتیٰ کہ آپ نے آسمان کی بلندی سے سخت آواز کی۔

فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ پس وہ ہلاک کر دیئے گئے اس تیز آواز کے ساتھ جو کہ آوازوں کی حد سے تجاوز کر گئی تھی اس لیے کہ تیز آواز جیسے شیر' بجلی اور بڑی توپوں کا گرجنا جوڑ اور اعصاب ڈھیلے کرنے کا موجب ہوتا ہے اور مکانات' عمارات کے ڈھ جانے اور عورتوں کے حمل گرانے کا باعث ہوتی ہے اور بعض اوقات جانور کا پتا پھاڑ دیتی ہے اور مہلک بھی ہو جاتی ہے لیکن آواز کی اس قدر تیزی کہ ہزاروں کو ایک لمحے میں بے جان کر دے اور کان کے سوراخ بند کرنا اور گہرے تہ خانوں میں گھس جانا اس تیز آواز سے کارگر نہ ہو' آواز کی معمول کی حد سے خارج ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور جب اس حادثے میں فرقۂ ثمود کے سوا کسی کو کوئی اذیت نہ پہنچی اور اس فرقے میں سے کوئی شخص باقی نہ بچا اور ایمان والے سب کے سب حضرت صالح علیہ السلام کی رفاقت کی برکت سے نجات پا گئے اس بات پر صریح دلیل ہوگئی کہ یہ حادثہ حاقہ تھا نہ کہ ابتلاء ورنہ کفر اور ایمان پر جامع اور مانع نہ ہوتا اور گردش نہ کرتا اور عذاب برزخ کے ساتھ متصل نہ ہوتا۔

## ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ اس کلام معجز نظام کی عادت یہ ہے کہ عاد کے واقعہ کو ہر جگہ ثمود کے واقعہ سے پہلے رکھتے ہیں اور زمانے کی ترتیب کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے کہ عاد کا فرقہ ثمود کے فرقہ سے پہلے ہو گزرا ہے اور ثمود سے پہلے ہلاک ہوا یہاں اس ترتیب کا عکس کیوں اختیار کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ان واقعات کے بیان میں ترتیب زمانی پیش نظر نہیں ہے اس لیے یہ مقام اس کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ ان حوادث کے وقت کی کمی بیشی' شدت اور عدم شدت اور زیادتی اور عدم زیادتی کے اختلاف کی ترتیب منظور ہے۔ پس وہ حادثہ جو کہ مدت میں بھی کم تھا کہ ایک دن میں ختم ہوگیا اور شدت میں بھی نسبتاً کم تھا کہ صرف ایک تیز آواز کے ساتھ کام تمام ہوا' ارکان اور آلات کی زیادتی کا بھی محتاج نہ ہوا۔ بیان میں اس حادثے سے پہلے کردیا گیا جو کہ مدت میں بھی طویل تھا اور اس میں سات راتیں اور آٹھ دن گزر گئے اور شدت میں بھی ترقی پر تھا کہ عاد کے جسموں کو فضا میں اُٹھا لے گیا اور وہاں سے انہیں زمین پر دے مارا اور ارکان اور آلات بھی زیادہ کرنے کی ضرورت ہوئی کہ ہوا کے عنصر کے خازنوں کو مختلف اطراف اور سمتوں سے مسخر کرنا ضروری ہوا۔

اور اگر کسی کا ترتیب تفصیلی طور پر معلوم کرنے کی رغبت ہو جس کی اس واقعہ کے بیان کرنے میں رعایت کی گئی ہے تو وہ سنے کہ ثمود کو صرف کیفیت ہوا کے ساتھ ہلاک کیا گیا جو کہ آواز سے عبارت ہے اور جب کیفیت ہوا' جرم ہوا کے تابع ہے اور صفت کا مرتبہ ذات کے مرتبے سے کمتر ہوتا ہے اور ترقی کا مقام کمتر کو بزرگ تر سے پہلے لانے کا تقاضا

marfat.com
Marfat.com

کرتا ہے۔ ثمود کے واقعہ کے بیان کو عاد کے واقعہ کے بیان سے پہلے لانا ضروری ہوا جبکہ فرقہ عاد کو ہوائے متحرک کی ذات کے ساتھ ہلاک کیا گیا جو کہ ریح سے عبارت ہے اور ہوا اربعہ عناصر میں سے ایک عنصر ہے اور پانی اور خاک سے زیادہ لطیف ہے اور فعل و تاثیر میں آگ سے زیادہ ضعیف ہے۔ پس عاد کے واقعہ کا بیان ان دوسرے واقعات کے بیان سے پہلے کرنا چاہیے کہ جن میں چند عناصر جمع ہوئے اور پانی' آگ اور مٹی سے مدد لینے کی ضرورت پڑی اس لیے کہ بسیط مرکب سے اور آسان مشکل سے پہلے ہوتا ہے۔

اور فرعون اور اس کی فوجوں کو بحیرۂ قلزم میں غرق کر کے عذاب واقع ہوا اور اس پر موقوف تھا کہ اس دریا کے کنارے پر فرعون کے پہنچنے سے پہلے بنی اسرائیل کی نجات کے لیے دریا کو چیرنا واقع ہو تا کہ حاقہ ہونے کا معنی صورت پکڑے۔ نیز تا کہ فرعون اور اس کے ساتھی جرأت کر کے اپنے آپ کو اس میں ڈال دیں اور دریا کو پھاڑنے کا تصور تیز' قوی اور سنبھالے رکھنے والی آندھیوں کی حرکت دیئے بغیر تا کہ دیر تک دریا کی سطح کے اتصال کو جدا رکھیں اور پھٹی ہوئی شکل پر رکھیں' نہیں ہوتا تھا۔ پس اس کے عذاب میں ان دو عناصر کی جو کہ ہوا اور پانی ہیں ضرورت پڑی اور دو تجاوز کرنے والے عناصر کی ترکیب درغیر متجاوز عناصر کی ترکیب سے مقدم ہے جو کہ قوم لوط علیہ السلام میں ہے۔ پس فرعون کے واقعہ کو قوم لوط علیہ السلام کے واقعہ سے پہلے لانا ضروری ہوا لیکن اس کے واقعہ کو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے واقعہ سے پہلے اس وجہ سے لایا گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اہلِ مدین کو دو عذابوں کے ساتھ سزا دی گئی۔ تیز آواز کے ساتھ جو کہ شدید زلزلے کے ساتھ پیدا ہوئی تھی اور زلزلہ کی حقیقت شدید تیز ہوا کا زمین کے مسام میں داخل ہونا اور اس کا زمین کے مسام کے علاوہ دوسری جگہ سے نکلنا ہے۔ پس ہوا اور مٹی میں ترکیب لازم آئی اور یہ دونوں باہم تجاوز کرنے میں تاخیر نہیں کرتے اور دو غیر متجاوز کی ترکیب دو متجاوز اجزا کی ترکیب سے مؤخر ہے۔

اور اصحاب ایکہ ایک آتشی سائبان کے ساتھ ہلاک ہوئے اور اگرچہ اس عذاب میں بھی دو متجاوز اجزا کی ترکیب متحقق ہوئی لیکن ہوا اور پانی موافقت میں طبع انسانی بلکہ

marfat.com
Marfat.com

حیوانی اور نباتی طبیعت کے ساتھ بھی پوری شرکت رکھتے ہیں۔ بخلاف آگ کے کہ موالید (حیوانات' نباتات اور جمادات) کی طبیعت کی ضد ہونے میں عنصر ہوا سے پوری جدائی رکھتی ہے' جزو کے دُور ہونے سے بھی زیادہ۔ پس یہ ترکیب بہت عجیب اور غیر مانوس ہوئی اور غیر مانوس کام عادت کے مطابق کام سے بعد ہے اور جب لوط علیہ السلام کی قوم کا عذاب آتشی اور زمینی اجزا سے مرکب تھا کہ ارضیت کے غلبہ کی وجہ سے پتھر ہو کر گرے اور ان اجزا کو ہوا نے اوپر لے جانے اور نیچے اُتارنے میں خدمت کی۔ نیز زمین کے اجزا کو اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر اُلٹ پلٹ کرنا ان کی عمارات کی بنیادوں میں زبردست ہوا کے داخل کیے بغیر ممکن نہ تھا۔ پس حقیقت میں یہ عذاب ان تینوں عناصر کے ساتھ مرکب ہوا بلکہ معدنی صورت کی حد کو پہنچ گیا اور نرا بسیط ہونے سے نکل گیا اور اس نے موالید ثلاثہ میں سے ایک کا لباس پہن لیا اور مرکب کا مرتبہ بسیط سے بعد ہے اور تین چیزوں سے مرکب اس سے مؤخر ہے جو دو چیزوں سے مرکب ہے۔

اور نوح علیہ السلام کی قوم کے عذاب میں تمام عناصر نے خدمت کی' پانی کو حاکم بنا دیا گیا اور ہوا کو ایک صورت سے دوسری میں لے جانے کے لیے اس کا تابع فرمایا اور زمین کو چیر کر پانی کا مدد و معاون بنایا اور آگ کو اس کی پیوست اور حرارت کی قوت کو روک کر اور اس کائنات میں اس کی کیفیات کو مخفی کر کے مامور کیا گیا تاکہ محال کرنے اور محال ہونے کا معارضہ نہ کریں پھر اس عذاب کے حاقہ ہونے کے معنوں میں کشتی بنانے اور وحشی اور پالتو جانوروں کو ایمان والوں کے لیے ان کے منافع باقی رکھنے میں' انہیں مسخر کرنے میں معدنیات اور نباتات کی خدمت کی بھی ضرورت پڑی لہٰذا یہ عذاب تمام روئے زمین کے رہنے والوں کے لیے عام ہوا اور اس نے حاقہ حقیقی جو کہ قیامت ہے' کے ساتھ پوری مشابہت حاصل کی۔ پس اس کا بیان سب سے آخر میں زیادہ مناسب ہوا تاکہ حاقہ حقیقی کے بیان کے ساتھ متصل ہو اور حواق کے پیدا ہونے کی کیفیت آہستہ آہستہ پوری وضاحت کے ساتھ بشری ادراک میں جلوہ گر ہو اور قرآن پاک میں دوسرے مقامات پر جہاں ان واقعات کی زمانی ترتیب کا تقاضا ہوا' حضرت نوح علیہ

marfat.com
Marfat.com

السلام کے واقعہ کو تمام واقعات پر مقدم کیا گیا ہے اس کے بعد عاد کا واقعہ پھر ثمود کا واقعہ پھر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا واقعہ اس کے بعد فرعون کا واقعہ جیسا کہ سورۂ اعراف' سورۂ ہود' سورۂ شعرا' سورۂ قمر اور دوسری سورتوں میں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ فرقۂ ثمود کو اس وجہ سے کہ انہوں نے انکار کی حد سے گزر کر آیاتِ الٰہی جو کہ اللہ تعالیٰ کی ناقہ اور حضرت صالح علیہ السلام تھے' کے مٹانے میں کوشش کرنے لگے تھے' کتوں کو ڈانٹنے کی طرح ایک نہایت سخت آواز سے ڈانٹ پلائی گئی اور اسی ڈانٹ کی وجہ سے ان کے جسم بے جان ہو گئے اور ان کی روح کے کتے نے اپنے گھر کی راہ لی۔

## عاد کے لوگوں کی ہلاکت کا واقعہ

وَاَمَّا عَادٌ اور رہے عاد تو انہوں نے اپنے وقت کے پیغمبر علیہ السلام کے انکار اور تکذیب میں اس کشتی لڑنے والے پہلوان کی صورت پیدا کر لی تھی جو کہ اکھاڑے میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو جائے اور کہتے تھے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ہم سے قوت میں زیادہ سخت کون ہے؟ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان پر تین سال تک قحط مسلط فرمایا۔ انہوں نے مجبور ہو کر ستر (۷۰) آدمیوں کو مکہ معظمہ بھیجا تا کہ وہاں دعا کریں اور بارش طلب کریں اور ان کے تکبر نے یہ قبول نہ کیا کہ حضرت ہود علیہ السلام کے حضور التجا کریں اور آپ سے بارش کی دعا کی درخواست کریں اس زمانے میں مکہ شریف میں عمالقہ مسلط تھے جب وہ عمالقہ کے پاس پہنچے اور انہوں نے یہ ماجرا بیان کیا' ان میں سے مرثد نامی ایک شخص نے کہا کہ تمہیں اس مقام کی دعا فائدہ نہ دے گی' تمہیں چاہیے کہ اپنے پیغمبر علیہ السلام کی بات قبول کر لو اور دینِ حق پر یقین کر لو تا کہ تم اس مصیبت سے نجات پا لو کیونکہ تمہاری گفتگو کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قحط عذابِ الٰہی ہے' دوسرے قحطوں جیسا نہیں ہے کہ استسقاء اور دعا اس کا علاج ہو سکے۔

جب انہوں نے مرثد کی یہ بات سُنی تو کہنے لگے کہ اگر ہم یہاں سے مقصد حاصل

marfat.com
Marfat.com

کیے بغیر جائیں تو ہماری قوم ہمیں ذلیل کرے گی یہاں سے جیسے بھی ممکن ہو کام کر کے جانا چاہیے۔ مرشد سے اس کی تدبیر پوچھی اس نے کہا کہ تم سب کے سب سر اور پاؤں سے ننگے ہو کر اپنے آپ کو حاجیوں کی شکل میں کر کے کوہِ صفا پر آؤ جو کہ خانہ کعبہ کے سامنے ہے اور جب خانہ کعبہ تمہاری نظر میں آ جائے تو اس طرح دعا کرو کہ اے ہود علیہ السلام کے خدا! اگر ہود اس بات میں سچے ہیں کہ تیرے رسول علیہ السلام ہیں تو ہمیں بارش عطا فرما کہ ہم صرف بارش کی خاطر آئے ہیں۔ انہوں نے اسی طریقے پر عمل کیا اور ان کی دعا قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے بادل کے تین ٹکڑے بھیجے۔ ایک سفید ایک سرخ اور ایک سیاہ اور انہوں نے ایک آواز سنی کہ ان تین ٹکڑوں میں سے اپنے لیے ایک کو قبول کرو انہوں نے مشورہ کر کے سیاہ بادل قبول کر لیا کہ اس میں بارش زیادہ ہوتی ہے اور اپنے ملک کو روانہ ہوئے۔ وہ سیاہ بادل بھی ان کے سروں کے اوپر چل رہا تھا جب اپنے ملک کے قریب پہنچے تو چند آدمیوں کو جلدی سے آگے بھیجا کہ ہم بادل لائے ہیں' تم اپنے حوض اور تالاب صاف اور پاک کر چھوڑو اور خوش رہو اور کاشت کاری کے اسباب بیج اور ہل تیار کرو کہ یہ بادل تمہاری خواہش کے اندازے کے مطابق برسے گا۔ وہ یہ خوش خبری سن کر سب کے سب خوش ہو گئے کہ ہمارے بھیجے ہوؤں کی دعا قبول ہوئی اور بہت گہرا بادل آ گیا اور حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق طعن و تشنیع کی زبان کھول دی کہ یہ ہے ہماری دعا قبول ہوئی اور بارش آ گئی تو نے کہا تھا کہ عذاب آئے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بادل نہیں ہے' خدائی عذاب ہے' خوف کرو' ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا ہے' مجھ پر ایمان لاؤ اور بت پرستی چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا کہ اس بادل میں کیا عذاب آئے گا؟ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا سخت آندھی چلے گی جو تمہیں اور تمہاری عمارات کو تباہ کر دے گی۔ انہوں نے کہا کہ تو ہماری قوتِ بازو کو جانتا ہے پھر ہمیں ہوا کی تیزی سے ڈراتا ہے؟ وہ اسی گفتگو میں تھے کہ وہ بادل ان کے ملک کی حد میں پہنچ گیا اور سخت تیز ہوا چلنا شروع ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے بادِ عقیم کے متعلق حکم بھیجا جس کا خزانہ زمین کا چوتھا طبقہ ہے' کہ بیل کی ناک کے سوراخ کے برابر چھوڑ دو اور قومِ

marfat.com
Marfat.com

عاد پر مسلط کر دو۔ فرشتے جو کہ ہوا پر مقرر ہیں اگرچہ اس ملاحظہ کی بناء پر کہ کہیں یہ ہوا بے گناہوں کو ہلاک نہ کر دے' اس کی نگہبانی کرتے تھے' ہوا ان کے قبضے سے نکل گئی تھی اور قومِ عاد نے ہوا کی تیزی دیکھ کر مضبوط اور قلعہ بند مکانات میں پناہ لے لی تھی اور اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ رسیوں کے ساتھ باندھ لیا اور اپنے جانوروں کو وزنی زنجیروں میں مقید کر دیا اور اپنے اہل وعیال کو محفوظ جگہ میں سنبھال کر اللہ تعالیٰ کی ضعیف ترین مخلوق کے ساتھ کشتی کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اس کمزور ترین مخلوق نے ان کے ساتھ اس طرح کشتی لڑی کہ ان کی عورتوں کو جنہیں بھاری جثہ والی اونٹنیوں پر لوہے کے کجاووں میں سوار کر کے لوہے کی زنجیروں کے ساتھ اونٹنیوں کی پشتوں پر مضبوطی سے باندھا ہوا تھا' زمین سے اڑاتی تھی یہاں تک کہ وہ اونٹنی اس کجاوے اور عورت سمیت نظر میں مکڑی کی طرح نمودار ہوتی تھی اور وہاں سے زمین پر دے مارتی تھی یہاں تک کہ ان سب کو ہلاک کر دیا جبکہ حضرت ہود علیہ السلام نے ایمان والوں کے ساتھ ایک جزیرے میں داخل ہو کر اپنے اردگرد ایک خط کھینچ لیا تھا اور وہ ہوا جب اس خط کے اندر پہنچتی تھی تو نرم خوش گوار ہو جاتی تھی جبکہ اس خط سے باہر جس طرح بھی پہنچتی تھی' جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عذاب کے ساتھ جو کہ ان کی پہلوانی کے مناسب تھا' مبتلا کر دیا اور ہوا کو جو کہ منہ کے ساتھ پھونک مارنے کی وجہ سے چیزوں کو بکھیر دیتی ہے' ان کے ساتھ کشتی لڑنے کے لیے بھیج دیا تاکہ اس پہلوان کی قوت کا مشاہدہ کریں۔

فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ پس وہ ہلاک کر دیئے گئے اس ہوا کے ساتھ جس کے چلنے کے وقت سخت آواز نکلتی تھی۔ عَـــاتِيَةٍ نہایت تیز چلنے والی جو کہ محافظوں اور موکلوں کے قبضۂ اختیار سے باہر ہو گئی تھی جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ جہان والوں پر کبھی ہوا نہیں بھیجتا مگر ایک پیمانے کے مطابق اور بارش کا کوئی قطرہ نازل نہیں فرماتا مگر اندازے کے مطابق مگر طوفانِ نوح کے دن اور قومِ عاد کے عذاب کے دن کہ طوفان کے دن بارش کا پانی بارش کے موکل فرشتوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا اور عاد کے عذاب کے دن ہوا اپنے موکلوں کے قبضہ سے نکل گئی۔

marfat.com

Marfat.com

اور یہ ہوا کا اس قدر تیز چلنا فلکی اتصالات کے آثار سے نہ تھا ورنہ عاد کے کفار کے ساتھ تخصیص نہ رہتی اور ایمان والوں اور حضرت ہود علیہ السلام کو بھی تکلیف پہنچتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے

سَخَّرَهَا کمال غضب اور انتقام کے ارادے کے ساتھ مسلط کر دیا تھا۔ عَلَيْهِمْ صرف فرقۂ عاد پر نہ کہ ایمان والوں اور حضرت ہود علیہ السلام پر اور یہ مسلط کرنا بھی ایک دو گھڑی کے لیے نہ تھا بلکہ

سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمَانِيَةَ اَيَّامٍ سات رات اور آٹھ دن تھا۔ ۲۲ شوال بدھ کی صبح سے ہوا کا تسلط شروع ہوا اور ۲۹ ماہ مذکور بدھ کی شام کو پورا ہوا اس لیے کہ عاد کے لوگ لاف زنی اور تکبر کے طور پر کہا کرتے تھے کہ یہ قحط کیا ہے' ہم میں اتنی قوت ہے کہ اگر سات سال تک اسی طرح کا قحط رہے تو ہم برداشت کر سکتے ہیں۔ پس ہر سال کے مقابلے میں ان پر ایک رات اور دن کے دورے کے برابر ہوا کا عذاب مسلط فرمایا گیا اور ایک دن بڑھا دیا گیا تا کہ ان میں سے بعض دوسرے بعض کی کمزوری کو دیکھیں اور ایک دوسرے کی ہلاکت کی وجہ سے غم اور پریشانی اُٹھائیں۔ چنانچہ ابن جریج اور دوسرے مفسرین نے روایت کی ہے کہ یہ لوگ ہوا کے اس قدر تھپیڑوں کے باوجود اتنی مدت زندہ رہے اور آخری بدھ کو سب بے جان ہو گئے اور ہوا نے ان کے جسم اُٹھا کر دریائے شور میں پھینک دیئے اور ان آٹھ دنوں اور سات راتوں میں کوئی فاصلہ نہ تھا تا کہ درمیان میں کچھ ستا کر پھر عذاب اُٹھانے کی قوت پیدا کریں بلکہ

حُسُوْمًا جو کہ پے در پے تھے جیسا کہ ذکر کیا گیا اور عرب ان دنوں کو (ایام عجوز) یعنی بڑھیا کے ایام کہتے ہیں جو کہ سردیوں کے موسم کے آخر میں مشہور و معروف ہیں اور بردالعجوز کی ضرب المثل ہے اور عربوں کے نزدیک ان دنوں کے نام مقرر ہیں۔ پہلے دن کو صن' دوسرے دن کو صبر' تیسرے دن کو دبر' چوتھے دن کو آمر' پانچویں دن کو موتمر' چھٹے دن کو مطفی الجمر' ساتویں دن کو مکفی الظعن کہتے ہیں اور عوام الناس ان دنوں کو عجوز یعنی بڑھیا کی طرف منسوب کرنے کی وجہ میں کہتے ہیں کہ قوم عاد کی ایک بڑھیا ان دنوں میں

marfat.com
Marfat.com

ایک تہہ خانہ میں گھس کر چھپ گئی تھی آٹھویں دن ہوا نے اسے بھی تہہ خانے سے باہر کھینچ لیا اور زمین پر پٹخ کر ہلاک کردیا لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ لفظ عجوز عوام کا ایک غلط استعمال ہے۔ اصل میں عجز ہے اور عجز جانور کے اس نچلے حصے کو کہتے ہیں جو کہ دُم کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور ان دنوں کو ایامِ عجز اس لیے کہتے ہیں کہ موسمِ سرما کے آخر میں واقع ہوتے ہیں۔

بہر حال فرقۂ عاد کی قوت اور زور آوری ہوا کے نقصان کو روکنے میں کار آمد نہ ہوئی اور اس ہوا کے ہاتھوں اس طرح پامال اور عاجز ہوئے کہ جس طرح بازی گر پہلوان کے ہاتھ میں لکڑی کا جالا۔

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى پس اے دیکھنے والے! تو دیکھتا اگر تو اس وقت حاضر ہوتا اس قوی ہیکل زور آور قوم کو ان تھوڑی سی راتوں اور دنوں میں کہ بے جان پڑے تھے ہوا نے ان کی روحیں نکال کر مردہ کر کے پھینک دیا تھا۔

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ گویا کہ وہ کھجور کے درخت کے تنے تھے قد کی لمبائی اور بدن کی گندگی میں کہ کھوکھلے ہو کر گر پڑے ہوں یہاں تک کہ ہوا ان کے مساموں اور سوراخوں میں آتی اور جاتی تھی اور آواز کرتی تھی۔ گویا ان کے بدن میں کوئی رطوبت باقی نہ رہی تھی ان سب کو جلا کر خشک کر دیا تھا۔

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ ۢبَاقِيَةٍ پس کیا تو ان دونوں فرقوں کا بقیہ دیکھتا ہے جو اپنے آپ کو ان کی نسل کہے اور ان سے منسوب کرے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ حاق نامی عذاب اس عذاب پانے والی قوم کا نام ونشان نہیں چھوڑتا اور آدمی کی نسل ختم کر دیتا ہے۔ بخلاف ابتلا وامتحان کے کہ وہ اتنا عام اور سب کو شامل نہیں ہوتا۔

فرعون' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت شعیب اور حضرت لوط نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ اور فرعون آیا وجود اور تسلط کے میدان میں' فرعون دراصل بادشاہ مصر کا لقب ہے جو کہ قبطیوں سے ہوتا تھا جیسا کہ قیصر بادشاہ روم کا لقب' کسریٰ بادشاہ

marfat.com

Marfat.com

فارس کا لقب' خاقان بادشاہ ترک کا لقب' تبع بادشاہ یمن کا لقب اور راجہ بادشاہ ہند کا لقب ہے اور اس فرعون سے ایک معین شخص مراد ہے جو کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا۔ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ اس کا نام قابوس تھا' قبطیوں کی قوم سے تھا اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا نام مصعب بن ریان تھا اور اس کا باپ ریان بن ولید حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر کی بادشاہی کرتا تھا۔

وَمَنْ قَبْلَهُ اور نیز عرصہ وجود میں آئے وہ لوگ جو کہ فرعون سے پہلے تھے اور ان سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے اور وہ دو گروہ تھے۔ ایک اصحاب مدین جو کہ عین شہر میں سکونت رکھتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی اولاد سے تھے۔ دوسرے اصحاب ایکہ جو کہ شہر سے باہر جنگل میں رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو رسالت کے عنوان سے دونوں گروہوں کی طرف بھیجا اور مذہب اور بت پرستی میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک تھے۔

وَالْمُؤْتَفِكَاتُ اور اُلٹے ہوئے شہر اور وہ چھ شہر یا پانچ شہر تھے اور ان میں سے سب سے بڑا شہر سدوم تھا کہ اس میں چار لاکھ انسان تھے۔ حق تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہوتے تھے' ان کے پاس رسالت کے طریقے سے بھیجا اور آپ ان کے درمیان بیس سال تک رہے اور انہیں دعوت دی اور وہ ایمان نہ لائے۔

بِالْخَاطِئَةِ جان بوجھ کر کیے گئے گناہوں کے ساتھ کہ ان کا خطا ہونا ہر شخص کے نزدیک ظاہر تھا۔

لیکن فرعون کے گناہ تو ابتدا میں پیغمبر زادوں کی دشمنی تھی جو کہ بنی اسرائیل تھے اور اس دشمنی کا سبب یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں جو کہ ریان کی طرف سے ممالک مصر کے مختار ہو گئے تھے' بنی اسرائیل شام سے مصر میں چلے گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اقتدار اور شان کی وجہ سے مصر کے لوگ ان کی بے حد عزت و احترام کرتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ فرعون بادشاہ بنا' بنی

marfat.com
Marfat.com

اسرائیل کی عزت اور احترام اسے بہت ناگوار گزرا اور اس نے چاہا کہ انہیں مصر کے لوگوں کی نظر میں ذلیل وحقیر کردے تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سرداری کا خیال بنی اسرائیل کے دل میں کھٹکے تک نہیں اور وہ امور ریاست میں مداخلت کے طلب گار نہ ہوں اور رفتہ رفتہ ان پر اس قدر ظلم کیے کہ وہ چماروں کی طرح اس کی بے گار کرتے تھے۔ بعض کے ذمہ اپنی عمارات کی تعمیر لگا دی تھی اور بعض کے ذمہ زراعت اور باغبانی اور بعض کے ذمہ اینٹیں بنانا اور اینٹیں پکانا مقرر کردیا تھا اور ان پر سخت پیادے مقرر کردیئے اور اپنے آپ کو اہلِ مصر کا معبود قرار دے کر خود کو سجدہ کراتا تھا۔

اور جب بنی اسرائیل اس کام کو قبول نہیں کرتے تھے تو ان پر زیادہ بگڑتا اور انہیں سزائیں دیتا یہاں تک کہ اسے کاہنوں اور نجومیوں نے خبر دی کہ بنی اسرائیل کے گروہ سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری بادشاہی کا زوال ہے اس خطرے کے پیش نظر اس نے یہ حکم نافذ کیا کہ بنی اسرائیل کے گھر گھر کی جستجو کریں' ان کی عورتوں میں سے جسے حاملہ پائیں' ان کا شمار کرکے ان کے نام کوتوال کے دفتر میں درج کرائیں پھر جب ولادت کا وقت قریب ہو تو کوتوال کے کارندے دروازے پر کھڑے رہیں اور دائیاں پیدا شدہ بچے کا ان کارندوں کو پتہ دیں اگر لڑکا ہو تو اسے اسی وقت قتل کردیں اور اگر لڑکی ہو تو چھوڑ دیں اس کا یہ ظلم سالہا سال تک جاری رہا اور اس کے علاوہ جو بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا' عام لوگوں کے نزدیک ضرب المثل ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بت پرستی اور شرک پر مجبور کرتا تھا اور لوگوں کو جو میخا کر کے عذاب دینا اسی بدبخت کی ایجاد ہے اور ہوتے ہوتے اس کا کفر اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ بلند آواز کے ساتھ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی کہتا تھا۔

رہے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے گناہ تو جو چیز اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ کے درمیان مشترک تھی' بت پرستی اور ماپ تول میں بددیانتی تھی کہ یہ دونوں کام ان کے درمیان بہت زیادہ رائج ہو چکے تھے اور جو اصحابِ مدین کے ساتھ مخصوص ہے' رہزنی اور ڈکیتی ہے کہ شام اور مصر کے راستہ پر چھوٹے چھوٹے قلعے بنا کر ان میں چھپ کر بیٹھ

marfat.com
Marfat.com

جاتے تھے اور قافلوں پر حملے کرتے اور بے شمار مال لاتے تھے۔

رہے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے گناہ تو ان میں سب سے بڑا گناہ لواطت تھی کہ مرد مردوں کے ساتھ کرتے تھے اور اس نہایت برے فعل کے علاوہ اور بدعتیں بھی ان میں رواج پا چکی تھیں۔ ان میں سے کبوتر بازی' مینڈھے لڑانا' کتے لڑانا ہے اور ان میں سے ایک یہ کہ مہمان کو گھر میں جگہ نہ دینا اور کسی دور کے علاقے سے کوئی شخص غلہ خریدنے کے لیے ان کے ملک میں آتا تو اسے خریدنے نہ دینا اور مذاق میں ایک دوسرے کو گالی دینا' فحش کلامی کرنا اور جو راہ سے گزرتا اسے مذاق کرنا اور ان میں بے شرمی اور بے حیائی اس قدر رواج پا چکی تھی کہ ایک دوسرے کے سامنے جسم سے چادر اتار دیتے تھے اور ایک دوسرے کے سامنے لواطت کرتے تھے اور عورتوں کی طرح دانتوں پر مسی ملتے تھے اور عورتوں کی طرح اپنے ہاتھ پاؤں کو مہندی کے ساتھ رنگین کرتے تھے۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیٰ نبینا وعلیہما السلام کو فرعون کی طرف' حضرت شعیب علیہ السلام کو اہلِ مدین اور اصحابِ ایکہ کی طرف اور حضرت لوط علیہ السلام کو اہلِ سدوم وغیرہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور انہوں نے انہیں ان انتہائی برے کاموں سے منع فرمایا۔

**فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ** پس یہ سب کے سب اپنے پروردگار کے ہر ایک رسول کے نافرمان ہو گئے اور اپنی خطاؤں پر متنبہ نہ ہوئے بلکہ اپنے وقت کے رسول علیہ السلام کے مقابلے میں لڑائی جھگڑا اور فساد شروع کر دیا۔

**فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً** پس انہیں ان کے پروردگار نے ایسی گرفت سے پکڑا جو کہ اس سے زائد تھی جس کے صرف پیغمبروں کے انکار کی وجہ سے مستحق ہوتے تا کہ جو زیادہ ہے وہ ان کے ان گناہوں کے مقابلے میں واقع ہو۔ پس فرعون کو اس کے کہنے کے مطابق غرق کر کے ہلاک فرمایا اس لیے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک داد طلب کرنے والے کی شکل میں بر سر دربار آ کر پوچھا کہ اگر کسی شخص کا غلام بندگی کا انکار کرے اور اپنے مالک کے مقابلے میں مالک ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کے متعلق

marfat.com
Marfat.com

بادشاہ کا کیا حکم ہے؟ اسے کس قسم کی سزا دی جائے؟ فرعون نے کہا کہ اس قسم کے نعمت کے ناشکر غلام کو دریا میں غرق کرنا چاہیے۔ نیز فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے فخر اور بلندی مرتبت کے مقام میں بار بار اس چیز کا ذکر کرتا تھا کہ میں نے ملک مصر میں نہریں جاری کی ہیں اور میں نے ان نہروں کو اپنی عمارات کے نیچے جاری کیا ہے تو چونکہ وہ زیادہ تر جاری نہروں کے ساتھ لذت اور فخر حاصل کرتا تھا اس لیے اسے دریا میں غرق کرنا زیادہ مناسب تھا کہ ان چھوٹی نہروں سے کیا کھلتا ہے۔ تو جو مصر کا بادشاہ ہوتا ہے' چاہیے کہ اس وسیع سمندر کا تماشا کرے اور جس طرح تو ان نہروں کو اپنی عمارات کے نیچے جاری کر کے عیش کرتا تھا' میں اس وسیع سمندر کے تیرے سر اور پورے بدن پر جاری کروں گا تا کہ تیری لذت کے اسباب ہر طرف سے محیط اور شامل ہوں۔

اور فرعون کے عذاب کی زیادتی اس طرح ہوئی کہ ایک لمحے میں تمام بادشاہی' عمارات' باغات' نفیس فرشوں والے محلات اور بے شمار خزانے اس کے قبضے سے نکال کر اس کے دشمنوں کو عطا فرما دیئے جو کہ اس کی نظر میں نہایت حقیر اور ناچیز تھے اور بادشاہوں پر اس قسم کا کوئی عذاب نہیں ہوتا۔

اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو جو کہ دو گروہ تھے' مختلف طریقوں سے عذاب دیا گیا۔ اصحاب مدین کو ثمود کی چیخ کی مثل چیخ بھی پہنچی اور زلزلے نے بھی ہلاک کیا تو ایک قسم کا دوسری قسموں کے ساتھ ملنا زیادتی کا باعث ہوا۔ ان کی چیخ حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب اور آپ کو حقیر سمجھنے کے مقابلے میں تھی اور ان کا زلزلہ اس کے مقابلے میں جو وہ پیمانے اور ترازو کو ماپنے اور تولنے کے وقت ہلاتے اور لرزاتے تھے تا کہ ماپ اور تول برابر نہ رہے اور مؤتفکات کو پہلے نیچے سے اوپر لے گئے پھر اُلٹے کر کے گرائے گئے اس لیے کہ ان کا کام لواطت اور بے حیائی تھا کہ اس میں حقیقت کا بدلنا ہے۔ مرد کو حق تعالیٰ نے اس ذلت اور رسوائی کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ اس لئے عورت پر سوار ہو۔ اور اس کے بعد آسمان کی طرف سے چلے ہوئے پتھر برسائے اس لیے لواطت میں بدکاری کی لذتیں حاصل کرتے تھے اور بدکاری کی حد سنگساری ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور یہاں بعض لوگوں کے دِلوں میں ایک شبہ گزرتا ہے کہ جب لوط علیہ السلام کی قوم کے شہروں کو اُلٹ دیا گیا اس دوران وہ لوگ ہلاک ہو گئے ہوں گے اور ان کے جسم زمین کے نیچے کافی فاصلے پر چھپ گئے پھران پر پتھر برسانے کا کیا فائدہ؟ کہ وہ پتھر تو اُلٹی ہوئی مٹی کے ڈھیروں پر گرے ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پتھر اپنے مادے کی گرمی کی وجہ سے جس نے گندھک کی خاصیت پیدا کر لی تھی اور اُترنے والی حرکت کی قوت کہ طبیعتہً بھی اور حرکت کسری بھی اس میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک تھے' کی وجہ سے اس قدر اثر کرتے تھے کہ زمین کی اوپر کی سطح کو پھاڑ کر اس قوم کے جسموں میں داخل ہو جاتے تھے اور جلا دیتے تھے اور اگرچہ اُلٹا ہونے کی حالت میں اس بات کا احتمال نہیں ہے کہ ان کی روحیں جسموں سے جدا ہو گئی ہوں گی لیکن روح کو بدن کے ساتھ جو تعلق جدا ہونے کے بعد بھی رہتا ہے' روح کے عذاب کا سبب ہوتا ہے اور اسی لیے میت کی ہڈی توڑنے اور اس کے جسم کو سختی کے ساتھ حرکت دینے سے روکا گیا ہے۔ پس شہروں کو اُلٹا کرنا ان کا دنیوی عذاب تھا اور سجیل کے پتھروں کا جلانا ان کا برزخی عذاب تھا۔

اور احتمال ہے کہ اُلٹنے کی صورت میں کہ ابھی زمین کے نیچے نہ پہنچے ہوں' انہیں پتھر برسا دکھایا گیا ہو تو یہ بھی دنیوی عذاب کے قبیلے ہو۔ بہرحال یہ پانچ واقعات حاقہ حقیقی کی نظیر ہیں کہ کفار کو کفر اور نافرمانی کے مقابلے میں مسلمانوں کی شمولیت کے بغیر اور فلکی اور عنصری اسباب طلب کیے بغیر مختلف قسموں کے عذابوں کے ساتھ بالکل نیست و نابود کر دیا گیا۔

اور اگر ان دلائل اور مثالوں کے باوجود بھی کسی کا شبہ زائل نہ ہو اور وہ کہے کہ ان واقعات میں کہ ایمان والوں کو محفوظ رکھا اور کافروں کو نیست و نابود کر دیا گیا' پہلے مسلمانوں کو جدا کر دیا گیا تا کہ عذاب کے مقام میں نہ آئیں اور وہاں سے دُور چلے جائیں۔ گو ایمان والوں کو عذاب آنے سے خبردار کرنا اور انہیں مقامِ عذاب سے دُور کرنا ایک امتیاز کا موجب ہوا ہو لیکن قیامت کے دن کہ ایمان والے اور کفار ایک مقام پر جمع

marfat.com
Marfat.com

ہوں اور وہاں سے جانے کا تصور نہ ہو اور عذاب کے اسباب عام ہوں تو حاقہ کے معنی کا تصور کس طرح کیا جاسکتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی دلیل اور مثال بھی سن لو۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ تحقیق ہم نے جب آسمان کے پانی نے بارش کی کثرت اور زمین کے پانی نے جوش مارتے ہوئے چشموں کے جاری ہونے کی وجہ سے طغیانی کی یہاں تک کہ تمام سطح زمین کو ڈھانپ لیا اور اونچے پہاڑوں سے بھی چالیس چالیس گز پانی اونچا ہوگیا اور آسمان اور زمین کے درمیان بھی چالیس روز تک بارش کی وجہ سے پانی غالب رہا اور یہ واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کے قوم کے حاقہ کا تھا اور طوفان اسی واقعہ سے عبارت ہے اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والوں کے لیے طوفان کے پورے روئے زمین اور زمین و آسمان کے درمیان کو شامل اور عام ہونے کی وجہ سے جائے فرار بالکل نہ رہی تھی' جہاں جاتے تھے اس طوفان میں شریک ہوتے تھے اور تم بھی جو اس وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری میں مشغول ہو' حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والوں کے فوت ہونے کی صورت میں ہلاک ہوتے تھے اس لیے کہ تم حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کی نسل سے ہو۔ پس تمہارا اس وقت وجود تمہارے آباؤ اجداد کے وجود کی اس وقت حفاظت کے بغیر ممکن نہ تھا اس بناء پر ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والوں کو ایک اور تدبیر سکھائی کہ عین طوفان میں شریک بھی ہوں اور عذاب سے ہر طرح محفوظ بھی رہیں۔

اور اس تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ پانی طبعی طور پر ثقیل ہے' تقاضا کرتا ہے کہ روئے زمین پر کھڑا رہے اگر کسی چیز کو جو کہ زمین کے غالب اجزاء سے مرکب ہے اس میں پھینکیں تو اسے اپنی تہ میں بٹھالے اور خود اس چیز کے اوپر ہو جاتا ہے۔ پس کوئی ایسا لطیف جوہر چاہیے جو کہ پانی کے اوپر گردش کرے اور اس کی تہ میں نہ بیٹھے اور اس قسم کا جوہر لطیف دو عناصر میں منحصر ہے' آگ اور ہوا۔ آگ طبعی طور پر جلانے والی ہے' آدمی کو آگ پر سوار کرنا اسے فی الفور ہلاکت کے سپرد کرنا ہے اور ہوا اگرچہ طبعی طور پر آدمی کے موافق ہے اور اس کی بنیاد کو خراب نہیں کرتی لیکن اس میں پائی جانے والی لطافت کی وجہ

marfat.com
Marfat.com

نے اس قابل نہیں ہے کہ اس پر آدمی کا ثقیل جسم سوار ہو اس لیے ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس چیز کے مرکبات اختیار کریں جو کہ درمیان میں مسام اور سوراخ ہونے کی وجہ سے زیادہ تر ہوا کا ظرف ہو اور کافی ہوا اس میں رُکی رہتی ہے اور وہ لکڑی کا جسم ہے کہ ہوا اس کے مساموں اور سوراخوں میں ہمیشہ داخل ہوتی ہے اور اسے اُٹھائے رکھتی ہے۔ بخلافِ معدنیات اور حیوانات کے اور یہی وجہ ہے کہ لکڑی اور درختوں کے پتے اگرچہ کافی مقدار اور بڑے حجم میں ہوں' پانی کی سطح پر رہتے ہیں اور اس کی تہ میں نہیں بیٹھتے۔

جبکہ معدنی جسم جیسے لوہا وغیرہ اور حیوانی جسم تھوڑا سا بھی اور تھوڑے جسم والا بھی پانی کی تہ میں بیٹھ جاتا ہے اس لیے کہ وہ یعنی لکڑی ہوا کا ظرف ہے اور ہوا لطیف اور پانی کے اوپر رہنے اور ظرف کو اس مسئلہ میں مظروف کا حکم حاصل ہے جبکہ معدنی اور حیوانی اجسام حجم کی کثرت اور مساموں کے کثیف ہونے کی وجہ سے ہوا کا ظرف نہیں ہو سکتے' ان کے زمینی اجزاء غالب ہوتے ہیں اور مٹی کا جوہر ثقیل اور تہ نشین ہے۔

اور اس نباتی جسم سے ایک مختصر سا شہر بنائیں جس میں آدمیوں' حیوانوں اور چھ ماہ کی خوراک کی گنجائش ہو سکے اور اس شہر کو تہ بہ تہ بنائیں۔ ایک تہ میں درندے اور چارپایوں کو رکھیں اور دوسرے تہ میں آدمیوں اور جنوں کو اور اوپر کی تہ میں پرندوں کو رکھیں۔ سب جانوروں کو مسخر اور پابند کر دیا گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ان جانوروں سے ایک ایک جوڑا پکڑ لیں اور قدرتِ الٰہی نے حضرت نوح علیہ السلام کے ہاتھ کو اسی جوڑے پر ڈالا جس سے کہ قیامت تک اس کی نسل کی بقاء مقدر تھی پھر چگنے اور اُڑنے والے درندوں کے درمیان اور موذی حشرات الارض کے درمیان اور دوسرے جانوروں میں جو عداوت اور تعدی ہے' اسے ختم کر دیا گیا تا کہ چھ ماہ کی مدت تک ان کا ایک اکٹھے رہنا صورت پکڑ سکے اور جب ، مان کی بارش کے پانی سے سر ڈھانپنے والی شے کے بغیر حفاظت ممکن نہ تھی' آپ کے دل میں القاء فرمایا کہ اس جاری شہر کے لیے ایک سرپوش بھی لکڑی سے بنائیں کہ اس میں

marfat.com

Marfat.com

سوار ہونے کے بعد اس کے اوپر سے سرپوش کو کھینچ لیں اور روشنی کے لیے اس میں اس طرح جھروکے بھی رکھیں کہ ان میں بارش کا پانی نہ جائے اور اس جاری شہر کا نام سفینہ' جہاز اور کشتی رکھا گیا۔

اور جب اس خود ساختہ وجود کو مدت دراز تک پانی کی سطح کو چیرتا اور اس کی موجوں کے صدمے برداشت کرنا درپیش تھا' حکم ہوا کہ اس کا سر مرغے کے سر کی طرح اس کا سینہ بطخ کے سینے کی طرح اور اس کی دُم کبوتر کی دُم کی طرح بنائیں تاکہ موجوں کے صدمے کی وجہ سے اُلٹنے نہ پائے اور چونکہ طوفان آنے کا وقت واضح نہیں کیا گیا تھا اس لیے ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والوں کو ایک علامت مقرر کر کے نشان دے دیا کہ جب بھی تمہارے گھر کے تنور سے پانی جوش مارنے لگے تو جان لینا کہ پانی کے عنصر کی طغیانی قریب پہنچ گئی اور عالم آب کی روح تمام عناصر پر اس درجہ غالب ہوئی کہ تنور کی آگ اس کے مقابلے میں کالعدم ہوگئی۔ چنانچہ اس علامت کے تحقق کے وقت

حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ہم نے تمہیں چلنے والی کشتی میں اُٹھالیا جو کہ طوفان کے پانی میں بھی تھی اور غرق بھی نہیں ہوتی تھی۔ پس عذاب میں شریک ہونے کے باوجود ہم نے تمہیں اس وجہ سے محفوظ رکھا کہ تم ایمان والوں کی پشتوں میں تھے اور تمہاری کشتی عذاب کے مارے ہر جو کہ طوفان کا پانی تھا' پوری آہستگی کے ساتھ چل نکلی جس طرح کہ ایمان والے قیامت کے دن پلِ صراط پر جو کہ جہنم کی پشت پر ہوگی' چلیں گے اور اس تدبیر کی تعلیم میں ہم نے تمہارے لیے ایک اور منفعت کا ارادہ فرمایا کہ

## اہل بیت کے ساتھ توسل

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً تاکہ ہم اس کشتی کو تمہارے لیے یادگار کر دیں اور جہاں بھی تمہیں غرق ہونے کا خطرہ ہو اور تم چاہو کہ پانی کی سطح کو عبور کر کے ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک منتقل ہو جاؤ تو نباتی اور لکڑی کے جسموں سے اسی قسم کا چلنے والا گھر بنا کر کام میں لاؤ اور عقلی غور و فکر سے کھوج لگاؤ کہ طبعی گناہوں کے بوجھ سے نجات جو کہ پانی کی طرح غرق کرنے والے ہیں اور ہاویہ کی

marfat.com

Marfat.com

گہرائی میں ڈال دیتے ہیں' بغیر اس کے ان لوگوں سے توسل کیا جائے جنہوں نے اپنے آپ کو نہایت لطیف کا ظرف بنا دیا ہو جیسے لکڑی جس نے خود کو ہوائے لطیف کا ظرف کر دیا ہے' ممکن نہیں ہے۔ پس جس طرح بھی ممکن ہو' اپنے آپ کو ان ظروفِ لطیفہ کے دل میں جگہ دینا چاہیے تا کہ اس لطیف کی برکت ہمارے بھی شاملِ حال ہو جو کہ ان ظروف کا مظروف ہے اور اس حکم سے کہ ہم ان ظروف کے مظروف ہیں اور وہ لطیف بھی ان ظروف کا مظروف ہے اس لطیف کے ساتھ ہم ظرف ہونے کا شرف حاصل کریں اور اپنے آپ کو گناہوں کے بوجھ سے چھڑالیں اور وہ ظروفِ لطیفہ ہر دور میں کمیاب اور ان کا پایا جانا نادر ہوتا ہے' ان کی طلب اور تفتیش میں لازمی طور پر لگ جانا چاہیے اور ان کی پیروی اور محبت میں دل و جان کے ساتھ کوشش کرنا چاہیے تا کہ ہم ان کے دلوں میں جگہ پیدا کرلیں اور اس اُمت کے لیے وہ ظروفِ لطیفہ اہلِ بیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کی محبت اور ان کی پیروی اس بات کا موجب ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں اس شخص کے لیے جگہ پیدا ہو جائے اور چونکہ وہ دل حضرت باری جل اسمہ کے نورِ لطیف سے معمور اور بھرپور ہیں تو مشارکت ظرف اور مجاورت مکان کی وجہ سے اس دربارِ عالی سے کوئی مناسبت پیدا ہو جائے جو کہ طبعی گناہوں کو دُور کرنے میں تریاق کا حکم رکھتی ہے اور کیا ہی اچھا ہے جو کہا گیا بیت

بے چاری چیونٹی نے کعبہ پہنچنے کی خواہش کی اس نے کبوتر کے پاؤں میں ہاتھ ڈالا اور اچانک پہنچ گئی۔

اور اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ **مثل اھلِ بیتی فیکم مثل سفینة نوح من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا غرق** یعنی میرے اہلِ بیت تم میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی مثل ہیں جو اس کشتی میں سوار ہوا' طوفان سے نجات پائے اور جو اس کشتی سے پیچھے رہ گیا' طوفان میں غرق ہو گیا۔

اور بارگاہِ اہلِ بیت کو ان مراتب اور فضیلت کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آپ کے عملی کمال کی صورت ہے جبکہ حضرات اہلِ بیت

marfat.com

Marfat.com

کو بھی حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے کمال کی صورت بنا دیا تھا جو کہ طریقت سے عبارت ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے کمال عملی کا کسی شخص کی آپ کے ساتھ قوائے روحیہ عصمت' حفظ' فتوت اور سماعت میں مناسبت کے بغیر تصور نہیں ہے کہ کسی میں جلوہ گر ہو اور اس مناسبت کا ولادت اور اصل اور فرع ہونے کے تعلق کے بغیر حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ پس اس کمال کو اس کے سارے شعبوں سمیت کہ یہ مختلف ولایات کا معدن ہے اس مقام پر جاری فرما دیا گیا اور اسی پرنالہ سے ڈالا گیا اور یہی امامت کا معنی ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کو اس کا وصی بنایا اور یہی اس بات کا راز ہے کہ یہ بزرگوار اولیائے اُمت کے تمام سلاسل کا مرجع قرار پائے اور جو شخص حبل اللہ کو پکڑتا ہے' چار و ناچار اس کی سند استفاضہ ان بزرگوں تک پہنچتی ہے اور وہ اس کشتی میں بیٹھتا ہے۔ بخلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کمال علمی کے جو کہ زیادہ تر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں جلوہ گر رہا اس لیے کہ اس کمال کے نقش ہونے کے لیے مدت دراز تک استاذ کے ساتھ شاگردی کی صحبت' ان کی پسندیدگیوں کو سمجھنا اور ان سے مشکلات کے حل اور نامعلوم مسائل کو نکالنے میں آئین سیکھنا ضروری ہے۔

## صحابہ کرام کا مقتدائے کائنات ہونے کا بیان

## اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولایت کا ثبوت

اور اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمِ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ دریائے حقیقت علمی بازو اور عملی بازو کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو ان دونوں بازوؤں کو حاصل کرنا ضروری ہوا جس طرح دریا عبور کرنا' کشتی کی سواری اور ستاروں کے حال کی رعایت تاکہ توجہ والی سمت کا دوسری سمت سے امتیاز ہو سکے' کے بغیر ممکن نہیں ہے اور اسی لیے فرمایا ہے۔

وَّتَعِیَهَآ اور یاد رکھے اس کشتی کے واقعہ کو اور طوفان میں غرق ہونے سے نجات پانے کی کیفیت کو جو کہ اس تدبیر سے ایمان والوں کو حاصل ہوئی۔ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ وہ کان جو

marfat.com
Marfat.com

اس قسم کے امور کو یاد رکھنے والا ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: **سألت اللّٰہ ان یجعلها اذنك**۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ تیرا کان ہو۔ اور حضرت امیر المومنین کو اس شرف اور مرتبے کے ساتھ مخصوص کرنا اسی نکتہ کے لیے ہے کہ اہلِ بیت کے کشتی ہونے کا معنی حضرت امیر کے واسطے کے بغیر متصور نہ تھا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت جو کہ اس طریقے کی امامت کے قابل تھے' اس وقت کم عمر تھے اور ان کی تربیت کو کسی اور کے حوالے کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کمال کے منافی تھا تو ناچار گناہوں کے ثقل سے نجات کے قواعد کا حضرت امیر المومنین پر القاء کرنا' انہیں امام بنانا اور اپنے کمال عملی کو ان کی صورت میں متصور کرنا ضروری ہوا کہ آپ باپ ہونے کے حکم سے اس کمال کو تازہ بتازہ صاحب زادوں تک پہنچائیں اور یہ سلسلہ قیامِ قیامت تک ان کے واسطے سے جاری رہے اور اسی لیے حضرت امیر المومنین کو یعسوب المومنین کا خطاب دیا گیا ہے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ جناب حضرت امیر المومنین نے اس وجہ سے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آغوشِ رحمت میں پرورش پائی تھی اور حضور علیہ السلام کے ساتھ دامادی کا تعلق بھی رکھتے تھے اور بچپنے سے ہی ہر کام میں حضور کے رفیق اور ساتھی تھے' بیٹے کا حکم پالیا تھا اور قریبی رشتے داری کی وجہ سے جو کہ آپ کو حاصل تھی' روحانی قوتیٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کو پوری مناسبت حاصل تھی۔ تو گویا حضرت امیر' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال عملی کا سایہ اور صورت تھے جو کہ ولایت اور طریقت سے عبارت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے آپ کی وہ استعداد کئی گنا بڑھ گئی اور مرتبہ کمال کی انتہا کو پہنچ گئی جیسا کہ ہر طریقے اور ہر سلسلے کے اولیائے اللہ کے ظاہر و باطن میں اس کے آثار ظاہر ہیں۔ **والحمدللّٰہ**

اور جب خاص و عام حواق جو کہ دنیا میں واقع ہوئے ہیں' معلوم ہو گئے تو حاقۂ ...دنی کا تصور آسان ہو گیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حاقۂ اخروی میں عموم اور شمول زیادہ

marfat.com
Marfat.com

اور وافر ہوگا۔

فَـاِذَا نُـفِخَ فِي الصُّوْرِ تو جب صور میں پھونک ماری جائے گی' ثمود کی چیخ کی طرح جو کہ حقیقت جبرئیلی کے آثار سے تھی اور یہ پھونک مارنا حقیقت اسرافیلی کے آثار سے ہوگا اور روح نکالنے کے لیے حقیقت عزرائیلی اس کی خادم ہوگی جیسا کہ ثمود کی چیخ سے بھی اس فرقہ کی ارواح نکالنے کے لیے یہ اس کی خادم ہوئی تھی' دونوں آوازوں میں فرق یہ ہے کہ یہ نفخہ نہ ہوگا مگر

نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ایسا پھونک مارنا کہ تنہا ایک شخص جہان کے تمام جان داروں کی ارواح کھینچنے میں کافی ہوگا۔ بخلاف صیحۂ ثمود کے کہ صرف فرقۂ ثمود کی ارواح کھینچنے کے ساتھ خاص تھا اور بس تو اگر اس صیحہ کو تمام ذوی الارواح کے لیے فرض کیا جاتا تو کئی متعدد صیحات چاہیے تھیں اور اس نفخ سے پہلا نفخہ مراد ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے اس لیے کہ کائنات کی خرابی اور زمین اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے کی ابتدا وہی ہے۔

اور وہ جو بعض پرانے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے دوسرا نفخہ مراد ہے تا کہ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ کا مضمون درست آئے کیونکہ پیشی دوسرے نفخہ کے بعد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے نفخہ کی ابتدا سے لے کر لوگوں کے جنت اور جہنم میں داخل ہونے تک ایک دن ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے نفخہ کے دن پیشی واقع ہوگی گرچہ فاصلے کے ساتھ ہوگی۔

اور صور' بیل کے سینگ کی شکل پر ہے اور ضعیف روایات میں اس کی لمبائی ہزار سال کی راہ وارد ہوئی اور اس ایک سینگ میں سات گرہیں واقع ہیں اور ہر دو گرہ کے درمیان گنے کی پوریاں کی طرح ہیں اور ہر پوری میں بھڑوں کے چھتہ کی طرح سوراخ ہیں اور ہر سوراخ ارواح میں سے کسی روح کا ٹھکانہ ہوگا۔ پہلے پوری میں فرشتوں کی ارواح قرار پکڑیں گی' دوسری پوری میں ارواحِ انبیاء علیہم السلام' تیسری پوری میں صدیقوں کی روحیں' چوتھی پوری میں شہیدوں کی روحیں' پانچویں پوری میں ایمان والوں کی روحیں' چھٹی پوری میں انسانوں اور جنوں کے کفار اور شیطان کی روحیں اور ساتویں پوری

marfat.com
Marfat.com

میں باقی مخلوقات کی روحیں ہوں گی اور صور پھونکنے کی ڈیوٹی حضرت اسرافیل علیہ السلام کے لیے معین ہے۔ پہلے نفخہ میں فرمائیں گے اے ارواح! اپنے جسموں کو چھوڑ کر میری طرف آؤ جبکہ دوسرے نفخہ میں فرمائیں گے کہ اے بوسیدہ ہڈیو! اے منقطع رگو! اور اے منتشر گوشت کے ٹکڑو! جمع ہو جاؤ اور اے ارواح! سب کی اپنے جسموں میں داخل ہو جاؤ۔

اور بعض مفسرین نے روایت کی ہے کہ پہلے نفخہ میں تمام ارواح اپنے جسموں کو خالی کر دیں گی سوائے حضرت جبرئیل' حضرت میکائیل' حضرت عزرائیل' حضرت اسرافیل اور حاملین عرش کے علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو اپنی قدرت کے ہاتھ سے قبض فرمائے گا اور جو سب سے پہلے زندہ ہوگا' وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے تاکہ دوسرے نفخہ کی ڈیوٹی سرانجام دے سکیں۔ قصہ مختصر جہان کی خرابی پہلے نفخہ سے شروع ہوگی اور تمام عناصر کی روحیں کھینچ لی جائیں گی اور ہوا کی اس سخت آواز کی وجہ سے حرکت میں آئیں گے۔

وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ اور زمین اور پہاڑ ہوا میں اُٹھا لیے جائیں گے' ہوا کی تحریک کی قوت' زمین اور پہاڑوں کے اجزا کی سستی اور زلزلہ آنے کی وجہ سے' جو کہ پہاڑوں کی میخوں کو کمزور کر دے گا اور یہ واقعہ عاد کی ہوا' اصحابِ مدین کے زلزلے اور مؤتفکات کے زیروزبر ہونے پر مشتمل ہوگا لیکن فرق یہ ہوگا کہ وہ حادثے خاص ایک قطعۂ زمین اور ایک ملک کے تھے جبکہ یہ حادثہ تمام روئے زمین اور دنیا کے سارے پہاڑوں کو شامل ہوگا۔

فَدُكَّتَا پس زمین اور پہاڑ کوٹے جائیں گے' مختلف سمتوں کی حرکات کے ٹکرانے کی وجہ سے تاکہ وہ ریزہ ریزہ ہوں اور ہموار ہو جائیں۔ دَكَّةً وَّاحِدَةً یکساں کوٹنا کہ تمام روئے زمین اور پہاڑوں کو شامل ہو اور اس کوٹنے میں کوئی فرق' اختلاف اور امتیاز نہ

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ تو اس دن واقعۂ حاقہ واقع ہو جائے گا جس کا کائنات کو

marfat.com
Marfat.com

مٹانے اور فنا کرنے کے لیے وعدہ ہو چکا ہے اور اس واقعہ کا اثر جس طرح عالم سفلی کو عام اور شامل ہوگا اسی طرح عالم بالا کو بھی عام اور شامل ہوگا۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ اور آسمان پھٹ جائے گا اس لیے آسمان کی پیدائش عالم سفلی کے بننے اور بگڑنے کے لیے ہے اور جب عالم سفلی نہ رہا تو آسمان کو باقی رکھنے میں بھی کوئی حکمت باقی نہ رہی' ناچار اسے بھی فنا کر دیا گیا اور وہ آسمان کی قوت اور اس کا خرق والتیام کو قبول نہ کرنا جو کہ صدیوں سے مشاہدے میں ہے اور محسوس ہوتا ہے' پھٹنے کو روکنے والا نہ ہوگا اس لیے کہ یہ سب کچھ اسے ارواح کے ساتھ متعلق ہونے اور ان کی محافظت کی وجہ سے تھا جب ارواح نے قبض ہو کر آسمان کے جسم کو خالی کر دیا تو اس کی بنیاد کا کوئی محافظ نہ رہا۔

فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ پس وہ آسمان اس دن نہایت سست اور کمزور ہو جائے گا جیسا کہ روح جدا ہوتے کے بعد مردے کا بدن۔ وَالْمَلَكُ اور فرشتے جو کہ آسمان کو گردش دیتے تھے اور وہ گردش اسے پھٹنے اور چرنے سے روکتی تھی اس لیے کہ پھٹنا اور چرنا اس کے بعض کی سیدھی حرکت پر موقوف ہے اس دن آسمان کو حرکت دینے سے دست بردار ہو کر بھاگ کر

عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا آسمان کے کناروں اور طرفوں پر چلے جائیں گے اور جب آسمان کی گردش جو کہ پھٹنے سے روکنے والی تھی' منقطع ہو گئی تو اس کے اجزاء پر سیدھی حرکت وارد کرنے میں نفخہ کی تاثیر واجب ہو گئی کیونکہ رکاوٹ نہ ہونے کے وقت مؤثر کا پایا جانا معلول کے وجود کو واجب کرتا ہے اور جس طرح اس نفخہ کا اور واقعہ کا اثر زمین اور آسمان پر پہنچے گا اور عالم سفلی اور عالم بالا بدل جائیں گے اسی طرح عرشِ اعظم کو جو کہ تمام علوی اور سفلی اجسام کو محیط ہے' بھی ایک تغیر اور انقلاب پہنچے گا لیکن عالم علوی اور عالم سفلی کے تغیر وانقلاب کا انجام خفت' ہلکے پن' سستی اور کمزوری تک پہنچے گا جبکہ عرشِ مجید کا تغیر وانقلاب ثقل اور گرانی لائے گا۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ اور تیرے پروردگار کے عرش کو اٹھائیں گے۔ فَوْقَهُمْ

marfat.com
Marfat.com

اپنے سر اور کندھے پر نہ کہ اپنے ہاتھوں پر اس لیے کہ ہاتھوں پر اُٹھانے میں بوجھ برداشت کرنا نسبتاً کم ہو جاتا ہے اور جس چیز کو ایک آدمی سر پر اُٹھا سکتا ہے اسے دو آدمی ہاتھوں پر نہیں اُٹھا سکتے اور اس دن عرشِ مجید کا وزن اس حد تک بڑھ جائے گا کہ اپنے پہلے وزن سے کئی گنا ہو گا اس لیے کہ اسے اپنے سروں پر اُٹھائیں گے۔

یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ اس دن آٹھ عظیم فرشتے جبکہ دنیا میں چار اُٹھاتے تھے اور اس دن عرشِ مجید کا وزن کئی گنا بڑھ جانے کی وجہ یہ ہو گی کہ عرشِ مجید حضرت حق تعالیٰ کی بادشاہی کی صورت ہے اور دنیا کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہی چار صفات کے ساتھ ہے کہ اس کی موجودات کے ذروں میں سے ہر ذرے میں چاروں صفات نے ظہور فرمایا اور سب کو محیط ہیں۔ پہلی صفت علم، دوسری صفت قدرت، تیسری صفت ارادہ اور چوتھی صفت حکمت اور عالم آخرت میں ان چار صفات کے ساتھ چار دوسری صفات بھی درکار ہوں گی تا کہ عالم آخرت جہانِ دنیا سے جدا اور ممتاز ہو۔ پہلی صفت نری حقیقت کا ظہور و انکشاف کہ اس عالم میں جو کچھ ہے، ہر کسی پر ظاہر و باہر ہو گا اور کسی وجہ سے وہاں شبہ، دھوکا اور دغا نہیں رہے گا یہاں تک کہ کفار اور جاہل لوگ بھی مخفی اور چھپی ہوئی حقیقتوں کو پالیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے کہ یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ وَاَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا ، وَغَیْرُ ذٰلِكَ اور اس جہان میں خطا اور صواب کا نام نہیں رہے گا۔

دوسری صفت عام، کامل اور پورا ہونا کہ اس جہان کی ہر شے نقصان اور آفت سے محفوظ ہو گی حتیٰ کہ کفار اور بدکاروں کے اجسام بھی غذا اور دوا کے محتاج نہیں ہوں گے اور ان کا احساس اور تمام قوتیں جیسے تخیل، توہم، ادراک اور تحریک دینے والی قوتیں پیدائش کے تقاضے کے مطابق ٹھیک کمال کی بلندی پر ہوں گی۔ چنانچہ فرمایا ہے وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ اور خلود، دوام، ابدیت اور لامتناہی بقاء اسی صفت کے آثار سے ہیں۔

تیسری صفت قدس و طہارت کہ پیدائش کی صفائی کے مطابق کدورتوں او. آلائشوں سے پاک ہوں گے حتیٰ کہ کفار اور بدکاروں میں بھی بول و براز اور دوسری

marfat.com
Marfat.com

ناپاک چیزیں اور نجس فضلے نہیں رہیں گے اور قیح' صدید' غسلین اور بدکار عورتوں اور مردوں کے مقاماتِ شرم کی بدبو ان پر عذاب کے طور پر مسلط کی جائے گی' تعفن اور نجاست کے طور پر نہیں۔

چوتھی صفت عدل اور ہر چیز کا حق اس کے ساتھ باقی رکھنا کہ دنیا میں اس کا تصور ہرگز نہیں ہے اور اس جہان میں کسی وجہ سے بھی ظلم و ستم درمیان میں نہیں آئے گا اور چونکہ یہ چاروں صفات بھی شمول اور عموم کے طریقے سے اس جہان میں درکار ہوئیں' عرش معنوی جو کہ بادشاہی سے عبارت ہے' کا وزن بھی بڑھ گیا اور صورت کے معنی کے مطابق ہونے کی جہت سے عرشِ صوری بھی ثقیل اور وزنی ہو گیا اور چار ملائکہ جو کہ پہلے ان چار اسماء کے مظاہر ہو کر عرش اُٹھاتے تھے' اس بڑھنے والے وزن کو برداشت کرنے سے عاجز ہو گئے' ناچار ان کی امداد چار دوسرے فرشتوں کے ساتھ ضروری ہوئی جو کہ ان چار اسماء کے مظاہر ہوں۔

اور بعض باریک بینوں نے یوں کہا ہے کہ عرشِ اعظم فَلَكَ الْاَفْلَاكَ سے عبارت ہے اور اس کی قسری تحریکوں کو دنیا میں آٹھ دوسرے افلاک جو کہ اس کے نیچے اُٹھاتے ہیں اور عرش کی روح اور اس کے خیال کی تاثیر کے ساتھ ان آٹھ آسمانوں کے ستاروں کی مختلف حرکتیں رونما ہوتی ہیں اور اس کے مطابق اس عالم سفلی میں کائنات اور فاسدات ظاہر ہوتے ہیں اور تدبیر الٰہی جلوہ گر ہوتی ہے اور اس دن کہ یہ آٹھوں آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور وہ فرشتے جو کہ ان آٹھ آسمانوں کے امور کی تدبیر پر مامور تھے' بھاگ کر کناروں اور طرفوں میں چلے جائیں تو عرش سے نیچے جگہ خالی ہو جائے گی اور تدبیرات عرش کے فیض دینے کا مقام اور اس طرف سے فائض ہونے والے اسباب کا تحمل درمیان میں نہ رہے' ناچار آٹھ دوسرے گروہوں کو اس کام کے لیے عرش کے نیچے جگہ دیں گے اور وہ ان منصبوں کو اُٹھانے والے ہوں گے اور جس طرح عرش صوری دنیا میں ان آٹھ آسمانوں پر اعتماد کرنے والا تھا اس روز ان آٹھ گروہوں پر اعتماد کرے گا او اس تفسیر کی تائید اس سے ہوتی ہے جو کہ حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ آپ

marfat.com

Marfat.com

فرماتے تھے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ آٹھ اشخاص ہیں یا آٹھ ہزار یا آٹھ صفیں ہیں یا آٹھ ہزار صفیں اور امام ضحاک سے وہ آٹھ صفیں ہیں' ان کی گنتی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہ آج چار ہیں تو جب قیامت کا دن ہوگا' اللہ تعالیٰ چار دوسروں کے ساتھ ان کی مدد فرمائے گا اور ایک اور روایت میں ہے کہ حاملین عرش کے پاؤں ساتویں زمین کے نیچے ہیں اور عرش ان کے سروں کے اوپر ہے۔

## حاملین عرش کی تسبیح کا ذکر

اور وہ سرنگوں ہو کر تسبیح میں مشغول ہیں' قیامت کے دن ان میں سے چار یہ تسبیح پڑھیں گے سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على عفوك بعد قدرتك جبکہ چار دوسرے یہ تسبیح پڑھیں گے سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على حلمك بعد علمك ۔

## حاملین عرش کی شکل کا بیان

اور وہ جو بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ حاملین عرش پہاڑی بکری کی صورت میں ہیں کہ ان کے سم سے لے کر سر-ین تک ایک لاکھ سال کی راہ ہے تو یہ ان کے جسموں کے بڑا ہونے کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ پہاڑی بکری کی شکل بوجھ اُٹھانے کے مناسب ہے۔ بعید نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں یہی شکل دی ہو اور وہ جو بعض دوسری روایت میں وارد ہے کہ ان میں سے ایک آدمی کی شکل میں ہے' دوسرا بیل کی شکل میں' تیسرا شیر کی شکل میں اور چوتھا گدھ کی شکل میں ہے تو اس روایت کے خلاف نہیں ہوسکتا اس لیے کہ ان چاروں میں سے ہر ایک کا بدن پہاڑی بکری کی صورت میں ہو اور ان کے چہروں میں ان صورتوں کا فرق رکھا گیا ہوتا کہ ان کے حقائق کے جدا جدا ہونے کا جتلانا مراد ہو کیونکہ مختلف اسماء کے مظاہر ہیں جیسے پانی کے حیوانات کہ باوجودیکہ بدن میں یکساں ہوتے ہیں لیکن ان کے چہروں میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا ہے' بعض گھوڑے کی شکل

marfat.com
Marfat.com

میں' بعض پانی کے کتے کی شکل میں وَغَیْرُ ذَالِكَ

اور فضائل وکمالات والے برادر شیخ محمد رفیع الدین سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیفات میں یوں لکھا ہے کہ عرش اُٹھانے والے ایک گروہ ہوں گے جو کہ اللہ تعالیٰ کے چار کمالات کے حامل ہوں گے یعنی ابداع' خلق' تدبیر اور تدلی پہلا فرشتہ جو کہ کمال ابداع کا حامل ہے' اسم قیوم سے متحقق ہے اور ظاہری اور مثالی صورت' زمانوں' مکانوں' جہتوں اور حرکتوں پر موکل ہے اور اسے استعدادات کا علم اور ان کی خبر ہے اور خبروں کی تقسیم' مقادیر اور جہات کی تجدید اور اوقات اور جو چیز اس سے ملحق ہیں' اس کے سپرد ہیں اور دوسرا فرشتہ جو کہ کمال خلق کا حامل ہے' اسم مصور سے متحقق ہے اور فلکی وعنصری بسائط ومرکبات کے نفوس اور صور نوعیہ اس کے سپرد ہیں اور صورتوں کے خواص کو باقی رکھنے' شرح اور اس کے آثار کا فیض دینے' صورتوں اور ان کی قوتوں کی تشخیص اور ہر ایک کے رفیق اور اس سے جو کچھ متعلق ہے' کا علم اسی کو ہے اور تیسرا فرشتہ جو کہ کمال تدبیر کا حامل ہے' اسم عدل کے ساتھ متحقق ہے اور وہ صورتوں کے ہجوم اور آثار کے باہم ایک دوسرے میں داخل ہونے کے وقت خیرمطلق کے ساتھ نظام کے مشابہ ہونے پر موکل ہے اور مختلف اشیاء میں ترجیح' اسباب کے قبض وبسط اور عنایات کے ساتھ ان کے موازنہ اور اس کے مناسبات کا علم اسی کو ہے اور چوتھا فرشتہ جو کہ کمال تدلی کا حامل ہے' اسم قدوس کے ساتھ متحقق ہے اور تجلیات اور شعائر الٰہیہ کا موکل ہے اور مختلف اقسام کی تجلیات کے مظاہر شریعتوں کو مقرر کرنے' عقائد واعمال کے موازین' اہل اللہ کے درجات' حق وباطل ادیان اور ان کے ظاہری مماثلات کا علم اسی کو ہے۔

وہ جو حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات میں وارد ہوا کہ مجھے اذن دیا گیا کہ میں تمہارے لیے حاملین عرش فرشتوں میں سے ایک کا حال بیان کروں اور اس کی خلقت کی عظمت کے ذکر کے بعد فرمایا اس کی تسبیح یہ کلمہ ہے سُبْحَانَكَ حَيْثُ كُنْتَ اس عظیم القدر فرشتے کی طرف اشارہ ہے اس رمز کی شرح یہ ہے کہ اس فرشتے کی حقیقت کمالاتِ الٰہیہ ایک خاصی جہت ہے کہ جہاں بھی مظاہر جمال میں کسی صفت کا ظہور ہوتا

marfat.com
Marfat.com

ہے اس لباس میں حقی جہت کا منشا اور اس ظہور کا حامل بھی فرشتہ ہوتا ہے۔ گویا جہاں بھی تجلی ہوگی نہیں ہوتی مگر اس فرشتے کے دل پر اور یہی وہ فرشتہ ہے جو کہ تجلی کی صورت کے ہم شکل ہوتا ہے اور وہ وہی ہے جو کہ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کے کلمہ کی زبان بنتا ہے اور ذاتِ حق کا شیشہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہی فرشتہ تھا جو کہ آگ کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ظاہر ہوا اور ان بورك من فی النار کا مصداق ہوا اور بارگاہِ خداوندی سے اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کا کلمہ بے کیف کلام کے ساتھ اسی فرشتے کے سینے میں سرزد ہوتا ہے اور آگ کے شیشے میں سنا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

قصہ مختصر یہ چار فرشتے اصل میں تکوین کے عرش کے حامل ہیں اور ان کی طرف تشریع کے فیض کی نسبت تشریع کے تکوین میں درج ہونے کی حیثیت سے ہے اور چونکہ اس جہان دنیا کے نظام کا جاری ہونا فیض تکوین کے مطابق ہے اور اس جہان میں فیض تشریع تبعی اور ضمنی ہے اور کماحقہ حق کی باطل سے تمیز شک کے پردے میں ہے یا چار وزن برداشت کرنا انہیں چار فرشتوں کا کام ہے یہاں تک کہ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلَانِ کے تقاضے کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت روضۂ تشریع کی تعمیر میں مصروف ہو اور ہر نفس کا بیج وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ کی زمین میں جو کہ کمال اور حقوق پورے کرنے کا مقام ہے ڈال دے اور ہر نفس کی فطری اور کسبی صلاحیتیں ظاہر ہوں اور ہر ایک ایک جہان کا حکم پیدا کرے اور ان ہزار ہا صورتوں اور اچھے برے اعمال کا منبع ہو جائے اور فیض تشریع کے خدام فیض مطلق کا عرش اٹھانے میں شریک ہوں۔

پہلے ایک فرشتہ ہوگا جو کہ پہلے فرشتے کا رفیق ہے اور نفوس بشری وجنی کی صلاحیتوں ان میں مندرج باریکیوں ان کے کمالات کے درجات اور ان میں چھپائی ہوئی قوتوں کا علم اسی کو ہے اور دوسرا وہ فرشتہ ہے جو کہ دوسرے فرشتے کا رفیق ہے اور حقائق اعمال ان کے قسم قسم کی صورتوں کے ساتھ مثال راسخ کے شیشے میں ظہور کی کیفیت ان اعمال کی جہتوں اطاعت اور نافرمانی کی شرح کیونکہ ہر ایک علیحدہ حقیقت شرعیہ ہے۔ سعادت و شقاوت کے ترازو احوال و اقوال و اعمال کی جزاؤں اور اعتقادات اور صلاحیتوں کی

marfat.com
Marfat.com

صورتوں کا علم اسی کو ہے۔

اور تیسرا فرشتہ تیسرے فرشتے کا رفیق ہے اور لوگوں کی ضروریات' معاملات' حقوق العباد' جھگڑوں کے فیصلوں' کفارات وسیئات کی وجوہات' ایک دوسرے کے ساتھ دِلوں کے رنگوں کے محو واثبات' نجات وہلاکت پانے والوں کے درجات کی تشخیص اور مصلحتوں' خرابیوں اور عذروں کے ضابطوں کا علم اسی کو ہے اور چوتھا ایک فرشتہ ہے جو کہ چوتھے فرشتے کا رفیق ہے اور احوال ومشاہدات کے نتائج' رؤیت باری تعالیٰ کے اہل لوگوں کے درجات' اسمائے الٰہیہ کے ساتھ احوال کا رابطہ جو کہ ان کے مبادی ہیں' ہر اسم کے اپنے ہم شکل میں قوت اور ضعف کے طریقے سے ظہور کے انداز' منازلِ جنت کی تجدید' انکشاف ذات جہان والوں کے اخلاص اس جہان کے مابعد کے تخلق اور تحقق اور جو کچھ اس کے مناسب ہے' کا علم اسی کو ہے۔ رفیع الدین صاحب کی کلام ختم ہوئی۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب تک کہ عرش اپنی جگہ ثابت ہے' اسے چار عظیم القدر اُٹھا سکتے ہیں اور جب اپنی جگہ سے حرکت کرے اور منتقل ہو تو چار دوسرے فرشتوں کی ضرورت ہوگی اس لیے کہ بڑی مقدار والی چیزوں کو منتقل کرنے اور بدلنے میں بہت قوت چاہیے' بخلاف اس کے کہ اپنی جگہ پر قائم ہوں اور جو کچھ روایاتِ نبویہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے' یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندوں کے ساتھ ان کے عرف اور جو کچھ ان کے ذہنوں میں راسخ ہے' کے مطابق دنیا وآخرت میں معاملہ فرماتا ہے۔ مثلاً باوجودیکہ مکان سے منزہ ہے اس نے دنیا میں اپنے لیے ایک مکان مقرر فرمایا تاکہ بندے اسے دیکھیں اور صاحبِ خانہ کی تعظیم کا حق بجالائیں اور اس عظیم گھر کو دیکھے بغیر ممکن نہ تھا ان کی باطنی تعظیم ان کے ظاہر پر ظہور کرے اور اس گھر میں ایک سیاہ پتھر کو اپنا دایاں ہاتھ قرار دیا کیونکہ لوگوں کی عادت یہی ہے کہ ملاقات کی ابتدا میں اپنے سرداروں کی دست بوسی اور مصافحہ کرتے ہیں اور حفاظت اور بندوں کے اعمال لکھنے کے لیے فرشتوں کو اخبار نویس اور ڈائری رپورٹر بنایا حالانکہ اللہ تعالیٰ اس لکھنے کا محتاج نہیں ہے اس لیے کہ اس کا علم محیط ہے اور نہ اسے بھولنے کا خطرہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر تمام

marfat.com
Marfat.com

اور شرعیہ میں گہری نظر سے دیکھا جائے تو معقول کی محسوس کے تشبیہ کی رعایت اور اعتبار کیا گیا ہے۔

اسی طرح آخرت میں بنی آدم کے ذہنوں میں راسخ شدہ عرف کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا اور بادشاہوں کی شان یہی ہے کہ جب وہ عدالت اور انتقام پر آتے ہیں' پہلے پردے اور حجاب دُور کرتے ہیں اور رعایا کو نقارے' توپ اور منادی کی آواز کے ساتھ آگاہ کرتے اور بُلاتے ہیں پھر خود ایک تخت پر بیٹھ کر دربار لگاتے ہیں اور ہر دفتر کے پیش کار حاضر ہو جاتے ہیں اور فوج' نوکر چاکر اور پیارے اِردگرد صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ لڑائی میں حکم کے وقت حاضر ہوں اور انعام کا کمرہ اور سزا کا مکان دونوں گرم ہوتے ہیں اسی خطرناک صورت کو آیاتِ قرآنی اور احادیثِ شریفہ میں مختلف قسم کی تقریروں سے شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

پس اس گھر میں عرش سے مراد وہ عرشِ عظیم ہے جو کہ تمام اجسام کو محیط ہے اور اس دن اسے اپنے مکان سے منتقل سمجھا جائے گا بلکہ ایک اور عرش ہے کہ عدالتِ الٰہی کی تجلی اس جسم عظیم پر اس قدر مستوی ہو کر عرصۂ قیامت میں ظہور فرمائے گی جیسا کہ سورۂ زمر میں ایک دیگر آیت میں مذکور ہے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَجِيْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ یہاں تک کہ فرمایا ہے وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

لیکن یہاں جاننا چاہیے کہ یہ معقول کی محسوس کے ساتھ تشبیہ جو کہ شرائع میں وارد ہے' صرف تصور قائم کرانا یا خیال دِلانا نہیں ہے کہ عوام کو رغبت دلانے اور ڈرانے کے لیے اسے کام میں لایا جائے بغیر اس کے کہ اس کی کوئی حقیقت ہو جیسا کہ معتزلہ اور فلسفی مزاج لوگ سمجھتے ہیں اور اس پر ناز کرتے ہیں بلکہ یہ تشبیہ مجاز کے بغیر حقیقت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ظہور' تجلی' دنو اور تدلی کی صفت ثابت ہے اس کے باوجود کہ تنزیہہ اعلیٰ کے مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے کہ وہ ہر رنگ میں اپنا جلوہ دے اور ظہور

marfat.com
Marfat.com

فرمائے جیسا کہ طور کی آگ کے واقعہ اور لن ترانی کے قصے میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے۔ پس ان مقامات میں جو کہ بندوں کا مرجع ہیں' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات متجلی ہے اور اس کے احکام جاری اور نافذ ہیں اور اہلِ شرع اور اہلِ فلسفہ کے عقیدے میں فرق تجلیات کے اثبات میں ہے اور بس۔ بلکہ اگر پورے طور پر غور وفکر سے کام لیا جائے اور اخبارِ شرعیہ میں گہری نظر سے دیکھا جائے تو تشبیہ اور تنزیہہ دونوں عقیدے موافقت پیدا کرتے ہیں۔ تشبیہ تجلیات اور ظہورات میں ہے جبکہ تنزیہہ حقیقت اور ذات میں۔

قصہ مختصر آسمانی حجابات اٹھانے اور عرش کے ظہور کو بیان کرنے کے بعد فرمایا جا رہا ہے۔ یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ اس دن حاضر کیے جاؤ گے' اپنے پروردگار کے حضور اور لوحِ محفوظ کے ظاہر ہونے کی وجہ سے جو کہ حاملین عرش کے نزدیک ہے اور اس کے مطابق کراماً کاتبین کے نسخے بھی اس مقام پر حاضر کیے جائیں گے۔ لَا تَخْفٰی پوشیدہ نہیں رہے گا اگلوں پچھلوں میں سے کسی پر کسی کے احوال سے مِنْكُمْ تم سے خَافِيَةٌ کوئی پوشیدہ حال۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ پیشی تین بار ہوگی' پہلی بار کفار اور گناہ گار اپنے برے اعمال کا انکار کر دیں گے اور دوسری بار میں کہ ان کے اعمال پر دن' رات' آسمان' زمین' کھال اور اعضاء کے گواہ گزریں گے' عذروں اور بہانوں کا سہارا لیں گے اور تیسری بار میں کہ عذر بھی باطل کر دیئے جائیں گے۔ حکم ہوگا کہ اعمال نامہ کو اڑائیں' بعض کو دائیں ہاتھ میں سامنے سے دیں گے اور بعض کو بائیں ہاتھ میں پچھلی سمت سے اور اس طریقے پر اعمال نامے دینے کے ساتھ ہی لوگ اپنا انجام جان لیں گے اس سے پہلے کہ اس نامۂ اعمال کو پڑھیں۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ تو جسے اس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ سمجھ جائے گا' سیدھا ہاتھ میری قوی سمت تھی' مجھے جو یہ اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا خواہش نفس' حرص اور غضب پر میری قوت اور غلبہ ثابت ہو گیا۔

marfat.com

Marfat.com

فَيَقُوْلُ پس وہ فرشتوں سے کہے گا کہ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ پکڑو اور میری کتاب کو پڑھو کیونکہ اس کتاب میں سب میری خوش حالی ہے جو چیز مجھے پریشان کرے اس کتاب میں قطعاً نہیں ہوگی اس لیے کہ میں نے دنیا میں حق کی سمت کو قوی کیا تھا اور باطل کی سمت کو ضعیف کیا تھا۔

اِنِّیْ ظَنَنْتُ تحقیق میں دنیا میں ظن غالب کے طریقے سے جانتا تھا کہ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ کہ میں اپنے آخرت میں اپنا حساب پاؤں گا اور اسی بناء پر دنیا میں ہمیشہ اپنے نفس کے محاسبے میں مشغول رہتا اس سے پہلے کہ اس حساب میں گرفتار ہو جاؤں اور جو کتابیہ اور حسابیہ میں ہے' وہ سکتے کی ہا ہے' ضمیر نہیں ہے کہ لغت عرب میں وقف کے لیے بڑھا دیتے ہیں۔

فَهُوَ پس وہ آزمائش کے عام اور تکلیف اور دکھ کے وسیع ہونے کے باوجود فِیْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ پسندیدہ زندگی میں ہوگا اس لیے کہ اسے کوئی غم اور پریشانی نہ ہوگی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی والوں کی طرح جو کہ عین طوفان کے دوران دلی اطمینان کے ساتھ زندگی گزارتے تھے' اسے صرف اس بے غمی پر ہی کفایت نہیں کریں گے بلکہ وہ داخل ہوگا۔

فِیْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ اس جنت میں جو بہت عالی قدر ہے' مکانات' فرشوں' سونے اور چاندی کے برتنوں' جاری نہروں' جوش مارتے ہوئے فواروں' میوہ دار درختوں اور چمکتے ہوئے سبزوں کے اعتبار سے اور اس کے باوجود اس جنت میں ایک اور صفت بھی ہے کہ دنیوی باغات میں اس صفت کی توقع ہرگز نہیں ہے اور یہ ہے

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ اس جنت کے چنے ہوئے میوے نزدیک ہیں کھڑے بھی' بیٹھے بھی اور پہلو پر لیٹے ہوئے بھی' انہیں کھایا جا سکتا ہے۔ یہی کہ جنتی نے اس میوے کی طرف اشارہ کیا اس میوے کے درخت کی شاخ اس کے منہ کے ساتھ پہنچ جائے گی اور یہ سب کچھ وہاں کے درختوں کی حیات کی قوت کی بناء پر ہے کہ انہوں نے شعور و ادراک حاصل کر لیا ہے اور اس سے پہلے کہ جنتیوں کو اس جنت میں داخل کریں' انہیں حکم ہوگا

marfat.com
Marfat.com

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا کھاؤ اور پیو جنت کے میووں اور مشروبات سے۔ هَنِيْٓــًٔا تم پر خوشگوار ہوگا اور ہیضہ' بدہضمی اور بیماریاں پیدا ہونے کا سبب نہیں ہوگا۔

بِمَآ اَسْلَفْتُمْ اس کے عوض جو کہ تم نے اس سے پہلے دنیا میں کیا ہے۔ عبادات کی مشقتوں' حرام خواہشات سے صبر اور راہِ حق کی طلب میں تکلیف اُٹھانے سے۔ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ گزرے ہوئے دنوں میں یا ان دنوں میں جو کہ کھانے اور پینے سے خالی تھے اور وہ ماہِ مبارک رمضان کے روزوں کے دن ہیں اور دوسرے مسنون روزوں کے ایام جیسے ایام بیض' ذوالحجہ کا یوم عرفہ' روز عاشوراء' پیر کا دن' جمعرات کا دن اور شب برأت کا دن وغیرہ۔

## فضیلت روزہ کا بیان

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جنت کے دروازوں سے ایک کا نام ریان ہے جو اس دروازے سے داخل ہوگا' ہرگز پیاسا نہیں ہوگا اور وہ دروازہ روزہ داروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ندا فرمائے گا اے میرے دوستو! دنیا میں بہت دفعہ ایسا تھا کہ میں تمہیں پیاس کی وجہ سے خشک لب دیکھتا تھا اور بھوک کی وجہ سے تمہارے پیٹ پشت کے ساتھ لگے ہوئے اور آنکھیں شب بیداری کی وجہ سے گڑھے میں گری ہوئی' آج میری ہمیشہ کی نعمت میں آؤ اور جنت کا خوشگوار مشروب پیو اور کشاف میں نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر اس دستاویز کے ساتھ جو کہ دربار رب العالمین سے لکھ کر اس کے ہاتھ میں دیں گے اور اس دستاویز کی صورت یہ ہوگی بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا كتاب من الله تعالىٰ لفلان بن فلان ادخلوه فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِشِمَالِهٖ اور جسے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ پس وہ سمجھ جائے گا کہ میرا بایاں ہاتھ میری کمزور طرف تھی' مجھے جو میرا نامۂ اعمال اس ہاتھ میں دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ میرے عمل کمزور ہیں' عذاب سے چھڑانے کی طاقت نہیں رکھتے چہ جائیکہ جنت کے درجات تک پہنچائیں۔ پس وہ واویلا کرے گا۔

marfat.com

Marfat.com

فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ پس کہے گا اے کاش مجھے میرا نامۂ اعمال نہ دیا جاتا کیونکہ دائیں بائیں سے مجھے لوگ اس کتاب کو پڑھنے کی زحمت دیں گے اور اس کے پڑھنے میں میری رسوائی ہوگی۔

وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ اور اے کاش میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے اس لیے کہ جو حساب وبال اور مواخذہ تک لے جائے اس کا نہ جاننا جاننے سے بہتر ہے۔ نیز حساب جاننے کی صورت میں مجھے میرے سارے اعمال یاد آئیں گے اور انہیں یاد کرنے کی وجہ سے میں عذاب حسی سے پہلے عذاب روحانی چکھوں گا اور اگر اسے کوئی کہے گا کہ تو یہ بے جا آرزو کیوں کرتا ہے؟ کہ مجھے نامۂ اعمال نہ دیتے اور اپنے اعمال کے حساب پر مجھے اطلاع نہ ہوتی اس لیے کہ اس میدانِ قیامت میں جو بھی حاضر ہوا ہے' اسے نامۂ اعمال پانا اور اعمال کے حساب پر مطلع ہونا ضروری ہے۔ وہ بدبخت اس کے جواب میں ایک اور آرزو کرے گا۔

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ اے کاش یہ قیامت مجھ پر کام تمام کر دیتی اور مجھے مار دیتی تاکہ میں اس رسوائی اور اس عذاب سے چھٹکارا پاتا اور اگر فرشتے اسے کہیں گے کہ تو نے ان بُرے اعمال کے کفارے کے لیے راہِ خدا میں صدقات اور خیرات کیوں نہ دیئے کیونکہ صدقہ خطا کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جس طرح آگ کو پانی بجھا دیتا ہے' وہ بدبخت جواب میں کہے گا۔

مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ میرا مال میرے کام نہ آیا اس لیے کہ میں نے اس مال کو ایسی جگہوں پر صرف کیا جو بالکل بے جا تھا اور اب میرے ہاتھ کچھ ہے نہیں جو گناہوں کے عوض دے دوں اور چھٹکارا حاصل کروں اس لیے کہ

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ مجھ سے میری سلطنت ہلاک ہوگئی کہ اپنی وسعت کے مطابق میں ایک سلطنت رکھتا تھا' ایک گھر پر یا ایک بستی پر یا ایک شہر پر یا ایک ملک پر اور کم از کم میں اپنے مال' غلاموں' کنیزوں اور ہاتھ پاؤں پر مسلط تھا' میں جو چاہتا تھا' انہیں حکم دیتا تھا اور وہ بجالاتے تھے اب کوئی بھی اور کچھ بھی میرے قبضے میں نہیں ہے اور جب

marfat.com
Marfat.com

اسے کوئی معقول جواب میسر نہ ہوگا سوائے حسرت' ندامت اور باطل آرزوؤں کے حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا۔

خُذُوْهُ پکڑو اسے قہر اور سختی کے ساتھ فَغُلُّوْهُ پس اس کے ہاتھوں کو اس کی گردن کا طوق کر دو اس لیے کہ اس نے فراخ دستی کی نعمت کا شکر ادا نہ کیا اور ہمارے پسندیدہ کاموں میں اس نے ہاتھ نہ کھولا اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ سنتے ہی ایک لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور اسے اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیں گے پھر حکم ہوگا۔

ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ پھر اسے جلانے والی آگ میں لاؤ اس لیے کہ اس نے حرام لذتوں اور نعمتوں میں سے کسی چیز کو بھی خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے ترک نہ کیا تھا اس کے عوض اسے آزمائش کے ساتھ جلاؤ اور اسے جہنم کی آگ میں لانے سے پہلے اس کے ہاتھ اس لیے باندھے گئے تاکہ جہنم میں لاتے وقت ہاتھ نہ مارے اور حرکت اور بے قراری نہ کرے تاکہ اس کے عذاب میں کچھ تو تخفیف ہو۔

ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ پھر اس زنجیر میں جس کا ایک حلقہ دوسرے حلقے کو ملا ہوا ہے اور اسی طرح آخر تک ذَرْعُهَا جس کی پیمائش سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا ستر گز ہے' اس گز کے ساتھ جو کہ فرشتوں کے عرف میں رائج ہے جس میں سے ہر گز ستر باع ہے اور ہر باع اس مسافت کی طرح ہے جو کہ مکہ اور کوفہ کے درمیان ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔

فَاسْلُكُوْهُ پس اسے لپیٹو تاکہ وہ اس زنجیر کے حلقوں میں بند ہو جائے اور پاؤں اور دوسرے اعضاء بھی حرکت نہ کر سکیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ زنجیر گرمی کی شدت کی وجہ سے اس کے مقعد میں داخل ہوگی اور اس کے حلق سے باہر نکل آئے گی اور پیشانی سے اس قدم تک چپک جائے گی اور میں نے اسے اس زنجیر کے ساتھ اس لیے عذاب دیا کہ

اِنَّهٗ كَانَ بے شک وہ حوادث کے لامتناہی تسلسل کا قائل تھا اور اسباب اور مسببات

marfat.com
Marfat.com

کے سلسلوں کے ملاحظہ میں لپٹا رہتا تھا اور ہر چیز کو کسی سبب کی طرف منسوب کرتا تھا اور اس سبب کو دوسرے سبب کے ساتھ اور اسی طرح آگے اور مسبب الاسباب کا سراغ نہیں لگاتا تھا اور اسی لیے تھا کہ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ایمان نہیں لاتا تھا باعظمت خدا تعالیٰ پر جس کی عظمت ہر سبب کو نظر سے گرا دیتی ہے اور اعتبار کے مقام سے باہر کر دیتی ہے اور کیا ہی اچھا کہا گیا ؎

اس کے اسباب بنانے سے میں سودائی ہوں
اور اس کے اسباب جلانے سے میں سوفسطائی ہوں

اور کفر کی اس شدت کے ساتھ عذاب کو کم کرنے والی کوئی چیز نہیں رکھتا تھا اس لیے کہ بدنی عبادت کا اس سے تصور نہ تھا جبکہ وہ مسبب کا قائل نہ تھا۔ پس اگر کوئی چیز اس معیار کی ہوتی جو عذاب کم کرنے میں اس کے کام آتی' یہی عبادت مالی تھی اور اسے بھی اس نے ضائع کر دیا تھا بلکہ اپنی طرف سے دینے کا کیا امکان اسے تو اپنے غیر کی طرف سے محتاجوں کو دینا بھی گوارا نہ تھا۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ اور اپنے اہل و عیال اور خادموں کو مسکین کو کھانا کھلانے کا تاکیدی حکم نہیں دیتا تھا اور اسی وجہ سے کہ مال دینے میں بخیلی کرتا تھا ہم نے اس کے ہاتھ کو اس کی گردن کا طوق کر دیا۔

اور حضرت ابو دردا انصاری رضی اللہ عنہ سے جو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم معتمد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے حق میں فرمایا کہ میری اُمت کا حکیم ابو درداء ہے۔ منقول ہے کہ آپ اپنی اہلیہ کو حکم دیتے تھے کہ منگوں کے لیے شوربا زیادہ پکا کر رکھنا۔ اہلیہ پوچھتیں کہ شوربا زیادہ کرنے میں کیا فائدہ ہے' کھانے کی لذت کم ہو جاتی ہے؟ آپ فرماتے کہ تو نے سنا نہیں کافر کو ایمان ترک کرنے اور منگوں کو کھانا نہ دینے کی وجہ سے آتشی زنجیر میں عذاب دیں گے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایمان کی وجہ سے اس زنجیر کا نصف اپنے سے کاٹ دیا اور دوسرا نصف جو کہ باقی ہے' مساکین کو کھانا کھلا کر اپنے سے دُور کرتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے دلیل لی ہے کہ کفار عبادات کے بھی مکلف اور مخاطب ہیں جس طرح وہ ایمان اور معرفت کے ساتھ مکلفہ ہیں ورنہ کافر کو اس دن گداؤں کا کھانا نہ دینے پر عذاب نہ ہوتا جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کافر کو عذاب ترک ایمان کی وجہ سے ہوگا لیکن اگر وہ محتاجوں کو کھانا کھلاتا تو اسے عذاب میں کچھ تخفیف ہوتی اور اس زنجیر میں گرفتار نہ ہوتا' محتاجوں کو کھلانا چھوڑنے کی وجہ سے اسے عذاب کی تخفیف حاصل نہ ہوئی' ناچار اس زنجیر میں گرفتار ہوا۔ پس یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کافر کو مخلوقِ خدا پر احسان کرنے کی وجہ سے عذاب میں قدرے تخفیف ہوگی نہ یہ کہ اس پر بدنی یا مالی عبادت فرض اور واجب ہے۔

تو جب کافر کے عذاب کی شدت کے بیان سے فراغت ہوئی اور اس سے تخفیف کے اسباب کی نفی فرمادی اب بیان فرمایا ہے کہ عذاب اور رنج کی شدت کے باوجود دنیا میں اس کے ہلکے ہونے کا موجب دو چیزیں ہیں۔ ان میں سے ایک یار غمگسار جو کہ تکلیف کی شدت کے اوقات میں دلاسا' تسلی اور تعزیت کے ساتھ اس تکلیف کے بارگراں کو دل سے کچھ ہلکا کرتا ہے اور دوسری چیز لذیذ غذا جو کہ قوت بخشتی ہے اور اسے تناول کرنے کی وجہ سے طبیعت کی تازگی لوٹ آتی ہے اور اس رنج اور دکھ کو برداشت کرنے کی طاقت کو نئے سرے سے تازہ کرتی ہے اسی لیے مصیبت زدوں اور صدمہ پہنچنے والوں کی انہیں دو طریقوں کے ساتھ امداد کرنے کا رواج ہے' ان دو چیزوں کی بھی نفی فرما دی ہے کہ

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ پس اس کافر کے لیے اس روز نہیں ہے جس روز کی شان میں يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ وارد ہے اگرچہ اس دن کے علاوہ دنیوی دنوں میں بہت ہوں گے۔ هٰهُنَا میدانِ حشر میں جبکہ ہر شخص اپنے حال میں گرفتار اور اپنے انجام کی فکر میں بے قرار ہوگا۔ اگرچہ جنت میں داخل ہونے اور اپنی طرف سے اطمینان اور امن حاصل ہونے کے بعد اور اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے حال احوال پوچھے گا اور یاد کرے گا اور اگر شفاعت کے قابل پائے گا تو شفاعت کے ساتھ

marfat.com
Marfat.com

ہمدردی کرے گا۔

حَمِیْمٌ کوئی رشتے دار جو کہ اس کی ہمدردی کرے اور اس کے حال سے اس کا خون گرم ہو اور اس کی غم خواری کی وجہ سے اس کافر کو قدرے راحت اور تخفیف میسر ہو۔
وَلَا طَعَامٌ اور نہ ہی کھانا جو کہ اس کی تازگی اور قوت کو واپس لوٹائے تا کہ اس عذاب کو برداشت کرنے کی طاقت لائے۔

اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنَ مگر جہنمیوں کے جلے ہوئے زخموں کا دھوون جو کہ پیپ اور زرد پانی کی صورت میں ان کے جسموں سے بہہ کر جسم کے گڑھوں میں جمع ہو گیا ہے اور بدبو اور ذائقے کی خرابی میں اس حد تک ہے کہ لَا یَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ اسے کوئی نہیں کھا سکے گا مگر یہی خطا کار لوگ جن کا ایمان درست ہے نہ مخلوقِ خدا کے بارے میں کوئی احسان صادر ہوا اور وہ اس بدبودار اور بدمزہ کھانے کو بھوک کی مجبوری سے بڑی مشکل سے نگلیں گے لیکن آخر زہریلی کیفیت کی وجہ سے زیادہ بے قرار اور بے تاب ہو جائیں گے۔ پس اسے کھانے میں بھی وہ غلطی کریں گے اور اسے قوت کا موجب جان کر کھائیں گے پھر وہ عذاب کی تکلیف میں شدت پائیں گے۔ پس ان کا حال اس شخص کا سا ہے جس نے زہرِ ہلاہل کو خوراک کی جگہ یا یاقوت اور مفرح دوائی کے بدلے استعمال کر لیا جو کہ صریح غلطی ہے۔

اہلِ لغت یہاں ایک اعتراض رکھتے ہیں کہ لغت عرب میں غسلین دھوون کو کہتے ہیں حالانکہ جہنم میں دھوون نہیں ہوگا اور وہ مراد بھی نہیں ہے بلکہ حدیث شریف میں غسلین کی تفسیر زرد پانی' پیپ اور خون کے ساتھ کی گئی ہے تو اس میں کیا نکتہ ہے کہ زرد پانی' پیپ اور خون کو غسالہ فرمایا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پیپ' زرد پانی اور خون جب جہنمیوں کے اعضاء کو دُبلا کرنے میں تاثیر نہیں کرے گا اس لیے کہ تازہ کھال اور گوشت ان کے جسم پر دَم بدم پیدا ہوگا اس زرد پانی' پیپ اور خون نے غسالہ یعنی دھوون کا حکم پیدا کیا گویا تازہ کھال کو اس کے ساتھ دھو کر اور صاف کر کے ڈالا گیا ہے اور پہلی کھال کے گلنے کے بعد جو کہ زرد پانی بن کر ختم ہو گئی اور اس کی جگہ اس کھال کا آنا یوں

marfat.com
Marfat.com

ظاہر ہوا کہ وہ جلی ہوئی کھال جسم پر ایک میل تھی جو کہ دُور ہوگئی اور اس باریکی کی رعایت بلاغت کے اعجاز کے مرتبوں سے ہے اس باریکی کا فائدہ دینے کے لیے غسلین کے لفظ کو زرد پانی اور میل کچیل کے لیے استعارہ کے طور پر لایا گیا۔

اور چونکہ سورت میں ابتدا سے لے کر اس مقام تک انہوں نے حواق کی تفصیل کو روشن گواہوں اور قطعی دلائل کے ساتھ سنا اور ظاہر ہے کہ یہ علم دنیا کے حکماء اور عقل مندوں کی سوچ سے خارج ہے اور وہ اس کا سراغ بالکل نہیں لگا سکتے تو ثابت ہوا کہ یہ کلام خدا تعالیٰ کا کلام ہے' مخلوق کا کلام نہیں ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ پس میں قسم نہیں اُٹھاتا اس لیے کہ قسم کی ضرورت نہیں اور خود یہ کلام اپنے حال پر عادل گواہ اور سچا شاہد ہوئی جس طرح کے کتاب الشفاء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حکیم کا کلام ہے اور کتاب قانون اس پر دلالت کرتی ہے کہ طبیب کا کلام ہے اور اگر تمہیں قسم کے بغیر یقین نہیں آتا تو میری قسم۔

بِمَا تُبْصِرُوْنَ اس چیز کے ساتھ ہے جو کہ تم اس کلام سے اپنی بصیرت کے ساتھ دریافت کرتے ہو لطائف اور ظاہری فوائد سے وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ اور اس چیز کے ساتھ ہے جو کہ تم اس کے لطائف اور باطنی فوائد سے اپنی بصیرت کے ساتھ دریافت نہیں کرتے ہو بلکہ تعلیم اور تنبیہ کے محتاج ہوتے ہو اور ابھی بھی تمہاری نگاہ عقل اسے دیکھنے میں خیرہ ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مَا تُبْصِرُوْنَ سے مراد عالم شہادت ہے اور مَا لَا تُبْصِرُوْنَ سے عالم مغیبات اور بعض نے کہا ہے کہ مَا تُبْصِرُوْنَ سے مراد وہ جو روئے زمین پر ہے اور مَا لَا تُبْصِرُوْنَ وہ جو زیر زمین ہے یا مَا تُبْصِرُوْنَ سے مراد عالم اجسام ہے اور مَا لَا تُبْصِرُوْنَ سے عالم ارواح۔ بعض نے عالم ارواح یا انسان اور جن اور بعض نے کہا ہے کہ مَا تُبْصِرُوْنَ سے مراد کعبہ معظمہ ہے جہاں تجلی الٰہی حس بصر کے ساتھ محسوس ہوتی ہے اور مَا لَا تُبْصِرُوْنَ سے مراد بیت المعمور اور بعض نے خشکی کی مخلوق اور تری کی مخلوق پر محمول کیا ہے اور بعض نے اسے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ

marfat.com
Marfat.com

اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نزول پر موزوں کیا ہے اور اکثر صوفیہ قدس اللہ اسرارہم نے مَاتُبْصِرُوْنَ کو حضور علیہ السلام کی رسالت کے ان نشانات پر محمول کیا ہے جو کہ ظاہری معجزات سے واضح اور روشن تھے اور مَالَا تُبْصِرُوْنَ کو آپ کی ولایت کے انوار پر محمول کیا جو کہ کسی مخلوق کی بصر اور بصیرت میں نہیں سمائے اور ہر صورت میں قسم اس مضمون پر ہے کہ

اِنَّهٗ تحقیق یہ اعجاز والا قرآن جو کہ چیزوں کی حقیقتیں کھولتا ہے اور ان چیزوں پر آگاہ کرتا ہے جس کی دریافت سے عقل' خیال' وہم اور حس عاجز ہو۔ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ البتہ کسی شبہ کے بغیر خدا کی بات ہے عالی مرتبت امین رسول کی لائی ہوئی اس لیے کہ اسے خداتعالیٰ سے جبرئیل علیہ السلام لاتے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تم تک پہنچاتے ہیں اور دونوں ہی کرم' بزرگی' عدالت' دیانت اور امانت کے کمال کے ساتھ موصوف ہیں اور دنیوی ردی اغراض اور اس جہان کی رذیل طمع سے پاک اور صاف ہیں جیسا کہ تم اس آخری رسول علیہ السلام کے حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو اور جانتے ہو اور اس دوسرے رسول کی حالت پر خود ان کا فرشتہ ہونا بھی گواہ ہے۔ پس ان کریموں سے خداتعالیٰ پر بہتان باندھنا محال اور باطل ہے۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ اور یہ قرآن کسی شاعر کا کہا ہوا نہیں اس لیے کہ شعر کا وزن اور بحر لازم ہوتا ہے جبکہ یہ کلام وزن اور بحر بالکل نہیں رکھتا۔ نیز شاعر کے کلام کی بنیاد بے اصل تخیلات اور عالم خیال کی سیر پر ہوتی ہے جبکہ اس کلام میں حقائق و معارف کے اصول کو برہانی اور قطعی دلائل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ نیز شاعروں کا تخیل اوقات کی خصوصیتوں' گنتی اور اوقات کے تعین اور واقعات کو نفس الامری حقیقت کے مطابق بیان کرنے تک نہیں پہنچتا جبکہ اس کلام میں تم ان مضامین کو ہر جگہ سنتے ہو جس طرح کہ تم نے اس سورۃ میں سنا کہ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمَانِيَةَ اَيَّامٍ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ اور اس کے علاوہ ثمود' عاد' فرعون' اس سے پہلوں اور الٹی ہوئی بستیوں کے حالات

marfat.com
Marfat.com

میں

پس وہ جو جاہل ابوجہل بکتا ہے کہ یہ کسی ماہر فن شاعر کا مقولہ ہے جس نے اپنی بلاغت کے زور سے عاجز کر دیا' بالکل بے ہودہ گفتگو اور بکواس ہے۔

قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ تم بہت کم یقین کرتے ہو اس لیے کہ بالکل ظاہر سچائی والے امور کا بھی جہالت اور تعصب کی وجہ سے انکار کرتے ہو کیونکہ لفظ اور معنی کے اعتبار سے اس کلام کا شعر نہ ہونا نہایت ظاہر اور محسوس ہے۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ اور یہ قرآن کاہن کا کہا ہوا بھی نہیں کہ اس میں جنات مسجع اور مقفّیٰ عبارت جو کہ آنے والے واقعات اور غیبی خبروں پر مشتمل ہو' کا القاء کرتے ہیں جیسے چور کو معین کرنا' نسب کو معین کرنا' دعویٰ میں مدعی کی تصدیق کرنا اور تعبیر خواب وغیرہ جیسا کہ عقبہ بن معیط کہتا تھا اس لیے کہ پہلے تو وہ کلام اعجاز پر مبنی نہیں ہوتا' جنوں میں ایک شخص جو کچھ کسی کاہن پر القاء کرتا ہے دوسرا جن بھی اسی کی مانند دوسرے کاہن پر القاء کرتا ہے جبکہ یہ کلام معجز ہے کہ کسی جن کے کلام سے مشابہت نہیں رکھتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کاہنوں کی مسجع عبارتوں میں اکثر الفاظ صرف سجع اور قافیہ کی حفاظت کے لیے بغیر ضرورت اور بغیر فائدہ کے وارد ہوتے ہیں جبکہ اس مبنی بر اعجاز کلام میں کوئی لفظ بے کار نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ جنوں کو مستقبل کے واقعات پر آگاہی اور انسانی علم سے وراء چیزوں کو معین کرنا' جسمانی لطافت' جہان ملائکہ سے ان کے جہان کے قرب' مختلف شکلوں میں متشکل ہونے کی قدرت اور ملائکہ کی گفتگو کو سن کر چرانے کی وجہ سے ممکن الحصول ہوا جبکہ علوم حقیقیہ' شریعتوں کے اور دنیوی قوعد کلیہ' ملک اور ملکوت کے پوشیدہ اسرار اور گزشتہ اُمتوں کے طویل واقعات پر اطلاع جنوں کے لیے حاصل کرنا کیونکہ ممکن ہوسکتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس کلام میں جگہ جگہ شیطانوں کی مذمت' ان کے طریقے اور سیرت سے بچنے کی تاکید' ان جنوں کی پوجا کی بُرائی جو کہ بتوں کے اندر اپنا ٹھکانہ بنا لیتے تھے اور اپنے کو معبود ظاہر کرتے تھے اور شیطانوں کے بھائیوں کی جو کہ کاہن ہیں' مذمت

marfat.com

Marfat.com

مذکور ہے اگر یہ جنوں کا کلام ہو تو لازم آئے کہ جنوں نے اپنی قباحتوں کا خود اظہار کیا ہو اور لوگوں کو اپنے سے متنفر کیا اور یہ عادتاً محال ہے۔

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ بہت کم یاد کرتے ہو ان مقدمات کو جو تمہیں خود معلوم ہیں اور ان میں بہت کم غور کرتے ہو۔

## سوال

اور یہاں تفسیر والوں کا ایک مشہور سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ شاعریت کی نفی میں قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ کیوں فرمایا گیا ہے اور کہانت کی نفی میں قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ کیوں ارشاد ہوا؟ اس سوال کا جواب دورانِ تفسیر دے دیا گیا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوت و تبلیغ قرآن مجید میں شاعریت کی نفی ایک بالکل ظاہر اور محسوس امر تھا اس کا انکار نہیں ہو سکتا مگر تصدیق کی کمی کی وجہ سے حتیٰ کہ بدیہیات میں بھی۔ جبکہ آپ سے اس کلام کے معنی میں کہانت کی نفی قدرے غور و فکر پر موقوف تھی اور اس بات کی ضرورت تھی کہ کہانت کے لوازمات اور اس کے اصل و فرع میں غور کرے اس وجہ سے اس کے انکار کو غور اور یادداشت کی قلت کے ساتھ بیان فرمایا۔ قصہ مختصر جب اعجاز والا قرآن پاک کلامِ شاعر اور کلامِ کاہن نہیں ہو سکتا تو ثابت ہوا کہ

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ نازل کیا گیا ہے جہانوں کے پروردگار کی سے طرف کہ اس کی عام ربوبیت اس کلام کو اُتارنے کی متقاضی ہوئی تاکہ اس کے ساتھ تمام جہان والوں کو دینی اور دنیوی امور میں تربیت فرمائے۔

اور اگر کہیں کہ اس کلام کی اصل تو یقینی طور پر بشر اور جن کا کلام نہیں ہے اور اور پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی ہے لیکن رسول نے اگر ایک دو کلمے بڑھا دیے ہوں تو بعید نہیں اس لیے کہ دنیا کے پیغام پہنچانے والے بھی پیغام پہنچانے میں اسی قدر سے پرہیز نہیں کرتے اور اتنی مقدار پوری کلام میں ممتاز اور جدا معلوم نہیں ہوتی تاکہ سارے کلام کے اعجاز کی وجہ سے اس احتمال سے امن حاصل ہو جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ دنیا کے قاصدوں کو ان کے بھیجنے

marfat.com

Marfat.com

والے پیغام پہنچاتے وقت دیکھتے نہیں اور پیغام پہنچانے تک اپنے کلام کو ان کے ذہن میں باقی نہیں رکھ سکتے اس لیے زبانِ حال سے انہیں اتنے سے تصرف کی اجازت دے دیتے ہیں جبکہ یہاں رسول اور اس کا حافظہ سب بھیجنے والے کے ہاتھ میں ہے اور اس کی نگاہِ کرم میں ہے تو کیا امکان ہے کہ اسے اپنی طرف سے تصرف کی اجازت دیں۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا اور اگر بفرض محال وہ رسول اپنی فصاحت و بلاغت کی قوت سے ہم پر گھڑ کر کہے۔

بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ بعض باتیں جو کہ آیات کا بعض ہو اس لیے کہ اگر تمام باتوں کو یا پوری طویل آیات کو گھڑتا تو اس پر اتنی کلام میں فصیح و بلیغ لوگ معارضہ کر کے اسے ہلکا اور لاجواب کر دیتے۔

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ البتہ ہم اسے فی الفور اس طریقے سے ہلاک فرمائیں کہ ہم اس کا دایاں ہاتھ لے لیں۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ پھر ہم تیز تلوار کے ساتھ اس کی رگِ دل کاٹ دیں کہ اس کی زندگی اسی رگ کے ساتھ ہے اور ہم اسے مہلت نہ دیں اور یہ واجب القتل شخص کی حالت کی تصویر کا طریقہ ہے کہ بادشاہ اسے اپنے سامنے سزا دیتے ہیں اور جلاد کو حکم دیتے ہیں کہ اسے قتل کرے اور دایاں ہاتھ پکڑنے کی وجہ یہ ہے کہ قتل کرنے کے وقت تلوار جلاد کے دائیں ہاتھ میں ہوتی ہے تو اگر مقتول کا بایاں ہاتھ پکڑ کر تلوار چلائے تو تلوار مقتول کی گدی پر ترچھی پڑے گی اور جب دایاں ہاتھ پکڑا ہوگا اور تلوار چلائے تو تلوار مقتول کے دل کی طرف پہنچے گی جو کہ بدن کی بائیں سمت ہے اور قتل کی مقرر جگہ ہے۔ نیز قتل کے وقت مقتول کا ہاتھ پکڑنا اس لیے ہے کہ اپنے ہاتھ کی ڈھال نہ بنائے اور دوسری ضرب کی ضرورت نہ پڑے اور اس مقصد میں دایاں ہاتھ زیادہ تر اور قوت کے ساتھ حرکت کرتا ہے تو دائیں ہاتھ کو پکڑنا چاہیے۔

اور بعض محققین نے کہا ہے کہ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ اس بات کا اشارہ ہے کہ ہم اس کے دائیں ہاتھ کو شل کر دیں تاکہ حرکت نہ کرے اور اشارے کے ساتھ افتراء اور تقول نہ کرے اور لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ اس بات کا اشارہ ہے کہ ہم اس کی نیاط قلب کو قطع

marfat.com
Marfat.com

کریں اور کاٹ دیں جو کہ زبان کے متصل ایک رگ ہے اور ارادۂ دِلی کے مطابق زبان کا حرکت کرنا اس رگ کی وجہ سے ہے اور اسی لیے خفقان کے وقت جبکہ دل کو اضطراب اور بے قراری ہوتی ہے تو زبان بھی بولنے میں کانپتی ہے تا کہ افتراء اور من گھڑت بات نہ کر سکے بلکہ بولنے کی طاقت ہی نہ ہو۔

اور یہاں ایک مشکل سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ شرط و جزا درست ہو اور مقدم اور تالی کے درمیان باہم لازم ہونا سچا ہو تو لازم آئے کہ خدا تعالیٰ پر بہتان باندھنے کے بعد زندہ نہ رہے حالانکہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی اور دوسرے جھوٹے مدعیانِ نبوت جیسے بے شمار بہتان باندھتے گزرے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ پر دفتروں کے دفتر بہتان باندھے ہیں حالانکہ یہ مواخذہ ان پر جاری نہ ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تقول کی ضمیر رسول کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ ہر فرد انسانی کی طرف اور اگر بفرض محال رسول (معاذ اللہ) افتراء باندھے اس کے لیے یہ دنیوی تکلیف واقع ہونا لازم ہے اس لیے کہ اس کی تصدیق معجزات کے ساتھ واقع ہوئی ہے۔ پس اگر اسے دنیا میں تکلیف نہ دیں تو ایک ایسا شبہ لازم آتا ہے جس کا رفع کرنا ممکن نہ ہو اور وہ حکمت کے منافی ہے۔ بخلاف غیر رسول کے کہ معجزہ کی تصدیق کے بغیر اس کا کلام خرافات سے زیادہ کچھ نہیں اور شک و شبہ کا مقام بالکل نہیں۔ ہاں اس کے لیے معجزہ کے ساتھ تصدیق محالات سے ہے اس شخص کی طرح جسے بادشاہ کسی خدمت پر مامور کر کے اور اپنا نشان دے کر کسی طرف بھیجتے ہیں اور وہ خدمت میں خیانت کرتا ہے یا بہتان باندھتا ہے تو اس کا فی الفور تدارک کیا جاتا ہے اور جو کوئی کسی سند کے بغیر اپنی طرف سے بہتان باندھتا ہے اس کے حال پر بالکل متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ عقل مند لوگ اس کے فریب میں بالکل نہیں آتے اسی طرح یہاں ہے۔ قصہ مختصر اگر معجزات کے ساتھ تصدیق شدہ رسول اس قسم کا بہتان باندھے تو لازمی طور پر اس تکلیف میں گرفتار ہو۔

فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ پس تم میں سے کوئی فرقہ اور کوئی جماعت رسول سے اس تکلیف کو روکنے والا نہ ہو کہ اسے کسی حیلے اور تدبیر کے ساتھ اس مواخذے

marfat.com

Marfat.com

سے بچالیں اور ہلاک نہ ہونے دیں اور لفظ احد یہاں جمع کے معنی میں ہے اسی لیے اس کی خبر میں حاجزین جمع کے صیغے کے ساتھ لائے۔ گویا ارشاد ہوتا ہے کہ جب سب کے سب مجموعی طور پر اسے ہماری سزا سے بچا نہیں سکتے تو ہر ایک علیحدہ علیحدہ اس رکاوٹ پر بطریق اولیٰ قادر نہ ہوگا۔

اور جب ثابت ہوا کہ قرآن مجید اپنے تمام الفاظ اور حروف کے ساتھ رب العالمین کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔ پس اس کا ایک فائدہ ظاہر ہوا کہ اس کی تلاوت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے اور اس کی ہمیشہ تلاوت کرنے کی وجہ سے ہمیشہ ذکر کرنے کی طرح دربار خداوندی کے ساتھ مضبوط توسل حاصل ہوتا ہے اب اس میں جو ایک اور فائدہ ہے بیان فرمایا جا رہا ہے۔

وَاِنَّهٗ اور تحقیق یہ قرآن مجید لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ البتہ پند نصیحت اور یاد دلانا ہے متقین کو یعنی انہیں جو تقویٰ کی راہ چلتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے مالک کی خوشنودی کے مطابق کام کریں اور اس کی ناپسندیدہ چیزوں سے اجتناب اور پرہیز کریں اور یہ قرآن پاک قانون اور دستور العمل ہے اور قرآن پاک کے یہ دونوں فائدے ایمان والوں اور تقویٰ کی راہ کا ارادہ کرنے والوں کے ساتھ خاص ہیں' تکذیب اور انکار کرنے والوں کو ان دونوں فوائد سے کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔

وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اس قرآن پاک کی تکذیب کرتے ہیں۔ پس قرآن پاک نازل کرنے میں ان دونوں فائدوں کا ہم نے صرف ان کے لیے ارادہ نہیں فرمایا ہے ہاں کافروں اور قرآن کے منکروں کے بارے میں ہم نے ایک اور فائدہ منظور نظر رکھا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اور تحقیق یہ قرآن پاک کافروں پر بہت بڑی حسرت کا سبب ہوگا دنیا میں بھی اس وقت جب قرآن کے تابعین کو پے در پے امداد پہنچے اور ان کا رعب اور غلبہ روز بروز زیادہ ہو اور آخرت میں بھی اس وقت جبکہ ہر مقام اور ہر جگہ میں وہ سرخ رُو ہوں اور قرآن کے منکر ذلیل' خوار اور رسوا ہوں۔

marfat.com
Marfat.com

وَاِنَّہٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ اور تحقیق یہ قرآن نرا یقین ہے کہ اس میں باطل اور غلط بالکل مخلوط نہیں ہے تا کہ شک اور تردد کی جگہ ہو اور اس کے مضامین کی تصدیق نہ کرنے میں دنیا وآخرت میں کسی کا عذر سنا جائے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ پس پاکیزگی کے ساتھ اپنے پروردگار کا نام یاد کریں جو کہ نہایت باعظمت ہے تا کہ آپ کو پورا تصفیہ حاصل ہو اور قرآن کا حق الیقین آپ کے صیقل شدہ قلب مقدس میں نقش ہو جائے اور یہ قرآن پاک کا تیسرا فائدہ ہے جس کے ساتھ اہل تصفیہ کو خصوصیت کے ساتھ بہرہ ور فرمایا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجعلوها فی رکوعکم یعنی اس تسبیح کو اپنے رکوع میں مقرر کرو۔ اور کہو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور جب آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی نازل ہوئی تو فرمایا: اجعلوها فی سجودکم ۔ یعنی اس تسبیح کو اپنے سجدے میں رکھو اور کہو کہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اور اسی حدیث سے فراء نحوی نے استنباط کیا ہے کہ سَبِّحْ اِسْمَ رَبِّکَ کا معنی اور سَبِّحْ اِسْمَ رَبِّکَ کا معنی ایک دوسرے کو لازم ہیں اس لیے کہ اس حدیث میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہنے کو فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ کے حکم کی تعمیل کا موجب قرار دیا گیا جس طرح کہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنے کو سَبِّحْ اِسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ بنایا گیا تو معلوم ہوا کہ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ میں حرف "ب" "لَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ" کی طرح زائد ہے۔

جبکہ بعض باریک بین حضرات کو اس حدیث پاک کے مضمون میں ایک مشکل درپیش ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تسبیح کو اسم رب پر واقع فرمایا ہے جبکہ حدیث شریف میں ذات رب کی تسبیح ہے نہ کہ اسم رب کی۔ پس یہ دو کلمات کہنے سے ان دو حکموں کی تعمیل کیسے ہوسکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ذات رب کی تسبیح اس کے اسماء کی تسبیح کے ضمن میں صورت پکڑتی ہے۔ پس آیت میں صورت تسبیح کا حکم ہے جو کہ مافی الضمیر کی حکایت اور مقصود کی تعبیر ہے جبکہ حدیث پاک میں اس تسبیح کی انہیں دو اسماء کے ساتھ جو کہ عظیم اور اعلیٰ ہیں'

marfat.com
Marfat.com

صورت کی تعلیم ہے اور ان دونوں اسماء کے ساتھ ایک اور اسم کو موصوف فرمایا ہے جو کہ رب ہے' اسے اختیار فرمایا تا کہ ممکن حد تک دونوں آیات کے الفاظ کی رعایت واقع ہو۔

اور احتمال ہے کہ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ کا معنی یہ ہو کہ فسبح ذات ربك بهٰذا الاسم المركب من الصفة والموصوف یعنی اپنے رب کی ذات کی اس صفت اور موصوف سے مرکب نام کے ساتھ پاکیزگی بیان کرو اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کا معنی بھی اس پر قیاس کرتے ہوئے یوں ہوگا ارقع التسبيح على هذا الاسم المركب من الموصوف والصفة پس حدیث شریف کے آیت کے مطابق ہونے میں کوئی مشکل نہیں رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

marfat.com
Marfat.com

# سورۃ المعارج

مکی ہے اس کی چالیس آیات ہیں اور سورۃ الحاقہ کے ساتھ اس کے ربط کی وجہ یہ ہے کہ اُس سورۃ میں اوّل سے لے کر آخر تک قیامت اور دنیا و آخرت میں کافروں کے عذاب کی کیفیت کا ذکر ہے جبکہ اِس سورۃ میں کفار مکہ کا اس موعود عذاب کو جلد مانگنا اور اس خوف ناک اور ہولناک امر کی طلب پر ان کی جرأت کا بیان ہے۔ حالانکہ ایک تغیر عادت اور ایک آسان سی مشقت کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پس گویا اس سورۃ میں ان لوگوں کو احمق اور جاہل ثابت کیا ہے جو کہ اس قسم کے واقعہ کو آسان سمجھ کر استہزاء کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ نیز اس سورۃ میں مذکور ہے کہ کافر خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا اور فقیروں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے پر پابندی نہیں کرتا اور کافر کا کوئی قریبی رشتے دار قیامت کے دن اس کے کام نہیں آئے گا اور اسی مضمون کو اس سورۃ میں تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ یود المجرم لو یفتدی من عذاب یومئذ الخ اور مسلمانوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ والذین یصدقون یوم الدین والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم نیز فرمایا ہے کہ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا۔

نیز اُس سورۃ میں آسمان کا پھٹنا' پہاڑوں اور زمین کا ریزہ ریزہ ہونا مذکور ہے جبکہ یہاں آسمان کا پگھلنا اور پہاڑوں کا ہوا میں اُڑنا بیان فرمایا ہے۔ نیز اُس سورۃ میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن کافر کا مال اس کے کوئی کام نہیں آئے گا اور وہ حسرت کے ساتھ کہے گا مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ جبکہ یہاں مذکور ہے کہ کفار کے اہل و عیال اور خویش و

marfat.com
Marfat.com

اقارب اس دن ان کے بدلے کسی کام نہیں آئیں گے کہ یود المجرم لو یفتدی من عذاب یومئذ ببنیه الخ نیز اُس سورۃ میں ارشاد فرمایا ہے کہ کافروں کے عذاب کا پروگرام تقدیر میں شروع سے مختلف ہے۔ بعض کے عذاب کا سامان تین دن کی مدت میں انجام کو پہنچا جیسے قومِ ثمود اور ایک فرشتے کے فعل کے ساتھ جو کہ جبرئیل علیہ السلام تھے اور ایک روح کی تسخیر کے ساتھ جو کہ آواز اور چیخ کی روح تھی اور وہ حقیقت میں عنصر ہوا کی روح کلی کا ایک شعبہ ہے' انجام پذیر ہوا اور بعض کا عذاب آٹھ دن کی مدت میں بے شمار فرشتوں کی تدبیر کے ساتھ جو کہ حضرت میکائیل علیہ السلام اور آپ کے معاونین تھے اور ہوا کے عنصر کی روح کلی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا جیسے قومِ عاد اور بعض کو مختلف جماعتوں' فرشتوں' عناصر کی مختلف روحوں اور فضائی اور حیوانی مرکبات نے چالیس سال کی مدت میں یا ایک رات کی مدت میں یا چھ ماہ کی مدت میں عذاب دیا جیسے فرعون اور اس سے پہلے لوگ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور موتفکات یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کہ ان کے مختلف عذابوں میں مختلف افعال کی ترکیب تھی اور فرعون کو غرق کرنے میں حضرت جبرئیل' حضرت میکائیل علیہما السلام اپنے لشکروں اور معاونین سمیت شریک تھے۔

اور کبھی قحط اور پھلوں کے نقصان کے ساتھ اور کبھی طوفان' ٹڈی دل' چچڑی' مینڈک اور خون کے ساتھ اسے عذاب دیتے تھے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو عذاب دینے میں آواز دینے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے اور آواز کی روح کی تسخیر واقع ہوئی اور صاحب ظلہ حضرت میکائیل علیہ السلام' ان کے لشکر اور ہوا اور آگ کی روح کی تسخیر واقع ہوئی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو عذاب دینے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سولہ (۱۶) دوسرے افراد کے ساتھ شریک تھے اور گندھک کی کان کی روح' ہوا کی روح اور زمین کی روح سب درکار ہوئیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو عذاب دینے میں حضرت میکائیل علیہ السلام نے اپنے لشکر اور معاونین کے ساتھ شریک ہو کر پانی کی روح کی تسخیر اثر کرنے کو فرمائی اور ہوا کی روح کی تسخیر اثر قبول کرنے کو اور فضا کی

marfat.com
Marfat.com

کائنات کو پانی کے استحالہ کے لیے مسخر فرمایا اور زمین کی روح کو چشمے جاری کرنے کے لیے اور خشکی کے وحشی جانوروں' درندوں اور کیڑوں مکوڑوں کو کشتی میں سوار کرنے کے لیے اور اس لیے کہ اپنے طبعی تقاضوں سے رُک جائیں اور کسی کو تکلیف نہ دیں' مسخر فرمایا اسی لیے ان اقوام کے بارے میں فرمایا ہے کہ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً

جبکہ یہاں ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے موعود عذاب میں تمام فرشتوں اور عالم بالا و پست کے گونا گوں جہانوں کی تمام ارواح کی خدمت کی ضرورت ہے اور اس عذاب کا کام سرانجام دینے کی ابتدا صور پھونکنے کی ابتدا سے لے کر جہنمیوں کے جہنم میں جاگزیں ہونے تک پچاس ہزار سال کی مدت میں ہوگی۔ پس اس عذاب کو فی الفور مانگنا انتہائی بے وقوفی اور اس عذاب کی حقیقت سے ناواقفیت کے باعث ہے۔ نیز معارج الٰہیہ سے جہالت کی علامت ہے جو کہ مخلوقات اور زمانوں میں عمدہ تدبیرات کو پورا کرنے سے عبارت ہے۔

## سورۃ المعارج کی وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کا سورۃ المعارج نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں حضرت حق جل جلالہ کو ذی المعارج کی صفت سے موصوف کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے معارج میں سے ایک کو ذکر فرمایا کہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ اور اس صفت کی حقیقت جیسا کہ چاہیے ایک تفصیل کے بغیر جو کہ کچھ طوالت رکھتی ہے' دل میں جاگزیں نہیں ہو سکتی۔ پس پہلے تو جاننا چاہیے کہ ہر چیز کے عروج کا معنی یہ ہے کہ اپنے مقام کی انتہا تک پہنچ جائے اور چونکہ اللہ تعالیٰ سب غایتوں کی غایت ہے۔ پس ہر چیز کا اپنے مقام کی انتہا کو پہنچنا بالکل اس کی طرف عروج ہے۔

## افعال و تاثیرات الٰہیہ کے وسائط ظہور

پھر جاننا چاہیے کہ جہان میں اللہ تعالیٰ کے افعال اور تاثیرات تین چیزوں کے واسطے سے ظہور پذیر ہیں۔ پہلی چیز ملائکہ' دوسری چیز ارواح جو کہ ہر مخلوق کو خوب جاننے

marfat.com
Marfat.com

والے جوہر سے عبارت ہے اور اس مخلوق کی نوعی صورت اس کی محکوم ہے' تیسری چیز ارادہ والی مخلوق انسان' حیوان' شیاطین اور جن کے نفوس ہیں۔ پس جو کچھ فرشتوں اور ارواح کے واسطے سے ہے' حضرت حق جل مجدہ کی طرف بلاواسطہ منسوب ہے اس لیے کہ ان دونوں قسموں میں وہم' شہوت اور غضب پیدا نہیں کیا گیا جو کچھ ہے' نری عقل ہے جو کہ کسی مقابلہ کرنے والے اور روکنے والے کے بغیر عالم بالا کے تقاضوں کو برداشت کرتی ہے اور اس کے مطابق چلتی ہے اور جو کچھ ارادہ والی مخلوق حیوان' انسان' جن اور شیاطین کے نفوس کے واسطے سے ہے' حضرت حق کے ساتھ بلاواسطہ منسوب نہیں ہے اس لیے کہ اس میں وہم' شہوت اور غضب کا دخل ہے ہاں افرادِ انسانی میں سے بعض جیسے حضرت خضر علیہ السلام اور دوسرے اسبابِ الٰہیہ جو کہ صرف احکام خداوندی کو برداشت کرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں' ان کا حال فرشتوں اور روحوں کے حال کی طرح ہے۔

پھر جاننا چاہیے کہ جب بھی جہان میں کوئی امر واقع ہوتا ہے' فرشتے اور روحیں اس کام کو پورا کرنے اور اس مہم کی تدبیر میں جدا جدا یا اجتماعی ترکیبی صورت میں شریک ہوتے ہیں اور اس کے مقدمات اور ارہاصات سے لے کر مقصود حاصل ہونے تک اس میں مصروف رہتے ہیں اور جب مقصد حاصل ہو جاتا ہے انہیں اپنے مبدء کی طرف عروج کی شکل میں رجوع حاصل ہوتا ہے اس جہت سے کہ انہوں نے اپنی بعض چھپی ہوئی صلاحیتوں کو عمل میں بدل دیا اور انہیں کمال کی ایک قسم نصیب ہوئی اور یہ عروج کی شکل میں رجوع بالکل انسانی حواس اور قوتوں کے رجوع کی طرح ہے جو کہ عمدہ مقاصد میں سے کسی مقصد کو حاصل کرنے کی لذت کو پورے طور پر حاصل کرنے کے بعد ہوتا ہے تا کہ اپنی استعداد کی وسعت کو اپنے مالک کے حضور پیش کریں اور دوسرے تقاضا کو برداشت کرنے کے مستحق ہوں۔

اور جب یہ تینوں چیزیں معلوم ہو گئیں تو معارج الٰہیہ جہان میں اس کی تدبیروں کو پورا کرنے کا نام ہے اور وہ تدبیریں مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض ایک آن کے اندازے میں انجام پذیر ہوتی ہیں جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے

marfat.com
Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ قطعہ زمین کے متعلق پوچھا اور وہ فی الفور عروج کر کے جواب لائے کہ احب البقاع الی اللہ مساجدھا یعنی سب سے پسندیدہ قطعۂ زمین مسجدیں ہیں اور ان میں سے بعض ایک دن کے اندازے میں صورت پکڑتی ہیں جیسا کہ افرادِ بشر کے پاس باری باری آنے والے فرشتوں کا صبح سے عصر اور عصر سے دوسری صبح تک ان کی حفاظت پورا کرنے کے بعد عروج ہمیشہ واقع ہے اور ان میں سے بعض تین دن اور چار دن کے عرصے میں پوری ہوتی ہیں جیسے پیر اور جمعرات کے دن اعمال کا پیش کرنا اور ان میں سے بعض ایک ہفتے کی مدت میں' ایک ماہ کی مدت میں اور ایک سال کی مدت میں انجام پاتی ہیں' ان فرشتوں کی طرح جنہیں ایک سال کی روزی اموات اور واقعات سپرد کیے جاتے ہیں جو کہ لیلۃ البراءت میں عروج کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

یہاں تک کہ بعض عمدہ تدبیرات جو کہ طویل حکومتوں نے گزرنے اور باقی ملتوں کے منقطع ہونے کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں' ایک ہزار سال کی مدت میں عروج کرتی ہیں جیسا کہ سورۃ الم السجدہ میں مذکور ہے اور اس عروج میں انسان کی معلومات میں سب سے زیادہ طویل مدت قیامت کے واقعات کی تدبیر کی مدت ہے جو کہ پہلے صور پھونکنے کی ابتدا سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جاگزیں ہونے تک پچاس ہزار سال ہوگی اور تمام ملائکہ اور مخلوقات کی تمام اقسام کی روحیں اس میں شریک ہوں گی اور اس قدر مدت کے گزر جانے کے بعد یہ عظیم کام سرانجام دے کر عروج کریں گی۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قیامِ قیامت کی ابتدا سے لے کر جنتیوں اور دوزخیوں کے اپنے مکانات میں جاگزیں ہونے تک پچاس واقعات رونما ہوں گے اور ہر واقعہ اپنی ابتدا سے انتہا تک دنیا کے ہزار سال کے اندازے کے مطابق رہے گا۔ پس قیامت کا پورا دن پچاس ہزار سال ہے اور صحیح مرفوع احادیث میں اس دن کا اندازہ اس مدت کے ساتھ مشہور و متواتر ہے اور وہ جو سورۃ الم السجدہ میں مذکور ہے

marfat.com
Marfat.com

کہ امر کی تدبیر اس کی ابتدا سے اس کے کارخانہ خدائی میں عروج تک ایک ہزار سال کی مدت میں ہے تو اس سے اور تدبیرات مراد ہیں جو کہ دنیا میں واقع ہوتی ہیں جسے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اپنی قوم کو طوفان سے ڈرانے کے لیے یہاں تک کہ طوفان سے فارغ ہوئے کہ یہ ایک ہزار سال مدت تھی اور جیسے سلطنت اسلام کی قوت اور شوکت جو کہ پانچ سو سال تک عربوں کے ہاتھوں میں رہی اور دوسرے پانچ سو سال تک ترکوں کے ہاتھوں میں رہی اور اس کے بعد دونوں کے ہاتھوں سے نکل گئی اور ہندوؤں اور فرنگیوں نے مداخلت کی اور اسلام کو کمزور کیا۔

قصہ مختصر تدبیراتِ الٰہیہ کا عروج ایک سال اور ایک مدت میں منحصر نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کے کارخانوں کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے کبھی ان تدبیرات کے متعلق ذکر ہوتا ہے کہ ہزار سال کی مدت میں پوری ہوں گی اور کبھی ان تدبیرات کے متعلق ذکر ہوتا ہے کہ پچاس ہزار سال کی مدت میں انجام پذیر ہوتی ہیں۔

اور ابو مسلم اصفہانی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ جہان کی خلقت سے لے کر قیامت آنے تک پچاس ہزار سال کی مدت ہے کہ اس جہان سے متعلق فرشتے اور ارواح اس کے بعد اپنے کاموں سے فارغ ہو کر عروج کریں گے جبکہ دوسرے فرشتے اور ارواح ان کی جگہ مقرر ہو کر آخرت کے کاموں میں مشغول ہوں گے اور جب کسی کو معلوم نہیں کہ خلقت عالم کی ابتدا سے لے کر کس قدر وقت گزر چکا اور کس قدر باقی ہے' قیامت کا علم حاصل نہیں ہو سکتا لیکن فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ کے الفاظ میں تفسیر سے انکار کرتے ہیں کیونکہ ایسی صورت میں مناسب یوں تھا کہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ بَعْدَ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ فرمایا جاتا۔ نیز تخلیق کی ابتدا سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کی اس مدت کے تعین میں کوئی صحیح سند چاہیے اور وہ نہیں ملتی۔

اور صوفیاء میں سے بعض نے لکھا ہے کہ معارج سے مراد ترقی کے درجات ہیں' مقامِ طبیعت سے مقامِ معدنیات تک کہ اعتدال کے ساتھ نزدیک ہوتا ہے اور وہاں سے مقامِ نبات تک اور وہاں سے حیوان اور انسان کے مقام تک پھر ترتیب دیئے گئے انسانی

marfat.com
Marfat.com

مقامات میں پھر منازل سلوک میں جو کہ انتباہ اور بے داری ہے' سلوک کی آخری منزل اور دل کے آخری چشمے تک۔ پھر فنا کے درجات میں ترقی یہاں تک کہ فنافی الصفات تک نوبت پہنچے اور کثرت میں اس کی انتہا نہیں ہے اور ہر ترقی میں فرشتوں اور انسانی خدمت کے ساتھ متعلق ارواح کو انسان کے تابع ہو کر ایک عروج حاصل ہوتا ہے۔ پس فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ کا معنی یہ ہے کہ اگر اس عروج کو ظاہر میں اپنی حرکت پر قیاس کریں تو اس کے لیے اتنی مدت کا اندازہ چاہیے تا کہ انتہا کو پہنچے۔

اور وہب بن منبہ نے کہا ہے کہ جہان کے سب سے نچلے حصے سے لے کر عرشِ عظیم کے کنگرے کی اوپر کی سطح تک پچاس ہزار سال کی مسافت ہے اور آسمان دنیا کی اوپر کی سطح سے زمین تک ایک ہزار سال کی مسافت ہے اس لیے کہ آسمان دنیا اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور آسمان دنیا کا حجم پانچ سو سال کی مسافت ہے تو سورۃ الم السجدہ میں اس تدبیر کا بیان ہے جو کہ آسمان دنیا سے زمین تک پہنچتی ہے جبکہ یہاں اس تدبیر کا بیان ہے جو کہ عرش سے اس جہان کے نچلے حصے تک پہنچتی ہے اور سورۃ الم السجدہ میں نزول اور عروج کے مجموعی زمانے کا اعتبار کریں جیسا کلام کے انداز سے ظاہر یہی ہے تو آسمان دنیا کی نچلی سطح سے زمین تک اُترتے چڑھتے ایک ہزار سال کی مسافت حاصل ہوتی ہے۔

قصہ مختصر خواہ حسی درجات مراد ہوں' خواہ معنوی دونوں میں اس قدر مدت انسانی ذہنوں میں سما سکتی ہے لہٰذا یہاں اس مدت کو یاد فرمایا ہے اور غرض یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر تدبیر نزول و عروج کے طور پر اسی قدر مدت میں منحصر ہوتی ہے تا کہ کوئی اعتراض پیش آئے اور اس سے جو سورۃ الم السجدہ میں ہے' کوئی ٹکراؤ پیدا ہو۔

اور اس سورۃ کا سبب نزول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ نے روایت فرمائی ہے کہ نضر بن الحارث' ابوجہل اور دوسرے کافر سردارانِ قریش خانہ کعبہ کے قریب آئے اور ملائکہ کی آماجگاہ اس گھر کے پردوں کو پکڑ کر ان میں سے بعض نے کہا کہ بارِ خدایا! اگر محمد (علیہ السلام) کا دین برحق ہے تو ہم پر پتھر برسا یا کوئی اور عذاب نازل کر

marfat.com
Marfat.com

اور بعض نے کہا ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گراتا کہ ہمیں قیامت کے عذاب کا یقین حاصل ہو جائے۔ حضور علیہ السلام ان کے اس مذاق کو سن کر بہت دل تنگ ہوئے اور یہ سورۃ نازل ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سَاَلَ سَآئِلٌ
درخواست کرنے والے نے درخواست کی

یہاں جاننا چاہیے کہ لغت عرب میں سوال دو معنوں میں آتا ہے' ایک استفسار اور پوچھنے کے معنی میں اور اس کے صلے میں حرف عن لاتے ہیں' دوسرا درخواست اور طلب کے معنی میں اور اس کے ضمن میں دعا اور اہتمام کا مفہوم دیکھتے ہوئے اس کے صلہ میں بھی حرف ب لاتے ہیں اور یہاں اسی معنی میں ہے اسی لیے

بِعَذَابٍ اہتمام کر کے بعذاب فرمایا ہے نہ کہ عن عذاب اور فن بلاغت سے بعض ناواقف لوگوں نے اس ترکیب میں ایک اعتراض کیا ہے کہ درخواست نہیں کرتا مگر درخواست کرنے والا' تو سَئَلَ کے بعد سائل کا ذکر فائدہ سے خالی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سائل لفظ سَئَل سے التزاماً سمجھ آتا ہے اور لفظ سائل سے مطابقت کے طور پر سمجھ میں آتا ہے تو اس ترکیب میں ابہام جمع بین المثلین ہے جو کہ بلاغت کے عمدہ فنون میں سے ہے پھر اس بات پر نظر کرتے ہوئے کہ سائل متعین نہیں ہے' لفظ سائل میں ایک ابہام ہے اور اس بات پر نظر کرتے ہوئے کہ فاعل موجود ہے' ایک تعین ہے۔ پس اس ترکیب میں ابہام جمع بین المتقابلین بھی ہوا۔ نیز سائل کو نکرہ لانے میں بزرگی اور عظمت کی رعایت بھی ہے کہ کفر' عناد اور استہزاء میں اونچے مرتبے کو پہنچا ہوا اور تحقیر بھی ہے کہ عقل اور بصیرت سے کوئی حصہ نہیں رکھتا کہ اس قسم کا سوال کرتا ہے۔ پس اس ترکیب میں ابہام جمع بین الضدین بھی ہوا اور ہر صورت میں فاعل کو اس طریقے سے ذکر کرنا کہ تعین کا فائدہ نہ دے اور فعل کے لفظ سے جو کچھ التزاماً سمجھ آتا ہے اس سے بطریق صراحت سمجھ آئے' ایک نکتے کی بناء پر ہے جو کہ بلغاء کے نزدیک بہت معتبر ہے اور وہ نکتہ اس بات کو جتلاتا ہے کہ یہ سوال ایک ایسے شخص کی طرف سے واقع ہوا

marfat.com

Marfat.com

ہے کہ سوال کرنے کے بغیر اس میں کوئی اچھی صفت نہیں ہے تا کہ اس کے تعین کی وجہ میں بات کی جائے۔ پس گویا وہ انسانیت اور خطاب کے لائق ہونے اور دوسرے امور میں سے کچھ حصہ نہیں رکھتا اور اس ترکیب میں سوال کے پہلے مفعول کو کہ جس سے سوال کیا گیا ہے اور اس مقام پر حضرت حق تعالیٰ کی ذات ہے حذف فرمایا گیا ہے اس لیے کہ جب سوال کرنے والے نے اس دربار کا ادب ملحوظ نہیں رکھا اور بے ادبی کے طور پر اس قسم کی درخواست کی گویا اسے درجۂ اعتبار سے گرا دیا۔ پس اس کے سوال کو نقل کرنے میں لفظ سے بھی گرا دینا چاہیے تا کہ اس کی اس گستاخی کا اشارہ ہو۔ اور عذاب کو نکرہ لانے میں اس کے کمال استہزاء کا اشارہ ہے اس لیے کہ نکرہ لانا یا تعظیم پر دلالت کرتا ہے یا تحقیر پر۔ پہلی صورت میں اس کی انتہائی جرأت ثابت ہوئی کہ اس نے اس عذاب کو عظیم جانتے ہوئے درخواست کی اور دوسری صورت میں اس کی انتہائی حماقت کہ اس نے اسی طرح کی عظیم چیز کو حقیر جانا اور اس تمام بے ادبی کے ساتھ ساتھ سوال میں اس کی بے وقوفی بھی ثابت ہوئی اس لیے کہ وہ اس درخواست میں تحصیل حاصل کرتا ہے کیونکہ ایسے عذاب کی درخواست کرتا ہے جو کہ

وَاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ کافروں کے لیے ضرور واقع ہونے والا ہے کہ درخواست کرنے والا بھی انہیں میں سے ہے اور اس میں واقع نہ ہونے کا احتمال اس عذاب میں بالکل نہیں ہے تا کہ اس کی درخواست کی وجہ سے اس کا واقع ہونا متعین ہو جائے اس لیے کہ

لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ اس عذاب کو ہٹانے والا کوئی نہیں اس لیے کہ وہ عذاب مقدر ہے۔

مِّنَ اللّٰهِ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو کہ ذِي الْمَعَارِجِ کی صفت سے موصوف ہے یعنی عروج کے درجات اور مرتبوں والا کہ اس کے بندے اس کے احکام کو ادا کرنے اور فرماں برداری کرنے کی وجہ سے ان مرتبوں اور درجات میں ترقی کر کے اس تک پہنچتے ہیں اور وہ درجات اور مرتبے مدت کے طویل ہونے اور کم ہونے میں مختلف اور جدا جدا ہوتے ہیں۔ بعض درجات اور مرتبے ایسے ہیں کہ ایک لمحہ میں ان تک ترقی ممکن ہے جیسا کہ زبان پر کلمۂ اسلام جاری کرنا کہ اس کی وجہ سے ایک شخص ایک لمحے میں ابدی ہلاکت

marfat.com

Marfat.com

سے ہمیشہ کی نجات کے درجے میں ترقی کرتا ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ایک ساعت کی مدت میں ان میں ترقی حاصل ہو جاتی ہے جیسے نماز کی ادائیگی اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ پورے دن کی مدت میں وہاں تک ترقی حاصل ہوتی ہے جیسے روزہ ادا کرنا اور ایک مہینے میں جیسے پورے رمضان پاک کے روزے رکھنا اور ایک سال میں جیسے حج کی ادائیگی علیٰ ہذا القیاس۔

اور فرشتوں اور ارواح کو اس مہم کی تدبیر سے فارغ ہونے کے بعد جس پر وہ مامور ہوئے تھے' حاصل ہونے والا عروج بھی اسی قسم کا اختلاف رکھتا ہے۔ بنی آدم کی حفاظت کرنے والے صبح سے عصر تک حفاظت کرنے کی مہم میں مشغول رہتے ہیں اور عصر کے بعد عروج کرتے ہیں اور اس کے بعد دوسرے آتے ہیں اور صبح کے بعد وہ عروج کرتے ہیں اور ہر سال کے رزق اور موت کے اوقات مقرر کرنے والے شب برأت میں عروج کرتے ہیں اور دوسرا دفتر لاتے ہیں اور اسی قیاس پر درختوں' کانوں' بادل اور بارش کی ارواح مختلف مدتوں تک اپنے ساتھ متعلق مہمات کی تدبیریں کر کے عروج کرتی ہیں حتیٰ کہ وہ فرشتے اور وہ ارواح جو کہ کسی ملت کو قائم رکھنے یا کسی حکومت کو باقی رکھنے پر مقرر ہیں' ہزار ہزار سال کی مدت تک تدبیر میں مصروف رہ کر اس امر کو پورا کرنے کے بعد عروج کرتے ہیں اور ان سب سے زیادہ لمبی ایک اور مدت ہے کہ

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ

اس کی طرف فرشتے اور آسمانی اور زمینی ارواح جو کہ نوع آدم کی تدبیر کے ساتھ متعلق تھے اس دن میں عروج کریں گے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے اور وہ قیامت کا دن ہے کہ اس دن پہلے تو صور پھونکنے کی وجہ سے وہ فرشتے اور ارواح جن کو آسمان' زمین' پہاڑ' دریا اور ستاروں کی حفاظت سپرد تھی' اپنے کام چھوڑ کر عروج کریں گے پھر وہ فرشتے اور ارواح جنہیں بنی آدم کے اعمال کی حفاظت اور ان اعمال پر گواہی سپرد تھی' عروج کریں گے۔ علیٰ ہذا القیاس

اعمال تولنے' سیدھے اور اُلٹے ہاتھوں میں اعمال نامے دینے' جنتیوں کو پل صراط

marfat.com

Marfat.com

سے گزارنے' دوزخیوں کو دوزخ کی طرف ہانکنے' جنت کی منزلوں اور درجات کی تقسیم' عیش وعشرت کے اسباب مہیا کرنے' لوگوں میں جہنم کے طبقات کی تقسیم اور عذاب' رنج اور عدل کے اسباب مہیا کرنے کے لیے علویات اور سفلیات کے تمام فرشتے اور تمام آسمانی' زمینی' عنصری' معدنی' نباتی اور حیوانی ارواح جوق در جوق یکے بعد دیگرے عروج کریں گی اور اپنی دنیوی ذمہ داریوں سے جوان سے متعلق تھیں' فارغ ہو کر دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ مامور ہوں گی جو کہ آخرت میں مقرر ہیں تا کہ پھر ایک نظام قائم ہو اور جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جگہ پکڑیں اور وہ فرشتے اور ارواح اس جہان کو قائم رکھنے میں ابد تک مصروف ہوں کہ اس وقت عروج منقطع ہو جائے اور سکون و قرار کی حالت پیدا ہو جائے اور عروج کی ابتدا سے لے کر اس کی انتہا تک پچاس ہزار کی مدت ہوگی جیسا کہ صحیح احادیث میں صراحتاً بیان ہوا اور اس سب کچھ کو ایک دن کا نام دیا گیا ہے اس وجہ سے کہ اس ساری مدت میں ایک کام کی تدبیر منظور ہے اور وہ جزا دینا ہے۔

اور صحیح حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت سننے کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ دن بہت لمبا ہوگا' اتنی مدت تک خوف اور بے چینی برداشت کرنا' بے قرار رہنا بہت دشوار ہوگا؟ آپ نے فرمایا خدا کی قسم! وہ دن مومن پر اس قدر ہلکا معلوم ہوگا جیسا کہ دنیا میں ایک فرض نماز ادا کرتا تھا۔

اور جب آپ نے حق تعالیٰ کو ذی المعارج کی صفت کے ساتھ موصوف جان لیا اور اس کے بعض معارج کو سُن لیا کہ پچاس ہزار سال کی مدت ہے۔ پس ان کفار کے استہزاء اور اس وعدہ شدہ عذاب کو جلدی طلب کرنے سے دل تنگ نہ ہوں۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا پس آپ اچھا صبر کریں کہ اس میں جلد طلب کرنا' تنگ دلی اور دل کی بے قراری نہ ہو اور ہم آپ کو صبر کا اس وجہ سے حکم دے رہے ہیں کہ ان کفار کا استزاء اور جلد طلب کرنا نری غلط فہمی کی بناء پر ہے۔

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا تحقیق یہ کفار اس دن کو دور دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ابھی

marfat.com

Marfat.com

آسمان اور زمین کے خراب ہونے میں مدتیں باقی ہیں' ہمیں اس دن سے کیوں ڈرنا چاہیے کہ ہماری زندگی کے ایام میں نہیں آئے گا۔

وَنَرٰهُ قَرِيْبًا اور ہم اس دن کو بالکل نزدیک دیکھتے ہیں اس لیے کہ اس دن کے آنے کی ابتدا موت کے وقت سے ہے اور صرف بدن سے روح کے جدا ہونے سے ہی اس دن کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور فرشتے اور ارواح عروج کرتے ہیں لیکن وہ فرشتے اور وہ ارواح جو کہ خاص ہر انسانی فرد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور موت کا وقت بالکل نزدیک ہے اگر اس بناء پر اس دن کی حقیقت کو دُور سمجھتے ہیں کہ دنیا کا ختم ہونا مہلت چاہتا ہے تو بھی بے جا ہے اس لیے کہ دنیا کا ختم ہونا بھی ان واقعات کی نسبت سے جو کہ اس دن میں رونما ہوں گے اور ان واقعات میں سے ہر واقعہ ہزار ہزار سال تک دراز رہے گا' بالکل قریب ہے اس لیے کہ یہ ختم ہونا نہیں ہوگا مگر اس دن کی ابتدا میں۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ جس دن کے آسمان آگ کے شعلہ کے بلند ہونے اور صور کی آواز کے صدمے سے ہوگا۔ كَالْمُهْلِ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ اور پہاڑ ہو جائیں گے سخت تیز ہواؤں کے غلبے کی وجہ سے جنہوں نے ان کی جڑوں کے نیچے آ کر زمین کو کھوکھلا کر دیا ہوگا اور صور پھونکنا ان پہاڑوں کی جسمانیت کو کمزور کرنے میں ان ہواؤں کی پے در پے مدد کرے گا۔ كَالْعِهْنِ رنگین پشم کی طرح کہ جسے روئی دھنکنے والا کمان پر مار کر اُڑاتا ہے اور پشم کی رنگینی کا اعتبار اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ بعض پہاڑ سرخ ہوتے ہیں اور بعض سفید اور بعض سیاہ اور جب ان سب کے اجزاء ہوا میں اُڑیں گے' ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رنگین پشم کی طرح نمودار ہوں گے اور اسی وقت اس دن کی شدت لوگوں پر اس حد تک پہنچ جائے گی کہ اپنے قریبیوں کے حال سے غافل ہو جائیں گے۔

وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا اور کوئی رشتے دار اپنے رشتے دار کو نہیں پوچھے گا کہ تیرا کیا حال ہے اور یہ نہ پوچھنا غائب ہونے اور دُور ہونے کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ يُبَصَّرُوْنَهُمْ لوگوں کو ان کے قریبیوں کے احوال دکھائے جائیں گے اور ان کے مکروہ

marfat.com
Marfat.com

حالات دیکھنے کے باوجود اپنی شدید پریشانی اور اپنے افکار میں گرفتاری کی وجہ سے ان کی پرواہ نہیں کریں گے اور مہربانی نہیں کریں گے بلکہ تمنا کریں گے کہ اے کاش! ہمارے بدلے انہیں کو ہی عذاب دیں۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ گنہگار آرزو کرے گا لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ کاش کہ اس دن کے عذاب کے عوض میں دے دے۔ بِبَنِيْهِ اپنے بیٹوں کو جیسا کہ دنیا میں اپنے عوض یرغمال دے کر قید سے خلاصی پاتا تھا۔

وَصَاحِبَتِهٖ اور اپنی عورت کو جو کہ اس کا ناموس ہے اور یرغمال میں اس کا دینا بہت ناگوار اور بھاری ہے۔ وَاَخِيْهِ اور اپنے بھائی کو جو کہ اس کے برابر ہے اور اس کا اتنا محکوم نہیں ہے۔

وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ اور اپنے سارے خاندان کو جو اسے اپنے پاس اس وقت جگہ دیتا تھا جب کہ وہ کوئی گناہ کر کے بھاگ کر ان کے پاس آتا تھا۔ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اور ان سب کو جو کہ زمین میں ہیں۔

ثُمَّ يُنْجِيْهِ پھر اپنے آپ کو نجات دے۔ جاننا چاہیے کہ اس آیت میں بیٹوں کو عورت پر عورت کو بھائی پر بھائی کو باقی قریبوں پر اور قریبوں کو اجنبیوں پر مقدم فرمایا ہے جبکہ سورۃ عبس میں بھائی کو ماں باپ پر، ماں باپ کو عورت پر اور عورت کو بیٹے پر مقدم کیا گیا اس طرز کو بدلنے میں نکتہ یہ ہے کہ سورۃ عبس میں فرار ہونے کا ذکر ہے اور آدمی فرار کے وقت پہلے اسے چھوڑتا ہے جس کی محبت قدرے کم رکھتا ہو۔ پس اس سورۃ میں ترتیب مذکور مناسب ہے جبکہ اس سورۃ میں اپنا فدیہ اور عوض دینا مذکور ہے اور آدمی یرغمال دینے کے وقت اس شخص کو مقدم کرتا ہے جو کہ اس کے حکم اور فرمان میں ہے۔ پس اس باب میں بیٹا عورت پر مقدم ہے اور عورت بھائی پر بھائی دوسرے قریبوں پر اور قریبی اجنبیوں پر۔

كَلَّا یہ باطل آرزو نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اِنَّهَا تحقیق وہ عذاب جو کہ اس دن ہے اور ضمیر کو خبر کی تانیث کی رعایت کرتے ہوئے مؤنث لایا گیا ہے۔ لَظٰى ایک آگ ہے جلانے والی اور شعلہ بار اور فدیہ قبول نہیں کرتی کیونکہ فدیہ قبول کرنا ذی شعور کا خاصہ

marfat.com
Marfat.com

ہے اور وہ آگ اس عوض اور بدل لینے کا شعور نہیں رکھتی۔ ہاں اس سے عقل والوں کے کام صادر ہوتے ہیں اس حالت میں کہ

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی جسم کے چمڑے کو جلا کر کھینچ لیتی ہے اور چمڑے سے اندرونی حصہ کو پوری طرح نہیں جلاتی تاکہ ہلاکت تک نہ پہنچائے اور چمڑے کے بدلنے سے جلن کی تکلیف دَم بدم بڑھے اور زیادہ ہو۔ نیز ایک اور عقل والا کام یہ کرتی ہے۔

تَدْعُوْا بلند آواز اور فصیح زبان کے ساتھ بلاتی ہے کہ الیّ یا کافر الیّ یامنافق الیّ یاجامع المال اے کافر! اے منافق! اے مال جمع کرنے والے! میری طرف آ۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور وہ اس بلانے اور نام لینے میں خاص کرتی ہے۔

مَنْ اَدْبَرَ اسے جس نے راہ حق کو پشت کی تھی' حضرت رسول کریم علیہ السلام کی نافرمانی اور مخالفت کر کے۔ وَتَوَلّٰی اور ایمان سے روگردانی کی تھی۔ وَجَمَعَ اور مال جمع کیا تھا ہر حلال' حرام' شبہ' مکروہ کی جگہ کی تمیز اور فرق کیے بغیر۔ پس اس مال کو حاصل کرنے کے وقت دوزخ کے عذاب کا مستحق ہو گیا تھا۔ فَاَوْعٰی پس اس مال کو جمع کرنے کے بعد برتن میں ڈال کر سنبھال رکھا اور اپنے اوپر واجب حقوق خواہ خدا کا حق تھا' خواہ قرض خواہ' نوکر' مزدور' غلام' لونڈی' مہمان' گدا' عورت' بیٹا' بھائی' بہن' باپ اور ماں کا حق اس مال سے ادا نہ کیا۔ پس اس مال کو خرچ کرنے میں بھی دوزخ کے عذاب کا مستحق ہوا۔

تو جب معلوم ہو گیا کہ اس آگ کو دو کاموں کی طلب ہے' ایک بدن کے چمڑوں کو جلانا نہ کہ باپ' بیٹا' عورت اور بھائی کی گرفتاری کے ساتھ دِلوں کو جلانا' دوسرا چُن کر اور منتخب کر کے روگردانی کرنے والوں' پیٹھ پھیرنے والوں' مال جمع کرنے والوں اور حقوق کو روکنے والوں کو بلاتی ہے اور چاہتی ہے پس اس سے فدیہ قبول کرنے کی آرزو کیسے کی جا سکتی ہے اس لیے کہ اگر اس شخص کے بدلے کسی اور کو قبول کرے تو اس شخص کے بدن کو جلانا جو کہ اس کا مطلوب ہے' کیسے حاصل ہو؟ گو اس شخص کا دل اپنے قریبیوں کے عذاب کی وجہ سے جلے۔ نیز اس گناہگار آدمی کے قریبی اگر روگردانی کرنے والوں' پیٹھ پھیرنے

marfat.com
Marfat.com

والوں' مال جمع کرنے والوں اور حقوق کو روکنے والوں کے گروہ میں سے ہیں تو وہ آگ خود ان کی طالب ہے' انہیں نہیں چھوڑے گی اس شخص کا انہیں اپنے بدل میں دینے کا تصور ہی نہیں ہے کہ یہ گناہگار کو گناہگار کے بدلے میں دینا ہے اور اگر وہ اس گروہ میں سے نہیں ہیں تو وہ آگ انہیں قبول نہیں کرتی کہ اس کی غرض اسی گروہ کے ساتھ وابستہ ہے اور اس شخص کا انہیں اپنے بدل میں دینا گھوڑے کو چارے اور جو کے عوض بیش قیمت جواہرات دینے کے قبیلے سے ہے کہ وہ ہرگز قبول نہیں کرتا۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب دوزخ کی آگ کافروں اور منافقوں کو نام لے لے کر پکارے گی' وہ بھاگ جائیں گے۔ ایک لمبی گردن آگ سے باہر آئے گی اور دو سو سال کے فاصلے تک کافروں اور منافقوں کو چُن کر اُٹھائے گی جس طرح جانور اپنی چونچ سے دانہ چنتا ہے اور اگر کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ اس صورت میں دوزخ کی آگ اکثر لوگوں کے درپے نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ چاروں صفات جو کہ دوزخ کی آگ کو مطلوب ہیں' کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں' ہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ عبادت بدنی کو پس پشت ڈالنا' رسل علیہم السلام اور قرآن پاک کے احکام سے روگردانی اگرچہ کم ہے اور فطرتِ سلیمہ کے خلاف ہے لیکن مال جمع کرنا اور حقوق کو روکنا بہت زیادہ ہے اس لیے کہ

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا تحقیق انسان اپنی جبلت کے مطابق بے صبر اور حریص پیدا کیا گیا ہے اور لغت عرب میں ہلوع اس شخص کو کہتے ہیں جو بے صبر بھی ہو اور شدید الحرص بھی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اس لفظ کی تفسیر خود فرمائی ہے کہ فرمایا ہے

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا جب اسے فقر' بیماری اور دوسری تکالیف کی قسم کی بدی پہنچتی ہے تو حد درجہ بے چینی اور بے قراری کرتا ہے' بخلاف دوسرے حیوانات کے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی ادراک قوی ہے اور اس کی فکر دُور دُور تک پہنچتی ہے اور ہر بدی کی مکروہ اور دردناک وجوہات کو گہرے غور و فکر سے دریافت کرتا ہے اور اس کے دُور کے

marfat.com
Marfat.com

لوازمات اور بعد کے نتائج کو دُور سے دیکھ لیتا ہے اور وہم کے غلبے کی وجہ سے ان سب کو واقع سمجھتا ہے اور بے قراری کی کیفیت سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ نیز اس بدی کو دُور کرنے کے لیے قسم قسم کے حیلے اور تدبیریں اس کے دل میں آتی ہیں اور ان میں سے کسی پر پختگی نہیں کرتا۔ پس ایک تدبیر سے دوسری تدبیر کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اس منتقل ہونے میں اسے شدید بے قراری پیش آتی ہے کہ ابھی پہلی تدبیر کو پورا نہیں کر پایا کہ دوسری تدبیر کی فکر لگ جاتی ہے۔

وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا اور جب اسے دولت' مرتبہ اور دیگر منفعتوں کی قسم کی اچھائی پہنچتی ہے تو انتہائی بخیل ہو جاتا ہے اور اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ دوسرے تک پہنچے اور جب اللہ تعالیٰ مختلف سمتوں سے اس پر ترقی کے دروازے کھول دیتا ہے' اسے ہر نعمت اور ہر ترقی کی حفاظت پیش نظر ہو جاتی ہے تاکہ دوسرے تک نہ پہنچے اور میری نسل اور خاندان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہے اور اس وجہ سے اس کا روکنا اور بخل کرنا ہر روز بڑھتا ہے اور یہ بھی اس کی عقل مندی اور ذہانت کے کمال سے ہے کہ ہر نعمت کی منفعت کی وجوہات پورے غور سے دریافت کرتا ہے اور دُور کے لوازمات اور مخفی خاصیتوں کو دُور سے سمجھ لیتا ہے اور ان میں پوری رغبت بہم پہنچاتا ہے اور ہر ایک کو وہم کے غلبے کی وجہ سے واقع سمجھتا ہے اور اس نعمت کے ساتھ اپنی انفرادیت کے حیلوں اور تدبیروں کو بھی غور و فکر کے ساتھ دُور دُور سے لاتا ہے اور ان سب کے درپے رہتا ہے اور یہ دونوں صفات جو کہ بے صبری اور حرص کی شدت ہے' زیادہ تر عبادات اور طاعات کو پس پشت ڈالنے اور رسل علیہم السلام اور قرآن پاک سے روگردانی کرنے کا موجب ہوتی ہیں۔

## دوزخ آٹھ گروہوں کے سوا سب لوگوں کو بلاتی ہے

پس دوزخ کے بلاوے کے لائق سبھی لوگ ہیں کہ اس کی دعوت کی استعداد ان کی اصل جبلت میں موجود ہے مگر آٹھ گروہوں کو دوزخ نہیں بلاتی اس لیے ان آٹھ گروہوں کو جنت اپنے آٹھ دروازوں سے بلاتی ہے اگر انہیں دوزخ بھی بلائے تو جنت کے

marfat.com

Marfat.com

ساتھ باہمی جھگڑا اور اختلاف لازم آئے جبکہ دوزخ اور جنت ایک مالک کے غلام اور باہم صلح وسلامتی کے ساتھ ہیں' ان کے درمیان جھگڑے اور اختلاف کا تصور نہیں ہے اور ان آٹھ گروہوں کی تفصیل یہ ہے:

**اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ** مگر وہ نمازی حضرات جو کہ اپنی نماز پر ہیشگی کرتے ہیں اور ان کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بے صبر اور شدید الحرص پیدا نہیں ہوئے ہیں ورنہ پانچ اوقات میں نماز ادا کرنے پر صبر نہ کرتے اور چونکہ وہ دن رات میں اپنے مالک کے حضور پانچ وقت حاضر ہوتے ہیں تو ان سے اس بات کا امکان کیسے ہے کہ اپنے مال کو اس کی نذر سے اور اسے پیش کرنے سے روکیں یا انہیں نہ دیں جن کا خرچ اللہ تعالیٰ نے ان پر مقرر فرمایا ہے اور انہیں حرص کی شدت حقوق کو روکنے کے مقام تک پہنچا دے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ نماز ادا کرنے والوں کو ان آیات میں ان آٹھ گروہوں میں سب سے پہلے ذکر فرمایا گیا جبکہ کلام کو ختم بھی اس گروہ پر فرمایا گیا۔ بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت چند وجوہ کی بناء پر تکرار نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے جو کہ معتبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں' پوچھا تھا کہ نماز پر دوام سے کیا مراد ہے؟ اس لیے کہ آدمی کی طاقت سے باہر ہے کہ ہمیشہ نماز میں رہے؟ آپ نے فرمایا کہ نماز پر ہیشگی سے مراد یہ ہے کہ اس میں آنکھ کی توجہ دائیں بائیں نہ ہو اور اس میں یاد خدا کے بغیر دل کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ نماز کی حفاظت جو کہ آیات کے آخر میں ہے' سے مراد نماز کی عظمت کا اہتمام' شرائط و آداب کی رعایت' وقت سے پہلے وضو' ستر عورت اور طلب قبلہ کا مہیا ہونا ہے تاکہ جب نماز کا وقت آئے تو دل ان شرائط کو حاصل کرنے کے ساتھ متعلق نہ رہے اور حالتِ نماز میں خشوع کی رعایت کرنا' دنیوی امور کو یاد کرنے سے پرہیز کرنا اور نماز کو تمام سنتوں اور آداب کے ساتھ بجالانا ہے اور نماز کے بعد لغویات اور نماز کے منافی تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے اور یہ چیزیں متوجہ نہ ہونے کے علاوہ ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

دوسری وجہ یہ ہے کہ مداومت یعنی ہمیشگی سے مراد پانچ وقت کی نماز کو پابندی سے پڑھنا ہے اور ایک وقت کا بھی ناغہ نہ کرنا جبکہ محافظت سے مراد دوسرے امور ہیں جن کا ذکر ہو چکا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس نماز سے مراد فرضی نماز ہے اور آخری آیت میں مذکور نماز سے مراد نفلی نمازیں ہیں جیسے مؤکدہ سنتیں' چاشت' اشراق' زوال کے بعد اور تہجد کے نوافل جیسا کہ حضرت امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

وَالَّذِيْنَ فِىْٓ اَمْوَالِهِمْ اور وہ لوگ جن کے اموال کی سب اقسام نقدی' زراعت سے حاصل شدہ پیداوار' مویشی' مال تجارت اور غلاموں میں حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ایک مقرر اور معین کیا ہوا حق ہے جو کہ زکوٰۃ' صدقہ فطر اور واجب اخراجات ہیں یا دوسرا حق جو کہ انہوں نے اپنی طرف سے مال کی ہر جنس پر مقرر کیا ہے۔

لِّلسَّآئِلِ سوال کرنے والے کے لیے کہ جسے شرعی طور پر مانگنے کا حق ہے جیسے بیوی' بیٹا' غلام' کنیز' دوسرے قریبی رشتے دار' قرض خواہ اور مہمان جو کہ لوگوں کے سامنے اور کچہریوں میں بے جھجک اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔

وَالْمَحْرُوْمِ اور اس شخص کے لیے جو کہ محروم ہے اور اسے مانگنا شرعی طور پر منع ہوا جیسے مساکین' یتیم اور محتاج جو کہ مطالبہ نہیں رکھتے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سائل وہ آدمی ہے جو کہ اپنی حاجت کا اظہار کرتا ہے اور محروم ہر بے زبان جانور ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سائل گلی کوچوں میں پھرنے والا منگتا ہے جبکہ محروم وہ مفلس خانہ نشین آدمی جو کہ کسی کے سامنے اپنی حاجت کا اظہار نہیں کرتا اور لوگ اسے امیر سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے خیرات ملنے سے محروم رہتا ہے اور بعض نے کہا کہ محروم وہ بدنصیب ہے جس کی روزی کے اسباب برباد ہو گئے' کسی طرح سے بھی روزی نہیں کما سکتا یا وہ تاجر جس کے سرمایہ میں بہت سا نقصان ہو گیا یا اس کا مال لٹ گیا اور اگرچہ محروم صدقہ دینے میں سائل سے پہلے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے لیس المسکین الذی یردہ الاکلة والا کلتان والثمرة والثمرتان ولکن المسکین الذی لایجدغنأ یغنیه ولا یسئل

marfat.com
Marfat.com

الناس فیتصدق علیہ یعنی وہ منگتا جسے دینا بہت ثواب رکھتا ہے' وہ منگتا نہیں جو کہ ایک لقمہ یا دو لقمہ کی خاطر در بدر پھرتا ہے بلکہ یہ وہ ہے جو کہ ضروریات نہیں رکھتا اور کسی کے سامنے سوال نہیں کرتا تا کہ کوئی اس کی ضرورت معلوم کر کے اُسے کوئی چیز عطا کرے۔ پس اس قسم کے منگتے کو دینا ثواب کا زیادہ موجب ہے لیکن اس آیت میں سائل کو محروم پر اس بناء پر مقدم فرمایا گیا ہے کہ واقع میں ہوتا یہی ہے اس لیے کہ صدقات کی تقسیم کے وقت انسان اس منگتے کو جو بلند آواز سے اپنی حاجت کا اظہار کرتا ہے اور دروازے پر کھڑا رہتا ہے' مقدم کرتا ہے اور جب ان صدقات میں سے کچھ بچ جاتا ہے تو اسے خرچ کرنے کے لیے محروموں اور خانہ نشینوں کے حال کی تفتیش کی جاتی ہے اور اس عمل کی وجہ سے معلوم ہوا کہ یہ گروہ بہت قوی صبر رکھتا ہے کہ مال دینے اور منگتوں اور سائلوں کی جفا سے پریشان نہیں ہوتے اور حرص نہیں رکھتے ورنہ اپنا مال جس سے بہت سے کاموں کی توقع رکھتے ہیں' دوسروں کو کس طرح دیتے لیکن ان کا مرتبہ پہلے گروہ سے نیچا ہے کیونکہ انہیں مال کے نکلنے سے گھبراہٹ اور مال جمع کرنے کی حرص کبھی کبھی پیش آتی ہے اگرچہ اس کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ بخلاف پہلے گروہ کے کہ نماز میں استغراق کی وجہ سے ان دونوں چیزوں سے بالکل آزاد ہوتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ اور وہ لوگ جو کہ روزِ جزا کی تصدیق کرتے ہیں اور تکلیف آنے پر گھبراتے نہیں اور نیکی پہنچنے پر خیر سے روکنے والے نہیں ہوتے اس لیے کہ ہر مصیبت اور ہر راحت کی جزا کو جانتے ہیں۔ پس وہ بھی صبر کرتے ہیں اور حرص نہیں رکھتے لیکن ان کا مرتبہ نماز ادا کرنے والوں اور زکوۃ دینے والوں سے نیچا ہے اس لیے کہ انہیں منفعت دنیا کے غیر میں اپنے اوقات کو مصروف کرنے یا زیادہ مال حاصل کرنے اور پھل دینے کے مقام کے غیر میں مال خرچ کرنے پر تکالیف برداشت کرنے پر گھبراہٹ اور اپنے اوقات کو دنیوی منفعتوں میں مصروف کرنے یا غم و فکر کے اسباب کو ختم کرنے یا ضرورت کے وقت کے لیے مال جمع کرنے کی حرص پیش آتی ہے لیکن وہ اس علم کے تقاضا کے مطابق جو کہ جزا کے متعلق رکھتے ہیں' صبر کو گھبراہٹ پر اور قناعت کو حرص پر

marfat.com
Marfat.com

ترجیح دیتے ہیں۔ پس گویا وہ معاوضہ اور تبادلہ کرتے ہیں، تھوڑا دیتے ہیں اور بہت چاہتے ہیں اور ان کی گھبراہٹ اور حرص بالکل بے تاثیر نہیں ہے بلکہ دنیوی قسم سے اخروی قسم کی طرف اور فانی سے باقی کی طرف منتقل ہوگئی اور اس نے دوسرا رنگ اختیار کیا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ اور وہ لوگ جو کہ دنیا و آخرت میں اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اگر تکلیف میں صبر نہ کریں اور جود و عطا نہ کریں تو عذابِ خداوندی میں گرفتار ہوں گے اور واقع میں مقدمہ یوں ہی ہے کہ اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے اس لیے کہ

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ تحقیق ان کے ربّ کے عذاب سے، تکلیف میں صبر اور سخاوت میں خرچ کرنے کے باوجود غَيْرُ مَاْمُوْنٍ بے خوفی نہیں ہے اس لیے اعتبار تو خاتمے کا ہے اور ہر شخص کا خاتمہ مخفی ہے کہ کس حال میں ہوگا اور صبر و عطا میں ان کا مرتبہ پہلے گروہ سے کم ہے اس لیے کہ ان کا عمل عذاب کے خوف کی وجہ سے ہے جبکہ پہلے گروہ کا عمل طمع ثواب کی وجہ سے ہے اور ثواب کی طمع امید کی راہ ہے اور امید محبت کا وسیلہ ہے اور محبت کے ساتھ خدمت اور اطاعت اس خدمت اور اطاعت سے بہتر ہے جو خوف کی وجہ سے ہو جس طرح مزدور کی خدمت غلام اور لونڈی کی خدمت سے۔ اور یہ دونوں گروہ اپنے سے پہلے دو گروہوں سے بہت کم ہیں اس لیے کہ اُن کا عمل امید اور خوف کی ملاوٹ کے بغیر صرف محبت کی وجہ سے ہے۔ پس ان کی خدمت اور اطاعت عاشق کی اپنے معشوق کی خدمت اور اطاعت کی مانند ہے اور یہ چار گروہ جن کا ذکر ہوا، وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدنی یا مالی طاعات پر یا مصیبت پر اور طاعات کے مخالف امور پر حرص کو زائل کرنے پر اور نافرمانیوں اور خواہشات سے مطلقاً صبر کیا۔

## جزوی امور میں صبر کرنے والے

اب ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو جزوی امور میں صبر و قناعت اختیار کرتے ہیں اور وہ بھی چار گروہ ہیں۔ پہلا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہ شرم گاہ کی خواہش اور جماع کی لذت کے سلسلے میں صبر کرتے ہیں اور حرص نہیں کرتے کہ یہ دونوں زیادہ تر مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں،

marfat.com

Marfat.com

دوسرا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہ مخلوق کے حقوق یعنی امانتوں اور معاہدوں کو ادا کرنے میں صبر کرتے ہیں اور حرص نہیں کرتے' تیسرا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہ ان حقوق کے اظہار میں صبر نہیں کرتے اور حرص نہیں کرتے جو کہ مخلوق کے ایک دوسرے پر ہیں' چوتھا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہ لازم ہونے والی طاعات کے نوافل خصوصاً اپنی مقررہ نمازوں پر صبر کرتے ہیں اور اپنے اوقات کو لذتوں اور آرام طلبی میں صرف کرنے میں حرص نہیں کرتے۔

اور ان گروہوں کے بیان کو آگے پیچھے لانے کی ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ بدنی عبادتوں میں صبر اور عدم حرص جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے واجب ہوئی ہے جیسے پابندی کے ساتھ نمازِ پنج گانہ ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کمال قرب اور واصل ہونے کا ذریعہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے **ماتقرب الیّ عبدی بشیء احب الیّ مما افترضت علیه** میری بارگاہ میں میرا بندہ کسی چیز کے ساتھ قرب حاصل نہیں کرتا جو کہ مجھے فرائض سے زیادہ پسند ہو اور نماز کو جو کہ ایک جامع عبادت ہے اور بندے کو بلاواسطہ بارگاہِ خداوندی میں مناجات' ہم کلامی' حاضری اور قرب کی سرحد تک پہنچاتی ہے' مزید خصوصیت حاصل ہے پھر فرض زکوٰۃ ادا کرنے اور واجب اخراجات پہنچانے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی منفعت اور اس کے بندوں کی پرورش ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کمال خوشنودی اور رضامندی کا سبب ہے پھر تکلیف اور مصیبت پہنچنے کے وقت حصولِ ثواب کی امید سے گھبراہٹ اور بے چینی اور نہ ملنے والے مقاصد پر حرص کو چھوڑنا انہیں عذاب کے ڈر سے چھوڑنے سے زیادہ بلند اور قابلِ قدر ہے۔

پھر شرم گاہ کی خواہش کے مسئلے میں ناجائز کی حرص چھوڑنا اور جائز حد تک صبر کرنا' صبر و قناعت کی دشوار ترین صورت ہے اور یہ سب کچھ پروردگار کے حق کے ساتھ متعلق تھا۔

پھر وہ جو بندوں کے حقوق کے ساتھ متعلق ہے۔ پس یا تو ان حقوق کی ادائیگی ہے جو کہ اپنے ذمہ ہیں جیسے امانتیں اور معاہدے یا ایک دوسرے پر ان کے حقوق کا اظہار' ان کے اموال کو زندہ کرنا ہے اگرچہ اپنی طرف سے کچھ دینا لازم نہیں آتا اور جب اللہ تعالیٰ

marfat.com

Marfat.com

کے ان تمام واجبات کو صبر اور ترکِ حرص کے ساتھ قائم کر دیا گیا تو کچھ باقی نہ رہا سوائے اس کے جسے انہوں نے اپنے اوپر نذر والتزام کے طریقے سے واجب کیا ہے جیسے نفلی عبادات خصوصاً نمازیں۔ پس آخر میں ان کا ذکر فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ اور وہ لوگ جو اپنے مقاماتِ شرم کی حَافِظُوْنَ حفاظت کرنے والے ہیں اس سے کہ ان پر کسی کی نظر پڑے یا کسی کا بدن ان تک پہنچے اور اس نگاہبانی میں ان کی قوتِ صبر بھی ثابت ہوگئی اور ان کی بے حرصی بھی۔

اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ مگر اپنے جوڑوں پر' زوجہ لغت میں جفت کو کہتے ہیں اور چونکہ گھر کا کاروبار عورت اور مرد کے باہم شامل ہوئے بغیر صورت نہیں پکڑتا اس وجہ سے عورت کو مرد کا جوڑا اور مرد کو عورت کا جوڑا کہتے ہیں جیسے موزے کا جوڑا اور جوتے کا جوڑا۔

اور جفت یعنی جوڑا ہونے میں چند چیزیں شرط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ایک دوسرے سے ایک خصوصیت پیدا ہو جائے اسی لیے ہر عورت کو ہر مرد کا جوڑا نہیں کہا جا سکتا اور یہ خصوصیت شرعی ایجاب وقبول کے بغیر جو کہ عقد نکاح سے عبارت ہے' حاصل نہیں ہوتی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ خصوصیت خانہ داری اور معاش کی ضرورتوں کی تدبیر کے لیے ہو' صرف قضائے شہوت کے لئے نہیں۔ اس لیے کہ گھر میں دونوں کے اشتراک کے بغیر دونوں کے نفع ونقصان مشترک نہیں ہوتے۔ پس جوڑا ہونے کا معنی صورت نہیں پکڑتا۔ اسی لیے خرچی کی عورت (جو قیمت لے کر جماع کرائے) اور متعہ کی عورت کو جفت یعنی' جوڑا نہیں کہا جا سکتا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس سے نسل لینا ممکن ہو اور اس کے ساتھ کسی اور کا حق متعلق نہ ہو۔ پس کسی دوسرے کی مملوکہ عورت کو جس کے ساتھ اس نے مقاربت کرنے کی اجازت دے دی ہو' جفت نہیں کہا جا سکتا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اس تعلق کے سوا ان دونوں کے درمیان اس سے زیادہ قوی اور قرب والا تعلق نہ ہو اسی لیے ماں' بیٹی اور بہن کو آدمی کا جفت نہیں کہا جا سکتا۔

marfat.com
Marfat.com

## متعہ وغیرہ کی حرمت کا بیان

پس یہاں سے معلوم ہوا کہ متعہ والی عورت جفت نہیں ہے اور اسی لیے اگر وہ متعہ کی مدت کے اندر مر جائے تو مرد اس کا وارث نہیں بنتا اور نہ ہی وہ عورت مرد کی وارث ہوتی ہے نہ اس کی خوراک اور پوشاک واجب ہوتی ہے' نہ ہی گھریلو معاملات میں دخیل ہوتی ہے' نہ نفع ونقصان میں شریک ہوتی ہے' نہ ہی اس سے نسب اور نسل کی حفاظت ممکن ہے اس لیے کہ متعہ کی مدت گزرنے کے بعد ایک دوسرے سے اجنبی ہو جاتے ہیں' یہ مشرق میں جاتا ہے اور وہ مغرب میں اور یہ عورت متعہ کے لیے کسی اور کو چاہتی ہے اور وہ مرد کسی اور کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اگر متعہ کی مدت میں اس سے حمل ظاہر ہو اور اس سے کوئی بچہ پیدا ہو جائے نہ وہ باپ پہچان سکتا ہے اور نہ اسے باپ پہچان سکتا ہے اور نہ وہ باپ تک پہنچ سکتا ہے تا کہ اس سے حق فرزندی کا مطالبہ کرے اور نہ باپ اس تک پہنچ سکے تا کہ تربیت پدری بجالا سکے اور جب بیٹے کا نسب مجہول رہا تو باپ کے محارم کے ساتھ اس کی محرمیت بھی معلوم نہ ہو سکی اور محارم کا ایک دوسرے میں داخل ہونا ممکن ہو گیا کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ لڑکا باپ کی لڑکی سے نکاح یا متعہ کرے اور باپ کا بھائی اس لڑکی سے نکاح کا متعہ کرے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسری رشتے داریوں میں بھی یہ تداخل متصور ہے اور اس اولاد کے نکاح میں کفو کا مسئلہ بھی دگرگوں ہو گیا اور لوگوں کی میراث کی تقسیم کا دروازہ بالکل بند ہو گیا اس لیے کہ اس کے ورثاء جہان میں منتشر ہو گئے اور ان کی گنتی' ناموں اور مکانات کی تفصیلات کو جاننا مشکل ہو گیا تا کہ ہر شخص کی میراث اس تک پہنچائی جائے۔

اور اسی لیے متعہ کا عقیدہ رکھنے والوں کے مطابق بھی زوجیت کے احکام عدت' طلاق' ایلاء' لعان' ظہار' شب باشی کی باری وغیرہ متعہ والی عورت کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے اور کسی چیز کے احکام کا نہ ہونا اس چیز کے نہ ہونے پر صریح دلیل ہے اور

اور متعہ کو حلال سمجھنے والوں نے جو کہا ہے کہ یہ احکام زوجیت کے لیے لازم نہیں ہیں تا کہ ان کی نفی ہونے سے ملزوم کی نفی کی دلیل ہو اس لیے کہ منکوحہ بیوی کی خوراک اور پوشاک شوہر کی نافرمانی اور اس کے گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں سکونت اختیار

marfat.com

Marfat.com

کرنے کی وجہ سے گر جاتی ہے اور اس عورت کو جس نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہو یا کسی کی کنیز ہو یا فرنگی مذہب ہو میراث نہیں پہنچتی اور لعان بھی مملوکہ عورت اور اس کے شوہر کے درمیان نہیں ہے اور شب باشی کی نوبت سفر میں ساقط ہو جاتی ہے' نہایت بے معنی بات ہے اس لیے کہ زوجہ منکوحہ میں ان احکام کا زائل ہو جانا درمیان میں پیدا ہونے والے عوارض کی وجہ سے ہے حتیٰ کہ اگر وہ عارضے اُٹھ جائیں تو وہ احکام لوٹ آئیں مثلاً اگر نافرمان عورت اپنے شوہر کے گھر کو لوٹ آئے تو خرچہ' خوراک اور پوشاک کی مستحق ہو جائے گی اور اگر کنیز آزاد ہو جائے یا کافرہ مسلمان ہو جائے تو میراث کی مستحق قرار پائے گی اور اگر مرد سفر سے واپس آ گیا تو عورت شب باشی کی نوبت کی طلب کرے گی۔ پس وہ عوارض احکام زوجیت کی نفی کا موجب ہو گئے نہ کہ نفس عقد نکاح۔ بخلاف متعہ والی عورت کے نفس عقد متعہ کسی عارضے اور پیدا ہونے والی رکاوٹ کے بغیر ان احکام کے منافی ہے جیسا کہ پانی طبعی طور پر سیلان رکھتا ہے اور پتھر طبعی طور پر جمود اور اگر کوئی ازروئے حماقت یہ کہنا شروع کر دے کہ منجمد پتھر بھی پانی کی قسم سے ہے اس لیے کہ پانی بھی برف بننے کے بعد منجمد ہو جاتا ہے یا بہنے کی صلاحیت والا پانی بھی پتھر کی قسم سے ہے اس لیے کہ پتھر بھی تیزاب ڈالنے کی مدد سے پانی ہو جاتا ہے' عقل منداس کی اس بکواس پر کبھی کان نہیں دھریں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے منکوحہ بیویوں کو چار کی تعداد میں بند رکھا ہے جیسا کہ سورۃ النساء کی ابتدا میں مذکور ہے اگر متعہ والی عورت بیویوں میں داخل ہوتی تو وہ بھی اس عدد میں منحصر ہوتی حالانکہ متعہ کرنے والے ایک رات میں دس' دس عورتوں کے ساتھ متعہ کرنا جائز قرار دیتے ہیں اور ایک شخص کے عقد نکاح میں چار عورتیں ہونے کے باوجود دوسری عورتوں کے ساتھ متعہ جائز قرار دیتے ہیں۔

## مسئلہ شرعیہ

نیز شرع شریف میں مقرر ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی منکوحہ عورت کے ساتھ مقاربت کی تو محصن ہو گیا۔ اس کے بعد اگر زنا کرے تو اسے سنگ سار کرنا چاہیے اور اگر

marfat.com

Marfat.com

اس نے منکوحہ عورت کے ساتھ مقاربت سے پہلے یہ بُرا فعل کیا تو سو کوڑے مارنا چاہئیں جبکہ متعہ کرنے والے متعہ والی عورت کی مقاربت کو احصان کا سبب نہیں جانتے۔ پس متعہ والی عورت کسی صورت میں بیوی میں داخل نہیں ہوتی اور متعہ والی عورت کو زوجہ میں داخل کرنا اسی قسم سے ہے کہ جو شخص کانچ کے روغنی تھال میں گوشت بھونا چاہے اس نے ایک امر محال کی طلب میں عمر میں ضائع کر دی۔

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ یا وہ چیز جس کے ان کے ہاتھ مالک ہوئے ہیں اور وہ چیز لونڈیوں کا مقام مخصوص ہے اس لیے کہ وہ چیز چاہیے جو کہ محل نجاست نہ ہو اور نسل لینے کے قابل ہو اور غلام اس قسم کی چیز نہیں رکھتے اور کنیزیں دونوں چیزیں رکھتی ہیں لیکن نجاست کی جگہ جو کہ کھیتی اور نسل کا مقام نہیں ہے' ان سے بھی حرام ہے اور چونکہ 'ما' سے مراد وہ مقامِ مخصوص ہے۔ پس ما کا لفظ وارد کرنے میں کوئی اشکال نہیں اور اس صورت میں بھی عورت کی مرد کے ساتھ خصوصیت' نفع ونقصان کی شراکت' نسب ونسل کی حفاظت اور گھریلو امور کی خدمت ثابت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بیوی میں اس مقامِ مخصوص کی منفعتوں کے سوا شوہر کی ملک میں کچھ نہیں آتا جبکہ مملوکہ عورت اس کے سر سے لے کر قدم تک تمام منفعتوں کے ساتھ مالک کی مملوک ہے اور لغت عرب میں ملک یمین ذات اور گردن کی ملک سے عبارت ہے اسی لیے کسی مانگی ہوئی چیز کے متعلق یوں نہیں کہا جا سکتا کہ میری ملک یمین ہے۔ پس وہ کنیز جسے اس کا مالک دوسرے کو جماع کرنے کے لیے عاریۃً دے دے اس عاریۃً لینے والے کی ملک یمین میں داخل نہیں ہے کہ اس کی ملک یمین میں داخل ہو اور اس کے ساتھ جماع حلال ہو جیسا کہ اسے حلال قرار دینے والوں کا عقیدہ ہے اور اس عاریت کو دوسری منفعتوں کی عاریت پر قیاس کرنا نص قطعی کے مقابلے میں قیاس کرنا ہے جو کہ قطعاً درست نہیں اور قیاس مع الفارق بھی ہے اس لیے کہ اگر اس منفعت کے لیے کسی لونڈی کو عاریۃً لیں' گمان غالب ہے کہ وہ حاملہ ہو جائے گی جبکہ عاریت لینے والے کے لیے اس چیز کو اپنے حق کے ساتھ مصروف کرنا جائز نہیں ہے اسی لیے عاریت کی زمین میں درخت لگانا اور کنواں کھودنا جائز نہیں ہے۔

marfat.com
Marfat.com

فَاِنَّهُمْ پس تحقیق وہ لوگ اگر اپنی بیویوں اور کنیزوں کی مقاربت سے بے صبری کریں اور مقاربت اور لذت لینے کی حرص کریں۔ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ملامت کیے گئے نہیں ہیں کہ انہیں جزع وفزع اور حرص کرنے والوں میں داخل سمجھا جائے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ تو جوان دوقسم کی عورتوں جو کہ بیوی اور لونڈی ہیں' کے سوا طلب کرے تو وہ لوگ حد سے گزرنے والے ہیں کہ حد عفت سے آگے نکل گئے اور بے صبروں اور حریصوں میں داخل ہو گئے۔

## لواطت' متعہ اور جلق وغیرہ کی حرمت کا بیان

یہاں جاننا چاہیے کہ جماع کی شہوت کے چند مصرف ہیں اور وہ تمام مصارف شرعاً حرام ہیں مگر یہ دو مصرف جن کا ذکر ہو چکا' بلاشبہ حلال ہیں اور اس کے حرام مصارف کی تفصیل بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک لواطت ہے اور وہ مقام نجاست میں جماع کرنے سے عبارت ہے خواہ مرد سے ہو یا عورت سے اور عورت خواہ بیوی اور کنیز ہو یا اجنبی اور ان میں سے اُجرت کا معاملہ کرنے والی عورت ہے جسے عرف میں زن خرچی کہتے ہیں (یعنی اس فعل شنیع کے عوض خرچ لینے والی) اور ان میں سے دوستی والی عورت ہے جسے عرف میں خانگی کہتے ہیں اور یار' دوست اور آشنا نام رکھتے ہیں کہ اُجرت مقرر کیے بغیر صرف دوستی اور یارانے کی وجہ سے اس کے ساتھ یہ بُرا عمل کرے اور ان میں سے وہ عورت ہے جسے مجبور کیا گیا کہ جبراً اس کے ساتھ یہ کام کریں جیسا کہ شہروں کو لوٹنے کے وقت دشمن کے فوجی عورتوں کے ساتھ جبراً دست درازی کرتے ہیں اور ان میں سے متعہ والی عورت ہے کہ اس کے ساتھ مدت اور اُجرت مقرر کر کے یہ کام کرتے ہیں اور ان میں سے عاریتہً لی ہوئی کنیز جسے اس کے مالک سے اس کی رضامندی کے ساتھ اس عمل کے لیے لیتے ہیں اور ان میں سے مساحقہ والی عورت ہے کہ لواطت کے برعکس عورت' عورت کے ساتھ تکمیل خواہش کرے اور ان میں ہاتھ کا عمل ہے جسے جلق کہتے ہیں اور ان میں سے محارم کے ساتھ نکاح ہے خواہ وہ محارم نسبی ہوں جیسے ماں' بہن' پھوپھی' خالہ' بھتیجی' بھانجی وغیرہ اور خواہ سببی محارم ہوں جیسے ساس' سالی' بیوی کی پھوپھی اور خالہ وغیرہ اور خواہ

marfat.com

Marfat.com

رضائی محارم ہوں جیسے دودھ پلانے والی اوراس کے اصول وفروع اوران میں وہ عورت ہے جو کہ کسی اور کے نکاح میں ہو کہ اس کے ساتھ نکاح بھی جائز نہیں ہے اوران میں سے مشرک عورت ہے اوران میں سے فاحشہ عورت ہے کہ اس کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں ہے اور یہ تمام اقسام ماوراء ذالک میں داخل ہیں اور بالکل حرام۔

## امانتوں کی حفاظت کا بیان

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں یعنی لوگوں کی امانتیں جو اپنے پاس رکھتے ہیں اور امانت کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ امانت جو کہ خداتعالیٰ کے حق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جیسے وضو غسل جنابت' نماز' روزہ اور زکوٰۃ اس لیے کہ ان چیزوں پر دوسرے لوگوں کو اطلاع نہیں ہوتی اوران میں اس شخص کا کہا ہوا مقبول ہے اور امانت کی حقیقت یہی ہے کہ اس میں امانت والے کے کہے ہوئے کا اعتبار کیا جائے۔ دوسری امانت وہ ہے جو کہ مخلوق کے حق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اوراس کی چند قسمیں ہیں۔ پہلی قسم لوگوں کے اموال جو کہ اس کے پاس بطور امانت رکھتے ہیں' دوسری قسم لوگوں کے حقوق جو کہ اس شخص کی دانست میں ثابت ہیں اور صاحب حق کو اس کی اطلاع نہیں ہے' تیسری قسم وہ چیز جو اس شخص کی خدمت اور عمل کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جیسے تولنا' ماپنا' کھانا پکانے میں مصالحے استعمال کرنا اور کپڑا سینے میں سنجاب اور مغزی استعمال کرنا۔ وعلیٰ ہذا القیاس

چوتھی قسم لوگوں کے راز اور بھید جو کہ وہ اس کے سپرد کرتے ہیں اوراس کی رازداری پر اعتماد کرتے ہیں' پانچویں قسم فیصلے میں انصاف کرنا کہ یہ حکام اور جسٹس حضرات کے ذمہ رعایا کی امانت ہے' چھٹی قسم فتویٰ میں حق بیان کرنا کہ یہ مفتیوں کے ذمہ عوام کی امانت ہے' ساتویں قسم وہ معاملات جو کہ میاں بیوی میں مقاربت اور ایک دوسرے میں مصروف ہونے کے وقت ہوتے ہیں اور گھریلو امور کی تدبیر کے معاملات جو کہ ہر ایک کی دوسرے کے ذمہ امانت ہے' آٹھویں قسم مالک کی اپنے مملوک پر امانت کہ وہ اس کے مخفی اسرار پر مطلع ہے' نویں قسم آقا کی نوکر پر امانت' دسویں ہمسایہ کی ہمسایہ پر امانت'

marfat.com
Marfat.com

گیارہویں قسم ایک ساتھ بیٹھنے والوں کی ایک دوسرے پر امانت۔

وَعَهْدِهِمْ اور اپنے وعدہ کی جو انہوں نے خدا تعالیٰ یا مخلوق سے باندھا ہے اور پہلے وعدے کو نذر کہتے ہیں اگر انہوں نے خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کچھ مال دینے یا کوئی عبادت ادا کرنے کا خدا تعالیٰ کے ساتھ عہد باندھا ہو۔

## بیعت طریقت وغیرہ کی رعایت اور مشروعیت کا بیان

اور بیعت کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے کے ساتھ راہِ خدا کے سلوک میں شریک ہونے کا عہد باندھا ہو کہ حقیقت میں یہ خدا تعالیٰ کے ساتھ عہد ہے جیسا کہ سورۃ اِنَّا فَتَحْنَا میں مذکور ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا.

اور دوسرے عہد کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ شرکت' مضاربت' صلح' وصیت اور دوسرے عہد جن کی کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ شرح کی گئی ہے جیسے عقد مراکبت' تولیت' وکالت' کفالت اور ضمان۔

رَاعُوْنَ رعایت کرنے والے ہیں اور اس امانت اور عہد کی حفاظت میں کوشش کرتے ہیں جیسا کہ چرواہا جو کہ بکریوں کا محافظ ہے' ان کی حفاظت میں کوشش کرتا ہے۔ پس یہ لوگ بھی پورا صبر رکھتے ہیں اور حرص کم۔ ورنہ امانت اور عہد کی پاس داری ممکن نہ ہوتی۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَآئِمُوْنَ اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں کے اظہار کے لیے تیار کھڑے ہیں' گواہیوں کی ادائگی میں دوستیوں اور قرابتوں کے ختم ہونے سے نہیں ڈرتے اور اس کی ادائگی میں ان کے دشمنوں اور مخالفوں کو جو فائدہ پہنچنے کی توقع ہے اس پر صبر کرتے ہیں اور اس وجہ سے حقوق والوں کے حقوق زندہ ہوتے ہیں۔

## گواہی چھپانے کی بُرائی کا بیان

اور یہاں جاننا چاہیے کہ گواہی چھپانا مستند کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے

marfat.com
Marfat.com

اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ گواہی کا انکار کرے کہ میں نہیں جانتا' دوسری یہ کہ ضرورت کے وقت گواہی دینے میں حیلے اور بہانے سے کنارہ کشی کرے کہ دونوں صورتوں میں مخلوقِ خدا کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور اس سے بدتر ایک اور کبیرہ گناہ ہے کہ جھوٹی گواہی دے کہ اس صورت میں باطل کو حق اور حق کو باطل کرنا دونوں چیزیں اس شخص سے صادر ہوتی ہیں اور اس آیت میں جو گواہی کے ساتھ قائم رہنا مذکور ہے' ان دونوں کبیرہ گناہوں سے بچنے کے لیے ہے۔ نیز یہ بتانے کے لیے گواہی کو کمی بیشی کے بغیر ادا کرنا چاہیے کیونکہ کمی بیشی کرنے میں اس گواہی کے ساتھ قائم رہنا نہیں رہتا۔

## نماز کو مکروہات سے بچانے کا بیان

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اور وہ جو اپنی نماز پر محافظت کرتے ہیں تاکہ اس کا ثواب ضائع نہ ہو اور یہ محافظت' مداومت سے علیحدہ ہے جو کہ پہلی آیت میں مذکور ہے اس لیے کہ مداومت کا معنی ہمیشہ بجالانا اور ناغہ نہ کرنا ہے اور محافظت کا معنی ان امور کا اہتمام اور رعایت ہے جو کہ اس نماز کے ثواب کی تکمیل کرے۔ اور شرائط اور رکعات کی گنتی پوری کرنا اور اوقات کو اختیار کرنا جیسے اِدھر اُدھر دیکھنے کو ترک کرنا' سجدہ گاہ کو دیکھنا' کپڑے کو سنبھالنے سے پرہیز کرنا' جسم کے ساتھ کھیلنا' انگڑائی میں قد کو لمبا کھینچنا' منہ کھولنا' منہ کو کپڑے ڈھانپنا' سر یا کندھے پر دونوں طرف کپڑا لٹکانا' انگلیوں کو ایک دوسرے میں پنجہ کرنا یا شکنجے کے ساتھ انگلیوں سے آواز نکالنا یا سجدہ گاہ کو عین نماز کی حالت میں خس و خاشاک اور کنکریوں سے صاف کرنا' اپنے ہاتھ میں کوئی چیز سنبھالنا جیسے عصا اور کوڑا اور حضور قلبی کے بغیر نماز ادا کرنا جس طرح نماز پر ہمیشگی کرنا ایک نہایت گراں فعل ہے' کمال صبر اور قلت حرص کی دلیل ہو سکتا ہے اسی طرح نماز کی مکروہات اور مفسدات سے حفاظت کرنا بھی ایک ناگوار فعل ہے جو کہ کمال صبر اور قلت حرص کی دلیل ہو سکتا ہے اس لیے ان دونوں کاموں کو باوجودیکہ ایک چیز کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں' جدا جدا ذکر فرمایا گیا ہے اور ایک فعل سے ابتدا اور دوسرے فعل پر اختتام کرنے سے نماز کی فضیلت اور اس کے حال کے اہتمام کی شدت معلوم ہوئی کہ ان آٹھ گروہوں کے اوّل و

marfat.com
Marfat.com

آخر نمازی ہیں اور مداومت کو ابتدا میں اس لیے لایا گیا کہ اس کی وجہ سے بے صبری اور حرص کی شدت کی تمام آفات کم ہو جاتی ہیں کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ اور جب حرص کم اور صبر قوی ہو گیا تو نماز پر حفاظت حاصل ہو گئی اس لیے کہ نماز کی محافظت میں تمام مشقتوں اور تمام منفعتوں کے فوت ہونے پر صبر ضروری ہے جبکہ تمام لذتوں کی حرص محافظت کو روکنے والی ہے اسی لیے محافظت پر ختم فرمایا ہے۔

اُولٰٓـــئِكَ وہ لوگ کہ بے صبری' بخل اور حرص جیسے ذلیل کام سے پاک ہیں فِیْ جَنّٰتٍ مختلف باغات میں اپنے اعمال کے درجات کے مطابق مُّكْرَمُوْنَ تعظیم وتوقیر کے ساتھ ہوں گے اس لیے کہ وہ مکارم اخلاق کے ساتھ موصوف ہیں اور ذلیل حرکات سے محفوظ ہیں اور کریم کی تعظیم واجب ہوتی ہے جیسا کہ ذلیل کی توہین ضروری۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آدمی کی بزرگی اس کے اخلاق کی بزرگی کی وجہ سے ہے جبکہ اس کی نالائقی اس کے اخلاق کی پستی پر ہے اور مفسرین نے روایت کی ہے کہ جب کفار نے جنت اور اس میں قسم قسم کی جن عزت افزائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے' کے متعلق سنا تو منافقت اور مذاق کے طور پر دوڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئے اور آپ کے اردگرد بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ کی یہ بات سچی ہے کہ ایک آخرت ہو گی اور اس میں لوگوں کو اس قسم کی نعمتیں اور عزتیں بخشیں گے تو یقین سے جان لیں کہ ہم ان نعمتوں اور عزتوں کے سب لوگوں سے زیادہ مستحق ہوں گے نہ کہ آپ کے پیروکار اس لیے کہ حق تعالیٰ حکیم ہے کہ اس نے ہمیں دنیا میں معزز ومکرم کیا ہے اور مختلف قسم کی نعمتوں سے نوازا ہے اور مال' مرتبہ' سرداری اور ریاست عطا کی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمیں آخرت میں بھی اپنی نعمتوں سے نوازے گا جبکہ آپ کے پیروکاروں کو جو کہ سب محتاج ہیں اور اکثر غلام اور نچلی سطح کے لوگ ہیں' ان نعمتوں کا مالک نہیں کرے گا۔ حق تعالیٰ نے اس تمسخر کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں کہ:

فَمَا لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا تو ان کفار کو کیا ہے کہ جنت کی نعمتوں کا سنتے ہی قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ آپ کی طرف گردن طمع دراز کر کے دوڑتے ہوئے اور آپ کی طرف آنکھیں

marfat.com

Marfat.com

لگائے ہوئے آتے ہیں۔ کیا انہوں نے اپنے اندر جنتیوں کے آٹھ اوصاف پیدا کر لیے ہیں کہ اس توقع کے ساتھ آپ کی طرف بھاگتے ہیں اور اس کے باوجود ان کا نفس یہ بات قبول نہیں کرتا کہ آپ کے سامنے زانو ٹیک کر بیٹھیں بلکہ

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ دائیں بائیں حلقے بنا کر بیٹھتے ہیں تاکہ کوئی گمان نہ کرے کہ وہ بھی آپ کے شاگردوں اور طالبان رشد و ہدایت میں داخل ہو گئے۔

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ کیا ان میں سے ہر شخص طمع کرتا ہے۔ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ کہ اس کفر عناد اور استہزاء پر اصرار کے باوجود نعمتوں کی جنت میں داخل کیا جائے؟ اس باطل اعتقاد کی بناء پر جو کہ وہ رکھتا ہے کہ میں اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے معزز و مکرم پیدا ہوا ہوں۔ اگرچہ میں کافر و بدکار ہوں' جنت کا مستحق ہوں اور اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے مسلمان اگرچہ مسلمان اور نیکوکار ہوں جب ان میں سے زیادہ لوگ نچلی سطح کے ہیں' توہین و تذلیل کے لائق ہیں اور دنیوی مجلسوں اور مجمعوں کی تعظیم و توقیر پر قیاس کرتے ہیں۔

كَلَّا ایسا ہرگز نہیں' وہ اس جھوٹی طمع سے دست بردار ہو جائیں اور اس باطل خیال اور فاسد قیاس کو چھوڑ دیں اس لیے کہ اصل خلقت کے اعتبار سے عام لوگوں میں کسی کی بھی تعظیم و تکریم واجب نہیں۔

آدمی کی پیدائش نجاست سے ہے اور وجہ عزت ایمان اور عمل سے

اِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ تحقیق ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا کہ وہ جانتے ہیں اور وہ نطفہ ہے جو کہ خود نجس ہے اور نجاست کی راہ سے آتا ہے اور نجاست کی راہ میں داخل ہوتا ہے اگر جسم یا کپڑے کو لگ جائے تو اس کا دھونا واجب ہو جاتا ہے تو وہ کہاں تعظیم و تکریم کے قابل ہوگا۔ ہاں آدمی کا وقار ایمان اور عمل صالح ہے نہ کہ اصل خلقت جبکہ اس کی ذلت اصل خلقت کے ساتھ بھی ہے اور کفر اور بُرے اعمال کے ساتھ بھی۔

اگر اس نے ایمان اور عمل صالح اپنا لیا' اس کی اصلی رذالت دُور ہو گئی اور وہ تعظیم و

marfat.com
Marfat.com

تکریم کے قابل ہوگیا اور اگر کفر اور معصیت میں گرفتار رہا' اصل خلقت کی رذالت اس رذالت کے ساتھ مل کر دُگنی ہوگئی۔ پس یہ لوگ ہرگز تعظیم و توقیر کے قابل نہیں ہیں جو کہ دوہری رذالت رکھتے ہیں' تعظیم واکرام کے قابل دوسرے لوگ ہیں جو کہ آپ کی صحبت اور آپ کی شاگردی اور آپ سے رشد وہدایت طلب کرنے پر مقرر ہیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ پس میں قسم نہیں فرماتا اس لیے کہ ایک فرقے کو دوسرے فرقے کے ساتھ بدلنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے پورے طور پر واضح ہونے کی وجہ سے قسم اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے اور تمہیں قسم اُٹھائے بغیر یقین نہیں آتا تو میری قسم

بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ اپنی اس صفت کے ساتھ ہے کہ میں مشرقوں اور مغربوں کا پروردگار ہوں اس لیے کہ سورج چاند اور ساتوں ستاروں میں سے ہر ستارے کے لیے ان ستاروں کے منطقۂ معدل سے دُوری اور ان کے اس منطقہ سے قرب کے اندازے کے مطابق ہر روز ایک مشرق ہے جو کہ سال کے دوسرے دن کے مشرق سے جدا ہے اور اسی طرح ہر ایک کا ایک جدا مغرب ہے لیکن خود میں سورج کی مشرقیں اور مغربیں سال کے نصف میں جدا جدا نظر آتی ہیں اور سال کے باقی نصف میں بھی مشرقیں اور مغربیں لوٹتی ہیں اور میری یہ صفت عزت وذلت کو بدلنے کی دلیل ہے کہ اپنی مخلوقات کے ایک حصے کو ایک وقت میں اس شرف سے مشرف کرتا ہوں کہ چمکنے والے انوار کا مشرق ہو جاتا ہے پھر اسی مخلوق کو دوسرے وقت میں اس شرف سے معزول کر دیتا ہوں اور دوسرے حصے کو اس سے مشرف فرماتا ہوں اور اسی طرح اپنی مخلوقات میں سے ایک حصے کو اس حقارت سے حقیر کر دیتا ہوں کہ وہ نور کے۔ چھپنے کا مقام ہو جاتا ہے اور پھر دوسرے کو اس حقارت سے حقیر کر دیتا ہوں۔ علیٰ ہذا القیاس اور تعظیم وتحقیر کی تبدیلی کی یہ قدرت سال کے ہر دن میں واضح ہوگئی تو ثابت ہوا کہ

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ تحقیق ہم البتہ اس بات پر قادر ہیں کہ ان کے عوض ایسی جماعت بدل دیں' جو آپ کی صحبت' شاگردی اور آپ سے رشد وہدایت طلب کرنے' اخلاق سدھارنے اور اصلاح اعمال کے لیے ان سے بہتر ہو

marfat.com
Marfat.com

اور وہ انصاریوں کی جماعت تھی۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِيْنَ اور ہم اس درجے کے نہیں ہیں کہ کوئی ہم سے آگے نکل جائے اور اس قدر تعظیم وتوقیر کا مستحق ہو جائے کہ اس کی عزت وتوقیر کو اس کی حقارت و ذلت میں بدلنے یا اس کی عزت وشرافت کو دوسری جگہ تبدیل کرنے سے ہماری قدرت سلب کر لے اور ہمیں عاجز کر دے۔ تو معلوم ہوا کہ ان کا آپ کے پاس یہ سب آنا جانا اور آپ کے حضور جمع ہونا جنت میں داخل ہونے کی آرزو اور تعظیم وتوقیر کا مستحق ہونے کے لیے نہیں ہے بلکہ لاف زنی اور کھیل کی بناء پر ہے جو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے وعدوں کے متعلق تمسخر کے مقام پر کرتے ہیں۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا پس آپ انہیں چھوڑ دیں کہ لاف زنی اور کھیل میں لگے ہیں۔ حَتّٰى يُلَاقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ تاکہ اپنے اس سیاہ دن کو پہنچیں جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے اور اس دن ایک اور طرح سے خدا تعالیٰ کی طرف بلانے والے کا حکم مانیں گے جس طرح آپ کے سامنے مذاق اور تمسخر کے ارادے سے دوڑ کر آتے ہیں اس بلانے والے کے پاس نہایت بے چینی اور بے قراری کے ساتھ دوڑتے ہوئے حاضر ہوں گے۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ جس دن کہ وہ تنہا ننگے بدن، ننگے سر اور ننگے پاؤں آئیں گے۔ مِنَ الْاَجْدَاثِ قبروں سے سِرَاعًا حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے کی آواز سنتے ہی دوڑتے اور جلدی کرتے ہوئے۔ كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ گویا کہ وہ کسی بت کی طرف کہ جسے زیارت کے لیے اس گھر سے نکال کر کھڑا کیا گیا ہے۔ يُوْفِضُوْنَ دوڑتے اور جلدی کرتے ہیں اس ارادے سے کہ سب سے پہلے اس کی زیارت کریں اور بوسہ دیں اور اس تک اس طمع کے ساتھ ہاتھ پہنچائیں کہ اس وقت جو پہلے آ گیا" آ گیا لیکن اس دن ان کی یہ جلدی اور تیزی انتہائی ذلت ورسوائی کے ساتھ ہو گی کہ:

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں خیرہ اور حیران ہوں گی بلکہ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ انہیں سر سے پاؤں تک ذلت ورسوائی ڈھانپ لے گی۔ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا

marfat.com
Marfat.com

يُوْعَدُوْنَ یہ ہے ان کا وہ روزِ سیاہ جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا تھا نہ کہ صبر کرنے والوں اور کم حرص کرنے والوں کا دن جو کہ نعمت کے باغات میں پوری تعظیم وتکریم کے ساتھ داخل کیے جائیں گے۔

## اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود انسان کی بے صبری اور حرص کا بیان

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ انسان جو کہ اشرف المخلوقات' مخلوقات میں سب سے زیادہ معزز' ملائکہ کرام کا مسجود اور روئے زمین کا خلیفہ ہے' اس کے خمیر میں یہ بے صبری اور حرص کیوں رکھ دی گئی اور اس کی خلقت کی بنیاد میں ان دونوں چیزوں کو ملا کر معما کیوں بنا دیا گیا جبکہ دوسرے حیوانات اس کی حرص کا سواں حصہ بھی نہیں رکھتے اور پسندیدہ چیزوں کی ترک کے اوقات میں اور جنتوں میں پہنچنے کے لیے جو گھبراہٹ آدمی کو ہوتی ہے اور اسے جو بے چینی ہوتی ہے' کسی جانور کو نہیں ہوتی۔ یہ خود اس کی انتہائی ذلت اور رسوائی کا باعث ہے کہ حرص کی وجہ سے ہر طمع کا غلام ہو جاتا ہے اور بے چینی اور بے صبری کی وجہ سے ہر گرم وسرد سے ڈرتا ہے اور اگر یہ دونوں صفات اس کے خمیر میں رکھی گئیں اور اس کی پیدائش کی بنیاد میں یہ دونوں عیب رکھ دیئے گئے تو اس کی مذمت وعتاب کیوں؟ اس کا کیا قصور؟ کہ وہ تو جبلی امور میں مجبور ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی حرص کی شدت اور بے صبری درحقیقت مدارج معرفت میں اس کی ترقی' دربار خداوندی میں وصول اور قرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں سلوک کے لیے بہترین وسیلہ اور زینہ ہے اگر اس میں حرص کی یہ شدت نہ ہوتی تو وہ تھوڑی سی معرفت پر جو کہ دوسرے حیوانات کو بھی حاصل ہے' قناعت کرے اور معرفت اور قرب کے اعلیٰ درجات کا طالب نہ ہو حالانکہ دریائے معرفت کا کوئی کنارہ ہی نہیں اور قرب ووصول کے درجات کی حد نہیں ہے اگر اس کا شوق اور حرص دم بدم زیادہ نہ ہو اور مستقی کی طرح العطش العطش نہ کرے تو اس لامتناہی راہ کو کیسے طے کرے اور وہ درجات بے فائدہ رہ جائیں اور اگر اپنے مالک کی جدائی میں ایک لحہ کے لیے صبر کرے اور بے قرار نہ ہو اور گھبراہٹ اور بے چینی نہ کرے تو اس کا عشق اور وجد کس طرح صورت

marfat.com
Marfat.com

پذیر ہو کہ عشق اور صبر میں ہزاروں فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

اور جب مخلوقات کے نزدیک آدمی کی شرافت اس وجہ سے ہے کہ اسے اپنے مالک کے عشق کے لائق اور اس کے وصول و قرب کا متلاشی پیدا کیا گیا ہے اور اسے معرفت کے بے کنار دریا کا غواص کیا گیا تو یہ دونوں صفات جو کہ شدت حرص اور انتہائی بے صبری ہے عطا کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے اور آدمی کی مذمت اور عتاب اس شدتِ حرص اور بے صبری میں نہیں ہے بلکہ اس بات میں ہے کہ وہ حماقت اور بے وقوفی کی وجہ سے اس حرص اور بے قراری کے ثبوت کو فانی لذتوں اور ترک کرنے اور چھوڑنے کے لائق اغراض میں صرف کرتا ہے اور بے محل خرچ کرتا ہے اس عورت کی طرح جسے زیور اور سجاوٹ کے ساتھ سجا کر اپنی خدمت کے لیے تیار کیا جائے اور وہ عورت نعمت کی ناشکری کرتے ہوئے اور یہ حق نہ پہنچانتے ہوئے وہ سارا زیور اور سامان آرائش پہن کر غیروں کی صحبت میں چلی جائے اور ان کے ساتھ تعلق رکھے کہ وہ لعنت ونفرت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ

اور کیا ہی اچھا کہا گیا۔

صبر سب مقامات میں قابلِ تعریف ہے مگر تجھ سے کہ یہ قابلِ مذمت ہے

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ دو بھوکے سیر نہیں ہوتے' علم کا طالب اور دنیا کا طالب۔ نیز وارد ہے کہ حسد یعنی رشک نہیں مگر دو آدمیوں پر ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا تو اسے حق کی راہ میں خرچ کرنے پر مقرر فرمایا۔ پس وہ اس سے دن رات خرچ کرتا ہے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی۔ پس وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

# سورۃ نوح علیہ السلام

مکیہ ہے' اس کی اٹھائیس (۲۸) آیات ہیں اور اس سورۃ کو سورۂ نوح اس لیے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے سوا کچھ اور نہیں۔ سارے قرآن پاک میں یہی دو سورتیں ہیں جو کہ ایک واقعہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ایک سورۃ یوسف علیہ السلام اور دوسری سورۃ نوح علیہ السلام کہ دونوں میں ان دونوں رُسل علیہما السلام کے واقعہ کے سوا کسی چیز کا ذکر نہیں فرمایا گیا اور سورۃ کو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ پوری خصوصیت ہے اس لیے کہ اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کے کلام کے سوا کسی شے کی حکایت نہیں ہوئی۔ گویا اس پوری سورۃ کا مضمون حضرت نوح علیہ السلام کا کلام ہے۔

نیز اس سورۃ میں مخلوق کو حضرت حق کی طرف بلانے کے قاعدے اور اس کے آداب و شرائط کی رعایت جو کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثوں کے عمدہ کاموں سے ہے' کی پورے طریقے سے شرح کی گئی ہے اور دعوت الی الحق کے سلسلے میں حضرت نوح علیہ السلام راہِ خدا کی طرف سب بلانے والوں کے پیشوا ہوئے ہیں اس لیے کہ آپ سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کی نبوت کے زمانے تک لوگ دعوت کے محتاج نہ تھے اور شرک و کفر میں گرفتار نہیں ہوئے تھے بلکہ لوگوں کے بارے میں حضرت آدم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و ارشاد اس طرح تھی جیسے بیٹوں کے حق میں باپ کی تربیت یا خاندان کے چھوٹوں کے حق میں بزرگوں کی نصیحت اور رہنمائی کہ کوئی مقابل اور حریف نہیں رکھتے تھے۔ پہلے رسول علیہ السلام جنہوں نے حق تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچایا اور ان کے اعتقاد کے خلاف انہیں تکلیف دی' حضرت نوح علیہ السلام

marfat.com
Marfat.com

ہیں اور اسی لیے حدیث شفاعت میں ان کے بارے میں اوّل رسول بعثہ اللہ فرمایا گیا ہے یعنی پہلے رسول علیہ السلام جنہیں مبعوث فرمایا گیا۔

پس اس سورۃ کا مضمون جو کہ حق کی طرف مخلوق کو دعوت دینا ہے' سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے علوم سے ہے اور آپ کی میراث ہے جو کہ دوسروں تک پہنچی۔

## سورۃ نوح علیہ السلام کے سورۃ المعارج کے ساتھ رابطے کی وجہ

اس سورۃ کے سورۃ المعارج کے ساتھ ربط کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ المعارج کی ابتدا میں اپنی قوم کے کفار کی دعوت الی الحق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مقدس کی تنگی کے اسباب' ان کفار کا انتہائی جرأت اور بے باکی کے ساتھ قیامت کا عذاب مانگنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت الی الحق کی مشقت پر صبر کرنے کا حکم مذکور ہے جبکہ اس سورۃ میں اوّل سے آخر تک حضرت نوح علیہ السلام کا دل تنگ نہ ہونا مذکور ہے باوجودیکہ آپ نے ہزار سال تک کافروں کی جفا برداشت کی اور ان میں تعمیل اور اطاعت کرنے کا اثر بالکل نہ دیکھا تو گویا ارشاد ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو دعوتِ خلق میں اس قسم کی برداشت اور صبر کرنا چاہیے' دعوت کے طریقوں میں ایک سے دوسرے طریقے کی طرف منتقلی لازمی شمار کرنا چاہیے اور دل تنگ نہیں ہونا چاہیے۔ (یاد رہے کہ تنگی دل بر بنائے وفور جذبات رحمت تھی جو کہ رحمۃ للعالمین ہونے کو لازم ہے اگر ایک شخص کسی ایک چیز پر رحم کرتا ہے اس کا دل نرم قرار پاتا ہے تو جس سراپا راحت و رحمت کو رب العزت نے ساری کائنات کے لیے رحمت بنایا اور مصدر بمعنی فاعل کے اعتبار سے سارے جہانوں پر رحم فرمانے والا کیا' ان کے قلب مقدس کی نرمی کا اندازہ کون کر سکتا ہے' صلی اللہ علیہ وسلم۔ دل جتنا نرم ہوگا حالات و واقعات کا احساس بھی اسی قدر ہوگا۔ اس تنگی سے اس لیے نہیں روکا گیا کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ تو قابلِ تحسین ہے بلکہ روکا اس لیے گیا ہے کہ اس سے قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ ذاتِ حق کو گوارا نہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

نیز اُس سورۃ میں ذکر کیا گیا ہے کہ کفار کے لیے جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اگرچہ وہ دُور معلوم ہوتا ہے لیکن اس عذاب سے ڈرانے اور اس کے زمانے کی دُوری پر

marfat.com

Marfat.com

نظر کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان کے عذاب سے اپنی قوم کو ڈرانے کا اس سے ایک ہزار سال پہلے حکم دیا تھا اور انہوں نے اس دور کے عذاب سے پوری کوشش کے ساتھ ڈرایا تو ثابت ہوا کہ جو چیز لوگوں کے ذہن میں دور معلوم ہوتی ہے وہ حق تعالیٰ کے ہاں قریب ہے تو گویا یہ سورۃ اس قول کی دلیل ہے کہ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا۔

اور اس کے ساتھ ساتھ ان دونوں سورتوں کے درمیان تمام مضامین ایک دوسرے کے مناسب واقع ہوئے ہیں اس سورۃ میں فرمایا ہے کہ لَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا جبکہ یہاں فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا فرمایا ہے اور اس سورۃ میں تدعون ادبر وتولّٰی وجمع فاوعٰی واقع ہے جبکہ یہاں واتبعوا من لم یزدہ مالہٗ و ولدہٗ الاخسارا واقع ہے اور اس سورۃ میں وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ہے جبکہ یہاں مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ہے اور اس سورۃ کی ابتدا میں اس بات کا ذکر ہے کہ ایک سائل پوری جرأت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے قریبیوں و قبیلوں کے لیے عذاب مانگتا ہے جبکہ یہاں یہ بیان ہے کہ ایک جفائیں برداشت کرنے والے اور مصیبتیں جھیلنے والے رسول علیہ السلام اگلوں پچھلوں کے لیے دعائے مغفرت فرماتے ہیں کہ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ راستے کا فرق دیکھو کہاں سے کہاں تک ہے۔ اس کے علاوہ گہرے غور و فکر سے اور بھی وجوہ معلوم ہوتی ہیں۔

## حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ

اور حضرت نوح علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں علیہم السلام میں سے ہیں اور حضرت آدم ابوالبشر علیہ السلام سے دسویں درجے میں واقع ہیں' آپ کے والد کا نام ملک تھا اور وہ ایک نیک انسان اور توحید کے عقیدہ پر تھے اور لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے تھے اور وہ متوشلخ کے بیٹے ہیں جو کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے صاحب زادے ہیں اور انہوں نے دس سال کی عمر میں حضرت ادریس' حضرت شیث اور حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہم الصلوۃ

marfat.com

Marfat.com

والسلام پر نازل ہونے والے تمام آسمانی صحیفوں کو یاد کر لیا تھا اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد آپ کے خلیفہ ہوئے اور آپ نے بنی آدم کے امور کی تدبیر اور ان کی اصلاح میں نہایت شان دار کوششیں فرمائیں اور بہت کثیر الاولاد تھے اور ان کے والد بزرگ وار حضرت ادریس علیہ السلام جن کا نام اخنوخ ہے' مشہور رسل علیہم السلام میں سے ہیں اور قرآن مجید میں چند مقامات پر ان کا ذکر واقع ہوا ہے اور یونانی حکماء اپنے علوم ریاض اور طبعی انہیں تک پہنچاتے ہیں۔

## لکھنے اور سینے کی ابتدا کا بیان

اور سب سے پہلے جس نے بنی آدم میں سینا اور لکھنا رائج فرمایا' وہ آپ ہیں اور آپ کے والد کا نام بیرو تھا جو کہ قابیل کی اولاد کے ساتھ ہمیشہ جنگ لڑتے تھے اور لشکر کشی کرتے تھے اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی سرداری رکھتے تھے اور ان کا باپ مہلائیل ہے جس نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو شہروں میں پھیلا دیا اور خود اپنے قریبیوں سمیت بابل شہر کو آباد کر کے اپنا مسکن بنایا اور شہر سوس بھی اسی کا بنایا ہوا ہے اور اس کا باپ کینان ہے' وہ بھی نیک آدمی اور اپنے آباؤ اجداد کے طور طریقے پر تھا اور اس کا باپ انوش ہے جو کہ اپنے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے پہلو میں مدفون ہے اور وہ اپنے وقت میں حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سے افضل تھے اور آپ کے باپ حضرت شیث علیہ السلام ہیں جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خلیفہ اور جانشین تھے اور عظیم المرتبت پیغمبر۔ کہ آپ پر پچاس صحیفے نازل ہوئے اور حکمائے یونان حکمتِ الٰہی کو آپ سے نقل کرتے ہیں اور آپ اکثر اوقات عبادت اور ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان آٹھ واسطے ہیں اور ان آٹھوں واسطوں میں سے ایک بھی کافر نہ تھا' سب مسلمان اور نیک لوگ تھے۔

## بت پرستی کے آغاز کا بیان

ہاں حضرت ادریس علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد

marfat.com
Marfat.com

میں بت پرستی کا رواج ہو گیا تھا اور اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے سب بیٹے اولیاء اور صلحاء تھے اور لوگوں کو عبادت میں مشغول رکھتے تھے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے لیے ایک مسجد بنا رکھی تھی جس میں وہ لوگوں کو ذکر اور طاعت کی دعوت دیتا تھا اور لوگ ان کے پاس شوق اور خوشی کے ساتھ عبادت کی لذت پاتے تھے جب حضرت ادریس علیہ السلام کے صاحب زادے اس جہانِ فانی سے چلے گئے' لوگوں کو انتہائی حسرت اور افسوس لاحق ہوا اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے شکایت شروع کر دی کہ اب ہمیں عبادت اور ذکر میں وہ لذت نہیں ملتی جو کہ ان کے پاس حاصل ہوتی تھی۔ شیطان اس وقت کو غنیمت جان کر' سر پر عمامہ' اور ہاتھ میں عصا لیے ایک بوڑھے کی شکل میں لوگوں کے مجمع میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ اب اس لذت کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کی تصویریں پتھروں سے تراش کر اور ان پر ان بزرگوں کا لباس ڈال کر اپنے چہرے کے سامنے مسجد کی محراب میں کھڑی کریں اور انہیں اپنے حال پر مطلع سمجھ کر کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں' وہی لذت جو تم ان کی موجودگی میں عبادت اور ذکر سے حاصل کرتے تھے اب حاصل کرو۔ (اگر یہ عبارت الحاقی نہیں بلکہ مفسر علام کی ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ اس عقیدے کے ساتھ ان کی عبادت کریں جبکہ اہلِ سنت اولیاء اللہ کے متعلق کتاب وسنت کے مطابق حیات برزخی کا اعتقاد رکھتے ہیں' ان کی عبادت کو قطعاً جائز قرار نہیں دیتے' تعظیم کرتے ہیں جبکہ نجدی تعظیم اور عبادت میں فرق نہیں کرتے اور تعظیم کو عبادت قرار دے کر لوگوں کو بے دریغ شرک میں دھکیلتے ہیں اسی لیے امام اہلِ سنت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب۔ اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

لوگوں نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور اس کے مطابق عمل کیا اور انہوں نے یوں فیصلہ کیا کہ جو شخص بھی عبادت اور نماز کے بعد مسجد سے باہر جائے' ان مورتیوں کے ہاتھ اور پاؤں چومے تا کہ ان بزرگوں کی ارواح کے نزدیک اس کی جماعت میں حاضری ثابت ہو جائے اور وہ خدا تعالیٰ کے حضور گواہی دیں اور شفاعت کریں کہ یہ شخص ہمارے

marfat.com
Marfat.com

ہمراہ اور ہمارے سامنے تیری عبادت میں شریک تھا اور رفتہ رفتہ یوں رواج ہو گیا کہ ان مورتیوں کے صرف ہاتھ پاؤں چوم کر مسجد سے باہر چلے جاتے تھے اور عبادت اور ذکر بالکل ختم ہو گیا یہاں تک کہ قدم چومنے کی جگہ سجدہ رائج ہو گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے والد بزرگوار لوگوں کو ہمیشہ اس بُرے کام سے منع فرماتے تھے لیکن لوگ باز نہیں آتے تھے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ نے نو سو پچاس سال تک لوگوں کو توحید کی اور بتوں کی عبادت ترک کرنے کی دعوت دی اور اس طویل مدت میں آپ پر کل اسی آدمی ایمان لائے اور انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی اور روئے زمین کے دوسرے لوگ کہ جنہیں طویل مدت میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت پہنچی تھی' منکر ہو گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی۔ خدا تعالیٰ نے ان پر طوفان بھیجا اور سب کو غرق کر دیا اور طوفان بھیجنے سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنے لیے' اپنے اہل وعیال اور مسلمانوں کے لیے کشتی بنائیں اور اس کشتی میں چرنے اور اُڑنے والے جانوروں کی ہر قسم سے ایک ایک جوڑا رکھ لیں اور جس وقت تنور سے پانی اُبلے اس کشتی میں سوار ہو جائیں۔

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام اس حکم کے مطابق کشتی بنا کر اس میں جانور' پانی اور کھانے کی چیزیں جمع کر کے طوفان آنے کے منتظر رہے اور جب تنور سے پانی اُبلا تو آپ اپنے اہل وعیال جو کہ تین بیٹے اور ان کے اہلِ خانہ تھے' اپنے غلاموں اور لونڈیوں اور اسی (۸۰) مسلمانوں سمیت اسی کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی کے اوپر جو سرپوش بارش کے پانی سے حفاظت کے لیے تیار کیا تھا' کھینچ دیا۔ آپ کی بیوی ایک کنعان نامی بیٹے سمیت کہ دونوں کافر تھے' کشتی میں سوار نہ ہوئے اور کافروں کے ہمراہ غرق ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دسویں رجب سے لے کر دسویں محرم تک جو کہ چھ ماہ کی مدت ہے' کشتی میں گزارے اور طوفان کا پانی زمین سے جوش مارتا تھا اور آسمان سے برستا تھا۔ چالیس دن تک زیادتی اور ترقی میں تھا اس کے بعد آہستہ آہستہ کم ہوتا رہا یہاں تک کہ چھ

marfat.com
Marfat.com

ماہ کے بعد زمین کی سطح نمودار ہوئی اور حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے باہر آئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی مدت عمر میں بہت اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ایک ہزار چار سو سال تھی اور قرآن پاک سے اس قدر تو یقین کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ ہزار سال سے زیادہ تھی اس لیے کہ طوفان آنے سے پہلے منصب رسالت عطا ہونے کے بعد آپ کی دعوت کی مدت سورۂ عنکبوت میں ساڑھے نو سو سال فرمائی گئی ہے اور کم از کم بعثت کے وقت آپ کی عمر چالیس سال ہوگی جبکہ طوفان کے بعد بھی آپ نے کچھ وقت دنیا میں گزارا جیسا کہ سورۂ ھود سے معلوم ہوتا ہے۔

## اس سورۃ کے معانی سمجھنے کے لیے دو مقدمات

اور یہاں اس سورۃ کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے دو مقدموں کو ذہن میں جگہ دینا چاہیے تاکہ اس سورۃ کے معانی سہولت کے ساتھ سمجھ میں آجائیں۔ پہلا مقدمہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں میں سے کسی کو چن کر مخلوق کو حق کی طرف بلانے کے لیے مبعوث فرماتا ہے اس برگزیدہ بندے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان لوگوں کے عقائد، اخلاق اور قلبی حالات کے متعلق خوب غور و فکر کرے اور ان کی اصل بیماری کو پہچانے اور اس اصل بیماری کو دور کرنے کی فکر تمام اوامر و نواہی سے پہلے کرے پھر ان لوگوں کے طبعی تقاضوں، ضرورتوں اور موجودہ واقعات میں نظر دوڑائے اور انہیں اس چیز سے ڈرائے جس سے وہ طبعی طور پر یا اپنی وقتی ضرورتوں کے مطابق ڈرتے ہیں اور جس چیز میں وہ طبعی طور پر یا اپنی وقتی ضرورتوں کے مطابق خواہش کرتے ہیں، طمع دلائے جس طرح کہ کام کے شروع میں ان کی قوتِ عقلیہ اور نفسانی صلاحیتوں کی اصلاح کو پیش نظر رکھا تھا اسی طرح یہاں امید اور خوف کے ساتھ ان کی قوت وہمیہ کی اصلاح کو پیش نظر رکھے اس لیے کہ عقل روح انسانی کی مملکت کا وزیر ہے جبکہ وہم اس مملکت کا حاکم اور بااختیار بادشاہ ہے جب یہ دونوں مطیع ہوگئے تو اس سلطنت کے دوسرے تمام ارکان، پیروکار اور سپاہی خود بخود مسخر ہو جائیں گے اور ایک مبہم حالت پہنچائیں گے کہ

؎ دوست کی طرف سے ایک اشارہ اور ہماری طرف سے سر کے بل دوڑنا

marfat.com

Marfat.com

پھر ان دونوں امور کو ان تک ایک سرسری قاصد اور ہرکارے کی طرح نہ پہنچائے کہ بیت۔ ہم نے تجھے مقصود خزانے کا پتہ دے دیا اب تجھے اختیار ہے پہنچے یا نہ پہنچے بلکہ مشفق باپ اور خیر خواہ طبیب کے طور پر ان کی بیماری کی سختی سے دل تنگ نہ ہو اور تدبیرات میں کئی رنگ اختیار کرے، دعوت کے ایک طریقے سے دوسرے طریقے کی طرف اس حد تک منتقل ہوتا رہے جتنی ان کی استعداد کے پیمانے میں گنجائش ہے اور جب ان کی استعداد کلی طور پر باطل ہونے کا پتہ چل جائے جیسے بدن میں کرم خوردہ بدبودار عضو تو انہیں ختم کرنے کی فکر کرے تاکہ دوسروں کو خراب نہ کریں اگر جہاد اور لڑائی کا حکم ہے تو لشکر جمع کرنے اور اسباب جنگ قائم کرنے کی کوشش کرے اور اگر جہاد اور لڑائی کا حکم نہیں ہے تو ہلاکت کی دعا کے ساتھ انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دے تاکہ ان کا شر نوع کے تمام افراد تک نہ پہنچے۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی اصل مرض یہ تھی کہ تقرب الی اللہ کی طلب میں اپنی ضرورتوں میں مدد لینے میں ارواح اولیاء کے مظاہر کاملہ کی طرف توجہ کرنے میں گرفتار تھے اور مرتبہ تنزیہہ کی طرف قرب حاصل کرنے اور اس مرتبے سے مدد لینے کی ان کے ذہن میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ رفتہ رفتہ ان کی دنیا کی محبت اور اس کی تعمیر میں انتہائی منہمک ہونے اور مرتبۂ روحیہ سے ان کے ادراک کے قاصر ہونے کی وجہ سے ان اولیاء کی ارواح بھی ان کی نظر سے غائب ہوگئیں اور ان کے بجائے انہیں شیطانی ناپاک ارواح اپنی طرف مائل کر کے فریب دیتی تھیں یہاں تک کہ نام تو اولیاء کے مگر حقیقت شیطان کی تھی اور یہی جبلت بشری ہے کہ جب نیچے گری اور معرفت کی بلندی سے قاصر ہوئی تو انتہائی نچلے درجوں میں گر جاتی ہے اور درمیان میں نہیں ٹھہرتی اگر عبادت اور تقرب میں ان کی نظر ارواح اولیاء کے اصل مرتبوں کی طرف متوجہ ہوتی تو بھی انہیں ان ارواح کی طرف سے ایک ہدایت اور رہنمائی پہنچ جاتی اور وہ انہیں کبھی کبھی خوابوں اور معاملات میں توجہ الی اللہ کی طرف دلالت فرماتیں اور شرک سے باز رکھتیں۔

اور ان کی قوت وہمیہ عمر کی طوالت، دیر تک باقی رہنا، مال اور بیٹوں کی کثرت،

marfat.com
Marfat.com

عمارات' باغات اور کھیتوں کو بہت درست رکھتی تھی۔ پس انہیں ان مقاصد کے حصول کی امید' ان کے نہ ملنے کے خوف اور اس بات کے القاء کی وجہ سے کہ تمہاری یہ تمام پسندیدہ چیزیں خداتعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔ سورج' چاند' آسمان اور زمین کو اسی نے پیدا فرمایا ہے' خداتعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا معین تھا تاکہ جب وہ اس پردے میں اس کی طرف متوجہ ہوں تو انہیں آہستہ آہستہ اس نچلی معرفت سے ترقی دی جائے اور اس پست ہمت سے اونچا کیا جائے اور وہ تدریجاً اپنے مقصود تک پہنچ جائیں۔

جب دعوت کی مدت ہزار سال کے قریب پہنچ گئی اور اس دوران کئی مدتیں گزر گئیں اور حالات مختلف ہوگئے اور مختلف استعدادات بروئے کار آئیں اور سب بے کار رہیں' حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی اصلاح سے من کل الوجوہ مایوسی ہوگئی' آپ نے ان کی عام ہلاکت کی دعا فرمائی اور حق تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

## حضور علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان وجوہ مناسبت

یہاں جاننا چاہیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جن پر اس سورۃ کو دعوت الی الحق کے قواعد کی تعلیم اور اس کی مشقت پر صبر کی تلقین کے لیے نازل فرمایا گیا ہے' چند وجوہ کے ساتھ ایک بہت قوی مناسبت ہے کہ دوسرے رسل علیہم السلام کو وہ مناسبت حاصل نہیں ہے اور اسی لیے سورۃ المعارج میں فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا فرمانے کے بعد اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کو بطور مثال لائے ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو جس عذاب کا وعدہ دیا گیا' انہیں ڈرانے اور خوف دلانے کے وقت سے بہت بعید اور دور تھا کہ ہزار سال کی قدر فاصلہ درمیان میں تھا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو جس عذاب کا وعدہ دیا گیا' وہ بھی بہت بعد اور دوری رکھتا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا۔ بخلاف دوسرے رسل علیہم السلام کے کہ ان کی قوموں کو دنیا میں قریبی مدت میں ہلاک فرما دیا گیا۔ فرعون چالیس سال کے بعد غرق ہوگیا اور اسی قیاس پر دوسرے کفار قریبی مدتوں میں عذاب دنیوی میں گرفتار

marfat.com
Marfat.com

ہوئے جبکہ یہ اُمت دنیوی عذاب سے محفوظ ہے اس اُمت کے کفار کا پورا عذاب روزِ قیامت کے حوالے سے ہے اور انہیں دنیا میں بعض اوقات قتل اور قید کے ساتھ کچھ عبرت اور تنبیہہ فرماتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی دعوت کی مدت ہمارے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی مدت کے برابر ہے۔ فرق یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بنفس نفیس اس مدت تک حیات ظاہری میں رہ کر دعوت کو مخلوق تک پہنچایا جبکہ ہمارے آقا رسولی علیہ الصلوٰۃ والسلام دعوت کے لیے اپنے نائبوں کو چھوڑ کر عالم قدس کو تشریف لے گئے جنہوں نے ہزار سال تک اس امر کو قائم رکھا اور ہزار سال گزرنے کے بعد ملک ہندوستان میں باطل ادیان کے داعی جیسے نانکیاں' دواؤ پنتھیاں' خفشاں نمودیان پیدا ہو گئے اور انہوں نے اپنی طرف بُلانے کا آغاز کر دیا اس وقت اس دین کی وحدت کی دعوت دگرگوں ہو گئی اور اس کے بعد جہان میں قسم قسم کی دعوتیں ظاہر ہو گئیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے باسعادت زمانے میں پھر اس دعوت کی انفرادیت تجدید کے ساتھ ازسرنو تازہ ہو گی اور پھر منکروں پر نئے سرے سے الزام حجت کیا جائے گا تا کہ وعدہ شدہ عذاب چکھنے کا استحقاق پائیں اور نوع کے ختم ہونے کے لیے آمادہ ہوں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت بھی سارے جہان کو عام تھی جیسا کہ ہمارے رسولِ کریم علیہ السلام کی بعثت عام ہے' فرق صرف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جس طرح اپنے زمانے والوں پر عام تھی اسی طرح نوع کے تمام افراد پر قیامت تک کے لیے بھی عام ہوئی جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت صرف اپنے زمانے کے لوگوں پر عام تھی نہ کہ نوع کے ان تمام افراد پر جو کہ بعد میں موجود ہوں۔ وہ جو خصائص کی حدیث پاک میں وارد ہوا کہ بعثت الی الناس عامة وکان النبی یبعث الی قومه خاصة یہی معنی رکھتا ہے اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تمام اہلِ زمین تھے جو کہ آپ کے زمانے میں موجود تھے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت سے لے کر قیامت تک عام انسانوں کی رسالت کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس

marfat.com
Marfat.com

کا راز یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت تمام اہلِ زمین شرک میں گرفتار تھے جس طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت شریفہ کے وقت بھی تمام اہلِ زمین شرک میں گرفتار تھے۔ نیز جس عذاب کا وعدہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا پر تھا' تمام اہلِ زمین کو عام تھا اگر آپ کو تمام اہلِ زمین کی طرف مبعوث نہ فرمایا جاتا اور اس قدر طویل عمر نہ دی جاتی کہ اس عمر میں آپ کی دعوت تمام اہلِ زمین کو پوری طرح پہنچے تو عام لوگوں کو خاص کے گناہ کی وجہ سے ہلاک کرنا لازم آتا جو کہ عدل وحکمت کے قواعد کے خلاف ہے جس طرح کہ وہ عذاب جو اس اُمت کے کافروں کے لیے موعود ہے یعنی سارے جہان کو برباد کرنا بھی عام ہے اگر بعثت بھی عام نہ ہو تو عدل وحکمت کے قاعدے کی مخالفت لازم آئے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور آپ کی دعوت کی گردش درمیانی قیامت کے ساتھ جو کہ عام طوفان تھا' متصل ہوئی جیسا کہ ہمارے آقا ومولیٰ علیہ السلام کی بعثت اور آپ کی دعوت کی گردش قیامتِ کبریٰ کے ساتھ متصل ہوئی بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اور یہ مناسبت تیسری مناسبت پر متفرع ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کو ایسی شان حاصل ہوئی کہ تقرب الی اللہ کا وسیلہ آپ کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عبادت کے ساتھ آپ کی اُمت اور آپ کے پیروکاروں کے سوا اور کوئی قائم نہیں تھا۔ پس وسیع حق اس صورت میں منحصر ہو گیا اور اس کارخانہ میں آپ ﷺ کو ایک عجیب انفرادیت نصیب ہوئی جبکہ ہمارے رسولِ پاک علیہ السلام کو بعثت کی ابتدا سے ہی یہ مرتبہ حاصل ہو گیا اس لیے کہ منسوخ ادیان تقرب کا ذریعہ نہ رہے اور ان کی عبادتیں اور معرفتیں باطل اور بے اثر ہو گئیں اور حضرت علیہ السلام کے نزول کے بعد یہ انفرادیت حقیقت اور حکم دونوں کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جلوہ گر ہو گئی کہ آپ کے دین کے سوا کوئی دین جہان میں نہیں رہے گا اور اس شان میں توجہ الی اللہ منحصر ہو جائے گی۔

مختصر یہ کہ ان مناسبتوں کی وجہ سے اس سورۃ کو جو کہ حضرت نوح علیہ السلام کی

marfat.com
Marfat.com

دعوت' طوفان کے عذاب سے آپ کے ڈرانے اور آپ سے واقع ہونے والی عام ہلاکت کی دعا پر مشتمل ہے' سورۃ معارج کے بعد لکھا گیا ہے جو کہ اس اُمت کے موعود عذاب کے سوال' صبر کے حکم اور جلد مانگنے کو ترک کرنے پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِنَّآ تحقیق ہم نے جلال و جمال کے درمیان مرتبۂ جامعہ سے جلال کے پردوں سے انوارِ جمال کی طرف نکالنے کے لیے اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا نوح علیہ السلام کو بھیجا جو کہ دونوں شانوں کے جامع اور جلال میں گرفتاروں کو انوارِ جمال کی طرف نکالنے کی کیفیت سے واقف تھے' قاصد بنا کر

اِلٰى قَوۡمِهٖۤ ان کی قوم کی طرف کہ قومیت کی وجہ سے آپ کی شفقت ان پر بہت زیادہ تھی اور زمان اور مکان ایک ہونے کی وجہ سے آپ کو آگاہی بھی زیادہ تھی تا کہ جس طرح مناسب سمجھیں' انہیں جلال کے پردوں سے باہر لائیں اور نور جمال کے ساتھ منور فرمائیں اور ان کے فہم کی استعداد کے مطابق حجاب میں رہنے کے انجام سے ڈرائیں۔

اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَكَ اس مضمون کے ساتھ کہ اپنی قوم کو ڈرائیں کہ وہ اپنے حق میں آپ کی شفقت اور خیر خواہی' ہم قوم ہونے کی وجہ سے جانتے ہیں اور آپ کے ڈرانے سے توجہ کرتے ہیں۔

مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ اس سے پہلے کہ انہیں دردناک عذاب آئے جو کہ اپنے پروردگار سے حجاب میں رہنے کا نتیجہ ہے۔

قَالَ يٰقَوۡمِ ہمارا فرمان ملتے ہی حضرت نوح نے ہمارے حکم کی تعمیل کی اور اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! قومیت کا تقاضا یہ ہے کہ میں جس چیز سے ڈرتا ہوں' تم بھی ڈرو اور میری نصیحت اور خیر خواہی کو قبول کرو اس لیے کہ میرا سچ بولنا تمہیں معلوم ہے۔

اِنِّىۡ لَـكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ تحقیق میں تمہارے لیے صاف ڈرانے والا ہوں اگر تم اپنے معبودانِ باطلہ کے حجاب میں رہو گے تو اس پر دردناک عذاب مرتب ہوگا۔ پس اپنے آپ اس کو حجاب سے جلد نکال کر اپنے معبودِ حقیقی کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو کہ تمہارا

marfat.com
Marfat.com

پروردگار ہے اور اس حجاب سے باہر آنا اتنا مشکل اور گراں نہیں ہے بلکہ اس کا ایک آسان طریقہ یہ ہے:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس لیے کہ عبادت تمہیں حجاب سے چھٹکارا دے گی اور تمہاری توجہ اوصاف کی طرف ہو جائے گی اور تم پر انوارِ جمال چمکیں گے۔ پس خدا تعالیٰ کی عبادت تمہاری اس مرض کو دُور کرنے میں کافی ہے لیکن پرہیز شرط ہے پس پرہیز بھی اپنے اوپر لازم کرو۔

وَاتَّقُوْہُ اور اس سے پرہیز کرو اس کے غیر کی عبادت میں اس اعتقاد کی بناء پر کہ وہ غیر اس کی صفاتِ کمال کا مظہر ہے اس لیے کہ کوئی مخلوق بھی گو مظہر کامل ہو اس کے درجۂ کمال سے ناقص ہے۔ پس اس صورت میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے کمال میں نقصان کا اعتقاد لازم آئے گا اور یہ اعتقاد اس کے اس غضب سے زیادہ غضب کا موجب ہوگا جس کی تمہیں عبادت کو بالکل ترک کرنے یا اس کے احکام کی نافرمانی کرنے پر توقع ہے اور اگر تمہیں اپنی عقل کے ساتھ عبادت اور تقویٰ کا طریقہ معلوم کرنا ممکن نہیں ہے تو ان دونوں کا طریقہ مجھ سے سنو۔

وَاَطِیْعُوْنَ اور میری اطاعت کرو ان احکام میں جو میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچاؤں تاکہ تم عبادت میں غلطی بھی نہ کرو اور نافرمانی سے بھی بچے رہو اور اگر تم اس کی عبادت کو تقویٰ اور میری اطاعت کے ساتھ جان و دل کے ساتھ قبول کرو تو تمہاری سابقہ محجوبیت کے نشانات فی الفور مٹنے لگتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ

یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ تمہارے لیے تمہارے بعض گناہ بخش دے گا جو کہ تمہاری محجوبیت کا سبب ہیں اور ان گناہوں کے اُٹھ جانے کی وجہ سے حجاب اُٹھ جانے کی توقع ہے اور وہ گناہ عبادت کو چھوڑنا ہے جو کہ تم نے گزشتہ زمانے میں کیا ہے اور تقویٰ ترک کرنا ہے جس کے تم سابقہ زمانے میں مرتکب ہوئے ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت ہے جو کہ تم نے ماضی میں کی ہے نہ کہ وہ گناہ جو کہ تم اسلام لانے کے بعد کرو گے اور نہ وہ گناہ جو کہ مخلوق کے حقوق کے ساتھ متعلق ہیں اگرچہ اسلام سے پہلے واقع ہوئے

marfat.com
Marfat.com

ہوں پس من کا لفظ تبعیض کے لیے ہے اور یہ آیت اثبات میں لفظ من کے زیادہ ہونے پر دلیل نہیں بنتی ہے جیسا کہ کوفی نحویوں نے کہا ہے۔

پھر تمہارا اسلام لانا ان گناہوں کے مواخذہ میں جو تم اسلام لانے کے بعد کرو گے یا مخلوق کے حقوق کے ساتھ متعلق ہوں' تاخیر کا اثر بھی کرے گا اس لیے کہ حق تعالیٰ تمہیں اسلام کی برکت سے دنیوی مواخذہ سے محفوظ رکھے گا۔

وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اور حق تعالیٰ تمہارے مواخذہ کو اس وقت تک مؤخر فرمادے گا جو کہ اس نے تم میں سے ہر شخص کی پیدائش کے وقت میں مقرر فرمایا ہے اور سانسوں کی گنتی کے ساتھ سال' مہینے' دن اور ساعتیں نام رکھا اور اس مہلت دینے میں تمہیں توبہ اور حقوق والوں کو راضی کرنے کا امکان میسر ہوگا۔ پس اسلام لانا تمہارے اللہ تعالیٰ کے غضب کے تقاضوں سے سراسر امن اور اطمینان کا باعث ہے اور ہم نے جو کہا کہ تمہیں ایک معین وقت تک مؤخر کردے گا اس اعتبار سے کہا کہ اس وقت مقرر کی تاخیر نہیں ہوسکتی اس لیے کہ وہ وقت علم الٰہی میں مقرر ہے۔

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ تحقیق وہ وقت جو کہ علم الٰہی میں ہر شخص کی موت کے لیے معین ہے۔ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ جب آجائے ہرگز مؤخر نہیں کیا جاتا ورنہ علم الٰہی میں قصور لازم آئے۔

اور اگر تم کہو کہ ہم میں سے ہر شخص کی موت کا وقت علم الٰہی میں معین ہے جس طرح تاخیر قبول نہیں کرتا پہلے بھی نہیں آسکتی تو آپ ہمیں کفر اور معصیت سے کیوں ڈراتے ہیں کہ کفر اور معصیت کی وجہ سے ہم قبل از وقت ہلاک نہیں ہوں گے جس طرح کہ اسلام اور طاعت کی وجہ سے ہم اس وقت کے آنے کے بعد زندہ نہیں رہیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ وقت جو علم الٰہی میں تمہاری موت کے لیے معین ہے اگرچہ تاخیر قبول نہیں کرتا لیکن تقدیم قبول کرتا ہے اس طرح کہ وہ وقت مقرر تمہارے کفر اور معصیت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور ایک اور وقت تمہارے اسلام اور طاعت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جبکہ تم کفر اور معصیت کرتے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت پہلے ہو جاتا ہے اس لیے کہ اجل

marfat.com
Marfat.com

اللہ اس وقت کا نام ہے جس کے وجود کی شرط کا واقع ہونا علم الٰہی میں معلوم ہے اور دوسری اجل اس وقت کا نام ہے کہ اس کی شرط کا واقع ہونا علم الٰہی میں معلوم نہیں ہے۔ پس جائز ہے کہ تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کی شرائط واقع ہو جائیں اور وہ طرف اجل اللہ ہو جائے اور دوسری طرف پر مقدم ہو جائے اور جائز ہے کہ دوسری طرف کی شرائط واقع ہو جائیں اور وہ طریف اجل اللہ قرار پائے اور اس طرف پر مقدم ہو جائے اور یہ جائز نہیں ہے کہ ایک طرف کی شرائط کے باوجود وہ طرف واقع نہ ہو اور دوسری طرف واقع ہو جائے تاکہ اجل اللہ کی تاخیر مقصود ہو۔ پس مثلاً موت کا وقت عنداللہ ہر شخص کے حق میں معین ہے اس لیے کہ اجل اللہ قطعی اور یقینی ہے' پس دوسرا احتمال نہیں ہے اور اگر معلق ہے تو علم الٰہی میں اس کے دو احتمالات میں سے ایک کا واقع ہونا معلوم اور قطعی ہے اور دونوں صورتوں میں معین ہونا لازم آیا اور وہ اجل معین کبھی مؤخر نہیں ہوتی اس لیے خلاف علم الٰہی واقع نہیں ہوتا جبکہ تاخیر کی صورت میں علم الٰہی کا خلاف لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس طرف کے واقع ہونے کو ایک ایسے وقت میں جانا تھا جس میں وہ واقع نہ ہوا۔

اور تقدیم قبول کرتا ہے اس طرح کہ اس طرف کے واقع ہونے کی شرائط ثابت ہو جائیں جبکہ دوسری طرف کی واقع ہونے کی شرائط ابھی ثابت نہ ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ اجل اللہ مقدم ہوتی ہے اور مؤخر نہیں ہوتی اور چونکہ لوگوں کو دونوں احتمالات میں سے ایک کے واقع ہونے کی طرف پر اطلاع نہیں ہے اس لیے چاہیے کہ پسندیدہ طرف کی شرائط حاصل کرنے میں کوشش کریں اور ناپسند طرف کی شرائط حاصل کرنے سے پرہیز کریں اسی لیے کفر اور معصیت کو حرام اور ایمان اور طاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں قضائے معلق اس طرح جاری ہوئی تھی کہ اگر وہ حضرت نوح پر ایمان لائیں اور عبادت اور تقویٰ اختیار کریں تو ہر ایک کو اس کی طبعی اجل تک پہنچا کر جدا جدا قبض فرمائیں اور اگر وہ انکار اور کفر اختیار کریں اور حضرت نوح ان پر ہلاکت کی دعا فرمائیں تو سب کو ایک ہی وقت میں ان کی دعا کے مطابق عام طوفان کے ساتھ ہلاک کریں اور علم الٰہی میں اجل اللہ یہی پچھلا وقت تھا کہ

marfat.com

Marfat.com

اس کی شرائط واقع ہوگئیں اور وہ دوسری اجلیں جو کہ ہر شخص کی موت کے لیے جدا جدا مقدر تھیں اور مقدم تھیں۔ پس ان کے حق میں ایمان' عبادت' تقویٰ اور طاعت کی شرط کے ساتھ تاخیر اجل کا وعدہ سچا ہوا اگرچہ شرط فوت ہونے کے تقاضے کے مطابق مشروط بھی فوت ہوگیا ہو۔

حاصل کلام یہ کہ جہان میں اسباب کا کارخانہ سب کا سب اسی احتمال اور عدم تعین پر مبنی ہے اور اسی لیے تعین کے ساتھ علم الآجال کسی کو نہیں دیا مگر بعض امور میں بعض اشخاص کو عطا ہوا تاکہ مسببات کے ساتھ اسباب کا رابطہ دگرگوں نہ ہو۔

یہاں ایک سوال باقی رہ گیا جو کہ بعض ظاہر بین وارد کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجل مبرم نہ آگے ہوسکتی ہے نہ پیچھے جبکہ اجل معلق جس طرح پہلے ہوسکتی ہے' پیچھے بھی ہوسکتی ہے اس لیے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد آپ پر ظاہر کی گئی' آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت پسند کیا اور ان کی عمر کے متعلق پوچھا۔ حق تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کی عمر ساٹھ برس ہے' حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی عمر سے چالیس سال حضرت داؤد علیہ السلام کو بخش دیئے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے سو سال عمر پائی۔ پس جس طرح اجل اللہ تعلیق کی وجہ سے مقدم ہوجاتی ہے' مؤخر بھی ہوجاتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس آیت میں اجل اللہ کی عدم تاخیر کو اذا جاء کے ساتھ مقید فرمایا گیا ہے اور اجل اللہ آنے کے بعد تقدیم ممکن نہیں ہے' تاخیر ممکن ہے لہٰذا تقدیم کی نفی نہ فرمائی گئی اور تاخیر کی نفی پر اکتفا کی گئی لیکن وہ سمجھتے نہیں کہ اس صورت میں ان اجل اللہ کے جملے کا سابقہ کلام کے ساتھ کوئی ربط نہ ہوا بلکہ جس مقصد کے لیے کلام کیا گیا ہے' اس کے خلاف ہوا اس لیے کہ اس جملے کے ذکر کرنے کی غرض یہ ہے کہ کفر اور ترک عبادت پر اصرار کی صورت میں ہم تمہیں ہلاک کرنے میں جلدی کریں گے اور ہر کسی کے لیے جدا جدا مقرر اجل تک پہنچنے کی فرصت نہیں دیں گے جبکہ ایمان' عبادت اور تقویٰ کی صورت میں ہم طوفان کے ساتھ ہلاکت عام نہیں کریں گے اور ہر کسی کو اس کے حق میں مقدر اجل کے ساتھ جدا جدا قبض کریں گے اس لیے خدا تعالیٰ کے نزدیک

marfat.com
Marfat.com

اجل معین تاخیر کے قابل نہیں ہے اور جب اجل کا علم الٰہی میں معین ہونا اس کی شرائط کے وقوع کے تابع ہے۔ پس اس پسندیدہ اجل کی شرائط حاصل کرنے میں بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔

پس اس شبہ کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضرت آدم اور حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں اجل اللہ وہی سو سال تھی نہ کہ ساٹھ سال اس لیے کہ اجل اللہ تعلیق کی اسی طرف کا نام ہے جس کے وقوع کی شرائط ثابت ہو جائیں اور معلق کو اجل اللہ کی طرف کا نام دینا باعتبار مجاز ہے کہ اس کی دو طرفوں میں سے ایک اجل اللہ ہے۔ پس اجل اللہ کی تاخیر ہرگز ممکن نہیں ہے ہاں اس کی ایسی طریقے سے تقدیم اسی طریقے سے ممکن ہے جو بیان ہوا یعنی تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک کو اس چیز کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہو جو واقع نہ ہوئی اور دوسری طرف کو اس چیز کی ضد کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہو اور جب وہ چیز واقع نہ ہو تو اس کی ضد واقع ہوگی۔ پس دوسری طرف متحقق ہو جائے گی اور وہ اجل اللہ ہے جس کا وقوع اللہ تعالیٰ کے علم میں معلوم ہے۔

اور اس فرق کی حقیقت یہ ہے کہ واقع کی غیر واقع سے تاخیر معقول نہیں ہے اور غیر واقع کی واقع پر تقدیم معقول نہیں ہے اور واقع کی غیر واقع پر تقدیم معقول اور واقع ہے اور اجل اللہ تعلیق کی دونوں طرفوں میں سے ہر ایک میں واقع ہوگی اور اس کی دوسری طرف میں غیر واقع ہوگی۔

اور اگر یہاں کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ اجل معلق کی تاخیر احادیث میں بہت زیادہ وارد ہے جیسا کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے باب میں فرمایا گیا ہے کہ لایزید في العمر الاالبر یعنی عمر میں زیادتی والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے ساتھ ہوتی ہے اور قریبیوں سے صلہ رحمی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ جو چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کی عمر میں زیادتی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے اور دعا کے باب میں وارد ہے کہ دعا اور تکلیف آپس میں مقابلہ کرتے ہیں اور قضاء کو دعا ہی رد کرتی ہے جبکہ اجل کی تقدیم کسی حدیث پاک میں ذکر نہیں کی گئی

marfat.com
Marfat.com

حالانکہ اس تقریر کے مطابق تقدیم کا تصور ہے اور وہ واقع ہے اور تاخیر کا تصور بھی نہیں اور واقع بھی نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس تقریر میں تاخیر کا متصور نہ ہونا اجل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک ہے اور علم الٰہی میں معین ہے اور جو تاخیر کہ احادیث میں وارد ہے' وہ بشری علم میں تعین کے بغیر تعلیق کی دو طرفوں سے ایک میں ہے۔ بس کوئی منافات نہیں ہے لیکن یہ بات کہ تقدیم کو احادیث میں ذکر نہیں فرمایا گیا ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ آدمی کو موت کے وقت میں زیادہ تر تاخیر مطلوب ہوتی ہے نہ کہ تقدیم۔ پس ان اعمال کا پتہ دینا چاہیے جو اس کی تاخیر کا سبب ہوں جیسا کہ مرغوب کاموں جیسے قبولیت دعا اور مطالب کے حصول میں جلدی کے اوقات میں تقدیم کے اسباب کا بھی پتہ دیا گیا ہے اور سرکشی' والدین کی نافرمانی اور کثرتِ زنا سے ڈرانے میں موت کی تقدیم اور عمر کی کمی سے ڈرایا گیا۔ پس اجل معلق میں بشری علم پر نظر کرتے ہوئے تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک کی تاخیر' تقدیم کی طرح بلاشبہ روا اور جائز ہے اور اس جہان میں اسباب اور مسببات کے کارخانہ کی بنیاد اسی تجویز' احتمال اور ابہام پر ہے اگر یہ ابہام درمیان میں نہ ہو اور تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک طرف معین کر کے یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے تو کوشش اور کسب ونسب کا کارخانہ بالکل دگرگوں ہو جائے اور اس سورۃ میں کلامِ الٰہی اجل اللہ کی تاخیر کی نفی کرتی ہے کہ وہ طرف واقع ہے نہ کہ علی سبیل الابہام دو طرفوں میں سے ایک طرف۔

اور ظاہر بینوں کے ذوق پر جو کہ تقدیم وتاخیر میں فرق نہیں کرتے' کہا جا سکتا ہے کہ اس سورۃ میں اجل کی تاخیر کی نفی اس کے آنے کے بعد فرمائی گئی ہے جبکہ احادیث میں تاخیر کو جائز قرار دینا اس کے آنے سے پہلے ہے۔ پس کوئی منافات نہیں ہے لیکن بعض ضعیف احادیث میں وارد ہے کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے پاس روح قبض کرنے کے لیے ملک الموت علیہ السلام آیا۔ پس اس کے پاس اپنے والدین کے ساتھ کی ہوئی نیکی آئی تو اسے اس کے ہاتھ سے چھین لیا او کما قال اور اس صورت میں اجل کے

marfat.com

Marfat.com

آنے کے بعد بھی اس تاخیر سے ثابت ہوتی ہے مگر یہ کہ کہا جائے کہ ملک الموت کا آنا اجل اللہ کے آنے کو لازم نہیں کرتا اور اس میں بعد ہے۔ پس تحقیق وہی ہے کہ اجل اللہ تعلیق کی دو طرفوں میں سے اسی طرف واقع کا نام ہے کہ جس میں تمام شرائط کا اجتماع اور تمام رکاوٹوں کا اُٹھ جانا ثابت ہوتا ہے۔

اور اکثر مفسرین نے آیت کا معنی یوں بیان کیا ہے کہ يُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى سے مراد مبرم قطعی اجل ہے اور یہی اجل اللہ سے مراد ہے اور وہ اجل جس طرح تاخیر قبول نہیں کرتی' تقدیم بھی قبول نہیں کرتی لیکن تاخیر کی نفی پر اکتفا اس لیے فرمایا گیا ہے کہ خوف دِلانے اور ڈرانے کے مقام کا تقاضا نفی تاخیر ہے نہ کہ نفی تقدیم۔

اور تحقیق یہ ہے کہ اجل کی تین قسمیں ہیں:

## اجل کی تین قسمیں ہیں

مبرم اور قطعی کہ اس میں تعدد اور احتمال بالکل نہیں ہے اور اس میں تقدیم و تاخیر کا کوئی تصور نہیں ہے اس لیے کہ تقدیم و تاخیر دو احتمالات کو چاہتی ہیں اور اجل معلق کی دو طرفوں سے طرف واقع کہ علم الٰہی میں اس کی تمام شرائط کا اجتماع اور تمام رکاوٹوں کا ارتفاع ثابت ہوا اور وہ طرف غیر واقع طرف پر مقدم ہو جاتی ہے اور گزشتہ طریقے کے مطابق تاخیر قبول نہیں کرتی اور اجل معلق کی دو طرفوں میں سے غیر واقع طرف کہ علم الٰہی میں اس کی تمام شرائط کا اجتماع اور تمام رکاوٹوں کا ارتفاع ثابت نہیں ہے اور وہ تقدیم بھی قبول نہیں کرتی اور اجل معلق کی دو طرفوں سے غیر واقع طرف کہ علم الٰہی میں اس کی تمام شرائط کا اجتماع اور تمام رکاوٹوں کا ارتفاع ثابت نہیں ہے اور وہ تقدیم بھی قبول کرتی ہے اور تاخیر بھی۔ پہلی دو قسمیں اجل اللہ ہیں اور یہ تیسری قسم اجل وہمی اور احتمالی ہے اور احتمال ہے کہ آیت کا معنی یوں ہو اور اگر تم عبادت' تقویٰ اور میری اطاعت کرو تو حق تعالیٰ تمہیں دنیوی مؤاخذہ سے نجات بخشے گا اور دمِ مرگ تک جو کہ اجل مقرر کی وجہ سے تمہیں پہنچے گی' عقوبتوں اور تکلیفوں میں جیسے قحط اور وبائے عام گرفتار نہیں کرے گا اور اگر تم عبادت' تقویٰ اور میری اطاعت نہ کرو تو تم اس مواخذہ اور عقوبت میں گرفتار ہو گے

marfat.com
Marfat.com

لیکن موت کو رکاوٹ نہیں ہے۔ عبادت' تقویٰ اور انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی تاثیر کی حد بلیات وعقوبات کو روکنے تک ہے نہ کہ موت کو روکنے تک اس لیے کہ اجل اللہ قابلِ تاخیر نہیں ہے' کسی چیز کے ساتھ تاخیر نہیں کی جاتی لیکن اس معنی میں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ میں بعض اعمال صالحہ کی تاثیر موت کی تاخیر میں بھی ثابت فرمائی گئی ہے۔ پس اجل کو دو قسموں میں تقسیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے' ایک قسم وہمی اور تعلیقی اور دوسری اجل اللہ اور تحقیقی۔ بہرصورت وہ اجل جو کہ علم الٰہی میں ہر شخص کی موت کے لیے مقدر ہے' تاخیر قبول نہیں کرتی۔

لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کاش کہ تم جانتے کہ ہر کسی کو اپنی اجل مقرر پر موت چکھنے سے چارہ نہیں ہے۔

اور اگر تم کہو کہ ہم کب منکر ہیں' ہم کہتے ہیں کہ دنیا پر تمہاری حرص اور اس کے کاموں میں تمہارا قلبی لگاؤ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ گویا تم اپنے وقتِ مقرر پر موت کے آنے کے منکر ہو اور تم موت کو روکنے اور اجل کو طویل کرنے کے لیے اسباب جمع کرنے میں اور اسی تلاش اور کوشش میں رہتے ہو اگر تمہیں یہ علم حاصل ہوتا تو تمہاری یہ حالت نہ ہوتی۔

## حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا محذوف

اور یہاں واقعہ کا تتمہ محذوف ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ خوف دلانے اور ڈرانے کا پیغام پہنچایا اور آپ کی قوم نے آپ کو جھوٹ کے ساتھ منسوب کیا اور آپ کی باتوں کا یقین نہ کیا یہاں تک کہ کئی نسلیں گزر گئیں اور کئی پشتیں پوری ہو گئیں اور ہر بوڑھا آدمی جب موت کے قریب پہنچتا تھا تو اپنی اولاد اور چھوٹوں کو حضرت نوح علیہ السلام کا پتہ دیتا کہ خبردار رہنا اس بوڑھے کی باتوں سے' دھوکا نہ کھانا اور اپنے اسلاف کا طریقہ نہ چھوڑنا کہ یہ بوڑھا ہمیں صدیوں سے ڈرا رہا ہے اور اس کا وعدہ کبھی واقع نہیں ہوا اور وہ آپ کی یہاں تک توہین اور بے ادبی کرتے تھے کہ اپنے اطفال کو آپ کے پیچھے دوڑاتے تاکہ وہ ہنسی مذاق کریں اور آپ پر پتھر برسائیں اور جب بھی حضرت نوح علیہ

marfat.com

Marfat.com

السلام دعوت اور ڈرانے پر اصرار فرماتے تو وہ آپ کو اتنا مارتے کہ آپ کے بدن اور چہرۂ مقدس سے خون جاری ہو جاتا اور آپ اس تمام ظلم و تکلیف کے باوجود جنابِ الٰہی میں دعا کرتے کہ بارِ خدایا! میری قوم کو بخش دے کہ یہ مجھے نبی نہیں جانتے۔ اور اپنے گمان میں تیرے پیغمبر کی بے ادبی نہیں کرتے' ناواقف ہیں اور اس واقعہ کو اس لیے محذوف کہا گیا ہے کہ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے حالات پیش کیے جائیں گے جہاں یہ پورا واقعہ بیان ہوگا اگر یہاں اس واقعہ کو مکمل طور پر ذکر فرمایا جاتا اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے قول کی حکایت میں بھی اعادہ کیا جاتا تو بے فائدہ تکرار لازم آتی۔ نیز تا کہ اس بات کا پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں انبیاء علیہم السلام ہرگز کوتاہی نہیں کرتے۔ پس انہوں نے دعوت اور ڈرانے میں انتہائی کوشش کی ہوگی اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے' انہیں صرف حکم دے دینا ہی یہ بات جاننے میں کافی ہے کہ انہوں نے ہمارے تمام احکام پر عمل کیا۔

المختصر حضرت نوح علیہ السلام دعوت و انذار کے درجات طے کرنے کے بعد اپنی قوم کے ایمان اور اطاعت سے مایوس ہو گئے' صورتِ حال پیش کرنے کی صورت میں تا کہ دعوت و انداز کے درجات طے کرنے میں حضرت نوح علیہ السلام کی کوتاہی پر محمول نہ ہو۔

قَالَ رَبِّ حضرت نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار! اِنِّیْ تحقیق میں نے تیرے حکم کی تعمیل اور اپنی قوم کو ڈرانے میں حتی المقدور کوتاہی نہیں کی اور انسانی طاقت کے مطابق میں انہیں دعوت دینے میں کوشش کی اس لیے کہ دَعَوْتُ قَوْمِیْ میں نے اپنی قوم کو عبادت' تقویٰ اور اپنی اطاعت کی طرف سرگوشی کے طریقے سے اور خفیہ بُلایا تا کہ اپنی ماضی کی جفا کہ تیرے غیر کی پوجا اور تیری عبادت کی ترک میں گرفتار تھے' کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے سامنے رسوا نہ ہوں اسی لیے میں نے دعوت کے اوقات میں مقدم رکھا۔ لَیْلًا رات کو اس لیے کہ خفیہ بات رات کو کہی جاتی ہے حالانکہ رات دعوت و انذار کا وقت نہیں ہے اور میں نے رات کی دعوت الی الحق پر ہی اکتفا نہیں کی۔

وَنَهَارًا اور میں نے دن کو دعوت میں لگا دیا اس لیے کہ دن میں بھی خلوت کے

marfat.com
Marfat.com

اوقات کافی ہوتے ہیں اور اس کے باوجود کہ میں نے ہر رات اور ہر دن میں انہیں لگاتار خفیہ خفیہ سمجھایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ عبادت اور تقویٰ سے اور زیادہ دُور ہو گئے۔

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا پس تیری طرف انہیں میرے بلانے نے زیادہ نہ کیا مگر ان کا تجھ سے بھاگنا۔ میں نے انہیں جس قدر تیری طرف بُلایا' وہ اسی قدر دوڑ کر دُور ہو گئے اس حد تک کہ میری بات سننے اور میری شکل دیکھنے سے بے زار ہو گئے۔

وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ اور تحقیق میں جب بھی انہیں عبادت' تقویٰ اور اپنی اطاعت کی طرف بُلاتا ہوں' اپنے نفع کے لیے نہیں کہ ان پر سرداری حاصل کروں یا ان سے مزدوری طلب کروں بلکہ خالص ان کے نفع کے لیے کہ

لِتَغْفِرَ لَهُمْ تاکہ تو ان کے گزشتہ گناہ بخش دے اور اس وجہ سے وہ تیری رحمت کی آماجگاہ بن جائیں اور تیرے قہر و جلال کے آثار سے رہائی پائیں۔ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں تاکہ میری دعوت کی آواز ان کے کانوں میں نہ پہنچے۔

وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ اور اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لیتے ہیں تاکہ میری دعوت کی آواز ان کے کانوں کے قریب تک نہ پہنچے تاکہ ایسا نہ ہو کہ انگلیوں کی حرکت کے وقت کان کے سوراخ کے سامنے سے میری باتوں سے کوئی چیز سنائی دے اور اے کاش مجھ سے اس نفرت کے باوجود ان گناہوں کو چھوڑ دیتے کہ ان سے تیرے غضب اور قہر کے آثار کچھ تو کم ہوتے۔ (نہایت رکیک توجیہہ ہے اس لیے کہ رسول علیہ السلام سے نفرت کرنے سے بڑا اور کون سا گناہ ہے جسے چھوڑنے سے آثار غضب و قہر کم ہوں گے جب تک نفرت کے بجائے محبت رسول علیہ السلام دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتی' آثار غضب و قہر میں زیادتی ہوگی' کمی نہیں۔ فافهم) لیکن وہ ان گناہوں میں اور آگے بڑھ گئے۔

وَاَصَرُّوْا اور انہوں نے ان گناہوں پر اصرار کیا۔ وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا اور انہوں نے میری اطاعت سے تکبر کیا' بہت زیادہ تکبر کیا۔

اور انہوں نے سمجھا کہ میں جو انہیں اپنی اطاعت کے لیے بُلاتا ہوں اس وسیلے سے

marfat.com
Marfat.com

کوئی سرداری اور مرتبہ چاہتا ہوں کہ انہیں اپنے تابع کرلوں تا کہ ان سے کوئی نفع حاصل کروں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس بات کو جو یہ خفیہ اور سرگوشی کے انداز میں کہتا ہے' ہمیں علیحدہ علیحدہ دھوکا دینا چاہتا ہے اور ہم میں سے ہر ایک کے سامنے بے ہودہ بات کو خوش نما کرتا ہے اسی وجہ سے عام لوگوں سے سامنے کھل کر نہیں کہتا تا کہ ہم ایک دوسرے کی معاونت جمع ہونے کی وجہ سے اس کی بات کے بے ہودہ ہونے پر مطلع نہ ہوں اور اسے الزام نہ دیں۔ پس یہ شخص فریب دینے والا ہے' خیر خواہ نہیں ہے۔

اور جب میں نے ان کے فرار کے انداز سے سمجھ لیا کہ خفیہ کہنے اور سرگوشی اختیار کرنے میں انہیں زیادہ بدگمانی ہوتی ہے' میں نے دعوت میں دوسرا راستہ اختیار کیا۔

**ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا** پھر تحقیق میں نے انہیں عبادت اور تقویٰ کی طرف کھلے عام ہر مجمع اور ہر محفل میں بلایا اور میں نے ان سب کو الزام دیا اور ان کے نزدیک ثابت کیا کہ غیر اللہ کی پوجا دنیا میں حجاب اور آخرت میں عذاب کا موجب ہے جبکہ عبادت خداوندی جمال ولطف کے انوار تک پہنچنے کا ذریعہ ہے تا کہ ان کی بدگمانی دور ہو لیکن جب میں نے دیکھا کہ کھلے عام دعوت دینے میں انہیں ایک اور گمان پیدا ہو گیا کہ ہم نے اس کی خفیہ باتیں قبول نہ کیں اب اس کے انتقام کے طور پر ہمیں بھری محفل میں ہلکا اور قصور وار گردانتا ہے اور ہمیں ذلیل ورسوا کرنا چاہتا ہے جیسا کہ مثالوں میں مشہور ہے کہ النصح بین الملاء تقریع کہ بھری محفل میں نصیحت کرنا ملامت کرنا ہے اور میری اس کھلے عام دعوت کو انہوں نے خیر خواہی اور نصیحت پر محمول نہ کیا' ناچار میں نے دعوت کا تیسرا طریقہ اختیار کیا۔

**ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا** پھر تحقیق میں نے ان کے لیے دعوت کو عقلی دلائل اور قطعی براہین سے آشکارا کیا اور دعوت کو کشفی دلائل اور وجدانی براہین کے ساتھ ایک طرح سے خفیہ بھی کیا کہ اس میدان میں عقلی دلائل اور کشفی دلائل کو بھی بیان کرتا گیا اور صرف کشف پر ہی اکتفا نہیں کیا تا کہ اس کی تصدیق سے توقف نہ کریں اور اسی لیے اسررت کے ذیل میں مصدر نوعی لائی گئی اور اعلنت لھم اعلانا نہ لایا گیا اس

marfat.com
Marfat.com

لیے کہ وہاں من کل الوجوہ اعلان ہوتا ہے جبکہ یہاں ایک وجہ سے چھپانا ہے اور ایک وجہ سے نہیں۔ پس میں نے اعلان و اسرار دونوں کو جمع کیا تا کہ ان کے دونوں فاسد گمان ایک دوسرے کے اسباب کے باہمی مقابلے کی وجہ سے منکسر اور کمزور ہو جائیں لیکن میں نے دیکھا کہ دعوت کے تینوں طریقے اور دلائل کی تینوں قسمیں جو کہ خطابیات' عقلیات برہانیہ اور کشفیات ہیں' اس امر میں مفید نہیں ہیں اور میں نے ان کے حال میں نظر کی کہ وہ کفر اور معصیت کی نحوست کی وجہ سے چالیس سال۔ سے بارش کے قحط میں گرفتار ہیں اور ان کی کھیتیاں' باغات اور دوسرے مال مویشی ہلاک ہو گئے اور ان کی عورتیں بانجھ ہو گئیں' ان کے اولاد نہیں ہوتی' ان کے چشمے اور نہریں خشک ہو چکیں' انہیں اس وقت ان دنیوی نعمتوں کو حاصل کرنے کی طمع دِلانی چاہیے تا کہ پہلے دنیوی منفعتوں کے مطابق اس راہ کو قبول کریں اور جب اس راہ کی خوبی کو دریافت کر لیں تو ان کی نیت خالص ہو جائے اور مقصد کو پہنچ جائیں' میں نے ان کی دعوت کے لیے ایک اور تقریر شروع کی۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ پس میں نے کہا اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگو اگر تم عبادت اور تقویٰ اس کی تمام شرائط کے ساتھ بجا نہیں لا سکتے ہو اس لیے کہ

اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا تحقیق وہ گناہوں کو بہت بخشنے والا ہے اگر تمہارے سارے گناہ نہ بخشے تو کم از کم تم سے تمہارے گناہوں کا وبال اتنا ہلکا فرما دے گا کہ تم ان دنیوی تکالیف سے نجات پا جاؤ گے۔

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا تم پر برستا بادل بھیجے گا نہ کہ خشک اور پانی سے خالی جیسا کہ قحط کے دنوں میں بھیجتا ہے اور تمہیں جھوٹی طمع دِلاتا ہے اور تمہارے لیے زیادہ حسرت و افسوس کا سبب ہوتا ہے۔

وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ اور مال فراواں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے گا۔ کھیتیاں' چراگاہ' مویشیوں کی نسل اور ان کا دودھ اور گھی زیادہ کر کے۔

وَّبَنِيْنَ اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری امداد فرمائے گا کہ حیض کو بدلنے کی صلاحیت

marfat.com

Marfat.com

رکھنے والی رطوبتیں تمہاری عورتوں کے جسموں سے خشک ہو چکی تھیں اور جس طرح بارش کا پانی قحط اور غلبۂ یبوست کی وجہ سے خشک ہو گیا تھا' تمہاری منی کا پانی بھی خشک ہو کر بچے پیدا کرنے کے قابل نہیں رہا تھا اور جب رطوبت جہان میں سرایت کرے گی' وہ رطوبتیں تمہاری عورتوں کے جسموں میں اور تمہاری منی کے پانی میں لوٹ آئیں گی اور سابقہ یبوست جو کئی سالوں سے تمہارے مزاج میں داخل ہو چکی' کے ساتھ مل کر اعتدال پیدا کریں گی اور نرینہ اولاد کی ولادت کا موجب ہوں گی نہ کہ لڑکیوں کی کیونکہ مؤنث کا مزاج زیادہ تر ہے' اس کی ولادت میں بہت زیادہ رطوبت چاہیے۔

**وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ** اور تمہارے لیے باغات پیدا کر دے گا پانی کی کثرت اور چشمے اور کنویں جاری کر کے۔

**وَيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا** اور تمہارے لیے نہریں بنا دے گا بارش کا پانی زمین کے پانی کے ساتھ ملا کر' پہاڑوں میں بارش کا پانی کثرت سے جمع کر کے اور اس پانی کے نشیبی علاقوں کی طرف اور خشک پڑی ہوئی آبی گزرگاہوں میں جاری ہونے کی وجہ سے۔

اور اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ بارش کا قحط' اموال اور اولاد کی ہلاکت اور کھیتوں اور باغوں کی بربادی بھی گناہوں کی نحوست کی وجہ سے بھی ہوتی ہے اور اسے دور کرنے کے لیے استغفار کارگر ہوتا ہے اسی لیے شریعت میں صلوٰۃ الاستغفار مقرر فرمائی گئی ہے اور اس میں استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور شعبی نے روایت کی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قحط پڑ گیا' آپ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ استسقاء کے لیے باہر تشریف لائے اور منبر پر رونق افروز ہوئے تا کہ بارش طلب کریں۔ آپ نے استغفار کے سوا کچھ نہ کیا اور منبر سے اتر کر گھر پہنچ گئے جب گھر پہنچے تو لوگوں نے عرض کی کہ اے امیر المومنین! آپ نے بارش کی دعا نہیں کی؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے بارش کی بہت قوی سبب کے ساتھ درخواست کی ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ راوی فرماتے ہیں کہ بہت بارش ہوئی اور قحط ختم ہو گیا۔

اور ربیع بن صبیح نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ ایک شخص

marfat.com

Marfat.com

نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قحط کی شکایت کی' آپ نے فرمایا استغفار کرو۔ دوسرا آیا اور اس نے غریبی اور مفلسی کی شکایت کی' فرمایا استغفار کرو۔ تیسرا آیا اور اس نے اولاد نہ ہونے کی شکایت کی اور عرض کی کہ آپ دعا فرمائیں تا کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہو۔ فرمایا استغفار کرو۔ چوتھے نے آ کر زراعت اور باغات کی پیداوار کی کمی کا شکوہ کیا' فرمایا استغفار کرو' حاضرین مجلس نے پوچھا کہ حضرت! ان کے مقاصد جدا جدا تھے' آپ نے سبھی کو ایک استغفار کا ہی حکم دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنی طرف سے نہیں کہا ہے' ان چاروں آفات کا علاج خدا تعالیٰ نے استغفار مقرر کیا ہے پھر یہ آیت تلاوت کی۔

اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی آیت سے استدلال فرمایا ہے کہ استسقاء کی حقیقت دعا اور استغفار ہے اس میں نماز' خطبہ اور دوسرے امور ضروری نہیں ہیں اگر ہوں تو درست اور اگر نہ ہوں تو صحیح۔ اصل مقصد تو دعا اور استغفار سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

مَالَكُمْ تمہیں کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑتے ہو اور تقویٰ میں کوتاہی کرتے ہو اور اس کے رسول علیہ السلام کی اطاعت سے تکبر کرتے ہو مگر لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا تم خدا تعالیٰ کے لیے کسی عظمت کی امید نہیں رکھتے ہو کہ اس عظمت کی وجہ سے اپنے عبادت گزار اور مطیع کو نقصان سے کمال تک ترقی دے اور طبیعت اور حجاب کے ظلمت کدہ سے قدس وتجلی کے انوار تک پہنچا دے اس لیے کہ جو شخص کسی کی تعظیم اور اطاعت سے روگردانی کرتا ہے' اسی خیال کے ساتھ کرتا ہے کہ اسے مجھ پر کوئی بڑائی نہیں ہے تا کہ اس کی بڑائی کی وجہ سے میرے مرتبے میں ترقی ہو۔ پس اس کی تعظیم اور عدم تعظیم برابر ہے اور اس کی اطاعت اور نافرمانی یکساں جبکہ بداہت عقل میں پروردگار کے بارے میں یہ خیال باطل ہے اس لیے کہ اگر اس کی عظمت کو جس نے جہان میں ظہور فرمایا ہے' دیکھ نہیں سکتے ہو تو اپنی ذات میں دیکھ لو اور اپنی پیدائشوں میں نظر ڈالو۔

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا تحقیق اس نے تمہیں کئی رنگوں میں پیدا فرمایا ہے اور ہر رنگ پہلے رنگ سے بہتر اور زیادہ اچھا ہے اور پہلی حالت سے تمہاری ترقی کا موجب ہوا

marfat.com
Marfat.com

ہے، پہلے تم عناصر تھے اس کے بعد اس نے تمہیں غذائی مرکبات بنا دیا پھر نطفہ بنایا پھر منجمد خون پھر جما ہوا گوشت کا ٹکڑا پھر ہڈی اور نرم گوشت اور یہ سات حالتیں روح پھونکنے سے پہلے واقع ہوئیں پھر جب روح پھونک دی تو پیٹ کا بچہ تھے کہ تمہیں حرکت' انتقال اور حواس اور قویٰ استعمال کرنے کی جگہ بالکل میسر نہ تھی اس کے بعد تم نشوونما والا بچہ ہو گئے اور تم نے ماں کے دودھ کی لذت پائی اور تم نے ماں کی گود میں قرار پایا اور اس نے تمہیں حرکت اور استعمال حواس کی کچھ جگہ عطا فرمائی پھر تم نیا چلنے والا طفل ہو گئے اور اس نے تمہیں سیر' اِدھر اُدھر گھومنے اور دیکھنے کی لذت بخشی اور چکھائی لیکن صرف اپنے گھر اور کوچہ کے اندر پھر تم نوجوان ہو گئے اور اس نے تمہیں بازار' باغ' دریا اور محفلوں کی سیر' بے شمار لوگوں کو دیکھنا اور نغمات کو سننا عطا فرمایا پھر تم پورے جوان ہو گئے اور تم نے دُور دراز کے سفر اور اموال کمانا شروع کر دیے پھر تم درمیانہ عمر کے ہو گئے اور تم نے عقل' تجربہ اور تدبیر میں کمال حاصل کر کے شہرت اور مرتبہ حاصل کیا پھر اس نے تمہیں بوڑھا کر دیا تا کہ تم سفر آخرت کے لیے تیار ہو جاؤ اور قوت شہویہ اور غضبیہ کے ڈھل جانے کی وجہ سے تم سے راہِ خدا میں سلوک کی رکاوٹیں دُور ہو جائیں اور اس جہان کی ترقی حاصل کرو اور یہ سات حالتیں دنیوی زندگی کی ابتدا سے اس کی انتہا تک رونما ہوئیں۔

اور اگر تم اپنے اعضاء اور بدن میں ودیعت رکھی گئی مخفی حقیقتوں پر نظر کرو تو تمہارے عالم شہادت کے محسوس ارکان بھی سات رنگ رکھتے ہیں' کھال جو کہ زینت اور حفاظت کے لیے ہے' گوشت جو کہ قوت اور گرمی کے لیے ہے' اعصاب جو کہ حس و حرکت کے لیے ہیں' گردن کی رگیں جو کہ غذا پہنچانے کے لیے مقرر ہیں' حرکت کرنے والی رگیں جو کہ ارواح کے جاری ہونے کے لیے مقرر ہیں' ہڈیاں جو کہ بمنزلہ ستون ہیں اور ارواح جو کہ قوتوں کی حامل اور حیات کا مرکب ہیں اور ہر رنگ اپنے نچلے رنگ سے زیادہ اچھا اور نفیس ہے اور تمہارے جہان غیب کے مخفی ارکان سات قسم کے ہیں۔ پہلا رکن قویٰ' دوسرا نفس' تیسرا عقل' چوتھا سر' پانچواں روح' چھٹا خفی اور ساتواں اخفیٰ جو کہ غیب الغیب اور تمہاری ذات کا عین جمع ہے اور ہر رنگ اپنے نچلے رنگ سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ پس تمہیں

marfat.com
Marfat.com

کیا ہے کہ تم غیب کو شہادت پر معقول کو محسوس پر اور مستقبل کو ماضی پر قیاس نہیں کرتے ہو اور آفاق کو نفس کے ساتھ مطابقت نہیں دیتے ہو۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمانوں کو تہ بہ تہ پیدا کیا ہے کہ ایک دوسرے کے اوپر ہے اور ہر اوپر کا طبقہ حجم' وسعت اور بلندی میں نچلے طبقے سے زیادہ ہے اور دیکھنے سے آسمانوں کے سات ہونے اور ہر طبقے کے نچلے طبقے سے زیادہ ہونے کا علم اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ سات ستاروں کی سات قسم کی مختلف حرکات دیکھی جاتی ہیں اور ہر ستارے کے نور کو چھپانے والا اور دوسرے ستارے کو ظاہر کرنے والا دیکھا جاتا ہے۔ پس صریح عقل کے ساتھ دریافت ہوتا ہے کہ یہ سات ستارے ایک آسمان پر نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کا ایک جدا آسمان ہے اور جب ان کی حرکات گھومتی نظر آتی ہیں' معلوم کیا جاتا ہے کہ ہر آسمان دوسرے آسمان کو محیط ہے ورنہ زمین کے نیچے ستارے کی حرکت ممکن نہ ہوتی اور بالکل ظاہر ہے کہ محیط اپنے محاط سے زیادہ وسیع اور بڑا ہے۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا اور ان سات آسمانوں کے درمیان چاند کو قابلِ اعتماد روشنی کا سبب بنایا ہے جو کہ دوسرے ستاروں کی روشنی سے زیادہ ہے۔ گویا دوسرے ستاروں کی روشنی اس کے سامنے روشنی ہی نہیں ہے تا کہ اس بات پر دلیل حاصل کریں کہ عالم ظلمانی میں نور کا فیض دینا بھی ممکن ہے۔ وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا اور سورج کو ایک چمکتا چراغ بنایا ہے کہ چاند کا نور حقیقت میں اسی چراغ کا نور ہے جو کہ ایک صیقل آئینہ پر پڑ کر روشن ہوا تا کہ تمہیں پتہ چلے کہ عالم نور میں ایک ایسی ذات درکار ہے جو کہ مبدء فیاض سے بلاواسطہ فائض ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے روشن ہونے کی صلاحیت رکھنے والے روشن ہوتے ہیں اور اپنی ترقی کے حال کو انبیاء علیہم السلام کی ترقی کے حال کی نسبت سے قیاس کریں۔

نیز تمہیں پتہ چل جائے کہ ظلمت سے نور کے ساتھ روشنی اور ترقی' علم' عمل میں شریعت کی پیروی کی وجہ سے ہے جیسا کہ خلقت احوال میں ترقی حکمت وقدرت سے

marfat.com
Marfat.com

طبیعت کی پیروی کی وجہ سے ہے اور اگر تم عالم بالا کی ترقیات اور درجات کو نظر کی کوتاہی کی وجہ سے دریافت نہیں کر سکتے ہو تو ذرا عالم سفلی کی ترقیات میں نظر ڈالو۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اُگایا ہے اس لیے کہ تمہارے باپ کو جو کہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں' زمین سے پیدا فرمایا پھر اس کی نسل میں نطفے کو پیدا کرنے کا تخم بنایا جو کہ نباتی اور حیوانی غذاؤں سے پیدا ہوتا ہے اور وہ نباتی اور حیوانی غذائیں بلاواسطہ یا بالواسطہ زمین سے اُگتی ہیں۔ پس اگرچہ اس نے تمہیں بلاواسطہ زمین سے نہیں اُگایا ہے تاکہ یوں کہا جا سکے کہ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اِنْۢبَاتًا لیکن تمہارے اُگنے کا سلسلہ آخر زمین تک پہنچتا ہے۔ پس یوں کہا جا سکتا ہے کہ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَنَبَتُّمْ نَبَاتًا پس تم زمین سے اُگے اُگنا کیونکہ تمہاری قریبی بنیاد جو کہ نطفہ ہے' قریبی واسطے کے ساتھ زمین سے اُگتا ہے اور تمہاری دُور کی بنیاد جو کہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں' بلاواسطہ زمین سے اُگے ہیں اور زمین اجسام عالم میں سب سے نیچے ہے اور ان میں سب سے زیادہ ذلیل کہ ہر صاحب حرکت و رفتار کے سامنے پامال ہے اور اس ذلت کے باوجود اس نے تمہارے وجود میں بہت بڑی رفعت پیدا کی ہے' دنیا میں بھی بادشاہت' سلطنت' عزت اور مرتبے کی بلندی تک پہنچتی ہے اور دین میں بھی نبوت' رسالت' امامت' خلافت' قطبیت' ارشاد اور ولایت کی بلندی تک پہنچتی ہے۔

## اولیاء کاملین کے مزارات کی زیارت کا قصد کرنا اور انہیں بوسہ دینا

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا پھر اس رفعت کے باوجود جو کہ تم نے حاصل کی ہے' تمہیں زمین میں لوٹاتا ہے تاکہ تمہاری بلندی مرتبہ کی وجہ سے اس زمین کو بھی ترقی اور بلندی مرتبہ نصیب ہو اور تمہارے کاملین کے مزارات مقصود بالزیارت اور تبرک ہو کر عام اور خاص کے چومنے کی جگہ بنیں۔

وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا اور تمہیں اس زمین سے باہر لائے گا ایک اور باہر لانا جو کہ اس باہر لانے کے علاوہ ہے جو کہ تمہاری اصل اور نطفہ اُگانے کے وقت واقع ہوا تھا اور اس باہر لانے کی وجہ سے زمین کے اجزاء کو تمہارے وجود میں بہت عظیم ترقی حاصل

marfat.com
Marfat.com

ہوگی جو کہ کسی کے خیال، وہم اور سمجھ میں سما نہیں سکتی اور ایسی رفعت نصیب ہوگی کہ اپنے پروردگار کے دیدار اور اس کے حضور سکونت پذیر اور اس کے پڑوسی ہونے کا استحقاق ابدالآباد آباد تک کے لیے حاصل ہو جائے گا۔

اور اس تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ یُخْرِجُكُمْ کی مصدر کے ساتھ تاکید کیوں فرمائی گئی اور یُعِیْدُكُمْ کی تاکید نہیں فرمائی گئی اور اعادۃً نہ فرمایا گیا نیز پتہ چلا کہ اَنْبَتَكُمْ کی تاکید انباتا کیوں نہ فرمائی گئی اور نباتا کیوں ارشاد فرمایا اس لیے کہ اعادہ کی صرف ایک قسم ہے اور بس جبکہ اخراج کی دو قسمیں ہیں ابتدائی اخراج اور پیدا کرنے کے بعد اخراج۔ ابتدائی اخراج سے پرہیز کرنے کے لیے مصدر نوعی کی تاکید ضروری ہوئی جبکہ انبتکم کی تاکید میں اگر انباتا فرمایا جاتا تو یہ پتہ چلتا کہ حق تعالیٰ نے لوگوں کو زمین میں بلاواسطہ اُگایا ہے اس لیے کہ فعل کو مصدر کے ساتھ موکد کرنا مجاز کے خیال کو دُور کرنے اور اسناد اور ایقاع کے حقیقی ہونے کے قصد کے لیے ہوتا ہے حالانکہ یہ واقع کرنا مجازی ہے اس لیے کہ انہیں زمین سے بالواسطہ پیدا فرمایا ہے کہ ان کی اصل اور نطفہ اس سے حاصل ہوا اور وہ نطفے کی طبیعت کے تقاضے اور اپنے باپ کی خواہش کے تقاضے کی وجہ سے اُگے ہیں۔

اور اگر تمہارے دل میں خیال گزرے کہ عالم علوی اور عالم سفلی کی یہ تمام ترقیاں ایک جنس کی تمام قسموں کے لیے عام اور سب کو شامل ہیں جبکہ تو ہمارے ساتھ عبادت، تقویٰ اور اطاعت کے درجات کے مطابق خاص ترقیات کا وعدہ کرتا ہے، ہم کہتے ہیں کہ ان خاص ترقیات کا گواہ بھی عالم سفلی میں تمہارے قریب موجود ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے کہ تم اس پر گھومتے اور سیر کرتے ہو اور اس پر بیٹھتے اور سوتے ہو۔ لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا تاکہ اس زمین کی فراخ اور کھلی راہوں میں چلو۔ پس اس کے باوجود کہ تمام زمین ایک فرش کا حکم رکھتی ہے اور ہم بعض کو مشرق کی راہ، بعض کو مغرب کی راہ، بعض کو پہاڑ کی راہ، بعض کو شہر کی راہ اور بعض کو صحرا کی راہ کہتے ہیں اور وہ ہر راہ میں ترقی و رفعت

marfat.com
Marfat.com

پیدا کرتے ہیں اور بلند مقاصد تک پہنچتے ہیں۔

## ضمیر کی بجائے اسم جلالت کے اظہار کی حکمت

یہاں جاننا چاہیے کہ مَالَكُمْ لَاتَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا سے لے کر اس آیت تک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے معبود کا نام پاک چار مرتبہ ظاہر کر کے لیا حالانکہ ضمیر بھی کفایت کرتی تھی' یہ اپنے معبود کے ذکر سے لذت حاصل کرنے کے لیے ہے اور یہ بتانے کے لیے بھی کہ وہی ایک ذات ہے جو ابتداء سے انتہاء' عرش سے فرش اور انفس سے آفاق تک تمام جہان والوں کو ترقی بخشنے والی ہے اور اسے ایسی عظمت حاصل ہے کہ مختلف جہانوں کے افراد واصناف میں سے کوئی اس کا سواں حصہ بھی نہیں رکھتا اور اس کی عبادت اور اطاعت سے روگردانی کرنا انتہائی خسارے اور نقصان کی بات ہے۔

اور ان گواہوں اور دلیلوں کی ترتیب میں ایک باریک نکتے کی رعایت کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان جب چاہے کہ دوسرے بھائی کی بزرگی اور عظمت پائے پہلے اپنے آپ میں نظر ڈالتا ہے کہ اس کی عظمت کے نشانات میں سے مجھ پر کیا ظاہر ہوا ہے۔ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا اس دیکھنے کی طرف اشارہ ہے پھر اس میں نظر کرتا ہے جس کی عظمت کا پہلے سے معتقد ہے اور اسے بزرگ سمجھتا ہے اور غور کرتا ہے کہ اس کی عظمت کے نشانات اس دوسرے صاحب عظمت پر کیا ظاہر ہوئے ہیں۔ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا اس نظر کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ آسمان' چاند اور سورج کی عظمت' بلندی' روشنی اور چمک ہر چھوٹے بڑے کو معلوم ہے پھر اپنے اصل اور خاندان میں نظر ڈالتا ہے کہ اس کی عظمت اور بزرگی کے آثار میرے آباء واجداد اور اسلاف پر کیا ظاہر ہوئے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا اس نظر کی طرف اشارہ ہے پھر اپنے دوسرے متعلقات' نوکر چاکر اور ضروریات پر نظر ڈالتا ہے۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا اس نظر کی طرف اشارہ ہے۔

اور جب حضرت نوح علیہ السلام دعوت اور سمجھانے کے ان مرتبوں کو طے کرنے

marfat.com
Marfat.com

ے بعد کہ جن سے زیادہ کا تصور نہیں ہو سکتا تھا' اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو آپ نے بارگاہِ خداوندی میں ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی اور ہلاکت کی دعا کرنے سے پہلے ان کی اس حالت کو جو کہ ان کی اصلاح سے ناامید ہونے کا تقاضا کرتی تھی اس طرح پیش کیا کہ

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار! تحقیق انہوں نے میری نافرمانی اس حد تک کی کہ ان سے اطاعت کی توقع قطعاً نہیں رہی اس لیے کہ اگر میری نافرمانی کرنے کے باوجود میرے مخالفین کی پیروی نہ کرتے تو احتمال تھا کہ اصلاح کی طرف توجہ کریں اور رفتہ رفتہ میری اطاعت کریں لیکن یہ میرے مخالفین کی طرف بہت زیادہ مائل ہو گئے۔

وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا اور ایسے کے پیروکار ہو گئے جس کے مال اور اولاد نے اسے زیاں کاری کے سوا کچھ نہ بڑھایا اس لیے کہ وہ مال جمع کرنے اور اولاد زیادہ کرنے کی محبت میں اس قدر گہرا چلا گیا کہ اپنے پروردگار کی یاد اور سفر آخرت کے سامان کی فکر سے غافل ہو گیا اور اپنی قیمتی عمر کو مال جمع کرنے اور بچے لینے کے بے ہودہ کام میں برباد کر دیا۔ پس ایک تو دولت مندوں اور اولاد کی کثرت والوں کی پیروی کرنا میرے طریقے کی مخالفت کرنا ہے۔ دوسرے مال اور اولاد کی کثرت کو وجوب اتباع کی علت جاننا میری پیروی کے واجب ہونے سے انکار کرنا ہے اس لیے کہ میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام مال اور اَولاد کی کثرت نہیں رکھتے اور ان دونوں کی کثرت سے پرہیز کرتے ہیں۔ تیسرے انہوں نے مال اور اولاد کی کثرت والوں میں سے چُن کر ان لوگوں کو پیروی کے ساتھ مخصوص کیا ہے کہ جو اپنے مال اور اولاد کی وجہ سے اپنی آخرت کو برباد کر دیتے ہیں۔ کاش وہ ان مال داروں اور کثیر الاولاد لوگوں کی پیروی کرتے جو کہ مال اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے آخرت کو کماتے ہیں کہ اس صورت میں اگرچہ اولاد والوں اور مال داروں کی پیروی کرنے میں بھی انہیں مال جمع کرنے اور اولاد زیادہ کرنے کی محبت پیدا ہوتی اور وہ راہِ حق سے دُور جا پڑے لیکن جب بھی اس جمع کیے ہوئے مال

marfat.com
Marfat.com

اور پرورش کی ہوئی اولاد کو آخرت کا ثواب حاصل کرنے کا وسیلہ بناتے تو پھر راہِ حق کے قریب ہو جاتے اور ان کا انجام اچھا ہو جاتا اگرچہ آغاز اچھا نہ تھا اور اعتبار تو صرف خاتموں کا ہے۔

اور میرے مخالفین کے پیروکار ہونے کے ساتھ ساتھ میری راہ کو باطل کرنے میں زبردست کوشش کرتے ہیں اور صرف میری نافرمانی اور مخالفت پر اکتفا نہیں کرتے تا کہ ان کی اصلاح کی توقع ہو اس لیے کہ انہوں نے کہ اس راہ کی اچھائی کو اس کی بُرائی میں گڈمڈ کرنے میں ایک باریک فریب گھڑا ہے۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا اور انہوں نے ایک بہت بڑا مکر کیا کہ اس سے زیادہ مکر نہیں ہوتا اس لیے کہ کفار انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کے دین کا انکار کرنے میں جو مکر کرتے ہیں' تین قسم کا ہوتا ہے۔ پہلی قسم یہ کہ ان کی رسالت اور رسالت کے استحقاق کے بارے میں شبہات وارد کرتے ہیں جیسا کہ اکثر کفار مکہ اور دوسری قومیں کرتی تھیں اور یہ مکر آسان ہے اور اس کا تدارک بہت آسان ہے کہ قوی معجزات ظاہر کیے جائیں اور رسالت ثابت کی جائے' دوسری قسم یہ کہ حضرت حق تعالیٰ کی ربوبیت میں جس کی طرف انبیاء علیہم السلام اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے کہتے ہیں' شبہات پیدا کریں اور اپنے آپ کو بطور خود مستقل اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں التجا کرنے سے بے پرواہ ظاہر کریں تا کہ اس کے احکام کی اطاعت واجب ہونے کو اپنے ذمہ سے گرا دیں جس طرح فرعون کرتا تھا۔ کبھی کہتا تھا کہ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ اور کبھی اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى اور کبھی مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ اور یہ مکر پہلے مکر سے بھی زیادہ آسان ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے دلائل رسل علیہم السلام کی رسالت کے دلائل سے زیادہ واضح اور روشن ہیں اور جسے عقل سے تھوڑا سا حصہ بھی ملا ہے' اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار نہیں کر سکتا۔

تیسری قسم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو بھی تسلیم کریں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بھی مانیں اور کہیں کہ وہ علوم جو رسل علیہم السلام کو دیئے گئے ہیں' عوام کو

marfat.com
Marfat.com

رغبت دِلانے اور ڈرانے اور نالائقوں اور احمقوں کو سمجھانے اور ان کے فساد کی اصلاح کے لیے مناسب ہیں لیکن باریک بینوں اور حقائق اشیاء سے واقفیت رکھنے والوں کو ان مقدمات خطابیہ کی ضرورت نہیں ہے' ان کا مرتبہ ان وعظ ونصیحت کے علوم سے اونچا ہے جو کہ رسل علیہ السلام کو حاصل ہیں بلکہ حقیقت ربوبیت اور حقیقت رسالت کو وہ رسولوں کی شناخت سے زیادہ پہچانتے ہیں اس لیے کہ رسولوں کی نظر سطحی اور سرسری ہے جبکہ ان حکیموں' رازداروں کی نظر گہری نظر ہے اور کفر کی یہ قسم کفر کی قسموں میں سب سے زیادہ شدید ہے اور یہ مکروں میں سب سے زیادہ قوی مکر ہے کہ اس کا علاج بہت مشکل ہے جیسا کہ اکثر فلسفی مزاج لوگوں اور یونانیوں کے دل میں بھی مکر پہنچتا ہے اور وہ کفر کی اسی قسم میں گرفتار ہوئے ہیں اور رہتے ہیں اور سورۂ مومن میں ان کا حال مذکور ہے کہ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اور یونانیوں میں سے ایک کا مشہور قول جو کہ اس نے ایک رسول کی دعوت کے جواب میں کہا ہے کہ نَحْنُ اُنَاس مھدیون لاحاجۃ لنا الی من یھدینا ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں' ہمیں کسی ہدایت کرنے والے کی ضرورت نہیں ہے اسی قسم سے ہے۔

پس حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آپ کی دعوت کے مقابلے میں کہ آپ خدا تعالیٰ کی عبادت اور تقویٰ کا حکم دیتے تھے' یہی مکر بروئے کار لائی کہ ہم خدا تعالیٰ کی عبادت میں ثابت قدم اور آپ سے زیادہ پختہ ہیں اس لیے کہ ہم اس کے مظاہر کاملہ کی عبادت کرتے ہیں جن میں اس نے الوہیت کے ساتھ ظہور کیا ہے جبکہ آپ ہمیں مرتبۂ تنزیہہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور آپ اس مرتبے کے اوصاف میں ایسی بات کرتے ہیں کہ وہ مرتبہ نرا وہمی سا ہو جاتا ہے۔ پس آپ ہمیں خدا تعالیٰ کی عبادت سے ایک امر موہوم کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں۔ پس بظاہر آپ خود کو داعی الی اللہ کا نام دیتے ہیں اور حقیقت میں خدا کی عبادت سے منع کرتے ہیں اور انہوں نے یہ مکر اپنے پیروکاروں اور نالائق لوگوں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا اور ان پر اس امر کو بہت مشتبہ کر دیا۔

marfat.com
Marfat.com

وَقَالُوْا اور میری قوم نے اپنے زیردستوں اور چھوٹوں سے کہا کہ اگر تمہیں خدا تعالیٰ کی عبادت منظور ہے۔ لَاتَذَرُنَّ اس کے مظاہر کی عبادت ہرگز نہ چھوڑنا کہ اس نے ان مظاہر میں اپنی الوہیت کے ساتھ ظہور فرمایا ہے اور ان میں الٰہیت کے اسی ظہور کی وجہ سے وہ مظاہر بنے ہیں۔

اٰلِهَتَكُمْ اپنے معبودوں کو۔ پس اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو تم نے ظاہر کی عبادت چھوڑی ہوگی اور ان میں ظاہر خدا تعالیٰ ہے۔ پس تمہیں خدا کی عبادت ترک کرنا لازم آئے گا اور اس دعوے کا حل یہ ہے کہ مظاہر کی الوہیت اس وقت ثابت ہوتی ہے کہ ان میں مرتبہ الوہیت ظاہر ہو جائے اور الوہیت کے مرتبے کو واجب الوجود ہونا شرط ہے اس لیے کہ وجوب وجود کے بغیر کوئی صفت کمال کی انتہا سے بہرہ ور نہیں ہوتی اور کمال کی انتہا کے بغیر انتہائی تعظیم کا استحقاق متصور نہیں ہو سکتا اور اللہ کے لیے معبود ہونا اور انتہائی تعظیم کا مستحق ہونا ضروری ہے اور حوادث اور ممکنات میں وجوب وجود کا امکان نہیں۔

ہاں ان مظاہر میں حق کا ظہور صرف وجود کے ساتھ تسلیم شدہ ہے لیکن وجوب وجود کے بغیر نرا وجود تمام موجودات کو عام ہے کہ اس ظہور کی وجہ سے بعض موجودات بعض دوسری موجودات کا معبود ہونے کا استحقاق نہیں رکھتیں ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے یا عابد کو معبود ہونا اور معبود کو عابد ہونا جبکہ دونوں امر محال اور ممنوع ہیں۔ نیز ان مذکورہ مکاروں نے اپنے عوام سے کہا کہ:

وَلَا تَذَرُنَّ اور ہرگز نہ چھوڑنا نیک لوگوں کی مورتیوں کی عبادت کو کہ ان کے دل پر تجلی الٰہی نے بطریق اصالت واقع ہو کر انہیں اپنا آشیانہ بنا لیا اور اس تجلی کے حکم کے ان کے ظاہر و باطن پر نافذ ہونے کی وجہ سے ان کی مورتیاں جو کہ ہم پتھر، پیتل اور دوسری چیزوں سے بناتے ہیں اس تجلی کی حکایت کرنے والی ہو جاتی ہیں اور ان میں معبود و مسجود ہونے کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ پس مت چھوڑو خصوصاً

وَدًّا ود کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی محبت کا مظہر ہے اور وہ محبت ظہور عالم کا مبدء ہے جیسا کہ احببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف میں اسی سمت اشارہ واقع ہے

marfat.com

Marfat.com

اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک شخص کی صورت پر بنایا تھا اس لیے کہ اصل میں عالم انسانی کے ظہور کا مبدء عورت کی طرف مرد کی محبت اور اس کا مائل ہونا ہے اور ہندوؤں کی زبان میں اس مظہر کو بش کہتے ہیں۔

وَلَا سُوَاعًا اور مت چھوڑو خصوصاً سواع کو جو کہ اللہ تعالیٰ کے ثبات' استقرار اور بقاء کا مظہر ہے اور جہان کی بقاء کا سبب وہی ہے اور عرف شرع میں اس صفت کو قیومیت کہتے ہیں اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک عورت کی شکل میں بنا رکھا تھا اس لیے کہ شادی' خانہ داری اور خاندان کی بقاء اور ثبات عورتوں کی تدبیر کے واسطے سے ہوتی ہے اور ہندوؤں کی زبان میں اس کو برہما کہتے ہیں اور لغت عرب میں سواع کا مادہ سکون اور قرار پانے کے لیے موضوع ہے اور سواع کا معنی جہان کو قائم رکھنے والا ہے۔

وَلَا يَغُوْثَ اور خصوصاً یغوث کو مت چھوڑو جو کہ اللہ تعالیٰ کی فریاد رسی اور مشکل کشائی کا مظہر ہے اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک گھوڑے کی شکل میں بنایا تھا اس لیے کہ گھوڑا دوڑنے' جلدی پہنچنے اور مدد کرنے میں ایک مثال ہے اور اس صفت کو شرع شریف میں غیاث المستغیثین مجیب دعوۃ المضطرین کہتے ہیں اور ہندی زبان میں اس کو اندر کہتے ہیں۔

وَيَعُوْقَ اور یعوق کو مت چھوڑو جو کہ روکنے' حمایت کرنے اور بلا دُور کرنے کا مظہر ہے اور شرع میں اس صفت کو کاشف الضر اور دافع البلاء کہتے ہیں اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک شیر کی شکل میں بنایا تھا کہ جب بھی کسی درندے کے مقابلے میں آتا ہے' اسے مقابلے کی تاب نہیں رہتی اور وہ راہِ گریز اختیار کرتا ہے اور ہندی زبان میں اس مظہر کو شیو کہتے ہیں۔

وَنَسْرًا اور نسر کو مت چھوڑو اور قوتِ الٰہی کا مظہر ہے اور لغت میں نسر گدھ کو کہتے ہیں اور اُڑنے والے جانوروں میں گدھ انتہائی طاقت ور ہے اور جلد پہنچتا ہے کیونکہ تیز اُڑنے والا ہے اس مناسبت سے اپنے ذہن میں انہوں نے اس مظہر کو اس شکل میں بنایا

marfat.com
Marfat.com

ہے اور شرع میں اس صفت کو لطیفہ غیبیہ الٰہیہ کہتے ہیں اور ہندی زبان میں اس مظہر کو ہنومان کہتے ہیں اور مدد اور غیبی طاقت طلب کرنے کے وقت اسے یاد کرتے ہیں۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ کلمہ لا کو یغوث یعوق اور نسر کے درمیان سے حذف فرما دیا گیا' بخلاف سابقہ ناموں کے اس لیے کہ یغوث' یعوق اور نسر جزئی تدبیروں میں جو کہ فریادرسی' دفع بلا اور غیبی امداد ہے' کام آتے ہیں۔ پس انہوں نے جہان کی تدبیر کرنے والی شیون الٰہیہ میں سے ایک شان کا حکم حاصل کیا اس لیے کہ ان تینوں چیزوں کا مجموعہ ایک شانِ تدبیر ہے اور ود اور سواع تدبیرات کلیہ عامہ شاملہ میں جو کہ ظہور عالم کی ابتدا اور اس کی بقاء ہیں' دخل رکھتے ہیں۔ پس ہر ایک اپنی ذات میں مستقل ہے پس حقیقت میں کلمہ لا یغوث' یعوق اور نسر کے مجموعے پر داخل ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ ود کو اور سواع کو اور ان تینوں کو جو کہ ایک مظہر کا حکم رکھتے ہیں' مت چھوڑو تا کہ تم جہان میں اللہ تعالیٰ کی شیون ظاہرہ سے بے بہرہ نہ رہو۔

نیز یہ بھی جاننا چاہیے کہ اگرچہ یہ پانچ نام حضرت ادریس علیہ السلام کے بیٹوں کے نام ہیں جو کہ سب مرد اور آدمی تھے لیکن زمانے کی طوالت اور ان میں سے ہر ایک کی صفاتِ غالبہ کے وہم کے غلبے کی وجہ سے پوجا کرنے والوں کے ذہن میں ایک شکل پیدا کر لی تھی جس کے مطابق انہوں نے ان کے لیے بتوں کی شکلیں بنائی تھیں اور اس جنس کی قوتِ وہمیہ بہت عجائبات رکھتی ہے جیسا کہ مسلمان کہلانے والے بعض جاہلوں نے حضرت امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کی شبیہہ کو شیر کی شکل میں بناتے ہیں اور لعل شہباز کی شبیہہ کو سفید باز کی صورت میں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ سب پانچوں بت طوفان میں زیر زمین دَب گئے تھے۔ ابلیس علیہ اللعنۃ نے عربوں کو پھر ان بتوں کا نشان دے دیا جنہیں زمین سے نکال کر انہوں نے پھر معبود بنا لیا۔ بنو قضاعہ نے ود کو دومۃ الجندل میں نصب کر دیا اور اس کی پوجا میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ وہ بت بنو قضاعہ سے بنو کلب کے پاس پہنچ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انہیں کے پاس تھا اور بنی طے

marfat.com
Marfat.com

کے چند گروہوں نے یغوث کو پکڑ کر اپنے شہروں میں نصب کر لیا اور ان سے مانگ کر بنومراد اسے اپنے ملک میں لے گئے اور کچھ مدت تک اس کی پوجا کرتے رہے یہاں تک کہ بنو ناجیہ نے چاہا کہ ان سے طاقت کے ساتھ چھین لیں' وہ اس بابت کو لے کر بنوالحراث بن کعب کے ملک کی طرف بھاگ گئے اور یہ بت بنوالحراث بن کعب میں رہا اور یعوق بنوالکہلان کے پاس تھا اور وراثت کے طریقے سے ان سے چلتا چلتا قبلۂ بنی ہمدان کے پاس پہنچ گیا اور نسر بنوخثعم کے قبضہ میں تھا اور اسلام کے آنے تک وہ اس کی عبادت کرتے تھے جبکہ سواع ذوی الکلاع حمیری کی اولاد کے قبضے میں تھا اور ان سے بنی حمیر کے تمام فرقے کے پاس پہنچا۔

اور ان پانچ بتوں کے علاوہ عربوں کے اور بت بھی تھے' ان میں سے لات بنوثقیف کے لیے' عزیٰ بنوسلیم' بنوغطفان' بنونضرہ' بنوسعد اور بنوبکر کے لیے اور منات اہلِ قدید اور مثل کے لیے تھا اور اہلِ مدینہ بھی اس کی زیارت کے لیے آتے تھے اور اساف' نائلہ اور ہبل اہلِ مکہ کے لیے تھا' انہوں نے اساف کو حجر اسود کے عین سامنے کوہِ صفا پر نائلہ کو رُکن یمانی کے سامنے اور ہبل کو کعبۂ معظمہ اندر رکھا تھا اور قد وقامت میں ہبل بتوں میں سب سے بڑا تھا اس کا طول آٹھ گز تھا اور جنگ کے وقت اسے یاد کرتے تھے جیسا کہ کفر کی حالت میں ابوسفیان نے جب احد میں بظاہر فتح پائی' اس کی تعریف کرنا شروع کر دی۔

مختصر یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ اس مکر کے ساتھ اپنے عوام کے سامنے چرب زبانی کرتے تھے اور ان کا یہ مکر ان کے عوام کے دِلوں میں بہت اثر پیدا کرتا تھا۔ پاگلوں کی بڑی قِسم کی بات نہ تھی کہ کوئی اس پر توجہ نہ کرے تاکہ اس کے تدارک سے بے توجہی اور چشم پوشی کی جائے۔

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا اور تحقیق انہوں نے اس مکر اور فریب کے ساتھ بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا یہاں تک کہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت سے محروم ہو کر اس کے غیر کی پوجا میں جو کہ مظاہر کی مورتیاں تھیں' مصروف ہو گئے حالانکہ ان کی گمراہی اس مکر کے باطل

marfat.com

Marfat.com

ہونے پر صریح دلیل تھی اس لیے کہ اگر مذکورہ مظاہر کی پوجا خدا تعالیٰ کی عبادت ہوتی تو ان کے خدا تعالیٰ تک پہنچنے' حجاب اُٹھنے اور ہدایت پانے کا سبب ضرور بنتی لیکن یہ مظاہر کی پوجا ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے زیادہ محجوبیت اور غفلت کا موجب ہوئی اور وہ مظاہر مذکورہ کی بیڑیوں میں اُلجھ گئے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ ان کی پوجا اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ تھی اور وہ ان کی پوجا کرنے اور مرتبہ وجوب وجود کی عبادت سے روگردانی کرنے کی وجہ سے ظالم ہوگئے اس لیے کہ ظلم حق ضائع کرنا اور کسی شے کو اس کے اصل مقام کے غیر میں رکھنا ہے اور عبادت مرتبۂ الوہیت کا خاص ذاتی حق ہے نہ کہ اس کے جزوی مظاہر کا حق جیسا کہ کلیت انسان مطلق کا ذاتی حق ہے نہ کہ اس کے افراد جزئیہ کا حق اور وسعت اور ہمیشہ جاری رہنا سمندر کا ذاتی حق ہے نہ کہ اس کی موجوں کا حق اور جوہریت شخص کا ذاتی حق ہے نہ کہ اس کے ظلال اور شیشوں میں نقش ہونے والی شکلوں کا حق' تقسیم نہ ہونا واحد کا ذاتی حق ہے نہ کہ اس کے ظہور کے مرتبوں کا حق جو کہ غیر متناہی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

اور جب وہ ظالم ہوگئے تو انہیں استدراج کے طریقے سے کسی معرفت کا شناسا نہ فرما اور اپنی شیون میں سے کسی شان کی طرف راہ نہ دے۔

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا اور ظالموں کے لیے گمراہی کے سوا کچھ زیادہ نہ فرما اس لیے کہ اگر تو ان میں سے کسی کو استدراج کے طور پر شیون الٰہیہ میں سے کسی شان کی ہدایت فرمائے تو یہ ہدایت دوسروں کو غیر اللہ کی پوجا کرنے اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی عبادت ترک کرنے کی داعی ہوگی اور وہ کہیں گے مظاہر جزئیہ کی پوجا بھی معارف حقیقیہ کا دروازہ کھلنے کا سبب ہوتی ہے اور وہ واصل ہونے اور حجاب اُٹھنے کی علامت ہے۔

## ایک الجھن اور اس کا حل

اور یہاں مفسرین کو ایک مشہور الجھن درپیش ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے باوجود کہ اولوالعزم پیغمبر تھے' اپنی قوم کی گمراہی کی زیادتی کی دعا کس طرح فرمائی حالانکہ انبیاء علیہم السلام کا کام ہدایت کی دعا کرنا ہے نہ کہ گمراہی کی دعا کرنا اس اُلجھن کا جواب یوں لکھا گیا ہے کہ آپ سے یہ دعا اس وقت سرزد ہوئی جب آپ

marfat.com

Marfat.com

ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور ہدایت کی امید بالکل ختم ہوگئی جیسا کہ ایک اور آیت میں ارشاد ہوا کہ اِنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ پس آپ نے چاہا کہ ان سے اپنے انتقام لیں اور گمراہی کی زیادتی کی دعا کی تا کہ ان کا عذاب بھی زیادہ ہو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعون کے ایمان سے ناامیدی کا یقین ہونے کے بعد اسی قسم کی دعا فرمائی ہے جو کہ سورۃ یونس کے آخر میں انہیں کی زبان سے حکایت ہوئی۔

اور تفسیر سے اس اُلجھن کا جواب بہت اچھی وجہ کے ساتھ معلوم ہو چکا کہ اپنی قوم کی گمراہی کی زیادتی کی دعا ظلم وشرک کی حالت کے ساتھ مقید ہے نہ کہ مطلقاً۔ قاعدۂ اصول کے مطابق کہ وصف کے ساتھ حکم کو معلق کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ یہ وصف اس حکم کی علت ہے۔

اور اس کے باوجود کہ ظلم وشرک کی حالت میں ہدایت کا تصور نہیں ہے اس دعا کا فائدہ یہ ہے کہ ان میں ایک وجہ سے ہدایت ظہور نہ کرے تا کہ دوسروں کی گمراہی کا باعث نہ ہو اور جب دعوت میں اس قدر مبالغہ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا اور آپ کی شکایت کی حکایت کے بیان سے فراغت ہوئی اب فرمایا ہے کہ اس دعا اور اس شکایت کا اثر ظاہر ہوا اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آپ کی مخالفت اور نافرمانی میں غرق رہی اور انہوں نے بالکل کسی طرح سے بھی ہدایت نہ پائی یہاں تک کہ

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اپنے بے شمار گناہوں کی وجہ سے من تعلیل کے لیے ہے اور ما کثرت کے معنی کا فائدہ دینے کے لیے زیادہ کر دیا گیا جیسا کہ کثیر ما اور اس جیسے الفاظ میں زیادہ کیا جاتا ہے۔ اور وہ بے شمار گناہ ان کا کفر تھا جس نے اپنے وقت کے رسول علیہ السلام کو ہزار سال کی مدت تک مختلف قسم کی تکالیف دینے کے ساتھ مخلوط ہو کر قوی کی کثافت مہیا کی اور اس کی وجہ سے

اُغْرِقُوْا وہ آسمان سے بارش کے پانی اور زمین سے پھوٹنے والے پانی میں غرق کر دیئے گئے اور یہ غرق کرنا صرف روئے زمین سے ان کا شر دور کرنے کے لیے نہ تھا

marfat.com
Marfat.com

بلکہ برزخ کا عذاب چکھانے کے لیے تھا اس لیے کہ

فَاُدْخِلُوْا پس وہ غرق ہونے کے بعد کسی فاصلے کے بغیر ایک آگ میں داخل کر دیئے گئے' دوزخ کی وعدہ شدہ آگ نہیں کہ اس میں داخل ہونے میں ابھی کافی وقت ہے۔

## عذابِ قبر کا ثبوت

اور اس آیت میں کہ فعل ماضی کو دوسرے فعل ماضی پر فائے تعقیب کے ساتھ معطوف فرمایا گیا ہے' عذابِ قبر کے ثبوت پر صریح دلیل ہے جیسا کہ ضحاک سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ ایک جگہ سے غرق ہوتے تھے اور ایک جگہ سے جلتے تھے۔ نیز اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گنہگاروں میں سے جو بھی جس طریقے سے بھی مرتا ہے جیسے دریا میں غرق ہونا یا آگ میں جلنا یا درندے کا کھانا' عذابِ قبر میں گرفتار ہوتا ہے اور جو کچھ قبر میں مدفون مردے کو پہنچتا ہے' اسے بھی پہنچتا ہے اس لیے عذاب روح کو دیا جاتا ہے نہ کہ بدن کو کہ عذاب دینے کے لیے بدن کا باقی رہنا شرط ہو۔

فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ پس حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے اپنے لیے اپنے معبودوں کو نہ پایا کہ نصرت اور امداد کی امید پر انہیں پوجتے تھے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سوا اَنْصَارًا مددگار نہ ود نے ان سے محبت کی' نہ سواع نے سہارا دیا' نہ یغوث نے فریادرسی کی' نہ یعوق نے حمایت کی اور نہ نسر نے طاقت دی تاکہ طوفان میں غرق ہونے کا عذاب جو کہ دنیوی تھا یا آگ میں جلنے کا عذاب جو کہ برزخی تھا' ان سے دُور ہوتا۔ پس ان کی گمراہی کے اثر نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے مطابق صورت اختیار کی۔

اور جب قوم کا غرق شروع ہوا اور بارش کے پانی نے کثرت کے ساتھ ہجوم کیا اور زمین کے پانی نے جوش مارا اور حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہو گئے اور آپ نے دیکھا کہ کافروں نے بھاگ کر بلند مکانات میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لے لی ہے اور ان میں سے بعض نے طوفان آنے سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے اس

marfat.com

Marfat.com

واقعہ کے رونما ہونے کا سن کر اور جان کر احتیاط کے طور پر پہاڑوں پر شیشے کے محلات بنا لیے اور چند ماہ کے لیے کھانے پینے کا سامان جمع کر چھوڑا تھا' ان شیشے کے محلات میں داخل ہو کر فارغ البال بیٹھے تھے تو آپ ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعض کفار اس عذاب سے چھٹکارا پالیں اور جہان میں کفر کا بیج پھر باقی رہ جائے' آپ نے بارگاہِ خداوندی میں ایک اور دعا مانگی۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اور نوح نے عرض کی اے میرے رب! جب تو نے میری دعا قبول فرمائی اور میری قوم کے سرداروں اور ان کے مکاروں کو جو کہ عوام کو فریب دے کر شبہات میں ڈالتے تھے' طوفان کے عذاب میں گرفتار فرمایا اب تیری جناب میں میری ایک اور گزارش ہے کہ

لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ روئے زمین پر نہ چھوڑ خواہ میرے ملک میں ہو یا کسی دوسرے میں مِنَ الْكٰفِرِيْنَ کافروں کی جنس سے خواہ مکر و شبہات ڈالنے والے ہوں خواہ ان کے پیروکار' خواہ میرے ساتھ ملنے والی قوم سے ہوں خواہ اجنبی اور غیر قوم۔

دَيَّارًا کسی گھر میں بسنے اور سکونت کرنے والے کو دیار' دار یا دُور سے فیعال کے وزن پر ہے بمعنی ہونا اور جانا۔ پہلی صورت میں بمعنی گھر بنانے والا' سکونت اختیار کرنے والا ہے اور دوسری صورت میں اس کا معنی ہے پھرنے والا اور یہ لفظ فعال کے وزن پر نہیں ہے ورنہ دیار کے بجائے دوار ہوتا اور دیوار کی تعلیل کو ایام کی تعلیل کے مطابق سمجھنا چاہیے جو کہ اصل میں ایوام تھا اور سید کی تعلیل کے مطابق جو کہ اصل میں سیود تھا اور قیام جو کہ اسمائے حسنیٰ اور نمازِ تہجد کی دعا کی بعض روایات میں واقع ہے' بھی فیعال کے وزن پر ہے نہ کہ فعال کے وزن پر اور متحیز کا لفظ جو کہ سورۂ انفال میں واقع ہوا' بھی تفیعل ہے کہ اس کی اصل متحیوز تھی نہ کہ تفعل کیونکہ ان صیغوں کے اصول واوی ہیں نہ کہ یائی۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے یہ قید اس لیے ذکر فرمائی اور یوں نہ کہا کہ کسی سانس لینے والے کو نہ چھوڑ اس لیے کہ آپ کو ابلیس اور اس کی اولاد کا قیامت تک باقی رہنا معلوم تھا اگر روئے زمین کے ہر کافر کی ہلاکت کی درخواست کرتے تو مبرم تقدیر

marfat.com

Marfat.com

الٰہی کے خلاف واقع ہوئی اور انبیاء علیہم السلام تقدیر الٰہی کے خلاف دعا نہیں کرتے اسی لیے لفظ دیاراً لائے تاکہ ابلیس اور اس کی اولاد اس میں داخل نہ ہوں اس لیے کہ ابلیس اور شیاطین زمین میں سکونت اور خانہ داری نہیں کرتے اور اکثر اوقات سطح زمین پر چکر بھی نہیں لگاتے بلکہ ہوا میں اُڑتے ہیں اور جب بعض اوقات زمین میں کفار کی بقاء حکمتِ الٰہی کے تقاضے کے مطابق ہوتی ہے کہ ان کفار سے کسی وقت مخلوق کی ہدایت مقدر ہوتی ہے۔ گو وہ بالفعل کفر اور گمراہی میں گرفتار ہوتے ہیں' ان کفار کی طرح جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کفر میں شدید تھے اور آخر میں اسلام کے ساتھ مشرف ہوگئے اور انہوں نے ہزاروں کو جہاد اور لڑائی کے ساتھ اسلام میں داخل کیا یا ان کفار سے نیک نسل پیدا ہوتی ہے اور وہ خدا کی معرفت اور عبادت کے کام میں قائم رہتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس غرض کی علت کے مقام میں ان دونوں فائدوں کی نفی بھی بیان فرمائی کہ

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ تحقیق اگر تو ان کو چھوڑ دے تو تیرے تمام بندوں کو تیری عبادت کی راہ سے ضرور گمراہ کریں گے اور اس راہ پر چلنے سے نفرت دلائیں گے تو معرفت اور عبادت کے لیے ان کی ایجاد کی حکمت دگرگوں ہو جائے گی۔

وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا اور وہ بدکار ناشکر کے سوا کچھ نہیں جنیں گے۔ پس ان سے نیک نسل کی توقع بھی نہیں ہے اور وہ ہر صورت میں برباد کرنے کے قابل ہیں۔

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کفار کے لیے قیامت کے عام اور کلی مواخذے کے نمونے کا عام اور کلی مواخذہ طلب کیا تو ڈر گئے کہ کہیں غضب الٰہی کا جوش اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ ترکِ اولیٰ پر جو مجھ سے صادر ہوتا ہے اور عام گناہوں پر جو کہ میری اُمت کے ایمان والوں سے صادر ہوتے ہیں' بھی مواخذہ واقع ہو جائے اس خطرے کو دُور کرنے کے لیے بارگاہِ خداوندی میں ایک اور دعا پیش کی کہ

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ اے میرے پروردگار! میرے لیے معاف فرما وہ جو میرے حق میں ترکِ اولیٰ یا خطا اجتہادی سے فروگزاشت کا حکم رکھتا ہے۔ وَلِوَالِدَيَّ اور میرے والدین

marfat.com
Marfat.com

کو بخش دے کہ اگرچہ وہ دونوں وفات پا گئے تھے لیکن والدین کی وفات کے بعد بھی دعائے مغفرت اور حسب طاقت صدقات کے ساتھ نیکی کرنا واجب ہے اور آپ کے والد لمک بن متوشلخ تھے اور آپ کی والدہ شمخا دختر انوش اور یہ انوش اس انوش کے علاوہ ہیں جو کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں۔

اور عطا نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے آباء واجداد میں حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی کافر نہ تھا' سب مسلمان اور توحید کے عقیدے پر تھے اور آپ کی والدہ محترمہ بھی مسلمان تھیں۔

وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا اور ہر اس شخص کو بخش دے جو کہ میری کشتی میں جو کہ میرا جاری گھر ہے' داخل ہو مگر صاحب ایمان ہو اس لیے کہ آپ کی کشتی میں ابلیس بھی تھا اور وہ بخشش کا مستحق نہ تھا۔ اور ایمان والوں کی بخشش کی اس وجہ سے درخواست کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کسی ایک کی نافرمانیوں اور گناہوں کی وجہ سے کشتی غرق ہو جائے اور بے گناہ بھی ہلاک ہو جائیں اس لیے کہ عام دنیوی عذابوں میں امتیاز اور تفریق نہیں ہے اسی لیے قوموں کے عذاب میں ان کے بچے اور پاگل بھی ہلاک ہو جاتے ہیں اور جانور بھی تکلیف اُٹھاتے ہیں۔

وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور قیامت تک کے تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بخش دے تا کہ ان کے مستقبل کے گناہ اپنے آباء کی کشتی کے غرق ہونے میں اثر نہ کریں۔

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا اور ظالموں کے لیے جو کہ شرک وکفر کر کے غرق ہو گئے ہیں اور آگ میں جلائے جاتے ہیں' زیادہ نہ کر مگر تکلیف' دُکھ اور عذاب اس لیے کہ اگر انہیں ان کے عذاب میں لحہ بہ لحہ زیادتی نہ ہو تو عذاب کی تو انہیں عادت اور اُلفت ہو جائے اور انہیں اتنا عذاب' عذاب ہی معلوم نہ ہو اور یہ بھی مغفرت کے معنوں میں ہے تو انہیں ایمان والوں کے ساتھ ایک قسم کی مغفرت میں شرکت لازم آئے۔

علماء نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا میں قیامت تک کے ایمان

marfat.com
Marfat.com

والوں کے لیے ایک عظیم بشارت ہے اس لیے کہ کافروں کی ہلاکت کے بارے میں آپ کی دعا یقیناً قبول ہوئی۔ پس ایمان والوں کی مغفرت کے لیے آپ کی دعا ضرور قبول ہوئی ہوگی اور وہ بخشے گئے۔ والحمدللہ

## پانچ قسم کے بت ہر کسی کے پاس موجود ہیں

نیز علماء نے فرمایا ہے کہ پانچ مذکورہ بت حقیقت میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہر کسی کے پاس موجود ہیں اور دانستہ یا نادانستہ طور پر ہر کوئی ان کی پوجا میں گرفتار ہے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا اور وہ تھوڑے ہیں اس لیے کہ ہر شخص کا بدن اس کا ود ہے جو کہ روح کا محبوب ہے اور اس کی محبت کے مقابلے میں دوسرے امور کی محبت کالعدم ہے۔ ہمیشہ خوراک' لباس' زیور' خضاب' سرمہ' کنگھی' موٹا کرنے والی دواؤں کے استعمال' ورزش' ریاضت' اصلاح' مالش اور حمام کے ساتھ اس کی پرورش اور زینت میں مشغول رہتا ہے اور ہر شخص کا سواع اس کا نفس ہے کہ اس کے جہان کا قیام اسی کے ساتھ وابستہ ہے' اس کی لذت اور خوش دلی کے اسباب میں اور اس کی نفرت اور تکلیف سے پرہیز میں ہمیشہ کوشش کرتا ہے اور اسی لیے لوگ عبادت' تقویٰ اور رسل علیہم السلام کی اطاعت میں کھلی کوتاہی کرتے ہیں۔

اور ہر شخص کا یغوث اولاد' والدین' بھائی' بہن' چچازاد اور اس کے قریبی رشتے دار ہیں کہ ان سے فریادرسی اور امداد کی توقع کر کے انہیں راضی کرنے اور ان کی دل جوئی کرنے میں کوشش کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اور رسول پاک علیہ السلام کے فرمان سے چشم امید بند کر لیتا ہے اور ہر کسی کا یعوق اس کا حال ہے جو کہ زکوٰۃ وصدقات دینے' محتاجوں کی مدد کرنے اور خدا تعالیٰ کی عبادت اور تقویٰ سے روکتا ہے اور یہ شخص اس سے بلائیں اور آفتیں دُور کرنے کی توقع رکھتا ہے جبکہ ہر شخص کا نسر اس کا شیطان ہے جو کہ حرص اور غصے کے دو پروں کے ساتھ اچانک آسمان سے آ کر اس کے کیے اور نہ کیے کو برابر کر دیتا ہے اور اس کے اوپر سے بُرے وسوسے اور باطل اعتقادات ڈالتا ہے تو جب تک ایک شخص کے ان پانچ بتوں کی پوجا سے رہائی نہ پائے اس کا ایمان درست نہیں ہوتا تا کہ وہ

marfat.com
Marfat.com

حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعائے مغفرت میں شامل ہو جو آپ نے ایمان والوں کے فرمائی ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس دعا میں بارگاہِ خداوندی میں عرض کی ہے کہ میری قوم کے کفار سے بدکار ناشکر کے سوا کوئی پیدا نہیں ہوگا حالانکہ بہت سے کافروں سے نیک بخت پیدا ہوتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا باپ جس سے سید المسلمین حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے اور آپ کو خلتِ الٰہی کا مرتبہ حاصل ہوا۔ (بارگاہِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ادب اور حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے مطابق صحیح اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بزرگوار کا نام تارخ ہے جو کہ عقیدۂ توحید پر واصل بحق ہوئے۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق چھٹی صدی کے مجدد امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں فرمایا کہ علماء نے فرمایا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ آپ کا چچا تھا اور کئی وجہ سے اس مسئلے پر استدلال کیا گیا۔ ایک یہ انبیاء علیہم السلام کے آباء واجداد کافر نہ تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ اس کا ایک معنی یہ ہے انه كان ينقل نوره من ساجد الى ساجد آپ کا نور پاک سجدہ گزاروں سے سجدہ گزاروں کی طرف منتقل ہوتا تھا۔

اور اس صورت میں یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مسلمان تھے اور اس طرح بات کی قطعیت ثابت ہوگئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافروں میں سے نہ تھے وہ تو آپ کا چچا ہے۔ آگے فرمایا ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات میں پاکوں کی پشتوں سے پاک خواتین کی طرف منتقل کیا جاتا رہا جبکہ رب تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ کہ مشرک بالکل ناپاک ہیں تو

marfat.com
Marfat.com

ثابت ہوا آپ کے آباء واجداد میں سے کوئی بھی شرک نہ تھا۔
(مسالک الحنفاء از حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۹٫۱۸۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)
آپ کی یہ عرض بظاہر خلاف واقع ہوتی ہے۔ اس شبہ کے جواب میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ علمائے ظاہر فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کے طریقے سے اپنی قوم کی یہ حالت یقینی طور پر معلوم ہوگئی تھی کہ ان سے کافروں سے سوا کوئی پیدا نہیں ہوگا۔ پس یہ حکم ان کی قوم کے ساتھ خاص ہے نہ کہ ہر کافر کے لیے عام اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے آنے سے پہلے آپ کو وحی فرمادی تھی کہ اِنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّامَنْ قَدْ اٰمَنَ اور حصر کے ان لفظوں سے آپ نے استنباط فرمایا تھا کہ اب میری قوم سے جو بھی پیدا ہوگا' کافر ہوگا اس لیے کہ قوم کی اولاد بھی قوم میں داخل ہے اس جہت سے آپ نے یقین کے ساتھ اس شرط و جزا کو دربار خداوندی میں عرض کردیا۔

اور صوفیاء نے فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر تنگ دلی اور غضب الٰہی کے غالب آنے کی وجہ سے اس دعا میں غلبۂ حال طاری ہوگیا اور آپ نے ظاہری حالت کے مطابق حکم کردیا کہ جو نطفہ خبیث محجوب نفس سے پیدا ہو اور اس ظلمانی نفس کی تدبیر سے تاریک تربیت قبول کرے' وہ لازماً نفس خبیث کو قبول کرنے کا مستعد ہوگا جیسا کہ بچے کا جسم جو کہ صنفیت میں باپ کے جسم کے مطابق ہوتا ہے اور جیسے مرید جو کہ نوع کمال میں اپنے شیخ کے مطابق ہوتا ہے اور اسی لیے کہتے ہیں کہ روحانی ولادت جسمانی ولادت کی طرح ہے۔ پس آپ کی یہ گزارش آپ کے حال کی فروگزاشت ہے جیسا کہ قبطی کے قتل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عملی فروگزاشت تھی' آپ کی اس عرض کے مقابلے میں آپ کو آپ کے بیٹے کنعان کے کفر کے ساتھ انتباہ فرمایا گیا۔ جیسا کہ دُنبوں میں شریک دو آدمیوں کے واقعہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خبردار کیا گیا۔

اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ والدین کے باطن پر غالب حال اولاد کے نفس میں

marfat.com
Marfat.com

بلاشبہ سرایت کرتا ہے' رہا وہ حال جو کہ غالب نہیں تو لازم نہیں کہ اولاد میں سرایت کرے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ الولد سر لابیہ یعنی اولاد باپ کے باطن کی پوشیدہ حالت ہے اور جب یہ فرق معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ بعض اوقات کافر وافر الاستعداد اور فطرت کا صاف ہوتا ہے اور فطری استعداد کے مطابق بنیاد پاک رکھتا ہے لیکن اس کے ظاہر پر اس کی قوم کی عادت اور آباء واجداد کے طور طریقے غالب ہوئے اور وہ بظاہر ان کی دین سے وابستہ ہو گیا حالانکہ اس کا باطن آفت سے پاک ہے اور اس سے اس حالت میں ایمان والی اولاد پیدا ہوتی ہے اور جب حضرت نوح علیہ السلام نے ہزار سال کی مدت تک جو کہ ایک طویل مدت ہے اور اس میں کئی نسلیں گزر جاتی ہیں' اپنی قوم کے حالات کا تجربہ فرمایا تھا اور باطنی کیفیتوں کو پہچاننے میں پوری واقفیت رکھتے تھے' یقین کے ساتھ معلوم فرما لیا تھا کہ ان میں سے کسی کی بھی فطری استعداد سلامت نہیں رہی اور حالات ظلمانیہ نے ان سب کی باطنی کیفیات پر غلبہ حاصل کر لیا اور کفر پر ان کا اصرار صرف اپنے آباء واجداد کی تقلید اور اپنی قوم کی رسوم کی عادت ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ آپ نے اس شرط و جزا کو قطعیت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ معلق فرما دیا اور یہ تعلیق بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوئی اور اس پر کوئی عتاب نہ ہوا۔

لیکن حضرت نوح علیہ السلام سے کنعان کا پیدا ہونا تو یہ اس تعلیق کے فوائد سے نہیں ہے تاکہ اسے تنبیہ اور عتاب پر محمول کیا جا سکے اس لیے کہ آپ نے صرف فاجر کفار ہی کی پیدائش کو فنا کرنے کے وجوب کی علت قرار دیا ہے نہ کہ اصل کافر و فاجر کی پیدائش کو کیونکہ نیک بختوں سے بُرے بھی پیدا ہوتے ہیں لیکن نیک بخت بھی پیدا ہوتے ہیں تو بعض اولاد کی نیکی' بعض دوسروں کی بُرائی کے ساتھ معارض ہو کر فنا اور ہلاک کرنے کے وجوب کی علت نہیں ہوتی اور کیا بعید ہے کہ کنعان کی پیدائش کے وقت بعض حالات کی ظلمانی کیفیت نے حضرت نوح علیہ السلام کے باطن میں جگہ لے لی ہو اور کنعان اس سر کا حامل ہوا اور اس کے ساتھ اس کی ماں جو کہ کافرہ منافقہ تھی' کی ناپاک استعداد کو بھی اس کی استعداد خراب کرنے میں پورا دخل ہے۔ لازم نہیں ہے کہ کنعان کی استعداد کی خرابی کو

marfat.com
Marfat.com

حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ منسوب کر دیا جائے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ کافروفاجر کے سوا نہ جننا اور کافروفاجر کو جننا ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ ایک کو ثابت کرنا دوسرے کی نفی نہیں کرتا تاکہ تنبیہہ اور عتاب کی صورت پکڑے۔ (ان مذکورہ احتمالات میں جو کہ عقلی ڈھکوسلوں اور منطقی موشگافیوں سے زیادہ کچھ نہیں' عظمت نبوت ورسالت کی کوئی خدمت نہیں البتہ عقل ظاہر کے پرستاروں کو مسلمات دینیہ میں عقلی توجیہہ قائم نہ ہونے کی وجہ سے عوام کو گمراہ کرنے کا موقع مل سکتا ہے اگر ایک کنعان کے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں پیدا ہونے کے لیے معاذ اللہ حضرت نوح علیہ السلام کے باطن میں کسی ظلمانی ہئیت وکیفیت کا اثر مانا جائے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کیا کہا جائے گا جن کی نسل سے ساری کائنات کے کفار اشرار پیدا ہوئے۔

حالانکہ جس مقصد کے لیے یہ مفروضہ قائم کیا جارہا ہے' وہ مقصد ہی غلط اور بے بنیاد ہے یعنی بیان یہ کرنا ہے کہ کبھی کافر کا باطن پاک رہتا ہے اور اسی استعداد کی وجہ سے پاک اولاد پیدا ہوتی ہے جیسے آزر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیدا ہونا جبکہ آزر آپ کا چچا ہے' باپ نہیں۔ کما حققہ الامام فخر الدین الرازی فی تفسیرہ ونقلہ وایدہ خاتم الحفاظ الجلال السیوطی فی رسائلہ التسعہ۔

حضرت نوح علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام کے باطن میں معاذ اللہ کتنی لاکھوں' کروڑوں' اربوں' کھربوں ظلمتوں کو تسلیم کرنا پڑے گا جن کی اولاد میں سے اسی قدر کفار اور مشرکین پیدا ہوئے اور قیامت تک ہوں گے۔ بات سیدھی سی ہے کہ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی نافرمان قوم کی ہلاکت کی دعا فرمائی اور ان سے صرف کفار فجار ہی کے پیدا ہونے کا حوالہ دیا' یہ سب خداداد علم غیب تھا جس کی بناء پر آپ نے ایسا کہہ دیا۔ آپ کی اس دعا کی بنیاد علم الٰہی ہے جس سے مستفید ہو کر آپ نے یہ الفاظ عرض کیے۔ خدا تعالیٰ کا علم اور اپنے مقربین کو اس کی عطا' عقلی چیرہ دستیوں سے وراء ہے' وہ فعال لما یرید ہے اسی میں سلامتی اور یہی حقیقت ہے۔ عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ۔ حسبی اللہ گو کہ اللہ بس کفیٰ۔ نیز یہ

marfat.com
Marfat.com

توجیہہ بھی باعثِ حیرت ہے کہ کبھی کافر کی بنیاد اس کے کفر کے باوجود جو کہ سب سے بڑی نجاست ہے' پاک ہی رہتی ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ نبی اور رسول بلکہ اولوالعزم رسول علیہ السلام ہونے کے باوجود کوئی ہیئت ظلمانی رسول علیہ السلام کے باطن کو متاثر کرے' عجیب توجیہہ ہے کہ کفر کی نجاست کافر کے باطن تک نہیں پہنچتی جبکہ ترکِ اولیٰ کی وجہ سے حاصل ہونے والی ظلمت رسول علیہ السلام کے باطن تک پہنچ جائے۔ فیاللعجب والی اللہ المشتکی۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

marfat.com
Marfat.com

# سورة الجن

مکی ہے' اس کی اٹھائیس (۲۸) آیات ہیں اور اس سورۃ کے سورۃ نوح اور اس سے ماقبل کے ساتھ مربوط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ نون میں اس بات کا ذکر ہے کہ کفار مکہ نے نسبی طور پر انتہائی قریب ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور آپ کے اخلاق کریمہ سے واقف ہونے کے باوجود آپ کو نہ پہچانا اور مجنون کہا اور سورۃ الحاقہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ ان بدبختوں نے عقل و دانش کے دعوے کے باوجود قرآن مجید کو کبھی قول شاعر' کبھی قول کاہن اور کبھی رسول علیہ السلام کا بہتان کہا۔ اور وہ حقیقت حال کا سراغ بالکل نہیں لگاتے تھے کہ یہ سراپا معجزہ کلام کیا ہے اور کہاں سے ہے اور زمین اور زمین والوں میں اس کے آنے کا مقصد کیا چیز ہے یہاں تک کہ سورۃ المعارج میں ان کی بدگوئی اور سینہ زوری صراحتاً ذکر فرمائی گئی کہ وہ انتہائی جہالت کی بناء پر عذاب کی درخواست کرتے ہیں اور سورۃ نوح علیہ السلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کی ہزار سال کی مدت میں دعوتِ کاملہ' اپنی قوم کو ترغیب و ترہیب کی مختلف قسموں کے ساتھ سمجھانے اس کام میں اپنی کدو کاوش کو آخر درجے تک پہنچانے پھر اس قوم کے اپنے کفر پر اصرار کرنے اور اپنے آباؤ اجداد کی غیر موزوں تقلید ترک نہ کرنے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا۔ اب اس سورۃ میں ارشاد ہوتا ہے کہ قدرتِ الٰہی کا تماشہ دیکھو اور جان لو کہ دلوں کو پھیرنے والا اور حقیقی ہدایت کنندہ وہی ہے۔ آپ کی قوم آپ کے حالات پر اس اطلاع کے باوجود' نسبی قرابت جنسیت اور لغت عربی کو جاننے کے اور معمولی غور و فکر کے ساتھ اعجاز قرآن کو پہچاننے کی استعداد

marfat.com
Marfat.com

ہونے کے باوصف اس قدر گمراہ ہیں اور سینہ زوری اور بدگوئی کرتے ہیں۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ اس قدر کامل اور طویل دعوت' جنسی اتحاد کے باوجود کہ آدمی تھے نہ کہ جن اور بشری عقل رکھتے اور ایمان اور کفر کے حسن اور قبح کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے' بالکل راہِ راست پر نہیں آئے بلکہ روز بروز گمراہی میں دُور ہوتے جاتے تھے اور حق کی راہ سے بھاگتے تھے۔

جبکہ جنوں کی ایک جماعت کے چند افراد جو کہ نہ آپ کے ہم جنس ہیں نہ انسانی تعبیر کو اچھی طرح سمجھتے ہیں' نہ انہوں نے آپ کی زیارت کی نہ آپ کی صحبت میں رہے تا کہ آپ ان کے سامنے قرآن پاک کے معنوں کی تفسیر ارشاد فرمائیں اور ان پر اس کے مضامین کی تشریح وتفصیل بیان فرمائیں صرف راستہ سے گزرتے ہوئے قرآن پاک کی چند آیات آپ سے سُن کر ہدایت کے نشے سے کس قدر لبریز ہوگئے اور قرآن مجید کے کس طرح معتقد ہوئے اور صرف اسے سنتے ہی ایمان لے آئے اور اپنے بڑوں اور اپنی قوم کی اندھی تقلید سے ایک دَم منحرف ہوگئے اور انہوں نے ایمان کے حسن اور کفر کی قباحت کو اپنی قوم کے سامنے اچھی طرح پیش کیا اور وہ آپ کی نبوت کے صحیح ہونے پر عجیب استدلال لائے اور ان خرابیوں کو جو کہ جنوں کی جبلت میں نخوت' تکبر' اصرار' اپنی بات پر جھگڑا کرنے اور بھاگنے اور چھپنے کی عادت رکھنے سے ہیں' اپنے سے سب دُور کریں اور اس بات کا اقرار کیا کہ لَنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِى الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا اور اس بات کا اقرار کیا کہ ہم علم غیب بالکل نہیں رکھتے' لَا نَدْرِىْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا اور خودستائی اور اپنی قوم کی تعریف وتوصیف سے دست بردار ہوگئے اور کہا کہ مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا اور انہوں نے ایمان والوں اور کافروں کا انجام دریافت کرلیا۔

تو جب ہدایتِ الٰہی کسی کی اصلاح پر توجہ فرمائے تو ایک دَم تمام رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں اور تمام شرائط کلی طور پر میسر آجاتی ہیں اور جب اس طرف سے ہدایت کی توجہ نہ فرمائی جائے تو عقل ودانش' قرابت وجنسیت' شفقت ومحبت مرشد واستاذ اور اس کی طویل

marfat.com
Marfat.com

صحبت سب رائے گاں جاتی ہے اور کارگر نہیں ہوتی اور اس کے علاوہ ان دونوں سورتوں کے مختلف مضامین میں بھی مناسبت اور مماثلت پائی جاتی ہے اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے فرمایا جارہا ہے کہ مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وقاراجبکہ اس سورۃ میں جنوں کی زبان سے نقل فرمایا ہے کہ وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا وہاں کفار بنی آدم کی زبان سے نقل فرمایا ہے کہ لا تذرن ودا ولا سواعا ولایغوث ویعوق ونسراً جبکہ یہاں ایمان والے جنوں کی زبان سے نقل فرمایا جاتا ہے کہ ولن نشرك بربنا احدا ومن اسلم فاولئك تحروا رشدا وہاں فلم یجدوا من دون الله انصاراً مذکور ہے جبکہ یہاں ولن اجد من دونه ملتحدا اور لن نعجزالله فی الارض ولن نعجزہ ھربًا ہے اور وہاں یہ مذکور ہے کہ استغفروا ربکم انہٗ کان غفارًا برسل السماء علیکم مدرارا جبکہ یہاں وان لو استقاموا علی الطریقة لاسقیناھم ماء غدقًا لنفتنھم فیه ہے وہاں مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند ناخلفی اور نالائقی کی وجہ سے اس ابوالآباء کی خلافت کی خدمت سے معزول ہوگئے اور ان کا قتل اور ہلاکت واجب کہ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَايَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا جبکہ یہاں یہ مذکور ہے کہ جنس کے مختلف ہونے اور اخلاق واطوار کے جدا ہونے کے باوجود شائستگی اور صلاحیت کی وجہ سے جنات آخرالزمان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفہ ہوئے اور انہوں نے ہدایت و ارشاد کا منصب پالیا اور اپنی قوم کی طرف منذر اور مبلغ ہوکر گئے۔

قطعہ۔ وزیر کے کم عقل بیٹے گدائی کے لیے دیہات میں چلے گئے اور کسان کے عقل مند بیٹے وزارت کی وجہ سے بادشاہ تک پہنچ گئے اس کے علاوہ اور بھی وجوہ مناسبت ہیں جو کہ غور کرنے سے معلوم ہوتی ہیں۔

## سورۃ الجن کی وجہ تسمیہ

اس سورۃ کا نام سورۃ الجن اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورۃ میں قرآن پاک کے برحق ہونے کو جنات کی طرف سے دو وجہ سے بیان کیا گیا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ

marfat.com

Marfat.com

انسانوں کے فصحاء اور بلغاء کا اس قرآن پاک کے مقابلے سے عاجز ہونا ہر خاص و عام کو معلوم ہو چکا تھا۔ پس اس بات کا احتمال کہ یہ انسانوں میں سے کسی شاعر یا ناظم کی تالیف ہو نہ رہا۔ قرآن پاک کے بارے میں یہی دو احتمال اس زمانے کے لوگوں کے دلوں میں کھٹکتے تھے۔ ایک یہ کہ کلامِ الٰہی ہوگا جو کہ فرشتوں کے واسطے سے پہنچا ہے' دوسرا یہ کہ جنوں کا کلام ہوگا جو کہ کسی کاہن کے ذریعے القاء ہوا اور اس زمانے میں عرب کے شہروں میں کہانت اور جنوں سے علم حاصل کرنے کا رواج اور اس کی شہرت تھی۔ عرب کے اکثر لوگوں کو جنات کے ساتھ مناسبت اور دوستی حاصل ہو جاتی تھی اور وہ جنات ان پر ایسے کلام کا القاء کرتے جس کے ضمن میں غیب کی خبر ہوتی اور اس لین دین میں لوگوں کے ذہنوں میں ان انسانوں کا مقام بھی اور ان جنات کا مرتبہ بھی ایک وقعت حاصل کر لیتا اور لوگ ان کی طرف رجوع کرتے اور نذر و نیاز اور فتوح کا دروازہ کھل جاتا جیسا کہ اس زمانے میں بھی بعض لوگ پریوں اور جنوں کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں۔

اور عرب کے جاہل لوگ سمجھتے تھے کہ کلام کی ترکیب میں جنات کو ایسی قدرت حاصل ہے کہ بشر کو ایسی قدرت ہرگز حاصل نہیں شاید یہ کلام جو کہ طاقتِ بشری سے باہر ہے' بلغائے جن کی تالیف ہو جسے وہ پیغمبر کی زبان پر القاء کرتے ہیں جب اس سورۃ میں یہ ذکر ہوا کہ جنات نے یہ کلام سنتے ہی اپنے عاجز ہونے کو تسلیم کر لیا اور اس کے مقابلے کو اپنی ہمت سے باہر سمجھا تو وہ احتمال بالکل ٹل گیا اور وہی ایک سچا احتمال ثابت رہا۔

اور اگر کسی کو اس تقریر میں یہ شبہ ہو کر معارضۂ قرآن سے جنات کا عاجز ہونا اور اس بات کا اقرار کرنا کہ یہ کلامِ الٰہی ہے' یہ بھی اسی کلام کے ساتھ ثابت ہوا۔ جنات کی زبان سے کس نے سنا کہ انہوں نے اپنے عجز کا اقرار کیا تا کہ اس کا اعجاز ثابت ہو اور اس کا کلامِ الٰہی ہونا یقینی ہو جائے۔ پس اثبات الشی بنفسہ لازم آیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اثبات الشی بنفسہ کے قبیلے سے نہیں ہے بلکہ اثبات الشیء علی فرض نقیضہ کے باب سے ہے کہ مقاصد اور دعووں کو ثابت کرنے کے مسئلہ میں اس سے زیادہ پختہ مسلک اور کوئی نہیں اور اس اثبات کو قریب کر کے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ہم

marfat.com

Marfat.com

منکروں سے پوچھتے ہیں کہ یہ سورۃ کہ جس میں جنات کی زبان سے اپنے عاجز ہونے کا اقرار اور کلامِ الٰہی ہونے کی تصدیق منقول ہے یا کلامِ الٰہی سے ہے یا جنات کے کلام سے ہے اگر جنات کے کلام سے ہے تو مدعا ثابت کہ جنات نے اپنے عجز کا اقرار کرلیا اور انہوں نے اس کلام کو کلامِ الٰہی جانا اور اگر کلامِ الٰہی ہے تو مدعا پھر بھی ثابت ہے کہ خود بھی کلامِ الٰہی ہوا اور جو جنات سے نقل کیا گیا' وہ بھی سچا ہوگیا اور یہ احتمال کہ باقی قرآن جنات کا کلام ہوگا اور یہ سورۃ کلامِ بشر ہے' یہ اصل سے ہی باطل ہے کیونکہ اس سورۃ کا معارضہ بھی بشر سے ممکن نہیں ہے تو دونوں مذکورہ احتمالات میں سے ایک متعین ہوگیا اور دونوں میں سے ہر ایک میں مقصد حاصل ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے جناب آسمان پر چلے جاتے تھے اور وہاں سے چوری اور جاسوسی کے طریقے سے آنے والے حادثوں کی خبریں جو کہ روئے زمین پر مقدر ہوتے تھے اور ان کا فرشتوں کی مجالس میں تدبیر اور سرانجام دینے کے لیے ذکر ہوتا تھا' سن کر آتے تھے اور ان کا آدمیوں پر القاء کرتے تھے تاکہ وہ جنات کی غیب دانی کے معتقد ہو جائیں اور پوجا کریں اور کاہنوں کو جو کہ جنات کے خدام کی طرح تھے' نذر اور رشوت ملے اور ان کی شیخی روز بروز ترقی حاصل کرے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے' یہ کاروبار بھی ٹھپ ہوگیا اور جنات کو آسمان پر آنے سے روک دیا گیا اور آتشیں شعلوں کے ساتھ فرشتے مقرر کردیئے گئے تاکہ وہ جنات کو دھتکاریں اور آنے نہ دیں اور اس احتیاط اور چوکی داری کا مقصد یہ تھا کہ جب قرآن پاک نازل ہو تو زمین میں اس کا مقابلہ کرنے کا چیلنج کیا جائے اور اہلِ زمین اس کے مقابلے سے عاجز ہو کر یقین کرلیں کہ یہ کلامِ الٰہی ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ جنات میں سے کوئی بیت العزت جو کہ آسمانِ دنیا میں نزولِ قرآن کی جگہ تھی' کے فرشتوں کی زبان سے بعض قرآنی آیات سن کر کسی کاہن تک پہنچا دے اور یہ کاہن حضرت پیغمبر علیہ السلام کے مقابلے میں ان آیات کو مشہور کردے اور جاہلوں کے ذہنوں میں شبہ پڑ جائے کہ قرآن کا مقابلہ ممکن ہوگیا۔ پس اس کا کلامِ الٰہی ہونا یقین کے ساتھ ثابت نہ

marfat.com
Marfat.com

ہوا۔

نیز اس پیغمبر علیہ السلام کی بعثت جنوں' انسانوں کے لیے عام تھی جس طرح آپ انسانوں کی طرف مبعوث تھے' جنات کی طرف بھی مبعوث تھے اور ان سے بھی مقابلے کا چیلنج پیش نظر تھا تا کہ وہ عاجز ہو کر اس کے کلامِ الٰہی ہونے کا اقرار کریں اور ان کے آسمان پر آنے اور فرشتوں کی زبان سے بعض قرآنی آیات سننے کی صورت میں وہ مقابلے کی صورت میں عاجز نہ ہوتے تو تدبیر الٰہی کا لازمی تقاضا ہوا کہ قرآن پاک کے نزول کی مدت میں جو کہ تیئس (۲۳) سال ہے' یہ کاروبار بالکل معطل کر دیا گیا۔ چنانچہ عرب کے کاہن اس مدت کی ابتدا سے معطل ہو کر رہ گئے تھے اور شکایت کیا کرتے تھے کہ اب جنات ہمارے پاس کوئی امر نہیں لاتے اور جنات بھی حیرت میں تھے کہ اب کیا انقلاب پیش نظر ہے کہ ہمیں آسمان پر جانے نہیں دیا جاتا جب انہوں نے یہ قرآن مجید سنا تو یقین کر لیا کہ یہ سب انتظام اس کلام کو معارضے کی صورت سے بچانے کے لیے تھا اور قرآن پاک کے برحق ہونے پر یہ استدلال سابقہ قرائن اور علامات کی مدد سے ہے جو کہ عرف میں رائج ہے۔

اور دانش مندی کے قاعدوں کے مطابق اسے اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ آسمانی کلام چرانے سے اگر جنات کو روکنا فرشتوں کے کلام کی حفاظت کی بناء پر ہوتا تو چاہیے تھا کہ قرآن مجید کے نزول سے پہلے بھی ہوتا۔ پس یہ صرف اور صرف معارضہ کی صورت میں قرآن پاک کی حفاظت کے لیے ہے' دلیل دوران کے ساتھ تو یہ کلام معارضے سے محفوظ ہے اور جو معارضے سے محفوظ ہو' وہ معجز ہے اور معجز نہیں ہوتا مگر فعلِ الٰہی جسے کسی سچے کے ہاتھ پر پیدا فرماتا ہے۔ پس وہ کلامِ الٰہی ہوگا جسے ایک سچے پر اُتارا اور وہی مدعا ہے۔

## جان داروں کی پیدائش میں حکمت

یہاں جاننا چاہیے کہ حکمت کی نظر سے جہان میں جان داروں کو پیدا کرنا بھی ضروری ہوا اس لیے کہ جہان میں جان دار نہ ہوں تو فعلِ اختیاری کی صورت نہیں ہوتی

marfat.com
Marfat.com

اور افعال اختیاریہ کے بغیر کائنات میں کوئی رونق نہیں ہے اور ارادہ اور اختیار کا مظہر محقق نہیں ہوتا اور اسی طرح جان دار کے بغیر شعور وادراک کا کوئی مظہر نہیں اور صفت علم مظہر کے بغیر رہ جاتی ہے اور جان دار کا فعل اختیاری کا مصدر ہونا خواہش اور نفرت کے بغیر صورت نہیں پکڑتا تو جان دار کو دونوں صفات عطا کرنا بھی لازم ہوا اور خواہش اور نفرت اس چیز کے حسن اور قباحت کو دریافت کیے بغیر صورت نہیں پکڑتی جس کی خواہش کی جاتی ہے یا جس سے نفرت کی جاتی ہے۔ پس جان دار میں اشیائے جزئیہ کے شعور وادراک کا پیدا کرنا بھی ضروری ہوا اور جب اشیائے جزئیہ کا کلی طور پر شعور وادراک تھوڑی سی مدت میں ممکن نہیں ہے تو ناچار جان دار کو شعور وادراک کلی دینا ضروری ہوا جو کہ امر عام کے ساتھ متعلق ہوا اور اس کی وجہ سے ہزاروں چیزوں کے حسن وقباحت کو سمجھا جا سکے۔ پس خواہش ونفرت کے لیے شہوت اور غضب کی قوت کو پیدا کیا گیا اور اشیائے جزئیہ کے حسن وقباحت کو دریافت کرنے کے لیے وہم اور خیال اپنے آلات سمیت جو کہ پانچوں حواس ہیں' عطا فرمائے گئے اور شعور وادراک کلی کے لیے روح کو تیار کیا گیا اور اسے قوت عقلی بخشی گئی۔ پس ہر جان دار میں شہوت' غضب' وہم' خیال اور عقل لازم قرار پائی۔

## جان داروں کی چار قسمیں

اور ان امور کی ترکیب کی کیفیت میں جان داروں کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ جان دار ہے جس کی قوت عقلیہ' وہم' خیال' شہوت اور غضب پر غالب ہے یہاں تک کہ ان چیزوں کا حکم اس کی قوت عقلیہ پر قطعاً نہیں چلتا اور غسل دینے والے کے ہاتھ میں میت کی طرح اس کے زیر فرمانی اور مطیع ہیں اور اس قسم کو فرشتہ کہتے ہیں اور روحانیت بھی کہتے ہیں اور ہندی میں دیوتا' فارسی میں سروش اور شرع شریف کی زبان میں ان کی تعبیر ملائکہ' ارواح اور ملکوت کے ساتھ کرتے تھے۔ یہ قسم خطا اور گناہ سے معصوم اور پاک ہے اور نہ ہی کھانے پینے' مقاربت کرنے اور دوسری حقیر چیزوں کی محتاج ہے اس لیے کہ انہیں افعال اختیاریہ صادر کرنے کے لیے ایسا نورانی جسم دیا گیا ہے جو کہ کھلنا' جدا ہونا' ٹکرانا اور خلل میں پڑنا قبول نہیں کرتا اور قوت عقلیہ کے غلبے اور وہم وخیال پر اس کی

marfat.com
Marfat.com

حاکمیت کی وجہ سے انہیں ممکن ہے کہ اپنے آپ کو ہر صورت میں ظاہر کریں اور ہر معنی میں ڈھال لیں اور مختلف شکلیں اختیار کریں اور اس قسم کے بزرگ حملۃ العرش ہیں اس کے بعد عرش کے اردگرد صف بستہ ملائکہ اس کے بعد ملائکۂ کرسی اس کے بعد درجہ بدرجہ ساتوں آسمانوں کے ملائکہ اس کے بعد بادل ہوا بخارات اور زمہر پر کے کروں کے فرشتے جو کہ شعلے پھینکنے بارش اُتارنے اور رعد اور برق کے ساتھ بادل کو چلانے پر مقرر ہیں اس کے بعد پہاڑوں اور سمندروں پر مقرر فرشتے پھر طبقۂ زمین کے ملائکہ جو کہ نباتی حیوانی اور انسانی اجسام کے تصرفات میں مشغول ہیں۔

دوسری قسم وہ جان دار ہے جس کی وہم وخیال کی قوت عقل پر بھی اور شہوت وغضب پر بھی اس حد تک غالب ہے کہ ان کی عقل شہوت اور غضب ہر اختیاری فعل میں وہم و خیال کے تابع ہو جاتے ہیں اور ان کا جسم ناری اور ہوائی اجزا کا خلاصہ ہے کہ جسے قرآن پاک میں مارج من نار کا نام دیا گیا اور کہیں نار السموم فرمایا گیا ہے اور ان کا یہ بدن آدمی کی ہوائی روح کا حکم کھتا ہے جو کہ دل میں پیدا ہوتی ہے اور آدمی کی ہوائی روح اور اس قسم کے بدن میں فرق یہ ہے کہ آدمی کی ہوائی روح اربعہ عناصر کا خلاصہ ہے جو کہ اس کی غذا میں کام آتے ہیں جبکہ اس قسم کا بدن صرف ناری اور ہوائی اجزا سے ہے اور ان کا نسیمی بدن بھی جو کہ بمنزلہ آدمی کی ہوائی روح کے ہے چونکہ اسی لطیف جنس سے ہے اس بدن کے ساتھ مل کر اور متحد ہو کر پانی اور دودھ کے رنگ اور جنس کی طرح یک رنگ ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان کے وہم وخیال کی قوت اس بدن کی شکل کو بدن نسیمی کی طرح بدل دیتی ہے جس طرح کہ خوف اور گھبراہٹ خوشی اور مسرت کی حالت میں آدمی کے نسیمی بدن میں تغیر واقع ہوتا ہے۔

ہاں اس قسم والے کبھی اپنے اسی بدن پر اکتفاء کرتے ہیں اور اس کے ساتھ تصرف کرتے ہیں اور آدمی کے مسام اور تنگ جگہوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور باہر آ جاتے ہیں اور کبھی وہم وخیال کی قوت کے ساتھ ایک کثیف جسم ترتیب دے کر مختلف شکلوں اور حسن وقبح انس ووحشت کی جدا جدا کیفیتوں میں ڈھل کر ظہور کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے

marfat.com
Marfat.com

کہ اکثر اوقات اس قسم والوں کا جسم ہوا' آگ اور شعاع کی طرح نظر نہیں آیا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ وہم وخیال کی قوت کے ساتھ مشکل اور بھاری کام کر سکتے ہیں جس طرح ہوا بڑے درخت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتی ہے اور اس قسم کی مخلوق کے لیے کھانا پینا' مقاربت کرنا اور دوسری حقیر چیزوں کا ارتکاب ثابت ہے اور انہیں جن کہتے ہیں اور ہندی لغت میں لفظ دیوتا انہیں شامل ہے ہاں ان میں سے ایک گروہ کو کہ جن کے زیادہ تر افعال اختیاریہ بُرائی اور مخلوقِ خدا کو نقصان پہنچانے کی صورت میں ہیں' دانیت اور دنیت کہتے ہیں اور لغت عرب میں ان کے شریروں کو شیطان اور غیر شریروں کو جن کہتے ہیں اور لغت فارسی میں ان کے شریروں کو دیو اور غیر شریروں کو پری کہتے ہیں۔

اور حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم میں بھی ایک دوسرے سے کھلا اختلاف ہے۔ چنانچہ وارد ہے کہ ان میں سے بعض کے پر ہیں' آندھی کی طرح ہوا میں پھرتے ہیں اور بعض اپنے آپ کو سانپوں اور کتوں کی شکل میں بدل کر گشت کرتے ہیں اور ان میں سے بعض آدمیوں کی شکل میں خانہ داری کرتے ہیں اور کوچ اور مقام کرتے ہیں اور ان کے رہنے کی جگہیں اکثر ویران مقامات' جنگل اور پہاڑ ہیں لیکن یہ ساری صورتیں ہیں کہ ان سے کسی ایک کے ساتھ ہر گروہ کو خصوصیت اور رغبت حاصل ہوئی ورنہ اصل میں جنات کا بدن وہی آگ اور ہوا کے ملے ہوئے اجزاء ہیں اور یہ قسم گویا عالم ملائکہ اور عالم حیوانات کے درمیان برزخ ہے جس طرح کہ وہم وخیال بھی عقل وطبیعت کے درمیان برزخ ہے اسی لیے ان میں دونوں طرف کے احکام ثابت ہیں' انہوں نے مختلف شکلوں میں رونما ہونا' تدبیراتِ کلیہ اور امور دقیقہ میں حسن وقبح کا ادراک وشعور عالم ملائکہ سے لیا ہے اور اسی وجہ سے ان پر مکلف ہونے کا حکم جاری ہے اور کھانا پینا' مقاربت کرنا اور دوسرے حیوانی خصوصیتیں حیوانات سے حاصل کی ہیں اور یہ شہوت وغضب کی پیروی کرتے ہیں۔ چنانچہ حیوانات کے ساتھ ان کا یہی فرق ہے کہ حیوانات نے اپنی عقل' وہم اور خیال کو اپنی شہوت اور غضب سے مغلوب کر لیا ہے جبکہ انہوں نے اپنی عقل' شہوت اور غضب کو وہم وخیال سے مغلوب کیا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

تیسری قسم وہ جان دار جس کی شہوت اور غضب اس کی عقل' وہم اور خیال پر اس حد تک غالب ہو کہ اس کی عقل کالمعدوم ہو جائے اور اس کا وہم و خیال اس کی شہوت و غضب کے فرمان کے تابع اور اس قسم کو حیوان کہتے ہیں۔ اگر اس کی شہوت غضب پر غالب ہوئی تو بہیمہ یعنی چار پایہ ہے اور اگر اس کا غضب شہوت پر غالب ہو تو درندہ ہے اور بہائم اور درندے جس طرح چرنے والے جانوروں میں ہوتے ہیں' پرندوں اور حشرات الارض میں بھی ہوتے ہیں جیسا کہ پورے تجسس کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ پس مکھی حشرات الارض کا بہیمہ اور مکڑی درندہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

اور یہ تین اقسام جو ذکر کی گئیں' ذی روح مفردات ہیں کہ ارواح کے ابدان کے ساتھ متعلق ہونے کی ابتدا میں یہی تین قسمیں ظاہر ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی قسم کو آسمانوں کی سکونت اور کائنات کو شامل ان امور کی تدبیر کے لیے منتخب فرمایا جن میں خطا اور نافرمانی سے معصوم ہونا مطلوب تھا اور دوسری قسم کو زمین میں افعال اختیاریہ جزئیہ صادر کرنے اور نباتات' معدنیات اور حیوانات میں تصرف کرنے کے لیے مقرر فرمایا اس لیے کہ اس قسم کی روحیں سختی اور کثافت کے مرتبے میں نہ درندے اور بہائم تھیں اور نہ ہی صفائی اور لطافت کے درجے میں ملائکہ' ناچار ان کے جسموں کو بھی اجرام عنصریہ لطیفہ بنایا گیا جو کہ ہوائیت اور ناریت کا خلاصہ ہیں تا کہ علوم و ادراکات حاصل کرنے اور نفوذ حرکات کی سرعت میں معتدل رہیں اور جب اس قسم کی ارواح اور ابدان طبعی طور پر فرشتوں کی ارواح اور ابدان کے قریب ہو گئے تو اس قسم کے لیے ممکن ہو گیا کہ عالم ملکوت سے بعض غیبی امور کو حاصل کر لیں اور عالم ملکوت کی محفلوں میں جو کہ آسمان کے اوپر ہیں' حاضر ہوں۔

اور تیسری قسم جو کہ حیوان ہے صرف اس دوسری قسم کی خدمت اور ان کی خواہش اور نفرت کی پیروی کرنے کے لیے پیدا ہوئی۔ گویا حیوانی قسم اس قسم کا آلۂ کثیف تھا حتیٰ کہ چوتھی قسم جو کہ ان تینوں اقسام سے بمنزلہ معجون مرکب کے ہے اور اس کی عقل' وہم' خیال' شہوت اور غضب اعتدال کے ساتھ کام آئے' زمین کی سلطنت اسے سونپ دی گئی اور اس

marfat.com
Marfat.com

پر فرشتوں کے واسطے سے علومِ غیب خصوصیت کے ساتھ نازل فرمائے گئے اور حیوانات' نباتات اور معدنیات کو اس کے لیے مسخر کر دیا گیا تا کہ وہ خلافتِ کبریٰ کی ذمہ داریاں پوری کرے اور جس کی ذوی الارواح بسائط سے توقع نہ تھی اس میں ظہور کرے اور اسی تحقیق سے انسان کی تخلیق سے جنات کی تخلیق پہلے ہونے کا راز واضح ہو گیا۔ نیز مکلف ہونے کی امانت کا بوجھ اُٹھانے میں انسان کے ساتھ جنوں کی شرکت کا راز بھی ظاہر ہو گیا۔

لیکن جنات کا جہان گویا فرشتوں کے جہان کی نچلی سطح ہے' اس وجہ سے کمال انسانی کی راہ جو کہ اس عالم کی طرف ترقی ہے' برہم ہو گئی اور بنی آدم کے گروہوں کو اسی نچلی سطح میں پابند کر دیا یہاں تک کہ ان کی صلاحیتیں اور ہمتیں اسی سطح میں منحصر ہو گئیں اور ان میں اس سطح کو پھاڑنے اور اس سے اوپر جانے کی طاقت نہ تھی۔ پس بنی آدم میں سے بعض لوگوں نے اس سطح کے قدآور اشخاص کو اپنا معبود بنا لیا اور بعض نے اپنی ضرورتوں میں ان سے مدد طلب کی اور بعض نے مستقبل کے واقعات کو ان سے ڈھونڈا اور شرک پیدا ہو گیا یہاں تک کہ بعض جاہلوں نے اس جہان کو حضرت ذاتِ حق سے بلا واسطہ پیدا ہونے والا سمجھ کر ان کے لیے خدا کی بیٹیاں ہونے کا مرتبہ ثابت کرنا شروع کر دیا اور اگر ہندوؤں کے مذہب اور مشرکین عرب اور کفار کے دوسرے گروہوں کی رسموں میں گہری نظر ڈالی جائے تو صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے علم کی رسائی اور ہمت کا ادراک اسی نچلی سطح تک ہے بلکہ جاہل مسلمان بھی اسی منجدھار میں گرفتار ہیں اس جہان کے بعض اشخاص کو پیر کہتے ہیں اور ان سے امداد اور غیب کا علم مانگتے ہیں اور کسی کو پریاں کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

(اس کی وضاحت کے لیے حضرت مفسر علام کی وہ تفسیر ضرور دیکھیں جو کہ آپ نے ایاک نستعین کے تحت کی ہے اور آپ کا مسلک اسی تناظر میں دیکھیں اور متعین کریں۔
محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ واقع ہوئی تو پہلے اس سطح کو پھاڑنا اور اس

marfat.com

Marfat.com

حائل دیوار کو اُٹھانا ضروری ہوا جو جہانِ غیب کے آگے رکاوٹ بنی ہوئی تھی تاکہ انسانی ارواح کی ترقی کی راہ صاف ہو' ناچار شعلے پھینکنے کا حکم صادر ہوا اور ابلیس اور اس کے پیروکاروں کو جو کہ طبعی طور پر گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کی سرداری کا درجہ رکھتے تھے' ایک ذلت اور رسوائی لاحق ہوئی اور ان کی حیلہ گریوں اور مکاریوں کو کہ کبھی کاہن کی زبان پر مسجع کلام ڈال کر اپنی غیب دانی ثابت کرتے تھے اور کبھی شعراء کی قوتِ فکریہ میں مداخلت کر کے اپنی باریک بینی اور نکتہ آفرینی کا جلوہ دکھاتے تھے اور کبھی بتوں کے ڈھانچوں میں ہوا کی طرح لپٹ کر عجیب وغریب آوازیں نکالتے تھے' معطل اور بے کار کر دیا گیا' انہیں عجیب واقعات سے جو کہ اس پیغمبر علیہ السلام کی بعثت کی علامت تھے جنوں کی زبان سے کہ جن کی ان امور سے واقفیت زیادہ اور بہت خوب تھی' نشان دیا جا رہا ہے۔ پس یہ سورۃ گویا سورۃ جن ہے کہ ایمان کی تحسین' کفر کی مذمت' شرک کے رد' توحید کے اثبات' شیاطین کے مکروفریب کو دُور کرنے اور پیغمبر علیہ السلام کی بعثت اور قرآن پاک کے نزول کے برحق ہونے کو ثابت کرنے کے لیے ان کے اقوال کی تفصیلات بیان فرمائی جا رہی ہیں۔

## اس سورۃ کے نزول کا سبب

اور اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت سے دس سال تک اپنی قوم کو مختلف طریقوں سے دعوت دی جب آپ نے دیکھا کہ یہ قبول نہیں کرتے اور راہ پر نہیں آتے تو مایوس ہو کر سوچا کہ اب اجنبیوں اور بے گانوں کو دعوت دینا چاہیے اس قصد سے آپ طائف کی طرف اس تعلق کی بناء پر تشریف لے گئے کہ قریش کی ایک عورت جو کہ بنی جمح کی لڑی سے تھی طائف کے سرداروں میں سے ایک کے عقد نکاح میں تھی اور وہاں کل تین سردار تھے' عبدیالیل' مسعود اور حبیب۔ ان تینوں نے آپ سے اچھا سلوک نہ کیا اور آپ کو اپنے شہر سے نکال دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلسلے میں سوق عکاظ کی طرف تشریف لے گئے اور وہ پتہ یوگھر کی طرح کی ایک منڈی تھی کہ ہر علاقے اور ہر سمت کے لوگ بیس (۲۰) شوال سے دس (۱۰) ذوالقعدہ تک

marfat.com
Marfat.com

تجارت اور خرید وفروخت کے لیے وہاں جمع ہوتے' دورانِ سفر آپ مقام نخلہ میں فروکش ہوئے' صبح کے وقت اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نمازِ فجر میں مشغول ہوئے اور بلند آواز سے تلاوت شروع فرمائی اسی دوران نصیبین شہر کے جنات میں سے اور بنوالشیصبان کے گروہ سے جو کہ جنوں کے قبائل میں سے سب سے عمدہ ہے' نوافراد کا وہاں سے گزر ہوا اور ان کا گزر اس مقصد سے تھا کہ جب جنات کو آسمانی خبر سے رکاوٹ ہوئی اور ان پر شعلہ باری شروع ہوگئی' انہوں نے اس بارے میں آپس میں مشورہ کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ہمیں آسمانی خبر سے منع کر دیا گیا ہے اور ہمیں آسمان پر جانے نہیں دیتے۔ آپس میں یوں طے ہوا کہ زمین کی مشرق ومغرب میں پھیل جاؤ اور دیکھو کہ زمین میں کیا نئی چیز پیدا ہوئی ہے جو کہ اس رکاوٹ کا باعث ہوئی تا کہ اگر ممکن ہو تو اس چیز کا تدارک کریں۔ یہ جماعت بھی اس امر کی تلاش میں سرزمینِ مکہ کی طرف آنکلی تھی اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن پاک سنا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ یہ کلام اس رکاوٹ اور چوکی داری کا باعث ہے تا کہ کوئی اس کلام کو آسمان سے چوری کر کے نہ لائے اور بے محل نہ پہنچائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری قرأت سننے کے بعد اپنی قوم کی طرف لوٹے اور انہیں اس امر سے آگاہ کیا اور اس جماعت میں زوبعہ نامی ایک جن سردار تھا اور ایک عمرو نامی بھی سردار تھا اور ان دونوں کا واقعہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔

## جنات کی بارگاہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری

اس کے بعد ان کی دلالت پر نصیبین اور نینوئی کے جنات میں سے نوے (۹۰) افراد نے اپنے پیروکاروں اور فوجوں کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قرآن پاک سننے کا ارادہ کیا۔ زوبعہ نے سب سے آگے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ بے شمار جنات آپ کی زیارت اور قرآن پاک سننے کے لیے آ رہے ہیں' آپ جس وقت اور جس جگہ فرمائیں' حاضر ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ شہر سے باہر رات کے وقت شعب الحجون کے نواح میں جو کہ مکہ معظمہ کے شہر کے متصل ایک پہاڑ کا فراخ درہ ہے' جمع

marfat.com
Marfat.com

ہوں تا کہ شہر کے لوگ انہیں دیکھ کر خوف و ہراس میں مبتلا نہ ہوں۔ نماز عشا کے بعد آپ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے جب دیکھا جنات کا ہجوم بہت زیادہ ہے اور وہ حضور علیہ السلام کے دیدار کے شوق کی وجہ سے ٹوٹے پڑتے ہیں' آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس درے سے باہر کھڑا کر دیا اور ان کے اردگرد ایک دائرہ کھینچ دیا اور فرمایا کہ اس دائرے سے باہر نہ آنا تا کہ ان کی وجہ سے تجھے تکلیف نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دُور سے دیکھ رہے تھے کہ ان میں سے بعض گدھ کی طرح بڑے جثوں والے اور بعض زط یعنی قوم جت کی طرح جو کہ بصرہ کے متصل رہتے ہیں' سر اور پاؤں سے ننگے' سفید کپڑے کے ساتھ مقام ستر کو ڈھانپے ہوئے اور ان کے جسم یا رنگ سیاہ اور ان کے سر اور داڑھی کے بال سرخ و سفید اور بعض دوسری شکلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجوم کر رہے تھے۔ آپ صبح تک ان کی تعلیم اور تلقین میں مشغول رہے اور جب انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ یا حضرت! ہمیں تبرک کے طور پر کوئی تحریر عطا فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی تحریر دیتا ہوں جو کہ نسل در نسل اور قبیلہ در قبیلہ تمہارے کام آئے۔ جہاں خالی ہڈی' اونٹ' بکری اور بھیڑ کی مینگنی یا گائے بھینس کا گوبر پڑا ہو' میری دعا سے اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں ایک لذت اور رزق بخشے گا اس کے علاوہ جو تم پہلے سے کھانے پینے کی چیزیں رکھتے تھے۔ اور بعض روایات میں آپ نے انہیں کوئلہ بھی عطا فرمایا۔ جنات نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آدمی ان چیزوں کو گندا کر دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہم آدمیوں کو ان چیزوں کو نجاست کے ساتھ آلودہ کرنے سے روک دیں گے۔ چنانچہ اسی وقت سے ہڈی' خشک گوبر' مینگنی اور کوئلے کے ساتھ استنجا کرنے سے منع کر دیا گیا۔

اور ان دنوں جنات کا آپس میں ایک خون ہو گیا تھا اور انہوں نے اس مقدمے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا منصف قرار دیا اور آپ نے حق کے مطابق فیصلہ فرمایا اور وہ سب راضی ہو کر واپس چلے گئے۔

marfat.com
Marfat.com

اور اسی طرح دوسری مرتبہ بے شمار جنات کوہِ حرا میں جمع ہوئے اور یہ جزیرہ میں سکونت پذیر تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کے ایلچی کے آنے پر تنہا تشریف لے گئے اور ساری رات وہیں رہے اور صبح کے وقت آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ان کی آگ کے نشانات اور دوسرے اسباب و آلات دکھائے جو وہ چھوڑ کر چلے گئے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جنات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں متعدد بار آنا اور امورِ دینیہ کی تحقیق کرنا ثابت ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب قومِ زط کو کوفہ میں دیکھتے تو ڈر جاتے اور پوچھتے کہ کیا یہ جنات ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں؟ لوگ تعجب کرتے اور کہتے کہ یہ جنات نہیں ہیں' انسانوں کا ایک گروہ ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چونکہ میں نے حضور علیہ السلام کے ہمراہ جنات کو اسی صورت میں دیکھا تھا' میں انہیں جب بھی دیکھتا ہوں یہی گمان کرتا ہوں کہ جنات ہوں گے۔

نیز صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے جنات کے سامنے سورۃ الرحمٰن تلاوت فرمائی تو وہ پورے ادب کے ساتھ سُن رہے تھے اور جب بھی آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ آتی تو وہ بلند آواز سے کہتے کہ اے پروردگار! ہم تیری کسی نعمت کی ناشکری نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ جنات کے قرآن اور رسول پاک علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کے مطیع و گرویدہ ہونے کو کافروں کے سامنے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ عبرت پکڑیں اور سمجھیں کہ جنوں کی مخلوقات جو کہ فرماں برداری اور اطاعت شعاری سے بہت دُور ہیں اس رسول علیہ السلام اور اس قرآن کے گرویدہ ہو گئے' ہمیں بھی چاہیے کہ سر کو پاؤں بنا کر اس راہ میں داخل ہوں۔

## دو جواب طلب سوالات

یہاں دو جواب طلب سوالات ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اس سورۃ میں اوحی الی کا لفظ واقع ہوا ہے اور یہ جملہ جزئیہ حاکیہ ہے کہ اس کے لیے محکی عنہ چاہیے اور اگر عین اس

marfat.com

Marfat.com

سورۃ کو محکی عنہ قرار دیں تو جذر اصم کا وہی مغالطہ پیش آتا ہے جو کہ منطقیوں میں مشہور ہے اور حکایت کا محکی عنہ سے اتحاد لازم ہوتا ہے۔ پس چاہیے کہ اس سے پہلے اس سورۃ کے مضامین کی خبر وحی میں آئی اور یہ خلاف واقع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ احقاف میں آیت وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآنَ میں چار دوسری آیات سمیت اس واقعہ کی اصل کی وحی ہوئی تھی اور اس سورۃ کے نزول سے پہلے اس واقعہ کو اس کی تمام مذکورہ خصوصیات سمیت غیر متلو وحی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مقدس پر القاء فرما دیا گیا ہوگا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس متلو اور غیر متلو وحی کی کفار کے سامنے حکایت فرمائیں اور انہیں اس کی خبر دیں تاکہ وہ قرآن پاک اور آپ کی نبوت کے برحق ہونے پر دلیل پکڑیں اور انکار سے باز آئیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس سورۃ میں جنات کے اقوال میں سے تیرہ (۱۳) باتوں کی حکایت فرمائی گئی ہے اور پہلی بات میں حرف ان کو ہمزہ کے کسرے کے ساتھ وارد فرمایا کہ انا سمعنا جبکہ بارہ (۱۲) باتوں کو حرف ان ہمزہ کے فتح کے ساتھ حالانکہ قول کا مقولہ ہمزہ کے فتح کے ساتھ نہیں آتا' ہمزہ کے کسرے کے ساتھ آتا ہے۔ پس عربی کے قاعدے کی مخالفت لازم آئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بات قولِ جن کا صریح مقولہ تھا' وہاں ان کا کسرہ لازم ہوا جبکہ باقی بارہ (۱۲) سخن فاصلہ واقع ہونے کی وجہ سے قول کا مدخول نہ ہوئے بلکہ وہاں ذکروا اور اخبروا کا لفظ محذوف رکھ کر قالوا پر عطف فرمایا گیا اور قول کے معنی کے بعد حرف ان میں ہمزہ کا فتح لازم ہے اور وہ جو ان بارہ (۱۲) باتوں کے بعد ہے جیسے وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ وَغَیْرُ ذَالِكَ وہ قولِ جنات میں داخل نہیں ہے بلکہ وحی میں داخل ہے۔ انہ استمع پر معطوف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ آپ فرما دیں یارسول اللہ! کہ اگر تمہارے ذہن میں لوگوں کا اس کلام سے عاجز ہونا اس لیے ہے کہ یہ جنات کا کلام ہے اور جنات جیسا کلام کرنا آدمی کے بس سے

marfat.com

Marfat.com

باہر ہے تو سُن لو کہ جنوں نے یہ کلام سنتے ہی اس کے اعجاز کا اقرار کیا اور میرے پاس ان کا یہ اقرار ان کی طرف سے نہیں پہنچا ہے تاکہ ان کی خبر میں سچ اور جھوٹ کا احتمال ہو بلکہ بطریق وحی پہنچا ہے اس لیے کہ

اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنوں نے اس کلام کے اعجاز کا اقرار کیا ہے صرف سرسری طور پر سننے کے بعد نہیں کہ اس میں بلاغت کلام کے درجے میں غور نہیں ہوتا بلکہ اسْتَمَعَ پوری توجہ سے سنا ان کے ایک یا دو افراد نے نہیں تاکہ اس کے اقرار پر اعتماد نہ ہو بلکہ

نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ جنات کی کثیر جماعت نے کہ ان کی خبر کو تواتر کا حکم حاصل ہو گیا اور اس قدر کثیر جماعت جب اپنے وجدانی امر کی خبر دیں تو اس سے یقین حاصل ہو جاتا ہے اور یہ خبر بھی انہوں نے میرے سامنے یا دوسرے لوگوں کے سامنے نہیں دی ہے تاکہ کسی کی پاس داری کا احتمال ہو بلکہ جب وہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے تو خود انہوں نے خبر پہنچائی۔

فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا تو انہوں نے کہا کہ تحقیق ہم سب نے ایک پڑھنے کی چیز سنی ہے۔

## قرآن کی وجہ تسمیہ

یہاں جاننا چاہیے کہ جہان میں تصنیف شدہ کتابوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں' ایک پڑھنے کی دوسری دیکھنے اور مطالعہ کرنے کی۔ پڑھنے کی کتاب وہ ہے جس میں ذکر خدا غالب ہو اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف مدح جو کہ عام فہم اور عقل کے نزدیک ظاہر ہوں اس میں درج ہوں جیسے اورادفتحیہ اور اذکار و اوراد کی دوسری کتابیں اور دیکھنے کی کتاب وہ ہے جس میں باری تعالیٰ کی صفات دقیقہ یا اس کی قدرت وصنعت کے عجائب یا اس کے دنیا و آخرت کے احکام یا اس کے بندگانِ خاص انبیاء علیہم السلام و اولیائے علیہم الرحمۃ والغفران کے احوال یا وہ مسائل جو کہ ان معانی کو سمجھنے میں مدد دیں اور آلہ بنیں' درج ہوں جیسے عقائد' حدیث' فقہ' سلوک اور دیگر علوم الٰہیہ کی کتابیں اور یہ کلامِ الٰہی جو کہ

marfat.com

Marfat.com

ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی' صفاتِ الٰہی کے ذکر سے جو کہ عند العقل ظاہر اور واضح ہیں اس قدر بھری ہوئی ہے کہ کوئی آیت بلکہ کوئی طویل جملہ اس سے خالی نہیں ہوتا۔ اسی لیے اس کلام کو قرآن کہتے ہیں کہ اوراد و اذکار کا حکم رکھتی ہے لیکن جنات نے یہ پہچاننے کے بعد کہ یہ کلام ذکر اور ورد ہے' ایک اور چیز بھی دریافت کی کہ

عَجَبًا ایک ایسا ذکر جو کہ نہایت عجیب ہے اس لیے کہ ذکر ہونے کے باوجود حقائقِ الٰہیہ' کونیہ اور دقیقہ کا جامع ہے۔ ایک حکمت پر مبنی تقریر رکھتا ہے جس میں ہر چیز کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے پھر اگر ہم تامل کریں تو اس کے مواعظ اور نصائح نہایت دلچسپ اور دل میں اثر کرنے والے ہیں کہ اس میں تقریر خطابت کو انتہا تک پہنچایا گیا ہے پھر جب ہم ان عمدہ مضامین میں غور کریں تو ان میں ایسے الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں جو کہ بے مثل اور دوسرے کلام کے انداز سے جدا ہیں' نہ نظم اور نہ سجع اور اس کے باوجود اس میں بلاغت' حسن تشبیہ اور استعارہ کے درجات کو آخری حد تک طے کیا گیا ہے اور اس سب کے علاوہ یہ ہے کہ

يَهْدِيْۤ اِلَى الرُّشْدِ حق و صواب کی طرف رہنمائی کرتا ہے' روح میں عظیم اثر پیدا کرتا ہے اور اس میں معانی کو نقش کر دیتا ہے اور عقل کو نورٌ علیٰ نور کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس نور کی تاثیر شہوت و غضب کی ساری قوتوں کو گھیر لیتی ہے۔ پس یہ کلام ورد و ذکر کا حکم بھی رکھتی ہے۔ استاذ معلم کا بھی اور پیر و مرشد کا بھی اور اس کے ساتھ ساتھ ایسے کلام کی جنس سے نہیں ہے جو کہ فکر و تخیل کے ساتھ متعلق ہو یا عقلی قیاسات سے بطور نتیجہ حاصل کی گئی ہو یا وہمی اور خیالی مقدمات سے مرکب ہو۔ پس نہایت عجیب ہے۔

فَاٰمَنَّا بِهٖ پس ہم اس کلام پر ایمان لائے اور ہم نے سمجھ لیا کہ اس قسم کا کلام خداتعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور اگر اس فہم اور اس تاثیر کے باوجود ہم اس کلام کو خداتعالیٰ کی طرف سے نہ سمجھیں بلکہ اس کے غیر کی طرف سے خیال کریں تو اس کے غیر کے لیے اس قسم کا کلام نازل کرنے پر قدرت ثابت کریں اور شرک لازم آئے۔

وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں

marfat.com
Marfat.com

ٹھہرائیں گے۔ نیز جنات نے ذکر کیا کہ رب مطلق وہی ہے جو کہ عظمت کے اعلیٰ مرتبوں میں ہو اور کوئی شخص عظمت میں اس کی برابری نہ کرے۔

وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی بزرگی اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو سکے اور اسی لیے مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ہمارے پروردگار نے کوئی عورت اختیار نہیں فرمائی ہے اور نہ ہی کوئی بیٹا اس لیے کہ بیوی گھر کے اکثر کاموں میں شوہر کے ساتھ شریک ہوتی ہے اور بیٹا بھی باپ کے مال اور اس کی ملک میں شریک ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ شریک سے برتر ہے کہ خواہ وہ شریک خود بخود شریک ہو یا اس کے شریک کرنے سے شریک ہو اس لیے کہ دونوں قسم کی شرکت عظمت کی بلندی میں نقصان کرتی ہے۔ نیز جنات نے اس میں جو کہ اس قرآن مجید کو سننے سے پہلے بعض بندوں کے اللہ تعالیٰ کا شریک ہونے یا بعض لوگوں کے اللہ تعالیٰ کا بیٹا یا بیوی ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے عذر پیش کیا اور یوں کہا:

وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا اور یہ کہ ہمارے بے عقل لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں وہ چیز کہتے تھے جو کہ اس کی شان سے دُور ہے۔ مختصر یہ کہ ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والے دوسرے جنات باری تعالیٰ کے حق میں بیوی اختیار کرنے' بیٹا اختیار کرنے اور بعض مخلوقات کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قدرتِ کاملہ' علم محیط' بندوں کے افعال پیدا کرنے' مدد غیبی کے ساتھ بے چاروں کی حاجت روائی' استحقاق عبادت' ذکر دائمی کے استحقاق' (اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کے چار مقامات پر وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ سے حضرت مفسر کی مراد یہی ہے کہ وہ جانور حرام ہیں جنہیں اولیاء اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے یعنی ذبح کے وقت ان کا نام لیا جائے نہ کہ وہ جانور جو اہل اللہ کی طرف منسوب ہوں۔ کیونکہ وہاں مقصد یہی ہوتا ہے کہ مراد تقرب الی اللہ ہی ہے البتہ ایصالِ ثواب فلاں بزرگ کے لئے ہے اور ان کا نام لیا جاتا ہے۔ آپ کا اصل مسلک یہی ہے۔ البتہ آپ کی تفسیر میں جانور کے مطلقاً منسوب شدہ جانور کی حرمت کا قول ناعاقبت اندیشوں نے اور برصغیر کے نجدیوں نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے جس کا

marfat.com
Marfat.com

حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان باندھا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ - وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى پناہ بخدا۔محمد محفوظ الحق غفرلہ)

ان کے نام کے ساتھ حیوانات کو ذبح کرنے کے استحقاق' ان کی راہ میں مال' نذریں اور ہدیے خرچ کر کے ان کا قرب ڈھونڈنے اور اس بات کے استحقاق میں کہ لوگ اپنے آپ کو ان کا بندہ اور پوجنے والا کہیں' شریک ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اب اس قرآن کے سننے سے ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ اعتقاد نرا باطل اور بے اصل تھا اور باری تعالیٰ کی ذات پاک ان غلط اعتقادات سے پاک اور مبرا ہے۔ نیز جنوں نے اس غلط اعتقاد سے اپنے عذر کے مقام میں بیان کیا کہ:

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اور ہم گمان کرتے تھے کہ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ آدمی اور جنات جرأت بے جا کرتے ہوئے ہرگز نہیں کہیں گے۔ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ' حاصل کلام یہ کہ ہم جو آج تک اس کثیر جماعت کی تقلید کی وجہ سے باطل عقائد میں گرفتار تھے جو کہ ادراک و شعور میں تمام مخلوقات سے ممتاز ہیں اور حق و صواب کو دریافت کرنے میں خود کو یکتا سمجھتے ہیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ اس قدر کامل العقل کثیر جماعت جو کہ آدمیوں کی جنس سے بھی تھے اور جنوں کی جنس سے بھی کہ ان میں سے ہر ایک موشگافی اور باریک بینی میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں' اجتماعیت کے ساتھ مخلوق میں سے کسی مرتبہ والے پر جرأت نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ پر کہ جس کی عظمت ہر ذی جاہ کی عظمت سے بلند تر ہے' کیسے جرأت کریں گے لیکن انہوں نے بہت جرأت کی اور ہم نے اس جرأت کا سبب بھی دریافت کر لیا ہے اور اس جرأت کا سبب بیان کرنے کے مقام میں جنات نے ذکر کیا:

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ اور یہ کہ آدمیوں سے بہت سے مرد جو کہ مرد ہونے کے باوجود کہ جسے کمال عقل' قوتِ قلب اور نہ ڈرنا لازم ہے۔ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ

marfat.com
Marfat.com

مِنَ الْجِنِّ جنات میں سے چند لوگوں کی پناہ لیتے تھے۔

اور یہ پناہ لینا چند طرح تھا۔ پہلی یہ کہ انہیں جب بھی کوئی بیماری لاحق ہوتی تو منسوب کرتے کہ جنوں کی بدنظری کے اثر سے ہے اور جنوں کے لیے کوئی کھانا' خوشبو اور دھونی تیار کرتے اور جہاں جنوں کے حاضر ہونے کا گمان کرتے' وہاں رکھ دیتے تا کہ اس حقیر چیز کو بطور رشوت قبول کریں اور ہمیں ستانے سے دست بردار ہو جائیں۔

دوسری یہ کہ مشکل کاموں اور لاینحل الجھنوں میں ان کے ناموں کو بطور ورد پڑھتے تھے اور ان کی تراشی ہوئی مورتیوں پر جا کر جو کہ ان کے نام کے ساتھ مقرر تھیں اور انہیں بت کہتے تھے' نذریں' ہدیے اور قربانیاں پیش کرتے تھے۔

تیسری یہ کہ جب انہیں آئندہ حادثوں کو معلوم کرنا منظور ہوتا تو کاہنوں کے پاس جاتے تھے اور ان سے پری خوانی (منتر) کراتے تھے تا کہ جنات حاضر ہو کر خبر دیں کہ فلاں چیز یوں ہوگی اور فلاں واقعہ یوں ہوگا۔

چوتھی یہ کہ جب بھی کسی سفر کے دوران جنگل یا نئی منزلوں میں ڈیرا جماتے تو ان جنوں کے سردار اور ان کے بادشاہ سے مدد مانگتے اور پناہ طلب کرنے کے بعض کلمات کہتے تا کہ اس جنگل اور اس منزل میں ان کے پیروکاروں کی طرف سے کسی صدمے سے محفوظ رہیں۔

پانچویں یہ کہ خوشامد' مدح' چاپلوسی اور ہدیوں' نذروں اور مرغوب کھانوں کے ساتھ بعض جنات کو اپنی طرف مائل کرتے تھے تا کہ ضرورت اور بشری حیلوں سے عاجز ہونے کے وقت ان سے کام لیں جیسا کہ کردم بن سائب نے اپنے باپ سے جو کہ صحابی ہیں' روایت کی کہ ایک دفعہ ہم سفر میں تھے' ہم نے ایک عجیب مشاہدہ کیا کہ جنگل میں ایک بھیڑیا آیا اور ایک شخص کے ریوڑ سے ایک بھیڑ اٹھالے گیا اس شخص نے ایک جن کا نام لے کر فریاد کی کہ اے فلاں! جلد پہنچ کہ بھیڑیا میری بھیڑ لے جا رہا ہے اس کے فریاد کرتے ہی ہم نے سنا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ او بھیڑیے! اس کی بھیڑ کو چھوڑ دے۔ علی الفور بھیڑیا پلٹا اور بھیڑ چھوڑ کر چلا گیا۔

marfat.com
Marfat.com

فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا پس ان آدمیوں نے جنوں کی نخوت وتکبر کو بڑھا دیا۔ پس جنوں نے سمجھ لیا کہ جب بندے ان کاموں میں ہمارے محتاج ہوتے ہیں اور ہم ان کے کام بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر جو بلائیں اور مصیبتیں بھیجتا ہے' ہم دُور کرتے ہیں' ہمیں بھی کارخانہ خدائی میں ایک قسم کی شراکت حاصل ہے اور اگر مستقل شراکت نہیں ہے تو ہمیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے بیٹا اختیار کرنے کا تعلق ضرور حاصل ہے کہ اس نے نرے بندوں کو ہمارے حوالے فرمایا ہے۔ پس ہم نرے بندے نہیں ہیں اور آدمیوں نے سمجھا کہ یہ غیبی جماعت جو ہماری حاجتیں پوری کرتی ہے' ہماری پرورش میں انہیں کچھ شراکت حاصل ہے اور بلاشبہ یہ خدا تعالیٰ کے ساتھ نری بندگی کا تعلق نہیں رکھتے' انہیں منہ بولا بیٹا ہونا یا ولی عہدی یا خدمات کی سرداری اسی طرف سے ہے ورنہ ہمیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے میں ان کے برابر ہیں' ان کا محتاج کیوں کرتا؟ پس اس قسم کا مدد مانگنا اور مدد کرنا جو کہ آدمیوں اور جنات کے درمیان واقع تھا' باطل اعتقادات پر جرأت کرنے کا باعث ہوا۔

## استعانت بالجن سے منع کرنے اور جنات کے نقصان کو روکنے کا بیان

اور اسی لیے حدیث شریف میں استعانت بالجن سے مطلقاً منع فرمایا گیا ہے اور ارشاد ہوا ہے کہ جسے سفر' گھر یا بیماری میں جن سے خطرہ محسوس ہو' چاہیے کہ اسمائے الٰہی کی پناہ حاصل کرے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ اور معوذتین وغیرہ پڑھے اور کہے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ اسے جنات کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ نیز جنات کے ذبیحوں سے شدت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے اور ان منتروں سے جن میں پریوں اور جنات کے سرداروں کے نام مذکور ہیں' روکا گیا ہے اس لیے کہ شرک کی اصل آفت یہیں سے پیدا ہوئی ہے اور انسانوں اور جنوں دونوں کے حالات خراب کرنے کا موجب ہوئی اور جنات اپنی اصل پیدائش میں جو کہ آگ کے مادے سے پیدا ہوئے ہیں' برتری' تفوق' نخوت' تکبر' سرکشی اور اپنے آپ کو اللہ اور

marfat.com

Marfat.com

معبود قرار دینے کی جبلت رکھتے ہیں اور طبعی طور پر ان چیزوں کو پسند کرتے ہیں جب بھی ان کے ساتھ اس قسم کا معاملہ واقع ہوتا ہے' بنی آدم کی حاجتوں کو پورا کرنے میں زیادہ کوشش کرتے ہیں کہ یہ پودا سرسبز ہو جائے اور لوگوں کے دہنوں میں ہماری عظمت کا بڑا مقام پیدا ہو اور اپنے آپ کو حیلوں مکروں کے ساتھ بزرگوں کی پاک ارواح میں شمار کرتے ہیں اور بزرگوں کا نام اپنے لیے لیتے تھے تا کہ لوگ جلد گرویدہ ہو جائیں اور انکار نہ کریں اور آہستہ آہستہ اپنی خباثت اور کمینے پن کا اظہار کرتے ہیں اور صریح شرک کراتے ہیں اور یہ مرض بنی آدم کے تمام گروہوں کو لاحق ہے حتیٰ کہ اس اُمت میں بھی عام شائع اور رائج ہو گیا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ من ذلک

نیز جنات نے جنوں اور انسانوں کے اس معاملے کہ آدمی جنوں کی پناہ لینے' مدد مانگنے اور ان کی طرف رجوع کرنے سے باز نہیں آتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں' ہمیں اس کی طرف رجوع کرنا اور التجا کرنا چاہیے نہ کہ اپنی سطح کے لوگوں کی طرف اور جنات گمراہ کرنے' الوہیت کے دعوے' نخوت اور تکبر سے دست بردار نہیں ہوتے تھے اور نہیں سمجھتے تھے کہ اگر ایک مالک کے بندے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں تو یہ کام مالک ہی کی امداد اور اس کی عنایت سے ہوگا تو رشوت لینے اور نخوت و تکبر کا کیا مقام ہے اور اپنے کو مستقل گمان کرنے اور مالک کے شریک جاننے کا سوال کے سبب کے بیان میں ذکر کیا۔

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا اور یہ کہ آدمیوں نے گمان کیا كَمَا ظَنَنْتُمْ جیسا کہ اے جنوں! تم نے گمان کیا۔

اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا کہ اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں میں سے کسی کو اعمال کی جزا اور حرکات و سکنات کی باز پرس کے لیے زندہ نہیں کرے گا۔ پس آدمیوں نے چاہا کہ جس طرح بھی ہو اپنی حاجت پوری کرنا چاہیے اور دنیا کی زندگی میں تکالیف دُور کرنا' لذتوں کو حاصل کرنا اور فوائد حاصل کرنا چاہئیں اگرچہ معاملہ شرک تک جا پہنچے اور مالک ناراض ہو جائے اور جنات نے چاہا کہ مشکل کشائی کا مرتبہ اور نام و نشان پیدا کرنا چاہیے

marfat.com
Marfat.com

اگرچہ مالک کے کاروبار میں شریک ہونے کا دعویٰ لازم آئے اس لیے مالک کی طرف سے کوئی باز پرس' خوف اور خطرہ نہیں ہے۔

نیز جنات نے اس بات کو ثابت کرنے میں کہ قرآن آسمان سے اُترا ہوا کلام ہے' سفلی کلام نہیں کہ اسے کسی آدمی یا جن نے تالیف کیا ہو' ذکر کیا:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ اور ہم آسمانوں کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ گویا ہم نے آسمان کو ہاتھ لگا لیا جب ہمیں آسمان پر آنے سے روک دیا گیا' ہم نے چاہا کہ معروف راہوں کے سوا کسی دوسری راہ سے آسمان کے اوپر پہنچ جائیں اور حقیقت حال معلوم کریں کہ اس سختی کا باعث کیا ہے۔

فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ تو ہم نے اس آسمان کو پایا کہ وہ پُر کر دیا گیا ہے اور ہر راہ میں امداد کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔

حَرَسًا شَدِيْدًا سخت پہرے دار اور چوکی دار جو کہ انتہائی طاقت ور فرشتوں کی جنس سے ہیں کہ ان کا مقابلہ کرنا ہمارے لیے قطعاً ممکن نہیں ہے اور اس کے علاوہ ہم نے آسمان کی ہر راہ میں پایا۔ وَّشُهُبًا اور آگ کے بھاگتے ہوئے شعلے جو کہ وہ چوکی دار ہم پر مارتے ہیں اور ہمیں ان شعلوں سے جلا دیتے ہیں۔

معمر نے زہری سے پوچھا کہ کیا نزولِ قرآن سے پہلے جاہلیت کے دور میں بھی شہاب تھے؟ زہری نے کہا ہاں تھے لیکن اس کثرت اور شدت کے ساتھ نہ تھے کہ بعثت اور نزولِ قرآن کے وقت ہوئے اور اس وقت دوسرے فوائد اور اغراض کے لیے تھے اور اس وقت شیاطین اور جنات کو دُھتکارنے کے لیے ہو گئے۔

نیز جنات نے اس استدلال کو قریب کرنے اور اس احتمال کو باطل کرنے کے لیے کہ آسمان کے پہرے کی یہ زیادتی کسی اور چیز کی حفاظت کے لیے ہو نہ کہ اس کلام کی حفاظت کے لیے یا اگر اس سخن و کلام کی جنس کی حفاظت کے لیے ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ ملائکہ کا کلام ہو جو کہ وہ مہمات کی تدبیر کے لیے آپس میں کرتے ہیں یا کلامِ الٰہی کی حفاظت کے لیے۔ ذکر کیا:

marfat.com
Marfat.com

وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ اور یہ کہ ہم زمانہ قدیم سے آسمان کی مقررہ جگہوں میں بیٹھتے تھے جو کہ فرشتوں کی محفلوں اور مجلسوں کے قریب تھی ان کی باتیں سننے کے لیے۔ پس ہم آسمان سے کوئی اور چیز چرا کر نہیں لاتے تھے تا کہ اس کلام کے سوا ہم سے اس چیز کی حفاظت پیش نظر ہو اور ہم سے فرشتوں کے کلام کی اس شدت اور سختی کے ساتھ کبھی حفاظت نہیں کی جاتی تھی جیسا کہ اب بھی ہم فرشتوں کے کلام کو آسمان کے نیچے سے لے آتے ہیں لیکن ہمیں آسمان کے اوپر کلام سننے سے منع کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْاٰنَ تو ان دنوں جو کہ قرآن کے نزول کا وقت ہے جو بھی کان لگاتا ہے اگر چہ دُور سے ہو اس کے بغیر کہ اپنی مقرر جگہ پر پہنچے قرار پکڑے اور بیٹھے۔ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا اپنے لیے آگ کا شعلہ پاتا ہے جو کہ تاک میں بیٹھا ہے تو یہ سب سختی اور پابندی کی صرف اور صرف اس کلام کی صورتِ مقابلہ کے امکان یا اس کے غیر محل میں پہنچنے یا ہماری ناپاک زبان پر جاری ہونے سے بچانے کے لیے ہے اور ہر صورت میں اس کلام کی عظمت کی انتہا اس حد تک ثابت ہوتی ہے کہ کلامِ الٰہی کے غیر میں اس عظمت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

نیز ثابت ہوا کہ یہ کلام فرشتوں کے مسکن آسمان سے ہے کہ جس میں جھوٹ اور افتراء کی گنجائش نہیں ہے تو اس کلام میں جو کچھ فرمایا گیا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا حق ہے۔

نیز آدمیوں اور جنوں کے درمیان جو معاملہ جاری تھا کہ جنات آسمان پر آ کر عالم سفلی کی تدبیریں سُن کر آدمیوں کے سامنے ظاہر کرتے تھے اور اپنی ان معلومات کے مطابق لوگوں کی ضرورتوں میں مدد کرتے تھے اور آدمی بھی ان کی وساطت سے آئندہ حوادث کو پہلے پہچان لیتے تھے اور اپنے نفع ونقصان کی بنیاد ان پر رکھ کر تدبیر کرتے تھے اور جنات کی تعظیم وتوقیر حد سے زیادہ کرتے تھے کہ انسان کی حاجات ان کی وجہ سے پوری ہوتی ہیں اور جنات گویا ان کی طرف سے خود وکیل دربار بھی تھے اور جاسوس وایلچی بھی اور دونوں گروہ اس معاملے کے رواج پکڑنے کی وجہ سے بہت نفع لیتے تھے اس کے

marfat.com
Marfat.com

دگرگوں ہونے کی وجہ بیان کرنے میں حیرت کے طور پر جنات نے ذکر کیا ہے۔

وَاَنَّا لَانَدْرِیْ اور ہم نہیں جانتے کہ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ آیا زمین والوں اور سفلی جہان کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے کہ امور غیبیہ کے لین دین کے اس کاروبار کو ان سے روک دیا گیا ہے اور ترقی اور آسمان سے کسب فیض کی راہ بند کر دی گئی تا کہ ان کی حاجت روائی نہ ہو اور وہ آفتوں اور مصیبتوں میں گرفتار رہیں اور ان کی فریاد کو کوئی نہ پہنچے اور اپنے نفع ونقصان سے آگاہ نہ ہوں۔

اَمْ اَرَادَ بِھِمْ رَبُّھُمْ رَشَدًا یا ان کے پروردگار سے ان کے ساتھ راہ پانے کا ارادہ فرمایا ہے کہ جنات کی وکالت اور سفارت ختم ہو جائے اور ان کی جگہ پاک فرشتوں کی ارواح اور اولیاء اللہ اور شہداء ارواح طیبہ حکم الٰہی کے ساتھ یہ وکالت اور سفارت کریں اور آدمیوں کے آسمان پر ترقی اور وہاں کے امور غیبیہ کی حاصل کرنے کی راہ صاف ہو جائے اور درباری واقف کار اور خود پیش ہونے والے ہو جائیں اور خائن اور دغاباز وکیلوں کی ماتحتی سے رہائی پائیں کہ انسانی فطرت اصل میں اسی کا تقاضا کرتی ہے اور سیدھی راہ یہی ہے اور اس ترقی کی وجہ سے جو کہ نوع انسان کو حاصل ہوُ انسان کو وراثت میں ملنے والی خلافت کا معنی جو کہ ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی اس وقت پورا ہو جائے اور جنات جس طرح زمین کی خلافت سے معزول ہو گئے تھے' وکالت' سفارت اور حل مشکلات سے بھی معزول ہو جائیں اور جس چیز کی ان کے باپ نے بنیاد رکھی تھی' یہ سعادت مند بیٹا اسے پورا کرے اور انجام تک پہنچائے اور اپنے باپ کے حاسدوں سے واجبی انتقام لے اسی لیے جنات رشد کو شر کے مقابلے میں لائے ورنہ بظاہر شر کے مقابل خیر ہوتا ہے اور رشد کے مقابلے میں گمراہی۔

یہاں جاننا چاہیے کہ جنات نے اس کلام میں ادب کے ایک باریک نکتے کی رعایت کی ہے کہ ارادۂ شر کے بیان میں انہوں نے فعل کو مجہول کر دیا اور فاعل کا ذکر چھوڑ دیا اور ارادۂ رشد کے بیان میں فعل معلوم کا صیغہ لائے اور ربھم کو اس کا صریح فاعل کر دیا۔ انہوں نے خداتعالیٰ کی توفیق سے کیا خوب ادب کیا۔ نیز جنات اس کے بیان میں کہ

marfat.com

Marfat.com

ظاہر یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس معاملہ کو موقوف کرنے میں جو کہ آدمی اور جنات ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے' افرادِ انسانی کے راہ پانے بلکہ جنوں کے راہ پانے کا بھی ارادہ فرمایا ہے اور فی الواقع جنات وکالت اور سفارت کے لائق نہ تھے اور اس خدمت سے معزول ہونے کے مستحق تھے' انصاف کرتے ہوئے ذکر کیا:

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ اور یہ کہ ہمارے درمیان بعض درست لوگ تھے جن سے وکالت اور سفارت کی خدمت اچھی طرح سرانجام ہو سکتی تھی اور اس خدمت کے درست ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جہان غیب کہ دربار حقیقی وہی ہے کے حکم و احکام' اخبار اور واقعات کو کمی بیشی اور کسی تغیر وتبدل کے بغیر آدمیوں تک پہنچائیں اور اس میں اپنی طرف سے کچھ نہ ملائیں تاکہ جھوٹ راہ نہ پائے اور جھوٹ کی وجہ سے دربار کے بعض احکام اور خبریں آدمیوں کے نزدیک غیر معتبر قرار نہ پائیں اور وہ یہ نہ سمجھیں کہ جس طرح دنیوی تدبیروں اور خبروں میں صحیح اور غلط ہوتی ہیں' یہی صورت جہانِ غیب کی تدبیرات واخبار میں بھی واقع ہے اور بُرے اعتقاد اور جہالت وغیرہ میں گرفتار نہ ہوں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر اپنی عرض ومعروض سے کوئی کام یا حاجت پوری کریں یا کسی تدبیر کے ساتھ کسی بلا اور مصیبت کو دُور کریں' نخوت وتکبر کا دَم نہ بھریں اور خود کو حاکم دربار کا شریک نہ قرار دیں اور آدمیوں پر بڑائی اور بلندی نہ ڈھونڈیں اور ان سے اپنے لیے لوازم عبادت طلب نہ کریں اور وہ سمجھیں کہ ہم سب ایک مالک کے بندے ہیں' وہ بعض کو بعض کے کام میں مصروف کرتا ہے جو کچھ ہوا اس کی عنایت سے ہوا' فخر ومباہات کی کوئی جگہ نہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس وکالت اور سفارت کے مقابلے میں رشوت کا کاروبار نہ کریں اور اپنے لیے نذریں' ہدیے اور قربانیاں مقرر نہ کریں اور اگر آدمی وہ نذریں اور قربانیاں دینے میں دیر یا کوتاہی کریں تو انہیں ستانے کے درپے نہ ہوں اور جھگڑا نہ کریں اور ہم میں ان شرائط کے جامع بہت کم ملتے ہیں اور اس کے باوجود ہم میں سے بعض اس خدمت کی اہلیت رکھتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

وَمِنَّا دُوْنَ ذَالِكَ اور ہمارے درمیان اور گروہ بھی ہیں جو اس مرتبے سے پست تر ہیں اور اس خدمت کے قابل نہیں ہیں تو ان میں سے کچھ تو آدمیوں کو خوش کرنے یا انہیں دھوکہ دینے کے لیے اخبارِ غیب میں جھوٹ ملا کر پہنچاتے ہیں اس حد تک کہ ایک سچی بات کے ساتھ سو جھوٹی باتیں ملاتے ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے اور ان میں سے کچھ حاجب بر لانے اور کام سرانجام دینے کے بعد بہت نخوت و تکبر کرتے ہیں اور تعریف و خوشامد طلب کرتے ہیں اور محتاجوں سے اپنے لیے لوازم عبادت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود کو بھوانی درس' شیودرس' گر بخش اور اندر بخش کہلائیں اور ہمارے سوا دوسروں سے التجا نہ کریں بلکہ اپنے مالک کے رسولوں کی بھی پیروی نہ کریں جو کہ ہماری وساطت کے بغیر اس طرف سے کوئی پیغام پہنچاتے ہیں ورنہ ہم تمہاری وکالت سے دست بردار ہو جائیں گے اور تمہاری ضرورتیں پوری نہ ہوں گی۔

اور ایک اور گروہ والے جو کہ بہت طمع کرتے ہیں' ہر مطلب بر لانے اور ہر چیز کے پہنچانے میں بکری' بھیڑ' مرغ' مرغی' کپڑے' نقدی' پکوان' پھول' پان' گانا' رقص اور اپنی مدح خوانی کی قسم کی رشوت کی شرط کراتے ہیں اور اگر آدمی وہ شرط ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اپنے وہم و خیال کی قوت کی وجہ سے جس کا اثر کافی رکھتے ہیں' لوگوں کو بدنی یا مالی نقصان پہنچاتے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں سے ایک کی پسندیدہ چیزیں دوسرے کی پسندیدہ چیزوں کے مطابق نہیں ہوتیں اور ایک کی فرمائش دوسرے کی فرمائش کے موافق نہیں پڑتی اور انہوں نے حاجات اور مقاصد کو بھی اپنے پاس تقسیم کر رکھا ہے ایک نے چیچک کے مرض کو دُور کرنے کے لیے خود کو مقرر کر رکھا ہے تو دوسرا خون کی خرابی سے مزاج کی اصلاح کرنے کا کفیل ہوتا ہے۔

اور انہوں نے خبریں لانے کو بھی تقسیم کر رکھا ہے بلکہ گروہوں' ریاستوں اور شہروں کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے۔ پس اس جہت سے کنا طرآئق قددًا ہم مختلف قسم کی راہیں رکھتے تھے اور باہمی نفاق' طمع' حسد' غرور اور شرکت کے دعویٰ کی وجہ سے ہم اس

marfat.com
Marfat.com

خدمت کی اہلیت سے دُور جا پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے عین حکمت کا اظہار فرمایا کہ ہمیں اس خدمت سے معزول فرما دیا اور دربار میں آنے سے روک دیا اور بنی آدم کی ضروریات کو ہم سے پھیر کر ان میں سے بعض کو بلاواسطہ اپنا روشناس کر دیا تاکہ وہ بعض دوسروں کی حاجات کو عرض معروض کے ساتھ پورا کریں اور نفع دینے والی غیبی خبریں جو کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آدمیوں کے کام آئیں' کسی تغیر وتبدل کے بغیر ان تک پہنچائیں اور جو چیزیں نقصان دہ ہیں' ان سے ڈرائیں اور جو چیزیں کہ نفع بخش ہیں' ان کی ترغیب دیں اور اپنے آپ کو درمیان میں صرف سفیر قرار دیں اور آدمیوں کی صلاحیتوں اور ہمتوں کو کسی واسطے اور کسی برزخ کے بغیر اپنے مالک کی طرف متوجہ کریں اور اس بات پر ان سے کوئی رشوت' نذر اور مزدوری نہ لیں اور ان میں سے ایک کو ان کا سرکردہ بنا دیا اور اپنی مرضی کے مطابق اس خدمت کے قوانین کلیہ اس کے لیے لکھ کر اپنے کلام میں نازل فرمائے تاکہ اس کے مطابق عمل کرے اور دوسروں کو بھی ان قوانین پر مطلع کرے تاکہ ان قوانین کے عمل کے وسیلے سے اس منصب کی اہلیت پیدا کرے اور ان کے گروہ میں سے صدی بعد صدی اور طبقہ بعد طبقہ اس اعزاز کا حامل پیدا ہوتا رہے بلکہ جنات کو بھی ان قوانین پر مطلع کر دیا' ان کی وکالت اور سفارت کی بھی رسم اور طرح ڈالی تاکہ ایک دوسرے کی مدد کرتا رہے اور اپنے مالک کے حضور روشناس اور پیش ہونے والے ہو اور آدمی اور جن کے دونوں گروہ اصلاح پذیر ہوں اور شرک وفساد سے نجات پائیں۔

## آدمیوں کے مختلف مذاہب جنات میں بھی ہیں

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ آدمیوں کے درمیان پائے جانے والے تمام مذاہب کا جنات میں بھی رواج ہے' ان میں سے بعض قدریہ ہیں' بعض جبریہ اور بعض روافض ہیں' بعض ہندو اور بعض یہودی ہیں' بعض نصرانی اور مجوسی وغیرہ۔ پس ہر مذہب والے خواب اور بے داری میں آدمیوں پر اپنے مذہب کے موافق خبریں القاء کرتے ہیں اور آدمی سمجھتے ہیں کہ اس مذہب کی تصدیق عالم غیب سے ہوگئی اور زیادہ گمراہ ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہر مذہب کے جنات حاجات' مہمات اور بلائیں دُور کرنے

marfat.com
Marfat.com

میں اپنے مذہب والوں کی امداد و اعانت کرتے ہیں تاکہ آدمیوں میں سے اس مذہب والے جانیں کہ اس مذہب کی عالمِ غیب میں بھی وقعت ہے کہ ہماری حاجات پوری کی جا رہی ہیں اور ہماری بلائیں دُور کی جا رہی ہیں۔ پس آدمیوں اور عالمِ غیب میں اس گروہ کی سفارت آدمیوں میں بھی اور خود جنوں میں بھی گمراہیوں اور قباحتوں کے پختہ ہونے کو لازم کرنے والی تھی لہٰذا اس کاروبار کو ایک دَم غیر معتبر قرار دے دیا گیا۔

اور اگر کوئی شبہ کے طور پر یہاں کہے کہ اس معاملے کو دگرگوں کرنے' اس کارخانے کو معطل کرنے اور جنات کو اس کام سے معزول کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوا اس لیے یہ ساری چیزیں اب بنی آدم میں مروج ہیں اور کسی نہ کسی طرح ان سے امورِ غیبیہ کا علم اور مشکل مہمات میں امداد طلب کرتے ہیں اور شرک اور تقرب الی غیر اللہ کا ارتکاب پوری طرح کرتے ہیں۔

تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ معزول کو مقرر سمجھنا' اس کے مکر و فریب سے دھوکہ کھانا اور اس کی طرف رجوع کرنا اپنا قصور ہے' آدمیوں کو چاہیے تھا کہ جیسے ہی اس گروہ کے معزول ہونے کی خبر سنی تھی' ان کی طرف رجوع کرنے سے بالکل دست بردار ہو جاتے جس وکیل کو دربار سے دُھتکار دیا گیا' در آنے سے منع کر دیا گیا ہو پھر اسے اپنے کاموں کا مرجع اور سوال و جواب کا وسیلہ بنانا' انتہائی حماقت اور نادانی ہے۔ قرآن مجید میں ایک ہزار سے زیادہ مقامات پر مکلفین کے لیے اس معزول اور معطلی کی اطلاع مذکور ہے اگر سنے کو اَن سنا اور دیکھے کو نا دیکھا سمجھیں تو ہدایتِ تبلیغ کا کیا قصور؟

ہم یہاں آئے کہ اگر ان سے یہ خدمت موقوف کر دی گئی تھی پھر انہیں عالم غیب میں دخل دینا کہ وہاں کی خبروں پر اطلاع بھی پائیں اور امداد و اعانت بھی کر سکیں' کیوں روا رکھا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ عالمِ غیب کی خبروں پر مطلع ہونا جنات کی پیدائش کے لوازمات میں ہے اور اسی طرح دشوار کاموں اور بشری طاقت سے باہر تاثیرات پر قادر ہونا اور انسانی بدن اور انسانی روح کو جسمانی تکالیف اور وسوسے ڈال کر دگرگوں کرنا جنات کی خلقت کے لوازمات میں سے ہے اگر علم و عمل کی یہ دونوں زیادتیاں

marfat.com
Marfat.com

ان سے سلب کر لی جاتیں تو جنات کا نشأ جنسیہ سے نکل جانا لازم آتا اور اس سفارت اور وکالت کی خدمت سے معزولی اس محرومی کا تقاضا نہیں کرتی بلکہ معزول کرنے سے غرض یہی ہے کہ بنی آدم کے گروہ پھران کی طرف رجوع نہ لائیں اور ان سے امداد اور علم طلب نہ کریں اگرچہ وہ علم دینے اور مدد کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔

اور اس کے باوجود اس کارخانے کو معطل کرنا اور انہیں خدمت سے معزول کرنا بہت مفید ہوا کہ لاکھوں آدمی ان کے شر اور مکروفریب سے رہائی پا گئے اگرچہ ابھی تک ان میں سے بعض اسی بھنور میں گرفتار ہیں کہ افرادِ بنی آدم سے ہر فرد کی ہدایت منظور ہے نہ حکمت کا تقاضا۔ نیز جنات نے اس کلامِ الٰہی کو سنتے ہی مطیع ہو جانے کی جلدی اور اس کلام کی وجہ سے اپنی قوم کی اس عمدہ خدمت سے معزولی کے باوجود اس کلام سے صبر نہ کرنے اور اس کی ممانعت اور دشمنی کی راہ اختیار نہ کرنے جو کہ جنوں اور انسانوں میں سے ہر عاقل غیر معصوم کی طبیعت کا تقاضا ہے' کی وجہ میں ذکر کیا ہے کہ:

وَاَنَّا ظَنَنَّآ اور یہ کہ ہم نے گمان کیا کہ اگر ہم اس کلام پر ایمان نہ لائیں اور اپنے پروردگار کی عبادت میں مصروف نہ ہوں اور اس خدمت سے اپنی معزولی پر راضی نہ ہوں تو ہمارا پروردگار ہم پر ضرور ناراض ہوگا اور ہمیں مواخذہ فرمائے گا اور ایسی صورت میں ہمیں غالب گمان ہے کہ

اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ ہم اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے' زمین میں تاریک مکانات' گھنے جنگلوں' پہاڑوں کی غاروں اور تنگ وادیوں میں چھپ کر جس طرح کہ ہم منتر پڑھنے والوں اور موکلوں کو عاجز کر دیتے ہیں۔ نیز

وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا اور ہم اسے فضا میں بھاگ جانے کی وجہ سے ہرگز عاجز نہیں کر سکیں گے جس طرح کہ شعلے پھینکتے وقت ہم فرشتوں کو عاجز کر دیتے ہیں اور یہاں مقامِ یقین کے باوجود جنات گمان کا لفظ اس لیے لائے کہ کلام اللہ کی تصدیق اور خدمات سے معزولی اور تعیناتی کے احکامِ الٰہی کو قبول کرنے میں گمان غالب بھی کفایت کرتا ہے' پکے یقین کی حاجت نہیں جیسا کہ مخلوقات کے درمیان معاملات میں بھی یہی رائج ہے کہ جب

marfat.com
Marfat.com

کسی کے مقابلے میں اپنے عاجز ہونے کا گمان غالب ہو جائے تو اس کے مطیع ہو جاتے ہیں اور پختہ یقین کے حاصل ہونے کے انتظار میں نہیں رہتے ورنہ کام معطل ہو جائیں اور تدبیر و تدارک کا وقت گزر جائے۔ چہ جائیکہ یہاں پختہ یقین بھی ہے اور اسی لیے جنوں نے ذکر کیا ہے:

وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ اور یہ کہ جیسے ہم نے اس قرآن میں ہدایت کی بات سنی کسی مہلت کے بغیر اس پر ایمان لے آئے اس لیے کہ اگر سننے کے بعد ہم دیر اور تاخیر کرتے تو ہمیں غضبِ الٰہی کا خطرہ تھا اور ہم اس کے غضب کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے تھے اور اگر قوم کے لوگ ہمیں کہیں کہ اگر چہ تم جلدی ایمان لانے میں خدا کی ناراضگی کے خطرے سے کہ جس کا گمان اور توقع تھی بچ گئے لیکن تمہیں آدمیوں سے ملنے والی نذر و نیاز اور فتوح کا نقصان ہوا جو کہ وہ اپنی وکالت کی رشوت میں تمہیں دیتے تھے۔ نیز تمہیں بہت ذلت اور بے عزتی لاحق ہوئی کہ اس طرح کی عمدہ خدمت تم سے چھڑا لی گئی اور تم نے اسے بحال کرانے میں ہاتھ پاؤں نہ مارے اور چپ کر کے بیٹھ گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس چیز سے ہمیں کوئی ڈر نہیں اس لیے کہ ایمان نے ہمیں ان تمام چیزوں سے بے خوف کر دیا۔

فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لائے تو وہ نہ مال کے نقصان اور نہ ہی ذلت و بے حرمتی اور نقصان آبرو سے ڈرتا ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ اس ایمان کی برکت سے اس نقصان کے بدلے دوسرے طریقوں سے اموال کو زیادہ اور ثواب کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور اس ذلت اور بے حرمتی کے بدلے کئی دوسری وجوہ سے ہمیشہ کی عزت اور مرتبہ عطا فرماتا ہے اور عرب کی اصطلاح میں رہق ذلت لاحق ہونے کو کہتے ہیں جو کہ کپڑے کی طرح آدمی کے سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا ہے وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ

نیز جنات نے ان قوی اسباب اور قادر و توانا کے مواخذے کے اس خوف کے باوجود کہ کسی وجہ سے اس کے ہاتھ سے رہائی اور چھٹکارا ممکن نہیں ہے اپنی تمام جماعت

marfat.com
Marfat.com

کے اس قرآن پاک پر ایمان نہ لانے سے تعجب کے مقام میں ذکر کیا ہے۔

وَاَنَّامِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ اور یہ کہ ہمارے گروہ میں سے بعض حکم الٰہی کی اطاعت کرنے والے ہیں اور انہوں نے اس عظیم خدمت سے اپنی معزولی پر راضی ہو کر اپنے مالک کی اطاعت کر کے سر تسلیم خم کرنے کی راہ اختیار کی ہے اور وہ اس کلام پر ایمان لائے اور اس معاملے سے دست بردار ہو گئے جو کہ آدمیوں کے ساتھ رکھتے تھے بلکہ کمال انصاف کے طور پر انہوں نے آدمیوں کو اپنی آوازوں کے ساتھ اس خدمت سے اپنی معزولی کی خبر دی اور وہ خود پیغمبر زماں صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو گئے اور ان کی اتباع کو لازم شمار کیا اور جزیرۂ عرب میں سکونت پذیر بے شمار جنات نے یہی وتیرہ اختیار کیا اور اس باب میں تواتر کے ساتھ ان سے بے شمار واقعات منقول ہیں۔

## جنات کے ایمان لانے کے واقعات

(۱) ان میں سے یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت آئی کہ ایک دن میں اپنے بتوں کے پاس حاضر تھا' اچانک ایک شخص بتوں کی نذر کے لیے گائے کا بچھڑا لایا اور اس نے اسے ذبح کیا۔ ایک بت کے پیٹ سے نہایت بلند آواز کہ میں نے ایسی آواز کبھی نہ سنی' ہر خاص و عام نے سنی کہ وہ کہہ رہا تھا یاجلیح امر نجیح رجل یصیح یقول لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اے مرد قوی! ایک ایسا امر پیش آیا ہے جس میں کامیابی ہے۔ ایک مرد بلند آواز سے کہتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سنتے ہی بھاگ گئے اور میں وہیں قائم رہا تا کہ اس آواز کی حقیقت معلوم کروں۔ دوسری بار میں نے یہی آواز سنی' تیسری بار بھی سنی اور میں حیرت میں رہا یہاں تک کہ لوگوں نے خبر پہنچائی کہ یہاں ایک پیغمبر ظاہر ہوا ہے جو کہ لوگوں کو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین فرماتا ہے۔

(۲) اور اسی قسم کا واقعہ ایک اور بوڑھے سے امام مجاہد نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میں ایک گائے کو ہانک کر لے جا رہا تھا' اچانک میں نے ایک آواز سنی کہ یاالذریح قول فصیح رجل یصیح ان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جب میں شہر مکہ میں پہنچا تو میں نے نا

marfat.com
Marfat.com

کہ یہاں ایک رسول علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں جو کہ یہ کلمہ شریف پڑھتے ہیں۔

(۳) اور بیہقی' حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے دور میں جنات میں سے میرا ایک شناسا تھا جو کہ مجھے آئندہ کی خبریں پہنچاتا تھا اور میں لوگوں سے کہہ دیتا اور اس ذریعے سے مجھے نذر و فتوح بہت ملتی تھی اور اس کی ساری خبریں مطابق واقعہ نکلتی تھیں اچانک میں ایک رات سو رہا تھا کہ وہ جن آیا اور اس نے کہا کہ اُٹھ! سمجھ اور عقل کر اگر تجھے کوئی شعور ہے۔ لوئی بن غالب کے قبیلے سے ایک پیغمبر ظاہر ہوا پھر اس نے یہ چند بیت پڑھے۔ عجبت للجن وارجاسها وشدهن العيس باحلاسها یعنی میں جنوں کے حال اور ان کی بے چینی سے تعجب کرتا ہوں اور ان کا اونٹوں پر زین کسنا تاکہ سفر کریں۔ تهوى الى مكة' تبغى الهدى' ما مومنو ها مثل ارجاسها مکہ کی طرف ہدایت طلب کرنے کے لیے جاتے ہیں' ایمان والے جن ان کے ناپاکوں کی طرح نہیں ہیں۔ فانهض الى الصفوة من هاشم' واسمر بعينيك الى راسها تو بھی بنی ہاشم کی برگزیدہ شخصیت کی طرف جا اور اپنی دونوں آنکھوں کو قبیلے کے سردار کی طرف اُٹھا۔

میں یہ ابیات سُن کر بے دار ہوا اور ساری رات تشویش میں رہا یہاں تک کہ وہ اسی طرح دوسری رات آیا اور اس نے مجھے بے دار کیا اور یہی ابیات پڑھ کر چلا گیا پھر تیسری رات بھی اس نے یہی عمل کیا جب مسلسل تین رات میرے ساتھ یہی اتفاق ہوا تو میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوگئی اور میں مکہ شریف کی طرف روانہ ہوگیا یہاں تک کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں پہنچ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی آپ نے فرمایا مرحبا اے سواد بن قارب! میں جانتا ہوں کہ تجھے یہاں کونسی چیز لائی ہے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کی شان میں چند اشعار کہے ہیں' پہلے وہ شعر سُن لینا چاہیے۔ فرمایا پڑھو! سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی نعت میں اپنا قصیدۂ بائیہ پڑھ ڈالا جس کا آخری بیت یہ ہے ؎

وكن لى شفيعا يوم لا ذو شفاعة

سواك بمغن عن سواد بن قارب

marfat.com

Marfat.com

یارسول اللہ! آپ اس دن میرے شفیع ہوں جس دن آپ کے سوا کوئی شفاعت کرنے والا سواد بن قارب کے کام نہیں آئے گا۔

(۴) نیز بیہقی نے روایت کی ہے کہ میں مازن طائی ملک عمان میں خدمت پر مقرر تھے' بتوں میں سے ایک بت تھا جسے فاجر کہتے تھے' مازن کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے اس بت کے لیے ایک جانور ذبح کیا اچانک ایک آواز بت کے پیٹ سے سنائی دی کہ کوئی کہہ رہا ہے:

**یامازن اقبل الی اقبل** اے مازن! آ میری طرف آ۔ **لتسمع مالایجهل** تا کہ تو وہ سنے جس سے ناواقفیت درست نہیں۔

ہذا نبی مرسل یہ نبی ہے بھیجا گیا جاء بحق منزل حق لے کر آیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا۔

فَاٰمِنْ بِهٖ کے تعدل پس اس پر ایمان لا تا کہ تو کنارہ کرے **عن حر نار تشعل** اس آگ کی گرمی سے جو کہ شعلے مارتی ہے۔ وقودہا بالجندل جس کا ایندھن پتھر ہیں۔

مازن کہتے ہیں کہ میں اس آواز سے بہت متعجب ہوا اور میں نے ایک مرتبہ پھر ذبیحہ ادا کیا تو پھر زیادہ وضاحت سے سنا کہ کہہ رہا تھا **یا مازن اسمع تسر خیر ظهروبطن شر بعث نبی من مضر بدین الله الاکبر فدع نحیتا من حجر تسلم من حر سقر۔**

اے مازن! سن تا کہ تو خوش ہو' خیر کا ظہور ہوا اور شر چھپ گیا۔ قبیلہ مضر سے اللہ کے دین کے ساتھ نبی مبعوث فرمایا گیا ہے پس تو پتھر سے تراشا ہو بت چھوڑ دے تا کہ تو دوزخ کی آگ سے سلامت رہے۔

مازن کہتے ہیں کہ میں اس وقت سے مضر سے مبعوث ہونے والے پیغمبر کی خبر کی تلاش میں سرگرم تھا یہاں تک کہ حجاز سے ایک قافلہ آیا' میں نے ان سے پوچھا کہ وہاں کی کیا خبر ہے؟ انہوں نے کہا کہ ملک تہامہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جسے احمد کہتے ہیں اور وہ خود کو داعی الی اللہ ظاہر کرتا ہے' میں سمجھ گیا کہ اس آواز کی تعبیر یہی ہے۔ میں سواری

marfat.com
Marfat.com

اور سفر کے اسباب تیار کر کے مکہ شریف کی طرف روانہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہی میرا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور میں اسلام لے آیا۔ آپ نے فرمایا کوئی اور مطلب ہو تو کہو؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے تین مطلب ہیں۔ ایک کہ میں تماش بین آدمی ہوں' گانے بجانے' شراب نوشی اور بُرے کام کا بہت شوق رکھتا ہوں۔ دوسرا یہ کہ بے اولاد ہوں' اولاد کا شوق رکھتا ہوں۔ تیسرا یہ کہ ہمارے ملک میں سخت قحط واقع ہوا ہے' آپ سے دعا کا طالب ہوں۔ آپ نے ان تینوں مطالب کے بارے میں فرمایا کہ بارِ خدایا! گانے بجانے کے بجائے اسے تلاوتِ قرآن پاک کی توفیق عطا فرما اور بدکار عورتوں کے بجائے حلال عورتیں عطا فرما اور اسے شرم و حیا نصیب فرما اور اولاد بھی عطا فرما۔ مازن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان ساری چیزوں کو مجھ سے دُور کر دیا اور ہمارا ملک آباد اور سرسبز ہو گیا اور چار خوب صورت خواتین میرے عقد نکاح میں آئیں اور مجھے حیان بن مان لائق بیٹا عطا فرمایا۔

(۵) اور امام احمد نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے' ابونعیم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے اور بیہقی اس واقعہ کو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ و عن آباءٔ الکرام واخلافہ العظام سے لائے کہ مدینہ عالیہ میں پہلے پہل جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پہنچی اس انداز سے تھی کہ اہلِ مدینہ کی ایک عورت کا جنوں میں سے ایک شخص سے تعلق تھا' وہ جن ہر رات اس کے ہاں آتا تھا اور اکثر ایک پرندے کی شکل میں ایک دیوار پر آ کر بیٹھ جاتا اور جب تنہائی ہو جاتی تو اپنے آپ کو آدمی کی شکل میں کر لیتا اور اس عورت کے ساتھ رہتا اچانک چند دنوں سے اس کی آمد و رفت رُک گئی اور ایک مدت کے بعد ایک جانور کی شکل میں آ کر دیوار پر بیٹھ گیا اس عورت نے کہا ادھر آ' تجھے کیا ہو گیا کہ تو اتنی مدت نہیں آیا۔ اس نے کہا اب تجھ سے رخصت ہے ہمارے آنے کی توقع مت رکھنا اس لیے کہ شہر مکہ میں ایک پیغمبر تشریف لایا ہے جس نے ہم پر بدکاری حرام کر دی ہے۔

(۶) اور حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی واقعہ کی مانند جو

marfat.com
Marfat.com

آپ نے ملک شام میں دیکھا تھا' روایت کی ہے۔ چنانچہ ابونعیم نے ان سے نقل کی ہے کہ ایک دفعہ ہم شام کے علاقے میں تھے اور اس علاقے میں ایک کاہنہ عورت تھی جو کہ اس فن میں شہرت رکھتی تھی' ہم بھی اس سے ملاقات کے لیے گئے اور اس سے اپنے سفر کے انجام کے متعلق پوچھا اس نے کہا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ جس جن کا مجھ سے رابطہ تھا اور میں اس سے پوچھ کر سوال کا جواب دیتی تھی ایک دن آ کر میرے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اب رخصت ہے۔ میں نے کہا کیوں؟ اس نے کہا خرج احمد جاء امر لایطاق یعنی حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور ایسا حکم آ گیا جو کہ مشکل ہے۔ ازاں بعد چلا گیا اور پھر نہیں آیا۔

(۷) اور ابن شاہین اور دوسرے محدثین نے ذباب بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنات میں سے میرا بھی ایک شناسا تھا جو کہ غیب کی خبریں پہنچاتا تھا۔ ایک دن وہ آیا' میں نے اس سے کچھ پوچھا اس نے میری طرف حسرت سے دیکھا اور کہا یاذباب یاذباب اسمع العجب العجاب بعث محمد بالکتاب یدعو بمکۃ فلایجاب یعنی اے ذباب! ایک عجیب بات سُن (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں' مکہ شریف میں دعوت دیتے ہیں لیکن لوگ ان کی دعوت قبول نہیں کرتے۔ میں نے کہا' کیا کہتا ہے سوال کوئی جواب کوئی اس نے کہا تجھے سمجھ آ جائے گی اور اُٹھ کر چلا گیا' چند دن نہ گزرے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کی خبر پہنچ گئی۔

(۸) اور عمر بن شیبہ نے جموع بن عثمان غفاری سے بھی اسی قسم کا واقعہ روایت کیا ہے کہ بنی غفار کے قبیلے میں ایک کاہن کو اس کا جن دوست جواب دے گیا اور چھوڑ گیا۔

(۹) نیز ابونعیم نے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا' آپ نے اس سے پوچھا کہ تیری شکل وصورت سے یوں پتہ چلتا ہے کہ تو کاہن رہا ہے اور تجھے جنات سے صحبت رہی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا اب کہو کہ کیا اب بھی تجھے جنات کی صحبت کا اتفاق ہوتا ہے اس

marfat.com

Marfat.com

نے کہا نہیں! دین اسلام کے رائج ہونے سے پہلے ایک دن میرے مصاحب جنات میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا یاسالم یاسالم الحق المبین والخیر الدائم غیر حلم اے سالم واضح حق اور خیر دائم کی جلوہ گری ہوئی' کوئی خواب نہیں۔ اللہ اکبر

(۱۰) ایک شخص اس مجلس میں حاضر تھا اس نے کہا کہ مجھے بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا کہ میں ایک دن جنگل کے چٹیل میدان سے گزر رہا تھا اور دائیں بائیں کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ اچانک ایک شتر سوار میرے سامنے نمودار ہوا اور بلند آواز سے کہنے لگا یا احمد! یا احمد! الله اعلی وامجد اتاك ماوعدك من الخیر یا احمد! اے احمد' اے احمد! اللہ اعلیٰ اور بہت بزرگی والا ہے' اے احمد تیرے پاس وہ خیر آ گئی جس کا اس نے تجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور پھر نظر سے چھپ گیا۔

(۱۱) انصار میں سے ایک اور شخص بھی مجلس میں حاضر تھا' اس نے کہا کہ میرے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا کہ میں شام کے علاقے میں گیا ہوا تھا' ایک دن میں بے آب وگیاہ علاقے سے گزر رہا تھا کہ اچانک پچھلی سمت سے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا تھا۔

قد لاح نجم فاضاء مشرقه یخرج من ظله عرف مولقه ذاك
رسول مفلح من صدقه الله اعلی امرہ وحققه

ستارہ ظاہر ہوا پس اس کا مشرق روشن ہوا اس کے سائے سے خوشبو نکلتی ہے' وہ رسول ہے۔ جس نے اس کی تصدیق کی بامراد ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا کام اونچا اور اسے سچا فرمایا۔

(۱۲) نیز فاکہی نے اخبار مکہ میں عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے' ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور دوسرے محدثین نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ ایک دن ایک جن نے جبل ابوقبیس پر سخت آواز کی اور اسلام کی ہجو میں چند بیت پڑھے کہ مسلمانوں کو جلد قتل کر دینا چاہیے اور شہر بدر کر دینا چاہیے اور بت پرستی کو چھوڑا نہ جائے۔ کافر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے

marfat.com
Marfat.com

مسلمانوں سے کہا کہ دیکھو غیب سے بھی تمہارے قتل اور تمہیں شہر بدر کرنے کا حکم آ گیا' مسلمان بہت پریشان اور غمگین ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے' آپ نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو کہ یہ آواز کرنے والا مسعر نامی ایک شیطان تھا' اسے اللہ تعالیٰ عنقریب سزا دے گا جب تیسرا دن ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ آج ایک قوی ہیکل جن سمج نامی میرے پاس آیا اور مسلمان ہوا اور میں نے اس کا نام عبداللہ رکھا اس نے مجھ سے مسعر کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی اور میں نے اسے اجازت دے دی' آج مسعر مارا جائے گا۔ مسلمان بہت خوش ہو کر منتظر رہے' شام کے وقت اسی مقام سے انہوں نے سخت آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے:

نحق قتلنا مسعرا۔ لما طغی واستکبرا۔ وصغر الحق وسن المنکر۔ بسبه نبینا المطهرا

اوردته سیفا جزوفا مبترا۔ انا نزدو من اراد البطرا

یعنی ہم نے مسعر کو قتل کر دیا جب اس نے سرکشی اور تکبر کیا اور حق کو گھٹایا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر کے بُرا طریقہ جاری کیا۔ میں نے نہایت تیز اور کاٹنے والی تلوار کے ساتھ اس پر وار کیا۔ بے شک ہم نافرمانی کرنے والے کو یونہی تباہ کرتے ہیں۔

(۱۳) اور ابن سعد نے کتاب شرف المصطفیٰ میں جندل بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یارسول اللہ! جنات میں سے میرا ایک دوست تھا جو کہ مجھے غیب کی خبریں پہنچاتا تھا' ایک دن بہت بے چینی کے ساتھ آیا اور اس نے مجھے بیدار کیا اور کہنے لگا ھب فقد لاح سراج الدین لصادق مھذب امون فارحل علی باذل امون تمشی علی الصحصح والحزون بے دار ہو۔ پس بے شک دینِ حق کا چراغ روشن ہوا' ایک سچے بے عیب کے لیے۔ پس تو نو برس کے طاقت ور اونٹ پر سفر کر تجھے نرم سخت زمین پر چلنا ہے' میں یہ مسجع کلام سن کر خوف زدہ ہو کر اُٹھ بیٹھا اور میں نے کہا کہ کیا بات ہے' صاف

marfat.com
Marfat.com

صاف کہہ۔ اس نے کہا:

وساطح الارض و فارض الفرض لقد بعث محمدفي الطول
والعرض نشأ في الحرمات العظام وهاجر الى الطيبة الامينه

مجھے زمین بچھانے والے اور فرض لازم کرنے والے کی قسم! طول وعرض میں البتہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے' عظیم عزتوں میں پروان چڑھے اور پاک اور امن والے شہر کی طرف ہجرت فرمائی۔

میں مدینہ عالیہ کی طرف روانہ ہوگیا اور راستے میں پھر ایک ہاتف نے آواز دی یاایها الراکب المزجي مطيته نحوالرسول لقد وفقت للرشد اے سوار! اپنی سواری کو رسول علیہ السلام کی طرف چلانے والے تجھے کامیابی کی توفیق بخشی گئی ہے۔

(۱۴) اور ابن الکلبی نے عدی بن حاتم سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ بنوالکلب کے قبیلے سے میرا ایک نوکر تھا جسے حابس بن دغنہ کہتے تھے۔ ایک دن میں اپنے گھر کے باہر بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک دیکھتا ہوں کہ وہ مرعوب اور حواس باختہ ہو کر آ رہا ہے' میں نے کہا تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ اپنے یہ اونٹ میری سپرداری سے لے لیں اور مجھے نوکری سے معافی دیں۔ میں نے کہا کیا ہوا؟ کیا میری طرف سے کوئی حق تلفی ہوئی ہے؟ کہنے لگا نہیں! لیکن مجھے ایک واقعہ پیش آیا ہے کہ میں آپ کے اونٹوں سمیت چراگاہ میں گیا ہوا تھا' اچانک میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ پہاڑ کے درے سے باہر آیا اس کا سر اُلو کے سر کی طرح تھا اور اس کے طول وعرض کی کوئی حد نہ تھی اس حد تک کہ اس کا سر پہاڑ کی چوٹی تک پہنچا ہوا تھا اور اس کا ہر پاؤں پہاڑ کے دامن میں۔ اور اس نے مجھے آواز دی اور کہا یاحابس بن دغنه ياحابس لايعرضن لك الوساوس هذا سناالنور بكف القابس فاجنح الى الحق ولا تواجس یعنی اے حابس! تجھے وسوسے پیش نہیں آنے چاہئیں' یہ نور کی روشنی ہے' ایک مشعل والے کے ہاتھ میں۔ پس حق کی طرف مائل ہو اور دل میں کوئی اندیشہ مت کرنا۔ یہ کہا اور غائب ہو گیا' میں ڈر کی وجہ سے اونٹوں کو گھیر کر دوسری چراگاہ میں لے گیا اور ایک درخت کے نیچے آرام کرنے

marfat.com

Marfat.com

کے لیے لیٹ گیا جیسے ہی میری آنکھیں خواب آلود ہوئیں کہ اچانک ایک شخص نے مجھے اپنے پاؤں کے ساتھ ٹھوکر ماری' میں بے دار ہوا' دیکھا کہ وہی بوڑھا ہے اور کہہ رہا ہے یا حابس! اِسْمَعْ مَا قَوْلُ ترشد لیس ضلول حائر کمهتد لاتترکن نهج الطریق الاقعد قد نسخ الدین بدین احمد یعنی اے حابس! میں جو کچھ کہتا ہوں اسے سُن تا کہ تو راہ پائے' گمراہ حیرت والا' راستہ پانے والے کی طرح نہیں ہے' سیدھی راہ پر چلنا ترک مت کر' تحقیق ہر دین حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔

(۱۵) اور ابونعیم اور ابن عساکر نے قبیلۂ بنی خثیم کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ عربوں کا قاعدہ یہ تھا کہ حلال و حرام کو پہچانتے نہیں تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے اور اگر آپس میں کوئی جھگڑا اور اختلاف پڑ جاتا تو اس کے فیصلے کے لیے بتوں کے پاس حاضر ہوتے اور ندائے غیبی کے طور پر بتوں کے شکم سے جو کچھ سنائی دیتا' اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ ہم بھی رات کے وقت نذریں اور قربانیاں گزارنے کے بعد ایک بت کے پاس بیٹھے غیبی آواز کے منتظر تھے اچانک بت کے پیٹ سے آواز آئی کہ یاایها الناس ذوی الاجسام۔ ومسند الحکم الی الاصنام۔ ما انتم وطائش الاحلام۔ هذا نبی سید الانام۔ اعدل ذی حکم من الحکام۔ یصدع بالنور وبالاسلام ویمنع الناس عن الاثام اے لوگو! جو کہ بتوں کے پاس فیصلے کے لیے جاتے ہو' تمہیں کیا ہے کہ بے وقوف ہو گئے ہو؟ یہ رسول علیہ السلام ہیں جو کہ تمام مخلوقات کے سردار ہیں اور حاکموں میں سب سے زیادہ انصاف کرنے والے ہیں' نور اور اسلام کو ظاہر فرماتے ہیں اور لوگوں کو گناہوں سے منع فرماتے ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی ہم سب بھاگ گئے اور منتشر ہو گئے اور یہ واقعہ ہر محفل میں بیان ہونے لگا یہاں تک کہ ہمیں خبر پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف میں پیدا ہوئے پھر آپ نے مدینہ عالیہ کی طرف ہجرت فرمائی' ہم حاضر آئے۔

(۱۶) اور بزار' ابونعیم اور ابن سعد نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت

marfat.com
Marfat.com

کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے ہم موضع بوانہ میں ایک بت کے پاس بیٹھے تھے اور ایک شتر اس بت کی نذر کے لیے ذبح کیا ہوا تھا کہ اچانک ہم نے بت کے شکم سے ایک آواز سنی کہ کہتا ہے الا اسمع الی العجب ذھب استراق السمع بالوحی ویرمی بالشھب لنبی بمکۃ اسمه احمد مھاجرہ الی یثرب یعنی خبردار ایک عجیب بات سنو! وحی آنے کی وجہ سے آسمانی خبروں کی چوری ختم ہوگئی اور جنات کو آتشیں شعلوں سے مارا جاتا ہے۔ مکہ شریف میں ایک نبی کی تشریف آوری کی وجہ سے جن کا نام احمد ہے' جن کی جائے ہجرت یثرب ہے (یہ مدینہ عالیہ کا ہجرت سے پہلے نام ہے جسے حضور علیہ السلام نے بدل دیا اور فرمایا یہ طیبہ ہے اب اسے یثرب کہنا جائز نہیں) جبیر کہتے ہیں کہ ہم حیرت زدہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور چند دنوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر عام ہوگئی۔

(۱۷) نیز ابونعیم نے تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں شام میں تھا جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ میں نے اپنے بعض کاموں کے لیے سفر کیا' دورانِ سفر مجھے رات ہوگئی' عربوں کے قدیم دستور کے مطابق جنوں کے ڈر سے میں نے اس جنگل میں باآواز بلند یوں کہا انافی جوار عظیم ھذا الوادی میں اس وادی کے سردار کی پناہ میں ہوں۔ اچانک میں نے سنا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے اور میں اسے دیکھ نہیں رہا ہوں کہ عذباللہ فان الجن لایجیر علی اللّٰہ احدا یعنی خداتعالیٰ کی پناہ لے اس لیے کہ جنات میں اتنی ہمت نہیں کہ حکمِ خداوندی کے بغیر کسی کو پناہ دیں۔ میں نے کہا تو کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے کہا بیت قدخرج رسول الامیین وصلینا خلفه بالحجون فاسلمنا واتبعناہ وذھب کیدالجن رمیت نانطلق الی محمد رسول رب العالمین فاسلم یعنی عربوں کا رسول علیہ السلام ظاہر ہوا ہے' ہم نے ان کے پیچھے حجون میں جو کہ مکہ معظمہ کا ایک محلہ ہے' نماز پڑھی ہے۔ پس ہم اسلام لائے اور ان کی پیروی کی اور جنات کا فریب ختم ہوا اور انہیں شعلے مارے گئے۔ پس تو پروردگار عالمین کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آ۔ تمیم

marfat.com
Marfat.com

کہتے ہیں کہ جب صبح ہوئی' میں روانہ ہوا اور ایک شہر میں پہنچا۔ میں نے ایک راہب کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا اس نے کہا کہ جنات نے تیرے سامنے صحیح بات کی۔ حرم سے ایک رسول ظاہر ہوگا اور دوسرے حرم کی طرف ہجرت کرے گا' وہ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوگا' اس کی خدمت میں جلد پہنچ جا۔

(۱۸) نیز ابونعیم نے خویلد ضمیری سے روایت کی ہے کہ ہم ایک بت کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک میں نے اس بت کے شکم سے ایک آواز سنی کہ کہہ رہا ہے ذهب استراق الوحی ودرمی بالشهب لنبی بمکة اسمه احمد و مهاجره الی یثرب یامر بالصلوات والصیام والبر للارحام یعنی وحی کی چوری ختم ہوئی اور شعلے پھینکے گئے اس نبی علیہ السلام کی خاطر جو کہ مکہ معظمہ میں ہیں' نام نامی حضرت احمد ہے' جن کی جائے ہجرت یثرب ہے' نمازوں اور روزوں اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی ہم اُٹھے اور ہم نے اس خبر کی تفتیش کی۔ لوگوں نے کہا کہ صحیح ہے' مکہ معظمہ میں ایک نبی ظاہر ہوا جس کا نام احمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۹) اور ابونعیم' ابن جریر' طبرانی' خرائطی اور دیگر محدثین نے متعدد سندوں اور کثیر طریقوں کے ساتھ حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جو کہ عرب کے سرداروں میں مشہور سردار تھے کہ ابتدا میں میرے اسلام لانے کا واقعہ یوں ہوا کہ میرے باپ نے اپنی وفات کے وقت مجھے ضمار نامی بت کی پوجا کرنے کی بڑی موثر وصیت کی تھی اور کہا تھا کہ اگر تجھے کوئی مشکل پیش آئے تو تو اسی بت کی طرف رجوع کرے گا جو کہ مشکل کشائی میں بے مثل ہے۔ میں باپ کی وصیت کے مطابق اس بت کی خدمت میں ہمیشہ مشغول رہتا تھا اور سرداری کی مصروفیات کے باوجود ہر روز اس کی زیارت کو جاتا۔ ایک دن میں شکار کے لیے جنگل میں گیا ہوا تھا اور دوپہر کا وقت تھا' میں ستانے کے لیے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا اور میرے نوکر اور سپاہی درختوں کے نیچے بیٹھ گئے۔ اچانک میں دیکھتا ہوں کہ دُھنی ہوئی روئی کی طرح ایک سفید رنگ کا شترمرغ فضا سے نیچے آ رہا ہے اور اس شترمرغ پر ایک سفید پوش نورانی آدمی سوار ہے اور

marfat.com
Marfat.com

اس نے مجھے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے عباس بن مرداس! تجھے کچھ معلوم ہے کہ چوکی داروں کے ساتھ آسمان کی حفاظت کی جاتی ہے اور روئے زمین پر جنگ اور لڑائی عام ہوگئی اور گھوڑے زین اور لگام کے تیار ہوگئے اور جو یہ نیک راہ زمین میں لایا ہے' پیر کے دن منگل کی رات وجود میں آیا اس کی ایک اونٹنی ہے جس کا نام قصوا ہے۔

میں یہ کلام سُن کر بہت مرعوب ہوا اور وہاں سے سوار ہو کر گھر پہنچا۔ پہلے میں اپنے اس ضمار نامی بت کے پاس پہنچا جب میں ایک گھڑی بھر اس بت کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا اس کے پیٹ سے ایک آواز پیدا ہوئی کہ کوئی یہ بیت پڑھ رہا ہے۔

قل للقبائل من سليم كلها
هلك الانيس وعاش اهل المسجد
اودى ضمار وكان يعبد مدة
قبل الكتاب الى النبى محمد صلى الله عليه وسلم
ان الذى ورث النبوة والهدىٰ
بعد ابن مريم من قريش مهتد

سلیم کے تمام قبائل سے کہہ دو کہ انیس ہلاک ہوگیا اور مسجد والے زندہ وسلامت رہے ضمار ہلاک ہوگیا اور ایک مدت سے اس کی پوجا کی جاتی تھی نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کتاب آنے سے پہلے۔ ابن مریم کے بعد جو نبوت اور ہدایت کا وارث ہوا' وہ قریش سے ہے۔ سراپا ہدایت

میں نے یہ واقعہ لوگوں سے چھپائے رکھا اور کسی سے نہ کہا۔ ایک دن جبکہ کفار غزوۂ احزاب سے واپس ہوئے میں اس وقت ذات عرق کے متصل ایک مقام عقیق کی طرف اونٹ خریدنے گیا ہوا تھا اچانک میں نے ایک نہایت سخت آواز آسمان کی طرف سنی جب میں نے نگاہ اوپر اُٹھائی تو دیکھا کہ وہی سفید پوش بزرگ سفید شتر مرغ پر سوار ہے اور کہہ رہا ہے کہ جو نور پیر اور منگل کو دنیا میں جلوہ گر ہوا ہے' یہ ہے قصوا اونٹنی والے کے ہمراہ نجد کے ملک میں پہنچ رہا ہے اس کے بعد دینِ اسلام کا اعتقاد میرے دل میں پختہ ہوگیا۔

marfat.com
Marfat.com

(۲۰) اور ابن سعد اور ابونعیم نے سعید بن عمرو ہذلی سے روایت کی ہے کہ میرے باپ عمرو نے ایک دن ایک بت کے سامنے نذر کے طور پر ایک بھیڑ ذبح کی تھی اس نے اس بت کے پیٹ سے ایک آواز سنی کہ العجب کل العجب خرج نبی من بنی عبدالمطلب یحرم الزنا ویحرم الذبح الاصنام وحرست السماء ورمینا بالشھب ایک بہت عجیب بات ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد سے نبی علیہ السلام ظاہر ہوئے ہیں جو بدکاری اور بتوں کے لیے ذبح کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں' آسمان پر پہرے بٹھا دیئے گئے اور ہمیں شعلے مارے گئے۔ میرا باپ یہ آواز سنتے ہی اس خبر کی تحقیق کے لیے مکہ معظمہ گیا' کسی نے کوئی پتہ نہ دیا حتیٰ کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! ہمارے درمیان محمد بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' تجھے چاہیے کہ ان پر ایمان لائے اور اس قسم کے بے شمار واقعات تواتر کے ساتھ ثابت ہوئے۔

بلکہ بعض جنات نے جو کہ ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف نہیں ہوئے تھے' آدمیوں کے واسطے سے سلام اور اطاعت واتباع کے الفاظ کہہ کر بھیجے۔

(۲۱) چنانچہ ابن سعد نے حضرت جعد بن قیس مرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم چار آدمی حج کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہوئے اور دوران سفر یمن کے ایک صحرا میں سے ہمارا گزر ہوا اس صحرا میں ہم نے ایک آواز سنی کہ کہنے والا کہہ رہا تھا۔

الا ایھا الرکب المعرس بلغوا

اذا ما وقفتم بالحطیم وزمزما

محمد المبعوث منا تحیة

تشیعه من حیث سارو یمما

وقولوا له انا لدینك شیعة

بذلك اوصانا المسیح بن مریما

اے پچھلی رات آرام کرنے والے سوارو! جب تم حطیم اور زمزم پر پہنچو تو اللہ تعالیٰ

marfat.com

Marfat.com

کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سلام پہنچانا جوان کے ساتھ رہیں جہاں بھی جائیں اور ان سے عرض کرنا کہ یارسول اللہ! ہم آپ کے دین کے ماننے والے ہیں' ہمیں مسیح بن مریم علیہ السلام نے اس کی وصیت فرمائی ہے۔

(۲۲) ابن عساکر اور خرائطی نے مرداس بن قیس دوسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں کاہنوں اور ان کی کہانت کا ذکر ہو رہا تھا' لوگ اس سلسلے میں باتیں کر رہے تھے کہ یہ کاروبار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزولِ وحی کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ مرداس نے کہا کہ یارسول اللہ! ہمارے ساتھ اس سلسلے میں ایک عجیب اتفاق ہوا جو سننے کے لائق ہے۔ فرمایا: کہو۔ اس نے کہا کہ ہماری ایک کنیز تھی جس کا نام خلصہ تھا' نہایت پارسا اور نیک تھی' ہم نے اسے کبھی بھی بے حیائی کے ساتھ متہم نہ پایا' ایک دن وہ اچانک ہمارے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ میں نے کہا کہ ہم تجھے پارسا اور نیک بخت سمجھتے ہیں اور تجھے کسی چیز کی تہمت بالکل نہیں لگاتے۔ اس نے کہا کہ اب مجھ سے ایک عجیب واقعہ سنو' ایک دن میں اپنے گھر میں بالکل اکیلی تھی کہ ایک سیاہ چیز آ کر مجھ پر مسلط ہو گئی اور جس طرح مرد عورت کے ساتھ صحبت کرتا ہے اس نے مجھ سے کیا' مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں حاملہ ہو جاؤں اور آپ لوگ مجھے بدکاری کی تہمت لگاؤ۔ ہم نے کہا کہ ہمیں تجھ سے اس طرح کا گمان بالکل نہیں' جا اور فارغ البال رہ۔ کچھ عرصے کے بعد پتہ چلا کہ وہ لونڈی حاملہ ہے یہاں تک کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کے دونوں کان کتے کے کانوں جیسے تھے اور رنگ آدمیوں کے رنگ جیسا نہ تھا اور وہ بچہ ہمارے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف رہتا۔

ایک دن اس نے اپنے بدن سے چادر اُٹھائی اور بلند آواز سے شور کرنے لگا ہائے افسوس' ہائے افسوس! دشمن کے سوار تم پر حملہ کرنے کے لیے پہاڑ کے پیچھے پہنچ چکے ہیں اور تم بے خبر ہو۔ ہم اس کے کہنے سے خبردار ہو کر ہتھیار اُٹھائے پہاڑ کی پچھلی سمت پہنچے۔ ہم نے دیکھا کہ فی الواقع وہ دشمن کے سوار تھے' ان کے ساتھ جنگ ہوئی اور انہیں شکست

marfat.com
Marfat.com

ہوئی اس کے بعد وہ لڑکا جو کچھ کہتا تھا اسی کے مطابق ہوتا اور اس کی بات کبھی پیچھے نہیں رہی تھی جب آپ کی بعثت اور وحی کا نزول ہوا تو اس کی باتیں غلط ثابت ہونا شروع ہوگئیں اور وہ اکثر خلاف واقع کہتا۔ میں نے اس سے کہا تجھے کیا ہوگیا کہ اب جھوٹ بولتا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے کچھ پتہ نہیں وہ شخص مجھے سچی خبر پہنچاتا تھا اب جھوٹی خبریں لاتا ہے' میں اپنی طرف سے کوئی تصرف نہیں کرتا اس کی تدبیر یہ ہے کہ مجھے کسی تاریک کمرے میں تین دن تک قید کر دو تاکہ میں اکیلا رہوں اور وہ جن میرے اندر آ کر میرے رگ و ریشے میں سرایت کرے اس وقت اس سے پوچھنا۔ ہم نے ایسا ہی کیا جب تین دن کے بعد ہم نے حجرے کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس لڑکے کا سارا جسم آگ کے شعلے کی طرح چمک رہا تھا' ہم نے معلوم کیا کہ جن اس کے رگ و ریشے میں سرایت کر چکا ہے؟

ہم نے کہا اے عزیز! تو اب تک صحیح خبریں لاتا تھا اب غلط خبریں کیوں لاتا ہے؟ اس نے کہا کہ یامعشر دوس حرست السماء وخرج خیر الانبیاء کہ آسمان پر پہرے لگ گئے ہیں اور خیر الانبیاء علیہ وعلیہم السلام تشریف لے آئے۔ ہم نے پوچھا کہاں؟ اس نے کہا مکہ میں نیز یہ بھی کہا کہ اب میں مر رہا ہوں' مجھے کسی پہاڑ کی چوٹی پر دفن کر دینا' دفن کے بعد مجھ سے آگ کی طرح شعلے نکلیں گے جب یہ حال دیکھو تو مجھ پر تین پتھر مارنا اور ہر پتھر پر کہنا بلسمك اللهم کہ میں ٹھنڈا پڑ جاؤں گا اور سکون اختیار کرلوں گا اسی طرح اس کے مرنے کے چند دنوں بعد ہم تک آپ کی بعثت کی خبر پہنچی۔ یہ حال ہے جزیرۂ عرب کے جنات کا جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی' رمی شہاب اور نزولِ قرآن کریم کی گواہی بطریق تواتر منقول ہوئی۔

## صحابی جنات رضی اللہ عنہم کا ذکر

لیکن وہ جنات جو ان میں سے مشرف باسلام ہوئے اور انہوں نے صحابیت کا درجہ پایا' وہ بھی بے شمار ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس لیلۃ الجن میں جو کہ مکہ شریف میں درۂ حجون کے متصل ہوئی تھی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گئے تھے اور اس لیلۃ الجن میں جو کہ مدینہ عالیہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد

marfat.com
Marfat.com

بقیع الغرقد میں ہوئی تھی‘ بھی حاضر تھے۔ ان کی کثرت کو اس حد تک بیان فرمایا کہ گنتی سے باہر ہے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ عالیہ میں ایک اور رونما ہونے والی لیلۃ الجن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حاضر ہو کر جنات کو دیکھا تھا اور ان کی باتیں سنیں‘ ان کے افراد کی کثرت کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ دلائل النبوۃ‘ ابونعیم اور حدیث شریف کی دوسری کتابوں میں ان واقعات کی تفصیلات مذکور ہیں۔

اور صحاح ستہ میں واقع ہے عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ کہ رسول پاک علیہ السلام نے فرمایا کہ مدینہ عالیہ میں جنات کی ایک جماعت ہے جو کہ اسلام لائے تو ان حشرات الارض میں سے جسے کچھ نظر آئے تو تین بار تعوذ کرے اگر تین بار کے بعد بھی نظر آئے تو شیطان ہے۔

اور ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ جزیرہ کے جنات کی بے شمار جماعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آئیں اور انہوں نے چندروز تک مقام کیا اور پھر اپنے وطن کو لوٹ گئیں۔

اور امام احمد‘ بزار‘ ابویعلیٰ‘ بیہقی اور دوسرے محدثین نے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے‘ مقام عرج میں پڑاؤ ہوا‘ میں اپنے خیمے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لیے نکلا۔ میں نے دیکھا کہ آپ لشکر کے خیموں سے دُور صحرا میں تنہا تشریف فرما ہیں۔ میں نے چاہا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں جب میں قریب پہنچا تو میرے کانوں میں شوروغوغا کی آواز پہنچی۔ گویا بہت سے لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور تیز زبانی کر رہے ہیں‘ میں رُک گیا اور سمجھ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مردم غیب کا ہجوم ہے اس وقت نہیں جانا چاہیے۔ حتیٰ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر تشریف لائے اور آپ تبسم فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! یہ شوروغوغا کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ مسلمان جنات کا کافر جنات کے ساتھ رہائش کے بارے میں جھگڑا تھا اور وہ اس جھگڑے کا فیصلہ لینے کے لیے میرے پاس حاضر ہوئے‘ میں نے یوں فیصلہ دیا ہے کہ

marfat.com

Marfat.com

مسلمان جنات ملک جلس میں اور کفار غور میں سکونت اختیار کریں اور آپس میں میل جول نہ رکھیں۔

اس حدیث شریف کے راوی کثیر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم نے یوں تجربہ کیا ہے کہ جسے ملک جلس میں جن کا آسیب ہو جاتا ہے' جلد شفا پاتا ہے اور اس کی جان بچ جاتی ہے اور جسے ملک غور میں جن کا آسیب ہو' اکثر نہیں جاتا اور ہلاک کر دیتا ہے۔

اور خطیب نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے اور آپ کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے اچانک ایک بہت بڑا اژدہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا' لوگوں نے چاہا کہ اسے مار دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے کچھ نہ کہو یہاں تک کہ وہ آپ کے قریب پہنچ گیا اور اس نے اپنا سر حضور علیہ السلام کے کان مبارک کے ساتھ لگایا اس کے بعد حضور علیہ السلام نے بھی اپنا منہ مبارک اس کے کان پر رکھ کر کچھ ارشاد فرمایا اس کے بعد اژدہا غائب ہو گیا اور نظر نہیں آیا۔ گویا اسے زمین نگل گئی' ہم نے پوچھا یارسول اللہ! آپ نے اس سانپ کو اپنے کان مبارک تک پہنچنے دیا' ہمیں بہت خطرہ غالب ہوا کہ یہ بے عقل جانور ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تکلیف دے یا ڈنگ مارے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جانور نہ تھا' جنوں کا ایلچی تھا' انہیں فلاں سورۃ کی بعض آیات بھول گئی تھیں' ان آیات کی تحقیق کے لیے اسے بھیجا تھا جب اس نے تمہیں دیکھا تو اپنے آپ کو سانپ کی شکل میں کر کے پوچھ کر چلا گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور راستے میں ایک بستی میں پہنچے۔ اس بستی والے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی آمد آمد کا سن کر بستی سے باہر انتظار میں تھے جب سرکار علیہ السلام پہنچے تو انہوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ! یہ ایک جوان عورت ہے' ایک جن اس پر عاشق ہو گیا ہے اور اس کے بدن میں آ کر اسے بے ہوش کر دیتا ہے نہ کچھ کھاتی ہے نہ بات کرتی ہے' ہلاک ہونے کے قریب ہے۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وہ نہایت حسین عورت تھی۔ حضور علیہ

marfat.com

Marfat.com

السلام نے اسے اپنے سامنے بلا کر فرمایا و جن! تجھے کچھ پتہ ہے کہ میں کون ہوں؟ میں رسولِ خدا محمد ہوں۔ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کو چھوڑ دے اور دفع ہو جا' صرف یہ فرمانے سے ہی عورت کو ہوش آ گئی اور اس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا اور مردوں سے علیحدہ ہوگئی اور صحیح ہوگئی۔

## حضور علیہ السلام کی خدمت میں رہنے کے لیے ہامہ پسر ابلیس کے آنے کا بیان

اور عقیلی' بیہقی اور ابونعیم نے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن ہم حضور علیہ السلام کے ہمراہ تہامہ کے ایک پہاڑ پر بیٹھے تھے کہ اچانک ایک بوڑھا ہاتھ میں عصا لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ عالیہ میں آ پہنچا اور آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے جواب عطا فرمایا۔ اس کی آواز جنوں کی سی ہے اس کے بعد اس بوڑھے سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے عرض کی میں ہامہ بن ہیم بن لاقیس ابن ابلیس ہوں۔ فرمایا کہ تیرے اور ابلیس کے درمیان دو پشت سے زیادہ نہیں ہیں' یہ بتا کہ تو نے کتنی عمر گزاری ہے؟ اس نے عرض کی کہ یارسول اللہ! دنیا کی پوری عمر تھوڑی سی مدت کے سوا میری عمر کے برابر ہے جن دنوں قابیل نے ہابیل کو قتل کیا' میں چند سالہ طفل تھا' بات سمجھتا تھا اور پہاڑوں پر دوڑتا پھرتا تھا اور آدمیوں کا کھانا چرا لیتا تھا اور ان کے دلوں میں وسوسے کے طریقے سے ان کے قریبیوں کی بدسلوکی ڈالتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے بڑھاپے کا عمل یہ ہے اور یہ جوانی اور بچپنا یہ۔ تو تو بہت بُرا شخص تھا۔ اس نے عرض کی کہ یارسول اللہ! آپ اب مجھے ملامت فرما رہے ہیں اب تو میں توبہ کے لیے حاضر آیا ہوں اور میں نے حضرت نوح علیہ السلام سے ملاقات کی ہے اور میں ان کے ساتھ ان کی مسجد میں رہا ہوں اور پہلے ان کے دست مبارک پر توبہ کی اور ایک سال تک ان کی مسجد میں رہا اور حضرت ہود' حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی خدمت میں حاضر رہا ہوں اور میں

marfat.com
Marfat.com

نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی ہے اور تورات پڑھی ہے اور ان کا سلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچایا ہے اور میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی ہے اور انہوں نے مجھے فرمایا تھا کہ اگر تجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو تو میرے سلام ان کی خدمت میں عرض کرنا اب میں اس کی ادائیگی کے لیے حاضر آیا ہوں۔ نیز میں امیدوار ہوں کہ آپ مجھے قرآن پاک کی کچھ تعلیم فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سورۂ واقعہ' سورۂ مرسلات' عم یتساء لون' اذا الشمس کورت' معوذ تین اور سورۃ اخلاص کی تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ اے ہامہ! جب تجھے کوئی ضرورت ہو' ہماری خدمت میں آ جانا اور ہماری ملاقات ترک نہ کرنا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا اور آپ نے ہمیں اس کے فوت ہونے کی خبر نہ دی اب ہمیں معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا۔

## چند دیگر جن صحابہ کرام کا ذکر

اور جنات میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے عمر بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کی تکفین و تجہیز حضرت صفوان بن معطل نے فرمائی اور ان میں سے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے احباب نے دفن کیا اور وہ کافر جنات کی جنگ میں شہید ہوئے اور ان میں سے حضرت سرق رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ صحرا میں فوت ہوئے اور انہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دفن کیا اور یہ اس گروہ میں سے تھے کہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مقدس پر بیعت کی تھی اور ان میں سے ایک جن خاتون حضرت خرقا رضی اللہ عنہا تھیں کہ انہیں بھی مکہ شریف کی راہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دفن کیا اور اس مذکورہ جماعت کے واقعات بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیے ہیں۔

یہ حالات ہیں ان لوگوں کے جو کہ جنات میں سے پیغمبر زماں صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے مطیع اور تابع ہوئے اور جس خدمت سے معزول ہوئے تھے اس سے

marfat.com

Marfat.com

دست بردار ہو کر لوگوں کی ارشاد و ہدایت کی خدمت پر قائم رہے۔

وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ اور ہم میں سے ٹیڑھا چلنے والے بھی ہیں جو اس خدمت سے اپنی معزولی پر خوش نہ ہوئے اور جیسا کہ چاہیے تھا انہوں نے اس کلام اور اس رسول علیہ السلام کی اتباع اور اطاعت نہیں کی اور وہ چار گروہ ہیں۔

## گمراہ جنات کے چار گروہ

پہلا گروہ کافر جنات جنہوں نے کھلم کھلا مخالفت کی راہ اختیار کی اور آدمیوں کو گمراہ کیا اور انہوں نے کہا کہ ہم اپنی ڈیوٹی سے معزول نہیں ہیں' غیب کی خبریں' حاجت روائی اور مشکل کشائی ہم سے طلب کی جائے جیسا کہ کفار کے معبودان باطلہ خصوصاً ہندوؤں' حبشیوں' زنگیوں اور بت پرستوں کے دوسرے گروہ کہ آسمان پر آنے سے روکنے' شعلے پھینکنے' بنی آدم کو گمراہ کرنے اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے سے معزول ہونے کے باوجود اہلِ کفر کی امداد و اعانت کرنے بلکہ شرک کی دعوت اور اسلام سے باز رہنے سے دست بردار نہیں ہوتے۔

دوسرا گروہ منافق جنات جنہوں نے خود کو اہلِ اسلام کے زمرہ میں داخل کر کے مکروفریب شروع کر دیا اور آدمیوں کے نزدیک خود کو پاک بزرگوں کے نام سے موسوم کر کے پیر کہلواتے ہیں جیسے شیخ سدو' زین خاں' سرور اور بالے وغیرہ اور در پردہ ولایت' غیب دانی' مشکل کشائی اور الوہیت و خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور شرک اور بت پرستی کے لوازمات میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑتے جو اپنے معتقدین سے طلب نہیں کرتے۔

تیسرا گروہ فاسق جنات جو کہ ڈاکوؤں کی طرح آدمیوں کو مختلف قسم کی تکالیف پہنچاتے ہیں اور ان سے اپنے لیے نذریں' ہدیے' شیرینی' پانی' شراب وغیرہ لیتے ہیں۔

چوتھا گروہ دوسرے جنات ہیں جو کہ چوروں کی طرح ان بعض آدمیوں کی ارواح کو کہ جنہوں نے بُرے اخلاق میں جیسے غرور' تکبر' کینہ اور نجاستوں سے ملوث جنات کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت حاصل کر لی ہے' کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اپنے رنگ میں رنگ دیتے ہیں اور ان ارواح کو جسموں کے مسامات میں داخل ہونے' مزاج تبدیل

marfat.com

Marfat.com

کرنے اور شکلیں بدلنے کی تعلیم دیتے ہیں تاکہ اس ذریعے سے آدمیوں کو کوئی تکلیف اور رنج پہنچائیں اور آدمیوں کے گروہ کو خراب کریں یہ چاروں فرقے قاسط ہیں کہ انہوں نے دین اور قرآن کی اتباع نہ کی گرچہ بظاہر کلمہ پڑھا ہو۔

فَمَنْ اَسْلَمَ تو جو حکمِ الٰہی کے مطیع ہوئے اور انہوں نے کج روی نہ کی فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا تو انہوں نے راہ پانے کی تدبیر اچھی طرح سوچ لی اس لیے کہ انہوں نے اپنے مالک کے حضور جھک جانے کی وجہ سے اس کے دربار میں مرتبہ اور قبولیت حاصل کر لی جبکہ کجروی اور آدمیوں کو دھوکا دینے کی صورت میں انہیں مخلوقات میں سے چند لوگوں کے سامنے فانی مرتبہ اور عزت حاصل ہوتی تھی اور اپنے مالک کے دربار میں ذلیل' بے عزت اور خوار و حقیر ہوتے تھے اور دائمی خیر اور ہمیشہ کی نعمتوں سے محروم ہوتے تھے۔

وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ لیکن کج روی کرنے والے جو کہ حکمِ الٰہی کے آگے نہ جھکے اور انہوں نے سفارت کی خدمت سے معزول ہونے کے باوجود آدمیوں کو فریب دیا اور خود کو ان کے سامنے کارخانہ خدائی کا شریک ظاہر کیا۔

فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا تو دوزخ کا ایندھن اور اس کی آگ بھڑکانے والے ہو گئے کہ خود بھی اس کی آگ میں جلتے ہیں اور ناریت کی مناسبت کی وجہ سے اسی آگ کے شعلوں کو اور زیادہ کر کے دوسروں کو جلاتے ہیں۔

## ایک شبہ کا جواب

اور وہ جو بعض بے دین لوگ شبہ کے طریقے سے ذکر کرتے ہیں کہ جب جن کی پیدائش آگ سے ہے تو اسے آگ میں آنے سے کیا عذاب ہوگا؟ اس لیے کہ شے کو اپنی جنس سے کوئی دُکھ اور تکلیف نہیں پہنچتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آگ جن کا مادہ ہے جبکہ اس کی ترکیبی صورت اور مزاج دوسرا ہے۔ جب جزی آگ اس کی ترکیبی صورت اور مزاج کے خلاف ہوگی تو اسے زیادہ تکلیف اور عذاب کا موجب ہوگی جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک خوش طبع شخص نے ایک بے دین کے جواب میں جو کہ یہ اعتراض کر رہا تھا' بڑا سا پتھر اُٹھا کر اس بے دین کی پنڈلی پر دے مارا' بے دین نے آہ و پکار شروع کر دی' خوش طبع شخص

marfat.com

Marfat.com

نے کہا کہ تجھے اس پتھر سے جو کہ زمین کی جنس سے ہے تکلیف اور دُکھ کیوں ہوا' آخر تو بھی تو زمین سے ہے اور خاک ہے بلکہ کیفیت مزاج اور کیفیت عذاب کے ایک ہونے کے باوجود رنج و تکلیف' کیفیت مزاج و کیفیت عذاب کے مختلف ہونے کی صورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ بات مجرب اور آزمائی ہوئی ہے کہ صفراوی مزاج انسان کو آگ اور سورج کے قریب اس قدر تکلیف اور دُکھ ہوتا ہے کہ بلغمی مزاج والے کو اس کا سواں حصہ بھی نہیں ہوتا ہے اور بلغمی مزاج والے کو دریا کے قریب اور ٹھنڈی ہوا میں اس قدر جمود اور کمزوری طاری ہوتی ہے کہ صفراوی مزاج والے کو نہیں ہوتی۔

اور اللہ تعالیٰ نے آگ کو ایک خاصیت بخشی ہے کہ اجزا جدا جدا کرنے اور خود کو سنبھال رکھنے والی رطوبتوں کو فنا کرنے کی وجہ سے ہر ترکیب کے اجزاء کو کھول دیتی ہے اور ہر مزاج کو باطل کر دیتی ہے اور جو تکلیف ملی ہوئی اور مرکب شئی کو محسوس ہوتی ہے مزاج کو باطل کرنے اور مرکب کے اجزاء کو کھولنے کی وجہ سے ہے نہ کہ مادہ کی مخالفت سے یا اس کی جنسیت درد نہ ہونے کا موجب ہوتی ہے۔

اور جب سورۃ کی ابتدا سے لے کر یہاں تک جنوں کی تیرہ باتیں نقل کرنے سے فراغت ہوئی اب انہ استمع پر عطف فرماتے ہوئے تین اور مقاصد کی تلقین فرمائی جا رہی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام جنات اور آدمیوں کو پہنچا دیں کہ وہ تینوں مقاصد عمدہ ہیں جو کہ جنوں کی پیدائش اور ان کی عادات سے تعلق رکھتے ہیں اور آدمی بھی انہیں عادتوں کی وجہ سے عقائد باطلہ اور شرک کے بھنور میں گرتے ہیں۔ پس ارشاد ہوتا ہے کہ اے رسولِ کریم! آپ فرما دیں کہ میری طرف جنوں کی یہ ساری باتیں وحی کی گئیں۔

وَاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ اور یہ کہ بالفرض جنات اگر اس طریقے پر استقامت اختیار کریں کہ جسے انہوں نے باتفصیل اختیار کیا ہے۔ تلون مزاجی اور بدلنے سے جو کہ جنوں کا خاصہ ہے باز آئیں۔

لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ہم انہیں بارش سے ضرور بافراغت پانی پلائیں اور ان سے قحط دُور کریں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سورۃ اس وقت اُتری جب اہلِ مکہ کے کفر کی

marfat.com
Marfat.com

نحوست کی وجہ سے سات سالہ قحط شروع ہو چکا تھا۔ آدمی جانور اور جنات سب کے سب پانی نہ ملنے کی مصیبت میں گرفتار تھے اور زمانہ قحط سے قطع نظر بارش کا پانی تمام دنیوی برکات اور منفعتوں کا سرمایہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس اس نعمت کا ذکر گویا تمام دنیوی نعمتوں کا اشارہ ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اور اس کے باوجود جنات کو یہ نعمت عطا کرنے میں خصوصاً ایک اور باریک اور دقیق غرض بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ:

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ تاکہ ہم جنات کی عقل اور دانائی اس پانی پلانے میں آزمائیں کہ آیا عقل و خرد کے طریقے سے خود کو آگ کے ساتھ عذاب دیئے جانے کو خود کو پانی کا انعام دیئے جانے پر قیاس کرتے ہیں یا نہیں اور سمجھتے ہیں کہ رطوبت اور ٹھنڈک دونوں کیفیتوں میں پانی ہماری ضد ہے کہ ہم آگ سے مخلوق ہیں اور گرمی اور خشکی اس کا خاصہ ہے اور اس کے باوجود پانی پلانے کی وجہ سے ہمیں راحت اور تسکین ہوتی ہے تو اگر آگ میں داخل ہونے سے ہمیں دُکھ اور عذاب نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ ہمارا مزاج دو ضدوں کے موافق ہے اور ایک مزاج کا دو ضدوں کے موافق ہونا محال ہے تو ناچار آگ ہمیں دُکھ اور عذاب کا موجب ہوگی۔

نیز وہ سمجھیں کہ راہِ حق پر استقامت ظلم اور کجروی کی ضد ہے انعام دینا عذاب دینے کی ضد اور پانی آگ کی ضد ہے اور جب استقامت پانی کا انعام دینے کا موجب ہوئی تو لازم آیا کہ ظلم اور کجروی آگ کے ساتھ عذاب دینے کا سبب ہو ورنہ ضدوں کا مقابلہ دگرگوں ہو جائے گا۔ نیز وہ جان لیں کہ پانی طبعی طور پر آگ کو مار دیتا ہے جبکہ ہمارے لیے آتشی ہونے کے باوجود زندگی اور راحت کا باعث ہوتا ہے تو کیا عجب کہ آگ ہماری تکلیف اور مشقت کا باعث ہو جائے لیکن اخروی وبال کے بغیر یہ سب دنیوی نعمت پسندیدہ راہ پر استقامت اختیار کرنے والوں کے لیے ہے۔

وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ اور جو اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے

marfat.com
Marfat.com

اس طریقے پر جو اس نے اختیار کیا تھا' قائم رہے اور تلون مزاجی اور بدلنے کو اپنے تک راہ دے۔

یَسْلُکْهُ عَذَابًا صَعَدًا اسے اس کا پروردگار اس عذاب میں لائے گا جو کہ اس کی طاقت سے باہر ہے خواہ آگ کے ساتھ ہو جو کہ اس کی ہم جنس ہے اور جب ہم جنس چیز برداشت کی حد سے اوپر ہو جائے تو انتہائی تکلیف کا موجب ہوتی ہے اور خواہ کسی اور چیز کے ساتھ۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صعد دوزخ کا ایک پہاڑ ہے' صاف ہموار پتھر کا بنا ہوا' کافر کو اس پر چڑھنے کی تکلیف دیں گے اور فرشتے اسے آگ سے زنجیروں کے ساتھ کھینچیں گے اور پیچھے سے گرزیں ماریں گے۔ چالیس سال کی مدت میں اس کے اوپر پہنچ جائیں گے پھر اسے اس پہاڑ کے نیچے پھینک دیں گے پھر اوپر آنے کی تکلیف دیں گے' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

اور اس آیت میں استقامت کی تعریف کی گئی ہے۔ چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس کے مطابق فرماتے ہیں کن طالب الاستقامۃ ولاتکن صاحب الکرامۃ فان الرب یطلب منک الاستقامۃ والنفس تطلب منک الکرامۃ یعنی استقامت علی الحق کا طالب بن اور صاحب کرامت نہ ہو کیونکہ رب تعالیٰ تجھ سے استقامت طلب فرماتا ہے جبکہ نفس تجھ سے کرامت مانگتا ہے اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ استقیموا ولن تحصوا یعنی طاعت پر استقامت اختیار کرو اور تم تمام طاعات کا احاطہ نہیں کر سکتے ہو اور فی الواقع دل اور روح کے طاعات کے انوار سے منور ہونے کا موجب استقامت ہے اور جوہر نفس میں عبادت کا رنگ استقامت پکا کرتی ہے جبکہ عبادات اور طاعات کا مقصد نفس کو ان کے رنگ میں رنگنا ہے نہ کہ صرف تکلیف اور رنج۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ اور یہ کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا پس ان مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ہمراہ کسی کو نہ پکارو اس لیے کہ اگر ان مسجدوں میں خدا کے ہمراہ کسی اور کو پکارو تو تم ان مسجدوں کو خدا اور اس شخص

marfat.com
Marfat.com

کے درمیان مشترک کردو گے حالانکہ تم نے مسجدوں کو خدا تعالیٰ کے لیے خاص کیا ہے۔
(مطلقاً پکارنا مراد نہیں بلکہ معبود سمجھ کر پکارنا ہے یا فَلَاتَدْعُوْا سے مراد فَلَاتَعْبُدُوْا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْ رَبِّيْ اور ذاتِ حق نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان کی تعبیر یوں فرمائی کہ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ پتہ چلا کہ وَمَا تَدْعُوْنَ سے مراد وَمَا يَعْبُدُوْنَ ہے۔
چنانچہ خود مفسر علام نے سورت مزمل کی تفسیر کے آغاز میں سورۃ الجن کے ساتھ رابطے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لما قام عبداللّٰه یدعوه میں یدعو کا معنی نماز اور عبادت کیا ہے جیسا کہ وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے فهو المدعی واللّٰه تعالٰی یهدی الی الصواب وهو ولی التوفیق۔ اسی لیے فہم قرآن مجید کے لیے بہترین ترجمہ کنزالایمان از امام اہلِ سنت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی ہے جس میں ایسے مقامات کا ترجمہ مزاج قرآن کے مطابق کیا گیا۔ نیز فَلَاتَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا اور اس جیسے دیگر مقامات اور من دون اللہ کی صحیح تفسیر کے لیے علم القرآن از حکیم الامت مولانا المفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ والوالدیہ)

اور جنات کا قاعدہ ہے کہ لوگ جب ان کے لیے کسی مکان کو خاص کریں تو پھر وہ یہ گوارا نہیں کرتے کہ اس مکان میں کسی اور کا دخل ہو تو جس طرح خاص ہونے کے بعد شرکت جنات کی ناراضگی کا موجب ہے تو چاہیے کہ عبادتِ الٰہی کے مقامات میں دوسروں کا نام لینے اور اغیار کے پکارنے کو تم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب جانو۔

## مسجد اور اس کے آداب کا بیان

یہاں جاننا چاہیے کہ مسجد درحقیقت اس چیز کا نام ہے جو کہ سجدے میں دخل رکھتی ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم مکانِ سجدہ جو کہ اُمت محمدیہ علیٰ رسولہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے لیے تمام روئے زمین ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ

marfat.com
Marfat.com

جعلت لی الارض مسجدا یعنی میرے لیے تمام زمین کو مسجد کا حکم دیا گیا ہے' دوسری قسم سجدے کا قبلہ کہ جس سمت سجدہ کرتے ہیں' تیسری قسم وہ عضو جس سے سجدہ کیا جا سکتا ہے اور وہ سات اعضاء ہیں' چہرے سے ناک تک' دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں' دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں اور یہ تینوں قسمیں مشرکین کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مملوک ہیں۔ پس غیر خدا کو سجدہ کرنا اسے خداتعالیٰ کی خاص ملکیت میں شریک کرنا ہے جو کہ جنات کے نزدیک بھی یہ نہایت غضب وغیرت کا موجب ہے اور وہ اسی وجہ سے آدمیوں کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں اور انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں اور آدمیوں کے نزدیک بھی یہ بات بُری اور معیوب ہے۔ خصوصاً وہ مکانات کہ جنہیں وہ اپنی مجازی ملکیت سے نکال کر خداتعالیٰ کی عبادت کے لیے مقرر کرتے ہیں' زیادہ خصوصیت حاصل کر لیتے ہیں تو لازم ہے کہ ان مکانات میں ذکر خدا کے سوا کوئی اور کام رونما نہ ہو۔

اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ مسجد میں خرید وفروخت اور دنیوی معاملات نہیں کرنا چاہئیں اور آواز بلند نہ کی جائے۔ دنیوی باتیں نہ کی جائیں' اسے رہائش گاہ نہ بنایا جائے' چھوٹے بچوں اور پاگلوں کو وہاں نہ لے جائیں کہ وہ بے عقلی کی وجہ سے اس کی عزت کی رعایت نہیں کرتے اور کہیں اسے نجاستوں سے ملوث نہ کر دیں۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین علیہ السلام سے پوچھا کہ دنیا میں بہترین جگہ کون سی ہے اور بدترین کون سی؟ جبرئیل علیہ السلام کو علم نہ تھا' ولاءِ اعلیٰ کی طرف عروج فرمایا۔ پھر اُترے اور جواب لائے کہ دنیا کی سب سے زیادہ اچھی جگہ اس کی مسجدیں ہیں جبکہ بدترین مقام اس کے بازار ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں بہترین چیز خداتعالیٰ کا ذکر اور اس کی اطاعت ہے اور مسجدوں میں داخل ہوتے ہی ذکر اور طاعت یاد آ جاتے ہیں اور دنیا میں بدترین چیز خداتعالیٰ کی یاد اور اس کی طاعت سے غفلت ہے جبکہ بازار غفلت کا مقام ہیں۔

لیکن اس حدیث شریف میں مباح مقامات میں سے بہترین اور بدترین جگہ کا سوال واقع ہوا تھا اس جہت سے یہ جواب عطا فرمایا گیا ورنہ مکانات میں سے بدترین وہ

marfat.com
Marfat.com

مکان ہے جو کہ کفر اور معصیت کے لیے بنایا جائے جیسے بت خانہ' مے خانہ' بدکاری اور جوئے کا اڈہ لیکن جب حکم شرعی کے مطابق ان مکانات کو گرانا اور تباہ کرنا واجب ہے گویا مکانات ہی نہیں ہیں۔ بخلاف بازار کے کہ حکمِ شرعی کے مطابق انہیں تعمیر اور آباد کیا جا سکتا ہے۔

نیز جاننا چاہیے کہ ذکر و عبادت اس چیز کی حاضری کی طلب کو لازم کرنے والے ہیں جس کا ذکر اور عبادت کرتے ہیں تو غیر کا ذکر اور عبادت اس جگہ جسے حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت حاصل ہو اس طرح ہے کہ کسی مکان کو بادشاہ کی تشریف آوری کے لیے بنایا جائے اور اس کے ساتھ رعایا میں سے بھی کسی کو دعوت دے دیں کہ بہت بے ادبی ہے۔

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ اور یہ کہ جب بھی بندۂ خدا اُٹھتا ہے اور اس جہت سے کہ بندہ ہے اس کے لیے اپنے مالک کو پکارنا ضروری ہے کہ اپنی گزارشات پیش کرے اسی لیے اس کی خاطر اُٹھتا ہے کہ

یدعوہ خدا کو پکارے اور ذکر اور پکارنے کی وجہ سے حضرت حق جل وعلا اس کے قلب پر تجلی فرمائے اور اس کے بدن کی بہترین جگہ جو کہ دل ہے' نورِ الٰہی کے نزول کا محل ہو جائے اور ذاتِ حق اس محل میں مہمان ہو۔

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا قریب ہے کہ اس بندے پر آدمی اور جنات ہجوم کر کے تہ بہ تہ کی شکل اختیار کریں' ایک شخص اس بندے سے بیٹا مانگتا ہے' دوسرا روزی' کوئی دنیوی خدمات تو کوئی کشف جہان اور اس ہجوم کرنے کی وجہ سے اس کے تمام اوقات کو بے مزہ اور پریشان کر دیتے ہیں اور خود بھی شرک و کفر کی منجدھار میں گرفتار ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جب اس بندے کے اندرونی خانے میں کمال ذکر و عبادت کی وجہ سے نورِ الٰہی نے نزول فرمایا گویا یہ بندہ کارخانہ خدائی میں شریک ہو گیا اور اسے حق تعالیٰ کے نزدیک اتنی قدر و منزلت مل گئی کہ یہ جو کچھ کہتا ہے حق تعالیٰ اس پر عمل کرتا ہے جیسا کہ دنیا میں مہمان کی خاطر میزبان کی دلجوئی اسی معیار کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی لئے اہل دنیا

marfat.com

Marfat.com

تلاش کرتے ہیں کہ بادشاہ سردار حاکم اور فوج دار جس کے گھر میں آتے ہیں اسی سے مشکلات کا حل اور حاجت روائی طلب کرتے ہیں اور اسی خیال فاسد کی وجہ سے جو انہیں خدا کے ساتھ بندگانِ خدا کے بارے میں حاصل ہوتا ہے پیر پرستی اور گور پرستی میں پڑ جاتے ہیں اور اس حادثے میں جنات اور انسان دونوں شریک ہیں۔ (اصل فساد کی جڑ بندے کو خدا کا شریک قرار دینا ہے جبکہ مسلمان مقربین بارگاہِ خداوندی کو شریک قطعاً نہیں سمجھتے' کارخانۂ خدائی میں شرکت' پیر پرستی اور قبر پرستی کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا رد ہے جو اس عقیدے کے ساتھ مشائخ کے ساتھ رابطہ قائم کرتے ہیں۔ الحمدللہ رب العالمین اہلِ سنت و جماعت کا دامن اس نجاست سے قطعاً پاک ہے وہ انہیں خدا سمجھ کر نہیں بلکہ مظہر عون خداوندی سمجھ کر ان سے مدد مانگتے ہیں اور یہ فرق مفسر علام نے آغاز تفسیر میں ہی وایاک نستعین کے تحت واضح کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا لیکن در ینجا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہی کہ اعتماد براں غیر باشد واورا مظہر عون الہی نداند حرام است واگر التفات محض بجانب حق است وادرا یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانۂ اسباب وحکمت اوتعالی دراں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید دوراز عرفان نخواہد بود ودر شرع جائز است وانبیاء واولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اندر ترجمہ زیر آیت وایاک نستعین پڑھیں' استمداد اولیاء کے منکرین کے لیے یہاں سے استدلال کی کوئی گنجائش نہیں فلہذا دورانِ تفسیر جہاں بھی یہ مسئلہ آئے' یہ وضاحت پیش نظر رہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اور آپ کو منصب رسالت کی تلقین کی گئی ہے اگر اس امر میں آپ کو اپنے متعلق کسی قسم کا خوف ہو تو آپ ان دونوں گروہوں سے واشگاف الفاظ میں

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ فرما دیں کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں تاکہ میرے دل کو اپنی تجلی کے نور سے مشرف فرمائے۔

وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا اور میں اس کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں کرتا اور جب میں نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور اپنے پروردگار کو پکارنے میں مشغول ہوں

marfat.com
Marfat.com

تو میں دوسروں سے کیسے روا رکھوں گا کہ مجھے پکاریں یا مجھے اس کا شریک مقرر کریں اور یہ دونوں گروہ اگر آپ سے کسی نفع ونقصان کی توقع رکھ کر پکاریں اور شریک ٹھہرائیں تو صاف

قُلۡ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ لَکُمۡ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا فرمادیں کہ تحقیق میں تمہارے لیے کسی نقصان یا تدبیر مطلب کا مالک نہیں ہوں جیسا کہ مجھ سے پہلے جنات کے وکیل اور سفیر اور بنی آدم کی گمراہ ارواح دنیاوالوں کو منفعتوں کا لالچ اور نقصانات کا خطرہ دِلا کر دھوکا دیتے تھے اور ان کے نزدیک خود کو نفع ونقصان کا مالک ظاہر کرتے تھے کہ اب اس دفتر کو گائے کھا گئی اور کسی حادثے اور مصیبت میں آپ کی پناہ لیں اور چاہیں کہ غضب خداوندی سے آپ کے دامن میں پناہ لیں تو کھال کھینچ کر

قُلۡ اِنِّیۡ لَنۡ یُّجِیۡرَنِیۡ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ فرمائیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

وَّلَنۡ اَجِدَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مُلۡتَحَدًا اور میں اپنے وجدان میں کسی وقت خدا تعالیٰ کے سوا کوئی رجوع اور مائل ہونے کی جگہ نہیں پاؤں گا تاکہ اس طرف رجوع اور التجا کروں۔

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِسٰلٰتِہٖ سوائے احکام خداوندی اور اس کے پیغامات کو مخلوق کی طرف پہنچانے کے وقت کے کیونکہ اس وقت مجھے حق تعالیٰ سے مخلوق کی طرف توجہ کرنا اور رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے اور میں توجہ الی اللہ کے انتہائی خلوص اور اس کی طرف رجوع سے نزول کرتا ہوں لیکن وہ بھی ظاہری طور پر۔ ورنہ یہ نزول چونکہ اس کے حکم پر ہے اور اس کے کام میں ہے عین عروج واستغراق ہے اور اسی لیے یہ نزول اور توجہ بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل وجان کے ساتھ قبول کرتے ہیں اور اس کی اطاعت میں مستعد ہو کر کمر بستہ ہیں کہ ان کی تکمیل اور ان کی ارواح کو مقام قرب تک پہنچانا میری ڈیوٹی ہے۔

وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ اور جو اس معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کرے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مکانات اور اس کی عبادت

marfat.com
Marfat.com

کے اوقات میں غیر خدا کو پکارنے' اپنے مقاصد اور ضرورتیں پوری کرنے میں اس کے غیر کی طرف التجا اور رجوع کرنے اور اس کے غیر کو اس کا شریک کرنے سے باز نہ آئے اور دست بردار نہ ہو۔ اور وہ جو معتزلہ نے سمجھا ہے کہ اس عصیان سے مراد مطلق گناہ ہے اور ہر گناہگار کو ابدی عذاب میں ہیشگی ہوگی تو یہ تحریف ہے' تفسیر نہیں اس لیے کہ اس آیت کا سیاق و سباق اس عصیان کو مقدمۂ شرک کے عصیان کے ساتھ خاص کرنے میں صریح نص ہے جبکہ کلام کو سیاق و سباق کے تقاضے کے خلاف محمول کرنا تحریف ہے اس کا سباق خود گزر چکا جبکہ اس کا سیاق آ رہا ہے کہ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا اور وہ دلالت کرتا ہے کہ ان کی بے شمار مخلوقات کے ساتھ استعانت جو کہ وہ دنیا میں کرتے تھے اور ہر حاجت اور ہر مقصد کے لیے انہوں نے اپنے لیے ایک کارساز' مددگار مقرر کیا ہوا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ سب کثیر جماعت سفارش اور ہمیں چھڑانے سے عاجز نہیں ہوں گے' انہیں کوئی کام نہیں آئیں گے چنانچہ فرمایا:

فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ تو تحقیق اس کے لئے جہنم کی آگ ہے خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وہ اس جہنم میں ہمیشہ ابدالآباد تک رہیں گے اور ان کے مددگاروں میں سے کوئی بھی ان کی فریاد کو نہیں پہنچے گا اور دوزخ سے نہیں نکالے گا جیسا کہ ایمان والے گناہگاروں کو ان کا ایمان' انبیاء علیہم السلام شہداء اور اولیاء کی شفاعت دوزخ سے نکالے گی اور نجات دے گی اس لیے کہ ان کی نافرمانی شرک اور غیر اللہ کی پوجا تک پہنچ گئی اور وہ شفاعت اور معافی کے قابل نہ رہے۔

اور ضمیر کو مفرد لانا جو کہ لفظ من کے مفرد ہونے اور اسے جمع لانا من کے معنوں کے پیش نظر اس لیے ہے کہ نافرمانی اور جہنم کے مقرر ہونے کی حالت میں ہر ایک جدا جدا ہے جبکہ ہیشگی کی حالت میں سب اکٹھے اور ایک ہی جگہ ہیں اور اجتماع اور کثرت کے باوجود کوئی کام نہیں کر سکیں گے اور کوئی مقصد حاصل نہیں کر پائیں گے لیکن وہ دوزخ میں آنے' وہاں کا عذاب چکھنے' ان کے مددگاروں کے ان کی شفاعت اور امداد سے ہاتھ کھینچنے اور ان سے ان کے معبودوں کے بے زار ہونے تک اسی حال میں ہوں گے کہ آخر یہ ہمارے

marfat.com

Marfat.com

معبود اور رہنما ہمارے کام آئیں گے اور ہمیں چھڑا لیں گے کہ انہوں نے اپنے لیے مضبوط وسائل اور بے شمار سندیں درست کر چھوڑی ہیں۔

حَتّٰی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ یہاں تک کہ جب دوزخ میں آ کر وہ اسے دیکھیں گے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے جیسے ان سے ان کے معبودان باطلہ کی بے زاری' ان کا عاجز اور بے چارہ ہونا اور مقامِ شفاعت اور گزارشات پیش کرنے کے مقام میں ان کا باز یاب نہ ہونا بلکہ ان میں سے اکثر کا عذابِ دوزخ میں شامل ہونا

فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا پس تم جان لو گے کہ مددگاروں کے اعتبار سے کون زیادہ کمزور ہے' وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے گمان میں قوی مددگار پیدا کر لیے تھے یا توحید کو ماننے والے مسلمان جو کہ کسی کو مددگار نہیں جانتے تھے اور اپنے مالک کے کرم پر بھروسہ کرتے تھے۔

وَاَقَلُّ عَدَدًا اور گنتی کے اعتبار سے کم تر کون ہے؟ وہ لوگ کہ جنہوں نے ہزاروں پیر اور پریاں اپنے کارساز بنا رکھے تھے اور اپنے گمان میں اپنے لیے ایک لشکر ترتیب دے رکھا تھا یا توحید پرست مسلمان جنہوں نے ایک ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی کو کارساز نہ بنایا تھا اور اس کے سوا کسی کو نہیں جانتے تھے۔

اور اگر کافر جنات اور انسان آپ کی ان باتوں کو سُن کر جو کہ شرک کی بیخ کنی کرتی ہے اور استعانت بغیر اللہ کا پروگرام درہم برہم کر دیتی ہیں اور ان کی اس طمع اور توقع کو کہ جنوں کی وکالت اور سفارت کی خدمت معزول ہونے کے بعد یہ ڈیوٹی آپ کو سونپی گئی ہے اور جس طریقے سے کہ آپ کی بعثت سے پہلے آدمی اور جنات ایک دوسرے کی باہمی مدد اور تعاون کرتے تھے اور علم دینے اور علم لینے کی راہ چلتے تھے اب آپ کے واسطے سے اسی طریقے پر چلیں گے اور آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو جنات کی طرح پوچھیں گے بلکہ خود آپ کی اتباع کر کے آپ کے وسیلے سے پھر اسی خدمت پر بحال ہو جائیں گے جیسا کہ دنیا کا معزول و مقرر کرنے کا طریقہ ہے کہ معزول کے متوسلین مقرر شدہ لوگوں کے توسل سے ڈیوٹی میں دخیل ہو جاتے ہیں' ان چند کلمات کے ساتھ آپ نے ختم کر دیا

marfat.com
Marfat.com

اور مایوس کر دیا پوچھیں کہ آپ یہ تو بتائیں کہ یہ قیامت کے وعدے' معبودانِ باطلہ کا اپنے پوجا کرنے والوں سے ہاتھ کھینچ لینا اور مقتداؤں کا اپنے مقتدیوں سے بے زار ہونا کب ہوگا' نزدیک ہے یا دُور؟ ان کے جواب میں

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ فرمادیں کہ میں نہیں جانتا اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا آیا وہ چیز قریب ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا اس کے لیے میرا پروردگار ایک مدت مقرر کر دے گا' طرزِ کلام کو بدلنا کہ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ نہ فرمایا اس لیے ہے کہ ظاہری نظر میں حکمتِ الٰہی اس کے قریب ہونے کا تقاضا کرتی ہے اس لیے کہ بدلے کے مستحق ہونے کے بعد بدلہ پہنچانے میں جلدی کرنا مناسب ہے لیکن شاید مخفی حکمتِ الٰہیہ تاخیر کی متقاضی ہوئی ہوگی اس لیے کہ جب تک نوعِ انسان دنیا میں باقی ہے' اپنے گزرے ہوؤں کے لیے تقرب الی اللہ یا الی غیر اللہ کی مختلف قسموں کے ساتھ امداد کرتے ہیں اور ان میں جتنی ہمت ہے' خرچ کرتے ہیں جب ان کی تلاش میں یہ ساری کوشش پوری ہو جائے اس وقت الزامِ حجت اور ان کے مددگاروں کے عجز وضعف کو ظاہر کرنے کے لیے بدلہ دینا زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ پس وعدہ شدہ قرب ہر فرد کا وقت پورا ہونے پر جو کہ اس کی موت کا وقت ہے اور عمل دنیا سے فارغ ہو جاتا ہے' نظر کرتے ہوئے احتمال رکھتا ہے اور تمام نوعِ انسانی کا وقت پورا ہونے' تمام افرادِ انسانی کے اعمال منقطع ہونے اور سب کے سب افرادِ نوع کی ارواح کے آخرت کی طرف منتقل ہونے کے پیش نظر فیصلے اور جزا کے دن تک وعدہ شدہ تاخیر کا بھی احتمال ہے اور حقیقت میں قرب وبعد کی دونوں صورتیں واقع ہیں۔ موت کے بعد ہر کسی کو اپنی غلط فہمی اور خطا کا پتہ چل جائے گا جبکہ فیصلے کے وقت تمام مخلوقات کا عجز اور کمزوری ظاہر ہو جائے گی۔ نیز امید کلی طور پر منقطع ہو جائے گی۔ پس اخروی وعدہ شدہ چیزوں کے ظہور کی ابتدا بالکل قریب ہے جبکہ ان کی انتہا بہت دُور اور ہر صورت میں کوئی تعجب نہیں ہے' ہر کسی کے وقت کی مقدار کو میں نہ جانوں اور اس کے مطابق اس کے بارے میں آخرت کی وعدہ شدہ چیزوں کے قریب یا دُور ہونے کا حکم نہ کروں یا نوعِ انسانی کی بقاء کو نہ جانوں اس لیے کہ میں

marfat.com

Marfat.com

عالم الغیب نہیں ہوں اور میں اس علم کا مدعی نہیں ہوں جیسا کہ اس سے پہلے جنات میں سے تمہارے معبود کرتے تھے بلکہ میرا پروردگار

عَالِمُ الْغَیْبِ ہے اور اس کے غیر کو یہ علم حاصل نہیں ہے اس لیے کہ غیب اس چیز کا نام ہے جو حواس ظاہرہ اور باطنہ کے ادراک سے غائب ہو نہ کہ حاضر تا کہ مشاہدہ اور وجدان سے دریافت ہو اور اس کے اسباب اور علامات بھی ان کی عقل وفکر کی نظر میں نہیں آتے تا کہ سوچ اور استدلال کے ساتھ دریافت ہوں اور یہ غیب مختلف ہوتا ہے۔ مادرزاد اندھے کے نزدیک عالم رنگ و بو غیب ہے اور آوازوں' نغموں اور خوش الحانی کا عالم شہادت ہے اور نامرد کے لیے لذتِ جماع غیب ہے اور فرشتوں کے نزدیک بھوک اور پیاس کی تکلیف غیب ہے اور جنت اور دوزخ شہادت ہے لہٰذا اس قسم کو غیب اضافی کہتے ہیں اور وہ جو سب مخلوقات کی نسبت سے غائب ہے' غیب مطلق ہے جیسے قیامت آنے کا وقت' باری تعالیٰ کے ہر روز کے اور شریعت کے احکام کونیہ وشرعیہ اور تفصیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے حقائق اور اس قسم کو اللہ تعالیٰ کا خاص غیب کہتے ہیں۔

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا پس کسی کو اپنے غیب خاص پر اس طرح مطلع نہیں فرماتا کہ اس اطلاع میں تلبیس واشتباہ اور خطا بالکل اُٹھ جائے اور خطا اور اشتباہ کا احتمال بالکل نہ رہے اور یہی اس طرح اطلاع دینا ہے کہ اسے کسی شخص کو غیب پر مطلع کرنا کہا جا سکتا ہے۔ بخلاف نجومیوں' طبیبوں' کاہنوں' رمالوں' علم جفر والوں اور فال بینوں کی اطلاع کے کہ اسباب وعلامات ظنیہ یا جنوں اور شیطانوں کی سچ جھوٹ کا احتمال رکھنے والی خبروں کے ساتھ استدلال کے ذریعے ان کا بعض حوادث کونیہ کو جان لینا قیاسی اور وہمی ہوتا ہے نہ کہ یقینی اور اولیائے اللہ کو اگرچہ بعض حقائق ذات وصفات یا واقعات کونیہ کا الہامی یقینی علم حاصل ہوتا ہے لیکن ہر طرح سے تلبیس واشتباہ مرتفع نہیں ہوتا تا کہ غیب پر ان کی اطلاع اور اس پر غالب آنا متحقق ہو بلکہ ان پر غیب کا اظہار صورتِ غیبیہ کا ان کے وجدان کے آئینے میں منعکس ہونا ہے اور اسی لیے اس سے عام ذمہ داری متحقق نہیں ہوتی اور وہ خود بھی یقین حاصل کرنے اور اس پر اعتماد کرنے میں کتاب وسنت اور اقسام وحی کی

marfat.com
Marfat.com

گواہیوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ پس غیب پر اظہار کسی کو نہیں دیا جاتا۔ ( یہاں قل انما العلم عنداللہ انما انا نذیر مبین (الملک) کا حاشیہ دیکھیں محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مگر اسے جسے پسند فرمائے اور وہ رسول علیہ السلام ہوتا ہے خواہ فرشتوں کی جنس سے ہو جیسے جبرئیل علیہ السلام خواہ جنس انسان جیسے حضرت محمدؐ موسیٰ اور عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کہ اسے اپنے بعض خاص غیوب پر اطلاع فرماتا ہے تا کہ اس غیب کو مکلفین تک پہنچائیں اور اس سے ہر طرح سے تلبیس واشتباہ دُور کر دیں تا کہ خطا اور نادرست ہونے کا احتمال اس کے قریب نہ جائے۔

اور عام مکلفین جنہوں نے معجزہ دیکھ کر انسان رسول علیہ السلام کی تصدیق کی ہو' وحی اور ہر معاملے میں اس پر اعتماد کر کے غلطی میں نہ پڑیں اور راہِ حق گم نہ کریں اور اسی لیے وحی نازل کرنے میں نہایت احتیاط کام میں لائی جاتی ہے۔

فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ پس تحقیق میرا پروردگار روانہ کرتا ہے اور مقرر کر دیتا ہے۔ مِنْ ، بَيْنِ يَدَيْهِ اس رسول کے آگے خواہ رسول ملکی ہو یا رسول انسانی اور آگے سے مراد اس کی قوتِ فکریہ' قوتِ وہمیہ اور اس کی قوتِ خیالیہ ہے اور ان کے حاضر موجود طبائع' عادات اور اخلاق۔ وَمِنْ خَلْفِهٖ اور اس رسول کے پیچھے خواہ ملکی ہو یا انسانی اور اس کے پس پشت اس کے حافظہ میں جمع شدہ علوم اور اس کے چھوڑے ہوئے طبائع عادات اور اخلاق چھوڑے ہوئے اور اخلاق رصداً چوکی دار فرشتوں سے تا کہ وحی آنے اور اسے لینے کے وقت اس کی قوتِ فکریہ' وہمیہ اور خیالیہ کو سبقت نہ کرنے دیں اور اس کی طبیعت' عادت اور خلق کے تقاضوں کو بند کر دیں تا کہ وحی کے احکام کے ساتھ نہ ملیں اور حفاظت اور چوکی داری اس کے آگے سے ہے اور اس کے جمع شدہ علوم اور متروکہ عادات واخلاق کو وحی کے ساتھ مخلوط ہونے سے روکیں اور یہ حفاظت اور چوکی داری رسول علیہ السلام کے پیچھے سے ہے۔ پس رسول کو وحی لینے کے وقت سے لے کر پہنچانے تک معطل القویٰ کر دیتے ہیں کہ اس کی کوئی قوت کسی طرح بھی اس میں دخل نہیں دے سکتی۔

marfat.com
Marfat.com

بخلاف اولیائے اللہ اور عارفین کے کہ ان کے غیب پر مطلع ہونے کی حالت میں یہ احتیاط اور چوکی داری نہیں ہوتی اور ان کے فکر' وہم' خیال' حافظہ اور ذاکرہ کے قوی اور طبائع اور عادات و اخلاق موجودہ اور متروکہ سب اپنے کام میں مشغول ہوتے ہیں اور اگرچہ ملکی رسول ان اکثر امور میں اس چوکی داری کے محتاج نہیں ہیں لیکن بعض امور سے احتیاط کی بناء پر جیسے محرکاتِ الٰہیہ میں سے کسی محرک کو برداشت کرنا کہ جسے جاری کرنا بالفعل حکمت کو منظور نہیں اس کے لیے بھی چوکی داری ضروری ہے اور اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی وحی لائے آپ کے ہمراہ وحی کی حفاظت کے لیے اور فرشتے بھی ہوتے تھے اور جب سورۂ انعام لائے تو اس کی حفاظت کے لیے ان کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے تھے اور اس سورۃ کو زیادہ احتیاط کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ سورۃ پوری کی پوری یا اس کا اکثر حصہ ایک دم اُترا اور قابلِ حفاظت چیز جتنی زیادہ ہوگی' اسی قدر محافظ زیادہ چاہئیں۔ نیز اس سورۃ میں وحی شیطانی کی بعض اقسام کو رد و ابطال کے طریقے سے ذکر کیا گیا ہے اور فرض محال کے طور پر بعض کلمات کفریہ کی حکایت کی گئی ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت جبرئیل ان وساوس شیطانی اور ان کلماتِ کفریہ کو ان سے انتہائی نفرت کی وجہ سے حافظہ سے دُور کر دیں اور وحی کی مقدار میں کوئی کمی واقع ہو جائے۔

## ایک قوی اعتراض

یہاں ایک قوی اعتراض ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیوب خاصہ پر اطلاع دی گئی اور رسول کا مفہوم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان خاص غیوب کو دوسروں تک پہنچائیں۔ پس استثناء میں رسول کی تخصیص بے فائدہ اور خلاف واقع ہوئی۔ نیز یہ ساری احتیاط وحی کے پہلے واسطے میں کافی ہے جو کہ ملکی رسول ہے اور اگر دوسرے واسطے میں جو کہ انسانی رسول ہے' میں بھی اس احتیاط کی رعایت کی جائے تو چاہیے کہ دوسرے واسطوں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم' علمائے کرام اور مفسرین میں بھی اس کی رعایت کی جائے تاکہ نقل الفاظ اور وحی کی مراد سمجھنے میں خطا واقع نہ ہو۔

marfat.com

Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ غیب پر اطلاع ملکی رسول اور انسانی رسول کے حق میں خاص ہے لیکن عام مکلفین کا علم معجزے کی تصدیق کی وجہ سے وحی استدلالی کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ اطلاع علی الغیب کے قبیلے سے۔ پس استثناء میں رسول کی تخصیص واقع کے مطابق ہے اور اس کا اعتبار ضروری ہے اور وحی نازل کرنے میں احتیاط کی رعایت اس وقت تک ہے جب تک کہ رسول کی طرف سے اس کی تبلیغ عدد تواتر کے ساتھ واقع نہ ہو اور رسول نے عدد تواتر کے ساتھ اسے پہنچا دیا' تلبیس واشتباہ کا خوف نہ رہا اور فہم مراد میں ساری اُمت کا مجموعی حیثیت سے خطا سے بچنا درکار ہے نہ کہ ہر ہر فرد کا بچنا اور دوسرا رسول جو کہ انسان ہے' ابھی مراتب غیب کے وسط میں واقع ہے اس لیے کہ اس تک پہنچنے کے بعد بھی وحی غیب سے شہادت نہیں بنی اور عام مکلفین کو اس تک وحی پہنچنے کا احساس اور مشاہدہ نہیں ہوا۔ احتیاط کے مرتبوں کو بلاوجہ چھوڑ دینا کس طرح جائز ہوگا کہ اس کے علوم مخزونہ' فکر' خیال اور عادت کے تقاضے برقرار ہیں ہاں اس کے بعد کہ اس نے عدد تواتر کے ساتھ تبلیغ کردی تو وحی بالکل ظاہر ہوگئی اور احتیاط کی ضرورت نہ رہی۔ چنانچہ فرمایا:

لِيَعْلَمَ تاکہ ظاہر کردے میرا پروردگار اور یہاں لام بمعنی حتیٰ ہے اس لیے کہ غرض اور غایت کے درمیان قوی مناسبت ہے' ایک کا لفظ دوسرے کے لیے بطورِ استعارہ لانا جائز ہے اور یہی وجہ ہے کہ لفظ حتیٰ کو جو کہ غایت کے لیے موضوع ہے' تعلیل اور بیان کے مقام میں اکثر استعمال کرتے ہیں جبکہ لام کو جو کہ غرض کے لیے موضوع ہے' بیان غایت کے مقام میں اگرچہ بطریق مجاز سہی استعمال کرتے ہیں جیسے اور لدوا للموت وابنوللخراب اور جیسے فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا اور حاصل کلام یہ ہے کہ یہ احتیاط اور چوکی داری کا سلسلہ جاری رہتا ہے حتیٰ کہ میرے پروردگار کا حالی علم جو واقع ہونے والی چیزوں کے ساتھ ان کے وقوع کے وقت متعلق ہوتا ہے' تعلق قبول کرے۔

اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ کہ تحقیق اس رسول ملکی اور رسول انسانی اور چوکی داروں نے اپنے پروردگار کے تمام پیغامات پہنچا دیئے اور عام مکلفین پر حجت لازم ہوگئی

marfat.com
Marfat.com

اور گزشتہ کلام میں رسول کے صیغہ مفرد کے باوجود یہاں جمع کا صیغہ وارد کرنا اسی لیے ہے کہ اکثر اوقات نزولِ وحی اور اسے مکلفین تک پہنچانا ملکی اور انسانی رسولوں اور چوکی داروں کی جماعت سب کے دخل سے ہوتا ہے۔ گو اس کا حامل صرف رسول ہو جیسے اس کھانے کا تھال جو بادشاہ اپنے مقربین کے لیے بھیجتا ہے اسے اُٹھانے والا ایک ہوتا ہے اور دوسروں کو اطلاع نہیں ہوتی کہ اس میں کیا ہے لیکن مشعل بردار اور محافظ ضرور ہمراہ ہوتے ہیں اور اس کا پہنچانا ان سب کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

**وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ** اور ان کے پروردگار نے اس سب کا احاطہ فرمایا ہے جو کچھ ان کے پاس علومِ مخزونہ' اخلاق' عادات اور احکامِ وحی سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ کرنا رسولوں اور وحی کے چوکی داروں کے احوال کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام ذہنی اور خارجی موجودات کو عام ہے۔

**وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا** اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے حتیٰ کہ دریا کی موجوں' بیابان کی ریت' درختوں کے پتوں اور بارش کے قطروں کے شمار کو جانتا ہے تو اس سے کیا بعید ہے کہ اس نے رسولوں اور وحی کے محافظوں کے احوال کا احاطہ کر رکھا ہو۔

## صاحبِ کشاف کا رد

یہاں جاننا چاہیے کہ صاحبِ کشاف نے معتزلی ہونے کی بناء پر اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ **وفی هذا ابطال الكرامات لان الذين تضاف اليهم وان كانوا اولياء مرتضين فليسوا برسل الخ** یعنی یہاں کرامات کا ابطال ہے کیونکہ جن کی طرف منسوب ہوتی ہیں اگرچہ منتخب اولیاء ہوں' رسول نہیں ہیں لیکن دانش مندی کے دعوے کے باوجود یہ بات اس سے حقیقت سے بہت بعید واقع ہوئی ہے اس لیے کہ یہ آیت غیب پر اطلاع کی نفی اس انداز سے کہ تلبیس واشتباہ رفع ہو جائے' رسولوں کے غیر سے کرتی ہے نہ کہ مطلق غیب پر اطلاع کی نفی چہ جائیکہ دوسری کرامات کو باطل کرے اور تنبیہ میں گزرا ہے کہ کسی شخص کی غیب پر اطلاع اور چیز ہے اور کسی شخص پر غیب ظاہر کرنا اور بات ہے' اس کی نفی سے اس کی نفی لازم نہیں آتی اور اولیائے اللہ کو اگرچہ غیب پر

marfat.com
Marfat.com

اطلاع حاصل نہیں ہے لیکن ان پر غیب کا اظہار جائز اور واقع ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کے بارے میں سورۂ قصص میں منصوص ہے کہ اِنَّا رَادُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔

اسی لیے اکثر علمائے اہلِ سنت وجماعت کہ جنہوں نے کسی شخص کے غیب پر مطلع ہونے اور کسی شخص پر غیب ظاہر کرنے کا فرق نہیں کیا ہے' کہتے ہیں کہ اس آیت میں غیب سے مراد احکامِ شرعیہ ہیں جن کی عام مکلفین پر ذمہ داری ہوتی ہے اور اگر غیب سے مطلق غیب مراد ہو تو لازم آئے کہ صرف نبی کو جیسے حضرت خضر علیہ السلام کسی غیب پر اطلاع حاصل نہ ہو اس لیے کہ آیت میں علمِ غیب کا حصر لفظ رسول پر فرمایا اور نبی سے رسول زیادہ خاص ہوتا ہے۔ ہاں جدید احکامِ شرعیہ پر اطلاع دینا رسول کا خاصہ ہے کہ نبی میں یہ اطلاع نہیں پائی جاتی۔

اور ان میں سے بعض نے کہا ہے حصر اصالت کی پابندی کے اعتبار سے ہے یعنی اصالت کے طور پر غیب پر اطلاع پیغمبروں علیہم السلام کا خاصہ ہے جبکہ اولیائے اللہ کو غیب پر اطلاع وراثت اور تبعیت کے طریقے پر حاصل ہوتی ہے جیسا کہ چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل شدہ ہے اور کسی چیز کا حصر اس چیز میں کہ بالاصالت ہو اور اس چیز کی اس چیز سے نفی جس میں کہ تبعیت و وراثت کے ساتھ ہو' ایک متعارف اور مشہور مجاز ہے' تاویل میں داخل نہیں ہے۔

اور اہلِ سنت کے بعض پرانے مفسرین نے کہا ہے کہ غیب سے مراد لوحِ محفوظ ہے اور لوحِ محفوظ پر پیغمبروں کے سوا کسی کو اطلاع حاصل نہیں ہوتی لیکن اس کلام میں بہت خلل ہیں اس لیے کہ پہلے تو لوحِ محفوظ پر اطلاع اس لوح اور اس کے نقوش کے مطالعہ کے معنوں میں طریق صحیح سے مروی نہیں ہے کہ کسی پیغمبر علیہ السلام کو ہوئی ہو بلکہ اخبارِ صحیحہ میں اس امر کا حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ساتھ خاص ہونا مروی اور ثابت ہے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام رسول نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ لوح پر اطلاع سے مراد نفس الامری موجودات پر اطلاع ہے

marfat.com
Marfat.com

جو کہ ان موجودات کے خارج میں ظہور سے پہلے حاصل ہو۔ گو لوح کے نقوش کے مطالعہ کے ساتھ ہو یا مطالعہ کے بغیر اس لیے کہ کتاب پر اطلاع سے مراد اس کتاب میں لکھے ہوئے مضامین پر اطلاع ہوتی ہے نہ کہ نقوش دیکھنا اور یہ معنی اولیائے اللہ کو بھی حاصل ہوتا ہے تو دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہو گیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ نقوش دیکھنے کے مطالعے کے ساتھ لوحِ محفوظ پر اطلاع بھی بعض اولیائے اللہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ پس اختصاص اور حصر صحیح نہ ہوگا اور اس کے علاوہ غیب کو لوحِ محفوظ پر محمول کرنا آیت کے سیاق وسباق کے ساتھ بالکل مناسبت نہیں رکھتا۔ پس اصل وجہ وہی ہے جو تفسیر میں گزری۔

marfat.com
Marfat.com

# سورۃ المزمل

مکی ہے اس کی بیس (۲۰) آیات ہیں اور اس سورۃ کے سورۃ الجن کے ساتھ رابطے کی وجہ یہ ہے کہ اُس سورۃ میں مذکور ہے کہ جنات کا ایک گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سُن کر ہدایت پا گیا اور انہوں نے ذات صفاتِ الٰہیٰ کے ضروری عقائد مکلفین کا صالح اور بد بخت دو قسموں میں منقسم ہونا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا فرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ کر بالمشافہ سوال و تفتیش کے بغیر معلوم کر لیا اور یقین حاصل کیا۔ پس اس سورۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ رات کے وقت خلوت میں کہ لوگ حاضر نہ ہوں چاہیے کہ آپ تلاوتِ قرآن پاک میں مشغول ہوں اور اس کے الفاظ اور حروف کو بلند آواز کے ساتھ صاف صاف پڑھیں تا کہ اس سراپا ہدایت کلام سے عالم غیب والے بھی بہرہ ور ہوں جس طرح کہ ہر روز اس سے آدمی نفع حاصل کرتے ہیں تو آپ کو رسول الثقلین کا مرتبہ حاصل ہو اور اس کلام کی تلاوت کے اوقات کی تقسیم کچھ اس طرح مقرر کیجیے کہ انسانی مخلوق کو جو کہ ظاہر ہے ظہور کے وقت جو کہ دن ہے یہ کلام سنائیں اور جنوں کی مخلوق کو جو کہ پوشیدہ اور پردہ نشیں ہیں تاریکی کے پردے کے وقت جو کہ رات ہے یہ کلام سنائیں اس لیے کہ جنات کی حاضری اور پھیلاؤ زیادہ تر رات میں ہوتا ہے جبکہ آدمیوں کی حاضری اور پھیلاؤ زیادہ تر دن میں ہوتا ہے۔

نیز اس سورۃ میں ذکر فرمایا گیا کہ نماز اور قرآن مجید کی تلاوت کے وقت کفار اژدہام اور شور و غوغا کرنے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کو بہت پریشان کرتے تھے کہ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا اور عبادت اور تلاوت کا فائدہ جو

marfat.com
Marfat.com

کہ مناجات کی حلاوت پانا اور درجات قرب کی ترقی ہے ان کے ہجوم کی وجہ سے محقق نہیں ہوتا تھا' ناچار اس سورۃ میں اس وقت کا پتہ دیا گیا جبکہ کفار فساق بلکہ اکثر لوگ خوابِ غفلت میں مردوں کی طرح پڑے ہوتے ہیں اور اس وقت تشویش بالکل رونما نہیں ہوتی۔

## سورۃ المزمل کی ماقبل سے مناسبت

اس کے علاوہ دونوں سورتوں کے مختلف مضامین اور ان میں مستعمل الفاظ میں بھی مناسبت حاصل ہے یہاں قیامت کے دن آسمان پھاڑنے کا ذکر ہے جبکہ وہاں دنیا میں آسمان کی حفاظت اور چوکی داری کا ذکر ہے۔ یہاں خدا تعالیٰ کے ذکر کا حکم فرمایا گیا ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ جبکہ وہاں اس شخص کی مذمت ہے جو ذکر خدا سے روگردانی کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا یہاں بنی آدم کے علم وقدرت کی کمی ان لفظوں سے ارشاد فرمائی۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ جبکہ وہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم وقدرت کا کمال اس عبارت میں ادا فرمایا وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا اس کے علاوہ اور مناسبتیں ہیں جو کہ غور وفکر کے بعد واضح ہوتی ہیں۔

اور اس سورۃ کا نام سورۃ مزمل اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورۃ میں خرقہ پوشی کے لوازمات اور اس کی شرائط بیان فرمائی گئی ہیں۔ پس یہ سورۃ اس کے لیے ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے آپ کو ان کے رنگ میں ڈھالے اور لغتِ عرب میں مزمل اسے کہتے ہیں جس نے وسیع سا کپڑا اپنے اوپر لپیٹا ہوا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ نے چودہ (۱۴) ہاتھ کا ایک لمبا کمبل رات کے قیام کے لیے مہیا کر رکھا تھا جب نماز تہجد اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے اٹھتے تو وہ کمبل اوڑھ لیتے تا کہ ہوا کی سردی سے بچاؤ بھی ہو جائے اور کپڑا لپیٹنے کی وجہ سے نماز اور وضو کی حرکات وسکنات میں رکاوٹ بھی نہ ہو۔ پس اس کمبل کو جو کہ عبادت کے لیے مقرر تھا' اپنے اوپر لپیٹنا گویا اشارہ ہوتا تھا کہ میں عبادتِ مولیٰ کی راہ میں داخل ہوا اور میں نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا جس طرح کمر

marfat.com
Marfat.com

باندھنا اور اسلحہ اُٹھانا سپاہی گری کی اور قلم دان اور کاغذ سنبھالنا منشی گری کی علامت ہے' ناچار ارشاد ہوا کہ اس لباس کی سات شرائط ہیں۔

## خرقہ پوشی کی سات شرائط

پہلی شرط شب بے داری اور تہجد میں قرآن پاک کی تلاوت کا عظیم مجاہدہ' دوسری دن کے اوقات کو مالک کی اطاعت سے آباد رکھنا' تیسری نامِ خدا کا ذکر ہمیشہ کرنا' چوتھی علائق دنیا سے قطعی تعلق' ترک اور تجدید' پانچویں مالک کی کارسازی پر بھروسہ اور اعتماد کرنا اور خود کو کوئی دخل نہ دینا' چھٹی مخلوق کی جفا پر صبر کرنا' ساتویں اہلِ دنیا کی خیر خواہی کے باوجود ان کی صحبت کو ترک کرنا کہ بہت مشکل ہے اور اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورۃ میں مزمل سے خطاب فرمایا گیا ہے تاکہ اس بات کا اعلان ہو کہ یہ لباس اختیار کرنے سے آپ کے ذمہ یہ کام مقرر ہو گئے جیسا کہ اس شخص کو جو کمر بستہ ہو کر اور ہتھیار اُٹھا کر جنگ کے لیے تیار ہو کر آئے کہتے ہیں کہ اے ہتھیار پہننے والے! تجھے چاہیے کہ تو فلاں مورچے میں رہے اور یوں یوں کوشش کرے یعنی اسلحہ پہننا اس کام کا تقاضا کرتا ہے اگر تو ہتھیار نہ پہنتا تو میں تجھے یہ کام نہ کہتا اب تجھے ہتھیار پہننے کی شرم دامن گیر ہو گئی اس سے دل نہ چرانا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ اے اپنے آپ پر ریاضت کا لباس لپیٹنے والے! اس لباس کا حق بجالا اور سب سے لذیز چیز جو کہ نیند ہے' عبادت کی مصروفیت میں چھوڑ دے۔

قُمِ الَّيْلَ اُٹھیئے اور ہر رات کھڑے ہو کر نماز ادا کریں۔ اِلَّا قَلِيْلًا مگر تھوڑی سی راتیں جو کہ بیماری' سفر اور ان دنوں کی راتیں ہیں کہ جن میں آپ نے مشقت اور تھکاوٹ کے کام کیے ہوں جیسے کفار کے ساتھ جہاد اور لڑائی' اصلاحِ معاشرہ' کسی مظلوم کو کسی ظالم کے پنجے سے چھڑانا اور اس قسم کے مشقت طلب کام اور شب بے داری کی طاقت نہ رہے کہ ایسی راتوں کی تہجد ساقط ہو جاتی ہے اور صرف نفل ہو جاتی ہے اور تاکید اور پابندی نہیں رہتی اور اسی طرح اس قسم کے عذروں میں قیام کرنا بھی ساقط ہو جاتا ہے

marfat.com
Marfat.com

اگر چاہے تو نمازِ تہجد بیٹھ کر ادا کرے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر مبارک کے آخری سال نمازِ تہجد بیٹھ کر ادا فرماتے تھے اور اس صورت میں احتمال ہے کہ اِلَّا قَلِیْلًا قیام لیل کی محذوف ظرف سے استثناء ہو یعنی قم فی صلوٰۃ اللیل فی جمیع عمرك الا زمانا قلیلا ھو کبر السن وضعف البدن فلا باس بالقعود یعنی ساری زندگی صلوٰۃ لیل کھڑے ہو کر ادا کریں مگر وہ تھوڑا سا زمانہ جو کہ بڑھاپا اور جسمانی کمزوری ہے تو بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن چاہیے کہ رات کی نماز میں یہ کھڑا ہونا بہت تھوڑا نہ ہو کہ جذب الی اللہ اور حاضری اور مناجات کی اہلیت حاصل کرنے میں کوئی قابلِ قدر اثر نہ کرے اس لیے کہ عمل قلیل کسی طرح کا بھی ہو روح اور دل کو اپنی کیفیت میں متکیف نہیں کرتا بلکہ آپ نماز میں کھڑے رہیں۔

نِصْفَهٗ نصف رات اگر ربیع اور خریف کے معتدل ایام ہوں اس لیے کہ آدھی رات ان دنوں میں دن رات کے پورے دورے کا چوتھائی حصہ ہے اور خواص و تاثیر میں رات کے چوتھے حصے کو اس رات کا حکم ہے۔ پس اتنی مقدار کے مجاہدے کی وجہ سے رات اور دن کے مکمل دورے میں اس کا اثر روح میں باقی رہے گا اور وہ حضوری اور مناجات کی کیفیت سے متکیف رہے گا اور معنوی قرب دائما حاصل ہوگا اس شخص کی طرح جسے پورے دن رات میں دو پہروں کی مقدار اپنے محبوب اور مطلوب کے ساتھ صحبت اور ہم کلامی اور مخاطب ہونے کا موقع ملے کہ وہ دن رات کے آٹھ پہر تک اس کی لذت نہیں بھولتا اور اس کی کیفیت سے لبریز رہتا ہے اور اگر ایسے یہ موقع ایک ساعت یا ایک لمحہ کے لیے نصیب ہو تو پیاس اور بے قراری زیادہ ہو جاتی ہے اور اس آتش کی تسکین میں بالکل مفید نہیں پڑتا اسی قیاس پر شدید پیاس کے وقت تھوڑا سا پانی پینا اور سخت بھوک کے وقت تھوڑا سا کھانا استعمال کرنا ہے۔

اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا یا آدھی رات سے کچھ کم دیں تاکہ رات کے تیسرے حصے تک آجائے اگر موسم سرما ہو کیونکہ رات کافی طویل ہوتی ہے اور اس کا تیسرا حصہ دن

marfat.com
Marfat.com

رات کے دوسرے کا تقریباً چوتھائی ہوتا ہے اور احتمال ہے کہ یہ اختیار دینا طبیعت کی چستی اور سستی کی رعایت کرنے کے لیے ہوتا کہ اگر طبیعت میں پوری طاقت اور چستی ہو تو نصف سے زیادہ کردیں اور یہ کیفیت درمیانی ہو تو نصف شب پر اکتفا کریں اور اگر قوت اور نشاط میں کسی وجہ سے خلل پڑ جائے تو تیسرے حصے تک پہنچائیں اس لیے کہ اس عبادت کی بنیاد دلی نشاط اور رغبت پر ہے جیسا کہ مسئلہ تہجد کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہے کہ لیصل احدکم نشاطه فاذا فتر فلیقعد اس وقت تک یہ نماز پڑھو جب تک طبیعت حاضر اور خوش باش ہے جب سستی ہو جائے تو بیٹھ جاؤ۔

نیز وارد ہے کہ تہجد کی ادائیگی کے وقت جب تم میں سے کسی پر نیند غلبہ کرے تو چاہیے کہ سو جائے اور نماز فی الحال چھوڑ دے کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کے غلبے کے وقت اچھی دعا کی بجائے اس کی زبان پر بددعا آ جائے یا قرآن پاک کی تلاوت کے بجائے کفر وفسق کا کوئی کلمہ نکل جائے۔ نیز وارد ہے لاتکابدوا اللیل یعنی دلی ملال کے ساتھ شب بے داری کی بے فائدہ مشقت اور تکلیف نہ اٹھاؤ اس لیے کہ ملال کے ساتھ کی گئی عبادت اچھا نتیجہ نہیں دیتی۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اختیار دینا اس لیے ہے کہ رات کے حقیقی نصف کو معلوم کرنا اور اتنی مقدار کو کمی بیشی کے بغیر نماز تلاوت اور ذکر میں مصروف رکھنا انسانی ہمت سے باہر ہے۔ خصوصاً جہاں ساعت پہچاننے کے آلات موجود نہ ہوں۔ گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ اس راہ کے طالب کے لیے دراصل نصف رات کی بے داری ضروری ہے لیکن جب تحقیق کے ساتھ نصف شب کو معلوم نہیں کیا جا سکتا تو اتنی وسعت کر دی گئی کہ اگر کچھ کمی بیشی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اور سورۃ کے آخر سے معلوم ہوگا کہ کم از کم حد ایک تہائی ہے اور زیادہ سے زیادہ دو تہائی اور جب مدت مجاہدہ کے بیان سے فراغت ہوئی اب اس عمل کی بابت ارشاد ہوتا ہے جو اس مدت میں کرنا چاہیے کہ

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا اور نماز میں کھڑے ہو کر قرآن کی اچھی طرح ترتیل کریں اور لغت میں ترتیل روشن اور واضح کر کے پڑھنے کو کہتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

## ترتیل قرآن کا شرعی تصور

اور شرع شریف میں قرآن پاک کی تلاوت کے لیے چند چیزیں ضروری ہیں تا کہ کمال ترتیل حاصل ہو۔ پہلی چیز حروف کو صحیح کرنا کہ ضاد کے بجائے ظا اور طا کی جگہ تا نہ نکلے دوسری چیز وقف اچھی طرح کرنا کہ وصل اور کلام کا قطع کرنا بے موقع واقع نہ ہو اور کلامِ الٰہی کی صورت تبدیل نہ ہو' تیسری چیز حرکات کا اشباع یعنی ضمہ' فتحہ اور کسرہ کو ایک دوسرے سے اس طرح امتیاز دینا کہ اشتباہ نہ رہے' چوتھی چیز آواز کو کچھ اونچا کرنا تا کہ قرآن پاک کے الفاظ زبان سے قوت سامعہ پر وارد ہوں اور وہاں سے دل تک پہنچیں اور مطلوبہ کیفیتوں میں سے کوئی کیفیت دل میں پیدا کریں جیسے شوق' ذوق' خوف اور ڈر' پانچویں چیز آواز کو اچھا کرنا یعنی خوش آوازی اور اسے دردمند بنانا تا کہ مطلوبہ تاثیر جلد حاصل ہو اس لیے کہ جب کوئی مضمون اچھی آواز کے ساتھ ملتا ہے تو روح کے اس آواز کے ساتھ لذت حاصل کرنے کی وجہ سے اس مضمون کی زود اثر کشش قوی روح تک پہنچتی ہے اسی لیے طبیبوں نے کہا ہے کہ جب بھی کسی دوائی کی کیفیت دل تک پہنچانا منظور ہو تو اس دوا کو کسی خوشبو کے ساتھ ملا کر کھلانا چاہیے کیونکہ دل خوشبوؤں کو جذب کرنے والا ہے اس لیے اس خوشبو کے ساتھ اس دوا کو بھی جلدی جذب کرلے گا۔ علیٰ ہذا القیاس جب کسی دوا کو جگر تک پہنچانا منظور ہو تو اس دوا کو شیرینی کے ساتھ ملا کر دینا چاہیے جگر مٹھاس کا عاشق ہے۔

چھٹی چیز مواقع کے مطابق شد اور مد کا خیال رکھنا کہ ان کی رعایت کی وجہ سے کلام کی عظمت و جلالت ظاہر ہوتی ہے اور تاثیر میں امداد و اعانت کرتی ہے' ساتویں چیز اگر قرآن پاک میں کسی خوف ناک اور ڈرانے والے امر کے متعلق سنے تو رُک جائے اور خداتعالیٰ کی پناہ لے اور اگر مطلوب و مقصود امر سنے تو رُک جائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اپنے لیے وہ مقصد طلب کرے اور اگر قرآن پاک میں کسی دعا یا ذکر کی تعلیم دی گئی ہے تو رُک جائے اور وہ دعا یا وہ ذکر کم از کم ایک بار زبان پر لائے۔

اور ترتیل میں ان ساتوں چیزوں کا صرف ایک چیز کے لیے اعتبار کیا گیا ہے کہ

marfat.com
Marfat.com

مقصود بالذات وہی ہے یعنی تدبر اور فہم جو کہ ان سات چیزوں کے بغیر نہ خود کو حاصل ہوتا ہے نہ سامع کو اور اس کے بغیر شعر خوانی کی طرح تلاوتِ قرآنِ پاک کا فائدہ مرتب نہیں ہوتا اور اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے لا تنثروه نثر الدمل ولا تهذوه كهذا لشعر قفوا عند عجائبه حر كوا به القلوب ولايكن هم احدكم آخر السورت یعنی الفاظ قرآنِ کریم کو اپنی زبان سے اس طرح نہ پھینکو جیسے کھجوریں پھینکتے ہو اور قرآن پاک کو اس طرح مسلسل نہ پڑھتے جاؤ جیسے شعر پڑھتے ہو۔ عجائب قرآن کے نزدیک رُکو اور اس کے ساتھ اپنے دِلوں کو حرکت دو اور اس کی فکر نہ کرو کہ سورۃ کا اختتام کب ہوگا تا کہ اسے جلد پورا کروں۔

## حضور علیہ السلام کا اندازِ تلاوت

اور اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تلاوت کیسے فرماتے تھے؟ آپ نے فرمایا کہ حرکات کو دراز فرماتے تھے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرأت قرآنِ پاک میں آواز کو لمبا کرنا نقل فرمایا ہے اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی ایک آیت پاک کا نمازِ تہجد میں تکرار فرماتے رہے اِنَّكَ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُالْحَكِيْم۔

اور اسی لیے علمائے اُمت نے فرمایا ہے کہ قرأت قرآن میں تدبر کا کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ ہر خطاب اور ہر واقعہ میں خود کو مخاطب سمجھے اور تدبر کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اس میں متکلم کی صفات اور اس کے افعال کا مشاہدہ کرے اور اس کا درمیانی مرتبہ یہ ہے کہ اس کلام کو بارگاہِ حق سے بلاواسطہ سنے۔

## سلوک الی اللہ کا مفہوم

اور یہاں جاننا چاہیے کہ سلوک الی اللہ اپنے پاس اس کی حضوری کو طلب کرنا ہے

marfat.com
Marfat.com

اور چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جسمیت اور اس کے لوازم سے پاک ہے' اس کی حاضری تین طریقوں میں سے ایک کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ پہلا طریقہ تصور جسے عرف شرع میں تفکر اور اہلِ سلوک کی اصطلاح میں مراقبہ اور نگرانی کہتے ہیں' دوسرا ذکر اور تیسرا اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت اور چونکہ پہلا طریقہ بھی درحقیقت ذکر اور یادِ قلبی ہے اس لیے ذکر کو بھی اس طریقے میں شامل کرتے ہیں اور ذاتِ حق کی حاضری طلب کرنا دو طریقوں میں منحصر مانتے ہیں ذکر اور تلاوت لیکن ذکر جو کہ لسانی اور قلبی ذکر کو شامل ہے' بے واسطہ یا کسی لفظ کے واسطے سے جو کہ ذاتِ حق پر دلالت کرتا ہو' ذہن کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا موجب ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ ہو گئی تو اس کی حاضری ہو گئی اور جب اس حاضری کا دوام نصیب ہو جائے تو صحبت اور ہم نشیں ہونے کا حکم حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات بشری صفات پر غالب آ جاتی ہیں اور افعالِ حق سبحانہ وتعالیٰ بندے کے افعال پر حاکم ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی اجبته فاذا احبته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها کہ میرا بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ جس سے وہ دیکھتا اور اس کا ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔ (اقول وباللہ التوفیق اسی لیے اولیائے اللہ دور کی سُن لیتے ہیں اور مشرق و غرب تک مشاہدہ فرماتے ہیں اور اطراف واکناف عالم میں دست گیری فرماتے ہیں اور پہنچتے ہیں جیسا کہ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس حدیث شریف کے تحت لکھا ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

لیکن قرب حاصل کرنے کا یہ طریقہ ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اگر کوئی چاہے کہ اس طریقے سے مخلوقات میں سے کسی کا قرب حاصل کرے' ممکن اور دستور نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کا قرب حاصل کرنے میں متقرب الیہ کو دو چیزیں چاہئیں۔

marfat.com

Marfat.com

ایک تو مکانوں' زمانوں' مرتبوں اور زبانوں کے مختلف ہونے کے باوجود ذکر کرنے والوں کے قلبی اور لسانی اذکار کا علمی طور پر محیط ہونا تا کہ ہر ذکر کرنے والے کے قلبی اور لسانی ذکر کو معلوم کرے۔ دوسری چیز نزدیک ہونے' اس کے ذہن میں داخل ہونے' اسے پُر کرنے اور اس کی صفت کا حکم پیدا کرنے کی قوت جسے عرف شرع میں دنو' تدلی' نزول اور قرب کہتے ہیں اور یہ دونوں صفات حق تعالیٰ کی ذات پاک کا خاصہ ہیں' کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ ہاں بعض کفار اپنے معبودان باطلہ کے بارے میں پہلا امر ثابت کرتے ہیں اور ضرورت کے وقت اسی اعتقاد کے ساتھ ان سے استعانت کرتے ہیں لیکن یہ عام نہیں اور درحقیقت وہ شبہ میں پڑ گئے ہیں کہ اس شبہ کو یہاں بیان کرنا موضوع سے علیحدہ ہے اور انہیں دو امور سے سلوک کا کاروبار پورا ہوتا ہے ورنہ ممکن نہیں کہ بندہ پروردگار کے نزدیک ہو۔

اور انہیں دو امور کی طرف ایک حدیث صحیح میں اشارہ فرمایا گیا ہے جسے محدثین کتاب السلوک والتقرب الی اللہ کی ابتدا میں وارد کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ **انا عندظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی** کہ میں اپنے بندے کے اس گمان کے قریب ہوں جو میرے متعلق رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرے' میں اس کے ساتھ ہوں۔ نیز ایک دوسری صحیح حدیث شریف میں ہے جسے محدثین کتب سلوک کے سرفہرست ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ **من تقرب الی شبرا تقربت الیه ذراعاً ومن تقرب الی ذراعاً تقربت الیه باعاً و من اتانی یمشی اتیته هروله** یعنی جو ایک بالشت بھر میرے قریب ہو' میں ایک گز بھر قرب عطا کرتا ہوں اور جو ایک گز میرے قریب ہو' میں دونوں بازوؤں کے دائیں بائیں پھیلاؤ کے درمیانی فاصلے تک اسے قرب عطا کرتا ہوں اور جو میرے پاس چل کر آئے' میں اسے پویہ چال کے انداز کے سے یعنی تیز رفتاری سے قرب عطا فرماتا ہوں۔

پس یہ ذاتِ حق عزوعلا کا خاصہ ہے کہ اپنے یاد کرنے والے کی طرف نزول فرماتا

marfat.com
Marfat.com

ہے اور نزدیک ہوتا ہے اور اس کے ذہن کو پُر کرتا ہے اور اس کے باطنی لطائف پر غالب آ جاتا ہے اور اس واقعی حقیقی تدلی کی وجہ سے روح آدمی کی روح ہو جاتا ہے اور روح کو جو بدن سے نسبت ہے اس تدلی کو اس کی روح کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے اور دوسری مخلوقات گرچہ روحانیات ہوں پہلے تو علم محیط نہیں رکھتیں کہ ہر ذکر کرنے والے کے ذکر پر مطلع ہوں دوسرے ذکر کرنے والے کی روح پر دائمی غلبہ نہیں پا سکتیں کہ انہیں ایک حالت دوسری حالت سے غیر متوجہ کر دیتی ہے جبکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو ایک شان دوسری شان سے غیر متوجہ نہیں کرتی۔

## تلاوت قرآن پاک کے موجب قرب ہونے کی وجہ

رہی تلاوتِ کلام پاک تو وہ اس وجہ سے قربِ خداوندی کا موجب ہوتی ہے کہ اس کلام کے الفاظ اس کے معنوں پر دلالت کرتے ہیں اور وہ معانی اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک مدت تک کلامِ نفسی کا خلعت پہنے اس کی صفاتِ ذاتیہ میں سے ایک صفت ہو گئے تھے۔ پس وہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ میں سے ایک صفت کو تلاوت کرنے والے کے ذہن کے نزدیک کر دیتے ہیں اور ایک قسم کے امتزاج اور اتحاد کے ساتھ وہ صفت ذاتیہ تلاوت کرنے والے کی صفت بن جاتی ہے کیونکہ یہ مرتب ہونے والے معانی اس کے ذہن میں قائم رہتے ہیں جس طرح کہ وہ الفاظ اسی طرح سے تلاوت کرنے والے الفاظ ہو جاتے ہیں اور اس قسم کا قرب حاصل کرنا حق جل شانہ کی ذات پاک کا خاصہ نہیں بلکہ ہر صاحب کلام کے ساتھ اس کے کلام کو بار بار پڑھنا اور اس کے کلام کے معنوں پر ذہن میں ہمیشہ پوری توجہ کرنا اس قسم کا قرب حاصل کرنے کا موجب ہو جاتا ہے اور نفس متکلم کے بعض نشانات بندہ میں مترشح ہوتے ہیں جیسا کہ مثنوی اور اولیائے اللہ کے دوسرے ملفوظات اور منظومات بلکہ عوام اور فساق کے اشعار پڑھنے میں ان کے نفوس کے اثرات اور کیفیات ظاہر ہوتی ہیں اگر اشعار اچھے تو اثر اچھا ورنہ بُرا۔ فرق یہ ہے کہ دوسروں کے کلام پڑھنے سے وہی نفسانی کیفیات منتقل ہوتی ہیں جو کہ لباس کلام میں ظاہر تھیں اور بس جبکہ کلامِ الٰہی پڑھنے میں ان کیفیات کے ساتھ ساتھ دنو اور قرب ذاتی بھی رونما ہوتا ہے

marfat.com

Marfat.com

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ علم محیط رکھتا ہے اور دنوٗ تدلی اور قرب کی قدرت بھی۔ پس ذکر کرنے والوں کے بارے میں جو کرم فرماتا ہے' تلاوت کرنے والوں کے بارے میں بطریق اولیٰ کرم فرماتا ہے اور اسی لیے اس سورۃ میں کلام اللہ کی ترتیل کو ذکر پر مقدم فرمایا ہے۔

نیز قرآن مجید کی آیات میں سے کوئی آیت حق تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہیں جیسا کہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ پس تلاوت ذکر کے فوائد بھی رکھتی ہے اور پیر و مرشد اور استاذ کے فوائد بھی اس لیے کہ صفتِ الٰہیہ کے ساتھ موصوف ہونا اور اس کی جبل متین کے ساتھ وابستگی تلاوت قرآنِ کریم کا نقد فائدہ ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ الفاظ قرآن پاک کو نحو' صرف' معانی' بیان' بدیع اور اس صفت کی حقیقت پر توجہ کرنے سے روکنے والے فنون کی طرف متوجہ ہونے کی آلائش سے جدا کرنا بہت مشکل ہے' کچھ دیر کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ بخلاف ذکر کے الفاظ یا صورت فکریہ کے کہ جدا کرنے کے اتنے محتاج نہیں ہیں اور یہیں سے حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے قول کا راز واضح ہوگیا کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ کلام اللہ میں مشغول شخص زیادہ فضیلت والا ہے یا ذکر کرنے والا؟ فرمایا کہ ذکر کرنے والے کو وصل جلدی نصیب ہوتا ہے لیکن زائل ہونے کا خوف بھی ہے جبکہ تلاوت کرنے والے کو وصل دیر سے حاصل ہوتا ہے لیکن زوال کا خطرہ نہیں ہے۔

اور انبیاء علیہم السلام کو کلامِ الٰہی کی تلاوت میں ایک اور بہت ہی عمدہ فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں علمِ غیب حاصل کرنے میں بہت عظیم مدد حاصل ہوتی ہے اور اسے ہمیشہ سننا کہ بار بار زبان سے کان تک پہنچتی ہے اور وہاں سے دل تک ان پر نزولِ وحی کا بوجھ ہلکا کر دیتا ہے اس شخص کی طرح کہ جس نے کسی نفع یا ضرر پہنچنے کے وقت سخت صدمہ اُٹھایا ہو' وہ نفع یا ضرر جتنا بار بار تکرار کرے گا' وہ صدمہ اس پر آسان ہو جائے گا اس کا راز یہ ہے کہ نزولِ وحی خدمت لینے کے طور پر ارواح ملکیہ کی کیفیت کو مختلف مقامات سے ساتھ لاتا ہے اور وہ ملی جلی کیفیت اچانک پیغمبر علیہ السلام کے قلب و اعضاء پر وارد ہوتی ہے۔ حکم بشریت کی وجہ سے وہ اسے برداشت کی قوت نہیں رکھتے اور بے ہوش ہو جاتے ہیں

marfat.com

Marfat.com

اور پسینہ آ جاتا ہے اور جب دوسری مرتبہ وہ پیغمبر علیہ السلام اس کلام کی تلاوت کرتے ہیں وہی کیفیت پھران کے قلب واعضاء پر وارد ہوتی ہے۔ تیسری مرتبہ بھی اور چوتھی مرتبہ بھی حتیٰ کہ وہ اس کیفیت کو برداشت کرنے کے خوگر ہو جاتے ہیں اور تکلیف کا احساس نسبتاً کم ہو جاتا ہے اور ترتیل کے حکم کے مقام میں اسی فائدے کو علت قرار دے کر ارشاد فرمایا کہ

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا تحقیق عنقریب ہم آپ پر ایک نہایت گراں اور دشوار کلام اُتاریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کے بعد ہم آپ پر پے در پے قرآن نازل کریں گے۔ پس خود کو رات کی عبادت اور نازل شدہ قرآن کی تلاوت کے انوار کے ساتھ اس بہت عظیم فیض کو قبول کرنے کے لیے مستعد کیجیے۔

## حضور علیہ السلام پر قرآن پاک کی گرانی اور دشواری کے مواقع

قرآن پاک کی گرانی اور دشواری ایک تو اس کے نزول کے وقت تھی کہ حضور علیہ السلام نزولِ وحی کے آغاز میں ایک آواز گھنٹی کی آواز کی مانند سنتے تھے پھر اسی صورت مجرد میں مخارج پر اعتماد کے بغیر حروف اور کلمات صورت پکڑنا شروع کر دیتے اور وہ تیز اور تند آواز حضور علیہ السلام میں اس طرح اثر کرتی تھی کہ آپ کے ظاہری اور باطنی حواس اس جہان سے بالکل منقطع ہو کر اس جہان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور جذب روح کی حالت کی طرح کی ایک حالت پیدا ہو جاتی اور بدن مبارک کی تمام ارواح دماغ کی طرف متوجہ ہو جاتی تھیں جو کہ ادراک اور حفظ کی قوت کا مقام ہے اور دماغ میں ارواح کے اجتماع کی وجہ سے انتہائی گرمی پیدا ہو جاتی تھی اور پیشانی مبارک پر پسینہ آ جاتا اور آپ استغراق میں آ جاتے اور جسم مقدس کے اعضاء ارواح کے نفوذ کی زیادتی کی وجہ سے طبعی ثقل کی طرف لوٹتے جیسا کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ موسم سرما کے انتہائی سرد ایام میں حضور علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی اور آپ کی جبین مقدس سے پسینے کے قطرے گرتے تھے اور نزولِ وحی کے وقت اگر آپ کسی جانور اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہوتے تو وہ جانور گر پڑتا مگر حضور علیہ السلام کی ایک خاص

marfat.com
Marfat.com

اونٹنی جس کا نام عضباء اور قصوا تھا' اپنے ہاتھ اور پاؤں جھکا کر زمین پر تکیہ کر کے خود کو زمین پر گرنے سے محفوظ رکھتی اور اس کام کی عادی ہو چکی تھی اور اگر اس وقت حضور علیہ السلام کسی کی ران پر تکیہ کیے ہوتے تو ران کے ٹوٹ جانے کا خطرہ لاحق ہو جاتا اور رُخ انور سرخ ہو جاتا اور سانس اس قدر بلند ہو جاتی کہ دُور سے سنائی دیتی۔

دوسرے اسے یاد رکھنے میں کہ لکھنے سے مدد لیے بغیر اسے تمام قرأت اور وجوہ کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے تھا۔ تیسرے اس کی تبلیغ کے وقت کہ ان دشمنوں کے سامنے جو کہ تمسخر اور مذاق پر اصرار کرتے تھے اور قرآن مجید میں جو تازہ مضمون سنتے' محفل میں اس کی نقل کرتے تھے' اسے پڑھنا ہوتا تھا اور ان کی ہر لغو اور بے ہودہ گفتگو سننا پڑتی تھی۔

چوتھے قرآن پاک کے مخفی عجائب اور دقائق اور اس کے اعجاز کی وجوہ کو سمجھنے میں جو کہ انتہائی گہری سوچ اور فکر دقیق پر موقوف ہے اور پھر بھی فضلِ الٰہی سے مدد لیے بغیر میسر نہیں' پانچویں اقسام قرآن کو جدا جدا کرنے میں محکم و متشابہ' ناسخ و منسوخ اور ظاہر و مؤول سے اور ہر قسم کو دوسری قسم سے امتیاز دینے اور ہر قسم سے احکام کے استنباط میں کہ بہت مشکل علم ہے۔ چھٹے مسلمانوں کے حق میں امر اور نہی اور یہ کرو اور یہ نہ کرو' نہایت دشوار اور گراں ہے کہ اس کے مطابق عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید کے بغیر ہرگز ممکن نہیں۔ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ظاہر پر بھی حکم فرمایا گیا ہے اور باطن پر بھی اور ان دونوں کو جمع کرنا بہت مشکل ہے۔ ساتویں اس کا سننا کفار کے حق میں بہت گراں اور دشوار تھا جیسا کہ آئندہ سورۃ میں آئے گا کہ وہ قرآن پاک سننے سے اس قدر ڈرتے تھے جس طرح کہ گدھا غضب ناک دہاڑتے ہوئے شیر کو دیکھ کر ڈرتا ہے۔

اور سورۂ فصلت میں مذکور ہے کہ یہ قرآن فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى آٹھویں منافقوں اور فاسقوں کے بارے میں نزولِ قرآن بہت دشوار تھا اس لیے کہ قرآن مجید میں ان کے مخفی عیبوں اور چھپے ہوئے امور کا رمز و اشارہ اور تعریض و کنایہ کے ساتھ نشان دیا جاتا تھا اور حاضرین قرائن کی مدد سے سمجھ جاتے تھے کہ یہ لوگ ذلیل ہوتے تھے جیسا کہ سورۂ توبہ کے آخر میں اور سورۂ قتال اور دوسری سورتوں میں ان

marfat.com
Marfat.com

حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

نویں یہ کہ حروف قرآن میں سے ہر حرف کا ایک روحانی خادم ہے۔ جب دَم کرنے والا شرائط دعوت کے ساتھ اس کلام کو پڑھنا شروع کرتا ہے تو اس کلام کے تمام روحانی خدام حاضر ہوتے ہیں اور ان کے ثابت اور حاضر رہنے کے باوجود ثابت قدم رہنا اور قائم رہنا بہت دشوار پڑتا ہے۔ نیز قیامت کے دن جبکہ میزان عمل قائم ہو اور اعمال تولے جائیں تو کوئی عمل اس کلام کے وزن کے برابر نہ ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے۔

اور تفسیرات کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ بعض صوفیاء نے قول ثقیل کی مسئلہ توحید وجودی کے ساتھ تفسیر کی ہے جسے سمجھنا عوام پر بہت دشوار ہے اور انہوں نے کہا ہے **ھو طور وراء طور العقل** یعنی وہ روش عقل سے جدا ایک روش ہے اور بعض واعظوں نے شفاعتِ مطلقہ کے ساتھ تفسیر کی ہے جو کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور شفاعت کا کلمہ زبان سے ادا کرنا تمام انبیاء ومرسلین علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پر بھی شاق اور گراں ہوگا' قیامت کے دن اس سے پہلوتہی کریں گے اگرچہ یہ پچھلی تفسیر' سورۂ اسرا کی آیت وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کے پیش نظر قدرے درست ہے۔

جب نماز تہجد میں ترتیل قرآن کے حکم کی وجہ بیان کرنے سے فراغت ہوئی اب اصل نماز تہجد کی وجہ بیان کرنے پر توجہ فرمائی جاتی ہے۔ پس ان تینوں آیات میں ان تعلیل کے لیے ہے اور تینوں تعلیلات کے بیان میں حرفِ عطف نہ لایا گیا اس لیے کہ یہ ایک امر کی تعلیل نہیں ہیں بلکہ مختلف امور کی تعلیل ہیں جو کہ گزشتہ کلام سے معلوم ہوئے۔ پس ترتیل قرآن کے امر کی تعلیل قول ثقیل کا القاء ہے اور قیام اللیل کے امر کی علت یہ ہے اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ تحقیق جو عبادت اور جو تلاوت کہ رات میں پیدا ہوتی ہے اور اُٹھتی ہے اور لغت میں ناشئ نئی پیدا ہونے والی اور نئی اُٹھنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں سحاب ناشئ یعنی نو پید بادل' ونشات الریح ہوا اُٹھی۔

marfat.com
Marfat.com

هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وہی ہے سخت تر نفس کو پائمال کرنے اور اس کی ظلمتوں کو دُور کرنے میں دو وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شب بے داری قرأت کے ساتھ آواز بلند کرنا' وضو کے لیے اُٹھنا' اس کے اسباب کی جستجو لوٹا' پانی اور مسواک پھر نماز میں کھڑا ہونا اور سجدہ میں گرنا نفس پر بہت ناگوار اور گراں ہے اس لیے کہ رات کا وقت سکون' راحت' سکوت اور خاموشی کا وقت ہے۔ مختصر یہ کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس وقت حرکت نہ کرے' بات نہ کرے' لیٹا رہے خصوصاً جبکہ محبوب عورتیں اور پسندیدہ بیٹے آغوش میں ہوں۔ بستر نرم اور لحاف گرم اور راحت پہنچانے والے خدام موجود اس وقت ان تمام لذتوں کو پس پشت ڈالنا اور ان مشقت طلب کاموں میں مشغول ہونا سمجھا جا سکتا ہے کہ نفس پر کیا قیامت ڈھاتے ہیں اور اگر موسم گرما ہے اور اسی وقت دن کی جلن' سورج کی چمک اور گرمی اور اس کی شعاعوں سے کچھ راحت ملی اور قدرے سکون نصیب ہوا اس وقت کو جو کہ اس موسم کی سرد غنیمت ہے' چھوڑ دینا اور راحت کے کام میں صرف نہ کرنا کس قدر دشوار ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ وقت اپنی حقیقت کے اعتبار سے لاہوتی اور ملکوتی انوار و برکات کے نزول کا وقت ہے اور جب یہ عمدہ عبادت اس وقت واقع اور نورِ قرآن اور نورِ ایمان ان انوار کے ساتھ مل کر ایک نورانی ستون استوار کریں تو دیکھا جا سکتا ہے کہ پھر نفس کی ظلمت کے قائم اور باقی رہنے کا کیا مقام ہے؟

## قیام اللیل کی برکات کا بیان

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ہر رات جب رات کا پچھلا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو رب تبارک وتعالیٰ (کی رحمت) کا آسمان دنیا کی طرف نزول ہوتا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے' میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اسے بخش دوں؟ یہ سلسلہ طلوع فجر تک رہتا ہے۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ رات میں ایک ساعت ایسی ہے کہ جو مسلمان اس وقت اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی خیرات میں سے کوئی خیر مانگے' اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے اور یہ ہر رات میں ہے۔

marfat.com
Marfat.com

پس وہ وقت بعینہٖ نوکر کے حق میں دربارِ آقا کا وقت' عاشق کے حق میں جلوۂ معشوق کا وقت' سوداگر کے حق میں خریداری کے بازار کی گرمی کا وقت اور پیشہ ور کے حق میں مزدوری عام ہونے کا وقت ہے کہ تھوڑی سی کوشش سے بہت بڑا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور معمولی سی کوتاہی اور بے توجہی کی وجہ سے بہت بڑی نعمت ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ سے منقول ہے کہ آپ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا اور حال پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ طاحت العبارات وفنیت الاشارات مانفعنا الارکیعات رکعناها فی جوف اللیل یعنی عبارات اور اشارات ختم' ہمارے کام صرف وہی چند رکعات آئیں جو کہ ہم نے رات میں ادا کیں۔

اور اس وقت کو نزول اور تجلی کے لیے اس وجہ سے خاص فرمایا گیا ہے کہ آدمی کی روح اصل میں عالم پاک سے تھی اور اس میں دنیوی نجاستوں کی کوئی آلائش نہ تھی' اسے عالم قدس وطہارت سے آلائشوں کے اس بازار میں کسب کمال کے لیے بھیجا گیا اور وہ اس عالم سے دُور جا پڑی اور اس جہان میں اسے اپنے پروردگار کے دربار عالی سے جو ایک رابطہ تھا' ہاتھ سے نکل گیا۔ ناچار اسے وہ لذت یاد کرانے کے لیے ذات پاک نے خود توجہ فرمائی ہے اور اس کے غم کدہ کو اپنی جلوہ گری کے نور سے منور فرمایا ہے۔ پس اس توجہ اور اس انعام کا وقت ایسا ہونا چاہیے کہ پھر اس روح کو اپنی اصلی حالت کا قرب حاصل ہو اور وہ وقت عالم قدس وطہارت کے مشابہ ہو اور دنیا میں اس وقت کے سوا کوئی وقت اس عالم کے مشابہ نہیں ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دن چونکہ حواس کے اعمال اور اشغال وحرکات کا وقت ہے' آدمی کی سوچ کائنات کے معاشی امور اور کارخانۂ دنیا کے انتظام میں مصروف اور سرگرم رہتی ہے اور آدمی مال ومرتبہ کی طلب' اہل وعیال کی خبر گیری اور آقا و مالک کی خدمت میں مستغرق ہو جاتا ہے اور وہ اس جہان سے بہت دُوری پیدا کر لیتا ہے اور رات کے پہلے حصے میں دن بھر کی تھکاوٹ اور کھانے پینے سے پیٹ بھرنے کی وجہ سے بے حواس اور غافل ہو جاتا ہے اور اسے اندرونی غذائی ردی

marfat.com
Marfat.com

بخارات پریشان کرتے ہیں اور اس سے متعفن ہوائیں اور غذائی فضلے خارج ہوتے ہیں اور وہ اس حالت میں جانوروں میں سے ایک جانور کی طرح ہے جو کہ دنیائے انسانیت کی طہارت سے کوسوں دُور پڑا ہوا ہے چہ جائیکہ عالم ارواح کی طہارت کے مشابہہ ہو اور جب پچھلی رات کا وقت ہوا اور یہ ساری کدورتیں زائل ہوگئیں اور دن بھر کے فاسد خیالات نیند اور غفلت کے حائل ہونے کی وجہ سے اس کے ذہن سے نکل گئے گویا روح اپنی اصلی حالت پر پہنچ گئی اور اس نے اپنے اصلی جہان کو یاد کیا اس وقت اسے اس لذت کے ساتھ جو کہ اس جہان میں چکھتی تھی اور اس کی خوگر تھی' نوازنا مناسب ہوا۔

**وَاَقۡوَمُ قِیۡلًا** اور گفتگو اور بات کرنے میں زیادہ درست ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ دوسرے اوقات کی بہ نسبت رات کے پچھلے حصے میں قرآن پاک کی تلاوت تدبر اور معانی کو سمجھنے کے لیے بہتر ہے اس لیے کہ ذہن صاف ہوتا ہے اور غذا کے بخارات کم رہ جاتے ہیں اور باہر سے حرکات اور آوازیں حواس پر وارد نہیں ہوتیں کہ دل ان کی طرف متوجہ ہو اور معانی سمجھنے سے غفلت کرے اور رات کی تاریکی کی وجہ سے آنکھ بھی اپنے کام سے معطل ہو جاتی ہے اور رنگ اور روشنیاں دیکھنے کی وجہ سے دل کو پریشان نہیں کرتی اسی لیے اس وقت شعراء شعر کہتے ہیں یا علمائے کرام کتابوں کے مطالعہ میں جو غور و فکر کرتے ہیں' تقریباً درست ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سحری کے وقت کا خواب اکثر درست نکلتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں بھی وارد ہے کہ اصدق الرؤیا بالاسحار یعنی سحری کے وقت کا خواب اکثر سچا ہوتا ہے اور رات کے وقت کی انہیں خصوصیات کے پیش نظر حدیث شریف میں وارد ہے کہ **علیکم بقیام اللیل فانه داب الصالحین قبلکم وقربة الی ربکم ومکفرة للسیئات ومنهاة عن الاثم** یعنی رات کا اُٹھنا لازم کرو اس لیے کہ یہ عبادت قدیم سے نیکوں کی ریاضت ہے کہ انہوں نے عبادت کے لیے اس وقت کو بہترین سمجھ کر معمور کیا ہے اور تمہارے پروردگار کے حضور قرب کا ذریعہ ہے اس لیے کہ اس وقت تجلی الٰہی کا آسمان دنیا پر نزول ہوتا ہے اور تمہارے گناہوں کا کفارہ بھی ہے اس لیے کہ اس وقت کے انوار قرآن و نماز کے انوار کے ساتھ مل کر تمہارے بُرے اعمال کی

marfat.com
Marfat.com

ظلمانی کیفیتوں کو کہ جنہوں نے تمہارے نفس کو تاریک کر دیا ہے' دُور کر دیتے ہیں۔ نیز تمہیں گناہ سے مانع ہوتا ہے اس لیے کہ تمہارا لطیفۂ عقل دوسرے خیالات سے فارغ ہونے کی وجہ سے قرآن پاک کے معنوں میں زیادہ اچھے طریقے سے تدبر کرتا ہے اور پورے طور پر نصیحت قبول کرنے اور باز آنے کا موقع ملتا ہے اور لطیفۂ قلب اس وقت کی صفائی کی وجہ سے انس ومناجات کی نورانی کیفیت سے زیادہ لبریز ہوتا ہے اور اس کیفیت کو پورا رسوخ حاصل ہو جاتا ہے اور یہ رسوخ ارتکاب گناہ سے مانع ہوتا ہے۔

اور اگرچہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس کاملہ اور ارواح قدسیہ کے لیے ان کی صاف استعداد کے پیش نظر ان فوائد اور منافع حاصل کرنے میں دن اور رات برابر ہیں لیکن دن کے اوقات مختلف قسم کی عبادات اور طاعات سے معمور ہیں اس میں ایک کیفیت اور ایک حالت کا خالص ہونا صورت نہیں پکڑتا۔ چنانچہ فرمایا ہے:

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا تحقیق آپ کے لیے دن میں طویل شناوری کرنا اور مختلف قسم کی عبادتوں میں مصروف ہونا ہے اور آپ کو ہم صحبت اور ہم کلام ہونے اور مناجات وسرگوشی کی محفل سجانے کی فرصت نہیں۔

## سید الکونین رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روزانہ مصروفیات

اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر کے بعد سے اشراق تک اپنی جائے نماز میں ذکر وفکر میں مشغول رہتے اور آپ نے اس وقت اور عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک حضرت خضر علیہ السلام کے مسبعات عشر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور اشراق کے بعد چاشت تک دوسری عبادات میں مصروف رہتے جیسے بیماروں کی مزاج پرسی' مسلمانوں کے جنازوں کے ساتھ چلنا' مسلمان حاجت مندوں کی امداد' طالب علموں کو تعلیم دینا' طالبان رشد وہدایت کو راہِ خدا کے سلوک کی ہدایت دینا' فتویٰ طلب کرنے والوں کو فتویٰ دینا' معاملات کو سلجھانا اور کفار کے ساتھ جہاد اور لڑائی کی مہموں کی تدبیر کرنا اور چاشت کے بعد حرم سرا میں تشریف لے جاتے اور اہل وعیال کی خبر گیری فرماتے کہ یہ بھی عبادات ہی کی ایک قسم ہے پھر چاشت کا کھانا تناول فرماتے اور قیلولہ یعنی دوپہر کو آرام فرماتے جب

marfat.com

Marfat.com

سورج ڈھل جاتا تو اُٹھتے اور طہارت اور وضو یا غسل میں مصروف ہو جاتے اور فیئ الزوال کی نماز ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ادا فرماتے اور جب ظہر کی اذان ہو جاتی تو باہر تشریف لاتے اور مسجد مبارک میں ظہر کی سنت و فرض کی ادائیگی میں مشغول ہو جاتے۔

اور ظہر کے بعد عصر تک دعوت' تعلیم' ارشاد' افتاء اور مقدمات کے فیصلے کرنے میں مصروف رہتے یہاں تک کہ نمازِ عصر ادا فرماتے اس کے بعد پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ذکر و فکر میں مشغول بیٹھے رہتے اور مغرب کے فرض' سنتیں اور نوافل ادا کرنے کے بعد حرم سرا میں داخل ہوتے اور پھر اہل و عیال کی خبر گیری میں مصروف ہو جاتے اور اپنے مہمانوں اور زیارت کے لیے آنے والوں کو کھانا کھلانے کی طرف متوجہ ہوتے اور اگر مالِ دنیا کی جنس سے کوئی چیز گھر میں رہ جاتی' اسے جلد مستحقین تک پہنچا دیتے تاکہ آپ کے آستانہ کرم میں دنیا کا مال رات نہ گزارے' اس کے بعد خود رات کا کھانا تناول فرماتے اور اپنے جانوروں کے چارے اور راتب کے متعلق خبر گیری فرماتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی جانور بے زبان بھوکا اور پیاسا رہ گیا ہو۔

اس کے بعد طہارت اور وضو کر کے نمازِ عشا کے لیے مسجد میں جلوہ افروز ہوتے اور نمازِ عشا کے بعد وتر چھوڑ دیتے تاکہ پچھلی رات ادا کریں اور خواب گاہِ ناز میں رونق افروز ہو کر چار رکعت نماز نفل ادا کر کے تسبیحات' تکبیرات' تکبیر اور تحمیدات بجالا کر قرآن پاک کی چند سورتیں جن میں سے سورۂ زمر' سورۂ اسرا' چھ مسبحات (سورۂ الحدید' سورۂ حشر' سورۂ الصف' سورۂ الجمعہ' سورۂ التغابن اور سورۂ الاعلیٰ) سورۃ اخلاص' سورۃ فاتحہ' معوذتین (آخری دو سورتیں) اور سورۂ ملک ہیں' پڑھ کر آرام فرماتے۔

پس اوقات کی اس مصروفیت میں اس گنجائش کا کیا امکان تھا کہ آپ خود کو اس عظیم مجاہدہ میں اتنی مدت تک مصروف رکھیں اور اس کے باوجود فرمایا گیا ہے کہ اگرچہ دن میں آپ کو قسم قسم کی عبادات میں مصروفیت درپیش ہے لیکن اپنے اس وقت کو اس عظیم مجاہدے سے خالی اور معطل نہ رکھیں جو کہ حجاب اُٹھانے اور قرب اور کشش میں بہت مؤثر ہے اور وہ کسی عبادت اور کسی مصروفیت سے مزاحمت نہیں رکھتا بلکہ تمام اشغال و عبادات کو رونق

marfat.com
Marfat.com

بخشتا ہے۔

## ذکر خداوندی کی مختلف اقسام

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اور اپنے پروردگار کو ہمیشہ یاد کیجیے ہر وقت اور ہر کام میں اور ہر عبادت کے ساتھ خواہ اس کے دوران خواہ اس کے اوّل و آخر میں' خواہ زبان کے ساتھ' خواہ دل کے ساتھ' خواہ روح کے ساتھ' خواہ سر کے ساتھ' خواہ خفی کے ساتھ' خواہ اخفیٰ کے ساتھ' خواہ نفس کے ساتھ' خواہ دن میں' خواہ رات میں' لسانی ذکر خواہ جہر کے ساتھ ہو خواہ آہستہ۔ پروردگار کا نام بھی خواہ اسم ذات ہو یا اسم اشارہ جو کہ ھو ہے یا اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم جسے سالک کے نفس اور اس کے وقت اور حال کے ساتھ مناسبت زیادہ ہو۔

چنانچہ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی بغدادی قدس سرہ سے منقول ہے کہ جب بھی اس راہ کا کوئی طالب آپ کی خدمت میں آتا تو آپ پہلے اسے ایک چلہ یا دو چلوں کا حکم دیتے اس کے بعد اسے اپنی خدمت میں بٹھا کر اس پر ننانوے (۹۹) اسمائے حسنیٰ پڑھتے اور اپنی نظر اس کے چہرے پر مرکوز رکھتے اگر اسمائے الٰہی میں سے کسی اسم کے ساتھ اس کے چہرے میں کوئی تبدیلی اور اضطراب پیدا ہوتا تو فرماتے تیری فتوح اس اسم مبارک پر ہوگی اور اسے اس اسم کے ذکر کی تلقین فرماتے اور اگر ان اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم کی وجہ سے اس کے چہرے میں کوئی تبدیلی اور اضطراب پیدا نہ ہوتا تو فرماتے کہ نیکوں کی راہ اختیار کر اور تجارت' زراعت اور حرفت میں مشغول رہ کہ تو قرب وجذب کی راہ کے سلوک کی استعداد نہیں رکھتا۔ اور خواہ پروردگار کا اسم اکیلا ہو یا تہلیل کے ضمن میں جو کہ نفی و اثبات ہے یا تسبیح' حمد' تکبیر' لاحول اور دوسرے مسنون اذکار کے ضمن میں ہو۔

اور خواہ ذکر کی کیفیت ایک ضربی ہو یا دو ضربی یا اس سے زیادہ' خواہ حبس نفس کے ساتھ ہو' خواہ حبس نفس کے بغیر ہو' خواہ برزخ کے بغیر' خواہ برزخ کے ساتھ' خواہ سہ رکنی ہو' خواہ سات رکنی' خواہ ان شرائط کے ساتھ ہو جو کہ شد' مد' تحت' فوق' محاربہ' مراقبہ' محاسبہ' مواعظ' تفہیم اور حرمت ہیں ... ان شرائط کے بغیر ہو اس کے علاوہ دیگر خصوصیات جنہیں اہلِ طریقت کے ماہرین نے نکالا ہے اور مذکورہ خصوصیات کی دو شقوں سے ایک کا

marfat.com

Marfat.com

تعین شیخ ومرشد کی صوابدید کے سپرد ہے کہ حسب حال جسے زیادہ بہتر جانے' تلقین فرمائے اور ایک خصوصیت سے دوسری خصوصیت کی طرف منتقل کرے اور پھیرے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے۔ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ کوئی لمحہ اور سانس غفلت میں نہ گزرے اور کوئی مصروفیت اور کوئی عمل اس یاد سے باز نہ رکھے جیسا کہ ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا ہے: لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اور اگر اس بات کا خوف ہو کہ کسی مصروفیت اور عمل کی وجہ سے یادِ حق سے باز رہے گا تو اس مصروفیت اور کام کو اپنے سے دُور کردے۔

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ اور ہر اس عمل سے جو تجھے یادِ حق سے باز رکھے' اپنے پروردگار کی طرف اسے یاد کرنے کے ساتھ منقطع ہو جا۔ تَبْتِيْلًا اپنی طرف سے اختیار کے ساتھ اس مصروفیت اور عمل کا تعلق قطع کرکے۔ اس لیے کہ اس عمل اور مصروفیت کا تعلق قطع کیے بغیر اپنی طرف سے منقطع ہونا بسا اوقات ظلم اور ناجائز ہو جاتا ہے۔ مثلاً نوکر جو کہ نوکری کا تعلق قطع کیے بغیر اپنے مالک کی خدمت سے باز رہے اور منقطع ہو جائے یا مرد جو کہ تعلق نکاح کو قطع کیے بغیر بیوی کی صحبت' اس کی دل جوئی اور اس کے نان ونفقہ کی کمائی سے منقطع ہو یا باز رہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور اس قید کی طرف اشارہ کرنے کے لیے تبتیلا لایا گیا اس لیے کہ اس قسم کے انقطاع کو بیان کرنا منظور ہے جو کہ اس تعلق کو قطع کرنے سے حاصل ہو نہ کہ انقطاع کی تاکید تاکہ تبتلاً فرمایا جائے۔

## اس قسم کے تبتیل اور انقطاع کا فائدہ

اور اس قطع وتبتیل کا پہلا فائدہ عین ذکر میں ہے کہ ماسویٰ اللہ کے خیالات دل میں نہ کھٹکیں اور ذکر کا مقصد حاصل ہو اور خیالات کے کھٹکنے سے ذکر' ذکر نہیں رہتا اور مذکور کی طرف خالص توجہ کا موجب نہیں ہوتا تاکہ جذب اور قرب کا ثمرہ حاصل ہو۔

دوسرا فائدہ ذکر کے اثر کے باقی رہنے میں ہے کہ ایک امر پر بے حد توجہ کی وجہ سے گزشتہ امر پر توجہ کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور دوسرے وساوس کی طرح یہ کام ہوتا ہے۔

اور تیسرا فائدہ عبادات کو پورا کرنے میں دل کا فارغ ہونا شرط ہے اور مخلوق کے ساتھ تعلق

marfat.com
Marfat.com

رکھنا ایک مضبوط رکاوٹ ہے اور چوتھا فائدہ بہت سے گناہوں سے خلاصی کا موجب ہے جیسے ریا' غیبت' بدعت' خوشامد' بُرائیوں اور بدعتوں کو دیکھنا اور بُرے ساتھی کی صحبت سے متاثر ہونا۔ پانچواں فائدہ ماسوئی اللہ کی محبت کی نفی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی محبت کو دل میں زیادہ کرتا ہے۔ پس یہ صحت کی دوا کے استعمال سے پہلے تنقیہ کا حکم رکھتا ہے جو کہ شرط ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ دنیوی تعلقات سے تبتیل وانقطاع ذکر وسلوک کی ابتدا میں شرط ہے جبکہ انتہا میں جبکہ استغراق واختلاط کے اجتماع کی قوت حاصل ہوتی ہے' شرط نہیں ہے بلکہ اختلاط تبتیل سے بہتر ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ علم سیکھنے سکھانے' ادب سیکھنے سکھانے' ارشاد ونصیحت اور رعایت حقوق کا باعث اور ان عبادات کے ثواب حاصل کرنے کا موجب جو کہ باہمی میل جول پر موقوف ہیں جیسے بیمار کی عیادت' جنازہ کے ساتھ چلنا' حاجت مندوں کی مدد کرنا' قریبیوں کے ساتھ نیکی کرنا' مخلوق کی جفا پر تواضع اور صبر وتحمل' مساکین اور مہمانوں کی خدمت اور صدقات' خیر کی صورتوں میں خرچ کرنے اور مسجدوں اور سراؤں کی تعمیر کے لیے مال کمانے کا سبب ہوتا ہے اور بعض فقہاء نے واذکر اسم ربک کو تکبیر تحریمہ پر اور تبتیل کو تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اُٹھانے پر محمول فرمایا ہے اس لیے کہ نماز کے آغاز میں دونوں ہاتھ اُٹھانا اس بات کا اشارہ ہے کہ میں دو عالم سے ہاتھ کھینچ کر یادِ خدا میں مشغول ہوا اور بعض صوفیاء نے تبتیل کو ذکر کے وقت ماسوئی اللہ کی نفی پر محمول فرمایا ہے۔

## اس انقطاع اور تنہا نشینی کا طریقہ

اور اس تبتیل یعنی انقطاع کا طریقہ یہ ہے کہ تاریک کمرے میں بیٹھ جائے اور اپنے سر کو لپیٹ لے اور اپنی آنکھیں بند کر لے اور زبان کو ذکر کے علاوہ خاموش رکھے اور اس وقت معدہ خالی رکھے اور بھوکا رہے لیکن حد سے گزرے بغیر اور بےدار رہنا اختیار کرے' کھانا کم کرنا ضروری سمجھے اور ان دونوں امور کا دل کو منور کرنے میں پورا دخل ہے اس لیے کہ کھانا کم کھانا خون دل کو کم کرتا ہے اور بےدار رہنا دل کی چربی کو پگھلاتا ہے اور کسی

marfat.com
Marfat.com

شخص کو اپنا پابند کرے جو کہ روزی اور لباس کی ضروریات سرانجام دے اور روزی میں احتیاط کرے کہ حلال طریقے سے ہو اور استقبال قبلہ' طہارت اور حضور دل کے ساتھ فرائض اور موکدہ سنتوں کی ادائیگی اور ذکر دائی میں مشغول ہو۔ پہلے زبان کے ساتھ ذکر کرے حتیٰ کہ زبان کی حرکت گر جائے اور بے اختیار ذکر جاری ہو اور اس کے بعد دل کا تخیل ذکر کرے یہاں تک کہ حروف بھی درمیان میں نہ رہیں اور صرف معنی ہی ذہن میں راسخ ہو جائے اس کے بعد گنتی منقطع ہو جائے اور ذکر حالات میں سے ایک حالت ہو جائے اور اس وقت محبت قوی پیدا ہو اور مذکور کو بالکل فراموش نہ کر سکے پھر ظاہری اور باطنی طور پر تمام اشیاء سے غائب ہونا رونما ہو یہاں تک کہ اپنے نفس اور صفات نفس سے بھی غائب ہو جائے اور اس مرتبہ کو قرب کہتے ہیں پھر نوبت یہاں تک پہنچے کہ ذکر سے بھی غائب ہونا رونما ہو اور صرف مشہود و مذکور باقی رہ جائے اور یہ فنا کی سرحد ہے اس کے بعد کیفیت و قیاس کے بغیر اپنے محبوب کے ساتھ ایک وصال حاصل ہو جائے اور بقاء بھی ہے اور اس مرتبہ میں اسے شاہ ولی واصل کا خطاب دیا جا سکتا ہے اور اس سے پہلے طالب' مرید' شوقین اور تلاش کنندہ کہا جا سکتا ہے۔

اور جب یہاں ایک شبہ کا گمان تھا کہ کسی کے خیال میں گزرے اور اس شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیوی تعلقات کو قطع کرنا باوجودیکہ یہ دار الحیوۃ دنیا ہے' کس طرح متصور ہو سکتا ہے اور دنیوی آلائشوں سے تعلق کے باوجود ماسوی سے غفلت اور حضرت حق جل جلالہ کی طرف خالص توجہ کس طرح ممکن ہوگی اس شبہ کو دور کرنے کی طرف توجہ فرمائی جاتی ہے کہ دنیا میں افعال الٰہی کی طرف نظر کیجیے اور ہر شب و روز میں دنیوی آلائشوں سے تعلق اور آلائشوں سے انقطاع کا تماشا کیجیے اس لیے کہ حق تعالیٰ

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ مشرق و مغرب کا پروردگار ہے اور اس نے مشرق کو علائق دنیوی کی یاد دلانے کے لیے بنایا ہے جبکہ مغرب کو علائق دنیوی سے منقطع ہونے کے لیے مقرر کیا ہے۔ یہی کہ سورج کا نور مشرق سے اٹھا' تاجر کو بازار اور دکان کا تعلق یاد [illegible] اپنی حرفت و صنعت کے آلات کا' نوکر کو اپنے آقا کے دربار کا' کاشت کار کو

marfat.com
Marfat.com

مہ اپنے ہل' بیل اور کھیتی کا' باغبان کو اپنے لگائے ہوئے پودوں کا' باپ کو بیٹے کا' ماں کو بیٹی کا'
غلام اور لونڈی کو اپنے مالک کا' بیٹے کو اپنے باپ کا' بیوی کو اپنے شوہر کا تعلق یاد آیا اور اس
تعلق کے احکام ظاہر ہونا شروع ہو گئے' مسافر کو راستہ چلنے کی فکر دامن گیر ہوئی' ملاح اور
رہنما نے کام شروع کر دیا' کمائی کرنے والے کے دل میں کمانے کی طمع نے جوش مارا اور
سوداگر کو خریدار کی تلاش نے پریشان کر دیا یہاں تک کہ سورج نے مغرب کا رُخ کیا' یہ
تمام تعلقات آہستہ آہستہ ٹوٹنا شروع ہو گئے۔ لوگ کھیتوں' دُکانوں اور بازاروں سے اور
مسافرین راستہ سے بھاگ سے گھروں میں داخل ہو گئے اور نوکر دربار سے واپس آ گئے
اور اس وقت تمام بیرونی رابطے منقطع ہو گئے مگر گھر والوں اور گھر کا رابطہ باقی رہ گیا جب
کھانے پینے سے فارغ ہوئے تو گھر کے اکثر سامان اور خدمت گزاروں سے علاقہ نہ رہا
مگر بیوی اور اولاد کے ساتھ اور جب بستر پر دراز ہوئے تو بیوی کے سوا کسی سے تعلق نہ رہا
اور جب سو گئے تو وہ علاقہ بلکہ روح کا علاقہ بھی بدن کے ظاہر سے منقطع ہو گیا' اپنے
اعضاء کی حس و حرکت بھی روح کے اختیار میں نہ رہی' کسی اور چیز کا کیا اختیار ہوگا۔ پس
اس وقت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تماشا کیجیے کہ انہیں دنیا میں زندہ بھی رکھتا ہے اور وہ کسی
چیز کے ساتھ علاقہ بھی نہیں رکھتے' اپنے آپ کو اپنی عمر کے تمام اوقات میں اسی طرح بے
اختیار سمجھو اور کسی چیز کے ساتھ تعلق نہ رکھو اس لیے کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ آپ کا ذکر و عبادت میں معبود وہی ہے کہ علائق منقطع کرنا اور انہیں
ثابت کرنا اس کی ربوبیت کی شانوں میں سے ایک شان ہے جب وہ آپ کو تبتیل اور قطع
علائق کا حکم دیتا ہے تو کسی اور کے لیے فکر و اندیشہ کا کیا مقام ہے ۔

خدا خود میر سامان است سر کار توکل را

یعنی توکل کی دنیا کے تمام امور کا خود انتظام فرماتا ہے۔

اور بعض عارفوں نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مخاطب اگر اسباب
اور وسائل کے باوجود تجھے تبتیل اور تعلقات کو قطع کرنا مشکل ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھ
جو کہ مشرق و مغرب کا پروردگار ہے کہ اسے اشیاء میں ظہور بھی ہے اور اشیاء میں بطون بھی

marfat.com

Marfat.com

ہے اور اگر اشیاء میں اس کا ظہور و بطون ایک ساتھ نہ ہوتا تو اشیاء کے وجود کی کوئی صورت نہ ہوتی اس لیے کہ لا الہ الا ہو یعنی موجود حقیقی اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے تو اگر وہ دن میں ظاہر نہ ہوتا تو اشیاء قطعاً وجود میں نہ آ سکتیں اور اگر کلی طور پر ظاہر ہوتا تب بھی اشیاء موجود نہ ہو سکتیں لہٰذا اس نے ظہور کو بطون کے ساتھ ملایا ہے اور جس طرح سایہ سورج کے بغیر نہیں ہوتا اور سورج کے ساتھ بھی نہیں ہوتا' سورج کو سایہ کے وجود میں دو وجہ سے دخل ہے۔ از رہ ظہور بھی اور از رہ بطون بھی اسی طرح اسباب اور وسائل اپنے ظلی تحقق کے باوجود اس کے بغیر اپنی ذات میں موجود نہیں۔ پس اس معنی کا لحاظ کرنا تیری نظر میں اسباب اور وسائل کو مستقل وجود نہیں دیتا اور جب اسباب اور وسائل درمیان سے اُٹھ گئے اور تعلقات کلی طور پر منقطع ہو گئے۔

فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا پس اپنے پروردگار کو کارساز بناؤ اور اسے اپنی ضروریات کا کفیل قرار دو اور بے پرواہ ہو جاؤ' اپنے سے علائق کے منقطع ہو جانے کی وجہ سے تشویش نہ کرنا اور یہاں کلمہ فاء کو لانا جو کہ مہلت کے بغیر تعصیب کے لیے ہے اس بات کے اشارہ کے لیے ہے کہ علائق منقطع ہونے کے بعد بغیر تاخیر کے یہ کام کیجیے اور توکل اختیار کیجیے اور تجربہ و امتحان کا انتظار ہرگز نہ کرنا اس لیے کہ عیاں ہونے کے بعد تجربہ اور امتحان کا کون سا مقام ہے؟

## ایک قوی شبہ

یہاں ایک قوی شبہ باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ اس شان والوں کے نزدیک توکل کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے پروردگار پر ایسا اعتماد حاصل ہو جائے جیسے موکل کا کسی وکیل پر کہ اس کی شفقت اور خیر خواہی کو بھی یقینی طور پہ جانتا ہے اور اپنے کام سرانجام دینے پر اس کے قادر ہونے پر بھی پورا اعتقاد رکھتا ہے اور اسے اپنی ضروری حاجتوں کو پوری طرح جاننے والا اور واقف کار شمار کرتا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے پروردگار پر ایسا اعتماد حاصل ہو جیسا بچے کو اپنی ماں پر ہے اور یہ مرتبہ پہلے مرتبہ سے اعلیٰ ہے اس لیے کہ پہلے مرتبے میں اپنے اعتماد پر ایک توجہ ہوتی ہے اور

marfat.com

Marfat.com

موکل کے ذہن میں بار بار آتا ہے کہ میں نے یہ کام فلاں کے سپرد کیا ہے' وہ ضرور سرانجام دے گا' اس کی کیا ضرورت کہ میں خود توجہ کروں بخلاف بچے کے کہ اسے اپنی ماں میں ایک ایسا استغراق حاصل ہے کہ اپنے اعتماد پر نظر کرنے سے غافل ہو گیا ہے اور اسی لیے موکل اس کام کی اپنے ذہن میں تدبیر کرتا ہے جبکہ بچہ تدبیر نہیں کرتا جس طرح کہ اسباب میں بھی مصروف نہیں ہوتا۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ درمیان میں کوئی اعتماد اور استغراق نہ ہو بلکہ غسال کے ہاتھ میں میت کی طرح واقع ہو اور خود کو اس کام میں قطع دخل نہ دے حتیٰ کہ اس مرتبے میں سوال بھی نہیں کر سکتا۔ بخلاف دوسرے مرتبے کے کہ اس میں سوال کا دروازہ کھلا تھا جیسا کہ ماں سے سوال کرنا بچے کی عادت ہے اور یہ تیسرا مرتبہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا تھا اسی لیے جس وقت کفار آپ کو آگ میں ڈال رہے تھے اور جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے دعا کیجیے تا کہ آپ کو اس پریشانی سے نجات بخشے۔ آپ نے فرمایا حسبی من سوالی علمه بحالی یعنی اس کا میرے حال کو جاننا مجھے سوال کرنے سے کافی ہے۔

تو یہاں اس شان کے اولوالعزم پیغمبر علیہ السلام کو توکل کے پہلے مرتبے کا نشان کیوں دیا گیا اور آپ کو اونچے مرتبوں کا پتہ کیوں نہ دیا گیا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس سورۃ میں ابتدا سے انتہا تک مقامات سلوک کو اس انداز سے پورا کیا گیا ہے کہ مبتدی اور منتہی دونوں کے کام آئے جیسا کہ گزرا اور اگرچہ مخاطب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن پیش نظر اُمت کو حکم دینا ہے اور جب توکل کی ابتدا اسی مرتبہ سے ہوتی ہے اور اس سے ترقی کر کے آہستہ آہستہ ان دو مرتبوں تک پہنچتے ہیں تو ناچار پہلے اسی مرتبہ کی دلالت فرمائی گئی کہ اس مرتبہ پر قائم رہنے کی وجہ سے ان دو مرتبوں تک خود بخود رسائی حاصل ہو جائے گی۔ نیز حضرات انبیاء علیہم السلام کا کمال' محویت' تمام کائنات کے ملاحظہ' بے داری اور ہوشیاری کے مقام سے پیدا ہونے والا ہے' وہ اسباب اور مسببات کے کارخانہ کو' بڑے بڑے کاموں کی جمعیت اور اپنے محبوب بندوں کے ارادے کے مطابق مرادیں

marfat.com
Marfat.com

حاصل کرنے میں وکالت کے طور پر تولیت الٰہی کو نظر میں رکھتے ہیں اور فی الواقع بات بھی یوں ہی ہے۔ پس گہرے غور وفکر کے مطابق کمال حقیقی اسی پہلے مرتبہ میں ہے جبکہ دوسرے دو مرتبوں میں سوائے سکر' غلبہ' استغراق اور واقعی نفس الامری نظام سے ذہول کے کوئی مرتبہ نہیں اور یہ مرتبہ کمالات ولایت میں معتبر ہے نہ کہ کمالات نبوت میں۔

یہی وجہ ہے کہ بچے کا ماں پر اعتماد اور مردے کا اپنے آپ کو غسال کے سپرد کرنا عقل والوں کے نزدیک اتنا اعلیٰ نہیں ہے۔ بخلاف موکل کے اپنے امور کو وکیل مطلق کے سپرد کرنے کے اور حضرت خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ جو حسبی من سوالی علمه بحالی فرمایا تدبیر سے ذہول کے طریقے سے نہ تھا بلکہ تسلیم کے طور پر تھا اور علمہ بحالی توکل کے پہلے مرتبے پر صریح دلالت کرتا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

اور جب راہِ خدا کے سلوک کی شرائط اور خرقہ پوشی کے لوازم سے فراغت ہوئی تو اب فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کو جو اس سب ریاضت' مجاہدہ اور تبتیل کے ساتھ مخلوق کو حق کی طرف دعوت دینے' ناقصوں کی تکمیل' گمراہوں کی ہدایت اور طالبوں کے ارشاد کے لیے مقرر فرمایا ہے اور اسی طرح اسے جو آپ کی وراثت اور نیابت کے طریقے سے یہ منصب پائے' چاہیے کہ ایک اور چیز بھی اپنے اوپر لازم کریں اور وہ جفائے خلق کو برداشت کرنا ہے اور تبتیل میں ان کاموں سے باز نہ رہیں اور اس منصب والوں کو اس راہ کے منکرین اور معاندین زیادہ تر طعن و تشنیع اور تعریض وکنایہ کے ساتھ پیش آتے ہیں اور مختلف قسم کی زبانی ایذائیں پہنچاتے ہیں' ان ایذاؤں کو برداشت کرنے میں ثابت قدم رہیں۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ اور اس پر صبر کیجیے جو کہ آپ کے منکر اور معاند کفار' منافقین اور فاسقین کہتے ہیں کہ وہ اس راہ سے طبعی طور پر نفرت رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس راہ کے مسافروں کو لوگوں کی نظر میں حقیر کر دیں اور نیت کی خرابی' باطنی طمع اور ریاکاری ان کی طرف منسوب کریں خصوصاً وہ شخص جو ان سے تعلقات منقطع کرتا ہے' مخلوق کی طرف سے اس پر زیادہ طعن و تشنیع کی جاتی ہے اور اس کے اقارب' دوست اور اہلِ حقوق بھی اس سے نفرت کرتے ہیں اور اسے غیر ذمہ داری' بے مروتی' عاجزی' کاہلی

marfat.com
Marfat.com

اور کبھی خودداری' غرور اور تکبر کے ساتھ متہم کرتے ہیں۔ پس ان کی زبانی ایذاء پر صبر کرنا تبتیل کے شرائط اور لوازمات میں سے ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ معاندین اور حاسدین کی زبانی ایذاء تین قسم کی ہوتی ہے۔ پہلی یہ کہ اس شخص کے معبود' پیر' استاد اور مرشد کے بارے زبان طعن دراز کریں اور یہ سب سے زیادہ شدید قسم ہے۔ دوسری یہ کہ خصوصیت کے ساتھ اس شخص کے بارے میں طعن کریں۔ تیسری یہ کہ اس کی اہلیہ' اولاد' احباب اور دوستوں کے بارے میں طعن کریں کہ ان مذکورہ تعلقات کی وجہ سے ان کے بارے میں طعن بے حد دکھ اور تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کے کافروں' منافقوں اور بدمذہبوں کے ہاتھوں تینوں قسم کی زبانی ایذاء رسانی انتہا کو پہنچ گئی۔ بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ ایک یا دو قسم کی تکلیف میں مبتلا ہوتے تھے۔ پہلی قسم سے یہ ہے کہ کفار حضور علیہ السلام کو تکلیف دینے کے لیے بارگاہ خداوندی میں بے ادبیاں کرتے تھے جنہیں سُن کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے' ان میں سے بعض کہتے کہ خدا تعالیٰ کے اہل وعیال ہیں' بعض کہتے کہ شیطان خدا پر غالب آ جاتا ہے اور مخلوق کو گمراہ کرتا ہے اور بعض طنز کرتے ہوئے بکتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خدا کہتا ہے کہ میرے محتاج بندوں کو کھانا کھلاؤ اور زکوٰۃ دو تو معلوم ہوا وہ فقیر ہے اور ہم غنی۔ علاوہ ازیں اور کفریات بھی بکتے تھے۔

اور قرآن مجید کے بارے میں بھی عجیب فاسد گمان اور ناپاک خیالات ظاہر کرتے تھے اور احکام شریعت اور حضور علیہ السلام کے دین کے بارے میں بھی بے سروپا شبہات کے ساتھ اعتراض کرتے اور بعض کہتے کہ لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ یعنی اگر یہ قرآن کلامِ الٰہی ہے تو ایک بار ہی کیوں نازل ہوا۔ شعر سوچنے کی طرح کہ ایک دن غزل' ایک دن رباعی اور ایک دن قطعہ موزوں ہوا' کیوں نازل ہوتا ہے اور بعض کہتے کہ لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ یعنی ہم اس قرآن اور جو اس سے پہلے ہے' پر ایمان ہرگز نہیں لائیں گے۔ بعض جادو کہتے تھے' بعض کاہن کا قول قرار دیتے تھے' بعض بہتان اور جھوٹ شمار کرتے تھے' بعض ہذیان اور جنون سمجھتے تھے اور ذبح کیے ہوئے

marfat.com

Marfat.com

جانور کے حلال اور مردار کے حرام ہونے پر اعتراض کرتے کہ اپنے مارے ہوئے کو کھانے اور خدا کے مارے ہوئے کو نہ کھانے کا کیا معنی؟ علیٰ ہذا القیاس اور جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں یہودی کئی قسم کی گستاخیاں کرتے اور غالی رافضیوں کا ایک فرقہ جن کا لقب غرابیہ ہے' حضرت جبرئیل علیہ السلام پر (العیاذ باللہ) لعنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی سے وحی پھیر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دی جیسا کہ ان کا کہنے والا کہتا ہے بیت۔ جبرئیل کہ آمد زبر قادر بیچوں در پیش محمد شد مقصود علی بود

دوسری قسم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر' شاعر' کذاب اور مجنون کہتے اور اس سب کچھ کے باوجود ہجو کرتے ہوئے مذمم کہتے اور آپ کو ابن ابی کبشہ کہتے یعنی اپنے جد رضائی کا بیٹا ہے اور اس نے اسی کی خو بو حاصل کی ہے اور اپنے آباء و اجداد کے طریقے سے پھر گیا ہے گویا ان کی اولاد سے نہیں ہے۔ نیز کہتے کہ یہ پیغمبر فقیر اور غریب کیوں ہے؟ **مالھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لولا انزل الیه ملك فیکون معه نذیرا اویلقی الیه کنز اوتکون له جنة یاکل منها** اور اگر کبھی چند روز وحی نہ آتی تو زبان طعن دراز کرتے اور کہتے کہ **ودعه ربه وقلاه** اسے اس کے رب نے چھوڑ دیا اور ناپسند قرار دیا۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجو میں شعر کہتے اور گانے والی اور رقص کرنے والی عورتوں کو سکھاتے کہ وہ مجالس و محافل میں طبل اور سرنگی پر گائیں اور تیسری قسم یہ ہے کہ مدینہ شریف میں منافقین اور فاسقین اور خیبر' فدک' نضیر اور قریظہ کے یہودی ہر روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب واقارب کی طعن و تشنیع میں نئی نئی باتیں کرتے تھے یہاں تک کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طاہر و مطہر حرم پاک کو معاذ اللہ بُرائی کی طرف منسوب کیا اور حضور علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد اُمت کے منافقوں نے آپ کے صحابہ کبار اور اہلِ بیت اطہار علیہم الرضوان کو دنیا طلب' ظالم اور غاصب قرار دیا اور ان بدبختوں کی مجموعی بکواس کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متوسلین' مصاحبین اور قریبیوں میں سے کوئی بھی شاید راہِ حق پر رہا ہو اور سب کے سب معاذ اللہ

marfat.com
Marfat.com

یک قلم مرتد ہو گئے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کہ ما اوذی نبی مثل ما اوذیت یعنی جتنا مجھے ستایا گیا' کسی نبی علیہ السلام کو نہیں ستایا گیا' بالکل ظاہر ہو گیا اور آپ نے اس سب جفا کے باوجود اسے برداشت فرمایا اور دعوت الخلق الی الحق اور ان کے ارشاد و ہدایت سے دست بردار نہ ہوئے۔

اللھم صل علیہ واجزہ عنا افضل ما جازیت نبیا عن امتہ۔

اور وہ جو کہا گیا کہ رسول دشمن کا خیر خواہ ہے۔ گویا اسی رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال کا بیان ہے اور حضور علیہ السلام کی طرف سے یہ سب اس امر الٰہی کی پیروی تھی کہ آپ کو صبر کا حکم دیا گیا اور دشمنی رکھنے سے باز رکھا یہاں تک کہ حکم دیا گیا کہ اگر آپ سے ان کے ساتھ رہتے ہوئے ان کی ایذاء رسانی پر صبر ممکن نہ ہو تو ان کی صحبت سے کنارہ کشی فرمائیں۔

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا اور ان کی صحبت کو ترک کر دیں لیکن انہیں چھوڑنا اچھا ہو۔

## ہجر جمیل کی حقیقت

کہ جس میں تین چیزیں ہوں۔ پہلی چیز کہ بظاہر انہیں چھوڑ دیں لیکن باطنی طور پر ان کی صحبت کی طرف مائل رہیں اور ان کی خبر گیری کرتے رہیں کہ وہ کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں اور مجھے کس طرح یاد کرتے ہیں۔ دوسری چیز یہ کہ ان کی بدسلوکی کا کسی کے سامنے شکوہ نہ کریں اور انتقام کے طور پر کسی کے سامنے ان کے عیب ظاہر نہ کریں اور گفتگو اور آمنے سامنے ہونے کے وقت کج خلقی اور سخت کلامی نہ کریں۔

تیسری چیز یہ کہ مفارقت اور جدائی کے باوجود ان کی نصیحت اور خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہ کریں اور ان کا بُرا نہ چاہیں اور جس طرح بھی ممکن ہو ان کی ہدایت و رہنمائی میں دریغ نہ فرمائیں۔

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ ہجر جمیل ان تین شرائط کے جمع ہونے سے متحقق ہوتا ہے اگر ایک شرط بھی فوت ہو جائے تو ہجر جمیل نہیں رہتا اور یہ بہت مشکل امر ہے اور جو

marfat.com
Marfat.com

شخص حدیث وسیرت کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ کرے یقینی طور پر جان لے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس راہ کے منکروں کے ساتھ جو حسن سلوک اور خیر خواہی کی ہے' بشر کی طاقت سے بالکل باہر ہے اسی لیے اس عمل کی برکت سے ان میں سے اکثر درست ہو گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ آپ نفسانیت سے قطعاً پاک ہیں جو کچھ کرتے ہیں' خدا تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حکم پر کرتے ہیں۔ انہوں نے چار و ناچار سر تسلیم خم کر دیا اور اپنے کو اطاعت کے لیے وقف کر دیا اور خدمت کا قلادہ پہن لیا۔

اور اگر آپ کے دل میں یہ خیال گزرے کہ مجھے جو تعلقات منقطع کرنے اور منکروں اور معاندوں کی ایذاء رسانی پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے' سر آنکھوں پر لیکن اس راہ کے منکروں سے جو کہ حال اور قال کی زبان سے لوگوں کو اس راہ سے روکتے ہیں اور تن آسانی' دنیوی راحت اور نفسانی لذتوں کی ترغیب دیتے ہیں اگر ہلاکت کی دعا کے ساتھ انتقام نہ لوں تو یہ راہ رائج نہ ہوگی اور کوئی شخص بھی اس مجاہدہ کے قریب نہیں آئے گا جو کہ نفس پر بہت ناگوار ہے اور ان کی شیطانی حیلہ گری کی وجہ سے زیادہ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ پس میری بعثت کا فائدہ متحقق نہ ہوگا اور میری محنت ضائع جائے گی' مجھے اس گروہ سے انتقام لینے کا حکم ملنا چاہیے تاکہ میں انہیں ہلاکت کی دعا کے ساتھ برباد کر دوں اس لیے کہ وہ صرف مجھے ایذاء دینے والے ہی نہیں بلکہ اس راہ میں خلل ڈالنے والے ہیں۔ حکم دیا جا رہا ہے کہ اس بارے میں فکر نہ کریں بلکہ یہ معاملہ میرے سپرد کر دیں۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ آپ مجھے اور اس راہ کے منکروں کو چھوڑ دیں جو کہ عیش وعشرت اور بدنی آسائش والے ہیں اور انہیں عیش اور آسائش کی محبت۔ مجاہدہ' رات کے قیام' شب بیداری اور ہمیشہ ذکر کرنے سے باز رکھتی ہے اور وہ لوگوں کو اپنے حال اور مستقبل میں عیش و راحت کی ترغیب دیتے ہیں' ان کے بارے میں آپ کچھ نہ کہیں اور نہ ہی ہلاکت کی دعا کریں اس لیے کہ میں دو جہانوں کا مالک ہوں اور جس طرح اُس جہان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہ مجاہدہ' ریاضت' دُکھ اور مشقت

marfat.com
Marfat.com

اُٹھانے میں مشغول ہوتے ہیں اور اپنی ناز پروردہ آنکھ کو راہِ خدا میں برباد کرتے ہیں اسی طرح اس جہان میں بھی ایک گروہ مجاہدہ' دُکھ اُٹھانے اور مصیبت میں مبتلا ہونے کے لیے درکار ہے اگر یہ لوگ نہ ہوں تو اس جہان کا مجاہدہ اور دُکھ کون اُٹھائے اور اگر اس جہان میں سب لوگ دُکھ سہنے اور مشقت برداشت کرنے والے ہوں اور وہاں سب لوگ آرام و راحت میں ہوں تو دونوں جہان مناسبت کے بغیر ہوں اور رنج بغیر راحت کے اور راحت بغیر رنج کے ہو اور ہر زمانے کا دو متضاد چیزوں میں سے ایک سے خالی ہونا اس زمانے کا ناقص ہونا ہے کیونکہ میں جامع المتقابلات اور کامل الاطلاق ہوں مجھ سے اس نقصان کی طلب نہ کریں کہ میں انہیں جلدی سے اس جہان کے مجاہدہ میں مشغول اور اس جہان کی راحت سے محروم کردوں بلکہ صبر کیجیے۔

وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا اور انہیں اس جہان کے عیش و آسائش میں قدرے مہلت دیں تا کہ اس جہان کے مجاہدہ کی استعداد اس جہان کی آسائش سے بدا کریں اس لیے کہ میں جو کہ حکیم ہوں' استعداد پوری ہونے سے پہلے کسی کو کسی کام میں مشغول نہیں کرتا ورنہ میری حکمت ناقص ہو۔

إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا تحقیق ہمارے نزدیک بھاری زنجیریں مہیا ہیں جو کہ ہم ان کے پاؤں میں ڈالیں گے اس کے عوض کہ وہ راحت طلبی کی وجہ سے رات کی نماز میں کھڑا ہونے سے جی چراتے تھے' علائق دنیوی کے پابند ہو کر متبتل نہیں ہوتے تھے۔

وَجَحِيمًا اور جلانے والی آگ ہے' عشق و شوق کی جلن کے عوض کہ اہلِ مجاہدہ و ذکر دنیا میں اس سوزش کے ساتھ جلتے تھے اور اپنے باطن کو آگ جلا کر پگھلاتے تھے۔

وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ اور حلق میں اٹکنے والا کھانا ہے اس مشقت اور رنج کے عوض جو کہ دنیا میں مجاہدہ اور ذکر کرنے والے تہجد کے وقت ذکر اور تلاوتِ قرآن مجید میں آواز بلند کرنے میں اُٹھاتے تھے اور ذکر و تلاوت کی شد اور مد اور اونچی نیچی آواز میں بلغم ان کے حلقوم میں آ کر اٹک جاتی تھی بلکہ کبھی تو وہ خون اُگلتے تھے۔ نیز ان لذیز مرغن کھانوں اور خوشبودار اور میٹھے مشروبات کے عوض جنہیں کھا پی کر ان کے خمار میں مست ہو

marfat.com
Marfat.com

کر بستر خواب پر اونگھتے تھے۔

وَعَذَابًا اَلِيْمًا اور عذاب کی ایک اور قسم ہے جو کہ انتہائی دردناک ہے جیسے دوزخ کے موکلوں کی پٹائی اور زدوکوب جو کہ مجاہدہ وذکر والوں کے اس رنج ومشقت کے عوض جو کہ پانچ وقتی جماعتوں اور جمعہ میں آنے کے وقت اور ذکر کے حلقوں، علم وعظ درس قرآن وحدیث کی مجالس میں داخل ہونے کے وقت ہجوم واژدہام کی وجہ سے انہیں گرنے، اُٹھنے اور صدمہ اُٹھانے میں ہوتی تھی اس راہ کے منکرین کو دیا جائے گا اور جیسے دوزخ کے سانپوں اور بچھوؤں کے ڈسنے کا عذاب جو کہ اس طعن وتشنیع اور طنز وتعریض کے عوض جو کہ اہلِ مجاہدہ کو مخالفوں اور معاندوں کی طرف سے ہوتی تھی، منکروں کو دیا جائے گا۔ پس اگر ہم انہیں دنیا میں مہلت نہ دیں تا کہ وہ اس قسم کی آسائشیں پورے طور پر حاصل کریں تو ان تکالیف اور مصیبتوں کے اُٹھانے کا استحقاق کہاں سے پیدا ہوگا اور اس جہان کے دُکھوں اور تکلیفوں کے یہ تمام اسباب جو کہ انہوں نے مہیا کر رکھے ہیں، بے فائدہ اور بے کار ہیں۔ بیت

رموز مملکت و ملک خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اور آپ تبتیل، یادِ مولیٰ اور طالبانِ رشد وہدایت کے ارشاد میں مصروف رہیں۔

سخن ز مطرب و مے گو وراز دہر کمتر جو
کہ کس نہ کشود نہ کشاید بحکمت اس معمہ را

ہاں آپ کو اس قدر جاننا چاہیے کہ ان کے مجاہدہ کی باری اس وقت آئے گی کہ مجاہد اور ذکر والوں میں سے دنیا میں کوئی باقی نہ رہے گا اور ولایت کی راہ بالکل بند ہو جائے گی اور خدماتِ غیبیہ جیسے غوثیت، قطبیت، ابدالیت اور اوتادیت ختم ہو جائیں گی اور قطب مدار زمین پر نہیں رہے گا اور ابدال واوتاد سب قبض کر لیے جائیں گے اس لیے کہ اس گروہ کے باقی رہنے کے باوجود دنیا کو جو کہ دائمی ذکر کے مجاہدے اور دنیوی نعمت وآسائش سے محظوظ ہونے کے درمیان جامع ہے اور اس میں دونوں بازار گرم ہیں، خراب کرنے کی

marfat.com
Marfat.com

کوئی وجہ نہیں اور جب ایک بازار ویران ہوا تو جہان کا دو متقابل چیزوں میں سے ایک سے خالی ہونا لازم آیا۔ ناچار دوسرے جہان کو جلوہ گر کرنے پر توجہ ضرور پڑے گی اور دنیا سے راہِ ولایت کے بند ہونے اور دائمی ذکر کے مجاہدے کے منقطع ہونے کی علامت یہ ہے کہ ولایت کا تخم جو کہ ایمان ہے' جہان میں نہ رہے گا تا کہ اس کی نشو و نما ممکن ہو اور یہ علامت محقق نہ ہوگی مگر

## اہل اللہ کی برکت سے جہان کا قیام ہے

یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ اس دن کہ زمین اور پہاڑ کانپیں گے۔ قطب مدار' اوتاد اور ابدال کی وفات کی وجہ سے کہ ان کی برکت سے جہان کا قیام اور سلامتی تھی۔

وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا اور پہاڑ ریت کے ٹیلے کی طرح بکھرے ہوئے ہوں گے کہ ان کے اجزاء میں ٹھہراؤ بالکل باقی نہ ہوگا۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں عربی والوں کا ایک مشہور سوال ہے کہ جبال جمع کا صیغہ ہے۔ پس اس کی خبر میں کثبا مہیلۃ فرمانا چاہیے تھا لیکن تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ سب پہاڑ ریت کے ایک ٹیلے کی طرح ہو جائیں گے اور ان کے درمیان امتیاز اُٹھ جائے گا اگر پہاڑ جگہ جگہ مضمحل الاجزاء ہو کر رہتے تو ریت کے مختلف ٹیلے معلوم ہوتے اور جمع صحیح ہوتی اس صورت میں جمع لانا بلاغت میں خلل ڈالنے والا ہے۔ چنانچہ جب چند نہریں جمع ہو کر ایک ہی وادی میں جاری ہوں تو یوں نہیں کہا جا سکتا کہ صارت الانهار كلها انهارا عريضة بلکہ نهرا عريضاً کہنا چاہیے۔

جب قرب و وصال کی راہ کے سلوک کی تعلیم اور اس کی شرائط کے بیان سے جو کہ صبر و تحمل' رضا و تسلیم اور سب کاموں کو حکمتِ الٰہی کے سپرد کرنے تک پہنچتی تھی' فراغت ہوئی تو اب اس راہ کے منکروں کو غضب آمیز خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے جو اپنے رسول علیہ السلام کو امر و نہی کی ہے اور انہیں تمہاری بربادی کی دعا اور انتقام لینے سے روکا

marfat.com
Marfat.com

ہے' اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ پیغمبر صرف ایک ایلچی تھا کہ آیا' پیغام دیا اور چلا گیا اس کی نافرمانی کرنے سے کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ یہ پیغمبر علیہ السلام صرف ایلچی نہیں ہیں۔ تمہارے بارے میں ان کی بات اور گواہی مقبول ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ رسول علیہ السلام تمہاری شکایت کریں اور غضب و انتقام کا دریا جوش میں آ جائے اور تم دنیا میں بھی آفات' بلیات' قحط' وباء' فقر اور تکلیف میں گرفتار ہو جاؤ جس طرح کہ اس سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام کے منکروں کو اس قسم کا عذاب ہوا ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ۬ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ تحقیق ہم نے تمہاری طرف وہ رسول بھیجا ہے جو کہ گواہ ہوگا اور ہمارے حضور عرض کرے گا کہ فلاں اس راہ کا منکر ہوا اور فلاں نے اس راہ کو قبول کیا تا کہ اس کے مطابق ہم منکروں اور موافقوں میں سے ہر ایک کے ساتھ سلوک کریں۔

كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف بھی اسی قسم کا ایک رسول بھیجا تھا' جن کی گواہی اور بات مقبول تھی اور وہ رسول حضرت موسیٰ ہیں علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ اکثر اہلِ تواریخ واخبار کے گمان میں آپ کا فرعون کی طرف جانا صرف پیغام رسانی اور ایلچی گری کے طور پر تھا اس لیے کہ آپ بنی اسرائیل کے رسول تھے جبکہ فرعون فرقۂ قبط سے تھا۔ نیز آپ کو فرعون کی طرف بھیجنے کا مقصد یہی تھا کہ بنی اسرائیل کو قید سے رہائی دِلائیں اور فرعون اور قبطیوں کی رشد و ہدایت آپ کی نبوت کی اصل میں داخل نہ تھی بلکہ بنی اسرائیل کے قلوب کو روشن کرنا اور ان کی رسموں کو درست کرنا مقصود تھا۔ پس بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے' ان کی بعثت کا مقصد سفارت' رسالت اور اس قوم کی طرف پیغاماتِ الٰہی پہنچانا بھی ہوتا اور طالبان رشد و ہدایت کی تعلیم و ارشاد ان کے دِلوں کو منور کرنا اور انہیں خدا تعالیٰ تک پہنچانا بھی۔ پس وہ صرف رسالت نہیں رکھتے تھے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی نسبت سے صرف قاصد تھے لیکن فرعون اور قبطیوں کو ہلاک کرنے اور انہیں جلد سزا دینے کے بارے میں

marfat.com

Marfat.com

آپ کی درخواست دنیا میں مقبول ہوئی۔ چنانچہ فرمایا:

فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ پس فرعون نے اپنے اس رسول کی نافرمانی کی۔
فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا پس ہم نے اسے دنیا میں سخت وبال والی گرفت سے پکڑا اس لیے کہ اسے تمام فوج اور لشکر سمیت دریا میں غرق کر دیا اور ایک لمحہ کے اندر اس کی بادشاہی' ملک' عمارات' باغات' جواہر اور اس کی عیش و آسائش کے آلات اس کے دشمنوں کے حوالے کر دیئے۔ اس عظمت و شوکت کے باوجود جو کہ فرعون کو حاصل تھی' اپنے وقت کے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کی وجہ سے اس وبال میں گرفتار ہوا تم جو کہ اس کا سواں حصہ بھی نہیں رکھتے ہو' اپنے رسول علیہ السلام کو کس طرح تکلیف دیتے ہو اور ان کے حکم کو قبول نہیں کرتے ہو اور اگر تم اس رسول علیہ السلام کے کمال حلم اور بردباری کی بناء پر جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج کی نسبت سے پانی اور آگ کا حکم رکھتا ہے اس جہان کے عذاب اور آپ کی دعائے ہلاکت سے محفوظ رہو۔

فَکَیْفَ تَتَّقُوْنَ پس تم کیسے بچو گے اور اپنے آپ کی عذاب سے حفاظت کرو گے؟
اِنْ کَفَرْتُمْ اگر تم کفر میں مر گئے اور تم نے اپنے رسول علیہ السلام کی فرماں برداری نہ کی۔
یوماً اس دن کہ بے گناہوں کو ان کمزور تعلقات کی بناء پر جو کہ وہ گناہ گاروں کے ساتھ رکھتے تھے' سختی اور تنگی' خوف اور الجھن درپیش آئے گی یہاں تک کہ

یَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا وہ دن چھوٹے بچوں کو سفید بالوں والا بوڑھا کر دے گا اس قدر خوف کھائیں گے کہ ان کے بال سفید ہو جائیں گے اور اس روز چھوٹے بچوں کے بال سفید ہونے کا سبب یہ ہوگا کہ اپنے ماں باپ' بھائیوں اور بہنوں کی گھبراہٹ اور گریہ زاری دیکھنے کی وجہ سے چھوٹی عمر کے بچوں پر افکار و غموم قلب کے اندر روح کی رکاوٹ کا موجب ہوں گے اور حرارت غریزی کا عمل کمزور ہو جائے گا اور اخلاط میں کچا پن پیدا ہوگا اور فاسد بلغم غالب ہو کر مسام کی راہ سے جو کہ بالوں کے اگنے کی جگہیں ہیں' باہر آئے گی اور اس قسم کی تکلیف جو کہ اس دن بچوں کو ہوگی' جزا اور سزا دینے کے طور پر نہیں جیسا کہ غلط فہمی کی وجہ سے معتزلہ نے اسے اس قبیلے سے سمجھ کر اس کا انکار کیا ہے اور کلام کو تمثیل

marfat.com
Marfat.com

اور کنایہ پر محمول کیا بلکہ یہ تکلیف تابع ہونے کے طور پر تخلیق کے احکام سے ہے کہ اس کا واقع ہونا ضروری ہے جیسا کہ دنیا میں بچوں کی بیماریاں اور تکالیف۔

لیکن بعض تفاسیر میں مذکور ہے کہ یہ تکلیف بھی کافروں کے بچوں کے ساتھ خاص ہوگی نہ کہ ایمان والوں کے بچوں کو شامل۔ اور ظاہری طور پر اس کی وجہ یہ ہے کہ گھبراہٹ اور گریہ زاری کفار کو زیادہ ہوگی اس حد تک کہ ان کے بچوں میں بھی اثر کرے گی۔ بخلاف ایمان والوں کے کہ ان پر ان چیزوں کو ہلکا کر دیا جائے گا اور جلدی زائل ہو جائیں گی اور اس کے علاوہ ایک اور فرق بھی ہے کہ ایمان والوں کے بچوں کو اپنے اقارب کے ایمان کی وجہ سے جو کہ شفاعت اور معافی کی شرط ہے' انہیں عذاب سے چھڑانا ممکن ہوگا۔ پس اس تکلیف کی سزا نہیں پائیں گے۔ بس یہی کہ وہ اپنی ماؤں اور قریبیوں کو عذاب میں بے چین دیکھیں گے' شفاعت اور معافی کی درخواست کی وجہ سے انہیں اُٹھا لیں گے اور مطلب پالیں گے۔

## مردِ مومن کے تین بچوں کی وفات اسے جہنم میں داخل ہونے سے بچالے گی

جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کسی باایمان شخص کے تین نابالغ بچے اس جہان سے نہیں گزرتے مگر یہ کہ اس پر جہنم کا داخلہ حرام ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہ بچے قیامت کے دن اسے دوزخ میں نہیں چھوڑیں گے اور حق تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ان کی دعا کو قبول فرمائے گا۔ بخلاف کفار کے بچوں کے کہ اپنے باپوں اور ماؤں کو عذاب میں دیکھیں گے اور ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جو کہ شفاعت اور نجات کی شرط ہے' عرض نہیں کر سکیں گے۔ پس ناچار غم اور جلن میں گرفتار رہیں گے یہاں تک کہ انہیں بہشت میں داخل کریں اور جنتیوں کے خدمت گزار بنا دیں اور وہ اپنے قریبیوں کو بھول جائیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس روز سفید بال بدکاری سے پیدا ہونے کی علامت ہوگی' وہ بچے جو کہ بدکاری کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے اس دن خوف میں گرفتار ہوں گے جبکہ دوسرے بچے خوف سے محفوظ رہیں گے لیکن اس تخصیص کی صحیح سند چاہیے اور اس کے علاوہ بے گناہ کو تکلیف دینا توجہ طلب ہے اس لیے کہ بدکاری کے نتیجے میں پیدا ہونے

marfat.com
Marfat.com

والے کا کوئی گناہ نہیں ہے اور بہرحال اس دن کا خوف گناہ کے ادنیٰ تعلق کی وجہ سے غالب ہوگا یہاں تک کہ گناہ گاروں کے مکانات کو بھی پیوندِ زمیں اور مسمار کر دے گا اور جس زمین اور عمارات میں گناہ واقع ہوتے تھے وہ بھی درہم برہم ہو جائیں گی بلکہ

اَلسَّمَآءُ آسمان بھی باوجودیکہ وہاں کوئی گناہ واقع نہ ہوا تھا اور اس کے رہنے والے سب معصوم اور پاک ہیں صرف اس تعلق کی بناء پر کہ اس سے گناہ گاروں کا رزق نازل ہوتا تھا اور ستاروں کی شعاعوں اور آسمانی حرکات سے گناہ گار بھی فائدہ لیتے تھے انقلاب پذیر ہوگا اور اس طرح درہم برہم ہوگا کہ آسمان آسمان نہیں رہے گا تاکہ اسے تانیث کی وصف سے ذکر کیا جائے اس لیے کہ آسمان اور ہر چیز کی تانیث اس کی ذہنی صورت کو لازم ہے اس صورت پر دلالت کرنے والے لفظ کے وسیلے سے ذہن میں آتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی لفظ کے ساتھ معنی کی تعبیر کرتے ہیں تو تذکیر و تانیث میں اس صورت کا اعتبار ہے جو کہ اس لفظ سے ذہن میں حاصل ہوئی ہو نہ وہ صورت جو کہ فی الواقع ہے۔ مثلاً مرد کو جب نفس یا جان کے ساتھ تعبیر کریں تو مؤنث ہے اور عورت کو جب آدمی سے تعبیر کریں مذکر ہے اور اس وقت جبکہ آسمان کی صورت درہم برہم ہوگئی تو جو صورت لفظ سماء کا مدلول تھی ذہن میں نہ رہی اب اس کے حق میں زیادہ سے زیادہ جو کہا جاسکتا ہے یہ ہے کہ آسمان ایک

مُنْفَطِرٌ بِهٖ ایسی چیز ہے جو کہ اس دن کے صدمے کی وجہ سے پھٹی ہوئی اور چری ہوئی ہے اسی لیے منفطرۃ نہیں فرمایا ہے باوجود اس کے کہ لفظ سماء مؤنث ہے۔ گویا یہ جتلایا جا رہا ہے کہ آسمان کو اس وقت آسمان نہیں کہنا چاہیے اور نہیں سمجھنا چاہیے جس طرح کہ گھر کو دیواریں اور چھت ڈھ جانے کے بعد گھر نہیں کہا جاسکتا ایک میدان پڑا ہے جب آسمان نہ ہوا تو اس کی خبر کی تانیث بھی مناسب نہ ہوئی جو کہ اس کی آسمانیت کی بقاء پر دلالت کرتی۔

## ایک جواب طلب سوال

اور اگر یہاں کسی کے دل میں ایک سوال پیدا ہو کہ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔ اِذَا

marfat.com

Marfat.com

السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ کی آیات میں اس کا اعتبار کیوں نہ فرمایا گیا اور تانیث کی علامت لگا دی گئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ فعلیہ جملے ہیں جو کہ حدوث وتجدد پر دلالت کرتے ہیں اور انفطار اور انشقاق کی ابتدا میں آسمان' آسمان ہی تھا اور اس کی صورت کے لوازم یعنی تانیث وغیرہ برقرار تھے اس لیے ان افعال میں علامت تانیث لگانا ضروری ہوا۔ بخلاف السماء مُنْفَطِرٌ بِهٖ کو نرا جملہ اسمیہ ہے اور استمرار وثبوت پر دلالت کرتا ہے اور کسی شے کا دوام وثبوت اس شے کے پورا ہونے کے بعد ہے اور آسمان انفطار کے پورا ہونے کے بعد آسمان نہ رہا تا کہ اس کی صورت سمائیہ قابلِ اعتبار ہو لیکن وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ کی وجہ یہ ہے کہ انشقاق کی ابتدا میں جو کہ انشقت کا مدلول ہے' آسمان اپنے حال پر آسمان تھا' زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس کے بعض اجزاء میں انشقاق کا آغاز ہو چکا اور اس کے باقی اجزاء ست اور ڈھیلے ہو کر انشقاق کے قریب ہو چکے ہوں گے۔ پس ''وہی'' (جو کہ واھیہ کا مصدر ہے) کے وقت جو کہ سستی اور ڈھیلا ہونے سے عبارت ہے' ابھی اس نے صورتِ سمائیہ جدا نہ ہوئی تا کہ اس کے لوازمات کا اعتبار نہ کریں۔ چنانچہ وَالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا اس کی آسمانیت کی بقاء پر صریح دلالت کرتا ہے۔

اور اگر منکرین کہیں کہ اس قسم کے روز سیاہ کا واقع ہونا جو کہ تم بیان کرتے ہو' بہت بعید ہے' اس کی انتہا یہ ہے کہ ممکن ہوگا اور ہر بلائے ممکن سے ڈرنا اور اس کے دُور کرنے کی فکر میں لگ جانا اور خود کو بے آرام رکھنا عقل مند کا کام نہیں اور اگر بالفرض جزا اور اعمال کے بدلے کے قانون پر نظر کرتے ہوئے اس دن اور اس دن کی تکلیف کے وجود کی سمت غالب بھی ہو تو پھر بھی وہ متوقع اور موعود بلا ہے اور مشہور مثال میں ہے کہ اس بلا سے نہ ڈر جس کے درمیان ابھی رات باقی ہے' ہم اپنے نقد عیش کو اس موہوم خطرے کی وجہ سے برباد کیوں کریں؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے جس بلا کا واقع ہونا ضعیف عقلی' قرائن اور نشانیوں سے معلوم ہوتا ہے یا اس بلا کا عام ہونا اور پھیلنا ہر کسی کو

marfat.com
Marfat.com

معلوم نہ ہو البتہ ایسا مقام ہے کہ اس کی پرواہ نہ کریں اور اس سے نہ ڈریں لیکن جس مصیبت کا واقع ہونا قطعاً اور یقیناً معلوم ہو اور عام اور شامل ہو اس سے لازماً ڈرنا چاہیے اور عقل اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دیتی کہ اس قسم کی مصیبت کو عبرت کی نظر سے گرا دیا جائے اور وہ دن اسی قسم کا ہے کہ:

كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا اس دن کا وعدہ لازماً واقع ہونے والا اور عمل میں لایا جانے والا ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اس کے وعدے کا خلاف ہونا محال ہے۔ پس اس دن کا آنا اگرچہ فی ذاتہ ممکن الوقوع ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عدل کے پیش نظر اور اس کے وعدوں کی صداقت کے پیش نظر واجب الوقوع ہے اور اس دن کی ہر سختی وعدے کے مطابق عام اور شامل ہے۔

اور جب اس سورۃ کی ابتدا سے یہاں تک راہِ خدا کے سلوک کی ضروریات اور اس راہ باصفا کے سلوک کی رکاوٹیں ختم کرنے کا طریقہ مدلل بیان کے ساتھ ارشاد فرمایا اور بظاہر خطاب کو پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ خاص کیا گیا اب فرمایا جا رہا ہے کہ:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ تحقیق یہ سورۃ اور اس کے مضامین' ہر ذی روح کو قربِ خداوندی کی راہ کی عام یاد دلاتا ہے اور پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ تو جو چاہے اپنے پروردگار کے قرب کی طرف پکڑے سَبِيْلًا ان راہوں میں سے کوئی راہ اپنی استعداد اور رغبت کے مطابق اگر چاہے تو مجاہدہ' دائمی ذکر اور تبتل کی راہ اختیار کرے اور اگر چاہے تو اختلاط' دعوت' نصیحت' ارشاد اور صبر کا راستہ پکڑے اور اس بیان کو یاد دلانا اس وجہ سے فرمایا گیا حالانکہ یاد دلانا اس چیز کا ہوتا ہے جو پہلے سے معلوم ہو چکی ہو اور بالفعل دل سے نکل گئی ہو کہ روح بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے قدس و طہارت کے عالم میں جاگزیں تھی اور اسے دربار خداوندی سے ایک قسم کا قرب حاصل تھا اور حیوانی آلائشوں' ضروریات' دنیوی تعلقات اور غذائی نجاستوں سے پاک اور صاف تھی۔ اِس وقت کہ بدن کے ساتھ متعلق ہے اور ان چیزوں کی قید میں گرفتار وہ سب کچھ فراموش کر کے تدبیر معاش میں مستغرق ہو گئی' وہ قرب اور وہ

marfat.com
Marfat.com

صفائی اس کے ذہن سے نکل گئی ہے' راہِ سلوک کو بیان کر کے اسے وہ اصلی حالت یاد کرائی جارہی ہے اور اسے اس کے اصل مقام کا اشتیاق دیا جارہا ہے جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا۔ بیت

میل ہر عنصر بود سوئے مقر اصلیش
جذبۂ اصل است سیر شورش مستانہ ام

یعنی ہر عنصر کا جھکاؤ اپنے اصلی مقام کی طرف ہوتا ہے اور میری شورش مستانہ کی سیر جذبہ اصل ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ دراصل یہ سورۃ اسی آیت پر پوری ہوگئی تھی جیسا کہ مفسرین نے حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام سے روایت کی ہے اور جب اس سورۃ میں پہلے تمام ریاضتیں اور مجاہدات شب بے داری اور تہجد گزاری ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام اور سلوک راہِ خدا میں آپ کے دوسرے ساتھیوں نے اس عبادت کو ادا کرنے میں اپنے اوپر پوری کوشش لازم کرلی یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے رات کی نیند بالکل ترک کردی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کی وجہ سے ریاضت کی اس مدت میں کہ آدھی رات یا کچھ زائد یا قدرے کم جو کہ ہمارے لیے مقرر فرمائی گئی ہے' کوئی کمی واقع ہو جائے اور اس قدر مدت کو نیند سے آگے پیچھے اُٹھنے کی وجہ سے ہم پورا نہ کر پائیں اور ان لوگوں کو سخت مشقت لاحق ہوئی یہاں تک کہ ان کے قدموں پر ورم آگئے اور رنگ زرد ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس مدت کی حد بندی اور تعین میں بہت تکلیف اٹھاتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مدت میں کمی واقع ہو جائے اور ہم اس ریاضت کے عہدہ سے سرخ رو نہ ہو سکیں اور یہ مشقتیں ایک سال تک جو کہ بارہ ماہ کی پوری مدت تھی' ان پر قائم رہیں۔ ایک سال کے بعد حق تعالیٰ نے یہ آیت اس سورۃ پر بڑھا دی اور نازل فرمائی اور اس آیت کے نزول کی وجہ سے اس مدت کا تعین معاف ہو گیا اور اصل تہجد و شب بے داری مدت کے تعین' رکعات کی گنتی کے تعین اور قدر قرأت کے تعین کے بغیر مسنون اور موکد رہی اور اس آیت کے

marfat.com
Marfat.com

نزول کے بعد حضور علیہ السلام کا عمل اور آپ کا دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حکم دینا قوت واستعداد اور نشاط کی قلت وکثرت کے مطابق مختلف رہا۔

## ختم قرآن مجید کی ترتیب کا بیان

چنانچہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تہجد میں ختم قرآن پورے مہینے میں کیا کریں تاکہ ہر رات ایک پارے کی قدر قرأت واقع ہو اور بعض روایات میں ختم قرآن چالیس رات میں بھی وارد ہوا ہے اور جب ان حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شدتِ رغبت اور زیادہ قوت کو بیان کیا تو آپ کے لیے ختم قرآن ایک ہفتے میں مقرر فرما دیا اور اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی امر شریف کو اپنا معمول بنا لیا اور انہوں نے اسباع قرآنِ کریم کو اس طرح مقرر کیا کہ جمعۃ المبارک کی رات تین سورتیں' ہفتہ کی رات پانچ سورتیں اس کے بعد سات' اس کے بعد نو' اس کے بعد گیارہ' اس کے بعد تیرہ اور اس کے بعد باقی جو کہ سورۃ ق سے سورۃ الناس تک ہے اور حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ جمعۃ المبارک کی رات کو سورۃ مائدہ کو پورا فرماتے اور ہفتہ کی رات کو سورۃ ھود' اس کے بعد سورۃ مریم' ازاں بعد سورۃ قصص' ازاں بعد سورۃ ص' بعد ازاں سورۃ الرحمٰن اور اس کے بعد باقی قرآن پاک کو پورا کرتے اور اس کا نام ختم احزاب رکھتے تھے جیسا کہ پہلی ترتیب کو ختم فمی بشوق کہتے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے دوسری جماعت جیسے عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم آیات کی تعداد کا لحاظ فرماتے اور ہر رات ہزار آیات کی تلاوت فرماتے اور اس صورت میں بھی ساتویں رات ختم قرآن پاک ہوتا تھا۔

## نمازِ تہجد کی فضیلت اور اس کے پڑھنے کے طریقوں کا بیان

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص تہجد میں دس آیات دو رکعت میں پڑھے اسے غافلوں میں سے نہیں لکھا جاتا۔ اور جو چند رکعت میں سو آیات کی تلاوت کرے اسے عابدوں میں سے لکھتے ہیں۔ اور جو ہزار آیات پڑھے اسے عمدہ زرداروں میں سے

marfat.com

Marfat.com

لکھتے ہیں۔ اور بعض روایات میں وارد ہے کہ جو شخص تہجد میں قرآن پاک کی پچاس آیات پڑھے' قیامت کے دن قرآن اس سے کوئی جھگڑا نہیں کرے گا ورنہ قرآن اس سے نزاع اور جھگڑا کرے گا کہ تو نے مجھے ضائع کر دیا اور میری تلاوت کا حق ادا نہ کیا۔ اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات نمازِ تہجد میں تلاوت کرے تو اسے کافی ہیں۔ نیز حدیث پاک میں وارد ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن پاک کا تیسرا حصہ ہر رات پڑھا کرو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہر رات قرآن پاک کا تیسرا حصہ پڑھنا بہت مشکل ہے' ایسا کس سے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سورۂ قل ھو اللہ احد ثواب میں قرآن پاک کے تیسرے حصے کے برابر ہے اگر تم اسے پڑھو تو تمہیں قرآن کے تیسرے حصے کی تلاوت کا ثواب حاصل ہو اسی لیے اکثر مشائخ نے اس سورۃ کو نمازِ تہجد میں پڑھنے کا معمول رکھا ہے۔

## نمازِ تہجد میں سورۃ اخلاص پڑھنے کے چند طریقے

اور اس کے چند طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ سورۃ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں اس سورۃ کو تین بار پڑھیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں بارہ مرتبہ پڑھیں اور اس کے بعد ایک ایک بار کم کرتے جائیں یہاں تک کہ آخری رکعت میں جو کہ بارہویں ہے' ایک بار پڑھی جائے۔ تیسرا طریقہ یہ کہ پہلی رکعت میں ایک بار پڑھیں اور ہر رکعت ایک ایک بار بڑھاتے جائیں تا کہ آخری رکعت میں بارہ بار واقع ہو لیکن فقہاء کے نزدیک یہ طریقہ مقبول نہیں اس لیے کہ دوسری رکعت پہلی رکعت سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے اور یہ ترکِ اولیٰ ہے اور مشائخ میں سے بعض ہر رکعت میں سورۂ مزمل کو سورۂ اخلاص کے ساتھ ملاتے ہیں۔ حضرت خواجہ عزیزاں قدس سرہ جو کہ گروہ نقشبندیہ کے حلقہ کے مقتدا ہیں' سے منقول ہے کہ آپ اپنے احباب کو نمازِ تہجد میں سورۂ یسین پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ جب اس نماز میں تین دل جمع ہو جائیں تو مطلب حاصل ہو جاتا ہے رات کا دل جو کہ آدھی رات کے بعد ہے' قرآنِ کریم کا دل جو کہ سورۂ یسین ہے اور مردِ

marfat.com
Marfat.com

مومن کا دل جو کہ ایمان سے معمور ہے۔

بہر حال اس آخری آیت کے نزول کی وجہ سے نمازِ تہجد کی خصوصیات' کیفیات اور مقدار میں پوری گنجائش حاصل ہوگئی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ نماز اسی گنجائش کے لائق ہے اس لیے کہ نیند کے غلبے' اسباب کے فقدان اور وقت کے جانے اور باقی رہنے سے غفلت کا وقت ہے اگر یہ گنجائش نہ ہوتی تو اس کی ادائیگی بہت مشکل ہو جاتی جیسا کہ اس گنجائش کے باوجود بھی اس میں بہت دشواری اور اس پر ہمیشگی کرنا توفیق غیبی کے بغیر ممکن نہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ تحقیق آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ نمازِ تہجد میں کبھی رات کے دو حصوں کے قریب کھڑے رہتے ہیں۔ وَنِصْفَهٗ اور کبھی آدھی رات وَثُلُثَهٗ اور کبھی رات کا تیسرا حصہ۔ پس آپ ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور ہمارا فرمان بجا لاتے ہیں اور قلیلاً کے لفظ سے جو کہ ہم نے اونقص منہ قلیلا اوزد علیہ میں ارشاد فرمایا تھا' آپ خوب سمجھے کہ کمی اور قلت کی حد کو آپ نے چھٹے حصے تک پہنچایا اور یہی ہماری مراد تھی اس لیے کہ اگر آپ چھٹے حصے سے زیادہ کم اور زائد کریں تو نہ ہوتا مگر چوتھائی اور چوتھائی نصف کا نصف ہے۔ شے کے نصف کو قلیل نہیں کہا جا سکتا۔

وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ اور اسی طرح ان لوگوں میں سے ایک جماعت بھی کھڑی رہتی ہے جو کہ آپ کے ہمراہ اور آپ کی رفاقت میں راہِ خدا کا سلوک کرتے ہیں اور ہر وقت وہ آپ کی سمجھ اور عمل کی پیروی کرتے ہیں اور دوسرے گروہ کو جو کہ ساری رات بے دار رہتے تھے' ذکر نہ فرمایا اس لیے کہ وہ لوگ ایک وجہ سے قابلِ تعریف ہیں کہ انہوں نے احتیاط پر عمل کیا اور اس وجہ سے محلِ عتاب ہیں کہ انہوں نے پیغمبر علیہ السلام کے سمجھے ہوئے مسئلہ کی پیروی نہ کی لیکن اس مقدار معین کو معلوم کرنا ممکن نہ ہوگا اس لیے کہ رات کی کمی بیشی دستِ قدرت میں ہے۔

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے اور مقدار بخشتا ہے' چھ ماہ تک ہر روز رات کچھ گھٹتی ہے اور ہر دن بڑھتا ہے اور چھ ماہ تک ہر

marfat.com
Marfat.com

دن کچھ گھٹتا ہے اور ہر رات بڑھتی ہے۔ پس پورے سال میں ایک رات دوسری رات کے برابر نہیں رہتی اور جب ایک رات کسی دوسری رات کے برابر نہ ہوئی تو اس کا نصف اس کے نصف کے برابر نہ ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس

ایک تہائی' دو تہائی اور چھٹا حصہ بھی برابر نہ ہوں گے اس لیے کہ ہر چیز کے شائع اجزاء طول اور کمی میں اس چیز کے تابع ہیں۔ پس آپ کو راتوں میں سے ہر رات کے نصف کو پہچاننے میں سخت دشواری درپیش ہوگی اور ساعت شناسی کے آلات' علم مکانات حاصل کرنے' زائچوں سے ہر سال کی تقویم نکالنے اور گھنٹوں منٹوں' سیکنڈوں اور لمحوں پر آسمانی حرکات کے حساب کی احتیاج ہوگی اور اس امر میں زبردست انہماک کی وجہ سے ملتِ حنیفیہ سے جس کے لیے اُمی ہونا لازمی ہے' آپ غیر متوجہ ہو جائیں گے اور صابیوں' ہندوؤں' یونانیوں اور کفار کے دوسرے گروہوں کی طرح آپ کی اُمت تقویمات نکالنے اور پترہ نویسی میں مشغول ہو جائے گی اور یہ امر دو بہت بڑی خرابیوں کا موجب ہوگا۔ پہلی خرابی مقاصد سے ہٹ کر وسائل میں اُلجھنا جس نے ایک جہان کی راہ ماری ہے۔ چنانچہ علم صرف' نحو' منطق' معانی' کلام اور اصول میں اتنا مصروف ہوتے ہیں کہ مقصد سے محروم رہتے ہیں اور تبتیل اور ریاضت ان سے حجابات اُٹھانے میں بعدالمشرقین کے فاصلے پر دُور جا پڑتی ہے۔ دوسری خرابی یہ کہ یہ شغل انہیں ستاروں کی حرکات' اتصالات اور انصرافات اور ان کے قران میں گہری سوچ تک کھینچ لے جائے گا اور یوں انہیں نجوم اور ان کی سعادت و نحوست کا عقیدہ حاصل ہوگا اور وہ شرک کی سرحد تک پہنچ جائیں گے اور پھر ہر رات کی مدت کی کمی بیشی کا علم تقریباً ہوگا نہ کہ تحقیقاً اسی لیے حق تعالیٰ ازل میں

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ جانتا ہے کہ تم مقدار معین کا احاطہ ہرگز نہیں کر سکو گے۔ پس تمہیں شب بیداری کی مدت کو معین کرنے کی تکلیف دینا تکلیف مالا یطاق کے قبیلے سے ہے۔

## دو جواب طلب سوالات

یہاں دو جواب طلب سوالات باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اگر شب بیداری

marfat.com
Marfat.com

کی مدت کا تعین برابر گھنٹوں اور منٹوں میں فرمایا جاتا تو اس کی اطلاع آسان تھی اور اس کے احاطہ کا امکان تھا تو مدت کے تعین کو موقوف کیوں فرمایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سال کی راتوں سے ہر رات کو پورا کرنے کی وجہ سے برابر گھنٹے اور منٹ دنیا کے مختلف حصوں اور جدا جدا موسموں میں قسم قسم کی نسبتیں پیدا کرتے ہیں۔ بعض ریاستوں کے رہنے والوں کے حق میں بعض موسموں میں وہی گھنٹے اور منٹ نصف رات کے وقت پہنچتے جبکہ دوسری ریاست کے رہنے والوں کے حق میں دوسرے موسم میں چوتھائی کی قدر بلکہ اس سے بھی کم تر ہو جاتے اور یہ کھلا اختلاف عام تکلیف میں مناسب نہیں ہے اور اس کے علاوہ جو خرابیاں کہ رات کے اجزاء کو پہچاننے کی تکلیف میں ملحوظ ہیں' یہاں بھی اُلجھی ہوئی ہیں۔ لایعنی علوم میں انہماک' مقاصد سے ہٹ کر وسائل میں اُلجھنا اور نجوم اور ان کی تاثیرات کے عقیدے کا خوف سب کے سب اس تکلیف میں موجود۔ پس اس تکلیف کو ختم کرنا اور اس کی جگہ اس تکلیف کو لانا اسی طرح ہے کہ بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ تکلیف ان خرابیوں کو ضمن میں لیے ہوئے تھی اور تکلیف مالایطاق کی سرحد تک پہنچتی تھی تو سورۃ کی ابتدا میں اسے ذکر کیوں فرمایا اور شروع سے ہی گنجائش کیوں نہ فرمائی اور ایک سال تک حضرت رسولِ کریم علیہ السلام اور ان کے صحابہ کرام کو مشقت میں کیوں ڈالے رکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں اس اُمت کے حال سے زیادہ مناسب یہی گنجائش تھی لیکن امرونہی کے مالک کا قاعدہ ہے کہ جب اسے کسی سے کوئی دشوار کام کرانا منظور ہوتا ہے تو پہلے اس سے بھی زیادہ دشوار کام کا حکم دیتا ہے اور ایک مدت تک اسے اس رنج اور مشقت اُٹھانے میں چھوڑ رکھتا ہے اس کے بعد گنجائش اور تخفیف کر دیتا ہے تا کہ اس کے ذہن میں تخفیف کی نعمت کی قدر پیدا ہو اور اس امر کی مشقت اس کے حوصلے سے ہلکی ہو جائے اور وہ جان لے کہ جو امر مطلوب تھا' میں سرانجام نہ دے سکا اور اپنی ندامت اور شرمساری اور صاحبِ امرونہی کا خاص لطف و کرم اس کا نصب العین رہے اور اگر ابتدا ہی سے اس کام کا حکم دیں تو یہ سہولت اور آسانی ہرگز

marfat.com
Marfat.com

حاصل نہیں ہوتی۔ شب بے داری اور تہجد گزاری اس گنجائش کے باوجود بھی جو گرانی رکھتی ہے' پوشیدہ نہیں اگر پہلی دفعہ اس امر کی تاکید فرما دی جاتی تو بہت دشوار اور ناگوار معلوم ہوتی اور اگر پوری کوشش کے ساتھ کوئی ادا بھی کرتا تو غرور اور خود بینی کے بھنور میں پھنس جاتا' ان تمام آفتوں کا علاج اسی طریقے میں منحصر تھا کہ پہلے انہیں مدت کے تعین کی تکلیف دی جائے اور جب ایک سال کی مدت جو کہ رات کا کم ہونے سے دراز ہونے اور دراز ہونے سے کم ہونے میں بدلتا ہے' پوری ہوئی اور انہوں نے ہر وقت اور ہر موسم میں مدت مامورہ کے تعین میں تکلیف اور مشقت اُٹھائی اور انہوں نے مامور بہ کو قائم کرنے میں اپنی عاجزی اور کمزوری کو پالیا تو اس بات کے مستحق ہوئے کہ ان پر گنجائش کی جائے اور یہی اس امر کا راز ہے جو کہ حدیث معراج میں تواتر کے ساتھ ثابت ہوا ہے کہ پہلے پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا اس کے بعد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرض ومعروض کرنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ تخفیف کر کے پانچ تک پہنچادی گئیں۔

اور اگر کوئی شخص دنیوی معاملات از قبیل خرید وفروخت' خراج کی وصولی اور قرضوں اور حقوق میں صلح وغیرہ میں غور کرے تو یقین سے جانتا ہے کہ پہلی دفعہ ہی دل کی بات کو ظاہر کرنا فریق مقابل کی طرف سے انکار اور خاموشی کا موجب ہوتا ہے' خراج کے کارندے پہلی دفعہ مزارعوں سے کچھ طلب کرتے ہیں اور آخر میں کچھ اور لیتے ہیں اور سوداگر پہلی دفعہ ایک قیمت لگاتے ہیں اور آخر میں کسی اور قیمت پر راضی ہر جاتے ہیں اور مدعی حضرات دعویٰ کی ابتدا میں زیادہ طلب کرتے ہیں اور آخر میں قلیل مقدار پر صلح کر لیتے ہیں اور چونکہ جبلت انسانی اسی معاملے کا تقاضا کرتی ہے کہ موت کو پکڑ تا کہ بخار پر راضی ہو جائے۔ بندوں کو ذمہ داریوں میں معاملہ الٰہی اسی طرح ظہور فرماتا ہے اسی لیے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے تمہاری عاجزی جانتے ہوئے تم پر رحم فرمایا۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ پس اس نے تم پر سہولت اور آسانی فرمائی اور شب بے داری' قرآن خوانی اور تہجد گزاری میں معینہ مقداروں کی تمہیں بالکل معافی دے دی اور لغت میں لفظ توبہ طاری حالت سے اصلی حالت کی طرف رجوع کرنے کے معنوں میں ہے

marfat.com

Marfat.com

جب یہ لفظ بندوں کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے معصیت سے طاعت کی طرف لوٹنا سمجھا جاتا ہے اور جب ذاتِ حق جل وعلا کے لیے استعمال کیا جائے تو اس سے دشوار ذمہ داری کی حالت سے سہولت اور آسانی کی طرف لوٹنا سمجھا جاتا ہے جیسا کہ یہاں اور جب ہمارا مقصد تم پر سہولت اور آسانی ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ پس تم پر جس قدر آسان ہو نمازِ تہجد اور شب بے داری میں قرآن شریف پڑھو کہ کم از کم دو رکعت میں دس آیات ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ رکعتان فی جوف اللیل خیر من الدنیا ومافیھا رات کے دوران دو رکعت ادا کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کا ساتواں حصہ تیرہ رکعات میں ہے اگر وتر بھی باقی ہیں ورنہ بارہ رکعت میں (حدیث شریف کی بے شمار روایات سے ثابت ہے وتر تین رکعت ہیں۔ چنانچہ نسائی شریف' طحاوی' طبرانی صغیر اور حاکم نے مستدرک میں حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لایسلم الافی اٰخرھن حضور علیہ السلام وتر کی تین رکعت ادا فرماتے اور آخر میں سلام پھیرتے۔ نیز ترمذی' نسائی' دارمی' ابن ماجہ' ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الوتر بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَقُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ وَقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ فِیْ رَکْعَۃٍ رَکْعَۃٍ حضور علیہ السلام وتر میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَقُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ وَ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھا کرتے ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورۃ۔

اور جن روایات میں وتر کی ایک رکعت ثابت کی جاتی' وہ معنی حدیث کو سمجھنے میں غلطی ہے کیونکہ اگر یہی معنی ہو کہ وتر کی صرف رکعت ہے تو جن بے شمار احادیث میں تین رکعات ثابت ہیں' ان سے تصادم ہوا۔ ایسا ترجمہ چاہیے کہ تصادم کے بجائے مسئلہ کو تقویت ملے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت ملا کر انہیں وتر بنایا اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے جاء الحق حصہ دوم از حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خاں

marfat.com
Marfat.com

گجراتی کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اور بعض نے قرآن پاک کے ایک تہائی تک کی تلاوت بھی جائز قرار دی ہے اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ جس نے قرآن پاک کو تین رات سے کم میں ختم کیا' بے سمجھ اور لایعقل ہے اس لیے کہ تلاوتِ قرآنِ پاک کا جو مقصد ہے' وہ اس کے معنی میں تدبر اور غور وفکر کرنا ہے اور تین راتوں سے کم میں اکثر لوگوں کو یہ مقصد حاصل ہونا بعید ہے اور اس کے علاوہ ترتیل اور تجوید بالکل فوت ہو جاتی ہے۔ پس قرآن' قرآن نہیں رہتا (کم مدت میں ختم قرآن سے روکنے کی علت بیان کا مقصد یہ ہے کہ جو کم مدت میں پورے اہتمام ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھ سکیں' انہیں اجازت ہے۔ دیکھو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان پاک میں روزانہ ایک ختم دن میں اور ایک ختم رات میں اور ایک ختم تراویح میں فرماتے اسی طرح طحاوی شریف میں حضرت ابن سیرین سے روایت ہے کہ کان تمیم الداری یحیی اللیل بالقرآن کلہ فی رکعۃ حضرت تمیم داری صحابی رسول علیہ السلام و رضی اللہ عنہ رات بھر جاگتے اور ایک رکعت میں قرآن پاک ختم فرماتے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اور اگر اے مسلمانو! تم جو ریاضت اور مشقت کا ذوق رکھتے ہو سوچو کہ شب بے داری کی مدت کا تعین رات کے شائع یا معین اجزاء کے ساتھ تو ضرور تکلیف مالا یطاق اور ان مذکورہ خرابیوں کو ضمن میں لیے ہوئے تھا لیکن قرآن پاک کی قرأت کی مقدار کے ساتھ اس مدت کا تعین ہمارے حال سے بہت مناسب تھا اور اس میں کوئی خرابی پیش نہ آتی۔ پس مدت کے تعین کو بالکل ہی کیوں ختم کر دیا گیا' چاہیے تھا کہ قرآن کے احزاب اور اس کے اجزاء پر اس مدت کو موزوں کر کے تعین فرما دیا جاتا مثلاً یوں ارشاد ہوتا کہ پانچ پارے یا چار پارے یا ہزار آیات یا پانچ سو آیات یا چار چار رکوع ایک رکعت میں پڑھتے رہیں۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ازل الآزال میں

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى علم ہے کہ تم میں سے بیمار ہوں گے اور بیماریاں انتہائی مختلف ہوتی ہیں۔ بعض بیماریوں میں ایک آیت بھی پڑھنے کی طاقت نہیں

marfat.com
Marfat.com

ہوتی چہ جائیکہ ایک پارہ اور ایک سورۃ

وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ اور دوسرے وہ ہوں گے جو زمین میں دُور دراز کے سفر کرتے ہیں اور وہ سفر ایسے نہیں ہیں کہ انہیں ممنوع اور حرام قرار دیا جائے اس لیے کہ ان سفروں میں وہ

یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا فضل طلب کرتے ہیں' ظاہر میں جو کہ رزق' روزی' نوکری اور تجارت ہے یا باطن میں جو کہ طلب علم' حج وعمرہ کی ادائیگی اور صلحا و اولیاء کی زیارت ہے کہ دل کا نور انہی کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ دوران سفر اس وقت ایک گھنٹے کے قیام اور ایک سورۃ کی تلاوت کی طاقت نہیں رہتی چہ جائیکہ ہزار آیات اور سو آیات کی۔

وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور کچھ اور ہوں گے جو کہ راہِ خدا میں دشمنانِ دین کے ساتھ جنگ کریں گے اگر ہم انہیں قرآنِ کریم کے ایک معین ورد کا حکم دیں تو جنگ اور جہاد میں کوتاہی واقع ہو جائے اور یہ تینوں عذر جو ذکر کیے گئے' قابلِ اعتبار ہیں اس لیے کہ مرض لاحق ہونا اپنے اختیار کے ساتھ نہیں' ارادۂ الٰہی سے ہے اور طلب معاش اور طلب علم دونوں آدمی کی روح اور جسم کی زندگی کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں اور دین کے دشمنوں کے ساتھ جہاد اور جنگ کرنا بنی نوع انسان کی تکمیل اور ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح میں ضروری ہے اسی لیے اسی ترتیب کے ساتھ ان دونوں عذروں کو ذکر فرمایا گیا ہے اس لیے کہ جو عذر اپنے اختیار کے بغیر ہو' خصوصیت کے ساتھ مقدم ہے کیونکہ بدن کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور بدن عبادت کا آلہ ہے اور جو عذر معاش اور معاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس عذر پر مقدم ہے جو کہ اپنی نوع کے افراد کی تکمیل کے ساتھ متعلق ہو اور جب تمہارے بعض افراد کو یہ عذر پیش آنے والے ہیں جن کا اعتبار واجب ہے۔ پس قرآن پاک کے معین ورد کے تعین کے ساتھ عام تکلیف دینا مناسب نہیں ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ پس اندازہ قرأت کو معین کیے بغیر جو کچھ تم پر آسان ہو'

marfat.com

Marfat.com

پڑھو جیسا کہ ہم نے پہلی تخفیف میں وقت قرأت کی مدت معین کیے بغیر حکم دیا تھا اور اگر تمہیں شب بے داری اور تہجد گزاری کے تعین کے گرانے کی وجہ سے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ریاضت اور مجاہدہ میں کمی واقع ہو جائے اس لیے کہ آدمی کا نفس عمل کا اندازہ معین کیے بغیر اس کی پابندی نہیں کرتا تو جان لو کہ تمہارے ذمہ معین فرائض بھی بے شمار ہیں' ان کی ادائیگی میں مجاہدہ کرو۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور نماز کو قائم رکھو جو کہ پانچ اوقات میں رکعات کے تعین کے ساتھ تم پر فرض ہے اور نماز قائم کرنا بہت مجاہدہ چاہتا ہے اس لیے کہ اقامت کا معنی درست کرنا ہے اور نماز اس وقت درست ہوتی ہے جبکہ دل' زبان اور اعضاء کے عمل میں کوئی خلل واقع نہ ہو' وہ عمل فرض ہو' خواہ سنت اور خواہ مستحب۔

وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ دو کہ وہ بھی ایک سال گزرنے کے بعد مال کا ایک جزو معین ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی عظیم مجاہدہ چاہتی ہے اس لیے کہ نفس سے مال کی محبت قطع کرنا بہت دشوار ہے اور ہم ایک اور مجاہدے کا بھی پتہ دیتے ہیں جو کہ بہت گراں اور دشوار ہے۔

وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو۔ مختصر یہ کہ اس کے بندوں میں سے ضرورت مندوں کو قرض حسنہ دو اور سود نہ لو اور تقاضے کے وقت سختی اور تلخی نہ کرو اور تمہارے حق سے کچھ کم کر دیں یا فی الحال کے بجائے دیر سے دیں تو قبول کرو اور مقروض پر بار بار احسان نہ رکھو اور یہی وہ قرض ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے شب معراج جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ جو شخص راہِ خدا میں ایک درہم خیرات کرے' دس درہموں کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جو رضائے خداوندی کے لیے ایک درہم قرض دے اس کے لیے اٹھارہ درہم کا ثواب لکھتے ہیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ قرض دینے کے ثواب کی زیادتی کی وجہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ جو شخص راہِ خدا میں دیتا ہے کبھی ضرورت مند کو پہنچتا ہے اور کبھی ایسے کو پہنچتا ہے جو کہ ضرورت مند نہیں جبکہ آدمی قرض اسی وقت لیتا ہے جب اسے

marfat.com
Marfat.com

ضرورت ہوتی ہے اس وجہ سے قرض دینے کا ثواب صدقہ دینے کے ثواب سے زیادہ ہوا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ اس طرح قرض دینا نفس پر بہت بھاری اور ناگوار ہے اور عظیم مجاہدہ چاہتا ہے اس لیے نفس انسانی کی جبلت ہے کہ اپنا مال کسی منفعت کی امید کے بغیر خرچ نہیں کرتا خواہ وہ منفعت دنیوی ہو یا اخروی اور ایسا قرض دینے میں اس شخص کے وہم میں کوئی منفعت نہیں آتی اس لیے کہ صدقہ بھی نہیں ہے کہ صدقے کا ثواب پائے اور معاوضہ بھی نہیں ہے تاکہ مال کے بدلے اس کے برابر یا اس سے زیادہ کوئی چیز اس سے حاصل کرے بلکہ اپنے مال کو بلاوجہ قید میں ڈالتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا ثواب صدقے کے ثواب سے دوگنا رکھا گیا ہے۔ دوگنا دینے کی توجیہ یہ ہے کہ جب صدقہ میں ایک درہم دس درہم کے برابر ہوتا ہے اور یہاں ایک درہم اس جہت سے کہ قرض ہے اس شخص کی طرف لوٹے گا کہ اس کا مطالبہ باقی ہے۔ پس گویا ایک درہم قرض میں دینے میں نو درہم صدقہ میں دیئے اور نو کو جب دوگنا کریں تو اٹھارہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے افعال کے اسرار کو زیادہ جانتا ہے۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ اور جو کچھ تم اپنی ذات کے لیے آگے بھیجتے ہو تاکہ آخرت کا ذخیرہ ہو۔ مِنْ خَيْرٍ کوئی نیکی خواہ نفلی نماز ہو یا نفلی روزہ یا نفلی خیرات یا شب بے داری یا دوسری بدنی' مالی اور ساز و سامان سے متعلق عبادات۔

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ تم اس کا اثر خدا تعالیٰ کے نزدیک پاؤ گے۔ هُوَ خَيْرًا کہ تمہاری دنیوی نیکی سے وہ اثر بہتر ہوگا اس لیے کہ تمہیں قرب کی حلاوت بخشے گا۔ وَّاَعْظَمَ اَجْرًا اور آخرت میں از روئے ثواب بہت بڑا ہوگا' کمیت میں بھی اور کیفیت میں بھی اور بقاء اور عدم فنا میں بھی۔

پس تمہارے پاس مجاہدے اور ریاضت کے لیے نوافل اور تطوعات کا ایک وسیع میدان ہے اور اگر اس کے باوجود تمہیں اپنے گناہوں کا خوف ہے تو ہم اس کے علاج کا بھی پتہ دیتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ تحقیق اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے' طاعتوں میں تمہاری کوتاہیوں کو بخش دے گا اور ان طاعات کا ثواب انہیں کامل کر کے تمہیں عطا فرمائے گا اور تم سے گناہوں کی تاریکی بالکل مٹا دے گا۔ پس استغفار بمنزلہ دائمی تنقیہ کے ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے صحت کی حفاظت اور مرض دُور کرنے میں ریاضت اور ورزش کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

# سورۃ مدثر

مکی ہے اور اس سورۃ کا ابتدائیہ بعثت اور نزولِ قرآن کے اوائل میں نازل ہوا۔ کہتے ہیں کہ سورۂ اقرء کے ابتدائیہ کے بعد اسی سورۃ کے ابتدائی کلمات نازل ہوئے ہیں اور بعض نے ن والقلم کو نزول میں اس سورۃ سے پہلے قرار دیا ہے۔

## سببِ نزول

اور اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ اقرء کے نزول کے بعد نزولِ قرآن کا شوق دل میں جاگزیں ہوگیا اور ایک مدت گزر گئی کہ کچھ بھی نازل نہ ہوا اور اس مدت کو فترۃ الوحی کی مدت کہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی نہ ہونے کی وجہ سے اس مدت میں بہت قلق اور کوفت ہوئی یہاں تک کہ چند مرتبہ اس قصد سے گھر سے باہر تشریف لائے کہ خود کو کسی پہاڑ سے نیچے گرا کر واصل بحق ہو جائیں۔ بار بار کوہِ حرا پر جاتے جو کہ آپ کی جائے عبادت اور مقامِ اعتکاف تھا اور خلوت اختیار کرتے۔ ایک دن اس پہاڑ سے ہو کر آستانہ پاک کی طرف آ رہے تھے کہ راستے میں آسمان کی طرف سے آپ کو ایک آواز سنائی دی جب آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو کہ غارِ حرا میں آیا تھا' آسمان اور زمین کے درمیان ایک زریں چمک دار کرسی پر بیٹھا ہے اس کا بہت بڑا جسم ہے جس نے آسمان کا سارا کنارہ پُر کر رکھا ہے اور چھ سو پر ہیں جن میں مروارید اور یاقوت لٹکتے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپ پر غشی طاری ہوگئی اور زمین پر آ رہے اور افاقہ کے بعد گھر تشریف لائے' اپنی اہلیہ جو کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام تھیں' فرمایا کہ مجھے لحاف اوڑھاؤ کہ جسم پر لرزہ ہے۔ آپ کی اہلیہ

marfat.com
Marfat.com

نے آپ کو کپڑے اوڑھائے اسی اثنا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان سے اُتر کر آپ کے سامنے حاضر ہوئے اور یہ آیت لائے یَآاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ سے وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ تک بعدازاں وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا اور پے در پے وحی آنے لگی۔

## سورۂ مزمل کے ساتھ رابطہ کی وجہ

اور اس سورۃ کی چھپن (۵۶) آیات ہیں اور سورۂ مزمل کے ساتھ اس سورۃ کے مربوط ہونے کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس سورۃ کی ابتدا میں حضور علیہ السلام کو راہِ خدا کے سلوک کے لوازمات' مجاہدۂ نفس اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ اس سورۃ کے اوائل میں ارشاد اور مخلوقِ خدا کی ہدایت کے لوازمات کا حکم ہے اور کامل ہونے کا مرتبہ کامل کرنے کے مرتبے سے پہلے ہے۔ اسی بناء پر دُور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُس سورۃ کو اس سورۃ سے پہلے لکھا ہے اور دونوں سورتوں کے کلام کی روش' مستعمل الفاظ اور مختلف مضامین بھی کامل ہونے کے ساتھ نزدیکی اور مناسبت رکھتے ہیں۔ اس سورۃ کے ابتدا میں حضور علیہ السلام کو مزمل کا خطاب دیا گیا ہے جبکہ اس کی ابتدا میں مدثر کا خطاب ہے اور دونوں خطاب معنی میں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ وہاں فرمایا گیا ہے قُمِ الَّیْلَ جبکہ یہاں قُمْ فَاَنْذِرْ لیکن اُس سورۃ میں اُٹھنا اپنی ذات کا کمال حاصل کرنے کے لیے ہے جبکہ یہاں مخلوقِ خدا کی تکمیل کے لیے ہے اور وہاں فرمایا گیا ہے وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلًا جبکہ اس سورۃ میں وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ. اُس سورۃ میں روزِ قیامت کے اوصاف میں یوں ارشاد ہوا یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا جبکہ اس سورۃ میں اسی دن کے اوصاف یوں بیان فرمائے گئے ہیں فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَی الْکَافِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ

## سورۂ مدثر کی وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۂ مدثر اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کے ابتدا میں حضور صلی اللہ

marfat.com
Marfat.com

علیہ وسلم کو مدثر کے ساتھ خطاب فرمایا گیا ہے اور لغتِ عرب میں مدثر اسے کہتے ہیں جو کہ دوسرے کپڑوں کے اوپر سے ایک وسیع کپڑا اوڑھے تا کہ سردی اور کپکپی کو دور کرے۔ پس یہ خطاب دلالت کرتا ہے کہ وحی الٰہی کا نزول اس قدر عظمت رکھتا ہے کہ مخلوقات میں سے سب سے قوی شخصیت جو کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور ان کی شجاعت اور حوصلے کی وسعت زمانے بھر میں ضرب المثل تھی انہیں احساسِ ذمہ داری کی وجہ سے اس سے اس قدر خوف ہوا کہ لرزہ براندام ہو گئے اور خود کو ضبط نہ کر سکے۔ پس جو لوگ اپنے اوپر نزولِ وحی کی فرمائش کریں اور کہیں کہ اگر حق تعالیٰ کو ہماری ہدایت منظور ہے تو ہم میں سے ہر ایک کو جدا جدا وحی کیوں نہیں فرماتا کہ یوں کرو اور یوں نہ کرو وہ وحی کے خوف اور عظمت سے واقف نہیں ہیں اور وہ اپنی دلی کمزوری اور بے حوصلگی کو دیدہ دانستہ چھپاتے ہیں جیسا کہ اس سورۃ کے آخر میں ان کی اس بے ہودہ گفتگو کی طرف اشارہ آئے گا کہ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً

نیز اس بات کا اشارہ ہو کہ جو شخص کسی منصب کا لباس پہنے جیسے شیخ ہونے کا خرقہ' قاضی اور مفتی ہونے کا ٹپکا' محتسب اور دوسری خدماتِ شرعیہ کی خلعت اسے اس منصب کے لوازم کو اپنائے بغیر چارہ نہیں اور جب تک اس منصب کا حق پورے طور پر ادا نہ کرے جھوٹا' دغاباز اور خائن ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب وحی کے فرشتے کو دیکھنے کی وجہ سے مرعوب ہو کر دولت خانہ پر تشریف لائے اور اپنے اوپر بالا پوش اوڑھ لیا اور پہلے بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ پس گویا آپ کا بالا پوش اوڑھنا آپ کے اہلِ بیت کی نظر میں نزولِ وحی کی علامت ہو گیا جب بھی حضور علیہ السلام بالا پوش طلب فرمائیں تو سمجھا جا سکتا تھا کہ آپ پر وحی آئی لہٰذا آپ سے فرمایا گیا کہ جب آپ اس علامت کے ساتھ مشہور ہو گئے کہ آپ پر بار بار وحی آتی ہے اور آپ بالا پوش اوڑھتے ہیں۔ پس اس خدمت کا حق بجالائیں اور اُٹھیں اور مصروف عمل ہو جائیں۔

نیز تا کہ اپنے پروردگار کے دربار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا تذکرہ مخلوق کی زبان پر عام ہو اور جو بھی یہ سورۃ پڑھے یا سنے وہ آپ کی محبوبیت کے درجہ کمال

marfat.com
Marfat.com

کا سراغ لگائے اس لیے کہ محبوب کے لباس کے انداز اور ادا کو بہت پسند کرنے کی وجہ سے بار بار یاد کیا جاتا ہے اور اس محبوب کو اسی انداز و ادا کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے جیسا کہ عاشق اپنے معشوق سے کہتا ہے کہ اے سرخ دستار والے اور اے زلف دراز والے!

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰٓاَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُ اے بالا پوش اوڑھنے والے! فرشتۂ وحی کے آنے سے پہلے آپ کے لیے کوئی خوف کا مقام نہیں ہے بلکہ آپ کا حق یہ ہے کہ دوسروں کو ڈرائیں اور انہیں خوفِ خدا میں ڈالیں۔

قُمۡ فَاَنۡذِرۡ اٹھیے اور لوگوں کو عذابِ خداوندی سے ڈرایئے اور اگرچہ منصب نبوت دونوں چیزوں کا تقاضا کرتا ہے' ڈرانا بھی اور بشارت دینا بھی لیکن جب افرادِ انسانی میں سے کوئی بھی کوتاہی سے خالی نہیں ہوتا تو ڈرانا عام ہے۔ بخلاف بشارت کے کہ صلاح و تقویٰ والوں کے ساتھ خاص ہے اور جس کام کا فائدہ عام ہو' وہ اس کام کی نسبت اہم اور زیادہ راجح ہوتا ہے جس کا فائدہ خاص ہو۔ نیز جب حضور علیہ السلام ڈرتے تھے' انہیں ڈرانے کا حکم دینا مناسب ہوا۔ نیز جس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی سارا جہان کفر اور فجور سے بھرا پڑا تھا اور کوئی بھی بشارت کے قابل نظر نہیں آتا تھا جو بھی تھا' ڈرانے کے لائق تھا۔ ان امور کی بناء پر یہاں صرف ڈرانے پر اکتفا فرمایا گیا اور چونکہ لوگوں کو عذابِ خداوندی سے ڈرانا اس عذاب کی عظمت اور اس بات کو بیان کیے بغیر نہیں ہوتا ہے کہ اس کی برداشت اور تدارک ممکن نہیں ہے اور عذاب کی عظمت اور اس کی لاعلاجی اس ذات کی عظمت کے بیان کے بغیر جو کہ عذاب دے گا اور یہ بیان کیے بغیر کہ اس کی قدرت کے برابر کسی کی قدرت نہیں ہے اور اس کے علم کے برابر کسی کا علم محیط نہیں اور اس کے ہاتھ سے نکل جانے' چھپ جانے اور اس کی دانست سے غائب ہو جانے کا تصور نہیں ہے' پورے طور پر بیان نہیں ہوتی۔ پس آپ کو ایک اور کام بھی کرنا چاہیے۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ اور اپنے پروردگار کو بس بزرگی اور عظمت کے ساتھ یاد کریں اور ان کے ذہن نشین کر دیں کہ احاطہ علم اور عموم قدرت میں کوئی بھی اس کی برابری نہیں کر سکتا

marfat.com
Marfat.com

اور چھوٹی بڑی کوئی شے اس کے علم سے غائب نہیں اور آسان اور دشوار کوئی چیز اس کی قدرت پر گراں نہیں۔

## اہل اسلام کے عرف میں تکبیر خوشی اور شادی کی علامت ہے

اور بعض نے کہا ہے تکبیر سے مراد نماز کی تکبیر ہے کہ تحریمہ کی ابتدا سے لے کر نماز کے آخر تک ہر انتقال میں اللہ اکبر اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اہلِ اسلام کے عرف میں تکبیر خوشی اور شادی کی علامت تھی۔ پس گویا یوں فرمایا گیا کہ آپ خوش رہیں خوش وقت رہیں اپنے تک کسی خوف کو راہ نہ دیں کہ ہم نے یہ عظیم منصب آپ کو عطا فرمایا اور آپ کو رسالت کی خلعت پہنائی اور اس تفسیر کی تائید اس سے ہوتی ہے جو کہ بعض روایات میں وارد ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے یہ آیت سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا اللہ اکبر اور یہ سُن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی تکبیر کہی اور سب اہلِ خانہ نے بھی آپ کی پیروی کرتے ہوئے تکبیر کہی اور خوش ہوئے کہ یہ لرزہ اور ڈر نزولِ وحی کی وجہ سے تھا اور کوئی خطرے والی بات نہ تھی اس کے بعد اہلِ اسلام کے عرف میں تکبیر خوشی اور شادی کی علامت ہوگئی۔

## عیدین ایام حج وتشریق میں تکبیر واجب ہونے کا راز

اسی لیے عیدین اور حج وتشریق کے ایام میں واجب ہے کہ ہر نماز فرض کے بعد بلند آواز سے تکبیر ادا کریں۔ اور پنج گانہ نماز کی ابتدا میں بھی۔ اور نماز عیدین ایام تشریق ومنیٰ میں بھی تسبیح اور تحمید کے بجائے جو کہ کہیں واجب نہیں ہیں تکبیر کو واجب کرنے کا راز یہ ہے کہ یہ ذکر اہلِ اسلام وتوحید کا خاص ذکر ہے اس لیے کہ اس چیز کا اعتقاد کہ کسی صفت کمال میں کوئی بھی خدا تعالیٰ کے برابر نہیں ہے اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ بخلاف تسبیح و تحمید کے مضمون کے کہ بنی آدم کے تمام گروہ اس کے معتقد ہیں۔

## تاریخ اسلام میں تکبیر کے مواقع اور برکات

اور جو شخص کتب حدیث پاک اور سیر صحابہ کا مطالعہ کرتا یہاں تک یقین کر لیتا ہے

marfat.com

Marfat.com

کہ ان کی کوئی مجلس تکبیر سے خالی نہیں ہوتی تھی' ہر نعمت پر تکبیر کہتے تھے اور ہر خوشی میں یہ نغمہ بلند کرتے تھے اور جنگ اور لڑائی کے وقت اسی کلمے کے ساتھ اپنے مالک کی عظمت اور اپنے مدمقابل کی حقارت کو یاد کرتے تھے اور خوف آفات جیسے آگ لگنے اور جنات وغیرہ کے ظاہر ہونے کے وقت اسی ذکر کی برکت سے امداد ڈھونڈتے تھے اور انہوں نے اذان و اقامت میں اسی کلمے کو تر و تازہ پھول اور نغمہ ساز بنایا ہے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس اُمتِ مرحومہ میں اس امر الٰہی کے مضمون پر عمل اس قدر رائج ہوا تھا جیسا کہ ہونا چاہیے۔ چنگیزیوں اور ترکوں کے تسلط کے وقت سے اس امر کا رواج اور تمام رسوم اسلام کم ہونا شروع ہو گئے یہاں تک کہ اب اس کا کوئی نام و نشان بھی موجود نہیں۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ قسطنطنیہ کے قلعہ کو اسی کلمہ کے زور سے فتح کریں گے اور اس قلعہ کی سنگین دیواران کی تکبیر کی آواز کے صدمے سے گر جائے گی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات کے حالات میں ذکر کرتے ہیں کہ قلعہ اصطخر کی دیوار تکبیر عمری اور دیگر اہلِ اسلام کی تکبیر کی آواز سے پیوند زمین ہو گئی اور اس کلمہ نے اس قدر اثر کیا کہ وہ جب بھی اس دیوار کو اونچا کرتے تھے' غیب سے آوازِ تکبیر سنائی دیتی تھی اور وہ دیوار پھر گر پڑتی تھی۔ الختصر اس کلمے کے مضمون کو نصب العین بنانا وجودِ شرک سے بھی نجات بخشتا ہے کہ کوئی چیز خدا تعالیٰ کے برابر نظر میں نہیں آتی اور مصیبتوں' آفتوں کو ہلکا کرنے اور خطرناک امور کا خوف دل سے دُور کرنے میں بھی کارگر ہوتا ہے لیکن اس کلمے کا مضمون اس وقت نصب العین ہوتا ہے کہ انسان کو ظاہر و باطن کی پاکیزگی نصیب ہو اس لیے کہ پاک چیز کی عظمت ناپاک قلب و خیال میں جگہ نہیں پکڑتی۔ پس اس کلمے کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے ظاہر و باطن کی طہارت بھی ضروری ہوئی۔ چنانچہ فرمایا:

وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ اپنے کپڑوں کو پس خوب پاک کیجیے اسی لیے یہاں طہارت بدنی کا حکم نہیں دیا گیا اس لیے کہ بدن کو پاک کرنا بطریق اولیٰ سمجھا جاتا ہے اور جب کپڑے کی پاکیزگی کا حکم ہوا جو کہ بدن کے ساتھ متصل ہونے کا تعلق رکھتا ہے تو بدن کو جو کہ مقصود

marfat.com
Marfat.com

بالذات ہے' کیوں پاک نہ رکھا جائے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ عرب کے استعمال میں کپڑے کی دو قسمیں ہیں' جامۂ ظاہر اور جامۂ باطن اور طہارت کی بھی دو قسمیں ہیں' طہارت صوری اور طہارت معنوی۔ پس اس کلمے کی تفسیر میں چار احتمال حاصل ہوئے اور ان تمام احتمالات کو ایک ساتھ مراد لینا چاہیے۔ اگرچہ عموم مجاز کے طریقے سے ہی ہو۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ اپنے ظاہری کپڑوں کو نجاستوں اور پلیدیوں سے پاک رکھیں اس لیے کہ فرض اور نفل نمازوں اور ذکر الٰہی میں مشغول ہونا مردِ مومن کے ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے اور ملائکہ اور پاکیزہ ارواح کے ساتھ مناسبت مقصود اور یہ مقصد اپنے ظاہر کو پاک رکھے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ انتہائی فرق یہ ہے کہ نماز میں پاک رکھنا فرض ہے اور حالتِ نماز کے علاوہ فرض نہیں اور جن چیزوں سے کپڑوں کو پاک رکھنا چاہیے' بول و براز' منی' مذی' ودی' قے' خون اور پیپ ہے اگر ان چیزوں میں سے کپڑے کو ہاتھ کی ہتھیلی کے برابر لگ جائے' وہ کپڑا نماز کے قابل نہیں رہتا مگر تین بار دھونے اور نچوڑنے کے بعد۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ظاہری کپڑے کو معنوی نجاست سے پاک رکھیں اور کپڑے کی معنوی نجاست یہ ہے کہ کسی سے چھینا نہ ہو اور چوری' خیانت اور دوسرے حرام طریقوں سے کمایا نہ ہو۔ اور وہ جس کا استعمال حرام ہے جیسے مرد کے لیے ریشمی کپڑا استعمال میں نہیں لاتے اور اس کے کاتنے بننے میں اسراف اور غیر شرعی امور کے مرتکب نہ ہوں جیسے دامن کو ٹخنے سے لمبا کرنا۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ کپڑے سے مراد صفات اور اخلاق ہوں اس لیے عرب کبھی جامہ کہتے ہیں اور شخص کی ذات مراد لیتے ہیں اور کبھی اس کی آبرو' کبھی اس کا نام اور مرتبہ۔ چنانچہ کہتے ہیں الکرم فی بردیہ نیز کہتے ہیں کہ فلاں طاہر الذیل یعنی پاک دامن ہے اور فلاں نقی الثوب ونقی الجیب اور مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کا کپڑا اس کے بدن پر محیط ہوتا ہے اور دُور سے وہی محسوس ہوتا ہے اور کپڑے کی وجہ سے ایک شخص دوسرے سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ گویا وہ اس کی ذات اور صفات خاصہ کا حکم رکھتا ہے۔ پس

marfat.com
Marfat.com

آیت کا معنی یوں ہو کہ اپنی ذات اور آبرو کو بُری صفات' مذموم اخلاق اور قبیح تہمتوں سے محفوظ رکھیں۔

چوتھا احتمال یہ ہے جامہ سے مراد بدن ہو جو کہ استنجاء کا مقام اور دوسرے ستر کے اعضاء ہیں اور تطہیر سے مراد پانی کے ساتھ استنجاء کرنا اور بول و براز کو پوری کوشش کے ساتھ دُور کرنا اور پورے بدن کو پلیدیوں اور نجاستوں سے پاک صاف رکھنا۔

بہرحال ظاہری تطہیر کو باطنی تطہیر میں پورا اثر ہے اور کپڑوں کی صفائی دل کی صفائی کا عنوان ہوتا ہے۔ خصوصاً جس کی عظمت اور بزرگی دلوں میں بٹھانا اور اس کے کہے ہوئے کو واجب القبول سمجھنا منظور اور مقصود ہو' اسے جامہ بدن کو پاک کرنے میں زیادہ تر کوشش کرنا چاہیے تا کہ لوگوں کی نظر میں حقیر معلوم نہ ہو اور اس کے کہے ہوئے سے لوگ محروم نہ رہیں لیکن یہاں کپڑا پاک کرنے کا بیان ہے جو کہ اس مقصد اور اس مقصد کے لیے ایمان والوں کو ضروری ہے نہ کہ نفیس پوشی اور مہنگی قیمت والا کرنا کہ وہ ایمان کے منافی ہے مگر اپنے اوپر نعمتِ الٰہی کے اظہار اور اس کا شکر ادا کرنے کے قصد کے مقام میں کہ اس نیت سے مستحب ہو جاتا ہے۔

اور جب ظاہری طہارت کے بیان سے جو کہ مقدم تھا' فراغت ہوئی' باطنی طہارت کا بیان فرمایا جا رہا ہے جو کہ مقصود بالذات ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ اور نجاست کی تمام اقسام کو پس چھوڑ دو جیسے خراب اعتقادات' مذموم اخلاق' جھوٹی گفتگو' افعالِ قبیحہ اور دوسری معنوی نجاستیں جو کہ لذتوں کے ساتھ دل کے متعلق ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور آدمی کی روح کو ملوث کر دیتی ہیں۔

اور اگر وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ میں اس کے بعض احتمالات کی بناء پر ان امور سے باطنی طہارت کو بھی شامل قرار دیا جائے جیسا کہ گزرا پس اس آیت اور اس آیت کے مضمون میں فرق یہ ہے کہ وہاں ان حاصل ہونے والے امور سے باطن کو پاک کرنے کا حکم ہوگا جبکہ یہاں ان امور کے وقوع وحصول سے پہلے ان سے روکنا ہے جیسا کہ فاہجر کا لفظ اس پر صریح دلیل ہے۔ نیز رجز سخت پلیدی کو کہتے ہیں۔ پس اس آیت میں ان امور سے

marfat.com

Marfat.com

پرہیز اور انہیں زائل کرنا منظور ہے جو کہ حال کے طریقے سے کبھی کبھی صادر ہوتے ہیں جبکہ یہاں انہیں امور سے روکا گیا جبکہ وہ ملکہ اور مقام راسخ کے کے طریقے سے ہو جائیں یا راسخ ہونے کے قریب ہو جائیں۔ ہر تقدیر پر ظاہر و باطن کی تطہیر آدمی کو مقدس عالم بالا کے مناسب کر دیتی ہے۔ پس اس عالم کے فیض کو حاصل کرنا ان کی کامل مناسبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ فیض مخلوق کو عطا کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ اور چونکہ روح کو ملوث کرنے والی چیزوں میں سے معتمد چیز جو کہ باطن کو بہت خراب کرتی ہے' دنیوی طمع ہے لہٰذا اسے خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا۔

وَلَا تَمْنُنْ اور کسی پر احسان نہ رکھیں۔ تبلیغ قرآن' تبلیغ احکامِ الٰہی' مالی احسان' کارکشائی اور حاجت روائی کی وجہ سے تَسْتَكْثِرُ اس غرض سے شاگردوں' مریدوں اور طالبان رشد کی کثرت حاصل کریں اور اس وجہ سے زیادہ عزت حاصل ہو اور زیادہ مال حاصل ہو بلکہ اس نیت کے ساتھ کسی کو کچھ نہ دو کہ اس کا عوض زیادہ کر کے تمہیں دے اس لیے کہ یہ بھی طمع کی ایک قسم ہے جو کہ باطن کو ملوث کرنے میں نجاست کا حکم رکھتی ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت کا معنی یوں ہے کہ نیکی کرنے کے وقت کسی پر احسان نہ رکھو اور اس احسان کو بہت جان کر یوں مت کہو کہ میں نے فلاں کے بارے میں ایسا ایسا کیا اس لیے کہ احسان جتلانا احسان کے اجر کو ختم کر دیتا ہے بلکہ اس احسان کو حقیر سمجھے اور احسان لینے والے کا اپنے اوپر احسان شمار کر جس نے یہ حقیر چیز تجھ سے قبول کر لی' تجھے اجر و ثواب کا مستحق کر دیا جیسا کہ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ جب کوئی منگتا آپ کے پاس آتا تو آپ فرماتے مرحبا بمن تحمل زادنا بلا اجر یعنی خوش آمدید تا کہ آپ ہمارا توشۂ آخرت مزدوری کے بغیر اُٹھائیں۔ پس یہ آپ کا ہم پر احسان ہے۔

اور جب کسی شخص کو یہ سب امور یعنی عظمتِ الٰہی کا بیان' باطن و ظاہر کی تطہیر اور دنیا میں بے طمعی حاصل ہو گئی تو وہ پیر اور مرشد ہونے کے مرتبے کے لائق ہو گیا لیکن اسے ان سب کے باوجود حوصلے کی فراخی' جفائے خلق کی برداشت' ان کی ایذاء کو گوارا کرنا اور

marfat.com

Marfat.com

ان سے ظاہر ہونے والی اپنی گوئی کو سننا ضروری ہوتا ہے ورنہ ان کی صحبت ترک کر کے بھاگ جائے گا اور راہبوں اور خلوت نشینوں کی طرح ارشاد و مشیخت کا کام سرانجام نہیں دے گا لہٰذا اسے اس امر کا بھی حکم دیا جا رہا ہے۔

وَلِرَبِّكَ اور اپنے پروردگار کی رضامندی کے لیے نہ کہ مخلوق کی دلجوئی کے لیے فَاصْبِرْ صبر کیجیے اور ان کی جفا برداشت کریں اور دکھ تکلیف اُٹھانے کے باوجود ان کی صحبت سے کنارہ کشی نہ کریں تاکہ آپ ارشاد کی ذمہ داری پوری کر سکیں۔

## خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے اور مخلوق کی دلجوئی کے لیے صبر کرنے میں فرق

اور رضائے خداوندی کے لیے صبر اور مخلوق کی دلجوئی کے لیے صبر کے درمیان فرق کرنے والی علامت یہ ہے کہ اگر اس سے کمزوروں' غریبوں اور گداؤں کی جفا کی برداشت اسی طرح ہو جس طرح اہلِ ثروت اور امیروں کی جفا برداشت کرتا ہے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ صبر صرف حکمِ خداوندی کے لیے ہے اور اگر کمزوروں' غریبوں اور گداؤں کی جفا کی برداشت امیروں اور دولت مندوں کی جفا کی برداشت سے کم ہے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ صبر مخلوق کی خاطر ہے۔

اور اگر دل میں خیال گزرے کہ جب مجھے صبر کا پابند کر دیا گیا اور کافروں کی جفا برداشت کرنے کا حکم دیا گیا تو مجھے تو بہت دشواری پیش آ گئی کہ نہ بدلہ لینے کا حکم دیا گیا نہ وہاں سے جانے کی اجازت جبکہ کفار کو مجھ پر حوصلہ اور دلیری دے دی گئی' میری مخالفت میں بھی ان پر آسانی ہے اور مجھے ستانے میں بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ کی یہ تمام دشواری اور ان کی آسانی دنیا کی چند روزہ زندگی سے زیادہ نہیں ہے۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ تو جب نقارہ پیٹا جائے اور سفر اور کوچ کرنے کا اعلان کر دیں اور آخرت کا سفر درپیش آئے فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ تو یہ نقارہ پیٹنا اور رحلت اور کوچ کا اعلان اس دن کے واقعات سے گویا

يَوْمٌ عَسِيْرٌ ایک مستقل دن ہے کہ نہایت دشوار اور سخت ہے اور اگرچہ ایک آواز سے زیادہ نہیں ہے لیکن سختی اور شدت میں پورے دن کا حکم رکھتا ہے کہ اس کا اثر دیر تک

marfat.com
Marfat.com

رہے گا اور اس دن کے واقعات میں سے کوئی واقعہ اس سے زیادہ سخت نہ ہوگا۔

اور بعض مفسرین نے ناقور کو تشبیہ بعید کی بناء پر صور پر محمول کیا ہے اس لیے کہ صور اور دم کشی کے دوسرے آلات جیسے بانسری وغیرہ میں پھونک مارنے کی وجہ سے آواز پیدا ہوتی ہے اور چمڑے والے آلات میں جیسے دَف' طبل اور ڈھول اور تاروں والے آلات جیسے ستار' طنبور اور قانون بجانے اور کوٹنے سے آواز پیدا ہوتی ہے' پہلے نقر کو نفخ یعنی پھونک مارنے سے تشبیہ دی اس کے بعد صور کو ناقور کے ساتھ جس کا معنی ہے وہ شے جس میں پھونک ماری جائے تو نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ کا معنی یہ ہوا کہ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ لیکن کافر پر شدت اور دشواری کی ابتدا اس کی موت کے وقت سے شروع ہو جاتی ہے نہ کہ نفخ صور کی ابتدا سے۔ پس اس عبارت کو موت آنے پر موت کو جنگ اور لڑائی کی تیاری کے ساتھ لشکر کے کوچ کرنے کی مثل قرار دینے کے طریقے سے زیادہ مناسبت معلوم ہوتا ہے۔

اور حلیمی نے کتاب المنہاج میں ذکر کیا ہے کہ نقر' نفخ کے علاوہ کوئی اور چیز ہے اس لیے کہ اخبار میں آیا ہے کہ صور میں ارواح کی گنتی کے برابر سوراخ ہیں تو جب نفخ صور بے ہوش کرنے اور مارنے کے لیے ہوگا تو نقر اور نفخ دونوں عمل میں لائے جائیں گے تاکہ آواز میں شدت پیدا ہو اور جہان کی ہلاکت اور خرابی کا موجب ہو اور جب زندہ کرنے اور ہوش میں لانے کے لیے ہوگا تو نفخ پر اکتفا کریں گے کیونکہ اس نفخ کا مقصد ارواح کو ابدان کی طرف بھیجنا ہے اور وہ صرف نفخ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن اس کلام میں یہی خدشہ ہے کہ جب نقر پہلے نفخہ کے ساتھ ملا ہوا ہے تو کفار پر شدت کا سبب کیونکر ہوگا اس لیے کہ وہ تو موت کو راحت سمجھیں گے اور اس کی آرزو کریں گے کہ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ اور اگر کفار کے بارے میں کوئی شدت اور سختی ہوگی تو دوسرے نفخہ کی ابتدا میں ہوگی کہ انہیں زور کے ساتھ محشر میں کھینچ لائیں گے اور حساب کے بندھنوں میں گرفتار کریں گے۔

مگر یہ کہا جائے کہ اس شدت کی ابتدا وہی شدت ہے جو کہ پہلے نفخہ میں تھی تو گویا

marfat.com

Marfat.com

شدت اور سختی کی ابتدا اسی وقت سے شروع ہو جائے گی۔ بہر حال خواہ موت اور اس کے بعد کی شدت اور سختی مراد ہو اور خواہ قیامت کی ہولناکیوں کی سختی اور شدت اللہ تعالیٰ کے کرم سے ایمان والوں میں اثر نہیں کرے گی بلکہ اس روز کی سختی اور شدت

عَلَی الْکَافِرِیْنَ فقط کافروں پر ہے اس لیے کہ اگرچہ پہلی دفعہ ایمان والے اور نیک لوگ بھی شدت اور سختی میں گرفتار ہوں گے لیکن ایمان کی تاثیر اور انبیاء علیہم السلام اور قرآن پاک کی شفاعت کی وجہ سے وہ سختی آسانی میں بدل جائے گی۔ بخلاف کفار کے کہ اس روز ان پر دم بدم شدت بڑھے گی۔

غَیْرُ یَسِیْرٍ آسان ہونے والی ہرگز نہیں جیسا کہ دنیا میں ان پر سختی اور شدت آسان ہو جاتی تھی یا جس طرح کہ اس روز کی شدت اور سختی ایمان والوں پر آسان ہو جائے گی اور صحیح حدیث میں واقع ہے کہ قبر آخرت کے سفر کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے جس نے اس منزل میں شدت دیکھی اور تکلیف اٹھائی' اسے آئندہ دوسری منزلوں میں شدت اور سختی زیادہ تیز لاحق ہوگی اور جس نے اس کی شدت اور سختی سے نجات پائی' اسے آئندہ دوسری منزلوں میں زیادہ تر آسانی اور راحت نصیب ہوگی۔

اور جب آپ نے معلوم کر لیا کہ کفار پر شدت اور سختی اور ان کے بارے میں میرے قہر و انتقام کے ظہور کا وقت موت اور اس جہان سے گزر جانے کے بعد ہے' نہ کہ دنیا اور اس جہان کی زندگی اس لیے کہ اگر اس جہان میں انہیں شدت اور سختی میں گرفتار کر دیا جائے تو انہیں بُرے عمل اور کفر کی فرصت اور مال اور نفع لینے کے دوسرے اسباب پر قدرت اور طاقت حاصل نہ ہوگی اور امتحان اور آزمائش کے معنی کی صورت نہیں بنے گی۔ پس ان سے انتقام لینے اور انہیں کفر کی سزا دینے کی طلب میں جلدی نہ کریں۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا مجھے چھوڑ دیں اور اسے جسے میں نے پیدا کیا ہے' تن تنہا نہ اس کی فوج تھی نہ لشکر' عورت تھی نہ اولاد' کوئی روزی تھی نہ کپڑا' مال تھا نہ متاع

وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا اور ہم نے اس کے لیے مال فراواں کیا جس کی مدد پے در پے پہنچ رہی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

علماء نے فرمایا ہے کہ جس مال کی مدد پے در پے پہنچتی ہے' تین قسم کا ہے۔ پہلی قسم مالِ زراعت' دوسری قسم مویشی اور تیسری قسم مالِ تجارت کہ ان تینوں قسموں میں سے جو نفع حاصل ہوتا ہے' خرچ سے زیادہ ہے۔ بخلاف دوسرے اموال کے اور ان آیات میں اس کافر کے حال کی طرف اشارہ ہے جو کہ قریش میں مال داری اور دولت میں مشہور تھا جس کا نام ولید بن مغیرہ تھا' اسے ان تینوں قسم سے مال عطا کیا گیا تھا۔ طائف میں اس کے بے شمار باغات اور کھیتیاں تھیں' اس کے باغات میں موسمِ سرما اور موسمِ گرما کے پھل بافراغت ہوتے تھے' اس کے کھیتوں میں ہر قسم کی فصل پیدا ہوتی تھی اور اس کے بے شمار مویشی تھے جن کی اون' دودھ' گھی اور نسل سے بڑی آمدنی حاصل کرتا تھا اور کپڑے سے لے کر مرداریدِ بیچنے تک مختلف قسم کی تجارت کرتا تھا' اس کے بے شمار نوکر اور غلام تھے جو کہ ان کاموں پر مقرر رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کے گھر میں نقد ایک لاکھ سرخ دینار اور دس لاکھ سفید درم موجود تھے اور چونکہ مال کی اس قدر فراوانی' اولاد کے بغیر زندگی کو بے مزہ کر دیتی ہے اور وہ نعمت نہیں رہتی بلکہ غم و حسرت کا موجب ہوتی ہے' ہم نے نعمت پوری کرنے کے لیے اسے بیٹے بھی عطا فرمائے۔

وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا اور ہم نے اسے بیٹے عطا فرمائے جو کہ بہترین اولاد ہیں اور بیٹے ہمیشہ اس کے پاس حاضر رہتے ہیں' کبھی غائب نہیں ہوتے اور اس کے غنی اور مال دار ہونے کی وجہ سے وہ روزی کی تلاش میں سفر نہیں کرتے کہ ان کی جدائی کے درد کی وجہ سے اس کی زندگی تلخ ہو جائے بلکہ وہ ان کی ملاقات کی وجہ سے ہمیشہ خوش رہتا ہے اور لذت اُٹھاتا ہے اور انہیں کھیتی اور تجارت کی دیکھ بھال کے لیے بھی اپنے سے جدا نہیں کرتا اس لیے کہ قابلِ اعتماد غلام اور دیانت دار نوکر کام کرنے والے موجود ہیں اور اس کے بیٹے اس کے ہمراہ ہر مجلس اور محفل میں حاضر ہوتے ہیں اور اس کی سیر اور عیش میں شریک ہوتے ہیں اور اس کے رفیق اور ہمدم ہوتے ہیں اور مجالس و محافل کی زیب و زینت ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ شہودا کا لفظ شہادت سے مشتق ہے جس کا معنی ہے گواہی۔ یعنی اس کے بیٹے اس کی بات کی صداقت پر گواہی دیتے ہیں اور اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں

marfat.com
Marfat.com

بلکہ اس کے ہر ڈینگ مارنے پر آمنا وصدقنا کرتے تھے اور اس وجہ سے ہر مقام پر اس کی بات قابلِ احترام اور معتبر ہوتی ہے اس لیے کہ بیٹا جب باپ کی مرضی کے مطابق نہ ہو اس کے ہمراہ سیر اور دورہ کرنے میں رفاقت نہیں کرتا' اس کی بات کی تصدیق نہیں کرتا' سوہانِ روح بن جاتا ہے اور بیٹا نہیں رہتا۔ ولید بن مغیرہ کے کئی بیٹے تھے جن میں سے سات مشہور ہیں۔ ولید بن ولید' خالد بن ولید' عمارۃ بن ولید' ہشام ابن ولید' عاص بن ولید' قیس بن ولید اور عبد شمس بن ولید۔ ان سات میں سے چار بیٹے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ولید' خالد' عمارۃ اور ہشام اور تین کفر میں مر گئے اور مشرف بہ اسلام ہونے والوں میں سے خالد بن ولید نے جہاد کرنے اور کفار کو قتل کرنے میں اتنی ترقی کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امیر الامراء کے منصب پر پہنچ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفۂ اوّل کے عہد خلافت میں بھی اسی عہدے پر فائز رہے اور سرکار علیہ السلام نے آپ کو سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا اور شام اور عراق آپ کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ آپ نے مرتدین کی بیشتر مہمات سر کیں اور ولید بن ولید کو ان کے باپ اور بھائیوں نے مکہ معظمہ میں بند کر دیا تھا تا کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں نہ پہنچے اور ہجرت نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خلاصی کے لیے نماز صبح میں قنوت فرماتے اور بلند آواز کے ساتھ کہتے تھے **اللھم انج الوید بن الولید وعباس بن ابی ربیعہ وسلمۃ بن ھشام والمستضعفین من المومنین** یہاں تک کہ ان ظالموں کے ہاتھوں سے خلاصی پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت میں پہنچ گئے اور آپ ہی کے قدموں میں واصل بحق ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنی قمیض مبارک کا کفن دیا اور ان کی وفات پر حضرت اُم سلمہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے ان کا ان لفظوں میں ذکر کیا:

**ابکی الولید بن الولید بن المغیرۃ**

**ابکی الولید بن الولید فتی العشیرۃ**

## ولید بن ولید کا اظہار اسلام میں خلوص

اور ان کے عجیب معاملات میں سے یہ ہے کہ آپ جنگ بدر میں مجبوراً کفار کے

marfat.com

Marfat.com

ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے مقابل کھڑے تھے جب کفار کو شکست ہوئی تو مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گئے اور فدیہ دے کر چھٹکارا پایا۔ فدیہ کے بعد اسلام کا اظہار کر دیا' لوگوں نے اسے کہا کہ تو نے فدیہ سے پہلے اسلام ظاہر نہ کیا کہ تجھے یہ مال برداشت نہ کرنا پڑتا؟ آپ نے کہا کہ میں نے سوچا کہ اگر فدیہ ادا کرنے سے پہلے اظہار اسلام کرتا ہوں تو لوگ سمجھیں گے کہ فدیہ معاف کرانے کے لیے مسلمان ہوا ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے جب میں نے فدیہ ادا کر دیا' یہ گمان زائل ہو گیا' میں نے کسی اندیشے کے بغیر اسلام کا اظہار کر دیا۔

مختصر یہ کہ ولید کے بیٹے سب کے سب قابل' کام آنے والے اور خوب صورت اور خوش نما جوان تھے کہ قریش کے پورے قبیلے میں ان کی مثال دی جاتی تھی اور چونکہ وافر مال اور کام آنے والی اولاد سرداری اور مرتبے کے بغیر پُر رونق نہیں ہوتے اس لیے میں نے اسے مرتبہ' سرداری اور عزت بھی کامل بخشی۔

**وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا** اور میں نے سرداری اور مرتبے کی مسند کو اس کے لیے ہموار اور مضبوط کیا کہ تمام قریشی لوگ ہر عقدہ اور مشکل میں اس کی طرف رجوع کرتے تھے اور اسے اپنا حاکم سمجھتے تھے یہاں تک کہ اس قبیلے کے درمیان اسے دو لقب دیئے جاتے تھے' اسے وحید بھی کہتے تھے اس لیے کہ اپنے اوصاف میں یگانہ تھا اور شعر و سخن کی مختلف صلاحیتیں رکھتا تھا اور اسے اس کی خوب صورتی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے ریحانہ قریش یعنی قریش کا پھول بھی کہتے تھے اور ان تمام خوبیوں کے باوجود اپنے پروردگار کی نعمتوں کا اس قدر ناشکر تھا کہ کبھی زبان پر شکر خداوندی کا لفظ تک نہیں آتا تھا اور بت پرستی اور لات وعزیٰ کی پوجا کے سوا کوئی اور چیز جانتا ہی نہ تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ ہر وقت اپنے مال کی زیادتی کی فکر میں رہتا اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کے سامنے جنتِ نعیم کا ذکر فرماتے تو کہتا کہ اگر یہ شخص جنت کے اوصاف بیان کرنے میں سچا ہے تو یقین ہے کہ حق تعالیٰ نے وہ گھر میرے لیے بنایا ہو گا اس لیے کہ میرے سوا اس نعمت کا مستحق کوئی نہیں اور اس کی اسی ناشکری اور حرص کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ:

marfat.com
Marfat.com

ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ پھران نعمتوں کے باوجود کہ اس کے پاس ہیں اور ان کا شکر ادا نہیں کرتا' طمع کرتا ہے کہ اس کی دنیا و آخرت کی نعمتیں زیادہ کروں۔

کَلَّا اسے یہ طمع نہیں رکھنا چاہیے اس لیے کہ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا تحقیق وہ ہماری قرآنی آیات سے عناد رکھنے والا ہے اور ہمارے کلام کا عناد' ہمارا عناد ہے جبکہ اپنے منعم کے ساتھ عناد رکھنا گزشتہ نعمتوں کے ازالہ کا تقاضا کرتا ہے چہ جائیکہ دوسری نعمت کی زیادتی کی توقع کی جائے۔

مؤرخین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ولید کو مال اور مرتبے میں پے در پے نقصان لاحق ہونا شروع ہو گیا یہاں تک کہ فقیر ہو کر مرا۔

اور کفر میں عناد کا معنی یہ ہے کہ دیدہ دانستہ حق کو باطل قرار دے اور اسے دگرگوں کرنے کے درپے ہو اور یہ کفر کی سب سے شدید قسم ہے۔

## کفر کی چار قسموں کا بیان

اور کفر کی چار قسمیں ہیں: کفر شک جیسا کہ حضور علیہ السلام کے اکثر معاصرین کو تھا اور ان کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ' کفر جہل کہ حق کو حق نہ جانے اور غیر حق کو حق سمجھے جیسا کہ اکثر مشرکین مکہ کو تھا کہ ان کے حق میں اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ وَاَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اور بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّجْهَلُوْنَ وارد ہوا' کفر جحود کہ جان بوجھ کر زبان سے اقرار نہ کرے اور گرویدہ نہ ہو جیسا کہ اہل کتاب اور بعض دوسرے کفار کے بارے میں ارشاد ہوا اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اور فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں بھی ارشاد ہوا وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا اور کفر عناد کہ حق پہچاننے کے باوجود اس کا انکار اختیار کرے اور اسے باطل کرنے کے درپے ہو اور اپنے فضول شبہات کے ساتھ حق کے دلائل کو پامال کرے اور اس کا مقابل اور فریق بن جائے۔

marfat.com
Marfat.com

## ولید بن مغیرہ کے عناد کا بیان

اور ولید کے عناد کا بیان یہ ہے کہ وہ ایک دن مسجد مکہ میں بیٹھا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی مسجد مبارک میں جلوہ افروز تھے کہ وحی نازل ہوئی اور سورۃ حٰم السجدۃ نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سورۃ بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دی جیسا کہ آپ کی عادت شریف تھی کہ جبرئیل علیہ السلام سے قرآن پاک سننے کے بعد اسے دہراتے' آپ نے دیکھا کہ ولید پلید نے بھی اس سورۃ کو سننے میں اپنے کانوں کو متوجہ کیا ہے' آپ نے اس پر یہ سورۃ تلاوت فرمائی اور بعض روایات میں وارد ہے کہ آپ نے حٰم المومن کی ابتدا سے لے کر اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک تلاوت فرمائی اور اس نے پوری توجہ سے سنی' اس کے بعد اپنی قوم بنی مخزوم سے کہنے لگا کہ انصاف یہ ہے کہ میں نے آج جو کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے' آدمی کا کلام ہرگز نہیں اور نہ ہی جنات کا کلام ہے اس لیے کہ اس کلام میں ایسی حلاوت ہے کہ کسی کلام میں نہیں اور اس کلام پر انوار چمکتے ہیں اس کلام کا اعلیٰ حصہ پُر میوہ ہے اور نچلا حصہ ایک مضبوط تنا ہے' یہ کلام ہر کلام پر غالب ہے' مغلوب ہرگز نہیں ہو سکتا۔

پھر جب اس مجلس سے اُٹھ کر چلا گیا' یہ خبر ابو جہل کو پہنچی اور لوگوں نے کہا کہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ولید کو اپنے کلام سے فریفتہ کر لیا اور وہ اس کے دین کی طرف قدرے مائل ہو گیا ہے۔ ابو جہل قریش کے دوسرے سرداروں کو ساتھ لے کر اس کے گھر پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے تیرے بارے میں سخت عجیب بات سنی ہے کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ شاید ابو قحافہ کا بیٹا جو روٹی شوربا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے خدام کے لیے پکا کر لاتا ہے اور وہ سب مل کر اسے کھاتے ہیں' تجھے اس کی رغبت دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ ولید یہ باتیں سُن کر بہت پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ میری دولت مندی' عیش اور ناز و نعمت کو تو تو جانتا ہے اور محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور اس کا وہ دوسرا دوست جو کہ ابو قحافہ کا بیٹا ہے (معاذ اللہ) ابھی میرے دروازے کے منگتے کی برابری نہیں کر سکتے' مجھے ان کے کھانے کی کیا پرواہ ہے؟ ابو جہل بولا کہ اگر

marfat.com

Marfat.com

صورت فی الواقع یوں ہی ہے تو تجھے چاہیے کہ تو پھر مسجد میں قدم رنجہ فرمائے اور ہم تمام قبائل قریش کو جمع کرتے ہیں اور محمد (علیٰ الصلوٰۃ والسلام) کے بارے میں مشورہ کرتے ہیں۔ ولید' ابوجہل کے ہمراہ روانہ ہوا اور وہ مسجد مبارک میں پہنچے اور قریش کے تمام قبائل اور ان کے سردار جمع ہو گئے۔ ابوجہل' ابولہب' ابوسفیان' نضر بن الحارث' امیہ بن خلف اور عاص بن وائل سب کے سب ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں سخت مشکل درپیش ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور ایک کلام پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کلام مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اب موسمِ حج قریب پہنچ چکا' لوگ ہجوم در ہجوم اس شہر میں وارد ہوں گے اور وہ اس کلام اور اس مدعی نبوت کے بارے میں ہم سے پوچھیں گے' ہم میں بعض کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے اور یہ کلام شعر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ شخص مجنون ہے اور یہ کلام بے ہودہ ہے' ان دونوں باتوں میں آسمان اور زمین کا فرق ہے اور یہ باتیں سُن کر لوگ اسے ہماری بے سمجھی اور بے عقلی قرار دیں گے۔ ایک چیز مقرر کر لینا چاہیے تاکہ اس شہر کا ہر آدمی اس شہر میں وارد ہونے والوں سے وہی بات کہے اور وہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام سُن کر فریفتہ نہ ہوں اور اس کے گرویدہ نہ ہوں اور چونکہ حق تعالیٰ نے تجھے بہمہ وجوہ عقل و دانائی' تجربہ اور بے شمار ملکوں کی سیر و سیاحت کا ہم پر فخر اور امتیاز بخشا ہے' ہم اس مسئلہ میں تیری طرف رجوع لائے ہیں تاکہ جو کچھ تو مقرر کرے اسی کے مطابق ہم شہر مکہ میں منادی کرا دیں' اس کے سوا کوئی بھی کسی قسم کا لفظ اپنی زبان پر نہ لائے اور سب یک زبان اور یک کلام ہو کر وہی بات کہیں۔ ولید تھوڑی دیر کے لیے سرنگوں ہو کر سوچتا رہا' ازاں بعد اس نے کہا کہ اگر تم اس کلام کو شعر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شاعر کہو تو فی الفور قصوروار قرار پاؤ گے اس لیے کہ میں نے عبید بن الابرص' اُمیہ بن ابی الصلت اور دوسرے پہلے شعراء کے شعر سنے ہیں اور بار بار سنے ہیں' یہ کلام شعر ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شعر کہنے کا سلیقہ ہے اور اس کے اس کلام کو کہانت کہو اور محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو کاہن قرار دو تب بھی قصوروار ٹھہرو گے اس لیے کہ کاہن کبھی سچ بولتا اور کبھی جھوٹ جبکہ محمد (علیہ الصلوٰۃ

marfat.com
Marfat.com

والسلام) کے کلام میں جھوٹ واقع ہوا نہ ہوتا ہے اور اگر اس کلام کو بے ہودہ کہو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مجنون تو تب بھی صراحتاً بے وقعت ہوتے ہیں اس لیے کہ مجنون کا بے ہودہ کلام حکمتوں اور نصیحتوں پر مشتمل نہیں ہوتا اور مجنون موقع' بے موقع جطبیاں مارتا ہے' تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنون کی کونسی علامت دریافت کی ہے؟ اور اس کا یہ کلام سراسر حکمت و نصیحت ہے اور اگر تم اس کلام کو جادو قرار دو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جادوگر کہو تب بھی درست نہیں اس لیے کہ جادو میں مہمل اور بے معنی کلمات ہوتے ہیں اور جادوگر اپنے جادو کے ساتھ ہمیشہ مال کمانے اور دنیوی منفعتوں کو حاصل کرنے کی فکر میں رہتا ہے جبکہ یہ کلام پُرمعنی ہے اور محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو مال کمانے اور دنیوی منفعتیں حاصل کرنے کی قطعاً پرواہ نہیں۔ یہ شقیں اور ان کا باطل ہونا بیان کرنے کے بعد اس نے بہت کچھ سوچا' دائیں بائیں دیکھا اور انتہائی غم و اندوہ کے ساتھ ترش رو ہو کر خاموش بیٹھ گیا۔

جب سردارانِ قریش نے اس کی یہ باتیں سنیں تو کہنے لگے اب کیا تدبیر ہے' کیا کہنا چاہیے؟ ولید کمال ناز اور نخرے کے ساتھ بولا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ بابل کا جادو ہے جو کہ کسی طرف سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس صحیح سند کے ساتھ پہنچا ہے اور بابل کا جادو' جادو کی اقسام سے جدا ہے اور اس کے جادو ہونے پر قوی دلیل یہ ہے کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گرویدہ ہوتا ہے' اپنے ماں باپ' بیوی اور اولاد سے بے زار ہو جاتا ہے اور جادو کی خاصیت یہی ہے کہ میاں بیوی' باپ بیٹے اور ماں بیٹی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ تمام سردارانِ قریش یہ باتیں سُن کر اس پلید سے بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ تیری فراست اور عقل پر آفریں کہ تو نے خوب تدبیر سوچی اور پھر اسی وقت شہر مکہ میں منادی کرادی کہ آئندہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (معاذ اللہ) ساحر کہا جائے اور کوئی شخص اسے شاعر' مجنون اور کاہن وغیرہ نہ کہے۔

پس اس کے اس قصے سے معلوم ہوا کہ اس نے قرآن اور اس اعجاز پر مبنی کلام کے نزول کی حقیقت کو پا لیا تھا اور وہ اس سمجھ کے باوجود اس کے برحق ہونے کو باطل قرار

marfat.com
Marfat.com

دینے میں پوری کوشش کرتا تھا اور لوگ اس سے اس مکروہ کام کی تدبیریں چاہتے تھے۔ اور وہ انہیں کفر کی تلقین کرتا تھا۔ پس اپنے منعم کے کلام اور اس کے رسول کے ساتھ اس عناد کے ہوتے ہوئے وہ اس کی نعت و بخشش کی زیادتی کی توقع کس طرح رکھتا ہے۔ ہاں جس طرح کہ وہ اپنے کفر میں ترقی کر کے کفر کے اعلیٰ مرتبے پر جو کہ کفر عناد اور ابلیس کا مرتبہ ہے' پہنچ گیا۔

سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا نزدیک ہے کہ میں اسے دوزخ میں صعود کے اوپر چڑھنے کی سزادوں اور صعود دوزخ میں ایک پہاڑ کا نام ہے جو کہ بھڑکتی آگ سے بنایا گیا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس کی بلندی کی مسافت پچاس (۵۰) سال کی راہ ہے۔ دوزخ کے مؤکل فرشتے معاند کافر کو اس پہاڑ کے اوپر چڑھنے کی سزادیں گے اس پہاڑ کی سوزش کی یہ حالت ہے کہ جب بھی وہ اس پر اپنا ہاتھ رکھے گا' اس کا ہاتھ پگھل جائے گا پھر اسی لمحے درست ہو جائے گا اور جب وہ اس پر اپنا پاؤں رکھے گا تو وہ بھی پگھل جائے گا پھر درست ہو جائے گا اور اسی تکلیف میں فرشتے اسے زنجیروں کے ساتھ کھینچیں گے جب وہ اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جائے گا تو اسے پھر لُوھکا دیں گے تا کہ اس کے نیچے پہنچ جائے پھر اسے اس کے اوپر آنے کی تکلیف دیں گے اور وہ ابدالآباد تک اسی عذاب میں رہے گا اور اسے اس طرح کے عذاب کے ساتھ اس لیے خاص کریں گے کہ وہ بھی درجہ وار اپنی فکری حرکت میں مطالب سے مبادی پر چڑھتا تھا اور پھر حق کے قریب پہنچ کر خود کو نیچے گرا دیتا تھا اور اپنے پرانے جہل مرکب میں غوطے لگاتا تھا اور حق پر قرار نہیں پکڑتا تھا۔ پس اس قسم کا عذاب اس کی موزوں جزا ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

إِنَّهُ فَكَّرَ تحقیق اس نے قرآن کے متعلق سوچنا شروع کیا کہ آیا یہ کلامِ الٰہی ہے یا کلامِ بشر۔ وَقَدَّرَ اور اپنے ذہن میں تمام احتمالات اور شقوں کا اندازہ لگایا۔ مثلاً کہنے لگا کہ قرآن کا حال ان احتمالات سے خالی نہیں ہے کہ کلام شاعر ہے یا کلامِ ساحر۔ یا کلام کاہن یا کلامِ مجنون اور ان احتمالات کے مصر کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام آدمیوں کے صاحب فکر و خیال کا کلام ہے۔ پس پہلی شق ہے یا آدمیوں کے بے عقل اور فاسد الخیال آدمی کا

marfat.com
Marfat.com

کلام ہے۔ پس چوتھی شق ہے یا جن کا کلام ہے' آدمی کا نہیں۔ تو اگر القائے علمی کے لیے ہے اور آدمی کی زبان برآئندہ واقعات کی اطلاع ہے تو تیسری شق ہے جسے کہانت کہتے ہیں اور اگر جہان میں کسی تاثیر کو پیدا کرنے کے لیے ہے تو جادو ہے۔

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ تو اس پر لعنت اس نے کہا بے ربط احتمالات کا اندازہ لگایا ہے اس لئے کہ شق واقعی کو احتمال کے طور پر بھی دل میں نہ لایا۔ اور وہ شق یہ ہے کہ کلام الٰہی ہو نہ کہ آدمی اور جن کا کلام۔ پس اس شق کو ترک کرنا اس شخص کے کامل عناد پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس ترک کی وجہ سے وہ لعنت کا مستحق ہوا۔ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ. پھر اسے لعنت کی جائے کہ اس نے کیا بعید اندازہ لگایا اس لیے کہ شقیں مقرر کرنے اور احتمال ظاہر کرنے کے مقام میں ظاہر الفساد احتمال کو ذکر کرنا فکر ونظر کی حقیقت سے خارج ہے اور یہ تمام احتمالات کھلے طور پر فاسد ہیں۔ اس لیے کہ اس میں شعری علامات میں سے قافیہ کا التزام پایا جاتا ہے اور کوئی وزن موجود نہیں۔ خیالی مقدمات سے مرکب نہیں بلکہ اس میں قافیہ کا التزام بھی شعری قافیوں کے خلاف ہے جیسا کہ تحقیق و تجسس کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ اور ایک علامت کے ہونے اور دوسرے علامات کے نہ ہونے کے باوجود اس احتمال کی طرف جانا بے حد غفلت یا انتہائی عناد ہے۔ اور جادو کی علامات میں سے اس میں تاثیر بلیغ پائی جاتی ہے جبکہ دوسری علامات شیطانوں کے نام اور ان سے استعانت خود اس کے میدانِ عزت سے منزلوں دور ہیں۔ اور اس میں کوئی لفظ مہمل اور بے ربط نہیں ہے۔ پس اس احتمال کی طرف جانا اسی طرح ہے کہ ہر سفید چیز روئی اور ہر گول شے طشت ہے' یہ سارا کلام شیاطین کی ملامت اور جادو کی اور شیطانوں سے مدد لینے کی مذمت اور شیاطین کی اور ان کے افعال کی پیروی سے ڈرانے میں ہے۔

اور کہانت کی علامت میں سے اس میں غیب کی خبریں پائی جاتی ہیں لیکن کاہن جزئیہ کونیہ سفلیہ معارف کی خبر دیتا ہے جبکہ یہ کلام معارف کلیہ الٰہیہ علویہ کا پتہ دیتا ہے اور گزشتہ اُمتوں کے واقعات اور آخرت' حشر اور نشر کے واقعات بیان کرتا ہے' اسے کہانت سے متہم کرنا وہی زرباف اور بوریاباف والی حکایت ہے اور مجنون کے ہذیان کی علامات

marfat.com
Marfat.com

میں سے اس میں عقل سے بعید امور کا بیان پایا جاتا ہے لیکن ان بعید از عقل امور کو اس کلام میں واضح دلائل اور قوی براہین سے بھی ثابت فرمایا گیا ہے اور مثال اور وضاحت کے ساتھ اس بعید ہونے کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا گیا ہے' اسے مجنون کا کلام کہنا پھول کو کانٹا اور یار کو اغیار گمان کرنا ہے۔ پس ان صریح طور پر باطل احتمالات کو ذکر کر کے وہ بار دگر لعنت کا مستحق ہوا اور اس نے اسی قدر پر اکتفا نہ کی بلکہ

ثُمَّ نَظَرَ پھر اس نے نظر کی حضرت پیغمبر علیہ السلام کے حالات پر کہ ان میں ان شقوں کے لوازمات پائے جاتے ہیں؟ مثلاً اگر یہ کلام شعر ہے تو چاہیے کہ اس پیغمبر نے شعر کے عروض' قافیہ اور نظم کو اختیار کیا ہو اور مدت دراز تک شعر گوئی کی مشق کی ہو اور اس فن کے ماہروں کے پاس سالہا سال آمدورفت رکھ کر شاگردی کی ہو اور اگر جادو ہے تو اس پیغمبر نے جادوگروں کے ساتھ نشست و برخاست کی ہو اور جنوں اور شیطانوں کی تسخیر کے اعمال اختیار کیے ہوں اور اگر کہانت ہے تو وہ پیغمبر چاہیے جس نے بت خانوں اور دوسرے شیطانی مقامات پر سالہا سال گزارے ہوں اور عوام وخواص کے سوالات کے ہمیشہ جوابات دیئے ہوں اور اس کی خبر کبھی سچی اور کبھی جھوٹی ثابت ہوئی ہو جیسا کہ کاہنوں کی عادت ہے اور اگر جنون کا ہذیان ہے تو چاہیے کہ اس میں خلط سوداء کے آثار کا غلبہ اور اس کے کلام میں بے عقلی' بے تمیزی' خبط و اختلاط پائی جاتی ہو۔

ثُمَّ عَبَسَ پھر اس نے ترش روئی کی اس لیے کہ اس نے ان لوازمات میں سے کچھ بھی ذاتِ پیغمبر میں نہ پایا تا کہ وہ ایک احتمال کو متعین کر سکے اور اسے ترجیح دے۔

وَبَسَرَ اور چین بجبیں ہوا کہ اب مجھے ترک کی گئی شق کو کہ یہ کلام' کلامِ الٰہی ہے' فرشتے کے واسطے سے پہنچا ہے' کو اختیار کرنا لازم آیا اور وہ میرے اور میری قوم کے مذہب کے خلاف ہے اور چونکہ قابلِ احتمال شقوں کے لوازمات کو ثابت کرنے سے ناامیدی اور متروک شق کو اختیار کرنے کی فکر اور غم بیک وقت تھے اس لیے عبس اور بسر کے درمیان ثم کا کلمہ نہیں لایا گیا تا کہ ان کے جمع ہونے پر دلالت ہو۔

ثُمَّ اَدْبَرَ پھر اس نے پشت کی اس واقعی شق کو جو کہ برحق تھی اور اپنی چڑھتی ہوئی

marfat.com

Marfat.com

حرکت سے نزول کیا اوران احتمالات میں سے کہ جنہیں پہلی نظر میں اپنے ذہن میں باطل قرار دے چکا تھا' ایک بدگوئی اور عناد کے طریقے سے اختیار کرلیا اور پچھلے پاؤں لوٹا۔

وَاسْتَكْبَرَ اور اس نے تکبر کیا اس سے کہ کوئی مجھے اس شق کی طرف رجوع سے جسے میں نے خود باطل قرار دیا ہے اور فکر و مناظرہ والوں کے عرف میں نہایت قبیح امر ہے' طعن کرے اس لیے کہ مجھے کسی کی پراوہ نہیں یا مراد یہ ہے کہ اس نے حق پر مبنی شق کو اس کے متعین ہونے کے باوجود اختیار کرنے سے تکبر کیا۔ گویا اس کے نفس نے تکبر کی وجہ سے گوارا نہ کیا کہ اس شق کو اختیار کرے اور خود کو اس مدتِ دراز میں غلطی پر قرار دے بلکہ اس نے اتنے پر ہی اکتفا نہ کیا کہ اس باطل احتمال کو پھر تردد کے مقام پر ذکر کرے اور کہے کہ اس تشویش کو باطل کرنے میں ابھی یہ احتمال اور یہ شق پورے طور پر میرے دل سے زائل نہیں ہوئی یہاں تک کہ اس نے اس باطل احتمال میں حصر کا دعویٰ کیا اور مبنی برحق احتمال کی گنجائش کا تصور بھی نہ چھوڑا۔

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ پس اس نے کہا کہ نہیں ہے یہ کلام مگر ایسا جادو جو کہ نقل کیا گیا ہے بابل سے یا عجم سے یا گزشتہ جادوگروں سے اور یہ قید اس لیے زیادہ لی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کو دیکھ کر جو کہ جادوگروں کے حال سے جدا ہے' پہلی نظر میں اس کی تکذیب نہ کریں پھر اس نے نتیجہ نکالتے وقت بھی احتمال حق کی مطلق نفی کی اور کہا کہ:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ نہیں ہے یہ کلام مگر آدمی کی گفتگو۔ اے کاش! اس طرح کہتا کہ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ اور کلامِ الٰہی کہ اس کے افہام و تفہیم کی کچھ راہ کھلی رہتی اور اسے دوسری مرتبہ نظر ثانی میں شق برحق کی ترجیح ممکن ہوتی اور چونکہ اس نے اس پانچویں شق سے جو کہ برحق اور واقعی تھی اس درجہ روگردانی اور انکار کیا' ناچار اس روگردانی اور انکار کی جزا کے مقام میں۔

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ عنقریب میں اسے سقر میں ڈالوں گا جو کہ جہنم کے پانچویں طبقے کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا مظہر اتم ہے اور جس غضب نے اس میں ظہور کیا اس

marfat.com
Marfat.com

کے آثار کی عظمت کسی انسان کو معلوم نہیں۔

وَمَاۤ اَدۡرٰكَ اور آپ جو کہ اللہ تعالیٰ کے جمالی اور جلالی مظاہر کو مخلوق میں سب سے زیادہ جانتے ہیں' کیا جانیں؟ مَا سَقَرُ کہ سقر کیا ہے؟ اس کی تعریف اور توصیف میں جو انتہائی بات کہی جا سکتی ہے اسی قدر ہے کہ لَا تُبۡقِیۡ جو بھی اس میں ڈالا جائے' کسی کو باقی نہیں چھوڑتی یہاں تک کہ بالکل جلا دیتی ہے۔

وَلَا تَذَرُ اور جل جانے کے بعد بھی نہیں چھوڑتی بلکہ اسے دوبارہ درست کر کے ابدالآباد تک جلاتی ہے جس طرح کہ یہ معاند شق باطل کو ثابت کر سکتا تھا نہ اسے چھوڑتا تھا اور اس سقر کی ایک اور صفت بھی ہے کہ:

لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ وہ صرف آدمیوں کو جلانے والی اور ان کے درپے ہونے والی ہے۔ دوزخ کے مؤکل فرشتوں' سانپوں' زقوم کے درختوں' مکھی اور پسو کو کچھ نہیں کہتی اور ان کے درپے نہیں ہوتی۔ اگر ان چیزوں کو بھی جلا دیتی تو آدمی بھی ان چیزوں کے عذاب سے اس دوزخ میں نجات پا لیتے اور سکی ہوتی اور لواحۃ عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے لاحه العطش جب پیاس اس کے باطن کو جلا دے اور اس کے چہرے کو بدل کر سیاہ کر دے اور بعض مفسرین نے بشر کو یہاں بشرہ کی جمع قرار دیا ہے جس کا معنی جسم کا ظاہری چمڑا ہے لیکن اس تفسیر میں جلانے اور کھال کو سیاہ کرنے کا ذکر لَا تُبۡقِیۡ وَلَا تَذَرُ کے ذکر کے بعد مناسب معلوم نہیں ہوتا اس لیے تاثیر قوی کے بیان کے بعد تاثیر ضعیف کو ذکر کرنا بلاغت کے قانون سے دُور ہے۔ نیز اس سورۃ اور قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں لفظ بشر جمع بشرہ کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا اس لفظ کو غریب بنانا اچھا نہیں ہے۔

اس عذاب سقر کے علاوہ وہاں ایک اور عذاب ہے اور وہ زبانیہ اور دوزخ کے موکلوں کا تسلط ہے جو کہ آتشیں گرزوں کی ضربوں' آتشیں زنجیروں کے ساتھ کھینچنے' آتشیں طوق ڈالنے' دردناک کھینچا تانی اور اپنی خوف ناک شکلیں ظاہر کرنے کے ساتھ ہر لمحہ ولحظہ جان لیتے ہیں اور موت کا ذائقہ چکھاتے ہیں اس لیے کہ:

عَلَيۡهَا اس دوزخ پر داروغے ہیں تِسۡعَةَ عَشَرَ انیس فرشتے

marfat.com
Marfat.com

## زبانیہ کی خوف ناک شکل کا بیان

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ان کی آنکھیں اُچکنے والی برق کی طرح' ان کی آواز تیز گرجنے والی بجلی کی طرح' ان کے دانت بارہ سنگھے کے سینگوں کی طرح اور ان کے بال اس قدر لمبے کہ گویا دامن کھینچے جا رہے ہیں اور فوارے کی طرح آگ کے شعلے ان کے منہ سے جوش مارتے ہیں' ان میں سے ہر ایک کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک سال کی راہ کا فاصلہ ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ کی ہتھیلی لاکھوں کی گنجائش رکھتی ہے۔ مہربانی اور نرمی ان کے دل سے بالکل دُور کر دی گئی ہے' ان میں سے ہر ایک ستر ستر ہزار کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر جہاں چاہے' لے جاتا ہے۔

## زبانیہ یعنی داروغۂ جہنم کے انیس (۱۹) ہونے کی وجہ کا بیان

اور ان کے انیس (۱۹) ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دوزخ غضب الٰہی کے ظہور کا محل ہے اور جس طرح کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کسی کام کو سرانجام دینے کی طرف متوجہ ہوتی ہے' تمام مخلوقات کی روحانیات اس رحمت کے کارخانہ کی خدمت کرتی ہے تاکہ اس کے تقاضا کی صورت رونما ہو اور اسی لیے کہتے ہیں ۔(بیت)

ابروبادو مہ و خورشید و فلک درکار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

یعنی بادل' ہوا' چاند' سورج اور آسمان کام میں لگے ہوئے ہیں تاکہ تو روٹی حاصل کرے اور غفلت کے ساتھ نہ کھائے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر کسی مہم کو جاری کرنے کی طرف توجہ فرماتا ہے تو مخلوقات کی روحانیات کو خدمت سے چارہ نہیں۔ پس کارخانۂ غضب جو کہ دوزخ ہے' سرانجام دینے کے لیے ایسا فرشتہ ضروری ہوا جو کہ عرش مجید کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور اس کا نام مالک ہے اور وہ اپنی عمر میں کبھی ہنسا نہیں اور اس کا چہرہ کبھی کسی نے کشادہ نہیں دیکھا۔ اور وہ اس مکان کے بمنزلہ بادشاہ کے ہے کہ باقی سب فرشتے اس کے تابع فرمان ہیں اور حکم کرنا اور کام کرانا اس کی ڈیوٹی

marfat.com
Marfat.com

ہے۔

اور دوسرا فرشتہ بھی ضروری ہے جس کا کرسی کی روحانیت کے ساتھ تعلق ہے اور طبقات پر جہنمیوں کی تقسیم اور ہر کسی کے عذاب کا اندازہ مقرر کرنا اس کا منصب ہے اور وہ مالک کا دیوان اور دفتر دار ہے۔

اور تیسرا فرشتہ بھی ضروری ہے جو ساتویں آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ زحل کا مسکن ہے اور دوزخیوں کے جسموں کو اس سے بچانا کہ آگ اور عذاب کی دوسری قسموں کی وجہ سے بالکل ختم ہو جائیں اور ان جسموں کو ہمیشہ رہنے کے قابل بنانا اور لحہ بہ لحہ تازہ کھال اُگانا اور جلے ہوئے اور مضروب اعضاء کو درست کرنا اس کی ڈیوٹی ہے اور وہ مالک کی آبادی کے میئر کے مقام پر ہے۔

اور چوتھا فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ چھٹے آسمان کی روحانیت سے تعلق رکھے جو کہ مقامِ مشتری ہے اور دوزخیوں کے درمیان جھگڑے ڈالنا تا کہ پیروی کرنے والے اور راہبر ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑا کریں اور ایک شخص دوسرے پر لعنت اور نفرت کا اظہار کرے جیسا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کے باہمی جھگڑوں کا ذکر ہے' اس کا کام ہے اور وہ بمنزلۂ قاضی مالک ہے۔

اور پانچواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ پانچویں آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ مریخ کا مسکن ہے اور جہنمیوں کو پکڑنا' باندھنا' کھینچنا اور پٹائی کرنا اس کے ذمے ہے اور وہ مالک کا کوتوال' جلاد اور میر عذاب ہے۔

اور چھٹا فرشتہ بھی ضروری ہے جس کا چوتھے آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق ہو جو کہ سورج کا مقام ہے اور اعتقادات کے باطل ہونے اور اعمال کے قبیح ہونے کا اظہار کرنا اور دوزخیوں پر رسوائی اور ندامت ڈالنا کہ روحانی عذاب میں گرفتار رہیں' اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے معلم اور استاذ کے منصب پر ہے۔

اور ساتواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ تیسرے آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ زہرہ کا محل ہے اور دوزخیوں کو غیر موزوں صدائیں' بُری آوازیں' نوحہ' بین'

marfat.com
Marfat.com

زفیر اور شہیق یاد دِلانا اس کا کام ہے اور اس جہان کے گویے کے منصب پر ہے۔

اور آٹھواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ دوسرے آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ عطارد کی جائے قرار ہے اور ایک گروہ کی خبریں دوسرے گروہ کو پہنچانا اور دوزخیوں کے عذاب کی کیفیت ایک دوسرے پاس نقل کرنا تا کہ اسے سُن کر ان کے قریبیوں اور دوستوں کے دل جلیں اور شدید حسرت دامن گیر ہو اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے بمنزلہ جاسوس' ہرکارے اور قاصد کے ہے۔

اور نواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ پہلے آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ چاند کی سیر گاہ ہے اور زخموں کو متعفن کرنا' بدبوؤں کو پیدا کرنا اور ان کے جسموں سے پیپ اور خون کو چشموں کی طرح جاری کرنا اس کا کام ہے اور وہ وہاں کے جراح کے منصب پر ہے۔

اور دسواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ کرۂ آتش کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور آگ جلانا' شعلے نکالنا اور دوزخیوں کے جسموں کو پکا کرنا اس کا شیوہ ہے اور وہ اس عالم کے باورچی کے منصب پر ہے۔

اور گیارہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ کرۂ ہوا کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور دُھواں اُٹھانا اور اسے دوزخیوں کے جسموں کے سوراخوں اور مساموں میں داخل کرنا اور زہریلی ہوا کو حرکت میں لانا اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے فراش کے منصب پر ہے۔

اور بارہواں فرشتہ بھی ضروری ہے کہ جو پانی کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور طبقۂ زمہریر کو سنوارنا اور دوزخیوں کے جسموں میں بے انتہا ٹھنڈک پیدا کرنا اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے امیر البحر کے مقام پر ہے۔

اور تیرہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ خاک کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور دوزخیوں کے جسموں میں زبردست بوجھ پیدا کرنا اور ان کا ہر دانت بہت بڑے پہاڑ کی مانند ہو جائے اور ان کی ہر ران دوسرے پہاڑ کی طرح تا کہ ان پر ہلنا اور چلنا دشوار ہو

marfat.com
Marfat.com

جائے اور اپنے اعضاء کو اٹھا نہ سکیں اور گالیاں بکنے والوں وغیرہم کو گرم راکھ کا سفوف بنا کر کھلانا اور اس قسم کے کام اس کے ذمے ہیں اور وہ اس جہان کے بمنزلہ پہلوان کے ہے۔

اور چودھواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ معدنیات کی روحانیت کے ساتھ متعلق رکھے اور زنجیر اور طوق درست کرنا اور لوہے کے دوسرے آلات کو آگ میں ڈال کر گرم کرنا اور سونے اور چاندی کی تختیاں بنانا تاکہ ان کے ساتھ دوزخیوں کی پیشانیوں، پشتوں اور پہلوؤں کو داغا جائے اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے لوہار کے منصب پر ہے۔

اور پندرہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ نباتات اور درختوں کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور زقوم کا درخت اُگانا اور دوسرے خاردار زہر آلود درختوں کو پالنا تاکہ وہ دوزخیوں کی خوراک میں صرف ہوں، اس کا ذمہ ہے اور وہ اس جہان کے بمنزلہ کسان کے ہے۔

اور سولہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جس کا تعلق حیوان کی روحانیت کے ساتھ ہو اور سانپ، بچھو، مکھی اور پسو کو دوزخیوں پر مسلط کرنا اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے بمنزلہ میر شکار کے ہے۔

اور سترہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ لطیفۂ طبع کے ساتھ تعلق رکھے جس کا مقام جگر ہے اور دوزخیوں کو بے انتہا بھوک اور پیاس دینا تاکہ الجوع الجوع اور العطش العطش کے عذاب میں گرفتار ہوں اور زقوم و حمیم کو کھا پی سکیں، اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے بمنزلہ طبیب کے ہے۔

اور اٹھارہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ لطیفۂ قلب کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جس کا محل مضغۂ صنوبری ہے اور دل کو دوزخیوں پر ستانے والی کیفیات جیسے بے انتہا خوف، بے حد گھبراہٹ اور بے پناہ شرم ساری ڈالنا اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے بمنزلہ مرشد اور شیخ کے ہے۔

اور انیسواں فرشتہ بھی ضروری ہے جس کا تعلق لطیفۂ عقل سے ہو جس کا محل دماغ

marfat.com
Marfat.com

ہے اور دوزخیوں کو اپنی ان غلطیوں پر تنبیہ جو کہ انہوں نے علم وعمل میں کی تھیں' امورِ حقیہ واقعیہ اور ان کے دلائل کی قوت اور اپنے شبہات کی خرابی کو دریافت کرنا' اس چیز کی عظمت کا ظہور کہ جسے حقیر سمجھتے تھے اور اس چیز کی حقارت کا ظہور جسے عظیم سمجھتے تھے' اس کی تعلیم سے حاصل ہوگا اور وہ اس جہان کے بمنزلہ حکیم اور فیلسوف کے ہے۔

اور چونکہ کارخانہ عذاب ظاہری اور باطنی طور پر ان روحانیات کے اجتماع کے بغیر پورا نہیں ہوتا اس لیے ان کا اجتماع ضروری ہوا لیکن یہ انیس (۱۹) افراد اس جہان کے بمنزلہ سرداروں کے ہیں جس طرح کہ دنیا میں بھی یہی انیس (۱۹) افراد کارخانہ رحمت کو سرانجام دیتے تھے اور ان کے خادموں' مددگاروں اور پیروکاروں کا کون ہے جو شمار کرے جیسا کہ دنیا میں ان انیس (۱۹) روحانیتوں کے لشکروں کو کوئی شمار نہیں کر سکتا تھا۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ

اور بعض محققین نے کہا ہے کہ چونکہ دوزخ نحوستوں اور دُکھوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے تو وہاں ہر چیز کی نحوست کا ایک ظہور لازمی ہوگا اور جہان میں نحوست کے اسباب انیس (۱۹) چیزوں میں منحصر ہیں۔ سات ستارے اور بارہ برج' ان انیس (۱۹) میں سے ہر ایک کی نحوست پہنچانے کے لیے ایک فرشتہ معین ہوگا جس طرح کہ جنت کے موکل فرشتے ان انیس (۱۹) چیزوں کو تمام سعادتیں اور برکتیں جنتیوں کے لیے جنت میں لے جائیں گے لیکن چونکہ جنتیوں کی سعادت کے اسباب ان انیس (۱۹) چیزوں میں منحصر نہیں ہوں گے بلکہ ان سعادتوں کے علاوہ دیگر سعادتیں ان کے لیے رحمتِ الٰہی کے مخفی خزانوں سے ظاہر کی جائیں گی اس وجہ سے جنت کے موکلوں کی تعداد اس میں منحصر نہ ہوئی۔

اور حکماء نے کہا ہے کہ دوزخ نفس انسانی کے فساد کی سزا ہے اور نفس انسانی کا فساد اس کی دو قوتوں میں جو کہ نظری اور عملی ہیں' لاحق ہوتا ہے اور وہ اس فساد کی وجہ سے حیوانی اور طبعی قوتوں کو اپنے موقع محل میں استعمال نہیں کرتا بلکہ ان قوتوں کو اس مقصد کے خلاف استعمال کرتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کی گئی ہیں تو ہر ضائع کی گئی قوت کے مقابلے میں لازماً ایک فرشتہ پیدا ہوگا جو کہ اس قوت کو ضائع کرنے پر عذاب دے گا اور حیوانی قوتیں

marfat.com
Marfat.com

بارہ (۱۲) ہیں: پانچ ظاہری حواس' پانچ باطنی حواس' قوتِ شہویہ اور قوتِ غضبیہ اور طبعی قوتیں سات ہیں: جذب کرنے والی' روکنے والی' ہضم کرنے والی' دُور کرنے والی' غذا کو جزوبدن بنانے والی' نشوونما کرنے والی اور پیدا کرنے والی۔

اور حساب والے کہتے ہیں کہ عدد کی دو قسمیں ہیں: قلیل اور ایک سے نو تک ہے اور کثیر اور وہ دس سے بے انتہا تک۔ پس اس عدد میں قلیل کی انتہا کو کثیر کی ابتدا کو جمع فرمایا گیا ہے۔

اور علمائے کلام نے کہا ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں' ان میں سے ایک ایمان والے فاسقوں کے لیے ہے اس دروازے پر ایک محافظ مقرر ہے اس لیے کہ فاسقوں کو صرف ترکِ عمل کی وجہ سے عذاب ہے اور بس اور باقی چھ دروازوں میں سے ہر ایک پر تین محافظ مقرر ہیں اس لیے کہ کفار کو تین چیزوں کی وجہ سے عذاب دیں گے' ترکِ اعتقاد' ترکِ اقرار اور ترکِ عمل

اور واعظوں نے کہا ہے کہ دن اور رات کے چوبیس (۲۴) گھنٹے ہیں' پانچ گھنٹوں کی پانچ وقتہ نماز کے احترام کی وجہ سے معافی ہوگئی اور ہر گھنٹے کے عوض کہ جسے مرضی الٰہی کی مخالفت میں صرف کر کے ضائع کیا ہے' ایک فرشتہ ہوگا جو کہ عذاب دے گا اور یہ کلام معتبر تفاسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

اور فقہاء نے کہا ہے کہ اس عدد کا راز بشری عقل دریافت نہیں کر سکتی جس طرح کہ تمام شرعی اعداد توقیفی کو جیسے آسمانوں' طبقاتِ زمین' ستاروں' ہفتہ کے دِنوں' نصابِ زکوٰۃ اور کفارات کے عدد' نماز کی رکعات کے عدد بلکہ پانچ وقتہ نماز کا عدد بھی اسی باب سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور معتبر تفاسیر میں مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی' ابوجہل لعین نے تمام قریشی مردوں کو دارالندوہ میں جمع کیا اور کہا کہ تم نے کچھ سنا کہ تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قیامت سے ڈرانا سب کا سب انیس (۱۹) پہرے داروں کے اعتماد پر ہے اور بس اور تم اتنی کثیر جماعت ہو اور اپنی بہادری کے برابر کسی کو کچھ نہیں سمجھتے ہو۔ آیا تم سے

marfat.com
Marfat.com

یہ نہیں ہوسکتا کہ تم میں سے دس دس آدمی ایک ایک پہرے دار کو چمٹ جائیں اور اسے مغلوب کر دیں۔ ایک مشہور پہلوان ابوالاسد نامی اُٹھا اور کہنے لگا کہ سترہ (۱۷) پہرے داروں کو تو میں اکیلا کافی ہوسکتا ہوں' دو پہرے دار تمہارے ذمہ رہے۔ حق تعالیٰ نے ان کے اس مذاق کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا جَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ اور ہم نے صاحبانِ دوزخ نہیں کیے کہ جن کے حوالے جہنم ہے اور لوگوں کو اندر لانا اور باہر نکالنا ان کے ذمے ہے اور جس طرح صاحب ہم نشیں کو کہتے ہیں اسی طرح مالک اور متصرف کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے صاحب خانہ' صاحب مجلس یہاں صاحب اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اِلَّا مَلٰٓئِكَةً مگر فرشتے اور فرشتے کی طاقت تمہیں معلوم ہے کہ ان میں سے ایک ملک الموت ہے جو کہ ہزاروں کی جان ایک لمحے میں کھینچتا ہے اور اس کے مقابلے کی طاقت کوئی لشکر یا ہجوم نہیں کرسکتا۔ نیز اس جماعت کو فرشتے اس لیے بھی کہا ہے کہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے آدمی اور جن پر مہربان نہ ہوں اور رقت اختیار نہ کریں جیسا کہ بادشاہ جب کسی شہر یا گروہ سے انتقام لینا اور ان پر قہر کرنا چاہیں تو اس شہر اور اس گروہ کی جنس کے علاوہ کوئی حاکم اور عامل مسلط کرتے ہیں تاکہ ہم جنس اور مناسب ہونے کی وجہ سے مائل نہ ہو۔ نیز فرشتہ طبعی طور پر معصوم ہے' گناہ نہیں رکھتا۔ پس گناہ گاروں کو سزا دینے پر مقرر ہے۔ اس لیے کہ آدمی اور جنات کی جنس سے اگر گناہ گاروں کو' دوزخیوں کو عذاب دینے پر مقرر کیا جاتا تو اُن گناہ گاروں کی سزا انہیں نہ ملتی۔ اور اگر انہیں بھی دوزخ میں عذاب میں رکھتے تو انہیں عذاب دینے کے لیے کوئی اور گروہ درکار ہوتا اسی طرح سلسلہ چلتا تو تسلسل لازم آتا اور اگر اس کام پر نیکوں کو مقرر کیا جاتا تو بے گناہی اور معافی کے باوجود انہیں عذاب دینا لازم آتا اس لیے آدمی اور جن کا جسم آگ کی دائمی نزدیکی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ نیز اپنے ہم جنسوں' قریبیوں اور دوستوں کا عذاب دیکھنے کی وجہ سے ایک روحانی تکلیف اُٹھاتے جو کہ عذابِ جسمانی سے بالاتر ہے بلکہ ان سے ممکن نہ ہوتا کہ اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو اس سختی کا عذاب دیں اور ان پر تکلیف مالایطاق لازم ہو

marfat.com
Marfat.com

جاتی۔ بخلاف فرشتوں کے کہ ان رکاوٹوں میں سے انہیں ایک رکاوٹ بھی نہیں۔ اور اگر کسی کے خیال میں یہ بات آئے کہ جب دوزخ کی مہم پر فرشتوں کی ڈیوٹی لگا دی گئی اور فرشتوں کی طاقت اس قدر ہے کہ ان میں سے ایک فرشتہ جہان کو ہلاک کر سکتا ہے۔ پس انیس (۱۹) فرشتوں کی کیا ضرورت ہوئی؟ ہم کہتے ہیں

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اور ہم نے دوزخ کے موکلوں کی گنتی انیس (۱۹) نہیں کی ہے۔

اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مگر ان لوگوں کو مختلف قسموں کا عذاب دینے کے لیے جو کہ کفر میں مر گئے تا کہ وہ عذاب کی تمام اقسام میں گرفتار ہوں اور اگر ہم ایک یا دو یا تین افراد کو دوزخ پر مقرر کرتے تو وہ ایک یا دو یا تین قسم کا عذاب دے سکتے اور بس جب انیس (۱۹) افراد اس کام پر مقرر ہو گئے تو وہ انیس (۱۹) قسم کے عذاب کی ڈیوٹی سرانجام دیں گے اور عذاب کی اقسام انہیں انیس (۱۹) قسموں میں منحصر ہیں۔ پس ان کے حق میں ان اقسام کو پورا کرنا متحقق ہو جائے گا جیسا کہ انیس (۱۹) اقسام کو پورا کرنے اور ان کے حصر کی وجہ گزر چکی اور قوتِ ملکی کمیت کے اعتبار سے اعمال کی کثرت کو اور کیفیت کے اعتبار سے اعمال کی شدت کو پورا کرتی ہے اور ان میں سے ایک فرشتہ لاکھوں کام سرانجام دے سکتا ہے لیکن عمل کی مختلف اقسام پر پورا نہیں اُترتا' ان میں سے ایک فرد سے یہ نہیں ہو سکتا کہ دو قسم یا تین قسم کے کام سرانجام دے سکے۔ مثلاً ملک الموت بچے میں روح نہیں پھونک سکتا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بارش نہیں برسا سکتے اور حضرت میکائیل علیہ السلام وحی نازل نہیں کر سکتے جیسا کہ کان دیکھ نہیں سکتا اور آنکھ سُن نہیں سکتی اگر چہ اپنے کام کی قسم میں ہزاروں مشکل کام سرانجام دیں۔ مثلاً کان کے لیے ممکن ہے کہ ہزاروں آوازیں سنے اور نہ تھکے اور آنکھ کے لیے ممکن ہے کہ ہزاروں رنگ دیکھے اور عاجز نہ ہو۔ پس اگر ایک فرشتے کو ہم دوزخیوں کے عذاب پر مقرر کرتے تو اس سے سب دوزخیوں کو ایک قسم کا عذاب ممکن ہوتا اور دیتا لیکن عذاب کی دوسری اقسام جو اس سے متعلق نہ ہوں نہ اس سے ممکن ہیں اور نہ وہ ان قسموں کا عذاب کرے گا اور اس طرح کفار کے حق میں

marfat.com
Marfat.com

عذاب کی اقسام کو پورا کرنا اور ہر نوع اور ہر قسم کے لیے جدا فرشتہ مقرر کرنا۔

لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ اس لیے ہے کہ جنہیں کتاب دی گئی ہے وہ پورا یقین حاصل کر لیں اور انہیں معاملاتِ الٰہیہ کے اسرار کو سمجھنے کی مشق فرشتوں کے احوال و افعال پر اور اس بات پر کہ ان کی قوت کس چیز میں کمال رکھتی ہے اور کس چیز میں کمال نہیں رکھتی اور اس پر کہ کامل علی الاطلاق اور قوی حقیقی باری تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں اطلاع حاصل ہے۔ نیز اگر انہوں نے اپنی کتابوں میں اس عدد کی بابت سنا ہے اور وہ اس عدد کی وجہ نہیں سمجھتے تو اس نکتے کی وجہ سے کہ اس عدد سے عذاب کی اقسام کو پورے طور پر حاصل کرنا منظور ہے ان کی تسلی ہو جائے اور انہیں اس عقیدے پر پورا اطمینان حاصل ہو اور اس رسول علیہ السلام اور اس تازہ نازل شدہ کلام کا اپنی جان پر احسان مانیں۔ پس لِيَسْتَيْقِنَ اور اس کے معطوفات میں لام تعلیل اس کلام کے ساتھ متعلق ہے جو کہ سابقہ استثناء کی نفی کے ماسے ذہن میں حاصل ہوئی یعنی وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا تاکہ جو لوگ پہلے سے آپ پر ایمان رکھتے ہیں اپنے ایمان میں زیادہ ہو جائیں اور جان لیں کہ کفر نہایت مضر ہے اور ہر قسم کا عذاب چکھنے کا موجب ہوتا ہے۔ پس ایمان میں پورے طور پر داخل ہو جانا چاہیے اور کفر سے مکمل دُوری چاہیے۔

وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اور شک نہ کریں وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی اور ایمان والے انیس (۱۹) کے عدد کے تعین میں اور یہ نہ کہیں کہ اگر بے شمار دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے قوتِ ملکی پورا اُترتی ہے تو ایک فرشتہ بھی کافی تھا اور پورا نہیں اُترتی تو انیس (۱۹) افراد لاکھوں کے مقابلے میں کیا کر سکیں گے اس لیے کہ وہ اس بیان سے معلوم کر لیں گے کہ انیس (۱۹) کو مقرر کرنا اقسامِ عذاب کو پورے طور پر جمع کرنے کے لیے ہے نہ کہ عذاب پانے والوں کے مقابلے کے لیے

وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور تاکہ وہ لوگ کہیں جن کے دلوں میں جہالت کی بیماری ہے اور اس جہالت کی وجہ سے ان کا ایمان ضعیف اور کمزور ہے

marfat.com

Marfat.com

وَالْكٰفِرُوْنَ اور کفار بھی جو کہ بالکل ایمان نہیں رکھتے اور ان میں جہل مرکب راسخ ہو چکا ہے۔ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا کہ خدا تعالیٰ نے اس عدد کے ساتھ کس چیز کا ارادہ فرمایا ہے جو کہ کافروں کو عذاب دینے کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ مثلث مثلاً اس لیے کہ اگر دوزخیوں کا مقابلہ اور انہیں مغلوب کرنا مراد ہے تو انیس (۱۹) سے بھی نہیں ہو سکتا اور اگر عذاب دینے کے اسباب سرانجام دینا اور آگ جلانے کے لیے ایندھن اور موٹی لکڑیاں فراہم کرنا مراد ہے تو بھی اس تھوڑی تعداد سے نہیں ہو سکتا اور اگر ارادہ فرمایا ہے کہ میں اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ ان کے ہاتھوں عذاب دوں گا تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اگر اسبابِ ظاہری کی رعایت کی بناء پر انہیں مقرر فرمایا جاتا تو ایک فرشتہ اور دو فرشتے بھی کافی تھے اور بالفرض اگر کوئی عدد ہی مقرر کیا تھا تو اعتبار کے ساتھ مشہور اعداد میں سے مقرر کیا ہوتا جیسے دس (۱۰) اور بیس (۲۰) جو کہ اعداد کی گرہیں ہیں یا پندرہ' سترہ' بارہ مقرر فرمائے جاتے۔ یہ عدد جو کسی جگہ اور کسی فرقے کے ہاں معتبر نہیں' کیوں مقرر کیا گیا؟

اور احتمال ہے کہ نسبت ایقاعیہ سے لفظ مثلاً تمیز ہو یعنی اس عدد سے کیا مثال دینے کا ارادہ فرمایا ہے۔ گویا وہ کہتے ہیں کہ اس عدد کا ظاہر تو یقیناً مراد نہیں ہے تو اس عدد کا ذکر کسی اور چیز کی مثال دینے کے لیے ہوگا۔ وہ چیز کیا ہے؟ بیان کیجیے تا کہ ہمارے دل میں بیٹھ جائے۔

لیکن پہلی توجیہہ میں کہ مثلاً کو فعل محذوف مثلث کا مفعول قرار دیا جائے اس بات کا ایک لطیف اشارہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام معاملات اور اس کے عجیب واقعات میں یہ ضعیف الایمان لوگ اور کافر اسی قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں اور اعتراض اور بحث کرتے ہیں۔

اور جب اس واقعہ میں دو گروہوں' اہلِ کتاب اور ایمان والوں کے لیے ہدایت پر ہدایت نصیب ہوئی اور دو گروہوں' ضعیف الایمانوں اور کافروں کو گمراہی پر گمراہی ملی' اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی عبرت کے لیے ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ یونہی ہر واقعہ میں اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے

marfat.com
Marfat.com

اس طرح کہ اس واقعہ کے بھید اور باطن سے اس کی نظر بند کر دیتا ہے اور واقعہ کی ظاہری صورت پر اس کے فہم کو قاصر کر دیتا ہے تو ناچار شک و تردد یا انکار و استہزاء میں پڑ کر گمراہ ہو جاتا ہے۔

وَيَهْدِي مَنْ يَشَآءُ اور جسے چاہے ہدایت فرماتا ہے اس طرح کہ اس کی نظر کو اس واقعہ کے بھید اور باطن میں جاری کر دیتا ہے اور وہ اس کام کی حقیقت کا سراغ لیتا ہے اور اس کا سکون و اطمینان زیادہ ہو جاتا ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کے لشکروں میں سے بعض جیسے ملک الموت علیہ السلام اکیلے ہی حملہ آور ہیں کہ لاکھوں کو تن تنہا کافی ہیں جیسا کہ دنیا میں سورج اور چاند بعض دو دو مل کر کام کرتے ہیں جیسے کراماً کاتبین دو آنکھیں اور دو کان بعض تین تین اور بعض چار چار موالید ثلاثہ یعنی حیوانات' نباتات اور جمادات اور عناصر اربعہ یعنی آگ' پانی' ہوا اور خاک بعض پانچ پانچ جیسے حواسِ خمسہ یعنی دیکھنا' سننا' سونگھنا' ٹٹولنا اور چکھنا' خمسہ متحیرہ یعنی پانچ ستارے زہرہ' عطارد' مریخ' مشتری اور زحل بعض چھ چھ جیسے چھ سمتیں' بعض سات سات جیسے سات آسمان اور سات ستارے اور بعض آٹھ آٹھ جیسے مزاج اور آٹھ جنتیں علیٰ ہذا القیاس

پس ایمان والوں کو اجمالی طور پر اتنا عقیدہ رکھنا چاہیے کہ دوزخ کا کارخانہ انیس (۱۹) ملائکہ کو جمع کیے بغیر پورا نہیں ہوتا کہ حق تعالیٰ نے اس عدد کو اس کے کارکنوں کے لیے مقرر فرمایا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کی تفصیل جن کی اس کے ہر قول اور ہر قرارداد میں رعایت کی گئی ہے' اکثر عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے' بیان کرنے کے لائق نہیں اور نہ ہی وہ غرض جو قرآن پاک اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں دوزخ کا ذکر کرنے میں پیش نظر ہے' ان حکمتوں کے بیان پر موقوف ہے۔

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ اور وہ دوزخ نہیں ہے مگر آدمیوں کے لیے ایک نصیحت و عبرت کہ اس کے حالات سُن کر اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر سے ڈریں اور اس کی

marfat.com
Marfat.com

نافرمانی نہ کریں اور اگر کفار کہیں کہ اگرچہ اس عدد کی حکمت ہمارے فہم کے ادراک میں نہیں لیکن اس کا خلاف حکمت ہونا ظاہر ہے اس لیے کہ یہ عدد بہت قلیل ہے اور عدد قلیل عبرت اور خوف کا موجب نہیں ہوسکتا۔ ہم کہتے ہیں:

كَلَّا وہ اس عدد کو قلیل نہ سمجھیں وَالْقَمَرِ مجھے چاند کی قسم کہ پور کے مہینے میں انیس (۱۹) راتیں اس کا نور محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ سورج کے ساتھ جمع ہونے کے وقت اس کا نور اصلاً محسوس نہیں ہوتا اور اجتماع سے پہلے بھی چار روز نور کمزور ہو جاتا ہے کہ اسے دوسرے ستاروں سے اتنا امتیاز حاصل نہیں ہوتا اور اجتماع کے بعد ہلال ہونے کے دنوں میں بھی تین دن اور ایک کسر اسی طرح کا ہوتا ہے اور یہی انیس (۱۹) راتیں اس کے نور کی تاثیر میں کفایت کرتی ہیں اور جہان اس نور کی کیفیت سے لبریز ہوتا ہے اور ہزاروں پھل نشو ونما پاتے ہیں اور کھیتی کے ہزاروں دانے موٹے اور پُر مغز ہوتے ہیں اور دریا' نباتات' حیوانات کے اجسام' ان کے اخلاط' دماغ' چربی اور گوشت میں رطوبتوں کی زیادتی اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اس انیس (۱۹) کے عدد نے اتنی عظیم تاثیر پیدا کی کہ ایک جہان آباد کر دیا اور یہ عمدہ کام سرانجام دیا۔

وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ اور رات کی قسم جبکہ پیٹھ پھیر کر بھاگے سورج کے غالب نور کے قریب پہنچنے کی وجہ سے حالانکہ ابھی سورج اُفق کے نیچے ہوتا ہے اور زمین کے مخروطی سائے اور سورج کی ٹکیہ کے درمیان انیس (۱۹) درجے کا فاصلہ ہوتا ہے۔ پس سورج کے نور نے ان انیس (۱۹) درجوں کے ضمن میں اس قدر قوی تاثیر دکھائی کہ زمین کے مخروطی سائے کو جس نے آدھے جہان کو طاقت اور غلبہ اختیار کر کے قبضہ میں لے رکھا تھا' اپنی ایک ٹھوکر سے شکست دے دی اور بھگا دیا اور جہان کو تاریکی سے روشنی میں لا کھڑا کیا اور ایک عمدہ کام سرانجام دیا اور مرنے کے بعد زندگی کی صورت ظاہر ہوئی۔

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ اور صبح کی قسم جبکہ روشن ہوتی ہے جو ابھی اُفق سے انیس (۱۹) درجے نیچے واقع ہے۔ پس میں ان تین عمدہ کاموں کے ساتھ جو کہ زمان و مکان میں انیس (۱۹) کے عدد کی تاثیر سے سرانجام پاتے ہیں اس بات پر استدلال کرتا ہوں کہ:

marfat.com
Marfat.com

اِنَّهَا لَاِحۡدَی الۡکُبَرِ تحقیق وہ دوزخ بھی خداتعالیٰ کے عمدہ کارخانوں میں سے ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ عدالت وانتقام نے اس کارخانے میں ظہور فرمایا ہے اگر انیس (۱۹) فرشتوں کے عدد سے سرانجام پائے تو کیا بعید ہے کہ اس کی قدرت کے عمدہ کارخانے اسی عدد سے پورے ہوئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ دوزخ نَذِیۡرًا لِّلۡبَشَرِ آدمیوں کے لیے ڈرانے والی ہوئی ہے کہ جو چیز اس کے اوصاف سے ہوتی ہے ان کے ڈرنے کا سبب ہوتی ہے جبکہ دوسرے کارخانے جیسے چاند کے نور کی تاثیر' رات کا جانا اور صبح کا آنا' ان کے ڈرنے کا موجب نہیں ہوتا ہے۔ پس اس کارخانے سے ڈرنے کی وجہ سے اس کے حال میں غور وفکر نہیں کرتے اور اس کی حقیقت کا سراغ نہیں لگاتے اور انکار کے ساتھ پیش آتے ہیں جبکہ دوسرے کارخانوں میں منفعتوں کی امید اور ان میں رغبت کی وجہ سے گہری نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے اسباب کو سمجھتے ہیں اور حکمت اور ہیئت کی کتابوں میں لکھتے ہیں اس وجہ سے ان کارخانوں میں کوئی بعید سمجھنا اور انکار کرنا پیش نہیں آتا اور اگر ان کارخانوں سے کچھ خطرہ بھی ہوتا ہے تو افرادِ بشر میں سے بعض کے ساتھ خاص ہوتا ہے جیسے کہ چور چاند کی روشنی' رات کے جانے اور صبح کے آنے سے ڈرتے ہیں نہ کہ ان کا غیر اور دوزخ کا ڈر عام ہے۔

لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّتَقَدَّمَ تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو کہ خیر اور شر کے کاموں میں آگے جانا چاہے۔

اَوۡ یَتَاَخَّرَ یا کہ ان میں پیچھے رہنا چاہے اس لیے کہ شر کے کام میں آگے بڑھنے کی وجہ سے بھی دوزخ کا خطرہ لاحق ہوتا ہے اور کارِ خیر میں تاخیر کرنے کی وجہ سے بھی اس کا ڈر رہتا ہے اور جو شخص ہر کارِ خیر میں آگے بڑھے اور ہر شر کے کام سے پیچھے رہے گا' نادر اور کامیاب ہے اور نادر معدوم کی طرح ہے۔ بیشتر انسانی افراد اگر شر کے کام سے تاخیر کرتے ہیں' کسی دوسرے شر کے کام میں آگے بڑھتے ہیں اور اگر کارِ خیر میں آگے بڑھتے ہیں تو دوسرے کارِ خیر میں پیچھے بھی رہ جاتے ہیں۔ پس اس کا خطرہ ہر کسی کو لاحق ہوتا ہے اسی لیے اس دوزخ کی گرفت اور پکڑ قیامت کے روز بھی عام ہوگی اس لیے کہ:

marfat.com

Marfat.com

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ہر نفس اس کے عوض جو اس نے کمائی کی ہے' برا کام کرنے یا نیکی میں کوتاہی کرنے سے رَهِيْنَةٌ دوزخ اور اس کے موکلوں کی قید میں ہوں گے اور چونکہ ہر نفس میں کمائی کے آلات انیس (۱۹) چیزیں ہیں: دو ہاتھ' دو پاؤں' زبان' دل' اعضائے تناسل' پیٹ' پشت' حواسِ خمسہ' عقل' وہم' خیال' شہوت اور غضب تو دوزخ کے انیس (۱۹) موکل اسے ضرور عذاب اور ملامت کریں گے اور کوئی شخص کسی کوتاہی کے بغیر ان آلات کے استعمال میں نہیں رہا ہے یا اس نے ان آلات کو ان کے موزوں مقام کے غیر میں صرف کیا یا موزوں مقام میں صرف نہیں کیا۔ پس کسی کے لیے بھی دوزخ اور اس کے موکلوں کی قید سے رہائی کی صورت نہیں بنتی۔

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ مگر دائیں طرف والے جو کہ میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی پشت کی دائیں طرف سے نکلے تھے اور دنیا میں بھی ان کی علامت سچائی تھی اور محشر میں بھی عرش کے دائیں جانب کھڑے ہوئے اور انہوں نے اعمال نامے اپنے دائیں ہاتھوں میں پائے اور محشر کی دائیں جانب جو کہ جنت کی سمت ہے' روانہ ہوئے اس لیے کہ انہوں نے حق واجب ادا کر کے قید سے خلاصی پائی اور اپنا ذمہ پاک کر کے دوزخ کے موکلوں سے رہائی پائی اور داخل ہوئے۔

فِيْ جَنّٰتٍ باغات میں اس وجہ سے کہ ان کی روحانیت کی سمت غالب آئی اور انہیں دوزخ کے موکلوں کے ہاتھوں سے کھینچ لے گئی اور وہ ان باغات میں اس قدر مطمئن اور فارغ البال ہوں گے کہ ایک دوسرے سے

يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ پوچھتے ہیں گناہ گاروں کے متعلق کہ وہ کہاں گئے؟ اور انہیں کیا ہوا؟ گویا ان کے حال کی کوئی خبر نہیں رکھتے کہ وہ کس روسیاہی میں گرفتار ہیں اور جب وہ سن لیں گے کہ گناہ گاروں کو سقر میں لے گئے اور انہیں اس میں داخل کر دیا گیا تو ان گناہ گاروں کی طرف متوجہ ہو کر جھڑکی کے طریقے سے یا ازرہ تعجب خطاب کریں گے اور پوچھیں گے کہ:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ تمہیں سقر میں کونسی چیز لے آئی؟ اور عقل و دانش کے کامل

marfat.com
Marfat.com

ہونے کے باوجود تم سے ممکن نہ ہوا کہ تم ستر کی طرف کھینچنے والے اسباب کا جو کہ حیوانی اور طبعی قوتیں ہیں' مقابلہ اور دفاع کرتے تا کہ تمہیں دوزخ کے موکل جو کہ ان قوتوں کی صورت میں یہاں نہ کھینچ لاتے اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اس آیت میں اصحابِ یمین سے مراد ایمان والوں کے بچے ہیں جو کہ بے گناہ گئے ہیں اور وہ ستر اور اس کے موکلوں کی قید میں نہیں پڑیں گے اور بعض مفسرین نے اس قول کی تائید میں کہا ہے کہ یہ سوال بھی ان کے طفل ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ ابھی دوزخ میں داخل ہونے کا سبب نہیں پہچانتے۔ نیز حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ وہ بچے جب کافروں کا جواب سنیں گے کہ ہم اس وجہ سے دوزخ میں آئے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے' مسکنوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے' بُر وں کی صحبت میں بیٹھتے تھے' لایعنی کاموں میں وقت گزارتے تھے اور قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے۔ کہیں گے کہ ہم بھی یہی کام کرتے تھے لیکن قیامت کے دن کا انکار نہیں کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ تم روزِ قیامت کا انکار کر کے اس مصیبت میں گرفتار ہوئے۔

حاصلِ کلام یہ کہ اگر اصحابِ یمین سے مراد نیک بخت ہوں جیسا کہ قرآن مجید کا عرف ہے تو یہ سوال ازرہ تعجب یا جھڑکی کے طور پر ہوگا اور اس سوال کے جواب میں گناہ گار قالوا کہیں گے کہ ہم سے عملی اور علمی قوتوں کو عالم بالا کی طرف جذب کرنا اور کھینچنا ممکن نہ ہوا اس لیے کہ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ہم نماز گزاروں میں سے نہ تھے حالانکہ فرض نماز سب کی سب انیس (۱۹) رکعت تھیں۔ دو فجر سے' چار ظہر سے' چار عصر سے' تین مغرب سے' چار عشا سے اور دو صلوٰۃ اللیل سے کہ ان پر ایک رکعت کو طاق عدد کے لیے بڑھا کر وتر نام رکھا گیا ہے اس جہت سے بیس رکعت ہوئیں اور اگر ہم نماز پڑھنے والوں میں سے ہوتے' آج یہ انیس (۱۹) رکعت ہمارے کام آتیں تا کہ موکلوں کے انیس (۱۹) افراد سے رہائی دلاتیں۔ نیز دن رات کے چوبیس (۲۴) گھنٹے ہیں اور ان میں سے پانچ نماز کے لیے مقرر ہیں تا کہ باقی انیس (۱۹) گھنٹوں کا کفارہ ہو جائیں جب ہم سے نماز ادا نہ ہوئی' ان انیس (۱۹) گھنٹوں کا کفارہ ہمارے ہاتھ نہ آیا۔ ناچار غفلت کے ہر

marfat.com
Marfat.com

گھنٹے کے مقابلے میں ایک ایک موکل ہم پر مسلط ہو گیا۔

## نماز کے ارکان اور شرائط کا بیان انیس ہیں

نیز نماز کے ارکان اور شرائط سب کے سب انیس (۱۹) چیزیں ہیں۔جسم پاک ہونا' کپڑوں کا پاک ہونا' حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونا' قبلہ رُخ ہونا' فرض ستر کو ڈھانپنا' قیام' رکوع' سجود' قعود' تکبیر تحریمہ ہاتھ اُٹھا کر' قرأت' تسبیح و تکبیر کے اذکار' تشہد' درود و دعا' حضور دل' نیت سلام' ارکان میں اطمینان' نماز کے منافی قول اور عمل کا ترک کرنا اور دائیں بائیں جھانکنے کو ترک کرنا اور جب ہم نے نماز کو چھوڑ دیا' ان انیس (۱۹) چیزوں کے عوض ہمیں انیس (۱۹) موکل گرفتار کر کے لے گئے۔

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ اور ہم گدائے محتاج کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اس لیے کہ اگر ہم اسے ایک وقت بھی پیٹ بھر کر کھانا دے دیتے تو وہ کھانے کے وقت سے انیس (۱۹) گھنٹوں تک فراغت کے ساتھ وقت گزارتا اور اس کی انیس (۱۹) قوتیں جو کہ حیوانی اور طبعی ہیں' زندہ اور تازہ ہو جاتیں اور اگر وہ ان انیس (۱۹) گھنٹوں میں ان انیس قوتوں کے ساتھ کوئی نیکی اور کار خیر بجالاتا تو ہمارے اعمال نامے میں درج ہوتی کیونکہ اس کا باعث ہم ہوتے۔

## اس کھانے کی شرائط کا بیان جو کہ موجب اجر ہوتا ہے

نیز اسے کھانا پکا کر کھلانا جو کہ کامل اجر کا باعث ہو' انیس (۱۹) اعمال پر موقوف ہے۔ہل چلانا' بیج ڈالنا' پانی دینا' جانوروں سے کھیتی کی حفاظت کرنا' اسے کاٹنا' گاہنا اور بھس جدا کرنا' کھلیان کی حفاظت کرنا' کھیت سے آبادی تک غلے کی نقل و حمل' آٹا پیسنا' چھاننا' گوندھنا' روٹی پکارنا' نمک ڈالنا' سالن مہیا کرنا' احترام اور عزت کے ساتھ منگتے تک کھانے کی نقل و حمل' منگتے کے سیر ہونے کا انتظار کرنا اور جلدی نہ کرنا' اسے عزت و حرمت کے ساتھ رخصت کرنا' اس نیکی کا اس منگتے پر احسان نہ رکھنا اور اسے بار بار یاد نہ کرانا اگر ہم ایک منگتے کو اس طرح کھانا کھلاتے یہ انیس (۱۹) اعمال انیس موکلوں کے

marfat.com
Marfat.com

مقابلے میں ہمارے کام آتے۔

وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ اور ہم بُری صحبتوں میں بے ہودہ گفتگو کرنے والوں کے ساتھ بے ہودہ گفتگو کرتے تھے۔

## ان امور کا بیان جن سے پرہیز ضروری ہے

اور ان صحبتوں میں انیس (۱۹) آفات تھیں' پہلی آفت بے ہودہ گفتگو کرنا جیسے عورتوں کے حسن' دولت مندوں کی عیش و عشرت' بادشاہوں کے تکبر' ان کے اقتدار کے اسباب' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی جنگ کے واقعات کا ذکر کرنا' مذاہب باطلہ کو نقل کرنا اور فاسقوں کا فسق و فجور یاد کرنا۔ دوسری آفت ایک دوسرے کے کلام میں عیب گری اور طعن کرنا اور اس کلام کا خلل بیان کرنا۔ تیسری آفت مذاہب و اقوال میں از رہ تعصب و سخن پروری' جھگڑنا اور اپنے حقوق پورے لینے کے لیے جائز حد سے زیادہ جھگڑا کرنا۔ چوتھی آفت بات کو وزن' قافیہ' استعارہ اور اچھی تقریر کر کے سنوارنا اور مذمت و تعریف کے شعر پڑھنا اور ان شعروں کے مضامین سے لذت حاصل کرنا۔ پانچویں آفت جماع' بول و براز اور پردہ نشیں خواتین کے ذکر پر مبنی فحش گفتگو کرنا۔ نویں آفت کشادہ روئی کی حد سے زیادہ بلکہ ہم نشیں کے رنج و ملال کا موجب مزاح اور خوش طبعی کرنا۔ دسویں آفت بے گناہوں کو قبیح امور کے ساتھ تہمت اور بہتان لگانا۔ گیارہویں آفت مذاق کرنا اور مسلمانوں کی حرکات اور کیفیات پر ہنسنا اور مسلمانوں کے عیب نقل کر کے دوسرے لوگوں کو ہنسانا۔ بارہویں آفت وعدہ خلاف ہونا۔ تیرہویں آفت جھوٹ بولنا اور مبالغہ کرنا۔ چودھویں آفت لوگوں کے راز ظاہر کرنا اور ان کے گھریلو چھپے ہوئے امور کو برملا ظاہر کرنا۔ پندرہویں آفت بددعا کرنا' سولہویں آفت غیبت کرنا' سترہویں آفت عیب جوئی اور طعنہ زنی' اٹھارہویں آفت ایک دوسرے کے سامنے اس کی تعریف کرنا' انیسویں آفت اپنا' اپنی قوم اور اپنے بزرگوں کا فخر کروفکر کے ساتھ بیان کرنا۔ ان آفات میں سے ہر آفت نے ہمیں دوزخ کے موکلوں میں سے ایک ایک کی مصیبت میں گرفتار کیا۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ اور ہم روز جزا کا انکار کیا کرتے تھے۔

marfat.com

Marfat.com

## روزِ جزا کے واقعات کا بیان

اور روزِ جزا میں انیس (۱۹) دشوار واقعات ہیں اور ان میں سے جو واقعات پہلے نفخہ کے بعد رونما ہوں گے ان کی تعداد چھ (۶) ہے۔ پہلا واقعہ آسمان کا پھٹنا ہے دوسرا زمین کا زلزلہ ہے تیسرا ستاروں کا جھڑنا چوتھا سورج اور چاند کا بے نور ہونا پانچواں پہاڑوں کی حرکت اور چھٹا دریاؤں کا بھڑکایا جانا اور ان میں سے جو دوسرے نفخہ کے بعد رونما ہوں گے وہ تیرہ (۱۳) واقعات ہیں۔ مُردوں کا زندہ ہونا' میدانِ حشر میں لانے کے وقت انہیں گروہ گروہ کرنا' دھوئیں کا آنا اور اس کا محشر والوں کو گھیرے میں لینا' دوزخ اور سورج کی گرمی کی وجہ سے لوگوں کے جسموں سے پسینہ بہنا' میدانِ حشر میں کھڑے رہنے تک سایہ نہ پانا' قہرِ الٰہی کی تجلی کا ظہور' سوال' حساب' وزنِ اعمال' اعمال نامے دکھانا اور دائیں یا بائیں ہاتھوں میں اعمال نامے پکڑانا' محشر سے جنت یا دوزخ کی طرف روانہ ہونا' پلِ صراط سے گزرنا' جنت یا جہنم میں داخل ہونا۔

جب ہم نے روزِ جزا کی تکذیب کی' ہم نے ان تمام انیس (۱۹) واقعات کا انکار کیا' ہر واقعہ کے انکار کی جزا میں ایک ایک موکل ہمارے پیچھے پڑ گیا اور اس نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ اے کاش! ہم نے اپنی عمر کی ابتدا میں یہ بُرے اعمال کیے ہوتے اور آخر میں توبہ کر لیتے تاکہ ہمیں ان اعمال پر مواخذہ نہ ہوتا لیکن ہم اپنی بدشگونی کی وجہ سے ان اعمال پر بضد رہے۔

حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی اور موت کے بعد متنبہ اور بیدار ہونے کا کوئی فائدہ نہ ہوا کہ عمل اور توبہ کا وقت نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے نہ خود اپنے چھٹکارے کی فکر کی اور نہ ہی انہیں کسی اور طرف سے امداد و اعانت کی امید رہی۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ پس انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی۔

marfat.com
Marfat.com

## شفاعت کرنے والوں کا ذکر

اس لیے کہ اس دن شفاعت کرنے والے یا اعمال بدنیہ ہیں جن کا سردار نماز ہے یا اعمالِ مالیہ ہیں جن کا سردار مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور جب ان دونوں اعمال کی ان سے دشمنی ہوگی تو دوسرے بدنی اور مالی اعمال کی کیا طاقت کہ ان کے مقدمے میں دَم ماریں۔

یا شفاعت کرنے والے انبیاء علیہم السلام اور قرآنِ کریم ہیں اور یومِ جزا کی تکذیب کی وجہ سے جو کہ رسول علیہ السلام اور قرآنِ کریم کے ارشادات میں عمدہ ہے' رسول علیہ السلام اور قرآنِ کریم ان کی شکل سے بے زار ہوں گے۔ چہ جائیکہ ان کی شفاعت فرمائیں۔

یا اولیائے اللہ' علمائے کرام اور شہداء ہیں جبکہ ان کے بُری صحبتوں میں بیٹھنے' بے ہودہ گوئی میں تباہ ہونے' حرام چیزوں اور طعن و ملامت کو اپنانے اور اولیاء' علماء اور شہداء کے طور طریقے کی مخالفت کرنے کی وجہ سے وہ بھی ان ۔۔ بے زار اور متنفر ہوں گے کہ ان لوگوں نے دنیا میں ان کی محبت اور وعظ کی طرف ہرگز توجہ نہ کی اور وہ ان کے طور طریقے کے خلاف زندگی بسر کرتے تھے۔

اور جب انہیں اس قسم کا روزِ سیاہ درپیش ہے اور انہیں اس دن کی سختیوں میں کسی سے امداد و اعانت کی امید بھی نہیں تو انہیں چاہیے کہ اس روز کی سختیوں کے علاج کے متعلق پوچھ گچھ کریں اور جو بھی انہیں ان سختیوں کے علاج سے آگاہ کرے' اس کا احسان برداشت کریں اور وعظ و نصیحت کی تلاش میں خود پوری کوشش کریں۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ پس انہیں کیا ہے کہ قرآن پاک کی وعظ و نصیحت سے منہ پھیرے رہتے ہیں اور اس سے ان کی روگردانی انتہا کو پہنچ چکی اس لیے کہ کارِ خیر سے روگردانی کبھی بے سمجھی اور بے وقوفی کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ بچے کی علم حاصل کرنے سے روگردانی اور کبھی مصلحت سمجھنے کے باوجود طبعی نفرت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ نفع دینے والی دوا سے مریض کی روگردانی اور کبھی کسی مرہوم ضرر کے ڈر کی وجہ سے ہوتی ہے کہ عقل تو اس کا یقین نہیں کرتی لیکن وہم سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کام

marfat.com
Marfat.com

سے بھاگتا ہے جیسا کہ فصد اور پچھنے لگوانے سے مریض کی روگردانی ہلاکت کے اس خوف کی وجہ سے جو کہ اسے قوتِ واہمہ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور انہوں نے نصیحت سے روگردانی کی ان تینوں اقسام کو جمع کر رکھا ہے۔

كَاَنَّهُمْ گویا کہ وہ لوگ بے سمجھی' بے وقوفی اور قرآن پاک کی نصیحت سے نفرت طبعی اور خوفِ وہمی میں

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ بھڑکے ہوئے گدھے ہیں جو کہ غضب ناک قوی ہیکل دھاڑتے ہوئے شیر کو دیکھ کر بھاگے ہوں کہ بالکل پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے اور حالات کی تحقیق نہیں کرتے اور بھاگے ہی جاتے ہیں اور اپنے اس سب بھڑکنے اور روگردانی کرنے کو اس سمت متوجہ کرتے ہیں کہ ان کا غرور و تکبر گوارا نہیں کرتا کہ اپنے غیر پر نازل شدہ نصیحت سے نفع حاصل کریں اور نصیحت حاصل کریں۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ بلکہ ان میں سے ہر ہر شخص چاہتا ہے کہ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً اسے خدا تعالیٰ کی طرف کھلے صحیفے عطا کیے جائیں' بادشاہوں کے فرامین کی طرح نہ کہ لپٹی ہوئی اور پیچیدہ شقوں کی طرح کہ وہ اتنی عزت و اعتبار کا موجب نہیں ہوتیں۔ بخلاف کھلے احکام کے کہ جس کے نام صادر ہوتے ہیں' آدمی کی شان اور قدر بڑھتی ہے اور مرتبہ بلند ہوتا ہے اور ان کی یہ درخواست بالکل دیہات کے مزارعین اور کسانوں کی درخواست کی مانند ہے کہ ہر ایک اپنے نام بادشاہ کا حکم صوبے دار اور فوج دار کے واسطے کے بغیر چاہے اور کہے کہ جب تک ہم میں سے ہر ایک کے نام معتبر ایلچیوں کے ذریعے فرمانِ شاہی صادر نہ ہو' ہم اس صوبے دار اور فوج دار کی اطاعت نہیں کرتے اور ہم اس کے پاس حاضر نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کی بات سنتے ہیں۔

مفسرین نے روایت کی ہے کہ کفارِ مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ہم آپ کی پیروی ہرگز نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم میں سے ہر ایک کے نام آسمان سے ایک فرمان آپ کے واسطے کے بغیر نازل ہو اور صبح کے وقت ہمارے سرہانے پر پڑا ہو کہ اس حکم نامہ کے اوپر عنوان کے طور پر لکھا ہوا ہو۔ من رب العالمین الی فلان ابن

marfat.com
Marfat.com

فلاں اور اس حکم نامے میں ہمیں آپ کی پیروی کا حکم دیا جائے۔ حق تعالیٰ ان کی اس باطل فرمائش کے رد میں فرماتا ہے کہ:

كَلَّا وہ یہ خواہش نہ کریں اور یہ مقصد طلب نہ کریں اس لیے کہ آفات و بلیات سے بچنے اور جان بچانے کی فکر کے مقام میں غرور اور تکبر نہیں ہوتا' قریب المرگ مریض نہیں کہتا کہ میرا غرور اور تکبر گوارا نہیں کرتا کہ میں طبیب سے دوا پوچھوں اور اس کے کہے پر عمل کروں۔

بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے اور انہیں یقین نہیں کہ اس جہان میں ہمارے بُرے اعمال کی ہمیں سزا دی جائے گی تا کہ اس سزا سے بچنے کا کسی سے طریقہ پوچھیں اور کسی کی نصیحت پر عمل کریں پھر فرمایا کہ ان کی اس بات میں ایک اور خلل ہے۔

كَلَّا وہ یوں نہ سمجھیں کہ یہ نصیحت ہمارے غیر پر اُتری ہوئی ہے بلکہ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ تحقیق یہ قرآن پاک کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ اس کی جاگیر ہو نصیحت ہر کسی کا حق عام ہے جو ڈرے اسی کے لیے ہے اس لیے کہ بشری تصنیف نہیں ہے بلکہ کلام الٰہی ہے جو کہ اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اُتارا ہے۔ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جبرئیل علیہ السلام' قاری حضرات اور اساتذہ ایک واسطہ ہیں۔ پس وہ حق کی ایک یادداشت ہے جو ایک شہر کے مقرر جج کو لکھ کر دی گئی تا کہ حال اور مستقبل کے جس جج کے پاس پہنچے اس پر عمل کرے۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ پس جو چاہے اس قرآن کو یاد کرے اور اس میں غور و فکر کرے اور اس پر عمل کرے۔ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اور وہ اس قدر گنجائش دینے اور واضح فہمائش کے باوجود اس قرآن کو یاد نہیں کرتے۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ مگر تاوقتیکہ خدا تعالیٰ چاہے گا۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ ان میں سے بعض لوگ بہت سی جنگوں اور لڑائیوں' بے شمار جھگڑوں' قرآن پاک کے اوامر و نواہی کی مخالفت میں رسوائی اور ذلت لاحق ہونے' قبیلوں اور قریبوں کے ہلاک ہونے اور اس

marfat.com
Marfat.com

نعمتِ عظمیٰ اور عطیۂ کبریٰ کی ناشکری کی نحوست کی وجہ سے مال اور مرتبے کے نقصان کے بعد اسے سمجھ لیں گے اور اسے یاد کریں گے اور اس کی نصیحت سے فائدہ اٹھائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے اس وقت بھی یہ نصیحت حاصل کرنا اور قرآن پاک یاد کرنا قبول فرمالے گا اور انہیں ہدایت اور معافی عطا فرمائے گا اس لیے کہ:

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ وہی لائق تقویٰ ہے کہ اس سے ڈرنا چاہیے اور وہی ہے بخشش اور کرم کے لائق کہ اگرچہ آدمی بے شمار گناہوں اور بے پناہ مخالفتوں کے بعد تقویٰ کی راہ اختیار کرتا ہے' وہ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور معافی عطا فرماتا ہے اور یہ اس کے لطف و رحمت کے کمال کی وجہ سے ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے جناب حضرت رب العزت تعالیٰ شانہ وجل سلطانہ سے یہاں اختتامی حاشیے کے طور پر ایک عبارت نقل فرمائی ہے اس نقل کے الفاظ یہ ہیں کہ اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا قال ربکم عزوجل انا اھل ان اتقی فلا یشرك بی شیء فاذا اتقانی العبد فانا اھل ان اغفرله یعنی تمہارے رب عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ میری شان کے لائق ہے کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کو کسی کام میں شریک قرار نہ دے اور جب بندہ مجھ سے ڈر گیا اور شرک سے پاک ہوا تو میری شان کے شایان ہے کہ اس کے گناہ معاف کردوں اور بخش دوں۔

اور اس اختتامی گفتگو کا مقصد دو محذوف اعتراضات کو دُور کرنا ہے جو کہ یہاں سننے والے کے خیال میں آتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ تقویٰ کے قابل وہ ہے جس کا غضب اور دبدبہ غالب ہو جبکہ مغفرت اس کے شایان ہے جس کی رحمت اور لطف غالب ہو۔ پس ان دونوں صفات کو جمع کرنا اگر ہر ہر بندے کی نسبت سے ہے تو اجتماع ضدین لازم آتا ہے اور اگر بندوں کے مجموعے کی نسبت سے ہے کہ ایک جماعت سے تقویٰ طلب کیا جاتا ہے اور اپنا دبدبہ اور غضب ظاہر کیا جاتا ہے جبکہ دوسری جماعت کے ساتھ معاف کرنے

marfat.com
Marfat.com

اور بخشنے کا معاملہ کیا جاتا ہے اور ان کی نافرمانیوں اور گناہوں سے درگزر کی جاتی ہے تو خلافِ حکمت یا خلافِ عدل لازم آتا ہے اور جزا کا معاملہ اٹکل پر مبنی ہو جاتا ہے اور ایک قانون نہیں بنتا۔

مندرجہ عبارتِ مبارکہ سے اس اعتراض کا جواب یوں سمجھایا گیا ہے کہ ہر بندے کی نسبت سے ایک معاملہ ہے کہ پہلے تو اس سے تقویٰ طلب کیا جاتا ہے اور جب وہ تقویٰ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور بہت بڑے گناہ سے جو کہ شرک ہے باز آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تعمیل اور اس کے نواہی سے پرہیز کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمایا جاتا ہے اور اس کی کوتاہیوں سے درگزر کی جاتی ہے اور اس کے گناہ معاف فرما دیئے جاتے ہیں اور مغفرت کے مستحق ہونے یا نہ ہونے میں بندوں کا اختلاف مغفرت کی شرط حاصل کرنے میں ان کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی تقویٰ اختیار کرنے اور شرک سے پرہیز کرنے کا عزم۔ پس یہ معاملہ اٹکل سے نہیں اور حکمت و عدالت کے خلاف نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب ایک شخص نے تقویٰ اختیار کیا پھر اسے مغفرت کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے کہ تقویٰ کا معنی گناہ سے پرہیز کرنا اور امر کا بجالانا ہے اور اگر اس نے تقویٰ اختیار نہ کیا تو مغفرت اسے گناہ پر دلیر کرنا ہے اور وہ مغفرت کے لائق نہیں ہے؟ اس اعتراض کا جواب بھی اسی عبارت سے یوں سمجھا گیا کہ تقویٰ کے مختلف درجات ہیں اور اصل تقویٰ جو کہ مغفرت کا مدار اور شرط ہے اسی قدر ہے کہ شرک اور کفر سے پاک ہو جائے اور تعمیل اور پرہیز کا پختہ ارادہ کر لے جبکہ ابھی بے شمار کوتاہیوں میں بخشش کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ

marfat.com
Marfat.com

# سورۃ القیامۃ

مکی ہے اس کی چالیس (۴۰) آیات ہیں۔

## سورۃ القیامۃ کے سورۃ المدثر سے رابطے کی وجہ

اور اس سورۃ کے سورۃ مدثر کے ساتھ مربوط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ مدثر میں واقعہ قیامت کی ظاہری ابتدا کا ذکر ہے جو کہ نفخ صور ہے کہ فرمایا: فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ اور اس کی انتہا بھی مذکور ہے کہ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ اِلَّا اَصْحَابَ الْيَمِيْنِ فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ جبکہ اس سورۃ میں واقعہ قیامت کی باطنی ابتدا کا ذکر ہے جو کہ عقل اور روح کو حیرت میں ڈال دے گا کہ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ اور اس کی انتہا کا بھی ذکر ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ پس اُس سورۃ میں قیامت کے ظاہر کا بیان ہے جبکہ یہاں اس کے باطن کا ذکر ہے۔ نیز اس سورۃ میں قیامت کے واقعات میں سے پہلی چیز جو ذکر کی گئی ہے نقر ناقور ہے جو کہ کان سے ٹکرائے گی اور کان کے راستے دل کو دکھ پہنچائے گی اور متحیر کر دے گی جبکہ یہاں اس سورۃ میں قیامت کے واقعات میں سے پہلی چیز جو ذکر کی گئی برقِ بصر ہے یعنی نگاہ کا خیرہ ہونا ہے جو کہ آنکھ کو متاثر کرے گی اور اس راہ سے دل کو حیرت کے بھنور میں ڈال دے گی اور ظاہر کو باطن پر اور کان کو آنکھ پر مقدم رکھنے کی اس معجز کلام میں جگہ جگہ رعایت کی گئی ہے۔

نیز قیامت کے دن پہلے صور پھونکنے کی شدید آواز جہان کو زیروزبر کر دے گی اس

marfat.com
Marfat.com

کے بعد نورِالٰہی کی قہری تجلی نافرمانوں سے بدلہ لینے اور نیکوں پر انعام کرنے کے لیے ظہور فرمائے گی۔ پس واقع ہونے کے اعتبار سے بھی اس سورۃ کے مضمون کو اس سورۃ کے مضمون پر پہل حاصل ہے۔ اور اس کے علاوہ اندازِ کلام اور دونوں سورتوں میں مستعمل الفاظ بھی ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ وہاں کافر کے بارے میں دنیا میں فرمایا ہے کہ عبس و بسر جبکہ یہاں کفار کے بارے میں قیامت میں فرمایا ہے کہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ گویا اُس جہان کی ترش روئی اس جہان کی ترش روئی کی جزا ہے جو کہ آیاتِ قرآنی کے بارے میں کرتا تھا۔

اور وہاں فرمایا ہے بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً جبکہ یہاں فرمایا ہے بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ نیز اس سورۃ میں ایمان اور نیک اعمال نماز اور صدقات کو چھوڑنے پر قیامت کے دن کفار کی حسرت ان الفاظ میں مذکور ہوئی ہے۔ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ جبکہ اس سورۃ میں ایمان اور نیک اعمال کو چھوڑنے کی وجہ سے موت کے بعد کافر کا نقصان اُٹھانا اس عبارت کے ساتھ ہے کہ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى اور اس سورۃ میں کافر پر لعنت اس تکرار اور اس عبارت کے ساتھ مذکور ہے۔ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ جبکہ اس سورۃ میں اسی معنی کو اس تکرار اور اس عبارت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى اور اس سورۃ میں لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ فرمایا ہے جبکہ اس سورۃ میں يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ اس کے علاوہ دیگر لفظی اور معنوی موزونیتیں اور مناسبتیں ہیں جو کہ گہرے غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کی خوبی ہے کہ انہوں نے ترتیب کے وقت پہلی نظر میں ان تمام حقائق کو پالیا تو ان کا علم کتنا وسیع اور فہم کتنا تیز ہے۔

وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۃ قیامت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں قیامت کا آنا واضح

marfat.com
Marfat.com

ترین دلیل کے ساتھ ثابت فرمایا گیا ہے جسے سمجھنا بہت آسان ہے اور اپنے وجدان کی طرف رجوع کرنے کے بعد ہر کسی کو میسر ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر آدمی اس کے بعد کہ پورے شوق' ارادہ اور سچی رغبت کے ساتھ کسی کام کو بہمہ وجوہ اچھا اور نیک سمجھ کر عمل میں لاتا ہے اور اس وقت اسے جتنا بھی سمجھایا جائے کہ اس کام کا نتیجہ اچھا نہیں ہے' بہت بڑی قباحت لائے گا' ہرگز نہیں سمجھتا اور انکار کے شوق میں اس قدر غرق ہو جاتا ہے کہ اس کام کے دائیں بائیں نہیں دیکھتا اور آگے پیچھے کو ملاحظہ نہیں کرتا اور اچانک اس کام کی قباحت اور اس کے نقصان پر آگاہ ہوتا ہے اور اسے ہر سمت اس کام کی بُرائی نظر آتی ہے اور اس طرح دُکھ اور درد محسوس کرتا ہے کہ اس پر روحانی قیامت قائم ہو جاتی ہے اور اپنے آپ کی خود ہی ملامت اور مذمت شروع کر دیتا ہے اور اپنے اعضاء اور آلات کو جنہوں نے اس کام میں اس کے حکم کے تابع ہو کر اسے سرانجام دیا تھا' چاہتا ہے کہ سزا دے اور کہتا ہے کہ میں اس کو پھوڑ دوں اور اس ہاتھ کو کاٹ دوں' کیا کروں؟ وہ وقت ہاتھ نہیں آتا ورنہ میں بدلہ لیتا اور میں نہیں جانتا کہ اپنے دل کو کس طرح سزا دوں جس نے مجھ سے اس قسم کی حرکت کرائی۔

تو معلوم ہوا کہ آدمی کے کام اسے دھوکہ دیتے ہیں اور بعض اوقات اپنے آپ کو اچھی صورت میں ظاہر کر کے حکم چلاتے ہیں اور بعض اوقات نہایت قبیح شکل میں نمودار ہو کر اسے تباہ کرتے ہیں اور قیامت کا مفہوم اس سے جدا نہیں ہے کہ آدمی کے اچھے اور بُرے اعمال اپنی حقیقی شکلوں میں ظاہر ہوں اور جزا کا تقاضا کریں اور جزا کے لیے آلات اور اعضاء کو لوٹانا ضروری ہے۔ پس جسم کو لوٹانا اور روح کو پھر اس کے ساتھ متعلق کرنا ضروری ہوا۔ فرق یہ ہے کہ یہ ملامت' ندامت اور مذمت جو کہ اس دنیا میں آدمی اپنے حواسِ باطن میں پاتا ہے' ایک ایک عمل پر ہوتی ہے جبکہ موت کے بعد اپنی عمر کے سارے اعمال پر ملامت اور مذمت درپیش ہوگی اسی لیے اسے قیامتِ صغریٰ کہتے ہیں اور حشر ونشر کے روز نوعِ انسانی کے تمام اعمال پر ہوگی اور تمام اگلوں پچھلوں سے ہوگی اور ملامت کے اسباب اور اس نوع کے تمام افراد کی جزا کے اسباب اس دن ضروری ہوں گے اور

marfat.com
Marfat.com

اسی لیے اسے قیامتِ کبریٰ کہتے ہیں۔

پس آدمی قیامت کے انکار میں اس قدر غفلت کا شکار ہے کہ باطنی حواس سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ ہر لحہ اور ہر وقت قیامت کا نمونہ مجھ میں موجود ہے اور اس کا سبب دو چیزیں ہیں۔ بعض اوقات حق اور واقعیت کے ادراک کے لیے مستعد ہونا اور بعض اوقات اس کے ادراک میں غلطی کرنا اور یہ دونوں چیزیں میرا خاصہ اور میری ذاتی ہیں۔ بخلاف دوسری مخلوقات کے کہ یا تو ان میں ادراک کی استعداد نہیں جیسے حیوانات اور جمادات یا وہ ادراک میں غلطی نہیں کرتے جیسے ملائکہ تو مجھے قیامت کا قیام لازمی ہے ورنہ میں اپنی ذاتی خصوصیتوں سے نکل جاؤں اور انسان نہ رہوں۔ نیز اس سورۃ میں قیامت کی دونوں قسمیں صغریٰ اور کبریٰ بیان ہوئیں۔ قیامتِ کبریٰ کا بیان سورۃ کی ابتداء سے لے کر كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التراقی تک ہوگا جبکہ قیامتِ صغریٰ کا بیان كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ سے لے کر اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى تک ہے۔ پس اس سورۃ کو سورۃ قیامت کا نام دینا زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ قیامت کی اقسام کا احاطہ کرنے والی ہے اور اسے واضح ترین دلائل کے ساتھ ثابت کرنے والی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ میں قیامت کے دن کی قسم نہیں اُٹھاتا آدمی کے لیے اپنی کوتاہی پر حسرت واقع ہونے پر اس لیے کہ یہ حسرت اسے دنیا میں ہمیشہ لاحق رہتی ہے اور وہ متحیر رہتا ہے۔

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ اور میں آدمی کے ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں اُٹھاتا جو کہ قیامت قائم ہونے کا سبب ہے وقوعِ قیامت پر۔ اس لیے کہ وہ اپنے نفس کی حقیقت سے بے خبر اور غافل ہے اور نہیں سمجھتا کہ یہ نفس تجھے قیامت کو گرفتار کرائے گا اور بُرے کاموں کی جزا چکھنے کا باعث ہوگا اور قسم اس چیز کی اُٹھانی چاہیے جس کی حقیقت اپنے تمام لوازمات اور نتائج کے ساتھ مخاطب کی نظر میں نمایاں ہوتا کہ وہ اس سے استدلال کر کے اس کے مضمون کی صداقت کا سراغ لگائے جس پر قسم اُٹھائی گئی۔

marfat.com
Marfat.com

## نفس کی قسموں کا بیان

اور نفس لوامہ کے معنوں میں اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے' ان کے محققین نے کہا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے جس کی تین حالتیں ہیں اگر عالمِ بالا کی طرف مائل ہو اور نیکیوں اور عبادتوں میں خوش دِلی پیدا کرے اور شریعت کی پیروی میں سکون پائے' اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور اگر سفلی دنیا شہوتوں' لذتوں' عار' عیب' انتقام اور دشمنی کی طرف مائل ہو اور شریعت کی اتباع سے بھاگے' اسے نفسِ امارہ کہتے ہیں کہ روح کو بُرائی کا حکم دیتا ہے اور اگر کبھی سفلی دنیا کی طرف رغبت کرے اور شہوت اور غضب سے آلود ہو جائے اور کبھی عالمِ بالا کی طرف مائل ہو اور شہوت و غضب سے نفرت کرے اور اس پر نادم ہو اور اپنی خود ملامت شروع کر دے' اسے نفسِ لوامہ کہتے ہیں۔

اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ ہر آدمی کے جسم میں تین نفس ہیں: نفسِ مقدس کہ اسے ارواحِ الٰہی بولتے ہیں۔ وَنَفَخۡتُ فِيهِ مِن رُّوحِي اس کی شان میں ہے اور قل الروح من امر ربی اس کا بیان اور وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے ذکر اور محبت میں مطمئن اور اس کے تابع فرمان ہے' اسے مطمئنہ کہتے ہیں۔ دوسرا نفسِ منطبعہ جو کہ جسم کی تدبیر میں نیچے چلا گیا ہے اور شہوت اور غضب کے تقاضوں کو طبعی طور پر چاہنے اور ڈھونڈنے والا ہوتا ہے اور روح کو بار بار ان تقاضوں کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اس وجہ سے اسے امارہ کہتے ہیں اور تیسرا نفس ناطقہ کہ ظاہری اور باطنی حواس سے علم و ادراک جمع کرنا' مہیا کرنا اور اسے روح کے حضور پیش کرنا اس کا کام ہے' اسے لوامہ کہتے ہیں کہ نفسِ امارہ سے نامناسب کام واقع ہونے کے بعد اسے ملامت کرتا ہے اور اسے کاموں کے اچھے اور بُرے ہونے کا پتہ دیتا ہے اور اس نفس کو ملہمہ بھی کہتے ہیں کہ روح کی وساطت سے اس پر حق و صداقت پر مبنی امور کا الہام ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ ہر نفس قیامت کے دن لوامہ ہوگا اور اپنے آپ کو ملامت کرے گا اس لیے کہ اگر نیک ہوگا تو اس بات پر ملامت کرے گا کہ میں نے نیکی زیادہ کیوں نہ کی اور میں نے اپنے بعض وقتوں کو بے مقصد کیوں صرف

marfat.com

Marfat.com

کیا اور اگر بُرا ہوگا تو اس پر ملامت کرے گا کہ میں نے بُرا کیوں کیا؟ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اہلِ جنت کو کسی چیز پر حسرت نہیں ہوگی سوائے اس گھڑی کے جو کہ دنیا میں یادِ حق کے بغیر گزاری تھی اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا میں بھی مردِ مومن کی یہی شان ہے کہ ہمیشہ اپنی ملامت میں ہوتا ہے اس لیے کہ ہر آدمی کسی کوتاہی سے خالی نہیں ہوتا خواہ وہ کوتاہی معرفت اور اس کے مبادیات میں ہو اور خواہ عبادت' تقویٰ اور اس کی شرائط وآداب میں ہو۔

اور بعض نے کہا ہے کہ نفسِ مطمئنہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین کا نفس ہے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر اور محبت سے مطمئن اور خطرات و وساوس کی کھینچا تانی سے رہائی پائے ہوئے ہے۔

اور نفسِ ملہمہ صالح ایمان والوں اور ابرار کا نفس ہے اور نفسِ لوامہ توبہ کرنے والے گناہ گاروں اور نادم ہونے والے قصورواروں کا نفس ہے جبکہ نفسِ امارہ کافر اور فسق پر اصرار کرنے والے فاسق کا نفس ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ نفسِ لوامہ پرہیزگاروں کا نفس ہے جو کہ نافرمان نفسوں کو دنیا میں بھی ملامت کرتے ہیں اور آخرت میں بھی کریں گے اور حق یہ ہے کہ انسان کا نفس اپنی جبلت میں ملامت اور ندامت کے ساتھ موصوف ہے جیسا بھی ہو جیسا کہ تفسیر میں گزرا ہے۔

اور جب ثابت ہو گیا کہ قیامت آنے پر قیامت کے دن کی قسم اُٹھانا کفار کی غفلت کی وجہ سے بھی مفید نہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم ان دونوں قسموں سے جو کہ مطلب ثابت کرنے میں ایک عمدہ دلیل تھیں پھر کر قیامت کے بارے میں کفار کے شبہ کو زائل کرتے ہیں اور ہم پوچھتے ہیں کہ

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ کیا آدمی گمان کرتا باوجودیکہ وہ عقل اور فہم کے ساتھ ساری مخلوقات سے ممتاز ہے اور غور فکر اور ایک چیز کو دوسری چیز پر قیاس کرنا اپنی خصوصیتوں میں سے شمار کرتا ہے اور اس پر نازاں ہے اور اس سب عقل وشعور کے باوجود عقیدہ یہ رکھتا

marfat.com
Marfat.com

ہے اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ کہ ہم اس کی وسیدہ منتشر ہڈیوں کو دوبارہ زندگی کے لیے قیامت کے دن جمع نہیں کریں گے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ اخنس بن شریق کا داماد عدی ابن ابی ربیعہ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمسایہ تھا اور آپ نے اس کے اور اس کے سسر اخنس بن شریق کے بارے میں یہ دعا فرمائی ہے کہ اللھم اکفنی جاء السوء بارِخدایا! مجھے میرے بُرے ہمسائے کے شر سے کفایت فرما کہ وہ آپ کو بہت تکلیف دیتے تھے۔ ایک دن حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ ہمیں قیامت آنے سے ڈراتے ہیں اس دن کی کچھ کیفیت میرے سامنے بیان کیجئے' میں دیکھوں کہ عقل میں آتی ہے یا نہیں آتی۔ آپ نے اسے روز قیامت کی کیفیت' مُردوں کے زندہ ہونے اور باز پرس اور مواخذہ کے دوسرے واقعات کی خبر دی اس نے کہا کہ اگر مجھے اس دن کا معائنہ بھی حاصل ہو جائے پھر بھی یقین نہ کروں اور تصدیق نہ کروں اور کہوں کہ میں نے جو کچھ دیکھا' نظر بندی اور تصرف خیال کے عالم سے ہے' واقعی اور حقیقی ہرگز نہیں اس لیے کہ میری عقل اس بات کو قطعاً جائز قرار نہیں دیتی کہ خدا تعالیٰ مُردوں کی ان سب ہڈیوں کو جو کہ زمین کی مختلف اطراف میں بکھر چکی ہیں' جمع کرے اور پھر انہیں زندہ کرے۔ یہ سورۃ اس کے بعید سمجھنے کے رد میں نازل ہوئی' فرمایا:

بلیٰ کیوں نہیں البتہ ہم آدمی کی ہڈیوں کو جمع کریں گے' ہڈیوں کو جمع کرنا ہماری قدرت کے سامنے کیا چیز ہے بلکہ ہم اس سے بھی زیادہ کریں گے کہ اس کے تمام اعضاء اور اجزاء گوشت' پوست اور چھوٹی اور ریزہ ریزہ ہڈیاں درست کریں گے۔ قَادِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ اس بات پر قدرت رکھتے ہوئے کہ ہم اس کی انگلی کے سرے کی کھال کو ہموار اور درست کر دیں کہ حکیموں اور طبیبوں نے اسے اعضائے انسان میں سب سے زیادہ معتدل قرار دیا ہے اور اسے درست کرنا اس حقیقی اعتدال کو لوٹائے بغیر جو کہ اس میں تھا' ممکن نہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ آخری چیز جس کے ساتھ خلقت انسانی پوری ہوتی ہے' یہی کھال ہے اور سب سے زیادہ نازک ہے اور اس کی قوتِ حس بہت تیز ہے اور اسی لیے

marfat.com
Marfat.com

خالق کے اذن کے مطابق طبیعت سے ٹھنڈک' گرمی' رطوبت اور خشکی کی کیفیت کے احساس میں حاکم کر دیتی ہے اور اس کے مطابق کام کرتی ہے۔ نیز انسانی بدن کے طبقات کی انتہا کھال ہے اور ہڈیوں سے چند درجہ اوپر واقع ہے اس لیے کہ اس کے اندر گوشت اور چربی ہے اور اس میں نسیں' جنبش کرنے والی رگیں اور گردن کی رگیں' اس کے بعد پٹھے' رباطات' عضلات اور جوڑ اور اس کے بعد ہڈیاں تو جب ہماری قدرت کام میں مصروف ہونے پر متوجہ ہوگی تو ہڈیوں کو جمع کرنا کیا بعید ہے کہ ہڈیاں جمع کرنے سے زیادہ سخت اور بڑے کام سرانجام دے گی اس کی دلیل بالکل ظاہر ہے اس لیے کہ جس نے ایک بار کام سرانجام دیا ہو' بار دگر وہ کام سرانجام دینا اسے کیا مشکل ہے تو معلوم ہوا کہ آدمی قیامت آنے کے انکار اور خدا تعالیٰ کی قدرت پر مُردے زندہ کرنے کی دشواری کے فیصلے میں اس مسئلے کی دقت' اس کے ماخذ کے مشکل ہونے اور اس کے راستے اور دلیل کے مخفی ہونے کی وجہ سے نہیں پڑا۔

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ بے باک ہو کر اس زندگی میں فسق و فجور کرے جو کہ اسے پیش آ رہی ہے اور باقی ہے اس لیے کہ اگر وہ روز جزا اور اعمال کی باز پرس کو اپنے دل میں جگہ دے تو فسق و فجور میں اس قدر بے باکی اس سے نہیں ہو سکتی۔ پس فسق و فجور کی محبت کی وجہ سے وہ نہیں چاہتا کہ قیامت کے متعلق گفتگو پر کان دھرے یا اس کی دلیل اور ماخذ میں غور و فکر کرے۔ اس وجہ سے اس سے صرف نظر کرتا ہے اور سرسری طور پر بے سوچے سمجھے اسے دُور خیال کرتے ہوئے اس بات کو اپنے دل سے مٹا دیتا ہے تاکہ اس کی زندگی تلخ اور لذت بے مزہ نہ ہو۔ اسی لیے عیب جوئی کے طریقے سے يَسْئَلُ پیغمبروں علیہم السلام' واعظوں اور نصیحت کرنے والوں سے پوچھتا ہے جو کہ اسے قیامت کے آنے سے ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس دلیل میں غور و فکر کر اور اس دلیل کو دیکھ تاکہ تجھے قیامت کے آنے کی تصدیق حاصل ہو۔

اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ کہ قیامت کا دن کب ہوگا جب تک وہ تاریخ کی قید کے ساتھ بیان نہ کریں' میں یقین نہیں کروں گا اور اس کی کسی دلیل میں غور و فکر نہیں کروں گا اور اس

marfat.com

Marfat.com

کا یہ سوال عیب جوئی اور تنگ کرنے کے لیے بھی ہے کہ کہتا ہے کہ جب تک اس کے وقت کو بیان نہیں کریں گے' میں اس کی تصدیق حاصل کرنے پر توجہ نہیں کروں گا۔ حالانکہ خوف والی چیز کا علم حاصل کرنا اس کے وقت کے علم پر موقوف نہیں ہے اور غلط فہمی کے طریقے سے بھی ہے۔ اس لیے کہ فوج اور بادشاہ کی خبریں جب تاریخ کی قید کے بغیر بیان کی جائیں' اتنی قابلِ اعتماد نہیں ہوتیں اور جب تاریخ اور وقت کے ساتھ بیان ہوں تو اکثر لوگ اعتبار کر لیتے ہیں۔ اس خبر کو بھی ان خبروں پر قیاس کر کے تاریخ اور وقت کی قید کا سوال کرتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ تاریخ اور وقت کی قید ان امور واقعہ میں جو کہ ہو چکے ہیں' خبر دینے والے کے علم کے اس واقعہ کے احاطہ کرنے پر دلالت نہیں کرتی اور اس مخبر کے سچ جھوٹ کی تحقیق آسان ہوتی ہے لیکن مستقبل کے متوقع امور میں تو چونکہ ابھی معرضِ وجود میں نہیں آئے ہیں' ان کی تاریخ اور وقت کے تعین کی تکلیف کرنا محض بے مقصد ہے۔ ان امور کے سچے جھوٹے ہونے کی تحقیق میں مخبر کے علم کی دلیل اور ماخذ کی قوت پر اعتماد کرنا چاہیے جس طرح کہ طبیبوں اور نجومیوں کے اندازوں میں اسی طرح تحقیق کرتے ہیں۔

اور ہر تقدیر پر خواہ ان کا سوال عیب جوئی کے طریقے سے ہو یا غلط فہمی اور بے تمیزی کے طور پر' قیامت کے دن اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا کہ یہ سوال کرنے والا متحیر ہو کر اس کے برعکس دوسرے بے جا اور بے موقع سوال شروع کر دے گا اور اس دن کی سختیوں سے چھٹکارا پانے کے طریقے اور مقامات کے متعلق سوال کرے گا۔ چنانچہ فرمایا: فاذا برق البصر تو جب آدمی کی بینائی خیرہ ہو جائے جس طرح کہ بجلی کی شدید چمک دیکھنے سے اس کی بینائی خیرہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ خیرگی اس دن قہر الٰہی کی تجلی کے نور کی شعاعوں کی شدت کی وجہ سے ہوگی جو کہ کافر و فاسق کی بینائی کی قوت کو متحیر اور مغلوب کر دے گی جیسا کہ سورۂ زمر میں فرمایا گیا ہے۔ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا

وَخَسَفَ الْقَمَرُ اور مطلقاً چاند کو بے نور کر دیا جائے اور وہ پنیر کے تھال کی طرح ہو جائے اس نور کی شعاعوں کی شدت کی وجہ سے نہ کہ زمین یا کسی اور چیز کے اس کے اور

marfat.com
Marfat.com

سورج کے درمیان حائل ہونے کی وجہ سے جیسا کہ دنیا میں ہوتا تھا اس لیے کہ یہ خسوف اسے لاحق ہوگا۔

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اس حالت میں کہ آفتاب اور ماہتاب کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے اور درمیان میں کوئی حائل ہونے والی چیز نہیں ہے تاکہ آفتاب کی شعاع کا عکس ماہتاب پر پڑنے سے مانع ہو۔ پس اس حالت میں چاند کا گہنا جانا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ سورج بھی مطلقاً پنیر کے تھال کی طرح بے نور ہو گیا ورنہ اس کا نور چاند میں جو کہ ایک صیقل شدہ جسم ہے اور درمیان میں کوئی چیز حائل بھی نہیں' ضرور عکس ڈالتا اور دنیا میں جبکہ سورج اور چاند ایک برج اور ایک درجہ میں جمع ہوتے ہیں' چاند گرہن محال ہو جاتا ہے ہاں اسے گھٹنا طاری ہو جاتا ہے کہ اس کا چمکنے والا چہرہ سورج کی طرف ہوتا ہے اور اس کا تاریک چہرہ زمین کی طرف' مطلقاً نور زائل نہیں ہوتا۔

پس روشنی کے سارے اسباب جو کہ دنیا میں تھے' سب دگرگوں ہو جائیں گے اور تجلی قاہر کے نور کو آدمی اپنے اعمال کی نحوست کی وجہ سے بینائی کے خیرہ ہونے کی بناء پر نہ دیکھ سکے گا' ناچار اسے زبردست حیرت لاحق ہوگی اور اس وقت

يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ انسان کہے گا جب اس متحیر کرنے والے قاہر نور کو ہر مکان میں پھیلا ہوا دیکھے گا۔

اَيْنَ الْمَفَرُّ کدھر جائے فرار ہے کہ میں اس حیرت اور دہشت سے بچ جاؤں اور اس وقت اس کا سوال جو کہ دنیا میں تھا کہ کہتا تھا اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ بدل جائے گا اور اس دن سے چھٹکارا پانے کی راہ پوچھنے لگے گا۔ اور جس طرح دنیا میں کمال سرکشی اور عناد کی وجہ سے وقتِ قیامت کے متعلق ایان کے لفظ کے ساتھ سوال کرتا تھا کہ اس لفظ کے ساتھ ان امور کے متعلق سوال ہوتا ہے جو بعید از امکان اور غیر متوقع ہوں جبکہ اس روز اپنے گریز کی جگہ کے متعلق اَيْنَ کے لفظ کے ساتھ پوچھتا ہے کہ اس لفظ کے ساتھ ان امور کا سوال ہوتا ہے جن کا حصول آسان اور واقع ہونا متوقع ہو۔ حالانکہ قیامت متوقع اور اس کا وقوع یقینی تھا اور اس دن گریز کی جگہ کا حاصل ہونا ناممکن۔ یعنی حیرت و دہشت

marfat.com
Marfat.com

کی وجہ سے اس کی گفتگو میں دیوانہ پن واقع ہو جائے گا جیسا کہ دنیا میں کمال سرکشی اور عناد کی وجہ سے خبطیاں مارتا تھا۔ نیز دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور واعظوں سے انہیں الزام دینے کے لیے سوال اور اعتراض کے طور پر قیامت کے وقت کا سوال کرتا تھا اور اس روز نگاہ کے خیرہ ہونے اور عقل کے حیران ہونے کی وجہ سے جب کسی کو نہیں دیکھتا کہ فرار کی جگہ کا پتہ دے' خود بخود بے ہودہ گوئی کے طور پر کہنا شروع کر دیتا ہے کہ اَیْنَ الْمَفَرُّ اَیْنَ الْمَفَرُّ اور جب انسان کی حالت حیرت' بے قراری' بے ہودہ گوئی اور خبطیاں مارنے کی اس حد تک پہنچ جائے تو اسے کہا جائے گا۔

کَلَّا ایسا بے جا سوال مت کر اور یہ لایعنی گفتگو مت کر۔ لَاوَزَرَ کہیں کوئی جائے پناہ نہیں ہے بلکہ جس چیز سے تو بھاگتا ہے' وہیں جانا چاہیے۔ اِلٰی رَبِّكَ تیرے پروردگار کی قہری تجلی کی طرف ہے۔ یَوْمَئِذِ ن الْمُسْتَقَرُّ اس دن جائے قرار اور کسی کو بھی اس تجلی کے قریب حاضر ہونے سے پیچھے رہنے کا چارہ نہیں یا خوشی کے ساتھ جاتا ہے یا اسے بالوں سے پکڑ کر کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اس کے بعد کہ آدمی چار ونا چار وہاں قرار پکڑے گا' اسے ایک اور حیرت اور دہشت لاحق ہوگی۔

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اس دن آدمی کو خبردار کیا جائے گا۔ بِمَا قَدَّمَ اپنے ان اعمال وافعال سے جو اس نے پہلے کیے تھے۔ خواہ وہ اعمال وافعال پہلے کرنے کے لائق تھے جیسے نماز سے پہلے وضو' تلاشِ معاش سے پہلے نماز' مال پر سال گزارنے سے پہلے زکوٰۃ دینا' حج سے پہلے عمرہ' فرض سے پہلے سنت' فقیروں کو خیرات دینے سے پہلے اپنے اہل وعیال اور قریبیوں کا حق ادا کرنا' دعا سے پہلے درود شریف اور وصیت جاری کرنے سے پہلے قرض ادا کرنا یا پہلے کرنے کے لائق نہ تھے جیسے وقت سے پہلے نماز' رمضان سے پہلے یوم ِ شک کا روزہ' نمازِ عیدالاضحیٰ سے پہلے قربانی' عشا سے پہلے نمازِ وتر' قرض ادا کرنے اور اپنے اہل وعیال کے ضروری حقوق ادا کرنے سے پہلے صدقہ دینا' والدین کی خدمت اور اپنے اہل وعیال کی خبر گیری سے پہلے جہاد' نفلی حج اور نفلی علم کی طلب میں سفر کرنا اور عدت گزارنے سے پہلے نکاح کرنا۔ علیٰ ہذا القیاس

marfat.com
Marfat.com

وَاَخَّرَ اور اپنے ان اعمال وافعال سے جو اس نے پیچھے کر دیئے' خواہ تاخیر کے لائق تھے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی کے بعد والدین کی خدمت' اپنی ضروری حاجات کو پورا کرنے کے بعد صدقہ دینا اور اپنے قریبیوں کے ساتھ احسان کرنے کے بعد اجنبیوں کے ساتھ احسان کرنا یا تاخیر کے لائق نہ تھے جیسے وقت گزرنے کے بعد نماز' مال پر سال گزرنے کے بعد بڑی تاخیر کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنا اور توبہ کے ممکن ہونے کے وقت کے گزرنے کے بعد توبہ کرنا۔

اور جب آدمی کو اعمال کی اس تقدیم وتاخیر سے اعمال نامے پیش کرنے اور زمین و آسمان اور روز وشب کے گواہ لانے کے ساتھ خبردار کریں گے تو حیرت زدہ ہوگا اور جان لے گا کہ جب جزا دینے کے لیے کارکنانِ قدرت نے اس ترتیب کو لکھ چھوڑا ہے اور اس کے متعلق پوچھتے ہیں اور اس پر جزا دیتے ہیں تو میرے نیکی اور بدی کے اصل اعمال کو کیوں نہ لکھا ہوگا اور ان کے متعلق کیوں نہ پوچھیں گے اور ان پر جزا کیوں نہ دیں گے اور اس پر بہت دہشت غالب ہوگی کہ بہت غور وفکر کا وقت ہے۔

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ماقدم سے مراد وہ عمل ہے جو کیا۔ نیک ہو یا بُرا اور ماأخر سے مراد وہ عمل ہے جو نہیں کیا اچھا ہے یا بُرا اور بعض نے کہا ہے کہ ماقدم سے مراد وہ مال ہے جو کہ آخرت کے ذخیرے کے لیے آگے بھیجا ہوگا اور ماأخر سے مراد وہ مال ہے جو وارثوں کے لیے چھوڑ گیا اور بعض نے کہا ہے کہ ماقدم وہ اچھے بُرے اعمال ہیں جو کر گیا ہے اور ماأخر اچھی بُری رسم اور طریقہ ہے جو پیچھے چھوڑ گیا ہے اور لوگ اس رسم اور طریقے کے مطابق کام کرتے ہیں خواہ وہ رسم نیک ہو اور اس شخص کے لیے اجر وثواب کا باعث ہو' خواہ بُری ہو اور قیامت تک اس شخص کے لیے بوجھ اور عذاب کا سبب ہو۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ جو شخص لوگوں میں نیک طریقہ اور رسم جاری کرتا ہے' اسے اس رسم اور اس طریقے پر عمل کرنے والوں کا ثواب ہوتا ہے اس کے بغیر کہ ان عمل کرنے والوں کا ثواب کم ہو اور جس نے لوگوں میں بُری رسم اور بُرا طریقہ جاری کیا' اسے اس بُری رسم اور طریقے پر عمل کرنے والے سب لوگوں کا وبال ہوتا ہے اس کے بغیر

marfat.com
Marfat.com

کہ ان عمل کرنے والوں کے وبال سے کچھ کم ہو۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں میں سے جو بھی ناحق خون کرتا ہے اس کا بوجھ اور وبال حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل پر لکھا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اس بُرے کام کی بنیاد اسی نے رکھی۔ امام مجاہد نے کہا ہے کہ ماقدم سے مراد وہ اعمال ہیں جو کہ اس نے جوانی اور اوّل عمر میں کیے ہیں جبکہ مااخر سے مراد وہ اعمال ہیں جو کہ بڑھاپے اور پچھلی عمر میں کیے۔

ہر تقدیر پر اسے ہر حرکت و سکون اور قول و فعل سے آگاہ کریں گے تاکہ اسے اس کے مطابق جزا دیں اگرچہ اس کے بارے میں اس آگاہ کرنے' نامۂ اعمال ظاہر کرنے اور گواہوں کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ بلکہ آدمی خود بخود اپنے اعمال پر مطلع ہوگا اس لیے کہ وہ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ اپنے نفس پر حجت کامل اور گواہ عادل ہے اس لیے کہ اس کے کسب کیے اعمال کی صورتیں اس کے نفس میں راسخ اور ثابت ہیں اس وقت کہ اس کے حواس باطنی قوی اور صاف ہو جائیں گے' ان صورتوں کو دریافت کرلے گا بلکہ حواسِ باطنی کی طرف رجوع کی حالت بھی نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ صورتیں عالمِ روحانیت کے رائج ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوں گی اور اعضاء کی صفات اور صورتیں بن جائیں گی۔ کچھ تو چہرے کے رنگ کی تاریکی اور روسیاہی پیدا کریں گی اور کچھ چہرے کے رنگ کی رونق اور سرخ روئی پیدا کریں گی۔ اسی قیاس پر تمام اجزا اور اعضاء میں ظہور کریں گی' وضو کرنے والوں کے چہرے' دونوں ہاتھ اور پاؤں روشن اور چمک دار ہوں گے اور زیور پہنے آئیں گے جبکہ خیانت کرنے والوں کو خیانت کردہ چیز گردن اور کندھے پر سوار کر کے اور شہیدوں کو رنگین خون کے ساتھ لائیں گے اور زانیوں کو پیپ اور بدبودار شرم گاہ کے ساتھ لائیں گے یہاں تک کہ آدمی کا ہر عضو ان اعمال کی گواہی دے گا جن کا اس سے ارتکاب کیا گیا اور بولے گا اور آدمی کو اقرار و اعتراف کے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ اگرچہ آدمی ترکش کے تیروں کی طرح اپنے تمام عذر ڈالے گا۔

marfat.com
Marfat.com

## قیامت کے دن لوگوں کو اپنے اعمال پر اطلاع کے تین مرتبے ہوں گے

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن آدمیوں کو اپنے اعمال پر اطلاع میں تین مرتبے حاصل ہوں گے' پہلے یہ کہ فرشتے ان کے سامنے ان کے اعمال نامے کھول کر پڑھیں گے اور پھر ان کے ہاتھ میں دے کر کہیں گے اِقْرَءْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا اس وقت لوگ اپنے غیر موزوں کاموں کا انکار کریں گے اور کہیں گے یہ ہم نے یہ کام نہیں کیے ہیں' ہم پر جھوٹ لکھا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ آسمان و زمین' روز و شب اور اعضاء و آلات ان کاموں پر گواہی دیں گے اور ان کے ذمے ثابت کریں گے کہ تم سے یہ کام صادر ہوئے۔ اس وقت وہ اقرار اور اعتراف کریں گے لیکن عذر بیان کرنا شروع کر دیں گے کہ فلاں کام ہم سے اس وجہ سے ہوا اور فلاں کام اس سبب سے اور ان کے عذر زیادہ تر اپنی جہالت اور نادانی ہوگی اور یہ کہ ہمارے رہنما ہمارے لیے ایک دین' آئین' رسم اور طریقہ مقرر کر گئے تھے اور ہم ان کی پیروی کی وجہ سے اس گرداب میں گرفتار ہوئے جیسا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کی زبان سے اسی قسم کے ناقابلِ قبول عذروں کی حکایت کی گئی ہے۔ اور جب اس دن ان عذروں کو بھی باطل اور ناقابلِ قبول قرار دے دیا جائے گا۔ تیسری بار حکم ہوگا کہ ہر کسی کو اس کا اعمال نامہ دائیں یا بائیں ہاتھ میں دے کر اس کے مقام اور ٹھکانے پر پہنچا دیں۔ فرشتے نیکوں کو دائیں ہاتھ میں دیں گے اور انہیں محشر کی دائیں جانب جو کہ جنت کی راہ ہے' روانہ کریں گے اور بُروں کو بائیں ہاتھ میں دے کر بائیں طرف جو کہ دوزخ کی راہ ہے' شدت اور سختی کے ساتھ ہانکیں گے اور بعض کو زنجیر اور طوق میں جکڑ کر لے جائیں گے اور بعض کو منہ کے بل گھسیٹیں گے۔

اور جب قیامت کے آنے سے آدمی کی غفلت' کمزور اور نامعقول شبہات کے ساتھ اس کا انکار' تجلی الٰہی کے نور قاہر کے اس دن ظہور کے وقت آدمی کی حسرت اور دہشت' اس کی بے چینی اور بے قراری اور اس کے بیان سے کہ اسے تقدیم ماحقہ التاخیر اور تاخیر ماحقہ التقدیم کی خبر دے کر باز پرس کی جائے گی' سے فراغت ہوئی اب اپنے

marfat.com

Marfat.com

رسول علیہ السلام کو بات میں بات کے طریقے سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کو اس ماجرا سے معلوم ہو چکا کہ تقدیم ماحقہ التاخیر اور تاخیر ماحقہ التقدیم قابلِ مذمت اور ناپسندیدہ ہے گرچہ امورِ خیر میں ہو۔ پس چاہیے کہ آپ ان دونوں کاموں سے خود کو محفوظ رکھیں خصوصاً قرآن اور اس کی تفسیر حاصل کرنے میں کہ اس علم پر کمال شوق اور حرص کی وجہ سے اس کا ارتکاب نہ ہو اور آپ سمجھتے ہیں کہ اس علم کے حاصل کرنے میں جتنی جلدی واقع ہو' بہتر ہے کہ کہیں نسیان واقع نہ ہو۔ پس

لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کے وقت آپ اس قرآن کو پڑھنے کے ساتھ اپنی زبانِ مبارک کو حرکت نہ دیں۔

لِتَعْجَلَ بِهٖ تاکہ لفظ قرآن کو یاد کرنے میں جلدی کریں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سبق کی ابتدا میں سے بعض الفاظ سبق کے آخری الفاظ سننے تک ذہن سے نکل جائیں اور جبرئیل ایک دفعہ پڑھ کر چلے جائیں اور بعض الفاظ فراموش ہو جائیں اس لیے کہ یہ جلدی اور شتابی پورا سبق سننے سے مانع ہے اس لیے کہ دل پڑھنے کے کام میں لگ جاتا ہے اور سننے کا کام رہ جاتا ہے اور آپ کو اس جلدی میں قرآن کے بعض الفاظ کے فراموش ہونے کا خوف ہے تو آپ مطمئن رہیں اس لیے کہ

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ تحقیق آپ کے سینے اور آپ کے حافظے میں پورے سبق کو جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کی پوری تلاوت ہمارے ذمے ہے۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ تو جب ہم وہ سبق آپ کی تعلیم اور آپ کو سنانے کے لیے جبرئیل کی زبان پر پڑھیں جو کہ ہمارا بھیجا ہوا اور قاصد ہے اور اس کا پڑھنا گویا ہمارا پڑھنا ہے۔

فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ تو اس کے پڑھنے کی پیروی کریں یعنی پہلے خاموش بیٹھ کر اس کے پڑھنے پر کان رکھیں اور اس کے بعد وہ پڑھ کر فارغ ہو جائے تو آپ انہیں مخارج' شد اور مد کے ساتھ پڑھیں تاکہ جبرئیل علیہ السلام کی موجودگی میں آپ کے پڑھنے اور جبرئیل کا آپ کا سبق سُن لینے کی وجہ سے بعض الفاظ کے رہ جانے یا مخارج' شد' مد' وصل اور وقف ادا کرنے کا طریقہ بھول جانے کا خطرہ بالکل زائل ہو جائے اور آپ مطمئن ہو جائیں۔

marfat.com
Marfat.com

پس جبرئیل کے پڑھنے کے دوران قرآن پڑھنا ایسی چیز ہے جو کہ واجب التاخیر ہے اور جبرئیل کے پڑھنے کو سننا اور اس پر توجہ کرنا ایسی چیز ہے جو کہ واجب التقدیم ہے۔ نیز جبرئیل کے پڑھنے کے دوران قرآن کے مشکل معنی کے متعلق سوال کرتے ہیں اور تحقیق کرتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ اگر جبرئیل علیہ السلام قرآن پڑھنے کے بعد اُٹھ کر چلے جائیں اور مجھے تفسیر معلوم نہ ہو تو تبلیغ کے وقت اگر مجھ سے اس کے معنوں کا سوال کیا گیا تو کیا جواب دوں گا حالانکہ چاہیے کہ آپ اس معاملے میں مطمئن رہیں اس لیے کہ

ثُمَّ الفاظ قرآن کی تعلیم اور اس کے مخارج' شد' مد' فصل اور وصل کی تصحیح کے بعد اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ تحقیق اس کے معنوں کو بیان کرنا بھی ہمارے ذمے ہے۔ پس سبق پڑھنے کے دوران قرآن کے معنوں کے متعلق سوال کرنا ایسی چیز ہے جو کہ واجب التاخیر ہے اور اس کے الفاظ کو صحیح کرنے پر توجہ کرنا ایسی چیز ہے جو کہ واجب التقدیم ہے۔

كَلَّا ایسا مت کریں کہ جس کی تاخیر واجب ہے' پہلے لانا اور جسے پہلے لانا واجب اس کی تاخیر کرنا قرآن پاک پڑھنے' پڑھانے اور دوسرے امورِ خیر میں بھی پسندیدہ نہیں اس لیے کہ اصل علم قرآن حاصل کرنے میں نقصان ہوتا ہے۔

لہٰذا اس آیت سے استنباط کیا گیا ہے کہ علم پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ عبارت پڑھنے کے دوران صاحب کتاب بمنزلہ استاذ ہے' سننے والے سننے کے سوا کسی اور کام میں مشغول نہ ہوں اور قاری کے ہمراہ نہ پڑھیں اور اگر چاہیں تو سننے کے بعد لوٹائیں پھر جب استاذ صاحب یا قاری تحت اللفظ ترجمہ بیان کریں اس وقت اس کے ہر پہلو کی تحقیق سامنے نہ لائیں جب الفاظ کی تصحیح اور ترجمہ تحت اللفظ کا بیان پورا ہو جائے تو پھر تحقیق کریں اور اسی طرح بحث کے دوران اعتراض کے درپے نہ ہوں بلکہ اس کے پورا ہونے کے بعد اگر وہ شبہ باقی رہ جائے تو تحقیق کریں اور یہ سب کچھ آدمی کی طبعی جلد بازی کی وجہ سے ہے جو کہ اس کی جبلت ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ

بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ بلکہ اے لوگو! تم سب دنیوی منفعت کو پسند کرتے ہو کہ جلد ہاتھ لگے اور فوراً مل جائے اور یہ جبلت انسانی کا تقاضا ہے کہ اس میں سب آدمی برابر

marfat.com
Marfat.com

ہیں۔ اتنا ہے کہ نیک لوگ اچھی منفعت دنیوی کو زیادہ پسند کرتے ہیں جبکہ بُرے لوگ بُری منفعت کو چاہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کی وجہ سے بہت مشقت اُٹھاتے تھے اس طرح کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے تھے اور قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کرتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کے دوران اپنی زبان اور لب ہائے مبارک کو آہستہ آہستہ حرکت دیتے تا کہ آواز بلند نہ ہو اور حضرت جبرئیل سے قرآن سننے سے مانع نہ ہو۔ نیز ہر ہر لفظ آپ کی زبان سے قرأت جبرئیل کے مطابق نکلے اور محفوظ نکلے۔ پس آپ کو ایک وقت میں دو کام بہت دشوار ہوتے تھے' حق تعالیٰ نے اس تکلیف کو رفع کرنے کے لیے آپ کو اس کام سے روک دیا اور آپ کو تسلی دِلائی کہ یہ مشقت برداشت کیے بغیر قرآن پاک آپ کے ذہن میں محفوظ اور آپ کی زبان پر پختہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رب العزت جل جلالہ کے فرمان کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تلاوت پر کان دھرے خاموش رہے اور جب حضرت جبرئیل قرأت سے فارغ ہو جاتے' آپ اسی انداز میں کسی فرق کے بغیر تلاوت فرماتے۔ پس آیت لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ میں اسی امر اور نہی کو امور خیر میں تقدیم و تاخیر کی رعایت پر فرع بناتے ہوئے دنیوی منافع کے مطابق انتقال فرمایا ہے اور مدعا یہ ہے کہ اگر چہ نیک کام درپیش ہو لیکن اس کی طلب میں جلدی نہیں کرنا چاہیے' ہو سکتا ہے کہ اس جلدی کی وجہ سے اس سے بہتر کوئی کام رہ جائے جیسا کہ لوگ دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت عمل میں لاتے ہیں اور اسی لیے عبارت میں تمام لوگوں سے خطاب فرمایا گیا ہے کہ تم سب دنیوی منافع کی محبت میں گرفتار ہو۔

وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو اور اس کی فکر نہیں کرتے ہو اس لیے کہ اسے دُور شمار کرتے ہو اور دنیوی منفعتوں کی محبت اور اُخروی منفعتوں سے غفلت بہت بڑی خرابی کا باعث ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حب الدنیا راس

marfat.com
Marfat.com

كل خطيئة

## دنیا کی محبت ہر خطا کا سر ہے

اور زیادہ مشکل یہ ہے کہ دونوں کی محبت جمع نہیں ہو سکتی' ان میں سے ایک کی محبت دوسرے سے بغض کا موجب ہے جیسا کہ حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہے کہ من احب دنیاہ اضر باخرتہ ومن احب آخرتہ اضر بدنیاہ فاثروا مایبقی علی مایفنی یعنی جس نے دنیا چاہی' آخرت کا نقصان کیا اور جس نے آخرت چاہی' دنیا کا نقصان کیا تو تم باقی نعمت کو فانی پر ترجیح دو۔ اور حضرت امیرالمومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ الدنیا والاخرہ ضرتان ان رضیت احدا هما سخطت الاخری یعنی دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں اگر ایک راضی ہو تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے اور اسی اشارے کے لیے وتذرون الآخرة کا تحبون العاجلة پر عطف ملازمت فرمایا گیا ہے اور یوں نہ فرمایا کہ وَلَاتُحِبُّوْنَ الْاٰخِرَةَ گویا فرمایا گیا ہے کہ اس کی محبت اس دوسری کو ترک کرنے کا سبب ہے حالانکہ اس کا نفع ونقصان اس کے نفع ونقصان سے ہزاروں مرتبہ زیادہ بڑا ہے یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے اس لیے کہ:

وُجُوْهٌ چند چہرے يَوْمَئِذٍ نَّاظِرَةٌ اس دن تروتازہ' روشن اور چمک دار ہوں گے اس وجہ سے کہ صحیح اعتقادات اور اچھے اعمال کے انوار ان کے چہروں پر ظاہر اور ان کے باطن کا نور ان کے ظاہر پر نمودار ہوگا اور اسی نور کی قوت کی وجہ سے جس نے ان کی آنکھوں کی بینائی کی امداد کی۔ اِلٰی رَبِّهَا اپنے پروردگار کی تجلی کے نور کی طرف نَاظِرَةٌ دیکھنے والے اور عظیم لذت پانے والے ہیں اور ان کی آنکھیں اس نور کو دیکھنے میں بالکل خیرہ نہیں ہوتیں اور انہیں کوئی حیرت اور دہشت نہیں ہوتی۔

وَوُجُوْهٌ جبکہ چند چہرے يَوْمَئِذٍ اس روز حیرت اور دہشت میں پڑے گرچہ اس تجلی کے حضور کھڑے ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ اسے دیکھنے سے لذت پائیں۔ اس لیے کہ وہ چہرے اپنے حال میں گرفتار ہیں۔ بَاسِرَةٌ ترش رو' بے کس اور گریاں

marfat.com
Marfat.com

صورت ہیں تو ان کا ظاہر اتنا خراب ہے اور ان کے باطن میں ایسا غم اور پریشانی غالب ہے۔

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ وہ گمان غالب رکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا جو کمر توڑ دے اور اس وجہ سے ان کے حواس بحال نہیں ہیں تاکہ تجلی الٰہی کے نور کی زیارت سے بہرہ ور ہوں۔

## آخرت میں حق تعالیٰ کی زیارت نیکوں کو نصیب ہوگی

اور حدیث شریف صحیح متواتر میں واقع ہے جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر جماعت نے روایت کیا ہے۔ انکم سترون ربکم کما ترون القمر لیلۃ البدر لیس دونہ حجاب یعنی تم اپنے پروردگار کو یوں دیکھو گے جس طرح کہ تم چودہویں رات کے چاند کو ایسی حالت میں دیکھتے ہو کہ کوئی بادل یا دھواں تمہارے اور چاند کے درمیان حائل نہ ہو اور تم حق تعالیٰ کو دیکھنے میں ایک دوسرے سے مزاحمت نہیں کرو گے جس طرح کہ چاند کو دیکھنے میں مزاحمت واقع نہیں ہوتی۔

نیز حدیث صحیح میں وارد ہے کہ تم قیامت کے دن دیدار سے مشرف ہو گے لیکن اگر تم سے ہو سکے کہ نماز فجر اور نماز عصر کو احتیاط کے ساتھ وقت پر بجا لاؤ تو ضرور ایسا کرو اور اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ان دونوں نمازوں کا نور دیدار میں مدد کرے گا اور یہاں جاننا چاہیے کہ یہ آیت اس مسئلے میں نص صریح ہے کہ حق تعالیٰ کا دیدار آخرت میں نیکوں کے نصیب ہوگا اور حدیث متواتر جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر جماعت سے صحیح سندوں سے مروی ہوئی' اس نص کی تاکید کرنے والی ہوئی۔ پس اس امر کا اعتقاد ہر مسلمان کو فرض اور لازم ہے۔

اور آخرت میں حق تعالیٰ کی زیارت کے منکرین اس آیت کے معنوں میں اُلجھ کر عجیب و غریب باتیں بناتے ہیں چونکہ وہ اکثر باتیں کتاب اللہ کی تحریف کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں اور مفسر کے لیے تحریف کا رد واجب ہے' ناچار انہیں یہاں ذکر کرنا ضروری ہوا ورنہ اس قسم کی گفتگو اس تفسیر کے دستور کے خلاف ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## تفسیر' تاویل اور تحریف کی تعریف پر مبنی مقدمہ

اور اس سے پہلے کہ وہ چیزیں ذکر کی جائیں' ایک مقدمہ پر توجہ کرنی چاہیے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کلام اللہ کی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تین چیزوں کی رعایت کی جائے۔ پہلی چیز یہ کہ اس کے کلمات میں سے ہر کلمہ کو اپنے حقیقی معنی یا اپنے مجاز متعارف پر محمول کیا جائے' دوسری چیز اس کلمے کے سیاق وسباق کا لحاظ کرنا اور نظم کلام اوّل سے آخر تک بے ربط اور مختل نہ ہو اور تیسری چیز یہ کہ نزولِ وحی کے گواہوں کا مہم جو کہ حضرت رسولِ پاک علیہ السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں' اس کے خلاف واقع نہ ہوا ہو اور جب بھی ان تینوں امور میں سے ایک فوت ہو جائے اور دو دوسرے باقی رہیں' اسے تاویل کہتے ہیں۔ پس اگر پہلا امر فوت ہو گیا اور دوسرا اور تیسرا برقرار ہیں تو تاویل قریب ہے اور اگر دوسرا فوت ہو گیا اور پہلا اور تیسرا برقرار ہیں یا تیسرا فوت ہوا اور پہلا اور دوسرا برقرار ہیں تو اسے تاویل بعید کہتے ہیں اور جب بھی مجموعی طور پر یہ تینوں امور فوت ہو جائیں تو اسے تحریف اور مسخ کہتے ہیں۔ معاذاللہ من ذلک

جب یہ مقدمہ بطور تمہید بیان ہو چکا تو جاننا چاہیے کہ منکرینِ رؤیت کی سب سے وزنی بات جسے اس گروہ کے چوٹی کے مفسرین نے اگلا اور اس پر فخر کیا' یہ ہے کہ لفظ ناظرۃ بمعنی منتظرہ واقع ہوا ہے جیسا کہ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ - وَانْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ میں واقع ہے۔ اور الی حرف جر نہیں ہے بلکہ بمعنی نعمت ہے جو کہ آلاء کا مفرد ہے۔ اصل میں الاً تنوین کے ساتھ تھا جب اسے ربھا کی طرف مضاف کیا گیا تو تنوین ساقط ہو گئی اور حرف جر کی صورت میں مشتبہ ہو گیا۔ پس آیت کا معنی یوں ہوا کہ اپنے پروردگار کی نعمت کا انتظار کرتے ہیں اور رؤیت پر کوئی دلالت نہیں۔

## مذکورہ زیارت کے منکروں کا رد

اب اس معنی میں تاویل کرنی چاہیے کیونکہ یہ رسول علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلکہ تمام گزشتہ زمانوں کے فہم کے بھی مخالف ہے۔ اس بات کے قائل کے زمانے

marfat.com
Marfat.com

تک کہ کسی نے اس کا کھوج نہیں لگایا اور قرآن مجید میں اس لفظ کے استعمال کے بھی مخالف ہے اس لیے کہ اسی سورۃ میں دو جگہ یہ لفظ واقع ہوا ہے۔ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ اور اگر پورے قرآن میں تجسس کیا جائے تو شاید ہزار سے زیادہ مقامات پر یہ لفظ استعمال ہوا ہوگا۔ اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَا - اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً-اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ - اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ - اِلٰی رَبِّهِمْ یُرْجَعُوْنَ - وَاَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ- اور کہیں بھی اس ترکیب میں لفظ الیٰ کو نعمت کے معنوں میں استعمال نہیں فرمایا گیا بلکہ قرآن میں لفظ الیٰ بمعنی نعمت ہرگز واقع نہیں ہوا اور عربوں کے کلام میں بھی یہ لفظ اس معنی میں مستعمل نہیں ہے۔

ہاں اس کی جمع جو کہ آلاء ہے' مستعمل ہے اور اکثر اہلِ عربیت نے تحقیق کی ہے کہ آلاء کا مفرد اَلٰی ہمزہ کی فتح کے ساتھ ہے قَفا کے وزن پر نہ کہ اِلٰی بروزن معی۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ اعشیٰ نے اپنے شعر میں اس لفظ کو اس معنی میں اسی وزن کے ساتھ استعمال کیا ہے' جہاں کہ اس نے کہا ہے ؎

ابیض لا یرھب الھزال ولا
یقطع رحما ولا یخون الیٰ

تو یہ کس دلیل سے ثابت ہو سکتا ہے کہ اس شعر میں الیٰ کا لفظ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے تاکہ دلیل درست ہو۔ نیز ایک شاعر کا اپنے شعر میں نادر کلمے کو استعمال کرنا وحشت اور غرابت سے نہیں نکالتا۔ ورنہ الا جرشی اور مسرج بھی وحشی اور غریب الفاظ نہ ہوں گے اور کلام اللہ کو جو کہ بلاغت و فصاحت کے انتہائی اونچے درجے پر واقع ہے' کسی غریب اور وحشی کلمہ پر ایسے مقام پر جہاں رائج متعارف اور مشہور ترکیب کے استعمال کا گمان غالب بلکہ یقینی ہے' مشتمل سمجھنا اس پر فصاحت و بلاغت کے نقصان اور دھوکہ اور پہیلی کی تہمت لگانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے پاک ہے۔ قرآن پاک کا نزول تلبیس اور اشتباہ کو دور کرنے کے لیے ہے نہ کہ دھوکہ دینے اور غلطی میں ڈالنے کے لیے۔ پس الیٰ کا یہ حقیقی معنی جو کہ حرف ہونے سے اسم ہونے کی طرف نکلنے کا موجب ہوا' مجاز اور

marfat.com
Marfat.com

کنایہ سے ہزار مرتبہ زیادہ بعید ہے اور جس طرح غیر حقیقی اور غیر متعارف معنوں پر کلمہ کو محمول کرنا تاویل کے مرتکب ہونے کا موجب ہوتا ہے اسی طرح کلمہ کو ایسے معنوں پر محمول کرنا جو کہ اس کے حرفیت یا اسمیت یا فعلیت سے جو کہ مشہور اور رائج ہے' غیر متعارف اور غیر مشہور معنی کی طرف نکلنے کا موجب ہے' تاویل کے ارتکاب کا موجب ہوتا ہے بلکہ تحریف ہے جیسے زید وجاویہ من بطن عصفور وغیرہ

اور ان سب مخالفتوں کے باوجود اس کلام کی ابتدا سے جو کہ بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ہے اس کے آخر تک جو کہ یہ آیت ہے' کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس معنی کو رد نہیں کرتا اور جس مقصد کے لیے یہ کلام واقع ہوا ہے اس معنی کے سراسر منافی اور مخالف ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آیت بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تم ناکارہ چیز کو پسند کرتے ہو اور عمدہ چیز کو ترک کرتے ہو۔ پس اگر آئندہ کلام میں آخرت کی عمدگی کے لیے کوئی ایسی چیز بیان نہ کریں جو کہ آخرت کے ساتھ مخصوص ہے اور دنیا میں پائی نہیں جاتی' یہ دعویٰ درست نہیں بیٹھتا اور جب یہ بیان فرمایا گیا کہ آدمیوں میں سے چند لوگوں کو اس روز دیدار خداوندی نصیب ہوگا کہ اس کے برابر کوئی نعمت اور ترقی کسی کے وہم و خیال میں بھی نہیں' آخرت کا عمدہ ہونا ثابت ہوگیا اور اگر نعمتِ الٰہی کے انتظار کو بیان کریں تو اس مقصد کے منافی اور مخالف ہوتا ہے اس لیے کہ نعمتِ الٰہی کا انتظار تو دنیا میں بھی حاصل ہے بلکہ بُروں کو نیکوں سے بھی زیادہ اس لیے کہ الدنیا سجن المؤمن وجنۃ للکافر اور ہنس مکھی اور چہرے کے رنگ کی رونق اور چمک جس قدر کفار کو حاصل ہے' دنیا میں نیکوں کو میسر نہیں تو آخرت کی دنیا پر فضیلت گیا ہوگی کہ دنیا کی محبت کی مذمت فرمائی جارہی ہے اور ترک آخرت پر ملامت کی جارہی ہے بلکہ بُروں کو یہ بات کرنے کی جگہ ہے کہ ہم دنیا کو اس لیے پسند کرتے ہیں اور فکر آخرت میں مصروف نہیں ہوتے کہ ہمیں دنیا میں ہنس مکھی اور قسم قسم کی نعمتوں کی انتظار حاصل ہوتی ہے۔ اور نقد ہے اور قریب ہے۔ اور معلوم نہیں کہ آخرت میں ہاتھ لگے نہ لگے اور اس کے باوجود وعدہ کیا گیا ہے اور اُدھار ہے۔

marfat.com
Marfat.com

پھر لفظ وجوہ کا اندازہ کرنا چاہیے کہ اگرچہ یہاں وجوہ سے مراد ذوات اور اشخاص ہیں لیکن بلغاء کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کی کسی لفظ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں تو صفات اور کاموں میں سے جو اس لفظ کے مناسب ہو وہی لاتے ہیں جیسا کہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ اور قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ میں واقع ہے اور ظاہر ہے کہ چہروں کا کام دیکھنا اور نظر کرنا ہے' نعمتوں کا انتظار کرنا نہیں کہ وہ دل کا کام ہے تو یوں کہنا چاہیے تھا کہ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْرورة نعمة ربها منتظرة

پھر یومئذ کے لفظ میں غور کرنا چاہیے کہ ایسی چیز کا تقاضا کرتا ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے اور اگر ناظرہ بمعنی منتظرہ ہو اور الی بمعنی نعمت تو اس دن کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں رکھتا اس لیے کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انتظار حاصل ہے اور چہرے کی تازگی تو یقیناً دنیا و آخرت میں مشترک ہے اگر کوئی اور چیز بھی جو کہ اس دن کے ساتھ مخصوص ہے' بیان میں نہ آئے تو یومئذ کا لفظ بالکل بے فائدہ رہ جاتا ہے۔

پھر ناضرة کے لفظ میں غور کرنا چاہیے کہ چہرے کی تروتازگی' روشنی اور چمک کس چیز سے ہوتی ہے' حصولِ لذت کے ساتھ یا اس کے حصول کے انتظار کے ساتھ۔ حصولِ لذت کا انتظار تو خود ایک عذاب ہے جو کہ سوہانِ روح ہے' چہرے کی رونق اور روشن ہونے کا موجب کیسے ہوگی اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے بیت

تیغ ہندی و خنجر رومی
نکند آنچہ انتظار کند

یعنی ہندی تلوار اور رومی خنجر سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی انتظار سے ہوتی ہے۔

پھر وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ کے اس کے مقابلے میں لانے پر غور کرنا چاہیے جو کہ ان دونوں گروہوں کے بالکل مختلف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہ لوگ بھی اگر نعمت کے انتظار کے درد میں گرفتار ہوں گے تو درد میں بُروں کے شریک ہوں گو انہیں انتظار بلا ہے اور انہیں انتظار عطا ہے اس لیے کہ عطا کا انتظار بھی درد کا موجب ہے جیسا کہ انتظار بلا۔ اور اس امر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور وہ جو رؤیت کے دوسرے منکرین نے کہا ہے' یہ ہے کہ نظر' آنکھ کو کسی کی طرف متوجہ کرنے کے معنوں میں ہے خواہ وہ شخص نظر آئے یا نہ آئے جیسا کہ کہتے ہیں نظرت الی الھلال فلم ارہ یعنی میں نے ہلال کی طرف دیکھا' مجھے نظر نہیں آیا۔ قرآن مجید میں ہے تَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ پس آیت کا معنی یوں ہوگا کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف نظر کو متوجہ کریں گے اگرچہ اسے نہ دیکھیں اور وہ دیکھا نہ جائے۔ اس کلام میں عقل مند کے لیے غور وفکر ضروری ہے کہ رؤیت کا انکار سب اس بناء پر کرتے ہیں کہ رؤیت کے لیے سمت مقابلہ' دیکھی گئی چیز کا مکان' اس کی طرف آنکھ کا اشارہ اور اس تک شعاع کا پہنچنا ضروری ہے اور یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے بارے میں محال ہیں تو جب انہوں نے پروردگار کی طرف نظر کو متوجہ کرنا جو کہ آخرت میں نیکوں سے وقوع پذیر ہوگا' جائز قرار دے دیا تو ان سب چیزوں کو خدا تعالیٰ کے بارے میں ثابت کر دیا اور ان پر عرب کی وہی مثال درست آئی کہ فر من المطر ووقف تحت المیزاب کہ بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے رُک گیا۔

علاوہ ازیں یہ ہوا کہ اس بے فائدہ تصرف کی وجہ سے کلام الٰہی میں کمزوری پیدا ہوگئی ہے اس لیے کہ کسی مطلوب چیز کی تلاش کرنا اور اسے نہ پانا کمال غم واندوہ اور بدحرگی کا باعث ہوتا ہے' اسے نیکوں کی تعریف کے مقام پر لانا کیا مناسبت رکھتا ہے اور اس کے علاوہ اس محرومی اور جستجو اور تلاش میں ناکامی کے باوجود ان کے چہرے روشن اور چمک دار کیوں ہوگئے ہیں۔ یہ بات تو سراسر کشیدگی اور اور ترش روئی کا موجب ہے۔

اور وہ جو رؤیت کے دوسرے منکرین نے کہا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی الی ثواب ربھا ناظرہ تو نری بے ہودہ اور بے معنی بات ہے اس لیے کہ نعمت کو دیکھنا فرح وسرور اور چہرے کے پُر رونق ہونے کا موجب نہیں ہوتا بلکہ نعمت کا حصول۔ پس ان کے چہروں کے پُر رونق ہونے کی وجہ کے بیان میں اسے ذکر کرنا اور اُس سے خاموشی اختیار کرنا بلاغت کے منافی ہوگا۔

اور اسی طرح وہ ہے جو اس فرقے کے بعض اور لوگ کہتے ہیں کہ نظرت الی

marfat.com

Marfat.com

فلاں طمع اور توقع کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کے ہاتھ کو دیکھتا ہے یعنی اس سے انعام کی توقع رکھتا ہے اس لیے کہ طمع اور توقع تشویش اور تردد کا موجب ہوتا ہے نہ کہ خوشی اور سرور کا سبب۔ اور زیادہ تر اس لفظ کو طمع کے مقام پر وہاں استعمال کرتے ہیں جہاں اس طمع کے حاصل ہونے کا یقین نہیں ہوتا جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے

انی الیك لما وعدت لناظر نظیر الفقیر الی الغنی الموسر

یعنی جب سے تو نے وعدہ کیا ہے میں تیری طرف اس طرح دیکھتا ہوں جیسے منگتا غنی اور مال دار کو دیکھتا ہے۔ اور کسی دوسرے کہنے والے نے کہا ہے

وجوہ ناظرات یوم بدر الی الرحمن یاتی بالفلاح کہ بدر کے دن چہرے حضرت رحمٰن کی طرف دیکھنے والے ہیں کہ کامیابی عطا فرمائے اور عرب لوگ جب کسی تنگی اور پریشانی میں گرفتار ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ عینی ممدودۃ الی اللہ وانا شاخص الطرف الی فلاں اور ان مقامات میں سے ہر ایک میں خوف اور رجا دونوں کا باہمی ہجوم کرنا پیش نظر ہوتا ہے۔ پس آیت کے معنوں میں ایک اور خلل واقع ہو گیا کہ ابھی ان لوگوں کو اپنے حال پر یقین حاصل نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا اور اس بے یقینی کے ہوتے ہوئے کیفیت سرور و نشاط کے ساتھ کہاں سے لبریز ہو گئے ہیں کہ انہیں چہروں کی تازگی اور چمک حاصل ہوگئی۔

مختصر یہ کہ اس قسم کی باتیں گھڑنا بلاشبہ کتاب اللہ کی تحریف کرنا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِكَ اور جب اس کلام میں بیان فرمایا گیا کہ لوگ اس وجہ سے دنیا کی محبت میں مشغول اور فکر آخرت سے غافل ہیں کہ دنیا کو قریب سمجھتے ہیں اور آخرت کو دور شمار کرتے ہیں اور نقد کو اُدھار سے بہتر سمجھتے ہیں اب اس غلط اعتقاد پر ڈانٹ ڈپٹ کی جا رہی ہے۔

کَلَّا تم آخرت کو دور خیال کرتے ہو اس لیے کہ آخرت ایک سفر کا نام ہے جو کہ روح کو اپنے پروردگار کی طرف پیش آتا ہے اور اس سفر کی ابتدا موت کے وقت سے ہے کہ گویا روح اس وقت گھر سے نکلتی ہے اور راستہ طے کرنے میں مشغول ہوتی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور اس سفر کی انتہا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی تجلی قہری کے نزدیک حاضر ہونے کے بعد ہے جیسا کہ اسی سورۃ میں اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِنِ الْمُسْتَقَرُّ کی تفسیر میں ذکر کیا گیا اور سفر کے نزدیک یا دُور ہونے کو اس کی ابتدا سے شمار کرنا چاہیے نہ کہ اس کی انتہا سے اور اس سفر کی ابتدا بالکل نزدیک ہے' دنیا کی زندگی کے ساتھ بالکل متصل ہے یہی کہ یہاں سے قدم اُٹھایا اور وہاں قدم رکھا۔ پس آخرت کا آغاز۔

اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وہ وقت ہے کہ آدمی کی جان اس کے سینے کی ہڈیوں میں جو کہ گردن کے سانس والے حصے کے ساتھ متصل ہے' پہنچ جاتی ہے اور اسے انزہاق اور احتضار یعنی روح نکلنے کا وقت کہتے ہیں اور اس وقت روح حیوانی جس کا ٹھکانہ دل ہے' وہاں سے باہر آتی ہے گرچہ ابھی پورے وجود سے باہر نہیں آئی ہے اس مسافر کی طرح جو کہ اپنے گھر سے باہر نکلا ہو اور ابھی شہر کے گلی کوچوں اور دروازوں سے باہر نہیں نکلا ہے اور روح حیوانی وہی ہے جو کہ سانس سے متعلق ہے اور جسم میں اس کے اپنے مقام میں ہونے کی وجہ سے دنیوی زندگی حاصل ہے اور جب اپنے مقام سے جدا ہوئی' زندگی منقطع ہوگئی۔ چنانچہ اس وقت اپنے بے گانے سب مایوس ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ اس کی روح نے آخرت کا سفر اختیار کر لیا۔

وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ اور اس وقت کہا جاتا ہے کہ کون ہے دَم کرنے والا تا کہ اس بے گھر شدہ روح کو پھر اس کے مقام پر کر دے۔ اور طبیبوں کی تدبیر اور علاج سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں اس گمان سے کہ چونکہ یہ واقعہ غیب سے ہے' شاید منتر پڑھنے سے ارواح غیبیہ کا واسطہ حاصل ہو جائے اور اسے دُور کرنے میں کارگر ہو۔

• قبض روح کے وقت ملک الموت علیہ السلام کے ہمراہ رحمت اور عذاب کے دوسرے فرشتے بھی آتے ہیں

اور بعض مفسرین جیسے حضرت ابن عباس اور کلبی وغیرہا نے کہا ہے کہ یہ فرشتوں کا کلام ہے کہ نزع کے وقت ملک الموت کے ہمراہ سات اعضاء کی گنتی کے مطابق سات یا اس سے زیادہ دوسرے فرشتے حاضر ہوتے ہیں تا کہ ملک الموت روح قبض کر کے ان

marfat.com
Marfat.com

کے حوالے کر دیں۔ پس وہ فرشتے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس میت کی روح کو کون لے جائے گا' ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب۔ اس سورۃ میں راق رقی سے ہے' بمعنی اوپر لانا نہ کہ رقیہ سے بمعنی منتر۔

وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ اور اس روح والہ بھی گمان کرتا ہے کہ گھر بار' اہل وعیال اور مال و متاع سے جدائی کا وقت ہے اور یہاں ظن کا لفظ استعمال کرنے میں جو کہ گمان کے معنی میں ہے' ایک لطیف استہزاء ہے۔ گویا اس بات کا اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ آدمی دنیوی زندگی اور اس کی لذتیں پورے طور پر حاصل کرنے میں اپنی شدید حرص کی وجہ اس حالت میں بھی موت آنے کا یقین نہیں کرتا' اس کی انتہا یہ ہے کہ گمان غالب کرتا ہے۔

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی کے ساتھ لپٹ جاتی ہے اس لیے کہ روح کا اثر جسم کے نچلے حصے سے بالکل منقطع ہو گیا' دونوں پنڈلیوں کو حرکت دینا اور ایک کو دوسری سے جدا رکھنا اس کے لیے ممکن نہ رہا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ساق اصطلاح میں مصیبت کی شدت سے کنایہ ہے۔ پس آیت کے معنی یوں ہوئے کہ ایک شدت دوسری شدت کے ساتھ باہم متصل ہو جائے اس لیے کہ اس وقت اسے دو شدتیں ایک ساتھ پیش آتی ہیں۔ پہلی شدت دنیا کی جدائی' اہل وعیال اور مال اسباب کو چھوڑنا' دشمنوں کی خوشی اور دوستوں کا غمگین ہونا۔ دوسری شدت آخرت کی ہولناکیوں' ڈانٹ ڈپٹ' منکر نکیر کا سوال اور قبر کی تاریکی اور تنگی۔

اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ تیرے پروردگار کی طرف اس دن کھینچ کر لے جایا جاتا ہے جس طرح کہ بھاگے ہوئے غلام کو مالک کے نوکر گھسیٹ کر لے جاتے ہیں۔ پس آخرت کی ابتدا اسی دن سے شروع ہو جاتی ہے۔ گرچہ اس کی انتہا اس دن واقع ہوتی ہے جس کا بیان اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ میں گزرا لیکن آدمی آخرت کی اس نزدیکی کو سمجھتا نہیں اور اس کے خرچ کے فکر سے جو کہ اسے دوران سفر کام آئے اور سوغات اور تحفہ حاصل کرنے سے جو کہ اسے مالک کی خدمت میں پہنچنے کے بعد سرخ روئی کا موجب ہے' غافل گزر جاتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

فَلَا صَدَّقَ پس اس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کی آیات کی تصدیق کی تاکہ صحیح عقیدہ ہمراہ لے جاتا اور قرآن اور انبیاء علیہم السلام اس کی شفاعت کرنے والے ہوئے۔

## اوّلیں پرسش نماز بود

وَلَاصَلّٰی اور نہ ہی نماز پڑھی کہ رب العالمین کے دربار میں پہلی باز پرس اسی عبادت کے متعلق ہوگی جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ اول مایحاسب به العبد من اعماله الصلٰوة تاکہ فی الفور سوال کی ابتدا میں ہی نادم اور شرمندہ ہو۔ نیز یہ عبادت مومن اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی ہے اگر اسے بجالاتا تو وہ خود بخود ایمان والوں کے گروہ میں شمار ہوتا۔

نیز یہ عبادت توجہ الی اللہ کی شکل ہے اسے بجالانا گویا بھاگنے کے بعد لوٹنا ہے جیسے کہ کوئی غلام جو اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہو لیکن کبھی کبھی اپنے مالک کے گھر کی طرف سلام اور تعظیم کرتا ہے کہ مالک کے غصے کی شدت میں کچھ کمی کرتا ہے اور اس شخص نے صرف یہ کام ترک کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی۔

وَلٰكِنْ كَذَّبَ لیکن اس نے تصدیق کے بجائے قرآنی آیات اور انبیاء علیہم السلام کی خبروں کا انکار کیا وَتَوَلّٰى اور اس نے نماز اور توجہ الی اللہ کے بجائے پیٹھ پھیری اور روگردانی کی ثُمَّ پھر ان کوتاہیوں کے باوجود نادم نہیں ہوا بلکہ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى اپنے گھر کی طرف اکڑتے ہوئے چلا۔ گویا کہ تصدیق اور نماز کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کے ساتھ جنگ کر کے غالب آیا اور اپنی قوتِ بازو پر ناز کیا۔ ایسے بدبخت کو اس کی موت کے بعد ضرور کہا جائے گا کہ

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى تیرے لیے پھٹکار ہو۔ پس تیرے لیے پھٹکار ہو اور ان دونوں پھٹکاروں کا اس کے لئے عالم قبر میں وعدہ ہے ایک تصدیق اور نماز چھوڑنے کی وجہ سے اور دوسری تکذیب اور روگردانی کی بنا پر۔ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى۔ پھر قیامت کے دن تجھے پھٹکار ہو۔ پس تجھے پھٹکار ہو۔ اور ان دونوں پھٹکاروں کا انہیں دو وجوں کے ساتھ حشر

marfat.com

Marfat.com

کے دن وعدہ ہے اور چونکہ یہاں تک بیان کیا گیا کہ آدمی قیامت اور موت سے اس طرح غفلت میں گرفتار ہے کہ تنبیہ اور نصیحت کے باوجود بالکل آگاہ نہیں ہوتا اب جھڑکنے کے انداز میں اس سے پوچھا جا رہا ہے کہ تیری یہ ساری غفلت کون سے شبہ کی وجہ سے ہے جس نے تیرے دل میں گھر کر رکھا ہے۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی کیا آدمی گمان کرتا ہے کہ وہ جانوروں کی طرح فضول چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ جو چاہیں کریں اور ان سے اعمال کی باز پرس نہیں ہوتی' موت کے بعد نہ قیامت کے دن اور آدمی کا یہ گمان صراحتاً غلط ہے اگر وہ اپنی پیدائش میں غور کرے تو معلوم کر سکتا ہے کہ جب میں ذمہ دار ہوں' مجھے اعمال کی جزا چکھنے اور ان کی پرسش کے بغیر چارہ نہیں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اعمال کی پرسش اور جزا مردوں کو موت کے بعد زندہ کرنے اور مدت دراز گزرنے پر موقوف ہے اور وہ بھی اتنی شک اور انکار کی جگہ نہیں ہے' معمولی غور و فکر سے اس کا صحیح ہونا معلوم ہو سکتا ہے۔

اَلَمۡ یَکُ کیا آدمی باپ کی پشت میں نہیں تھا۔ نُطۡفَةً ایک معمولی قطرہ مِّنۡ مَّنِیٍّ منی سے جو کہ چوتھے ہضم کا فضلہ ہے اور طبیعت کو اس کی ضرورت نہیں رہی اور حیوانی فضلے زندگی قبول کرنے سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔ بخلاف اخلاط کے کہ انہیں طبیعت جزو بدن بناتی ہے اور زندگی کی خلعت پہناتی ہے خصوصاً وہ منی کہ جس سے انسان پیدا ہوتا ہے' حیوان کے بدن میں بھی نہیں رہتی کہ اس سے قبولیت حیات کی توقع کی جا سکے بلکہ

یُّمۡنٰی گرائی جاتی ہے جماع کی حرکت کے ساتھ دونوں خصیوں اور آلہ کے راستے سے اور حکمت کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کو اس کے مقام سے جدا کر دے تو پھر اس مقام کی طبیعت اس کی تدبیر اور پرورش سے دست بردار ہو جاتی ہے جیسا کہ کٹی ہوئی شاخ درخت سے نشو و نما قبول نہیں کرتی اسی لیے حدیث پاک میں وارد ہے کہ ما ابین عن الحی فھو میت یعنی جو چیز زندہ سے جدا کر دی جائے' وہ مردار کا حکم رکھتی ہے اور اس کا کھانا حرام ہے جیسے دنبے کی چکی' اونٹ کی کوہان کا گوشت جو کہ زندہ اونٹ سے کاٹ کر

marfat.com
Marfat.com

کھائیں اور دودھ اس وجہ سے حلال قرار دیا گیا ہے کہ اسے طبیعت بچے کو غذا دینے کے لیے مہیا کرتی ہے۔ پس نہ تو وہ دودھ والے جانور کا جزو ہے اور نہ اس کا فضلہ' درخت کے میوے کی طرح ہے جو کہ ایک حیوان کے بدن میں دوسرے حیوان کو غذا دینے کے لیے پیدا ہوا۔

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً پھر گرانے کے بعد وہ پانی منجمد خون ہو گیا کہ وہ بھی حیات کے قابل نہیں۔ بخلاف رقیق بہنے والے خون کے کہ جسے دم مسفوح کہتے ہیں جو کہ رگوں میں جاری ہوتا ہے جو کہ حیوان کی غذا میں کام آتا ہے اور اس کے جسم کا جزو بنتا ہے۔

فَخَلَقَ پس اسے خدا تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اسے زندگی کی اتنی سی استعداد کے باوجود زندہ کیا۔

فَسَوّٰی پس اسے یہاں تک معتدل المزاج کیا کہ تمام حیوانات کی نسبت اعتدال حقیقی کے زیادہ قریب ہو گیا اسی لیے وہ نفس ناطقہ کے تعلق کے لائق ہوا اور احتمال ہے کہ اعضاء کو ان مقاصد کے لیے درست کرنا مراد ہو جن کے لیے وہ اعضاء بنائے گئے یا ایک طرح کے اعضاء کی مقدار کو درست کرنا ہاتھ کو ہاتھ' پاؤں کو پاؤں' آنکھ کو آنکھ' کان کو کان اور دانتوں کو دانتوں کے ساتھ برابر کیا تا کہ بدنما نہ ہوں اور صورت و شکل بنانے کی باریکیوں کی اس کی پیدائش میں رعایت فرمائی۔ پس ایک نطفے سے وہ تمام مختلف چیزیں جدا جدا مقاصد پر مبنی ظاہر فرمائیں اور اس ایک نطفے سے انتہائی مختلف کام لیے۔ سننا دیکھنے سے کس قدر مختلف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر عضو کا کام دوسرے عضو سے حاصل کرنا ممکن نہیں' جوتا ٹوپی کیسے بن سکتا ہے' پاؤں سر کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ آدمی کی اصل پیدائش میں بھی عظیم اختلاف ہے۔

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ پس آدمی کی جنس سے دو قسمیں بنائیں۔ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى یعنی نر اور مادہ کہ ہر ایک کی شکل جدا اور صفات جدا' مردوں کا کام عورتوں سے دشوار اور عورتوں کے کام مردوں سے مشکل اور دونوں کے درمیان اس طرح تفریق اور امتیاز رکھا کہ ایک دوسرے کے ساتھ بالکل مشتبہ نہیں ہوتے اور اگر چاہیں کہ تکلف کے ساتھ اپنے

marfat.com
Marfat.com

آپ کو دوسری قسم سے کرلیں تو پیش نہیں جاتی۔

## عورتوں اور مردوں کے امتیازی امور کا بیان

اور یہ سب عجیب و غریب تدبیریں دنیا کو آباد کرنے کے لیے بنائیں تا کہ عورت جزوی کاموں اور کاری گریوں کو سرانجام دے جیسے کھانا پکانا' سینا' سوت کاتنا' بچے کی پرورش کرنا' گھر میں جھاڑو دینا' بستر درست کرنا اور گھر کے سامان اور اسباب کو جگہ بجگہ سنبھالنا وغیرہ جبکہ مرد معاش کی تلاش اور مرکزی کاموں میں مشغول ہو جیسے کانیں کھودنا' کاشت کاری' شجرکاری' کنویں اور نہریں کھودنا' جنگ کرنا' علوم حاصل کرنا اور انہیں لکھ کر محفوظ کرنا' دشمنوں اور مخالفوں پر غلبہ اور چوروں اور لٹیروں کو دُور کرنا وغیرہ۔ پس

اَلَیۡسَ ذٰلِکَ کیا یہ طاقت ور خالق کہ جس نے آدمی کو دنیا آباد کرنے کے لیے اس طرح پیدا کیا۔ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِیَ الۡمَوۡتٰی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ فرمائے' آخرت کی تعمیر اور اس جہان کو آباد کرنے کے لیے اور اس زندگی میں بھی اسے مختلف فرمائے۔ بعض کو کامل اور بعض کو ناقص' بعض کو جہنم بھرنے کے لیے اور بعض کو جنت کی نعمتوں سے لذت حاصل کرنے کے لیے۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھتے تو یوں فرماتے سُبۡحَانَکَ اللّٰهُمَّ بَلٰی یعنی بارخدایا تیری ذات اس کمزوری سے پاک ہے کہ اس کام کی قدرت نہ رکھے۔ کیوں نہیں تو اس کام کی قدرت رکھتا ہے اور اسی لیے ہر تلاوت کرنے والے کے لیے سنت ہے کہ اس آیت کے بعد یہ دعا کہے خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر البتہ یہ چاہیے کہ لہجہ بدل دے اور نماز میں آہستہ کہے تا کہ عوام کے نزدیک قرآن پاک کی آیت کے مشتبہ نہ ہو۔

marfat.com
Marfat.com

# سورة الدھر

اس کی اکتیس (۳۱) آیات ہیں اور اسے سورۃ انساں کہتے ہیں اور سورۃ دہر بھی کہتے ہیں اور سورۃ ابرار بھی

## سورۃ قیامت کے ساتھ رابطے کی وجہ

اور سورۃ قیامت کے ساتھ اس سورۃ کے رابطے کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ قیامت میں علامات قیامت اور اس کے واقعات کا بیان یہاں تک پہنچا کہ لوگوں کی دو قسمیں ہوں گی۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ اور وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اُس سورۃ میں پہلی قسم کے کچھ حالات کی تفصیل بیان ہوئی جبکہ دوسری قسم کے حالات باقی رہ گئے اس سورۃ میں ان کی تفصیل اور وضاحت فرمائی گئی۔ اور دونوں سورتوں کے مختلف مضامین میں بھی مناسبت اور یکجہتی کی رعایت کی گئی ہے۔ اُس سورۃ میں انسانی خلقت اس عبارت کے ساتھ مذکور ہے کہ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى جبکہ یہاں اس عبارت کے ساتھ کہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اور وہاں ارشاد ہوا کہ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ جبکہ یہاں فرمایا اِنَّ هٰؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا وہاں فرمایا ہے وجوه يومئذ ناضرة جبکہ یہاں فرمایا ولقاهم نضرة وسرورا۔ وہاں اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ واقع ہے جبکہ یہاں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا وَغَيْرَ ذَالِكَ۔

marfat.com
Marfat.com

اور مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی۔ واضح یہ ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيْلًا سے لے کر سورۃ کے آخر تک بلاشبہ مکی ہے اور باقی میں احتمال ہے کہ مدنی ہو اور یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ کے سبب نزول کی روایت سے جو کہ حضرات اہلِ بیت کا واقعہ ہے' معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات مدنی ہیں۔ واللہ اعلم

## سورۃ انسان کی وجہ تسمیہ

اور اسے سورۃ انسان اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کی ابتدا میں خلقت انسانی کا جو مقصد پروردگار کی بارگاہ میں منظور ہے' ذکر کیا گیا ہے۔ پس ہر انسانی فرد کو چاہیے کہ اگر اپنے آپ سے اس مقصد کا حصول دیکھے تو خود کو انسان سمجھے اور انسان کہے ورنہ قالین کے شیر اور لکڑی کے گھوڑے کی طرح صرف نام ہے' باقی کچھ نہیں۔

نیز چاہیے کہ انسان اپنی پیدائش کی ابتدا سے جنت میں اپنی آسائش تک اپنی ترقیوں کا ملاحظہ کرے اور جانے کہ درحقیقت انسان وہی لوگ ہیں جو کہ اس آسائش تک پہنچے ہیں ورنہ دنیا میں جو کہ تکالیف اور دُکھوں کا مجمع اور غموں اور بیماریوں کا گھر ہے' گدھے کی طرح بوجھ اُٹھانے اور مصیبتیں جھیلنے کا کیا لطف اور اگر اس تگ و دو کے ساتھ ہزار کدورتوں میں ملوث ایک فانی لذت حاصل ہو بھی گئی تب بھی دوسرے حیوانات سے کوئی امتیاز حاصل نہ ہوا کہ وہ بھی اس قسم کی لذتیں اُٹھاتے ہیں اور اس سے باز پُرس کا کھٹکا نہیں رکھتے۔

## سورۃ دہر کی وجہ تسمیہ

اور اسے سورۃ دہر اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کی ابتدا میں دہریت کے عقیدہ کو باطل فرمایا گیا ہے اس لیے کہ اس عقیدے کا خلاصہ اسی قدر ہے کہ جہان میں جو کچھ انقلابات اور جدتیں رونما ہوتی ہیں سب کی سب زمانے' فلک کے اطوار اور ستاروں کی گردش کی وجہ سے ہیں جو کہ عالم سفلی میں اثر کرتے ہیں' ان اطوار میں سے بعض ہر دن اور رات میں اور بعض ہر ماہ اور ہر برج میں اور بعض ہر فصل میں اور بعض ہر سال میں اور

marfat.com
Marfat.com

بعض چھوٹے بڑے اور درمیانی اور عظیم قرانات میں بدل جاتے ہیں اور گوناگوں انقلابات اور قسم قسم کی تبدیلیاں بروئے کار لاتے ہیں اور ان میں سے کچھ اطوار بہت طویل زمانوں میں بدلتے ہیں کہ انہیں اکوار اور ادوار کہتے ہیں اور عظیم انقلابات اور عجیب وغریب اقسام کے ظاہر ہونے کا موجب ہوتے ہیں اور دریا خشکی میں بدل جاتے ہیں اور خشکی دریا بن جاتی ہے' آبادیاں برباد اور کھنڈرات آبادیاں' پہاڑ صحرا اور صحرا پہاڑ بن جاتے ہیں اور بنی نوعِ انسان اور دوسرے حیوانات خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور بعض اقسام ختم اور فنا ہو جاتی ہیں۔

اور جب ثابت ہو گیا کہ نوعِ انسانی کبھی نہ تھی اور اس کا کوئی ذکر تک نہ کرتا تھا' معلوم ہوا کہ اس نوع کا پیدا ہونا زمانے کی کسی وضع کا تقاضا نہ تھا اور نہ وہ وضع جس وقت اس نوع کے تقاضے کے اوقات میں سے ہوتی ہے' لوگ اس نوع کے منقطع ہونے کے اور دوسری دفعہ اس کے پیدا ہونے کے بعد اسے یاد کرتے کہ فلاں دور میں یہ نوع وجود میں آ کر منقطع ہو گئی تھی اور کم از کم جنات اور ملائکہ خود اس نوع کو نام ونشان کے ساتھ پہچانتے۔

## دہریوں کا اعتراض اور اس کا جواب

اور اگر دہریے کہیں کہ وہ وضع جو اس نوع کے پیدا ہونے کا تقاضا کرتی تھی شاید اس سے پہلے زمانے کی گردش میں واقع نہ ہوئی ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ تمہارے مذہب کے خلاف ہے اس لیے کہ تمہارے نزدیک ہر نوع ان معنوں میں قدیم ہے کہ سابقہ گردش کے اطوار واوضاع نے بھی ان کا تقاضا کیا تھا اگرچہ درمیان میں منقطع ہو گیا ہو۔ نیز تمہارے نزدیک جب گردشِ زمانہ کے اوضاع کی ازل کی جانب سے کوئی حد نہیں تو ہر وضع کا آنا لاانتہا ہی دفعہ واقع ہوا ہوگا اور اپنے آثار کا تقاضا کیا ہوگا۔ وضع جدید کا ظاہر ہونا جس کی مثل کبھی واقع نہ ہوئی ہو' تمہارے نزدیک محال ہے۔

نیز یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ گردشِ زمانہ کے اوضاع اس قسم کے انقلابات کے وقوع' انواع کے پیدا ہونے اور کثیر جماعت کے ہلاک ہونے کے وقت زیچ اور تقویم

marfat.com

Marfat.com

کے مطابق اتنے عجیب و غریب نہیں تھے کہ کسی وقت وہی وضع یا اس کی مانند یا اس سے زیادہ قوی واقع نہ ہوئی ہوتا کہ دوبارہ نہ ہو بلکہ اس کا واقع ہونا اور ثابت ہونا کثرت کے ساتھ ہے تو معلوم ہوا کہ یہ فاعل مختار کا ارادہ ہے کہ رنگارنگ حادثے اور قسم قسم کے انقلابات اسی کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اور سورۃ ابرار کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے' بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ کیا انسان پر کوئی وقت ایسا گزرا ہے کہ

لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا وہ ایسی چیز نہ تھا جس کا ذکر کیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ نوع انسان جہان میں موجود نہ تھی بلکہ فرشتوں اور جنوں کی زبانوں اور ذہنوں میں ان کا نام و نشان بھی جاری و ساری نہ تھا وہاں تو ذہنی اور لفظی وجود نہ تھا' وجود خارجی کا کیا کام۔ اصل میں شئی موجود کی طرح ایک ثابت چیز کو کہتے ہیں اور اطلاق کے وقت اس سے خارجی ثبوت اور تحقیق ذہن میں آتی ہے جو کہ آثار کا مبداء ہے اور کبھی مقید کرنے کے ساتھ ذہنی اور لفظی وجود کو بھی شامل ہوتا ہے۔ جس طرح کہ اس آیتِ کریمہ میں مذکور کی صفت کی قید لگانے سے سمجھا گیا اور نفی قید کی طرف لوٹی اور مطلق شے ہونے کا سلب جو کہ خارجی ہے' بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔ گویا یوں ارشاد ہوا کہ اوقات میں سے کسی وقت ذہنی اور لفظی وجود بھی نہیں رکھتا تھا' وجودِ خارجی کا کیا مقام۔ اور علم الٰہی میں انسان کا ثابت ہونا اس سلب مطلق کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ علم الٰہی ذہن کے ظرف سے بالاتر ہے اور اسی طرح اس کا اللہ تعالیٰ کی شیون ذاتیہ کے مرتبہ اور اعیان ثابتہ کے مرتبہ میں ثابت ہونا بھی اس سلب مطلق کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ یہاں جدا ہونے والے وجود کی نفی ہے جبکہ اس مرتبہ میں وجود اتحادی رکھتا تھا اور اسی لیے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت کے ساتھ مروی ہے کہ آپ جب یہ آیت قاری سے سنتے تو فرماتے یالیتها تمت اے کاش! یہ حالت پوری ہو جائے اور جہاں سے ہم نے سفر کیا ہے' وہیں

marfat.com
Marfat.com

پھر پہنچ جائیں اور کثرت وحدت میں لاشی ہو جائے اور ہم بلبلے کی طرح ازل کے بحرِ بے کراں میں نیست و نابود ہو جائیں۔

اور علمائے ظاہر اس روایت کو ایک دوسرے معنی پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ کاش یہی حالت ہمیشہ رہتی اور انسان پیدا نہ ہوتا تا کہ خوف و رجاء کے گرداب میں نہ پھنستا اور اس کے کندھوں پر تکلیف کا بوجھ نہ ڈالا جاتا لیکن عقل مند پر مخفی نہیں ہے کہ انسان کی پیدائش میں خدائی حکمتیں ایسے عارفین کاملین کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں' ان سے اس آرزو کا تصور ہر گز نہیں ہو سکتا۔

چونکہ مخاطبین کو اس سوال کا جواب عقل کے معمولی غور و فکر سے معلوم ہو سکتا ہے اس کے جواب سے صرف نظر فرما کر مقصد کی طرف توجہ فرمائی جا رہی ہے کہ انسان کو عدم کے پردے سے میدانِ ظہور میں جلوہ گر کرنے والے ہم ہیں اور اسے ہماری قدرت کے ہاتھ نے صاف شفاف آئینہ بنایا کہ اس میں غیب کی شعاعیں منعکس ہو کر وہ خلافتِ کبریٰ کے لائق ہوا اور موجودات کی آنکھوں کا نور اور غایات کی انتہا ہوا اور اگر اس نوع کی خلقت کی ابتدا سے باخبر نہیں ہیں کہ ہم کون کون سے جہان کی تسخیر کے ساتھ اسے بروئے کار لائے اور ہم نے اس میں کون کون سی باریکی چھپا رکھی البتہ اس قدر تو خود ظاہر اور روشن ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ تحقیق ہم نے اس انسان کو پیدا کیا جس کی پیدائش کو دیکھتا ہے اور اس کی کیفیت کو پہچانتا ہے۔

مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ماں باپ کے نطفہ سے جو کہ تمام موالید سے مرکب ہے اس لیے کہ ماں باپ کی غذا غلہ' گوشت' دودھ' گھی' نمک' زمینی پہاڑی اور باغات کے مصالحے سب جمع ہوتے ہیں اور ہضم کے تمام مرتبوں سے گزر کر تمام اعضاء میں پہنچتے ہیں اور وہاں سے کارخانہ ولادت کے موکلین اس کا نچوڑ نکال کر نطفہ بناتے ہیں۔ پس معدنیات' نباتات اور مختلف طبیعتوں کے جانور اپنے جدا جدا اجزا کے ساتھ سب کے سب اس معجون کے مفردات اور اس مرکب کے اجزا ہیں اور جب غذا کا نچوڑ تمام اعضاء میں سیر کرتا ہے'

marfat.com
Marfat.com

ہر عضو کی روح اس میں اثر کرتی ہے اور وہ روح اس قوت کی حامل ہے جو کہ اس عضو کے ساتھ مخصوص ہے جیسے سمجھنا' خیال کرنا' وہم کرنا' دیکھنے' سننے' سونگھنے' چکھنے اور ٹٹولنے کا احساس اور یہ قوتیں تمام جہانوں ملک' ملکوت اور ماوراء کو گھیرنے والی ہیں۔ نیز وہ روح مختلف حالاتِ شہوت وغضب' حیاوحلم' غصہ ومحبت' خوف' وارفتگی اور عشق سے کسی حالت کی حامل ہے۔ پس وہ ان تمام امور کی استعداد کا خلاصہ پیدا کرتی ہے اور یہ امور اس خلاصے میں اس طرح لپٹے ہوتے ہیں جس طرح کہ درخت کے تمام اجزا اور اس کے عجیب خواص گٹھلی اور بیج میں لپٹے ہوتے ہیں اور اس طرح اس کی وحدت ایسی کثرت پر مشتمل ہوتی ہے کہ اس کے بھید کی کیفیت ظاہر نہیں ہے۔ بخلاف دوسرے حیوانات کے نطفہ کے کہ نہ تو ان کی غذا میں تمام موالید کا احاطہ کیا گیا ہے اور نہ ہی ان کی ارواح اور قوتیں کثیر جہانوں پر محیط ہیں اور یہی وجہ ہے کہ علماء کی اولاد سے علم کی استعداد کی توقع زیادہ ہوتی ہے اور مشائخ و اولیاء کی اولاد سے راہِ خدا کا سلوک اور درجات سلوک کو طے کرنا زیادہ متوقع ہوتا جبکہ بہادروں اور دلیروں کی اولاد زیادہ جنگجو ہوتی ہے اور باحوصلہ غیور سے حوصلہ مند غیور ہی پیدا ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہم نے اس مخلوق کو جو کہ پیدا کی گئی تمام چیزوں میں سے زیادہ نفیس اور جامع ہے' بے فائدہ پیدا نہیں کیا ہے بلکہ اس کی تخلیق میں ایک عمدہ مقصد پیش نظر ہے اور وہ یہ ہے کہ

نَبْتَلِيهِ ہم اسے آزماتے ہیں اور ابتلاء و آزمائش کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو شعور اور اختیار دے کر ہم اسے نیک کام کا حکم دیں اور برے کام سے روکیں تاکہ دوسری مخلوق دیکھے کہ یہ شخص اپنے اختیار کے ساتھ کیا کام کرتا ہے اگر فرمان کے مطابق بجالایا تو ثواب' انعام اور بخشش کا مستحق ہوا اور اگر اس کی خلاف ورزی کی تو ذلت' رسوائی اور عذاب کا مستحق ٹھہرا۔ ورنہ غیب وشہادت جاننے والے کے حق میں آزمائش وامتحان کا کوئی معنی نہیں اور جب اس مخلوق کے پیدا کرنے سے یہ مقصد ہمارے پیش نظر تھا' اسے سمجھنے دیکھنے کے اسباب عطا کرنا ضروری ہوا۔

فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا تو ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے اس

marfat.com
Marfat.com

کے سننے اور دیکھنے میں اس قدر فراخی فرمائی کہ اس کے سننے اور دیکھنے کے مقابلے میں دوسرے حیوانات بہرے اور اندھے ہیں۔ گویا کان اور آنکھ رکھتے ہی نہیں۔ اس لیے کہ یہ مخلوق آواز کے ساتھ حروف کے مخارج اور الفاظ کو بھی سنتی ہے اور لہجہ کی تمیز کرتی ہے اور ان الفاظ کے معنوں اور اس لہجہ کے خواص کا سراغ بھی لگاتی ہے اور ہر لفظ کے مختلف اطوار کو سمجھتی ہے اور اس وجہ سے اس کا کام یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ جناب حضرت رب العالمین کی مخاطب بن جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہم کلام ہوتی ہے جبکہ دوسرے حیوانات نری آواز کے سوا کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

اور اسی طرح انسان نظر میں آنے والی روشنی اور رنگ کے ساتھ صنعتوں اور شکلوں کی باریکیوں اور نور اور رنگ کے مرتبوں کو غور وفکر کے ساتھ دریافت کرتا ہے اور خطی نقوش کو سمجھتا ہے اور اس وجہ سے واصل بحق ہونے والوں سے ان کے علوم کا استفادہ کرتا ہے اور گزشتہ اُمتوں کے حالات پر مطلع ہوتا ہے جو کہ اس سے ہزاروں سال پہلے ہو گزری ہیں اور عجیب تحقیقات کرتا ہے۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ دلیل لازم کرنے اور نعمتیں پوری کرنے کے مقام پر خصوصیت کے ساتھ ان دونوں حواس سننے اور دیکھنے کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عالم امکان کے حقائق کو اپنے غیر سے دریافت کرنے اور اس دریافت کو اپنے غیر پر ڈالنے کا راستہ یا ان حقائق کا وجود لفظی ہے یا وجود خطی جو کہ الفاظ کے مقابلے میں رکھے گئے ہیں اور ان دونوں راستوں پر انہیں دونوں حواس کے ساتھ چلا جا سکتا ہے۔

نیز عبادت اور معرفت کا طریقہ یا انبیاء علیہم السلام' اولیاء' عرفاء اور علمائے کرام کا کلام سننے حاصل ہوتا ہے یا حالتِ حیات ظاہری میں ان کے عادات و اطوار دیکھنے اور حدیث' ملفوظات مشائخ' علماء کے جمع کیے ہوئے فنون کی کتابیں اور وصال کے بعد عارفین کے حقائق و معارف پر مبنی وسائل دیکھنے سے۔ اور یہ دونوں کام انہیں دو حواس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ بخلاف دوسرے حواس کے جن کا معرفت اور عبادت میں کہ

marfat.com
Marfat.com

آزمائش کا مقصد یہی دو چیزیں ہیں' کوئی دخل نہیں ہے۔ ان سے زیادہ تر نفع معاش کے ضروری امور کی دریافت میں لیا جاتا ہے کہ دوسرے حیوانات بھی اس دریافت میں غالب طور پر شریک ہیں۔

اور اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ دلیل نقلی ہے یا عقلی۔ نقلی دلیل آمنے سامنے دریافت نہیں ہو سکتی مگر قوتِ سماعت کے ساتھ اور دلیل عقلی جو کہ معرفت و عبادت کی راہ چلنے میں زیادہ تر مددگار ہے' انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات دیکھنا ہے اور دونوں قوتِ بصری کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ عجیب مصنوعات اور آثار قدرتِ الٰہی کو دیکھنا بھی اسی قوت کے ساتھ متعلق ہے اور دلائل عقلیہ جو کہ سلف کی کتابوں اور رسائل میں جمع کیے گئے ہیں' پر اطلاع بھی اسی قوت سے حاصل ہوتی ہے۔ پس ان دو قوتوں کے کمال کے بعد آدمی کی معرفت دین اور سلوک راہِ خدا میں کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی سوائے فہم و عقل کے جو کہ دل کا کام ہے' جوارح اور اعضاء کا نہیں اور جب امر میں زیادہ تر دلائل نقلیہ کی ضرورت ہے اور اس کام میں اللہ تعالیٰ کا کلام اور رسولِ کریم علیہ السلام کا کلام' نصیحت کرنے والوں کی نصیحت' علماء کی تقاریر' خطباء کا وعظ' اولیاء اللہ کے اشارات و رموز اور عارفین کے حقائق و معارف سننے کو بہت دخل ہے اور یہ تمام چیزیں قوتِ سماعت سے وابستہ ہیں اسی قوت کو نعمت ہدایت وارشاد کے بیان میں جگہ جگہ قوتِ بصر سے پہلے لایا جاتا ہے جیسا کہ اس آیتِ کریمہ میں اسی دستور کو اپنایا گیا ہے۔

نیز قوتِ سماعت کی ایک ایسی خصوصیت ہے جو کسی قوت میں پائی نہیں جاتی اور وہ یہ ہے کہ دیکھنے' سونگھنے' چکھنے اور ٹٹولنے میں سے ہر قوت سے پائی جانے والی چیزیں اسی کے واسطے سے دریافت ہوتی ہیں۔ پس حواسِ خمسہ میں اس کا حکم عناصر اربعہ میں ہوا کے حکم کی مانند ہے اور سات سیاروں میں عطارد کے حکم کی طرح ہے کہ اپنے غیر کی حکایت بھی ہے اور کارآمد بھی ہے' زمان اور مکان کے اعتبار سے دور افتادہ لوگوں تک بصر کے مدرکات کو یہی قوت پہنچاتی ہے۔ پس بصر کا کام بھی اس کے بغیر پورا نہیں ہے اور وہ مدرکات بصری کا وسیلہ ہے اور وسائل مقاصد سے پہلے ہی ہوتے ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

جب آزمائش کے لیے پیدا کی جانے والی اس مخلوق کو جاننے اور دیکھنے کے اسباب اس حد تک حاصل ہو گئے کہ اگر ان اسباب کے ساتھ اپنے پروردگار کی معرفت اور عبادت کی راہ اور اپنے منعم کا شکر ادا کرنے کا راستہ تلاش کیا جاتا تو اس کا پایا جانا ممکن تھا لیکن اس کے حق میں صرف اسی قدر پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ

اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ تحقیق ہم نے اسے اپنی معرفت کی راہ اور شکر ادا کرنے کے طریقے کی ہدایت فرمائی' ہم نے اس راہ کی طلب اور تلاش اس کے ذمہ نہیں چھوڑی تا کہ اپنی کوتاہی میں بہانہ جوئی نہ کرے۔ پس ہم نے پے در پے رسل علیہم السلام کو بھیجا' اسے ان کے ہاتھوں معجزات دکھائے' واضح طور پر دلالت کرنے والی کتابیں نازل فرمائیں اور ان کتابوں کے مجمل اور متشابہ کی مراد بیان کرنا' رسل علیہم السلام اور پھر ان کے سعادت مند شاگردوں' علماء و مجتہدین کے ذمے لگایا جو کہ ہر دور میں ہوتے ہیں تا کہ اس کا سننا اور دیکھنا کسی اُلجھن اور تکلیف کے بغیر ہماری معرفت اور عبادت کے کام میں مصروف ہو اور ہماری تخلیق اور ہدایت کی نعمت کا شکر ادا کرے لیکن یہ مخلوق اس سب عنایت کے باوجود ایک راہ نہ چلی بلکہ دو قسمیں ہو گئی۔

اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا یا شکر گزار کہ ہماری تخلیق اور ہدایت کی نعمت کا شکر ادا کرتی ہے اور اس نعمت کو قبول کرتی ہے یا ناشکری' ناحق شناسی اور کفرانِ نعمت کرتی ہے اور بالکل راہ پر نہیں آتی بلکہ اس راہ کو قبول نہیں کرتی' اسے باطل کرنے میں شبہات وہمیہ اور خیالاتِ شیطانیہ لاتی ہے اور اپنی شنوائی اور بینائی کو ہماری دشمنی اور مخالفت میں خرچ کرتی ہے اور جب ہم نے اس کے ساتھ امتحان اور آزمائش کا معاملہ کیا ہے تو اگر اسے اس دشمنی اور مخالفت پر سزا نہ دیں تو دوسری مخلوقات کی نظر میں امتحان اور آزمائش کا نتیجہ ثابت نہیں ہوتا اور ہماری حکمت اور عدالت مجروح ہوتی ہے۔ ناچار

اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ تحقیق ہم نے نعمت ہدایت کی ناشکری کرنے والوں کے لیے تیار کی ہیں۔ سَلَاسِلَ دنیوی تعلقات کی زنجیریں کہ جب دنیا میں زندہ رہیں' ان زنجیروں میں جکڑے رہیں اور معرفت و ہدایت کی راہ ہرگز نہ چل سکیں' کسی کو مال کی محبت

marfat.com
Marfat.com

کی کڑی میں' کسی کو عورتوں اور بیٹوں کے عشق کی زنجیر میں' کسی کو باغ لگانے' کاشت کاری کرنے اور عمارت بنانے کے خیال کی زنجیریں' کسی کو فوج اور لشکر جمع کرنے' ملک فتح کرنے اور اپنا حکم چلانے میں' کسی کو خیالی اور موہوم منافع فوت ہونے کے غم وفکر میں اور کسی کو نادر صنعتیں نکالنے اور ریاضت وطبیعت کے عجیب وغریب آلات ایجاد کرنے میں گرفتار اور مقید کر دیا اور یہ تمام زنجیریں قیامت کے دن آتشیں زنجیروں کی شکل میں ہو کر ان ناشکروں کے تمام جسموں کو پکڑ لیں گی اور وہ لوگ ان زنجیروں میں جکڑے جائیں گے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ

اور جب ناشکروں میں سے کسی کو یہ چیزیں جن کی محبت کی زنجیر میں وہ گرفتار ہیں' اپنی نوع والوں کے عمدہ لوگوں جن کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں' کے وسیلہ کے بغیر میسر نہیں ہوتیں' ناچار ناشکروں کے لیے ہم نے ایک اور چیز مہیا کر رکھی ہے۔

وَاَغْلٰلًا اور وزنی طوق جو کہ ان کی گردن میں ہوتے ہیں تاکہ سر نہ اُٹھا سکیں اور معرفت وعبادت کی راہ کی طرف توجہ نہ کر سکیں اور اس راہ کے دائیں بائیں نہ جھانک سکیں۔ پس کسی کی گردن میں ہم نے بادشاہوں اور امیروں کی نوکری کا طوق ڈال دیا' کسی کو ساہوکاروں کی قرض خواہی اور ان کی چاپلوسی کرنے کا طوق' کسی کو قاضیوں' مفتیوں اور حیلہ سازوں کے احسان کا طوق' کسی کو دفتری کارپردازوں' حاکموں اور ٹیکس کے افسروں کے ہاں پیشی کا طوق۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں تک کہ کسی کو چلمن نشیں عورتوں کی غلامی کا طوق' کسی کو گائے' اونٹ' گھوڑے اور خچر کی خدمت کا طوق ڈالا اور یہ سب طوق قیامت کے دن آتشیں طوق ہوں گے اور ان کی گردنوں کو بوجھل کر دیں گے اور جلائیں گے۔

اور جب اکثر ناشکروں کو یہ طوق پہننے اور ان تعلقات میں گرفتار ہونے کے باوجود اپنا مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کچھ مطلب ہاتھ آ جاتے ہیں لیکن اس طرح کہ جیسے ان کی حرص اور آرزو کا تقاضا تھا' حاصل نہیں ہوتے ناچار ہم نے ان کے لیے ایک اور چیز

marfat.com

Marfat.com

مہیا کی ہے۔

وَّسَعِيۡرًا اور سینے کی جلن اپنا مطلب جلد حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کہ جب تک دنیا میں زندہ رہتے ہیں' وہ جلن محسوس کرتے ہیں جیسے کیمیا کی ہوس رکھنے والے اور اگر ایک طرف سے جلن کم ہوتی ہے' دوسری طرف سے بھڑک اُٹھتی ہے۔ پس ہم ان کی اس سب انسانی خلقت لطیف کو دگرگوں کر دیتے ہیں۔ بدن کا نچلا حصہ زنجیر میں گرفتار۔ اس کا اوپر کا حصہ طوقوں سے گرانبار اور اس کا درمیانی حصہ جو کہ سینہ اور دل ہے' جلن میں بے قرار اور وہی سوزش ہے جو کہ قیامت کے دن جہنم کی آگ کی صورت میں ان اندر باہر کو جلائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور ہدایت کی نعمت کی ناشکری کی سزا چکھیں گے۔

## ایک جواب طلب سوال

اگر یہاں کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ ان تعلقات میں گرفتاری' ان طوقوں کا پہننا اور مطالب دینا نہ پانے کے درد کی وجہ سے سینے کی جلن دنیوی زندگی کے لوازمات میں سے ہے جبکہ نعمتِ خداوندی کا شکر ادا کرنے والوں کو بھی اسی دنیا میں زندگی بسر کرنا ہے' وہ ان تعلقات میں گرفتاری' ان طوقوں کو پہننے اور ان جلنوں کو چکھے بغیر نہیں رہ سکتے تو پھر ان چیزوں کی ناشکروں کے ساتھ کیا تخصیص ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ شکرگزاروں کو ان تعلقات میں گرفتاری کے اسباب اور یہ طوق پہننے اور ان سوزشوں کو چکھنے کے اسباب دنیوی زندگی کے تقاضے کے مطابق پیش آتے ہیں لیکن انہیں زنجیروں میں گرفتاری طوق پہننے اور جلن محسوس کرنے کی صورت پیش نہیں آتی۔

## شکرگزاروں کے تین گروہ

اس لیے کہ شکرگزاروں کے تین گروہ ہیں' ابرار جن کا لقب اصحاب الیمین بھی ہے اعمال کے مقربین جن کا لقب عباداللہ اور عبادالرحمٰن بھی ہے احوال کے مقربین جنہیں مقربین مطلق بھی کہتے ہیں اور سابقین بھی ان کا لقب ہے۔ پہلے ہم ابرار کا حال بیان کرتے ہیں جو کہ مقربین اعمال کا تبرک اور پس خوردہ حاصل کرنے والے ہیں اس کے

marfat.com
Marfat.com

بعد ہم مقربین اعمال کے احوال بیان کرنے کی طرف منتقل ہوں گے تا کہ اس پر قیاس کر کے مقربین احوال کا حال بطریق اولیٰ ظاہر کیا جائے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ تحقیق نیکوکار لوگ جو کہ اپنی بساط بھر کسی کا حق ضائع نہیں کرتے اور اپنے اور اپنی نوع کے دوسرے لوگوں کے بارے میں احسان کو پیش نظر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی اطاعت کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں جب تک دنیا میں زندہ ہیں۔

یَشْرَبُوْنَ ایک دو گھونٹ پیتے ہیں۔ مِنْ کَاْسٍ محبتِ الٰہی اور اس بارگاہِ عالی تک پہنچنے کے شوق کی شراب سے مالامال پیالے سے مقربین کے ہاتھوں اور وہ ایک دو گھونٹ پینے کی وجہ سے انہیں بے خودی حاصل ہو جاتی ہے اور دنیوی تعلقات کے طرف توجہ نہیں رہتی۔ لیکن چونکہ ایک دو گھونٹ ان میں اس قدر تاثیر نہیں کرتے کہ یہ حالت دائمی رہے' قوت دینے اور اس کے اثر کو ہمیشہ رکھنے کے لیے۔

کَانَ مِزَاجُهَا اس پیالے کی آمیزش ہوتی ہے۔ کہ جسے بطور عنوان اس پر چھڑکا گیا ہے۔ کَافُوْرًا کافور جو کہ مقوی روح بھی ہے' مفرح دل بھی۔ اس کی بو بھی اچھی ہے اور رنگ بھی نورانی' دل کو مطلب نہ پانے کی جلن اور دنیوی تعلقات کی طرف جھانکنے سے سرد بھی کر دیتا ہے اور فاسد ارادوں اور باطل وسوسوں کی تکلیف کی اصلاح بھی کرتا ہے۔ شیخ ابوعلی سینا نے مفردات قانون میں کہا ہے کہ آدمی کے جسم اور اس کی روح میں کافور کی تاثیر بعینہٖ جہان میں پروا ہوا کے اثر کی طرح ہے کہ ہر چیز کے جوش کو کم کرتا ہے اور بدبو کو بالکل دور کر دیتا ہے کسی دوائی کو جو کہ اعضاء میں سے کسی خاص عضو کو نفع دیتی ہے' چاہیں کہ اس عضو تک جلد پہنچائیں تا کہ جگر اور معدہ کے ہضم میں دیر نہ لگے اور اس کی قوت کمزور نہ ہو جائے' شربت میں ملا کر دیتے ہیں کہ یہ عمل جلد اثر کرنے اور گزرگاہوں کو کھولنے میں بے مثال ہے۔ جب انہیں شربت میں کافور ملا کر دیا گیا تو پوری تیزی سے ان کے رگ و ریشے میں سرایت کر گیا اور اس کا اثر پوری قوت کے ساتھ روح اور قلب میں پہنچ گیا اور علائق دنیوی سے پاک ہونے' دل کی خواہشات سرد پڑنے اور انہیں نہ پانے کی سوزش قبول نہ کرنے کی حالت مستحکم اور پختہ ہوگئی لیکن یہ کافور دنیوی کافور نہیں

marfat.com

Marfat.com

ہے جس کی تاثیر صرف ظاہری جسم اعضاء اخلاط اور ارواح کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ کافور سے ہماری مراد

عَیْنًا عالم روحانی کا ایک چشمہ ہے کہ انہیں کیفیتوں اور خواص کے ساتھ اس کا شربت آدمی کے باطن میں جو کہ لطائفِ نفس اور نفسانی قوتیں ہیں اثر کرتا ہے۔

یَشْرَبُ بِهَا نوش کرتے ہیں اپنے ہر پیالے کو جس میں کہ اس چشمے کا پانی ملا ہوا ہے۔عِبَادُاللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جو کہ کسی کی بندگی کا طوق گردن میں بالکل نہیں رکھتے اور اپنے حرکت وسکون میں خدا تعالیٰ پر نظر رکھتے ہیں اور اسی کی رضا طلب کرتے ہیں اور ثواب و جزا کی طرف بھی دھیان نہیں کرتے اور اپنے اعمال پر بھی اعتماد نہیں رکھتے۔

یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا اس چشمے کو اپنے ہر عمل میں جاری کرتے ہیں جاری کرنا گویا وہ چشمہ خاص انہیں کی ملک اور انہیں کے تصرف میں ہے۔عضو کے ہر عمل اور ہر قوت کے حلق میں اس چشمے کے پانی کے اثر کو کھینچ لے جاتے ہیں اور وہ علائق دنیوی اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے سے اس قدر دل کو سرد کیے ہوئے ہیں کہ اپنے اعمال پر اور اچھی صلاحیتوں پر اعتماد انہیں بالکل مطمئن نہیں کرتا بلکہ بارگاہ خداوندی سے ان اعمال واخلاق کے قبول نہ ہونے کا کھٹکا اور خطرہ انہیں ہمیشہ لازم رہتا ہے۔چنانچہ اس حال کا گواہ یہ ہے کہ

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ نذر پوری کرتے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نوافل وظائف اوراد صدقات اور خیرات سے جو کچھ بھی اپنے اوپر لازم کیا ہے اسے عمر کے آخری وقت تک پورے طور پر ادا کرتے ہیں اور جب انہوں نے ان چیزوں کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر واجب نہ تھیں بلکہ انہوں نے اپنی طرف سے ہی انہیں لازم کرلیا تھا پورے طور پر ادا کیا ہوگا تو جو واجبات خدا تعالیٰ کی طرف سے ان پر واجب ہوئے انہوں نے انہیں بطریق اولیٰ پورے طور پر ادا کیا ہے۔اور اس استقامت اور تمام واجبات اصلی اور التزامی کی ادائیگی کے باوجود اس پر وہ اعتماد بالکل نہیں کرتے اور ہمیشہ ڈرتے رہتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں۔

وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر اس آگ کی طرح منتشر اور بکھرا ہوا ہوگا جو کہ ہوا کے طوفان کے دن بھڑک اُٹھے اور ہر گھر کو جلنے کا خطرہ لاحق ہو جائے اور ان کا یہ خوف اس وجہ سے ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ واجبات کی ادائیگی میں ہم سے کوئی سستی اور کاہلی واقع ہو اور اس وجہ سے طبعی ظلمت نیکی کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہو اور قیامت کے دن کہ اس کا شر گناہ گاروں کی نحوست کی وجہ سے بے گناہوں کو بھی پہنچے گا جیسے آسمان، زمین، پہاڑ، دریا، ستارہ، سورج اور چاند وہ طبعی ظلمت کے ساتھ مخلوط نیکی نامنظور ہو اور عتاب اور عذاب کا موجب ہو اور اپنے اعمال پر ان کی اس قدر بے اعتمادی اس بات کی صریح دلیل ہے کہ ان پر خوف بہت زیادہ غالب ہے اور خوف کا غلبہ دل کی سردی کی دلیل ہے کیونکہ حرارت کے وقت دل بہت زیادہ جرأت اور بے باکی کرتا ہے۔ پس یہ اسی کافور کا اثر ہے جسے انہوں نے شراب محبتِ الٰہی کے ساتھ ملا کر نوش کیا ہے۔ بیت اس افیون کی وجہ سے جسے ساقی نے شراب میں ڈالا حریفوں کا سر رہا نہ دستار۔

نیز اس بات کی صریح دلیل ہے کہ جب انہیں ان اعمال کے ساتھ تعلق نہ رہا جو انہوں نے اپنے مطلوب کے شوق میں کیے ہیں اور ان سے ان کا دل سرد ہے تو یقیناً علائق دنیوی سے بھی پورے طور پر منقطع ہو گئے ہیں جو کہ ان کے مطلوب کے منافی تھے اور یہ بے خودی کا اثر ہے جسے انہوں نے محبتِ الٰہی کی شراب پی کر حاصل کیا ہے اور اس حالت پر ایک اور گواہ یہ ہے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ اور کھانا کھلاتے ہیں باوجودیکہ پکا ہوا تیار رکھانا کھلانا نقدی اور جنس دینے سے زیادہ ناگوار ہوتا ہے اس لیے کہ جس چیز کا نفع قریب اور منفعت حاضر ہو اس میں آدمی اس چیز کے مقابلے میں بہت زیادہ بخل کرتا ہے جو کہ مطلوبہ منفعت سے دور ہو اور اسی لیے اکثر لوگوں کے نزدیک گندم دینا آٹا دینے سے زیادہ آسان ہے اور آٹا دینا روٹی دینے سے زیادہ سہل ہے اور بعض اوقات جب انسان کھانا دینے کی سخاوت

marfat.com
Marfat.com

کرتا ہے اور نقدی اور جنس دینے سے جی چراتا ہے اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اسے اس کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور طعام پکنے کے بعد کھانے کے علاوہ کسی اور کام نہیں آتا اور جلد بدبودار ہو جاتا ہے اور جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ بخلاف نقدی اور جنس کے کہ کارآمد بھی ہے اور جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے کے قابل بھی لیکن یہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں۔

عَلٰی حُبِّہٖ اس کھانے کو پسند کرنے کے باوجود شدید ضرورت اور خوراک نہ ملنے کی وجہ سے کہ اس وقت پکا ہوا شلغم کچی چاندی سے بہتر ہے' کا مصداق ہو جاتا ہے یا اس کی نفاست اور خوش ذائقہ ہونے کی وجہ سے بے احتیاجی کے باوجود بھی بے فائدہ بدل نہیں کرتے بلکہ یا تو کچھ وقت کے بعد خود کھالیتے ہیں یا کسی ایسے کو کھلاتے ہیں جس سے بڑی منفعت کی توقع ہو اور یہ لوگ اس حالت میں کھانا کھلاتے ہیں۔

مِسْکِیْنًا گدا کو جو کہ اپنی غذا حاصل کرنے سے عاجز ہے اور اس سے کسی منفعت کی کوئی توقع نہیں۔ بلکہ ایک بار کھلانے کی وجہ سے عادت بنا کر ہر روز قرض خواہ کی طرح پیچھے پڑ جاتا ہے اور غیر موزوں اور تلخ صدائیں لگا کر تشویش میں ڈالتا ہے۔

وَیَتِیْمًا اور یتیم کو کہ وہ گدا سے بھی زیادہ عاجز ہے اس لیے کہ گدا کی قوت بدن بھی وافر ہے اور عقل بھی کامل اگر ایک وقت اسے کھانا میسر نہ ہو تو دوسرے وقت کوشش اور تلاش کے ساتھ گلی کوچوں میں پھر کر کچھ نہ کچھ حاصل کر کے لے آئے گا جبکہ یتیم کی نہ عقل کامل ہے نہ جسم قوی' نہ اسے گداگری کا طریقہ آتا ہے نہ اس سے کسی منفعت کی توقع۔

وَّاَسِیْرًا اور قیدی کو جو کہ کسی کی قید میں پڑا ہے' کمائی بالکل نہیں کر سکتا اور اس سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ گدا اور یتیم کی طرح خود کو کسی کی نظر میں ظاہر کرے تا کہ وہ اس کے حال پر رحم کر کے اس کی مدد کرے اور کھانے میں رغبت کے باوجود اس قسم کے لوگوں کو کھانا کھلانا اس کے باوجود کہ ایک عظیم احسان ہے اور ریا کی آلائش سے پاک عبادت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اس عمل پر اعتماد نہیں کرتے اور ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا

marfat.com
Marfat.com

نہ ہو کہ گدا' یتیم اور قیدی کھانا کھانے کے بعد ہمارے متعلق تعظیم' سلام' تعریف اور توصیف بجالائیں اور ہمارا نفس خوش ہو اور طبعی ظلمت اس کام میں بھی مخلوط ہو جائے اسی لیے عین کھانا کھلانے کے دوران انہیں صراحت کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ تحقیق ہم تمہیں نہیں کھلاتے مگر صرف رضائے خداوندی کے لیے۔ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتے کہ یہ کھانا کھانے کے بعد سلام یا تعظیم بجالاؤ یا ہمارے حق میں ترقی کی دعا کرو۔ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ جب کسی گھر والوں کی خیرات بھیجتیں تو اپنی خادمہ سے پوچھتیں کہ انہوں نے خیرات لینے کے بعد کیا کہا اگر خادمہ عرض کرتی کہ انہوں نے آپ کے حق میں یہ دعا کی تو حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا بھی ان گھر والوں کے حق میں اسی دعا میں مصروف ہو جاتیں اور فرماتیں کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی دعا میرے صدقہ کے عوض میں گنی جائے اور میرے صدقے کا ثواب کم ہو جائے اور میں نے دعا کا بدلہ دعا کے ساتھ دے دیا تا کہ صدقہ کا ثواب برقرار رہے۔

وَّلَا شُكُوْرًا اور ہم تم سے شکر گزاری نہیں چاہتے کہ لوگوں کے سامنے ہماری تعریف کرو کہ فلاں نے ہم پر یوں احسان کیا اور یوں کھانا کھلایا اس لیے کہ اگر ان کاموں سے ہم ان چیزوں کا قصد کریں تو طبعی ظلمت سرایت کر جاتی ہے پھر مذکورہ دن کا خوف لوٹ آتا ہے۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا تحقیق ہم اپنے پروردگار سے خوف کرتے ہیں۔ يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ترش رو اور انتہائی چیں بجبیں دن کا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی سے کنایہ ہے جو اس دن ہوگی۔ ازرہ ادب دن کو عبوس و قمطریر کی صفت لگا دی جس طرح ترش رو اور چیں بجبیں آدمی غصے میں آ جاتا ہے اور ہلکے سے لفظ سے ہی بگڑ کر خشمگیں ہو جاتا ہے اس طرح وہ دن کہ جس میں ہر چھوٹی بڑی شے کا مواخذہ ہوگا' ہولناک اور ڈرانے والا ہے اور خوف شدید کے امتزاج کے ساتھ یہ عمل دونوں چیزوں کی صریح دلیل ہے۔ علائق دنیوی کے منقطع ہونے کی بھی اور دل سردی اور بے اعتمادی کی بھی۔

marfat.com

Marfat.com

تفسیر واحدی اور دوسری تفاسیر میں مذکور ہے کہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما بیمار ہو گئے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیمارداری کے لیے تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ کثیر تعداد میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حاضر آئے' ان میں سے ایک شخص نے حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ صاحب زادوں کو تکلیف زیادہ ہے' آپ کوئی نذر مانیں۔ آپ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تین روزوں کی نذر کی۔ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے بھی یہی نذر مانی اور آپ کی لونڈی نے بھی جس کا نام فضہ تھا' یہی نذر مانی۔ حق تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم فرمایا کہ حضرت ؟؟ رضی اللہ عنہما شفایاب ہو گئے اور نذر کے مطابق تینوں نے روزہ رکھا اس دن کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ غلہ فروش خیبری یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے قرض مانگا اس نے اسلام دشمنی کی بناء پر قرض دینے میں پس وپیش کی۔ آخر بہت لیت ولعل کے بعد آپ کو بارہ آثار (ایک پیمانہ ہے) جو دیئے۔ آپ گھر تشریف لائے' حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے چار آثار جو چکی میں ڈال کر پیسے اور آپ کی لونڈی نے گھر والوں کی تعداد کے مطابق پانچ روٹیاں پکائیں جب افطاری کا وقت ہوا' وہ پانچ روٹیاں لا کر حضرات کی خدمت میں پیش کر دیں۔ چاہتے ہی تھے کہ ان روٹیوں سے تناول فرمائیں کہ اچانک دروازے پر ایک منگتا آ کھڑا ہوا اور اس نے کہا اے اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر سلام ہو' ایک مسلمان منگتا آپ کے دروازے پر حاضر آیا ہے' کچھ کھانے کو مل جائے اور اس کے گھر کے پانچ افراد ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ جنتی دسترخوانوں سے کھانا دے گا۔ ان بزرگوں نے پانچوں روٹیاں اس منگتے کے حوالے کر دیں اور رات کو پانی کے سوا کچھ نوش نہ فرمایا۔ صبح روزہ سے اُٹھے جب شام ہوئی' افطاری کے وقت مذکورہ کھانا تیار کر کے دسترخوان پر رکھا گیا۔ اچانک ایک یتیم آ پہنچا اس روز کا کھانا یتیم کو دے دیا گیا اور تیسرے دن ایک قیدی آ گیا اس روز کا کھانا قیدی کو دے دیا جب چوتھے دن اُٹھے تو جانور کے چوزے کی طرح کانپ رہے تھے اور بھوک کی شدت کی وجہ سے بالکل حرکت کی طاقت نہ رہی تھی۔

marfat.com
Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس روز حضرات امامین رضی اللہ عنہما کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے اور یہ حالت دیکھ کر بے تاب ہو گئے۔ فرمایا کہ میری بیٹی کہاں ہے؟ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! وہ اپنی محراب میں نماز میں مشغول ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے' دیکھا کہ ان کا بطن مبارک پشت کے ساتھ لگا ہوا ہے اور دونوں آنکھیں اُتری ہوئی۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اسی اثنا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ! یہ سورۃ لیجیے' آپ کو اور آپ کے اہلِ بیت کو مبارک ہو اور یہ آیات پڑھیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ظاہری فتوح فرمائیں اور پھر اس قسم کی شدت فقر میں مبتلا نہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ان تینوں راتوں میں گدا' یتیم اور قیدی کی صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اہلِ بیت کے صبر کے امتحان کے لیے تشریف لائے تھے اور اسی موقع پر کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے ملک دنیا اپنے نیزے کے ساتھ لیا ہے اور ملک عقبیٰ کو تین روٹیوں کے ساتھ خریدا ہے۔

## نذر کے احکام کا بیان

جاننا چاہیے کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے لیکن ایسی نذر کو جو ناجائز نہ ہو اور ناجائز نذر کو پورا کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ صحیح حدیث پاک میں وارد ہے کہ **من نذران یطیع اللّٰہ فلیطعہ ومن نذران یعصی اللّٰہ فلایعصہ** یعنی جو شخص اطاعتِ خداوندی کی نذر مانے' اسے چاہیے کہ وہ طاعت بجالائے اور جس نے معصیتِ خداوندی کی نذر مانی تو اسے چاہیے کہ اس معصیت کو چھوڑ دے۔ اس لیے نذر کی حقیقت ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کرنا ہے جو کہ واجب نہیں ہے اور جب وہ چیز معصیت ہو گی اور اسے یہ شخص اپنے اوپر واجب کرلے تو اس نے حکمِ الٰہی کی مخالفت کی ہو گی اور اگر بالفرض کسی کی زبان سے کبھی مقامِ نذر میں معصیت کا لفظ نکل جائے تو چاہیے کہ فی الفور توبہ اور استغفار کرے اور اس نذر کو ہرگز پورا نہ کرے۔

نیز نذر اس چیز میں ہے جو کہ نیکی کی جنس سے ہو جیسے نفل نماز' نفلی روزہ' ذکر' تسبیح'

marfat.com

Marfat.com

تلاوتِ قرآن پاک' درود شریف' حج' نیکوں کی زیارت' علم دین کی طلب' جہاد' صدقات' خیرات' نیکیاں اور وقف لیکن جو چیز نیکی کی جنس سے نہیں ہے جیسے فلاں کھانا کھانا' دھوپ میں بیٹھنا' کھڑے رہنا' بات نہ کرنا اور سایہ کے نیچے نہ آنا۔ پس ایسی چیز میں نذر منعقد نہیں ہوتی اور اگر مبہم نذر مانی ہے اور کہا ہے کہ مجھ پر نذر ہے کہ یہ کام کروں۔ اگر وہ کام کیا ہے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوتا ہے اور اسی طرح اگر ایک ایسی نذر مانی جو کہ اس شخص کی طاقت سے باہر ہے تب بھی قسم کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔

## زکوٰۃ' نذر اور کفارات کافر کو دینا درست نہیں ہے

نیز جاننا چاہیے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسکین' یتیم اور قیدیوں کو کھانا کھلانا عبادت ہے خواہ وہ مسکین' یتیم اور قیدی اہلِ اسلام سے ہوں یا اہلِ کفر سے لیکن کافر کو زکوٰۃ' نذر اور کفارہ دینا درست نہیں ہے اور اگر قیدی کافر واجب القتل ہو' اسے کھلانا بھی باعثِ ثواب ہے اس لیے کہ واجب القتل کو بھوک اور پیاس کے ساتھ قتل کرنا جائز نہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں کفار کو قیدی کر کے لایا جاتا اور آپ انہیں مال دار مسلمانوں کے حوالے کر دیتے اور ارشاد فرماتے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ مسلمان آپ کے حکم کے مطابق قیدیوں کو اپنے اہل وعیال سے بہتر طور پر رکھتے اور کھانا کھلاتے یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے بارے میں قتل کرنے یا چھوڑنے یا مال لینے یا انہیں غلام بنا کر رکھنے کا حکم فرماتے۔

اور اسی طرح جس کے ذمے قصاص واجب ہو چکا ہو اور قتل کرنے کا مستحق ہو چکا ہو' اسے بھوک اور پیاس کے ساتھ قتل کرنا جائز نہیں ہے اور جب ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے قیامت کے دن شر کے پھیلنے اور اس دن کی ترش روئی سے ہمیشہ ڈرتے ہیں اور ریا سے پاک اس قسم کے عمدہ اعمال کے باوجود ہراساں رہتے ہیں تو لازم ہوا کہ وہ اس خوف کا پھل جو کہ آخرت میں ضرور دیکھیں گے' بیان کیا جائے اور اس کے بعد ان کے اعمال کی جزا بیان کرنے پر توجہ دی جائے۔ چنانچہ ان کے خوف کے نتیجے کو بیان فرمایا گیا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

فَوَقَاهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ پس اللہ تعالیٰ ان کی اس دن کے شر سے نگہداشت فرمائے گا جو کہ منتشر اور عام ہوگا اور یہ نگہداشت یوں ہوگی کہ ان پر اپنی صفت رضا کی تجلی فرمائے گا اور انہیں اس تجلی کے مشاہدہ میں مستغرق فرمادے گا جیسا کہ گزشتہ سورۃ میں صراحت کی گئی ہے کہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اور ملائکہ رحمت گروہ درگروہ ان سے ملاقات کریں گے اور بشارت دیں گے جیسا کہ سورۃ انبیاء علیہم السلام میں مذکور ہے کہ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔

اور حدیث قدسی میں ہے کہ المتحابون فی جلالی لھم منابر من نور یغبطھم النبیون والشھداء یعنی جو لوگ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ میری راہ میں دوستی کرتے تھے ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے اور ان کے حال پر انبیاء علیہم السلام اور شہداء رشک کریں گے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کو اُمت پر گواہی دینے اور انہیں اس دن کے مواقف اور خطرات سے چھڑانے کی فکر ہوگی اور وہ تشویش میں ہوں گے جبکہ ان لوگوں کو جنہیں کسی کے ساتھ تعلق نہ تھا' پوری فراغت نصیب ہوگی اور یہ سب کچھ علائق دنیوی سے منقطع ہونے کی وجہ سے ہے جو کہ انہیں دنیا میں حاصل تھی۔

وَلَقّٰهُمْ اور ان کے سامنے لائے گا اس کے عوض جو اس دن کی ترش روئی اور چیں بجبیں ہونے کی وجہ سے ڈرتے تھے۔ نَضْرَةً تازگی اور ہنس مکھی جو کہ ان کے ظاہری جسم پر نمودار ہوگی۔ وَسُرُوْرًا اور دل کی خوشی جس سے ان کا باطن لبریز ہوگا۔ اور فکر اور غم کے عوض جو کہ انہیں اپنے دین کے بارے میں تھا اور وہ ہمیشہ آخرت کی فکر میں وقت گزارتے تھے اور ان کے حق میں اسی قدر نعمت پر کہ خوف وغم کا زوال اور امن اور خوشی کا حصول ہے' اکتفا نہ ہوگا اس لیے کہ اس قدر تو خود ان کے ڈر اور خوف کا نتیجہ تھا بلکہ ان کے اعمال پر بھی نظر رحمت ہوگی اور دیکھیں گے کہ ان کے اعمال کا دارومدار صبر پر تھا کہ علائق دنیوی اور لذات جسمانی کو فنا کر دیا۔ نیز طاعتوں کی مشقت برداشت کی اور تکلیفیں اور مصیبتیں اُٹھائیں۔ پس ان کے صبر کا بدلہ پیش نظر ہوگا۔

marfat.com
Marfat.com

وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا اور انہیں پر فضا مکانات' دل کشا باغات اور مسرت افزاء عمارات کے تعلق سے ان کے صبر کے بدلے جزا دے گا۔

جَنَّةً وسیع جنت کی جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور اس کے محلات ہمیشہ منقش اور رنگین۔ وَحَرِيْرًا اور ریشم سے بنا ہوا کپڑا جو کہ ان کے لباس میں لگایا گیا ہے اور ان کے فرش میں بھی مستعمل ہے اور درودیوار کی پوشش' پردہ' سقف بند اور سامان' آلات اور برتنوں پر لٹکنے والے کپڑوں میں کام میں لایا گیا ہے اور یہ ان کے صبر کی جزا دی جائے گی جو انہوں نے دنیا میں چیتھڑے اور پیوند لگے کپڑے پہننے' آستینیں چھوٹی' دامن کوتاہ رکھنے اور ریشم پہننے سے پرہیز کیا اور روایات میں آیا ہے کہ جنتیوں میں سب سے کم مرتبے والے آدمی کے پاس ہر روز اور ہر شام خدام ستر ریشمی جوڑے جن میں سے ہر ایک کا رنگ جدا جدا' نقش عجیب و غریب اور انداز جداگانہ ہوگا' پیش کریں گے تاکہ اسے جو مرغوب ہو پہن لے۔ ہر کپڑے کی باریکی برگ گل کی باریکی کی طرح ہوگی۔

مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ اس جنت اور بستر میں مزین اور سایہ دار تختوں پر دنیوی بادشاہوں کی طرح تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور یہ ان کے صبر کا بدلہ ہے جو انہوں نے بوریا نشینی' تنگ حجروں اور تاریک خانقاہوں اور مدرسوں میں رہائش اور علوم دینیہ کے درس کی مجلس اور ذکر و توجہ کے حلقوں کی جوتوں والی صف میں جگہ پانے پر کیا۔

لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا اس جنت میں سورج کی گرمی اور موسم سرما کی ٹھٹھر نہیں دیکھیں گے اس لیے اس کی ہوا معتدل ہے' گرمی اور سردی نہیں رکھتی اور وہاں سورج نہیں ہے تاکہ اس کے نزدیک آنے کی وجہ سے شدید گرمی ہو جائے اور اس کے دور ہٹنے سے نقصان دہ سردی ہو بلکہ عرش کا نور اس جہان کو ہمیشہ روشن رکھتا ہے اور جب بھی پردے اٹھائیں گے اور سیرگاہوں میں نکل آئیں گے اور بازار قائم ہو جائیں گے اور ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور خدمت کے لیے بچے اور غلمان حاضر ہو جائیں گے اس سے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ دن ہو گیا اور جب پردے گرا دیئے جائیں گے اور محلات میں داخل ہو جائیں گے اور حورعین حصول لذت اور ہم نشینی کے لیے حاضر ہو

marfat.com

Marfat.com

جائیں گی تو جان لیں گے کہ رات آ گئی اور ان کے اس صبر کی جزا ہے جو انہوں نے جمعۃ المبارک کی دوپہر میں جامع مسجد کو جانے کے وقت روزے کی گرمی پر اور حج' جہاد' طلب علم' بزرگوں اور نیکوں کی زیارت اور ان کی صحبت سے ظاہری اور باطنی فیض لینے کے لیے سفر میں کیا تھا اور موسم سرما کے غسل اور وضو' وقت تہجد اور فجر وعشا کی نماز کی جماعت کی سردی پر اور موسم سرما میں حج' عمرہ' جہاد' طلب علم اور بزرگوں کی زیارت کے سفر میں کیا تھا۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ھواء الجنۃ سجسج لاحر ولاقر یعنی جنت کی ہوا انتہائی معتدل ہے' گرم نہ سرد۔ اور لغت میں زمہریر حد سے زیادہ سردی کو کہتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اس کی میم اور ہا اصلی ہیں اس لیے کہ اگر ان میں سے ایک زائد ہو تو کلام عرب میں اس لفظ کی مثال نہیں ہوگی جبکہ فَعْلَ لِیْل بہت زیادہ موجود ہے جیسا کہ قمطریر گزرا۔ اور جنت کی ہوا اس لیے معتدل ہے کہ وہاں کے رہنے والوں نے اپنے اعمال اور اخلاق کو دنیا میں معتدل کیا تھا اور جنت انہیں معتدل اعمال اور اخلاق کی شکل ہے' وہاں کمی بیشی کا تصور کیسے ہو سکتا ہے۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا اور ان پر اس جنت کے درختوں کے سائے قریب ہو چکے ہوں گے اور یہ ان کے اس صبر کی جزا ہے جو انہوں نے پردیسیوں' مسافروں' مظلوموں اور یتیموں کو سایہ دینے پر کیا یا اپنی عمارت کے سایہ میں یا اپنے عدل و رحمت کی حمایت کے سایہ میں۔

## ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں مفسرین کا ایک مشہور اشکال ہے کہ جب جنت میں سورج نہ ہوگا تو سایہ کا تصور کیسے ہوگا اس لیے کہ حقیقت میں سایہ بالذات یا بالعرض روشنی دینے والے کی دوسری روشنی ہے جو کہ روشن کرنے والے اور اس کے مقابل کے درمیان جسم کثیف کے حائل ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سورج کا نہ ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ دوسرا نور موجود نہ ہو اور سایہ پیدا ہونے کا موجب نہ ہو۔ ہاں وہ نور اس

marfat.com

Marfat.com

جنس سے نہیں ہے کہ تکلیف دے تا کہ اس سے سایوں کی طرف بھاگیں۔ لیکن کبھی درختوں کے سائے میں بیٹھنا لذت اور چین حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ گرمی کی تکلیف سے بچنے کے لیے۔ جنتی درختوں کے سایہ میں جنتیوں کا بیٹھنا اسی قبیلے سے ہوگا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جنتی درخت اس طرح ان کی طرف جھکیں گے اور ان درختوں کی شاخیں' پتے اور پھل ان کے نزدیک پہنچ جائیں گے کہ اگر بالفرض وہاں سورج ہوتا' ان درختوں کا سایہ بالکل نزدیک ہو جاتا اور مفسرین میں سے کسی نے جنتی درختوں کے سایہ کے نزدیک ہونے کا معنی ذکر نہیں کیا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر سایہ کسی کو محیط ہو تو نزدیک اور دُور برابر ہے اور اگر محیط نہ ہوا تو سایہ دُور ہے نہ نزدیک۔ پس تحقیق یہ ہے کہ جنتی درخت شعور اور ارادہ رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جنتیوں کو جو کہ اپنے مزین تختوں پر بیٹھے ہیں یا اپنی محافل اور محلات میں آرام فرما ہیں' اپنے پتوں اور پھلوں سے نفع دیں اس قصد کے ساتھ حرکت ارادی کر کے ان کے نزدیک آجاتے ہیں اور ان کے سامنے اپنے پھول اور شگوفے ظاہر کرتے ہیں تا کہ انہیں کچھ رغبت پیدا ہو اور وہ دیکھیں اور اپنے میوے اور پھل پیش کرتے ہیں تا کہ وہ اس سے چُن لیں اور کھائیں اور وہاں درختوں کے سائے کے قریب ہونے کا بھی معنی ہے جیسا کہ اس آیت کا بقیہ اس کا پتہ دیتا ہے۔

وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا اور اس جنت کے میوے جنتیوں کے لیے مطیع کر دیئے گئے ہیں مطیع کرنا۔ کہ جانور کی طرح اپنی مانوس چیز کو بار بار اپنے مالک تک پہنچاتا ہے اور سواری' کھیل اور دوسرا نفع جو کہ اس جانور سے مقصود ہے' کا تقاضا پورا کرتا ہے۔

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنتی پھل کو اگر چاہیں کھڑے ہو کر چُن کر کھائیں اور اگر چاہیں بیٹھ کر اور پہلو پر لیٹ کر کھائیں کہ وہ پھل خود بخود جنتی کے منہ میں پہنچتا ہے اور یہ ان کے صبر کا صلہ ہے جو کہ وہ تورع اور احتیاط کی وجہ سے دنیا کے میووں سے کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو لوگ یہ میوے کھاتے تھے' ان کے مال میں حرام اور شبہ کی آمیزش ہو اور گاجر اور شلغم پر قناعت اختیار کرتے تھے اور یہاں تک جنتیوں کی ان نعمتوں کا ذکر ہے جو کہ کل کی روح نباتی کی تسخیر اور اس نفس سے

marfat.com
Marfat.com

خدمت لینے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوں گی۔ اور جس طرح دنیا میں انہیں خلافت کبریٰ عطا فرمائی گئی تھی کہ جہان کے تمام اجزا اور ارکان میں تصرف کرتے تھے اور ان سے نفع لیتے تھے' جنت میں بھی ان اجزا اور ارکان کی ارواح کو ان کے لیے مسخر کر دیا جائے گا اور وہ ان کی خدمت گزار ہوں گی لیکن جنتی کی تسخیر میں فرق یہ ہے کہ دنیا میں جبری اور قہری تھی' کوشش اور مشقت پر موقوف تھی جبکہ جنتی کی تسخیر جنتیوں کی تکلیف اور کوشش کے بغیر ارادی اور اختیاری ہوگی۔ نیز دنیا کی تسخیر مومن اور کافر' نیک اور ظالم کو عام تھی جبکہ جنتی تسخیر چونکہ جزا اور امتیاز کے مقام میں ہے' ایمان اور صلاح والوں کو خاص ہوگی جیسا کہ سورۂ اعراف کی ایک اور آیت میں اس معنی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

اور ریشم اگرچہ ظاہری طور پر حیوانی معلوم ہوتا ہے کہ ریشم کے کیڑے کے لعاب کے نتیجے سے بنتا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ ریشم کا پیدا ہونا درختوں کے پتوں کے رس سے ہے جو کہ ریشم کا کیڑا اپنے لیے لکڑی کے جالے کی طرح بنتا ہے اور ریشم کے کیڑے کے سوائے بننے کے اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور وہ اس کے اجزا میں سے نہیں ہے تاکہ حیوانات میں شمار ہو جیسے گوشت' کھال' اون' پشم' دودھ اور گھی اور اگرچہ شہد کا حکم بھی یہی ہے لیکن شہد کی مکھی اسے غذا کے لیے مہیا کرتی ہے تو اس کا حیوانی ہونا نباتی ہونے سے غالب ہے اور یہاں سے جنتیوں کی وہ نعمتیں ذکر ہو رہی ہیں کہ جن میں معدن کا نفس کلیہ خادم اور مسخر ہو کر مہیا کرے گا۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ اور ان کی خدمت میں بار بار لائے جاتے ہیں برتن۔ مِنْ فِضَّةٍ چاندی سے۔ ان کے وضو' استنجا اور غسل کے پانی کے برتن نکالنے پر صبر کرنے کے بدلے کہ دنیا میں ہمیشہ پاک رہنے اور نجاستوں میں ملوث ہونے سے دور رہنے کے لیے کرتے تھے اور اگر وضو اور غسل کا برتن کچھ مستعمل ہو جاتا تو احتیاط کے طور پر اس کی تجدید

marfat.com
Marfat.com

اور تبدیلی کرتے اور اس مناسبت سے انہیں گلی کوچوں میں گھومنا پھرنا لازم آتا۔

وَاَكْوَابٍ اور ٹونٹی اور دستے کے بغیر آبخورے ان کے مٹی کے بازاری آبخوروں پر صبر کرنے کے عوض جو کہ گرمیوں کے روزوں کے افطار کا پانی اور شربت ٹھنڈا کرنے کے لیے بار بار استعمال کرتے تھے لیکن انہیں جنت میں ایسے آبخورے دیئے جائیں گے جو کہ ہلکے پن' نزاکت اور صاف شفاف ہونے میں

كَانَتْ قَوَارِيْرَا شیشہ ہو چکے ہوں گے کہ ان کے باہر سے ان کے اندر کی چیز نظر آتی ہے لیکن وہ اصل میں شیشہ نہیں ہیں بلکہ قَوَارِيْرَ مِنْ فِضَّةٍ مصنوعی شیشے ہیں جو کہ چاندی سے بنائے گئے ہیں تا کہ سفیدی اور چمک دمک چاندی کی ہو اور صفائی اور ہلکا پن شیشے کا اور ان کے برتن چاندی سے اس لیے بنائے گئے کہ انہیں وضو کے برتنوں کے عوض دیئے جاتے ہیں اور وضو کا پانی ان کے اعضاء میں سفیدی' چمک اور نورانیت پیدا کرے گا جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ان امتی یاتون یوم القیامۃ غر المحجلین من آثار الوضوء یعنی میرے اُمتی قیامت کے دن اس صورت میں آئیں گے کہ ان کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے تو جو برتن انہیں وضو کے برتنوں کے عوض دیئے جائیں گے وہ بھی سفید اور روشن ہوں گے' چاندی سے نہ کہ سونے سے۔ نیز پانی اور شربت پینا جس قدر سفید برتن میں پُر رونق ہوتا ہے اس قدر سونے کے برتن میں رونق پذیر نہیں ہوتا اور سونے کا رنگ زرد ہے اور چاندی کا رنگ سفید اور زرد روئی شرمندگی کا نشان اور سفید روئی بامراد ہونے کی علامت ہے اور دنیا میں چاندی کی بہ نسبت سونا اس لیے نفیس ہے کہ دنیا میں سونے کی کانیں کم پائی جاتی ہیں اور چاندی کی کانیں زیادہ ہیں اور نزاکت کمیابی کی جنس نہیں ہے تا کہ اس وجہ سے سونے کی قیمت بڑھ جائے اور نفیس ہو جائے۔ اور ان کے آبخوروں کو بھی وہاں چاندی سے بیان فرمایا ہے اس لیے کہ ان آبخوروں میں انہیں قوی نشے والی شراب پلانا منظور ہے جیسا کہ آگے آتا ہے اور جامع بغدادی میں لکھا ہے کہ چاندی کا عمل قوت اور فرحت دینے میں یاقوت کے عمل کے قریب ہوتا ہے اور جب شراب چاندی کے برتن میں ڈالی جائے' بہت جلد نشہ دیتی ہے اور اس کا نشہ انتہائی لذیذ

marfat.com

Marfat.com

ہوتا ہے اور جہاں شراب پلانا منظور نہیں ہے وہاں سونے کے آبخورے بیان فرمائے گئے ہیں جیسا کہ سورۂ زخرف میں فرمایا ہے يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَّأَكْوَابٍ اور چونکہ جو آبخورے خدام تیار کر کے لاتے ہیں ان میں ایک عیب ہوتا ہے کہ کبھی ضرورت اور رغبت کی مقدار سے کم ہوتے ہیں اور کبھی زیادہ اس عیب کو دور کرنے کے لیے فرمایا جارہا ہے۔

قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ان آبخوروں کو ارواح معاون کے کاری گروں نے اندازہ کر کے بنایا ہے اچھی طرح احتیاط کے ساتھ اندازہ کرنے کے ساتھ اس لیے کہ یہ آبخورے انہیں افطاری کے پانی اور شربت کے آبخوروں کے عوض عطا ہوئے اور اس وقت شدید رغبت کے باوجود اسراف سے احتیاط کرتے تھے اور اعتدال کی راہ چلتے تھے۔ پس ان کے ساتھ بھی اعتدال کا معاملہ واقع ہوگا بلکہ وہ وضو کے برتنوں میں بھی اعتدال کی رعایت کرتے تھے اور اچھی طرح وضو کرنے کی مد میں کمی بیشی نہیں کرتے تھے۔ پس ان برتنوں میں بھی اعتدال کی رعایت کی جائے گی۔

وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا اور انہیں ان شیشہ صفت چاندی کے برتنوں میں پلائی جائے گی۔ کأسا ایک شراب اور عرب کے استعمال میں کاس بمعنی شراب کثرت سے آتا ہے اگرچہ اصل میں پیالے کا نام ہے۔

كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی جو کہ شراب کے خوش ذائقہ ہونے کا موجب ہوتی ہے اور اس کے اثر سے شراب کا ذائقہ اور بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور یہ نشے کی نزاکت اور تقویت کا باعث ہوتا ہے اور بدن میں ایک حرارت پیدا کرتا ہے اور یہ آمیزش اس لیے ہے کہ ان پر شوقِ دیدار کا غلبہ ہو اور غلبۂ شوق کی وجہ اس نعمت کی پیاس بڑھے اور جب انہیں وہ نعمت نصیب ہو تو پوری لذت حاصل کرے کہ جو چیز شوق اور طلب کے بعد ہاتھ آئے زیادہ لذیذ ہوتی ہے لیکن زنجبیل یہ دنیا کی زنجبیل نہیں ہے جس کی تاثیر آدمی کے صرف ظاہری بدن میں ہوتی ہے بلکہ زنجبیل سے ہماری مراد ہے۔

marfat.com
Marfat.com

عَیْنًا فِیْهَا جنت میں ایک چشمہ ہے کہ تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا جس کا نام سلسبیل ہے اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اصل میں وہ چشمہ مقربین احوال کے لیے ہے جبکہ مقربین اعمال کے لیے اس سے آمیزش کے اندازے کے مطابق دیا جاتا ہے اور مقربین احوال پر شوق ہمیشہ غالب ہوتا ہے اور کسی حال یا مقام پر ٹھہرنا ہرگز گوارا نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ ترقی کے طالب ہوتے ہیں اور ان کی زبان حال ہمیشہ اس ترانے سے معمور ہے کہ سَلْ سَبِيْلًا کہ اپنے معشوق کا راستہ پوچھ۔ پس اس چشمے کو اسی نام کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا تا کہ اس بات کا اشارہ ہو کہ جس نے اس چشمے کا پانی ایک بار پیا' اسے ہمیشہ راستہ ڈھونڈنے کی طلب نصیب ہو جاتی ہے جس طرح کہ کوہ شیراز کو اللہ اکبر کہتے ہیں کہ اس کے اوپر جو بھی چڑھے اس کی بلندی دیکھ کر یہ کلمہ زبان پر لاتا ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سلسبیل' سلاست سے مشتق ہے۔ کہا جاتا ہے ماء سلس وسلسل وسلسال وسلسبیل یعنی وہ پانی جو کہ حلق اور حلقوم سے آسانی سے اُتر جائے۔ پس اس صورت میں مبالغہ کے لیے با اور یا زائد ہوں گے اور اس زیادتی کی وجہ سے کلمہ خماسی ہو گیا لیکن اس وجہ میں ایک خدشہ ہے اس لیے ان کے نزدیک باحروف زیارت میں سے نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس تفسیر پر تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا کا لفظ ایک وہم دُور کرنے کے لیے ہے جو کہ زنجبیل کے ذکر کرنے سے پیدا ہوتا ہے یعنی یہ کہ جب شراب میں زنجبیل کی آمیزش ہو تو گلے میں سوزش کرتا ہے اور سہولت سے حلق سے نیچے نہیں اُترتا اس وہم کو دُور کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ زنجبیل اس زنجبیل کے فائدے رکھتا ہے' سوزش نہیں رکھتا بلکہ اس کے چشمے کا نام ہی ایسا ہے جو کہ جلن اور سوزش کے منافی ہے۔

اور جب معدن کی روح اور معدنیات کے موکل فرشتوں کی خدمت کے بیان سے جو کہ معدنیات کے موکل ہیں' کے بیان سے جو کہ وہ جنتیوں کی کریں گے' فراغت ہوئی اب ان نعمتوں کا بیان شروع ہو رہا ہے جو کہ ارواح کو کبیہ فلکیہ کی تسخیر اور ان سے خدمت لینے کی وجہ سے جنتیوں کو نصیب ہوں گی اور اس تسخیر کی صورت یہ ہے کہ جب ستاروں کی

marfat.com

Marfat.com

ارواح ان کے جسموں سے جدا ہوں گی' قوی تاثیر رکھنے والے ستاروں کی ارواح جو کہ وسیع نفوس اور محیط و وافر خیالی قوتیں رکھتی ہیں' جنتیوں کی ارواح سے مل کر ان کی عقل' خیال' حرکات اور اعمال میں امداد کریں گی جبکہ کمزور تاثیر رکھنے والے ستاروں کی ارواح ان جنتیوں کی خدمت کے لیے وہ جو کہ انسانی جسموں سے نشوونما کی عمر کے اوائل میں ہوتا ہے اور حرکات کی تیزی' کپڑوں کی دلکشی' دلفریبی' سادگی' حسن و جمال اور رنگ کی تازگی جو کہ اس عمر میں زیادہ ہوتی ہے' پہن کر حاضر ہوں گی تا کہ جنسی طور پر ہم شکل ہونے کی وجہ سے ان کی خدمت کے ساتھ ایک خاص انس پیدا کریں۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ اور ان کے پاس گردش اور آمدورفت کرتے ہیں' خدمت کے لیے اور پانی کے برتن اور شراب کے جام لانے اور لے جانے کے لیے وِلْدَانٌ خوبصورت بچے مُخَلَّدُونَ جو کہ ہمیشہ بچپنے کی حالت میں رہنے والے ہیں۔ جوان اور بوڑھے نہیں ہوتے۔ اور ان کا حسن و جمال جوانی کی سختی اور بڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے بدلتا نہیں اور ان سے دربار کے کاموں میں بھاگنا' جلد واپس آنا اور خوش دلی کے ساتھ خدمت میں مصروف رہنا ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے جسموں کی مدبر کواکب کی ارواح ہیں جنہیں بدن میں نور وضیاء کی کثرت' فہم و فراست اور بے انتہا گردش کی قوت' کھانے پینے کی بے احتیاجی' بول و براز اور دوسرے حیوانی فضلات سے پاکیزگی' جسم کی پھٹنے' جھڑنے اور اجزا کے ضائع ہونے' پرانا ہونے اور عنصر یہ خصوصاً حیوانیہ مزاجوں کی دوسری آفات سے حفاظت کرنے کے ساتھ ایک حالت کو قائم رکھنے کی مہارت ہے۔

إِذَا رَأَيْتَهُمْ جب تو ان نوعمر بچوں کو دیکھے کہ اس حسن و جمال اور اس نزاکت نیز صفائی اور رنگ کی چمک دمک کے باوجود ایک جاتا ہے اور دوسرا آتا ہے' ایک کسی خدمت کے لیے ایک طرف کھڑا ہے اور دوسرا کسی اور خدمت کے لیے دوسری طرف کھڑا ہے اور ہر ایک کی شعاع دوسرے کے چہرے میں منعکس ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے سامنے رکھے ہوئے شیشوں کا تماشہ معلوم ہوتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا تو ان بچوں کو گمان کرے مروارید کے بکھرے ہوئے دانے کہ بعض کی شعاع بعض میں منعکس ہونے کی وجہ سے ان کی چمک کی کیفیت دوبالا ہوگئی اور نظر نے ہر طرف سے لذت اُٹھائی۔ بخلاف مروارید کے ان دانوں کے جو کہ دھاگے میں پروئے گئے ہوں کہ ان کی کیفیت یوں نہیں ہوتی اور حکمت کا قاعدہ ہے کہ جب لذت کی تجدید منظور ہو تو ہر قوت کے مدرکات کو منتشر اور متفرق کرنا چاہیے تا کہ بار بار حس مشترک پر وارد ہوں اور اس کے واسطے سے نفس ہر لحظہ نیا ادراک حاصل کرے اور لذت اُٹھائے اور جب لذت کی ہمیشگی مقصود ہو تو ہر قوت کے لذیذ مدرکات کو مجتمع اور منتظم کرنا چاہیے تا کہ ان کی صورت اور معنی کو قوتِ خیال اور حافظہ اپنے اندر جگہ دے کر بار بار نفس پر پیش کر دیں اور اسے وہ لذت یاد کرائیں اور یہاں تجدید لذت پیش نظر ہے نہ کہ اس کی ہمیشگی۔

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ اور اگر تو اس جگہ کو دیکھے کہ وہاں چشمہ سلسبیل ہے اور اس کے مالک جو کہ مقربین احوال ہیں درجہ بدرجہ بیٹھے ہیں۔ رَاَيْتَ نَعِيْمًا تو ایسی نعمت دیکھے جو کہ بیان میں نہیں آتی اور مقربین اعمال کی سب نعمتوں ۔ بالاتر ہے کہ اس کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے۔

وَّمُلْكًا كَبِيْرًا اور عمدہ بادشاہی کو دیکھے اس لیے کہ وہ لوگ ابرار اور مقربین اعمال پر حاکم بھی ہیں اور اپنے چشمے سے بلاواسطہ یا بالواسطہ انہیں آمیزش عطا کرتے ہیں حالانکہ مقربین اعمال اور ابرار بھی استحقاقی طور پر حکومت مطلقہ اور خلافتِ کبریٰ رکھتے ہیں کہ معدنیات' نباتات' کواکب اور فرشتوں کی کئی اقسام سب کے سب ان کے خدام اور فرماں بردار ہیں۔ پس ابرار اور مقربین اعمال کا حکم مختلف ریاستوں کے بادشاہوں کی طرح ہے جبکہ مقربین احوال کا حکم ہفت اقلیم کے شہنشاہوں کی طرح ہے اور انہیں یہ مرتبہ اسمائے الٰہی کے تخلق اور ان کے ساتھ تحقق کی وجہ سے حاصل ہوا کہ اسمائے الٰہیہ ان کی صفات بن گئے بلکہ لباس کی صورت میں ان پر ظاہر ہوئے کہ

عٰلِيَهُمْ ان کے اوپر کہ دوسرے کپڑوں پر دوباری خلعت کی طرح پہنے ہوں گے۔

marfat.com
Marfat.com

ثِیَابُ سُنْدُسٍ چمکتے دمکتے نازک ریشمی کپڑے ہیں کہ لطیفۃ الظہور اسماء ان خلعتوں کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ خُضْرٌ سبز رنگ تاکہ ان کی زندگی کے سرسبز ہونے پر دلالت کریں۔ وَاِسْتَبْرَقٌ اور چمکتے دمکتے ریشمی کپڑے ہیں کہ مکمل ظہور والے اسماء نے ان خلعتوں کی صورت میں جلوہ گری فرمائی۔

وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ اور انہیں جنتی چاندی سے کنگنوں کا زیور پہنایا جائے گا کہ وہاں تمام معدنیات سے افضل ہے تاکہ ان کی خداتعالیٰ سے دوستی کی طبیعت کے تقاضوں' وہم اور دوسری کدورتوں کے امتزاج سے صاف ہونے پر دلالت کرے۔

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ اور انہیں حق تعالیٰ بذات پاک خود بچوں' غلمان اور فرشتوں کے واسطے کے بغیر اپنے دستِ قدرت سے پلائے گا۔ شَرَابًا طَهُوْرًا ایسی شراب جو کہ ظاہر و باطن کو اس طرح پاک کرنے والی ہے کہ نفس کا کوئی اثر باقی نہیں رہنے دیتی کہ کسی طرف سے ظاہر ہو جائے۔

اور حدیث پاک میں ہے کہ جنتیوں میں سے سب سے کم مرتبے والے کو ایک ہزار سال کی راہ کی بادشاہی عطا فرمائیں گے اور وہ اپنی ساری مملکت میں جو کچھ لشکر' خدام اور ناز و نعمت کے اسباب و آلات سے ہے سب کو اپنی جگہ سے دیکھے گا اور وہ اپنی مملکت کی آخری حد کو یوں دیکھے گا جیسے پہلے حصے کو دیکھ رہا ہے اور فرشتوں اور دوسری مخلوقات میں سے کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر اس کی حدودِ مملکت میں داخل نہیں ہو سکے گا' وہ دل میں جو سوچے گا' وہی واقع ہو گا۔

نیز حدیث شریف میں واقع ہے کہ جب جنتی کھانے پینے' قسم قسم کے میووں اور مختلف قسم کی شراب سے فارغ ہو گا' اسے دربار حضرت رب العالمین سے آخری جام عطا فرمایا جائے گا کہ وہ شراب طہور ہے اور اس کے استعمال کے ساتھ ہی تمام کھائی پی گئی چیزیں پسینہ ہو کر باہر آ جائیں گی اور اس پسینے کی خوشبو تیز کستوری کی خوشبو ہو گی اور اس کا پیٹ پھر لاغر ہو جائے گا اور کھانے پینے کی خواہش پیدا ہو گی اور ان قسم قسم کی نعمتوں کے باوجود ان سب کے علاوہ ایک اور نعمت ہے کہ جنتیوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے پیغام

marfat.com
Marfat.com

پہنچائیں گے کہ

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً تحقیق یہ تمام انعامات تمہارے اعمال کی جزا کے لیے ہوئے ہیں کہ تم اس کے مستحق ہوئے ہو اس قبیل سے نہیں ہے کہ استحقاق کے بغیر صرف فضل کرتے ہوئے بے حساب عطا کی گئی ہو۔

وَكَانَ سَعْيُكُمْ اور تمہاری کوشش محبت الٰہی' اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ تخلق' علائق دنیوی سے صبر اور اس کی راہ کے احوال اور مقامات میں مَشْكُوْرًا مقبول ہوئی کہ تم سے ایک کو ہزار کے ساتھ لیا گیا اور عظیم قبولیت حاصل ہوئی۔ تو یہ پیغام سنتے ہی ان کی مسرتیں اور زیادہ ہوں گی اور ان نعمتوں کی لذتیں کئی گنا بڑھ جائیں گی' اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائے۔

## جنتی مشروبات کی تفصیل

یہاں جاننا چاہیے کہ جنت کی پینے کی چیزیں قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ذکر کے مطابق اس تفصیل کے ساتھ ہیں کہ نہر کوثر جنت میں خاص رسالت پناہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے لیے ہے اور اس کا ذکر سورۂ کوثر میں آئے گا اور چار اور نہریں متقین کے لیے ہیں۔ پانی' شہد' دودھ اور شراب کی نہریں جن کا سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ذکر ہے اور دو چشمے مقربین میں سے خوف والوں پر جاری ہیں جن کا ذکر سورۃ رحمٰن میں ہے فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ اور دو اور چشمے اصحاب یمین میں سے خوف والوں کے لیے جاری ہیں' ان کا ذکر بھی مذکورہ سورۃ میں ہے کہ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ اور رحیق مختوم کی شراب ہے جس کا سورۃ المطففین میں ابرار کے لیے وعدہ فرمایا گیا ہے اور تسنیم کا چشمہ جس کی ابرار کے رحیق مختوم میں آمیزش ہوگی' مقربین کے لیے ہے اس کا ذکر بھی اسی سورۃ میں ہے اور کافور کا چشمہ جو کہ اس سورۃ میں عباد اللہ کے لیے مقرر ہے اور ابرار کو اس کی آمیزش سے پلاتے ہیں اور اکثر مفسرین کے نزدیک جنت میں ہے اگرچہ دنیا میں بھی اہل کمال کو اس سے معنوی حصہ عطا فرمایا جاتا ہے اور زنجبیل کا بھی جسے سلسبیل کہتے ہیں' آمیزش عباد اللہ کے لیے وعدہ کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس چشمے کی

marfat.com
Marfat.com

اصل اہلِ بیت نبوی علیہم السلام اور ان کے متوسلین کے لئے ہے جو کہ مقربین احوال ہیں اور شرابِ طہور کا بھی ان کے لیے وعدہ ہے۔

اور محققین نے کہا ہے کہ وہ محض شہود کا شربت ہے جسے پینے کے بعد غیریت اور امکان کی آلودگیاں بالکل نہیں رہتیں اور اس کے بدن کے وجود کی آلائشوں کو بالکل پاک کر کے وجودِ قدسی کی سرحد تک پہنچاتا ہے اور حق یہ ہے کہ اس شراب کو چکھے بغیر اس کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی۔ مصرع

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تانہ چشی

## مطالب سورۃ کا خلاصہ

فائدہ: سورۃ کی ابتداء سے لے کر یہاں تک عمدہ مطالب بیان کیے گئے۔ اس وجہ سے کہ ان مطالب سے غفلت واقع نہ ہو' اجمالی طور پر ان کا پتہ پھر دیا جاتا ہے۔ پہلا مطلب یہ ہے کہ انسان کو عدم محض کے بعد پیدا فرمایا گیا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ انسانی افراد کو موالید ثلاثہ (حیوانات' نباتات' جمادات) کے نچوڑے مخلوط نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ دوسری مخلوقات کے خلاف آدمی کی پیدائش ذمہ داری' امتحان اور آزمائش کا بوجھ برداشت کرنے کے لیے ہے۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ذمہ داری' امتحان اور آزمائش کے مسئلہ میں جو کچھ ضروری تھا' اسے عطا فرمایا گیا ہے بلکہ سلوک کی راہ کا پتہ اور بیان اس طرح فرمایا گیا کہ اس کا کوئی عذر باقی نہ رہا۔ پانچواں مطلب یہ ہے کہ انسان کے کام کا انجام دو حالتیں ہیں۔ شکر یا ناشکری۔ چھٹا مطلب یہ ہے کہ شکر ادا کرنے والے شکر کی ادائیگی کے درجات میں مختلف اور جدا جدا ہیں اور قسم قسم کے کمالات رکھتے ہیں اور ان درجات والوں میں سے ہر ایک کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب و مقام میں ایک حد ہے جو کہ اس کی جزا کے اندازے سے ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ کو انسانی پیدائش اور اس کے امتحان و آزمائش کے معاملہ سے منظور کمالات کا ظہور اور بیان ہے۔ ان ساتوں مطالب کو مدنظر رکھنا چاہیے کیونکہ قرآن پاک کا اکثر حصہ انہیں مطالب کی شرح اور تفصیل ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور جب مطالب میں گہری غور وفکر کی جائے تو مبدء ومعاد اور ان کے درمیان کا مقام جو کہ شریعت اور دین سے عبارت ہے کے مسائل منکشف اور ظاہر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان جنتی نعمتوں کا ذکر فرماتے جو قرآن مجید میں نازل ہوتیں اور وہ آیات لوگوں کے سامنے تلاوت فرماتے۔ کفار سن کر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس شخص کو ناز ونعمت اور عیش پرستی کی رغبت پیدا ہوگئی ہے کہ بار بار ان لذیذ چیزوں کا ذکر کرتا ہے اور لوگوں کو ان وعدہ شدہ لذیذ چیزوں کی امید دلا کر (معاذ اللہ) فریب دیتا ہے اور انہیں ان کے دین وآئین سے برگشتہ کر دیتا ہے۔ آیئے تا کہ ہم اسے ان لذیذ چیزوں کی طمع دیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے دین اور آئین کو دگرگوں کرنے سے باز آئے اور اپنا مقصد پالے۔ قریشی سرداروں میں سے دو آدمی عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس اور ولید بن مغیرہ مخزومی اس کام کے لئے منتخب ہو کر بارگاہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر آئے اور کہنے لگے کہ ہماری آپ سے قریبی رشتہ داری ہے اور ہمارا اور آپ کا گوشت پوست اس طرح متحد ہے کہ جدائی نہیں اگر آپ کو خوبرو عورتوں دنیوی نعمتوں یعنی لذیذ کھانوں' قیمتی لباسوں' مروارید' چاندی اور خدمت کے لیے نوعمر خوبصورت بچوں کا شوق' دل میں جاگزیں ہے جن کا آپ بار بار ذکر کرتے ہیں تو خدارا آپ بلاتکلف اشارہ فرمائیں۔

عتبہ نے کہا کہ میری ایک لڑکی ہے جس کے حسن وجمال کی اس شہر میں کوئی عورت نہ ہوگی' میں اسے بے پناہ جہیز اور بے شمار سامان کے ساتھ آپ کے نکاح میں دیتا ہوں اور ولید نے کہا کہ آپ کو میری مالداری معلوم ہے کہ مکہ سے طائف تک تمام باغات' کھیتیاں اور مویشی میرے ہیں اور تازہ بات یہ ہے کہ میں نے مروارید کی تجارت شروع کی ہے اور غوطہ خوروں کو نوکر رکھ لیا ہے جو کہ سمندر سے قیمتی مروارید نکالتے ہیں اور میں شام اور مصر بھیجتا ہوں اور اس سے بے تحاشہ نفع کماتا ہوں' میں اپنا نصف مال اور مروارید آپ کی ملک کرتا ہوں بشرطیکہ آپ بت پرستی سے نہ روکیں اور ہر محفل میں ہمارے بتوں

marfat.com
Marfat.com

اور ہمارے بزرگوں کی مذمت نہ فرمائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیران ہوگئے کہ انہوں نے آیاتِ قرآنی کی تبلیغ کو کس چیز پر محمول کر کے مجھ سے کیا سوال کیا ہے؟ اگر میں انہیں جھڑکتا ہوں تو رشتے داری کا تعلق درمیان میں ہے اور اس قسم کا بڑا آدمی جو بالمشافہ اپنی لڑکی مجھے دے اگر میں قبول نہیں کرتا تو اپنا قبیلہ طعن و تشنیع کرتا ہے اور اگر قبول کرتا ہوں تو یہ شرط فاسد اور یہ جھوٹی تہمت اس کے ہمراہ ہے اسی حالت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیتِ کریمہ لائے کہ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا تحقیق یہ قرآن خود ہم نے آپ پر آہستہ آہستہ درجہ وار اُتارا ہے تا کہ آپ کو تسلسل اور آہستگی کے ساتھ ملک وملکوت کے حقائق پر عبور اور ذات وصفات کے حقائق' آخرت کے احوال' کاملین کے درجات اور ان کی اچھی صفات پر اطلاع حاصل ہو اور آپ خود کو ان صفات کے ساتھ متحقق کریں اور وہاں جنتیوں کی لذیذ نعمتوں میں سے جو کچھ مذکور ہے' ہم نے جان بوجھ کر انہیں ذکر فرمایا ہے' آپ کو اس کی تبلیغ میں کوئی عار نہیں کیونکہ آپ اپنے پروردگار کا کلام پہنچا رہے ہیں اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے جس سے ان نعمتوں میں آپ کی طمع ثابت ہوا اور بالفرض اگر یہ کفار آپ پر تہمت رکھیں۔

فَاصْبِرْ تو آپ ان کی جفا اور تہمتوں پر صبر کریں۔ لِحُكْمِ رَبِّكَ اپنے پروردگار کے حکم کی فرماں برداری کے لیے۔ اس لیے کہ اس میں طمع وحرص کی تہمت ہو تو بھی اپنے مالک کی فرماں برداری چاہیے۔ بیت

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں
خاک برفرق قناعت بعد ازیں

اور جسے اپنے محبوب کی فرماں برداری کا ذوق حاصل ہوا اُسے دشمنوں کی جفا پر صبر کرنا ضروری ہے کہ جس کے دل میں اس کا عشق جگہ پالے اسے ہزاروں کی جفا برداشت کرنا روا ہے خصوصاً اس سورۃ میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے صبر کی جزا سُنی ہے

marfat.com
Marfat.com

اور انہیں جو کچھ دنیوی تعلقات منقطع کرنے پر عطا ہوا ہے' معلوم کیا ہے تو آپ بھی صبر کریں۔

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا اور ان میں سے کسی گناہ گار' ناشکر کی بات تک نہ سُنیں۔ کہتے ہیں کہ آثم سے مراد عتبہ ہے جو کہ فسق اور عیش کوشی کی داد دیتا تھا جبکہ کفور سے مراد ولید ہے جو کہ کفر میں انتہائی شدید تھا' بے شمار نعمتوں کے باوجود جو کہ اسے حاصل تھیں' ہرگز شکر ادا نہیں کرتا تھا۔

اور اپنے آپ سے حرص اور طمع کی تہمت دُور کرنے کے لیے ایک اور کام کریں کہ وہ تہمت بالکل زائل ہو جائے اور ان لوگوں کو پورا یقین ہو جائے کہ یہ شخص دنیا کی طرف قطعاً مائل نہیں ہے' ان لذیذ نعمتوں کا ذکر صرف تبلیغ قرآن پاک کے لیے فرماتا ہے اور وہ عمل یہ ہے کہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کریں خواہ نماز میں' خواہ تہلیل و تکبیر میں' اور ذکر قلبی میں۔ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا صبح و شام اور اس سے مراد ذکر الٰہی پر ہمیشگی کرنا ہے جو کہ دل سے غیر کی محبت منقطع کرتا ہے اور علائق دنیوی کی دل سے نفی کرنے میں ایک تریاق مجرب ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ سیروا سبق المفردون قالوا وما المفردون قال الذین خفف الذکر عنهم اثقالهم یعنی مفردون کی طرح آگے بڑھو۔ عرض کی گئی کہ مفردون کون ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جن کے بوجھ ذکر نے ہلکے کر دیے ہیں۔ اور اسی لیے مشائخ طریقت نے اس بات پر اجماع فرمایا ہے کہ راہِ خدا کے سلوک میں جو کہ دنیوی علائق منقطع کرنے اور خطرات کی نفی کرنے پر موقوف ہے' ذکر سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ اور رات کو اٹھ کر اپنے پروردگار کے حضور سجدہ کیجیے تاکہ آپ کو اس دربارِ عالی اور رب الارباب کی بارگاہ کا قرب خصوصی حاصل ہو۔ اس لیے کہ دن ہجوم اور معروفیت کا وقت ہے' غیبت کا حکم رکھتا ہے اور ذکر غائب ہونے کے مناسب نہیں۔ جبکہ رات خلوت اور فرصت کا وقت ہے' سلام اور تعظیم اس وقت کے مناسب ہے۔ گویا مالک کی بارگاہ میں حاضری ہے۔

marfat.com
Marfat.com

وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا اور اپنے پروردگار کی طویل رات تک تسبیح کیجیے۔ مراد یہ ہے کہ نمازِ تہجد کے دوران ہر چار رکعت کے بعد راحت کے لیے بیٹھنا چاہیے اور اس میں تسبیح میں مشغول رہنا چاہیے اور نمازِ تہجد کے بعد بھی اسی طریقے سے تسبیح میں مشغول رہنا چاہیے اور ان تسبیحات کو لمبا کر دینا چاہیے اور جب آپ اپنے دن رات کو ان دونوں اعمال سے معمور کریں گے تو یہ لوگ خود بخود آپ کی صحبت چھوڑ جائیں گے اور آپ سے ان کی رشتے داری کا تعلق ختم ہو جائے گا۔ اس لیے کہ وہ لوگ آپ کی دوستی اور رشتے داری کے لائق نہیں ہیں اس لیے کہ قرابت اور دوستی اس لیے منظور ہوتی ہے کہ کسی بامقصد کام میں امداد کریں جبکہ ان لوگوں میں اس کام کی اہلیت ہرگز نہیں ہے۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ تحقیق یہ گروہ قریش جو کہ آپ کے قریبی ہیں اور آپ ہمیشہ ان کے درمیان رہے ہیں اور ان کے ساتھ دوستی اور محبت کے تعلقات رہے ہیں۔

يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ دنیوی لذتوں کو پسند کرتے ہیں۔ اور جو چیز کسی کی محبوب ہو اس کا چھوڑنا اس پر دشوار ہوتا ہے۔ خصوصاً جب محبوب کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ناپسندیدہ بوجھ بھی اُٹھانا پڑے جو کہ نفس کا مجاہدہ' ذکر پر ہمیشگی اور شب بیداری ہے۔

وَيَذَرُونَ اور چھوڑتے ہیں وَرَاءَهُمْ اپنی پس پشت ڈال کر يَوْمًا ثَقِيلًا سخت وزنی دن کو اور اس دن کی فکر بالکل نہیں کرتے حالانکہ اس دن کو وہ جتنا پس پشت ڈالتے ہیں' اتنا ہی وہ ان کے پیش پیش آتا ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ ہم نے انہیں پیدا فرمایا ہے جیسا کہ سورۃ کی ابتدا میں فرمایا گیا۔ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ پس ہم ان کی استعداد کے مرتبوں کو جانتے ہیں اور یہ جس چیز کی طرف دلی میلان رکھتے ہیں اور اسے چھوڑنا ان پر دشوار ہے' وہ بھی ہمیں معلوم ہے۔

وشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ اور ہم نے دنیا کی فانی لذتوں اور وہاں کے عیش اور کامرانی کی پسندیدگی کے ساتھ ان کی وابستگی اور پابندی کو سخت کر دیا ہے جیسا کہ سورۃ کی ابتدا میں ہم نے فرمایا ہے إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا پس ان سے دینِ خداوندی کی

marfat.com
Marfat.com

امداد اور آپ کی مصروفیت کو جو کہ ذکر پر ہمیشگی' شب بیداری اور مجاہدۂ نفس ہے' تقویت دینے کی توقع ہرگز نہیں ہے۔

وَاِذَا شِئْنَا اور جب ہم چاہیں گے کہ آپ کے اس قبیلے سے دین کی تائید اور آپ کی مصروفیت کی تقویت اور اعانت کرائیں۔ بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ ہم ان کا بدل لائیں گے اسی قبیلے سے ان لوگوں کو جو کہ حسب ونسب' عالی ہمتی' ذہانت اور زرد فہمی میں ان کی مثل ہوں گے۔

تَبْدِيْلًا ظاہری طور پر بدل لانا۔ کہ جسے ہر کوئی دیکھے اور سمجھے گا۔ چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔ حضرت حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو عتبہ کا بدل لایا گیا اور آپ پہلے مہاجرین میں سے ہوئے ہیں اور زہد' پرہیزگاری' تقویٰ اور مجاہدۂ نفس میں اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت تھے جبکہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ولید بن مغیرہ کا بدل لایا گیا کہ بے شمار فتوحات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ عالیہ میں بھی اور آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی آپ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سیف من سیوف اللہ کا لقب عطا فرمایا اور حضرت عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ کو ابوجہل کا بدل لایا گیا جو کہ ظاہر و باطن دونوں جہادوں میں بے مثل اور لاجواب تھے اور حضور علیہ السلام کو خواب میں بشارت دی گئی کہ ان کے لیے جنت میں انگور کے گچھے تیار ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اسی قبیلۂ قریش سے وہ جوان پیدا کیے گئے جنہوں نے دین کا ہر کام سرانجام دیا اور وہ تلوار اور نیزے کی ضرب سے' محبت اور برہان کے بیان سے اور وعظ ونصیحت سے دوسروں کو دینِ اسلام کی راہ پر لائے اور انہوں نے دنیا کو ظاہر و باطن کے انوار سے منور کیا۔

اور وہ جو سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخر میں مذکور ہے کہ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ تو اس سے مراد یہ ہے کہ اے کافرو! وہ سرکشی' کفر وعناد اور بات نہ سننے میں تمہاری طرح نہیں ہوں گے اور جو مماثلت یہاں مذکور ہے اس سے مراد نسب وحسب' اچھے اخلاق' دلیری' پختہ عزم اور روشن ذہن کی

marfat.com
Marfat.com

مماثلت ہے جو کہ اس قبیلے کے ساتھ مخصوص تھی۔ پس ایک دوسرے کے منافی ہونے کا وہم بے جا ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تحقیق یہ قرآنی آیات تَذْكِرَةٌ پند ونصیحت ہے کہ ان آیات میں قربِ الٰہی کے فوائد اور اس دربارِ عالی سے دُوری کے نقصانات ذکر کیے جاتے ہیں۔ شادی کا کھانا اور برادری کا سلوک نہیں ہے کہ اپنے قبیلے سے ہر کسی کو اس سے حصہ دیا جائے' پند ونصیحت کی تقسیم اور ہدایت وارشاد میں صلاحیتوں اور رغبتوں کی رعایت کی جاتی ہے۔

فَمَنْ شَآءَ تو جو چاہے دُور ونزدیک سے اور قریبیوں اور اجنبیوں سے اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا اپنے پروردگار کی طرف ایک۔ راستہ اختیار کرے کہ اس راہ سے اس دربارِ عالی تک رسائی حاصل ہو جائے خواہ ابرار کا راستہ ہو یا اللہ تعالیٰ کے بندوں کا جو کہ مقربین ہیں۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اور تم از خود اس راہ پر چلنا نہیں چاہتے۔ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ مگر اس وقت جبکہ خدا تعالیٰ کی مشیت حاصل ہو۔ اس لیے کہ تمہاری چاہت اس کی مشیت کے تابع ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کے حق میں نہیں چاہا ہے کہ اس راہ کے سلوک کی خواہش کرے اس لیے کہ

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا تحقیق اللہ تعالیٰ باحکمت' دانا ہے۔ اگر بے صلاحیت لوگوں کو بھی جبراً چاہتے ہوئے یہ راستہ عطا فرمائے' امتحان اور آزمائش کی حکمت دگرگوں ہو جائے اس لیے کہ مجبوری اور بے اختیاری میں امتحان اور آزمائش نہیں ہے' امتحان اور آزمائش کے لیے اختیار ضروری ہے اور اس کے باوجود اس کارخانے کو بے کار نہیں چھوڑتا اور باصلاحیت لوگوں کو امدادِ غیبی سے محروم نہیں فرماتا بلکہ

يُدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ جسے چاہتا ہے اور اس راہ کے سلوک کا مستحق سمجھتا ہے' اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے۔ پس اسے اس راہ کے سلوک کی توفیق عطا فرماتا ہے اور غیب سے ہر لحہ اسے الہام اور بشارت پہنچاتا ہے تاکہ اس کی خواہش قوی ہو اور سلوک پورا کرے اور قرب اور وصول کی حد کو پہنچ جائے۔

marfat.com
Marfat.com

وَالظّٰلِمِیْنَ اور ظالموں کو جو کہ ہدایت وارشاد کی نعمت کا حق ضائع کرتے ہیں اور اپنے منعم کا شکر بجا نہیں لاتے۔ اَعَدَّلَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ان کے لیے ایک دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے تا کہ رحمت وغضب کے دونوں پروگرام انجام پذیر ہوں اور جنت اور جہنم دونوں کارخانے آباد ہوں اور آدمی کو پیدا کرنے کا جو مقصد تھا' پورا ہو۔

marfat.com
Marfat.com

# سورۂ مرسلات

مکی ہے اور اس کی پچاس (۵۰) آیات ہیں۔

## سورۃ دہر کے ساتھ رابطے کی وجہ

اور اس سورۃ کی سورۃ دہر سے رابطے کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ دہر کی ابتدا میں کافروں کو شدید وعید فرمائی گئی ہے کہ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا اور اس کے آخر میں بھی ظالموں کے لیے دردناک عذاب کا وعدہ فرمایا گیا اس وعدے کے سچے ہونے میں کفار اور ظالم شک کرتے تھے اس لیے کہ یہ دنیا میں واقع نہیں ہوتا اور برزخ کو کوئی دیکھ کر نہیں آیا تا کہ اس سے تحقیق کی جائے۔ حق تعالیٰ نے اِس سورۃ میں اس وعدے کو قسم کے ساتھ پکا کر کے ارشاد فرمایا کہ اس کے وقوع کا وقت یوم الفصل ہے نہ کہ دنیا اور برزخ

اور اس سورۃ کے اور اس سورۃ کے مختلف مضامین بھی باہمی مناسبت اور یک جہتی رکھتے ہیں اس سورۃ کی ابتدا میں آدمی کی پیدائش اس عبارت کے ساتھ ارشاد فرمائی گئی کہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا جبکہ اِس سورۃ میں اس عبارت کے ساتھ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ الخ اور اس سورۃ میں ابرار اور مقربین جن کا لقب عباد اللہ ہے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا وَدَانِیَةً عَلَیْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِیْلًا جبکہ اس سورۃ میں متقین کے حق میں ارشاد ہوا کہ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّعُیُوْنٍ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا یَشْتَهُوْنَ اور اس سورۃ میں قیامت کے دن کے بارے

marfat.com
Marfat.com

میں ارشاد ہوا کہ یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا - وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَ هُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا جبکہ اس سورۃ میں اس دن کے بارے میں یوں فرمایا گیا ہے کہ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ لِیَوْمِ الْفَصْلِ وَمَا اَدْرٰكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ - وَهٰذَا یَوْمُ لَایَنْطِقُوْنَ - وَهٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِیْنَ پس اس سورۃ میں اس دن کے ثقل اور ترش روئی کی شرح ہے جو کہ اس سورۃ میں مجمل تھی۔ پس اس اعتبار سے یہ سورۃ شرح کا حکم رکھتی ہے جبکہ وہ سورۃ متن کا حکم رکھتی ہے اور قال اقول کی ترتیب میں متن کو شرح پر مقدم رکھتے ہیں اور متن کے کلام کے پیچھے شرح کا کلام لکھتے ہیں۔

## سورۂ مرسلات کی وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۂ مرسلات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ کی ابتدا میں ہوا کے پانچ کاموں کی قسم اُٹھائی گئی ہے کہ ان میں سے ہر کام احسان کے انتقام کے ساتھ بدلنے کا سبب ہے۔ پس بندوں کے بارے میں معاملۂ الٰہی کے انقلاب کی دلیل ہوگی کہ پرورش' رحمت اور احسان سے پھر جائے اور تخریب' ہلاک کرنے' انتقام لینے اور غضب کرنے میں مصروف ہو اور جس کام کو پہلے ذکر فرمایا گیا ہے اور اسے مرسلات کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ان پانچوں کاموں میں سے عوام کے فریب اور دھوکہ کھانے کا زیادہ تر باعث ہوتا ہے اور وہ اسے خیر محض سمجھتے ہیں اور اس بات کا وہم ہرگز نہیں کرتے کہ یہ کام خرابی اور بُرائی پر انجام پذیر ہو۔ اور جب لوگوں کے ذہنوں میں افعال الٰہی کو جو کہ جہان کے ایک حال سے دوسرے حال میں منقلب ہونے کے باعث ہوتے ہیں ہواؤں کے ساتھ پوری مشابہت ہے اور اسی لیے کہتے ہیں کہ اس گروش میں دنیا کی ہوا دگرگوں ہے اور ٹھہریئے تاکہ ہوا صاف ہو جائے اور اس وقت کی ہوا کو فلاں دیکھتا ہے تو ناچار ہواؤں کے مختلف افعال سے استدلال بہت مناسب رہا تاکہ اس سے افعال الٰہی کے اختلاف کا سراغ لگائیں اور وعدۂ انتقام کے واقع ہونے کے منکر نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ضعیف ترین مخلوق جو کہ ہوا ہے اس قسم کی تبدیلیاں رکھتی ہے اور عمدہ انقلاب کا موجب ہوتی ہے۔

marfat.com

Marfat.com

## اجمال کی تفصیل

اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عناصر اربعہ میں سے ہوا سب سے زیادہ لطیف اور بے رنگ ہے اور اس کی کیفیتیں غالباً اس چیز کے تابع ہیں جس پر سے گزرتی ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہوا اسی سے اثر لیتی ہے جس پر سے گزرتی ہے۔ بدبو سے بدبو اور خوشبو سے خوشبو۔ اور یہ بھی اس کے کمالِ لطافت کی وجہ سے ہے۔ بخلاف آگ کے کہ اپنے نفس میں حرارت اور خشکی کی کیفیت غالب رکھتی ہے اور جلاتی اور ہلاک کرتی ہے اور مرکبات کے مزاج کو دگرگوں کر دیتی ہے اور بخلاف پانی اور مٹی کے کہ اپنی کثافت کی وجہ سے دوسری مخلوقات کی کیفیات کو برداشت نہیں کر سکتے اور ان سے حرکت' انتقال اور ایک مخلوق کی کیفیت دوسری مخلوق تک پہنچانا ممکن نہیں ہے اگرچہ پانی مٹی کی بہ نسبت اس امر میں کچھ برتری رکھتا ہے اور ہوا کے ساتھ مشابہت ظاہر کرتا ہے لیکن پھر بھی وہ ہوا کی لطافت اور جلد اثر کرنا نہیں رکھتا۔ اس بناء پر حق تعالیٰ نے اس عنصر کو بعض مخلوقات کی کیفیتیں بعض تک پہنچانے پر مقرر فرمایا ہے اور تین عمدہ قوتوں سمع' بصر اور شامہ کے ساتھ احساس کرنے کا آلہ اسی عنصر یعنی ہوا کو قرار دیا کیونکہ سماعت کا ادراک نہیں ہے مگر آوازیں جبکہ آوازوں کو لاحق ہونے والی کیفیات اور آواز نہیں پائی جا سکتی مگر ہوا کے تموج اور اس کے کان کے سوراخ میں پہنچنے اور اس کیفیت کو کان میں پہنچانے کے ساتھ اور بصر کا ادراک نہیں ہے مگر زیادہ قوی مذہب کے مطابق شعاع نکلنے کے ساتھ۔ جبکہ بے رنگ' لطیف عنصر کے سوا شعاع کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اور یہ عنصر نہیں ہے مگر ہوا۔

اور شم یعنی سونگھنے کی قوت کا ادراک نہیں ہوتا مگر اس ہوا کے پہنچنے کے ساتھ جو کہ بو والی چیز کی کیفیت میں متکیف ہو کر ناک کے اندر پہنچتی ہے اور خود کو سونگھنے کی قوت کے متصل پہنچاتی ہے اور ٹٹولنے کے احساس میں بھی اس کی مدد بہت زیادہ ہے اس لیے کہ چیزوں کی حرارت' ٹھنڈک' رطوبت اور خشکی کو خود اُٹھا کر چمڑے کے مسام میں سرایت کرتی ہے۔ پس ہوا دو وجہ کے ساتھ ٹٹولنے میں مدد کرتی ہے۔ پہلی یہ کہ ٹٹولنے والے کی جلد سے دُور چیزوں کی حرارت' برودت' رطوبت اور خشکی کا ادراک نہیں ہو سکتا مگر اسی عنصر

marfat.com

Marfat.com

کی وجہ سے اور دوسری یہ اندرونی اعضاء کو ان کیفیات پر اطلاع نہیں ہوتی مگر مسام میں ہوا کی سرایت کرنے کے ساتھ اور اس کے علاوہ ہر زندگی والی شے کا سانس لینا اسی عنصر پر موقوف ہے اور یہ عنصر گویا روح ہوائی کی پہلی غذا ہے جس سے زندگی قائم ہے اور اسی لیے کہتے ہیں۔

پاک ہے وہ ذات جس نے خشک گوشت کی اس کی سختی کے باوجود ضرورت پیدا کر دی حالانکہ لوگ اس قسم کی چیزوں کی ضرورت نہیں رکھتے اور ہوا کے سانس ذلیل کیے حالانکہ ہر سانس لینے والا اس کے سانسوں کا محتاج ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اگر کسی جاندار کو زمین کے نیچے دفن کر دیں یا پانی میں غوطہ دیں اس طریقے سے کہ ہوا نہ پہنچے تو وہ مر جاتا ہے اور اس کا سانس ختم ہو جاتا ہے۔ پس بقائے حیات اور حواس کے ساتھ احساس کے طریقے سے ربوبیتِ الٰہی کا ظہور اسی عنصر میں ہے اور بعض مخلوقات کو بعض دوسری مخلوق کی کیفیات کے ساتھ نفع بخشنا بھی اسی عنصر کا کام ہے۔ پس یہ عنصر اپنی تاثیرات اور افعال میں قدسی غیبی تاثیرات کے ساتھ کمال مشابہت رکھتا ہے اور اس کا انقلاب افعال الٰہی کے انقلاب پر واضح دلیل ہے اور اسی لیے اس سورۃ کی ابتدا میں اس کے پانچ کاموں کی قسم اٹھا کر وعدۂ انقلاب کو ثابت فرمایا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا مجھے ان ہواؤں کی قسم ہے جو کہ مخلوقِ خدا کی بہتری اور نفع کے لیے بھیجی جاتی ہے اور ہوا چلنے کی وجہ سے مخلوقِ خدا کے نفع کی وجوہات اس قدر ظاہر ہیں کہ محتاج بیان نہیں ہیں۔ پہلی وجہ ہر جان دار کا سانس لینا اس سے واقع ہوتا ہے' دوسری وجہ جسم کے اندرونی حصہ میں ٹھنڈک پہنچنا اور کھیتی کے دانہ اور درخت کے میوہ کا بڑھنا' سبزے کی افزائش اور اُگنا اسی کے طفیل ہے' تیسری وجہ بارش کا آنا اسی کی وجہ سے ہے' چوتھی وجہ کشتیوں کا دریائے شور میں تجارت اور دوسری صنعتوں کے لیے جاری ہونا اسی کے ساتھ متعلق ہے' پانچویں وجہ جو کام ہوا چلنے پر موقوف ہیں اسی کے ساتھ صورت پکڑتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا پس ان کی قسم جو کہ چلنے میں تیز ہونے والی ہیں تیز ہونا۔ کہ ان کی وجہ سے عظیم انقلاب رونما ہوتا ہے اور نیکی بدی کے ساتھ بدل جاتی ہے اور کھیتی کے دانے پژمردہ ہو جاتے ہیں اور درختوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتی ہے' پھلوں کو بے مزہ کرتی ہے' آدمیوں کے جسموں میں ہوائیں اور بخارات کا غلبہ ہو جاتا ہے' زخم از سر نو تازہ اور صدمہ گویا ابھی پہنچا' بارش بالکل معدوم' کشتیوں کو غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہوگیا' مسافروں کو راستہ طے کرنا دشوار ہوگیا' سبزہ خشک ہوگیا' درختوں کے پتے گر گئے' ننگے بدن کی طرح بے رونق رہ گئے' ہر سبز و سرخ کا رنگ زردی اور سیاہی میں بدل گیا۔

اور چونکہ ابتدا میں ہوا کا چلنا آہستگی کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس سے نفع کی توقع ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ وہی ہوا طوفان بن کر خرابی کرتی ہے اس لیے فالعاصفات میں فا کا لفظ لایا گیا ہے۔ گویا نرم چلنے اور تیز چلنے کے دونوں مجموعی کاموں کی قسم فرمائی جا رہی ہے اور ایک حال کے دوسرے حال میں انقلاب کو سمجھایا گیا ہے اور ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہوا کے نرم چلنے سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ وہ ہوائیں یہ کام بھی کرتی ہیں۔

وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا اور مجھے ان ہواؤں کی قسم جو کہ منتشر کرتی ہیں منتشر کرنا۔ اور ہوا کا یہ عمدہ کام ہے کہ ہر چیز سے لطیف اجزا اُٹھا کر اپنے ساتھ اُڑا لے جاتی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی ہے۔ گویا ہوا ہر مخلوق کے اجزاء کو لوٹنے والی ہے۔ کہ قیمتی جنس کو لوٹ کر لے جاتی ہے اور ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچاتی ہے۔ یا بمنزلہ ایک تاجر کے ہے کہ ایک ملک کا سامان خرید کر دوسرے ملک کے سپرد کرتا ہے اور اگر ہوا کا یہ کام درمیان میں نہ ہو تو کوئی مخلوق دوسری مخلوق کے اجزا سے کبھی بہرہ ور نہ ہو اور ایک دوسرے کو کیفیات منتقل نہ کریں اور کیفیات کے جمع کرنے اور جوڑنے' منتقل کرنے اور بدلنے کا پروگرام کہ جسے ہر مخلوق کے اجزائے لطیفہ اُٹھائے ہوئے ہیں' ایجاد کا نقش حاصل نہ کر سکے۔

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا پس کیفیت اور کیفیت والی چیز کے درمیان اور ایک چیز کے لطیف اور کثیف اجزا کے درمیان فرق کرتی ہے' فرق کرنا۔ اور یہی فرق اور جدائی ہے جس کی

marfat.com
Marfat.com

وجہ سے کہتے ہیں کہ ہر چیز خشک ہوگئی اور نرم چیز سخت ہوگئی۔ اور دانہ بھس سے صاف ہوگیا اور پانی کی کدورت دُور ہوگئی اور چونکہ فرق کرنا منتشر کرنے پر مرتب ہوتا ہے اس لیے ان دونوں فعلوں درمیان بھی لفظ فا لایا گیا تا کہ فرع ہونے اور مرتب ہونے پر دلالت کرے اس لیے کہ فرق اور جدائی ایک مکان میں جمع شدہ اجزا کے منتشر ہونے کی وجہ سے ہے جو چلا گیا وہ اس سے جو باقی رہ گیا' جدا ہو گیا اور متفرق ہو گیا اور ان دونوں فعلوں کو بھی ایک قسم میں لایا گیا اور اس عظیم انقلاب کی طرف اشارہ فرما دیا گیا جو کہ ہر چیز کے اجزا میں ان دونوں فعلوں کے مجموعے سے واقع ہوتا ہے۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا پس مجھے ان ہواؤں کی قسم ہے جو کہ ذکر کا القاء کرتی ہے اور ذکر اللہ تعالیٰ کے کلام لفظی کے وجود سے عبارت ہے جسے تلاوت کیا گیا قرآن بھی کہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ اسی لفظ کے ساتھ قرآن سے تعبیر کی گئی ہے اور اگرچہ اصل لغت میں ذکر ہر چیز کے لفظی وجود کو کہتے ہیں اور ہوا کو ہر چیز کے وجود لفظی کو پہنچانے میں انفرادیت حاصل ہے اگر ہوا نہ ہو تو کسی چیز کا وجود لفظی دنیا میں صورت پذیر نہ ہو۔ اس لیے کہ لفظ ایک کیفیت ہے جو کہ آواز کو لاحق ہوتی ہے اور آواز ہوا کے کندھوں پر سوار ہو کر کان کے سوراخ تک پہنچتی ہے لیکن کلام اللہ کے لفظی وجود کو پہنچانا ایک عمدہ منصب ہے جو کہ اس ہمیشہ مصروف سفر ایلچی کے ساتھ مخصوص ہے۔ گویا تمام عناصر میں سے یہ عنصر پیغام رسانی کی ڈیوٹی رکھتا ہے کہ کلام اللہ کو ہر شخص کے کان تک پہنچاتا ہے اور اس کے احکام اور خطاب پہلے کان کے سوراخ کے سپرد کرتا ہے اس کے بعد خیال اس کے بعد عقل اور اس کے بعد قلب کو دیتا ہے اور قلب استعداد کے مطابق اس سے اثر قبول کرتا ہے۔ پس یہ عنصر جبرئیلی حقیقت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اور یہیں سے اس بات کا راز واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقت جبرئیلی کو اس عنصر کے ساتھ کیا مناسبت ہے کہ شرع میں وارد ہوا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام ہواؤں پر مقرر کیے گئے ہیں اور کلامِ الٰہی کے سامع کے کان میں پہنچنے کی وجہ سے اس کی روح میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہوتا ہے یا خیر کی طرف جاتا ہے اور وہ ابدی سعادت حاصل کرتا ہے یا شر کی طرف جاتا

marfat.com
Marfat.com

ہے اور ہمیشہ کا خسارہ حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا

عُذْرًا یعنی کلامِ الٰہی پہنچانا یا عذر کی بناء پر ہے تاکہ اعمال کی بازپُرس کے وقت اس کے پاس کوئی عذر اور سند ہو کہ میں نے یہ کام خداتعالیٰ کے حکم کی بناء پر کیا اور یہ کام خداتعالیٰ کے حکم کی وجہ سے نہیں کیا۔ اور یہ اسی صورت میں ہے کہ کلامِ الٰہی میں احکام۔ امر اور نہی ہو یا اس میں صحیح اعتقادات پر مبنی ذات وصفات' نبوت اور آخرت کی بحثیں ہوں۔

اَوْنُذْرًا یا ڈرانے اور خوف دِلانے کی بناء پر ہے کہ کلامِ الٰہی میں سابقہ اُمتوں کے گزشتہ واقعات اور خبریں ہیں۔ یا قبر' حشر' نشر' عمال تولنے' پل صراط سے گزرنے' بہشتی نعمتوں اور جہنم کی ہولناکیوں کے حالات ہیں۔ کہ ان سے مقصود صرف خوف دِلانا اور ڈرانا ہے اور یہاں بشارت کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا گیا کیونکہ اس سورۃ میں خطاب کافروں سے ہے اور وہ بشارت کے لائق نہیں تھے۔ نیز عذر' کا لفظ دونوں چیزوں عذاب اور جنت کے درجات پانے میں کامیابی کو شامل ہے اس لیے کہ احکامِ الٰہی پر عمل کرنا دونوں چیزوں کی سند طلب کرتا ہے کہ قیامت کے دن اس سند کے ساتھ دونوں کو چاہے گا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ ہواؤں کی پہلی صفت جو کہ مرسلات عرفا ہوتی ہے' حقیقت میکائیلی کے شعبوں سے ایک شعبہ ہے کہ جسے جسموں کی پرورش' کھیتی باڑی کے کاموں کی اصلاح اور رزق سپرد کیے گئے ہیں۔ اور دوسری صفت جو کہ عاصفات ہے' حقیقت عزرائیلی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کہ انتظام درہم برہم کرنا' جسموں کو خراب کرنا اور آپس میں ملے ہوئے اجزا کو جدا جدا کرنا اس کا کام ہے۔ اور تیسری اور چوتھی صفت جو کہ ناشرات اور فارقات ہے حقیقت اسرافیلی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کہ صور پھونکنے کے ساتھ ارواح کو بکھیرنا تاکہ اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں اور پھر ہر مذہب' ہر ملت' ہر طریقے' ہر عادت اور ہر عمل والوں میں جدائی کا کام ان کے سپرد ہے اور دنیا میں بھی ارواح کو بکھیرنا تاکہ ماؤں کے پیٹوں میں موجود بچوں کے جسموں کے ساتھ تعلق

marfat.com
Marfat.com

ہوں اور ارواح کے درمیان فرق کہ اس روح کو فلاں بدن کے ساتھ اور اس روح کو فلاں بدن کے ساتھ لگانا چاہیے بھی انہیں کا کام ہے۔

اور پانچویں صفت کہ فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْنُذْرًا ہے حقیقت جبریلی کے شعبوں میں سے ایک ہے کہ احکامِ الٰہی اور اس کی طرف سے خوف دلانے اور ڈرانے کے خطابات رسول علیہ السلام کے قلب مقدس تک پہنچانا تاکہ وہاں سے لوگوں کے کانوں تک پہنچیں۔ آپ کی ڈیوٹی ہے اور چونکہ یہ صفت بہت بلند مرتبہ اور اونچا مقام رکھتی ہے اس لیے اس پر فائے تعقیب لائی گئی۔ گویا یوں ارشاد ہوا کہ میں گزشتہ چار صفات کے بعد اس صفت کی قسم اٹھاتا ہوں۔ بخلاف اس فائے تعقیب کے جو کہ فالعاصفات اور فالفارقات میں لائی گئی اس لیے کہ وہ فا گزشتہ فعل کے بعد فعل لانے کے لیے ہے نہ کہ قسم کے بعد قسم لانے کے لیے۔ پس اس کلام میں درحقیقت تین قسمیں مذکور ہیں اور ہر قسم دو فعلوں کے ساتھ ہے۔ پہلی قسم ہوا کے نرم چلنے اور تیز چلنے کے ساتھ اور دوسری قسم بکھیرنے اور فرق کرنے کے ساتھ جبکہ تیسری قسم عذر عطا کرنے اور ڈرانے کے ساتھ ہے لیکن تیسری قسم کو پہلی اور دوسری قسم پر فا کے ساتھ عطف دیا گیا ہے تاکہ قسم میں ترقی پر دلالت کرے جبکہ پہلی دو قسموں کے دونوں فعلوں کے درمیان بھی حرف فا کے ساتھ عطف لایا گیا تاکہ ایک فعل کے دوسرے فعل کی فرع کے طور پر آنے پر دلالت ہو اور تیسری قسم کے دونوں فعلوں کو اجمالی طور پر ایک کلمہ بنا کر حرف او کے ساتھ تقسیم فرمادیا گیا تاکہ ذکر کے ان دو قسموں میں تقسیم ہونے کا پتہ دے' اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے اسرار کو بہتر جانتا ہے۔

## ان پانچ مذکورہ افعال کے مصداق میں اختلاف

اور ان پانچ مذکورہ افعال کے مصداق کے تعین میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے یعنی بعض ہواؤں پر محمول کرتے ہیں اس تفصیل کے ساتھ کہ مرسلات عرفا جسم کے لیے خوشگوار ہوائیں ہیں اور عاصفات تیز ہوائیں جو کہ جسموں کو نقصان دیتی ہیں اور کشتیوں کو غرق کر دیتی ہیں اور ناشرات' فارقات اور ملقیات بارش سے متعلق ہوائیں ہیں جو کہ

marfat.com

Marfat.com

پہلے بادل کے مادہ کو فضا میں پھیلاتی ہیں اور جب بادل برس کر فارغ ہو جاتا ہے تو اسے جدا جدا کر دیتی ہے اور پھاڑ دیتی ہیں اور بارش کی وجہ سے لوگ ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کا ذکر کرنا دو میں سے ایک مقصد کے لیے ہوتا ہے یا شکر کے طور پر ہوتا ہے اگر بارش مفید ہے۔ پس یہ ذکر اس نعمت کا حق ادا کرنے میں ان کا عذر بن جاتا ہے یا ڈر اور خوف کے طور پر ہے اگر بارش نقصان دہ ہو۔

اور حضرات صوفیاء نے فرمایا ہے کہ مرسلات عرفا سے مراد ربانی محرکات اور الہامات ہیں جو کہ سالک کو نفع پہنچانے کے لیے اس کے دل پر آتے ہیں تاکہ وہ راہِ خدا کا سلوک کرے اور عاصفات سے مراد جذب وکشش کی وہ ہوائیں ہیں جو کہ سالک کے دل سے ماسوی اللہ کی محبت زائل کرتی ہیں اور اس کے شوق کی شدت کا موجب ہوتی ہے اور ناشرات سے مراد وہ اشغال اور اذکار ہیں جو کہ اپنے اثرات اور انوار ذاکر وشاغل کے تمام آلات واعضاء میں پھیلا دیتے ہیں اور فارقات سے مراد وہ وارداتِ الٰہیہ ہیں جو کہ وجود ناسوتی کی فنا کا موجب ہوتے ہیں اور وجودِ حقیقی اور وجودِ مجازی کے درمیان فرق کرتے ہیں اور ملقیات ذکرا سے مراد وہ علوم ومعارف ہیں جن کا فیض مرتبۂ بقاء حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے اور فیض پانے والے کو ان کی وجہ سے خداتعالیٰ کا ذکر حاصل ہو جاتا ہے۔ محبت کے طریقے سے جو کہ عذر ہے یا خوف کے طور پر جو کہ نذر ہے۔

جبکہ واعظ کہتے ہیں کہ ان پانچ چیزوں سے مراد فرشتوں کے گروہ ہیں۔ پس مرسلات عرفا فرشتوں کا وہ گروہ ہے جسے کوئی کام سرانجام دینے کے لیے بھیجا جاتا ہے اور اس صورت میں عرفا کا معنی کسی کام کے لیے جمع ہونا اور پے درپے آنا ہے۔ عرب کے محاورے میں کہتے ہیں جاء واعرفا وا حدا یعنی سب پے درپے آئے اور اس لفظ کی اصل عرف الفرس سے لی گئی ہے جو کہ گھوڑے کی گردن کے معنوں میں ہے اور گھوڑے کی گردن میں بال جمع ہو جاتے ہیں اور پے درپے نظر میں آتے ہیں جب ایک جماعت کسی کام کے لیے اونٹوں کی قطار کی طرح آگے پیچھے روانہ ہوتی ہے تو وہ انہیں بالوں کے مشابہہ ہوتی ہے۔ نیز عرب لوگ کسی کام پر ہجوم کے مقام پر بولتے ہیں کہ ہم علیہ کعرف

marfat.com
Marfat.com

الصبح یعنی انہوں نے اس کام پر اس طرح ہجوم کیا ہے کہ گویا بجو کے بال ہیں۔

اور عاصفات سے مراد فرشتوں کا ایک اور گروہ ہے جو کہ تندی اور تیزی کے ساتھ کسی کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یا مرسلات سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں اور عاصفات سے مراد عذاب کے فرشتے مراد ہیں جو کہ کسی گھر یا لشکر یا ملک کو برباد کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اور ناشرات سے مراد فرشتوں کا ایک اور گروہ ہے جو کہ وحی الہام اور خدائی فیصلوں کو سننے کے لیے اپنے پر کھولے ہوئے۔ منتظر کھڑے رہتے ہیں یا جہان میں اور اولیاء اور ایمان والوں کے دلوں میں رحمتِ الٰہی کے آثار یعنی انوار برکات اور اچھے الہامات بکھیرتے ہیں اور فارقات سے مراد وہی گروہ یا اور گروہ ہے جو کہ حق و باطل اور مطیع و نافرمان میں فرق کرتے ہیں یا جادو اور معجزے کے درمیان امتیاز عطا کرتے ہیں اور ملقیات ذکر سے مراد ایک اور گروہ ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی کا القاء کرتے ہیں جو کہ حق والوں کے لیے عذر ہوتی ہے اور باطل پرستوں اور بدمذہبوں کے لیے خوف

اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ناشرات وہ فرشتے ہیں جو کہ قیامت کے دن مردوں کو زندہ کریں گے جبکہ فارقات وہ فرشتے ہیں جو کہ اہلِ محشر کو جدا جدا کریں گے اور ہر ملت اور ہر مذہب والوں کے درمیان تفریق کریں گے۔

اور اہلِ قرأت یوں کہتے ہیں کہ ان تمام پانچ صفات سے مراد آیاتِ قرآنی ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے نفع کے لیے پے در پے نازل ہوئی ہیں اور باطل ملتوں اور فاسد دینوں والوں پر سختی اور تیزی کرتی ہیں اور ان کے غلط اعتقادات کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتی ہیں۔ ان تیز ہواؤں کی طرح جو کہ پرانی عمارتوں اور کھوکھلے درختوں کو زیروزبر کر دیتی ہیں۔ اور استعداد والوں اور علمائے کرام کے دلوں میں ہدایت کے آثار اور حکمت کے انوار پھیلا دیتی ہیں۔ پس حق و باطل اور غلط و صحیح کے درمیان فرق کرتے ہیں پھر خدا تعالیٰ کی یاد کو ہر مرد مومن کے دل میں جگہ دیتی ہیں اور آیاتِ قرآنی کے یہ کام یا تو عذر کے طور پر ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے بندے ان پر کاربند ہوں اور ان کے مطابق عمل کریں یا ڈرانے

marfat.com
Marfat.com

کے طور پر ہیں اگر ان سے منہ پھیریں۔

اور واقعات بیان کرنے والوں میں سے بعض نے کہا ہے کہ ان صفات سے مراد انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں جو کہ مخلوقِ خدا کے نفع اور احسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے اور انہوں نے مخالفت اور عداوت کرنے والوں پر سختی اور قہر فرمایا اور دعوت الی اللہ کو مخلوقات میں پھیلایا' حق و باطل کے درمیان فرق کیا اور لوگوں تک ذکر اور توحید الٰہی کو پہنچایا تا کہ انہیں حق تبلیغ و رسالت ادا کرنے میں عذر ہو یا گنہگاروں اور منکروں کے لیے ڈراتا ہو۔

اور مفسرین کے ایک اور گروہ نے ان پانچ صفات کو متعدد موصوفوں پر محمول کیا ہے اور پہلی صفت کو ہواؤں پر اور دوسری تین صفات کو فرشتوں پر محمول کیا اور کہتے ہیں کہ اس قسم میں ہواؤں اور فرشتوں کو جمع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں لطافت بے رنگی' نظر سے پوشیدہ ہونے' تیز چلنے اور حقیقت میں لطیف ہونے کے باوجود طاقت طلب کاموں پر قادر ہونے میں ایک دوسرے کے مشابہہ ہیں یا پہلی دو صفات کو ہواؤں پر اور تین دوسری صفات کو فرشتوں پر محمول کرتے ہیں اور کلامِ الٰہی میں عطف کا انداز اس محمول کرنے کی تائید کرتا ہے یا پہلی صفت کو ملائکہ رحمت' دوسری صفت کو ملائکہ عذاب اور تین باقی صفات کو آیاتِ قرآنی پر محمول کرتے ہیں۔

بہرحال جب قسموں کی تاکید سے فراغت ہوئی مدعا کا ذکر فرمایا گیا۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ تحقیق تمہارے اچھے اور بُرے کاموں پر تمہیں جس چیز کا وعدہ دیا جاتا ہے کہ جنہیں تم باقی نہ رہنے والی عارضی چیزیں جانتے ہوئے ہوا کی طرح سمجھتے ہو۔ اور نہیں جانتے کہ یہ اعمال کس اچھے اور بُرے انقلاب کا موجب ہوں گے۔

لَوَاقِعٌ البتہ واقع ہونے والی ہے' اس اچھے اور بُرے انقلاب کی طرح جس کا سبب ہوائیں بنتی ہیں اور کسی کے گمان میں نہیں آتا کہ ہوا کا چلنا ایک جہان کی خرابی کا موجب یا کسی مکمل نفع کا سبب کیونکر ہوگا۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ پس جس وقت کہ ستارے بے نور کر دیئے جائیں اور وہ

marfat.com
Marfat.com

روح جو کہ ستاروں کے جسموں کی مدبر تھی اور ستاروں کا نور اسی کی تاثیر سے قائم تھا' ان جسموں سے جدا ہو جائے جیسا کہ موت کے وقت روح بصری جدا ہو جاتی ہے اور اسی حالت کے متعلق دوسرے مقام پر اس عبارت کے ساتھ تعبیر فرمائی گئی ہے کہ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ اس کے بعد ستارے کے جسم اپنے مقامات سے زائل ہو کر گر پڑیں اور پراگندہ ہو جائیں اور اسی حالت کے متعلق دوسرے مقام پر اس عبارت کے ساتھ تعبیر کی گئی کہ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ اور چونکہ اصل لغت کے مطابق لفظ نجوم میں ظہور اور طلوع سمجھا جاتا ہے اس لیے بے نور اور مکدر ہونے کے مقام پر لفظ نجوم ارشاد فرمایا اور لفظ کوکب میں اصل لغت کے اعتبار سے ثابت اور پکار ہنا سمجھا جاتا ہے اس لیے پراگندہ ہونے اور گرنے کے مقام پر اسی لفظ کو اختیار فرمایا گیا تا کہ لاحق ہونے والی حالت کا گزشتہ حالت کے منافی ہونا زیادہ روشن ہو اور جب روح کواکب ان سے جدا ہو جائے تو اس روح کا بنی آدم کے اعمال کی مثالی صورتوں کو روشن اور ظاہر کرنے کا اثر ان کے عقلی اور خیالی حواس پر غلبہ کرے۔

وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ اور جب آسمان میں شگاف ڈال دیئے جائیں اور دوسرے مقام پر اس حالت کے متعلق انفطار' انشقاق اور تشقق کے ساتھ تعبیر فرمائی گئی ہے اور اس حالت سے پہلے آسمان کو سستی اور اجزاء کے مضبوط نہ رہنے کا عارضہ لاحق ہوگا کہ جسے سورۂ حاقہ میں اس عبارت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ اور نفوس سماویہ کے ان کے جسموں کی تدبیروں سے منقطع ہونے اور ان نفسوں کے بنی آدم کے نفسوں کی امداد کرنے کی وجہ سے عقلی اور خیالی حواس کئی گنا بڑھ بھی جائیں اور ترقی کریں اور انہیں گنتی' شدت اور مدت میں غیر متناہی انفعال کی قوت بھی حاصل ہو اور وہ ابدی جزا چکھنے کے قابل ہو جائیں۔

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ اور جس وقت پہاڑوں کو ہوا میں اُڑا دیا جائے۔ اور لغت عرب میں منسف اس چیز کو کہتے ہیں جس سے غلے کو بھس' تنکوں اور دھول سے پاک کیا جاتا ہے اور اس علاقے کی زبان میں اسے چھاج کہتے ہیں اور پہاڑوں کے بارے میں

marfat.com
Marfat.com

قرآن مجید میں چند عبارات واقع ہوئی ہیں۔ سورۂ طٰہٰ میں یہی معنی ارشاد فرمایا گیا کہ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا جبکہ دوسری سورتوں میں اور عبارات ہیں اور ان عبارات کے مختلف مضامین کو جمع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تو زلزلے کی وجہ سے زمین اور پہاڑ آپس میں ٹکرائیں کہ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً پھر پہاڑ رنگین دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں جیسا کہ سورۂ قارعہ میں ہے۔ پھر گردوغبار کی طرح معلوم ہوں کہ سورۂ واقعہ میں ہے فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا پھر ہواؤں کو پہاڑوں پر مسلط کریں گے اور یہی نسف کی حالت ہے۔ اور پہاڑ اپنی جگہ سے اُڑ جائیں گے تو جو انہیں دُور سے دیکھے گمان کرے کہ پہاڑ ہے اور جب نزدیک پہنچے تو جان لے کہ ان میں سختی اور اجزا کا باہم اکٹھا رہنا بالکل نہیں رہا اور بادل کی طرح ہوا میں اُڑ رہے ہیں جیسا کہ سورۂ نمل میں مذکور ہے کہ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ اور سورۂ تساءل میں ہے کہ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا پھر وہ زمین جو پہاڑوں کے نیچے ڈھکی چھپی تھی ظاہر ہو جائے جیسا کہ سورۂ کہف میں ہے وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً اور پہاڑوں پر یہ حالت طاری ہونے کی وجہ سے زمین کی سختی کے اجزا زمین سے جدا ہو کر بنی آدم کے جسموں میں پیوست ہو جائیں اور انسانی جسم ان اجزا کے ملنے کی وجہ سے حد بیان سے زیادہ طول وعرض اور قوت ومضبوطی پیدا کریں۔

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ اور جس وقت رسولوں کا وقت مقرر کر دیا جائے تا کہ اپنے اس مقررہ وقت کے مطابق سوچ بچار کر کے اپنے اُمتیوں کے ہمراہ میدانِ حشر میں حاضر آئیں اور حساب وزن اعمال ظالموں سے مظلوموں کے حقوق لینا اور رسل علیہم السلام کی گواہی اور ان کی موجودگی میں پل صراط سے گزارنے کا کام صورت پذیر ہو اور جنہوں نے رسل علیہم السلام کے پیغام کو قبول کر کے اس کے مطابق عمل کیے تھے ان لوگوں سے جدا ہو جائیں جنہوں نے ان کے پیغام کا انکار کیا اور اس کے مطابق عمل نہ کیے اور جو جس معاملے کا مستحق ہو اسی کے مطابق جزا دی جائے اور حرف شرط جو کہ اذا ہے کی جزا سابق

marfat.com
Marfat.com

قرینے کی وجہ سے محذوف ہے یعنی جب یہ امور واقع ہوں تو وہ وعدہ بھی واقع ہو جائے۔

اور اگر قیامت کے منکر پوچھیں کہ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ کہ کس دن کے لیے ان چیزوں کی تاخیر کی گئی' یہ چیزیں اس وقت واقع کیوں نہیں ہوئیں تا کہ جزا کا وعدہ بھی ثابت ہو جائے اور ہمارا شک وشبہ دُور ہو جائے تو جواب میں کہنا چاہیے کہ

لِیَوْمِ الْفَصْلِ یعنی یہ چیزیں فیصلے کا دن آنے کے لیے مؤخر کی گئی ہیں اور فیصلے کا دن ایسا نہیں کہ تم اس کی تاخیر کو آسانی سے دریافت کر سکو جیسا کہ سورۂ تساءل میں اس دن کی تاخیر کی بعض وجوہ آتی ہیں' ان شاءاللہ تعالیٰ

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ تو کیا جانے کہ روز فصل کیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے ادراک سے عقل عاجز ہے۔ اور اگر غیب سے اسے بیان کیا جائے تو اس کا بیان نہیں ہوگا مگر انہیں عظیم حادثوں کے ساتھ جو کہ اس میں واقع ہوں گے۔ پس یہ کہیں گے کہ ان حادثوں کو اس دن پر کیوں موقوف رکھا گیا ہے۔ پس زیادہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ اس دن سے ڈرایا جائے اور کہا جائے کہ

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ اس دن انکار کرنے والوں کے لیے سخت مصیبت ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ قیامت آنے کے منکروں کو اس واقعہ کے رونما ہونے کے وقت دس وجوہ سے سختی درپیش ہوگی۔ پہلی وجہ یہ کہ جس چیز کی انہیں توقع نہ تھی اچانک واقع ہو جائے اس کے واقع ہونے کی وجہ سے مدہوش اور متحیر ہو جائیں اور یہی وہ سختی ہے جو کہ آئندہ واقعہ کے ہر منکر کو اس کے واقع ہونے کے وقت لازم ہوتی ہے اور اس آیت میں مذکور سخت مصیبت سے مراد یہی سختی ہے اور اس کے بعد نو دوسری سختیاں جو کہ خاص قیامت کے منکروں کو درپیش ہوں گی اس سورۃ کے باقی حصے میں بیان فرمائی گئی ہیں اور ان سختیوں کے اسباب کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ پس اس سورۃ میں اس آیت کے تکرار کو صرف تاکید کے لیے سمجھنا غور وفکر کی کوتاہی ہے۔ پس سختی کی دوسری' تیسری اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے جہل مرکب اور اپنے خوشنما جھوٹے مقدمات کے فاسد ہونے پر جن کی وجہ سے قیامت آنے سے انکار میں پوری ضد کرتے تھے' اچانک مطلع ہوں گے

marfat.com
Marfat.com

اور اپنی سمجھ کی کوتاہی اور غلط فہمی پر آگاہ ہوں گے اور انہیں معلوم ہوگا کہ ہمیں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے عقائد پر قطعاً یقین نہ تھا' ہم اس کی قدرت اور تاثیر سے بے خبر رہے۔ پس اس سختی کی دوسری وجہ یہ ہوگی کہ انہیں دنیا میں اتنی کثیر مخلوق سے بدلہ لینے پر حق تعالیٰ کے قادر ہونے کا پتہ نہ چلا اور وہ کہتے تھے کہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام یوم الفصل کو نوعِ انسانی کی پورے طور پر ہلاک کرنے کے بعد بیان کرتے ہیں اور یہ بات کسی کی عقل میں نہیں آتی کہ تمام نوعِ انسانی ایک وقت میں فنا ہو جائے اور عام ہلاکت رونما ہو۔ اس لیے کہ جو حادثہ بھی دنیا میں واقع ہوتا ہے اس سے بعض افراد قوتِ بازو یا مکان کی حفاظت یا تدبیر وحیلے کے زور سے بچ جاتے ہیں۔ اور دنیا میں ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا کہ سب کے سب ایک حادثے میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس شبہ کے جواب میں ایک مثال بیان فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اس بات کو سمجھنا اور اس شبہ کو دُور کرنا تم پر بہت آسان ہے اس لیے کہ ایک شخص اور ہزار شخصوں کو ہلاک کرنا برابر ہے۔ جب مختلف اوقات میں لاکھوں کروڑوں کا مرنا مشاہدے میں آتا ہے تو قیاس کر لو کہ ایک وقت میں تمام نوعِ انسانی کی روح سلب ہو سکتی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ اور اگر وہ مختلف اوقات میں لاکھوں ہزاروں کے ہلاک ہونے میں بھی تردد کریں تو ہم کہتے ہیں

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک سب کی روح سلب کی گئی ہے۔

ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ پھر ہم ان کے پیچھے پچھلوں کو لے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ہر وقت میں مر کر جا رہے ہیں اور جب مختلف اوقات میں اتنی کثیر تعداد کی ہلاکت ثابت ہوگئی تو ثابت ہوا کہ

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ہم پہلی دفعہ صور پھونکنے کے وقت گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح سلوک کریں گے کہ سب کی ایک ہی وقت میں روح سلب ہو جائے گی۔

marfat.com
Marfat.com

اور اس وقت سے پہلے جبکہ تمام نوع انسانی کی ایک ہی وقت میں روح سلب نہیں ہوتی' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بے گناہ بھی ہوتے ہیں اور بعض گناہ گاروں کی پشت میں نیک نسل ہوتی ہے اور ان سے معرفت اور عبادت کی توقع ہوتی ہے جبکہ اس وقت جبکہ سب گناہ گار ہوں گے اور اس وقت سے چالیس سال پہلے بانجھ پن کی وجہ سے جو کہ بنی آدم کو لاحق ہوگا' نسل کے جاری ہونے کی امید بھی نہیں رہے گی۔ پس سب کے سب ہلاک کرنے کے لائق ہو جائیں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں یہ بات وارد ہے کہ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَایَبْقٰی فِی الْاَرْضِ اَحَدٌ یَّقُوْلُ اللّٰهُ اللہ یعنی اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ زمین میں ایک شخص بھی اللہ اللہ کہنے والا باقی ہے۔

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ اس روز منکروں کے لیے سخت مصیبت ہے کہ اپنے عقیدہ کے غلط ہونے پر اپنے اس شبہ کے باطل ہونے کی وجہ سے جس کا دنیا میں معمولی غور و فکر سے ازالہ ہو سکتا تھا اور انہوں نے نہ کیا' مطلع ہوں گے اور حسرت کے ساتھ ہاتھ کاٹیں گے اور اس دن کی سختی کی تیسری وجہ یہ ہوگی کہ کفار دنیا میں مردوں کو زندہ کرنے پر حق تعالیٰ کے قادر ہونے کا عقیدہ نہیں اپناتے اور یقین نہیں کرتے تو گویا وہ اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کی دائمی ربوبیت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے آخرت کے انتقام کو دنیا کے انتقام پر قیاس کر کے ثابت کیا لیکن یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے دنیا میں انتقام زندوں سے ممکن ہے کہ انہیں درد اور عذاب پہنچائیں اور ہلاک کر دیں جبکہ مردے سے انتقام اس میں زندگی لوٹائے بغیر ممکن نہیں ہے اور زندگی کے لیے شرط ہے کہ زندگی قبول کرنے کا مادہ ہو' پتھر اور لکڑی کو زندہ نہیں کیا جا سکتا اور مردوں کے بدن یوم فصل آنے تک بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو کر زندگی قبول کرنے سے مکمل دُور ہو چکے ہوں گے' ان میں زندگی لوٹانا کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ حق تعالیٰ نے عقیدہ کے بارے میں ان کی غلط فہمی اور غور و فکر کی کوتاہی پر آگاہ کر کے اس حقیقت کا پتہ دیا کہ یوم فصل میں اس عقیدہ کے غلط ہونے اور اس شبہ کے کمزور ہونے پر بھی مطلع ہو جاؤ گے اس لیے کہ تم اپنی تخلیق کی ابتدا کو جانتے ہو کہ گندی' بدبودار چیز سے ہوئی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ کیا ہم نے تمہیں حقیر بدحال پانی سے پیدا نہیں فرمایا؟ اور وہ ایک نطفہ ہے جو کہ پیشاب کی راہ سے باہر آتا ہے اور اس سے آلودہ ہونے کی وجہ سے کپڑا اور جسم ناپاک ہو جاتا ہے اور اس کی بدبو مشام میں خلل ڈال دیتی ہے اور وہ اس قدر بدحال ہو چکا ہے کہ ہضم کے تمام درجے طے کر کے آخری ہضم کا فضلہ ہو چکا اور طبیعت نے اپنے خالق کے حکم سے اسے ہر عضو سے کھینچ کر گردوں اور کپوروں کے راستے سے عضو مخصوص کے سوراخ سے باہر پھینک دیا اور اسے بدن کو غذا دینے کے قابل نہ پاتے ہوئے اس سے لاپرواہی اختیار کی۔ جیسے بول و براز۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اس میں زندگی قبول کرنے کی کچھ استعداد بھی ہوتی تو طبیعت اسے پھینکنے میں بخل کرتی جیسا کہ خون میں بلکہ دوسری اخلاط میں بھی کرتی ہے کہ انہیں اس حقارت کے ساتھ ہرگز نہیں پھینکتی۔

فَجَعَلْنَاهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ پس ہم نے اپنی کمال مہربانی سے اس بے کار پانی کو محفوظ قرار گاہ میں جو کہ مکانیت کے قابل ہے رکھا جو کہ ماں کا بچہ دان ہے اور عرب کی زبان میں اسے رحم کہتے ہیں اور وہ ایسا پٹھوں والا عضو ہے جس کی لمبائی حمل سے خالی ہونے کے وقت رحم والی عورت کی بارہ انگلیوں کی قدر ہوتی ہے۔ اس کی دُم معدے کے ساتھ متصل ہو کر مثانے کے نیچے سیدھی آنت کے اوپر ہوتی ہے۔ اور اس میں اگر اتفاق ہو جائے دو جڑواں بچوں کی ولادت کے لیے دو خانے بنائے گئے ہیں اور اس کا ہر خانہ ناف کی طرف پستان تک ایک سوراخ رکھتا ہے کہ بچے کی غذا کے لیے خون اور حیض اسی راہ سے آتا ہے۔ اور جب اس میں بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو کھل جاتا ہے اور طول و عرض بچے کے اندازے کے مطابق بڑھتا ہے۔ اور اس عضو کو پشت کے ساتھ طنابوں کے ذریعے باندھ کر مضبوط کر دیا گیا ہے اور انہیں طنابوں کی وجہ سے باہر آنے کے وقت بچے کو پیٹ سے کھینچا جاتا ہے اور اس کا منہ شرم گاہ کے سوراخ کے متصل ہے اور جماع کے وقت اس میں مرد کا آلۂ تناسل داخل ہوتا ہے اور ہم نطفے کی اس قسم کے محفوظ مکان میں حفاظت کرتے ہیں جو کہ مضبوط طنابوں سے باندھا گیا جو کہ پیٹ کے اندر واقع ہے جو کہ

marfat.com
Marfat.com

شہر کے درمیان محفوظ محلے ہر طرف سے بند کوچے میں واقع مضبوط حویلی کی طرح ہے۔

اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ مدت معین تک جو کہ غالباً نو ماہ ہوتی ہے اور کبھی کبھی کم وبیش بھی ہوتی ہے۔

فَقَدَرْنَا پس ہم نے اس مدت میں ہر چیز کا اندازہ کیا جو کہ شرائط ولوازمات میں سے زندگی کے فیضان اور اس کے کمال میں مطلوب تھی۔

فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ پس ہم اچھا اندازہ کرنے والے ہیں اس لیے کہ اس مدت میں ضروریات میں سے کوئی چیز فوت نہیں ہوتی اور زائد اور فالتو چیزوں میں سے کوئی شے بھی پیدا نہیں ہوتی۔ بخلاف دوسرے اندازہ کرنے والوں کے جو کہ کسی اہم شے کو لانے کے وقت بعض ضروریات کو فوت کر دیتے ہیں اور بعض زائد چیزوں کو درج کر دیتے ہیں اور اسی لیے جب وہ کام سے فارغ ہوتے ہیں تو اندازے والی شے اور فی الواقع موجود صورت میں بہت فرق ظاہر ہوتا ہے اور وہ جمع اور خرچ میں تغیر وتبدل کے محتاج ہوتے ہیں۔

## رحم مادر میں بچے کی تخلیق کا تفصیلی بیان

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب بچہ دان معتدل منی پر مشتمل ہو جاتا ہے تو اس کا منہ بند ہو جاتا ہے اور اس کے اندر کوئی چیز داخل نہیں ہوتی تاکہ منی کو خراب نہ کرے۔ پس منی میں سے وہ جو اس کی سطح کو چھوتی ہے اسے تنگ کھال کی طرح جسے عربی میں غشاء اور ہندی میں جھلی کہتے ہیں کر دیا جاتا ہے تاکہ اس میں شریانیں داخل ہو سکیں اور اس داخل ہونے کی وجہ سے خون پہنچانا آسان ہو اور اس جھلی کو عرب لوگ مشیمہ کہتے ہیں اور ہندی جیبر کہتے ہیں اور اس پردے کے اندر ناف سے مثانے تک فضلات کو دُور کرنے کے لیے ایک اور پردہ تن دیا جاتا ہے اور اس پردے کے اندر رطوبتوں کی حفاظت کے لیے تیسرا پردہ ہوتا ہے اور ظلمات ثلثہ جو کہ سورۂ زمر میں واقع ہوئیں سے مراد یہی ہے اور وہ جو منی کا خلاصہ ہوتا ہے بچہ دان کے ان گڑھوں میں چمٹ جاتا ہے جو کہ اس کے منہ کے ساتھ ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ جمنا شروع ہو جاتا ہے اور اس جمنے کے ساتھ مقام کی حرارت

marfat.com
Marfat.com

کی وجہ سے قدرے جوش بھی مارتا ہے اور اس سے ایک جھاگ نکلتی ہے جو کہ اس کے درمیان میں قرار پکڑتی ہے اور وہ دل ہے اور اس جھاگ کا ظاہر ہونا منی واقع ہونے کے تیسرے دن ہوتا ہے اور چوتھے روز اس کے اوپر ایک اور نقطہ پیدا ہوتا ہے جو کہ دماغ ہے پھر چھٹے دن اس نقطے کی دائیں جانب جس نے درمیان میں قرار حاصل کیا تھا' ایک اور نقطہ پیدا ہوتا ہے اور وہ جگہ ہے اور غالب طور پر اس مدت میں ایک ہفتہ لگ جاتا ہے۔ منی کو رغوہ اور کف کہتے ہیں۔

اس ہفتے کے گزرنے کے بعد اس میں رگوں کے ریشے کھنچ جاتے ہیں اور یہ کام غالباً منی کے واقع ہونے کے دسویں دن ہوتا ہے اور اس وقت منی کا رنگ سرخی پیدا کرتا ہے جب پندرھواں دن ہوتا ہے' سرخی شدت اختیار کر جاتی ہے اور اس وقت منی کو علقہ کہتے ہیں اس لیے کہ وہ سب کی سب سرخ ہوگئی۔ سوائے پہلے ذکر کیے گئے تین پردوں کے جو کہ اس سے باہر ہے اور اسی لیے محقق طبیبوں نے کہا ہے کہ یہ تینوں مذکورہ پردے خاص کر عورت کی منی سے ہوتے ہیں نہ کہ مرد کی منی سے اور جب ستائیسواں دن آتا ہے' وہ منجمد خون جسے علقہ کہتے ہیں' سخت ہونے لگتا ہے اور دونوں کندھوں سے دماغ جدا ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اعضاء ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اکتالیسویں دن اس میں مختلف اعضاء کی شکلیں نمودار ہوتی ہیں اور اس وقت اعضائے رئیسہ سے خدمت کرنے والے اعضاء اُگتے ہیں اور شریانیں پیدا ہوتی ہیں اور مذکورہ پردوں میں سے ہوتی ہوئی رحم کی شریانوں کے ساتھ چسپاں ہو جاتی ہیں۔

اور پینسٹھ (۶۵) دن گزرنے کے بعد اعضاء خون سے غذا لینا شروع کرتے ہیں اور دموی اعضاء جیسے گوشت وغیرہ پیدا ہونے لگتے ہیں اور اس کی وریدیں ماں کی وریدوں کے ساتھ چمٹ کر ایک سی ہو جاتی ہیں' خون چوستی ہیں یہاں تک کہ تہتر (۷۳) دن گزرنے کے بعد اس کا سارا بدن گوشت اور کھال کا لباس پیدا کرتا ہے اس کا منہ ماں کی پشت کی طرف' ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں زانوؤں پر' دونوں پاؤں اس کی دونوں جانب اور سر دونوں پاؤں کے درمیان جھکا کر بیٹھتا ہے اور جتنا بڑھتا ہے' بچہ دانی

marfat.com
Marfat.com

اسی قدر کھلتی ہے اور حرارت اور طبعی روح اس میں منی کے واقع ہونے سے انیسویں (۱۹) دن تک نشوونما کا کام کرنے میں مشغول ہوتی ہے اور وقوعِ منی سے نوے (۹۰) دن گزرنے کے بعد اس میں حیوانی قوتیں پیدا ہوتی ہیں۔

پس پہلے مہینے میں معدن یعنی کان کا حکم رکھتا تھا کہ بالکل حرکت نہیں کرتا تھا اور دوسرے مہینے میں اُگنے والی گھاس کی طرح تھا کہ ارادے کے بغیر حرکت کر کے اس سے غذا لینا ظہور پذیر ہوتا تھا' تیسرے مہینے میں حیوان کا حکم پیدا کیا اور جب سو دن گزرتے ہیں' اس کی حیوانی قوت دماغ میں پہنچتی ہے اور اس میں کمزور حرکت ارادی پیدا ہوتی ہے اس نحیف وکمزور آدمی کی طرح جو کہ بالکل قوت نہیں رکھتا اور ایک سو دس دن کے بعد اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو کہ نیند اور بے داری کے درمیان ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک سو بیس (۱۲۰) دن کے بعد کامل حیوانی قوت پیدا کرتا ہے اور وہ جو حدیث شریف میں وارد ہے کہ تین چلے گزرنے کے بعد پیٹ کے اندر بچے میں روح پھونکی جاتی ہے اسی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے بعد اس میں روح حیوانی پھونکی جاتی ہے کہ حقیقت میں روح وہی ہے اور اس سے پہلے وہ حیوانات میں سے ایک حیوان تھا۔

اور جب اس حد سے آگے بڑھتا ہے تو اس کی حرکت پیٹ کے باہر سے اس میں محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ ساتویں مہینے میں اس کے اعضاء مسلسل حرکت کی وجہ سے سخت ہو جاتے ہیں اور قوت پکڑتے ہیں گویا اس مدت تک ورزش اور محنت کرائی جاتی ہے۔ پس وہ تینوں پردوں کو ترتیب کے ساتھ پھاڑنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ نیز اپنی رگوں کو اپنی ماں کی رگوں سے جدا کرنے کی قدرت بھی حاصل کرتا ہے' چاہتا ہے کہ اس تنگ مکان سے باہر آئے یہاں تک کہ نویں مہینے میں باہر آ جاتا ہے۔

## تخلیقِ انسانی کے تدریجی مراحل کے متعلق نجومیوں کی تحقیق

اور اہلِ نجوم کہتے ہیں کہ جب تک نطفہ جمع شدہ پانی کی صورت میں ہوتا ہے' زحل اور مشتری کی تربیت میں ہوتا ہے۔ پس زحل کی ٹھنڈک اور مشتری کی رطوبت کام کرتی ہے اور جب خون کا رنگ اختیار کرتا ہے اس پر مریخ مسلط ہو جاتا ہے اور یہ تینوں ستارے

marfat.com

Marfat.com

لمبی گردش والے ہیں اس کے بعد قریبی گردش والے ستارے اس کی تربیت کرتے ہیں جو کہ شمس' زہرہ اور عطارد ہیں اور جب روح پھونک دی جاتی ہے تو قمر کے احاطے میں آ جاتا ہے اس کے بعد پھر زحل کی تربیت میں آتا ہے اس لیے کہ نواں حرکت ونقل کا مقام ہے۔

اور یہ جو معین مقدار بیان کی گئی ہے اس صورت میں ہے کہ دوسری خصوصیات جیسے والدین کے مزاج کی گرمی یا منی کی حرارت یا بہار کا زمانہ اور موسم گرما اور بلد جنوبی یا ان خصوصیات کی ضدیں لاحق نہ ہوں ورنہ ان خصوصیات کی وجہ سے رحم میں رہنے کی مقدار کم وبیش ہو جاتی ہے اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ فعل وتاثیر میں ٹھنڈک کی بہ نسبت حرارت زیادہ قوی ہوتی ہے جبکہ رطوبت متاثر ہونے اور اثر قبول کرنے میں یبوست سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ پس اگر والدین جوانی اور گرم مزاجی کی عمر میں ہوں اور منی بھی شہد اور اس قسم کی چیزوں سے پیدا ہوئی اور حمل قرار پانے کا وقت گرم اور ملک بھی گرم ہو تو حرارت اور یبوست کی رفتار بھی کمال کے ساتھ ہوگی جبکہ اس کے عکس میں ٹھنڈک اور رطوبت اور ان چار کیفیات میں سے دو کیفیتوں کے جمع ہونے کے مطابق حمل کی مدت جدا جدا ہو جاتی ہے لیکن چھ ماہ سے کم اور روایتوں کے اختلاف کے مطابق دو سال یا چار سال سے زیادہ واقع نہیں ہوتی۔

اور جب نطفے کو زندہ کرنا معلوم ہے جو کہ تعفن' بدبو' حقارت اور کچھ نہ ہونے میں مردوں کے جسموں اور ہڈیوں سے کم نہ تھا اور رحم میں طویل مدت تک رہنے کے بعد جیسا کہ مردے طویل مدت تک زمین میں رہتے ہیں' قسم قسم کے اندازوں کے ساتھ اس درجہ کامل اور پورا ہوا۔ پس زمین میں مدتِ دراز گزرنے کے بعد مردوں کی ہڈیوں اور اجزا کو زندہ کرنا کیوں بعید سمجھا جائے اور جب زندہ کرنا واقع ہوگا تو

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس روز اس قدرت کے منکروں کے حال پر افسوس ہے باوجودیکہ اس قدرت کا اثر ہر روز اور ہر رات آدمیوں کے پیدا ہونے میں دیکھتے ہیں اور ہوش نہیں کرتے۔

marfat.com
Marfat.com

منکروں پر اس دن کی سختی کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کو اپنے مشہور و متعارف اسباب کا پابند سمجھتے ہیں اور اسے اپنی طرح اسباب اور آلات کا پابند سمجھتے ہیں۔ گویا اسباب کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں' اکیلے اللہ تعالیٰ کو اسباب کے بغیر تاثیر میں عاجز شمار کرتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ماں کے شکم میں آدمی کو پیدا کرنا رحم کی خاصیت کی وجہ سے ہے ورنہ اگر نطفہ زمین پر ڈالیں تو اس نطفے سے آدمی کی پیدائش کس طرح صورت پکڑے گی؟ حق تعالیٰ ان کے اس عقیدے کو بھی باطل فرماتا ہے اور جتلاتا ہے کہ یوم فصل میں اپنے اس عقیدے پر بھی بڑی حسرت کا اظہار کریں گے اور اپنی غلط فہمی کو پہچان لیں گے کہ ہم نے دنیا میں غور وفکر نہ کی اور یہ نہ سمجھا کہ زمین بھی رحم کی مانند ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے اور فراہم کرنے والی نہ بنایا۔

اَحْيَآءً بے شمار زندوں کو جو کہ حشرات الارض ہیں اور ماں کے رحم کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔ وَّاَمْوَاتًا اور بے شمار جمادات کو جو کہ خوش رنگی بناؤ سنگھار کے حسن اور قابل تعریف و رغبت کیفیات میں زندوں سے کم نہیں ہیں جیسے یاقوت' الماس' زبرجد' نمک کی قسمیں اور دوسری معدنیات جو کہ تاثیر میں نباتات اور حیوانات سے بہتر ہیں تو جب زمین کی تربیت میں اس قسم کی چیزوں کو دیکھا گیا تو مردے کی ہڈیوں کی تربیت میں کیا امر محال رہا۔

اور اگر کہیں کہ زمین اگرچہ زندوں اور مردوں کی تربیت کرتی ہے لیکن انسانوں کی ولادت تربیت کے ساتھ متصور نہیں ہے۔ ہاں اس میں حشرات اور معدنیات پیدا ہوتے ہیں اس لیے کہ انسانی جسم انتہائی مختلف اجزا سے مرکب ہے' ان میں سے بعض انتہائی سخت ہیں جیسے ہڈی اور ان میں سے بعض انتہائی لطیف اور رقیق ہیں جیسے ہوائی روح اور بعض منجمد اور جمے ہوئے جیسے اعضاء اور بعض بہنے والے اور جاری جیسے اخلاط اور فضلات' زمین کی بے شعور طبیعت سے ہم اس قسم کی مختلف اور رنگا رنگ صورتوں کا یقین کیسے کریں

marfat.com
Marfat.com

تو ہم کہتے ہیں کہ ہاں بے شعوری کے باوجود زمین یہ رنگ رکھتی ہے اس لیے کہ تم اور زمین دونوں بے شعور ہیں اور افعال کی رنگینیاں ہمارے ارادے سے ہیں۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ اور ہم نے زمین میں نہایت اونچے پہاڑ بنائے جن کی مضبوطی اور اونچائی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور ہم نے پہاڑوں کے نیچے سے نہریں اور چشمے جاری کیے۔

وَاَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا اور ہم نے تمہیں پہاڑ کے دامن سے میٹھا پانی پلایا جو کہ تشنگی کو دُور کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زمین میں اس قسم کے سخت اور اس حد تک لطیف اجزا کی تربیت ممکن ہے اور جب یہ امر واقع ہوگا۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن منکروں کے حال پر افسوس ہے جو کہ زمین میں انسان کے زندہ ہونے کا انکار کرتے اور نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے زمین میں اجزائے لطیفہ اور اجزائے کثیفہ دونوں موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک زمین کی طبیعت کی خاصیت کی وجہ سے جدا صورت اختیار کرتا ہے تو کیا بعید ہے کہ مردوں کے بعض اجزا زمین میں نطفہ ہونے کی استعداد پیدا کریں اور بعض لطیف ہو کر روح ہوائی ہو جائیں اور بعض کثیف اور غلیظ ہو کر اعضاء ہڈیوں پٹھوں اور نرم ہڈیوں کی شکل اختیار کریں اور روح پھونکنا ارواح مجردہ کے جسموں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا باعث ہو جائے جیسا کہ ماں کے پیٹ میں بچے میں روح پھونکنا

اور منکروں کے حق میں اس دن کی سختی کی پانچویں وجہ یہ ہوگی کہ جب اس دن سورج کو قریب لایا جائے گا اور دوزخ کی آگ کی گرمی اور اُٹھنے والی بھاپ اس کے ساتھ مل کر میدانِ قیامت کو شعلوں اور دھوئیں سے بھرے ہوئے تنور کی مانند کر دے گی اور لوگ سایہ کی تلاش میں دائیں بائیں دوڑیں گے اور کہیں سایہ نہ پائیں گے کہ ایک لحظہ کے لیے ستالیں۔ اللہ تعالیٰ کامل ایمان والوں کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا جبکہ کفار کو عذاب کے فرشتے آگ کی گرزوں اور خوف ناک شکلوں کے ساتھ نمودار ہو کر کہیں گے

marfat.com
Marfat.com

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ اس چیز کی طرف چلو جس کا تم انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ چیز ہرگز واقع ہونے والی نہیں۔ اور وہ چیز نیکوں اور بروں کے درمیان امتیاز' جدائی' علیحدگی اور فرق کرنا ہے۔ اور پہلی چیز جو اس دن ان دونوں گروہوں کے درمیان امتیاز کے طور پر واقع ہوئی' یہی ہے کہ نیکوں کا سایہ اتنا لطف رکھتا ہے کہ اس کی وجہ سے انہیں رب العالمین کا قرب نصیب ہوا اور تمہارا سایہ یہ بدمزگی رکھتا ہے کہ تم دیکھو گے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ تین شاخوں والے سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔

قتادہ اور دوسرے مفسرین نے روایت کی ہے کہ کافروں اور بدکاروں کے سائے کے لیے جہنم سے ایک دھواں اٹھے گا جو کہ ہر ایک کو تین طرفوں سے گھیر لے گا اس کا ایک حصہ سائبان کی طرح سر پر کھڑا ہو جائے گا' دوسرا حصہ دائیں طرف سے ہوگا اور تیسرا حصہ بائیں طرف سے اور وہ اسی سائے میں ہوں گے یہاں تک کہ ان کے حساب سے فراغت ہو اور ایمان والے نیک لوگ عرش کے سائے میں کھڑے ہوں گے۔

حکمائے اسلام کے محققین نے فرمایا ہے کہ آگ کے دھوئیں کا یہ سایہ ان کے اعمال کی تاریکی کی طرح ہوگا کہ ان کے نفس نے انہیں ان تین سمتوں سے گھیر اڈالا تھا۔ شیطانی قوت کی تاریکی جو کہ وہم سے آلودہ عقل سے عبارت ہے اور اس کے پیدا ہونے کا مقام دماغ ہے جو کہ بدن کے اوپر کی جانب میں ہے اور صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کے نزدیک قوتِ غضبیہ اور شہویہ دونوں قلب میں ہیں لیکن قوتِ غضبیہ دل کی دائیں سمت اور قوتِ شہویہ اس کی بائیں سمت متعلق ہوتی ہے اسی وجہ سے جو دھواں کہ غضبیہ تاریکی سے اٹھا ہوگا' بدن کی دائیں جانب ہوگا اور جو دھواں کہ شہوت اور حرص کی تاریکی سے اٹھا ہوگا' بدن کی بائیں جانب ہوگا۔

اور ابو مسلم اصفہانی نے کہا ہے کہ ذی ثلث شعب کا معنی یہ ہے کہ اس دھوئیں کی تین صفتیں ہیں' ان میں سے ایک لاظلیل' دوسری لایغنی من اللهب اور تیسری انها

marfat.com
Marfat.com

ترمی بشرر کالقصر ہے لیکن اس صورت میں ان کی ضمیر کی تانیث باوجودیکہ اس کا مرجع ظل ہے اور وہ مذکر ہے توجیہ طلب رہ جاتی ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ جب ظل کو ذی ثلث شعب کے ساتھ موصوف کیا گیا اور اس میں اس کی صفات اور اس کے شعبوں پر نظر کرتے ہوئے جمع ہونے کا معنی پیدا ہو گیا تو معنی پر نظر کرتے ہوئے اسے مؤنث لایا گیا کیونکہ ہر جمع مؤنث ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ان کی ضمیر شعب کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ ظل کی طرف جب ظل کے حال کا ذکر ہوا کہ وہ راحت بخشے گا نہ آگ کے شعلوں کو دُور کرے گا تو اس کی علت بیان کرنے کے مقام میں ترقی کے طور پر ارشاد فرمایا کہ اس کے تینوں شعبے اس قسم کے شعلے پھینکیں گے تو اس ظل سے نفع کی کس طرح توقع کی جا سکتی ہے۔ بہرصورت اس دن کافروں کا سایہ ایمان والوں کے سائے کے خلاف ہوگا کہ

لَّا ظَلِيلٍ وہ سایہ سورج کی گرمی کو روکنے والا نہ ہوگا۔ عرب کہتے ہیں ظل ظلیل یعنی سائے کا ہجوم ہے اور اس میں سوراخ نہیں ہیں جن سے سورج کی شعاعیں پہنچیں اور سائے کے فائدہ میں کمی کریں۔

وَلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ اور آگ کے شعلوں یا تشنگی کی وجہ سے اندرونی جلن میں سے کچھ بھی دُور نہیں کرے گا۔ اور سائے کے یہی دو فائدے ہیں اور جب اس سائے میں یہ دونوں فائدے نہیں ہیں۔ گویا سایہ ہی نہیں بلکہ جہنم کی آگ کا دُھواں ہے جو کہ دُور سے سائبان اور بادل کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اس لیے کہ

اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ تحقیق اس دوزخ سے بہت بڑے بڑے شعلے اُڑتے ہیں کہ ان میں سے ہر شعلہ طول و عرض میں كَالْقَصْرِ بادشاہوں کے محلات اور رئیسوں کے ایوانوں کی طرح ہے کہ دنیا میں بہترین سایہ انہیں کا تھا اور کفار ہوا گرم ہونے کے وقت ان محلات اور ایوانوں کی آرزو کرتے تھے اس وقت ان کی وہ آرزو اس صورت میں نمودار ہوئی اور رنگ، جلد چلنے اور پے در پے آنے میں

كَاَنَّهٗ گویا کہ وہ چنگاری جِمٰلَتٌ صُفْرٌ زرد رنگ کے اونٹوں کی قطار ہے جو کہ پے

marfat.com
Marfat.com

درپے جارہے ہیں اور کفار دنیا میں جب جنگل اور سفر میں چلتے تھے تو آرزو کرتے کہ کاش ہم بھی بادشاہوں اور رئیسوں کی طرح مسہریاں اور بڑے بڑے سائبان اونٹوں پر لاد کر اپنے ہمراہ رکھتے تاکہ جہاں بھی ڈیرہ جمائیں' وافر سایہ موجود ہو جیسا کہ کہا گیا ہے صاحب نعمت پہاڑ' جنگل اور بیابان میں بھی مسافر نہیں' جہاں بھی پہنچا خیمہ گاڑا اور دربار بنالیا۔

اور ان کی یہ آرزو بھی اس روز اس شکل میں رونما ہوگی۔ اور ان کے لیے اس دھوئیں میں سفری اور حضری دونوں قسم کا سایہ مہیا ہوگا اور جمال جمل کی جمع ہے اور تا کو جمع کے معنوں کی تاکید کے لیے استعمال کرتے ہیں اور جمالہ کہتے ہیں جیسا کہ حجارہ میں جو کہ حجر کی جمع ہے' بھی تا زیادہ کی گئی ہے اور چونکہ روز فصل میں پہلے ہی تفریق اور تمیز ہوگی اور جس چیز کا اس دن میں وعدہ کیا گیا تھا' واقع اور ظاہر ہونے لگے گی۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس روز منکروں کے حال پر افسوس ہوگا اس لیے کہ پہلے تو یہ دکھ اور تکلیف برداشت کریں گے اور دوسرے اس بات کا سراغ لگالیں گے کہ ہم اس دن میں نیکوں اور بروں میں امتیاز کے لیے جو سختیاں اور پریشانیاں سنتے تھے سب واقع ہونے والی ہیں۔ گویا اس وقت تک اس دن کے انکار اور اپنے عقائد کے غلط ہونے کی حسرت میں سختیاں جھیلی تھیں اور اب اس دن کے واقعات کا خوف جو کہ نہایت خطرناک ہے' ان کا گریبان پکڑے گا اور سختی پر سختی بڑھ جائے گی۔

اور منکروں کے حق میں اس دن کی سختی کی پہلی وجہ یہ ہوگی کہ جب بھی کوئی شخص اچانک ایسی مصیبت میں پڑ جائے جس کی توقع نہ ہو اور وہ گمان کرے کہ اس مصیبت کے بعد اس سے بھی زیادہ سخت مصیبت آنے والی ہے تو جلد اس موجودہ اور متوقع تکلیف کو دور کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسے کسی گناہ اور خیانت میں پکڑتے ہیں تو وہ چاہتا ہے کہ تقریر کرکے اور باتیں بنا کر اس گناہ کا انکار کرے۔ اور اگر انکار کی پیش نہ جائے تو کوئی عذر کرنا شروع کردے تاکہ اسے مواخذہ نہ ہو اور اپنی چرب زبانی کی وجہ سے خلاصی پائے۔ اور وہ پہلے اسی طریقے پر توجہ دیتا ہے یہ آسان بھی ہے اور اس میں

marfat.com
Marfat.com

دوسرے سے مدد مانگنا بھی ضروری نہیں ہوتا۔ کفار بھی جب فیصلے اور جزا کے دن کی آمد دیکھیں گے اور اس کے کچھ آثار سایوں کی تقسیم میں چکھیں گے تو ارادہ کریں گے کہ اپنے گناہوں کے لیے کسی عذر کی تمہید باندھیں اور بعض گناہوں کا انکار کریں انہیں اس تدبیر اور حیلہ گری سے بھی مایوس فرمایا جارہا ہے کہ

هٰذَا یہ دن جس کا اس کلام میں ذکر ہو رہا ہے اور اسی راہ سے اسے حاضر قرار دے کر قریب یا درمیانی اشارہ کے صیغے کے ساتھ متعین فرمایا گیا۔

یَوْمٌ لَایَنْطِقُوْنَ ایک ایسا دن ہے جس میں وہ بالکل دم نہیں ماریں گے اور بات نہیں کریں گے کہ ہم سے کیا کوتاہی سرزد ہوئی کہ ہمیں دھوئیں کے اس سائے میں لے جا رہے ہیں اور قسم قسم کے دکھ اور تکلیفیں دی جارہی ہیں۔

نافع بن ارزق نے جو کہ خارجی علماء میں سے تھا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اس دن بات نہیں کریں گے جبکہ دوسری آیات میں اس کے خلاف ارشاد ہوا۔ سورۃ الانعام میں فرمایا گیا ہے کہ قَالُوْا وَاللّٰہُ مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ یعنی وہ کہیں گے کہ قسم بخدا ہم مشرک نہ تھے اور سورۃ زمر میں فرمایا ہے کہ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اے کافرو! قیامت کے دن تم اپنے پروردگار کے حضور ایک دوسرے سے جھگڑا کرو گے پیروی کرنے والے اپنے مقتداؤں کو ملامت کریں گے اور مقتدا اپنے پیروکاروں سے بیزار ہوں گے اس کے علاوہ اور آیات میں بھی کفار کی گفتگو اور جھوٹے عذر لانے کا بہت زیادہ ذکر کیا گیا ہے۔ ان مختلف مضامین کے درمیان مطابقت کس طرح کی جاسکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت کے دن مختلف مجلسیں اور مختلف مقامات درپیش ہوں گے اور بعض مقامات اور محافل میں وہ باتیں اور بے ہودہ گفتگو کریں گے جبکہ بعض مقامات پر انہیں اس بے ہودہ گفتگو سے باز رکھا جائے گا۔ پس ان مضامین کا اختلاف زمانوں اور اوقات کے اختلاف کے مطابق ہے۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس خارجی کے جواب میں یوں فرمایا ہے

marfat.com
Marfat.com

کہ کفار اور گناہ گار صحیح دلیل اور قابلِ قبول عذر نہیں لائیں گے تو ان کا بات کرنا گویا بات کرنا ہی نہیں اور ان کا عذر کرنا گویا عذر کرنا ہی نہیں ہے۔ ان کی ظاہری گفتگو کی وجہ سے ایک مقام پر انہیں بات کرنے والا قرار دے کر ان کی خرافات کو نقل فرمایا گیا ہے جبکہ حقیقت اور معنوں پر نظر کرتے ہوئے دوسرے مقام پر انہیں گونگے قرار دیا گیا۔ پس کوئی تناقض نہیں ہے۔

وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ اور انہیں گناہوں کا عذر بیان کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اس لیے کہ یہ بات معلوم ہے کہ ان کے پاس کوئی معقول عذر نہیں ہے' بے ہودہ بکیں گے۔

فَیَعْتَذِرُوْنَ پس وہ عذر بیان کریں۔ اس لیے کہ صحیح عذر ان کے پاس نہیں اور بے ہودہ عذر وہاں کوئی نہیں سنتا۔

اور عربی قانون کے مطابق یہاں ایک مشہور اُلجھن ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں فَیَعْتَذِرُوْا کیوں نہ فرمایا تاکہ نصب کی وجہ سے ن گر جاتا اور نفی کا جواب ہوتا جیسا کہ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا واقع ہے اور اس مشکل کا حل یہ ہے کہ اگر نون کو حذف کر دیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ ان کا عذر نہ کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ انہیں اجازت نہ ملی ورنہ وہ معقول عذر کرتے اور وہ عذر ان کے پاس موجود اور تیار تھا۔ حالانکہ واقعتاً ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں ان کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا جس سے وہ دلیل پکڑیں۔ پس فَیَعْتَذِرُوْنَ میں فائکہ صرف عطف کے لیے ہے سببیت کے بغیر اور جب سببیت ثابت نہ ہوئی تو نفی کا جواب نہیں ہو سکتا اس لیے کہ نفی کا جواب ہونے میں سببیت ضروری ہے۔ بہرحال اس روز کفار اس قسم کی چاپلوسی' خوشامد' مکر اور حیلے سے بھی عاجز ہو جائیں گے۔

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ اس دن منکروں کے لیے افسوس ہے کہ اس دن کو اور اس دن کی مصیبتوں کو دور کرنے کی تدبیر نہیں پائیں گے اور مطلقاً مایوس ہو جائیں گے۔

منکروں کے بارے میں اس دن کی سختی کی ساتویں وجہ یہ ہوگی کہ جب وہ اس دن کی سختیوں کو دور کرنے میں اپنی گفتگو اور حیلہ گری سے مایوس ہو جائیں گے تو اپنی نوع

marfat.com
Marfat.com

والوں سے اس کام کا علاج تلاش کریں گے اور خیال کریں گے کہ جس طرح دنیا میں مصیبت کی شدت اور اسے دُور کرنے کی تدبیر ناکام ہونے کے وقت ہم اپنے سے زیادہ قوت اور زیادہ عقل والوں کے ہاں التجا کرتے اور گرہ کشائی ہو جاتی اسی طرح آج بھی شاید اس حیلے سے عقدہ کشائی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس تدبیر سے بھی مایوس فرما دے گا اور فرشتوں کی زبان سے انہیں خطاب پہنچے گا کہ

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ یہ دن فیصلے اور جدائی کا ہے' ہم ہر چیز میں بُروں کو نیکوں سے جدا کر دیں گے اور سب نیکوں اور بُروں کو ایک مکان اور ایک وقت میں جمع کیے بغیر فیصلہ اور جدائی کا تصور نہیں ہے اس لیے کہ ہر شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا معاملہ جس طرح بھی واقع ہو' خاص و عام تک مشہور ہو جاتا ہے۔ نیز بعض نیکوں اور بُروں کو بعض دوسروں پر حقوق ثابت ہیں اور مدعی اور مدعی علیہ کے حاکم کی مجلس میں حاضر ہوئے بغیر پورے طور پر حقوق دِلائے نہیں جا سکتے۔ نیز بعض نیکوں اور بُروں کے بعض دوسروں کے قوی تعلقات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ایک دوسرے کی امداد' اعانت اور سفارش کی توقع ہوتی ہے جیسے نسب' سسرال' دوستی' پیری مریدی' استادی شاگردی' مقتدا اور مقتدی ہونے کا تعلق۔ اور جیسے انہیں یہ تعلقات اپنے ہم زمانہ لوگوں کے ساتھ حاصل تھے' پہلوں کے ساتھ بھی رکھتے تھے بلکہ نسبی تعلق ہر کسی کو نوع کے سب سے پہلے فرد کے ساتھ ثابت ہے اور اس تعلق کی وجہ سے امداد و اعانت کی توقع رکھتا ہے۔

اور اسی لیے پہلی مرتبہ سب مخلوق حضرت آدم علیہ السلام کی طرف رجوع کرے گی اور کہیں گے کہ آپ ہم سب کے باپ ہیں' کوئی فکر کریں کہ ہم ان سختیوں سے نجات پائیں۔ تو اگلوں پچھلوں کو ایک مجلس اور ایک وقت میں جمع کیے بغیر نیکوں اور بُروں کے درمیان اس طرح فیصلہ اور جدائی کہ پھر حکم کے تغیر و تبدیلی میں کسی کی پیش نہ چلے' مفید نہیں ہے اسی لیے

جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ہم نے تمہیں اور تمہارے پہلوں کو جمع کر دیا ہے کہ تم مصیبت اور آفت کو دُور کرنے سے عاجز آنے کے وقت انہیں یاد کرتے تھے اور کہتے تھے

marfat.com
Marfat.com

کہ اگر ہمارے پہلے لوگ اس وقت موجود ہوتے تو اس لاینحل عقدہ کو حل کر دیتے۔ بادشاہ مملکت کے بندوبست سے عاجز ہونے کے وقت تیمور اور سکندر کو یاد کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہر فرقہ کے لوگ اپنے گزشتہ لوگوں کو جن کے کمال کے معتقد ہوتے ہیں' اپنے عاجز ہونے کے وقت یاد کرتے ہیں اور ہر مشکل کا حل ان کی طاقت اور کفایت کے حوالے کرتے ہیں اس وقت ہم نے تمہارے تمام اگلوں اور پہلوں کو تمہارے پاس حاضر کر دیا ہے تو آج کی پریشانیوں کو دور کرنے کی فکر میں ان کی طرف رجوع کرو اور باہم مشورہ کرو۔

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ پس اگر تمہارے لیے کوئی حیلہ اور فریب ہو جس کی وجہ سے آج کے دن کی سختی تم سے دور ہو جائے۔ فَكِيْدُوْنِ پس وہ حیلہ اور مکر میرے سامنے استعمال کرو اور دیکھو کہ تمہاری پیش چلتی ہے یا نہیں چلتی اور جب کفار باہم تگ و دو کر کے اس قسم کی تدبیر اور حیلے سے بھی عاجز ہو جائیں گے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن منکروں کے لیے افسوس ہے کہ اس دن کی مصیبت کو دور کرنے کی تدبیر سے بالکل عاجز ہو کر مایوس ہو جائیں گے۔

اور منکروں کے بارے میں اس دن کی سختی کی آٹھویں وجہ یہ ہوگی کہ ان کے مخالفوں اور دشمنوں کو ان سب کے سامنے مختلف قسم کی نوازشات کے ساتھ مخصوص فرمایا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ دیکھو

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ جو لوگ خدا تعالیٰ اور روز جزا سے ڈرتے تھے اور اس ڈر کی وجہ سے گناہوں اور برائیوں سے پرہیز کرتے تھے اور بندگی اور اطاعت پر ہمیشگی کرتے تھے آج وہ لوگ

فِىْ ظِلٰلٍ عمدہ سایوں میں ہیں۔ پہلے تو رب العالمین کے عرش کے سایہ میں پھر پل صراط سے گزرتے وقت اپنے صدقات اور خیرات کے سائے میں یہاں تک کہ اگر کسی نے خدا تعالیٰ کی راہ میں آدھی کھجور دی تھی' اس دن وہی آدھی کھجور اس کے کام آئے گی اور اسے دوزخ کے شعلوں سے محفوظ رکھنے کے لیے سر پر سایہ ہوگا پھر جب جنت میں

marfat.com
Marfat.com

داخل ہوں گے تو طوبیٰ اور دوسرے درختوں کا سایہ پائیں گے اور جب اپنی منزلوں میں پہنچیں گے تو محلات' اونچے مکانات اور تختوں کے سائے پائیں گے۔

وَّعُيُوْنٍ اور جاری چشموں میں ہیں جن میں سے بعض چشموں کی مہک کافور کی ہے اور بعض کا ذائقہ سونٹھ کا اور بعض کو تسنیم کہتے ہیں اور ان چشموں کے ہوتے ہوئے انہیں تشنگی بالکل نہ رہی۔ بخلاف تمہارے کہ آگ کے دھوئیں کا سایہ تمہاری اندرونی بے چینی اور جلن کا زیادہ موجب ہوا ہے۔

فَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ اور ان پھلوں میں ہیں جو انہیں مرغوب ہیں' کھٹے میٹھے' سرد گرم۔ سرد ملکوں اور گرم ملکوں کے' موسم بہار اور موسم خریف والے' کچے اور پکے تاکہ ان پھلوں کی وجہ سے بھوک کی گرمی بھی ان کے باطن میں اثر انداز نہ ہو۔ پس ان کی آب و ہوا اور ان کے پھل سب کے سب گرمی دور کرنے میں ایک دوسرے کے معاون واقع ہوں۔ بخلاف تمہارے کہ پھلوں کے بجائے تم' جہنم کی آگ کے چنگارے کھاتے ہو اور اندر اور باہر سے گرمی تم پر غلبہ کرتی ہے اور یہ سب تفریق اور جدائی اس وجہ سے ہے کہ تم نے اس دن کے انکار اور شک کی گرمی کو اپنے دل میں جگہ دی جبکہ انہوں نے یقین کی ٹھنڈک کو اپنے دل میں جاگزیں کیا۔ پس ہر کسی کو وہی ملا جو اس نے اختیار کیا۔ اور اس کے علاوہ متقیوں کے حق میں یہ بھی ہے کہ معظم و مکرم مہمانوں کی طرح انہیں کھانے اور پینے کی بار بار تاکید فرمائی جارہی ہے اور انہیں کہا جارہا ہے کہ

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا کھاؤ اور پیو تمہیں خوشگوار ہوگا بخلاف دنیا کے کھانے پینے کے کہ اس سے ہیضہ' بدہضمی' ثقل اور تکلیف کے خوف کی وجہ سے ڈرتے تھے اور تمہارا یہ کھانا اور پینا۔

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اس کے عوض ہے جو تم عمل کرتے تھے اور گرم دنوں میں روزہ رکھتے تھے اور پیاسے رہتے تھے اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے روزے میں بھوکے رہتے تھے اور راہِ خدا میں لذیذ کھانوں کو فقیروں پر خرچ کرتے تھے۔ اور اسی طرح تم روزہ داروں اور مسکینوں کو نہایت عمدہ شربت پلاتے تھے اور اگرچہ تمہارے اعمال چند دنوں

marfat.com

Marfat.com

سے زیادہ نہ تھے اور تمہارے ذہن میں اس کے عوض اتنی مقدار کی جزا کا تصور نہ تھا لیکن ہماری عادت یہی ہے کہ ہم جزا کے مقام میں ایسی دائمی منفعت عنایت فرماتے ہیں جو کہ ناقص ہونے کے عیب سے پاک ہو اور کمال کے اعلیٰ مرتبوں کو پہنچے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ تحقیق ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں کہ ایک چیز کے بدلے دس سے سات سو تک اور اس سے بھی زیادہ عطا فرماتے ہیں اور فانی کے بدلے میں ہمیشہ باقی رہنے والی چیز عنایت فرماتے ہیں اور ناقص کے بدلے کامل عطا فرماتے ہیں اور یہ کہنے سے متقیوں کا عقلی اعزاز حسی اعزاز کے ساتھ جمع ہو کر ان کی مسرتیں بڑھائے اور وہ جان لیں کہ ہمارے سب کام قبول ہوئے کہ یہ پھل ملا اور جب منکر دور سے دیکھ کر یا ارشاد پر مبنی اس کلام کو سن کر یہ حال معلوم کریں۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن منکروں کو افسوس ہوگا اور وہ جان لیں گے کہ متقیوں نے یہ نوازشات روزِ جزا کے عقیدے کی وجہ سے پائیں اور ہم نے اس دن کا انکار کر کے یہ دُکھ اور تکلیف اُٹھائی۔

اور منکروں کے بارے میں اس دن کی سختی کی نویں وجہ یہ ہوگی کہ دنیا میں قیامت آنے کا انکار کرنے کی وجہ سے کھانے پینے اور لذیذ چیزوں سے بہرہ مند ہونے میں نہایت بے خوفی اور بے احتیاطی کرتے تھے اور جب پرہیزگاروں کو دیکھتے تھے کہ اس دن کے ڈر سے دنیوی لذت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تو اپنے دل میں کہتے کہ یہی عقیدہ دنیوی لذتوں سے محرومی کا باعث ہے اور ہم نے اچھا کیا کہ ہم اس عقیدے کی وجہ سے ان نعمتوں سے محروم نہ رہے۔ قیامت کے دن انہیں کہا جائے گا کہ

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا کھاؤ اور فائدہ حاصل کرو دنیا کے حرام و حلال سے بے گانہ ہو کر' اور یہاں امر کا صیغہ ماضی کے معنوں میں ہے اور عربوں کا قاعدہ ہے کہ جب فعل ماضی کو ایسے مقام میں ذکر کرتے ہیں کہ جہاں امر و نہی کے لیے اس کام کی لیاقت بیان کرنا منظور ہو تو اسے امر اور نہی کے صیغے سے ادا کرتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے اخوتی لا تبعدوا ابدا و بلا واللہ قد بعدوا حاصل کلام یہ کہ تم دنیا میں کھاتے پیتے اور بہرہ مند ہوتے رہے۔

marfat.com
Marfat.com

قَلِیۡلًا تھوڑا سا وقت جو کہ تمہاری عمر کی مدت تھی اور وہ پرہیزگاروں کے کھانے پینے اور بہرہ مند ہونے کے وقت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اس لیے کہ یہ زمانہ ابد کی جانب نہ ختم ہونے والا ہے اور ختم ہونے والے کو نہ ختم ہونے والے کے ساتھ کیا نسبت؟ پس تم نے فائدہ لینے کی چیزوں کی تھوڑی سی مقدار جو کہ خالص اور کامل بھی نہ تھی' دائمی' کامل' نہ ختم ہونے والے منافع کے بدلے اختیار کی اور یہ دے کر اسے خرید کیا اور اس کے باوجود اِنَّكُمۡ مُّجۡرِمُوۡنَ تحقیق تم گناہ گار ہو' تم نے اس کھانے اور فائدہ لینے کو بھی گناہ میں صرف کیا۔ پس یہ تمہارے عذاب کی زیادتی کا موجب ہوا اور جب کافر اس بات پر مطلع ہوں گے کہ روزِ قیامت کے انکار کی وجہ سے ہماری تمام دنیوی زندگی نے سم قاتل اور زہر ہلاہل کا حکم پیدا کر لیا اور ہم نے جو کچھ کھایا اور پیا سب خلط فاسد ہو کر آگ کی صورت اختیار کر گیا۔

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ اس دن منکروں کو افسوس ہوگا کہ اپنے کاروبار کے خسارے پر مطلع ہوں گے اور جان لیں گے کہ ہم نے سیاہ سانپ کو پھولوں کا ہار سمجھ کر اپنی گردن میں ڈال لیا اور ایسے نفع کی وجہ سے جو کہ حقیقت میں نقصان تھا' ہم نے ان حقیقی دائمی منافع کو ضائع کر دیا اور یہ سب کچھ ان کے بات نہ سننے کی وجہ سے ہے اور اسی لیے منکروں کے بارے میں اس دن کی سختی کی دسویں وجہ یہ ہوگی کہ بات نہ سننے کی اپنی روش پر افسوس کرتے ہوئے ہاتھ کاٹیں گے اور حسرتیں اُٹھائیں گے اس لیے کہ دنیا میں ان کی عادت یہی ہے کہ پیغمبروں علیہم السلام' مرشدوں اور واعظوں کے حکم پر بالکل عمل نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس اس کی ضد کو عمل میں لاتے ہیں یہاں تک کہ اگر انہیں آسان کام کا حکم دیں' قبول نہیں کرتے۔

## نماز میں رکوع کی حکمت

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ ارۡكَعُوۡا اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اپنی عبادت میں رکوع کرو تا کہ تم مسلمانوں کے زمرے میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ عبادت میں رکوع کرنا مسلمانوں کا خاصہ ہے۔ دوسرے لوگ اپنی عبادات میں قیام اور سجدہ کرتے ہیں' رکوع

marfat.com
Marfat.com

نہیں کرتے اور رکوع کی حقیقت امانت کا بوجھ اُٹھانے کے لیے دل کا جھک جانا ہے اور اسی لیے اس شریعت میں اس صورت کو عبادت قرار دیا گیا ہے تا کہ اس بات کا اظہار ہو کہ میں نے بار امانت کو اپنی پشت پر اُٹھالیا اور اس نے مجھے کھڑے قد والا آدمی پیدا کر کے حکم دیا کہ میں اس بوجھ کو اُٹھاؤں۔ میں اس کے حکم کی وجہ سے اپنے سیدھے قد پر مغرور نہ ہوا اور خود کو اونٹ' خچر' گائے اور گھوڑے کی طرح خم کر کے اس کے دربار میں حاضر ہو گیا تا کہ جو چاہے' میری پشت پر لاد دے اور اسی لیے قرآن پاک میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوا اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ پس نماز میں رکوع کرنا مسلمانی کی علامت ہے اور کفار اگر اس اہم علامت کو بجالاتے تو قیامت کے دن جو کہ جدائی کا وقت ہے اس علامت کی وجہ سے اہلِ اسلام کے زمرہ میں شمار ہوتے لیکن وہ لَایَرْکَعُوْنَ ہرگز رکوع نہیں کرتے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کی مشابہت سے دُور رکھتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بنوثقیف کے رئیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام کا اظہار کیا تو حضور علیہ السلام نے انہیں نماز کا حکم دیا اور نماز کا طریقہ بیان فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نماز کے سارے ارکان بجالائیں گے مگر رکوع نہیں کریں گے کہ یہ آدمی کے لیے بہت عار کا موجب ہے۔ ایک آدمی سیدھے قد کے باوجود خود کو جانوروں کی طرح پشت جھکا کر اُلٹا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَاخَیْرَ فِیْ دِیْنٍ لَیْسَ فِیْهِ رُکُوْعٌ یعنی اس دین میں کوئی خوبی نہیں ہے جس میں رکوع نہ ہو۔ اس لیے کہ دین انسانیت کے معنوں کا محقق کرتا ہے اور انسانیت تقاضا کرتی ہے کہ اپنے مالک کے اوامر و نواہی کی ذمہ داریوں کو خوشی ناخوشی قبول کیا جائے اور اس مشقت کے بوجھ کو اُٹھانے کے لیے اپنی پشت خم کی جائے۔

اور یہی وجہ ہے کہ عرف عام میں تعظیم و سلام کے وقت پشت کو خم کرتے ہیں۔ گویا اشارہ کرتے ہیں کہ ہم نے آپ کے احسان کا بوجھ اپنی پشت پر لیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ واقعہ قیامت کے دن رونما ہوگا کہ تجلی الٰہی کشف ساق فرمائے گی اور لوگوں کو حکم ہوگا کہ سجدہ کریں۔ ایمان والے سجدے میں گر پڑیں گے جبکہ

marfat.com

Marfat.com

کافروں کی گردن اور کمر آہنی تختے کی طرح ہو جائے گی' ہرگز جھک نہیں سکیں گے جیسا کہ سورۂ ن والقلم میں مذکور ہے۔

لیکن اس تفسیر میں دو قوی خدشے ہیں۔ پہلا یہ کہ یہاں رکوع کا ذکر ہے جبکہ سورۂ نون میں سجدے کا ذکر ہے اور رکوع کو سجدے پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا یہ کہ لا یرکعون اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کفار اپنے اختیار کے ساتھ رکوع نہیں کرتے جبکہ سورۂ نون میں لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ مذکور ہے جو کہ ان کے بے اختیار ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

بہرحال جب رکوع و سجود کرنے والوں کو قیامت کے دن قسم قسم کے انعامات سے نوازا جائے گا تو کفار کو یاد آئے گا کہ ہمیں بھی دنیا میں اس آسان عمل کی وجہ سے یہ انعامات حاصل ہوتے' ہم نے نصیحت کرنے والوں کی بات نہ سُنی اور اسے فضول اپنے ہاتھوں سے کھو دیا۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن منکروں کو افسوس ہوگا کہ اپنی کوتاہ اندیشی پر افسوس کریں گے کہ ہم نے کس آسان چیز کے بدلے اس قیمتی دولت کو نہ خریدا اور جب کفار بات سننے پر اس قدر بے توجہی کرتے ہیں کہ آسان سے حکم کو جو کہ پشت خم کرنا ہے' بجا نہیں لاتے۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ تو وہ اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے اوپر کس ذمہ داری کو قبول کریں گے اس سرکش جانور کی طرح کہ جب وہ بالکل پشت خم نہ کرے تو اس سے باربرداری کی توقع محال ہے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ بعدہ کی ضمیر سے مراد قرآنِ کریم ہے اگرچہ پہلے اس کا ذکر نہیں گزرا لیکن تلاوتِ قرآنِ پاک کے وقت ہر کسی کا ذہن اسی طرف جاتا ہے یعنی جب وہ قرآن کے اس واضح بیان پر جبکہ قرآن کتب الٰہیہ کا خاتم ہے کہ آسمان سے کسی اور کتاب کے نازل ہونے کی توقع نہیں رہی' ایمان نہیں لائے اور اس کے معتقد نہ ہوئے۔ پس وہ اس قرآن پاک کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے اس لیے کہ آسمان سے کوئی

marfat.com
Marfat.com

اور کتاب نازل ہونے والی نہیں ہے اور دوسری کتابیں جو کہ لوگ لکھتے ہیں اس قدر موثر گفتگو نہیں رکھتیں۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اس آیت کو پڑھے' چاہیے کہ اس کے بعد خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر یہ الفاظ کہے:

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ

(سادس جمادی الاولیٰ یوم الاربعاء ۱۴۱۰ھ)

marfat.com
Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# سورۃ التسآء ل یا سورۃ النبأ

سورۃ تساءل جسے سورۂ نباء بھی کہتے ہیں' مکی ہے۔ اس کی چالیس (۴۰) آیات ہیں' ایک سوتہتر (۱۷۳) کلمات اور سات سوستر (۷۷۰) حروف ہیں۔

## سورۃ والمرسلات کے ساتھ رابطے کی وجہ

اور اس کے سورۂ والمرسلات کے ساتھ مربوط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں جزا دینے کے عمل کو یوم الفصل آنے کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے اور یوم الفصل کے کچھ احوال بیان فرمائے اور قیامت کے آنے میں کافروں کا تعجب کرنا اسی مقدمے کے ساتھ دفع فرمایا گیا کہ جب قیامت کا آنا یوم الفصل کے بغیر نہیں ہوتا اور یوم الفصل اس جہان کی بربادی اور نوع انسانی کے ختم ہوئے بغیر صورت نہیں پکڑتا تو اس سے پہلے جزا دینے کا مطالبہ کرنا بمنزلہ اس کے ہے کہ گرمیوں میں سردیوں کے اور سردیوں میں گرمیوں کے پھل طلب کیے جائیں جو کہ نری بدگوئی اور قبیح کج بحثی ہے۔

اور اس کے علاوہ ان دونوں سورتوں کے مختلف مضامین میں پوری مشابہت واقع ہے وہاں وَاِذَا السَّمَآء فرجت واذا الجبال نسفت واقع ہے جبکہ یہاں وفتحت السمآء فکانت ابوابا وسیرت الجبال فکانت سرابا ہے وہاں الم نجعل الارض کفاتا وجعلنا فیہا رواسی شامخات واسقینا کم ماء فراتا واقع ہے جبکہ یہاں الم نجعل الارض مھادا والجبال اوتادا اور وانزلنا من المعصرات مآءً ثجاجا ہے وہاں دوزخ کی جلن اور اس کے چنگاروں کا شعلہ زن ہونا مذکور ہے جبکہ یہاں دوزخ میں ٹھنڈے پانی کا قحط نہایت گرم پانی پینا مذکور ہے وہاں ھٰذا یوم لاینطقون ہے جبکہ

marfat.com
Marfat.com

یہاں یوم یقوم الروح والملائکۃ صفا لایتکلمون ہے وہاں ان المتقین فی ظلال وعیون وفواکہ ہے جبکہ یہاں حدائق داعنابا کا متقین کے لیے وعدہ کیا گیا ہے اور اس سورۃ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر دنیا میں کفار کو کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کے لیے ایک مرتبہ پشت خم کرو تو نہیں کرتے جبکہ یہاں ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن آرزو کریں گے کہ اے کاش ہم مٹی میں مل جائیں اور جہنم کے عذاب سے خلاصی پائیں اس تکبر وغرور کو اس خواری اور ذلت سے کیا تعلق؟

وجہ تسمیہ

اور اسے سورۃ تساءل کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ تساءل لغت عرب میں کسی چیز کے متعلق ایک دوسرے سے کثرت کے ساتھ سوال کرنا ہے اور اس سورۃ میں اس بات کا بیان پیش نظر ہے کہ آخرت کے امور کے حقائق' ذات وصفات کی بحثوں' مسئلہ قضاء وقدر' جبر واختیار' توحید وجودی وتوحید شہودی' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اختلافات اور احکام شرعیہ کی حکمتوں کے بارے میں کثرت سے سوال کرنا جو کہ عوام کی سمجھ سے بالاتر ہیں اور ان کی عقل انہیں برداشت نہیں کر سکتی' بہت قبیح اور بُرا ہے اس لیے کہ غالب طور پر ان حقائق کے انکار تک بات جا پہنچتی ہے اور کم از کم اکثر ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے حالانکہ ان چیزوں پر ایمان لانا اتنی بڑی تفتیش اور ان امور کی کیفیات اور کمیات کی تفصیلات پر آگاہ ہونے پر موقوف نہیں ہے۔

اور یہی ایک سخت مہلک بیماری ہے جو کہ اس اُمت میں عقائد کی خرابی اور گمراہ فرقوں کے پیدا ہونے کا موجب ہوئی اور اس نے ایک جہان کا ایمان ضائع کر دیا۔ حق تعالیٰ نے اس سورۃ میں اس امر کی قباحت بیان فرمائی تا کہ لوگ اس سے پرہیز کریں اور گمراہی کے بھنور میں نہ پڑیں۔

اور اسے سورۂ نبا کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ لغت عرب میں نباء بمعنی خبر ہے اور قیامت کی خبر اس قدر عظمت رکھتی ہے کہ گویا اس کے سوا کوئی خبر ہے ہی نہیں جس کے متعلق پوچھا جا سکے اسی لیے اس خبر کو نبا عظیم فرمایا گیا ہے کہ اپنی ذات میں بھی عظمت رکھتی ہے اور

marfat.com

Marfat.com

اس کے واقع ہونے میں بھی عظمت ہے اور اسے سمجھنے میں بھی عظمت ہے اور ظاہر ہے کہ خبر کی عظمت یا باعتبار ذات ہوتی ہے کہ عمدہ آدمی اسے بیان کرتا ہے یا اس خبر کے مضمون کے واقع ہونے کے اعتبار سے ہے کہ کسی عظیم حادثے پر دلالت کرتی ہے یا اس خبر کے مفہوم کو سمجھنے اور فہم میں لانے کے اعتبار سے ہے کہ ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا اور مشکل سے سمجھا جاتا ہے اور جب اس خبر میں تینوں صفات جمع ہو گئی ہیں یعنی خبر بھی موجودات میں عمدہ ترین ہے کہ حق تعالیٰ نے خبر دی ہے اور اس کے سوا کوئی یہ خبر نہیں دے سکتا اور عظیم حادثے کے واقع ہونے پر دلالت کرتی ہے جو کہ کسی کے فہم اور وہم میں نہیں سماتا اور اسے سمجھنا نہایت مشکل اور باریک ہے کہ انسان کی قوتِ عقلیہ نور غیبی کی مدد کے بغیر اسے دریافت نہیں کر سکتی اس وجہ سے اس خبر میں بہت عظمت پیدا ہو گئی تو ایسی خبر کے بارے میں دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ گویا خبر اسی خبر کا نام ہے اور جب بھی ایک دوسرے سے پوچھا کہ خبر کیا ہے' گو اسی خبر کے متعلق پوچھا جاتا ہے۔ پس جو سورۃ کہ اس خبر پر مشتمل ہے اسی کا نام خبر رکھنا چاہیے۔

## نزولِ سورۃ کا سبب

اور اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے' آپ نے قیامت کا ذکر فرمایا' کفار نے سُن کر تعجب' مذاق اور اسے ناممکن جاننے کے طور پر ایک دوسرے سے اس خبر کی تفتیش کا آغاز کر دیا۔ بعض کہتے تھے کہ **کیف یحیی العظام وھی رمیم** یعنی بوسیدہ ہڈیاں کیونکر زندہ ہوں گی اور بعض کہتے تھے کہ **متی ھذا الوعد** یہ وعدہ کب پورا ہو گا اور بعض شک کرتے ہوئے کہتے تھے کہ **وما اظن الساعۃ قائمۃ** اور کچھ کہتے تھے کہ یہ کام بالکل ہونے والا ہی نہیں' **ان ھی الاحیوتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمعوثین** اور ان کی تفتیش کے مقطع کا آخری حصہ یہی بات تھی کہ اگر اس قسم کے واقعہ کا رونما ہونا ممکن ہے تو ہمارے سامنے ایک دفعہ ہی واقع کیوں نہیں ہوتا اور نیکوں اور بُروں کو ان کے کردار کے مطابق جزا دینے میں اس دن کا انتظار کیوں ہے؟ دنیا میں جزا کیوں نہیں دی جاتی تاکہ لوگ عبرت پکڑ کر بُرے کام چھوڑ دیں اور نیک کاموں کو عمل میں لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گفتگو کا رد فرمایا اور جزا دینے کو یوم الفصل کے ظاہر ہونے پر موقوف

marfat.com
Marfat.com

ہونے کی وجہ بیان فرمائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں اور تفتیش کرتے ہیں' کیا کوئی ایسی چیز ہے جو کہ سوال و تفتیش کے قابل ہے اور وہ اسے سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں اور کثرت سے سوال کرنے کی وجہ سے ان کے ذہن میں بات صاف ہو جائے گی یا کوئی ایسی چیز ہے جو کہ سوال اور تفتیش کے قابل نہیں اور وہ اسے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور وہ اس میں جتنی چھان پھٹک کریں گے' مقصد سے دور ہوتے جائیں گے اور اس طرح پوچھنے میں کہ کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں اس بات کو جتلایا گیا ہے کہ عقل مند کو چاہیے کہ تفتیش اور سوال سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے اور یوں نہ کریں کہ بے موقع سوال داغ دیں اور مقصد کو ختم کردیں۔

اور لفظ عم اصل میں عما تھا اور ما کے الف کو تخفیف اور کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے اور عربوں کا قاعدہ ہے کہ ما کے الف کو جر کے آٹھ حروف کے بعد حذف کر دیتے ہیں۔ عن' من' با' لام' فی' علی' الی اور حتی کہ کثرت استعمال کا مقام ہے اور جب کلام کو سوال و جواب پر مبنی کیا گیا اور اس سوال کا جواب بالکل ظاہر اور معلوم تھا' خود ہی جواب عطا فرمایا گیا ہے کہ

عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ آپس میں ایک بڑی خبر کے متعلق سوال کر رہے ہیں جو کہ اپنی ذات کے اعتبار سے عظمت رکھتی اور اپنے مضمون کے وقوع کے اعتبار سے بھی اور سمجھنے اور دریافت کرنے کے اعتبار سے بھی۔ پس وہ خبر

الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ایسی ہے کہ وہ اس میں اختلاف کرتے رہتے ہیں اگرچہ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے لے کر اس وقت تک انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی زبان پر خداتعالیٰ کی طرف سے وہ خبر مسلسل پہنچ رہی ہے۔ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والتسلیمات اسے دلائل کے ساتھ ثابت کرنے میں کوشش کرتے رہے ہیں اور اس خبر کے واقعات کو شرح وبسط اور تفصیل کے ساتھ واضح فرماتے رہے ہیں لیکن بنی آدم کا اختلاف ہرگز دور نہیں

marfat.com
Marfat.com

ہوتا۔ بعض بالکل انکار کرتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ یہ جزا دینا عقلی ہوگا، بعض کہتے ہیں خیالی ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ حسی طور پر ہوگا اور بعض عقلی، خیالی اور حسی کے علاوہ کسی اور طریقے سے سمجھتے ہیں اور بعض آخرت کو تناسخ کے طریقے سے جانتے ہیں اور اسی عالم دنیا کو جزا دینے کی جگہ قرار دیتے ہیں اور عالم کبیر کی بربادی کو انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی زبان سے سنتے ہیں اور اسے موت کے وقت انسانی جسم کے حالات میں خلل پڑنے پر محمول کرتے ہیں۔ بہرحال اس واضح بیان کے باوجود جو اختلاف کہ اس مسئلے میں ہے، کسی مسئلے میں بھی واقع نہیں ہے اور یہی انکار ذہنوں میں انکار اور شک ڈالنے کا موجب ہے۔

اور مومن کا راستہ یہ ہے کہ جب اس قسم کے مشکل حقائق جن کی تہ تک بشری عقل نہیں پہنچتی، یقین کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی زبان سے سنے تو اجمالی ایمان کو ہاتھ سے نہ جانے دے جو کہ سعادت ابدی کا سرمایہ ہے اور کیفیات اور خصوصیات کی فالتو تفتیش نہ کرے ورنہ مقصد فوت ہو جائے گا۔

اور جب اس کلام میں بیان ہو چکا کہ لوگوں کے درمیان اس مسئلے میں بے حد تفتیش اور بے فائدہ سوال جاری ہیں اور یہ سب کچھ نقصان دہ ہے، نفع بخش نہیں اب اس تفتیش اور بے موقع تحقیق پر ڈانٹ پلائی جارہی ہے۔

كَلَّا ایسا نہیں کرنا چاہیے اور ان چیزوں کی فضول تفتیش میں پڑنا نہیں چاہیے کہ اجمالی ایمان کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔

سَيَعْلَمُونَ انہیں جلد پتہ چل جائے گا، آخرت میں جزا دینے کے بارے میں اس وضاحت کے ساتھ کہ کوئی اختلاف اور اشتباہ نہ رہے گا۔

ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ پھر ہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے، انہیں جلد معلوم ہو جائے گا اور اس کلام کا تکرار صرف ڈانٹ ڈپٹ کی تاکید کے لیے ہے۔ گویا بار بار اس بُرے کام سے منع فرمایا جا رہا ہے اور اسے جاننے کا زمانہ قریب میں نشان دیا جا رہا ہے اس لیے کہ جو آنے والی شے ہے، قریب ہی ہے۔

اور بعض مفسروں نے پہلے سَيَعْلَمُونَ سے برزخ کا جاننا مراد لیا ہے کہ وہاں جزا دینا

marfat.com
Marfat.com

خیالی طور پر واقع ہوگا جبکہ دوسری بار جاننا قیامت میں ہوگا کہ وہاں حقیقی طور پر جزا دی جائے گی اس لیے کہ روح کا بدن کے ساتھ تعلق ہو جائے گا اور تعلق کے باوجود مجرد ہونے کا اثر روح پر غالب رہے گا اور غلبۂ تجرد کے باوجود تعلق کی کیفیت اس روز واضح ہوگی اس لیے کہ دنیا میں تعلق تجرد کے مغلوب ہونے کا سبب ہے جبکہ برزخ میں تجرد غالب اور تعلق مغلوب۔ پس قیامت آنے سے پہلے تعلق اور غلبۂ تجرد کے جمع ہونے پر آگاہی ممکن نہیں۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ سورۂ تکاثر میں کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ واقع ہوا جبکہ یہاں سَیَعْلَمُوْنَ ہے اور سوف تاخیر اور مہلت پر دلالت کرتا ہے جبکہ سین شتابی اور جلدی پر اور قیامت کا آنا اگر قریب اعتبار کریں تو وہاں سوف کا لفظ کیوں لایا گیا اور دُور اعتبار کریں تو یہاں حرف سین کیوں ذکر کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۂ تکاثر میں مخاطب کفار ہیں اور ان کی نظر میں قیامت بہت دُور معلوم ہوتی تھی' ان کے گمان کے مطابق خطاب فرمایا گیا اور حرف سوف جو کہ دُوری اور فاصلے پر دلالت کرتا ہے' لایا گیا۔ جبکہ یہاں ایمان والے مخاطب ہیں جن کی نظر میں قیامت کا آنا بالکل سامنے اور قریب ہے۔ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰهُ قَرِيْبًا گویا ایمان والوں سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کفار قیامت کا اپنی تمام ترکیفیات اور حالات کے ساتھ آنا عنقریب جان لیں گے۔

اور جب ان لایعنی سوالات کرنے پر ڈانٹنے سے فراغت ہوئی تو استفہام تقریری کے طور پر چند چیزوں کے متعلق پوچھا جا رہا ہے اور اقرار کرایا جا رہا ہے اور وہ سب کی سب نو چیزیں ہیں کہ دنیوی زندگی کا دارومدار عوام کے ذہنوں میں انہیں چیزوں پر ہے اگر کوئی ان چیزوں میں محروم رہے' گویا دنیا ہی میں نہیں ہے۔ پس جو شخص دنیا کی زندگی رکھتا ہے' لازمی طور پر ان نو چیزوں میں شریک ہوگا اور ان چیزوں میں مشترک ہونے کے باوجود لوگوں کے درمیان پورے طور پر فرق اور جدائی حاصل نہیں ہوسکتی۔ پس ان چیزوں میں مشترک رہتے ہوئے فرق اور جدائی کی درخواست کرنا ایسا ہی ہے کہ ایک گھر کے مکین کہیں کہ ہمارے

marfat.com
Marfat.com

درمیان اس گھر میں سکونت اور اس گھر کے پانی' نمک' کھانے' پوشاک' صحن' چھت' فرش اور سامان سے نفع حاصل کرنے کے باوجود اس طرح مکمل فرق اور جدائی کر دی جائے کہ ہم کسی چیز میں بھی ایک دوسرے کے مشابہ نہ ہوں کہ یہ صریح بکواس' کج بحثی اور دو ضدوں کو جمع کرنے کی درخواست کرتا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا کیا ہم نے زمین کو تمہارا بچھونا نہ بنایا کہ اس میں رہتے ہو کھیتی باڑی اور تجارت کرتے ہو اور زندگی اور موت میں تمہاری جائے قرار اور ٹھکانا وہی ہے اور اس امر میں نیک وبد' مسلمان اور کافر شریک ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں جبکہ چاہیے کہ یوم الفصل کو نیکوں کا مقام جنت ہو اور بدوں کا ٹھکانہ جہنم تا کہ پوری جدائی اور امتیاز متحقق ہو جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ نیز فرمایا ہے کہ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ

وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا کیا ہم نے پہاڑوں کو میخ کی طرح نہیں بنایا ہے جو کہ اپنے بوجھ اور سخت بھاری ہونے کی وجہ سے زمین کو تیز ہوائیں چلنے کے وقت ہلنے نہیں دیتے جس طرح کہ خیموں کی میخیں ہوتی ہیں اور اس نفع میں تمام آدمی شریک ہیں۔ آپس میں کوئی فرق اور جدائی نہیں رکھتے جبکہ یَوْمَ الْفَصْلِ کو چاہیے کہ جنتیوں کے جنت کے زریں مرصع محلات اور ایوانوں میں رہنے کا سبب ہو اور جہنمیوں کے جہنم اور آہنی زنجیروں اور طوقوں میں جکڑے جانے کا موجب ہو جو کہ گرم ہونے کی وجہ سے آگ کی طرح جلانے والے ہوں۔

وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا اور ہم نے تمہیں جفت پیدا فرمایا' نر اور مادہ تا کہ نسل جاری ہو اور تمہارے درمیان نسبی اور سسرالی تعلقات متحقق ہوں اور اس کی وجہ سے اُلفت' اجتماعیت اور باہمی تعاون اور امداد حاصل ہو اور دنیا کی زندگی پُر رونق ہو جبکہ یوم الفصل کو چاہیے کہ ان تعلقات میں سے کچھ بھی نہ رہے اس لیے کہ اپنے قریبیوں میں سے ایک آدمی کا دُکھ دوسروں کے دُکھی ہونے کا موجب ہوتا ہے تو اگر دنیا میں نیک لوگوں کے قریبیوں کو سزا دیں تو نیکوں کے عذاب کا موجب ہوگا اور اس سزا میں شراکت رونما ہو اور اگر بُروں کے قریبیوں کو نعمت عطا فرمائیں تو وہ قریبی ہونے کے تعلق کی وجہ سے بُروں کو اپنے ساتھ اس نعمت میں شریک

marfat.com
Marfat.com

کر لیں ورنہ قریبیوں پر احسان کرنا ان سے فوت ہو جائے اور ان کی نیکی میں کمی واقع ہو جائے تو اس طرح بُروں پر انعام کرنا لازم آئے اور جزا کے مختلف ہونے کی صورت نہ بنے اور بخلاف یوم الفصل کے کہ اس میں یہ تعلقات دگرگوں ہو جائیں گے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ نیز فرمایا گیا ہے وَلَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا۔

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا اور ہم نے دنیا میں تمہاری نیند کو راحت اور عمل سے فراغت کا سبب بنایا تا کہ تھکاوٹ اور مشقت دُور ہو اور راحت اور تازگی حاصل ہو جبکہ یوم الفصل کو چاہیے کہ اس میں نیند نہ ہو اس لیے کہ اگر آدمی نیک ہے تو اسے راحت اور تازگی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ چنانچہ جنتیوں کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا لَا یَمَسُّھُمْ فِیْھَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّھُمْ فِیْھَا لُغُوْبٌ پس نیند کی ضرورت بھی نہیں ہوگی جبکہ اگر وہاں نیند ہو تو عظیم فوائد پورے طور پر حاصل کرنے سے محرومی کا سبب ہو اور دائمی ثواب کے نقصان کا موجب ہو اور اگر آدمی بُرا ہے تو اسے دائمی دُکھ تکلیف اور چیخ و پکار لازمی ہے اسے عذاب کی تکلیف اُٹھانے سے کب فرصت ملتی ہے کہ وہ راحت کے ساتھ وقت گزارے وہاں تو چیخ و پکار اور واویلا کے سوا کچھ نہیں ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر صراحت کے ساتھ یہ معنی بیان فرمایا گیا ہے۔

وَجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا اور ہم نے اہلِ دنیا کے لیے رات کو لباس اور پردہ بنایا کہ ہر چھپانے کی چیز اسی میں کی جاتی ہے جیسے عورتوں کی صحبت، خفیہ مشورے، دشمنوں سے فرار، چوری، خیانت، عیش، رقص و سرود، تہجد، مراقبہ اور دوسرے منافع جو کہ چھپنے سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی لیے کہتے ہیں رات عاشقوں کا پردہ ہے۔ اے کاش اس کے اوقات ہمیشہ رہتے۔ نیز کہتے ہیں رات کے اندھیروں کے تیرے پاس کتنے احسان ہیں جو خبر دیتے ہیں کہ مانویہ نے جھوٹ کہا جبکہ یوم الفصل کو چاہیے کہ اس کے واقعات خاص و عام ہر کسی پر ظاہر اور روشن ہوں نہ کہ مخفی اور چھپے ہوئے ورنہ نیکوں کی عظمت و شوکت اور بُروں کی ذلت و رسوائی ثابت نہ ہو۔

marfat.com
Marfat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کہ عقد نکاح کی مجلس رات میں ہونی چاہیے یا دن میں؟ فرمایا کہ رات میں کیونکہ حق تعالیٰ نے رات کو لباس فرمایا ہے اور منکوحہ عورتوں کو بھی لباس فرمایا کہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ ایک لباس کو دوسرے لباس کے ساتھ پوری مناسبت ہے۔

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا اور ہم نے دنیا والوں کے لیے دن روزی کی تلاش کا وقت بنایا جبکہ یوم الفصل میں بالکل تلاش نہ ہوگی اس لیے کہ نیکوں کو نعمتیں خود بخود تیار موجود ملیں گی اگر وہاں بھی انہیں روزی تلاش کرنے کی ضرورت پڑے تو یہ نرا عذاب ہے اور بُروں کو روزی تلاش کرنے کی طاقت نہیں کیونکہ پاؤں میں زنجیر' گلے میں طوق جہنم کے فرشتوں کے ہاتھوں گرفتار ہیں اور بھوک اور پیاس کے عذاب میں بے چین ہیں تا کہ دونوں گروہوں کی روزی کے درمیان پورا فرق ظاہر ہو اور دنیوی زندگی کی طرح اس فکر کی سر پھٹول اور گرفت میں نہ رہیں۔

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا اور ہم نے تمہارے اوپر سات سخت اور مضبوط طبقات بنائے جو کہ صدیاں اور زمانے گزارنے کے باوجود پرانے نہیں ہوتے اور ان میں سات سیارے مختلف حرکات میں مصروف ہیں اور نئے اطوار رونما کرتے ہیں اور ہر طور میں ان سے ایک خاص تاثیر ظہور پذیر ہوتی ہے اور اس تاثیر سے نقصان اور نفع پانے میں سب کے سب مومن و کافر' نیک بخت اور بد بخت شریک ہوتے ہیں بخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں نیکوں کے لیے درجات جنت' چھت کی مانند ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور پیشواؤں کی نورانی ارواح درجہ بدرجہ اپنے سے نچلے لوگوں کے بارے میں امداد فرماتی ہیں اور نچلی سطح کے لوگ اس امداد سے ترقی حاصل کرتے ہیں اور بُروں کو دوزخ کے طبقات نیچے سے محیط ہیں اور دجالوں اور کفر کے سرداروں کی خبیث ارواح اپنی ظلمانی کیفیات کے ساتھ اوپر والے لوگوں کے عذاب میں زیادتی کرتی ہیں۔

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا اور ہم نے اہلِ دنیا کے نفع کے لیے ایک تیز شعاعوں والا چمکتا ہوا چراغ بنایا جو کہ سورج ہے اور حرارت اور روشنی کو جمع کرنے والا ہے اور نیک و بد میں

marfat.com
Marfat.com

سے ہر ایک اس کی روشنی اور حرارت سے نفع ونقصان پاتا ہے بخلاف یوم الفصل کے کہ جمالِ الٰہی کا جلوہ جنت میں نیکوں پر نور افشانی فرماتا ہے جبکہ جلالِ الٰہی کا جلوہ جسے حدیث پاک میں قدم کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے جہنمیوں کو شدید حرارت کے ساتھ جلاتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ اور ہم نے چھلکتے بادلوں سے اُتارا۔ مَآءً ثَجَّاجًا موسلا دھار پانی لِنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا تا کہ ہم اس کی وجہ سے غلہ پیدا کریں جو کہ تمہاری خوراک بنتا ہے۔ وَنَبَاتًا اور سبزیاں جن میں سے بعض سالن بعض مصالح اور بعض تمہارے جانوروں کی خوراک اور چارہ بنتی ہیں تا کہ تم ان سے دودھ دہی گھی اور پنیر حاصل کرو اور کام میں لاؤ۔

وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا اور گھنے باغات تا کہ تمہارے پھل کھانے اور لذت حاصل کرنے کے کام آئیں اور تم ان باغات کے پھلوں کو مختلف اقسام میں ترتیب دے کر اچار مربا سرکہ جوس اور شربت بنا کر استعمال کرو اور اس نفع لینے میں تم سب نیک و بد مومن و کافر شریک ہو کوئی امتیاز نہیں کہ بارش کس مقام پر ہو کھیتیاں کس مقام پر سرسبز ہوں اور باغ کہاں اُگیں اور کس مقام پر بارش نہ ہو اور سبزہ نہ اُگے اور پھل نہ پکے۔ بخلاف یوم الفصل کے وہاں نیکوں کے کسب کیے ہوئے اعمال عقائد احوال اور مقامات بادلوں کی طرح دودھ شہد خوشگوار شربت اور صاف پانی برسائیں اور نہریں جاری ہوں اور جنتی درخت اس بارش کی قوت اور نہروں کے اثر سے لذیذ پھل خود بخود لائیں اور جب بھی کہیں سے پھل توڑ کر کھائیں تو نشوونما کے مواد کی لطافت کی وجہ سے اس پھل کی جگہ دوسرا پھل پیدا ہو جائے اور اس سے پھل اور لذت حاصل کرنا کبھی منقطع نہ ہو جبکہ بُروں کے بُرے اعمال عقائد اور عادات دھوئیں کی طرح اُٹھیں اور چنگارے برسائیں اور ان کے جسموں کو جلائیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے وَظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ۔ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ اور تھوہر اور دوسرے خاردار بدذائقہ اور مکروہ صورت درختوں کے اُگنے کا سبب ہوں تا کہ دونوں گروہوں کی گزر بسر میں پورے طور پر فرق اور جدائی حاصل ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یوم الفصل دنیا میں رونما نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جدائی اتفاق اور شرکت کے بالکل منافی ہے تو یوم الفصل کا ان

marfat.com
Marfat.com

چیزوں کی موجودگی میں کہ ان میں شرکت اور اتفاق واقع ہے' تصور نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس جہاں کی بربادی اور یہاں کے اتفاقات کے اصول وارکان کو درہم برہم کرنے کے بعد اس کی توقع کرنا چاہیے اور اس کی آمد کے وقت کو اس جہان کی بربادی کی ابتدا سے سمجھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ تحقیق نیکوں کو بُروں سے' نیکوں کے درجات کو ایک دوسرے سے اور بُروں کے مرتبوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ' ممتاز اور جدا کرنے کا دن'

كَانَ مِيْقَاتًا ایک مقرر شدہ وقت ہے جو کہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا اور دنیا میں کفار کا اسے جلد طلب کرنا اسے پہلے نہیں کر سکتا۔

## وقت قیامت کے لیے چند چیزیں لازم ہیں

اس لیے کہ اس وقت کے لیے چند ضروری ہیں۔ پہلی چیز یہ کہ جدائی کے بعد ارواح کا جسموں کے ساتھ تعلق بحال ہو اسی لیے برزخ کے اوقات میں بھی قیامت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ برزخ میں روح کا بدن کے ساتھ تعلق بالکل نہیں ہے اور پہلے جسم کے ساتھ روح کے تعلق کے بغیر اس جسم میں کسب کیے ہوئے اعمال کی جزا دیکھنا ممکن نہیں اس لیے کہ جسم کے ساتھ تعلق کے بغیر روح کو صرف عالم خیال کی سیر ہے اور بس جیسے لکھنے والا جس کے ہاتھ کو کاٹ دیا گیا ہو وہ اپنے خیال میں اپنی انگلیوں کو حرکت دیتا ہے اور اپنے خیال میں لکھتا ہے' یہ لکھنا حقیقی نہیں ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ ارواح اور اجسام سب کے سب تعلق میں جمع ہو جائیں اس لیے کہ اجتماع کے بغیر فرق اور امتیاز کا تصور نہیں ہوتا اگر ایک گروہ کے ساتھ ایک جگہ ایک انداز کے ساتھ معاملہ کریں تو اس گروہ کا امتیاز حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ دوسرے گروہوں کے ساتھ اسی مقام پر اور اسی وقت دوسرے انداز میں معاملہ نہ کریں ورنہ احتمال ہوتا ہے کہ شاید یہ معاملہ اس وقت کے تقاضے کے مطابق یہاں رونما ہوا۔ ہو اگر دوسرے لوگ بھی اسی وقت اور اسی جگہ ہوتے تو ان کے ساتھ بھی اس طرح سلوک کیا جاتا جیسا کہ اہلِ دنیا عزت و ذلت اور رزق کی وسعت و تنگی کو گردش کے تقاضے کی وجہ سے سمجھتے ہیں اور اپنے دل کو تسلی

marfat.com

Marfat.com

دیتے ہیں کہ اگر گزشتہ لوگ اس وقت ہوتے تو اسی حالت میں گرفتار ہوتے اور اگر خوشحالی والے ملک کے لوگ قحط زدہ ملک میں ہوتے تو بھوک بھوک کی صدا لگاتے۔ پس لازم ہوا کہ یوم الفصل نوعِ انسانی کی تمام ارواح کے اپنے جسموں سے جدا ہونے کے بعد واقع ہوتا کہ ایک وقت اور ایک مقام میں ان ارواح کا تعلق جسموں کے ساتھ ایک ساتھ ہو۔

تیسری چیز یہ ہے کہ وہ مشترکہ نعمتیں جو کہ فقیر و غنی، مومن و کافر، نیک و بدلائق و نالائق اور صحت مند و بیمار کے درمیان یکساں اور برابر ہیں، ان میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے ورنہ برابری اور شرکت لازم آئے اور مقصود جو کہ فرق اور امتیاز کرنا ہے، حاصل نہ ہو۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ اس آسمان اور زمین کے بدلے دوسری جگہ اور مسکن حاصل ہو اور جب اس جہان میں وہ جگہ اور مسکن آسمان کے اوپر اور زمین کے نیچے پوشیدہ ہے تو اسے ظاہر کرنے کے لیے آسمان اور زمین کو زائل کرنا ضروری ہے تاکہ نیکوں کے لیے جنت آسمان کے اوپر سے ظاہر ہو اور بُروں کے لیے جہنم زمین کے نیچے سے جوش مارے اسی لیے وہ وقت ثابت نہ ہوگا مگر

یَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ اس دن جبکہ صور پھونکا جائے۔ اور یہ دوسری مرتبہ پھونکنا مراد ہے کہ قیامت کے دن کا آغاز اسی سے ہے اور اس پھونکنے کی وجہ سے افرادِ انسانی کی تمام ارواح اپنے جسموں کے ساتھ متعلق ہو کر ہر دین اور مذہب والے جدا جدا اُٹھیں گے، فرشتے لوگوں کی اس انتظام کے ساتھ گروہ بندی کریں گے کہ مثلاً یہودیوں، نصرانیوں، مجوسیوں اور ہندوؤں وغیرہم کی صفیں جدا جدا ہوں گی اور اہلِ اسلام اور توحید پرستوں کی صفیں علیحدہ۔ پھر ہر نبی علیہ السلام کے پیروکار جدا اور ایک نبی علیہ السلام کے پیروکاروں میں سے مختلف مذاہب اور مختلف مشربوں والے جدا اور اسی طرح نیکی اور بُرائی کے ہر عمل والے جیسے نماز، روزہ، بدکاری، چوری، شراب نوشی، ہر عادت والے جیسے تکبر کرنے والے، بُرے اخلاق والے، رحم دل اور شفقت کرنے والے اور حمد کرنے والوں، صبر کرنے والوں، شکر کرنے والوں اور توکل کرنے والوں میں سے ہر مقام والے جدا جدا کھڑے کر دیئے جائیں گے جیسے بہت بڑے لشکر کے رسالے کہ ان کا پہلا امتیاز امیروں کے ساتھ کرتے ہیں اس کے بعد رسالہ دار

marfat.com
Marfat.com

پھر جمعدار۔ پھر انہیں فرشتے میدانِ حشر کی طرف چلائیں گے۔

فَتَأْتُونَ اَفْوَاجًا پس تم سب کے سب فوج در فوج اور گروہ در گروہ آؤ گے کہ ایک گروہ کے آدمی دوسرے گروہ کے آدمیوں میں نہیں ملیں گے اور اس معنی کو بہت سی آیات اور بے شمار احادیث میں کھول کر بیان فرمایا گیا ہے۔

ان میں سے یہ ہے کہ فرمایا گیا ہے وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ نیز فرمایا وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ اس کے علاوہ اور بھی ہیں جنہیں تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے سے بات طویل ہو جاتی ہے۔ اور بعض احادیث صحیحہ میں ہر فوج کی علامت اور نشانی بیان فرمائی گئی ہے۔ مثلاً دغا بازوں اور عہد شکنی کرنے والوں کی پشت پر جھنڈا گاڑ کر اٹھائیں گے اور اگر اس نے کسی مقدمے میں جان بوجھ کر غداری اور وعدہ خلافی کی تھی تو ایک بڑا جھنڈا اس کی مقعد پر اُگے گا۔ اور کسی مقدمہ میں جہالت کی تھی تو ایک چھوٹا جھنڈا مقام مخصوص پر اُگے گا۔ اور جنہوں نے مالِ غنیمت میں خیانت کی تھی تو وہ چوری کی ہوئی چیز اس کی گردن پر لاد کر لائیں گے۔ اور اگر اونٹ یا بکری یا گھوڑا یا گائے ہے تو وہ آواز کرے گی اور اگر تھان اور کپڑا ہے تو جھنڈے کے پردے کی طرح ہوا میں لہرائے گا۔ جبکہ شہیدوں کو خون آلود اٹھائیں گے کہ ان کے زخموں سے کستوری کی خوشبو آئے گی۔ اور بین کرنے والی عورت کا کرتہ گندھک کا ہوگا اور اس کا جسم خارش زدہ۔ اور مانگنے والے گداؤں کے چہرے جو کہ ضرورت شرعیہ کے بغیر لوگوں سے مانگتے ہیں زخمی اور خراش زدہ ہوں گے۔ علیٰ ہذا القیاس تلاش کے بعد اس باب میں کثیر تعداد میں صحیح احادیث پائی جاتی ہیں۔

## قیامت کے دن چند گروہ کس کس شکل میں حاضر ہوں گے

ثعلبی اپنی تفسیر میں سند کے ساتھ لائے ہیں اگرچہ ان کی سند اتنی معتبر نہیں ہوتی اور ان کی مرویات پوری قوت نہیں رکھتیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سورۃ میں مذکور افواج کے متعلق پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کے دس فرقے دس افواج ہو کر آئیں گے۔ ایک فرقہ بندروں کی شکل میں اور وہ چغل خور

marfat.com
Marfat.com

ہوں گے' دوسرا فرقہ سوروں کی شکل میں اور وہ حرام کھانے اور رشوت لینے والے ہوں گے' تیسرا فرقہ اُلٹے ہوئے سر زمین پر اور پاؤں اوپر کی طرف اور انہیں فرشتے منہ کے بل کھینچ کر لائیں گے اور وہ سود کھانے والے ہوں گے۔ چوتھا فرقہ اندھے اور وہ جج اور مفتی ہوں گے جو کہ غلط فیصلے اور فتوے دیتے تھے۔ پانچواں فرقہ بہرے اور گونگے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی عبادات اور نیکیوں پر غرور کرتے تھے اور خود بینی کرتے تھے' چھٹا فرقہ اپنی زبانیں چبائیں گے اور ان کی زبانیں منہ سے باہر ان کے سینوں پر لٹکتی ہوں گی اور ان کے منہ سے زرد پانی اور پیپ جاری کہ تمام اہلِ محشر انہیں دیکھ کر نفرت کریں گے اور یہ فرقہ وہ علماء اور مشائخ ہوں گے جن کے اعمال ان کے اقوال کے خلاف تھے۔

ساتواں فرقہ ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو کہ جانوروں بے زبانوں کو بلاوجہ ایذاء دیتے تھے اور ہمسائے کو ستاتے تھے اور آٹھواں فرقہ آتشیں پھانسیوں پر لٹکائے ہوئے۔ اور یہ وہ ہوں گے جو کہ لوگوں کے بھید ظالم حکام کے سامنے ظاہر کرتے اور انہیں تکلیف پہنچاتے تھے۔ اور نواں فرقہ وہ لوگ ہوں گے جن کی بدبو مردار سے بھی بدتر ہوگی اور ان کی بدبو سے اہلِ محشر تنگ ہوں گے۔ اور وہ لوگ اپنی خواہشات اور لذتوں کے تابع تھے اور اپنے اموال سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشات میں خرچ کرتے تھے۔ اور دسواں فرقہ گندھک کے لمبے کُرتے پہنے ہوئے اور وہ کُرتے ان کے جسموں پر چپکے ہوئے ہوں گے اور یہ فرقہ تکبر اور غرور والے ہوں گے اور یہ تمام مذکورہ حالات اس اُمت کے بدبختوں اور نافرمانوں کے ہیں۔

رہے ایمان والے اور نیک لوگ تو ان میں سے بعض چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکیں گے اور بعض آسمان کے ستاروں کی طرح روشن ہوں گے اور بعض نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے اور بعض زریں مرصع کرسیوں پر ہوں گے اور بعض مشک اور زعفران کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ علیٰ ہذا القیاس

وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ اور شگاف ڈال کر آسمان کشادہ کیے جائیں گے تا کہ فرشتے اعمال کے صحیفے لے کر نیچے آئیں اور اعمال کی صورتیں جو کہ ہر عمل کے اوپر آنے کے بعد آسمان

marfat.com
Marfat.com

میں پیدا ہوئی ہوں گی' ظاہر ہوں اور بہشت جس کا خزانہ ساتویں آسمان کے اوپر ہے' نمودار ہو۔ گویا آسمان کو اس طرح اُٹھالیا گیا جیسے تھال کے اوپر سے سرپوش اُٹھالیا جائے۔

فَكَانَتْ اَبْوَابًا پس آسمان دروازے بن جائے گا کہ اس راستے سے جنت میں داخلہ ہوسکے اور جنتی نعمتیں نظر آسکیں۔

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ اور پہاڑ جاری کردیئے جائیں گے جو کہ زمین کی میخوں کی جگہ تھے۔

فَكَانَتْ سَرَابًا پس وہ جاری ریت کی طرح ہوں گے جو کہ دُور سے پانی معلوم ہوتی ہے اور حقیقت میں ریت ہے۔ اسی طرح پہاڑ جاری ہونے کی صورت میں دُور سے یوں معلوم ہوگا کہ پہاڑ ہیں لیکن حقیقت میں ریزہ ریزہ ہوکر ریت کی طرح ہوچکے ہوں گے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا اور ایک اور مقام پر فرمایا وَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا اور جب زمین کی میخوں کی یہ حالت ہوگئی' زمین بھی درہم برہم ہوگئی اور دوزخ کا مرکز جو کہ اس کے نیچے تھا' کھل گیا حتی کہ آسمان کی جگہ جنت جائے قرار بن گئی اور زمین کے بجائے جہنم اور اطاعت کرنے والوں اور نافرمانوں نیز نیکوں اور بدوں کے مکان کے درمیان جدائی محقق ہوگئی اور زمین و آسمان درمیان سے نکل گئے۔ سورج' بارش اور دوسری مشترکہ نعمتیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے' سب فنا ہوگئیں اور نیکوں اور بُروں کے درمیان کسی طرح بھی شرکت نہ رہی اس لیے کہ بُروں کے رہنے سہنے کی جگہ اور نیکوں کا مقام اور ہوگیا۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا تحقیق دوزخ گرفتار کرنے کی جگہ ہے جس کے کنارے پر فرشتے آتشیں گرزیں' زنجیریں اور طوق لیے کھڑے ہیں اور لوگوں کو قید کر کے لے جارہے ہیں۔

لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا سرکشوں کا ٹھکانہ ہے جبکہ ایمان والوں اور نیکوں کو یہاں سے گزرنے اور اس کی ہولناکیوں کو دیکھنے کے سوا اور کوئی تکلیف نہیں ہوگی' ان میں سے بعض کوندتی بجلی کی طرح پل صراط سے گزر کر جنت میں پہنچ جائیں گے اور بعض تیز ہوا اور بعض دوڑنے

marfat.com
Marfat.com

والے گھوڑے کی طرح۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں تک کہ مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ کمزور آدمی جو کہ گناہوں سے بہت زیادہ آلودہ تھا' گرتے اُٹھتے سات ہزار سال کی مدت میں پل صراط کو عبور کرے گا۔

اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ پل صراط کا فاصلہ تین ہزار سال کا ہے' بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز' ہزار سال اوپر آنے کے لیے' ہزار سال ہموار چلنے اور ہزار سال اُترنے کے لیے اور یہ سب کچھ ایمان والوں کے بارے میں ہے جبکہ کفار دوزخ کے فرشتوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر اس کی تہ میں جا گریں گے۔

لَابِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا اس دوزخ میں کئی صدیاں ٹھہریں گے

# حقبہ کا بیان

اور ہلال ہجری سے منقول ہے جنہوں نے حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے احقاب کے معنی پوچھے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر حقبہ ستر ہزار سال کا ہے اور ہر سال بارہ مہینوں کا اور ہر مہینہ تیس دن کا اور ہر دن دنیا کے سال کے برابر۔

اور بعض نادان اس آیت کے بارے میں غلط فہمی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ عذاب کے دائمی اور ہمیشہ ہونے کے خلاف ہے جو کہ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ اس آیت میں احقاب کا تعین نہیں فرمایا گیا تاکہ عذاب کا منقطع ہونا معلوم ہو بلکہ اس سے مدت کی کثرت کا پتہ چلتا ہے کیونکہ غیر متناہی احقاب مراد ہیں اور ان بے وقوفوں کو حقبہ کی مدت کی انتہا کا احقاب کی مدت کی انتہا کے ساتھ اشتباہ ہوتا ہے۔ نہیں سمجھتے کہ ایک حقبہ کی انتہا احقاب کے منتہی ہونے کا موجب نہیں ہو سکتی۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں دوزخیوں کے دوزخ میں ٹھہرنے کی مدت کی مقدار بیان کرنا منظور نہیں بلکہ منظور یہ بیان کرنا ہے کہ دوزخ میں دوزخیوں کے ٹھہرنے کی مدت کو احقاب کے ساتھ مقدر مانیں نہ قرنوں' سالوں' مہینوں' دنوں اور گھنٹوں کی گنتی کے ساتھ اس لیے کہ اگر ٹھہرنے کی مدت کم ہوتی ہے تو اسے گھنٹوں کے ساتھ گنتے ہیں اور جب اس سے زیادہ ہو تو دنوں کے ساتھ اور جب اس سے بھی زیادہ ہو تو مہینوں کے

marfat.com

Marfat.com

ساتھ اور جب اس سے بھی گزر جائے تو سالوں کے ساتھ گنتے ہیں' اس کے بعد قرنوں کے ساتھ اور جب بے انتہا ہو تو احقاب کے ساتھ جس طرح کہ قلیل مال کو روپوں کے ساتھ گنتے ہیں اور جب اس سے زیادہ ہو تو سوؤں' ہزاروں کے ساتھ اور جب شمار میں نہ آئے تو لاکھوں کروڑوں کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور فراء نے کہا ہے کہ احقابا اس صفت کے ساتھ موصوف ہے جو کہ آگے آ رہی ہے یعنی

لَایَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا اس مدت میں ٹھنڈک اور پینے کی چیز نہیں چکھیں گے کہ باہر سے ٹھنڈی ہوا پہنچے اور اندر سے ٹھنڈا پانی پینے سے جلنے کے عذاب میں کچھ تخفیف حاصل کریں جیسا کہ دنیا میں بخار والے کو ان چیزوں کی وجہ سے تخفیف ہوتی ہے تو گویا یوں ارشاد ہوا کہ اس مدت دراز میں ٹھنڈک کا نام تک نہ پائیں گے اور اس کے بعد انہیں زمہریر کے طبقے میں لے جائیں گے اور سردی کا عذاب دیں گے یہاں تک کہ سردی کی بے حد شدت کی وجہ سے ان کے رگ و پے جم جائیں اور انہیں پھر دوزخ کی آگ میں لائیں گے اور جلنے کا عذاب دیں گے اسی مدت تک جس طرح کہ پہلے عذاب دیا گیا تھا اور اسی طریقے پر ابدالآباد تک عذاب میں رہیں گے کبھی گرمی کے ساتھ اور کبھی سردی کے ساتھ

جب یہاں ارشاد ہوا کہ یہ لوگ اس امدت تک دوزخ میں پینے کی کوئی چیز نہیں چکھیں گے حالانکہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے کہ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ (۷-۱۴) یہاں استثناء کے طریقے پر فرمایا جا رہا ہے۔

اِلَّا حَمِیْمًا مگر نہایت گرم پانی جو کہ ان کی انتڑیوں کو کاٹ دے گا اور اندر کی گرمی کئی گنا بڑھا دے گا۔ چہ جائیکہ کوئی تخفیف بخشے۔ وَّغَسَّاقًا اور میل کچیل اور ان کے اور دوسرے دوزخیوں کے جلے ہوئے اعضاء کی پیپ جو کہ گڑھوں میں جمع ہوگی اور وہ پیاس کی سخت مجبوری کی وجہ سے اس سے پئیں گے اور وہ ان کے اندرونی ماحول کو ردی زہریلی کیفیت کے ساتھ خراب کر دے گی۔

اور اگر دوزخیوں کے بے انتہا مدت تک آگ میں ٹھہرنے کا سن کر کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ دنیا میں ان کا کفر اور گناہ ایک محدود وقت میں تھے جو کہ ان کی عمر کی مدت ہے

marfat.com
Marfat.com

اور اس کے بدلے نہ ختم ہونے والا عذاب دینا صریح ظلم ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ غلط فہمی ہے بلکہ یہ نہ ختم ہونے والا عذاب عین انصاف ہے اور اس عذاب میں جزا نہیں دی جائے گی مگر جَزَآءً وِّفَاقًا ایسی جزا جو کہ ان کے اعمال کے مطابق ہے اس سے زیادہ نہیں اس لیے کہ غور کرنے اور گہری نظر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عمل بھی دائمی ابدی اور نہ ختم ہونے والا ہے اس لیے کہ

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا تحقیق انہیں اپنے اعمال کے حساب کی امید نہ تھی اور جب حساب کی امید نہ تھی تو ان سے اعمال کا منقطع ہونا محض لاچاری اور عمل کے اسباب کے فقدان کی وجہ سے تھا نہ کہ عذاب کے خوف یا ثواب ضائع ہونے کے کھٹکے کی وجہ سے اس لیے یہ کہ دونوں صورتیں حساب کی توقع کی ہیں۔ پس ان کا بُرے اعمال سے باز رہنا اس قبیلے سے تھا کہ کہتے ہیں مصرع پارسائی بی بی از بے چادری ست اور گناہوں کی محبت ان کی روح کے جوہر میں رچی بسی تھی اور اس نے ملکہ کا حکم پیدا کر رکھا تھا اور روح ابدی ہے غیر متناہی بقاء رکھتی ہے اور اس سے اس میں رچے بسے اوصاف کا جدا ہونا محال ہے۔ پس وہ اوصاف بھی روح کے دوام تک دائمی ہیں اور عذاب کا سبب ہیں اور جب سبب دائمی ہو تو مسبب کے دائمی ہونے سے کیا تعجب کیا جا سکتا ہے۔ نیز وہ بے حساب اعتقاد کے ساتھ اعضاء کے اعمال پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اعمال جن کا روح کی ذات سے تعلق ہے اور آلات و اعضاء کی ان میں بالکل کوئی شراکت نہیں بھی ان سے صادر ہوتے تھے اور وہ اعمال روح کے دوام کے ساتھ دائمی ہیں اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور انہوں نے ہماری آیات کا جو کہ جزا اور حساب کے واقع ہونے پر دلالت کرتی تھیں انکار کیا۔ كِذَّابًا زبردست انکار کہ ان آیات کے سچا ہونے کا احتمال بالکل ان کے خیال میں گزرتا ہی نہیں تھا اور یہ انکار روح کا کام ہے نہ کہ جسم کا۔ پس عالم برزخ میں روح کے بدن سے جدا ہونے اور پھر عالم حشر و نشر میں روح کے بدن کے ساتھ متعلق ہونے کے بعد ابدالآباد تک باقی ہے جیسے پختہ مزاج کی خرابی جو کہ ہر وقت تکلیف کا باعث ہوتی ہے اسی طرح یہ انکار ہر لحظہ عذاب زیادہ ہونے کا موجب ہوگا۔

marfat.com

Marfat.com

اور اگر پھر کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ گناہوں کی محبت' آیات کا انکار اور روح کے دوسرے قبیح اعمال ایسے نہیں ہیں کہ لوگوں پر ظاہر ہوں تو ان کے مقابلے میں عذاب دینا کس دلیل سے درست ہوسکتا ہے جب تک کہ کسی شخص کی خیانت محضر عام میں ظاہر نہ ہوا سے اس خیانت پر مواخذہ نہیں کیا جاسکتا اور ان کے وہ اعمال جو لوگوں پر ظاہر ہوتے تھے' یہی جسم کے اعمال تھے جو کہ جسم سے روح کے جدا ہونے کے بعد ختم ہوگئے۔ ہم کہتے ہیں کہ کسی شخص کی خیانت کا علم حاکم کو حاصل ہونا چاہیے' دوسرے لوگوں کو آگاہی ہو یا نہ ہو۔ اور ہم ان کے روحی اعمال کو جانتے ہیں بلکہ ہمارے خفیہ نویسوں نے بھی لکھ رکھے ہیں اور ان کے اقوال و افعال بھی ان پر دلالت کرتے ہیں۔

وَكُلَّ شَيْءٍ اور ہر چیز کو' جسم اور روح کے اعمال اور وہ افعال جو کہ اس پر دلالت کرتے تھے اَحْصَيْنَاهُ ہم نے شمار کر رکھا ہے اور صرف اپنی حفاظت پر ہی قناعت نہیں فرمائی بلکہ كِتَابًا لکھوا کر۔ تاکہ دار البقاء کے اہل کاروں کو ہر وقت یاد رہے اور غیر متناہی عمل کے لیے جزا غیر متناہی چاہیے۔

فَذُوقُوا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا پس چکھو پس ہم تمہارے لیے زیادہ نہیں کریں گے مگر عذاب بخلاف مسلمان گناہ گاروں کے کہ ان کا عذاب صرف اعضاء کے اعمال پر ہوگا اور ختم ہو جائے گا اس لیے کہ صحیح ایمان کی وجہ سے ان کی روح میں بُرائی نہ تھی۔

اور تنبیہ الغافلین میں مذکور ہے کہ جب دوزخی بہت زیادہ پیاسے ہوں گے تو بارش طلب کریں گے' ایک سیاہ بادل رونما ہوگا اور اس سے سرخ اونٹوں کی گردنوں کی مثل سانپ اور اونٹوں کے برابر جسموں والے بچھو برسیں گے اور انہیں کاٹیں گے اور ان میں ان سانپوں اور بچھوؤں کے زہر کا اثر ہزار سال تک رہے گا اسی کے متعلق اس آیت کا مفہوم ہے کہ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (۱۴۔۱۸) اور یہی اس آیت میں ہے فَذُوقُوا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا۔

## ایک شبہ اور اس کا جواب

اور یہاں ایک شبہ اکثر لوگوں کے ذہنوں میں آتا ہے کہ مزاج کے منافی اثر کرنے والا

marfat.com
Marfat.com

جب ہمیشہ اور دائمی ہو تو اس کے اثر کا احساس نہیں رہتا اور اس کی تکلیف اور دُکھ نہیں ہوتا جیسا کہ دق والے کو گرمی سے تکلیف نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احساس کا نہ ہونا متفق مزاج کی خرابی کی صورت میں ہے نہ کہ مختلف مزاج کی خرابی کی صورت میں جہنمیوں کو کئی قسم کے عذاب دیئے جائیں گے اور انہیں عذاب کی ہر قسم کا احساس زبردست ہوگا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ نیز آدمی کے بدن میں حس کا آلہ اس کی جلد ہے جبکہ جلنے کے بعد دوزخیوں کے بدن پر جلد ازسرنو تازہ ہو جائے گی اور تازگی کی وجہ سے اس کا احساس نسبتاً زیادہ ہوگا جیسا کہ اس تازہ جلد میں انتہائی احساس پائے جانے کا تجربہ اور مشاہدہ ہے جو کہ زخم میں انگور آنے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور دوزخیوں کے عذاب میں زیادتی کے اسباب میں سے ایک بات یہ بھی ہوگی کہ ان کے مخالف اور دشمن قسم قسم کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے جیسا کہ فرمایا جارہا ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا تحقیق متقیوں کے لیے مقاصد کے حصول کا مقام ہے اور ان کا مقام سرکشوں کے مقام سے بہمہ وجوہ ممتاز اور جدا ہے۔

حَدَآئِقَ پُر میوہ باغ ہیں جن کے اردگرد دیوار کی گئی ہے اور لغت عرب میں حدیقہ اسی باغ کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف دیوار کی گئی ہو۔

وَاَعْنَابًا اور بے شمار انگور کے درخت ہیں گھنی بیلوں کے ساتھ اور باغ کی روشوں پر بمنزلہ دوسری دیوار ہوں گے اور چونکہ انگور کی بیل ایک اعتبار سے مکان کا حکم رکھتی ہے کہ اس کے سائے میں بیٹھتے ہیں اور اسے چھت کی شکل میں درست کرتے ہیں اور ایک اعتبار سے درخت کا حکم رکھتی ہے کہ اس سے مقصود پھل لینا ہے' اسے خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ورنہ انگور بھی ان پھلوں میں سے ہی ہے جنہیں حدیقہ کا لفظ شامل ہے۔ گویا ارشاد ہوتا ہے کہ ان باغوں میں انگور کی بیلوں کے سائبان ہوں گے جو کہ بارہ دری اور بنگلے کے قائم مقام ہوں گے۔

وَكَوَاعِبَ اور کنواری عورتیں جن کے سینے اُبھرے ہوئے اور سخت' بلوغ کی حد کو پہنچی ہوئی اس لیے کہ باغ اور بوستان کی سیر دلکش لباس والے مصاحبوں کے بغیر بے مزہ ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اَتْرَابًا وہ خواتین متقیوں کی ہم عمر ہوں گی اس لیے کہ متقیوں اور ان عورتوں کی روحیں لوٹانے کا وقت وہی ایک ہی ہے جس میں دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔ پس ایک ہی ساعت میں ان کی ولادت ہوئی جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے کہ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ (۲۷-۱۴) اور یہ عورتیں دنیا کی عورتیں ہوں گی تا کہ ان کی صحبت کے ساتھ جنسیت اور انس کی وجہ سے متقین کو پورے طور پر سرور حاصل ہو اور ہم عمری اُلفت و انس کا نسبتاً زیادہ موجب ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بوڑھے جوانوں کی اور جوان بوڑھوں کی صحبت سے نفرت کرتے ہیں۔

## جنتیوں کی عمر کا بیان

اکثر تفسیروں میں لکھا ہے کہ جنتی مرد اور عورتیں تینتیس (۳۳) سالہ ہوں گے اور اس کلام کا یہاں یہی معنی ہے کہ ان کی ہر قوت اور فرحت اس عمر کے مشابہ ہوگی ورنہ ان کا پیدا ہونا دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے وقت ہے اور اس وقت سے جنت میں داخل ہونے تک مدت دراز گزر جائے گی اور وہ جو بعض روایات میں جو کہ زاہدی اور واحدی میں مذکور ہے وارد ہوا کہ عورتیں سترہ اٹھارہ سالہ ہوں گی جبکہ مرد تینتیس (۳۳) سالہ ہوں گے تو اس کا معنی یہ ہے کہ یہاں عورتوں کے اعضاء کی شکل اس عمر کے اعضاء جیسی ہوگی اس لیے کہ عورت میں حسن صورت اسی عمر میں پورا ہوتا ہے اور اس کے بعد زوال کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور بچوں کی ولادت اور انہیں دودھ پلانے کی وجہ سے پستان ڈھلک جاتے ہیں اور مؤنث ہونے کا مزاج جو کہ کافی مرطوب ہوتا ہے اس وقت عمر کی خشکی کی وجہ سے معتدل ہو جاتا ہے اور بدن کی ساخت کا تناسب، سادگی اور ناتجربہ کاری جو کہ محبوبوں اور معشوقوں میں مرغوب ہے اس عمر میں کافی حاصل ہوتی ہے۔ بخلاف مردوں کے ان میں کمال عقل و تجربہ قابلِ تحسین ہے اس پھل کی طرح جو کہ پکا ہوا کچے سے بہتر ہوتا ہے جبکہ عورتیں اس پھل کی طرح ہیں جو کہ کچا ذائقے میں پکے ہوئے سے نسبتاً زیادہ اچھا لگتا ہے۔

وَّكَاْسًا اور شراب کے پیالے ہوں گے۔ دِهَاقًا چھلکتے ہوئے پے در پے لائے گئے۔ اور عربوں کے استعمال کے مطابق لفظ دہاق سے دونوں چیزیں سمجھی جاتی ہیں، پُر ہونا

marfat.com

Marfat.com

اور پے در پے ہونا۔ اور متقیوں کو شراب پلانا زیادہ نعمت ولذت حاصل کرنے کے لیے ہوگا اس لیے کہ شراب پینے سے انہیں جو فرحت وراحت حاصل ہوگی اس کی وجہ سے وہ عورتوں اور مذکورہ باغات کی دوسری نعمتوں سے پوری لذت حاصل کرنے میں بے باک ہو جائیں گے اور سنجیدگی اور وقار اس پورے طور پر محظوظ ہونے میں مانع نہ ہوگا جس طرح کہ انہوں نے دنیا میں خدا تعالیٰ کی محبت کی شراب کی مستی کی وجہ سے احوال و مقامات کے باغات اور تازہ انوار و تجلیات اور واردات سے پوری برکتیں اور روحانی لذتیں حاصل کی تھیں لیکن وہاں کی شراب میں جو کہ محبتِ الٰہیہ کے معنوں کی صورت ہوگی' دنیوی شراب کی خرابیوں اور قباحتوں سے قطعاً مبرا ہوگی اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جنت میں چیزوں کے نام دنیوی ناموں کی مانند ہیں جبکہ حقیقتیں جدا ہیں۔ اس لیے کہ دنیوی چیزوں کے خواص صور نوعیہ کے عنصری کثیف مادوں میں اثر کرنے سے صورت پکڑتے ہیں جبکہ جنتی چیزوں کے خواص اسمائے الٰہیہ کی تجلیات اور حقائق قدسیہ کی لطیف مثالی مادے میں تاثیر کرنے سے متحقق ہوں گے اور اگرچہ دنیا و آخرت میں اسمائے الٰہیہ کی سلطنت اور ان کی تاثیرات کے ظہور کے سوا کوئی سبب نہیں لیکن کمال ظہور' جوش کی پاکیزگی' مواد کی لطافت اور مکدر کرنے والی برائیوں سے دوری کے اعتبار سے دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تجلی والی آگ کو انگیٹھی کے دھوئیں والی آگ سے جو کہ گائے اور گدھے کے گوبر سے جلائی گئی ہو' تولنا چاہیے۔ کیا ہی اچھا کہا گیا کہ وجود کے ہر مرتبے کا ایک حکم ہے اگر تو مرتبوں کا فرق نہ کرے تو زندیق ہوگا۔

پس وہاں کی شراب کی مجلس قباحتوں سے اس درجہ پاک ہوگی کہ

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا كِذَّابًا وہ شراب پینے سے بے ہودہ بات اور ایک دوسرے کی تکذیب و انکار نہیں سنیں گے چہ جائیکہ لڑائی' دشنام طرازی' بے مقصد گفتگو اور بات چیت میں گڑبڑ پیدا ہو اور جیسے دنیا میں ان کی محفلیں ان امور سے پاک ہوتی تھیں اور ان کی صحبت میں جھوٹ' فضول گوئی' مذاق اور خرمستی کو دخل نہ تھا اسی طرح جنت میں ہوگا۔

اور یہ نعمتیں اور لذتیں جو کہ اس وافر مقدار میں ان کے ہاتھ آئیں گی ایسی نہیں کہ اس

marfat.com

Marfat.com

جہان کی آب و ہوا کے تقاضے کی وجہ سے حاصل ہوئیں جیسا کہ دنیا میں ملکوں کے اختلاف کی وجہ سے سردیوں اور گرمیوں' قحط سالی اور خوشحالی میں حاصل ہوتی ہیں بلکہ یہ چیزیں ان کے ہاتھ آئیں گی:۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ تیرے پروردگار کی طرف سے جزا دینے کے طور پر جو کہ کامل ہے اور کامل جو چیز دے وہ بھی کامل ہوتی ہے۔

اور اگر کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ جزا میں ان دونوں چیزوں کی رعایت کی جاتی ہے' جزا دینے والے کا مقام اور اس کام کی مقدار جس کی جزا دیتا ہے اگرچہ جزا دینے والا اوج کمال پر فائز ہے لیکن ان سب کے کام اتنے کامل نہ تھے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ نعمتیں اور لذتیں حقیقت میں جزا نہیں ہیں بلکہ

عَطَآءً بخشش و انعام ہیں لیکن ابتدائی بخشش و انعام نہیں بلکہ حِسَابًا ان کے اعمال کے حساب سے ہے نہ کہ اعمال کی مقدار کے مطابق۔ مثلاً کسی بادشاہ کو منظور ہو کہ اپنے ملازموں کو انعام اور بخشش عطا فرمائے' وہ حکم دے کہ جو بھی میرے حضور حاضر ہے اسے اس قدر دیں اور جو فلاں قلعہ میں ہے' اسے اس قدر اور جو فلاں ڈیوٹی پر ہے' اسے اتنا دیں۔ پس ایسی صورت میں انعام میں فرق کرنے میں مقدار عمل کے موافق انعام دینا منظور نہیں ہوتا ہے بلکہ اعمال کا حساب صرف نشاندہی کے لیے ہے اور بس اور جب انعام اور بخشش اعمال پر مقرر فرمائے گئے ہیں تو جزا کے ساتھ پوری مشابہت ہوگئی اس وجہ سے اسے جزا کا نام دیا گیا۔ نیز چونکہ یہ جزا دینے والی وہ ذات ہے جس کی صفت ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا آسمانوں' زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' کا پروردگار ہے اور اس نے آسمان' زمین اور ان کے مابین جو کچھ ہے' اس پر ابتدائی بخشش و انعام بے تکلف بغیر کسی گزشتہ وعدے کے اور بغیر مستحق ہونے کے کمال درجے پر فرمایا تو اپنے اس انعام اور بخشش کو ان لوگوں کے بارے میں جو کہ مستحق ہونے کی آمیزش بھی رکھتے ہیں' ان کے ساتھ وعدہ بھی کیا گیا اور وہ مکلف بھی تھے کس طرح کامل نہ فرمائے اور ان کے باوجود اس کا نام ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اَلرَّحْمٰنِ مطلقاً انعام فرمانے والا اور جس کا نام یہ ہو اور وہ وعدہ کیے بغیر ہزاروں احسان فرماتا ہے' تو وعدہ کر کے پورا کیوں نہیں فرمائے گا لیکن اس رحمت کے باوجود وہ جو کہ اپنے اطاعت شعار بندوں پر ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق ہے اس کی عظمت و جلال بھی اس قدر بلند ہے کہ

لَایَمْلِکُوْنَ مِنْہُ اس قدر رحمت و عنایت کی توجہ اور اس کی بارگاہ کے اتنے قرب و مرتبے کے باوجود ان میں طاقت نہیں ہوگی۔ خِطَابًا بلاواسطہ بات کرنے کی' اپنے بارے میں یا اپنے قریبیوں اور دوستوں میں سے کسی کی سفارش کرنے کی اور اس کی یہ عظمت و جلال اگر چہ اس کی ذات کو لازم ہے لیکن اس کا پورے طور پر ظہور نہیں ہوگا مگر

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ جس دن کہ روح کھڑی ہو۔

## کیفیت روح کا بیان

اور روح ایک خوب جاننے والے بیدار لطیف کا نام ہے جو کہ آسمان' زمین' پہاڑ' دریا' درخت اور پتھر کو عطا فرمایا گیا ہے اور اسے دوسرے مقام پر ملکوت کل شی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ یسین کے آخر میں ہے اور ہر مخلوق کے اسی جاننے والے لطیفے کو اپنے پروردگار کی تسبیح و عبادت میسر ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (۱۵۔۵) کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ (۱۳۔۱۸)

درحقیقت وہ لطیفہ ایک نورانی جوہر ہے جو کہ جواہر و اعراض میں سے ہر ایک کے ساتھ متعلق ہے اور انہیں روحانی جواہر کی بدولت قرآن پاک کی سورتیں' نماز' روزہ جیسے اعمال صالحۂ اور کعبۂ معظمہ' قیامت کے دن اور عالم برزخ میں شفاعت کریں گے اور گواہی دیں گے اور آسمان وزمین اور دن رات گواہ ہوں گے۔

اور صحیح حدیث پاک میں ہے کہ مؤذنوں کے لیے ان کی آواز پہنچنے کی حد تک ہر پتھر' درخت' مٹی کا ڈھیلہ اور لکڑی قیامت کے دن گواہ ہوں گے اور اس روز یہ جواہر نورانیہ مناسب شکلوں کا لباس بنا کر محشر میں کھڑے ہوں گے اور گواہی اور شفاعت کا کام سرانجام دیں گے اور بنی آدم اور حیوانات کی ارواح کے تعلق اور دوسرے مخلوقات کی ارواح کے تعلق

marfat.com
Marfat.com

میں فرق یہ ہے کہ پہلا تعلق دائمی ہے اور سرایت کرنے والے حلول کی طرح کہ تمام طبعی' نباتی اور حیوانی قوتوں میں داخل ہو کر انہیں اپنے حکم کا پابند کر لیا جبکہ دوسرا تعلق دائمی نہیں ہے اور طاری ہونے والے حلول کی طرح ہے اور اسی لیے بعض اوقات دنیا میں بھی اسی کا تعلق ظاہر ہوتا ہے اور پتھر اور درخت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ باتیں کرتے ہیں اور ان کے حکم کے مطابق کام سرانجام دیتے ہیں اور انہیں سلام کہتے ہیں اور قیامت کے قریب ہونے کے وقت یہ تعلق بھی دائمی ہونے اور سرایت کرنے کے قریب ہو جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ قیامت کی اشراط والی احادیث میں ان چیزوں کی خبریں بہت زیادہ مذکور ہیں اور اس کا راز یہ ہے کہ اس تعلق کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب روحانی احکام غالب ہو جائیں۔ پس قرب قیامت میں جو کہ روحی احکام کے غلبے کا وقت ہے' یہ زیادہ ظہور کرے گا اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی ہمت کی وجہ سے ان کے حضور بھی احکام روحیہ غالب ہو جاتے ہیں۔

اور یہاں دوسرے مفسرین روح کی تفسیر میں مختلف اقوال لائے ہیں اور حق یہی ہے جو مذکور ہوا۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا اور زمین اور ساتوں آسمانوں کے فرشتے صف بصف کھڑے ہو جائیں گے تاکہ جزا دینے' اعمال تولنے' اعمال نامے دکھانے اور پل صراط سے گزارنے کا کام اور اس دن کے ساتھ متعلق دوسرے کام جاری کرنے کے لیے مستعد اور تیار رہیں۔

لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اس حالت میں بالکل بات نہیں کریں گے اور دم نہ ماریں گے اگرچہ شفاعت اور شہادت کا مقام ہو۔ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ مگر وہ جسے رحمٰن اجازت دے اور حکم ہوگا کہ فلاں کے بارے میں شفاعت کر یا اس کی گواہی دے اور یہ حکم اس شخص کے حق میں رحمت کے تقاضے کی وجہ سے ہوگا۔

وَقَالَ صَوَابًا اور وہ بالکل درست بات کہے گا اور خلاف قانون عرض نہیں کرے گا۔ مثلاً کافر اور بدعقیدہ کے متعلق شفاعت نہیں کرے گا اور جو شخص ایمان کی وجہ سے معافی کا مستحق ہے' اس کے گناہوں کی معافی طلب کرے گا اور اسی طرح گواہی میں بھی احتیاط

marfat.com
Marfat.com

کرے گا اور کم وبیش بات نہیں کرے گا اس لیے کہ

ذَالِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ وہ دن حق کا دن ہے اس روز باطل اور غلط ہرگز نہیں چل سکے گا اور کامیاب نہیں ہوگا۔ بخلاف دنیا کے ایام کے کہ وہاں حق و باطل اور غلط وصحیح دونوں ملے جلے ہیں' کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے اور احتمال ہے کہ معنی یوں ہو کہ وہ دن ایسا ہے کہ نیکوں اور بُروں کے درمیان جدائی اور فرق کرنا اور مومن و کافر کے درمیان امتیاز کرنا اس دن کا حق ہے اور وہی دن اس کام کے لائق ہے نہ کہ دنیا کے ایام کہ جن میں شک وشبہ اور منفعتوں میں نیک اور بد کی مساوات اور مطیع اور نافرمان کی باہمی شرکت واقع ہے۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف رجوع اختیار کرے تاکہ اس دن اسے اپنے ہم نشینوں اور مصاحبوں میں پورا امتیاز حاصل ہو اور اس قسم قسم کے عذاب سے خلاصی پائے جو کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے حضور سرکشی اور لاپرواہی کی بناء پر تیار ہے اور رجوع الی اللہ تعالیٰ کا فائدہ صرف اسی عذاب سے خلاصی میں منحصر نہیں ہے جو کہ یوم الفصل میں سرکشوں کے نصیب ہوگا بلکہ

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ ہم نے تمہیں بارہا قرآن مجید میں اور نبی کریم علیہ السلام کی زبان پر ڈرایا ہے کہ تم رجوع الی اللہ میں کوتاہی کر رہے ہو اور اس کے حکم کی تعمیل سے سرکشی کر رہے ہو۔

عَذَابًا قَرِيْبًا قریبی عذاب سے جو کہ موت کے بعد عالم برزخ ہر شخص کو پیش آئے گا اور اس عذاب میں جہان کے اصول وارکان کو برباد کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ انسان کے چھوٹے جہان کو برباد کرنا اور اس کی ساخت کے ارکان کو ڈھا دینا ہی کافی ہے اس لیے کہ اس عذاب کی حقیقت بُرے اعمال کی تاریک شکلوں کا جو کہ میت کے نفس پر غالب تھیں' خوفناک صورتوں میں اس کی قوت خیالیہ پر اس طرح ظاہر ہونا ہے کہ وہ قوت ان کے اثر سے مغلوب ہو جائے بغیر اس کے کہ اعمال کے صحیفے کھولے جائیں اور ہر معمولی سے معمولی کام پر آگاہ کریں اور گواہ حاضر ہوں اور حاکم مطلق تجلی فرمائے اور حقوق کے دعوے دار جمع ہوں اور اگلوں پچھلوں کو جمع کیا جائے اور جنت کا حکم نیکوں کے لیے اور دوزخ کا فیصلہ بُروں کے لیے جدا جدا مرتب ہو اور اسی لیے وہ عذاب قریب ہی واقع ہوگا۔

marfat.com
Marfat.com

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ جس دن کہ ہر شخص ان اعمال کو دیکھے گا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجے تھے جو کہ اچھے اعمال کرنے والی قوت اور بُرے کام کرنے والی طاقت سے کنایہ ہے اور آگے بھیجنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان اعمال کی نورانی شکلیں اور تاریک صورتیں اس کے نفس میں ظاہر ہو گئیں اس لیے کہ عمل کو آگے بھیجنا اور ترجیح دینا جو ہر نفس میں اس عمل کی محبت راسخ ہوئے بغیر ممکن نہیں اور وہ ہیئت عالم مثال میں ایسی صورت رکھتی ہے جو کہ اس کے مناسب ہے۔

جب نفس اس جہان کے احساسات اور تصرفات سے فارغ ہو کر پورے طور پر اس جہان کے احساسات کی طرف متوجہ ہوگا تو ان صورتوں کا مشاہدہ کرے گا اور یہ عذاب اس قسم کا ہے کہ حکماء اور فلاسفہ کی عقل نے بھی اسے دریافت کیا اور عالم خواب پر قیاس کر کے اسے واقع ہونے والا جانا۔ فرق یہ ہے کہ خواب والے عذاب سے نفس کے اس جہان کے احساسات پر بیداری متوجہ ہونے کی وجہ سے خلاصی پانا ممکن ہے جبکہ اس عذاب سے اس طرح خلاصی پانا ممکن نہیں ہے کہ اس خواب کے پیچھے بیداری نہیں ہے۔ بخلاف یوم الفصل کے اسے میدانِ عقل میں کوئی دریافت نہیں کر سکتا۔ پس یہ عذاب وقوع کے زمانے کے اعتبار سے بھی قریب ہے اور تصور و تصدیق کے اعتبار سے عقل کے بھی قریب ہے لیکن ایمان اور صحیح عقیدے کی وجہ سے اس قریبی عذاب سے نجات بھی حاصل ہوگی اس لیے کہ اگرچہ بُرے اعمال نے اس شخص کے نفس میں تاریک شکلیں پیدا کر دی تھیں لیکن اس کا ایمان اور عقیدہ صحیح ہے اس میں عظیم نورانی صورتیں ظاہر کر دیں۔ کھینچا تانی کے بعد گناہوں کی تاریکی پر غلبہ حاصل کریں گے اور وہ تاریکی شکلیں تہ در تہ بادل کی طرح سورج کی روشنی کی شدت کی وجہ سے دگرگوں ہو جائیں گی اور کافروں کے پاس تاریک شکلوں کے سوا اور کچھ نہ ہوگا جس کے نور سے ان تاریکیوں کو دُور کریں' ناچار حسرت اُٹھائیں گے۔

وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ اور کافر کہے گا اس کے بعد کہ اپنی کفر اور گناہوں کی مکروہ شکل کو دیکھے گا اور اس کے مقابلے میں ایمان کی نورانی صورت نہیں پائے گا۔

يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا اے کاش کہ میں مٹی ہوتا اور انسانی شکل میں پیدا نہ ہوتا تا کہ

marfat.com
Marfat.com

مجھ سے یہ مکروہ شکلیں صادر نہ ہوتیں اور مٹی کو خاص کر کے اس لیے یاد کرے گا کہ جسم انسانی کے مواد کی انتہا مٹی ہے اگر نطفہ ہے غذاؤں سے پیدا ہوا' غذائیں نباتات' حیوانات سے اور نباتات اور حیوانات مٹی سے اور اگر گوشت پوست خون اور خلط ہے تو بھی غذاؤں' دواؤں اور پھلوں سے پیدائش ہے پھر مٹی تک بات جا پہنچی اور جب خاک کے بعد اور کوئی مادہ اس کے دل میں نہیں۔ ناچار انسانی صورت سے فرار کے وقت سب سے بعید مواد کی جو کہ خاک ہے' آرزو کرتا ہے جیسا کہ اگر کسی کو کسی سفر میں تکلیف پہنچتی ہے تو کہتا ہے کہ اے کاش میں گھر سے نہ نکلتا اور یہ نہیں کہتا کہ میں راہ سے پھر جاتا' راستے کے درمیان رہتا کیونکہ ایسا کہنے سے اس تکلیف سے پورے طور پر دور ہونا معلوم نہیں ہوگا۔ نیز اسے معلوم ہو جائے گا کہ میری یہ سب گرفتاری میری روح کے باقی رہنے کی وجہ سے ہے اگر میں صرف بدن ہوتا اور خاک ہو جاتا تو اس عذاب میں گرفتار نہ ہوتا۔

اور حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعا اور موقوفا روایت آئی ہے کہ فیصلے اور قضا کے دن اس کے بعد کے جانور ایک دوسرے سے بدلہ لے لیں گے' انہیں حکم فرمایا جائے گا کہ خاک ہو جاؤ۔ کافران جانوروں کے حال پر رشک کرے گا اور کہے گا کہ اے کاش مجھے خاک ہو جانے کا حکم فرمایا جاتا اور اس مفاسد انسانیت سے جو کہ اس سزا کا سبب ہے' بے زار ہو جائے گا۔

اور بعض صوفیاء نے فرمایا ہے کہ خاک ہونے سے مراد یہ ہے کہ میں خاک کی طرح عاجز اور مسکین ہوتا اور بڑائی' تکبر' سرکشی اور نافرمانی نہ کرتا۔

اور بعض واعظوں نے کہا ہے کہ کافر سے مراد ابلیس ہے جو کہ اس کا سب سے کامل فرد ہے۔ جب وہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد پر انواع واقسام کی نوازشات دیکھے گا تو آرزو کرے گا کہ میں بھی خاکی ہوتا اور خاک سے پیدا ہوتا نہ کہ آگ سے کہ میں اس پر فخر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ

marfat.com
Marfat.com

# سورۃ والنازعات

یہ سورۃ مکی ہے' اس میں چھیالیس (۴۶) آیات' ایک سونواسی (۱۸۹) کلمے اور سات سوترپن (۷۵۳) حروف ہیں۔

## ربط کی وجہ

اور ظاہری نظر میں اس سورۃ کا سورۃ مرسلات کے ساتھ قوی ربط معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس سورۃ کا ابتدائیہ اس سورۃ کے ابتدائیے کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا ہے بلکہ تمام قرآن پاک میں اس قسم کے ابتدائیے پانچ سورتوں میں واقع ہوئے ہیں۔ صافات' ذاریات' مرسلات' نازعات اور عادیات۔ صافات میں تین صفات مذکور ہیں' ذاریات میں چار صفات اور باقی تین سورتوں میں پانچ پانچ صفتیں مذکور ہیں لیکن سورۃ عادیات دو طرح سے ان دونوں سورتوں کی مشابہت سے قاصر ہے۔ پہلی وجہ اس کا چھوٹا ہونا اور ان دونوں کا دراز ہونا اور دوسری وجہ یہ کہ وہاں دو صفتیں فعل کے صیغے کے ساتھ مذکور ہیں کہ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا جبکہ ان دونوں صورتوں میں ساری پانچ صفات اسم فاعل کے صیغے کے ساتھ ذکر کی گئیں۔

پس ان دونوں سورتوں کے ابتدائیہ کی روش میں کمال مناسبت ظاہر ہے لیکن دُور بیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گہری نظر دوڑا کر معلوم کیا کہ سورۃ والمرسلات کا مدار یوم الفصل اور اس کے احکام کے تفصیلی بیان پر ہے اور سورۃ عم یتساءلون بھی یوم الفصل کے واقعات کی کیفیتوں کی شرح ہے تو گویا سورۃ تساءل' سورۃ مرسلات کی شرح اور تتمہ ہے' دونوں کو ایک ساتھ لکھ دیا اس کے بعد ابتدائیے کی مناسبت کی رعایت سے یہ سورۃ لائے۔

نیز گہری نظر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس سورۃ کے مضامین سورۃ تساءل کے مضامین کے ساتھ اس حد تک مناسبت رکھتے ہیں کہ اتحاد تک نوبت پہنچ گئی اس مناسبت کے ہوتے ہوئے ابتدائیے کی مناسبت کی رعایت اتنی اہم نہیں ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس سورۃ میں قیامت کے حالات کے متعلق کفار کا ایک

marfat.com
Marfat.com

دوسرے سے سوال کرنا مذکور ہے جبکہ یہاں ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنا مذکور ہے کہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسَاهَا پھر اُس سورۃ میں اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهَادًا واقع ہوا جبکہ یہاں وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحَاهَا اور اس سورۃ میں وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا ہے اور یہاں وَالْجِبَالَ اَرْسَاهَا اور وہاں وَجَعَلْنَا اللَّیْلَ لِبَاسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا جبکہ یہاں وَاَغْطَشَ لَیْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحَاهَا ہے اور وہاں سَبْعًا شِدَادًا جبکہ یہاں ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنَاهَا ہے اور وہاں بارش کے پانی کا ذکر ہے کہ آسمان سے آتا ہے اور سبزہ اُگاتا ہے جبکہ یہاں چشموں کے پانی کا ذکر ہے کہ زمین سے نکلتا ہے اور سبزیاں اُگانے میں مدد کرتا ہے اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعَاهَا اور اس سورۃ میں یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ہے جبکہ یہاں تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ اور اس سورۃ میں جہنم کے بارے میں فرمایا کہ لِلطَّاغِیْنَ مَاٰبًا جبکہ یہاں فرمایا کہ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰى اور اس سورۃ میں دوزخیوں کے دوزخ میں ٹھہرنے کی مدت طویل ہونے کا بیان اس عبارت کے ساتھ فرمایا۔ لَابِثِیْنَ فِیْهَا اَحْقَابًا جبکہ یہاں دوزخیوں کا برزخ اور دنیا میں قلیل مدت تک ٹھہرنا اس عبارت کے ساتھ بیان فرمایا۔ لَمْ یَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحَاهَا اور اس سورۃ میں جنت اور اس کی نعمتوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا جبکہ یہاں فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى اور اس کے علاوہ اور بھی مناسبتیں ہیں جو کہ غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہیں۔

## وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۂ نازعات کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ نازعات کی صفت ان پانچ صفات میں سے جو کہ اس کے ابتدائیہ میں مذکور ہیں' تمام کمالات کے حاصل کرنے کا وسیلہ ہے اور دوسری صفات اس کی فرع ہے۔ پس یہ صفت تمام علوم کے مقابلے میں ابجد کے قواعد کا حکم رکھتی ہے کہ ان کا حاصل کرنا اسے حاصل کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔

## نفس انسانی کی تکمیل کی ضروریات

marfat.com

Marfat.com

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب نفس انسانی علم و عمل' صنعتوں' پیشوں' اچھے ہوں یا بُرے' نیک ہوں یا بد' نافع ہوں یا مضر' میں سے ہر کام میں اپنی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسے ان پانچ مقامات کو عبور کیے بغیر چارہ نہیں تا کہ اپنے اس مطلوب کی انتہائی بلندی تک پہنچے اور اس فن میں تکمیل کا مرتبہ پیدا کرے۔ پہلے یہ ہے کہ خود کو ان چیزوں سے کھینچ لے جو کہ اس مطلب کے منافی ہیں اور اس حالت میں اسے بہت عظیم مجاہدہ درپیش ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت ان منافی چیزوں کو چاہتی ہے یا شریعت ان منافی چیزوں کا حکم دیتی ہے یا عقل ان منافی چیزوں کی طرف کھینچتی ہے اور یہ شخص طبیعت یا عقل یا شرع کے خلاف خود کو اس مطلب کے حاصل کرنے میں مشغول کرتا ہے اور اس حالت کے متعلق زور اور مضبوطی سے کھینچنے کے ساتھ تعبیر فرمائی گئی ہے جس پر والنازعات غرقا سے دلالت ہوگی اور جب یہ حالت نفسانی خواہشات کی نسبت واقع ہو تو اسے اہلِ سلوک کے عرف میں توبہ اور مجاہدے کا نام دیتے ہیں۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس شغل کی مشق اور اس کے ساتھ مانوس ہونے کی وجہ سے ایک راحت اور سرور پیدا ہو جائے اور اس کام میں اس کا دل رغبت کرے اور اگر کچھ مدت تک اس کام سے باز رہے تو اس کی طرف بے اختیار ہو کر مشتاق ہو اور اندیشوں اور محرکات کی کھینچا تانی باقی نہ رہے اور یکسوئی اور یکجہتی سے اس کام میں معروف ہو جائے اور اس حالت کو نشاط کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے جسے اُردو میں اُمنگ کہتے ہیں۔ اور اہلِ سلوک کی اصطلاح میں اس حالت کو جو کہ راہِ خدا کی طلب میں پیش آتی ہے ارادہ' شوق اور ذوق کہتے ہیں۔ اور اس راہ کی اُلجھنوں کی عقدہ کشائی اسی صفت سے ہے لیکن پہلی صفت کے بغیر اس حقیقت کو حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ یہ حالت کافی کھینچا تانی کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس شغل میں پوری مہارت پیدا کرے اور کسی تکلیف اور تھکاوٹ کے بغیر وہ کام اس سے سرزد ہو اور ورزش کی کثرت کی وجہ سے وہ کام ملکہ بن جائے اور اس حالت کو سباحت سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا معنی تیرنا ہے اس لیے کہ پانی میں تیرنے والا آدمی بغیر کسی مشقت کے سیر کرتا ہے اور اہلِ سلوک کے عرف میں اس حالت کو سیر احوال و

marfat.com
Marfat.com

مقامات کہتے ہیں اور کمال کی ادنیٰ حد یہی حالت ہے کہ اس سے پہلے ایک طلب اور تلاش کے بغیر کچھ نہیں' مطلب کا حصول اس حالت سے شروع ہوا۔

چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اس کام میں اپنے مصاحبوں اور ہم نشینوں سے آگے بڑھ جائے اور اس صفت اور فن میں جو دوسروں سے نہ ہو سکا' اس سے سرزد ہو اور یہ حالت اعلیٰ کمال ہے جسے سبقت سے تعبیر کرتے ہیں اور اہلِ سلوک کے عرف میں اس حالت کو طیران اور عروج کہتے ہیں۔

پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ کمال کی ساری حدوں کو عبور کر کے تکمیل کی حد تک پہنچ جائے اور اس کام میں مقتدا اور مشکل کشا بن جائے کہ دوسرے اس سے مشکلات کا حل چاہیں اور اس صنعت میں مشورہ اور تدبیر کے لیے اس کی طرف رجوع کریں اور اس حالت کی تعبیر اس عبارت کے ساتھ فرمائی گئی ہے فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا اور اہلِ سلوک کی اصطلاح میں اس مرتبے کو رجوع و نزول' دعوت الخلق الی الحق کا مرتبہ اور تکمیل وارشاد کا مرتبہ کہتے ہیں۔

اور یہ پانچ مرتبے نفوس انسانی کو ہر اچھے بُرے مقصد اور ہر قابلِ تعریف اور قابل مذمت کیفیت میں پیش آتے ہیں البتہ بعض نفوس صلاحیت کی کمی اور رکاوٹوں کے حائل ہونے کی وجہ سے ان سب پانچوں مرتبوں کو عبور کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور ایک یا دو یا تین یا چوتھے مرتبے پر قناعت کرتے ہیں اور بعض توفیق یا ذلت کی وجہ سے تمام مرتبوں کو طے کر جاتے ہیں اور نیکی بدی اور ہدایت و گمراہی میں ایک جہان کے مقتدا ہو جاتے ہیں۔

اور چونکہ سورۂ عم یتساءلون میں نفوسِ انسانی کے ان مراتب کی طرف اشارہ واقع ہوا تھا کہ فتاتون افواجا اس سورۃ میں ابتداء ہی سے ان مراتب کی تفصیل منظور ہوئی لیکن یہ تفصیل ان مرتبوں والوں کی قسم کی صورت میں لائی گئی تا کہ ان مراتب پر فائز لوگوں کی عظمت پر دلالت کرے۔ نیز ان مراتب کے اثرات ظاہر ہونے کے لیے قیامت قائم ہونے کے واجب ہونے کا پتہ دیا جائے کیونکہ دنیا میں ان کے اثرات کا ظاہر ہونا ممکن نہ تھا اس لیے کہ دنیا اس ظہور کی متحمل نہیں ہے۔

پھر قسم کو قیامت آنے کی طرف زمان کے ساتھ مقید فرمایا گیا تا کہ پتہ چلے کہ ان

marfat.com
Marfat.com

مراتب اور ان مراتب والوں کی قسم اسی وقت ہے اور اسی قید کے ساتھ ہے اس لیے کہ وہ اس وقت سے پہلے اور اس قید کے اعتبار کے بغیر قسم کے قابل نہیں ہیں۔ پس یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ظرف ہے جو کہ فعل قسم کے ساتھ متعلق ہے جس پر حرف قسم دلالت کرتا ہے اور یہ مجموعی ترکیب وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى اور اس طرح کی ترکیبوں کی طرح ہوئی۔ گویا اس کلام کا معنی یوں ہوا کہ میں قسم فرماتا ہوں ان جماعتوں کی جو کہ ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں جس دن کہ قیامت قائم ہوگی اور اس صفت کے اثرات ظاہر ہوں اور جو لوگ پہلی صفت کے ساتھ موصوف ہیں' جدا گروہ میں آئیں اور ان کے احکام ایک رنگ میں ظہور کریں اور جو لوگ دوسری صفت کے ساتھ موصوف ہیں' علیحدہ جماعت ہوں جن کا حکم علیحدہ ہو۔ علی ہذا القیاس جو لوگ دو یا تین یا چار یا پانچ صفات کے مجموعے کے ساتھ موصوف ہیں' مختلف گروہوں' مختلف احکام واطوار کے ساتھ حاضر ہوں اور ہر ایک کا مرتبہ اہل محشر کے روبرو ہو جائے۔ اور امتیاز اور جدائی کا پروگرام صورت پکڑے اس شخص کی طرح جو ایک لشکر کی تعریف میں کہے کہ فلاں امیر کے لشکر کی قسم! جب جنگ زوروں پر ہو اور نقارے بجیں اور نقیب منادی کریں اور رسالہ دار جدا جدا گروہوں کی شکل میں سوار ہوں یا کسی دفتر کی تعریف میں کہے کہ مجھے فلاں وزیر کے دربار کی قسم جس دن کہ کچہری لگے' لوگ حاضر ہوں' قلم دان کھولے جائیں اور سرکاری اہل کار اور مختلف قسم کے ملازمین درجہ بدرجہ بیٹھ جائیں اور کام میں لگ جائیں۔

اور چونکہ ان پانچ مراتب کا عبور کرنا یا ان مراتب میں سے ایک مرتبہ اور دوسرے' تیسرے اور چوتھے مرتبے میں گرفتاری نفوس انسانی میں مختلف اور باہم جدا جدا ہیں۔ بعض کو راہ خدا کے سلوک یا کمال علمی حاصل کرنے یا تقویٰ وطہارت کی تکمیل یا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف جہاد اور اس قسم کی صفات وکمالات جیسے امور خیر میں حاصل ہوتے ہیں جبکہ بعض کو فسق وفجور' کفر وبدعت' گمراہی اور غلط سوچ اور اس قسم کی برائیوں میں ملتے ہیں' ناچار قیامت کے دن ہر نیک وبد اور کافر ومسلم کو ان مراتب والے لوگوں میں سے کسی ایک گروہ میں جمع اور ان میں شمار کیا جائے جیسا کہ صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک جگہ فرمایا

marfat.com

Marfat.com

گیا ہے کہ بعثہ اللہ فقیہا اور ایک مقام پر فی زمرۃ الشھداء فرمایا اور ان لوگوں کے بارے میں شہداء اور بستر پر فوت ہونے والوں کی باہمی کھینچا تانی مشہور و معروف ہے جو کہ طاعون سے فوت ہوئے ہیں اور شر اور گمراہی کی طرف بھی صراحت ہے۔

اور دونوں قسموں میں سے کسی سے بھی متعلق تمام مراتب والے یوم الفصل والامتیاز کے ارکان ہیں اور اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل اور جزا دینے کا ظہور ان میں ہوگا اس قسم کی قسم کے لائق ہوگئے۔ اگرچہ اپنی حد تک ان اقسام میں سے بعض مردود' جہنمی اور بدبخت ہوں اس لیے کہ یہاں جزا دینے کے کام کے ان سے وابستہ ہونے پر نظر ہے نہ کہ ان کی اپنی ذات وصفات پر اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ بہت باریک ہے اور اس کی تصدیق میں تردد نہیں کرنا چاہیے۔ دوسرے مقام پر قرآن پاک کے الفاظ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةُ میں غور کرنا چاہیے تاکہ اسے امکان سے دُور سمجھنا دفع ہو اور جب یہ مقدمہ بیان ہوگیا تو تفسیر شروع ہوتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا اس جماعت کی قسم جو کہ خود کو کسی کام میں کھینچتے ہیں' سخت کھینچنا اور لفظ غرق کو یہاں اغراق کی جگہ قائم فرمایا گیا ہے۔ مصدر مجرد کو مزید فیہ کی مصدر کی جگہ قائم کرنے کے طریقے سے جیسا کہ فَاَنْبَتَہَ اللّٰہُ نَبَاتًا حَسَنًا اور لغت عرب میں اغراق سخت کھینچنے کو کہتے ہیں' اسے کمان کھینچنے سے لیا گیا ہے کہ جب اسے کھینچتے ہیں تو تیر کا پھل اس کے خانے میں غرق ہو جاتا ہے۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا قسم ہے اس جماعت کی جو کہ کسی کام میں نشاط اور شوق پیدا کرتے ہیں۔ وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا اس جماعت کی قسم جو کہ کسی کام میں شناوری کرتے ہیں' شناوری کرنا اور کسی کلفت کے بغیر معروف ہوتے ہیں۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا پس میں قسم اٹھاتا ہوں کسی کام میں سبقت کرنے والوں کی جو کہ اپنے مصاحبوں سے اس کام میں آگے نکل جاتے ہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا پس میں قسم اٹھاتا ہوں ان کاموں میں سے کسی کام کی

marfat.com

Marfat.com

تدبیر کرنے والوں کی جن کی تدبیر و مشورہ کے لیے مذکور الصدر جماعتیں ان کی طرف رُجوع کرتی ہیں اور اس کام کی مشکلات کا حل ان سے ڈھونڈتی ہیں۔

اور ان آخری دو قسموں میں فالانے کی وجہ یہ ہے کہ ان دو جماعتوں کا مرتبہ پہلے تین رُتوں سے بہت زیادہ بلند ہے اس لیے کہ انہوں نے کمال اور تکمیل کا رُتبہ پایا ہے جیسا کہ آخری فرقے کا مرتبہ چوتھے فرقے سے بھی زیادہ بلند ہے اور اعلیٰ کے ساتھ قسم اُٹھانے اور ادنیٰ کے ساتھ قسم اُٹھانے میں فرق ضروری ہے اس بناء پر تعقیب کی فا کو لایا گیا تا کہ پتہ دے کہ اعلیٰ کے ساتھ قسم اُٹھانا' ادنیٰ کے ساتھ قسم اُٹھانے کے بعد ہے اور ہم ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کر رہے ہیں۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ اس جماعت کی قسم اس دن ہے کہ لرزنے والا لرزے یعنی پہلے نفحہ کی وجہ سے زمین' پہاڑ جنبش میں آ جائیں اور ارواح جسموں سے جدا ہو جائیں اور دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ اور اس کے پیچھے آئے پیچھے آنے والا اور اس سے مراد دوسرا نفحہ ہے جس کی وجہ سے ارواح پھر جسموں کی طرف لوٹیں اور دنیا از سرنو دوسرے رنگ میں پیدا ہو اور اس قسم کا جواب ذکر نہیں فرمایا گیا اس لیے کہ خود قسم اس جواب پر دلالت کرتی ہے یعنی مراتب مذکورہ والوں کے دل اس دن مختلف ہوں گے تو جنہوں نے یہ مراتب رضائے الٰہی میں طے کیے تھے' اطمینان اور راحت میں ہوں گے اور خوش و خرم اور تازہ نورانی چہروں کے ساتھ اُٹھیں گے اور جنہوں نے یہ مرتبے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں طے کیے' سراسیمہ اور حیران ہوں گے کہ ہماری کوشش رائیگاں گئی اور کرنے کا کام ہم نے نہ کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ اس دن کئی دل بے چینی اور بے قراری میں ہوں گے اور ان کی بے چینی اور بے قراری اس حد تک غلبہ کرے گی کہ اسے ضبط نہیں کر سکیں گے بلکہ ان کے چہروں میں اس بے چینی کے آثار ظاہر ہوں گے۔

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ان دلوں والوں کی آنکھیں خیرہ اور حیران رہ جائیں گی اور اہلِ

marfat.com
Marfat.com

اطمینان کے دلوں کا حال یہاں اس لیے ذکر نہیں کیا گیا کہ قیامت کے دن سے ڈرانا منظور ہے اور خوف دلانا ہی اس کی شان ہے اور جب معلوم ہو جائے کہ کئی دل اس روز اس بے قراری اور بے چینی کی حالت میں ہوں گے اس سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ہمارے دل بھی ان میں سے نہ ہوں اور آرام اور اطمینان پانے والے دلوں کے حال پر نظر نہ ڈالی جائے کہ ہمارے دلوں کا ان میں سے ہونا مشکوک ہے اور مشکوک سے امید نہیں رکھنی چاہیے اس لیے خوف میں شک بھی کافی ہے جبکہ امید میں ظن غالب چاہیے۔

## مفسرین کے اختلاف کا بیان

اور بعض مفسرین نے رَاجِفَۃٌ سے مراد زمین اور پہاڑ مراد لیے ہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت مذکور ہے۔ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ اور رادفہ سے آسمان اور ستارے مراد لیے ہیں اس لیے کہ زلزلے کے بعد زمین پھٹ جائے گی اور منتشر ہو جائے گی۔

بعض کہتے ہیں کہ رَاجِفَہ پہلا زلزلہ ہے جس کی وجہ سے زمین جنبش کرے گی جبکہ رادفہ دوسرا زلزلہ ہے جو کہ زمین کے تمام اجزا کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ مفسرین کا اس کی سورت کی ابتدا میں مذکور پانچ صفات کے مصداق کے تعین میں بہت سا اختلاف ہے۔ بعض ایک ہی چیز پر محمول کرتے ہیں اور بعض دوسرے مفسرین مناسب چیزوں پر محمول کرتے ہیں جو کہ ایک دوسرے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور ایک کام میں مصروف ہیں اور بعض متفرق چیزوں پر محمول کرتے جیسا کہ ہر سورۃ میں جس کا ابتدائیہ اس قسم کی صفات سے شروع ہوتا ہے اسی طرح کا اختلاف کرتے ہیں۔

حضرات صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کہتے ہیں نہ والنازعات غرقا سے مراد اہل سلوک کے دل ہیں جو کہ اپنے نفوس امارہ کو جو کہ خواہشات کی پیروی میں غرق ہو چکے ہیں زور کے ساتھ کھینچتے ہیں اور ناشطات سے بھی حضرت الٰہی کے وصال کے مشتاق قلوب مراد ہیں جن کے نفوس کی رکاوٹیں اور الجھنیں زائل ہو چکیں اور عبادت سے روکنے والی چیزیں ختم ہو گئیں پوری راحت کے ساتھ عبادات اور نوافل میں اپنے اوقات کو مصروف رکھتے ہیں اور سابحات

marfat.com

Marfat.com

سے بھی دریائے معرفت میں تیرنے والے قلوب مراد ہیں کہ اس بحرِ بے کنار میں غوطہ لگانا مجاہدے کا نتیجہ ہے اور احوال و مقامات تک پہنچنا اس غوطہ زنی کا ثمرہ ہے اور سابقات سے واصلین کے قلوب مراد ہیں جو کہ سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد قرب و وصال کے انتہائی مرتبوں تک پہنچ چکے ہیں اور وصال کے میدانوں اور قرب کے مقامات میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں اور مدبرات امر سے کاملین مکملین کے قلوب مراد ہیں جو کہ واصل ہونے کے بعد مخلوق کو حق کی طرف دعوت دینے کے لیے نزول فرماتے ہیں اور صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہو کر رجوع کرتے ہیں۔ (پتہ چلا کہ اہلِ اللہ صفاتِ الٰہیہ سے موصوف ہوتے ہیں جس کی برکت سے ان سے ایسے افعال کا صدور ہوتا ہے جو کہ انسانی وسعت سے باہر ہے جیسا کہ مشکل کشائی' حاجت روائی' شفاعت جیسا کہ مفسر علام نے اس سورۃ کے مقدمے میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ) اور اس صورت میں قسم کا جواب يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ سے پہلے مقدر ہے یعنی لترجعن الى الله مرضيين ان اتصفتم بهذا الصفات او مطرو دين ان اتصفتم باضدادها یعنی اگر تم ان صفات کے ساتھ موصوف ہو جاؤ تو ضرور ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے پسندیدہ بندے ہو کر لوٹو گے یا مردود ہو کر اگر تم نے ان کے ضدوں کو اپنایا۔

اور علمائے ظاہر کہتے ہیں قوتِ علمیہ کی تکمیل کے مراتب مراد ہیں اور نازعات غرقاً سے ابتدائی طالب علم مراد ہیں جو کہ دقیق معنوں کو اپنے فکر کے زور سے متون' شروح اور حواشی کی عبارات سے کھینچتے ہیں اور ناشطات سے متوسط طالب علم مراد ہیں جو کہ عقدے حل کرتے ہیں اور مشکل مقامات کو آسان کرتے ہیں۔ پس نشط' نشط البعير سے لیا گیا ہے یعنی اس نے اونٹ کی زنجیر کو کھول دیا اور سابحات سے نقیہی طلباءِ علم مراد ہیں جنہوں نے ہر علم کے مسائل کو عبور کر لیا ہے اور وہ علم کے دریاؤں میں شناوری کرتے ہیں اور سابقات سے دقیقہ شناس فضلاء مراد ہیں جن کے ذہن مخفی دقائق کی طرف سبقت کرتے ہیں جبکہ مدبرات امر سے مراد کتابوں کے مصنف' قاعدے وضع کرنے والے' اصول کی شیرازہ بندی اور فروع کی تعمیر کرنے والے ہیں اور اس صورت میں بھی قسم کا جواب اسی مقام میں مقدر ہے یعنی لتبعثن

marfat.com
Marfat.com

یوم ترجف الراجفه فیکشف لکم من حسن الاشیاء و قبحها وتعرفون الحق عن الباطل والھدیٰ عن الضلال کہ تم اس دن ضرور اُٹھائے جاؤ گے جس دن کانپنے والا کانپے۔ پس تمہارے لیے چیزوں کا حسن اور قباحت ظاہر ہو‘ حق اور باطل نیز ہدایت اور گمراہی کی پہچان ہو۔

اور جہاد اور قتال ڈالے کہتے ہیں کہ ان صفات سے موصوف غازی‘ مجاہدین‘ ان کے گھوڑے اور اسلحہ مراد ہے۔ پس نازعات غرقا غازیوں کے ہاتھ ہیں جو کہ سخت کمانوں کو کھینچتے ہیں اور ناشطات وہی ہاتھ ہیں جو کہ تیر کو کفار کی طرف کھینچتے ہیں۔ یہ نشط الدلو سے ہے یعنی آسانی سے ڈول نکال لیا یا غازیوں کی جماعتیں ہیں جو کہ نشاط و ناز کے ساتھ میدانِ جنگ میں آتے ہیں اور سابحات غازیوں کے گھوڑے ہیں جو کہ دشمنوں کی صفوں میں شناوری کرتے ہیں اور سابقات ہراول دستوں کی صفیں یا ان کے گھوڑے اور مدبرات امر سے مراد وہ بادشاہ اور سردار ہیں جن کے حسن تدبیر و مشورہ سے جنگ کے پروگرام سرانجام دیئے جاتے ہیں اور کوچ‘ قیام‘ حرکت کرنا اور ٹھہرنا ان کے مطابق ہوتا ہے۔

اور اہلِ نجوم کہتے ہیں کہ مذکورہ صفات سے موصوف ان جماعتوں سے مراد گردش کرنے والے ستارے ہیں جو کہ پہلے تو کمان میں تیر کھینچنے کی طرح تیزی کے ساتھ فلک افلاک یعنی نویں آسمان کے تابع ہو کر حرکت کرتے ہیں پھر ایک برج سے دوسرے برج تک اپنی مخصوص حرکتوں کے ساتھ منتقل ہوتے ہیں اور اس حالت کو نشاط کے ساتھ تعبیر کیا گیا جیسا کہ کہتے ہیں ثور ناشط یعنی ایک شہر دوسرے شہر کی طرف نکلنے والا اور سباحت سے مراد ان کے مرکزوں کی حرکت ہے جو کہ مچھلی کی طرح اس حرکت میں شناوری کرتے معلوم ہوتے ہیں اور حرکات کے اجتماع اور باہم اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں اور ان اطوار کے اختلاف کی وجہ سے جو کہ ان حالات میں انہیں حاصل ہوتے ہیں‘ عالم کی تدبیر کرتے ہیں اور ہر ستارہ ان کاموں میں جو اس سے متعلق ہیں‘ دخل رکھتا ہے اور دو چیزوں کے ملنے اور پھرنے کے واقعات‘ فصلوں اور اوقات کی تبدیلیاں سفلی کائنات اور حادثوں کو پہچاننا انہیں سے ہوتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور حضرت ابوالنصر حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے اور واعظین اور نصیحت کرنے والے کہتے ہیں کہ فرشتے مراد ہیں جو کہ کفار کی ارواح کو پوری شدت کے ساتھ کھینچتے ہیں۔ پس نازعات غرقا ان پر صادق آتا ہے جبکہ ایمان والوں کی ارواح کو آسانی کے ساتھ نکالتے ہیں تو ناشطات نشطاً ہو جاتے ہیں اور ارواح کو قبض کرنے کے بعد انہیں لے کر عالم برزخ میں شناوری کرتے ہیں۔ پس سابحات سبحا ہو جاتے ہیں اور اس کام میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں اور سوال جواب اور قبر کے عذاب و ثواب کی تدبیر کرتے ہیں اور ان دونوں صورتوں میں جواب قسم وہی محذوف ہے یعنی لتبعثن بدلیل انقلاب الحوادث بتدبیر الکواکب و شھادۃ الموت یعنی تم ستاروں کی تدبیر اور موت کی گواہی کی بنا پر حوادث کے انقلاب کی دلیل سے ضرور ضرور اُٹھائے جاؤ گے۔

اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ نازعات اور ناشطات وہ فرشتے ہیں جو کہ کفار اور ایمان والوں کی ارواح قبض کرنے پر مقرر ہیں اور سابحات اور سابقات وہ فرشتے ہیں جو کہ پیغام پہنچانے اور مہمیں سر کرنے پر مامور ہیں جبکہ مدبرات امر عظمت والے فرشتے ہیں جیسے حضرت جبرئیل امین' حضرت میکائیل' حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل اپنے مددگاروں اور لشکروں سمیت کہ ان میں سے ہر ایک کو کائنات کے امور میں سے ایک امر کی تدبیروں کے لیے مقرر فرمایا گیا ہے۔

## چار مشہور فرشتوں سے متعلق ڈیوٹیوں کا بیان

حضرت جبرئیل علیہ السلام ہواؤں' جنگوں اور وحی نازل کرنے پر مقرر ہیں اور حضرت میکائیل علیہ السلام بارش' نباتات اور رزقوں پر متعین ہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے' حیوانات اور آدمیوں میں روح پھونکنے' لوح محفوظ' رزق اور اجل کا اندازہ مقرر کرنے پر مامور ہیں جبکہ حضرت عزرائیل علیہ السلام فوت ہونے والوں کی ارواح قبض کرنے' امراض اور آفات پر ڈیوٹی دیتے ہیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ نازعات سے مراد غازیوں کی کمانیں ہیں جو کہ تیروں کو اپنی

marfat.com
Marfat.com

طرف کھینچتی ہیں اور ناشطات سے مراد وہ اونٹ اور بیل ہیں جو کہ گہرے کنوؤں سے پانی کھینچتے ہیں اور سابحات سے مراد کشتیاں ہیں جو کہ دریاؤں میں تیرتی ہیں اور سابقات سے مراد دوڑنے والے گھوڑے جبکہ مدبرات امر سے عقل وحکمت والے لوگ مراد ہیں جو کہ ہر کام میں عقل کی قوت کے ساتھ کوئی تدبیر نکالتے ہیں اور مشکل کاموں کے لیے کئی حیلے پیدا کرتے ہیں اور قسم کا جواب وہی ہے جو کہ ذکر کیا گیا اور ان قسموں اور جن پر یہ قسمیں اُٹھائی گئی ہیں جو کہ قیامت میں اُٹھنا اور میدانِ محشر میں آنا ہے' میں مناسبت معمولی غور وفکر سے معلوم کی جاسکتی ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

اور چونکہ اس کلام میں بیان ہوا کہ ایسے یومِ قیامت میں دل انتہائی بے چین اور بے قرار ہوں گے اور ان کی آنکھیں خیرہ اور حیران ہوں گی اس بات کا گمان ہوا کہ سننے والے کے دل میں خیال گزرے کہ کفار نے اس خوف ناک اور پُر ہول امر کے متعلق سُن کر کیا کہا ہوگا۔ کیا اس متوقع واقعہ کی دہشت کی وجہ سے کوئی غور وفکر کرتے ہیں اور کوئی تدبیر سوچتے ہیں یا ابھی تک غافل اور بے خبری وقت گزار رہے ہیں۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ

**يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ** کفار کہتے ہیں کہ کیا ہم اپنی پہلی حالت میں لوٹائے جائیں گے؟ یعنی مرنے کے بعد ہم پھر زندہ ہوں گے؟ اور لغت میں حافرہ طے کی ہوئی راہ کو کہتے ہیں اس لیے کہ حافر اور حافرہ گھوڑے کے سم کا نام ہے اور طے کیے ہوئے راستے میں سم کے نقش رہ جاتے ہیں۔ گویا سم کے نقش کو سم کا نام دے دیا گیا پھر جس راہ میں سم کا نقش ہوتا ہے' مجاز در مجاز کے طور پر حافرہ کہہ دیا۔

## کافروں کا قیامت کے دن اُٹھنے میں شبہ

اور غرض یہ ہے کہ کفار آخرت کی زندگی کا انکار اس مطلب کی وجہ سے کرتے ہیں کہ اگر ہم موت کے بعد پھر زندہ ہو جائیں تو اپنی چھوڑی ہوئی حالت کی طرف رجوع کریں اور چھوڑی ہوئی حالت کی طرف رجوع کرنا خلاف واقع ہے ورنہ وہم لازم آئے اور بوڑھے کا جوان ہونا' جوان کا بچہ ہونا اور ماں کے شکم میں آنا بچے کے لیے جائز ہو اور پھر شبہ کو تقویت دینے کے طریقے پر ایک اور استفہام انکاری اور تعجب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

marfat.com
Marfat.com

ءَ اِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً کیا ہم زندہ ہوں گے جب کہ ہم کھوکھلی بے مغز ہڈیاں ہو چکے اور بوسیدہ کہ ان ہڈیوں میں ہوا داخل ہو کر آواز پیدا کرتی ہے اور لغت میں نخیر ہوا کی آواز کو کہتے ہیں جو کہ کھوکھلی ہڈی میں کرتی ہے اور یہ مقدمہ بڑھا کر شبہ کی تقویت کی وجہ یہ ہے کہ جب مرکب کھلنے والا ہوتا ہے اور اس کی ترکیبی صورت ضائع ہو جاتی ہے اگر چاہیں کہ مہلت کے بغیر فی الفور اسے پھر اسی صورت میں لوٹائیں تو ممکن ہے اس لیے کہ ابھی اس کے اجزا مادیہ متفرق نہیں ہوا اور ان اجزا میں اس صورت کو قبول کرنے کی استعداد گھٹی نہیں اور جب مدت دراز گزر جائے اور اس کے اجزا مادیہ متفرق ہو جائیں' باقی اجزا کلی طور پر ناقص بلکہ باطل ہو جاتے ہیں اور پھر اس مرکب کو اسی صورت میں لوٹانا ممتنع اور محال ہو جاتا ہے جیسا کہ صنعتی امور میں تجربہ اور مشاہدہ کیا گیا ہے تو اگر لوٹانے' اور زندہ کرنے کی بات جو کہ مسلمان کہتے ہیں' موت کے بعد فی الفور بیان کرتے تو کوئی گنجائش تھی کہ اسے سنا جائے جب یہ وعدہ کئی قرنوں' زمانوں کے گزرے' ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے اور رطوبتوں کے جو کہ زندگی قبول کرنے کی شرط ہیں' خشک ہونے کے بعد بتایا جاتا ہے تو اس پر کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے۔

## بعثت کے منکروں کے شبہ کا جواب

اگر کفار کے نزدیک واضح دلائل کے ساتھ ثابت کر دیا جاتا ہے تو اس استفہام کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ہاں حالت متروکہ کی طرف رجوع ہوگا مگر ان معنوں کے ساتھ کہ پہلی حالت کے مشابہ ایک حالت حاصل ہوگی اس طریقے سے جیسے کہ ہم مثل چیزیں ایک دوسرے کے بعد آتی ہیں نہ کہ بعینہٖ پہلی حالت لوٹے گی اور ہم مثل چیزوں کے آگے پیچھے آنے میں تردد وانکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ نیند اور بے داری' دن رات' قمری شکلیں' شمسی فصلیں اور ہر روز' ہر مہینہ اور ہر سال میں موسموں کا آگے پیچھے آنا دیکھا اور محسوس کیا جاتا ہے اور ترکیب اور اس کے لوٹانے کے باطل ہونے میں مدت کی درازی اس وقت دشواری کا موجب ہوتی ہے جب فاعل کی قدرت کامل نہ ہو ورنہ اس کے نزدیک فی الفور لوٹانا اور صدیوں اور استعداد باطل ہونے کے بعد لوٹانا یکساں ہے۔

marfat.com
Marfat.com

قَالُوْا وہ پھر مذاق اور تعجب کے طور پر کہتے ہیں تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ یعنی یہ زندگی جو کہ اجزا کے بکھرنے اور رطوبتوں کے فنا ہونے کے بعد ہوگی اس صورت میں لوٹنا سراسر نقصان ہے اس لیے کہ ہم اپنے بعض اجزا کو نہیں پائیں گے اور ہم سے بہت سی چیزیں گھٹ جائیں گی اور ہمارا مال اور کمائی ہوئی چیزیں ہم سے جدا ہو جائیں گی۔ پس ہمارا اس جہان میں لوٹنا اس مسافر کے لوٹنے کی مانند ہے جو کہ اپنے گھر سے مال' دولت' صحت اور سلامتی اعضاء کے ساتھ نکلا تھا اور سفر میں سب کچھ برباد ہو گیا اکیلا' سر برہنہ' زخمی جسم اور اعضاء کو ضائع کیے واپس آ جائے کہ اس کا یہ آنا سراسر نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مذاق کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے تمہارا ایسا ناممکن سمجھنا اس بنیاد پر ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے فعل اور تاثیر کو اپنے فعل اور تاثیر پر قیاس کرتے ہو اور اسے اپنی طرف اسباب جمع کرنے کی قید اور آلات سے مدد لینے کی پابندی میں سمجھتے ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے اس کا فعل اور تاثیر اسباب اور آلات پر موقوف نہیں بلکہ اسباب و آلات بھی اس کے فعل اور تاثیر کی وجہ سے جمع ہوتے ہیں اور ملتے ہیں۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ پس وہ زندگی تو ایک تند و تیز آواز کا اثر ہے اور وہ صور پھونکنے سے کنایہ ہے کہ صرف اسی کی وجہ سے ارواح جسموں کے ساتھ متعلق ہو جائیں گی اور روح کا جسم کے ساتھ متعلق ہونا زندگی کی تمام شرائط اور اسباب کو جمع کر لیتا ہے اور اس تعلق کی وجہ سے پوری زندگی حاصل ہو جائے گی نہ کہ ماں کے پیٹ والے بچے یا نوزائیدہ بچے کی طرح جو کہ کمزور حس رکھتا ہے اور دشواری سے حرکت کرتا ہے اس لیے کہ وہ اس تیز آواز کو سنتے ہی سریع اور قوی حرکت کریں گے اور ذہن کے اندر سے جنبش کریں گے۔

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ پس وہ اچانک زمین کے اوپر ہوں گے اور لغت میں ساہرہ سفید ہموار زمین کو کہتے ہیں اور یہ آخرت کی زمین کا نام ہے کہ اس دن زمین کی یہی حالت ہوگی۔

اور احتمال ہے کہ یہاں ساہرہ بے داری کے معنوں میں ہو جسے سہر سے لیا گیا جس کا معنی بے خوابی ہے جیسے کاذبہ اور خاطئہ

marfat.com
Marfat.com

اور ان آیات کی تقریر اس احتمال پر ہے کہ جب کفار نے مسلمانوں کے الزام کے لیے کہا کہ موت سے قیامت قائم ہونے تک جو کہ زندگی کے وعدے کا وقت ہے' کافی زمانے کا فاصلہ ہے اور اس دوران ہڈیاں بوسیدہ' جسمانی رطوبتیں ختم اور اس کے اجزا منتشر اور لاشئی ہو چکے ہوں گے پھر ترکیبی صورت کا لوٹانا جس کے ساتھ زندگی کا فیضان مشروط ہے' کیسے ہوگا اور مسلمانوں نے کہا کہ اس سب کچھ کے باوجود ایسا ہوگا اس لیے کہ اصلی اجزا کا باقی رہنا لوٹانے کی شرط ہے نہ کہ تمام اجزا کا باقی رہنا جبکہ اللہ تعالیٰ اصلی اجزا کو محفوظ رکھے گا۔

دوسری دفعہ کفار نے کہا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ یعنی اس تقدیر پر کہ پورے اجزا باقی نہ رہیں' لوٹانا ناقص ہے اس لیے کہ اجزا پورے کے پورے نہ لوٹائے گئے تو جو زندگی دوبارہ عطا ہوگی' بھی ناقص ہوگی جیسے ماں کے پیٹ والے بچے اور نوزائیدہ بچے کی زندگی حالانکہ تم کہتے ہو کہ وہ زندگی اس متروکہ زندگی سے زیادہ کامل اور دائم ہوگی۔ پس تمہارے مذہب کے خلاف ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ یعنی یہ لوٹانا اور اعادہ کرنا تو صرف ایک تند و تیز آواز کا اثر ہے۔ پس وہ سب کے سب بے خوابی اور بے داری میں آ جائیں گے۔ حاصل کلام یہ کہ زندگی کا کمال اور اس کا نقصان اس کے روحانی قویٰ کے کمال اور ان کے نقصان کی وجہ سے ہے نہ کہ اجزا جسم کی کثرت اور ان کی قلت کی وجہ سے اور پیٹ کے بچے اور نومولود کی زندگی جو کہ ناقص ہے' ان کی روحانی قوتوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے ہے جو کہ ابھی تک اپنے کمال کی حد کو نہیں پہنچی ہیں اور ترقی اور افزائش کے درپے ہیں۔ بخلاف مردوں کی ارواح کے جو کہ اپنے کمال کو پہنچ کر اس جہان سے فوت ہوگئیں ہیں اور ان کی ارواح کا ان کے جسموں سے منقطع ہونا جو کہ موت کے بعد رونما ہوا' روحانی قوتوں کے کمال کو ختم کرنے کا موجب نہیں ہوا تا کہ وہ لوٹائے جانے کے وقت ناقص اُٹھیں بلکہ اس تعلق کے لوٹانے کو نیند کے بعد جاگنے کی صورت میں روح کے بدن کے ظاہر کے ساتھ متعلق ہونے پر قیاس کرنا چاہیے کہ نیند میں روح کا بدن کے ظاہر سے تعلق منقطع ہوتا ہے اور حس و حرکت باطل ہو جاتی ہے اور پھر ایک سخت آواز

marfat.com
Marfat.com

کے ساتھ ہی وہ تعلق لوٹ آتا ہے اور روحانی قوتوں میں کوئی نقصان لاحق نہیں ہوتا اور پھر کامل اور پورا کرنے کا محتاج نہیں ہوتا تاکہ پیٹ والے بچے اور نومولود کی طرح بالغ ہونے کا محتاج ہو اور درجہ بدرجہ حد کمال کو پہنچے۔

نیز احتمال ہے کہ لفظ ساہرہ اسم فاعل ہو جو کہ سہر سے مشتق ہے جس کا معنی بے خوابی کا ہے یعنی فاذا ھم متلبسون بالابدان الساھرۃ اچانک ان کی روحیں ان کے بے دار جسموں میں آ جائیں جو کہ نفخ صور سے پہلے قوی ادراک والے نفوس سماویہ کا تعلق حاصل ہونے اور ان کی قوتوں کے سرایت کرنے کی وجہ سے اس حد تک انتہائی کامل زندگی کے مستعد رہے ہیں کہ خواب کے قابل بھی نہیں رہے ہیں اور اس طور پر وہاں کی زندگی دنیا کی زندگی سے زیادہ کامل ہے کہ دنیا کی زندگی میں پھر بھی کچھ موت کی آمیزش ہے کیونکہ نیند موت کا بھائی ہے اور وہاں کی زندگی میں نیند بھی نہیں ہے اس حد تک موت اور موت کی مشابہہ چیزوں سے دُور ہے اسی لیے دوزخیوں اور جنتیوں کے لیے نیند نہیں ہوگی جیسا کہ فرشتوں اور نفوس سماویہ کے لیے نہیں ہے۔

اور جب کفار اس وضاحت' صورت کشی اور مثالیں بیان کرنے کے باوجود اخروی زندگی کا یقین نہیں کرتے اور اسے ناممکن جاننے پر مصر اور قائم رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان دلیلوں اور مثالوں سے ہمارے دل میں یہ بات جاگزیں نہیں ہوتی کہ خشک ہڈیاں اس کے باوجود کہ زندگی کی صلاحیت بالکل نہیں رکھتیں' ایک دن میں زندہ ہو جائیں اور ایک ہی جسم پر مدت دراز گزرنے کے بعد زندگی کا آگے پیچھے آنا ہمیں سمجھ نہیں آتا جب تک کہ اس کا گواہ ہم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں اور مردے کے زندہ ہونے کا ہم ایک بار مشاہدہ نہ کر لیں۔ تنگ دل ہو کر مسلمانوں کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ اے کاش حق تعالیٰ ایک مردے کو صدیاں اور زمانے گزرنے کے بعد ان کے سامنے زندہ فرما دے کہ ان کا انکار ٹوٹ جائے اور یہ ملزم بن جائیں اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو خطاب فرماتے ہوئے استفہام کے طور پر فرماتا ہے

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ کیا تیرے پاس حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا واقعہ پہنچا

marfat.com
Marfat.com

ہے جو کہ سرکش بادشاہ فرعون کے سامنے جس کے دربار میں ہزاروں آدمی حاضر ہوتے تھے' ہاتھ کا عصا زمین پر پھینکتے ہی زندہ کر دیتے تھے اور وہ بہت بڑا اژدہا ہو جاتا اور وہ دوڑتا اور منہ کھول کر پھنکارتا۔ پس ایک جسم میں جو کہ لکڑی تھی اس طرح کی زندگی کا تعاقب کئی بار واقع ہونے کے بعد حالانکہ وہ حیواتی زندگی قبول کرنے سے پورے طور پر دُور ہے اور اس میں رطوبت بالکل نہیں ہے' شک اور تردد کی کونسی گنجائش ہے اور صرف زمین پر پھینکنے سے ہی اس کامل زندگی کے حصول کو دیکھنے کے بعد فرعون روزِ جزا کا معتقد اور حق تعالیٰ کی قدرت کے عموم کا قائل نہ ہوا اور یہ کفار بھی ایک مردے کے زندہ ہونے کو دیکھ کر سیدھی راہ پر نہیں آئیں گے بلکہ دنیوی عذاب کے مستحق ہو جائیں گے کیونکہ معجزات دیکھنے کے بعد تکذیب اور انکار کرنا عادتِ الٰہیہ میں اس کا سبب ہوتا ہے اور اگر یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ ہر مسلمان کے کانوں میں نہ پڑا ہو تو ہم اس کا اجمالی تذکرہ یہاں کر دیتے ہیں۔

اِذْ نَادَاهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى یعنی اس واقعہ کی ابتدا اس وقت تھی جب اسے اس کے پروردگار نے طویٰ کے متبرک مقام پر ندا دی۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

اور سورۂ طٰہٰ سورۂ قصص اور دوسری سورتوں کے مطابق اس واقعہ کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے جائے ولادت اور مسکن شہر مصر سے ایک قبطی ظالم کے خون کی وجہ سے جو کہ آپ کے ہاتھوں ہوا تھا اور فرعون آپ کو قتل کرنے کے درپے ہو گیا تھا' بھاگ کر مدین کی طرف تشریف لے گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام جو کہ اس شہر میں پیغمبر تھے اور ان کا واقعہ بھی قرآن مجید میں تکرار کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے' کے گھر سکونت پذیر ہو گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں مصروف ہو گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی دختر نیک اختر کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔

جب وہاں دو روایات کے اختلاف کے مطابق دس سال یا آٹھ سال تشریف فرما رہے تو حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت طلب کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے وطن واپس چلا جاؤں اور اپنے اہلِ خانہ کو بھی ساتھ لے جاؤں اور اپنی والدہ محترمہ کی زیارت

marfat.com
Marfat.com

کروں اور اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی ملاقات کروں اس لیے کہ اس مدت تک فرعون اور فرعونی خون قبطی کا واقعہ بھول چکے ہوں گے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے آپ کو رضامندی کے ساتھ رخصت فرمایا اور آپ کے اہلِ خانہ کو بھی ساتھ روانہ کر دیا اور اپنے دو غلام بھی ہمراہ کر دیے تاکہ مصر تک پہنچا کر واپس آ جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہلِ خانہ کو لے کر روانہ ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت غیور تھے' اپنے اہلِ خانہ کو قافلے کے ہمراہ لے جانا گوارا نہ فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سوار ہوتے یا سواری سے اُترتے وقت کسی نامحرم کی نگاہ ان پر پڑے' اکیلے روانہ ہوئے اور شام کا راستہ چھوڑ دیا کہ کہیں شام کے حکام جو کہ فرعون کے پیروکار تھے اس خون کی وجہ سے راستے میں مزاحم نہ ہوں' سمندر کے ساحل کا راستہ اختیار فرمایا اور آپ کے ہمراہ ایک اونٹ تھا جس پر آپ نے اپنے سامان کی بوریاں لاد رکھی تھیں اور ایک غلام کو اس پر مقرر فرما دیا تھا اور بکریاں بھی تھیں جن کی حفاظت اور انہیں ہانکنے کے لیے دوسرے غلام کو مقرر فرما دیا تھا اور خود زنانہ سواری کے ہمراہ چلتے تھے یہاں تک کہ ایک دن راستہ گم کر کے کوہِ طور کی طرف جا نکلے جتنا راستہ بھی طے کیا' کوئی منزل نظر نہ آئی اور شام کا وقت ہو گیا اور وہ ذوالقعدہ کی اٹھارہ اور جمعہ کی رات تھی' سردی کا موسم اور اس دوران آپ کی بھیڑ بکریاں وحشت کی وجہ سے منتشر ہو گئیں اور آپ رات کے سفر کی وجہ سے تھک گئے۔

غلام بھیڑ بکریوں کو جمع کرنے میں مصروف ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کے ہمراہ ٹھہر گئے کہ اچانک آپ کے اہلِ خانہ کو سواری کی تھکاوٹ اور سفر کی کوفت کی وجہ سے ولادت کی تکلیف شروع ہو گئی اور ان کی مدت حمل پوری ہو چکی تھی' آپ کے اہلِ خانہ نے اس بات کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اظہار کیا اور کہا کہ اگر کہیں سے آگ مل جائے تو بہت ضروری ہے کہ روشنی کے کام بھی آئے اور اس سردی میں اس سے گرمی حاصل کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلاموں کو حکم دیا کہ اس جنگل میں دیکھو کہ کہیں آگ کا نشان ملتا ہے۔ غلام دائیں بائیں دوڑے کسی آبادی اور آگ کا سراغ نہ ملا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود اُٹھ کر تلاش شروع فرمائی۔ آپ کو اپنی دائیں جانب پہاڑ کے اوپر آگ

marfat.com
Marfat.com

کی روشنی معلوم ہوئی' آپ نے اپنے اہلِ خانہ اور غلاموں سے فرمایا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرو' مجھے کچھ آگ معلوم ہوئی ہے۔ میں جاتا ہوں تاکہ اس سے کچھ آگ لاؤں اور جو کوئی آگ کے قریب ہوگا' اس سے راستے کا پتہ پوچھ لوں گا تاکہ ہم منزل تک پہنچ جائیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ یہ آگ نہیں ہے' قدرتِ الٰہی سے ایک عجیب شے ہے کہ دھوئیں کے بغیر آگ کے رنگ میں ایک عظیم نور نے عوسج کے درخت کو جو کہ عناب کے درخت کے مشابہ ہوتا ہے اور شام کے پہاڑوں میں بہت اُگتا ہے' گھیر رکھا ہے اور وہ درخت نیچے سے لے کر اوپر تک سرسبز و شاداب ہے اور آگ کی روشنی اس قدر چمک دار ہے کہ آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اور اس آگ کے اردگرد سے فرشتوں کی تسبیح کی آواز سنائی دیتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سب کچھ کے باوجود اس میدان سے تنکے اکٹھے کر کے دستے کی طرح باندھ کر چاہا کہ اسے اس آگ سے روشن کریں جب زیادہ نزدیک ہوئے تو وہ آگ آپ کی طرف لپکی۔ گویا آپ تک پہنچنا چاہتی ہے' یہ حالت دیکھ کر آپ ہیبت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے' آگ بھی درخت کے اوپر پہنچ گئی۔ دوسری مرتبہ آپ پھر آگ کے نزدیک ہوئے' آگ پھر آپ کی طرف لپکی' آپ پھر پیچھے ہٹ گئے اسی طرح چند مرتبہ اتفاق ہوا۔ دریں اثناء حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران کھڑے اس عجیب و غریب شے کا تماشا کر رہے تھے کہ اچانک اس آگ سے ایک عظیم نور اُٹھا اور اس سے زمین و آسمان کی فضا معمور ہوگئی اور اس نور کی روشنی اس حد تک غالب ہوگئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھیں چندھیا گئیں اور دیکھنے سے رہ گئیں اور آپ نے اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے اور فرشتوں کی تسبیح کی آواز نہایت بلند ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت آگ سے ایک آواز سُنی کہ

يَامُوْسٰى إِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں کہ میں نے آگ کی صورت میں تجلی فرمائی ہے' اپنے دونوں جوتوں کو اپنے پاؤں سے اُتار دیں اس لیے کہ یہ جگہ تجلی الٰہی اور فرشتوں کی حاضری کی وجہ سے جو کہ اس تجلی کے خادم ہیں' کعبہ اور مسجد حرام کے حکم میں ہو چکی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

پھر گفتگو شروع ہوگئی اور آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کی میری ہاتھ کی چھڑی ہے۔ حکم ہوا کہ اسے زمین پر پھینک دیں' آپ نے پھینک دی۔ ایک بھاگتا ہوا اژدہا بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس اژدہا سے ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ارشاد ہوا کہ مت ڈریں اور اس اژدہے کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیں کہ پھر وہی ہاتھ کی چھڑی بن جائے گی۔ پھر حکم ہوا کہ اپنے ہاتھ اپنی بغل کے نیچے رکھیں پھر نکالیں۔ پس آپ نے ایسا ہی کیا' آپ کا ہاتھ سورج کی طرح چمک دار ہوگیا کہ آنکھوں کو اپنی روشنی سے خیرہ کر رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے یہ آواز سنتے ہی جان لیا کہ یہ خدا تعالیٰ کی آواز ہے اس لیے میں اسے چھ سمتوں سے ہی سن رہا تھا اور جسم کے سارے اعضاء کے ساتھ سن رہا تھا یہاں تک کہ میرے جسم کا ہر ہر عضو کان تھا۔ بہر حال یہ کرشمہ دکھانے' حقائق توحید اور آداب عبادت تلقین کرنے' قیامت کی آمد اور دوسری ضروریات رسالت بیان کرنے کے بعد حکم ہوا کہ

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ فرعون کی طرف جا تاکہ تو اس کی تدبیر و اصلاح کرے اور سابقین اور مقربین کے حاصل شدہ مقام سے ترقی کر کے مدبرات امر کے مقام تک پہنچ جائے اور میں تجھے فرعون کی تدبیر و اصلاح کے لیے اس لیے بھیج رہا ہوں کہ

اِنَّهٗ طَغٰى تحقیق وہ فرعون فساد کرنے میں حد سے نکل گیا ہے یہاں تک کہ ربوبیت کا دعویٰ کرتا ہے اور جب تو فرعون کے پاس پہنچے

فَقُلْ تو پہلے اسے اسی قدر کہنا کہ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى کیا تجھے اس بات کی طرف کوئی رغبت اور میلان ہے کہ تو نفس کی ردی صفات سے پاک ہو جائے جو کہ تیرے سرکش ہونے کی بنیاد ہے اور میں تیری خرابی کی اصلاح میں صرف یہیں تک قناعت نہیں کروں گا اس لیے کہ اتنا کام تو عام صلحاء اور دانایان حکمت بھی کر سکتے ہیں بلکہ میں تجھے عظیم ترقی دوں گا اور تجھے اولیائے کاملین اور صلحاء واصلین میں سے کردوں گا۔

وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ اور تجھے تیرے پروردگار کی طرف رہنمائی کروں تاکہ تجھے اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور افعال کی معرفت عین الیقین کے ساتھ حاصل ہو جائے۔

marfat.com

Marfat.com

فَتَخْشٰی پس تو ہیبت پائے اور تیرا نفس پاش پاش ہو جائے اور تجھے کلی فنا نصیب ہو اور اس کے بعد خوف نہ کرنا کہ تجھے سرکشی کی بیماری لگے کیونکہ فانی لوٹتا نہیں۔

اور یہاں اس واقعہ کا بقیہ محذوف ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی طرف تشریف لے گئے اور اسے فرمانِ الٰہی پہنچایا اور فرعون نے پہلے تو ان کے جواب میں یوں کہا کہ کیا تو وہی شخص نہیں ہے کہ ہم نے بچپنے کی حالت میں تجھے پالا تھا اور تو نے ہمارے درمیان کافی وقت گزارا پھر تو وہ کام کر کے چلا گیا جو تجھے معلوم ہے اور تو ہماری نعمتوں کا ناشکر ہو گیا' تجھے یہ منصب کہاں سے مل گیا کہ خود کو میرا ہادی اور مرشد قرار دے کر آ گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہاں میں وہی شخص ہوں اور میں نے جو کام کیا تھا اس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ ایسا ہو جائے گا اور جب میں تم سے ڈر کر چلا گیا تو خدا تعالیٰ نے مجھے علم و حکمت سے نوازا اور ہدایت اور ارشاد کا منصب عطا فرمایا اور مجھے پیغام دے کر تمہارے پاس بھیج دیا۔ دوسری مرتبہ فرعون نے کہا کہ اب تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کا رسول ہوں اگر تو سچا ہے تو اس دعوے پر کوئی دلیل پیش کر۔

فَاَرٰىهُ الْاٰیَةَ الْكُبْرٰى پس حضرت موسیٰ نے فرعون کو بہت بڑی نشانی دکھائی اور اگرچہ وہ دو نشانیاں تھیں' ایک یہ کہ عصا اژدہا ہو گیا اور دوسری یہ کہ آپ کا ہاتھ سورج کی طرح روشن ہو گیا لیکن چونکہ ایک ہی مجلس میں ایک ہی مقصد کو ثابت کرنے کے لیے تھیں' دونوں نشانیوں کو ایک ہی قرار دیا گیا۔ نیز ید بیضاء عصا پھینکنے کے تابع تھا پس گویا اصلی معجزہ وہی عصا ہوا اور اس میں راز یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے ہیں' پہلے وہ مخالفین اور منکرین کو مغلوب کرنے میں معروف ہوتے ہیں اس کے بعد طالبوں اور ہدایت چاہنے والوں کی رہنمائی میں مشغول ہوتے ہیں۔ عصا مغلوب کرنے کی صورت تھی جبکہ ید بیضاء ہدایت وارشاد کا نمونہ۔ نیز عصا میں حیات غیبی ہولناک صورت میں ظاہر ہوتی تھی جبکہ ید بیضاء میں نورِ غیبی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ فرما ہوتا تھا اور قہر و سیاست کا تعلق نبوت کے ظاہر سے ہے اور نور تجلی کا تعلق نبوت کے باطن سے ہے جو کہ ولایت ہے اور فرعون کے لیے جو کہ کافر ازلی تھا' اصل مقصد الزام حجت اور صرف ڈرانا تھا تو اس کے حق میں آیۂ کبریٰ

marfat.com

Marfat.com

عصاء ہوگا نہ کہ ید بیضاء

معجزات از بہر قہر دشمن است
بوئے جنسیت پئے دل بردن ست

نیز عصا میں اور معجزات بھی تھے۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے دوسرے معجزات

پانی کھینچنے کے وقت کنوئیں کی گہرائی کے مطابق لمبا ہو جاتا تھا اور رسی کی طرح اس کی شاخیں ڈول کے ساتھ چپک جاتی تھیں اور تاریکی کے وقت اس کی دونوں شاخیں شمع کی طرح چمکتی تھیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آرام فرماتے تو کھڑے ہو کر چوکیداری کرتا اور اگر آپ اسے بھیڑ بکریوں کے پاس چھوڑ کر کہیں تشریف لے جاتے تو بھیڑیئے اور چور کو روکتا تھا یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ آپ کے عصا میں ایک ہزار معجزات تھے جن میں سے دو بڑے معجزات قرآن پاک میں بھی مذکور ہیں اسے مار کر دریا کو پھاڑنا' دوسرا اسے مار کر پتھر سے پانی کے چشمے جاری کرنا۔ پس آیت کبریٰ وہی ہوگا نہ کہ ید بیضاء۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ید بیضاء اس لیے زیادہ بڑا ہوا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کمال ولایت کی صورت تھی۔ ولاية النبي افضل من نبوته نیز فرعون کے جادوگر ید بیضاء کی نقل نہ کر سکے جبکہ انہوں نے عصا کی نقل کی۔

اور حق یہ ہے کہ دونوں معجزات آیۂ کبریٰ میں داخل ہیں اور یہ دونوں ایک ہی نشان کا حکم رکھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرماتے گئے دوسرے معجزات کی نسبت زیادہ بڑے ہیں۔

بہر حال فرعون ان دونوں معجزات کو دیکھ کر جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعوے کے اثبات میں دو معتمد گواہ تھے اس لیے کہ آپ کے ہاتھوں ایسے جسم میں جو کہ حیات کے بالکل قابل نہیں جیسے لکڑی غیبی حیات کا جلوہ گر ہونا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آپ کے ہاتھوں مردے بطریق اولیٰ زندہ ہوں گے اور نفس کو ردی حرکات اور خبائث سے پاک کرنا ان کے نزدیک آسان کام ہے اور آپ کے ہاتھ پر نور الٰہی کا چمکنا اس بات کی صریح دلیل

marfat.com

Marfat.com

ہے کہ آپ کے ہاتھوں راہِ خدا کے سالکوں کو انوار و تجلیات تک پہنچانا رونما ہو سکے گا۔ بالکل مطیع نہ ہوا بلکہ اس نے نفرت کی۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى پس اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور خداتعالیٰ کے پیغام کی نافرمانی کی جو کہ آپ کی زبان کے ذریعے اس تک پہنچا تھا اس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ

ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى پھر اس نے خداتعالیٰ کی راہ کو پشت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کو باطل کرنے میں کوشش شروع کی جب اس نے جان لیا کہ ان دو معجزات کو دیکھنے کی وجہ سے حاضرین کے دلوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت گھر کر جائے گی۔

فَحَشَرَ پس اس نے جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ اور مخلوقِ خدا کو یہ مقابلہ دیکھنے کے لیے جمع کیا تا کہ وہ جان لیں کہ یہ کام حیلے اور تدبیر کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے' خداتعالیٰ کا کام نہیں ہے۔

فَنَادٰى پس اس نے مقابلے سے پہلے لوگوں کو آواز دی تا کہ بالفرض اگر جادوگر مغلوب ہو جائیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد ثابت نہ ہو کہ ابھی اس پروردگار کی ربوبیت جس کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغام رسانی کا دعویٰ کرتے ہیں' میری ربوبیت کے بعد ہے اور اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کی پیروی کرنا رعایا کے لائق نہیں۔

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى پس فرعون نے کہا کہ میں تمہارا اعلیٰ پروردگار ہوں اور اگر دنیا میں کوئی اور پروردگار بھی ہو کہ جس نے موسیٰ کو پیغام رسانی کے طور پر بھیجا ہے تو وہ میرے بعد ہوگا تو اگر موسیٰ اپنی رسالت کو ثابت کرے پھر بھی اتباع کے قابل نہیں اور جیسا کہ سورۂ زخرف اور دوسری سورتوں میں مذکور ہے' اپنی ربوبیت کی بلندی حضرت حق جل شانہ کی ربوبیت پر اس طریقے سے ثابت کرتا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے تو وہ عام مخلوقات کو عام ہے جبکہ میری ربوبیت اہلِ مصر پر خاص ہے اور پاسداری اور اس کے حق کی رعایت میں خاص عام سے پہلے ہوتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی ربوبیت حس اور عقل کی نظر سے غائب ہے جبکہ میری ربوبیت محسوس اور دیکھی جاتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا رسول جو کہ حضرت

marfat.com
Marfat.com

موسیٰ علیہ السلام ہیں، میرے ایلچیوں کی طرح رعب نہیں رکھتا نہ اس کے ہاتھ میں زریں دستانہ ہے اور نہ ہی اس کے ہمراہ فوج اور لشکر اور ایلچی کے حال سے اس بادشاہ کی بادشاہی کی کمزوری سمجھی جا سکتی ہے جس کی طرف سے وہ ایلچی آیا ہے۔

بہرحال فرعون بھی ان تدبیروں اور حیلوں سے پہلے گمراہی میں سبقت کرنے والوں سے تھا اور اس کے بعد مدبرات امر میں داخل ہو گیا۔ پس دونوں مقابلے کے حریف جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور فرعون ہدایت اور گمراہ کرنے کی جہت میں برابر ہو گئے لیکن عنایت الٰہی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تدبیر کی امداد فرمائی اور اس ملعون کی تدبیر کو برباد کر دیا۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى پس اسے اللہ تعالیٰ نے اس جہان اور اس جہان کے عذاب میں پکڑ لیا اس جہان میں اسے پانی کے عذاب کے ساتھ غرق فرما دیا اور اس جہان میں آگ کے عذاب میں گرفتار فرمایا جیسا کہ دوسرے مقام پر فرعون اور اس کی فوجوں کے متعلق فرمایا گیا ہے اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔ اور اگرچہ دنیوی سزا آخرت کے عذاب سے پہلے ہے لیکن ذکر میں عذاب آخرت کو اس وجہ سے پہلے لایا گیا ہے کہ مقصود یہی ہے اور دنیوی سزا اس کا وسیلہ۔ نیز وہ عذاب ہمیشہ کے لیے ہے اور دنیوی سزا سے ہزاروں مرتبہ زیادہ سخت ہے۔ پس وہ پہلے ذکر کیے جانے کے لائق ہے اگرچہ دنیا دارالجزا نہیں ہے لیکن اس طرح کے فرعونوں کو دنیا میں بھی الزام حجت کے بعد دوسروں کی عبرت کے لیے ان کے کردار کی سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی بے شک اس گرفتاری میں چند وجوہ سے اس کے لیے ایک عبرت ہے جو کہ خدا تعالیٰ سے ڈر سکتا ہے۔

### عبرت آموز ہونے کی چند وجوہ

پہلی وجہ یہ ہے کہ گمراہی کی اقتداء کرنے والوں کی تدبیر کامیاب نہیں ہوتی اور کسی وقت بھی برباد ہو جاتی ہے جیسے کہ فرعون کی تدبیر برباد ہوئی۔

دوسری وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ گمراہوں کو مہلت دیتا ہے مگر انہیں فضول نہیں چھوڑتا۔

marfat.com
Marfat.com

تیسری وجہ یہ ہے کہ معجزات دیکھنے سے وہی سیدھی راہ پر آتا ہے جس کے دل میں کفر نے گھر نہ کیا ہو اور اس کے جراثیم پھیلے نہ ہوں ورنہ وہ ہر معجزے کو حیلے اور مکر سے رد کر دیتا ہے اور ہر دلیل اور برہان کا مغالطوں کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح کے سرکش کافر کے ساتھ کہ جس نے ربوبیت کا دعویٰ کر رکھا تھا' پوری نرمی اور حوصلے سے باتیں کیں اور انجام کار کامیابی حاصل کی۔ پس پیغمبروں علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو چاہیے کہ کفریہ کلمات اور بے ادبی کی باتیں سُن کر آپے سے باہر نہ ہوں' غم ناک نہ ہوں تا کہ انجام کے طور پر کامیاب ہوں۔

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ثابت ہو گیا کہ غیبی حیات کا فیضان جسم کی استعداد پر مشروط نہیں۔ نیز غیبی حیات بار بار آتی ہے اور جاتی ہے جیسا کہ عصا کے اژدہا ہونے میں واقع ہوا' کفار کے اس دلیل میں بات کرنے کی گنجائش تھی کہ حیوانی زندگی ناقص ہے اگر ایک پتھر یا لکڑی اسے قبول کرے تو کر سکتی ہے اور اسی طرح اس زندگی کا بار بار آنا بعید نہیں ہے اسی لیے کہ بہار اور برسات کے دنوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے جانور جیسے سانپ' بچھو اور مینڈک دستور توالد و تناسل کے بغیر پیدا ہوتے ہیں اور زمین اور تر مٹی ان حیوانات کی شکل قبول کر لیتی ہے پھر جب وہ موسم گزر جاتا ہے' وہ حیات چلی جاتی ہے' وہ شکل مادے سے جدائی اختیار کر لیتی ہے اور جب دوبارہ وہ موسم آتا ہے پھر وہی اجزا مادیہ جو کہ اسی جگہ پڑے رہ گئے تھے' وہی صورت اختیار کر لیتے ہیں لیکن آدمی کی پیدائش اس انداز سے بہت دُور ہے اس کا کوئی گواہ بیان کرنا چاہیے۔ جواب میں ارشاد ہوتا ہے

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا کیا تم خلقت میں زیادہ سخت ہو اور تمہاری پیدائش زیادہ دشوار ہے۔

اَمِ السَّمَآءُ یا از روئے خلقت آسمان زیادہ سخت ہے اور اس کی پیدائش تمہاری نظر میں زیادہ دشوار ہے اور اس سوال کا جواب بالکل ظاہر ہے کہ آسمان مقدار میں بھی آدمی سے اس حد تک بڑا ہے کہ اسے اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے اور برجوں' ستاروں جو کہ مختلف

marfat.com
Marfat.com

اثرات اور احکام رکھتے ہیں اور جدا جدا حدود کے اجزا کی تفصیل کے اعتبار سے بھی آدمی سے زیادہ ہے اور اس کی جسمانی قوت بھی آدمی کی جسمانی قوت سے بڑھی ہوئی ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے بَنَاهَا اسے بنایا ہے۔

## آسمان حرکت کرتا ہے

یہ قوی عمارت طویل زمانہ گزرنے اور ہمیشہ متحرک رہنے کے باوجود پرانی ہے نہ ٹوٹتی ہے اور اس کی روحانی قوت بھی آدمی سے زیادہ غالب ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے رَفَعَ سَمْكَهَا اس کی اونچائی کو ستونوں اور دیواروں پر اعتماد کے بغیر بلند فرمایا ہے۔ لغت میں سمک درازی کو کہتے ہیں کہ اس درازی کو طول وعرض پر قائم اعتبار کرتے ہیں اگر نیچے سے اوپر کو دیکھیں تو اس درازی کو سمک کہتے ہیں اور ارتفاع بھی کہتے ہیں جیسا کہ عرف میں مشہور ہے کہ اس دیوار کا ارتفاع اس قدر ہے اور اگر اوپر سے نیچے کی طرف دیکھیں تو اس درازی کو عمق یعنی گہرائی کہتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں کہ دریا اور کنوئیں کی عمق یعنی گہرائی اس قدر ہے۔

## آسمان کی بلندی کا بیان

اور اہلِ تفسیر اور محدثین نے یوں روایت کی ہے کہ دنیا کے آسمان کی سطح زمین سے بلندی پانچ سو سال کی راہ ہے اور اسی طرح سات آسمانوں میں سے ہر دو آسمانوں کے درمیان یہی مقدار ہے اور ہر آسمان کا حجم بھی اس قدر ہے اور یہاں سے ساتویں آسمان کی بلندی اور اس کی وسعت کو قیاس کرنا چاہیے اور علم ہیئت والوں کا عالم ابعاد (طول وعرض و عمق) واجرام (ستارے) میں آسمان کے حجم کی مقدار بیان کرنے میں جداگانہ طریقہ کار ہے جس پر انہوں نے علم ہندسہ کے دلائل قائم کیے ہیں اور جب پانچ سو سالہ راہ جو کہ روایات میں وارد ہے، متعین نہیں کہ کس متحرک کی کس حرکت کی راہ مراد ہے۔ نیز اوپر چڑھنے کا سفر ہموار سفر طے کرنے کی نسبت زیادہ دشوار ہوتا ہے اور پہلے سفر کو طے کرنے کا وقت دوسرے کے وقت کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ہموار زمین پر چلنے اور پہاڑ پر چڑھنے میں یہ بات مجرب ہے اور علم ہیئت والوں نے دوریوں کا اندازہ فرسنگوں

marfat.com
Marfat.com

اور میلوں کے ساتھ کیا ہے اور اس صورت میں احتمال ہے کہ روایات شرعیہ اور براہین ہندسیہ دونوں مطابق ہو جائیں لیکن علم ہیئت والوں کے نزدیک افلاک کی سطحیں آپس میں چپکی ہوئی ہیں اور ان کے درمیان خالی جگہ نہیں ہے جبکہ شرعی روایات کے مطابق خالی جگہ بھی ثابت ہوتی ہے لیکن افلاک کی سطحوں کا ملی ہوئی ہونا علم ہیئت کے نزدیک اس قاعدہ کی بناء پر ہے کہ لافصل فی الفلکیات کہ فلکیات میں کوئی فاصلہ نہیں ہے اور وہ قاعدہ ظنی ہے' قطعی دلیل نہیں رکھتا اور اس کے باوجود اہلِ ہیئت کی نظر میں دو آسمانوں کے درمیان خلا کی ضرورت ثابت نہیں ہوئی اس وجہ سے انہوں نے خلا ثابت نہیں کیا جبکہ شریعت والوں کو ہر دو آسمانوں کے درمیان ملائکہ کی سیر اور گردش معلوم ہے' انہوں نے خلا ثابت کیا۔

پس یہی مجموعی مخالفت باقی رہ گئی وہ جو فلکیات کے فاصلوں کے بیان میں ہندسی دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے خلا کے بغیر دریافت کیا ہے یا وہ جو شرعی روایات کے ساتھ ثابت ہے مگر یہ مخالفت لفظی ہے اس لیے کہ جس مقدار کو اہلِ ہیئت نے آسمان کے جسم میں داخل رکھا ہے شاید اس کے بعد حصے کو ارباب شرع کی نظر میں خلا سمجھا گیا ہو اور باقی کو جسم پس اس طرح نزاع ختم ہوتا ہے۔

بہرحال آسمان کی جسمانی اور روحانی قوت کا آدمی کی جسمانی اور روحانی قوت سے زیادہ ہونا اظہر من الشمس ہے اور اگر آدمی کو اس بات سے فخر حاصل ہوا کہ میرا امزاج کمال اعتدال میں واقع ہوا کہ نفس ناطقہ مجردہ کے تعلق کے قابل ہوا ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان بھی اعتدال و لطافت کے کمال میں واقع ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے

فَسَوّٰهَا پس اس آسمان کو معتدل المزاج بنایا ہے اور نفوسِ کاملہ کو اس کے اجرام کے ساتھ متعلق فرمایا جو کہ لطیف اور مجرد ہونے میں نفوس انسانیہ سے زیادہ باکمال ہے' اس کے باوجود آسمانوں کو قوی تاثیر بخشی ہے کہ آفتاب اور ستاروں کی شعاعوں کے ظہور کی وجہ سے جہان میں قوی گرمی نمودار کرتے ہیں اور ان شعاعوں کو چھپانے کی وجہ سے جہان میں خوب ٹھنڈک پیدا کرتے ہیں اور یہ تاثیر دن رات کی آمد کے ہر دورے میں محسوس ہوتی ہے۔

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا اور اس آسمان کی رات کو تاریک کر دیا تاکہ سورج کی گرمی پیدا

marfat.com
Marfat.com

کرنے والی شعاعیں جہان والوں پر گرمی نہ کریں اور ٹھنڈک پیدا ہو اور اگرچہ رات زمین کے گاؤدم کی شکل والے سائے کا نام ہے لیکن جب وہ سایہ آفتاب کی شعاع کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور ایک اُفق میں آفتاب کا غروب ہونا اس اُفق والوں پر اس مخروط سائے کے طلوع ہونے کا موجب ہوتا ہے اور آفتاب کا طلوع ہونا اس مخروط سائے کے غروب ہونے کا سبب ہوتا ہے اور سورج کی حرکت آسمان کی حرکت کے تابع ہے' ناچار رات کی نسبت آسمان کی طرف کی گئی ہے اور بعض ارباب ہیئت نے آسمان کے تسویہ کو اس کے گیند نما ہونے پر محمول کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گیند نما شکل آفات قبول کرنے سے زیادہ دُور ہوتی ہے۔ بخلاف دوسری شکلوں کے پس اس وجہ سے بھی آسمان کی خلقت آدمی کی خلقت سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے اور بعض نے تسویہ کو آسمان میں درزیں اور شگاف نہ ہونے پر محمول کیا ہے۔ بخلاف آدمی کے کہ اس میں بہت سے مسام اور شگاف ہیں اور اس جہت سے آفات کی زد میں ہے۔ مناسب اور غیر مناسب ہوا آدمی کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے' غذائیں' مشروبات' زہریں' خوشبوئیں اور موذی جانور اس کے جسم کے سوراخوں سے اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ بخلاف آسمان کے کہ ان آفات سے بالکل محفوظ ہیں۔

وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا اور آسمان کی روشنی نکالی جس سے کہ آفتاب مراد ہے اور چاشت کے وقت کا ذکر اس لیے فرمایا کہ وہ وقت دن کے اجزا میں سے نور اور روشنی میں سب سے زیادہ کامل ہے اور آفتاب کی شعاع میں جہان کو گرم کرنے کے لیے انتہائی محسوس ہونے والی تاثیر ہوتی ہے اور تمام عناصر اس کی شعاع سے گرم ہوتے ہیں۔ خصوصاً زمین جو کہ کثافت اور خشکی کی وجہ سے تادیر اس قبول کی گئی کیفیت کو محفوظ رکھتی ہے اور جب شب و روز میں آسمان کو سردی اور گرمی پہنچی اور آسمان ان کیفیتوں کے قابل نہ تھا' ناچار ان دونوں کو زمین نے قبول کر لیا اور وہ مستعد ہو گئی اور چشموں اور نہروں کو جاری کرنے کا ذریعہ ہوئی۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اور روز و شب کی تدبیر کے بعد زمین کو ہموار اور درست کیا اس لیے کہ زمین میں حرارت اور ٹھنڈک کے جمع ہونے سے اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا اس زمین سے اس کا پانی نکالا تاکہ زمین میں محبوس مادے جو کہ ٹھنڈک کی وجہ سے پانی کی صورت

marfat.com
Marfat.com

قبول کرنے کے لائق ہو چکے تھے' آفتاب کی شعاع کی گرمی پہنچانے کی وجہ سے بہاؤ اختیار کر کے زمین سے باہر آئیں اور جب پانی اور مٹی ایک دوسرے سے مل گئے اور موسم بہار اور موسم گرما کی حرارت نے ان میں اثر کیا پس سبزہ باہر نکل آیا جیسا کہ فرمایا

وَمَرْعٰهَا اور اس زمین کا چراگاہ نکالا گویا اس تدبیر سے پہلے زمین خرابہ پڑی تھی اب اسے ایک باغ کی شکل میں ترتیب دی گئی کہ جہاں پانی بھی جاری ہوا اور قسم قسم کا سبزہ بھی نمودار ہوا اور اس لیے کہ پانی کا مادہ زمین میں محفوظ ہوتا ہے۔ ایک اور تدبیر فرمائی گئی کہ

وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا اور پہاڑوں کی زمین پر بطور لنگر رکھا' تا کہ جو بخارات زمین کے اندر رکے ہوئے ہونے کی وجہ سے باہر آیا چاہتے ہیں' پہاڑ کی جسمانی کثافت کی وجہ سے باہر نہ آ سکیں' ناچار وہ منعکس ہو کر پانی ہو جاتے ہیں اور ان سوراخوں میں سے جو کہ ان پہاڑوں میں ہوتے ہیں' چشمے اور نہر کی شکل میں جاری ہوتے ہیں۔ نیز وہ پانی جو کہ آسمان کی طرف سے نازل ہوتا ہے' پہاڑ کی سختی کی وجہ سے زمین اسے جذب نہ کرے اور پہاڑ کے قلعوں میں جمع رہے اور آہستہ آہستہ نشیبی علاقوں کی طرف جاری ہو اسی لیے نہریں اور چشمے پہاڑوں سے جاری ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں جگہ جگہ چشمے اور نہر کے ذکر کے ساتھ پہاڑ کا بھی ذکر آیا ہے اور یہ ساری تدابیر اس لیے فرمائیں کہ

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ تا کہ تمہیں اور تمہارے چارپایوں کو فائدہ ہو۔ پس تمہاری بقاء اور روزی سب کی سب آسمان کے ساتھ مربوط ہے اور تمہاری حیات سے وابستہ ہے' تم خود کو خلقت میں اس سے زیادہ کیسے گمان کر سکتے ہو۔

## زمین اور آسمان میں سے کس کی پیدائش پہلے ہے؟

یہاں جاننا چاہیے کہ دوسری روایات میں جو کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ فصلت میں واقع ہوئی ہیں' زمین کی خلقت کو آسمان کی خلقت سے پہلے بیان فرمایا گیا ہے بلکہ زمین کے اوپر پہاڑوں کا کھڑا کرنا اور زمین میں رزق اُگا کر برکت ڈالنا بھی سورۂ فصلت میں آسمان کی خلقت پر مقدم ہے اور وہ جو صاحب کشاف اور دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ زمین کے جسم کی خلقت آسمان کی خلقت سے پہلے ہے اور زمین کو پھیلانا اور وسیع کرنا آسمان کی خلقت

marfat.com
Marfat.com

کے بعد ہے تو یہ درست نہیں ہے اس لیے کہ سورۂ فصلت میں زمین اور اس میں جو کچھ ہے سب کی خلقت کو آسمان کی خلقت سے پہلے رکھا گیا ہے اور سورۂ بقرہ میں بھی خَلَقَ لَكُمْ مَافِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ کے الفاظ زمین کی ساری مخلوقات کے آسمان کو درست کرنے سے پہلے ہونے پر دلالت کرتے ہیں اسی لیے علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آسمان کی خلقت زمین پر مقدم ہے لیکن آسمان کو درست کرنا زمین کے بعد ہے لیکن اس جماعت سے اس سورۃ میں غفلت واقع ہوئی ہے اس لیے کہ یہاں فَسَوّٰهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا فرمایا گیا ہے اس کے بعد ارشاد ہوا کہ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا

پس تحقیق یہ ہے کہ زمین کے دحو سے مراد جو کہ آسمان درست کرنے کے بعد ہے مافی الارض کی قضاء و ایجاد ہے اور زمین کو باغ کی صورت میں ترتیب دیا گیا جبکہ زمین کے اندر کی چیزوں پہاڑ سبزیوں اور رزق کی خلقت سے مراد جو کہ سورۂ فصلت اور سورۂ بقرہ میں آسمان کو درست کرنے سے پہلے ہے ان کی تقدیر اور اندازے کا مرتبہ ہے نہ کہ بالفعل ایجاد ورنہ بالکل ظاہر ہے کہ معدنیات اور نباتات بلکہ فضا کی ساری کائنات کا ہونا آسمانی شعاعوں اور ان شعاعوں کے مختلف اطوار پر موقوف ہے جو کہ آسمان کی حرکت کے ساتھ مربوط ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان آیات میں ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ ترتیب کے لیے نہیں ہے بلکہ نعمتوں کے شمار کی بنیاد پر ہے کہ بے پناہ عنایت کی بناء پر ذکر میں پہلی کی رعایت نہیں کرتے اس شخص کی طرح جو اپنے غلام سے کہے کیا میں نے تجھے یہ یہ چیزیں نہ دیں؟ پھر میں نے تجھے پرورش نہ کیا؟ پھر میں نے تجھے پہلے مالک کے ہاتھ سے نجات نہ دلائی جو کہ تجھ پر ظلم کرتا تھا؟

بلکہ ان میں سے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ لفظ بعد یہاں مرتبے میں بعد کے لیے ہے جیسے ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ گردن چھڑانے اور دوسری مالی عبادات کے بعد فرمایا گیا ہے اور زمین کا پھیلانا آدمیوں کے حق میں تمام آسمانی نعمتوں سے بالاتر ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ بعد ذالک یہاں مع ذالک کے معنوں میں

marfat.com
Marfat.com

ہے جیسا کہ آیۂ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ میں ہے۔ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ پہلے پہل حق تعالیٰ نے زمین کو بہت چھوٹا سا پیدا فرمایا اور اس میں پہاڑوں کی رگیں پیدا فرمائیں اور ان رگوں میں ایسی برکت دی جس کی وجہ سے وہ پانی کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور چشمے جاری ہوتے ہیں اور روزیوں کا اندازہ مقرر کر کے پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور آسمان دھوئیں کی مانند تھا اور اسے سات آسمان بنایا پھر زمین کو پھیلایا اور جس مقدار میں کہ ہے بنایا اور زمین کی خلقت کی ابتدا کعبہ معظمہ میں تھی' وہیں سے فراخ ہوئی اور اسی لیے اس معزز مقام کے لیے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ اور شہر مکہ کو اسی وجہ سے ام القریٰ کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نیز جاننا چاہیے کہ ان نعمتوں کے شمار میں بعض مقامات پر حرف عطف لایا گیا ہے اور بعض مقامات پر حذف کیا گیا ہے اور اس کے نکتے کو دریافت کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں گزشتہ نعمت اجمالی طور پر بیان کی گئی ہے اور اس کی تفصیل بیان کرنا مقصود ہے تو وہاں سے حرف عطف کو حذف کر دیا گیا ہے اس لیے کہ مجمل اور مفصل دونوں باہم متحد ہیں' ان کے درمیان حرف عطف کی گنجائش ممکن نہیں ہے جیسے وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحَاهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَ هَا وَمَرْعَاهَا اور جیسے رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا اور جہاں گزشتہ نعمت کے بیان سے فارغ ہو کر دوسری نعمت کا بیان مقصود ہو' حرف عطف لایا گیا ہے جیسا کہ باقی آیات میں مذکور ہے۔

اور جب کفار کے ان شبہات کو دُور کرنے سے فراغت ہوئی جو کہ وہ اخروی زندگی کے بارے میں بیان کرتے تھے اور جو بات کہ نیکوں اور بُروں کے حالات کی وضاحت اور دونوں گروہوں کے امتیاز کے متعلق مقصود تھی' اس کا بیان بجائے خود ادھورا رہ گیا تھا پھر اس مقصد کو پورا کرنے کی طرف رجوع فرمایا جا رہا ہے کہ اس روز کئی دل جو کہ دوبارہ زندگی اور نفخِ صور سننے کی وجہ سے بے چین اور بے قرار ہو جائیں گے' ان کی بے چینی کا نتیجہ بھی ظاہر ہوگا اور جس مصیبت سے وہ ڈرتے تھے' واقع ہونے کی صورت اختیار کرے گی۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى تو رادفہ کے آنے کی وجہ سے لوگ بے قرار اور بے

marfat.com
Marfat.com

چین ہو جائیں گے اور ہر کسی پر اپنے حال کا اندیشہ غالب ہوگا کہ آیا ہمارے ساتھ آج کے دن یہاں اور اس زندگی میں کس طرح پیش آئیں گے اور کیا سلوک کیا جائے گا تو جب دوسرا حادثہ آئے جو کہ ہر حادثے سے بڑا اور غالب ہے اور وہ جزا دینے' اعمال ناموں' گواہوں' ارواح اور فرشتوں کے حاضر ہونے' اس موقف کے قریب دوزخ کو لانے اور مجرموں کی پوچھ کچھ اور ڈانٹ ڈپٹ کے لیے قہر الٰہی کی تجلی سے کنایہ ہے۔

اور لفظ طامہ طم سے لیا گیا ہے جس کا معنی غلبہ اور بلندی ہے۔ مثال بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ جری الوادی فطم علی القری یعنی جب ندی جاری ہوتی ہے پس چھوٹے پانی پر غالب آ جاتی ہے اور کبریٰ اس حادثے کے غلبہ اور بلندی کی تاکید در تاکید ہے اور اس شرط کی جزا جو کہ حرف اذا کا مدول ہے فَاَمَّا مَنْ طَغٰی کے الفاظ اپنے معطوف سمیت ہیں اور چونکہ اصل میں یہ حادثہ نوع انسان کو جزا دینے کے لیے واقع ہوگا اور آسمانوں کو پھاڑنا' زمین کا ہلنا اور دوسرے حادثے تو صرف اس کی تمہید و آغاز کے طور پر ہیں' ناچار اس حادثہ کا وقوع نہیں ہوگا مگر

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى اس دن کہ آدمی وہ سب کچھ یاد کرے گا جو اس نے دنیا میں کوشش اور تلاش کے ساتھ کیا ہوگا۔ گویا اس نے وہ کام کر کے بھلا دیا تھا جس کی جزا نہ دیکھی اور اس کا پھل نہ چکھا اب جبکہ اس کی جزا کا مشاہدہ کرے گا تو ان تمام کاموں کو یاد کرے گا۔ نیز اپنے اعمال کو اعمال ناموں میں جمع کیا ہوا اور لکھا ہوا دیکھے گا اور جو کچھ اس کی توجہ سے نکل گیا تھا پھر اس کے احساس میں موجود ہوگا اور اس کے احساس و خیال میں فلکی قوتوں کے سرایت کرنے کی وجہ سے ان اعمال کو شکلوں میں دیکھے گا اور آسمان کے زائل اور زمین کے برابر ہونے کی وجہ سے اوپر نیچے کے عالم مثال کو دیکھے گا۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ اور جہنم آشکارا اور ظاہر کر دی جائے گی۔ لِمَنْ يَّرٰى ہر دیکھنے کے لیے یعنی جہنم کو دیکھنے میں اس وقت سب لوگ برابر ہوں گے اور جیسا کہ دنیا میں انبیاء' اولیاء اور عارفین دوزخ کو دیکھتے ہیں اور عوام نہیں دیکھتے اس جہان میں یہ فرق نہیں ہوگا۔ پس لمن یریٰ کے الفاظ زیادہ لانا ظہور کے عام ہونے کو بیان کرنے کے لیے ہے جس طرح

marfat.com

Marfat.com

کہ کہا جاتا ہے قد بین الصبح لذی عینین یعنی صبح ہر اس شخص کے لیے آشکارا ہوگئی جو دو آنکھیں رکھتا ہے۔

اور اگرچہ یہ حادثہ تمام اہلِ محشر کو بے حواس کر دے گا اور قہر الٰہی کے آثار دیکھنے کی وجہ سے جو کہ دوزخ کی صورت میں ظاہر ہوگا' سب شریک ہوں گے لیکن اس غضب کا اثر ہر کسی کو نہیں ہوگا بلکہ اس وقت لوگوں کے دو گروہ ہو جائیں گے۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی تو جس نے دنیا میں سرکشی کی تھی اور خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ حد کو توڑا تھا اور اس سرکشی اور حد سے گزرنے کی زیادہ تر وجہ دنیا کی محبت ہے اور اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہوا حب الدنیا راس کل خطیئۃ اور یہ سرکش دنیا کی محبت کے مرتبے سے بھی آگے نکل گیا تھا۔

وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا اور اس نے دنیوی زندگی اور اس کی لذت کو رضائے خداوندی اور ثواب پر ترجیح دے رکھی تھی۔

فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی پس جہنم وہی اس کے لائق جگہ ہے اس لیے کہ وہ قہر الٰہی کا مظہر ہے اور اس کے دربار سے دُوری اور بے تعلق ہونے کی شکل ہے اور اس شخص نے چونکہ غیر خدا کو جو کہ دنیا تھی' خدا تعالیٰ پر ترجیح دی۔ خدا تعالیٰ کے دربار سے بہت دُور ہو گیا اور اس کا جہنم کو دیکھنا ایسا ہے جیسے چور کا جلاد یا پھانسی کو دیکھنا۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ اور دنیا میں جس نے خدا تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہونے سے خوف محسوس کیا اور جان لیا کہ مجھے اس کے دربار میں کھڑے ہونا ہے' اس کی مقرر کردہ حدوں سے آگے نہیں گزرنا چاہیے اور سرکشی اختیار نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہاں روسیاہی نصیب ہوگی اور دنیوی زندگی کو جو کہ ایک سفر سے زیادہ نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اداؤں اور آخرت کے ثواب پر ترجیح نہیں دینا چاہیے کہ آخر واسطہ اسی سے پڑے گا۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی اور اپنے نفس کو ناجائز خواہشات سے باز رکھا کہ دنیا کو ترجیح دینے کا زیادہ تر باعث یہی خواہشات ہوتی ہیں۔

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی تو بے شک جنت ہی اس کے لائق مقام ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور شیخ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں ناجائز خواہش سے زیادہ نقصان دہ کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی اور اسی لیے اہلِ طریقت کے نزدیک آدمی اس وقت بالغ ہوتا ہے جب نفس کی خواہش سے چھٹکارا پائے جیسا کہ عرف عام میں اس وقت بالغ ہوتا ہے جب کھیل کود سے خلاصی پائے۔ بیت

اللہ تعالیٰ کے متوالے کے بغیر لوگ بچے ہیں

خواہش سے خلاصی پانے والے کے بغیر کوئی بالغ نہیں ہے۔

پس اس کا جہنم کو دیکھنا ایسے ہے جیسے تماشائی جلاد اور پھانسی کو دیکھتے ہیں کہ فرحت و مسرت کا باعث ہوگا۔

## دو بھائیوں مصعب اور عامر کا واقعہ

اور اگرچہ یہاں قیامت میں آدمیوں کے دو گروہوں کا حال بیان کرنا مقصود ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا انجام علیحدہ اور جدا ہے لیکن مفسرین نے کہا ہے کہ ان دونوں اوصاف میں قریش کے دو حقیقی بھائیوں کے حال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دونوں نے اپنے باپ کی طرف سے بہت سا مال پایا تھا اور ان کی ماں ان سے بہت محبت کرتی تھی اور انہیں اچھا کھلانے اور اچھا پہنانے میں بہت کوشش کرتی تھی' ان میں ایک جس کا نام مصعب بن عمیر تھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حاضر ہوتا تھا اور خوف خدا کی وجہ سے دنیوی لذتوں سے پرہیز کرتا تھا اور راتوں کو تہجد میں بے دار رہتا اور دن کو روزہ رکھتا اور مرغن کھانا نہ کھاتا تاکہ شہوت غلبہ نہ کرے۔ آخرکار حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر سب مال' اسباب' دولت و ثروت چھوڑ کر اپنے گھربار سے جدائی اختیار کر کے غربت و تکلیف کے ساتھ مدینہ منورہ کو ہجرت کی اور مدینہ عالیہ کے لوگوں کو تعلیم قرآن دینے میں مصروف ہوگئے اور جنگِ احد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا تھامے پوری ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے اور شہادت پائی یہاں تک کہ ان کے کفن کے لیے ایک لنگی کے سوا کچھ میسر نہ آیا اور وہ بھی ان کے قد سے چھوٹی تھی اگر آپ کا سر ڈھانپتے تھے تو سر کھل جاتا اور اگر سر کو چھپاتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

marfat.com
Marfat.com

نے فرمایا کہ اس کپڑے کے ساتھ ان کا سر ڈھانپ دو اور پاؤں پر خوشبودار اذخر نامی بوٹی ڈال دو اسی طرح کیا گیا۔

دوسرا جس کا نام عامر بن عمیر تھا' عیش پرستی کرتا تھا' وہ تمام حرام چیزوں کا ارتکاب کرتا تھا اور ترکِ دنیا کے متعلق اپنے بھائی کے ساتھ ہمیشہ جھگڑا کرتا تھا اور محبت دنیا کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں بھی نہیں جاتا تھا اور ایمان اور ایمان کے احکام کو بھی نہیں مانتا تھا یہاں تک کہ غزوۂ بدر کے دن کافروں کے ہمراہ مارا گیا اور جہنم کا ایندھن بنا' اللہ تعالیٰ ہمیں بُرے خاتمے سے بچائے۔ آمین!

اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے سامنے قیامت کے حالات بیان فرمائے اور فرمایا کہ جہنم نافرمانوں' سرکشوں اور دنیا طلب کرنے والوں کا ٹھکانہ ہے اور جنت خوفِ خدا رکھنے والوں اور پرہیزگاروں کا مقام' کفار نے پوچھنا شروع کر دیا کہ یہ سب کچھ قیامت کے بعد ہوگا۔ آپ ہمیں بتائیں کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کے آنے کا وقت کون سا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بے مقصد سوال پر ڈانٹ پلائی اور ارشاد فرمایا کہ

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ آپ سے قیامت آنے کے وقت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ

اَيَّانَ مُرْسٰهَا اس کے برپا کرنے کا وقت کب ہوگا اور کب متحقق ہوگی حالانکہ ان کا یہ سوال بالکل بے جا ہے اس لیے کہ آپ کا کام آنے والے حوادث کے اوقات بیان کرنا نہیں تاکہ وہ آپ سے اس قسم کے سوالات کریں۔ یہ کام نجومیوں' رمالوں' جفریوں' فال دیکھنے والوں اور کاہنوں کا ہے' آپ کا کام تو احکامِ الٰہی کی تبلیغ اور وقت مقرر کیے بغیر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا ہے۔

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا آپ کو اس کا وقت بیان کرنے سے کیا کام؟ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کبھی مستقبل کے واقعات کے اوقات بیان کرتے ہیں' وہ صرف اس لیے بیان کرتے ہیں کہ جب وہ واقعات ان اوقات کے مطابق واقع ہوں تو لوگوں کو ان کی نبوت اور ولایت کا اعتقاد نصیب ہو جائے اور وہ ان سے راہِ خدا سیکھیں اور ہدایت

marfat.com

Marfat.com

پائیں۔ جیسا کہ ظاہر کے طبیب حضرات کہ بعض اوقات تشخیص کے مقدمے کے طور پر مستقبل میں مریض کے مزاج کی تبدیلی کا پتہ دیتے ہیں اس لیے پتہ دیتے ہیں کہ واقع ہونے والی چیز کے وقوع کے بعد ان کی طب کے بارے لوگوں کا عقیدہ پختہ ہو جائے اور لوگ ان کے علاج سے فائدہ حاصل کریں ورنہ مستقبل کے واقعات کے اوقات کو بیان کرنا نبوت اور ولایت کی شرطوں میں سے نہیں ہے جیسا کہ معرفت احوال مریض کو پیشگی بیان کرنا طب کا کام کرنے کی شرائط میں سے نہیں۔

اور قیامت کے وقت کو بیان کرنے کا فائدہ بھی نہیں ہے اس لیے کہ قیامت واقع ہونے کے بعد اگر کسی کو انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا اعتقاد حاصل ہو جائے تو کیا فائدہ؟ کہ ایمان لانے کا وقت تو ضائع ہو گیا اور قیامت واقع ہونے سے پہلے اس بیان کردہ وقت کی مطابقت کو معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ پس قیامت کے وقت کا ذکر نبوت کی ذمہ داری سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا۔

اور اس کے باوجود یہ علم خصوصیت کے ساتھ ایسا نہیں کہ انسانی حس اس کا احاطہ کر سکے اس لیے کہ تمام حوادث جو کہ دنیا میں واقع ہوتے ہیں' ان کے اسباب بھی دنیا میں موجود ہیں۔ پس کسی وقت ان حوادث کے اسباب کے جمع ہونے اور ان حوادث کی رکاوٹیں دُور ہونے سے دلیل لے کر ان کے اوقات کو معین کیا جا سکتا ہے۔ بخلاف اس عام حادثے کے جو کہ اس جہان کے تمام ارکان پر اثر ڈالے گا اور مسببات کی طرح اسباب درہم برہم ہو جائیں گے۔ پس اس کا ایک ایسا سبب ہے جو کہ اس جہان کے اسباب سے جداگانہ ہے۔ انسان کی سوچ کی حد وہاں تک نہیں اسی لیے اس جہان کے متعلق جس سے بھی سوال کیا جاتا ہے' اسے بالواسطہ یا بلاواسطہ علم الٰہی کے حوالے کر دیتا ہے اسی لیے فرمایا گیا

**اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھٰھَا** آپ کے پروردگار کی طرف قیامت کی انتہا ہے کہ اس کا سبب بھی اللہ تعالیٰ کا ارادۂ قہری ہے جو کہ نافرمان بنی آدم سے بدلہ لینے کے لیے متوجہ ہوگا اور اس ارادے کے وقت اور بنی آدم کی بُرائیوں کے جمع ہونے کی حد جو کہ اس کی حکمت میں انتقام کا موجب ہوں' کو جاننا بھی اسی کا خاصہ ہے' کسی اور کا نہیں کہ اس علم کو جان سکیں مگر اس

marfat.com
Marfat.com

وقت جب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ علم عنایت ہو اور وہ واقع نہیں ہے۔ (حضرت مفسر علام نے یہ بعض کا قول ذکر فرمایا ہے جبکہ اکابر اہلِ سنت اس طرف گئے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کا علم عطا فرمایا گیا۔ دیکھئے تفسیر صاوی یہی آیت۔ اور اس کی بہترین تحقیق کے لیے دیکھیں الدولۃ المکیہ از شیخ العرب مرشد العجم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور جاء الحق حصہ اوّل از حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ)

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا آپ تو قیامت سے ڈرنے والے کو ڈرانے والے ہیں۔

## ایک شبہ اور اس کا جواب

اور یہاں ایک شبہ ذکر کرتے ہیں کہ ڈرنے والے کو ڈرانے کا کیا معنی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علم اجمالی کی وجہ سے جو کہ ہر ذی عقل کو جزا دینے کے متعلق حاصل ہے' وہ جانتا ہے کہ دنیا میں جزا دینا واقع نہیں ہوتا تو اس کے لیے کوئی اور جہان چاہیے۔ پس قیامت سے خوف پیدا ہو جاتا ہے جبکہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا ڈرانا اس جہان میں جزا دینے اور وہاں نقصان اور نفع دینے والی چیزوں کا تفصیلی بیان ہے تو جو جزا دینے کا اجمالی علم نہیں رکھتا' اسے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے ڈرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مَنْ يَّخْشٰى سے مراد وہ شخص ہے جس میں خوف آخرت کی استعداد کی قوت موجود ہے نہ یہ کہ وہ بالفعل ڈرتا ہے اور جب انبیاء علیہم السلام کے ڈرانے سے خوف کی استعداد رکھنے والوں کے سوا کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتا تو گویا انبیاء علیہم السلام کے لیے دوسروں کو ڈرانے کا منصب ہے ہی نہیں۔ بہرحال ڈرنے والے کو اور ڈرانے والے کو اس چیز کے وقت کے متعلق سوال کرنا جس سے ڈرنا چاہیے یا اس چیز کا وقت بیان کرنا بالکل درکار نہیں۔ جیسا کہ کسی مسافر کو ڈاکوؤں کا خطرہ ہوتا ہے یا کوئی دوسرا اسے ڈاکوؤں سے ڈرائے اور وہ پوچھے کہ وہ مجھ پر کب حملہ کریں گے جب تک تو وہ وقت بیان نہ کرے میں یقین نہیں کروں گا۔

marfat.com
Marfat.com

اور ظاہر ہے کہ اگر قیامت کے وقت کے متعلق کافروں کا سوال اس بناء پر تھا کہ وقت بیان کر دیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے تو صریحاً بے جا ہے اس لیے کہ وقت کا بیان اس صورت میں ایمان کا موجب ہوتا ہے کہ وہ واقعہ اس وقت کے مطابق رونما ہو اور اس سے پہلے وقت کو بیان کرنا اور نہ کرنا برابر ہے اور قیامت کے وقوع کے بعد ایمان لانے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اور اگر اس بناء پر ہے کہ اس کے دُور اور قریب ہونے کو معلوم کریں اور دُور ہونے کی صورت میں مطمئن رہیں اور قریب ہونے کی صورت میں اس کی فکر کریں تو یہ بھی بے فائدہ ہے اس لیے کہ قیامت کے وقت انہیں یہ طویل گزری ہوئی مدت بہت تھوڑی معلوم ہوگی۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا گویا کہ وہ جس دن قیامت کے آثار دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ دنیا میں ان کے ٹھہرنے کی مدت بہت کم تھی اور پورا ایک دن بھی نہیں ہوا تھا بلکہ یوں گمان کریں گے کہ وہ

لَمْ يَلْبَثُوْا دنیا اور برزخ میں نہیں ٹھہرے ہیں۔ اِلَّا عَشِيَّةً مگر پچھلے پہر کی مقدار جو کہ سورج کے ڈھلنے سے لے کر اس کے غروب تک ہوتا ہے۔

اَوْ ضُحٰهَا یا اس کی چاشت کے وقت تک جو کہ طلوع آفتاب سے لے کر زوال کے قریب تک ہوتا ہے اور پچھلے پہر اور چاشت کے وقت میں انہیں تردد اس وجہ سے ہوگا کہ ان کی عمر مشقت اور تکلیف میں گزری تھی اور برزخ میں بھی عذاب میں رہے اس لیے اپنے باقی رہنے کی مدت کو پچھلے پہر کی مقدار تک سمجھیں گے کہ وہ وقت تھکاوٹ اور شکستگی کا وقت ہے اور اگر ان کی عمر راحت میں گزری تھی اور برزخ میں بھی انہیں اتنا عذاب نہ ہوا تو اپنے باقی رہنے کا اندازہ چاشت تک سمجھیں گے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ دن اور رات کی گردش اکثر لوگوں جیسے ہنود اور یونانیوں وغیرہم کے نزدیک دوپہر سے ہے اور شریعت میں فجر کی ابتدا سے ہے اور جب اہلِ محشر کو منظور ہوگا کہ اپنے باقی رہنے کی مدت کو آدھے دن سے کم بیان کریں تو کہیں گے کہ اگر دن کی ابتدا دوپہر سے ہے تو ہم نہیں ٹھہرے مگر پچھلے پہر کی مقدار اور اگر اس کی ابتدا فجر کے

marfat.com

Marfat.com

شروع سے ہے تو ہم نہیں ٹھہرے مگر ایک چاشت کے وقت تک اور پچھلے پہر کو چاشت سے پہلے ذکر کرنے کا راز یہی ہے لیکن چاشت کو پچھلے پہر کی طرف منسوب کرنا اس لیے ہے کہ پتہ چلے کہ دنیا کی مجموعی مدت ان کے گمان میں ایک دن کے مثل ہوگی جیسا کہ دوسرے مقام پر ان کی زبان میں ارشاد فرمایا ہے کہ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا اور وہ دنیا میں اپنی نوع کے باقی رہنے کا زمانہ اسی دن کی ایک ساعت کی طرح سمجھیں گے نہ یہ کہ پچھلا پہر ایک دن کا ہو اور چاشت دوسرے دن کی اور اگر عشیہ وضحیٰ فرمایا جاتا اور ضحیٰ کی اضافت عشیہ کی طرف نہ کی جاتی تو ایک دن کا متحد ہونا سمجھ نہیں آتا۔ احتمال ہے کہ آیت کے معنی یوں ہو اِلَّا عَشِیَّةً اَوْضُحٰهَا اَیْضًا مع العشیة حاصل معنی یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے ٹھہرنے کی مدت میں تردد کریں گے کہ کیا آدھا دن تھا یا پورا دن جیسا کہ ان کی زبان سے دوسرے مقام پر نقل فرمایا گیا ہے کہ لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَاسْئَلِ الْعَادِّیْنَ واللہ تعالیٰ اعلم

# سورۂ عبس

مکی ہے اس کی بیالیس (۴۲) آیات ہیں ایک سوتیس (۱۳۰) کلمات اور پانسو پینتیس (۵۳۵) حروف ہیں۔

## سورۃ النازعات کے ساتھ رابطے کی وجہ

اور اس سورۃ کا سورۃ النازعات کے ساتھ مربوط ہونا چند وجوہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ سورۂ والنازعات کے آخر میں اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰهَا فرمایا گیا ہے جبکہ اس سورۃ میں اس منصب کے تقاضے میں بے توجہی پر عتاب وخطاب ہے کہ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی وَهُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ کا واقعہ اس سورۃ کے واقعہ کے ساتھ تقابل رکھتا ہے وہاں عظیم المرتبت رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک صاحبِ اقتدار بادشاہ کے پاس بھیجا گیا اور اس کی چاپلوسی کی گئی کہ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓی اَنْ تَزَكّٰی جبکہ یہاں ایک نابینا گدا کو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور لایا گیا اور اس کی دلجوئی کا حکم دیا گیا اور اغنیاء اور دولت مندوں کی طرف متوجہ ہونے سے منع فرمایا گیا۔

marfat.com
Marfat.com

وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام آرزو کے طریقے سے فرماتے تھے کہ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى جبکہ یہاں اللہ تعالیٰ امید عطا فرماتا ہے کہ لعلہ یزکی اس بادشاہ کو سرکشی کی وصف کے ساتھ ذکر کیا جبکہ اس گدا کو خوف وخشیت کے ساتھ موصوف فرمایا۔ وہ ظالم بادشاہ اپنے مقام پر بیٹھا رہا اور رسول علیہ السلام کو وہاں جانے کا حکم ہوا کہ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ جبکہ یہاں وہ گدا خود دوڑا آتا ہے کہ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى تاکہ معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کا کاروبار سب کا سب حکم وقضائے خداوندی کے تحت جاری ہونے پر مبنی ہے جو حکم ہوتا ہے' عمل کرتے ہیں اگر اغنیاء اور سرکشوں کے پاس جانے اور ان کی چاپلوسی کرنے کا حکم ملتا ہے تو بسر وچشم قبول کرتے ہیں اور اگر گداؤں اور عاجزوں کی تعظیم وتوقیر کا حکم ملے تو خوش دلی سے تعمیل کرتے ہیں۔ یہ گداؤں کے اطاعت کرنے اور تعمیل حکم کرنے سے خوش ہوتے ہیں نہ ظالموں کے تکبر اور سرکشی کی وجہ سے دل تنگ ہوتے ہیں۔ فرعون کی حالت دیکھیں کہ اسے کس صفت سے موصوف کیا گیا کہ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى یعنی پشت دے کر راہ حق سے بھاگتا تھا اور اس نابینا گدا کو دیکھیں کہ کیسے آ رہا ہے کہ جَآءَكَ يَسْعٰى یعنی حق کی طرف منہ کیے دوڑا آ رہا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں میں قیامت کی ہولناکیاں اور سختیاں ایک ہی انداز میں مذکور ہوئیں' وہاں فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى الخ فرمایا گیا ہے جبکہ یہاں فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ الخ فرمایا گیا ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ معاش کی اصلاح' آدمی کی خلقت اور اس کے اصول میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی گنتی بھی ان دونوں سورتوں میں قریبی مناسبت رکھتی ہے اس سورۃ میں اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ مذکور ہے جبکہ یہاں نطفہ ہونے کے وقت سے لے کر مرتے دم تک انسان کی خلقت کو بیان فرمایا گیا۔

## ایک مقدمہ کی تمہید اور محبوبانِ خدا اور عام لوگوں کے درمیان فرق

اس سے پہلے کہ اس سورۃ کا سبب نزول ذکر کیا جائے' ایک مقدمے کی تمہید ضروری

marfat.com
Marfat.com

ہے۔ پہلے تو یہ جاننا چاہیے کہ محبوبانِ خدا کہ جنہیں ارشاد ہدایت کے کام کے لیے چنا گیا ہے اور عام لوگوں کے درمیان اوصاف بشریت اور صفات نفس میں بظاہر فرق نہیں ہوتا بلکہ فرق اس جہت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کی تربیت خود فرماتا ہے اور جہاں بھی جبلت نوعی کے تقاضے کی وجہ سے نفس کی صفات میں سے کوئی صفت ظاہر ہوتی ہے اور کوئی حرکت سرزد ہوتی ہے جو کہ نورِ حق کے لیے حجاب کا موجب ہو تو جلد تادیب وعتاب کے ساتھ آگاہ کر دیا جاتا ہے اور اس کا تدارک کر دیا جاتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ادبنی ربی فاحسن تادیبی و علمنی ربی فاحسن تعلیمی تاکہ پہلے تو انہیں اخلاقِ الٰہیہ سے تخلق حاصل ہو جو کہ واصل ہونے اور نفس کے فنا ہونے کے مرتبے کو لازم ہے۔ اس کے بعد ان اخلاق کے ساتھ تحقق میسر ہو جو کہ مرتبۂ بقاء کے تابع ہے اور اسے استقامت اور تمکین کی حالت کہتے ہیں۔ پس اس قسم کے اعمال کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونا آپ کے منصب اور مرتبے کے منافی نہیں بلکہ ان اعمال پر اللہ تعالیٰ کی تادیب وعتاب اس عظیم منصب اور مرتبے کی عین دلیل ہے۔

جب یہ مقدمہ بیان ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے' آپ کے نزدیک قریش کے سردار اور رئیس جیسے شیبہ کے بیٹے عتبہ اور ربیعہ' ابوجہل بن ہشام' حضرت عباس بن عبدالمطلب اور دوسرے عمائدین بیٹھے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دینِ اسلام کی خوبیاں اور بت پرستی کی برائیاں سمجھا رہے تھے اور پوری توجہ اور اہتمام کے ساتھ ان سے خطاب اور ہم کلامی میں معروف تھے اسی اثناء میں ایک نابینا جو کہ عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ زہری تھے اور انہیں ابن اُم مکتوم بھی کہتے تھے' اس بناء پر کہ مکتوم نابینے کو کہتے ہیں' ان کی ماں کو اُم مکتوم کا لقب دیا گیا تھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ان کے ایسے وقت میں آنے سے ناخوش ہوئے اور معلوم کیا کہ یہ شخص نابینا ہے' محفل کا رنگ معلوم نہیں کرے گا' بے وقت اور بے موقع باتیں کرے گا اور یوں قطع کلامی ہوگی اور ہماری گفتگو جو کہ ان سرداروں کے ساتھ ہو رہی ہے اور انہیں اسلام کی دعوت دی جا رہی ہے' ناتمام رہ جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ نابینا محفل

marfat.com
Marfat.com

کے پس و پیش کو دیکھے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ کر بیٹھ گئے اور عرض کی کہ مجھے قرآن پاک کی فلاں فلاں سورۃ سکھا دیجیے اور میرے حال پر توجہ فرمائیں کہ میں کسی ہاتھ پکڑنے والے کے بغیر پوچھ پوچھ کر آپ کی محفل تک پہنچا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سرداروں کی وجہ سے قدرے سکوت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ٹھہرو' وہ نابینا صحابی ایک دو گھڑی رُک کر اپنے مقصد کی پھر تکرار کرنے لگے اور وہ جلدی کر رہے تھے' ان کی ان ناموافق حرکات کی وجہ سے جو کہ ان سرداروں کے نفرت کرنے اور تنگ دل ہونے کا موجب تھیں' چہرۂ مبارک پر کراہت کے آثار ظاہر ہوئے۔ آپ اس کی طرف سے توجہ پھیر کر ان سرداروں کی طرف متوجہ ہوئے' اسی دوران یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس معاملہ پر عتاب نازل ہوا۔ مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے یہ آیات سُن رہے تھے' چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو رہا تھا اور کافی خوف محسوس فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ کلا انہا تذکرہ کے الفاظ جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے سنے' خوش ہوئے اور چہرۂ مبارک کا رنگ بحال ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ نصیحت کی بناء پر یہ سب کچھ ایک عتاب سے زیادہ نہیں اور یہ لطف و مہربانی کے آثار سے ہے نہ کہ قہر اور ناراضگی سے اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کے گھر جو کہ مایوس ہو کر جا چکے تھے' تشریف لے گئے اور معذرت فرمائی اور انہیں پھر اپنے دولت خانہ پر لائے اور ان کے لیے چادر مبارک بچھائی اور انہیں اس پر بٹھایا اور جب بھی وہ آپ کی محفل میں حاضر ہوتے' آپ ان کی تعظیم اور قدر افزائی فرماتے اور ارشاد فرماتے مرحبا بمن عاتبنی فیه ربی' میں اسے خوش آمدید کہتا ہوں جس کے بارے میں رب کریم نے مجھے عتاب فرمایا اور جہاں بھی اس نابینا صحابی کو دیکھتے' فرماتے کہ اگر تمہیں کوئی ضرورت یا کام ہو تو کہو اور دوسروں کے موقع پر آپ اسے اپنی جگہ مدینہ عالیہ میں امام نماز کے طور پر چھوڑ کر تشریف لے گئے۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک عجیب خبر روایت کی ہے کہ جنگ قادسیہ کے دن میں نے انہیں دیکھا کہ زرہ پہنے' عربی گھوڑے پر سوار ہیں' ان کے آگے سیاہ جھنڈا' اپنی اسی نابینائی کے باوجود کافروں کی

marfat.com
Marfat.com

صف پر حملہ کر رہے تھے۔ نیز مروی ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی فقیر کو دیکھ کر منقبض نہ ہوتے اور نہ ہی کسی دولت مند کی دل جوئی فرماتے۔

## مفسرین کا اشکال

یہاں اس عتاب کی وجہ میں مفسرین کو سخت اشکال ہے اس لیے کہ اس معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو کہ قواعد شرعیہ کے خلاف ہو۔ آپ پر اس قدر عتاب کیوں فرمایا گیا اس لیے کہ قاعدہ شرعی یہ ہے کہ عام نفع' خاص نفع سے پہلے ہے تو حضور علیہ السلام نے سرداروں اور رئیسوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کو اس نابینے صحابی کی تعلیم قرآن پر اس وجہ سے مقدم فرمایا کہ ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے میں پورے شہر مکہ کے مسلمان ہونے کی توقع تھی کیونکہ الناس علی دین ملوکھم جبکہ ایک نابینے کو قرآن پاک کی چند سورتوں کی تعلیم دینے سے خاص اسی نابینے کو فائدہ ہوتا اور بس۔ نیز اسلام کی دعوت تعلیم قرآن سے مقدم اور زیادہ اہم ہے اس لیے کہ وہ اصل ہے اور یہ فرع اور فقہاء کے نزدیک طے شدہ بات ہے کہ اگر ایک شخص ایک موقع پر آئے اور کہے کہ مجھے اسلام کی تلقین کیجیے اور دوسرا آدمی اس وقت تعلیم قرآن کی طلب کرے یا وعظ و نصیحت چاہے تو اسلام کی تلقین کو پہلے رکھا جائے کیونکہ اس کی تاخیر میں دوسرے امور میں تاخیر کی نسبت زیادہ بڑا نقصان ہے۔ کافر کی حالت اپنی روحانی مرض میں جو کہ کفر ہے' مبتلا ہونے میں سرسام کے مریض کی حالت کی طرح ہے کہ تھوڑی سی بے توجہی اور تاخیر کی وجہ سے اس کے علاج کا مسئلہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ جبکہ مسائل شرعیہ سے ناواقف یا وہ شخص جو قرآن نہیں پڑھ سکتا' کی حالت اس مریض کی طرح ہے جس کا مرض اتنا خطرناک نہیں ہے' سہولت اور آہستگی کے ساتھ اس کا تدارک کیا جا سکتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ پاک کا اس نابینے کی ناموافق حرکات کی وجہ سے متغیر ہونا دو جہتوں سے قابلِ عتاب نہیں ہے۔ پہلی جہت تو یہ ہے کہ یہ جبلی تغیر ہے جو کہ وسعت سے باہر ہے اس قسم کے کاموں کی تعمیل کی ذمہ داری سونپنا تکلیف مالایطاق ہے۔ دوسری جہت یہ ہے کہ نابینے کے سامنے ترش روئی' روگردانی اور ہنس مکھی اور پوری توجہ برابر ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھتا تاکہ اسے کوئی اذیت اور

marfat.com
Marfat.com

دُکھ پہنچے۔ نیز ابھی اس فعل کا ناپسندیدہ ہونا واضح بھی نہیں تھا کیونکہ ابھی اس فعل سے نہی وارد نہیں ہوئی تھی تو نہی کی ابتدا میں اس قدر عتاب کی گنجائش کیونکر ہو سکتی ہے۔

اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

اگرچہ وہ نابینا چہرۂ مبارک کا بدلنا دیکھ نہیں رہا تھا لیکن دوسرے لوگ تو دیکھ رہے تھے اور انہوں نے اسے اغنیاء کی دل جوئی اور فقراء کی طرف توجہ نہ کرنے پر محمول کیا۔ حق تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کے بارے میں یہ گمان بھی پسند نہ فرمایا اور چاہا کہ میرے محبوب علیہ السلام کا ظاہر و باطن اخلاص اور رضا جوئی حق میں مصروف ہو اور میرے محبوب علیہ السلام کی طرف ریا کا گمان بھی بالکل نہ رہے۔ نیز نفوسِ قدسیہ کو چاہیے کہ مسترشدین کی استعداد کے مطابق فیض اور فائدہ دینا پیش نظر رکھیں۔ اور کام کے انجام میں نظر رکھیں۔ کئی فقیر عاجز ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی بلند استعداد کے باعث ایک کائنات کی شمع اور چراغ ہوتے ہیں۔ پس عام نفع کی توقع مسترشد کی قوت استعداد سے کرنی چاہیے۔ اغنیاء کے پیچھے چلنے والوں کی کثرت سے متاثر ہونا ظاہر بینوں اور نفوس کی استعداد سے ناواقفوں کا کام ہے۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے اس نابینا کا نفع حاصل کرنا ایک یقینی امر تھا جبکہ دعوتِ اسلام سے ان سرداروں کا نفع پانا' پھر ان کی پیروی سے شہر والوں کا نفع پانا ایک امر موہوم تھا' موہوم کو معلوم پر ترجیح دینا مناسب نہیں۔

## حقیقت واقعہ متعلقہ

اور اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کام میں اگرچہ ناجائز اور نادرست ہونے کا شائبہ تک نہ تھا لیکن محبوبوں سے صرف گناہ سے معصوم رہنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ ان سے تخلق باخلاق الٰہی چاہتے ہیں جس طرح کہ مشفق باپ جس چیز میں اپنے بیٹوں سے اپنے انداز اور آئین کے خلاف دیکھتا ہے اگرچہ جائز اور صحیح ہو' عتاب فرماتا ہے۔ بادشاہ اپنے بیٹوں سے یہ پسند نہیں کرتے کہ مشائخ اور صلحاء کی طرح مسجدوں

marfat.com

Marfat.com

میں معتکف اور خلوتوں سے مانوس ہوں اور مشائخ اور صلحاء اپنے بیٹوں کے لیے پسند نہیں کرتے کہ سپاہیوں اور نوکری پیشہ لوگوں کی طرح روزی کی تلاش میں اگرچہ حلال طریقے سے ہو مشغول ہوں۔ علیٰ ہذا القیاس

پس یہ عتاب و خطاب نافرمانی سے ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر نہیں تاکہ بے گناہی کی صورت میں اس کی توجیہ مشکل ہو بلکہ باپوں کے اپنی اولادوں کی تربیت کرنے کے طریقے سے ہے جس کی وجہ ظاہر ہے۔

## وجہ تسمیہ

اس سورۂ عبس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس عظیم الشان رسول علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا عتاب اس بات پر کہ آپ نے طالبان رشد و ہدایت میں سے ایک خادم سے بے توجہی فرمائی اور قوم کے سرداروں کی طرف توجہ فرمائی' قرآن مجید کی سورتوں میں سے ایک سورۃ کے نام کے ساتھ ہوتا کہ طالبان رشد و ہدایت اور طلبہ علم کے حال پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہر مسلمان خصوصاً مرشدوں اور معلموں کے سامنے رہے کہ اس سورۃ کا نام سنتے ہی انہیں وہ واقعہ یاد آجائے اور وہ عبرت حاصل کریں۔ نیز اس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا دربار خداوندی میں کمال ثابت ہو کہ ان کے چہرۂ پاک کا اتنا سا تغیر شاق جانا کہ قاریوں اور تلاوت کرنے والوں کی زبان پر بار بار یاد فرماتا ہے اور اس سے خبر دیتا ہے اور جس کلام میں یہ واقعہ مذکور ہے اسے اسی عنوان کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے جس طرح کہ ایک عاشق شیفتہ اپنے محبوب کے کسی غیر مانوس معاملہ کو شان سمجھ کر اس معاملے کے وقت اور مکان کے لیے اس معاملے کو پہچان بنا دیتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ رسول علیہ السلام نے ترش روئی فرمائی اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ وَتَوَلّٰی چہرۂ مبارک پھیر لیا۔

اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی اس سے کہ آپ کے پاس نابینا آیا۔

مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہاں نابینے کی آمد کو کیوں ذکر فرمایا گیا۔

marfat.com

Marfat.com

بعض کہتے ہیں صرف بیان واقع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عتاب کے لیے ہے کہ اس رسول علیہ السلام کو ہم نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے اور جہان والوں کو ہدایت دینے کے لیے بھیجا اور رحمت کے زیادہ مستحق ضعیف' گدا اور نابینے ہیں اور نابینے طالبان رشد و ہدایت' رہنمائی کے زیادہ محتاج ہیں۔ پس اس قسم کے لوگوں سے بے توجہی مقامِ رسالت کے شایاں نہیں۔

اور محققین نے کہا ہے کہ یہ واقعہ لانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس معاملے میں جو کہ اس نابینے کے بارے میں رونما ہوا' عذر کی تمہید کے لیے ہے اور یہ رحمت و محبت کے کمال کا تقاضا ہے کہ عین عتاب کے دوران آپ کا عذر بھی بیان فرمایا جا رہا ہے' مشفق باپ کی طرح جو کہ اپنے بیٹے کی شکایت لوگوں کے سامنے کرتا ہے اور عین شکایت کے دوران اس بیٹے کا عذر بھی بیان کرتا جاتا ہے تا کہ لوگ جان لیں کہ یہ بیٹا عتاب کا مستحق نہیں ہے اور ان اعمال میں وہ معذور ہے لیکن شفقت پدری کا کمال ہے کہ اس کے حق میں اتنی سی بات بھی پسند نہیں۔ چاہتے ہیں کہ اس کی تربیت کو حد کمال تک پہنچا دیں اور عذر کی وجہ یہ ہے کہ گویا ارشاد ہو رہا ہے کہ اس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسن خلق اس بات کا بالکل تقاضا نہیں کرتا تھا کہ گداؤں اور بینواؤں کے ساتھ جو کہ حق کی طلب اور دین کی راہ تلاش کرتے ہیں اس طرح پیش آئیں لیکن اس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معلوم فرمایا کہ یہ شخص نابینا ہے' بے توجہی اور توجہ کرنے' نیز ترش روئی اور خندہ پیشانی میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ پس آپ نے اس کی حرکات کو غیر معیاری سمجھتے ہوئے ترش روئی فرمائی اور اپنے آپ کو تکلف کے ساتھ اس سے باز نہ رکھا۔

اور رحمت و عنایت کے کمال کے پیش نظر یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر حذف کر کے فعل غائب کو فاعل سے خالی لایا گیا تا کہ اس فعل کی صریح نسبت اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ کی جائے۔ گویا یوں ارشاد ہو رہا ہے کہ کسی اعراض کرنے والے اور ترش روئی کرنے والے نے اعراض اور ترش روئی کی اگر صیغہ خطاب فرمایا جاتا تو اس فعل کی نسبت اس محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ صراحتاً سمجھ میں آتی اور کمال رحمت و شفقت کے تقاضے کے خلاف ہے۔ پس عین شکایت و عتاب کے دوران مہربانی اور محبت کے مرتبوں

marfat.com
Marfat.com

کی رعایت کی جا رہی ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ نابینے کو تعلیم دینا دشوار ہے اس لیے کہ وہ صرف حفظ کرنے پر اکتفاء کرتا ہے اس کے لیے لکھے ہوئے کی طرف لوٹنا ممکن نہیں ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عذر یوں بیان ہوا کہ آپ نے اس نابینے کو قاصر الاستعداد جان کر اس کی تعلیم سے بے توجہی فرمائی حالانکہ نابینا ہونا اس بے توجہی کا موجب نہیں بلکہ دل کا اندھا اس بے توجہی کا موجب ہے اور وہ رئیس اور سردار سب کے سب اندھے دلوں والے تھے' آپ کو ان سے بے توجہی کرنا چاہیے تھی نہ کہ اس نابینے سے اس لیے کہ یہ نابینا دل کا بینا ہے۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ پاک ہو جائے اور اس کا آئینۂ دل یہاں تک صیقل ہو جائے کہ ظاہری بینائی والے جن امور غیبیہ کشفیہ کو دریافت نہ کر سکیں' یہ دریافت کرلے اور ایک جہان کا مقتدا بن جائے اور وہ ایک نابینا ہزاروں بینائی والوں سے بہتر ہے اور کیا ہی اچھا کہا ہے کہنے والے نے۔

فدائے کوری خفاش چشم بینائی
کہ بے خبر ز رخ آفتاب نیم شبی ست

یعنی چمگادڑ کے اندھے پن پر وہ بینائی والی آنکھ قربان جو کہ آدھی رات کے آفتاب کے چہرے سے بے خبر یعنی جسے شب بیداری نصیب نہیں۔

اَوْيَذَّكَّرُ یا وہ نابینا نصیحت قبول کرے اور اگرچہ دل کے صیقل ہونے کے مرتبے کو نہ پہنچے لیکن قرآن پاک کا مفہوم اور اس کے امر اور نہی اس کے ذہن میں اس حد تک پختہ ہو جائیں کہ ان میں وہم و خیال کی آمیزش نہ ہو۔

فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى پس اسے یہ نصیحت مان لینا نفع دے کہ اس کی وجہ سے دین کی عمدہ منفعتیں حاصل کرے اور دین کی عظیم نقصان دہ چیزوں کو دور کرے اور اس کا لطیفۂ عقل روشن ہو جائے۔ اور وہ روشن آنکھوں والے ہزاروں سے بہتر ہو جائے اور عالم ربانی بن جائے جیسا کہ پہلی شق میں اس کا لطیفۂ دل صیقل ہو کر اسے صاف کشف و عرفان ولی کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اور چونکہ ایک شق کا حاصل ہونا خصوصاً اس نابینے کے بارے میں اس کے

marfat.com
Marfat.com

حالات دیکھنے والوں کو یقین کے ساتھ معلوم نہ تھا اس لیے اس مضمون کو کلمہ او کے ساتھ لایا گیا جو کہ شک اور منع خلو پر دلالت کرتا ہے یعنی دونوں صورتوں میں سے ایک سے خالی نہیں ہوسکتا ہاں اس نابینے کے شوق کی شدت' رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی وجہ سے حاصل ہونے والے فیوضِ خداوندی پر اس کی حرص کی کثرت' قرآن پاک کی تلاوت سے اس کے انس اور اس کے معنوں میں اس کے غور وخوض سے اس قدر تو بات یقینی تھی کہ آخر کوئی چیز تو حاصل ہوگی اور وہ ان دونوں مرتبوں سے بالکل محروم نہیں رہے گا۔

صاحبِ کشاف نے بھی کلمہ او پر متنبہ ہو کر اپنی تفسیر میں بطور سوال ذکر کیا ہے کہ پاک ہونے کے بعد نصیحت کا اور کون سا نفع ہے جس کی توقع ہے اور جواب یہ لکھا کہ پاک ہونا گناہ سے بچنے اور پرہیزگاری اختیار کرنے سے کنایہ ہے اور نصیحت کا نفع دینا نیک اعمال کرنے سے عبارت ہے جس کی وجہ سے حصولِ ثواب کی توقع ہے اور ثواب دائمی نفع ہے لیکن اس کی اس بات پر اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ علم حاصل ہونے سے دونوں چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں' گناہ سے پرہیز بھی اور نیک عمل کرنا بھی۔ پس یہ مقام واؤ کا ہے نہ کہ حرف او کا۔ اس اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے کہ طالب علم کو یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ کیا سنے گا اگر نہی سنے' گناہ سے باز رہے اور اگر امر سنے تو نیکیوں میں زیادتی کرے اور اگر دونوں سنے تو دونوں کام کرے۔ پس حرف او کے استعمال کی جو کہ منع خلو کے لیے ہے' نہ کہ منع جمع کے لیے' موثر وجہ پیدا ہوگئی اور حق وہی ہے جو مذکور ہوا۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى لیکن جو آپ کے ارشاد بلکہ آپ کی راہ سے لاپرواہی کرتا ہے اور اپنے مال اور مرتبے کے ساتھ خوش ہے۔

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى تو آپ اس کی ہدایت کے درپے ہوتے ہیں اور شوق رکھنے والے طالبانِ ہدایت سے بے توجہی فرماتے ہیں۔ اس خیال سے کہ لاپرواہی کرنے والے کو اس راہ کا طالب اور شوقین بنانا چاہیے اور اس کے حال پر توجہ کرنا چاہیے جبکہ طالب اور شوقین کے لیے اس راہ کا شوق ہی کافی ہے آخر مطلب تک پہنچ جائے گا۔

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى اور آپ پر اس کا کوئی ضرر نہیں کہ وہ لاپرواہ آدمی پاک نہ ہو

marfat.com
Marfat.com

اس لیے کہ آپ کا کام فرمانِ الٰہی کی تبلیغ اور ذی استعداد شوقینوں کی تربیت ہے اور وہ آپ کو مستعدین کے قبول کرنے کے وقت حاصل ہے۔

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى لیکن جو آپ کی خدمت میں دوڑتا ہوا اور تکلیفیں برداشت کرتا ہوا آتا ہے جیسے ایک نابینا جس کا ہاتھ پکڑنے والا بھی کوئی نہ تھا اور وہ جگہ جگہ لڑکھڑاتا ہوا حضرت کی محفل میں پہنچا۔

وَهُوَ يَخْشٰى اور وہ پہلے تو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس کے پسندیدہ اعمال سے دور اور برائیوں کے قریب نہ ہو جائے اور یہ خوف اسے علم کی طلب اور آپ کی صحبت میں حاضری کے شوق کا باعث ہوتا ہے اور پھر راستے میں کفار کے تکلیف دینے سے بھی ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا پتہ چل جائے اور وہ ستانے لگیں' پھر گرنے اور ٹھوکریں کھانے سے ڈرتا ہے پھر جب آپ کے دربار میں پہنچتا ہے تو اپنے سبق کا وقت ضائع ہونے سے ڈرتا ہے کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مصروفیت ہو جائے اور میں محروم رہ جاؤں۔

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى پس آپ اس سے روگردانی کر کے دوسروں میں توجہ فرماتے ہیں اور اس کی طرف التفات نہیں فرماتے۔ گویا آپ پورا فائدہ اسی صورت میں دیکھتے ہیں کہ لاپرواہی کرنے والوں اور بھاگے ہوؤں کو رام کریں اور راستہ پر لائیں اور سچا شوق اور طلب رکھنے والوں کو تاخیر اور رد کے رکھنے سے کمال شوق میں بے چین رکھیں۔

كَلَّآ ایسا نہ کریں اس لیے کہ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ تحقیق یہ آیات قرآنی حق تعالیٰ' اس کے اسماء' اس کی صفات' اس کے افعال اور اس کے احکام کو یاد کرنے کے لیے ہیں تاکہ لوگوں کے لیے معرفت' عبادت' محبت' خوف اور رجا کی راہ کشادہ ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ کا سلوک اختیار کریں اور اس مقصد کے لیے چاپلوسی اور دلجوئی مفید نہیں بلکہ دلی اختیار اور طبعی رغبت درکار ہے۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ تو جو بھی خواہش رکھے' وہ اس قرآن پاک کو یاد کرے کہ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور ذکرِ الٰہی دلی رغبت اور صحیح ارادے کے بغیر مفید نہیں ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور انہا میں ضمیر کو مؤنث لانے اور ذکرہ میں مذکر لانے کی وجہ باوجودیکہ دونوں کا مرجع ایک ہے یعنی قرآن پاک۔ یہ ہے کہ قرآن پاک کا تذکرہ ہونا اس کی آیات اور سورتوں کے اعتبار سے ہے کہ ہر ایک کا مضمون علیحدہ ہے۔ بعض میں اسماء وصفات کا بیان' بعض میں احکام وشرائع کا ذکر اور بعض میں ثواب وعذاب کے وعدوں کا تذکرہ ہے جبکہ قرآن پاک کا ذکر ہونا اس کی مجموعی صورت کے اعتبار سے ہے۔ کہ تمام قرآن پاک اس میں برابر ہے اور مضامین کے اختلاف کا اس کے ذکر ہونے میں کوئی اثر نہیں اس لیے کہ جو مضمون بھی ہو' کلامِ الٰہی ہے اور کلام کا متکلم کے ساتھ اتصال نام کے نام والے کے ساتھ متصل ہونے سے زیادہ قوی اور شدید ہے اور جو توجہ کسی شخص کا نام لینے کے وقت اسے حاصل ہوتی ہے اس توجہ سے کمتر ہے جو کہ اس کا کلام پڑھنے کے وقت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ تجربہ کار پر یہ بات پوشیدہ نہیں۔

نیز کسی شخص کا کلام اس کی ذات کے شیون میں سے ایک عمدہ شان ہے کہ اس کلام کی تلاوت کے وقت تلاوت کرنے والے کے دل پر جلوہ گر ہوتی ہے اسی لیے بزرگوں کا کلام دل میں ان کے نام سے زیادہ اثر کرتا ہے اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ قرآن پاک کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ **هو حبل الله المتين** اور حضرت امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ **تجلى الله لعباده فى كلامه ولكنهم لايبصرون** اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے اپنے کلام میں جلوہ گر ہے مگر وہ دیکھتے نہیں۔

اور اگر کسی کے دل میں یہ کھٹکے کہ اگر سر برآوردہ' اغنیاء اور دولت مند کسی کتاب یا کلام یا شعر کا شوق کریں تو اس کتاب اور اس کلام کی قدر اور عزت بڑھ جاتی ہے اور وہ اسے زریں رقم خوش نویسوں کے ہاتھ سے ریشمی طلائی کاغذوں پر لکھواتے ہیں اور اس پر سونے کا پانی چڑھاتے ہیں اور چاندی کے کام والے غلافوں میں رکھتے ہیں اور نقش ونگار اور زیب و زینت والی رحلوں پر رکھتے ہیں اور پُر تکلف صندوقوں میں محفوظ کرتے ہیں اور اس وجہ سے کلام کی عزت اور مرتبہ بڑھ جاتا ہے اور لوگوں کے ذہنوں میں اس کی عظمت وجلال کا رنگ جم جاتا ہے جس طرح کہ کوئی دلکش شعر اچھی آواز کے ساتھ پڑھا جائے کہ اس کا اثر اس شعر

marfat.com
Marfat.com

سے زیادہ ہوتا ہے جو سرسری طور پر پڑھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیسوں اور سرداروں کی دعوت میں مصروف ہو کر اور اس وقت فقراء اور گداؤں سے بے توجہی کرنے میں اسی مقصد کا لحاظ کیا ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ قرآن پاک ایسا نہیں کہ ان چیزوں سے اس کی عزت اور قدر بڑھے بلکہ اس کی قدر اور عزت اس جہان میں کہ جہاں سے زمین والوں پر اُترتا ہے' دیکھنی چاہیے۔

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ آیاتِ قرآنی عظیم المرتبت صحائف میں لکھی گئی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود عظمت دی ہے۔ مَّرْفُوْعَةٍ وہ صحائف بیت العزت میں اونچے رکھے گئے ہیں جو کہ آسمانِ دنیا میں ایک عمدہ مقام ہے اور قرآن مجید کو پہلے لوح محفوظ سے منتقل کر کے اس مقام پر پہنچایا گیا اور وہاں سے تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔

مُّطَهَّرَةٍ وہ صحائف تمام نجاستوں اور پلیدیوں سے پاک رکھے گئے ہیں اور اگر دنیا کے رئیس اور سردار اس قرآن پاک کی آیات کو ریشمی طلائی کاغذوں میں لکھوائیں تب بھی اس کرامت اور بزرگی تک نہیں پہنچے گا اور اگر رحلوں اور صندوقوں میں رکھیں تب بھی ان بلندیوں تک نہیں پہنچے گا اور اگر خوشبو لگا کر اور نجاستوں سے احتیاط کے ساتھ دُور رکھ کر ان آیات کو پاک رکھیں تو بھی اس تقدس تک نہ پہنچے گا' کسی گناہ گار کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچا بلکہ وہ صحائف

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں دیئے گئے ہیں جو کہ كِرَامٍ بَرَرَةٍ عظیم المرتبت اور نیکوکار ہیں' بزرگی اور نیکی کے بغیر ان سے کبھی کوئی کام صادر نہیں ہوتا جبکہ دنیا میں لکھنے والے گناہوں سے ملوث اور طبعی خباثتوں میں آلودہ ہیں اس سے کیا کشائش ہوگی کہ اپنے ظاہر کو سجائیں۔ پس قرآن پاک کے بارے میں دنیاداروں اور دولت مندوں سے عزت افزائی کی توقع رکھنا بالکل بے جا ہے۔ بلکہ اگر اہل دنیا اس نعمت کی قدر کو پہچان لیں تو غنیمت ہے۔ اس لیے کہ آدمی جبلی طور پر نعمت کی ناشکری کرتا ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ انسان ہلاک ہو نعمتوں کی کتنی ناشکری کرتا ہے اور جس ذات نے اسے اس عظیم القدر کلام سے نوازا ہے اور اس میں قسم قسم کے رشد و ہدایت کا ذکر

marfat.com

Marfat.com

فرمایا ہے' نہیں پہچانتا اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتا اور اپنے مال اور مرتبے کی وجہ سے لاپرواہی اور غیر ذمہ داری کا ارتکاب کرتا ہے بلکہ وہ اپنی اصل کی خبر نہیں رکھتا کہ کیا ذلیل چیز تھا۔

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ اسے کون سی حقیر چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اگر انسان شرم کی وجہ سے اس سوال کا جواب نہ دے تو ہم کہتے ہیں

مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ نطفے کے پانی سے اسے پیدا کیا ہے' پیشاب کی راہ سے نکلا اور پیشاب کی راہ میں داخل ہوا اور خون اور آلائشوں سے مل کر گوشت کا ایک ٹکڑا بنا۔

فَقَدَّرَهٗ پس اس کا اندازہ کیا' مناسب اعضاء' کان' آنکھ' ہاتھ' پاؤں' زبان اور لب کا بھی۔ اور اس کے قد کا بھی کہ کم اور زیادہ ہونے میں معین فرمایا۔ اس کے رزق' اجل اور عمل کو بھی مقرر فرمایا۔ اور ماں کے پیٹ میں اس کے ٹھہرنے کی مدت بھی نو ماہ یا اس سے کم و بیش مقرر فرمائی۔

ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ پھر اس کے لیے باہر آنے کی راہ آسان فرمائی اس لیے ماں کے شکم میں بچے کا سر ماں کے سر کی طرف اور اس کے پاؤں ماں کے پاؤں کی طرف ہوتے ہیں اور جب ولادت کا وقت آتا ہے تو الہام ہوتا ہے تو وہ بچہ خود بخود بدل کر سر نیچے کی طرف اور پاؤں اوپر کی طرف کر لیتا ہے تاکہ اس کا باہر آنا آسان ہو جائے اور جب شکم سے باہر آ جائے تو اس کی روزی کی تلاش کی راہ آسان فرماتا ہے۔ اگر بھوک کے وقت پستان اس کے ہاتھوں لگ جائے تو ایک ہاتھ سے پستان کو مضبوطی سے پکڑ کر چوسنا شروع کر دیتا ہے۔ ورنہ رونے کی آواز کے ساتھ بھوک کا اظہار کرتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سال بسال اس کے لیے مختلف راہیں آسان فرماتا ہے حتیٰ کہ کمال کی حد کو پہنچ جاتا ہے اور خیر و شر اور حق و باطل کی راہ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری' کتابوں کے نزول' مشفق مرشدوں کی صحبت اور محقق علمائے کرام کی شاگردی کی وجہ سے آسان ہو جاتی ہے۔ پھر بعض کے لیے جنت اور نجات کی راہ آسان ہو جاتی ہے اور وہ اس راہ پر چلنے کی توفیق پا لیتے ہیں۔ اور بعض کی نظر میں ہلاکت اور جہنم کی راہ آسان معلوم ہوتی ہے اور وہ اس میں گر پڑتے ہیں۔ بہر حال عمر کے آخر تک

marfat.com

Marfat.com

کمائی حاصل کرنے کی راہ آسان ہوتی چلی جاتی ہے۔

## موت ایک عظیم نعمت ہے

ثُمَّ اَمَاتَهٗ پھر اسے موت عطا فرماتا ہے تاکہ وہ اس مشقت کا پھل چکھے جو اس نے اپنا کمال حاصل کرنے کے لیے دنیا میں اٹھائی تھی۔ اور عالم برزخ میں اپنے اعمال کے آثار دیکھے۔ پس موت بھی ایک عظیم المرتبت نعمت ہے کہ تجارت کے نفع کی وصولی اسی سفر میں حاصل ہوتی ہے اگر موت نہ ہوتی' آدمی ہمیشہ مشقت طلب، اعمال کی کھینچا تانی میں وقت گزارتا اور ان سب مشقتوں کا پھل ہرگز نہ پاتا اور یہی وجہ ہے کہ موت دینے کو بھی نعمتوں کے شمار کے مقام پر ذکر فرمایا گیا ہے اور بزرگوں سے منقول ہے کہ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب موت ایک پل ہے جو محب کو محبوب سے ملاتا ہے۔

اور بعض ظاہر بین مفسرین موت کے نعمت ہونے سے بے خبر ہو کر یہاں بطور سوال یہ بات لائے کہ موت کو نعمتوں میں کیوں شمار کیا گیا ہے اور اس سوال کا جواب اس انداز سے دیا ہے کہ بلغاء کے نزدیک کلام کا مدار اور فائدے کی منزل اس کے آخر پر ہوتی ہے۔

## قبر بھی ایک عظیم نعمت ہے

اور موت کے بعد جو قبر میں دفن کرنے کا حکم دیا گیا ہے' یہ بھی ایک عظیم نعمت ہے جس کے ساتھ آدمی کو عزت دی گئی ہے گو صرف موت نعمت نہ ہو جس طرح کہ شفیق باپ بیٹے پر اپنی نعمتیں شمار کرتے ہوئے کہے کہ میں نے تیرے لیے یوں یوں کیا پھر جب، تو بیمار ہوا تو میں نے تیرا علاج کیا تو حقیقت میں نعمت مقصودہ تو علاج ہے لیکن چونکہ علاج کا نعمت ہونا مرض لاحق ہونے پر موقوف ہے تو گفتگو کے دوران مرض کا ذکر بھی ضروری ہے اور اسی مقصد کا اشارہ کرنے کے لیے موت دینے اور قبر میں داخل کرنے کے درمیان لفظ ثم نہیں لایا گیا بلکہ حرف فا لایا گیا۔

فَاَقْبَرَهٗ پس اسے قبر میں دفن کرنے کا حکم دیا تو گویا ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ موت دینا اور قبر میں داخل کرنے کا حکم دینا مجموعی طور پر نعمتوں میں داخل ہیں نہ کہ جدا جدا۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ قبر میں دفن کرنے کا حکم دینے کو اقبار کہتے ہیں اور قبر میں دفن

marfat.com

Marfat.com

کرنے کو قبر۔ اقبر الرجل عبدہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس نے غلام کو دفن کرنے کا حکم دیا۔
اور قبر الرجل عبدہ اس وقت جب اسے خود قبر میں داخل کیا ہو۔

## سب سے پہلے قبر میں دفن کرنے کی صورت کا بیان

اور مرنے والوں کو قبر میں دفن کرنے کے حکم خداوندی کی سب سے پہلے تو یوں صورت ہوئی کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اور آدم زاد کے مرنے کا پہلا واقعہ یہی تھا۔ قابیل کو کچھ سمجھ نہ آئی کہ اس میت کو کیا کیا جائے۔ ناچار ہابیل کی لاش کو ایک بڑی سی چادر میں لپیٹ کر اپنے ہمراہ لیے پھرتا چونکہ اس نقل وحمل میں بہت مشقت ہوئی اور وہ تھک گیا۔ ایک دن ایک جنگل میں حیران ہو کر مغموم بیٹھا تھا کہ اچانک ایک کوا ظاہر ہوا اور اس نے دوسرے کوے سے لڑائی کر کے اسے مار دیا۔ پھر اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کو کھود کر مردہ کوے کو ایک گڑھے میں ڈال دیا اور اس کے اوپر اپنی چونچ کے ساتھ بہت سی مٹی ڈال کر ٹیلہ بنا دیا۔ قابیل نے کوے کی اس حرکت سے سراغ لگایا کہ مردے کو یوں دفن کرنا چاہیے۔ اپنے بھائی کی لاش کو بھی دفن کر کے قبر درست کر دی پھر جب حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا تو فرشتوں نے آسمان سے اتر کر آپ کی اولاد کے سامنے غسل' کفن' تجہیز اور قبر کھودنے کا کام کیا اس کے بعد یہی معمول ہو گیا اور یہ تعلیم الٰہی جو پہلے تو استعداد کی کمی کی وجہ سے قابیل کو کوے کے ذریعے واقع ہوئی اور دوسری دفعہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو فرشتوں کے ذریعے تعلیم دی گئی ایک عظیم نعمت اور قابلِ تحسین اعزاز ہے اگر آدمی کی لاش کو دوسرے حیوانات کی طرح سطح زمین پر ہی چھوڑ دیتے تو متعفن ہو کر بدبو پھیلاتی اور لوگوں کے مشام کو پریشان کرتی اور اس میت سے لوگ متنفر ہوتے اور بدگوئیاں کرتے۔ نیز درندے اور پرندے اس کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے لے جاتے اور ناپاک مردار خور جانور اسے اپنا لقمہ بنا لیتے اور اسے بہت بڑی حقارت لاحق ہوتی اور اس کے عیب بے پردہ ہو کر عام خاص میں مشہور ہو جاتے اور اس کی قدر لوگوں کی نظر میں کم ہو جاتی۔ ناچار اسے عزت دینے کے لیے اس طریقہ کی غیب سے تعلیم دی گئی۔

marfat.com
Marfat.com

## ہندوؤں کا مردوں کو جلانا معیوب ہے نیز جلانے کے مقابلہ میں دفن کی خوبیاں

ہم یہاں پہنچے کہ ہندو اپنے مردوں کو جلاتے ہیں' قبر میں دفن نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ آگ ہر ناپاک کو پاک کرنے والی اور ہر بدبو کو دُور کرنے والی ہے اور جسے تعفن اور بدبودار کرنا منظور ہو' زمین میں دفن کرتے ہیں۔ پس آگ سے جلانا زیادہ بہتر ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آگ خائن ہے' اسے جو کچھ دیں' کھا جاتی ہے اور زمین امانت دار ہے اس میں جو دفن کرتے ہیں' رہ جاتا ہے اور مردے کو زمین کے پاس چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ خائن کے حوالے کریں۔ اسی لیے آدمی بلکہ دوسرے حیوانات کی بھی جبلت ہے کہ جب اموال اور خزانوں میں سے کسی چیز کو محفوظ رکھنا چاہیں' زمین میں دفن کرتے ہیں اور جب چاہیں کہ اسے نیست و نابود کر دیں تو آگ میں جلاتے ہیں۔ اور آدمی کو قیامت میں اُٹھنے اور ارواح کا حتروکہ جسموں کے ساتھ متعلق ہونے کا انتظار ہے اور مردے کو جلانا اس انتظار کے خلاف ہے۔ نیز مردے کی بہت بے قدری ہے کہ اسے آگ میں جلا کر ہوا میں اُڑا دیں اس لیے کہ یہ معاملہ توردی اور ناپاک چیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور قیمتی چیزوں کو کہ جنہیں باقی رکھنا مطلوب ہے' زمین میں دفن کرنے کے بغیر کوئی معمول نہیں۔

اور یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ آگ بدبو کو دُور کرتی ہے جبکہ اس کے برعکس زمین متعفن اور بدبودار کرتی ہے تو یہ اس وقت ہے جب اس چیز کو زمین سے نکالنا منظور ہو جب اسے زیر زمین رکھنا مقصود ہو تو تعفن سے کیا ڈر؟ کہ زمین والوں کو اس کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا اور اس کے باوجود دفن کرنے کی صورت میں بدن کی کئی رطوبتیں متعفن ہو کر خشک ہو جاتی ہیں اور جسم کے اعضاء واجزا سب کے سب اپنی شکل اور مقدار پر رہتے ہیں۔ گویا ایک شخص جس طرح زندگی کی حالت میں سوتا ہے اسی طرح اس حالت میں سوتا ہے۔ بخلاف آگ کے ساتھ جلانے کے کہ اعضاء کو جلا کر شکل' مقدار' رنگ اور صورت کا کوئی اثر باقی نہیں چھوڑتی۔ نیز آدمی کی خلقت خاک سے ہے اور کل شئی یرجع الی اصلہ کے حکم کے مطابق اسے اپنی اصل کی طرف لوٹانا چاہیے۔ بخلاف آگ کے کہ شیطانوں اور جنوں کا مادۂ تخلیق ہے۔ پس جب موت کے بعد آدمی کے جسم کو اس سے جلاتے ہیں تو اس کی ارواح لطیفہ آگ کے

marfat.com
Marfat.com

دھوئیں کے ساتھ مل کر شیطانوں اور جنوں کے ساتھ پوری مشابہت پیدا کر لیتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آگ کے ساتھ جلائے جانے والوں کی اکثر روحیں موت کے بعد شیطانوں کا حکم حاصل کر لیتی ہیں اور آدمیوں کو چمٹ جاتی ہیں اور انہیں تکلیف دیتی ہیں۔ پس دفن کرنے میں چیز کو اپنی حقیقت کی طرف لوٹانا ہے جبکہ جلانے میں حقیقت کو بدلنا ہے۔

## ہندوؤں کے ایک عقل مند کا واقعہ

کہتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ایک اسلامی لشکر سیستان کی حدود میں وارد ہوا۔ ہندو داناؤں میں سے ایک دانا مسلمانوں کے لشکر کا طور طریقہ جو کہ اس وقت ایک نیا مذہب تھا' دیکھنے کے لیے وہاں پہنچ گیا۔ اہلِ اسلام کے حالات کی تفتیش اور ان کے طور طریقوں پر مطلع ہونے کے بعد اس نے اعتراض کیا کہ تمہاری تمام چیزیں خوب ہیں مگر یہ کہ تم اپنے مرنے والے کو قبر میں دفن کرتے ہو اور آگ میں نہیں جلاتے ہو حالانکہ قبر میں دفن کرنا ناپاکی اور بدبو کا موجب ہوتا ہے جبکہ جلانا پاکیزگی اور زوال تعفن کا باعث ہوتا ہے۔ وہاں فقہائے اسلام میں سے ایک فقیہ موجود تھے انہوں نے فرمایا کہ کہو اگر ایک شخص کسی ملک میں وارد ہو اور ایک عورت کے ساتھ نکاح کرلے اور دوسری عورت کھانا پکانے کے لیے رکھ لے اور اس منکوحہ عورت سے اس کا بیٹا پیدا ہو پھر اس شخص کو سفر کی ضرورت پیش آئے اور وہ چاہے کہ اپنے بیٹے کو چھوڑ جاؤں تاکہ جب واپس آؤں تو اس بچے کو پالوں' کس عورت کے پاس چھوڑے؟ اس عورت کے پاس جو اس کی ماں ہے یا اس کے پاس جو باورچی ہے۔ ہندو نے کہا کہ ظاہر ہے کہ ماں کے ہوتے ہوئے بچہ باورچی کے سپرد نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ بیٹا ماں کا ہے' باورچی کا نہیں۔ فقیہ نے فرمایا اب اپنے اعتراض کا جواب سنو۔ روح آسمانی جب زمین میں آئی تو زمین سے ایک جسم پیدا کر کے اسے عطا کیا گیا اور ہمیشہ اسے غذا' دوا' لباس' سکونت اور دوسرے منفعتیں زمین سے ہی پہنچائی گئیں جبکہ آگ آدمی کے حق میں باورچی گری کے سوا کوئی کام نہیں رکھتی اور آگ کا انتہائی فائدہ یہی ہے کہ وہ کچی چیزیں جو زمین سے اُگتی ہیں' انہیں پکائے۔ پس آدمی کی ماں زمین ہے اور اس کا باورچی آگ۔ جب روح نے جو کہ جسم کے لیے بمنزلہ باپ ہے' چاہا کہ عالم برزخ کو جائے' ناچار اپنے بیٹے کو جو کہ

marfat.com

Marfat.com

بدن ہے' اس کی ماں کے سپرد کرے گا نہ کہ دوسری عورت کے جو کہ باورچی ہے۔ یہ گفتگو سن کر ہندو نے داد انصاف دی اور قائل ہو گیا۔

## مزارات سے زائرین کو اور قبروں والوں کو ایصال ثواب

نیز آگ میں جلانے سے میت کے جسم کے اجزا کو بکھیرنا ہے کہ اس کی وجہ سے روح کا بدن سے تعلق بالکل منقطع ہو جاتا ہے اور اس جہاں کے آثار اس روح کو کمتر پہنچتے ہیں اور اس روح کی کیفیات اس جہان میں کم سرایت کرتی ہے جبکہ دفن کرنے میں چونکہ سارے جسم کے اجزا اکیجا ہوتے ہیں' روح کا جسم سے تعلق نگہبانی کے طور پر بحال رہتا ہے اور انس و فائدہ لینے والے زائرین پر روح کی توجہ آسانی سے ہوتی ہے کہ بدن کے مکان کے معین ہونے کی وجہ سے گویا روح کا مکان بھی معین ہے۔ پس اس جہان کے اثرات جیسے صدقات' فاتحہ خوانی اور تلاوتِ قرآن مجید جب اس جسم کے مدفن پر واقع ہوتے ہیں تو آسانی سے نفع دیتے ہیں۔ پس جلانا گویا روح کو بے گھر کرنا ہے جبکہ دفن کرنا روح کے لیے مسکن بنانا ہے اسی بنیاد پر دفن شدہ اولیاء اللہ اور دوسرے نیک مسلمانوں سے نفع اور فائدہ لینے کا سلسلہ جاری ہے اور ان کی طرف سے فائدہ دینے اور مدد دینے کا تصور قائم ہے۔ بخلاف جلائے گئے مردوں کے کہ یہ چیزیں ان کے لیے ان کے مذہب والوں میں واقع نہیں ہیں۔

بہر حال قبر اور دفن کا طریقہ آدمی کے بارے میں ایک عظیم نعمت ہے تو اگر ان کے بعض افراد اس نعمت کی بھی ناشکری کریں جیسا کہ دوسری نعمتوں کے متعلق کرتے ہیں تو کوئی گلہ نہیں کہ آدمی کی جبلت میں کفرانِ نعمت داخل ہے اور اس کے حق میں اسی نعمت پر اکتفا نہیں بلکہ

ثُمَّ إِذَا شَآءَ أَنْشَرَهُ "پھر جب چاہے گا" اسے قبر سے زندہ نکالے گا تا کہ وہ اپنے کسب کیے ہوئے اعمال کی جزا دار آخرت میں ابد الآباد تک چکھے اور ہمیشہ کی زندگی پائے اور اگر چہ یہ نعمت ابھی تک واقع نہیں ہوئی کہ اسے ان معلومہ نعمتوں میں شمار کیا جائے جن کی ناشکری کی گئی لیکن عقل مند کو معمولی غور و فکر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جب ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے کوئی چیز پیچھے نہیں رہی تو اس حالت میں بھی زندہ کر کے اٹھانا اس کی مشیت سے پیچھے نہیں رہے گا۔ اسی لیے اس نعمت کو مشیت کے وقت کے ساتھ متعلق فرمایا گیا ہے اور

marfat.com

Marfat.com

آدمی کے شروع کی خلقت اس کی لوٹائی گئی خلقت پر مضبوط اور واضح دلیل ہے اور اگر وہ اس نعمت کا بھی نادانی اور جہالت کی وجہ سے انکار کرے تو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

اور جب یہاں ایک شبہ کا گمان تھا کہ کہیں آدمی کے دل میں یہ خیال گزرے کہ چونکہ ہمیں ابتدائے خلقت سے ہی بزرگی اور عزت کے ساتھ نوازا گیا ہے اور زندگی اور موت میں مجھے دوسری مخلوق پر معزز و محترم کیا گیا ہے تو آخرت میں بھی میرے ساتھ اسی اچھے معاملے کے ساتھ پیش آئیں گے کہ جسے نوازا گیا ہوا سے گرانا نہیں چاہیے اور اپنی طرف سے عزت دیئے گئے کو ذلیل نہیں کرنا چاہیے۔ نیز میں جسم میں روح لوٹانے کے بعد بھی انسان ہی ہوں گا جبکہ انسانیت لازماً اکرام و اعزاز کا موجب ہے اس بناء پر اس گمان کو دُور کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے:

كَلَّا نہیں! نہیں' ایسا گمان نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ سابقہ اعزاز اس جہت سے تھا کہ ابھی وہ کسی معصیت کے صادر ہونے کا مقام نہیں بنا تھا لیکن معصیت کے بعد اگرچہ لوٹانے کے وقت اسے انسان ہی لوٹایا جائے گا لیکن نافرمان انسان جس سے گناہ صادر ہوئے۔ پس لوٹانے کی حالت کو ابتدا کی حالت پر قیاس نہیں کرنا چاہیے اور سابقہ کرم پانے کی وجہ سے لاحق ہونے والے کرم کا امیدوار نہیں ہونا چاہیے۔ اور آدمی کرم لاحق کی امید کے ساتھ اپنا دل کیسے وابستہ کرے اور کرم سابق سے دھوکا کھائے حالانکہ

لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ اس نے ابھی تک وہ کام پورے طور پر سرانجام نہیں دیا جس کا اس کے پیدا کرنے والے اور عزت دینے والے نے حکم دیا ہے۔ اگر اس کے حکم کو پورا کرتا اور بندگی کی ذمہ داری پوری کرتا۔ البتہ عزت و اکرام کی توقع بجا تھی اور اب تو کوتاہی اور نافرمانی کی صورت میں خائف اور ہراساں ہونا چاہیے اور ذلیل و حقیر کیے جانے کی توقع کرنی چاہیے اور وہ جو کہتا ہے کہ نوازے ہوئے کو گرانا نہیں چاہیے اور معزز کو ذلیل نہیں کرنا چاہیے' یہ خلاف واقع ہے بلکہ کئی چیزیں ہیں جو کہ عزت کے بعد ذلیل و حقیر کیے جانے کی مستحق ہو جاتی ہیں اور اس مسئلے میں کوئی شک ہو۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ تو چاہیے کہ آدمی اپنی خوراک کو دیکھے کہ کس طرح

marfat.com

Marfat.com

ناپاک فضلہ ہو جاتی ہے اس کے بعد کہ اسے پورے طور پر پاکیزگی اور احتیاط سے پالا جاتا ہے اور اس کی پیدائش کے بارے میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی عنایات مصروف ہوتی ہیں جس طرح کہ آدمی کی پیدائش کے متعلق مصروف ہوئی تھیں۔ چنانچہ اس مسئلے کو پورے طور پر سوچے کہ

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا تحقیق ہم نے آسمان سے پانی اس طرح گرایا کہ انسان کے نطفہ گرانے سے کہیں فزوں تر اور زیادہ ہے۔

ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا پھر ہم نے زمین کو اس طرح پھاڑا کہ آدمی کے پیدا ہونے کے لیے رحم کھلنے سے کہیں زیادہ ہے اور یہ سب عنایات ایک کمزور گھاس کے بارے میں تھیں جو کہ زمین سے باہر نکلنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔

فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا پس ہم نے اس زمین میں دانہ اُگایا جو کہ خوراک کے قابل ہے جیسے گندم اور چنے

وَّعِنَبًا اور دانہ انگور جو کہ خوراک بھی ہے اور میوہ بھی دوا بھی اور شربت بھی۔ وَّقَضْبًا اور کھانے کے قابل جڑیں جیسے شلجم، گاجر، چقندر اور شکر کندی کہ خوراک کا کام دیتی ہیں اور جب انہیں کچا کھائیں تو حرارت اور پیاس دُور کرتی ہیں اور اگر پکا کر کھائیں تو معقول قسم کا سالن بنتا ہے اور اگر مربا یا اچار بنائیں تو میوے کا حکم حاصل کرتی ہیں۔

وَّزَيْتُوْنًا اور زیتون جو کہ تیل کی جگہ کام آتا ہے اور سالن بھی بن سکتا ہے۔

وَّنَخْلًا اور کھجوریں جو کہ خوراک بھی ہو سکتی ہیں اور میوہ اور سالن بھی اور اس سے شربت اور رس بنا کر شراب کی جگہ کام میں لاتے ہیں۔ نیز سرکہ بناتے ہیں۔

وَّحَدَآئِقَ اور دیواروں والے باغات جن میں پھلوں اور دواؤں کے قسم قسم کے درخت لگاتے ہیں اور اُگتے ہیں۔

غُلْبًا گھنے درختوں والے۔ جن کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں اور لغتِ عرب میں اس اونٹنی کو جس کی گردن پر بال بہت زیادہ ہوں، غلب کہتے ہیں اور وہ شیر جس کی گردن پر اون بہت زیادہ ہو اُسے بھی اسد غلب کہتے ہیں یہاں اس باغ کو جس میں بہت زیادہ درخت ہیں

marfat.com
Marfat.com

اور ان درختوں کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوں' استعارے کے طور پر غلبًا فرمایا گیا ہے۔

وَفَاكِهَةً اور دوسرے میوے جو کہ باغات میں نہیں ہوتے بلکہ صحراؤں اور بیابانوں میں ہوتے ہیں۔

وَاَبًّا اور قسم قسم کی گھاس جو کہ خودرو ہوتی ہے اور اسے کوئی کاشت نہیں کرتا۔

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ تاکہ تمہیں اور تمہارے چار پایوں کو ان خوردنی اجناس سے بہرہ ور فرمائے۔ اس لیے ان مذکورہ اقسام میں سے بعض خاص طور پر جانوروں کے لیے ہیں جیسے گھاس کی اقسام اور بعض آدمی اور جانوروں میں مشترک ہیں جیسے غلے اور بعض وہ اقسام ہیں جن کا نچوڑ آدمی استعمال کرتا ہے اور ان کے چھلکے' بیج' گٹھلیاں اور پتے جانور کھاتے ہیں۔ اور اس کے باوجود کھانے کے بعد یہ چیزیں کس قدر ذلیل اور حقیر ہو جاتی ہیں اور فضلہ اور گوبر بن جاتی ہیں اور اسے گھروں سے دُور پھینکا جاتا ہے' ان کی بدبو سے سخت نفرت کرتے ہیں اس سابقہ عزت عطا کرنے کو اس لاحق شدہ ذلت پر قیاس کرنا چاہیے اور دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ بہت فرق ہے کہ آدمی کی خوراک عزت دینے کے بعد عنقریب ذلیل کر دیا جاتا ہے اور آدمی اس پر مطلع ہوتا ہے اور آدمی کا اعزاز ایک مدت کے بعد ذلت میں بدل جائے گا اور اس مدت کا وقت معین ہے جس کا بیان یہ ہے:

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ تو جب ایسی سخت آواز آئے جو کہ جہان والوں کے کان بہرے کر دے اور وہ صور پھونکنے سے عبارت ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے باوجودیکہ اسے تمام اجنبیوں سے زیادہ درست رکھتا ہے اور عمر کی ابتدا ہی سے اس کے ساتھ مانوس تھا اور ان میں باہمی ہمدردی' تعاون اور مشورہ کا سلسلہ قائم تھا۔ وَاُمِّهٖ اور اپنی ماں سے کہ اس سے بھائی سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے اور اس کے بہت سے حقوق اس کے ذمہ ہیں۔ وَاَبِيْهِ اور اپنے باپ سے جس کی تعظیم ماں سے بھی زیادہ ہے اور اس کا حق بھی بڑا ہے بلکہ گویا بیٹا اس کی ملک ہے۔

وَصَاحِبَتِهٖ اور اپنی بیوی سے کہ آدمی کا اس کے ساتھ ماں باپ سے زیادہ تعلق ہے

marfat.com
Marfat.com

اس لیے کہ مرتے دم تک اس کے ساتھ رہنا منظور کرتا ہے اور ماں باپ کے حق کو سمجھتا ہے کہ ایک خواب تھا اور ختم ہو گیا اور ان کے ساتھ کوئی کام نہ رہا۔

وَبَنِيْهِ اور اپنے بیٹوں سے جو کہ ان کے نزدیک بیوی سے بھی زیادہ پسندیدہ ہیں اس جہت سے کہ انہیں اپنے مرنے کے بعد اپنا قائم مقام سمجھتا ہے اور ان رشتہ داریوں کے ذکر میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور جب ان قرابتوں کے باوجود آدمی اپنے قریبیوں سے بھاگے گا تو اجنبیوں سے تو بطریقِ اولیٰ نفرت کرے گا۔

کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جو اپنے بھائی سے بھاگے گا' قابیل ہو گا جو کہ ہابیل سے بھاگے گا تا کہ خون کے بارے اس کے پیچھے نہ پڑ جائے۔ اور سب سے پہلے جو اپنی بیوی سے متنفر اور بے زار ہو گا' حضرت نوح اور حضرت لوط علیٰ نبینا وعلیہما السلام والتحیۃ ہوں گے' ان دونوں کی عورتیں منافق تھیں اور منافقین کے بارے میں شفاعت قبول نہیں ہے اور سب سے پہلے جو اپنے بیٹے سے بے زار ہو گا' حضرت نوح علیہ السلام ہوں گے کہ آپ کا بیٹا کنعان کافر مرا۔

## قیامت کے دن کے قریبیوں سے بھاگنے کی وجہ

اور علمائے کرام نے قریبیوں سے دوڑنے کی وجہ میں اختلاف کیا ہے کہ کیا ہو گی؟ بعض کہتے ہیں کہ حقوق کے مطالبے کے ڈر سے بھاگے گا تا کہ اس کا جو حق ضائع کیا تھا اس وقت اسے دیکھ کر اور پہچان کر مطالبہ نہ کر دے جیسا کہ مفلس آدمی قرض دار سے بھاگتا ہے۔

حدیث پاک میں وارد ہے کہ قیامت کے دن آدمی اجنبیوں کی نسبت اپنے آشناؤں اور دوستوں سے زیادہ کنارہ کشی کرے گا اس لیے کہ دنیا میں اجنبیوں کے ساتھ کوئی معاملہ ہی نہ تھا جس کے مطالبے کا خوف ہو۔

اور بعض کہتے ہیں کہ امداد اور شفاعت کے ڈر سے بھاگے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان قریبیوں کو دوزخ میں لے جائیں اور مجھے انہیں چھڑانے کے لیے اپنی کچھ نیکیاں دینا لازم آئیں یا ان کے کچھ گناہ اُٹھانا پڑیں جیسا کہ قحط کے زمانے میں اسی قسم کے خوف کی وجہ سے اپنے قریبیوں سے کم ملتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور بعض کہتے ہیں کہ اس وجہ سے بھاگے گا ان کی تکلیف اور عذاب دیکھنا اس پر دشوار ہوگا اور اپنے اندر شفاعت اور نیکیاں دینے کی ہمت نہیں پائے گا' ناچار ان کی نظروں سے چھپ جائے گا۔

اور صحیح یہ ہے کہ ان تمام وجوہات کی بناء پر بھاگے گا۔ بعض ایک وجہ سے' بعض دو وجہ سے اور بعض تینوں وجوہ کی بناء پر بلکہ اس دن ہر شخص اپنے حالات میں گرفتار ہوگا اور کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہوگا جیسا کہ فرمایا جارہا ہے۔

اقول وباللہ التوفیق یہ عام مسلمانوں کے متعلق ہے' مقربین بارگاہِ خداوندی کے متعلق نہیں۔ چنانچہ یہ بات تو مفسر علام نے خود بھی دورانِ تفسیر لکھی ہے کہ اہلِ اللہ شفاعت سے بھاگیں گے نہیں بلکہ شفاعت کریں گے جیسا کہ سورۃ الجن کی آیت فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا لکھا ہے کہ ایمان والے گناہ گاروں کی انبیاء علیہم السلام' شہداء اور اولیائے اللہ شفاعت فرمائیں گے۔ پتہ چلا کہ حضرت کے نزدیک مندرجہ بالا وجوہ کا تعلق ان اہلِ اللہ سے نہیں ہے۔ نیز امام اصفہانی نے اپنی سند سے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) عالم اور عابد کو لایا جائے گا' عابد کو حکم ہوگا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ جبکہ عالم سے فرمایا جائے گا قف حتی تشفع للناس یعنی یہاں ٹھہرو تاکہ لوگوں کی شفاعت کرو۔ (محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

(ناقلاعن الحدیقة الندیة فی شرح الطریقة المحمدیہ)

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ ان قریبیوں میں سے کہ جن کا ذکر ہوا ہر کسی کی ایسی حالت ہوگی کہ اسے غم اور تشویش اٹھانے کے لیے ہی کافی ہوگی اور وہ یہ فرصت ہی نہیں پائے گا کہ اپنے علاوہ کسی اور کی طرف متوجہ ہو اور اس کی خبرگیری کرے اور جب حادثہ ایسا ہوگا تو لوگ عزت و ذلت میں مختلف ہوں گے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ چند چہرے اس روز مُّسْفِرَةٌ روشن اور چمک دار ہوں گے اس وجہ سے کہ نور ایمان ان کے باطن سے ان کے ظاہر پر جلوہ گر ہوا اور ان کے چہروں کو روشن کر دیا۔

ضَاحِكَةٌ ہنستے ہوں گے انعام و اکرام کی توقع کی بدولت جس کے آثار اپنے اوپر

marfat.com
Marfat.com

دیکھ رہے ہیں۔

مُّسْتَبْشِرَةٌ شاداں اور خوش ہوں گے اس وجہ سے کہ دم بدم انعام و اکرام میں ترقی پا رہے ہیں اور خوشی کی تازگی کے اسباب روز بروز بڑھ رہے ہیں۔

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ اور اس روز کئی چہروں عَلَيْهَا غَبَرَةٌ پر سیاہی اور غبار ہوگا' گناہوں کی تاریکی ظاہر ہونے کی وجہ سے جوان کے باطن میں پیوست تھی اور اب وہ باہر آ گئی۔

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ اس تاریکی کے اوپر سیاہی ہوگی اور یہ سیاہی اگرچہ کفر کا اثر ہے اور کفر نہ دل میں جگہ رکھتا ہے کیونکہ گناہوں کی تاریکی سے بھی زیادہ مخفی ہے لیکن کفر کے غلبے کی وجہ سے غالب ہو کر ظاہر ہونے میں گناہوں کی تاریکی سے بالاتر آئے گی جیسے سیاہ تیل کہ اسے جتنا بھی پانی کے نیچے رکھیں' اوپر آتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ یہ تاریک اور سیاہ چہروں والے لوگ وہی ہیں کافر بدکار کہ کفر بھی کرتے تھے اور گناہ بھی اور انتہائی ذلت و حقارت کے مستحق ہوئے اور ان کی انسانیت کسی طور موجب اکرام نہ ہوئی۔ باوجودیکہ دنیا میں ابتدائے پیدائش میں وہ بھی مکرم و معظم تھے اور عنایاتِ خداوندی انہیں پرورش کرنے میں معروف رہیں اور ایسے دورنگوں کو جمع کرنا ان لوگوں کا خاصہ ہے جنہوں نے کفر بھی کیا اور فجور بھی اور جو صرف کفر یا محض فجور میں مبتلا تھے' ان کے حق میں ایک رنگ ہی کافی ہوگا' فجور کا رنگ تاریک اور گدلا ہے جبکہ کفر کا رنگ خالص سیاہ۔

## جواب طلب سوال

یہاں ایک سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ اس سورۃ کی ابتدا میں دربار خداوندی سے اسے رسولِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب مذکور ہے تو اس واقعہ کو قرآن مجید میں اُتارنے کی کیا حکمت ہے' ظاہری عقل میں یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عتاب و خطاب کو زبان جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے خفیہ طور پر ارشاد فرمایا جاتا جو کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیتے حالانکہ یہ قرآن پاک میں نازل ہوا اور صدیوں سے قاریوں اور تلاوت کرنے والوں کی زبان پر اس کا ذکر ہو رہا ہے اور یہ واقعہ بار بار لوگوں کی یاد میں آتا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ اور یہ عتاب بے شمار فوائد پر مشتمل ہے جیسے آداب تعلیم' بیان قوانین اور حسن اخلاق تو چاہا کہ اس واقعہ کو اس کے تمام فوائد سمیت قرآن پاک کا جزو بنا دیا جائے تا کہ لوگ ہر لحہ اس سے بہرہ ور ہوں اور محروم نہ رہیں۔

## اس واقعہ کے فوائد

اس واقعہ کے فوائد میں سے چند ایک کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں اور باقی سننے والے کی روشن فراست اور صحیح سمجھ کے حوالے کرتے ہیں۔

پہلا فائدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی کبھی اجتہاد کرتے ہیں اور اپنی قوت عقلی کے ساتھ قواعد شریعت سے کوئی حکم نکالتے ہیں اور اس حکم میں انہیں عنایت خداوندی سے منشا قدرت کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے جیسا کہ اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں سمجھا کہ نفع عام کو نفع خاص پر مقدم رکھنا چاہیے اور دعوت اسلام کو تعلیم قرآن پاک پر ترجیح دی جانی چاہیے اور اس راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو مائل کرنا چاہیے اور یہ کہ جو خود بخود طالب اور شوقین ہے اس کے حال پر فی الفوراتی توجہ کی ضرورت نہیں کہ اس کی طلب آخر اسے منزل آشنا کر دے گی اور یہاں یوں رہنمائی فرمائی گئی کہ اس صورت میں نفع عام کا گمان تھا جبکہ نفع خاص معلوم تھا۔ نفع عام اس وقت نفع خاص پر مقدم ہے جب دونوں معلوم ہوں یا دونوں موہوم۔ موہوم کو معلوم پر ترجیح نہیں ہے اور دعوت اسلام کو بھی تعلیم قرآن پر اس وقت ترجیح دی جائے۔ دعوت کی قبولیت محقق ہو اور جب قبولیت کا گمان نہ ہو تو حجت ایک مرتبہ ہی قائم کرنا کافی ہے۔ مبالغۂ اصرار اور دوسرے ضروری امور سے مشغول ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح بھٹکے ہوؤں کو رام کرنا اس وقت ضروری ہے کہ ان کے رام ہونے کی توقع ہو اور توقع نہ ہونے کی صورت میں کوئی ضرورت نہیں اور اس کے علاوہ جب اچھا مقصد بظاہر مقصد فاسد کے ساتھ مشتبہ ہو جائے تو وہ اچھا مقصد بھی حکم شرع کے ساتھ چھوڑ دینا چاہیے۔ یہاں اغنیاء کے دلوں کو مائل کرنا اور کمزوروں' بے نواؤں اور نابینا گداؤں سے بے توجہی ریا اور دنیا داروں کی پاس خاطر کی تہمت کا مقام ہوتا۔ اس وقت اچھے مقصد کو بھی نظر انداز کر دینا چاہیے۔ اتقوا مواضع التھم یعنی تہمت کے مقام سے بچو۔

marfat.com
Marfat.com

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جس کی تعظیم ضروری ہو اس کی تعظیم کی رعایت لازماً کی جائے اگرچہ وہ اس تعظیم پر مطلع نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ نابینا صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی کیفیت سے کہ منقبض ہے یا خنداں۔ میری طرف متوجہ ہیں یا غیر متوجہ' مطلع نہیں تھے کہ انہیں تکلیف ہوتی لیکن چونکہ صاحبِ ایمان اور طالب راہِ خدا تھے' ان کا احترام ضروری ہوا۔ اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ ترك السلام علی الضریر خیانة یعنی نابینے کو سلام نہ کہنا حق اسلام کی خیانت ہے اس لیے کہ اگر وہ سلام نہ کہنے کی وجہ سے رنجیدہ نہیں ہوا' خود اسلام کا حق تلف ہوا۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ کفار کی طرف مائل ہونے کی اگرچہ اچھے مقصد کے اعتبار سے شرعی طور پر رخصت ہے لیکن نقصان سے خالی نہیں۔

پانچواں فائدہ: مسلمان سے بے توجہی اگرچہ بلاقصد ہو' درست نہیں۔

چھٹا فائدہ: دوستوں پر عتاب اور ان کی کوتاہیوں پر تنبیہ ضرور کرنا چاہیے کہ دوستی کے باقی رہنے کی علامت ہے۔ ویبقی الود ما بقی العتاب یعنی جب تک عتاب و شکایت باقی ہے' دوستی بھی باقی ہے عتاب اس وقت ترک کیا جاتا ہے جب دوستی ختم کرنا مقصود ہو۔

ساتواں فائدہ اگر کسی کو کسی عہدہ پر مقرر کریں اگرچہ مقرب دربار اور عالی مقام ہو' اس کے احوال کی باز پرس اور اعمال کے تجسس سے غفلت نہ کی جائے کہ یہ خبر گیری بادشاہی کی شرط اور جہانبانی کے لیے لازم ہے۔ عہدہ داروں اور کارکنوں کو مطلق العنان کرنے سے مملکت کے کام میں رخنہ پڑتا ہے۔

آٹھواں فائدہ کوئی فقیر بھی ہو اسے حقیر نہ سمجھا جائے' کیا پتہ اس کا خدا تعالیٰ کے حضور کیا مرتبہ ہے۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

نواں فائدہ: طالبِ علم کو رکاوٹوں کے باوجود طلب علم سے باز نہیں رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ نابینا' فقیر بھی تھا اس کا ہاتھ پکڑنے والا بھی کوئی نہ تھا پھر بھی طلب علم کی خاطر دربار

marfat.com
Marfat.com

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں آتا تھا اور اگر لوگ علم کی طلب اور خدا تعالیٰ کی راہ کی تلاش میں رکاوٹوں کا بہانہ کریں تو یہ کام ہرگز میسر نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اپنی آمدنی کے اندازے پر کوئی شخص بھی رکاوٹوں سے خالی نہیں ہوتا۔

دسواں فائدہ: یہ ہے کہ استاد اور مرشد کو چاہیے کہ طالب علم اور راہِ حق کے طالب پر جیسا بھی ہو شفقت اور توجہ فرمائے اور جو چاہتا ہے اسے فائدہ پہنچائے۔

گیارہواں فائدہ: یہ ہے کہ معلم اور مرشد کو چاہیے کہ طالب علموں اور رشد و ہدایت حاصل کرنے کے لیے آنے والوں میں دنیوی بڑائی' مال اور مرتبہ کا فرق نہ کرے بلکہ شوق اور حرص کی کثرت اور قوتِ استعداد کی بناء پر امتیاز عطا کرے۔

بارہواں فائدہ یہ ہے کہ اگر کسی ضعیف کو کسی بزرگ کی طرف سے کسی وجہ سے کوئی رنج پہنچے تو اس بزرگ کو چاہیے کہ فوراً اس کا تدارک کرے اور یہ اس بزرگ کے مرتبے کے منافی نہیں بلکہ اس مرتبے کی بلندی میں زیادتی کا باعث ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کے نازل ہوتے ہی اس نابینے کے پیچھے خود جلدی جلدی تشریف لے گئے اور ان رئیسوں اور سرداروں کی کوئی پرواہ نہ فرمائی جو کہ آپ کی محفل میں بیٹھے تھے اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

یعنی بلند مرتبے والے تواضع کریں تو بہت ہی اچھا کام ہے اگر منگتا تواضع کرے تو یہ تو اس کی عادت ہے۔

تیرہواں فائدہ یہ ہے کہ جب رنجیدہ کو راضی کریں تو چاہیے کہ اس کی اس قدر افزائی کی جائے اور گزشتہ معمول سے زیادہ اس کا اعزاز و اکرام کیا جائے تا کہ اس کے زخم کی مرہم ہو سکے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نابینے کو واپس لا کر اپنی چادر مبارک پر بٹھایا اور فرمایا انت فی عیال محمد بابقیت یعنی جب تک تو زندہ ہے' میرے کنبے کے حکم میں ہے' تیرے اخراجات میں برداشت کروں گا۔

marfat.com
Marfat.com

چودھواں فائدہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ان آیات کے باقی رہنے کا پتہ چلا کہ وحی الٰہی پہنچانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی امانت دار تھے ورنہ یہ عتاب وشکایت جو کہ آپ کی ذات پاک پر بہت گراں تھی' لوگوں تک نہ پہنچاتے جس طرح کہ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے ایسے مقام کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کچھ چھپاتے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا واقعہ چھپاتے کہ کمال حیا موجب تھا۔

پندرہواں فائدہ یہ ہے کہ طالب علم کو چاہیے کہ خدا کا خوف رکھنے والا ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طالب علم کے بارے میں بطور تعریف فرمایا ہے کہ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى

سولہواں فائدہ یہ ہے کہ اس محفل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا عباس بن عبدالمطلب اور دوسرے رشتے دار حاضر تھے' ان کے ساتھ مل بیٹھنے پر عتاب ہوا۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کے رشتے دار خدا تعالیٰ سے روگردانی کریں تو ان کے ساتھ نشست و برخاست نہیں ہونی چاہیے اور جو اجنبی طالب حق ہو اس کے ساتھ مل بیٹھنا اور مصاحبت کرنا چاہیے کہ دوست کے دشمنوں کو دوست بنانا صحیح نہیں اور دوست کے دوستوں سے روگردانی محل عتاب ہے اسی لیے قرآن مجید میں دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے کہ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ. (۲۸۔۳)

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ تعلیم وارشاد کے دوران بھی ذی استعداد اور شوق والوں کو رشتے داروں پر مقدم رکھا جائے۔

ستارہواں فائدہ یہ ہے کہ جس شخص کی وجہ سے ایک عمدہ مقصد جو کہ ادب ہے' حاصل ہوا اسے برا نہ سمجھیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نابینا سے محبت فرمائی کہ اس کا احترام فرماتے اور مرحبا فرماتے اور اس کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے اور ہم اسی سے مدد چاہتے ہیں۔

marfat.com

Marfat.com

# سورۂ اذا الشمس کورت

مکی ہے' اس میں انتیس (۲۹) آیات' ایک سو چار (۱۰۴) کلمات اور پانسو تینتیس (۵۳۳) حروف ہیں اور صحیح حدیث پاک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو چاہے کہ قیامت کے دن کو دنیا میں سر کی آنکھوں سے دیکھے' اسے چاہیے کہ سورۂ اذا الشمس کورت پڑھے۔ نیز حدیث پاک میں ہے کہ ایک دن حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ کو بڑھاپا جلد آ گیا یعنی آپ کے مزاج شریف کی قوت سے مجھے یہ توقع تھی کہ اس عمر میں جو کہ ساٹھ (۶۰) سال کے لگ بھگ ہے' آپ پر بڑھاپے کے آثار ظاہر نہیں ہوں گے اس توقع کے خلاف ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ان پانچ سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ سورۃ ہود' سورۃ واقعہ' سورۃ والمرسلات' سورۃ عم یتساءلون اور سورۃ اذا الشمس کورت۔ پس ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ کے وہ عذاب مذکور ہیں جو کہ دنیا و آخرت میں انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی وجہ سے اُمتوں پر گزرے یا گزریں گے۔ مجھے ان عذابوں کا سنتے ہی میری اُمت کا غم غلبہ کرتا ہے اور غم کا خاصہ یہ ہے کہ آدمی کو بوڑھا کر دیتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ

سألت الاطباء ذات یوم اخبرونی
ماشیبنی قال بلغم
فقلت له علی غیر اختتام
لقد اخطات فیما ملکت بل غم

یعنی میں نے طبیبوں سے پوچھا کہ مجھے کس چیز نے بوڑھا کر دیا؟ اس نے کہا بلغم! میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا کہ تو نے غلط کہا بلکہ غم نے۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے سے مراد جسم کی ظاہری کمزوری ہے نہ کہ بالوں کی سفیدی اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بال مبارک اتنے سفید نہیں ہوئے تھے کہ زیارت کرنے والے پر ظاہر ہوں۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو کہ

marfat.com
Marfat.com

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم خاص ہیں' فرماتے تھے کہ آپ کے وصال پاک کے وقت سر مبارک اور ریش مبارک میں سفید بالوں کی تعداد بیس (۲۰) تک نہیں پہنچی تھی اور ظاہر ہے کہ یہ مقدار صرف دیکھنے والے کو معلوم نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اتنے بالوں کو عرف میں بڑھاپا کہتے ہیں۔

## سورۂ عبس کے ساتھ ربط کی وجہ

اور اس سورۃ کے سورۂ عبس کے ساتھ ربط کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ابتدا میں قرآن مجید کے اوصاف کا اس انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ جبکہ اس سورۃ کے آخر میں یہی مضمون معکوس ترتیب کے ساتھ مذکور ہے کہ انہ لقول رسول کریم ان ہو الا ذکر للعالمین نیز وہاں آخر میں قیامت' اس کے اوصاف اور سختیوں اور ہولناکیوں کا ذکر ہے کہ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ جبکہ یہاں وہی مضمون شرح وبسط کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

## وجہ تسمیہ

اس سورۃ کو سورۃ تکویر کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ کی ابتدا میں یہی حادثہ ذکر کیا گیا ہے کہ چاند کی روشنی زائل ہو جائے گی اور قیامت کے حادثوں میں سے کہ ان میں سے یہاں بارہ (۱۲) حادثے ذکر فرمائے گئے ہیں' یہ حادثہ سب سے سخت اور مشکل ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب حادثہ کسی مقصود بالذات پر رونما ہوتا ہے تو وہ اس حادثے سے زیادہ سخت ہوتا جو کہ غیر مقصود بالذات پر رونما ہو مثلاً جان کا ضائع ہونا جو کہ آدمی کی مقصود بالذات ہے' مال کے ضائع ہونے سے زیادہ سخت ہے اس لیے کہ مال جان کو نفع پہنچانے کے لیے مطلوب ہے نہ کہ بالذات۔

نیز جب اس حادثے کے کوئی دوسرا حادثہ مقابل نہ ہو تو وہ اس حادثے سے زیادہ سخت ہو جاتا ہے جس کے کوئی حادثہ مقابل آ جائے کیونکہ مقابلہ کی صورت میں حادثہ کی شدت ہلکی ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک طرف سے ایک شخص کو جان کا خطرہ لاحق ہو اور دوسری طرف سے

marfat.com
Marfat.com

اسے مرتبے اور مال کی زیادتی کی توقع دامن گیر ہو تو اس صورت میں جان والے حادثے کو شدید شمار نہیں کرتا اور پہلوتہی نہیں کرتا اور قیامت کے بارہ (۱۲) حادثوں میں سے کہ جنہیں اس سورۃ میں ذکر کیا گیا ہے' ہر حادثے نے یا غیر مقصود بالذات کو نقصان پہنچایا ہے۔ مثلاً کشط آسمان یعنی آسمان کو اپنی جگہ سے کھینچ لینا' آسمان کو خراب کردے گا جبکہ دنیا والوں کی نسبت سے آسمان مطلوب بالذات نہیں ہے اس لیے کہ ان کا نفع یاب ہونا صرف ستاروں سے ہے' آسمان ایک صندوق سے زیادہ نہیں ہے کہ جس میں جواہر نفیسہ اور بلند قیمت سامان رکھا گیا ہے اگر صندوق ٹوٹ گیا اور جواہرات اور سازوسامان باقی رہا تو اتنا گراں نہیں ہے۔

یا دوسرے حادثے کے مقابل ہے جو کہ مسرت اور فرحت کا موجب ہے مثلاً جہنم کو بھڑکانا کہ اس کے مقابلے میں جنت کو قریب کرنا بھی ہوگا۔ سوائے اس حادثہ کے (یعنی سورج کی روشنی ضائع ہونا) کہ مطلوب بالذات پر جو کہ سورج کی شعاعیں ہیں' صدمہ بھی پہنچائے گا اور اس کے مقابلے میں کوئی مسرت افزا اور حادثہ بھی موجود نہیں ہوگا۔

نیز سورج کو بے نور کرنا حالات کے انکشاف اور نفس انسانی کی جدائی کے اسباب میں سب سے عمدہ ہے کہ سورج کی شعاعوں کی چمک کی وجہ سے بصری محسوسات منکشف ہو جاتی ہیں اور معقولات اور وجدانیات کے ادراک سے رکاوٹ بن جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ معقولات میں غور و فکر کا وقت رات کو مقرر کیا گیا ہے اور خواب دیکھنے کا بھی یہی وقت ہے اور نفسانی کیفیات کی زیادتی کا وقت جو کہ عاشقوں اور فریفتہ لوگوں کو یا بیماروں اور دردمندوں کو یا مصیبت زدہ اور تکلیف میں مبتلا لوگوں کو پیش آتی ہیں' بھی وہی ہے اور اہلِ مراقبہ و توجہ بھی اسی وقت اپنی باطنی نسبتوں کو ترقی دیتے ہیں اور جادوگر اور نفسانی تاثیرات والے بھی اسی وقت مصروف کار ہوتے ہیں اور سمندر کو بھڑکانے اور پہاڑوں کے متحرک ہونے سے ستاروں کا تاریک ہونا بھی اس حادثے کے پہلو میں کوئی مرتبہ نہیں رکھتا کہ ستارے اکثر تاریک اور بے نور ہو جاتے ہیں اور سمندر بنی آدم کی ضرورتوں میں اتنا نفع بخش نہیں ہے کہ اسے مطلوب بالذات شمار کیا جا سکے۔ علیٰ ہذا القیاس پہاڑ اور دوسرے حوادث کی تحقی خود ظاہر ہے۔

marfat.com
Marfat.com

ہم یہاں پہنچے کہ ان بارہ (۱۲) حادثوں کو یہاں خصوصیت کے ساتھ کیوں بیان فرمایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں نفسِ انسانی کا پسندیدہ اور نقصان دہ چیزوں پر توجہ کرنے سے منقطع ہونے اور اس کے شعور وفہم کے آسمانی ارواح کی مدد سے کشادہ ہونے واعمال کی مثالی صورتوں کے ظاہر ہونے اور اچھے بُرے کاموں میں سے ہر ایک کی جزا کی مقدار کے کھلنے جو کہ علمت نفس ما احضرت کا مضمون ہے' کا بیان کرنا منظور ہے اور ان بارہ (۱۲) حادثوں میں سے ہر ایک اس کام میں کچھ دخل رکھتا ہے۔ پس سورج کو لپیٹنے اور ستاروں کے تاریک ہونے کی وجہ سے نفسِ انسانی کا تعلق آسمان کے ساتھ جو کہ اپنی ضروریات میں تھا' منقطع ہو جائے گا اس لیے کہ اس کا دیکھنے کی حس' فصلوں اور موسموں کے اختلاف' مہینوں اور چاندوں کے بدلنے اور مستقبل کے حادثوں کو قبل وقت پہچاننے میں نفع لینا صرف انہی جرموں کی شعاعوں اور حرکات کی وجہ سے تھا اور اس کے مانوس جہان کی چھت اس انقلاب سے خراب ہو جائے گی اور پہاڑوں کے چلانے اور زمین کے ہلنے کی وجہ سے زمین میں رہنے' معدنیات نکالنے' کھیتیاں اور پھل اُگانے' چشمے جاری کرنے اور نہریں جاری کرنے سے اس کی امید ٹوٹ جائے گی اور اس کے گھر کا صحن بربادی کی طرف چلا جائے گا اور اونٹنیوں کو بے کار چھوڑنے کی وجہ سے اس کی توجہ گھریلو حیوانات حاصل کرنے' دودھ' گھی' پشم' اون' نسل اور اولاد حاصل کرنے کی طرف سے سست ہو جائے گی اور اس انقلاب سے گویا اس کا باورچی خانہ اور اس کے گھر کا خزانہ خراب ہو جائے گا اور وحشی جانوروں کے جمع ہونے کی وجہ سے خشکی کے جانوروں کا شکار کرنے اور انہیں مسخر کرنے اور ان نفعوں سے جو کہ کھال' پشم' مشک نافہ اور ان کے دوسرے اجزا سے لیتا تھا' سے اس کی ہمت منقطع ہو جائے گی اور دریاؤں کے بھڑک اُٹھنے کی وجہ سے کشتی کے سفر' بحری تجارتوں' حیوانات کے شکار اور موتی مونگا' عنبر اور عقیق نکالنے سے مایوسی ہو جائے گی اور یہ چھ (۶) حادثے عالم دنیا اور جسمِ انسانی کے امور کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اور اس کے بعد اچھے نفوس کے اپنے ہم جنسوں اور شریر نفوس کے اپنے ہم جنسوں کے ساتھ ملنے اور ایک کی کیفیاتِ نفسانیہ کے دوسرے کے دل پر منعکس ہونے کی وجہ سے اپنی

marfat.com
Marfat.com

وجدانیات ہر کسی کے سامنے زیادہ واضح طور پر جلوہ گر ہوں گی اور وہ اپنے آپ کو اجمالی طور پر اہلِ خیر اور اہلِ شر سے پہچان لے گا اور زندہ درگور کی گئی لڑکی کو پوچھنے کی وجہ سے کہ جس کی جان اس جہان سے بہت سادہ گئی ہے' معلوم کرلے گا کہ اس جہان انسانی شعور وفہم میں بہت کشادگی آ گئی ہے کہ اس طرح کی بے نقش تختیوں پر بھی سوال و جواب کے نقوش ظاہر ہوگئے ہیں۔ نیز وہ دریافت کرلے گا کہ یہاں اگرچہ حقوق ضائع کرنے کے لیے پدری مادری شدید تعلقات درمیان میں ہوں' ہر چھوٹے بڑے کے حقوق کو پورے طور پر حاصل کرنے کا معاملہ بے کار اور فضول نہیں چھوڑا جائے گا اور اعمال ناموں کے کھلنے کی وجہ سے اپنے افعال واقوال کی تفصیل دریافت کرلے گا۔

اور آسمان کو کھینچنے کی وجہ سے جو کہ عالم مثال کی تجلی سے کنایہ ہے کہ اس قوتِ خیالیہ کا خزانہ اور اصل افلاک ہیں' اپنے اعمال کی مثالی صورتیں دیکھے گا اور اسے حقیقت حال کا سراغ مل جائے گا کہ میں نے اندھیری رات میں کیا گل کھلائے۔

اور دوزخ کی آگ بھڑکانے اور جنت کو آرائش وزیبائش کے ساتھ قریب لانے کی وجہ سے ان اعمال کی جزا کی مقدار جو کہ ان کی مثالی صورتوں کا تقاضا ہے' پورے طور پر روشن ہو جائے گی اور اس وقت علمت نفس ما احضرت کا مضمون جلوہ گر ہو جائے گا اور ان چھ (۶) انقلابات کا تعلق عالم آخرت اور انسان کی عقلی اور خیالی قوتوں کے ساتھ ہے اور اس تقریر سے اس ترتیب کی رعایت کی وجہ بھی واضح ہوگئی۔ نیز ثابت ہوگیا کہ عالم برزخ میں نفسِ انسانی کو جسم سے جدا ہونے کے باوجود اپنے اعمال کے حالات کی اطلاع ممکن نہیں ہے اس لیے کہ ابھی آسمان اور زمین قائم ہیں اور اس کا اپنے مساکن اور مانوس چیزوں سے تعلق' اپنے اقارب اور بنی نوع کے حالات سے توجہ اور اپنے گزشتہ حالات کو یاد کرنا منقطع نہیں ہوا اور اسے خلوص وکمال کے ساتھ جہانِ غیب کے ساتھ ملنا حاصل نہیں ہوا اسی لیے اسے عالم برزخ کہتے ہیں کہ ایک وجہ سے دنیا کے احکام رکھتا ہے اور ایک وجہ سے آخرت کے احکام جیسا کہ ایک شخص کسی شہر یا ملک میں ایک مدت تک سکونت اختیار کرکے کسی دوسرے شہر یا ملک کی طرف منتقل ہوگیا اور ابھی اس کا گھر پہلے شہر میں موجود ہے اور اس کے

marfat.com
Marfat.com

عزیز و اقارب وہاں رہتے ہیں اور وہاں خط و کتابت اور آمد و رفت رکھتا ہے اس حالت میں اس کی اس شہر سے پورے طور پر منقطع ہونے کی صورت نہیں بنتی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ جب کہ سورج لپیٹ دیا جائے اور لغتِ عرب میں تکویر کا معنی کسی چیز کے اردگرد لپیٹنا ہے جیسے دستار یا رسی کہ اسے گول دائرہ کی صورت میں لپیٹتے ہیں اور کور العمامہ بمعنی دستار کا پیچ اسی لفظ سے ہے اور چونکہ سورج کی شعاعیں وسیع ہیں اور انہیں دُور کرنے کو ذہن میں دستار لپیٹنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اس لفظ کو بطور استعارہ استعمال فرمایا گیا ہے۔ گویا جب تک اس کی شعاعیں وسیع تھیں' کپڑے کے تھان کی طرح تھیں کہ اسے کھول کر ڈال دیا گیا ہے اور جب اس کی شعاعیں زائل ہو گئیں اور اس کا جسم پنیر کی چکی کی طرح بے نور رہ گیا گویا کہ اس تھان کو لپیٹ دیا گیا۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ الشمس القمر نوران ومکوران یوم القیامۃ یعنی سورج اور چاند قیامت کے دین پنیر کی دو چکیوں کی طرح بے نور ہو جائیں گے اور بعض روایات میں ثوران عقبران واقع ہوا یعنی دو از کار رفتہ بیلوں کی طرح گر پڑیں گے اور ان کی سیر اور گردش ختم ہو جائے گی اور لغتِ عرب میں ثور بیل کو بھی کہتے ہیں اور پنیر کے چکتے کو بھی اور جب ستاروں کی ارواح کا ان کے اجسام سے تعلق منقطع ہو جائے گا تو شعاع اور روشنی بھی زائل ہو جائے گی اور سیر اور گردش بھی ختم ہو جائے گی۔ شعاع زائل ہونے پر نظر کرتے ہوئے پنیر کے چکتہ کی طرف نسبت کر دی گئی اور کبھی حرکت ختم ہونے پر نظر کرتے ہوئے از کار رفتہ بیل کے ساتھ تشبیہ دے دی گئی اور اگر چہ حدیث شریف کے مطابق سورج اور چاند اس حادثے میں شریک ہوں گے لیکن یہاں صرف تکویر آفتاب کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا اس لیے کہ سورج کی شعاع ہے جو کہ چاند کے تاریک جسم کو نور اور روشنی بخشتی ہے تو تکویر آفتاب تکویر ماہتاب کو لازم کرتی ہے' علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ اور جب ستارے تاریک ہو جائیں اور ان کا نور زائل ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ

marfat.com
Marfat.com

ستارے نور کی زنجیروں کے ساتھ لٹکنے والی قندیلوں میں ہیں اور ان قندیلوں کی زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جب فرشتے فوت ہوں گے تو وہ قندیلیں ان کے ہاتھوں سے چھوٹ جائیں گی اور ستارے بکھر کر گر پڑیں گے اور ان کا نور زائل ہو جائے گا۔ پس اس سورۃ میں اس انقلاب کی انتہا بیان کی گئی ہے جو کہ ستاروں پر رونما ہوگا جبکہ اگلی سورۃ میں انقلاب کی ابتدا کا بیان ہے اور لفظ نجوم اور کواکب کا اختلاف اسلوب کلام کے تعین کے لیے ہے اور اس لیے بھی کہ لفظ نجم میں چمک ظاہر ہونے کا پتہ سمجھ میں آتا ہے۔ پس اس کے مناسب انکدار یعنی تاریک ہوتا ہے جبکہ کوکب کے لفظ میں قائم اور راسخ رہنے کا پتہ لگتا ہے پس اس کے لائق انتشار یعنی منتشر ہوتا ہے۔

وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ اور جب پہاڑ چلا دیے جائیں اور وہ بادلوں کی طرح ہوا میں اُڑا دیے جائیں جبکہ پہاڑ فرش کے پتھر اور زمین کے لنگر کی طرح تھے جب ان کی حالت یہ ہوگئی تو قیاس کر لیا جائے کہ زمین کی حالت کیا ہوگی۔

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ اور جب دس ماہا باردار اونٹنیوں کو بے کار چھوڑ دیا جائے اور ان کے مالک ان پر توجہ نہ کریں اور ایسی اونٹنی کا خصوصیت سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نفسِ انسانی کے تعلق کا اپنے اموال سے منقطع ہونے کا بیان مقصود ہے اور جن اموال کی نگہداشت اور خبر گیری کی زیادہ تر ضرورت ہے وہ جانور ہیں اس لیے کہ نقدی' جواہرات اور سامان کی ہر وقت نگہبانی اور خبر گیری کی ضرورت نہیں ہوتی اور کھیتی باڑی' درخت' عمارات اور گھروں کی حفاظت بھی چاہیے مگر ہر لحظہ اور ہر گھڑی نہیں۔ بخلاف جانور کہ ہر وقت باندھنے' کھولنے' سائے سے دھوپ میں اور دھوپ سے سائے میں لانے اور چارہ' پانی اور دوسری ضرورتوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر تجربہ کاروں نے کہا ہے کہ اگر تجھے کوئی غم نہیں ہے تو بکری خرید لے اور جانوروں میں سے ایسی اونٹنی عربوں کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی ہے کہ انہیں اس وقت اس سے بچے اور دودھ کی توقع ہوتی ہے۔ جثہ بڑا ہونے کی وجہ اس کا دودھ دوسرے جانوروں کے دودھ سے کہیں زیادہ ہو جاتا ہے اور جب اس مبنی بر ہدایت کلام کے پہلے مخاطب عرب ہیں ناچار اس چیز کی رعایت ضروری ہوئی جو کہ ان کے

marfat.com
Marfat.com

ذہنوں میں جاگزیں ہے اور ان کے خیال کے خزانے میں غالب طور پر اس کی صورت حاضر رہتی ہے کیونکہ بلاغت کا تقاضا یہی ہے۔

## ایک اُلجھن اور اس کا حل

یہاں ایک اُلجھن ہے جسے بعض ذہین لوگ مشکل اور سخت جانتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے بعد کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں' جانور مر جائیں گے تو اونٹنیاں کہاں ہوں گی کہ بے کار چھوڑی جائیں اور صور پھونکنے سے پہلے قیامت کا دن نہیں ہے کہ اونٹنیاں بے کار چھوڑی جائیں۔ پس یہ کس وقت کی حکایت ہے اکثر دانش وروں نے کہا ہے کہ یہ کلام فرض اور خیال کے طور پر ہے یعنی اگر بالفرض اس وقت ایسی اونٹنیاں موجود ہوں تو اس دن کی ہولناک صورت کے پیش نظر ان کے حال پر کوئی توجہ نہ کرے جیسا کہ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا میں اسی طرح کہا گیا ہے لیکن غور وفکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ جب حضرت اسرافیل علیہ السلام پہلا صور پھونکیں گے' آدمی باردار اونٹنیوں سمیت ایک جگہ مر جائیں گے اور جب دوسری مرتبہ پھونکیں گے سب ایک جگہ زندہ ہو جائیں گے جو اونٹنیاں کہ دس ماہ سے باردار ہوں گی' وہ بھی اسی صورت میں زندہ ہوں گی جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ یُحْشَرُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلٰی مَا مَاتُوْا عَلَیْہِ اور اس وقت ان اونٹنیوں کے مالک ان پر کوئی توجہ نہیں دیں گے اور بے کار چھوڑ دیں گے۔

اور بعض اہلِ تفسیر نے کہا ہے کہ عشار سے مراد بادل ہیں اس لیے کہ عرب لوگ بادل کو باردار جانور کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور ان کے خیال میں بادل کو مادہ کی شکل اور ہوا کو نر کی صورت حاصل ہے جس طرح نر مادہ کے ساتھ ملنے سے اسے باردار کرتا ہے اسی طرح ہوا بادل کو باردار کرتی ہے۔ پس معنی یہ ہوا کہ اس وقت بادل پانی سے خالی ہو جائیں اور کسی کام نہ آئیں اور اس تفسیر میں حقیقت سے جو دُوری ہے' ظاہر ہے اور عشار' عشراء کی جمع ہے جیسا کہ نفاس نفساء کی جمع ہے اور عشراء اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو دس ماہ سے باردار ہو' سال پورا ہونے تک جو کہ اونٹنی کی پوری مدت حمل ہے' اسے اسی نام کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ اور جب پہاڑی اور جنگلی وحشی جانور جمع کیے جائیں اور انہیں جمع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ٹھکانہ پہاڑ اور جنگل تھے' وہ برباد ہو جائیں گے اور ہر طرف سے آگ اور دھواں ان کا تعاقب کرے گا۔ ناچار لوگوں کے مجمع میں امن کی جگہ سمجھ کر بھاگ آئیں گے جس طرح کہ سرد ملکوں میں بارش اور برف باری کے موقعوں پر اس قسم کے جانور اپنی طبع اصلی کو جو کہ نفرت اور وحشت ہے' چھوڑ کر آبادیوں کا رُخ کرتے ہیں اور اس واقعہ سے صریح دلیل ملتی ہے کہ اس دن کا خوف اس قدر ہوگا کہ وحشی جانوروں کو انسان سے نفرت نہیں رہے گی اور بعض کو بعض کے ساتھ جو طبعی عداوت تھی' وہ بھی پرہیز اور ضرر دینے کا باعث نہ ہوگی۔

قتادہ اور دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ وحشی جانوروں کو جمع کرنے سے مراد مرنے کے بعد انہیں زندہ کرنا ہے کہ قصاص کے لیے انہیں زندہ کیا جائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ جانوروں کے درمیان بھی قصاص جاری ہوگا یہاں تک کہ بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری سے قصاص دلایا جائے گا لیکن قصاص جاری کرنے کے بعد سب کو خاک کر دیا جائے گا اور وہ جو خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح ہوئے ہیں' جنت کی خاک بنیں گے۔

## چند قسم کے جانور جنت میں اور چند قسم کے جہنم میں ہوں گے

مگر جو جانور جنتیوں کے سرور اور لذت کا باعث ہوں گے' جنت میں باقی رہیں گے جیسے مور' گھوڑا اور دوسرے بھلے معلوم ہونے والے اور اچھی آواز والے جانور یا وہ جانور جن کا گوشت جنتیوں کو مرغوب ہوگا' ان کی غذا کے لیے جنت میں رکھے جائیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید کی سورۂ واقعہ میں مذکور ہے وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ اور جو جانور جہنمیوں کے عذاب میں زیادتی کا باعث ہوں گے جہنم میں جائیں گے جیسے سانپ' بچھو اور مکھی جو کہ جلے ہوئے اعضاء پر بیٹھے گی اور تکلیف دے گی۔ جبکہ ان جانوروں کو جہنم کی آگ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ الذباب کله فی النار سب کی سب مکھیاں جہنم میں ہیں۔ نیز حدیث صحیح میں ہے کہ ان فی الجنة طیرا انا عمة واکلها انعم منها جنت میں نرم و نازک جانور ہوں گے اور ان کا ذائقہ ان سے بھی زیادہ فرحت

marfat.com
Marfat.com

افزا ہوگا۔

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ اور جبکہ دریا بھڑکائے جائیں گے اور ان کا پانی' دھواں اور آگ ہو جائے گی اور اس آگ اور دھوئیں کے جلنے کی وجہ سے ہوا' گرمی اور حرارت پیدا کرے گی اور اہلِ محشر کی تکلیف کا باعث ہوگا لیکن ایمان والے اس دھوئیں کے شر سے محفوظ رہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ ایمان والوں کو وہ دھواں اسی قدر پہنچے گا جو کہ بیان ہوگا۔

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ اور جبکہ نفوس انسانی آسمانی اور زمینی نفوس کے ساتھ باہم ملائے جائیں تاکہ خیر وشر کے ادراک کی قوت میں اضافہ ہو اور وہ ہر عمل کی پوری جزا مکمل طور پر چکھیں اور بعض نے کہا ہے کہ نفوس کو ملانے سے مراد روحوں کا جسموں کے ساتھ ملنا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ لوگوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا جائے جس کی تفصیل سورۂ واقعہ کی آیت كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً میں مذکور ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ہر کسی کو اپنے ہم مشرب اور ہم مذہب لوگوں کے ساتھ جمع کر کے جدا جدا گروہ بنا دیا جائے گا اور اس ترتیب میں اچھے بُرے طبقات کی رعایت کی جائے گی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ایک شخص کو نیکوں اور بُروں میں سے جس کے ساتھ دنیا میں زیادہ میل جول ہوگا' جمع کیا جائے گا جیسے پیر' استاذ' بادشاہ اور امیر۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایمان والوں کو حورعین کے ساتھ اکٹھا کریں گے جبکہ کفار کو شیطانوں کے ساتھ ملائیں گے اور زجاج نے کہا ہے کہ ہر نفس کو اس کے اچھے بُرے اعمال کی مثالی صورتوں کے ساتھ ملائیں گے۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ اور جبکہ موءودۃ سے پوچھا جائے اور لغتِ عرب میں موءودۃ اس لڑکی کو کہتے ہیں جسے درگور کر دیں۔ وہ وئید سے مشتق ہے اور عرب میں دستور تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی درگور کر دیتے تھے۔ بعض غربت' بھوک اور اخراجات کی کثرت کی وجہ سے جو کہ لڑکی کی شادی اور جہیز کی وجہ سے لازم آتے ہیں' ایسا کرتے تھے اور بعض عار لاحق ہونے اور اپنے سے کم مرتبہ لوگوں سے رشتہ داری اور دامادی کا تعلق حاصل ہونے کے

marfat.com

Marfat.com

خوف اور ان کی جفا کی برداشت گراں سمجھنے کی وجہ سے یہ کام کرتے تھے۔ اور اس وقت اُن علاقوں میں یہ خبیث کام یہاں تک رائج ہو چکا تھا کہ اسے فخر اور غیرت شمار کرتے تھے اور اس پر عذاب کا بالکل خوف نہیں رکھتے تھے اس گمان سے کہ ہماری اولاد بمنزلہ ملکیت مال ہے جیسے ہم چاہیں' ان میں تصرف کریں۔ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ اس انتہائی بُرے کام کی مذمت فرمائی ہے اور اس کی قباحت کی وجوہ کی وضاحت فرمائی کہ اس فعل کے ضمن میں سب سے قریبی رشتے دار جو کہ اولاد ہے' کی قطع رحمی کے علاوہ بے شمار قباحتیں موجود ہیں' ان میں سے بے گناہ پر ظلم وستم کرنا ہے جس کا وبال معلوم ہے اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو بلاوجہ بُرا سمجھنا ہے اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناراضگی ہے اور اس کے فعل کا اس ضد کے ساتھ مقابلہ ہے کہ اس نے نو ماہ کی مدت میں اس کی تربیت فرمائی جبکہ اس شخص نے اس پر قابو پاتے ہی اس کی جان ضائع کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کی رزاقی اور کارسازی پر بے اعتمادی ہے اور ان میں سے شدید بخل ہے کہ اپنے بیٹے پر مال خرچ کرنے کو روا نہیں رکھتا۔ وغیر ذالک

اسی لیے عرب کے سمجھ دار لوگ بھی اس قباحت پر مطلع ہو کر اس کام سے ہاتھ کھینچ لیتے تھے لیکن قوم کے رواج کی وجہ سے مجبوراً قبول کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے چچازاد زید بن عمرو بن نفیل مکہ شریف میں پیدا ہوئے' آپ جہاں بھی سنتے کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے اور لوگ اسے زندہ درگور کرنا چاہتے ہیں وہاں دوڑتے ہوئے اور جاتے کہتے کہ میں اس لڑکی کو اپنی کفالت میں لیتا ہوں اس کی پرورش' شادی اور جہیز میں جو کچھ خرچ ہوگا' میرے ذمے رہا اور آپ نے اس طریقے سے بے شمار بچیوں کو چھڑایا اسی لیے لوگ انہیں محی الاموات یعنی مردوں کو زندہ کرنے والا کہتے تھے اور ان کی اس اچھی رسم کی عربوں نے بھی ہر قبیلہ میں پیروی کی۔ چنانچہ فرزدق شاعر کا دادا جس کا نام صعصعہ تھا' بھی یہی کام کرتا تھا اسی بناء پر فرزدق کے شعروں میں اپنے دادا کے اس عمل پر فخر کرنے کا ذکر ہے۔

اور ہماری اُمت میں یہ ناپاک عمل ایک اور صورت میں نمودار ہوا ہے اور شیطان کا

marfat.com
Marfat.com

طریقہ یہی ہے کہ لوگ جب کسی بُرے کام کو شرعی ڈانٹ ڈپٹ اور عقلی دلائل کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں' وہ ملعون اسی معنی کو دوسرے رنگ میں ان کی نظر میں اچھا کر دکھاتا ہے تا کہ اس کا اصل مطلب فوت نہ ہو اور وہ صورت جو کہ اس اُمت میں رواج پا چکی ہے' یہ ہے کہ لونڈیوں اور کم اصلوں کے حمل کو لڑکی بلکہ لڑکا بھی پیدا ہونے سے عار لاحق ہونے کے لیے روح ڈالے جانے کے بعد جس کی مدت غالباً چار ماہ گزرنے کے بعد ہے' گرا دیتے ہیں اور اس نہایت ہی بُرے عمل کو شرافت اور غیرت کے تقاضے کا نام دیتے ہیں اور اسے فخر کے مقام پر بیان کرتے ہیں حالانکہ ناحق خون کرتے ہیں اور اس بُرے عمل میں جو دوسری خرابیاں واقع ہوتی ہیں' سر مو فرق نہیں ہے۔

لیکن روح ڈالے جانے سے پہلے جائز عذر کی وجہ سے جیسے ولادت کی تنگی یا عیال کی کثرت اور مال کی قلت یا سفر میں ہونا یا کنیز سے خدمت کا نفع فوت ہونا۔ اسقاط کے جواز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف پڑ گیا تھا اور حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے اس بحث میں کافی گفتگو ہوئی یہاں تک کہ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا واللّٰه لاتكون موءودة حتى تاتي عليها التارات السبع

اس گفتگو کو حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پسند فرمایا اور یہی قول مقرر ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض اسے بھی احتیاط کی بناء پر حرام سمجھتے تھے اور اسے موءودۃ صغریٰ کہتے کہ اگرچہ اس عمل میں قتل نفس تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کی رزاقیت پر عدم اعتماد اور بلا وجہ اللہ تعالیٰ کے فعل کا اس کی ضد کے ساتھ مقابلہ اور دوسری خرابیاں ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ عزل پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہے اور وہ جو حدیث پاک میں عزل کے بارے میں وارد ہے کہ ذالك الواد الخفي کہ یہ خفیہ در گور کرنا ہے تو یہ عزل کی حرمت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ مکروہ اور ترک اولیٰ پر۔ اس لئے کہ ہر امر کا خفی اس کے جلی کا حکم نہیں رکھتا جیسا کہ ریاء جو کہ شرک خفی ہے' شرک جلی کا حکم نہیں رکھتی اور عزل کا جائز ہونا صحیح مشہور روایات سے ثابت ہے اس میں کوئی شبہ نہیں اور قبل از جماع یا بعد ازاں مانع دوا کا استعمال بھی عزل کی طرح جائز ہے۔ (مسئلہ مذکورہ مشروط بالشرائط ہے جن کا پایا جانا نادر ہے' مغربی ممالک اور

marfat.com

Marfat.com

عیاش اقوام کے برتھ کنٹرول کا اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ وہاں یہ کام صرف عیاشی کے لیے ہوتا ہے۔ جس معاشرہ میں کھلے بندوں ہر مقام پر مردوں اور عورتوں کا بے تکلف میل جول ہو وہاں اس عمل کے رواج پانے کے مقاصد اور مفاسد کو معلوم کرنا مشکل نہیں۔ یہ بہر طور ناجائز اور بے حیائی اور بے شرمی کو عام کرنے کا باعث ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

## ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں ایک شبہ ہے جو کہ اکثر دل میں گزرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ موءودۃ بے چاری مظلوم ماری گئی ہے اس سے پوچھنے کی کوئی وجہ نہیں' چاہیے تھا کہ سوال اس کے قاتل سے ہوتا تا کہ اس کی علامت ہوتی اور اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ موءودۃ سے سوال اس طرح نہیں ہوگا کہ تجھے کیوں مارا گیا تا کہ بعید از حقیقت ہو بلکہ یوں سوال ہوگا کہ

بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ اسے کس جرم کی پاداش میں مارا گیا ہے اور یہ سوال مظلوم کے لائق ہے نہ کہ ظالم کے۔ اس لیے کہ اس سوال کا مقصد دعویٰ کی تلقین اور ظلم کی وجہ ظاہر کرنے کی طلب ہوتی ہے تا کہ مظلوم کہے کہ فلاں نے مجھ پر بے وجہ یوں ظلم کیا ہے۔

اور مَوْءُوْدَۃٌ سے اس طرح سوال کرنے میں راز یہ ہے کہ ننھی سی جان میں اگرچہ اس جہان میں ایک شعور' سمجھ اور ادراک پیدا ہو جائے گا اور ابھی اس کا ادراک کچہریوں کا شوق رکھنے والوں کے ادراک سے کہ انہوں نے دنیا میں ان کاموں میں ایک عمر گزاری ہے' کمتر ہوگا۔ نیز جو تکلیف اسے قرار نہ پانے والی زندگی کے زائل ہونے سے لاحق ہوئی اس کے نفس میں اس کا اتنا اعتبار نہیں ہوگا کہ اس کی زندگی ایک خواب کی طرح تھی کہ دیکھا اور ختم ہوا۔ نیز ماں باپ پر دعویٰ کی ابتدا میں حیا کی وجہ سے اسے ایک رکاوٹ سی ہوگی' ناچار اسے اپنی طرف سے اس طرح دعویٰ کی تلقین اور یاددہانی کرائی جائے گی جس طرح کہ سادہ لوح مظلوم کہ جنہیں اپنی دلیل بیان کرنے اور دعویٰ مکمل کرنے میں قدرے کمزوری درپیش ہوتی ہے تو انصاف پسند حکام انہیں اس طرح کی تلقین اور یاددہانی کراتے ہیں تا کہ ان کے حقوق ضائع نہ ہو جائیں اور اسی طرح وہ مظلوم جو کہ ظالم کے ساتھ ایک تعلق کی خاطر شکایت اور فریاد کرنے سے حیا کرتا ہے یا ڈرتا ہے اس کے بارے میں بھی عدل و انصاف والوں کا یہی

marfat.com

Marfat.com

وتیرہ ہے اور فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ ایسی صورت میں قاضی کے لیے مدعی اور گواہ کو تلقین کرنا درست ہے کہ اس کے بغیر مظلوم کا حق پورے طور پر نہیں لیا جا سکتا۔

اور اس کے علاوہ اس سوال میں والدین کے ساتھ اس کے ادب سے پیش آنے کی حد درجہ رعایت کی گئی ہے اس لیے کہ پہلے اس کے قاتل کا ذکر نہیں فرمایا۔ گویا یہاں قاتل سے سوال کرنا پیش نظر نہیں تا کہ رسوائی نہ ہو اسی لیے مجہول صیغے کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ یا اس گناہ کے متعلق سوال فرمایا گیا جو کہ اس کے قتل کا موجب ہوا۔ گویا اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ والدین کو اولاد کے حال پر اس قدر شفقت ہے کہ بہت بڑے جرم کے بغیر انہوں نے تیرے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا ہوگا۔ میں سوال کرتا ہوں کہ وہ گناہ کیا ہے؟ لیکن موءودۃ کی نسبت سے والدین کے حق میں ادب کی یہ رعایت والدین کی انتہائی ذلت اور رسوائی کا باعث ہوگی خصوصاً موءودۃ سے گناہ کے متعلق پوچھنے میں کہ وہ تو گناہ صادر ہونے کی جگہ بالکل ہو ہی نہیں سکتی' یہ انہیں صریح الزام کی تعریض ہوگی اور اگر شروع سے ہی والدین سے پوچھا جاتا کہ تم نے بلاوجہ اپنی لڑکی کو کیوں قتل کیا تو یہ ذلت' رسوائی اور خوف و دہشت کا غلبہ حاصل نہ ہوتا۔

نیز ان سے نہ پوچھنے اور سوال و خطاب کا رُخ مَوْءُ وْدَةُ کی طرف پھرنے میں ان کی انتہائی شقاوت اور بدبختی کا پتہ دینا ہے کہ ان کی اس بے ہودہ حرکت پر سخت ناراضگی کی وجہ سے ان سے جھڑکی آمیز سوال اور عتاب بھی نہیں فرمایا جا رہا کہ کہیں عذاب اور عتاب کی تکلیف کو کلام اور خطاب کی لذت کی وجہ سے ہلکا محسوس کریں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اور کیا اچھا کہا گیا ہے (بیت)

اگر بیمار پرسی نہیں ہے تو نالائق ہی کہہ دو کہ تمہارے منہ سے مجھے ایک بات سننے کی تمنا ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ الوائدۃ والموء ودۃ فی النار یعنی اپنی لڑکی کو زندہ درگور کرنے والی عورت اور وہ لڑکی دونوں دوزخ میں جائیں گی اس حدیث کو سنتے ہی معتزلہ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور اس حدیث صحیح کے مقابلے میں اس آیت کے

marfat.com
Marfat.com

ساتھ دلیل لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ موء ودۃ کی وجہ سے کافروں کو ذلیل اور شرم سار فرمائے گا۔ موء ودۃ کو عذاب دینے کا کیا مقصد؟ اور اس استدلال میں انتہائی جہالت اور بے وقوفی کا ارتکاب ہے اس لیے کہ والدین کو عذاب دینا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے ناحق خون کیا ہے جبکہ موء ودۃ کو عذاب دینا اس وجہ سے ہوگا کہ وہ کفر میں والدین کے تابع ہے جیسے ایک ظالم اور مظلوم جو دونوں کافر مرے ہوں' ایک کو دوسرے کے لیے عذاب دیں گے اور اصل میں دونوں عذاب پانے میں اپنے کفر کی بناء پر ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔

## کفار کے اطفال کے عذاب کی وجہ

اسی لیے اہلِ سنت کے نزدیک کفار کے اطفال کو عذاب دینا قواعد شریعت کے تقاضوں پر نظر کرتے ہوئے جائز ہے اس لیے کہ طفل کی جان خصوصاً وہ طفل جو اتنی سی چھوٹی عمر میں اس جہان سے گیا' گویا والدین کے نفس کا ایک شعبہ ہے جو ابھی مستقل اور پورا نہیں ہوا جب نفس والدین کو دُکھ ہوگا' وہ سادہ نفس بھی ان کے تابع ہونے کے ناطے تکلیف پائے گا۔ جیسے دو جڑواں بچے کہ ایک وقت میں ہنستے اور روتے ہیں اور ایک ہی وقت میں انہیں بھوک پیاس لگتی ہے جب تک کہ پنگھوڑے میں رہیں اور ان کا نفسانی اتصال مستقل ہونے کی جدائی میں نہ بدلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

## ایک قابلِ بیان نکتہ

یہاں ایک نکتہ ہے جو کہ بیان کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ قتلت کو صیغۂ غائب کے ساتھ کیوں لایا گیا۔ خطاب کا تقاضا یہ تھا کہ قتلت کو مخاطب مؤنث مجہول کے صیغہ کے ساتھ لایا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں قیامت کے واقعات بیان کرنا مقصود ہے اور موء ودۃ کی حالت کو غیب کے صیغے کے ساتھ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ پس مقصد موء ودۃ کے پوچھے جانے کی خبر دینا ہے جو کہ واقع ہوگا نہ کہ خطاب کی حکایت جو کہ اس کے ساتھ درمیان میں آئے گی۔

marfat.com
Marfat.com

## مسئلہ فقہی

فقہی حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے ہاتھوں غلطی سے اپنی اولاد ضائع ہو جائے جیسے چار ماہ کا حمل گرانا یا حد سے زیادہ افیون کھلانا یا نگہبانی میں سستی کرنا کہ مثلاً کسی چھت کے کنارے اسے پکڑ کر کھیل رہا تھا اور بچہ اس کے ہاتھ سے نکل کر گر پڑا اور فوت ہو گیا۔ علیٰ ہذا القیاس اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیس بن عاصم تمیمی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سخت گناہ کا ارتکاب ہوا ہے کہ حالتِ کفر میں میں نے آٹھ بچیوں کو زندہ درگور کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر بچی کے عوض ایک ایک غلام آزاد کرو۔ عرض کی میں تو اونٹوں کا مالک ہوں' غلام نہیں رکھتا۔ فرمایا کہ ہر بچی کے بدلے ایک ایک اونٹ خدا کی راہ میں دے دو۔

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ اور جبکہ اعمال نامے کھولے جائیں جو کہ لپیٹ کر سجین اور علیین کے دفتر میں رکھے ہوئے تھے اور ہر شخص اپنے اعمال نامے کا مطالعہ کرے اور قتادہ سے مروی ہے کہ ہر شخص کے مرنے کے بعد اس کے اعمال نامے کو لپیٹ کر دفتر میں محفوظ رکھتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے نشر کا معنی منتشر کرنا لیا ہے یعنی اعمال ناموں کو منتشر کر دیں اور اس دفتر سے جہاں جمع تھے' نکال کر تقسیم کر دیں اور بعض کو پشت کی طرف سے بائیں ہاتھ میں اور بعض کو سامنے سے دائیں ہاتھ میں سپرد کریں گے اور مرثد بن وداعہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن اعمال ناموں کو عرش کے نیچے سے اُڑائیں گے تو صاحبِ ایمان کے ہاتھوں میں جو اعمال نامہ آئے اس میں یہ لفظ لکھا ہوگا کہ فی جنۃ عالیۃ جبکہ کافر کے ہاتھ میں آنے والے صحیفے پر لکھا ہوگا فی سموم وحمیم اور یہ صحیفے فال کے قرعوں کے طور پر ہوں گے نہ کہ صحائف اعمال' کشاف میں ایسا ہی ذکر کیا۔

وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ اور جبکہ آسمان کی کھال اُدھیڑ دی جائے جیسا کہ ذبح کیے ہوئے جانور کی کہ کھال اُدھیڑنے کے بعد اس کے اجزاء اور اعضاء نمودار ہو جاتے ہیں اور اس

marfat.com
Marfat.com

کے رگ و ریشے ظاہر ہو جاتے ہیں اور افلاک کے چھپے ہوئے حالات جو کہ چیزوں کی مثالی صورتیں ہیں' روشن اور ظاہر ہوں گی۔ اعمال نامے اُٹھانے والے ملائکہ اور ملائکہ کی دوسری قسمیں نازل ہوں۔

وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ اور جبکہ جہنم کو بھڑکایا جائے اور اس کی جلن کی شدت میں اضافہ ہو جائے۔

وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ اور جبکہ جنت کو میدانِ حشر کے قریب لایا جائے۔ پس ایمان والوں کی خوشیاں پر خوشیاں بڑھیں جبکہ کافروں کو حسرت پر حسرت نصیب ہو اور جب یہ بارہ (۱۲) حادثے ثابت ہو جائیں جن میں سے چھ (۶) حادثے صور پھونکنے سے پہلے دنیا میں ہیں اور ان میں سے چھ (۶) صور پھونکنے کے بعد آخرت میں ہوں گے۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ہر نفس اس چیز کو جان لے جو نیکی اور بدی سے اس نے حاضر کی ہے اور بعض تاویل کرنے والوں نے کہا ہے کہ ان بارہ (۱۲) حالات کو مرتے وقت جو کہ قیامت کا نمونہ ہیں' پالیں گے اسی لیے اسے قیامتِ صغریٰ کہتے ہیں اور حدیث پاک میں بھی وارد ہے کہ من مات فقد قامت قیامتہ اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ پس سورج آدمی کی روح کی طرح ہے جس کی شعاع سے جسم زندہ ہوتا ہے اور جب اس کا تعلق بدن کی تدبیر سے منقطع ہوتا ہے گویا جسم انسانی کے جہان کا سورج مکدر اور بے نور ہو گیا۔ اور ستاروں کا تاریک ہونا انسانی حواس اور قوتوں کے بے کار ہونے کا نمونہ ہے جو کہ موت کے وقت رونما ہوتا ہے۔ اور پہاڑوں کی حرکت اس کے جسم کے اعضاء رئیسہ اور ہڈیوں کے افعال کا باطل ہونا ہے کہ اپنے کاموں سے معزول ہو کر ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور تعطیل عشار دودھ اور چربی کے خشک ہونے اور طبعی افعال کے باطل ہونے کا نمونہ ہے جو کہ جگر اور غذا کے دوسرے آلات سے صادر ہوتے ہیں۔ اور وحشیوں کا جمع کرنا افعال بہیمیہ اور سبعیہ کے نتائج کا ظاہر ہونا ہے۔ اور دریاؤں کا بھڑکانا جسم کے خون اور دوسری رطوبتوں کا خشک ہونا یا اوہام' خیالات' امیدوں اور آرزوؤں کا باطل ہونا ہے کہ ان میں ہر ایک بحر ناپیدا کنار ہے اور اختیاری یا اضطراری موت کے بغیر ان کے منقطع ہونے کا تصور ہی نہیں ہے۔ اور نفوس کا

marfat.com

Marfat.com

جوڑنا کسب کی ہوئی صلاحیتوں کا باہم اجتماع ہے' ظلمانی صلاحیتوں کا ظلمانی اور نورانی صلاحیتوں کا نورانی کے ساتھ جبکہ موءودۃ وہ قوت ہے جسے آدمی نے اس کے لیے مقرر کیے ہوئے مصرف کے بغیر کہیں اور صرف کر کے ضائع کر دیا۔

اور بعض دانش مندوں سے منقول ہے کہ ہر نفیس نکتہ جو کہ علمی مقدمات میں ذہین لوگوں کے ذہن میں آئے اور اسے لکھ کر قابو نہ کریں یہاں تک حافظے سے نکل جائے' موءودۃ ہے اور کشط آسمان احکامِ روح کے ظہور سے کنایہ ہے اور تسعیر جہنم ان سختیوں اور ہولناکیوں کو دیکھنا ہے جو کہ موت کے بعد رونما ہوں گی اور جنت کو قریب لانا اس تازگی اور راحت سے عبارت ہے جو کہ اس وقت نیکوں کی ارواح کو پہچانتے ہیں جبکہ بُروں کو ان سے محروم رکھتے ہیں۔

اور بعض اہلِ تصوف نے ان سب حالات کو فنا کی حد تک سلوک کے مدارج طے کرنے پر منطبق کیا ہے جو کہ ان کے نزدیک واصل ہونے کی پہلی منزل ہے اور اس مطابقت دینے کی تفصیل ایسی طوالت چاہتی ہے جو کہ اس تفسیر کے انداز سے باہر ہے۔

بہرحال نفسِ انسانی پر خیر وشر کی حقیقت کھلنے کے اسباب بیان کیے جا چکے اور ان اسباب کی تحقیق مخبر صادق جو کہ سب سے بڑا سچا ہے یعنی ذات حق تعالیٰ کے خبر دینے سے یقینی ہوگئی تو قسم اُٹھانے کی ضرورت نہ رہی اسی لیے یوں فرمایا گیا کہ:

فَلَآ اُقْسِمُ پس میں قسم نہیں اُٹھاتا اس لیے کہ میرے خبر دینے کے بعد قسم کی ضرورت نہیں ہے اور اگر اس سب کچھ کے باوجود تم قسم کے محتاج ہو تو میری قسم!

بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ چند ستاروں کے ساتھ ہے جو کہ اپنی حرکت میں پیچھے ہٹنے والے' اپنی حرکت میں سیدھے جانے والے' اپنی حرکت میں کھڑے رہنے والے ہیں اور حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ اور اکثر مفسر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ وہ ستارے خمسہ متحیرہ ہیں یعنی زحل' مشتری' مریخ' زہرہ اور عطارد کہ انہیں اپنی حرکت میں ایک حیرت نمودار ہوتی ہے۔ پہلے تو مغرب سے مشرق کو برجوں کی ترتیب سے حمل سے ثور اور ثور سے جوزا تک جاتے ہیں اس کے بعد کچھ وقت ان کی حرکت نمودار نہیں ہوتی اور

marfat.com

Marfat.com

ایک جگہ کھڑے رہتے ہیں پھر پچھلے پاؤں لوٹتے ہیں۔ اور مشرق سے مغرب کو آتے ہیں۔ علم ہیئت کی اصطلاح میں پہلی حالت کو استقامت کہتے ہیں اور دوسری حالت کو وقوف اور اقامت کہتے ہیں جبکہ تیسری حالت کو رجعت اور رجوع کا نام دیتے ہیں۔ یہ تین حالات ستاروں میں سے ہر ایک کے لیے نہیں ہیں' چاند میں وقوف ہے' رجعت نہیں ہے اور دوسرے ستاروں میں وقوف ہے نہ رجعت۔ پس ان سب پانچ ستاروں کی حیرت اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آسمانی چیزوں کا ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا ممکن اور واقع ہے۔ پس آسمان کے تمام اجزا کے انقلاب اور ستاروں کا نور زائل ہونے کے جواز میں کوئی امر محال نہ رہا۔

اور ان پانچوں ستاروں کو رجعت' استقامت اور وقوف کے ساتھ خاص کرنے کا اگرچہ آسمانی ہیئتوں کی تفتیش کرنے والوں کے نزدیک ایک سبب ہے کہ وہ ان کے حامل کی حرکت اور تداویر کی حرکت کا اختلاف ہے اس لیے کہ انہیں اٹھانے والے مغرب سے مشرق کو جاتے ہیں اور ان کے تداویر چونکہ زمین میں شامل نہیں ہیں' ان کے اوپر کی سطح کے مغرب سے مشرق کو جاتے ہیں اور نچلے مشرق سے مغرب کو اور جب یہ ستارے تداویر میں گڑے ہوئے ہیں اور وہ تداویر حامل کے حجم میں مرکوز ہیں' ناچار ان ستاروں کو ان کی مطابقت میں دونوں حرکتیں ہوتی ہیں جب تک کہ حامل کی حرکت اور تداویر کی حرکت موافق ہوتی ہے' استقامت کے ساتھ جلدی چلنے والے معلوم پاتے ہیں اور جب دونوں حرکتوں کا اختلاف ہو جاتا ہے تو آہستہ چلنے لگتے ہیں اور جب دونوں حرکتیں مقابلے کی حد تک مختلف ہو جاتی ہیں کہ ستارہ ایک حرکت کے ساتھ جتنا آگے گیا اسی قدر دوسری حرکت سے پیچھے گر پڑا' واقف اور ساکن معلوم ہوتا ہے۔ گویا بالکل حرکت نہیں کرتا اور جب دوسری حرکت غلبہ کرتی ہے تو الٹی حرکت ظاہر ہوتی ہے اور ستارہ لوٹتا معلوم ہوتا ہے۔

اور اس سبب کو جاننے کی صورت میں مدعا زیادہ تر واضح اور روشن ہو جاتا ہے اس لیے کہ جب آسمانی ستارے تغیر و انقلاب کا محل ہو گئے اور ان کی حرکت اور اطوار کے اسباب مختلف اور متصادم اور ان میں طبائع کا باہم کھنچنا اور ارادہ کرنا متحقق ہو گیا تو صدمے قبول

marfat.com
Marfat.com

کرنے پر آمادہ ہو گئے جو چیز اختلاف اور تغیر سے بچی ہوئی ہو اس میں صدمہ قبول کرنے کو بعید سمجھا جا سکتا ہے۔

## آسمانی ستاروں کی دو اقسام

اور یہاں ان پانچ ستاروں کا ذکر لانا اس لیے ہے کہ آسمانی ستاروں کی دو قسمیں ہیں۔ سیار یعنی سیر کرنے والے اور ثابت یعنی وہ ستارے جو حرکت نہیں کرتے۔ سیاروں کی حرکت افلاک کے متعدد ہونے سے مختلف ہوتی ہے جبکہ ثوابت کی حرکات مختلف نہیں ہیں بلکہ ان کے فلک کی حرکت بھی نہایت کمزور اور کم معلوم ہوتی ہے اور ثوابت کو رجوع' استقامت' وقوف اور سرعت سے آہستگی کی طرف منتقل ہونا اور اس کا عکس لاحق نہیں ہوتا جبکہ سیارات کو سب کچھ لاحق ہوتا ہے اور سیاروں میں سے شمس وقمر کو بارہا قرآن مجید میں مغیر و انقلاب کے مقام میں ذکر فرمایا گیا ہے اور ان دونوں کے یہ زیادہ تر تغیرات عوام وخواص کے نزدیک مشہور ومعروف ہیں۔ خصوصاً قمر کے کہ ہر مہینے میں اس کے گھٹنے اور بڑھنے کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دونوں کا گرہن دیکھتے ہیں تو یہاں اجرام آسمانی کے تغیر پذیر ہونے کا بیان مقصود تھا' ان پانچ ستاروں کا ذکر جو کہ تغیرات اور اختلافات رکھتے ہیں' ضروری ہوا۔ غور وفکر کرنے پر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ثوابت کا آپس میں امتزاج نہیں ہے اسی لیے ہر ایک کی ایک ہی حالت ہو گی جبکہ ان پانچ ستاروں کے شمس وقمر کے ساتھ اور آپس میں مختلف اور متعدد امتزاج ہیں اور مختلف قوتوں کے صادر ہونے کا مقام بنتے ہیں اور سورج کے ساتھ ان کے عجیب رابطے ہیں اور ہر رابطے کی تاثیر جداگانہ ہے۔ پس یہ پانچ سیارے عالم آسمانی میں بمنزلہ عنصری مرکبات یعنی معدنیات' نباتات' حیوانات' انسان اور ان کے برزخ کے ہیں جبکہ شمس وقمر مرکبات ناقصہ کے مشابہ یعنی بخار' غبار اور دھواں اور ثوابت بمنزلہ عنصری بسائط کے اور ان پانچ ستاروں کی تاثیرات اور افعال ارادہ اور اختیار والی چیزوں کے افعال کے ساتھ زیادہ مشابہ ہیں اور ان کی حرکات گویا چڑھنے اُترنے' جانے آنے' بھاگنے اور طلب کرنے سے مرکب حرکت اختیاری ہے۔ پس ان پانچ سیاروں کے انقلاب اور تغیر کا ذکر مقصد کے زیادہ قریب ہے کیونکہ انقلاب ارادی ہے طبعی نہیں۔

marfat.com
Marfat.com

بہر حال ان پانچ ستاروں کے حالات اجرام آسمانی کے حالات کے اختلاف پر بہت بڑی دلیل ہیں۔ اور جب اجرام آسمانی تغیرات اور انقلاب کے قابل ہوئے تو زمینی اجسام کے انقلاب میں کیا دشواری ہے کہ ان کا انقلاب و تغیر تو ہر وقت مشاہدے میں رہتا ہے اور اس قسم کے انقلاب میں جو کہ بڑے تغیر کا موجب ہو کسی کو کوئی شک ہو تو دوسری قسم اُٹھائی جاتی ہے۔

وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ اور رات کی قسم جب کہ آتی ہے اور جہان کو تاریک کر دیتی ہے اور انقلاب عظیم رونما ہوتا ہے' بازار بے رونق ہو جاتے ہیں' گھروں کے دروازے بند' چوروں اور درندوں کا خطرہ غالب ہو جاتا ہے' راستے رُک جاتے ہیں' تلاشِ معاش ایک ختم' لوگ مردوں کی طرح ہو جاتے ہیں کہ ان کی حس و حرکت باطل' مردوں کی طرح پڑے ہیں اور جن اور شیاطین پھیلے ہوئے ہیں اور یہ ایسا انقلاب ہے جو کہ دن رات کی ہر گردش میں ایک مرتبہ زمین اور زمین والوں کو درہم برہم کر دیتا ہے اگر بالفرض کوئی دن کے وقت ہوش میں آئے اور اس نے رات نہ دیکھی ہو اور اس کے پاس اس انقلاب کا ذکر کیا جائے تو وہ اسے اس قدر محال جانے گا کہ کفار قیامت کے حالات سننے سے اس کا دسواں حصہ بھی نہیں جانتے اور رات کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ جو چیز دُور ہے جیسے آسمانی ستارے اور چاند وہ اس میں ظاہر ہو جاتے ہیں اور جو چیز نزدیک ہے جیسے فضا اور سطح زمین کی چیزیں وہ مخفی اور پوشیدہ ہو جاتی ہیں جیسا کہ دن کے وقت اس کے برعکس مشاہدہ ہوتا ہے اور دنیا اور آخرت کا مخفی چیزوں کے ظاہر ہونے اور ظاہر چیزوں کے مخفی ہونے میں فرق اسی نمونے سے واضح ہو جاتا ہے اسی لیے اس بات کو پورا کرنے کے طور پر فرمایا گیا ہے۔

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ مجھے صبح کی قسم ہے جس وقت کہ سانس لے۔ کہ اس وقت بھی ایک عظیم انقلاب رونما ہوتا ہے اور لوگ خواب سے بیدار ہوتے ہیں' محفلیں اور بازار آباد ہو جاتے ہیں' مسافر راستوں میں چلنے لگتے ہیں اور روزی کی تلاش ہر مخلوق کا مقصود ہو جاتی ہے اور حیوانی قوتوں میں ایک عظیم چستی پیدا ہو جاتی ہے' ہر چیز روشن اور ظاہر ہو جاتی ہے' چمکتے ستارے بے نور ہو جاتے ہیں اور لشکر اور قافلے پہاڑوں کی طرح سیر کرتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

صبح کا دَم لینا اس کے ظاہر ہونے سے کنایہ ہے۔ سورج کو کہ جس کی علامت صبح ہے' دریا میں تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی گئی ہے اور طلوع سے پہلے اس کے نور کے پھیلنے کو مچھلی کے سانس کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے جس طرح کہ مچھلی دریا میں نگاہ سے اوجھل گزرتی ہے اور اس کے سانس لینے سے پانی اُبلتا اور منتشر ہوتا ہے یہی طلوع سے اور روشنی پھیلنے سے پہلے سورج کی حالت ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ دَم صبح اس بادِنسیم سے کنایہ ہے جو کہ بہار کے دِنوں میں صبح کے طلوع کے ساتھ چلتی ہے اس نسیم صبح کو سانس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جہان والوں کی راحت اور فرحت کا موجب ہوتی ہے۔ گویا صبح بمنزلہ ایک دُکھیا یا مریض کے تھی کہ جس نے ابھی سانس لینے کی فرصت پائی اور کچھ راحت حاصل کی بہر حال صبح کے لئے سانس ثابت کرنا فارسی اور عربی دونوں کے شعروں میں رائج اور مشہور ہے۔

اور عسعس کا لفظ دو ضدوں میں مشترک ہے' آمد و رفت دونوں کو کہتے ہیں اگر مقابلے اور صبح کے دَم لینے کی رعایت کی جائے تو اسے آنے پر محمول کرنا چاہیے اور اگر اس کی مناسبت اور باہم لازم ہونا مقصود ہو تو جانے پر محمول کرنا چاہیے اور یہ اعجاز قرآنی کا کمال ہے کہ یہاں دو وجہوں والے مقام پر دو ضدوں میں مشترک لفظ ارشاد فرمایا گیا لیکن دوسری تقدیر پر صرف ایک انقلاب مذکور ہوگا اس لیے کہ رات کا جانا اس انقلاب کی ابتدا ہے اور صبح کا سانس لینا اس کی انتہا ہے اور جب یہ انقلاب آخرت کے انقلاب کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا ہے کہ حیات بعد الموت کا نمونہ ہے اور اس میں مخفی چیزوں کا ظہور زیادہ ہوتا ہے اور اس پر اکتفاء کرنا نہایت موزوں ہے۔

بہر حال یہاں مقصد یہ ہے کہ بارہ (۱۲) انقلابات کے بعد کہ جن کی مانند دنیا میں بھی انقلابات واقع ہوتے ہیں' نفسِ انسانی پر خیر اور شر کی حقیقت واضح ہونے میں قسم اُٹھانے اور کلام کو پکا کرنے کی ضرورت نہیں رہی اس لیے کہ ان انقلابات کا ممکن ہونا عقل کی دلیل سے ثابت ہے اور ان انقلابات کا نفسِ انسانی پر خیر اور شر کی حقیقت واضح ہونے کا سبب ہونا بھی غور کرنے کے بعد عقل کی نظر میں ظاہر ہے اور جب مخبر صادق کسی ممکنہ چیز کے واقع ہونے

marfat.com
Marfat.com

کی خبر دے جو کہ ایک خبر کی وجہ سے ہو تو اس کے واقع ہونے کا یقین حاصل ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ نفی کے لیے قسم کی ضرورت نہیں' علت بیان کرنے کے طور پر فرمایا جارہا ہے۔

اِنَّهٗ تحقیق یہ قرآن جو کہ قیامت کی خبروں کو ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ البتہ اللہ تعالیٰ کے قاصد کی لائی ہوئی گفتگو ہے جو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے پہنچائی گئی ہے تو اس میں جھوٹ اور من گھڑت کے احتمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے کہ کلامِ الٰہی کا سچا ہونا قطعی ہے۔

اور اگر کسی کے دل میں کھٹکے کہ یہ کلام حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے ہم سے بلا واسطہ نہیں کی ہے تاکہ ہمیں اس کے مضمون کا یقین حاصل ہو بلکہ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے واقع ہیں اور سند تحقیق ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تم جو اپنے پیغمبر سے بے واسطہ یہ کلام سنتے ہو' تمہارے درمیان دو واسطوں سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک وہ شخصیت جو پیغام رسانی کے طور پر خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر علیہ السلام کے پاس یہ کلام لاتی ہے۔ دوسرا واسطہ رسول علیہ السلام۔ اب ان دونوں واسطوں کی چھان پھٹک میں خود غور کرو۔ پہلا واسطہ جو کہ قاصد ہے' ان صفات سے موصوف ہے۔

كَرِيْمٍ بزرگ اور عالی مقام ہے جس کا عدالت اور تقویٰ اعلیٰ درجے کا ہے اس لیے کہ اس کے مرتبے کی بزرگی تقوے کے بغیر صورت نہیں پکڑتی۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ الكرم التقوىٰ والحسب المال یعنی کرم تقویٰ ہے اور حسب مال ہے اور قرآن مجید میں بھی اس مضمون کی خبر دی گئی ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ پس اس راوی میں عدالت اور تقویٰ ثابت ہو گیا اب اس کے حافظہ کی قوت کی تحقیق کرنا چاہیے' اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ

ذِیْ قُوَّةٍ عظیم قوت والا ہے کہ اس کے حافظے میں بالکل کوئی خلل نہیں پڑتا جو کچھ سنتا ہے' اسے کمی بیشی کے بغیر یاد رکھتا ہے اور اس کی ہر قوت کے کمال کی وجہ سے اس یاد کی ہوئی بات کو کمی بیشی کے بغیر پہنچا دیتا ہے اور اگرچہ یہاں اس قاصد کے حافظہ کی قوت اور تعبیر کرنے کی قوت کو بیان کرنا مقصود ہے لیکن ان دونوں قوتوں کا کمال علی الاطلاق حاصل نہیں

marfat.com
Marfat.com

آ تا اس بناء پر اسے مطلق قوت کے ساتھ موصوف فرمایا گیا ہے۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ ان صفات سے موصوف انہیں کی ذات عالی صفات ہے کہ حق تعالیٰ نے تمہیں قوت اور امانت کے ساتھ موصوف فرمایا ہے اور تمہاری تعریف فرمائی ہے' ہمارے سامنے اپنی قوت اور امانت کی کوئی حکایت بیان کریں۔

## حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قوت وامانت کا بیان

آپ نے کہا کہ میری قوت یہاں تک ہے کہ مجھے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے شہروں کو جو کہ چار تھے' برباد کرنے کے لیے بھیجا گیا' ان شہروں میں سے ایک شہر سدوم میں چار لاکھ مسلح مرد تھے' عورتوں اور بچوں کے علاوہ۔ میں نے ان تمام شہروں کو ساتویں زمین کے نیچے سے اپنے ایک پر سے اُٹھا کر اتنا بلند اُٹھایا کہ آسمان کے رہنے والے ان شہروں کے مرغوں اور کتوں کی آوازیں سُن رہے تھے پھر ان تمام شہروں کو میں نے اُلٹ کر پھینک دیا اور مجھے کوئی تھکن اور مشقت محسوس نہ ہوئی اور رہی امانت تو وہ اس مرتبہ کی ہے کہ مجھے کبھی کسی چیز کا حکم نہیں دیا گیا مگر میں نے کمی بیشی اور کسی تغیر وتبدل کے بغیر سرانجام دیا اور مجھ پر کوئی راز نہیں کھولا گیا مگر میں نے اس راز کو اپنے سینے میں دفن رکھا اور کسی غیر کے سامنے بیان نہ کیا۔

اور ان دونوں صفات کے ذکر کرنے سے روایت کی دو شرطیں عدالت اور قوت حفظ ثابت ہوگئیں اب ان کے علاوہ چند اور صفات کا ذکر بھی فرمایا جا رہا ہے کہ سند و روایت کے علم کے ناقدین ترجیح اور کمال تصحیح کے مقام میں ان صفات کا اعتبار کرتے ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ وہ قاصد صاحبِ عرش کے نزدیک معزز اور عالی مرتبت ہے اور ظاہر ہے کہ جب درباری واقفیت رکھنے والوں کو جو کہ ہمیشہ دربار میں حاضر ہوں' اسے پیغام رسانی کے لیے بھیجیں تو ہر چیز کا اعتماد بہ نسبت اس پیغام کے زیادہ ہوتا ہے جیسے ہرکارے یا کسی غلام کی زبان سے بھیجیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ معزز آدمی بادشاہ کے کلام کو بلاواسطہ سنتا

marfat.com
Marfat.com

ہے اور یہ احتمال کہ کسی کے درمیان اس کلام کو کم وبیش کر دیا ہو نہیں رہتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ عالی مقام معزز آدمی اپنے منصب اور مرتبے کی حفاظت کی خاطر درباری پیغام کو نقل کرنے میں پوری احتیاط کرتا ہے اسی لیے امام بخاری اور مسلم حضرت امام مالک اور دوسرے ائمہ حدیث کے شاگردوں میں سے ان لوگوں کو روایت میں ترجیح دیتے ہیں اور مقدم رکھتے ہیں جو کہ اپنے استاد کے زیادہ قریب بیٹھتے تھے اور اس استاد کی دائمی صحبت کی وجہ سے مشہور و معروف ہو گئے تھے اور اس استاد کے نزدیک انہوں نے مقام حاصل کر لیا تھا اور روایت کے اضطراب اور اختلاف کے وقت ان کی مرویات سے دلیل دیتے ہیں۔

اور دنیاداروں کے عرف میں بھی وہ پیغام جو کہ شاہی دربار سے کسی سردار یا وزیر کے واسطے سے پہنچے اس مقام کی نسبت زیادہ معتبر ہوتا ہے جو کسی خدمت گار دربان اور ملازم کے واسطے سے پہنچے اور ان میں سے یہ ہے کہ:

مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ اس قاصد کی اس جہان میں فرماں برداری کی جاتی ہے کہ مملکتِ الٰہی کے دربار کی کسوٹی ہے اور اس دربار کے ارکان میں امین جانا گیا ہے کہ کسی غور اور تفتیش کے بغیر صرف اس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں اور اس دربار کے لوگوں اور اس سرکار کے متوسلین کے ذہنوں میں اس کا پیغام اس قدر راسخ اور پختہ ہو گیا ہے کہ اس کے حکم کو تفتیش اور تحقیق کے بغیر حکم الٰہی سمجھتے ہوئے اس کی تعمیل میں جلدی کرتے ہیں۔ چنانچہ جب جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج ہمراہ لے گئے تو آسمانوں کے دربانوں اور جنت وجہنم کے خازنوں نے ان کے حکم سے دروازے کھول دیئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں چاہا سیر فرمائی جیسا کہ حدیث معراج میں تفصیل سے مذکور ہے۔

(یہاں سے یوں مترشح ہوتا ہے کہ شبِ معراج کارکنانِ قدرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں بلکہ جبرئیل علیہ السلام کے لیے مصروف عمل تھے حالانکہ یہ تمام انتظامات تو شبِ اسریٰ کے دولہا سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے۔ جبرئیل امین علیہ السلام تو بطور خادم ہمراہ تھے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین محمود عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں والحکمة فیه ان السماء لم تفتح الا لاجله بخلاف مالو وجده

marfat.com
Marfat.com

مفتوحا (عمدۃ القاری ج ۲ص ۲۰۰) نیز نسیم الریاض شرح شفاء از علامہ شہاب الدین خاجی رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ص ۲۳۶ میں ہے۔ قال ابن المنیر استفتاحه لان ابوابها مغلقة ولم تفتح الا لاجله صلی اللہ علیه وسلم تنویها بقدرہ یعنی آسمان کے دروازے آج صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے اگر پہلے کھلے ہوتے تو یہ مسئلہ معلوم نہ ہو سکتا اور اس سفر میں جبرئیل علیہ السلام کی حیثیت کے لیے یہی تصریح کافی ہے جو کہ علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی نے روح المعانی ج ۱۵ص ۱۰ میں فرمائی ہے۔ فکان جبریل هوالآخذ برکابه ومیکائیل الآخذ بزمام دابته الی ان وصل الی ماوصل ثم تولی امرہ سبحانه بماشاء شبِ معراج براق کی رکاب حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی جبکہ اس کی لگام حضرت میکائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں' ان کی حد ختم ہونے کے بعد پھر سب کچھ ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ کے تصرف سے تھا جہاں چاہا سیر فرمائی اس لیے کہ آپ کو بلایا ہی اس لیے گیا تھا بلکہ جہاں تک آپ نے سیر فرمائی' جبرئیل علیہ السلام کی تو سوچ کی بھی وہاں تک رسائی نہیں۔ علمائے ربانی اور فضلائے حقانی نے اپنے اپنے مقام پر کیا خوب ترجمانی فرمائی ؎

غنچے ما ادمی کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبل سدرہ تو اس کی بو سے بھی محرم نہیں

ایک مقام پر فرمایا ؎

شان خدانہ ساتھ دے ان کے خرام کا وہ باز سدرہ سے تا ز میں جسے نرم سی ایک اڑان ہے۔

از امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ) حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی فرماتے ہیں ؎

معراج کی شب ہمراہ ہیں سب سدرہ آیا کوئی نہ رہا
سدرہ سے بڑھے جبرئیل رُکے تنہا ہیں جو عرشِ خدا پایا

نیز شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

چناں گرم در تیہ قربت براند کہ در سدرہ جبرئیل ازو باز ماند

marfat.com
Marfat.com

(محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں تک احکامِ الٰہیہ کا پہنچانا انہیں کا کام ہے۔ گویا تمام فرشتوں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام اس صفت میں کہ آپ خدائی احکام پہنچانے والے ہیں' ممتاز گردانے گئے ہیں۔ فرشتوں کی تمام اقسام میں آپ کا آنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام لانے کی علامت ہے اور جب راوی اس درجے کا معتمد ہو کہ تمام عمائدین اس کے پیغامات کو قبول کریں اور اس کی سند نہ پوچھیں تو پھر بھی اس کی خبر میں جھوٹ اور بہتان کے احتمال کو جگہ دینا مالیخولیا سے زیادہ نہیں ہے۔

اور دوسرا واسطہ جو کہ تمہارے رسول علیہ السلام ہیں' ایک ایسی شخصیت ہیں جو چالیس (۴۰) سال سے زیادہ تمہارے پاس جلوہ گر ہیں اور خلوت و جلوت اور مقصد اور بے مقصد کسی طور پر تمہیں ان کے جھوٹ بولنے کی اطلاع نہیں ہے اور ایسی معتمد شخصیت کو خبر دینے میں معتبر نہ سمجھنا معقول نہیں ہے۔ مگر خیال میں کوئی خلل ہو کہ اندرونی حواس کے دگرگوں ہونے کی وجہ سے بے اصل عجیب شکلیں اس کے خیال میں آئیں اور عجیب و غریب آوازیں سنے اور اس کے خیال میں جو کچھ بھی آئے' اسے واقعی خیال کرے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ اور تمہارے پاس موجود اس شخصیت میں سودا یا خیال نہیں کہ ان کی خبر کے بارے میں اس احتمال کو راہ دو۔ اس لیے کہ اس طویل صحبت میں ہر لحہ ان کی عقل اور دانائی کے کمال کا تم نے تجربہ کیا ہے۔ اور ان کے خیال اور قوت ذہنی کی درستی کو تم نے دریافت کیا ہے کہ تمام عقل مندوں سے بالاتر ہے۔ اور اس سب کچھ کے باوجود تمہارے دل میں شبہ گزرے کہ یہ پیغمبر علیہ السلام جس صورت کو دیکھتے ہیں اور اس کی زبان سے کلامِ الٰہی کو سنتے ہیں' ہمیں کہاں سے پتہ چلے کہ وہ جبرئیل کی صورت ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی جن یا شیطان نے اس صورت میں تمثل ہو کر فریب دیا ہو اور آواز دی ہو کہ جسے پیغمبر علیہ السلام نے آوازِ جبرئیل سمجھ لیا ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ تمہارے یہ سب شبہات اس وقت کامیاب ہوتے ہیں کہ اس پیغمبر علیہ السلام نے جبرئیل علیہ السلام کو کبھی بھی ان کی اصلی شکل میں نہ دیکھا ہو۔

marfat.com
Marfat.com

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ تحقیق اس پیغمبر علیہ السلام نے اس قاصد کو اس کی شکل میں آسمان کے روشن کنارے میں دیکھا ہے یعنی مشرقی اُفق میں کہ اس سمت میں سورج کی وجہ سے کسی شبہ کا گمان تک نہ رہا تھا۔ اور جب ایک مرتبہ چیز کی حقیقت کو دیکھ لیا گیا تو ہر صورت اور ہر لباس میں اس حقیقت کی شناخت سہل اور آسان ہوگئی۔ مثلاً جب بچہ دریا میں پانی کو دیکھ لے۔ اگر وہ پانی کوزے یا لوٹے میں اس کے نزدیک لائیں تو بلاتوقف پہچان لے گا کہ یہ وہی پانی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت پر دیکھ لینا حقیقت جبرئیلی منکشف ہونے کا موجب ہو گیا تھا کہ اس کے بعد آپ انہیں ہر صورت اور ہر لباس میں پہچان لیتے تھے۔ بیت

تو خواہی جامہ و خواہی قبا پوش

من انداز قدت رامی شناسم

مگر ایک دفعہ کہ چند مسائلِ دینیہ کی بابت سوال کرنے کے لیے آئے تھے اور اس ایک بار میں نہ پہچاننے میں راز یہ ہے کہ اس وقت جبرئیل علیہ السلام اپنی حقیقت سے جو کہ رسالتِ خدا کے لیے لازم ہے' تنزل کر کے سائلوں کی شکل میں آئے تھے اور وحی یا احکامِ الٰہی کا پروگرام نہیں تھا تاکہ جبرئیل علیہ السلام کو پہچاننا ضروری ہو۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ میں نے جبرئیل کو ان کی اصلی شکل میں کبھی نہیں دیکھا سوائے دوبار کے۔ ایک دفعہ تو وحی کے منقطع ہونے کے زمانے میں جبکہ انتہائی بے تابی کی وجہ سے میں نے چاہا پہاڑ کے اوپر سے چھلانگ لگا دوں اس ارادے سے مکہ معظمہ کے مقام جیاد سے میرا گزر ہوا اس وقت میں نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ مشرق کی سمت زمین و آسمان کے درمیان ایک چمکدار زریں کرسی پر بیٹھے ہیں اور ان کے جسم نے آسمان کے پورے کناروں کو گھیر رکھا ہے' ان کے چھ سو پر ہیں۔ جن میں یاقوت اور مروارید جڑے ہوئے ہیں۔ میں نے ایک عجیب نورانی شکل کا مشاہدہ کیا۔ دوسری دفعہ معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ کے پاس میں نے انہیں اسی صورت میں دیکھا اور قرآن مجید میں سورۂ والنجم کے اوائل میں ان دونوں مرتبہ دیکھنے کا ذکر فرمایا گیا ہے مگر اتنا فرق ہے کہ وہاں بار اول کے

marfat.com
Marfat.com

دیکھنے کے بارے میں بالافق الاعلیٰ ذکر فرمایا گیا ہے جبکہ یہاں بالافق المبین کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے اور اندازِ بیان میں تبدیلی میں نکتہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں پیغمبر علیہ السلام کی خبر کی صداقت اور اس کے مضمون کے بالکل واضح ہونے کو بیان کرنا مقصود ہے اس لیے لفظ مبین زیادہ مناسب ٹھہرا جبکہ وہاں پیغمبر علیہ السلام کے مرتبے کی رفعت اور ان کے آسمانوں پر چڑھنے کو بیان کرنا منظور ہے تو لفظ اعلیٰ موزوں ہوا۔

نیز آپ کے استواء (جو کہ ذُوْمِرَّةٍ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى میں مذکور ہے) کی ابتدا جو کہ حقیقت جبرئیلی کی تجلی سے کنایہ ہے' ایسی صورت میں ہے کہ اس حقیقت کا مقتضیٰ اُفق اعلیٰ میں تھا اور اس صورت کی نزدیکی اور قرب کی انتہا اُفق مبین میں تھی۔

(اقول وباللہ التوفیق یہاں مفسر علام نے ایک قول کے مطابق تفسیر فرمائی ہے جبکہ یہاں دوسرا قول بھی ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن میں فرماتے ہیں کہ "اس آیت کے مقصد میں مفسرین کا بڑا اختلاف ہے ولقد راہ میں ہ سے کیا مراد ہے یعنی محبوب نے اس کو دیکھا۔ بعض نے کہا کہ جبرئیل کو دیکھا یعنی کسی پیغمبر نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں نہ دیکھا' صرف ہمارے حضور علیہ السلام نے دوبار ان کو اصلی شکل میں دیکھا اس کے سوا انسانی شکل میں آتے تھے اس کا یہاں ذکر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اپنے رب کو دیکھا جنہوں نے رب کو دیکھنے کا قول کیا ہے وہ دو جماعتیں ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ دل سے دیکھا۔ یہ حضرت ابن عباس مانتے ہیں (مسلم) اور سر کی آنکھ سے دیکھا یہ حضرت انس بن مالک' حسن اور عکرمہ مانتے ہیں (تفسیر خزائن العرفان) صاحبِ روح البیان نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں' رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام سے اور ہمیں اپنے دیدار سے مشرف فرمایا' مذہب اہلِ سنت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے رب کو بچشم سر دیکھا۔ حسن بصری قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ معراج میں حضور علیہ السلام نے رب کو دیکھا۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رب کو دیکھا' رب کو دیکھا' رب کو دیکھا یہاں تک فرمایا کہ آپ کی سانس بند ہوگئی۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

marfat.com

Marfat.com

اور اربابِ شہود میں سے بعض نے کہا ہے کہ عالم مثال کے دو اُفق ہیں اس کا اوپر کا اُفق عالم تجرد و تقدس کے متصل ہے۔ جبکہ اس کا نچلا اُفق عالم شہادت سے ملا ہوا ہے جب حقیقت جبرئیلی نے چاہا کہ خود کو اس حقیقت کے کمال کے مناسب شکل میں جلوہ گر کرے تو پہلے اُفق اعلیٰ میں مثال کی شکل اور جسم کا پردہ پہنا اور آہستہ آہستہ نزدیک ہوئی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکمل اتصال ہوا اور اُفق مبین سے مراد جو کہ اس حقیقت اور معنی کو ظاہر کرنے والا تھا' وہی عالم مثال کی نچلی سمت ہے نہ کہ اُفق آسمان' تشبیہ کی بناء پر اسے اُفق سے تعبیر کیا گیا ہے اس لیے کہ غیبی جہان غالب طور پر اہلِ کشف و شہود کی نظر میں دائروں کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں اور سورۂ نجم میں قرآنی عبارت بھی اسی تقریر کی تائید کرنے والی ہے۔

اور جب نزولِ قرآن پاک میں اشتباہ کی وجوہ کلی طور پر زائل ہوگئیں تو اس کی خبروں کی تکذیب کا احتمال نہ رہا سوائے اس کے کہ بعض کفار شبہ کے طور پر اس کلام کو کاہنوں کی مقفیٰ کلام کی قسم سے جانتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کاہن کہتے۔

## کاہن کی حقیقت

اور کاہن کی حقیقت یہ ہے کہ بعض انسانی نفوس کو بعض شیطانی نفوس کے ساتھ مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ شیطانی نفوس فرشتوں کی محفلوں سے جن میں آئندہ کے واقعات کی تدابیر کا ذکر ہوتا ہے' چوری چھپے کوئی چیز سن کر اپنے اس دوست کے پاس پہنچا دیتے ہیں اور وہ شخص لوگوں کے پاس کہہ دیتا ہے اور کبھی واقع کے مطابق بھی ہو جاتا ہے اور افرادِ انسانی کے ساتھ یہ شیطانی معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے بہت مروج اور مشہور تھا اس سلسلے میں چند مشہور لوگ ہو گزرے ہیں جیسے شق اور سطیح اور غیب کی خبریں دینے میں ان کے عجیب و غریب واقعات مشہور و مذکور ہیں اور دیگر دو اور آیات میں اس شبہ کا بھی ازالہ فرمایا جا رہا ہے۔

## کہانت کے شبہ کا ازالہ

اور اس شبہ کے ازالہ کا بیان یہ ہے کہ کسی کاہن کا علم' غیب کی اقسام کو پورے طور پر

marfat.com
Marfat.com

گھیرنے والا نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر اس سے باری تعالیٰ کے اسماء وصفات یا احکامِ شرعیہ کے متعلق جو کہ عالم غیب میں مقرر ہیں یا مذاہب کے حق و باطل ہونے کے متعلق یا جنت اور دوزخ کے حالات کے متعلق یا موت کے بعد ارواح کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے' اس کے متعلق اور اس قسم کے علوم کی بات پوچھیں تو توتلے اور لاجواب رہ جائیں گے۔ بلکہ گزشتہ بادشاہوں اور اُمتوں کی تاریخ کو بھی بیان نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ اس کے علم کا ماخذ ملائکہ کے کلام کو چوری چھپے سننا ہے جو کہ آئندہ کے واقعات کی تدبیریں کرتے ہیں اور بس تو اس کا علم تو آئندہ عنقریب واقع ہونے والے واقعات تک محدود ہے کہ جن پر ملائکہ کو آگاہ کیا گیا ہے اور انہیں ان کی تدبیر کرنے اور جاری کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب اس علم کا حاصل کرنا چوری کرنے کے ساتھ وابستہ ہے تو ان واقعات کی تمام سمتوں کا احاطہ کرنے والا بھی نہیں ہوتا بلکہ رمز و اشارہ کے طور پر ایک دو کلمے جو کہ ان واقعات کی اصل پر اجمالی طور پر دلالت کریں' ان کے ہاتھ لگتے ہیں اور وہ اپنی طرف سے اس واقعہ کے حواشی اور تتمے عقلی قیاس اور تجربوں کے طریقے بڑھا دیتے ہیں۔ وہ واقعہ کبھی تو ظاہر میں اس قیاس کے مطابق ہوتا ہے اور کبھی دوسرے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس امور غیبیہ کے بارے میں کاہن کا علم رمز و اشارہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور وہ بھی جہان کی جزئیات کے حالات کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ عنقریب واقع ہونے والے ہوتے ہیں جبکہ یہ قرآن علم غیب کی تمام اقسام کو گھیرنے والا ہے اور اس کا بیان بھی وسیع ہے جو کہ ہدایت وارشاد کے لیے کافی ہے۔

(اقول وباللہ التوفیق حضرت مفسر علام کی وضاحت کے مطابق قرآن تمام اقسام غیب پر حاوی ہے۔ الرحمٰن علم القرآن کے مطابق حضرت رحمٰن جل شانہ نے پورا قرآن پاک حضور علیہ السلام کو خود پڑھایا تو معلوم ہوا کہ مشمولات قرآن کا علم حضور علیہ السلام کو حاصل ہے۔ یاد رہے ماکان ومایکون بھی غیب کی اقسام میں سے ہے اس لیے غیب کا یہ علم بھی حضور علیہ السلام کو حاصل ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ اور یہ قرآن علم غیب کے بیان میں بخل کرنے والا اور کوتاہی کرنے والا نہیں ہے' آدمی کو دنیا و آخرت میں جو علم وعمل چاہیے اس میں کوئی کوتاہی

marfat.com
Marfat.com

نہیں رکھتا۔ پس اس مکمل ہدایت والے کلام کے بارے میں کہانت کا گمان کرنا وہی زربفت بنانے والے اور بوریا بنانے والی کی حکایت ہے۔ نیز کاہن کی زبان پر جو کچھ آتا ہے' شیطان کی بات ہوتی ہے جو کہ وہ فرشتوں کی محافل سے چرا کر لایا ہے۔

وَمَاهُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيْمٍ اور یہ قرآن دھتکارے ہوئے شیطان کی بات نہیں ہے اس لیے کہ جب شیطان حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم نہ کرنے کی وجہ سے رندۂ درگاہ ہوا' اسے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ انتہائی دشمنی ہوگئی اور بارگاہِ خداوندی کے ساتھ بھی سخت بغض و عداوت پیدا ہوگئی۔ پس اس کی ہر بات میں آدمیوں کی بدخواہی پھیلی ہوتی ہے' اسے انہیں ہدایت دینے اور ان کے امر ونہی سے کیا واسطہ؟ اس کا کام گمراہ کرنا اور ضلالت میں ڈالنا ہے۔ نیز اسے توحید' اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ذکر' جنت اور جہنم کے ذکر' عالم آخرت کے اثبات' بتوں اور کفار کی مذمت' شہوت اور غضب کے افعال کی بُرائی بیان کرنے' ریاضت ومشقت کے اعمال کے حسن کو بیان کرنے' انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی شان کی خوبیاں بیان کرنے اور فرعونوں اور بدکاروں کے مال کی خباثت بیان کرنے سے کیا غرض؟ کہ یہ امور تو اس ملعون کے جگر کا کانٹا اور آنکھ کا تنکا ہیں اور اس کی مارکیٹ کو ایک دم برباد کر دیتے ہیں خصوصاً شیطان کے مکر سے دھوکا کھانے سے ڈرانا آدمیوں کے ساتھ اس کی دشمنی کو بیان کرنا' اس کی پیروی کی مذمت کرنا اور ان کاموں کی خباثت کو بیان کرنا جو کہ اسے پسند ہیں' کیا امکان ہے کہ اس کی زبان سے نکلے بلکہ شیطان تو یہ کلام سنتے ہی بھاگ جاتا ہے اور کان میں انگلیاں ڈال لیتا ہے کہ سنے نہیں۔

ع دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآن خوانند

یعنی شیطان تو اس قوم سے بھاگتا ہے جو قرآن پڑھے۔ اس ہدایت بھرے کلام کو شیطان کی بات سمجھنا انتہائی حماقت اور بے وقوفی ہے۔ چنانچہ کفار کو ان کے اس گمان فاسد میں ڈانٹنے کے انداز میں فرمایا جا رہا ہے۔

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ پس تم کدھر جا رہے ہو اور کن خیالوں میں سرگرداں ہو' امر واقع کو چھوڑ کر صریح طور پر محال اور ممنوع احتمالات کے ساتھ کہ جن پر تمیز والے بچے بھی ہنسی کرتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں' دھوکہ کھا رہے ہو۔ گویا گھر کا راستہ گم کر کے کنویں میں جا رہے ہو۔

یہاں جاننا چاہیے کہ اکثر معتبر قراء نے وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ کو جو کہ صاد کے ہم شکل نقطے والے ضاد کے ساتھ ہے' طا کے ہم شکل نقطے والے ظا کے ساتھ پڑھا ہے اور ظاہر کے ساتھ ظنین کا معنی متہم ہے اور اس صورت میں ہو کی ضمیر صاحب کی طرف راجع ہوگی جو کہ ذات رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عبارت ہے۔ یعنی تمہارے رسول علیہ السلام امر غیب پر متہم نہیں ہیں کہ نہ دیکھی ہوئی چیز کے متعلق کہیں کہ میں نے دیکھی ہے اس لیے جزوی آسان امور میں تم ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں رکھتے ہو تو اس امر عظیم پر تم ان کی طرف جھوٹ کی نسبت کیسے کرو گے اور تہمت لگاؤ گے؟ پس یہ شبہ بھی زائل ہو گیا کہ شاید اس پیغمبر نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنے کے دعویٰ میں (معاذ اللہ) درست نہ کہا ہو۔

اور ضاد اور ظا کے مخرج میں فرق بہت مشکل ہے' ان علاقوں کے اکثر پڑھنے والے دونوں کو یکساں نکالتے ہیں' نہ ضاد ضاد کے مقام پر ہوتا ہے اور نہ ظا ظا کے مقام پر۔ قاری قرآن کے لیے ان دو حرفوں کے مخرج کو جدا جدا پہچاننا ضروری ہے۔

## ض اور ظ کے مخرج کا بیان

پس ض کا مخرج زبان کے کنارے کی جڑ ان دانتوں کی مدد کے ساتھ ہے جنہیں اضراس کہتے ہیں خواہ دائیں طرف سے لے لیں یا بائیں طرف سے اور اس حرف کو بائیں طرف سے نکالنا اکثر لوگوں پر آسان ہوتا ہے لہٰذا زیادہ تر اسی طرف سے نکالتے ہیں۔

اور ظ کا مخرج زبان کا کنارہ اوپر کے دانتوں جنہیں ثنایا علیا کہتے ہیں' کی جڑ کی مدد سے ہے جیسے دال اور تا۔ نیز جاننا چاہیے کہ اکثر مفسرین نے ان قسموں کو انہ لقول رسول کریم کے مضمون پر وارد کیا ہے اور مقسم علیہ اسی مضمون کو قرار دیا ہے لیکن ان قسموں کو اس کے ماسبق کے عقب میں جو کہ فلا اقسم میں حرف فا کا مدلول ہے' لانے میں ایک خفیہ نکتہ ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ جب قیامت کے دن اعمال کی جزاء کا منکشف ہونا بارہ (۱۲) قسم کے اسباب پر معلق کر دیا گیا تو معلوم ہوا کہ واقعہ رونما ہونے سے پہلے اس کی تدبیر کرنا چاہیے اور یہ تدبیر حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے بتائے بغیر ممکن نہیں کہ موافقت ہو اور اللہ تعالیٰ کا بتانا وحی اور

marfat.com
Marfat.com

قرآن پاک بھیجنے کے بغیر ممکن نہیں۔ پس قرآن کے مضامین کے صحیح ہونے پر قسم اُٹھانا ضروری ہے تاکہ مکلفین اس کے مطابق عمل کریں اور قیامت کے دن ندامت اور حسرت نہ اُٹھائیں۔

## قسموں کی ان مضامین کے ساتھ مناسبت کا بیان

ہم یہاں پہنچے کہ ان قسموں کی اس مضمون سے کیا مناسبت اور کونسی دلالت ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانچوں ستاروں کا رجوع' استقامت اور اقامت گزشتہ انبیاء علیہم السلام پر بار بار وحی آئے' ان کے اُمتوں میں مدت دراز تک اس وحی کے اثرات باقی رہنے اس مدت کے بعد ان اثرات کے ختم ہونے اور اس علم کے گوشہ خفا میں لوٹنے کا نمونہ ہے اور رات کا آنا اس زمانہ فترت کا نمونہ ہے جو کہ وجود باجود خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے دنیا میں تھا کہ کسی کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی تھی اور وحی کے اثرات بالکل زائل ہو چکے تھے اور صبح کا سانس لینا قرآن پاک کے نزول اور اس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی مثال ہے کہ ہر چیز کو دن کی طرح یوں روشن کر دیا کہ کوئی شبہ نہ رہا۔ گویا گزشتہ انبیاء علیہم السلام کا نور ستاروں کے نور کی مانند تھا جبکہ یہ نور چمکتا ہوا آفتاب اور کیا ہی اچھا کہا گیا۔

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يظهرن انوارها للناس فى الظلم
حتى اذا طلعت فى الكون عم هدى
هدى للعالمين واحيت سائر الامم

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فضیلت کا آفتاب ہیں اور باقی انبیاء علیہم السلام اس کے ستارے ہیں جن کے انوار تاریکیوں میں لوگوں کے لیے ظاہر ہوتے ہیں حتیٰ کہ جب کائنات میں طلوع ہوا تو جہان والوں کے لیے ہدایت عام ہو گئی اور سب اُمتوں کو زندہ کر دیا۔

جب اس صاحبِ اعجاز کلام کی صداقت کو بیان کرنے اور اس کی مخالف باتوں کو باطل کرنے سے فراغت ہوئی تو اب حصر کے طریقے سے اس کلام کی کچھ صفات بیان فرمائی جا رہی ہیں کہ اس کے حق میں اس قسم کے احتمالات کی کوئی گنجائش نہیں۔

marfat.com
Marfat.com

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ قرآن نہیں مگر ایک عظیم نصیحت جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کو شامل ہونے کی وجہ سے ذکر کے حکم میں داخل ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے حضور قرب اور واصل ہونے کا وسیلہ ہوسکتا ہے۔

لِلْعٰلَمِیْنَ جہان والوں کے لیے اور اس سے مراد انسان' جن اور فرشتے ہیں اس لیے کہ نصیحت اور ذکر کو ان تین گروہوں کے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔ آدمی اور جن اس کلام سے نصیحت بھی حاصل کرتے ہیں اور گناہوں سے بھی محفوظ رہتے ہیں اور نیکیوں کی طرف رغبت کرتے ہیں اور اس کی تلاوت سے خداوند حقیقی کے حضور قرب معنوی بھی حاصل کرتے ہیں جبکہ فرشتے اس کی تلاوت کے ساتھ اُنس رکھتے ہیں اور دُور دُور سے اسے سننے کے لیے آتے ہیں اور اس کے حروف اور کلمات کی خدمت کرتے ہیں اور آسمان پر لے جاتے ہیں اور قبولیت کے مقام تک پہنچاتے ہیں اور یہ سب کچھ ان کے لیے عنداللہ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے لیکن قرآن پاک کے ان منافع سے بہرہ ور ہونا خاص ہے۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ اس کے لیے جو کہ تم میں سے سیدھا چلنا چاہے۔ اس لیے کہ قرآن پاک کے معنوں کو سمجھنے میں کج روی زیادہ تر سنگ دلی' نصیحت سے دُوری اور دربار خدا، ۔ ے سے بعد اور حجاب کا موجب ہوتی ہے۔ پس قرآن پاک کی مثال اچھی غذا کی طرح ہے کہ صحت مند جسم میں قوت کی زیادتی اور صحت کے کمال کا موجب ہوتی ہے جبکہ فاسد اخلاط والے جسم میں مرض کی زیادتی اور کمزوری بڑھانے کا سبب ہوتی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (۱۔۲) نیز فرمایا گیا ہے وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ۔ (۱۱۔۵)

اور اسی لیے محققین نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید رسولِ کریم علیہ السلام کا نور صحبت اولیاء۔ اور علمائے کرام کی وعظ و نصیحت۔ سب کا سب مذاہب کی حفاظت اور ان کی تکمیل کے لیے غذا کی مانند ہے اور جو چیز جہالت اور گمراہی کی بیماری کا علاج ہے' وہ ان چیزوں کے علاوہ اور چیز ہے۔ اور اگر یہ چیزیں ایک دوا کی طرح ہوتیں تو جہان میں کوئی شخص بھی گمراہی کی بیماری میں گرفتار نہ رہتا اور سب کو رو بصحت کر دیتیں اب اس چیز کی طرف اشارہ

marfat.com
Marfat.com

فرمایا جارہا ہے کہ وہ چیز خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہے اس میں کسی کا دخل نہیں۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اور تم علم وعمل میں راست روی نہیں چاہتے ہو۔ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ مگر جب کہ خدا تعالیٰ چاہے۔ اس لیے کہ تم اس کے اقتدار کے قبضے میں مجبور ہو اور تمہارا ارادہ اس کے ارادے کے تابع ہے جیسا کہ پتلیاں نچانے والے کے ہاتھ میں پتلیاں۔ فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادے سے تم میں ارادہ اور اختیار پیدا کرتا ہے اور تم اس ارادہ اور اختیار کے مطابق اچھے برے کام کرتے ہو اور ثواب اور عذاب کے مستحق بنتے ہو اور پتلیوں والے کے لیے پتلیوں میں ارادہ اور اختیار پیدا کرنے کی قدرت کا تصور نہیں ہے' وہ صرف حرکت دیتا ہے اس لیے پتلیوں کا فعل پتلیوں والے کی طرف منسوب ہو جاتا ہے اور حرکتوں کی اچھائی برائی پتلیوں کی طرف نہیں لوٹتی بلکہ حرکت دینے والے کی طرف۔ بخلاف آدمیوں کے کہ جب وہ اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ کام کرتے ہیں تو تعریف و مذمت اور ثواب وعذاب کا مورد بنتے ہیں۔

اسی لیے عقلاء نے کہا ہے کہ فعل اور اس کے سبب کے درمیان صاحب اختیار کا واسطہ ہونا فعل کے تعلق کو اس سبب سے قطع کر دیتا ہے جس طرح کہ دنیوی تدابیر میں غلط اور صحیح کو مشورہ اور صلاح دینے والوں کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ غلط یا صحیح کرنے والے کو برا یا اچھا کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تمام امور میں اسی قاعدے کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اور بعض افراد کے ساتھ ہدایت چاہنے کو خاص کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا عموم تمام جہان والوں کے ساتھ بحال اور برقرار ہے۔ اس لیے کہ اس کی صفت رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے یعنی جہانوں کو پالنے والا ہے۔ پس اس کی رضا اس کی اطاعت میں ہے۔ اور اس کی ناراضگی اس کی نافرمانی میں۔ تاکہ جہانوں کا باہمی رابطہ برہم نہ ہو اور اس میں خلل نہ پڑے۔ اور اگر وہ اہلِ معصیت سے بھی اطاعت کرنے والوں کی طرح راضی ہو۔ یا اور ان پر ناراضگی نہ فرماتا تو اس کے قہر' سیاست' حکمت اور عدالت کا جہان جس کے آثار جہنم اور اس کے طبقات ہیں' بے کار رہتا اور اگر اطاعت کرنے والوں کو نوازنے کے ساتھ خاص نہ فرماتا اور انہیں جنت کی نعمتیں عطا نہ فرماتا تو اس کی مہربانی اور قدر شناسی کا جہان جس کے آثار جنت' اس کے

marfat.com
Marfat.com

درجات' حوریں اور خدام ہیں' بے مقصد ہو جاتا ہے۔

# سورۃ الانفطار

مکی ہے' اس کی انیس (۱۹) آیات اور تین سو انتیس (۳۲۹) حروف ہیں۔

## سورۂ تکویر سے رابطے کی وجہ

اور اس سورۃ کا سورۂ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ کے ساتھ رابطہ اس قدر ظاہر اور واضح ہے کہ بیان کی ضرورت نہیں۔ بلاتشبیہ اس سورۃ کو اس سورۃ کا دوسرا مصرع کہا جا سکتا ہے بلکہ اگر بیان کی ضرورت ہے تو یہ کہ ان دونوں سورتوں کو جدا جدا کیوں نازل فرمایا گیا اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس سورۃ میں قیامت کی ابتدا کے حادثوں کو بیان کرنا منظور ہے کہ یہ جہان کس طرح برباد ہو کر دوسرے جہان کی بنیاد پائے گا۔ اور اس جہان میں انسان کی علمی قوت اپنے اوج کمال کو پہنچ جائے گی اور اس کی قوتِ عملی قوتِ خیالیہ کی طاقت اور مواد اور اسباب پانے کی وجہ سے رب العالمین جل جلالہ کی قدرت کا حکم پالے گی اور کن فیکون کے طریقے سے مرادیں حاصل ہوں گی اور اس دن انسانی خلافت کا معنی مکمل طور پر ظاہر ہو کر جلوہ گر ہوگا لیکن اس سورۃ میں جہان کے اصول کی خرابی کی کیفیت پر اکتفاء فرمایا گیا ہے جبکہ وہاں اس جہان کے اصول و فروع کی خرابی کی کیفیت اور اس جہان کے دونوں مقامات جنت اور جہنم کو آباد کرنے کی کیفیت کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

اور اس سورۃ میں انسانی علم کے ان تمام چیزوں پر محیط ہونے کے بیان پر اکتفاء فرمایا گیا ہے جو دنیا میں کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں اس سے صادر ہوئیں جبکہ وہاں اس کے علم کا اس چیز پر محیط ہونا بیان کرنا مقصود ہے جو کہ فعل اور ترک فعل کی کثرت سے ملنے والی وجدانی زندگی سے جو کہ اس کے جوہر نفس کو لازم ہوگی' نقد حاصل ہوگی۔

نیز اس سورۃ میں اس بیان سے جزا دینے کے اثبات اور اس کے منکروں کے عقیدہ کی تردید کی طرف انتقال فرمایا گیا ہے جبکہ اس سورۃ میں اسی بیان سے اثبات رسالت' نزول قرآن اور اس کے منکروں کی تردید کی طرف انتقال فرمایا گیا' ان اختلافات کی بناء پر ان

marfat.com
Marfat.com

دونوں سورتوں کو جدا جدا نازل فرمایا گیا ہے۔

## اجمال کی تفصیل

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب چاہتے ہیں کہ ایک جہان کو خراب کر دیں اور اسی مواد اور انہیں صورتوں سے دوسرا جہان ترتیب دیں تو ناچار پہلے اس جہان کے اصول اور ارکان کو ڈھانے پر توجہ کرتے ہیں اور اس کے مواد میں کم و بیش تبدیلی کو کام میں لاتے ہیں اور صورتوں میں بھی تصرف کرتے ہیں تاکہ مواد کا کچھ حصہ جو کہ کسی صورت میں مصور تھا' کسی دوسرے حصے کے ساتھ جمع ہو کر جہانِ نو کے مناسب کی کوئی اور صورت اختیار کرے اور جو کام اس جہان میں مقصود ہیں اس صورت سے سرانجام پائیں۔ چنانچہ جس وقت کسی حویلی کو باغ یا باغ کو قبرستان یا بے کار پڑی ہوئی زمین کو حویلی یا خراب زمینوں کو قابلِ کاشت بناتے ہیں تو اسی طرح کرتے ہیں۔

## آدمی کو مرتبہ خلافت کی تکمیل کے لیے یہاں لایا گیا

اور عالم دنیا حقیقت میں نوعِ انسانی کے لیے ٹھہرنے اور ہمیشہ رہنے کا جہان نہیں ہے بلکہ اسے یہاں صرف کمال حاصل کرنے کے لیے لایا گیا ہے تاکہ اپنی تکمیل کے بعد خلافتِ الٰہیہ کا مرتبہ پیدا کرے اور دوسرے جہان کو علم و عمل کی وسعت کے کمال کے ساتھ آباد کرے اور اس جہان میں دائمی سکونت اختیار کرے۔ تو دنیا میں پہلے اسے دو چیزوں سے مرکب پیدا کیا گیا ہے' ایک آسمانی اور دوسری زمینی۔ آسمانی چیز روح ہے اور زمینی چیز اس کا جسم۔ لہٰذا اس کے جسم کی غذا لحظہ بہ لحظہ زمین سے پہنچتی ہے اور روح کی غذا آسمان سے نازل ہوتی ہے اور خلافت اور تصرف کی ورزش کی بناء پر اسے زمین اور آسمان کی چیزوں میں دونوں تصرف عطا کیے گئے ہیں تاکہ جمع کرنے اور جوڑنے کا سلیقہ پیدا کرے اور خلافتِ کبریٰ کے لائق ہو جائے اور یہی وجہ ہے کہ وہ زمین کی تمام مخلوقات معدنیات اور پتھروں کو نباتات اور درختوں کو' چشموں اور نہروں اور چلنے اور اُڑنے والے جانوروں کو اپنے کام مصروف کر دیتا ہے اور دائمی جمع و تالیف میں مصروف ہوتا ہے۔ اور غذا' مسکن' سواری اور لباس وغیرہ ہر جنس سے عجیب و غریب مصنوعات بروئے کار لاتا ہے۔ اور مواد پر صورتوں کا فیض دینے اور مختلف

marfat.com

Marfat.com

خواص اور احکام والی عجیب صورتوں کو گھڑنے میں اصول و فروع کے خالق کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے اور اسی طرح آسمانی مخلوق میں سے ثوابت اور سیارگان اور عالی مرتبت ملائکہ میں سے بہت سی مخلوق کو اپنی ضرورتوں میں کام میں لیتا ہے اور اس جہان کو مسخر کرنے کا طریقہ اپنے قبضے میں سمجھتا ہے۔

لیکن بعض کو اس کام میں زبردست نقصان لاحق ہوتا ہے کہ بے جا تصرفات کی وجہ سے رُتبۂ خلافت کیا مرتبۂ بندگی سے دُور جا گرتے ہیں اور جو کچھ کرنا چاہیے تھا' نہیں کرتے اور جو کچھ نہیں کرنا چاہیے تھا' کرتے ہیں اور وبال اور عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اس لیے دارِ آخرت کو دونوں گروہوں کے درمیان امتیاز قائم کرنے کے لیے مقرر فرمایا گیا ہے تاکہ خلافتِ کبریٰ کی صلاحیت جو کہ نیکوں کے ہاتھ آئی ہے' وہاں وسعت اور ہمیشگی کے ساتھ ظہور فرمائے اور اپنے مالک کی پسندیدہ اداؤں سے بغاوت' عداوت اور دُوری کی خصلت جو کہ بُروں کو نصیب ہوئی' وہ بھی اس جہان میں اوجِ کمال کو پہنچ کر قبیح دائمی نتائج کا پھل دے اور اس کام کے لیے اس جہان میں تمام جسموں اور روحوں کو اس مخلوق کا خادم بنانا ضروری ہوا اس لیے کہ نہ تو اس ضعیف مخلوق کا جسم ہمیشہ رہنے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ ہی اس کی روح عظیم دائمی کام کرنے پر قادر ہے لہٰذا یوں طے پایا کہ سب آسمانی روحیں اس کی روح کی مدد کرنے والی ہوں اور ان کی عقلی اور خیالی قوتیں اس مخلوق کی عقلی اور خیالی قوتوں میں لپیٹ دی جائیں اور زمین کے سب مادے اس مخلوق اور اس مخلوق کے متعلقات جو کہ اس کی صنعتوں کا موضوع ہیں جیسے لباس' کھانے کی چیزیں' رہائش گاہیں اور تفریحات بلکہ زنجیریں' طوق' سانپ' بچھو' آگ اور جلانے والے شعلے کے جسم میں مدد کریں اور اس کے کام میں لگ جائیں تاکہ نیکوں کے خلافت اور بُروں کی سرکشی اور بغاوت کا معنی اچھی صورت میں جلوہ گر ہو۔

## چار انقلابات کا بیان

پس اس صورت میں چار انقلابات کا ذکر فرمایا گیا ہے جو کہ اس جہان کے اصول سے متعلق ہیں۔ پہلا انقلاب آسمان کا پھٹنا جس کی وجہ آسمانی عقول و نفوس کا رابطہ ان اجرام سے باطل ہو جائے گا اور ان عقول و نفوس کا تعلق نفوسِ انسانیہ کے ساتھ قائم ہو جائے گا اور

marfat.com
Marfat.com

شرع میں اس مقصد کی تعبیر یوں فرمائی گئی ہے کہ اس روز ساتوں آسمانوں کے فرشتے اُتریں گے اور لوگوں کے اردگرد ہو جائیں گے اور بنی آدم کی ارواح کے ساتھ ہمراہی اختیار کریں گے اور جب وہ نفوسِ انسانی نفوس کے ساتھ متعلق ہو گئے تو افرادِ انسانی کے ادراک اور تخیل میں عظیم کشادگی پیدا ہو جائے گی اور ان کے اچھے بُرے اعمال جو کو دنیا میں ان سے سرزد ہوئے تھے کے معنوں کی کلیات اور جزئیات پورے طور پر روشن اور واضح ہو جائیں گی۔

دوسرا انقلاب آسمانی ستارے بے نور ہو کر گر پڑیں گے اور نورانی ارواح جو کہ ان ستاروں کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں انسان کے جسم کے ساتھ متعلق ہو جائیں گی تو ان حالات کی مناسبت کے مطابق جو کہ ارواحِ انسانی نے دنیا میں کمائے یا عطا ہوئے ارواح کو کبیہ کے مل جانے کی وجہ سے عظیم قوت پالیں گے اور اس مطلب کو قرآن مجید میں اس جہان میں نزول روح اور قیام روح کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے اور یہ دو آسمانی انقلاب ہیں جو کہ انسان کے روحانی جُہان کی کشادگی کا موجب ہوں گے۔

تیسرا انقلاب دریائے شور اپنی تمام شاخوں سمیت دُھواں اور بخارات ہو کر اس کا کچھ حصہ زمین میں جذب اور خشک ہو جائے گا تا کہ زمین میں کچھ نمی اور نرمی پیدا کرے اور اس پر صورتوں اور شکلوں کا نقش ہونا آسان ہو اور اس کا کچھ حصہ مشتعل ہو کر جلانے والی آگ بن جائے گا تا کہ جہنم بھڑکانے کا مادہ ہو جائے اور اس انقلاب سے کبھی دریا جاری کرنے اور دریا بھڑکانے کے ساتھ تعبیر فرمائی گئی ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دریائے شور کے بارے میں فرماتے تھے کہ ان تحتہ نارًا یعنی اس کے نیچے آگ ہے اور مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دریائے شور یعنی سمندر کو دیکھتے تو فرمایا کرتے تھے کہ یابحر متی تعوذ نارًا اے دریا تو کب آگ ہوگا۔

چوتھا انقلاب زمین کا زلزلہ ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں جگہ جگہ زلزلۃ الساعۃ کے ساتھ تعبیر فرمائی گئی ہے اور اس کے آثار میں سے بہت سی چیزیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ان میں سے بعثرۃ القبور ہے یعنی مردوں کے مواد اور ان کے جسمانی اجزا کا جمع ہونا اور ان ... کا زمین کے باطن سے اس کے ظاہر پر موجود ہونا جو کہ اس سورۃ میں بھی مذکور ہے۔ اور

marfat.com
Marfat.com

ان میں سے پہاڑوں کا چلانا ہے۔ اور ان میں سے بوجھ نکالنا ہے۔ اور ان میں سے زمین کا ہموار ہونا اس میں کسی علامت اور عمارت کا باقی نہ رہنا۔ اور اس کی نشوونما کی قوت کا ختم ہونا ہے۔ اور ان میں سے وہ ہے جو کہ صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ زمین سفید میدے کی روٹی کی طرح ہو جائے گی جو کہ اس میدان میں اہلِ محشر کی غذا ہوگی اور اس کے علاوہ اور بھی علامات ہیں جنہیں تفصیلاً بیان کرنے سے بات طویل ہو جائے گی۔

اور یہ دو انقلاب زمینی انقلاب ہیں جن کی وجہ سے انسان کے جسمانی مواد کی وسعت حاصل ہوگی تا کہ اس نفس وسیعہ اور روحِ کاملہ کا موضوع الصناعہ ہو سکے۔ ان چار انقلابات کے بعد جہانِ نو جس کا نام آخرت ہے' کی بنیاد رکھی جائے گی اور اس بنیاد کی اصل الاصول اچھے بُرے اعمال کی حقیقت کا منکشف ہونا ہے جو کہ نفسِ انسانی پر کھولیں گے۔ اسی لیے اس سورۃ میں ان چار انقلابات کے ذکر کے بعد اسی مقصد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور انہیں چار انقلابات پر اکتفاء کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تحقیق کے مطابق جہان کی اصول یہی چار

چیزیں ہیں: آسمان' ستارہ' پانی اور زمین اور دوسری سب چیزیں ان چاروں چیزوں کے آثار اور اجزا کے جمع ہونے سے بنی ہیں: معدنیات' نباتات' جمادات' حیوانات اور فضا کی کائنات خود تمام عقلاء کے نزدیک انہیں چیزوں سے پیدا ہوتی ہیں البتہ کارخانۂ عقل کے ظاہر بینوں نے ہوا اور آگ کو مستقل ارکان گمان کیا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ ہوا ایک جسم ہے جو کہ پانی کی لطافت یا بعض ستاروں کی تاثیر کی وجہ سے کم و بیش ہوتا ہے' خود اس کا کوئی خزانہ اور جائے قرار نہیں ہے اور اس کی کوئی صورت نہیں ہے اس کا کام سیر اور گردش ہے اور مخلوقاتِ عالم کی کیفیات کو ایک دوسرے تک پہنچانا ہے جیسے بو کو سونگھنے کی قوت تک اور آواز کو سننے کی قوت تک اور نمی' ٹھنڈک' حرارت اور خشکی کو ٹٹولنے کی قوت تک پہنچانا۔ علیٰ ہذا القیاس۔

• اور آگ وہی ہوا ہے جس نے انتہائی تیز حرکت یا آفتاب کے اثر کرنے سے بھڑک کر یہ صورت اختیار کر لی ہے اور اس کا کام کچی چیزوں کو پکانا اور اس چیز کو جلانا ہے جو بے کار ہو چکی ہے' غذا کی اصلاح کرنے والی چیز کے مرتبے میں ہے کہ فی نفسہ درکار نہیں ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اسی لیے جدا خزانہ نہیں رکھتی۔ چنانچہ فیلسوف خیال کرتے ہیں کہ کرۂ ہوا اور کرۂ نار پانی اور زمین کے دونوں کروں کے اوپر محیط ہے۔ یہ ایک بے دلیل بات ہے جیسا کہ آسمان اور ستاروں پر پھٹنا اور مل جانے کا ممنوع ہونا بھی اسی وادی سے ہے۔

اور اس سورۃ کا نام سورۃ الانفطار اس لیے رکھا گیا ہے کہ آسمان کا پھٹنا آسمانی عقول و نفوس کے نفسِ انسانی کے ساتھ متعلق ہونے کا سب سے عمدہ سبب ہے اور یہ تعلق درحقیقت وہی ہے جو کہ ماقدمت واخرت کے علم کے حصول کا سبب ہے کہ جسے یہاں بیان کرنا مقصود ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ جبکہ آسمان پھٹ جائے اور اس کے پھٹنے کی کیفیت کو دوسرے مقام پر یوں ذکر فرمایا گیا ہے کہ بادل سے مشابہ ایک جسم عرشِ الٰہی کے نیچے سے نزول کرے اور اس کے صدمے سے آسمانوں کے جسم پاش پاش ہو جائیں۔ درحقیقت وہ بادل اللہ تعالیٰ کی تجلی قہری کی صورت ہے جو کہ اس جہان کو برباد کرنے کے لیے متوجہ ہوگی۔

## ایک جواب طلب سوال

یہاں بعض ذہین لوگ ایک جواب طلب سوال کرتے ہیں' کہتے ہیں کہ اس جہان کی ابتدا میں زمین سے آغاز فرمایا گیا ہے کہ خَلَقَ لَکُمۡ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ اور اس کی خرابی میں آغاز آسمان سے کیوں فرمایا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی عمارت کی تعمیر منظور ہو تو پہلے بنیاد رکھتے ہیں اور جب کسی عمارت کو گرانا مقصود ہوتا ہے تو پہلے اسے اوپر سے شروع کیا جاتا ہے۔

وَاِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ اور جبکہ ستارے بکھر کر گر پڑیں اور ان مذکورہ دو انقلابوں کی وجہ سے نفوس سماویہ کا تعلق ان ستاروں اور ان آسمانوں سے ختم ہو جائے اور اس کے ضمن میں نفوسِ سماویہ کے ساتھ عقول کا تعلق بھی ختم ہو جائے اور نفوس کے تابع ہو کر افلاک کی خیالی قوتیں بھی ان کے اجرام سے جدا ہو جائیں اور وہ نفوس انسانی نفوس کے ساتھ امتزاج اور اتحاد پیدا کریں اور فلک کی عقول کا فیضان اور خیال کی کارکشائی سب انسانی نفس کے

marfat.com
Marfat.com

ساتھ تعلق قائم کرے اور اسے عظیم وسعت نصیب ہو اور اسے ماقدمت واخرت کے معنوں پر کلی، جزوی، عقلی اور مناسب شکلوں کے ساتھ خیالی طور پر اطلاع حاصل ہو۔

وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ اور جبکہ سمندر جاری کیے جائیں اور رُکنے اور ٹھہرنے کی موجودہ حالت بدل جائے۔ اور شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا ہے کہ پہلے سمندروں کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا اس کے بعد اُبلنے کی وجہ سے بھڑک اُٹھیں گے اور انہیں جلا کر ایک حصے کو دُھواں بنا دیں گے جو کہ میدانِ قیامت کی فضا کو پُر کر دے اور اس سے ایک حصہ جہنم کی آگ بن جائے۔

پس اس سورۃ میں سمندروں کے انقلاب کی ابتدا کا ذکر ہے کہ وہ رُکنے اور ٹھہرنے سے بدل کر جاری ہو جائیں اور تمام سمندر مل کر ایک سمندر بن جائیں جبکہ سورۃ تکویر میں اس انقلاب کا آخری حصہ ذکر کیا گیا ہے جو کہ جلانا اور بھڑکانا ہے اور اس سورۃ میں بعثرۃ القبور کی مناسبت کے لیے تفجیر یعنی جاری کرنے کو اختیار فرمایا گیا ہے اس لیے کہ پانی بنیادوں کے نیچے آنے کی وجہ سے عمارتوں کو زیروزبر کرنے کا موجب ہوتا ہے اور اس سورۃ میں جہنم کو بھڑکانے کی مناسبت سے تسجیر اور بھڑکانے کو اختیار فرمایا گیا۔

## لفظ بحر اور نہر کے معنوں کی تحقیق اور قطعات بحر کا بیان

اور لغتِ عرب میں بحر خاص دریائے شور کا نام ہے اور میٹھے پانی کی نہریں اگرچہ وہ وسیع اور گہری ہوں، انہیں انہار کہتے ہیں۔ پس جمع کا لفظ بحار لانا باوجودیکہ دریائے شور ایک چیز ہے اس کی شاخوں کے متعدد ہونے کے پیشِ نظر ہے۔ چنانچہ راستوں اور ملکوں والوں نے لکھا ہے کہ بحر محیط کے ایک حصے کا نام بحر چین ہے اور ایک حصے کا نام بحر ہند۔ ایک حصے کا نام بحر فارس، ایک حصے کا نام بحر قلزم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

اور بحار کے جاری کرنے سے انسانی اجسام کا مادہ اور ان اجسام کو عذاب اور سزا دینے کے اسباب زیادہ ہو جائیں گے اور نفوسِ ساویہ کا ان جسموں سے تعلق صحیح ہو جائے گا۔

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ اور جبکہ قبریں زیروزبر کر دی جائیں گی اور جو کچھ زمین کے نیچے تھا زمین پر آ جائے۔ اور جسموں کے اجزا ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں۔ اس

marfat.com
Marfat.com

کے بعد وہ بارش جسے زندگی کی قوت سپرد کی گئی ہے' عرش کے نیچے سے برسے اور اس بارش کا پانی مرد کے مادۂ تولید کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے کی وجہ سے انسانی روحیں اپنے جسموں کے ساتھ متعلق ہو جائیں اور آسمانی روحیں ان روحوں کی خدمت گزار اور مدد کرنے والی ہو جائیں اور حشر قائم ہو جائے اس وقت

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ نفس کی ایک قسم جو کہ نفسِ انسانی ہے اس چیز کو جان لے جو اس نے اچھائی برائی سے اللہ تعالیٰ کی طرف آگے بھیجی ہے اور آگے بھیجنے سے مراد کوئی کام کرنا ہے اس لیے کہ جو کام کیا گیا' اعمال کے دفتر میں نقش ہو گیا اور وہ دفتر اعمال لکھنے والوں کے ذریعے دربار معلیٰ میں پہنچ گیا۔

وَاَخَّرَتْ' اور جو اس نے نیکی بدی سے پیچھے کیا ہے اور پیچھے کرنے کا معنی ترک کرنا ہے اس لیے کہ جو کام نہیں کیا گیا' اعمال کے دفتر میں نقش نہ ہوا اور دربار خداوندی میں نہ پہنچا۔

اور بعض مفسرین نے تقدیم سے مال اور صدقات آگے بھیجنا مراد لیا ہے کہ یہ سب کچھ آخرت کا ذخیرہ بن جاتا ہے۔ اور تاخیر سے وارثوں کے لیے مال چھوڑنا مراد لیا ہے اور بعض نے ماقدمت سے آگے پہنچے ہوئے بیٹے مراد لیے ہیں اور مااخرت سے پیچھے رہنے والے۔ اور بعض نے تقدیم سے اوائل عمر میں نیکی بدی کے اعمال کو مقدم کرنا اور تاخیر سے انہیں آخری عمر میں مؤخر کرنا مراد لیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اچھا اور برا کام خواہ فعل ہو یا ترک سب ماقدمت میں داخل ہیں اور اچھی اور بری رسم' مذہب اور طریقہ جو کسی شخص کے بعد معمول بنتا ہے' مااخرت میں داخل ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث شریف میں ہے کہ ماقدمت من خیر اوشر وما اخرت من سنة حسنة استن بها بعده فله اجره واجرمن اتبعه من غیران ینقص من اجورهم شیء اوسنة سیئة عمل بها بعده فعلیه وزره و وزر من عمل بها بعده لاینقص من اوزارهم شیء یعنی جو اچھائی برائی آگے بھیجی اور جو اچھا طریقہ پیچھے چھوڑا جس پر اس کے بعد عمل کیا جاتا رہا تو اسے اس کا اجر ہے اور اس کی پیروی کرنے والے کا بھی

marfat.com

Marfat.com

اجر ہے جبکہ پیروی کرنے والوں کا اجر بھی کم نہیں کیا جائے گا۔ یا بُرا طریقہ چھوڑا جس پر بعد میں عمل ہوتا رہا تو اس پر اس کا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بوجھ ہے جبکہ عمل کرنے والوں کا بوجھ بھی کم نہیں ہوگا۔

نیز حدیث پاک میں ہے کہ ایک سائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آ کر سوال کیا' حاضرین خاموش رہے' پوری محفل میں سے ایک صاحب اُٹھے اور اسے کوئی چیز دے دی۔ دوسروں نے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اسے دینا شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نیک رسم شروع کرے اور لوگ اس رسم پر عمل کریں اس کے لیے اپنا اجر بھی ہے اور دوسرے عمل کرنے والوں کا اجر بھی۔ جبکہ ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح جس نے بُری رسم شروع کی اور دوسروں نے اس پر عمل کیا تو اس پر اپنا وبال بھی ہے اور دوسرے عمل کرنے والوں کا بھی جبکہ ان کے وبال میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ راوی فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت حذیفہ بن ایمان رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَمَا اَخَّرَتْ

(معلوم ہوا کہ اگرچہ ذکر حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور نفسِ ایصالِ ثواب کتاب و سنت سے ثابت ہے مگر شرعی حدود و آداب کا لحاظ کرتے ہوئے ہیئت کذائیہ کے ساتھ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم تیجا' ساتواں' چہلم اور عرس شریف یہ سب اچھی رسمیں ہیں کیونکہ ان کا لب لباب کتاب وسنت سے ثابت ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشادِ عالی کی روشنی میں یہ سب امور مستحب اور مستحسن ہیں' ان پر عمل کرنے والے اجر و ثواب کے مستحق ہیں' ان سے روکنا کارِ خیر سے روکنا ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

بہر حال مراد یہ ہے کہ نفسِ انسانی کو اپنی نیکیوں اور بُرائیوں پر اطلاع تفصیل کے ساتھ میسر آئے گی اور جب وہ دیکھے گا کہ میں نے جو کچھ آگے بھیجا تھا' سب بُرا تھا اور جو کچھ ترک کر آیا ہوں' سب اچھا تھا اور یہاں نیکی کا پھل یہ ہے اور بُرائی کا نتیجہ یہ تو اسے اپنی غلط فہمی پر عظیم ندامت اور سوزشِ جگر حاصل ہوگی اس وقت اسے کہا جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اے انسان! کہ تیرا تو نام ہی انس سے مشتق ہے تو نے یادِ حق کے

marfat.com
Marfat.com

ساتھ انس کیوں پیدا نہ کیا اور نیکیاں نہ کیں اور تو یادِ حق کے غیر کے ساتھ جو کہ موتیوں اور زریں نگینوں کی صورت میں ظاہر ہونے والے سب سانپ اور بچھو تھے کیوں مانوس ہوا۔

مَاغَرَّكَ تجھے کس چیز نے فریب دیا' نفس نے یا شیطان نے یا خلق نے یا دنیا نے۔

بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ تیرے پروردگار کے ساتھ جس نے تجھے قسم قسم کی تربیتوں کے ساتھ پالا۔ اس نے اپنی صفت کرم کے ساتھ تیرے ساتھ معاملہ فرمایا کہ تو نے اپنے اوپر اس کی نافرمانی اور مخالفت کا داغ لگا لیا اور اپنی اس فضیلت اور بزرگی کو ضائع کر دیا جو اس نے تجھے ساری مخلوقات پر عطا فرمائی تھی۔

## کریم کے معنوں کا بیان

اور کریم کے معنوں میں بہت سے اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ کریم وہ ہے جس کا ہر فعل انعام اور احسان ہو اور اس کی حرکت اور سکون میں کوئی خیر پنہاں ہو۔

بعض کہتے ہیں کہ جس نے انعام اور احسان کرنے میں اپنی ذات کو نفع پہنچانے یا اپنی ذات سے نقصان دُور کرنے کو پیش نظر نہ رکھا ہو' وہ کریم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کریم وہ ہے کہ اس کے ذمے جو کچھ واجب ہو یا نہ ہو' دوسروں کو دے دے اور اپنا جو کچھ دوسروں کے ذمے واجب ہے' طلب نہ کرے اور بعض کہتے ہیں کہ کریم وہ ہے کہ ہر تھوڑی سی چیز کو قبول کرے اور اس پر بے شمار مزدوری عطا فرمائے۔

اور اللہ تعالیٰ کے کرم کا تقاضا ہے کہ جرائم سے صرف معافی دینے پر ہی اکتفاء نہیں فرماتا بلکہ ان سب گناہوں اور خطاؤں کے باوجود گناہ گاروں پر احسان' تربیت اور پردہ پوشی کے دروازے ہر وقت کھلے رکھتا ہے۔

## ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مغرور ہونے اور اس غرور پر ڈانٹنے کے مقام میں صفت قہر کو ذکر کرنا زیادہ مناسب تھا اس لیے کہ قہار سے مغرور ہونا انکار اور ڈانٹنے کی جگہ ہے۔ بخلاف کریم کے کرم سے مغرور ہونے کے کہ ڈانٹنے اور انکار کرنے کا محل نہیں ہے اس لیے کہ کریم کا کرم غرور کا موجب ہوتا ہے جیسا کہ تواریخ میں مذکور ہے کہ

marfat.com
Marfat.com

ایک دن نوشیرواں کی مجلس میں خدمت گار اور خواص ہنسنے لگے۔ ایک دانش مند حاضر تھا اس نے عرض کی کہ یہ خدمت گار آپ سے نہیں ڈرتے کہ آپ کے ہوتے ہوئے اس طرح ہنستے ہیں' نوشیرواں نے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دشمنوں کو ڈرائیں نہ کہ خدمت گاروں کو۔

نیز حضرت امیر المومنین مرتضٰی علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ ایک دن آپ نے ایک کام کے لیے اپنے غلام کو تین بار آواز دی' وہ نہ بولا۔ آپ حجرے سے باہر تشریف لائے کہ شاید غلام کہیں گیا ہوا ہو' دیکھا کہ حجرے کے دروازے پر کھڑا ہے۔ فرمایا تجھے کیا ہو گیا کہ تو نے مجھے جواب نہیں دیا؟ غلام نے کہا کہ مجھے آپ کے کرم پر اعتماد تھا اور آپ کی طرف سے کسی سزا ملنے سے بے خوف تھا۔ امیر المومنین نے اس کا جواب پسند فرمایا اور اسے آزاد فرما دیا۔ پس اس چیز کا ذکر غرور کا باعث ہوا' انکار غرور کے مقام پر مناسب نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صفت کرم کا ذکر غرور کی وجہ کے لیے ہے یعنی تجھے غرور اس وجہ سے پیدا ہوا کہ وہ کریم ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ کہتے تھے کہ الٰھی غرنی حلمك لو اخذتنی بالاولٰی ما اجرء تك علی الثانیۃ الٰہی مجھے تیرے حلم نے مغرور کر دیا اگر تو مجھے پہلے گناہ کی وجہ سے پکڑ لیتا' میں دوسرے گناہ پر جرأت ہی نہ کرتا۔

اور حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دربار میں کھڑا کر کے پوچھے کہ ما غرك بربك الکریم تو آپ کیا کہیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ میں کہوں گا کہ غرنی ستورک الرخاۃ مجھے تیرے لٹکائے ہوئے پردوں نے فریب دیا کہ میں نے جتنے گناہ کیے تو نے رسوا نہ کیا' میں سمجھا کہ تو کبھی بھی رسوا نہیں فرمائے گا۔ یہی بات حضرت امیر المومنین مرتضٰی علی کرم اللہ وجہہ سے بھی منقول ہے کہ کم من مغرور بالستر علیہ و کم من مستدرج بالاحسان الیہ پردہ پوشی سے کتنے فریب کھا گئے اور احسان کرنے سے کتنے درجہ بدرجہ گمراہ ہو گئے۔

اور جب استفہام انکاری مجموعی کلام پر وارد ہوا تو اس کا مقصد اس غرور پر ڈانٹ ڈپٹ کرنا ہوا جو کہ کرم کریم دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جب کرم پر جو کہ غرور کا عمدہ سبب ہے'

marfat.com

Marfat.com

انکار متوجہ ہوا تو غرور کی نفی میں زیادہ موثر ہوا۔ اس لیے کہ جب کرم کا ملاحظہ کرتے ہوئے غرور نہیں چاہیے تو اس کے قہر کو دیکھ کر کیسے چاہیے اور اللہ تعالیٰ جیسے کریم ہے اسی طرح قہار ہے اور اسی طرح منتقم یعنی انتقام لینے والا ہے اور اس کے باوجود حکیم ہے اور جب حکمت قہر اور انتقام کے آثار کی متقاضی ہو تو آثار کرم ظاہر نہیں ہوں گے اس لیے کہ بدکاروں کے حق میں کرم اور احسان تقاضائے حکمت کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آیت کی تلاوت فرماتے تو ارشاد فرماتے کہ غرہ باللہ جھلہ یعنی آدمی کو اس کی نادانی نے دھوکہ دیا ہے کہ اس نے اپنے پروردگار کی ایک صفت کو جو کہ کرم ہے ملاحظہ کیا اور دوسری صفت کو جو کہ حکمت وعدالت ہے' نظر میں نہ رکھا۔

دوسرا جواب۔ کسی کام پر ڈانٹ وہاں پلائی جاتی ہے جہاں انکار واقع ہونے کا گمان ہے جبکہ کریم کے کرم کی وجہ سے غرور کا فعل واقع ہونے کا گمان لازمی ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی کے کرم پر مغرور ہو جاتا ہے جبکہ قہر اور انتقام پر مغرور ہونا ہرگز واقع ہونے والا نہیں ہے اس پر انکار اور ڈانٹ پلانا کیا مناسبت رکھتا ہے۔ مثلاً عرف میں کہتے ہیں کہ فلاں کے حلم پر اعتماد نہ کرنا اس لیے کہ حلم محل اعتماد ہو سکتا ہے اور یوں ہرگز نہیں کہتے کہ فلاں کے غصے پر مغرور نہ ہونا اور اعتماد نہ کرنا اس لیے کہ غضب اور غصہ محل اعتماد اور مقام غرور نہیں ہے بلکہ پرہیز کا مقام اور بچنے کی جگہ ہے۔

اور بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ اس صفت کو لانا تلقین جواب کے لیے ہے تا کہ بندہ کہہ دے کہ غرنی کرمك مجھے تیرے کرم نے مغرور کر دیا لیکن یہ جواب درست قرار نہیں پاتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کرم حکمت کے تقاضے کے مطابق صادر ہوتا ہے اور اس کی حکمت اس بات کا تقاضہ ہرگز نہیں کرتی کہ بندوں کی جزا کو بے کار چھوڑ دے یا مظلوم کا بدلہ ظالم سے نہ لے اور مخلوق کے حقوق ضائع کر دے اور نیک کو بد سے اور پرہیزگار کو فاجر سے ممتاز نہ کرے۔ پس اس جواب میں فوراً یہ الزام لینا ہے کہ تو نے کرم ثابت کر کے میری حکمت کا انکار کر دیا۔ نیز اللہ تعالیٰ کا کرم آدمی کی خواہش سے پہلے ہے' اسے کسی عوض اور غرض کے بغیر پیدا فرما کر قسم قسم کی نعمتوں سے اس کی تربیت فرمائی۔ اور کرم سابق' کرم لاحق کا موجب نہیں

marfat.com
Marfat.com

ہوتا کہ اس کے گناہوں سے بالکل درگزر کریں اور بُرائیوں پر اسے تنبیہ نہ کی جائے بلکہ اس کا کرم سابق خوف و ہراس کا زیادہ موجب ہے اس لیے کہ اگر کسی کا کسی پر حق نعمت نہ ہوتو وہ اس کے اوامر اور نواہی کی مخالفت کرے تو اس کی گنجائش ہے لیکن اپنے منعم کی نافرمانی اور ولی نعمت کی ناشکری انتہائی خطرناک اور بُری ہے۔ اور اس منعم کا کرم سابق ان ناشکریوں سے صرف نظر کرنے کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ عرف میں اس قسم کی چشم پوشی کو ذلت' کمزوری اور رسوائی سمجھتے ہیں خصوصاً جب منعم کو پہچاننے میں کوتاہی کرے اور اس کی نعمتوں کو اس کے غیر کی طرف منسوب کرے یا اس کی مرضی کے خلاف مقام میں صرف کرے' اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔

## غرور' تمنا اور رجا کے درمیان فرق کا بیان

اب جاننا چاہیے کہ یہاں تین چیزیں ہیں: غرور' تمنی اور رجا۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ غرور اور تمنا کی مذمت فرمائی گئی ہے جیسا کہ اس آیت میں اور ایک اور آیت میں وَلَایَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرِ اور اس آیت میں لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَا اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتَابِ اور آیت تِلْکَ اَمَانِیُّھُمْ میں وغیر ذالک جبکہ رجا جو کہ امید کے معنوں میں ہے' قرآن حدیث میں اس کی تعریف کی گئی ہے اور اسے پسند کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایمان والوں اور نیکوں کی تعریف کے مقام میں جگہ جگہ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَۃَ اللّٰہِ وارد ہے۔ پس ان تینوں چیزوں کے درمیان واضح طور پر فرق بیان کرنا چاہیے تاکہ قابلِ تحسین اور قابلِ مذمت کاموں میں آپس میں اشتباہ نہ رہے۔

جاننا چاہیے کہ امید یہ ہے کہ آدمی مرغوب چیز کے انتظار میں خوش رہے اور ہر مرغوب چیز کو حاصل کرنے کا کوئی سبب درکار ہے ورنہ انتظار نہیں پائی جاتی۔ پس اگر اس چیز کے اکثر اسباب جمع ہو چکے ہوں تو اس کا انتظار کریں اور خوشی میں وقت گزاریں۔ یہ رجا اور امید کی حالت ہے اس کاشت کار کی طرح جس نے اچھی زمین میں اچھا بیج بویا ہے اور وہ وقت پر پانی دیتا ہے اور غلہ اُٹھانے کا انتظار کرتا ہے۔

اور اگر اس چیز کے اکثر اسباب ضائع ہو جائیں اور اس چیز کا انتظار کیا جائے' یہ حالت

marfat.com
Marfat.com

غرور اور حماقت ہے اس کسان کی طرح جو غیر معیاری زمین میں بیج ڈال کر پانی لگانے سے پہلو تہی کرتے ہوئے غلہ کی پیداوار اُٹھانے کے انتظار میں بیٹھا رہا۔

اور اگر اکثر اسباب حاصل کرنے میں شک واقع ہو اور اس چیز کا انتظار دل میں ہو تو یہ حالت تمنا اور آرزو کی حالت ہے اس کھیتی باڑی کرنے والے کی طرح کہ جس نے اچھی زمین میں بیج ڈالا ہے مگر پانی نہیں لگاتا یا بنجر زمین میں بیج ڈال کر اور پانی دینے میں مشغول رہ کر غلہ کی پیداوار اُٹھانے کا آرزومند ہے۔

پس بندے کو چاہیے کہ نجات اور کامیابی کے اسباب کو مقدور بھر اپنے اندر جمع کرے اور اس کے بعد رحمتِ الٰہی کے انتظار میں خوشی اور شادابی میں وقت گزارے اور جو فلاح و نجات کے اکثر اسباب کو ضائع کر دیتا ہے اور فلاح و نجات کے حاصل ہونے کا منتظر ہے' وہ مغرور ہے اور حصولِ اسباب کے مشکوک ہونے کی صورت ایک آرزو کے سوا کچھ نہیں اور یہ دونوں مرتبے اللہ تعالیٰ کے حضور قابلِ مذمت اور قبیح ہیں۔

## سلیمان بن عبدالملک اور حضرت ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حکایت بیان کرتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک شام سے حج بیت اللہ شریف کے لیے جا رہا تھا' مدینہ عالیہ کے راستے میں اس کی ملاقات حضرت ابوحازم کے ساتھ ہوگئی اس نے ابوحازم سے پوچھا کہ کل قیامت میں بندوں کی اپنے پروردگار کے ساتھ ملاقات کس طرح ہوگی؟ ابوحازم نے فرمایا کہ اگر بندہ دنیا میں نیک عمل کر کے گیا ہے تو اس شخص کی طرح ہوگا جو کہ دُور دراز کے سفر سے بے پناہ مال و دولت کما کر اپنے گھر لوٹے' دیکھ لو کہ اس کے گھر والے اس کے ساتھ کس سلوک سے پیش آئیں گے اور اگر بندہ بدکار ہے تو اس غلام کی طرح ہوگا جو کہ اپنے مالک سے چوری اور کسی گناہ سے شرمسار ہو کر بھاگا ہو اس کے مالک نے اس کے پیچھے سخت اور تیز مزاج نوکر دوڑائے اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو کر بیڑیاں اور طوق پہنے اور لعنت و نفرت کا مستحق ہو کر اپنے مالک کے دربار میں پہنچے۔ یہ کلام سنتے ہی سلیمان پر گریہ طاری ہوگئی اس نے کہا کہ اے کاش! ہمیں معلوم ہو کہ ان دونوں طریقوں میں سے ہمیں کس طریقے کے ساتھ اپنے مالک کے دربار میں لے جائیں گے۔ ابوحازم بولے کہ یہ

marfat.com

Marfat.com

پہچاننا تو بہت آسان ہے اور قرآن پاک میں واضح فرما دیا گیا ہے۔

سلیمان نے کہا کہ کس آیت میں؟ ابوحازم نے فرمایا کہ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ اب اپنے موجودہ اعمال کو دیکھ لو کہ تم ابرار میں ہو یا فجار میں۔ سلیمان نے کہا کہ اگر نجات کا کام ہمارے عمل پر ہے تو رحمتِ الٰہی کدھر گئی؟ ابوحازم نے فرمایا کہ رحمتِ الٰہی کے مقام کا پتہ بھی قرآن مجید میں دیا گیا ہے۔ سلیمان نے کہا کہ کونسی آیت میں؟ ابوحازم نے فرمایا اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ خوف اور گریہ کی وجہ سے سلیمان کی حالت خراب ہوگئی اور وہ وہاں سے چلا گیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کی گفتگو سننے کی تاب نہیں رکھتا کہ میرا جگر پھٹتا ہے۔

اور جب اس آیت میں آدمی کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے کرم پر مغرور نہیں ہونا چاہیے تو اب چند ایک اور نعمتوں کا شمار ہو رہا ہے کہ وہ نعمتیں غرور و فریب کو روکنے والی تھیں۔ ان میں سے یہ ہے کہ فرمایا جا رہا ہے اَلَّذِیْ خَلَقَكَ وہ کریم جس نے اپنے کرم کے تقاضے سے تجھے پیدا فرمایا اور اس حالت میں تجھ سے سوال اور دعا کی خواہش کا تصور بھی نہ تھا اور تجھ سے کسی نفع کی کوئی توقع نہ تھی۔

فَسَوّٰىكَ پس تجھے درست اعضاء والا بنایا اور تیرے اعضاء مقدار میں برابر بنائے' ہاتھ کو ہاتھ کے ساتھ' پاؤں کو پاؤں کے ساتھ' کان کو کان کے ساتھ اور آنکھ کو آنکھ کے ساتھ۔ مثلاً اگر ایک پاؤں چھوٹا ہوتا اور دوسرا بڑا تو تجھے تکلیف بھی ہوتی اور تو معیوب اور ناقص بھی ہوتا اس کا کرم ہے کہ اس نے تجھے گندے قطرے سے اس پسندیدہ اور متناسب صورت میں پیدا فرمایا۔

فَعَدَلَكَ پس اس نے تجھے مزاج کا معتدل بنایا۔ تیرے بدن کا مزاج حرارت و برودت اور رطوبت و یبوست کی طبیعت میں ارکان و اخلاط کے ساتھ معتدل ہوگیا تاکہ اعتدال سے باہر ہونے والی کیفیتوں کو پہچانے اور جانے کہ ظاہری اعتدال سے نکلنا کس قدر تکلیف دہ اور پریشان کن ہوتا ہے اور معنوی اعتدال سے نکلنے کو اس پر قیاس کرے۔

فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ اور جس صورت میں چاہا' تیرے پروردگار نے تجھے

marfat.com
Marfat.com

ترکیب دی اور تو اس وقت حاضر نہ تھا کہ عرض کرتا کہ فلاں صورت اچھی ہے اور فلاں بُری' مجھے یہ شے دی جائے اور وہ نہ دی جائے۔ اس کا محض کرم ہے کہ اس نے تجھے بہترین صورت میں مرکب فرمایا۔ اور وہ ہاتھ عطا فرمایا جو کہ تکبیر کے وقت اُٹھانے' قرآن پاک' آلاتِ جہاد اور دوسری نیکیوں میں جو کہ جسم کے متعلق ہیں' پکڑنے کے لائق ہے اور وہ زبان دی جو کہ ثناء' تسبیح' ذکر' تلاوت' امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور ذات وصفات کے حقائق بیان کرنے کے قابل ہے اور وہ پاؤں دیا جو کہ نماز میں کھڑے ہونے' جہاد' طوافِ کعبہ' بیماروں کی عیادت' اولیائے اللہ کی زیارت اور دوسری نیکیوں میں جو کہ پاؤں سے متعلق میں دوڑنے کے لائق ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر عضو کسی نہ کسی نیکی اور طاعت کے لیے عطا فرمایا اور تو نے ان نعمتوں کو نافرمانی کا آلہ اور مخالفت کرنے کا ہتھیار بنالیا ہے ایسا شخص صفتِ کریمی کے لائق نہیں ہوتا' اسے اللہ تعالیٰ کے کرم سے غرور اور فریب کھانا زیب نہیں دیتا۔

اور آدمی کی تخلیق کو اس مقام پر کہ جہاں کریم کی نعمتوں کا شمار کرنا مقصود ہے اسی لیے خاص فرمایا گیا ہے کہ اس نعمت میں کوئی سوال یا خواہش بندے کی طرف سے بالکل نہ تھی اور نفع اور دفع ضرر کی توقع بلکہ تصور اللہ تعالیٰ کی طرف بالکل نہ تھا۔ بخلاف دوسری نعمتوں کے جو کہ پیدائش اور [illegible] پر مانگنے کے بعد عطا ہوتی ہیں کہ وہ اس قدر کرم پر دلالت نہیں کرتیں۔

نیز تخلیق انسانی کی نعمت کہ طبیعت کے اعتدال اور اعضاء کے مناسبت کے کمال کے ساتھ واقع ہوئی اس بات پر صریح دلیل ہے کہ اس قسم کی مخلوق کو بے مقصد پیدا نہیں فرمایا گیا ہے بلکہ اعتقاد وعمل میں غیر معتدل راستہ سے معتدل راستے کو پہچاننے کے لیے پیدا فرمایا اس لیے کہ غیر معتدل کو معتدل کے بغیر کوئی نہیں پہچان سکتا اسی لیے طب کی کتابوں میں طے شدہ بات ہے کہ غیر معتدل حد اعتدال سے نکلی ہوئی کیفیت سے جو کہ اس غیر معتدل کی جنس سے نہ ہو' اتنا متاثر نہیں ہوتا اور ہم جنس سے زیادہ اور جلدی متاثر ہوتا ہے اور تھوڑے کو زیادہ سمجھتا ہے تو جب انہوں نے اس کام میں کوتاہی اختیار کی تو عتاب اور غضب کا زیادہ مقام ہوا۔ سابقہ کرم سے فریب کھانے کا کیا معنی؟

marfat.com
Marfat.com

## ایک جواب طلب سوال

اور یہاں ایک جواب طلب سوال ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان نعمتوں میں حرف عطف جو کہ فا ہے ہر جگہ ذکر فرمایا گیا ہے سوائے فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ کے کہ یہاں حرف عطف کو حذف فرما دیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تخلیق اعضاء کو برابر برابر بنانا اور معتدل بنانا تین ترتیب وار فعل ہیں ان افعال میں کلمہ فا کے مدلول کی جو کہ تعقیب ہے گنجائش ہے اور ان تین افعال کے بعد صورت کی ترکیب لازم ہے۔ بالکل یہی کہ تسویہ اور تعدیل سے فراغت ہوئی تصویر حاصل ہوگئی بلکہ تسویہ اور تعدیل یہی تصویر ہے۔ پس حرف فا کی گنجائش نہ تھی اور چونکہ یہ نعمت تسویہ اور تعدیل کے مجموعے سے رونما ہوئی اس لیے اس نعمت کو نعمت آنے کا بیان کرنے کے طور پر وارد فرما دیا گیا۔

## بچے کا والدین کا ہم شکل ہونا ضروری نہیں

اور مفسرین کے ایک گروہ نے فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کبھی بچہ باپ کی صورت پر کبھی ماں کی شکل پر کبھی چچا کی شکل پر کبھی ماموں کی شکل پر اور کبھی اپنے قریبیوں کے سوا کسی اور شکل پر پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے ایک شخص سے پوچھا تیری کیا اولاد ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم شاید میرے ہاں لڑکا پیدا ہو یا لڑکی پھر آپ نے پوچھا کہ کس کے مشابہہ؟ اس نے کہا کہ اپنی ماں کے مشابہہ یا اپنے باپ کے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا مت کہو بے شک جب رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان سارا نسب اس کے پاس حاضر فرما دیتا ہے کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی؟ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ

اور بعض نے کہا ہے کہ مراد اچھی اور بری صورتیں ہیں جن میں انسانی افراد مختلف ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ انسانی صورتوں کی کثرت کو بیان کرنا مراد ہے کہ یہ قدرت الٰہی کے عجائب سے ہے اور فی الواقع آدمی کے اتنے سے چہرے میں اعضاء آنکھ کان ناک نوعی

marfat.com

Marfat.com

ترتیب کی حفاظت اور صورت کے ہم شکل اور مخلوط ہونے میں مشترک ہونے کے باوجود ہر شخص دوسرے شخص سے جدا ہے اور یہیں سے خزائنِ الٰہیہ کی وسعت کو دریافت کیا جا سکتا ہے کہ اس میں کتنے غیر متناہی نقشے ہیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ نر اور مادہ کی صورت کا اختلاف مراد ہے اور اس تفسیر کے مطابق ماقبل کے ساتھ اس آیت کا رابطہ یہ ہے کہ نر کا تسویہ اور تعدیل مادہ کے تسویہ و تعدیل سے مختلف ہے لیکن یہ اختلاف صنف کا ہے اس لیے طب والے مؤنث کا مزاج زیادہ تر سمجھتے ہیں جبکہ مذکر کا مزاج زیادہ خشک جانتے ہیں اور مذکر کی جسمانی صحت مؤنث کی جسمانی صحت سے جدا جانتے ہیں لیکن اصل تسویہ اور تعدیل میں جو کہ نوعِ انسانی کا تقاضا ہے' باہم شریک ہیں۔

اور بعض نے انسان کے مختلف رنگوں پر محمول فرمایا ہے اور کہتے ہیں کہ پہلی اور دوسری اقلیم میں رہنے والوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اس لیے کہ سورج ہمیشہ ان کے سمت الراس میں ہوتا ہے (اُفق کے اوپر کرۂ سماویہ کے ایک نقطے کا نام ہے) یا اس کے قریب اور سوج کا ہمیشہ گرمی دینا رنگ سیاہ کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ دھوبیوں اور دوسرے کسانوں کے رنگوں میں جو کہ ہمیشہ دھوپ میں کھلے جسم رہتے ہیں' دیکھا اور محسوس کیا جاتا ہے اور تیسری اقلیم کے رہنے والے اکثر گندمی رنگ والے' چوتھی اقلیم کے رہنے والے سرخی مائل سفید رنگ والے' پانچویں اقلیم کے باسی سرخ رنگ اور چھٹی اور ساتویں اقلیم کے رہنے والے ہلکے زرد رنگ والے ہوتے ہیں۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ بعض کو ایسی صورت پر پیدا کیا گیا ہے کہ انہیں اپنی پسندیدہ اداؤں کے لیے چُن لیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي۔ نیز آپ کے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے حق میں فرمایا ہے کہ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا۔ وَاِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ اور یہ مبارک جماعت دربارِ شاہی کے خاص مقربین کی طرح ہیں جو کہ دربار کی ڈیوٹیوں پر مامور ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض کو ایسی صورت پر پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے

marfat.com
Marfat.com

تعمیر میں مشغول ہوں۔ بعض اموال کی تجارت، بعض کاشت کاری اور بعض کاری گری میں لگ جائیں تاکہ جہان کے کاروبار منظم ہوں اور جب اس بات کا گمان تھا کہ صفتِ کرم کا سُن کر جو کہ اس ڈانٹ اور سوال میں مذکور ہے، کفار کہنے لگیں کہ ہمارا غرور اور اعتماد سب اس کے کرم پر ہے، ایک اور تنبیہہ اور زیادہ سخت جھڑکی فرمائی۔

كَلَّا بات یوں نہیں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے گناہ کرتے ہو اس لیے کہ یہ اعتماد جزا اور آخرت کے عقیدے اور اقرار پر موقوف ہے جبکہ روزِ جزا پر تمہارا اقرار اور اعتقاد ہی نہیں۔

بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ بلکہ تم جزا کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ جزا کا وعدہ بھی کرم ہی کا تقاضا ہے تاکہ اچھی جزا کی امید پر تم نیکی اور بندگی بجالاؤ اور تمہارے دارین کے کام اصلاح پائیں اور سزا کے ڈر سے نافرمانی سے بچو تاکہ تمہارے دارین کے امور خراب نہ ہوں اور تم سے انکار ہو کیسے سکتا ہے۔

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ حالانکہ تم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے لَحٰفِظِيْنَ نگہبان مقرر ہیں تاکہ وہ تمہارے اچھے بُرے اعمال پر مطلع ہوں اور تمہارا کوئی اچھا عمل ضائع نہ ہو اور کوئی بُرا کام رائیگاں نہ جائے۔

كِرَامًا یعنی وہ نگہبان بھی خلقِ الٰہی سے متخلق ہو کر تمہارے ساتھ کرم کا معاملہ کرتے ہیں۔

## كِرَامًا كَاتِبِيْنَ کی کارگزاری

اور ان کے کرم سے ایک بات یہ ہے کہ وہ خود کو تمہاری نظر میں ظاہر نہیں کرتے تاکہ تم ان کے سامنے ازدواجی زندگی، بول و براز کی حاجت پوری کرنے اور لذتوں اور خواہشات کے حصول میں رکاوٹ محسوس نہ کرو۔ اور یہ بھی ہے کہ تمہارے اعمال پر مطلع ہونے کے باوجود تمہیں رسوا نہیں کرتے اور لوگوں کے سامنے تمہارے بھید ظاہر نہیں کرتے۔ اور یہ بھی ہے کہ جب بھی تم سے نیکی صادر ہوتی ہے اس نیکی کو دس گنا لکھتے ہیں۔ مثلاً اگر تم نے ایک روپیہ راہ خدا میں دیا ہے تو دس روپے لکھتے ہیں۔ علی ہذا القیاس۔ اور اگر تم نے نیکی کا

marfat.com
Marfat.com

قصد کیا اور کسی رکاوٹ کی وجہ سے وہ نیکی تم سے واقع نہیں ہوئی' اسے بھی وہ نیکی کے حساب میں رکھتے ہیں۔ اور ایک نیکی لکھتے ہیں۔ اور اگر تم نے گناہ کا قصد کیا اور اس گناہ کو چھوڑ دیا اس ترک کرنے کو بھی نیکی کے حساب میں لیتے ہیں اور ایک نیکی لکھتے ہیں۔ اور اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو چھ گھڑی تک مہلت دیتے ہیں اور اس گناہ کو نہیں لکھتے کہ شاید اس دوران تم سے استغفار یا توبہ یا کوئی ندامت یا ایسی نیکی جو کہ اس گناہ کا اثر زائل کر سکے' صادر ہو۔ اور اگر اتنی مدت تک بھی تم نے اس گناہ کا تدارک نہ کیا تو ایک گناہ لکھ لیتے ہیں۔ اور پھر جب تم توبہ اور استغفار کرو یا دوسری نیکیاں بجالاؤ تو اس لکھے ہوئے کو مٹا دیتے ہیں۔ اور وہ نگہبان تمہارے اعمال کو یاد رکھنے میں کمال کی احتیاط کرتے ہیں کہ فرشتہ ہونے کے باوجود کہ بھولنے اور فراموش کرنے سے مانع ہے' اپنے حافظے پر اعتماد نہیں کرتے۔

كَاتِبِيْنَ لکھنے والے ہیں جو کہ اس کام کے لیے ترتیب دیئے گئے دفتر رکھتے ہیں اور صحیح روایات کے مطابق یہ لکھنے والے ہر شخص کے لیے چار ہیں۔ دو رات کو آتے ہیں اور دو دن کے وقت' دن اور رات کے دونوں دفتروں کو جدا جدا سنبھالتے ہیں اور بعض روایات کے مطابق ان کی نشست گاہ آدمی کے کندھوں پر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ آدمی کے منہ کے اوپر والے دو بڑے دانت ان کی نشست گاہ ہیں اور آدمی کی زبان ان کی قلم ہے اور آدمی کا لعاب دہن ان کی سیاہی کے قائم مقام ہے اور جب وہ دن رات کے دفتر کو حق تعالیٰ کے دربار میں پیش کرتے ہیں۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔ احتیاط کے طور پر فرماتا ہے کہ اس دفتر کا لوح محفوظ کے ساتھ مقابلہ کرو اور اس میں بندہ جو کچھ کرے گا' کم وبیش سب کچھ لکھا ہوا ہے۔ مقابلے کے بعد حکم ہوتا ہے کہ نیکی اور گناہ کے سوا جو کچھ ہے' مٹا دو اور جو نیکی اور گناہ ہو' اسے رہنے دو تا کہ اس پر ثواب اور عذاب مرتب ہو اور ان نگہبانوں کے لیے کوئی پردہ اور حجاب تمہارے حالات پر مطلع ہونے سے رکاوٹ نہیں بنتا۔ یہ گمان بھی نہ کرنا کہ جس طرح ہم دنیا میں خفیہ نویسوں اور رپورٹروں سے اپنے اعمال چھپا سکتے ہیں' کسی حیلے بہانے سے ان سے بھی چھپالیں گے اس لیے کہ وہ نگہبان

marfat.com
Marfat.com

يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ جو کچھ تم کرتے ہو جانتے ہیں اگرچہ تم ہزارہا پردوں میں ہو۔

یہاں جاننا چاہیے کہ اعمال لکھنے والوں کے لیے آدمی کے افعال پر اطلاع اس آیت سے ثابت ہوتی ہے جبکہ اس کے اقوال پر مطلع ہونا سورۂ ق کی ایک اور آیت سے واضح ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ اور ترک کی صورت والے اعمال پر جیسے روزہ' اعتکاف اور احرام کی ممنوعہ چیزوں سے پرہیز کرنا اور اس کی مانند دوسرے اعمال پر اطلاع عقلی دلیل کے ساتھ ظاہر ہے اس لیے کہ جب کوئی شخص کسی کام کی ضرورت کے وقت کسی رکاوٹ اور عذر کے بغیر وہ کام نہیں کرتا تو صریحاً پتہ چل جاتا ہے کہ اس کام کا تارک ہے البتہ دلی نیتوں اور دل میں چھپے ہوئے ارادوں پر مطلع ہونے کے مسئلے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور وہ جو صحیح حدیث میں وارد ہے کہ یہ لکھنے والے نیکی کے قصد کو نیکی لکھتے ہیں اور بدی کے قصد کو جو ترک کرنے سے وابستہ ہو جائے بھی نیکی میں لکھتے ہیں' ان کے احوالِ قلب پر مطلع ہونے پر دلالت کرتا ہے جبکہ انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ اطلاع حق تعالیٰ کی طرف سے بطور الہام ہوئی ہے کہ فلاں شخص نے اس وقت فلاں نیکی کا مقصد کیا ہے یا فلاں نے برائی کا ارادہ کر کے اسے چھوڑ دیا ہے اور یہی ظاہر ہے اور جب بات جزا ثابت کرنے تک پہنچ گئی تو یہاں نیکوں اور بروں کی جزا کی تفصیل میں سے کچھ بیان کرنا ضروری ہوا اس بناء پر ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ تحقیق نیک لوگ عظیم نعمت میں ہوں گے۔ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ اور بے شک بدکار جہنم میں ہوں گے۔

يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ اس جہنم میں جزا کے دن داخل ہوں گے۔

وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ اور وہ جہنم سے غائب ہونے والے نہیں ہوں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اس جہان کی ہلاکتوں اور سزاؤں سے راہِ فرار اختیار کر کے غائب ہو کر رہائی پاتے ہیں اور اس دن اس حیلے سے ہرگز رہائی ممکن نہیں ہوگی اس لیے کہ اس آگ کے شعلے دور دور سے بدکاروں کو اپنی طرف کھینچ لیں گے اور فرشتے جو کہ جہنم کے دروازے پر مقرر ہیں' زنجیروں اور طوقوں میں مقید کر کے پھینک دیں گے نہ بھاگنے کی جگہ ہوگی نہ الجھنے کا

marfat.com
Marfat.com

مقام۔

اور بعض مفسرین نے غائب ہونے کو جہنم سے باہر آنے پر محمول کیا ہے اور اس صورت میں فجار کو کفار کے ساتھ خاص کرنے کی ضرورت ہوگی اس لیے کہ ایمان والے فاسق جہنم سے لازماً باہر آ جائیں گے اور بہشت میں داخل ہوں گے۔ اور علم بدیع کے علماء نے کہا ہے کہ اس کلام میں جمع اور تقسیم کی صنعت ہے کہ پہلے اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ میں انہیں اچھوں اور بُروں کو ایک حکم میں جمع کیا گیا ہے اور اس کے بعد جزا کے بیان میں دونوں کو جدا جدا لایا گیا۔ نیز اس کلام میں صنعت ترصیع ہے اور علم بدیع کی اصطلاح میں اس کلام کو مرصع کہتے ہیں کہ دونوں فقروں کے الفاظ سجع میں یعنی آخری حرف میں اور وزن میں برابر ہوں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا

اے منور بتو نجوم جلال     وی مقرر بتو رسوم کمال

منور مقرر کے ساتھ نجوم رسوم کے ساتھ اور جلال کمال کے ساتھ وزن اور حرف آخر میں برابر ہیں اور یہاں بھی ابرار فجار کے ساتھ اور نعیم جحیم کے برابر ہے۔ نیز اس کلام میں صنعت تضاد بھی ہے کہ اسے اطباق اور تطبیق بھی کہتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ضدوں کو ایک کلام میں جمع کر دیں۔ چنانچہ مشہور مصرع میں ہے

ع ہشیار دروں رفت بروں آمد مست

یہاں نعیم جحیم کی اور ابرار فجار کی ضد ہے

جب بدکاروں کی سزا کے بیان میں روز جزا کا ذکر ہوا اور ابھی اس دن کی ہولناکیوں اور سختیوں کو خاطر خواہ بیان نہیں کیا تو سننے والوں اس دن کی سختی سے خبردار کرنے کی بناء پر استفہام تہویلی کے طور پر اس کا کچھ اجمالی بیان فرمایا جا رہا ہے کہ:

وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ اور تو کیا جانتا ہے کہ روزِ جزا کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آدمی اپنی عقل کے ساتھ اس دن کی شدت اور خوف کو دریافت نہیں کر سکتا اس لیے کہ دنیا کے سیاہ دنوں کی شدتیں اور سختیاں جو اپنے اوپر دیکھیں یا لوگوں سے سنیں وہ اس دن کی شدتوں اور سختیوں کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتیں تا کہ انہیں ان پر قیاس کرے اور عقل کا

marfat.com

Marfat.com

کام اسی قدر ہے کہ ان دیکھی چیز کو دیکھی ہوئی پر' اَن سُنی کو سُنی ہوئی پر قیاس کرتی ہے۔

ثُمَّ مَا اَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ پھر طویل مہلت کے بعد ہم فرماتے ہیں کہ تو کیا جانتا ہے کہ روزِ جزا کیا ہے اور یہاں کلمہ ثُمَّ کا حاصل یہ ہے کہ کئی چیزیں ایسی ہیں جنہیں آدمی پہلی ہی سوچ میں دریافت نہیں کرسکتا' انتہائی غور وفکر اور کافی مدت کے بعد اس کی تحقیق کا سراغ لگاتا ہے اور جب وہ چیز اس جنس سے ہو کہ کسی کے وہم وخیال میں بالکل نہ سمائے تو مدتوں غور وفکر میں گزارنا اور پہلی دفعہ ہی مایوس ہو جانا برابر ہے اور یہی وجہ ہے کہ فرمایا گیا ہے کہ طویل مدت اور فرصت کے بعد بھی تو اس کی حقیقت کو پا نہیں سکے گا مگر اس دن کی شدت اور سختی میں سے ایک جھلک تیرے سامنے بیان کی جاتی ہے کہ وہ دن

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ایسا دن ہے کہ کوئی نفس کسی نفس کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔ اور یہیں سے اس دن کی شدت دریافت کی جاسکتی ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں جب کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے پہلے تو وہ اس تکلیف کو عام لوگوں کے سامنے رکھتا ہے اور چارہ کار تلاش کرتا ہے۔ اور جب عوام سے اس کا کام نہیں ہو پاتا تو خاص لوگوں کے پاس التجا کرتا ہے جو کہ اس تکلیف کو دُور کرنے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جیسے ماہر طبیب بیماریاں دُور کرنے میں' ہشیار جراح زخموں اور پھنسیوں کے بارے میں' تیز نظر ماہرین امراضِ چشم آنکھ کی بیماریوں میں' انصاف کرنے والے حکام ظلم وستم کے مقدمات میں اور تجربہ کار لوگ دوسرے امور میں کام آتے ہیں اور جب یہ لوگ اس کے حال پر توجہ نہیں کرتے تو ناچار ان کے ہم نشینوں اور دوستوں کی سفارش سے مدد طلب کرتا ہے اور اس کی گرہ کشائی کرتا ہے اور اس دن تمام تعلقات ختم ہو جائیں گے' کسی کے کسی تعلق کا پاس نہیں ہوگا۔ اور وہاں کے واقعات میں سے کسی چیز میں کسی کا دخل نہیں ہوگا۔ وہاں خواص' عوام کی طرح حیران اور سردار' رعایا کی طرح پریشان ہوں گے۔ مالک مطلق کے حکم کے بغیر وہاں شفاعت محال ہوگی' رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوگا اور اس آیت میں تین عموم بیان کیے گئے ہیں: پہلا عموم نفس مالکہ میں' دوسرا نفس مملوکہ میں اور تیسرا شئ مملوک میں اور ان تینوں قسموں سے اس دن کی چارہ جوئی سے مکمل ناامیدی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ پوشیدہ

marfat.com

Marfat.com

نہیں ہے۔

(اقول وباللہ التوفیق کوئی کافر کسی کی شفاعت نہ کر سکے گا۔ (خازن) یا کوئی مومن کسی کافر کی حاجت روائی نہ کر سکے گا لہٰذا اس آیت سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی۔ شفاعت باذن اللہ ہوگی۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قیامت میں مالک احکام یعنی حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے' انبیاء مرسلین علیہم السلام حاکم نہیں' حاکم کی بارگاہ میں شفیع ہیں' وکیل وگواہ فیصلہ کے مالک نہیں ہوتے اس آیت میں ملک کی نفی ہے۔ (تفسیر نورالعرفان از مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی)

حضرت مفسر علام نے ایک قول کے مطابق تفسیر کی ہے جبکہ یہاں دوسرا قول بھی جیسا کہ تفسیر نورالعرفان میں بحوالہ خازن منقول ہے کہ نفس میں عموم نہیں بلکہ یہ حکم نفس کافرہ کے متعلق ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ

وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ اور اس دن حکم اور فرمان صرف خدا تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور جس طرح دنیا میں بادشاہ کا حکم رعایا پر' والدین کا حکم اولاد پر' آقا کا حکم نوکر پر' خاوند کا حکم بیوی پر اور مالک کا حکم مملوک پر جاری تھا اس روز منقطع ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا کسی کو حکم دینے کی مجال نہ ہوگی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے بہمہ وجوہ پسند فرما لیا' نجات پا گیا اور جسے بہمہ وجوہ ناپسند فرمایا اسے ہلاکت ابدی نصیب ہوگی۔ اور جسے بعض وجوہ کی بناء پر پسند فرمایا اور بعض وجوہ کی بنا پر ناپسند تو شفاعت کرنے والوں کو جو کہ انبیاء علیہم السلام' اولیائے اللہ' علمائے کرام' حفاظ' شہداء اور فرشتے ہوں گے' حکم ہوگا کہ فلاں کی شفاعت کریں تاکہ تمہیں عزت اور مرتبہ حاصل ہو اور اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں جیسا کہ معتزلہ سمجھتے ہیں' ان اکابرین کی شفاعت کی نفی مذکور نہیں ہے بلکہ شفاعت کو حاکم مطلق کے حکم پر موقوف رکھنا ہے اور یہی مذہب اہلِ سنت وجماعت ہے۔

marfat.com
Marfat.com

# سورۃ المطففین

اس سورۃ میں اختلاف ہے' کی ہے یا مدنی۔ اکثر معتبر تفاسیر میں مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ عالیہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ ماپ اور تول میں بہت خیانت کرتے تھے' یہ سورۃ نازل ہوئی اور مدینہ عالیہ میں سب سے پہلے جو سورۃ نازل ہوئی یہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ عالیہ کے لوگوں کو اس سورۃ کی تعلیم دی اور وہ لوگ قرآن پاک اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت سے درست ہو گئے۔ چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک دنیا میں ماپ اور تول کے معاملے میں اہل مدینہ سے زیادہ کوئی صحیح نہیں۔ (یہ ان لوگوں کے متعلق فرمایا جو آج بھی مدینہ عالیہ میں ان مہاجرین و انصار علیہم الرضوان کی اولاد میں سے موجود ہیں اور کاروبار کرتے ہیں۔ نجدیوں یا غیر ملکی تاجروں کے متعلق نہیں جیسا کہ زائرین مدینہ عالیہ پر مخفی نہیں ہے)

اور جنہوں نے اس سورۃ کو مکی کہا ہے' وہ کہتے ہیں کہ دراصل اس سورۃ کا نزول تو مکہ معظمہ میں ہوا جب آپ مدینہ عالیہ تشریف فرما ہوئے اور وہاں کے لوگوں کو اس مرض میں مبتلا دیکھا تو اس سورۃ کی ان کے سامنے تلاوت فرمائی۔ لوگ سمجھے کہ اس سورۃ کا نزول اس وقت ہوا تھا۔ اور عطاء مکی نے کہا ہے کہ اس سورۃ کا نزول سفر ہجرت میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہوا ہے۔

## سورۃ الانفطار کے ساتھ رابطہ کی وجہ

اور سورۃ انفطار کے ساتھ اس سورۃ کے رابطے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں بُروں اور نیکوں کے اعمال ناموں کی ابتدا کا ذکر ہے کہ دنیا میں لکھے جاتے ہیں جبکہ اس سورۃ میں ان اعمال ناموں کے درمیانی حاصل کا بیان ہے کہ بُروں اور نیکوں میں سے ہر ایک کو ان دو دفتروں جن کا نام سجین اور علیین ہے' کے اہل کاروں کے حوالے کر دیا جائے گا جس طرح کہ 'اذا السماء انشقت' میں ان اعمال ناموں کی انتہا کا بیان ہے کہ حشر کے دن ہر کسی کے ہاتھ میں تھما دیے جائیں گے۔

marfat.com
Marfat.com

## وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۃ المطففین کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کی ابتدا میں مطففین کے بُرے انجام کا ذکر ہے اور وہ اس بات پر دلالت ہے کہ جو مخلوق کے اتنے سے تھوڑے حق کو ضائع کر دے اس کا انجام اتنا بُرا ہے تو جو حق تعالیٰ کے بہت بڑے حق کو جو کہ اس کی آیات اور رسل علیہم السلام پر ایمان لانا ہے' ضائع کر دے اس کا انجام کیا ہوگا اور ان دونوں سورتوں میں عبارت اور اندازِ کلام کے اعتبار سے مناسبت بھی بالکل ظاہر ہے اس سورۃ میں كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ مذکور ہے جبکہ اس سورۃ میں وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ وَمَا اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حَافِظِيْنَ واقع ہے اور اس سورۃ میں اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ہے جبکہ یہاں بعینہٖ یہی الفاظ مذکور ہے اور اس سورۃ میں اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ہے جبکہ یہاں ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ہے اور اس سورۃ کا اختتام اس کلمے پر ہے کہ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ جبکہ اس سورۃ کے اوائل میں يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ مذکور ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ماپ تول میں مخلوق کے حقوق کو کم کرنے والوں کے حال پر افسوس ہے۔

## تطفیف کی مختلف صورتیں

اگرچہ لغتِ عرب میں لفظ تطفیف ماپ اور تول میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں لیکن شیخ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ العزیز اور دیگر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے عیب ظاہر کرنا اور اپنے میں ان عیبوں کو چھپانا' لوگوں سے انصاف چاہنا اور خود انصاف پر راضی نہ ہونا' لوگوں کے عیب دیکھنا اور اپنے عیبوں سے چشم پوشی کرنا' لوگوں سے اپنی تعظیم طلب کرنا اور مستحق لوگوں کی تعظیم میں کوتاہی کرنا' اپنے لیے جو کچھ پسند کرتے ہیں دوسروں کے لیے ناپسند کرنا' مزدوروں اور نوکروں سے کام پورا چاہنا اور مزدوریاں اور تنخواہیں دیتے وقت ان کے حق میں کمی کرنا اور تقدیر شدہ رزق اللہ تعالیٰ کے دربار سے پورا چاہنا اور اس کی اطاعتوں میں کمی کرنا سب تطفیف میں داخل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ الصلوٰۃ

marfat.com

Marfat.com

مکیال فمن دفی دفی له ومن طفف فقد علمتم فیه ما قال الله تعالی یعنی نماز پیمانہ ہے جس نے پورا ماپا' اسے پورا اجر ملے گا اور جس نے کمی کی تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے' تم جانتے ہو۔

نیز حدیث قدسی میں ہے اوف یا بن آدم کما تحب ان یوفی لك واعدل کما تحب ان لیعدل لك اے ابن آدم پورا حق ادا کر جیسا کہ تو اپنا حق پورا چاہتا ہے اور عدل کر جیسا کہ تو اپنے لیے عدل چاہتا ہے۔

## پانچ چیزوں کے عوض پانچ چیزیں ملتی ہیں

نیز حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے لوگوں کے سامنے یہ سورۃ تلاوت کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ خمس بخمس یعنی پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے عوض ہوتی ہیں' کوئی فرقہ اجتماعی طور پر عہد شکنی نہیں کرتا مگر ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے اور کوئی فرقہ خلاف شریعت فیصلہ نہیں کرتا اور رشوت کے ساتھ حکم شرعی کو نہیں بدلتا مگر ان میں غربت و افلاس سرایت کر جاتے ہیں اور کسی فرقے میں اعلانیہ بدکاری اور لواطت رائج نہیں ہوتی مگر ان کی ذات پر موت کو مسلط کر دیا جاتا ہے اور کوئی فرقہ ماپ اور تول میں کمی نہیں کرتا مگر ان کی کھیتیاں تلف ہو جاتی ہیں اور وہ قحط میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور کوئی فرقہ زکوٰۃ کو نہیں روکتا مگر ان سے بارشِ رحمت روک لی جاتی ہے۔

بہرحال ماپ تول کا مقدمہ بہت معتبر ہے۔ اس لیے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب آیا اسی گناہ کی نحوست کی وجہ سے تھا اور اس کے گناہِ کبیرہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے مبالغہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس فعل شنیع کا قصد کرنا بھی کبیرہ گناہوں سے ہے اور بعض نے تھوڑے اور بہت میں فرق کیا ہے۔

## چوری کے نصاب کی حد

وہ کہتے ہیں کہ اگر ماپ اور تول کا نقصان چوری کے نصاب کی حد کو پہنچ جائے جو کہ ان علاقوں میں رائج تین روپے ہیں تو کبیرہ ہو جاتا ہے ورنہ صغیرہ ہے۔ اور اکثر ظاہر بین یہاں تردد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگوں کے حق سے معمولی شے کا غصب کرنا اتنا وبال نہیں

marfat.com

Marfat.com

رکھتا' یہ اجماعی طور پر صغیرہ گناہ ہے تو تطفیف کو کبائر میں سے کیوں شمار کیا گیا ہے اور اس پر شدید وعید کیوں مرتب کرتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ غصب ایک ایسا گناہ ہے جس کے ضمن میں موضوع شریعت کو بدلنا لازم نہیں آتا جبکہ یہ تطفیف عدل کی شکل میں ایک ظلم ہے۔

## ماپ تول میں کمی کے ظلم ہونے کی تفصیل

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ماپ اور تول کے پیمانوں کو رب العزت نے انصاف اور عدل قائم کرنے کے لیے نصب فرمایا ہے۔ اور مخلوق کے معاملات کا دارومدار ان دونوں چیزوں پر چھوڑا ہے تو ان دونوں چیزوں کو ظلم کا وسیلہ بنانا ایسا ہے کہ کسی نیکی کو گناہ کا وسیلہ بنالیں۔ نیز ماپ تول میں کمی کرنے میں خیانت' دھوکہ اور فریب ہے۔ جو کہ نفس کے خائن ہونے پر دلالت ہے۔ بخلاف غصب کے۔ نیز وہاں طبعی کمینہ پن ہے کہ ایک مٹھی بھر جو کی خاطر اپنے دین کو فروخت کر رہا ہے اور عدل الٰہی کو ظلم کی صورت میں نمودار کرتا ہے' ان وجوہ اور ان جیسی اور وجوہ کی بنا پر یہ گناہ اتنا بڑا ہے کہ دوسرے صغیرہ گناہوں میں یہ صورت نہیں پائی جاتی۔

اگرچہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے بادشاہ وقت کو وعظ و نصیحت کے مقام میں فرمایا ہے: کہ تو اس عذاب کو جانتا ہے جو مطفف کے حق میں وارد ہے اور تو مسلمانوں کے اموال ماپ اور تول کے بغیر لے رہا ہے' تیرا حال کیا ہوگا لیکن ان بزرگوں کی مراد یہ ہے کہ بادشاہ کا ظلم بھی تطفیف کی طرح شریعت کے موضوع کو بدلنا ہے اس لیے کہ اسے سلطنت کی قدرت اس لیے دی گئی ہے کہ عدل قائم کرنے اور ظلم دُور کرنے کی صورت بنے جب اس قدرت کو عدل اُٹھانے اور ظلم قائم کرنے کے لیے خرچ کریں تو قلب موضوع لازم آئے گا۔

بہرحال اس قسم کے گناہوں میں مخلوقِ خدا کی حق تلفی کے علاوہ دغا' فریب' حکمتِ خداوندی میں رخنہ اندازی اور ظلم کو عدل کی صورت میں ظاہر کرنا ہے جس طرح کہ قرآن پاک کو درمیان میں دے کر دغا کرے۔ پس ان خباثتوں کے جمع ہونے کی وجہ سے کبیرہ گناہ ہوگیا اور یہی وجہ ہے کہ مسجد کو نجاستوں کی جگہ بنانا حرام ہے جبکہ غیر مسجد کو اور دین کے عمل کو

marfat.com
Marfat.com

دنیا کی غرض سے کرنا اور اپنے آپ کو نیکوں کے روپ میں ظاہر کر کے دادِ ابلیسی دینا' صریح طور پر دنیا طلب کرنے اور بے پردہ بدکاری کرنے سے کہیں زیادہ سخت اور بُرا ہے۔

اور چونکہ تطفیف یعنی ماپ اور تول میں کمی کرنا کبھی لاپرواہی کے طریقے سے بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص بنیادی طور پر اپنی طبیعت میں معتدل مزاج واقع ہوا ہے۔ اور حقوق پورے طور پر دینے اور لینے میں اتنی غور وفکر نہیں کرتا اور یہ تطفیف اپنا حق لینے میں تو کوئی مضائقہ نہیں رکھتی۔ دوسرے کا حق دینے میں حرام اور ممنوع ہے لیکن انجام میں اتنی شدت اور سزا نہیں رکھتی کہ اس کے مرتکب کے حال پر وائے کہا جائے اس تطفیف سے بچنے کے لیے مطففین کی ایک صفت اور علامت بیان فرمائی گئی ہے تا کہ اس بات کا پتہ چلے کہ ماپ اور تول میں ان کی کمی لاپرواہی کی بناء پر نہیں بلکہ پوری ذہانت اور ہشیاری کے ساتھ قصداً اور عمداً یہ کام کرتے ہیں اور وافر مقدار میں حرص رکھتے ہیں اس لیے کہ ان کی صفت یہ ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ وہ لوگ کہ جب لوگوں سے اپنا حق ماپ کر لیں۔

یَسْتَوْفُوْنَ تو پورا لینے کا قصد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمارے حق میں سے ایک دانہ بھی کم نہ ہو بلکہ پورا لینے کے بہانے اپنے حق سے بھی زیادہ لیتے ہیں اور یوں بات کرتے ہیں کہ ہم اپنا حق پورا لینا یقینی طور پر معلوم نہیں کر سکتے مگر جبکہ کچھ زائد لے لیں اور جب وہ ماپ میں یہ حیلہ کرتے ہیں اور اپنے حق سے زیادہ چاہتے ہیں تو تول میں پورا لینے کے بہانے سے وہ بطریقِ اولیٰ زیادہ کی طلب کرتے ہیں اس لیے کہ ماپ میں چشم پوشی کرنا اور سستی کرنا رائج ہے جبکہ تول میں تنگی اور سختی۔

اور اس کا راز یہ ہے کہ ماپنا چیزوں کے طول وعرض کے ساتھ متعلق ہے جبکہ تولنا بوجھ کے ساتھ متعلق ہے اور جو چیزیں پہننے اور سکونت اختیار کرنے کی حیثیت سے جیسے آدمی کے طول وعرض کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں' ان میں پیمائش رائج ہے اور ان چیزوں میں جو کہ غذا اور دوا ہونے کی حیثیت سے آدمی کی باطنی قوتوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں یا مالیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جیسے سات معدنیات جو کہ جدا جدا ہیں کہ ثقل کی وجہ سے اجزا کو جمع رکھتی ہیں اور اجزا کے جمع ہونے کی وجہ سے طویل مدت تک باقی رہتی ہیں اور طوالت بقاء کی وجہ سے ان کی

marfat.com

Marfat.com

مالیت زیادہ ہوگئی' وزن رائج ہے۔ پس جو چیزیں پیائش آتی ہیں غالباً ان چیزوں کی نسبت کم قیمت ہوتی ہیں جو کہ وزن میں آتی ہیں اور وزن کی جانے والی چیزیں ان سے زیادہ قیمتی ہوتی ہیں مگر نادر طور پر کم قیمت چیزوں میں وزن اور قیمتی چیزوں میں پیائش کا رواج ہوگیا جیسے شلغم اور کدو کی انہیں تولا جاتا ہے اور کناری اور کمخواب جو کہ ماپے جاتے ہیں بہر حال یہاں اس بات میں کہ پیائش کے ذکر پر اکتفاء فرمایا گیا اور وزن کا ذکر نہیں کیا گیا' یہی نکتہ کارفرما ہے۔

اور بعض ذہین لوگوں نے کہا ہے کہ تولی جانے والی چیزوں میں سے اپنا حق لینے کے وقت ترازو بیچنے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے' خریدار کے لیے کوئی زیادہ قابلِ اعتبار تصرف ممکن نہیں ہے اس لیے کہ ترازو کا پلہ معمولی سے بوجھ کی وجہ سے جھک جاتا ہے اور زیادتی ظاہر ہوجاتی ہے اور ماپی ہوئی چیز میں حق لینے میں کچھ نہ کچھ خریدار کے لیے تصرف ممکن ہے' کسی حیلے سے پیمانے اور گز کو ہلادے یا ماپے گئے کپڑے کو طاقت کے ساتھ کھینچ لے اور زیادہ حاصل کرلے بخلاف اس وقت کے جب حق دیا جائے کہ پیمانہ بھی اس کے ہاتھ میں ہے اور ترازو بھی اسی کے ہاتھ میں لہٰذا وہاں پیائش اور وزن دونوں کو ذکر فرمایا گیا ہے جیسا کہ انشاء اللہ العزیز آئے گا۔

اور یہاں لفظ علیٰ اس لیے لایا گیا ہے کہ ان کا لوگوں سے ماپ کرلینا ان لوگوں کو نقصان دینے کے ارادے سے ہے نہ کہ اپنا حق ان سے لینے کے ارادے سے۔ ورنہ اصل لغت میں اکتیال من سے متعدی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اکتلت منک یعنی میں نے تجھ سے ماپ کرلیا۔

**وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ** اور جب لوگوں کو ان کا حق ماپ کردیں یا تول کر اور کیل اور وزن کے الفاظ لغتِ عرب میں جس طرح ماپنے اور تولنے کے معنوں میں آتے ہیں اسی طرح ماپ کردینے اور تول کردینے کے معنوں میں بھی آتے ہیں۔ پس یہاں لام کو چھپا ہوا ماننے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ مراد کالوا لھم اور وزنوا لھم ہے اس لیے کہ ماپی اور تولی گئی چیزیں لوگوں کے اموال ہیں نہ کہ ان کی ذوات البتہ یہاں

marfat.com
Marfat.com

لام کو لفظ سے حذف کر دیا گیا ہے اس لیے کہ زیادہ لام نفع کے لیے آتا ہے جبکہ یہاں نفع کا گمان کلام میں تناقض کے گمان کا موجب ہو جاتا ہے اس لیے کہ مقصد یہ ہے کہ وہ حق دینے کے وقت بھی لوگوں کو نقصان پہنچانے کا قصد کرتے ہیں اور پیمائش اور وزن دونوں امور میں یُخْسِرُوْنَ لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں اور ایک چیز کے بعد دوسری چیز نکال کر ان کا حق کم کرتے ہیں۔

## حق دینے اور لینے کی چار صورتیں

یہاں جاننا چاہیے کہ حق دینے اور لینے میں پورا کرنے اور کم کرنے کے اعتبار سے چار صورتیں ذہن میں آتی ہیں۔ پہلی صورت یہ کہ دونوں صورتوں میں پورا کریں' دوسری صورت یہ کہ دونوں صورتوں میں کم کریں' تیسری صورت یہ کہ دینے میں کم کریں اور لینے میں پورا لیں اور یہی صورت اس آیت میں مذکور ہے' چوتھی صورت یہ کہ دینے میں پورا دیں اور لینے میں نقصان قبول کریں' یہ اعلیٰ مرتبہ ہے اور جواں مردوں اور عالی ہمت والوں کا کام ہے اور پہلی دو صورتوں کو یہاں ذکر نہیں فرمایا گیا کہ ان دونوں صورتوں میں بھی اگرچہ قباحت اور حرمت موجود ہے لیکن اتنی مکمل خباثت نہیں کہ ان کے مرتکب کے حال پر افسوس کیا جائے اس لیے کہ نقصان دینا نقصان لینے کو کھینچنے والا ہے اور اسی طرح پورا دینا پورا لینے کا معاوضہ ہو جاتا ہے۔ پس من وجہ نیکی اور من وجہ بُرائی ہوتی ہے۔

## قرض کے معاملے میں لوگوں کی چار قسموں کا بیان

اور یہ اس قیاس پر ہے کہ حدیث پاک میں وارد ہوا کہ قرض کے مسئلے میں لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ شخص جو دوسروں کا قرض بخوبی ادا کرے اور دوسرے سے اپنے قرض کا تقاضا بھی اچھے طریقے سے کرے اور یہ شخص سب سے بہتر ہے۔ دوسرا وہ جو دوسروں کا قرض بھی انتہائی تکلیف اور دُکھ کے ساتھ ادا کرے اور اپنا قرض بھی نہایت سختی اور بے مروتی سے طلب کرے اور یہ سب سے بُری قسم ہے۔ تیسرا وہ جو دوسروں کا قرض بخوبی ادا کرے اور دوسروں سے اپنے قرض کے تقاضے کے وقت شدت اور بے مروتی کرے۔ چوتھا وہ قرض خرابی کے ساتھ ادا کرے اور دوسروں سے قرض کے تقاضے میں اچھا سلوک اور

marfat.com

Marfat.com

بری عمل میں لائے اور یہ دونوں قسمیں درمیانی ہیں کہ ایک طرف کی خوبی دوسری طرف کی برائی کے مقابل ہو کر بری بدی سے صورت بہتر کر دیتی ہے۔

## غصے کے معاملے میں لوگوں کی چار قسمیں ہیں

اور اسی طرح غصے کے معاملے میں بھی لوگوں کی چار قسمیں ہیں: ایک وہ جو جلد غصے میں آ جائے اور جلد راضی ہو جائے' دوسرا وہ جو دیر سے غصے میں آئے اور دیر سے راضی ہو اور یہ دونوں قسمیں درمیانی ہیں' تیسرا وہ جو جلد غصے میں آئے اور دیر سے راضی ہو اور یہ سب سے بری قسم ہے' چوتھا وہ جو دیر سے غصے میں آئے اور جلد راضی ہو جائے اور یہ قسم سب سے بہتر ہے۔

اور جب مطففین کو ان کے حال پر افسوس کہہ کر جھڑکا گیا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اس کام کے ارتکاب کی وجہ سے گویا قیامت کے منکر ہیں اس لیے کہ جو اس دن کا اعتقاد رکھے' وہ مخلوق کے حقوق کو خصوصاً مکر و فریب اور دھوکہ دہی کے ساتھ ضائع کرنے میں اس قدر جرأت نہیں کرتا اس لیے استفہام انکاری کے طریقے سے فرمایا گیا۔

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ کیا یہ عقل و شعور سے دور افتادہ لوگ گمان نہیں کرتے اور ظن کے لفظ میں جو کہ گمان کے معنوں میں ہے اس بات کا پتہ دیا گیا ہے کہ اس عقیدے کو عقل مند آدمی تو پختہ یقین کے ساتھ جانتا ہے بلکہ اسے ہر لحظہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتا ہے جبکہ یہ لوگ اس کا گمان بھی نہیں کرتے' اعتقاد کی کیا گنجائش۔ نیز ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر کسی کو اس دن کے متعلق پختہ عقیدہ نہ ہو تو نرا گمان ہی اس قسم کی برائیوں سے بچنے کے لیے کفایت کرتا ہے جس طرح کہ سفر کرنے والے راستے کے خطرے کے گمان بلکہ صرف وہم کی وجہ سے ہی دانہ پانی ہمراہ رکھتے ہیں اور کوئی محافظ طلب کرتے ہیں اور یہ بے وقوف اس مضمون کا بھی گمان نہیں رکھتے۔

اِنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ کہ تحقیق وہ ایک بہت بڑے دن میں زندہ کیے جائیں گے اور اس دن کی بزرگی اس وجہ سے ہے کہ وہ دن عدل قائم کرنے کا دن ہے اور اس روز لوگوں سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا مطالبہ کیا جائے گا اور حقوق کو ضائع کرنے

marfat.com
Marfat.com

والوں پر انتہائی سختی ہوگی اور اس دن کی بزرگی کے اسباب میں سے یہ ہے کہ وہ دن رسوائی کا دن ہے اس لیے کہ اس کی صفت یہ ہے۔

یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ جس دن اگلے پچھلے سب لوگ رب العالمین کے دربار میں کھڑے ہوں اور یہاں لفظ رب العالمین اسم ذات کی جگہ لایا گیا ہے تاکہ اس بات کا اشارہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا عموم اپنے زیرتربیت لوگوں کے حقوق کو پورا کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ پس مخلوق کے حقوق ضائع کرنے والوں کے لیے اس کے حضور کھڑا ہونا انتہائی ذلت اور رسوائی ہوگی۔

اور اس اُٹھنے کو بعض مفسرین نے مردوں کو زندہ ہونے پر محمول کیا ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں خواب سے اُٹھا یعنی بے دار ہوا اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ حقیقی اُٹھنا مراد ہے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لوگ دنیا کے تین سو سال کی مدت تک کھڑے رہیں گے اور ان کے بارے میں کوئی فیصلہ اور حکم نہیں ہوگا لیکن یہ ساری مدت دراز ایمان والوں کو نظر میں اتنی قلیل معلوم ہوگی کہ گویا نماز سے فارغ ہوئے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں وارد ہے کہ یقوم الناس فی رشحهم الی انصاف اذانهم یعنی لوگ پسینے میں کھڑے رہیں گے اور ان کا پسینہ ان کے کانوں کی لو تک پہنچ جائے گا۔ نیز صحیح مسلم اور دوسری صحاح میں مروی ہے کہ قیامت کے دن سورج کو لوگوں کے قریب لائیں گے یہاں تک کہ سورج ایک میل یا دس میل کے اندازے پر کھڑا رہے گا اور انہیں سورج کی گرمی پگھلا دے گی اور ان کا پسینہ بہے گا البتہ ان کے بُرے اعمال کی مقدار کے مطابق بعض کا پسینہ گردن تک پہنچے گا اور بعض کے کانوں کی لو تک پہنچ کر لگام کی طرح ان کے منہ میں داخل ہوگا' بعض کی گردن کی ابتدا تک' سینہ تک' کمر تک' زانو تک اور ٹخنوں تک۔ علیٰ ہٰذا القیاس

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سورۃ نماز میں شروع

marfat.com
Marfat.com

کردی جب اس آیت تک پہنچے آپ پر خوف اور گریہ کا غلبہ ہوگیا اور تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر گر پڑے اور اس وقت کی نماز ادا نہ کر سکے۔

كَلَّا ہرگز ناپ اور وزن کم کرنے والوں کو چاہیے کہ یہ کام نہ کریں اور قیامت کے دن اور عدل کرنے والے قوی کے حضور کھڑا ہونے سے بے خبر اور غافل نہ ہوں۔ اس لیے کہ ان کا ہر اچھا برا کام اعمال ناموں میں نقش ہوکر اس کے دربار کے اہل کاروں کے سپرد ہو چکا ہے۔ انہوں نے مخلوق کے جو حقوق بھی ضائع کیے ہیں اس دفتر کے مطابق اس روز ان سے باز پرس ہوگی اور اگر وہ پوچھیں کہ ہمارے اعمال نامے موت کے بعد کس نشانی سے معلوم ہوں گے اور کہاں محفوظ رہیں گے تو انہیں جواب دینا چاہیے کہ:

اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ تحقیق بدکاروں کے اعمال نامے اور ان کے ناموں کے اندراجات سجین کے دفتر میں ہے۔ سجین سجن سے جس کا معنی قید خانہ ہے مبالغے کا صیغہ ہے اور چونکہ وہ جگہ کہ اس دفتر والے وہاں ہوتے ہیں ایسی تنگ و تاریک اور جہنمیوں کی ارواح کے جمع ہونے کی جگہ ہے اس بناء پر اس دفتر کا نام بھی رکھ دیا گیا۔ چنانچہ اسے بیان فرمایا جارہا ہے:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ اور تو کیا جانے کہ سجین کیا ہے۔ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ایک مہر لگی ہوئی اور علامت زدہ کتاب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسا دفتر ہے کہ جس میں جہنمیوں میں سے ہر ایک کا نام لکھا ہوا ہے اس کے نام پر اس کے برے اعمال لکھے ہوئے ہیں' بندوں کے اعمال لکھنے والوں کی فردوں کے مطابق جو کہ اس دفتر میں باقی رکھ جاتی ہیں' بدکاروں کی موت اور ان کے اعمال منقطع ہونے کے بعد اس دفتر کے اوپر یا جہنمیوں میں سے ہر ایک کے نام کے اوپر ایک علامت اور مہر لگا رکھی ہے جسے دیکھنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص جہنمی ہے۔ اور اصل لغت میں رقم اس علامت کے معنوں میں ہے جو کہ تاجر کپڑوں اور تھانوں پر فروخت کے وقت قیمت کی پہچان کے لیے لگاتے ہیں اور اسے ہندی میں آنک کہتے ہیں۔ اور ضعیف احادیث اور کعب احبار کی روایت کے مطابق سجین کا بیان یوں آیا کہ وہ دفتر ساتوں زمینوں کے نیچے ہے اور وہاں ایک سیاہ پتھر پڑا ہے جس سے بدبو اور دھواں

marfat.com
Marfat.com

نکلتا ہے اور ابلیس اور دوسرے شیطان جب راہِ فرار اختیار کرتے ہیں تو وہیں جا ٹھہرتے ہیں۔ بدکار کی روح کو پہلے تو قبض کرنے کے بعد آسمان پر لے جاتے ہیں' آسمان کے دربان اس کے لیے دروازہ نہیں کھولتے اور داخل ہونے نہیں دیتے پھر زمین پر لاتے ہیں اور اسے کوئی جگہ قبول نہیں کرتی جہاں اسے رکھا جائے۔ آخر ساتویں زمین کے نیچے اس پتھر کے نیچے لے جاتے ہیں اور جو فرشتے اس دفتر کے اہل کار ہیں' اس کے نام کو اپنے دفتر میں لکھ لیتے ہیں کہ فلاں بن فلاں اس تاریخ کو دنیا سے برزخ میں پہنچا اور یہ عمل لایا اور اس کے اعمال کے روزنامچے کی فردیں کراماً کاتبین سے لے کر اس دفتر میں محفوظ کر لیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن اس سب کو اس کے بائیں ہاتھ میں تھما دیں اور بدکاروں کی روحیں بھی اسی مقام پر ٹھہری رہتی ہیں اور انہیں قسم قسم کا عذاب دیا جاتا ہے۔

## علم معانی کے مطابق دو جواب طلب سوالات

اور یہاں علم معانی کے مطابق دو سوال وارد کیے گئے ہیں جو کہ جواب طلب ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ فجار کے دفتر کا ذکر ایک ایسی ابتدائی خبر ہے کہ سننے والے اس خبر کے مفہوم سے خالی الذہن تھے اور اسے کبھی نہیں سن تھا حالانکہ علم معانی کا قاعدہ یہ ہے کہ ابتدائی کلام میں کہ جس سے سامع بے خبر ہو تاکید نہیں لاتے یہاں دو تاکیدیں کیوں لائی گئیں' ایک ان اور دوسری لام؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ سننے والے فجار کے اعمال کے دفتر کے سجین میں ہونے سے متعلق بے خبر تھے لیکن اسے ثابت کرنے سے اعمال کے اصل دفتر کو ثابت کرنا لازم آتا ہے اور کفار جو کہ قیامت اور جزا دینے کے منکر ہیں اس دفتر کے متعلق سخت انکار کرتے ہیں اس لیے ان کے انکار کے اندازے کے مطابق قوی تاکید لائی گئی جیسا کہ زید کے وجود کے منکر کے سامنے یوں کہیں کہ ان زید الفی دار فلاں اگرچہ سامع اس فلاں کا گھر نہ جانتا ہو اور اس نے اس کا نام نہ سنا ہو۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب سجین کا ذکر پہلے ہو چکا تو مقامِ عہد ہو گیا۔ پس چاہیے تھا کہ یوں کہا جاتا ہے کہ وَمَا اَدْرٰاكَ مَا السِّجِّيْنُ جیسا کہ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا

marfat.com
Marfat.com

**فعصیٰ فرعون الرسول میں فرمایا گیا ہے؟**

اس کا جواب یہ ہے کہ جب سننے والے سجین کے معنوں سے بے خبر تھے تو اس کا ذکر گویا ہوا ہی نہیں۔ پس لوٹانے کے مقام بھی اسے نکرہ لانا ہی مناسب ہوا۔ گویا یوں فرمایا گیا ہے کہ وہ مجہول سجین کیا ہے جس کے معنوں کا انہیں ابھی تک پتہ نہیں چلا۔ بخلاف لفظ رسول کے لغت عرب سے واقف لوگوں پر اسے سنتے ہی معنی واضح ہو جاتا ہے۔ پس لوٹانے کے وقت اسے معرفہ لانا مناسب ہوا۔

## ایک اور شبہ اور اس کا جواب

نیز اہلِ نظر یہاں ایک شبہ وارد کرتے ہیں کہ ہر مقام پر نیکوں کا ذکر بُروں کے ذکر سے پہلے ہے اور نیکوں کی شرافت اور بزرگی کے مناسب بھی یہی ہے کہ ان کا ذکر پہلے لایا جائے جبکہ یہاں بُروں کے دفتر کا ذکر پہلے فرمایا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ کی ابتدا سے کلام کی روانی مطففین کے حال کے لیے ہے جو کہ بدکاروں کی ایک قسم ہے۔ پس مناسب یہی ہے کہ کسی فاصلے کے بغیر انہیں ڈرانے کے لیے پہلے بدکاروں کے دفتر کا ذکر کیا جائے ورنہ یہ مقصد بخوبی حاصل نہ ہو۔ اور یہاں غیر اجنبی کلام کے ساتھ جدائی لازم آئے اور مقام کے تقاضے کی رعایت شرافت کی رعایت سے زیادہ ضروری اور زیادہ موزوں ہے۔

اور جب اس آیت میں بدکاروں کے بُرے انجام پر مبنی حال کو مطلقاً بیان کیا گیا اور پہلے گزر چکا ہے کہ مخلوق کے حقوق کو کم کرنے والے قیامت کے دن کا گمان نہیں رکھتے اب بصورت ترقی ان لوگوں کے حال کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ آخرت کے عقیدے میں کوتاہی کرتے ہیں اور اس سے بالکل انکار کرتے ہیں تا کہ مطففین کے اس گروہ کی خصوصیت کے ساتھ ملامت ہو۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ اس دن افسوس کہ جس دن وہ دفتر کھول کر ہر کسی کو اس کے بُرے اعمال پر مطلع کیا جائے۔

لِلْمُكَذِّبِيْنَ منکروں کے حال پر جو کہ اس دن کا عقیدہ ہرگز نہیں رکھتے اور گمان کرتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں کہ مخلوق کے حقوق ان سے واپس نہیں لیے جائیں گے اس لیے کہ ان کی حالت یہ ہے
اَلَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ جو کہ روزِ جزا کا انکار کرتے ہیں۔ خلاصۃ المرام یہ
ہے کہ وہ اپنی طرف سے مخلوق کے حقوق لوٹانے کے ہی منکر نہیں ہیں بلکہ جزا کے سارے
پروگرام کے ہی منکر ہیں اور روزِ جزا کا انکار بے شمار قباحتوں کی علامت ہے اس لیے کہ روزِ
جزا کا عقیدہ ایمان کے تمام امور عبادات اور معاملات میں دخل رکھتا ہے۔
وَمَا یُکَذِّبُ بِهٖ اور اس دن کا انکار نہیں کرتا۔ اِلَّا کُلُّ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ مگر وہ جو کفر میں
حد سے گزر گیا ہو اور فسق میں حد سے بڑھ گیا ہو۔

## کفر میں حد سے گزرنے کی صورت

رہا کفر میں حد سے گزرنا تو وہ اس طرح ہے کہ جو اس دن کا منکر ہے گویا وہ ربوبیتِ
الٰہی اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دائمی ہونے کا منکر ہے اور وہ گمان کرتا ہے کہ دنیا
کے مالکوں کی طرح صرف مرنے سے ہی میں اس کی بندگی سے باہر آ جاتا ہوں اور وہ میرا
مالک ہونے سے معزول ہو جاتا ہے۔ نیز وہ مرنے کے بعد اٹھانے پر رب تعالیٰ کے قادر
ہونے کا منکر ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے عدل کا منکر ہے اس لیے کہ وہ دنیا میں تو ظالم سے مظلوم
کا حق نہیں لیتا اگر اس روز بھی نہ لے تو ظلم پر راضی ہو تو اس عقیدے کی وجہ سے کفر کے
درجے تہ بہ تہ ہو جاتے ہیں اور بات کفر کی حد سے بھی آگے نکل جاتی ہے۔

## فسق میں حد سے گزرنے کی صورت

اور فسق میں حد سے گزرنا اس طرح ہے کہ جب اس دن کا خوف نہ ہوا تو گناہ پر
جرأت حاصل ہو گئی اور اس نے سمجھا کہ حاضر لذتوں اور خواہشات کو جزائے موہوم کے
خطرے سے چھوڑ دینا کمال بے وقوفی ہے۔ پس وہ نفسِ امارہ کے تقاضے کے مطابق فسق و
فجور خوب کرے گا۔ چنانچہ لفظ اثیم جو کہ آثم کا مبالغہ ہے اس کی خبر دیتا ہے۔
اور مفسرین کے ایک گروہ نے معتد کو ظالم غاصب اور مخلوقِ خدا کے حقوق ضائع کرنے
والے پر محمول کیا ہے جبکہ اثیم سے فاسق اور ان گناہوں کے مرتکب مراد لیے ہیں جن کا تعلق
حقوق اللہ کے ساتھ ہے جیسے زنا' لواطت' شراب نوشی' نماز اور روزہ ترک کرنا اس لیے کہ پہلی

marfat.com
Marfat.com

قسم کا شر متعدی ہے جبکہ دوسری قسم کے گناہ صرف اس کی جان کا وبال ہیں۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ جزا کی تکذیب اور انکار ایسے شخص کا کام ہے جو کہ کسی مذہب اور مشرب کا پابند نہیں ہوتا۔ اور وہ کرنے نہ کرنے کے بارے میں کسی ملت اور دین کا حساب نہیں رکھتا اور اس مقصد پر جو عقلی دلائل قائم ہیں انہیں گناہوں کی محبت میں حد درجہ مصروف ہونے اور آزادی و لادینیت کو پسند کرنے کی وجہ سے نگاہ میں نہیں لاتا بلکہ آیاتِ قرآنی اور انبیائے علیہم السلام کی خبروں سے بھی جن کی معجزاتِ قطعیہ سے تائید اور پختگی ہوتی ہے اس کے ذہن میں کوئی بے داری اور عبرت پیدا نہیں ہوتی اس لیے کہ

اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو کہ اس دن جزا واقع ہونے اور بندوں کے حقوق کی باز پرس ہونے پر دلالت کرتی ہیں عناد کے طور پر

قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کہتا ہے کہ یہ سب پہلے لوگوں کے فسانے ہیں جو کہ لوگوں کو خوف دلانے اور انہیں برے کاموں سے ڈرانے کے لیے وہ گھڑ گئے ہیں تاکہ ایک دوسرے پر ظلم کرنے اور ایک دوسرے کی چیزیں غصب کرنے کی وجہ سے ملک خراب نہ ہو اور فتنہ و فساد ظاہر نہ ہو ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے۔

کَلَّا ایسا نہیں سمجھنا چاہیے اور یوں نہیں کہنا چاہیے اس لیے کہ جزا کا وقوع اور مخلوق کے حقوق کو لوٹانا روشن عقلی دلائل اور سچے متواتر نقلی شواہد سے ثابت ہے اور اگر وہ دلائل و شواہد منکروں کے دل کی تسلی نہیں کرتے اور ان کے دلوں پر اثر نہیں کرتے تو یہ ان دلائل اور شواہد کا قصور نہیں۔

بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بٹھا دیا ہے یہاں تک کہ دل کا چہرہ مکمل طور پر سیاہ ہو چکا ہے۔ مَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ اس کمائی نے جو انہوں نے دنیا میں کی۔

اور دل پر یہ زنگ پیدا ہونے کی کیفیت جو حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ علیہم کی روایات کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوئی یہ ہے کہ جب بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے ایک سیاہ تل اس کے دل پر پیدا ہو جاتا ہے اگر اس نے

marfat.com
Marfat.com

توبہ کرلی تو اس سے دل = آئینہ صیقل اور روشن ہوگیا ورنہ وہ سیاہ تل اس میں موجود رہتا ہے
پھر جب اور گناہ کیا ایک اور تل پیدا ہوگیا اور اسی دستور کے مطابق ہر گناہ سیاہی پیدا ہونے
کا سبب ہوتا ہے یہاں تک کہ دل کی سطح پوری کی پوری تاریک اور سیاہ ہو جاتی ہے اور بمنزلہ
آئینہ کے ہے اس کی صفائی کے مطابق اس میں صورتیں نقش ہوتی ہیں اور جب یہ زنگ آلود
ہو جائے تو کوئی صورت اس میں نقش پذیر نہیں ہوتی۔ پس اس زنگ کا دل پر پیدا ہونا دلیل
اور کشف کے ساتھ حق کو سمجھنے کی صلاحیت کے باطل ہونے کا موجب ہوتا ہے اور دلائل کا
بیان کرنا اور انبیائے علیہم السلام کی صحبت اس میں اثر نہیں کرتی اور وہ حق کو باطل اور باطل کو
حق سمجھتا ہے اور اچھے کو برا اور برے کو اچھا خیال کرتا ہے۔

اور حدیث پاک میں وارد سیاہ تل کے پیدا ہونے کا معنی یہ ہے کہ ہر برا کام لطیفۂ
قلب میں ایک تاریک کیفیت پیدا کر دیتا ہے نہ یہ کہ اس صنوبری ٹکڑے پر کوئی محسوس ہونے
والا زنگ نمودار ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ صنوبری ٹکڑا قلب حقیقی نہیں ہے کہ اس میں اچھے
برے کاموں کا کوئی اثر ہو۔ قلب حقیقی ایک اور لطیفہ ہے جو کہ اس گوشت کے ٹکڑے سے
تعلق رکھتا ہے جس طرح کہ بینائی اور سننے کی قوت ایک اور چیز ہے جو کہ ظاہری آنکھ اور
کان سے تعلق رکھتی ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ امام حفص اور دوسرے معتبر قاری حضرات بل کے لام پر سکتہ
کرتے ہیں اور لام کا یرملون کے قاعدے کے مطابق حرف را میں صاف طور پر ادغام نہیں
کرتے اور ظاہر ہے کہ یہ طریقہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اور منقول ہوگا اور
وحی کا نزول اسی کے مطابق ہوا۔ پس یہ امر ایک نکتہ چاہتا ہے اور وہ نکتہ بہت باریک ہے۔
ایک مقدمے کی تمہید کے بغیر ذہن میں نہیں بیٹھتا۔

پہلے تو یہ جاننا چاہیے کہ ہر لغت کے بلغاء کا قاعدہ ہے کہ بل یا بلکہ یا اختلاف لغات
کے مطابق دوسرے اضراب کے کلمات کے بعد اگر کسی ایسی چیز کا ذکر کریں جس کا ذکر کرنا
منظور ہے تو وقفہ یا سکتہ نہیں کرتے بلکہ اس کے مابعد کو ساتھ ہی لے آتے ہیں اور اگر کراہت
یا حقارت یا کسی اور مصلحت کی بنا پر جو منظور تھا ذکر میں نہ لائیں اور کوئی دوسری چیز جو کہ اس

marfat.com
Marfat.com

سے کمتر ہو مگر مدعا کا پتہ دینے میں کفایت کرے اس کے عوض لائیں تو بل اور اس کے مابعد کے درمیان قلیل سا وقفہ ضروری سمجھتے ہیں اور اس وقفہ کی رعایت انتہائی بلاغت ہے جیسا کہ اپنی لغت میں اہلِ بلاغت میں سے ہر کسی پر تجربہ اور قیاس کے بعد یہ مسئلہ روشن ہو جاتا ہے۔

جب یہ مقدمہ بیان ہو چکا تو جاننا چاہیے کہ جب یہاں بل کے کلمہ پر معمولی سا ٹھہرنا ہوا جو کہ سکتہ سے عبارت ہے تو اس بات کا انکشاف ہوا کہ ان کافروں کے دِلوں کی حالت جو کہ آیاتِ الٰہیہ کے بارے میں پہلوں کے افسانوں کا گمان کریں اس قدر خراب ہے کہ کما حقہ اس حالت کا ذکر بندوں کی سمجھ میں نہیں آئے گا جو اپنے دِلوں کی خبر نہیں رکھتے' دوسروں کے دِلوں تک کیا پہنچیں لیکن یہاں زنگ پیدا ہونے کا ذکر جو کہ نظر صحیح اور کشف صریح کو روکنے والا ہے' ہی کافی ہے اور مخاطبین کی سمجھ کے بھی قریب ہے اس لیے کہ ظاہری آئینے میں زنگ پیدا ہونا دیکھتے ہیں اور اس زنگ کے آئینے میں صورتوں کے نقش ہونے کو روکنے کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

الغرض اس آیت میں اس شخص کو انتہائی خوف دلایا گیا ہے جو گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور توبہ' ندامت اور استغفار کے ساتھ جلدی تدارک نہیں کرتا۔ جس طرح کہ مریض طبیعت کی تھوڑی سی خرابی کو خاطر میں نہ لائے اور غذا میں ملاوٹ کرے۔ اور علاج پر متوجہ نہ ہو یہاں تک کہ طبیعت کی خرابی جڑ پکڑ جائے' اور قابلِ علاج نہ رہے۔ ہاں یہ بیماری ایک ایسا دُکھ ہے کہ اسے روحانی طبیبوں جو کہ انبیائے علیہم السلام اور اولیائے اللہ ہیں' کے سوا کوئی پہچان نہیں سکتا اور علاج نہیں کر سکتا اور اس سے زیادہ مشکل یہ ہے کہ یہ بیماری جس طرح روح کے مزاج کی خرابی کا موجب اور نظر و کشف کے لیے رکاوٹ بن جاتی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیائے اللہ سے دُور کر دیتی ہے اور روحانی طبیبوں کی شناخت سے روکنے والا ایک کثیف پردا پیدا کر دیتی ہے اور جب اس نے طبیب کو نہ پہچانا اور دجال کو مسیح خیال کیا تو علاج محال ہو گیا اور نوبت نا امیدی اور محرومی تک جا پہنچی' اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ دے۔

marfat.com
Marfat.com

اور اگر زنگ آلود دِلوں والے کہیں کہ ہمیں دنیا میں کثرت ذکر اور گناہ چھوڑنے کے ساتھ دِلوں کو صاف اور صیقل کرنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ قیامت کے دن نورِ تجلی کے چمکنے سے یہ زنگ خود بخود دُور ہو جائے گا اور چہرہ پورے طور پر صاف ہو جائے گا جیسا کہ اس دن کا عقیدہ رکھنے والوں کا گمان ہے' ان کے جواب میں کہنا چاہیے:

کَلَّا ایسا گمان مت کرو کہ ان کے دِلوں کے زنگ نے صرف دنیا میں اثر کر کے انہیں حق سمجھنے' آیاتِ الٰہیہ کو پہچاننے اور روزِ جزا کا عقیدہ رکھنے سے باز رکھا بلکہ اس زنگ کا اثر قیامت کے دن زیادہ قوی ہوگا اس لیے کہ:

اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ تحقیق وہ لوگ اس دن اپنے پروردگار سے حجاب میں ہوں گے' نورِ تجلی کے چمکنے سے نفع نہیں پائیں گے اور اس کے دیدار سے مشرف نہیں ہوں گے اس لیے کہ عقلی قانون ہے کہ نور کو نور کے بغیر دیکھا نہیں جا سکتا جس طرح ان کی بصیرت کی آنکھ دنیا میں تہ در تہ زنگ چڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی روشن اور تلاوت کی گئی آیات کو دیکھنے سے اندھی ہو گئی تھی اسی طرح ان کی بصیرت کی آنکھ آخرت میں ذاتی اور عارضی ظلمتوں کے اجتماع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کی تجلی کے مشاہدہ سے اندھی ہوں گی۔ بیت

ہر کہ امروز نہ بیند اثر قدرتِ دوست
غالب آنست کہ فرداش نہ بیند دیدار

یعنی جسے آج دوست کی قدرت کا اثر نظر نہیں آیا' کل کو وہ محروم زیارت ہوگا۔

## قیامت کے دن دیدارِ الٰہی کا ثبوت

اور جب قیامت کے دن کفار اور منکروں کی بدبختی کے مقام پر دیدارِ خداوندی سے محجوب و محروم رہنے کا ذکر فرمایا گیا ہے تو یہ اس امر کی صریح دلیل ہوئی کہ ایمان والے اس روز اپنے پروردگار کی زیارت سے محجوب نہیں ہوں گے اور اس کی لذت سے تروتازہ اور مسرور و محظوظ ہوں گے اور اگر ایمان والوں کو بھی یہ دولت نصیب نہ ہو تو کفار اور ان کے درمیان اس امر میں کوئی فرق نہ ہو اور اس بات کا کافروں کے بارے میں بیان کرنا نہایت

marfat.com
Marfat.com

نامناسب اور آئین بلاغت سے دور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ کلامِ الٰہی کو کوئی اس طرح سمجھے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہ جنہوں نے زیارت کی درخواست کی تھی' جواب میں لن ترانی ارشاد ہوا تو مقصد یہ تھا کہ آپ دنیا میں ان جسمانی آلات کے ساتھ زیارت کی قابلیت نہیں رکھتے نہ یہ کہ قیامت میں بھی نہیں دیکھیں گے اس لیے کہ کلام کا اگلا حصہ یعنی فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ زیارت کو استقرار یعنی قائم رہنے پر معلق کرتا ہے اور سورۂ فرقان میں جنت کے بارے میں وارد ہے کہ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا اور شرط حاصل ہونے پر مشروط کا حصول واجب ہے۔

اور متواتر المعنی احادیث میں ثابت ہوا ہے کہ تمام ایمان والوں کو یہ دولت نصیب ہوگی لیکن اپنے اعمال کے اندازے کے مطابق اس نعمت میں بھی ان کے درجات مختلف ہوں گے۔ عام ایمان والوں کو جمعۃ المبارک کے دن جسے آخرت میں یوم المزید کہیں گے اس دولت سے نوازا جائے گا جبکہ خاصان بارگاہِ خداوندی کو ہر روز دوبار یعنی صبح کے وقت اور عصر کے وقت زیارت ہوگی اور اخص الخواص کو جو کہ جنت عدن کے رہائشی ہیں' اللہ تعالیٰ کا قرب اور تجلیات کا انکشاف دائمی ہوگا۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ مابین القوم و بین ان ینظروا الی ربھم الا رداء الکبریاء علی وجھه فی جنة عدن یعنی جنت عدن میں بندگانِ خدا اور حسن ذات کے درمیان رداء کبریائی ہی ہوگی۔

اور وہ جو بزرگوں سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بے کیف اور آمنے سامنے ہونے کے بغیر ہوگا' ان احادیثِ صحیحہ کے منافی نہیں جن میں صورتوں کی زیارت بیان فرمائی گئی ہے اس لیے کہ مؤقف میں صورت کے ساتھ زیارت ہوگی اور جنت میں داخل ہونے کے بعد بلاصورت یا یہ کہ بعض اوقات کیفیت اور مشابہت کے ساتھ ہوگی اور بعض اوقات کیفیت اور آمنا سامنا ہوئے بغیر۔

## کیفیت رؤیت کی تحقیق

اور تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کے وقت ماسوا اللہ نظر سے محو ہو جائے گا جبکہ ہم

marfat.com
Marfat.com

دنیا میں کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اس کے ہمراہ اور چیزیں بھی دیکھتے ہیں اس وجہ سے آمنے سامنے ہونا' جہت اور دوسری خصوصیتیں عقل میں ملحوظ نظر ہوتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور چیز قطعاً نظر میں نہ ہوگی تو سمت' آمنے سامنے ہونے اور دوسری خصوصیات کا لحاظ عقل کی نظر سے گر جائے گا بلکہ جب بھی ہم نظر میں آنے والی دنیوی چیزوں کو دیکھتے ہیں تو دیکھنے کا آلہ دیکھنے کے کام میں مصروف ہو جاتا ہے اور دوسرے آلات اور قوتیں اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور عقل اپنے کام میں لگ جاتی ہے اس طرح صورت' شکل' رنگ' اعضاء کے متناسب ہونے' طویل ہونے' پست قد ہونے اور دوسری خصوصیات کی تشخیص ہوسکتی ہے اور جہاں تمام آلات اور اعضاء کے ساتھ کلی طور پر زیارت میں مصروف ہوں اور بہمہ وجوہ استغراق حاصل ہو ان امور کی تشخیص بالکل ممکن نہ ہوگی جیسا کہ دنیا میں کبھی بعض محبوب چیزوں کو دیکھنے میں دوسرے حواس کی شرکت حاصل ہو تو اس حالت کا نمونہ ظاہر ہوتا ہے حالانکہ ابھی اس استغراق اور اس استغراق میں بہت زیادہ فرق اور تفاوت ہے۔

اور قیامت کے دن دل کے زنگ کی تاثیر کو بیان فرمایا گیا کہ سب سے عظیم لذت یعنی دولت دیدار سے محروم کردے گا اس بات کا گمان ہوا کہ زنگ آلود دلوں والے اس محرومی اور بے نصیبی سے کوئی عبرت حاصل نہ کریں اور عذاب کی اس قسم کو آسان سمجھیں کیونکہ جسمانی لذتوں کے دلدادہ اور نفسانی لذتوں کی حرص کے گرفتار ہیں اس بناء پر فرمایا جارہا ہے کہ ان مردودوں کے بارے اسی محرومی اور بے نصیبی پر ہی اکتفاء نہ ہوگا بلکہ

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ اس کے بعد تحقیق وہ جلانے والی آگ میں داخل ہوں گے اور ان کا اس آگ میں جلنا لذت دیدار سے محرومی کی وجہ سے دوہرا اثر کرے گا اس لیے کہ اگر دیدار کی لذت پاتے تو جہنم کی تکالیف کا عوض وہ لذت ہو جاتی اور وہ سختیاں آسان معلوم ہوتیں جبکہ ان کی سزا کو شدید کرنا مقصود ہے لہٰذا ان کے بارے میں جہنم میں داخل ہونے پر بھی اکتفاء نہ ہوگا بلکہ

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ پھر کہا جائے گا کہ آج وہی دن ہے جس

marfat.com
Marfat.com

کا تم انکار کرتے تھے اور اسے جھوٹ خیال کرتے تھے تا کہ عقلی اور حسی دونوں عذاب جمع ہو جائیں اور جس طرح کہ ان کا جسم جہنم کی آگ سے جلتا ہے' ان کی جان بھی اس ملامت اور شرمندگی دلانے سے کباب ہوتی ہے۔

اور جب فاجروں کے بُرے انجام کے بیان سے فراغت ہوئی اس بات کا گمان تھا کہ شاید آخرت کی جزا کے واقع ہونے کے لیے یہی کفار کا ایک دفتر کافی ہوگا اور بدکاروں اور نیکوں کے درمیان صرف اسی قدر امتیاز ہوگا کہ بدکاروں کے اعمال سب پر ظاہر کر کے ان سے مخلوق کے حقوق طلب کیے جائیں اور نیکوں کے بارے میں کوئی ذکر تک نہ ہو اور انہوں نے جو دنیا میں مخلوق اور خالق کے حقوق کو پورا کرنے کا شرف حاصل کیا' وہ ظاہر ہی نہ ہو اس لیے کہ مستحق کو اس کا حق پہنچانے میں کوئی احسان نہیں ہوتا جس کے عوض کسی جزا کی توقع کریں اس کی جزا یہی کافی ہے کہ ملامت اور عتاب نیز دُکھ اور عذاب سے محفوظ رہیں اس قسم کے گمان فاسد کو سوال و جواب مقدر کے طریقے سے دُور کیا جا رہا ہے اور حقیقتِ حال کو بیان کیا جا رہا ہے۔

کَلَّا ایسا نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس دن صرف بدکاروں کو جزا اور بدلہ دینے پر ہی کفایت ہوگی اور ان کے مخالفین یعنی نیکوکاروں کو بدکاروں کے جلانے کے لیے قسم قسم کی نعمتیں اور دائمی سرخروئی سے نوازا نہیں جائے گا بلکہ ان کے مخالفین کو ان کے سامنے انواع و اقسام کی عنایات سے نوازا جائے گا اور انہیں ان کی نظر میں انگوٹھا بنایا جائے گا تا کہ اس تمسخر اور مذاق کا بدلہ ہو جو کہ وہ دنیا میں ان کے ساتھ کرتے تھے اس لیے کہ:

اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ تحقیق نیکوکاروں کے اعمال نامے اور ان کے ناموں کا اندراج علیین کے دفتر میں ہے اور علیین جمع ہے علی کی جو کہ فعیل کے وزن پر علو سے مشتق کیا گیا ہے اور سجین کا ہم وزن ہے اور اس جمع کے صیغے کو نیکوں کی ارواح کے مقام کا نام قرار دیا گیا ہے تا کہ اس مقام کی وسعت اور کشادگی پر دلالت کرے لیکن اس کا اعراب جمع کی طرح ہے اس لیے کہ جمع کی صورت پر ہے اگرچہ اس کا معنی مفرد کا ہے۔

## سجین کے مفرد اور علیین کے بصیغۂ جمع لانے میں نکتہ

اور سجین کو مفرد اور علیین کو جمع لانے میں یہی نکتہ ہے کہ جب سجین کے معنوں میں تنگی

marfat.com

Marfat.com

اور ہجوم واقع ہے' اس کے لفظ میں بھی مفرد کو اختیار فرمایا گیا اس لیے کہ اس ایک مکان کثیر اجتماع کی وجہ نہایت تنگ ہو جاتا ہے جبکہ علیین کے معنوں میں فراخی اور وسعت واقع ہے اس کے لفظ میں بھی جمع کو اختیار کیا گیا۔ گویا اشارہ ہو رہا ہے کہ نیکوں کی ارواح میں سے ہر روح کی جائے قرار ایک بلند اور وسیع مکان ہے اور اس وجہ سے کہ مکان کی بلندی کو فراخی اور وسعت بھی لازم ہے' لغوی معنوں کے اعتبار سے بھی علیین کا سجین کے ساتھ مقابلہ صحیح ہوا اس لیے کہ دونوں میں تقابل بالعرض متحقق ہو گیا۔

## مقامِ علیین کا بیان

اور مقامِ علیین ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور اس کا نچلا حصہ سدرۃ المنتہیٰ سے متصل ہے جبکہ اس کا اوپر کا حصہ عرش مجید کے دائیں پائے کے ساتھ ملا ہوا ہے اور قبض ہونے کے بعد نیکوں کی ارواح وہاں پہنچتی ہیں اور مقربین یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیائے اللہ وہاں ٹھہرتے ہیں اور عام نیک لوگوں کو نام لکھوانے اور اعمال نامے پہنچانے کے بعد مرتبوں کے مطابق آسمانِ دنیا میں یا آسمان و زمین کے درمیان یا زمزم شریف کے کنویں میں ٹھہراتے ہیں۔

## ارواح کا قبروں سے رابطہ اور زائرین کے متعلق آگاہ ہونا

اور ان ارواح کو قبر کے ساتھ بھی ایک تعلق ہوتا ہے کہ قبر پر زائرین رشتے داروں اور دوسرے دوستوں کے حاضر ہونے پر مطلع ہوتی ہیں اور اُنس محسوس کرتی ہیں اس لیے کہ روح کے لیے مکان کا قریب یا دور ہونا اس اطلاع میں رکاوٹ نہیں بنتا اور اس کی مثال انسانی وجود میں روحِ بصری ہے جو کہ ساتوں آسمانوں کے ستاروں کو کنویں کے اندر بھی دیکھ سکتی ہے اور جب وہ مقام بھی انسان معلوم نہیں کر سکتا مگر جبکہ دربار خداوندی سے اسے اطلاع دی جائے تو سوال و جواب کے طریقے سے علیین کے تفسیر میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ تجھے کیا معلوم کہ علیین کیا ہے۔ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ایک مہر زدہ دفتر ہے اور اس پر علامت لگائی گئی ہے کہ اسے جو دیکھے جان لے کہ اس دفتر والے جنتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ دفتر سبز زمرد کی ایک تختی پر کندہ کر کے

marfat.com

Marfat.com

عرش کے دائیں پایہ کے ساتھ لٹکایا ہوا ہے اور اس کا نچلا حصہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا ہوا ہے اور وہ دفتر خدا تعالیٰ کے خاص بندوں کے حوالے کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا جا رہا ہے:

يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ اس دفتر پر اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور گواہ بنتے ہیں جو کہ عرش کے حامل اور کرسی کے خازن ہیں۔

ور احتمال ہے کہ یوں مراد ہو کہ اس عالی شان مقام میں کامل قرب رکھنے والوں کی ارواح جو کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کبار ہیں' حاضر ہوتی ہیں اور ابرار کے حق میں یہی فخر کافی ہے کہ ان کا نام اس مقام میں لکھا جائے اور ان کے اچھے اعمال اس دفتر والوں کو قبول اور پسند ہوں۔

## ابرار و مقربین اور اصحابِ یمین اور سابقین کا بیان

یہاں جاننا چاہیے کہ نجات اور فلاح پانے والوں کو قرآن پاک کی چند سورتوں میں دو طرح بیان فرمایا گیا ہے' کبھی ان دونوں قسموں کو ابرار اور مقربین کا نام دیا گیا اور کبھی انہیں اصحابِ یمین اور سابقین فرمایا گیا اور محققین کا ان دونوں قسموں کی تحقیق میں اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ سابقین اور مقربین محبتِ ذاتیہ والے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت صرف اس کی ذات پاک کے لیے ہو۔ جبکہ ابرار اور اصحابِ یمین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے انعام کی توقع کرتے ہوئے اس سے محبت کی ہے اور اس قول کے قریب ہی وہ بات ہے جو بعض نے کہی ہے کہ مقربین اور سابقین فَنَا فِي اللّٰهِ اور بَقَا بِاللّٰهِ والے ہیں اور ابرار اور اصحابِ یمین وہ لوگ ہیں جو کہ نیکیوں اور اذکار کے انوار کے ساتھ منور ہوئے اور انہیں شرح صدر حاصل ہوئی اور ابھی انہیں فنا و بقاء کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ہر نیک عمل کی نیت کی سچائی اور اخلاص' آداب' سنتوں اور شرائط کی رعایات اور اس عمل کے نتیجے کو اجر کے باطل ضائع اور ناقص ہونے سے حفاظت کے کمال کے اعتبار سے ایک نچلی حد ہے اور ایک اوپر کی حد ہے۔ پس جو شخص نیک عمل میں اوپر کی حد تک پہنچ گیا' وہ مقرب ہے اور جو اس سے کم رہے' وہ ابرار کا درجہ ہے اور اس تقریر سے ایک شخص میں بعض اعمال کے اعتبار سے ابرار اور مقربین کا اجتماع ہو سکتا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

اور جو کچھ ابرار' مقربین' اصحاب یمین اور سابقین کے الفاظ سے اور کلام الٰہی کی روش سے جس میں ان دونوں گروہوں کے اوصاف بیان ہوئے' معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ابرار اور اصحاب یمین ایک گروہ ہوں جنہوں نے مخلوق اور خالق کے حقوق کی ادائیگی' لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور نیک اور پسندیدہ اعمال میں کوشش کر کے اپنی قوت ملکیہ کو بہیمیہ اور سبعیہ قوت پر غالب کر دیا ہے اور مقربین اور سابقین وہ گروہ ہوں جن کے ان صفات اور اعمال کے ساتھ جذب الٰہی کے طریقے سے تمام اندرونی حجاب اُٹھ گئے اور شہود اتم نصیب ہوا اور ان کا سلوک جذب تک جا پہنچا اور انہیں اپنے محبوب کا قرب حقیقی نصیب ہوا۔ واللہ اعلم

## بعض عارفین کے مطابق مقام سجین اور علیین کی حقیقت

اور جس طرح کہ بعض عرفاء نے مقام سجین و علیین کی تحقیق کی ہے' یہ ہے کہ معرفت کی وسعت اور تنگی کے اعتبار سے اور لطائف کو سنوارنے' انوار ملکیہ حاصل کرنے اور لطائف کے مکدر ہونے اور بہیمیہ اور سبعیہ ظلمتوں کے لاحق ہونے کے اعتبار سے نوع انسانی کے کمال کا میدان اتنا وسیع ہے کہ کسی نوع میں اتنی وسعت ظاہر نہیں ہے۔

پس انسانی کمال کی شکل ایک وسیع دائرے کی طرح خیال میں لانی چاہیے۔ جس کا مرکز انسانی درجات میں سب سے کم درجہ ہے اور ان کا سب سے اوپر کا مرتبہ عرش محیط کی وسعت کے برابر اور جب غیب کے عالم میں اس خیالی شکل نے حقیقی مثال حاصل کی تو اس دائرے کے محیط کا نام علیین ہوا اور سجین اس کے مرکز کا نام اور یہ بات طے شدہ ہے کہ مرکز کے قریبی دائرے ان دائروں کی نسبت زیادہ تنگ اور چھوٹے ہوتے ہیں جو کہ محیط کے قریب ہیں۔ فاجروں کی انسانیت کے درجات مرکز کے درجہ بدرجہ قریب ہیں اور تنگی اور چھوٹے ہونے میں ترقی پذیر جبکہ ابرار کی انسانیت کے درجات درجہ بدرجہ محیط کے قریب ہیں اور وسعت اور فراخی میں کہیں بڑھے ہوئے حتیٰ کہ اعلیٰ علیین تک نوبت جا پہنچے جو کہ مقربین اور سابقین کا مقام ہے اور مقربین کی پیروں میں ابرار کو بھی اس مقام میں روحانی عبور میسر آ جاتا ہے لیکن وہ مقام ان کی حاضری کا مقام نہیں ہے۔ یہ روحانی عبور جسم سے روح کے جدا ہونے کے بعد کچھ اثر کرے گا کہ ان کی ارواح کو وہاں لے جائیں گے اور اس

marfat.com

Marfat.com

مقام والوں کے پیروکاروں میں سے لکھیں گے' اللہ تعالیٰ جنہیں کسی نیک بخت کے تابع کر دے تو وہ بھی نیک بخت ہیں اور جب ابرار کی ارواح کا حال بیان کرنے سے کہ قبض کرنے کے بعد کیا ہوگا' فراغت ہوئی اب قیامت کے دن ان کے انجام کو بیان فرمایا جارہا ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ تحقیق نیکوکار نعمتوں میں ہوں گے اور نعیم کا لفظ ان سب لذتوں کو شامل ہے جن کا جنت میں وعدہ کیا گیا ہے جیسے حور و قصور' کھانا پینا' لباس' سواری' خوش وضع خدام' اچھی رہائش گاہیں اور وہ سب کچھ جو وہاں مہیا ہے اور ان نعمتوں کے علاوہ یہ ہے کہ انہیں بادشاہوں کی طرح مروارید اور یاقوت جڑے ہوئے زریں تختوں پر بٹھایا جائے گا اور ان تختوں پر مروارید کے گنبد کھڑے کیے جائیں گے جن کے اندر سے وہ سب چیزوں کو دیکھیں اور انہیں کوئی نہ دیکھے جیسا کہ فرمایا جارہا ہے:

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ نیک لوگ سایہ دار تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ مومن کو جنت میں وہاں کی تمام نعمتوں سے بہرہ ور کیا جائے گا۔ بخلاف دنیا کے کہ اللہ تعالیٰ یہاں لوگوں کو نعمتیں عطا فرماتا ہے جبکہ ان نعمتوں سے بہرہ ور ہونا نصیب نہیں ہوتا جیسے بیمار بادشاہ یا جس کی مردمی قوت کمزور ہو کہ نفیس کھانوں کی لذت یا دوشیزہ منکوحہ سے مقاربت کی لذت نہیں لے سکتا۔ نیز صحیح حدیث پاک میں وارد ہے کہ اہلِ جنت میں سب سے کم درجے والا وہ ہوگا جس کے سامنے پوری دنیا کی وسعت کے برابر اس کی مملوکہ نعمتیں پیش کی جائیں گی۔

اور يَنْظُرُوْنَ کا مفعول تعمیم کے ارادے سے حذف فرمایا گیا ہے تاکہ اپنی مملوکہ نعمتوں حور و قصور' نہروں اور درختوں کو' دوسرے جنتیوں کی نعمتوں کو اور دوزخیوں کے عذاب اور سزا کو دیکھنے کو شامل ہو۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے سایہ دار تخت انہیں جنت اور جہنم کی کائنات کا تماشا کرنے سے رکاوٹ اور مانع نہیں ہوں گے۔ بخلاف دنیوی تختوں کے کہ ان میں بیٹھنا نظر اور تماشا کے لیے رکاوٹ بنتا ہے۔

لغت میں اریکہ اس تخت کو کہتے ہیں جس کے اوپر گنبد کی طرح ایک سائبان بنایا گیا ہو اور اسے منقش پردوں اور پُر تکلف ابریشم زریں سے سجایا گیا ہو۔ ہندی زبان میں اسے

marfat.com
Marfat.com

چھپرکھٹ سے تعبیر کرتے ہیں اور عارفین فرماتے ہیں کہ جنتی تخت جو کہ نیکوں کو نصیب ہوں گے اور قرآن مجید میں جگہ جگہ پوری تعریف کے ساتھ ان کا ذکر ہوتا ہے' اسمائے الٰہیہ سے نیکوں کے مقامات کے نمونے ہیں کیونکہ نیکوں کا ان مقامات میں ہونا دنیا میں لوگوں کی آنکھ اور عقل سے پوشیدہ تھا اور وہ اس مقام میں متمکن ہو کر وجود کے تمام مرتبے وہاں سے سر کرتے ہیں۔

تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ اے دیکھنے والے! تو ان کے چہروں میں نعمت کی تروتازگی دیکھتا ہے۔ حاصل یہ کہ جہنمیوں کا حال دیکھنے کی وجہ سے انہیں کوئی ملال' غبار خاطر اور چہرے کے رنگ کی تبدیلی رونما نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ اپنے دشمنوں کو اپنے سامنے سزا دینا بھی فرحت اور مسرت بڑھانے کا موجب ہے اسی لیے ان کے چہروں میں تازگی اور خوشی کے آثار ہمیشہ دیکھے اور محسوس کیے جائیں گے۔

یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ انہیں خالص شراب پلائی جائے گی جو کہ اس محبتِ الٰہی کا نمونہ ہے جسے انہوں نے دنیا میں اپنے باطن میں جگہ دی تھی اور وہ شراب کی طرح ان کے قویٰ اور ارواح میں سرایت کیے ہوئے تھی اور وہ محبت خالص محبت تھی جس میں گناہوں اور خواہشات کی محبت کی چاشنی قطعاً نہ تھی۔

اور چونکہ زیادہ تیز جنتی شراب اسی طرح نہروں اور چشموں میں جاری ہوگی جیسا کہ دوسری سورتوں میں اس کا ذکر ہے اس عام شراب سے احتراز کے لیے جو کہ جنت کے عام لوگوں کی دسترس میں ہوگی' ایک اور قید بڑھا کر فرمایا جا رہا ہے:

مَّخْتُوْمٍ یعنی وہ شراب خالص مہر کے نیچے رکھی گئی ہے اور عام شراب سے علیحدہ اور جدا ہے اور اس شراب خالص کے جو کہ محبتِ الٰہی کا نمونہ ہے' مہر زدہ ہونے کا راز یہ ہے کہ وہ محبت کمال غلو اور جوش کے باوجود کہ مرتبۂ عشق سے بھی کئی منزلیں دور نکل گئی تھی' شریعت کی مہر کی پابند تھی اور احکامِ الٰہیہ کی مہر کے نیچے محفوظ تھی اس میں وہمی' حرام محبتوں' ناجائز نفسانی خواہشات اور شیطانی نجاستوں کی آمیزش قطعاً نہ تھی۔

اور اس مہر زدہ شراب کی عجیب کیفیتوں میں سے یہ ہے کہ شراب دنیا کے شیشوں کو بھی

marfat.com
Marfat.com

جبکہ ان کی احتیاط پیش نظر ہو مہر لگاتے ہیں لیکن جس چیز پر مہر لگاتے ہیں' مٹی' موم یا اس قسم کی کوئی چیز ہوتی ہے جبکہ جنت میں نیکوں کی مہر زدہ شراب کی صفت یہ ہے کہ:

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ جس چیز پر مہر لگائی گئی ہے' کستوری ہے تا کہ اس شراب سے اُٹھنے والی کستوری کی اچھی مہک نیکوں کے مشام کو فرحت بخشنے والی ہو اور وہ کستوری جس پر مہر لگائی جائے گی' ان جائز چیزوں کے متعلق شریعت کے حکم کا نمونہ ہے جو کہ دنیا میں نیکوں کے دلوں کو تقویت دینے والا' شرح صدر کا باعث اور ان کے ذوق وشوق کے جوش کا مددگار تھا۔

وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ اور اس طرح کی خالص شراب میں جو کہ اس قسم کی نفیس چیز کا نمونہ اور مثال ہے' چاہیے کہ رغبت کرنے والے رغبت کریں نہ کہ مٹھی بھر جو اور گندم میں جسے وہ لوگوں کے حق سے پیمائش اور وزن میں کمی کر کے حاصل کریں کہ اسے اس کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔

اور بعض مفسرین نے ختام کو ختم اور انتہاء کے معنوں میں لیا ہے اور ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ثابت ہونے والی حدیث شریف اس کے مطابق وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنتیوں کی آخری شراب مشک یعنی کستوری ہے اور مشک چاندی کی طرح سفید ایک شراب کا نام ہے کہ اگر دنیا والوں میں سے کوئی شخص اپنا ہاتھ اس میں ڈال کر نکالے تو دنیا میں کوئی ذی روح ایسا نہ رہے جو کہ اس کی اچھی مہک سے مست نہ ہو۔

ظاہری طور پر اس خالص شراب کو جو کہ اہلِ جنت کا آخری پیالہ ہوگا اس وجہ سے مشک کا نام دیا گیا ہے کہ مشک گرم دواؤں میں سے ہے جو کہ شراب اور غذا کو ہضم کرنے میں مدد کرتا ہے' منہ کی بو کو اچھا کرتا ہے اور دوبارہ اشتہاء جلد پیدا کرتا ہے اور وہ شراب بھی جس پر شراب کی مجلس ختم ہوگی' یہی کام کرے گی۔ اور جب بعض اوقات اہلِ طرب وسرور کو اس قسم کی شراب بھی منظور ہوتی ہے' بنابراں فرمایا جارہا ہے کہ اس شراب خالص کو جب بھی چاہیں کہ کسی دوسری چیز کے ساتھ ملا کر پئیں تو یہ بھی ان کے لیے ممکن ہوگا۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ اور اس شراب میں تسنیم کی آمیزش ہوگی اور لغت میں تسنیم اس چیز کو کہتے ہیں جو خوشبو اور ذائقہ اچھا کرنے کے لیے شربت کے اوپر ڈالتے ہیں جیسے گلاب

marfat.com
Marfat.com

اور بید مشک وغیرہ۔ سنام سے لیا گیا ہے جو کہ اونٹ کی کوہان کے معنوں میں ہے اس لیے کہ ان چیزوں کو شراب کے برتن میں ڈالنے سے بلبلے اُٹھتے ہیں جو کہ اونٹ کی کوہان کی طرح نمودار ہوتے ہیں یہاں تسنیم سے مراد جنت کا ایک چشمہ ہے جو کہ جنس شراب میں سب سے زیادہ نفیس اور لذیز ہے اور مقربین وسابقین کو اس خالص چشمے سے پلائیں گے جبکہ ابرار اور اصحابِ یمین کو گلاب اور بید مشک کی طرح ملا کر دیں گے۔

اور بعض روایات میں مروی ہے کہ دوسرے چشموں کے برخلاف تسنیم ہوا میں جاری ہوگا' جنت کی زمین پر نہیں اور اس میں راز یہ ہے کہ وہ چشمہ ذاتِ الٰہی کی محبت کا نمونہ ہے کہ جس نے محل وصورت کے تعین کے بغیر بلکہ حال اور صفت کی تشخیص کے بغیر مقربین کی ارواح کو فریفتہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ چشمہ عرش کے نیچے سے اُبلتا ہے اور مقربین کی رہائش گاہوں کی فضاؤں پر سے گزرتا ہے۔ چنانچہ ان کے حال کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ تسنیم سے مراد ایک چشمہ ہے جس سے مقربین پیتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اس چشمے کی شراب صرف مقربین پیتے ہیں جبکہ ابرار کو دوسری شراب کے ساتھ ملا کر دیتے ہیں اس لیے کہ مقربین ماسوی اللہ میں مشغول نہیں ہوئے ہیں اور انہوں نے محبت حق کو محبت غیر میں نہیں ملایا ہے۔ بخلاف ابرار کے کہ ان کی محبت افعال اور صفات کے آثار کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔

اور چونکہ ابرار کے نعمتوں سے مستفید ہونے کے ضمن میں ان کی شراب نوشی کا ذکر ہوا تو اس کے نکتے کو بھی بیان فرمایا جا رہا ہے اور اس نکتے کی تفصیل یہ ہے کہ اس دن بندگانِ خاص کو تمسخر اور مذاق کرنے کی وجہ سے کفار کو سزا دینا ذاتِ حق کو منظور ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے کمال تمکین اور وقار کی وجہ سے یہ انتقام لینے میں توقف کریں گے۔ ناچار انہیں ایسی شراب سے بھرپور جام پلا کر چستی عطا کی جائے گی تا کہ اس جوش کی وجہ سے ان کی تمکین ووقار میں کچھ مستی واقع ہو اور تمسخر ومذاق کا انتقام لیں۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا تحقیق وہ لوگ جو کہ دنیا میں آیاتِ الٰہی کا انکار اور پیمائش اور وزن میں مخلوق کے حقوق میں کمی کرنے جیسے گناہ کرتے تھے۔ كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

marfat.com
Marfat.com

يَضْحَكُوْنَ ان لوگوں سے ہنسی اور مذاق کرتے تھے جو کہ ایمان لائے ہیں اور کہتے کہ ان لوگوں کو کس فاسد خیال نے جکڑ لیا ہے کہ حسی لذتوں کو ایک موہوم اور خیالی امر کی توقع کی بناء پر چھوڑے ہوئے ہیں اور اس ہنسی پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ

وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ اور جب وہ ایمان والوں کے پاس سے گزرتے تو آنکھ ابرو اور لب سے اشارہ کرتے کہ یہ وہی بے عقل اور سادہ لوح لوگ ہیں جنہوں نے خود کو موہوم جنت کے گمان پر نقد لذتوں سے محروم کر رکھا ہے۔

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ اور جب یہ کفار اپنے گھر والوں کی طرف مڑتے اور وہاں خوب صورت عورتوں' پسندیدہ بیٹوں' پیاری بیٹیوں' نفیس بستروں' پر تکلف برتنوں' لذیز کھانوں اور ٹھنڈے اور خوش ذائقہ مشروبات جیسی دنیوی لذیز چیزوں کا اجتماع دیکھتے اور سمجھتے کہ یہ سب چیزیں ہمیں اسی عقیدے کی بناء پر حاصل ہیں کہ ہم روز جزا کے معتقد اور اس دن سے خائف اور ڈرنے والے نہیں ہیں جبکہ نیک کام کرنے والے مسلمان ان لذتوں سے اسی وجہ سے محروم ہیں کہ وہ موہوم جنت کی نعمتوں کی توقع اور خیالی جہنم کے عذاب کے خوف کی وجہ سے ان نقد لذتوں کو ہاتھ نہیں لگاتے اس پاگل کی طرح جو کہ خیال فاسد کی وجہ سے نفع بخش لذیز غذاؤں سے ڈرتا اور پرہیز کرتا ہے۔

انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ تو لطیفے کہتے اور خوش طبعی کرتے ہوئے لوٹتے۔

وَاِذَا رَاَوْهُمْ اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے کہ اپنے آپ کو طاعت اور عبادت کی مشقت میں پگھلاتے ہیں' موٹا لباس پہنتے ہیں' خشک اور بے مزہ کھانا کھاتے ہیں اور گرم دنوں میں روزے رکھتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ تو کہتے کہ تحقیق یہ لوگ راستہ گم کیے ہوئے ہیں کہ انہوں نے موہوم لذتوں کو حاضر لذتوں پر ترجیح دے کر بے فائدہ مشقتوں کو حقیقی کمالات کا نام دے رکھا ہے۔

وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ حالانکہ یہ کفار مسلمانوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں تاکہ انہیں جادۂ حق سے پھسلنے نہ دیں اور ہر محفل میں اور مجمع میں ان کا تعاقب کریں اور

marfat.com
Marfat.com

طعن و تشنیع کریں اور اس کام میں اس حد تک اہتمام کریں کہ پہلے ہنسی کے ساتھ اس کے بعد آنکھ اور ابرو کے اشارے سے اور اس کے بعد ان کے بارے میں غائبانہ لطیفہ بازی کریں اس کے بعد انہیں آمنے سامنے ہو کر گمراہ کریں۔

اور ان چار حالتوں کو اس ترتیب کے ساتھ شمار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شخص کی حرکت سے نفرت کرتا ہے تو پہلے حقیر جانتے ہوئے ہنسی کرتا ہے اور جب نفرت اور بڑھے تو اپنے ہم مشربوں کو بھی اس حرکت پر آنکھ اور ابرو کے اشارے سے اطلاع دیتا ہے تا کہ وہ اس حرکت والے کو حقیر و ذلیل کرنے میں شریک ہوں اور جب نفرت اونچے درجے تک جا پہنچے تو غائبانہ طور پر بھی اس حرکت والے کے بارے میں لطیفے کہتا ہے اور خوش طبعیاں کرتا ہے تا کہ حقیر اور رسوا کرنے کا حق پورا کر دے اور جب بات نفرت کی حد سے اونچی نکل گئی تو روبرو بے وقوف اور جاہل کہنا اور گمراہی کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیتا ہے اس لیے ان آیات میں اسی ترتیب کی رعایت کی گئی ہے۔

اور مسلمانوں پر کفار کے اس ظلم کو بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا یہ ظلم بھی رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ جزا کے دن اس قسم کے ظلم کا بدلہ بھی لیا جائے گا۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تو آج کے دن جو کہ جزا کا دن ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے ایمانی قوت کی وجہ سے حقیقی کمالات کو نفسانی لذتوں پر ترجیح دے کر اختیار کیا۔ مِنَ الْكُفَّارِ کافروں سے جو کہ کمالات کے منکر تھے اور کمال کو حسی فانی لذتوں کو پورے طور پر حاصل کرنے میں منحصر کرتے تھے۔

يَضْحَكُوْنَ ہنسی کرتے ہیں کہ یہ لوگ کس قدر ناعاقبت اندیش اور بے وقوف تھے کہ انہوں نے کس ردی فانی چیز کو کس نفیس باقی چیز پر ترجیح دی ہے اور جہنم میں کس قسم کے عذاب اور زنجیروں اور طوقوں میں کس طرح جکڑے ہوئے ہیں۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ کفار کے سامنے جہنم کے اندر جنت کی طرف دروازہ کھولا جائے گا اور جہنم کے دربان کہیں گے کہ ہاں جنت میں جلدی آؤ۔ وہ گرتے اٹھتے زنجیروں اور طوقوں میں جکڑے ہوئے اس دروازے کی طرف چلیں گے جب قریب پہنچیں

marfat.com
Marfat.com

گے تو دربان وہ دروازہ بند کر دیں گے اور دوسری طرف ایک اور دروازہ کھول دیں گے اور کہیں گے کہ اس دروازے میں سے چلے جاؤ اس دروازے کا قصد کریں گے اور آتشیں پہاڑوں پر سے نہایت زبوں حالی سے گرتے اُٹھتے گزریں گے اور جب اس دروازے کے قریب پہنچیں گے تو اسے بھی بند کر دیا جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس انہیں دوزخ میں اس حیلے کے ساتھ سرگرداں کیا جائے گا' ایمان والے جنت میں اسی حالت کا مشاہدہ کریں گے اور اس پر ہنسیں گے لیکن مذاق کے اس قدر سبب کے باوجود انہیں تمکین اور وقار مانع ہوگا اور وہ ہنسنے کی حد سے آگے نہیں گزریں گے اور کافروں کا دستور کہ دنیا میں آنکھ اور ابرو کے اشارے کرتے تھے اور غائبانہ لطیفے کہتے تھے اور سامنے گمراہ کہتے تھے' ان سے ظاہر نہیں ہوگا بلکہ اس حالت کے مشاہدے کے باوجود جو کہ حرکت کرنے کا بہت موجب ہوتی ہے اور لوگ اس قسم کے تماشے دیکھنے کے لیے دوڑتے ہیں اور دُور دُور تک جاتے ہیں' وہ اپنے مکانات سے جنبش نہیں کریں گے بلکہ۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ وہ اپنے سایہ دار تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں اور پورے تمکین و وقار کے ساتھ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ:

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ کیا ان کفار نے اپنے کیے کے مطابق سزا پائی جو کہ وہ دنیا میں ہنسی' اشارے' لطیفہ گوئی اور گمراہ کہنے کا عمل کرتے تھے۔

# سورۂ انشقت

سورۃ انشقت مکی ہے' اس کی پچیس (۲۵) آیات' ایک سو نو (۱۰۹) کلمات اور چار سو تیس (۴۳۰) حروف ہیں۔

## سورۃ مطففین کے ساتھ ربط کی وجہ

اور اس سورۃ کا سورۂ مطففین کے ساتھ رابطہ شروع سے لے کر آخر تک بالکل ظاہر ہے اور دونوں سورتوں کے معانی اور مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس سورۃ میں وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ اور وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ واقع ہے جبکہ اس سورۃ میں

marfat.com
Marfat.com

یدعو ثبورا ہے وہاں الایظن اولئك انهم مبعوثون ہے جبکہ یہاں انه ظن ان لن یحور ہے وہاں یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہے جبکہ یہاں فملاقیه ہے وہاں نیکوں اور بُروں کے اعمال ناموں کا ذکر ہے کہ ان کی موت کے بعد وہ علیین اور سجین کے دفتر میں داخل ہوں گے جبکہ یہاں نیکوں اور بُروں کے اعمال ناموں کا ذکر ہے کہ حشر کے بعد سیدھے اور اُلٹے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے وہاں قرآن پاک کی تکذیب جو کہ کفار کرتے تھے اس عبارت کے ساتھ مذکور ہے۔ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیَاتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ جبکہ یہاں اس عبارت کے ساتھ ہے کہ اِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْآنُ لَایَسْجُدُوْنَ وہاں اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِیْمِ واقع ہوا جبکہ یہاں یَصْلٰی سَعِیْرًا ہے وہاں اہلِ نجات کے بارے میں تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ واقع ہے۔ نیز فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ یَضْحَكُوْنَ ہے جبکہ یہاں وَیَنْقَلِبُ اِلٰی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ہے وہاں مسلمانوں کی نسبت کفار کے بارے میں مذکور ہے کہ كَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَكُوْنَ وَاِذَا انْقَلَبُوْا اِلٰی اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ جبکہ یہاں اِنَّهٗ كَانَ فِیْ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس غور وفکر کے بعد پوری مناسبت ظاہر ہوتی ہے۔

### وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۃ انشقت اور انشقاق کا نام اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ اس کے آغاز میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان پھاڑے جانے کا ذکر ہے اور یہ واقعہ آدمی پر ایک عظیم حجت ہے اس لیے کہ جب آسمان اپنی بزرگی اور بلندی کے باوجود اپنے پروردگار کے حکم سے کسی ثواب کی توقع اور کسی عذاب کے خوف کے بغیر یہ مشکل کام بجالایا تو آدمی جو کہ نہایت ذلت اور پستی میں واقع ہے اللہ تعالیٰ کے آسان امر کو جو کہ اتنا سخت اور دشوار نہیں ہے ثواب کی توقع اور عذاب کے خوف کے باوجود کیوں قبول نہ کرے اور بجانہ لائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ جب آسمان پھٹ جائے اور حضرت امیر المومنین مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آسمان کہکشاں کے مقام سے پھٹے گا اور اس روز اس کے پھٹنے کی وجہ

marfat.com
Marfat.com

یہ ہے کہ آسمان کے دروازوں پر متعین فرشتے جو کہ بندوں کا رزق نیچے لانے اور ان کے اعمال کو اوپر لے جانے پر مقرر ہیں' اپنے کام سے فارغ ہو کر نازل ہوں گے اور دوسرے فرشتے بھی جو کہ آسمانوں میں سکونت پذیر ہیں' محشر کے اردگرد صفیں باندھے کھڑے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی تجلی قہری عرش پر غلبہ کر کے اسے نیچے کی سمت میں حرکت دے اور اس تجلی کے صدمے اور عرش کے عظیم حجم کی وجہ سے آسمان کے اجزا پاش پاش ہو جائیں۔ نیز اس وقت اس جہان کی بربادی اور ایک دوسرے جہان کی آبادی منظور ہے اور نیا مکان پرانے مکان کی توڑ پھوڑ کے بغیر تعمیر نہیں ہو سکتا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ آدمی روح اور جسم دو چیزوں سے مرکب ہے اس کی روحانیت کا منشا آسمان ہے اس لیے کہ اس کا نفس ناطقہ نفوس ساوی سے لیا گیا ہے اور ان سے پوری مشابہت رکھتا ہے جبکہ روح ہوائی جو کہ نفس کا مرکب ہے اور گوشت والے جسم میں جاری و ساری ہے' کا جوہر بھی آسمان کے جواہر کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا ہے کہ خرق والسیام اور توڑ پھوڑ کے قابل نہیں اور اگرچہ اسے بیماریوں کی وجہ سے بڑے صدمے اُٹھانے پڑتے ہیں لیکن اس میں مکمل خلل واقع نہیں ہوتا' اس کی فنا کی حد یہ ہے کہ بدن سے جدا ہو جائے۔ ازاں بعد بھی ارواح کے موکلوں کے ہاتھوں میں محفوظ و مصون ہے۔

اور روح کی سعادت اور شقاوت جسے عرف میں بخت کہتے ہیں اور طالع کی طرف منسوب کرتے ہیں' کا سبب بھی آسمان اور اس کے ستاروں کی حرکات کے اطوار سے لیا گیا ہے اور روح کی غذا اور اس کی بیماریوں کی دوا جو کہ شریعت اور طریقت ہے' بھی آسمان سے نازل ہونے والی ہے۔ پس آسمان کا پھٹنا اس بات کی قوی دلیل اور واضح برہان ہے کہ آدمی کی روحانیت کے لیے بھی اپنے پروردگار کے حکم کی اطاعت کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ اس کا معدن اور خزانہ جو کہ آسمان ہے اس عظمت اور بلندی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے اور اس دن آسمان کا پھٹنا اپنی بنیادوں کی صنعت کی بناء پر نہیں ہوگا جیسا کہ دنیوی عمارات کا ٹوٹنا اور اس جہان کی مصنوعات کا پھوٹنا ہوتا ہے بلکہ اسے اس کی کمال قوت' مضبوطی اور عظمت کے باوجود پھٹنے کے لیے حکم خداوندی پہنچا۔

marfat.com
Marfat.com

وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا اور آسمان نے کان رکھا اور اپنے پروردگار کے حکم کے لیے جھک گیا اور اس حکم کو اگرچہ بہت دشوار تھا' قبول کرنے سے سر نہیں پھیرا اور یہ فرماں برداری جو اس سے صادر ہوئی ایسی نہیں کہ اس کی عظمت اور بلندی کے منافی ہو بلکہ یہ عاجزی اس کی عظمت کے لائق تھی۔

وَحُقَّتۡ اور وہ آسمان اسی اطاعت اور فرماں برداری کے لائق تھا۔ وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ اور جبکہ زمین کھینچی جائے تاکہ دراز اور وسیع ہو جائے اور اتنے بڑے مجمع کے لیے جہاں اس وقت کہ ساتوں آسمانوں کے فرشتے' حاملینِ عرش اور جنوں۔ انسانوں اور جانوروں پر مبنی قسم قسم کی مخلوق اور اگلے پچھلے سب جمع ہوں گے اور زمین پر کھڑے ہوں گے' گنجائش ہو سکے۔ نیز زمین کو اس وجہ سے بھی کھینچا جائے گا کہ اس کی بلندی اور پستی برابر ہو جائے اور عمارتیں اور پہاڑ سب برابر ہو جائیں تاکہ مخلوق کے کھڑے ہونے میں کوئی نشیب و فراز نہ ہو اور کوئی شے حائل نہ رہے اور ایک کی حالت دوسرے پر ظاہر ہو جیسا کہ چٹائی اور بستر میں اس کا پتہ چلتا ہے کہ اسے کھینچنے سے یہ دونوں فائدے ایک ساتھ حاصل ہوتے ہیں' وسعت بھی اور ہمواری بھی۔

اور جب زمین جسم انسانی کا منشا ہے اور اس کا غالب جزو ہے اور اسے غذا اور دوسرے نفع بھی زمین سے حاصل ہوتے ہیں۔ پس اس کا حکم خداوندی کی تعمیل کرنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ آدمی اپنے تمام اعضاء' آلاتِ جسمانی کے ساتھ حکمِ الٰہی کا مطیع اور فرماں بردار ہوگا۔

وَاَلۡقَتۡ مَا فِيۡهَا اور وہ اسے کھینچنے کی وجہ سے سب کچھ ڈال دے جو کچھ اس میں مرنے والوں کے اجزا' خزانوں' دفینوں اور کانوں میں سے ہے تاکہ لوگوں کا اپنے تمام اجزا سمیت حشر محقق ہو اور زمین کی منفعتیں جس پر کہ انہوں نے لڑائی فساد کیے ہیں اور ایک دوسرے کے حقوق ضائع کیے ہیں' کمال بے قدری کے ساتھ ان کے سامنے ظاہر ہو جائیں۔

وَتَخَلَّتۡ اور تکلفًا خالی ہو جائے' ان تمام چیزوں سے جو کہ لوگوں کے آثار میں

marfat.com
Marfat.com

سے اس سے متعلق ہیں تا کہ اس پر جزا دینا تحقق ہو اور زمین کو اس کھینچنے اور خالی کرنے میں کوئی بدلہ یا کسی کو کوئی نقصان یا نفع پہنچانا مقصود نہیں بلکہ اس کے پاس اس کام کے لیے حکمِ خداوندی پہنچا۔

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ اور زمین نے اپنے پروردگار کے حکم پر کان رکھا اور وہ مطیع ہوئی اور وہ اس اطاعت کے لائق تھی۔ یہاں جاننا چاہیے کہ اکثر عوام گمان کرتے ہیں کہ یہ آیت مکرر ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پہلی آیت آسمان کے حق میں اور دوسری زمین کے بارے میں ہے۔ پس تکرار اصلاً نہیں ہے۔

اور شرط کی جزا محذوف ہے یعنی جب آسمان یوں ہو جائے اور زمین یوں کرے تو اے انسان! تجھ پر صریح الزام لاحق ہو اور تجھ پر حجت قائم ہو کہ تو نے اپنے پروردگار کے فرمان کو روح اور جسم کے ساتھ کیوں قبول نہ کیا اور اس کے اوامر و نواہی کی مخالفت میں اپنی عمر گزار دی جیسا کہ الزام حجت کو بیان کرنے کے لیے واشگاف لفظوں میں فرمایا جا رہا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اے انسان! تو آسمان سے بڑا اور اس سے اونچا نہیں ہے اور نہ ہی زمین سے زیادہ سخت ہے تا کہ تو اپنے پروردگار کا فرمان قبول نہ کرے اور اس کے حکم کی اطاعت نہ کرے حالانکہ تیرے بارے میں حکم الٰہی بہت آسان اور نرم ہے جبکہ ان کے بارے میں نہایت دشوار اور بھاری۔ انہوں نے گرانی اور سختی کے باوجود اطاعت کی اور سرکشی نہ کی اور اس کے ساتھ ساتھ آسمان اور زمین کو جو حکم ہوگا اس کے پیچھے کوئی ثواب اور عذاب نہیں جبکہ جو حکم تیرے بارے میں آیا ہے اس کے پیچھے ثواب اور عذاب ہے بلکہ تجھے ثواب اور عذاب سے بالاتر ایک ایسی منفعت کی توقع ہے جس کی آسمان اور زمین کو قطعاً توقع نہیں اس لیے کہ۔

اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ تحقیق تو کوشش کرنے والا ہے کہ اپنے پروردگار کا وصال حاصل کرے۔ كَدْحًا پوری مشقت کے ساتھ اس لیے کہ تجھے وصال کی استعداد دی گئی ہے اور اس کا خیال تیرے سر میں رکھا گیا ہے۔ بخلاف آسمان اور زمین کے کہ نہ ان میں وصالِ خداوندی کی استعداد ہے نہ اسے حاصل کرنے کا خیال اور یہ وعدہ شدہ وصال اور بے

marfat.com
Marfat.com

پردہ مشاہدہ جسے تو حاصل کرنے کی فکر میں ہے' صرف ایک خیال نہیں کہ تو دنیا میں اس پر خوش تھا بلکہ واقع میں محقق ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے:

فَمُلٰقِيْهِ پس تو اپنے پروردگار سے ملاقات کرنے والا ہے' خیال و ادراک کے پردے کے بغیر اور نمونہ و مثال کے حجاب کے بغیر۔ پس تجھے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اس قدر ضروری ہے کہ کسی مخلوق کو اتنی ضروری نہیں تا کہ اس روز عین مشاہدہ اور ملاقات کے وقت تو شرم سار اور نادم نہ ہو کیونکہ اس دن وصال کی کوشش میں تیری قوت اور ضعف ظاہر ہو جائے گا اس طرح کہ

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ تو جسے اس کا نامۂ اعمال اپنے پروردگار کی ملاقات کے وقت دیا جائے گا جس میں اس کی اچھی کاوشیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور فرماں برداری لکھی ہوئی ہے تا کہ وہ اس شوق میں جو کچھ بجا لایا تھا' وہ سب کا سب اس کے سرور اور لذت کا موجب ہو اور اسے پتہ چل جائے کہ میری کوشش ٹھکانے لگی اور قبول ہوئی۔

بِيَمِيْنِهٖ اس کے سیدھے ہاتھ میں جو کہ نجات اور رضامندی کی علامت ہے اس لیے کہ دایاں ہاتھ غالب طور پر بائیں ہاتھ کی نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے اور یہ شخص جس نے فرمانِ الٰہی کی اطاعت کی' اپنے نفس کی خواہش پر غالب آیا اور اسے عظیم قوت نصیب ہوئی اور اس کی نیکیاں اس کی بُرائیوں پر غالب ہوئیں۔

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ تو دائیں ہاتھ میں نیک اعمال نامہ دینے کے بعد بُرے کاموں کا حساب کیا جائے گا جو کہ مغلوب اور قلیل رہ گئے تھے۔ حِسَابًا يَّسِيْرًا آسان حساب۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حساب یسیر کیا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حساب یسیر یہ ہے کہ بندے کا نامۂ اعمال اسے دکھائیں گے اور ندا آئے گی کہ اے بندۂ مومن! تو نے جو نیکیاں کیں' ہم نے قبول فرمائیں اور جو خطائیں کیں' ہم نے معاف فرما دیں۔ کسی چیز کے متعلق نہیں کہا جائے گا کہ کرنے کی تھی' تو نے کیوں نہ کی اور نہ کرنے کی تھی تو نے کیوں کی۔ فاما من نوقش فی الحساب عذب یعنی جس کے حساب میں بحث اور

marfat.com
Marfat.com

تجسس ہوا' عذاب میں ضرور گرفتار ہوگا کیونکہ اس وقت گناہ کا کوئی عذر ہاتھ نہیں لگے گا اور وہ گناہ سے خالی نہیں ہے۔

نیز حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن جس کا حساب ہوا' عذاب بھی ہوگا۔ حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ خداتعالیٰ فرماتا ہے فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا اور اس آیت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ حساب کے بعد نجات پالیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حساب نہیں ہے' صرف عمل دکھانا ہے کہ تو نے یوں کیا اور ہم نے معاف فرمادیا اور تو نے یوں نہ کیا اور ہم نے درگزر فرمایا لیکن میری مراد یہ ہے کہ جس کے حساب میں چھان پھٹک کی گئی البتہ ہلاک ہوگا۔

وَيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش ہوتا ہوا لوٹے گا نہ اسے کسی عذاب کا خوف باقی رہا نہ اسے ملامت اور عتاب سے شرمندہ ہونا پڑا بلکہ اس کی نجات کی مسرت اپنے اہل وعیال سے ملاقات کی مسرت سے مل کر خوشی کی ایسی کیفیت پیدا کرے گی کہ کوئی کیفیت بھی اس کی برابری نہیں کرسکتی اور گھر والوں سے مراد جنتی حوریں اس کی منکوحہ عورتیں جو کہ بنی آدم میں سے جنت میں پہنچی ہیں اور اس کے دوسرے عزیز و اقارب ہیں جو کہ حشر میں اس کے حساب کی صورتِ حال کی اطلاع کے منتظر کھڑے ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندے پر دو غم جمع نہیں فرماتا جس نے دنیا میں دین کا غم کھایا اس روز شادماں اور خوش باش ہوگا اور سوف کا لفظ جو کہ دیر اور تاخیر پر دلالت کرتا ہے اس بات کے اشارے کے لیے ہے کہ پہلے اسے نامۂ اعمال دکھا کر نیکیوں کے ساتھ خوش کریں گے اور مہلت دراز کے بعد اسے معاف شدہ بُرائیوں پر اطلاع دی جائے گی تاکہ پہلی دفعہ ہی بُرائیوں پر مطلع ہونے کی وجہ سے شرمسار اور نادم نہ ہو۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ اور جسے اس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور یہ ہلاکت اور عذاب کی علامت ہے۔ اس لیے کہ بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ سے کمزور ہے اور اس شخص نے اپنی کمزور سمت کو جو کہ نفس کی خواہش تھی' قوی سمت پر جو کہ فرمانِ الٰہی ہے' مقدم

marfat.com

Marfat.com

رکھا اس نے قوی کو ضعیف اور ضعیف کو قوی کر دیا تھا اور صورت معاملہ کو اُلٹ دیا تھا اسی لیے اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں اگلی طرف سے نہیں دیں گے بلکہ اس کے بائیں ہاتھ کو اس کی پشت پر باندھ دیں گے اور اس کا اعمال نامہ اس ہاتھ میں رکھیں گے کہ

وَرَآءَ ظَهْرِهٖ یعنی اس کی پشت کی طرف سے فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا پس آخر کار اپنی ہلاکت کو پکارے گا یعنی آرزو کرے گا کہ کاش موت آجائے اور مجھے ہلاک کر دے تاکہ اپنی اس بُری کوشش کے انجام سے جلد خلاصی پاؤں۔ اور سوف کا لفظ جو کہ تاخیر پر دلالت کرتا ہے یہاں اس وجہ سے وارد فرمایا گیا کہ اپنی ہلاکت' اپنی عمر اور اعمال کے جمع اور خرچ کے پورے مطالعہ کے بعد واضح ہوگی۔ پہلی بار اپنے اچھے اور بُرے اعمال کو دیکھ کر وہ گمان کرے گا کہ شاید میری نیکیاں بُرائیوں پر غالب آجائیں اور میں نجات پاؤں اور یہ مطالعہ اور حساب برابر کرنا کچھ وقت چاہتا ہے۔

اور وہ جو سورۂ الحاقۃ اور دوسری سورتوں میں مذکور ہے کہ بعض کو اعمال نامے دائیں ہاتھ میں اور بعض کو بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے یہاں مذکور صورت کہ پچھلی سمت دیئے جائیں گے' کے خلاف نہیں اس لیے کہ بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ اسی طرح دیا جائے گا کہ پسِ پشت سے دیں گے اور وہ جو بعض علماء نے تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اس روز لوگوں کی تین قسمیں ہوں گی' اہلِ نجات کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور ابدی ہلاکت والوں کو بائیں ہاتھ میں اور عذاب والوں کو جو کہ عذاب کے بعد پھر نجات پائیں گے' دائیں ہاتھ میں پچھلی سمت سے دیں گے یا ہلاکتِ ابدی والوں کو بائیں ہاتھ میں پچھلی سمت سے اور عذاب کے بعد نجات پانے والوں کو بائیں ہاتھ میں اگلی سمت سے دیں گے تو یہ قرآن و حدیث کے بیان کے مطابق نہیں۔ نرا احتمال ہے اس لیے کہ بائیں ہاتھ والوں اور پچھلی سمت والوں دونوں کے بارے میں جو وعید آئی ہے' ایک دوسرے کے قریب ہے۔ خلاصی اور نجات پر دلالت نہیں رکھتی اور اس کے باوجود بعض احادیث میں اسی روش پر اعمال نامہ دینے کی کیفیت پر تصریح ہے جو کہ ذکر کی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور جب اس شخص کا حال بیان فرما دیا گیا جو کہ اپنا اعمال نامہ پچھلی سمت سے دیئے

marfat.com

Marfat.com

جانے کی وجہ سے جہنمی ہونے کی علامت پا کر چیخ و پکار کرتے ہوئے موت اور ہلاکت کو پکارنا شروع کردے گا۔ اب ارشاد ہوتا ہے کہ اس قدر گھبراہٹ' بے قراری اور بے چینی اسے کافی نہیں ہوگی بلکہ جس چیز سے وہ ڈرتا ہے' واقع ہو کر رہے گی۔

وَيَصْلٰى سَعِيْرًا اور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا اس لیے کہ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا تحقیق وہ دنیا میں اپنے اہلِ خانہ میں خوش اور بے غم تھا' اسے دین اور آخرت کا غم نہیں تھا اور وہ کفر اور گناہوں سے نہیں ڈرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی سمت کا احترام بالکل نہیں کرتا تھا اور یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ دنیا کی خوشی اپنے پیچھے آخرت کا غم رکھتی ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جو شخص دنیا میں آخرت کے غم اور فکر میں زندگی بسر کرے اس کا حال آخرت میں اس کے برعکس ہے۔

## دنیا میں خوشی اور غم کی تفصیل

لیکن یہاں جاننا چاہیے کہ دنیوی سرور وہی بُرا ہے جو کہ غفلت' بے فکری اور عیش پرستی سے پیدا ہوا اور جو سرور قضائے الٰہی پر راضی ہونے کی وجہ سے یا دینی اعتبار سے قرب اور بلند مرتبوں کے حصول کی بدولت لذت اور فرحت پانے کی وجہ سے ہو' بالکل قابلِ تحسین اور سراسر نفع بخش ہے۔ چنانچہ سورۂ یونس میں فرمایا گیا ہے کہ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا اور یہاں اسی سرور اور نازونعمت کا ذکر ہے جو کہ غفلت کی زیادتی کی وجہ سے دنیا میں حاصل تھا۔ چنانچہ صراحتاً فرمایا جارہا ہے۔

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ اور اس کافر کو یہ سب خوشی اس لیے تھی کہ وہ گمان کرتا تھا کہ وہ عالم ارواح کو ہرگز نہیں لوٹے گا اور اعمال کا حساب نہیں دیکھے گا اس لیے کہ دنیوی خوشی جب آخرت کے غم' عالم ارواح کو اپنے لوٹنے کے اعتقاد اور اس جہان میں اعمال کی جزا پانے کے ساتھ ملتی ہے تو کالعدم ہو جاتی ہے اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے۔

بیت

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد بردارد کہ بر بندید محملہا

marfat.com

Marfat.com

یعنی مجھے محبوب کے گھر میں کیا امن اور چین حاصل ہو جبکہ ہر وقت گھنٹی آواز دیتی ہے کہ سامان باندھ لو۔ نیز یہ کہ

عشرت امروز بے اندیشۂ فردا خوش ست
فکر شنبہ تلخ دارد جمعۂ اطفال را

یعنی آج کی عیش وعشرت کل کی فکر کے بغیر خوش کن ہے کیونکہ ہفتے کے دن کی فکر بچوں کے جمعہ کی چھٹی کے ذوق کو تلخ کر دیتی ہے لہٰذا حشر ونشر اور جزا وحساب کو ثابت کرنے اور اس کافر کے گمان کو رد کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے۔

بَلٰى یعنی یوں نہیں جیسا کہ اس نے گمان کیا ہے بلکہ اس کا عالمِ ارواح پھر عالمِ حشر ونشر پھر حساب اور وزنِ اعمال کے مقام اور پھر جزا دینے کی جگہ جو کہ جنت اور دوزخ ہے میں لوٹنا ایک طے شدہ حقیقت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ

اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا تحقیق اس کا پروردگار اس کے حال کو پیدائش کی ابتدا سے موت کی انتہا تک دیکھنے والا تھا کہ اس کی روح کہاں سے آئی اور اس کا جسم کن کن چیزوں سے پیدا ہوا پھر اس نے کیا عقیدہ اور کیا عمل اختیار کیا اور اس کے دل میں کون سی چیز جاگزیں ہوئی اور اس کی زبان سے کیا نکلا اور اس کے ہاتھ سے کیا صادر ہوا اور موت کے بعد اس کی روح کہاں گئی اور اس کا جسم کس کس جگہ بکھرا اور جو ذات کسی شخص کے حالات کی اس قدر نگہبان ہو اسے بے مقصد نہیں چھوڑا جاتا اور اسے اس کے اعمال کے بدلے تک پہنچایا جاتا ہے اور روح کو اس کے جسم کے اجزا کے ساتھ جمع کیا جا سکتا ہے تو اس کا یہ گمان بالکل بے جا ہے اسے باطل کرنے میں قسم اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں اور اگر کسی کو موت کے بعد رونما ہونے والے ان عجیب حالات کے پیش آنے کے بارے میں اور بدن سے روح کے جدا ہونے کے بعد واقع ہونے والے ان حوادث کے بارے میں کوئی تردد یا شک ہو

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ تو میں شفق کی قسم اٹھاتا ہوں اور شفق اس سرخی کا نام ہے جو کہ غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کے افق پر نمودار رہتی ہے اور اس وقت تک نمازِ مغرب کا

marfat.com
Marfat.com

وقت باقی ہے جیسا کہ امام شافعی اور صاحبین کا مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (محقق علی الاطلاق ابن الہام نے فتح القدیر میں اس کا رد کیا ہے۔ شامی ج ا ص ۳۶۱ میں اختیار سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شفق سے مراد سفیدی ہے اور یہ حضرت ابوبکر الصدیق' معاذ بن جبل اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے جبکہ امام بیہقی نے شفق بمعنی سرخی صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بعض روایات میں منقول ہے کہ شفق اس سفیدی کا نام ہے جو کہ سرخی ختم ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور دیر تک رہتی ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے اس مذہب سے رجوع فرمالیا ہے۔

(محقق ابن الہام کے شاگرد رشید علامہ قاسم نے تصحیح القدوری میں فرمایا کہ آپ کا رجوع ثابت نہیں ہے کیونکہ ائمہ ثلاثہ سے لے کر آج تک تمام اکابرین نے دونوں اقوال کی حکایت کی ہے۔ دیکھئے شامی ج ا ص ۳۶۱۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور عربوں کا شفق کو اپنے شعروں میں سرخ رنگوں کے ساتھ تشبیہ دنے کے مقام میں استعمال کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہے نہ کہ سفیدی۔

اور وہ جو بعض علماء نے فرمایا ہے کہ دن کی ابتدا میں مشرقی افق کی سرخی روزہ اور نماز میں سے کسی باب میں معتبر نہیں ہے بلکہ معتبر سفیدی ہے جسے صبح صادق کہتے ہیں تو چاہیے کہ نماز مغرب کا وقت نماز صبح کے وقت کے برعکس ہو کہ اس کی ابتدا غروب آفتاب اور اس کی انتہا مغرب کی سفیدی کے زائل ہونے سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ نماز فجر کے وقت کی ابتدا سفیدی کے طلوع سے ہے اور اس کی انتہا طلوع آفتاب سے ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فجر کا وقت تاریکی میں نور کے ظہور کا وقت ہے اور نور کے ظہور کی ابتدا صبح صادق کے طلوع سے ہے جو کہ سفیدی ہے' ہر عام خاص کو محسوس ہوتی ہے کیونکہ پہلے رات کی تاریکی میں تھے جبکہ مغرب کا وقت اس نور میں جس میں پہلے تھے' تاریکی لاحق ہونے کا وقت ہے اور سرخ شفق کے جانے کے بعد عام خاص کی نظر میں تاریکی میں کوئی امتیاز نہیں رہتا اور سورج کے اثر کا بقایا بالکل زائل ہو جاتا ہے پس اس وقت کو سرخی کے جانے پر مقرر کرنا زیادہ مناسب

marfat.com

Marfat.com

ہے اور اس وقت کو سفیدی آنے پر مقرر کرنا موزوں ہے اور دونوں وقتوں میں فرق نور پر تاریکی کو پہلے لانے اور اس کے عکس کے ساتھ ہے اس لیے کہ حکمت کا قاعدہ ہے کہ دو ضدوں میں سے ایک کے ساتھ حس کا متاثر ہونا دوسری ضد کے احساس کی سرعت اور قوت کا موجب ہوتا ہے اور اس ضد کے اثر کی کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ رات کی قسم ہے اور اس کی جسے رات جمع کرے انسانوں اور جانوروں سے اس لیے کہ جاندار کی ہمیشہ کی عادت ہے کہ دن میں روزی کی تلاش کے لیے اپنے مکان سے باہر نکلتا ہے اور ہر کوئی کسی طرف جاتا ہے۔ اور یوں سب پھیل جاتے ہیں اور منتشر ہو جاتے ہیں اور جب رات آتی ہے اس کے تمام رشتے دار اور تعلق والے ایک گھر میں جمع ہو جاتے ہیں اور مل کر رات گزارتے ہیں تو گویا رات متفرق افراد کو جمع کرنے والی ہے اسی لیے اچھے اور برے کام جن کا تعلق چھپانے اور پردہ کرنے کے ساتھ ہے جیسے ذکر کے حلقے' تراویح کی جماعت اور رقص اور شراب خوری کی محفلیں سب کی سب رات کو منعقد ہوتی ہیں اور ان کے لیے اجتماع متحقق ہوتا ہے۔

وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ اور چاند کی قسم جب اس کا نور پورا ہو جائے اور شام سے صبح تک رات کی تاریکی کو دور کرے اور اجنبیت کے پردے کو اٹھائے۔

## موت کے بعد آدمی کی تین حالتیں

اور یہ تینوں چیزیں یعنی شفق' اندھیری رات اور چمکتا چاند ان تین حالتوں کا نمونہ ہیں جو کہ مرنے کے بعد جو کہ گویا زندگی کے آفتاب کے غروب کا نمونہ ہے' آدمی پر طاری ہوں گی۔ پہلی وہ حالت جو کہ صرف روح کے بدن سے جدا ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوگی کہ گزشتہ زندگی کا کچھ اثر اور بدن اور ابنائے جنس میں سے شناساؤں کے ساتھ تعلق کی الفت باقی ہے اور وہ وقت گویا دنیوی زندگی اور قبر کی دنیا میں بہمہ وجوہ منہمک ہونے کے درمیان برزخ ہے کہ اس میں کچھ یہاں کی اور کچھ وہاں کی چیزیں ہیں اور بعینہٖ شفق باقی رہنے کے وقت کی طرح ہے کہ ابھی مخلوقات کے کام کاج اور ان کی آمدورفت منقطع نہیں ہوئی اور سب جان دار' بے دار' حساس اور متحرک ہیں اور دن کے باقی ماندہ کاموں میں مصروف۔

marfat.com
Marfat.com

## میت کے لیے خیرات، فاتحہ اور ایصالِ ثواب

اور یہ کچھ نیکیوں اور بُرائیوں کی جزا کے ظاہر ہونے کی حالت ہے اور مرنے والوں کے لیے زندوں میں مدد اس حالت میں نسبتاً جلد پہنچتی ہے اور مرنے والے اس طرف سے امداد ملنے کے منتظر ہوتے ہیں اور وہ یوں گمان کرتے ہیں کہ ابھی ہم زندہ ہیں اسی لیے حدیث شریف میں قبر کے حالات کے بارے میں واقع ہے کہ وہاں مسلمان کہتا ہے کہ دعونی اصلی مجھے چھوڑ دو تاکہ میں نماز پڑھ لوں۔ نیز وارد ہے کہ مرنے والا اس حالت میں اس ڈوبنے والے کی طرح ہوتا ہے جو کہ فریادرسی کا انتظار کرتا ہے اور اس وقت صدقات، دعائیں اور فاتحہ شریف بہت کارآمد ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ ایک سال تک خصوصاً چہلم تک موت کے بعد اس قسم کی امداد میں بہت کوشش کرتے ہیں اور مرنے والے کی روح بھی موت کے قریب خواب میں اور عالم مثال میں زندوں سے ملاقات کرتی ہے اور اپنا مافی الضمیر بیان کرتی ہے۔

(اقول و باللہ التوفیق فاتحہ سوئم یعنی تیجا اور اسی طرح دسواں، چالیسواں، ششماہی اور سالانہ کی یہی حکمت ہے اور مفسر علام رحمۃ اللہ علیہ کی صراحت کے مطابق میت کو اس کا انتظار شدید رہتا ہے اور اس سے اسے بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف ج ا کتاب الوصایا میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے وصال کے بعد انہوں نے پوچھا یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ھل ینفعھا ان اتصدق عنھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم فقال حائط کذا و کذا صدقۃ عنھا عرض کی کیا والدہ کی طرف سے صدقہ کروں تو اسے نفع پہنچے گا؟ فرمایا پہنچے گا۔ عرض کی پھر میرا فلاں باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔ اس کارِ خیر سے روکنے والوں کے امام مذہب مولوی اسماعیل دہلوی نے اس حقیقت کو اپنی کتاب صراطِ مستقیم میں یوں تسلیم کیا ہے "جب میت کو نفع پہنچانا بھی مقصود ہے تو کھانا کھلانے پر موقوف نہیں ہونا چاہیے اگر میسر ہو تو بہتر ہے ورنہ سورۃ فاتحہ اور اخلاص کا ثواب نہایت بہتر ہے۔ ایصالِ ثواب اور روحوں کے اپنے گھروں کو آنے کے مسئلے کے متعلق بہترین تحقیق کے لیے امام اہلِ سنت مجدد دین وملت اعلیٰ

marfat.com
Marfat.com

حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ الحجۃ الفائحہ اور اتیان الارواح کا مطالعہ کریں۔ نیز جاء الحق جلد اوّل از حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی سے استفادہ کریں)

دوسری حالت وہ ہے جو کہ دنیوی زندگی سے بالکل منقطع ہونے کے بعد رونما ہوتی ہے اور اسے نیکی اور بدی کی اپنی کمائی ہوئی کیفیات میں بہت زیادہ استغراق حاصل ہوتا ہے اور اس کی ادراک و تصرف کرنے والی قوتیں اس جہان سے ٹوٹ کر اس جہان کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں' اس کی معنوی حس و حرکت اس جہان سے بالکل ختم ہو جاتی ہے اور یہ حالت رات کی تاریکی کی مثل ہے جو کہ شفق کے زائل ہونے کے بعد ہجوم کرتی ہے اور لوگوں کو نیند اور حواس و حرکات معطل ہونے کی کیفیت لاحق ہوتی ہے اور وہ دن کی معروفیات سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں۔ ہاں وہ معروفیات بدن کے ظاہر سے منتقل ہو کر باطن میں جمع ہو جاتی ہیں اور روح رنگارنگ شکلوں میں ان کا مطالعہ کرتی ہے اور لذت و تکلیف حاصل کرتی ہے اور یہ حالت مرنے والے عام لوگوں کی ہے۔

## اولیائے اللہ سے بعد از وصال حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے استمداد اور نسبت اویسی کا بیان

اور اولیائے اللہ میں سے بعض خاص اولیاء کو جو کہ انسانوں کی تکمیل اور انہیں رشد و ہدایت دینے کا آلہ بن گئے ہیں اس حالت میں بھی دنیا میں تصرف کرنے کی طاقت دی گئی ہے اور ان کی قوتوں میں کمال وسعت کے پیش نظر ان کا استغراق انہیں اس طرف متوجہ ہونے سے نہیں روکتا اور اویسی مشرب والے حضرات ان سے باطنی کمالات حاصل کرتے ہیں اور حاجات اور مقاصد والے ان سے اپنی مشکلات کا حل مانگتے اور پاتے ہیں اور اس وقت ان کی زبان حال ان نغمات سے معمور ہوتی ہے۔

من آیم بجاگر تو آئی بہ تن

(اقول وباللہ التوفیق حضور غوث الثقلین محبوب سبحانی حضرت شیخ ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اور خواجۂ خواجگان عطائے رسول حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ صرف ان اکابرین میں سے ہی نہیں بلکہ اس سطح کے مقربین کے سرتاج

marfat.com
Marfat.com

اور مقتدا ہیں لہٰذا ان سے استمد اد یا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً اللہ مدد باذن اللہ اور گرداب بلا افتادکشتی مددکن یا معین الدینؒ چشتی کہنا اور ورد کرنا درست ہے کہ مفسر علام کے مطابق ایسے اکابرین سے اہلِ حاجات اپنی مشکلات کا حل مانگتے بھی ہیں اور پاتے بھی ہیں۔فللّٰہ الحمد وھو ولی الھدایۃ والتوفیق۔محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

تیسری وہ حاجت جو کہ ایام بیض کے چاند کی طرح حشر ونشر کے بعد ظاہر ہوگی کہ تاریکی کے پردے کو دُور کر کے ان کے اچھے بُرے اعمال کو کئی طریقوں سے ظاہر کرے گی اور ہر شخص نفع بخش اور نقصان دہ' دوست دشمن اور زہر وتریاق میں امتیاز کرے گا اور اسی حالت میں اعمال ناموں کا دیا جانا' اچھے بُرے اعمال کا مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا' اعمال کا وزن' نیکی بدی کا حساب اور دوسرے بہت سے واقعات رونما ہوں گے اور اس حالت کی انتہا ایک اور زندگی ہے جو کہ اس جہان کی زندگی سے زیادہ کامل ہے لیکن چونکہ وہ زندگی بدلتی نہیں' یکساں ہمیشہ قائم ہے اس کے لیے کوئی مثال نہیں کہ اسے قسم کے مقام پر لایا جائے بلکہ وہ زندگی نئے بدلتے ہوئے حالات کے قبیلے سے بھی نہیں کہ اسے ان حالات کے بیان کے مقام میں لایا جائے اس بناء پر انہیں تین قسموں پر اکتفاء فرمایا گیا جس مضمون کو ثابت کرنا منظور ہے' اسے بیان فرمایا جارہا ہے کہ

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ تم ضرور ایک حال سے گزر کر دوسرے حال پر پہنچو گے یعنی اس دنیا کے بعد تم پہلے ایک حال پر رہو گے جسے تم رجوع الی اللہ سمجھو گے۔اس کے بعد اس حالت سے گزر کر ایک اور حالت میں پہنچو گے اور جان لو گے کہ رجوع کی حالت یہی ہے۔اور پہلی حالت تو اس حالت کی تمہید تھی۔علیٰ ہذا القیاس یہاں تک کہ جنت اور دوزخ میں جگہ پاؤ اور سفر ختم ہو جائے اور اس کے بعد ہمیشہ کے لیے قیام کرو۔

اور اس لیے کہ اس حالت میں گزرنا منزلیں عبور کرنے اور مرحلے طے کرنے کے مشابہ ہے یہاں رکوب کا لفظ لایا گیا جو کہ سوار ہونے کے معنوں میں ہے اور چونکہ یہ حرکت اوپر جانے کی ہے کہ لوگ نچلے خاکدان سے عالم بالا کی بلندی کی طرف جاتے ہیں اس لیے اس کے حالات اور منزلوں کو طبق عن طبق فرمایا گیا ہے کیونکہ طبق عن طبق تہ بہ تہ کو کہتے ہیں

marfat.com
Marfat.com

جیسا کہ آسمان کے سات طبق مشہور ہیں اور عرف کی زبان میں طبقات عمارات کا لفظ رائج ہے۔

اور چونکہ ہر دن رات اور ہر سال و مہینہ میں ان انقلابات کے دلائل ہر خاص و عام کی نظر میں موجود ہیں' موت کے بعد ان حالات کے پیدا ہونے پر کافروں کے ایمان نہ لانے اور یقین نہ کرنے کو غیر معقول قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ان کفار کو کیا ہے کہ اس واضح بیان اور روشن مثالوں کے باوجود ایمان نہیں لاتے اور یقین نہیں کرتے کہ ہمیں موت کے بعد ایک لوٹنا اور ایک سفر درپیش ہے اور اس سفر کا غم نہیں کرتے اس کے لیے سفر خرچ تیار نہیں کرتے اور اس جہان کے نفع و نقصان کے ہوش نہیں کرتے جو کہ اس سفر کی انتہا ہے۔

اور بعض مفسرین نے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ کو ایک اور معنی پر محمول کیا ہے' جس کی اس مقام کے ساتھ اتنی مناسبت نہیں ہے اور اگرچہ وہ امر واقعی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ خطاب ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو ہے اور مراد جھڑکنا ہے یعنی تم بھی گناہوں کے ایک طبقے کے بعد دوسرے طبقے کے مرتکب ہوگے یعنی پہلی اُمتوں کی طرح کہ انہوں نے جو صغیرے اور کبیرے گناہ اور الحاد و بدعت کی جو قسمیں اپنائی تھیں' تم بھی وہی کرو گے۔
چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت سے فرمایا کہ تم بھی پہلے لوگوں کے تتبع میں بعینہٖ وہی کرو گے جو انہوں نے کیا بالشت کے برابر بالشت اور گز کے برابر گز یعنی اگر پہلوں نے راہِ حق سے گز بھر دُوری اختیار کی تھی تو تم میں سے بھی بعض لوگ اسی قدر حق سے دُوری اختیار کریں گے اور اگر پہلے لوگ بالشت بھر دُور ہوئے تھے تو تم میں سے ایک گروہ اسی قدر دُور ہوگا یہاں تک کہ اگر پہلوں میں سے کسی بدبخت نے اپنی ماں سے کھلم کھلا بُرائی کا ارتکاب کیا ہوگا تو تم میں سے بھی بعض لوگ ایسا کریں گے اور پہلوں سے اگر کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہے' تم میں سے بھی کوئی اس سوراخ میں داخل ہوگا۔

نیز صحیح حدیث شریف میں ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو توڑنے' رسول علیہ السلام

marfat.com
Marfat.com

اور قیامت کو جھٹلانے اور دوسرے گناہوں کے مرتکب ہونے میں تمہارا حال بعینہٖ پہلی اُمتوں کے مطابق اور موافق ہے جس طرح کہ ایک جوتا دوسرے جوتے کے مطابق ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان ایک جو کے برابر بھی فرق نہیں ہوتا البتہ تم چند چیزیں زیادہ کرو گے جو کہ پہلی اُمتوں میں نہ تھیں۔

## وہ گناہ جو کہ پہلی اُمتوں میں نہ تھے اس اُمت میں ہیں

جیسے آزاد لوگوں کو بیچنا ہے یعنی جو شخص آزاد ہو اور وہ کسی کا غلام یا کنیز نہیں اسے مکر اور حیلے کے ساتھ بیچنا اور اس کی قیمت ہضم کرنا' ستر بازی یعنی دو عورتوں کی باہم شہوت رانی۔ رسول علیہ السلام پر ایمان لانے کا دعویٰ کرنے کے باوجود ان کی اولاد کو قتل کرنا کہ یہ کام کسی اُمت میں نہیں ہوا دوسرے کفار نے اگرچہ اپنے رسولوں علیہم السلام کو شہید کیا ہے اور انہیں ستایا ہے لیکن ایمان کا دعویٰ کیے بغیر کفر کی حالت میں۔

اور بعض قاریوں نے لَتَرْكَبَنَّ کو با کی زبر سے پڑھا ہے اور مفسرین نے اس کے معنوں میں یوں کہا ہے کہ یہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور اس سے معراج کا وعدہ مراد ہے کہ آپ براق پر سوار ہو کر یکے بعد دیگرے آسمان کے ساتوں طبقات سے ضرور گزریں گے اور یہ معنی بھی آیات کے سیاق و سباق کے ساتھ بالکل مناسبت نہیں رکھتا بلکہ با کی زبر کی صورت میں بنی آدم میں سے ہر کسی سے خطاب ہے جیسا کہ ضمہ کی صورت میں بنی آدم سے مجموعی خطاب ہے۔

بہرحال ظاہر معنی وہی ہے جو کہ ذکر کیا جا چکا ہے اور مقصد کفار کو ڈانٹنا ہے جو کہ سفر آخرت کے نمونوں کو دیکھنے کے باوجود اس سفر کا انکار کرتے ہیں اور وہاں کے حادثے کے حالات پر ایمان نہیں لاتے اور اگر ان کی عقل خود بخود ان حالات کی دریافت تک نہیں پہنچتی تھی تو چاہیے تھا کہ قرآن پاک کے بیان سے فائدہ حاصل کرتے لیکن یہ آخرت پر ایمان لانے سے اتنے دُور ہیں کہ ان مضامین کو قرآن پاک میں سُن کر بھی نہیں مانتے۔

وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے اور اس کی عاجز کر دینے والی عبارت سُن کر حیرت میں ڈوب جاتے ہیں لیکن عاجزی اختیار نہیں کرتے اور

marfat.com
Marfat.com

جب مسلمان اپنی عاجزی کے اظہار کے لیے سجدہ کرتے ہیں' وہ
لَا يَسْجُدُونَ سجدہ نہیں کرتے حالانکہ حضرت حق جل شانہ جو کہ اعجاز پر مبنی قرآن نازل فرمانے والا ہے' کے لیے سجدہ کسی آئین اور مذہب میں ممنوع نہیں ہے اور وہ صرف نہ ماننے اور سجدہ نہ کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے۔

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ بلکہ جو لوگ کافر ہیں' قرآن پاک کا انکار کرتے ہیں اگرچہ زبان سے نہیں کہتے لیکن حق تعالیٰ ان کے دلوں میں موجود انکار کو جانتا ہے۔
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ وہ (باطن) کے ظرف میں رکھتے ہیں یعنی تکذیب و انکار کے علاوہ احکامِ خداوندی کی مخالفت' اس کی نافرمانی' دنیوی زندگی کی مسرت اور خوشی' یہ گمان کہ ہمیں آخرت کا سفر درپیش نہیں ہے' گناہوں اور شہوتوں کی محبت اور اپنے رُسل علیہم السلام کے ساتھ مکر و فریب سے جو کچھ ان کے باطن کے ظرف میں بھرا پڑا ہے' اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے۔
اور يُوعُونَ کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ ناعاقبت اندیش لوگ ان قبیح چیزوں کو پوری احتیاط کے ساتھ اپنے باطن کے ظرف میں سنبھالے ہوئے ہیں حالانکہ ضرورت کے وقت جب یہ موذی چیزیں اس برتن سے باہر آئیں گی تو انہیں معلوم ہوگا کہ ہم نے کیا غلطی کی اور رات کی تاریکی میں پھولوں کا ہار سمجھ کر سیاہ سانپ کو گردن میں ڈال لیا اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق در شب دیجور

یعنی صبح کے وقت تجھے روزِ روشن کی طرح پتہ چل جائے گا کہ اندھیری رات میں تو نے کس سے عشق کیا۔
لیکن جب یہ جاہل لوگ ان برائیوں کو اچھائیاں خیال کرتے ہیں اور آئندہ نفع کے لیے جمع کیے ہوئے خزانے کی طرح پانی اور مٹی کے برتنوں میں نہیں بلکہ جان و دل کے برتنوں میں ان کی حفاظت کرتے ہیں تو آپ کو بھی چاہیے کہ ان کے باطل اعتقاد کے مطابق

marfat.com
Marfat.com

تحکم واستہزاء کے طریقے سے گفت وشنید کریں۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ تو آپ انہیں ان کے دنیوی سرور اور خوش وقتی کے بدلے دردناک عذاب کی بشارت دیں اور یہاں بشارت کا لفظ ڈرانے دھمکانے کے لیے استعارہ تہکم ہے یعنی ان سے استہزاء کرنے کے لیے عاریۃً لیا گیا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی ان میں سے سب کے ساتھ عذابِ الیم کا وعدہ فرمائیں مگر ان لوگوں کے ساتھ نہیں جو کہ ایمان لائیں اور عمل صالح اپنائیں اور اپنے کفر اور گناہوں کو اس سبب سے صاف کر دیں کہ ان پر کوئی عذاب نہیں ہے نہ الیم نہ غیر الیم بلکہ لَهُمْ اَجْرٌ ان کے لیے ایمان' نیک اعمال اور کفر وگناہ کو دُور کرنے پر ایک ایسا اجر ہے غَيْرُ مَمْنُوْنٍ جو کہ ختم ہونے والا نہیں ہے' ابدی ہے اگرچہ نیند اور غفلت کے وقت ان کا ایمان منقطع ہو گیا تھا اور ان کے نیک اعمال بھی بیماری' مصروفیت' سفر اور موت کی وجہ سے منقطع ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اس غیر دائمی ایمان کو ایمان دائمی کا حکم عطا فرمایا اور اس منقطع ہونے والے عمل کو ہمیشہ کے عمل کی صورت میں قبول فرمائے اور اس کے بدلے نعمت جاودانی عطا فرمائی۔

## سجدۂ تلاوت کے وجوب کا بیان

اور یہ سورۃ سجدے کی سورتوں میں سے ہے اور آیت لایسجدون کے بعد سجدے کا محل ہے۔ اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سجدہ ترک کرنے پر یہاں وارد ہونے والی مذمت اور عذاب سے اس بات پر دلیل لی ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے اس لیے کہ ترک سنت پر مذمت اور عتاب نہیں ہوتا جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے اور وہ اس دلیل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں سجدے سے مراد عاجزی اور انکساری کرنا ہے اور نماز میں فرض سجدہ کی ادائیگی کا پختہ عزم کرنا ہے نہ کہ سجدۂ تلاوت اور اس جواب میں ایک اُلجھن ہے اس لیے کہ اگر مراد یہ تھی تو یہاں سجدۂ تلاوت مسنون کیوں ہوتا حالانکہ صحیح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے یہ سورۃ نمازِ عشا میں تلاوت فرمائی ہے اور اس مقام پر سجدہ فرمایا ہے اور مقتدیوں اور سننے والوں نے بھی آپ کے ہمراہ

marfat.com

Marfat.com

سجدہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اس جماعت میں داخل تھے اور ظاہر ہے کہ جب اس آیت میں ان کفار کی مذمت فرمائی گئی جو کہ سجدہ نہیں کرتے تو ایمان والے کے لیے لازمی چاہیے کہ کفار کی مخالفت کے طور پر سجدہ کرے اور قرآن پاک میں جتنی بھی آیاتِ سجدہ ہیں یا تو ان میں سجدہ ترک کرنے پر کفار کی مذمت ہے یا سجدہ کرنے کی وجہ سے ایمان والوں اور فرشتوں کی تعریف لیکن یہ لازم ہوا اس طرف سے ہے یعنی قرآن پاک میں جو سجدہ بھی ہے اس قسم کی آیات میں ہے نہ کہ اس کے برعکس اس لیے کہ قرآن پاک میں کئی مقام ہیں جہاں اس قسم کی آیات آئی ہیں اور وہاں سجدہ نہیں ہے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ آیاتِ سجدہ توقیفی ہیں' قیاسی نہیں ہیں۔

# سورة البروج

سورۃ البروج مکی ہے اس کی بائیس (۲۲) آیات' ایک سو نو (۱۰۹) کلمات اور چار سو تیس (۴۳۰) حروف ہیں۔

## سورۃ الانشقاق سے رابطے کی وجہ

اور اس سورۃ کے سورۃ الانشقاق کے ساتھ رابطے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ابتدا میں آسمان کا پھٹنا بیان کیا گیا جو کہ قیامت کے دن ہوگا جبکہ اس سورۃ میں آسمان کا دنیا میں بارہ (۱۲) مساوی قسموں میں منقسم ہونا بیان کیا گیا ہے جس میں سے ہر ایک کا حکم جدا ہے اور اس سورۃ کی انتہا میں بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ واقع ہے جبکہ اس سورۃ کے آخر میں بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ہے اور یہ دونوں مضامین ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد رکھتے ہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور اس سورۃ کے وسط میں جنتیوں اور جہنمیوں کے حال کا ذکر ہے جس طرح کہ اس سورۃ کے وسط میں بھی وہی ذکر ہے۔ پس دونوں سورتوں میں پوری مناسبت حاصل ہوگئی۔

## سببِ نزول

اور اس سورۃ کے نزول کی وجہ یہ تھی کہ کفارِ مکہ مسلمانوں کو اسلام کی وجہ سے قسم قسم کی

marfat.com

Marfat.com

تکالیف اور دُکھ پہنچاتے تھے اور مسلمان یہ شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں عرض کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے بدلہ لینے کی طاقت بخشے گا اور جو سلوک وہ تمہارے ساتھ کرتے ہیں' تم ان کے ساتھ کرو گے۔ کفار نے جب یہ ماجرا سنا تو طنز اور مذاق کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ان کمزور' ذلیل اور بے مایہ لوگوں کے لیے کیا امکان ہے کہ ہم سے بدلہ لینے کی طاقت حاصل کریں اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہماری عزت اور ان کی ذلت ثابت نہ ہوتی تو ہمیں ان پر غلبہ کیوں دیا جاتا۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہر وقت اور ہر آن میں ہمارے نصیب ہے جبکہ ذلت' عاجزی اور رسوائی ان کے نصیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس گفتگو کے جواب میں یہ سورۃ نازل فرمائی اور اس سورۃ کی ابتدا میں آسمان کی قسم اُٹھائی جس کے بارہ (۱۲) برج ہیں اور ہر برج جہان اور جہان والوں کے انقلاب کا موجب ہوتا ہے' کئی چیزیں جو کہ ایک برج کے حکم کے مطابق بہت عزیز تھیں دوسرے برج میں خوار' ذلیل اور بے وقعت ہو جاتی ہیں جیسا کہ گرمیوں میں پشمینہ کی چادر اور کوٹ اور سردیوں میں ٹھنڈا پانی' لذیز شربت اور برف یہاں سے چاہیے کہ وہ حالات کے بدل جانے کا سراغ لگائیں اور اپنی عزت پر مغرور نہ ہوں اور مسلمانوں کی کمزوری پر طعن اور مذاق نہ کریں کیونکہ وہ ہر سال مختلف موسموں میں اس قسم کے انقلاب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ اس سورۃ کو سورۃ البروج اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس سورۃ میں نیکی اور بدی کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے اور سعادت و نحوست کے ایک دوسرے سے بدلنے کو بیان کرنا منظور ہے تاکہ پتہ چلے کہ جو شخص مسلمانوں کو تکلیف اور دُکھ دیتا ہے اور وہ پورا غلبہ اور قوت رکھتا ہے' ہو سکتا ہے کہ میرے انتقام میں گرفتار ہو جائے اور عوام کے نزدیک سعادت اور نحوست کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے کا سب سے مشہور سبب آسمان کے بارہ (۱۲) برج ہیں اسی لیے اس بارے میں بارہ (۱۲) قمری مہینوں کا اعتبار نہیں فرمایا گیا ہے اس لیے کہ ان کے اختلاف کی وجہ سے جہان میں ایک انقلاب محسوس نہیں ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قمری مہینے ہر موسم میں آتے ہیں اور اس موسم کا حکم حاصل کرتے ہیں اور

marfat.com
Marfat.com

برجوں کے احکام کے انقلاب کی وجہ سے خود بھی انقلاب پذیر ہو جاتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ برجوں والے آسمان کی قسم! اور ہر برج نیکی' بدی اور سعادت ونحوست میں جدا حکم رکھتا ہے اور احکام کے مختلف ہونے کے باوجود چکر کے ساتھ ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔ ایک مدت تک اس کا حکم دنیا میں جاری ہوتا ہے پھر زائل ہو جاتا ہے پھر لوٹتا ہے۔ پس ایک شخص کے حق میں ایک حالت کے ہونے اور دوسرے کے حق میں اس کے نہ ہونے پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ موجودہ حالت معدوم ہو جائے اور وہ معدوم حالت پھر آ جائے۔

## برجوں کی حقیقت

اور برجوں کی حقیقت یہ ہے کہ سورج کے گھومنے کی وجہ سے آسمان میں دائرہ پیدا ہو جاتا ہے جسے دائرۃ البروج کہتے ہیں اور سورج اس دائرے کو ایک سال کی مدت میں پورا کرتا ہے جب اس دائرے کو بارہ (۱۲) برابر قسموں میں تقسیم کریں' ہر قسم کا نام برج رکھیں تو بارہ (۱۲) برج پیدا ہوں اور کمی بیشی کے بغیر اس دائرے کو بارہ (۱۲) قسموں میں تقسیم کرنے کی وجہ کہ دربار خداوندی سے تمام بنی آدم کے ذہنوں میں یہی ڈالا گیا اور ہندوؤں' فارسوں' یونانیوں' عربیوں' فرنگیوں اور دیگر اقوام کے تمام گروہ اس پر متفق ہیں۔ یہ ہے کہ جب فلک کی منزلوں میں سے ہر منزل میں سورج کے ٹھہرنے کی مدت کے لیے ایک موسم مقرر کیا گیا ہے کہ ان موسموں کی ہوا اور خاصیت ایک دوسرے سے مختلف ہے جیسے موسم ربیع اور خریف اور گرمی اور سردی اور ہر موسم کی ایک ابتدا' درمیان اور ایک انتہا ہے کہ ان حالات میں اس موسم کا حکم قوت اور ضعف میں مختلف ہو جاتا ہے' ناچار اس بناء پر فلک کو بارہ (۱۲) قسموں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر قسم کا نام برج رکھا گیا ہے۔

نیز سورج کو اپنے ایک مکمل دورے میں بارہ (۱۲) مرتبہ قمر کے ساتھ جمع ہونے کا اتفاق ہوتا ہے کہ دونوں فلک کی ایک جگہ سے اکٹھے ہوتے ہیں اور قمر کے ہر اجتماع سے آخر تک قمری مہینہ ہے۔ ناچار شمس وقمر کے اجتماعات کے بعد فلک کو بارہ (۱۲) قسموں میں کر دیا

marfat.com
Marfat.com

گیا اور ہر قسم کے لیے ایک برج مقرر کیا گیا ہے اور اس برج میں ستاروں کے جمع ہونے کی وجہ سے جو شکل پیدا ہوئی اسی کے مطابق اس برج کا نام رکھا گیا جیسے حمل' ثور' جوزا' سرطان' اسد' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو اور حوت یعنی مینڈھا' بیل' بکرا' کیکڑا' شیر' گیہوں کا خوشہ' ترازو' کمان' بزغالہ' ڈول اور مچھلی

اور ان برجوں میں سے ہر ایک کے لیے حرکت آفتاب کے دنوں کی مقدار کو تیس (۳۰) قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اس برج کی ہر قسم کو درجہ کا نام دیا گیا ہے اور ہر درجے کو ساٹھ (۶۰) قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اس درجے کی ہر قسم کو دقیقہ کہتے ہیں کہ ہندی زبان میں اس مقدار کے گزرنے کی مدت کو گھڑی کہتے ہیں اور ہر دقیقے کو ساٹھ (۶۰) قسموں میں تقسیم کر کے ثانیہ کہتے ہیں جسے ہندی زبان میں پل کہتے ہیں اور ہر ثانیے کو ساٹھ (۶۰) قسموں میں تقسیم کر کے ثالثہ کہتے ہیں جسے ہندی زبان میں چھن کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

اور یہ بارہ (۱۲) برج شکل اور احکام میں آپس میں بالکل مختلف ہیں۔ پس حمل ایک مینڈھے کی شکل میں ہے جس کا سر مغرب کی طرف ہے اور دُم مشرق کی طرف اور منہ پیچھے کی طرف کر کے کسی چیز کو دیکھتا ہے اور جو ستارے اس کی شکل میں واقع ہیں' تیئس (۲۳) ستارے ہیں اور پانچ دوسرے ستارے بھی اس کی شکل کے ساتھ ایک تعلق رکھتے ہیں اگرچہ شکل سے باہر واقع ہوئے ہیں۔

ثور ایک بیل کی شکل میں ہے جس کا سر مشرق کی طرف اور دُم مغرب کی طرف ہے اور اس کی شکل بتیس (۳۲) ستاروں سے مرکب ہے اور دوسرے ستارے جیسے عین الثور اور ثریا جو کہ انگور کے خوشے کی شکل ہے اور کچھ اور ستارے بھی اس کی شکل سے تعلق رکھتے ہیں اگرچہ شکل سے باہر ہیں۔

اور جوزا دو آدمیوں کی شکل میں ہے جو کہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور چمٹے ہوئے ہیں جن کے سر شمال اور مشرق کی جانب اور پاؤں جنوب اور مغرب کی طرف ہیں اور اس برج کی شکل میں اٹھارہ (۱۸) ستارے داخل ہیں اور سات ستارے باہر ہیں' ذراع اور

marfat.com
Marfat.com

ہقعہ وغیرہما۔

اور سرطان ایک معروف جانور کی شکل پر ہے جسے فارسی میں خرچنگ اور ہندی میں کیکڑا کہتے ہیں اور اس کی شکل نوستاروں سے مرکب ہوئی ہے۔

اور اسد شیر کی شکل میں ہے جو کہ ستائیس (۲۷) ستاروں سے مرکب ہے اور کچھ دوسرے ستارے جیسے قلب الاسد اور زبرہ بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں۔

اور سنبلہ ایک عورت کی شکل میں ہے جس کے ہاتھ میں ایک خوشہ ہے اس عورت کا سر اسد کی دُم کی طرف اور اس کے پاؤں میزان کی طرف ہیں اور چھبیس (۲۶) ستاروں سے مرکب ہے اور کچھ دوسرے ستارے بھی اس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور اس کے خوشہ والے ہاتھ کے متصل ایک سیارہ ہے جسے سماک اعزل کہتے ہیں۔

اور میزان ترازو کی صورت میں آٹھ ستاروں سے مرکب ہے۔

اور عقرب بچھو کی صورت میں ہے اکیس (۲۱) ستاروں سے مرکب ہے اور قلب العقرب' اکلیل اور چند دوسرے ستارے بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں۔

اور قوس ایک مرد کی شکل میں ہے جس کے ہاتھ میں کمان اور تیر ہے اور اکیس (۲۱) ستاروں سے مرکب ہے۔

اور جدی ایک بزغالہ یعنی بکری کے بچے کی شکل میں ہے' اٹھائیس (۲۸) ستاروں سے مرکب ہے۔ سورذابح بھی اس کے متعلق ہے۔

اور دلو بھی ایک ایسے آدمی کی صورت میں ہے جو ڈول کو کنویں سے نکال کر ہاتھ میں پکڑ کر اس ڈول کو اُلٹا کیے ہوئے پانی زمین پر گرا رہا ہے اور اس کی شکل بیالیس (۴۲) ستاروں سے مرکب ہے۔

اور حوت دو مچھلیوں کی شکل میں ہے جو کہ آپس میں پشت اور پیٹ چمٹائے ہوئے ہیں' ان میں سے ایک کو سمک مقدم کہتے ہیں جو جنوب کی طرف ہے اور یہ دونوں مچھلیاں ستاروں سے مرکب ہیں' یہ برجوں کی شکلوں کے مختلف ہونے کا بیان ہے۔

احکام کے مختلف ہونے کا بیان تو حمل' مریخ کا گھر' زہرہ کا وبال اور

marfat.com
Marfat.com

آفتاب کا شرف ہے۔ انیسویں (۱۹) درجے میں ہے اور زحل کا ہبوط ہے۔ ہبوط کسی ستارے کا ایسے برج میں آنا ہے جس کا اثر نحوست ہو اور حمل کو برج مذکر' نہاری یعنی دن والا گرم خشک صفراوی' برج منقلب' ربیعی اور شمالی کہتے ہیں۔

اور ثور زہرا کا گھر' مریخ کا وبال' قمر کا شرف ہے۔ تیسرے درجے میں ہے اور اسے مؤنث' لیلی یعنی رات والا سرد' خشک' سوداوی اور ثابت شمار کرتے ہیں۔

اور جوزا عطارد کا گھر' مشتری کا وبال' راس کا شرف اور ذنب کا ہبوط ہے' اسے مذکر' نہاری' گرم و تر' دموی اور دو جسموں والا خیال کرتے ہیں۔

اور سرطان قمر کا گھر' زحل کا وبال' مشتری کا شرف' مریخ کا ہبوط' مؤنث' لیلی اور برج منقلب یعنی بدلنے والا ہے۔

اور اسد شمس کا گھر' زحل کا وبال ہے اور اس میں شرف اور ہبوط نہیں ہے اور ثابت یعنی قائم رہنے والا مذکر' نہاری' گرم و خشک اور صفراوی ہے۔

اور سنبلہ عطارد کا گھر' عطارد کا شرف' مشتری کا وبال' زہرہ کا ہبوط اور دو جسموں والا ہے اور مؤنث لیلی' سرد اور خشک اور سوداوی ہے۔

اور میزان زہرہ کا گھر' مریخ کا وبال' زحل کا شرف' آفتاب کا ہبوط' برج منقلب' مذکر' نہاری' گرم و تر اور دموی ہے۔

اور عقرب مریخ کا گھر' زہرہ کا وبال' قمر کا ہبوط' برج ثابت' مؤنث' سرد و تر اور بلغمی ہے۔

اور قوس مشتری کا گھر' عطارد کا وبال' ذنب کا شرف' راس کا ہبوط' دو جسموں والا' مذکر' نہاری' گرم' خشک اور صفراوی ہے۔

اور جدی' زحل کا گھر' قمر کا وبال' مریخ کا شرف' مشتری کا ہبوط' برج اور مؤنث ہے۔

اور دلو' زحل کا گھر' آفتاب کا وبال ہے اور اس سے کسی ستارے کو شرف اور ہبوط نہیں ہے اور برج ثابت ہے اس کی ہوا گرم اور تر' مذکر اور نہاری ہے۔

اور حوت' مشتری کا خانہ' عطارد کا وبال اور اس کا ہبوط' زہرہ کا شرف' مؤنث' لیلی'

marfat.com
Marfat.com

سرد تر، بلغمی اور دو جسموں والا ہے۔

بہر حال ان برجوں کے ظاہر خواص اور احکام سے جو کہ عوام کے ذہنوں میں بہت روشن اور واضح ہیں، موسموں کا اختلاف ہے جس کے ضمن میں تمام جہان میں عزت و ذلت کا آگے پیچھے آنا اور باہم بدلنا رونما ہوتا ہے اور ہر سال میں یہ انقلاب برپا ہوتا ہے اور پھر دوسرے سال میں انہیں گزشتہ اطوار کے مطابق گم شدہ عزت اور معدوم ذلت پر لوٹتی ہے۔ پس یہ حالات کے بدلنے اور عزت کے ذلت اور ذلت کے عزت میں منقلب ہونے پر صریح دلیل ہوگی اور جب اس قسم کے ساتھ اس انقلاب کو ثابت فرمایا گیا جو کہ عوام و خواص کی نظر میں ہمیشہ مشہور اور محسوس ہے اب ایک عظیم انقلاب جو کہ واقع ہونے والا ہے اور عوام و خواص کی نظر سے پوشیدہ ہے اور نور نبوت علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیات کی امداد کے بغیر کسی عقل مند کی عقل خود بخود اسے دریافت نہیں کر سکتی، کو بیان کرنے کے لیے ایک اور قسم یاد فرمائی جا رہی ہے۔

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ اور مجھے اس دن کی قسم ہے جس کا جزا کے لیے وعدہ کیا جا چکا ہے اور اس روز ایک زبردست انقلاب رونما ہوگا کہ آسمان، آسمانی برج اور زمین سب کے سب اس دن اس انقلاب سے متاثر ہوں گے اور ایک نئے جہان کی از سر نو بنیاد رکھی جائے گی اور اس جہان کی ظاہری عزت والوں کو اس روز انتہائی ذلت اور اس جہان کے کمزوروں کو اس جہان میں کمال عزت حاصل ہوگی۔

## جزا کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں

اور چونکہ اس دن جزا کے لیے وعدہ کیا گیا ہے، جزا پہنچانے کے لیے تین چیزوں کے بغیر چارہ نہیں۔ پہلی چیز جزا کا حق دار دوسری چیز وہ حاکم جو کہ ہر کسی کو اس کے حق کے مطابق جزا دے اور تیسری چیز نیکی اور بدی کے وہ کام جن کے مطابق جزا دی جائے اور ان تینوں چیزوں کے بیان کے لیے کہ جس دن جمع ہوں گے، دو اور قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

وَشَاهِدٍ اور میں انسان، جن اور فرشتوں کی جنس سے ہر حاضر ہونے والے کی قسم اُٹھاتا ہوں کہ اس روز ایک جگہ جمع ہوں گے اور اتنا بڑا مجمع ترتیب پائے گا کہ اس کی مثال

marfat.com
Marfat.com

خیال میں نہیں سماسکتی اور اس اجتماع کی وجہ سے جزا کا مقدمہ پورا ہو جائے گا کیونکہ مدعی علیہ اور سب محکموں کے گواہ موجود ہوں گے۔

وَمَشْهُودٍ اور میں اس کی قسم اٹھاتا ہوں جس کے پاس حاضری ہوگی اور اس چیز کی بھی چند صورتیں ہیں۔ پہلی صورت اچھے برے عمل جو کہ محض قبر سے اٹھتے اور زندہ ہوتے ہی نمودار ہوں گے اور ہر شخص کے ہمراہ ہوں گے۔

دوسری صورت مختلف اچھی اور ڈراؤنی شکلوں میں انعام دینے اور عذاب دینے کے لیے فرشتے ظاہر ہوں گے اور ساتوں آسمانوں والے' عرش اٹھانے والے اور اعمال لکھنے والے تمام فرشتے آدمی کی نظر میں بے حجاب ظاہر ہوں گے۔

تیسری صورت: ہر کسی کو اعمال نامے دیئے جائیں گے تاکہ مطالعہ کریں۔

چوتھی صورت: ترازو حاضر کرنے کے وقت اعمال کا وزن صاف کھل جائے گا۔

پانچویں صورت: تجلی الٰہی جو کہ اس دن کی حاکم ہے' بے پردہ ظاہر ہوگی۔

چھٹی صورت: جنت اور دوزخ جو کہ اس جہان میں پوشیدہ ہیں' زینت و آرائش اور ہولناکیوں اور شدتوں کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔

اور ان چھ امور کے کھل جانے کی وجہ سے آدمی کے جسم و جان میں بلکہ تمام عالم میں ایک عمدہ انقلاب رونما ہوگا۔

## شاہد اور مشہود کی تفسیر میں اختلاف

اور شاہد و مشہود کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے جو کچھ ذکر ہوا' معتبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت امام حسن' ضحاک' مجاہد اور ابن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم لیکن امام بغوی کی معالم التنزیل اور حدیث پاک کی دوسری معتبر کتابوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے کہ ہر اس شہر اور ہر اس مسجد میں کہ جہاں جمعہ شریف پڑھا جاتا ہے اس دن کی برکتیں حاضر ہوتی ہیں جبکہ مشہود سے مراد روز عرفہ ہے کہ حج کرنے والے اس دن اطراف و اکناف عالم سے حج کے انوار حاصل کرنے کے لیے ایک خاص

marfat.com

Marfat.com

مکان میں اکٹھے ہوتے ہیں تو گویا وہ دن اسی مکان میں سکونت پذیر ہے کہ لوگ اس کے مشتاق ہوکر اس کے پاس پہنچتے ہیں۔

اور سابقہ معرف بلام قسموں کے برخلاف شاہد اور مشہود کو نکرہ لانے کی وجہ یہی ہے کہ روزِ جمعہ اور روزِ عرفہ ایک فرد میں منحصر نہیں ہیں' تکرار سے وارد ہوتے ہیں۔ بخلاف روزِ قیامت' آسمان اور آسمانی برجوں کے کہ ان میں تکرار نہیں۔

## روزِ جمعہ اور روزِ عرفہ کی فضیلت

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ وہ بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے' جمعہ کا دن ہے اس میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ اسی دن میں انہیں جنت میں داخل کیا گیا۔ اسی دن میں انہیں زمین پر اُتارا گیا اور اسی دن میں قیامت قائم ہوگی اور اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کو شرفِ قبولیت بخشا۔

نیز وارد ہے کہ جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس ساعت کو اچھے مقصد کے حصول کے لیے بارگاہِ خداوندی میں دعا و التجا میں بسر کرے تو اس کا مقصد پورا ہو جائے۔ نیز وارد ہے کہ اکثروا الصلوۃ علی یوم الجمعۃ یعنی مجھ پر جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت کرو کہ وہ متبرک دن ہے۔

نیز حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو دیکھو کہ خاک آلود اور پریشان بالوں کے ساتھ دُور دُور سے میرے گھر کا حج کرنے آئے ہیں' تم گواہ رہو کہ میں نے انہیں بخش دیا اور اس دن بخششِ الٰہی کو عام دیکھ کر شیطان چیخ و پکار کرتا ہے اور اپنے سر پر مٹی ڈالتا ہے اور اس دن کا روزہ گزشتہ اور آئندہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ ایک ہفتے کے دِنوں میں بہترین جمعہ کا دن ہے جبکہ سال کے دِنوں میں بہترین عرفے کا دن ہے یعنی ذوالحجہ کی نو (۹) تاریخ اور اگر دونوں جمع ہو جائیں تو نور علی نور ہو جائے اور ان دونوں دِنوں میں بھی ایک قسم کا انقلاب ہے اس لیے کہ جمعہ کا دن ہماری شریعت میں ہفتے کی ابتدا ہے جبکہ عرفہ کا دن عبادتِ کبریٰ جو کہ خانہ کعبہ کا

marfat.com

Marfat.com

حج ہے' کے ساتھ سال کی عبادات کی انتہا ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ہر وہ دن جس میں عظیم اجتماع واقع ہو اور لوگ کافی تعداد میں کوئی مہم سرانجام دینے یا کوئی برکت حاصل کرنے کے لیے اکٹھے ہوں' مشہود ہے اور اس دن کے حاضرین شاہد اور اس تفسیر پر مشہود روزِ جمعہ' روزِ عرفہ' دونوں عیدوں' یومِ ترویہ یعنی آٹھویں ذوالحجہ اور اجتماعات کے دوسرے دِنوں کو شامل ہے۔

اور اربابِ تفسیر کے ایک گروہ نے شاہد و مشہود کو مشہود بمعنی حضور سے نہیں لیا ہے بلکہ شہادت سے قرار دیا ہے جو کہ گواہی کے معنوں میں ہے اور اس صورت میں شاہد اور مشہود چند چیزیں ہیں۔ اوّل ذات حضرت حق جل شانہ چنانچہ حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ شاہد خدا ہے اور مشہود مخلوق' وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اور سعید بن جبیر رضی اللہ نے فرمایا ہے کہ شاہد خدا ہے اور مشہود بہ توحید' شهد الله انه لا اله الا الله

دوسری چیز یہ کہ شاہد انبیاء علیہم السلام ہیں اور مشہود علیہ اُمتیں۔ قال اللہ تعالیٰ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ

تیسری چیز یہ کہ شاہد اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں اور مشہود علیہ مکلفین۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وجاء ت کل نفس معا سائق وشهيد

چوتھی چیز یہ کہ شاہد آدمی کے اعضاء ہیں اور مشہود علیہ آدمی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُم

پانچویں چیز یہ کہ شاہد دن اور رات ہے اور مشہود بہ بنی آدم کے اعمال۔ چنانچہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مامن یوم الا و ینادی انی یوم جدید وانی علی مایعمل فی شهيد یعنی ہر روز ندا دیتا ہے کہ میں نیا دن ہوں اور مجھ میں جو عمل کیا جائے گا اس پر گواہ ہوں۔

چھٹی چیز یہ کہ شاہد آسمان اور زمین ہے کہ آسمان کا ہر ٹکڑا اور جو کچھ نیکی اور بُرائی سے اس کے نیچے واقع ہے اور اسی طرح زمین کا ہر خطہ اور جو کچھ نیکی اور بُرائی سے اس کے اوپر واقع ہے' قیامت کے دن گواہی دیں گے اور مشہود بہ وہ اچھے اور بُرے کام ہیں جو کہ آسمان

marfat.com

Marfat.com

کے نیچے اور زمین کے اوپر واقع ہوتے ہیں۔

ساتویں چیز یہ کہ شاہد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے اور آپ کی اُمت جبکہ مشہود علیہ دوسری اُمتیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔

آٹھویں چیز یہ کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ شاہد تمام ممکنات ہیں اور مشہود لہ واجب الوجود کی ذات پاک، کہ ذرات عالم میں سے ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے وجود پر گواہ ہے اور اسی تفسیر کے مطابق اہلِ کلام کی اصطلاح ہے کہ غائب کا شاہد پر قیاس درست نہیں ہے جبکہ شاہد سے غائب پر دلیل لی جاسکتی ہے۔

نویں چیز یہ کہ شاہد حجر اسود ہے اور مشہود لہ حج کرنے والے اس لیے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ الحجر الاسود یمین اللہ فی الارض یجیئی یوم القیامۃ لہ عینان یبصر بھما ولسان ینطق بہ ویشھد علی من استلمہ بحق یعنی حجر اسود زمین میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دستِ قدرت ہے' قیامت کے دن آئے گا' اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے بولے گا اور ہر اس شخص کے متعلق گواہی دے گا جس نے اسے حق کے ساتھ چوما۔

دسویں چیز یہ کہ حضرات صوفیہ قدس اسرارہم نے فرمایا ہے کہ اجلاء یعنی جلوہ گر ہونے کے مقام میں شاہد حق ہے اور مشہود خلق جبکہ طلب جلوہ کے مقام میں شاہد خلق اور مشہود حق۔

بہرحال یہ چیزیں جن کا ذکر ہوا' اپنی عظمت وشرافت کی وجہ سے اس قابل ہیں کہ ان کی قسم اُٹھائی جائے اور حاصل کلام یہ ہے کہ انقلاب احوال پر بھی دلالت کرتی ہیں اور بعض معنوں کے اعتبار سے انہیں نکرہ لانا اور مبہم رکھنا بھی ان سے مناسبت رکھتا ہے۔

## جواب قسم میں اختلاف

اور ان قسموں کے جواب کے تعین میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان قسموں کا جواب لام اور قد کے مقدر ماننے کے ساتھ قتل اصحاب الاخدود ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کلام تقدیم وتاخیر پر مبنی ہے یعنی قتل اصحاب الاخدود والسماء

marfat.com

Marfat.com

ذات البروج اور حضرت ابن مسعود اور قتادہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اس قسم کا جواب اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ہے اور اس کے درمیان جو کچھ ذکر فرمایا گیا ہے جملہ معترضہ کا حکم رکھتا ہے اور صاحبِ کشاف اور بعض متقدمین نے یوں اختیار فرمایا ہے کہ قسم کا جواب محذوف ہے یعنی لعن من یوذی المومنین لایمانھم کما لعن اصحاب الاخدود یعنی اس پر لعنت ہو جو ایمان کی بناء پر ایمان والوں کو ستائے جیسا کہ اصحابِ اخدود پر لعنت ہوئی۔

اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ قسم کا جواب اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ ہے جبکہ قتل اصحاب الاخدود کو چاروں قسموں کے بعد اس مضمون پر بطور گواہی لانے کے درمیان میں لایا گیا ہے تاکہ عقلی دلائل، نقلی دلائل کے ساتھ مل کر پوری قوت سے مقصد کو ثابت کریں۔ نیز ان قسموں سے مطلقاً عالم کا انقلاب اور ظالم سے انتقام دنیا میں دائرۂ نحوست آنے کے وقت اور یومِ موعود میں گواہوں کے قائم کرنے اور مشہود بہ کے ظاہر کرنے کا وقت ثابت ہوتا ہے اور اس واقعہ سے خصوصیت کے ساتھ یہ مقصد ایمان والوں کی امداد کے بارے میں وضاحت کے ساتھ انجام پاتا ہے۔ پس یہ واقعہ لا نابات کی مقصدیت کو پورا کرنے اور عام کو خاص پر نازل کرنے کے لیے ہے کہ مقاصد کے اندازے کے لیے اس سے چارہ نہیں۔ گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے والوں سے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی گواہ لانے اور حق ثابت کرنے کے بعد انتقام واقع ہونے والا ہے جیسا کہ ماضی میں بھی واقع ہوا کہ

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ خندق والوں کا قتلِ عام کیا گیا جس کا طول چالیس چالیس (۴۰،۴۰) گز اور عرض بارہ بارہ (۱۲،۱۲) گز تھا تاکہ مسلمانوں کو ان خندقوں میں ڈالیں اور عذاب دیں اور وہ خندقیں اس حد تک گرم تھیں کہ

اَلنَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ وہ ساری خندق ایک زبردست شعلوں کی آگ تھی یا بے پناہ ایندھن والی آگ جسے اس میں ڈال کر بہت زیادہ بھڑکایا گیا تھا اور حدیث شریف میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ کی تلاوت میں اس آیت پر پہنچتے تو فرماتے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ جهد البلاء اور خندق والوں کا یہ قتلِ عام جو واقع ہوا ایک فوری اور جلدی

marfat.com
Marfat.com

انتقام تھا جو کہ مسلمانوں کو اس میں ڈالنے کے بعد آگ کے بھڑکنے اور اس کے چنگاروں کے منتشر ہونے کی وجہ سے فی الفور ہلاک ہو گئے اور انہیں اپنے گھروں کو لوٹنے کی مہلت بھی نہ ملی اس لیے کہ یہ انتقام اس وقت رونما ہوا کہ

اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ جبکہ وہ خندقوں والے اس آگ کے کنارے بیٹھے تھے اس سے پہلے کہ کرسیوں سے اُٹھیں اور گھروں کو جائیں' جل گئے اور انہوں نے تھوڑی سی مہلت بھی نہ پائی اور اس قسم کا فوری انتقام زیادہ تر عوام کی نظر میں عبرت کا باعث ہوتا ہے اور فی الواقع اس گروہ نے ظلم کرنے میں انتہائی بے دردی کا مظاہرہ کیا اور اس فوری انتقام میں گرفتار ہوئے اس لیے کہ اور ظالم اپنے سامنے کسی کی پٹائی نہیں کراتے بلکہ پیادوں اور جیل کے نوکروں کو حکم دیتے ہیں کہ مجرموں کو سزا دیں تاکہ خلاف مروت اور جنسیت کے تقاضے کی مخالفت نہ ہو۔

وَهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ اور یہ ظالم جو کہ خندقوں والے تھے' ایمان والوں کے ساتھ جو سلوک کر رہے تھے' بذاتِ خود وہاں حاضر تھے۔

## اصحابِ خندق کے واقعات کا بیان

یہاں جاننا چاہیے کہ اصحابِ خندق کا واقعہ کہ جنہوں نے دین اور ایمان کی وجہ سے لوگوں کو آگ سے بھری ہوئی اس خندق میں ڈالا تھا اور خود بھی کسی فرصت کے بغیر فوری انتقام میں گرفتار ہو کر جہنم کا ایندھن بن گئے' حجاز کے علاقے کے قریب چار سمتوں پر واقع ہوا ہے۔ احتمال ہے کہ اس آیت سے چاروں ہی مراد ہوں اور اہلِ مکہ کو ڈرانا پیشِ نظر ہے تاکہ خود کو معلوم ان واقعات سے عبرت پکڑیں اور مسلمانوں کو ستانے میں بے دردی نہ کریں۔

### پہلا واقعہ

جو کہ شام کے ملک میں رونما ہوا اس کی کیفیت صحیح حدیث شریف میں جو کہ مسلم اور دوسری صحاح میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی روایت سے وارد ہوئی' یوں ہے کہ اس ملک میں ایک طاقت ور بادشاہ تھا اس کے پاس ایک جادوگر تھا جو کہ جادو کے فن میں پوری مہارت رکھتا تھا۔ اور اس بادشاہ کی بادشاہی کے کام کی بنیاد اس جادوگر کے جادو پر تھی جب

marfat.com

Marfat.com

بھی اس کے ملک میں کوئی مخالف پیدا ہوتا' وہ جادوگر اسے جادو کے ساتھ ہلاک کر دیتا اور جنگ اور لڑائی کی ضرورت نہ پڑتی اور مملکت کے امراء اور افسران جب بھی بادشاہ اور اس کی حرکات سے بددل ہوتے' وہ جادوگر جادو کے زور سے ان کے دلوں کو رام کر لیتا۔ علیٰ ہذا القیاس تمام مہمات میں اس کا جادو کارگر ہوتا۔ یہاں تک کہ جادوگر بوڑھا ہو گیا اور زندگی سے مایوس ہو گیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور قریب ہے کہ میں اس جہان سے چلا جاؤں' اپنے غلاموں میں سے ایک ہونہار اور ہوشیار لڑکا میرے سپرد کر دیجیے تاکہ میں اسے جادو کی تعلیم دوں تاکہ میرے بعد آپ کی مملکت کا کام کاج وہ لڑکا سرانجام دے۔

بادشاہ نے اپنے غلاموں میں سے ایک عقل مند لڑکا مقرر کر دیا کہ صبح سے شام تک جادوگر کے پاس حاضر رہے اور جادو کا فن سیکھے۔ اس لڑکے نے ہر روز جادوگر کے ہاں آمدورفت شروع کر دی اور جادو کا فن سیکھنا شروع کر دیا۔ اتفاقاً ایک دن اس نے راستے میں دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک گھر سے نکل رہے ہیں' پوچھا کہ اس گھر میں کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس گھر میں ایک راہب ہے یعنی عبادت گزار جو کہ دنیا چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہے۔ وہ لڑکا بھی راہب کے گھر میں آیا اور اس کی خدمت میں بیٹھ گیا اور اس کی گفتگو سُنی۔ راہب کے کلام نے اس کے دل میں اثر کیا اور اس گفتگو کی محبت اس کا باعث ہوئی کہ جب بھی بادشاہ کے محل سے جادوگر کے گھر جاتا' راستے میں راہب کے پاس بیٹھ جاتا اور کبھی دیر تک بیٹھنے کی وجہ سے جادوگر اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتا کہ تو نے دیر کیوں کی؟ وہ کہتا کہ مجھے گھر میں دیر ہو گئی۔ اور جب جادوگر نے یہ ماجرا بادشاہ سے کہہ دیا تو بادشاہ نے پابندی لگا دی کہ اس لڑکے کو علی الصبح جادوگر کے ہاں بھیجا جائے۔ لوگوں نے عرض کی کہ یہ لڑکا یہاں سے تو علی الصبح چلا جاتا ہے۔ اگر اسے کوئی تاخیر ہوتی ہے تو راستے میں ہوتی ہے' گھر میں نہیں۔ بادشاہ اور جادوگر دونوں ہی یہ بات سُن کر اس لڑکے پر ناراض اور پریشان ہوئے اور انہیں معلوم ہوا کہ وہ راستے میں بچوں کے کھیل کود میں مشغول رہتا ہے۔

یہاں تک کہ ایک دن جبکہ یہ لڑکا جادوگر کے گھر سے شاہی محل کی طرف لوٹ رہا تھا'

marfat.com

Marfat.com

اس نے دیکھا کہ سرراہ ایک بہت بڑا اژدہا گلی روکے بیٹھا ہے اور راستے بند ہونے کی وجہ سے لوگ کھڑے ہیں اس لڑکے نے دل میں سوچا کہ آج آزمائش کروں کہ مجھے جادوگر کی صحبت بہتر ہے یا گوشہ نشین راہب کی۔ اس نے ایک پتھر اُٹھایا اور کہا اے خدایا! اگر گوشہ نشیں راہب کا دین ومذہب جادوگری اور جادوگر سے بہتر ہے تو اس اژدہا کو ہلاک فرما تاکہ لوگ خلاصی پائیں اور وہ پتھر اس اژدہے کی طرف پھینک دیا۔ وہ پتھر لگتے ہی اژدہا مر گیا اور لوگوں میں شور برپا ہوگیا کہ یہ لڑکا جادو میں کمال کے مرتبے کو پہنچ گیا۔ اور رفتہ رفتہ یہ خبر اس گوشہ نشین نے بھی سُن لی اس نے تنہائی میں لڑکے سے کہا کہ اے بیٹے! تجھے حق تعالیٰ نے بزرگ بنا دیا اور تیرا کام وہاں تک پہنچے گا کہ میں جانتا ہوں لیکن تو ایک مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ خبردار میرا پتہ نشان نہ دینا' لڑکے نے مذکور گوشہ نشین کے ساتھ پختہ قول قرار کیے کہ میں آپ کا نام بالکل نہیں لوں گا اور آپ کا پتہ نہیں دوں گا' مطمئن رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے لڑکے کو اس گوشہ نشین کی صحبت' انجیل مقدس کی تلاوت جو کہ اس نے اس سے سیکھی تھی اور دینِ عیسوی کی پیروی کہ اس وقت حقیقت اسی دین میں منحصر تھی' کی برکت سے ولایتِ عظمیٰ کے مرتبے تک پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ پھلبہری والے اور مادرزاد اندھے کو اس کے ہاتھ کی برکت سے شفا ہوجاتی اور بے شمار بیماروں کو جن کے علاج سے طبیب عاجز آجاتے اس لڑکے کی دعا سے تندرستی نصیب ہوجاتی۔

اتفاقاً بادشاہ کے مصاحبوں میں سے ایک اندھا ہوگیا اور اندھے پن کی وجہ سے وہ بادشاہ کی صحبت سے محروم ہوگیا۔ اس لڑکے کی تعریف وتوصیف سُن کر اس کے پاس آیا' نذریں اور ہدیئے لایا اور بولا کہ مجھ پر توجہ کیجیے اور شفا دیجیے۔ لڑکے نے کہا کہ میں کیا ہوں کہ تجھے شفا دے سکوں' شفا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تو خدا تعالیٰ پر ایمان لے آئے اور بت پرستی چھوڑ دے اور بادشاہ کو اپنا پروردگار نہ جانے تو میں دعا کروں گا تاکہ تجھے شفا حاصل ہو۔ وہ شخص اسی مجلس میں مشرف بہ ایمان ہوگیا اور اس لڑکے کی دعا سے فی الفور بینائی درست ہوگئی۔ اور وہ معمول کے مطابق بادشاہ کی مجلس میں حاضر ہوا' بادشاہ نے بہت تعجب کیا اور کہا کہ سرکاری طبیب اور ہمارے ماہرین تیری آنکھوں کے علاج سے عاجز ہوگئے تھے تو

marfat.com
Marfat.com

کیسے بینا ہو گیا؟ اس نے کہا کہ میرے پروردگار نے اسباب کی وساطت کے بغیر مجھے بینا کر دیا۔ بادشاہ بولا کیا کوئی میرے سوا تیرا پروردگار ہے؟ مصاحب نے کہا کہ میرا پروردگار اور تیرا پروردگار حضرت خدا تعالیٰ ہے۔

بادشاہ بہت خفا ہوا اور اس کی پٹائی شروع کر دی کہ تو نے یہ عقیدہ کس سے سیکھا؟ جب سخت تکلیف ہوئی تو ناچار اس نے لڑکے کا نام لے دیا۔ بادشاہ نے لڑکے کو اپنے سامنے طلب کیا اور بولا کہ تجھے میری پرورش اور میرے جادوگر کے فیض سے یہ مقام ملا ہے کہ تو نابینے کو بینا کرتا ہے اور ہر مرض کو شفا دیتا ہے یہ کیا ناشکری ہے کہ تو نے ہماری پرورش کو ایک طرف کر کے اپنا پروردگار کوئی اور قرار دے لیا ہے؟ لڑکے نے کہا کہ شفا میرے ہاتھ میں ہے نہ تمہارے جادوگر کے ہاتھ میں۔ صرف خدا تعالیٰ کی قدرت ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ لڑکے کو سخت عذاب دیا جائے اور کہنے لگا کہ یہ لڑکا جو کہ جادوگر سے غائب رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ عقیدہ کسی اور جگہ سے حاصل کیا ہے۔ جادوگر بھی یہ ماجرا سنتے ہی گرتا پڑتا بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور کہنے لگا کہ یہ لڑکا ایک مدت سے میرے پاس نہیں آتا' معلوم نہیں کہاں جاتا ہے اور درباری نوکروں نے بھی کہا کہ یہ بچہ صبح نکل جاتا ہے اور گھر میں نہیں رہتا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس لڑکے کو مختلف قسم کی سزائیں دے کر پوچھو کہ اس نے یہ عقیدہ کہاں سے سیکھا ہے؟ اس لڑکے نے عذاب کی شدت سے بے چین ہو کر اس گوشہ نشین کا نام لے دیا۔ بادشاہ نے اس گوشہ نشین کو بلوا کر آرہ بھی دربار میں منگوا لیا اور کہنے لگا کہ اگر تو اپنے دین سے نہ پھرا تو تیرے سر پر آرہ چلا دوں گا۔ راہب نے کہا کہ میں اس دین سے پھرنے والا ہرگز نہیں' بادشاہ کی جو مرضی ہو کرے۔ بادشاہ نے حکم دیا' لوگوں نے اس کے سر پر آرہ رکھا اور اسے دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا پھر اس مصاحب کو بھی راہب کے دین سے روگردانی کا حکم دیا۔ اس نے بھی انکار کیا اس کے سر پر بھی آرہ چلا کر چیر دیا گیا۔ پھر اس لڑکے کو لایا گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ تو نے ان دونوں کی سزا دیکھ لی اب اگر اپنی زندگی چاہتا ہے تو اس دین سے بے زار ہو جا۔ لڑکے نے بھی انکار کر دیا' بادشاہ نے اپنے چند معتمد لوگوں کو حکم دیا

marfat.com
Marfat.com

کہ اسے فلاں بلند پہاڑ پر لے جاؤ اور پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا کر دو اگر اس دین سے پھر جائے تو میں اسے اپنی امارت اور مصاحبت کے مرتبے پر فائز کر دوں گا اور اگر اصرار کرے تو اس چوٹی سے نیچے پھینک دو تا کہ اس کے جسم کے اجزا پاش پاش ہو جائیں۔

جب لڑکے کو اس پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے تو اس نے دربار خداوندی میں دعا کی کہ بارخدایا! تو جیسے چاہے ان کے شر سے مجھے بچا' پہاڑ میں شدید زلزلہ پیدا ہوا' بادشاہ کے تمام معتمد نیچے گر پڑے اور مر گئے۔ وہ لڑکا بادشاہ کے دربار میں صحیح وسالم پہنچ گیا' بادشاہ نے پوچھا کہ تیرے ساتھیوں کو کیا ہوا؟ لڑکے نے کہا کہ اسی خدا تعالیٰ نے جس کا میں نے دین قبول کیا ہے' مجھے ان کے شر سے بچا لیا۔ بادشاہ زیادہ غضب ناک ہوا اور اس نے اپنے دیگر معتمدوں کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو کشتی میں بٹھا کر سمندر میں لے جاؤ اگر اپنے اس دین سے پھر جائے تو درست۔ ورنہ اسے سمندر میں پھینک دینا جب وہ سمندر کے اندر پہنچے تو اسے مرتد ہونے کا حکم دیا' لڑکے نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ بارخدایا! مجھے اس گروہ کے شر سے بھی محفوظ فرما۔ اچانک کشتی اُلٹ گئی اور بادشاہ کے معتمد سب کے سب غرق ہو گئے اور لڑکا صحیح وسالم پھر بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اب تو کیا کر آیا؟ لڑکے نے سارا واقعہ بیان کر دیا' بادشاہ حیران رہ گیا۔

لڑکے نے کہا کہ اگر بادشاہ کا دلی ارادہ مجھے قتل کرنے کا ہے تو ایک حیلے کے بغیر ممکن نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ بتاؤ! لڑکے نے کہا کہ اس کا حیلہ یہ ہے کہ اس شہر کے تمام لوگوں کو شہر سے باہر ایک میدان میں جمع کیا جائے اور مجھے پھانسی پر لٹکائیں اور اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر اس کا منہ کمان کے چلے پر رکھ کر یہ کلام پڑھیں۔ **بسم اللہ رب الغلام** یعنی اس خدا کے نام کے ساتھ جو کہ اس لڑکے کا پروردگار ہے پھر وہ تیر میری طرف چھوڑ دیں' میں قتل ہو جاؤں گا۔ بادشاہ نے یونہی کیا اور وہ تیر لڑکے کی کنپٹی میں لگا اس نے اپنا ہاتھ وہاں رکھا اور بولا کہ میں نے اپنا مطلب پالیا کہ اپنے پروردگار کے نام پر ذبح ہوا ہوں اور لوگوں سے شور اُٹھا کہ **آمنا برب الغلام**' **آمنا برب الغلام** یعنی ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔

marfat.com
Marfat.com

بادشاہ کو اس کے مصاحبوں نے کہا کہ اس مقدمے میں بہت خرابی واقع ہوگئی اور ہم جس چیز سے ڈرتے تھے' وہی رونما ہوئی اس لیے کہ شہر کے سب لوگوں نے لڑکے کے رب کو تم سے زیادہ قوی اور قدرت والا مان لیا اور تمہاری عاجزی دیکھ لی کہ جب تک آپ نے اس کے پروردگار کا نام نہیں لیا اس کے قتل پر قادر نہیں ہوئے۔ بادشاہ کے غصہ اور شرمندگی میں مزید اضافہ ہوا اور اس نے حکم دیا کہ شہر کے کوچوں کے شروع میں خندقیں کھودی جائیں اور ان میں آگ جلائی جائے اور جو بھی اس لڑکے کے دین سے روگردانی نہ کرے' اسے خندق میں ڈال دیں اور بادشاہ اور تمام ارکانِ سلطنت خندق کے پاس کرسیاں ڈالے اس عذاب کا تماشا کر رہے تھے حتیٰ کہ ایک عورت کو پکڑ کر لائے جس کی گود میں شیر خوار بچہ تھا' انہوں نے اس عورت کو بھی اس آگ میں پھینکنا چاہا' وہ عورت آگ میں جانے سے ڈر گئی اور اپنا پاؤں پیچھے کر لیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس عورت کو مہلت دو' ہوسکتا ہے کہ اپنے دین سے پھر جائے۔ شیر خوار بچہ جو کہ اس کی گود میں تھا' بلند آواز سے بولنے لگا جسے ہر عام و خاص نے سنا کہ اے بے سمجھ ماں! تو کیا کر رہی ہے' صبر کر کہ تو سچے دین پر ہے' بات اتنی سی ہے کہ آنکھیں بند کر کے آگ میں گھس جا' یہ آگ تجھ پر گل وگلزار بن جائے گی۔ وہ عورت بے دھڑک اپنے بچے کے ہمراہ آگ میں چلی گئی اور آگ ایک دم اس طرح بھڑکی اور اس سے اس طرح چنگارے نکلے کہ بادشاہ اور اس کے ارکانِ سلطنت جو کہ کرسیوں پر بیٹھے تماشہ دیکھ رہے تھے اُٹھنے نہ پائے اور بھسم ہوگئے اور ہر خندق کی آگ میں اسی طرح کا زبردست اشتعال پیدا ہوا اور شہر کے اکثر لوگ جو کہ بادشاہ کی پیروی میں ایمان والوں کو ستانے اور انہیں جلانے میں مصروف تھے' خود جل گئے اور ہلاک ہوگئے۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی جان کو جنہیں آگ میں ڈالا جا رہا تھا' ان کے جسموں کو آگ کی تپش پہنچنے سے پہلے ہی قبض فرما لیتا تھا اور جنت میں داخل کر دیتا تھا۔

## اس واقعہ میں حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی نکتہ آفرینی

اور اس واقعہ میں ایک باریک نکتہ ہے جس کا حضرت شیخ اکبر اور ان کے پیروکاروں

marfat.com
Marfat.com

نے سراغ لگایا ہے اور وہ یہ ہے کہ بادشاہ کے ہاتھوں لڑکے کا قتل دنیوی انتقام کی بناء پر تھا کہ وہ راہب کے ساتھ قول و قرار کر کے اس سے پھر گیا تھا ورنہ بادشاہ اس لڑکے پر قابو نہ پاتا اور دنیوی انتقام کا ایک پروگرام اخروی انتقام سے جداگانہ ہے اس لیے کہ دنیوی انتقام میں اس قسم کے واقعات میں دربار خداوندی سے کوئی عتاب یا ناراضگی نہیں ہوتی بلکہ یہ اہلِ کمال کے درجات میں ترقی کے باعث ہوتا ہے بخلاف اخروی انتقام کے۔ چنانچہ حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی اونٹیاں ذبح کرنے' ان کے جگر پھاڑنے اور ان کے کباب کھانے کے بارے میں ایسا ہی واقعہ رونما ہوا کہ خود شہید بھی ہوئے اور کفار نے آپ کا سینہ چاک کیا' جگر کو نکال کر چبایا اور پھینک دیا اور اس پر اسرار مقام کی تفصیل فتوحات مکیہ میں موجود ہے۔

## دوسرا عجیب واقعہ

جو کہ یمن کے ایک شہر نجران کی سرزمین میں واقع ہوا' اس کی کیفیت یوں ہے کہ مسلمانوں میں سے جو کہ اس وقت انجیل کے پیروکار تھے' ایک آدمی ایک شخص کے گھر آ کر نوکر ہو گیا' وہ اس کے دروازے پر بیٹھا رہتا تا کہ صاحبِ خانہ جس کام کا حکم دیں' بجا لائے اور اس دوران وہ انجیل مقدس کی تلاوت کرتا رہتا جس شخص کا یہ مسلمان نوکر تھا' اس کی لڑکی کو یوں معلوم ہوا کہ انجیل کے تلاوت کے وقت اس کے سینے سے ایک عظیم نور نکلتا ہے اور جہان میں پھیل جاتا ہے۔ بیٹی نے اپنے باپ کے سامنے اس عجیب امر کا ذکر کیا اس کے باپ نے بھی انجیل کی تلاوت کے وقت سوراخ میں سے دیکھا کہ فی الواقع نور عظیم ظاہر ہوا اس نے اس نوکر سے پوچھا کہ یہ کیا کلام ہے اور کیا اثر ہے جو میں تجھ سے سنتا اور دیکھتا ہوں؟ وہ مسلمان آدمی وہاں کے بادشاہ اور رئیسوں کی قوت اور دبدبہ پر نظر کرتے ہوئے اسے چھپانے کی کوشش کرتا تھا اور وہ شخص اس کا پیچھا کر کے اسے تنگ کرتا' مجبور ہو کر اس نے دینِ اسلام اور انجیل مقدس کے حالات اس کے سامنے بیان کر دیئے اور وہ شخص اور اس کی لڑکی فی الفور مسلمان ہو گئے اور انجیل سیکھ کر تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اس شہر میں یہ بات مشہور ہو گئی اور دیگر ستاسی (۸۷) مرد اور عورتیں مسلمان ہو گئے حتیٰ کہ یوسف بن ذی نواس

marfat.com

Marfat.com

حمیری نے جو کہ اس شہر کا بادشاہ تھا اور بت پرستی میں غرق تھا' یہ ماجرا سنا' ان سب مسلمانوں کو جن کی تعداد نوے (۹۰) تھی' اپنے دربار میں بلایا اور آگ سے پُر خندق تیار کی اور کہنے لگا کہ اگر تم دینِ عیسوی سے نہ پھرے تو تمہیں اس آگ میں ڈال دوں گا۔ ان لوگوں میں بھی ایک عورت شیر خوار بچے سمیت موجود تھی اس شیر خوار بچے نے بلند آواز سے کہا کہ آؤ بسم اللہ اس آگ میں کود جاؤ کیونکہ اس آگ کا پھل ہمیشہ کی جنت ہے۔ مسلمانوں کے آگ میں جانے کے بعد بادشاہ اور چند دوسرے رئیس جو کہ خندق کے کنارے کرسیوں پر براجمان تھے' آگ کے چنگاروں سے ہلاک ہو گئے اور یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے سے بعد کا ہے اس کے بعد نجران کے لوگوں نے دینِ نصرانیت کو سچا جان کر قبول کر لیا۔ چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک اسی دین پر تھے اور ان کے سردار سید اور عاقب نامی مدینہ عالیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو آئے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بحث و تفتیش کی اور ان کے جواب میں آیۂ مباہلہ نازل ہوئی۔

## تیسرا واقعہ

جو کہ سرزمینِ فارس میں واقع ہوا' اس کی کیفیت حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم' اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دراصل مجوسیوں کے پاس بھی ایک آسمانی کتاب تھی اور وہ ایک نبی کے دین کے پیروکار تھے اور چونکہ ان کے دین میں اتنی سی شراب جسمانی بہتری کے لیے حلال تھی جو بے ہوش نہ کرے۔ ایک دن مجوسیوں کے بادشاہ نے بہت سی شراب پی لی اور مستی کی حالت میں اپنی بہن سے بُرا کام کیا جب ہوش میں آیا' بہت نادم اور شرم سار ہوا اس نے اپنی بہن سے اس لاحق ہونے والی عار کی تدبیر پوچھی۔ بہن نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ تو بہن کے حلال ہونے کا دعویٰ کر دے اور کہہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں بھائی اپنی بہن کے ساتھ نکاح کر لیتا تھا' ہم بھی اسی پرانی وضع پر قائم ہیں۔ بادشاہ نے لوگوں کو اکٹھا کر کے یہ مذہب اور یہ مسئلہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے اسے بالکل قبول نہ کیا۔ بادشاہ کی بہن نے کہا کہ انہیں کوڑے لگا' اس نے ایسا ہی کیا' وہ پھر بھی نہ

marfat.com

Marfat.com

مانے۔ اس نے کہا کہ ان پر تلوار چلا۔ اس نے اسی طرح کیا مگر وہ نہ مانے۔ اس نے پھر کہا کہ حکم دے تا کہ آگ سے بھری ہوئی خندقیں تیار کریں اور جو شخص اس مسئلے کو قبول نہ کرے اس آگ میں ڈال دیں اس نے ایسا ہی کیا اور لوگوں کو آگ میں ڈالنے کے دوران خود بھی جل مرا اس کے بعد مجوسیوں کے مذہب میں بہن کو حلال جاننا رائج ہوا اور آتش پرستی کا بھی ان میں رواج ہو گیا۔

## چوتھا واقعہ

امام زاہدی کی تفسیر میں منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں مسلمانوں کا ایک شہر تھا' اس شہر میں قحط پڑ گیا اور مسلمان اس شہر سے گروہ در گروہ حبشہ کی طرف بھاگنے لگے۔ حبشیوں نے جو کہ کافر تھے' اس شہر کے بادشاہ سے کہا کہ یہ قحط زدہ مسلمان اس شہر میں آئیں گے تو ہم پر غلہ تنگ ہو جائے گا اور یہاں بھی قحط پڑ جائے گا۔ بادشاہ نے حکم دیا تا کہ شہر کے دروازے پر ایک خندق بنائی جائے اور اسے آگ سے پُر کر دیا گیا اور بادشاہ خود بھی اس خندق کے قریب اپنا تخت رکھ کر بیٹھ گیا اور وہاں ہاتھی کے جسم کے برابر ایک بہت بڑا بت نصب کیا اور منادی کرائی کہ پردیسیوں میں سے اس شہر میں جو بھی ہو گا اگر اس بت کو سجدہ نہ کرے' اسے آگ میں پھینک دیں۔ پردیسیوں میں سے ایک عورت کو پکڑ کر لایا گیا جس کی گود میں ایک بچہ تھا۔ اس عورت کو کہا گیا کہ بت کو سجدہ کر۔ اس نے کہا خدا کی پناہ! بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے بچے کو آگ میں پھینک دو' اس کے بچے کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ ماں بے قرار ہو گئی اور بچے نے آگ میں سے آواز دی کہ اے ماں! ڈر نہیں تو بھی آگ میں آ جا کہ یہ آگ نہیں ہے' گل و گلزار ہے۔ عورت نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور عرض کی اے میرے خدا! تو دیکھتا اور جانتا ہے' تیرے حضور بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ آگ اس خندق سے اُچھلی اور چالیس (۴۰) گز ہوا میں اونچی نکل گئی اور کفار کے اردگرد پردوں کی طرف محیط ہو گئی اور سب کو جلا دیا۔

اور جب ان چاروں واقعات کی طرف اجمالی اشارے سے فراغت ہوئی اور یہ بیان فرمایا گیا کہ ان ظالموں سے دنیا میں مہلت کے بغیر فوری انتقام واقع ہوا اور ان کا کام اُلٹ

marfat.com

Marfat.com

ہو گیا جو آگ مسلمانوں کو جلانے کے لیے جلائی تھی اس نے انہیں بھی بھسم کر دیا۔ اب مہلت کے بغیر اس فوری انتقام کی جو کہ عادت کے خلاف ہے' وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اور ان ظالم کفار نے مسلمانوں سے بُرا نہ جانا۔ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ مگر اس کہ وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاتے تھے اور مستقبل کا صیغہ اس وجہ سے لایا گیا ہے کہ کفار کا مقصد یہ تھا کہ کہ ایمان والے زمانہ مستقبل میں ایمان کو ترک کر دیں' ان کے ایمان پر ثابت رہنے اور صبر کرنے پر انہیں عذاب دیتے تھے نہ کہ ماضی میں ایمان ترک کرنے پر اور اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ان ظالموں کو ایمان والوں کے ساتھ اور کسی وجہ سے عداوت نہ تھی' صرف ایمان کی وجہ سے تھی۔ پس اس جہت سے ایمان والوں سے دشمنی ایمان سے دشمنی قرار پائی۔ بخلاف دوسرے کفار کے انہوں نے مسلمانوں کو دُکھ تکلیف پہنچانے میں بہت مہلت پائی ہے اور پاتے ہیں اس لیے کہ ان کی دشمنی صرف ایمان کی جہت سے ہی نہ تھی بلکہ سرداری اور دیگر دنیوی مقاصد کی جہت سے ملی ہوئی تھی جبکہ ان لوگوں کو خالص عداوت حاصل تھی اور جس ایمان سے عداوت کرتے تھے' بالکل صحیح ایمان تھا اس لیے وہ ایمان اس ذات سے متعلق تھا جو کہ ان صفات سے موصوف ہے۔

الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی وہ خدا جو کہ غالب ہے' محمود ہے اور وہ ذات ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ اور ان تینوں صفات میں سے ہر صفت اس پر ایمان لانے کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے کہ جب وہ اپنے ماسوا پر غالب ہے اور کسی چیز کی عزت اس کی عزت تک نہیں پہنچتی تو اس پر ایمان لانا ضرور عزت و افتخار کا موجب ہو گا اور جب وہ محمود ہے تو اس کا شکر دل' زبان اور اعضاء کے ساتھ واجب ہو جاتا ہے اور ایمان کا اظہار فرض اور لازم ہو جاتا ہے اور جب آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کے لیے ہے تو اس کے مخالفین سے ڈرنا جائز نہیں اور جس طرح یہ تینوں صفات مذکورہ اظہار ایمان کا موجب ہیں اسی طرح فوری انتقام کا باعث بھی ہیں اس لیے کہ عزت کا تقاضا دشمنوں سے بدلہ لینا ہے ورنہ ایک قسم کی ذلت لاحق ہو گی اور محمودیت کا تقاضا بھی دشمنوں سے انتقام لینا ہے اس لیے کہ اپنے مخالفوں سے بدلہ نہ لینے والے کی کوئی تعریف

marfat.com
Marfat.com

نہیں کرتا مگر معاف کرنے کی صورت میں اور کفر معاف کرنا جائز نہیں اور بادشاہت بھی دشمنوں سے انتقام کا موجب ہے ورنہ دشمن دلیر ہو جائیں اور بادشاہت کا کاروبار خلل میں پڑ جائے۔ اور اگر ان صفات کے باوجود کوئی انتقام چھوڑ دے تو وہ لازماً اپنی رعایا کے حالات سے بے خبر ہوگا کہ دشمنوں کی دشمنی اور دوستوں کی دوستی کو جانتا ہی نہیں۔ یا دشمنوں کی ایذاء رسانی جو دوستوں کو دوستی کی وجہ سے پہنچتی ہے اس کی اسے اطلاع نہیں ہوتی یا دوسرے اسباب پر محمول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بے خبری سے پاک ہے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہے اور جب بھی کافروں نے ایمان کی وجہ سے ایمان والوں کی عداوت میں کوشش کی اور اللہ تعالیٰ کے انتقام سے غافل ہوئے۔ گویا وہ اس جناب کی بادشاہی' خبرداری اور قابلِ ستائش ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ پس ان اسباب کے جمع ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں فوری انتقام کا تقاضا فرماتی ہیں جیسا کہ خندقوں والوں کے واقعہ میں رونما ہوا اور جب خاص جزئی میں دلیل صحیح ہوئی تو اس پر کلی کو قیاس کرنا درست ہوا۔ چنانچہ فرمایا جارہا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ تحقیق جن لوگوں نے ایمان سے عداوت کی وجہ سے ایمان والے مردوں کو ایذاء پہنچائی۔ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور ایمان والی خواتین کو بھی ستایا اگرچہ ان کا ایمان عقل کے ناقص ہونے اور خواہش کے غلبے کی وجہ سے ناقص ہے لیکن وہ کمزوری ان کی بے کسی اور عاجزی کی وجہ سے جو کہ ان میں موجود ہے' مقابلے اور دفاع سے متحیر ہو جاتی ہے۔

ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا پھر طویل فرصت اور مہلت کے باوجود انہوں نے اس ظلم سے توبہ نہ کی اور اسی ناپاک شغل میں مر گئے کیونکہ اگر توبہ کر لیتے اگرچہ حقوق العباد کی جہت سے ان سے باز پرس ہوتی اور انہیں عذاب ہوتا لیکن ان پر یہ شدت نہ ہوتی کیونکہ ایمان کی عداوت اور حقوق اللہ کو ضائع کرنے سے پاک ہو جاتے۔

اور اس آیت سے دلیل لی گئی ہے کہ جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے اور پھر توبہ کرے اس کی توبہ مقبول ہے لیکن اس استدلال میں بحث ہے اس لیے کہ مسلمان کا عمداً

marfat.com
Marfat.com

قتل اگر کفر کی حالت میں واقع ہو تو بالاجماع اس سے توبہ مقبول ہے۔ اختلاف کی گنجائش نہیں جبکہ اس آیت میں مراد کفار ہیں جو کہ ایمان کی وجہ سے مسلمانوں کو قتل کرتے تھے اور ستاتے تھے۔

فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ تو ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے جس کی بے شمار قسمیں اور بے پناہ سختیاں ہیں اور ہر قسم کی سختیاں ان کے متعلق بروئے کار لائی جائیں گی۔

وَلَهُمْ اور ان کے لیے دیگر ظالموں کے علاوہ عَذَابُ الْحَرِيقِ جلن کا عذاب ہے جس میں ان کی جان اور جسم گرفتار ہوں گے جس طرح کہ انہوں نے دنیا میں ظلم و تعدی کر کے ایمان والوں کے دلوں کو جلایا تھا۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جلن کا عذاب دوزخ کے عذاب سے پہلے قبر میں ہوگا اور بعض نے خندقوں والوں کے جلنے پر محمول کیا ہے جو کہ آگ کے چنگاروں کے مشتعل ہونے کی وجہ سے جل گئے تھے اور جب ظالموں کا حال سُن کر جو کہ ایمان والوں کو ایمان کی بناء پر ستاتے تھے' سننے والے کو ایک انتظار سا لاحق ہو جاتا ہے کہ وہ ایمان والے جو کہ ظلم کی آزمائش میں گرفتار ہوئے ہیں اور ان کی جانیں ضائع ہو گئیں اس روز اس کے بدلے میں کیا پائیں گے اس انتظار کو دُور کرنے کے لیے نئے سرے ایمان والوں کے حالات کو بیان کرنا ضروری ہوا اس بناء پر کہ یہ سامع کے انتظار کی تسکین کے لیے ایک نئے سرے سے بیان ہے یہاں اصلی مقصود نہ تھا' حرفِ عطف کو ترک فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور ظالموں کے ہاتھوں گرفتار ہونے اور ان کی ایذاء برداشت کرنے کے باوجود ایمان پر ثابت قدم رہے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے وہ نیک اعمال کیے جو اس قسم کے حالات میں ضروری ہوتے ہیں جیسے تکلیف پر صبر کرنا' قضا پر راضی رہنا اور ماسوا پر محبتِ خداوندی کو ترجیح دینا۔

لَهُمْ جَنّٰتٌ ان کے لیے جنتیں تیار ہیں جو کہ دنیوی مصائب برداشت کرنے کے مقابلے میں پائیں گے۔ جیسے ان کا دوزخ کا عذاب اس شخص کو ستانے کی مانند ہے کہ جسے اس

marfat.com

Marfat.com

کے محبوب کے سامنے اس محبوب کی محبت پر سزادیں جو کہ عین راحت بن جاتی ہے۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جن کے درختوں کے نیچے دودھ' شہد اور شراب کی قسم قسم کی نہریں جاری ہیں' ان کے اس خون اور پسینہ کے مقابلے میں جو کہ کفار کے ظلم کی وجہ سے بہتا تھا۔

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے اس لیے کہ دنیائے فانی کے مقاصد میں کامیابی پانا فانی ہے جبکہ یہ مقاصد باقی ہے' ان میں فنا بالکل نہیں۔ نیز دنیوی مطلب حاصل کرنے میں محبوبِ حقیقی کی رضامندی مشکوک اور نامعلوم ہے جبکہ ان اخروی لذتوں میں یقینی اور قطعی ہے۔

## ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک سوال باقی رہ گیا جو کہ جواب طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ کفار کے اعمال کی جزا بیان کرنے میں فائے جزائیہ لائے ہیں اور فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ارشاد فرمایا گیا جبکہ ایمان والوں کی جزا کے بیان میں یہ حرف ترک کر دیا گیا اور لھم جنات فرمایا گیا۔ اسلوب بیان کی اس تبدیلی میں نکتہ کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت کا ثواب محض فضلِ خداوندی ہے' عمل پر موقوف نہیں۔ چنانچہ نابالغ بچہ اور وہ جو بلوغ کے وقت سے مجنون ہو گیا یا وہ جو کسی پہاڑ پر بالغ ہوا اور اسے کسی مسلمان کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع ہی نہ ملا اور اس نے عبادت وطاعت کی توفیق نہ پائی' آخرت میں عمل اور اطاعت کے بغیر ثواب پائے گا۔ بخلاف دوزخ کے عذاب کے کہ کفر یا فسق کے بغیر نہیں ہوگا اس لیے کہ عذاب عدل کا تقاضا ہے اور سبب کے بغیر عدل کا تصور نہیں ہوتا' ان دونوں چیزوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے جو کہ فضل اور عدل ہیں وہاں سبب اور انجام قرار دینے کی تصریح کے پیش نظر حرف فا لایا گیا اور یہاں حذف کیا گیا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کا معاملہ ان ظالموں کے ساتھ جو ایمان کی وجہ سے مسلمانوں کے درپے ایذاء ہوتے اور ان مظلوموں کے ساتھ جو کہ ایمان کی خاطر ظلم و جفا برداشت کرتے ہیں' دنیا و آخرت میں بیان ہو چکا تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ

marfat.com
Marfat.com

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ تحقیق آپ کے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے اس لیے کہ دوسروں کی دست برد سے مقابلہ' زاری' صبر اور سفارش کے ساتھ خلاصی پانا ممکن ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کفار کے لیے کسی وجہ سے خلاصی پانا ممکن نہیں۔ نیز دوسروں کی پکڑ کی انتہا یہ ہے کہ موت اور ہلاکت تک پہنچے اور موت و ہلاکت کے بعد وہ ایذاء نہیں دے سکتے اس لیے کہ وہ معدوم کو دوبارہ لوٹانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پس وہ ہمیشہ کا عذاب نہیں دے سکتے جبکہ مرنے اور خاک ہونے پر بھی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے خلاصی ممکن نہیں ہے' وہ طاقت رکھتا ہے کہ زندہ فرمائے پھر ابدالآباد تک عذاب دے اس لیے کہ

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ تحقیق وہی ہے جو آغاز میں پیدا فرماتا ہے اور فنا کے بعد پیدا فرماتا ہے۔

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ اور وہ اپنی شدید گرفت کے باوجود اپنے ایمان والے بندوں کو بخشنے والا اور دوست رکھنے والا ہے۔ کہ اس عظیم دوستی کی وجہ سے اپنے دوستوں کے گناہ چھپاتا ہے اور ان کے عیب پردے میں رکھتا ہے اور دوستوں اور دشمنوں کے اس کا معاملہ ایسا کیوں نہ ہو حالانکہ وہ

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ جہان کی بادشاہی کے تخت والا ہے اور اس کی بزرگی قدیم ہے۔ لغت عرب میں مجد موروثی خاندانی بزرگی کو کہتے ہیں اور چونکہ موروثی خاندانی بزرگی کے لیے دوام لازم ہے اس لیے یہاں قدیم بزرگی مراد لی گئی ہے اور قدیم السلطنت بادشاہوں کی عادت ہے کہ دشمنوں اور دوستوں کے ساتھ رضامندی اور ناراضگی کا اسی قسم کا معاملہ کرتے ہیں ورنہ ان کی سلطنت کی ہمیشگی میں خلل واقع ہو جائے اس کے باوجود دوسرے بادشاہوں سے ایک چیز میں ممتاز ہے جس کا کسی بادشاہ میں تصور ہی نہیں اور وہ چیز یہ ہے کہ

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ جو چاہے' وہی کرتا ہے جب اس کا ارادہ کسی چیز کے ساتھ متعلق ہوتا ہے تو پھر اسے پیچھے پھرنے کا امکان نہیں رہتا۔ بخلاف دوسرے بادشاہوں کے کہ وہ کئی چیزیں چاہتے ہیں اور نہیں کر پاتے اور اس طرح کے شہنشاہ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اس کی رحمت پر بھروسہ بھی ہونا چاہیے۔

marfat.com
Marfat.com

## ایک جواب طلب سوال

ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ پہلی صفات میں جیسے کہ الغفور' الودود اور ذوالعرش المجید لام تعریف معرف باللام کی اضافت کے ساتھ واقع ہے جبکہ فعال لمایرید کی صفت میں تنکیر یعنی نکرہ لانے کو اختیار فرمایا گیا ہے اس میں کیا نکتہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ مضاف کے مشابہہ ہے جیسے طالع جبلا اور مضاف کے مشابہہ مضاف کا حکم رکھتا ہے اسے معرفہ لانے کی ضرورت نہیں ہے اور فاعل لمایرید کے صیغہ پر مبالغہ کے صیغے کو اس وجہ سے اختیار فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مرادات اور مفعولات کی کثرت کا اشارہ ہو جیسا کہ واقع میں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ان متضاد اور باہم جداجدا اثر رکھنے والی صفات کو اسی ترتیب سے لانے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بعید نہیں ہے کہ کبھی بندوں کے ساتھ مہربانی' بخشش اور دوستی کا معاملہ فرمائے اور کبھی سخت پکڑ فرمائے بلکہ اللہ تعالیٰ سے یہ بعید نہیں کہ ایک گروہ اور ایک فرد کے بارے میں مختلف اوقات کے اعتبار سے انعام اور انتقام جمع فرمائے۔ پس اللہ تعالیٰ کے انعام پر جو کہ اپنے اوپر ہو' غرور نہیں کرنا چاہیے اور دوسرے وقت میں اس کے انتقام سے بے خوف وخطر نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا جارہا ہے

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ کیا تمہارے پاس ان لشکروں کا واقعہ پہنچا ہے کہ جن پر ایک مدت تک انعام کا دروازہ کھلا تھا اور ان پر ہر طرف سے قسم قسم کی نعمتیں پہنچتی تھیں پھر ان سے کس طرح انتقام لیا گیا اور ان کے انتقام کا سبب وہی کمزور اور قلیل سے لوگ ہوئے جنہیں وہ انعامِ الٰہی کے زور کی وجہ سے انتہائی رسوائی اور ذلت میں رکھتے تھے اور وہ لشکر فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ یعنی فرعون کے پیروکار اور ثمود کا گروہ۔ پس فرعونیوں کو ایک مدت تک مختلف قسم کی نعمتوں سے معزز رکھ کر بنی اسرائیل پر پورا تسلط دیا گیا تھا کہ انہیں غیر مہذب اور حقیر کاموں میں بے گار میں پکڑتے تھے پھر ان کا تمام ملک اور مال بنی اسرائیل کے حوالے کر دیا گیا اور انہیں بنی اسرائیل کے سامنے پوری ذلت اور رسوائی کے ساتھ بحیرۂ قلزم میں غرق کر دیا گیا۔

marfat.com
Marfat.com

اور ثمود کے لوگ پہلے بہت طاقت رکھتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے تراشے ہوئے پتھروں کی عمارتوں کے ساتھ سات سو شہر آباد کیے اور وہ حضرت صالح علیٰ نبینا وعلیہ السلام اور کمزور مسلمانوں کو اونٹنی کے بارے میں کئی طرح سے پریشان کرتے تھے' ان سب کو ایک تیز آواز کے ساتھ ہلاک فرمادیا گیا اور ان کے شوخ اور شریر لوگوں کو حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے اندھا کر دیا گیا۔ پس یہ واقعات عقل مندوں کی عبرت کے لیے کافی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے انعام پر مغرور نہ ہوں اور اس کے انتقام سے ڈرتے رہیں لیکن کفار ان واقعات سے کوئی سبق نہیں لیتے اور غرور اور بے خوفی میں اُلجھے ہوئے ہیں۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ بلکہ جو کافر ہیں' ان واقعات کے انکار کے درپے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ واقعات اس قسم کے ہیں کہ مؤرخین نے لوگوں کو تعجب میں ڈالنے کے لیے گھڑ کر لکھ دیے ہیں اور وہ جانتے نہیں کہ ان واقعات سے قطع نظر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر کسی پر ہر وقت بے پردہ ظاہر ہے اگر وہ اپنے حال پر غور کریں تو جس سانس کے ساتھ ان کی زندگی وابستہ ہے اسی کے قبضے میں ہے۔

وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ اور اللہ تعالیٰ ان کے آگے پیچھے محیط ہے یعنی ان کے زمانے سے پہلے بھی اس نے بہت سے ظالموں کو ہلاک فرمایا ہے اور ان کے زمانے کے بعد بھی بہت سے ظالموں کو ہلاک فرمائے گا اور ان واقعات کا انکار جن کی مانند ہر وقت واقعات نمودار ہوتے رہتے ہیں' بے جا ہے۔

اور اصل لغت میں وراء کا لفظ اس چیز کے معنوں میں ہے جسے آدمی چھپائے یا وہ چیز آدمی کو چھپائے اور اسی لیے آگے پیچھے دونوں کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اس آیت میں اشتراک معنوی یا عموم مجاز کے طور پر دونوں معنوں کو شامل ہے اور اس کے باوجود یہ واقعات ایسے نہیں ہیں جنہیں صرف مؤرخین نے بیان کیا ہو۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ بلکہ یہ واقعات قرآن قدیم ہے جو کہ ان واقعات کے وقوع سے پہلے لکھا گیا تھا۔

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ اس تختی میں جو کہ شیاطین' جنوں اور انسانوں کے عمل دخل سے

marfat.com
Marfat.com

محفوظ ہے' وہاں کسی کا تصرف نہیں کہ کمی بیشی یا تحریف کرے یا اپنی طرف سے کچھ ملا دے۔ پس میں اس میں جھوٹ کا احتمال کرنا عقل کے تقاضے کے خلاف ہے۔

## لوحِ محفوظ اور اس کی پہلی عبارت کا بیان

اور معالم میں امام بغوی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سند کے ساتھ لائے ہیں کہ لوح محفوظ سفید مروارید سے ہے اس کا طول آسمان اور زمین کے مابین فاصلے کے برابر ہے اور عرض مشرق ومغرب کے مابین فاصلے کے برابر ہے اور اس کے کناروں پر یاقوت نصب کیے گئے ہیں اس کے دونوں پہلو سرخ یاقوت کے ہیں۔ نور کے قلم کے ساتھ اس میں قدیم کلام لکھا گیا' اس تختی کی ابتدا میں یہ عبارت واقع ہے۔ لاالہ الا اللہ وحدہ دینه الاسلام ومحمد عبدہ و رسوله فمن امن باللہ عزوجل' و صدق بوعدہ واتبع رسوله ادخله الجنة' اللهم اجعلنا منهم۔ یا اللہ ہمیں ان میں سے کردے۔

# سورة الطارق

سورۃ الطارق مکی ہے' اس کی انیس (۱۹) آیات' اکسٹھ (۶۱) کلمات اور دوسو انتالیس (۲۳۹) حروف ہیں۔

### وجہ ربط

اس سورۃ کا سورۂ بروج کے ساتھ رابطہ کلام کی ترتیب کی جہت سے بالکل ظاہر ہے کہ دونوں کی ابتدا میں آسمان' بروج اور ستاروں کی قسمیں ہیں جبکہ دونوں کے آخر میں امور غیبیہ جو کہ آسمان کی لوحِ محفوظ اور آدمی کی جان ہے' کی حفاظتِ خداوندی کا بیان ہے' بیان کی ضرورت نہیں۔

### وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کا نام سورۃ الطارق اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ لغتِ عرب میں طارق اس مہمان کو کہتے ہیں جو کہ رات کے وقت آئے پھر ہر واقعہ کو جو رات کے وقت رونما ہو' بھی طارق کہتے ہیں اور اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے نعوذ باللہ من طوارق اللیل

marfat.com
Marfat.com

یعنی ہم ان حادثوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتے ہیں جو کہ اچانک رات کے وقت رونما ہوں اس لیے کہ ان حادثوں کا تدارک تدبیر' علاج اور مدد مانگنے کے ساتھ دشوار ہوتا ہے اور عرب کے اشعار میں معشوق کے خیال کو جو کہ عاشق کے دل میں بار بار آتا ہے' بھی طارق کہتے ہیں اس لیے معشوق کا خیال آنا زیادہ تر خلوت اور فراغت کے اوقات میں ہوتا ہے جو کہ غالب طور پر رات ہے۔

اور حدیث شریف میں مسافر کو منع فرمایا گیا ہے کہ وہ طروق کرے یعنی یہ کہ رات کے وقت اچانک گھر میں آئے تاکہ اس کے گھر والے ملاقات کے لیے مستعد اور تیار ہو جائیں اور اسے ناپسندیدہ حالات دیکھ کر گھن سی پیدا نہ ہو۔

اور اس سورۃ میں طارق سے مراد آسمان کا ستارہ ہے کہ تمام ستارے اس وصف میں برابر ہیں اس لیے کہ رات کے وقت ظاہر ہوتے ہیں اور دن میں اوجھل ہو جاتے ہیں اور بعض علماء نے اس بات پر نظر کرتے ہوئے خاص زحل ستارہ مراد لیا ہے کہ سب سے اونچا ستارہ ہے اور اس کی شعاع سات آسمانوں کے حجم کو چیر کر زمین پر پڑتی ہے۔ پس اس میں ثاقبیت یعنی خیرہ کرنے کا معنی زیادہ کامل ہے۔ اور بعض نے ثریا مراد لیا ہے اس لیے کہ چند ستاروں کے انوار جمع ہونے کی وجہ سے اس میں زیادہ چمک آگئی ہے جبکہ اکثر علماء اسی پر ہیں کہ ستاروں کی جنس مراد ہے اور ہر ستارہ اس میں داخل ہے اس لیے کہ ہر ستارے کی تین صفتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اپنی شعاع سے تاریکی کو دور کرتا ہے' دوسری یہ کہ خشکی اور تری کے مسافروں کی راہ کی علامت اور مشرق و مغرب کی سمت کا تعین حاصل ہوتا ہے تیسری یہ کہ شیاطین کے شر آسمان کی حفاظت کا سبب ہوتا ہے۔ اور اس کی دو جہتیں ہیں۔ پہلی جہت یہ کہ شیاطین دھوئیں کے مارے سے پیدا ہوئے ہیں اور طبعی طور پر ظلمت اور تاریکی کو پسند کرتے ہیں اور روشنی سے بھاگتے ہیں۔ چنانچہ تجربہ کیا گیا ہے کہ ان کا زیادہ تر غلبہ تاریکی کے وقت اور تاریک مکان میں ہوتا ہے اور شمع اور چراغ کے ہوتے ہوئے مکان میں کم دخل دیتے ہیں۔ پس آسمان کو ان نورانی قندیلوں سے روشن کیا گیا ہے تاکہ اجزائے آسمان میں جو کہ صاف و شفاف ہیں' روشنی پھیلنے کی وجہ سے شیاطین خیرہ ہو کر بھاگ جائیں۔

marfat.com
Marfat.com

دوسری جہت یہ کہ ستارے کی شعاع سے فرشتے گیند کی طرح بنا کر شیاطین کے پیچھے چلاتے ہیں جیسے توپ کا گولا جو کہ دشمن کو بھگانے کے لیے پھینکا جاتا ہے اور ستاروں کے ساتھ آسمان کی حفاظت کی اسی طرح رعایت کی گئی ہے جس طرح قلعہ کی حفاظت اس توپ خانے سے کی جاتی ہے جو کہ اس کے برجوں اور فصیل کے اوپر نصب کیا جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ آسمانی ستاروں اور گولے کی شکل جو کہ ان کی شعاع سے پیدا ہوتی ہے' دونوں کو لغت میں ستارہ' نجم اور کوکب اور ہندی میں تارہ کہتے ہیں اور توپ خانے میں غلولے کو توپ کا نام نہیں دیتے اور قرآن مجید میں ستاروں کے اس فائدے کو جا بجا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اور یہ تینوں صفات جو کہ ہر ستارے میں موجود ہیں اس قسم میں پیش نظر ہیں اس لیے کہ جس مضمون کی اس قسم کے ساتھ تاکید فرمائی گئی ہے' یہ ہے کہ آدمی کی جان جتنی بھی سختیوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے' اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے ساتھ محفوظ ہے اس کا ٹوٹنا اور فنا قبول کرنا محال ہے۔

## آدمی کی جان ابدی ہے' فنا پذیر نہیں

اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے انما خلقتم للابد یعنی آدمی کی جان کہ حقیقت میں آدمی اسی سے عبارت ہے' ابدی ہے' فنا پذیر ہرگز نہیں۔ اور وہ جو عرف میں مشہور ہے کہ موت جان کو ہلاک کرتی ہے' محض مجاز ہے۔ موت کا کام اتنا ہے کہ جان بدن سے جدا ہو جائے۔ اور مربی اور محافظ نہ پانے کی وجہ سے پاش پاش ہو جائے ورنہ جان کے لیے فنا کا تصور نہیں ہے اور عالم برزخ اور حشر و نشر کا امکان اسی مسئلے پر مبنی ہے اور اس سورۃ میں بھی اسی راہ سے آخرت کو ثابت فرمایا گیا ہے۔

## اجمال کی تفصیل

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی دو چیزوں سے مرکب ہے: جان اور جسم اس کا جزو اعظم جان ہے۔ جس میں تغیر و تبدل راہ نہیں پاتا جبکہ بدن بمنزلہ لباس ہے جس کا رنگ ماں کے پیٹ میں ہونے کی صورت میں اور تھا۔ اور پیٹ سے باہر آنے کے بعد بچپنے کی آخری عمر تک اس کا رنگ اور ہوتا ہے۔ اور اس میں جوانی اور بڑھاپے میں کافی اختلاف

marfat.com

Marfat.com

رونما ہوتا ہے تو اس کا جزو اعظم جو کہ جان ہے اور شعور ادراک لذت حاصل کرنا اور تکلیف محسوس کرنا اس کا خاصہ ہے جب فنا قبول نہ کرے اور ان محافظوں کے قبضے میں رہے جو کہ بارگاہِ خداوندی سے اس پر مقرر ہیں تو جسم کے اجزاء جمع کرنے اور اسی شکل وصورت میں انہیں جوڑنے اور ترکیب دینے میں کیا دُوری رہی کہ اس طرح کے عمل کا بننے کی ابتدا سے لے کر عمر کی انتہا تک بارہا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور جب جان کی حفاظت کی دلیل ستاروں کے ذریعے آسمان کی حفاظت کے لیے محافظ مقرر کرنے کے ساتھ تھی۔ اس مطلب کو ثابت کرنے کی ابتدا میں آسمان اور ستاروں کی قسم یاد فرمائی گئی اور اس سورۃ کو ستارے کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ مقصد کا زیادہ تر ثبوت اس کی حفاظت کو دیکھنا ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ اس سورۃ کے نزول کا سبب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طارق سے مراد بھاگنے والا ستارہ ہے جسے شہاب کہتے ہیں اور حقیقت میں شیاطین کی گزر سے آسمان کی حفاظت کرنے والا بھی وہی ہے کہ یہ شیاطین کی راہ بند کرتا ہے اور انہیں جلا دیتا ہے اگرچہ توپ کے گولے کی طرح گڑے ہوئے ستاروں کی شعاع سے پیدا ہوا ہو تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ طارق کو شہاب پر محمول کیا جائے۔

## سبب نزول

اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں حاضر آئے' آپ نے ان کے لیے کھانا حاضر فرمایا جو کہ روٹی اور دودھ تھا اور دونوں نے تناول کرنا شروع کر دیا اسی دوران ایک ستارہ آسمان سے نیچے اُترا اور زمین کے اس قدر قریب ہوا کہ اس کی شعاع سے سارا گھر منور ہو گیا اور ابوطالب کی آنکھیں چندھیا گئیں اور بے قرار ہو کر انہوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور کھڑے ہو گئے اور بولے کہ یہ کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک ستارہ ہے جسے شیاطین سے آسمان کی حفاظت کے لیے فرشتے پھینکتے ہیں اور یہ قدرتِ الٰہی کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ ابوطالب نہایت متعجب ہو کر خاموش ہو کر خاموش بیٹھ گئے' حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ سورۃ لائے۔

marfat.com
Marfat.com

اور اس سورۃ میں اس بات کا پتہ دیا گیا ہے کہ ان چیزوں کو دیکھ کر دینِ اسلام کے سچے عقائد پر دلیل لینا چاہیے اور انہیں ضائع نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ معاملہ آدمی کے حشر ونشر اور آخرت میں لوٹائے جانے پر ایک قوی دلیل ہے اس لیے کہ جب اپنی عظمت' بزرگی اور اتنی بلندی کے باوجود کہ وہاں تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا' آسمان اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا محتاج ہے اور اس کی حفاظت کی صورت اس انداز میں نمودار ہوئی کہ آسمان میں گڑے ہوئے ستاروں کی شعاع سے ایک لپکتا ہوا ستارہ پیدا ہوتا ہے اور شیطانوں کی راہ روکتا ہے اور انہیں بھگاتا ہے تو آدمی کی جان جو کہ بہت ناتواں ہے' اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے بغیر مصائب وحوادث کی اس کشمکش میں کیسے باقی رہ سکتی ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حفاظت کے لیے محافظ مقرر کیے گئے ہیں۔ پس آدمی کی جان اللہ تعالیٰ کے قبضے اور تصرف میں ہے۔ خواہ زندگی میں ہو خواہ موت کے بعد اور یہیں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ موت کے بعد وہاں کا انعام پانا اور تکلیف اُٹھانا اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ باقی رہ گیا جسم کا حال کہ اسے بھی غور وفکر کے ساتھ لوٹانے کے لائق جانا جا سکتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ مجھے قسم ہے آسمان کی اور ستارے کی جو کہ رات کے وقت نمودار ہوتا ہے چونکہ اس ستارے میں جو کہ رات کے وقت بھاگتا ہوا نظر آتا ہے' لوگوں کا اس میں بہت تردد ہے۔ بعض یوں کہتے ہیں کہ زمین کی طرف سے دھواں اُٹھ کر آسمان کی طرف جاتا ہے جب بھی کرۂ نار میں پہنچتا ہے تو اس تیل کی وجہ سے جو اس میں باقی ہے' جل اُٹھتا ہے اگر لطیف ہے تو جلدی بجھ جاتا ہے اور اگر غلیظ ہے تو چند روز تک نیزے یا دُم دار ستارے یا دوسری شکلوں میں قائم رہتا ہے۔

اور بعض یوں کہتے ہیں کہ قمر کے آسمان کے نیچے کرۂ نار ہے اور اس کرے سے کبھی بھڑکنے کی حرکت کی وجہ سے جو کہ فلک کے درجات میں سے کسی درجے میں گرم مزاج ستاروں کے اجتماع کی شعاعوں کی قوت سے پیدا ہوتی ہے' کوئی چیز جدا ہو کر نیچے آ جاتی ہے اور دھوئیں کے طبقے میں جو کہ کرۂ نار اور نری ہوا کے درمیان ہے' نمودار ہوتی ہے اور دوڑتے

marfat.com
Marfat.com

ہوئے ستارے کی مانند نظر آتی ہے اور طبقۂ زمہریر میں پہنچتی ہے تو جامد ہو جاتی ہے اور نظر سے غائب ہو جاتی ہے۔

اور ان دونوں باتوں میں بحث ہے اس لیے کہ وہ نور جو بھاگتے ستاروں میں دیکھا جاتا ہے' آگ کے اس شعلے کے ساتھ مشابہت ہرگز نہیں رکھتا جو کہ دھوئیں کے اندر بھڑکا ہو بلکہ اس ستارے کا نور انوارِ آسمانی کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا ہے جیسا کہ محسوس ہوتا ہے۔

نیز ان ستاروں کی حرکت کی سمت صرف اوپر سے نیچے میں منحصر نہیں ہے تاکہ اوپر اُٹھنے والے دھوئیں کے بھڑکنے یا نیچے جسم ناری کے پھیلنے پر محمول کیا جاسکے۔ یہ زیادہ تر بائیں سے دائیں اور دائیں سے بائیں بھاگتے ہیں اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حرکتیں طبعی حرکات نہیں ہیں بلکہ ارادہ و اختیار والی چیزوں میں سے کوئی زبردست چیز انہیں زبردستی دوڑاتی ہے' ان شکوک وشبہات کو دُور کرنے کے لیے سوال وجواب کے طریقے سے ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ اور تو کیا جانے کہ وہ رات کو آنے والا ستارہ کیا ہے۔

اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ ایک ستارہ ہے جو کہ اپنی شعاع سے شیاطین کو خیرہ کرتا ہے اور کبھی اس شعلے سے جو کہ اس کی شعاع سے پیدا ہوتا ہے' انہیں جلا دیتا ہے اور اس کی شعاع کی قوت کی وجہ سے شیاطین کی بعینہٖ وہی حالت ہو جاتی ہے جو کہ سورج کی شعاع میں چمگادڑ کی ہوتی ہے اور جب طارق کی حقیقت بیان کرنے سے فراغت ہوئی تو اب وہ مضمون بیان فرمایا جارہا ہے جس پر قسم اُٹھائی گئی ہے کہ

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ نہیں ہے کوئی جان چھوٹی ہو یا بڑی' نیک ہو یا بُری مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ایک نگہبان ہے جو کہ اسے مصائب اور حوادث کے صدموں کی وجہ سے فنا نہیں ہونے دیتا۔

## محافظ فرشتوں کا بیان

یہاں جاننا چاہیے کہ آدمی کی جان کی معدوم اور فنا ہونے سے حفاظت کرنے والا

marfat.com
Marfat.com

داروغہ ایک فرشتہ ہے جو کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے لشکر سے ہے جو کہ آخر میں اس جان کو دونفخوں کے درمیان کی مدت میں صور میں پہنچا دے گا۔ آدمی کے متعلقہ دوسرے محافظین بہت ہیں جو کہ باری باری دن رات کے پہرے کے طور پر آدمی کے جسم کی حفاظت کرتے ہیں مگر اس وقت تک جب تک کہ اس کے جسم کو ضرر پہنچانے کے ساتھ تقدیر الٰہی متعلق نہیں ہوئی ہے اور جیسے ہی ضرر کا وقت مقدر پہنچتا ہے وہ دست بردار ہو جاتے ہیں اور تقدیر کے حوالے کر دیتے ہیں۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ وکل بالمومنین مائتہ وستون ملکا یذبون عنه کما یذب عن قصعة العسل الذباب و لو وکل العبد الی نفسه طرفة عین لاختطفته الشیاطین عضوا عضوا ہر مومن پر ایک سو ساٹھ فرشتے مقرر ہیں جو کہ شیاطین کو اس سے اس طرح دور رکھتے ہیں جس طرح شہد کے پیالے سے مکھیاں دور کی جاتی ہیں اگر بندے کو اس کی اپنی حفاظت پر چھوڑ دیا جائے تو شیاطین اس کا ایک ایک عضو اچک لیں۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان والے کی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ محافظت اور نگہبانی ہے اس لیے کہ ایمان کی وجہ سے اس کے بہت سے دشمن پیدا ہو گئے ہیں جو کہ کافروں کے دشمن نہیں ہیں اور عام محافظوں کا ذکر جو کہ ہر مومن و کافر کی بدنی آفات سے نگہبانی کرتے ہیں۔ سورۃ رعد میں موجود ہے له معقبات من بین یدیه ومن خلفه یحفظونه من امر الله اور ہر کسی کی جان کے محافظوں کا ذکر سورۂ انعام میں ہے کہ وهو القاهر فوق عباده ویرسل علیکم حفظة حتی اذا جاء احدکم الموت توفته رسلنا وهم لایفرطون اور دوسرے فرشتے جو کہ بندوں کے اچھے برے اعمال لکھنے پر مامور ہیں ان کا ذکر سورۂ اذا السماء انفطرت میں ہے اور وہ فرشتہ جو کہ آدمی کے ہر لفظ اور حرف پر مقرر ہے اور اسے گنتا اور لکھتا ہے اس کا ذکر سورۂ ق میں ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ یہاں جان کی حفاظت کا بیان کرنا مقصود ہے جو کہ ہر کسی کے لیے واقع ہے اس حفاظت میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں ہوتی اور جب آدمی کو آخرت میں لوٹنے

marfat.com
Marfat.com

کی بحث سے اپنے نفس کی بقاء اور موت سے پہلے اور موت کے بعد اپنی جان کا محفوظ رہنا معلوم ہو گیا اور اس نے جان لیا کہ میری جان جو کہ حقیقت میں میری ذات ہی ہے اور بدن لباس کے طور پر ہے' مالکِ حقیقی کے قبضے میں ہے تو اسے قیامت کے دن لوٹنے اور حشر و نشر کے صحیح ہونے کے اعتقاد میں کوئی شک نہ رہا مگر صرف جسم کے لوٹانے کو دُور از امکان سمجھنے کی جہت سے کچھ شک باقی ہے کہ اس کے اجزا موت کے بعد بالکل منتشر ہو جاتے ہیں' کچھ زمین کی خاک میں مل کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور کچھ حیوانات کا لقمہ ہو جاتے ہیں اور وہ حیوانات مختلف مقامات میں جا مرتے ہیں اور مٹی میں برابر ہو جاتے ہیں اور کچھ پرندوں میں ایک ملک سے دوسرے ملک اور صحرا سے دوسرے صحرا تک پھیل جاتے ہیں تو ان سب منتشر اجزا کو جمع کرنا اور جدا جدا کرنا کہ یہ فلاں جسم کا جزو ہے اور یہ فلاں جسم کا حصہ ہے' ایک ایسا کام ہے جو کہ ظاہر بین عقل میں بہت دشوار معلوم ہوتا ہے اسی لیے کسی کہنے والے نے ہندی شعر میں کہا ہے

پات جھڑنتے یوں کہیں سُن رے بنکی رائے
اب کے بچھڑے نا ملیں دور پڑیں گے جائے

ناچار اس اُلجھن کو دُور کرنے کے لیے آدمی کو ایک اور راہ کا پتہ دیا جا رہا ہے۔

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ چاہیے کہ آدمی دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا اور اس کی خلقت کا مادہ کہاں کہاں سے جمع کر کے لایا گیا ہے۔

## خلقت انسانی کی تفصیل

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی کا نطفہ اس خون کا نچوڑ ہے جو کہ غذا سے حاصل ہوتا ہے اور غذا نباتی ہے یا حیوانی۔ نباتی غذا کی بے شمار اقسام ہیں۔ دانے' غلے' سبزیاں' پھل' گرم اور سرد مصالحے اور حیوانی غذا جیسے گوشت' دہی' دودھ' گھی' پنیر اور انڈہ وغیرہ ہے اور علم طب میں طے شدہ بات ہے کہ صالح غذا کھانے کے بعد جب بہتر (۷۲) گھنٹے گزرتے ہیں تو منی وجود میں آتی ہے۔ پس ہر شخص کو اپنی روزانہ کی غذا میں غور کرنا چاہیے کہ چاول کہاں سے لائے گئے ہیں' کس مملکت میں واقع کس صوبے سے متعلق کس ضلع کی کس تحصیل کے

marfat.com
Marfat.com

کس دیہات کی زمین کے کس قطعہ میں کاشت کیے گئے تھے اور سوداگروں کو کیا ضرورت پیش آئی کہ انہوں نے اس دُور دراز کے ملک سے بیلوں اور اونٹوں پر لاد کر بازار میں لا کر مجھ مسکین کے ہاتھوں فروخت کیے اور مجھے یہ چاول کھلائے گئے اور اسی قیاس پر اپنی غذا کے تمام ارکان اور ضروریات کے حال کو سمجھیں اور جان لیں کہ میرے والدین کو بھی اسی طریقے سے دُور دراز کے شہروں سے مختلف غذائیں جمع کر کے کھلائی گئی ہیں حتی کہ میرا نطفہ ان کے جسم میں پیدا ہوا اور میں اس نطفے سے پیدا ہوا اور جو غذا میں ہر روز اس قدر متفرق اجزا کو جمع فرماتا ہے اور مہیا کرتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ ایک جگہ ڈھیر کیا جائے تو آدمی کے جسم کی تعداد سے حجم میں ہزاروں مرتبہ زیادہ ہو اس سے کیا بعید ہے کہ چالیس سال کی مدت میں جو کہ دو نفخوں کے درمیان ہے' جسم کے تمام اجزا کو جو کہ بلاشبہ اس مقدار سے کم تر ہیں' مختلف اور دُور دراز جگہوں سے مہیا کر کے گوشت اور کھال کا لباس پہنا دے۔

پھر اس کے بعد کہ غذا نطفہ ہو گئی' اسے کہاں سے یکجا کرتے ہیں اور اس نطفے کی راہ میں کون کون سی سخت ہڈیاں حائل ہیں جو کہ آدمی کے جسم کے پہاڑ کی مثل ہیں اور اس کے باوجود اس نطفے کو کس تدبیر کے ساتھ مغز کے گودے سے باہر نکال کر آلے کے سوراخ تک پہنچایا جاتا ہے اور وہاں سے رحم کی گہرائی میں کس طرح پہنچتا ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ یعنی آدمی کودنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے اور وہ پانی مرد اور عورت کا نطفہ ہے جو کہ رحم میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر یکساں ہو جاتا ہے اور اگرچہ کودنا مرد کی منی کا خاصہ ہے لیکن چونکہ باہم ملنے کے بعد ایک چیز ہو گئی تو تغلیب کی بناء پر اس مجموعی مرکب پر مرد کا اطلاق فرمایا گیا اور بعض طبیب اس کے قائل ہیں کہ عورت کی منی کے لیے بھی رحم کے اندر کودنا ہے لیکن رحم کی گہرائی کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتی جیسا کہ وہ حرکت جو کہ انزال کے وقت عورت کو ہوتی ہے اس پر گواہ ہے۔ پس ان تمام غذاؤں کو ہضم کے مراحل طے کرنے کے بعد صورت بخشنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ صورتوں کو بدلنا قدرتِ الٰہی میں ایک نہایت ہی آسان کام ہے۔

**یَخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ جو کہ پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان**

marfat.com

Marfat.com

سے نکلتا ہے اس لیے کہ مادہ منویہ پہلے دماغ سے ٹپکتا ہے اور کانؔ کی پچھلی رگوں میں جاری ہو کر حرام مغز میں پہنچتا ہے اور حرام مغز کا محل پشت اور سینے کے درمیان ہے۔ پس مرد کا وہ مادہ پشت کی ہڈی کے مہروں سے گزر کر گردوں اور وہاں سے خصیوں میں اور وہاں آلے کی نچلی نالی تک پہنچتا ہے اور رحم میں گرتا ہے جبکہ عورت کا مادہ سینے کی طرف سے اسی طرح گزر کر خصیوں میں پہنچتا ہے جو کہ رحم کی گردن میں رکھے گئے ہیں اور حرکتِ جماعی اور گدگدی کی وجہ سے رحم کے منہ میں گرتا ہے اور رحم کے اندر دونوں پانی جمع ہو جاتے ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں اس پانی کا گزارنا مقصود ہے کہ اسے کس طرح اس دشوار اور سنگلاخ میں جاری کیا جاتا ہے جس کے دونوں طرف ہڈیاں واقع ہیں اور اسے سفر کی انتہا تک پہنچاتے ہیں نہ یہ کہ مادہ منویہ پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان میں پیدا ہوتا ہے تا کہ طب کے قواعد کے خلاف ہو اس لیے کہ ان کے نزدیک منی تمام اعضاء سے لی جاتی ہے اسی لیے بیٹے میں والدین کی مشابہت کا ہر عضو میں مشاہدہ ہوتا ہے اور وہ مادہ دماغ میں جمع ہو کر وہاں سے رگوں کے راستے کانوں کے پیچھے گرتا ہے۔

اور جب انسان کو اپنی جان کی بقاء حضرت حق تعالیٰ کے قبضہ اور تصرف میں ہونے کا علم ہو گیا اور اپنی غذا کے متفرق اجزا کے جمع ہونے کی کیفیت اور ابتدائے خلقت میں اپنے مادہ کا وجود میں آنا اور اس کے حال کا ایک صورت سے دوسری صورت میں بدلنا اور اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف گزرنا بھی ظاہر ہو گیا اور اس نے اپنی ابتدا اور دنیوی زندگی کو خوب جان لیا تو وہ آخرت میں لوٹنے کے مقدمے کو بھی انہیں دو حالتوں پر قیاس کرلے گا اور اسے یقین سے ثابت ہو جائے گا کہ

اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ تحقیق اللہ تعالیٰ جو کہ اس مذکورہ طریقے کے ساتھ آدمی کو پیدا کرنے والا ہے یقیناً اسے لوٹانے پر قادر ہے اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمانے کا ارادہ فرمائے گا تو عرشِ عظیم سے ایک بارش نازل فرمائے گا جس کے پانی میں مرد کے مادہ منویہ کی خاصیت ہے اور اس میں گرہ لگانے کی قوت رکھی گئی ہے تا کہ مردہ جسم کے اجزا کو زندگی قبول کرنے کی استعداد بخشے اور اس کے ساتھ ارواح کا تعلق

marfat.com
Marfat.com

درست ہو جائے لیکن یہ لوٹانا اس وقت پر موقوف ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ جس دن کہ پوشیدہ چیزیں ظاہر کر دی جائیں۔

## تحقیق مقام

اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ دنیا میں آدمی کے بدن کے احکام غالب ہیں اور روح کے احکام مغلوب اس لیے وہ تصنع اور تکلف کے ساتھ اپنی روح کے اوصاف کو اس حد تک چھپا سکتا ہے کہ ان کا اثر بدن پر بالکل ظاہر نہ ہونے دے۔ چنانچہ لوگ بزدلی' بخل اور اپنی دوسری بُری صفات کو تکلف اور تصنع کے ساتھ چھپائے رکھتے ہیں اور گھبراہٹ اور بے چینی کے اثرات اپنے بدن پر ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ قیامت کے دن بدن کا حکم مغلوب ہو جائے گا جو تاریکی جو ہر روح میں مخفی تھی' چہرے کی سیاہی کے ساتھ ظاہر ہو جائے گی اور جو اروا ح اعضاء میں پھیلی ہوئی ہیں' ان اعضاء کے کردار کی گواہی دیں گی اور باطن کی تمام صفات ظاہر اور منکشف ہو جائیں گی اور جب آدمی کو لوٹانا جزا پہنچانے کے لیے ہے ناچار اس وقت پر ہی مقرر ہوگا اور اس سے پہلے اسے لوٹانا حکمت کے تقاضا کے خلاف ہے۔

اور لغت میں سرائر پوشیدہ چیزوں کو کہتے ہیں اور یہاں عقائد باطلہ' ناپاک نیتوں اور اچھے بُرے اعمال کے اثرات کو شامل ہے۔ جو کہ آدمی کی روح میں پختہ ہو جاتے ہیں اور اچھے بُرے رنگ کی طرح روح کے چہرے پر جم جاتے ہیں اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سرائر سے مراد پوشیدہ گناہ اور مکروفریب ہیں جنہیں دنیا میں چھپانے کی کوشش کی جاتی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ایسے فرائض ہیں کہ جن کا ادا کرنا اور نہ کرنا محض آدمی کے ظاہر کرنے سے وابستہ ہے' کسی دوسرے کو اس پر مطلع ہونا ممکن نہیں جیسے نماز' روزہ' وضو' غسل جنابت' زکوٰۃ ادا کرنا اور دوسرے واجبات جو کہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واقع ہیں' دوسرے لوگوں کو ان کے مطالبے کا حق نہیں اور ان کی ادائیگی دوسروں سے متعلق نہیں ہے۔ مثلاً بے روزہ آدمی ظاہر کرے کہ میں روزے سے ہوں یا جنبی ظاہر کرے کہ میں نے غسل کیا ہے یا بے وضو شخص کہے کہ میرا وضو ہے یا وہ شخص جو سونے چاندی کی زکوٰۃ نہیں دیتا اور ظاہر کرتا ہے کہ میں نے زکوٰۃ دی ہے صرف اس کے کہنے پر اسے چھوڑ دینا چاہیے اور تعارض

marfat.com

Marfat.com

نہیں کرنا چاہیے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ سرائر کا لفظ ان چیزوں سے زیادہ عام اور وسیع ہے۔

فَمَالَهٗ مِنْ قُوَّةٍ تو آدمی کو اس روز اظہار کو روکنے اور اسرار کو چھپانے کی کوئی طاقت نہیں ہوگی جس طرح کہ دنیا میں سنبھالنے اور روکنے کی طاقت رکھتا تھا اور بے چینی کے وقت خود کو مستقل ظاہر کرتا تھا اور پٹائی کے باوجود چوری اور دوسرے جرائم کا اقرار نہیں کرتا تھا۔

وَلَا نَاصِرٍ اور اس کا کوئی مددگار نہ ہوگا جو کہ جرم ظاہر ہونے کے باوجود اس سے اس کی سزا کو دُور کر دے۔ جس طرح کہ دنیا میں مدد کرنے والے اور ساتھی حقوق کے ثابت ہونے کے باوجود بدلہ پہنچانے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور چھڑا لیتے ہیں اور جب دنیا میں جرم اور گناہ سے نجات کی راہ انہیں دو طریقوں میں منحصر ہے یا تو اس گناہ کو چھپانے میں پوری قوت کے ساتھ کوشش کر کے اسے ثابت نہ ہونے دے یا ظاہر کرنے کے باوجود ساتھیوں اور حامیوں سے مدد لے کر اس کی سزا سے بچ جائے اس روز ان دونوں طریقوں کی نفی کر دی گئی ہے اور انہیں ختم کر دیا گیا ہے تا کہ مستحق تک جزا کے پہنچنے میں کوئی اختلاف اور کوتاہی راہ نہ پائے ورنہ اس دن کا مسئلہ بھی دنیا کی طرح درہم برہم ہو جائے اور روز فصل نہ رہے۔

اگرچہ ان آیات میں دو مضمون بیان کیے گئے ایک تو یہ کہ روح اور جسم کی ترکیب کے ساتھ آدمی کو لوٹانا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے اور دوسرا یہ کہ قیامت کا دن مخفیات اور پوشیدہ چیزوں کے ظاہر ہونے کا دن ہے کہ نفس کے اندر مخفی حالات اس دن ظہور پذیر ہوں گے اور کسی حیلہ و تدبیر کے ساتھ انہیں روکنا ممکن نہیں ہوگا' ان دونوں مضامین کو ثابت کرنے کے لیے قسم کی صورت میں دو اور دلیلیں بیان کی جا رہی ہیں۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ مجھے گردش والے آسمان کی قسم ہے جو کہ ہمیشہ حرکت دوریہ میں اپنی چھوڑی ہوئی طرز کو پھر طلب کرتا ہے اور دن رات کے ہر دورے میں اپنی چھوڑی ہوئی طرز کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بعض ستارے سال میں اور مہینے میں اور بعض اس سے زائد مدت میں اپنے چھوٹی ہوئی طرزوں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو روحِ انسانی کا اپنی

marfat.com
Marfat.com

چھوڑی ہوئی زندگی کی طرف رجوع کرنا اور اپنے پرانے بدن کی تدبیر کرنا کیا بعید ہے؟ کہ اس کی مثل عمل کا فلک کی حرکت دوریہ میں ہر دن رات میں مشاہدہ ہوتا ہے۔

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ اور مجھے زمین کی قسم ہے جو کہ پھٹنے اور ظاہر کرنے والی ہے۔ قسم قسم کی نباتات اس کے باطن سے ظاہر میں آتی ہیں' چشمے جاری ہوتے ہیں اور اس کی کانوں سے سونا اور جواہرات نکالے جاتے ہیں تو نفسِ انسانی میں سپرد کیے گئے اسرار کا قیامت کے دن ظاہر ہونا بعید نہ رہا۔ اس لیے کہ جب خزاں کے دنوں میں زمین کو دیکھا جاتا ہے' تمام نباتات اس میں چھپے ہوئے اور پوشیدہ ہیں اور جیسے ہی موسم بہار پہنچا اور بارش کے پانی نے زمین کے اجزا میں مخلوط ہو کر انہیں نشوونما دی' وہ تمام پوشیدہ چیزیں ظاہر میں جلوہ گر ہو گئیں اور عالمِ آخرت میں روح کے اثر کے فیضان کی وجہ سے نفس کی یہی حالت ہے۔

اور بعض مفسرین نے رجع کو بارش پر محمول کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین اور دریا کے بخارات اوپر اُٹھ کر جب طبقۂ زمہریر کے پاس پہنچتے ہیں تو پانی ہو کر ٹپک پڑتے ہیں اور اس تفسیر پر بھی بخارات کے مادہ کے لیے اپنے اصلی مکان کی طرف رجوع ثابت ہوا اور وہ انسان کے عالمِ روحانی کی طرف لوٹنے کی دلیل ہے جو کہ اس کا اصلی ٹھکانہ تھا اور اس سخن سے پہلا مضمون ثابت ہوتا ہے۔

اِنَّهٗ تحقیق یہ بات کہ حق تعالیٰ انسان کو لوٹانے پر قادر ہے اور اس کا لوٹانا اسرار کے ظہور کے وقت کے ساتھ مقرر ہے جو کہ قیامت کا دن ہے۔

لَقَوْلٌ فَصْلٌ البتہ ایک واضح سی بات ہے کہ جس میں کوئی شبہ نہ رہا۔ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ اور یہ بات کوئی بے ہودہ بات نہیں جس کی کوئی قوی دلیل نہ ہو اور تخیل کے طور پر دل میں گزری ہو اور شاعروں کے مبالغہ کی طرح بے حقیقت ہو جس طرح کہ کفار کہتے ہیں کہ قیامت اور جزا کے دن کے متعلق انبیائے علیہم السلام کے وعدے وعید اسی طرح کے ہیں جیسے موہومہ چیزوں سے بچوں کو ڈراتے ہیں تاکہ خوشی نہ کریں اسی طرح انبیائے علیہم السلام نے اس مقصد کے لیے جہاں کی رسم خراب نہ ہو اور بُری رسمیں اور بُرے اعمال رائج نہ ہوں' از رہ عقل وعدہ اور وعید کے ساتھ رغبت دلاتے اور ڈراتے ہیں۔ حقیقت میں یہ چیزیں

marfat.com
Marfat.com

محالات کے قبیلے سے ہیں اور ان کے محال ہونے کو ثابت کرنے کے لیے بعید از امکان شبہات کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے

اِنَّهُمْ تحقیق یہ کفار جو کہ قرآن پاک کو کلام فصل تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہزل گمان کرتے ہیں۔

یَكِيْدُوْنَ كَيْدًا مضامین قرآن کو رد کرنے کے لیے از رہ مکروفریب حیلے تراشتے ہیں اور بعید قسم کے شبہات لاتے ہیں تا کہ عوام کے نزدیک اس کا ہزل ہونا ثابت ہو۔

وَّاَكِيْدُ كَيْدًا اور میں بھی ان کے مقابلے میں اپنی خفیہ تدبیر فرماتا ہوں تا کہ اس کا مدلل اور واضح کلام ہونا عام خاص کے نزدیک ظاہر ہو جائے۔ اس لیے کہ جب بھی کفار جزا' حشر اور نشر کے وقوع کے بعید ہونے میں کوئی شبہ بروئے کار لاتے تھے اس کے جواب میں حشر ونشر کے وقوع کے بارے میں جزا کے مقدمات کی مثال اور دلیل زیادہ واضح ہوتی یہاں تک کہ اجمال تفصیل تک جا پہنچا اور اس میں کوئی شک شبہ نہ رہا۔ پس ان کے شبہات' مطالب کو زیادہ ثابت کرنے اور مقصد کو زیادہ واضح کرنے کا موجب ہوئے اور کفار اس معنی سے بے خبر رہے اور کید کی حقیقت یہی ہے کہ بے خبر مخالف کو ملزم بنا دیں اور اس کے مطلوب کے خلاف چیز کو بروئے کار لائیں۔

اور اگرچہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ کفار کے باخبر ہونے کی صورت میں بھی اثبات مطلب کو بروئے کار لائے لیکن بے خبری کے الزام میں ان کی انتہائی ذلت و رسوائی مقصود ہے اس لیے کہ وہ بد بخت بھی اللہ تعالیٰ کے رسولوں علیہم السلام کی پریشانی کا قصد کرتے تھے اور جب ثابت ہو گیا کہ اس وقت جو کہ نزولِ وحی اور اسلام کے اوائل کا وقت تھا اور عقائد اسلام کو باطل کرنے میں قسم قسم کے شبہات لانا اس اعتبار سے کہ دلائل اسلامی کی ترقی اور اس کے عقائد واضح ہونے کا موجب ہے اور جب تک وہ زندہ ہیں اور شبہات قائم کر رہے ہیں۔ گویا دلائل اسلام کی ترقی میں کوشش کر رہے ہیں اس وجہ سے کہ بے خبر ہیں کفار کا ہونا عین حکمت اور سراسر منفعت ہے تو اس وقت ان کی ہلاکت کی دعا مناسب نہ تھی اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے کہ وہ جلد ہلاک ہوں اسی لیے ارشاد ہوا

marfat.com
Marfat.com

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ پس کفار کو مہلت دیں اور ان کی ہلاکت کی دعا میں جلدی نہ کریں تاکہ ان کے شبہات کی وجہ سے ان کے جواب میں پے در پے وحی کا نزول ہو اور شریعت اور دین کے حقائق اور حشر و نشر کے حالات کی کماحقہ تحقیق و تفصیل ہو سکے۔ اس کے بعد جب دین پورے طور پر ظاہر ہو جائے اور الزام حجت اور شبہات کا رد انتہا تک پہنچ جائے اس وقت ہم آپ کو جہاد اور لڑائی کا حکم دیں اور آپ کے ہاتھوں انہیں ہلاک کریں۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے

اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا آپ انہیں تھوڑے سے وقت کے لیے مہلت دیں جو کہ بعثت شریفہ کی ابتدا سے چودہ سال کے قریب تھا اور اسی اثناء میں ان کے دلوں میں جو شبہ گزرا' انہوں نے وارد کیا اور اس کا جواب پایا۔ اس کے بعد ان کے ذہن میں کوئی شبہ نہ رہا اور ان کا عناد اور سرکشی ظاہر ہوگئی اور سزا اور وارننگ کے قابل ہو گئے اور اتنی مدت مہلت دینے میں نکتہ یہ ہے کہ یہ مقدار آدمی کے سنِ بلوغ کی ہے کہ جب وہ اس عمر کو پہنچتا ہے اس کی عقل اور جسم کامل ہو جاتے ہیں اور وہ سزا و جزا کے لائق ہو جاتا ہے۔ پس بعثت کی ابتدا میں مکہ اور عرب کے کفار بچے کا حکم رکھتے تھے کہ انہیں آہستہ آہستہ شریعت کی سمجھ' دلائل میں غور و فکر اور دین کے قواعد کے حسن و قبح کو جاننے کی تعلیم و تربیت منظور تھی۔ اور اس باب میں معجزات اور آیات کو ظاہر کرنا کافی تھا اور جب اس مدت تک ان میں سے بعض اصلاح پذیر نہ ہوئے اور پوری پرورش کے باوجود ادب سکھانے اور سزا دینے کے محتاج ہوئے تو جہاد اور لڑائی کا حکم نازل ہوا۔

# سورۃ الاعلیٰ

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے اس سورۃ میں انیس (۱۹) آیات' بہتر (۷۲) کلمات اور دو سو اکہتر (۲۷۱) حروف ہیں۔

## رابطے کی وجہ

اور سورۂ طارق کے ساتھ اس سورۃ کے رابطے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں بیان فرمایا

marfat.com
Marfat.com

گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر نفسِ انسانی کا ایک محافظ ہے جبکہ اس سورۃ میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفسِ مقدس کی خود خدا تعالیٰ اس امر سے حفاظت فرماتا ہے کہ علومِ غیبیہ کی وحی فراموش ہو جائے۔ نیز وہاں انسان کی تخلیق کی ابتدا کی کیفیت کا بیان ہے کہ اس کا نطفہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں سے گزرتا ہے جبکہ یہاں اس کی تخلیق کی انتہا کی کیفیت کا بیان ہے کہ پوری تربیت کے بعد اس نے کیا صورت اختیار کی ہے۔ نیز وہاں قرآن پاک کے اوصاف کا ذکر ہے کہ فی نفسہ اس اعجاز پر مبنی کلام کا کیا مرتبہ ہے جبکہ یہاں بھی آدمیوں کی نسبت سے قرآن مجید کے اوصاف کا بیان ہے کہ اس پر عمل نجات کا موجب ہے اور اس سے روگردانی ہلاکت کا باعث اور ان مضامین کا آپس میں جو رابطہ ہے' پوشیدہ نہیں ہے۔

## وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کا نام سورۃ الاعلیٰ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کی ابتدا میں اسمائے حسنیٰ میں سے یہ نام مذکور ہے اور اس نام کی حقیقت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کمال کا مرجع ہے۔ اس کمال کے آغاز میں بھی اور انتہا میں بھی اس لیے کہ اس عالم میں مرتبہ کی بلندی دو قسموں میں منحصر ہے' ایک قسم ابتدا کی بلندی ہے کہ کمال وہاں سے شروع ہوتا ہے اور ایک قسم انتہا کی بلندی کہ کمال وہاں ختم ہوتا ہے اور جو دونوں قسموں کا جامع ہے' اعلیٰ ہے جب حق تعالیٰ کا اس نام سے ذکر کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کے کمالات نقصان میں ہرگز نہیں رہتے ورنہ ابتدا یا انتہا میں اس کے علو مرتبت میں قصور لازم آئے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نام کے صرف ذکر سے ہی قلبی اطمینان حاصل ہو جائے اور قلبِ مقدس میں پیدا ہونے والا اندیشہ بالکل زائل ہو جائے۔

## سببِ نزول

اور اس سورۃ کے نزول کا سبب یوں بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر طویل سورتوں کی وحی شروع ہوئی اور جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے غیب سے بے حد و حساب علوم اُترنا شروع ہوئے تو آپ کے دل مبارک میں یہ اندیشہ گزرتا تھا کہ میں بالکل اُمی ہوں'

marfat.com

Marfat.com

ان الفاظ اور ان معانی کو لکھے بغیر اور کتاب کی طرف رجوع کیے بغیر یاد رکھنا مجھ سے کیسے ممکن ہوگا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں سے کچھ فراموش ہو جائے اور رسالت کی ذمہ داری میں فرق پڑ جائے۔ حق تعالیٰ نے آپ کے قلب مقدس کی تسلی کے لیے یہ سورۃ اُتاری اور اس میں بشارت دی کہ رب العزت آپ کی استادی خود فرمائے گا' آپ کو سبق فراموش ہونے کا خطرہ بالکل نہیں ہونا چاہیے۔

اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سورۃ کو بہت پسند فرماتے تھے اور اکثر اوقات وتر کی پہلی رکعت اور جمعۃ المبارک کی پہلی رکعت میں اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور اکثر پہلے بزرگانِ دین نمازِ تہجد میں اس سورۃ کو پڑھا کرتے تھے اور اس کی برکت کے امیدوار ہوتے۔

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ اس تسبیح کو اپنے رکوع میں کرلو۔ یعنی رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہو۔ اور جب آیت "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس تسبیح کو اپنے سجدے میں بجالاؤ یعنی سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہو۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو شخص سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھے' اسے چاہیے کہ اس کے بعد سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہے تا کہ حکمِ خداوندی کی تعمیل کا شرف حاصل کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اپنے پروردگار کے نام کو پاک جان جو کہ ہر بلند سے زیادہ بلند ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک نام کو پاک جاننا ذات کو پاک جاننے سے کنایہ ہے اس لیے کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ تعظیم وادب کے مقام میں ذات سے نام کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ عرف میں مشہور ہے کہ بادشاہوں اور سرداروں کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت کے نام سے یہ کام ہوگیا اور یہ فتح میسر آئی اور اگر سبح ربک کہا جاتا

marfat.com
Marfat.com

تو تعظیم وادب کی رعایت حاصل نہ ہوتی۔ نیز حضرت حق جل شانہ کی ذات کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا تو اس کی ذات کو پاک جاننے کا معنی یہی ہے کہ اس ذات پاک پر ناقص اور خلاف ادب ناموں کا اطلاق نہ کریں۔

## ذاتِ حق کو پاک جاننے کا مفہوم

اور ذاتِ حق کو پاک جاننے کا معنی جس قدر شریعت میں وارد ہے یہ ہے کہ اجمالی طور پر جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عقول واوہام کی گرفت سے بالاتر ہے اور کوئی غیر موزوں وصف' نقصان اور عیب اس کے سراپردۂ جلال کے قریب نہیں پھٹکتا۔

اور تفصیل کے ساتھ سمجھنا چاہیے کہ وہ ذاتِ اقدس جوہر نہیں اور جسم نہیں ہے اور عرض نہیں ہے اور کل اور بعض کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور اسے صورت' جہت' حد' انتہا' مکان اور مجلس بالکل لاحق نہیں۔ اور کوئی شے اس کے مشابہ نہیں ہے اور وہ کسی چیز کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔ پس مثل اور شریک سے' بیوی اور بیٹے سے' اور کھانے پینے' اور ان سب چیزوں سے جو حدوث کو لازم ہوں یا زوال وفنا کا موجب ہوں' وہ ذات پاک منزہ اور مبرا ہے۔

اور مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو پاک جاننا فرض ہے اسی طرح اس کے اسماء کی تعظیم اور احترام بھی واجب ہے۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے نام کو پاک رکھنا مراد کیوں نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء کو پاک رکھنا یہ ہے کہ اس کا نام اس چیز سے نہ لیں جو نقصان اور عیب پر دلالت کرے اور اس کے ناموں کو اس کے غیر پر جاری نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر تعظیم کے طریقے' طہارت کی شرط' حضور قلب اور کمال توجہ کے ساتھ بجالائیں تا کہ اس سے دل کی صفائی حاصل ہو اور اچھے نتائج برآمد ہوں۔

اور ظاہر یہ ہے کہ اعلیٰ رب کریم کی صفت ہے اس لیے کہ اگلی صفات یعنی اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی وغیرہا صفاتِ رب ہیں نہ کہ صفاتِ اسم اور بعض صوفیاء نے فرمایا ہے کہ اعلیٰ صفتِ اسم ہے۔

## تصوف کا ایک مسئلہ

اور وہ مسائل تصوف میں سے ایک مسئلہ کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اہلِ تصوف

marfat.com
Marfat.com

کے نزدیک مخلوقات میں سے ہر مخلوق کے لیے اسمائے الٰہیہ میں سے ایک رب ہے جو کہ اس مخلوق کے تعین کا مبداء اور اس مخلوق کی انتہا کا مرجع ہے اور اس کے سفر کا منتہی ہے اور روح محمدی علی صاحبها الصلوٰة والتسلیمات جو کہ اکمل مخلوقات ہے' کا رب اسم اعلیٰ ہے اور وہ ذات مع جمیع الصفات سے عبارت ہے اور اس اسم کی تسبیح کا معنی یہ ہے کہ حق کے ماسوا سے تجرد اختیار کرو اور غیر کو دیکھنے سے اپنی حفاظت کرو تاکہ تمہاری ذات پر کمالات حقانیہ پورے طور پر تجلی فرمائیں کیونکہ تمام کمالاتِ الٰہیہ کو قبول کرنے کی مکمل استعداد ذاتِ محمدی علی صاحبها الصلوٰۃ والتسلیمات کے سوا کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے اور ہر چیز کی تسبیح جو کہ اس چیز کے ساتھ خاص ہے' اسمائے الٰہیہ میں سے اسی اسم کی تسبیح ہے جو کہ اس چیز کا مربی اور اس کے کمال کا مرجع ہے۔

(اقول و باللہ التوفیق جب کمالاتِ الٰہیہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر پورے طور پر متجلی ہیں جیسا کہ مفسر علام نے نقل فرمایا تو ان کمالاتِ حقانیہ کے جلووں سے ذات پاک حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام روشن اور منور ہے اور آپ کی ذات مقدس کمال کی ہر نقیض سے پاک ہے۔ سچ فرمایا حضرت شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے

ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بروتمام

اسی لیے امام اہلِ سنت اعلحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں هو صلی اللہ علیه وسلم خزانة السر وموضع نفوذ الامر جعل خزائن کرمه و موائد نعمه طوع یدیه یعطی من یشاء ویمنع من یشاء لاینفذ امر الا منه ولاینقل خیر الاعنه حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خزانہ الٰہی اور جائے نفاذ حکم خداوندی ہیں۔ رب العزت جل جلالہ نے اپنے کرم کے خزانے اپنی نعمتوں کے خوان حضور کے قبضے میں کر دیئے جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں' کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے کوئی نعمت' کوئی دولت کسی کو نہیں ملتی مگر حضور کی سرکار سے صلی اللہ علیہ وسلم یہی معنی ہیں اس ارشاد کے کہ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ یُعْطِیْ جز ایں نیست میں ہی بانٹنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔

لا ورب العرش جس کو جو عدان سے ملا

marfat.com
Marfat.com

(الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہ)

خلاصہ کلام یہ کہ اس اسم کو یہاں لانا اس مقصد کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ اے حبیب پاک علیک السلام کہ آپ میں جو کمال بھی متجلی ہوا ہے اس کے نقصان کا خوف نہ کریں اس لیے کہ آپ کا پروردگار وہی ہے اعلیٰ جو کہ ہر کمال کا مبداء اور مرجع ہے اور ہر چیز کو اپنی شان کے لائق کمال کی حد تک پہنچاتا ہے اور تکمیل و تربیت میں اس کے افعال ناقص نہیں رہتے۔ چنانچہ اس مقصد کی گواہی کے لیے اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر کمال کا مبداء اور مرجع ہے' تین اور صفات لاکر فرمایا جارہا ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی آپ کا پروردگار وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا۔ پس اسے پورا فرمایا اور معتدل بنایا۔ حاصلِ گفتگو یہ کہ اس نے ہر چیز کی پیدائش کو اس چیز سے مقصود خواص' منافع اور فوائد کے اعتبار سے حد کمال تک پہنچایا اور اسے ایک خاص مزاج بخشا جو کہ اس کمال کو قبول کرے اور اس سے وہ منافع اور فوائد ظاہر ہوں۔ چنانچہ جو شخص انسان اور ہاتھی سے لے کر مچھر اور پسو تک کا مطالعہ کرے اور اسی طرح نباتات کا تجسس کرے تو یقین سے جان لے کہ ہر چیز کو اس کے فوائد اور منافع حاصل کرنے کے اسباب عطا فرمائے گئے ہیں۔

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی اور آپ کا پروردگار وہ ذات ہے جس نے ہر کسی کے لیے کوئی نہ کوئی کمال مقدر فرمایا۔ پس اس نے اس چیز کو اپنے کمالات حاصل کرنے کی راہ دکھائی ہے یہاں تک کہ ماں کے پیٹ میں بچے کو پیٹ سے باہر آنے کی کیفیت الہام فرمائی جاتی ہے۔

اور پیٹ سے باہر آتے ہی اسے پستان سے دودھ چوسنے اور رو کر شکایت کا اظہار کرنے کا الہام ہوتا ہے۔ اور ہر نر کو مادہ پر کودنے' پانی میں تیرنے' کنواں پہچاننے اور روزی کی دوسری مصلحتیں غیب سے تلقین کی جاتی ہیں اور شہد کی مکھی کو ماہر انجینئر بنایا گیا ہے کہ عجیب گھر بناتی ہے پھر اس سے شہد نکالتی ہے۔ اور کہتے کہ افعی جو کہ ایک سخت زہریلی قسم کا سانپ ہوتا ہے' موسم سرما میں ہوا کی ٹھنڈک کی وجہ سے اندھا ہو جاتا ہے اور جب بہار کے دن آتے

marfat.com
Marfat.com

ہیں تو سونف کے پودے کا قصد کرتا ہے اور اپنی آنکھیں اس کے پتوں پر کھجلاتا ہے تا کہ بینا ہو جائے۔

اور وہ الہامات جو کہ پرندوں' وحشی جانوروں' چارپایوں اور کیڑوں مکوڑوں کو روزی کے اسباب حاصل کرنے' توالد و تناسل اور دوسرے ضروری امور میں ہوتے ہیں' عجائب المخلوقات کی کتابوں میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور حکماء نے کہا ہے کہ ہر مزاج ایک خاص قوت کی استعداد رکھتا ہے اور ہر قوت ایک کام کی لیاقت کے لیے معین ہے تو تقدیر اس بات سے عبارت ہے کہ جسم کے اجزا کو اس طرح مرکب کیا جائے کہ ایک قوت کو قبول کرنے کے لیے مستعد ہو جبکہ ہدایت اس قوت کا فیض دینے سے عبارت ہے تا کہ معین کام کا مصدر قرار پائے اور اس انداز تصرف سے جہان کی مصلحتوں کا انتظام ہو۔

وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی اور تیرا پروردگار وہ ذات ہے کہ جس نے اپنی قدرت سے اس چیز کو نکالا جسے جانور چرتے ہیں' قسم قسم کی گھاس جسے چارپائے اور وحشی جانور کھاتے ہیں اور رنگارنگ پھول کہ شہد کی مکھی اور دوسرے پرندے اسے غذا بناتے ہیں اور قسم قسم کی کھیتیاں' میوے اور پھل جنہیں انسان اور بعض جانور کھا کر نفع پاتے ہیں۔

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی پس اس چراگاہ کو خشک سیاہ کر دیا کیونکہ موسم سرما کی خشکی اور ٹھنڈک کی وجہ سے اس کی رطوبت اور تری زائل ہو جاتی ہے اور خشک اور سیاہ ہو کر ذخیرے کے کام آتی ہے تا کہ نہ ملنے کے وقت صرف ہو سکے۔

## مذکورہ تین صفات کے بیان کی حکمت

یہاں جاننا چاہیے کہ یہ بات ثابت کرنے کے لیے کہ پروردگار عالم ہر بلند سے بلند تر ہے اور ہر کمال کی ابتداء و انتہاء کا مرجع ہے' ان تینوں صفات کو اختیار فرمایا گیا ہے اس کا نکتہ یہ ہے کہ جہان میں کمال تین قسموں سے باہر نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہر شے کا کمال یا اپنی ذات میں ہے یا دوسرے کو نفع دینے کے لیے اور کمال ذاتی یا جسم اور ظاہر کے اعتبار سے ہے یا روح اور باطن کے اعتبار سے تو کمال ذاتی جس کا تعلق جسم اور ظاہر کے ساتھ ہے' ثابت کرنے کے لیے اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی لایا گیا' ۔ لیے کہ ہر چیز کے جسم کی پیدائش میں

marfat.com

Marfat.com

اعتدال' اعضاء کے تناسب اور ہاتھ کو ہاتھ کے ساتھ' کان کو کان کے ساتھ' آنکھ کو آنکھ کے ساتھ اور پاؤں کو پاؤں کے ساتھ برابر کرنے کی رعایت کمال اور خوب صورتی کے ساتھ ہمارے مشاہدے میں ہے اور محسوس ہو رہی ہے۔

اور کمال ذاتی کو جو کہ روح کے ساتھ تعلق رکھتا ہے' ثابت کرنے کے لیے وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی لایا گیا اس لیے کہ ارواح کو استعدادوں کے اندازے کو مختلف کرنا پھر استعداد کے مطابق راہ دِکھانا تا کہ اس کمال کو حاصل کرے جو کہ اس کی استعداد کے لائق ہے' بھی مشاہدے میں ہے اور محسوس ہو رہا ہے۔

اور وہ کمال جس کا تعلق دوسرے کو نفع دینے کے ساتھ ہے' ثابت کرنے کے لیے وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی لایا گیا ہے اس لیے کہ گھوڑوں کا چارہ انسانوں کی غذا اور قسم قسم کی خوشبویات اور ملبوسات' ادویات اور زہریں پیدا کرنا اور انہیں ایک وقت تک ترادت اور رطوبت کے ساتھ نشوونما دینا اور اس کے بعد رطوبتوں میں خشکی اور ٹھنڈک مسلط کر کے ان سے فضلہ دُور کرنا تا کہ طویل مدت تک پڑے رہنے کی وجہ سے ان میں تعفن پیدا نہ ہو اور انہیں ذخیرہ کیا جا سکے اس کمال کی ابتدا اور انتہا پر قوی دلیل ہے۔

اور جب معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ رب اعلیٰ ہے کہ ہر کمال کا مرجع ہے ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی اور آپ کو اس کے نام کی تسبیح کی وجہ سے اس ذات پاک سے عظیم مناسبت حاصل ہو گئی تو اپنے کمال کے نقصان کے متعلق فکرمند نہ رہیں اس لیے کہ

سَنُقْرِئُكَ ہم آپ کو قرآن اور اس سے نکلنے والے بے انتہا علوم خود پڑھائیں گے اور آپ اس تسبیح کے ساتھ اپنے قلب مقدس کا تصفیہ فرمائیں تا کہ کوئی حجاب نہ ہو۔

فَلَا تَنْسٰی پس آپ نہیں بھولیں گے اس لیے کہ تصفیہ قلب کی وجہ سے آپ کی استعداد کامل ہو جائے گی اور غیبی فیض کے آگے کوئی حجاب نہیں ہو گا۔

اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ یعنی جو علوم غیب آپ کی استعداد کے لائق ہیں اور روز میثاق جو کہ استعدادات کی تقسیم کا وقت تھا' آپ کے حصے میں آئے' ان میں سے آپ کوئی چیز فراموش نہیں کریں گے مگر جو خدا تعالیٰ نے چاہا ہے اور اس کی حکمت تقاضا فرماتی ہے کہ اس دنیا میں

marfat.com
Marfat.com

آپ کے ذہن سے فراموش ہو جائے تاکہ قیامت کے دن محمود کے حصول کے لیے ذخیرہ ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مقامِ محمود میں مجھے اس قسم کے محامد الٰہی تعلیم دی جائیں گی جو کہ اس وقت میرے ذہن میں حاضر نہیں ہیں اور بلاشبہ وہ محامد الٰہیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد میں درج تھیں اور آپ عالمِ روحانی میں ان محامد پر اجمال توجہ رکھتے تھے۔ گویا اس دنیا میں کسی حکمت کی بناء پر ان سے بے توجہی کرائی گئی تھی۔

اور بعض قرآنی آیات جو کہ فراموش کرا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ پاک کی تختی سے محو ہوئیں وہ بھی ماشاء اللہ میں داخل ہیں کیونکہ فراموش کرانا بھی نسخ کی ہی ایک قسم ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے کہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا لیکن جاننا چاہیے کہ فراموش کرانا نسخ کی علامت اس وقت ہو گا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت کے سب قاریوں کے سینے سے محو ہو جائے ورنہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی قرأت میں ایک آیت چھوڑ گئے' نماز کے بعد آپ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا میں اس سورۃ میں ایک آیت چھوڑ گیا ہوں؟ ابی نے عرض کی ہاں یارسول اللہ! فلاں آیت رہ گئی۔ فرمایا تو نے یاد کیوں نہ کرائی؟ عرض کی کہ میں سمجھا کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ فرمایا منسوخ نہیں ہوئی میں فراموش کر گیا تھا اگر منسوخ ہوتی تو میں تمہیں اس کی خبر دیتا۔ (اقول وباللہ التوفیق سہو و نسیان کے متعلق اکابرین کی رائے یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سہو و نسیان جائز ہے لیکن صرف وہاں جہاں مسئلہ شرعی جاری کرنا مراد ہو۔ چنانچہ عمدۃ القاری از علامہ بدرالدین محمود عینی رحمۃ اللہ علیہ ج ۳ ص ۶۴۰ پر ہے۔ ان السهو والنسیان جائزان علی الانبیاء علیهم الصلوٰۃ والسلام فیما طریقه التشریع۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی تحقیق اللہ تعالیٰ آپ میں جلوہ گر ان کمالات کو جانتا ہے جو بالکل آشکار ہیں اور ہر کس و ناکس انہیں دیکھتا اور جانتا ہے اور جو پنہاں ہیں یعنی ابھی تک آپ کے نہاں خانہ استعداد میں ہیں جو کہ مصلحتوں کے مطابق اپنے وقت پر قوت سے فعل میں ظہور کریں گے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی استادی کے ساتھ تسلی دے دی

marfat.com
Marfat.com

گئی تا کہ قرآن کے حفظ سے آپ کا دل فارغ ہو اور آپ کو معلوم ہو کہ پورا قطعاً اور یقیناً بارآور ہونے والا ہے' ایسا نہیں ہے کہ بشری اساتذہ کسی کی تعلیم کے درپے ہوتے ہیں اور وہ شخص اُلجھنوں اور رکاوٹوں کی بناء پر کمال تک نہیں پہنچ پاتا اور ناقص رہتا ہے اب دوسرے علوم کی حفاظت کے متعلق آپ کو مطمئن فرمایا جارہا ہے کہ

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى اور ہم آپ کے لیے آسانی کی راہ چلنا آسان کر دیں گے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سب سے قریبی راستہ ہے' عبادت میں بھی اور ملک وملت کی سیاست میں بھی۔ پس وہ علوم جو ان تینوں چیزوں کے ساتھ متعلق ہیں' فوارے کی طرح آپ کے قلب مقدس سے جوش ماریں گے اور آپ کو ان علوم کے حاصل کرنے میں کوئی مشقت نہیں ہوگی اور آپ کسی کتاب' دستور العمل' مرشد اور استاذ کے محتاج نہیں ہوں گے۔

اور جب یہ معاملہ ایسا ہے تو آپ کو قرآن پاک اور دوسرے علوم یاد کرنے میں مبالغے اور کوشش کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ کو چاہیے کہ دوسروں کو ان کے بھولے ہوئے علوم یاد دلائیں اور آپ کمال سے تکمیل کرنے والے بنیں کہ آپ کو صرف اُمت کے دُکھ' تکلیف اور تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے' آپ کی تکمیل ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔ چنانچہ فرمایا جارہا ہے کہ

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى تو آپ لوگوں کو یاد دلائیں اگر یاد دلانا اور نصیحت کرنا نفع دے تا کہ آپ کا کمال آگے بڑھے اور ہزاروں لوگ آپ کے رنگ میں رنگے جائیں۔

## ایک جواب طلب سوال

اور یہاں ایک جواب طلب سوال ہے کہ اکثر مفسرین اس سے پیچ وتاب میں ہیں اور وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب یاد دلانا اور وعظ ونصیحت کرنا ہے خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے تو اس شرط کو کس لیے بڑھایا گیا ہے حتیٰ کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مراد الٰہی یہ ہے کہ ان نفعت الذکری وان لم ینفع یعنی نفع دے نہ دے تو انہوں نے ایک قرینہ محذوف مانا ہے جیسا کہ رب المشارق اور سرابیل تقیکم الحر میں ہے یعنی والمغارب اور والبرد محذوف ہے اور بعض نے اسی قیاس پر اور جوابات ذکر کیے ہیں۔

اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ یاد دلانا' وعظ اور نصیحت کرنا یہ سب کچھ قبولیت کے

marfat.com

Marfat.com

گمان کے ساتھ مشروط ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہر کسی کو یاد دِلانا اور وعظ کرنا نہیں ہے ہاں حکم الٰہی کی تبلیغ اور اس کے عذاب سے ڈرانا تاکہ الزام حجت ہو اور جہالت اور نہ جاننے کا عذر اُٹھ جائے ہر کسی کے نسبت سے ضروری ہے لیکن اسے تذکیر و موعظت نہیں کہتے اور سورۂ غاشیہ میں قول صحیح کے مطابق کہ الا من تولی وکفر میں استثناء مذکر سے ہے اس شرط کی صراحت سمجھ میں آتی ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ شرط تذکیر کے امر کی تاکید کے لیے ہے یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع دے تو آپ کو اسے تذکیر یعنی یاد دلانا چاہیے اور یقین ہے کہ جہان میں کسی کو تو تذکیر ضرور نفع کرتی ہے' گو ہر کسی کو نہیں کرتی تو یہ قطعی الوقوع شرط کے ساتھ کسی شے کے تعلق کے قبیلے سے ہے کہ تاکید کا موجب ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ قد کان فی ما قبلکم من الامم محدثون فان یك فی امتی احد فانه عمر

## دو سوالات اور ان کے جوابات

اور یہاں دو اور سوالات تفاسیر میں مذکور ہیں' انہیں جوابات سمیت لکھا جاتا ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ شرط کے ساتھ معلق کرنا اس کے حق میں بجا ہے جسے کام کے انجام کی خبر نہ ہو اور حق تعالیٰ جو کہ علام الغیوب ہے' اس کے کلام میں تعلیق بالشرط کا کیا مقصد؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور ان سب کی بعثت ظواہر پر مبنی ہے' مخفیات پر نہیں اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی حرکات پر گرفت فرمائی جو کہ بظاہر درست نہ تھیں اور باطن میں اچھی تھیں۔ نیز فرعون سے خطاب کے بارے میں حضور موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى یعنی فرعون کے ساتھ نرم بات کریں ہو سکتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا خدا سے ڈرے حالانکہ علم الٰہی میں یہ بات مقرر تھی کہ وہ نصیحت قبول نہیں کرے گا اور خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرے گا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ وعظ کو تذکیر کا نام کیوں دیا گیا حالانکہ لغت میں تذکیر یاد دلانے کے معنوں میں ہے اور یاد دلانے کا تصور اس چیز میں ہے جو پہلے سے معلوم ہو اور فی الحال فراموش ہو گئی ہو۔

marfat.com
Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ دین' عبادتِ خداوندی اور توحید کی خوبی بنی آدم کی عقلوں میں جبلی اعتبار سے گڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا تو گویا امورِ دین کے متعلق علم ہر شخص کے نفس میں حاصل تھا' فطری اُلجھنوں اور رکاوٹوں کی وجہ سے بُھول گیا۔ اب انبیاء علیہم السلام کی وعظ ونصیحت اس بُھولے ہوئے علم کو یاد دلانے کے مرتبے میں ہیں اسی لیے بعض عقل والوں نے کہا ہے کہ بنی آدم کی ارواح بدن سے متعلق ہونے سے پہلے ان چیزوں کو جاننے والی تھیں جنہیں جاننا ضروری ہے جب اس دنیا میں تدبیر بدن میں لگ گئیں تو سب کچھ بُھول گیا جیسا کہ شدید بڑھاپے کی حالت میں جبکہ تدبیر بدن مشکل ہو جاتی ہے' سابقہ معلومات فراموش ہو جاتی ہیں تو انہیں یہی فراموش شدہ معلومات انبیاء علیہم السلام اور واعظوں کے ذریعے یاد کرائی جاتی ہیں۔ چنانچہ حدیث الارواح جنود مجندۃ ماتعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف سے اس بات کی مہک سونگھی جاسکتی ہے۔

اور افلاطون سے منقول ہے کہ وہ اپنے شاگردوں سے کہتا تھا کہ میں تمہیں وہ نہیں پڑھاتا جو تم جانتے نہیں بلکہ میں تمہیں وہ کچھ یاد دلاتا ہوں جو تم جانتے تھے اور جب یہ بیان فرمایا گیا کہ آپ کو مخلوقِ خدا کو نفع پہنچانے کے لیے وعظ کرنا چاہیے اب اس کا بیان ہو رہا ہے جو کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وعظ سے نفع حاصل کرے گا۔

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى قریب ہے کہ وہ شخص نصیحت قبول کرے جو کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے یعنی اگرچہ آپ پر عمومی طور پر وعظ کرنا فرض ہے لیکن ہر شخص اس سے نفع نہیں پائے گا بلکہ اس کا نفع استعداد کی شرط کے ساتھ مشروط ہے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ۔

اصل استعداد شرط صحبت است
مرد چوں کو رست عینک لعبت است

یعنی صحبت شیخ کے لیے دراصل استعداد شرط ہے جب آدمی اندھا ہو تو عینک ایک کھلونا ہے۔

اور خوفِ خدا کی علامت دل کی نرمی اور معنوی مصاحبوں کی باطل قسم کی باتوں سے

marfat.com
Marfat.com

فطرت کا محفوظ ہونا ہے تاکہ روح کی نورانیت اور صفائی تاریکی اور کدورت میں نہ بدلے اور
نبوت کی شعاع کا عکس قبول کرے اور بعض مفسرین نے اس آیت کا معنی یوں کیا ہے کہ اگر
ایک بار نصیحت کرنے سے نفع ہوا ہو تو بار بار نصیحت کریں اس لیے کہ جو ایک بار نصیحت کرنے
سے خدا سے ڈر جائے وہ جلد پوری نصیحت حاصل کرلے گا اور اس صورت میں اعتراض بھی
بالکل زائل ہوگیا اور جسے نصیحت کرنا نفع دے اس کی علامت بھی درمیان میں آ ئے گی۔ اور
باب تفعیل جو کہ تکرار کرنے پر دلالت کرتا ہے اس معنی کے ساتھ پورے طور پر مناسب ہوگیا
اور جب نصیحت سے نفع پانے والوں کے بیان سے فراغت ہوئی اب نفع نہ لینے والوں کا
بیان ہو رہا ہے۔

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى اور اس نصیحت سے وہ شخص کنارہ کرے گا جو انتہائی بدبخت ہے
اور درحقیقت یہ وہی ہے جسے کوئی خوف خدا نہیں ہے اور کفر و عناد میں غرق ہے۔ پس حقیقت
کلام اس طرح لاناتھی وَيَتَجَنَّبُهَا مَنْ لَّا يَخْشٰى لیکن اس حقیقت کو جتلانے کے لیے کہ
جسے خوف خدا نہیں وہ انتہائی بدبخت ہے اَشْقٰى کو مَنْ لَّا يَخْشٰى کی جگہ لایا گیا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ آدمی کی بدبختی یہ ہے کہ اس کا اعتقاد اور عمل درست نہ ہو اور جس
کا عمل نادرست اور اعتقاد درست ہو وہ بھی شقی ہے لیکن جو عقیدہ بھی غلط رکھتا ہے وہ اس کی
نسبت زیادہ بدبخت ہے پھر اگر اس کے اعتقاد میں کوئی کوتاہی نری نادانی کی وجہ سے یا سبب
جہالت سے مانوس ہونے اور مذاہب باطلہ میں سے کسی مذہب کا مقلد ہونے کی وجہ سے ہو
تو اسے ممکن ہے کہ نیکوں کی صحبت اور مرشد کے سمجھانے سے راستے پر آ جائے اور جس کا
عقیدہ عناد کی وجہ سے خراب ہے کہ جان بوجھ کر اس نے حق کے انکار کی مشق کی اور اس کی
استعداد کے آئینے پر گہرا پردہ پڑ گیا اس کی اصلاح معلم کی تعلیم اور مرشد کے ارشاد کے ساتھ
ہرگز ممکن نہیں رہی وہ بدبختی کی انتہا کو پہنچ گیا۔ لاتغنی الایات والنذر اسی کے بارے میں ہے
یعنی اسے آیات اور ڈرانے والے نفع نہیں دیتے اور اس آیت میں اشقی سے مراد وہی ہے
اور اس کے کام کا انجام یہ ہے کہ

اَلَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى یہ شخص وہ ہے جو کہ بڑی آگ میں داخل ہوگا جس کا

marfat.com
Marfat.com

حال سورۂ واللیل میں اس جگہ ہے جہاں فرمایا گیا ہے کہ فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ نَارًا تَلَظّٰی اور وہ ایک ایسی آگ ہے جو دوزخ کے نچلے طبقے میں ہے جو کہ ساتویں تہ ہے جو کہ آلِ فرعون اور اس اُمت کے منافقوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مائدہ کے منکروں کی جگہ ہے اور دوسری تہوں کی آگ سے زیادہ تیز اور جلانے والی ہے۔

اور اگرچہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ نارکم ھذہ جزء من سبعین جزء من نار جھنم کلھن مثل حرھا یعنی یہ آتش دنیا گرمی میں جہنم کی آتش کا سترواں حصہ ہے۔ پس جہنم کی آگ کی اصل دنیوی آگ کی بہ نسبت بہت بڑی ہے اسی لیے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے نار کبری جہنم کی آگ اور نار صغریٰ دنیا کی آگ ہے لیکن جو آگ اُس تہ میں ہے' وہ دوسری تہوں کے مقابلے میں وہی حکم رکھتی ہے جو کہ جہنم کی آگ دنیوی آگ کے مقابلے میں رکھتی ہے۔ پس درحقیقت بڑی آگ وہی ہے۔

اور گرمی کی زیادتی کی وجہ سے اس آگ کو دوسری آگوں کے مقابلے میں ایک مثال کے ساتھ ذہن میں لانا چاہیے کہ سرد علاقوں میں بارش' برف اور بھرپور سردیوں کے وقت ٹھنڈک کے کام میں جیسے ملاحی اور پانی بھرنا خصوصاً ٹھنڈی عمر اور ٹھنڈے مزاج میں جیسے کہ بلغمی مزاج بوڑھا اس قدر جلن رکھتی ہے کہ اسے بدن پر برداشت نہیں کیا جا سکتا پھر اسی آگ کو گرم علاقوں میں' موسمِ گرما کے سورج کی عین گرمی اور گرم کام میں مشغول ہونے میں جیسے باورچی گری اور روٹی پکانا خصوصاً جب صفراوی مزاج آدمی جو کہ روزہ دار اور بخار میں مبتلا ہو' قیاس کرنا چاہیے کہ کس قدر فرق ہے اور اسی قیاس پر اس آگ کی گرمی کو دوسری آگوں کی گرمی کے مقابلے میں سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ آگ کی سب اقسام سے اپنی پناہ میں رکھے۔

اور جب دنیا میں آدمی کو جو مصیبت بھی پیش آتی ہے اس کا آخر انجام یہ ہے کہ موت تک پہنچا دیتی ہے اور موت اس مصیبت سے راحت اور خلاصی پانے کا موجب ہو جاتی ہے جبکہ اس بدبخت کو اس راحت سے بھی محروم کر دیا گیا ہے کہ اس قدر شدت کی گرمی کے باوجود ہلاک نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے

marfat.com

Marfat.com

ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا پھر اس قدر عذاب کی شدت اور اتنی طویل مدت اس آگ میں رکھنے کے باوجود نہیں مرے گا کہ مر کر اس کے جسم کا ڈھانچہ کھل جائے اور جدا جدا ہو جائے اور اس کی روح اس دکھ سے نجات پائے اس لیے کہ اس جہان کے جسموں کے ڈھانچوں کا کھلنا اور بکھرنا ممکن نہیں ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ اس جہان میں روح کے احکام بدن پر غالب آتے ہیں اور ابدان کو ارواح کا حکم مل جاتا ہے اور روح کو معدوم ہونا محال ہے اسی لیے دنیا میں گرچہ مصیبتیں اور ناقابلِ برداشت صدمے پیش آتے ہیں' روح معدوم نہیں ہوتی بلکہ اسے انتہائی بے چینی اور تکلیف میں چھوڑ کر چلی جاتی ہے اور جب وہاں کے جسموں کو ارواح کا حکم حاصل ہو جائے گا تو ان کی ترکیب کا بکھرنا بھی محال ہو جائے گا۔

وَلَا يَحْيٰى اور نہ زندہ رہے گا اس لیے کہ وہ اس کی روح دائمی طور پر درد اور عذاب میں ہے یہاں تک کہ وہ موت کی آرزو کرتا ہے اور موت نہیں آتی اور اس قسم کی زندگی حقیقت میں زندگی نہیں۔ بیت

عمر چوں خوش گزرد زندگی خضر کم است

ور بنا خوش گزرد نیم نفس بسیار است

یعنی جب عمر خوشی میں گزرے تو عمر خضر بھی تھوڑی ہے اور اگر تکلیف میں گزرے تو آدھا سانس بھی بہت ہے ہاں اس کے جسم کی کھال آگ کی تاثیر سے جل جائے گی پھر روح کے غلبے کی وجہ سے آناً فاناً دوسری تازہ کھال جسم پر اُگ آئے گی جس میں درد کے احساس کی قوت پہلے سے زیادہ قوی ہوگی جیسا کہ دنیا میں زخم پر انگور آنے کے بعد مشاہدہ ہوتا ہے۔

اور جب آیت سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى میں اس شخص کا بیان کیا جا چکا جو کہ انبیاء علیہم السلام کی نصیحت سے نفع حاصل کرتا ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ بزرگوں کی وعظ و نصیحت سُن کر آدمی کے دل میں خوفِ الٰہی پایا جانا کمال کی ابتدا ہے' کمال کی انتہا اور چیز ہے صرف خوف پائے جانے پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے کہ اگر وہ خوف دل میں پیدا ہونے والے خیال کی طرح آیا اور چلا گیا تو کوئی فائدہ نہیں۔ جب وہ دل میں جاگزیں ہو اور قوتوں اور اعضاء کو

marfat.com

Marfat.com

نامناسب کاموں سے روک دے اور مناسب کاموں پر پابند کر دے تو اس وقت وہ قابلِ اعتبار ہے اور نجات کا موجب

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى تحقیق وہ خلاصی پا گیا جس نے پاکیزگی حاصل کی۔

## پاکیزگی کی چند اقسام

اور پاکیزگی کی چند قسمیں ہیں۔ پہلی قسم نفس کا کفر' شرک' عقائد باطلہ' بُری نیتوں اور مذموم اخلاق جیسے غل یعنی بد باطنی' کینہ' دغابازی' حسد' تکبر وغیرہ سے پاک ہونا۔

دوسری قسم: بدن اور کپڑے کا نجاستوں سے پاک ہونا جیسے خون' پیپ' بول' براز' منی' مذی وغیرہ

تیسری قسم: جسم کا بے وضگی اور جنابت سے وضو اور غسل کے ساتھ پاک ہونا

چوتھی قسم: جسم کا سنت کے طور پر فالتو چیزوں سے پاک ہونا جیسے زیر ناف اور بغل کے بال' ناخن' جسم کی میل کچیل وغیرہ

اور اگر کسی کی ریش یا سر کے بال لمبے ہیں تو اسے ہر ہفتہ میں جمعہ کے دن ان بالوں کو دھونا' کنگھی کرنا اور عطر لگانا سنت مؤکدہ ہے۔

پانچویں قسم: مال کا پاک ہونا' زکوٰۃ اور صدقات دے کر اور سودی مال اور دوسرے حرام طریقوں سے حاصل شدہ مال کو ملانے سے پرہیز کرنا جیسے جوا کھیلنا' بدکاری کی اُجرت' حجامت یعنی سینگ سے چوس کر خون نکالنے کی اُجرت اور وہ مال جو ناپاک چیزوں کی تجارت سے حاصل ہو جیسے مردار کا چمڑا جو رنگا نہیں گیا اور ذبح کی اُجرت اور دوسرے کام جن میں نجاست کے ساتھ ملوث ہونا لازمی ہوتا ہے۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ اور پوری طہارت کے بعد اپنے پروردگار کا نام لیا' ابتدا نماز میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ۔ اور دورانِ نماز قرأت' تسبیح' تشہد اور حضور قلبی کے ساتھ۔ اور نماز کے اوقات کے علاوہ زبان اور دل کے ساتھ۔ اس لیے کہ ذکر استعداد کے تصفیہ اور کمالات کا فیض پہنچنے کا موجب ہے اور ذکر میں پروردگار کا نام جس قدر زیادہ واقع ہو' معرفت کا درخت اتنا ہی زیادہ نشوونما پاتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

فَصَلّٰی پس اس نے نماز ادا کی اور جو ذکر دل اور زبان سے کرتا ہے' اعضاء کے افعال ملا کر اسے ایک مخصوص شکل کا لباس پہناتا ہے اور دل' زبان اور اعضاء کی موافقت کی وجہ سے منعم حقیقی کی نعمتوں کے شکر کا مرتبہ کامل حاصل کرتا ہے۔

## اکابرین کے تفسیری اقوال

حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں منازل سلوک کا اشارہ ہے جس کی ابتدا توبہ اور اس کے بعد بُری صفات زائل کر کے اور اچھے اوصاف حاصل کر کے نفس کو پاک اور صاف کرنا ہے اس کے بعد لسانی' قلبی' روحی اور سری ذکر کا دوام ہے اس کے بعد مشاہدات تک پہنچنا ہے۔ پس قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی پہلے مرتبہ کا اشارہ ہے اور ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ ذکر قلبی کے دوام کا اشارہ ہے اور فصلی مرتبہ مشاہدہ تک پہنچنے کا اشارہ ہے کیونکہ اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ

حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے جو صدقہ فطر ادا کرے اور عیدگاہ کے راستے میں اور عیدگاہ میں پہنچنے پر تکبیرات عید کہے اور نماز عید ادا کرے' مجھے امید ہے کہ اس آیت کی بشارت میں داخل ہو جائے گا۔ پس اس سورۃ میں لفظ تزکی زکوٰۃ سے لیا گیا ہے اور صدقہ فطر جو کہ واجب یا فرض ہے' زکوٰۃ کا حکم رکھتا ہے تو یہ لفظ صدقہ فطر دینے کا اشارہ ہوگا اور وذکر اسم ربہ تکبیرات اور فصلی نماز عید کا اشارہ ہے۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ اس تفسیر سے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ زکوٰۃ کا ذکر صلوٰۃ کے بعد آیا جبکہ یہاں نماز بلکہ ذکر سے بھی پہلے لایا گیا ہے۔ لازماً کوئی خاص صورت مراد ہے کہ جہاں یہ تینوں فعل ترتیب کے ساتھ واقع ہوں اور وہ صورت شریعت میں اس صورت کے سوا کہیں نہیں ہے۔

## ان آیات سے فقہاء کا استدلال

اور اکثر فقہاء نے تینوں مضامین کو نماز کے شرائط اور اس کے ارکان پر وارد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تزکی طہارت کا اشارہ ہے' وضو ہو خواہ غسل خواہ تیمم اور وذکر اسم ربہ تکبیر تحریمہ کا اشارہ ہے اور فصلی ادائیگی نماز کا اشارہ ہے جو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفسیر

marfat.com

Marfat.com

کے مطابق مسائل فقہ سے دو مسئلے اس آیت سے نکالے ہیں' ان میں سے ایک یہ کہ تحریمہ باندھتے وقت خصوصیت کے ساتھ اللہ اکبر کے الفاظ لازم نہیں ہیں جو چیز ذکر خدا ہو سکے کافی ہے جیسے اَلرَّحْمٰنُ اَعْظَمُ' یَالَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَا سُبْحَانَ اللّٰہِ ہاں وہ ذکر جو کسی غرض اور حاجت کے ساتھ ملا ہوا ہو' اس کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز نہیں جیسے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اس لیے کہ خالص ذکر نہیں ہے

(اقول و باللہ التوفیق ان الفاظ تعظیمی سے ابتدا تو ہو جائے گی مگر یہ تبدیلی مکروہ تحریمی ہے۔ چنانچہ مراقی الفلاح میں ہے ویصح الشروع بکل ذکر خالص للّٰہ تعالٰی...... وان کرہ لتبرك الواجب اور اس کے حاشیہ طحطاوی میں ہے وان کرہ اے تحریما بہار شریعت ج ۳ ص ۶۷۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک تکبیر تحریمہ نماز کی شرط ہے' نماز میں داخل نہیں ہے اس لیے کہ فصلی کو وذکر اسم ربہ پر حرف فا کے ساتھ معطوف کیا گیا ہے جو کہ معطوف اور معطوف علیہ کے ایک دوسرے کا غیر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس مذہب پر متفرع مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز کی شرائط جیسے طہارت' ستر عورت اور استقبال قبلہ تکبیر تحریمہ کے وقت کسی کو حاصل نہ ہوں اور اس کے بعد بلا فصل حاصل ہو جائیں تو اس کی نماز درست ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ بھی نماز میں داخل ہے اس وجہ سے کہ مذکورہ تکبیر قیام کی حالت میں شرائط کا وصول ہونا ضروری ہے۔

اور جب اس آیت میں بیان فرمایا گیا کہ حصول کمال اور عذاب سے خلاصی پاکیزگی' ذکر اور نماز سے وابستہ ہے جو کہ خوف خدا کا نتیجہ ہے تو یہاں گنجائش تھی کہ کفار شبہ کے طور پر ذکر کریں کہ ہمیں پوری عقل و دانش کے باوجود ان اعمال اور افعال کی خوبی کیوں معلوم نہیں ہوتی اور حصول فلاح کے لیے ان اسباب کی سببیت ہماری نگاہ سے کیوں پوشیدہ ہے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ تم ازلی بدبختی کی وجہ سے ان چیزوں کو کمال نہیں سمجھتے ہو۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بلکہ تم دنیوی زندگی کو آخرت پر اختیار کرتے ہو جو کہ ایک چراگاہ سے زیادہ نہیں ہے اور آخر خشک سیاہ گھاس کی طرح ہونے والی ہے اور کمال کو

marfat.com
Marfat.com

دنیا کی محسوس لذتوں اور نام اور مرتبہ حاصل کرنے میں منحصر سمجھتے ہو حالانکہ دنیا کی زندگی ہرگز اس قابل نہیں کہ اسے اخروی زندگی پر ترجیح دی جائے کیونکہ

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ اور آخرت سب کی سب نیکی ہے وہاں بدی کی کوئی گنجائش نہیں۔ بخلاف دنیا کی زندگی کے اگرچہ نعمت' دولت' مرتبہ اور رعب کے ساتھ گزاری جائے لیکن درد' دکھ' فکر اور غم اس کی ذات کو لازم ہیں۔ اور کوئی دنیوی نعمت نظر نہیں آتی مگر اس کے پہلو میں کوئی درد' کمزوری اور اضمحلال ہے اور اگر بالفرض دنیا بھی نیک ہو اور اس میں کسی وجہ سے بھی شر اور برائی کی گنجائش نہ ہو اگرچہ یہ فرض کرنا محال ہے پھر بھی دنیا میں اس قابل نہیں کہ اسے آخرت پر ترجیح دی جائے اس لیے کہ آخر دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے۔ چنانچہ فرمایا جارہا ہے

وَّاَبْقٰى اور دنیا سے زیادہ باقی رہنے والی ہے اس لیے کہ دنیا کی بقاء گرچہ دراز اور طویل ہو لیکن اس کے پیچھے فنا ہے جبکہ آخرت کی بقاء فنا کے کھٹکے کے بغیر ہے اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے

حاصل دنیا ز کہن یا نو چوں گزرندہ است نیرزد بجو

یعنی پرانی نئی دنیا کا حاصل یہ کہ جب گزرنے والی ہے تو ایک جو کے برابر نہیں' دنیا کا مقصد اسی قدر ہے کہ اسے آخرت کا وسیلہ بنائیں کہ الدنیا مزرعة الاخرة

اسی لیے عقل مندوں نے کہا ہے کہ دنیا کو اس گھر کی طرح سمجھ جسے آگ لگی ہوئی ہو جو کچھ ہو سکے' اس سے نکال لے۔ بیت

حافظا عمر عزیز است غنیمت دانش
گوئے چیزے کو توانی بہ برازیں میدانش

اے حافظ عمر عزیز ہے اسے غنیمت جان اس کے میدان سے جو نکال سکے نکال لے۔
اہلِ کلام نے کہا ہے کہ اس اعجاز پر مبنی کلام میں کمال اختصار کے باوجود دنیا کو آخرت پر ترجیح کے باطل ہونے پر دو مضبوط دلیلیں مذکور ہیں یعنی خیر ہونا اور باقی ہونا۔ اس لیے کہ کوئی عقل مند اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ کو نہیں لیتا۔ نیز باقی کے بدلے فانی کو اختیار نہیں کرتا۔ پس آخرت

marfat.com
Marfat.com

پر دنیا کی ترجیح تاجروں کی عقل کے تقاضے کے خلاف ہے جو کہ بادشاہوں' سرداروں' علماء اور حکماء کی عقل سے بہت کم ہے۔

جب اس مضمون کو کہ آخرت پر دنیا کو ترجیح نہیں دینا چاہیے اور دنیا میں دل نہیں لگانا چاہیے' بنی آدم کے نفوس کے تقاضے کے خلاف دیکھا کہ ان کی جبلت میں دنیا کی محبت اور آخرت سے روگردانی سپرد کی گئی ہے اور آخرت کی سمت کو ترجیح دینے کو ان کا گمان تسلیم نہیں کرتا۔ ناچار اس مقصد کو ثابت کرنے کے لیے پہلی کتابوں سے جو کہ جہان والوں کے نزدیک خصوصاً دیارِ عرب کے رہنے والوں کے نزدیک مسلم الثبوت تھیں' ایک سند لا کر فرمایا جا رہا ہے

اِنَّ ھٰذَا تحقیق یہ مضمون جو کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى سے لے کر یہاں تک مذکور ہوا۔

لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى البتہ پہلی کتابوں میں مذکور ہے اور یہ مضمون کبھی بھی منسوخ نہ ہوا اور نہ ہی بدلا۔

صُحُفِ اِبْرٰھِيْمَ وَمُوْسٰى ان صحیفوں میں جو کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے عطا کیے گئے تھے تو یہ مضمون دین و شریعت کے ان قواعد کلیہ میں سے ہے جو کسی نبی علیہ السلام کے زمانے میں منسوخ نہیں ہوئے اس کا انکار گویا علوم فطریہ کا انکار ہے جو کہ سوفسطائیوں کا کام ہے۔

## آسمانی کتابوں کی تعداد

کشاف میں مذکور ہے اور حدیث کی بعض کتابوں میں ضعیف سند کے ساتھ دیکھا گیا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنی کتابیں نازل ہوئی ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک سو چار کتابیں۔ حضرت آدم علیہ السلام پر دس (۱۰) صحیفے' حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس (۵۰) صحیفے اور تورات۔ انجیل' زبور اور قرآن مجید اور کشاف کے حاشیہ میں طیبی نے ۱۱۴ کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے دس صحیفے حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس (۳۰) صحیفے' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس

marfat.com

Marfat.com

(۱۰) صحیفے' حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے علاوہ نازل ہوئے۔ واللہ اعلم لیکن یہودیوں کے ہاں تورات کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحائف میں سے کوئی چیز سننے میں نہیں آئی جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف موجود ہیں اوران میں قسم قسم کے مواعظ اور نصیحتیں درج ہیں۔ ان میں سے یہ ہے کہ ینبغی للعاقل ان یکون حافظا للسانہ عارفا بزمانہ مقبلاعلی شانہ یعنی عقل مند کو چاہیے کہ اپنی زبان کی نگہبانی کرے' اپنے زمانے کو پہچانے اور اپنے کام میں پورے طور پر مصروف ہوں۔

# سورۃ الغاشیہ

مکی ہے' اس کی سولہ (۱۶) آیات ہیں' بہتر (۷۲) کلمات اور ایک سو اکانوے (۱۹۱) حروف ہیں۔ اور حدیث صحیح میں تکرار کے ساتھ وارد ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نمازوں خصوصاً نماز جمعہ اور نماز عشا میں اس سورۃ کو سورۂ سبح اسم ربك الاعلی کے ساتھ دو رکعات کی قرأت میں جمع فرماتے۔

## وجہ ربط

پس اس سورۃ کا سورۃ الاعلیٰ کے ساتھ رابطہ نبی کریم علیہ السلام کے اشارے سے ہی ثابت ہوگیا اسی لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تالیف قرآن کے وقت اس سورۃ کو سورۃ الاعلیٰ کے بعد لکھا ہے اور غور وفکر کے بعد اس رابطے کی بہت سی وجوہ ظاہر ہوتی ہیں۔ ان میں سے یہ ہے کہ اس سورۃ میں فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ واقع ہے جبکہ وہاں فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ہے اور ان میں سے یہ ہے کہ یہاں تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً واقع ہے جبکہ وہاں يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ہے اور ان میں سے یہ ہے کہ اس سورۃ کا خاتمہ دنیا کی زندگی کو پسند کرنے کی مذمت اور آخرت کی خیریت کے بیان پر ہے جبکہ اس سورۃ میں ان لوگوں کے حال کی تفصیل ہے جو کہ دنیا میں لذتوں میں مشغول ہوگئے ہیں اور انہوں نے آخرت کو فراموش کر دیا ہے اور ان لوگوں کا حال ہے جنہوں نے دنیا میں آخرت کی زندگی کے لیے تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ نیز آخرت کی خیریت کی تفصیل ہے کہ قسم قسم کی نعمتیں رکھتی ہے

marfat.com
Marfat.com

جو کہ باقی اور غیر فانی ہیں تو گویا اس معنی میں یہ سورۃ اس سورۃ کا بقایا ہے۔ گو کلام کے انداز اور عبارت میں مشابہت کم ہوگی۔

## وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کا نام سورۃ غاشیہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ غاشیہ قیامت کا نام ہے اور اس سورۃ کے آغاز میں قیامت کی ہولناکیوں سے ڈراتا ہے جبکہ قیامت کے حالات سے ڈرانا قرآن کریم کے بہت بڑے موضوعات میں سے ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ کیا آپ تک قیامت کی خبر پہنچی ہے کہ لوگوں کے ساتھ کیا کرے گی اور لغت میں غاشیہ اس چیز کو کہتے ہیں جو ڈھانپ لے۔ اسی لیے زین پوش کو غاشیہ کہتے ہیں اور قیامت کا حادثہ چند چیزوں کو ڈھانپ لے گا۔ ایک تو ہوش کو جو کہ ڈر کی شدت سے پوشیدہ ہو جائے گی' دوسرے جسموں کو اس دن کا عذاب نیچے' آگے پیچھے' دائیں بائیں سے ڈھانپ لے گا جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ تیسرے یہ کہ کفار کے اچھے کاموں کو ڈھانپ لے گی اور ایمان والوں کے بُرے کاموں کو بھی چھپا لے گی' پہلوں کو احتیاط کے ساتھ اور دوسروں کو معاف کرنے اور بخشنے کے ساتھ۔

اور اس پوچھنے سے کہ کیا آپ تک قیامت کی خبر پہنچی ہے؟ مقصد یہ ہے کہ سننے والا پوری توجہ کے ساتھ دھیان کرے اور اگلی بات کو حضور دل کے ساتھ سنے۔ چنانچہ اس بے دار کرنے اور ہوش میں لانے کے بعد اس دن کا کاروبار لوگوں کے سامنے بیان فرمایا جا رہا ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ اس روز ایک گروہ کے چہرے ذلیل و رسوا ہوں گے اور اگرچہ ذلت و رسوائی ان چہرے والوں کی صفت ہے لیکن چونکہ ذلت و رسوائی کے اثرات زیادہ تر چہروں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا یہ صفت ہی چہروں کی ہے اور عرب کا قاعدہ ہے کہ کسی شخص کی ذات کی تعبیر چہرے' گردن اور سر کے ساتھ کرتے ہیں اس لیے کہ یہ اعضاء کسی

marfat.com
Marfat.com

کی ذات کی بقاء کا مدار ہوتے ہیں تو گویا ذات کے قائم مقام ہیں۔

اور وہ چہرے ان لوگوں کے ہوں گے جو دنیا میں دین کے مقدمات کے سلسلے میں اپنے اوپر عاجزی' انکساری اور ذلت و رسوائی پسند نہیں کرتے تھے۔ اور وہ دینی تکلیف اور مشقت سے استراحت چاہتے تھے۔ اور تن آسانی اور بدن پروری میں غرق اور اسی کی حرص میں رہتے۔ اسی لیے دنیا سے ان کا زیادہ تر مقصد لذیذ کھانے کھانا' لطیف مشروبات پینا اور عطریات استعمال کرنا تھا۔ اس روز اس سب کاہلی اور تن پروری کے بدلے انہیں ذلت و رسوائی میں گرفتار کریں گے۔ اگر انہیں دنیا میں دینی معاملات اور رب کریم کی عبادت میں یہ خشوع نصیب ہوتا تو سب سے عظیم ثواب پاتے لیکن اپنی تن پروری کے لیے مشقت طلب اعمال سے جی چراتے تھے۔ چنانچہ اس کے بدلے انہیں اس روز مشقت طلب اعمال کی تکلیف دیں گے اور انہیں بے تحاشہ دکھ لاحق ہوگا۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے۔

عَامِلَةٌ وہ چہرے اس روز کئی کام کریں گے' ایک یہ کہ جہنم کے آتشیں پہاڑوں پر سخت مشقت سے چڑھنا۔ اور انہیں میں سے گردن اور پاؤں میں آتشیں طوق اور زنجیر پہننا ہے اور آتشِ دوزخ میں نیچے جانا جیسا کہ اونٹ دلدل میں غوطے کھاتا ہے اور اس روز کے ان مشقت طلب اعمال کی تفصیل قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں مذکور ہے جیسے سارھقه صعودا ' خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ ثم فی سلسلة ذرعها سبعون ذراعا فاسلکوہ ویوم یدعون الی جهنم دعا. ویطوفون بینها وبین حمیم آن

## گناہ گاروں کے عذاب کی اقسام

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے کی پیشانی' پہلو اور پشت پر آگ سے گرم کی ہوئی سونے اور چاندی کی تختیوں کے ساتھ داغ لگائیں گے اور جن کے مویشی تھے اور وہ مویشیوں سے اللہ تعالیٰ کا حق نہیں دیتے تھے' انہیں قیامت کے میدان میں پشتوں کے بل ڈال کر مویشیوں کو حکم ہوگا کہ انہیں روند ڈالیں اور تصویر سازوں کو تکلیف دی جائے گی کہ اپنی بنائی تصویروں میں جان ڈالیں اور انہیں جو خواب کے متعلق جھوٹ بولتے تکلیف دیں گے کہ جو میں گرہ لگائیں اور جو لوگ حق بات کہنے سے خاموش ہو گئے' ان کے

marfat.com
Marfat.com

منہ میں آگ کی لگام ڈالیں گے۔ علی ہذا القیاس

نَاصِبَةٌ یعنی وہ چہرے اس روز ان اعمال کی وجہ سے رنج اُٹھاتے ہوئے ہوں گے اس لیے کہ مشقت طلب کام جو کسی ثواب اور تحسین کی توقع پر نہ ہو نری تکلیف ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ عمل اور رنج دونوں دنیا میں ہی ہیں اور اس سے مراد ہندوؤں، یہودیوں، نصاریٰ اور دوسرے مذاہب باطلہ کے ریاضت کرنے والوں کے چہرے ہیں جو کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کے لیے مشقت طلب کام کرتے تھے اور نری تکلیف اُٹھاتے تھے اس لیے کہ ان کی ریاضتیں پیغمبر وقت پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے سب ضائع اور بے فائدہ ہیں۔

اور بعض مفسرین نے کہا کہ عمل دنیا میں اور رنج آخرت میں مراد ہے۔ اور وہ عیش و عشرت کرنے والوں اور مال و مرتبہ چاہنے والوں کے چہرے ہیں کہ انہوں نے ان دنیوی مقاصد کے لیے شدید مشقتیں اور ناقابلِ برداشت تکالیف اُٹھائیں اور آخرت میں انہیں ان سب مشقتوں کا پھل بے فائدہ رنج کی صورت میں حاصل ہوگا بلکہ ان کا پھل صرف رنج ہی نہیں، ایک اور چیز بھی تعاقب میں ہے، جس کا بیان ان آیات میں ہے۔

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً وہ ایک انتہائی گرم اور جلانے والی آگ میں داخل ہوگا، اس کے بدلے کہ خدا تعالیٰ سے غافل ہو کر پُر فضا مکانات اور ٹھنڈی ہوا میں چھت کے پنکھوں اور خس کی ٹٹیوں کے نیچے بیٹھتے تھے اور اس آگ کی گرمی کا بیان حدیث شریف میں اس طرح وارد ہے کہ اسے ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ سفید ہوگئی۔ پھر اسے مزید ایک ہزار سال تک جلایا گیا حتیٰ کہ سرخ ہوگئی۔ پھر اسے مزید ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک سیاہ ہوگئی۔ اب اسی سیاہی پر ہے۔ اور جب دوزخ کی ہوا کی گرمی ان کے اندر تشنگی پیدا کرے گی تو بے اختیار ہو کر العطش العطش پکاریں گے اور پانی پی کر اس گرمی کی تسکین کا قصد کریں گے اور اس وقت

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ انہیں اس چشمے سے پانی پلایا جائے گا جو کہ انتہائی گرم ہے اور وہ پانی پینے سے دوزخیوں کے ہونٹ کباب ہو جائیں گے اور ان کی انتڑیاں ریزہ ریزہ ہو کر

marfat.com
Marfat.com

باہر آ جائیں گی۔ پھر انہیں درست کر کے عذاب میں گرفتار کریں گے اور ان کی یہ تواضع ان لذیذ شربتوں اور سوڈا واٹروں کے عوض ہوگی جو برف میں لگا کر پیتے تھے اور جب دوزخ کی ہوا کی حرارت اور اس پانی کی گرمی ان کے اندر جمع ہو کر بھوک کی آگ بھڑکائے گی' ایک ہزار سال تک ان پر بھوک کا عذاب مسلط کیا جائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ دوزخیوں کی نظر میں یہ اکیلا عذاب دوزخ کے تمام دردناک عذابوں کے برابر ہے اور بے شمار نالہ و فریاد کے بعد جہنم کے موکلوں کو اجازت ہوگی کہ انہیں کوئی چیز کھلائیں۔ لیکن

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ ان کے لیے وہاں کوئی طعام نہیں ہے جو کہ ان مرغن اور لذیذ کھانوں کا عوض ہو جو دنیا میں لذت اور جسم موٹا کرنے کے لیے کھاتے تھے۔ اور صبح سے شام تک باورچیوں سے قسم قسم کے کھانوں کی فرمائش میں گزارتے تھے إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ مگر ضریع کی جنس سے۔ اور یہ ایک ایسی گھاس کا نام ہے جو کہ زیادہ تر دریاؤں کے ساحل اور نہروں کے کناروں پر اُگتی ہے۔ جب تک یہ تر ہوتی ہے اسے شبرق کہتے ہیں اور اونٹوں کے چارے کے طور پر استعمال ہوتی ہے اور جب خشک ہو جائے تو اسے ضریع کہتے ہیں اور زہر قاتل بن جاتی ہے اور اسے کوئی جانور نہیں کھاتا۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ وہاں کی ضریع کو یہاں کی ضریع پر قیاس نہ کیا جائے۔ وہ آگ میں ایسی چیز ہے جو چبھنے میں کانٹے کی طرح ہے اور ایلوے سے زیادہ کڑوی' مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ سخت گرم ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں خاک اور پانی کا جوہر نباتات اور حیوانات کی طبیعتوں پر غالب ہے اسی طرح جہنم میں جوہر ناری وہاں کے نباتات اور حیوانات پر غالب ہے۔ پس وہاں کے نباتات اور حیوانات صورت میں یہاں کے نباتات اور حیوانات سے مشابہت رکھتے ہیں اسی لیے ایک کے نام کو دوسرے پر بولا جاتا ہے لیکن معنوی اعتبار سے ان کا مادہ جوہر آتش ہے اور وہاں کی ہر چیز میں ناریت اور جلن موجود ہے۔

اور چونکہ کھانے کا مقصد تین چیزوں سے خالی نہیں ہوتا' لذت یا جسم کو موٹا کرنا یا بھوک دور کرنا اور ضریع اور اس کے وہ اوصاف جو کہ حدیث شریف میں وارد ہیں' ذکر کرنے

marfat.com
Marfat.com

سے لذت تو میلوں دُور جا پڑی اب دو چیزوں کی جو بعض اوقات کے بے لذت کھانا کھانے سے مقصود ہوتی ہے' نفی فرمائی جا رہی ہے۔

لَایُسْمِنُ وَلَایُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ نہ بدن کو موٹا کرے اور نہ بھوک دُور کرنے کے کام آئے جبکہ طعام کے فوائد یہی چیزیں ہیں اور جب طعام ان تینوں چیزوں سے خالی ہے گویا طعام ہی نہیں اگر جسم کو موٹا کرتا تو بھی دوزخیوں کو فائدہ ہوتا کہ اس کی وجہ سے کچھ قوت ملتی اور اس قوت کی وجہ سے ان پر عذاب برداشت کرنا آسان ہوتا۔ اگر بھوک دُور کرتا تو بھی اس عذاب کی شدت میں کچھ کمی آتی جو کہ بھوک کے غلبہ کی وجہ سے تھا۔

## دو جواب طلب سوالات

یہاں دو سوالات باقی رہ گئے جو کہ جواب طلب ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ آگ میں نباتات کا وجود ممکن نہیں ہے اس لیے کہ موسم گرما کی گرمی اکثر درختوں کو جلا دیتی ہے۔ چہ جائیکہ آگ کی گرمی خصوصاً اس قسم کی آگ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس آگ میں انسان کے جسم کا پایا جانا اور سانپ اور بچھو کا وجود تسلیم شدہ ہے تو نباتات کے پائے جانے میں کیا امر مانع ہے۔ علاوہ اس کے سورج کی عین گرمی اور سوزش میں بعض نباتات کے سرسبز ہونے اور نشوونما پانے کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ جیسے اونٹ کی مرغوب خاردار گھاس اور ککھروا اور دوسرے موسم گرما کے درخت۔ پس کیا بعید ہے کہ وہاں کی آگ میں بھی یہ خاصیت سپرد کی گئی ہو کہ بعض نباتات کو سرسبز کرے اور نشوونما دے۔ خصوصاً جبکہ ان نباتات کی طبیعت کی بنیاد میں جوہر آتشیں غالب ہو تو ہم مثل ہونے کے اعتبار سے آگ کی گرمی سے مدد لے لیں جیسے کہ آگ کا کیڑا (سمندر) دنیا کی آگ میں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت میں دوزخیوں کا طعام صرف ضریع کو قرار دیا گیا ہے کہ اس کے علاوہ ان کے وہاں کوئی کھانا نہیں ہوگا حالانکہ دوسری آیات میں دوزخیوں کے لیے اور طعام بھی مذکور ہے۔ ان میں سے زقوم ہے اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِیْمِ اور ان میں سے غسلین ہے وَلَاطَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ

marfat.com
Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ دوزخ کے مختلف طبقے ہیں اس کے بعض طبقات کا یہی کھانا ہوگا نہ کہ کچھ اور۔ اور وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ سے مراد اس طبقے والے ہوں۔ پس کوئی اعتراض نہیں ہے جبکہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ من ضریع سے مراد خاص ضریع ہی مراد نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو بے لذتی، تلخی، بدبو، موٹا نہ کرنا اور بھوک دُور نہ کرنے میں ضریع کی جنس سے ہے، سب ضریع میں داخل ہے یہاں تک کہ بعض مفسرین نے ضریع کو فعیل بمعنی مفعل جیسے علیم اور بدیع لیا ہے اور اس کا معنی یوں بیان فرمایا ہے کہ ہر وہ کھانا جو کہ زاری، خواری اور طبیعت کی بدمزگی کا موجب ہوتا ہے، ضریع ہے اور اس صورت میں بھی اعتراض دُور ہو جاتا ہے۔

اور جب دوزخیوں کی رہائش گاہ، کھانے اور پینے کی چیزوں کا حال بیان کرنے سے فراغت ہوئی اب جنتیوں کی رہائش گاہوں، مشروبات، فرشوں اور برتنوں کا حال بیان فرمایا جا رہا ہے اور چونکہ جنتیوں کے حال کا بیان اس اجمال کی تفصیل ہے جو کہ حدیث الغاشیہ میں مذکور ہوا ہے اس لیے یہاں حرف عطف ذکر نہیں فرمایا گیا۔ بخلاف سورۃ قیامت کے کہ وہاں حرف عطف کے ساتھ مذکور ہے اس لیے کہ وہاں مجمل کی تفصیل نہیں ہے اور پہلے سے کوئی اجمال نہیں گزرا۔

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ اس روز ایک گروہ کے چہرے نرم اور خوش منظر ہوں گے اس لیے کہ ذلت و رسوائی کے اسباب خوف، خطرہ، مشقت اور دُکھ نے ان کے چہروں میں اثر نہیں کیا بلکہ ان چہرے والوں نے آج کے دن کی سختیوں سے نجات پانے کے لیے دنیا میں بے شمار سختیاں جھیلیں اور برداشت کیں اور اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لیے اپنی جان اور جسم پر تکالیف اور مشقتیں گوارا کیں۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے

لِّسَعْیِهَا رَاضِیَةٌ اس روز اپنی کوشش سے خوش ہوں گے کہ وہ ساری کوششیں جو وہاں کیں، اچھا انجام رکھتی ہیں۔

فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ وہ چہرے ایک باغ میں ہوں گے جو کہ بلند ہے اور اس کی بلندی کی وجہ سے قیامت کی ہولناکیوں اور دوسری تکلیف دینے والی چیزیں ان تک نہیں پہنچتیں اور اس بلند مکان تک آگ کی گرم ہوا راہ نہیں پاتی بلکہ

marfat.com

Marfat.com

لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً اس باغ میں بے ہودہ گفتگو نہیں سنتے' وہاں گالی گلوچ کا کیا کام اور جہنمیوں کی چیخ پکار جو کہ نری بے ہودہ ہے وہاں نہیں پہنچتی۔ کہ ان کا آرام و آسائش مکدر نہ ہو اور جنتیوں کو یہ صفت تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً کے مقابلے میں دی گئی ہے اور گرم چشمے کے مقابلے میں ان کے لیے

فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ اس باغ میں ایک چشمہ ہوگا جس کا پانی جاری ہے جو کہ برف سے زیادہ ٹھنڈا' شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور دوزخیوں کی ذلت اور رسوائی کے مقابلے میں ان کے لیے

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ اس باغ میں بلند تخت ہوں گے تاکہ پورے وقار سے بیٹھیں اور دوزخیوں کے دکھ' تکلیف اور ناپاک خورد و نوش کے مقابلے میں ان کے لیے

وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ان تختوں پر ترتیب کے ساتھ چنے ہوئے کوزے ہوں گے یعنی انہیں جب بھی کسی کھانے یا شراب' پانی' دودھ اور شہد میں سے کوئی شے پینے کی رغبت ہوگی' طلب کے بغیر اُٹھالیں اور استعمال کریں اور اس کی ضرورت نہیں ہوگی کہ تختوں سے نیچے اُتریں اور تکلیف اُٹھائیں اور اس جنت میں فرش کے طور پر ان کے لیے

وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ تکیے اور توشکیں ہوں گی جنہیں صف بصف بچھایا گیا ہے تاکہ جس تکیے اور توشک پر چاہیں' آرام کریں اور ٹیک لگائیں اور ان کے مکانوں میں

وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ متفرق قالین ہوں گے تاکہ جس مکان میں جو چاہیں حکم دیں کہ بچھایا جائے۔

اور جب اس سورۃ میں جہنمیوں اور جنتیوں کے حالات پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہوئے تو کفار نے طعن اور مذاق کے طور پر کہا کہ یہ نبی (علیہ السلام) اُلٹی گفتگو کرتا ہے' دوزخیوں کے لیے مکان اور کھانے پینے کو اس طرح بیان کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اس عذاب کی وجہ سے دوزخی مریں گے نہیں' ابدالآباد تک زندہ رہیں گے حالانکہ آدمی اور جاندار چیز کے لیے اس قسم کے عذاب میں ایک لمحے کے لیے زندگی بسر کرنا محال ہے۔ نیز جنتیوں کی تعریف میں کہتا ہے کہ بلند تختوں پر بیٹھے ہوں گے اور انہیں کوئی رنج اور مشقت نہیں ہوگی

marfat.com

Marfat.com

حالانکہ بلند تختوں پر بار بار چڑھنا اور اُترنا ایک تکلیف دہ مشقت ہے۔ نیز کہتا ہے کہ وہاں پانی اور شراب سے بھرے ہوئے کوزے رکھے گئے ہیں اور مسندوں اور قالینوں کے فرش بچھائے گئے ہیں حالانکہ ایک تخت صرف بیٹھنے کے لیے ہوتا ہے اور اس میں اتنی چیزوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نیز اگر وہ کوزے اوندھے ہو جائیں تو فرش تر ہو جائیں اور مل بیٹھنا بے مزہ ہو جائے۔

حق تعالیٰ نے اس طعن اور مذاق کے جواب میں یہ آیات بھیجیں اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جنتیوں اور دوزخیوں کا نمونہ دنیا میں موجود ہے اور جنت اور دوزخ کی صورت بھی نمودار ہے۔ پس وہ جنتیوں اور دوزخیوں کے حالات اور جنت اور دوزخ کی صفات کا کیوں انکار کرتے ہیں اور اس چیز میں' جو اُن میں سے ہر ایک کے سامنے موجود ہے' غور نہیں کرتے اور وہ چار چیزیں ہیں۔ پہلی چیز جانوروں سے جو کہ اونٹ ہے' دوسری چیز عالم بالا کے فرشوں سے جو کہ آسمان ہے' تیسری چیز معدنیات سے جو کہ پہاڑ ہے اور چوتھی چیز عالم سفلی کے فرشوں سے جو کہ زمین ہے۔ پس پہلے اونٹ کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ

اَفَلَا یَنظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ تو کیا وہ اونٹوں کی طرف نظر نہیں کرتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں اور ان کی پیدائش میں جہنمیوں اور جنتیوں دونوں کا نمونہ موجود ہے۔ اپنی ذات اور بود و باش میں دوزخیوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور اپنے فوائد اور منافع کے اعتبار سے جنتیوں سے مناسبت رکھتے ہیں۔

## ذات اور بود و باش کے اعتبار سے اونٹ کی دوزخیوں سے مشابہت کا بیان

اپنی ذات اور بود و باش کے بارے میں ان کی دوزخیوں سے مشابہت اس وجہ سے ہے کہ جسم کے لمبا' اونچا اور بڑا ہونے کے باوجود اس قدر ذلیل اور خوار ہیں کہ انسانوں کے بچے بلکہ ایک چوہا اس کی مہار کو کھینچ کر ہر طرف لے جا سکتا اور بٹھا سکتا ہے اور جو چاہے اس پر لادے پھر کھڑا کرے اور چلائے اور یہ سب کچھ اس کے چہرے کی رسوائی کی وجہ سے ہے۔ اس کی ناک چیر کر اس میں نکیل ڈالتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ ذلیل اور مطیع ہو جاتا ہے۔ اور اس جانور کی بود و باش کی جگہ زیادہ تر گرم علاقے اور ریگستان ہے جو کہ گرم ہوا چلنے

marfat.com

Marfat.com

اور سورج کی تپش کی وجہ سے آگ کا روپ دھار لیتا ہے اور یہ جانور مدتوں پانی کے بغیر رہتا ہے اور اگر اسے کچھ میسر ہوتا ہے تو بالکل گرم پانی جو کہ لو کی گرمی کی وجہ سے جوشاندہ یا قہوہ کی مانند ہے اور اس کی خوراک خاردار زہریلے درخت جیسے کھگڑا اور ضریع اور اس کے باوجود بوجھ اُٹھانے کی' مشکل کام کرنے' پہاڑوں پر چڑھنے اور ان سے اُترنے اور پانی اور کیچڑ میں داخل ہونے کی جو قوت اور طاقت وہ رکھتا ہے' کوئی جانور نہیں رکھتا اور ہمیشہ اسی دُکھ تکلیف میں گرفتار ہے۔

## فوائد اور منافع کے اعتبار سے اونٹ کی جنتیوں سے مشابہت کا بیان

رہی فوائد اور منافع کے اعتبار سے جنتیوں کے ساتھ اس کی مناسبت تو وہ اس طرح ہے کہ اگر اس کی پشت کو دیکھیں تو ایک اونچا رکھا ہوا تخت ہے اور اس بلندی کے باوجود کہ آدمی کا ہاتھ اس کی پشت تک نہیں پہنچ سکتا جب چاہیں اسے بٹھا لیں اور جنت کے تختوں کی طرح اس پر سوار ہو جائیں۔ چنانچہ معالم التنزیل میں یہ روایت لائی گئی ہے کہ جنت کے تخت دُور سے بلند معلوم ہوں گے اور جنتی چاہیں گے کہ ان پر بیٹھیں تو نیچے ہو جائیں گے پھر اونچے ہو جائیں گے اور اونٹنی کے چار پستان دودھ سے بھرے ہوئے کوزے ہیں جو کہ تیار کر کے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں اور ان سے دودھ کا چشمہ جاری ہے اور اس کی پشم سے نمدہ اور قالین بناتے ہیں۔ مخمل کی مسندیں بناتے ہیں اس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اس کا دودھ پیا جاتا ہے۔ اس کے بالوں کا لباس بنتا ہے۔ اور اس کی پشت پر سواری کی جاتی ہے۔ اور جب بوجھ لاد کر چلائیں تو کشتی ہے جو کہ اپنے پاؤں پر جاری ہے اور بغیر بوجھ کے بھیجیں تو ایک دوڑتا ہوا ایلچی ہے۔ اور جب اہل وعیال سمیت خود اس پر سوار ہوں اور اپنی ضرورت کا سامان اس پر رکھ لیں تو اپنے پاؤں پر چلتا ہوا ایک گھر ہے۔ پس دنیا کے جانوروں میں یہ ایک انتہائی عجیب جانور ہے لیکن کثرت سے میل جول کی وجہ سے اس سے تعجب نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ کسی جانور میں یہ صفت نہیں ہے کہ اگر اس پر بوجھ لادیں تو سارے گھر کا سامان اُٹھا لیتا ہے اور کسی جگہ بھیجیں جو کہ طویل مسافت پر ہو تو چلا جاتا ہے اور اگر اس کا دودھ نکالیں تو گھر بھر کو سیر کر دیتا ہے اور اس کا گوشت حاصل کریں تو ایک محلے کو کافی ہے۔

marfat.com

Marfat.com

اور اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ الابل عز لاهلها والغنم برکة والخیل معقود بنواصیها الخیر الی یوم القیامة یعنی اونٹ اپنے مالک کے لیے عزت ہے۔ اور بکری بابرکت ہے۔ اور گھوڑے کی پیشانی کے ساتھ قیامت تک خیر وابستہ ہے۔ اور اتنا بڑا جسم ہونے کے باوجود ایک سو اونٹ کی قطار کو ایک بچہ کھینچ سکتا ہے بخلاف ہاتھی اور دوسرے طاقت ور حیوانات کے کہ ان میں یہ اطاعت اور عاجزی نہیں ہے اور اس کے باوجود بے حد صبر کا مالک ہے اور دس (۱۰) دن تک پیاس برداشت کر لیتا ہے اور اپنے کام اور مشقت میں بھی کوئی کمی نہیں کرتا۔

## اونٹ کے عجائب اور خواص

اور اس کے عجائب اور خواص میں سے یہ ہے کہ اکثر اوقات رو بقبلہ جاتا ہے اور اگر اس کی پشم کو جلائیں اور اسے خشک پیس کر جاری خون پر چھڑک دیں تو خون بند ہو جائے اور اس کے دودھ اور پیشاب میں استسقاء' تلی اور بواسیر کے مریضوں کے لیے جو فائدے رکھے گئے ہیں' طب والوں پر ظاہر ہیں۔ اور اونٹ کی تھیلی کو عاشق کی آستین پر باندھیں اس کا عشق زائل ہو جائے۔ اور اونٹ تمام حیوانات میں سے غیرت کے ساتھ موصوف ہے کہ جانتے ہوئے اپنی ماں اور بہن کے قریب نہیں جاتا اور مستی کے وقت اس پر جو عشق کے آثار اور جنون کا ولولہ پیدا ہوتا ہے' سچے عاشقوں کا نمونہ ہوتا ہے اس وقت اپنی عادت سے تین گنا زیادہ بوجھ اُٹھا لیتا ہے۔ اور اس کا کھانا پینا گھٹ جاتا ہے۔ اور اس کی پیدائش میں اس کی گردن کی لمبائی عجائبات میں سے ہے۔

منقول ہے کہ بعض اہلِ فراست کے سامنے ذکر کیا گیا تھا کہ جانوروں میں سے ایک جانور ہے جسے شتر کہتے ہیں اس کی خصوصیتوں میں سے یہ ہے کہ اسے بٹھا کر اس پر خاطر خواہ بوجھ لاد دیں پھر وہ اپنی طاقت پر کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ خاصہ کسی جانور میں نہیں ہے کہ بوجھ لادنے کے بعد کھڑا ہو سکے اس صاحبِ فراست نے کہا کہ اس جانور کی گردن لمبی ہوگی تا کہ وہ گردن کے زور سے کھڑا ہو سکے۔

نیز اونٹ کی خوراک اکثر اوقات اونچے درختوں کے پتے ہیں اگر اس کی گردن لمبی نہ

marfat.com

Marfat.com

ہوتی تو اونچے درختوں کے پتے کھانے سے محروم رہتا۔ اور یہاں سے معلوم ہوگیا کہ اس مقام پر ہاتھی کا ذکر کیوں نہ فرمایا گیا اس لیے کہ ہاتھی میں جنت اور دوزخ کا نمونہ موجود نہیں ہے اور اس کے بود و باش کی جگہ سبز اور پانی والی ہوتی ہے اور اس کی خوراک کیلئے کے پتے اور دوسری کھیتیاں ہیں۔ اور کاموں میں مشقت اور دُکھ برداشت نہیں کر سکتا۔ اور عاجز اور مقہور بھی نہیں ہے بلکہ اس میں قیافہ سے زیادہ غرور اور تکبر پایا جاتا ہے۔ اور زیادہ تو پوری عزت اور آرام کے ساتھ بادشاہوں اور امیروں کے فیل خانوں میں ہوتا ہے جو اسے چارے کی بجائے کماد کھلاتے ہیں اور اسے روغنی روٹیوں کا مالیدہ دیتے ہیں۔ اسے دوزخ کے خشک معاش والوں سے کسی طرح بھی مناسبت نہیں ہے۔ اور اسی طرح بے فائدہ جانور ہے نہ دودھ رکھتا ہے نہ پشم نہ اس کا گوشت کھانے کے لائق ہے۔ نہ اس کی سواری ہر وقت ہر کسی کو میسر اور نہ اسے اطاعت اور فرماں برداری کا شوق۔ پس جنت کا نمونہ بھی نہیں ہو سکتا اگرچہ اس کا جثہ بڑا ہے اس سے کیا کام کیونکہ یہاں ایک دیگر مقصد بیان کرنا مقصود ہے۔

وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ اور آیا آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے تاکہ تم جنت کی بلندی اور وہاں کے تختوں کی بلندی کو بعید نہ سمجھو۔ اور آسمان کی اس بلندی کی باوجود حرکت دوری کی وجہ سے اس کے اجزا میں سے ہر جز و رات دن کی گردش میں پست بھی ہوتا ہے اس حد تک کہ سر کی طرف سے قدم کی طرف میں آجاتا ہے اور جنتی کے قدم کے نیچے جنت کے اونچے تختوں کا جھک جانا اس بلندی اور پستی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ نیز آسمان میں ستارے کوزوں کی طرح رکھے گئے ہیں کہ آسمان کی حرکت دُوری کی وجہ سے اپنے مرکز سے بالکل نہیں ہلتے اور اُلٹتے نہیں جس طرح بہشت کے کوزے گرم اور سرد قسم کے مشروبات سے پُر ہیں اسی طرح آسمانی کوزے رنگارنگ شعاعوں سے معمور ہیں۔ مثلاً زہرہ کی شعاع مرواریدی ہے اور مریخ کی شعاع سرخ اور مشتری کی بالکل سفید' زحل کے لیے تاریکی اور گدلا پن اور کف الخضیب کی شعاع عباسی ہے۔ اور گرمی اور سردی میں بھی مختلف ستاروں کی شعاعیں کئی قسم کی ہوتی ہیں اور جو ٹھنڈک چاند کے نور میں ہے' محسوس ہو رہی ہے۔ اسی طرح سورج کی تپش' زحل کی خشکی اور زہرہ کی رطوبت۔ علیٰ ہذا القیاس

marfat.com
Marfat.com

نیز آسمان میں سورج کا چشمہ اور چاند کا چشمہ جنت کے جاری چشمے کا نمونہ ہیں کہ ایک سے سرخ شراب فوارے کی طرح تیزی سے پھوٹتی ہے جبکہ دوسرے سے ٹھنڈا دودھ نکلتا ہے۔ نیز جو ستارے برجوں منزلوں اور دوسری شکلوں میں مشاہدے میں آتے ہیں مخمل کی مسندوں اور رنگا رنگ قالینوں کی طرح ہیں کہ بعض کو ملا کر صف کی شکل میں پھیلایا گیا ہے اور بعض کی بکھرے پھولوں کی طرح متفرق کر کے ڈالا گیا ہے۔ پس دنیا میں آسمان جنت کا نمونہ ہے اور وہاں کے رہنے والے جو کہ فرشتے ہیں نورانی چہروں اور اچھی کاوشوں کے ساتھ مسرور وشاداں ہیں اور وہاں تسبیح اور ذکر الٰہی کے سوا کوئی بے مقصد بات سنائی نہیں دیتی اور اگر اسی آسمان کو شیطانوں اور بنی آدم کے تباہ حالوں اور زمانے کے بدنصیبوں کی نسبت سے ملاحظہ کریں تو دوزخ کی مثال سامنے آتی ہے اور شیاطین اور بدکاروں کی ارواح کے لیے وہاں سے آگ کے شعلوں کے ساتھ مسلسل دھتکار طعن اور سنگ باری جاری ہے اور ان کے لیے وہاں نری ذلت اور خواری ہے اور ملائکہ کی گفتگو کی چوری کے لیے جانے ملک الموت کی پکڑ سے بھاگنے اور سخت ذلت اور خسارے کے ساتھ واپس آنے میں شہاب کی آگ اور آسمان کے دربانوں کی آتش قہر ان کے لیے وہاں تیار ہے اور گرم چشمے کی طرح گرم سورج کی گرمی ان پر برستی ہے اور کسی غذا کا استعمال موکلوں کے کوڑوں کے سوا وہاں میسر نہیں۔

وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ اور کیا پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں کہ ہوائیں چلنے بارشیں برسنے اور زلزلے آنے کے باوجود اپنی جگہ سے گرتے نہیں اور اکھڑتے نہیں اسی طرح جنت کے کوزوں کی حالت کو سمجھنا چاہیے بلکہ اگر غور کیا جائے تو پہاڑ بلندی اور اچھی ہوا کی وجہ سے جنت کی مانند ہے کہ زمین کی بدبو موذی چیزیں اور ردی بخارات وہاں نہیں پہنچتے اور دنیا والوں کی لغو باتیں اور لڑنے جھگڑنے والوں کے جھگڑے وہاں بالکل سنے نہیں جاتے اور میٹھے پانی کے چشمے جاری ہیں اور صاف چٹانیں اونچے تختوں کی طرح اپنی جگہ پر قائم ہیں اور خودرو درختوں پر لٹکتے پھل جنتی کوزوں کی طرح رکھے گئے ہیں اور عجیب وغریب سبزے مسندوں اور قالینوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

اور اگر کوئی اسی پہاڑ کو بدبختوں اور بدنصیبوں کی نسبت سے جو کہ گرفتار مصیبت ہیں اور وہاں تباہ حال پڑے ہوں گے' ملاحظہ کرے تو جہنم کا نمونہ ظاہر ہے کہ چڑھنا اور وہاں سے اُترنا سراسر مصیبت اور تکلیف اور وہاں کی غیر موافق آب وہوا خصوصاً دامنِ کوہ کہ جسے ہندی زبان میں اول کہتے ہیں' جہنم کے گرم چشمے کی مانند اور خارزار جھاڑیاں ضریع اور زقوم کی طرح

وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ اور کیا وہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی ہے' کہیں چند قطعات ترتیب یافتہ صاف صف بستہ مسندوں کی طرح واقع ہیں اور کہیں چند متفرق قطعات رنگارنگ پھولوں اور کلیوں سے معمور ہیں' بکھرے ہوئے قالین

بلکہ یہی زمین امیروں اور دولت مندوں کی نسبت جنت کا حکم رکھتی ہے' پوری عزت کے ساتھ باغات اور سیرگاہوں میں پُرتکلف فرشوں پر بیٹھتے ہیں اور مشروبات سے چھلکتے برتن تیار ہیں' سونے اور جواہرات کے چشمے کانوں اور خزانوں سے جاری ہیں' بلند مرصع اور ترتیب کے ساتھ پڑے ہوئے تخت بیٹھنے اور سوار ہونے کے لیے موجود ہیں۔ اور اگر اسی زمین کو غریبوں اور مفلسوں کی نسبت سے ملاحظہ کریں تو خصوصاً ان لوگوں کی نسبت سے جو کہ گرم علاقوں میں عین گرمی کے موسم میں اسباب' سواری اور سفر میں کسی نفع کی توقع کے بغیر بھاگ دوڑ میں گرفتار ہو چکے ہوں تو دوزخ کا حکم رکھتی ہے کہ تکلیف اور دُکھ کے سب اسباب وافر ہیں جبکہ لذت اور راحت منزلوں دُور ہے۔

پس ان چار چیزوں کو ملاحظہ کرنا جنت اور دوزخ کے حالات کو سمجھنے میں عقل مندوں کے لیے کافی ہے اور مثال سمجھنے کے لیے ان چار چیزوں کو اس لیے اختیار فرمایا گیا ہے کہ اس معجزانہ کلام کے مخاطب عرب کے بادیہ نشیں اور ان علاقوں کے صحراؤں میں پھرنے والے لوگ تھے جو کہ جانوروں میں سے زیادہ تر اونٹ کی پرورش کرتے تھے اس کا گوشت کھاتے تھے اس کا دودھ پیتے تھے اور اس کی اون اور ریشم سے اپنے لیے کپڑے اور فرش بناتے تھے اور سفروں میں اس پر سواری کرتے اور بوجھ لادتے تھے۔

اور اہلِ تجربہ نے کہا ہے کہ ملک عرب کے کاروبار کی بنیاد اونٹ پر ہے اور ایران

marfat.com

Marfat.com

والوں کا کاروبار اشتر پر ہے اور تورانیوں کا کاروبار گھوڑے پر ہے اور ہندوستان کے لوگوں کے کاروبار کی بنیاد گھاس پر ہے چونکہ صحرانشیں زیادہ تر مویشی پالتے ہیں' انسان کو پانی اور گھاس کی سخت ضرورت ہوتی ہے اس لیے کہ اکثر اوقات ان کی نگاہیں آسمان پر گڑی رہتی تھیں کہ کس طرف سے ہوا چلتی ہے اور کونسی ہوا بارش لاتی ہے اور ان کی جائے قرار اور جائے پناہ بڑے بڑے پہاڑ ہوتے ہیں کہ دشمن کے قریب آنے یا زمین پر پانی اور گھاس کا قحط پڑنے کے وقت دوڑ کر پہاڑوں میں چلے جاتے اور وہاں بافراغت وقت گزارتے۔ چنانچہ ان میں سے کوئی کہنے والا فخر کے مقام پر کہتا ہے لنا جبل

پھر اس قسم کے لوگوں کی بلکہ بادشاہ سے لے کر گدا تک بنی آدم کی سب اقسام کی زمین کی طرف محتاجی پوشیدہ نہیں کہ چارہ اُگنے کی جگہ بھی ہے' کاشت کاری اور پھلوں کا محل بھی ہے' مقامِ سکونت بھی اور مقامِ عمارت بھی۔ اور اس میں سونے اور جواہرات کی کانیں بھی ہیں۔ پس یہ چار چیزیں اس کے رہنے والوں کے خیال میں غالبًا جلد جمع ہو جاتی ہیں۔ اور اس مثال کی بنیاد محسوسات کی خیالی صورتوں کو ذہنوں میں حاضر کرنے پر ہے کہ ان صورتوں سے معنی معقولہ تک لے جایا جائے اور جو خیال میں جلدی گزرے' اس کی مثال دینا زیادہ مفید ہے اور بلاغت کا کمال اسی مثال کو بیان کرنے میں ہے۔

اور محققین نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں اپنی نعمتیں یاد دلانے' ذات وصفات کی وحدت کے دلائل اور اپنی ذات کے کمالات ذکر کرنے میں ایسی راہ اختیار کی گئی ہے جو کہ شہوت' حرص اور دنیوی زینت کی طرف نگاہ اُٹھانے کا باعث نہ ہو ورنہ مثال بیان کرنے کی غرض فوت ہو جائے اور لوگ اپنی مرغوبات اور خواہشات کے ذکر کی وجہ سے ان میں ڈوب کر مقصد سے مشرق ومغرب کی دُوری پر جا پڑیں اور اسی طرح وہ عجیب چیزیں بھی جو کہ بنی آدم کی کاریگریوں کی وجہ سے صورت پذیر ہوئیں اور کام میں آئیں' مقامِ استدلال کے خلاف ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان تمام عجائبات کو بنی آدم کے ارادہ واختیار اور ان کی حکمت اور قدرت کے حوالے کر دیں اور مقصد تک پہنچنے سے محروم رہیں' ناچار اس چیز کو جو ہر کسی کو حاصل ہے اور حرص وطمع کا موجب نہیں ہوتے اور طبعی حسن وجمال رکھتی ہے اس کلام

marfat.com

Marfat.com

پاک میں مثال بیان کرنے کے لیے جگہ جگہ منتخب کیا گیا ہے اسی لیے کہیں نہیں فرمایا گیا کہ بادشاہوں کے باغات اور عجمیوں کی عجائبات میں غور کریں یا بے ریش لڑکوں یا خوب صورت عورتوں کی اچھی شکلوں میں غور کریں اور وہاں سے حضرت صانع جل مجدہ کی حکمت کے کمال کا سراغ لگائیں۔

## زمین کی شکل کا بیان

اور بعض علماء نے سطحت کے اس لفظ سے جو کہ زمین کے بارے میں بولا گیا ہے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ زمین کی شکل گول نہیں لیکن یہ استدلال بہت ضعیف ہے اس لیے کہ زمین اگرچہ حقیقت میں گول ہے لیکن بہت بڑی ہونے کی وجہ سے دیکھنے میں گول نہیں لگتی اور اس کے باہم ملے ہوئے اجزا کے اوپر نیچے ہونے کی دریافت نہ ہونے کی وجہ سے بچھی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور گفتگو ان وہم و خیال والوں سے ہو رہی ہے جو کہ اس قدر بڑے جسم کے گول ہونے کو دریافت نہیں کر سکتے۔

اور جب جنت اور دوزخ کے متعلق اور جنتیوں اور دوزخیوں کے حالات کے بارے میں کفار کے طعن اور بعید سمجھنے کے جواب سے فراغت ہوئی۔ گویا ایسا مقام آ گیا کہ مذکورہ کفار کے شدید تمرد اور عناد پر نظر کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پند و نصیحت کرنے میں بے توجہی فرمائیں اور اس سب وعظ و نصیحت کو بے فائدہ سمجھیں اس بناء پر اس کی امر تاکید منظور ہوئی اور آپ کے قلب مقدس کی تسلی ضروری ہوئی اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ تو آپ نصیحت کریں' آپ تو نصیحت کرنے والے ہیں یعنی جب آپ نے چاروں چیزوں کو جو کہ ہر کس و ناکس کے سامنے موجود ہیں' آخرت کے امور کی طرح جان لیا اور جنت اور دوزخ کے حالات پر قوی دلیل پالی تو ان کے طعن اور بعید سمجھنے کے لفظ سے جو کہ جھگڑے سے زیادہ کچھ نہیں' آپ پریشان نہ ہوں' اپنا وعظ و نصیحت کا کام کرتے جائیں۔

لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں کہ انہیں سیدھی راہ سے بالکل پھرنے نہ دیں اور ان کے دلوں میں جبراً حق بات کو بٹھائیں' یہ مقلوب القلوب کا کام ہے'

marfat.com

Marfat.com

کسی کے اختیار میں نہیں۔

اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰی وَکَفَرَ یعنی سب کو بار بار پند و نصیحت کریں مگر جس نے آپ کی وعظ و نصیحت سے روگردانی کی اور کفر اختیار کیا اور آپ کی رسالت کا انکار کیا' اسے بار بار وعظ و نصیحت کرنا آپ پر فرض نہیں ہے' ایک بار احکامِ الٰہی کی تبلیغ اور ہمیشہ کے کے عذاب سے ڈرانا ضروری تھا اس سے آپ فارغ ہو گئے اب اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔

فَیُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الۡعَذَابَ الۡاَکۡبَرَ تو اسے اللہ تعالیٰ ایسا عذاب دے گا جو کہ دوسرے گناہ گاروں کے عذاب سے بڑا ہے جنہوں نے کفر اختیار نہیں کیا اور روگردانی نہیں کی اور وہ ہمیشہ کا عذاب ہے کہ ایمان والا آدمی اگرچہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو اور توبہ کے بغیر مر جائے اس دردناک عذاب سے محفوظ ہے اور اگر یہ ضدی کفار اللہ تعالیٰ کے عذاب دینے میں جو کہ ان کے حواس کی گرفت سے غائب ہے اور بنی آدم کی پٹائی کے سوا کوئی عذاب نہیں جانتے' شک کریں تو بے جا ہے اس لیے کہ

اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَهُمۡ تحقیق ان کا لوٹنا ہماری طرف ہی ہے کہ مرنے کے بعد ہر کسی کی روح حواس کی گرفت سے پوشیدہ ہو جاتی ہے اور جہانِ غیب میں پہنچ جاتی ہے۔ پس ناچار ہر کسی کو اس جہان میں جانا ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَهُمۡ پھر تحقیق ان کا حساب ہمیں پر ہے' ہم ہر چھوٹے بڑے گناہ اور کفر و عناد کی قسموں پر ان کے مطابق جزا دیتے ہیں تو جس کی روگردانی اور کفر زیادہ شدید ہو گا اس کا عذاب اور سزا بھی زیادہ بڑی ہو گی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ مِنۡهُ

پس آیت اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَهُمۡ میں احوالِ برزخ کا اشارہ ہے جو کہ موت کے فوراً بعد پیش آنے والا ہے جبکہ آیت ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَهُمۡ میں روزِ قیامت کے معاملے کا اشارہ ہے جو کہ مدت دراز کے بعد رونما ہو گا اسی لیے کلمہ ثم جو کہ تاخیر اور مہلت پر دلالت کرتا ہے اس آیت کی ابتدا میں لایا گیا۔

marfat.com
Marfat.com

# سورة الفجر

مکی ہے' اس کی تیس (۳۰) آیات' ایک سو سینتیس (۱۳۷) کلمات اور پانسو ستانوے (۵۹۷) حروف ہیں۔

## رابطے کی وجہ

اور سورۃ الغاشیہ کے ساتھ اس کا رابطہ یہ ہے کہ وہاں بھی قیامت' جنت' دوزخ' ثواب اور عذاب کا ذکر ہے اور لوگوں کو جنتی دوزخی دو گروہوں میں منقسم ہونا اور نیکی و بدی کے آثار چہروں پر ظاہر ہونا مذکور ہے جبکہ یہاں بھی یہی مضمون مذکور ہے۔ نیز وہاں لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ نیکوں کی تعریف میں فرمایا گیا جبکہ یہاں رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فرمایا گیا وہاں کافروں کے بارے میں فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ارشاد ہوا جبکہ یہاں فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗ اَحَدٌ فرمایا گیا اور ہر ایک کے یہی دونوں مضمون ہیں۔

## ملحدین کا شبہ اور اس کا جواب

اور اس سورۃ کا نزول ایک شبہ کے جواب میں ہے جو کہ اکثر ملحدین اور زندیقوں کے دل میں گزرتا ہے اور وہ اس شبہ کے ساتھ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور واعظوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی اطاعت اور ان کی نافرمانی کی پرواہ بالکل نہیں۔ پس وہ جو انبیاء علیہم السلام اور واعظ لوگ کہتے ہیں کہ جہانِ دنیا کے بعد ایک اور جہان ہے جس میں حشر و نشر' سوال و جواب اور جزا و سزا ہوگی' نری بے اصل بات ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بنی آدم کے اچھے برے اعمال کی ہر چیز پر مطلع ہے اور ہر کسی کو اس کی سزا تک پہنچانے پر قادر ہے اگر وہ نیکیوں سے خوش ہوتا اور گناہوں سے ناراض تو اطاعت کرنے والوں کو بے شمار نعمتوں سے کیوں نہ نوازتا اور گناہ گاروں کو سزاؤں میں گرفتار کیوں نہ کرتا اور جزا کی تاخیر اور قیامت آنے کا انتظار یا تو اس لیے ہے کہ اس وقت اسے آدمیوں کے احوال' نیکی بدی اور ان کے کردار کی اطلاع نہیں یا اس لیے کہ فی الوقت وہ انتقام کی قدرت نہیں رکھتا اور دونوں امور کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں تصور بھی نہیں تو معلوم

marfat.com
Marfat.com

ہوا کہ اسے اچھے بُرے کو جزا دینا منظور نہیں اور جو کچھ کرتا ہے' بے پروائی کے ساتھ اسی جہان دنیا میں کرتا ہے' کسی کو نعمتوں کے ساتھ نوازتا ہے اور عزت دیتا ہے اور کسی کو قسم قسم کی مصیبتوں اور محتاجی میں گرفتار کر دیتا ہے اور ذلیل کرتا ہے۔

اور اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم وقدرت کے کمال کے باوجود حکیم مطلق ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ہر کسی کو اس کی جزا دینے میں قیامت کے دن کا انتظار کیا جائے۔

## جزائے اعمال کو قیامت پر موقوف کرنے کی حکمت

اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی کی تین حالتیں ہیں۔ پہلی حالت دنیا کہ جس میں انواع واقسام کی ضرورتوں میں گرفتار ہے اور مخلوق کے ساتھ کئی قسم کے تعلقات رکھتا ہے جیسے رشتے داری' دوستی اور ہمسائیگی۔ نیز طاعت اور بندگی کا مکلف اور آخرت کا سفر خرچ حاصل کرنے میں مصروف ہے اور اپنے راس المال کو بڑھانے اور نفع زیادہ کرنے میں لگا ہوا ہے۔

دوسری برزخ کی حالت کہ موت کے بعد اسے ان مصروفیات سے فراغت ملی لیکن جو کچھ اس کے بھائیوں' رشتہ داروں' شاگردوں اور دوستوں نے اس کے لیے اور اس کے حکم پر دنیا میں کیا ہے اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے تو گویا ابھی تک وہ خود دار العمل میں ہے۔ نیز برزخ میں ان حقوق والوں کے اجتماع کی صورت نہیں بنتی جن کے ساتھ اس نے نیکی اور بُرائی کرنے کے قسم قسم کے معاملات کیے تھے۔ اس لیے کہ ہر کسی کی موت ایک وقت پر مقرر ہے۔ پس حقوق والوں کی حاضری کے بغیر اس کے معاملات کا فیصلہ کرنا عدل کے خلاف ہے۔

تیسری آخرت کی حالت جس میں اسے کوئی عمل اور مصروفیت نہیں ہے اور اس کی نوع والے اور اس کی پیروی کرنے والے سب موجود اور جو کچھ اس نے خود کیا تھا یا دوسروں نے اس کے لیے اور اس کے حکم پر کیا تھا' سب کا سب اس کے پاس پہنچ چکا اور نوع انسانی ختم ہونے کی وجہ سے آئندہ کسی اور چیز کے پہنچنے کی توقع بالکل نہ رہی۔ پس اس کی حکمت ہرگز تقاضا نہیں کرتی کہ اسے دنیوی حالت میں سزا دی جائے اس لیے کہ ابھی وہ کام میں مصروف ہے اور عمر کی پوری مدت جو کہ بمنزلہ اس کے سرمائے کے ہے' ابھی تک اسے پوری

marfat.com
Marfat.com

ہاتھ نہ لگی اور اس نے اوقات کے جمع اور خرچ کو برابر نہیں کیا۔ پس اگر اسے اس حالت میں جزا میں گرفتار کردیں تو وہ جواب میں کہہ سکتا ہے کہ مجھے مہلت دینا چاہیے تھی تاکہ میں اپنی عمر پوری کروں اور ابتدائے جوانی اور ناتجربہ کاری میں مجھ سے جو کوتاہیاں واقع ہوئیں' آخر عمر میں اس کا تدارک کرلوں۔

اور تاجروں کا دستور یہی ہے کہ جب کسی ملازم کو کاروبار کے لیے کسی طرف بھیجتے ہیں تو اسے مہلت دیتے ہیں کہ اپنے اختیار اور صوابدید کے مطابق مدت دراز تک مال کی گردش میں تصرف کرے اور اس سے کسی ایک معاملے میں غبن یا نقصان دیکھیں تو اس سے مواخذہ نہیں کرتے کہ شاید کسی دوسرے معاملے میں اس کی طرف سے اس غبن اور نقصان کا تدارک ظاہر ہوجائے۔

اور اسی طرح برزخ میں جزا پہنچانا بھی خلاف حکمت ہے اس لیے کہ ہر مکلف کے اعمال کے نفعوں اور نتائج کی وصولی بنی نوع انسان کے باقی ہونے کی وجہ سے ابھی تک باقی ہے تو گویا ابھی تک اس کا جمع اور خرچ برابر نہیں ہوا۔ نیز حقوق والے جمع نہیں ہوئے تاکہ پتہ چلے کہ اس کا حق کس پر نکلتا ہے اور اس پر کس کا حق بنتا ہے اور حقوق والوں میں سے کون اپنا حق مانگتا ہے اور کون معاف کرتا ہے۔ تو ناچار جزا دینے کے لیے جہانِ آخرت ہی مقرر ہوگا اور اس وقت تک اللہ تعالیٰ بندوں کے اچھے بُرے اعمال کو ملاحظہ فرماتا ہے اور لکھتا ہے' غفلت بالکل نہیں ہے اور اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ کا یہی معنی ہے اور اسی مضمون کو اس سورۃ میں چند قسموں کی تاکید فرما کر بیان فرمایا گیا ہے۔

## وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کا نام سورۃ الفجر اس لیے رکھا گیا ہے کہ پہلی قسم فجر کی واقع ہوئی ہے اور جیسا کہ چاہیے فجر کی روزِ قیامت کے ساتھ مشابہت ہے کہ لوگ ساری رات اس فجر کے آنے کا انتظار کرتے ہیں اور جب فجر ہوگئی گویا موت کے بعد اُٹھائے گئے اور بازاروں' درباروں اور راستوں میں اجتماعات ہوئے اور جن کاموں کا انتظار میں ساری رات گزری' انہیں سرانجام دینے کی صورت بنی اور جب ان قسموں میں کام سرانجام دینے کے انتظار کا

marfat.com

Marfat.com

بیان مقصود ہے جو کہ بنی آدم کے فرقوں میں سے ہر فرقے کی عادت ہے اور یہ مقصد ثابت کرنے کے لیے فجر بہت بڑی دلیل ہے ناچار اس سورۃ کو اس نام کے ساتھ موسوم کیا گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ مجھے فجر کے وقت کی قسم ہے کہ اکثر مخلوقات اپنے کام سرانجام دینے میں اس کا انتظار کرتے ہیں اور کام کے اسباب کے باوجود فجر ہونے تک تاخیر کرتے ہیں' اُڑنے والے جانور رزق کی تلاش کے لیے گھونسلے سے باہر نکلنے میں بھوکے اور خالی پیٹ اس کے منتظر رہتے ہیں۔ اور چرنے والے جانور چراگاہوں کو جانے کے لیے بھی اسی کے منتظر ہوتے ہیں۔ اور کچہریوں والے اپنے مقاصد پورے کرنے' مقدمات والے اپنے جھگڑے حکام کے پاس لے جانے' ہنر اور بازار والے اپنے کاروبار' کاشت کار ہل چلانے اور اپنے دوسرے کاموں کے لئے اور مسافر سفر طے کرنے کے لیے اسی کے منتظر ہوتے ہیں اور ہر وہ سب کام جو کہ اظہار اور اعلان سے وابستہ اور روشنی حاصل ہونے پر موقوف ہیں' سب کے سب فجر طلوع ہونے پر معلق ہیں۔

اور بعض فجروں کی خصوصیات زیادہ ہیں کہ ان کے انتظار میں بہت سی مخلوق وقت گزارتی ہے جیسے حاجیوں کے لیے روز عرفہ اور روز نحر کہ سارا سال اسی دن کی آرزو میں گزارتے ہیں اور دُور دراز علاقوں سے وہ دن پانے کے لیے ان متبرک مقامات میں پہنچتے ہیں۔

اور نماز صبح بھی اسی وقت میں ہے' وہ فرشتے جو کہ بندوں کی حفاظت پر مامور ہیں' باری باری دن رات میں آتے اور جاتے ہیں اس وقت میں نشست و برخاست کی دونوں چوکیاں جمع ہو کر اس وقت کی نماز کا انتظار کرتے ہیں اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ من صلی صلوۃ الفجر فهو فی ذمۃ اللّٰہ کہ جس نے نماز فجر ادا کی' وہ اللہ تعالیٰ کے ذمے میں ہے اور سورۂ اسریٰ میں واقع ہوا اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا یعنی فجر کی قرأت حاضری میں ہوتی ہے اور اس کی تفسیر حدیث شریف میں فرمائی گئی ہے کہ دن رات کے فرشتے اس وقت حاضر ہوتے ہیں اور ان کے حاضر ہونے کی وجہ سے انوار و برکات میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

حاصلِ کلام یہ کہ اکثر مخلوقات کو اپنے کاروبار کے لیے فجر کے آنے کا جو انتظار ہوتا ہے پوشیدہ نہیں۔ درد والے ساری رات اس امید پر درد کے ساتھ گزارتے ہیں کہ جب فجر ہوگی طبیب کے پاس جائیں اور اس سے علاج کرائیں اور گدا اور فقیر ساری رات بھوک اور خالی پیٹ کے ساتھ اس امید پر کاٹتے ہیں کہ صبح امیروں کے دروازوں پر جا کر سوال کریں اور روٹی کے سر ہوں۔ علیٰ ہذا القیاس

بنی آدم کے تمام گروہ اپنی ضرورتیں صبح ہونے پر موقوف رکھتے ہیں۔ پس ضرورت اور قدرت کے باوجود اس وقت کے انتظار میں کاموں کو موخر کرنا جسے حکمت نے اس کام کے لیے معین کیا ہے نوعِ انسانی کی جبلت ہے اسی قیاس پر قیامت کا دن آنے کے انتظار میں جزا کے مقدمے کو موخر کرنا سمجھنا چاہیے۔

وَلَيَالٍ عَشْرٍ اور مجھے دس راتوں کی قسم ہے جو کہ بہت بزرگ اور متبرک ہیں اور لوگ سارا سال ان دس راتوں کے آنے کے انتظار میں گزارتے ہیں اور اپنے کاروبار کو ان کے آنے پر موقوف رکھتے ہیں۔

## دس متبرک راتوں کا بیان

اور ان دس راتوں کی تین اقسام ہیں: پہلی قسم ذوالحجہ کے مہینے کی پہلی دس راتیں کہ اطراف واکناف کے حاجی ان دس راتوں میں مکہ معظمہ کے شہر اور اس کے نواح میں حج کرنے اور طواف کرنے کی خاطر جمع ہوتے ہیں اور اجتماع کی ابتدا پہلی رات سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا دسویں رات میں ہوتی ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں کیا ہوا عمل صالح ذوالحجہ کی دس راتوں سے بہتر اور افضل ہو ان کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ان میں سے ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔

دوسری قسم ماہ رمضان المبارک کی آخری دس راتیں کہ عبادت گزار سنت اعتکاف ادا کرنے اور لیلۃ القدر کی برکات پانے کے لیے سارا سال ان کے انتظار میں ہوتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ دس راتیں آتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر چھوڑ کر مسجد

marfat.com
Marfat.com

شریف میں اعتکاف بیٹھتے تھے اور کمر مبارک کو خوب باندھ لیتے اور شب بیداری میں اپنے اہل وعیال کو اپنا رفیق بناتے اور انتہائی مجاہدہ فرماتے۔

تیسری قسم محرم کی پہلی دس راتیں ہیں کہ یہ شہداء کی غربت کے دن ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو صبر اور رنج برداشت کیا ہے اس کا بے حد وحساب ثواب ان کی ارواحِ مقدسہ پر ان دس راتوں میں نازل ہوتا ہے اور بدعتی لوگ جہالت کے طریقے سے گریہ زاری' سینہ پیٹنے' کتاب پڑھنے' مرثیے پڑھنے' تعزیے بنانے اور ڈھول بجانے کی رسم بجا لانے کے انتظار میں سارا سال کرتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے یہ دس راتیں پورے سال میں جدا جدا بیان کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رمضان المبارک کے آخری دہاکے کی پانچ طاق راتیں جن کے متعلق لیلۃ القدر کی برکات کی امین ہونے کا گمان ہے' ایک عیدالفطر کی رات' ایک عرفہ کی رات' ایک بقرعید کی رات اور ایک معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات جو کہ رجب کی ستائیسویں رات ہے اور ایک شب برأت مراد ہے۔ واللہ اعلم

یہاں جاننا چاہیے کہ اس سورۃ میں ساری قسمیں معروف باللام لائی گئی ہیں جبکہ لیالِ عشر کو نکرہ لایا گیا اس کی وجہ ان دس راتوں کی تعظیم بیان کرنا ہے اس لیے کہ ان کی تعظیم کا سبب مخفی اور پوشیدہ ہے۔ بخلاف دوسری قسموں کے کہ ان کی عظمت کی وجہ ظاہر اور روشن ہے۔ نیز لیالِ عشر میں' بارہ وجہوں کا احتمال ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ پس ان کے مبہم اور ظاہر ہونے کا فائدہ دینے کے لیے انہیں نکرہ لایا گیا تاکہ سارے احتمالات کی گنجائش ہو۔

وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ اور مجھے جفت اور طاق عدد کی قسم جو کہ اعداد کے سارے مرتبوں کو شامل اور محیط ہے اس لیے کہ کوئی عدد ان دو قسموں سے باہر نہیں ہو سکتا اور تمام معدودات کو بلکہ تمام موجودات کو شامل ہے اور انسانوں کو جس طرح اپنی مہمات سرانجام دینے کے لیے اوقات کا انتظار ایک جبلی اور فطری امر ہے اسی طرح عدد کے جفت اور طارق مرتبوں کی اپنے معاملات اور قرضوں کے لین دین میں انتظار کرنا فطری اور جبلی چیز ہے۔ حاملہ کے لیے وضع حمل میں نو ماہ کا انتظار کرنا چاہیے جو کہ طاق عدد ہے اور بچے کو دودھ سے روکنے کے لیے دو سال کا انتظار کرنا چاہیے جو کہ جفت عدد ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## بالغ ہونے کی مدت کے تعین کا ذکر

اور بچے کو مکتب میں بٹھانے میں چار سال' تعلیم نماز میں سات سال' روزہ سکھانے میں دس سال اور بالغ ہونے اور شادی نکاح میں پندرہ سال کا انتظار کرنا چاہیے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر مہم اور کام کے لیے مہینوں کی تواریخ میں طاق اور جفت کے عدد کا انتظار کرتے ہیں اور شمسی سال پورا کرنے میں بارہ برجوں اور قمری سال میں بارہ مہینوں کا انتظار کرنا چاہیے اور ہفتہ پورا کرنے میں سات دن اور مہینہ پورا کرنے میں تیس یا انتیس دنوں کا انتظار کرنا چاہیے اور دو رکعت و چار رکعت کی نماز میں تکبیر کے شروع سے لے کر سلام پھیرنے تک دو رکعت یا چار رکعت کا انتظار کرنا چاہیے اور تین رکعت کی نماز میں تین رکعت کا انتظار۔ علیٰ ہذا القیاس تمام شرعی اور عرفی امور میں طاق اور جفت کے عدد کا انتظار معمول اور رواج ہے۔

## شفع اور وتر کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جفت سے مراد مخلوق ہے اس لیے کہ مخلوقات میں سے ہر چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر ذکر کرتے ہیں جیسے آسمان و زمین' روز و شب' نور و ظلمت اور نر مادہ جبکہ طاق سے مراد حضرت حق جل جلالہ کی ذات پاک ہے کہ کوئی چیز اس کے برابر نہیں ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ شفع سے مراد مخلوق کی صفات ہیں جو کہ نقیض اور ضد کے ساتھ مخلوط ہیں جیسے علم اور جہالت' قدرت اور عجز' حیات اور موت' عزت اور ذلت اور قوت اور ضعف جبکہ وتر سے مراد صفات حق تعالیٰ ہیں کہ وجود ہے عدم کے بغیر' قدرت ہے عجز کے بغیر' علم ہے جہالت کے بغیر' حیات ہے موت کے بغیر' عزت ہے ذلت کے بغیر اور قوت ہے ضعف کے بغیر۔

اور بعض نے کہا ہے کہ شفع سے مراد دو رکعتی اور چار رکعتی نمازیں ہیں جبکہ وتر سے مراد تین رکعتی نمازیں مراد ہیں اور یہ تفسیر حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ جفت سے مراد جنت کے درجات اور اس کے دروازے ہیں جو

marfat.com
Marfat.com

کہ آٹھ ہیں جبکہ طاق سے مراد جہنم کے طبقات اور اس کے دروازے ہیں جو کہ سات ہیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ جفت بارہ برج ہیں جبکہ طاق سات سیر کرنے والے ستارے ہیں جن کی ان برجوں میں گردش کی وجہ سے دنیا میں گوناگوں حالات اور انقلابات رونما ہوتے ہیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ جفت سے مراد وہ مہینہ ہے جو پورے تیس دنوں کا ہے جبکہ طاق سے مراد وہ مہینہ ہے جس کے انتیس دن ہوتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جفت سے مراد ہر رکعت کے دو سجدے ہیں جبکہ طاق سے مراد ایک رکوع ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ جفت سے مراد وہ بارہ چشمے ہیں جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے ایک پتھر پر عصا مارنے سے جاری ہوئے جبکہ طاق سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ نو معجزات ہیں جو کہ آپ نے فرعون کے مقابلے میں ظاہر فرمائے اور قرآن مجید میں بھی ان کا اشارہ ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا کہ جفت سے مراد عید قرباں کا دن ہے جو کہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ ہے جبکہ طاق سے مراد ذوالحجہ کی نویں تاریخ ہے اور یہ تفسیر لیال عشر کے ساتھ پوری مناسبت رکھتی ہے۔

وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ اور مجھے رات کی قسم ہے جس وقت کہ اس کی تاریکی جہان میں سرایت کرتی ہے کہ وہ بھی انتظار کرنے کا وقت ہے' ان کاموں کے لیے جو کہ پردے اور چھپنے سے وابستہ ہیں' خواہ نیک ہوں یا بُرے جیسے شب زندہ داروں کی عبادت' نکاح کا جشن' چوروں کی چوری' ناچنے والوں کا رقص' عیاشوں کی عیاشی' جادوگروں کا جادو' شعبدہ بازوں کا طلسم اور چہرہ بازوں کا دیدار۔ پس ان پانچ قسموں کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ کام کے اسباب اور وسائل کے جمع ہونے کے باوجود وقت اور عدد کا انتظار انسان کی جبلی حکمت کے مطابق ہے جس کی ہر اچھے اور بُرے کام میں رعایت کرتا ہے اور ان چیزوں میں غور و فکر کرنا عقل مند کو قیامت تک جزا کو مؤخر کرنے کے راز اور حکمت تک پہنچا دیتا ہے اسی لیے فرمایا جا رہا ہے کہ

marfat.com
Marfat.com

هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ کیا اس میں جو کہ ذکر کیا گیا کوئی قسم ہے جو کہ صاحب عقل کے لیے کافی ہو۔ گویا یہ پانچوں قسمیں عقل مند کے لیے اس بات کو ثابت کرنے میں کافی ہیں کہ ہر نیک و بد کی جزا پہنچانے میں حق سبحانہ وتعالیٰ وقت قیامت کے انتظار میں ہے بلکہ ان قسموں کا لحاظ کیے بغیر ہی عقل جزا واجب کرنے اور جزا کے وقت کو عمل اور حکم عمل کے وقت سے جدا سمجھنے کے لیے کافی ہے اور اگر ناقص عقل والوں کو یہ چیز بعید اور محال نظر آتی ہے تو اس وجہ سے آتی ہے کہ اس روز جبکہ اوّلین اور آخرین سب کا اجتماع ہوگا' ہر کسی کو اس کی جزا پہنچانا ایک بہت دشوار کام ہے خصوصاً جب کہ وہ کثیر جماعت مقابلے کے لیے جمع ہو جائے اور وہ دفاع پر اُتر آئیں کہ ایسے وقت میں جزا پہنچانا ممکن نہیں رہتا اسی لیے اقتدار والے بادشاہوں نے طاقت ور ہجوم کو سزا دینے سے بربنائے حکمت کنارہ کیا ہے اور پہلے مختلف تدابیر اور حیلوں کے ساتھ ان کی جمعیت کو منتشر کر کے ان کی قوت کو پاش پاش کیا پھر انتظام میں مصروف ہوئے ہیں تو اگر گناہ گاروں میں سے ہر ایک کے ساتھ جزا دینے کا معاملہ جدا جدا عمل میں لایا جاتا تو اس دشواری سے زیادہ دُوری ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ قسموں اور جس مضمون پر یہ قسمیں اُٹھائی ہیں جو کہ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ہے' کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر دنیا میں جزا دینے کے اپنے تین واقعات بیان فرمائے جن میں سے ہر ایک واقعہ میں نہایت طاقت ور اور کثیر التعداد جماعت والوں کو انتہائی آسان اسباب کے ساتھ بالکل تباہ اور نیست و نابود فرما دیا تو اس کی قدرت کے سامنے طاقت وروں کی کثیر تعداد کو جزا دینے کے معاملے کو دشوار اور محال ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے اور اس کی قدرت کو ذوی الاقتدار بادشاہوں کی قدرت پر قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ ان کی اس سے کوئی نسبت نہیں۔

اور یہاں تین واقعات کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی ایسا کام ایک مرتبہ صادر ہوتا ہے جو کہ خلاف عادت ہو تو اسے امر اتفاقی خیال کرتے ہیں لیکن جب دو بار یا سہ بار واقع ہوتا ہے تو یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ کام اس شخص کے لیے بہت آسان اور ہلکا ہے۔

اور یسر اصل میں یسری تھا' یا کو حذف کر کے کسرہ کو اس پر دلیل کے طور پر چھوڑ دیا

marfat.com

Marfat.com

گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اخفش نحوی سے اس یا کے گرانے کی وجہ پوچھی۔ اخفش نے کہا کہ جب تک تو ایک سال تک میری خدمت نہ کرے میں تجھے اس یا کے گرانے کی وجہ نہیں بتاؤں گا ایک سال کی خدمت کے بعد اس نے یوں بیان کیا کہ یسری مشتق ہے سریٰ سے جس کا معنی ہے رات کو چلنا اور یہ رات کو چلنے والوں کی صفت ہے نہ کہ رات کی صفت لیکن مجازی طور پر اسے رات کی صفت بنا دیا گیا ہے اس لیے کہ یہ رات کو چلنے کا وقت ہے اور عربوں کی اصطلاح میں مجازی طور پر فعل کو زمان یا مکان کی طرف منسوب کرنے کا بہت رواج ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لیلہ قائم' نہارہ صائم' تو جب یسری کے معنوں میں تبدیلی واقع ہوگئی تو انہوں نے چاہا کہ اس کے لفظ میں بھی کچھ تبدیلی کر دیں تا کہ لفظ معنی کے مطابق ہو۔ یہ ہے وہ جواب جو اس بارے میں اخفش سے منقول ہے۔ لیکن یہ بات دو مقدمات پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ یسری' سری سے مشتق ہے اور یہ لازم نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ سرایت سے مشتق ہے تا کہ وَالَّيْلِ إِذَا سَجٰى' وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى کے مطابق ہو جائے۔ دوسرا یہ بات کہ اگر سری سے مشتق ہو تو چلنے والوں کی صفت ہوگی نہ کہ رات کی صفت اور یہ بھی لازم نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ رات کو چلنے سے جدا کر کے مطلق چلنا مراد لیا گیا ہے۔ واللیل اذا ادبر کے انداز میں۔ پس یہ رات کی صفت ہوگی یا شب روی کا استعارہ رات کے جانے کے لیے ہوگا اس لیے کہ رات کا جانا اور رات میں جانا ایک دوسرے کے موافق ہیں بلکہ اگر ہم تحقیقی نظر سے کام لیں تو شب روی کی حقیقت بھی رات کی صفت ہو سکتی ہے اس طرح سے کہ حقیقت میں رات زمین کے گاؤدم سائے کا نام ہے جو کہ آفتاب کے مقابلے میں حرکت کرتا ہے اور اس گاؤدم کے پیندے کے آفاق میں سے کسی اُفق پر پورا اُترنے کی وجہ سے اس اُفق کی رات آ جاتی ہے اور وہ گاؤدم ہمیشہ حرکت میں ہے لیکن ہر اُفق کی نسبت سے اس کی حرکت رات میں اس اُفق میں ہوتی ہے۔ پس زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس یا کو گرانے کی وجہ گزشتہ آیات کے آخری کلمات سے ہم شکل ہونے کی رعایت ہے' کچھ اور نہیں۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے کیا کیا اور یہاں دیکھنا جاننے کے معنوں میں ہے اس لیے کہ یہ واقعہ تواتر اور شہرت کے اس مرتبے پر تھا

marfat.com

Marfat.com

کہ اسے جاننا گویا دیکھنا ہے۔

## لفظ ربک لانے کی وجہ

اور یہاں بلکہ اس ساری سورۃ اور دوسری سورتوں میں اسم ذات پاک کی بجائے ربک کا لفظ استعمال ہوا ہے اور یہاں اور اس جیسے دوسرے مقامات میں اس لفظ کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ربوبیت جو کہ عظیم الشان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے' جامع ہے اور جامع ربوبیت بلاشبہ عدل و انصاف قائم کرنے کا متقاضی ہے جبکہ عدل و انصاف نافرمانوں اور سرکشوں کو ہلاک کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔

بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ارم کے رہنے والے فرقۂ عاد کے ساتھ اور وہ ارم بلند پُرتکلف ستونوں والا تھا عماد' عمد کی جمع ہے جیسے کہ جبال' جبل کی جمع ہے۔

## عاد دو فرقوں کا نام ہے

یہاں جاننا چاہیے کہ عاد دو گروہوں کا نام ہے۔ عاد اولیٰ کہ جنہیں قدیم عاد بھی کہتے ہیں اور وہ عاد بن ارص بن ارم بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں اور انہیں عاد ارم بھی کہتے ہیں اس لیے کہ ارم ان کا دادا تھا اور انہوں نے شہر ارم کو بھی اپنے دادا کے نام سے موسوم کیا تھا اور ان کی رہائش گاہیں عدن کے ساتھ تھیں۔

عاد دوم کہ یہ ایک دوسرے شخص کی اولاد ہیں اس کا نام بھی عاد تھا۔ عاد اولیٰ کی باقی رہنے والی نسل میں سے تھا اس نے حضرموت کے ساتھ احقاف کی زمین میں وطن بنایا اور اس کے بیٹے اس ملک میں پھیل گئے اور اپنے نبی علیہ السلام کے ساتھ جو کہ حضرت ہود علیہ السلام تھے' عاد دوم کا واقعہ قرآن مجید میں تکرار کے ساتھ وارد ہے جیسا کہ اپنے مقام پر مذکور ہے جبکہ عاد اولیٰ کا واقعہ قرآن مجید میں دو مقامات سے زیادہ نہیں آیا اور وہ بھی اجمالی طور پر ہے ایک یہاں اور دوسرے سورۃ النجم میں کہ وَاَهْلَكَ عَادَ نِ الْاُوْلٰى اشارہ کرتا ہے۔

## عاد اولیٰ کا بقدر کفایت واقعہ

حاصلِ کلام یہ کہ ان کا واقعہ جس قدر اس آیت کی تفسیر میں کافی ہے یہاں لکھا جاتا

marfat.com
Marfat.com

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کو بہت بڑے جسم' دراز قد اور بے تحاشا طاقت دی تھی اور وہ اپنے زمانے والوں میں سے ان صفات میں ممتاز تھے۔ ان میں سے سب سے چھوٹے قد والا بارہ گز کا تھا۔ اور ان میں سے ہر شخص بڑی بڑی چٹانوں کو کہ جنہیں کثیر جماعت کے بغیر اُٹھا نہیں سکتے تھے۔ ایک ہاتھ سے اُٹھا کر پلٹ دیتا تھا۔ اور وہ پورے ملک یمن پر اپنی طاقت اور قوت کی وجہ سے قابض تھے یہاں تک کہ دو بڑے بادشاہ ان میں پیدا ہوئے۔ پہلا شدید اور دوسرا شداد اور یہ دونوں بادشاہ مشرق سے مغرب تک زمین پر قابض تھے اور ان کے بے شمار لشکر اور بے پناہ خزانے تھے۔ خصوصاً بڑے بھائی شدید کے مرنے کے بعد شداد کی دولت اور حکومت حد سے زیادہ بڑھ گئی' چار سو سے کچھ اوپر بادشاہوں نے اس کی ماتحتی اختیار کی اور زمین کے بادشاہوں میں سے کسی میں بھی اس کے مقابلے کی طاقت نہ رہی۔

اس تکبر کی وجہ سے اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اس زمانے کے واعظوں اور داناؤں نے جن کے پاس انبیاء علیہم السلام کی میراث میں سے کچھ علم باقی تھا اس لعین کو وعظ و نصیحت کے طور پر خدا تعالیٰ سے ڈرایا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس دولت' نعمت' مرتبہ اور ثروت سے زیادہ اور کیا حاصل ہوگا' جو کسی کی خدمت بجا لاتا ہے' طمع اور مرتبے کی ترقی یا حصول دولت کے لیے بجا لاتا ہے۔ مجھے یہ سب کچھ حاصل ہے' کسی کی خدمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب دنیوی حکومت و دولت زائل اور فانی ہے' اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کے ثواب میں ایک چیز ساری دنیا سے بہتر عطا فرماتا ہے جس کا نام بہشت ہے اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام اس کی تعریف بیان کر گئے ہیں اس نے پوچھا کہ اس بہشت کی کیا صفت ہے؟ واعظوں نے انبیاء علیہم السلام سے منقول اوصاف کے مطابق تمام اوصاف بیان کر دیئے اس نے کہا کہ مجھے اس بہشت کی بھی ضرورت نہیں اس لیے کہ میں دنیا میں اس کی مانند بہشت بنا سکتا ہوں۔

## شداد لعین کی خود ساختہ بہشت کا واقعہ

اس نے اپنے معتبر سرداروں میں سے ایک سو آدمیوں کی ڈیوٹی لگا دی اور ان میں سے

marfat.com
Marfat.com

ہر ایک کے ساتھ ہزاروں کو مقرر کر دیا تا کہ وہ عمارت کے پروگرام اور اعمال میں اس سردار کی مدد کریں اور سرداروں کو ڈیوٹیوں پر لگا دیا۔ اور ساری دنیا کے تمام ممالک میں احکام بھیج دیئے کہ جہاں بھی سونے اور چاندی کی کانیں ہوں' ان کی اینٹیں بنا کر بھیجی جائیں اور اس نے زمین کے مدفون خزانے نکال باہر کیے اور کوہ عدن کے ساتھ ایک مربع شکل کے شہر کی جس کا حلقہ چالیس کوس تھا' ہر طرف سے دس کوس مقرر کر کے بنیاد رکھی۔ پہلے اس کے حکم پر اس کی بنیاد کو کھود کر پانی تک پہنچایا گیا اور اسے سلیمانی پتھر کے ساتھ پُر کیا گیا اور جب اس کی بنیاد سطح زمین پر ظاہر ہو گئی تو سونے اور چاندی کی اینٹوں سے اس شہر کی چاردیواری بنائی گئی اور اس کی دیوار کی بلندی اس وقت کے متعارف پیمانے کے مطابق پانسو گز بنائی گئی۔ سورج طلوع ہونے کے وقت اس کی شعاعیں چمکنے سے نگاہیں اس دیوار کو دیکھنے سے چندھیا جاتی تھیں۔

اور مذکورہ چاردیواری کے اندر ایک ہزار محلات کی بنیاد رکھی گئی' ہر محل ہزار ستونوں پر مشتمل تھا اور ستونوں کو قسم قسم کے زمرد اور یاقوت کے ساتھ مرصع کیا گیا اور شہر کے عین وسط میں ایک نہر بنائی اور اس نہر سے چھوٹے چھوٹے کھالے محلات کی طرف جاری کیے۔ اور ان نہروں کے صحن کو یمنی یاقوت اور دوسرے جواہرات سے پُر کیا۔ اور نہر اور کھالوں کے کنارے درخت کھڑے کیے جن کے تنے سونے کے' شاخیں زمرد کی اور شگوفوں کے بجائے یاقوت اور مروارید لگانے کا حکم دیا اور مکانوں اور دُکانوں کو اندر کی طرف سے گلاب کے ساتھ مشک و عنبر کا گارا بنا کر لیپا گیا۔

اور سونے' یاقوت اور جواہر کے اچھی آواز والے اور خوب صورت پرندے درختوں پر بنائے اور شہر کے اردگرد ایک ہزار سونے کے اور جواہر کے مینار تیار کیے اور میناروں میں چوکیدار مقرر کیے تا کہ باری باری پہرہ دیں اور جب مکانات اور محلات سمیت یہ شہر بن گیا تو اس نے حکم دیا کہ پورے شہر کے لیے قالین اور فرش سونے کی تاروں سے بنائے جائیں اور سونے اور چاندی کے برتن اس شہر کے مکانوں میں سلیقے کے ساتھ چن دیں اور بعض نہروں میں میٹھا پانی' بعض میں شراب' بعض میں دودھ اور بعض میں شہد جاری کر دیا اور بازاروں اور

marfat.com
Marfat.com

دُکانوں کو بھی سونے کی تاروں سے منقش پردوں سے آراستہ کر کے پیشے اور صنعت سے وابستہ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے کام میں لگ جائیں اور انواع و اقسام کے کھانے' مٹھائیاں وغیرہ تیار کر کے حکم دیا کہ دربارشاہی کے جوٹھے کھانے کے طور پر تمام شہریوں کو پہنچائے جائیں اور اس کیفیت کے ساتھ یہ شہر بارہ سال کی مدت میں تیار ہوا۔

اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ تمام بڑے بڑے امراء پوری زیب و زینت کے ساتھ اس شہر میں داخل ہوں اور سکونت اختیار کریں اور وہ خود بھی اپنے پیروکاروں اور لشکر سمیت پورے تکبر اور غرور کے ساتھ اس شہر کو دیکھنے کے لیے چلا۔ اور وہ واعظوں اور نصیحت کرنے والوں کو مذاق اور تمسخر کے طور پر کہہ رہا تھا کہ تم مجھے یہی جنت حاصل کرنے کے لیے تکلیف دے رہے تھے کہ میں کسی کے حضور اپنا سر جھکاؤں اور عاجزی کروں۔ یہ ہے میری قدرت اور دولت' تم نے دیکھی اور میرا استغناء اور بے نیازی کا مشاہدہ کیا۔ کہتے ہیں کہ جب وہ اس شہر کے قریب پہنچا تو اس شہر کے لوگ گروہ در گروہ استقبال کے لیے باہر آ کر اس پُر زر جواہر کی نچھاور کر رہے تھے اور تحفے و تحائف پیش کر رہے تھے ابھی شہر کے دروازے سے ایک قدم باہر اور ایک قدم اندر تھا کہ آسمان کی طرف سے ایک تیز آواز پیدا ہوئی جس سے ساری مخلوق ہلاک ہوگئی اور بادشاہ بھی دروازے پر گرا اور تڑپ کر مر گیا اور جس شہر کو اس مشقت اور تلاش کے ساتھ محنت کر کے بنایا تھا' اسے دیکھنے کی حسرت دل میں ہی لے گیا۔

## حضرت ملک الموت کی رقت کے دو واقعات

اور بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ حق تعالیٰ نے ملک الموت سے فرمایا کہ تجھے کسی مخلوق کی روح کو قبض کرنے میں کبھی رقت پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟ عرض کی بارخدایا! دو شخصوں کی روحیں قبض کرنے میں مجھے بہت رقت دامن گیر ہوئی۔ اگر تیرا حکم نہ ہوتا تو میں ان کی جان لینے کا اقدام ہرگز نہ کرتا' ان دو میں سے ایک نومولود بچہ تھا جو کہ اپنی ماں کے ہمراہ سمندر میں کشتی کے ایک تختے پر رہ گیا تھا' مجھے اس کی ماں کی جان قبض کرنے کا حکم ہوا اس وقت مجھے اس بچے کے حال پر بہت رقت دامن گیر ہوئی کہ اس بچے کی اس کی ماں کے بغیر خبر گیری کرنے والا کوئی نہ تھا۔ دوسرا ایک بادشاہ تھا جس نے ایک شہر بڑی آرزوؤں کے ساتھ بنایا

marfat.com
Marfat.com

تھا اور اس شہر جیسا دنیا میں کوئی شہر بنایا نہیں گیا۔ جب اس نے وہ شہر دیکھنے کے لیے اس کے دروازے پر قدم رکھا تو حکم ہوا کہ میں اس کی جان لے لوں اس وقت بھی وہ حسرت دیکھ کر جو وہ بادشاہ دل میں لے گیا' مجھے رقت ہوئی۔ دربار خداوندی سے ارشاد ہوا کہ یہ بادشاہ وہی بچہ تھا جسے میں نے اس کے ماں باپ کی پرورش کے واسطے کے بغیر اس دبدبے' قوت اور دولت تک پہنچایا جب وہ اس مرتبے پر پہنچا تو اس نے ہمارے حکم سے سرکشی کی اور تکبر اختیار کیا اور اپنی سزا پائی۔

## شداد اور اس کی ماں کا واقعہ

مؤرخین یوں کہتے ہیں کہ کشتی کا وہ تختہ جس پر یہ بچہ رہ گیا تھا' ہوا کے حرکت دینے کی وجہ سے سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ ساحل پر دھوبی کپڑے دھو رہے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ ایک بچہ میت کے ہمراہ تخت پر پڑا ہے' سمندر میں پہنچ گئے اور تختے کو کھینچ کر لے گئے۔ میت کو دفن کر دیا اور بچے کو دھوبیوں کے سردار کے پاس لے گئے۔ وہ خوب صورت اور خوش وضع بچہ دیکھ کر فریفتہ ہو گیا' اس کے ہاں اولاد نہ تھی' اسے اپنا بیٹا بنا لیا اور اس کی پرورش شروع کر دی یہاں تک کہ سات سال کا ہو گیا اور بچپنے سے ہی اس میں دانائی اور عقل مندی کے آثار ظاہر تھے' وہ ایک دن بستی سے باہر بچوں کے ہمراہ کھیل رہا تھا کہ اچانک شور اٹھا کہ بادشاہ کی سواری گزر رہی ہے اور لشکر آنا شروع ہو گیا۔ دوسرے لڑکے ہیبت زدہ ہو کر بھاگ گئے اور یہ لڑکا جرأت کر کے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر بادشاہ کی سواری اور لشکر کے گزرنے کا نظارہ کر رہا تھا یہاں تک کہ سب لشکری گزر گئے اور بادشاہی پیادے جو کہ گری پڑی شے کی حفاظت کے لیے لشکر کے پیچھے مقرر تھے' گزرنا شروع ہوئے۔ ان میں سے ایک پیادے نے دیکھا کہ ایک لپیٹا ہوا کاغذ سر راہ پڑا ہے اس نے وہ کاغذ اٹھا لیا اور کھولا' دیکھا کہ اس کاغذ میں سرمہ لپیٹا ہوا ہے۔

اس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ مجھے یہ سرمہ ملا ہے' میری نظر کمزور ہے اگر آپ کہیں تو میں آنکھ میں ڈالوں؟ شاید کوئی فائدہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ گری ہوئی چیز اٹھانا نہیں چاہیے اور اگر تو نے اسے اٹھا لیا ہے تو آزمائے بغیر آنکھ میں ڈالنا بالکل درست نہیں۔ چاہیے کہ

marfat.com
Marfat.com

پہلے اسے کسی اور کی آنکھ میں استعمال کروتا کہ اگر نقصان دہ نہ ہو تو خود بھی استعمال کر لینا۔
اس پیادے نے دائیں بائیں دیکھا اس لڑکے کے سوا کوئی نظر نہ آیا جو کہ ٹیلے پر کھڑا نظارہ کر رہا تھا اس نے کہا لڑکے! ادھر آؤ تمہاری آنکھوں میں سرمہ ڈالوں جس سے تمہاری آنکھوں کو زیب و زینت حاصل ہو گی۔ لڑکا بھاگتا ہوا گیا اور اس نے پیادے کے ہاتھ سے سرمے والا کاغذ لے کر ایک سلائی اپنی آنکھ میں ڈال لی۔ سرمہ ڈالتے ہی زیر زمین خزانے اس کی نظر میں ظاہر ہونے لگے اس چیز کی طرح جو کہ پانی کی تہہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ لڑکے نے ہوشیاری اور دانائی کے طریقے سے چیخنا شروع کر دیا کہ اے ظالموں! ناانصافو! تم نے میری آنکھوں کو اندھا کر دیا' میں بادشاہ کے حضور فریاد کرنے جا رہا ہوں اور تمہیں سزا دلواتا ہوں۔
پیادے یہ واقعہ سنتے ہی گرتے پڑتے حیران و پریشان بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ لڑکا سرمے والا کاغذ اپنے ہمراہ لے کر گھر آ گیا۔ دھوبیوں کے سردار سے یہ راز بیان کیا اس نے کہا کہ میرے یہ گدھے اور گھوڑے حاضر ہیں' رات کے وقت جب لوگ سو جائیں تو کسیاں اور کدال لے کر جہاں تمہیں خزانے نظر آئیں' یہ سب گدھے اور گھوڑے وہاں لے جاؤ اور قابلِ اعتماد مزدور جو کہ سالہا سال سے میرے رفیق اور دوست ہیں' ساتھ لے جاؤ اور جو کچھ ہو سکے اٹھا لاؤ۔

لڑکے نے یہی کام شروع کر دیا اور بے شمار مال لانا شروع کر دیا اور سب بستی والوں کو اپنے ساتھ متفق کر لیا اور اس بستی کے سردار کو قتل کر کے اس کی جگہ خود قابض ہو گیا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حاکموں اور فوجی افسروں تک پہنچ گئی' وہ اس کے انتقام کے درپے ہو گئے اس لڑکے نے بھی فوجیں اکٹھی کیں اور مقابلے کیے اور غالب آیا یہاں تک کہ بادشاہ مر گیا اور یہ لڑکا بغاوت کر کے بادشاہ بن گیا اور رفتہ رفتہ دور دراز کی ریاستوں پر بھی قابض ہو گیا اور روئے زمین کے تمام بادشاہ اس کے حکم کے تابع ہو گئے۔

## شداد کے شہر تک عبداللہ بن قلابہ رضی اللہ عنہ کی رسائی اور اس کے متعلق اخبار بالغیب

اب ہم یہاں پہنچے کہ مذکورہ شہر کا کیا بنا۔ معتبر تفاسیر میں لکھا ہے کہ اس بادشاہ اور اس

marfat.com
Marfat.com

کے لشکریوں کے ہلاک ہونے کے بعد اس شہر کے لوگوں کی نظر سے چھپا دیا گیا مگر یہ کہ بعض راتوں میں عدن کے شہر کے مضافات میں رہنے والوں کو وہاں ایک چمک اور روشنی نظر آتی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ چمک اسی شہر کی دیواروں کی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن قلابہ رضی اللہ عنہ جو کہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ہیں' ایک دن اس علاقے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ کا ایک اونٹ بھاگ گیا' آپ اسے پکڑنے کے لیے دوڑے اور اس شہر کے پاس پہنچ گئے اور اس کے مینار اور دیواریں دیکھتے ہی دہشت زدہ اور ہکا بکا رہ گئے اور دل میں سوچا کہ اس شہر کی صورت بعینہ اس بہشت کی ہے جس کا ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔ شاید مجھے اس دارالعمل میں وہ بہشت دکھائی گئی ہو جب اس شہر کے دروازے پر پہنچے اور اندر داخل ہو کر دیکھا کہ اس شہر کے محلات' نہریں اور درخت سب کے سب وعدہ شدہ جنت کے مشابہ ہیں اور شہر میں کوئی بھی نہیں۔ آپ نے محلات کے صحنوں میں بچھے ہوئے کچھ جواہرات اور یواقیت اپنی چادر میں اُٹھا لیے اور تنہائی کے خوف سے باہر آ کر دمشق کی راہ لی اور حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس یہ ماجرا بیان کیا جو کہ اس وقت کے خلیفہ تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ شہر خواب میں دیکھا ہے یا بے داری میں؟ کہا بے داری میں دیکھا ہے اور میں نے اس شہر کی علامات کو دل میں پکا کر رکھا ہے کہ وہ عدن سے فلاں سمت کو اتنے فاصلے پر ہے اور دوسری سمت سے اس کی علامت فلاں درخت ہے اور دیگر سمت سے فلاں کنواں اور یہ ہیں وہ جواہرات اور یاقوت جو کہ میں نے وہاں سے اُٹھائے ہیں' میرے پاس موجود ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ ماجرا سُن کر بہت متعجب ہوئے اور آپ نے اس وقت کے علماء کے پاس آدمی بھیجے کہ کیا دنیا میں کوئی ایسا شہر ہے جو کہ سونے اور چاندی کے ساتھ بنایا گیا ہو اور اس کی صفات اس قسم کی ہوں۔ وقت کے علماء نے کہا کہ ہاں قرآن پاک میں اس شہر کا ذکر آیا کہ ارم ذات العماد ہے اور اس شہر کو حق تعالیٰ نے لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رکھا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت کا ایک آدمی اس شہر میں داخل ہو گا جس کا رنگ سرخ' قد چھوٹا' گردن میں تل ہو گا اور وہ گم شدہ اونٹ کی تلاش میں

marfat.com
Marfat.com

اس شہر تک پہنچے گا اور اس کے عجائبات کا مشاہدہ کرے گا جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن قلابہ رضی اللہ عنہ میں وہ اوصاف مطابق واقعہ پائیں تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم وہ شخص یہی ہے۔

خلاصۃ المرام آنکہ اس شہر کے اوصاف میں اس قدر سے زیادہ ذکر نہیں کیے جا سکتے کہ جمیع معلومات کو علم ذات کے محیط ہونے کے باوجود حضرت رب العزت نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ

اَلَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ وہ شہر کہ جس کی مثل روئے کے شہروں میں سے کوئی شہر پیدا نہیں کیا گیا۔

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ اور تیرے پروردگار نے فرقۂ ثمود کے ساتھ کیا سلوک کیا جو کہ وادی القریٰ میں بڑے بڑے پتھر تراشتے تھے اور فرقۂ ثمود والے فرقۂ عاد والوں کے بچے تھے جو کہ عادیوں کی ہلاکت کے بعد حجاز مقدس اور شام کے درمیان رہائش پذیر ہو گئے تھے اور حجر سے لے کر وادی القریٰ تک سترہ سو آبادیوں پر قابض تھے۔ ہر شہر میں اونچے محلات اور ان میں پھول دار درختوں تراشے ہوئے پتھر کی محرابی عمارات اور گل و ریاحین کی تصویریں درست کر کے داد عیش دیتے تھے اور بت پرستی کرتے تھے حتیٰ کہ حق تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول بنا کر ان کے پاس بھیجا اور ان کا واقعہ سورۂ والشمس میں مذکور ہے۔

اور وادیٔ القریٰ ایک شہر کا نام ہے جو کہ طول و عرض میں مکہ معظمہ کے برابر ہے وہاں کھجور کے باغات اور چشمے بے شمار ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر کے بعد اس شہر پر اور اس کے مضافات پر قابض ہوئے اور اگرچہ ثمودیوں کی بنائی ہوئی زیادہ تر عمارات اور باغات حجر اور اس کے مضافات میں تھے لیکن وادیٔ القریٰ کو خصوصیت کے ساتھ اس لیے بیان فرمایا کہ یہ مقام ان کی آبادیوں کی آخری حد تھی اور حجاز مقدس کی سرحد سے متصل اور ابھی آباد تھا۔ بخلاف حجر کے اس کا تعلق شام کی طرف زیادہ ہے اور حجاز سے دور ہے۔ حجاز مقدس کے لوگ اس کے احوال پر کماحقہ مطلع نہ تھے۔ نیز ویران اور لق و دق پڑا تھا۔

marfat.com
Marfat.com

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ اور کیا سلوک کیا فرعون کے ساتھ جو کہ میخوں والا تھا یعنی لوگوں کو چومیخا کر کے عذاب دیتا تھا۔ چنانچہ اس نے چند مسلمانوں کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اسی طریقے سے ہلاک کر دیا تھا۔

ان میں سے جبرئیل نامی اس کے خزانے کا داروغہ تھا اور وہ چوری چھپے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا۔ فرعون نے اس کے اس حال پر مطلع ہو کر اسے چار میخ زمین میں لٹکا کر ہلاک کر دیا۔

ان میں سے داروغہ جبرئیل کی بیوی تھی جو کہ فرعون کی بیٹی کے بالوں میں کنگھی کرنے والی تھی' وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکی تھی۔ فرعون کی لڑکی نے اس ماجرے پر مطلع ہو کر فرعون کو آگاہ کر دیا۔ فرعون نے اس عورت کو بلا کر کہا کہ اسلام سے پھر جا' وہ عورت برگشتہ نہ ہوئی اس نے حکم دیا حتیٰ کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں کو چار میخوں کے ساتھ زمین میں گاڑ کر ہلاک کر دیا۔

اور ان میں سے حضرت آسیہ ہے' فرعون کی بیوی۔ وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکی تھیں۔ آپ فرعون کو جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستانا چاہتا تو پند ونصیحت کر کے باز رکھتی تھیں۔ حتیٰ کہ فرعون غضب ناک ہو گیا اور اس کے حکم پر انہیں بھی چار میخوں کے ساتھ باندھ دیا گیا اور سورج کی شدید گرمی میں ان کے سینے پر چکی کا پاٹ رکھ دیا گیا اس وقت حضرت آسیہ نے اپنے پروردگار کے حضور مناجات شروع کر دی کہ بارخدایا! میرے لیے بہشت میں ایک گھر بنا اور ان ظالموں سے نجات عطا فرما۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام پہنچ گئے اور ان کی روح کو بہشت میں پہنچا دیا اور انہیں اس گھر میں داخل کر دیا جو کہ مروارید سے خاص ان کے لیے بنایا گیا تھا جب فرعون اُٹھا اور اس نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کا تن بے جان پڑا ہے' مایوس ہو کر لوٹ گیا۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ میخوں سے مراد لشکر ہیں اس لیے کہ لشکریوں کا کاروبار سب میخ پر مبنی ہے' ان کے خیمے سب میخوں کے ساتھ قائم رہتے ہیں اور ان کے جانور گھوڑے' اونٹ اور بیل سب میخوں کے ساتھ باندھے جاتے ہیں۔ لہٰذا لشکری ایک میخ دینے

marfat.com
Marfat.com

میں اس قدر بخل کرتے ہیں کہ شہری سونا دینے میں اتنا بخل نہیں کرتے اور فرعون کے بے شمار لشکر تھے' حدوحساب سے باہر تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کے لشکر میں رسم یہ تھی کہ ایک رسالے کا دوسرے رسالے سے اور ایک مثل کا دوسرے مثل سے امتیاز گھوڑوں کے رنگوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ مثلاً کمیت گھوڑوں کے سوار ایک گروہ کی صورت میں آتے تھے اور مشکیں گھوڑوں کے سوار دوسرے گروہ میں اسی طرح ابلق گھوڑوں کے سوار جن کا رنگ دوسروں سے کم تر ہوتا ہے' لشکر کے آگے آگے ہراول دستے کے طور پر چلتے تھے' ان کی تعداد ستر ہزار تھی اور یہاں سے اس کے کمیت گھوڑوں کے لشکر کو قیاس کرنا چاہیے۔

اور جب ان تین واقعات کے بیان سے جو کہ آن واحد میں نہایت طاقت ور کثیر التعداد گروہوں پر دارالابتلاء ہیں جو کہ جزا کا مقام نہیں' جزا واقع ہونے پر دلالت کرتے ہیں' فراغت ہوئی اب بیان فرمایا جارہا ہے کہ ان طاقت ور سرکش تین گروہوں کو ہلاک کرنا ان کے ملک اور مال کی طمع کی بناء پر نہیں تھا جیسا کہ بادشاہوں کو اپنے دشمنوں کی ہلاکت میں منظور ہوتا ہے بلکہ ان کی نافرمانی اور سرکشی دفع کرنے کی بناء پر تھا اس لیے کہ ان کا حال یہ ہے

اَلَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے شہروں میں نافرمانی اور سرکشی کی تھی۔ اور شہروں کی تخصیص اس لیے ہے کہ غالب طور پر امن وامان کی جگہ اور مخلوق کے ہر گروہ کے رہنے کی جگہ ہوتے ہیں اور اگر ملک کے مالک ظالم ہوں تو بھی اپنے شہروں میں امن اور انصاف کی راہ قائم رکھتے ہیں اگر ظلم وتعدی کرتے ہیں تو صحرا اور کوہستان میں اور ان لشکروں میں کرتے ہیں جو کہ اپنی قلمرو سے باہر ہوں جبکہ یہ تینوں بے باک گروہ اپنے شہروں میں طغیان اور سرکشی اختیار کیے ہوئے تھے۔

فَاَکْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ پس شہروں میں فساد بہت کرتے تھے اور فساد زیادہ کرنا یہ ہے کہ شہر والوں کے عقائد خراب کرتے تھے۔ اور ظلم وتعدی اور اموال لوٹنے کی بری رسم بھی رائج کرتے تھے۔ اور قتل وغارت اور گالی گلوچ بھی عمل میں لاتے تھے تو لوگوں کا دین بھی برباد ہوتا تھا اور آبرو بھی اور جان و مال بھی۔ بخلاف دوسرے ظالموں کے کہ ان کی طرف

marfat.com
Marfat.com

سے نقصان یہ ہے کہ زیادہ ترجان اور مال ضائع کرتے ہیں۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ تو تیرے پروردگار نے ان پر بارش کی طرح گرایا جس کی ربوبیت عام اور جامع ہے جس طرح وہ فسادیوں کا رب ہے' مظلوموں کا بھی رب ہے اور اس کی ربوبیت مظلوموں کے لیے تقاضا فرماتی ہے کہ ان کے ظالموں سے واجبی انتقام لیا جائے۔

سَوْطَ عَذَابٍ عذاب کا ایک کوڑا اور کوڑے کے لفظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ سب سخت عذاب جو کہ ان تینوں گروہوں پر بارش کی طرح نازل ہوئے اس عذاب کے مقابلے میں جس کے یہ قیامت میں مستحق ہوئے ہیں اور وہاں ان کے لیے تیار ہے' تلوار کے مقابلے میں ایک کوڑے کا حکم رکھتے ہیں اور لفظ صب اور سوط کے مجموعے سے پتہ چلا کہ عذاب کے لیے دو استعارے فرمائے گئے ہیں۔ پہلا استعارہ بارش جس کی صب کا لفظ ترشیح ہے اور دوسرا استعارہ کوڑا جس کی بابت لفظ سوط صراحت کرتا ہے اور ایک عبارت میں دو استعاروں کو جمع فرمانا کلام اللہ کا دستور ہے۔ بشر کے کلام میں نہیں پایا جاتا جیسا کہ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ میں مذکور ہے۔

## مذکورہ تین واقعات کی تخصیص میں نکتہ

اور ان تینوں واقعات کو خصوصیت کے ساتھ لانے میں نکتہ یہ ہے کہ عوام کے ذہنوں میں کثیر مخلوقات سے بدلہ لینے اور انہیں سزا دینے کو محال سمجھنا یا تو اس جہت سے ہوتا ہے کہ وہ کثیر جماعت نہایت طاقت ور اور چالاک ہے کہ کوئی بھی ان کے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا اس محال جاننے کو دُور کرنے کے لیے شداد اور عاد کا واقعہ بیان فرمایا گیا۔

یا مکان کے محفوظ اور قلعے کے مضبوط ہونے کی وجہ سے ہے اور اس طرح محال سمجھنے کو دُور کرنے کے لیے ثمود کا واقعہ ارشاد فرمایا یا ہجوم کی کثرت اور لشکروں کی زیادتی کی وجہ سے ہے اور اس بعید جاننے کو دُور کرنے کے لیے فرعون کا واقعہ یاد دلایا گیا اور ہر واقعہ میں اجمالی طور پر ایک دو لفظ ایسے ارشاد فرمائے جو کہ محال جاننے کی وجہ کا پتہ دیتے تھے۔

اب اس مضمون کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ جس کے لیے پانچ قسمیں اور تین واقعات

marfat.com

Marfat.com

بطورِ تمہید لائے گئے کہ

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ تحقیق ثابت ہوا کہ آپ کا پروردگار البتہ کمیں گاہ میں ہے جیسے کہ کوئی سرِ راہ چھپ کر بیٹھا ہے اور گزرنے والوں کو دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے کہ فلاں کیسے گزرا اس نے کیا کیا' فلاں کیا لایا' کیا لے گیا تا کہ بدلہ دینے کے وقت اس کے مطابق عمل کرے۔

پس اللہ تعالیٰ جو دنیا میں انتقام نہیں لیتا' صرف بنی آدم کے اچھے بُرے اعمال کو پورے طور پر جمع کرنے کے لیے ہے۔ کہ جب تک نوعِ انسانی ختم نہ ہو' پوری طرح جمع کرنے کی صورت نہیں بنتی' نہ یہ کہ ان کے اچھے بُرے اعمال سے غافل ہے یا انتقام لینا بے پرواہی کے طور پر اس کا مقصود نہیں تو یہ سب کچھ مہلت دینا ہے' بے مقصد چھوڑنا نہیں ہے۔
اور بندوں کے بارے میں زیادہ تر یہ کمیں گاہ اور انتظار مال' عزت' مرتبہ اور نعمت دینے یا نہ دینے کی جہت سے ہے جب تک یہ بات درجۂ ظہور میں نہ آئے کہ مال' مرتبہ اور نعمت دینے کی صورت میں شکر کرتا ہے اور اپنی حد سے باہر قدم نہیں رکھتا یا تکبر اور فخر کی راہ چلتا ہے اور نافرمانی اور سرکشی اختیار کرتا ہے اور مال اور مرتبہ نہ دینے کی صورت میں بھی ظاہر فرماتا ہے کہ آیا نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے اور بے چینی اور بے قراری کرتا ہے یا صبر کرتا ہے اور قضا پر راضی ہونا اپنا دستور بناتا ہے لیکن اس کمیں گاہی اور اس انتظار کو اللہ تعالیٰ' انبیاء علیہم السلام' صدیقوں' اولیائے اللہ اور علمائے کرام کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ کے غیب کی کیفیت اور معاملے سے غافل ہیں اس راز کو بالکل نہیں پہچانتے اور ظاہری نعمت اور مال پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور ظاہری غربت اور تنگی سے گھبراہٹ اور شکایت کا شکار ہو جاتے ہیں اور ناامید ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے

فَأَمَّا الْإِنسَانُ تو رہا انسان' وہ اس پوشیدہ معاملے سے غافل ہے اور اس کی غفلت کی دلیل یہ ہے کہ

إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ جب اس کا پروردگار مال دے کر اس کا امتحان لیتا ہے فَأَكْرَمَهُ تو اسے اس مرتبے کی وجہ سے جو کہ مال دینے سے حاصل ہوا' عزت دیتا ہے۔ وَنَعَّمَهُ اور اسے

marfat.com
Marfat.com

نعمت میں رکھتا ہے اس لیے کہ مال ہر نعمت کے حصول کا سبب ہے۔

فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ پس کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی بغیر اس کے کہ حقیقت کا سراغ لگائے اور جانے کہ یہ سب امتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں ہوا جا سکتا اور نہ ہی دھوکا کھایا جا سکتا ہے۔ کہ جب جب ابتدائی حالت میں عزت اور مال عطا فرمایا ہے' آخر میں بھی اسی کے مطابق عمل ہوگا بلکہ یہ مقدمہ ابھی تک حجاب اور پردے میں ہے۔

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ اور جب اس کا پروردگار فقر اور غربت کے ساتھ اس کا امتحان لیتا ہے۔

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ پس اس کے رزق کو اس پر تنگ فرمائے اگرچہ بقدر حاجت میسر آئے جس پر اس کی بقاء وابستہ ہے۔

فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کر دیا بغیر اس کے کہ اس امر کی حقیقت کا سراغ لگائے کہ یہ سب کچھ میرے صبر اور سکون کے امتحان کے لیے ہے اور ابھی عزت اور ذلت کا مقدمہ پردۂ خفا میں ہے' بہت سے محتاجیاں ہیں جو کہ آخرت کی عزت کا موجب ہوگئیں اور بہت سے دولت اور مال ایسے ہیں جو کہ آخرت میں حسرت اور وبال کا باعث ہوئے۔ پس حال کی ابتدا سے دھوکہ کھانا اور نعمت اور مصیبت دونوں صورتوں میں غیب کے معاملے کو جو کہ امتحان اور آزمائش ہے' نہ سمجھنا اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ کے مضمون سے بہت بڑی غفلت کی دلیل ہے۔

## چند سوالات اور ان کے جوابات

یہاں چند سوالات باقی رہ گئے جن کے جوابات ضروری ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ لفظ فا فرع بٹھانے کے لیے آتا ہے جبکہ لغتِ عرب میں اما کا کلمہ کسی مجمل کی تفصیل کے لیے ہے جو کہ پہلے کلام میں گزرا ہو اس کلام میں وہ مجمل کہاں ہے اور فرع لانا اور تفصیل بیان کرنا کس چیز کے ساتھ متعلق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مجمل کلام اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ کا مضمون ہے اس لیے کہ

marfat.com
Marfat.com

اس مضمون سے معلوم ہوا کہ پروردگار عالم آزمائش اور امتحان کے درپے ہے اور وہ بندوں کے حالات سے غافل نہیں ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ بندے بھی خبردار اور پر حذر ہوں اور غافل نہ ہوں لیکن آدمی غفلت میں گرفتار ہے اور عزت و ذلت اور امیری غریبی دونوں صورتوں میں اس کی غفلت کا بیان اس مضمون کی تفصیل ہوا اور اس تفصیل کو اس اجمال پر فا کے لفظ کے ساتھ فرع کے طور پر لایا گیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ دولت کی آزمائش کی طرف فاکرمہ فرمایا گیا اور بندے کی زبان سے بھی فاکرمن نقل فرمایا گیا جبکہ غربت کی آزمائش کی طرف فاہانہ نہیں فرمایا اور بندے کی زبان سے فاہانن نقل فرمایا گیا اس انداز کو بدلنے میں کیا نکتہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ رزق کی تنگی حقیقت میں ذلیل کرنے کا سبب نہیں ہے۔ پس فقیری کو ذلت کہنا غافل بندے کا کام ہے' واقعہ کے مطابق نہیں۔ اس لیے کہ بسا اوقات ظاہری فقر بندے کی دنیا و آخرت کی درستی کا سبب ہو جاتا ہے بلکہ عزت اور مرتبے کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے جیسا کہ اولیائے اللہ کی اس جماعت میں اس کا مشاہدہ کیا گیا ہے جنہوں نے فقراء اور غربت میں زندگی بسر فرمائی ہے جبکہ دولت اور مال حقیقت میں غالب طور پر ظاہری عزت کا سبب ہے۔ گو آخرت کی عزت کا سبب نہ ہو بہرحال دنیا میں رزق کی فراخی دنیا و آخرت دونوں کے مجموعی خسارے سے بہتر ہے اس نکتے کے لیے یہاں فاکرمہ کا لفظ بڑھایا گیا ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ کلام کا خلاصہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَاَكْرَمَهٗ وَاَمَّا هو فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ تو فَيَقُوْلُ دونوں جگہ مبتدا کی خبر ہے اور اَمَّا اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَيَقُوْلُ کا ظرف ہے جبکہ کلام مجید میں پہلے اما کو انسان پر داخل کیا گیا اور پھر اَمَّا کو اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ پر لایا گیا جو کہ یقول کا ظرف ہے اس تبدیلی میں کیا نکتہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں اما ظرف پر داخل ہے اس لیے کہ لفظ اما لانے سے انسان کی تفصیل منظور نہیں ہے بلکہ دولت اور فقر کے ساتھ اس کی آزمائش کی تفصیل مطلوب

marfat.com
Marfat.com

ہے اور پہلے قرینے میں جہاں لفظ انسان اما کے متصل وارد ہے' ضمیروں کے مرجع کو معین کرنے کے لیے ہے جو کہ پہلے ذکر نہیں ہوا۔ پس معنوں پر نظر کرتے ہوئے اصل کلام کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ والانسان غافل عن ذالك فى كلتا الحالتين فاما اذا ماابتلاه ربه فاكرمه ونعمه فيقول ربى اكرمن واما اذا ما ابتلاه فقدر عليه رزقه فيقول ربى اهانن یعنی آپ کا پروردگار ملاحظہ فرما رہا ہے جبکہ انسان اس بات سے دونوں صورتوں میں غافل ہے تو جب اسے اس کا پروردگار آزمائے پس اسے عزت عطا فرمائے اور نعمتیں دے تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی اور جب اسے آزمائے پس اس پر اس کا رزق تنگ فرمائے تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے رسوا کیا بلکہ اگر گہری سوچ سے دیکھیں تو یہاں دو تفصیلات مطلوب ہیں۔ پہلی یہ کہ اما الانسان فهو غافل عن كون ربه لبالمر صاد فى كلتا الحالتين یعنی رہا انسان تو اپنے پروردگار کے مرصاد میں ہونے (یعنی اس کے حالات کا ملاحظہ کرنے) سے دونوں حالتوں میں غافل ہے۔ دوسری تفصیل یہ ہے کہ امافى حالة الابتلاء بالنعمة والمال فلايتلقى النعمة بالشكر وامافى حالة الابتلاء بالفقر والضيق فلايتلقاه بالصبر ولايدرى ان ربه مترقب لمجازاته على معاملته یعنی نعمت اور مال کے ساتھ آزمائش کی صورت نعمت کو شکر کے ساتھ قبول نہیں کرتا اور فقر اور تنگی کے ساتھ آزمائش کی حالت میں اسے صبر کے ساتھ قبول نہیں کرتا اور نہیں جانتا کہ اس کا پروردگار اس کے معاملے پر اسے جزا دینے کے لیے نگہبانی فرمانے والا ہے۔

چونکہ پہلی تفصیل مقصود بالذات نہ تھی لفظ انسان کو اس تفصیل سے اس تفصیل کے آغاز میں بڑھا دیا گیا تا کہ اس تفصیل کا اشارہ ہو جائے اور دوسری تفصیل کو بھرپور انداز میں لایا گیا اس لیے کہ مقصود بالذات تھی۔ واللہ اعلم

چوتھا سوال یہ ہے کہ اکرمن اور اہانن کہنے پر انسان کی مذمت جو کہ اس معجزانہ کلام سے ظاہر ہوتی ہے' کس چیز پر متوجہ ہے۔ حالانکہ بے چارہ انسان یہ کہنے میں سچا ہے۔ چنانچہ اکرام کی طرف میں تو اس کے مطابق خود اشارہ فرمایا گیا ہے جب کہ بندے نے بھی اسی

marfat.com
Marfat.com

کے مطابق بات کہی تو انکار کی کونسی جگہ ہے اور اہانت کی سمت میں اگرچہ خود نہیں فرمایا گیا لیکن وہ بھی واقع کے مطابق ہے اس لیے کہ فقر اور تنگی معاش اکثر اوقات ظاہر بینوں کی نظر میں ذلت اور رسوائی کا موجب ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ عزۃ الدنیا بالمال وعزۃ الاخرہ بالاعمال یعنی دنیا کی عزت مال اور آخرت کی عزت اعمال کے ساتھ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اکرمن اور اہانن کہنے پر انکار اور مذمت اس وجہ سے نہیں کہ مطابق واقع نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ بندہ دنیوی عزت و ذلت کی قید میں گرفتار ہوکر اس امتحان اور آزمائش سے غافل ہو جاتا ہے جو کہ اس عزت اور ذلت کے پردے میں پوشیدہ ہے۔

اور عزت وذلت کی حقیقت کو جو کہ جزا کے دن ظاہر ہوگی نہیں جانتا اور دنیوی عزت و ذلت کے سوا کسی عزت وذلت کا تصور نہیں کرتا۔ پس بندہ ناقص العقل بچے کے مشابہ ہے جو کہ شکر میں لپٹی ہوئی زہر کو شکر سمجھتا ہے اور بدمزہ دوا کو جو کہ اس کے حق میں سراسر نفع بخش ہے زہر گماں کرتا ہے اور انکار اور جھڑکی اس کے فہم کی کوتاہی پر ہے کہ حقیقت سے صورت پر اکتفاء کرتا ہے اور باطن سے ظاہر پر۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ ابتلاء کا معنی عرف کے اعتبار سے فقر میں تو ظاہر ہے مگر دولت اور عزت پانے میں ابتلاء کا معنی کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لغت میں ابتلاء کا معنی امتحان اور آزمائش ہے اور جس طرح فقر میں ایک آزمائش ہے کہ صبر کرے گا یا نہیں دولت میں بھی ایک آزمائش ہے کہ شکر کرے گا یا نہیں۔ بیت

باده نوشیدن و ہشیار نشستن سہل ست
گر بدولت بری مست نہ گردی مردی

یعنی شراب کا پیالہ پینا اور ہشیار بیٹھے رہنا آسان ہے اگر تجھے دولت ملے اور تو بے ہوش نہ ہو تو مرد ہے۔ پس یہاں ابتلاء لغوی معنوں میں ہے نہ کہ عرفی معنوں میں۔

جب دولت اور فقر دونوں حالتوں میں آدمی کے حال کی تفصیل بیان کرنے سے

marfat.com
Marfat.com

فراغت ہوئی اب اسے حقوق مالیہ اور شکر کے لوازمات ادا نہ کرنے پر ڈانٹا جارہا ہے۔ کَلَّا یعنی یہ مقدمہ یوں نہیں کہ مال اور مرتبہ دینے پر فریفتہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بزرگی سمجھو اور اس کی نعمتوں کو اس کی خوشنودی میں صرف نہ کرو جیسا کہ بنی آدم کا دستور ہے۔

بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت اور مرتبہ اس لیے دیا ہے کہ عزت سے محروم لوگوں کو عزت دو خصوصا یتیم کو جس کے پاس بے عزتی کے اسباب ہر طرف سے جمع ہیں۔ چنانچہ اس نے زائد مال اس لیے دیا ہے کہ فقیروں اور کمزوروں پر خرچ کرو اور انہیں سیر کرو اور تم یہ کام نہیں کرتے ہو۔

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ اور دوسرے کو بھی منگتے کو کھانا کھلانے کی پابندی اور تاکید نہیں کرتے ہو بلکہ اپنے مال سے دینا تو ایک طرف دوسروں کے مال کو بے تحاشہ خرچ کرتے ہو۔ اس لیے کہ

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا اور تم اپنے آباء کی میراث بے دریغ کھاتے ہیں اور اپنے حق کے درمیان جو کہ حلال ہے اور شرکاء کے حق کے درمیان جو کہ حرام ہے' کوئی فرق نہیں کرتے ہو۔ پس تمہارے فہم کا مرتبہ جانوروں کے فہم سے کمتر ہے جو کہ پہلے اپنا چارہ سونگھتے ہیں اور جس میں اپنا فائدہ اور مصلحت دیکھتے ہیں' کھاتے ہیں ورنہ چھوڑ دیتے ہیں اور اگر کوئی کہے کہ میراث تو اپنا مال ہے جس میں سے یتیم اور مسکین کو دوں اور نہ ہی میں نے اپنے باپ کی وراثت سے کوئی مال پایا ہے کہ میں نے شریکوں کا حق کھایا ہو اس کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا اور تم مال سے بہت سے زیادہ محبت کرتے ہو اگرچہ تمہارے ہاتھ میں کوئی مال نہ ہو لیکن تمہارے دل مال کے دام میں گرفتار ہیں اگر تمہارے ہاتھ لگ جائے تو وہی کچھ کرو جو دوسرے کرتے ہیں۔

## محبت کے لیے مال کی حد

اور جمًّا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنے مال کی محبت اور اس سے دل کا متعلق ہونا بُرا نہیں ہے جس سے کہ ضروری حاجات پوری کی جا سکیں اس لیے کہ نظام عالم کی بقاء اسی

marfat.com
Marfat.com

کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور جو مذموم ہے وہ وہی ہے جو حاجت سے زائد ہے۔

کَلَّا یوں نہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اچھے بُرے اعمال سے غافل ہے یا اسے بندوں کے اعمال پر انہیں جزا دینا منظور نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ملاحظہ فرما رہا ہے اور اس وقت کے انتظار میں ہے جس کے ساتھ اس کی حکمت نے جزا دینے کو وابستہ کر رکھا ہے اور اس وقت کا بیان یہ ہے۔

اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکًّا دَکًّا جس وقت زمین کو خوب کوٹا جائے یہاں تک کہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور پہاڑ اور زمین کی بلندی اور پستی ہموار ہو جائیں اور یہ حالت زلزلے کی شدت کی وجہ سے ہوگی جو کہ قیامت کے وقت پیدا ہوگا اور اس زلزلے کی وجہ سے مردے قبروں سے باہر آ جائیں گے اور صور پھونکنے کی وجہ سے روحیں جسموں کے ساتھ مل جائیں گی۔

وَجَآءَ رَبُّکَ اور تیرا پروردگار آئے یعنی جلال اور قہر کی صفت کی تجلی فرمائے اور بندوں کو جزا دینے پر توجہ فرمائے۔

وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا اور فرشتے صف بصف آئیں' سات آسمانوں کے فرشتوں کی سات صفیں ہوں گی۔ حاملانِ عرش کی صف اور ہوگی۔ وعلیٰ ہذا القیاس

وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَھَنَّمَ اور اس روز جہنم کو لایا جائے اور لانے سے مراد ظاہر کرنا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی اور بعض روایات میں وارد ہے کہ جہنم کو ستر ہزار فرشتے ستر ہزار لگام ڈال کر اس کے مقام سے کھینچ کر عرشِ عظیم کی بائیں جانب لائیں گے اور جب حساب کے مقام سے دو سو سال کی راہ دُور رہ جائے گی اس سے شعلے باہر نکلیں گے اور اتنی مسافت سے اس کے گرجنے کی آواز اہل محشر کے کانوں میں آئے گی اس وقت اس مجمع کے حاضرین پر زبردست خوف غالب ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام منبروں اور کرسیوں سے نیچے اُتر آئیں گے اور ساری مخلوق گھٹنوں کے بل ہو کر نفسی نفسی پکارے گی۔

یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ اس دن آدمی نصیحت قبول کرے گا اور یاد کرے گا کہ جو

marfat.com
Marfat.com

کچھ انبیاء علیہم السلام اور نصیحت کرنے والے کہتے تھے کہ اچھے بُرے کردار کی جزا برحق ہے اور قیامت آنے والی ہے' صحیح اور درست تھا اس لیے کہ جزا دینے کے تمام اسباب جمع ہوں گے۔ دوزخ جیسا قید خانہ پوری ہولناکی سمیت حاضر' فرشتوں جیسے بے شمار پیادے پکڑنے اور بند کھولنے کے لیے موجود۔ حضرت رب العزت جیسا قاہر حاکم پوری سطوت اور جلال کے ساتھ جلوہ گر' زمین جو کہ جسموں اور روح کا مسکن اور جائے قرار تھی' سب درہم برہم ہو چکی اس میں بھاگنے کی جگہ رہی نہ اس میں مضبوط قلعہ اور محفوظ مکان نظر آتا ہے لیکن اس وقت یاد کرنا کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ چنانچہ فرمایا جارہا ہے کہ

وَاَنّٰی لَهُ الذِّکْرٰی اور اس وقت نصیحت پکڑنا اور یاد کرنا اسے کیا فائدہ کرتا ہے اس لیے کہ وہ دن عمل کا دن نہیں ہے۔ بلکہ جزا کا دن ہے' آج نصیحت قبول کرنا چاہیے تاکہ اس دن کام آئے ورنہ حسرت اور ندامت کے سوا جو کہ عذاب کی سب سے شدید قسم ہے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا جارہا ہے

یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ کہے گا اے کاش! کہ میں اپنی اس زندگی کے لیے مال اور ایمان اور اطاعت جیسے نیک اعمال میں سے کوئی چیز آگے بھیج دیتا جو کہ ذخیرہ ہوتی اور یہ حسرت اس کے لیے جسمانی عذاب سے زیادہ سخت ہوگی۔

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗ اَحَدٌ پس اس روز اللہ تعالیٰ کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہیں کرے گا۔ نہ آگ' نہ آگ پر مقرر فرشتے' نہ سانپ' نہ بچھو جو کہ آگ میں ہوں گے اس لیے کہ ان کی طرف سے جو عذاب آتا ہے' جسمانی ہے اور جو عذاب اس مجرم کی روح کو اللہ تعالیٰ حسرت اور ندامت کے ذریعے فرمائے گا' روحانی عذاب ہے اور جسمانی عذاب کی روحانی عذاب کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔

وَلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗ اَحَدٌ اور اللہ تعالیٰ کے مقید کرنے کی طرح کوئی مقید نہیں کرے گا اس لیے کہ دوزخ کے موکل اگرچہ طوق' زنجیر' دروازے بند کرنے اور سرپوش پہنانے کے ساتھ مجرموں کو مقید کریں گے لیکن ان کی عقل اور خیال کو مقید نہیں کر سکتے جبکہ عقل اور خیال کی عادت ہے کہ بہت سے امور پر توجہ کرتے ہیں اور ان میں سے بعض امور بعض دوسروں

marfat.com
Marfat.com

سے حجاب ہو جاتے ہیں۔ پس عین قید کے دوران بھی ایک شخص کو عقل اور خیال کی توجہ کی وسعت حاصل ہوتی ہے۔ برخلاف اس شخص کے جس کی عقل اور خیال کو حق تعالیٰ نے امورِ کثیرہ پر توجہ کرنے سے باز رکھا ہو اور ایک دردناک چیز کی طرف اس کی ساری توجہ مبذول کر دے کہ وہ قید جسمانی قید سے ہزاروں مرتبہ زیادہ سخت ہوتی ہے۔ اسی لیے پاگلوں اور سودائیوں کو عین باغ اور صحرا کی سیر کے وقت وہم وخیال سے ایک تنگی محسوس ہوتی ہے کہ وہ تمام کھلا میدان ان کی نظر میں ایک انگوٹھی کے حلقے سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے کہ

اذا کان قلب المرء فی الامر حائر
فاضیق من تسعین رحب السباسب

یعنی جب آدمی کا دل کسی امر میں پریشان ہو تو وہ نوے بیابانوں کے میدانوں میں بھی تنگ ہوتا ہے۔

بعض معتبر قراء نے وَلَا يُعَذَّبُ وَلَا يُوثَقُ کو مجہول صیغے کے ساتھ پڑھا ہے اور اس صورت میں معنی ظاہر ہے یعنی اس غافل کے عذاب کی مانند کسی کو عذاب نہیں کیا جائے گا اور اس غافل کو بند کرنے کی مانند کسی کو بند نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے دوسرے گناہ گار اگرچہ گناہوں کے مرتکب تھے لیکن اس روز سے غافل نہیں تھے' کبھی کبھی اس دن کا خوف ان کے خیال میں گزرتا تھا جب وہ اس دن کو دیکھیں تو اتنا مدہوش نہ ہوں گے کیونکہ وہ پہلے سے ہی اسے جانتے تھے۔ ان کے حق میں بلائے ناگہانی نہیں ہوگی اور ان کے عذاب اور قید میں منکرین جزا کی نسبت کچھ تخفیف بھی حاصل ہوگی اور اس ہولناک دن میں کہ جسے دیکھتے ہی اچھے بُرے سب بے چین اور بے قرار ہو جائیں گے' اطاعت کرنے والوں اور نیکوں کو تسلی دی جائے گی اور ندا ہوگی کہ

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اے حق کے ساتھ آرام پانے والی جان! کہ تجھے اس اس جناب کے سوا کسی سمت توجہ نہ تھی' تجھے زمین کے ریزہ ریزہ ہونے' فرشتوں کی صفیں دیکھنے اور جہنم کی ہولناک آواز سننے کی کیا پرواہ ہے۔

marfat.com
Marfat.com

ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا کہ تو ہمیشہ اسی کے مشاہدے میں مستغرق تھی اور ماسوا کی طرف تیری کوئی توجہ نہ تھی۔

رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً اس حالت میں کہ تو جمال شہودی حق کی تجلی سے خوش وقت ہونے والی ہے اور تجھ میں جمیل مطلق کے جمال کے آثار ظاہر ہونے کی وجہ سے تو پسندیدہ ہے۔

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ پس تو میرے مقرب بندوں کے زمرے میں داخل ہو جا جو کہ ہمارے دیدار کے مقام میں ہیں اور خوش ہیں اور یہ روحانی سعادت کے مرتبوں میں سب سے اعلیٰ ہے۔

وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ اور میری جنت میں داخل ہو جا کہ وہ حسی لذتوں کو پورے طور پر حاصل کرنے کا مقام ہے جیسے ماکولات' مشروبات' منکوحات' ملبوسات اور اچھے مکانات اور یہ جسمانی سعادت کے مرتبوں میں سے سب سے اعلیٰ ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں دونوں سعادتیں حاصل کرنے میں کامیاب فرمائے۔

## نفوسِ انسانی کی تین صفات

یہاں جاننا چاہیے کہ قرآن مجید میں نفسِ انسانی کو تین صفات سے موصوف فرمایا گیا ہے۔ امارہ' لوامہ اور مطمئنہ۔ امارہ ہونا کافروں اور گناہ گاروں کے نفوس کی صفت ہے جو کہ کفر اور گناہ سے باز نہیں آتے۔ اور ان کا نفس ہر وقت بُرے کاموں کا حکم دیتا ہے۔ اور لوامہ ہونا ان گناہ گاروں کے نفوس کی صفت ہے جو کہ اپنی بُرائی پر ندامت محسوس کرتے ہیں اور ارتکابِ گناہ کے بعد اپنے آپ کو ملامت کرتے ہیں کہ ہم نے کیوں کیا اور کیا کیا۔ جبکہ مطمئنہ ہونا انبیائے علیہم السلام' اولیائے اللہ اور اُمت کے نیک لوگوں کے نفوس کی صفت ہے جو کہ ایمان' طاعت' ذکر و فکر حق میں اطمینان پاتے ہیں اور گناہوں کے اسباب اور خطرات ان کے حال میں مزاحمت نہیں کرتے اور ان کے اوقات کو بے مزہ نہیں کرتے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ امارہ ہونا ہر نفس کی ذاتی صفت ہے جو کہ شہوت اور غضب کے وقت عقل اور شرع کے حکم پر ظہور کرتی ہے اور لوامہ ہونا بھی ہر نفس کی صفت ہے جس وقت کہ عقل و شرع کی طرف رجوع کرتا ہے اور خیر اور شر کو سمجھتا ہے اور اطمینان بھی ہر نفس کی

marfat.com

Marfat.com

صفت ہے جبکہ ذکر کا نور ساری قوتوں پر غالب آ جاتا ہے۔

اور حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن تمام نفوس لوامہ ہوں گے اور خود کو ملامت کریں گے کہ اگر تم نے نیکی کی ہے تو زیادہ کیوں نہیں کی اور اگر نافرمانی کی تو کیوں کی؟

اور اگرچہ اصل میں اس ندا اور بشارت کا وقت فزعِ اکبر کا وقت ہے جو کہ قیامت کے دن ہوگا لیکن اس کا نمونہ ہر مومن کی وفات کے وقت ظہور کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب مردِ مومن کی اجل آتی ہے تو اس کے سرہانے خوب صورت' خوش لباس اور معطر جسم والے فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے حق کے ساتھ اطمینان پانے والی جان! راحت اور آسانی سے باہر آ کہ تجھ سے اللہ تعالیٰ راضی ہے' مومن کی جان پوری مسرت کے ساتھ باہر آتی ہے اور جہان اس کی خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے اور فرشتے اسے معطر ریشمی کپڑوں میں لیتے ہیں اور آسمان کے دروازے کُھل جاتے ہیں۔ اور وہاں کے دربان اسے مرحبا کہتے ہوئے استقبال کرتے ہیں۔ اور اس کی بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اور اسے عرشِ مجید کے نیچے لے جایا جاتا ہے تاکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے حضور سجدہ کرے۔ اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ اس جان کو ایمان والوں اور نیکوں کی جانوں کے ٹھہرنے کی جگہ لے جا کر داخل کریں اور اس کی قبر کو فراخ کر دیں تاکہ اسے راحت اور آسانی ہو اور اسے فرمایا جاتا ہے کہ نئی دُلہن کی طرح سو جا کہ اس کی نیند کو کوئی خراب نہیں کرتا اور اس کے برعکس معاملہ کافر کی جان کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔

# سورۃ البلد

سورۃ البلد مکی ہے' اس کی بائیس (۲۲) آیات' بیاسی (۸۲) کلمات اور تین سو اکتیس (۳۳۱) حروف ہیں۔

## وجہ تسمیہ

اور اسے سورۃ بلد اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے آغاز میں مکہ معظمہ کے شہر کی قسم اٹھائی

marfat.com
Marfat.com

گئی ہے۔ اور بلد لغتِ عرب میں شہر کو کہتے ہیں اور اس شہر کی قسم اُٹھانے کے وقت اس شہر کے حالات کا ملاحظہ کرنا اس بات کی بالکل ظاہر اور روشن دلیل ہے کہ آدمی کو دنیا میں یا آخرت میں دُکھ تکلیف اُٹھانے کے بغیر چارہ نہیں اس لیے کہ جب اس قسم کا عظمت والا شہر اس قسم کی تکلیفوں کی آماجگاہ ہو تو دوسرے شہر تو بطریق اولیٰ شدید مشقتوں سے خالی نہ ہوں گے اور چونکہ انسان مدنی الطبع ہے' شہر کے بغیر سکونت نہیں کر سکتا اور کوئی شہر راحت کی جگہ نہیں کہ کوئی خزانہ تکلیف کے بغیر نہیں ہے۔

## مکہ معظمہ کی عظمت کی وجوہ

اور مکہ معظمہ کے شہر کی عظمت بے شمار وجوہ کی بناء پر ہے۔ حرمِ الٰہی کا محل ہے' مخلوق کے لیے مقامِ امن اور مرجع ہے کہ لاکھوں انسان ہر سال دُور دراز علاقوں اور شہروں سے اس کا قصد کر کے آتے ہیں' دو عمدہ عبادتوں حج اور عمرہ کی ادائیگی کی جگہ ہے' دنیا کی سب سے پہلی عمارت ہے۔ یہاں جہان کا قبلہ اور مقامِ خلیل علیہ السلام ہے۔ اور سب سے بالاتر یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت اور خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی اُترنے کا مقام ہے۔

## ماقبل کے ساتھ رابطے کی وجہ

اور اس سورۃ کے سورۃ الفجر کے ساتھ رابطے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں یتیم کی عزت و حرمت رکھنے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی تاکید اور مال کی محبت کی مذمت مذکور ہے جبکہ یہاں بھی یہی مضامین لکھے ہوئے ہیں۔ نیز وہاں طاقت ور سرکشوں جیسے عاد' فرعون اور ثمود کی ان کے گناہوں کی شامت کی وجہ سے ہلاکت کا ذکر ہے جبکہ یہاں بھی ایک کافر کو ڈانٹا گیا ہے جو کہ اپنی قوت پر ناز کرتا تھا اور کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔

## سورۃ کا سببِ نزول

اور اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ قریش میں کلدہ بن اسید نامی ایک کافر تھا' ایک قوی ہیکل زور آور پہلوان۔ جسے ابوالاسد کی کنیت دی گئی تھی اور اس کی قوت اس درجہ تھی

marfat.com
Marfat.com

کہ گائے کی کھال کو اپنے قدم کے نیچے لیتا تھا اور کثیر جماعت سے کہتا کہ یہ کھال میرے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لو وہ سب اپنی پوری قوت صرف کرتے اور کھال پارہ پارہ ہو جاتی لیکن اس کے پاؤں کے نیچے سے نہیں ہلتی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی' وہ ایمان نہ لایا اور سخت ست باتیں کیں کہ آپ مجھے ایسے قید خانے سے ڈراتے ہیں جس کے کل انیس موکل ہیں' میں تو ان سب کو بائیں ہاتھ کے ساتھ کافی ہوں۔ کون ہے جو مجھ پر غالب آئے۔ نیز آپ مجھے ایک باغ کا فریب دیتے ہیں۔ حالانکہ میں نے شادیوں اور مروتوں میں اتنے ڈھیروں مال خرچ کیے ہیں کہ اگر ان کا شمار کریں تو آپ کے وعدے والا وہ باغ اپنے زیور' زیبائش' درختوں اور نہروں سمیت اس کے برابر کچھ نہ ہو۔ اس کی ان خرافات کے جواب میں حضرت حق تعالیٰ نے یہ سورۃ بھیجی اور اس سورۃ کا مضمون یہ ہے کہ آدمی کو جسمانی قوت' زور بازو' کثرت مال اور نام اور مرتبے کے اونچے ہونے پر مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ اور اپنی پیدائش کی ابتدا کو موت کی حد تک نظر میں رکھنا چاہیے کہ کتنی سختیاں درپیش ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ کی امداد کے بغیر برداشت کرنے کی طاقت میسر نہیں ہے اور مال کو اس وقت نعمت سمجھا جا سکتا ہے جب آخرت کی گھاٹیوں میں کام آئے ورنہ دنیا کی نمود و نمائش تو سراب کے پانی اور پانی پر نقش کی طرح بے ثبات ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ مجھے اس شہر کی قسم ہے اور لا دراصل نفی کے معنی میں ہے اور یہاں قسم کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے جیسا کہ لغتِ عرب میں اس کا استعمال بہت زیادہ ہے کہ تاکید کے مقام میں یہ لفظ لاتے ہیں اور اس لفظ سے تاکید سمجھانے کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر قسم اس بات پر اٹھاتے ہیں جس کا کوئی منکر ہو۔ پس پہلے کلمۂ لا کے ساتھ منکر کے انکار کی نفی کرتے ہیں اس کے بعد قسم کے ساتھ اپنا مقصد ثابت کرتے ہیں۔ گویا مقصد دو وجہ سے ثابت ہوتا ہے۔ نقیض کو باطل کرنے اور عین مقصد کو ثابت کرنے کے ساتھ۔ اور اگر صرف قسم ذکر کریں تو مقصد کا اثبات ایک وجہ کے ساتھ ہو اس لیے کلمہ نفی لانا تاکید کی زیادتی کا موجب ہوا۔

marfat.com
Marfat.com

اور علماء میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قسم کی نفی ہے یعنی اس مطلب پر قسم کی حاجت نہیں کہ بالکل ظاہر ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ کلمہ مقسم بہ کی بزرگی پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ چیز اس سے بالاتر ہے کہ اس آسان مطلب پر اس کی قسم اُٹھائی جاسکے اور ہر صورت میں مطلب کے ثبوت سے کنایہ ہے یا اس کے ظاہر ہونے کا دعویٰ ہے۔ پس اس طرح سے بھی تاکید ثابت ہوئی۔

اور جب قسم کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کی پیدائش ابتدا سے انتہا تک مشقت اور تکلیف میں ہے تو اس شہر مکہ کی قسم اُٹھانا اس مقصد کے عین مطابق واقع ہے اس لیے کہ مکہ معظمہ کا شہر ساری زمین کی اصل ہے کہ سب سے پہلے پانی کی سطح پر یہی نقطہ پیدا ہوا تھا۔ بعدازاں اس نقطے سے تمام زمین کو کشادہ کر کے بچھایا گیا۔ اور زمین انسان کے مادے کی اصل ہے تو جب اس کی اصل کی اصل مشقت اور رنج کا مقام ہو تو اسے کہاں سے توقع کرنا چاہیے کہ مشقت اور رنج سے خلاصی پائے۔

## شہر مکہ کے مشقت اور رنج کا مقام ہونے کی وجہ

ہم یہاں پہنچے کہ یہ شہر کس جہت سے مشقت اور رنج کا مقام ہے۔ اوّل یہ کہ ایک سنگلاخ زمین ہے' ریگستان میں واقع ہے' کاشت کاری کے بالکل قابل نہیں' کڑوے پانی' سطح زمین سے دُور' سنگلاخ ہونے کی وجہ سے وہاں کنواں کھودنا دشوار۔ پس وہاں کے رہنے والوں کو پانی اور غلے کا قحط ہمیشہ لاحق ہے اور ایسی جگہ واقع ہے کہ جہاں پوری گرمیوں میں جو کہ جوزا اور سرطان کے دو مہینے ہیں' سورج ان کے سر کی طرف سے متصل دائیں بائیں ہوتا ہے اور سخت جلن کا موجب ہوتا ہے اور کوہستان سے سورج کی شعاعیں منعکس ہونے کی وجہ سے راتوں میں بھی شدت کی گرمی ہوتی ہے اور سخت گرم ہوا چلتی ہے اور بنجر اور بے سامانی کی ان وجوہ کی بناء پر زمانے کے عیش کوشوں اور خوش طبع لوگوں کا مسکن نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا قدیم زمانوں سے ذوی الاقتدار بادشاہ اس مملکت کے قریب نہیں گئے ہیں اور انہوں نے اسے اپنی قلم رو سے خارج کر۔ یا جو بھی اس مقام کا قصد کرتا ہے خالص زیارت کی نیت سے کرتا

marfat.com

Marfat.com

ہے۔ کیونکہ وہاں سیر و تفریح کے اسباب نہیں ہیں اور اس عظیم مقام کی زیارت کے سفر میں جو تکلیفیں اور دُکھ اُٹھاتے ہیں' سمندر میں بھی اور خشکی میں بھی بالکل ظاہر اور روشن ہیں۔

اور یہ جو کچھ اس عالی شان مقام میں دنیوی مشقت اور رنج کے اسباب ذکر کیے گئے ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے پہلے موجود تھے۔ جب آپ کی بعثت شریفہ ہوئی' ایک اور پھول کھلا۔ اور ایک عظیم دینی مشقت رونما ہوئی کہ اس شہر والوں کی ایک جماعت حضور علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔ اور انہوں نے اپنے آباء و اجداد کا باطل مذہب چھوڑ دیا اور بتوں کی پرستش ختم کر دی اور ہر گھر میں مخالفت' دشمنی' جھگڑا اور لڑائی پیدا ہوگئی۔ کفار اس جماعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے اور قتل کرنے پر کمربستہ ہوگئے اس زبردست واقعہ کی وجہ سے اس کے شہریوں کے اوقات انتہائی مشقت اور دُکھ میں گزرنے لگے اور ہر روز اور ہر شام فریقین دار و گیر میں مصروف تھے۔

اس تازہ مشقت اور رنج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس عبارت میں فرمایا جا رہا ہے

**وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ** مجھے اس شہر کی قسم اس وقت ہے جبکہ آپ اس شہر میں جلوہ گر ہیں کیونکہ آپ کے اس شہر میں نزول اجلال فرمانے سے اس شہر کی عزت اور بزرگی بھی بڑھ گئی کہ مکان کی عزت مکین سے ہوتی ہے اور دینی مشقت اور تکلیف کے اسباب بھی زیادہ ہوگئے اور اس شہر کے رہنے والے کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ میں گرفتار ہوگئے جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے سب سے بہترین شخصیت کو قتل کرنا اور ستانا ہے۔ اور حرم کے احترام سے کہ جس کا لحاظ کرتے ہوئے موذی جانوروں کو قتل نہیں کرتے تھے' خاردار درختوں کو نہیں کاٹتے تھے' ایک دم صاف جواب دے کر اس عقیدہ کے خلاف ہوگئے اور اس وقت جو ظلم ان شہریوں سے وقوع پذیر ہوا' حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے لے کر اس وقت تک کسی سے بھی واقع نہ ہوا ہوگا۔ پس یہ قید بڑھانے کی وجہ سے کہ **وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ** اس قسم کو مقصد کے ساتھ مکمل وابستگی میسر آگئی چونکہ اس قسم میں اور مقصد کے ساتھ اس کی مناسبت میں ایک قسم کی گہرائی اور پوشیدگی ہے جسے ذہین لوگوں کے سوا دریافت نہیں

marfat.com
Marfat.com

کیا جا سکتا' ایک اور عام فہم قسم بھی ذکر فرمائی گئی۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ جننے والے کی قسم! اور اس کی جسے جنتا ہے کہ دونوں کمال مشقت اور رنج میں گرفتار ہیں اس لیے کہ جننے والی کو پہلے تو حمل' ذائقے کی بے مزگی اور درد زہ کا بوجھ اُٹھانا چاہیے۔ بعدازاں بچے کی پرورش میں سختیاں اور تکلیفیں دیکھنا چاہیے اور جسے جنتی ہے' پہلے اسے رحم کی تاریکی میں انتہائی عاجزی اور کمزوری کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے۔ بعدازاں اس سرائے فانی کی محنت میں قسم قسم کے جسمانی اور روحانی دُکھوں میں مبتلا ہونا چاہیے اسی لیے کہا گیا ہے کہ پیدائش کے وقت بچے کا رونا اسی طرف اشارہ ہے کہ اس جہان میں روتے ہی گزرے گی اور کیا اچھا کہا گیا ہے

لما تؤذن الدنيا من صروفها
يكون بكاء الطفل ساعة يولد
والا فما يبكيه منها وانها
لاوسع مما كان فيه وارغد

یعنی جب دنیا اپنے حوادث کی وجہ سے ثقیل ہوگئی' بچہ ولادت کے وقت روتا ہے ورنہ وہ دنیا میں آنے سے کیوں روئے جبکہ دنیا اس مقام سے زیادہ وسیع اور خوشگوار ہے جہاں وہ تھا۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ کس مشقت سے جنت سے دنیا میں آئے اور دیکھی چکھی نعمتیں چھوڑنا پڑیں اور ماولد سے مراد آپ کی اولاد ہے جنہوں نے اپنی عمر میں اس دارالمحنت کے سوا کچھ نہ دیکھا اور انہوں نے اپنے اصلی وطن کے اوصاف بڑی حسرت اور افسوس سے سنے اور قسم کی ان دونوں جنسوں سے ثابت ہوا کہ انسان کی خاکی اصل بھی مشقت اور رنج کا مقام ہے اور اس کی آبی اصل بھی مشقت اور رنج کی جگہ۔ اب اس دلیل پر مدلول کو بطور فرع ذکر کر کے فرمایا جا رہا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ تحقیق ہم نے انسان کو مشقت اور رنج میں پیدا فرمایا اس لیے کہ عالم خاک میں آدمی کی اصل زمین مکہ معظمہ اور عالم آب میں اس کی اصل

marfat.com
Marfat.com

حضرت آدم علیہ السلام کے نطفے کا پانی ہے اور دونوں مشقت میں گرفتار ہیں اور یہاں کبد کو با کی زبر سے پڑھنا چاہیے جو کہ مشقت کے معنوں میں ہے۔ کبد با کی زیر سے جو کہ جگر کے معنوں میں ہے' بھی اسی سے مشتق ہے اس لیے کہ آدمی کے جسم میں اس کی ڈیوٹی باورچی گری ہے' غذا لانے' اسے پکانے اور اسے تقسیم کرنے میں کئی مشقتیں برداشت کرتا ہے اور جبکہ دوسرے اعضاء لقمے پر بے دردی سے متصرف ہوتے ہیں۔

## انسانی مشقتوں کا اجمالی تذکرہ

اور اگر آدمی کی مشقت اور تکلیف کو تفصیل سے بیان کیا جائے تو طویل دفتر چاہئیں لیکن اجمالی طور پر اس قدر جاننا چاہیے کہ پہلے تو آدمی کی پیدائش چار ضدوں گرمی اور سردی' رطوبت اور خشکی سے ہے اور یہ چاروں اس کے مزاج میں اپنا غلبہ چاہتی ہیں۔ اور اس کے اعتدال کو درہم برہم کرنے کے درپے ہوتی ہیں' وہ ہمیشہ ان چار اژدہاؤں کی کھینچا تانی میں رہتا ہے پھر کچھ عرصہ رحم کے قید خانے میں بند ہے۔ اور کچھ اور وقت میں انتہائی عاجزی اور کمزوری کے ساتھ گہوارے میں مردے کی طرح پڑا ہے۔ نہ زبان کہ اپنا ماضی الضمیر بیان کرے نہ ہاتھ پاؤں جن سے اپنی خواہش طلب کرے۔ پھر دانت نکلنے کے درد اور پستان چھوڑنے کی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ پھر مکتب میں استاد کی ڈانٹ کی تکلیف اُٹھاتا ہے۔ اور جب عقل کے بندھنوں میں گرفتار ہوتا ہے تو یہ کر اور یہ نہ کر کی کھینچا تانی میں پڑ گیا۔ اور کئی قسم کے رنج اور ملال میں لپیٹا گیا۔ طبیعت اسے کبھی شہوانی زور اور قوت کے ساتھ جانور کی طرح ذلیل کرتی ہے اور اسے حرص میں گرفتار کرتی ہے۔ ایک درہم کی خاطر اس کے سر پر بھاری بوجھ رکھتی ہے اور سارا دن معمولی سی مزدوری کی خاطر اسے آگ اور دھوئیں کے سپرد کرتی ہے اور چند پیسوں کی محنت کے لیے اسے دُکان میں قید کر دیتی ہے اور چند دانوں کی خواہش کی وجہ سے اسے دو بیلوں کے پیچھے بھگاتی ہے۔

اور کبھی قوت غضبیہ کے جوش مارنے کی وجہ سے اسے درندوں کی گنتی میں ڈال دیتی ہے۔ اور اسے مخلوق کی نفرت اور جہان کی بدگوئی نصیب ہوتی ہے اور بھیڑیئے کی طرح تھوتھنی اور پنجہ کھولتا ہے اور مخلوق کو ستاتا ہے۔ اور ان سب سے عجیب تر دشواری یہ ہے کہ اس

marfat.com

Marfat.com

پر طبیعت کا حکم بھی چلتا ہے اور شریعت کا بھی۔ شریعت' طبیعت کی مخالفت کرتی ہے جبکہ طبیعت نفس کی موافقت کرتی ہے۔ عبادت کی رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے اسے عبادت کا حکم ہے اور گناہ کے محرکات کے ہوتے ہوئے اس گناہ سے روکا گیا ہے۔ دنیا میں کوئی تکلیف ضدوں کو جمع کرنے اور ہمزاد مخالفوں کو راضی کرنے سے بڑی نہیں ہے اور یہ تمام مشقتیں اور تکالیف ہر شخص کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔

## دوسروں کے حق سے وابستہ تکالیف کا تذکرہ

رہی وہ مشقتیں جو کہ غیر کے حق سے تعلق رکھتی ہیں تو ان سب سے زیادہ سخت ہیں' رعیت ہمیشہ بادشاہ کی اطاعت میں اسیر اور بادشاہ کے لیے اسی طرح رعیت پر عدل واحسان ضروری۔ بیٹا' ماں باپ کی خدمت کے رنج میں اور ماں باپ بیٹی اور بیٹے کے اخراجات کے رنج میں۔ اسی طرح بیوی کا حال شوہر کے ساتھ اور شوہر کا حال بیوی کے ساتھ اور غلام آقا کے ساتھ اور آقا غلام کے ساتھ۔ اور ہمسایہ دوسرے ہمسائے کے ساتھ۔ کوئی بھی اس قسم کی مشقت سے خالی نہیں ہے اور ان تمام دنیوی مشقتوں کے باوجود سکرات موت کی مشقت۔ مال کی جدائی اور اولاد کی نوحہ گری کا رنج' قبر کی تنگی' لحد کی تاریکی' وہاں کی تنہائی' منکر نکیر کے سوالات' قیامت اور اُٹھنے کے دن کی ہولناکی' صور پھونکنے کی ہیبت' سب اگلوں پچھلوں کے سامنے رسوائی کا خوف' حساب اور وزن اعمال کے وقت شرمندگی کا لاحق ہونا رب العزت کے حضور کھڑے ہونا اور اگر معاذ اللہ ان سب کے باوجود دوزخ نصیب ہوئی تو ہمیشہ کا خسارہ مل گیا' اس کی مشقت اور رنج بیان سے باہر ہو گیا اور جب کوئی عمر کی ابتدا سے لے کر اس کی انتہا تک اسی قسم کی تکالیف میں گرفتار ہوا سے زور بازو اور بے پناہ مال خرچ کرنے پر فخر کرنا انتہائی نازیبا ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے:

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ کیا یہ مشقتوں اور تکلیفوں کی مخلوق گمان کرتی ہے کہ اس پر کوئی قادر نہیں ہوگا کہ اسے جزا دے اور اچھے بُرے اعمال کے متعلق باز پرس کرے' حالانکہ وہ بر زم قہر الٰہی میں مغلوب اور اس کی لامتناہی قدرت کے ماتحت ہے بلکہ اس کی انتہائی کمزوری مخلوق جو کہ مکھی اور مچھر ہے' کے عہدے سے باہر نہیں آ سکتا۔

marfat.com

Marfat.com

اور جب اس کا زیادہ تر فخر بہت سا مال خرچ کرنے پر تھا۔ اور اس دعوے میں کہ مجھ پر کوئی قابو نہیں پائے گا۔ اس کا زیادہ تر اعتماد اپنی عزت اور مرتبے پر تھا جو کہ اس نے بہت سا مال خرچ کر کے حاصل کیا تھا۔ کیونکہ جو شخص مال زیادہ خرچ کرتا ہے' وہ دلوں میں پیارا اور نگاہوں میں بلند مرتبہ معلوم ہوتا ہے۔ اور کوئی شخص حیا کی وجہ سے یا اس کی طرف سے کسی نفع کی توقع کی وجہ سے اسے لتاڑنے اور ذلیل کرنے کی کوشش نہیں کرتا اس کے اس غرور کو مٹانے اور اعتماد کو باطل کرنے کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے

**يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا** فخر کے مقام میں اور یہ ثابت کرنے میں کہ مجھ پر کوئی قابو نہیں پائے گا۔ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال نیست و نابود کیا ہے اور ہر بڑے کام میں بڑی بڑی رقمیں صرف کی ہیں اور اس وجہ سے میرا مقام اور عزت لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہے' کوئی شخص میرا مقابلہ کرنے کے لیے قدم نہیں اٹھا سکتا۔

**اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ** کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا جبکہ وہ ماں کے پیٹ سے بھوکا اور ننگا باہر آیا تھا۔ اور اس کے پاس ایک دھیلہ تک نہ تھا۔ پھر جب اس نے مال کمانا شروع کیا تو کس طریقے سے حلال سے یا حرام سے؟ پھر جب اس نے مال خرچ کیا تو کس مصرف میں کیا؟ مناسب مقام پر یا بے جا خرچ کیا؟ اور کس نیت سے خرچ کیا؟ خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے یا فخر و ریاء کے لیے؟ پس اسے وہ مال خرچ کرنے پر جو کہ اس کے ہاتھ میں بالکل مانگی ہوئی چیز ہے اور زیادہ تر حرام طریقے سے حاصل کیا گیا' حرام جگہ صرف کیا گیا اور بُری نیت سے خرچ ہوا' فخر کرنا اور خوش ہونا مناسب نہ تھا۔ اور اگر وہ یہ فخر اور خوشی کا اظہار کسی ایسے شخص کے پاس کرتا جو کہ اس کی ابتدائی حالت سے اس کے مال کی کمائی کی جہت سے اور اس کی باطنی نیت سے آگاہ نہ ہو تو گنجائش تھی۔ اس کی انتہائی بے حیائی ہے کہ اس نے رب الارباب' اسرار اور مخفیات کا علم رکھنے والے اور حال اور مستقبل کو جاننے والے کے سامنے فخر کے ساتھ لب کشائی کی۔ اور اگر وہ کفر اور جہالت کے طریقے سے اللہ تعالیٰ کے اسے دیکھنے کا انکار کرے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:

marfat.com
Marfat.com

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائی ہیں تا کہ چیزوں کو دیکھے اور جو ذات دوسروں کو بینائی بخشے اور بینائی کے اسباب پورے کرے' اس کی اپنی بینائی میں کس طرح کمی ہوگی۔ اور اگر وہ خدا کے دیکھنے کو تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے دل کی نیتوں کو کوئی نہیں جان سکتا تو اس کے جواب میں فرمایا جارہا ہے

وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ کیا اور کیا ہم نے اس کی ایک زبان اور دو لب نہیں بنائے اور جس نے مافی الضمیر کو ظاہر کرنے کی قدرت دوسروں کو بخشی ہے' وہ دوسرے کے مافی الضمیر پر کس طرح مطلع نہ ہوگا۔ اور آدمی میں زبان کا فائدہ تو بالکل ظاہر اور واضح ہے کہ بات کرنے اور مافی الضمیر کو ظاہر کرنے کا آلہ وہی ہے۔

## دولبوں کے چند فوائد

جبکہ دولبوں کے چند فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ دودھ چوسنا اور اسی طرح پھلوں سے جیسے آم وغیرہ کا رس چوسنا۔

دوسرا فائدہ منہ کو ڈھانپنا کہ کوئی جانور یا تنکا وغیرہ منہ میں نہ جائے۔ تیسرا فائدہ دانتوں کو چھپانا کیونکہ ان کا کھلا رہنا انتہائی بھدا معلوم ہوتا ہے۔ چوتھا فائدہ بات کہنے میں مدد کرنا کیونکہ شفوی حروف ہونٹوں کے بغیر نہیں نکل سکتے جیسے با اور واؤ اور دوسرے حروف میں بھی ان کی مدد ضروری ہے۔ پانچواں فائدہ کھانا کھانے اور پانی پینے نیز چبانے' نیچے لے جانے اور فضلہ موڑنے میں ان سے مدد لینا ضروری ہوتا ہے۔ چھٹا فائدہ بانسری میں پھونک مارنے اور پھونک والے آلات میں ان کا نفع بالکل ظاہر اور واضح ہے۔

## آنکھیں دو اور زبان ایک ہونے کی حکمت

اور باریک بین علماء نے یوں فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے آدمی کو دو آنکھیں اور ایک زبان عطا فرمائی ہے تا کہ اس بات کا اشارہ ہو کہ اس کا بولنا' دیکھنے سے کمتر ہونا چاہیے اس لیے کہ اس کا دیکھنا خیر اور شر کو شامل ہے جبکہ بولنا سوائے خیر کے قابلِ تعریف نہیں ہے اور اسی لیے ایک زبان کے لیے دو محافظ مقرر کیے گئے ہیں جو کہ دونوں ہونٹ ہیں تا کہ اسے معلوم ہو کہ اپنی زبان کو لگام میں رکھنا چاہیے جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَا یَلْفِظُ

marfat.com
Marfat.com

مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡهِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ یعنی آدمی زبان سے جو کلمہ بھی نکالتا ہے اس کے نزدیک ایک مستعد نگہبان اسی کام کے لیے مقرر ہے۔

اور حدیث صحیح میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ اور ترمذی میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کس چیز میں نجات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو بند رکھ اور اپنے گھر میں بیٹھ جا اور اپنے گناہوں پر گریہ زاری کر اور بزرگانِ سلف نے فرمایا ہے کہ آدمی کی زبان ایک مہلک اژدہا ہے جس کا سوراخ منہ ہے اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے

**احفظ لسانك ایها الانسان**

**لایلدغنك انه ثعبان**

یعنی اے انسان! اپنی زبان کی حفاظت کر' یہ ایک اژدھا ہے کہیں تجھے ڈس نہ لے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب آدمی بات کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ پہلے غور کرے اور اپنے دل سے مشورہ طلب کرے۔ اگر معلوم کرے کہ بات کرنے میں سراسر مصلحت ہے اور دین اور دنیا کے اعتبار سے کوئی نقصان نہیں تو بات کرنے کا اقدام کرے۔ اور اگر مصلحت کے وجود یا نقصان لاحق ہونے میں شک رکھتا ہے تو اسے بات کرنا ہرگز جائز نہیں۔ چہ جائیکہ اس میں کوئی مصلحت ہی نہ ہو اور نقصان کا گمان یا یقین ہو۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب آدمی صبح کرتا ہے اس کے تمام اعضاء زبان کے آگے عاجزی اور زاری کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ظالم! انصاف کر ہم سب تیری خوبی کے ساتھ وابستہ ہیں اگر تو سیدھی راہ پر ہے تو ہم بھی نجات پاتے ہیں ورنہ تیرے عمل کی وجہ سے ہم سب گرفتار ہوتے ہیں۔

## مذکورہ تین نعمتوں کی تخصیص کی ایک اور وجہ

اور اس آیت میں ان تین نعمتوں آنکھ' زبان اور لبوں کو خصوصیت کے ساتھ بیان کرنے کی ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب آدمی ماں کے شکم سے پیدا ہوتا ہے' بھوکا

marfat.com

Marfat.com

ہوتا ہے اور پہلی چیز جو دنیا سے اپنی غذا کے لیے کماتا ہے' پستان سے دودھ چوسنا ہے۔ اور دودھ چوسنے میں ان تینوں اعضاء سے چارہ نہیں تاکہ دودھ دینے والی کو دیکھے اور لب کے زور سے پستان چوسے اور دودھ کو زبان اور مزہ چکھنے کی مدد سے حلق میں نیچے اُتارے۔ تو جو اپنی پہلی کمائی پر قادر نہ ہو جس پر اس کی بقاء اور زندگی موقوف ہے تو دوسری کمائیوں پر اسے خود بخود ناز کرنا کیسے درست ہوگا۔ اور اگر فریق مخالف جو کہ وہی مذکورہ کافر ہے' کہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ظاہر و باطن کو دیکھتا اور جانتا ہے لیکن جہاں میں نے مال خرچ کیا اور جس نیت کے ساتھ کیا' میں معذور تھا اس لیے کہ مجھے وہی مقام اور وہی نیت اچھی اور پسندیدہ لگی اور میں کسی دوسرے مقام اور دوسری نیت کو پہچانتا ہی نہ تھا کہ اس مقام میں اور اس نیت کے ساتھ مال خرچ کروں اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ اور ہم نے اسے خیر اور شر دونوں راہوں کا نشان دیا۔ پس پہچاننے اور تمیز نہ ہونے کے دعوے میں بالکل جھوٹ کہتا ہے اس لیے کہ پہلے ہم نے اسے عقل دی پھر ہم نے انبیاء علیہم السلام اور واعظوں کے وسیلے سے اس کے کانوں میں اچھی اور بُری راہ کی علامات پہنچائیں اور دونوں راہوں کو اس کی نظر میں جدا جدا کر دیا اس نے بُری راہ کو اختیار کیا اور سیدھی راہ سے بہک گیا اور اپنا مال قابل تعریف مقام میں بالکل صرف نہ کیا۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ پس اس کافر سے یہ نہ ہوا کہ سخت اور دشوار ٹیلے پر گزرتا اور سختی اور دشواری بھی اچھی راہ کی عمدہ علامات میں سے ہے اس لیے کہ بُری راہ نفس کی مناسبت اور اس کی موافقت کی وجہ سے آسان اور ہلکی معلوم ہوتی ہے اور خواہش کی چیزوں میں لذتیں پوری کرنے میں مال خرچ کرنا آسان ہوتا ہے' مال خرچ کرنے میں دشواری وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی لذت یا اس میں کسی منفعت کی توقع نہ ہو اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے واقع ہو۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ اور اے انسان! تو کیا جانے کہ وہ سخت اور دشوار ٹیلا کیا ہے کہ جہاں مال خرچ کرنا طبیعت اور نفس پر ناگوار اور گراں گزرتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

فَكُّ رَقَبَةٍ وہ سخت اور دشوار ٹیلا گردن آزاد کرنا ہے۔

## گردن آزاد کرنے کی چند صورتیں

اور یہ چند وجوہ سے ہوتا ہے۔ ایک تو اپنی ملک سے غلام آزاد کرنا۔ دوسری قسم جان کو قصاص اور خون سے خلاصی دینا ہے کہ اس کے عوض خون بہا دے کر اس کی جان بخشی کی جائے۔ تیسری قسم قرض دار کو چھڑانا ہے جسے اس کے قرض خواہ اپنے حق کے مطالبے میں پکڑ کر قید کر لیں اور وہ قرض ادا کر کے اسے اس کے قرض خواہوں سے رہائی بخشیں۔ چوتھی قسم اس قیدی کو چھڑانا ہے جو کسی کافر یا ظالم کے پاس گروی رکھا ہوا ہو اور مال دیئے بغیر چھٹکارا نہ پائے۔

اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر آیا اور عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی ایسے عمل کا پتہ دیں جس کی وجہ سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ فرمایا غلام آزاد کرو اور گردن آزاد کرو اس نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ دونوں ایک چیز ہی نہیں ہیں؟ فرمایا نہیں! غلام آزاد کرنا یہ ہے کہ تو صرف اسے غلامی کی قید سے آزاد کرے جبکہ گردن کو چھڑانا یہ ہے کہ تو اسے کسی تاوان یا خون سے چھڑانے میں مدد کرے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسکین کو کھانا کھلانے سے پہلے فک رقبۃ کو بیان کرنے سے استدلال فرمایا ہے کہ یہ اخراجات صدقہ سے بہتر ہیں جبکہ دوسرے علماء نے اس کے برعکس کہا ہے' وہ کہتے ہیں کہ صدقے میں جان کو ہلاکت سے رہائی دلانا ہے اس لیے کہ جسم کی بقاء غذا کے ساتھ ہے اور غلام آزاد کرنے میں قید سے چھڑانا ہے اور قید اتنی تکلیف دہ نہیں کہ اس سے ہلاکت کا خوف ہے۔

اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یا اس دن کھانا کھلانا ہے کہ جس میں بھوک اور محتاجی زیادہ ہو جیسے قحط کے اور غلہ نہ ملنے کے ایام کہ اس وقت کھانا کھلانا سونا اور جواہرات بخشنے سے زیادہ بہتر ہو جاتا ہے۔

یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اس یتیم کو جو رشتے دار بھی ہو جیسے بھتیجا' پھوپھی زاد اور خالہ زاد

marfat.com
Marfat.com

وغیرہ

## احتیاج کے دن کی قید لگانے کی وجہ

اور یہ قید اس لیے لائی گئی ہے کہ کھانا کھلانا ہر وقت عبادت ہے اس لیے کہ کھانے والا بھوک کے بغیر نہیں کھا سکتا۔ تو ہر شخص امیر و غریب کھانا کھانے کے وقت محتاج ہی ہوتا ہے اور کھانا کھانے سے اس کی روح تازہ ہو جاتی ہے۔ اسی لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اسلام کے کاموں میں بہترین کام کون سا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کھانا کھلانا جو ملے اسے سلام کہنا۔ اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا یعنی نوافل ادا کرنا جب لوگ سوئے پڑے ہوں۔ اور جب کھانا قحط اور غلہ نہ ملنے کے وقت کھلایا جائے اس کا اجر کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ ان اوقات کے علاوہ اگر کوئی شخص بھوک کی ابتدا میں تکلیف اٹھائے گا' ایک دو گھڑی بعد روٹی مل جائے گی اور اسے جان کی ہلاکت کا خطرہ نہیں ہوگا۔ بخلاف ایامِ قحط اور غلہ کی نایابی کے کہ ان دنوں وہ لوگ جو روزی کمانے کی کوشش اور تلاش کر سکتے ہیں یا کوئی والی وارث رکھتے ہیں' انہیں بھی ایک دو دن بعد کھانا نصیب ہوتا ہے اور ان کے معاش کے ذمہ دار قلیل و کثیر کے ساتھ ان کی خبر گیری کر لیتے ہیں۔ جبکہ یتیم جس کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہیں اور اس کی ہلاکت کا خوف یقین کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور اس کی محتاجی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ خصوصاً وہ یتیم جو کہ رشتے داری کا تعلق بھی رکھتا ہو کہ اسے کھانا کھلانا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی جو کہ ایک مستقل عبادت ہے۔ نیز یتیم کو کھانا کھلانے میں خصوصاً جو رشتے دار بھی ہو' ثوابِ آخرت کے بغیر کسی فوری یا بعد از مدت نفع کی توقع نہیں ہے اس لیے کہ بچہ ہونے کے اعتبار سے اس سے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا اور مدح و ثناء کا کوئی اعتبار بھی نہیں ہوتا اور اگر اسے کھانا کھلانے کے وقت کوئی موجود بھی ہو تو اسے رشتے داری کے تعلق کے احترام پر محمول کرے گا۔ پس ریا اور فخر کرنے کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا اور خلوصِ نیت پورے طور پر متحقق ہوگا۔

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ یا اس منگتے کو کھانا کھلانا ہے جو خاکساری والا ہو اور خاک پر پڑا رہے اور یہ قید اس لیے لائی گئی ہے کہ مسکین کبھی اس محتاج کو کہتے ہیں جس کا خرچ اس کی

marfat.com

Marfat.com

آمدنی سے زیادہ ہو جیسا کہ سورۂ کہف میں واقع ہے۔ وَاَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ لیکن وہ مسکین خاکساری اور اضمحلال کی حد تک نہیں پہنچتا تا کہ اس کی جان کو ہر دَم ہلاکت کا خطرہ لاحق ہو اور جب گدا کی نوبت اس حد تک پہنچ جاتی ہے تو وہ بھی کسی فوری اور بعد از مدت نفع کی توقع کا محل نہیں رہتا اور صرف رضائے خداوندی کے لیے مال خرچ کرنا متحقق ہو جاتا ہے۔

اور چونکہ ان تین وجوہ میں جو کہ ذکر کی گئیں' مال خرچ کرنا کبھی کافروں اور بدعقید لوگوں سے بھی اپنی جنس پر رقت آنے اور فطری رحم کی وجہ سے واقع ہو جاتا ہے اور آخرت کے حساب میں وہ ضائع اور برباد ہو جاتا ہے۔ ناچار اس خرچ کرنے سے بچنے کے لیے ایک اور شق بڑھا کر ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پھر وہ ان سب کے باوجود ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے دین' شریعت اور وقت کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی ہو تا کہ اس شخص کا یہ اچھا عمل آخرت میں کفر اور نبی علیہ السلام کی تکذیب کی نحوست کی وجہ سے رائیگاں اور برباد نہ ہو اور ثم کا لفظ اگرچہ ان اعمال سے ایمان کی تراخی اور تاخیر پر دلالت کرتا ہے۔ حالانکہ ایمان تمام عبادتوں اور نیکیوں کی قبولیت کی شرط ہے اور شرط ہمیشہ مشروط سے پہلے ہوتی ہے لیکن یہاں تراخی اور تاخیر بیان میں مراد ہے نہ کہ ایمان کے واقع ہونے میں جیسا کہ کہتے ہیں کہ نماز اس وقت مقبول ہوتی ہے جب اس کے ارکان کو تکبیر سے لے کر سلام تک ترتیب کے ساتھ ادا کریں پھر وضو بھی کیا ہو حالانکہ وضو نماز کی شرط ہے۔ نماز سے پہلے کرنا چاہیے لیکن بیان میں شرط کا مرتبہ مشروط کے مرتبے کے بعد ہے اس تاخیر کا پتہ دینے کے لیے یہاں لفظ ثم استعمال فرمایا گیا ہے اور اگر ایمان کا ذکر پہلے کیا جاتا تو یوں وہم ہو جاتا کہ ایمان بھی مال کے عقبہ کے ارکان میں داخل ہے جبکہ واقع میں ایسا نہیں ہے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ وقوع میں تاخیر مراد ہے اس لیے کہ کفار کے اچھے اعمال موقوف رہتے ہیں اگر وہ پچھلی عمر میں ایمان لے آئیں وہ سب سابقہ اعمال بعد میں لاحق ہونے والے ایمان کی برکت سے مقبول ہو جاتے ہیں اور وہ ان کا ثواب پاتے ہیں۔ چنانچہ

marfat.com

Marfat.com

حدیث صحیح میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے جو کہ حضرت اُم المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں' اسلام لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ! میں نے زمانۂ کفر میں اچھے اعمال بہت کیے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرے اسلام نے ان سب اعمال کو نیک بنا دیا اور وہ مقبول ہو گئے۔ پس اس صورت میں آیت کا معنی یوں ہو گا کہ پہلے جس نے بھی وجوہ مذکورہ میں مال خرچ کیا اس کے بعد اسے ایمان کی توفیق بھی مل گئی' وہ سخت اور دشوار ٹیلے سے گزر گیا۔

## ایک فنی سوال اور اس کا جواب

اور عربی کے علماء کو اس آیت کی ترکیب میں ایک مشہور مشکل درپیش ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کلام عرب میں فعل ماضی کی نفی لا کے ساتھ نہیں آئی ہے سوائے دعا کے جیسے لَابَارَكَ اللّٰهُ فِيْ سُهَيْلٍ یا سوائے تکرار کے جیسے فَلَاصَدَّقَ وَلَاصَلّٰى میں۔ اس آیت میں فلا اقتحم فعل ماضی کی نفی لا کے ساتھ ہے اور یہ دونوں قسموں سے خارج ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب عقبہ کو چند چیزوں کے ساتھ بیان کیا گیا تو معنوی اعتبار سے ماضی میں تکرار آ گیا تو گویا یوں فرمایا گیا کہ فَلَافَكَّ رَقَبَةً وَّلَااَطْعَمَ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ وَّلَاكَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور کلام میں زیادہ تر معنوں کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ لفظوں کا اور اس کے علاوہ قرآن پاک کی لغت کی حجت کافی ہے' کوئی گواہی لانے کی ضرورت نہیں۔

اور جب عقبہ کے بیان میں یہاں تک پہنچ گئے تو مال خرچ کرنے میں مرتبۂ کمال پورا ہوا اب اس باب میں مکمل کرنے کا مرتبہ بیان فرمایا جا رہا ہے اس لیے کہ تکمیل کے بغیر کمال چنداں اعتبار کے لائق نہیں۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اور وہ ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے ہیں جو کہ اچھے اخلاق کا مجموعہ ہے۔

## صبر کی فضیلت کا بیان

اور کتاب اللہ میں تمیں سے کچھ اوپر آیات میں اس کی تاکید واقع ہے اور حق تعالیٰ نے

marfat.com
Marfat.com

اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیا ہے کہ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ اور یہاں سے صبر کی فضیلت کا سراغ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک میں اس کا ذکر نماز سے بھی پہلے لایا گیا ہے جہاں کہ فرمایا گیا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ نیز رب العزت نے اپنی رفاقت صبر والوں کے ساتھ مخصوص فرمائی ہے کہ ان اللہ مع الصابرین اور کسی مقام پر ان اللہ مع المصلین' مع الصائمین' مع المتصدقین' نہیں فرمایا۔ نیز ہر عمل کا ایک اجر مقرر فرمایا گیا ہے جبکہ صبر کے لیے بے حساب اجر کا وعدہ فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اور دین کے پیشواؤں کو صبر کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے کہ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا اور بنی اسرائیل کو صبر کی برکت سے دین و دنیا کی عزت نصیب کی گئی وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا۔

## صبر کی حقیقت کا بیان

اب صبر کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے تاکہ پتہ چلے کہ صبر کی وصیت کرنا گویا تمام وجوہ کمال کی وصیت کرنا ہے۔ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ انسان طبیعت اور نفس کی کھینچا تانی کے وقت اپنے دین کے تقاضوں پر قائم رہے۔ اور پختگی اختیار کرے اور یہ استقلال اور ثابت قدمی کبھی جسم کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ مشقت طلب عبادت سے سستی نہ کرنا اور جی نہ چرانا اور مصیبتوں کے آنے سے متاثر نہ ہونا۔ اور اپنی دینی قدروں کو نہ چھوڑنا اور کبھی ثابت قدمی نفس کے ساتھ ہوتی ہے۔ پس اگر پیٹ اور شرم گاہ کی دونوں خواہشات سے اس کا نفس متاثر نہ ہو اور اس سے دین کے خلاف کوئی حرکت اور خواہش صادر نہ ہوا سے عفت یعنی پاک دامنی کہتے ہیں اور اس کے مقابل فجور ہے۔

اور اگر مکروہات اور شبہات سے پرہیز کرنے اور طبعی ناخوشگواریوں کو برداشت کرنے میں نفس ثابت قدم رہے' اسے صبر مطلق کہتے ہیں اور اس کی ضد اضطراب اور بے باکی ہے۔

اور اگر مال داری اور دولت مندی کی صورت میں نفس کو حکم شرع کے تحت قابو رکھے اور تکبر اور غرور فراہم نہ کرے اور بے جا خوشی اور فخر نہ کرے تو اسے وسعت حوصلہ کہتے ہیں اور

marfat.com
Marfat.com

اس کی ضد تنگی حوصلہ ہے۔

اور اگر جنگ میں بھاگنے اور کاہلی کرنے سے پرہیز کرے' اسے شجاعت کہتے ہیں اور اس کی ضد جبن یعنی بزدلی ہے اور اگر غصہ پینے کے وقت مستقل رہے' اسے حلم کہتے ہیں اور اس کی ضد طیش ہے اور اگر عظیم کام سرانجام دینے میں تنگ دل نہیں ہوتا' اسے سینے کی کشادگی کہتے ہیں اور اس کی ضد تنگ دل ہے اور اگر رازداری اور بھید چھپانے میں غیر ذمہ داری نہیں کرتا' اسے کتمان یعنی چھپانا کہتے ہیں اور اس کی ضد اظہار ہے۔ اور اگر حقوق جیسے امانت اور قرض کی حفاظت میں احتیاط کرتا ہے' اسے امانت کہتے ہیں اور اس کی ضد خیانت ہے۔ اور اگر دنیا کی لذت میں رغبت نہیں کرتا اور بقدرِ ضرورت اکتفاء کرتا ہے' اسے زہد اور قناعت کہتے ہیں۔ اور اس کی ضد حرص ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ اکثر اخلاق ایمان صبر میں درج ہے اسی لیے حدیث صحیح میں وارد ہے کہ الصبر نصف الایمان۔

اور حرام سے صبر کرنا فرض اور مکروہ سے نفل ہے اور دین میں صبر سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے اس لیے کہ عبادت کی بنیاد صبر پر ہے کیونکہ عبادت میں داخل ہونا نفس کی مرضی کے خلاف ہے اور عبادت کو پورا کرنا زیادہ تر نفس کے خلاف پڑتا ہے اگر صبر نہ ہو کوئی عبادت سرانجام نہیں ہوتی۔ نیز دنیا محنت اور آزمائش کا گھر ہے اور گھبراہٹ اور بے چینی نیکیوں سے روکنے والی ہے۔ اگر صبر نہ ہو تو دنیوی تکالیف ہمیشہ انسان کو بے چینی میں گرفتار رکھیں اور عبادت کے لئے کبھی فراغت میسر نہ آئے اور یہاں سے صبر کو نماز سے پہلے لانے کی وجہ واضح ہو گئی۔

## صبر کے مختلف رنگوں اور شعبوں کا بیان

اور صبر کے مختلف رنگ اور قسم قسم کے شعبے ہیں اور شرع شریف میں ہر رنگ مطلوب ہے۔ پس جو صبر دنیوی لذتوں اور آرائشوں سے چاہیے یہ ہے کہ اس طرف جھکاؤ اور توجہ نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے حق کی رعایت پیش نظر رکھے۔ اور جو صبر نیکیوں میں چاہیے تو پہلے ریا۔ اور اخلاص کے خلاف چیزوں سے نیت کی حفاظت کرنا ہے پھر باطل کرنے اور توڑنے سے ان عبادات کی ادائگی کو بچانا ہے اور پھر ان کے ثواب کو ضائع ہونے سے بچانا ہے۔ نیز

marfat.com
Marfat.com

کوتاہی اور اوقات و شرائط کی رعایت نہ کرنے سے عبادت کی حفاظت کرنا ہے۔

اور گناہوں سے صبر یہ ہے کہ ریاضت کے ساتھ نفس کو ان میں رغبت کرنے سے روکے اور ورع کا قصد کرے جو کہ معصیت کے اسباب اور وسائل سے پرہیز کرنے سے عبارت ہے۔

اور مصیبت میں صبر کی دو قسمیں ہیں اس لیے کہ مصیبت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ پہلی وہ مصیبت ہے کہ جس پر انتقام اور جزا دینے کی انسان میں طاقت ہوسکتی ہے اس قسم کی مصیبت پر صبر کرنا یہ ہے کہ تحمل کرے اور بدلہ نہ لے' قول سے نہ فعل سے اور اس باب میں بزرگانِ سلف نے ظالم کے بارے میں بددعا سے بھی پرہیز فرمایا ہے اور اسے صبر کے نقصان کا موجب قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سامان چرانے والے چور کے بارے میں دعائے ہلاکت فرما رہی تھیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر ارشاد فرمایا کہ کیا تو چاہتی ہے کہ اس چور کا عذاب ہلکا ہو جائے اور اس کی مصیبت کا دن آسان ہو جائے اور تیرا اجر بھی کم ہو جائے؟ اس کے بارے میں بددعا مت کر تو تاکہ اس کا وبال زیادہ سخت ہو اور تمہارا اجر عظیم ہو۔

دوسری وہ مصیبت ہے کہ جس کا تدارک بندہ کے بس میں نہ ہو اور اس قسم کی مصیبت میں صبر یہ ہے کہ گھبرائے نہیں اور قول فعل سے شکایت بالکل نہ کرے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اور ایک دوسرے کو مخلوقِ خدا پر مہربانی اور شفقت کی وصیت کرتے ہیں اس لیے کہ یہ خلق دربار الوہیت کے اخلاق میں سے ہے کہ الرحمٰن الرحیم اور دربار نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات کی عمدہ صفات سے ہے کہ بالمومنین رؤف رحیم اور بہت سے اچھے اخلاق کا منبع ہے۔ عفو و کرم اور لطف و حلم اسی خلق سے پیدا ہوتے ہیں اسی لیے حدیث صحیح میں وارد ہے کہ الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء یعنی رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے' زمین والوں پر رحم کرو' آسمان والے تم پر رحم کریں گے اور ابویعلیٰ طبرانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ حق تعالیٰ اپنی

marfat.com
Marfat.com

رحمت نازل نہیں فرماتا مگر رحیموں پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ یارسول اللہ! ہم میں سے ہر کوئی رحمت رکھتا ہے۔ فرمایا کہ رحیم وہ نہیں جو کہ اپنی جان اور اپنے بچوں پر رحمت کرے' رحیم وہ ہے جو کہ تمام مسلمانوں پر مہربان ہو' بڑوں کو باپ کی طرح' برابر والوں کو بھائی کی طرح اور چھوٹوں کو اولاد کی طرح جانے۔

اور ابن عدی کامل میں حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے سے شفقت' دوستی اور حسن سلوک میں ایک جسم کی طرح ہوں اگر جسم کا ایک عضو درد کرے اس کے ساتھ سارا جسم بے خواب رہتا ہے اور اسے بخار ہو جاتا ہے۔

اور طبرانی نے اس حدیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ میں نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور آپ سے اس حدیث پاک کے بارے میں پوچھا' آپ نے دست مبارک کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا صحیح' صحیح' صحیح

ایک دن حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حکام میں سے ایک حاکم آپ کی ملاقات کے لیے حاضر آیا۔ اس نے دیکھا کہ آپ چت لیٹے ہوئے ہیں اور غریبوں کے بچے آپ کے پیٹ پر سوار ہو کر کھیل رہے ہیں۔ عرض کی کہ یہ حرکت خلافت کے رعب کے مناسب نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تو اپنی رعایا سے (محبت کا) یہ سلوک نہیں کرتا؟ اس نے عرض کی جب میں دربار میں بیٹھتا ہوں تو وہاں مغرور اور سرکش لوگ میری ہیبت سے دم نہیں مار سکتے' چہ جائیکہ فقیروں اور غریبوں کے بچے میرے پیٹ پر کھیلیں۔ آپ نے فرمایا تو ہمارے کام کا نہیں' معزول ہو جا' ہمیں اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر نرمی اور مہربانی منظور ہے' فرماں روائی کے رعب اور ہیبت کا اظہار مقصود نہیں۔ نیز بعض احادیث میں مذکور ہے کہ میری اُمت کے ابدالوں کو یہ مرتبہ اعمال کی طاقت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ سخاوتِ نفس' سینے کی صفائی اور مخلوقِ خدا پر مہربانی کر کے اس مرتبے پر پہنچے ہیں۔

## صبر اور رحمت کی تخصیص کی وجہ

اب جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت مالی کی تکمیل کے بارے میں ان دو صفات

marfat.com
Marfat.com

صبر اور رحمت کو خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خیرات اور نیکیوں کی اقسام میں مال خرچ کرنے کی ان دو صفات کے بغیر صورت نہیں بنتی۔ پہلے چاہیے کہ حرام مال سے صبر کرے اور حلال کے ساتھ لذت حاصل کرنے میں بھی اپنے نفس کو باز رکھے اس کے بعد رحمت اور شفقت کی وجہ سے وہ مال محتاجوں' مسکینوں اور یتیموں پر خرچ کرے۔ پس صبر بمنزلہ رکاوٹ کو دُور کرنے کے ہے کیونکہ حرص جو کہ مال خرچ کرنے سے روکنے والی ہے' صبر کی وجہ سے دُور ہوتی ہے اور رحمت اور شفقت بمنزلہ مقتضا کے پائے جانے کے ہے کیونکہ یہ صفت حضرت ربوبیت کے اخلاق سے ہے اور ربوبیت احسان اور پرورش کا تقاضا کرتی ہے اور چونکہ رکاوٹ کو دُور کرنے والا مقتضا کے پائے جانے سے سے پہلے ہے اس لیے صبر کو ذکر کرنے میں رحمت سے پہلے لایا گیا۔

یہاں یہ بھی جاننا چاہیے کہ جاہلوں کے ذہنوں میں اکثر اوقات دل کی سختی صبر کے ساتھ مشتبہ ہو جاتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ مصیبت اور سختی میں مخلوقِ خدا کا بے تاب ہونا اور بے چینی کا اظہار کرنا صبر کے منافی ہے اور اسی خیالِ فاسد کی وجہ سے وہ اپنے رشتے داروں اور دوسری مخلوقِ خدا کی مدد کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دُور کرنے کے لیے صبر کی وصیت کے رحمت کی وصیت کو ملا کر بیان فرمایا تا کہ اس بات کا اشارہ ہو کہ استقلال اور ثابت قدمی وہاں قابلِ تعریف ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کسی بندے کو نقصان پہنچنے کا گمان نہ ہو ورنہ

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینم گناہ است

یعنی اگر مجھے نظر آ رہا ہے کہ اندھا ہے اور اس کے آگے کنواں ہے اب اگر میں چپ رہوں تو گناہ ہے۔ اسی لیے عرب کے بزرگوں نے اپنی مثالوں میں کہا ہے کہ صبرك فی مصیبتك خیر من جزعك وجزعك فی مصیبة اخیك خیر من صبرك یعنی اپنی مصیبت میں صبر کرنا گھبرانے سے بہتر ہے اور اپنے بھائی کی مصیبت میں گھبرانا صبر سے بہتر

marfat.com
Marfat.com

ہے۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ وہ لوگ جو کہ ایک دوسرے کو یہ وصیتیں کرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں' وہی برکت والے ہیں اس لیے کہ یمن اور برکت کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز سے ہمیشہ کافی نفع حاصل ہو اور ان لوگوں سے ان وصیتوں کی وجہ سے جن پر کہ لوگ قیامت تک عمل کرتے ہیں' بے شمار فقراء اور مساکین اور یتیموں پر قیامت تک احسان رائج اور قائم رہتا ہے اور مخلوقِ خدا کو ہمیشہ کے لیے بے پناہ نفع پہنچتا ہے اور خود ان کے لیے ان تمام احسانات کا ثواب ان کے اعمال ناموں میں درج ہوتا ہے۔

اور بعض مفسرین نے میمنہ کو دائیں طرف پر محمول کیا ہے اس لیے کہ عرب کے عرف میں دائیں طرف کو میمون و مبارک جانتے تھے اور اسی لیے وہ دائیں طرف سے چلنے والی ہوا کو متبرک سمجھتے تھے اور بائیں جانب کو منحوس خیال کرتے تھے اس لیے اس سمت کی ہوا سے بدشگونی لیتے اور میثاق کے دن اہلِ نجات کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت کی دائیں سمت سے نکالا گیا اور قیامت کے دن اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے اور انہیں جنت میں داخل کریں گے جو کہ اس دن عرشِ عظیم کی دائیں جانب ہوگی تو اس معنی کے اعتبار سے بھی اصحاب المیمنہ یہی بزرگوار ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا اور جنہوں نے ہمارے احکام کا انکار کیا اگرچہ اپنی فاسد نیتوں' دنیوی مقاصد یا اپنے بتوں اور معبودانِ باطلہ کی خوشنودی کی خاطر انہوں نے گردنیں آزاد کی ہوں' یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا اور ایک دوسرے کو صبر اور رحمت کی وصیت کی ہو لیکن ان کے کفر کی نحوست کی وجہ سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ وہی نحوست اور ذلت والے ہیں کہ انہیں ایک کلمۂ کفر کی وجہ سے دائمی عظیم نقصان نصیب ہوا۔ اور ان کی تمام نیکیاں اور اچھائیاں برباد ہوگئیں۔ تو تمام مالی عبادتوں کے ساتھ کفر کے مقابلے سے پتہ چلا کہ وہ تمام مالی عبادات جب کفر کے ساتھ ملی ہوئی ہوں تو بالکل بے فائدہ اور بے ہودہ ہیں' فخر اور مسرت کا مقام نہیں اور کفار جس طرح نحوست اور رسوائی والے ہیں اسی طرح میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی پشت

marfat.com
Marfat.com

کی بائیں سمت سے باہر آئے اور قیامت کے دن اپنے اعمال نامے بائیں ہاتھوں میں پائیں گے اور عرشِ عظیم کی بائیں جانب جو کہ جہنم کی راہ ہے' روانہ ہوں گے تو اگر مشئمہ کو بائیں کے معنی میں لیا جائے تب بھی درست ہے اور جب اس قدر بیان ہو چکا کہ کافر کو کسی کام سے بھی فخر نہیں اس لیے کہ اسے ذلیل و رسوا کرنے کے لیے اس کا کفر ہی کافی ہے اب بیان فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے بارے میں اسی ذلیل و رسوا کرنے پر ہی اکتفاء نہ ہوگا بلکہ

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ان پر ایسی آگ مسلط ہوگی جو کہ سرپوش کردی جائے گی اور اس کے دروازے بالکل بند تاکہ اس کی گرمی کا کوئی گرم سانس باہر نہ آئے اور باہر کی سردی سے ٹھنڈا سانس اندر نہ پہنچے کہ کچھ تخفیف حاصل ہو اور اس وقت ان کی مشقت اور تکلیف انتہا کو پہنچے' ہم دوزخیوں کے حال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

# سورة والشمس

سورۂ والشمس مکی ہے' اس کی پندرہ (۱۵) آیات' چون (۵۴) کلمات اور دو سو چھیالیس (۲۴۶) حروف ہیں۔

## گزشتہ سورۃ کے رابطے کی وجہ

اور سورۃ لااقسم کے ساتھ اس سورۃ کے رابطے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں خیر و شر کی راہ کی ہدایت کا ذکر ہے کہ هَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ جس طرح کہ یہاں فجور و تقویٰ کے الہام کا بیان ہے۔ نیز وہاں اصحاب میمنہ اور اصحاب مشئمہ کا بیان ہے جیسا کہ یہاں تزکیہ نفس اور تذلیل نفس والوں کا بیان ہے اور دونوں مضامین ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

## وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کا نام والشمس اس لیے رکھا گیا ہے کہ راہِ خداوندی کے سالک کو جو عمدہ چیز درکار ہے' آفتابِ نبوت کی شعاع ہے جس کی وجہ سے اس کی بصیرت کی آنکھ راہِ نجات اور راہِ ہلاک کے درمیان تمیز کرتی ہے اور دوست کا دشمن سے امتیاز کرتی ہے اور مخالف اور موافق میں فرق کرتی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## آفتابِ نبوت کی سورج کے ساتھ مناسبت کا بیان

آفتابِ نبوت حسی انوار کی دنیا میں آفتاب کے ساتھ جسے لغتِ عرب میں شمس کہتے ہیں' کمال مناسبت رکھتا ہے اور اس ابہام کی وضاحت یہ ہے کہ دنیا میں جو کہ آخرت کی کھیتی ہے' نفسِ انسانی بمنزلہ ایک مزارع کے ہے جسے معرفتِ الٰہی کا بیج دے کر اور اس بیج کی کاشت کے آلات جو کہ قوتیں اور اعضاء ہیں' عطا فرما کر اس کھیتی میں بھیجا گیا ہے' ہر مزارع کے لیے چھ چیزوں کے بغیر چارہ نہیں کہ ان کے بغیر زراعت کا عمل ممکن نہیں۔

سب سے پہلی چیز آفتاب ہے جس کی شعاعوں سے زمین کی اصلاح ہوتی ہے اور زمین کے باطن میں گرمی پیدا ہوتی ہے اور اس گرمی کی وجہ سے نشوونما کی قوت جوش مارتی ہے اور اگر غور کریں تو زراعت کے بارے میں آفتاب' حیوانات کے بارے میں حرارت غریزی کے قائم مقام ہے اس لیے کہ جب بیج کو زمین میں رکھا جاتا ہے تو خاک' ہوا اور پانی تینوں مل کر حیات نباتی یعنی اُگنے کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں۔ لیکن پکانے اور بدبودار کرنے کے لیے حرارت درکار ہے۔ اگر حرارت آگ کے عنصر سے لیں تو بیج جل جائے' ناچار حکمتِ الٰہی نے تقاضا فرمایا کہ اس پر آفتاب کی حرارت کو مسلط کیا جائے تاکہ آگ والا فائدہ حاصل ہو اور اس کا نقصان ختم ہو جائے۔ نیز موسموں کی تبدیلی' بہار اور موسمِ سرما کا آنا آفتاب کی حرکت کی وجہ سے ہے اور عمل زراعت کے لیے موسم کا آنا ضروری ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ زراعت کی ابتدا سے لے کر اس کی انتہا تک آفتاب کے فائدے زراعت کا علم رکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہیں۔

دوسری چیز چاند ہے کیونکہ دانہ اور میوہ بننے اور اس کے زمین سے اونچا ہونے کے وقت پانی کی رطوبت کافی نہیں ہوتی۔ پس اوپر کی طرف ایک اور رطوبت چاہیے تاکہ میوہ اور دانہ پُر مغز اور موٹا پیدا ہو اس اعتبار سے دانہ اور میوہ بننے کے وقت چاند کی چاندنی سے گریز نہیں جیسا کہ یہ معنی بھی زراعت پیشہ لوگوں پر ظاہر اور روشن ہے۔

تیسری چیز دن جو کہ تلاش' محنت' ہل چلانے' پانی کھینچنے اور دیگر اعمال اور مصروفیات کا وقت ہے۔

چوتھی چیز رات کیونکہ اگر رات نہ آئے' آدمی اور بیل آرام نہ پائیں اور سورج کی

marfat.com
Marfat.com

شعاعوں کے ہمیشہ اثر کرنے سے کھیتیوں اور پھل اور درختوں کو جلانے تک نوبت جا پہنچے اور شبنم جو کہ تازگی اور سرسبزی کا باعث ہے' مہیا نہ ہو۔

پانچویں چیز' آسمان کہ بارش کا اُترنا اور ہواؤں کا چلنا ہر وقت کی ضرورت کے مطابق اسی جہت سے ہے۔

چھٹی چیز' وسیع اور فراخ زمین جو کہ کلر شور اور سنگلاخ نہ ہو اور ان دو چیزوں کی طرف کاشت کار کا محتاج ہونا اظہر من الشمس ہے۔

اور چونکہ نفسِ انسانی کو دنیا کی کھیتی میں مزارع بنا کر بھیجا گیا ہے' اسے بھی ان چیزوں کے بغیر چارہ نہیں۔

ایک ایسا آفتاب جو اس کے کام آئے' اپنے زمانے کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلب مقدس ہے جس کی شعاعیں دُور و نزدیک تک پہنچتی ہیں اور وہ چاند جو اسے کام دے' اپنے صاحبِ طریقہ کا نورِ ولایت ہے اور جس طرح حسی چاند حسی سورج کا خلیفہ ہے اسی طرح نورِ ولایت نورِ نبوت کے قائم مقام ہے۔

بلکہ حقیقت میں وہی نور ہے جس کی کیفیت دوسری ہے۔

## نورِ نبوت اور نورِ ولایت کی کیفیت میں فرق

اور اگر دونوں کیفیتوں کے درمیان فرق مطلوب ہو تو سننا چاہیے کہ نورِ نبوت غلبے اور حکمرانی کے ساتھ ملا ہوا ہے اسی لیے انبیاء علیہم السلام اپنی اُمتوں پر وہی حکم رکھتے ہیں جو بادشاہوں کا حکم رعایا پر ہے۔ اور ان سب پر ان کی اطاعت فرض اور واجب ہے۔ جن کی طرف انہیں بھیجا گیا ہے اور ان کی مخالفت ہمیشہ کی تباہی اور خسارے کا موجب ہے اور ان کی طرف سے معجزات قاہرہ کا ظاہر ہونا اور زبان اور تلوار اور نیزے کے ساتھ جہاد کرنا لازم اور یقینی ہے جبکہ نورِ ولایت نورِ جمال ہے اور اُلفت دلانے' مائل کرنے اور کھینچنے کا نور ہے لہٰذا اس میں یہ چیزیں ضروری نہیں ہیں اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے ؎

آں بادۂ شعلہ گوں کہ وارد خورشید
در کاسۂ ماہ چوں رسد شیر شود

marfat.com

Marfat.com

یعنی وہ شعلوں جیسی شراب جو کہ سورج میں ہے جب چاند کے پیالے میں پہنچتی ہے' دودھ بن جاتی ہے۔

نیز دونوں نوروں میں اصل اور ظل ہونے کا فرق ہے کہ سورج کا نور اس کا ذاتی ہے جبکہ چاند کا نور اس کے جسم کے صیقل ہونے اور اس کے پیچھے اس میں سورج کی شعاعوں کے چمکنے کی وجہ سے ہے۔ اسی لیے مقابل ہونے اور قریب ہونے اور تربیع یعنی ہلال اور بدر کی درمیانی رات کی حالت میں مختلف اور بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی طرح نور نبوت اصلی ہے اور نور ولایت ظلی یعنی اس کا سایہ

اور جو دن سالک طریقت اور مزارع آخرت کو درکار ہے' کمائی' فیض حاصل کرنے اور ریاضت کرنے کا وہ وقت ہے جس میں نور نبوت اور نور ولایت کو کوشش' تلاش اور کدوکاوش کے ساتھ کام میں لاتا ہے۔ اور جو رات اس کے لیے مفید ہے اس کے فطری تقاضوں' راحت' اپنی ضروریات اور اہل وعیال اور دوسری مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں مصروفیت کے اوقات ہیں اور اگر اس کے لیے یہ رات نہ ہو تو نور نبوت اور نور ولایت کا اس کے دل پر ہمیشہ جلوہ ریز ہونا اسے دنیوی کام کاج سے معطل کر دے اور اس سے لوازم انسانیت علیحدہ ہو جائیں۔

اور اسے جو آسمان درکار ہے' آسمانِ شریعت ہے جو کہ تمام اعمال' اخلاق' احوال' مقامات' عقائد اور مذاہب کو محیط ہے اور وہیں سے رحمتِ الٰہی کا فیض بارش کی طرح اس پر برستا ہے اور جذب وکشش کی ہوائیں چلتی ہیں اور اسے مختلف حالات کے ساتھ نشیب وفراز دیتی ہیں تاکہ اپنے کمال کی حد تک پہنچ جائے۔

اور اس کی زمین اس کی استعداد کی زمین ہے جس کی فراخی اور صفائی کے اندازے کے مطابق اسے احوال اور مقامات کی نشوونما میسر آتی ہے اور جب ان امور میں سے عمدہ اور اس روحانی پروگرام کی بنیاد نور نبوت ہے تو اس سورۃ کو جو کہ سلوک طریقت اور کمال معرفت کی زراعت کے لوازم کے بیان میں ہے' آفتاب کے ذکر سے شروع فرمایا گیا جو کہ اس کے مناسب ہے اور اس سورۃ کو اسی نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالشَّمۡسِ مجھے آفتاب کی قسم ہے جو کہ وقت کے نبی علیہ السلام کے دل کی مثال ہے۔

وَضُحٰهَا اور اس کی شعاع کی قسم جو کہ تمام مخلوقات پر نور نبوت چمکنے کی مثال ہے۔

وَالۡقَمَرِ اور مجھے چاند کی قسم ہے جو کہ صاحبِ طریقہ مرشد کی مثال ہے اور نبی علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے بعد ان کے خلیفے کی مثال ہے۔ اِذَا تَلٰهَا جب وہ آفتاب کی پیروی کرے اور یہ شرط اس لیے لائی گئی ہے کہ مرشد کی آبرو نورِ نبوت کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے اور کمال اتباع کی وجہ سے اسے منصب خلافت نصیب ہوا۔

اور چاند کا سورج کی پیروی کرنا چند وجہ کے ساتھ ہے۔ پہلی وجہ نور کا استفادہ کرنے میں' دوسری وجہ غروب میں اس کی پیروی اور وہ مہینے کی ابتدا میں ہوتی ہے' تیسری وجہ طلوع میں اس کی پیروی اور وہ مہینے کے وسط میں ہوتی ہے' چوتھی وجہ حسن ظاہر کے اعتبار سے جسم کے بڑے ہونے میں پیروی کیونکہ چاند کے سوا کوئی ستارہ حسن میں سورج کی برابری نہیں کرتا اگرچہ طول و عرض اور گہرائی کے دلائل کے مطابق بڑا ہو۔ پانچویں وجہ اس جہان کی مصلحتوں کے اس کی حرکت کے ساتھ وابستہ ہونے میں پیروی کیونکہ ظاہر ہے کہ سال کے موسموں کا بدلنا' پورے سال کے ساتھ متعلق حساب اور دوسرے بڑے بڑے کام آفتاب کی حرکت سے وابستہ ہیں اور ماہانہ صورتوں کا بدلنا اور مہینے کے ساتھ متعلق حساب ماہتاب کی حرکت کے ساتھ مربوط ہیں اور ان گرم بیماریوں کا بخار' حیوانات کے دماغوں میں رطوبتوں کی زیادتی' ہڈیوں کے مغز' دودھ والے جانوروں کا دودھ' بدن میں خون کا جوش مارنا اور سمندر کا مدوجذر سب کا سب چاند کے نور کی زیادتی کے ساتھ وابستہ ہے۔

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا مجھے دن کی قسم ہے جب اس آفتاب کو روشن کردے جو کہ سالک کی ریاضت کے وقت کی مثال ہے اور یہاں بھی ایک شرط زیادہ کی گئی ہے کہ تاکہ اس بات کا پتہ چلے کہ ریاضت کا وقت اسی وقت عزت اور بزرگی پیدا کرتا ہے جب اس ریاضت کی وجہ سے سالک کے دل پر نور نبوت جلوہ فگن ہو اور حجاب اُٹھ جائیں ورنہ جوگیوں اور دوسرے مذاہب باطلہ والوں کی جھوٹی ریاضتیں جن کی وجہ سے نور نبوت جلوہ فگن نہیں ہوتا اور درمیان

marfat.com

Marfat.com

سے پردہ نہیں اُٹھتا' کوئی عزت اور بزرگی عطا نہیں کرتیں۔

## ایک شبہ اور اس کا حل

یہاں اکثر مفسرین شبہ وارد کرتے ہیں کہ دن کو روشن کرنا آفتاب کا کام ہے نہ کہ آفتاب کو روشن کرنا دن کا کام ہے تو یہاں یہ ترکیب اُلٹی کیوں لائی گئی حتیٰ کہ بعض مفسرین نے اس شبہ کی قوت پر نظر رکھتے ہوئے ضمیر کو آفتاب سے پھیر کر زمین کی طرف لوٹایا ہے اور اضمار قبل الذکر لازم آنے سے مرجع پر دلالت کرنے والے قرائن ذکر کے جان چھڑائی۔

اور حق یہ ہے کہ ضمائر کو منتشر کرنا اچھا نہیں کیونکہ ضحٰہا اور تلاہا کی ضمیر بلاشبہ آفتاب کی طرف لوٹتی ہے اور ذکر شدہ مرجع کے ہوتے ہوئے محذوف مرجع کی طرف لوٹنا ممکن نہیں لیکن اس ترکیب کی وجہ کو سننا چاہیے جو کہ بظاہر اُلٹی نظر آتی ہے۔ وہم کی عادت ہے کہ جب کسی چیز کو وقتِ مقرر میں دیکھتا ہے اور یہ دیکھنا بار بار ہو تو اس وقت کے آنے کو اس چیز کا سبب سمجھتا ہے اور عقلی قانون کے مطابق بھی اثر کا پایا جانا مؤثر کے پائے جانے کی دلیل ہے جیسا کہ برہانِ انی کی بحث میں طے شدہ ہے۔ تو جب عقلی اور وہمی دونوں وجہ سے زمانہ آفتاب کو جلوہ گر کرتا ہے تو اس کی طرف نسبت کر دی گئی اور یہ مجاز جو یہاں لایا گیا مثل لہ کی حقیقت پر نظر کرتے ہوئے جو کہ ریاضت کا وقت ہے اور نورِ نبوت کے جلوہ گر کرنے کا موجب ہے۔ حقیقت استعمال کرنے سے بہتر ہے اور احتمال ہے کہ اِذَا جَلّٰهَا کا معنی یہ ہو کہ اس دن کوئی بادل اور غبار حائل نہ ہو اس صورت میں روشن کرنے کی نسبت دن کی طرف کرنا بلاتکلف درست قرار پاتا ہے۔

وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا اور مجھے رات کی قسم جب کہ آفتاب کو ڈھانپ لیتی ہے جو کہ راحت اور اہل و عیال کے حقوق کی ادائیگی کے وقت اور غفلت اور نورِ نبوت سے پردے میں ہونے کے وقت کی مثل ہے۔ اور یہ بھی آخرت کے مزارع اور طریقت کے سالک کے لیے ضروری ہے ورنہ جہانِ دنیا دگرگوں ہو جائے اور ان عبادات سے جو کہ حقوق خلق کے ساتھ متعلق ہیں جیسے بیمار پرسی' رشتے داروں کی ملاقات اور اہل و عیال کے لیے روزی کمانا وغیرہ سے محرومی رہے اور آخرت کی کھیتی کے نقصان کا باعث ہو۔

marfat.com

Marfat.com

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلِ مقدس سے اُٹھ کر اپنے گھر جا رہے تھے کہ اچانک راستے میں حنظلہ نامی ایک صحابی سے ملاقات ہوگئی اور اس نے بلند آواز سے کہا کہ حنظلہ منافق ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی دربار میں ہوتا ہوں تو عالم غیب اس طرح واضح ہوتا ہے کہ گویا سر کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور جب اس محفلِ مقدس سے اُٹھ کر اپنے گھر جاتا ہوں اور اہل و عیال میں گھل مل جاتا ہوں تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ حالت تو ہر کسی کو لاحق ہے۔ آیئے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کریں' دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر آئے اور حنظلہ نے اسی انداز میں بلند آواز سے عرض کی کہ حنظلہ منافق ہوگیا۔ سرکار علیہ السلام کے پوچھنے پر سارا ماجرا بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا اگر تمہاری وہ حالت دائمی رہے جو کہ میری بارگاہ میں یا ذکر کی محفلوں میں رونما ہوتی ہے تو کبھی بھی اہل خانہ سے لذت حاصل نہ کرو اور جنگل میں نکل کر نعرے لگاتے رہو اور فرشتے تمہارے ساتھ مصافحہ کریں لیکن یہ حالت کسی کے لیے دائمی نہیں ہوتی بلکہ ایک ساعت اس حالت میں گزرتی ہے اور ایک ساعت غفلت میں تاکہ توجہ بحق اور توجہ بخلق دونوں کا انتظام ہو۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ غفلت اور راحت کے اوقات کی بھی وقعت ہے کہ آئندہ ریاضت میں امداد کرتے ہیں اور ان عبادات کا ثواب حاصل کرنے کا باعث بھی ہوتے ہیں جو کہ حقوقِ خلق سے متعلق ہیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ انی لاحتسب نومتی کما احتسب قومتی یعنی میں اپنی نیندیں بھی اجر و ثواب کی توقع رکھتا ہوں جیسا کہ اپنی تہجد میں۔ کیونکہ اگر تہجد حضرت خالق جل وعلا کے حق کی ادائیگی ہے تو نیند بھی حق نفس کی ادائیگی ہے اور دونوں حقوق اللہ کے واجب قرار دینے کی وجہ سے واجب ہیں۔ ہاں جو غفلت کہ نیکی پر امداد نہ کرے اور حکم شریعت اور فرمانِ الٰہی کی تعمیل کی نیت کے ساتھ نہ ہوں' وہ غفلت کوئی وقعت نہیں رکھتی بلکہ مطلقاً حرام ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ

marfat.com
Marfat.com

درحقیقت یہ چاروں قسمیں آفتاب کے ساتھ متعلق ہیں اسی لیے اس سورۃ کا نام آفتاب رکھا گیا ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا اور مجھے آسمان کی قسم ہے اور اس حکمتِ الٰہی کی جس نے اسے ہر اس چیز پر محیط بنایا ہے جو اس کے پیٹ میں ہے اور یہ شریعت کی مثال ہے جو کہ آسمان کی طرح مکلفین کے تمام اعمال کو محیط ہے اور اس میں ہر عمل کا حکم موجود ہے۔ اور اس میں آسمان کی طرح چار مثلثوں کے ضمن میں بارہ برج ہیں۔ پہلا مثلثہ جو کہ اعتقاد کا مثلثہ ہے' تین برجوں پر مشتمل ہے۔ برج ذات وصفات' برج انبیاء علیہم السلام وملائکۃ وکتب اور برج آخرت۔ دوسرا مثلثہ جو کہ مثلثہ عبادات ہے' تین برجوں پر مشتمل ہے۔ بدنی عبادات کا برج جیسے نماز' روزہ' تلاوتِ قرآنِ مجید' اذکار' دعائیں اور درود وسلام' مالی عبادات کا برج جیسے زکوٰۃ' صدقات' وقف اور مسجدیں' سرائیں' مدرسے' کنویں' پل اور مہمان خانے بنانا اور بدنی اور مالی سے مرکب عبادات کا برج جیسے حج وعمرہ' جہاد' عیدیں قائم کرنا۔

اور تیسرا مثلثہ معاملات کا مثلثہ ہے' وہ بھی تین برجوں پر مشتمل ہے' وہ معاملات جو کہ ایک وجہ سے عبادت بھی ہیں جیسے نکاح' خدمتِ والدین' پرورشِ اولاد اور غلاموں' ہمسایوں' ہم نشینوں' مہمانوں اور دوسرے رشتے داروں کے حقوق کی رعایت کرنا اور وہ معاملات جو کہ عبادات کی کوئی وجہ نہیں رکھتے جیسے خرید وفروخت' اجارہ' رہن' شرکت' وکالت اور کفالت و غیر ذالک اور وہ معاملات جن میں نیکی اور احسان کی وجہ بھی ملی ہوئی ہے جیسے ہبہ کرنا' قرض لینا' قرض دینا اور مضاربت

اور چوتھا مثلثہ جو کہ سیاست کا مثلثہ ہے' یہی تین برجوں پر مشتمل ہے۔ کفارات جو کہ سیاست کے ساتھ ایک جہت عبادات کی بھی رکھتے ہیں جیسے قسم کا کفارہ' قتلِ نفس کا کفارہ' روزہ توڑنے کا کفارہ' ظہار کرنے کا کفارہ' حالتِ حیض میں جماع کرنا وغیرہ اور تعزیرات۔ اور قصاص کی حدود جو کہ صرف سیاست ہیں جیسے زنا کی حد' شراب پینے کی حد' ڈکیتی کی حد' گالی دینے کی حد وغیرہ۔ اور خون بہا اور متعلقات کی ضمانت کہ سیاست کے ساتھ ایک جہت معاملے کی بھی رکھتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

نیز اس میں ستارے بھی ہیں جو کہ احکام کے دلائل ہیں' ان میں سے سات ستارے گردش کرنے والے ہیں کہ احکام کی قسموں میں گھومتے ہیں۔ کتاب' سنت' اجماع' قیاس' استصحاب' تعامل اور اباحت اصلیہ اور باقی ستارے ثابت ہیں کہ اپنی جگہوں میں قائم ہیں جیسے جزوی مصلحتیں جو کہ ہر فرد میں پائی جاتی ہیں۔

اور اس آسمان کی تعمیر جو کہ شریعت سے عبارت ہے اس طرح واقع ہوئی ہے کہ جہاں بھی مکلفین اس کے تقاضے کے پابند ہوں' ان کے اچھے اعمال قبولیت کے مقام تک پہنچ جائیں اور اس طرف سے وہ قبولیت رحمت و ہدایت کی صورت پکڑ کر بارش کی طرح برسے جیسا کہ بخارات جو کہ زمین سے اُٹھتے ہیں اور آسمان پر جا کر پانی کی شکل اختیار کر کے واپس لوٹتے ہیں اور کھیتی کے سرسبز اور شاداب ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا اور مجھے زمین کی قسم اور اس حکمتِ الٰہی کی جس نے اسے وسیع اور فراخ کر کے بچھایا ہے اور وہ نفسِ انسانی کی استعداد کی مثال ہے جو کہ وسعت کی بناء پر تخم معرفت بونے کے قابل ہے اور جب عالم حسن میں نفسِ انسانی کی کوئی شبیہہ اور نظیر جو کہ قابلِ تعظیم ہو اور اس کی قسم اُٹھائی جائے' پائی نہیں جاتی خود اس نفس کی قسم اُٹھا کر فرمایا جا رہا ہے

وَنَفْسٍ مجھے نفس کی قسم ہے جس میں دو چیزیں ہیں' اول کسب کمال کی صلاحیت اور دوسری چیز کمال کا بالفعل فقدان کہ ان دو چیزوں کی وجہ سے اسے تخم معرفت کی کاشت میسر آئے اور وہ انسانی نفس ہے اس لیے کہ نفوس ملائکہ اپنے کمالات بالفعل حاصل رکھتے ہیں' انہیں کمال حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اور نفوس حیوانی کسب کمال کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ پس ان سے تخم معرفت کی کاشت ممکن نہیں اور اسی نکتے کے لیے نفس کو نکرہ لایا گیا تا کہ نفوس کی انواع میں سے ایک نوع پر دلالت کرے۔ بخلاف دوسری قسموں کے کہ انہیں معرفہ لایا گیا ہے اس لیے کہ ان سب چیزوں کا ایک رنگ ہے' ان میں نوع کے متعدد ہونے کا تصور نہیں ہے کیونکہ آفتاب' ماہتاب' آسمان اور زمین فرد واحد میں منحصر کلیات ہیں اور دن رات گرچہ عقلی استدلال کے مطابق متعدد معلوم ہوتے ہیں لیکن عرف کی تحقیق ان کے اعادہ اور

marfat.com
Marfat.com

تکرار کا حکم دیتی ہے' متعدد ہونے پر یقین نہیں کرتی۔

وَمَاسَوّٰهَا اور مجھے اس حکمتِ الٰہی کی قسم ہے جس نے اس نفس کو درست بنایا ہے اور اسے مزاج کا اعتدال' ظاہری باطن حواس' طبعی' حیوانی اور نفسانی قوتیں سب کچھ عطا فرمایا تا کہ پڑھانے اور سمجھانے کے لائق ہو جائے اور مشقت طلب اعمال' صبر اور ثابت قدمی کا متحمل ہو اور ان آلات کے ساتھ تخم معرفت کی کاشت کر سکے۔

اور بعض مفسرین نے نفسِ انسانی کے سوا ان چھ قسموں کی تخصیص کی وجہ میں یوں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سورۃ میں نفسِ انسانی کا حال اور فجور و تقویٰ کے الہام کو قبول کرنے میں اس کا اختلاف بیان کرنا اور اس کی وسعت اور فراخی کا ذکر کرنا منظور ہے تا کہ قوتِ عملیہ کے مطابق تمام جہان کا نمونہ بن جائے اور سارا جہان اپنے ظلی وجود کے ساتھ اس میں نہ سمائے اور اپنی قوتِ عملیہ کے مطابق حضرت ربوبیت کا خلیفہ ہو کہ مخلوقات میں سے ہر چیز کو ایک کام میں مصروف کر دے اور کاری گروں کو کامل کرنے اور ذراتِ عالم میں سپرد کیے گئے منافع اور مصالح کو پورے طور پر حاصل کرنے کا قصد کرے۔ پس ابتدائے کلام میں چھ چیزوں کو قسم کے طور پر یاد فرمایا گیا کہ وہ چھ چیزیں اطلاق اور وسعت کے عموم میں حضرت الوہیت کا نمونہ ہیں۔

## اجمال کی تفصیل

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کو جہان میں وہ وسعت اور فراخی عطا فرمائی ہے جو کسی چیز کو حاصل نہیں۔ ایک زمان' دوسرا مکان لیکن وسعتِ مکان کا رنگ اور ہے اور وسعتِ زمان کا رنگ جدا۔ مکان نے عرش سے لے کر فرش تک آن واحد میں بے شمار مخلوقات کو پکڑ رکھا ہے اور اپنے اندر جگہ دی ہے اور وہ خود ایک ہی وضع پر ثابت ہے اور اس کے اندر کی چیزیں گزر رہی ہیں' ایک چلا جاتا ہے' اس کی جگہ دوسرا آ جاتا ہے۔

اور زمان کا عموم اس طرح ہے کہ خود گزر رہا ہے جبکہ اس کے اندر کی چیزیں قائم ہیں اس کا ہر لمحہ اور ہر گھڑی قائم اور راسخ نہیں اور اس بے ثباتی کے باوجود اپنے اندر موجود بے حد حساب چیزوں کو محیط اور قابو کیے ہوئے ہیں۔ عموم کی ان دونوں قسموں کو یاد دلانے کے

marfat.com
Marfat.com

لیے آسمان اور زمین کو جو کہ عمدہ مکانات میں سے ہیں' ذکر فرمایا گیا ہے اور دن رات کو جو کہ ردوبدل کی مدت مختصر ہونے کے باوجود کھلا اختلاف اور واضح امتیاز رکھتے ہیں' زمان کے اجزا میں سے لایا گیا اور یہاں انوار کا فیض دینے میں عموم اطلاق کی ایک قسم ہے جو کہ ذلیل اور عزیز' غنی اور فقیر' مسلمان اور کافر' نیک اور بد کے درمیان فرق کیے بغیر واقع ہے اور وہ دربارِ الوہیت سے وجود اور نوعی صورتوں کے لوازمات کا فیض دینے کے ساتھ پوری مشابہت رکھتی ہے۔ آفتاب اور ماہتاب کو ذکر کر کے اس قسم کی مہک سمجھ دار لوگوں کے مشام تک پہنچائی گئی ہے۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ عموم کی ان تینوں قسموں میں دو دو چیزوں کی قسم کیوں اٹھائی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عموم کا فائدہ دینے کے باوجود کمال ونقصان' نورانیت وظلمت اور اصلیت وتبعیت کا اختلاف بھی منظور ہے تا کہ ان صفات میں عموم تصرف کے باوجود نفوسِ انسانی کے اختلاف کا بھی پتہ دیا جائے اس مقصد کے لیے ضروری ہوا کہ تینوں قسموں میں دو دو چیزوں کا ذکر کیا جائے۔ عالم انوار میں آفتاب اصل ہے اور ماہتاب ظل' اجزائے زمان میں سے دن روشن ہے اور رات تاریک اور آسمان اونچا اور محیط اور زمین پست اور محاط ہے جب نفسِ انسانی کے عموم کو ان چیزوں کے عموم پر قیاس کریں تو اس کی دورنگی بھی ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے

**فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا** پس اس نفس کو اس کی بدکاری کا الہام کیا اور لغت میں الہام کسی شخص کے حلق میں کھانا ڈالنا ہے' اس کے بغیر کہ اس شخص کی طرف سے دانتوں کی حرکت واقع ہو' کسی چیز کے متعلق کہا جاتا ہے البمتہ اے لتلعتہ میں نے اسے نگل لیا۔ الھمہ یعنی اس نے اسے نگل لیا اور قرآن پاک کے عرف میں کسی سابقہ غور وفکر کے بغیر کسی کے دل میں کسی کام کی خواہش ڈالنے سے عبارت ہے۔ اور چونکہ بنی آدم کے اچھے بُرے سب اعمال خواہش اور ارادہ کے تابع ہیں پس نیک وبد کی اہلیت اسی خواہش اور ارادے کے ساتھ وابستہ ہے اور اس اہلیت کو اپنے قبضے میں رکھا گیا ہے اور کسی دوسرے پر جیسے نفس' شیطان' مشیروں اور مصاحبوں پر نہیں چھوڑا گیا۔ ہاں یہ چیزیں عالم غیب سے نیک وبد کی خواہش

marfat.com
Marfat.com

کے فیضان کا سبب تیار کرنے والی ہو جاتی ہیں اور اسی وجہ سے لوگ عتاب اور ملامت کا محل بنتے ہیں اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ان قلوب بنی آدم بین اصبعین من اصابع الرحمن یقلبها کیف یشآء یعنی بنی آدم کے دل قدرت کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں' انہیں جس طرف چاہے' پھیر دیتا ہے۔

## ایک شبہ اور اس کا جواب

اگر یہاں کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ جب نیکی اور بدی کی خواہش ڈالنا اس طرف سے ہے تو جبر لازم آیا اور بے اختیاری ثابت ہو گئی۔ اور جزا دینے' نصیحت کرنے' ڈرانے اور رغبت دلانے کا سب پروگرام دگرگوں ہو گیا اور انبیاء علیہم السلام کو بھیجنا' کتابیں نازل کرنا' قیامت قائم کرنے' حشر نشر' سوال اور حساب سب کا فائدہ ختم ہو گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جبر اس صورت میں لازم آتا ہے کہ درمیان میں ارادہ اور اختیار نہ ہو اور جہاں جو کچھ بھی کرایا جاتا ہے اس شخص کے ارادہ و اختیار سے کرایا جاتا ہے تو جبر کیوں لازم آئے؟ ہر کسی کے لیے اپنے اچھے بُرے اعمال میں جو کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اور جمادات کی حرکات میں جیسے پانی کا بہنا' پتھر کا گرنا فرق بالکل ظاہر ہے۔ جبر یہ ہے نہ کہ وہ اور جزا دینے اور دوسرے مذکورہ امور کے لیے اختیار کا پایا جانا کافی ہے نہ یہ کہ اختیار بھی اپنے ہاتھ میں ہو اور جب بندے کی ذات نے دوسری جگہ سے قیام اور وجود پایا ہے تو اس کا اختیار کیوں اپنے پاس سے ہو گا کیونکہ صفت کا مرتبہ موصوف سے کم ہوتا ہے۔

## فجور کا معنی

اور فجور کا معنی یہ ہے کہ آدمی کو تین قوتیں دی گئی ہیں۔ قوتِ عقلی جس کے ساتھ اچھے بُرے کو پہچانتا ہے' قوتِ شہوی جس کے ساتھ چیزوں میں رغبت کرتا ہے اور مرغوب چیزوں کو حاصل کرتا ہے اور قوتِ غضبی جس کے ساتھ مخالفت کرنے والے اور مزاحمت کرنے والے کو روکتا ہے جب یہ دونوں قوتیں یعنی شہوی اور غضبی قوتِ عقلی کے تابع ہو جائیں اور اس کی رہنمائی سے باہر نہ نکلیں اور وہ رغبت اور نفرت میں سے جس چیز کا حکم دے' بجا لائیں

marfat.com
Marfat.com

اور جس کے ساتھ کہے' جنگ کریں اور مقابلہ کریں اور اس قوتِ عقلی کو نورِ شریعت کے ساتھ منور اور انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کے ساتھ مزین کرے اور نیکی کو نیکی اور بُرائی کو بُرائی سمجھ کر ان دونوں قوتوں کو کام میں لگا دے تو اسے تقویٰ کا مقام حاصل ہو۔

اور اگر معاذ اللہ قوتِ عقلی نورِ شریعت کے ساتھ منور نہ ہوئی اور اس نے نیک کو بُرا اور بُرے کو نیک گمان کیا یا نورِ شریعت کے ساتھ منور ہونے کے باوجود اس کا حکم دونوں قوتوں پر جاری نہ ہوا اور ان دونوں قوتوں نے اس کی صوابدید پر عمل نہ کیا بلکہ اسے اپنا تابع کے جس چیز میں چاہا' رغبت کی اور جس سے چاہا' جھگڑا کیا تو فجور کا مرتبہ حاصل ہو گیا تو فجور کی حقیقت قوتِ شہویہ اور غضبیہ کو قوتِ عقلیہ پر غالب کرنا ہے۔

وَتَقْوٰهَا اور اس نفس کو تقویٰ کا الہام کیا اور حقیقت تقویٰ قوتِ عقلی کو قوتِ شہویہ اور غضبیہ پر غالب کرنا ہے اور جب قسمیں یاد کرنے سے فراغت ہوئی تو اس مضمون کو بیان فرمایا جا رہا ہے جس کے لیے قسمیں اُٹھائی گئی ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا تحقیق اس نے چھٹکارا پایا جس نے اس نفس کو پاک کیا اور نفس کو پاک کرنا اسی طریقے سے ہے کہ قوتِ شہویہ اور غضبیہ کو عقل کے تابع کر دے اور عقل کو شرع کے تابع کر دے تاکہ روح اور قلب تجلی الٰہی کے نور سے روشن ہوں اور اس شخص کا مرتبہ فرشتوں کے مرتبے سے بلند تر ہے اس لیے کہ فرشتے صرف قوتِ عقلیہ رکھتے ہیں نہ قوتِ شہویہ اور نہ ہی قوتِ عقلیہ جبکہ اس شخص نے قوتِ شہویہ اور غضبیہ کو نیچا کر کے نورِ شرع سے روشن عقل کا خادم بن مجاہدے کا وہ مقام حاصل کر لیا جو کہ فرشتوں کو میسر نہیں ہے۔ نیز اس شخص کی شہوت اور غصہ شرع شریف کے تابع ہو کر ذوق' شوق' غیرتِ الٰہی اور دشمنانِ دین سے لڑائی کرنے کے ایسے عجیب حالات بروئے کار لاتے ہیں کہ فرشتوں کو ان میں سے کچھ بھی حاصل نہیں۔

اور تزکیۂ نفس کے بارے میں اصحابِ طریقت نے رسالے اور کتابیں تالیف کی ہیں جیسے قوت القلوب' احیاء العلوم' تعرف عوارف اور اس فن کی دوسری کتابیں۔ لیکن قرآن پاک سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے' یہ ہے کہ بیس (۲۰) آیات میں بعض اچھے اعمال پر فلاح کا لفظ ذکر

marfat.com
Marfat.com

کیا گیا ہے اور اس آیت میں فلاح کو تزکیہ کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ پس اس اشارے کے مطابق ان اعمال کو بجالانا تزکیۂ نفس کے لیے کافی ہے اور درحقیقت اہلِ طریقت کے رسائل اور کتابیں ان بیس (۲۰) آیات کی شرح اور تفصیل ہیں۔ وہ آیات سورۂ بقرہ اور سورۂ مومنون کے اوّائل میں اور سورۂ روم' سورۂ توبہ اور دوسری سورتوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا اور تحقیق وہ زیاں کار اور محروم رہا جس نے اس نفس کو گمنام کر دیا اور نفس کو گمنام کرنا یہ ہے کہ اس پر تجلی الٰہی کے نور کی چمک نہ پڑے اور یہ صورت شہوت اور غضب کے تقاضوں کو نورِ شرح سے روشن عقل کے تقاضوں پر ترجیح دینے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جب وہ اس نور سے محروم رہا تو اس کا مرتبہ حیوانات کے مرتبے سے گھٹ گیا اس لیے کہ حیوانات میں اس نور کو حاصل کرنے کے اسباب نہ تھے جبکہ اس شخص کے پاس سارے اسباب موجود تھے اور اس نے اسباب کے باوجود اسے حاصل نہ کیا بلکہ حجاب میں پڑ گیا جس کا اُٹھانا دشوار نہیں۔

اور چونکہ عوام الناس کے نزدیک شہوت و غضب کو عقل اور شرع کے تقاضوں پر غالب کرنا' نامرادی اور محرومی کا موجب نہیں ہے بلکہ اس قسم کے مواقع پر جرأت کرنا لذتیں حاصل کرنے میں کامیابی کا سبب شمار کرتے ہیں اور نام اور مرتبہ حاصل کرنے کے لیے مضبوط سبب سمجھتے ہیں اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ من راقب الناس مات حما و فاز باللذات الحبود یعنی جو لوگوں کی نگہبانی کرے' بخار سے مرتا ہے اور خوش رہنے والا لذتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ الرزق یخطی باب عاقل قومه ویبیت بوابالباب الاحمق یعنی رزق قوم کے عقل مند کا دروازہ بھول جاتا ہے جبکہ احمق کے دروازے پر پہرے دار بن کر رات گزارتا ہے۔ اس بناء پر ضروری ہوا کہ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا کے مضمون پر مثال اور گواہی لانے کے طریقے سے ایک واقعہ بیان کیا جائے تاکہ اس واقعہ سے واضح ہو جائے کہ شہوت اور غضب کو عقل و شرع پر غالب کرنا رفتہ رفتہ دین کی تکذیب اور انکار تک لے جاتا ہے اور ابدی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات دنیوی ہلاکت بھی اس کا نتیجہ ہوتا ہے اب اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَآ ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جو کہ شہوت وغضب کو شرع و عقل کے حکم پر ترجیح دینے سے عبارت ہے' نبی علیہ السلام اور حکم الٰہی کا انکار کیا اور یہ ترجیح ان کے حق میں انکار اور تکذیب کا سبب ہوئی۔

## لفظ طغوی میں اشکال اور اس کا جواب

اور لفظ طغوی میں ایک مشہور اُلجھن ہے اس لیے کہ یہ طغیان سے مشتق ہے۔ پس چاہیے کہ طغیی ہو۔ یا کو واؤ کے ساتھ کیوں بدلا گیا۔ علماء نے اس اُلجھن کے جواب میں لکھا ہے کہ فعلی کبھی اسم ہوتا ہے اور کبھی صفت۔ اسم اور صفت میں فرق کرنے کے لیے اسم میں یا کو واؤ سے بدل دیتے ہیں اور صفت اپنی اصل پر رہتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں امرء ۃ صدیا وخز یا یعنی ایک ورت ہے تشنہ اور رسوا۔

## ثمود کا تعارف

اور ثمود حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ایک شخص کا نام ہے جو کہ عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کا بیٹا ہے اور چوتھی پشت میں حضرت نوح علیہ السلام تک پہنچتا ہے اس شخص کی اولاد فرقہ عاد کی ہلاکت کے بعد عرب کے علاقوں میں پھیل گئی اور قابض ہو گئی اور ان کا وطن شام اور حجاز کے درمیان تھا جو شہر انہوں نے شام کی طرف بنایا اس کا نام حجر ہے اور جو حجاز کی طرف بنایا اس کا نام وادی القریٰ ہے۔ ان دونوں شہروں کے درمیان بستیوں اور قصبوں سے سترہ سو (۱۷۰۰) آبادیاں ان کے قبضے میں تھیں اور انہوں نے ہر جگہ پتھر کے اونچے محلات تعمیر کر رکھے تھے' کاشت کاری کرتے تھے' چشمے کھودتے البتہ ان کی زمین میں پانی کم تھا' پتھریلی زمین ہونے کی وجہ سے کنویں اور چشمے بڑی مشکل سے کھودے جاتے تھے' اکثر اوقات اپنے مال پہاڑوں میں عمارتیں بنانے' باغ لگانے' نہریں' چشمے اور کنویں کھودنے میں خرچ کرتے۔ یہاں تک کہ ان کے سنگ تراش اور کاری گر پہاڑوں پر منقش عمارات تراشتے' رفتہ رفتہ پتھروں سے عجیب وغریب مورتیاں تراش کر ان میں مورتیوں کو پوجنے کا رواج ہو گیا اور بت پرستی پھیل گئی۔ اور حضرت حق جل شانہ سے بالکل بے خبر اور غافل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت نے حضرت صالح بن عبید کو چن لیا جو کہ شکل اور حسن کے اعتبار

marfat.com

Marfat.com

سے بھی ان میں سے ممتاز اور جدا تھے اور حسب و نسب کے اعتبار سے بھی اور بچپنے سے ہی آپ سے ہدایت اور صلاحیت کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے یہاں تک وحی الٰہی پہنچی اور حکم ہوا کہ اپنی قوم کو بتوں کی پوجا سے منع کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف کریں۔ اور ان تک اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائیں اور سمجھائیں کہ یہ تمام نعمتیں جو تمہیں حاصل ہیں' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں' ان نعمتوں کا شکر ادا کرو اور سرکشی اور تکبر مت کرو۔

حضرت صالح علیہ السلام نے حکم الٰہی کی تعمیل میں انہیں دین کی طرف بلانے کا کام شروع فرما دیا۔ انہوں نے بالکل قبول نہ کیا اور حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں تمہارے سامنے معجزہ ظاہر کردوں اور تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ تو سب کے سب عذاب خداوندی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ انہوں ن اس بات پر یقین نہ کیا اور کہنے لگے کہ ہم سال میں فلاں روز شہر سے باہر آتے ہیں اور اپنے بتوں کو بھی مکلّف پوشاک اور مرصع زیور سے آراستہ کر کے ظاہر کرتے ہیں۔ آپ بھی ہمارے ہمراہ چلیں۔ ہم اپنے بتوں سے سارے سال کی ضرورتیں اس روز طلب کرتے ہیں۔ وہ ہمیں دیتے ہیں۔ آپ بھی اپنے خدا سے کوئی حاجت طلب کریں۔ ہم دیکھیں گے کہ آپ کا خدا کیا دیتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قبول فرمالیا اور ان کے ہمراہ باہر تشریف لائے اور وہ قلیل سی جماعت کے لوگ جو آپ پر ایمان لائے تھے' آپ کے پیچھے ہو لیے۔ جب عیدگاہ پہنچے' دیکھا کہ بتوں کو پورے تکلف اور آرائش کے ساتھ تختوں پر رکھ کر انہیں سامنے رکھا ہوا ہے اور پوری عاجزی اور ادب کے ساتھ ان کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی حاجتیں پیش کر رہے ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنے بتوں سے عادت کے خلاف چیز مانگو تاکہ میں دیکھوں کہ ان میں کیا طاقت ہے؟ انہوں نے اپنے بتوں سے خلاف عادت چیزیں مانگنا شروع کردیں اور حد سے زیادہ آہ و فغاں کی' گلے پھاڑنے کے سوا انہیں کوئی فائدہ نہ ملا جب عاجز ہو گئے تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تم جو کہو میں اپنے خدا تعالیٰ سے مانگوں' اس کی قدرت کا تماشا کرو۔ ان کے بڑے لیڈر نے جس کا نام جندع بن عمرو تھا' دوسروں سے کہا کہ انہیں ایسی بات کہو جو کہ عقل کی نظر میں محال ہو اور یہ ایسا کرنے سے عاجز ہوتا کہ

marfat.com

Marfat.com

ہمارے بتوں کی عزت اور آبرو برقرار رہے ورنہ ہمیں خفت ہوگی اور الزام آئے گا۔

## حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا واقعہ

سب نے کہا کہ تو ہمارا سردار ہے اور تجھے عقل و دانش میں برتری حاصل ہے' سوچ کر ایسی چیز کی فرمائش کر کہ یہ عاجز ہو جائیں اور ایسا نہ کر سکیں۔ جندع نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ آپ پہاڑ کے اس ٹیلے سے جو کہ عیدگاہ کے سامنے ہے اور اسے ان کے عرف میں کاثبہ کہتے تھے' ہمارے لیے اونٹنی نکالیں جس کی پیشانی سیاہ اور باقی جسم سفید ہو' اس کے بال لمبے ہوں ریشم سے پُر ہو اور دس ماہ کی امید سے ہو اس کا جسم اس قدر بڑا ہو کہ لوگوں کے دیکھنے میں اس پہاڑی ٹیلے کے برابر معلوم ہو' باہر آنے کے بعد ہمارے سامنے بچہ جنے جو کہ شکل' قد اور جثے کے بڑا ہونے میں اس کے برابر ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اس قسم کی اونٹنی اس پہاڑی ٹیلے سے باہر نکال لوں تو کیا تم ایمان لاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی پیروی کرو گے؟ سب بولے کہ ہاں! حضرت صالح علیہ السلام ان سے تاکیدی عہد و پیمان اور مضبوط قول و قرار لے کر اور مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لے کر اس پہاڑی ٹیلے کے پاس تشریف لے گئے' دو رکعت نماز ادا فرمائی اور بارگاہِ خداوندی میں دعا میں مصروف ہو گئے اور آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ میرے پیچھے کھڑے ہو کر آمین' آمین کہتے رہو اور فرقۂ ثمود کے سردار اپنی افواج اور سپاہیوں سمیت ان کے اردگرد دائرہ باندھے دیکھ رہے تھے کہ کیا ہوتا ہے۔

اچانک قدرتِ الٰہی سے اس پہاڑی ٹیلے سے جانور کے رونے کی آواز سنائی دینے لگی جو کہ دردِ زہ کی حالت میں ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ ٹیلا پھٹ گیا اور مذکورہ بالا صفات والی اونٹنی باہر نکل آئی اور اس نے جنگل میں چرنا شروع کر دیا۔ ایک ساعت کے بعد اسے دردِ زہ شروع ہو گیا اور بچہ بھی باہر آ گیا جو قد اور شکل میں اس کے برابر تھا۔ یہ دیکھ کر مخلوق سے شور و غوغا اُٹھا اور سب کے سب اس بات کے قائل ہو گئے کہ صالح علیہ السلام کا خدا بس عجیب قدرت رکھتا ہے اس پر ایمان لانا چاہیے اور جندع بن عمرو اپنے چھ ہزار پیروکاروں سمیت اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گیا اور حضرت صالح علیہ السلام کے قدموں

marfat.com

Marfat.com

پر گر پڑا اور اپنے جرموں کی معافی کی درخواست کی۔ دوسرے سرداروں نے نفس کی شامت کی وجہ سے انکار پر اصرار کیا۔ اور انہوں نے اپنے پیروکاروں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا کہ تم اس جادو پر فریفتہ نہ ہونا' اپنے دین و مذہب پر قائم رہو کہ یہ امتحان کا وقت ہے' ان بدبختوں نے اپنے سرداروں کے گمراہ کرنے کی وجہ سے پھر کفریہ کلمات بکنے شروع کر دیئے اور حضرت صالح علیہ السلام کو جادوگر قرار دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تم نے عہد کی خلاف ورزی کی ہے اور مجھ پر ایمان نہیں لائے ہو۔ لیکن اس اونٹنی اور اس کے بچے کو پوری تعظیم کے ساتھ اپنے پاس رکھو اور اسے کسی طرح بھی تکلیف نہ دینا کیونکہ تمہارے امن و امان کا باعث ہے جب تک یہ اونٹنی اور اس کا بچہ تمہارے درمیان رہیں گے' تم پر عذاب نہیں آئے گا۔

(اقول و باللہ التوفیق معلوم ہوا کہ اہلِ اللہ کے جانوروں کی تعظیم نبوتؐ کی تعلیمات کا حصہ ہے۔ نیز یہ جانور عذابِ خداوندی سے حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ اندازہ کیجیے کہ جن کے جانور قابلِ تعظیم اور دافع البلاء ہوں' ان مقربین بارگاہِ خداوندی کی تعظیم کس قدر مطلوب و مقصود ہونی چاہیے اور خود ان کے دافع البلاء ہونے میں کیا شک باقی رہا۔ اور پھر سید عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا کیا عالم ہوگا؟ ولنعم ما قیل۔

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب
اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے

(محمد محفوظ الحق غفرلہ)

## اس معجزہ کی تخصیص میں نکتہ

یہاں جاننا چاہیے کہ اس فرقے کے لیے اس معجزے کی تخصیص میں نکتہ یہ تھا کہ وہ لوگ سنگ تراشی میں تصویر کی بڑی باریکیاں پیدا کرتے تھے اور سحر کاری کرتے تھے۔ پس یہ معجزہ ظاہر کرنے میں انہیں ایک باریک اشارہ کیا گیا ہے کہ اگرچہ تم پتھروں سے عجیب و غریب تصویریں بناتے ہو لیکن ان میں جان نہیں ڈال سکتے ہو' ہم پتھر سے ایک جان دار کو جو کہ ان علاقوں کے جانوروں میں سب سے بڑا ہے' نکال سکتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

بیت

کافراں از بت بے جاں چہ تمتع دارید
بارے آں بت بپرستید کہ جانے دارد

یعنی اے کافرو! بے جان بت سے نفع کی کیا امید رکھتے ہو اس بت کو تو پوجو جس میں جان ہے۔

نیز اس بات کا اشارہ ہوا کہ ہدایتِ الٰہی پتھروں کو نرم کر دیتی ہے اور اس سے روح کے اوصاف ظاہر کرتی ہے۔

## اونٹنی کا باقی واقعہ اور اس کی خصوصیات

ہم باقی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اونٹنی اپنے جثے میں بہت بڑی اور قوی ہیکل تھی۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ثمود کے شہر حجر میں گیا تھا۔ اس اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ کی جو کہ ان علاقوں میں معروف اور مشہور ہے اور وہ اس کی زیارت کرتے ہیں' میں نے اپنے ہاتھ سے پیائش کی اس کا گھیرا ساٹھ (۶۰) گز یا ساٹھ (۶۰) ہاتھ تھا اور اس اونٹنی کی خاصیت یہ تھی کہ گھریلو اور وحشی تمام جانور اسے دیکھتے ہی بھاگ جاتے تھے اور وہ جس جنگل میں چرتی تھی' کوئی دوسرا جانور قدم نہیں رکھ سکتا تھا اور وہ جس کنویں اور چشمے پر پہنچ جاتی تھی سب کا سب پی جاتی اور چراگاہ کو بھی چارے سے خالی کر دیتی تھی۔ شام کے وقت شہر میں آ جاتی' شہر کے لوگ اس کے دودھ سے اپنے برتن بھر لیتے اور پورے شہر والوں کو اس کا دودھ کافی ہوتا۔ جب ایک مدت گزر گئی' مویشیوں اور جانوروں والے اس کی سیر اور گردش سے عاجز آ گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام کے حضور فریادی ہوئے۔ آپ نے یوں طے فرمایا کہ ایک دن تم لوگ اپنے جانوروں کو چراگاہ میں چھوڑ دیا کرو اور ہم اس اونٹنی کو گھر میں روک لیں گے اور ایک دن ہم اس اونٹنی کو چھوڑ دیا کریں گے اور تم لوگ اپنے جانوروں کو گھروں میں روک لیا کرو۔ ایک مدت تک اس قول و قرار پر عمل ہوتا رہا لیکن اکثر شہر والوں کو جو کہ مویشیوں اور جانوروں کی پرورش کا شوق رکھتے تھے یہ تقسیم بھی ناگوار ہوئی۔

marfat.com

Marfat.com

وہ دل میں چاہتے تھے کہ اس اونٹنی کو کسی حیلے سے دُور کر دینا چاہیے تا کہ ہمارے جانور بافراغت پانی پئیں اور چراگاہ میں چریں۔ لیکن عہد شکنی اور قول و قرار کی خلاف ورزی سے گریز کرتے تھے۔ اسی اثناء میں ان میں سے ایک نوجوان قدار بن سالف نامی شوخ آدمی موٹی گردن والا' ہٹا کٹا' ماں کو ستانے والا' باپ سے بے زار' تیز زبان اور بے حیا پیدا ہوا اور اسے غزہ نامی ایک فاحشہ عورت کے ساتھ عشق ہو گیا جو کہ حسن و جمال' باہمی گفتگو کی خوبی' ظرافت طبع اور نزاکت میں اس ملک میں ضرب المثل تھی اور وہ اپنے دوستوں میں سے آٹھ افراد کے ساتھ جو کہ اسی وضع کے لوگ تھے' ان میں سے ایک کا نام مصدع بن داہر تھا جو کہ اس کا چچازاد بھائی تھا اس فاحشہ عورت کے گھر جاتا اور داد عیش دیتا اور اس کے دوسرے دوست بھی شرابیں پی کر اس فاحشہ کی لونڈیوں کے ساتھ روسیاہی کرتے۔ ایک دن اس قدار نامی نوجوان نے اس فاحشہ سے کہا کہ ہم کب تک یہ چوری کی محفلیں جاری رکھیں گے تو میرے نکاح میں کیوں نہیں آ جاتی تا کہ عمر دراز اطمینان کے ساتھ گزاری جائے اس نے کہا کہ تجھے اس کام کا شوق ہے تو میری ایک فرمائش پوری کر تو میں اپنے تمام اموال اور کنیزوں سمیت تیری ہو کے رہوں گی اور وہ فرمائش یہ ہے کہ یہ اونٹنی جس کے وجود سے ہمیں اور ہمارے سب شہر والوں کو رنج اور ملال ہے اور بے زبان جانور بھوک اور پیاس میں گرفتار ہیں' قتل کر دے اور ختم کر دے اور اس فاحشہ کے بھی بہت سے مویشی تھے اس وجہ سے اسے اس اونٹنی سے بہت رنج اور دُکھ تھا۔

قدار نے انتہائی ردی خواہش کی بناء پر یہ مہم سرانجام دینے کی ذمہ داری قبول کر لی اور اس کام کے پیچھے لگ گیا اور اپنے دوستوں کو بھی اس [illegible] میں اپنا شریک بنا لیا حتیٰ کہ ایک دن ایک تنگ کوچے میں جو کہ اونٹنی [illegible] رہگذر تھی اس کی راہ میں چھپ کر بیٹھ گیا اور اپنے دوست بھی اس کوچے میں پھیلا دیے جب اونٹنی چراگاہ سے واپس ہوئی اور اس کوچے میں داخل ہوئی' مصدع نے پہلے ایک تیر اس کی پیشانی پر مارا اور سات دوسرے آدمی تلواریں لہراتے ہوئے نعرے لگاتے ہوئے اونٹنی پر حملہ آور ہوئے۔ اونٹنی تیر کا زخم برداشت کرنے کے باوجود ان پر حملہ کرتی تھی اور وہ منتشر ہو جاتے تھے اور قدار نے پیچھے سے پہنچ کر اس اونٹنی پر

marfat.com
Marfat.com

حملہ کیا اور کونچیں کاٹ دیں۔ اونٹنی زمین پر گر پڑی اس کے بعد اس کے ساتھیوں نے اونٹنی کو تلواروں کے نیچے دھر لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ شہر والوں کو اونٹنی کے مارے جانے سے خوشی ہوئی اس کا گوشت تقسیم کر کے گھروں کو لے گئے اس اونٹنی کا بچہ جو کہ پیچھے تھا جب اس نے دیکھا کہ اس کی ماں کو قتل کر رہے ہیں' بھاگ کر اسی پہاڑی ٹیلے پر جا کھڑا ہوا۔

جب حضرت صالح علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی' آپ افسوس کرتے ہوئے باہر تشریف لائے اور شہر کے لوگوں سے فرمایا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ اپنے اوپر عذاب خداوندی کو نازل کر لیا اب تدبیر یہ ہے کہ میرے ساتھ آؤ اور اس کے بچے کو شہر میں لاؤ تا کہ اس بچے کے وسیلے سے عذاب سے بچ جاؤ۔ قذار اور دوسرے کفار نے اس بات پر کوئی توجہ نہ دی اور اسے آسان سمجھا اور مسلمان حضرت صالح علیہ السلام کے ہمراہ بچے کو لانے کے لیے صحرا میں گئے جب اس بچے نے حضرت صالح علیہ السلام کو دیکھا' تین آوازیں کیں' پہاڑی ٹیلہ پھٹ گیا اور وہ اس میں سما گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام افسوس کرتے ہوئے واپس تشریف لے آئے اور آپ نے شہر والوں سے فرمایا کہ ان تین آوازوں کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں تین دن کی مہلت ہے۔ پہلے دن تمہارے چہرے زرد دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ ہو جائیں گے اور یہ واقعہ بدھ کے روز شام کو پیش آیا تھا۔

## حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ

جمعرات کو شہر والے صبح اٹھے' سب کے چہرے زرد ہو چکے تھے انہیں یقین ہو گیا کہ حضرت صالح علیہ السلام نے جو فرمایا ہے' برحق ہے لیکن اس وقت ان کی قوت غضبیہ نے جوش میں آ کر عقل کو معزول کر دیا۔ قذار نے آٹھ دوسرے آدمیوں کے ساتھ مل کر باہم قسم اٹھائی اور کہنے لگے کہ تین دن گزرنے اور عذاب آنے سے پہلے حضرت صالح (علیہ السلام) کا کام تمام کر دیا جائے اور رات کے وقت یہ نو بدبخت حضرت صالح علیہ السلام کو (معاذ اللہ) قتل کرنے کے ارادے سے آئے۔ آپ اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے اس میں ایک درخت تھا اس درخت نے بلند آواز سے حضرت صالح علیہ السلام کو خبر دی کہ قذار اپنے ساتھیوں سمیت آپ کے قتل کے ارادے سے آ رہا ہے' آپ اپنے گھر تشریف لے جائیں

marfat.com

Marfat.com

اور دروازہ بند کرلیں۔ چنانچہ آپ اپنے دولت کدہ میں تشریف لے گئے اور دروازہ بند کرلیا جب قدار مسجد میں پہنچتا ہے وہاں حضرت صالح علیہ السلام کو نہیں پاتا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے دروازہ توڑ کر آپ کے دولت کدہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اسی اثنا میں فرشتے حضرت صالح علیہ السلام کی حمایت کے لیے پہنچ جاتے ہیں اور اپنے پر قدار اور اس کے احباب کے منہ پر مارتے ہیں' وہ سہمے ہوئے اور حیران و پریشان گرتے پڑتے نابینے ہو کر دائیں بائیں بھاگ رہے ہیں' کسی کا سر دیوار سے ٹکرایا اور پھٹ گیا بعض کنویں میں گر گئے۔

قصہ مختصر وہ نو افراد سب کے سب ہلاک ہوگئے جب ان کے وارث صبح اُٹھے' کیا دیکھتے ہیں کہ تمام شہر والوں کے چہرے سرخ ہیں۔ قدار اور اس کے دستوں کی تلاش کرنے لگے جب پتہ چلا کہ حضرت صالح علیہ السلام کے گھر کے پڑوس میں سر پھٹے ہوئے ذلیل و رسوا پڑے ہیں تو یہ سارا ماجر شہر کے سرداروں سے بیان کیا جو کہ کافر تھے اور سب شہر والوں نے آپ کے گھر پر دھاوا بول دیا اور کہنے لگے کہ آپ نے ان نو افراد کو اونٹنی کے بدلے رات کو قتل کر دیا ہے' ہم آپ کو اور آپ کے سب اہلِ خانہ کو قصاص میں قتل کریں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ان کے گھروں میں نہیں گیا' انہوں نے رات کے وقت میرے گھر پر حملہ کر دیا' انہیں جو سزا ملی' غیب سے ملی۔ اسی سوال و جواب کے دوران جندع بن عمرو جو کہ شہر کے سرداروں میں سے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اور حضرت صالح علیہ السلام کے معتقد اور مخلص تھے' یہ حالات معلوم کر کے اپنا لاؤ لشکر لے کر حضرت کی حمایت کے لیے نکل آئے اور دوسرے سرداروں کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آخر لوگوں نے درمیان میں صلح کرا دی اور بات یوں طے ہوئی کہ حضرت صالح علیہ السلام اس شہر سے نکل جائیں۔ آپ اسے غنیمت جانتے ہوئے جندع بن عمرو اور دوسرے مسلمانوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر تشریف لے گئے اس دن صبح کے وقت جو کہ ہفتے کا دن تھا' تمام شہر والوں کے چہرے سیاہ ہو گئے اور اس دن تشویش میں پڑ گئے اور سنگین اور مضبوط مکانات خالی کر کے اس امر کی تیاری کی کہ اگر عذاب الٰہی آسمان کی طرف سے یا زمین کی طرف سے آئے تو ان مضبوط مکانات

marfat.com
Marfat.com

میں چھپ جائیں گے' ان میں نہ تو زلزلہ اثر کرتا ہے اور نہ ہی بارش اور ژالہ باری نقصان پہنچاتی ہے۔

اتوار کی صبح کو حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان اور زمین کے درمیان انتہائی بڑی اور ہیبت ناک شکل میں ظاہر ہوئے اور سخت تیز آواز ظاہر کی جس کی وجہ سے پہاڑوں کو جنبش آ گئی اور تیز ہوا چلنے لگی' تمام شہر والے ہیبت کے مارے پتھر کے مکانوں میں گھس گئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دوسری مرتبہ پہلے کی نسبت زیادہ تیز آواز کی اس آواز کے صدمے کی وجہ سے سب لوگ اپنے زانوؤں پر رکھے گر پڑے اور ان کے پتے پھٹ گئے اور مرگئے اور ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے یہ خبر سننے کے بعد مسلمانوں سے فرمایا کہ اس شہر کو چھوڑ دو جو کہ غضب الٰہی کے نازل ہونے کا مقام ہے اور مکہ معظمہ کے حرم کی نیت سے احرام باندھ لو اور وہیں سکونت اختیار کرو۔ اسی پر عمل کیا گیا اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ تبوک کے سفر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجر شہر کے دروازے سے گزرے تو اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ چاہیے کہ تم میں سے کوئی بھی اس شہر میں داخل نہ ہو اور اس شہر کا پانی نہ پیئے اور اس عذاب پانے والے گروہ پر گزر نہ کرے مگر اس حالت میں کہ رو رہا ہو اور عبرت حاصل کر رہا ہو کیونکہ ان بدبختوں کی روحوں کو اس شہر میں عذاب ہو رہا تھا جس جگہ عذاب الٰہی ظاہر ہو وہاں سے دُور رہنا بہتر ہے۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ ثمود کے کافروں میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا مگر ابو رغال نامی ایک شخص جو کہ کسی تقریب کی وجہ سے حرم مکہ میں گیا ہوا تھا جب تک وہ حرم شریف میں تھا' عذاب سے محفوظ رہا جب حرم شریف سے باہر نکلا اور طائف کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں اسے بھی وہی عذاب پہنچا جو اس کی قوم کو پہنچا تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی مہم پر تشریف لے جاتے وقت جب اس کی قبر کے پاس پہنچے اور اس علاقے کی عادت تھی کہ سب گزرنے والے اس کی قبر کو سنگسار کرتے تھے۔ آپ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا کہ کچھ جانتے ہو کہ یہ کس کی قبر ہے؟ غلاموں نے عرض کی کہ ہمیں کوئی علم

marfat.com
Marfat.com

نہیں' خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ کے رسول علیہ السلام ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سارا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔

ارشاد فرمایا کہ میری سچائی کی علامت یہ ہے کہ اس شخص کے ہمراہ سونے کی ایک چھڑی دفن کی گئی ہے۔ صحابہ کرام یہ ماجرا سن کر وہاں پہنچے اور اس کی قبر کو اپنی تلواروں کے ساتھ اُکھاڑا' وہ سونے کی چھڑی برآمد ہوئی' اُٹھا لائے اور اس کی قبر کو پھر بند کر دیا گیا۔ ثمود کا واقعہ یہ ہے جو کہ ذکر کیا گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کا بعض حصہ دوسری سورتوں میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ یہاں حق تعالیٰ نے اشارے کے طور پر اس واقعہ کا کچھ حصہ جو کہ اس مقام کے مناسب ہے' یاد دِلایا ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ ثمود کو سرکشی اور شہوت و غضب کو عقل و شرع کے تقاضے پر غالب کرنے کی وجہ سے احکامِ الٰہی کے انکار اور رسول علیہ السلام کی تکذیب تک نوبت پہنچ گئی۔

اِذَانۡۢبَعَثَ اَشۡقٰهَا جب کہ اس گروہ کا سب سے بڑا بدبخت خوش وخرم اُٹھا اور اس نے عقل و شرع کے تقاضوں کے خلاف شہوت و غضب کی پیروی کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کے درپے ہوا اور سب سے بڑا بدبخت قذار بن سالف تھا۔

## قول رسول قول خدا ہے

فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ تو انہیں اللہ تعالیٰ کے رسول نے فرمایا جو کہ حضرت صالح علیہ السلام تھے اور یہاں رسول اللہ کا لفظ اس لیے لایا گیا ہے اور حضرت صالح علیہ السلام کا نام نہیں لیا گیا تا کہ پتہ چلے کہ حضرت صالح علیہ السلام کا یہ کہنا خدا تعالیٰ کا کہنا تھا اور آپ کا ڈرانا بعینہٖ خدا تعالیٰ کا ڈرانا ہے اس لیے کہ کسی کا بھیجا ہوا اسی کا حکم رکھتا ہے اور وہ جو کہتا ہے اسی کی زبان سے کہتا ہے اور اگر حضرت صالح علیہ السلام کا نام لیا جاتا تو اس حقیقت کا پتہ نہ چلتا۔

نَاقَةَ اللّٰهِ خدا تعالیٰ کی اونٹنی کو چھوڑ دو تا کہ جہاں چاہے' چرے اور جو پانی چاہے' پیئے اور اسے کوئی تکلیف اور اذیت نہ پہنچاؤ اور اس کے قتل کے درپے نہ ہونا۔ اس لیے کہ کسان

marfat.com

Marfat.com

اور دیہاتی اپنی ناقص عقل کے باوجود اتنی بات کو سمجھتے ہیں کہ طاقت وروں کے مویشیوں کو پانی اور چارے سے ہانکنا نہیں چاہیے اور قتل کرنے اور تکلیف دینے کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ پس خدا تعالیٰ جو کہ سب طاقت وروں سے زیادہ طاقت ور اور فوری انتقام لینے پر قادر ہے' کے جانور کو ستانا اور قتل کرنا ظاہر بین عقل کے تقاضوں کے خلاف ہے اور شہوت سے مغلوب ہونے کی وجہ سے اتنی سی بات کو جو کہ کسان اور بکریوں کے چرواہے جانتے ہیں' نہ سمجھنا انتہائی حماقت ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کہنے کی وجہ

اور اس اونٹنی کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف اس وجہ سے کی گئی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی ملک نہ تھی۔ نیز ماں باپ کے واسطے کے بغیر چٹان سے پیدا ہوئی۔ نیز قدرت الٰہی کی مظہر تھی اور قیامت قائم ہونے اور قبروں سے مردوں کو زندہ کرنے کی دلیل تھی۔ پس اسے جانوروں میں وہ مرتبہ حاصل تھا جو کہ عمارات اور مکانات میں بیت اللہ کو حاصل ہے۔

وَسُقْيٰهَا اور اس کے پانی کے حصے کو چھوڑ دو تا کہ تمہارے جانور اس کے پانی کے حصے میں تصرف نہ کریں اس لیے کہ تم نے معاہدہ کیا ہے اور قول وقرار کیا ہے کہ ایک دن یہ اونٹنی پانی پیئے اور دوسرے دن تمہارے جانور اور عہد شکنی اور قول وقرار کی مخالفت تمام شریعتوں میں حرام اور ممنوع ہے۔ شہوت وغضب سے مغلوب ہونے کی وجہ سے عہد شکنی کا اقدام انتہائی بے دینی ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ تو اس ساری قوم نے اس ڈرانے اور سمجھانے میں حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور آپ کی بات پر جو کہ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کا مفہوم ہے' یقین نہ کیا۔

فَعَقَرُوْهَا پس اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور اگرچہ کونچیں کاٹنے والا وہی قدار بن سالف اور اس کے آٹھ ساتھی تھے لیکن جب یہ فعل سب کی مرضی سے ہوا۔ گویا وہ سب اس میں شریک ہو گئے اسی لیے گروہ کے ایک شخص کے کام کو جو کہ سب کے مشورے اور مرضی سے ہو اس گروہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور سورۂ قمر میں جو فتعاطی فعقر واقع ہوا تو

marfat.com
Marfat.com

فعل کو اس کے مرتکب کی طرف منسوب کرنا مراد ہے۔ پس کوئی اختلاف نہیں۔

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ تو ان کے پروردگار نے ان پر ان کے روزگار کو اُلٹ دیا جس طرح کہ انہوں نے اس کی ترتیب کے حسن کو اُلٹ دیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شہوت اور غضب کی طاقت اس لیے دی تھی کہ ان دونوں کو عقل کے تابع کر دیں اور عقل اس لیے دی تھی کہ اسے شریعت کے تابع کر دیں جبکہ انہوں نے اس کے برعکس شریعت کو عقل کے اور عقل کو شہوت و غضب کے تابع کر دیا۔

بِذَنْبِهِمْ ان کے گناہ کی وجہ سے جو کہ حکمتِ الٰہی کی ترتیب کو باطل کرنا اور اس کی ضد پر عمل کرنا تھا اس شخص کی طرح جو اپنے غلام کو تلوار تھمائے کہ میرے دشمن کو قتل کر دو اور وہ اس کے بیٹے کو قتل کر دے۔

فَسَوَّاهَا پس اس گروہ کو مٹی کے برابر کر دیا اس لیے کہ اس اونٹنی کے قتل میں معنوی طور پر سب شریک ہوئے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس وقت زمین میں گناہ سرزد ہوتا ہے تو جو شخص اس محفلِ گناہ میں حاضر ہو اور اس گناہ سے دلی طور پر بیزار اور متنفر ہو وہ ایسا ہے کہ بہت دُور فاصلے پر واقع ہے۔ اسے اس گناہ کی کوئی آلائش نہیں پہنچتی۔ اور جو اس محفلِ گناہ سے دُور ہو مگر دلی طور پر اس گناہ سے راضی اور خوش ہو وہ ایسا ہے کہ اس محفل میں حاضر اور اس گناہ میں شریک ہے۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا اور اللہ تعالیٰ اس فرقے کی ہلاکت کے انجام سے نہیں ڈرتا اس لیے کہ کسی کام کے انجام سے ڈرنا اس کی شان ہے جو پہلے تو اس کی اچھائی اور بُرائی کو نہیں پہچانتا اور نہ جانتے ہوئے اس میں قدم رکھتا ہے۔ یا اس کی شان ہے جس کی طاقت اس خرابی کا تدارک نہ کر سکے جو اس کام پر مرتب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ علام الغیوب' کمال قدرت والا اور غنی مطلق ہے' اسے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ اس کی مخلوق سے کوئی گروہ گھٹ جائے اور اس کی حسرت نہیں ہے کہ میں نے عرصہ دراز تک اس فرقے کو پالا تھا' میری پرورش ضائع گئی اور میں نے جس کام کے لیے پرورش کی تھی' انہوں نے وہ کام نہیں کیا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ حدیث صحیح میں جو کہ مسند امام احمد اور دوسری معتبر کتابوں میں

marfat.com

Marfat.com

واقع ہے' وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے تکرار کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ تمہیں کچھ معلوم ہے کہ پہلی اُمتوں کا سب سے بڑا بدبخت کون تھا اور اس اُمت کا سب سے بڑا بدبخت کون ہے؟ آپ نے عرض کی مجھے معلوم نہیں' آپ نے فرمایا کہ پہلی اُمتوں کا بدبخت ترین ثمود کا وہ سرخ رنگ کا آدمی ہے یعنی قدار بن سالف جس نے اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور اس اُمت کا بدبخت ترین وہ شخص ہے جو تمہارے سر پر تلوار مارے یہاں تک کہ تمہاری ریش تمہارے خون سے تر ہو جائے اور تو اس تلوار سے شہید ہو جائے۔

## ثمود کے قدار اور اس اُمت کے ابن ملجم کے بدبخت ترین ہونے کی وجہ

تو یہاں یہ امر ضروری ہے کہ پہلوں میں سے قدار اور اس اُمت میں سے حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے قاتل ابن ملجم کے بدبخت ترین ہونے کی وجہ بیان کی جائے اور اس کا بیان چند مقدمات کی تمہید پر موقوف ہے۔

پہلا مقدمہ یہ ہے کہ شرم گاہ کی شہوت سب سے زیادہ حقیر شہوت ہے کہ اس حالت میں انسان عقل سے بہت دُور ہو جاتا ہے اور اس سے جانوروں کی حرکتیں صادر ہوتی ہیں اور اس خواہش کو پورا کرنے کا مقام بھی نجاستوں اور پلیدیوں کی آماجگاہ ہے اور ستر کا کھلنا جس کا چھپانا بنی آدم کے تمام گروہوں کے نزدیک لازم ہے اس خواہش کو پورا کرنے میں ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا بنی آدم کی جبلت ہے کہ اس خواہش کو انتہائی پردے اور ستر میں پورا کرتے ہیں اور اپنی محافل و مجالس میں اس کا نام اشارے اور کنائے کے بغیر نہیں لیتے اور جہان میں جو گالی سُنی جاتی ہے اسی خواہش کی کمی بیشی سے لی گئی ہے۔

دوسرا مقدمہ یہ کہ شہوت مطلقاً خواہ اس جنس سے ہو خواہ دوسری جنس سے جیسے کھانا' پینا' لباس' مسکن' سواری' نظارہ کرنے کی جگہ جیسے باغ اور بوستان' سننا' کھیلیں' عطریات وغیرہ غضب اور غیرت سے حقیر تر ہے۔ اسی لیے عرف میں ان لوگوں کو جو کہ ان شہوتوں سے مغلوب ہوتے ہیں جیسے عیاش بادشاہ ان لوگوں سے بدتر جانتے ہیں جو کہ غضب اور غیرت سے مغلوب ہو جیسے ظالم بادشاہ۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ قوتِ غضبیہ' تسلط' غلبے اور سیاست

marfat.com

Marfat.com

کے پیدا ہونے کی جگہ ہے جبکہ قوت شہویہ خوشامد اور چاپلوسی کا منبع ہے اور لوگوں کے ذہنوں میں اثر ڈالنے والی قوت اثر قبول کرنے والی قوت سے بہتر ہے۔

تیسرا مقدمہ شہوت اور غضب جب حقوق واجبہ میں سے کسی حق کو ضائع کرنے تک پہنچائیں تو تمام انسانوں کے نزدیک معیوب اور قابلِ طعن وتشنیع ہوتے ہیں اور حق جس قدر بڑا ہوگا' عیب اور طعن اسی قدر زیادہ لاحق ہوگا۔ پس بدبخت وہ ہے جو اپنی شہوت اور غضب کو اپنے نفس کے حق سے پہلے رکھے اور اس حق کو ضائع کردے اور اس سے زیادہ بدبخت وہ ہے جو کہ اپنی شہوت اور غضب کو پورا کرنے کے لیے غیر کے حق کو ضائع کردے اور اس سے بھی زیادہ بدبخت وہ ہے جو ان دونوں کے لیے کثیر جماعت کے حقوق کو ضائع کردے پھر حقوق کا بھی آپس میں اختلاف ہے۔ دنیوی حق ضائع کرنا آسان ہے اور اخروی حق کو ضائع کرنا اس سے سخت ہے۔

چوتھا مقدمہ آدمی کے ذمے تین بڑے حق ثابت ہیں۔ پہلا اللہ تعالیٰ کا حق جو کہ اس کا مالک اور اسے نعمتیں عطا فرمانے والا ہے اور آدمی ہر لحہ اللہ تعالیٰ کے احسان کے نیچے ہے اور ہر کام میں اس کی مدد کا محتاج اس لیے کوئی حق اس حق کی برابری نہیں کرتا۔ دوسرا اپنی جماعت کا حق کہ جینے مرنے میں ان کا محتاج ہے اور ان سے ہر کسی قسم کی امداد کی توقع رکھتا ہے۔ تیسرا اپنے نفس کا حق اس حق کا عمدہ ہونا بالکل ظاہر ہے' بیان کی ضرورت نہیں۔ پس بدبختوں میں سے زیادہ بدبخت وہ ہے جو کہ ان تینوں حقوق کو حقیر ترین شہوت کے بدلے ایک دم ضائع کردے اور یہ وصف گزشتہ اُمتوں میں قدار بن سالف میں تھی جس نے اس حقیر ترین خواہش کو پورا کرنے کے لیے اپنا حق بھی تلف کیا کہ کافر مرا اور دوزخ کا ایندھن ہوگیا۔ اور زندگی برباد کرلی۔ اور اپنی قوم کا حق بھی ضائع کردیا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ساتھ ان کی جڑ کٹ گئی اور یہاں تک نیست ونابود ہوگئے کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور اللہ تعالیٰ کا حق بھی ضائع کردیا کہ اس کی اونٹنی کی جو کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی صورت تھی اور اس کی عنایت نے اس جانور کے جسم میں مجسم ہوکر کعبہ کا حکم حاصل کیا تھا' کونچیں کاٹ دیں۔

اور اس اُمت میں حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے قاتل میں یہ وصف تھی اور

marfat.com
Marfat.com

اس ابہام کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح ناقۃ اللہ حضرت صالح علیہ السلام کے کمال کی صورت تھی اور آپ کی نبوت کی صداقت کی دلیل۔ اور اللہ تعالیٰ کی وہ عنایت جو کہ ثمود کی ہدایت کے لئے حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت میں غیب سے متوجہ ہوئی تھی۔ اس گروہ کے طلب کرنے کے مطابق اونٹنی کی شکل اختیار کر کے اور حیوانی خلعت پہن کر ان میں قائم رہی حتیٰ کہ عذاب دُور کرنے میں اس اونٹنی کی تعظیم اور اس کا حق ادا کرنا حضرت صالح علیہ السلام کی شریعت قبول کرنے اور ان کے دین میں داخل ہونے کے قائم مقام ہونے کی طرح ہو گیا تھا۔ گویا حضرت صالح علیہ السلام کا نور ولایت اس راستے سے جلوہ گر ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کا قرب اور مرتبہ اور اس دربار میں آپ کی دعا کی قبولیت اسی جھروکے سے ظاہر ہوتی تھی۔

## فضائل شاہ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ

اسی طرح حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ کا وجود جسمانی جو کہ خاتم الخلفاء ہے دربار نبوت علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے کمال ولایت کی صورت ہو چکا تھا اور ان کا نور ہدایت اس سے جلوہ ریز ہوتا تھا اور دربار نبوت کا قرب معنوی اسی جھروکے سے نمودار تھا اور اس وقت پیغمبری کی خلافت اور حضور کی جانشینی اس شاہ ولایت رضی اللہ عنہ کی ذات قابل الصفات میں منحصر ہو چکی تھی اسی لیے حدیث شریف میں جس طرح کعبہ کے حق میں فرمایا گیا ہے کہ النظر الی الکعبۃ عبادۃ اور قرآن مجید کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ النظر الی المصحف عبادۃ اسی طرح اس شاہ ولایت کرم اللہ وجہہ کے بارے میں ارشاد ہوا کہ النظر الی وجہ علی عبادۃ گویا آپ کا وجود مبارک حضرت نبوت علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیات کے وجود شریف کا عکس جمیل تھا کہ تشنگان اُمت اس ایک منبع سے سیراب ہوتے تھے اور کمالات نبوی کے جامع ہونے کی وجہ سے ہر ظاہری اور باطنی حاجت آپ کی ذات سے پوری ہوتی تھی۔

(معلوم ہوا کہ دربار نبوت کے انوار سے فیض یاب ہونے کی وجہ سے ہر ظاہری اور باطنی حاجت مولائے کائنات شاہ ولایت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات سے پوری ہوتی تھی جیسا

marfat.com

Marfat.com

کہ مفسر علام قدس سرہ نے ارشاد فرمایا اس لیے آپ کو حاجت روا اور مشکل کشا کہنا درست قرار پایا اسی لیے اکابرینِ اسلام نے آپ کو مشکل کشا مانا ہے حتیٰ کہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی ارشاد مرشد کے ص ۱۳ پر یوں دعا کرتے ہیں

ڈور کر دل سے حجاب جہل و غفلت میرے رب

کھول دے دل میں درِ علم حقیقت میرے رب۔ ہادی عالم علی مشکل کشا کے واسطے۔

(محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اس سب سے بڑے بدبخت نے جس نے اس قسم کے وجود منور کو شہید کیا' خدا تعالیٰ کا حق بھی تلف کیا اور پوری اُمت کا حق بھی کہ رسی کے بغیر جھاڑو کی طرح کمالات کے انتشار کا شکار ہو کر اپنی وجدانی کیفیت کھو بیٹھے اور کوئی اور آپ کا قائم مقام نہ رہا اور اپنا حق بھی ضائع کیا کہ جہنم کا ایندھن بن گیا اور اپنی زندگی برباد کر دی اور یہ سب کچھ اسی حقیر ترین خواہش کی پیروی کی بناء پر تھا۔

## حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت

اس لیے کہ صحیح روایات میں وارد ہے کہ حضرت کا قاتل عبداللہ بن ملجم نامی ایک خارجی مذہب آدمی تھا' کوفہ میں آیا اور اس کی نظر قطام نامی ایک خوب صورت عورت پر پڑ گئی اور اس فن کار عورت پر دل و جان سے عاشق ہو گیا۔ وہ عورت بھی خارجیہ تھی اور اس کا باپ اور بھائی حضرت شاہ ولایت کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں جنگِ نہروان میں جہنم رسید ہوئے تھے۔ ابن ملجم کو اس عورت کے وصال کا خبط سوار ہو گیا' ان کے درمیان خط و کتابت شروع ہو گئی۔ اس عورت نے پیغام بھیجا کہ اگر تو میری ایک فرمائش پوری کرے تو میں تجھے قبول کرتی ہوں اور خود کو تیرے سپرد کرتی ہوں اور وہ فرمائش یہ ہے کہ حضرت شاہ ولایت کرم اللہ وجہہ کو قتل کر کے اپنا منہ سیاہ کر اور اپنا دین برباد کر اس ملعون نے شہوت سے مغلوب ہو کر یہ مہم سرانجام دینا قبول کر لیا' ہزار درہم سے ایک تلوار خریدی۔ اسے زہر آلود کیا۔ اور اپنے دوستوں سے اس مہم کو سر کرنے میں مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ اتنا مشکل کام نہیں اس لیے کہ حضرت علی کا کوئی محافظ نہیں ہوتا۔ آپ اندھیرے میں اکیلے ہی مسجد کو جاتے ہیں' کسی دن اس مسجد

marfat.com

Marfat.com

میں چھپ کر بیٹھ جا اور یہ کام کر گزر۔

رمضان پاک کی انیس (۱۹) تاریخ صبح کے وقت ابھی اندھیرا تھا' حضرت شاہ ولایت کرم اللہ وجہہ الکریم گھر سے مسجد میں تشریف لائے یہ لعین مسجد کے ستون کے پیچھے چھپا ہوا اس کام کے لیے تیار بیٹھا تھا اور حضرت کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سوتے ہوئے لوگوں کو مسجد میں بلند آواز سے تکبیر کہہ کر بیدار فرماتے تھے تاکہ اُٹھ کر وضو اور طہارت میں مصروف ہوں۔ اسی دوران کہ آپ مسجد کے دروازے سے اندر آئے اس لعین نے ستون کے پیچھے سے آپ کے سر مبارک پر تلوار کی ایک ضرب لگائی اور ضرب لگانے کے بعد بھاگ گیا۔ لوگ ہر سمت سے اسے پکڑنے کے لیے دوڑے اور اسے گرفتار کر لیا۔ زخم اگرچہ اتنا نہ تھا لیکن زہر نے سرایت کی اور حضرت شاہ ولایت کرم اللہ وجہہ عالم جاودانی کو انتقال فرما گئے اور اکیسویں شب کو آپ کا جسم مبارک نجف الخیرہ میں دفن کیا گیا جو کہ کوفے کے قریب جامع مسجد سے ایک فرسخ کے فاصلے پر حیرت النعمان کی راہ میں واقع ایک مقام ہے۔ اور آپ کی قبر مبارک کو اونچا نہ کیا گیا اور علامت کے بغیر رکھا گیا تاکہ خارجی لوگ جو کہ اس زمانے میں کوفہ کے گردونواح میں پھیلے ہوئے تھے' بے ادبی نہ کریں۔ اور یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے چالیسویں سال میں واقع ہوا اور نبوت کے بعد جو خلافت تھی' منقطع ہو گئی۔ اور ساری اُمت پر ایک عام مصیبت ٹوٹ پڑی کہ انہوں نے مقامِ نبوت کے نائب کو گم کر دیا اس حادثے کو معلوم کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت افسوس ہوا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب آپ نے حضرت ولایت مآب رضی اللہ عنہ کی رحلت کی خبر سُنی تو فرمایا اب عرب جو چاہیں کریں' وہ نہ رہا جو انہیں ناپسندیدہ کاموں سے منع فرماتا تھا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ آپ کی شہادت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بے شمار علماء اور واعظ موجود تھے جو کہ لوگوں کو غیر پسندیدہ کاموں سے بے رو رعایت روکتے تھے اور بنی اُمیہ کے بادشاہوں اور دوسرے سرداروں میں سے کسی کے مرتبے اور دبدبے کا لحاظ نہیں کرتے تھے لیکن ان کا امر و نہی علماء کے امر و نہی' اولیاء کے ارشاد' اور واعظوں کے

marfat.com

Marfat.com

پند و نصیحت کے رنگ میں تھا نہ کہ حکم پیغمبر کے رنگ میں اس وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے قاتل کو اشقی ہونے کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ اس وقت آپ کی ذات قائم مقام نبی ہونے کے کمال میں ان کمالات کے جامع ہونے کی وجہ سے جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین کے لیے چاہئیں' منفرد یعنی تنہا تھی۔ بخلاف خلفاء کے کہ ان میں یہ انفرادیت نہ تھی اگر ان کے قاتلوں نے اس نور کو بجھانے کی کوشش کی تو ان کی کوشش آگے نہیں بڑھی اس لیے کہ ابھی خلافتِ کبریٰ کی صلاحیت رکھنے والے اور لوگ موجود تھے اور حضرت شاہ ولایت کرم اللہ وجہہ چونکہ خاتم الخلفاء تھے' آپ کا قتل نورِ الٰہی کو بجھانے کا موجب ہوا اور ایسی مصیبت رونما ہوئی جس کا تدارک ممکن نہ رہا۔

## ایک شبہ اور اس کا جواب

اور اگر کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ ثمود کے بدبخت ترین کی حرکت کی وجہ سے تمام فرقۂ ثمود تباہ ہو گیا جبکہ اس اُمت کے بدبخت ترین کی حرکت کی وجہ سے باقی اُمت کو کوئی گزند نہ پہنچی۔ یہاں فرق کس لیے ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دو وجہ سے فرق ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ ثمود کی ساری قوم اونٹنی کو قتل کرنے پر راضی ہو گئی جبکہ اس اُمت کی اکثریت اس حرکت پر راضی نہ تھی بلکہ انہوں نے یہ حرکت کرنے والے پر نفرت اور لعنت بھیجی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اونٹنی کے قتل کے بعد اس کا بچہ غائب ہو گیا جبکہ حضرت شاہ ولایت کرم اللہ وجہہ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد کرام باقی رہے اور جس نور کے حامل حضرت ولایت مآب رضی اللہ عنہ تھے' طبقہ بعد طبقہ ایک حامل پیدا ہوتا رہا جو کہ اپنے وقت کا امام ہوتا تھا۔ اس وجہ سے اس اُمت کو اس نور سے محرومی نصیب نہ ہوئی اور وہ اس ہدایت سے فیض پاتے رہے۔ گرچہ کمالات کی وجدانی کیفیت دگرگوں ہو گئی اور وہ کمالات استعداد کے مطابق اچھے گروہوں میں سے ہر گروہ میں متفرق اور منتشر ہو گئے اور آپ کی شہادت

marfat.com

Marfat.com

کے بعد جو عجیب واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کی شہادت کے دن بیت المقدس میں کوئی ایسا پتھر نہ تھا جس کے نیچے سے خون نہ اُبلتا ہو۔

# سورۂ واللیل

مکی ہے اس میں اکیس (۲۱) آیات' اکہتر (۷۱) کلمات اور تین سو دس (۳۱۰) حروف ہیں۔

## سورۃ والشمس کے ساتھ رابطے کی وجہ

اور سورۂ والشمس کے ساتھ اس سورۃ کے رابطے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ہی قسموں کے ساتھ شروع ہونے میں پوری مناسبت رکھتی ہیں۔ وہاں انسانی نفوس کے اختلاف کا ذکر ہے کہ بعض کو فجور کا الہام ہوتا ہے اور بعض کو تقوے کا۔ اور ان لوگوں کی اچھی حالت کا بیان ہے جو کہ تزکیۂ نفس میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی بُری حالت کا ذکر ہے جو شہوت اور غضب کی پیروی کر کے نفس کو ذلیل وخوار کرتے ہیں۔ جبکہ یہاں بھی بنی آدم کے اعمال کا سعادت اور شقاوت میں اور بعض کو آسانی کی راہ چلنے کی توفیق دینے اور بعض کو رسوا کرنے اور شقاوت کی راہ ڈالنے میں مختلف ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ نیز دونوں سورتوں میں بدبختوں کا ذکر ہے وہاں ثمود کے اشقی کا ذکر ہے جبکہ یہاں اس بدبخت کا حال بیان کیا گیا جو کہ اس اُمت کے آغاز میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کو عذاب دے کر شقاوت کی دلالی میں پڑ گیا اور اس اعتبار سے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی سرفرازی نصیب ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے ساتھ ایک گونہ مشابہت حاصل ہوگئی۔

## وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کا نام سورۂ واللیل اس لیے رکھا گیا ہے کہ لغتِ عرب میں لیل رات کو کہتے ہیں اور اس سورۃ میں لوگوں کے اعمال کا نیکی اور بدی میں اختلاف بیان کرنا مقصود ہے اور رات اس اختلاف کے قابلِ ذکر اوقات میں سے ہے۔ عابدوں کی رات' چوروں کی

marfat.com
Marfat.com

رات' عیاشوں کی رات' فراق اور جدائی میں دردمندوں کی رات اور احباب کے وصال کی رات کا آپس میں کس قدر فرق ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں ع

شب تو ر گزشت وشب سو ر گزشت

اور ہر دن میں اگرچہ اسی قسم کا اختلاف اور رنگا رنگی ہے لیکن چونکہ وقت اسرار کے کھلنے اور واضح ہونے کا ہے' سب لوگ بناوٹ اور تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو متفق کرتے ہیں' چور عابد کے رنگ میں باہر آتا ہے۔ اور فاسق اپنے آپ کو نیکوں کے لباس میں ظاہر کرتا ہے۔ بخلاف رات کے کہ تاریکی کے پردے کی وجہ سے حیا کا حجاب اُٹھ جاتا ہے اور ہر شخص اپنے نفس اور دل میں پوشیدہ خواہش کے مطابق بے تکلف اور بے حجاب ایک کام میں مشغول ہو جاتا ہے اور بناوٹی اتفاق زائل ہو جاتا ہے۔

## شانِ نزول

اور اس سورۃ کا سبب نزول یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں دو سردار مال دار تھے' ایک حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرا اُمیہ بن خلف۔ مال خرچ کرنے میں دونوں کا معاملہ مختلف ہو گیا۔ اُمیہ بہت مال دار تھا اس نے بارہ (۱۲) غلاموں کو تربیت کر کے ہر ایک کو ایک کام پر لگا رکھا تھا اور اس تدبیر کے ساتھ مال زیادہ کرتا تھا کہ ایک غلام کو کاشت کاری کا منتظم کر دیا' دوسرے غلام کو پھل دار باغات کا کام سپرد کر دیا' ایک غلام کو بیش قیمت منقش کپڑوں کی تجارت کے لیے یمن اور شام کی طرف بھیجتا اور کسی غلام کو مویشیوں پر مقرر کر کے دودھ' دہی اور نسل کشی سے مال بڑھاتا۔ علیٰ ہذا القیاس اور اتنا امیر اور دولت مند ہونے کے باوجود منگتے کو ایک درہم نہیں دیتا تھا اور اگر اس کا کوئی غلام اس کے مال سے کسی محتاج کو کچھ دے دیتا تو اسے ملامت کرتا اور خدمت سے معزول کر دیتا اور اگر اسے کوئی کہتا کہ اتنا مال ہوتے ہوئے تو آخرت کا ذخیرہ کیوں نہیں بناتا؟ تو کہتا کہ پہلے تو آخرت ہے کہاں؟ اور اگر بالفرض آخرت ہو تو میں نے اس قدر مال اور اولاد کی کمائی کی ہے کہ مجھے جنت کی نعمتوں کی ضرورت بالکل نہیں ہوگی' مجھے اس لالچ کی بالکل پرواہ نہیں کہ محتاجوں کو کچھ دے کر انہیں اپنا بنایا جائے۔

marfat.com
Marfat.com

## حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فضائل اور ان کی تکالیف کا بیان

اور اس کے غلاموں میں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص ہیں اور ان کی بزرگی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت میں اپنے آگے آگے دیکھا اور فرمایا کہ جنت بلال کی مشتاق ہے۔

جن دنوں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے غلام تھے' خفیہ طور پر مشرف بہ اسلام ہوگئے' ہوتے ہوتے اسے آپ کے مسلمان ہونے کا پتہ چل گیا۔ پہلے تو اس نے آپ کو خدمت سے معزول کر دیا' خزانے اور بت خانے کی حفاظت کا کام جو آپ کے سپرد تھا' کسی دوسرے غلام کو دے دیا۔ پھر آپ کو اپنے روبرو بلا کر پوچھنے لگا کہ تو کس کی عبادت کرتا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی۔ اس لعین نے کہا کہ اس دین سے دست بردار ہو جا ورنہ تجھے سخت ترین عذاب کے ساتھ ہلاک کر دوں گا۔ فرمایا میں اس سے منہ پھیرنے والا نہیں جو چاہے کر' میں تیرا غلام ہوں۔ وہ ظالم کا فر دن کے آغاز میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جسم سے کپڑے اُتار دیتا اور کیکر کے کانٹے آپ کے جسم میں پیوست کر دیتا یہاں تک کہ وہ کانٹے ہڈی تک پہنچ جاتے۔ اور جب دن گرم ہو جاتا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے دوسرے غلاموں کے سپرد کر دیتا کہ اسے سورج کی گرمی میں پشت پر لٹا دو۔ اور دھوپ میں جلے ہوئے گرم پتھر اس کے سر سے لے کر پاؤں تک چن دو اور اس کے اردگرد آگ جلا دو تا کہ اسے اپنے کام کی حقیقت معلوم ہو جائے جب دن ختم اور سورج غروب ہو جاتا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بیڑیاں اور طوق ڈال کر تاریک حجرے میں بند کر دیتا اور اپنے غلاموں سے کہتا کہ باری باری ساری رات اسے کوڑے مارو اور صبح تک کوڑے کی آواز بند نہ ہو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس زبردست تکلیف میں وقت گزارتے اور احد احد کہتے یعنی میرا خدا ایک ہے' میرا خدا ایک ہے۔

ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رات کے وقت اس کوچے سے گزر ہوا اس لعین کے گھر سے گریہ وزاری کی آواز آپ کے کانوں میں پہنچی۔ پوچھا کہ اس کے گھر میں کیا واقعہ رونما ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ بلال نامی اپنے غلام کو عذاب دے رہا ہے اور

marfat.com
Marfat.com

وہ غلام گریہ وزاری کرتا ہے۔ صبح ہوتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کے گھر گئے اور اسے نصیحت فرمانے لگے کہ خدا سے ڈر اور اس غلام کو ناحق سزا نہ دے اور ظلم نہ کر۔ کیونکہ اس نے دینِ حق کو قبول کیا ہے اور خداتعالیٰ کی دوستی حاصل کی ہے۔ چاہیے کہ تو اس غلام کو غنیمت سمجھے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے کہ آخرت میں تیرے کام آئے اس لعین نے کہا کہ آخرت کہاں ہے اور یہ دین کہاں سے حق بن گیا اور اگر بالفرض آخرت ہو بھی تو مجھے دنیا میں کیا کمی ہے کہ آخرت کی مبنی بروہم نعمتوں پر فریفتہ ہو جاؤں۔ جنت میرے پاس نقد موجود ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ مال کی کوئی قسم نہیں جو میرے خزانوں اور کارخانوں میں موجود نہیں۔

## حضرت ابوبکر صدیق کا حضرت بلال کو خریدنا رضی اللہ عنہما

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر اسے نصیحت فرمائی اس نے کہا کہ اگر اس غلام کے بارے میں آپ کو دلی تکلیف ہے تو آپ کے پاس مال بھی وافر مقدار میں موجود ہے اور آپ آخرت کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں تو آخرت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے اسے مجھ سے خرید کیوں نہیں لیتے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بالکل میری یہی آرزو ہے۔ تو جو چاہے اس کے بدلے میں اسے خریدتا ہوں اس کافر نے عاجز کرنے کے طور پر کہا کہ آپ اسے خرید نہیں سکتے اور اگر اس کام کا ذوق ہے تو نسطاس رومی مجھے دے دیں۔ جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلاموں میں سے تجارت کے بارے میں بہت لائق اور قابل تھا اور اس نے دو ہزار دینار سرمایہ جمع کیا تھا اور یہ غلام لے لیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جان و دل سے قبول کیا بلکہ چالیس اوقیہ چاندی اس پر مزید بڑھا دی اور اسے پہنچا دی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر قید خانے سے باہر لائے اور اپنے ہمراہ لے گئے۔

وہ بدبخت کافر ہنس رہا تھا اور اپنے پاس بیٹھنے والوں سے کہہ رہا تھا کہ یہ شخص کمال ذہانت اور عقل کے ہوتے ہوئے کاروبار میں کس قدر نقصان میں رہا۔ اگر کوئی یہ غلام مجھے فروخت کرتا تو میں اسے درہم کے چھٹے حصے کے عوض بھی نہ خریدتا جبکہ اس شخص نے اس

marfat.com
Marfat.com

طرح کے قابل غلام کے ساتھ تبادلہ کر لیا جو کہ دو ہزار دینار کا مالک ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر فرمایا کہ میری نظر میں یہ غلام اس مرتبے کا ہے کہ اگر تو یمن کی ساری بادشاہی کے عوض بیچتا تو میں خرید لیتا۔

بعد ازاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے یہ غلام اس طرح خریدا ہے' آپ گواہ رہیں کہ میں نے رضائے خداوندی کے لیے اسے آزاد کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اس دن سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ فارغ البال ہو کر بارگاہِ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

## فضائل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے آزاد کردہ غلاموں کی تفصیل

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابتدائے اسلام اور مسلمانوں کی انتہائی کمزوری اور غربت کے وقت اپنا مال راہِ خدا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخراجات' مسلمانوں کو کفار کے ہاتھوں چھڑانے اور دوسرے اچھے طریقوں پر خرچ کر کے آخرت کا ذخیرہ جمع فرمایا جیسا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں آپ نے جو کچھ خرچ کیا' معلوم ہو چکا اور اسی طرح آپ نے قریش کے سات غلاموں اور کنیزوں کو جو کہ دینِ اسلام پر مضبوطی سے قائم تھے اور ان کے مالک کفر کے تعصب کی بناء پر انہیں قسم قسم کے عذاب دیتے تھے' خرید کر آزاد فرمایا۔

ان میں سے ایک عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے' آپ نے انہیں ان کے مالکوں سے جو کہ بنی جدعان تھے' ایک رطل خالص سونے کے عوض خرید کر آزاد فرمایا۔ جو کہ شاہجہان آباد میں رائج آدھ سیر کے قریب ہے۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بیئر معونہ کے واقعہ میں شہید ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے۔

ان میں سے ایک زنیرہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کہ ایمان و صلاحیت میں عظیم المرتبت کنیز تھیں۔ جب آپ نے اسے خرید کر آزاد فرمایا اس کی آنکھوں میں درد ہوئی اور بینائی ختم

marfat.com
Marfat.com

ہوگئی' پُرانے مالکوں نے ایک دن طعن وتشنیع کرتے ہوئے کہا کہ تو نے لات اور عزیٰ کا کرشمہ دیکھا کہ کس طرح تیری بینائی سلب کرلی اس نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو لات وعزیٰ میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا کسی کو کوئی نقصان یا نفع پہنچائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کی اس بات پر مہربانی فرمائی اور اسی وقت اس کی بینائی درست ہوگئی۔

اور ان میں سے مہدیہ اور اس کی بیٹی ہے' دونوں بنی عبدالدار کی ایک عورت کی ملک تھیں' وہ عورت انہیں سخت عذاب دیتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس ماجرا پر مطلع ہو کر اس عورت کے ہاں تشریف لے گئے اور اسے نصیحت فرمائی کہ ان سے دست بردار ہو جا اور ان کی قیمت میں جو چاہے' مجھ سے لے لے اس عورت نے بھاری قیمت کا مطالبہ کیا۔ آپ نے اسی وقت ادا کر دی اور ان دونوں کو جو کہ اس عورت کا آٹا پیسنے میں مصروف تھیں' خوش خبری دی کہ میں نے تمہیں خرید کر آزاد کر دیا ہے۔ اب اُٹھو اور میرے ساتھ آؤ' ان دونوں نے عرض کی کہ حضرت! اتنے سالوں کی صحبت کا حق یہ ہے کہ ہم اس ڈیوٹی سے فارغ ہو کر اسے آٹا پہنچا کر پھر حاضر ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا شاباش! تمہارا صبر بہت اچھا ہے' ایسا ہی کرو۔

اور ان میں سے ایک کنیز ہے جو کہ بنو مومل کی ملک تھی جو کہ بنو عدی کا ایک گروہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ آپ اس لونڈی کو اسلام کے بارے میں شدید ایذاء دیتے تھے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے بھی خرید کر آزاد فرمایا۔ علیٰ ہذا القیاس اُم عبیدہ اور چند اور لوگوں کو بھی آزاد فرمایا۔

اور ان تمام اخراجات کے بعد چالیس ہزار درہم جو کہ آپ کا سرمایہ تھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے حکم پر مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ فرمایا اور چھ ہزار درہم جو کہ مکی زندگی کے تیرہ سال کے عرصے میں باقی بچ گئے تھے' ہجرت کے دوران' مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کی زمین کی خریداری اور خیرات کی دوسری وجوہ میں خرچ کر دیے۔ چنانچہ یہ کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر بارہا آئے ہیں کہ ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر یعنی مجھے کسی کے مال نے کبھی اتنا نفع نہ دیا جتنا کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے

marfat.com
Marfat.com

مال نے نفع دیا۔

## حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مال اور دیگر خدام کے مال میں فرق

کیونکہ ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور جناب ابوطالب اور حضرت عبدالمطلب کا مال جو کہ حضور علیہ السلام کے خرچ میں آیا' صرف خوراک' پوشاک' صلہ رحمی' مہمان نوازی اور محتاجوں کی خبر گیری کے لیے تھا جبکہ یہ مال عظمتِ اسلام بڑھانے' کفار کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو چھڑانے اور کمزور مسلمانوں کی امداد کرنے کا موجب تھا اور ان دونوں قسم کے خرچ میں آسمان وزمین کا فاصلہ ہے۔

## بارگاہِ خداوندی سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سلام

اس کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مال بالکل ختم ہو گیا اور آپ پر فقر نے غلبہ کیا' ایک دن آپ کرتے کی جگہ ایک کمبل گلے میں ڈالے اسے ایک کانٹے کے ساتھ باہم جوڑے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر تھے کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور پوچھا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اتنے مال دار ہونے کے ابوبکر کا یہ کیا حال ہے کہ اس فقیرانہ لباس میں بیٹھے ہیں؟ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا انہوں نے اپنا سارا مال مجھ پر اور میری راہ میں خرچ کر کے ختم کر دیا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ خداتعالیٰ نے ابوبکر پر سلام فرمایا ہے اور پوچھا ہے کہ کہو اس فقر کی صورت میں مجھ پر راضی ہو یا کوئی خلش ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر یہ سنتے ہی ایک کیفیت طاری ہو گئی کہ اربابِ وجد کی طرح مست ہو کر کہہ رہے تھے کہ مجھے اپنے پروردگار کے ساتھ کیا خلش ہے؟ اور بار بار بلند آواز کے ساتھ یہی نغمہ سرائی فرما رہے تھے کہ انا عن ربی راض انا عن ربی راض میں اپنے رب سے راضی ہوں' میں اپنے رب سے راضی ہوں۔

اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں ان دونوں معاملات کا ذکر فرما رہا ہے اور تمام نیکیوں اور گناہوں کا معاملہ۔ لوگوں کی ہمتوں اور ان کی کوششوں کا اختلاف جو کہ نیکی اور برائی حاصل کرنے میں مختلف اور جدا جدا واقع ہوئے' انہیں دونوں معاملات پر قیاس فرماتا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَاللَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی مجھے رات کی قسم ہے جس وقت کہ سورج کے نور کو ڈھانپ لیتی ہے اور جہان کو تاریک کر دیتی ہے اور یہ بُرے عمل کا نمونہ ہے جو کہ روح اور قلب کے نور کو اپنی تاریکی کے ساتھ ڈھانپ لیتا ہے اور چھپنے اور پوشیدہ ہونے کا وقت بھی ہے اور جو اعمال کہ ستر اور حیا کے ساتھ متعلق ہیں' زیادہ تر اسی وقت واقع ہوتے ہیں جیسے راز کی بات کہنا' چھپ کر بھاگنا' چوری کرنا' بدکاری کرنا' جادو ٹونہ اور شیطانی اعمال۔

وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی اور مجھے دن کی قسم ہے جب سورج طلوع ہونے اور بادل اور غبار چھٹنے کے ساتھ روشن ہو جو کہ روح اور قلب کو روشن کرنے میں نیک عمل کا نمونہ ہے اور جو اعمال ظہور اور بے حجابی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں' زیادہ تر اسی میں واقع ہوتے ہیں جیسے روزی کی تلاش' کمائی کے لیے مخلوق کا منتشر ہونا' ایک دوسرے کی ملاقات اور فائدہ دینا اور لینا۔

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰی اور اس حکمتِ الٰہی کی قسم جس نے حیوانات کی اقسام سے نر اور مادہ کو پیدا فرمایا۔ تاکہ وہ ملیں اور نسل' دودھ اور گھی پیدا ہو۔ اور نر اور مادہ کی یہ پیدائش اعمال میں خیر اور شر اور کمال اور نقصان کے مخلوط ہونے کا نمونہ ہے اور بے شمار نتائج اور ثمرات پیدا ہونے کا سبب ہے کہ ایک میں خیر اور شر' کمال اور نقصان کی توقع نہ تھی اور جس مضمون پر یہ تین قسمیں اُٹھائی گئی ہیں' یہ ہے کہ

اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی تحقیق اعمال اور مصروفیات میں تمہاری کوشش بہت مختلف اور رنگارنگ ہے' ایمان اور کفر' صلاح اور فسق' سخاوت اور بخیلی علیٰ ہذا القیاس اور آدمیوں کے اچھے بُرے اعمال کا اختلاف اس حد تک ہے کہ اسے ضبط نہیں کیا جا سکتا مگر یہ کہ ان کی بنیادی قسمیں تین اقسام سے باہر نہیں ہیں۔ پہلی قسم صرف خیر' دوسری قسم نرا شر' تیسری قسم جہاں خیر اور شر دونوں آپس میں مخلوط ہیں۔ چنانچہ ان تینوں قسموں میں ان تین اقسام کا اشارہ فرمایا گیا ہے۔

محض خیر ان اعمال میں ہے جن کا ظاہر و باطن نیک ہو اور وہ ایسا عمل ہے جس میں تین

marfat.com
Marfat.com

ارکان پائے جائیں' اس کی صورت جائز ہو' نیت خالص ہو اور صحیح عقیدے اور درست یقین پر مبنی ہو۔

محض شر وہ ہے جس میں تینوں چیزیں ناپید ہوں اس کی صورت ناجائز' نیت فاسد اور وہ غلط عقیدے پر مبنی ہو اور جس میں خیر اور شر مخلوط ہوں' اس کی چند قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ اس کی صورت جائز ہو اور نیت خراب جیسا ریاکاری کی نماز' دوسری قسم یہ ہے کہ اس کی صورت ناجائز اور نیت صحیح جیسے شہدائے کربلا کے لیے نوحہ و ماتم اور شوق الٰہی اُبھارنے کے لیے مزامیر کا سننا' تیسری قسم یہ ہے کہ صورت اور نیت دونوں صحیح ہوں مگر اعتقاد درست نہ ہو جیسے کفار کی مالی عبادات۔ جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل میں لاتے ہیں اور ان اقسام میں سے ہر ایک بہت وسعت رکھتی ہے اور اس میں بے شمار انواع اقسام کی گنجائش ہے جیسا کہ غور کرنے والے پر مخفی نہیں ہے لیکن ان تمام انواع واقسام کی جائے بازگشت یہی تین اقسام ہیں اور یہ تینوں اقسام جزا میں تفریق کا سبب ہوئی ہیں اور ہر ایک قسم ثواب اور عذاب کا جدا جدا یا ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط ہو کر تقاضا کرتی ہے۔ چنانچہ مال خرچ کرنے کے بارے میں اس اختلاف کی تفصیل کہ اس سورۃ میں یہی بیان کرنا مقصود ہے' بیان کی جا رہی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى تو جس نے اپنا مال دیا۔ وَاتَّقٰى اور ریاء وسمعہ سے' گناہوں اور شہوتوں میں خرچ کرنے سے' بدعتیوں کی مدد کرنے سے پرہیز کیا اور خرچ کرنے کے بعد بھی احسان جتلانے اور عوض مانگنے سے پرہیز کیا۔

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى اور اچھی شریعت اور اچھی جزا کی تصدیق کی جس کی اسے دار آخرت میں توقع ہے۔ تو اس شخص نے وہ عمل کیا جو کہ ہر طرح سے نری خیر ہے۔ اس کا ظاہری عمل مال دینا ہے جو کہ ساری شریعتوں میں جائز ہے۔ اور اس کا باطنی عمل ریاء وغیرہ سے بچنا ہے جو کہ نیت کو صحیح کرنے اور مال خرچ کرنے کے انجام کو باقی رکھنے میں کافی ہے۔ اور اس کا عقیدہ بھی صحیح اور درست ہے کہ اچھی شریعت اور آخرت میں اعمال کی جزا کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی توقع پر مال خرچ کرتا ہے۔ پس وہ اچھی جزا کا مستحق ہو گیا۔

marfat.com
Marfat.com

چنانچہ فرمایا جارہا ہے کہ

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰی پس قریب ہے کہ ہم اس کی نظر میں آسانی کی راہ آسان کر دیں۔ یعنی ہم اسے تمام دینوی خیرات اور آخرت کے درجات قرب کی توفیق عطا فرمائیں تاکہ اس کی وجہ سے نیکیاں اور عبادتیں آسان ہو جائیں اس لیے کہ نیک اعمال کی خاصیت ہے کہ جب کوئی شخص ان پر ہمیشگی کرتا ہے اس کے نفس میں نورانی استعداد پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس پر خیر کی راہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کا تکلف طبیعت کا حکم حاصل کر لیتا ہے اور العبادۃ طبیعۃ ثانیہ اسے اس راہ پر چلنے میں کوئی تکلیف اور مشقت نہیں رہتی۔ پھر جب موت اور اس دنیا سے جانے کا وقت پہنچے تو اسے اور آسانی نصیب ہوتی ہے اور موت کے بعد نکیرین کے سوال حشر ونشر حساب میزان اور پل صراط سے گزرنے میں بھی اسے آسانی پر آسانی عطا کی جاتی ہے اور ان سخت مقامات میں اس پر کوئی رنج اور دکھ نہیں رہتا۔

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی اور جس نے اپنے مال میں بخل کیا اور اخروی نعمتوں سے لاپرواہی کی اور اسے اپنی لاپرواہی کا سرمایہ سمجھا۔

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی اور اچھی شریعت اور اچھی جزا کی تکذیب کی تو اس شخص نے ایسا عمل کیا جو نرا شر ہے اس لیے کہ بخل تمام دینوں میں مذموم اور معیوب ہے اور آخرت کے ثواب سے لاپرواہی کرنے کی وجہ سے اچھی نیت بالکل دگرگوں ہوگئی۔ اور شریعت کی تکذیب کی وجہ سے اس کا عقیدہ خراب ہوگیا۔ پس نہ اس کے ظاہری عمل میں جو کہ بخل ہے نہ باطنی عمل میں جو کہ ثواب آخرت سے مال کی وجہ سے لاپرواہی کرتا ہے اور نہ اس کے اعتقاد میں جو کہ شریعت کی تکذیب ہے۔ کسی وجہ سے اچھائی نہ رہی پس اس کی جزا بھی محض بُری ہوگی چنانچہ فرمایا جارہا ہے کہ

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی تو قریب ہے کہ ہم اس کی نظر میں دشواری اور سختی کی راہ آسان کریں حتیٰ کہ وہ غلط راہ اور بُرے اعمال میں تکلیفیں اٹھاتا ہے اور رنج برداشت کرتا ہے جبکہ دو رکعت نماز میں سستی کرتا ہے اور جی چراتا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر اس قسم کے لوگوں

marfat.com
Marfat.com

کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی نیز فرمایا گیا کہ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ اور جب موت کا وقت آ پہنچے تو انتہائی سختی سے اس جہان سے جائے اور موت کے بعد نکیرین کے سوال' حشر ونشر' حساب' میزان اور جہنم کے کئی قسموں کے عذاب میں سختی پر سختی دیکھے اور جس مال کو اس نے اس قسم کی سختیوں کے لیے سنبھال رکھا تھا اور اسے اس کی توقع تھی کہ سختی کے وقت کام آئے اور سختی کو آسان کرے اس سے جدا ہو کر لوٹنے والے ورثاء کے ہاتھوں میں جا پڑے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى اور جب وہ ہلاک ہو تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے اور ایک کفن کے سوا کچھ بھی ہمراہ نہ لے جائے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ بنی آدم کے اعمال جیسا کہ قسم میں اس کا اشارہ گزرا ہے' تین قسم کے ہیں اور جزا کے بیان میں صرف دو قسم کے اعمال کی جزا کے ذکر پر اکتفاء فرمایا گیا جو کہ خیر محض اور شر محض ہیں اور اس عمل کی جزا کو جس میں خیر اور شر مخلوط ہوں' درمیان میں نہیں لایا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل مند تھوڑی سی توجہ سے اس کے حکم کو ان دو قسموں کے حکم سے معلوم کر سکتا ہے اس لیے کہ جہاں خیر اور شر جمع ہوتے ہیں' النتیجه تتبع الاخس الارذل یعنی نتیجہ ردی اور ذلیل شے کے تابع ہوتا ہے' کے مطابق شر کا حکم غالب آتا ہے اور خیر کا حکم مغلوب ہو جاتا ہے۔

## مسئلہ شرعی

چنانچہ شریعت میں یہ بات طے شدہ ہے کہ جو حیوان حلال اور حرام جانور سے پیدا ہوا ہو' حرام ہے جیسے خچر اور جس مال میں حلال اور حرام مخلوط ہو کر ایک جان ہو جائیں جیسے اپنا دودھ چھینے ہوئے دودھ یا اپنا دودھ چھینے ہوئے پانی کے ساتھ مل کر شربت ہو گیا ہو' حرام ہے تو اسی قیاس پر جب کسی عمل میں خیر اور شر جمع ہو جائیں' وہ عمل شر قرار پائے گا اور اس کا خیر ہونا مغلوب ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

## مذکورہ تین قسموں کی تخصیص میں نکتہ

اور بعض مفسرین نے ان تین قسموں کو خصوصیت کے ساتھ بیان کرنے کے نکتہ کے

marfat.com

Marfat.com

متعلق یوں ذکر فرمایا ہے کہ بنی آدم کے اعمال کا اختلاف بیان کرنا مقصود ہے۔ پہلے رات اور دن کی قسم لائی گئی جو کہ اعمال کے اختلاف کا زمانہ ہے' چوروں کی رات اور عابدوں کی رات میں اور بدکاروں کی رات اور پرہیزگاروں کی رات میں جو فرق ہے' بالکل ظاہر ہے اسی طرح دن میں بھی اس کے بعد بنی آدم کے اصل الاصول جو کہ نر اور مادہ ہیں' میں بھی اعمال' افعال' ہمت اور رغبت کا پورا اختلاف ہے۔ مردوں کے اعمال اور ہیں اور ان کی ہمتیں بلند جبکہ عورتوں کے اعمال اور ہیں اور ان ہمتیں پست' مردوں کی رغبت نام اور مرتبہ حاصل کرنے میں مصروف ہے جبکہ عورتوں کی رغبت لباس اور آرائش میں محدود ہے۔ پس ان دونوں اصول کی قسم بھی یاد فرمائی گئی تا کہ بنی آدم کے اعمال کے مختلف ہونے' ہمتیں اور محرکات جدا جدا ہونے کی دلیل ہو کہ اصل کا حکم فرع پر جاری ہوتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ **الولد سر لابیہ** اور حضرت امیر خسرو قدس سرہ العزیز کا ارشاد ہے۔

در جوانمردی و مردی ہر کہ کارے پیش برد
ناجوانمردی بود گر برزباں آرو سخن

یعنی مردی میں جس نے کوئی کام کیا اگر زبان پر اس کے متعلق کوئی بات لائے تو جوانمردی نہیں ہوگی۔

آنکہ او کرد و نگفت اورا شمر مرد تمام
وانکہ او کرد و بگفت او زن بود بے ہیچ ظن

جس نے کام کیا اور زبان سے اس کی بات نہیں کی' اسے پورا مرد سمجھو اور جس نے کام کیا اور اس کے متعلق بات کی وہ بلاشبہ عورت ہے۔

آنکہ نا کرد و نگفت آنرا مداں جزنیم مرد
وآنکہ نا کرد و بگفت اور الخواں جزنیم زن

اور جس نے کام کیا نہ بات کی اسے صرف آدھا مرد سمجھو اور جس نے کام نہ کیا اور بات کی اسے آدھی عورت کہو۔

اور زمان کا حکم بھی زیادہ تر زمانے والوں پر جاری ہوتا ہے جیسا کہ حضرت امیر المومنین

marfat.com
Marfat.com

علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ الناس بزمانھم اشبہ منھم بآبائھم لوگو! اپنے آباؤ اجداد کی نسبت اپنے زمانے کے مشابہ زیادہ ہوتے ہیں اور حدیث شریف میں حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے وارد ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک شخص کے جنازے میں نکلے اور آپ قبر کی تیاری کے انتظار میں تشریف فرما ہوئے' ہم آپ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کی جگہ جنت یا دوزخ علم الٰہی میں مقدر ہے اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے جس میں تغیر و تبدل کی کوئی راہ نہیں۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اگر معاملہ یوں ہے تو ہم اپنے متعلق لوح محفوظ کی تحریر پر اعتماد کیوں نہ کریں اور عمل کیوں ترک نہ کریں کہ بے فائدہ تکلیف کیوں برداشت کی جائے' جو ہونا ہے' ہو کے رہے گا؟ آپ نے فرمایا کہ عمل کرتے جاؤ۔ اس لیے کہ ہر کسی کو اسی عمل کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اگر اسے نیک بخت پیدا کیا گیا ہے تو اس سے نیک بختوں کے اعمال صادر ہوتے ہیں۔ اور اگر اسے بدبخت پیدا کیا گیا ہے تو اس سے بدبختوں کے اعمال صادر ہوتے ہیں تو جس طرح کہ ہر کسی کا مکان جنت یا جہنم مقرر ہے اسی طرح اچھے بُرے اعمال بھی ہر کسی کے لیے مقرر ہیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی آخر تک تلاوت فرمائی۔

## مسئلہ تقدیر کی ایک نفیس توجیہ

اور یہاں یہ آیت تلاوت فرمانے سے ایک اور معنی سمجھ میں آتا ہے یعنی تمہارے کام علمِ الٰہی میں مختلف اور رنگارنگ ہیں' کسی کو نیک اور کسی کو فاسق لکھا گیا ہے اور دنیا میں اسی کے مطابق اس سے اچھے اور بُرے اعمال صادر ہوتے ہیں۔ پس اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی سے مراد یہ ہے کہ علم الٰہی میں یہ اعمال اس سے مقدر ہیں اور فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی سے مراد یہ ہے کہ وہ دنیا میں ان کاموں کی توفیق پاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اعمال کو جس مرتبے میں دیکھیں' ایک نتیجہ رکھتے ہیں۔ علمِ الٰہی میں کہ اچھے بُرے اعمال مقدر ہیں۔ اس کا پھل دنیا میں توفیق اور رسوائی کا حاصل ہونا ہے اس لیے کہ دنیا عالمِ تقدیر کا سایہ ہے اور اس کے ساتھ اس کی نسبت ایسے ہے جیسے بنائی گئی

marfat.com
Marfat.com

چیز کی نسبت اس کے سانچے کے ساتھ ہوتی ہے کہ اس سے کم وبیش نہیں ہوسکتی اور اگر انسان سے صادر ہونے کے بعد ان اعمال کو دیکھیں تو اس کا پھل اُخروی جزا ہے کہ آخرت اس کھیتی کے کاٹنے کا وقت ہے جسے دنیا میں کاشت کر گئے ہیں۔

بیت

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو زجو
ایں چنیں گفتہ است پیر معنوی
کائے برادر ہرچہ کاری بدروی

یعنی عمل کی جزاء سے غافل نہ ہو' گندم سے گندم اور جو سے جو اُگتے ہیں۔ پیر معنوی نے یوں فرمایا ہے کہ اے بھائی تو جو بوئے گا' وہی کاٹے گا۔

اور چونکہ یہاں اِک شبے کا گمان ہے کہ اگر نیکی اور بدی کی توفیق دربار الٰہی سے ہے تو پھر سب لوگوں کو نیکی کی توفیق کیوں نہیں دی جاتی اور بُرائی کی راہ سے مجبور کر کے کیوں نہیں روکا جاتا تاکہ سب کو آسانی کی راہ میسر آئے اور کوئی شخص سختی کا چہرہ نہ دیکھے اس کے جواب میں دو مقدمے ارشاد فرمائے جارہے ہیں۔

پہلا مقدمہ یہ ہے کہ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی تحقیق نیکی اور بدی تک پہنچنے کے راستے کی رہنمائی اور دلالت کرنا ہمارے ذمے ہے۔ اور ہم یہ ہر کسی کے لیے کرتے ہیں۔ پہلے تو ہم نے ہر کسی کو قوتِ عقلیہ سمیت ظاہری حواسِ خمسہ اور باطنی حواسِ خمسہ عطا فرمائے جو کہ خیر اور شر میں تمیز کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت' کتابوں کے نزول' شرائع اور احکام کے بیان' جنت کی نعمتوں اور جہنم کی سختیوں کا ذکر' صاحب ارشاد لوگوں اور واعظوں کے تقرر اور تنبیہ اور عبرت کے اسباب کو پیدا کرنے کے ساتھ سیدھی راہ کو ٹیڑھی راہ سے جدا اور ممتاز کر کے سب کو پتہ دے دیا۔ اور مجبور کر کے اچھی راہ پر چلانا اور بُری راہ سے دُور رکھنا ہماری ذمہ داری نہیں ہے بلکہ دو راستوں میں سے ایک پر چلنے کو اختیار کرنا ہم نے بندے کے ارادے اور خواہش کے ساتھ وابستہ کر چھوڑا ہے۔ ورنہ امتحان اور اختیار ثابت نہ

marfat.com
Marfat.com

ہو اور اطاعت گزار نافرمان سے ممتاز نہ ہو کیونکہ جب تو راہِ راست پر چلنے کے لیے سب مجبور ہو جاتے اور ہدایت پانے والے کو گمراہ پر فضیلت میسر نہ آتی بلکہ ہدایت پانے اور گمراہ کرنے کی صورت ہی نہ بنتی اور آدمی آسمان' ستاروں' ہوا' مٹی' پانی اور آگ کی طرح چار و ناچار تسخیر اور اطاعت میں ہوتا اور انسانی تخلیق کی خصوصیتیں جو کہ ان چیزوں سے پورا امتیاز چاہتی ہیں' بے کار اور معطل رہ جاتیں اور کیا' نہ کیا برابر ہو جاتا۔

دوسرا مقدمہ یہ کہ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى اور تحقیق عالمِ آخرت اور عالمِ دنیا لیے اور ہمارے لیے اور ہمارے ہی تصرف میں ہے۔ تو جو ہم سے آخرت طلب کرے' اسے ہم آخرت دیتے ہیں۔ اور جو دنیا طلب کرے اسے دنیا تک پہنچاتے ہیں اور جو دونوں چاہے تو دونوں سے نوازتے ہیں اور اگر ہم سب کو مجبور کر کے آخرت کی راہ پر چلاتے تو جہانِ دنیا خراب اور بے وقعت ہو کر رہ جاتا۔ اور دنیوی آرائشیں اور تکلفات عدم کے پردے میں چھپی رہ جاتیں۔ اور انہیں حاصل کرنے میں کوئی رغبت نہ کرتا۔ پس دونوں جہانوں کی تعمیر کے لیے لوگوں کی ہمتوں کو ہم نے مختلف کر دیا اور ہر کسی کے دل میں اسی کام کی خواہش ڈال دی جو کہ ان دونوں جہانوں میں سے ایک کی تعمیر کے لیے مطلوب ہے اور کیا ہی خوب کہا گیا ہے کہ ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند
میل آں را در دلش انداختند

اور جس وقت فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى کے لفظ میں اجمالی طور پر اس سختی کا ذکر فرمایا گیا جو کہ بدعمل کو درپیش ہے اب اس سختی کی اقسام میں سے جو سب سے زیادہ شدید اور قبیح ہے' اس کا ذکر فرمایا اور اس سے ڈرایا جا رہا ہے۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى پس میں تمہیں اس آگ سے ڈرا رہا ہوں جو کہ شعلے مارتی ہے اور اس کا شعلہ اس قدر بلند ہوتا ہے کہ کافر کو دو سو سال کی راہ سے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور وہ کافروں کے لیے مخصوص آگ ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے

لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى اس آگ میں تمام بدبختوں سے زیادہ بدبخت ہی داخل ہوگا جو

marfat.com
Marfat.com

کہ کافر ہے۔

## بدبختی کی اقسام

یہاں جاننا چاہیے کہ بدبختی کی چند قسمیں ہیں کسی کو دنیا میں بدبخت کیا جاتا ہے کہ اس کا جسم کسی زحمت میں مبتلا ہوتا ہے اور ہر تلاش وکمائی میں مال حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے حتیٰ کہ لوگوں کے نزدیک خوار ذلیل اور بے وقعت ہوتا ہے۔ اور کسی کو امورِ آخرت میں بدبخت کیا جاتا ہے اور اس کے بھی کئی درجے ہیں۔ بعض کو صغیرہ گناہوں پر ضد کرنے اور نیکیوں میں کوتاہی کرنے میں مبتلا کرتے ہیں اور کسی کو کبیرہ گناہوں کے ارتکاب اور توبہ کی توفیق سے محرومی میں گرفتار رکھتے ہیں۔ اور کسی کو بدبختی کے سب سے اونچے مرتبے شرک و کفر کے ساتھ نامزد کرتے ہیں۔

تو جب دنیوی امور فانی اور زائل ہونے والے ہیں' ان امور میں بدبختی کا اتنا وزن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بدبخت وہی ہے جو کہ امورِ آخرت میں بدبخت ہے۔ اور ان امور میں سے بھی بعض اس سطح کے ہیں کہ برزخ میں سختیاں دیکھنے اور کئی قسم کا عذاب چکھنے اور مقاماتِ قیامت' حشر ونشر' حساب اور میزان میں رنج اور مشقت اُٹھانے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی شفاعت کی امداد کی وجہ سے ختم ہو جائیں گے جیسے صغیرہ اور کبیرہ گناہ اور بعض اس سطح کے ہیں کہ ان کا اثر زائل نہیں ہوگا اور ان کے تدارک میں کوئی سفارش کام نہیں آئے گی تو جو شخص پہلی قسم میں گرفتار ہے' شقی ہے اور جو دوسری قسم میں گرفتار ہوا' اشقی ہو گیا اسی لیے اشقی کی تفسیر اس آیت کے ساتھ فرمائی جا رہی ہے۔

الَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی یعنی بدبختوں میں سب سے زیادہ بدبخت وہ ہے جس نے دین کی تکذیب کی اور حکمِ خداوندی سے روگردانی کی۔ اور یہ تفسیر سوائے کافر کے کسی پر پوری نہیں اُترتی کیونکہ مومن اگرچہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے لیکن اس کی دینی تصدیق میں رخنہ نہیں پڑتا اور وہ حکمِ خداوندی کو قبول کرنے سے کبھی روگردانی نہیں کرتا۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ جب اشقی کا معنی کافر ہوا تو آگ میں

marfat.com
Marfat.com

داخل ہونے کو کافر میں منحصر کرنا کس طرح درست ہوا کیونکہ بعض گناہ گار مومن بھی آگ میں داخل ہوں گے؟ (العیاذ باللہ)

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اشارہ ہو چکا ہے کہ شعلے مارنے والی آگ سے مراد ایسی آگ ہے جو کہ کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ گناہ گار مومن کو گرچہ آگ میں داخل ہونا ہوگا لیکن دوسری آگ میں نہ کہ اس آگ میں۔ تو حصر درست ہے۔

اور بعض مفسرین نے یوں فرمایا ہے کہ گناہ گار مومن کا دوزخ میں داخل ہونا چونکہ گھورنے اور ادب سکھانے کے انداز میں ہے۔ گویا داخلہ ہے ہی نہیں ایسا داخلہ جس کے بعد نکلنا ثابت ہی نہ ہو' کافر کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس اس قسم کا حصر مراد ہے نہ کہ مطلق داخلہ جس طرح کہ کہتے ہیں کہ جنگ نہیں کی مگر زید نے' غنیمت نہیں پائی مگر عمرو نے۔ یعنی زیادہ جنگ نہیں کی مگر زید نے اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ نہ آیا مگر عمرو کے۔

چونکہ اگلی آیت میں وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى کے الفاظ وارد ہیں' حرف حصر مذکور نہیں پس وہاں یہ شبہ بالکل ہی وارد نہیں ہوتا۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ اگر نار اتلظی سے مراد کفار کے ساتھ مخصوص آگ ہے تو اس سے دور رہنے میں تمام ایمان والے شریک ہیں تو اتقی کی تعریف کیا ہوئی؟ ہم کہتے ہیں کہ اس آگ سے دور رہنا بھی بڑی وسعت رکھتا ہے اس سے انتہائی دوری اتقی کے لیے ہے جبکہ دوسرے ایمان والوں کے لیے اس قدر دوری نہیں ہے۔ نیز احتمال ہے کہ وَسَيُجَنَّبُهَا کی ضمیر مطلق آگ کی طرف لوٹتی ہو جیسا کہ مذکورہ آگ کا مقید ہونا دلالت کرتا ہے اور اس صورت میں مفید مدح ہو۔

## تقی اور اتقی کی تعریف

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى اور قریب ہے کہ اس آگ سے اسے دور رکھا جائے جو کہ بہت تقویٰ والا ہے اور اہل شرع کی اصطلاح میں تقی وہ ہے جو کہ کفر' کبائر اور صغائر سے پرہیز کرے۔ اور اگر کبھی کوئی گناہ صادر ہو جائے تو توبہ استغفار اور ندامت کے ساتھ اس کا جلد تدارک کرے تاکہ اس گناہ کا اثر دل میں جگہ نہ پکڑے اور پختہ نہ ہو جائے۔ اور اتقی کا مرتبہ اس حد سے زیادہ اونچا ہے اور وہ یہ ہے کہ آداب شریعت وطریقت چھوڑنے میں بھی احتیاط

marfat.com
Marfat.com

اور پرہیز کرے اور گناہ کے وسوسوں اور بُری نیتوں سے بھی بچے اور ظاہر و باطن کو یکساں رکھے اور یہ معنی بہت نادر اور نایاب ہے۔

اور یہاں مفسرین کے اجماع کے مطابق اتقیٰ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کہ یہ سورۃ آپ کی شان میں نازل ہوئی جیسا کہ اشقیٰ سے مراد اُمیہ بن خلف ہے جس نے شقاوت کفر کو بخل' نافرمانیوں' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ستانے اور اسلام کی عداوت کے ساتھ جمع کر کے اشقیٰ کا درجہ حاصل کیا تھا۔

## افضل البشر بعد الانبیاء علیہم السلام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں

اور اہلِ سنت و جماعت نے اسی لفظ کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے بعد جو کہ خارج از بحث ہیں' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساری اُمت سے افضل ہونے کی دلیل پکڑی ہے اور دلیل اس طرح پکڑی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے یہاں اتقیٰ فرمایا جبکہ دوسری آیت میں فرمایا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تو دونوں آیات کے مجموعی تقاضے کے مطابق ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اکرم الناس ہوں اور افضلیت کا معنی یہی ہے۔

## افضلیت کے خلاف تفضیلہ کی دلیل اور اس کا جواب

اور فرقۂ تفضیلہ والے کہتے ہیں کہ اس آیت میں اتقیٰ سے مراد تقی ہے نہ یہ کہ آپ کا تقویٰ ہر کسی سے بڑھا ہوا ہو اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تقویٰ میں جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کمتر ہیں۔ پس اس معنی میں اتقیٰ کا اطلاق ان پر درست نہیں بیٹھتا بلکہ یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو گیا اور جب اتقیٰ بمعنی تقی ہو تو آپ کی افضلیت پر دلالت نہیں ہوتی۔

اہلِ سنت اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اتقیٰ کو تقی کے معنوں میں لینا لغتِ عربیہ کے خلاف ہے تو کلامِ الٰہی کو جو کہ قرآن عربی ہے اس پر محمول کرنا درست نہ ہوگا۔ اور اس معنی پر محمول کرنے کی جو ضرورت بیان کی گئی ہے' وہ یوں دُور ہو جاتی ہے کہ کلام سارے لوگوں کے بارے میں ہے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اس لیے کہ شرع سے پتہ چلتا ہے کہ

marfat.com

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے حضور عزت اور مرتبے میں انبیاء علیہم السلام ممتاز ہیں' انہیں سارے لوگوں پر اور سارے لوگوں کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ (معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنے اوپر قیاس کرنا' عام انسانی کمزوریوں اور ضابطوں پر قیاس کر کے ان میں عام لوگوں کی سی صفات کا عقیدہ رکھنا منشاء قرآن مجید سے کھلی بغاوت ہے' عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
زانکہ باشد در نوشتن شیر و شیر

(محمد محفوظ الحق غفرلہ)

پس عرف شرع میں درجات کی فضیلت اور بڑائی کے سلسلے میں اس قسم کے الفاظ اُمت کے لیے مخصوص کیے جاتے ہیں اور عرف کی تخصیص ذکر کی تخصیص سے زیادہ قوی ہے۔ چنانچہ جو کہے کہ گندم کی روٹی دوسری روٹیوں سے بہتر ہے تو اس سے بادام کی روٹی سے افضل ہونا ہرگز نہیں سمجھا جائے گا اس لیے کہ بادام کی روٹی کا استعمال معروف ہے اور بحث سے خارج ہے کیونکہ اس قسم کے مقام میں بحث دانوں اور غلوں کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے نہ کہ پھلوں اور میووں کے ساتھ۔

اور اہلِ سنت کے بعض بزرگوں سے سنا گیا ہے کہ فرما رہے تھے کہ یہاں اتقیٰ اپنے معنوں میں ہے یعنی وہ جو اپنے تمام ماسوا سے تقویٰ میں بڑا ہو خواہ پیغمبر ہو' خواہ اُمت لیکن ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ حیاتِ ظاہری میں ہوں۔ پس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' اپنی عمر کے آخری حصے میں جو کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد آپ کی خلافت کا زمانہ تھا اس کلمے کا مصداق ہو سکتے ہیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان میں اُٹھائے گئے ہیں اور وہ اس سے مستثنیٰ ہیں اور اتقیٰ کے لیے لازم نہیں ہے کہ ہر وقت اور زندوں اور رحلت کرنے والوں میں سے ہر شخص کی نسبت سے تقویٰ میں بڑھا ہوا ہو ورنہ کسی کو اتقیٰ کہنا درست نہ ہو کیونکہ طفلی کے زمانے میں تقویٰ کا تصور نہیں ہے اور شرعی طور پر قابلِ تعریف ہر منصب میں اعتبار آخری عمر کا ہے جیسے صلاحیت' غوثیت' قطبیت'

marfat.com
Marfat.com

ولایت اور نبوت اس لیے ان لوگوں کو جو کہ عمر کے آخری حصے میں ان درجات سے مشرف ہوئے ہیں' ان درجات کے الفاظ کے ساتھ یاد کرتے ہیں اگرچہ اوائل میں انہیں یہ درجات حاصل نہ تھے تو اتقیٰ وہ ہے جو کہ عمر کے آخری حصے میں جو کہ اعمال کے اعتبار کا وقت ہے' دوسرے موجود لوگوں سے تقویٰ میں بڑھا ہوا ہو اور اسی کے ساتھ کسی تکلف اور تاویل کے بغیر مدعیٰ ثابت ہو جاتا ہے۔

اور چونکہ آگ سے دُور رکھنے کے سلسلے میں اتقیٰ کا ذکر فرمایا گیا اس لیے اس کے کچھ اچھے اوصاف کا بھی ذکر فرمایا جا رہا ہے جو کہ اس سورۃ کے نزول کے وقت بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوئے تھے۔

اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یعنی وہ صاحب تقویٰ جو کہ اپنا مال راہِ خدا میں دیتا ہے جیسا کہ حضرت بلال اور دوسرے غلاموں اور کنیزوں کے خریدنے میں جو کہ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اور غلام ہونے کے ناطے گرفتار اور سخت عذاب میں مبتلا تھے' سونا دے کر انہیں خلاصی دلا کر آزاد کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات اور اخراجات میں اور سامانِ ہجرت اور مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات کے لیے قطعۂ زمین کی خریداری میں دیا اور یہ مال دینے میں اس کا مقصد یہ ہے کہ

یَتَزَكّٰى وہ اپنے آپ کو پاک کرتا ہے اور دم بدم مالِ دے کر ترقی کر رہا ہے اور اس کا کمال اس پاکیزہ پودے کی طرح ہے جسے آب دھو ا میا ہے اور وہ دن بدن نشو ونما پا رہا ہے اس لیے کہ زکوٰۃ کے دو معنی ہیں' پاکیزگی اور نشو ونما۔ اسے دونوں معنی حاصل ہیں۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى اور اس پر کسی کا کوئی انعام اور احسان نہیں ہے کہ مال دے کر اس بدلہ چکایا جائے کیونکہ احسان کے بدلے میں مال دینا بھی قابلِ تعریف ہے لیکن چونکہ نام اور مرتبے کا فتنہ رکھتا ہے اس لیے اخلاص کے کمال کے مرتبے سے نیچے رہ جاتا ہے۔

## فضائل ابوبکر صدیق بربانِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات

اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ

marfat.com
Marfat.com

جس کسی نے بھی میری خدمت کی ہے' میں نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے سوائے ابوبکر صدیق کے' انہوں نے میری وہ خدمت کی ہے کہ میں نے اس کا بدلہ نہیں چکایا' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی جزا کی خود کفالت فرمائے گا۔ یہیں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ثواب کا اندازہ لگا لینا چاہیے۔

نیز حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاتِ ظاہری کے آخری ایام میں وصال مبارک سے چند روز پہلے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقب اور فضائل ارشاد فرمائے۔ ان میں سے یہ ہے کہ مجھ پر کسی کو اس قدر مالی' بدنی اور جانی حق خدمت ثابت نہیں جس قدر کہ ابوبکر کو ہے اس نے اپنی صاحب زادی میرے نکاح میں دی اور مجھ سے حق مہر نہ کیا۔ بلال کو اپنے خالص مال سے خرید کر آزاد کیا' مجھے اسباب سفر زادِ راہ اور سواری سمیت دار الہجرت یعنی مدینہ عالیہ اُٹھا کر لایا' اپنی جان اور اپنے مال کے ساتھ ہر وقت میری غم خواری کی۔ اب ابوبکر کے دروازے کے سوا اس مسجد کے سارے دروازے بند کر دو۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبے کا کمال ہے کہ حق تعالیٰ ان کے دلی خلوص کی گواہی خود ارشاد فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ یہ سب کام نہیں کرتا۔

إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ مگر اپنے پروردگار کی رضا چاہنے کے لیے جو کہ بلند و بالا ہے اور اسے اس مال کے خرچ کرنے میں کس طرح سے نفسانیت پیش نظر نہیں۔ بلکہ ثواب کی طمع اور عذاب کو دفع کرنا بھی مقصود نہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق نے مسلمان غلاموں اور لونڈیوں کو بھاری مال کے عوض خرید کر آزاد فرمایا تو آپ کے باپ ابوقحافہ نے ملامت کی کہ اگر تمہیں غلام آزاد کرنا منظور تھا تو چاہیے تھا کہ کار آمد غلاموں کو جو کہ کمائی کرنے اور تمہاری امداد کرنے پر قادر ہوتے' خرید کر آزاد کرتا۔ یہ کمزور غلام اور لونڈیاں جو کسی کام کے نہیں ہیں اور آزادی کے بعد بھی ان کی خوراک اور پوشاک تم نے اپنے ذمے لے رکھی ہے' انہیں خریدنے اور آزاد کرنے کا کیا فائدہ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے جواب میں یہی کہا کہ اس حرکت

marfat.com
Marfat.com

سے میرا مقصد حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور کچھ نہیں۔

اور جامع عبدالرزاق میں صحت کے طریقے سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سے کسی کا مال میرے حق میں حضرت صدیق اکبر کے مال سے زیادہ نافع نہ ہوا۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال میں بلا جھجک اس طرح تصرف فرماتے جیسا کہ اپنے مال میں۔ آپ اپنے مال میں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال میں کوئی فرق اور امتیاز نہیں فرماتے تھے۔

اور سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہ دیا جتنا کہ ابوبکر کے مال نے نفع دیا اس وقت حضرت ابوبکر صدیق وہاں موجود تھے' ان پر رقت طاری ہوگئی اور چشم پُرنم عرض کی کہ یارسول اللہ! میں اور میرا مال سب آپ کی ملک ہے اور اس واقعہ کو امام احمد نے بھی روایت فرمایا ہے۔

نیز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مرتبے کا کمال ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کی دل جوئی اور خاطرداری کے مقام میں جس چیز کا سورۂ والضحیٰ میں وعدہ فرمایا ہے کہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ اسی کی مانند اس سورۃ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے وعدہ فرمایا ہے کہ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ اور یقیناً ابوبکر خدا سے راضی ہوگا یا خدا ابوبکر سے اس لیے کہ یرضیٰ کی ضمیر کے دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ابوبکر کی طرف لوٹتی ہو دوسرا یہ کہ خدا تعالیٰ کی طرف راجع ہو دونوں صورتوں میں مدعا حاصل ہے اور کیا خوب کہا گیا ہے ۔

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف
گر بکشم زہے طرب ور بکشد زہے شرف

یعنی اگر میرا بخت یاوری کرے تو میں ان کا دامن پکڑ لوں اگر میں کھینچ لوں تو عظیم خوشی کی بات ہے اور اگر وہ کھینچ لیں تو عظیم عزت ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' آپ نے فرمایا کہ ایک دن ہم مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازۂ پاک پر حاضر

marfat.com
Marfat.com

تھے اور آپس میں صحابہ کرام کے فضائل اور بزرگیوں کا ذکر کر رہے تھے اسی اثناء میں کچھ آوازیں جو بلند ہوئیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا' کیا کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کی کہ صحابہ کرام کے فضائل کا ذکر ہو رہا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ کام کر رہے ہو تو خبردار! کسی کو ابوبکر پر فضیلت نہ دینا اس لیے کہ وہ تم سے دنیا و آخرت میں افضل ہے۔

اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے دارقطنی میں سند صحیح کے ساتھ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں راستے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آگے آگے جا رہا تھا' اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کیا تو ایسے شخص کے آگے آگے چلتا ہے جو دنیا و آخرت میں تجھ سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے بعد کسی ایسے شخص پر سورج طلوع ہوا نہ غروب جو ابوبکر سے بہتر ہو۔

ابن السمان کتاب الموافقہ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار امام محمد باقر' انہوں نے اپنے والد گرامی حضرت امام زین العابدین' انہوں نے جناب سید الشہداء خاتم آل عبا سبط رسول الثقلین حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور انہوں نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت فرمائی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے بعد کسی ایسے پر سورج طلوع ہوا نہ غروب جو کہ ابوبکر سے بہتر ہو۔

اور حافظ خطیب بغدادی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں حاضر تھا' آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی وہ شخص آ رہا ہے کہ میرے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر کسی کو پیدا نہیں فرمایا ہے اور قیامت کے دن اس کی شفاعت انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کی طرح ہوگی۔ جابر فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا وقت گزرنے نہ پایا کہ حضرت ابوبکر تشریف لے آئے۔ پس حضور علیہ السلام اُٹھے اور آپ نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ایک ساعت انہیں بغل میں دبا کر انس حاصل کیا۔

marfat.com
Marfat.com

یہاں سے معلوم ہوا کہ جب طرح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اُمت کی شفاعت میں منحصر ہے اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رضا بھی اُمت کی شفاعت میں ہے اس لیے کہ رضائے ابوبکر رضی اللہ عنہ رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں فانی تھی۔

(اقول وباللہ التوفیق معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہنا مفسر علام کے نزدیک درست ہے' ان لوگوں کے لیے لمحۂ فکریہ جو اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ نیز مسئلہ شفاعت برحق ہے۔ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام بھی شفاعت کریں گے۔ نیز معلوم ہوا کہ قیامِ تعظیمی جائز ہے جیسا کہ سرکار علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

# سورۂ والضحیٰ

سورۂ والضحیٰ مکی ہے' اس کی گیارہ (۱۱) آیات' چالیس (۴۰) کلمات اور ایک سو بانوے (۱۹۲) حروف ہیں۔

## وجہ تسمیہ

اسے سورۂ والضحیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ اس سورۃ کے آغاز میں ضحیٰ بمعنی چاشت اور سورج کے اونچا ہونے کے وقت کی قسم فرمائی گئی ہے اور ہر روز اس وقت کا رات کی تاریکی کے بعد آنا ایک کے بعد دوسری مرتبہ وحی پر آنے کی دلیل ہے اور اس سورۃ کا مقصد یہی ہے اس لیے کہ اس کے نزول سبب یوں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اسلام کی دعوت کو عام فرمایا تو مکہ کے لوگوں نے مدینہ کے یہودیوں کے پاس کسی کو بھیجا کہ ہمارے درمیان اس قسم کا آدمی پیدا ہوا ہے جو کہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے' تم اس کے امتحان اور دعوے کی سچائی کے لیے کسی علامت کا پتہ دو اس لیے کہ تم اہلِ کتاب ہو اور انبیاء کی علامات سے پوری واقفیت رکھتے ہو تا کہ ہم اس علامت سے اس کا امتحان لیں۔ یہودیوں نے کہا اس سے تین چیزوں کی بابت سوال کرو وہ ذوالقرنین کا واقعہ اصحاب کہف کا

marfat.com
Marfat.com

واقعہ اور حقیقتِ روح۔ کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان تین چیزوں کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ان چیزوں کے متعلق کل خبر دوں گا اور آپ کی زبان مبارک پر اس وقت انشاء اللہ کا کلمہ نہ آیا چند روز وحی منقطع رہی۔ بعض کے مطابق دس روز' بعض کے مطابق پندرہ روز اور بعض نے اس سے بھی زیادہ کہا ہے اور یہ مدت چالیس دن تک بڑھائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وجہ سے انتہائی غم لاحق ہوا اور کفار نے اس پر خوش ہوتے ہوئے طعن و تشنیع شروع کر دی حتیٰ کہ ابولہب ہر مجلس میں کہتا ان محمدا ودعه ربه و قلاه یعنی محمد کو اس کے پروردگار نے چھوڑ دیا اور اس سے ناراض ہو گیا اور ابولہب کی عورت نے انتہائی بے حیائی' طعن اور چھیڑ چھاڑ کے طریقے سے جو کہ عورتوں کی جبلت ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا ما اری شیطانك الاقد ترکك یعنی مجھے یوں گمان ہوتا ہے کہ جو تیرے پاس آتا تھا' تجھے چھوڑ گیا ہے۔ ان وحشت انگیز باتوں سے سرکار علیہ السلام کو انتہائی پریشانی ہوئی۔ اور آپ نے اس سلسلے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بات کی۔ اسی اثنا میں یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس کے آغاز میں دن رات کی جہان میں آمد و رفت اور نور اور تاریکی کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا ذکر فرمایا گیا تاکہ اشارہ ہو کہ دنیا کا کام ایک ہی ڈگر پر نہیں ہے' کبھی روشن دن سارے جہان کو پُر انوار کر دیتا ہے اور کبھی اندھیری رات تاریکی کا بستر پھیلا دیتی ہے اور جس طرح نور ہمیشہ نہیں رہتا' تاریکی بھی دائمی نہیں ہے اور تاریکی کے بعد نور اور نور کے بعد تاریکی آتی ہے اسی طرح وحی کے نزول اور اس کے منقطع ہونے کو سمجھنا چاہیے اور اگرچہ چند روز یہ سلسلہ منقطع ہو جائے تو پریشان نہیں ہونا چاہیے کہ اس انقطاع میں بھی حکمتیں ہیں جس طرح کہ رات کی آمد میں حکمتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالضُّحٰی مجھے چاشت کے وقت کی قسم ہے۔ جو کہ آفتاب کے اونچا ہونے اور اس کی سلطنت کے ظاہر ہونے کا وقت ہے۔ اس لیے کہ پورے دن رات میں آفتاب دو حرکتیں کرتا ہے۔ پہلی حرکت صاعدہ یعنی اوپر آنے کی حرکت جو کہ گزشتہ آدھی رات سے شروع

marfat.com
Marfat.com

ہوتی ہے اور نصف دن تک رہتی ہے اور دوسری حرکت ہابطہ یعنی نیچے اُترنے کی حرکت جو کہ زوال کے بعد شروع ہوتی ہے اور آئندہ آدھی رات تک رہتی ہے اور یہ چاشت کا وقت اس کی پہلی حرکت کی انتہا کا وقت ہے تو یہ نزول وحی کے وقت کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا ہے جو کہ حقائق الٰہی اور حقائق کائنات کے ظہور کے کمال کا وقت ہے اور یہ وقت اور خصوصیات بھی رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ روزی کمانے اور علم و ہنر حاصل کرنے کا زیادہ تر یہی وقت ہے۔ دوسری یہ کہ یہ وقت فریضہ نماز سے خالی ہے اور نفلی عبادات کے لیے فارغ ہے۔ تیسری یہ کہ یہ وہ وقت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حق تعالیٰ کی گفتگو اسی وقت ہوئی تھی۔ چوتھی یہ کہ فرعون کے جادوگر اسی وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر ایمان لائے اور انہوں نے سجدہ کیا۔ پس یہ وقت سابقہ اُمت میں باطل کی تاریکی کا جو اثر ہوا تھا اس پر نور حق کے کمال ظہور کا وقت ہے۔ پانچویں یہ کہ چاشت کی نماز کے لیے یہی وقت مقرر ہے۔

## نمازِ چاشت کا بیان

اس کی کم سے کم چار رکعت ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت اور اس نماز کے بہت سے فضائل ہیں جو کہ حدیث شریف میں وارد ہوئے اور تجربہ کار لوگ یوں کہہ گئے ہیں کہ جو غربت سے ڈرے' چاہیے کہ نماز چاشت ادا کرے اور جو قبر سے ڈرے کہ رات کی نماز ادا کرے اور مشائخ کے اوراد میں مقرر ہے کہ وہ نماز چاشت کی چار رکعت میں یہ چار سورتیں پڑھتے تھے۔ والشمس' واللیل' والضحیٰ اور الم نشرح۔

**وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى** اور مجھے رات کی قسم ہے جس وقت کہ وہ اپنی تاریکی کی وجہ سے مخلوق کی نظر سے چیزوں کو ڈھانپ لے۔ اور رات کا ڈھانپنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس میں چاند' مشعل' شمع اور چراغ کا نور نہ ہو۔ پس اس قسم کی رات زمانہ جاہلیت کا نمونہ ہے جبکہ چاشت کا وقت جو کہ نور کے کمال کا وقت ہے' وحی نازل ہونے کے وقت کا نمونہ ہے اور وحی منقطع ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال اور آپ کے خلفائے راشدین کی بقاء کے ساتھ رات آگئی لیکن ایسی رات کہ اس کی ابتدا سے اس کی انتہا تک قمر کی روشنی موجود ہے اور جس طرح قمر' آفتاب کا خلیفہ ہے جو کہ اس کی روشنی اپنے اندر حاصل کر کے

marfat.com
Marfat.com

اس کی جگہ جہان کو روشن کرنے کے لیے موجود رہتا ہے اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک کی روشنی کو اپنے اندر جلوہ گر کر کے جہان والوں کو اپنے نور سے منور کیا ہے۔ اور خلافت کا زمانہ منقطع ہونے کے بعد رات کی تاریکی نے ہجوم کر دیا۔ طالبانِ حق میں سے ہر گروہ والے اپنی ہمت کے مطابق چراغ، شمع اور مشعل سے مدد لیتے ہیں اور کام چلاتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے مجتہدین کے مذاہب اور اولیاء اللہ کے طریقے اس نور کا فیض دینے میں مختلف اور جدا جدا ہیں۔ پس چاشت کا وقت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مقدس پر نورِ الٰہی کے چمکنے کے وقت کی مثال ہے اور رات ظلمت بشری کی مثال ہے جو کہ نفوس اور ارواح پر ہجوم کر کے ہر چیز کو نظر سے اوجھل کر دیتی ہے۔

## دو سورتوں کے واللیل اور والضحیٰ سے آغاز کی حکمت

اور یہاں ایک بحث ہے اور وہ یہ ہے کہ واللیل کی سورۃ میں پہلے رات کی قسم اُٹھائی گئی ہے اس کے بعد دن کی جبکہ یہاں اس ترتیب کے برعکس ہے اس کا سبب کیا ہوگا۔

مفسرین نے یوں ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو بھی بزرگی کی ایک قسم کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے کہ وہ راحت، سکون، آرام، خواب اور پردہ پوشی کا موجب ہے اور دن کو بھی ایک قسم کی بزرگی سے مخصوص فرمایا ہے کہ وہ روزی کے انتظام، ایک دوسرے کی ملاقات اور آمد و رفت کی سہولت وغیرہ کا باعث ہے۔ پس قسم اُٹھانے میں کبھی رات کو دن پر مقدم کر دیا گیا اور کبھی دن کو رات پر تا کہ پہلے ذکر کرنے کی عزت سے دونوں کو حصہ ملے۔

اور یہاں سے پتہ چلا کہ وہ جو اسد طوسی نے دن اور رات کے مناظرے میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم اُٹھانے میں دن کو رات سے پہلے یاد فرمایا ہے۔ سورۂ واللیل سے غفلت پر مبنی ہے اس کے تمام ابیات کا ترجمہ یہ ہے۔

رات اور دن کی بحث کا ایک واقعہ سُن جو کہ دل سے غم کی شدت کو دُور کرتا ہے' دونوں کے درمیان فضیلت پائے جانے کے اعتبار سے تعریف اور مذمت میں کافی طویل گفتگو ہوئی۔ رات نے کہا کہ دن سے میری فضیلت زیادہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے دربار میں دن میں

marfat.com
Marfat.com

عبادت کرنے والے سے رات کے وقت سجدہ و عبادت کرنے والے کا مقام زیادہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو مناجات کے لیے رات کے وقت لے گئے اور حضرت لوط علیہ السلام بھی رات کے وقت قوم کے ظلم وستم سے جدا ہوئے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت آسمان کا چاند دو ٹکڑے فرمایا۔ اور مسجد حرام سے معراج کے لیے رات کے وقت ہی تشریف لے گئے۔ دن میں تین اوقات ایسے ہیں جن میں نماز منع ہے جبکہ ساری رات کی نماز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُمت کے لیے فخر ہے' تیری وجہ سے آسمان ایک نیلگوں فرش کی طرح ہے اور میری وجہ سے باغ ارم کی طرح سجا ہوا ہے' عرب کے ماہ و سال کی گنتی میرے چاند سے ہے۔ نیز میرے چاند پر جبرئیل علیہ السلام کے پر کی تحریر ہے۔

دن یہ بات سُن کر پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ خاموش ہو جا تو مجھ سے زیادہ پختہ بات کیا کر سکتی ہے۔ تو دن میں عیب کا طعنہ کیسے کرتی ہے کہ عرش کے رب نے قسم فرمانے میں دن کی تعریف تجھ سے پہلے کی ہے جو روزہ ساری مخلوق رکھتی ہے' سب دن میں ہیں۔ حج کا احرام بیت الحرام سے دن کے وقت ہے' حشر کے لیے مخلوق دن کے وقت اُٹھے گی جس وقت سب لوگ عدم سے وجود میں آئے' دن تھا' میری وجہ سے آفاق کا چہرہ اچھا معلوم ہوتا ہے جبکہ تیری وجہ سے بُرا لگتا ہے۔ میری وجہ سے مخلوق کی آنکھوں کا نور بڑھتا ہے اور تجھ سے کمی۔ میری وضع اسلام کی ہے اور تیری کفر کی' میرا لباس خوشی کا اور تیرا لباس غم کا۔ جب میرا سورج علم بلند کرتا ہے' تیرا ستاروں کا لشکر ایک دَم بھاگ جاتا ہے۔ اگر تیرے چاند سے عرب کے ماہ و سال کا پتہ چلتا ہے تو میرے آفتاب سے عجمیوں کے ماہ اور سال وابستہ ہیں۔ تیرا چاند میرے سورج کی روشنی سے نور پاتا ہے' سورج کے حضور اپنی پشت ختم کرتا ہے۔ تین فرض نمازیں دن میں ہیں جبکہ رات میں دو ہیں' تیری ایک نماز اس لیے کم ہے کہ تو مجھ سے کم ہے۔

## سورۂ واللیل میں رات کی قسم پہلے لانے کی حکمت

اب ہم یہاں پہنچے کہ سورۂ واللیل میں رات کی قسم کو پہلے لانے کے ساتھ مخصوص فرمایا

marfat.com
Marfat.com

گیا اور اس سورۃ کو اس انداز کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ سورۃ واللیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سورۃ ہے اور نور اسلام سے پہلے آپ جس ماحول میں تھے' وہ تاریک تھا۔ جبکہ یہ سورۃ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سورۃ ہے' آپ کو ابتدا ہی سے نور عصمت حاصل تھا۔ پس اس سورۃ کی ابتدا میں دن کا ذکر کیا گیا جو کہ نور ایمان کے مشابہہ ہے۔

اور یہاں ایک اور لطیفہ ہے کہ اگر پہلے رات کا ذکر کریں جو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مناسب ہے اور پھر وہاں سے اوپر چلیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیں جو کہ دن کے مشابہہ ہیں چنانچہ رات کے بعد دن آتا ہے اور اگر دن کا ذکر پہلے کریں جو کہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہہ ہے اس کے بعد نزول کریں بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پالیں جو کہ رات کے مشابہہ ہیں کیونکہ دن کے بعد بغیر فاصلے کے رات آتی ہے اور اس لطیفے سے ان دونوں بزرگوں کی باہمی رفاقت باحسن وجوہ جلوہ گر ہوتی ہے۔ چنانچہ غار کے واقعہ اور مزارات کے اتصال اور دوسری صحبتوں میں اس رفاقت کا اثر ظاہر ہوا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس سورۃ کے آغاز میں دن اور رات کی قسم واقع ہے۔ گویا اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ کبھی ہم دن کی ساعتوں کو کم کرتے ہیں اور رات کی ساعتوں کو بڑھاتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس اور یہ کمی بیشی محبت وعداوت کی بناء پر نہیں بلکہ حکمت کی رعایت کی بناء پر ہے اسی طرح رسالت اور نزول وحی کے پروگرام کو سمجھنا چاہیے کہ کبھی یوں ہے اور کبھی یوں۔

## لطیفہ

اور اس مقام کے لطائف میں سے یہ ہے کہ جب کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دعویٰ کیا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو جواب دے دیا اور رخصت کر دیا اور مدعی بن گئے اور مدعی پر گواہ لازم ہے اور انکار کرنے والے پر قسم۔ پہلے انہیں فرمایا گیا کہ گواہ لاؤ جب وہ عاجز آگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قسم لازم آئی۔ پس دن اور رات کی قسم فرما کر ان کے مدعی کا انکار کیا گیا اور اس قسم میں اشارہ ہے کہ دن رات بھی کمی بیشی سے محفوظ نہیں ہوتے'

marfat.com
Marfat.com

آپ بھی تو قع نہ رکھیں کہ مخلوق کی زبان سے محفوظ رہیں گے۔ نیز رات تنہائی اور وحشت کا وقت ہے۔ جبکہ دن اجتماع اور روزی کا تو گویا یوں فرمایا گیا کہ آپ خوش رہیں اس لیے کہ انقطاع وحی کی پریشانی کے بعد آپ کو ملائکہ کے ساتھ اجتماع کا وقت حاصل ہوگا۔ نیز دن سرور اور اجتماع کا وقت ہے جبکہ رات غموں اور وحشت کا اور دن کے وقت میں سے چاشت کا انتخاب فرما کر اس کی قسم یاد فرمائی گئی اور رات کی قسم میں ساری رات ذکر کر دی' یہ اس بات کا اشارہ ہوگا کہ دنیا کے غم مسرت اور خوشی سے زیادہ ہیں۔

## ضحیٰ اور لیل کے متعلق اقوال

بعض مفسرین نے یوں فرمایا ہے کہ ضحیٰ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پاک کا دن ہے جبکہ لیل سے مراد شب معراج ہے۔

اور بعض فرماتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ انور ہے اور لیل سے مراد آپ کے بال مبارک جو کہ سیاہی میں رات کی طرح ہیں۔ بعض کے نزدیک دن سے مراد آپ کا یوم وصال ہے جبکہ رات سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادتِ خداوندی میں مشغولی کی رات ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد وہ نور علمی ہے جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا اور اس کی وجہ سے غیب کی دنیا کے پردہ نشین جلوہ گر اور ظاہر ہو گئے جبکہ رات سے مراد آپ کا معاف کرنے کا خلق ہے جس نے اُمت کے عیب چھپا لیے۔

بعض نے فرمایا کہ دن سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری احوال ہیں جن پر خلق مطلع ہوئی جبکہ رات سے مراد آپ کے باطنی حالات ہیں جن پر علام الغیوب کے سوا کوئی بھی آگاہ نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دن سے مراد اسلام کی سربلندی کا وقت ہے جبکہ رات اسلام کی غربت کا زمانہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ان الاسلام سیعود غریبًا اور بعض کہتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد زندگی کا زمانہ ہے جبکہ رات قبر میں سکونت اختیار کرنے کا وقت ہے اور ہر ایک کے احتمال کی گنجائش ہے۔ (اقول و باللہ التوفیق آپ کے تو ظاہری کمالات پر بھی کما حقہٗ ماسوائے ذات کے کسی کو اطلاع نہ ہو سکی۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى آپ کے پروردگار نے آپ کو جدا نہیں فرمایا ہے اور نہ ہی

marfat.com
Marfat.com

آپ سے ناراض ہے یعنی وحی کے غائب رہنے کا وقت جو دراز ہو گیا اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تربیت میں کوئی کوتاہی ہے یا آپ کی صفات کمال میں کوئی نقص واقع ہو گیا بلکہ ایک حکمت کی بناء پر ہے اور عنقریب وحی دوبارہ شروع ہو جائے گی جیسا کہ دن کے بعد جلد ہی رات لوٹ آتی ہے اور اگر بعض عوارض کی وجہ سے وحی کا انقطاع واقع ہو تو فکر نہ کریں کہ آخر نور حق غالب آئے گا اور سب عوارض ختم ہو جائیں گے اور جدائی کے بغیر وصال نصیب ہوگا۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى البتہ ہر بعد والی حالت آپ کے لیے پہلے معاملے سے بہتر ہوگی حتیٰ کہ آپ کی بشریت کا وجود بالکل نہ رہے اور آپ پر ہمیشہ کے لیے نور حق کا غلبہ حاصل ہو۔ اور اگر آخرت کو مابعد الموت پر محمول کریں تو بھی گنجائش ہے اس لیے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت کا ظہور' آپ کی مرکزیت اور آپ کی ذات والاصفات کے سرچشمہ سے اللہ تعالیٰ کا فیضان اور جود و کرم پوری قوت اور بلندی پر ہوگا۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن سب اولین و آخرین آپ کی شفاعت کے محتاج ہوں گے اور آپ کے جھنڈے کے نیچے سایہ پائیں گے اور آپ کے حوض کے پانی سے سیراب ہوں گے اور جنت کے درجات اور مکانات کی تقسیم آپ کے دست کرم سے ہی ہوگی۔ (اقول وباللہ التوفیق امام السید طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ محشی مراقی الفلاح نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم کی ایک توجیہ یہ بھی بیان فرمائی ہے لانہ یقسم الجنۃ بین اھلھا یعنی آپ کو ابوالقاسم اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ جنتیوں میں جنت تقسیم فرمائیں گے۔ بلکہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد منقول ہے انما انا قاسمٌ واللّٰہ یعطی میں تو تقسیم کرتا اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے چونکہ رب العزت کی عطا عام ہے پتہ چلا کہ حضور علیہ السلام کی تقسیم بھی عام ہے یعنی رب العزت کی ہر عطا کے قاسم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اسی لیے اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لا و رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی (محمد محفوظ الحق غفرلہ)

marfat.com
Marfat.com

اور رَبُّكَ کے لفظ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے کمال تسلی ہے یعنی کیا خیال ہے کہ جس مالک نے آپ کو اس انداز سے پالا ہو اور آپ کے حق میں اپنی مختلف قسم کی تربیت معروف فرمائی یہاں تک کہ کسی مرشد اور رسول کے واسطے کے بغیر آپ کی روح پر اپنے نور کی تجلی فرمائی' آپ کو رخصت کر دے گا اور جواب دے دے گا' یہ بات تو مجازی مالکوں سے بھی بعید ہوتی ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ نواختہ رانباید انداخت یعنی جسے نوازا جائے اسے گرایا نہ جائے۔ چہ جائیکہ مالکِ حقیقی جو کہ ہر چیز کے وجود سے پہلے اس کی استعداد اور کردار کو جانتے ہوئے ہر ایک کو کسی مقام اور مرتبے کے ساتھ مخصوص فرماتا ہے اور کیا خوب کہا گیا ہے کہ ؂

چوں بعلم ازل مرا دیدی
دیدی آنکہ بعیب بگزیدی
من بعیب آں تو بعلم ہماں
درمکن آنچہ خودپسندیدی

یعنی جب تو ازل سے ہی میرے عیب جانتا ہے' میں وہی ہوں مجھے رد نہ فرما۔

یہاں جاننا چاہیے کہ جب مہربان اور قدردان مالک اپنے نوکروں میں سے کسی نوکر کو کسی خدمت پر مقرر کرے اور وہ نوکر پوری محنت اور کوشش کے ساتھ اس کام میں مشغول ہو' حاسد اور چغل خور اس کی دل شکنی کے درپے ہو جائیں اور اس کے متعلق بے اصل افواہ اُڑا دیں کہ فلاں اپنے مالک کی نظر سے گر گیا اور جس خدمت پر مامور تھا' اس سے معزول ہو گیا اس وقت اس مالک کو چاہیے کہ کمال لطف وشفقت کے طور پر اس نوکر کی دل جوئی کرے اور اسے تسلی دے اور اس غبار کو دُور کرنے کے لیے جو کہ اس افواہ کے سننے سے اس نوکر کے دل میں بیٹھ گیا' اسے کسی انعام' خلعت اور اس کے مرتبے کی ترقی کے وعدے سے مخصوص کرے اسی قسم کا یہ کلام ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اور البتہ آپ کا پروردگار آپ کو اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں اور اس سے آپ کی استعداد کا پیمانہ بھرپور ہو جائے اور

marfat.com
Marfat.com

کوئی طلب اور پیاس باقی نہ رہے اور اس وعدے میں کمال وسعت ہے خصوصاً مخاطب کی استعداد کے پیش نظر جو کہ ایسا عالی مرتبت رسول علیہ السلام ہو معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اسے عطائے الٰہی کس قدر دی جائے گی تا کہ وہ سیر ہو جائے۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ میں ہرگز راضی نہیں ہوں گا جب تک کہ اپنی اُمت میں سے ہر ایک کو جنت میں داخل نہ کرلوں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح انور کی پیدائش کی ابتدا سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک آپ کے حق میں اللہ تعالیٰ کی جو نوازشات واقع ہوئیں ہو رہی ہیں اور ہوں گی قیاس کی گرفت اور بیان کی حد سے باہر ہیں۔ ان میں سے اجمالی طور پر کچھ بیان کی جاتی ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جب کوئی شخص اپنے متوسلین میں سے کسی کو اپنا محبوب بنالے تو اسے بہت سی چیزوں لباس سواری بیٹھنے کی جگہ اور دوسرے حالات میں ممتاز کر دیتا ہے تا کہ اس کی محبوبیت ہر خاص وعام کی نظر میں جلوہ گر ہو جائے۔

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات کی دو قسمیں ہیں

اور بارگاہ خداوندی میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خصوصیات حاصل ہوئیں دو قسم کی ہیں: پہلی وہ خصوصیات جن میں دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہیں لیکن آپ کو وہ نعمت سب سے پہلے اور سب سے زیادہ نصیب ہوئی اور اس کی وجہ سے آپ کو ممتاز کیا گیا۔

اور ایک قسم وہ ہے جو صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہے اور کسی کو اس میں سے حصہ نہیں ملا اور ہم یہاں دونوں قسموں میں سے چند ایک باہم ملا کر بیان کرتے ہیں تا کہ اس آیت کا معنی سننے والوں کے ذہن میں پوری طرح راسخ ہو جائے۔

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جسمانی خصوصیات

آپ کے جسم مبارک میں جو خصوصیات رکھی گئی تھیں یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پشت مبارک کی طرف سے اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح کے سامنے سے دیکھتے تھے رات اور اندھیرے میں اسی طرح دیکھتے جیسے دن کی روشنی میں دیکھتے۔ آپ کا لعاب

marfat.com
Marfat.com

دہن شریف کڑوے پانی کو میٹھا کر دیتا تھا۔ آپ شیر خوار بچوں کو لعاب دہن کا قطرہ عطا فرماتے اور وہ بچے سارا دن سیر رہتے اور دودھ نہیں مانگتے تھے۔ جیسا کہ عاشورا کے دن اہل بیت کے بچوں کے متعلق تجربہ ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل شریف کا رنگ سفید براق تھا۔ بال بالکل نہیں تھے اور آپ کی آواز وہاں تک پہنچتی تھی کہ دوسروں کی آواز اس کے سویں حصے تک بھی نہیں جاتی تھی۔ اور آپ اتنے دُور کے فاصلے سے سُن لیتے تھے جہاں سے دوسرے نہیں سُن سکتے تھے۔ آپ آرام فرماتے مگر دل خبردار رہتا' ساری زندگی سرکار علیہ السلام کو جماہی نہیں آئی اور آپ کو خواب میں کبھی غسل کی حالت لاحق نہیں ہوئی تھی۔ آپ کے پسینے مبارک میں کستوری سے بھی زیادہ مہک تھی یہاں تک کہ اگر آپ گلی میں سے گزرتے تو ہوا میں دیر تک آپ کے پسینے کی خوشبو رچی رہنے کی وجہ سے لوگ سراغ لگا لیتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کوچے سے گزرے ہیں۔ کسی شخص نے آپ کے فضلہ مبارک کا اثر زمین پر نہیں دیکھا' زمین مشق ہو کر اسے اپنے اندر لے لیتی تھی۔ ولادت کے وقت آپ ختنہ شدہ' ناف بریدہ اور پاک صاف تشریف لائے۔ آپ کے جسم مبارک پر کوئی آلائش نہ تھی' زمین پر سجدے کی صورت میں اپنی انگشت مبارک آسمان کی طرف اُٹھاتے ہوئے جلوہ گر ہوئے۔ اور آپ کی ولادت کے وقت نور کی ایسی شعاعیں نکلیں جن کی وجہ سے آپ کی والدہ محترمہ نے شام کے شہروں کو دیکھا۔ آپ کا پنگھوڑا فرشتے ہلاتے تھے۔ بچپنے میں جب آپ گہوارے میں ہوتے تو چاند آپ سے ہم کلام ہوتا۔ آپ جب اس کی طرف اشارہ فرماتے تو آپ کی طرف جھک جاتا' آپ نے پنگھوڑے میں بارہا گفتگو فرمائی۔

موسم گرما کی دھوپ میں بادل ہمیشہ آپ کے سرانور پر سایہ کرتا اگر آپ کسی درخت کے نیچے تشریف فرماتے تو درخت کا سایہ آپ کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا' آپ کے پیراہن مقدس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔ جوں آپ کو تکلیف نہیں دیتی تھی۔ اگر آپ کسی جانور پر سوار ہوتے تو جب تک آپ سوار رہتے۔ پیشاب وغیرہ نہیں کرتا تھا۔ عالم ارواح میں سب سے پہلے آپ کا نور ظہور ہوا جس نے سب سے پہلے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں بلٰی کہا' وہ آپ ہیں۔ سیر معراج آپ کے لیے مخصوص ہے۔ براق

marfat.com

Marfat.com

کی سواری بھی آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔ آسمان پر جانا' قاب قوسین کی حد تک پہنچنا' دیدار الٰہی سے مشرف ہونا اور فرشتوں کا آپ کے سپاہی اور لشکری بننا یہاں تک کہ انہوں نے آپ کی معیت میں لڑائی کی' یہ بھی آپ ہی کا خاصہ ہے۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور دیگر عجیب وغریب معجزات بھی آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اور قیامت کے دن جو کچھ آپ کو عطا ہوگا' کسی کو نہیں دیا جائے گا۔ سب سے پہلے مزار پُرانوار سے آپ باہر تشریف لائے گے۔ سب سے پہلے آپ کو افاقہ ہوگا۔ آپ کو براق پر سوار کر کے میدانِ حشر میں لایا جائے گا' آپ ستر (۷۰) ہزار ملائکہ کے جلوس کے ساتھ تشریف لائیں گے۔ عرش کی دائیں طرف آپ کو کرسی پر رونق افروز کیا جائے گا' مقامِ محمود کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوگا' آپ کے ہاتھوں میں لواء الحمد ہوگا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی تمام اولاد اس جھنڈے کے نیچے ہوگی' تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اُمتوں کے ہمراہ آپ کے پیچھے چلیں گے اور دیدارِ خداوندی سب سے پہلے آپ سے شروع ہوگا اور آپ کو شفاعتِ عظمٰی سے مخصوص کیا جائے گا۔ (اقول وباللہ التوفیق یعنی شفاعتِ عظمٰی کا عملی اظہار اس وقت ہوگا ورنہ یہ منصب تو آپ کو پہلے ہی سے عطا فرمایا جاچکا ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ) اور سب سے پہلے پل صراط سے آپ ہی کا گزر ہوگا۔

## حضرت سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کا اعزاز

اور تمام مخلوق کو حکم ہوگا کہ اپنی نگاہیں جھکا لو تا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پل صراط سے گزر جائیں۔ سب سے پہلے جنت کا دروازہ آپ کھولیں گے۔ اور قیامت کے دن آپ کو وسیلہ کا مرتبہ عطا فرمایا جائے گا اور وہ ایک ایسا مرتبہ ہے جو کہ نہایت بلند ہے۔ مخلوقات میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ اس دن دربارِ خداوندی سے آپ کو سلطنتِ الٰہیہ کی وزارت کا مقام حاصل ہوگا۔

## آپ کی شرعی خصوصیات

اور آپ کو شرائع میں جو خصوصیات عطا کی گئیں بے شمار ہیں۔ جن کا شمار کرنا طوالت کا

marfat.com
Marfat.com

باعث ہوگا۔ کافروں کی غنیمتوں کا حلال ہونا۔ آپ کی اُمت کے لیے سارے روئے زمین کو مسجد کا حکم دیا گیا ہے اور زمین کی خاک کو آپ کی خاطر پاک اور پاک کرنے والی بنا دیا گیا۔ نمازِ پنج گانہ اس طریقے کے مطابق وضوٗ اذان' اقامت' سورۂ فاتحہ' آمین' روزِ جمعہ' جمعۃ المبارک کے دن میں قبولیت کی ساعت' ماہِ رمضان المبارک کی برکات اور لیلۃ القدر سب آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یہ ہیں وہ خصوصیات جن تک ظاہری نظر پہنچتی ہے۔

## آپ کے باطنی کمالات

لیکن آپ کی وہ خصوصیات جو کہ مراتب باطنی کے اعتبار سے تھیں' وہ انوار وتجلیات جو کہ روز بروز ترقی اور اضافے میں ہیں۔ وہ درجات جو آپ کی پیروی کے طفیل آپ کے اُمتیوں کو قیامت تک حاصل ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اور وہ علوم ومعارف جن کا فیضان آپ کو پہنچ رہا ہے۔ پس یہ لامتناہی سلسلہ ہے اور اس آیت میں ان تمام چیزوں کا اشارہ ہے اسی لیے عطا کو خاص نہیں فرمایا گیا کہ کیا چیز دیں گے۔

اور جب کسی آدمی کو مستقبل میں کسی نعمت کا وعدہ دیا جاتا ہے تو اس وعدے کو اس نعمت کے شواہد اور دلائل کے ساتھ جو کہ زمانہ ماضی میں صادر ہوئے' پکا کیا جاتا ہے تاکہ وہ انتہا کو ابتدا پر قیاس کرے۔ اور اس کی اُمید قوی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وعدے کے بعد وہ گزشتہ نعمتیں جو کہ کسی سابقہ خدمت اور کسی سوال کی مناسبت کے بغیر محض ایک ابتدا تھیں اور کسی شخص کے دل میں گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ نعمتیں ایک جزا کے طور پر ہوں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرائی جارہی ہیں اور ان نعمتوں کا شکر طلب کیا جارہا ہے۔

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی کیا آپ کو یتیم نہ پایا پس آپ کو جگہ عطا فرمائی۔ اور اس نعمت کا بیان یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ محترمہ کے پاس بطور امانت پدری تھے' آپ کے والد بزرگوار حضرت عبداللہ وفات پا گئے۔ اور جب آپ پیدا ہوئے تقریباً چھ سال کے تھے کہ آپ کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ اور آپ کی والدہ کی وفات کے دو سال بعد آپ کے دادا بزرگوار حضرت عبدالمطلب بھی وفات پا گئے۔ پس آپ کو تینوں قسموں کی یتیمی جو کہ والدین اور دادا کا د سال ہے' حاصل ہوگئی۔ اور اس حالت میں اس بات کا گمان

marfat.com

Marfat.com

ہوتا ہے کہ بچہ ضائع ہو جائے اور اس کی صحیح پرورش نہ ہو۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے ابتدا سے آپ کی پرورش کی صورت یوں ظاہر فرمائی کہ آپ کے والد بزرگوار کی وفات کے بعد آپ کے جدامجد اور والدہ محترمہ کے دل میں بیش از بیش شفقت پیدا کر دی یہاں تک کہ وہ شفقت' پدری شفقت کے قائم مقام ہوگئی اور آپ کے دادا اور والدہ محترمہ ہر دن رات آپ میں محبوبیت کے کرشمے ظاہر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ عاشقوں کی طرح آپ کی پرورش میں کوشش کرتے تھے۔ اور اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے اور جب آپ کے جدامجد کا وصال ہو گیا' وہ آپ کو آپ کے حقیقی چچا ابو طالب کے سپرد کر گئے اور آپ کی خدمت کے لیے انہیں انتہائی تاکید کر دی۔ ابو طالب نے ان کی وصیت کے مطابق آپ کی خدمت میں انتہائی کوشش کے ساتھ کام کیا۔ اور اس دوران اللہ تعالیٰ کی معنوی تربیت حسن اخلاق اور مخفی آداب کی رعایت سے پوشیدہ طور پر اپنا کام کر رہی تھی حتیٰ کہ آپ بلوغ کی حد کو پہنچ گئے اور اوصاف کمال کے جامع ہو کر اپنی قوم کا فخر بن گئے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى اور آپ کو ضال پایا پس ہدایت فرمائی۔

اس ہدایت اور ضلال کا بیان یہ ہے کہ بلوغ کی حد کو پہنچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عقل خداداد کے کمال سے یہ علم تھا کہ بتوں کی پوجا اور جاہلیت کی رسمیں سب فضول اور بے ہودہ ہیں۔ آپ دینِ حق کی جستجو میں لگ گئے۔ اور آپ نے پرانے بوڑھوں سے سنا کہ اصل دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ آپ اسی جستجو میں بتوں کی پوجا سے بے زار اور جاہلیت کی رسموں سے کنارہ کیے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کی معرفت کی تلاش میں مصروف ہوئے۔ لیکن چونکہ کسی کو ملتِ ابراہیمی یاد نہیں رہی تھی اور نہ وہ کسی کتاب میں جمع تھی اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے' ناچار آپ اس ملت کے احکام کی تلاش میں بے چین اور بے قرار رہتے۔ اور معلومات کے مطابق تسبیحات' تہلیلات' تکبیرات' اعتکاف' جنابت سے غسل' مناسکِ حج' خلوت اور اس قسم کی دوسری مصروفیات میں لگے رہتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی وحی کے ساتھ ملتِ حنفی کے اصول سے آگاہی بخشی اور اس ملت کی فروع کو آپ کے لیے نہایت احسن

marfat.com
Marfat.com

طریقے سے مقرر فرمایا اس وقت وہ پیاس اور بے چینی زائل ہو گئی۔ گویا اپنی گم شدہ چیز مل گئی۔ آپ چاہتے تھے کہ ایک راہ پر چلیں اور اس کا پتہ نہیں چلتا تھا اس راہ کو آپ کی نظر میں ظاہر کر دیا گیا۔ پس اس پیاس' بے چینی اور اس راہ کے متعین نہ ہونے کے دُکھ کو راستہ گم کرنے سے تعبیر فرمایا گیا اور ارباب تفسیر اس ضلال کی تفسیر میں دُور دُور تک گئے ہیں۔

## حضور علیہ السلام کے بچپنے میں ابوجہل کا معجزہ دیکھنا

بعض کہتے ہیں کہ ضال سے مراد ظاہری راستہ گم کرنا ہے کہ بچپنے کے وقت آپ مکہ شریف کے پہاڑی دروں میں گھر کا راستہ گم کر کے حیران پھر رہے تھے اچانک وہاں سے ابوجہل اونٹنی پر سوار گزرا اور آپ کو اُٹھا کر حضرت عبدالمطلب کے پاس لے آیا۔ اور عبدالمطلب سے کہنے لگا کہ ہمیں پتہ نہیں کہ تیرے اس بچے کے ہاتھوں ہمارا کیا حشر ہوگا۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا کیا بات ہے؟ ابوجہل کہنے لگا کہ میں نے اس بچے کو فلاں پہاڑ میں حیران اور راستہ گم کیے ہوئے پایا' میں نے پہلے اسے اُٹھا کر اپنے پیچھے سوار کر لیا' یہ اونٹنی بالکل چلتی ہی نہ تھی بلکہ بیٹھ گئی اور اُٹھنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ یہاں تک کہ میں نے اسے اپنے آگے بٹھا لیا' اونٹنی فوراً اُٹھی اور چلنے لگی اور اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے ساتھ مشابہت ہے کہ جس طرح آپ کی پرورش آپ کے دشمن فرعون سے کرائی گئی اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے دشمن ابوجہل کے ہاتھوں آپ کے جدامجد تک پہنچایا گیا۔

## حلیمہ سعدیہ سے حضور علیہ السلام کا گم ہونا

اور بعض کہتے ہیں کہ جب آپ کی دائی حلیمہ آپ کو حضرت عبدالمطلب کے پاس پہنچانے کے لیے لائیں' آپ مکہ معظمہ کے دروازے پر ان سے گم ہو گئے' وہ بے چین ہو کر ایک بڑے بت ہبل کے پاس گئیں اور بلند آواز کے ساتھ شکایت شروع کر دی۔ جیسے ہی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا سب بت سرنگوں ہو کر گر پڑے۔ اور بتوں کے اندر سے ایک آواز پیدا ہوئی کہ خبردار! تو کیا نام لے رہی ہے' ہماری بربادی اسی بچے کے ہاتھوں ہے۔ اسی اثناء میں جبرئیل امین علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر انہیں آپ

marfat.com
Marfat.com

کے جدامجد حضرت عبدالمطلب تک پہنچا دیا تھا۔ دائی حلیمہ نے بت خانے سے مایوس ہو کر ارادہ کیا کہ حضرت عبدالمطلب کو آپ کی گم شدگی کی اطلاع دے تا کہ کہیں تلاش کریں یہاں پہنچتی ہے تو حضرت کو جناب عبدالمطلب کے پاس دیکھتی ہے اور متعجب رہ جاتی ہے۔ پس اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ ضلال سے مراد ہجرت کی سمت کو گم کرنا ہے کہ کدھر جانا چاہیے یا قبلہ گم کرنا یا پہلی بار جبرئیل علیہ السلام کو نہ پہچاننا یا امور دنیا کی راہ گم کرنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبادت خداوندی میں مشغولیت کی زیادتی کی وجہ سے امور دنیا کی راہ ورسم کی طرف متوجہ نہیں تھے یا آسمانی راہوں کو گم کرنا ہے جن کے متعلق شب معراج میں ہدایت واقع ہوئی۔

اور بعض کہتے ہیں کہ یہاں ضلال اختلاط کے معنوں میں ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ ضل الماء فی اللبن یعنی پانی دودھ میں اس طرح مل گیا کہ تمیز نہیں کی جاسکتی اور بعثت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس معاشرہ میں کسی امتیاز کے بغیر عمر بسر فرماتے رہے (اقول باللہ التوفیق ایسے گئے گزرے معاشرے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائی چالیس (۴۰) سال جلوہ گر رہے مگر آپ نے اس معاشرے کا اثر قبول نہیں کیا بلکہ معاشرے کو متاثر فرمایا حتیٰ کہ وہ لوگ آپ کو صادق اور امین کے القابات سے یاد کرتے تھے اور خود ابوجہل نے تسلیم کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور بعض کہتے ہیں کہ ضلال سے مراد محبت اور مرتبۂ عشق ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ آپ کے والہانہ عشق کی ان لفظوں کے ساتھ تعبیر کی ہے کہ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ اور ہدایت سے مراد یہ ہے کہ ہم نے محبوب حقیقی تک پہنچنے کا آپ کو پتہ دیا۔ خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ اہل تفسیر کے اسی قسم کے اقوال ہیں۔

## عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ

یہاں اتنی بات یقین کے ساتھ جاننا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام بعثت سے پہلے بھی

marfat.com
Marfat.com

گمراہی اور کفر اصلی اور طبعی سے معصوم اور محفوظ ہیں۔ بلکہ جان بوجھ کر گناہ کرنے سے بھی پاک ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ میں نے کبھی بھی اہلِ جاہلیت کے کسی کام کا قصد نہیں کیا مگر دوبار اور دونوں بار ہی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم نے اس سے بچا کر رکھا اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میرے اور اس کام کے درمیان حائل ہوئی اور وہ دو کام یہ ہیں کہ ایک دن میں نے قریش کے ایک نوجوان کو کہا جو کہ میرے ہمراہ مکہ شریف سے باہر بکریاں اور بھیڑیں چرایا کرتا کہ آج کی رات میری بکریوں اور بھیڑوں کی خبر گیری کرنا تاکہ میں شہر مکہ میں جاؤں اور وہاں چند ایک نوجوان بیٹھ کر افسانے کہتے ہیں' میں بھی وہ افسانے سنوں جب میں اس قصد سے مکہ شریف میں داخل ہوا۔ پہلا گھر جو میرے راستے میں آیا اس میں سے میں نے مزامیر اور طبل اور دوسرے سازوں کی آواز سنی' پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں کی شادی ہے' میں بھی اس گھر میں داخل ہوا اور چاہا کہ وہ تماشا دیکھوں جیسے ہی میں بیٹھا مجھ پر اس قدر نیند غالب آئی کہ سورج کے طلوع تک بے دار نہ ہو سکا۔

اس کے بعد جب میں بیدار ہوا تو محفل برخاست ہو چکی تھی اسی طرح بار دگر میں نے ارادہ کیا اور نیند میرے اور افسانے مزامیر سننے کے درمیان حائل ہو گئی۔ اور میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے محفوظ رہا اور اس کے بعد میرے دل میں کبھی خیال تک نہ گزرا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت سے نوازا اور اس عصمت کو دوبالا کر دیا لیکن شرائع کو جاننے اور انہیں دریافت کرنے کی پیاس انبیاء علیہم السلام کو بعثت سے پہلے بھی ہوتی ہے' وہ راہِ حق کی تلاش میں ہوتے ہیں اور لفظ ضلال کے استعمال کے لیے اسی قدر کافی ہے جیسا کہ گزر چکا۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى اور آپ کو عیال دار پایا پس غنی کر دیا۔

## حضور علیہ السلام کو غنی کرنے کا بیان

اور اس نعمت کا بیان یہ ہے کہ پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے دادا عبدالمطلب کے مال کے ساتھ غنی کر دیا کہ وہ آپ کو اپنے تمام بیٹوں سے زیادہ عزیز سمجھ کر پرورش کرتے تھے اس کے بعد ابو طالب کے مال کے ساتھ غنی فرمایا جو کہ اپنے والد بزرگوار

marfat.com
Marfat.com

کی وصیت کے مطابق آپ کو اپنی اولاد سے مقدم رکھتے تھے۔ بعدازاں جب آپ پچیس (۲۵) سال کے ہو گئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو کہ انتہائی مال دار تھیں' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں آئیں۔ وہ آپ کی محبت اور خدمت میں اس قدر مصروف ہوئیں کہ اپنا سارا مال' سونا، نقدی اور جنس آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور قریش سرداروں کو بُلا کر گواہ بنایا کہ یہ سارا مال حضور کا ہے اگر آپ چاہیں تو ابھی اسے تقسیم کر دیں اور اگر چاہیں سنبھال رکھیں۔ اور جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا گزر گئیں تو آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال کے ساتھ غنی کر دیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی میں فنا اور محبت اس قدر اُتر چکی تھی کہ آپ نے اپنا چالیس ہزار درہم کا راس المال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضروریات میں خرچ کر دیا اور ہجرت کے بعد انصار کے مال کے ساتھ غنی فرمایا۔ اس کے بعد کفار کی فتوحات اور ان بدبختوں کے مالِ غنیمت کے مال کے ساتھ کمال استغناء حاصل ہوئی۔

اور اگر چہ ان میں سے بعض واقعات اس سورۃ کے نازل ہونے کے بعد واقع ہوئے لیکن جو کچھ علم الٰہی میں ہے' واقع جیسا ہی ہے۔ لہٰذا احسان جتلانے کے مقام میں انہیں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اس ظاہری غناء کے باوجود باطنی غنا جسے قناعت کہتے ہیں' حضور علیہ السلام کو اس قدر عطا فرمائی گئی کہ سیرت نگاروں کی زبان پر یہ الفاظ جاری اور گردش کر رہے ہیں کہ آپ کے نزدیک پتھر اور سونا برابر تھے۔

## حضور علیہ السلام کے یتیم تشریف لانے کی حکمت

محققین نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یتیم اس لیے فرمایا گیا تاکہ لوگ یتیموں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اور جہاں بھی کسی یتیم کو دیکھیں تو انہیں یاد آ جائے کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک وقت میں یتیم تھے تو اس کے ساتھ اکرام اور تعظیم کے ساتھ پیش آئیں اور کم از کم جاہل لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر مبارک دیکھ کر جو تعظیم بجا لاتے ہیں وہ بجا لائیں۔ نیز تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیموں کی قدر شناسی اور ان پر مہربانی فرمائیں اور یاد فرمائیں کہ یتیمی کا دور کس قدر بھاری ہے۔ نیز

marfat.com
Marfat.com

حضور علیہ السلام کے حق میں منظور یہ تھا کہ آپ عمر شریف کی ابتداء سے انتہاء تک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر اعتماد نہ فرمائیں اور آپ کو اعلیٰ توکل کا مرتبہ نصیب ہو اور یہ مقصد یتیمی کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

نیز یتیم ہونا عام عادت کے مطابق بچوں کی زندگی ضائع اور ان کے غیر مہذب انداز میں بالغ ہونے کا موجب ہے۔ اور جب کوئی شخصیت اس حالت میں کمال حسن اخلاق اور تہذیب سے موصوف پیدا ہو تو بلاشبہ اسے ایک معجزہ شمار کریں اور اسے نبوت کی دلیل قرار دیں۔

## آپ کے فقر کا راز

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فقر اور آپ کو دادا، چچا، اہلیہ، یار غار اور جان نثار انصار کے مال کے ساتھ غنی کرنے میں راز یہ ہے کہ اگر شروع سے ہی آپ کو دولت مند کر دیا جاتا تو عادت الٰہی کے مطابق دولت مندوں کی عادتیں جو کہ برتری اور بڑائی چاہتی ہیں اثر کر جاتیں اور نشست و برخاست دولت مندوں کی ساتھ ہوتی اور تواضع، کسر نفسی دم بدم اللہ تعالیٰ کے حضور زاری اور بے مائیگی کی لذت کا احساس نہ ہوتا۔ نیز جس صورت میں کہ آپ کو خود اپنے مال کے ساتھ دولت مند اور غنی کیا جاتا' آپ کے پیروکاروں کے حق میں بدگمانی ہوتی کہ وہ اس مرتبے والے انسان کے مال اور رواداری کی طمع اور لالچ کے لیے اس کے پیروکار ہوئے ہیں۔ اور برا اخلاص، ایمان اور حق کی رعایت کا پتہ نہ چلتا۔ (اقول وباللہ التوفیق یہ سب مفروضے عقل کے اعتبار سے ہیں کہ علائق بشری کی وجہ سے اکثر اسی قسم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں لیکن حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب سے قطعاً مبرا ہیں جیسا کہ مفسر علام قدس سرہ نے آپ کے جسمانی خصائص بیان کر کے خود اعتراف فرمایا ہے)۔ بقول حضرت مولانا حسن رضا بریلوی ۔ سر سے پا تک ہر ادا ہے لاجواب خوبروؤں میں نہیں ان کا جواب۔ بموجب اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمایت و عنایت شروع سے ہی ان کی نگہبانی کرتی ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

marfat.com

Marfat.com

بنابریں آپ کی ولادت فقر کی حالت میں ہوئی اور لوگوں کو آپ کی محبت کی کشش میں مسخر فرمادیا گیا تاکہ وہ خود بخود اپنا مال اور جان آپ پر نثار کریں اور یہ بات آپ کے کمال پر بہت بڑی دلیل ہے کہ کسی ظاہری سبب کے بغیر لوگ آپ کے اس قدر گرویدہ ہو رہے ہیں۔

## ایک نکتہ

یہاں ایک نکتہ جاننا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ ہر امیر اور غریب اپنی ابتدائی حالت میں بے مایہ اور بغیر کسی چیز کے ہوتا ہے اور دوسروں کے مال کے ساتھ غنی ہوتا ہے لیکن اگر اپنی طرف سے طمع اور خواہش کرے اور کمائی اور تلاش کے ساتھ مال کی کثرت حاصل کرے تو ہر کسی کے سامنے ذلیل، خوار اور حقیر ہوتا ہے اور اگر مختلف تدبیروں اور حیلوں کے ساتھ دوسروں کو اپنا مطیع کر کے ان کے مال سے نفع حاصل کرے تو اس کی عزت وشوکت کا موجب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بادشاہ باوجود اس کے کہ رعایا کے اموال کے ساتھ غنی ہے اور ان سے باج اور خراج کے طور پر مال لیتا ہے' عزت والا ہے اور جو کہ اپنے جیسے لوگوں سے اسی طرح اور اس سے بھی کمتر مانگتا ہے' ذلیل ہے تو پتہ چلا کہ مال کا ہونا عزت کو لازم نہیں کرتا اور اس کا نہ ہونا حقارت کا موجب نہیں۔ ہاں جو مال قناعت، بے پروائی اور طمع چھوڑنے کے ساتھ حاصل ہو' عزت کا موجب ہے اور جو فقیر طمع اور تلاش کی وجہ سے مشقت اٹھائے' باعث ذلت ہے۔

اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسروں کے اموال کے ساتھ عزت، غلبہ اور شوکت کے طریقے سے غنا حاصل ہوئی' آپ کے مرتبے کی بلندی کا باعث ہوئی اور کسی قسم کی عار لاحق ہونے کا سبب بالکل نہ ہوئی اور جب ان تین نعمتوں کے بیان سے فراغت ہوئی تو ان کا شکر طلب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ پس یتیم پر بالکل قہر نہ کریں یعنی اس کا مال اور حق تلف نہ کیا جائے اور گفتگو میں اس کے ساتھ سختی نہ کی جائے اس لیے کہ آپ خود یتیم رہے ہیں اور یتیم کی کمزوری کا آپ کو حق الیقین کے ساتھ علم ہے کہ معمولی سبب سے اس کی دل شکنی ہو جاتی ہے

marfat.com
Marfat.com

اور یہ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى کی نعمت کا شکر یہ ہے۔

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ اور سائل کو سخت آواز کے ساتھ رد نہ کریں اس لیے کہ آپ عیال دار اور اسباب ظاہری سے فارغ رہے ہیں اور آپ ضرورت کا دُکھ جانتے ہیں اور یہ شکر وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى کی نعمت کے مقابلے میں ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کی بات کریں اور بیان فرمائیں اس لیے کہ اس نے آپ کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور آپ کے قلب مقدس پر بے حد وحساب علوم و معارف نازل فرمائے ہیں اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ آپ دوسروں کو بھی ان نعمتوں کی دلالت فرمائیں اور ان میں سے حصہ عطا فرمائیں۔

## ایک لطیفہ

یہاں ایک لطیفہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہدایت کو جو کہ دینی احسان اور نعمت ہے' غنی کرنے پر جو کہ دنیوی نعمت ہے' مقدم فرمایا گیا ہے جبکہ شکر طلب کرنے کے مقام میں جو دنیوی نعمت کے مقابل تھا' مقدم کیا گیا ہے اور جو دینی نعمت کے مقابل تھا' بعد میں لایا گیا ہے اس لیے کہ نعمت دنیوی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت طلب فرمائی گئی ہے اور دینی نعمت کے مقابلے میں باطنی نعمتیں حاصل کرنے کے طریقے پر دلالت طلب فرمائی گئی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت انہیں ہدایت دینے پر مقدم ہے اس لیے کہ جب تک معاش کا معاملہ منظم نہ ہو۔ دل کو ذمہ داریاں قبول کرنے اور امور آخرت کی تلاش کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ نیز کہا جا سکتا ہے کہ سائل کو یتیم کے ساتھ پوری مناسبت ہے اس لیے جو شکر سائل کے حق کے ساتھ متعلق تھا' یتیم کے ساتھ متصل لایا گیا اور نعمتوں کے شمار میں ہدایت کی نعمت کو غنا کی نعمت سے پہلے لایا گیا اس لیے کہ غنی ہونا اس وقت نعمت ہے جب اموال میں تصرف کرنے کا طریقہ معلوم ہو اور اس کا ہدایت کے بغیر تصور ہی نہیں اور تینوں شکروں کی تینوں نعمتوں کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے جیسا کہ بیان کی گئی۔

## مذکورہ نعمتوں کے ساتھ مذکورہ شکروں کی باطنی مناسبت اور مسئلہ شفاعت

اور ایک اور پوشیدہ مناسبت ہے کہ یہ تینوں شکر قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

marfat.com

Marfat.com

وسلم کی اُمت کی شفاعت پر دلیل ہو سکتے ہیں اس لیے کہ یتیم سب سے زیادہ کمزور ہے اور اسے قوت دینے کی کوشش کرنا کمال لطف اور رحم کرنا ہے۔ اور سائل اکثر اوقات بے موقع اور بے وقت سوال جھگڑے اور زاری کے ساتھ ستاتا ہے تو اس کی ایذا رسانی پر صبر کرنا اور اس کے اس ستانے کے بجائے احسان کرنا گناہ کو معاف کرنے کی دلیل ہے۔ اور کیے کو نہ کیا سمجھنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کرنا ایک دردِ سر چاہتا ہے اور اس مشقت کو برداشت کرنا جو کہ نفع دینے کے لیے ہے' بارگاہ خداوندی میں لوگوں کو اس کے عذاب سے چھڑانے کے لیے عرض و درخواست پیش کرنے کی تکالیف برداشت کرنے کی دلیل ہے۔

اور وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے الفاظ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اپنے اور اپنے لواحقین کے اوپر خدائی نعمتوں کو بیان کرنا مستحبات میں سے ہے لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ مقصد صحیح ہو جیسے زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے شکر کی اشاعت کرنا یا دوسرے لوگوں کی اقتداء حاصل کرنا۔ اور اگر کسی شخص کو نعمت بیان کرنے سے خود بینی اور تکبر کا ڈر ہو تو اس کے بارے میں چھپانا اور پوشیدہ رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ اپنی شب بیداری کے حالات صبح کے وقت لوگوں کے سامنے بیان کرتے کہ آج رات میں نے اتنے نوافل ادا کیے اور اتنی تلاوت کی۔ بعض نادانوں نے اعتراض کیا کہ یہ اظہار ریاء کے قبیلے سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اور میرے نزدیک اس کے برابر اور کوئی نعمت نہیں ہے کہ مجھے نیکی کی توفیق عطا فرمائی گئی ہے۔ تو میں یہ نعمت کیوں بیان نہ کروں اور اس کے شکر سے محروم رہوں؟

## حق یتیم، حق سائل اور تحدیث نعمت کے متعلق حضور علیہ السلام کے معمولات

جاننا چاہیے کہ اس سورۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تینوں چیزوں کی انتہائی تاکید فرمائی گئی ہے۔ یتیم کے حق کی رعایت کرنا، سائل کے حق کی نگہبانی کرنا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کرنا اور اس انتہائی تاکید کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تینوں چیزوں کے بارے میں بے حد کوشش فرماتے تھے۔ جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت

marfat.com

Marfat.com

طیبہ کی آگاہی رکھنے والوں پر بالکل ظاہر ہے۔

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یتیم کو پالنے والا خواہ وہ یتیم اس کا رشتے دار ہو یا اجنبی' قیامت کے دن میرے اس طرح قریب ہو گا جیسا کہ ہاتھ کی دو انگلیاں جو باہم متصل ہیں اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ فرمایا۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا دل بہت سخت ہے اس کا علاج فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یتیموں پر مہربانی کرو اور ان کے سروں پر ہاتھ رکھو' تمہارے دل کی سختی دُور ہو جائے گی۔

نیز وارد ہے کہ جو شخص شفقت کے ساتھ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے اس کے لیے ہر بال کے بدلے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور بزرگان سلف نے فرمایا ہے کہ جب یتیم روتا ہے عرش ہلنے لگتا ہے تو جس نے دل جوئی کر کے یتیم کو رونے سے چپ کرایا گویا اس نے عرش کو ہلنے سے ساکن کر دیا۔

## حق سائل کے متعلق نقش سیرت طیبہ

اور سائلوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بخشش اس قدر تھی کہ آپ کی زبان مبارک پر کبھی لا کا لفظ جاری نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ مروی ہے کہ کسی نے کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی چیز کا سوال نہ کیا جس کے جواب میں آپ نے لا فرمایا ہو۔ چنانچہ فرزدق شاعر اس مفہوم کو مبالغہ کے طریقے سے اس شعر میں نظم کر کے کہتا ہے

ماقال لاقط الافی تشهد، لولا التشهد كانت لاء ه نعم

یعنی آپ نے تشہد کے سوا کبھی لا نہ فرمایا اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ کا لا نعم ہوتا۔

اور ترمذی میں روایت کی گئی کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بحرین کی طرف سے نوے (۹۰) ہزار درہم لائے گئے تھے' آپ انہیں مسجد شریف کی

marfat.com

Marfat.com

چٹائیوں پر ڈھیر کر کے نمازِ فجر کے بعد تقسیم فرمانے لگے اور نمازِ ظہر تک ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔ اور اس دوران جو سائل بھی آیا آپ نے اسے عطا فرمایا۔ اتفاقاً تقسیم سے فارغ ہوئے تو ایک اور سائل آ دھمکا۔ آپ نے فرمایا کہ اب تو سب کچھ تقسیم ہو چکا لیکن جاؤ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہے' بیوپاریوں سے خرید لو اور میرے نام درج کرا دو جب وہ میرے پاس آئے گا' میں قیمت ادا کر دوں گا۔ اسی اثناء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے تو آپ یہ قرضے کیوں برداشت فرما رہے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند نہ آئی اور آپ کے چہرۂ انور پر ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہوئے۔ ایک انصاری حاضر تھے' انہوں نے عرض کی انفق ولا تخش من ذی العرش اقلالا حضور آپ بلا تکلف خرچ فرمائیں اور آپ عرش کے مالک کی طرف سے کسی قلت کا کوئی خطرہ محسوس نہ فرمائیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور آپ کے رُخِ انور پر خوشی کے آثار نمایاں ہوئے اور فرمایا کہ مجھے اسی روش کا حکم دیا گیا ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ سائلوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جود وسخا اس حد تک تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میانہ روی کا حکم دیا اور بہت زیادہ خرچ کرنے سے روک دیا۔ چنانچہ سورۂ اسریٰ کی تفسیر میں مذکور ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک بچہ حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری ماں عرض کر رہی ہے کہ میرے پاس پہننے کا کُرتہ نہیں ہے' مجھے ایک کُرتہ عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ذرا ٹھہر کر آنا' عطا کروں گا۔ بچہ چلا گیا اور پھر آیا اور کہنے لگا میری ماں عرض کر رہی ہے کہ یہی کُرتہ جو جسم مبارک پر ہے' مجھے عنایت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دولت خانہ میں تشریف لے جا کر کُرتہ بدنِ مبارک سے اُتار کر کُرتہ اس بچے کو بھیج دیا کہ اپنی والدہ کو دے دے اور خود برہنہ جسم تشریف فرما رہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ آپ کے باہر تشریف لانے کے منتظر تھے' اُٹھ کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ یعنی دستِ مبارک میں اتنی فراخی نہ فرمائیں کہ آپ برہنہ جسم گھر میں تشریف فرما

marfat.com
Marfat.com

رہیں اور ان مخلص احباب اور صحابہ کرام سے مل بیٹھنا بھی نہ ہو سکے جو کہ فیض حاصل کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

اور بخاری میں وارد ہے کہ ایک مرتبہ ایک خاتون نے اپنے ہاتھ سے ایک چادر سی کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کی اور عرض کی کہ میری آرزو یہ ہے کہ آپ اسے بنفسِ نفیس زیب تن فرمائیں کہ میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے سیا ہے اور پُرتکلف حاشیہ لگایا ہے۔ سرکار علیہ السلام کو بھی چادر کی ضرورت تھی' آپ نے لے کر پہن لی اسی دوران ایک شخص آ گیا اس نے عرض کی کہ یہ چادر کتنی خوبصورت ہے اور اس کا حاشیہ کس قدر پُرکشش ہے۔ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ چادر مجھے عنایت فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا بہت اچھا اور وہ چادر اسے عطا فرما دی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس شریف سے اُٹھ کر تشریف لے گئے تو احباب نے اس شخص کی ملامت کی اور کہا کہ تو نے اچھا نہیں کیا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ چادر بڑی رغبت اور ضرورت کے ساتھ زیب تن فرمائی تھی اور تجھے معلوم ہے کہ آپ کسی سائل کو رد نہیں فرماتے تو نے سوال کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے یہ چادر دنیا میں پہننے کے لیے نہیں مانگی ہے بلکہ اپنے کفن کے لیے مانگی ہے کیونکہ یہ چادر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں مقبول اور آپ کے قلب مبارک کو پسندیدہ تھی۔

اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان جو کہ آپ کے بارے میں دربار خداوندی سے دنیا وآخرت میں بارش کی طرح برستی تھیں' صبح وشام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وقوع پذیر ہوتا تھا اور ان کے بیان کے شکر کے مقام میں آپ نے دفتروں کے دفتر ارشاد فرمائے ہیں جیسا کہ حدیث شریف کی کتابوں سے واقف حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔

## گمشدہ کے لیے سورۃ والضحیٰ کی خصوصیت

اور اس سورۃ کے مجرب خواص میں سے یہ ہے کہ گمشدہ کے لیے اس سورۃ کو سات (۷) بار پڑھ کر اپنے سر کے اردگرد شہادت کی انگلی گھمائیں اور سات مرتبہ پورا کرنے کے بعد اصبحت فی امان اللہ وامسیت فی جوار اللہ، امسیت فی امان اللہ

marfat.com
Marfat.com

واصبحت فی جوار اللہ پڑھ کر دستک دیں وہ گم شدہ مل جائے گا۔ واللہ اعلم

# سورۂ الم نشرح

مکی ہے، اس کی آٹھ (۸) آیات، اٹھائیس (۲۸) کلمات اور ایک سو تیس (۱۳۰) حرف ہیں۔

## وجہ ربط

اور اس سورۃ کا سورۃ والضحیٰ کے ساتھ کلی طور پر رابطہ ہے کہ دونوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی نعمتوں کا شمار مقصود ہے اور کلام کا انداز بالکل ایک جیسا ہے اسی لیے بعض لوگوں نے یعنی شیعہ فرقے کے لوگوں نے ان دونوں کو ایک سورۃ گمان کیا ہے۔ اور دونوں کو بسم اللہ کے ساتھ فاصلہ کیے بغیر ایک رکعت میں پڑھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن اگر غور کریں تو ایک نکتہ معلوم کریں جسکی وجہ سے ان دونوں سورتوں کے ایک ہونے کا حکم درست قرار نہیں پاتا' لفظ میں بھی اور معنی میں بھی۔ جہت لفظی سے اس بناء پر کہ سورۃ والضحیٰ میں استفہام غائب کے صیغے کے ساتھ وارد ہے جیسے اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى جبکہ یہاں متکلم کا صیغہ ہے اور یہ بالکل ظاہر فرق ہے جو کہ ایک دوسرے سے جدا ہونے کا موجب اور مناسبت کے منافی ہے۔ اور اگر صرف اس بات پر نظر کرتے ہوئے کہ ان دونوں سورتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی نعمتوں کا شمار مراد ہے' دونوں سورتوں کو ایک قرار دیں اور درمیان سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو گرادیں تو اس قسم کی مناسبت ہمیں بہت سی سورتوں میں ملے گی بلکہ قرآن پاک سب کا سب ایک کلام کی طرح ہے تو اکثر سورتوں کے درمیان سے بسم اللہ کو گرانا لازم آئے گا۔

رہا معنوی اعتبار سے تو اس بناء پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دو قسم کی ہیں: ایک قسم وہ ہے جس کا لوگ حس کے ساتھ مشاہدہ کرتے تھے اور وہ نعمتیں آپ میں ہر عام و خاص کو نظر آتی تھیں۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو عام تو کیا خاص کو بھی نظر نہیں آتی تھیں۔ اور وہ ایک مخفی اور پوشیدہ امر ہے تو دونوں قسموں کو جدا جدا بیان کرنا ضروری ہے۔

marfat.com

Marfat.com

پہلی قسم کو سورۃ والضحیٰ میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے جبکہ دوسری قسم کو اس سورۃ میں تاکہ کوئی شبہ نہ رہے۔

نیز جن نعمتوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخصوص فرمایا گیا' ان کی دو قسمیں ہیں: پہلی وہ جو آپ کے ظاہر کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور دوسری وہ جن کا تعلق آپ کے باطن کے ساتھ ہے۔ پس سورۃ والضحیٰ میں پہلی قسم کو بیان کرنا مقصود ہوا جبکہ یہاں دوسری قسم کو بیان فرمایا گیا۔ تو گویا ایک سورۃ حضور علیہ السلام کی ان خصوصیات کو شمار کرنے کے لیے ہے جو ظاہر میں ہیں اور دوسری سورۃ آپ کی ان نعمتوں کے شمار کے لئے جو باطن میں ہیں اور ظاہر و باطن میں جو فرق ہے' بالکل ظاہر ہے۔

## سببِ نزول

اور بعض مفسرین نے اس سورۃ کے نزول کا سبب یوں بیان کیا ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دربارِ خداوندی میں عرض کی کہ اے میرے پروردگار! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کا مرتبہ بخشا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیمی کی خلعت عطا فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو پہاڑ اور لوہے کی تسخیر کے ساتھ ممتاز فرمایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنوں اور انسانوں کی بادشاہت اور آگ کی تسخیر کے ساتھ انفرادیت بخشی' میرے لیے کون سی نعمت مخصوص کی گئی ہے؟ اس سوال کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی اور ظاہری طور پر یہ سوال واقعۂ معراج سے پہلے کا ہوگا اس لیے کہ اس واقعہ کے بعد جو خصوصیات آپ کو حاصل ہوئیں' گزشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کو بھی اس کا سوواں (۱۰۰واں) حصہ حاصل نہ تھا۔

## نکتہ

اور سورۃ الم نشرح کے نکات میں سے ایک نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی طلب کے بغیر اس قدر شرح صدر فرمائی کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے دربارِ خداوندی سے اس کی طلب کی کہ رب اشرح لی صدری پھر بھی انہیں اس مرتبے کی شرح صدر میسر نہ ہوئی جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہوا جو انہیں اپنے بھائی

marfat.com

Marfat.com

حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا اور اپنے مقام پر آئے گا تا کہ اس امر کا اشارہ ہو کہ جو کام اللہ تعالیٰ کی عنایت اور آدمی کی طلب کے بغیر سرانجام پائے اس کا مقام اونچا ہوتا ہے۔ (اقول وباللہ التوفیق- یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسل علیہم الصلوٰت والتسلیمات کو جو نعمتیں ان کے مانگنے پر دیتا ہے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی طلب کا حوالہ دیئے بغیر عطا فرماتا ہے جیسے شرح صدر کے علاوہ رفعت ذکر کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کرتے ہیں وجعل لی لسان صدق فی الاخرین۔ اور اس کی قبولیت میں فرمایا: وترکنا علیہ فی الآخرین سلامٌ علی ابراھیم جبکہ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا: وسلموا تسلیمًا نیز فرمایا: ورفعنا لك ذکرك -محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

## وجہ تسمیہ

اور اسے سورۃ الم نشرح اس لیے کہتے ہیں کہ یہ سورۃ کمال محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ و السلام کے پیدا ہونے کی جگہ پر انتہائی تاکیدی انداز میں دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ اس کی حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معنوی سینے کا تجلیات الٰہیہ کے انوار کے ساتھ کمال وسیع ہونا ہے۔

## خاصیت

اور اس سورۃ کے خواص میں سے یہ ہے کہ جو شخص اس سورۃ کو سوتے وقت سترہ (۱۷) بار پڑھ کر اپنے سینے پر دَم کرے اسے وسوسے اور بُرے خیالات پریشان نہیں کرتے اور وہ تدبیروں میں غلطی نہیں کرتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ کیا ہم نے کشادہ نہیں فرمایا ہے لَكَ صَدْرَكَ آپ کے لیے آپ کا سینہ تا کہ وحی کا بوجھ برداشت کرے اور اس سینہ پاک میں اسرار الٰہیہ سمائیں۔ اور دعوت و تبلیغ کا غم، اُمت اور دین کا غم، دنیا اور آخرت کا غم سب وہیں قرار پکڑیں اور کینہ، کھوٹ، بغض،

marfat.com
Marfat.com

حسد اور بُرے اخلاق قریب نہ پھٹکیں اور علم، ایمان اور حکمت کا نور محیط ہو اور لک کا لفظ اس لیے لایا گیا ہے کہ آپ کے سینے کو فراخ کرنا صرف آپ کو نفع کے لیے ہے تاکہ آپ انتہائی کمال حاصل کریں اگر لك کا لفظ نہ ہوتا تو یہ معنی سمجھ میں نہ آتا۔

## اصطلاح طریقت میں صدر کا مفہوم

اور لغتِ عرب میں صدر سینے کو کہتے ہیں اور اہلِ طریقت کی اصطلاح میں اس کا معنی یہ ہے کہ قلب کے دو دروازے ہیں: ایک دروازہ جو کہ نفس کی طرف ہے اس کا نام صدر ہے اور اس کا ایک دروازہ جو کہ روح کی طرف ہے' بہت کشادہ اور وسیع ہے اس کا نام قلب ہے اور صدر اس دروازے کے مقابلے میں بہت تنگ واقع ہوا ہے تو جب صدر کو کشادہ کر دیں' ظاہر ہے کہ وہ دروازہ اور کشادہ ہوگا اسی لیے یہاں لفظ صدر لایا گیا ہے نہ کہ لفظ قلب۔ اس لیے صدر کہ قلب کے لیے بمنزلہ قلعہ کے ہے۔ اور دنیوی افکار اور اس کی آرائشوں کی حرص کی وجہ سے شیطان زیادہ تر اسی سمت نفس کی طرف سے شورش کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے اور اسکی تنگی کی وجہ سے قلب بھی تنگ ہوتا ہے اور دل کی تنگی کی وجہ سے نیکی کی لذت اور ایمان کی حلاوت کم ہو جاتی ہے اور جب اس سمت دل کو کشادگی مل گئی تو بندگی کی ادائیگی پورے ولولے کے ساتھ میسر آئی اور مقصد حاصل ہو گیا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ شرح صدر کا معنی حوصلے کی فراخی ہے۔ اور ہر شخص کے حوصلہ کی فراخی اس کی استعداد کے مطابق اور اس کے کمال اور مرتبے کی وسعت کے اندازے پر ہوتی ہے۔ اور ہر مرتبے اور ہر کمال کے حوصلے کی فراخی جب تک اس مرتبے اور اس کمال کو نہ پہنچے' دریافت نہیں کی جا سکتی۔ اسی لیے اکثر عوام الناس چاہیں کہ بادشاہوں کے حوصلہ کی فراخی دریافت کر لیں اور معلوم کر لیں تو گفتگو کے ساتھ ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ اور اس قول کے مطابق کہ ولی را ولی می شناسد و نبی را نبی می شناسد۔ خصوصاً حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرح صدر کا خود امکان نہیں کہ کوئی انسان کما حقہ تصور کر سکے اس لیے کہ آپ کے مرتبے کا کمال جو کہ خاتمیت ہے' کسی کو حاصل نہیں ہے اور کیا خوب کہا گیا ہے۔

یاصاحب الجمال، یا سید البشر، من وجهك المنير لقد نور القمر

marfat.com

Marfat.com

لا یمکن الثناء کما کان حقہ ، بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

## حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرح صدر کا بیان

لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کو جو حسی اور معنوی شرح صدر حاصل ہوئی یہاں اس کے متعلق مثال اور اجمال کے ساتھ نشان دینا ضروری ہے۔

### معنوی شرح صدر

آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معنوی شرح صدر کا اگر تصور کریں تو یوں سمجھنا چاہیے کہ آپ کے سینۂ پاک میں ایک بے پایاں فضا واقع ہے جس میں انتہائی وسیع ایک عظیم عمارت کی بنیاد رکھی گئی ہے اور وہ عمارت بارہ (۱۲) نشست گاہوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بعض کا تعلق دنیا اور بعض کا دین کے ساتھ ہے۔ جبکہ بعض دین و دنیا سے بالاتر ہیں۔ ایک نشست گاہ میں تصور کرنا چاہیے کہ اس میں ایک عظیم الشان بادشاہ جلوہ گر ہے۔ اور روئے زمین کے سب بادشاہ اس کے دربار میں حاضر ہو کر اس سے مملکت کے ضابطے اور تدبیریں پوچھتے ہیں اور فرامین کسریٰ، توزک تیموری، کلمات عالمگیری، واقعات بابری اور آئین اکبری سب یہیں درستی اور امتحان کے معیار پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اور ممالک کی فرماں روائی اور مختلف ریاستوں اور دُور دراز شہروں کے ساتھ صلح و جنگ کے آداب اسی سے پوچھتے ہیں۔

اور دوسری نشست گاہ میں ایک حکیم جلوہ گر ہے جو کہ سیاست منزل، تہذیب اخلاق اور آداب کی آرائش کو کما حقہ بیان فرماتا ہے۔ اور زمانے کے حکماء اور جہان کے فلسفی اسی سے قوانین کا سبق لیتے ہیں۔ اور اس کے ہر قانون سے جو وہ بیان فرماتا ہے' ارسطو، نصیر طوسی، ابن مسکویہ اور ابن سینا وغیرہ بے شمار علوم نکالتے ہیں اور اپنے فنون میں استعمال کرتے ہیں۔

اور تیسری نشست گاہ میں ایک قاضی مسند عدالت پر رونق افروز ہے۔ اور مقدمات کے فیصلے کرنے، جھگڑے نمٹانے اور فریقین کو راضی کرنے میں رنگا رنگ فیصلے کر رہا ہے اور زمانے کے جج حضرات اس کے ارشادات کو اپنا دستور العمل سمجھتے ہوئے سند کے طور پر لے

marfat.com
Marfat.com

جا رہے ہیں۔

اور چوتھی نشست گاہ میں ایک متبحر مفتی مسند افتاء پر براجمان ہے۔ اور فتووں کا سمندر اس کی زبان سے جوش مار رہا ہے۔ اور نئے رونما ہونے والے واقعات میں سے ہر واقعہ میں اصول کے مطابق کتاب وسنت سے حکمِ الٰہی واضح فرما رہا ہے۔ اور جہان کے راوی اور زمانے کے فرائض نویس سب اس کے اردگرد بیٹھے اس کے ہر لفظ کو نقل کر رہے ہیں اور اپنی ضرورتوں میں کام میں لاتے ہیں۔

اور پانچویں نشست گاہ میں ایک محاسبہ کرنے والا حکومت کے تخت پر فائز ہے' جلاد اس کے سامنے کھڑے ہیں اور مجرموں کو اس کے حضور پیش کر کے ہر کسی کو حدو تعزیر، قید اور سزا دے رہے ہیں۔ اور محاسبہ، حدود اور تعزیریں قائم کرنے اور اہلِ بدعت کو سزا دینے کے ضابطے اس امر سے وابستہ اہل کار اس سے یاد کر رہے ہیں اور وہ بُرائیوں کے اسباب کو روکنے اور شہوات، غضب اور ظلم کے داخلے کی راہوں کی پیش بندی میں موشگافیاں کر رہا ہے۔

اور چھٹی نشست گاہ میں سات قرأتوں کا ایک بہترین اور خوش الحان قاری روایات کو ازبر کیے ہوئے لوگوں کے سامنے تلاوت فرما رہا ہے اور دنیائے جہاں کے قاری حضرات اس سے ہر روایت کی وجہ کی تحقیق کر رہے ہیں۔ کسی کو ادغام کا قاعدہ سکھا رہا ہے' دوسرے کے سامنے ہمزہ کی تخفیف کی بحث کر رہا ہے' تیسرے کو یرملون، اظہار اور اخفاء کے قانون کی دلالت کر رہا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

اور ساتویں خلوت نشست گاہ میں ایک اوراد پڑھنے والا عابد وظائف اور نوافل میں مشغول ہو کر دنیا و مافیہا کو صاف جواب دیئے ہوئے صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک تلاوت قرآن پاک، اذکار نبوی، جزری کی حصن حصین، ملا علی قاری کی حزب اعظم اور شیخ الشیوخ کے اوراد میں مصروف ہے اور اذکار کے انوار کی کثرت کی وجہ سے عالم علوی اور سفلی کے ملائکہ اس کی محفل سے مانوس ہو کر گروہ در گروہ اس کے اردگرد حاضر ہو رہے ہیں اور اسے ان کی حاضری کی وجہ سے ایک عظیم انس اور ایسی لذت حاصل ہو رہی ہے کہ دنیا و مافیہا کو

marfat.com
Marfat.com

فراموش کیے ہوئے ہے۔ اور جن لوگوں کو اس کام کا شوق ہے اس سے اس بحث کی تفتیش کر رہے ہیں' کسی کو دن رات کے نوافل ادا کرنے کا طریقہ بیان فرما رہا ہے' دوسرے کو لباس پہننے، پانی پینے، کھانا کھانے، چاند دیکھنے اور دوسرے کاموں کی دعائیں بتا رہا ہے اور اپنے اوقات کو ذکر و درود کی ہدایت کے ساتھ معمور کیے ہوئے ہے۔

اور آٹھویں نشست گاہ میں ایک عارف کامل اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کے اسرار جو کہ کائنات میں منتشر اور بکھرے ہوئے ہیں۔ اور علوم لامتناہی کو اپنی گوہر افشاں زبان سے وضاحت فرما رہا ہے۔ اور اس امر سے وابستہ لوگ فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم اس کی زبان سے سن کر لکھ رہے ہیں اور عجیب روحانی لذتیں حاصل کر رہے ہیں۔

اور نویں نشست گاہ میں ایک واعظ منبر پر تشریف فرما ہو کر عام سجی ہوئی محفل میں دلوں کو جنبش اور ارواح کو حرکت میں لا کر کسی کو عظیم ثواب کی ترغیب کے ساتھ راہ راست پر لا رہا ہے۔ اور کسی کو دردناک عذاب سے ڈرا کر توبہ کرا رہا ہے۔ اور لوگوں کو قبر، حشر، نشر، حساب، میزان اور پل صراط سے گذرنے کے واقعات، دوزخ کی سزاؤں، جنت کے بلند درجات اور ان اعمال کا جو کہ ان مقامات میں نفع بخش ہوتے یا نقصان دیتے ہیں' واضح بیان کے ساتھ پتہ دے رہا ہے اس کی مجلس میں کافر زنار توڑ رہے ہیں' گناہ گار توبہ کر رہے ہیں' سخت دلوں والے نرم دل ہو رہے ہیں اور حقوق نہ پہچاننے والے حقوق پہچان رہے ہیں۔

اور دسویں نشست گاہ میں ایک صاحب عزم رسول ہے جو کہ دلوں کو نرم کرنے اور انہیں راہ راست پر لانے میں قسم قسم کی تدبیریں اور حیلے بروئے کار لا رہا ہے۔ اور اس کام کے لیے لوگوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ ملا کر ہر کسی کی استعداد کے مطابق اسے تبلیغ اور دعوت کے لیے ہر طرف بھیج رہا ہے۔ اور ہر قوم کے اپنے رسول کے ساتھ معاملے کو سن رہا ہے اور اس معاملہ کے تدارک میں اپنی درست سوچ کے ساتھ کارآمد اور مؤثر تدبیریں سکھا رہا ہے۔

اور گیارھویں نشست گاہ میں ایک صاحب طریقت مرشد کامل رونق افروز ہے جس سے ہزاروں طالبان فدا ہجوم کیے ہوئے اپنی مشکلات کا حل مانگ رہے ہیں۔ اور وہ ہر کسی

marfat.com
Marfat.com

کی استعداد کے مطابق ناشناسی کے پردے کو دُور کرنے میں کوشش کر رہا ہے اور انہیں منزل تک پہنچانے کے طریقے کی نشاندہی فرما رہا ہے۔ اور انہیں احوال، مقامات، مراتب اور مناصب کی راہ دکھا رہا ہے۔ اور فیض لینے والوں کی بواطن میں قسم قسم کی توجیہات اور تاثیرات فرما رہا ہے اور ارشاد و تزکیہ کا بازار گرم کیے ہوئے ہے۔

اور بارہویں نشست گاہ میں ایک نازک، ماہ جبین بلکہ کعبہ صورت محبوب جلوہ فرما ہے جس کے جسم مقدس کو جمال الٰہی کی تجلی اپنا آشیانہ بنائے ہوئے ہے۔ اور طور پیکر مطلوب' جس پر حسن ازلی کے انوار چمک رہے ہیں۔ اور اس میں محبوبیت الٰہی کی شان جلوہ گر ہے اور وہ محبت کی کشش کے ساتھ دلوں کا شکار کر رہا ہے۔ اور حسنِ ازلی کے لاکھوں عاشق دیوانہ وار کسی نفع اور کمال حاصل کرنے کی توقع کے بغیر دُور دُور سے اس کی کشش کے کمند میں ہاتھ ڈالے بھاگے آرہے ہیں اور اس کے آستانے پر سجدے کر رہے ہیں اور اس کے جمال کی ایک جھلک کے مشتاق ہیں اور یہ مرتبہ ان مراتب میں سے ہے جو کہ انسان کو اس بارگاہ محمدیت کے مقبول محبوب کے وسیلہ جلیلہ کے بغیر نہیں ملا۔ اولیائے اللہ میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں اس کی محبوبیت سے تھوڑی سی مہک نصیب ہوئی اور وہ مخلوق کے مسجود اور دلوں کے محبوب ہوئے ہیں جیسے حضرت غوث الاعظم اور سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس اللہ تعالیٰ سرہما (اقول وباللہ التوفیق حضرت مفسر علام قدس سرہ کی مندرجہ بالا وضاحت سے پتہ چلا کہ ساری کائنات کا ظاہری اور باطنی نظام سید الکونین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشاروں پر چل رہا ہے۔ ساری کائنات کی مشکلات یہیں سے حل ہوتی ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی درست فرما رہے ہیں ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا ‏ ‏ ‏ ‏ وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی ‏ ‏ ‏ ‏ جان ہے تو جہان ہے

نیز کعبہ صورت محبوب، انوار حسن ازل کا ان کے جسم مقدس پر چمکنا' حسنِ ازلی کے طالبوں کا آپ کے آستانہ پاک پر سجدہ کناں ہونا اور قرب خداوندی کے تمام مراتب کا آپ کے وسیلہ سے ملنا' یہ تمام اوصاف بھی قابل توجہ ہیں کہ اگر نجدیوں کے بقول معاذ اللہ آپ

marfat.com
Marfat.com

عام انسانوں جیسے ہیں تو حضرت مفسر علام کی ان تصریحات کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے گا اور پھر یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت مفسر قدس سرہ حضور سید شہنشاہ بغداد رضی اللہ عنہ کو غوث الاعظم یعنی سب سے بڑا فریادرس مانتے ہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

اور کسی کے دل میں ان بارہ (۱۲) خلوت گاہوں کے بارے میں کوئی شک اور شبہ گزرے تو چاہیے کہ ان معاملات میں جو کہ ذکر کیے گئے ہیں' غور کرے کہ ان تمام کاموں کی بنیاد کہاں سے ہے اسے یقیناً پتہ چل جائے گا کہ یہ سب کچھ کمال محمدی علیٰ صاحبہ الصلوات والتسلیمات کے انوار کا پرتو ہے جو کہ شاخ در شاخ اور شعبہ در شعبہ نہروں کی طرح دریا سے جدا ہوئے اور ہر گروہ تک پہنچے اور اس گروہ کو اپنے ہمسروں سے ممتاز کر دیا اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ پاک فی الحقیقت مجموعی طور پر ان کمالات کا مخزن تھا اور یہ تمام کام اور اشغال دن رات اسی دربار سے فوارے کی طرح اُبلتے تھا جیسا کہ اہل سیر پر جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال کو ملاحظہ کرتے ہیں' پوشیدہ نہیں ہے۔

اور حکمت کا قانون ہے کہ دائمی افعال کا ایک نہج پر صادر ہونا ان افعال کی استعداد حاصل ہوئے بغیر محال ہے اور افعال جس قدر کمال انتظام کے مرتبے پر ہوں' استعداد کے کمال پر دلالت کرتے ہیں۔

## حسی شرح صدر کے متعلق مقدمہ

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسی شرح صدر کو ایک مقدمہ کی تمہید کے بغیر سمجھانا بہت مشکل ہے اور وہ مقدمہ یہ ہے کہ عالمِ غیب کی عالمِ شہادت کے ساتھ نسبت وہی ہے جو اصل کی فرع کے ساتھ۔ اور آدمی کی سائے کے ساتھ نسبت ہے۔ پس عالمِ شہادت میں جو چیز بھی ہے اگر عالمِ غیب میں اس کی کوئی اصل ہے تو درست ورنہ ختم ہونے والے سراب اور جھوٹے خیال کی طرح ہوگی۔ اور ہر غیبی چیز کی اگر عالمِ شہادت میں کوئی مثال یا صورت نہ ہو تو پھل کے بغیر درخت اور دلیل کے بغیر مدلول کی طرح رہ جائے گی اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو چیز عالمِ ارواح میں ہے' مصدر ہے اور جو عالم اجسام میں ہے مظہر ہے۔

تو جب اس مقدمے کو معلوم کر لیا تو جاننا چاہیے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

marfat.com
Marfat.com

کی معنوی شرح صدر عالم غیب میں قرار پائی حسی دنیا میں اس کی چار مرتبہ صورت بنی۔ پہلی یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی بطن مادر میں رونق افروز تھے کہ آپ کے والد بزرگوار واصل بحق ہو گئے۔ آپ کی ولادت باسعادت کے بعد آپ کی والدہ محترمہ نے چاہا کہ آپ کو پرورش کے لیے دایہ کے سپرد کر دیا جائے۔

## حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے گھر شرح صدر کا ذکر

اور عربوں کی عادت تھی کہ بچوں کو پرورش کے لیے دائیوں کے سپرد کر دیتے تا کہ انہیں اپنے گھر لے جائیں۔ اتفاقاً ان دنوں بنی سعد کے قبیلے کی چند دودھ پلانے والی خواتین جو کہ شہر طائف کے گردونواح میں سکونت پذیر تھیں، بچوں کی طلب میں مکہ معظمہ میں وارد ہوئیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد بزرگوار واصل بحق ہو چکے تھے اس لیے کسی دایہ کو بھی آپ کو لینے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ اور حلیمہ نامی ایک خاتون کو جو کہ ان خواتین میں سے تھی، کسی نے بھی پرورش کے لیے اپنا بچہ نہ دیا کیونکہ بہت غریب اور مفلوک الحال خاتون تھی۔ وہ بہت حیران ہوئی کہ میں پرورش کے لیے بچہ لینے کے لیے آئی تھی اگر خالی ہاتھ وطن جاؤں تو مجھے بہت خفت اور ندامت ہوتی ہے۔ ناچار اس یتیم کو ہی اختیار کرلوں۔ گرچہ اس کی پرورش میں اتنی دنیوی منفعت کی توقع نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر روانہ ہو گئی۔ سواری کے لیے ایک لاغر جانور رکھتی تھی جو کہ بالکل چل نہیں سکتا تھا جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں لے کر اس پر سوار ہوئی، وہ اتنا طاقت ور اور تیز رفتار ہو گیا کہ تمام سواریوں سے آگے آگے جا رہا تھا۔ قافلے والے اس سے تعجب کر رہے تھے۔ حلیمہ جب گھر پہنچی اپنی زیادہ تر بکریوں کو لاغر چھوڑ گئی تھی دیکھا کہ اس کی تمام بکریاں دودھ والی اور فربہ ہو گئیں۔ اسے یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ یہ سب اسی بچے کی برکت ہے۔

وہ بڑی شفقت اور ادب کے ساتھ پرورش کرتی تھی۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے گھر میں چار سال کے ہو گئے۔ ایک دن اپنی دایہ کے بچوں کے ہمراہ بکریاں چرانے میں مصروف تھے، دایہ کے لڑکے کھانا لینے کے لیے اپنی والدہ کے پاس چلے گئے اور

marfat.com
Marfat.com

سرکار علیہ السلام بکریوں کے پاس اکیلے اس جنگل میں موجود تھے کہ اچانک گدھ کی شکل کے دو بڑے پرندے نمودار ہوئے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کیا یہ وہی شخصیت ہے؟ اس دوسرے نے کہا ہاں! تو دونوں حضور علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ان پرندوں کے خوف سے دوڑنے لگے یہاں تک کہ دونوں پرندوں نے آپ کے بازو پکڑ کر آپ کو زمین پر لٹا دیا اور اپنی چونچوں سے سرکار علیہ الصلوٰۃ السلام کے شکم مبارک کو چاک کر دیا اور سینۂ پاک سے دل مبارک ؟؟ کو بھی باہر نکال کر چاک کیا اور اس سے جما ہوا سیاہ خون باہر نکال کر پھینک دیا اور انہوں نے کہا کہ یہ جما ہوا خون ہر شخص کے دل میں شیطان کا حصہ ہے۔ ہم نے اسے آپ کے دل سے باہر نکال لیا ہے اور اب یہ شیطان کا وسوسہ بالکل قبول نہیں کرے گا۔ (اقول وباللہ التوفیق- اور یوں بھی ہوسکتا تھا کہ یہ منجمد خون آپ کے قلب مقدس میں بالکل پیدا ہی نہ کیا جاتا مگر ایسا نہیں۔ کیونکہ اس کا پیدا کرنا تکمیل حکمت اور قلب کے حسن تخلیق کے لیے ضروری ہے اور پھر اُسے نکال باہر کرنا کمال نبوت کی دلیل ہے جس طرح بتقاضائے حسد انسانی حضور علیہ السلام کے جسد اطہر سے فضلات ظاہر تو ہوئے مگر کائنات سے مختلف بدبو نہ نجاست بلکہ طیب وطاہر اگر یوں نہ ہوتا تو اظہار عظمت نہ ہوتا۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اس کے بعد ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ برف کا پانی لاؤ اس کے ساتھ آپ کے شکم پاک کو دھویا گیا۔ بعدازاں اولوں کا پانی طلب کیا گیا اور اس کے ساتھ دل مبارک کو دھویا گیا۔ ازاں بعد اس نے کہا کہ سکینہ لاؤ' وہ ایک چیز تھی جسے میرے دل میں ڈالا گیا۔ اس کے بعد ایک نے دوسرے سے کہا کہ اسے سی دو۔ اور اسے سی کر مہر نبوت کے ساتھ مہر لگا دی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے کو سی کر برابر کر دیا گیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے حاضر باش خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ مبارک میں سوئی کا اثر دیکھا تھا۔ اور اس اثناء میں دایہ حلیمہ کے بیٹے کھانے لیے ہوئے آگئے اور یہ حالت دیکھ کر بے چین ہو کر اپنی والدہ کے پاس پہنچے اور وہ بھی بے چین ہو کر اپنے شوہر کے ہمراہ وہاں جنگل میں پہنچ جاتی ہیں اور حضور علیہ

marfat.com
Marfat.com

السلام کو دیکھتی ہیں کہ حیران کھڑے ہیں اور رنگ مبارک سبز ہے۔ دایہ نے آپ کو گود میں لیا اور دل جوئی کی اور ماجرا پوچھا۔ آپ نے جو کچھ دیکھا تھا' بیان فرما دیا' اس کے بعد دایہ آپ کو پوری احتیاط کے ساتھ گھر میں محفوظ رکھتی اور آپ کو باہر نہیں آنے دیتی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے شوہر نے کہا کہ یہ بچہ عجیب مخلوق ہے اس پر ایسے حالات گزرتے ہیں جنہیں دریافت کرنے سے ہماری عقل عاجز ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے ہمارے پاس کوئی گزند پہنچے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم اسے اس کے دادا عبدالمطلب کے پاس پہنچا دیں۔ چنانچہ اسی عمر میں آپ کو آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس پہنچا دیا گیا۔

اور اس دفعہ جو شرح صدر کا واقعہ پیش آیا اس کا مقصد یہ تھا کہ دوسرے بچوں کے دلوں میں جو کھیل کود، فضولیات اور دوسری غیر شائستہ حرکات کی محبت ہوتی ہے' آپ کے دل کو اس سے پاک رکھا جائے۔ چنانچہ اسی طرح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپنے اور طفلی کے وقت کھیل کود اور فضول کاموں کی طرف بالکل توجہ نہیں فرماتے تھے اور پورے وقار کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے۔

## شرح صدر کا دوسرا واقعہ

دوسرا واقعہ وہ ہے جو کہ ابن حبان، حاکم، ابو نعیم، ابن عساکر، ضیائے مقدسی اور عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس سال کے ہوئے' آپ جنگل میں تھے کہ دو شخص'' آدمیوں کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے کہ میں نے ان دونوں کے چہروں کی طرح کبھی کوئی نورانی چہرہ نہیں دیکھا' ان سے ایسی مہک آ رہی تھی کہ میں نے کسی عطر میں محسوس نہیں کی۔ اور ان دونوں شخصوں کے کپڑوں جیسے نفیس اور صاف کپڑے کبھی نہیں دیکھے۔ اور وہ دونوں شخص حضرت جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔ دونوں نے میرے بازو اس طرح پکڑے کہ مجھے بالکل معلوم ہی نہیں ہوا اور مجھے بالکل نرمی کے ساتھ چٹیل میدان میں چت لٹا لیا کہ میرا کوئی عضو بے جا نہ ہوا اور کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ پھر انہوں نے میرا شکم چاک کیا' خون بالکل نہ نکلا اور درد نہ ہوئی۔ اور ان میں سے ایک سونے کے طشت میں پانی لا رہا تھا

marfat.com
Marfat.com

جبکہ دوسرا میرے سارے اندرونی حصے کو دھو رہا تھا پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ ان کا دل چاک کرو اور کینے اور حسد کے ممکنہ اثرات کو دُور کر دو۔ جما ہوا خون باہر نکالا گیا پھر اس نے کہا کہ ان کے دل میں مہربانی اور شفقت ڈال دو۔ چاندی کے تودے کی طرح کی ایک چیز لا کر میرے دل میں ڈال دی گئی اور ایک خشک دوائی اس کے اوپر چھڑک دی گئی پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلی پکڑ کر انہوں نے کہا کہ جائیں اور سلامت رہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت سے اپنے دل میں ہر چھوٹے اور بڑے کے لیے شفقت اور رحمت پاتا ہوں اور اس دفعہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنِ بلوغ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ خواہش کی طرف جھکاؤ اور غضب کی تیزی جوانی کے لوازمات میں سے ہے۔ ان دونوں صفات کے ساتھ متعلق گناہوں سے جو کہ زیادہ تر جوانی میں اور جوانی کے بعد غلبہ کرتے ہیں' معصوم رکھنے کے لیے شق صدر کا واقعہ دوبارہ پیش آیا۔

## شق صدر کا تیسرا واقعہ

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ جب بعثت کا وقت قریب آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مقدس پر وحی اترنے کا وقت نزدیک ہوا' آپ کے دل کو تصفیہ اور تقویت کے لیے پھر کھولا گیا اور اس واقعہ کو بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل میں اور داؤد طیالسی اور حارث ابن ابی حسامہ نے اپنی مسانید میں حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت کے ساتھ یوں نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نذر فرمائی تھی کہ ایک ماہ کا اعتکاف کریں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اس اعتکاف میں آپ کے ساتھ شامل ہوئیں۔ اتفاقاً وہ مہینہ رمضان المبارک کا تھا' دونوں غار میں معتکف تھے۔ رمضان پاک کی ایک رات میں حضور علیہ السلام وقت دیکھنے اور ستاروں پر نگاہ ڈالنے کے لیے باہر تشریف لا کر کھڑے تھے کہ آواز آئی اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے یوں گمان گزرا کہ یہاں سے کسی جن کا گزر ہوا ہے۔ میں جلدی سے غار کے اندر چلا گیا اور اس واقعہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آگاہ کیا۔ انہوں نے عرض کی کہ یہ خوش خبری ہے اس لیے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ امن اور انس کی علامت ہے' فکر نہ فرمائیں۔

marfat.com
Marfat.com

ایک دفعہ میں پھر باہر آیا' میں نے دیکھا کہ جبرئیل امین علیہ السلام سورج کے تخت پر بیٹھے ہیں' ایک پر مشرق اور دوسرا مغرب تک پہنچا ہوا ہے۔ میں یہ حالت دیکھ کر پھر غار کی طرف متوجہ ہوا۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے مہلت نہ دی اور فوراً آ کر میرے اور غار کے دروازے کے درمیان حائل ہو گئے حتیٰ کہ انہیں دیکھنے اور سننے سے انس حاصل ہوا۔ اس وقت جبریل علیہ السلام نے مجھ سے وعدہ کیا کہ فلاں وقت آپ اکیلے آئیں۔ میں اس وقت اکیلا کھڑا انتظار کر رہا تھا جب بہت دیر ہو گئی' میں نے چاہا کہ گھر لوٹ جاؤں۔ اچانک دیکھتا ہوں کہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام دونوں آسمان اور زمین کے درمیان پوری عظمت کے ساتھ آ رہے ہیں اور مجھے دونوں نے زمین پر لٹا لیا اور پھر میرا سینہ چاک کر کے اور میرے دل کو زریں طشت میں زمزم کے پانی کے ساتھ دھو کر اس سے کوئی چیز نکالی جس کا پتہ نہ چلا پھر دل کو اس کی جگہ رکھ کر سینے کو درست کر دیا پھر دونوں فرشتوں نے میرے ہاتھ اور پاؤں پکڑ کر لوٹ دیا جس طرح کہ برتن میں سے کسی چیز کو باہر ڈالنے کے لیے اُلٹا کرتے ہیں اس کے بعد انہوں نے میری پشت پر مہر لگائی حتیٰ کہ میں نے مہر لگانے کا اثر اپنے دل میں محسوس کیا۔

## شق صدر کا چوتھا واقعہ

چوتھا واقعہ معراج کی رات رونما ہوا اور اس بار شق صدر اس لیے تھا کہ آپ کے قلب مقدس میں عالم ملکوت کی سیر کی قوت پیدا ہو اور اسے تجلیاتِ بدیہہ اور انوار مثالیہ کے مشاہدہ کی طاقت حاصل ہو۔ اور وہ واقعہ معراج کے واقعہ کے ضمن میں مشہور اور متواتر ہے اسے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس واقعہ میں قلب مقدس کو حکمت اور ایمان کے ساتھ پُر کرنا بھی مذکور ہے جیسا کہ اپنے مقام پر گزرا۔ بہر حال یہ حسی شرح صدر معنوی شرح صدر کا نمونہ تھا جو کہ بار بار ظہور پذیر ہوتا تھا اور اس کے تکرار کے راز کا بھی اس واقعہ کی باریکیوں میں اشارہ کر دیا گیا جیسا کہ پوشیدہ نہیں رہے گا۔

اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی نعمت یہی تھی کہ ان کی استعداد کے سینے کو اس قدر فراخی بخشی گئی کہ اس میں ان کمالات کی گنجائش ہو سکتی تھی اس سورۃ کے آغاز میں اسی

marfat.com
Marfat.com

نعمت کا استفہام انکاری کے طریقے سے جو کہ نفی کی نفی اثبات ہے کہ قانون کے مطابق اثبات کا تاکید کے ساتھ فائدہ دیتا ہے' ذکر کیا گیا اس کے بعد دو اور نعمتیں بھی تنبیہ کے طور پر لائی گئیں جو کہ اس نعمت کے آثار میں سے ہیں۔ ان میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ

وَوَضَعْنَا اور ہم نے حوصلہ کی یہ وسعت دے کر دُور پھینک دیا۔ عَنْكَ وِزْرَكَ آپ کا بوجھ کیونکہ انسان کی روح کی استعداد میں جو کچھ ہوتا ہے' جبلی طور پر اسے حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتا ہے اور جب قوتیں اور اعضاء اس چیز کو برداشت نہ کرسکیں تو وہ چیز بارگراں معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً ایک صاحب عزم جو کہ طبعی طور پر سرداری اور بادشاہی حاصل کرنے کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے اور اسے مال کثیر خرچ کرنے، زبردست فوج جمع کرنے اور جسمانی اذیتیں اور روحانی تکلیفیں برداشت کرنے کے بغیر یہ مقصد ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔ ناچار اس کے دل پر ایک بارگراں پڑتا ہے جب حوصلہ بھی فراخ ہو تو پر کمال کے مختلف اسباب کی مزاحمتیں اور رکاوٹیں اس کے دل میں تنگی وغیرہ کے ساتھ اثر نہیں کرتیں اس کا اثر بھی دُور ہوتا ہے اور پوری سہولت حاصل ہوتی ہے۔

اَلَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ جس نے آپ کی پشت کو جھکا دیا تھا اور انتہائی متاثر کر رکھا تھا اس لیے کہ آپ کی ہمت کا تقاضا تھا کہ ان تمام کمالات کو جمع کرلے۔ اور تشویشوں کی وجہ سے آپ کے دل کو تنگی محسوس ہوتی تھی۔ جب ہم نے آپ کو فراخ حوصلہ بخشا تو یہ سب کچھ آپ پر آسان ہوگیا۔

## وزر کی تفسیر میں مختلف اقوال

اور مفسرین اس بوجھ کے بیان میں دائیں بائیں گئے ہیں۔ اور انہوں نے حقیقت کا سراغ نہیں لگایا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مکہ شریف سے باہر آنے کا غم تھا اور اس کا ازالہ مدینہ عالیہ پہنچانے سے ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ کفار کے ظلم وستم کا غم تھا اور اس کا ازالہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور امداد سے ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ملتِ حنفی کے احکام اور شرائع نہ پانے کا غم تھا اور اس کا ازالہ قرآن پاک کی وحی اور شرائع کے بیان کے ساتھ ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اُمت کا غم تھا اور اس کا ازالہ مقام شفاعت عطا فرمانے سے ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ

marfat.com
Marfat.com

رسالت کی ذمہ داریوں کا بوجھ تھا اور اس کا ازالہ حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، ذوالنورین اور علی مرتضٰی رضی اللہ عنہم جیسے مخلص جان نثار ساتھی مہیا کرنے کے ساتھ ہوا۔

بہرحال ان بزرگواروں نے جو کچھ ذکر کیا ہے اسی سمندر کا ایک قطرہ ہے اور اسی چھ گز سے ایک ٹکڑا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرح صدر کا دوسرا اثر یہ ہے کہ

وَرَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر اونچا کیا' آپ کو جامعیت کمالات اس قدر میسر آئی کہ آپ مرتبہ الوہیت کا ظل ہو گئے اور آپ اس جامعیت میں منفرد اور یکتا ہیں اب آپ کو خدا تعالیٰ کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. اللہ ورسول نے یوں فرمایا ہے۔ آپ واجب الاطاعت ہیں۔ علیٰ ہذاالقیاس۔

(سچ فرمایا امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہو یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبد الٰہ اور عالم امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سر خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

رفعت ذکر کی کیفیت اور تین مقامات کا ذکر جہاں حضور علیہ السلام کا نام خدا کے نام کے ساتھ نہیں۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ میرا ذکر اونچا کس طرح فرمایا گیا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر اپنے ذکر کے ساتھ ملایا ہے نماز کی اذان واقامت' التحیات اور خطبہ میں کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت میں۔ اطاعت کے حکم میں کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اور نافرمانی کی حرمت میں کہ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا. تو جہاں بھی خدا تعالیٰ کا ذکر آیا' ذکر رسول علیہ السلام بھی ساتھ ہے۔ سوائے تین مقامات کے: پہلا مقام نماز کی اذان کے آخر میں کہ صرف لا الہ الا اللہ کہا

marfat.com

Marfat.com

جاتا ہے' دوسرا مقام چھینک کے وقت صرف الحمد اللہ کہا جاتا ہے اور تیسرا مقام ذبح کے وقت کہ صرف بسم اللہ کہا جاتا ہے اور ان تینوں مقامات کے مستثنیٰ ہونے کی ایک وجہ ہے جو کہ اپنے مقام پر مذکور ہے۔

اور جب تینوں اصلی اور فرعی نعمتوں کو بیان فرمایا جا چکا' انبیاء علیہم السلام کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت آپ میں موجود کمال کے ساتھ ثابت ہوگئی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ سب اس صبر کی برکت ہے جو آپ نے سختیوں پر کیا اور ہماری راہ میں تکلیفیں برداشت کیں۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا پس تحقیق ہر سختی کے ساتھ آسانی ہے جو کہ اس سختی کے دوران دربار خداوندی سے عطا کی جاتی ہے اور وہ آسانی اس سختی کو برداشت کرنے کی طاقت دینا ہے جسکی وجہ سے وہ سختی آسان ہو جاتی ہے اور اگر مصیبت کے وقت کے بعد یا اس سختی سے پہلے اسے یاد کریں تو اپنے اندر اس سختی کو برداشت کرنے کی طاقت ہرگز نہ پائیں اور اس قسم کی آسانی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کمالات حاصل کرنے کی سختی میں سینے کی وسعت اور حوصلے کی فراخی دے کر عطا فرمائی گئی۔ تاکہ آپ دل تنگ اور ملول نہ ہوں اور رکاوٹیں ظاہر ہونے اور قسم قسم کی مزاحمتیں پیش آنے کے باوجود اس کی انتہا تک پہنچائیں۔

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا تحقیق اس سختی کے ہمراہ ایک اور آسانی بھی ہے اور یہ آسانی مرتبے کی بلندی کی آسانی ہے اس لیے کہ ہر سختی میں صبر اگر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو اس کے دربار میں مرتبے اور درجے کی بلندی کا موجب ہے اور اگر بندوں کے لیے ہے تو اس بندے پر خدمت اور مشقت کا حق ثابت کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ اور مرتبے اور مقام کی بلندی کی لذت سے وہ سختی پورے طور پر سہل اور آسان ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ دنیا والوں میں اس کی آزمائش اور تجربہ ہو چکا ہے اور اس تقریر پر وہ سوال وارد نہیں ہوتا جو کہ اس مقام پر مشہور ہے اور وہ یہ ہے کہ لغتِ عرب میں مع کا لفظ ملانے اور ساتھ کرنے کے لیے ہے تو زمانے کے ایک ہونے کا تقاضا ہوگا جبکہ تنگی اور آسانی کے زمانے کا ایک ہونا ممکن نہیں کہ دو ضدیں جمع نہیں ہوتیں۔

marfat.com
Marfat.com

اور دانش مندی کے قانون کے مطابق جواب کی وضاحت یہ ہے کہ دو ضدوں کا اجتماع دو مختلف جہتوں سے ممکن ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ مسافر کو روزہ رکھنے میں اگر چہ روزے کی مشقت ہے لیکن مسلمانوں کی موافقت کی وجہ سے روزہ آسان ہو جاتا ہے اور مصیبت زدہ کے لیے اگر چہ مصیبت مشقت ہے لیکن رضائے الٰہی تک پہنچنا اور جزا پانا سہولت ہے اور اگر فقیر کے لیے تنگ دستی اور فقر دنیوی مشقت کا موجب ہے لیکن آخرت میں مال کے جمع و خرچ کا حساب دینے سے خلاصی۔ چوروں، ڈاکوؤں سے اور ظالموں کے تاوان دینے سے محفوظ رہنا بہت بڑی سہولت ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ ایک چیز ایک زمانے میں ایک جہت سے تنگی ہو اور دوسری جہت سے آسانی۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اگر چہ اصل لغت میں مع کا لفظ ملانے کے لیے ہے لیکن جب ایک چیز دوسری چیز کے پیچھے قریبی زمانے میں حاصل ہو اور اس اتصال قریب کو ملانے کی طرح اعتبار کر کے اس لفظ کو وہاں استعمال کرتے ہیں اور یہ مقام بھی اسی طرح کا ہے کہ دنیا کی سختی اگر چہ دراز اور طویل ہو جائے لیکن آخرت کے دنیا کے ساتھ پورے اتصال کی وجہ سے اسے ملے ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

## آیت کے تکرار کی وجہ

اس آیت کے تکرار کی دو وجوہ ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش وخرم باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سختی پر دو آسانیوں کا وعدہ فرمایا ہے' ایک دنیا میں اور دوسری آخرت میں جیسا کہ بعض اہل حکمت نے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اذا اشتدت بك البلوی ففکر فی الم نشرح، لعسر بین یسرین اذا فکرته فافرح جب تجھ پر کوئی سخت آزمائش ہو تو الم نشرح میں غور کر اس لیے کہ ایک تنگی دو آسانیوں کے درمیان واقع ہے جب تو اس پر غور کرے تو خوش وخرم ہو جا اور صحیح حدیث پاک میں واقع ہے کہ لن یغلب عسر یسرین یعنی ایک سختی دو آسانیوں پر کبھی غلبہ نہیں کرے گی۔

marfat.com
Marfat.com

اور اگر یہاں کسی کو خیال گزرے کہ جس طرح یسر کا ذکر دو جگہ پر ہے' عسر بھی دو جگہ مذکور ہے۔ پس عسر کا ایک ہونا اور یسر کا دو ہونا کہاں معلوم ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عربی دان کہتے ہیں کہ نکرہ کو نکرہ یا معرفہ کے بعد لائیں تو پہلے کا غیر ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور اگر معرفہ کو نکرہ یا معرفہ کے بعد لائیں تو اس سے ایک ہونا سمجھا جاتا ہے جیسا کہ آیت میں ہے کہ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ واضح ہے اور جاء نی رجل فقال رجل میں بھی ظاہر ہے۔ پس عسر کو دوبارہ لایا گیا' دونوں ایک ہی ہیں اور یسر کو دونوں جگہ نکرہ لایا گیا تو دو آسانیاں معلوم ہوئیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تکرار تاکید کے لیے ہے اس لیے کہ سختی کے وقت آسانی کی توقع نہیں ہوتی۔ پس یہ مقام ایسا ہے کہ اس سختی کے گرفتار اس سختی کے بعد آسانی حاصل ہونے کا یقین نہ کریں اسی لیے اس مضمون کی تاکید اور پختگی کی ضرورت پیش آئی۔

اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی نعمتوں کے شمار کی فراغت ہوئی' آپ سے اس نعمت کا شکر یہ طلب فرمایا گیا کہ

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ تو جب آپ پر اس مرتبہ اور منصب جو کہ ہم نے آپ کو عطا فرمایا ہے جیسے نبوت، رسالت، ارشاد، معرفت، خلافتِ کبریٰ، قضا، افتاء، محاسبہ، عبادت گزاری، ولایت وغیرہ کے حقوق کی ادائیگی سے فارغ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں تکلیف اُٹھائیں اور محنت کریں۔

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ اور اپنے پروردگار کی طرف جس نے آپ کو اس طرح پرورش کر کے اس کمال تک پہنچایا جو کہ کائنات بشریت کے کمالات سے بالاتر ہے' رغبت کریں اور اسکے غیر کو نظر میں نہ لائیں۔

اور بعض مفسرین نے یوں فرمایا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جب آپ فرض نماز سے فارغ ہوں تو دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائیں۔ (اقول وباللہ التوفیق۔ معلوم ہوا کہ نماز فرض کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا حکمِ خداوندی ہے بلکہ حضرت مفسر علام قدس سرہ نے زیر آیت وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ یہ حدیث شریف نقل فرمائی ہے کہ حضرت

marfat.com
Marfat.com

امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلك ووفاۃ ببلد رسولك ؟ اس سے پتہ چلا کہ فرائض نہیں بلکہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا۔ نیز مذکورہ تفسیری توجیہہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ سے فارغ ہوتے ہی ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا قرآن پاک کی اس آیت سے مستفاد ہے۔ کیونکہ نماز فرض عین ہو یا فرض کفایہ بہرحال نماز ہے۔ دربارِ خداوندی میں دعا مانگنے سے روکنے والے توجہ کریں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ) بعض مفسرین نے یوں فرمایا ہے کہ آپ جب تشہد سے فارغ ہوں تو اپنی دنیا و آخرت کے لیے دعا کریں۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال باقی رہ گیا جو کہ اہلِ عربیت ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ الم نشرح کو صیغہ مضارع کے ساتھ لایا گیا جبکہ دوسرے معطوفات وَوَضَعْنَا وَرَفَعْنَا کو صیغہ ماضی کے ساتھ لایا گیا' ایسا کیوں ہے؟

اس کا جواب دورانِ تفسیر اشارۃً بیان ہو چکا کہ شرح صدر پہلی نعمت ہے اس کی نفی پر استفہام انکاری لایا گیا اور صیغہ مضارع کے ساتھ ذکر کیا گیا تا کہ شرح صدر کی تجدید پر دلالت ہو جبکہ وضع اور رفع ایک فرعی نعمت ہے جو کہ شرح صدر کی وجہ سے حاصل ہوئی اسے ایسے صیغے کے ساتھ بیان فرمایا گیا جو کہ استمرار پر دلالت نہ کرے اور اس بات کا اشارہ ہو کہ ہم اس شرح کی وجہ سے وضع اور رفع سے فارغ ہو گئے۔ گویا جو شرح صدر کی گئی ہے اس میں وضع اور رفع دونوں آ گئے کیونکہ یہ وضع اور رفع اسی شرح کا نتیجہ ہے۔ واللہ اعلم۔

# سورۃ التین

یہ سورۃ مکی ہے' اس کی آٹھ (۸) آیات، چونتیس (۳۴) کلمات اور پچاس (۵۰) حروف ہیں۔

## وجہ تسمیہ

اسے سورۃ التین اس لیے کہتے ہیں کہ لغتِ عرب میں تین' انجیر کے پھل کو کہتے ہیں اور

marfat.com
Marfat.com

انجیر جامع ترین میوہ ہے جیسا کہ انسانی جسم جامع ترین ہے۔ اور اسی جامعیت کی وجہ سے اس روح کے فیض کا مستحق قرار پایا جو کہ کمالات کی جامع ہے۔ پس قرآن کریم کے الفاظ کے مشابہ ہے جو جامع اسرار کو ضمن میں لیے ہوئے ہیں اور اس سورۃ میں شرع اور آخرت کو پوری تاکید کے ساتھ ثابت کرنا مقصود ہے اسی لیے اس کے آغاز میں چار قسمیں ذکر فرمائی گئی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ مجھے انجیر کی قسم ہے۔ اور میووں کے درمیان انجیر کو ایک ظاہری خصوصیت ہے اور ایک باطنی

## انجیر کی ظاہری خصوصیت اور فوائد

اس کی ظاہری خصوصیت یہ ہے کہ غذا بھی ہے۔ دوا بھی ہے۔ اور میوہ بھی ہے۔ اس لیے کہ وہ ایسا کھانا ہے کہ لطیف' جلد ہضم ہونے والا' طبیعت کو نرم کرنے والا اور بدن کے اندر سے بدبودار مادے پسینے کے راستے باہر نکالتا ہے۔ اسی لیے حرارت کے باوجود بخار کو فائدہ دیتا ہے۔ بلغم کی تحلیل کرتا ہے' گردے اور مثانے کی میل کچیل دُور کرتا ہے' جسم کو موٹا کرتا ہے' مسام کھولتا ہے اور جگر اور تلی کے غلیظ مواد کو دُور کرنے میں بے مثال ہے۔

اور اس میوہ کے عجائب میں سے یہ ہے کہ یہ سب کا سب کھایا جاتا ہے' گٹھلی نہیں رکھتا جسے پھینک دیں۔ قرآن پاک کی طرح کہ سب کا سب مغز ہے اس میں دُور کرنے کا چھلکا ہے نہ پھینکے کی گٹھلی۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے انجیر سے بھرا ہوا خوانچہ بطور ہدیہ پیش کیا۔ سرکار علیہ السلام نے اس سے تناول فرمایا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی حکم دیا کہ یہ میوہ کھاؤ۔ اور فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ ایک میوہ جنت سے اُترا ہے تو اسی میوے کے بارے میں کہہ سکتا ہوں۔ اس لیے کہ اس میوے میں گٹھلی نہیں ہے اور جنتی میوے اسی طرح ہیں۔ پس اسے کھاؤ کہ بواسیر کے مواد کو کاٹتا ہے اور (پاؤں کی انگلی میں اُٹھنے والے ایک شدید درد) نقرس سے فائدہ دیتا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

حضرت امام علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انجیر ہمیشہ کھانا منہ کی بدبو کو ختم کرتا ہے۔ سر کے بالوں کو لمبا کرتا ہے۔ اور فالج سے بچاتا ہے۔ نیز اس میوہ کے عجائب میں سے یہ ہے کہ اسے ایک درمیانے لقمے کے برابر پیدا کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اسے کھانے میں کوئی تکلیف اور مشقت نہیں ہوتی۔

## انجیر کی باطنی خصوصیت

رہی اس کی باطنی خصوصیت تو اس میں سے یہ ہے کہ کاملین کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہے۔ گٹھلی نہیں رکھتا' چھلکا نہیں پھینکتا۔ بخلاف دوسرے میووں کے کہ ان کا ظاہر کھانے کا ہے اور باطن پھینکنے کا۔ نیز اس پھل کا درخت ایک ایسا درخت ہے جو کہ دعویٰ سے پہلے اپنے کمال کا اظہار کرتا ہے۔ پہلے پھل لاتا ہے اس کے بعد شگوفہ۔ بخلاف دوسرے پھلوں کہ کے ان کے درخت پہلے اپنے آپ کو پتوں اور شگوفوں سے آراستہ کرتے ہیں اس کے بعد پھل لاتے ہیں۔ پس یہ درخت گویا ایثار کی صفت رکھتا ہے کہ پہلے دوسرں کو نفع دیتا ہے اس کے بعد اپنے آپ کو آراستہ کرنے کی فکر کرتا ہے۔

اور دوسرے درخت کاروباری حضرات کی طرح ہیں کہ پہلے خود کو سجاتے ہیں اس کے بعد دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں۔ نیز جو فیض اس پھل میں ہے دوسرے پھلوں میں نہیں ہے کہ ایک سال میں چند بار پھل لاتا ہے اور اس کے باوجود اس پھل کو انسان کے ساتھ ایک مناسبت ہے۔ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جب جنت میں تعمیل حکم میں فروگزاشت کی وجہ سے جنتی لباس لے لیا گیا تو آپ لباس سے فارغ ہو گئے' آپ پتے لینے کے لیے جب کسی بھی درخت کے پاس دوڑ کر جاتے تاکہ ستر پوشی کریں' ہر درخت سرکشی کرتا تھا اور پتے نہیں دیتا تھا۔ جب آپ اس درخت کے پاس پہنچے اس نے سرکشی نہ کی اور آپ نے اس سے بیشمار پتے لے کر ستر پوشی فرمائی۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

اور وہ جو کھیتی باڑی کرنے والوں نے کہا ہے کہ کامل درخت وہ ہے جو دس چیزوں کا جامع ہو: جڑ، شاخ، پتہ، پھول، میوہ، گٹھلی، گوند، چھال، چھلکا اور رس جیسے کھجور۔ اور جس

marfat.com
Marfat.com

میں ان دس چیزوں میں سے کچھ کم ہو' ناقص ہے۔ پس انجیر کہ جس میں گٹھلی نہیں' ناقص ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نقصان عین کمال ہے کیونکہ ہڈی کام نہیں آتی' پھینکنے کی چیز ہے تو اس کا نہ ہونا اس کے ہونے سے بہتر ہوگا۔ بہرحال فوائد کا جامع اور بے ضرر ہونے پر نظر کرتے ہوئی اس کی قسم اُٹھائی گئی ہے۔ اور جامعیت انسان کے ساتھ اس کی مناسبت کی رعایت فرمائی گئی ہے۔

وَالزَّيْتُونِ اور زیتون کے درخت کی قسم جس کے پھل کو بھی زیتون ہی کہتے ہیں اور وہ ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی بے شمار فوائد کا جامع ہے۔

## زیتون کے ظاہری فوائد

اس کے ظاہری فوائد میں سے یہ ہے کہ اس کے پھل کو جب سرکے میں اچار کر کے کام میں لائیں' معدے کو قوت دیتا ہے' بھوک کو بڑھاتا ہے اور پکے ہوئے زیتون کو جب غذا میں استعمال کریں تو بہت غذائیت دیتا ہے' جسم کو موٹا کرتا ہے' مردی طاقت کو زیادہ کرتا ہے اور جب زیتون کی گٹھلی کے مغز کو چربی اور آٹے میں ملائیں اور پھلبہری پر لیپ کر دیں تو پھلبہری کو دُور کر دیتا ہے۔ اور زیتون کے رس کی بتی مقام مخصوص میں رکھنے سے سیلان الرحم کو نفع ہوتا ہے۔ جس نمکین پانی میں زیتون ڈالا گیا ہو جب اس سے کلی کریں تو دانتوں کی بنیاد کو مضبوط کر دیتا ہے۔

اور انجیر کے فوائد کہ غذا بھی ہے' میوہ بھی اور دوا بھی۔ زیتون میں بھی ایک زاید چیز کے ساتھ موجود ہیں اور وہ زائد یہ چیز ہے کہ زیتون مدت دراز تک فائدہ دیتا ہے۔ اس طرح کہ جو کچھ جھڑ جائے اس سے تیل نکالتے ہیں۔ اور اسے زیت الانفاق کہتے ہیں۔ اور چراغ اور قندیلیں روشن کرنے میں کام میں لاتے ہیں۔ اور اس کی روشنی انتہائی صاف اور لطیف ہوتی ہے کہ دوسرے تیلوں کی روشنی اس طرح نہیں ہوتی۔ اور جو زیتون پک جائے اس سے بھی تیل نکالتے ہیں اور اسے زیت الطیب کہتے ہیں۔ اچھی مہک رکھتا ہے۔ اور فوائد میں بے مثال ہے۔ قولنج (انتڑیوں میں پیدا ہونے والا شدید درد) سدے اور اسہال کھولنے میں دہن الخروع یعنی انجیر کی لکڑی کے تیل کی طرح اور طلاء اور لیپ میں گل روغن کی طرح اور

marfat.com

Marfat.com

خارش، آتشک، کھجلی، داد، سردرد، بالوں کی سیاہی کی حفاظت، نقرس کا درد اور جوڑوں کے درد زائل کرنے، آشوبِ چشم اور آنکھوں کی پلکوں میں جمع ہونے والی غلیظ رطوبت کو دُور کرنے کے لیے بہت مفید ہے اور بچھو کے کاٹنے کی جگہ پر بھی اس کا رکھنا فائدہ دیتا ہے۔

## زیتون کے باطنی فوائد

اس کے باطنی فوائد میں سے وہ عظیم نورانیت اور چمک ہے جو کہ اس میں روغن بنانے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اور اس باطنی خصوصیت کی وجہ سے ان کاملین کے ساتھ پوری مناسبت رکھتا ہے جو کہ جب اپنی زندگی کو ریاضت کی بھٹی میں پگھلا کر روح کو لطیف کرنے میں کوشش کر کے رقت پیدا کرتے ہیں تو انہیں عظیم نورانیت اور روشنی میسر آتی ہے۔ اور اس کے علاوہ اس کے تیل کا نور ارواح کاملہ کے نور کی طرح دھوئیں کی تاریکی کی آمیزش سے بالکل صاف ہوتا ہے۔ بخلاف دوسرے تیلوں کے کہ جھوٹی ریاضت والوں کی طرح دھوئیں کی تاریکی سے آلودہ ہوتے ہیں۔

نیز فکر و استدلال والوں کے ساتھ بھی پوری مناسبت رکھتا ہے۔ جو کہ معلومات کے مواد کو قوتِ فکریہ میں ڈال کر پگھلاتے ہیں تا کہ روشنی اور نورانیت کا موجب اور حقائق اشیاء کے مطالعہ میں اسے چراغ کی روشنی کی طرح کام میں لائیں۔

نیز قرآن پاک کے الفاظ کے ساتھ پوری مناسبت رکھتا ہے کہ جب بھی ان الفاظ کے معنوں کو لفظی لباسوں سے جدا کریں' حقائق الٰہیہ کی روشنی اور نور چمکے اور ضوفشاں ہو۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ دنیا میں کسی درخت کی عمر اتنی لمبی نہیں جتنی کہ اس کی عمر دراز ہے اور فلسطین میں جو کہ سرزمین شام کا ایک آباد اور مشہور شہر ہے' یونانیوں کے لگائے ہوئے زیتون کے درخت ابھی تک موجود ہیں جبکہ یونانی لوگ سکندر کے عہد میں ان علاقوں میں وارد ہوئے تھے۔ پس ان درختوں میں سے ہر درخت کی عمر تادم تحریر دو ہزار سال کے قریب پہنچتی ہے۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ اس درخت کے اُگنے کی جگہیں زیادہ تر سرزمین شام میں ہیں جو کہ انبیاء علیہم السلام کا مسکن اور اولیاء کا مقام ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور ان میں سے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علی الصلوٰۃ والسلام نے اس درخت کے لیے برکت کی دعا فرمائی ہے اور ان میں سے یہ ہے کہ قرآن مجید میں اسے شجرۂ مبارکہ فرمایا گیا ہے۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ تعبیر کہنے والوں نے لکھا ہے کہ جو شخص خود کو خواب میں دیکھے کہ اس نے زیتون کا پتہ ہاتھ میں لیا ہوا ہے اسے اس امر کی بشارت ہے کہ وہ عروہ وثقیٰ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے گا۔

ایک مریض تعبیر کہنے والوں کے سردار ابن سیرین کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے کہ دونوں لا سے کھاؤ۔ ابن سیرین نے فرمایا کہ زیتون کا پھل کھاؤ اس لیے کہ قرآن مجید میں اس کے بارے میں لاشرقیۃ ولاغربیۃ وارد ہوا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ کلوا الزیت وادھنوا بہ فانہ من شجرۃ مبارکۃ یعنی زیتون کا تیل کھاؤ اور بدن پر اس کی مالش کرو اس لیے کہ وہ تیل بابرکت درخت سے لیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس قسم میں پہلی قسم کے مقابلے میں ترقی واقع ہوئی اس لیے کہ پہلی قسم میں انجیر کا ذکر فرمایا گیا جو کہ باطنی نورانیت کے بغیر ظاہری فائدے رکھتا ہے جبکہ اس قسم میں زیتون کا ذکر فرمایا گیا جو کہ ظاہری فوائد کے علاوہ باطنی نورانیت بھی رکھتا ہے۔ پس کمال انسانی کے ساتھ اس کی مناسبت زیادہ ہوئی۔

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ اور درختوں والے پہاڑ کی قسم ہے۔ جاننا چاہیے کہ طور لغت میں پہاڑ کو کہتے ہیں اور پہاڑ دو قسم کے ہیں: ایک وہ پہاڑ جس میں درخت ہیں کہ اس میں سے پانی جاری ہے۔ اور ان پانیوں کی وجہ سے اس میں سے بے شمار درخت اُگتے ہیں اور پھلوں کی دو قسموں میں سے چار مغز حب الزلم جسے ہندی میں جرونجی کہتے ہیں۔ انجیر، زیتون اور دوسرے بڑے بڑے درخت خصوصاً خودرو ساگوان بہت پیدا ہوتا ہے۔ اور دوائیں، جڑی بوٹیاں، گرم مصالحے، تھوہر، زہریں اور قسم قسم کے مفید اور مضر سبزے ہجوم کرتے ہیں اور وہاں عجیب وغریب جانور جیسے بارہ سنگا، سیاہ ہرن، مرغ زرین جو کہ تیتر کی شکل کا مور کے مشابہ پرندہ ہے جس کے پر سونے کی طرح چمکتے ہیں اور دوسری بہت سی اقسام پیدا ہوتی ہیں اور

marfat.com
Marfat.com

معدنیات میں بلور اور سبزی مائل پتھر یشب معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ پس اس قسم کے پہاڑوں کی جامعیت بہت اونچے مرتبے کو پہنچتی ہے کہ اس میں کئی قسم کی نباتات بھی ہیں۔ انواع واقسام کے جانور بھی ہیں اور دیو اور پری کی قسم کی ارواح جنہ بھی اس قسم کے پہاڑوں میں بہت ہوتی ہیں اور ان چیزوں سے فائدہ لینے کے لیے وہاں انسانی افراد بھی سکونت اختیار کرتے ہیں۔ پس ایسی جامعیت حاصل ہوئی کہ کسی اور جگہ اس کا دسواں بھی ظاہر نہیں ہوتا۔

## کوہِ طور کا بیان

لیکن اس جامعیت کے باوجود درختوں والا ہر پہاڑ تجلیٔ الٰہی سے خالی ہے۔ جب اس قسم کے پہاڑ میں تجلی الٰہی بھی حاصل ہوگئی تو نہایت کامل جامعیت نصیب ہوگئی۔ اور اس قسم کا درختوں والا پہاڑ ایک وہ پہاڑ ہے جو کہ مدین اور مصر کے راستے کے درمیان ہے جسے کوہِ فلسطین کہتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی پہاڑ میں تجلی الٰہی سے مشرف فرمایا گیا۔ اور اسی پہاڑ سے آپ کے کانوں میں انی انا اللّٰہ ربّ العالمین کی ندا پہنچائی گئی اور وہاں آپ کو رُتبہ کلیمی حاصل ہوا۔ اس واقعہ کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مناجات کے لیے اس پہاڑ میں جا کر چلّے کیے اور عبادتیں کیں۔ اور دربارِ خداوندی سے تورات کی تختیاں اسی پہاڑ میں پائیں۔ پس ظاہری جامعیت کے ساتھ ساتھ وہ پہاڑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وحی کے اسرار اور آپ کی عبادات کے انوار کا بھی جامع ہوا۔

اور جو سر اور نور اس پہاڑ پر متجلی ہوا جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے اس جگہ اس قدر قائم اور راسخ رہا کہ عرصہ دراز گزرنے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے قربِ خداوندی اور ان کی شرائع کی امداد کے لیے کافی ہوا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انوار جن سے بنی اسرائیل منور اور مہذب ہوں‘ کی ابتدا وانتہا کا مقام وہی مبارک پہاڑ ہے۔ پس اس قسم میں گزشتہ قسم کی نسبت ترقی فرمائی گئی۔ اس لیے کہ زیتون میں جو نور ہے‘ وہ عنصری ہے اور جس نور نے اس پہاڑ میں تجلی فرمائی اور اس کے اعضاء کو ریزہ ریزہ اور پارہ پارہ کر دیا‘ نورِ الٰہی تھا جس کا اثر طویل زمانے گزرنے تک باقی

marfat.com
Marfat.com

رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کے پودے کو اس سے تا ابد سیراب رکھا گیا۔

دوسری قسم وہ خشک پہاڑ جس میں درخت اور پانی نہیں ہے۔ اور وہ پہاڑ انسان کے مردہ جسم کی طرح ہے کہ بظاہر انسان معلوم ہوتا ہے مگر باطن میں کوئی کیفیت انسانی نہیں ہے۔ اسی لیے وہ قسم کے قابل نہیں تھا۔ اس سے احتراز کی بناء پر لفظ سینین فرمایا گیا۔ اور اگرچہ اصل لغت میں طور سینین ہر درختوں والے پہاڑ کو کہا جاسکتا ہے لیکن عرف عرب میں یہ لفظ موسیٰ علیہ السلام کے اسی پہاڑ کے ساتھ خاص ہے جس پر تجلی الٰہی واقع ہوئی اور سینین کا لفظ لغت نبط سے ہے جو کہ ریاست شام کے کاشت کار ہیں اور عرب لوگ اس لفظ کو کئی طرح کا تصرف کر کے استعمال کرتے ہیں۔ کبھی سینین کہتے ہیں' کبھی س کی فتح کے ساتھ سینا جیسا کہ قد افلح کی سورۃ میں واقع ہے اور کبھی سینا، سین کے کسرے کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسا کہ ابوعمر، نافع اور ابن کثیر پڑھتے ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انجیر سے مراد اصحاب کہف کی مسجد ہے جس کے اردگرد انجیر کے درخت بے شمار ہیں جبکہ زیتون سے مراد مسجد بیت المقدس ہے۔ جس کے اردگرد یہ درخت بہت زیادہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ زیتون سے مراد طور زیتا ہے جو کہ بیت المقدس کے مشرق کی طرف مسجد اقصیٰ کے سامنے ایک پہاڑ ہے۔

## کوہِ زیتا کا بیان

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب اُم المومنین صفیہ زوجہ مطہرہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس کی زیارت کو تشریف لائیں اور مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرنے سے فارغ ہوئیں تو اس مسجد سے باہر آئیں اور کوہ زیتا پر تشریف لے گئیں۔ وہاں بھی آپ نے نماز ادا فرمائی اور اس پہاڑ کے کنارے پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ یہیں سے قیامت کے دن لوگ جدا جدا ہوں گے۔ ایک حصہ جنت میں اور دوسرا دوزخ میں جائے گا اور یہ وہی پہاڑ ہے جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر لے گئے اور اس مقام کی نصاریٰ بہت تعظیم کرتے ہیں اور اس پہاڑ کی چوٹی پر ہیلاز نامی ایک فرنگی عورت نے گرجا تیار کیا تھا اور اس گرجے کے درمیان ایک گنبد بنایا جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوپر چڑھنے کا مقام کہتے

marfat.com

Marfat.com

تھے۔ رفتہ رفتہ وہ گر جا گر گیا۔ اس پہاڑ میں خرنوب نبطی کا درخت ہے جس کے متصل ایک مسجد بنائی گئی ہے اور اس مسجد کے نیچے ایک صاف غار ہے۔ بے شمار لوگ اس کی زیارت کو آتے ہیں اس درخت کو خرنوبۃ البشرہ کہتے ہیں اور جب سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بیت المقدس کو فتح کر کے فرنگیوں کے ہاتھوں سے چھڑا لیا تو طور زیتا کی ساری زمین شیخ احمد حکاری اور شیخ علی حکاری کے درمیان برابر برابر تقسیم کر کے وقف کر دی اور یہ واقعہ ۷ ازوالحجہ ۵۸۴ھ میں رونما ہوا اور زمین ابھی تک مذکورہ بالا دونوں بزرگوں کی اولاد کے قبضے میں ہے۔

پس اس صورت میں پہلی قسم اس جگہ کی اٹھائی گئی جو کہ اصحاب کہف کی ولادت کے انوار کا مقام ہے۔ اور وہ لوگ اولیاء اللہ کا پہلا گروہ ہے جنہوں نے فنا کی راہ طے کی ہے۔ اس کے بعد نبوت عیسوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انوار کی جگہ کی قسم فرمائی گئی۔ ازاں بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انوار کی جگہ کی قسم فرمائی گئی اس کے بعد فرمایا جا رہا ہے:

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ اور اس امانت والے یا امن والے شہر کی قسم ہے اور اس شہر سے مکہ معظمہ کا شہر مراد ہے جو کہ جامعیت میں انتہا تک پہنچ چکا اس لیے کہ ہر شہر لوگوں کی مختلف اقسام سپاہی، تاجر، پیشہ ور، غنی، فقیر، مردوں، عورتوں اور دوسری قسموں کا جامع ہوتا ہے جیسے بادشاہ اور حاکم اور وہاں متبرک مقامات جیسے شہداء کے مشاہد، اولیاء اللہ اور انبیاء علیہ السلام کے مزارات، بزرگوں کی عبادت گاہیں اور مساجد بھی ہوتی ہیں اور قسم قسم کے سبزے، جانوروں کی مختلف اقسام جیسے پرندے اور چارپائے وہاں پرورش پاتے ہیں۔ لیکن کسی شہر میں خانہ خدا نہیں ہے۔ جو کہ دائم و قائم تجلی کا مہبط اور مخلوقات کی عبادت کا قبلہ ہو مگر مکہ معظمہ کے اس شہر کو یہ سعادت بھی نصیب ہوئی ہے۔ اور اس وجہ سے اسے انتہائی کامل جامعیت میسر آئی اور اس کے ساتھ ساتھ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت اور بعثت شریفہ کی جگہ ہے۔ پس وحی محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰت التحیات کے اسرار کا جامع ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور ولایت کے انوار چمک رہے ہیں اور وہ نبوت و ولایت جامع ترین ہے۔ پس اس قسم میں تو گزشتہ قسموں کے مقابلے میں جامعیت کے

marfat.com
Marfat.com

اعتبار سے عظیم ترقی واقع ہوئی۔ گویا یہ ایک ایسی جمعیت ہے جس نے سفلی جہان اور عالم بالا کے اسرار کو اپنے اندر سما رکھا ہے اور خالق و مخلوق کو ملا دیا۔

## شہر مکہ کا بیان

اور مکہ معظمہ کا شہر ایک مستطیل شہر ہے جس کا طول اس کے عرض سے زیادہ ہے۔ اور پہاڑ قلعے کی طرح اس کے اورگرد واقع ہیں۔ اور پہاڑوں کے اس گھیراؤ کے باوجود اس شہر کی حفاظت کے لیے تین طرف دیوار بنائی گئی ہے۔ جو دیوار مشرق کی طرف ہے' وہ باب معلات کی دیوار کے نام سے مشہور ہے۔ جو کہ اس شہر کا مبارک قبرستان ہے۔ اور جو دیوار مغرب کی طرف اور کچھ شمال کی طرف نبی پاک علیہ السلام کے مدینہ پاک کے مقابل ہے' اسے باب الشبیکہ کی دیوار کہتے ہیں اور جو دیوار یمن کی طرف ہے' اسے باب الیمن کی دیوار کہتے ہیں اور باب الماجن کی دیوار بھی کہتے ہیں اور ان تینوں دیواروں کی تعمیر وہاں کے شریف کے حکم کے مطابق جن کا نام سید حسن بن عجلان تھا ۸۱۶ھ میں واقع ہوئی۔

## مکہ معظمہ اور حرم شریف کی حدود کا بیان

اور اس شہر کا طول و عرض یہ ہے کہ باب معلات سے لے کو باب ماجن تک چار ہزار چار سو بہتر (۴۴۷۲) گز ہے اور باب معلات سے باب الشبیکہ تک بھی دو سو بیس (۲۲۰) گز کی زیادتی کے ساتھ یہی مقدار ہے اور جو دو پہاڑ اس شہر کو گھیرے میں لیے ہوئے ہیں' ایک کو ابوقبیس کہتے ہیں اور دوسرے کو جس کا پتھر سرخ اور ابوقبیس کے بالمقابل ہے' قعیقعان کہتے ہیں اور دونوں کو اخشبین مکہ کہتے ہیں۔ ابوقبیس کو اخشب شرقی اور قعیقعان کو اخشب غربی کہتے ہیں اور مکہ معظمہ میں بے شمار عمارات، جاری چشمے، اُبلتے کنویں، وقف شدہ حوض اور حمام بھی بہت ہیں اور اس جگہ کے مؤرخ فاکہی کے زمانے میں سولہ (۱۶) حمام گرم ہوتے تھے۔

اور اس شہر کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ معلات یعنی بالائی اور مسفلہ یعنی نشیبی۔ کوہ صفا کے نزدیک دار الخیز ران جو کہ مکہ معظمہ کی دائیں سمت ہے' معلات کی حد ہے اور دار العجلہ جو کہ مکہ شریف کی بائیں سمت مسفلہ کی حد کی علامت ہے اور یہ باعظمت و کرامت شہر حجاز کی حکومت میں ہے جو کہ شام، عراق، مصر اور یمن کی ریاستوں کے درمیان واقع ہے

marfat.com
Marfat.com

اور وہ ریاست یعنی حجاز مقدس چند شہروں پر مشتمل ہے جن میں سے ایک شہر یہ ہے اور ان میں سے ایک مدینہ منورہ ہے اور ایک شہر یمامہ ہے اور بہت سی تحصیلیں ہیں جو کہ ان تینوں شہروں کے ساتھ متعلق ہیں اور مکہ معظمہ کی عمل داری بعض سمتوں میں دس (۱۰) دن کے فاصلے تک ہے خصوصاً یمن کی طرف جو سرحد واقع ہے اسے ضنکان کہتے ہیں اور وہ مکہ شریف سے دس (۱۰) دن کے فاصلے پر ہے اور بعض دوسری طرفوں سے اس سے کم ہے۔ جیسا کہ مدینہ عالیہ کی راہ کی طرف سے اس مبارک خطہ کی حد ایک جگہ ہے جس کا نام اخبادہ بن صیفی ہے اور وہ عسفان اور مرکہ کے درمیان ایک بستی ہے۔ ڈیڑھ دن کے فاصلے پر ہے اور عراق کی طرف سے عمیر نامی ایک مقام ہے اور اس کا فاصلہ بھی اسی قدر ہے۔

اور مکہ معظمہ کے اردگرد حرم کی حد ہے جہاں شکار کرنا اور درخت کاٹنا درست نہیں ہے اور اگر اس مقام میں کبھی کوئی شکار کر لے یا درخت کاٹے تو اس پر کفارہ لازم آتا ہے اور حرم کی حد مسجد حرام کے دروازے جسے باب بنی شیبہ کہتے ہیں' کی دیوار سے ان دو میناروں تک جو کہ عرفات کی طرف حرم کی حد پر نصب کیے گئے ہیں سینتیس ہزار دو سو دس (۳۷۲۱۰) گز ہے اور باب المعلات سے لے کر انہیں دو میناروں تک پینتیس ہزار تراسی (۳۵۰۸۳) گز ہے۔ اور عراق کی سمت میں ان دو میناروں تک جو کہ وادئ نخلہ کے لیے بنائے گئے ہیں ستائیس ہزار ایک سو باون (۲۷۱۵۲) گز ہے۔ اور باب المعلات سے لے کر مذکورہ دو میناروں تک پچیس ہزار پچیس (۲۵۰۲۵) گز ہے۔ اور تنعیم کی جانب سے جو کہ مدینہ منورہ کی سمت میں واقع ہے' حرم کی حد بارہ ہزار چار سو بیس (۱۲۴۲۰) گز ہے۔ اور یمن کی طرف سے باب ابراہم کی دیوار سے لے کر حرم کی حد کی علامت تک چوبیس ہزار پانچ سو نو (۲۴۵۰۹) گز ہے اور باب الماجن کی دیوار سے اس طرف کی حد حرم کی علامت تک جو کہ سمت یمن بھی ہے' بائیس ہزار آٹھ سو چھہتر (۲۲۸۷۶) گز ہے۔ اور کوسوں کے حساب سے حرم کا دور سینتیس (۳۷) کوس لکھا ہے۔ واللہ اعلم

## خصوصیاتِ حرم

اور خصوصیاتِ حرم سے وہ ہیں جو کہ ذکر کی گئیں۔ یعنی وہاں شکاری جانوروں کا شکار

marfat.com
Marfat.com

درست ہے نہ انہیں سائے اور پانی سے بھگانہ۔ اور وہاں کے درختوں اور سبزوں کو کاٹنا، اُکھاڑنا اور پتے جھاڑنا جائز نہیں۔ سوائے اذخر اور سنا کے کہ دوا کی ضرورتوں میں اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ نیز اس حلقے میں آدمی کو گناہ کے قصد پر مواخذہ ہوتا ہے بخلاف دوسرے مکانات کے۔

اور وہاں نیکیوں اور عبادتوں کا اجر کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مکہ شریف میں ایک دن کا روزہ ایک لاکھ روزے کے برابر ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام پر وہاں کسی کو ایک درہم دینا ایک لاکھ درہم کے برابر ہے۔

اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ حسنة الحرم کل حسنة بمائة الف حسنة یعنی حرم میں کی گئی ہر نیکی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے۔ نیز جو شخص مکہ معظمہ میں مرے اسے ایک شرف اور بزرگی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں واقع ہے کہ من مات بمکه بعثه الله فی الآمنین یوم القیامة یعنی جو شخص مکہ شریف میں مر جائے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن امن والوں میں اُٹھائے گا۔ نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث شریف میں واقع ہے کہ من مات بمکة فکانما مات فی السماء الدنیا یعنی جو شخص مکہ شریف میں مرا گویا کہ وہ پہلے آسمان میں مرا۔

نیز اس مبارک خطے میں جو عظیم نشانیاں محسوس ہوتی ہیں اور مشاہدے میں آتی ہیں ان میں سے یہ ہے کہ اگر کوئی درندہ بھیڑیا اور چیتا کسی جانور کے پیچھے بھاگے اور وہ جانور حرم کی حد میں داخل ہو جائے تو درندہ واپس ہو جاتا ہے اور حرم میں بالکل داخل نہیں ہوتا۔ نیز لوگوں نے حرم کی حد کے درمیان ہرنوں اور درندوں کو باہم ملے جلے اور مانوس دیکھا ہے۔ نیز جب پرندے اڑتے ہوئے خانہ کعبہ کے مقابل آتے ہیں تو دائیں بائیں پھر جاتے ہیں اور اس مقدس گھر کے اوپر سے نہیں گذرتے اور یہ نشانی ہمیشہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ نیز چشمۂ زمزم کا پانی شب برات میں اس قدر اُبلتا ہے کہ چشمے کے کناروں تک پہنچ جاتا ہے۔ نیز آب زمزم کی یہ خصوصیت ہے کہ لوگوں کو سیر کر دیتا ہے اور کھانے کے قائم مقام ہو جاتا

marfat.com
Marfat.com

ہے۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ کمال جامعیت کی وجہ سے یہ مبارک شہر نہایت اُونچے مقام تک پہنچا ہوا ہے اِسی لیے اس سورۃ میں قسم کو اس شہر پر ختم فرما کر مقصد بیان فرمایا جا رہا ہے۔ کہ

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ یعنی ان چاروں چیزوں کی قسم اس مقصد کے لیے ہے کہ تحقیق ہم نے انسان کو ایک بہترین صورت اور ترکیب میں پیدا فرمایا ہے کیونکہ اگر اس کی ظاہری صورت کو دیکھیں تو کمال حسن و جمال کے ساتھ موصوف ہے' قد کے بالکل سیدھا ہونے کے اعتبار سے بھی اور اجزاء کے خوب اور تناسب ہونے کے اعتبار سے بھی اس کی گردن اونٹ کی گردن کی طرح دراز نہیں اور نہ ہی کچھوے کی طرح بالکل چھوٹی اور اس کی ناک ہاتھی کی سونڈ کی طرح دراز نہیں اور نہ ہی دوسرے چارپایہ جانوروں کی طرح بالکل نہ معلوم سی۔ علیٰ ہذ القیاس تمام اعضاء میں غور و فکر کرنا چاہیے اور اس کے حسن و خوبی کو قیاس کرنا چاہیے۔

## انسانی تخلیق کے حسن وخوبی کا بیان

اس لیے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو چاند سے زیادہ حسین نہیں تو تجھے طلاق ہے۔ علمائے وقت حیران رہ گئے اور انہوں نے طلاق واقع ہونے کا فیصلہ دے دیا اور جب یہ سوال حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے حضور پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی اس لیے کہ اس کی بیوی انسانی جنس سے ہے جبکہ انسان کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے اسے سب سے اچھی صورت میں پیدا فرمایا ہے اگر چاند کی صورت اس سے بہتر ہوتی تو اسے احسن تقویم کی وصف کے ساتھ بیان نہ فرمایا جاتا اور کیا اچھا کہا گیا ہے کہ جب تو نے اسے سورج اور چاند کے تشبیہ دی تو اس کی تعریف نہیں بلکہ ہجو کی ہے۔ سورج میں وہ تل جو کہ اس کے رخسار پر ہے اور اس کے منہ میں وہ موتیوں کی لڑی کا ہنسنا کہاں ہے اور چودھویں کی رات کے لیے وہ سرگیں پلکیں کہاں جو کہ نور کے تڑکے کھل کر اس کے کناروں میں چلتی ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

اور ظاہر ہے کہ چاند میں روشنی اور چمک کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے جبکہ اس نسخہ جامعہ میں صورتیں اور شکلیں بنانے کی باریکیاں درج اور پوشیدہ ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں من ماہ ندیدہ ام کلہ دار، من سرو ندیدہ ام قباپوش یعنی میں نے کسی چاند کو کلاہ پہنے اور کسی سرو کو قبا پہنے نہیں دیکھا ہے۔

اور اس جہت سے بھی کہ دنیا میں آدمی کی شکل کی طرح کوئی شکل عبادات کثیرہ کے لائق نہیں ہے اس سے قیام، رکوع اور سجود ہو سکتے ہیں اور اگر اس کے حسن کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو علم تشریح کی مجلدات کو نقل کرنا چاہیے۔ لہٰذا اس طرف سے قلم کی لگام کو پھیرنا ہی بہتر ہے۔

اور اگر اس کے باطنی معنوں میں غور وفکر کریں تو اس نسخہ جامعہ میں چار جہان لپٹے ہوئے اور پیچیدہ ہیں۔ عالم شہوت، عالم غضب، عالم وہم اور عالم خیال اور چاروں جہانوں میں سے ہر جہان کو ایک غیبی حاکم جو کہ عقل ہے' کے حکم کے نیچے مسخر کیا گیا ہے اور اس حاکم کو شرع شریف کی نورانی مشعل کی بینائی کا نور عطا فرمایا گیا تا کہ اس نور کے ساتھ نیک و بد خیر وشر کو دریافت کرے۔ اور جب بھی اس حاکم کا حکم ان چار جہانوں پر غالب ہوتا ہے' کمال و جامعیت کے اعلیٰ درجات تک پہنچتا ہے۔ اور مختلف جہانوں سے جس چیز کے حصول کی توقع نہ تھی اس نسخہ جامعہ سے ہوتی ہے جیسے کہ معجون مرکب کی خاصیت ہے کہ ہر مفرد سے اس کے حصول کی توقع نہیں ہوتی لیکن اس حاکم کا غلبہ صرف تائید غیبی اور توفیق آسمانی کے ساتھ ہے۔ اسی لیے ہر کسی کو میسر نہیں۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ پھر ہم نے اسے لوٹایا۔ یعنی اس قسم کی عجیب مخلوق کو جسے ہم نے اس قدر نوازا' عقل اور اسکی دوسری رعایا شہوت، غضب وہم اور خیال کے کاروبار کے انتظام میں اس کی کوتاہی کی وجہ سے اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ نیچوں سے نیچا کر دیا کہ چار پایوں کے درجے سے بھی گزر جاتا ہے اور شہوت و غضب کے جال اور وہم وخیال کے کمند میں اس قدر گرفتار اور مقید ہو جاتا ہے کہ اس کا مرتبہ تمام مخلوقات سے ذلیل اور کم تر ہو جاتا ہے کیونکہ دوسری مخلوقات میں اگر چہ کمالات حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے لیکن مواخذہ اور سزا بھی نہیں ہے جبکہ

marfat.com
Marfat.com

اس مخلوق کو کمالات حاصل کرنے کی استعداد کے باوجود محروم رہنے کی صورت میں ابدی مواخذہ اور دائمی عذاب درپیش ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنی عقل کو اپنے خیالات اور اوہام پر غالب کر دیا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے اور اپنی عقل کو شہوت اور غضب پر غالب کر دیا اور عظیم مجاہدہ کیا۔ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ پس ان کے لیے ایک نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ اگر چہ بیماری، بڑھاپے اور موت کی وجہ سے ان کا مجاہدہ ختم ہو جائے لیکن مضبوط استقامت کی وجہ سے ان کی روح میں جو کیفیت پیدا ہوئی ہے روز بروز ترقی پر ہے اور وہ اس ترقی کے بدلے ہر لحہ عظیم ثواب پائیں گے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بندۂ مومن دین سے متعلق اچھے طریقے پر گامزن ہو اور بڑھاپے، مسافری اور بیماری کی وجہ سے اس سے وہ طریقہ فوت ہو جائے اللہ تعالیٰ نیکیاں لکھنے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس شخص کے اعمال نامے میں ان عبادتوں اور نیکیوں کا ثواب لکھ دو جو کہ یہ ہمیشہ کرتا تھا اور اس کے ثواب کو اس سے مت روکو۔ بلکہ بعض روایات میں یہاں تک وارد ہے کہ اس کے فوت ہونے کے بعد بھی فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کی قبر کے پاس تسبیح، تکبیر اور تحمید میں مصروف رہو اور وہ سب کچھ اس بندے کے نام لکھو تا کہ قیامت کے دن اُٹھے اور اس وافر خزانے کو کام میں لائے (اقول وباللہ التوفیق اس روایت سے معلوم ہوا کہ قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن پاک پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے اور ایسا کرنا جائز ہے۔ فرشتوں کا دستور بلکہ حکمِ خداوندی ہے۔ قبروں پر جانے سے مطلقاً روکنے والے ذرا عبرت کی نگاہ حاصل کریں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور بعض مفسرین نے ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ کو بڑھاپے اور اس کی وجہ سے عقل کے خلل میں پڑنے کی حالات پر محمول کیا ہے کہ اس حالت میں انسان کی صورت بدل جاتی ہے اور قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اس کی پشت کمان کی طرح جھک جاتی ہے اور قد کا سیدھا ہونا خلل میں پڑ جاتا ہے اس کے سر اور جسم کے بال سفید ہونے کی وجہ سے برص وہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے چہرے میں جو بل پڑ جاتے ہیں بہت بُرے لگتے ہیں۔ دانت گرنے کی

marfat.com

Marfat.com

وجہ سے منہ کی بناوٹ بہت بُری معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس توجیہہ پر اِلَّاالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُواالصَّالِحَاتِ کی استثناء مناسب نہیں مگر اس وقت جبکہ استثناء کو منقطع قرار دیں اور اس میں تکلف ہے۔

اور جب ان آیات سے معلوم ہوا کہ دین کی حقیقت عقل کو تمام قوتوں شہوت، غضب، وہم اور خیال پر غالب کرنا اور عقل کو نورِ شرع سے منور کرنا ہے۔ پس دین کی تکذیب کی کوئی وجہ نہ رہی کیونکہ انسان کی معنوی صورت کا حسن عین دینِ اسلام ہے اور وہ حسن ہر کسی کو مطلوب اور مرغوب ہے۔ لہٰذا اس تکذیب کے رد کے مقام میں فرمایا جارہا ہے کہ:

فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ پس اے انسان! ان مقدمات کے واضح ہونے کے بعد تیرے لیے دین کی تکذیب کا باعث کیا ہے؟

حاصلِ کلام یہ ہے کہ جب تو نے اپنی معنوی صورت کی حقیقت کو پالیا اور تجھے معلوم ہو گیا کہ اس صورت کا حسن اسی پر موقوف ہے کہ پہلے تو عقل کو نورِ شرع سے روشن کرے اس کے بعد اسے اپنی قوتوں پر حاکم بنائے تو دین کو جھٹلانے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی اس لیے کہ نورِ شرع، دین کا نور ہے اور اس نور کے ساتھ عقل کو ہدایت ملتی ہے۔ کیونکہ عقل آنکھ کے مرتبے میں ہے جبکہ دین کا نور سورج کی شعاعوں کے مشابہ ہے۔ اگر سورج کی شعاع درمیان میں نہ ہو' آدمی کی آنکھ سے کچھ نہیں کھلتا تو دین کا نور انسان کی صورت معنوی کے کمال کی ضروریات میں سے ہے۔ اور جس طرح کہ انسان حسی صورت کے خلل میں پڑنے کی وجہ سے انسانیت سے نکل جاتا ہے۔ اور جانوروں کی صورت میں مسخ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح معنوی صورت کے خلل میں پڑنے کی وجہ سے حد سے نکل جاتا ہے اور معنوی مسخ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کون ہے جو کہ انسانیت سے اپنے نکلنے اور حیوانیت میں داخل ہونے کا روادار ہو اور اگر مزاج کی خرابی کی بناء پر کوئی چاہے کہ حیوانی صورت کی طرف رغبت کرے تو اسے اس مقدمے کے ساتھ سمجھایا جاسکتا ہے کہ:

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ کیا خداتعالیٰ تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ اور جب دوسرے حاکم اپنی رعایا سے یہ پسند نہیں کرتے کہ ایک فرقے سے دوسرے فرقے

marfat.com
Marfat.com

کی طرف منتقل ہوں تو یہ لوگ اونچے مرتبے سے نہایت پستی میں اُتر آئیں' حق تعالیٰ اس حرکت کو کیوں پسند فرمائے گا جو کہ خلاف حکمت ہے۔

اور اس احتمال کی گنجائش ہے کہ ہم دین کو جزا کے معنوں میں لیں۔ اس صورت میں ان آیات کا اور سابقہ آیات کا رابطہ اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ انسان کی تخلیق کی ابتدا سے جو نطفہ تھا یہاں تک کہ پیدائش میں پورے اعتدال اور حسن صورت تک پہنچا اور اسے عقل دے کر اور اسے نور شرع سے منور کر کے حسن معنوی عطا فرمایا گیا۔ پھر اس کے بعض افراد کو اس قدر کھلم کھلا تنزلی دی گئی کہ تمام نیچوں سے نیچا ہو گیا' حالات کے اس بدلنے پر اللہ تعالیٰ کا قادر ہونا جب آدمی پر ظاہر ہو گیا تو قیامت کے دن جزا دینا' مردوں کو زندہ کرنا اور حالات کو بدلنا کہ دنیا سے سرکشوں کو پست اور یہاں کے عاجزوں کو اونچے مرتبے تک پہنچانا کیا بعید ہو گا۔

اور یہ جتنا بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے پیش نظر جزا کے واقع ہونے کو جائز قرار دینے میں کافی ہے اور اگر اس کی حکمت اور عدل پر نظر کریں اور جانیں کہ نیک و بد کی جزا دینا اور اچھے بُرے میں فرق کرنا حکمت اور عدل کی دنیا کے واجبات میں سے ہے۔ تو جزا کا واجب ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ اس مقدمے کا اشارہ ہے۔ پس جزا کے معاملے کا واقع ہونا قدرت پر نظر کرتے ہوئے ممکن اور حکمت و عدل کے پیش نظر واجب ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو بھی سورۃ التین پڑھے اور اس آیت تک پہنچے کہ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ تو چاہیے کہ کہے بلی وانا علی ذالك من الشاهدين یعنی کیوں نہیں۔ تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے میں اور اس پر گواہی دینے والوں سے ہوں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عشا میں بارہا اس سورۃ کی تلاوت فرماتے اور حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی یہ سورۃ کعبۃ اللہ کے سامنے فرض نماز میں پڑھتے تاکہ حرم کعبہ کی بزرگی کا اشارہ ہو جس کی اس سورۃ میں قسم یاد فرمائی گئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

marfat.com
Marfat.com

# سورۃ اقرء

مکی ہے۔ اس میں انیس (۱۹) آیات۔ بہتر (۷۲) کلمات۔ اور ایک سو اسی (۱۸۰) حروف ہیں اور اسے سورۃ علق بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس سورۃ میں مذکور ہے کہ آدمی کو علق یعنی منجمد خون سے پیدا کیا گیا ہے اور یہ ذکر کرنا دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ذلیل کو عزت والا کر دیتا ہے جیسا کہ اس نے جمے ہوئے خون کو جو کہ انتہائی ذلت کے درجے میں واقع ہے' انسانی صورت دے کر اور اس میں انسانی روح پھونک کر کمال عزت عطا فرمائی۔ اسی طرح آدمی کو انتہائی احتیاج کے باوجود قرآن پاک اُتار کر اور وحی کی تعلیم دے کر عزت سے نوازا ہے۔ اور اس امر میں کفار کو جو محال ہونا کھٹکتا ہے' خلقت انسانی کی ابتدا خون سے ملاحظہ کرنے کے ساتھ دُور ہو جاتا ہے۔

اور اکثر مفسرین نے اس سورۃ کو اَوَّلُ مَانَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ کہا ہے یعنی قرآن پاک میں سے سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت یہ ہے۔ جبکہ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ سب سے پہلے فاتحہ الکتاب اُتری ہے۔ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے سورۃ مدثر نازل ہوئی۔ یہ اقوال بظاہر ایک دوسرے کے خلاف معلوم ہوتے ہیں لیکن ان تینوں اقوال کی باہم مطابقت اس طرح ہے کہ اول حقیقی اس سورۃ کی پانچ آیات ہیں۔ اس کے بعد تعلیم نماز کے لیے سورۃ فاتحہ اُتری اور وحی کے عارضی انقطاع کے بعد پہلی سورۃ جو نازل ہوئی مدثر ہے اور اس کے بعد قرآن پاک کا نزول تواتر کے ساتھ واقع ہوا تو جس نے سورۃ مدثر کو اول اُترنے والی سورت کہا ہے گویا اس نے پہلی متصل اور متواتر اُترنے والی سورت مراد لی ہے۔ اور اس سورۃ کا نزول باقی قرآن پاک کے نزول کی تمہید قرار دیا ہے۔ اور سورۂ فاتحہ کا نزول مناجات کی تعلیم کے لیے قرار دیا۔ اور تبلیغ کا آغاز سورۂ مدثر سے کیا۔

اور جس نے سورۂ فاتحہ کو سب سے پہلے اُترنے والی سورۃ کہا ہے گویا پہلی چیز جس کے ساتھ قربِ خداوندی حاصل کرنا اور اس کی تلاوت بطور عبادت کرنا واقع ہوا' یہی سورت تھی۔ سورۃ اقرء تو صرف قرأت کے طریقے کی تعلیم دینے اور تلاوت کا معمول سکھانے کے لیے

marfat.com

Marfat.com

نازل ہوئی تھی۔

## سورۃ اقرء کے نزول کی کیفیت

اس سورت کے نزول کی کیفیت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وحی کی علامات میں سے سب سے پہلے جو چیز ظاہر ہوئی' سچے خواب تھے کہ آپ رات کو خواب میں جو کچھ دیکھتے' دن کو بعینہ اسی طرح واقع ہوتا۔ اس کے بعد آپ کے بابرکت دل میں تنہائی اور گوشہ نشینی کی محبت غالب آئی۔ آپ نے مکہ معظمہ سے متصل کوہ حرا شریف میں جا کر اپنی خلوت کے لیے ایک غار مقرر فرمائی اور اس غار میں چند دن کی تھوڑی سی خوراک ساتھ لے کر اکیلے تشریف فرما ہوتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے حتیٰ کہ خوراک پوری ہو جاتی۔ پھر دولت خانہ کو مراجعت فرماتے اور ایک دو دن ٹھہرتے۔ اہل و عیال کے حقوق ادا کر کے کچھ اور خوراک لے کر اسی غار میں پھر جلوہ افروز ہوتے۔ اور اس غار میں آپ کے ٹھہرنے کی مدت غالب طور پر ایک ماہ سے کم ہوتی۔ اور کبھی نادر طور پر آپ نے وہاں ایک مہینہ بھی گزارا ہے۔

خلوت کے ایام میں آپ ایک دن اس غار سے باہر تشریف لائے اور جسم مبارک اور ہاتھ پاؤں دھونے کے لیے ایک چشمے کے کنارے کھڑے تھے کہ اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فضا میں سے آواز دی۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اوپر کی سمت دیکھا' کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی اسی طرح آواز آئی۔ آپ حیران ہو کر دائیں بائیں دیکھ رہے تھے کہ ایک دم ایک نورانی شخص سورج کی طرح روشن نور کا تاج سر پہ رکھے ہوئے' سبز براق حلہ پہنے ہوئے آدمی کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک پہنچ گیا اور آپ سے کہنے لگا کہ پڑھیئے۔

اور بعض روایات میں آیا کہ اس بزرگ کے ہاتھ میں سبز ریشم کا ایک ٹکڑا تھا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا اس نے وہ ٹکڑا حضور علیہ السلام کے سامنے کیا اور کہا کہ پڑھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں صورت حرف کو نہیں پہچانتا اور پڑھنے والا نہیں ہوں۔ اس بزرگ نے پھر کہا کہ پڑھیں اور آپ کو بغل میں لے کر پوری قوت کے ساتھ بھینچا حتیٰ کہ

marfat.com

Marfat.com

آپ کو اس بھینچنے سے بہت مشقت لاحق ہوئی۔ تین دفعہ ایسا ہی کیا۔

(ایک قول یہ بھی ہے کہ کرمانی شارح بخاری نے بیان فرمایا ہے وعلی النصب معناه بلغ الملك منی الجهد یعنی وہ عظیم فرشتہ مجھے بھینچتے بھینچتے تھک گیا۔ بہر حال حضور علیہ السلام کا جسم پاک متاثر ہوا یا جبرئیل علیہ السلام تھک گئے دونوں صورتوں میں جسد مبارک کی عظمت اور قوت ظاہر ہے۔ پہلی صورت میں اسی طرح کہ جبرئیل علیہ السلام جیسا طاقت ور فرشتہ تین مرتبہ پوری طاقت سے دبائے مگر جسم شریف ثابت اور قائم ہے اور دوسری صورت میں بالکل ظاہر ہے۔ خدا و مصطفیٰ کی رمز سے ادراک عاجز ہے' خدا کو مصطفیٰ جانے محمد کو خدا جانے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

پھر اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ پانچ آیات تک تلاوت کیں۔ یہ آیات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذہن شریف میں راسخ ہو گئیں اور آپ نے یاد کر لیں۔

اور بعض روایات میں آیا کہ ان آیات کی تعلیم کے بعد اسی بزرگ نے اپنا پاؤں زمین پر مارا' جاری پانی کا ایک چشمہ پیدا ہوا۔ حضور علیہ السلام کو طہارت، وضو اور استنجاء کا طریقہ تلقین کیا اور دو رکعت نماز کی تلقین کی۔ سورۂ فاتحہ بھی سکھائی تاکہ نماز میں پڑھتے رہیں۔

اور اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے متاثر ہو کر کانپتے ہوئے گھر واپس تشریف لائے۔ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھ پر لحاف ڈال دو تا کہ لرزہ دور ہو جائے۔ لرزہ دور ہونے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کیفیت حال پوچھی تو آپ نے ان کے سامنے سارا ماجرا بیان کر کے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی جان پر خوف ہے کہ کہیں اس سخت صدمے سے چل بسوں (اقول وباللہ التوفیق۔ صوفیاء ارشاد فرماتے ہیں کہ وحی خداوندی کا نزول تو باعثِ رحمت اور ذریعہ حصول برکت ہے' موجب ہلاکت نہیں۔ ان الفاظ سے مراد حضرت کے قلب مقدس پر اس ذمہ داری کے احساس کا اثر اور اس کے ردعمل کا وزن ہے جو کہ عالمگیر نبوت و رسالت کی شکل میں آپ پر ڈالی گئی۔ روحانی کیفیتوں کے حصول کو تو اولیاء اللہ ہلاکت سے تعبیر نہیں کرتے۔ سید الخلق علی الاطلاق اور حبیب الحق بالاتفاق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تصور کیسے ممکن ہو سکتا

marfat.com
Marfat.com

ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار -محمد محفوظ الحق غفرلہ)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ آپ بالکل پریشان نہ ہوں اس لیے کہ حق تعالیٰ نے آپ میں اپنی رحمت کی صفات وافر طور پر ظاہر فرمائی ہیں۔ آپ ضعیفوں پر رحم فرماتے ہیں' اپنے رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں' مہمان نوازی فرماتے ہیں اور محتاجوں کے کاموں میں دستگیری فرماتے ہیں جو ذات اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اس قدر رحم فرمائے وہ تو رحمتِ الٰہی کی مستحق ہے نہ کہ کسی پریشانی کی۔اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے اور عبرانی کی کتابوں اور تورات اور انجیل سے پوری طرح واقف تھے اور ان کا ترجمہ عربی زبان میں لکھتے تھے۔

آپ نے فرمایا بھائی جان! ذرا اپنے برادرزادے کی بات سنیں کہ کیا فرماتے ہیں۔ ورقہ نے سارا واقعہ سُن کر کہا کہ آپ کے پاس یہ آنے والا شخص ناموس اکبر ہے یعنی جبرئیل علیہ السلام جنہیں اہل کتاب کی اصطلاح میں ناموس اکبر کہتے ہیں اور کہ یہ وہی ناموس اکبر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر وحی لاتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی نازل ہوتا رہا۔تو آپ خوش رہیں۔اور کسی قسم کا خوف محسوس نہ فرمائیں۔لیکن آپ کی قوم اس نعمت کی قدر شناسی نہیں کرے گی اور یہ آپ کو ستائیں گے یہاں تک کہ آپ کو اس شہر سے نکلنا پڑے گا۔اے کاش میں اس وقت زندہ ہوتا تو آپ کی مدد کرتا اور دونوں جہانوں کی سعادت حاصل کرتا اس کے چند دنوں بعد ورقہ بن نوفل فوت ہو گئے۔

انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں سفید لباس پہنے ہوئے دیکھا اور یہ تعبیر فرمائی کہ یہ شخص جنتی تھا۔(اقوال وباللہ التوفیق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حقیقت شناسی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب کی سعادت پانے کی وجہ سے ہے۔جس کا انہوں نے آپ کے خصائل شریفہ کا ذکر کر کے اظہار فرمایا۔جن کے قرب کی بدولت اس خاتون کو معرفت کا یہ مقام حاصل ہوا وہ خود بے خبر کیونکر ہو سکتے ہیں۔نیز آپ کا ورقہ بن نوفل کے تشریف لے جانا بظاہر حقیقت حال کا پتہ کرنے کے لیے تھا لیکن حقیقت میں آپ ورقہ بن نوفل کو زیارت کرانے اور اپنی نبوت ورسالت سے روشناس کرانے اور انہیں اعتراف وتسلیم

marfat.com
Marfat.com

کے مرتبہ پر فائز کرنے کے لیے وہاں تشریف لے گئے اگر نہ جاتے تو حضرت ورقہ بن نوفل کو آپ کی زیارت سے آپ کی نبوت و رسالت کو تسلیم کرنے کا موقعہ ہی نہ ملتا اور وہ اس نعمتِ عظمٰی سے محروم رہتے۔ چنانچہ حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان گجراتی اپنی تفسیر نور العرفان میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے سے ہی جبرئیل امین کو جانتے پہچانتے تھے کہ اس وقت حضور علیہ السلام نہ ان سے ڈرے نہ پوچھا کہ تم کون ہو؟ اگر آپ جبرئیل کو نہ پہچانتے تو آپ کو ان آیات کا کلامِ الٰہی ہونا مشکوک ہوتا اور یہ شانِ نبوت تو کیا شانِ ایمان کے بھی خلاف ہے۔ انتہی)

## چند نکات کا بیان

اس واقعہ میں چند نکات معلوم ہونے چاہئیں۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ بنی آدم میں تربیت کی عادت درجہ بدرجہ ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ پس اگر پہلی دفعہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن پاک کی وحی سے مشرف فرمایا جاتا تو برداشت نہ ہوتی۔ اس لیے پہلے خواب میں جو کہ اس جہان سے بے توجہی کی حالت ہے، جزوی علوم کا القاء شروع فرمایا گیا تا کہ اس طرح جہانِ غیب سے علوم حاصل کرنے کی عادت پیدا ہو جائے اور آپ آہستہ آہستہ اس تعلیم کے خوگر ہو جائیں۔ اس کے بعد چاہا کہ بیداری اور ہوشیاری کی حالت میں آپ اہل و عیال اور گھر سے منقطع ہو جائیں تا کہ پورے جہان غیب کی طرف متوجہ ہوں۔ اس وقت آپ کو تنہائی اور علیحدگی کی محبت دل میں جاگزیں ہوئی اور آپ کو ایک ایسی جگہ کا پتہ دیا گیا جہاں جنس بشر میں سے کوئی بھی نہ ہو۔ تا کہ نزولِ وحی کے وقت کسی کے دل میں شاگردی اور تعلیم کا گمان تک نہ گزرے پھر نزولِ وحی کے وقت آپ کے دل میں شدید صدمہ، لرزہ اور خوف ڈال دیا گیا تا کہ کسی کو جعل سازی اور بناوٹ کا وہم بھی پیدا نہ ہو۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے دبانے اور بغل میں لینے کے ذریعے خدائی تاثیر کو آپ کی روح میں مکمل طور پر مضبوط اور راسخ کر دیا گیا۔

## توجہ دینے کی اقسام کا بیان

اس لیے کہ اہلِ طریقت کے عرف میں اپنے غیر میں کاملین کی تاثیر جسے توجہ کہتے ہیں،

marfat.com

Marfat.com

کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی تاثیر انعکاسی جیسے کوئی شخص اچھا سا عطر لگا کر محفل میں آئے اور عطر کی مہک محفل میں بیٹھنے والوں کے مشام میں اثر کرے اور وہ اس سے لذت حاصل کریں۔ اور یہ تاثیر کی اقسام میں سے سب سے زیادہ ضعیف قسم ہے اس لیے کہ اس کا اثر صرف پاس بیٹھنے کی مدت تک باقی ہے' ازاں بعد کچھ نہیں رہتا۔

دوسری تاثیر القائی جیسے کوئی شخص پیالی میں بتی اور تیل ڈال کر لائے اور دوسرا شخص جس کے پاس آگ ہے اس بتی کو روشن کر دے۔ پس چراغ درست ہو جائے۔ اس تاثیر میں قدرے قوت ہے کہ صحبت کے بعد بھی افادہ واستفادہ کی صورت میں اس کا اثر باقی رہتا ہے لیکن اگر کوئی مضبوط رکاوٹ آڑے آ جائے جیسے تیز ہوا اور بارش وغیرہ تو اس کا اثر زائل ہو جائے۔ نیز اس قسم کی تاثیر میں تہذیب نفس اور اس کے لطائف اثر قبول نہیں کرتے جس طرح کہ تیل، بتی اور پیالی کے ناکارہ ہونے کی صرف آگ کا شعلہ اصلاح نہیں کر سکتا۔

تیسری تاثیر اصلاحی جیسے پانی کو دریا یا کنوئیں سے لے کر ٹینکی میں جمع کریں اور حوض کے فوارے تک اس ٹینکی کا راستہ خس و خاشاک سے پاک کر دیں اور پانی کو پوری قوت کے ساتھ اس راستے میں جاری کر دیں تاکہ فوارہ جوش مارے۔ اور اس کا اثر دو گزشتہ تاثیروں کے اثر سے زیادہ قوی ہے کہ اس میں نفس کی اصلاح اور لطائف کی آرائش بھی ہوتی ہے لیکن یہ فیضان ٹینکی کی استعداد اور راستے کے فاصلے کے اندازے پر ہوتا ہے نہ کہ کنوئیں اور دریا کے مطابق اور اس کے باوجود اگر ٹینکی میں کوئی آفت اثر کرے تو اس سے نقصان ہوتا ہے۔

چوتھی تاثیر اتحادی کہ شیخ اپنی روح کو جو کہ کمالات کی حامل ہے' استفادہ کرنے والے کی روح کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ متحد کر دے تاکہ روح شیخ کا کمال مستفید کی روح میں منتقل ہو جائے اور یہ تاثیر کی انواع میں سے سب سے زیادہ قوی مرتبہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ دونوں روحوں کے اتحاد کے حکم کے مطابق جو کچھ روح میں ہے' مستفید میں پہنچ جاتا ہے اور بار بار استفادہ کی ضرورت نہیں رہتی اور اولیاء اللہ میں اس قسم کی تاثیر نادر الوقوع ہوتی ہے۔

## حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک دن آپ کے ہاں چند

marfat.com
Marfat.com

مہمان آ گئے' ان کی تواضع کے لیے کچھ موجود نہ تھا۔ حضرت خواجہ کو مہمانوں کی ضیافت کے سلسلے میں تشویش ہوئی۔ اتفاقاً آپ کے دردولت کے ساتھ ہی ایک نانبائی کی دکان تھی اس نے آپ کی تشویش پر مطلع ہو کر ایک روٹی اور پُر تکلف اور مرغن گوشت کا سالن آپ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ اس کے اس سلوک سے بہت خوش ہوئے۔ فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو؟ اس نے عرض کی مجھے اپنی سرح کا بنا دیں۔ فرمایا تو اس حالت کو برداشت نہیں کر سکے گا کچھ اور مانگ لے۔ وہ اسی سوال پر اصرار کرتا رہا۔ حضرت خواجہ توجہ نہیں فرماتے تھے حتیٰ کہ اس کا مطالبہ بڑھ گیا۔ ناچار اسے حجرے میں لے گئے اس پر تاثیر اتحادی فرمائی جب حجرے سے باہر تشریف لائے تو خواجہ اور نانبائی کی صورت اور شکل میں کوئی فرق نہیں رہا تھا' لوگوں کو امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔ صرف اس قدر تھا کہ حضرت خواجہ ہشیار تھے اور وہ نانبائی مدہوش اور بے خود تھا۔ آخر تین دن کے بعد اسی سکر اور بیہوشی کی حالت میں واصل بحق ہو گیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ خلاصۃ الکلام یہ اس دبانے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تاثیر اتحادی تاثیر تھی کہ انہوں نے اپنی روح لطیف کو مساموں کی راہ سے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس میں داخل کر کے روح مبارک کے ساتھ متحد کر دیا اور دونوں شیر وشکر ہو گئیں اور بشریت اور ملکیت کے درمیان ایک عجیب حالت پیدا ہو گئی جو کہ بیان میں نہیں آ سکتی۔

## تیسرا نکتہ:

ورقہ بن نوفل کو جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی تھی' وحی کے نزول کی گواہی دی اور جبرئیل علیہ السلام کو پہچان کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اور مدد پر کمر ہمت باندھی تھی اس جہان سے اُٹھا لیا گیا تا کہ کسی کو گمان نہ ہو کہ یہ تمام گزشتہ واقعات اور دوسرے امور شرائع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نے سکھائے یا عطا کیے ہوں۔ اور اس واقعہ کے بعد اس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت جاری نہ رہی۔ اور اس احتمال کی گنجائش مطلقاً ختم ہو گئی۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دین کے بارے میں امداد اہل کتاب اور گزشتہ ادیان سے فیض پانے والوں پر موقوف نہ رہے۔ جو کچھ ہو انہیں سے ظاہر ہو۔

marfat.com
Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ اپنے پروردگار کے نام سے مدد لے کر اپنے پروردگار کا کلام پڑھیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے قدیم کلام کو آدمی خود بخود نہیں پڑھ سکتا اور لفظ رب کو خاص کرنے میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کی پرورش کرنا ظاہر اور روشن ہے۔ اور تربیت میں آپ ساری مخلوقات سے ممتاز اور مستثنیٰ ہیں۔ اور آپ کلام قدیم کی تلاوت میں اللہ تعالیٰ کے انہیں ناموں سے مدد حاصل کریں جو آپ کی تربیت میں معروف ہیں۔ اور اگر آپ کے دل میں یہ خیال گزرے کہ کلام قدیم کو کیسے پڑھا جاسکتا ہے اس لیے کہ ہمارا پڑھنا حادث اور نو پید ہے جبکہ وہ قدیم اور ازلی ہے تو اپنے پروردگار کی ایک اور صفت کو ملاحظہ کریں کہ

الَّذِیۡ خَلَقَ یعنی پروردگار وہ ذات ہے جس نے اشیاء کو اور اپنے اسماء کی صورتوں کو پیدا کیا ہے۔ تو اس سے کیا بعید ہے کہ کلام قدیم کو حروف کی شکلوں میں ڈھال کر پہلے آپ کے خیال میں ڈالے پھر آپ کی زبان مبارک پر جاری فرمائے۔ اس لیے کہ سب اشیاء کی تخلیق اسی دستور کے ساتھ ہے کہ اسمائے قدیمہ کو حادث شکلوں میں جلوہ گر کیا گیا ہے۔ اور اگر پھر خیال گزرے کہ کلام الٰہی بے انتہاء عزیز ہے جبکہ آدمی انتہائی عاجز ہے اس طرح کی عزیز شے کو مقام عجز میں اتارنا بعید معلوم ہوتا ہے تو اپنے پروردگار کی صفات میں سے ایک اور صفت ملاحظہ کریں۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ اس نے انسان کو پیدا فرمایا ہے۔ اور اسے اسرار الٰہیہ کی حامل وحی کے ساتھ کمال عزت عطا فرمائی ہے۔ اور اسے مختلف اعضاء کے ساتھ نوازا ہے۔ جن سے افعال الٰہی کا ظہور ہوتا ہے اور اس کی روح لطیف کو اس کے جسم کثیف کے ساتھ اس طرح وابستہ فرمایا ہے کہ لطائف روح اپنے مقام پر ہیں اور جسم کی کثافت اپنی جگہ پر۔ جسم کی کثافت سے روح متغیر ہوتی ہے نہ لطافت روح کی وجہ سے جسم پاش پاش ہوتا ہے اور یہ سب کچھ ایک مادے سے ہے جو کہ نجس اور از کار رفتہ ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

مِنۡ عَلَقٍ منجمد خون سے جو کہ شرعاً نجس اور حقیر ہے تو کیا عجب ہے کہ قدیم قدسی کلام کو قدیم الفاظ کے ساتھ جمع کر کے اور ترتیب دے کر خیالی قوتوں اور بولنے کے آلات

marfat.com
Marfat.com

میں القاء فرمادیں اور وہ کلام قدسی بغیر کسی تغیر کے اپنے اصل تقدس پر قائم رہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ آدمی کا جمے ہوئے خون سے پیدا ہونا ولادت کی صورت میں ظاہر ہے کہ جب نطفہ ماں کے شکم میں قرار پکڑتا ہے تو اس میں رکھی گئی کشش کی قوت سے ماں کے بدن سے بہت سا خون اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جوڑنے والی قوت پنیر کی طرح اس خون کو منجمد کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ وقت گزرنے کے ساتھ ہڈیوں اور گوشت کی صورت بن جاتی ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے کی صورت میں جمے ہوئے خون سے پیدا ہونا اس طرح ہے کہ انسان کے تمام اعضاء تحلیل شدہ مادے کے بدلے غذا سے لیے جاتے ہیں اور غذا نظام ہضم کے سارے مرتبوں سے گزر کر جما ہوا خون ہو کر اعضاء میں بدل جاتی ہے۔ بلکہ ولادت کی صورت میں بھی بچے کے ماں کے پیٹ سے جدا ہونے کے بعد خلقت انسانی اسی طرح واقع ہوتی ہے۔ اسی لیے انسانی تخلیق کے مواد میں سے یہاں علق کا ذکر فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ مادہ ہر وقت اسی صورت میں درکار ہے بخلاف مٹی اور نطفہ وغیرہ کے کہ ابتدا میں درکار ہیں اور بقاء میں ان کی ضرورت نہیں ہے۔

اب غور کرنا چاہیے کہ ایک مادہ جو کہ جما ہوا خون ہے' روح کی صورت بھی حاصل کرتا ہے اور ادراک اور تحریک والی قوتوں کا حامل ہوتا ہے اور ہڈیوں کی شکل بھی اختیار کرتا ہے۔ اور ہڈی، مغز، گوشت اور چمڑا ہو جاتا ہے۔ اور روح مجرد کو ان اعضاء کے ساتھ جو کہ اس جنس کثیف سے پیدا ہوئے ہیں' اتحاد اور یگانگت میسر آتی ہے۔ یہاں سے ذات وصفات کے معانی کا خیال کی گزرگاہوں اور نطق کے آلات میں نازل ہونے کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔

نیز جاننا چاہیے کہ لفظ اقرء سے جو کہ اس کلام کی ابتدا میں واقع ہے' لوگوں کو شبہ ہوتا ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ لفظ چاہیے کہ قرآن میں داخل نہ ہو کیونکہ یہ لفظ قرأت قرآن کا حکم دینے کے لیے ہے اسے عین قرآن میں کیوں لکھا جائے بلکہ لفظ قل میں جو کہ پانچ سورتوں کی ابتدا میں واقع ہے۔ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ، قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ بھی یہ شبہ وارد کرتے ہیں اسی لیے بعض صحابہ کرام نے معوذتین سے قل کا لفظ موقوف کر دیا تھا۔ لیکن اس شبہ میں غلطی

marfat.com
Marfat.com

کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ اقراء اور اسی طرح لفظ قل چونکہ کلامِ الٰہی میں داخل ہے جس کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام کو خطاب فرمایا گیا ہے اور دوسرے اوامر و نواہی کی طرح وارد ہوا ہے' یہ قرآن میں کیوں داخل نہ ہوگا۔ پس اس لفظ کو اسی قبیلے سے سمجھیں جو کہ خطوط کی ابتدا میں لکھتے ہیں ''جاننا چاہیے'' اور فرمان شاہی میں ''جانیں اور پہچانیں'' بھی اسی طرح ہے اور اگر کوئی چاہے کہ پورا حکم دوسرے کو سنائے اور پہنچائے یا کسی کو پورے خط کا نشان دے' اسے ان الفاظ کے پڑھنے سے چارہ نہیں۔

## ایک خدشے کا جواب

ہم یہاں پہنچے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمی تھے' آپ کو حکم دینا کہ پڑھو تکلیف مالایطاق ہے یعنی ایسی چیز کی تکلیف دینا ہے جو ہو نہیں سکتی اور تکلیف مالایطاق واقع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

اس خدشے کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم امر تکلیفی نہیں ہے بلکہ امر یقینی ہے جیسا کہ بچے کو جب پہلے پہل مدرسہ میں لے جاتے ہیں تو استاذ صاحب فرماتے ہیں' پڑھو اگرچہ بچہ اس وقت پڑھنا نہیں جانتا لیکن استاذ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ میں پڑھوں گا تو میرے پڑھے ہوئے کو یاد کر اور پڑھنے کے لیے مستعد اور تیار ہو جاؤ اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمی ہونے کا احساس فرماتے تھے' تاکید کے لیے دوسری مرتبہ فرمایا گیا کہ اِقْرَاْ یعنی پڑھیں۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی مرتبہ اِقْرَاْ فرمایا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے ثواب کے لیے قرآن پاک کی قرأت کریں اور دوسری مرتبہ اِقْرَاْ فرمایا گیا جس سے مراد یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو قرآن پاک کی تبلیغ فرمائیں اور جس طرح قرآن پاک پڑھنا ثواب کی خاطر اُمت کے لیے ضروری ہے' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے تبلیغ کی خاطر بھی ضروری ہے اس لیے کہ اگر وہ تبلیغ نہ فرمائیں تو اُمت کو قرآن پاک کی تلاوت کس طرح میسر آئے اور بعض نے فرمایا ہے کہ پہلا اِقْرَاْ نماز میں ہے اور دوسرا اقراء نماز سے باہر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ پہلا پڑھنے کے لیے اور دوسرا پڑھانے کے لیے ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ پہلے سے مراد یہ ہے کہ قاری بن جائیں بغیر اس کے کہ کسی چیز کو معین کیا جائے اور

marfat.com
Marfat.com

دوسرا باسم ربک کے ساتھ متعلق ہے جو کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے یعنی اپنے پروردگار کا نام پڑھیں۔

اب اُمی ہونے کی رکاوٹ دُور کرنے کے لیے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل مبارک میں بار بار کھٹکتی تھی اور آپ خیال فرماتے تھے' اُمی کے لیے علم حاصل کرنے کا طریقہ خصوصاً وہ علم جو کہ صفاتِ الٰہیٰ' اس کا مقدس کلام اور اس کے ہر روز کے احکام کے ساتھ متعلق ہو' کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک اور مقدمہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے جس سے علم غیب حاصل ہونے کا طریقہ لوگوں پر واضح ہو جاتا ہے۔

وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ اور آپ کا پروردگار بہت کریم ہے' امی کو علم عطا کرنا اس کے نزدیک ایک آسان کام ہے۔ اس لیے کہ اگر اُمی کے لیے کوئی مانع ہے تو یہ ہے کہ علم حاصل کرنے کے اسباب نہیں رکھتا اور اس قسم کا مانع تمام افرادِ انسانی کے بارے میں بعض علوم کی نسبت موجود ہے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ بعض مخلوقات کے واسطے سے وہ علوم ان تک پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے۔

الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ وہ پروردگار جس نے آدمیوں کو قلم کے واسطے ان چیزوں کی تعلیم دی ہے جنہیں حواس، عقل اور خبر کے ساتھ معلوم نہیں کیا جا سکتا' زمانہ طویل ہونے کی وجہ سے جیسے سابقہ اُمتوں، گزشتہ صدیوں، گزرے ہوئے بادشاہوں اور پرانے زمانے کے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کے حالات یا مقامات کی دُوری کی وجہ سے جیسے انتہائی دُور واقع ممالک' ریاستوں اور شہروں کے حالات بلکہ بادشاہوں کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ اپنے نوکروں اور رعایا کو قلم کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کی اطلاع دیتے ہیں اور آمنے سامنے کسی کے ساتھ گفتگو نہیں کرتے اور چونکہ بادشاہی کا کارخانہ، کارخانہ الوہیت کا ظل ہے اس کارخانے سے اس کارخانے کا سراغ لگانا چاہیے۔

## قلم کی اہمیت کا بیان

مثلاً محل کے اندر کی اسامیوں کی تعداد خواجہ سرا کے قلم سے معلوم کی جا سکتی ہے۔
مکانات، عمارات، باغات اور قلعوں کی تعداد ہوم ڈیپارٹمنٹ کے قلم سے معلوم ہو سکتی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

نوکروں اور ملازموں ان کے عہدوں سمیت سپہ سالار کے قلم سے جانا جاسکتا ہے۔ مستحقوں، خیرات کے طریقوں اور ان ارادوں کو جوان کے بارے میں کیے گئے ہیں' کا پتہ صدارت کی قلم سے لگ سکتا ہے۔ زیر نگین ممالک کا طول وعرض، جریبوں، آباد اور غیر آباد دیہات، دریاؤں اور تالابوں کی تعداد جو ان ممالک میں واقع ہیں' دفتر تقسیم کی قلم سے معلوم ہوسکتی ہے۔ جاگیروں اور بادشاہی زمینوں کی تعداد کو دفتر وزارت سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ قیدیوں اور واجب القتل والتعزیر مجرموں کی تعداد ان کی سزا سمیت قیدیوں کو چھوڑنے والے دفتر سے جو کہ جیل اور کوتوالی کے ساتھ متعلق ہے' معلوم کیا جاسکتا ہے اور خزانوں اور کارخانوں کی تعداد میر سامانی کے دفتر سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

اور چونکہ لوگوں کو ان کی استعداد کے مطابق کارخانہ الوہیت پر مطلع کرنا منظور تھا' انہیں قلم کے ساتھ لکھنا سکھایا گیا۔ اور ان میں سے ہر فرقے کو اپنے لامتناہی کارخانوں میں سے ایک کارخانے پر مطلع ہونے کا شوق دل میں ڈال دیا گیا تاکہ وہ قلم کے ساتھ اس کام کو محفوظ کریں تاکہ دوسرے فرقے ان سے اخذ کریں۔ اور اسی طرح دوسرے فرقے کو کسی اور کارخانے پر مطلع ہونے کا خیال پیدا کر دیا گیا حتیٰ کہ انہوں نے اس کام کو قلم کے ساتھ ضبط کرلیا۔ اور دوسروں کو ان کے قلم کے ذریعے اس کارخانے پر اطلاع حاصل ہوگئی۔ اور اس عجیب تدبیر کے ساتھ افراد انسانی کو اس اطلاع سے بہرہ ور فرمایا گیا۔ اور جس طرح روزی کے سلسلے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور امداد کرنا انسان کا خاصہ ہے' جاننے اور پہچاننے کے معاملے میں بھی باہمی تعاون اور امداد اس کا خاصہ ہے۔ اور یہ باہمی تعاون اور امداد قلم کی وساطت کے بغیر ممکن نہیں اس لیے کہ بعض افراد ایک زمانے میں واقع ہوئے ہیں جبکہ بعض دوسرے افراد اس زمانے سے صدیوں بعد پیدا ہوئے۔ بعد والوں کے لیے پہلوں کے علوم کی اطلاع قلم کے واسطے سے ہے اور بس۔ اسی طرح بعض لوگ ایک جگہ اور ایک ملک میں سکونت پذیر ہوئے جبکہ دوسرے لوگ دوسری اطراف اور ممالک میں جاگزیں ہوئے اب ان دور رہنے والوں کے لیے ان کے علوم اور تحقیقات پر اطلاع قلم کی وساطت کے بغیر ممکن نہ تھی۔

marfat.com
Marfat.com

اسی لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب جنات سے بات کی فضیلت کے متعلق سوال فرمایا تو انہوں نے عرض کہ یا حضرت! بات ایک ہوا ہے جو منہ سے نکلی اور فنا ہوگئی پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ کلام کو باقی رکھنے کی تدبیر کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی اس کی تدبیر لکھنا ہے۔ پس قلم ہے کہ علوم کا شکاری اور بولی اور سمجھی گئی چیز کو لکھنے والا ہے۔ ایک نعمت ہے جو کہ نہایت عظیم اور بے پناہ بزرگ ہے۔ چنانچہ قتادہ فرماتے ہیں کہ لولاالقلم لماقام الدین ولاصلح العیش یعنی اگر قلم نہ ہوتا تو دین قائم رہتا نہ زندگی درست ہوتی۔ دین کی کتابیں قلم کے ساتھ لکھتے ہیں جبکہ قرضوں کی دستاویزات، حقوق کی اسناد اور علوم اور اموال کی حفاظت قلم کے ساتھ وابستہ ہے۔

اور اگر نظر کو کچھ وسیع کریں تو معلوم کر سکتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی بادشاہی کے بے شمار ممالک ہیں اور ان میں سے ایک ملک جو نسبتاً چھوٹا اور مختصر ہے' عالم شہادت ہے اور اس ملک کے بے شمار کارخانے ہیں۔ ان میں سے عمارات اور باغات کا کارخانہ ہے اور اسے چند کلموں سے پہچانا جاسکتا ہے۔ پہلا علم ہیئت ہے جس میں افلاک کی گنتی' ان کی ہیئت اور ان کی ترتیب بیان کی جاتی ہے۔ دوسرا علم جغرافیہ ہے جس میں زمین کی ہیئت' ملکوں کی صورتیں اور اس میں پائے جانے والے دریاؤں اور پہاڑوں کا ذکر ہوتا ہے۔ تیسرا مسالک اور ممالک کا علم ہے جس میں سڑکوں، شہروں، دیہات' پہاڑوں اور نہروں کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔ چوتھا ابعاد اور اجرام کا علم جس میں آسمانی اور زمینی ممالک کا طول وعرض دلیل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

اور ان میں مشعل خانہ کی روشنی کا کارخانہ ہے اور اسے ستاروں کی صورتوں کے علم سے دریافت کیا جاتا ہے اور شعاعوں کا علم بھی اسی میں داخل ہے۔

اور ان میں توشہ خانہ، اصطبل، کبوتر خانہ اور بازدار خانہ ہے جس کی تفصیلات علوم حیوانات سے دریافت کی جاسکتی ہیں جن میں کتاب حیوۃ الحیوان جمع کی گئی ہے۔

اور ان میں دوائی خانہ ہے جس کی تفصیلات مفردات ابن بیطار، جامع بغدادی اور بڑی بڑی قرابادینیات سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ اور ان میں سے جواہر خانہ ہے اور اس کی

marfat.com

Marfat.com

تفصیلات معدنیات اور پتھروں کے علم سے معلوم کی جاسکتی ہیں جس میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔

اور ان میں سے ٹکسال اور خزانۂ عامرہ ہے اور اسے علم الاجساد اور علم صنعت سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اور ان میں سے روزینہ داروں، جاگیرداروں اور ممالک والوں کا کارخانہ ہے اور اسے سات ریاستوں کے بادشاہوں کے مجموعی دفاتر سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، یہ قلم کے علم کی وسعت کے لیے ایک چھوٹا سا نمونہ ہے یہاں سے قلم کی وساطت سے حاصل ہونے والے علوم کے کمال کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔

راویوں اور مفتیوں کا قلم معاملات اور عبادات میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی دریافت کا سبب ہے۔

اہلِ فرائض کا قلم ہر میت کے ورثاء میں سے ہر ایک وارث کے حصے معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور مؤرخین کا قلم گویا تمام گزشتہ زمانوں کے حالات کو پیش کرنا ہے۔ اور اس دربار عالی کے ریکارڈ کے طور پر ہے۔

اور اگر قلم تقدیر کو بھی دیکھیں اور ان علوم کا فیض دینے کو بھی نظر میں لائیں جو کہ اس کی وجہ سے آسمان والوں اور زمین والوں کو ملا ہے تو عقل خیرہ اور وہم حیران رہ جاتا ہے۔

اور چونکہ قلم کے ساتھ تعلیم دینے کی صورت یہ ہے کہ پہلے تو ذہن میں معانی مقرر ہوتے ہیں اس کے بعد خیال میں مناسب الفاظ کا لباس پہنتے ہیں اس کے بعد قلم کی وساطت سے وہ الفاظ خط کے نقوش کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اس کے بعد اس خط کو پڑھنے والے کے ادراک کا ہاتھ ان تک پہنچتا ہے۔ اور یہ صورتِ حال وحی اور قرآن کو نازل کرنے کے ساتھ پوری مشابہت رکھتی ہے اس لیے کہ کلام قدسی نے پہلے لوح میں الفاظ کی صورت اختیار کی اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیال کی لوح پر منقش ہوئی اور حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان کے ساتھ ہر خاص و عام تک پہنچی۔ اس لیے وحی کے امکان کو ثابت کرنے کے لیے اس نعمت کو لانا

marfat.com

Marfat.com

نہایت مناسب ہوا جس طرح قلم کے ذریعے ان چیزوں کو حاصل کرتے ہیں' قوتِ بشری بالکل حاصل نہیں کرسکتی اسی طرح وحی کے ذریعے وہ معلومات حاصل ہوتی ہیں جنہیں حاصل کرنا ناممکن ہے۔ چنانچہ فرمایا جارہا ہے:

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ انسان کو وہ تعلیم دی ہے جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

## تین اسباب علم کا بیان

اس لیے کہ آدمی میں علم کے اسباب تین چیزیں ہیں۔ پہلی چیز ظاہری اور باطنی حواس سلیمہ جن کی وجہ سے اپنے اندر مسلسل گردش کرنے والی چیزوں کا ادراک کرتا ہے جیسے بھوک پیاس، رضا، ناراضگی، خوف، امن، رنگ، بو، مزہ، آواز، گرمی اور سردی وغیرہ۔

دوسری چیز عقل: جسکی وجہ سے حواس ظاہری اور باطنی سے غائب اشیاء کا ادراک کرتا ہے۔ اور ادراک عقلی تین قسموں سے باہر نہیں ہے اس لیے کہ جس کا ادراک منظور ہے یا تو اس کے سبب کو حواس کے ساتھ دریافت کیا ہے۔ پس برہان لمی کی ترکیب رونما ہوگی۔ مثلاً چاہتا ہے کہ گھر میں دُھواں ہونے کو معلوم کرے اور اس نے اس گھر میں آگ جلنے کو معلوم کرلیا ہو وہاں سراغ لگالے گا کہ گھر میں دُھواں ہوگا اس لیے کہ آگ دھوئیں کا سبب ہے اور سبب مسبب کے بغیر نہیں رہتا۔

یا اس کے سبب کو دریافت کرکے اس کے پائے جانے کا حکم دیتا ہے۔ اور دلیل انی کی ترکیب کرتا ہے مثلاً دُور سے دُھواں معلوم کیا' سراغ لگالیا کہ وہاں آگ بھی ہوگی اس لیے کہ دُھوئیں کا وجود آگ کے بغیر محال ہے۔

یا ایک مسبب سے دوسرے مسبب کی طرف منتقل ہوگا اور اس دلیل کو لم اور ان کا مرکب درست کردے گا اس لیے کہ مسبب کا وجود سبب کے بغیر محال ہے اور سبب کا وجود دوسرے مسبب کے وجود کی علت ہے۔ مثلاً کسی جگہ دُھواں دریافت کیا اور آگ کی گرمی سے جو کہ وہاں موجود ہے' سراغ لگا کر یقین کرلیا کہ وہ مکان گرم ہوگا اس لیے کہ دُھواں بغیر آگ کے نہیں ہوتا اور جب وہاں آگ موجود ہوئی' گرمی بھی موجود ہوگی لیکن ان دو اسباب میں ایک کمی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص کے حواس ہر چیز تک نہیں پہنچتے اور عقل بھی مختلف

marfat.com

Marfat.com

اور جدا جدا ہے اور اس کے باوجود اسباب اور مسببات میں سے جو چیز عقل کی نظر سے پوشیدہ ہو اس کے ساتھ دلیل پکڑنے کا طریقہ ممکن نہیں ہے اس لیے علم حاصل کرنے کے لیے ایک اور سبب عطا فرمایا گیا ہے۔

اور وہ تیسرا سبب سچی خبر ہے جس کا اپنے ہم جنسوں سے ان کی محسوس کی ہوئی اور سمجھی ہوئی چیزوں کو سن کر یقین کرے اور مقاصد حاصل کرنے میں کام میں لائے اور چونکہ خبر دینے والا انسان بھی اس شخص کی طرح حواس اور عقل کے دام میں گرفتار ہے' وہ چیزیں جو انسانی حواس اور عقل کی حد سے بالاتر ہیں' انسانی احاطے سے باہر رہ گئیں' ان کی تعلیم وحی نازل کر کے دی گئی کہ علم الٰہی کی وحی عظیم فرشتوں کے واسطے سے انسان تک پہنچے اور کام آئے اور کشف، الہام، ہاتف غیبی اور امور غیبیہ کا سامنے آنا جو کہ اہلِ معرفت اور اولیاء اللہ کو انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے وسیلے سے اور ان کی پیروی کے طفیل حاصل ہوتا ہے' سب کچھ وحی کے تابع ہے۔

اور چونکہ مَالَمْ یَعْلَمْ کا معنی یہ ہے کہ قوتِ بشری میں اس کے علم کو حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو مَالَمْ یَعْلَمْ کے ذکر میں لغوی شبہ زائل ہو گیا ورنہ بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے کہ اس لیے کہ تعلیم ہوتی ہی اس چیز کی ہے جو کہ معلوم نہ ہو پس مَالَمْ یَعْلَمْ کا ذکر کی کیا ضرورت ہے۔

کلا جاننا چاہیے کہ حرف کلا ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے لیے لغت عرب میں استعمال کیا جاتا ہے پس اس سے پہلے ایسا کلام چاہیے جس کی طرف یہ ڈانٹ ڈپٹ متوجہ ہو جبکہ یہاں کوئی ایسا کلام جو رد اور باطل کرنے کے لائق ہو' بظاہر مذکور نہیں ہے اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ اس جگہ کلا بمعنی حقا ہے اس لیے کہ ڈانٹنے کی صورت میں بھی اس کے خلاف کو تاکید اور پختگی کے ساتھ اس کے ساتھ ثابت کیا جاتا ہے تو اس کلمے کا مفہوم ماسبق کو باطل اور حق کو ثابت کرنے سے مرکب ہے اور مجرد ہونے کی بناء پر اگر صرف تحقیق کے لیے استعمال کریں' جائز ہے لیکن حق یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک کلام پوشیدہ ہے جس کی طرف ہر شخص کا ذہن جاتا ہے اور یہاں لفظ کلا لانے سے اس کا رد اور باطل کرنا مقصود ہے۔

اس ابہام کی وضاحت یہ ہے کہ جب بندوں کی نسبت سے حق تعالیٰ کی اکرمیت کو

marfat.com
Marfat.com

بیان فرمایا گیا اور ارشاد فرمایا گیا کہ اس کا بے پناہ کرم ہر طرح سے پرورش اور تکمیل کی طرف متوجہ ہے حتیٰ کہ جو چیز ان کی وسعت سے باہر تھی انہیں اس کی تعلیم قلم کے واسطے دی گئی اور انہیں اس تدبیر کے ساتھ کارخانہ ہائے الوہیت سے آگاہ کیا گیا تا کہ وہ خلافتِ کبریٰ کے حکم کے ساتھ افعالِ ربوبیت کی پیروی کریں اور مخلوقات میں تصرف کریں اور ان میں ظلِ الٰہی اور تصرف ثابت ہو جائے۔ یہاں گنجائش تھی کہ اس کلام کے سننے والے کے دل میں شبہ گزرے اور وہ کہے کہ جب انسان دربارِ خداوندی میں اس قدر معزز اور مکرم ہے تو اسے ضرورت اور محتاجی کے بھنور میں کیوں گرفتار کیا گیا ہے اور اسے ہر مخلوق کے سامنے التجا کرنے والا بنایا گیا اور اسے ضرورت کی وجوہ اس قدر دی گئی ہیں اور دوسرے حیوانات اور مخلوقات کو ان کا سواں حصہ بھی نہیں دیا گیا۔

چنانچہ وہ کھانے میں آگ، چکی اور دوسرے آلات کا محتاج ہے۔ اپنی مرض میں دوا، طبیب، پنساری، جراح، فصد کھولنے والے اور ماہر امراض چشم کا محتاج ہے۔ علیٰ ہذا القیاس پہننے، رہنے اور راہ میں اسے جو ضرورت ہے بالکل ظاہر ہے۔ جبکہ دوسرے حیوانات کو اس قسم کی ضروریات بالکل نہیں ہیں اور اکرمیت اس معاملے کا تقاضا ہرگز نہیں کرتی اگر اس مخلوق پر انتہائی کرم پیش نظر تھا تو پہلے تو چاہیے تھا کہ اسے مقرب فرشتوں کی طرح محتاجی سے دور رکھا جاتا اور اگر اسباب خلافت کے حصول اور مخلوقات میں تصرف کی بناء پر اسے محتاج کیا گیا تھا تو چاہیے تھا کہ اسے وافر مال اور بے انتہا خزانے دیئے جاتے تا کہ محتاج نہ رہتا اور ذلیل نہ ہوتا اس شبہ اور اس اعتراض کے رد کے لیے لفظ کلا لایا گیا ہے۔

## قرآن مجید میں لفظ کلا والی ہر آیت مکی اور یہ لفظ نصف اوّل میں نہیں ہے

اور اس لفظ کی قرآن مجید میں دو خاصیتیں ہیں: ایک یہ کہ جہاں بھی یہ لفظ وارد ہوا یقین کے ساتھ جان لینا چاہیے کہ وہ آیت مکی ہے اور یہ لفظ مدینہ منورہ میں بالکل نازل نہیں ہوا ہے۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ یہ لفظ انتہائی سختی اور غضب پر دلالت کرتا ہے جبکہ مدینہ منورہ میں مخاطبین ایمان والے صحیح الاعتقاد لوگ تھے اگر کبھی ان سے کوئی فروگزاشت ہو جاتی تو ارشاد و نصیحت کے مقام میں پوری رحمت اور مہربانی کے ساتھ اس خطا کا تدارک فرمایا جاتا'

marfat.com
Marfat.com

سختی اور غضب کا کوئی تصور نہ تھا۔ بخلاف مکہ شریف کے مخاطبین کے جو کہ عنادی کافر اور سرکش مخالف تھے انہیں خطاب کرنے میں سختی اور غضب درکار تھا۔

دوسری خاصیت یہ کہ قرآن پاک کے نصف اوّل میں اس کلمے کا کوئی وجود نہیں جبکہ نصف آخر خصوصاً آخری پاروں میں یہ لفظ بہت زیادہ واقع ہوا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ ابتدا میں سمجھانا اور ہدایت دینا مراد ہے جس کا دارومدار نرمی پر ہے۔ اور جب ایک شخص نصف قرآن پاک تک پڑھتا چلا گیا اور ارشاد و فہمائش سے بالکل درست نہ ہوا تو سختی کے لائق ہو گیا خصوصاً جب قرآن پاک کے آخر تک پہنچ گیا اور اس کے مواعظ اور نصیحتوں سے بالکل بہرہ ور نہ ہوا تو مزید زجر و توبیخ کا مستحق ہو گیا۔ تو کلام پاک کے آخر میں یہ لفظ ضروری ہو گیا اسی لیے جب بے ادبی کا مرتکب کوئی شخص پند و نصیحت کے ساتھ راستے پر نہیں آتا تو تعزیر اور رسوائی کا مستحق قرار پاتا ہے اور ان دو خصوصیتوں کو بیان کرنے کے لیے اہل تفسیر نے ایک بیت کہا ہے جو یہ ہے

وما نزلت كلا بيثرب فاعلمن، ولاجاء فى نصفه الاعلىٰ

یعنی مدینہ عالیہ میں کلا کا لفظ نازل نہیں ہوا تو اسے یاد رکھو اور نہ ہی قرآن پاک کے پہلے نصف میں آیا ہے۔

اور جب یہ تمہید معلوم ہو گئی اب آیات کی تفسیر شروع کی جاتی ہے فرمایا جا رہا ہے:

كَلَّآ مقدمہ یوں نہیں ہے کہ آدمی کی غربت اور احتیاج اللہ تعالیٰ کے کرم کی کمی کی وجہ سے ہے بلکہ اس کا ایک اور سبب ہے اس لیے کہ

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى تحقیق آدمی خدا اور بندوں پر سرکشی کرتا ہے اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى جبکہ اپنے آپ کو مال، مرتبے، صحت، قوت اور لاپرواہی کے دوسرے اسباب کے ساتھ غنی دیکھتا ہے۔ پس اگر اسے بہت سی وجوہ کے ساتھ محتاجی نہ ہو تو اس کی سرکشی اور زیادہ بڑھ جائے اور اس کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ پس یہ کرم کے کمال کا تقاضا ہے کہ اسے کئی طرفوں کی احتیاج کے ساتھ سرکشی سے باز رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِى الْاَرْضِ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے

marfat.com
Marfat.com

لیے رزق کے اسباب کشادہ کردے تو حد سے گزر جائیں اور زمین میں سرکشی کریں حالانکہ آدمی کا یہ عقیدہ بالکل غلط اور بیہودہ ہے' اسے کسی صورت میں بھی اپنے پروردگار سے لاپرواہی کا تصور نہیں ہو سکتا بلکہ

اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰى تحقیق تمام حالات میں تیرے پروردگار کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ اور ہم اسے ایک مثال دے کر واضح کرتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کو اگر اچھا کھانا میسر آیا اور اس نے معلوم کیا کہ آج مجھے بھوک کی حاجت سے بے پروائی حاصل ہوگئی۔ اس سے پوچھنا چاہیے کہ تجھے کھانے اور چبانے کی قوت کون دے گا؟ اس کے بعد کون ہے جو تجھے قے وغیرہ سے محفوظ رکھے گا؟ اس کے بعد ہاضمے کی قوت، غذا دینا، روکنا، اس غذا کے فضلوں کو بول و براز کی راہ سے دُور کرنا، غذا کو زہر بننے سے روکنا یا ہیضہ کا موجب ہونے سے روکنا کس کی طرف سے ہے؟ اور یہ سب احتیاج کی وجوہ ہیں جو کہ نعمت ملنے اور غنا حاصل ہونے کی حالت میں ہیں۔ اور اس کے بعد جب جسم کی بنیاد کمزور پڑ جائے اور جسم سے روح جدا ہو جائے' ایک اور رجوع آخرت میں رونما ہو۔ سرکشی کے سبب کا سوال کیا جائے اور اس کا انتقام لیں اس وقت جو احتیاج ہے اس کی انتہا نہیں ہے۔

بلکہ اگر عقل مند انصاف کرے اور اپنے دل میں سوچے تو غنا کی حالت میں اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا زیادہ محتاج سمجھے اس لیے کہ فقیر کو تو یہی آرزو ہے کہ اس کی جان سلامت اور جسم درست رہے اور اسے ایک دن کی روزی مل جائے جبکہ دولت مند کو جان، مال، مرتبہ اور اہل و عیال سب کی سلامتی درکار ہے اور اس کی ضرورت کی وجہیں فقیر کی وجوہ ضرورت سے زیادہ ہیں۔

یہاں اکثر لوگوں کے دل میں خیال گزرتا ہے کہ مال سرکشی کا سبب ہوتا ہے۔ بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ کثیر المال تھے جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت امیر المومنین عثمان النورین رضی اللہ عنہما اس وجہ سے سرکشی میں کیوں ملوث نہ ہوئے بلکہ حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیوی مال میں اس قدر وسعت اور تونگری کیوں عطا کی گئی کہ آپ نے بیت المقدس کے درو دیوار کو سونے اور جواہرات کے ساتھ

marfat.com
Marfat.com

جڑاؤ کیا اور زینت دی اور انہیں بے شمار اسباب اور آلات سے بھی نوازا گیا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مال کو مطلقاً سرکشی کا سبب قرار نہیں دیا گیا بلکہ خود کو مال کے ساتھ غنی سمجھنا اور دربارِ خداوندی میں بندے کو جو محتاجی ہر آن اور ہر حال لاحق ہے اس سے غافل ہونا، مال کے حصول کو اپنی کوشش و کاوش کی طرف منسوب کرنا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و عنایت سے نہ سمجھنا سرکشی کا سبب ہے۔ جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور صحابہ کبار علیہم رضوان کے پاس اگرچہ مال کی کثرت تو تھی مگر ایسا عقیدہ نہیں تھا بلکہ جو شخص ان بزرگوں کی سیرت کا مطالعہ کرے' یقین کے ساتھ جان لے کہ فقیروں کے ساتھ مل بیٹھنا اور ان کے ساتھ ایثار سے پیش آنا جتنا ان سے صادر ہوتا تھا' دوسروں سے نہیں ہوتا تھا۔ گویا انہوں نے اس معاملے کو مال کی زہر کا تریاق قرار دے کر زیادہ اپنایا ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں وارد ہے کہ نعم المال الصالح للرجل الصالح اچھا مال اچھے آدمی کے پاس کیا ہی بہتر ہے۔

اور جب ثابت ہو گیا کہ آدمی کی محتاجی زیادہ ہونے کی وجہ بھی ہے کہ بے احتیاجی کی صورت میں سرکشی کرتا ہے' اپنے منعم حقیقی سے غافل ہو کر نعمتیں دیکھنے میں غرق ہو جاتا ہے اس گمان کی گنجائش پیدا ہو گئی کہ کوئی لاپرواہی کرنے والوں میں سے کسی کا ایک حال بطور مثال پوچھے کہ اس کی استغناء کس طرح سرکشی کا موجب ہوئی ہے؟ مثال بیان کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جو کہ منع کرتا اور روکتا ہے عَبْدًا اِذَا صَلّٰی بندے کو جب نماز ادا کرنا چاہیے حالانکہ بندہ وہ ہے جو کہ دل و زبان' ہاتھ اور پاؤں کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت کرے اور اس قسم کی جامع عبادت نماز کے سوا اور کوئی نہیں اور خدا تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ ہر عبادت کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے۔ پس اس شخص نے بندے کا حق بھی ضائع کر دیا اور خدا تعالیٰ کا بھی۔ پس اس کی سرکشی خدا تعالیٰ پر ثابت ہو گئی۔

یہ شخص ابوجہل لعین تھا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد حرام میں نماز سے بار بار

marfat.com
Marfat.com

روکتا تھا اور کہتا کہ اگر میں نے تمہیں زمین پر پیشانی رکھتے دیکھ لیا تو معاذ اللہ گردن اُڑا دوں گا۔ اور اگرچہ یہ آیت اس لعین کے بارے میں اُتری ہے لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منع کرتا اور روکتا ہے اس وعید اور مذمت میں شامل ہے۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

اور وہ جو فقہاء نے لکھا ہے کہ غصب کی ہوئی جگہ میں نماز پڑھنے سے روکا جائے اور پانچ مکروہ اوقات میں' طلوع آفتاب کے وقت، غروب آفتاب کے وقت، بالکل زوال کے وقت نماز عصر پڑھنے کے بعد مغرب تک اور طلوع فجر کے بعد طلوع آفتاب تک بھی روکنا چاہیے اور اگر مالک اپنے غلام اور لونڈی کو نماز تہجد سے اس لیے روکے کہ شب بیداری کی وجہ سے خدمت میں کوتاہی کریں گے تو اسے حق پہنچتا ہے۔ (اقول وباللہ التوفیق- یاد رہے کہ یہ زرخرید غلام اور لونڈی کی بات ہے جو کہ آج ہمارے ہاں بالکل نہیں پائے جاتے اس لیے کوئی زمیندار، سرمایادار وغیرہ ملازموں کو نہیں روک سکتا کیونکہ یہ لوگ ان کے مالک نہیں ہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ) اور اسی طرح خدمت کے وقت نفل نماز سے منع کر سکتا ہے اور خاوند اپنی بیوی کو اعتکاف سے روک سکتا ہے اور نفلی روزے سے بھی اس لیے روزہ کی حالت میں اس سے مباشرت اور دیگر چیزوں کا استفادہ نہیں ہوسکتا۔

تو سب کچھ اس بناء پر ہے کہ یہ روکنا چونکہ دوسری مصلحتوں کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے۔ درحقیقت یہ عبادت سے روکنا نہیں ہے بلکہ ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف منتقل ہونا ہے۔ جبکہ بعض اکابرین ادب کی رعایت کرتے ہوئے اس روکنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ عیدگاہ میں تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ نمازِ عید سے پہلے نفل پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں یہ بات پہنچادو کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہاں نوافل ادا فرماتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ وہ لوگ اس اشارے سے اپنے کام سے نہ رُکے۔ لوگوں نے عرض کی یا امیر المومنین انہیں ڈانٹ کر روکنا چاہیے۔ فرمایا میں اس آیت سے ڈرتا ہوں کہ اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى لیکن اس ادب کی رعایت بھی اسی

marfat.com

Marfat.com

طرح کے مقامات میں کرنا چاہیے کہ جہاں صریح نہی وارد نہ ہوئی ہو۔ ورنہ الامر فوق الادب

اور جب استغناء حاصل ہونے کی وجہ سے ہر شخص کے سرکش ہونے کی مثال بیان فرما دی گئی تو اس مرض کے علاج کا طریقہ بھی بیان فرمایا جارہا ہے کہ:

اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْهُدٰۤی اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی کیا تو نے اس سرکش کو دیکھا کہ اگر ہدایت پر ہوتا یا لوگوں کو تقوے کا حکم دیتا یعنی اپنی سرکشی کا علاج کرتا اور روحانی صحت حاصل کرتا یا اس سے بھی ترقی کر کے تکمیل وارشاد کے مرتبے کو پہنچ جاتا اور نماز سے روکنے کے بجائے لوگوں کو تقویٰ اور درستی کا حکم دیتا۔

اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی کیا تو نے اسی سرکش کو دیکھا کہ اس نے دین پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کی اور راہِ حق پر چلنے سے روگردانی کی' دونوں حالتوں میں جزا پائے گا۔ پہلی حالت میں اچھی جزا اور دوسری حالت میں سزا۔ اور جزا کا لحاظ کرنا سرکشی کا علاج ہے اور اگر اسے جزا واقع ہونے کے متعلق کوئی شک ہو تو اسے سمجھانے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ

اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی کیا وہ جانتا نہیں کہ حق تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کا دیکھنا جو کہ جزا پر قادر ہو اور اس کی حکمت جہان کے ذرات میں سے ہر ذرے میں سورج سے بھی زیادہ ظاہر اور واضح ہے' جزا کا عقیدہ رکھنے کے لیے کافی ہے اس لیے کہ قادر ہونا جزا کے جواز کو چاہتا ہے جبکہ حکمت اور عدل اس کے واجب ہونے کا تقاضا کرتے ہیں اور ہر اچھے بُرے عمل کو دیکھنا نیکوکار اور بدکار کے امتیاز کے لیے کافی ہے پس جو قادر ہونے کے باوجود دیدہ دانستہ نیک اور بد میں فرق نہ کرے اور ہر کسی کو اس کی سزا نہ پہنچائے' وہ ایک گھر کی سرداری کے قابل نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ خدا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت ہر کسی پر بالکل ظاہر ہے اور جو پوشیدہ ہے' وہ اس کا بنی آدم کے اچھے بُرے اعمال پر مطلع ہونا ہے کہ آدمی کی بصیرت کی نگاہ پر شہوت اور غضب اور جہل مرکب کی تہیں جما کر اسے اس اطلاع سے غافل کردیا جاتا ہے۔ ناچار اسی اطلاع کے ذکر پر کفایت کی گئی۔

marfat.com

Marfat.com

كَلَّا مقدمہ یوں نہیں ہے کہ اسے بے مقصد چھوڑ دیا جائے اور اس کی دنیوی عزت اور مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے درگذر کی جائے۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ اگر اس ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ سرکشی سے باز نہ آئے۔

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ تحقیق ہم اسے اس کی پیشانی کے بالوں سے ضرور کھینچیں گے جو کہ انتہائی ذلیل وخوار کرنا ہے کیونکہ انسانی جسم کے اعضاء میں سب سے زیادہ معزز ہے۔ اسی لیے تعظیم کے موقع پر بادشاہوں اور دولت مندوں کے سر کی قسم کا رواج اور معمول ہے۔ اور جب اسے اس قدر ذلیل کریں تو انتہائی ذلت ہوگی اور پیشانی کو خاص کرنے میں ایک اور نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی میں سرکشی کا سبب اسی عضو کے حوالے کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ظاہری حواس خمسہ۔ وہم اور خیال جو کہ تکبر اور سرکشی کا سرمایہ ہے اسی عضو میں اور اس کے پڑوس میں رکھے گئے ہیں۔ نیز سرکشی کا لفظ بھی اس عضو کی شرارت کا پتہ دیتا ہے۔ پس اسے اس عضو کے ساتھ سزا دی جارہی ہے جیسا کہ چور کے لیے ہاتھ کاٹنے کی سزا مقرر کی گئی ہے اس لیے کہ چوری کا آلہ وہی ہے۔

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ وہ پیشانی جو کہ جھوٹی اور خطاکار ہے۔ یعنی سرکشی کی حالت میں اس پیشانی کے بعض اجزاء اور ان قوتوں کے ساتھ جو کہ اس پیشانی میں سپرد کی گئی ہیں' جھوٹی لافیں مارتا اور بے دریغ گناہ کرتا تھا۔ کبھی مسکینوں اور عاجزوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا' کبھی اس حرکت پر پیشانی پر بل ڈال کر بیٹھتا جو اس کی مرضی کے خلاف ہوتی۔ اور کبھی حقیر سمجھنے اور مذاق کرنے کے موقع پر سر ہلاتا تو یہ پیشانی اسی لائق ہے کہ اسے اس قدر ذلیل کیا جائے اور پیشانی کے جن بالوں کو بڑی آب وتاب کے ساتھ رکھتا' کنگھی کرتا اور خوشبودار تیل لگاتا تھا' انہیں پکڑ کر خاک میں ملا کر کھینچا جائے۔

اور مفسرین نے لکھا ہے کہ خاطی مخطی سے بدتر ہے اس لیے کہ لغتِ عرب میں خاطی اسے کہتے ہیں جو جان بوجھ کر گناہ کرے جبکہ مخطی وہ ہے جو عمداً نافرمانی نہ کرے اسی لیے خاطی کے لیے قرآن مجید میں انتہائی شدید عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

اور وہ غسلین کھاتا ہے‘ غسلین جہنمیوں کی پیپ ہے جو کہ گرمی کی وجہ سے ان کا گوشت اور چربی جلنے کی بناء پر نکلے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مِنْ غِسْلِيْنَ لَا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ جبکہ مخطی کے لیے عفو و درگزر کا وعدہ ہے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کے سامنے ان کی تلاوت فرمائی۔ ہوتے ہوتے بات ابوجہل لعین تک جا پہنچی۔ اس نے غصے میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سختی کرنا شروع کر دی اور کہنے لگا کہ کچھ پتہ ہے کس کو ڈرا رہے ہو؟ اگر میں چاہوں تو یہ سارا صحرا سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ لیکن تمہارے لیے اور تمہاری قوم کے لیے تو وہی لوگ کافی ہیں جو کہ ہر روز صبح و شام میرے دربار میں حاضری دیتے ہیں اگر میں انہیں بلا لوں تو تم پر اس کی حقیقت کھل جائے۔ اس ملعون کے جواب میں میں ایک اور آیت آئی کہ

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ پس چاہیے کہ وہ اپنی محفل والوں کو بلا لے یعنی جو لوگ صبح شام اس کی محفل میں حاضر آتے ہیں‘ موت کو روکنے‘ روحیں قبض کرنے والے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فوج اور لشکر سے مدد حاصل کرے اس لیے کہ ہم بھی اس کے مقابلے کے لیے اپنے حقیر بندوں کو بھیج دیں گے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے:

سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ہم جلد ہی زبانیہ کو بلا لیں گے۔ اور اصل لغتِ عرب میں زبانیہ جیل کے ان سپاہیوں کو کہتے ہیں جو کہ لوگوں کے کندھے باندھ کر انہیں جیل میں ڈالتے ہیں اور یہاں وہ فرشتے مراد ہیں جو کہ دوزخ پر مقرر ہیں اور وہ لوگوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دوزخ میں ڈالیں گے۔ اس جیل میں ابوجہل لعین کے لیے اس وعید کے مطابق ہی اتفاق ہوا کہ بدر کے دن مارا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر مسلمانوں نے اسے پیشانی کے بالوں سے کھینچ کر ناپاک گڑھے میں ڈال دیا۔ اس کے کان میں سوراخ کر کے اس میں رسی ڈال کر اس کی قتل گاہ سے گڑھے تک کھینچ کر لے گئے اس کے مرتے ہی اس کی روح کو دوزخ پر مقرر فرشتوں نے کھینچ کر جہنم رسید کر دیا

marfat.com
Marfat.com

اس کے ساتھیوں اور ہم مجلسوں میں سے کوئی بھی اس مشکل وقت میں اس کے کام نہ آیا۔

اور زبانیہ کی تعداد کے متعلق قرآن پاک میں دوسرے مقام پر جو کچھ آیا ہے یہ ہے کہ کفار میں سے ہر ایک کے لیے انیس (۱۹) افراد مقرر ہیں جو کہ اسے پکڑ کر دوزخ میں ڈالتے ہیں۔ انیس (۱۹) کی تخصیص کی وجہ سورۂ مدثر کی تفسیر میں مذکور ہے۔

## جہنم کے موکلوں کے اوصاف کا بیان

اور بعض روایات میں وارد ہوا کہ ان کا جسم اس قدر کھلا اور وسیع ہے کہ ان کے پاؤں زمین میں اور سر آسمان تک پہنچتے ہیں' ان کے سردار کا نام مالک ہے' اٹھارہ (۱۸) اور ہیں جن کی آنکھیں بجلی کی طرح چمکتی ہیں' ان کے دانت بارہ سنگے کے سینگوں کی طرح پیچ در پیچ' ان کے جسم کے بال اس حد تک لمبے ہیں کہ زمین پر کھنچتے چلے جاتے ہیں' ان کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں' ان کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک سال کا فاصلہ ہے' ان میں ہر ایک کے ہاتھ کی ہتھیلی میں ستر (۷۰) ہزار افراد کی گنجائش ہے۔

اور لفظ زبانیہ کی تحقیق میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جمع کا صیغہ ہے جس کا مفرد نہیں ہے۔ بعض کہتے کہ اس کا مفرد زبنیت ہے جیسا کہ عفریت یہ زبن سے مشتق ہے جس کا معنی دفع کرنا ہے اور زبنیت ہر سرکش کو کہتے ہیں' انسانوں سے ہو یا جنات سے۔

اور جب اس سرکش کے حال اور انجام کے بیان سے فراغت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لعین کی مخالفت کا حوصلہ دِلایا گیا اور فرمایا گیا کہ کَلَّا اس سے مت ڈریں اور اس کے ڈرانے کو کسی گنتی میں نہ لائیں۔

لَاتُطِعْهُ اس کی اطاعت نہ کریں۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کریں اور سجدے کی عبادت سے اس کے دربار میں قرب حاصل کریں۔ اور اگر چہ وہ لعین ساری نماز سے ہی روکتا تھا لیکن وہ سجدہ کرنے پر زیادہ سختی کرتا تھا اس لیے کہ ارکان نماز میں سے سجدہ تکبر اور سرکشی کے بہت زیادہ منافی ہے۔ اس کے مزاج پر اس خلق بد کا بہت غلبہ تھا اس لیے یہ حرکت اس کی طبیعت کے بالمقابل مطابق نہ تھی۔ خود سجدہ کرنے کا

marfat.com

Marfat.com

کیا امکان دوسرں سے دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس بناء پر اس کی مخالفت کے مقام میں سجدے کا حکم دیا گیا تا کہ اس کی ناک خاک آلود ہو۔

نیز جب اس ملعون کو تکبر اور سرکشی کی جزا میں پیشانی کے بالوں سے کھینچنے سے ڈرایا گیا' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شکریہ کے طور پر اس بات کی دلالت کی گئی کہ آپ عاجزی کے ساتھ اپنی پیشانی کو ہمارے حضور خاک پر رکھیں کہ ہم نے آپ کے دشمن کی پیشانی کو آپ کے انتقام کے لیے مٹی میں ملا دیا۔

نیز جب سجدہ قربِ خداوندی کے حصول کا باعث ہے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا حکم دیا گیا اور ارشاد ہوا کہ آپ سجدہ میں مشغول ہوں تا کہ بارگاہِ خداوندی میں آپ کو پورا قرب حاصل ہو اور آپ کا کمال سر بلند ہو اور آپ کا دشمن خود بخود مغلوب اور ذلیل ہو اس لیے کہ بارگاہِ خداوندی میں آپ کا قرب جس قدر بڑھے گا' آپ کے دشمن اسی قدر مغلوب ہوں گے۔

## حالت سجدہ میں قرب کی زیادتی کی وجہ

اور سجدہ کی حالت میں قرب کی زیادتی کی وجہ یہ ہے کہ اس حالت میں آدمی اپنی اصل کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو کہ خاک ہے۔ اپنی اصل کی طرف توجہ جتنی زیادہ ہو گی قربِ خداوندی اتنا ہی زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس دربار سے وجود کا فیض اسی راہ سے پہنچا ہے۔ خود کو پھر اسی دروازے پر جہاں سے آیا تھا' پہنچاتا ہے اور رجوع الی اللہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اقرب مایکون العبد من ربه وھوساجد فاکثروا فیه من الدعآء یعنی سجدے کی حالت میں بندے کو اپنے پروردگار کے حضور انتہائی نزدیکی اور قرب حاصل ہوتا ہے کہ پس اس حالت میں دعا بہت زیادہ دعا کرنا چاہیے تا کہ قبول ہو۔

اور یہ آیت سجدہ تلاوت کی آیات میں سے ہے' اسے پڑھنے سے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور صحیح حدیث پاک میں وارد ہے کہ ابوجہل نے لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب بھی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کعبہ کے

marfat.com

Marfat.com

سامنے آئیں اور سجدہ کریں' مجھے خبر دینا تا کہ ( معاذ اللہ) میں گردن پر پاؤں رکھوں اور اسے قتل کر دوں۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے سامنے نماز میں کھڑے تھے کہ اس بدبخت کو کسی نے خبر دے دی' وہ وعدے کے مطابق آیا جب حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے قریب پہنچا تو پچھلے پاؤں لوٹا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو ڈھال بنا کر گویا کسی چیز سے بچ رہا ہے۔ یہاں تک کہ دو تین بار ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور وہ واپس چلا گیا۔ جو لوگ یہ واقعہ دیکھنے کے لیے جمع ہوئے تھے' انہوں نے اس سے پوچھا کہ تجھے کیا ہو گیا کہ تو واپس لوٹ آیا؟ اس نے کہا کہ میرے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ایک آتشیں خندق پیدا ہو گئی تھی۔ اس خندق کے کنارے فرشتوں کے پر نظر آ رہے تھے' مجھے شدید خوف محسوس ہو رہا تھا اور ایک بہت بڑا اژدہا میری طرف قصد کر رہا تھا اگر میں واپس نہ ہوتا تو جل جاتا اور اژدہا مجھے ہلاک کر دیتا' ناچار مجھے لوٹنا پڑا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا حالت تھی؟ بولا کہ یہ شخص ایک زبردست جادوگر ہے' میں اس پر غالب نہیں آ سکتا۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ لعین میرے نزدیک آتا تو فرشتے اس کے پرخچے اُڑا دیتے اور وہ باقی نہ رہتا۔

## سورۃ اقرء کے فوائد و نکات کا بیان

اور اس سورۃ سے متعلق فوائد اور نکات میں سے ایک یہ ہے کہ اس سورۃ کی پانچ آیات نزول قرآن کی ابتدا میں اُتریں جبکہ باقی آیات کافی عرصے کے بعد ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئیں لیکن رب العزت کے حکم سے ان آیات کو گزشتہ آیات کے ساتھ ایک جگہ کر دیا گیا اور مناسبت کی وجہ دوران تفسیر بیان کی جا چکی ہے۔

نیز اس سورۃ میں اُن سَبْعِیْ عُلُوْمْ کو ثابت کرنے کی طرف اشارہ ہے جو کہ نقل اور کتابت پر موقوف ہیں۔

نیز اس سورۃ میں ایک عجیب نکتہ ہے اس لیے کہ اس سورۃ کا پہلا حصہ فضیلت

marfat.com
Marfat.com

علم پر دلالت کرتا ہے جبکہ باقی حصہ مال کی مذمت پر مبنی ہے تو یہاں سے اس بات کا سراغ لگانا چاہیے کہ علم ایک چیز ہے جو کہ مرغوب ہے جبکہ دنیا کا مال نفرت اور بے رغبتی کے قابل ہے۔

نیز اس سورۃ میں جہاں علم اور لکھنے کی تعلیم کی نعمت کا ذکر کیا گیا ہے وہاں ذاتِ حق کو صفتِ اکرم کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے کہ وربك الاکرم جبکہ سورۃ الانفطار میں جہاں تخلیق اور ظاہری باطنی اعضاء کو معتدل کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے' کریم کی صفت لائی گئی ہے کہ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّاشَآءَ رَكَّبَكَ ظاہر ہے کہ اکرم بہت زیادہ کریم کو کہتے ہیں جبکہ کریم صرف کرم پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ نعمت علم صحت' حسن اور جمال کی نعمت سے بہت زیادہ ہے۔

نیز اس سورۃ میں اس اُمت کے فرعون ابوجہل کے بارے میں لَيَطْغٰى فرمایا گیا جو کہ لام تاکید سے موکد ہے اس کا صیغہ استمرار تجددی کا صیغہ ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے بارے میں اس کی سلطنت' عزت اور مرتبہ کے کمال کے باوجود دوسرے مقام پر تاکید استمرار کے بغیر لفظ طغیٰ فرمایا گیا ہے جو کہ اس بات کا اشارہ ہے کہ فرعون اس قدر کمال اقتدار کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صرف باتوں اور ظاہری کلام کے ساتھ ہی ستاتا تھا جبکہ اس لعین نے اپنے مرتبے کی کمی کے باوجود بارہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا قصد کر کے معاذ اللہ ختم کرنا چاہا۔

نیز فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی ابتدائی عمر میں اچھا سلوک کیا تھا اور آخر میں اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ اس کے تکبر میں قدرے کمی ہوئی۔ بخلاف ابوجہل لعین کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپنے سے ہی آپ کے ساتھ حسد کرتا تھا آخری لمحات میں بھی تکبر کے الفاظ کہہ کر واصل جہنم ہوا کہ لو غیرك قتلنی یعنی میرا مرتبہ یہ نہ تھا کہ میں مدینہ کے مزارعین کے ہاتھوں مارا جاؤں۔

marfat.com
Marfat.com

نیز جب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کا سر کاٹنے کے لیے اس کے سینے پر بیٹھے تو اس نے متکبرانہ لہجے میں کہا کہ یاراعی الغنم لقدارتقیت مرتقی صعبا اے بکریوں کے چرواہے! تو بہت اونچے مقام پر بیٹھا ہے۔ نیز اس نے کہا کہ ھل اعمد من رجل قتلتموہ یعنی جسے تم نے قتل کیا ہے اس سے کوئی اور اونچا آدمی جہان میں ہے؟ پس ان وجوہ کی بناء پر اس کی سرکشی اور تکبر فرعون کے تکبر سے زیادہ ہوا اور تاکید کے اس لفظ کا مستحق ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

# سورۂ قدر

مشہور ہے کہ مکی ہے لیکن اس کے نزول کے سبب میں جو واقعات مفسرین بیان کرتے ہیں وہ دلالت کرتے ہیں کہ مدنی ہوگی اس لیے بنی اسرائیل کے واقعات مدینہ شریف میں ذکر کیے جاتے تھے اور منبر بھی اس شہر کریم میں بنایا گیا۔ اس سورۃ میں پانچ (۵) آیات' تیس (۳۰) کلمات اور ایک سو بارہ (۱۱۲) حروف ہیں۔

## سبب نزول

اس کے نزول کا سبب چند چیزیں ہیں۔ پہلی چیز یہ ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے پاس بنی اسرائیل کے حالات بیان فرما رہے تھے۔ اسی دوران آپ نے شمعون یا سمنون نامی ایک زاہد کا ذکر فرمایا جو کہ بنی اسرائیل میں ہو گزرا ہے اور عبادت کی کثرت میں اس کی مثال بیان کی جاتی ہے کہ وہ ہزار ماہ تک عبادت میں مصروف رہا' ہر روز روزہ رکھتا اور کفار کے ساتھ جہاد کرتا اور رات کو نماز ادا کرتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے عرض کی کہ یارسول اللہ ہم اس قسم کے آدمی کے ثواب تک کیسے پہنچ سکتے ہیں کہ ہماری سب کی عمریں ساٹھ (۶۰) سے ستر (۷۰) سال تک ہوتی ہیں۔ اس عمر کا ایک حصہ جو اس کا ایک تہائی ہوگا' ہم سو کر گزارتے ہیں۔ ایک حصہ اپنی روزی کے اسباب کھانے پینے اور دوسری ضرورتوں میں صرف کرتے ہیں' ایک حصہ بیماریوں' سستی اور کاہلی میں ضائع ہو جاتا ہے' عبادت اور طاعت کے لیے کیا کچھ بچتا ہے۔ سرکار علیہ

marfat.com

Marfat.com

الصلوٰۃ والسلام بھی باتیں سُن کر ایک گونہ متفکر ہوئے۔ حق تعالی نے یہ سورت بھیجی۔ یعنی گرچہ تمہاری عمریں چھوٹی ہیں لیکن ہم نے تمہیں ایک ایسی رات عطا فرمائی ہے جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی اُمت کی عمریں دکھائی گئیں جو کہ زیادہ تر ساٹھ (۶۰) اور ستر (۷۰) کے درمیان تھیں' حضور علیہ السلام نے غم ناک ہو کر فرمایا کہ اتنی عمر میں میری اُمت کیا کر سکے گی' کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن پہلی اُمتیں طویل عمروں کی عبادتوں کا ثواب پائیں اور میری اُمت اپنی قلیل عبادات کی وجہ سے شرمندہ ہو۔ اللہ تعالٰی نے آپ کے قلب مقدس کی تسلی کے لیے یہ سورت بھیجی۔

تیسری چیز یہ ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دکھایا گیا کہ بنی اُمیہ کے ظالم لوگ آپ کے منبر پر یکے بعد دیگرے بندروں کی طرح کود کر بیٹھ جائیں گے اور رعایا پر ظلم وستم کریں گے' آپ پر یہ امر بہت شاق ہوا۔ آپ کی تسلی کے لیے یہ سورۃ نازل ہوئی۔ ہزار ماہ سے مراد بنی اُمیہ کی سلطنت کی مدت ہے کہ ان کی بادشاہی کا زمانہ اسی قدر تھا۔ (۴۰ھ سے ۱۳۲ھ تک بنو اُمیہ کی حکومت رہی جسکی مجموعی مدت بانوے (۹۲) برس ہوتی ہے۔ جبکہ ہزار ماہ کے کچھ اوپر تراسی (۸۳) سال بنتے ہیں۔ نیز اس روایت کی صحت میں اختلاف ہے۔ فتدبر)۔

## وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۃ القدر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں لیلۃ القدر کا ذکر ہے۔

## لیلۃ القدر کی وجہ تسمیہ

اور لیلۃ القدر کو اس نام سے منسوب کرنے کی دو وجہیں ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ قدر بمعنی مقدار اور رُتبہ کے ہے۔ اس رات میں بنی آدم کے صلحاء اور عبادت گزاروں میں سے ہر ایک کا رُتبہ ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰی کے حضور ان کے کمائے ہوئے درجات قرب ثابت ہو جاتے ہیں۔ گویا پورے سال کی عبادت کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ فرشتے اور ارواح

marfat.com
Marfat.com

ہر کسی کے مقام اور منصب کو معلوم کر لیتے ہیں اور اطلاع پاتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قدر بمعنی بزرگی ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں قدر والہ یعنی بزرگی والا ہے۔

## شب قدر کی بزرگی کی چند وجوہ

اور یہ رات چند وجوہ کی بناء پر دوسری راتوں پر شرف اور مرتبہ رکھتی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس رات میں شام سے صبح تک تجلی الٰہی کی توجہ بندوں کی طرف ہوتی ہے' انہیں دربار خداوندی میں قرب معنوی حاصل ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتے اور ارواح نیکوں اور عبادت گزاروں کی ملاقات کے لیے آسمان سے زمین پر آتے ہیں' ان کی حاضری اور اجتماع کی وجہ سے عبادات کی کیفیت اور نیکیوں کی لذت دوسری راتوں کی عبادات کی کیفیت سے ہزاروں مرتبہ زیادہ ہو جاتی ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک کا نزول اسی رات میں واقع ہوا اور یہ ایسا شرف ہے جس کی انتہا نہیں ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ فرشتوں کی تخلیق بھی اسی رات میں ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ بہشت کے باغ میں پودے اسی رات میں لگائے جاتے ہیں۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا مادہ جمع فرمانا بھی اسی رات میں ہے۔

اور صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جس نے کئی سال جہازوں کی ملاحی میں گزارے تھے۔ ایک دن آپ سے کہنے لگا کہ میں سمندر کے عجائبات میں ایک چیز کا تجربہ رکھتا ہوں جس میں میری عقل حیران ہے۔ سال کی ایک رات سمندر کا پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب وہ رات آئے تو مجھے مطلع کرنا تا کہ میں دیکھوں کہ وہ کون سی رات ہے اس میں کیا بزرگی ہے۔ اس غلام نے رمضان پاک کی ستائیسویں رات کو آپ سے کہا کہ یہ وہی رات ہے۔

marfat.com
Marfat.com

حاصلِ کلام یہ کہ اس سورۃ کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اوقات' متبرک مقامات اور نیکوں کی حاضری اور اجتماع کی وجہ سے عبادات اور طاعات کے لیے اجر وثواب اور برکات وانوار عطا کرنے میں عظیم برتری حاصل ہوتی ہے۔ نیز معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عبادات اور نیکیوں کا اجر مشقت اور تکلیف کے اندازے پر رکھنا اس صورت میں ہے جب اس فضیلت کے اعتبار سے برابر ہوں۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اجرك علي قدر نصبك یعنی تیرا اجر تیری تکلیف کے مطابق ہے لیکن چونکہ ان فضیلتوں کے ساتھ درجات میں فرق پڑ جاتا ہے پس نیکیوں کا ثواب رنج ومشقت کے اندازے پر نہیں ہے۔ فضیلت والے وقت' متبرک مقامات اور نورانی اجتماع میں چند لمحوں کا ثواب بے شمار نیکیوں سے بہتر اور زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔

## لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت

نیز جاننا چاہیے کہ اس عظمت اور بزرگی کے باوجود لیلۃ القدر کو لوگوں کی دانست سے مخفی رکھا گیا ہے جیسا کہ جمعہ کے دن میں دعا کی قبولیت کی گھڑی' پانچ نمازوں کے درمیان نماز وسطیٰ' اسمائے الٰہی کے درمیان اسم اعظم' نیکیوں کے درمیان مقبول نیکیاں اور لوگوں کے درمیان ولی اللہ کو مخفی رکھا گیا تاکہ جستجو میں رہیں اور ساری راتوں' ساری نیکیوں' ساری نمازوں' تمام اسمائے حسنیٰ اور تمام نیکوں کی قدر کریں۔

نیز اس متبرک رات کو چھپانے کی حکمت موت کا وقت اور قیامت کا دن مخفی رکھنے کی حکمت کی مانند ہے تاکہ مسلمان کدوکاوش میں کوتاہی نہ کریں' اعتماد نہ کریں اور غفلت اور سستی کو جائز قرار نہ دیں۔

نیز مفسرین نے فرمایا ہے کہ اگر شب قدر عام لوگوں پر ظاہر ہوتی تو اس رات کا کچھ حصہ طاعت میں گزارتے اور ہزار مہینوں کا ثواب حاصل کرتے اور کچھ وقت شہوت کی وجہ سے نافرمانی میں بسر کرتے اور ہزار مہینوں کا عذاب حاصل کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے تقاضا فرمایا کہ لوگ معین طور پر اس رات کو نہ جانیں تاکہ اس نافرمانی کی وجہ سے جو کہ اس رات میں دیدہ ودانستہ کریں اس کئی گنا عذاب سے بچے رہیں اور اگرچہ

marfat.com

Marfat.com

اس رات میں بعض لوگوں کو ثواب عظیم نصیب ہوتا لیکن نقصان دور کرنا نفع حاصل کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ (اقول وباللہ التوفیق۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ خواص اس رات کو جانتے اور پہچانتے ہیں تو پھر اخص الخواص کا کیا کہنا پھر سید الخلق علی الاطلاق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا علم شریف تو بہت وسعتیں رکھتا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن الصفوری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد محترم رحمۃ اللہ کے قلم سے شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ کا قول لکھا دیکھا' آپ فرماتے ہیں منذ بلغت مافاتتنی رؤیۃ لیلۃ القدر جب سے میں بالغ ہوا ہوں' مجھ سے لیلۃ القدر کا مشاہدہ فوت نہیں ہوا)

## شب قدر اور شب برأت کا فرق

نیز جاننا چاہیے کہ بعض مفسرین نے قدر کو تقدیر کے معنوں میں لیا ہے' انہوں نے کہا ہے کہ اس رات میں رزق' عمروں' مصیبتوں' بیماریوں' اعمال اور عالم کون وفساد کے دوسرے حادثوں کو مقدر فرمایا جاتا ہے۔ لوحِ محفوظ سے فرشتوں کو ان سے متعلقہ امور کے نسخے نقل کر کے حوالے کیے جاتے ہیں تاکہ اس کے مطابق پورا سال عمل کریں۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ تقدیر شعبان کی پندرہویں رات میں ہے جسے شب برأت کہتے ہیں۔ اگرچہ بعض تابعین نے یوں فرمایا ہے کہ نسخوں کی نقل اس رات میں شروع ہوتی ہے اور اس رات میں اہل کاروں کے سپرد کرتے ہیں تو تقدیر کی ابتدا شب برأت میں ہے اور اس کی انتہا اس رات یعنی شب قدر میں تحقیق وہی ہے جو کہ ذکر کی گئی۔

## شب قدر کے تعین میں اختلاف اور ستائیسویں (۲۷) شب کی ترجیح

اور شب قدر کے تعین میں بہت سا اختلاف ہے جو کچھ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے اسی قدر ہے کہ وہ بابرکت رات رمضان شریف میں ہے اس لیے کہ یہاں قرآن پاک کا نزول اس رات میں فرمایا گیا ہے اس رات میں عبادات' طاعات کی قدر اور اللہ تعالیٰ کے حضور ہر قرب حاصل کرنے والے کا منصب اور مرتبہ عالم ملائکہ اور ارواح پر ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے لیلۃ القدر کہتے ہیں۔ جبکہ سورۂ بقرہ' دوسرے پارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قرآن پاک کا نزول ماہ رمضان میں ہوا تو ان دونوں ارشادات کے

marfat.com
Marfat.com

مجموعے سے جو ثابت ہوتا ہے اسی قدر ہے۔

اور یہ احتمال کہ شب قدر سارے سال میں گردش کرتی ہے اور نزول قرآن کے سال اتفاقاً ماہِ رمضان میں واقع ہوئی ہو' حقیقت سے بہت دُور ہے۔

لیکن احادیث صحیحہ شہورہ کے رو سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رات ماہِ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے۔ پس پورے سال پانچ راتیں اس کا احتمال رکھتی ہیں کہ شب قدر ہوں۔ اکیسویں' (۲۱) تیئسویں (۲۳)' پچیسویں (۲۵)' ستائیسویں (۲۷) اور انتیسویں (۲۹) شب اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ کسی تعین کے بغیر ان راتوں میں سے ایک رات شب قدر ہوتی ہے۔ پس کسی سال میں اکیسویں (۲۱) دوسرے میں تیئسویں ۲۳) علیٰ ہذا القیاس

اور وہ جو مشہور ہے کہ ستائیسویں (۲۷) شب ہے تو اس بناء پر ہے کہ اس کا اکثر وقوع ستائیسویں (۲۷) رات کو ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر کے نو (۹) حروف ہیں اور یہ لفظ اس سورۃ میں تین بار ذکر کیا گیا ہے اور جب تین کو نو میں ضرب دیں تو ستائیس (۲۷) ہوتے ہیں۔ نیز بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سورۃ کے تیس (۳۰) کلمات ہیں اور ان میں سے ستائیسواں کلمہ لفظ ہی ہے جو کہ شب قدر کی طرف لوٹتا ہے یہ ستائیس (۲۷) کے عدد کی طرف اشارہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ تحقیق ہم نے قرآن پاک لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر شب قدر میں نازل فرمایا یعنی وہ رات جس میں عبادت کرنے والوں کی قدر اور مرتبے کا ظہور ہوتا ہے' ان کی ولایتوں کے درجات عالمِ ملکوت اور عالمِ ارواح کے نزدیک واضح ہوتے ہیں اس رات میں قطبیت' غوثیت' ابدالیت اور امامت کے عہدے ان کے مستحقوں کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں۔

(اقول و باللہ التوفیق- اس سے نجدی عبرت حاصل کریں جو کہ قطبیت وغوثیت کا نام بھی معاذاللہ ناجائز قرار دیتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی مندرجہ وضاحت کے مطابق شب قدر میں یہ عہدے بندوں میں تقسیم ہوتے ہیں بلکہ یہ عرفانِ

marfat.com

Marfat.com

خداوندی کا تقاضا ہے۔ دیکھئے حضرت مفسر علام قدس سرہ کی بھی تفسیر زیر آیت اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور اس واقعہ کو رات کے ساتھ اس لیے مخصوص فرمایا گیا کہ دن ظہور کا وقت ہے پس وہ عالمِ شہادت کے مشابہ ہے جبکہ رات پوشیدہ ہونے اور چھپنے کا وقت ہے پس جہانِ غیب کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا ہے۔ جیسا کہ بعض عارفین سے معلوم ہوا ہے اس کے مطابق اس رات کا راز یہ ہے کہ یہ رات وصل کی رات ہے اس رات میں وصل کی صورت میں اس رنگ میں جلوہ گر ہوتی ہے کہ جمالِ الٰہی کی تجلی اپنے مشتاق بندوں کے حال پر متوجہ ہوتی ہے اور ان کے احساسات اور ذہنوں میں ایک فراخی پیدا ہو جاتی ہے اور قوتِ خیالیہ ادراک کی قوت کی خدمت کرتی ہے' وہ تجلی ملائکہ اور ارواح کے ایک جہان کو جو کہ مقام قدس میں جاگزیں ہیں' اپنے ہمراہ لاتی ہے۔ عالمِ غیب کی عالمِ شہادت سے ملاقات' ملاءِ اعلیٰ کی مخلوق کے کمالات کا زمین والوں کے کمالات میں آمیزش' دونوں فریقوں کے انوار کا ہجوم اور ان دونوں جہانوں میں سے ہر ایک کا دوسرے کی شعاعوں اور جلووں سے فیض حاصل کرنا رونما ہوتا ہے اور عالمِ روحانیت میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کی وضاحت بہت دشوار ہے۔

مگر ایک ناقص سی مثال دیتے ہوئے اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ موسم بہار آنے کی مانند ہے کہ آسمان سے بارش برسنے اور قربِ آفتاب کی زمین کی نشوونما کی قوتوں اور صور نوعیہ کے بے جان آثار میں اثر کرنے کی وجہ سے جو کہ ہر بیج اور ہر دانہ میں مخفی ہیں' رنگارنگ پھول اور خوشنما سبزے ظاہر ہوتے ہیں اور دنیا میں ایک رونق' حسن اور کمال فراخی رونما ہوتی ہے۔

## ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں ایک شبہ رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ قرآن پاک کا نزول تیئس (۲۳) سال کی مدت میں ہے اس کے نزول کی ابتدا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک کے چالیسویں سال کے شروع میں ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی اور قرآن مجید میں نزول

marfat.com

Marfat.com

قرآن کی تاریخ میں تین اوقات بیان کیے گئے ہیں۔ ماہِ رمضان‘ شب قدر‘ شب مبارک جو کہ اکثر علماء کے نزدیک شب برأت سے عبارت ہے اور وہ شعبان المعظم کی پندرہویں رات ہے۔ پس اس امر واقعی میں اور مختلف تعبیروں میں مطابقت کیونکر درست ہوگی۔

اور چھان پھٹک کے بعد جو کچھ پتہ چلا ہے‘ یہ ہے کہ قرآن پاک کا نزول لوحِ محفوظ سے بیت العزت کے مقام میں جو کہ آسمان‘ دنیا کا ایک مکان ہے جسے ذی قدر فرشتے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں‘ شب قدر میں ہے جو کہ رمضان المبارک میں واقع ہے اور اس کے نزول کا فیصلہ کرنا اور لوحِ محفوظ کے محافظوں کو حکم فرمانا کہ اس کے نسخے کو منتقل کر کے آسمان دنیا میں پہنچائیں اسی سال کی شب برأت میں تھا۔ پس تینوں تعبیریں درست ہوگئیں کہ نزول حقیقی رمضان پاک کی شب قدر میں واقع ہوا اور نزول تقدیری اس سے پہلے شب برأت میں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر نزولِ قرآن کا آغاز چالیسویں سال کے شروع میں ماہِ ربیع الاوّل میں ہے باقی ماندہ عمر میں قرآن پاک کا نزول پورا کیا گیا۔ پس آپس میں کوئی اختلاف نہ رہا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ اور تو کیا جانے کہ شب قدر کی بزرگی کیا ہے۔ یعنی اگرچہ عارف کی معرفت وسیع اور مرتبہ بلند ہو لیکن اس تجلی الٰہی کی حقیقت جس کے ہمراہ کئی قسم کے علوم ہیں اور اثر قبول کرنے کی صلاحیتوں کے مطابق رنگ برنگی تاثیریں ظاہر ہوتی ہیں‘ کماحقہ نہیں جان سکتا اس لیے کہ اسے جاننے کی شرط ان تمام جہانوں اور ان تمام صلاحیتوں کا احاطہ کرنا ہے‘ یہ مسئلہ تفصیلی طور پر آدمی کی وسعت سے باہر ہے تو اس رات کی عظمت کا اظہار جس قدر ممکن ہے بیان فرمایا جارہا ہے کہ

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ شب قدر ان ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں شب قدر نہ ہو۔ مقصد یہ ہے کہ ہر مہینہ دنوں اور راتوں پر مشتمل ہے اور ہر دن اور ہر رات ان لله في ايام دهركم نفحات الافتعر ضوالها کہ حکم کے مطابق تجلیاتِ غیبیہ اور شہودیہ کو ضمن میں لیے ہوئے ہے لیکن وہ تجلی جو کہ اس رات میں واقع ہوتی ہے‘ عام اور وسیع ہونے کی وجہ سے اور اسماء الٰہیہ کی بلندی کی وجہ سے جو کہ اس تجلی کا مادہ ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

ان تجلیات کے ساتھ وہی نسبت رکھتی ہے جو کہ دریا کو قطرے کے ساتھ ہے۔

## ہزار کے عدد کی تخصیص کی وجہ

اور ہزار کے عدد کو اس جہت سے خاص کیا گیا ہے کہ لغتِ عرب میں اسمائے عدد کسی مرتبے تک پہنچتے ہیں' ہزار کے بعد ان کی لغت میں کوئی نام نہیں ہے۔ پس عدد کے ختم ہونے کے مقام کا پتہ دیا گیا ہے۔

اور مہینے کو اس لیے خاص فرمایا گیا ہے کہ اگرچہ سال زیادہ دنوں اور راتوں پر مشتمل ہے لیکن عربی سال جو کہ چاند کی گردش سے بنتا ہے' مہینوں کا تکرار ہے جبکہ شمسی سال ایک پوشیدہ اور دن کے ساتھ مخصوص امر ہے بخلاف چاند کے جو کہ رات کے ساتھ مخصوص ہے اس کے ساتھ ساتھ چاند کو اس مقام کے ساتھ ایک زائد مناسبت محقق ہے اس لیے کہ چاند کا طلوع ہلال کے مرتبے سے لے کر بدر ہونے تک رات کے وقت واقع ہے۔ پس یہ ظلمت کدۂ دنیا میں نورِ تجلی کے ظاہر ہونے کی طرح ہے۔

اور اس وجہ سے کہ رات میں تجلی الٰہی اس عظمت اور بزرگی کے ساتھ واقع ہوتی ہے اس رات کی عبادت کا ثواب ہزار مہینوں کی عبادت کے ثواب سے بہتر ہوگا۔ نیز اس کی عظمت کے متعلق بیان فرمایا جا رہا ہے کہ

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا اس رات میں فرشتے آسمانوں سے اور ارواح مقام علیین سے کاملین کی ملاقات کرنے' بنی آدم کے اعمال کے انوار سے روشنی لینے اور ان کیفیات کے ادراک سے لذت حاصل کرنے کے لیے جو کہ زمین والوں کے نفوس میں اپنے محبوب اور معبود کی نسبت سے حاصل ہوئیں' اُترتے ہیں۔ اور ان کا یہ اُترنا زمین والوں کے نور و حضور میں زیادتی کے لیے بھی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ آسمان والوں کو زمین والوں کی کیفیات بطورِ عکس حاصل ہوں۔ پس آسمانی کمالات اور زمینی کمالات دونوں فریقوں میں ایک دوسرے کے عکس کے طور پر جلوہ گر ہوں' کمال کی دونوں قسموں کی ایک مرکب صورت معرضِ وجود میں آئے اور افراد میں سے ہر فرد میں جو کمالات راسخ اور داخل تھے' سب جمع ہونے کی وجہ سے ایک صورت اختیار کر کے دوسرا رنگ دکھائیں

marfat.com

Marfat.com

جیسا کہ مختلف کیفیات والے اجزاء سے ترکیب یافتہ معجون کا مزاج کہ ہر ہر فرد کی تاثیر کے علاوہ ایک اور تاثیر پیدا کرتا ہے۔

## نماز با جماعت کی فضیلت کی حکمت

اور یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب حکمتوں میں سے ایک عجیب حکمت ہے کہ اس طریقے سے ناقص کو کامل کی گنتی میں لایا جاتا ہے اور اسی حکمت کی بناء پر نماز با جماعت کو تنہا نماز پڑھنے سے بہتر قرار دیا گیا ہے اور جماعت میں جس قدر حاضری کثرت سے ہو گی اسی قدر دل روشن کرنے اور عند اللہ مقبول ہونے میں زیادہ اثر کرے گی۔

اور چونکہ فرشتوں اور ارواح کا نزول کبھی فرشتوں سے وابستہ امور جاری رکھنے اور بعض کاملین کو عالمِ بالا کی ارواح کے ساتھ ایک مناسبت حاصل ہونے کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک اور کلمہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ یہ نزول ایسا نہیں ہے بلکہ یہ اُترنا

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ان کے پروردگار کے حکم سے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایک تجلی تمام فرشتوں اور ارواح کو اپنے پیچھے لے کر مختلف مقدار کے کمالات کی ایک ہی صورت حصول کے لیے انہیں نیچے لے آئی تو بلاشبہ اس وقت فرشتوں اور ارواح کا نزول اس کی مانند ہے کہ بادشاہ کے دفتری اور رئیس اپنے تعارف کی بناء پر کسی کے گھر کسی تقریب کے سلسلے میں آئیں اور ملائکہ اور ارواح کا اس وقت نزول بلاتشبیہ بمنزلہ اس کے ہے کہ بادشاہ کے حکم سے یا اس کے ہمراہ اس کے گھر میں جمع ہوں۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں حالتوں کا فرق بالکل روشن ہے۔

مِنْ كُلِّ اَمْرٍ یہ ملائکہ اور ارواح کا بیان ہے یعنی ہر امر کے فرشتے ہر امر کی ارواح جو کہ قرب وکمال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے' نازل ہوتے ہیں۔ اگرچہ جن اشخاص پر ان کا نزول ہوتا ہے' وہ سب کے سب اس قرب وکمال استعداد نہ رکھتے ہوں اس لیے کہ مقصد مختلف کمالات کی ایک صورت بنانا اور ناقصوں کے نقصان کو پورا کرنا ہے اور جب اس مبارک رات کی عظمت کے بیان سے فراغت ہوئی اس رات کے خواص میں سے ایک اور خاصہ بیان فرمایا جا رہا ہے کہ

marfat.com
Marfat.com

سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ اس رات میں نفس و شیطان کے شر سے سلامتی ہے۔ کیونکہ ان کے شرور کا نیکیوں میں مل جانا زیادہ تر نیکیوں کے رد ہونے کا موجب ہو جاتا ہے تو اس رات میں نور تجلی کے چمکنے اور ملائکہ وارواح کے حاضر ہونے کی وجہ سے نفسانی حوادث اور شیطانی خطرات کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے اور سورج کے غروب ہونے کے وقت سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک برابر ان آفات سے امن اور اطمینان رہتا ہے۔ بخلاف دوسری راتوں کے کہ ان کی پہلی تہائی میں شیطانوں کا انتشار اور ان کے وسوسوں کا ہجوم عبادت گزاروں اور نیکوکاروں کے دل مکدر کر دیتا ہے اسی لیے اس تہائی میں نماز فرض مقرر کی گئی ہے' دوسری تہائی میں نیند کی غفلت' بُرے خیالات' عادت سے زیادہ پریشان کن خوابیں اور نفسانی وسوسے اچانک آدھمکتے ہیں اور حاضری اور مناجات کی لذت پانے سے غافل کر دیتے ہیں۔ جبکہ تیسری تہائی جو کہ ان دونوں علتوں سے محفوظ ہے' تہجد' دعا دربار خداوندی میں التجاء اور اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات کی حلاوت پانے کے لیے مقرر ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ اس امر میں علماء کا اختلاف ہے کہ ملائکہ اور ارواح سے تمام ملائکہ اور ارواح مراد ہیں جیسا کہ قرآن پاک کے ظاہری الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں یا وہ ملائکہ اور ارواح مراد ہیں جن کا مقام اور مسکن سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں مذکور ہے۔ بہر حال حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نزول پر جن کا مقام سدرہ المنتہیٰ کا وسط ہے' سب کا اتفاق ہے اور جبرئیل علیہ السلام کے ہمراہ تمام ملائکہ اور ارواح کا نزول ہوتا ہے اور ہر عبادت کرنے والے کے ساتھ حضرت جبرئیل علیہ السلام مصافحہ کرتے ہیں اور جبرئیل علیہ السلام کے مصافحہ کی علامت یہ ہے کہ عبادت میں مصروفیت کی حالت میں رونگٹے کھڑے ہو جائیں' دل میں ایک رقت پیدا ہو' آنکھوں سے آنسو گریں اور اس عبادت میں انتہائی لذت حاصل ہو۔

## شب قدر کے خواص

اس رات کے خواص میں سے یہ ہے کہ اس میں دعا قبول ہوتی ہے۔ پس

marfat.com

Marfat.com

چاہیے کہ اس وقت جامع دعا اختیار کی جائے اور صحیح حدیث میں آیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں شب قدر پالوں تو کیا دعا کروں؟ فرمایا یہ دعا کرو اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ من اقام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفرلہ ماتقدم یعنی جو شخص ایمان اور طلب اجر کے لیے شب قدر کو نماز اور عبادت کے ساتھ زندہ رکھے اس کے گزشتہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ سَلَامٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ کا معنی یہ ہے کہ اس رات میں ملائکہ اور ارواح تمام ایمان والوں کو سلام کہتے ہیں اور کاملین کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں۔ پس یہ آیت ان کے نزول کے بعد ان کی ملاقات کی کیفیت کا بیان ہے۔

# سورة البینہ

مکی ہے' اس کی آٹھ (۸) آیات' چورانوے (۹۴) کلمات اور تین سو چھیانوے (۳۹۶) حروف ہیں اور لغت میں بینہ روشن اور ظاہر چیز کو کہتے ہیں جسے دیکھنے کے بعد کام کی حقیقت واضح ہو جائے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہ رہے جیسے کسی دعویٰ میں دو معتبر گواہ۔

وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو بینہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہمارے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اپنی ذات میں اپنی نبوت پر اس حد تک روشن نشانی ہے کہ کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں اور جو بھی آپ کی ذاتِ مقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اطوار' احوال' افعال' اقوال اور اخلاق سے باخبر ہو یقین کے ساتھ جان لیتا ہے کہ اس قسم کی ذات پاک بلاشبہ پیغمبری کی صلاحیت رکھتی ہے وہاں جھوٹ اور بہتان کی کوئی گنجائش نہیں۔

marfat.com
Marfat.com

## اجمال کی تفصیل

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یتیمی کے باوجود کہ آپ کے والد اور دادا آپ کی چھوٹی عمر میں گزر گئے۔ اور بھائی بند سب کے سب جہل مرکب میں گرفتار۔ اور اچھی عادات اور پسندیدہ اطوار سے بہت دُور تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنِ اخلاق کے کمال اور انتہائی اچھی عادات میں پیدا ہوئے۔ اور اُمی ہونے اور کسی مکتب میں نہ بیٹھنے کے باوجود باریک علوم کو واضح طور پر بیان فرماتے۔ اور پوری وضاحت کے ساتھ معجزانہ گفتگو فرماتے تھے۔ اور آپ سے عقل اور مروت کے خلاف کبھی بھی کوئی چیز رونما نہ ہوئی۔ ملکی تدبیرات اور جنگ وصلح کی مہمات میں آپ کے تمام امور حکمت کے قواعد کے مطابق جاری رہے تو پڑھنے پڑھانے سے بالکل مبرا ہونے کے باوجود کمالات کے اس مرتبے تک پہنچنا غیبی امداد اور تعلیم الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے اور پیغمبری کا معنی یہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ کفارِ اہلِ کتاب اور مشرکین جدا ہونے والے اور اپنی عادات اور آئین سے گزرنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس روشن نشانی آجائے۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے بلادِ عرب میں دو قسم کے لوگ تھے: پہلی قسم مشرکین جن میں سے بعض ستاروں کی روحانیات اور آگ کی پوجا کرتے تھے جیسے صابی اور مجوسی اور بعض اپنے بڑوں کی مورتیاں پوجتے تھے۔ قریش اور دوسرے جاہل عرب انہیں بارگاہِ خداوندی میں انتہائی مقرب سمجھتے ہوئے دنیا وآخرت میں وسیلہ گمان کرتے تھے۔

دوسری قسم اہل کتاب جو کہ خود کو کتابِ الٰہی کا پیروکار جانتے تھے' بعض تورات اور زبور کو اپنا پیشوا قرار دیتے تھے اور بعض انجیل کو قصداً مانتے تھے اور یہ سب فرقے قبیح بدعات' بُری رسموں اور غلط عقائد میں اس قدر منہمک ہو چکے تھے کہ وعظ ونصیحت اور عقلی دلائل قائم کرنے اور مناسبتیں اور نشانیاں سمجھانے سے بھی اصلاح قبول نہیں کرتے تھے

marfat.com
Marfat.com

اور سب کہتے تھے کہ ہم اپنے قدیم عادات واطوار اور موروثی دینوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ جب تک کہ کوئی واضح دلیل اور غالب معجزہ نہ دیکھ لیں اور آخرالزمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی نعمت آسمانی کتابوں سے ہم نے تواتر کے ساتھ معلوم کی ہے اور سابقہ انبیاء علیہم السلام سے سُنی ہے' مبعوث نہ ہو جائیں۔ اور ہمیں ہمارے کام کی حقیقت سے آگاہی نہ بخشیں' ہم اپنی روش اور آئین سے نہیں ہٹیں گے۔

اور ان کی یہ حالت ہمارے رسولِ کریم علیہ السلام کی اُمت کے مختلف فرقوں کی حالت جیسی ہے۔ ایک گروہ خود کو صوفی قرار دے کر بدعات میں مصروف ہو گیا ہے' ملحدوں اور رندوں نے خود کو تارکِ دنیا قرار دے کر حدودِ انسانیت کو خیر باد کہ دیا ہے۔ ایک جماعت خود شیعانِ اہلِ بیت کہہ کر عقائد باطلہ میں گرفتار ہے اور بعض خود کو علماء کے زمرے میں سمجھتے ہوئے مکروفریب کے ساتھ شرعی حیلے نکالتے ہیں اور طمع دنیا کے لیے اصول کے خلاف نادر اور عجیب روایات لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں اور ان تمام گروہوں کو عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ جتنا بھی سمجھایا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیدھی راہ پر قائم ہوں اور اپنی موروثی بدعات چھوڑ دیں' بالکل ممکن نہیں ہے۔ تمام وعظ ونصیحت کے مقابلے میں ان گمراہ فرقوں کا جواب بھی ایک حرف ہے کہ ہم اپنی اس پرانی روش اور آئین کو روشن دلیل دیکھے اور مہدی علیہ السلام کے ظہور اور ان کے تسلی بخش بیان کے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے جہان میں اسی قسم کی حالت تھی۔ حکمتِ الٰہی نے تقاضا فرمایا کہ ایک رسول علیہ السلام آئیں جو کہ خود بھی روشن دلیل ہوں اور ان کا تسلی بخش بیان جہالت کی بیماری سے سب کو نجات بخشے۔ چنانچہ ان کے متعلق بیان فرمایا جارہا ہے:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ یعنی وہ رسول تشریف لائے جو پاک صحائف کی تلاوت فرمائے جن میں مضبوط کتابیں درج ہوں۔

## اجمال کی تفصیل

اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ارشاد ونصیحت میں تین چیزوں کا مرتبہ نہایت

marfat.com
Marfat.com

اونچا ہے۔ پہلی چیز ایسی شخصیت جسے خدا تعالی نے بھیجا ہو اور معجزات اور کمالات کے اجتماع کی رو سے اس کی رسالت اللہ تعالی کی طرف سے یقینی ہو۔ اور یہ معنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بوجہ اتم پایا جاتا تھا اس لیے کہ آپ میں رسالت کی شرائط اور اُمی ہونے کے باوجود انسانی کمالات کے انتہائی درجات تک پہنچنا محسوس کیا اور دیکھا جاتا تھا۔

دوسری چیز غیب سے اُتاری گئی کتاب جس پر اعجاز کے انوار چمکتے ہوں' صاف ذہن رکھنے والوں کو اس کی تلاوت میں برکات اور انوار محسوس ہوں اور بے ہودگی' جھوٹ اور تناقض سے جو کہ کلام میں عیب ہیں' پاک اور مبرا ہو۔ اور یہ معنی قرآن مجید کے دربار میں جس کی اُمی ہونے کے باوجود ہمارے رسول کریم علیہ السلام تلاوت فرماتے تھے' ظاہر اور روشن تھا۔

تیسری چیز وہ کتاب جس میں پہلی کتابیں درج ہوں' ان کے مضامین اس کتاب کی مختصر عبارات میں لپٹے ہوئے ہوں اور اس معنی اور مضامین کو جن کا سچا ہونا معلوم ہے' واضح بیانات کے ساتھ ذہن نشین عبارت میں ادا کیا جائے اور یہ بات بھی قرآن پاک میں پورے طور پر موجود ہے بلکہ اس میں اگلوں پچھلوں کے تمام علوم کا نچوڑ صراحتاً یا اشارتاً موجود ہے۔ اسی لیے اس کلام پاک کے نزول کے آغاز سے لے کر اس وقت تک باراں سو (۱۲۰۰) سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے (جب کہ اس وقت پندرہویں صدی شروع ہے) مختلف فنون کے ماہر علمائے کرام اس کی عبارات کے معنوں میں پوری کوشش سے لگے ہوئے ہیں اور اپنے حوصلہ اور استعداد کے مطابق اس میں سے پوشیدہ اسرار نکال رہے ہیں اور کیا ہی خوب کہا گیا ہے کہ وکل العلم فی القرآن لکن' تقاصر عنہ انہام الرجال ہر علم قرآن پاک میں ہے لیکن ان کے ادراک سے لوگوں کے فہم قاصر ہیں۔

اور جب یہ تینوں چیزیں ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ارشاد و ہدایت کا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور چاہیے تھا کہ تمام مختلف گروہ ایسے رسول علیہ السلام کی بعثت اور ایسی بابرکت کلام کے نزول کے بعد اپنی روش اور آئین چھوڑ کر پوری یک جہتی کے ساتھ

marfat.com
Marfat.com

اس دین کی پیروی اختیار کرتے اور کسی وجہ سے بھی اختلاف اور جدا جدا ہونے کے روادار نہ ہوتے لیکن نفس اور شیطان کے غلبے کی وجہ سے پھر فرقہ بندی اور اختلاف کے اسی مرض میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا جارہا ہے:

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ اور جنہیں کتاب دی گئی تھی یعنی یہود و نصاریٰ متفرق نہ ہوئے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس روشن نشانی آئی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں بھی یہودی قبیح بدعات، بُرے اعتقادات، جھوٹے اقوال اور بے سروپا خبریں تحریف کے طور پر گھڑ کر ان میں گرفتار تھے۔ حضرت سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی رہنمائی کے لیے مردے زندہ کرنے، مادرزاد اندھوں کو بینا کرنے اور برص زدہ لوگوں کو شفا دینے جیسے روشن معجزات دے کر ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کے بعد شدید اختلاف پیدا کر دیا۔ پس ایک گروہ والے خود کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار قرار دے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں کھڑے ہو گئے۔ جبکہ دوسروں نے خود کو نصاریٰ کا لقب دے کر اپنے گمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی مدد شروع کر دی اور آپس میں کھینچا تانی، لوٹ مار اور طعن و تشنیع شروع ہو گئی اور صدیاں لڑائی اور فساد میں گزر گئیں۔

اور اس آیت کا مقصد یہ ہے پیغمبر علیہ السلام کی تشریف آوری اور کتاب الٰہی کا نزول اللہ تعالیٰ کے ارادے اور ہدایت کے اسباب کی توفیق کے بغیر اصلاح و ارشاد میں کافی نہیں۔ چاہیے یہ تھا کہ اس راستے کو ہدایت کے مستقل اسباب سے گمان نہ کرتے۔ اسی لیے محققین نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک اور رسول علیہ السلام ایک اچھی غذا کی طرح ہیں جو کہ صحت مند بدن میں قوت کے کمال اور طبعی، حیوانی اور نفسانی افعال کے عمدہ ہونے کا موجب ہوتی ہے جبکہ بیمار جسم میں وہی غذا بالکل اسی طرح مرض کے سبب اور عوارض کی شدت کے زیادہ ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ پس پہلے روح کے مزاج کو درست کرنے کی کوشش کرنا چاہیے اور تعصب کی اخلاط فاسدہ جہالت کی رسموں اور خیالات کی

marfat.com

Marfat.com

پابندیوں سے تنقیہ کرنا چاہیے اس کے بعد اس اچھی غذا کے ساتھ قوت دینا چاہیے۔ (اقول وباللہ التوفیق۔ تعبیر مقصد میں ابہام ہے اس لیے کہ ان الفاظ سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ کفار پہلے اپنی روح کے مزاج کو درست کرنے کی کوشش کریں۔ اخلاط فاسدۂ جہالت کی رسموں اور اس کے خیالات کی پابندیوں سے تنقیہ کریں پھر رسول علیہ السلام اور کتاب سے انہیں ہدایت ملے گی۔ سوال یہ ہے کہ جب کفار خود بخود اپنی تشخیص اور اصلاح کرلیں تو پھر کسی علاج کی ضرورت ہی کیا رہ گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول کریم علیہ السلام اور کتاب الٰہی کی بدولت ہی ان کی اصلاح اور تنقیہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بھی یہی اسباب ہدایت ہیں۔ یہ دونوں نعمتیں صرف غذائے صالح ہی نہیں ہیں بلکہ ان کی بدولت ہی کفر کی بیماری کی جڑ کٹتی ہے پھر ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے روح کو تقویت اور بالیدگی نصیب ہوتی ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى نیز فرمایا وَيُزَكِّيْهِمْ یعنی جو پاک ہوا کامیاب ہوا اور پاک وہی ہوگا جسے رسول علیہ السلام پاک فرمائیں گے اگر بیماری یعنی کفر کی جڑ نہیں کاٹ سکیں گے' اصلاح نہیں کریں گے تو تزکیہ کیسے منعقد ہوگا۔ فافهم وتدبر۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور اس احتمال کی بھی گنجائش ہے کہ اس آیت میں اس فرقہ اور اختلاف کو بیان کرنا مقصود ہو جو ہمارے رسول کریم علیہ السلام کی بعثت کے بعد رونما ہوا۔ یہود ونصاریٰ ایک گروہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انکار اور آپ کی پیروی کرنے والوں کے ساتھ لڑنے اور جنگ کرنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا جبکہ دوسرے گروہ نے پیروی کی راہ اختیار کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی امداد اپنا امتیازی نشان قرار دیا۔

اور اس سورۃ میں اہل کتاب کے تفرقہ پر اکتفاء کرنا اور مشرکین کے اختلاف سے سکوت اختیار کرنا اس بناء پر ہے کہ یہ کام اہلِ کتاب سے بہت بعید اور عجیب معلوم ہوتا ہے جو کہ خود کو عالم اور دانا کہتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کی عادات واطوار اور کتب الٰہی کی شان سے خوب واقف اور آشنا تھے۔ بخلاف مشرکین کے وہ ان چیزوں سے آگاہ نہیں تھے' اختلاف کریں تو دُور نہیں۔

marfat.com

Marfat.com

اور جب یہ ماجرا تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا یہاں ایک شبہ کے گمان کی گنجائش تھی' اسے بھی دُور فرما دیا گیا۔ اس شبہ کا بیان یہ ہے کہ اگرچہ واضح معجزات اور روشن علامت کسی شخصیت کی حقانیت پر گواہی دیں لیکن جب وہ گزشتہ شریعتوں کے خلاف امرونہی کرے جن پر انبیاء علیہم السلام کا اجماع ہو چکا ہے اور ان شریعتوں کو دگرگوں کر دے تو اس کا قول قبول کرنا جائز نہ ہوگا' ان تمام معجزات اور علامات کو دنیوی خوش نصیبی یا ایک اتفاق یا ایک خلافِ عادت چیز پر محمول کرنا چاہیے اور اس کو اس آیت میں دُور فرمایا گیا ہے کہ

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ اور اس رسول علیہ السلام کی شریعت میں انہیں حکم نہیں دیا گیا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کرنے کا تو وہ ہر خصوصیت اور کیفیت جو کہ رسول علیہ السلام عبادات میں بیان فرماتے ہیں اگرچہ سابقہ شریعتوں میں وہ خصوصیت اور کیفیت نہ ہو' سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ تک پہنچنے کے مقصد کی تمہید ہے اور اخلاص کی تاکید اور ذاتِ حق سے پردہ اُٹھانا ہے۔ نیز تاکہ حنفاء ہوں' حنیف وہ شخص ہے تو غیر خدا کی طرف سے توجہ ہٹا کر اور ہر چیز سے کٹ کر خدا تعالیٰ کی طرف مائل ہو۔ نیز وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اگرچہ نماز اور زکوٰۃ کی کیفیت مختلف ہو یہی دین قیم ہے جس کی شرح اور وضاحت کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر آج تک سابقہ انبیاء علیہم السلام اور پہلے حکماء اور علماء تشریف لے گئے۔

اور اس شبہ کے رد کا خلاصہ یہ ہے کہ اس شریعت کے بنیادی مقاصد پہلی شریعتوں کے ساتھ پوری مطابقت رکھتے ہیں۔ اگرچہ وقت اور حال کے تقاضے کی وجہ سے خصوصیات اور کیفیات میں کچھ فرق ہو گیا ہو۔ اور بنیادی مقاصد کا ایک دوسرے کے مطابق ہونا کافی ہے۔ چنانچہ ہر فن اور ہر صنعت میں اسی طرح واقع ہے۔ مثلاً طب یونانی بقراط اور جالینوس کے زمانے سے لے کر بوعلی سینا اور محمد بن زکریا اور مسیح کے دور تک ایک

marfat.com

Marfat.com

نہج پر ہے اس طرح کہ یونانی طبیبوں کے اصول مقصودہ ہر زمانے میں محفوظ ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ چنانچہ سب کہتے ہیں کہ خلط کے پکنے کے بعد مسہل دینا چاہیے' بحران کے دن تحریک نہیں کرنا چاہیے۔ بیماری کو اس کی ضد کے ساتھ دُور کرنا چاہیے اور صحت کی اس کی مثل کے ساتھ حفاظت کرنا چاہیے۔ وغیرہ ذالک تو جو شخص پچھلے طبیبوں کی کتابیں ملاحظہ کرے اور ان کے اصول مقاصد کو متقدمین کے اصول کے مطابق جانے تو یقین کے ساتھ ان کی طبابت کا سراغ لگا لے کہ وہ زائد خصوصیات اور کیفیات جو کہ متقدمین سے کسی قدر مختلف ہیں' ان کی کتابوں میں معلوم کر لے بلکہ صحیح غور وفکر سے کام لے اور حکمت کی باریکیوں کی رعایت جو ان خصوصیتوں میں واقع ہوئی' ملاحظہ کرے تو متاخرین کی فضیلت کا قائل ہو جائے اور اس حقیقت کا یقین کر لے کہ الصناعات تتکامل بتلاحق الانکار یعنی غور وفکر کے ساتھ ہنر کامل ہوتے ہیں۔

اور جب اہلِ کتاب کے اختلاف کرنے والوں کا حال بیان کیا جا چکا اب اللہ تعالیٰ کے دربار میں مرتبے کے اعتبار سے جو کہ ثواب اور عذاب کا مستحق ہے' دونوں گروہوں کی تفصیل بیان فرمائی جا رہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ تحقیق وہ لوگ جو کہ اہلِ کتاب میں سے کافر ہو گئے اور مشرکین آخرت کے حکم میں شریک ہیں اور اہلِ کتاب کی فضیلت' بزرگی اور ان کی دانائی یہاں کسی کام نہیں آتی اس لیے کہ سب کے سب

فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جہنم کی آگ میں ہیں دراں حال کہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اگر یہ لوگ کہیں کہ آخر ہم انسانوں کے گروہ میں سے ہیں اور انسان بہترین مخلوق ہے۔ دوسری مخلوقات کو دنیا و آخرت میں دائمی عذاب نہیں ہے تو ہمیں کیوں ہوگا؟ جواب میں فرمایا جا رہا ہے:

اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ وہ لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ اس لیے کہ جب انہوں نے حکم الٰہی کا انکار کیا اور اس کے انبیاء علیہم السلام کے منکر ہو گئے تو انہوں نے اپنے نفس کی خواہش کو حکم الٰہی پر ترجیح دی اور یہ قباحت دوسری مخلوقات میں نہیں ہے اسی لیے سورۂ

marfat.com
Marfat.com

فرقان میں فرمایا گیا ہے کہ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ تحقیق وہ لوگ جو تمام انبیاء سمیت اپنے وقت کے نبی پر ایمان لائے۔ اور انہوں نے اچھے اعمال کیے۔ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ وہ لوگ بہترین مخلوق ہیں اس لیے کہ انہوں نے فرشتوں سے بھی ترقی کر لی اور ہر دور میں خدائی حکمتوں کو سمجھا' خواہش نفس کی کھینچا تانی کے باوجود حکم الٰہی کو اس پر ترجیح دی اور وہم کی مخالفت کے باوجود اس پر عقل کو غالب کیا۔ تاکہ درمیان میں شکوک و شبہات حائل نہ ہوں اور یہ معنی فرشتوں میں نہیں ہے۔ وہ جزوی احکام کو معلوم کرتے ہیں' وہم اور نفس نہیں رکھتے تاکہ ان کے عقائد اور اعمال میں مزاحمت واقع ہو لیکن یہ مسئلہ عام فرشتوں کی نسبت سے ہے۔ رہے خواص ملائکہ جیسے حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہم السلام تو ان کا مرتبہ انتہائی بلند ہے' انہیں حکمتِ الٰہی کے اسرار کے ساتھ لامتناہی عوالم میں کمال اختیار کرنا حاصل ہے۔ کامل عرفان رکھتے ہیں اور ان میں وہم اور نفس کا نہ ہونا اگرچہ بظاہر ان کے ثواب میں کمی کا باعث معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ عمل کرنے والے بنی آدم کا ثواب ان کے فیض کا ایک شعبہ ہے اس مرتبے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ مولانا حافظ عماد الدین نسفی رحمتہ اللہ علیہ کے عقائد میں واقع ہے کہ بنی آدم کے خواص جو کہ انبیاء علیہم السلام ہیں' تمام فرشتوں سے افضل ہے اور بنی آدم کے عوام جو کہ اولیاء اور زاہد لوگ ہیں' عوام ملائکہ سے افضل ہیں خواص ملائکہ بنی آدم کے عوام سے افضل ہیں۔ وہ جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ المؤمن اکرم علی اللّٰہ من بعض الملائکۃ الذین عندہ یعنی مومن اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کے حضور موجود بعض فرشتوں سے زیادہ معزز ہے تو خواص ملائکہ کے علاوہ پر محمول ہے۔

جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ ان کی جزا ان کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں۔ اس لیے انہوں نے مختلف اطوار اور مختلف شریعتوں میں حق سبحانہ وتعالیٰ کے حکم اور اس کی حکمت کا لحاظ کرنے پر ہمیشہ قائم رہنا اختیار کیا۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ان باغات کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی

marfat.com
Marfat.com

اس لیے کہ انہوں نے اپنے معارف اور حقائق سے اپنے اعضاء میں اعمال کی نہریں جاری کیں اور ان اعمال کے انوار ان کے سلسلوں اور ان کی اولادوں اور پیروی کرنے والوں میں جاری رہے۔

خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ان بہشتوں میں ابدالآباد تک ہمیشہ رہیں گے۔ اس لیے کہ حق پر ابدالآباد تک قائم رہنے کی نیت ان کے دِلوں میں گھر کیے ہوئے تھی گو انہوں نے تھوڑی سی عمر پائی۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ان سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اس لیے کہ انہوں نے کسی طور اور کسی شان میں بھی اس کا انکار نہ کیا۔ وَرَضُوْا عَنْهُ اور وہ بھی اس سے راضی ہو گئے اس لیے کہ انہوں نے مختلف شریعتوں پر ایمان لانے کی وجہ سے ان سب کا ثواب پایا اور انہیں وہ لذت نصیب ہوئی جو کہ ہر شریعت کے انوار میں تھی اور ان کی طبیعت کا پیمانہ پُر ہو گیا اور طلب کی گنجائش نہ رہی۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ یہ واضح بیان اس کے لیے ہے جو کہ اپنے پروردگار سے ڈرے اور کسی طور میں بھی اس کی حکمت اور شان کا انکار نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو خوف کی وجہ سے نفس کی خواہش اور رسم کی پابندی پر اوّلیت دے۔

اور اس میں کفار کا حال بیان کرتے وقت ان کی جزا کو پہلے بیان فرمایا۔ بعدازاں فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ یہاں ایمان والوں کو جزا پر اکتفاء فرمایا گیا۔ اور کفار کی جزا کو اس وجہ سے بیان نہیں فرمایا کہ عقل مند کے لیے شرالبریہ کے لفظ سے ان کے حال کا انجام واضح ہو جاتا ہے۔ نیز ضد ہونے کی وجہ سے ایمان والوں کی جزا کے بیان سے ان کی جزا کی تفصیل کا سراغ ملتا ہے۔ اور عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہے اور اس کے بعد فرمایا گیا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ اور ایمان والوں کا حال بیان کرنے میں پہلے اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ فرمایا گیا ہے اس کے بعد جزا کا ذکر کیا گیا اور اس انداز کو بدلنے میں نکتہ یہ ہے کہ کفار کو ان کی جزائے بدملنے کے بعد شرالبریہ کا منصب حاصل ہوا ورنہ وہ دنیا میں انہوں نے بیشتر مخلوقات سے زیادہ خوش گوار زندگی بسر کی ہے جبکہ ایمان

marfat.com
Marfat.com

والوں نے معرفت کا دروازہ کھلنے اور اچھے اعمال کے ساتھ نفس آراستہ کرنے کے ساتھ ہی خیریت کا مرتبہ حاصل کیا ہے اور انہیں مذکورہ جزا کا ملنا خیریت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔

نیز یہاں شبہ وارد ہوتا ہے کہ اسم تفضیل کی اضافت تقاضا کرتی ہے کہ مضاف الیہ میں اصل صفت کا کوئی حصہ ہوتا ہے۔ گو اسم تفضیل کے ساتھ موصوف اس سے زائد ہوتا ہے یہاں ایمان والوں کو مخلوقات سے بہتر فرمایا گیا ہے۔ چاہیے کہ تمام مخلوقات میں کچھ نہ کچھ بہتری ہو۔ حالانکہ کفار اور شیاطین نے بہتری کا منہ بالکل نہیں دیکھا ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ تقاضا اس وقت ہوتا ہے جب اسم تفضیل کی اضافت مضاف الیہ پر زیادتی کے لیے ہو جبکہ یہاں مطلق زیادتی مراد ہے' اضافت صرف وضاحت کرنے کے لیے ہے جیسا کہ یوسف احسن اخوانہ میں قرار دیا گیا ہے اس سورۃ میں مضاف الیہ میں اصل صفت کا پایا جانا درکار نہیں ہے۔ واللہ علم

# سورۂ زلزلت

مکی ہے اس کی آٹھ (۸) آیات' ترپن (۵۳) کلمات اور ایک سو انچاس (۱۴۹) حروف ہیں اس سورۃ کا نزول منکرین قیامت کے جواب میں ہے جو کہ پوچھتے تھے کہ قیامت کب ہوگی؟ تفاسیر میں مذکور ہے کہ پہر رات گزر چکی تھی کہ یہ سورۃ اُتری' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح نہ ہونے دی اسی وقت باہر تشریف لائے اور لوگوں کو تبلیغ فرمائی۔

اور اس سورۃ میں ایک آیت ہے گویا تمام قرآن پاک کا خلاصہ اور تمام احکام شریعت کی جامع ہے وہ اس سورۃ کی آخری آیت ہے جو کہ ہر اچھے بُرے عمل کی جزا پر دلالت کرتی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ یہ سورۃ قرآن پاک کی چوتھائی کے برابر ہے۔

### وجہ تسمیہ اور قیامت کے زلزلہ کے اسباب

اور اس سورۃ کو سورۂ زلزلت اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک بہت

marfat.com
Marfat.com

بڑے زلزلے کے رونما ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس زلزلے کا سبب تین چیزیں ہیں۔
پہلی چیز تجلی الٰہی کی عظمت جو کہ زمین پر واقع ہوگی اور اس پر اللہ تعالیٰ کے نور کا چمکنا ہے۔ اور اس تجلی کی وجہ سے زمین کے اجزاء دگرگوں ہو جائیں گے۔ جس طرح کہ اس کا نمونہ کوہِ طور پر واقع ہوا۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا نیز فرمایا فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا

دوسری چیز مردوں کو اُٹھانے کی صورت میں نافرمانوں پر غضب الٰہی کا جوش مارنا اور شان انتقام کا ظہور فرمانا' یہ مقصد زمین کو جنبش دینے اور اسے اُلٹ پلٹ کرنے کے بغیر پورا نہیں ہوتا تا کہ ہر مردے کے اجزاء جدا جدا معلوم ہوں۔

تیسری چیز دوسری مرتبہ صور پھونکنے کی سخت آواز جو کہ ہوا میں شدید لہریں پیدا ہونے' اس ہوا کے پوری شدت کے ساتھ زمین کے مسام اور سوراخوں میں داخل ہونے اور اس کی وجہ سے زلزلہ پیدا ہونے کا موجب ہو۔ چونکہ یہ زلزلہ حشر کے دن کے واقعات میں سے ایک عظیم واقعہ ہے۔ جزا کے کاروبار کا ابتدائیہ ہے۔ اس لیے اس سورۃ کو اسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا جبکہ زمین کو ہلایا جائے ایسا ہلانا جو کہ اس زمین کے لیے ممکن ہے یعنی زمین کو جنبش دینے میں پورا مبالغہ ہو۔ زمین کی طاقت جتنا برداشت کرے' اسے ہلایا جائے اور زمین پر کوئی عمارت اور کوئی پہاڑ باقی نہ رہے' بلندیاں اور پستیاں برابر ہو جائیں' زمین کی شکل بدل جائے۔ یہ واقعہ دوسری دفعہ صور پھونکنے کے وقت ہوگا۔

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا اور زمین اپنے بھاری بوجھ نکال دے۔ یعنی زمین کے اندر مردے' خزانے' غلے' بیج اور کانیں جو کچھ ہے' سب باہر پھینک دے' مردوں کے باہر آنے کی وجہ سے ارواح کو زمین کے باطن کے ساتھ جو تعلق تھا جو کہ ان ارواح کے جسموں کی قرارگاہ تھا منقطع ہو جائے۔

marfat.com
Marfat.com

وَقَالَ الْاِنْسَانُ اور آدمی کہے' یعنی آدمیوں کی روحیں کہیں یا اس زلزلے کے نشانات دیکھ کر آدمی کہے مَالَهَا اس زمین کو کیا ہو گیا ہے۔

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا اس دن زلزلے کی شدت' کمال بیتابی اور بے قراری کے باوجود زمین اپنی خبریں بتائے۔ یعنی بنی آدم کے اعمال کو ظاہر کرے اور کہے کہ فلاں نے مجھ پر نماز گزاری' روزہ رکھا' نیک کام کیے اور فلاں نے ناحق قتل کیا' بدکاری کی اور چوری کی اور زمین کا باتیں کرنا دو حکمتوں کے لیے ہے۔

پہلی حکمت یہ کہ لوگوں پر گواہ ہوتا کہ انہیں انکار کی گنجائش نہ رہے اسی لیے اس دن آسمان' دن' رات' ستارے' اور لوگوں کے ہاتھ' پاؤں گواہی دیں گے' اچھے برے کاموں کو ظاہر کریں گے۔

دوسری حکمت یہ کہ بدکار لوگ زمین کے بولنے کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہوں اور نیک لوگوں کی صفت و تعریف ثابت ہو۔

## جمادات کی گواہی کے متعلق شبہ اور اس کا جواب

اور یہاں بعض لوگوں کے دل میں شبہ گزرتا ہے کہ زمین بے جان' غیر ذی عقل ہے' گواہی کیسے دے گی اور باتیں کیسے کرے گی؟ اس شبہ کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ مخلوقات میں سے ہر چیز ایک روح رکھتی ہے لیکن حیوانات کی ارواح اپنے جسموں میں تدبیر اور تصرف کرنے کا تعلق بھی رکھتی ہیں۔ اور خوراک دینے' نشوونما کرنے اور احساس اور حرکت دینے میں ہمیشہ مشغول ہیں۔ جبکہ دوسری مخلوقات کی روحیں تدبیر اور تصرف کا تعلق نہیں رکھتیں اور ان میں احساس اور حرکت اختیاری دائمی نہیں ہے۔ اس وجہ سے ان ارواح کا تعلق عوام کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اس کے باوجود خرق عادات کے طور پر کبھی کبھی اس کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ احادیث صحیح میں یہ معنی تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ پتھروں اور درختوں کا باتیں کرنا' ستون حنانہ کا نعرہ مارنا اور ایک پہاڑ کا دوسرے کو آواز دینا کہ هل مربك احد بذكر الله یعنی کیا آج تجھ پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا کوئی گزرا؟ اس قسم سے ہے۔

marfat.com
Marfat.com

قرآن مجید میں تمام مخلوقات کے لیے ارواح کا ہونا سورۂ یٰسں کے آخر میں مذکور ہوا فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ نیز سورۂ اسریٰ میں مذکور ہے کہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ مسلمانوں کے فوت ہونے پر زمین اور نماز کی جگہ کا رونا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اور زمین' پتھر اور درخت کا ان موذنوں کے لیے گواہی دینا جو کہ نماز کی اذان کے لیے آواز بلند کرتے ہیں' بھی ثابت ہے۔ مثنوی مولوی قدس سرہ میں لکھا ہے:

ہستی کوہ است مخفی از خرد
ہستی بیچوں خرد کے پے برد

یعنی پہاڑ کا وجود عقل سے پوشیدہ ہے تو بے کیف ذات حق کا سراغ عقل کیسے لگا سکتی ہے۔

. بادرا بے چشم اگر بینش نہ داد
فرق چوں می کرد اندر قوم عاد

اگر آنکھ کے بغیر ہوا کو بینائی نہ دی گئی ہوتی تو قوم عاد کے درمیان فرق کیسے کرتی؟

آتش نمرود راگر چشم نیست
باخلیلش چوں ترحم کردایست

اگر نمرود کی آگ کی آنکھیں نہیں ہیں تو اس کے خلیل علیہ السلام پر اس نے کیسے رحم کیا۔

گرنبودے نیل را آں نورید
ازچہ کافرازمومن برگزید

اگر دریائے نیل کو بینائی کا نور حاصل نہ تھا تو اس نے کافر کو مومن سے کیسے جدا کرلیا۔

گر نہ کوہ وسنگ بادیدارشد
پس چرا داؤد را اویارشد

marfat.com
Marfat.com

اگر پہاڑ اور پتھروں میں دیکھنے کی طاقت نہ تھی تو وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے دوست کیسے بن گئے۔

ایں زمیں را گر نبودے چشم جاں
از چہ قاروں را فرو خورد آنچناں

اگر زمین کی باطنی نگاہ نہ ہوتی تو قارون کو اس طرح کیسے نگل جاتی۔

گر نبودے چشم دل حنانہ را
چوں بدیدی ہجر آں فرزانہ را

اگر ستونِ حنانہ کی قلبی نگاہ نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا پتہ کیسے چلتا۔

در قیامت ایں زمیں در نیک و بد
کہ زماں دیدہ گواہی ہا دہد

قیامت کے دن یہ زمین اچھے بُرے اعمال دیکھنے کے اوقات کی گواہی دے گی۔

اور جب یہ بیان فرمایا گیا کہ اس دن زمین لوگوں کے اعمال ظاہر کرے گی اور ان کے اچھے بُرے کردار پر گواہی دے گی ہر اظہار اور گواہی میں جھوٹ کا احتمال بھی ہوتا ہے اس احتمال کی نفی کے لیے ایک اور بات بیان کی جا رہی ہے۔

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا یہ بات کرنا اس وجہ سے ہے کہ تیرے پروردگار نے اس زمین کو وحی فرمائی ہے یعنی یہ اظہار کسی عداوت کے لیے نہیں ہے جو اسے بنی آدم کے ساتھ ہے یا اس میں جھوٹ کی کوئی گنجائش ہو۔ اس لیے کہ بنی آدم سب کے سب زمین کے فرزند ہیں اور فرزندوں کے ساتھ دشمنی ممکن نہیں ہے نہ ہی یہ نفس کی خواہش کی وجہ سے ہے کیونکہ زمین نفس نہیں رکھتی۔ پس یہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہی ہے جو کچھ مالک کے حکم کے ساتھ ہو اس میں جھوٹ کی گنجائش نہیں ہوتی۔

اور جب اس قدر واضح ہو چکا کہ قیامت کے دن بنی آدم کے اعمال جنہیں انہوں نے ایک دوسرے سے چھپائے رکھا اور زمین کے ظاہر کرنے سے سب پر ظاہر ہو جائیں

marfat.com
Marfat.com

گے تو نیک لوگ سرخ رو اور بدکار رسوا ہوں گے اب بیان فرمایا جارہا ہے کہ اتنی بات پر ہی اکتفاء نہ ہوگا بلکہ

یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا اس روز لوگ اپنی قبروں سے میدانِ حشر میں گروہ درگروہ متفرق ہوکر نکلیں گے۔ شرابیوں' زانیوں' ظالموں اور چوروں کے گروہ وغیرہ۔

لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں یعنی محشر میں بدکاروں کو ایک اور رسوائی اور نیکوں کو ایک اور سرخ روئی حاصل ہو یہاں تک کہ ان کے اعمال نامے کھولے جائیں' ترازو نصب کریں اور ان کے ہر اچھے بُرے عمل کو کھلے عام پڑھیں اور تولیں۔ پس ان کے اعمال ہر طرح ظاہر ہوکر سامنے آجائیں۔ چنانچہ اس کی تفصیل ان دو آیات میں ہے:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ تو جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے' اسے دیکھے۔ یعنی اعمال نامہ اور ترازو میں دیکھے۔ ذرہ کے دو معنی ہیں: چھوٹی سی چیونٹی' غبار کا دانہ جو کہ سورج کی شعاع میں تاریک مکان میں ظاہر ہوتا ہے۔

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ اور جو ذرہ برابر بُرائی کرے' اسے دیکھے۔

## ایک شبہ اور اس کا جواب

اور یہاں شبہ گزرتا ہے کہ کافر کی نیکی جزا کا سبب نہ ہوگی تو اسے دیکھنے کا کیا فائدہ جبکہ مومن کی بُرائی بھی معافی کے قابل ہے تو اسے دیکھنا بھی معافی کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کافر کی نیکی اگرچہ ابدی عذاب سے خلاصی کا موجب نہیں ہے لیکن اس کا اثر عذاب کی تخفیف ہے۔ تو اس کے دیکھنے کا فائدہ ہے۔ اسی طرح مومن کی بُرائی سے گرچہ معافی مل گئی ہو' ایک تاثیر سے خالی نہیں ہے اگرچہ رُتبے کی کمی ہو ہاں وہ بُرائی جس سے اس نے سچی توبہ اور ندامت کی ہے اس کے اعمال نامہ سے دُور ہوتی ہے اور لکھنے والوں اور گواہوں کو فراموش ہو جاتی ہے۔ پس مَنْ یَّعْمَلْ کا لفظ اس کے علاوہ کے ساتھ مخصوص ہو یا یوں کہیں کہ جب اس بُرائی پر توبہ اور ندامت واقع ہوئی اور توبہ اور ندامت عمدہ نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے پس اس بُرائی کو دیکھنا یا اس بُرائی سے

marfat.com
Marfat.com

توبہ وندامت کو دیکھنا کسی قسم کے نقصان کا باعث نہ ہوگا۔ اسی لیے توبہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَاتٍ یعنی توبہ کرنے والوں کی بُرائیاں ان کی توبہ کے ضمن میں انہیں دِکھائی جاتی ہیں۔ پس وہ بُرائیاں نیکیوں کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔ واللہ اعلم

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے قرآن پاک سکھائیں۔ آپ نے امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ اسے قرآن پاک پڑھائیں۔ حضرت امیر المومنین نے اسے سورۂ اذا زلزلت پڑھائی جب وہ اس آیت پر پہنچا تو کہنے لگا حسبی حسبی لاابالی ان لااسمع غیرھا یعنی مجھے یہی آیت کافی ہے مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کچھ اور سیکھوں۔ حضرت امیر المومنین کرم اللہ وجہہ نے یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا دعہ فقد فقہ الرجل یعنی اسے چھوڑ دو اس لیے کہ وہ فقیہ اور دانا آدمی ہے۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس آیت سے اہلِ مدینہ میں سے دو آدمیوں نے عبرت پکڑی۔ ان میں سے ایک وہ شخص تھا جو صدقہ نہ دیتا اور کہتا کہ میں زیادہ کی طاقت نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ کے لیے تھوڑی سی چیز دینا بے ادبی سمجھتا ہوں اور دوسرا وہ شخص تھا جو کہ اپنے گناہوں کو خاطر میں نہ لاتا جیسے بے مقصد گفتگو اور بے محل دیکھنا گمان کرتا کہ اتنی سی چیزوں پر کیا گرفت ہوگی' ان دونوں کے گمان کے رد کے لیے یہ آیت کافی ہوئی۔

# سورۂ عادیات

مکی ہے' اس کی گیارہ (۱۱) آیات' چالیس (۴۰) کلمات اور ایک سو تریسٹھ (۱۶۳) حروف ہیں اور عادیات لغتِ عرب میں دوڑنے والے گھوڑوں کو کہتے ہیں' عدو سے مشتق ہے جس کا معنی دوڑنا ہے۔

## وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کا نام سورۂ عادیات اس لیے رکھا گیا ہے کہ غازیوں کے گھوڑے

marfat.com
Marfat.com

ناشکر کفار پر غضب الٰہی کی تیزی کی شکل ہیں۔ اور دنیا میں نافرمانوں پر اللہ تعالیٰ کے انتقام کا ظہور دوڑنے والے گھوڑوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ پس یہ گویا حشر و نشر کا نمونہ ہے اس لیے مخالف فوج کے آنے اور موافق گروہ کے شکست کھانے کی وجہ سے شہر اور ملک میں ایک انقلاب واقع ہوتا ہے' عزت والے ذلیل ہو جاتے ہیں' پردہ نشین بے پردہ ہو جاتے ہیں اور جو مال و متاع مدتوں میں جمع ہوتے ہیں' سب کے سب ایک لمحے میں برباد ہو جاتے ہیں اور قیامت کا نمونہ ہوتا ہے اور چونکہ یہ حالت قیامت کی یاد دلانے والی ہے اس لیے اس کی قسم اُٹھائی گئی اور سورۃ کا نام بھی یہی رکھ دیا گیا۔

## سببِ نزول

اور مفسرین کے ارشاد کے مطابق اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت منذر بن عمر انصاری رضی اللہ عنہ کو گھوڑ سواروں کی ایک جماعت کے ہمراہ بنو کنانہ کے ایک قبیلہ پر جو کہ کفر میں بہت شدید تھا' مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ چاہیے کہ تم فلاں دن صبح کے وقت ان کے پاس پہنچو اور حملہ کرو اور فلاں دن واپس آ جاؤ۔ انہیں راستے میں ایک سیلاب کا سامنا ہوا جس سے گزرنا مشکل تھا۔ ایک دن وہاں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا یہاں تک کہ اس سیلاب کا پانی کم ہوا اور وہاں سے گذر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ عالی کے مطابق عمل کیا۔ جب واپسی کے وعدے کا دن پہنچا اور یہ حضرات اس رکاوٹ کی وجہ سے جو کہ راستے میں پیش آئی تھی' واپس نہ لوٹے۔ منافقوں نے بُری افواہیں پھیلانا شروع کر دیں اور کہنے لگے کہ وہ لشکر سارے کے سارا ضائع ہو گیا اس جھوٹی خبر سے مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ حق تعالیٰ نے یہ سورۃ بھیجی اور اس میں ان کے گھوڑوں کا ذکر اور ان کا دشمنوں کی جماعت میں آنا بیان فرمایا تاکہ مسلمانوں کو تسلی حاصل ہو۔

لیکن اس سببِ نزول میں ایک خدشہ ہے اس لیے کہ یہ سورۃ مکی ہے جبکہ یہ لشکر بھیجنے کا واقعہ مدینہ شریف میں تھا۔ پس یہ اس سورۃ کے نزول کا سبب نہیں ہو سکتا اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ چونکہ ذاتِ حق کا ارادہ تھا کہ اس دین میں جہاد کی رسم کو مقرر فرمائے تو اس سورۃ

marfat.com

Marfat.com

میں اس رسم کا اشارہ کرنا منظور ہوا تا کہ ایمان والوں کو اس امر کی بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ انہیں جہاد کی طاقت' گھوڑے' فوج اور سپاہی عطا فرمائے گا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے معقول بدلہ لیں اوران کا شیرازہ منتشر کر دیں اوران کے ملک اور مال کو اپنے تصرف میں لائیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالۡعٰدِيٰتِ ضَبۡحًا ان دوڑنے والے گھوڑں کی قسم جو کہ بھاگتے وقت شکم سے آواز نکالتے ہیں۔اور جانوروں کا قاعدہ یہ ہے کہ نہایت تیز دوڑنے کے وقت ان کے شکم سے آواز نکلتی ہے جسے ہندی زبان میں ہانپ کہتے ہیں۔

فَالۡمُوۡرِيٰتِ قَدۡحًا پس ان گھوڑوں کی قسم ہے جو کہ چقماق مار کر آگ نکالتے ہیں۔یعنی پہاڑوں اور پتھریلی زمینوں میں گھوڑے کے آہنی سم پتھر پر پڑتے ہیں جن سے شعلے نکلتے ہیں۔جس طرح کہ چقمان مارنے سے رات کے وقت آگ ظاہر ہوتی ہے۔ اور دن میں اس کی روشنی محسوس نہیں ہوتی اس قسم میں اس بات کا اشارہ ہے کہ غازیوں کے گھوڑے رات کے وقت دوڑتے ہوئے جائیں گے۔

فَالۡمُغِيۡرٰتِ صُبۡحًا پس ان گھوڑوں کی قسم ہے جو کہ صبح کے وقت دھاوا بولتے ہیں۔یعنی پچھلی رات سفر کر کے صبح کے وقت جو کہ غفلت کا وقت ہے' دشمن تک پہنچ جاتے ہیں اور مال اور ملک لوٹ لیتے ہیں۔

فَاَثَرۡنَ بِهٖ نَقۡعًا پس ان گھوڑوں نے صبح کے وقت غبار اُڑا دیا' یہ اس فعل پر معطوف ہے جو کہ مغیرات سے سمجھا جاتا ہے یعنی اغرن صبحا یعنی انہوں نے بوقت صبح لوٹ مار کی اور اس اسم سے فعل کی طرف مڑنے کی وجہ یہ ہے کہ غبار اُڑانا دشمنوں کے مقام کے قریب پہنچنے کے وقت ہے پس وہ ایک ساعت رہا اور گزر گیا۔بخلاف اغارہ اور ایراء اور عدو کے جو کہ جاری ہے۔

اور صبح کے وقت غبار اُڑانے کی پابندی اس لیے ہے تا کہ ان گھوڑوں کے سموں کی طاقت اور زیادہ واضح ہو جائے اس لیے کہ صبح کے وقت پچھلی رات کی سردی اور شبنم کی

marfat.com

Marfat.com

رطوبت کی وجہ سے زمین موٹی اور سخت ہو جاتی ہے تو اس وقت غبار اُڑانا سخت قوی حرکت کو چاہتا ہے۔ بخلاف دن کے پچھلے پہر کے کہ سورج کی حرارت اور اس کی شعاعوں کے پیوست ہونے کی وجہ سے زمین کے اجزاء کھوکھلے ہو جاتے ہیں اور معمولی سی حرکت کی وجہ سے غبار اُٹھ جاتا ہے اس لیے آندھیاں آنے کا وقت دن کا پچھلا پہر ہے۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا پس وہ گھوڑے اس وقت دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور انہیں منتشر کر دیا۔ یہاں جاننا چاہیے کہ گناہوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے قہر کی صورت ان گھوڑوں کی حرکت کے ساتھ پوری مشابہت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اس کا مبدا غضب کا متوجہ ہونا ہے۔ کہ جس کا نمونہ یہاں گھوڑوں کا شدید ہانپتے ہوئے دوڑنا ہے جو کہ غضب کے وقت ہوتا ہے اور سم سے آگ نکالنا جہنم کے شعلے کا نمونہ ہے کہ جہنم کی آگ مجرموں کے لیے بھڑکائی جاتی ہے۔ دھاوا بولنا جہنم کے فرشتوں کی ضرب' سانپوں اور بچھوؤں کے کاٹنے اور جسم کی کھال' گوشت اور چربی کو جلانے کا نمونہ ہے اور غبار اُڑانا ناشکروں کی آنکھوں پر حجاب ڈالنے کا نمونہ ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت چھپ جاتی ہے اور دشمنوں کی صفوں میں گھس جانا اللہ تعالیٰ کے غضب کی آگ کا دلوں میں سرایت کر جانے اور جسم کے نظام کو دگرگوں کرنے کا نمونہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے قہر کے اس نمونے کی قسم اس بات پر اُٹھائی گئی کہ

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ تحقیق انسان اپنے پروردگار کا ناشکر ہے یعنی اس کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔ اور نعمتوں کی یہ ناشکری چند طرح سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ نعمت اس کی طرف سے نہ سمجھے کسی اور کی طرف منسوب کرے۔ دوسری یہ اس نعمت سے فائدہ حاصل نہ کرے بلکہ اس کی ضد کی طرف گھوم جائے۔ تیسری یہ کہ منعم کی بجائے نعمت میں مشغول ہو جائے اور اس کے دل پر نعمت کی محبت اور اس قدر غلبہ کرے کہ اس میں ڈوب جائے اور منعم کو فراموش کر دے۔

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ اور بیشک آدمی اپنی ناشکری پر گواہ ہے یعنی خود اقرار کرتا ہے کہ میں ناشکر ہوں اور دنیا میں یہ اقرار اس طرح واقع ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے

marfat.com

Marfat.com

سے کہتا ہے کہ فلاں آدمی اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا حالانکہ خود بھی اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا تو دوسرں پر طعن کرتا گویا اس امر کا اقرار ہے کہ میں بھی مطعون ہوں۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ اور بیشک وہ مال کی محبت میں بہت سخت اور مضبوط ہے یعنی نعمت کی محبت اس کے دل میں اس قدر اُتر چکی ہے کہ اس میں منعم کی محبت کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی ہے اگر کوئی کہے کہ میں ناشکر نہیں ہوں اور مجھے مال سے کوئی محبت نہیں تو یہ انکار خدا تعالیٰ کے حضور نہیں چلتا۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ

اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ کیا وہ جانتا نہیں کہ جب قبروں میں جو کچھ ہے اُٹھایا جائے یعنی مردے زندہ ہوں اور جو کچھ زمین کے اندر ہے اس کے اوپر آ جائے اور باطن کا ظاہر کی طرف متوجہ ہونے کا آغاز ہو جائے یہاں تک کہ اخلاق' نیات اور مخفی عقائد کے ظاہر ہونے تک بات جا پہنچے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے:

وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ اور جو کچھ سینوں میں ہے ظاہر کر دیا جائے۔ پس اخلاق اور اعمال کو صورت میں ڈھال کر ظاہر کر دیا جائے اور اسے سامنے پیش کیا جائے تا کہ تمام مخلوقات کو ایک دوسرے کے دل میں چھپی باتوں کا علم حاصل ہو جائے اور اس وقت ہر کسی کو پتہ چل جائے کہ:

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ بیشک ان کا پروردگار اس روز ان کے متعلق ضرور خبردار ہے۔ اور اس کے دربار میں انکار نہیں چلتا۔ اور علمِ الٰہی اگرچہ ہر وقت بندے کے ظاہر و باطن کو محیط ہے لیکن اس روز اس کا علم ہر کسی پر ظاہر ہو جائے گا اور انکار کی گنجائش نہ رہے گی اور یہ جملہ یعنی اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ آیتہ اَفَلَا یَعْلَمُ الخ کے مفعول کے مقام میں واقع ہوا لیکن لام کے واسطے سے جو کہ تخبیر میں لایا گیا ہے اس نے لفظ میں عمل نہیں کیا مگر یہ کہ ان کو ہمزہ کی زبر سے پڑھے اور نحوی اسے تعلیق بلام کہتے ہیں اور یہ افعال قلوب کے خصائص میں سے ہو اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لَکَنُوْدٌ کے متعلق پوچھا۔ فرمایا کنود وہ ہے جو تنہا کھائے اور غلام کو مارے' اپنے کنبے کو بھوکا رکھے اور کسی کو کچھ نہ دے اور قبیلے کی رسموں اور ضرورتوں کی

marfat.com
Marfat.com

رعایت نہ کرے۔

# سورۃ القارعہ

مکی ہے۔ اس کی آٹھ (۸) آیات' چھتیس (۳۶) کلمات اور ایک سو پچاس (۱۵۰) حروف ہیں۔

## وجہ تسمیہ

اور اسے سورۂ قارعہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ایک سخت حادثے پر دلالت کرتی ہے جو کہ قیامت کے دن ہوگا۔ اور دلوں کو سخت کوفت پہنچائے گا۔ اور اس حادثے کی تاثیر سے ثقیل اجسام ہلکے ہو جائیں گے اور سخت اجسام ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور ان کے اجزاء کے درمیان باہمی رابطہ اور سنبھالا دینا دُور ہو جائے گا۔ پس کسی چیز میں ثقل باقی نہیں رہے گا جو کہ کسی چیز کی اپنی جگہ پر حفاظت کا سبب ہوتا ہے اور نہ ہی مضبوطی رہے گی جو کہ اجزاء کے جمع ہونے کا موجب ہے۔ اور جب بوجھل ہونا اور ہلکا ہونا نیز جمع ہونا اور جدا جدا ہونا جو کہ دنیا کے دستور کے مطابق تھا' دگرگوں ہو گیا تو اس جہان میں ایک اور بوجھ اور خفت' نیز ایک اور جمع ہونا اور جدا جدا ہونا ظہور کرے گا۔ پس بوجھ جنت کے درجات میں بلند ہونے کا موجب ہوگا جبکہ خفت جہنم کی گہرائی میں گرنے کا باعث ہوگی۔ بخلاف اس دستور کے جو کہ دنیا ہے کہ ثقل پستی کا موجب اور خفت بلندی کا باعث ہوتی ہے اور اس قسم کے عظیم انقلاب سے ڈرانا قرآن مجید کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ صدمہ پہنچانے والا حادثہ۔ کیا ہے وہ صدمہ پہنچانے والا حادثہ؟ یعنی قیامت جو کہ دلوں کو سخت کوفت پہنچائے' اونچے کو نیچا اور نیچے کو اونچا کر دے اس کی حقیقت کیا ہے اور اس میں یہ انقلاب کس وجہ سے ہوگا۔

وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ اور تو کیا جانے کہ اس کوفت اور صدمہ پہنچانے والے حادثے کی حقیقت کیا ہے؟ اور چونکہ ہر چیز کو جاننا اس کے اسباب کو سمجھنے کی وجہ سے ہے

marfat.com
Marfat.com

اور قیامت قائم ہونے کے اسباب جن میں سے ایک بڑا سبب سارے جہان پر قہر الٰہی کی تجلی ہے' کسی کو کما حقہ معلوم نہیں لہٰذا اسے بیان کرنے کے مقام میں صرف اس کی بعض تاثیرات پر اکتفاء فرمایا گیا ہے۔

یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وہ حادثہ اس روز ہوگا جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔ ہر ایک ایک سمت کو جا رہا ہے۔ یہ تشبیہ چار وجوہ سے مرکب ہے۔ ذلت' حرکت کی کمزوری' حرکت کی بے انتظامی کہ کبھی جلد اور کبھی کچھ دیر سے ہو اور حرکت کی سمت کا متعین نہ ہونا کہ کبھی آگے کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہو۔

یہاں جاننا چاہیے کہ جسم میں بوجھ کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم جو کہ اعلیٰ اور بہتر ہے' وہ بوجھ ہے جو کہ وقار' مرتبے اور استواری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور یہ معنی ان جسموں کے ساتھ مخصوص ہے جن کے ساتھ روح کامل کا تعلق ہوا ہے۔ اسی لیے جنات اور انسانوں کو ثقلین کہتے ہیں اور وہ حادثہ جو کہ روح میں بہت زیادہ اثر کرے اور اسے محو حیرت کردے اس ثقل کو زائل کر دیتا ہے اسی لیے وقار اور مرتبے والے سے بے چینی اور گھبراہٹ کے وقت بے اختیار خلاف وقار حرکتیں سرزد ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ اس کی روح حادثے کی دہشت کی وجہ سے جسم کی حفاظت سے عاجز آجاتی ہے اور کسی قسم کے محرکات اور ارادے اس کی حرکتوں کے بے ربط ہونے کا موجب ہوتے ہیں اور یہاں اس ثقل کے انقلاب کا بیان ہے۔

اور دوسری قسم جو کہ عوام کے نزدیک زیادہ واضح ہے' طبعی ثقل ہے جو کہ سخت جسموں میں ان کے اجزاء کے اجتماع اور کثافت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اس قسم کے بوجھ میں پہاڑوں کی مثال دی جاتی ہے اس قسم کے انقلاب کو دوسری آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ اور پہاڑ مختلف رنگوں کی اون کی طرح ہوں گے جسے روئی دھنکنے والے نے اپنے کمال کے ساتھ چوٹ لگا کر ریزہ ریزہ کر کے

marfat.com
Marfat.com

ہوا میں اُڑا دیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ اس حادثے کی تاثیر جسموں میں سب سے زیادہ سخت جسم میں جو کہ پہاڑ ہے یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اس کے تمام اجزاء منتشر ہو گئے ہیں۔ اور اپنی جگہ سے حرکت کر کے ہوا میں بکھر گئے اور رنگین اون کا اعتبار اس لیے فرمایا گیا ہے کہ رنگین اون بے رنگ اون سے زیادہ ڈھیلی اور کمزور ہوتی ہے اور رنگوں کا اختلاف تشبیہ میں اس لیے ذکر فرمایا گیا کہ پہاڑوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔ بعض سنگِ مرمر کے طرح سفید' بعض سرخ اور وہ بھی سرخی کے مرتبوں میں مختلف ہیں جیسے سنگِ سرخ اور سنگِ بانسی۔ بعض سیاہ اور وہ بھی سیاہی کے مرتبوں میں مختلف ہیں جیسے سنگِ موسیٰ اور سنگِ خارا۔ بعض سبزی مائل جب سب پتھر کے اجزاء مختلف ہو جائیں۔ ایک کا رنگ دوسرے میں مل کر ہوا میں ایک عجیب چیز نمودار ہو چونکہ اس حادثے کی تاثیر کو اجمالی طور پر بیان فرمایا گیا اب اس اجمال کی تفصیل بیان فرمائی جا رہی ہے۔

فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ تو جس کے اعمال کا وزن بھاری ہو گیا اور یہ گرانی پوشیدہ بوجھ کی وجہ سے ہے جو کہ ان اعمال میں پوشیدہ تھا اور دنیا میں ظاہر نہ تھا اس دن ظاہر ہو گا' حقیقت میں وہ بوجھ اللہ تعالیٰ کے حضور ان اعمال کی فضیلت ہے۔ اور اسی بوجھ کی وجہ سے بندے کی اعمال نامہ میں ان اعمال کو محفوظ کرنے کی صورت بنتی ہے۔ نیز ہر اچھا عمل دنیا میں آدمی کے نفس پر دشوار اور بوجھل ہوتا ہے اور آدمی حکمِ الٰہی میں اس کی مشقت اور بوجھ برداشت کرتا ہے اور یہ بوجھ بھی اس روز ظاہر ہو گا اور اس کی وجہ سے آدمی کو ترقی حاصل ہو گی۔ چنانچہ بیان فرمایا جا رہا ہے:

فَهُوَ فِيۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ پس وہ شخص ایک پسندیدہ اور لذت والی زندگی میں ہو گا۔

وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ اور جس کے اعمال کا وزن ہلکا ہو گیا' یہ ہلکا ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس کے اعمال کی خدا تعالیٰ کے حضور کوئی وقعت نہیں۔ نیز چونکہ خواہش نفس کے مطابق تھے اس لیے نفس پر دشوار اور گراں نہ ہوئے۔ پس قیامت کے دن یہ ہلکا پن اس بات کا موجب ہوا کہ وہ اعمال محفوظ نہ رہے اور بکھر گئے اس شخص کے لیے انتہائی

marfat.com

Marfat.com

تنزلی اور تاریکیوں میں گرائے جانے کا باعث ہو گئے۔ چنانچہ فرمایا جارہا ہے کہ:

فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ تو اس شخص کی ماں جہنم کا نچلا طبقہ ہے۔ ماں اس لیے فرمایا کہ بچے کو بے تکلفی کی حالت اور امر طبعی کی ضرورت کے وقت ماں کی طرف لوٹنا ہوتا ہے۔ چونکہ اس دن وہ تکلف اور بناوٹ جو کہ لاپرواہ لوگ دنیا میں کرتے تھے' بالکل ختم ہو جائے گی تو بے اختیار جہنم کے اسی طبقے کی طرف رجوع کریں گے گویا اس کی طرف طبعاً مائل ہیں اور وہ طبقہ جہنم انہیں ماں کی طرح اپنی طرف کھینچتا اور جگہ دیتا ہے۔

وَمَآ اَدْرٰكَ مَاهِيَه اور تو کیا جانتا ہے کہ وہ ہاویہ کیا ہے؟ یعنی جو عذاب اس طبقہ جہنم میں ہے' کسی انسان کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ ماھیہ میں سکتہ کی ہا توقف کے لیے ہے اور لغتِ عرب میں اسے ہائے سکتہ کہتے ہیں ورنہ اصل کلمہ ہا کے بغیر ماھی ہے۔

نَارٌ حَامِيَةٌ ایک نہائت گرم آگ ہے۔ یعنی جہنم کے جس طبقے کا نام ہاویہ ہے اسے بیان کرنے میں اس قدر سے زیادہ ممکن نہیں ہے کہ بہت گرم آگ ہے۔ اس حد تک کہ اس کے مقابلے میں اور آگ کو گرم نہیں کہا جا سکتا اور جہنم کے دوسرے طبقوں کو اس کے سامنے گرم شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے اور ہر قسم کے عذاب سے پناہ دے۔

# سورۂ تکاثر

مکی ہے' اس کی آٹھ (۸) آیات اٹھائیس (۲۸) کلمات اور ایک سو بیس (۱۲۰) حروف ہیں۔

## سبب نزول

اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ ایک دن قریش کے دو گروہوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا۔ بنو عبد مناف نے جن میں سے ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور بنو سہم نے جن کا سردار عاص بن وائل تھا' ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ ہم مال' عمدہ کاموں' شادیوں' ضیافتوں' شہرت اور مرتبے کے اعتبار سے تم سے زیادہ ہیں اور یہ باہم فخر

marfat.com
Marfat.com

کا اظہار رفتہ رفتہ افراد کی کثرت تک جا پہنچا۔ جب بنو عبد مناف نے اپنی مردم شماری کی تو زیادہ نکلے۔ بنو سہم نے کہا کہ ہمارے افراد لڑائیوں میں بہت مارے گئے ہیں۔ چاہیے کہ زندوں اور مردوں کو ملا کر گنتی کریں جب ایسا کیا گیا تو بنو سہم زیادہ ہو گئے اس دوران مردوں کی تحقیق کے لیے قبرستانوں میں گئے اور گورستانوں میں گھومے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت اور جو کچھ انہیں ضروری تھا اس سے ان کی پوری غفلت کے بیان میں یہ سورۃ نازل فرمائی۔

## وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۃ تکاثر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں تکاثر یعنی کثرت مال پر فخر کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ تکاثر سے اس طرح ڈرنا چاہیے جس طرح کہ قیامت سے اس لیے کہ تکاثر بندے اور اس کے مطلوب کے درمیان ایک سخت حجاب ہے اور ہر حجاب اپنے پیچھے عذاب کو چاہتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ تمہیں تکاثر نے غافل کر دیا تکاثر کا معنی زیادتی طلب کرنا ہے اور آدمی آخری عمر میں احوال' اولاد' پیروکاروں اور اقارب کی کثرت کا خواہاں ہوتا ہے تاکہ ان کی مدد کی وجہ سے اس کا مرتبہ اور شہرت ختم نہ ہو۔ اور یہ بات انہیں معرفتِ الٰہی' اس کے اسماء' صفات اور افعال میں غور و فکر' حقوق اللہ اور حقوق العباد کے واجبات اور آخرت میں اپنے نفس کے حقوق سے غافل کر دیتی ہے۔ اور وہ اس غفلت کی وجہ سے نعمتوں کو اس چیز کے لیے خرچ کرنے سے محروم رہتا ہے جس کے لیے وہ نعمتیں مقرر ہیں۔ تو تکاثر آدمی کو گویا آدمیت سے نکال دیتا ہے اور حیوانات کے درجے میں داخل کر دیتا ہے۔ اور اگر یہ غفلت کسی مرشد کی ہدایت اور کسی بزرگ کی تنبیہ سے جلد زائل ہو جائے تو پھر آدمیت کی حد تک پہنچ گیا اور راہِ حق کے سلوک کی صلاحیت حاصل کر لی۔ اور اگر اسی غفلت میں رہا اور ہوش میں نہ آیا اور اسی حالت میں مر گیا تو انتہائی خسارے میں رہا اور اس شخص کے مشابہ ہو گیا جسے سرمایہ دے کر بازار بھیجا گیا کہ تجارت کرے اور نفع

marfat.com
Marfat.com

حاصل کرے اور یہ شخص بازار میں چلا گیا' شراب پی اور بیہوش ہو کر سارا سرمایہ داؤ پر لگا دیا حتیٰ کہ شام کے وقت اسے اُٹھا کر اس کے گھر پہنچایا گیا۔ سرمایہ رہا نہ نفع پایا۔ ایسی صورتِ حال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور اس کلمہ میں اسی حالت کی طرف اشارہ ہے۔

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ حتیٰ کہ تم نے قبروں کی زیارت کی یعنی تم اسی شغل میں تھے اور بالکل ہوش نہ کی یہاں تک کہ گورستان میں پہنچ گئے۔

كَلَّا مقدمہ یوں نہیں ہے جیسا کہ تم نے سمجھا ہے یعنی تم گمان کرتے ہو کہ موت کے بعد جو کمال ہے بس یہی ہے کہ بے پناہ دولت صاحبِ اقبال اولاد اور جان نثار رشتے دار بعد میں تمہیں قائم رکھیں حالانکہ موت کے بعد ایک اور چیز پیش آئے گی جس کے مقابلے میں یہ چیزیں بالکل ہیچ ہوں گی۔

بیت

حاصل دنیا کہن تا بنو

چو گذرندہ است نیرزد بجو

یعنی نئی اور پرانی دنیا جب گزرنے والی ہے تو اس کا فائدہ جو کے برابر بھی نہیں۔

اور اگر کسی گہری سوچ کے بغیر ہی ہر عقل مند کو معلوم ہے کہ مال' اولاد' مرتبے اور رشتے داریاں سب فانی ہیں جو چیز فانی ہے باہم فخر کرنے کے لائق نہیں ہے۔

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ آخر تمہیں معلوم ہو جائے گا یعنی موت کے بعد تمہیں پتہ چل جائے گا کہ تم نے جس مصروفیت میں اپنی عمر گزاری تمہارے لیے سب نقصان دہ اور باعثِ خرابی تھی۔ کیونکہ ابدی نعمتیں ضائع ہونے اور قہر الٰہی کی طرف قریب ہونے کا باعث ہوئی۔

ثُمَّ كَلَّا ہم پھر کہتے ہیں کہ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح کہ تمہارا عقیدہ ہے۔ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ آخر تمہیں قبروں سے اُٹھنے' حشر و نشر' جہنم اور اس کی شدید ہولناکیوں کو دیکھنے کے بعد پتہ چل جائے گا کہ تم نے جو کچھ کیا' سب نقصان اور خرابی پر مبنی تھا۔ پس پہلا جاننا برزخ میں ہے جبکہ دوسرا جاننا قیامت کے دن ہے۔

marfat.com

Marfat.com

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ باہم فخر مت کرو معاملہ یوں نہیں ہے اگر تم اس طرح جانتے کہ جس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو اور تم سے ظلمتوں کے بعض حجاب کھل جائیں اور لازماً جان لو کہ

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ موت کے بعد برزخ میں گرم ہوا چلنے عذاب کی صورت دیکھنے اور آتشیں گرزوں کے ساتھ مارنے کے ساتھ تم جہنم ضرور دیکھو گے۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ پھر تم اس جہنم کو یقینی معائنے کے ساتھ ضرور دیکھو گے جس میں شبہ خیال کے غلبے اور حس کی غلطی کا احتمال نہیں ہوگا اور یہ دیکھنا قیامت کے دن ہوگا جبکہ جہنمیوں کو اس کے کنارے کھڑا کریں اور اس کی ہولناکیوں اور شدتوں کو ان پر نمایاں کریں۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ پھر تم سے اس دن ان نعمتوں کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا جو کہ تمہیں دنیا میں عطا کی گئیں تھیں اور ان سب نعمتوں نے تمہیں کسب خیر سے غفلت میں ڈال دیا۔

اور نعمتوں کے متعلق تین وجوہ سے سوال ہوگا۔ پہلی وجہ یہ کہ تم نے اس نعمت کو کس طرح حاصل کیا؟ حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے؟ دوسری وجہ یہ کہ اس نعمت کو تم نے کہاں خرچ کیا؟ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق یا خلاف رضائے خداوندی؟ تیسری وجہ یہ کہ اس نعمت کے شکریہ میں تم نے کیا کیا؟

یہاں جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو جو کچھ اس کی ضرورت سے زیادہ عطا فرمایا ہے جس پر اس کی روزی اور زندگی موقوف نہیں ہے اور سب کا سب اس قبیلے سے ہے جس کے متعلق سوال ہوگا۔ بندوں میں سے کوئی بھی اس سے خالی نہیں ہوگا۔ گوفقیر اور گدا ہو اسی لیے کہتے ہیں کہ ٹھنڈا پانی' گرم روٹی' ٹھنڈا سایہ' نیند کی لذت' خلقت انسانی کا اعتدال' اسلام' قرآن پاک' ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود اور اس شریعت کا آسان ہونا ایسی نعمتیں ہیں جن میں امیر غریب سب مسلمان شریک ہیں اور ان کی قدر نہیں پہچانتے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ جن نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا' تین چیزیں ہیں: صحت'

marfat.com

Marfat.com

جوانی اور امن اور کوئی شخص بھی اپنی عمر میں ان تین چیزوں سے خالی نہیں رہتا اگرچہ ان سے ہمیشہ فائدہ حاصل نہ کرے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک فقیر بارگاہِ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے دنیا میں کیا نعمت حاصل ہے جس کے متعلق مجھ سے سوال کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ٹھنڈا پانی اور سایہ۔ نیز صحیح حدیث شریف میں وارد ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر بن الخطاب اور چند اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوالہیثم کے گھر مہمان ہوئے اور گرم روٹی کھجور کے ساتھ کھائی اور ٹھنڈا پانی پیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے متعلق تم سے سوال ہوگا۔

# سورۂ والعصر

مکی ہے' اس کی تین (۳) آیات' چودہ (۱۴) کلمات اور اڑسٹھ (۶۸) حروف ہیں۔

## سبب نزول

اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ کلدہ بن اسید جسے ابوالاسد بھی کہتے ہیں' ایک کافر تھا جو کہ جاہلیت کے دور میں امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ساتھی تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد ایک دن آپ سے ملا اور کہنے لگا کہ اے ابوبکر تو تجارت اور سوداگری میں عقل مندی اور ہوشیاری کی وجہ سے ہمیشہ نفع حاصل کرتا تھا اب تجھے کیا ہو گیا کہ ایک دم تو نے اتنا نقصان اُٹھایا کہ اپنے باپ کا دین چھوڑ دیا اور لات وعزیٰ کی پوجا سے محروم ہو گیا اور ان کی شفاعت سے ناامید ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بے وقوف کے جواب میں فرمایا کہ جو حق کو قبول کرے اور اچھے کام کرے' نقصان نہیں اٹھاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مذاکرہ کے بیان اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گفتگو کو درست قرار دینے کے لیے یہ سورۃ نازل فرمائی۔

marfat.com
Marfat.com

## وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۂ عصر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی ابتداء میں عصر کی قسم فرمائی گئی ہے۔ عصر کے دو معنے ہیں: ایک معنی زمانہ ہے کہ اس میں سے انسان کی عمر بھی ہے اور انسان کی عمر ایک انتہائی نفیس چیز اور ایک قیمتی دولت ہے جس کی وجہ سے انسان سے دینی اور دنیوی کمالات کا کسب ممکن ہوا۔ یہ اس کے سرمایہ اور راس المال کے قائم مقام ہے۔ لیکن اس میں عیب یہ ہے کہ خود بخود گم ہو کر چلی جاتی ہے اور اگر یہ صحیح عقائد اچھے اعمال اور روشن احوال حاصل کرنے میں صرف نہ ہو تو بڑا نقصان اور خسارہ حاصل ہوتا ہے۔ اگر ان چیزوں میں صرف ہوئی تو اس کی وجہ سے ایک طویل ابدی عمر اور ایک لذیذ دائمی زندگی کسب کی جاتی ہے۔ پس انسان کو اس جہان میں بھیجا گیا ہے اور سرمائے اور راس المال کے بجائے اسے ایک عمر دی گئی ہے۔ اس کی مثال برف فروش کی ہے کہ اس کی تجارت کا سرمایہ خود بخود نقصان اور پگھلنے کے درپے ہے۔ اگر اس کے بدلے اس نے کوئی قیمتی چیز حاصل کر لی تو درست ہو۔ اور نہ خسارہ اور نقصان موجود ہے اور یہ تجارت اور سودا انتہائی عجیب ہے جس کی قسم اُٹھائی گئی۔

دوسرا معنی دن کا آخری حصہ جو کہ نمازِ عصر کا وقت ہے اور وہ وقت نفع اور نقصان ظاہر ہونے کا وقت ہے۔ اس لیے کہ روزی کا ہر طالب صبح سے مال کی کثرت حاصل کرنے اور روزی تلاش کرنے میں قسم قسم کی گردشیں' حیلے اور تدبیریں کرتا ہے۔ جب دن کا آخری حصہ آیا' وہ سب تدبیریں اور حیلے ختم ہو گئے۔ اس وقت ہر شخص اپنے کام سے فارغ ہو جاتا ہے' تاجر اپنی دُکان بڑھا کر گھر کی راہ لیتا ہے۔ اگر اس نے کوئی چیز حاصل کر لی تو فبہا ورنہ خسارے میں رہا۔ چونکہ یہ وقت نقصان ظاہر ہونے کا وقت ہے اس وقت کی قسم اُٹھائی گئی بلکہ اگر کوئی غور کرے تو دینی نفع اور نقصان کے ظہور کا وقت بھی وہی ہے۔ اس لیے کہ دن اور اس کی رات کے اعمال پورے ہوئے جو حالات کسب کرنے کے تھے' کسب کر لیے گئے اب روزنامچہ دیکھنے کا وقت ہے کہ کیا گیا اور کیا رہا؟ پس یہ وقت طالبان دنیا میں بھی اور طالبان آخرت میں بھی ایک عظمت رکھتا ہے اس لائق ہے

marfat.com
Marfat.com

کہ اس کی قسم اُٹھائی جائے۔

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی' وہ ایسا ہے گویا اس کا گھر بار برباد ہوگیا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ عصر سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد مبارک ہے کہ آپ کی بعثت کی وجہ سے نفع ونقصان کا بازار گرم ہوا جس نے آپ کی غلامی کی ایسا نفع پایا کہ ابدالآباد تک باقی ہے۔ اور جس نے نافرمانی کی اسے ایسا نقصان ہوا جس کی حد ہی نہیں۔ پس وہ زمانہ انوارِ الٰہی کی کثرت' لامتناہی علوم کے فیضان' دُور پڑے ہوؤں کو قریب کرنے اور گناہ گاروں کو بخشنے کی وجہ سے ایسی عظمت رکھتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ابتداء سے لے کر اس وقت تک کسی زمانے میں اس کا سواں حصہ بھی وقوع پذیر ہوا نہ ہوگا اور کیا ہی اچھا کہا گیا:

خوشا عہدے کہ مردم آدم بے سایہ رادیدند

غریب است ایں زماں گر سائیہ آدم شود پیدا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالْعَصْرِ زمانے کی قسم کہ جس میں سے انسان کی عمر ہے جو کہ صحیح عقائد' اعمال صالحہ اور پاکیزہ حالات حاصل کرنے میں اس کے سرمائے کے قائم مقام ہے یا نمازِ عصر کے وقت کی قسم ہے جو کہ دن اور رات کے اعمال میں نفع اور نقصان کے ظہور کا وقت ہے یا ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی قسم ہے جو کہ نورِ نبوت کے ظہور کا زمانہ اور ولایات کے پھیلنے کا وقت ہے اس وقت جو بھی اس نور سے منور ہوا اس نے دائمی نفع حاصل کرلیا جو اس نور سے محروم رہا' اسے کلی خسارا اور ہمیشہ کا نقصان نصیب ہوا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ بیشک ہر آدمی ایک قسم کے خسارے میں ہے اس لیے کہ اس کا راس المال جو کہ اس کی عمر ہے' لحہ بہ لحہ گھٹ رہی ہے جس کی وجہ سے قربِ الٰہی' اس کی رضا اور اس کا ثواب حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے اس کے ہاتھ سے نکل رہی ہے۔ اور اگر وہ عمر گناہوں اور فانی خواہشات کے شغل میں گزاری جو کہ دربارِ خداوندی سے

marfat.com

Marfat.com

دُوری اور اس کے غضب اور عذاب کا باعث ہیں تو خسارے پر خسارہ بڑھ گیا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مگر جو لوگ ایمان لائے یعنی انہوں نے اپنی عمر سے فائدہ اُٹھایا اس لیے کہ ایمان معرفت کی ایک قسم ہے اور وہ ابدی سعادت کا ذریعہ اور قربِ الٰہی اور فرشتوں کی درستی کا موجب ہے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے اچھے اعمال کیے۔ اس لیے کہ نیک اعمال کی وجہ سے انہیں پسندیدہ اخلاق حاصل ہوئے اور دنیا میں بابرکت حالات اور اونچے مرتبے اور آخرت میں بلند درجات نصیب ہوئے۔ پس انہیں نفع حاصل ہوا اور یہ سب کامل ہونے کے مرتبے ہیں اگر انہوں نے ان کے ساتھ ساتھ کامل کرنے کا رُتبہ اور ہدایت و تعلیم دینے کا مقام بھی حاصل کر لیا تو دوگنا نفع کمایا۔ چنانچہ اس آیت میں کامل کرنے کے مرتبے کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ اور انہوں نے ایک دوسرے کو صحیح عقائد' نیک اعمال اور اچھے اخلاق کی وصیت کی۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔ یعنی نفس کو خواہشات سے روکنے' نفس کو نیکیوں کی مشقت پر پابند کرنے اور مصائب اور سختیوں کے ہجوم کے وقت نفس کو رضا و تسلیم پر کاربند کرنے کی نصیحت کی تمام نیکیاں صبر کی ان تینوں قسموں کے گھیرے میں ہیں اور یہ تمام گناہوں اور خواہشوں سے دُور رکھنے والی ہیں۔

## حق اور صبر کی وصیت کی حکمت

اور ان دونوں الفاظ یعنی حق اور صبر کو یہاں لانے میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ارشاد و تکمیل کا مرتبہ بمنزلہ طبِ روحانی کے ہے اور طب میں دو چیزوں کے سوا چارہ نہیں: ایک تو دوا تجویز کرنا' دوسرا پرہیز کا حکم دینا۔ پس وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ بمنزلہ دوا کے ہے اور تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ پرہیز بیان کرنے کا کنایہ ہے۔ ان دو عظیم امور کے بغیر روحانی صحت کا حصول محال ہے جب یہ دونوں کام سرانجام پائے تو روحانی طب کا کام درست ہو گیا اور ارشاد و تکمیل کا پروگرام منظم ہوا اور اس پروگرام میں جو نفع اور فائدہ حاصل ہوتا ہے'

marfat.com
Marfat.com

حساب کی حد سے زیادہ اور قیاس کے گھیرے سے باہر ہے۔

## صحابہ کبار' ائمہ مجتہدین اور مشائخ طریقت کی عظمت

اسی لیے صحابہ کبار علیہم الرضوان جن کے ارشاد و تکمیل کی بدولت تمام اُمت صراطِ مستقیم پر گامزن ہے۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین جن کے مذاہب کی روزِ قیامت تک پیروی ہو رہی ہے۔ اور طریقت کے خاندانوں کے مشائخ جن کی وصیتوں کے مطابق طالبین اور مریدین انتہائے دنیا تک عمل کرتے چلے جا رہے ہیں اور درجات قرب تک رسائی حاصل کر رہے ہیں' کے ثواب کے برابر کوئی ثواب نہیں اور یہ نفع کا مرتبہ کمال ہے کہ تھوڑی سی عمر میں طویل صدیوں اور زمانوں کا ثواب کسب کر لیا گیا۔

اور وصیت کا لفظ اگرچہ عرف میں ایسی چیز کے ساتھ مخصوص ہے جس کا موت کے بعد حکم دیا جاتا ہے لیکن قرآن پاک کے عرف میں تاکیدی امر کو جگہ جگہ وصیت کا نام دیا گیا ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا اس لفظ کو اس مقام میں وارد کرنے میں ایک باریک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ارشاد و تکمیل کے مرتبے کا حصول لطیفہ نفس اور دوسرے لطائف کی فنا کے بعد ہے اور فانی میت کے حکم میں ہے۔ پس وہ جو حکم دے گویا وصیت ہے جو کہ اس نے مرنے کے بعد فرمائی ہے۔

# سورۂ ھمزہ

سورۂ ہمزہ مکی ہے' اس کی نو (۹) آیات' تیئس (۲۳) کلمات اور چھیانوے (۹۶) حروف ہیں۔

## سبب نزول

اور اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ کفار میں سے تین بدبخت یعنی عاص بن وائل سہمی' ولید بن مغیرہ اور اخنس بن شریق ثقفی ہر مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان کی بدگوئی کرتے اور ان کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے اور ان میں سے اخنس بن شریق تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روبرو بکواس کرتا اور بے حیائی کا مرتکب

marfat.com
Marfat.com

ہوتا۔ ان کے متعلق یہ سورۃ نازل ہوئی۔

## وجہ تسمیہ

اور اسے سورۂ ہمزہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص کسی کی آبرو ریزی کرے اور لوگوں کے عیب تلاش کرے ہلاکت اور عذاب کا مستحق ہے تو جو اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے خلاف بکے قرآن مجید کی تکذیب اور اس کے احکام کے ساتھ عناد رکھے اس کا حال کیا ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ہر عیب نکالنے والے بدگوئی کرنے والے پر ہلاکت ہو۔ ان دونوں لفظوں کی چند وجوہ کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے: پہلی وجہ یہ کہ دونوں لفظوں کا معنی ایک ہی ہے پس تکرار تاکید کے لیے ہے اور یہ اشارہ کرنے کے لیے کہ اس شخص کو اس فعل شنیع کی عادت ہے اور یہ فعل اس سے تکرار کے ساتھ صادر ہوتا ہے۔ چنانچہ فعلہ کا صیغہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمزہ اسے کہتے ہیں جو روبرو بدگوئی کرے جبکہ لمزہ اسے کہتے ہیں جو پس پشت کہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہمزہ وہ ہے جو آنکھ کے ساتھ اور سر ہاتھ اور ابرو کے اشارے سے لوگوں کی حقارت کرے۔ جبکہ لمزہ وہ ہے جو زبان کے ساتھ اس فعل شنیع کا مرتکب ہو۔

بہر حال دونوں الفاظ معنوں میں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اور تکرار کا قصد لوگوں کی ہتک عزت سے بچنے کی تاکید ہے او غالب طور پر یہ فعل شنیع نسب میں یا افعال میں طعن کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ اس قسم کے افراد مخلوقِ خدا کی نظر میں لوگوں کو برا قرار دیتے اور انہیں ستانے میں مبالغہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی جزا میں ہمیشگی کو لازم کرتے ہوئے ایک عذاب کا وعدہ فرمایا ہے جس کا پتہ ویل سے چلتا ہے اس لیے کہ لغت عرب میں ویل کا معنی شدید اور جدانہ ہونے والی مصیبت ہے۔

marfat.com

Marfat.com

اور جاننا چاہیے کہ اس بُری عادت کی بنیاد لوگوں پر فخر چاہنا ہے۔ اور غالب طور پر اس کا منشا مال کی کثرت ہے۔ اس لیے کہ اکثر لوگوں کا مال ان کی لیاقت کے بغیر ہی ان کے ہاتھ آتا ہے۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ اس مال کے ساتھ دوسرں پر بڑائی اور برتری کا اظہار کریں۔ اور چونکہ بڑائی اور برتری جتلانا مال ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ عمدہ نسب' طبعی حسن' اعمال صالحہ اور اچھے اخلاق بھی اس کے اسباب میں سے ہیں۔ ناچار ان وجوہ میں سے مال داروں کی ان کے برابر والوں کے مقابلہ میں مذمت شروع کی جاتی ہے تا کہ وہ اپنے فخر جتلانے کی وجہ درست کریں اسی مقصد کے لیے ہمزہ اور لمزہ کو اس صفت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ:

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ وہ جس نے بے پناہ مال جمع کر لیا ہے اور اسے گن گن کر رکھا ہے' گننے کا ذکر کرنے میں اس امر کا اشارہ ہے کہ وہ تقسیم کرنے اور خرچ کرنے کے لیے مال جمع نہیں کرتا بلکہ بخل کرتا ہے۔ اور اسے بار بار شمار کرتا ہے۔ تا کہ اس میں سے کچھ کم نہ ہو جائے۔ تو اس میں حرص اور بخل دونوں چیزیں اکٹھی ہو گئیں اس قسم کے لوگوں سے اگر بخل کی وجہ پوچھی جائے تو کہتے ہیں کہ ہم زمانے کے حادثوں اور دن رات کی گردشوں کے لیے اموال سنبھال کر رکھتے ہیں اسی لیے اس کے بارے میں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ:

یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اسے دنیا میں ہمیشہ رکھے گا یعنی اس سے موت کے اسباب دُور کر دے گا۔ كَلَّا ایسا نہیں جیسا کہ وہ عقیدہ رکھتا ہے اس لیے کہ دنیا کے پیدا ہونے کے آغاز سے ہی ہمیشہ مال دار ہوئے ہیں اور کوئی شخص بھی اپنی ذات سے موت کے اسباب کو دُور نہیں کر سکا۔ بلکہ بخل کے ہوتے ہوئے مال کی کثرت قیامت کے عذاب کی شدت کا باعث ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے لَيُنْۢبَذَنَّ یہ شخص ضرور پھینکا جائے گا جس میں بدخلقی' بدزبانی' حرص اور بخل جمع ہیں۔

فِی الْحُطَمَةِ توڑنے والی آگ میں۔ اس کی عادت توڑنا ہے جبکہ یہ آگ اس شخص کے شیرازہ کو توڑنے اور بکھیرنے والی ہے۔ اس لیے کہ آگ کا پہلا قبضہ صورت پر

marfat.com

Marfat.com

ہے جو کہ جلنے کے بعد انتہائی قبیح ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد گوشت اور کھال تک نوبت پہنچتی ہے اس کے بعد ہڈیاں توڑنے تک معاملہ پہنچتا ہے۔ پس اس کی ذات قائم رہے گی نہ اس کا حسن و جمال' جس مال کا نتیجہ یہ ہوا سے ہمیشہ رہنے کے اسباب میں سے خیال کرنا انتہائی حماقت ہے چونکہ آگ کا اس قدر اثر جو کہ لفظ حطمہ میں ذکر کیا گیا' عناصر کی آگ' ستاروں کی آگ اور مزاج کی آگ میں جو کہ تپ محرقہ میں ہوتا ہے' مشترک ہوتا ہے جبکہ حطمہ کی آگ ان سب سے بڑی ہے اس لیے اس آگ کی حالت کی صورت بیان کرنے اور اس کے عمل کا کچھ جلوہ ذکر کرنے کے لیے سوال و جواب کے طریقے سے ایک اور ارشاد ہو رہا ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ اور تو کیا جانتا ہے کہ وہ توڑنے والی کیا ہے۔ یعنی وہ آگ عقل والوں اور حکمت والوں کی پہچان سے بالاتر ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک حرارت تین قسموں سے باہر نہیں ہے۔ یا عنصری ہے جیسے آگ کی گرمی۔ یا ستاروں کی ہے جیسے سورج کی گرمی یا مزاج کی ہے جیسے بخار اور حرکت کی گرمی۔ جبکہ یہ آگ اسباب کی وجہ سے نہیں تاکہ کسی کے قیاس میں آئے۔

نَارُ اللّٰهِ یہ خدائی آگ ہے یعنی اس کے غضب اور قہر کی آگ ہے الْمُوْقَدَةُ جو کہ بندوں کے گناہوں' بے اعتدالیوں اور بے ادبیوں کے ساتھ جلائی گئی ہے۔

الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ وہ آگ جو کہ دلوں پر چڑھتی ہے۔ اس کلام کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جو بھی آگ ہے اس کا اثر پہلے جسم پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس پر جو کہ [illegible] کے اندر ہے جیسے اخلاط' ارواح اور اجزائے اصلیہ تک پہنچتا ہے۔ اور قہر الٰہی کی یہ آگ پہلے نفس ناطقہ کو صدمہ پہنچاتی ہے۔ اور وہاں سے قلب تک پہنچتی ہے جو کہ اعضاء میں سب سے زیادہ دکھ محسوس کرتا ہے۔ اور تھوڑی سی تکلیف سے خلل میں پڑ جاتا ہے۔ تو جب اس آگ کا ہجوم پہلے دل پر ہوا تو دکھ اور درد پہنچانے میں نقطہ انتہا پر ہو گی۔ اور دنیا میں جو آگ اس سے مشابہت رکھتی ہے' بخار کی آگ ہے کہ اگرچہ اس کی گرمی اخلاط' ارواح اور اعضائے اصلیہ پر پہلی نشست کرتی ہے لیکن اس کی تکلیف سب سے پہلے دل

marfat.com

Marfat.com

تک پہنچتی ہے۔ وہاں سے باقی اعضاء تک جاتی ہے۔

اس لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ الحمی من فیح جھنم یعنی بخار جہنم کی سانس سے ہے۔ نیز وارد ہوا ہے کہ الحمی حظ المومن من النار یعنی بخار آخرت کی آگ سے مومن کا حصہ ہے۔ لیکن اس وعدہ شدہ آگ سے دو وجہ سے ہلکا ہے: ایک وجہ یہ کہ نفس ناطقہ مجردات میں سے ہے' اتنا متاثر نہیں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ کہ اس آگ کے بخارات اور اس گرمی کا دھواں جسم کے مساموں سے باہر آ جاتا ہے اور پسینہ آتا ہے اور یوں تخفیف کا موجب ہوتا ہے۔ بخلاف اس موعود آگ کے کہ اس کا حال یہ ہے کہ:

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ تحقیق وہ آگ ان پر سرپوش کی گئی ہے یعنی ان کے اعضاء کے اندر بند کر دی گئی۔ کہ گرم سانس اندر سے باہر نہیں آتا اور ٹھنڈا سانس باہر سے اندر نہیں آتا تاکہ کسی قدر تخفیف حاصل ہو۔ چونکہ بعض اوقات ہاتھ پاؤں مارنے اور جسم کو دیوار اور زمین پر پٹخنے سے کسی قدر مسام کھل جاتے ہیں اور تخفیف حاصل ہوتی ہے' ان سے اتنی طاقت بھی سلب کر لی گئی ہے اور فرمایا جا رہا ہے:

فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ یہ سب کے سب لمبے ستونوں میں لٹکائے ہوئے ہوں گے اور انہیں رسیوں میں باندھ کر مضبوطی کے ساتھ جکڑا جائے گا تاکہ ہاتھ پاؤں نہ ماریں اور ان کی اندرونی گرمی کسی طرح بھی کم نہ ہو۔ بعض مفسرین نے یوں نقل کیا ہے کہ جہنم کی آگ کو اوپر سے ڈھانک کر اس سرپوش کے اوپر لمبے ستون ڈال دیں گے تاکہ کسی طرح بھی اس میں ہوا کا آنا ممکن نہ ہو۔ واللہ اعلم

# سورۂ فیل

مکی ہے' اس کی پانچ (۵) آیات' تیئیس (۲۳) کلمات اور ننانوے (۹۹) حروف ہیں۔

## وجہ تسمیہ

اور اسے سورۂ فیل اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اصحاب فیل کا واقعہ مذکور ہے' وہ واقعہ

marfat.com
Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی علامات میں سے ایک ہے۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قہر کے سب سے ادنیٰ سبب کو حیوانات میں سے سب سے بڑا جانور ہاتھی بھی برداشت نہیں کر سکا ہے۔ تو اس کے قہر کے اعلیٰ اسباب کو کب برداشت کیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ واقعہ اس امر پر بھی دلالت کرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے گھر کی بے حرمتی اس قدر قہر کا موجب ہوئی تو اس کے دین اور اس کے رسول پاک علیہ السلام کی بے ادبی کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اور یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے نزدیک واقع ہوا تو گویا یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی علامات سے تھا۔ اس سورۃ میں یہ واقعہ یاد دلایا گیا ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور اس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی کی جرأت نہ کریں جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی یہ غیبی امداد ان تک پہنچی۔

(اقول و باللہ التوفیق - معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات آپ کی ولادت باسعادت سے پہلے بھی جاری تھیں۔ یہی نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا ایں دم بلکہ قیامِ قیامت اور بعد قیامت آپ کی برکات کا فیضان جاری و ساری ہے۔ چنانچہ قاضی مظہری رحمۃ اللہ علیہ زیر آیت یعنی قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی رقم طراز ہیں لان ماوصل بالانبیاء والامم من الکرامات و دفع البلیات کان ببرکۃ نورہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی انبیاء علیہم السلام اور اُمتوں کو جو عظمتیں عطا ہوئیں اور ان کی جو مشکلات دُور ہوئیں سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کی برکت ہے۔ کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے۔

لا ورب العرش جس کو ملا ان سے ملا — بٹتی ہے کونین میں نعمت میں رسول اللہ کی
وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا — ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

سبحان اللہ - محمد محفوظ الحق غفرلہ)

## واقعہ اصحابِ فیل کا سبب

اور اس واقعہ کا سبب یہ تھا کہ بادشاہ نجاشی کی طرف سے ابرہہ نام کا ایک حبشی یمن کا

marfat.com
Marfat.com

والی بن کر آیا۔ اور اس نے یمن کے لوگوں کو دیکھا کہ موسمِ حج میں اطراف واکناف سے نذرانے اور ہدیے لے کر شہر مکہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیا قصد رکھتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں؟ جب لوگوں نے بیان کیا تو اس میں کفر کا غرور حرکت میں آیا اس نے حکم دیا کہ اس خانہ کعبہ کے مقابلے میں اسی ملک میں ایک گھر بنائیں۔ پس ملک یمن کے پایہ تخت صنعاء کے شہر میں رنگین سنگِ مرمر سے ایک گرجا تعمیر کیا گیا اور اسے قلیس کا نام دیا گیا۔ اور اس کے در و دیوار کو سونے اور جواہرات کے ساتھ مرصع اور مزین کیا گیا۔ اس گھر کے گوشوں میں بتوں کو لباسِ فاخرہ اور قیمتی جواہرات کے ساتھ آراستہ کر کے نصب کر دیا گیا' خوشبودار لکڑی کی انگیٹھیاں سلگنے لگیں اس کی دیواروں پر عطر و گلاب چھڑکا گیا اور اس کے اردگرد بھی انتہائی خوبصورت مکانات بنائے گئے اور اپنی مملکت کے لوگوں کو اس گھر کے طواف کی ذمہ داری سونپی گئی۔

اور یہ صورتِ حال قریش اور مکہ معظمہ کے باسیوں کو بہت ناگوار گزری۔ اسی اثنا میں بنوکنانہ کے ایک آدمی نے یمن جا کر بادشاہ کے ہاں ملازمت اختیار کی۔ اور اس گھر میں جھاڑو دینے اور فرش بچھانے پر متعین ہو گیا۔ جب اسے اس گھر میں بے تکلف آمد و رفت کی اجازت مل گئی تو ایک رات وہاں قضائے حاجت کر کے بھاگ گیا' صبح کے وقت جبکہ لوگ اس نجاست آلود گھر کے طواف کے لیے آتے ہیں اور اسے نجاست سے ملوث دیکھ کر متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں اور چلتے چلتے یہ خبر بادشاہ تک پہنچ گئی اس نے یہ کام کرنے والے کی تفتیش اور تحقیق کی۔ آخر ثابت ہو گیا مکہ معظمہ کے رہنے والوں میں سے ایک شخص یہ کام کر کے بھاگ گیا ہے اس کے دل میں انتہائی غصہ آیا اور اس نے چاہا کہ اس حرکت کے بدلے (معاذ اللہ) خانہ کعبہ کی بے حرمتی کرے۔

اور وہ اسی فکر میں تھا کہ ایک اور گل کھلا اور ساکنانِ حرم کے ایک قافلے نے رات بسر کرنے کے لیے اس گھر کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا۔ صبح کے وقت جب وہ کوچ کرنے کا ارادہ کر رہے تھے انہوں نے آگ جلا رکھی تھی۔ تیز ہوا چلی جس نے آگ اس گھر تک پہنچا دی جس سے اس گھر کے لباس اور زیورات جل گئے اور دھوئیں سے اس کے رنگین

marfat.com
Marfat.com

نقش و نگار سیاہ ہو گئے' قافلے والے اس حادثے سے ڈرتے ہوئے فرار ہو گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس واقعہ کی تحقیق کی جائے کہ کس سے سرزد ہوا ہے۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ یہ حرکت بھی مکہ معظمہ کے رہنے والوں ہی سے وقوع پذیر ہوئی ہے۔ بادشاہ انتہائی غضب ناک ہو کر بے شمار فوج اور بارہ (۱۲) ہاتھیوں کے ساتھ جن میں ایک کا نام محمود تھا جو کہ ہاتھیوں کے آگے آگے چلتا تھا اور سب ہاتھیوں سے طاقتور اور بڑا تھا (نصیب دشمناں) خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کی طرف متوجہ ہوا اور راستے میں جس شہر اور جس قبیلہ پر اس کا گزر ہوتا اس شہر اور اس قبیلے کے لوگ عاجزی اور زاری کرتے کہ اس گھر کے درپے نہ ہونا۔ اس جرم کے عوض تو جو چاہے' ہم سے لے لے۔ وہ بالکل نہ مانا یہاں تک مکہ معظمہ کے قریب پہنچ گیا۔

مکہ معظمہ کے رہنے والے اس ظالم کے ڈر سے فرار ہو گئے اور اپنے اموال اور عزت کے ساتھ پہاڑوں میں چھپ گئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب مکہ شریف میں تنہا تھے۔ جب آپ نے ایسے حالات دیکھے تو آپ بھی حیران اور خوف زدہ ہو کر غیبی امداد کا انتظار کرنے لگے۔ کہ اچانک جدہ کی طرف سے جو کہ سمندر کی بندرگاہ اور مکہ معظمہ سے مغرب کی طرف واقع ہے' سبز رنگ کے جانور غول کے غول ہجوم کر کے آ گئے اور ابرہہ کے لشکر کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان پرندوں میں سے ہر پرندے کے ہمراہ مسور سے بڑی اور چنے سے چھوٹے تین تین کنکریاں تھیں۔ ایک کنکری چونچ میں اور دو کنکریاں پنجوں میں۔ جب اس لشکر کے عین اوپر پہنچ گئے تو وہ کنکریاں چھوڑ دیں اور ان سنگ ریزوں کی خاصیت یہ تھی کہ جس کے سر پر لگے اس کے نیچے سے نکل گئے اور درمیان میں سب کچھ جلا دیا اور یہ حادثہ وادی محسر میں پیش آیا جو کہ مکہ معظمہ سے چھ (۶) کوس کے فاصلے پر ہے۔

اسی حالت میں وہ لشکر اس وادی میں تھا اور ان کا محمود نامی بڑا ہاتھی اس وادی میں زانو کے بل بیٹھا رکا ہوا تھا' آگے قدم بالکل نہیں بڑھاتا تھا اور دوسرے ہاتھی بھی رکے ہوئے تھے جب بھی ان ہاتھیوں کو یمن کی طرف متوجہ کرتے تو پوری کے ساتھ دوڑنے

marfat.com
Marfat.com

لگتے اور جب خانہ کعبہ کی طرف لاتے تو رُک جاتے اور زانو کے بل بیٹھ جاتے۔ بادشاہ فیل بانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر رہا تھا کہ یہ سب تمہاری شرارت ہے تاکہ تم مجھے اس گھر کی عظمت کا معتقد بناؤ' میں ان چیزوں سے دھوکا نہیں کھاتا۔ اسی شور و غوغا میں تھے کہ جانور پہنچ گیے اور انہوں نے ہاتھیوں اور رئیسوں سمیت پورے لشکر کو غضب الٰہی سے تہس نہس کر دیا جو مال و متاع ہمراہ لائے تھے' سب کا سب اس جنگل میں پڑا رہ گیا۔

مکہ معظمہ کے لوگوں نے جو کہ پہاڑوں پر کھڑے اس لشکر کا بھاگنا اور اس کی تباہی کا منظر دیکھ رہے تھے' ایک دَم نیچے اُتر کر لوٹنا شروع کر دیا۔ اور کافی مال اکٹھا کر لیا۔ قریشیوں کو جو دولت ملی تھی اسی وجہ سے تھی۔ اور مذکورہ سنگ ریزے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ کے وقت تک بلکہ اس کے بعد بھی لوگوں کے گھروں میں تعجب اور عبرت کے لیے موجود تھے۔ چنانچہ صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کثیر تعداد نے وہ سنگ ریزے دیکھے تھے اس واقعہ کے ایک ماہ پچیس (۲۵) دن بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اس سورۃ میں یہ واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے اور قریشیوں کو نصیحت کی جا رہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ کیا آپ نے نہیں دیکھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یعنی اس لشکر کے ساتھ جو کہ ہاتھی کو آگے کر کے خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے لیے آئے تھے۔ اور دیکھنے کے لفظ میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جو چیز تواتر کے ساتھ ثابت ہو وہ دیکھنے کے حکم میں ہے۔ اس میں شک و شبہ بالکل نہیں ہوتا اور ربك کے لفظ میں اس امر کا اشارہ ہے کہ یہ عظیم واقعہ آپ کی نبوت کی بنیاد ہے اور اسے ظاہر کرنے کا مقصد آپ کی رسالت کی پائیداری ہے۔ گویا ربوبیتِ الٰہی نے جو کہ آپ کی طرف متوجہ ہے' آسمان کی طرف یہ غیبی امداد اُتاری لہٰذا جب آپ کو فتح مکہ معظمہ کے لیے لشکر کشی کا اتفاق ہوا تو غیب سے کوئی ممانعت اور رکاوٹ پیش نہ آئی۔

marfat.com
Marfat.com

اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ کیا اس نے ان کی بداندیشی کو گمراہی اور بے حاصلی میں نہ لوٹا دیا یعنی خانہ کعبہ کے مقابلے میں دوسرا گھر بنانا اور رعایا کو اس کے طواف کا حکم دینا اس خانہ کعبہ کی عزت و حرمت کو ضائع کرنے کی ایک انتہائی قوی سازش تھی لیکن سب رائیگاں گئی بلکہ انہیں سکی پر سکی ہوئی۔ اگرچہ عقل مندوں کو طویل کوشش کے ضائع ہونے سے کافی عبرت حاصل ہوتی ہے لیکن ان لوگوں کے ساتھ اسی سلوک پر اکتفاء نہ کیا گیا بلکہ انہیں آسمان کی طرف سے سخت عذاب نصیب ہوا۔ چنانچہ فرمایا جارہا ہے:

وَاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ اور ان پر بھیجے طَیْرًا اَبَابِیْلَ اُڑنے والے جانور جو کہ غول کے غول آ رہے تھے اور اصل لغت میں لفظ ابابیل غول کے غول کے معنوں میں ہے اور اس کا واحد مستعمل نہیں ہے۔ قیاس کے ساتھ پتہ چلتا ہے کہ اس کا واحد ابیل یا ابول یا ابالہ ہے اور عرف میں یہ لفظ اس جانور پر بولتے ہیں جس کی صورت میں غیبی جانور سنگ ریزے لیے ہوئے آئے تھے۔ اور چونکہ اصحاب فیل نے خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے لیے سب سے قوی جانور ہاتھی کو مقرر کیا تھا ان کے جواب میں چھوٹے ناتواں جانوروں کو کمزور ترین اسلحہ یعنی چھوٹے چھوٹے سنگ ریزوں کے ساتھ ان پر مسلط فرما دیا تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ کمزور ترین مخلوق تائید الٰہی کے ساتھ قوی ترین مخلوق کو زیر کر لیتی ہے اس کی تائید کے بغیر قوی ترین مخلوق کچھ نہیں کر سکتی۔

تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ وہ جانور لشکریوں پر سجیل کی جنس کے سنگ ریزے پھینک رہے تھے اور سجیل سنگ گل کا معرب ہے یعنی وہ گیلی مٹی جو کہ سخت ہو کر پتھر جیسی ہو گئی ہو۔ اور اسے لغتِ ہندی میں کنکر کہتے ہیں اور ان پرندوں کے غول در غول آنے میں حکمت تھی اس لیے کہ سنگ ریزے پھینکنے کے بعد لشکری متفرق ہو کر دائیں بائیں بھاگ جائیں گے پس ناچار جانوروں کو بھی متفرق اور منتشر کر کے لائیں تا کہ ہر طرف پورا کام کریں اور سنگ ریزوں نے ان کے جسموں میں اس حد تک اثر پیدا کیا کہ فَجَعَلَهُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ پس ان لشکریوں کو کھائی ہوئی گھاس کی طرح کر دیا

marfat.com
Marfat.com

یعنی وہ گھاس جسے چار پائے کھاتے ہیں اور کچھ باقی رہ جاتی ہے اور یہ جسم کے اجزاء کا یہاں تک دگرگوں ہونے کا اشارہ ہے کہ شکل و ہیئت اور بنیاد قائم نہ رہے اور یہ تاثیر بھی خلافِ عادت ہے۔ گویا ان سنگ ریزوں میں زہریلا پن پیدا ہو چکا تھا جو کہ جسم کے ساتھ لگتے ہی جسم کے اعضاء کو جدا جدا کر دیتا تھا اور اس کی خشکی سرایت کر جاتی تھی اور باہم تعلق اور اتصال بالکل زائل ہو جاتا تھا۔

اور یہ واقعہ عذابِ الٰہی کا ایک نمونہ تھا۔ اور چند خلافِ عادت امور پر مشتمل تھا۔ ہاتھیوں کا رُک جانا' سمندر کی طرف سے اس کثرت اور ہجوم کے ساتھ پرندوں کا آنا جو کہ ظاہری طور پر پرندوں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ اور اس واقعہ کے بعد بھی ان پرندوں کو کسی نے نہ دیکھا۔ یہ سنگ ریزے کہ ان کی کان کا بھی پتہ نہیں۔ قوی تاثیر جو کہ ان انتہائی چھوٹے چھوٹے سنگ ریزوں میں رکھی گئی تھی۔

# سورۂ قریش

مکی ہے' اس کی چار (۴) آیات' سترہ (۱۷) کلمات اور تہتر (۷۳) حروف ہیں اور قریش حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک قبیلے کا نام ہے جس قبیلے میں سے ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور اکثر صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم بھی اسی قبیلے سے ہیں۔ اور یہ قبیلہ مکہ معظمہ میں سکونت پذیر ہے۔ اور خانہ کعبہ اور چشمہ زمزم کی خدمت پرانے زمانے سے انہیں کے سپرد ہے۔ اسی لیے یمن' شام اور عرب کے دیگر شہروں کے رئیس اور وہاں رہنے والے خانہ کعبہ کی عزت کی وجہ سے اس قبیلے کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور یہ جہاں بھی جاتے' انہیں نذر و نیاز' مہمانی اور قربانی کے طریقے سے بہت کچھ حاصل ہوتا اور ان کے ہمراہ جو بھی اموالِ تجارت ہوتے' کوئی بھی ان کا محصول نہ لیتا۔ چور اور ڈاکو بھی خانہ کعبہ کے ادب کا پاس کرتے ہوئے ان کے درپے نہ ہوتے۔ اس قبیلے کی ہمیشہ کی عادت تھی کہ یہ لوگ سردیوں میں یمن کی طرف سے چلے جاتے جو کہ گرم علاقہ ہے اور تجارت کے فوائد اور نذر و نیاز قبول کرتے اور گرمیوں میں اسی قسم کا سفر شام کی طرف کرتے اور بڑی بڑی رقمیں کما کر لاتے۔ اس لیے مکہ معظمہ میں

marfat.com

Marfat.com

ان کی گزر بسر پوری فراخی سے ہوتی۔ باوجودیکہ مکہ معظمہ کا شہر پہاڑوں اور ریگستانوں کے درمیان واقع ہے۔ وہاں کی سرزمین بالکل خشک ہے' وہاں کھیتی باڑی اور درخت سرسبز نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں قریش کو یہ نعمتیں یاد دلائی ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ اگر تم کوتاہ نظری کرو اور باری تعالیٰ کی ذات پاک کے عمدہ کمالات اور اس کی بے انتہا نعمتوں کو نہ پہچانو جن سے بام ثریا سے لے کر تحت الثریٰ تک ساری کائنات معمور ہے۔ اب اس عظیم نعمت کو ضرور پہچانو جو کہ اس نے خانہ کعبہ کی برکت سے تمہیں عطا فرمائی ہے اور اس کا شکریہ ادا کرنے میں عادت کے مطابق استقامت اختیار کرو۔

## وجہ تسمیہ

اور اس لیے اس سورۃ کو سورۂ قریش کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں خاص کر قریش پر احسان کا ذکر ہے۔ اور قریش پر احسان حقیقت میں پوری دنیا پر احسان ہے۔ اور ان سے عبادت طلب کرنا گویا تمام بنی آدم سے عبادت طلب کرنا ہے۔ مقبولیت میں ان کا مقام دوسری کتابوں کے مقابلے میں بمنزلہ قرآن کے ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب ارادۂ الٰہی کائنات کی اصلاح اور ظلم' کفر اور گناہ دُور کرنے کے ساتھ متعلق ہوا تو اس کام کے لیے ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چنا گیا اور آپ کے قلب مقدس پر پہلے اس خواہش' اس خواہش کے لوازمات اور اس عظیم کام سے وابستہ علوم و معارف القاء فرمائے گئے۔ لازم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مہم کو جاری کرنے میں اپنے قبیلے سے مدد حاصل کریں۔ اس لیے کہ کسی بھی شخصیت کے قبیلے والے اوصاف اور اخلاق کی معرفت میں دوسروں سے آگے ہوتے ہیں۔ اور اس شخصیت کے حالات پر جو اطلاع انہیں ہوتی ہے' دوسروں کو نہیں ہوتی۔ نیز اجنبیوں کی بہ نسبت رشتے داروں میں فکری قوتیں' ذہن کی صفائی' صلاحیت کی نزدیکی اور اسباب کا اجتماع زیادہ ہوتا ہے تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبیلہ مشرف باسلام ہونے کے بعد ساری اُمت کی بہ نسبت وہی حکم رکھتا ہے جو کہ اُمت کی بہ نسبت پیغمبر علیہ السلام کا حکم ہوتا ہے۔

اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ تعلموا من قریش ولاتعلموھا یعنی

marfat.com

Marfat.com

قریش سے علم حاصل کرو اور انہیں نہ پڑھاؤ۔ نیز فرمایا گیا ہے کہ الناس تبع فی هذاالشان بقریش لوگ اس شان میں قریش کے تابع ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید ان کی لغت میں نازل ہوا تا کہ جبلی سلیقہ کے مطابق اس کی باریکیوں کو سمجھ کر دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ پس نبوت کا معنی تمام قریش میں بکھرا ہوا اور پھیلا ہوا ہے۔ نیز عالمِ ازل سے ہی مقدر تھا کہ ملت کی سرداری اور مملکت کی حکمرانی ہجرت کی ابتداء سے لے کر ۶۵۶ سال تک جو کہ چنگیزی ترکوں قریش کی حکومت ختم ہونے کی تاریخ ہے انہیں کے ساتھ متعلق ہو اور بنی آدم کی جبلت ہے کہ دین و مذہب میں رئیس کے تابع ہوتے ہیں تو حکمت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے تا کہ دوسرے لوگ چار و ناچار ان کی اصلاح کے ساتھ اصلاح پذیر ہوں اور اسی تقریر سے اس سورۃ کے نزول کا سبب واضح ہو جاتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

## حضور علیہ السلام کا نسب اور قریش کا معنی

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ یہاں لام قسمیہ ہے جیسا کہ لللہ لایوخر الاجل میں ہے۔ یعنی قریش کو اُلفت دینے کی قسم ہے۔ اور قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیرہویں دادا ہیں۔ اس لیے کہ سرکار علیہ السلام کا نسب مبارک یوں ہے کہ حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ اور جو بھی نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہے قریش میں داخل ہے اور اسے قریشی کہتے ہیں۔ اور لغت میں قریش دریائی جانوروں میں سے ایک جانور کا نام ہے جو کہ سب جانوروں کو پکڑ کر کھالیتا ہے اور سب پر غالب ہے۔

اور نضر بن کنانہ کی اولاد زمانے کے حادثوں کی وجہ سے شہر مکہ سے متفرق ہو کر مختلف اطراف میں پھیل گئے تھے۔ قصی نے جو کہ حضور علیہ السلام کے پانچویں دادا ہیں انہیں جمع کر کے مکہ معظمہ میں آباد کیا اسی لیے قصی کو مجمع کہتے ہیں۔ اس قبیلے کو جو کہ دیگر

marfat.com

Marfat.com

قبائل پر زبان کی فصاحت' شجاعت' سخاوت' بلندی' ہمت اور نسب کی صحت کی وجہ سے غالب تھا اس جانور کے نام پر قریش کہتے ہیں۔

اِيلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ان کا سردیوں اور گرمیوں میں سفر کا خوگر ہونا جس کا انہیں یمن اور شام کی طرف اتفاق ہوتا تھا اور اس امر کی قسم اُٹھانا اس بات کا اشارہ ہے کہ اس ضمن میں ان کی روزی کی فراخی کے لیے ایک عجیب تدبیر الٰہی جلوہ گر ہوئی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے کمال پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ جب کسی شہر کے باسی اس شہر کے گردونواح سے زمین کی قحط سالی' پہاڑ کی سنگلاخی اور ہوا کی خشکی کی وجہ سے اپنی روزی نہ کما سکیں تو ویران ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہاں کے لوگ روزی کی تلاش میں ہر طرف نکل جاتے ہیں۔ پس اس شہر کی آبادی کو اس عجیب تدبیر کے ساتھ محفوظ رکھا گیا ہے کہ وہاں اپنے نام پر گھر تعمیر فرمایا گیا اور لوگوں کے دلوں میں اس گھر کی عظمت ڈال دی گئی۔ اور اس گھر کے مجاوروں کو سردیوں اور گرمیوں کے سفر کی طرف مائل کر دیا گیا تاکہ ہر سمت اور ہر علاقے' ہر موسم میں مناسب چیزیں کما کر اس شہر میں لائیں اس بابرکت مقام میں ان کی اصلی رہائش ختم نہ ہو اور اس وجہ سے کہ ہمیشہ سفر میں ہونا دلی طور پر پریشان ہونے کا باعث ہے خصوصاً شدید سردیوں اور موسم گرما کی گرمی کے وقت اس قبیلے کو اس مشقت سے بالکل ملال نہیں ہوتا تھا' یہ ایک خلاف عادت معمول ہو گیا اور اس لائق ہوا کہ اس کی قسم اُٹھائی جائے۔

نیز سردیوں اور گرمیوں میں ان کا سفر کا عادی ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ کے بعد دین کی سربلندی کا موجب ہو گیا۔ کہ پہلے انہیں ہجرت میں وطن چھوڑنا ناگوار نہ ہوا اس کے بعد انہیں دُور دراز علاقوں کی طرف جہاد کے لیے نکلنا بھی آسان ہو گیا۔ اسی لیے انہوں نے مدینہ عالیہ سے کابل تک' قسطنطنیہ تک اور اندلس تک پھیل کر دین کی ترویج کی۔ نیز ان دائمی سفروں میں انہیں لوگوں کے اخلاق کا تجربہ اور عادات کا امتحان پورے طور پر حاصل ہوا۔ جب انہیں دینی اور دنیوی سرداری حاصل ہوئی تو یہ بات انہیں نہایت مفید اور کارگر ثابت ہوئی۔ لہٰذا تھوڑے سے عرصے میں ان

marfat.com

Marfat.com

کے ہاتھوں دین وایمان کی اشاعت اور مختلف شہروں اور علاقوں کی فتوحات رونما ہوئیں۔ تو سفر کی یہ عادت ان کے حق میں بہت بڑی نعمت اور عظیم دولت تھی کہ اس کی وجہ سے انہوں نے دارین کی سعادت اور دین و دنیا کی سرداری حاصل کی۔ اگرچہ بظاہر پریشانی اور صحرا نوردی ہو۔ اور جب انہیں یہ عظیم نعمت یاد دِلائی گئی تو اس کے شکریہ میں عبادت کا حکم دیا گیا کہ

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ تو چاہیے کہ قریش اس کے گھر والے کی عبادت کریں۔ اس لیے کہ لوگوں کے دِلوں میں ان کی یہ سب عظمت۔ بزرگی۔ ان کی روزی کی فراخی۔ اور ان کا دشمنوں سے بے خوف ہونا سب کچھ اس گھر کی مجاوری اور اس آستانے کی دربانی کی برکت سے ہے۔ اور جب دوسرے لوگ اس سعادت مآب آستانے پر رہنے والوں کے ساتھ اس طرح تعظیم کے ساتھ پیش آئیں تو ان کے لیے لازم ہے کہ اس گھر کے مالک کو تعظیم کے انتہائی درجات کے ساتھ مخصوص کریں اسی لیے یہاں رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ لایا گیا۔ گویا اشارہ فرمایا جارہا ہے کہ کوتاہ نظری کے طور پر اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تمہاری نظر سے اوجھل ہے لیکن اس گھر کی عظمت اور بزرگی تو بالکل ظاہر اور روشن ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اس گھر کا مالک جانتے ہوئے اس کی عبادت کرو تو بھی حق بنتا ہے۔

الَّذِىْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا ہے یعنی ان کا وطن جو کہ ناقابل کاشت زمین اور کسی بھی سبزے سے خالی صحرا ہے اس قابل تھا کہ وہاں رہنے والے بھوکوں مرتے اگر خانہ کعبہ کی تعمیر کی خدائی تدبیر جلوہ گر نہ ہوتی تو وہاں کے لوگ روٹی کا منہ نہ دیکھتے۔

وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ اور انہیں کسی بھی خطرے سے بے خوف کیا ہے۔ باوجود اس کے کہ عرب کے قبائل میں لُوٹ مار قتل وغارت اس قدر پھیلی ہوئی تھی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ لیکن خانہ کعبہ کے اردگرد حرم کی حد تک جو کہ بعض سمتوں میں دس (۱۰) کوس ہے اور بعض دوسری طرف چھ (۶) کوس اور بعض طرف تین (۳) کوس ہے بالکل کوئی کھٹکا اور خطرہ نہیں ہے بلکہ اگر کوئی کسی کے باپ یا بیٹے کو قتل کر کے حرم میں داخل ہو جاتا تو بھی اس کے

marfat.com

Marfat.com

در پے نہ ہوتے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مکہ معظمہ میں امن کی قسموں میں سے ایک امن کوڑھ کی بیماری سے ہے کہ مکہ معظمہ کے رہنے والوں کو کوڑھ بالکل نہیں ہوتا جیسا کہ عرصہ ہائے دراز سے تجربہ ہوا ہے۔ واللہ اعلم

# سورۂ ماعون

مکی ہے اس کی چھ (۶) آیات' پچیس (۲۵) کلمات اور ایک سو پچیس (۱۲۵) حروف ہیں۔

## وجہ تسمیہ

اور اسے سورۃ الماعون اس لیے کہتے ہیں کہ ماعون نہ دینا جو کہ احسان کا ادنیٰ مرتبہ ہے جب حجاب کا موجب اور سزا کا باعث ہے تو واجب حقوق کو ترک کرنے سے خواہ خدا تعالیٰ سے متعلق ہوں یا مخلوق سے بہت ڈرنا چاہیے۔ اور ان امور سے ڈرنا قرآنی مقاصد میں سے ہے اس سورۃ کا نصف کفار کے بارے میں ہے اور دوسرا نصف منافقوں کے بارے میں

## سبب نزول

اور اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ ابوجہل ملعون کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی مال دار بیمار ہوتا تو اس کے سرہانے آ کر بیٹھ جاتا اور کہتا کہ اپنے یتیموں کو میرے سپرد کر دے اور اپنے مال سے ان کا حصہ میرے حوالے کر دے تا کہ میں ان کی پوری خبر گیری کروں اور ان کا ہر قسم کا خیال رکھوں اور دوسرے ورثاء ان کے بارے میں ظلم اور زیادتی نہ کر سکیں اور جب ان کے مال پر قابض ہو جاتا تو یتیموں کو اپنے دروازے سے بھگا دیتا۔ اور وہ بھوکے اور ننگے گلی کوچوں میں گریہ زاری کرتے پھرتے۔ اسی قسم کا ایک یتیم ننگے سر ذلیل و رسوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اس ملعون کی فریاد لایا۔ آپ اس یتیم کی دل جوئی کرتے ہوئے اس ملعون کے پاس آئے اور اسے قیامت کی پوچھ گچھ سے ڈرایا۔ اس ملعون نے اس وعظ و نصیحت کے مقابلے میں روز جزا کی تکذیب شروع کر دی۔ حضور علیہ السلام رنجیدہ خاطر ہو کر دولت خانہ پر واپس تشریف لے آئے اور یہ سورۃ نازل ہوئی۔

marfat.com
Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ نے اسے معلوم کیا ہے جو کہ دین کی تکذیب کرتا ہے اور جھوٹ سمجھتا ہے۔ یعنی ملت اسلام کی یا جزا کی۔ اور دین دونوں معنوں میں آیا ہے اور یہاں دونوں معنوں کی گنجائش ہے اس لیے کہ یتیموں اور ناتوانوں پر ظلم کرنا اور فقیروں اور منگتوں پر رحم نہ کرنا تکذیب ملت کی بھی علامت ہے کہ ملت اسلام میں جگہ جگہ اس مقصد کی تاکید کی گئی ہے اور جزا کا یقین نہ کرنے کی بھی نشانی ہے اس لیے کہ جو جزا کا عقیدہ رکھتا ہے خدا سے ڈرتا ہے اور جو خدا سے ڈرتا ہے ایسے کام نہیں کرتا۔ اور اس انداز سے خطاب کرنے میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر کوئی چاہے کہ دین کے جھٹلانے والوں کو علامت سے پہچان لے اسے چاہیے کہ ان علامات کا مشاہدہ کرے۔

فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ پس وہ دین کو جھٹلانے والا وہ ہے جو کہ یتیم کو زور سے دھتکارتا ہے۔ یعنی سینہ زوری کے ساتھ یتیم کا حق کھاتا ہے۔ اور یتیم سب سے زیادہ کمزور ہے۔ اور جو جزا کا اعتقاد رکھتا ہوا اپنے خاص مال سے لوگوں پر احسان کرتا ہے خصوصاً کمزوروں پر پھر بالخصوص یتیموں پر کہ ان میں کمزوری کے اسباب پورے طور پر ثابت ہیں اس لیے کہ وہ کم عمر بھی ہوتے ہیں اور کسب اور روزی کی تلاش کی قوت نہیں رکھتے اور حیلہ اور تدبیر نہیں جانتے اور کوئی والی وارث بھی نہیں رکھتے جو ان کے کام سرانجام دے۔

اور اگر احسان کرنے سے گیا گزرا ہو تو کم از کم کسی کی حق تلفی تو بالکل جائز قرار نہیں دیتا بالفرض اگر کسی کا حق لے تو اس کا حق لے گا جو کہ دشمنی اور مقابلے کی طاقت رکھتا ہو۔ نہ کہ کمزور خصوصاً ناتواں یتیم کا جو کہ بارگاہِ خداوندی کے بغیر کوئی فریادرس نہیں رکھتا تو جب کوئی شخص اس قسم کے مسکین اور کمزور پر بے تحاشہ ظلم کرنے کا عادی ہو یقیناً خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور اعمال کی جزا کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ اس علامت کے بعد ارشاد فرمایا کہ یتیم کو دھتکارنے کی علت اس ملعون میں بخل اور حب مال کا اس حد تک پایا جانا ہے کہ

وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ اور وہ کسی کو کسی فقیر کو کھانا دینے کی تاکید نہیں

marfat.com
Marfat.com

کرتا۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ منگتوں کو اپنے مال سے دینا تو اس سے کیا ممکن؟ دوسروں سے منگتوں کو کھانا دینا روا نہیں رکھتا۔ تو اس شخص کا بخل بہت اونچے درجے تک پہنچا ہوا ہے۔ اور پتہ چلا کہ یتیم کو دُھتکارنا بخل اور حب مال کی وجہ سے ہے نہ کہ یتیم کی مصلحت اور اس یتیم کے مال کی ذمہ داری کے طریقے سے ہے۔

اور جب معلوم ہو گیا کہ یتیم کو دُھتکارنا اور منگتوں کو کھانا نہ دینا باوجود اس کے کہ یہ دونوں عمل دین کے اوپر کے درجے کے نہیں ہیں اور دین کی تکذیب کی علامت ہوئے تو جو لوگ دین کے اعلیٰ درجات جیسے نماز اور زکوٰۃ میں بخل کرتے ہیں اور بخل ڈالتے ہیں تو ان کی حالت زیادہ خراب اور دین کے متعلق ان کی تکذیب زیادہ واضح ہوگی۔ اسی لیے فرمایا گیا

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ تو ان نماز ادا کرنے والوں پر افسوس ہے یعنی جو نماز کے مکلف ہیں اور نماز اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔

اَلَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ وہ نماز ادا کرنے والے جو کہ اپنی نماز کی حقیقت سے غافل ہیں' نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے اور نماز کا مقصد کیا ہے؟ ورنہ لوگوں کے سامنے نماز پڑھنا اور جب موجود نہ ہوں تو ترک کر دینا اور اسی طرح ضروری مصروفیات سے فراغت کے وقت نماز یاد رکھنا اور دنیوی مہمات میں مصروفیت کے وقت فراموش کر دینا یا بعض ارکان میں حضورِ قلب کے ساتھ ادا کرنا اور بعض ارکان میں وساوس وخطرات کے پیچھے پڑ جانا ان سے سرزد نہ ہوتا۔ اس لیے کہ نماز کی حقیقت دِلی تعظیم کے ساتھ حق کا مراقبہ اور تمام حواس' قوتوں اور اعضاء کو کام میں لگا دینا ہے اور اس معنی میں ان فاصلوں کی کوئی گنجائش نہیں۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ وہ لوگ جو کہ تمام عبادتوں اور نیکیوں میں اپنا دکھاوا کرتے ہیں۔ یعنی انہوں نے صرف اپنی نماز کو ہی برباد نہیں کیا ہے بلکہ وہ ریاء اور سمعہ کی وجہ سے اپنے تمام اعمال ضائع کرتے ہیں۔ اور ریاء شرک کا ایک مخفی شعبہ ہے' دو وجہ سے قوی ہے: ایک یہ ریاء کرنے والا لوگوں کو خدا تعالیٰ سے زیادہ عزیز اور بزرگ قرار دیتا ہے۔ دوسری یہ کہ بڑی نیکی میں شرک کرتا ہے جو کہ توحید و اخلاص کا مقام ہے۔ نہ کہ استعانت و استمداد

marfat.com

Marfat.com

میں جو کہ دنیوی امور کے ساتھ متعلق ہے۔ پس وہ حقیقت کفر کی سب سے زیادہ سخت قسم ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اس پناہ بخشے۔

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ اور وہ ماعون نہیں دیتے اور ماعون کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ اکثر صحابہ کرام علیہم رضوان اور تابعین سے مروی ہے کہ ماعون زکوٰۃ ہے اور ریا کار کے لیے لازم ہے کہ مانع زکوٰۃ بھی ہوتا ہے اس لیے کہ دوسرے واجب اخراجات جیسے بیوی' اولاد' بھائی' قریبیوں' مہمان اور منگتوں کے حقوق سب کے سب بندوں کے ساتھ متعلق ہیں کہ لوگوں کے سامنے کچہریوں میں ان کا مطالبہ کرتے ہیں' رسوائی کے ڈر سے چار و ناچار ان کی ادائیگی کرتے ہیں جبکہ زکوٰۃ خالص حقِ خداوندی ہے اور جب وہ خدا تعالیٰ کو کسی شمار میں نہیں لاتا تو اسے کیا ادا کرے گا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ماعون سے مراد گھر کا سامان مانگنے پر دینا ہے جو کہ پڑوسیوں اور ضرورت مندوں کو دینے کا رواج ہے جیسے پتیلا' پیالہ' سوئی' دھاگہ' ڈول' کدال' کلہاڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ماعون کیا ہے؟ فرمایا پانی' نمک اور آگ۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کسی کو آگ دے گویا اس نے اس آگ سے پکنے والی ہر چیز اسے دے دی اور نمک بھی اسی طرح ہے اور جو کسی کو ایسی جگہ پانی دے جہاں پانی کا قحط نہ ہو گویا اس نے غلام آزاد کیا ہو اور اگر ایسی جگہ پانی دے جہاں پانی قیمتی اور نایاب ہو گویا اس نے مردے کو زندہ کر دیا ہو۔

# سورۂ کوثر

مکی ہے' اس کی تین (۳) آیات' باراں (۱۲) کلمات اور بیالیس (۴۲) حروف ہیں۔

## سببِ نزول

اور اس کا سبب نزول یہ تھا کہ اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو شاہزادے حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ تھے جن کے لقب طیب اور طاہر ہیں اور ان دونوں صاحبزادوں کا چھوٹی ہی عمر میں پے در پے انتقال ہو گیا۔ (اقول

marfat.com
Marfat.com

وباللہ التوفیق- ابن سعد کے مطابق حضرت خدیجہ سے حضور علیہ السلام کے دو صاحبزادے ہیں قاسم' عبداللہ اور جبکہ طیب وطاہر دونوں القاب حضرت عبداللہ کے ہیں اور نورالاصار کے مطابق طیب وطاہر ایک اور صاحبزادے کا نام ہے جبکہ صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں: حضرت سیدہ زینب' رقیہ' اُم کلثوم اور خاتونِ جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہم۔ نیز آپ کے ایک صاحبزادے کا نام ابراہیم ہے جن کی والدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہیں)

کفار نے طعنے کے طور پر حضور علیہ السلام کی شان میں ابتر کا لفظ بولا یعنی ان کی نسل ختم ہوگئی اور ان کے بعد کوئی ایسا نہیں ہے جو کہ ان کے دین کو قائم رکھے اور قریب ہے کہ ان کا دین ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب مبارک کی تسلی کے لیے یہ سورۃ اُتاری۔

## وجہ تسمیہ

اور اسے سورۂ کوثر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں کوثر کا ذکر ہے اور وہ ذکر قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ کہ تمام اولین وآخرین اور انبیاء ومرسلین علیہم السلام پیاس کی حالت میں آپ کے حوض کے محتاج ہوں گے۔

## کوثر کا معنی

اور لغت میں کوثر بہت سی چیز کو کہتے ہیں' یہ کثرت سے مشتق ہے۔ پس بے شمار بیٹوں کو شامل ہے۔ جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائے گئے۔ اور وہ بیٹے دو قسموں پر ہیں۔ صوری بیٹے اور معنوی بیٹے اور دونوں کی کثرت اس حد تک ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کو اس کا سواں حصہ بھی نہ ملا۔ نیز بے پناہ علم کو شامل ہے اور اس اُمت میں علم کی کثرت بہت نظر آ رہی ہے اور محسوس ہو رہی ہے۔

## ان علوم کا بیان جن کی اس اُمت سے پہلے کسی کو خبر نہ تھی

اس لیے کے پہلوں کے علوم یعنی یونانیوں' فارسیوں اور ہندیوں کے علوم سب کے سب ان تک پہنچے۔ اور انہوں نے ان علوم کی اس طرح تحقیق وتنقیح کی ہے کہ ان علوم کے وابستگان کو بھی میسر نہ ہوئی تھی اور دیگر تازہ اور نئے علوم جیسے نحو' صرف' معانی' بیان' تفسیر'

marfat.com
Marfat.com

حدیث، اصول، فقہ اور حقائق و معارف کے علوم جو انہیں عطا ہوئے، پہلوں کو ان کی خبر تک نہ تھی۔

نیز بے شمار اعمال، بے شمار خزانوں اور بے شمار بادشاہیوں کو شامل ہے جو اس اُمت کو عطا ہوئیں۔ لیکن عرف میں کوثر کا لفظ اس حوض کے ساتھ خاص ہو گیا ہے جو کہ قیامت کے دن محشر میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا جائے گا۔ اور در حقیقت وہ حوض خیر کثیر اور اس با کمال وسعت کا نمونہ ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ قرآن کا کوثر قرآن کا سمجھنا ہے۔ نیز کہا گیا ہے پانچ (۵) وقت کی نماز ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور اس امر کی حقیقت وہی ہے جو کہ مذکور ہوئی۔

اور جو کچھ احادیث صحیحہ میں آیا ہے اس کے مطابق حوض مذکور اس نہر سے پانی لیتا ہے جو کہ جنت میں ہے اور وہ نہر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حوض ہے اس کا نام بھی کوثر ہے اور معراج کی رات وہ نہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھائی گئی جس کی فراخی ایک مہینے کی راہ کے برابر ہے۔ اس کے کناروں پر کھوکھلے مروارید کے خیمے کھڑے کیے گئے ہیں۔ اور اس نہر کے کنارے آسمان کے ستاروں کی تعداد کے مطابق سونے اور چاندی کے برتن چنے گئے ہیں اور اس نہر کے ارد گرد درخت اُگے ہوئے ہیں جن کے تنے زریں ہیں اور شاخیں زمرد کی ہیں۔ اور اس نہر کی گزرگاہ مروارید اور یاقوت ہیں اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار، اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا، دودھ سے زیادہ سفید اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے اس میں سے جو ایک گھونٹ پی لے اس کی لذت اور حلاوت کو ابدالآباد تک نہ بھولے اور پیاس نہ لگے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ تحقیق ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔ کلام کے آغاز میں کوثر کا دینا اپنی طرف منسوب فرمایا گیا اس لیے کہ مخاطب عالی مرتبت رسول کریم علیہ السلام تھے جن کی نظر عطا و نعمت پر نہیں پڑتی، انہیں منعم اور عطا فرمانے والے کی ذات کے سوا کچھ بھی

marfat.com

Marfat.com

پیش نظر نہیں۔ اسی لیے تاکید الفظ اَعْطَیْنَا میں پھر منعم کا ذکر دوبارہ فرمایا گیا۔ گویا اس بات کا اشارہ ہے کہ آپ کی نگاہ بلند ہے اوران چیزوں پر نہیں پڑتی لیکن چونکہ یہ چیزیں ہماری عطا کی گئی ہیں اس لئے واجب التعظیم ہیں۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ تو آپ اس نعمتِ عظمٰی کے شکریہ کے طور پر اپنے پروردگار کے لیے نماز ادا کریں اور اگر چہ شکر کے مقام میں جو عبادت بھی ہو مقبول ہے لیکن نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ دنیا میں کوثر کا نمونہ ہے۔

## نماز کوثر کا نمونہ ہے

اس میں پروردگار کی مناجات شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اس میں جو غیبی انوار چمکتے ہیں دودھ سے زیادہ سفید۔ اس میں جو یقین ملتا ہے برف سے زیادہ ٹھنڈا۔ اور نماز پڑھنے والے پر جو لطف اور اُنس نازل ہوتا ہے مکھن سے زیادہ نرم ہے۔ اور اس میں جو سنتیں اور مستحبات محیط ہیں زمرد کے درختوں کی طرح معنوی زندگی کے سرسبز ہونے کے آثار ہیں۔ اور ہر رُکن میں جو اذکار اور تسبیحات مقرر کی گئی ہیں سونے چاندی کے برتنوں کی طرح ہیں کہ محبتِ الٰہی کی شراب ان کے ذریعے ایک ایک گھونٹ باطن میں جاتی ہے اور شوق کی پیاس کو سکون بخشتی ہے۔

اور یہاں لربك فرمایا گیا ہے۔ لنا نہیں فرمایا گیا تا کہ اس بات کا اشارہ ہو کہ عظمت ذات کے مقام کے شایاں کسی سے شکر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور ہر انسان کے شکر کی انتہا یہ ہے کہ اس شخص کی نسبت سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے مقام کے مقابل ہے اور چونکہ کوثر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاہزادے کے بدلے عطا فرمایا گیا' لازم ہوا کہ بیٹا دینے کے شکر کی جنس سے آپ سے ایک اور شکر طلب کیا جائے۔ لہٰذا فرمایا گیا:

وَانْحَرْ اور قربانی دیں۔ جس طرح کہ دوسرے لوگ بیٹا دینے کے بعد عقیقہ قربان کرتے ہیں۔ اور نحر اور ذبح کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کے مقام میں مال' مرتبہ اور دیگر پسندیدہ چیزیں صرف کرنا لوگوں کا معمول ہے لیکن جان دینا معمول نہیں ہے اسی لیے اس شریعت میں جان دینے کے لیے ذبح کرنا قرار پایا تا کہ ظاہری صورت مال دینے کی

marfat.com

Marfat.com

صورت ہو اور حقیقت میں جان دینا ہو۔

نیز جاننا چاہیے کہ خود کو یا اپنے بیٹے یا غلام کو ذبح کرنا شریعت میں جائز نہیں ہے اس لیے کہ انسانی جانیں خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی مملوک نہیں ہیں۔ اسی لیے غلام اور لونڈی کو قتل کرنا جائز قرار نہیں دیا گیا۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کی صرف منفعتوں اور کمائی ہوئی چیزوں کا مالک ہوسکتا ہے۔ تو جب آدمی سے اس کے غلام کی جان طلب کریں تو اس کی تعمیل میں ایک جانور کی جان دینے کے سوا چارہ نہیں ہے جسے اس نے یا دوسرے لوگوں نے پالا ہو اور اس کی ملک ہو۔ اور یہی راز ہے اس مسئلہ میں کہ قربانی چار جنسوں میں منحصر ہے: اونٹ' گائے' بھیڑ اور بکری کیونکہ حقیقت میں آدمی انہی چار جنسوں سے دودھ' گھی اور دہی حاصل کرنے' سوار ہونے' بوجھ لادنے' کاشت کاری کرنے اور نسل پالنے کے ساتھ نفع لیتا ہے۔ بخلاف دوسرے وحشی حیوانات اور درندوں کے کہ ان میں یہ بات متحقق نہیں ہے۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ بیشک آپ کا دشمن وہی دُم بریدہ ہے۔ لغتِ عرب میں دُم بریدہ کا لفظ اصطلاحاً اس کے لیے بولتے ہیں جس کی نسل باقی نہ رہے اور اس کا ذکر جاری نہ ہو۔

## حضور علیہ السلام کا ذکر تا قیامت جاری ہے

اور اس آیت میں اس بات کا اشارہ ہے کہ آپ کی ظاہری اور باطنی نسل تا قیامت باقی رہے گی اور آپ کے امتی منبروں اور میناروں پر خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کے نام کو یاد کریں گے۔ پانچ وقتی نماز اور دوسرے اوقات میں آپ پر درود شریف پڑھیں گے اور آپ کی محبت میں جان کی قربانیاں دیں گے۔ اور ہزاروں عشاق آپ کے نام کو علامت بنائے ہر سال آپ کے مزارِ پُر انوار کی زیارت کو دوڑیں گے۔ تو آپ کا ذکر خیر تو اس قدر جاری ہوگا جبکہ آپ کے دشمنوں کا کوئی نام نہیں لے گا اور لعنت اور نفرت کے بغیر ذکر نہیں کرے گا۔ پس حقیقت میں ابتر اور دُم بریدہ آپ کا دشمن ہے۔ (اقول و باللہ التوفیق۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزارِ پُر انوار کی زیارت کی نیت سے مدینہ عالیہ کا سفر کرنا حضرت مفسر غلام قدس سرہ کے نزدیک جائز' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کی رفعت کا

marfat.com
Marfat.com

خدائی انتظام ہے بلکہ دشمنانِ رسول کریم علیہ السلام کی ابتری کا باعث ہے۔)

# سورۂ کافرون

مکی ہے' اس کی چھ (۶) آیات' چھبیس (۲۶) کلمات اور ننانوے (۹۹) حروف ہیں۔

## سببِ نزول

اس سورۃ کا سببِ نزول یہ ہے کہ کفارِ قریش کے ایک گروہ ابوجہل' عاص بن وائل' ولید بن مغیرہ' اسود بن عبدیغوث۔ اسود بن عبدالمطلب نے حضرت عباس کی بمعرفت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے معبودوں کی پیروی کریں' انہیں بُرا نہ کہیں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کی سفارش کے قائل ہو جائیں تو ہم بھی آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور اس کی بزرگی کے قائل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس طنزیہ گفتگو کے جواب میں یہ سورۃ اُتاری۔ اور اسے سورۂ کافرون اس لیے کہتے ہیں کہ اس سورۃ کا مضمون ایمان والوں اور کافروں کے درمیان عبادت کے مسئلے میں مکمل جدائی بیان کرنا ہے جس کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ آپ کہہ دیں اے کافرو! اور کفار سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی موت کفر کی حالت میں ہوئی اس لیے کہ آخر میں جو ایمان لے آئے' کافر نہیں ہیں اگرچہ ظاہر کے مطابق عوام کی نظر میں کافر معلوم ہوں۔

لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ میں اس چیز کی پوجا نہیں کرتا جسے تم پوجتے ہو۔ اس لیے کہ تمہارا معبود پتھر ہے یا درخت یا پانی یا آگ یا ستارہ یا شیطان یا فرشتہ یا کوئی روح اور میں ان تمام چیزوں کو عبادت کے لائق نہیں جانتا۔ اور اگر تم انہیں اس اعتقاد کے ساتھ معبود بناتے ہو کہ وہ چیزیں معبودِ حقیقی کے مشابہ ہیں یا معبودِ حقیقی نے ان چیزوں میں آ کر حلول کیا یا متحد ہو گیا تو درحقیقت تمہاری عبادت ایسی چیز کی طرف واقع ہوئی جو کہ معبود نہیں ہے۔

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ اور نہ ہی تم اس کی پرستش کرتے ہو جس کی پرستش میں

marfat.com

Marfat.com

کرتا ہوں۔ یعنی اگرچہ تم اپنے معبودوں کو صفاتِ الٰہی کے مظاہر جان کر پوجتے ہو لیکن مخلوقات میں صفاتِ الٰہی کا ظہور ان کی صلاحیت کی وسعت کے مطابق ہے۔ اور کوئی مخلوق اس قابل نہیں کہ اس میں صفاتِ الٰہی کماحقہ ظہور فرمائیں ورنہ وہ مخلوق مخلوق نہ ہوگی اور اگر تم ان مظاہر میں کمال ظہور کا عقیدہ رکھتے ہو تو یہ دراصل صفاتِ الٰہی میں نقصان کا عقیدہ رکھنا ہے۔ پس ذاتِ الٰہی کسی طرح سے بھی تمہارا معبود نہیں ہے۔

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ اور نہ میں اس چیز کو پوجنے والا ہوں جس کی پوجا تم نے کی ہے یعنی میں اسمائے الٰہیہ کی عبادت کرتا ہوں جبکہ تم اسماء کی صورتوں کی عبادت کرتے ہو اور اعلیٰ عبادت' اور ادنیٰ کی عبادت کو لازم نہیں کرتی۔

وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ اور نہ تم اس کی پرستش کرنے والے ہو جس کی پرستش میں کرتا ہوں اس لیے کہ تمہاری عبادت صور اسماء پر بند ہے جبکہ میری عبادت حقیقت اسماء کی طرف لوٹتی ہے۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ تمہارے لیے تمہارا دین ہے۔ جو کہ مظہر کے ساتھ ظاہر کے دھوکے اور صورت پر حقیقت کا شک ہونے پر مبنی ہے۔

وَلِيَ دِيْنِ اور میرے لیے میرا دین۔ کہ جس میں کسی وجہ سے بھی دھوکا اور شبہ نہیں ہے۔ پس یہ دونوں دین نہ اصول میں نہ فروغ میں ایک دوسرے کے شریک ہیں نہ ہی صورت میں ایک دوسرے کی مثل ہیں۔

اور اس مضمون کو دو جگہ لانا صرف اسی لیے ہے کہ مشرکین کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم وہ لوگ ہیں۔ جو اپنے معبودوں کے متعلق صفاتِ الٰہی کے کمال کے مظاہر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کی عبادت کو عبادتِ خداوندی جانتے ہیں۔ دوسری قسم وہ لوگ ہیں جن کا مقصد اسمائے الٰہی کی عبادت ہے لیکن صورت کے پردے میں۔ اور دونوں قسمیں اہلِ حق کے نزدیک مردود و مسترد ہیں۔ دونوں فرقوں کی نفی کے لیے اس عبادت کو تکرار کے ساتھ لایا گیا۔

اور بعض نے حال اور مستقبل کی نفی پر محمول کیا ہے جو کہ لَآ اَعْبُدُ اور وَلَآ اَنَا عَابِدٌ کے

marfat.com
Marfat.com

لفظوں سے سمجھی جاتی ہے اور ایک گروہ نے کفار کی طرف سے حال اور ماضی کی نفی پر محمول کیا ہے جو کہ مَاتَعْبُدُوْنَ اور مَاعَبَدْتُّمْ سے معلوم ہوتی ہے اور سب کی گنجائش ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اس سورۃ کو پڑھے گویا اس نے قرآن پاک کا چوتھائی حصہ پڑھ لیا ہے۔

اور تفسیر کواشی میں لایا گیا ہے کہ اس سورۃ کو اور سورۂ اخلاص کو مشقشقین کہتے ہیں۔ اور جو یہ سورۃ اور سورۂ اخلاص پڑھے کفر اور نفاق سے بری ہو جاتا ہے اور مسنون ہے کہ صبح کی نماز کی سنتوں کی پہلی رکعت میں یہ سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد۔

اور مشہور یہ ہے کہ یہ سورۃ آیت قتال یعنی جہاد کی آیت کے ساتھ منسوخ ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ منسوخ نہیں ہے اس لیے کہ اس سورۃ کا مضمون مسلمانوں کے دین اور کافروں کے دین کے درمیان باہم انتہائی دوری ہے نہ کہ درپے نہ ہونا۔ بلکہ مسلمانوں کے دین میں جہاد اور قتال بھی داخل ہے تو آیت قتال کے ساتھ منسوخ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

# سورۂ نصر

مدنی ہے' اسے سورۂ فتح بھی کہتے ہیں اس کی تین (۳) آیات' انیس (۱۹) کلمات اور اناسی (۷۹) حروف ہیں اور اس سورۃ کو سورۂ تودیع بھی کہتے ہیں اس لیے کہ اس سورۃ کے مضمون میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے قریب آنے کی خبر دی گئی ہے اور اس بات کا حکم ہے کہ اُمت کو وداع فرمائیں۔

اور اس سورۃ کا مضمون یہ ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام سے وہ کام سرانجام ہو گیا جو کہ دنیا میں ان کے وجود سے وابستہ تھا تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اور عالمِ ارواح میں داخل ہونا ضروری ہو گیا۔ اس لیے کہ یہ دار فانی جو کہ تکالیف اور عیوب کے ساتھ مقرر ہے اس قسم کی ارواح مقدسہ کے رہنے کی جگہ نہیں ہے' انہیں تو اس ناقص گھر میں ضروری امور کی تدبیر کے لیے اُتارا جاتا ہے۔ پس انہیں یہاں ضرورت کے مطابق رکھا جاتا ہے۔

marfat.com

Marfat.com

## اس دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی اہمیت

اب معلوم کرنا چاہیے کہ اس دنیا میں ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود کس کام کے لیے ضروری تھا؟ اور وہ ضروری کام کس وقت مکمل ہوا؟ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دینِ حق اور صراطِ مستقیم میں خلل ڈالنے والی چار چیزیں ہیں: نفس' شیطان' کفار جو کہ اقتدار و غلبے میں ہوں اور منافق اور دوغلی پالیسی کے لوگ جو کہ فتنہ انگیزی کے طور پر شبہات ڈالتے ہیں اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام نفس اور شیطان کا شر دُور کرنے کے لیے بھیجے جاتے تھے اس لیے کہ ان دونوں کا شر تمام شرور کی جڑ ہے اور کفار اور منافق بھی ان دونوں کے تابع ہیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت شریفہ میں یہ طریقہ منظور ہوا کہ مستقل طور پر چاروں چیزوں کو دُور کیا جائے۔ اسی لیے آپ نے دین کی جبلت میں لشکر کشی' جہاد' ملک گیری' تحفظ ملکی' فسادیوں' باغیوں' ڈاکوؤں کو سزا دینے کا طریقہ اور جرائم کا ارتکاب کرنے والوں پر حدود اور تعزیرات قائم کرنا داخل ہوا۔ اور اس شریعت کی صورت بادشاہت کی شکل اختیار کر گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت کی ابتدا سے درجہ بدرجہ نبوت کو ترقی دے کر خلافتِ کبریٰ کی سرحد تک پہنچا دیا۔ جب آپ اس کام سے فارغ ہو گئے تو آپ کو دربار پاک میں بلا لیا گیا۔ اور تیس (۳۰) سال کی مدت تک جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کا زمانہ تھا' چار یاروں نے علیہم الرضوان خلافت کے ضابطے جاری کر کے پچھلوں کے لیے ایک دستور العمل چھوڑ دیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ جب خداتعالیٰ کی مدد آئے یعنی کفار پر تلوار اور نیزہ استعمال کرنے' منافقوں اور بدعتیوں پر دلائل و براہین قائم کرنے' نفس پر فکر کے غلبے اور شیطان پر ملازمت تقویٰ کے ساتھ۔

وَالۡفَتۡحُ اور مکہ معظمہ اور دوسرے مقامات میقاتِ کفر کی فتح آئے' بت خانے توڑے جائیں' علوم' احوال اور مواجد مفتوح ہوں اور نصرت کے بعد فتح کا ذکر اس بات کا اشارہ

marfat.com
Marfat.com

ہے' ہر مرتبہ کی فتح' نصرت کی فرع اور اس کے تابع ہے۔ پس شہروں اور بت خانوں کی فتوحات کفار پر مددِ الٰہی کے تابع ہیں۔ شبہات دُور کرنے کے ساتھ علوم کی کشائش منافقوں اور بدمذہبوں پر مدد کے تابع ہے اور روشن احوال اور بلند درجات کا انکشاف نفس و شیطان پر مدد کے تابع ہے۔ پس نصرت ابتدا اور درمیان کا اشارہ ہے جبکہ فتح انتہا اور کمال کے مرتبے کا اشارہ ہے۔ گویا جو حرکت کہ نقصان سے کمال کی طرف شروع ہوئی' انتہا کو پہنچ گئی۔ اسی لیے فرمایا گیا

وَرَاَیْتَ النَّاسَ اور آپ لوگوں کو دیکھیں یعنی عربوں کو کہ حضور علیہ السلام کی بعثت پہلے انہیں کی طرف تھی اور جب وہ دین میں داخل ہو گئے تو دوسرے لوگ جہاد' دلائل کی قوت اور نفس و شیطان کے مکر دُور کرنے کے ساتھ اس دین میں داخل ہوں گے ورنہ ان کا داخل ہونا ناقص رہے گا۔

یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں یعنی اس دین میں جس میں شرک' بدعت' منافقت' بے حیائی اور حق چھوڑ کر باطل کی طرف مائل ہونے کا شائبہ تک بالکل نہیں ہے۔

اَفْوَاجًا گروہ گروہ' قبیلہ قبیلہ اگرچہ بعثت کی ابتدا سے لوگ اس دین میں اِکا دُکا ہی داخل ہوتے تھے۔

## نصرت' فتح اور گروہ گروہ اسلام میں داخل ہونے کی تفصیل

اور ان تینوں امور کی تفصیل اس طرح ظہور پذیر ہوئی کہ ہجرت کے ایک سال بعد جنگ اور لڑائی رونما ہوئی اور انصار جانوں کی قربانی میں مشغول ہو گئے اور یہ زمانہ ظہورِ نصرت کا زمانہ تھا۔ اور فتح مکہ کے بعد کفر کی بڑی بڑی مملکتیں اور شہر فتح ہونے لگے۔ اور نویں اور دسویں سال میں مخلوق کا رجوع اور وفدوں کا پے درپے آنا ظاہر ہوا۔ چنانچہ بنی اسد' بنی فزارۃ' بنی مرہ' بنی کنانہ' بنی ہلال' بنوتمیم' قبائل عبدالقیس' بنوطی اور یمن' شام اور عربوں کے لوگ اطراف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور ان میں سے بعض نفس و شیطان کے جہاد اور بعض دوسرے کفار اور منافقوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

marfat.com

Marfat.com

وسلم کے فیض صحبت کی برکت سے تیار ہو گئے۔

اور چار یار کبار علیہم الرضوان نے جو کہ بعثت کی ابتدا سے لے کر اب تک ہم نشینی کے پابند' خدا کی راہ کے ساتھی اور ہر مسئلے میں مشیر اور معاون تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی ابتدا سے لے کر خلافت کی انتہا تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختلف احوال اور قسم قسم کے طریقے باحسن وجوہ معلوم کر لئے۔ پس اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفیق اعلیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور وصال مبارک کا وقت قریب آ پہنچا اور آپ کو ایک اور چیز کا حکم دیا گیا۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ پس اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کریں۔ اور یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ سیر وسلوک کی انتہا کے بعد عارف کے لیے تنزیہہ و تحمید کی ایک اور راہ کشادہ کی جاتی ہے اور اس کی حقیقت اس کمال کے ساتھ منفرد ہونا ہے جو کہ اسے نصیب ہوا اور اس کمال کا کوئی بھی شریک نہیں۔

وَاسْتَغْفِرْهُ اور اس سے بخشش طلب کریں۔ اور یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ جب عارف تکمیل کے مرتبے کو پہنچ گیا اور ہر قسم کے لوگ اس کے تابع ہو گئے اور ناقص و کامل ہونے میں ان کی صلاحیتیں بہت زیادہ فرق رکھتی ہیں۔ تو اسے لازماً چاہیے کہ ناقصوں کی تکمیل کے لیے معافی مانگے تاکہ صلاحیت کے وہ تمام بنیادی نقصانات اس کی پیروی کی وجہ سے بروز حشر اس کے کمال استقلال تک جا پہنچیں اور شفاعت کی حقیقت بھی یہی ہے۔

إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا بے شک اللہ تعالیٰ ناقصوں کے بارے میں فیض کی طرف رجوع اور رحمت کی تکمیل فرماتا ہے تو اس سے بعید نہیں کہ آپ کے پیروکاروں کو آپ کے طفیل کامل سے کامل فرما دے (اقول وباللہ التوفیق۔ معلوم ہوا کہ یہ کہنا درست اور صحیح ہے کہ یا اللہ ہمیں اپنے حبیب پاک علیہ السلام کے طفیل معاف فرما' بخش دے' رحم فرمایا۔ یہ کہنا کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل تمام نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔)

اور یہ سورۃ سب سے آخری ہے اس کے بعد کوئی سورۃ نازل نہیں ہوئی اس کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ دعا ہمیشہ رہتی۔ سبحانك اللهم بحمدك اللهم اغفرلی اور منقول ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب رسول پاک

marfat.com

Marfat.com

علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سورۃ سُنی تو آپ پر گریہ طاری ہوگیا۔لوگوں نے پوچھا کہ آپ پر گریہ کیوں طاری ہوگیا؟ فرمایا میں اس سورۃ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کی خبر سُن رہا ہوں۔

# سورۂ تبت

مکی ہے اس کی پانچ (۵) آیات بیس (۲۰) کلمات اور اکاسی (۸۱) حروف ہیں۔

## سبب نزول

اور اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی کہ اپنے رشتہ داروں کو عذاب خداوندی سے ڈرائیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دولت کدہ سے باہر تشریف لائے اور کوہ صفا پر جلوہ افروز ہوئے اور اپنے رشتے داروں میں سے ہر ایک کو آواز دی سب جمع ہو گئے۔ازاں بعد آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے ایسی بات کہوں جو تمہاری عقل سے دُور ہو تو میری بات کا یقین کرتے ہو؟ مثلاً میں کہوں کہ ایک لشکر جرار تم پر حملہ کرنے اور تمہیں لُوٹنے کے لیے اس پہاڑ کے پیچھے پہنچ چکا ہے تو اس کا یقین کرتے ہو؟ سب کہنے لگے بالکل یقین کرتے ہیں۔فرمایا میں تمہیں عذاب خداوندی سے ڈراتا ہوں کہ اگر تم میری اطاعت نہیں کرتے اور قرآن پاک پر ایمان نہیں لاتے تو تمہیں پہنچے گا۔

ابولہب نے جس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا لگتا تھا' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سخت الفاظ کہے کہ کیا تو نے ہمیں اسی لیے بلایا اور جمع کیا تھا۔(معاذ اللہ) تو ہلاک ہو جائے۔یہ سورۃ اس خبیث کے جواب میں اُتری۔اور اس سورۃ میں اس خبیث کو دو وجہ سے کنیت کے ساتھ یاد کیا گیا ہے حالانکہ عربوں کے نزدیک کنیت تعظیم کا صیغہ ہے۔پہلی وجہ یہ ہے کہ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور یہ نام شرک پر مشتمل ہے اور اہلِ توحید کے نزدیک بہت مکروہ ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے جہنمی ہونے پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں اگرچہ اس کے باپ نے اسے یہ

marfat.com
Marfat.com

کنیت اس لیے دی تھی کہ اس کا چہرہ روشن ہونے کی وجہ سے آگ کی طرح چمکتا تھا لیکن حقیقت میں یہ اس کے جہنمی ہونے کا عنوان بن گیا۔

اور اس کی بیوی اُم جمیلہ ابوسفیان کی بہن بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں انتہائی کوشش کرتی تھی یہاں تک کہ جھاڑیوں اور کیکر کے درخت کے کانٹوں کا گٹھا اُٹھا لاتی اور رات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گزرگاہ میں بچھا دیتی تاکہ جب آپ صبح کے وقت اپنے گھر سے مسجد حرام میں تشریف لائیں تو وہ کانٹے آپ کے پاؤں مبارک میں پیوست ہوں اور آخر اس نے اسی کام میں جان دے دی۔

کہتے ہیں کہ ایک دن کانٹوں کا گٹھا سر پہ رکھے اور گٹھے کی رسی کو اپنے گلے میں مضبوطی سے باندھے ہوئے تھی کہ اچانک گٹھا اس کے سر سے ڈھلک گیا اور رسی اس کے گلے کا پھندا بن گئی اور وہ اسی حالت میں جہنم میں پہنچ گئی۔ علیٰ ہذا القیاس ابولہب بھی ساری عمر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے پر مصر رہا یہاں تک کہ اس نے بارہا آپ کو پیٹنے اور شہید کرنے کا ارادہ کیا لیکن خدائی حفاظت مانع رہی جیسا کہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو شاہزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہما اس کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ نامزد ہو چکی تھیں۔ ابولہب نے اپنے ان دونوں بیٹوں سے کہا کہ اگر تم میری رضامندی چاہتے ہو تو اس تعلق سے دست بردار ہو جاؤ ورنہ مرتے دم تک میں تمہارا چہرہ نہ دیکھوں گا۔ بڑے بیٹے عتبہ نے خاموشی اختیار کی جبکہ دوسرے بیٹے عتیبہ نے وہاں سے اُٹھ کر انتہائی بے حیائی کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آ کر بے دریغ ہو کر کہا کہ میں نے آپ کی دختر کو چھوڑ دیا اور کچھ اور غیر مناسب الفاظ بکے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی بار خدایا! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرمایا۔ آخر شام کے سفر میں اسے شیر نے پھاڑ دیا۔

اور اس سورۃ کا مضمون یہ ہے کہ ابولہب کو جو کہ نسب، دولت، مرتبہ اور سرداری کے اعتبار سے شرفاء میں سے تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت اور دینِ حق کے انکار کی وجہ سے کلی طور پر خسارہ اور ہمیشہ کی ہلاکت نصیب ہوئی۔ پس ہر شخص کو چاہیے کہ ان چیزوں

marfat.com
Marfat.com

پر غرور نہ کرے اور مقربین بارگاہِ خداوندی کے راہ و رسم درست کرے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور شاہزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما سے اس سورۃ کے نزول کے بعد فرمایا لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا یعنی (اقول و باللہ التوفیق۔ رب العزت کی اجازت اور نفع پہنچانے کی قدرت دیئے بغیر میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں اور پھر خود ارشاد فرمایا کل سبب و نسب ینقطع یوم القیامة ما خلا سببی ونسبی یعنی میرا رشتہ اور نسبت قیامت کے دن بھی منقطع نہیں ہوگا کیونکہ رب تعالیٰ نے خود آپ کو یہ نعمت اور خصوصیت عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ محب طبری اور دیگر اکابر علماء اُمت نے فرمایا انه صلی الله علیه وآله وسلم لایملك لاحد شیئا نفعا ولاضرًا لكن الله عزوجل یملكه نفع اقاربه بل و جمیع امته بالشفاعته العامته والخاصه فهو لایملك الاما یملكه له مولاه ترجمہ وہی جو اوپر بیان ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے۔ جاننا چاہیے کہ نفسِ انسانی کی دو قوتیں ہیں: قوتِ علمی اور قوتِ عملی۔ قوتِ علمی وہ ہے جس کے ساتھ جانتا اور پہچانتا ہے۔ اور قوتِ عملی وہ ہے جس کے ساتھ اس سے اچھے اور بُرے کام صادر ہوتے ہیں۔ اور دونوں ہاتھ ان دو قوتوں کی طرف اشارہ ہے یعنی اس کا عقیدہ اور عمل دونوں ہلاک ہو گئے۔ اور احتمال ہے کہ دو ہاتھوں سے مراد خیر اور شر پر مبنی اعمال ہیں۔ شر پر مبنی اعمال کی بربادی ظاہر ہے کہ ان کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے اور خیر پر مبنی اعمال کی بربادی یہ ہے کہ کفر کی وجہ سے ان کا انجام اچھا نہ ہوا اور وہ ضائع ہو گئے۔ اور بعض نے اسے ظاہر اور باطن کے اعمال پر محمول کیا ہے اور بعض نے طاقتور اور کمزور اعمال پر محمول کیا اور سب کی گنجائش ہے۔

وَّتَبَّ اور ابولہب خود بھی ہلاک ہو گیا۔ یعنی اس خبیث کے اعتقادات اور اعمال کی ہلاکت اس کی ذات کی بربادی اور اس کے نفس کے جواہر کی خرابی تک کھینچ لے گئی یہاں تک کہ کسی طریقے سے بھی اس کی اصلاح ممکن نہ رہی۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ اسے اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا ہے جیسے

marfat.com
Marfat.com

شہرت' مرتبہ' اولاد' پیروکار اور یار دوست کسی کام نہ آیا اور بعض نے مال سے موروثی مال اور کسب سے کمایا ہوا مال مراد لیا ہے۔ اور اس کا بھی احتمال ہے۔ اور بعض نے بیٹے مراد لیے ہیں۔

اب اس کے مال اور کمائی ہوئی چیزوں کے نفع بخش نہ ہونے کو بیان فرمایا جارہا ہے کہ اگر یہ چیزیں اسے دنیا میں کچھ نفع دیں' آخرت میں جہاں ضرورت زیادہ ہوگی اور ہمیشہ رہنا ہے بالکل نفع نہ دیں گی اس لیے کہ:

سَيَصْلٰى نَارًا عنقریب آگ میں داخل ہوگا یعنی اس کے مرتے ہی اسے آگ میں جھونک دیں گے اور اس کے حق میں قیامت کا انتظار بھی نہ ہوگا بخلاف دوسرے کفار کے۔

ذَاتَ لَهَبٍ جو کہ زبردست شعلوں والی ہے۔ اس لیے کہ اس کا کفر دوسروں کے کفر کے مقابلے میں زیادہ تھا نزدیکی رشتے داری۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائل وشمائل پر پوری اطلاع اور آپ کی سچائی کے امتحان کی جہت سے بھی۔ اور اس کی عداوت کی زیادتی کے طریقے سے بھی اور اس کے عذاب کی زیادتی کے اسباب میں سے ایک اور سبب یہ ہے کہ اس کی محبوبہ کو اس کے سامنے جلائیں گے اسی لیے فرمایا گیا ہے

وَّامْرَاَتُهٗ اور جس طرح اس عورت کی عداوت دیکھ کر اس کی عداوت زیادہ ہوگئی تھی اسی طرح اس کا عذاب اس عورت کا عذاب دیکھنے کے ساتھ زیادہ کیا جائے گا۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ میں وہ عورت مراد لیتا ہوں جو کہ ایندھن اُٹھاتی ہے یعنی جہنم میں اس بدعملی کے مقابلے میں۔ جو کہ دنیا میں کرتی تھی اور کانٹوں کا گٹھا اُٹھا کر لاتی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں بکھیرتی تھی۔

فِيْ جِيْدِهَا اس کی گردن میں جو کہ موتیوں کا ہار اور سونے کا زیور باندھنے کی جگہ ہے۔

حَبْلٌ ایک رسی ہوگی مِّنْ مَّسَدٍ کھجور کی سخت چھال سے جسے مضبوطی سے بنایا گیا ہو اور اس رسی کی خاصیت یہ ہے کہ جب پسینے سے تر ہو جائے تو زیادہ کھنچ سکتی ہے اور گلا گھونٹنے کا باعث ہوتی ہے اور وہ ان حروف کے مطابق جو کہ اس کے بارے میں آئے اور

marfat.com
Marfat.com

اسی طریقے سے دنیا میں مرا۔ واللہ اعلم ۔

اور اس سورۃ میں اس بات کا اشارہ ہے کہ مال جمع کرنا اور کمائی کرنا مردوں کی ذمہ داری ہے اور گھر کی خدمت حتیٰ کہ کھانا پکانے کے اسباب جیسے ایندھن مہیا کرنا عورتوں کا کام ہے۔

# سورۂ اخلاص

مکی ہے' اس کی چار (۴) آیات' پندرہ (۱۵) کلمات اور سنتالیس (۴۷) حروف ہیں۔

## سبب نزول

اور اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ کافروں کے سرداروں کے ایک گروہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر پوچھا کہ آپ ہمارے خداؤں کی مذمت کرتے ہیں اور ان میں عاجزی' ناتوانی اور دوسرے عیب ثابت کرتے ہیں' آپ یہ تو بتائیں کہ آپ کے خدا کی صفت کیا ہے؟ کس چیز سے پیدا ہوا ہے اور اس سے کیا چیز پیدا ہوئی ہے؟ (معاذ اللہ) اس کی اصل اور فرع کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی غیر شائستہ گفتگو پر خاموش تھے کہ جبریل علیہ السلام یہ سورۃ لائے۔

اور بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ کافروں کے سوال میں یہ بات بھی تھی کہ وہ کیا ہے' کیا کھاتا ہے' کیا پیتا ہے اور اس نے خدائی کی وراثت کس سے لی ہے اور اس سے وراثت کون لے گا اور کارخانہ خدائی میں اس کا مشیر اور معاون کون ہے؟

## وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۃ اخلاص اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حق کی معرفت اور اس کی ذات و صفات کی دریافت کے لیے مسلمانوں کے دلوں کو کھرا کرتی ہے۔ اور یہاں جاننا چاہیے کہ حقیقتِ الٰہی میں آدمی کا انتہائی مقام یہ ہے کہ اس ذات کے خواص لازمہ کا ادراک کرلے اور بس۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بسیط ہے' کسی طرح بھی اجزاء اور بعضیت کو قبول نہیں کرتی اور وہ کسی علت سے معلول نہیں ہے۔

marfat.com
Marfat.com

## معرفتِ اشیاء کی چار وجوہ

اور دنیا میں چیزوں کی معرفت کا طریقہ چار وجوہ میں منحصر ہے: پہلی وجہ اس کا مادہ پہچاننا' دوسری وجہ اس کی صورت پہچاننا' تیسری وجہ اس کی علت پہچاننا اور چوتھی وجہ اس کی غرض کو اور اس کام کو پہچاننا جو کہ اس سے سرانجام ہو سکتا ہے۔ یہاں پہلی تین وجوہ موجود نہیں ہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مثلاً بیٹھنے کی چوکی کی معرفت کے متعلق پوچھے تو اس کا جواب چار طریقوں سے دیا جا سکتا ہے: پہلی یہ کہ کہیں کہ ایک ایسی چیز ہے جو کہ لکڑی اور لوہے کی میخوں کے ساتھ بنائی گئی ہے' دوسرا طریقہ صورت کی معرفت کا مثلاً یوں کہیں کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو کہ مربع یا مستطیل شکل کی بنی ہوئی ہے' تیسرا طریقہ معرفتِ علت کا مثلاً یہ کہیں کہ بڑھئی نے بنائی ہے اور چوتھا طریقہ معرفت مقصد کا مثلاً یوں کہیں کہ یہ ایسی چیز ہے جو کہ بیٹھنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ پس باری تعالیٰ کے حق میں جب وہ تین طریقے ممکن نہیں ہیں' ناچار چوتھے طریقے پر اکتفاء کیا گیا۔

لیکن یہ بات ضروری تھی کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہات ذکر کی جائیں تا کہ پورا امتیاز حاصل ہو۔ پس لفظ اللہ ان تمام اغراض پر مشتمل ہے جو کہ اللہ تعالیٰ سے دنیا کے متعلق تصور کی جا سکتی ہیں جیسے خالقیت' رازقیت' بخشش اور وجود' معبود ہونا وغیرہ اسی لیے لفظ اللہ کو اس سورۃ کا عنوان بنایا گیا ہے۔ پس گویا یوں کہا گیا ہے کہ اس کی صفات یہ ہیں کہ معبود' خالق' صانع' رازق' زندہ کرنے والا اور موت دینے والا ہے' کائنات کی تمام ضروریات نے اسی سے وجود حاصل کیا ہے۔ یہاں تک کہ آخر بھی اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور چونکہ یہ معنی عوام کے اوہام میں علیحدہ علیحدہ مشترک تھا۔ ناچار اس کے ساتھ صفاتِ سلبیہ کو ملا دیا گیا تا کہ اشتراک وہمی بھی دور ہو جائے اور توحید خالص ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ آپ کہہ دیجئے یارسول اللہ هُوَ اللّٰهُ جس کے متعلق تم سوال کرتے ہو' اللہ ہے۔ ایسی ذات جو کہ صفاتِ کمال کی جامع ہے کہ دنیا میں حیات' علم' ارادہ' قدرت' کلام' سمع' بصر اور دوسرے جواہر و اعراض میں سے جو کچھ دیکھا اور سنا جاتا ہے' سب اسی کے آثار ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

## احد اور واحد میں فرق

اَحَدٌ یگانہ ہے' شریک رکھتا ہے نہ جز' خواہ وہ جز وعقلی ہو یا خارجی' خواہ بالفعل ہو خواہ تحلیلی اور اس کی ذات کے کامل بسیط ہونے کا اشارہ کرنے کے لیے لفظ احد لایا گیا اس لیے کہ لفظ واحد اکثر شریک عددی کی نفی میں استعمال کیا جاتا ہے نہ کہ نفی اجزاء میں جیسا کہ کہتے ہیں کہ زید ایک واحد انسان ہے حالانکہ وہ ہاتھ' پاؤں' آنکھ' کان اور دیگر بہت سے اجزاء رکھتا ہے۔ اسی لیے اسے احد نہیں کہتے۔ پس احد وہ ہے جس میں تقسیم بالکل نہیں ہو سکتی اور یہ معنی حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ لفظ اللہ کو پھر دوبارہ لایا گیا تا کہ اس بات کا اشارہ ہو کہ اس نری بساطت اور احدیت مجردہ کے باوجود میں اس کے لیے صفات کمال ثابت کرتا ہوں اس لیے کہ اس کی صمدیت ان صفات کا تقاضا کرتی ہے۔

## صمد کا معنی

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ صمد کا معنی یہ ہے کہ کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔ اور وجود کے سلسلے میں اس ذات کے سوا چارہ نہیں جو کہ صمد کے ساتھ موصوف ہے۔ اس لیے کائنات میں سراسر ضرورت کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اور جب ہر شے محتاج ہوئی تو ایسی ذات لازماً ہونی چاہیے جس پر ضرورت ختم ہو جائے اور وہ کسی اور کی محتاج نہ ہو۔ ورنہ احتیاج کا سلسلہ ختم نہ ہو۔ پس حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے خواص میں سے یہاں دو چیزیں مذکور ہیں۔ احدیت اور صمدیت اور باقی صفات انہیں کی فرع ہیں۔

لَمْ یَلِدْ وہ نہیں جنا اس لیے کہ کسی چیز کو جنم دے تو وہ چیز اس کی حقیقت میں شریک ہوگی تو وہ اس سے مستغنی ہوگی۔ پس وہ صمد نہیں ہوتا۔

وَلَمْ یُوْلَدْ اور وہ کسی سے جنا نہیں گیا اس لیے کہ اگر وہ کسی سے جنا جائے تو اس کا محتاج ہوگا اور صمد نہ ہوگا اور چونکہ وہ احد ہے۔

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ بھی اس کی صفت ہوگی یعنی اس کا کوئی ہمسر نہیں ہوا ہے اس لیے کہ اگر اس کا کوئی ہمسر ہوتا دونوں ایک چیز میں شریک ہو جائیں اور دوسری چیز کے

marfat.com
Marfat.com

ساتھ مختص ہو تو اس کی ذات یگانہ نہ ہو۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شرکت کبھی عدد میں ہوتی ہے اس کی نفی لفظ احد کے ساتھ فرمائی گئی۔ اور کبھی مرتبہ اور منصب میں ہوتی ہے اس کی نفی لفظ صمد کے ساتھ فرمائی گئی اور کبھی نسب میں ہوتی ہے اور اسے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ کے ساتھ منفی قرار دیا گیا۔ اور کبھی کام اور تاثیر میں ہوتی ہے اس کی نفی وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ سے فرمائی گئی اور اسی وجہ سے اسے سورۂ اخلاص کہتے ہیں۔

## مذاہبِ باطلہ والوں کا رد

نیز علماء نے فرمایا ہے کہ مذاہب باطلہ والوں کے دنیا میں پانچ (۵) فرقے ہیں: ایک فرقہ دہریہ کا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ جہاں کو بنانے والا کوئی نہیں جیسے بھی اتفاق ہوا مواد جمع ہو گیا اور صورتیں بن گئیں جب مسلمان نے اپنی زبان سے ھو کا لفظ بولا دہریوں کے عقیدے سے جدا ہو گیا۔

دوسرا فرقہ فلاسفہ ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات کا ایک بنانے والا ہے مگر اس کی کوئی صفت نہیں یعنی کائنات میں جو تاثیریں ہیں صرف واسطوں سے ہیں نہ کہ اس ذات سے اور حقیقت میں ہندوؤں کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور جب مردِ مومن نے لفظ اللہ کا ذکر کیا جو کہ تمام صفات کا جامع ہونے پر دلالت کرتا ہے تو ان فرقوں کی گفتگو سے چھٹکارا پایا۔

تیسرا فرقہ ثنویہ کا ہے جو کہتے ہیں کہ ایک صانع ساری کائنات کے لیے کافی نہیں ہے تو ناچار چند صانع چاہئیں۔ اور جب صاحبِ ایمان نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں لفظ احد کا ذکر کیا تو اس شرکت سے نجات پائی۔

چوتھا فرقہ یہود و نصاریٰ کے گمراہوں کا ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات کو بنانے والے کے لیے بھی دوسری مخلوقات کی طرح بیوی اور اولاد ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ السلام کو بیٹے اور حضرت مریم کے لیے زوجیت کی نسبت مقرر کی ہے۔ جب مسلمان نے لم یلد ولم یولد کہا تو اس عقیدے سے بالکل دُور ہو گیا و...سی عقیدے کی جنس سے وہ تشبیہات ہیں جو کہ یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کے بارے

marfat.com

Marfat.com

میں گھڑی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کی طرح کئی چیزوں کا محتاج مانتے ہیں۔ تمام تشبیہات کے رد کے لیے احتیاج کی نفی کافی ہے جو کہ صمد سے معلوم ہوتی ہے۔

پانچواں فرقہ مجوسیوں کا ہے جو کہ کہتے ہیں کہ تاثیر اور ایجاد کی طاقت میں اہرمن' یزداں کا ہمسر ہے اور ظلمتوں کی چیزیں' ایذاء پہنچانے والی اشیاء' اور دیگر شرور اور قبائح اسی کی مخلوق ہیں اور یزداں کے لشکر اور اہرمن کے لشکر میں جھگڑا اور کھینچا تانی ہمیشہ سے جاری ہے۔ اور بعض اوقات یزداں کا حکم ہوتا ہے اور کائنات میں خیر اور نیکی آ جاتی ہے۔ اور کبھی اہرمن کا لشکر زور کر جاتا ہے اور دنیا میں بُرائی اور بُری چیزیں پھیل جاتی ہیں اور اس عقیدے کے رد میں وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ سورۃ کے آخر میں لایا گیا۔

نیز علماء فرماتے ہیں کہ آدمی لطائف نفسی' عقلی' قلبی' روحی اور سری کا مرکب ہے اور نفس کی معرفت کی انتہاء یہ ہے کہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کو دریافت کر لے۔ اس لیے کہ ہر وہ چیز جس کی طرف نفس شہوت یا غضب کی قوت کے ساتھ مائل ہوتا ہے' ان حالات سے خالی نہیں ہے کہ یا وہ کسی چیز سے پیدا ہوتی ہے یا اس سے کوئی چیز پیدا ہوتی ہے یا اس کے برابر دنیا میں کوئی اور چیز موجود ہے۔ چونکہ وہ پروردگار کو تمام موجودات سے بالاتر سمجھتا ہے ناچار اس سے ان صفات کی نفی کرتا ہے اور یہ عقل کا بالاتر مرتبہ ہے اور اس کی معرفت کا آخری مقام الصمد ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جہاں احتیاج کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ وہ کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔ اس لیے کہ عقل کو اسباب اور مسببات کا علم دیا گیا ہے۔ پس وہ ہر چیز کو کسی سبب کا محتاج سمجھتی ہے اور اس سبب کو دیگر سبب کا محتاج مانتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دنیا و آخرت کی تدبیر جو کہ عقل کا کام ہے اسباب کے ساتھ وابستہ ہے۔ پس ذات باری تعالیٰ کی حقیقت میں اس کی دریافت کی انتہا اسی قدر ہے کہ عالم اسباب اور مسببات سے ورا ہے۔

اور قلب جس کی شان' مشہور کیفیات محبت' خوف' رجا اور اعتماد میں سے کسی کیفیت میں استغراق ہے' اور اس کی معرفت کا آخری مقام مرتبہ احدیت ہے۔ اور روح جو کہ عالم امر سے آئی اور اسے نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کی خلعت پہنائی گئی۔ اس کی معرفت کی انتہا

marfat.com

Marfat.com

اپنی اصل کی طرف کھینچنا۔ اور اس کے اسم ذات اللہ کے ذکر سے راحت اور اُنس حاصل کرنا ہے۔ اور سِرّ جو کہ روح سے بالاتر ہے' ہویتِ مستقلہ کے سوا کچھ نہیں جانتا اور اس کا علم وجود کی خصوصیت کے ادراک میں منحصر ہے' اور بس۔

پس اس سورۃ میں وہ معرفت ارشاد فرمائی گئی ہے جو کہ تمام لطائفِ انسانی کے ساتھ متعلق ہے تا کہ ہر لطیفہ اس معرفت سے حصہ حاصل کرے۔

نیز علماء کرام کہتے ہیں کہ ھُوَ وادی عشق ذات کے حیران پھرنے والوں کے لیے ہے جن کا ملاحظہ ذات میں پورے استغراق کی وجہ سے اس قدر سے زیادہ نصب العین رہا ہی نہیں۔ اور کلمہ 'اللہ' عارفوں کا حصہ ہے جو کہ اسے تمام اسماء و صفات میں پہچانتے ہیں اور ہر مرتبے کے احکام کو جدا جدا جانتے ہیں۔ اور لفظ احد عام اولیاء اللہ کا حصہ ہے جن کے پیش نظر ہر کثرت میں وصف وحدت سے موصوف وہی ذاتِ واحد ہے اور لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ کا معنی عام ایمان والوں کا حصہ ہے جو کہ عقلی اور نقلی دلائل کی قوت سے یہاں تک پہنچتے ہیں اور جب ان تمام معنوں کو ایک شخص جمع کر لے تو موحد خالص ہو جائے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ اس سورۃ کو حدیث شریف میں قرآن پاک کا ایک تہائی فرمایا گیا اور یوں قرار دیا گیا ہے کہ اس سورۃ کا پڑھنا قرآن کے تہائی حصہ کی تلاوت کے برابر ہے۔

## وجہ فضیلت سورۂ اخلاص

اور اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک کا مقصد تین چیزوں سے باہر نہیں ہے یا ذاتِ الٰہی کی معرفت ہے یا کتابوں کے نزول اور انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے سے واصل ہونے کے راستے کی معرفت یا ہماری شریعت کا بیان یا اس حالت کا بیان جو کہ جنت اور جہنم میں داخل ہونے کے بعد ہو گی اور یہ سورۃ ایک چیز کے بیان کے لیے کافی ہے جو کہ سب سے افضل اور پہلی ہے جیسا کہ واضح ہو چکا۔ واللہ اعلم

marfat.com
Marfat.com

# سورۂ فلق

لغت میں فلق صبح کی سفیدی کو کہتے ہیں۔ جو کہ رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے اور رات کی تاریکی میں صبح کا نمودار ہونا عدم کے پردے سے وجود کے ظاہر ہونے کا نمونہ ہے۔ اس لیے کہ عدم کی حالت میں کوئی تمیز اور تشخیص نہیں ہے اور وہ پوشیدہ جہان ہے جب وجود کے نور نے ظہور کیا' ہر چیز معین اور مقرر ہوگئی اور اس پر ہر چیز کے اثرات اور احکام مرتب ہونے لگے اور یہ حالت بعینہٖ صبح کے نور کے ظاہر ہونے کی حالت کی مثل ہے جس کی وجہ سے چیزیں ممتاز ہو جاتی ہیں اور دنیا میں حس و حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ جبکہ رات کی تاریکی عدم کے پردے کی طرح ہے اور حقیقت میں دنیا میں جو بھی شر اور بُرائی موجود ہوتی ہے' عدم کے وجود کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ہے۔ پس تمام شرور عدم کے حوالے سے ہیں اور وجود کا نور انہیں واضح کرنے والا ہے اور چونکہ یہ سورۃ شروں سے پناہ طلب کے لیے نازل ہوئی ہے ناچار اس کی ابتدا میں نور کے ظاہر ہونے کا اشارہ واقع ہوا اور اس سورۃ کا نام اس نور کی طرف منسوب کر کے سورۂ فلق رکھا گیا۔

## ایک لطیف نکتہ

اور یہاں ایک لطیف نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں ایک صفتِ الٰہی جو کہ رب الفلق ہے' کے ساتھ تین (۳) چیزوں تاریکی' جادو اور حسد سے تعوذ واقع ہوا جبکہ سورۂ ناس میں ایک چیز کے شر سے جو کہ شیطان کا وسوسہ ہے' تین (۳) صفاتِ الٰہی جو کہ رب الناس' ملک الناس اور الٰہ الناس ہیں' کے ساتھ تعوذ واقع ہوا۔ تاکہ اس بات کا پتہ چلے کہ دین کی حفاظت جان اور جسم کی حفاظت سے مقدم اور زیادہ ضروری ہے کیونکہ شیطان کا وسوسہ دین کو برباد کرنے والا ہے اور وہ چیزیں جان اور جسم کو تکلیف دینے والی ہیں۔

اور یہ سورۃ مدنی ہے' اس کی پانچ (۵) آیات' تیئس (۲۳) کلمات اور تہتر (۷۳) حروف ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ آپ کہہ دیں یارسول اللہ! کہ میں فلق کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں۔ اور لغت میں فلق صبح کے معنوں میں ہے اور حقیقت میں ایسی چیز سے عبارت ہے جسے پھاڑا جائے اور اس سے کوئی اور چیز برآمد ہوتا کہ اس چیز سے عجیب وغریب اثرات ظاہر ہوں جیسے کھیتی کا دانہ' کھجور کی گٹھلی اور ہر درخت کا بیج اور جیسے پتھر اور زمین جن سے پانی نکلتا ہے۔ اور جیسے باپ کی پشت اور ماں کا شکم۔ اور ان تمام چیزوں کو فلق کا لفظ شامل ہے اور یہاں فلق کی تخصیص اس لیے ہے کہ مخلوقات کا شر زیادہ تر ان کی اصل کی خباثت سے ہوتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اصل اور فرع کو محیط ہے۔ پس فرع کے شر کو دور کرنے میں اصل کی پناہ لینا ضروری ہوا۔ جس طرح کہ اگر کوئی شخص کسی کے نوکر سے کسی قسم کا خوف رکھتا ہے تو لازماً اس کے مالک کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور اگر اس سے بھی بُرائی کی توقع ہو اور مالک کے مالک کی طرف رجوع کرتا ہے یہاں تک کہ مالک ہونے کا سلسلہ ختم ہو جائے اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا مگر پروردگار تک۔ پس التجا کا آغاز رب کریم سے کرنے کی تعلیم فرمائی گئی تاکہ بات مختصر ہو۔

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ اس کی بُرائی سے جسے پیدا کیا گیا ہے۔

## مخلوقات کی تین اقسام

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ مخلوق جس میں خیر غالب ہے اور شر مغلوب بلکہ معدوم جیسے ملائکہ مقربین۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ' دوسری وہ مخلوق جس میں شر غالب اور خیر مغلوب یا معدوم ہے جیسے شیطان اور ایذاء دینے والی دیگر چیزیں جیسے انسان' جن' درندے' چارپائے' کیڑے مکوڑے' سانپ' بچھو اور چیونٹی وغیرہ۔ اور تیسری وہ مخلوق جس میں خیر اور شر دونوں موجود ہوں اور بعض اوقات بعض لوگوں کے اعتبار سے شر ہو جاتا ہے اور بعض اوقات بعض دوسرے لوگوں کی بہ نسبت خیر ہو جاتا ہے جیسے مال دنیا' بیوی بچے اور دوسرے ساز وسامان بلکہ اخلاق' علوم' حسب ونسب اور دیگر صفات اور نسبتوں کا یہی حال ہے۔

marfat.com

Marfat.com

پس آخری دو قسموں میں شَرِّ مَا خَلَقَ سے مراد وہ بُرائی ہے جو کہ ان میں موجود ہے جبکہ پہلی قسم کی نسبت سے جس میں مطلقاً بُرائی ہے ہی نہیں بعض دوسری چیزوں کے ساتھ لگنے کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ عبادت کا شر ریاء اور سمعہ ہے' ایمان کا شر نفاق اور ارتداد ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی نسبت سے شر ان کو جھٹلانا اور ان کی فرماں برداری میں کوتاہی کرنا ہے جبکہ اولیاء اللہ کی نسبت سے شر ان کی صحبت کے انوار سے محرومی اور انہیں حاصل نہ کرنا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اسی لیے کہتے ہیں کہ شر الخیر تاخیرہ وشر العمل الصالح تقصیرہ یعنی خیر کا شر اس کی تاخیر اور عمل صالح کا شر اس میں کوتاہی ہے۔ اور اس قسم کے شر کو نیک کے ساتھ منسوب کرنا جائز ہے جیسا کہ عرف میں مشہور ہے کہ پھول کا شر کانٹا' خزانے کا شر سانپ اور اچھے چہرے کا شر بُری عادت ہے اور مفسرین نے کہا ہے کہ شَرِّ مَا خَلَقَ سے مراد سب سے بدترین مخلوق ہے جو کہ شیطان ہے اور چونکہ تمام شرور کا منشا وہی ہے اس لیے سب سے پہلے تعوذ اسی سے واقع ہوا۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ اور تاریک چیز کے شر سے جب اس کی تاریکی ہجوم کرے۔ جاننا چاہیے کہ تاریکی کبھی حسی ہوتی ہے اور کبھی معنوی' حسی تاریکی رات کی تاریکی ہے جس میں بہت سے شر ظاہر ہوتے ہیں۔

## تاریکی شب کے شر

ایک شر جن شیطانوں کا پھیلنا جو کہ تاریکی کی مناسبت کی وجہ سے حرکت اور خوشی میں آتے ہیں اور چمگادڑ کی طرح اپنے گھروں سے نکل کر مخلوقِ خدا کو ستاتے ہیں اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب رات ہو جائے' اپنے بچوں کو باہر نہ آنے دیں کیونکہ اس وقت شیاطین منتشر ہوتے ہیں۔ دوسرا شر درندوں اور موذی کیڑوں مکوڑوں کا نکلنا جیسے سانپ اور بچھو۔ تیسرا شر لوگوں کے گھروں کو لوٹنے کے لیے چوروں کا ادھر اُدھر پھیل جانا' چوتھا شر جادو اور طلسمات والوں کی توانائی کیونکہ سورج کے غالب و قاہر نور کی وجہ سے ان کے اعمال دن کے وقت اثر کم کرتے ہیں اور پانچواں شر فسق و فجور والوں کا گناہوں میں مصروف ہونا۔

marfat.com

Marfat.com

## معنوی تاریکی کی چند اقسام

اور معنوی تاریکی کی بھی چند اقسام ہیں' ان میں سے بڑی تاریکی وہم کی ہے جو کہ عقل کے نور پر غالب آ جاتی ہے۔ اور اشیاء کی حقیقتوں کو نگاہ سے اوجھل کر دیتی ہے۔ اور اس کی شاخوں میں سے کفر کی تاریکی ہے اور گناہوں' برے اخلاق اور بری صحبتوں کی تاریکیاں ہیں اس آیت میں ان تمام تاریکیوں سے تعوذ واقع ہوا۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے یعنی ان خبیث نفسوں کے شر سے جو کہ شیاطین کے اسماء' اوران کے کلمات پڑھنے کے ساتھ توسل کر کے نفوس اور اجسام میں تاثیر کرتے ہیں اور جادو کا معنی یہی ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ اور حاسد کے شر سے جب حسد کا اظہار کرے۔ اور اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرے۔ اور یہ قید اس لیے ہے کہ حاسد جس وقت تک اپنے حسد کو چھپائے رکھتا ہے اس چیز کا اثر اس تک نہیں لوٹتا۔ اور یہاں سے معلوم ہوا کہ بدترین شر حسد ہے اور فی الواقع جو شر بھی پوری کائنات میں پیدا ہوتا ہے یا ارادہ واختیار والے نفوس سے صادر ہوتا ہے جیسے قتل کرنا' لوٹنا' ظلم کرنا' تاوان لینا اور جادو وغیرہ۔ یا ارادہ واختیار سے خالی طبائع سے صادر ہو جیسے پانی میں غرق ہونا اور آگ میں جلنا وغیرہ اور بدترین شر ارادہ واختیار والوں کا شر ہے اور ان تمام شروں کے نکلنے کی جگہ حسد کی وصف ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ پہلا گناہ جو آسمان میں واقع ہوا ابلیس کا حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کرنا تھا اور پہلا گناہ جو زمین پر صادر ہوا قابیل کا ہابیل پر حسد کرنا تھا۔

---

(یاد رہے کہ یہاں گنڈے بنانا اور ان پر گرہ لگانا آیات قرآن یا اسمائے الٰہیہ دم کرنا جائز ہے۔ جمہور صحابہ کرام رضوان اور تابعین اسی پر ہیں اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام کے اہل میں سے کوئی بیمار ہوتا تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) معوذات پڑھ کر اس پر دم فرماتے۔ نیز تعویذ اور عمل جس میں کوئی کلمہ کفر و شرک کا نہ ہو جائز ہے۔ خاص کر وہ عمل جو آیات قرآنیہ سے کیے جائیں یا احادیث میں وارد ہوئے ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کو جلد جلد نظر ہو جاتی ہے' کیا مجھے اجازت ہے کہ ان کے لیے عمل کروں؟ حضور علیہ السلام نے اجازت دے دی۔

(ترمذی) خزائن العرفان از صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی۔ الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہ)

marfat.com

Marfat.com

## دو سوالات اور ان کے جوابات

دو سوال باقی رہ گئے: پہلا سوال یہ ہے کہ جب پہلے مخلوقات کے تمام شرور سے پناہ لے لی گئی تو جادوگروں' حاسدوں اور تاریکیوں کے ذکر کی حاجت نہ رہی پھر ان چیزوں کو کیوں ذکر فرمایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر مخلوقات کا شر بالکل ظاہر اور واضح ہے جبکہ ان تین گروہوں کا شر پوشیدہ اور غیر واضح ہے۔ اور پوشیدہ شر ظاہری شر سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ناچار خصوصیت کے ساتھ اس سے پناہ طلب کرنا ضروری ہوا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ غاسق اور حاسد کو نکرہ لایا گیا جبکہ نفاثات کو لام تعریف کے ساتھ معرفہ لایا گیا' ایسا کیوں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ لام تعریف استغراق کے لیے ہے اور جادوگر سب کے سب شر ہیں۔ اس لیے کہ فی نفسہ جادو کبیرہ گناہ ہے گو اس کے ساتھ دفع شر یا کسب خیر کریں۔ اسی لیے حربی کافروں کو جادو کے ساتھ قتل کرنا اور شوہر کا دل بیوی کی طرف مائل کرنا درست نہیں ہے جبکہ ہر غاسق اور حاسد شر نہیں' بہت سی راتیں خیر میں گزرتی ہیں اور ظالموں اور کافروں کے ساتھ حسد کرنا برائی نہیں رکھتا۔ پس یہ استغراق کا مقام نہ تھا' نکرہ لانا مناسب ہوا۔

# سورۃ الناس

مدنی ہے اس کی چھ (۶) آیات' بیس (۲۰) کلمات اور اسی (۸۰) حروف ہیں اور اسے سورۃ الناس کا نام اس خطاب کے لیے دیا گیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ جو حقائق الٰہیہ اور کونیہ تعلق رکھتے ہیں' اس میں مذکور ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اسم جلالت 'اللہ' کا ذکر اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء' صفات اور افعال لوگوں میں جلوہ گر ہیں اور رحمن کا لفظ اس لیے لایا گیا کہ نور وجود کا فیض پہنچانے کے بعد لوگوں کی تکمیل کا اشارہ ہو جبکہ لفظ رحیم اس چیز کے شر سے جو کہ لوگوں میں ہے اور لوگوں سے نکلتی ہے'

marfat.com

Marfat.com

حفاظت کا اشارہ کرنے کے لیے ہے۔

## سبب نزول اور لبید بن عاصم کا جادو کرنا

ان دونوں سورتوں کے نزول کا سبب یہ ہے کہ لبید بن عاصم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کیا۔ اور آپ اس جادو کی وجہ سے علیل ہو گئے اور بعض اوقات یوں خیال فرماتے کہ میں نے ایک کام کر لیا ہے حالانکہ کیا نہیں ہوتا تھا۔ جب یہ عارضہ چھ (۶) ماہ تک، دراز ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دِکھایا گیا کہ دو فرشتے حاضر آئے۔ ایک فرشتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے اور دوسرا قدمین شریفین کی طرف بیٹھ گیا۔ ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے۔ ایک نے کہا کہ اس رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ و السلام کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا کہ انہیں جادو کیا گیا ہے۔ پھر پہلے فرشتے نے پوچھا کہ آپ کو کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ لبید بن عاصم یہودی نے آپ کے بالوں میں جو کہ اس نے آپ کی کنگھی سے لیے ہیں اور آپ کی کنگھی کے دندانوں میں گیارہ (۱۱) گرہیں لگائی ہیں اور انہیں کھجور کی چھال کے غلاف میں رکھ کر ذروان نامی کنوئیں میں پتھر کے نیچے دفن کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صبح کے وقت اُٹھے اس کنوئیں کی طرف گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دو آدمی کنوئیں میں اُترے اور اس پتھر کے نیچے سے وہ چیزیں باہر نکال لائے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ دونوں سورتیں لائے جو کہ گیارہ (۱۱) آیات ہیں اور یہ گیارہ (۱۱) آیات ان گیارہ (۱۱) گرہوں پر پڑھ کر دم فرمایا' وہ گرہیں کھل گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکمل صحت یاب ہو گئے۔ (اقول و باللہ التوفیق۔ حضرت حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان گجراتی حاشیہ القرآن مسمی بنور العرفان میں فرماتے ہیں کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے جیسے تلوار' تیر اور نیزے کا یہ اثر نبوت کے خلاف نہیں۔ جادو کا اثر دُور کرنے کے لیے دعائیں تعویذ وغیرہ جائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کی عقل اور اعتقاد کو جادو سے محفوظ رکھتا ہے تا کہ تبلیغ دین میں رکاوٹ نہ ہو۔ الناقل محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور معوذتین پر قرآن پاک کے اختتام میں نکتہ یہ ہے کہ جب نعمت پوری ہو جائے اور

marfat.com

Marfat.com

کمال کو پہنچے' دشمن کے حسد اور مکر کے خوف کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ پس یہ پناہ طلب کرنے کا موقع ہے اور یہاں شیطان کے شر سے استعاذہ تین اسمائے حسنٰی کے ساتھ خاص فرمایا گیا۔ رب' ملک' الٰہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کے دل میں شیطان کے داخلے کی جگہ تین جہت سے ہے: شہوت' غضب اور غلط عقیدہ۔ جسے ہوا بھی کہتے ہیں۔ اسم رب شر شہوت کو اسم ملک غضب کو اور اسم الٰہ شر ہوا کو دُور کرنے کے لیے ہے۔ گویا یوں ارشاد فرمایا کہ اگر شیطان تجھے شہوت کی راہ سے وسوسہ ڈالے تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو نگاہ میں رکھ اگر غضب کی راہ سے سامنے آئے تو اللہ تعالیٰ کی بادشاہی' عدل اور انتقام کو یاد کر اور ہوا کی راہ سے آئے تو مرتبہ الوہیت سے التجا کر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اے کہنے والے جو کہ شیطان کے شر سے پناہ ڈھونڈتا ہے یوں کہہ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی پرورش اگرچہ تمام مخلوقات کو عام ہے لیکن جو تربیت لوگوں کے لیے ہے اس کی صورت کسی مخلوق میں نہیں ہے اس لیے کہ وجود انسانی پوری کائنات کا نمونہ ہے تو گویا بارگاہِ الوہیت میں ایک جامع مختصر اور کائنات کا خلاصہ ہے۔

## انسان کائنات کا خلاصہ ہے

اس کی تفصیل یہ ہے کہ وجود' حیات' علم' ارادہ' قدرت' سننا' دیکھنا اور بولنا سب شان الوہیت کی صفات کا پرتو ہیں۔ جبکہ گرمی' سردی' تری اور خشکی اس کے وجود میں عناصر اربعہ کی جگہ پر ہے۔ وہ ترکیب کی وجہ سے معدن سے مشابہت رکھتا ہے' غذا اور پیدا کرنے کی وجہ سے نباتات کے مشابہ ہے۔ اور حس' قوتِ تخیل نیز لذت اور تکلیف محسوس کرنے میں حیوانات کی طرح ہے۔ اور اسے حیوانات کی ہر قسم کے ساتھ مشابہت حاصل ہے۔ پس غضب اور جرأت کے وقت درندے کی طرح ہے' شہوت اور لالچ کے وقت چرنے والے جانور کی طرح ہے۔ مکر' حیلہ' اغواء کرنے اور نیکوں کے نظام کو درہم برہم کرنے میں شیطان ہے۔ معرفت' طاقت اور عصمت میں ایک مقرب فرشتہ ہے۔ اس میں حکمتیں جمع ہونے کی

marfat.com

Marfat.com

وجہ سے لوحِ محفوظ کی مانند ہے۔ اور اس وجہ سے کہ اس کی تاثیر سے شاگردوں اور ہدایت کے متلاشیوں کے دلوں میں اشیاء کی صورتیں راسخ اور مضبوط ہوتی ہیں۔ قلم اعلیٰ کی طرح ہے۔ بہر حال وہ نقصان جو کہ آدمی نطفہ ہونے کی صورت میں رکھتا ہے اور پھر وہ کمال جو کہ مقام خاتمیت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کے بعد رونما ہوا' دونوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے اور اس کی ربوبیت کا نظارہ کرنا چاہیے۔

مَلِكِ النَّاسِ لوگوں کا بادشاہ۔ یہ صفت اس بات کا اشارہ ہے کہ آدمیوں کو روح مدبرہ دی گئی ہے اور اسے ادراک اور حرکت دینے والی قوتوں پر تصرف عطا فرمایا گیا ہے۔ پس جسم کی کائنات میں روح بادشاہ مطلق ہے اور اس کا پورا بدن بمنزلہ آباد ملک کے ہے جبکہ ادراک اور تحریک کی قوتیں سب اس بادشاہ کا لاؤ لشکر ہیں اور یہ سب کچھ حضرت حق جل شانہ کی بادشاہت کے عجائبات میں سے ایک عجوبہ ہے۔

اِلٰهِ النَّاسِ لوگوں کا معبود۔ یہ صفت اس بات کا اشارہ ہے کہ عبادات سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا شوق اور اس کے حضور قرب طلب کرنا لوگوں کی اصل جبلت میں سپرد کیا گیا ہے۔ اسی جبلی شوق کی بناء پر لوگوں کے گروہوں میں سے ہر گروہ والے اس مقصد کی جستجو میں اور اس خیال کی گرفت میں ہیں اور یہ عام شوق اور پوری مخلوق کی گرفتاری اس کی معبودیت کے کرشموں میں سے ایک کرشمہ ہے۔

## لفظ رب' ملک اور الٰہ کی ترتیب میں تفسیری حکمت

اور بعض مفسرین نے ان تین صفات کی تفصیل اور انہیں اس ترتیب کے ساتھ لانے میں یوں گفتگو فرمائی ہے کہ زمانہ طفلی میں آدمی اپنے پرورش کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا اور بھوک پیاس کے وقت اسی سے التجا کرتا ہے۔ اور اگر کسی چیز سے ڈرتا ہے تو اسی کی طرف بھاگتا ہے۔ اسی لیے ان حالات میں بچہ اپنے ماں باپ کو پکارتا اور ان سے فریاد کرتا ہے۔ اور جب جوانی کی حد کو پہنچتا ہے اور دیکھتا ہے کہ میرے ماں باپ جب بادشاہ اور سردار کے محتاج ہیں اور بادشاہ اور سردار سے روزی چاہتے ہیں اور دفع بلاء میں بادشاہ اور سردار کے دربار میں فریاد لے جاتے ہیں ناچار اس کے ذہن

marfat.com
Marfat.com

میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ جو کچھ ہے' بادشاہ اور سردار ہے اس کا قرب حاصل کرنا کارخانہ کائنات کے منظم ہونے کا موجب ہے۔ پس اس حالت میں اس کا سارا اعتماد بادشاہ اور سردار پر ہے۔

اور اس حالت سے بھی جب اس نے ترقی کی اور مشاہدہ کیا کہ بعض اوقات بادشاہ اور سردار بھی عاجز اور بے بس ہو جاتے ہیں۔ اور جہان غیب کی طرف التجا کرتے ہیں۔ اور وہاں سے مقاصد میں اور حاجات کے حصول میں مدد طلب کرتے ہیں۔ تو معلوم کر لیتا ہے کہ بادشاہ اور سردار بھی میری طرح عاجز اور محتاج ہیں۔ پس کائنات کا کارخانہ ایک اور ذات کے ساتھ وابستہ ہے جسے اللہ کہتے ہیں۔ پس اس صفت کو لانے میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر آدمی مزاج طفلی رکھتا ہے اور پرورش کے بغیر کچھ نہیں جانتا تو میں یہ صفت بھی رکھتا ہوں۔ چاہیے کہ میری بارگاہ میں التجا کرے کہ میں رب الناس ہوں اور میری ربوبیت تمام لوگوں کو عام ہے۔ بخلاف ماں باپ کے جن کی ربوبیت اپنی اولاد کے ساتھ خاص ہے۔

اور اگر اس کی عقل بلوغ کی حد تک پہنچ گئی ہے' بادشاہ اور سردار کو مالک امر سمجھتا ہے تو یہ صفت بھی مجھ میں وجہ کمال کے ساتھ موجود ہے کہ میں تمام کائنات کا بادشاہ ہوں نہ کہ ایک یا دو ریاستوں تک محدود ہوں۔ اگر اس نے تجربہ کے ساتھ معلوم کر لیا ہے کہ بادشاہ اور سردار نیز ماں باپ سب کے سب ایک اور ذات کے محتاج ہیں جسے اللہ کہتے ہیں۔ اور صبح و شام اس کا نام ورد زبان رکھتے ہیں تو میں اس صفت کے ساتھ موصوف ہوں۔ مقصد یہ کہ ہر حال میں اس کے حضور التجا کرنا چاہیے اور اسباب اور واسطوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ برے خیال کے اثر سے اور یہ اَعُوْذُ کے ساتھ متعلق ہے یعنی میں برے خیالات کی برائی سے پناہ لیتا ہوں اور برا خیال چند طریقوں سے نقصان دیتا ہے۔ ایک تو مزاج خراب کرنے میں' دوسرا تدبیر نفس میں' تیسرا معرفت میں' چوتھا عبادت میں' پانچواں قرب خداوندی حاصل کرنے میں اور آدمی کی عمر کی ابتدا سے لے کر

marfat.com
Marfat.com

انتہاء تک اسے یہی کام درپیش آتے ہیں اور جب یہ کام خلل میں پڑ گئے تو اس کی عمر برباد ہوگئی۔

اَلْخَنَّاس وہ جو بھاگتا ہے۔ یہ وسوسے کی صفت ہے' صاحب وسوسہ کے اعتبار سے اس لیے کہ شیطان' ذکرِ الٰہی' تلاوتِ قرآن پاک اور فرشتوں کی حاضری سے طبعی طور پر بھاگتا ہے اور یہ صفت لانا اس لیے ہے کہ شیطان کا کام بہت مشکل ہے اور اس کے شر سے محفوظ رہنا رب الناس کے حضور التجا کیے بغیر ہرگز ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب کوئی دشمن مقابلے میں کھڑا ہوا سے دفع کرنا آسان ہوتا ہے۔ اور جب وہ کھڑا نہ رہے' بار بار عداوت کرے تو ہر وقت حفاظت اور احتیاط سے گزارنا چاہیے۔ اور یہ کام بہت دشوار ہے اسی لیے اربابِ حکومت وسلطنت کے لیے ان دشمنوں کو دفع کرنا جو کہ ایک دم ہجوم کر کے جنگ شروع کر دیں' ان ڈاکوؤں اور چوروں کو دفع کرنے سے زیادہ آسان ہے جو کہ قابو پانے کے وقت اپنا کام کر کے غائب ہو جائیں اور ان کا تدارک ہر غیب ومخفی کا علم رکھنے والی ذات یعنی رب العزت جل شانہ کے سوا بہت دشوار ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ یہ وسواس کی دوسری صفت ہے یعنی وہ بُرے خیالات لانے والا جو کہ ردی وسوسے ڈالتا ہے' فِیْ صُدُوْرِ النَّاس لوگوں کے سینوں میں۔ اور سینوں کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں نفسِ ناطقہ کے اثرات حیوانیت کے ساتھ مخلوط ہو کر فساد کا رنگ جلد قبول کرتے ہیں۔ بخلاف دوسرے اعضاء کے۔ اس لیے کہ جگر میں ردی وسوسے نہیں ہیں۔ نفسِ ناطقہ اپنے نفسِ نباتی کے ساتھ کام کرتا ہے اور دماغ میں اگرچہ فساد کی توقع ہے کیونکہ قوت وہمیہ عقلی قوت کو پریشان کرتی ہے لیکن اس کا زیادہ تر فساد نفسِ حیوانی سے اثرات بلند ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ حکمت والوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔

مِنَ الْجِنَّۃِ وسواس کا بیان ہے۔ یعنی بُرے خیالات والا خواہ جنوں کی جنس سے ہو جیسے شیاطین کہ دھوئیں کے غلبے کی وجہ سے ان میں طبعی تاریکی پختہ اور راسخ ہے۔ اور انتظامات میں خلل ڈالنے' فاسد مشورے اور تدابیر طبعی طور پر ان کا خاصہ ہیں اور آگ سونے

marfat.com
Marfat.com

اور لطیف ہونے کے باہم امتزاج کی وجہ سے ان اجسام کا انسانی ارواح کے مساموں میں سرایت کرنا جلدی اور آسان ہوتا ہے۔ اور جب وہ اجسام جو کہ ان فاسد تدابیر اور باطل آراء کے حامل ہوتے ہیں' ارواح کے ساتھ مخلوط ہوتے ہیں تو ان کا اثر ارواح کو پہنچتا ہے اور ارواح ان تدابیر اور آراء کی حامل ہو جاتی ہیں اور اسی کے مطابق بدن میں حرکت اور سکون پیدا کرتی ہیں اور گناہ صادر ہوتے ہیں۔

اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ **ان الشیطٰن یجری من الانسان مجری الدم** یعنی شیطان آدمی کے رگ وپے میں خون کی جگہ دوڑتا ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ دے۔ (آمین)

اور شیطانی وسوسوں کی کوئی حد نہیں ہے' زیادہ تر برائی' فسق اور فجور کی طرف بلاتا ہے۔ اگر کبھی نادر طور پر طاعت اور نیکی کی طرف دعوت دیتا ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو چاہتا ہے کہ آسان نیکی میں مصروف کر کے عظیم نیکی ضائع کر دے جیسا کہ نماز کا وقت کسی بیمار کی مزاج پرسی میں بلاوجہ گزار دیں یا چاہتا ہے کہ آسان نیکی کو بہت بڑی برائی کا سبب بنا دے جیسے کسی منگتے کو روٹی دینا اور پھر اس پر احسان رکھنا اور ہنسی مذاق کرنا۔

## شیطان کے وساوس کی تفصیل

اب وساوس کی اقسام کا کچھ حصہ شمار کیا جاتا ہے جن میں سے زیادہ تر دلوں کو خراب کرتے ہیں۔ ان میں سے یہ ہے کہ عام لوگوں کے دلوں میں ذات وصفاتِ الٰہی' اسرار نبوت اور امورِ اخروی کی تحقیق' جبر واختیار کے مسئلہ اور قضا وقدر کے راز کی تحقیق اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی لڑائیوں کے اختلافات میں حق کی تفتیش کا وسوسہ ڈالتا ہے تا کہ آہستہ آہستہ تحقیق کے دوران وہ ان حقائق کا انکار کر دیں اس لیے وہ ان کی سمجھ کے مرتبے سے بالاتر ہیں۔

اور بعض کو بے بنیاد شبہات کے ساتھ بزرگوں سے امید شفاعت' معمولی نیکیوں پر ثوابِ عظیم کی امید' کرمِ الٰہی کا عام ہونا اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا' دل میں ڈالتا ہے اور بعض کو اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ثواب سے ناامیدی اور محرومی کا

marfat.com
Marfat.com

وسوسہ ڈالتا ہے اور بت پرستوں کو قرب خداوندی حاصل کرنے کا فریب دیتا ہے اور دیوؤں' پریوں اور جنوں کی پوجا چھوڑنے میں دنیوی نقصان پہنچنے سے ڈراتا ہے جیسے بچوں کا فوت ہونا اور مال میں نقصان ہونا۔

اور نماز پڑھنے والوں کے لیے پہلے ان کی نیت میں ریاء شامل کر دیتا ہے۔ پھر رکعات کی گنتی اور ارکان کی ادائیگی میں سہو اور بھول جانے کو داخل کر دیتا ہے۔ اور بعض کو نیت اور نغمہ قرأت درست کرنے اور حروف کے مخارج کو صحیح کرنے میں گرفتار کرتا ہے۔ اور زکوٰۃ دینے میں فقر سے ڈراتا ہے۔ اور اگر کبھی زکوٰۃ دی ہو تو ریاء' سمعہ' خود بینی اور منگتوں پر احسان چڑھا کر اسے ضائع کرتا ہے۔ حرام طریقے میں خرچ کرنے کو نیک اور اچھا کر دکھاتا ہے اور خیال میں یوں بات ڈالتا ہے کہ لذت تو صرف شہوت اور مرتبے میں ہے۔ اور غصے کے وقت دل میں یوں خیال گزارتا ہے کہ اگر تو غصے کے تقاضے کو پورا نہیں کرتا تو تجھ پر ہمیشہ عجز اور ذلت کا داغ رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جہاں بھی کوئی مشکل وارد ہوا اسے کئی گنا بڑھا کر دکھاتا ہے۔ جبکہ کفار کے لیے بتوں کی پوجا میں سخت مشکلات کو برداشت کرنا انہیں بالکل آسان اور سہل دکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جانے کو ناجائز اور ممنوع ظاہر کرتا ہے اور جان کی حفاظت کا حکم دیتا ہے۔

اور کفار کو بتوں کی راہ میں اپنے آپ کو قتل کرنے اور بیٹے اور شوہر کی محبت میں جل جانے پر اُبھارتا ہے۔ اور جن کے ہاں حلال طور پر خوبصورت' آراستہ اور معطر عورتیں موجود ہوں' انہیں چکلہ میں بدذات' بدخلق' نجس اور ناپاک عورتوں کے ساتھ بدکاری کی دعوت دیتا ہے۔ اور سرداروں کو وافر دولت پاس ہونے کے باوجود لوگوں کے اموال میں گرفتار کرتا ہے۔ اور ان کے دلوں میں معمولی خیال کے ساتھ جان کو ضائع کرنا آسان کر دیتا ہے۔ اور اس قدر جو بیان ہوا اس کے وسوسوں کے طلسمات کا ایک حصہ ہے اور اگر اس کی خرابیوں کی شرح کی جائے تو ایک طویل دفتر چاہیے۔

## شیطانی طلسمات کا علاج

اور ان تمام طلسموں کا علاج تین (۳) چیزیں ہیں: پہلی چیز اس کے پُرفریب حیلوں کو

marfat.com
Marfat.com

سمجھنا ہے کہ صرف اس امر کو دریافت کر لینے سے کہ یہ عمل شیطانی ہے' اس کا شر کم اور زور سست پڑ جاتا ہے۔ جس طرح کہ چور کو جب صاحب خانہ کا بے دار ہونا معلوم ہوتا ہے' بھاگ جاتا ہے۔ نیز اس چالاک آدمی کی طرح کہ جب وہ کسی شخص کے متعلق معلوم کر لے کہ اس کے فریبوں پر واقف ہو گیا ہے تو ناامید ہو جاتا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس کے وسوسے کو معمولی سمجھے اور توجہ نہ کرے کہ اس صورت میں بھی اس کا شر کم ہو جاتا ہے۔ بھونکنے والے کتے کی طرح کہ اس کی طرف جس قدر توجہ کریں' زیادہ بھونکتا ہے۔ ورنہ خود بخود خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ قلبی اور زبانی ذکر پر ہمیشگی کریں اور دل کو ردی صفات شہوت اور غضب سے پاک کریں اس لیے کہ شہوت اور غضب کے غلبے کی حالت میں ذکر کا اثر قلب کے کناروں کی طرف بھاگ جاتا ہے ناچار شیطان کا وسوسہ قلب کے وسط میں جاگزیں ہو جاتا ہے اور اپنا کام کرتا ہے۔

وَالنَّاسِ اور خواہ وہ وسوسہ ڈالنے والا لوگوں کی قوت متخیلہ ہو جو کہ غلط اعتقاد اور شہوت وغضب کے غلبے کی وجہ سے حق سے دور خیالات کو تمام قوتوں اور ارواح میں پھیلا کر مزاج یا تدبیر نفس کو دگرگوں کرنے کا یا عبادت اور قرب خداوندی حاصل کرنے کے اسباب میں سستی یا معرفت میں غلطی کا موجب ہوتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس سورۃ میں لفظ ناس پانچ (۵) مقامات میں تکرار کے ساتھ واقع ہوا۔ لیکن لباب میں کہا گیا ہے کہ درحقیقت تکرار نہیں ہے اس لیے کہ پہلے مقام میں ناس سے مراد اطفال ہیں اور تربیت بمعنے پرورش ان کے حال کے مطابق ہے۔ اور دوسرے مقام میں جوان مراد ہیں اور ملک کے لفظ کا اشارہ قہر اور سیاست کی طرف ہے جو کہ ان کے حال کے مطابق ہے کہ ان میں شہوت اور غضب کی قوت اپنے کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس لیے وہ قہر اور سزا کے محتاج ہیں۔ تیسرے مقام میں بوڑھے مراد ہیں اس لیے کہ لفظ الٰہ جو کہ طاعت اور عبادت کی خبر دیتا ہے' ان کی حالت کے مناسب ہے۔ اور چوتھے مقام میں صالحین مراد ہیں اس لیے کہ شیطان زیادہ تر نیکوں کو گمراہ کرنے پر کمربستہ ہوتا ہے اور ان کے سینوں میں

marfat.com

Marfat.com

وسوسے ڈالتا ہے اور پانچویں مقام میں فسادی اور انسانی شیاطین مراد ہیں جن کا کام گمراہ کرنا اور وسوسے ڈالنا ہے۔

نیز بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سورۃ میں لفظ ناس پانچ (۵) بار اس لیے لایا گیا ہے کہ پانچ (۵) کا عدد طبیعت عددی کی رو سے بھی شرافت رکھتا ہے۔ اور جسے اس عدد سے گنا جائے اس کی رو سے بھی۔ طبیعت عددی کی رو سے اس کی شرافت اس لیے ہے کہ وہ عدد دائر ہے اور دائر کا معنی یہ ہے کہ جب اسے اسی میں ضرب دیں اور اس کے حاصل کو پھر اس میں ضرب دیں جہاں تک چلتے جائیں' ہر صورت میں اس کے اصلی پانچ موجود رہتے ہیں اور انہیں عدد کے آخر میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے جیسا کہ پچیس' ایک سو پچیس۔ علیٰ ہذا القیاس

اور معدود کی رو سے اس لیے ہے کہ مراتب کلیہ میں جنہیں حضرات خمس کہتے ہیں' حضرت حق کا ظہور پانچ میں منحصر ہے۔ اور کائنات کا خلاصہ جو کہ انسان ہے اس کی بھی انتہا پانچ اعضاء کے ساتھ ہے: سر' دو ہاتھ اور دو پاؤں اور ہر ہاتھ اور ہر پاؤں پانچ انگلیوں پر ختم ہوتا ہے اور سر جو کہ بلندی کی طرف تعلق زیادہ رکھتا ہے اس کا ظاہر' ظاہری حواسِ خمسہ اور اس کا باطن پانچ دوسری حسوں پر مبنی ہوتا ہے۔

نیز بعض محققین نے لکھا ہے کہ قرآن پاک کی ابتدا لفظ با کے ساتھ ہے جبکہ اس کی انتہا لفظ سین کے ساتھ ہے۔ یہ سب اس طرف اشارہ ہے کہ کونین میں قرآن مجید کافی ہے چنانچہ حکیم سنائی نے فرمایا ہے اول وآخر قرآن زچہ باآمد و سین یعنی اندر رہ دین رہبر تو قرآں بس۔ یعنی قرآن پاک کے آغاز میں با اور آخر میں سین کس لیے آیا یعنی اس لیے کہ دین کی راہ میں تیرے لیے قرآن پاک کی رہبری کافی ہے۔

(عاشر ذی العقد ۱۲۱۰ھ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدللّٰه الذی جعل سیدنا و مولانا محمداً صلی اللّٰه علیه و آله وسلم مجلاه الاعز الاکمل و مجلا نظره من العالم ومظهر ذاته

marfat.com
Marfat.com

من بنی آدم صلوات الله وسلامه علیه وعلیٰ اٰله واصحابه هداة
الخلق الی الحق و رواة الکتاب عن حبیب الحق الی الخلق
فجزاهم الله تعالیٰ احسن ماجازی به عباده الکاملین الواصلین
والعاملین العارفین ۔ امابعد

ماضی کی ایک یادگار محفل میں علمائے اہل سنت کی معیت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ تو بعض دوستوں نے ایک خاص اور مؤثر انداز میں مجھے فرمایا کہ تفسیر عزیزی کا ترجمہ کرنا بڑا ضروری ہے کیونکہ کتاب اور صاحب کتاب حضرت عمدۃ المفسرین زبدۃ المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی برصغیر میں مرکزیت اور اہمیت کے پیش نظر یہ کام بہت اہم ہے' تمام مسالک سے وابستہ اہل علم کی سند حدیث تقریباً حضرت تک ہی پہنچتی ہے۔ آج تک اہل سنت و جماعت کی طرف سے اس کا ترجمہ نہیں ہوا۔ ازاں بعد ایک اور موقع پر یہی تقاضا ہوا اور ساتھ ہی محب محترم مولانا الحافظ القاری شوکت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خطیب حضوری جامع مسجد کی تائید و تاکید نے شوق دلایا لیکن حیران تھا کہ اتنا بڑا کام ایسے ناتواں اور بے بضاعت شخص سے کیونکر ممکن ہوگا جو صحیح معنوں میں طلباء علم کی صف میں بیٹھنے کے بھی قابل نہیں اس لیے کچھ وقت لیت و لعل میں گزر گیا۔ ایک تو استعداد کا فقدان دوسرے تبلیغی مصروفیات کی بناء پر ممکن نہ ہوسکا۔

ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے' حضرت مفسر علام قدس سرہ سے قلبی عقیدت کے پیش نظر خیال ہوا کہ توکلاً علی اللہ ترجمہ شروع کر دیا جائے۔ دیگر برکات کے علاوہ اس نسبت سے کم از کم بالاستیعاب تفسیر عزیزی کی زیارت کا شرف حاصل ہوگا اور استفادہ کی بہترین صورت نکل آئے گی۔ چنانچہ حضرت مفسر علام رحمۃ اللہ علیہ کے حضور فاتحہ خوانی اور آپ سے استمداد کے بعد کام شروع کر دیا کیونکہ والقمر اذا اتسق کی تفسیر میں حضرت نے اس استمداد اور امداد کے جواز ہی نہیں بلکہ وقوع کا ذکر فرمایا ہے اور اس مسئلہ کی صحت اور پختگی کی بین دلیل پیش نظر ترجمہ ہے جو کہ صرف اور صرف استمداد و امداد ہی کا رہین منت ہے ورنہ

من آنم که من دانم

marfat.com
Marfat.com

مختلف فنون کی بحث میں حضرت نے جو اصطلاحات ذکر فرمائی ہیں، بہت کوشش کی گئی ہے کہ دورانِ ترجمہ سلاست اور ترجمانی کے ساتھ ساتھ ان کا اصطلاحی تشخص مجروح نہ ہونے پائے لیکن اس کے باوجود بعض مقامات پر ترجے کی انتہائی کوشش کے باوجود مسئلہ کی صحیح صورت قائم نہیں رہی تھی اس لیے اصطلاحی لفظ کو ہی قائم رکھا ہے لیکن امید ہے کہ اس کے باوصف اس مسئلہ کے سمجھنے میں چنداں دقت نہیں ہوگی۔

علاوہ ازیں طباعت کی اغلاط نے سخت پریشان کیا، الفاظ کی صوری مناسبت اور کاتبین کی اصل علم سے ناواقفیت نے خاصی اُلجھنیں پیدا کیں مثلاً بخشے کی بجائے بخشے، نیز ظن طعن، دربیان درمیان، نیت نیست، مکانات مکافات، خلاحت بلاغت اور انش آتش کے مابین صوری مناسبت اور معنوی بعد کی بناء پر جو پریشانی ہوسکتی ہے اس کا آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

تفسیر عزیزی کی افادیت اور اہمیت سے واقف حضرات بجا طور پر جانتے ہیں کہ فارسی زبان میں منقولات اور معقولات کا کتنا بیش بہا خزانہ ہے لیکن صد افسوس کہ سورۃ البقرہ تقریباً سوا پارہ یا پھر انتیسویں اور تیسویں پارے کی تفسیر ملتی ہے اس کے علاوہ اس عظیم تفسیر کے باقیات کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ بعض ارباب علم کی تحقیق کے مطابق آپ نے قرآن پاک کی تفسیر فرمائی مگر حوادث کی وجہ سے ضائع ہوگئی۔ اگر یوں ہے تو یہ بہت بڑا المیہ ہے۔ دورانِ تفسیر کئی مقامات پر اشارے تو ملتے ہیں کہ حضرت مفسر علام قدس سرہ کا ارادہ تو تکمیل کا تھا، آگے خدا جانے مکمل ہو کر ضائع ہوگئی یا باقیات کہیں غیر مطبوعہ پڑے ہیں یا حضرت کو تکمیل کا موقع ہی نہیں ملا۔ اے کاش کہیں سے ساری تفسیر عزیزی دستیاب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کے ترجے کی بھی سعادت حاصل کی جائے۔

اپنی سی اس کاوش میں جو کچھ صحیح ترجمانی ہوسکی، صرف اور صرف توفیق خداوندی، حضور سید الخلق علی الاطلاق وحبیب الحق بالاتفاق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الطاف کریمانہ اور حضرت مفسر علام قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ العزیز کی غائبانہ توجہ کی برکت ہے اور کسی قسم کی کمی اور کوتاہی ہو تو بندہ کی اپنی کمزوری اور قصور ... کا نتیجہ ... مولا تعالیٰ اپنے ... نین سے

marfat.com
Marfat.com

صدقے سے معاف فرمائے۔

آخر میں ان تمام اہلِ علم و دانش اور اربابِ اُلفت و محبت سے درخواست ہے کہ اس سے استفادہ کریں تو مجھ بندۂ ناچیز محمد محفوظ الحق کے لیے ایمان کی سلامتی، خاتمہ علی الایمان اور میری اولاد کے روشن مستقبل اور میرے والدین، اہلِ خانہ اور اعزہ و اقرباء کے لیے دعائے بخشش فرمائیں، انتہائی کرم ہوگا۔

برکریماں کارہا دشوار نیست

یکے از خدام جماعۃ اہل السنۃ

محمد محفوظ الحق غفرلہ

خطیب جامع مسجد غلہ منڈی

بورے والہ ضلع وہاڑی

۱۰ ذوالقعدہ ۱۴۱۰ھ بروز پیر

marfat.com
Marfat.com